جلد ۶۳ | چہار شنبہ ۴ محرم الحرام ۱۳۹۶ھ مطابق ۷ جنوری ۱۹۷۶ء | نمبر ۱

# ان دوستوں کے لئے جو سلسلہ بیعت میں داخل ہیں

# نصیحت کی باتیں

(از حضرت مجدد زمان مسیح موعود مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام)

عزیزان بے خلوص و صدق نکشائند راہے را
مصفا قطرہ باید کہ تا گوہر شود پیدا

اے میرے عزیزو! اے میرے سلسلہ بیعت میں داخل ہو خدا ہمیں اور تمہیں ان باتوں کی توفیق دے جن سے وہ راضی ہو جائے آج تم تھوڑے ہو اور تحقیر کی نظر سے دیکھے گئے ہو اور ایک ابتلا کا وقت تم پر ہے اُسی سنت اللہ کے موافق جو قدیم سے جاری ہے ہر ایک طرف سے کوشش ہوگی کہ تم ٹھوکر کھاؤ اور تم ہر طرح سے ستائے جاؤ گے اور طرح طرح کی باتیں تمہیں سننی پڑیں گی۔ اور ہر یک جو تمہیں زبان یا ہاتھ سے دکھ دے گا وہ خیال کرے گا کہ اسلام کی حمایت کر رہا ہے اور کچھ آسمانی ابتلاء بھی تم پر آئیں گے تا تم ہر طرح سے آزمائے جاؤ سو تم اس وقت سن رکھو کہ تمہارے فتحمند اور غالب ہو جانے کی یہ راہ نہیں کہ تم اپنی خشک منطق سے کام لو یا تمسخر کے مقابل پر تمسخر کی باتیں کرو یا گالی کے مقابل پر گالی دو۔ کیونکہ اگر تم نے یہی راہیں اختیار کیں تو تمہارے دل سخت ہو جائیں گے اور تم میں صرف باتیں ہی باتیں ہونگی جن سے خدا تعالےٰ نفرت کرتا ہے اور کراہت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ سو تم ایسا نہ کرو کہ اپنے پر دو لعنتیں جمع کر لو ایک خلقت کی اور دوسری خدا کی بھی۔

یقیناً یاد رکھو کہ لوگوں کی لعنت اگر خدائے تعالےٰ کی لعنت ساتھ نہ ہو کچھ بھی چیز نہیں اگر خدا تعالےٰ ہمیں نابود نہ کرنا چاہے تو ہم کسی سے نابود نہیں ہو سکتے لیکن اگر وہی ہمارا دشمن ہو جائے تو کوئی ہمیں پناہ نہیں دے سکتا۔ ہم کیونکر خدا تعالےٰ کو راضی کریں اور کیونکر وہ ہمارے ساتھ ہو اس کا اس نے مجھے بار بار یہی جواب دیا کہ تقوےٰ سے۔ سو اے میرے پیارے بھائیو کوشش کرو تا متقی بن جاؤ بغیر عمل کے سب باتیں ہیچ ہیں اور بغیر اخلاص کے کوئی عمل مقبول نہیں سو تقوےٰ یہی ہے کہ ان تمام نقصانوں سے بچ کر خدا تعالےٰ کی طرف قدم اُٹھاؤ اور پرہیزگاری کی باریک راہوں کی رعایت رکھو۔

سب سے اول اپنے دلوں میں انکسار اور صفائی اور اخلاص پیدا کرو اور سچ مچ دلوں کے حلیم اور سلیم اور غریب بن جاؤ کہ ہر ایک خیر اور شر کا بیج پہلے دل میں ہی پیدا ہوتا ہے۔ اگر تیرا دل شر سے خالی ہے تو تیری زبان بھی شر سے خالی ہوگی اور ایسا ہی تیری آنکھ اور تیرے سارے اعضا ہر یک نور یا اندھیرا پہلے دل میں ہی پیدا ہوتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ تمام بدن پر محیط ہو جاتا ہے سو اپنے دلوں کو ہر دم ٹٹولتے رہو اور جیسے پان کھانے والا اپنے پانوں کو پھیرتا رہتا ہے اور ردی ٹکڑے کو کاٹتا ہے اور باہر پھینکتا ہے اسی طرح تم بھی اپنے دلوں کے مخفی خیالات اور مخفی عادات اور مخفی جذبات اور مخفی ملکات کو اپنی نظر کے سامنے پھیرتے رہو اور جس خیال یا عادت یا ملکہ کو ردی پاؤ اس کو کاٹ کر باہر پھینکو ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے سارے دل کو ناپاک کر دیوے اور پھر تم کاٹے جاؤ۔

پھر بعد اس کے کوشش کرو اور نیز خدا تعالےٰ سے قوت اور ہمت مانگو کہ تمہارے دلوں کے پاک ارادے اور پاک خیالات اور پاک جذبات اور پاک خواہشیں تمہارے اعضا

(باقی برصفحہ کالم ۲)

ایک شریک غم کے قلم سے

# پیارے خالد محمود کی یاد میں

## کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

وہ پاک شکل اور پاک خُو ——— خالد محمود۔ وہ آج ہم سے جُدا ہوا ہے۔ ہمارے دل کو حزیں بنا کر۔ ادارہ پیغامِ صلح کے نائب مدیر ہمارے محترم دوست مولوی عبدالرؤف کا لختِ جگر ہم سب کا پیارا آنکھوں کا تارا مستقبل کی امیدوں کا سہارا، ابھی اس زندگی مستعار کی صرف اکیس بہاریں ہی دیکھ پایا تھا، ہنستا، کھیلتا، مسکراتا ہوا چہرہ اجل کے ظالم ہاتھوں نے آناً فاناً ہمارے ہاتھوں سے چھین لیا، اس دنیا میں اپنی مخصوص طفلانہ اطاعت و فرمانبرداری کی اداؤں سے ہر کسی کا دل موہ لینے والا۔ خالد محمود۔ جو ہر چھوٹے بڑے کو پیارا تھا وہ آن واحد میں روح و جسم کا رشتہ منقطع کر کے چپ چاپ حکم خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے اپنے مولائے حقیقی کی گود میں ہمیشہ کے لئے میٹھی نیند سو گیا۔ انّا للہ و انا الیہ راجعون

جوان جہان بیٹا۔ اس عمر میں جب وہ شعور کی حدیں پھلانگتا ہوا اپنے بوڑھے ماں باپ کا سہارا بننے کے لئے پر تول رہا ہو اگر اچانک ان ارضی فضاؤں میں اڑتا اڑتا اتنا بلند ہو جائے کہ سمٰوات کی بلندیاں اسے اپنے اندر سمو لیں تو ماں باپ بہن بھائیوں اور عزیزوں پر کیا قیامت گذر جاتی ہے۔ اس کا اندازہ دوسرا کب لگا سکتا ہے اس کسک اور اس ٹیس کو وہی محسوس کر سکتا ہے جس پر یہ آسمان ٹوٹے یہ بجلی کڑکے، یہ آفت آئے۔ اس کا اندازہ لگانا دوسرے کے بس کی بات نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے فرزند جلیل ابراھیمؑ کا جب وصال ہوا تو حضور پاک کی آنکھیں بھیگ گئیں کسی نے عرض کیا حضور بھی اس سانحہ پر روتے ہیں تو اس رحمۃ للعٰلمین نے جو صبر و رضا کے پیکر تھے فرمایا:—

"دل غمگین ہے اور آنکھیں آنسو بہاتی ہیں مگر ہم اسی میں راضی ہیں جس میں ہمارا پروردگار راضی ہو"

دل اک گوشت پوست کا لوتھڑا ہے جب اس پر چوٹ پڑتی ہے تو بتقاضائے بشریت یہ دکھی ہو جاتا ہے اور اس دُکھ کے نتیجہ میں آنکھیں نمناک ہو جاتی ہیں مگر خدا کے خاص بندے ہمیشہ اپنے مولا کی رضا میں راضی رہتے ہیں کہ وہ غیب کو جاننے والا ہے جو عالم ہماری نظروں سے پوشیدہ اور مخفی ہے وہ اس کی نہاں در نہاں مصلحتوں اور رازوں سے واقف ہے اس عالم الغیب ہستی کی نظر قیامت تک ہونے والے امور و واقعات پر حاوی ہے کوئی نہیں جو اس کے علم کی کنہ کو جان سکے اسی لئے اس نے اپنے مؤمن بندوں کی پہچان یہ رکھی ہے کہ جب انہیں کوئی دُکھ یا مصیبت گھیر لیتی ہے تو ایسے صابر و شاکر بندوں کی زبان پر یہ فقرہ جاری ہو جاتا ہے کہ

"ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہم نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے"

پیارا خالد محمود، جسے مرحوم لکھتے ہوئے میرا قلم لغزش میں ہے۔ ایک مخلص اور کٹر احمدی کا لختِ جگر تھا اور خود بھی نوجوان، احمدی نسل کا ایک درخشندہ ستارہ تھا اس کی مخصوص کارگذاریوں کو دیکھتے ہوئے یہ آسانی سے کہا جا سکتا تھا کہ مستقبل کو ایسے ہی ہونہار فرزندوں کی ضرورت ہے جن کو ہم احمدیت کا مقدس ورثہ بآسانی اور بحفاظت سپرد کرنے میں کسی قسم کا خدشہ محسوس نہیں کر سکتے اور یہ آسمانی امانت ایسی ہی نوجوانوں کے سپرد کی جا سکتی ہے جو اس کی حفاظت اور آبیاری کے لئے اپنا تن من دھن قربان کرنا ایک معمولی قربانی سمجھتے ہوں۔

مجھے خوب اچھی طرح یاد ہے جب محمدی شیخ کے نام لیواؤں کے لئے قومی اسمبلی آئین کی ترمیم تیار کر رہی تھی تو بعض ایسے لوگ جن کے پاؤں نازک تھے اور وہ اس خارزار وادی میں قدم رکھنے کے لئے قلبی طور پر اپنے کو تیار نہ پاتے تھے وہ مصلحت اور مصالحت کی یہ کوڑی لائے کہ ہم اپنے نام کے ساتھ احمدی کا لفظ ترک کر کے بچاؤ کی راہ پر آ سکتے ہیں، ایسے وقت میں احمدیت کا یہ ننھا مجاہد خالد محمود اپنے سینے اور سر پر یہ نعرہ آویزاں کئے ہوئے تھا کہ ایسا کرنا احمدیت سے غداری کے مترادف ہوگا۔ اور نہایت محبت احترام اور عقیدت کے ساتھ مجھ سے مخاطب ہوا کہ جناب ہم اپنی جان دے دیں گے مگر احمدیت کا نام حذف نہ کر سکیں گے۔ وہ خوب اچھی طرح جانتا تھا کہ ایسا کرنا گویا اپنے ماضی کو دشنام دینے سے کم نہیں ہے۔ یہ جوش اور جذبہ بغیر اعلیٰ تربیت کے کہاں نصیب ہو سکتا ہے۔

مجلس شبّان الاحمدیہ (احمدی نوجوانوں کی تنظیم) کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لینا اس کا شعار تھا۔ ایک روز اس کے والد نے مجھے کہا کہ آپ اس کو سمجھائیں کہ کالج کا کام بھی کر لیا کرے ہر وقت جماعت کے کاموں میں مشغول رہتا ہے میں نے پیار و محبت سے سمجھایا تو گویا ہوا کہ "آخر جماعت کے نوجوانوں کی تنظیم کا کام بھی تو ہم نے ہی کرنا ہے۔ ہم نے بھی نہ کیا تو اسے پھر اور کون کرے گا"۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ اس کی اچانک موت نے ہر چھوٹے بڑے کو بے چین کر دیا، ہر بڑے کو یہ محسوس ہوا گویا اس کا اپنا بچہ اسے داغ دے گیا ہے ہر نوجوان نے اسے اپنے بھائی کی موت یقین کیا اور کوئی آنکھ نہ تھی جو اس کی جدائی میں غم کے آنسو نہ بہا رہی ہو۔ اور کوئی دل نہ تھا جو اس کے اچانک اس طرح روٹھ جانے سے دُکھی نہ ہو گیا ہو۔

ابھی بی ایس سی کا امتحان گورنمنٹ کالج سے دیا تھا اور پریکٹیکل باقی تھا کہ کچھ مہمان آئے جن کا سکوٹر لے کر گھر سے نکل کر اور گھر سے تھوڑے فاصلے پر سکوٹر کے بے قابو ہو جانے سے نہر میں گر کر ڈوب گیا۔ بارہ گھنٹوں کے بعد لاش نہر سے نکالی جا سکی۔ یہ خدائی تقدیر [illegible] کسی کو کیا دخل [illegible] اسی قدر جینا تھا۔ وہ خدا کی امانت تھا اور امانت [illegible] بیٹے پر کیسے تاثر ہو سکتا ہے مگر یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کر کے دکھانے [illegible] ہی اعلیٰ مقام کے مالک ہوتے ہیں میرا دل کٹ کر رہ گیا جب میں نے پیارے خالد محمود کے غم زدہ باپ کے منہ سے یہ فقرہ سُنا کہ ؎

جس نے درد دیا ہے۔ وہی دوا دے گا

وہ بجائے آہ و بکا کرنے کے لوگوں کو دلاسا دیتے کہ صبر کرنا چاہیئے گھر والوں کو واویلا کرنے سے روکتے کہ صبر کرو اسی میں رضائے الٰہی ہے۔ ایک دوست کے پُرسے پر کہا کہ دل پر جو زخم لگ گیا ہے اسے کھُرچنے سے کیا حاصل ہے صبر کرنا ہی بہتر ہے۔ ہم اور کر بھی کیا سکتے ہیں، خدا تعالےٰ کی مرضی کے سامنے جھک جانے میں ہماری بہتری ہے۔

مجھے ایسے وقت میں اپنے آقا و مولا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وہ شعر یاد آ جاتا ہے جو آپ نے اپنے بیٹے مبارک احمد کی موت پر کہا تھا کہ ؎

بلانے والا ہے سب سے پیارا — اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

یہ جان لیوا صدمہ، جوان اولاد کا غم، خدا دشمن کو بھی نہ دکھائے کہ صبر کی تلقین کر دینا آسان ہے لیکن صبر کرنا بہت مشکل اور محال سوائے خدا کی طرف ہوئی توفیق سے اگر شامل حال ہو میری دعا ہے کہ خدا تعالیٰ مرحوم بچے کو اپنی رحمت کے سائے میں رکھے لواحقین اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے کہ واللّٰہ مع الصابرین۔ ۲۴

---

* بتقاضائے بشریت یہ زبان و دل پر ضرور آتا ہے کہ اگر خالد زندہ رہتا تو کیا تھا کہ ایسے بچوں کی قوم کو ابھی ضرورت ہے جو ہماری مقدس امانت اور ورثے کی حفاظت کر سکیں اس لئے کبھی

ہفت روزہ پیغام صلح ـــــ لاہور ـــــ ۷ رجنوری ۱۹۶۶ء

# اظہارِ تشکر

خدائے عزوجل کا صد ہزار شکر ہے کہ اس کے فضل و کرم سے جماعت احمدیہ لاہور کا اکسٹھواں سالانہ جلسہ بخیر و عافیت گذر گیا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔ اگرچہ ہم صدمہ زدہ ہیں کہ متعدد مخلص احباب و کارکن جماعت گذشتہ سال کے دوران قضائے الٰہی کے ازلی قانون کے تحت اس عالم فانی سے چلے گئے لیکن ہمارے قلوب آستانہ الٰہی پر سجدہ ریز ہیں کہ اس کی رحمت و مغفرت اس جماعت کے شامل حال رہی۔ خدائے ذوالجلال نے محض اپنے فضل و کرم سے اس جماعت کی راہنمائی فرمائی، یہ جماعت باوجود مخالفت کے شدید جھکڑوں کے بدستور اپنے موقف اور کام پر گامزن رہی، عام طور پر یہ دستور ہے اور انسان اس کمزوری کا شکار ہے کہ جب اس پر شدائد و مصائب کے پہاڑ وارد ہوں تو وہ اپنے صحیح مسلک سے ہٹ جاتا ہے اپنے ایمان و اعتقاد میں کسی قدر لچک پیدا کر لیتا ہے تاکہ مخالفت کے ساتھ کچھ مطابقت پیدا کر لے۔ مگر جس فرد یا جماعت کا ایمان و اعتقاد صحیح اور مضبوط ہو نیز اس کے شامل حال خداوند کریم کا فضل ہو یہ توفیق صرف انہیں کے نصیب میں آتی ہے کہ وہ نہ صرف مردانہ وار ایسے شدید ابتلاء میں استقامت کی صفت کا اظہار کیا کرتے ہیں بلکہ اپنا قدم منزل کی جانب اور بڑھایا کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ انسان بہت عاجز و کمزور اور وہ معاشرہ و ماحول کی مخالفت و مصائب کے دباؤ سے جھک جاتا ہے اور اپنے مسلک و عقائد میں تبدیلی اختیار کرنے کو جلدی تیار ہو جاتا ہے چنانچہ قرآن کریم نے بھی اس انسانی کمزوری کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے وما أبرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی ان ربی غفور الرحیم ۔ نفس امارہ کا خاصہ ہے کہ وہ انسان کو ابتلاء کے وقت پھسلا یا متزلزل کر دیا کرتا ہے۔ بجز اس کے کہ جسے خدا تعالےٰ کا رحم اپنی لپیٹ میں لے لے۔ بے شک وہی ذات صاحب مغفرت اور رحم ہے۔

چنانچہ ہمیں واقعات میں خدا تعالےٰ کی یہ مغفرت اور رحمت گذشتہ ایام کے شدید زلازل مصائب و مشکلات میں جماعت احمدیہ لاہور شامل حال دکھلائی دے رہی ہے اس مرتبہ جلسہ سالانہ نے اس کی مزید وضاحت کر دی ہے۔ جماعت کے احباب نے جس ذوق و شوق سے حصہ لیا اور ایمان و یقین کے ماتحت ایثار و قربانی کا جو مظاہرہ کیا وہ خدا تعالےٰ کے فضل سے اسی جماعت سے مختص ہے۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد صاحب اور جناب این اے فاروقی صاحب کی اپیل پر قریباً ایک لاکھ روپے کی رقم احباب جماعت نے جماعتی فنڈ میں دی اور دینے کے وعدے کئے۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ ہمارے جملہ احباب اپنے ان مواعید کو جلد از جلد پورا کرنے کا انتظام فرمائیں گے۔ اگر از خود ادائیگی کر دی جائے تو دفتر کے کارکنان کی یاد دہانی کا کام بچکر دیگر مصرف میں آ سکتا ہے۔ ان العھد کان مسئولا عہد کو پورا کر دینا قرض کی ادائیگی سے سبکدوش ہونا، قرآنی ارشاد ہے۔

حضرت مسیح موعود کی قوت قدسی جو اس جماعت کی روح رواں ہے زندہ ہے اور اپنا اثر دکھلا رہی ہے یہ آپ کی روحانی قوت کا ہی نتیجہ ہے کہ ۱۹۱۴ء سے لے کر آج تک کہ عرصہ زائد از ساٹھ برس ہونے کو آتا ہے اس جماعت میں زبردست ایثار کا جوہر موجود ہے۔ اس قدر طویل عرصہ تک ایک جماعت کا خالصتاً دینی مقصد کے لئے خارق عادت قربانی کرتے چلے جانا یقیناً مامور من اللہ کے منجانب اللہ ہونے کا ثبوت اور آپ کے زندہ تاثرات کا نتیجہ ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی غیر صادق شخص کو یہ قوت نہیں دی جاتی کہ اس سے وابستگی رکھنے والے مادیت کے اس دور میں مسلسل ایثار کرتے چلے جائیں۔ کتنی تحریکیں گذشتہ صدی میں مسلمان قوم میں ابھریں مگر اب ان کا کہیں نام و نشان موجود نہیں۔ تحریک احمدیہ جو خالصتاً ایک دینی تحریک ہے اپنے اسی یقین پر اور قربانی اصول پر قائم ہے جو روز اول سے اس کی امتیازی خصوصیت ہے کیا اس کی کوئی اور مثال اس زمانہ میں پیش کی جا سکتی ہے؟ کئی تحریکیں ایسی بھی ہیں جو ابتداء میں دینی اغراض لے کر اٹھیں مگر بعد میں ان کا رخ خالصتاً دین کی بجائے سیاست کی طرف ہو گیا۔ ہمیں اس جگہ افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ خود بانیٔ سلسلہؑ سے وابستہ ایک تحریک جماعت قادیان یا ربوہ کا رخ بھی خالصتاً دینی اغراض کی بجائے سیاست کی طرف ہو گیا حالانکہ حضرت اقدسؑ نے نہایت وضاحت سے اپنی جماعت کو ملکی تحریکات سے الگ اور جدا رکھا تھا۔ ہمیں اس امر کا بھی تاسف ہے کہ جماعت قادیان یا ربوہ کے اسی رجحان سیاست نے موجودہ مصائب کو جنم دیا ہے۔ کاش یہ جماعت اپنے بانیؑ کے ٹھیٹھ دینی مسلک پر واپس آ جائے اور سیاسیات اور ملک و اوطان کے تنازعات میں دخل اندازی سے باز آ جائے اور اپنی منزل کو قلوب کے فتح کرنے کی جانب موڑ دے

ملک سے مجھ کو نہیں مطلب نہ جنگوں سے ہے کام
کام میرا ہے دلوں کو فتح کرنا نے دیار

حضرت اقدسؑ دنیا کی نجات کے لئے مروجہ نظریۂ حیات کو تبدیل کرنے تشریف لائے تھے کیونکہ مادی نظریہ حیات ہی نسلِ انسانی کی موجودہ تباہی کا موجب بن رہا ہے۔ آپ کا تاج زعفرانِ یار کا حصول تھا۔ کاش اب بھی جماعتِ قادیان یا ربوہ اس بارہ میں اپنے مقدس بانیؑ کے ٹھیٹھ مسلک پر گامزن ہو جائے۔

جماعت احمدیہ لاہور اپنے مرشد و مقتدا کی اطاعت میں خالصتاً دینی مقاصد کی حامل ایک جماعت ہے اور اس لئے ایسی ایک جماعت کا ساٹھ برس سے زاید عرصہ تک مستقیم رہنا اور اپنے اصل مقصد سے نہ ہٹنا جبکہ مسلمان قوم کے متزلزل ہونے کی حالت یہ ہو کہ تحریک پاکستان ایسی عظیم تحریک بھی کمزور پڑ گئی ہو اگر خدائی معجزہ نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا جماعت احمدیہ لاہور کا وجود بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے منجانب اللہ صادق اور مجدد من اللہ ہونے کا صریح و بین ثبوت نہیں؟ کاش کوئی غور کرنے والے پیدا ہوں! واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض کے خدائی قانون کے مطابق یہ جماعت ایک ضرورت حقہ کو ثابت کرتی ہے اس سے بڑھ کر اور کونسی جماعت کی افادیت ہو سکتی ہے جو دنیا کی جملہ دنیاوی تحریکات کے برعکس دنیا کی نجات کا راستہ دین کے اصولوں کو اختیار کرنے میں یقین کرتی اور اس لئے دین کے غلبہ کے لئے اپنے آپ کو ہمہ تن وقف قرار دیتی ہو۔ ع

از رہِ دیں بر دلم آمد غبار و رنج اندر نخست
باز چوں آید بہ آید ہم ازیں رہ بالیقیں

# خدا کے ساتھ سچے تعلق میں ایک تاثیر ہے

# مامورِ وقت خدا شناسی کا ذریعہ ہوتا ہے

تقریر جناب شیخ نثار احمد صاحب سیالکوٹ

---

خدا کی طرف سے جو مامور آتے ہیں وہ اپنے بھیجنے والے کا پتہ دیتے ہیں۔ وہ ذریعہ ہوتے ہیں خدا شناسی کا۔ خدا جو غیب در غیب اور نہاں در نہاں ہستی ہے وہ یاں نزدیک ہے اور اتنا نزدیک کہ نحن اقرب الیہ من حبل الورید فرمایا گیا ہے رگِ جان سے بھی زیادہ نزدیک۔ لیکن باوجود اس قرب کے بھی وہ دور ہے۔ دُور کن سے ہے جو مامورین کی آواز پر لبیک نہیں کہتے نصیحت پر کان نہ دھرنے والوں سے وہ دُور ہے۔ کسی نے کہا وہ فرشتوں کو ہمارے پاس کیوں نہیں لے آتا۔ کوئی دیوانہ اور کوئی مجنون کہتا ہے کوئی کہتا ہے کہ یہ دکانداری ہے ؏

نام کیا کیا غم ملت میں رکھایا ہم نے

لیکن خدا کے یہ برگزیدہ بندے اپنا کام کرتے چلے جاتے ہیں کسی کے طعنوں سے اپنے مقصد سے ہٹ نہیں جاتے کیونکہ ان کو خدا کی ہستی اور اس کے کلام پر یقین ہوتا ہے اور وہ اس کا ثبوت بھی دیتے ہیں۔ محروم منکرین ہی رہ جاتے ہیں۔

آیات جو میں نے تلاوت کی ہیں یہ سورۃ الحجر کی ہیں۔ الحجر اس وادی کا نام ہے جس میں حضرت صالح کی قوم ثمود رہتی تھی۔ اس قوم کا مسکن مکہ کے قریب تھا اور قافلوں کی گذرگاہ کے راستہ پر تھا۔ الحجر کے معنے ہیں پتھر۔ اس مناسبت سے کہ اس قوم نے حضرت صالح کے خلاف منصوبے اور سازشیں کیں۔ وہ پتھر دل تھے۔ قریش نے بھی آنحضرتؐ کے خلاف ایسی ہی سازشیں کیں۔ اور اس سورۃ میں دو اور قوموں کا ذکر ہے۔ حضرت شعیب کی قوم اور آلِ لوط۔ یہ تینوں قومیں ایک جیسے عذاب یعنی زلزلہ سے تباہ ہوئیں کہ ناحق مخالفت اور ظلم کا انجام ہلاکت ہی ہوتا ہے۔

قرآن نے قوموں کی تاریخ بیان کی تا کہ آنے والی نسلیں عبرت حاصل کریں۔ فسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین۔ اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وما ولکن کانوا انفسہم یظلمون۔ ہم تو کسی پر ظلم نہیں کرتے لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کر لیتے ہیں۔

تو غور فرما کر دیکھیں کہ الّا ماشاء اللہ کیا لوگ حق اور سیدھی سادھی باتوں کو ماننے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ شریعت انسانوں کے فائدہ کے لئے آئی ہے۔ قرآن میں ہے کہ کوئی پیغام رب کے پیغاموں میں سے ان کے پاس نہیں آتا مگر وہ اس سے منہ پھیرنے والے ہوتے ہیں۔ اور رسولوں کے ساتھ ہنسی کی گئی سو جو لوگ ان میں سے ہنسی کرتے تھے ان کو اس نے گھیر لیا جس کے ساتھ وہ ہنسی کرتے تھے۔ کہیں یہ مطالبہ ہوا کہ لکھی لکھائی کتاب آسمان سے نازل ہو تب ہم مانیں گے۔ روحانیت سے ناواقف لوگ امورِ روحانی کو بھی جسمانی رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں حالانکہ اللہ تعالےٰ کا تعلق انسان کے قلب سے ہے۔ اسی لئے اس کا کلام قلب پر نازل ہوتا ہے ورنہ اس سے دلوں پر انقلاب پیدا نہ ہوتا اور جو غرض اس کے آنے کی تھی

وہی مفقود ہو جاتی۔

مگر اللہ تعالےٰ نے اس قرآن کو کتاب فی قرطاس بھی بنا دیا مگر کئی لوگوں نے مان لیا اور یہ ایسا معجزہ ہے کہ محض ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہی کوئی اس کا انکار کر سکتا ہے۔

۱۴۰۰ سال سے اس کتاب کی حفاظت کا وعدہ ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔ یہ واضح ثبوت ہے خدا کی ہستی کا اور اس کے وعدوں کی سچائی کا۔ اور ان آیات میں اس کی ابتداء اس سے ہوئی ہے ربما یود الذین کفروا لو کانوا مسلمین۔ کافر آرزو کریں گے کاش وہ مسلمان ہوتے فرمایا انہیں چھوڑ دو کھائیں اور فائدہ اٹھائیں خواہشات دنیا ان کو غافل کئے رکھے عنقریب جان لیں گے۔

آرزو بغیر عمل کے کچھ فائدہ نہیں دیتی۔ جب کسی بات کی حقانیت پر یقین ہو جائے تو پھر محض آرزو تک ہی خیالات نہیں رہنے چاہئیں بلکہ عمل میں آ جانے چاہئیں۔ وقت کے گذرنے پر ندامت ہوتی ہے کہ وقت کو کھو دیا اور جس حوالہ سے منکرین کی اس آرزو کا ذکر ہوا ہے وہ ان کی مغلوبیت کا ہی وقت تھا کہ اپنی بے بسی کا نظارہ دیکھ کر یہ خواہش کریں گے کہ غلبۂ اسلام کے وقت وہ بھی اس میں شریک ہوتے۔

لوگ حق کی طرف نہیں آتے بلکہ اسے ملیامیٹ کرنا چاہتے ہیں لیکن حق ملیامیٹ نہیں ہوتا خواہ کفار کا کتنا ہی غلبہ ہو اور حفاظت قرآن کی یہ جو مثال دی وہ بڑی واضح مثال ہے جس کی گواہی غیر مسلم متعصب مفکرین نے بھی دی ہے۔ ان الفاظ میں کہ ہم ایسے ہی یقین سے قرآن کو بعینہٖ محمد کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ سمجھتے ہیں جیسے مسلمان اسے خدا کا کلام سمجھتے ہیں۔ گو وہ اسے محمد کا کلام سمجھتے ہیں لیکن یہ مانتے ہیں کہ بعینہٖ وہی الفاظ ہیں جو ۱۴۰۰ سال سے محفوظ چلے آتے ہیں۔ یہ تو ہیں غیر مسلموں کے خیالات لیکن کیا مسلمانوں نے اس کی قدر و قیمت کو سمجھا ہے کیا وہ اس کی تعلیم پر متحد ہوئے اور اس کو اپنا لیا ہے عملی حالتیں یقیناً اس بات کو جھٹلا رہی ہیں۔ الّا ماشاء اللہ۔

زمانے کا مجدد ان کی اسی اصلاح کے لئے آیا کہ اس نہایت ہی قابلِ تعظیم اور واجب الاحترام کلام کی اہمیت کو سمجھا جائے اور اس پر عمل کیا جائے اور اس کے نازل کرنے والے کی حاکمیت کو تسلیم کر لیا جائے۔ جو اس سے فائدہ نہیں اٹھاتا وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے اور ایک دن آئے گا کہ وہ ندامت سے سر جھکائے ہوگا اور آرزو کرے گا کہ کاش اس نے ایسا رویہ اختیار نہ کیا ہوتا۔

قرآن پاک میں شب و روز کی گردش کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ اس سے نصیحت حاصل کی جائے۔ آج تو ہم دن رات کی گردش کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ دن چڑھتا ہے ڈھل جاتا ہے۔ رات گذرتی ہے تو پھر سویرا ہو جاتا ہے لیکن تا بکے ایک دن یہ گردش ہمارے لئے بھی ختم ہو جائے گی۔ جیسے یہ ان لوگوں کے لئے ختم ہو گئی جو اب اس دنیا میں نہیں ہیں تو فی الواقعہ اس صبح و شام میں ہمارے لئے نصیحت ہے کہ وقت گذر رہا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے: ولا تموتن الا وانتم مسلمون۔ ہر لمحہ بحالت اسلام رہو۔

لوگ انتظار کرتے رہتے ہیں۔ اور طول امل میں زندگیاں گذار دیتے ہیں کسی کو نماز کے لئے کہا جائے تو جواب ملتا ہے کل سے شروع کر دوں گا اور کوئی اس دن کی انتظار میں رہتا ہے جسے عرف عام میں قصا عمری کہتے ہیں۔ اور ضمناً عرض کر دوں کہ ایک شخص نے

حضرت صاحب سے پوچھا کہ کیا اس مسئلے کا کوئی وجود ہے۔ ایک ہی دن ساری نمازیں پڑھ لیں۔ ان نمازوں کے عوض جو نہیں پڑھیں تو آپ نے ایک واقعہ لکھا ہے :—

ایک شخص بے وقت نماز پڑھ رہا تھا کسی نے حضرت علی سے کہا آپ خلیفۂ وقت ہیں اسے منع کیوں نہیں کرتے تو انہوں نے جواب دیا میں ڈرتا ہوں کہ کہیں اس آیت کے نیچے ملزم نہ بنایا جاؤں ارایت الذی ینھی عبداً اذا صلی کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جو بندے کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے۔ یہ واقعہ سنانے کے بعد حضرت صاحب نے فرمایا اگر کسی نے عمداً نماز ترک کی ہے اس خیال سے کہ قضا عمری کے روز پڑھ لوں گا تو اس نے ناجائز کیا ہے اور اگر ندامت کے طور پر تدارک مافات کرنا چاہتا ہے کہ جو مجھ سے کوتاہیاں ہوئیں ان کی تلافی ہو جانے کو پڑھے دو دعا ہی کرتا ہے اور فرمایا ہاں یہ پست ہمتی ضرور ہے کہ جب وقت تھا اس وقت تو پڑھی نہیں اور حکم کی تعمیل نہیں کی۔

ایک اور شخص نے سوال کیا کہ وہ چھ ماہ تک تارک صلوٰۃ رہا ہے اب توبہ کی ہے کیا وہ اب سب نمازیں پڑھے۔ آپ نے جواب دیا نماز کی قضا نہیں ہوتی اس کا علاج توبہ ہی کافی ہے۔ گویا ہر کام وقت پر کرنا چاہیئے۔

حضرت مجدد زمان نے طرح طرح کے پیرایوں میں اور ہر رنگ میں سمجھایا ہے آپ کے ملفوظات جو کئی جلدوں پر مشتمل ہیں ان کا مطالعہ کریں۔ ان میں بڑی مفید اور ایمان افروز باتیں ہیں۔ یہ بھی خدا شناسی کا ایک ذریعہ ہیں۔ آپ نے فرمایا جب انسان بندہ ہو کر لاپرواہی کرتا ہے تو خدا کی ذات غنی ہے۔ ہر ایک امت اس وقت تک قائم رہتی ہے جب تک اس میں توجہ الی اللہ رہتی ہے۔ ایمان کی جڑ نماز ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ خدا کو ہماری نمازوں اور دعاؤں کی ضرورت ہے۔ خدا کو ضرورت نہیں۔ ہمیں تو ضرورت ہے۔ وہ غنی ہے ہم محتاج ہیں۔ نماز ہزاروں خطاؤں کو دور کر دیتی ہے۔ انسان آرزوؤں میں زندگی بسر دیتے ہیں مگر غیب کی قضا و قدر کی کس کو خبر ہے زندگی ہماری آرزوؤں کے مطابق نہیں چلتی۔ تمناؤں کا سلسلہ اور ہے قضا و قدر کا اور۔ انگریزی میں یہ خوب مقولہ ہے :

God's will is wiser than our wishes.

خدا کی مرضی میں ہی ہماری بہتری ہے۔ سو اس کے مخفی ارادوں کو ترجیح دو۔ قضا و قدر کا سلسلہ ہی سچا ہے۔ ہاں ہمارا فرض ہے کہ اس کے آستانہ پر گریں ذاتی اغراض کے لئے نہیں بلکہ اس محبت کے لئے جو ایک محسن کے ساتھ ہونی چاہیئے۔ تقوےٰ اور خلوص ہو۔ ایمان اور اطاعت کا جذبہ ہو۔ یہ نہیں کہ جب ضرورت پڑی تو دعاؤں میں لگ گئے اور جب اس نے رحم کر دیا تو پھر وہی رنگ اور وہی ڈھنگ ہے۔

خدا کے ساتھ سچے تعلق میں ایک تاثیر ہے۔ ان کے لئے جن سے اللہ تعالےٰ عنایات رکھتا ہے ایسی عنایات جو غیروں میں نہ پائی جاتی ہوں۔ اس کے ہاں تو اخلاص کی قدر ہے یہ نہیں کہ بہت بولنے سے ہماری نستی جاتی گی۔ اس کی ذات پر شک کرتے ہوئے اگر یہ کہیں کہ ہم پکارتے ہیں پر وہ جواب نہیں دیتا۔ اس پر حضرت صاحب نے خوب فرمایا ہے :—

"دیکھو تم ایک جگہ کھڑے ہو کر ایک ایسے شخص کو جو تم سے دور ہے پکارتے ہو اور تمہارے اپنے کانوں میں نقص ہے وہ شخص تو تمہاری آواز سن کر جواب دے گا مگر تم بباعث بہرہ پن کے سن نہیں سکو گے"۔

پس جوں جوں تمہارے درمیانی پردے اور حجاب اور دوری دور ہوتی جائے گی تو تم ضرور آواز کو سنو گے۔ ایسی آواز کے سننے سے کون محروم رہنا چاہے گا جس میں تسلی ہو۔ اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے :—

امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء

ایسی اضطراری حالت پیدا کریں کہ اس کے فضل کو کھینچے کہ ہر چیز کی کل اس کے ہاتھ میں ہے اور اس کا علم سب پر محیط ہے۔ وہی ہے جو زمین و آسمان کو اٹھا رہا ہے۔ ہمیں خشکی اور تری میں اٹھا رہا ہے۔ سچے رجوع سے ایک نور کی تجلی دل میں شروع ہو جاتی ہے۔ شرائط بیعت میں ایک اہم شرط ہے کہ میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا۔ یہ ہمارا MOTTO ہے اس پر کوئی عمل کر کے دیکھ لے وہ آواز یا احساس اس تک ضرور پہنچ جائے گا۔

جب سے دنیا وجود میں آئی ہے اس بات کا ثبوت چلا آتا ہے کہ خدا کلام کرتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو رفتہ رفتہ یہ بات بالکل نابود ہو جاتی کہ کوئی ہستی ہے بھی۔ تو سب سے زبردست ثبوت خدا کی ہستی کا یہی ذریعہ ہے۔ یعنے اس کا کلام کرنا۔ اور مذاہب تو خدا کو گونگا سمجھتے ہیں۔ لیکن اسلام ہی ایک زندہ مذہب ہے جس کا خدا زندہ ہے اور اس کی برکات اور افضال زندہ ہیں۔

زمانہ کے امام نے اس حقیقت پر بڑا زور دیا ہے اور یقیناً یہ ایک بہت بڑا کارنامہ ہے جو انجام دیا گیا ہے یہ بنیاد ہے مذہب کی اور خدا شناسی کی۔ سو اس کی معرفت کو تلاش کرو اس کا فضل معرفت کو مصفیٰ اور روشن کر دیتا ہے۔ حجابوں کو درمیان سے اٹھا دیتا ہے اور نفسِ امارہ کے گرد و غبار کو صاف کر کے روح کو قوت اور زندگی بخشتا ہے اور جب وہ انسان کو نفسانی جذبات کے تند سیلاب سے باہر لاتا ہے تب انسان میں ایک تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ گندی زندگی سے طبعاً بیزار ہو جاتا ہے۔

خدا کے ساتھ سرسری تعلق پر ناز نہ کرو۔ گہرے اور سچے تعلق کی کیفیت ہی اور ہوتی ہے۔ وہ تو فنا کرنے والی چیز ہے۔ وہ گداز کرنے والی آگ ہے۔ جس طرح جب لوہا آگ میں پڑتا ہے تو وہ بھی پگھل جاتا ہے۔ یہ ہوتی ہے گداز کرنے والی آگ۔ حضرت صاحب نے فرمایا ہے۔ وہ رحمت کو کھینچنے والی کشش ہے وہ موت ہے پر آخر کو زندہ کر دیتی ہے۔ وہ ایک تند سیل ہے پر آخر کشتی بن جاتی ہے ہر ایک بگڑی بات اس سے بن جاتی ہے اور ہر ایک زہر آخر اس سے تریاق ہو جاتا ہے۔ اور آپ نے فرمایا :—

میں نے خدا کے فضل اور رحمت کو [illegible] کی صورت میں اپنی طرف کھینچتے ہوئے محسوس کیا ہے بلکہ میں تو یہ کہوں گا دیکھا ہے۔ ہاں آجکل کے زمانہ کے تاریک دماغ فلاسفر اس کو محسوس نہ کریں یا نہ دیکھ سکیں تو یہ صداقت دنیا سے اٹھ نہیں سکتی جیسا کہ میں نے عرض کیا۔ حضرت صاحب نے اپنے دعوے کی سچائی پر اپنے وجود اور اپنی ذات کو پیش کیا۔ ابتدائے آفرینش سے خدا کی طرف سے جو مامور آئے انہوں نے خدا شناسی اور خدا سے تعلق کی تعلیم ہی دی ہے اس راہ میں قدم رکھنا مشکل ہے لیکن یہی ایک ذریعہ ہے جو مشکلات کو آسان کر دیتا ہے اس تعلق سے وہ اور ہی انسان ہو جاتا ہے اور اس کی روحانی کدورتیں دور ہوتی ہیں اور ایک راحت اور سرور اس کو ملتا ہے وہ خدا کے لئے ان سختیوں کو جو دوسرے برداشت نہیں کرتے اور نہیں کر سکتے۔ صرف اس لئے

عرق ہو وہ بچایا جاتا ہے جب یہ تعلق انتہاء کو پہنچتا ہے تو نور کا شعلہ اس کی ساری خباثتوں کو جلا کر تاریکی کو دُور کر دیتا ہے اور اس کے اندر ایک روشنی پیدا کر دیتا ہے۔ ساری عقدہ کشائیاں ہو جاتی ہیں۔ مولا کریم اس کو پاکیزگی اور طہارت کی چادر پہنا دیتا ہے اور اپنی عظمت کا غلبہ اس پر اس قدر کر دیتا ہے کہ وہ بے جا کاموں اور ناکارہ حرکتوں سے کوسوں دُور بھاگتا ہے۔ زمانہ کے امام نے فرمایا اگر شروع میں بے رغبتی اور بے ذوقی ہو تو مایوس نہ ہو تکلف اور بناوٹ سے ہی اس تعلق کو قائم رکھے آخر گوہر مقصود اسی سے نکل آتا ہے اور ایک دن آ جاتا ہے کہ اس کا دل زبان کے ساتھ متفق ہو جاتا ہے اور وہ کہہ اُٹھتا ہے کہ اے خدا ہر چیز تیرے ہی قبضہ و تصرف میں ہے تو میرے دل کو صاف کر دے۔ اس سچے تعلق کی برکت سے وہ خود بخود اس کا متکفل ہو جاتا ہے اور اس سے پہلے کہ وہ مانگے خدا اس کو خود پورا کر دیتا ہے۔ یہ ایک باریک راز ہے جو اس وقت کھلتا ہے جب انسان اس مقام پر پہنچتا ہے۔ ایک بزرگ کے متعلق مشہور تھا کہ معلوم نہیں ان کو کھانا کہاں سے آتا ہے۔ حضرت مولانا نورالدین رحمۃ اللہ علیہ کے واقعات توکل آپ جانتے ہی ہیں۔ یہ ایک عظیم مجاہدہ کو چاہتا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ ہماری محنت اور کوشش بے سُود ہے تو دردِ سر کے وقت علاج کی طرف کیوں رجوع کیا جاتا ہے اور پیاس کے لئے ٹھنڈا پانی کیوں پیا جاتا ہے۔ اسباب سے کام نہ لینا بھی ادائے تعلق سے ناواقفی ہے اور نرے اسباب پر بھی گرنے رہنا اور ذریعہ کو لاشئے سمجھنا یہ دہریت ہے۔ اور حضرت صاحب نے ایک مثال سے سمجھایا ہے کہ خدا پرست انسان ایک ایسے قلعہ میں محفوظ ہے جس کے اردگرد مسلح سپاہی ہر وقت حفاظت کرتے ہیں لیکن جو اس سے لاپرواہ ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو خود بے ہتھیار ہے اور اس پر کمزور بھی ہے اور ایسے جنگل میں ہے جو درندوں اور موذی جانوروں سے بھرا ہوا ہے۔ وہ سمجھ سکتا ہے کہ اس کی خیر نہیں۔

اگر یہ سوال ہو کہ خدا کا وجود اور اس کی ہستی کیونکر ثابت ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ دعا اور اس کا کلام کرنا ہی ایک ذریعہ ہے جس سے اس کی ہستی پر یقین حاصل ہوتا ہے اور جیسا کہ میں نے عرض کیا حضرت مجددِ زمان نے اس بارے میں اپنی ذات کو پیش کیا ہے کہ میرا خدا کے ساتھ تعلق ہے اور خدا نے مجھے اسی لئے بھیجا ہے کہ میں دنیا کو اس کا چہرہ دکھاؤں۔

آیئے ہم اس دعوےٰ کی صداقت پر چند واقعات پر غور کریں آپؑ نے فرمایا اگر میرے مقابل پر تمام دنیا کی قومیں جمع ہو جائیں اور اس بات کا بالمقابل امتحان ہو کہ کس کو خدا غیب کی خبریں دیتا ہے اور کس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اور وہ کس کی مدد کرتا ہے تو میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ہی غالب رہوں گا۔ کوئی ہے جو میرے مقابل پر آوے۔ ہزارہا نشان خدا نے مجھے اس لئے دیئے ہیں تا دشمن معلوم کرے کہ دینِ اسلام سچا ہے۔ میں اپنی کوئی عزت نہیں چاہتا بلکہ اس کی عزت چاہتا ہوں جس کے لئے میں بھیجا گیا ہوں۔ تو غور فرمائیں کہ آپ کے سامنے اپنی کوئی بڑائی نہیں، ذاتی غرض نہیں ہے بلکہ اسلام کا غلبہ ہی مدنظر ہے۔ اور آپؑ نے فرمایا۔ ہم محض خادمِ دینِ اسلام ہو کر ہی

[illegible] اسلام کہتیں ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ ہمارے نبی کریمؐ خاتم الانبیاء اور قرآن شریف خاتم الکتب ہے سو دین کو بچوں کا کھیل نہیں بنانا چاہیئے۔

ہم جو حضرت صاحب کا ذکر کرتے ہیں اور یہ جو ایمان افروز واقعات سناتے ہیں۔ یہ شخصیت پرستی کی وجہ سے نہیں بلکہ ان واقعات کے تذکرہ سے خدا کی ہستی پر ایمان بڑھتا ہے کہ ہمارا خدا زندہ خدا ہے وہ قادر مطلق ہے۔ ان واقعات سے قرآنی دعاوی کی صداقت ہی ثابت ہوتی ہے۔

اللہ تعالےٰ نے اپنے مامور کے ذریعہ سے ایسے راز ہائے سربستہ کھولے کہ سائنسدان حیرت انگیز ترقی کے باوجود عاجز رہ گئے۔ چنانچہ اس پوشیدہ واقعہ پر غور کریں جس کا تعلق آسمان سے ہے۔ ۱۹۰۷ء میں آپ پر یہ الہام نازل ہوا ۲۵ یا ۲۵ دن تک۔ پھر اس کے متعلق جو تفہیم خدا کی طرف سے ہوئی آپ نے شائع کیا کہ اس میں یہ اشارہ ہے کہ ۷؍ مارچ ۱۹۰۷ء سے ۲۵ دن پورے ہونے پر یا ۲۵ دن تک کوئی نیا واقعہ ظاہر ہوگا اور ضرور ہے کہ تقدیر اسے روک رکھے جب تک ۲۵ دن گذر نہ جائیں۔ اور ۲۵ دن تک یہ واقعہ ظہور میں آ جائے گا۔ اور فرمایا یہ واقعہ کیا ہے اس کا ہم اس وقت تک کوئی جواب نہیں دے سکتے بجز اس کے کسی سے کوئی ہولناک یا تعجب انگیز واقعہ ہے۔ تو حضرات ٹھیک ۲۵ دن کے بعد فضا میں آگ کا ایک بڑا شعلہ ظاہر ہوا۔ جس سے دل کانپ اُٹھے اور وہ ہولناک چمک کے ساتھ ۷۰۰ میل کے رقبہ میں جا بجا گرتا دیکھا گیا۔ بعض تو اس نظارہ کو دیکھ کر بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اس نئے واقعہ کی گواہیاں اطراف و جوانب سے ملیں اور اخباروں میں بھی چرچا ہوا۔

اور اس کے ظہور کے لئے ۲۵ دن کا وقت بھی تعین کر دیا گیا۔ اور خیال فرماویں ماہرینِ موسمیات و فلکیات جو دن رات اس کام میں لگے رہتے ہیں۔ پیشگوئیاں کرتے ہیں۔ ایک دوسرے علاقہ سے رابطہ بھی ہوتا ہے ان کو تو اس غیر معمولی واقعہ کی خبر نہ ہو سکی لیکن ایک گاؤں کے رہنے والے شب بیدار نے قبل از وقوع اس کے متعلق بتا دیا اور اس کی کہی بات لفظ بہ لفظ پوری ہوئی۔ کیا یہ خدا کی ہستی پر بڑی مستحکم اور قوی دلیل نہیں ہے بزرگانِ دین نے اس امام کی خصومت میں ایسے روشن واقعات سے بھی آنکھیں بند کر لیں۔

بے شمار ایسے واقعات ہیں۔ آپ نے زلزلوں کی خبریں دیں۔ ماہرین نے کہا اب سو سال تک کوئی زلزلہ نہیں آئے گا۔ لیکن مامور کی پیشگوئی کے مطابق زلزلے آئے اور اتنے وسیع اور شدید کہ پنجاب کی تاریخ میں آج تک نہیں آئے ۱۳ شہر اس کی لپیٹ میں آئے پیشگوئی کے الفاظ کے مطابق موتا موتی کا عالم تھا۔ لوگوں نے دوبارہ مکانات تعمیر کرنے شروع کئے اور حضرت صاحب نے خدا سے خبر پا کر کہا کہ ہم ان کی تعمیر کردہ عمارتوں کو گرا دیں گے۔ چنانچہ $1\frac{1}{2}$ ماہ کے بعد پھر زلزلہ آیا اور عمارتیں منہدم ہو گئیں۔ یہ خدا کے غضب کی نشاندہی کرتے ہیں

کیوں نہ آئیں زلزلے تقویٰ کی راہ گم ہو گئی

اور اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے وما کنا معذبین حتیٰ نبعث رسولا۔

مجددِ زمانؑ نے ہر طرح انذار و تبلیغ کا حق ادا کیا۔ یہ نہیں کہ

حجرے میں بیٹھ کر تسبیح ہی پھیرتے رہے۔

آپ نے ۸۰ قابل قدر کتابیں اسلام پر لکھی ہیں۔ اور مختلف شہروں میں جا کر لیکچر دیئے۔ اشتہارات اور رسالوں کے ذریعہ بھی اپنا مشن بیان کیا۔ ہر مذہب کو چیلنج کیا۔ جیسا کہ آپ نے سنا ہے علمائے

اور ان کے لئے ۷۰ دن کی میعاد مقرر کی۔ آپ اپنا کام اور آپ نے تفسیر لکھی جو کہ ۲۰۰ صفحات کی ضخیم کتاب پر مشتمل ہے اور اس کا نام اعجاز المسیح رکھا کہ یہ مسیح کا معجزہ ہے۔ فرماتے ہیں میں نے مبارک مہینہ کی مبارک رات تھی لیلۃ القدر کو دعا کی تھی اور خدا نے اسے قبول کر لیا اور مجھے بشارت دی کہ "روک دیا روکنے والے نے آسمان سے"۔ اور کسی نے کچھ لکھنے کی کوشش کی تو بقول الفاظ الہام نادم ہوا اور حسرت کے ساتھ اس کا انجام ہوا اور کسی نے کچھ شائع بھی کیا تو وہ سرقہ ثابت ہوا۔ اور اس طرح شرمندگی اٹھانی پڑی۔ مخالفین نے آپ کی تفسیر کے متعلق کہنا شروع کیا کہ اس میں غلطیاں ہیں لیکن مصر کے ایڈیٹروں نے لکھا کہ فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے بھی یہ تفسیر بے مثل ہے لیکن مخالفین پر ان کا کیا اثر ہے وہ تو دل آزاریوں اور ایذارسانیوں میں بڑھتے گئے۔ آخر تکذیب اور تکفیر جب انتہا تک پہنچ گئی تو حضرت صاحب نے مباہلہ کا چیلنج دیا کہ وقت آ گیا ہے کہ خدائے علیم و خبیر جھوٹے اور سچے میں فرق کر کے دکھا دے کون اس بات کو قبول کر سکتا ہے کہ وہ پاک ذات جھوٹے کو اتنے عرصہ کے لئے چھوڑ دے۔ ایک تقویٰ شعار کے لئے یہی کافی تھا کہ خدا نے مجھے مفتریوں کی طرح ہلاک نہیں کیا بلکہ میرے ظاہر و باطن میرے جسم اور میری روح پر وہ احسان کئے ہیں کہ میں شمار نہیں کر سکتا۔ میں جوان تھا جب خدا کی وحی اور الہام کا دعوےٰ کیا۔ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں ہر ایک مشکل میں میرا وہ متکفل رہا کیا ان لوگوں کی یہی نشانیاں ہوتی ہیں جو خدا پر افترا کرتے ہیں اور کہ خدا ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ اور [illegible] میں نے اس سے پہلے کبھی مباہلہ کی نیت نہیں کی اور نہ چاہا [illegible] سی پر بد دعا کروں میں اعراض کرتا رہا مگر اب میں بہت ستایا گیا ہوں دکھ دیا گیا ہوں مجھے کافر ٹھہرایا گیا مجھے دجال کہا گیا۔ ہر ایک نے مجھے گالی دینا اجر عظیم سمجھا اور میرے پر لعنت بھیجنا اسلام کا طریق قرار دیا گیا۔ ان دکھوں اور تلخیوں کے وقت خدا میرے ساتھ تھا ہاں وہی تھا جو ہر ایک وقت مجھے تسلی اور اطمینان دیتا رہا۔ کیا ذرہ تمام دنیا کا مقابلہ کر سکتا ہے کیا ایک ناچیز مفتری اور کافر جانتے ہیں اور اس کے یہ الہام تیری طرف سے نہیں بلکہ اس کا اپنا ہی افتراء ہے تو اس امت مرحومہ پر احسان کر کے اس کو ایک سال کے اندر ہلاک کر دے۔ اور اگر یہ مفتری نہیں اور یہ الہام تیرے ہی منہ کی پاک باتیں ہیں تو ہم پر جو اس کو کافر اور مفتری سمجھتے ہیں دکھ اور ذلت سے بھرا ہوا عذاب ایک سال کے اندر نازل کر اور کسی کو اندھا۔ کسی کو مجذوم اور کسی کو مفلوج اور کسی کو مجنون اور کسی کو مصروع اور کسی کو سانپ یا سگ دیوانہ کا شکار بنا۔ کسی کے مال پر آفت اور کسی کی عزت پر۔ اور دونوں فریق آمین کہیں۔

اس مباہلہ کے نتیجہ میں اگر خدا نے مجھے ایک سال کے اندر موت اور آفات بدنی سے بچا لیا اور میرے مخالفوں پر قہر اور غضب کے آثار ظاہر ہو گئے اور ہر ایک کسی نہ کسی بلا میں گرفتار ہو گیا اور میری

بد دعا نہایت چمک سے ظاہر ہو گئی تو دنیا پر حق ظاہر ہو جائیگا اور یہ روز کا جھگڑا درمیان سے اُٹھ جائے گا۔ میں یہ بھی شرط کرتا ہوں کہ میری دعا کا اثر صرف اسی صورت میں سمجھا جائے جب تمام لوگ مباہلہ کے میدان میں بالمقابل آئیں ایک سال کے اندر ان بلاؤں میں

مراد ہے کیونکہ بہتوں پر عذاب الٰہی کا محیط ہونا ایک کھلا نشان ہوگا جو کسی پر مشتبہ نہیں رہ سکتا۔ اور آپ نے فرمایا گواہ رہ اے زمین اور اے آسمان کہ خدا کی لعنت اس شخص پر جو اس رسالہ کے پہنچنے کے بعد مباہلہ میں حاضر نہ ہو اور نہ تکفیر اور توہین کو چھوڑے۔

۱۰۴ علماء کو یہ رسالہ بھیجا گیا اور ایک بھی مباہلہ میں نہ آیا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حق کس طرف ہے اور اس سے زیادہ سنہری موقعہ کونسا تھا کہ وہ لوگ مقابلہ پر آتے۔ عقیدہ کی پختگی اور یقین کیا ہوا۔ مخالفت تو پھر ایک ڈھونگ ہی ہوتی اور الفاظ مباہلہ میں غیرت دلائی گئی اور قسم دی گئی کہ تاریخ اور وقت مقررہ پر اگر نہ آئے اور تکفیر سے بھی باز نہ آئے تو بھی لعنت کے نیچے ہوں گے نتیجہ سب کے سامنے ہے کہ کیا حشر ہوا تو کیا اس مامور نے دنیا کو خدا کا چہرہ نہیں دکھا دیا۔ یقیناً اور یقیناً دکھا دیا اور خدا پر ایک زندہ ایمان پیدا کر دیا۔

وہ لوگ جانتے تھے کہ یہ شخص سچا ہے۔ وہ مرد دعا ہے مرد ایمان ہے اور مرد عمل ہے۔ ان کو یقین تھا کہ ہم بچ نہیں سکتے۔ انہوں نے نہ آنے ہی میں خیر سمجھی مگر بچے پھر بھی نہ۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اللہ تعالےٰ ہمیں ثابت قدم رکھے اور توفیق دے کہ ہم دین اسلام کی خدمت میں ترقی کرتے جائیں۔ آمین۔

---

# فطرت صحیحہ کی آواز

گجرات سے چوہدری فضل داد صاحب تحریر فرماتے ہیں:—

"مکرم جناب میرزا مسعود بیگ صاحب نے جو خطبہ نکاح پڑھا تھا اس کو ۸۰ وکلا صاحبان اور دیگر معزز شہریوں اور دیہاتیوں نے جن کی تعداد ۲۵۰ کے لگ بھگ ہوگی نہایت سکون اور دلچسپی سے سُنا۔

جناب میرزا صاحب نے خطبہ نکاح کی اہمیت، غرض و غایت پر نہایت خوبصورتی سے اور اپنے حُسنِ بیان سے روشنی ڈالی اور خاص طور پر فرمایا کہ تلاوت کردہ آیات قرآن پاک کے مختلف حصّوں سے انتخاب کر کے خطبہ نکاح میں پڑھا جانا کیوں ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں طرزِ بیان اور ان آیات کی تشریح ان کی نہایت قابلِ قدر تھی کہ تمام حضرات نے بالعموم اور وکلا صاحبان نے بالخصوص اس کی بے حد تعریف کی۔ میرے ایک عزیز نے مجھے بتایا کہ کھانا کھانے کی میز پر وکلا صاحبان گفتگو کر رہے تھے کہ "ایسے طبقہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دینا کس قدر ظلم اور قرآنی تعلیم سے ناواقفیت ہے۔

یہ لوگ تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے پابند اور عامل ہیں۔ اور ہم اس کے عینی شاہد ہیں"۔

---

لڑ رہے ہو۔ سو اب اٹھو اور مباہلہ کے لئے تیار تیار ہو جاؤ اور تم یہ الفاظ کہو گے "ہم اس شخص کو جس کا نام غلام احمد ہے درحقیقت کذاب اور مفتری

محترم محمد یحیٰی بٹ صاحب

# مغرب میں تبلیغِ اسلام

## برلین مسلم مشن کی تبلیغی مساعی کی رپورٹ

## ماہ اکتوبر و نومبر ۱۹۷۵ء

اللہ تعالےٰ کے فضل سے برلین مسلم مشن کی تبلیغی مساعی جاری ہیں۔ مسجد سے ملحق مشن ہاؤس میں اجتماعات ہوئے۔ برلین شہر میں پبلک لیکچرز ہوئے۔ برلین (جرمنی) سے باہر فرانس کے شہر سٹراس برگ میں یہودی عیسائی مسلم کانفرنس منعقد ہوئی اس میں حصہ لیا اور سٹراس برگ کے کیتھڈرل میں عالمی امن کے عنوان پر قرآن کریم کے نظریات کو پیش کیا۔

سٹراس برگ (Strassburg) خوبصورت شہر ہے۔ جرمنی کے جنوب مغرب میں فرانس کی سرحدوں پر واقع ہے۔ یہ علاقہ ایک لمبے عرصہ تک فرانس اور جرمنی کے درمیان باہمی جنگ و جدل کا باعث رہا۔ کبھی فرانس کے قبضہ میں چلا جاتا اور کبھی جرمنوں کے قبضہ میں۔

دوسری جنگِ عظیم کے بعد سے یہ علاقہ اب فرانسیسیوں کے قبضہ میں ہے اور عالمی اداروں کا مرکز ہے۔ عالمی اداروں کا مرکز ہونے کے باعث WCRP یعنی World Conference on Religion and Peace کی یوروپین کمیٹی کا اجلاس اس شہر میں منعقد ہوا۔ کمیٹی کے ممبروں کے علاوہ عیسائی یہودی مسلمان و بدھ علماء کو بھی دعوت دی گئی۔ مغربی یورپ و مشرقی یورپ سے علما جمع ہوئے۔ تین دن تک کانفرنس جاری رہی۔ عالمی اداروں کے ذمہ دار افسروں سے ملاقاتیں ہوئیں۔ انہیں یورپ میں آکر بسنے والے یا کام کرنے والے مسلمانوں کے مسائل سے آگاہ کیا گیا اور ان کے حل کے لئے تجاویز پیش کی گئیں میں نے تیرہ تجاویز لکھی تھیں۔ یوروپین کمیٹی کی سیکرٹری نے ان تجاویز کو میٹنگ میں پڑھا تھا۔ افسران نے ہمیں بتایا کہ وہ اب تک اس سلسلہ میں کیا اقدام کر چکے ہیں اور وہ کہاں تک ان مسائل کو حل کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ افسران صاحبان نے عالمی اداروں کی تنظیم کے بارہ میں لیکچرز دیئے اور بتایا کہ وہ کس طرح اپنی ذمہ داریوں کو پورا کر رہے ہیں۔ فرانسیسی یونیورسٹی کے پروفیسرز نے حقوق نسل انسانی پر لیکچرز دیئے بعد میں سوال و جواب ہوا۔ اس سے ہر دو فریق کو بڑا فائدہ ہوا۔

**عالمی امن کے لئے دُعا**

شہر کے کیتھڈرل میں عالمی امن کے لئے دعائیں پڑھی گئیں۔ اس پروگرام میں سٹراس برگ کے عیسائی بشپ۔ پروٹسٹنٹ مذہب کے عیسائی پادریوں۔ یہودی عالم۔ بدھ مذھب کے عالم۔ برلین مسجد کے امام نے حصہ لیا۔ ہر ایک نے اپنی اپنی مذھبی کتاب یا اپنے اپنے مذہب کی سپرٹ کے مطابق دعا کرنی تھی میں نے قرآن کریم سے بعض دعائیہ آیات کو پڑھنے سے پیشتر حاضرین کو بتایا کہ قرآن کریم نے Peace امن کو افراد، قوموں اور تمام دنیا بھر میں قائم کرنے کے موضوع پر بحث کی ہے اس کے حصول کے لئے بعض بنیادی اصول سکھائے ہیں ذیل میں میں مختصراً اسی کا ذکر کرتا ہوں میں نے قرآن کریم سے ذیل کی آیات کا ترجمہ جرمن زبان میں پڑھا تھا)

افراد میں Peace کے حصول کے لئے قرآن کریم فرماتا ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ اللہ کا تصور قرآن کریم نے خود پیش کیا ہے۔ فرماتا ہے۔

قل ھو اللہ احد اللہ الصمد لم یلد و لم یولد و لم یکن لہ کفواً احد (سورۃ ۱۱۲)

پھر فرماتا ہے:۔

ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو عالم الغیب والشھادۃ ھو الرحمٰن الرحیم۔ ھو الذی لا الٰہ الا ھو الملک القدوس السلام المؤمن المھیمن العزیز الجبار المتکبر سبحان اللہ عما یشرکون۔ ھو اللہ الخالق الباری المصور لہ الاسماء الحسنیٰ یسبح لہ ما فی السمٰوات والارض و ھو العزیز الحکیم۔ (سورۃ ۵۹)

پھر فرماتا ہے:۔

اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم لا تاخذہ سنۃ ولا نوم لہ ما فی السمٰوات وما فی الارض من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ یعلم ما بین ایدیھم و ما خلفھم ولا یحیطون بشیء من علمہ الا بما شاء وسع کرسیہ السمٰوات والارض ولا یؤدہ حفظھما و ھو العلی العظیم (سورۃ ۲)

قرآن کریم نے حقوق نسل انسانی کی بنیاد اصول پر رکھی ہے کہ تمام نسل انسانی ایک ہی اصل سے پیدا کی گئی ہے۔ نسل و رنگ کے امتیازات باہم جان پہچان کے لئے ہیں۔ خدا کے نزدیک معزز وہ ہے جو اس کے احکامات کی دل سے تعظیم کرتا اور ان کے مطابق عمل کرتا ہے۔

فرمایا:۔ یا ایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ و خلق منھا زوجھا و بث منھما رجالاً کثیراً و نساء واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام ان اللہ کان علیکم رقیباً (سورۃ ۴)

پھر فرماتا ہے:۔

یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ وجعلناکم شعوباً وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ان اللہ علیم خبیر۔

قرآن کریم نے مرد و عورت کو بحیثیت انسان یکساں حق دیئے ہیں۔ ہر دو کی خدا کے نزدیک ذمہ داری اور اجر برابر ہے۔

فرمایا: ان المسلمین والمسلمات والمؤمنین والمؤمنات والقانتین والقانتات والصادقین والصادقات والصابرین والصابرات والخاشعین والخاشعات والمتصدقین والمتصدقات والصائمین والصائمات والحافظین فروجھم والحافظات والذاکرین اللہ کثیراً والذاکرات اعد اللہ لھم مغفرۃ واجراً عظیما۔ (سورۃ ۳۳)

میں نے مزید کہا: دنیا میں امن قائم کرنے کے لئے قرآن کریم نے مذھبی آزادی کا زرّیں اصول سکھلایا ہے

فرمایا: لا اکراہ فی الدین

پھر فرمایا: لکم دینکم ولی دین۔ (سورۃ ۱۰۹)

پھر فرمایا: قولوا آمنا باللہ و ما انزل الینا و ما انزل الیٰ ابراھیم و اسماعیل و اسحاق و یعقوب والاسباط و ما اوتی موسیٰ و عیسیٰ و ما اوتی النبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون (سورۃ ۲)

مندرجہ بالا آیات کا ترجمہ سنانے کے بعد میں نے کہا آؤ دعا کریں دعا میں نے مندرجہ ذیل آیات کا ترجمہ پڑھا۔

الحمد للہ رب العٰلمین الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین۔ ایاک نعبد وایاک نستعین اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔ آمین (سورہ۔ ۱)

ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا
ربنا ولا تحمل علینا اصراً کما حملتہ علی الذین من قبلنا
ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ واعف عنا واغفرلنا وارحمنا انت مولنا فانصرنا علی القوم الکافرین۔

یہ اجتماع بخیر و خوبی سرانجام پایا۔

**شہر سٹراس برگ کے میئر نے الوداعیہ دیا** } سٹراس برگ شہر کے میئر نے کمیٹی ممبروں کو الوداعیہ دیا۔ ٹاؤن ہال میں ہم جمع ہوئے مشروبات پیش کئے گئے۔ مقامی اخبارات کے نمائندے اور فوٹوگرافر موجود تھے۔ میئر صاحب نے یورپین کمیٹی کے مقاصد کو سراہا۔ بعد میں میئر صاحب نے ہر ایک ممبر سے علیحدہ گفتگو کی۔ یورپین کمیٹی کے معتمد ممبر مسٹر لیوی نے جو بلجیم یونیورسٹی میں متعین ہیں میئر صاحب سے میرا تعارف کرایا۔ میئر صاحب کو میں نے برلین مسلم مشن کی مساعی کے بارہ میں بتایا۔ جب انہیں اس امر کا علم ہوا کہ ہم نے مسجد برلین میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا یوم ولادت کئی بار منایا ہے تو وہ بڑے متاثر ہوئے۔ میں نے کہا مسلم مشن کا مقصد عیسائی دوستوں کو اسلام کی صحیح تعلیمات سے آگاہ کرنا ہے اور مسلمان اور عیسائی دنیا کے درمیان Better understanding کی روح کا پیدا کرنا ہے۔ ایک اخباری نمائندے نے میرے ان ریمارک کو خاص طور پر اپنی اخبار میں چھاپا ہے اخبار کی کٹنگ مجھے بھیجی گئی ہے۔

**شہر برلین میں دو پبلک لیکچرز** } برلین شہر میں دو شہر لوٹن برگ کے ٹاؤن ہال میں دیا گیا۔ دوسرا لیکچر Spandau کے پبلک ہائی سکول کے ہال میں ہر لیکچر کے لئے دو گھنٹے کا وقت تھا۔ ایک گھنٹہ تقریر اور ایک گھنٹہ سوال و جواب۔ حاضرین نے ہر دو لیکچرز میں کافی دلچسپی لی اور انہیں پوری توجہ سے سنا اور بعد میں مزید سوالات کر کے لیکچر کے موضوع پر وضاحت چاہی۔ پہلے لیکچر کا عنوان تھا "مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کا حج کرنا"۔ اس لیکچر کو میں نے تین حصوں میں تقسیم کیا۔ مکہ میں واقع بیت اللہ کعبہ کی تاریخ، دوئم دوران حج مسلمان اپنی عبادت کو کس طرح بجالاتے ہیں۔ اس کے ارکان یعنی مکہ میں طواف سعی صفا و مروہ اور منا عرفات مزدلفہ میں قیام اور بالآخر جانوروں کی قربانی کرنا وغیرہ۔ تیسرے یہ کہ حج کے ان ارکان سے اسلام کیا سکھانا چاہتا ہے۔

دوسرے لیکچر کا عنوان تھا "پاکستان میں مسلمانوں کی رسومات" اس لیکچر کو بھی مختلف حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ اوّل: پاکستان کا قیام اور اس کی تاریخ۔ دوئم ہندوؤں کی رسومات۔ مسلمانوں کی رسومات پر اسلام کا اثر نیز یہ کہ اسلام کی بنیادی تعلیمات کیا ہیں۔ سوئم شادی پیدائش اور وفات کے موقعہ پر مسلمانوں کی رسومات کیا ہیں۔ شادی کے موضوع پر بیان کرتے ہوئے میں نے مختصراً اسلام سے پیشتر عرب میں شادی کی مختلف اقسام کو بیان کیا۔ ہندوؤں کی بھی بعض اقسام کو بیان کیا۔ بعد میں اسلام نے جو اس شعبہ میں ریفارم کی ہے اس کا ذکر کیا۔ پاکستان میں مسلمان فیملیز شادی کے موقعہ پر کیا رسوم بجالاتی ہیں اسے بیان کیا۔ اسی طرح پیدائش اور وفات کے موضوع پر بھی بیان کیا۔

RIAS ریڈیو کے لئے ایک لیکچر لکھا۔ اسے منتظمین کو بھیجا۔ یہ لیکچر سٹوڈیو میں ریکارڈ کر لیا گیا ہے۔ سات دسمبر کو بروز اتوار صبح سوا سات بجے نشر کیا جائے گا۔ پندرہ منٹ تک جاری رہے گا۔

عیدالاضحٰی ہم انشاءاللہ ۱۳ر دسمبر بروز ہفتہ منائیں گے۔ احباب کو دعوت نامے بذریعہ پوسٹ بھیج دیئے گئے ہیں۔ پروگرام یوں ہے:-

نماز : ۳۰–۹ بجے
خطبہ : ۴۵–۹ بجے
مشروبات و ماکولات : ۲ بجے تک

مسجد کی مرمت کا کام خدا کے فضل سے جاری ہے۔

دو گروپ مشن ہاؤس میں آئے۔ ہر دو گروپ پچاس مرد و زن پر مشتمل تھے۔ ان میں اعلےٰ تعلیمیافتہ عیسائی دوست موجود تھے۔ ان میں سے ایک گروپ نے بتایا کہ وہ اپنے حلقہ میں یہاں آنے سے پیشتر برلین یونیورسٹی کے ایک پروفیسر سے اسلام کے بارہ لیکچر سن چکے ہیں میں نے ان کے سامنے وحی کا مفہوم اسلام میں۔ قرآن کریم کے مختلف موضوعات کو جن پر خدا تعالےٰ نے روشنی ڈالی ہے بیان کیا۔

یہ گروپ دو گھنٹے میرے ہاں ٹھہرا۔ انہیں چائے اور بسکٹ پیش کئے گئے۔ اس گروپ کے ساتھ پادری بھی تھا۔ پادری صاحب اور حاضرین نے سوالات کئے اور یوں انہوں نے اپنی دلچسپی کا اظہار کیا۔ یہ میٹنگ حاضرین کے لئے نہایت سود مند ثابت ہوئی۔ انہوں نے تالی بجا کر اپنی خوشی کا اظہار کیا اور شکریہ بھی۔

جمعہ اور ہفتہ کے اجتماعات بھی مشن ہاؤس میں جاری رہے۔ جمعہ کے دن مصر سے آیا ہوا افسران کا ایک گروپ ہمارے ہاں آتا رہا اور نماز ادا کرتا رہا۔ ان کے لئے بعض دفعہ انگریزی میں بھی خطبہ کے الفاظ کو دُہرایا گیا۔ ہفتہ کے دن قرآن کریم سے مختلف آیات کو پڑھا گیا۔ انہیں بیان کیا گیا اور حاضرین کے سوالات کا جواب دیا گیا۔

برلین شہر میں پاکستان گورنمنٹ نے ایک جرمن مرد کو اپنا کونسل مقرر کیا ہے۔ انہیں اپنے ہاں چائے پر دعوت دی گئی اور مسجد کی تاریخ اور مسجد کی تاریخی مساعی کے بارہ میں انہیں متعارف کرایا گیا۔

**حج کو روانگی** } ہمارے حلقہ میں سے تین حضرات اور ایک خاتون حج کے لئے مکہ مکرمہ روانہ ہو گئی ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کا محافظ ہو اور مسلمان دنیا پر رحم فرمائے۔ آمین۔

## بقیہ ملفوظات بسلسلہ صفحہ اوّل

اور تمہارے تمام قویٰ کے ذریعہ سے ظہور پذیر اور تکمیل پذیر ہوں تا تمہاری نیکیاں کمال تک پہنچیں۔ کیونکہ جو بات دل سے نکلے اور دل تک ہی محدود رہے وہ تمہیں کسی مرتبہ تک نہیں پہنچا سکتی خدا تعالےٰ کی عظمت اپنے دلوں میں بٹھاؤ اور اس کے جلال کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھو اور یاد رکھو کہ قرآن کریم میں پانچسو کے قریب حکم ہیں اور اس نے تمہارے ہریک عضو اور ہریک قوت اور ہریک وضع اور ہریک حالت اور ہریک عمر اور ہریک مرتبہ فہم اور مرتبہ فطرت اور مرتبہ سلوک اور مرتبۂ انفراد اور اجتماع کے لحاظ سے ایک نورانی دعوت تمہاری کی ہے سو تم اس دعوت کو شکر کے ساتھ قبول کرو اور جس قدر کھانے تمہارے لئے تیار کئے گئے ہیں وہ سارے کھاؤ اور سب سے فائدہ حاصل کرو جو شخص ان سب حکموں میں سے ایک کو بھی ٹالتا ہے میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ عدالت کے دن مواخذہ کے لائق ہوگا۔

**اگر نجات چاہتے ہو** تو دین العجائز اختیار کرو اور مسکینی سے قرآن کریم کا جوا اپنی گردنوں پر اٹھاؤ کہ شریر ہلاک ہوگا اور سرکش جہنم میں گرایا جائے گا پر جو غریبی سے گردن جھکاتا ہے وہ موت سے

(باقی بر صفحہ کالم ملا)

# "توحید۔ رسالت اور امامت"

## تقریر بر جلسہ سالانہ ۔ مؤرخہ ۲۷ر دسمبر ۱۹۷۵ء

(مکرم چوہدری مسعود اختر صاحب ایڈووکیٹ)

معزز خواتین، حضرات و صاحب صدر

میری تقریر کا موضوع توحید، رسالت اور امامت ہے ۔ سورۃ الانبیاء کی ایک آیت میں یوں ارشاد ہوا ہے :۔

وما ارسلنا من قبلك من رسول الا نوحی الیه انه لا اله الا انا فاعبدون ۰

اس سے ثابت ہوا کہ آدم صفی اللہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک ایک لاکھ چوبیس ہزار یا جتنے بھی پیغمبر آئے اسی توحید کے پیغام کو دہراتے رہے اور پھر حضور نبی کریم صلعم کے ذریعہ توحید پر قائم ہونے کا جو پیغام دیا وہ کچھ اس طرح ہے ۔

قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین لا شریک له وبذالک امرت وانا اول المسلمین ۰

کہہ کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا اسی خدا کے لئے ہے جس کی ربوبیت تمام چیزوں پر محیط ہے کوئی اس کا شریک نہیں مجھے یہی حکم ہے کہ میں ایسا کروں اور اسلام پر قائم ہونے والا سب سے اول میں ہوں ۔

توحید کے سبق کا بنی آدم کی ہزاروں سال پر محیط تاریخ میں ایک لاکھ سے زیادہ مرسلین کے ذریعہ دہرایا جانا بذاتِ خود توحید کی اہمیت پر سب سے بڑی دلیل ہے خالق دوجہان نے اس پیغام کو پیہم تکرار سے جس طرح بار بار پیغمبر بھیجکر حضرت انسان کو یاد دہانی کرائی ہے اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بنی آدم اتنی سخت مخلوق ہے کہ بار بار اس تعلیم ربانی سے رُوگردانی کرتی رہی جب ہی تو لاکھوں بار اس تعلیم کو یاد کرانے کی ضرورت پڑی ۔

اب اگر ہم تاریخ بنی آدم پر نظر دوڑاتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ بنی نوع نے کیا کیا بُت نہیں تراشے اور غیراللہ کی پرستش کس کس صورت میں نہیں کی ۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ کسی نہ کسی شئے کی پرستش کرتے رہنا اور خاص طور پر ایسے مظاہر قدرت اور اشیاء کی پرستش کرنا جسے وہ دیکھ سکے ۔ چھُو سکے یا کم از کم محسوس کر سکے دو باتوں کی نشاندہی ضرور کرتی ہے اول یہ کہ اس کی سرشت میں پرستش کا تصور ضرور ہے ۔ دوم یہ کہ اپنے اس تصوّر کی تسکین کے لئے وہ اللہ کو جو غیب ہے صحیح طور Perceive نہیں کر پاتا رہا اور ان ظاہری اشیاء کی پرستش کرتا رہا جسے اس کے حواس خمسہ میں سے کوئی بھی حِسّ پا سکے اسی طرح انسان Perception کے معاملہ میں حسیات کا غلام ہے ۔

اب سورۃ الانبیاء کی جو آیت مَیں نے پہلے پڑھی اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے توحید قائم کرنے کے لئے اور انسانوں کو توحید کی طرف بلانے کے لئے رسولوں کو بھیجا اس طرح گویا مرسلینِ خدا توحید قائم کرنے کا ذریعہ تھے ۔ یہ جو نکات میں نے بیان کئے ۔ حضرت امام زمان نے نہایت ہی پیارے انداز میں حقیقت الوحی میں یوں بیان فرمائے ۔

"یہ بھی یاد رہے کہ خدا کے وجود کا پتہ دینے والے اور اس کے واحد لاشریک ہونے کا علم لوگوں کو سکھلانے والے صرف انبیاء علیہم السلام ہیں اگر یہ مقدس لوگ دنیا میں نہ آتے تو صراط مستقیم کا یقینی طور پر پانا ایک ممتنع اور محال امر تھا۔ اگرچہ زمین و آسمان پر غور کر کے اور ان کی ترتیب ابلغ اور محکم پر نظر ڈال کر ایک صحیح الفطرت اور سلیم العقل انسان دریافت کر سکتا ہے کہ اس کارخانہ پُر حکمت کا بنانے والا کوئی ضرور ہونا چاہیئے لیکن اس فقرہ میں کہ "ہونا چاہیئے" اور "واقعی وہ موجود ہے"، بہت فرق ہے ۔ واقعی وجود پر اطلاع دینے والے صرف انبیاء علیہم السلام ہیں جنہوں نے ہزارہا نشانوں اور معجزات سے دنیا پر ثابت کر دکھایا کہ وہ ذات جو مخفی در مخفی اور تمام طاقتوں کی جامع ہے درحقیقت موجود ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اس قدر عقل بھی کہ نظام عالم کو دیکھ کر صانع حقیقی کی ضرورت محسوس ہو یہ مرتبہ عقل بھی نبوت کی شعاعوں سے مستفیض ہے ۔ پس چونکہ قدیم سے اور جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے خدا کا شناخت کرنا نبی کے شناخت کرنے سے وابستہ ہے اس لئے یہ خود غیر ممکن اور محال ہے کہ بجز ذریعہ نبی کے توحید مل سکے ۔ نبی خدا کی صورت دیکھنے کا آئینہ ہوتا ہے اسی آئینہ کے ذریعہ سے خدا کا چہرہ نظر آتا ہے جب خدا تعالےٰ اپنے تئیں دنیا پر ظاہر کرنا چاہتا ہے تو نبی کو جو اس کی قدرتوں کا مظہر ہے دنیا میں بھیجتا ہے اور اپنی وحی اس پر نازل کرتا ہے اور اپنی ربوبیت کی طاقتیں اس کے ذریعہ سے دکھلاتا ہے تب دنیا کو پتہ لگتا ہے کہ خدا موجود ہے پس جن لوگوں کا وجود ضروری طور پر خدا کے قدیم قانون ازلی کے رو سے خدا شناسی کا ذریعہ مقرر ہو چکا ہے ان پر ایمان لانا توحید کا ایک جزو ہے اور بجز اس ایمان کے توحید کامل نہیں ہو سکتی کیونکہ ممکن نہیں کہ بغیر ان آسمانی نشانوں اور قدرت نما عجائبات کے جو نبی دکھلاتے ہیں اور معرفت تک پہنچاتے ہیں وہ خالص توحید جو چشمۂ یقین کامل سے پیدا ہوتی ہے میسّر آ سکے ۔ وہی ایک قوم ہے جو خدا نما ہے جن کے ذریعہ سے وہ خدا جس کا وجود دقیق در دقیق اور مخفی در مخفی اور غیب الغیب ہے ظاہر ہوتا ہے اور ہمیشہ سے وہ کنز مخفی جس کا نام خدا ہے نبیوں کے ذریعہ سے ہی شناخت کیا گیا ہے ورنہ وہ توحید جو خدا کے نزدیک توحید کہلاتی ہے جس پر عملی رنگ کامل طور پر چڑھا ہُوا ہوتا ہے اس کا حاصل ہونا بغیر ذریعہ نبی کے جیسا کہ خلاف عقل ہے ویسا ہی خلاف تجارب سالکین ہے ۔ بعض نادانوں کو جو یہ وہم گذرتا ہے کہ گویا نجات کے لئے صرف توحید کافی ہے نبی پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں گویا وہ رُوح کو جسم سے علیحدہ کرنا چاہتے ہیں ۔ یہ وہم سراسر دل کوری پر مبنی ہے صاف ظاہر ہے کہ جبکہ توحید حقیقی کا وجود ہی نبی کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور بغیر اس کے ممتنع اور محال ہے تو وہ بغیر نبی پر ایمان لانے کے میسّر کیونکر آ سکتی ہے اور نبی کو جو جڑھ توحید کی ہے ایمان لانے میں علیحدہ کر دیا جائے تو توحید کیونکر قائم رہے گی ۔ توحید کا موجب اور توحید کا پیدا کرنے والا اور توحید کا باپ اور توحید کا سرچشمہ اور توحید کا مظہر اتم صرف نبی ہی ہوتا ہے اسی کے ذریعہ سے خدا کا مخفی چہرہ نظر آتا ہے اور پتہ لگتا ہے کہ خدا ہے ۔"

حضرت مجدّد زماں کی مندرجہ بالا تحریر جہاں توحید اور رسالت کے تعلق کا بہت واضح طور پر نقشہ کھینچتی ہے وہاں اس امر کی نشاندہی بھی ہو جاتی ہے کہ حضرت انسان بار بار کیوں توحید کی راہ سے بھٹک جاتے

رہے اور کیوں تواتر سے مرسلین کو بنی آدم کو توحید کی راہ پر لگانے کے لئے آنا پڑا۔ حضرت صاحب کے یہ الفاظ قابلِ غور ہیں :۔

" ممکن نہیں کہ بغیر ان آسمانی نشانوں اور قدرت نما عجائبات کے جو نبی دکھلاتے ہیں اور معرفت تک پہنچاتے ہیں وہ خالص توحید جو چشمہ یقین کامل سے پیدا ہوتی ہے میسر آسکے وہی ایک قوم ہے جو خدانما ہے جن کے ذریعہ سے وہ خدا نمائی کا ذریعہ بنتے ہیں اور جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا انسان چونکہ ان سے Perceive کر سکتا ہے اس لئے اللہ اور توحید پر ایمان لے آتا ہے۔ لیکن یہ ان لوگوں کے لئے کہا جا سکتا ہے جو کسی نبی کے ہمعصر یا اس سے قریب کے دور کے لوگ تھے۔ جب یہ نسل گزر جاتی ہے تو یہ مافوق الفطرت واقعات محض ایک قصہ یا کہانی کے طور پر اگلی نسل کو ورثہ میں ملتے اور اسے یقین کی وہ دولت ہاتھ نہ آتی جو توحید اور اللہ پر ایمان لانے کا باعث بنتی۔ اور انسان پھر غیر اللہ کی پرستش میں مبتلا ہو جاتا۔ انسان کی عقل اللہ کی مخفی در مخفی ذات پر آگاہی پانے سے قاصر تھی بُعد زمانہ سے Perceivable معجزات اپنا اثر کھو بیٹھتے تو شرک کا کھیل پھر شروع ہو جاتا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ پھر کسی نبی کو مبعوث فرماتا۔ اور یونہی زمانہ نبی آخر الزمان آ پہنچا اور نبوت حضور خاتم المرسلین پر ختم ہو گئی۔ آپ نے توحید کا جو سبق عالم انسانی کو دیا اب وہ ابد تک جاری رہے گا۔ اس کا ذکر حضرت امامِ زمان نے حقیقۃ الوحی میں اپنے اسی مضمون میں یوں کیا ہے :۔

" پس میں ہمیشہ تعجب کی نگاہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی جس کا نام محمد ہے (ہزار ہزار درود و سلام اس پر) یہ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے اس کے عالی مقام کا انتہاء معلوم نہیں ہو سکتا اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔ افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے اس کے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا وہ توحید جو دنیا سے گم ہو چکی تھی وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اس کو دنیا میں لایا۔ اس نے خدا سے انتہائی درجہ پر محبت کی اور انتہائی درجہ پر بنی نوع کی ہمدردی میں اس کی جان گداز ہوئی اس لئے خدا نے جو اس کے دل کے راز کا واقف تھا اس کو تمام انبیاء اور تمام اولین اور آخرین پر فضیلت بخشی اور اس کی مرادیں اس کی زندگی میں اس کو دیں وہی ہے جو سرچشمہ ہر ایک فیض کا ہے اور وہ شخص جو بغیر اقرار افاضہ اس کے کسی فضیلت کا دعوےٰ کرتا ہے وہ انسان نہیں بلکہ ذریّت شیطان ہے کیونکہ ہر ایک فضیلت کی کنجی اس کو دی گئی ہے اور ہر ایک معرفت کا خزانہ اس کو عطا کیا گیا ہے جو اس کے ذریعہ سے نہیں پاتا وہ محرومِ ازلی ہے۔ ہم کیا چیز ہیں اور ہماری حقیقت کیا ہے۔ ہم کافر نعمت ہوں گے اگر اس بات کا اقرار نہ کریں کہ توحید حقیقی ہم نے اسی نبی کے ذریعہ سے پائی اور زندہ خدا کی شناخت ہمیں اسی کامل نبی کے ذریعہ سے اور اس کے نور سے ملی اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات کا شرف جس سے ہم اس کا چہرہ دیکھتے ہیں اسی بزرگ نبی کے ذریعہ سے ہمیں میسّر آیا ہے۔ اس آفتابِ ہدایت کی شعاع دھوپ کی طرح ہم پر پڑتی ہے اور اسی وقت تک ہم منوّر رہ سکتے ہیں جب تک کہ ہم اس کے مقابل پر کھڑے ہیں۔"

اس تحریر میں جو بات کہی گئی ہے اس کی طرف میں ذرا بعد میں آؤں گا پہلے آپ غور فرمائیے کہ انسان بھی وہی اور اس کی عقل بھی وہی۔ لمبا عرصہ حائل نہ ہوتا تو شاید خیر گذرتی لیکن یہ وقفہ ہزاروں سال پر محیط ہے تو پھر کیا حضرت انسان جو ہزاروں سال سے بھٹکتے چلے آ رہے ہیں ان کے دوبارہ بھٹک کر توحید کی راہ چھوڑ دینے کا احتمال نہیں۔ خاص طور پر ان حالات میں کہ دنیا سے مشرکین کا پورے طور پر قلع قمع کبھی نہ ہوا ہو اسی کرۂ ارض پر جہاں موحد بستے ہیں وہیں بُت پرست مشرکین اور دہریئے بھی ہیں تو پھر نبوت ختم ہو جانے کے بعد اگر مسلمانوں کو اس راہِ ہدایت کی طرف جو حضور نبی کریم صلعم بتا کر گئے تھے واپس بلانے کا انتظام نہ ہو تو عین ممکن ہے کہ توحید مسلمان معاشرہ سے بھی ناپید ہو جائے لیکن جس طرح ذاتِ خداوندی ازلی و ابدی ہے اسی طرح اس کی صفات توحید بھی ازلی و ابدی ہے پس ضروری تھا کہ توحید کی طرف بنی نوع کو بلانے کا عمل جاری رہتا اور بعد زمانہ سے در آنے والی کمزوریوں کا علاج ساتھ ساتھ ہوتا رہتا اور یہ انتظام ختم نبوت کے بعد ذاتِ باری تعالیٰ نے ایک اور ہی رنگ میں کیا۔ اور اب لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ بھی شامل ہے۔ حضرت امام زمان کی تحریر جو میں نے ابھی پڑھی تھی اس میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے جب آپؑ فرماتے ہیں :۔

" توحید حقیقی ہم نے اسی نبی کے ذریعہ سے پائی اور خدا کی شناخت ہمیں اسی کامل نبی کے ذریعہ سے اور اسی کے نور سے ملی اور خدا کے مکالمات و مخاطبات کا شرف جس سے ہم اس کا چہرہ دیکھتے ہیں اسی بزرگ نبی کے ذریعہ سے ہمیں میسّر آیا۔"

اس نئے انتظام کی خوشخبری خود حضور نبی کریم صلعم نے اُمت کو ان الفاظ میں دی :۔

(۱) ان اللہ یبعث لھٰذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔

یعنی اللہ اس اُمت میں ہر صدی کے سر پر ایسے لوگوں کو مبعوث کرے گا جو اس کے دین کو تازہ کیا کریں گے۔

مجددین کے متعلق اس حدیث کے برحق ہونے کا سب سے بڑا نشان اور دلیل خود وہ مجددین ہیں جو اس امت میں ہر صدی کے سر پر آتے رہے اور یہ اُمت ان کو مجدد تسلیم کرتی رہی۔ حد تو یہ ہے کہ مجدد الف ثانیؒ نہ صرف مجدد کے نام سے مشہور ہوئے بلکہ اس صدی کا نام بھی ان کے نام کے جزو کے طور پر مشہور ہو گیا۔ جیسے کہ حضرت امام زمان کے مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہے اب صرف اُمتِ محمد صلعم ہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس امت میں مجددین آتے رہیں اور توحید کی طرف بنی نوع کو بلاتے رہیں۔

(۲) جس طرح ختم نبوت سے پہلے اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں

کے ذریعہ اپنی مخفی در مخفی ذات کو اپنے نشانات اور قدرت نما عجائبات سے انسانوں پر ظاہر کرتا رہا بعینہٖ ان مجددین کے ذریعہ سے اظہار ذات باری تعالےٰ ہوا۔ اس امر کی نشاندہی بھی خود حضور نبی کریم صلعم فرما گئے تھے جب آپ نے فرمایا:

لم یبق من النبوۃ الا المبشرات

یہ امت ان مجددین ائمہ اور دیگر اولیاء اللہ کی کرامات جو کہ مبشرات سے ہیں دیکھتی چلی آئی ہے اور ایک دنیا اس کی معترف ہے۔ اسی سے اولیاء اللہ کے مکالمہ مکاشفہ کا راز بھی انسان سمجھ سکتا ہے اور اسی سے العلماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کی حدیث کا راز بھی مسلمان پا سکتے ہیں۔

چونکہ مجددینِ امت محمدیہ نے وہ عظیم الشان کام سرانجام دینا تھا جو ختمِ نبوت سے پہلے انبیاء علیہم السلام سرانجام دیتے چلے آئے تھے اور یہ فرض تھا توحید قائم کرنے کا اور حضور صلعم نے جو توحید کا سبق دیا تھا اسے تازہ کرنے کا اسی لئے حضور نے ان آئمہ کے مشن کی یہ اہمیت سمجھی کہ فرمایا:۔

(۲)۔ فمن لم یعرف امام زمانہ فمات میتة الجاهلیه

امید ہے توحید و رسالت کے ساتھ آئمہ یا مجددین کا جو رشتہ ہے وہ اب واضح ہو گیا ہوگا۔ اب ایک سوال اور قابل غور ہے۔ کہ پہلے تو ہر صدی میں مجددین آتے رہے اور ان کو اب یہ امت مجددین تسلیم بھی کرتی ہے یہ اور بات ہے کہ ان میں سے اکثر کو اپنے دَور کے علماء وقت اور حکومتوں سے بہت تکالیف برداشت کرنا پڑیں تو پھر اس چودھویں صدی کا مجدد کہاں ہے؟ کیا اللہ تعالےٰ نے اپنی سنت تبدیل کر لی ہے کیا نعوذ باللہ من ذالک احادیث نبوی غلط ثابت ہوئیں۔ کیا توحید کی طرف انسانوں کو بلانے کی اس صدی میں کبھی ضرورت پیدا نہیں ہوئی۔ نہیں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا نہ تو اس ہادئ برحق کی احادیث باطل ہو سکتی ہیں اور نہ ہی سنت اللہ تبدیل ہو سکتی ہے توحید کی طرف بنی نوع کو بلانے کا عمل پیہم جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ سنئے اس صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اپنے مشن کے متعلق کیا فرماتے ہیں:

”خدا نے مجھے دنیا میں اس لئے بھیجا کہ تا میں حلم اور خلق اور نرمی سے گم گشتہ لوگوں کو خدا اور اس کی پاک ہدایتوں کی طرف کھینچوں اور وہ نور جو مجھے دیا گیا ہے اس کی روشنی سے لوگوں کو راہ راست پر چلاؤں انسان کو اس بات کی ضرورت ہے کہ ایسے دلائل اس کو ملیں کہ جن کی رو سے اس کو یقین آ جائے کہ خدا ہے۔ کیونکہ ایک بڑا حصہ دنیا کا اسی راہ سے ہلاک ہو رہا ہے کہ ان کو خدا تعالےٰ کے وجود اور اس کی الہامی ہدایتوں پر ایمان نہیں ہے اور خدا کی ہستی ماننے کے لئے اس سے زیادہ صاف اور قریب الفہم اور کوئی راہ نہیں کہ وہ غیب کی باتیں اور پوشیدہ واقعات اور آئندہ زمانہ کی خبریں اپنے خاص لوگوں کو بتلاتا ہے اور وہ نہاں در نہاں اسرار جن کا دریافت کرنا انسانی طاقتوں سے بالاتر ہے اپنے مقربوں پر ظاہر کر دیتا ہے کیونکہ انسان کے لئے کوئی راہ نہیں جس کے ذریعہ سے آئندہ زمانہ کی ایسی پوشیدہ اور انسانی طاقتوں سے بالاتر خبریں اس کو مل سکیں۔“

تبلیغ رسالت میں آپ نے لکھا:۔

”بلکہ میرے آنے کی اصل غرض یہ ہے کہ تمام مسلمان خالص توحید پر قائم ہو جائیں اور ان کو خدا تعالےٰ سے تعلق پیدا ہو جائے اور ان کی نمازیں اور عبادتیں ذوق اور احسان سے ظاہر ہوں اور ان کے اندر سے ہر ایک قسم کا گند نکل جائے۔“

اور پھر الوصیت میں فرمایا:۔

”خدا تعالےٰ چاہتا ہے کہ ان تمام روحوں کو جو زمین کی متفرق آبادیوں میں آباد ہیں کیا یورپ اور کیا ایشیا ان سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں توحید کی طرف کھینچے اور اپنے بندوں کو دین واحد پر جمع کرے۔ یہی خدا تعالےٰ کا مقصد ہے جس کے لئے میں بھیجا گیا ہوں۔“

---

# جناب زیڈ اے سلیری سے ایک گذارش

(بسلسلہ صفحہ ۲۳)

بندگی و اطاعت کی طرف بلا رہا ہو اور سننے والا جواب میں گالیاں دے اور اس کی دعوت کو زک دینے کے لئے جھوٹ اور بہتان اور افتراء پردازیوں کے ہتھکنڈے استعمال کرے“

(تفہیم القرآن کی تشریح جلد پنجم ص۲۴۶)

میں نے آپ کی خاطر مودودی صاحب ہی کی تشریح درج کر دی ہے کیونکہ آجکل آپ ان سے متاثر دکھائی دیتے ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ تو نبی ہونے کے بھی مدعی نہیں تھے۔ تو کیا یہ ظلم نہیں کہ وہ اسلام کی دعوت دیں اور آپ ان پر کفر کا بہتان تراشیں ؎

سوچ لو اے سوچنے والو کہ اب بھی وقت ہے
راہِ حرماں چھوڑ دو۔ بخشش کے ہو امیدوار

---

# ایک احمدی خاتون کی بیمثال قربانی

## اور

# اپنے مرحوم شوہر کی وصیت کا احترام

اس دَور میں جبکہ دنیا مال و دولت کے پیچھے اندھی ہو کر بھاگ رہی ہے۔ اس قسم کی مالی قربانی کو بے مثال یا بےنظیر کہنا قطعاً مبالغہ آرائی نہ ہوگا کہ محترمہ بیگم صاحبہ قاضی محمد اسلم صاحب لاہور چھاؤنی نے اپنے مرحوم شوہر کی زبانی وصیت کا احترام کرتے ہوئے اور ان سے اپنی بعد از مرگ وفا کے اظہار کے طور پر مبلغ پندرہ ہزار روپے کی خطیر رقم اشاعت قرآن کے لئے صدقہ جاریہ کی صورت میں انجمن کے خزانہ میں جمع کرائی ہے۔ اس رقم سے مرحوم کی خواہش کے مطابق حضرت امیر مرحوم کے انگریزی ترجمۃ القرآن کو تقسیم کیا جائے گا۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ قاضی صاحب مرحوم و مغفور کو جنت الفردوس میں اعلےٰ مقام عطا فرمائے اور ان کی بیگم صاحبہ کو صحت و سلامتی کی زندگی کے ساتھ دینی اور دنیاوی حسنات سے نوازے۔ آمین ثم آمین

# تحریکِ احمدیت اور غلام احمد پرویز

گزشتہ سے پیوستہ

محترم شکر اللہ خان منصور

پرویز صاحب نے اپنی کتاب مذکور میں احمدیت کے بارے میں اکثر باتیں غلط اور خلاف واقعہ لکھ دی ہیں ۔ اس کی وجہ ان کی کم علمی ہو سکتی ہے یا عمداً جھوٹ کا ارتکاب ۔ کم علمی وہ تسلیم نہیں کر سکتے کیونکہ علم و دانش کے بڑے متفخر و مدعیدار ہیں حتیٰ کہ تمام اُمتِ محمدیہ کو گمراہ اور بے علم قرار دیتے ہیں لہذا یہی کہنا پڑے گا کہ انہوں نے عمداً جھوٹ بولے ہیں ۔ بطور نمونہ ان جھوٹوں کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

## پرویز صاحب کے جھوٹ

(اوّل) لکھتے ہیں پرویز صاحب :-

"مرزائی حضرات اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں لیکن میں ان کی اس نسبت کو صحیح نہیں سمجھتا ۔ کیونکہ احمد حضور نبی اکرمؐ کا اسم گرامی تھا اور یہ حضرات رسول اللہ کی جہت سے اپنے آپ کو احمدی نہیں کہتے بلکہ مرزا غلام احمد کی جہت سے ایسا کہتے ہیں ۔"

(کتاب مذکور صفحہ ۲۸)

یہ پرویز صاحب کا کھلا جھوٹ ہے تمام احمدی حضرات حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام "احمد" کی نسبت سے خود کو احمدی کہتے ہیں اور اسی جہت سے حضرت مرزا صاحب نے اپنا اور اپنی جماعت کا یہ نام رکھا جیسا کہ بر وقت ایک ضرورت کے تحریر فرمایا :-

"وہ نام جو اس سلسلہ کے لئے موزوں ہے جس کو ہم اپنے لئے اور اپنی جماعت کے لئے پسند کرتے ہیں وہ نام "مسلمان فرقہ احمدیہ" ہے اور اس فرقہ کا نام مسلمان فرقہ احمدیہ اس لئے رکھا گیا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو نام تھے ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم .... اور دوسرا احمد صلی اللہ علیہ وسلم ۔"

(تریاق القلوب صفحہ ۳۹۹)

(دوم) پرویز صاحب لکھتے ہیں :-

"احمدی حضرات عام طور پر کہا کرتے ہیں کہ مرزا صاحب نے نبی ہونے کا دعوےٰ کیا تھا رسول ہونے کا نہیں ۔ اور نبی اور رسول کا فرق یہ ہے کہ رسول صاحبِ کتاب اور صاحبِ شریعت ہوتا ہے اور نبی نہ کوئی کتاب لاتا ہے نہ کوئی شریعت ۔"

(کتاب مذکور صفحہ ۱۱۵)

یہ بھی پرویزی صریح جھوٹ ہے کوئی احمدی ایسا نہیں کہتا اور نہ کوئی احمدی نبی اور رسول میں یہ فرق سمجھتا اور بیان کرتا ہے ۔ احمدیہ جماعت کا تمام لٹریچر سب دنیا کے سامنے ہے۔

(سوم) پرویز صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۹۴ تا ۹۸ پر حضرت مرزا صاحب کی کتب حمامۃ البشریٰ صفحہ ۳۴ ۔ کتاب البریہ صفحہ ۱۸۲ ۔ آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۲۷۷ ۔ اشتہار ۲ر اکتوبر ۱۸۹۱ء ۔ اشتہار ۲۳ر اکتوبر ۱۸۹۱ء اور اشتہار ۱۸۹۷ء سے بعض حوالے نقل کر کے لکھتے ہیں :-

"ہم دیکھ چکے ہیں کہ مرزا صاحب نے واضح الفاظ میں بار بار کہا کہ حضور نبی اکرم خاتم النبیین ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ سلسلہ نبوت آپ پر ختم ہو گیا اور آپؐ خدا کے آخری نبی ہیں" (کتاب مذکور صفحہ ۹۹)

اس قدر کھلے اور واضح اقوال کے بعد آپؐ کی طرف کوئی اور عقیدہ منسوب نہیں ہو سکتا تھا مگر پرویز صاحب کہتے ہیں :-

"اس کے بعد آپ آگے بڑھے اور کہا کہ خاتم النبیین کے معنے آخری نبی نہیں ۔" (صفحہ ۹۹)

پرویز صاحب کا یہ صریح جھوٹ ہے کیونکہ جس کتاب کے حوالہ سے وہ یہ الزام لگاتے ہیں اسی میں حضرت اقدس نے بار بار لکھا ہے :-

۱ ۔ "والنبوۃ قد انقطعت بعد نبینا صلی اللہ علیہ وسلم" یعنی نبوت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یقیناً منقطع ہو گئی (حقیقۃ الوحی الاستفتاء ضمیمہ صفحہ ۶۴)

۲ ۔ "ان رسولنا خاتم النبیین وعلیہ انقطعت سلسلۃ المرسلین" یقیناً ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور ان پر مرسلین کا سلسلہ منقطع ہو گیا ۔ (حوالہ مذکورہ بالا)

۳ ۔ خدا تعالیٰ نے اللہ کے نام کی قرآن شریف میں یہ تعریف کی ہے کہ اللہ وہ ذات ہے جو رب العالمین ہے اور رحمٰن اور رحیم ہے جس نے زمین اور آسمان کو چھ دن میں بنایا اور آدم کو پیدا کیا اور رسول بھیجے اور کتابیں بھیجیں اور سب کے آخر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا جو خاتم الانبیاء اور خیر الرسل ہے ۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴۱)

(چہارم) پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ مرزا صاحب نے کہا :-

"مسلمان ہم ہیں اور جو لوگ میرے دعویٰ نبوت کو قبول نہیں کرتے وہ مسلمان نہیں ۔" (صفحہ ۱۰۲)

یہ بہت بڑا جھوٹ ہے حضرت مرزا صاحب نے کہیں نہیں کہا کہ جو لوگ آپ کے دعویٰ نبوت کو قبول نہیں کرتے وہ مسلمان نہیں ۔ تعجب ہے کہ اس قسم کے جھوٹوں سے پرویز صاحب اپنے فکر و استدلال کا پردہ سرِ بازار کیوں فاش کرا رہے ہیں ۔

(پنجم) پرویز صاحب لکھتے ہیں :-

"احمدی حضرات کی تیکنیک یہ ہے کہ اگر مرزا صاحب کے کسی ایسے دعویٰ کے خلاف اعتراض کیا جائے جس کی قرآن سے تو سند نہ ملے لیکن وہ ہمارے ہاں ہوتا چلا آرہا ہو ۔ تو یہ حضرات عجلت سے اسلاف کا مسلک پیش کر دیں گے جیسے مجددیت کے دعویٰ کی سند میں حضرات شیخ احمد سرہندیؒ اور شاہ ولی اللہ دہلوی وغیرہ کا نام پیش کر دیتے ہیں لیکن اس مقام پر ہم اتنا واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ آپ کشف الہام خدا سے ہمکلامی، مجددیت وغیرہ کی جتنی جی چاہے مثالیں پیش کریں ۔ ان میں سے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا تھا کہ جو میرے دعاوی کو نہیں مانتا وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے ۔ یہ دعویٰ صرف مرزا صاحب نے کیا ۔ اسی لئے حضرت مرزا صاحب کے دعاوی کی حیثیت ان حضرات کے دعاوی سے یکسر مختلف ہے جنہیں احمدی حضرات مرزا صاحب کے دعاوی کی تائید میں پیش کر دیتے ہیں ۔" (صفحہ ۲۵۷ تا ۲۵۹)

حضرت مرزا صاحب نے کبھی یہ نہیں فرمایا اور نہ کہیں یہ لکھا ہے کہ جو شخص آپ کے دعاوی کو نہیں مانتا وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے ۔ یہ جھوٹ پرویز صاحب کے سب جھوٹوں کا گویا "ماسٹر پیس" ہے جس کی مثال شاید کہیں اور ہرگز نہ مل سکے ۔ حضرت مرزا صاحب نے اُن کے نظریات کا نام "شیطانی مذہب" ضرور رکھا ہے مگر اس کا جواب جھوٹ پر جھوٹ بولنا تو نہیں ہے ۔ انہیں چاہیئے تھا کہ اس کے بالمقابل وہ اپنے نظریات کو قرآن و سنت سے ثابت کر دکھائیں ۔ بقول پرویز صاحب ان کا یہ انداز بحث و جدل "عمومی" نہیں، صرف "علمی سطح" پر ہے ۔ یہ بھی ان کا گویا احسان ہی ہے ۔ اگر یہ انداز ان کا علمی سطح سے ہٹ کر عمومی ہو جاتا تو خدا معلوم کیا غضب ڈھاتے ۔ چھوڑا تو انہوں نے اب بھی احمدیوں کے بہانے سے کسی کو نہیں ۔ نہ خدا کو نہ رسول کو اور نہ اُمتِ محمدیہ کو ۔ سب کی خوب خبر لی ہے۔

## اختلاف اور تناقض

پرویز صاحب لکھتے ہیں :-

"مرزا صاحب نے جس قدر دعاوی کئے اور جس قدر بیانات دیئے ۔ ان

کے اقتباسات آپ کی نظروں سے گزر چکے ہیں ان سب میں ایک چیز بطور
قدر مشترک ملے گی اور وہ یہ کہ ان کے دعاوی اور بیانات باہم دِگر
مختلف اور متناقض ہیں ۔" (کتاب مذکور صفحہ ۱۷۱)

حالانکہ ان کے پیش کردہ اقتباسات اور بیانات میں کوئی اختلاف اور تناقض ثابت نہیں ۔ پرویز صاحب ایک غلط بات کہے جا رہے ہیں ۔ ہاں ایک مثال انہوں نے لکھی ہے ان کی یہ مثال مع ان کے مکمل استدلال کے مندرجہ ذیل ہے چنانچہ لکھتے ہیں :۔

ان تناقضات کی بیّن مثال ابھی ابھی ہمارے سامنے آئی ہے وہ کہتے ہیں کہ (یعنے مرزا صاحب کہتے ہیں کہ) :۔

"یہ بالکل غیر معقول اور بیہودہ امر ہے کہ انسان کی اصل زبان تو کوئی ہو اور الہام اس کو کسی اور زبان میں ہو جس کو وہ سمجھ بھی نہیں سکتا۔"

جس شخص کے بیانات میں تناقض پایا جائے ۔ اس کے متعلق ہم سے نہیں خود مرزا صاحب سے سنئے ۔ فرماتے ہیں :۔

کسی سچیار، عقلمند اور صاف دل انسان کے کلام میں ہرگز تناقض نہیں ہوتا ۔ ہاں اگر کوئی پاگل یا مجنون یا ایسا منافق ہو کہ خوشامد کے طور پر ہاں میں ہاں ملا دیتا ہو اُس کا کلام بے شک متناقض ہو جاتا ہے۔" ست بچن صـ۳۱

دوسری جگہ لکھتے ہیں :۔

"اس شخص کی حالت ایک مخبوط الحواس کی حالت ہے کہ ایک کھُلا کھُلا تناقض اپنے کلام میں رکھتا ہے ۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۸۴)

اور قول فیصل یہ ہے کہ :۔

"جھوٹے کلام میں تناقض ضرور ہوتا ہے ۔" (براہین احمدیہ پنجم ضمیمہ صفحہ ۱۱۱)

ان تصریحات کی روشنی میں آپ مرزا صاحب کے متعلق خود ہی فیصلہ کر لیجئے کہ وہ کیا تھے ۔ ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی ۔" (کتاب مذکور صفحہ ۱۷۱ تا ۱۷۳)

ہم نے پرویز صاحب کی دلیل ان کی تمام تصریحات کے ساتھ درج کر دی ہے ۔ در اصل جیسا کہ پرویز صاحب کے الفاظ سے مشعر ہے حضرت اقدس کی کتابوں کو انہوں نے خود نہیں پڑھا کسی دوسرے نے لقمہ دے دیا اور وہ بے دھڑک اُسے چبا گئے ۔ تحقیق حق تو انہیں منظور نہیں تھی محض مخالفت و عداوت مدنظر تھی ورنہ حضرت اقدس کے اقوال منقولہ میں قطعاً کوئی اختلاف اور تناقض موجود نہیں ۔ کیونکہ ہر دو اقوال کے اعتبارات ہی مختلف ہیں ۔ لاہور میں اُن دنوں آریہ ہندوؤں نے ایک مذہبی جلسہ کا انعقاد کیا جس میں دیگر مذاہب کے نمائندوں کو بھی مدعو کیا ۔ اس جلسہ میں ایک آریہ پنڈت نے دیگر مذاہب کے ابطال میں صرف اپنی کتاب "وید" کو واحد سچی الہامی کتاب ثابت کرنے کے لئے الہامی کتاب کی بعض نشانیاں اپنی طرف سے بیان کیں جن میں سے ایک یہ تھی کہ سچی الہامی کتاب وہ ہے جو :۔

"کسی انسان کی زبان میں نہ ہو خاص ایشور کی زبان میں ہو۔"

اور کہ ایشور کی زبان وہ ہو سکتی ہے جو دنیا میں کسی انسان کی زبان نہ ہو جیسا کہ ویدک زبان سنسکرت ہے ۔ پنڈت مذکور کی اس دلیل کی تردید و تغلیط میں حضرت مرزا صاحب نے وہ الفاظ لکھے جو پرویز صاحب نے پہلے نقل کئے ہیں یعنے :۔

"یہ بالکل غیر معقول اور بیہودہ امر ہے کہ انسان کی اصل زبان تو کوئی ہو اور الہام اس کو کسی اور زبان میں ہو جس کو وہ سمجھ بھی نہیں سکتا۔"

اس قول میں انسان کی اصل زبان کا جو ذکر ہے اس میں انسان سے مراد خاص ملہم نہیں بلکہ انسان بحیثیت بنی نوع مراد ہے یعنے دنیا میں کسی بھی انسان کی وہ زبان نہ ہو ورنہ خدا تعالےٰ کو اختیار ہے وہ کسی ملہم کو ایسی زبان میں الہام کرے جو گو اس ملہم کی زبان تو نہ ہو مگر دوسرے کروڑوں انسانوں کی وہ زبان ہو یہی تو خدا کی خدائی کا ثبوت ہے ۔ اسی لئے حضرت اقدس کو بعض الہام ایسی زبان میں ہوئے جن سے انہیں خود واقفیت نہیں تھی مگر دنیا میں کروڑوں انسانوں کی وہ زبان تھی ۔ اسی حقیقت الامر کا اظہار آپ نے اس دوسرے قول میں کیا جو پرویز صاحب نے لکھا ہے یعنے

"زیادہ تر تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض الہامات مجھے ان زبانوں میں بھی ہوتے ہیں جن سے مجھے کچھ بھی واقفیت نہیں ۔"

تبلایئے ان ہر دو اقوال میں تناقض کی کون سی بات ہے ؟ پرویز صاحب کو چاہیئے تھا کہ اعتراض کرنے سے قبل حضرت اقدس کی کتب کو خود مطالعہ کر لیتے اور ابھی ابھی آنے والی خبر کو لے کر نہ بیٹھ جاتے ۔

## پرویزی تناقضات

رسول صاحب کتاب ہوتا ہے اسے تشریعی نبی کہتے ہیں اور نبی بلا کتاب اسے غیر تشریعی کہتے ہیں ۔ مرزا صاحب بلا کتاب آئے تھے ۔ اس لئے صرف نبی تھے ۔" (صفحہ ۳۲۵)

نبی اور رسول میں پرویز صاحب کے منسوب کردہ مزعومہ فرق کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں بہرحال اس قول میں پرویز صاحب کہتے ہیں کہ لاہوری احمدی مرزا صاحب کو نبوت کا مدعی کہتے اور مانتے ہیں پھر اسی کتاب میں دوسری جگہ اپنے اس قول کو خود ہی جھوٹا کر دیتے ہیں جیسا کہ لکھتے ہیں :۔

"ساٹھ برس سے دونوں جماعتوں (قادیانی اور لاہوری) میں یہ بحث جاری ہے کہ مرزا صاحب کا دعویٰ کیا تھا ۔ قادیانی جماعت کا دعویٰ ہے کہ مرزا صاحب مدعی رسالت و نبوت تھے ، اور لاہوری جماعت کہتی ہے کہ نہیں ان کا دعویٰ صرف مجددیت کا تھا ۔" (صـ۲۲۱)

پرویز صاحب محترم ! اس کا نام تناقضِ کلام ہے ۔ آپ جھوٹ بھی بولتے ہیں اور اپنے کلام میں صریح تناقض بھی رکھتے ہیں اور سنئے ۔ لکھتے ہیں ، پرویز صاحب کہ :۔

"مرزا صاحب نے پہلے صرف حضرت عیسےٰؑ کی آمد ثانی کا مسئلہ چھیڑا اور اپنے مسیح ہونے کی بات قطعاً نہ کی ... پہلے صرف حضرت مسیح کی آمد کا نظریہ عام کیا گیا جب لوگوں نے اسے تسلیم کر لیا تو پھر اپنے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کر دیا ۔"
(صفحہ ۳۶۴ - ۳۶۵)

پرویز صاحب اپنے اس قول میں تین باتیں کہتے ہیں یعنے حضرت مرزا صاحب نے پہلے :۔

۱۔ صرف حضرت عیسےٰؑ کی آمد ثانی کا ذکر چھیڑا ۔
۲۔ حضرت مسیح کی آمد کا نظریہ عام کیا ۔
۳۔ لوگوں نے آپ کے عام کرنے کی وجہ سے اسے تسلیم کر لیا ۔

یہ تینوں باتیں صریح جھوٹ ہیں چنانچہ وہ خود اسی کتاب میں دوسری جگہ ان کے جھوٹ ہونے پر خود اپنے قلم سے اپنی گواہی لکھتے ہیں ملاحظہ ہو :۔

"مسیح موعود کا نظریہ سب سے پہلے یہودیوں نے اپنے ایام اسیری میں وضع کیا اس کے بعد اسے عیسائیوں نے اختیار کیا جب کہا کہ عیسےٰ نے صلیب پر وفات نہیں پائی وہ زندہ آسمان پر اُٹھا لئے گئے تھے اور اب دنیا کے آخری زمانہ میں وہ آسمان سے نازل ہوں گے .... وہیں سے اس عقیدہ نے کتب روایات اور تفسیر میں راہ پائی .... عیسائیوں نے اسے بہت اچھالا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے ہاں حیات و وفات

(باقی بر صـ۲۱ کالم ۲)

مولانا محمد علی صاحب مبلغ ڈیرہ غازی خان

# مقام محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

## کمالاتِ قدسیہ میں سب نبیوں سے بڑھکر

## آنحضرتؐ کی قوت قدسی اور تاثیر کا اثر

انبیاء روشن گہر ہستند لیک
ہست احمدؐ زاں ہمہ روشن ترے (درِ ثمین)

---

علاج کی چار صورتیں تو عام ہیں۔ دوا سے۔ غزا سے۔ عمل سے۔ پرہیز سے علاج کیا جاتا ہے۔ ایک پانچویں قسم بھی ہے جس سے سلب امراض ہوتا ہے وہ توجہ ہے۔ حضرت مسیح اسی توجہ سے سلب امراض کیا کرتے تھے اور یہ سلب امراض کی قوت مومن اور کافر کا امتیاز نہیں رکھتی بلکہ یہاں تک کہ اس کے لئے نیک چلن ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ نبی اور عام لوگوں کی توجہ میں اتنا فرق ہوتا ہے کہ نبی کی توجہ کیسی نہیں ہوتی بلکہ وہبی ہوتی ہے۔ توجہ ایک ایسی چیز ہے کہ اس سے سلب ذنوب بھی ہوجاتا ہے۔

ہمارے نبی کریمؐ کی توجہ اور حضرت مسیحؑ کی توجہ میں یہ فرق ہے کہ حضرت مسیح کی توجہ سے تو سلب امراض ہوتا تھا لیکن ہمارے نبی کریمؐ کی توجہ سے سلب ذنوب ہوتا تھا اور اسی وجہ سے آپ کی قوت قدسی کمال کے درجہ پر پہنچی ہوئی تھی۔ حضرت مسیح کی توجہ چونکہ زیادہ تر سلب امراض کی طرف تھی اس لئے سلب ذنوب میں ان کے کامیاب نہ ہونے کی یہی وجہ تھی کہ جو جماعت انہوں نے تیار کی وہ اپنی صفائی نفس اور تزکیہ باطن میں ان مدارج کو پہنچ نہ سکی جو جلیل الشان صحابہ رض کو ملی۔ اور رسول کریم صلعم کی قوت قدسی یہاں تک بااثر تھی کہ آج اس زمانہ میں بھی تیرہ سو برس کے بعد سلب ذنوب کی وہی قوت اور تاثیر رکھتی ہے جو اس وقت رکھتی تھی[1]

مسیح اس میدان میں رسول اللہ کا ہرگز مقابلہ نہیں کرسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ سلب امراض والے مسیح کے اچھے کئے ہوئے مر گئے لیکن قد افلح من ذکّٰھا (۹۱/۹) کی تعلیم دینے والے کے زندہ کئے ہوئے آج تک بھی زندہ ہیں اور ان پر کبھی فنا آہی نہیں سکتی۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مقابلہ میں حواریوں کو پیش کرتے ہوئے بھی شرم آجاتی ہے حواریوں کی تعریف میں ساری انجیل میں ایک بھی ایسا فقرہ نظر نہ آئے گا کہ انہوں نے میری راہ میں جان دے دی بلکہ برخلاف اس کے وہ حد درجہ کے غیر مستقل مزاج، غدار اور بے وفا اور دنیا پرست تھے اور[2] انجیل سے ثابت ہے کہ وہ بارہ شاگرد جو ان کی خاص قوت قدسی اور تاثیر کا نمونہ تھے ان میں سے ایک نے جس کا نام یہودا اسکریوطی تھا اس نے تیس روپے پر اپنے آقا و مرشد کو بیچ دیا اور دوسرے نے جو سب سے اوّل نمبر پر ہے اور شاگرد رشید کہلاتا تھا اور جس کے ہاتھ میں بہشت کی کنجیاں تھیں یعنی پطرس، اس نے سامنے کھڑے ہوکر تین مرتبہ لعنت کی جب خود حضرت مسیح کی موجودگی میں ان کا اثر اور فیض اس قدر تھا تو اب انیس سو سال گذرنے کے بعد اور خود اندازہ کرلو کہ کیا باقی رہا ہوگا۔

[1] ملفوظات احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۲۳۲ — [2] الحکم ۳۱ر مئی ۱۹۰۵ء

اس کے بالمقابل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جماعت تیار کی تھی وہ ایسی صادق اور وفادار جماعت تھی کہ انہوں نے آپ کے لئے جانیں دے دیں، وطن چھوڑ دیئے۔ عزیزوں اور رشتہ داروں کو چھوڑ دیا۔ غرض آپ کے لئے کسی چیز کی پرواہ نہ کی۔ یہ کیسی زبردست تاثیر تھی اس تاثیر کا بھی مخالفوں نے اقرار کیا ہے۔ اور پھر تاثیر کا ایک اور بھی نمونہ قابلِ ذکر ہے کہ جو لوگ قسی القلب تھے وہ بھی کھچے چلے آتے تھے۔ ایک دفعہ ایک بادشاہ ثمامہ کو باندھا گیا۔ آپؐ اس کے حالات ہر روز دریافت کرتے چند روز کے بعد حکم دیا کہ اسے چھوڑ دیا جائے پھر اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلے کہ:

> "پہلے آپؐ کا نام مبارک مجھے تمام ناموں سے زیادہ مذموم معلوم ہوتا تھا مگر اب تمام ناموں سے زیادہ محمود و پیارا معلوم ہوتا ہے اور اس شہر کو جس میں آپ رہتے ہیں میں حقارت کی نگاہ سے دیکھا کرتا تھا مگر اب یہی محبوب ترین نظر آتا ہے"

یہ کیا بات تھی جس نے اس شخص کو گرویدہ بنالیا؟ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ ہی تھی جس سے باطنی چرک و میل دُور ہوتی تھی۔ اس کو بنظر استخفاف نہ دیکھنا چاہیئے توجہ میں بھی ایک قوت قدسیہ اور تاثیر ہوتی ہے۔[3]

## آنحضرتؐ کا بلند مقام اور یسوع مسیح

اس کے مقابل ہم حضرت مسیح کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی قوم کا کیا علاج کیا اور اپنی روحانیت اور عقد ہمت اور قوت قدسی کا کیا کرشمہ دکھایا؟ محض زبانی باتیں بتانے سے کچھ فائدہ نہیں۔ جب تک عملی رنگ میں ان کا نمونہ نہ دکھایا جاسکے جبکہ مسیح کی شان میں اس قدر مبالغہ سے کام لیا گیا کہ باوجود اتنی ناتوانی اور ضعف کے ان کو خدائی کا منصب دے دیا گیا ہے تو چاہیئے تو یہ تھا کہ ان کا علم رحمت اپنا اثر دکھاتی اور ان کی اقتداری قوت کوئی نمونہ پیش کرتی جس سے گناہ کی زندگی پر دنیا میں موت وارد ہو جاتی اور فرشتوں کی طرح زندگی بسر کرنے والوں سے دنیا معمور ہو جاتی۔ مگر یہ کیا ہوگیا کہ ان کے چند خاص ہمنشین بھی جو رات دن آپ کی صحبت میں رہا کرتے تھے درست نہ ہو سکے؟ عیسائی اپنے خداوند یسوع کا مقابلہ تو آنحضرتؐ سے کرنے لگ جاتے ہیں۔ لیکن تعجب ہے کہ وہ قوت قدسی کے لحاظ سے مسیح اور آنحضرتؐ کا مقابلہ کرنے کی طرف نہیں آتے اگر ان کی نیت میں صدق ہو تو اصلاحی نتائج پر مقابلہ کرتے تو انہیں اصلیت معلوم ہو جاتی۔[4]

حضرت مسیح کے بارہ میں مجھے بار بار یہ خیال آتا ہے کہ نادان عیسائی کس شیخی پر آنحضرتؐ سے ان کا مقابلہ کرنے بیٹھے ہیں۔ حضرت مسیح کا دعوےٰ ہی بجائے خود محدود ہے اور وہ صاف کہتے ہیں کہ میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی طرف بھیجا گیا ہوں ضربت علیہم الذلۃ الخ۔ (۲/۶۱) کی مصداق آپ کی دعوت کی مخاطب قوم تھی یہ دعوےٰ تو ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی نمبر داری یا پٹی داری کا دعوےٰ کرے جب ایک محدود قوم مخاطب تھی تو حضرت مسیح کی ہمت استقلال اور توجہ اسی دعوے کی نسبت سے ہونی چاہیئے۔

## آنحضرتؐ ہر میدان میں مظفر و منصور

دوسری طرف ہمارے نبی کریمؐ فرماتے ہیں قل یاایھا الناس

[3] الحکم ۱۷ر فروری ۱۹۰۶ء — [4] الحکم ۲۴ر جون ۱۹۰۳ء

[5] ملفوظات احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۲۲۲

الی رسول اللہ الیکم جمیعًا (۱۵۹/۷) اس دعوے کے لئے اتنی ہی بلند ہمتی استقلال اور توجہ درکار ہے۔ چنانچہ آنحضرت کی ہمت۔ بلند نظری اور توجہ کا مسیح کی بہت بلند نظری اور توجہ سے مقابلہ کرو تو معلوم ہوگا کہ کیا مسیح کی خدائی کی یہی شان ہونی چاہیئے کہ یہودیوں کے چند گھرانوں کے سوا اور کسی قوم کی اصلاح کا دعوے بھی نہیں کیا حالانکہ دعوے خدائی کے حسب حال تو یہ ہونا چاہیئے تھا کہ آپ کی دعوت کا میدان بڑا وسیع ہوتا۔ خیر اگر اسی بات کو ہی مان لیا جائے کہ بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کے لئے ہی دعوت تھی۔ لیکن کم از کم اتنا تو دیکھنا چاہیئے کہ جن کی اصلاح کے لئے آئے ان میں کہاں تک کامیابی حاصل کی۔ اگر اناجیلی واقعات پر غور کی نگاہ کی جائے تو یہ راز بھی کھل جاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ دشمنوں کے مقابلہ پر ہر میدان میں آپ کو ذلیل ہونا پڑا۔ دشمنوں پر کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ بلکہ اُلٹا انہوں نے پکڑوا کر صلیب پر لٹکوا دیا اور قصہ پاک کر دیا۔ ایسے خدا کا حضرت نبی کریمؐ سے مقابلہ کیا جاتا ہے جو ہر میدان میں مظفر و منصور ہوئے۔ اور آپؐ کے دشمن اور بدخواہ کبھی آپؐ پر قابو نہ پا سکے اور نہ ہی غلبہ پا سکے اور آپ کی آنکھوں کے سامنے ہلاک ہو گئے۔ آپؐ کی بعثت بھی ایسے وقت میں ہوئی کہ جب دنیا کی حالت مسخ ہو چکی تھی اور وہ مجذوم کی طرح بگڑی ہوئی تھی اور آپ اس وقت رخصت ہوئے جب آپ نے لاکھوں انسانوں کو ایک خدا کے حضور جھکا دیا توحید پر قائم کر دیا۔ آپؐ کی قوتِ قدسی کی تاثیر کا مقابلہ کسی نبی کی قوت قدسی نہیں کر سکتی۔ حضرت مسیح ایسی حالت میں منقطع ہوئے کہ وہ بارہ حواری جو بڑی محنت سے تیار کئے تھے جن کو رات دن ان کی صحبت میں رہنے کا موقعہ ملتا تھا وہ بھی پورے طور پر مخلص اور وفادار ثابت نہ ہوئے اور خود حضرت مسیح کو ان کے ایمان اور اخلاص پر شک ہی رہا یہاں تک کہ وہ آخری وقت جو مصیبت اور مشکلات کا وقت تھا وہ حواری ان کو چھوڑ کر چلے گئے۔ ایک نے گرفتار کرا دیا۔ اور دوسرے نے سامنے کھڑے ہو کر تین مرتبہ لعنت کی[7] حضرت مسیح کے لئے یہ نظارہ کیسا مایوسی بخش ہے۔ دوسری طرف آنحضرتؐ کی طرف دیکھو کہ کس طرح پر آپؐ کے جان نثار رفیق آپؐ کے قدموں پر اپنی جانیں نثار کر رہے ہیں۔ کیا ایسے وفادار اور فرمانبردار اصحاب اور رفیق کسی اور کو بھی ملے تھے؟ جنہوں نے اپنی وفاداری اور اطاعت میں فنا ہو کر اپنی جانوں تک کے دے دینے میں ذرا بھی دریغ نہ کیا اور یہ آپ کی ذاتی قوت قدسی کا ثبوت ہے جس کے ساتھ مسیح کی قوتِ قدسی کا مقابلہ کرنے سے اس میں کچھ بھی نظر نہیں آتا[8]

## حواریوں کو صحابہ رض سے کیا نسبت؟

ایک انگریز جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح کا مقابلہ کرتا ہے تو وہ لکھتا ہے کہ صحابہؓ میں علاوہ اس کے کہ ان میں صدق اور ایمان کی وہ طاقت موجود تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سر دینے کو تیار ہو جاتے تھے اور ایسی جگہ کھڑے ہوتے تھے جہاں بجز جان دینے کے اور کوئی چارہ ہی نہ ہوتا تھا لیکن برخلاف اس کے مسیح کے حواریوں کی یہ حالت تھی کہ خود انہی میں سے ایک نے تیس روپے لے کر پکڑوا دیا اور دوسرے اس کے پاس سے بھاگ گئے اور دو گھڑی بھی اس کے ساتھ نہ ٹھہر سکے۔ ایسے حواریوں کو صحابہ رض کے ساتھ کیا نسبت اور کیا مقابلہ؟[9]

## صحابہ رض کی شجاعت اور وفاداری کا نمونہ

صحابہؓ حضرت نبی کریم صلعم کے ایسے ارادتمند اور جان نثار تھے کہ خود خدا تعالےٰ نے ان کی شہادت ادا فرمائی کہ انہوں نے خدا کی راہ میں جانیں دے دینے سے دریغ نہیں کیا اور ایمان کی جملہ صفات ان میں پائی جاتی ہیں۔ عابد۔ زاہد۔ سخی۔ بہادر وفادار۔ یہ صفات ایمان کسی دوسری قوم میں نہیں پائی جاتیں۔ پھر جس قدر مصائب اور تکالیف صحابہ کو ابتدائے اسلام میں برداشت کرنی پڑیں۔ ان کی نظیر بھی کسی اور قوم میں ہرگز نہیں پائی جاتی۔ اس بہادر قوم نے ان مصیبتوں کو برداشت کرنا گوارا کیا لیکن اسلام کو نہ چھوڑا۔ چنانچہ اس قوم کو جو رات دن مسجدوں میں خدا کی عبادت میں مشغول رہتی تھی اور جس کی تعداد بہت قلیل تھی اور جس کے پاس سامان جنگ بالکل نہ تھا مخالفوں کے حملوں کو رد کرنے کے لئے میدان جنگ میں آنا پڑا اور ان جنگوں میں چند سو صحابہ رض کی جماعت کئی کئی ہزار مخالفوں کے مقابلہ میں آتی رہی اور ایسی جانبازی اور بہادری سے لڑی کہ اگر حضرت مسیح کے حواریوں کو اس قسم کا موقعہ پیش آتا تو ان میں سے ایک بھی مخالفین کے سامنے نہ آتا۔ جب ایک ذرا سے ابتلاء پر وہ اپنے استاد و آقا کو چھوڑ کر الگ ہو گئے تو ایسے سخت معرکوں میں ان کا ٹھہرنا ایک ناممکن بات تھی۔ لیکن صحابہؓ کی ایماندار اور وفادار قوم نے اپنی شجاعت اور وفاداری کا پورا پورا نمونہ دکھایا اور جو جوہر انہوں نے دکھائے وہ سچے ایمان اور یقین کے نتائج تھے۔ حضرت موسےٰؑ نے جب اپنی قوم کو کہا کہ آگے بڑھ کر دشمن پر حملہ کرو تو انہوں نے کیسا شرمناک جواب دیا فاذھب انت وربك فقاتلا انا ھھنا قٰعدون (۲۵/۵) تو اور تیرا ربّ جاؤ اور لڑو ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے۔ برخلاف اس کے صحابہ رضؓ کی زندگی میں ایسا کوئی موقعہ نہیں آیا بلکہ انہوں نے کہا شجاعت اور وفاداری کا جوش ان میں پیدا ہو گیا تھا۔ یہ سب ایمان اور یقین کا نتیجہ تھا جو آپؐ کی قوت قدسی اور تاثیر کا اثر تھا[10]

## شانِ احمد

(۱) آفتاب ہر زمین و ہر زماں + رہبرِ ہر اسود و ہر احمرے
(۲) مجمع البحرین علم و معرفت + جامع الاسمین ابر و خاورے
(۳) چشم من بسیار گردید و ندید + چشمۂ چوں دین اُو صافی ترے
(۴) سالکاں را نیست غیر از وے امام + رہرواں را نیست جز وے رہبرے
(۵) جائے اُو جائیکہ طیرِ قدس را + سوزد از انوار آں بال و پرے
(۶) آں خداوندش بداد آں شرع و دیں + کاں نگردد تا ابد متغیّرے
(۷) تافت اول بر دیارِ تازیاں + تا زیانش را شود درماں گرے
(۸) بعد زاں آں نورِ دین و شرعِ پاک + شد محیطِ عالمے چوں چنبرے
(۹) خلق را بخشید از حق کامِ جاں + وا رہانیدہ ز کامِ اژدرے
(۱۰) یک طرف حیراں اَز و شاہاں وقت + یک طرف مبہوت ہر دانشورے
(۱۱) نے بعلمش کس رسید و نے بزور + در شکستہ کبر ہر متکبّرے
(۱۲) اُو چہ میدارد بمدح کس نیاز + مدحِ اُو خود فخرِ ہر مدحت گرے
(۱۳) ہست اُو در روضۂ قدسِ جلال + واز خیال ما وہاں بالا ترے
(۱۴) اے خدا بر وے سلام ما رساں
ہم بر اخوانش ز ہر پیغمبرے (دُرِثمین)

---

[6] ملفوظات احمدیہ حصّہ سوم ص۱۱۲۔ [7] الحکم ۲۴ فروری ۱۹۰۴ء
[8] ملفوظات احمدیہ حصّہ سوم ص۱۱۲
[9] الحکم ۱۷ جنوری ۱۹۰۶ء
[10] ملفوظات احمدیہ حصہ ششم صفحہ ۴۲۲

## ترجمہ:

(۱) وہ (احمد) ہر ایک ملک اور ہر زمانہ کا سورج ہے۔

(۲) میری آنکھ نے بہت تلاش کیا لیکن اس نے اس سردار کے دین کی مانند صاف چشمہ کہیں نہیں دیکھا۔

(۴) سالکوں کا اس کے سوا اور کوئی امام نہیں اور راہروں کو اس کے سوا اور کوئی رستہ دکھانے والا نہیں۔

(۵) اس کا مقام وہ مقام ہے کہ اس کے انوار کی وجہ سے طائرِ قدس (جبریل) کے بال و پر بھی وہاں جانے سے جلتے ہیں۔

(۶) خدا تعالےٰ نے اسے وہ شریعت اور دین عطا فرمایا جو تا ابد تبدیل نہیں ہوگا۔

(۷) پہلے وہ عرب کے ملک پر چمکا تا وہ ان کی خرابیوں کو دُور کرے

(۸) اور بعد ازاں وہ نورِ دین اور شرع پاک آسمان کی مانند تمام دنیا پر محیط ہو گئی۔

(۹) مخلوق کو خدا کی طرف سے مقصدِ زندگی بخشا اور ایک اژدھے کے منہ سے اسے رہائی دلائی۔

(۱۰) ایک طرف تو بادشاہانِ وقت اس کے جاہ و جلال کو دیکھ کر حیران ہیں اور دوسری طرف ہر ایک عقل کا مدعی (اس کے علم اور عقل کو دیکھ کر) ششدر ہے۔

(۱۱) نہ اس کے علم تک کوئی پہنچا نہ اس کی طاقت تک۔ اُس نے ہر متکبّر کے تکبّر کو توڑ کر رکھ دیا۔

(۱۲) اس کو کیا حاجت ہے کہ کوئی اس کی تعریف کرے۔ اس کی تعریف کرنا خود تعریف کرنے والے کے لئے باعث فخر ہے۔

(۱۳) وہ پاکیزگی اور جلال کے گلستان میں متمکن ہے اور تعریف کرنے والوں کے وہم سے بالاتر ہے۔

(۱۴) اے خُدا ہمارا سلام اُس تک پہنچا دے نیز ہر پیغمبر پر جو اُس کا بھائی ہے۔

---

## بقیہ ملفوظات - بسلسلہ ص۹

بچ جائے گا۔ دُنیا کی خوشحالی کی شرطوں سے خدا تعالےٰ کی عبادت مت کرو کہ ایسے خیال کے لئے گڑھا درپیش ہے بلکہ تم اسلئے اسکی پرستش کرو کہ پرستش ایک حق خالق کا تم پر ہے چاہیئے پرستش ہی تمہاری زندگی ہو جاوے اور تمہاری نیکیوں کی فقط یہی غرض ہو کہ وہ محبوب حقیقی اور محسنِ حقیقی راضی ہو جاوے کیونکہ جو اس سے کمتر خیال ہے وہ ٹھوکر کی جگہ ہے۔

خدا بڑی دولت ہے اس کے پانے کے لئے مصیبتوں کے لئے تیار ہو جاؤ وہ بڑی مراد ہے۔ اس کے حاصل کرنے کے لئے جانوں کو فدا کرو۔ عزیزو!! خدا تعالےٰ کے حکموں کو بیقدری سے نہ دیکھو۔ موجودہ فلسفہ کی زہر تم پر اثر نہ کرے ایک بچہ کی طرح بن کر اس کے حکموں کے نیچے چلو نماز پڑھو نماز پڑھو کہ وہ تمام سعادتوں کی کنجی ہے اور جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو ایسا نہ کر کہ گویا تو ایک رسم ادا کر رہا ہے

(باقی بر صہ ۱۹ کالم ۲)

---

## مکتوب انگلستان

(... احمد ... صاحب)

احمدیہ ہاؤس ۵۷ لانگ لے روڈ لندن (ایس۔ ڈبلیو ۱۷) میں اتوار ۱۴ر دسمبر کو عیدالاضحیٰ کی تقریب منائی گئی۔ سو سے زائد مرد و خواتین نے شرکت کی۔ ان میں پاکستان۔ ٹرنی ڈاڈ۔ گیانا اور بنگلہ دیش کے دوست شامل تھے۔ ایک خاصی تعداد غیر از جماعت دوستوں کی [illegible] غیر مسلم متلاشیان حق بھی تھے۔

ساڑھے گیارہ بجے نماز تھی۔ احمدیہ ہاؤس میں ہم نے دو کمروں کو ملا کر ایک ہال بنایا مگر وہ ناکافی ثابت ہوا بعض دوستوں کو صرف کھڑا ہونے کی جگہ ملی اور وہ اسی حالت میں صلوٰۃ میں شریک ہوئے۔

خاکسار نے نماز پڑھائی اور خطبہ دیا۔ چونکہ ظہر کی نماز کا وقت بھی ہو گیا تھا اس لئے کھانے سے پیشتر وہ بھی باجماعت ادا کی گئی اس روز ایک سوشل پروگرام بھی ترتیب دیا گیا تھا۔ مسز جمیلہ خان صدر لندن کمیٹی اور مسز ماہ پارا اقبال اس پروگرام کی انچارج تھیں۔ بچوں اور بڑوں نے تقریریں کیں۔ نظمیں پڑھیں۔ اور اسلام اور بانئ اسلام کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ پروگرام میں خصوصی طور پر حصہ لینے والے تھے۔ یعقوب حمید۔ لطیف اقبال۔ شاہد عزیز۔ اسماء طفیل حمید چودھری۔ کوثر ظفر۔ ڈاکٹر خالدہ۔ مس مشتاق ملک۔ مس سائرہ شفقت قاضی۔ مسٹر سعید فیض خان۔ نادرہ طفیل۔ خالد اقبال۔ شائستہ بصیر وغیرہ۔

کھانے کا حسب سابق یہ انتظام کیا تھا کہ مختلف خواتین کو مختلف "ڈشیں" پکا کر لانے کے لئے کہا گیا تھا۔ اس سلسلے میں ذیل کی خواتین و حضرات نہایت شکریہ کے مستحق ہیں۔

عبدالسلام ملک۔ اہلیہ مشتاق زئی ملک۔ اہلیہ خالد اقبال۔ اہلیہ عزیز احمد۔ اہلیہ امتیاز احمد۔ کوثر ظفر۔ عزیزی بصیر۔ ناصرہ طفیل۔ محترمہ رضیہ فارُوق۔

ہم ساڑھے تین بجے تک احباب احمدیہ ہاؤس میں موجود رہے۔ خدا کے فضل سے اس دن کچھ دھوپ نکل آئی تھی ورنہ چند روز پیشتر مسلسل بارش ہوتی رہی تھی۔ عید سے اگلے روز تو اس قدر سردی پڑی کہ سارا انگلستان دھند اور کہر کی لپیٹ میں آ گیا۔

میری بیٹی کی ایک فرانسیسی سہیلی بھی آ گئی تھی۔ وہ نماز شروع ہونے پر کچھ گبھرا گئی کہ معلوم نہیں انہیں ہال میں موجود رہنا چاہیئے یا نہیں۔ میری بیٹی نے کہا کہ کوئی مضائقہ نہیں۔ ایک طرف جا کر کھڑی ہو جاؤ۔ وہ مردوں کی صف کے قریب خالی جگہ پا کر کھڑی ہو گئی وہاں گیانا کے ایک صاحب نے دیکھ کر سمجھا کہ کوئی نو مسلمہ ہے اس نے اسے ہاتھ بندھوا کر کھڑا کر دیا اور پوری نماز پڑھنے کا طریقہ بتا دیا وہ بیچاری انہیں دیکھ دیکھ کر رکوع اور سجدے کرتی رہی۔ شاید یہ تکلیف کبھی حقیقت میں بھی بدل جائے!

احمدیہ ہاؤس میں یہ ہماری چوتھی عید تھی اور گذشتہ عیدوں سے زیادہ بارونق تھی۔ جب مکان کے دوسرے حصے ہمارے قبضہ میں آ جائیں گے تو احمدیہ ہاؤس میں تین سو کے قریب دوستوں کے اجتماع کا انتظام ہو سکے گا۔ اس کے بعد ہمیں بڑے مجمع کے لئے ہال کرایہ پر لینا پڑے گا۔ یا کسی نئی بڑی جگہ کی خرید کا انتظام کرنا پڑے گا۔

ڈاکٹر مرزا مظفر بیگ صاحب ساطع اعزازی مبلغ اسلام لائل پور

# آہ! مولانا قاضی شبیر محمد علی پوری رحمۃ اللہ علیہ

موت کا پیغام ہے ہر نوع غلامی کے لئے
نے کوئی فغفور و خاقاں نے فقیر رہ نشیں

۱۹۲۵ء سے ۱۹۲۹ء تک میں نے ضلع مظفر گڑھ - ڈیرہ غازی خاں اور ریاست بہاولپور کی اچھوت اقوام میں تبلیغ اسلام کا کام کیا - اور خدا نے محض اپنے فضل و کرم سے بھرپور فتوحات دیں - ان علاقوں کے اچھوت مردم شماری میں ہندو لکھے جاتے تھے - آریہ پنڈتوں کی ذلت آمیز شکستوں کا یہ اثر ہوا کہ اچھوت اقوام پر اسلام کی صداقت آشکارا ہوگئی آریوں نے ہر چند انہیں دولت کے سہارے روکنا چاہا مگر وہ ناکام رہے - ایک بہت بڑے دولت مند ہندو سیٹھ کا شادی شدہ بیٹا بھی مسلمان ہوگیا - آریوں نے دہلی سے اپنے سب سے بڑے "قرآن دان" پنڈت رام چندر کو مقابلہ کے لئے علی پور مظفر گڑھ بلوایا - آریوں کے بھرے جلسے میں پہنچ کر میں نے پنڈت رام چندر کو مقابلے کے لئے للکارا مگر یہ "قرآن دان" پنڈت حوصلہ ہار بیٹھا اور دیدوں پر میرے اعتراضات سننے کو تیار نہ ہوا اور اس طرح نومسلم نوجوان شیخ بشیر احمدؐ و دیگر نومسلمین پر بہت اچھا پڑا

جناب مولانا قاضی شبیر محمد صاحب علی پور کی جامع مسجد کے امام تھے ان کے بزرگ عہد مغلیہ میں قاضی (مجسٹریٹ) تھے - میری خدمات اور فتوحات کا گہرا اثر قاضی صاحب پر پڑا اور ہمارا تبادلۂ خیالات شروع ہوا - قاضی صاحب علوم عربیہ کے مانے ہوئے عالم تھے اور سینکڑوں افراد نے ان سے فیض پایا تھا ان کی جامع مسجد باقاعدہ درسگاہ تھی - دُور دُور سے لوگ تحصیل علم کے لئے آتے تھے - میں نے تبادلۂ خیالات کا سلسلہ جاری رکھا رات تہجد کی نماز میں اکثر اس عالم دین کے لئے قبولیت احمدیت کی دعائیں کرتا آخر یہ دعائیں رنگ لائیں اور قاضی صاحب نے جامع مسجد کی امامت اور عزت کو لات مار کر باقاعدہ بیعت کر کے اپنی احمدیت کا اعلان کر دیا -

میں نے ایک رات خواب میں دیکھا - سخت زلزلہ ہے اور میرے رہائشی مکان کے در و دیوار سخت جھٹکے کھا رہے ہیں کہ اتنے میں حضرت اقدس مرزا غلام احمد علیہ السلام سامنے نظر آئے اور فرمایا :-

"بیٹا! مت گھبراؤ یہ مولوی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے -"

میں نے اس خواب کا ذکر مکان کے مالک میاں خان محمد صاحب میونسپل کمشنر سے کیا اور کہا :-

"ہمارے احمدیہ مشن علی پور پر کسی بہت بڑے ابتلاء کی خبر مجھے اس خواب کے ذریعہ دی گئی ہے مگر ہمارا کوئی نقصان نہیں ہوگا شاید مولویوں کا کوئی منصوبہ ہو -

چند دنوں کے بعد بہت بڑے سائز کے پوسٹر علی پور کی تمام دیواروں پر نظر آئے جن میں لکھا تھا کہ فلاں تاریخ سے چار دنوں کے لئے علی پور میں ایک عظیم الشان کانفرنس احمدیوں کے خلاف ہوگی جس میں علماء دیوبند علماء دہلی - علماء لاہور شرکت کے لئے تشریف لا رہے ہیں -

مسلمانو! سید انور شاہ شیخ الحدیث دیوبند - مولانا احمد سعید ناظم جمعیتہ علماء ہند کے دیدار کو علی پور میں جمع ہو جاؤ -

یہ پوسٹر ضلع مظفر گڑھ - ضلع ملتان - ضلع ڈیرہ غازیخاں اور ریاست بہاولپور کے تمام بڑے بڑے شہروں میں چسپاں کرائے گئے -

جناب مولانا قاضی شبیر محمد صاحب کے اعلانِ قبولیت احمدیت سے علاقہ بھر کے مشائخ اور علماء کو سخت دھچکا لگا اور ایک پیر صاحب سید کرم علی شاہ علماء کے لئے بہت سے تحائف لے کر دیوبند - دہلی اور لاہور پہنچے اور رونا رویا کہ :-

"ہمارے علاقہ کا ایک بہت بڑا عالم احمدی بن گیا ہے اور علی پور میں احمدی جماعت قائم ہوگئی ہے اگر آپ علماء ہماری مدد کو نہ پہنچے تو تمام علاقہ احمدی بن جائے گا" - علماء نے علی پور پہنچنے کا وعدہ کر لیا اور پیر صاحب شاداں و فرحاں واپس آئے -

اس پوسٹر کو پڑھ کر مسلمانوں کو تو خوشی ہونا ہی تھی - آریوں کے گھروں میں گھی کے چراغ جل گئے کہ احمدی مشن کی اینٹ سے اینٹ خود مسلمانوں کے ہاتھوں بجنے والی ہے -

میں اپنی خواب اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان الفاظ :-

"بیٹا! مت گھبراؤ یہ مولوی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے"

پر بفضلِ خدا اتنا مطمئن تھا کہ میں نے لاہور اپنے مرکز کو اس عظیم ہنگامے کی اطلاع تک نہیں دی اور نہ اپنے علماء کی امداد طلب کی -

ایک لاکھ کے لگ بھگ مسلمان علی پور میں جلسہ پر پہنچ گئے - جلسہ سے ایک دن پہلے عصر کے وقت مقامی تحصیلدار سید لطف علی شاہ صاحب کے بڑے صاحبزادے سید انور علی شاہ صاحب میری قیام گاہ پر ملاقات کو آئے تو میں عصر کی نماز پڑھ رہا تھا - شاہ صاحب نے دیکھا کہ میں سجدہ میں سر رکھے خدا کے حضور اس درد سے رو رہا ہوں کہ انہوں نے میری ایسی کیفیت اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی نماز سے فراغت پر مجھے شاہ صاحب نظر آئے - تولئے سے اپنا چہرہ صاف کر کے میں ان کے پاس آبیٹھا - شاہ صاحب نے فرمایا :-

"مرزا صاحب! مجھ سے کچھ نہ چھپائیں - خدا کے حضور میں نے آپ کی یہ کیا کیفیت دیکھی ہے؟"

میں نے جواب دیا :-

شاہ صاحب! آپ کو معلوم ہے کل سے علماء کا جلسہ ہے جو چار دن جاری رہے گا - پنجاب اور ہندوستان کے چوٹی کے علماء علی پور میں جمع ہوئے ہیں - میں نے اس علاقہ میں اسلام کی جو خدمت کی ہے آریہ پنڈتوں کو جو ذلت نصیب ہوئی ہے اور کثیر تعداد میں اچھوت ہندوؤں کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو گئے ہیں آپ خود اس کے گواہ ہیں - پچھلے دنوں دیسی اور انگریزی پادریوں کا ایک طائفہ علی پور کے ڈاک بنگلہ میں ٹھہرا تھا - آپ کے والد صاحب کی عدالت تحصیل کے میدان میں ان پادریوں سے میرا مقابلہ ہوا تھا اور میں نے کس طرح ان کو فاش شکست دی تھی کہ وہ دوسرے دن ہی علی پور سے بھاگ گئے تھے - میں اس وقت نماز کے سجدہ میں اپنے خدا کے حضور اپنے خون کے آنسو بہا کر یہ فریاد کر رہا تھا :

اے اللہ! میں نے اس علاقہ میں جو خدمت اسلام کی ہے کیا اس کا صلہ مجھے یہ ملنے والا ہے کہ چار دن متواتر ہندوستان اور پنجاب سے آئے ہوئے علماء میرے پیارے امام حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کو گندی گالیاں دیں گے؟

اتنا سننا تھا کہ شاہ صاحب اُٹھ کھڑے ہوئے اور بڑی تیزی سے باہر نکل گئے - رات اپنے ہاں علی پور کے تمام نوجوانوں کو جمع کر کے سارا معاملہ ان کے سامنے رکھا اور توجہ دلائی کہ اس جلسے کے لئے شامیانے قناتیں - دریاں - سٹیج - میزیں - کرسیاں اور بنچیں وغیرہ سب سامان میرے باپ اور آپ کے باپوں نے مہیا کیا ہے - میرے ساتھ عہد کرو کہ اگر

سی مولوی نے مرزا غلام احمد صاحب کی شان میں کوئی گستاخی کی تو ہم جلسہ گاہ سے اپنا سارا سامان اُٹھا لیں گے۔ باہر سے آئے ہوئے علماء صداقتِ اسلام اور حضور نبی کریم صلعم کی پاک سیرت پر بیان کریں فرقہ دارانہ کوئی بات نہ کریں۔

تمام نوجوانوں نے شاہ صاحب سے اتفاق کیا اور اسی وقت پیر کرم علی شاہ صاحب کے نام ایک الٹی میٹم لکھا گیا جس میں اپنے مندرجہ بالا فیصلے کو دوہرایا گیا اور اسی وقت یہ تحریری فیصلہ پیر کرم علی شاہ صاحب کو پہنچایا گیا۔ پیر صاحب سیخ پا ہو گئے اور کہا:—

"لے جاؤ اپنا سامان۔ ہم درویش ہیں ننگی زمین پر بیٹھ کر جلسہ کریں گے۔ ہم نے احمدیوں کے خلاف ضرور بولنا ہے۔ ہم نے اسی مقصد کی خاطر اتنا خرچ کر کے ہندوستان اور پنجاب کے نامور علماء کو بلوایا ہے پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم احمدیوں کے خلاف نہ بولیں۔"

پیر صاحب نے نوجوانوں کے الٹی میٹم کو محض ایک دھمکی سمجھ کر اپنے مہمان علماء سے اس کا کوئی ذکر نہ کیا۔ صبح ایک وسیع سٹیج پر گاؤ تکیے لگائے علماء بیٹھے تھے اور جلسہ کی کارروائی شروع ہونے والی تھی کہ نوجوانوں کا دوسرا الٹی میٹم سٹیج پر پہنچا کہ:—

"ہم سینکڑوں نوجوان جلسہ گاہ کو گھیرے کھڑے ہیں اگر کسی مولوی نے احمدیت کے خلاف زہر اُگلنا شروع کیا تو ہم فوراً شامیانوں کی طنابیں کاٹ دیں گے اور جلسہ کو درہم برہم کر دیں گے۔"

نوجوانوں کے اس الٹی میٹم سے پیر کرم علی شاہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور انہوں نے بصد مجبوری دونوں الٹی میٹم اپنے مہمان علماء کے سامنے رکھ دیئے۔

دیو بند اور دہلی کے علماء بہت برہم ہوئے مگر لاہور کے مولانا احمد علی امیر حزب الاحناف نے بڑی جرأت اور حوصلہ مندی سے کام لیا اور فرمایا:—

"معاملہ بہت نزاکت اختیار کر گیا ہے ہمیں جوش سے نہیں ہوش سے کام لینا چاہیئے کیا یہ ضروری ہے کہ ہم مرزا غلام احمد کو گالیاں دے کر اور کفر کا فتوے لگا کر ہی خدمت اسلام سمجھ لیں کیا ہم سب علماء جو یہاں جمع ہیں کیا ایک دوسرے پر کفر کے فتوے نہیں لگاتے؟ خدا رسول اور اسلام پر بے شمار مضامین ہمارے سینوں میں ہیں ہم ان کو بیان کر کے جلسہ میں آئے ہوئے مسلمانوں کے ایمان کو زندہ اور تازہ کریں۔ ہمیں جلسہ میں کثیر تعداد میں سکھ اور ہندو بھی نظر آ رہے ہیں اور شاید عیسائی بھی ہوں کیا ہم ان کے سامنے صداقت اسلام پیش کر کے اپنے وزنی دلائل سے ان کو متاثر کریں یا آپس میں لڑ کر انہیں خوش کریں"؟

مولانا احمد علی صاحب کی اس مدلل تقریر نے تمام علماء کو لاجواب کر دیا اور بہ امر مجبوری پیر کرم علی شاہ نے نوجوانوں کو تحریری اطلاع دی کہ علماء صرف صداقت اسلام پر تقادیر کریں گے۔ احمدیت کے خلاف کوئی تقریر نہیں ہوگی۔

اس پر نوجوانوں کی طرف سے علماء کو تیسرا الٹی میٹم دیا گیا:—

"اگر آج جلسے کے پہلے اجلاس میں مرزا مظفر بیگ ساطع مبلغ اسلام کی تقریر نہ رکھی گئی تو ہمارا پہلا الٹی میٹم بحال رہے گا۔ اور ہم اس پر عمل کریں گے۔"

یہ الٹی میٹم گویا ایک بم تھا جو علماء کے سر پر پھٹا اور احمدی مبلغ کو اپنے جلسہ میں تقریر کی اجازت دینا سخت بے عزتی سمجھا گیا۔ اس انتہائی نازک مرحلہ پر پھر مولانا احمد علی امیر حزب احناف آگے بڑھے اور فرمایا:—

" ایک بار آریہ سماج شاہدرہ لاہور نے مجھے مناظرے کا چیلنج دیا تو یہی مرزا مظفر بیگ تھے جنہوں نے میری طرف سے مناظرہ کر کے آریوں کو شکست فاش دی تھی میں مرزا صاحب کو اپنا وقت دیتا ہوں وہ جلسہ میں آ کر صداقت اسلام پر تقریر کریں۔"

اس پر سٹیج سیکرٹری نے میری تقریر کے وقت کا اعلان کیا۔ سینکڑوں نوجوان میری قیام گاہ پر مجھے اس انتہائی فتح کی مبارک دیتے پہنچ گئے اور پھر مجھے ایک جلوس کی صورت میں جلسے میں لے گئے اور جلسہ گاہ پر پہنچ کر نوجوانوں نے بآواز بلند کہا "نعرۂ تکبیر" ایک لاکھ مسلمانوں نے اس پر فلک شگاف نعرہ لگایا۔ اللہ اکبر

جب میں تقریر کے لئے سٹیج پر کھڑا ہوا تو ایک نوجوان نے آگے بڑھ کر ایک موٹا اور لمبا ہار میرے گلے میں ڈال دیا جس پر پھر نعرے لگائے گئے۔ ہار ڈالنے والا یہی نوجوان بعد میں دولتانہ صاحب کے عہد میں وزیر تعلیم بنا۔ نام ان کا میاں محمد ابراہیم صاحب برق ہے۔

بفضلِ خدا میں اپنے بیان کی قوت اور دلائل کی شوکت سے سارے جلسے پر چھا گیا۔ تمام علماء اور حاضرین حیرت زدہ تھے۔ میں نے زبور۔ توریت۔ انجیل اور ہندوؤں کے ویدوں سے حضور سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو پیش کر کے سارے جلسے کو مسحور کر دیا۔ یہ دولت صرف میرے پاس تھی ہندوستان اور پنجاب سے آنے والے علماء کے پاس نہ تھی۔

مسلمانوں کی یہ عظیم چار روزہ کانفرنس خیر و خوبی سے ختم ہو گئی اور علماء۔ "اے بسا آرزو کہ خاک شدہ" کی تصویر بنے واپس چلے گئے ؎

تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑیں گے پرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا

آخر پر میں جناب مولانا قاضی منیر محمد رحمۃ اللہ علیہ کے لئے خدا کے حضور دعا کرتا ہوں کہ ان کی رُوح پُر فتوح کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائیں اس فانی دنیا کا ایک عرب شاعر نے کیا اچھا نقشہ کھینچا ہے ؎

الا یا ساکن القصر المعلّٰی
ستدفن عن قریب فی التراب

اے بلند محل کے رہنے والے۔ عنقریب تجھے مٹی میں دفن کر دیا جائے گا۔

لہٗ ملکٌ ینادی کلّ یوم
لدوا للموت وابنو للخراب

خدا کا فرشتہ ہر روز پکار پکار کر کہتا ہے۔ بچے جنو مرنے کے لئے اور مکان بناؤ گرنے کے لئے

---

## بقیہ ملفوظات — سلسلہ ص۱۷

بلکہ نماز سے پہلے جیسے ظاہری وضو کرتے ہو ایسا ہی ایک باطنی وضو بھی کرو اور اپنے اعضاء کو غیر اللہ کے خیال سے دھو ڈالو تب ان دونوں وضوؤں کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور نماز میں بہت دعا کرو اور رونا اور گڑگڑانا اپنی عادت کر لو تا تم پر رحم کیا جائے۔

(ازالہ اوہام۔ حصہ اوّل و دوم ص ۸۲۵/۸۲۹)

## جلسہ سالانہ ۱۹۸۵ء احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی مختصر روئیداد

# ۲۵ دسمبر خواتین جماعت احمدیہ لاہور کا اجلاس

## خواتین احمدیہ کا جذبۂ اشاعتِ اسلام اور نمائشِ دستکاری

حسب دستور اس سال بھی خواتین جماعت احمدیہ لاہور کا ایک روزہ اجلاس ۲۵ دسمبر ۱۹۸۵ء بروز جمعرات جامع احمدیہ دارالسلام میں زیر صدارت محترمہ بیگم صاحبہ الحاج فاروق احمد شیخ صاحب منعقد ہوا۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض محترمہ بیگم رضیہ مدد علی نے انجام دیئے۔ جلسے کا آغاز بیگم خورشید راجہ نے تلاوت قرآن مجید سے کیا۔ انہوں نے تبت یدا ابی لھب وتب ... کی تلاوت کے بعد اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ اپنے نیک بندوں کو کبھی ضائع نہیں کرتا ہمیں بھی چاہیئے کہ دین کو دنیا پر مقدم رکھتے ہوئے اپنے آپ کو اس کی نصرت اور تائید کے لئے اہل ثابت کرنے کی کوشش کریں۔

سمیرا جعفری۔ شاہدہ جنجوعہ ۔ مدیحہ رسول اور سیمی نیاز نے نظمیں سنائیں۔ بعد ازیں تنظیم خواتین کی صدر محترمہ زکیہ شیخ صاحبہ نے خواتین کو خوش آمدید کہتے ہوئے فرمایا کہ حضرت مسیح موعودؑ کے اس الہام کے مطابق کہ "میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا" ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنی نوجوان نسل کو اسلام اور قرآن کی اشاعت کے لئے احمدیت سے جو اسلام کی صحیح تصویر ہے روشناس کرائیں اور انہیں اپنے وقت اور مال کی قربانی کے لئے ترغیب دیں۔ خواتین دستکاری کو فروغ دیکر ہماری مالی مدد کر سکتی ہیں۔ لندن کنونشن میں ایک بھائی نے فرمایا کہ مجھے جلسہ سالانہ پر صرف بزرگ نظر آئے۔ ان کا یہ فرمانا اس لئے درست تھا کہ ہم نے اپنے بچوں اور بچیوں کے جلسہ میں شامل ہونے کے لئے بہت کم کوشش کی۔ اپنی موجودہ نسل کو مستقبل میں ذمہ داریاں سنبھالنے کے قابل بنانا ہمارا اولین فرض ہے۔

ان کے بعد بیگم صاحبہ نصیر احمد فاروقی نے نماز کی اہمیت پر بڑی موثر اور مدلل تقریر فرمائی۔ انہوں نے فرمایا کہ نماز ہی وہ واحد ذریعہ ہے جو انسان کا خدا سے تعلق قائم کرنے میں مدد دیتا ہے اور اس کی اندر کی آنکھ کو روشن کر کے ظلمت کے سارے پردے دُور کر دیتا ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے اپنے گھروں میں نماز قائم کرنے کا التزام کریں۔

پھر زمرد فاضل رمضان صاحبہ نمائندہ سیالکوٹ نے بڑے زوردار الفاظ میں اپنی تقریر میں فرمایا کہ آنحضرت صلعم بقول حضرت مرزا صاحب خاتم النبیین ہیں آپؐ کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا۔ نہ کوئی نئی کتاب اور نہ ہی کوئی نئی شریعت۔ کیونکہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اس میں کسی کمی بیشی کی گنجائش نہیں ہاں اصلاح خلق کے لئے مجدد ضرور آئیں گے جو راہ سے بھٹکے ہوئے لوگوں کی رہنمائی کریں گے۔

بیگم زمرد فاضل صاحبہ کے بعد بیگم مسرت بشیر صاحبہ نے اپنی تقریر دلپذیر میں فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے انسان کے سامنے بھلائی اور برائی کے راستے واضح کر دیئے ہیں یہ اس کا اختیار ہے جونسا راستہ چاہے اختیار کرے۔ بھلائی کا راستہ اپنا کر وہ اخلاق و کردار کی ان اعلےٰ بلندیوں کو چھو سکتا ہے جہاں فرشتوں کے بھی پر جلتے ہیں اور یوں مسجودِ ملائک بن سکتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس چلنے سے وہ ذلت اور رسوائی کی اتھاہ گہرائیوں میں گر سکتا ہے جہاں شیطان بھی اس سے پناہ مانگتا ہے۔ اس کی دنیوی اور اُخروی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ تقوےٰ کی راہ پر چل کر خدا کا محبوب بن جائے بعد ازاں بیگم رضیہ مدد علی صاحبہ سٹیج سیکرٹری نے عورتوں کے حقوق پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ عورت کو کسی مذہب اور تہذیب نے وہ حقوق نہیں دیئے جو اسے آج سے چودہ سو سال پہلے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے حکم کے ماتحت قرآن کریم میں عطا فرمائے۔ اسے ماں ۔ بہن ۔ بیٹی اور بیوی کی حیثیت سے وہ اعلےٰ مقام حاصل ہے جس کے سامنے تہذیب نو کی گود میں پرورش پانے والی تمام دنیا کی گردنیں سرنگوں ہو جانی چاہئیں ۔ صفا اور مروہ کے درمیان سعی ایک عورت حضرت ہاجرہؓ ہی کی یادگار ہے ۔ اور قرآن کریم نے اسے ہمیشہ کے لئے ریکارڈ کر دیا ہے ۔ اسی عورت کی گود میں اولیاؤں مجددین ۔ فقیہوں ۔ عالموں اور مسلمان سائنسدانوں نے پرورش پائی اور دنیا کو ایک نئی تہذیب نئی ثقافت اور نئی روشنی دی۔ جس پر یورپ اور دوسرے مغربی ممالک فخر کرتے ہیں۔ اسلام نے آزادیٔ نسواں کی حدود متعین کرنے کے بعد اسے ہر وہ آزادی دے دی جس سے اس کی نسوانیت کا وقار بلند ہو نہ کہ ایسی آزادی جس سے خود مغرب آج بیزار ہے ۔ احمدی خواتین کو ایسی ہی اسلامی اقدار کا حامل اور امین ہونا چاہیئے جو انہیں اور ان کی گود میں پرورش پانے والی آئندہ نسل کو صراط مستقیم سے بھٹکنے نہ دیں ۔

بیگم زبیدہ محمد احمد صاحبہ نے "اسی رنگ و بو میں الجھ کر نہ رہ جا" کے عنوان پر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارا مطلوب و مقصود صرف یہی زندگی نہیں بلکہ آنے والی زندگی ہے ۔ ہم نمود و نمائش، رسم و رواج اور دولت سمیٹنے میں الجھ کر رہ جاتے ہیں جو دراصل احساس کمتری کا نتیجہ ہے ۔ ان الجھنوں سے آزاد ہوکر ہمیں اپنی نگاہیں بلند کرکے دین کو دنیا پر مقدم کرنا چاہیئے ۔ یہی وہ لائحہ عمل ہے اور دکھوں کے علاج کے لئے نسخہ کیمیا ہے ۔

امۃ اللہ مصری صاحبہ نے قرآن اور احادیث کی روشنی میں عورتوں کے حقوق کے متعلق فرمایا کہ اسلام نے عورت کو مرد کے برابر درجہ دیا ہے بلکہ بعض باتوں میں اسے مرد پر فوقیت حاصل ہے۔ نیک اعمال کے لئے جزا۔ وراثت شادی بیاہ ۔ طلاق وغیرہ کے معاملات میں مرد کو عورت کے مقابلہ میں کوئی فوقیت حاصل نہیں ۔ قانون کی نظر میں بھی دونوں ایک جیسے ہیں ۔ البتہ یہ معاشرہ جو قطعاً غیر اسلامی ہے عورت کو اس کے حقوق سے محروم کئے ہوئے ہے ۔ ہمیں جو حقوق قرآن کریم نے دیئے ہیں ان کے حصول کے لئے سعی کرنا ہمارا حق ہے ۔

نصرت عطیہ (گورنمنٹ کالج ہری پور ہزارہ) نے اپنی تقریر میں دین کو دنیا پر مقدم کرنے ۔ خواتین کو نیک کاموں میں مردوں کے دوش بدوش چلنے اور بچوں اور بچیوں کو احمدیت کے رنگ میں رنگین کرنے کے متعلق بڑے موثر انداز میں خطاب کیا اور فرمایا کہ ہمیں مشکلات اور مصائب کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے مشن کو آگے بڑھانے کی کوشش کرنی چاہیئے تاکہ اسلام، قرآن اور احمدیت کا بول بالا ہو۔

### جلسہ کا دوسرا دن۔ پہلی نشست

۲۶ دسمبر کو مردانہ جلسہ عام مقررہ وقت پر $9\frac{1}{2}$ بجے زیر صدارت

صاجزادہ محمد احمد صاحب (... کی صدارت میں شروع ہوا۔ تلاوت، نظم اور ملفوظات کے بعد حضرت امیر ایدہ اللہ تعالےٰ نے اپنے استقبالیہ خطبہ کو سورۃ فاتحہ سے شروع کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ قرآن کریم کا خلاصہ اور دیباچہ ہے۔ کل سات آیات ہیں۔ جن میں اللہ تعالےٰ کی صفات کا ذکر ہے۔ پہلے جملہ الحمد للہ رب العٰلمین میں تمام قرآن مجید کا خلاصہ آ گیا ہے۔ یعنی خدا تعالےٰ کی صفات کا عکس انسانوں میں بھی نظر آنا چاہیئے۔ صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ خدا تعالےٰ کے رنگ میں رنگین ہو جاؤ۔ کیونکہ اس سے بہتر اور کوئی رنگ نہیں ہے۔ تخلقوا باخلاق اللہ کا بھی یہی مطلب و منشاء ہے آپ نے اس امر پر زور دیا کہ ہر احمدی کے اندر یہ مذکورہ صفات ہونی چاہئیں۔

حضرت امیر ایدہ اللہ کے بعد مولنٰا مرزا محمد لطیف صاحب مبلغ انجمن نے عقیدہ ناسخ و منسوخ کا تاریخی جائزہ اور حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ مجدد چہاردہم کے موضوع پر انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون کی تلاوت سے اپنی تقریر کا آغاز کیا اور فرمایا قرآن کریم ایک جامع کتاب ہے۔ جس کی نظیر سابقہ آسمانی کتب میں نہیں ملتی۔ متذکرہ بالا آیت میں اللہ تعالےٰ نے اس کی تا قیامت، حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے مگر مسلمانوں کی ملوکیت کے دور میں ناسخ و منسوخ کا فتنہ کھڑا کر کے تقریباً چھ صد آیات کو منسوخ قرار دیا گیا اور اس عقیدہ سے اختلاف رکھنے والوں پر کفر کے فتوے لگائے گئے اور نسخ فی القرآن کے مسئلہ کو عقیدہ میں شامل کر دیا گیا۔ آپ نے مختلف احادیث، روایات اور عہد حاضر کے متعدد رسالوں کے حوالے پیش کر کے بتایا کہ خود قائلین نسخ فی القرآن میں کتنا اختلاف ہے۔

آپ نے فرمایا کہ حضرت مسیح موعودؑ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ بھی ہے۔ کہ آپ نے قرآن کے متعلق فرمایا کہ اس کا ایک نقطہ اور شعشہ تک منسوخ نہیں ہے (آپ کی فاضلانہ تقریر موصول ہونے پر الگ شائع ہوگی) ان کے بعد محترم جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب نے قدرت ثانیہ کے موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ آج سے ۷۰ برس پہلے حضرت مسیح موعودؑ نے الوصیت میں جو کچھ تحریر فرمایا تھا وہ آج کس طرح حرف بحرف پورا ہو رہا ہے۔ آپ نے الوصیت کی وہ عبارت بھی پڑھ کر سنائی اور حضرت صاحب کا ایک الہام سنایا۔ جس میں اللہ تعالےٰ نے زمانہ ابتلاء میں جماعت کی حتمی مدد کا وعدہ فرمایا ہے۔ محترم ڈاکٹر صاحب کی تقریر کا انداز بڑا دلچسپ اور جاذب تھا۔ اور سامعین نے اسے بے حد پسند کیا۔ پوری تقریر آئندہ کسی اشاعت میں درج ہوگی۔ آپ کی تقریر پر جلسہ کی پہلی نشست ختم ہوئی۔ (باقی — باقی)

## شکریہ تعزیت

ہمارے نوجوان عزیز خالد محمود طالب علم بی۔ ایس۔ سی۔ گورنمنٹ کالج لاہور کی ناگہانی وفات پر مرحوم کے دوستوں نے بالعموم اور روحانی بھائیوں نے بالخصوص کثرت سے پیغامات تعزیت روانہ فرمائے ہیں۔

• بیشتر اکابرین جماعت نے بہ نفسِ نفیس غریب خانہ پر تشریف لا کر بھی غمگساری فرمائی۔ اور صبر کی تلقین کی۔ اکثر بیرونی جماعتوں نے جنازہ غائبانہ پڑھا اور ہمارے صبر اور مرحوم کی مغفرت کے لئے دعائیں کیں۔

ہمیں اس اجتماعی ہمدردی سے تسکین ہوئی۔ اکابرین جماعت نے بھی حقیقی بھائیوں کی مانند اس غم میں شریک ہو کر ہمارے دل کا بوجھ ہلکا کر دیا۔ ہم ان کی کرم فرمائیوں اور بندہ نوازیوں کے بے حد مشکور ہیں ۴۳

# اخبار احمدیہ

(۱) انتقال پُرملال — احباب کو یہ سن کر صدمہ ہوگا کہ ہمارے نہایت ... جناب شیخ محمد ... صاحب ... انجمن مورخہ ۲۸ر دسمبر ۱۹۷۵ء کو انتقال فرما گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ آپ کی تدفین قبرستان میانی صاحب ... مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ اپنی ڈیوٹی کے علاوہ فارغ اوقات ... آفتاب الدین ... کے ذریعے ... انسانیت کی خدمت ... فرمایا کرتے تھے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور جملہ اعزہ کو صبر کی توفیق دے اور ان کا حامی و ناصر ہو۔ بیرونی جماعتوں سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

(۲) ایک اور وفات — راولپنڈی سے اطلاع ملی ہے کہ ... میجر محمد اسحاق صاحب بعارضہ قلب وفات پا گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اللہ تعالےٰ انہیں غریق رحمت فرمائے۔ اور جملہ لواحقین کو صبر کی توفیق بخشے۔

(۳) وفات — محترم قاضی عبدالغفار صاحب (برادر خورد قاضی عبدالحفیظ صاحب) یکم جنوری کو ۲ بجے رات حرکت قلب بند ہو جانے سے وفات پا گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مرحوم جماعت احمدیہ لاہور چھاؤنی کے بڑے مخلص ممبر تھے اور جماعتی کاموں میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ اللہ تعالےٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر عطا کرے۔ مرکز میں اور دارالسلام میں نماز جنازہ غائبانہ جمعہ کی نماز کے بعد ادا کی گئی۔ دوسرے دوستوں سے نماز جنازہ غائبانہ ادا کرنے کی درخواست ہے۔

## بقیہ:۔ تحریک احمدیت اور غلام احمد پرویز

(بقیہ صفحہ ۱۲)

مسیح کا مسئلہ کفر و ایمان کا معیار بن گیا ہے .... مرزا صاحب نے مسلمانوں کے دل و دماغ پر چھائے ہوئے اس عقیدہ سے فائدہ اٹھایا۔" (صفحہ ۲۶۰)

یعنے پرویز صاحب اپنی پہلی تینوں باتوں کی پوری تردید کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ :۔

۱۔ مسیح کی آمد ثانی کا مسئلہ مرزا صاحب نے نہیں چھیڑا تھا۔
۲۔ نہ آپ نے اسے عام کیا تھا اور
۳۔ نہ ہی آپ کے عام کرنے کی وجہ سے مسلمانوں نے اسے تسلیم کیا تھا۔

پس اسے کہتے ہیں محترم پرویز صاحب! تناقض کلام۔ جو جھوٹے کے کلام میں ضرور ہوتا ہے جیسا کہ مرزا صاحب نے بقول ان کے تحریر فرمایا۔ اب ہم نے اگر کچھ لکھا تو شاید انہیں ناگوار گزرے۔ اس لئے پرویز صاحب خود ہی بتلائیں کہ اس کھلے کھلے تناقض کے پیش نظر انہیں کس نام سے یاد کیا جائے؟ پاگل۔ مجنون۔ منافق یا مخبوط الحواس جو ان کی پسند وہ ہماری پسند! ہم صرف اتنا عرض کریں گے کہ خدا نے اپنے مامور کو بذریعہ وحی خبر دی تھی:۔
" انی مھین من اراد اھانتک "

— باقی آئندہ —

ازراہ نورد

# جناب زیڈ اے سلہری سے ایک گذارش

آپ ایک کہنہ مشق صحافی اور پاکستان کی ایک معروف شخصیت ہیں اور میں ایک گمنام اور معمولی انسان ہوں ۔ مجھ ایسے انسان کی بات آپ کے عالی ایوانوں تک بارہا بھی جاتے تو شاید آپ اُسے درخور اعتناء نہ سمجھیں خاص طور پر اس فضا کے باعث بھی جو اس مخصوص ماحول پر چھائی رہتی ہے جس میں آجکل آپ کا ذہنی رہن سہن ہے ۔ اس لئے آپ جیسے معروف اور ممتاز صحافی کو مخاطب کرتے ہوئے مجھے قدرے ہچکچاہٹ تھی ۔ لیکن آپ کے بیشتر مضامین اخبار جنگ کے کالموں میں پڑھنے کا اتفاق ہوا جو ملکی سیاست اور سماجی افراتفری سے متعلق ہوتے ہیں اور جن میں آپ ایک عرصے سے ایک مخصوص نکتہ نظر کی ترجمانی کرتے چلے آ رہے ہیں ۔ مجھے ان مضامین یا نکتہ نظر سے بھی کوئی تعلق نہیں کیونکہ ہر انسان کو اس بات کا حق ہونا چاہیئے کہ جسے وہ درست باور کرتا ہو اسے برملا کہہ سکے ۔ لیکن جس بات نے مجھے آپ کو مخاطب کرنے پر مجبور کیا ہے وہ آپ کا پچھلے برس سے اپنے مضامین میں جماعت احمدیہ اور اس کے مقدس بانی کو خواہ مخواہ محل تنقید بنانے کا رویہ ہے ۔ میں آپ کی اس بے جا تنقید پر بھی کچھ نہ کہتا کہ یہ رویہ بعض اشخاص اور جماعتوں نے اپنے آپ کو سیدھے سادے اور اُمّی عوام میں مقبول بنانے کا ایک آسان حربہ سمجھ لیا ہے اور آپ کے خیالات سے مجھے گمان ہوتا ہے کہ اگر آپ ایک ایسی جماعت کے رُکن نہیں تو کم از کم ہم خیال یا مؤید ضرور ہیں ۔ اور جب یہ فیشن ہی ہوگیا ہے کہ ہر چھوٹا بڑا حقائق کو سمجھے اور تلاش کئے بغیر احمدیوں کو گردن زدنی قرار دیدے تو پھر آپ کا ایک ایسے سیلاب میں بہہ جانا کوئی اچنبھا نہیں ۔ لیکن جس بات نے مجھے متحیّر کیا اور آمادہ کیا کہ میں آپ تک یہ عرضداشت پہنچاؤں وہ آپ کے بارے میں ایک دوست کا یہ لکھنا تھا کہ آپ ایک احمدی کے فرزند ہیں جن کا تعلق احمدیہ جماعت ربوہ سے تھا ۔ میرے لئے یہ بات یقیناً تعجب انگیز اور دکھ آور تھی کہ ایک احمدی کا فرزند کس طرح تحریکِ احمدیت اور اس کے بانی کے اسلام کے بارے میں ایسی باتیں لکھ سکتا ہے جو آپ لکھتے رہے ہیں ۔

مجھے علم نہیں کہ آپ کے والد محترم نے ایسا کونسا خلافِ اسلام رویہ اختیار کیا تھا جس سے آپ کو احمدیوں کے اسلام کے بارے میں شک گذرا ہے ۔ گو مجھے جماعت احمدیہ ربوہ سے اختلاف ہے لیکن میں یہ کہے بغیر رہ نہیں سکتا کہ جہاں تک ایمانیات اور عمل کا تعلق ہے وہ بھی ان تمام باتوں کو مانتے ہیں جو عام مسلمانوں کو مسلّم ہیں ۔ کیا آپ کے والد محترم ایماناً یا عملاً ارکین اسلام کو تسلیم نہیں کرتے تھے کہ آپ جماعت احمدیہ کے بارے میں ان خیالات تک جا پہنچے جو آجکل آپ کے ہیں ۔ کیا وہ توحید نماز روزہ زکوٰۃ حج اس میں سے کس کے منکر تھے ۔ کیا وہ قرآن پاک اور سنّت رسول اللہ صلعم کے علاوہ کسی اور شئے کو اپنی زندگی میں حجت سمجھتے تھے ۔ آخر ایسی کونسی بات انہوں نے کی کہ ان کا فرزند انہیں کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیئے جانے پر خوشیاں منا رہا ہے ۔ یہ بات میں صرف اس مفروضہ کی بناء پر لکھ رہا ہوں کہ آپ کے والد جماعت احمدیہ کے رُکن تھے ۔ اگر امر واقعی یوں نہیں تو یقیناً آپ کی لاعلمی احمدیہ مسلک کے بارے میں انتہائی افسوسناک اور قابل ہمدردی ہے ۔

آپ کی خدمت میں حالیہ گذارش کا محرک دراصل آپ کا شورش کاشمیری صاحب کے انتقال پر لکھا ہوا مضمون ہے جو پچھلے دنوں اخبار جنگ میں بعنوان "ایک بساط جو طے ہوگئی" چھپا تھا ۔ میں انتہائی سنجیدگی سے اور آپ کی ہمدردی کی خاطر آپ کی توجہ ایک ایسی بات کی طرف دلانا چاہتا ہوں جو آپ نے خود اپنے مضمون میں بیان کی ہے اور جس پر آپ کو خود بھی غور کرنا ضروری ہے ؎

شاید کہ ترے دل میں اُتر جائے میری بات

آپ نے لکھا ہے کہ شورش صاحب کے انتقال والی رات کو آپ ان کی تیمارداری کے لئے ہسپتال تشریف لے گئے تھے وہاں شورش صاحب نے آپ کو اپنے قریب بلایا :۔

"اور کہا کہ میں اپنا ہاتھ ان کے سر پر رکھوں جب میں نے انکے حکم کی تعمیل کی تو وہ کہنے لگے ۔ سلہری صاحب آپ گواہی دینا کہ میں مسلمان ہوں ۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور میں رسول اللہ صلعم کا عاشق ہوں ۔ یہ الفاظ انہوں نے اس وقت بھری آواز میں کہے کہ میں کانپ گیا ۔ میں نے انہیں تسلّی دینے کے لئے کہا کہ آپ کیسی باتیں کرتے ہیں ابھی تو آپ نے علامہ اقبال کے متعلق عشق رسول پر کتاب لکھنی ہے (اقبال کی صد سالہ سالگرہ کے جشن کی کمیٹی نے انہیں یہ کام تفویض کیا تھا) لیکن اس وقت مجھے محسوس ہوا کہ آغا صاحب کی آنکھیں آئندہ کا وہ خاکہ دیکھ رہی ہیں جو ہمیں نظر نہیں آ سکتا میرا دل بھاری ہوگیا ......

قرآن کریم میں آیا ہے کہ جب انسان اپنی زندگی کی آخری منزل پر پہنچتا ہے تو اس کی نگاہ تیز ہو جاتی ہے اور اس پر وہ غیر مرئی کیفیات منکشف ہونی شروع ہو جاتی ہیں جو عام انسانوں کی آنکھوں سے اوجھل ہوتی ہیں ۔

کچھ اس قسم کی چیزوں کو دیکھ کر ہی آغا صاحب نے مجھے گواہی دینے کے لئے کہا کہ وہ مسلمان اور عاشق رسولؐ ہیں ۔ انہیں یقین ہو چکا تھا کہ ان کی پُر شور زندگی کا آخری لمحہ آن پہنچا ہے ۔ دراصل ہماری گمراہی کی بڑی وجہ ہی یہ ہے کہ ہم بہت ملفوف زندگی بسر کرتے ہیں ہم ہزارہا قسم کے تعصبات کے پردوں میں لپٹے ہوئے ہیں ......... یہ دبیز اور بوجھل پردے ہماری نگاہ و شعور کو کائنات کے حقائق تک پہنچنے میں دیوار چین کا کام دیتے ہیں ۔"

(اخبار جنگ راولپنڈی ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۵ء)

آپ اپنے مضمون کے اس اقتباس کو پڑھیئے اور تنہائی میں اپنے احوال پر غور کیجئے ۔ شورش صاحب کا معاملہ تو اب خداتعالےٰ کے حضور پیش ہے لیکن آپ نے اپنے اس مضمون میں ذرا آگے چل کر شورش صاحب کی خدمات جلیلہ میں احمدیت کی مخالفت اور اس کلمہ گو گروہ اور شیدائیانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیہم دلآزاری کو بھی شمار کیا ہے ۔ یہی نہیں بلکہ آپ نے کمیونسٹوں کو جو خدا اور رسولؐ کے برملا منکر ہیں احمدیوں کے ساتھ ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا ہے ۔ اللہ تعالےٰ تو دلوں کے راز جانتے ہیں کہ کون اپنے دعوئ ایمان میں سچا ہے اور کس دل میں عشق محمدیؐ واقعتاً جلوہ فگن ہے ۔ اس پر کسی خارجی گواہی کی جناب باریتعالےٰ کی بارگاہ میں تو حاجت ہی نہیں ۔ لیکن اگر آپ نے شورش صاحب کے محولہ بالا لمحہ میں پیدا ہو جانے والی تیز نگاہی کا اثر قبول کیا ہے جب غیر مرئی کیفیات منکشف ہونا شروع ہو جاتی ہیں تو للہ اس لمحے کے انتظار میں آپ بھی نہ بیٹھے رہیں ۔ کیونکہ ہو سکتا ہے جس کو آپ عمر بھر خدمت اسلام

اور عشقِ رسول" سمجھ کر کافر کہتے رہیں وہ اللہ تعالےٰ کے ہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسندیدہ خادموں میں سے ہو اور یہ تو ممکن ہی نہیں کہ آپ کسی کے محبوب کو تو بُرا بھلا کہیں اور خود اس کی محبت کا دعوٰے بھی کریں اگر شورش صاحب کے رقت بھرے الفاظ میں ادا کردہ استدعا کہ "سلہری صاحب آپ گواہی دینا کہ میں مسلمان ہوں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" سن کر آپ کانپ گئے اور بھرے دل کے ساتھ گھر واپس لوٹے تو ایک ایسے شخص کے الفاظ جس نے عمر بھر اسلام کی خدمت کی اور اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہا کہ وہ مسلمان ہے اسے کافر قرار دیتے ہوئے آپ کا دل کیوں نہیں کانپتا؟

اگر شورش صاحب کے یہ الفاظ کہ میں رسول اللہ کا عاشق ہوں آپ کے نزدیک اتنے اہم ہیں کہ آپ گھر لوٹ کر نماز پڑھتے ہیں اور "آغا صاحب کی صحت کے لئے دُعا کرتے ہیں گو بقول آپ کے "مجھ گنہگار کی دُعا کیا لیکن ایک دوست کی تکمیل فرمائش ضروری تھی تو آخر اس شخص کے بارے میں آپ کا رویہ کیوں مختلف ہو جاتا ہے جس نے کہا تھا :-

بعد از خدا بعشقِ محمد مخمّرم
گر کفر این بود بخدا سخت کافرم

دل آپ نے نہ شورش صاحب کا چیر کر دیکھا تھا نہ اُس آدمی کو دیکھنے کا آپ کو موقعہ ملا جس کے گروہ کے کافر قرار دیئے جانے میں آپ نے بھی اپنے قلم کی عصمت کو داغدار کیا۔ کیا آپ جیسے دانشمند انسان کے لئے یہ بات اتنی ہی مشکل یا اُلجھی ہوئی ہے کہ سمجھ میں نہ آ سکے؟ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بارے میں جو سب سے بڑی بات بطور الزام کہی ہے وہ یہی ہے کہ انہوں نے کہا کہ حکومت وقت کی اطاعت کرو۔ اور نماز روزہ ادا کرتے رہو آپ کے خیال میں ایک ایسا رویہ دین اور دنیا کی تفریق پیدا کرتا ہے اور اس طرح بقول آپ کے اگر احمدی نظریہ عالمِ اسلام میں چھا جائے تو اسلام بھی عیسائیت کی طرح حکومت اور کلیسا کی تفریق کا شکار ہو جائے گا۔ سلہری صاحب میں اس اصولی بحث میں نہیں جانا چاہتا کیونکہ یہ بہت دقت طلب اور طویل ہے۔ مزید برآں آپ چونکہ ایک خاص انداز سے ایسا سوچتے ہیں اس لئے شاید ہم دونوں اس میں ایک دوسرے سے اتفاق نہ کر سکیں۔

میں صرف یہ عرض کروں گا کہ ایک ایسا نکتۂ نظر جو آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے وہ زیادہ سے زیادہ اسلام کے طریقِ کار کی ایک توجیہہ ہی تو ہو سکتا ہے اسلام سے انکار تو نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ اس نکتۂ نظر کا حامل اسلام کو حجت سمجھ کر ہی اُس نکتۂ نظر کو پیش کرتا ہے۔ اب اگر بعض مخصوص حالات کے پیش نظر حضرت مسیح موعودؑ نے سرکار انگریزی سے مخاصمت پیدا کرنا بجا نہیں سمجھا اور اس بناء پر آپ انہیں اور ان کے مریدوں کو اسلام سے باہر کر دینا لائق ستائش سمجھتے ہو تو آپ نے شورش صاحب کے ضمن میں سر سید مرحوم کا بھی تو ذکر کیا ہے۔ کیا انہوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیا تھا؟ آپ کے ممدوح کے قائدین تو بقول آپ کے انگریز دشمنی میں یہاں تک بڑھے کہ انہوں نے ہندوؤں سے شرکت کار کو انگریزوں سے تعاون پر ترجیح دی ......... اور ان کی انگریز دشمنی نے ان سے ہندوؤں کے مسلم کش عزائم کو روپوش کر دیا اور اسی لئے وہ تحریک پاکستان کی ماہیت اور اہمیت کو نہ سمجھ سکے" تو کیا یہ سچ نہیں کہ سر سید مرحوم اور خود مسلم لیگ، انگریزوں کے ساتھ تعاون کو اس دور میں مسلمانوں کے لئے سود مند سمجھتے تھے؟

آپ تو صحافی ہیں۔ زمیندار اخبار اور ظفر علی خاں صاحب سے بخوبی واقف بھی ہوں گے۔ کیا آپ کے علم میں یہ نہیں کہ اس اخبار کے پہلے صفحے پر نمایاں طور سے ایک زمانے تک یہ شعر لکھا ہوا ہوتا تھا:-

تم خیر خواہ دولتِ برطانیہ رہو
سمجھیں جناب قیصرِ ہند اپنا جاں نثار

یہ درست ہے کہ بعد میں ظفر علی خاں صاحب نے اس قسم کے خیال رکھنے والوں کو "ٹوڈی" کا خطاب دیا لیکن سدا وقت ایک ہی طرح کا تو نہیں ہوتا اور ہم اسی دَور کی تو بات کہہ رہے ہیں جب خیر خواہی دولت برطانیہ ہی مصلحتِ اسلامیانِ ہند تھی۔

تعجب ہے کہ سر سید مرحوم تو اپنے ان خیالات کے باوجود مسلمان ہی رہیں اور بے چارے احمدی غیر مسلم اقلیت بن جائیں۔

سلہری صاحب، میرا خیال ہے کہ زندگی کے آخری لمحے میں شورش صاحب کو اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ حضرت مسیح موعودؑ پر ناجائز تہمت تراشیاں کر کے انہوں نے ہمارے پیارے اور محبوب آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل دکھایا تھا۔ اور کہ ان کا یہ خیال کہ احمدیت اسلام سے انکار ہے درست نہ تھا۔ اگر وہ نیک نیتی سے ایسا سمجھتے رہے تھے تو اللہ تعالےٰ ان سے درگذر فرمائے کیونکہ

اے دل تو نیز خاطرِ ایناں نگہدار
کافر کنند دعوئے حُبِّ پیمبرم

لیکن اگر محض اپنی شورشِ طبع اور طلبِ واہ واہ اس کا محرک تھی تو بھی یہ حقیقت آخری لمحۂ زندگی میں کھل کر سامنے آگئی تھی کہ وہ شورش جو زندگی کی ہنگامہ خیزی میں محض ہوا گرم رکھنے کا بہانہ بن کر انسان کا مزاج بگاڑے رکھتی ہے موت کی چوکھٹ پر سربستہ خاموشی میں ڈھلتے وقت جسم پر کیا کیا نہ کپکپی طاری کرتی ہوگی۔ وہ دنیاوی واہ واہ جس نے جوش خطابت کو اُبھار کر نہ جانے شورش کو کیسی کیسی گستاخیوں پر آمادہ کیا تھا آخری لمحۂ زندگی میں اس کی بے بضاعتی بھی کس قدر کھل کر سامنے آئی ہوگی یہ شورش کو تو بخوبی علم ہو گیا ہوگا۔

سلہری صاحب آپ خدا را اس لمحہ کو ابھی سے محسوس کیجئے میں نہیں کہتا کہ آپ جماعتِ احمدیہ میں آ جائیں ہر چند کہ اگر آپ کے والد احمدی تھے تو یہ آپ ہی بہتر جان سکتے ہیں کہ احمدی ہونا کوئی اسلام سے الگ چیز نہیں۔ لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ للّٰہ بانیٔ جماعت احمدیہ پر ناجائز اور بے بنیاد تہمت تراشیاں ترک کر دیجئے کیونکہ وہ برگزیدہ انسان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقوں میں سے ہے۔ ہو سکتا ہے آپ کو میری یہ بات قبول نہ ہو لیکن آپ کیوں خواہ مخواہ ایک کلمہ گو کو کافر قرار دے کر اس کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اپنا مستقبل بگاڑ رہے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کا علم اور آپ کا دل دونوں گواہی دیں گے کہ وہ برگزیدہ شخص مسلمان تھا اور اس کا ساتھ دینے والے مسلمان تھے اور مسلمان ہیں۔ آپ خدا را یہ گالیاں دینے والی رسم ترک کر دیں کیونکہ یہ آپ کو زیب نہیں دیتیں۔ آپ کے لئے اس سے بہتر کرنے کے کام ہو سکتے ہیں۔ وہ کیجئے۔ شورش صاحب سے سبق لیجئے۔ ورنہ وقت وداع آپ کو بھی گواہیوں کے لئے دوسروں کو دیکھنا ہوگا۔ لیکن وہاں تو دوسروں کی گواہیاں بعد میں پوچھی جاتی ہیں پہلے تو یہی دیکھا جاتا ہے کہ آپ خود کیا ساتھ لائے ہیں ومن اظلم ممن افترٰی علی اللّٰہ الکذب وھو یدعیٰ الی الاسلام واللّٰہ لا یھدی القوم الظٰلمین۔ یعنے اوّل تو سچے نبی کو جھوٹا مدعی کہنا ہی بجائے خود کچھ کم ظلم نہیں ہے کہ اس پر مزید ظلم کیا جائے کہ بلانے والا تو خدا کی

(باقی بر ص ۱۲ کالم ۲)

مکرم جناب شیخ اللہ بخش صاحب سیکرٹری جماعت بدوملہی

# جلسہ سالانہ ۱۹۷۵ء کا آنکھوں دیکھا حال

## ان اللہ یحی الارض بعد موتھا کا ایمان افروز نظارہ

## ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فرشتے قلوب پر متصرف ہو کر سامعین میں زندگی کی ایک نئی رُوح پھونک رہے ہیں

خاکسار کو اس بار مجلس منتظمہ کے اجلاس کے سلسلہ میں جلسہ سالانہ سے تقریباً ۴/۵ دن پہلے ہی دارالسلام لاہور میں آنا پڑا۔ منتظمہ کی میٹنگ کے بعد میں نے یہی مناسب جانا کہ یہاں رہ کر جلسہ کی تیاریوں کا اپنی آنکھوں سے جائزہ لوں۔ مجھے یہ دیکھکر بے حد خوشی ہوئی کہ جلسہ کے منتظمین، میاں فضل احمد صاحب (افسر جلسہ سالانہ) کی سرکردگی میں بڑے انہماک، جوش اور جذبہ سے دارالسلام کو آنے والے مہمانوں کے لئے صاف ستھرا کرنے اور اسے خوشنما بنانے میں مصروف تھے مکرم میاں فضل احمد صاحب روزانہ شام کے قریب تشریف لاتے اور اپنے معاونین کی کارگزاری کا جائزہ لیتے اور ان کے مسائل میں ان کی راہنمائی فرماتے۔ میاں صاحب موصوف، ڈاکٹر وحید احمد صاحب، ڈاکٹر مبارک احمد صاحب خواجہ نصیراللہ صاحب، چوہدری نذ[illegible] رب صاحب، چوہدری مسعود اختر صاحب ماسٹر عبدالسلام صاحب اور ماسٹر [illegible] انور صاحب اور ماسٹر اصغر علی صاحب نے جس اخلاص، ولولے اور تندہی سے کام کیا ہے وہ [illegible] تحسین اور قابل تقلید ہے۔ ممبران شبان الاحمدیہ اور نوجوانان جماعت [illegible] طور پر جس لگن اور تڑپ سے مہمانوں کی دیکھ بھال اور خدمت کی ہے وہ بھی قابلِ داد ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے نوجوانوں کو دین دنیا کی نعمتوں سے نوازے اور وہ حضرت مسیح موعودؑ کی قائم کردہ جماعت کے لئے مضبوطی اور تقویت کا موجب ہوں۔

اس کے علاوہ مالی قربانیوں کا جو نظارہ میری آنکھوں نے دیکھا اس سے میرے دل میں یہ یقین پختہ ہو گیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جماعت کے حق میں میری اس دعا کو کہ وہ اسے کوثر عطا فرمائے شرف قبولیت بخشا ہے۔ محترم ڈاکٹر سعید احمد صاحب اور محترم جناب نصیر احمد فاروقی صاحب کی اپیل پر احباب نے لبیک کہتے ہوئے تقریباً ۸۰ ہزار روپے کی خطیر رقم اشاعت اسلام اور اشاعت قرآن کی خاطر نقد اور وعدوں کی صورت میں ان کے قدموں میں ڈھیر کر دی۔ کسی نے سینکڑوں دیئے اور کسی نے ہزاروں۔ کسی نے مکرم ڈاکٹر سعید احمد صاحب کی پونے دو صد روپیہ کی گھڑی تبرکاً ایک ہزار روپیہ میں خرید کر خدمت قرآن میں حصہ لیا۔ چندہ ماہوار بڑھانے کی اپیل پر یہ دیکھنے میں آیا کہ کسی نے ایک آنہ فی روپیہ کر دیا اور کسی نے اپنی آمدنی کا دسواں حصّہ دینا منظور کیا۔ اور تقریباً سبھی نے باآواز بلند یہ کہا۔ کہ ہم اپنا چندہ ماہوار موجودہ چندہ سے دگنا کر دیں گے۔ جماعت بدوملہی نے جلسہ سالانہ سے پہلے ہی میری اپیل پر اپنا ماہوار چندہ دوگنا کر دیا تھا اور اس طرح جماعت بدوملہی کے سالانہ چندہ میں بارہ صد روپیہ کا اضافہ ہوا۔ یہ نظارہ ایسا نہ تھا کہ دل متاثر نہ ہوتے۔ ایسا دکھائی دے رہا تھا کہ فرشتے قلوب پر متصرف ہو کر سامعین میں زندگی کی ایک نئی رُوح پھونک رہے ہیں اور ان اللہ یحی الارض بعد موتھا کی حقیقت منکشف ہو رہی ہے۔ محترم این اے فاروقی صاحب نے صبح کی نماز کے بعد تین دن مسلسل سورۃ فاتحہ پر درس دیا۔ اور ایسے ایسے معارف قرآن بیان فرمائے کہ رُوح وجد میں آجاتی اور دوران درس میں روحانی سرور و انبساط کی کیفیت سامعین پر طاری ہو جاتی۔ صبح کی نماز میں مکرم جناب ڈاکٹر سعید احمد صاحب کی پرسوز قرأت اور پُر درد دعاؤں سے نمازیوں کی رُوح پگھل کر آستانہ الہٰی پر بہنے لگتی تھی اور ان کے دل گداز ہو جاتے تھے۔ اس جلسہ کی ایک قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ دو بچیوں شاہدہ جنجوعہ اور مدیحہ رسول نے جس انداز سے ایک مکالمہ حضرت صاحب اور اپنی جماعت کے عقائد کی صداقت پر پیش کیا اسے بے حد سراہا گیا اور تقریباً دو صد ساٹھ روپے کے انعامات سے ان بچیوں کو نوازا گیا۔

آخر میں اس بزرگ اور احمدی روایات کی حامل ہستی کا ذکر کرنا بھی میں ضروری سمجھتا ہوں۔ جس کے وجود باجود نے دارالسلام کو قرآنی انوار سے بھر دیا ہے۔ میری مراد جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب سے ہے جو دارالسلام کو انسان نما فرشتوں کی بستی بنانے میں کوشاں ہیں۔ اس عاشق خدا و رسول اور فدائے احمدیت کی دعائیں اب رنگ لا رہی ہیں اور روحانی بیمار آہستہ آہستہ شفا پا رہے ہیں۔ ان کے نالہ ہائے نیم شبی کی گونج عرش معلےٰ تک پہنچی ہے۔ ان کے اخلاق عالیہ اور الہٰی رنگ میں رنگین ہونے کی یہ کیفیت ہے۔ کہ وہ جسمانی مریضوں کو دیکھنے کے لئے خود ان کے گھروں میں تشریف لے جاتے ہیں اور اکثر دوا بھی مفت اپنے پاس سے دیتے ہیں۔ اور اپنے مشفقانہ برتاؤ سے دلوں کو موہ لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دارالسلام کا بچہ بچہ ان پر جان چھڑکنا اپنی سعادت سمجھتا ہے۔ میرے دل سے ان کے لئے بے اختیار دعا نکل رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندۂ سعید پر اپنے افضال کی بارش برسائے۔ اور انہیں خدمت اسلام و احمدیت کی خاطر صحت و سلامتی کی طویل عمر عطا فرمائے۔

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

---

# ایک پُرمسرت تقریب۔ مسٹر زاہد عزیز کی شادی

احباب کو یہ معلوم کر کے مسرت ہوگی کہ ہمارے ہونہار نوجوان دوست زاہد عزیز جو مانچسٹر میں الیکٹرک انجنیئرنگ میں پی ایچ ڈی کر رہے ہیں اور جنہوں نے جلسہ سالانہ پر Dec[illegible] [illegible] f Religion in the West کے موضوع پر نہایت عمدہ تقریر کی۔ کا نکاح بیس ہزار روپیہ مہر پر فوقیہ مدد علی صاحبہ سے حضرت ڈاکٹر سعید احمد صاحب نے ۲۸ر دسمبر کو ماڈل ٹاؤن لاہور میں پڑھایا۔

فوقیہ صاحبہ حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم کی نواسی ہیں۔ دولہا کے والد مسٹر عزیز احمد نے اس خوشی میں مبلغ دو صد روپیہ انجمن کو عطا فرمایا۔ نیز حضرت ڈاکٹر سعید احمد صاحب نے ۵ر جنوری کو اس شادی کی خوشی میں دارالسلام میں دولہا دلہن اور ان کے عزیز و اقارب کو ضیافت دی۔ احباب سے استدعا ہے کہ اس رشتہ کے بابرکت ہونے کے لئے دعا فرمائیں۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مؤرخہ ۷ر جنوری ۱۹۷۶ء
رجسٹرڈ ایل ۸۳۸ شمارہ ۱

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ [illegible] میں باہتمام احمد [illegible] چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۳ | یوم چہارشنبہ ۱۱ محرم الحرام ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۴ جنوری ۱۹۷۶ء | نمبر ۲

## (ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام)

# خلفاء کی بعثت زندہ ایمان پیدا کرنے کے لئے ہوتی ہے

توریت بنی اسرائیل کی تعلیم کے لئے کامل تھی اور جس طرح قرآن کریم میں آیت الیوم اکملت لکم ہے اسی طرح توریت میں بھی آیات ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو ایک کامل اور جلالی کتاب دی گئی جس کا نام توریت ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں بھی توریت کی یہی تعریف ہے۔ لیکن باوجود اس کے بعد توریت کے صدہا ایسے نبی بنی اسرائیل میں سے آئے کہ کوئی نئی کتاب ان کے ساتھ نہیں تھی بلکہ ان انبیاء کے ظہور کے مطالب یہ ہوتے تھے کہ تا ان کے موجودہ زمانہ میں جو لوگ تعلیم توریت سے دور پڑ گئے ہوں پھر ان کو توریت کے اصلی منشاء کی طرف کھینچیں اور جن کے دلوں میں کچھ شکوک اور دہریت اور بے ایمانی ہو گئی ہے ان کو پھر زندہ ایمان بخشیں، چنانچہ اللہ جلشانہ خود قرآن کریم میں فرماتا ہے ولقد اٰتینا موسیٰ الکتاب وقفینا من بعدہ بالرسل یعنی موسےٰ کو ہم نے توریت دی اور پھر اس کتاب کے بعد ہم نے کئی پیغمبر بھیجے تا توریت کی تائید اور تصدیق کریں اسی طرح دوسری جگہ فرماتا ہے ثم ارسلنا رسلنا تترا یعنی پھر پیچھے سے ہم نے اپنے رسول پے در پے بھیجے پس ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ عادت اللہ یہی ہے کہ وہ اپنی کتاب بھیج کر پھر اس کی تائید کے لئے ایک ایک وقت میں چار چار سو نبی بھی آئے جن کے آنے پر اب تک بائبل شہادت دے رہی ہے اس کثرت ارسال رسل میں اصل بھید یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کی طرف سے یہ عہد مؤکد ہو چکا ہے کہ جو اس کی سچی کتاب کا انکار کرے تو اس کی سزا دائمی جہنم ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے:- والذین کفروا وکذبوا بآیاتنا اولٰئک اصحاب النار هم فیها خالدون - یعنے جو لوگ کافر ہوئے اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی وہ جہنمی ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اب جبکہ سزائے انکار کتاب الٰہی میں ایسی سخت تھی اور دوسری طرف یہ مسئلہ نبوت اور وحی الٰہی کا نہایت دقیق تھا بلکہ خود خدا تعالےٰ کا وجود بھی ایسا دقیق در دقیق تھا کہ جب تک انسان کی آنکھ خدا داد نور سے منور نہ ہو ہرگز ممکن نہ تھا کہ سچی اور پاک معرفت اس کی

**مجددین انوار نبوت صلعم سے منور ہوتے ہیں**

حاصل ہو سکے چہ جائیکہ اس کے رسولوں کی معرفت اور اس کی کتاب کی معرفت حاصل ہو اس لئے رحمانیت الٰہی نے تقاضا کیا کہ اندھی اور نابینا مخلوق کی بہت ہی مدد کی جائے اور صرف اس پر اکتفا نہ کیا جائے کہ ایک مرتبہ رسول اور کتاب بھیج کر پھر باوجود امتداد ازمنہ طویلہ کے ان عقائد کے انکار کی وجہ سے جن کو بعد میں آنے والے اس سے زیادہ نہیں سمجھ سکتے کہ وہ ایک پاک اور عمدہ منقولات میں ہمیشہ کی جہنم میں منکروں کو ڈال دیا جائے اور درحقیقت سوچنے والے کے لئے یہ بات نہایت صاف اور روشن ہے کہ وہ خدا جس کا نام رحمٰن اور رحیم ہے اتنی بڑی سزا دینے کے لئے کیونکر یہ قانون اختیار کر سکتا ہے کہ بغیر پورے طور پر اتمام حجت کے مختلف بلاد کے ایسے لوگوں کو جنہوں نے صد برسوں کے بعد قرآن اور رسول کا نام سنا اور پھر وہ عربی سمجھ نہیں سکتے قرآن کی خوبیوں کو دیکھ نہیں سکتے دائمی جہنم میں ڈال دے اور کسی انسان کی کانشنس اس بات کو قبول کر سکتی ہے کہ بغیر اس کے کہ قرآن کریم کا منجانب اللہ ہونا اس پر ثابت کیا جاوے۔ یونہی اس پر چھری پھیر دی جائے۔

(باقی بر صفحہ کالم نمبر ۲)

بھیجتا رہتا ہے چنانچہ توریت کی تائید

# مامور من اللہ کی بعثت کا مقصد انسانوں کا خدا تعالیٰ سے تعلق قائم کرنا ہوتا ہے

خطبہ جمعہ۔ مؤرخہ ۱۹ / دسمبر ۱۹۷۵ء۔ فرمودہ جناب علامہ شیخ عبدالرحمان مصری صاحب۔ جامع احمدیہ۔ احمدیہ بلڈنگز لاہور

و من احسن قولًا ممن دعا الی اللّٰہ و عمل صالحًا و قال اننی من المسلمین۔

چونکہ آج بعد نماز جمعہ محترم حکیم عبدالعزیز صاحب مرحوم کے جنازہ میں احباب نے شریک ہونا ہے اس لئے خطبہ مختصر ہوگا۔ اس آیت میں جو میں نے تلاوت کی ہے خدا کے مامور حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے تین علامتیں بیان فرمائی ہیں۔

پہلی علامت تو یہ بیان کی ہے کہ سچے مامور کا پہلا اور اصل کام یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دے۔ کوئی قول دعوت الی اللہ سے بڑھ کر احسن نہیں ہو سکتا اور وہ مامور جو حضرت نبی کریم صلعم کی پیروی میں آنحضرت صلعم کے نمونہ پر اپنے مفوضہ کام کو سرانجام دے گا وہ اس آیت پر عمل درآمد کرے گا۔ قل ھٰذہ سبیلی ادعوا الی اللّٰہ علٰی بصیرۃ انا و من اتبعنی یعنے حضرت نبی کریم صلعم کو ارشاد الٰہی ہوتا ہے کہ دنیا کے لوگوں کو کہہ دو کہ میری راہ یہی ہے کہ میں لوگوں کو اللہ تعالٰے کی طرف بلاؤں۔ اور میری یہ دعوت مبنی بر بصیرت ہوگی اس طرح میرے حقیقی متبع بھی میری طرح بصیرت کی بناء پر ہی لوگوں کو اللہ تعالٰے کی طرف دعوت دیں گے مہدی کے متعلق حدیث میں یہی آتا ہے کہ وہ لوگوں کو اسلام کی طرف بلائے گا۔ چونکہ سیدنا حضرت مرزا صاحب کا دعوےٰ بھی مسیح اور مہدی ہونے کا تھا اس لئے وہ بھی علٰی وجہ البصیرت ہی لوگوں کو اسلام کی طرف ساری عمر دعوت دیتے رہے اور دلائل اور آسمانی نشانوں کے ذریعہ لوگوں کو خدا کی ہستی پر یقین دلاتے رہے۔

دوسری علامت اس آیت میں یہ بتلائی گئی ہے کہ وہ عمل صالح کا پیکر ہوگا اس کے کسی عمل پر کسی شخص کو نکتہ چینی کا کوئی موقعہ ہاتھ نہیں آ سکے گا اس کا دعوےٰ بھی اس آیت کے مطابق ہوگا فقد لبثت فیکم عمرًا من قبلہ افلا تعقلون۔ اب یہ حقیقت ہے کہ ہندو۔ سکھ۔ عیسائی۔ مسلمان تمام آپؑ کے شدید دشمن تھے اور ان کی یہ انتہائی خواہش تھی کہ آپ کو لوگوں کی نظر میں گرا دیا جائے آپ کے اعمال میں کوئی نہ کوئی نقص نکال کر لوگوں کو یقین دلایا جائے کہ یہ شخص اپنے دعوےٰ ماموریت میں صادق نہیں ہو سکتا جھوٹے مقدمے بھی آپ کے خلاف بنائے گئے کیونکہ مقدمات میں اکثر انسانوں کو جھوٹ سے کام لینا پڑتا ہے۔ لیکن ان کو ہر موقعہ پر ناکامی کا ہی منہ دیکھنا پڑتا رہا اور کسی موقعہ پر بھی یہ لوگ حضور کی طرف جھوٹ منسوب کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے اس کے برخلاف متعدد غیر احمدیوں نے آپ کے کیریکٹر کی پاکیزگی کی شہادت دی اور اپنے ذاتی تعلقات کی بناء پر دنیا کو بتلایا کہ اس شخص کی زندگی نہایت ہی پاک زندگی تھی اس کی طرف کوئی عیب منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

تیسری علامت جو بہت ہی سخت علامت ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے ساری دنیا کو چیلنج دیتے ہوئے فرمایا و قال اننی من المسلمین یعنے میرا دعوےٰ ہے کہ میں ہر لحاظ سے حقیقی مسلمان ہوں۔ اگر تم نے قرآن شریف کے معیاروں کے مطابق مسلمان دیکھنا ہے تو میرے وجود میں دیکھ لو۔ اگر دعاؤں کی قبولیت کی علامت کے ماتحت میرے اسلام کو پرکھنا چاہتے ہو تو میرے ساتھ قبولیت دعا میں میرا مقابلہ کر لو۔ اگر قرآن شریف کے معارف بیان کرنے والی علامت کے ذریعہ میرے اسلام کو پرکھنا چاہتے ہو تو آؤ قرآن کریم کے معارف بیان کرنے میں میرا مقابلہ کر لو جلسہ مذاہب اعظم کے موقعہ پر علماء کے ساتھ یہ مقابلہ بھی ہو گیا جس میں حضور فاتح کی حیثیت سے نکلے۔ عربی زبان کی فصاحت و بلاغت میں مقابلہ کرنا چاہتے ہو تو اس میں مقابلہ کر کے میرے اسلام کو آزما لو۔

غرضیکہ اللہ تعالٰے اور اس کے رسول صلعم نے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سچے اور حقیقی اور کامل مسلمان کی جو علامات مقرر کی ہیں ان سب کے ذریعہ میرے اسلام کو آزما لو۔ اگر ایسا کرو گے تو تم دیکھ لو گے کہ میں جو کہتا ہوں کہ اننی من المسلمین میرا یہ قول بالکل سچائی پر مبنی ہے۔ دنیا میں کروڑوں کی تعداد میں مسلمان آباد ہیں مگر کسی ایک کو یہ دعوےٰ کرنے کی جرأت نہیں۔ مخالفین اسلام کے مقابلہ میں اگر کوئی شخص میدان میں نکلا ہے تو وہ سیدنا حضرت مرزا صاحب ہی نکلے ہیں اور ان کو مقابلہ میں زیر کیا ہے جیسا کہ ڈوئی اور لیکھرام کی مثالوں سے حضور کا یہ دعوےٰ حضورؑ کی سچائی پر بین دلیل کا کام دے رہا ہے باوجود اس کے حضور کے دعویٰ ماموریت کو قبول نہ کرنے کی وجہ سوائے بیجا ضد کے اور کیا ہو سکتی ہے۔

## شادی خانہ آبادی

احباب جماعت کو یہ سن کر دلی مسرت ہوگی کہ ہمارے ایک نہایت ہی مکرم اور مخلص دوست جناب میاں عبدالرحمٰن صاحب (انجنیئر) مسلم ٹاؤن لاہور کے صاحبزادہ میاں عبدالواحد کی شادی کی تقریب بمقام کراچی بفضلہ تعالٰے بخیر و خوبی سرانجام پائی۔ ولیمہ کی دعوت مسلم ٹاؤن لاہور میں دی گئی۔ مکرم میاں عبدالرحمان صاحب نے اس خوشی میں مبلغ بائیس روپے بغرض اشاعت اسلام انجمن کو عطا فرمائے ہیں۔

اللہ تعالٰے اس تعلق کو جانبین کے لئے پر مسرت اور مثمر بثمرات حسنہ بنائے۔ ادارہ پیغام صلح کی طرف سے جناب میاں صاحب کی خدمت میں مبارکباد عرض ہے۔

ہفت روزہ پیغام صلح ـــ لاہور ـــ مورخہ ۱۴ر جنوری ۱۹۹۶ء

# اصولِ دینِ اسلام کی افادیت و اشاعت

(۱)

موجودہ زمانہ کی سب سے بڑی اور نمایاں خصوصیت اس کا سائنسی ذہنیت رکھنا ہے ہر امر کی پرکھ کے لئے عقل و علم اور مشاہدہ و تجربہ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، توہم پرستی، عجوبہ پرستی اور شخصیت پرستی کے معیار پر کسی اصول کو جانچا نہیں جاتا چنانچہ حق و باطل کے پہچاننے میں بھی آج یہی معیار استعمال کئے جاتے ہیں جو باقی امور میں برتے جا رہے ہیں۔

مشاہدہ و تجربہ کی کسوٹی پر صحیح اترنے کے علاوہ یہ امر بھی دریافت کیا جاتا ہے کہ اس کے تسلیم کر لینے سے انسانی زندگی میں کیا مفاد حاصل ہوگا، کہتے ہیں کہ مشہور موجد بجلی مسٹر فیراڈے نے جب پہلی مرتبہ اپنے حاضرین کو مقناطیسی بجلی کا تجربہ دکھلایا تو ایک خاتون نے ان پر اسی وقت یہ سوال کر دیا:۔

"مگر مسٹر فیراڈے بالفرض ہم یہ مان بھی لیں کہ جو تم بجلی کی رَو پیدا ہونے کے بارے میں کہہ رہے ہو وہ صحیح ہے تب بھی سوال یہ ہے کہ ہمیں اس سے کیا فائدہ ملے گا۔"

اس سے موجودہ ذہنیت کا اندازہ خوب کیا جا سکتا ہے۔ اب اندھی تقلید اور پیر پرستی کا زمانہ بیت چکا، نہ صرف عقل و علم کے معیاروں پر کسی اصول کی صحت ثابت کرنا ضروری ہوگیا ہے بلکہ یہ بھی لازم پڑا ہے کہ زندگی کی تگ و دو میں اس کی افادیت بھی ثابت کرکے دکھلائی جائے۔ دین کے اصولوں سے جو علم بے رخی کا رجحان غالب آتا چلا جا رہا ہے تو اس کی بھی در اصل یہی دو وجوہ ہیں۔ علمبرداران دین اپنے اصولوں کو علم و عقل کی کسوٹی پر پیش کرنے سے یا تو عاجز ہیں اور یا انہیں زمانہ کے اس رجحان کی طرف توجہ نہیں، اصول حقہ کی کامیاب اشاعت آج صرف اسی طرح ممکن ہے جب ایک طرف ان کی صداقت عقل و علم سے ثابت کی جائے تو دوسری طرف ان کی افادیت بتلائی جائے۔ چنانچہ مشہور سیاستدان لارڈ لوتھین نے ۱۹۴۰ء میں یہ کہا تھا:۔

"وہ دن ختم ہو گئے ہیں جب مذہب کو صرف ذاتی معاملہ سمجھا جاتا تھا، موجودہ سائنس کا انسان ہر امر یہاں تک کہ صداقت کو بھی آخری نتائج کے معیار پر جانچتا ہے۔ اگر اسے کسی مذہب کی پیروی کی حاجت ہے تو اس کا مطالبہ یہ ہے کہ مذہب اسے اس دنیا کے مسائل حل کرنے میں مدد دے۔ ...... مذہب انسان کو یہ واضح کرے کہ جو نئی طاقتیں اسے حاصل ہوئی ہیں ان پر وہ کیسے حکمرانی کر سکتا ہے تاکہ وہ بجائے انسانیت کی تباہی کے اس کے لئے مفید بن سکیں، کس طرح وہ بے روزگاری، عدم مساوات، استحصال، ظلم و زیادتی اور اسی قسم کی دیگر مصائب سے جو اس کی خوشی کو برباد کر رہی ہیں پر غالب آ سکے۔"

آرچ بشپ آف برسبین لکھتا ہے:۔

"دنیا کے واقعات میں انقلابی تبدیلیاں اقوام عالم کو باہم نزدیک لا رہی ہیں۔ اور بین الاقوامی سیاست میں لوگ مجبور ہو گئے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے نقطہ نگاہ سے واقفیت حاصل کریں مگر یہ امر قابل افسوس ہے کہ مذہبی لوگوں نے ابھی تک اس کی پیروی کرنے کی طرف توجہ نہیں دی۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ مذہب ایک طاقتور عنصر ہے جس کے ذریعہ سماجی و سیاسی افکار تعمیر ہو سکتے ہیں اور باہمی کامل موافقت بھی ممکن نہیں جب تک مختلف مذاہب کے بہت بڑے حلقہ کے متکلمین آپس میں گہری موافقت و مفاہمت نہیں کرتے۔"

نہ صرف مذہب کو موجودہ سائنسی ذہنیت کے معیاروں پر پیش کرنے کی ضرورت کو مستشرقین نے تسلیم کیا ہے بلکہ خود انہوں نے اس امر کا اقرار کر لیا ہے کہ دینِ اسلام کے اصولوں کو علم و عقل کی روشنی میں پیش کرکے دنیا کے موجودہ مسائل کا حل کیا جا سکتا ہے۔ اسپارہ میں ایچ۔ اے۔ آر گب لکھتے ہیں:۔

"اسلام اپنی بنیادی باتوں سے انکار کرکے زندہ نہیں رہ سکتا ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ اسلام ان بنیادوں کے مطابق دیگر مغربی سوسائٹی سے تعلق رکھتا ہے بلکہ اس کا حصہ ہے۔ اسلام مغربی تہذیب کو کامل کرنے والا ہے یہ دونوں ایک ہی فضا میں سانس لیتے اور ایک چشمہ سے سیراب ہوتے ہیں۔ تاریخ کے دیرینہ مفہوم میں جو کچھ اس وقت یورپ اور اسلام میں اس وقت پیش آ رہا ہے، وہ مغربی تہذیب کا دوبارہ امتزاج ہے ......... اقتصادی و ثقافتی ارتقاء کے لئے اسلام کو مغربی سوسائٹی کے تعاون کی ضرورت ہے مگر دوسری طرف یورپ کو اپنے ثقافتی اور روحانی نشو و نما کے لئے اسلامک سوسائٹی کے امداد و تعاون حاصل کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ......... مغربی تہذیب کی انتہائی تضادوں کے درمیان اسلام ایک توازن قائم کرتا ہے۔ یہ دین ایک طرف تو یورپ کے قومی نقطہ نگاہ اور دوسری طرف روسی موجودہ آمریت کے برخلاف ہے جس طرح موجودہ یورپ اور روس دونوں اقتصادی جنون میں مبتلا ہیں۔ اسلام نے اس طرح مادیت کو سجدہ نہیں کیا۔ سرمایہ داری اور اشتراکیت کے بین بین اسلام نے ایک درمیانی راہ اختیار کی ہے۔"

پھر یہی مصنف آگے چل کر یہ لکھتا ہے کہ نسلی تعصبات لسانی اور جغرافیائی تنگ نظریوں کے چکر کے دور میں اب بھی اسلام میں یہ طاقت موجود ہے چنانچہ اس کے یہ الفاظ ہیں:۔

"مگر انسانیت کی خدمت کے لئے اسلام کے سامنے ایک اور موقعہ بھی میسر ہے۔ یہ دین یورپ کی بہ نسبت مشرق سے زیادہ قریب ہے کیونکہ اس میں نسلی مفاہمت اور تعاون کی ایسی شاندار روایات موجود ہیں جو کسی دوسرے معاشرہ کا ریکارڈ نہیں جس نے کامیابی کے ساتھ اس قدر کثیر اور اتنی مختلف اقسام کی نسلوں میں ایسا اتفاق و اتحاد پیدا کیا ہو اور جس نے سعی و جہد میں ایسی مساوات قائم کر دکھلائی ہو۔ افریقہ، ہند، انڈونیشیا کی بڑی مسلم قومیتوں، نیز چین و جاپان کی چھوٹی مسلم جماعتوں سے ظاہر

ہے کہ نسلی رنگ و روایات کے ناممکن المفاہمتی عناصر کو اسلام کے ذریعہ متفق و یک رنگ کیا جانا ناممکن نہیں ہے ......

پس اگر مشرقی و مغربی اقوام کی باہمی مخالفت کو تعاون میں بدلنا منظور ہو تو اس کے لئے اسلام کی مداخلت ناگزیر ہے یورپ جن مسائل سے مشرق کے ساتھ اس وقت دوچار ہے ان کا بہت حد تک حل اسلام میں ہی مل سکتا ہے۔ اگر ان دونوں میں اتحاد پیدا ہو جائے تو امن و صلح کے لئے بہت بڑا موقعہ میسر آ سکتا ہے۔ لیکن اگر یورپ اسلام کی امداد سے انکار کرے تو اس کا نتیجہ تباہ کن ہوگا۔

پروفیسر گب صاحب نے جو کچھ متذکرہ بالا اقتباسات میں تحریر فرمایا ہے کیا عین یہی کچھ اس صدی کے مجدد اعظم نے مسلمانوں کو ندا نہیں دی تھی کہ اس وقت مغرب کو اگر کوئی چیز تباہی سے بچا سکتی ہے تو وہ صرف اسلام ہے۔ مقصد و اہمیت کو اس سے زیادہ زور دار الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ عین وقت پر یہ ندا خدا تعالےٰ کے حکم سے اس انسان نے بلند کی۔ مسلمانوں کو مغربی دنیا میں تبلیغ اسلام کا پیغام پہنچانے کے لئے ان کو بیدار کیا۔ کبھی کشوف صادقہ کی صورت میں آپ نے انگلستان میں سفید پرندے پکڑے جس کی تعبیر آپ نے یہ کی کہ اگرچہ میں خود نہیں مگر میری تحریریں اور میرے متبع انگلستان میں اسلام کی کامیاب تبلیغ کرنے والے ہوں گے ایک دنیا نے دیکھ لیا کہ مرحوم و مغفور خواجہ کمال الدین نے کس شاندار کامیابی سے مغربی دنیا میں دین اسلام کا علم گاڑا! پھر کبھی حضرت مجدد وقت نے لکھا کہ طلوع الشمس من مغربھا کی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ صداقت اسلام کا آفتاب اب مغرب سے چڑھے گا اور اس موقعہ پر بھی آپ نے یہ پیشگوئی فرمائی کہ میرا ارادہ ہے کہ قرآن کریم کا ترجمہ اور تفسیر انگریزی زبان میں شائع کروں اور میں یہ کہنے سے رُک نہیں سکتا کہ یہ میرا کام ہے جیسا مجھ سے ہوگا یا اس سے جو میری شاخ ہے اور اس لئے مجھ میں داخل ہے ایسا دوسرے سے ہرگز نہ ہوگا۔ آپ کے اسی فرمان کے مطابق حضرت مولانا محمد علیؒ نے ایسی تفسیر و ترجمہ کیا جس کے مقابل کوئی دوسرا ترجمہ نہ ہو سکا۔

خود اپنی زندگی میں ہی پیغام دینِ اسلام کو مغربی دنیا میں پہنچانے کے لئے آپ نے انگریزی میں رسالہ ریویو آف ریلیجنز شائع کیا۔ جس کے ایڈیٹر حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ مقرر ہوئے۔ حضرت مولاناؒ کے ترجمہ اور تفسیر کو ایسی خارق عادت مقبولیت کیوں حاصل ہوئی؟ صرف اس لئے کہ اس میں اصول قرآن کو ایسے رنگ میں پیش کیا گیا ہے جس سے موجودہ زمانہ کے مصائب و مشکلات کا حل ملتا ہے۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ مسیح موعود و مہدی معہود نے جب اپنی پہلی کتاب براہین احمدیہ تحریر فرمائی تو اسی وقت آپ نے زمانہ حاضرہ کی نبض شناسی کرتے ہوئے اس کے دیباچہ میں یوں تحریر فرمایا تھا: "اے بزرگو! اب یہ وہ زمانہ ہے کہ جو شخص بغیر اعلیٰ درجہ کے عقلی ثبوتوں کے اپنے دین کی خبر منانا چاہتا ہے تو یہ خیال محال اور طمع خام ہے۔ تم آپ ہی نظر اُٹھا کر دیکھو جو کیسی طبیعتیں خود آرائی اختیار کرتی جاتی ہیں اور کیسے خیالات بگڑتے جاتے ہیں اس زمانہ کی ترقی علوم عقلیہ نے اُلٹا اثر کیا ہے۔ حال کے تعلیم یافتہ لوگوں کی طبائع میں ایک عجیب طرح کی آزاد منشی بڑھتی جاتی ہے اور وہ سعادت جو سادگی اور غربت اور صفا باطنی میں ہے وہ انکے مغرور دلوں سے بالکل جاتی رہی ہے اور جن جن خیالات کو وہ سیکھتے ہیں وہ اکثر ایسے ہیں کہ جن سے ایک لا مذہبی کے وساوس پیدا کرنے والا ان کے دلوں پر اثر پڑتا ہے اور اکثر لوگ قبل اس کے کہ ان کو کوئی مرتبہ تحقیق کامل کا حاصل ہو صرف جہل مرکب کے غلبہ سے فلسفی طبیعت کے آدمی بنتے جاتے ہیں۔ آؤ اپنی اولاد اور قوم اور ہموطنوں پر رحم کرو قبل اس کے جو وہ باطل کی طرف کھینچے چلے جائیں ان کو حق و راستی کی طرف کھینچ لاؤ تا تمہارا اور تمہاری ذریت کا بھلا ہو اور تا سب کو معلوم ہو کہ بمقابلہ دینِ اسلام کے اور سب ادیان بے حقیقت محض ہیں۔

دنیا میں خدا کا قانون قدرت یہی ہے کہ کوشش و سعی اکثر حصول مطلب کا ذریعہ ہو جاتی ہے اور جو شخص ہاتھ پاؤں توڑ کر اور غافل ہو کر بیٹھ جاتا ہے وہ اکثر محروم و بے نصیب رہتا ہے۔ سو آپ لوگ اگر دینِ اسلام کی حقیقت کے پھیلانے کے لئے جو فی الواقع حق ہے کوشش کریں گے تو خدا اس سعی کو ضائع نہیں کرے گا۔ خدا نے ہم کو صدہا براہین قاطعہ حقیقت اسلام پر عنایت کیں اور ہمارے مخالفین کو ان میں سے ایک بھی نصیب نہیں۔ خدا نے ہم کو حق محض عطا فرمایا اور ہمارے مخالفین باطل پر ہیں، جو راستبازوں کے دلوں میں جلال احدیت کے ظاہر کرنے کے لئے سچا جوش ہوتا ہے اس کی ہمارے مخالفوں کو بُو بھی نہیں پہنچی۔"

(عرض ضروری بحالت مجبوری براہین احمدیہ)

اس عبارت میں کیسی وضاحت سے آپ نے بتلا دیا کہ دین اسلام کو موجودہ زمانہ کی ذہنیت اور طلب کو مدنظر رکھ کر پیش کرنا چاہیئے، یہ زمانہ عقلی بے راہ روی کا ہے اور اس کا علاج بھی عقلی دلائل کا محتاج ہے۔ لہذا جس طرح حضرت مجدد وقت نے زمانہ کی ضروریات کے مطابق دلائل و براہین سے دینِ اسلام کے اصولوں کو پیش کر کے نمایاں کامیابی حاصل کی نیز آپ کے سچے خادموں نے اپنی تبلیغی مساعی اور علمِ کلام سے اسلام کی برتری ثابت کر کے اسلام کو ایک زندہ مذہب ثابت کیا یہی طریق کار جملہ مسلمانوں کو اختیار کرنے کی ضرورت پڑی ہے۔ کیا وہ اس طریق کار کی طرف آئیں گے؟ ہم اس بارہ میں آپ کے خیالات آئندہ شیوع میں پیش کریں گے۔

---

## دُعا اور تدبیر کا باہمی رشتہ

دیکھا جاتا ہے کہ انسانی طبائع کسی مصیبت کے وقت جس طرح تدابیر اور علاج کی طرف مشغول ہوتی ہیں۔ ایسا ہی طبعی جوش سے دعا اور صدقہ اور خیرات کی طرف جھک جاتی ہیں۔ اگر دنیا کی تمام قوموں پر نظر ڈالی جائے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ اب تک کسی قوم کا کانشنس (ضمیر) اس متفق علیہا مسئلہ کے برخلاف ظاہر نہیں ہوا۔ پس یہی ایک روحانی دلیل اس بات پر ہے کہ انسان کی شریعت باطنی نے بھی قدیم سے تمام قوموں کو یہی فتوے دیا ہے کہ وہ دعا کو اسباب اور تدابیر سے الگ نہ کریں۔ بلکہ دُعا کے ذریعہ سے تدابیر کو تلاش کریں۔ غرض دعا اور تدبیر انسانی طبیعت کے دو طبعی تقاضے ہیں۔ کہ جو قدیم سے اور جب سے انسان پیدا ہوا ہے دو حقیقی بھائیوں کی طرح انسانی فطرت کے خادم چلے آئے ہیں۔ اور تدبیر دعا کے لئے بطور نتیجہ ضروریہ کے اور دُعا تدبیر کے لئے بطور محرک اور جاذب کے ہے اور انسان کی سعادت اسی میں ہے کہ وہ تدبیر کرنے سے پہلے دعا کے ساتھ مبدء فیض سے مدد طلب کرے۔ تا اس چشمۂ لازوال سے روشنی پا کر عمدہ تدبیریں میسر آ سکیں۔ (مسیح موعودؑ)

# جلسہ سالانہ ۱۹۷۵ء کی مختصر روئداد

## مؤرخہ ۲۶؍ دسمبر ۔ دوسری نشست

(گذشتہ سے پیوستہ)

آج کے دوسرے اجلاس کی کارروائی تقریباً ۲½ بجے تلاوت قرآن کریم اور درثمین کے اشعار سے شروع ہوئی۔ مکرم مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی طبیعت کی اچانک کمزوری کے باعث تشریف نہ لا سکے۔ ان کا وقت محترم جناب ڈاکٹر میرزا مظفر بیگ صاحب ساطع کو دیا گیا۔ جنہوں نے اپنی مخصوص گرجدار اور رعبناک آواز میں "غیرت خدا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں جماعت احمدیہ کی غیرت" کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ آج تو احمدیوں کی اسلامی خدمات کو بھلا کر انہیں کافر قرار دیا گیا ہے۔ مگر میں آپ کو آج سے پچاس سال پہلے کے دور میں لے چلتا ہوں جبکہ ایک رسوائے زمانہ شاتم رسول آریہ نے ہمارے حضرت رسول کریم کے خلاف اپنی کتاب میں بڑی گندہ دہنی سے کام لیا تو یہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور ہی تھی جس نے اس گندہ دہن آریہ کے خلاف توہین رسول کا دعوےٰ دائر کر دیا۔ ابتدائی کارروائی مقدمہ پر ایک آریہ اخبار نے لکھا کہ "اس مقدمہ کی پیروی صرف لاہوری احمدی کر رہے ہیں۔ وہی تاریخ پر پیش ہوتے ہیں۔ دوسرے مسلمان اس مقدمہ میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے۔" اس پر میں نے اور میرے دوسرے تبلیغی کلاس کے دوستوں نے اس اخبار کو ہاتھ میں لیکر لاہور کی ایک ایک مسجد میں چکر لگایا اور مسلمانوں کی غیرت کو جھنجوڑا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مقدمہ کی اگلی ہی پیشی پر ہزاروں مسلمان عدالت میں موجود تھے۔ گویا ایک "کافر" احمدی اور موچی دروازہ کے ایک غیور مسلمان نے شاتم رسول کا معاملہ طے کر دیا۔

پھر اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رض کی بوقت نکاح عمر کا مسئلہ بھی اس مقدمہ میں زیر بحث آیا اور خدا کے فضل سے جناب مولانا عصمت اللہ صاحب مرحوم و مغفور کی عظیم جستجو وکاوش کی بدولت سینکڑوں سال کی کتب احادیث و سیر سے احمدیوں نے عدالت میں ثابت کر دیا کہ رسول کریم صلعم کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح پندرہ برس کی عمر میں ہوا اور ۱۶½ برس کی عمر میں رخصتانہ ہوا۔ جس سے ۹ برس کی عمر والا اعتراض ہمیشہ کے لئے دور ہوکر آریوں کا منہ بند ہو گیا۔

اسی طرح حیات مسیح کے مسئلہ کو قرآن کریم اور احادیث کی روشنی میں حل کر کے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی طبعی وفات ثابت کر دی اور آج عرب، مصر، ہندوستان اور خود پاکستان کے اکثر علماء وفات مسیح کے قائل ہو گئے ہیں اور اس طرح عیسائیوں کا منہ بند کرنے کا سہرا بھی احمدیوں کے سر ہے۔

محترم ساطع صاحب کے بعد زاہد عزیز صاحب (جو انگلینڈ میں الیکٹرک انجینئرنگ میں پی۔ایچ۔ڈی کر رہے ہیں) نے DECLINE OF RELIGION IN THE WEST. کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے بتایا کہ آج سے ۱۰۰ سال قبل یورپ میں عیسائیت چرچ کے ماتحت تھی۔ اور چرچ کا مقصد جاہل لوگوں کو عیسائیت کی تعلیم دے کر مہذب بنانا تھا۔ مگر آج یورپ اپنی سائنسی ترقی کے انتہائی دور میں پہنچ چکا ہے اور سائنٹیفک ذرائع سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی ریسرچ ہو چکی ہے۔ تو اس کے نتیجہ میں خود عیسائیوں میں اناجیل پر سے اعتماد اٹھ گیا ہے۔ اور انجیل میں درج شدہ حضرت عیسےٰ کے معجزات کو شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا ہے۔ وہاں نوجوانوں میں مذہب سے اور چرچ سے بغاوت کا رجحان عام ہے۔ یہ ہپی ازم بھی مذہب سے نفرت ہی کا نتیجہ ہے۔ مال و دولت کی فراوانی کے باوجود وہاں روحانی تسکین مفقود ہے اور نفسیاتی بیماریاں عام ہیں۔ زاہد عزیز صاحب نے اپنی تقریر میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے لٹریچر کی بدولت وہاں کے پڑھے لکھے اور نیک طبقہ میں اسلامی اصولوں کی مقبولیت کا بھی ذکر کیا اور بتایا کہ اس وقت یورپ میں بڑے پیمانہ پر تبلیغ اسلام کی ضرورت ہے۔ تاکہ غلبۂ اسلام کے دن نزدیک سے نزدیک تر ہو جائیں۔

زاہد عزیز صاحب کے بعد محترم مولانا بشیر احمد صاحب منٹو کی تقریر کا موضوع "ملک عرب میں ظلمت کا دور تھا" فرمایا عرب صدیوں سے انتہائی پسماندہ اور نسلوں سے بتوں کی پوجا کرتے چلے آ رہے تھے لیکن جب وہاں آفتاب رسالت (صلعم) طلوع ہوا۔ تو وہی غیر مہذب عرب فرشتہ سیرت انسان بن گئے اور حضور رسالت مآب صلعم کے فیض تربیت سے ان کی زبانوں پر الہٰی معارف جاری ہوئے۔

اللہ تعالےٰ جب اپنے ماموروں کو مبعوث فرماتا ہے۔ تو وہ اپنی استعدادوں کو پوری طرح بروئے کار لاتے ہیں۔ ان کی انتہائی کوشش اور خواہش یہی ہوتی ہے کہ وہ خاک پر بسنے والے انسانوں کو آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیں اور ان کو روحانی ترقیات سے ہمکنار کریں۔

اگرچہ مخالفین حق ہر طرح ان کے راستے میں روڑے اٹکاتے ہیں۔ اور اپنی پوری طاقت سے رسولوں کو پریشان کرتے اور سخت اذیتیں دیتے ہیں۔ لیکن ان تمام مشکلات اور مصائب کے باوجود یہ مامور من اللہ خدا تعالےٰ کی تائید اور نصرت سے مایوس نہیں ہوتے۔ ہمارے حضور صلعم اور آپ کے صحابہ کو بھی تیرہ برس تک دکھ دیئے گئے۔ مگر آخر وہی مخالف حضورؐ کے جان نثار خادم بن گئے اور حضورؐ کے اشارہ پر اپنی جانیں قربان کرنے میں فخر محسوس کرنے لگے۔ اور انہوں نے جان نثاری کی اعلےٰ مثالیں قائم کیں (منٹو صاحب کی مفصل تقریر موصول ہونے پر الگ شائع کی جائے گی) منٹو صاحب کی تقریر پر آج کے اجلاس کی دوسری نشست ختم ہوئی۔

**شبان الاحمدیہ کا جلسہ** } ۷ بجے بعد شام شبان الاحمدیہ کا اجلاس جناب محترم پروفیسر خلیل الرحمان صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض شاہد جنجوعہ صاحب نے سر انجام دیئے۔ جلسہ کا آغاز تلاوت قرآن کریم سے ہوا۔ بعد میں عبدالسلام مبارک صاحب (ہزارہ) نے حضرت مسیح موعودؑ کا نعتیہ کلام (شانِ رسول مقبول صلعم) بڑی خوش الحانی سے سنایا۔ نعت کے بعد ملفوظات حضرت مجددّ زمان پڑھ کر سنائے گئے۔

ان کے بعد صدر شبان الاحمدیہ مرکزیہ جناب حفیظ الرحمان شیخ صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے شبان الاحمدیہ کی گذشتہ ۱½ سالہ کارکردگی کا سرسری جائزہ پیش کیا اور اپنے تنظیمی دوروں کا کچھ حال بتایا۔ ان کے بعد مسٹر اقبال احمد (متعلم جماعت ہشتم) نے صداقت مسیح موعودؑ پر تقریر کی اور بتایا کہ جماعتی زندگی میں تنظیم کو کتنی اہمیت حاصل ہے۔

(باقی بر صفحہ ۶ کالم ۲)

# جماعتِ احمدیہ راولپنڈی کی تین تعزیتی قراردادیں

## قرارداد نمبر (۱)

مورخہ ۲ مسجد مبارک احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور شاخ راولپنڈی میں بعد از نماز جمعہ محترم اقبال اے شیخ صاحب کی زیرِ صدارت ایک خصوصی اجلاس منعقد ہوا جس میں مندرجہ ذیل قرارداد منظور کی گئی:

یہ اجلاس محترم ڈاکٹر میجر محمد اسحاق صاحب کی ناگہانی وفات پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا ہے کہ وہ ہمارے مرحوم بھائی کو اپنی جوار رحمت میں اعلےٰ مقام عطا فرمائے اور ان پر اپنی رحمتوں کی بارش کرے اور ان کے اعزّہ اقارب کو یہ نقصانِ عظیم برداشت کرنے اور صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔

یہ اجلاس ان کی بیگم صاحبہ، صاحبزادوں سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔ اور ان کے لئے دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہو اور ان کو میجر صاحب مرحوم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم عالم تھے اور سلسلہ کے ساتھ والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ کے عاشق تھے۔ اپنے اخلاق حمیدہ اور حسنِ سلوک سے احباب جماعت کے دلوں کو موہ لیا تھا۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم صاف گوئی سے کام لیتے تھے۔ حضرت صاحب کی کتابوں پر ہر طرح سے عبور تھا۔ ان کی زندگی نہ صرف تقوےٰ و طہارت اور اخلاص سے معمور تھی بلکہ وہ خدمتِ دین اور خدمتِ خلق کا بے پایاں جذبہ رکھتے تھے۔ وہ انجمن کے لئے ایک سرکردہ رکن کی حیثیت سے ہمیشہ تقویت کا موجب تھے۔ ان کی وفات انجمن اور جماعت کے لئے ایک ناقابلِ تلافی نقصان کا باعث ہے۔

## قرارداد نمبر (۲)

یہ اجلاس محترم حکیم عبدالعزیز صاحب کی وفات حسرت آیات پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے اور اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا ہے کہ وہ ہمارے مرحوم بھائی کو اپنے جوار رحمت میں اعلےٰ مقام عطا فرمائے اور ان پر اپنی رحمتوں کی بارش کرے اور ان کے لواحقین کو یہ نقصان برداشت کرنے اور صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔

یہ اجلاس ان کی بیگم صاحبہ اور دیگر اعزّہ و اقارب سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے اور ان کے لئے دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالےٰ ان کا حامی و ناصر ہو۔ اور ان کو مرحوم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق و ہمت عطا فرمائے۔ آمین۔

## قرارداد نمبر (۳)

یہ اجلاس محترم شیخ محمد حسین صاحب امین مرکزی دفتر لاہور کی بے وقت موت پر دلی صدمہ کا اظہار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ان پر اپنے فضل اور کرم نازل فرمائے۔ اور ان کے عزیز و اقارب کو یہ عظیم صدمہ برداشت کرنے اور صبر جمیل کی توفیق دے۔

انّا للہ و انّا الیہ راجعون

یہ اجلاس مرحوم شیخ صاحب کی اہلیہ محترمہ صاحبہ، ان کے بھائیوں۔ صاحبزادوں اور صاحبزادیوں سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے اور ان کے لئے دُعا کرتا ہے کہ اللہ تعالےٰ ان کا حافظ و ناصر ہو آمین ثم آمین۔

شیخ صاحب مرحوم نہایت خوش خلق اور خدمت خلق کا بے پایاں جذبہ رکھتے تھے اور ہزاروں لاکھوں دُکھی انسانوں کا علاج کیا ان کی اس خدمت گذاری اور شیخ صاحب مرحوم کا بیماروں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا اور اپنے فرض منصبی میں کبھی غافل نہ ہونا ان کی اعلےٰ خدمات کا نتیجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ صاحب مرحوم نہایت مقبول تھے۔ ان کی وفات انجمن اور جماعت کے لئے ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔

نیز قرار پایا کہ ان کی نقول بیگم صاحبہ حکیم عبدالعزیز مرحوم۔ بیگم صاحبہ میجر محمد اسحاق صاحب مرحوم اور بیگم صاحبہ شیخ محمد حسین صاحب مرحوم اور ایڈیٹر پیغام صلح کو برائے اشاعت لاہور بھیجی جائیں۔

خواجہ محمد نصیر اللہ
آنریری سیکرٹری جماعت راولپنڈی

## آہ! حکیم اللہ دتہ صاحب وزیر آبادی

میں ۵ سال کی عمر سے خشک دمے کا شکار ہوں۔ اب میری عمر ۶۸، ۶۹ سال ہے۔ کئی سال ہوئے میں نے پیغام صلح کے ذریعے حکماء سے التجا کی کہ اس نامراد مرض سے شفایابی کا نسخہ بتایا جائے کیونکہ میں رات کو تین چار گھنٹے سے زیادہ سو نہیں سکتا۔

مرحوم و مغفور نے اخبار پڑھ کر ایک ۱۱-۱۱-۱۹۷۱ء پر مشتمل دمے کا نسخہ اور کم خرابی کی تین دوا تحریر فرما کر مجھے بھیجا جن سے اگرچہ بیماری کا استیصال تو نہ ہوا مگر انگریزی دواؤں کی نسبت بہت فائدہ ہوا۔ میں مرحوم و مغفور کے خلوص کو تازیست نہیں بھلا سکتا اور ربّ العالمین سے دست بدعا ہوں خداوند کریم مرحوم کو جنت الفردوس نصیب کرے اور جملہ لواحقین کو صبر جمیل بخش کر ان کا حامی و ناصر ہو۔ آمین۔

غمزدہ عبدالجلیل۔ موضع حیدر آباد۔ مردان

## بقیہ: جلسہ سالانہ کی مختصر روئداد (بسلسلہ صفحہ ۵)

زاہد جنجوعہ صاحب کے بعد میاں شوکت حمید صاحب نے جماعت پر موجودہ ابتلاء کے موضوع پر تقریر کی اور بتایا کہ ایسے امتحانِ الٰہی جماعتوں پر ہمیشہ آتے ہیں اور یہی ان کی صداقت کی بھاری نشانی ہوتی ہے کہ ان کے مخالفین اپنے شدید داخلی اختلافات کے باوجود حق کے خلاف متحد و یک زبان ہو جاتے ہیں اور خدائی جماعتوں کو مٹانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہر مصلح کے ساتھ ایسا ہوتا آیا ہے۔ آپ کو اپنے اندر کردار کی اتنی بلندی پیدا کرنی چاہیئے کہ مخالف بھی سوچنے پر مجبور ہو جائیں کہ انہیں کافر قرار دینا ظلم ہے۔ اس کے بعد آپ نے ہر جگہ شبان الاحمدیہ کی شاخیں قائم کرنے کی اپیل کی۔

نوٹ: یہ سب تقریریں موصول ہونے پر الگ شائع ہوں گی۔

جانم فدا شود بره دین مصطفیٰ + این است کام دل اگر آید میسرم

---

جانم گداخت از غمِ ایمانت اے عزیز + وین طرفہ تر کہ من بگمانِ تو کافرم
گوشِ دلم بجانب تکفیر کس کجاست + من مست جامہائے عنایاتِ دلبرم
(مسیح موعودؑ)

# لندن میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی پہلی کانفرنس

(از جناب غلام احمد صاحب بشیر مبلغ اسلام ہالینڈ)

مغربی کرہ ارض میں تو جماعتہائے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی کچھ سالوں سے باقاعدہ کانفرنسیں ہوتی رہی ہیں جن میں ٹرینیڈاڈ۔ گی آنا اور سرینام کی جماعتیں بڑی تعداد میں شامل ہوتی ہیں اور باہر سے نمائندگان شرکت کرتے ہیں۔ اس سال اسی نوعیت کی پہلی کانفرنس لندن میں منعقد کی گئی جس میں مندرجہ بالا ممالک سے بڑی تعداد میں احباب نے شرکت کی۔ ان کے علاوہ پاکستان سے ایک جماعت حضرت نائب صدر جماعت احمدیہ لاہور جناب ڈاکٹر سعید احمد صاحب کی قیادت میں کانفرنس کی شان کو دوبالا کرنے کے لئے آئی۔ ان میں میاں فاروق احمد شیخ۔ محمد حسن خاں صاحب۔ سلطان علی شاہ صاحب بھی شامل تھے۔

ہالینڈ سے چالیس کے قریب افراد نے اس جلسہ میں حصہ لیا جرمنی اور فیجی کے نمائندگان بھی اس جلسہ میں شامل ہوئے۔ اس طرح لندن کی کانفرنس ایک خاص حیثیت رکھتی تھی۔ مختلف ممالک سے آنے والے احباب ایک دوسرے سے روشناس ہوئے اور ایک دوسرے کے ذاتی اور جماعتی حالات سے آگاہی حاصل کرکے مختلف ممالک میں پیش آمدہ حالات سے متعارف ہوئے۔ مختلف ممالک سے آئے ہوئے احباب بھائی اور بہنوں کی طرح آپس میں ملتے اور بات چیت کرتے رہے۔

لندن کی جماعت نے برادرم مکرم شیخ محمد طفیل صاحب ایم اے انچارج احمدیہ مشن انگلینڈ کی سرکردگی میں اس جلسہ کو کامیاب بنانے کے لئے بڑی تندہی سے کام کیا۔ مرد عورتیں سب ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر جلسہ کے کاموں اور انتظام میں حصہ لینے کی کوشش کرتے تھے۔ مہمان نوازی میں انہوں نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہمارے لندن کے احباب باہر سے آنے والے بھائیوں اور بہنوں کی خاطر اپنے سب کاروبار چھوڑ کر جلسہ میں آئے ہوئے ہیں اور اس کوشش میں ہیں کہ وہ بیرونی دوستوں کو انتہائی طور پر آرام پہنچائیں۔ ان ہی دوستوں کی ان تھک کوششوں سے یہ کانفرنس نہایت ہی کامیاب ہوئی۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء

مقررین بہت سے تھے۔ باہر سے تشریف لانے والے احباب اپنے اپنے ملک کی جماعتوں کی جدوجہد بیان فرما کر حاضرین کے ایمانوں میں اضافہ کا موجب ہوتے رہے۔

مکرم و محترم جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب نائب صدر جماعت کی تقاریر بہت ہی دلکش اور ایمان افروز تھیں۔ احباب انکی تقریروں کو بڑی توجہ سے سنتے رہے۔ مولانا حافظ شیر محمد صاحب اور صدر جماعت فیجی نے جو اپنے ملک کی جماعتوں کے حالات سنائے وہ بہت ہی خوش کن تھے۔ وہاں جماعت احمدیہ کی کامیابی ہم سب کے ایمانوں کو مضبوط کرنے والی ہے۔ ایک طرف ہماری جماعت کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، مگر دوسری طرف اس سے زیادہ کامیابی ہو رہی ہے۔

ڈاکٹر عزیز احمد صاحب صدر جماعتہائے ٹرینیڈاڈ نے ممانعت منشیات کے موضوع پر معلومات سے پُر تقریر فرمائی۔ آپ نے امریکہ میں منشیات کے استعمال کے بُرے نتائج کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر انسان ان باتوں پر غور کرے تو اسے اسلام کی صداقت معلوم کرنے کی ایک یہی دلیل کافی معلوم ہوگی کہ اسلام نے شراب کو کلی طور پر منع کر دیا اور اس میں بے مثال کامیابی حاصل ہوئی اور آج تک اسلامی دنیا اس ممانعت کی وجہ سے یورپ اور امریکہ میں منشیات کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے حالات سے دوچار نہیں ہوئی۔ انفرادی طور پر تو بعض مسلمان ان چیزوں کو استعمال کرتے ہی رہتے ہیں مگر اللہ کے فضل سے قومی لحاظ سے اسلامی ممالک اس وبا کا شکار نہیں ہوئے جس کا شکار دنیا کی ترقی یافتہ اقوام ہو رہی ہیں۔

مولانا محمد یحییٰ بٹ صاحب امام مسجد برلین نے ایک مفصل اور مدلل تقریر فرمائی جس میں آپ نے اسلامی تعلیم پر بحث کرتے ہوئے بیان کیا کہ اس وقت اسلام کی تعلیم ہی دنیا کی راہنمائی کر سکتی ہے مگر ضروری ہے کہ ہم اسلامی تعلیم کے مغز سے واقف ہوں اور قشر پر ہی انحصار نہ رکھیں۔ آپ نے بتلایا کہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام بانیٔ احمدیت نے اسلام کی جو تعلیم پیش کی ہے وہ ایسی دلکش ہے کہ اہل یورپ اس کے آگے سر جھکائے بغیر نہیں رہ سکتے۔ حضرت مرزا صاحب نے اپنے وجود سے اسلام کی صداقت کا ثبوت دیا ہے۔ انہوں نے دہریوں اور لامذہبوں کو بتلایا ہے کہ اسلام کا خدا اب بھی اسی طرح بولتا ہے جیسے پہلے بولتا تھا اور یہ خدا تعالیٰ کی ہستی کا ایک قاطع ثبوت ہے جلسوں میں مختلف بہن بھائی اسلام و احمدیت کے متعلق نظمیں سنا کر احباب کو محظوظ کرتے رہے۔

ہالینڈ سے آنے والی جماعت نے مولانا عبدالرحیم صاحب جگو اور مولوی اسلام عبداللہ اور محترم نجیب رجب علی شیخ کی سرکردگی میں اس جلسہ میں شرکت کی اس جماعت کی طرف سے ایک خاص رقم لندن مشن کی مضبوطی کے لئے پیش کی گئی۔ سرینام کے ایک مخیر دوست نے اور بعض دوسرے احباب نے بھی کچھ رقوم مشن کیلئے عنایت فرمائیں۔

جب آخری دن احباب ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو انکے چہروں پر مایوسی نظر آتی تھی کہ اب پتہ نہیں وہ کب دوبارہ ان دوستوں سے ملاقات کریں گے۔ بعض کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ رہے تھے۔ ایسی کانفرنسیں اور جلسے ہر سال یورپ میں بھی منعقد ہونا چاہئیں تاکہ احباب کے ایمانوں میں اضافہ ہو اور ایک دوسرے سے تعلقات بڑھیں۔ دراصل اب یہ کانفرنس مغربی کرۂ ارض سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ تمام دنیا کے ممالک سے ہی اس کا تعلق ہے۔

میں آخر میں لندن جماعت کے احباب کے لئے خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ انہیں خیر و برکت دے اور ہر طرح ان کا حافظ و ناصر ہو۔ خاص طور پر برادرم طفیل صاحب اور ان کی اہلیہ صاحبہ، مسز جمیلہ خاں اور طفیل صاحب کے بھائی اور ان کی اہلیہ صاحبہ ہمارے شکریئے اور دعا کے مستحق ہیں۔

اللہ تعالیٰ طفیل صاحب کو لمبی اور بابرکت عمر بخشے۔

---

هفت روزہ پیغام صلح خود پڑھنے کے بعد دیگر دوستوں تک پہنچائیں

جناب ممتاز احمد فاروقی صاحب اسلام آباد

# امام مظلوم

ایک مسلمان جب نماز پڑھتا ہے تو التحیات میں السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین کہتا ہے۔ مگر سلام سلام میں فرق ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہر صحابی کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ حضور اسکو السلام علیکم کہیں اور اس طرح وہ ان دعائیہ الفاظ سے فیض اور برکت حاصل کرے۔ ایک صحابی کا واقعہ لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ملنے کو اس کے گھر پر تشریف لے گئے اور دروازے پر دستک دے کر بلند آواز سے السلام علیکم کہا۔ مگر جب اندر سے کسی کا جواب نہ سنائی دیا تو حضورؐ نے دوسری دفعہ اور پھر تیسری دفعہ السلام علیکم کہا۔ اور جواب نہ ملنے پر واپس جانے کے لئے مڑے تھے کہ گھر کا دروازہ کھلا اور صحابی نے دوڑ کر حضورؐ کو وعلیکم السلام کہا اور معذرت کی کہ وہ جان بوجھ کر چپ رہا تھا کہ حضور بار بار اس پر سلامتی بھیجنے کا اظہار کریں۔ احادیث نبویؐ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے خاص طور پر دو اشخاص کو اپنا سلام پہنچانے کی خواہش اپنے صحابہ کرام رض کے سامنے کی تھی۔ ایک تو ایک ولی اللہ بزرگ اویس قرنی تھے جو کہ حضورؐ کے ہم عصر تھے اور حضورؐ کا دعویٰ نبوت معلوم ہونے پر اپنے ایمان کا اظہار کیا تھا۔ مگر چونکہ وہ دور ملک یمن میں رہتے تھے اور عمر رسیدہ تھے اور اپنی بوڑھی معذور والدہ کی خدمت بھی خود ہی کرتے تھے اس لئے حضور کی خدمت میں حاضر ہونے سے معذرت چاہی تھی اور حضور نے اسے قبول فرما کر ان کو اپنا سلام علیک پہنچانے کی صحابہ کرام کو ہدایت کی تھی۔ چنانچہ اس پر عمل ہوا۔ مگر دوسرا شخص جس کو حضور نے اپنا سلام علیک پہنچانے کی ہدایت کی تھی وہ آپ کی امت میں سے ایک آئندہ آنیوالے مسیح موعودؑ کی شخصیت تھی۔ حدیث شریف یہ ہے:-

من ادرک منکم عیسی بن مریم فلیقروا منی السلام

یہ بڑی عزت افزائی اور قدر و منزلت تھی اور دلی محبت اور تعلق کو ظاہر کرتا تھا۔ یہ ممکن ہے کہ حضور نبی کریم صلعم کا یہ سلام علیک حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعودؑ کو ایک سے زیادہ اشخاص نے پہنچایا ہو۔ مگر ایک شخص کے متعلق تاریخ احمدیت میں خصوصیت سے ذکر آیا ہے۔ اور وہ تھے مولوی غلام نبی خوشابی۔ حضرت مسیح موعودؑ کے دعوے کے اعلان اور جماعت احمدیہ کے قیام کے تھوڑے عرصہ بعد ہی حضرت صاحب کو لدھیانہ جانا پڑا تھا۔ یہ ۱۸۹۱ء کا واقعہ ہے۔ وہاں کے قیام کے دوران جہاں مولویوں نے مخالفت کا ایک طوفان کھڑا کر دیا تھا۔ ان میں مولوی غلام نبی بھی پیش پیش تھے۔ مگر ایک موقعہ پر حضرت مرزا صاحب سے آپ کی قیام گاہ کے باہر ان کا آمنا سامنا ہو گیا۔ علیک سلیک کے بعد حضرت صاحب مولوی صاحب کا ہاتھ پکڑ کر ان کو گھر کے اندر لے گئے وہاں کچھ بات چیت کے بعد مولوی غلام نبی کے دل میں حضرت مسیح موعودؑ کے دعوے کی سچائی گھر کر گئی اور انہوں نے اقرار بیعت بھی کر لیا۔ پھر وہ کہنے لگے حضور میں آپ کو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام علیک پہنچاتا ہوں اور پھر بلند آواز سے السلام علیکم کہا۔ مجلس میں ایک سماں بندھ گیا۔ حضرت مسیح موعود نے ایک روحانی [illegible] اور محبت اور شکریہ کے ملے جلے انداز میں بلند آواز سے وعلیکم السلام کہا۔ اور اس طرح حضرت نبی کریم صلعم کا فرمان پورا ہوا۔ اللھم صل علی محمد و علی ال محمد و بارک وسلم۔ اب اندازہ کیجئے اس شخص کے مرتبے اور تقدس کا جس کو آنحضرت صلعم نے خاص طور اپنا سلام بھجوایا تھا۔

حضرت مرزا صاحب نے متعدد بار فرمایا کہ آپ کا دعوے مجددیت اور محدثیت کا ہے۔ اور یہ کہ وہ ختم نبوت کے سختی سے قائل ہیں جیسا کہ حضور نے فرمایا ہے

ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

پھر فرمایا ہے
من نیستم رسول و نیاوردہ ام کتاب
ہاں ملہم ہستم و ز خداوند منذرم

پھر آپ کا ایک الہامی شعر ہے ہے

برتر گمان و وہم سے احمد کی شان ہے
جس کا غلام دیکھو مسیح زمان ہے

پھر حضور نے جامع مسجد دہلی میں خدا کو حاضر و ناظر سمجھ کر اعلان کیا کہ وہ آنحضرت صلعم کے خاتم النبیین ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور ان کے عقائد اہل سنت والجماعت کے سے ہیں۔ البتہ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ حضرت عیسے علیہ السلام فوت ہو گئے اور فوت ہونے کے بعد بمطابق قانون الٰہی کوئی شخص پھر اس دنیا میں واپس نہیں آ سکتا۔ اس لئے احادیث نبوی کے ماتحت جو مسیح موعود آنے والا ہے وہ اسی امت محمدیہ کا ایک مجدد ہوگا۔ اور یہ کہ حضور کو اللہ تعالیٰ نے تیرھویں چودھویں صدی کا مجدد مقرر کیا ہے۔ بلکہ مسیح موعود اور مہدی کا خطاب بھی دیا ہے۔ اور حضور نے جو جماعت احمدیہ بنائی ہے اس کا کام خدمت دین اور اشاعت اسلام اور کسر صلیب رکھا اور اس کا ماٹو ہے کہ "دین کو دنیا پر مقدم کروں گا"۔ مگر علطی خوردہ مولویوں نے ایک نہ سنی اور آپ پر کافر۔ دجال اور کذاب کے فتوے لگا دیئے۔ اتنے بڑے محسن اور خادم اسلام کو برا بھلا کہنا اگر ظلم عظیم نہیں تو اور کیا ہے؟

حضرت مسیح موعودؑ کو ہزاروں خطوط گالیوں سے بھرے ہوئے وصول ہوتے رہتے تھے۔ مگر حضور نے فرمایا تو یہی فرمایا ہے

گالیاں سن کے دعا دیتا ہوں ان لوگوں کو
رحم ہے جوش میں اور غیظ گھٹایا ہم نے

والد صاحب (ڈاکٹر بشارت احمد مرحوم) فرماتے تھے کہ جب انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کی سوانح عمری "مجدد اعظم" کی پہلی دو جلدیں طبع کرائیں تو اس وقت وہ مسلم ٹاؤن لاہور میں رہائش پذیر تھے یہ سنہ ۱۹۴۰ء کا واقعہ ہے۔ ان کے پڑوس ہی میں اس وقت کے مشہور و مقبول اخبار "انقلاب" کے دونوں ایڈیٹر صاحبان یعنے عبدالمجید سالک مرحوم اور غلام رسول مہر [illegible] اپنے اپنے بنگلوں میں رہا کرتے تھے اور ان سے وقتاً فوقتاً ملاقات بھی ہوتی رہتی تھی۔

چونکہ یہ دونوں صاحبان روشن خیال انسان تھے ساتھ ہی روزنامہ اخبار کے ایڈیٹر بھی تھے تو والد صاحب نے کتاب "مجددِ اعظم" کی ہر دو جلد ان میں سے ہر ایک کو بطور تحفہ دی تاکہ وہ اسے پڑھیں اور اگر ہو سکے تو اس پر اپنے اخبار میں ریویو بھی کریں کئی دن گذر گئے۔ ایک دن والد صاحب کی ملاقات دونوں میں سے ایک ایڈیٹر صاحب (اغلباً غلام رسول مہر) کے ساتھ ہوئی تو انہوں نے بجائے والد صاحب کی تصنیف "مجدد اعظم" کی تعریف کی اور اسے مفید اور دلچسپ قرار دیا۔ وہاں حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو ایک بڑا عالم۔ خدا رسیدہ بزرگ اور خادمِ دینِ اسلام قرار دیا۔ اور اس بات پر افسوس ظاہر کیا کہ بہت سے لوگوں نے بغیر تحقیق کئے ہوئے نہ صرف ان کو جھٹلایا بلکہ کافر کاذب اور دجال تک کا خطاب دے دیا۔ پھر کہنے لگے "ڈاکٹر صاحب میرے خیال میں فی زمانہ اگر کوئی امام مظلوم کہلا سکتا ہے تو وہ مرزا غلام احمد صاحب ہیں"۔ غلام رسول مہر صاحب نے سچ کہا۔ وہ احمدی نہ تھے مگر ایک روشن ضمیر مسلمان ضرور تھے۔ سو یہ گواہی ان کے دل سے نکلی اور ٹھیک بیٹھی۔

بعض روشن خیال اور نیک فطرت مسلمان علماء نے اور سجادہ نشینوں نے حضورؑ کی تصدیق کی۔ جن میں خواجہ غلام فرید (چاچڑاں والے) اور سندھ کے جھنڈے والے پیر پیش پیش ہیں۔ سرسید احمد خاں (علیگڑھ والے) نے اپنے مکتوبات سرسید میں لکھا ہے "مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے کیوں لوگ پیچھے پڑے ہیں ........ میں سنتا ہوں کہ آدمی نیک بخت اور نمازی پرہیزگار ہیں۔ یہی امر ان کی بزرگ داشت کو کافی ہے"۔ اسی طرح جب مولانا شبلی مرحوم کو ایک احمدی بزرگ کے ذریعہ معلوم ہوا کہ حضرت مرزا صاحب نے فرمایا ہے ؎

من نیستم رسول و نیاوردہ ام کتاب
ہاں ملہم ہستم و ز خداوند منذرم

تو مولانا نے فرمایا کہ اس طرح تو ان کا دعوےٰ ٹھیک ہے اور ان کے امام زمانہ ماننے میں کوئی حرج نہیں۔ اور علیگڑھ میں ایک تقریر کے دوران ڈاکٹر محمد اقبال (شاعر مشرق) نے بھی اس بات کا اظہار کیا کہ "اگر تمہیں اس زمانہ میں ٹھیٹھ اسلامی تہذیب کا نمونہ دیکھنا ہو تو وہ اس فرقہ کی شکل میں ملے گا جو قادیان میں پیدا ہوا" اور ایک مرتبہ مولانا محمد علی صاحب (امیر جماعت احمدیہ لاہور) کو انہی ڈاکٹر محمد اقبال نے کہا تھا کہ "حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق کرنے والے بہت لوگ نظر آتے ہیں۔ لیکن قرآن کے ساتھ عشق کرنے والے صرف مرزا غلام احمد صاحب ہیں"۔

حضرت مرزا صاحب کی وفات جو کہ ۲۶ رمئی ۱۹۰۸ء کو ہوئی۔ اس موقعہ پر بہت سے مسلم اکابرین نے جن میں مولانا ابوالکلام آزاد۔ شمس العلماء مولوی میر حسن۔ خواجہ حسن نظامی مولانا عبدالماجد دریا بادی۔ جناب مولانا محمد علی جوہر۔ شمس العلماء مولوی ممتاز علی۔ مرزا حیرت دہلوی اور مولانا عبداللہ العمادی مدیر اخبار وکیل (امرتسر) نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ بہت اچھے الفاظ میں حضرت مرزا صاحب کی خدماتِ دینیہ اور ان کی خوبیوں کو سراہا۔

## حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ

کے زمانے میں جو ۱۹۰۸ء سے لے کر اوائل ۱۹۱۴ء تک رہا۔ اور ووکنگ مسلم مشن قائم ہو چکا تھا اور خواجہ کمال الدین صاحب کی تقاریر ملک کے مختلف شہروں میں ہو رہی تھیں اور جماعت احمدیہ کا طبع کردہ اسلامی لٹریچر دنیا میں پھیل رہا تھا تو اس وقت بہت سے تعلیم یافتہ اور سمجھدار مسلمان جماعت احمدیہ کی خدماتِ دینیہ کو بنظر استحسان دیکھتے تھے۔ مگر مولانا نورالدینؓ کی وفات کے بعد شومئی قسمت سے جماعت احمدیہ میں تفرقہ پڑ گیا۔ حضرت مسیح موعود کے صاحبزادے میاں بشیرالدین محمود احمد کے عقائد ان دنوں بہت غالیانہ ہو چکے تھے۔ وہ حضرت مرزا صاحب کو حقیقی نبی بنا کر ان کا ایک سلسلۂ خلفاء چلانا چاہتے تھے اور خود اس کے پہلے امیدوار تھے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ غیر احمدی مسلمانوں کو کافر قرار دے دیا گیا۔ اور اس سے سلسلہ احمدیہ کے برخلاف نفرت اور مخالفت تیز تر ہو گئی یہ حضرت مسیح موعود پر دوسرا ظلم عظیم کیا گیا کہ ان کے بیٹے نے ہی باپ کے سلسلہ کو تہ و بالا کر دیا۔ قادیان میں میاں محمود احمد صاحب کی خلافت قائم ہو گئی مگر جماعت احمدیہ کے کئی ایک بزرگ جو کہ صحیح عقائد رکھتے تھے اور حضرت مرزا صاحب کو ہرگز ایسا نبی نہیں مانتے تھے کہ جس کے انکار سے کوئی شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے۔ اور ہر کلمہ گو کو مسلمان سمجھتے تھے وہ قادیان سے الگ ہو کر لاہور میں قیام پذیر ہوئے اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی بنیاد ڈالی۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس تمام فتنہ سے مسیح محمدی کی مسیح موسوی سے مماثلت ثابت ہو گئی۔ جس طرح حضرت عیسٰے کو ان کے متبعین نے ایک نبی سے بڑھا کر ایک خدا بنا دیا اسی طرح حضرت مرزا صاحب کو ان کے غالی مریدوں نے ایک مجدد سے اونچا کر کے ایک نبی بنا دیا۔

## جماعت احمدیہ لاہور کی کارگذاریاں

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے جہاں قرآن کریم کے تراجم اور تفاسیر اور شرح حدیث اور دیگر اسلامی لٹریچر پیدا کیا وہاں انہوں نے تکفیر مسلمین اور مسئلہ نبوت کو بھی خوب صفائی سے دنیا کے آگے پیش کیا۔ حضرت مولانا محمد علیؒ صاحب (امیر جماعت احمدیہ لاہور) کی تصنیف "النبوت فی الاسلام" نے اس نبوت کے جھگڑے کو بالکل واضح اور صاف کر دیا ہے۔ اور آنحضرت صلعم کی ختم نبوت کو قطعی طور پر ثابت کر دکھلایا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ اوائل میں ہماری انجمن لاہور کے سالانہ اجلاس میں لاہور کے سالانہ اجلاس میں لاہور شہر کے کئی ایک مسلم اکابرین مثلاً ڈاکٹر شیخ محمد اقبال۔ شیخ سر عبدالقادر بیرسٹر (ایڈیٹر رسالہ مخزن) وغیرہم شامل ہوتے تھے۔ اس احمدیہ انجمن نے آج تک اپنی ساٹھ سالہ زندگی میں اپنے ان بنیادی عقائد کو نہیں بدلا۔ اور دنیا میں کئی ایک جگہ مسلم مشن قائم کئے۔ اور تبلیغ اور اشاعت اسلام کی جماعت قادیان (حال ربوہ) نے جماعت کے اصل مقصد اشاعت اسلام سے ہٹ کر ملک کی پالیٹکس میں بھی دخل اندازی کی جس کی وجہ سے سلسلہ احمدیہ کے بہت سے دشمن پیدا ہو گئے۔

ماہ مئی ۱۹۷۴ء میں شومئی قسمت سے کچھ ایسے واقعات ہوئے جن کی وجہ سے لوگوں کو احمدیوں (جن کو عوام الناس مرزائی کہتے ہیں) کے خلاف ایک مخالفت کا طوفان کھڑا کر دینے کا موقعہ مل گیا اور یہ عوامی تحریک چلائی گئی کہ احمدیوں کو (جن میں انہوں نے جماعت ربوہ اور جماعت لاہور کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی) غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا جائے کیونکہ وہ ایک ایسے شخص (یعنی حضرت مرزا صاحب) کو اپنا مرشد مانتے ہیں۔ جنہوں نے ان کے خیال

ہیں نبوت کا دعوےٰ کرکے آنحضرت صلعم کی ختم نبوت کو توڑا ہے
طرفہ تماشا یہ ہے کہ تمام مسلمان حضرت عیسٰےؑ کو زندہ آسمان پر
بٹھاتے اور وہاں سے اتار کر مسلمانوں کے رہبر بننے کا عقیدہ
رکھتے ہیں۔ اب حضرت عیسٰےؑ تو حقیقی اور مستقل نبی پہلے بھی تھے
اور زندگی بھر رہیں گے۔ ان کے آنے سے تو ختم نبوت ضرور ٹوٹے
گی۔ اس کو کوئی کچھ نہیں کہتا۔ ؎

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

ہماری جماعت احمدیہ لاہور کو بھی باوجود احتجاج کے۔ جماعت احمدیہ ربوہ
کے ساتھ ہی غیر مسلم اقلیت قرار دے دی گئی۔ یہ حضرت مسیح
موعودؑ پر تیسری دفعہ ظلم ڈھایا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

## حضرت مسیح موعود کو آنیوالے ابتلاؤں کی خبر دی گئی تھی

(۱) حضرت مسیح موعودؑ کو الہاماً مطلع کیا گیا تھا:۔

"دنیا میں ایک نذیر آیا۔ پر دنیا نے اس کو قبول نہ
کیا۔ لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور زور آور حملوں
سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔"

حضرت مسیح موعودؑ کو بھی اپنی اس قوم کے مخالفانہ رویہ سے
افسوس اور رنج تھا۔ کس حسرت سے آپ فرماتے ہیں:

امروز قوم من نشناسد مقام من
روزے بگریہ یاد کند وقت خوشترم

(آج میری قوم نے میرے مقام کو نہیں پہچانا۔
لیکن ایک دن آئے گا کہ وہ رو رو کر میرے مبارک وقت کو یاد کرے گی۔

(۲) پھر حضرت مسیح موعودؑ کو الہاماً تسلی دی گئی ہے۔ انی
مهین من اراد اهانتک (جو تیری توہین کرنے کا ارادہ
کرے گا میں (یعنی خدا تعالےٰ) اس کو بے عزت کر دوں گا)
خدا تعالےٰ کی یہ عادت ہے کہ توہین کرنے والے کی توہین اسی
پر ڈال دیتا ہے یہی تو وہ بات ہے کہ مکروا و مکر اللہ
واللہ خیر الماکرین۔

(۳) پھر حضرت مسیح موعود اپنی جماعت کو تسلی دیتے ہیں
فرماتے ہیں:۔

"یہ مت خیال کرو کہ خدا تمہیں ضائع کر دے گا۔ تم خدا
کے ہاتھ کا ایک بیج ہو جو زمین میں بویا گیا۔ خدا فرماتا
ہے کہ یہ بیج بڑھے گا اور پھولے گا اور ہر طرف
سے اس کی شاخیں نکلیں گی اور ایک بڑا درخت
ہو جائے گا۔ پس مبارک وہ جو خدا کی بات پر ایمان
رکھے اور درمیان میں آنے والے ابتلاؤں سے نہ ڈرے
کیونکہ ابتلاؤں کا آنا بھی ضروری ہے تا خدا تمہاری آزمائش
کرے کہ کون اپنے دعوئے بیعت میں صادق اور کون کاذب
ہے۔ وہ جو کسی ابتلاء سے لغزش کھائے گا وہ کچھ بھی
خدا کا نقصان نہیں کرے گا۔ اور بدبختی اسے جہنم تک
پہنچائے گی۔ اگر وہ پیدا نہ ہوتا تو اس کے لئے اچھا تھا۔
مگر وہ سب لوگ جو اخیر تک صبر کریں گے اور ان پر مصائب
کے زلزلے آئیں گے اور حوادث کی آندھیاں چلیں گی اور قومیں
ہنسی اور ٹھٹھا کرینگی۔ اور دنیا ان سے سخت کراہت سے پیش
آئے گی۔ وہ آخر فتحیاب ہوں گے۔ اور برکتوں کے دروازے
ان پر کھولے جائیں گے۔"

پھر حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں:۔

"اس خدا کی عزت اور جلال کی قسم ہے کہ مجھے دنیا اور
آخرت میں اس سے زیادہ کوئی چیز بھی پیاری نہیں
کہ اس کے دین کی عظمت ظاہر ہو۔ اس کا جلال چمکے اور
اس کا بول بالا ہو۔ کسی ابتلاء سے اس کے فضل کے ساتھ
مجھے خوف نہیں۔ اگرچہ ایک ابتلاء نہیں کروڑ ابتلاء ہوں۔
ابتلاؤں کے میدان میں اور دکھوں کے جنگل میں مجھے طاقت
دی گئی ...... پس اگر کوئی میرے قدم پر چلنا نہیں چاہتا
تو مجھ سے الگ ہو جائے مجھے کیا معلوم کہ ابھی کون کون سے
پرخار بادیہ اور ہولناک جنگل درپیش ہیں۔ جن کو میں نے طے
کرنا ہے۔ پس جن لوگوں کے نازک پیر ہیں وہ کیوں میرے
ساتھ مصیبت اٹھاتے ہیں۔ جو میرے ہیں وہ مجھ سے جدا
نہیں ہو سکتے۔ نہ مصیبت سے نہ لوگوں کے سب و شتم سے
نہ آسمانی ابتلاؤں اور آزمائشوں سے۔ اور جو میرے نہیں
وہ عبث دوستی کا دم بھرتے ہیں کیونکہ وہ عنقریب الگ کئے
جائیں گے ان کا پچھلا حال ان کے پہلے حال سے بدتر ہوگا۔
کیا ہم زلزلوں سے ڈر سکتے ہیں کیا ہم خدا تعالےٰ کی راہ میں
ابتلاؤں سے خوفناک ہو جائیں گے۔ کیا ہم اپنے پیارے خدا
کی کسی آزمائش سے جدا ہو سکتے ہیں۔ ان کو وداع کا سلام
وہ یاد رکھیں کہ بدظنی اور قطع تعلق کے بعد پھر کسی وقت
جھکیں تو اس کے جھکنے کی عنداللہ ایسی عزت نہیں ہوگی جو
وفادار لوگ عزت پاتے ہیں کیونکہ بدظنی اور غداری کا داغ
بہت ہی بڑا داغ ہے۔" (انوار الاسلام)

پھر ایک موقعہ پر فرماتے ہیں:۔

"تم ایک شخص کے ساتھ پیوند رکھتے ہو جو مامور من اللہ
ہے۔ پس اس کی باتوں کو دل کے کانوں سے سنو اور اس
پر عمل کرنے کے لئے ہمہ تن تیار ہو جاؤ تا کہ ان لوگوں میں
سے نہ ہو جاؤ جو اقرار کے بعد انکار کی نجاست میں گر
کر ابدی عذاب خرید لیتے ہیں۔" (باقی ـــ باقی)

---

## بقیہ ملفوظات۔ بسلسلہ صفحہ اول

پس یہی وجہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے دائمی خلیفوں کا وعدہ دیا
تا وہ ظلی طور پر انوار نبوت پا کر دنیا کو ملزم کریں اور قرآن
کریم کی خوبیاں اور اس کی پاک برکت لوگوں کو دکھلادیں یہ بھی
یاد رہے کہ ہر ایک زمانہ کے لئے اتمام حجت بھی مختلف رنگوں
سے ہوا کرتا ہے اور مجدد وقت ان قوتوں اور ملکوں اور کمالات
کے ساتھ آتا ہے جو موجود مفاسد کا اصلاح پانا ان کمالات
پر موقوف ہوتا ہے۔ سو ہمیشہ خدا تعالےٰ اسی طرح کرتا رہیگا
جب تک کہ اس کو یہ منظور ہے کہ آثار رشد اور صلاح کی دنیا میں باقی رہیں

---

## کلام مسیح موعود علیہ السلام

ما مسلمانیم از فضل خدا + مصطفےٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام + ہر نبوت را بر و شد اختتام
آں کتاب حق کہ قرآں نام اوست + بادۂ عرفان ما از جام اوست

# جلسہ سالانہ شبان احمدیہ مرکزیہ کی
# مختصر رپورٹ

اس سال جلسہ سالانہ کے موقعہ پر ۲۶ دسمبر ۱۹۷۵ء شام سات بجے شبان الاحمدیہ کے نہایت دلچسپ اجلاس کا آغاز ہوا جس کی صدارت محترم پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب نے فرمائی اور سٹیج سیکرٹری کے فرائض جناب شاہد جاوید جنجوعہ نے سرانجام دیئے۔ پروگرام کا آغاز تلاوت کلام پاک سے کیا گیا۔ جناب حافظ خدا بخش صاحب نے نہایت خوش الحانی کے ساتھ تلاوت فرمائی۔ اس کے بعد عبدالسلام مبارک صاحب نے مجدد زمانؑ کا منظوم کلام حاضرین کو سنایا اور جناب مظہرالدین صاحب نے ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ پڑھ کر سنائے۔

جلسہ گاہ میں حاضرین کی تعداد خاصی حوصلہ افزا تھی۔ جن کی موجودگی میں جناب شیخ حفیظ الرحمٰن صاحب صدر شبان الاحمدیہ نے گذارش احوال کے عنوان سے شبان الاحمدیہ کی گذشتہ ڈیڑھ سال کی کارکردگی کی تفصیلی بیان فرمائی۔ آپ نے کہا کہ انسانی زندگی کے لئے دو راستے ہوتے ہیں ایک علم کا دوسرا جہالت کا۔ [illegible] راہ حقائق [illegible] اور نجات کی راہ ہے اور اسلام حقائق کا مذہب ہے۔ احمدیت نے اسلامی حقائق کی صحیح تصویر کو دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ [illegible] اس لئے جب ہمارے حق میں دائرہ اسلام سے خارج کئے [illegible] فیصلہ ہوا تو احمدی نوجوانوں نے طے کیا کہ وہ اب [illegible] کے ساتھ احمدیت سے وابستگی اختیار کریں گے۔ کیونکہ یہی حقیقت اور نجات کا راستہ ہے۔ اور اسے چھوڑنا گویا اپنے آپ کو جہالت اور گمراہی میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ چنانچہ شبان الاحمدیہ نے پورے عزم نو کے ساتھ کام کرنا شروع کیا۔ اور اس مختصر سے عرصہ میں خاصی کامیابی حاصل کی شبان الاحمدیہ نے کئی تقاریب منعقد کیں اور ان میں اہم دینی موضوعات پر اپنے بزرگان دین سے استفادہ کیا جا سکے۔ چنانچہ اس سلسلے میں جناب امیر قوم حضرت مولانا صدرالدین صاحب۔ جناب مولانا عبدالرحمٰن مصری صاحب اور مرحوم کرنل سعید احمد صاحب نے شبان الاحمدیہ کو اسلام اور احمدیت کے بارے میں شبان الاحمدیہ کی منعقد کردہ تقاریب میں اپنے قیمتی ارشادات سے مستفید فرمایا۔ آپ نے احمدی نوجوانوں کی تنظیم کے لئے کئے جانے والے دوروں کا ذکر کرتے ہوئے پیش آمدہ مشکلات کو بیان کیا اور قوم سے اپیل کی کہ وہ نوجوانوں کی تنظیم میں شبان الاحمدیہ کے ساتھ تعاون کریں۔ اور زیادہ سے زیادہ احمدی نوجوانوں کو ہماری تنظیم میں شامل ہونے کی ترغیب دیں۔ آپ کے بعد جناب اقبال احمد خاں نے "صداقت مسیح موعودؑ" کے موضوع پر تقریر کی۔ آپ نے حضرت مسیح موعود کی دعویٰ سے قبل کی زندگی کو بطور دلیل پیش کرتے ہوئے نہایت استدلال کے ساتھ ثابت کیا کہ حضرت اقدس اپنے دعوے میں سچے اور مامور من اللہ تھے۔

اس کے بعد شبان الاحمدیہ کے ایک جوشیلے مقرر جناب زاہد جاوید جنجوعہ نے "جماعت میں تنظیم کا مقام" کے عنوان سے نہایت مدلل تقریر کی۔ آپ نے تنظیم کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے بتایا کہ جماعتی ترقی کے لئے تنظیم بے حد ضروری ہے۔ قوانین فطرت کو مثال بناتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ دنیا کی ہر شے ایک خاص تنظیم کی بنیاد پر استوار ہے اور انسانی زندگی کا کوئی بھی پہلو تنظیم سے خالی نہیں ہے۔ ہمارے جماعتی نظام میں تنظیم کی بنیاد خالصتاً تقوےٰ پر ہونی چاہیئے کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت کی غرض و غایت ہی یہی ہے۔ تنظیم میں اخوت و محبت۔ ربط و ضبط اور اتحاد باہمی کی بے حد ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے ہماری جماعت کو اس طرف توجہ کرنی چاہیئے اور دین کو دنیا پر مقدم کرتے ہوئے اسلام کی اشاعت میں اہم کردار ادا کرنے کے لئے حضرت اقدس کے بتائے ہوئے اصولوں پر سختی سے کاربند ہو جانا چاہیئے کیونکہ اسی میں ہماری فلاح ہے اور اسی میں ہماری بقا کا راز ہے۔ اس کے بعد محترمہ یاسمین واجد صاحبہ اسٹیج پر تشریف لائیں اور انہوں نے شبان الاحمدیہ کے لئے چند نہایت قیمتی تجاویز پیش فرمائیں آپ نے بزرگان سلسلہ سے درخواست کی کہ وہ بچوں کو صحیح معنوں میں احمدی بنانے کے لئے تربیت کا موزوں اور موثر انتظام کریں۔ اس سال شبان الاحمدیہ نے اپنے پروگرام میں جدت پیدا کر کے پروگرام کو انتہائی دلچسپ بنا دیا۔ یہ جدت ایک مکالمے کی شکل میں حاضرین جلسہ کے سامنے پیش کی گئی۔ اس مکالمے میں دو ننھی بچیوں شاہدہ جنجوعہ اور ملیحہ رسول نے حصہ لیا۔ مکالمے کا موضوع ختم نبوت اور وفات مسیح تھا۔ اس اہم موضوع کو دونوں بچیوں نے مکالمے کے انداز میں خوبصورت اور موثر انداز میں پیش کیا کہ سامعین ورطۂ حیرت میں ڈوب گئے۔ اس پروگرام کو بڑی دلچسپی کے ساتھ پسند کیا گیا۔

---

## بکوشید اے جوانان تا بدیں قوت شود پیدا
## بہار و رونق اندر روضۂ ملت شود پیدا

۲۸ دسمبر ۱۹۷۵ء بروز اتوار شبان الاحمدیہ مرکزیہ لاہور کا اجلاس محترم شیخ حفیظ الرحمٰن صاحب صدر شبان الاحمدیہ کی زیر صدارت منعقد ہوا جس میں مندرجہ ذیل ایڈہاک کمیٹی کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اور فیصلہ ہوا کہ ماہ جولائی میں لاہور میں شبان الاحمدیہ کی ایک قومی جماعتی سطح پر کنونشن بلا کر نئے الیکشن کرائے جائیں اس سلسلہ میں شبان الاحمدیہ کی تمام بیرونی شاخوں کے نئے الیکشن ۳۰ اپریل تک مکمل ہو جانے چاہئیں۔

## نئی مجلس انتظامیہ شبان الاحمدیہ مرکزیہ

نگران اعلیٰ: ——— چوہدری نذر ربّ صاحب ایم اے
صدر: ——— میاں شوکت حمید صاحب۔ لائلپور
نائب صدر: ——— میاں عارف بقا صاحب۔ واہ کینٹ
نائب صدر: ——— زاہد حسن خان صاحب۔ کراچی
جنرل سیکرٹری: ——— شاہد جاوید جنجوعہ صاحب۔ لاہور
جائنٹ سیکرٹری: ——— زاہد جنجوعہ۔ لاہور
خازن: ——— ماسٹر عبدالسلام صاحب۔ بدوملہی

### ارکان مجلس

۱۔ خالد عمر صاحب۔ لاہور
۲۔ ماسٹر اللہ بخش صاحب۔ بدوملہی
۳۔ اختر اقبال بھٹہ صاحب سیالکوٹ
۴۔ چوہدری اورنگزیب صاحب چک نمبر ۸۱ جنوبی سرگودھا۔
۵۔ قاضی منیر احمد صاحب۔ جوہر آباد (سرگودھا)
۶۔ مظفرالدین جنجوعہ صاحب۔ راولپنڈی
۷۔ جمیل الرحمان صاحب۔ پشاور
۸۔ عبدالسلام مبارک صاحب۔ ہزارہ
۹۔ منیر احمد صاحب۔ ملتان
۱۰۔ شیخ حفیظ الرحمان صاحب آزاد کشمیر

شاہد جاوید۔ سیکرٹری مرکزی شبان الاحمدیہ۔ لاہور

# قربانی کی کھالوں کا عطیہ

## بتقریب عید الاضحیٰ دسمبر ۱۹۷۵ء

## منجانب احباب جماعت لاہور

### تفصیل

| نمبر شمار | نام | حلقہ | تعداد کھال | قسم کھال |
|---|---|---|---|---|
| ۱ | حضرت امیر ایدہ اللہ تعالےٰ | احمدیہ بلڈنگس | ۱ | چھترا |
| ۲ | ڈاکٹر مبارک احمد صاحب - - | ″ ″ | ۲ | ″ |
| ۳ | سیف الرحمٰن صاحب . . . . | ″ ″ | ۱ | ″ |
| ۴ | عزیزہ صاحب بذریعہ فضل الرحمٰن صاحب | ″ ″ | ۱ | بکرا |
| ۵ | شیخ میاں اللہ بخش صاحب | گلبرگ | ۱ | ″ |
| ۶ | ″ ″ فضل احمد صاحب | ″ ″ | ۱ | چھترا |
| ۷ | ″ ″ رشید احمد صاحب | ″ ″ | ۲ | بکرا |
| ۸ | ملک اعجاز الٰہی صاحب .... | ″ ″ | ۱ | ″ |
| ۹ | ″ ″ احسان الٰہی صاحب .... | ″ ″ | ۱ | چھترا |
| ۱۰ | ″ ″ انعام الٰہی صاحب ... | ″ ″ | ۱ | ″ |
| ۱۱ | ″ ″ اعزاز الٰہی صاحب | ″ ″ | ۱ | ″ |
| ۱۲ | غلام حسین صاحب بھٹی .... | ″ ″ | ۱ | بکرا |
| ۱۳ | شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب... | ″ ″ | ۳ | ″ |
| ۱۴ | سید سلطان علی شاہ صاحب | ″ ″ | ۳ | چھترا |
| ۱۵ | قاضی عبدالعزیز صاحب ... | صدر | ۱ | چھترا |
| ۱۶ | ″ ″ غلام رسول صاحب... | ″ | ۱ | ″ |
| ۱۷ | ″ ″ غلام محمود صاحب... | ″ | ۱ | ″ |
| ۱۸ | ″ ″ بشیر احمد صاحب... | ″ | ۲ | بکرا |
| ۱۹ | ″ ″ قاضی منیر اقبال صاحب | ″ | ۱ | ″ |
| ۲۰ | قاضی عبدالغفار صاحب | ″ | ۱ | چھترا |
| ۲۱ | ″ ″ محمد شمیم صاحب.... | ″ | ۱ | ″ |
| ۲۲ | خواجہ محمد عثمان صاحب | ″ | ۱ | ″ |
| ۲۳ | ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب | ماڈل ٹاؤن | ۱ | ″ |
| ۲۴ | مرزا حبیب الرحمان صاحب | ″ ″ | ۱ | بکرا |
| ۲۵ | چودھری مسعود اختر صاحب | ″ ″ | ۱ | ″ |
| ۲۶ | بیگم عبدالسلام صاحب عمر | ″ ″ | ۱ | چھترا |
| ۲۷ | عثمان عمر صاحب... | ″ ″ | ۱ | ″ |
| ۲۸ | بیگم چودہری ظہور احمد صاحب | احمد پارک | ۱ | بکرا |
| ۲۹ | چودہری منصور احمد صاحب | ″ ″ | ۱ | چھترا |
| ۳۰ | ″ ″ احمد جاوید صاحب | ″ ″ | ۱ | ″ |
| ۳۱ | محمد یوسف خانصاحب | ″ ″ | ۱ | بکرا |
| ۳۲ | نسرین گل صاحبہ . . . . | ″ ″ | ۱ | ″ |
| ۳۳ | میاں عبدالرحمان صاحب... | مسلم ٹاؤن | ۳ | ″ |
| ۳۴ | مستری محمد عبداللہ صاحب.. | ″ ″ | ۱ | ″ |
| ۳۵ | ڈاکٹر عبدالسلام صاحب... | ″ ″ | ۱ | چھترا |
| ۳۶ | محمد اسلم صاحب قریشی... | ″ ″ | ۱ | ″ ″ |

### تفصیل

| نمبر شمار | نام | حلقہ | تعداد کھال | قسم کھال |
|---|---|---|---|---|
| ۳۷ | پرنسپل عبدالرحمٰن صاحب | شادمان کالونی | ۱ | چھترا |
| ۳۸ | بیگم عظمت رفیق صاحب | ″ ″ | ۱ | بکرا |
| ۳۹ | میاں نصیر احمد صاحب فاروقی | ″ ″ | ۱ | ″ |
| ۴۰ | ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب | دارالسلام | ۲ | بکرا۔ چھترا |
| ۴۱ | چوہدری نذر رب صاحب | ″ ″ | ۱ | چھترا |
| ۴۲ | ″ ″ خالد احمد صاحب | گارڈن ٹاؤن | ۱ | ″ |
| ۴۳ | فضل اشرف صاحب.. | ″ ″ | ۱ | بکرا |
| ۴۴ | حکیم عبدالوہاب صاحب | جودھامل بلڈنگ | ۲ | ″ |
| ۴۵ | بیگم سید غلام مصطفےٰ شاہ صاحب | محمد نگر | ۲ | ″ چھترا |
| ۴۶ | خواجہ ضیاء الحق صاحب طالب | ذیلدار روڈ | ۱ | چھترا |
| ۴۷ | ملک عزیز الرحمٰن صاحب... | کرشن نگر | ۲ | بکرا |
| ۴۸ | مرزا بشیر احمد صاحب.. | سانده کلاں | ۱ | چھترا |
| ۴۹ | عبدالغفور صاحب ثاقب | امپروومنٹ ٹرسٹ کالونی | ۱ | ″ |
| ۵۰ | مرزا حمید الرحمٰن صاحب... | چوبرجی پارک | ۱ | بکرا |
| ۵۱ | طارق رحیم صاحب.... | چھاؤنی | ۲ | چھترا |
| ۵۲ | سعید احمد صاحب | ریلوے روڈ | ۲ | ″ |
| ۵۳ | والدہ میاں خلیل صاحب | شاہ جمال | ۱ | بکرا |
| ۵۴ | میاں محمد احمد صاحب... | میو گارڈن | ۱ | چھترا |
| ۵۵ | مخدوم محمد اسلم صاحب.. | رحمان پورہ | ۱ | ″ |

کل میزان: ۷۰ — چھترا ۳۸ — بکرا ۳۲

# جناب شیخ محمد حسین صاحب کی وفات پر

## جماعت بدوملہی کا اظہار غم

بدوملہی سے شیخ اللہ بخش صاحب سیکرٹری جماعت تحریر فرماتے ہیں کہ

مورخہ ۳/۱/۷۶ بروز جمعہ شیخ محمد حسین صاحب مرحوم کا جنازہ غائبانہ پڑھا گیا نیز متفقہ طور پر یہ ریزولیوشن پاس ہوا کہ شیخ صاحب کی وفات سے جماعت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ خدا تعالیٰ ان کو جوار رحمت میں جگہ دے اور بہشت میں ان کے درجات بلند فرمائے نیز تمام جماعت کی طرف سے ان کی اہلیہ محترمہ اور دیگر اقارب سے دلی ہمدردی کا اظہار کیا گیا۔ ساری جماعت ان کے اس غم میں برابر کی شریک ہے اور اللہ تعالےٰ سے پسماندگان کے لئے صبر کی دعا کرتی ہے۔

شریک غم (شیخ) اللہ بخش سیکرٹری جماعت بدوملہی

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور — مورخہ ۱۴ر جنوری ۱۹۷۶ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ — شمارہ نمبر ۲

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد یوسف چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۳ | یوم چہارشنبہ ۱۸ محرم الحرام ۱۳۹۶ھ مطابق ۲۱ جنوری ۱۹۷۶ء | نمبر ۳

ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

# حضور کی بعثت کا اصل مقصد

## اصلاحِ نفس اور اتحاد و ترقیِ اسلام ہے

میں نصیحت کرتا ہوں کہ شر سے پرہیز کرو۔ اور انسان کے ساتھ حق ہمدردی بجا لاؤ۔ اپنے دلوں کو بغضوں اور کینوں سے پاک کرو۔ کہ اس عادت سے تم فرشتوں کی طرح ہو جاؤ گے۔ کیا ہی گندہ اور ناپاک وہ مذہب ہے جس میں انسان کی ہمدردی نہیں اور کیا ہی ناپاک وہ راہ ہے جو نفسانی بغض کے کانٹوں سے بھرا ہے۔ سو تم جو میرے ساتھ ہو۔ ایسے مت ہو۔ تم سوچو کہ مذہب سے حاصل کیا ہے۔ کیا یہی کہ ہر وقت مردم آزاری تمہارا شیوہ ہو؟ نہیں بلکہ مذہب اس زندگی کے حاصل کرنے کے لئے ہے۔ جو خدا میں ہے۔ اور وہ زندگی نہ کسی کو حاصل ہوئی اور نہ آئندہ ہوگی بجز اس کے کہ خدائی صفات انسان کے اندر داخل ہو جائیں۔ خدا کے لئے سب پر رحم کرو۔ تا آسمان سے تم پر رحم ہو۔ آؤ میں تمہیں ایک ایسی راہ سکھاتا ہوں جس سے تمہارا نور تمام نوروں پر غالب رہے۔ اور وہ یہ کہ تم تمام سفلی کینوں اور حسدوں کو چھوڑ دو اور ہمدرد نوع انسان ہو جاؤ اور خدا میں کھوئے جاؤ اور اس کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی صفائی حاصل کرو۔ کہ یہی وہ طریق ہے۔ جس سے کرامتیں صادر ہوتی ہیں۔ اور دعائیں قبول ہوتی ہیں اور فرشتے مدد کے لئے اترتے ہیں۔ مگر یہ ایک دن کا کام نہیں۔ ترقی کرو ترقی کرو۔ اس دھوبی سے سبق سیکھو جو کپڑوں کو اول بھٹی میں جوش دیتا ہے اور دیئے جاتا ہے یہاں تک کہ آخر آگ کی تاثیریں تمام میل اور چرک کو کپڑوں سے علیحدہ کر دیتی ہیں۔ تب صبح اٹھتا ہے اور پانی پر پہنچتا ہے اور پانی میں کپڑوں کو تر کرتا ہے اور بار بار پتھروں پر مارتا ہے۔ تب وہ میل جو کپڑوں کے اندر تھی اور ان کا جزو بن گئی تھی کچھ آگ کے صدمات اٹھا کر اور کچھ پانی میں دھوبی کے بازو سے مار کھا کر یکدفعہ جدا ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ کپڑے ایسے سفید ہو جاتے ہیں جیسے ابتداء میں تھے یہی انسانی نفس کے سفید ہونے کی تدبیر ہے۔ اور تمہاری ساری نجات اسی سفیدی پر موقوف ہے۔ یہی وہ بات ہے جو قرآن شریف میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے قد افلح من زکّٰھا یعنی وہ نفس نجات پا گیا جو طرح طرح کے میلوں اور چرکوں سے پاک کیا گیا۔

**اسلام کا غلبہ کیسے ہوگا؟**

میں حکم دیتا ہوں کہ جو میری فوج میں داخل ہیں وہ ان (مفسدانہ) خیالات کے مقام سے پیچھے ہٹ جائیں۔ دلوں کو پاک کریں اور اپنے انسانی رحم کو ترقی دیں۔ اور دردمندوں کے ہمدرد بنیں زمین پر صلح پھیلا دیں کہ اس سے ان کا دین پھیلے گا۔ اور اس سے تعجب مت کریں کہ ایسا کیونکر ہوگا۔ کیونکہ جیسا کہ خدا نے بغیر توسط معمولی اسباب کے جسمانی ضرورتوں کے لئے حال کی نئی ایجادات میں زمین کے عناصر اور زمین کی تمام چیزوں سے کام لیا ہے اور ریل گاڑیوں کو گھوڑوں سے بھی بہت زیادہ دوڑا کر دکھلایا ہے ایسا ہی اب وہ روحانی ضرورتوں کے لئے بغیر توسط انسانی ہاتھوں کے آسمان کے فرشتوں سے کام لے گا..... تم صبر سے دیکھتے رہو۔ کیونکہ خدا اپنی توحید کے لئے تم سے زیادہ غیرت مند ہے۔ اور دعاؤں میں لگے رہو۔ ایسا نہ ہو کہ نافرمانوں میں لکھے جاؤ۔ (ملفوظات احمدیہ حصہ سوم)

# جلسہ سالانہ ۱۹۷۵ء کی مختصر روئداد

## مؤرخہ ۲۷ر دسمبر

گذشتہ سے پیوستہ

آج کے اجلاس کی پہلی نشست جناب میاں اللہ بخش صاحب کی صدارت میں پروگرام کے مطابق شروع ہوئی سٹیج سیکرٹری کے فرائض جناب پروفیسر خلیل الرحمان صاحب نے سرانجام دیئے۔ تلاوت قرآن کریم اور نعت رسول کریم صلعم کے بعد حضرت مجدد اعظمؒ کے اشعار پڑھ کر سنائے گئے۔ پھر جناب چوہدری مسعود اختر صاحب ایڈووکیٹ نے تقریر شروع کی اور فرمایا۔ کہ اگرچہ میری تقریر بلا عنوان ہوتی ہے۔ مگر میں توحید رسالت اور امامت کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کروں گا۔ آپ نے اپنی تقریر کا آغاز سورۃ الانبیاء کی آیت وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الٰہ الا انا فاعبدون سے کیا۔ نیز قل ان صلوتی و نسکی ........ و بذالک امرت و انا اول المسلمین سے استدلال کرتے توحید کا خلاصہ بیان کیا۔ آپ کی تقریر دلپذیر ۱/۲ گھنٹہ تک جاری رہی[1]

چوہدری صاحب کے بعد مکرم جنرل سیکرٹری صاحب نے سالانہ رپورٹ پڑھ کر سنائی۔ پھر مکرم جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے "نئے اُفق اور ہمارے فرائض" کے اہم عنوان سے اپنے مخصوص تحریکی انداز میں تقریر فرمائی۔ اور یایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتن الا و انتم مسلمون و اعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا...... اولئک لھم عذاب عظیم۔ کی تلاوت کے بعد فرمایا کہ یہ آیات قرآنی جو آپ کو سنائی گئی ہیں ان آیات کی تفسیر و ترجمہ کو آپ کی اکثریت سمجھتی ہے۔ میری تقریر کے مضمون کا تعلق اس سفر کے ساتھ ہے۔ جو میں نے اگست تا اکتوبر ۱۹۷۵ء مغربی دنیا کا کیا ہے۔ اس سفر کی تفصیلات بیان کرنے کے لئے تو بہت وقت درکار ہے۔ میں صرف سفر کے بعض تاثرات بیان کروں گا۔ جن کا پیش کرنا ضروری ہے اور ان تبدیل شدہ حالات میں مغربی دنیا کی جانب سے ہم پر جو فرائض عائد ہوتے ہیں ان پر آپ کی توجہ مبذول کراؤں گا۔

اس کے بعد آپ نے لندن کنونشن کی تجویز اور خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کے تکمیل میں آنے کے سامانوں کا ذکر فرمایا اور اپنی تقریر میں مختلف بلادِ غیر کی جماعتوں کے حالات پر روشنی ڈالی نیز بتایا کہ ہمیں وہاں ایسے مبلغین بھیجنے کی ضرورت ہے جن کے قول و کردار میں مطابقت ہو۔ ہماری جماعت اپنی بساط کے مطابق اشاعت اسلام کا جو تھوڑا بہت کام کر رہی ہے اس کے گہرے اثرات کا احساس باہر کے ملکوں میں جا کر ہوتا ہے۔ اس خاکستر کے اندر اب بھی وہی چنگاری موجود ہے جو پھر بھڑک سکتی ہے۔ اور دنیا کو روشن کر سکتی ہے۔ ہمیں اس چنگاری کو روشن رکھنے کے لئے کوشش کرنی چاہیئے۔ ان مصائب و زلازل اور طوفانوں کے بعد بھی اگر یہ چنگاری روشن رہی تو یہ بڑی امید افزاء بات ہوگی۔ آج بھی ہمارا تجربہ ہے بلکہ یہاں لوگ بیٹھے ہیں۔ انہوں نے اتنے مصائب اور زلازل کے بعد بھی احمدیت سے اپنی وفا کو قائم رکھا۔

اس دورہ میں یہ بھی میں نے محسوس کیا اور مشاہدہ کیا کہ اگر انسان اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرنے کی خاطر باہر نکل جائے تو اللہ تعالیٰ اسے کامیابی بخشتا ہے اور اس کے کام اور مشکلات حل فرما دیتا ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے اپنی تقریر میں بیرونی جماعتوں کے حالات پر الگ الگ روشنی ڈالی اور تفصیل سے بتایا۔ کہ ان لوگوں میں اشاعت اسلام کا کتنا گہرا اور مستحکم جذبہ ہے۔ میں نے سب جگہ کہا کہ احمدیت کے اس چراغ کو روشن رکھو اور مخالفت کی تند ہواؤں میں بھی اسے گل نہ ہونے دو۔ ہر جگہ لوگوں نے ہاتھ اٹھا کر میری تائید کی۔

آپ نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ وہاں پر عورتیں مردوں سے زیادہ کام کرتی ہیں۔ میں یہاں بھی اپنی بہنوں اور بچیوں سے کہوں گا کہ وہ بھی زیادہ منظم۔ فعال اور کارکن بنیں۔ پھر میں اپنے بھائیوں اور دوستوں سے بھی عرض کرتا ہوں کہ آپ خدا کے حکم کی تعمیل میں (یدعون الی الخیر) اس جماعت میں داخل ہوئے ہیں اور امام وقت نے ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر کے حکم کی تعمیل میں یہ جماعت بنائی ہے۔ تو اولئک ھم المفلحون کے مصداق آپ تب ہی بن سکتے ہیں جب آپ اس حکم کی تعمیل میں ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار ہو جائیں۔

گذشتہ چند برسوں میں مال و جان کی بے ثباتی کا آپ نے مظاہرہ کر ہی لیا ہے۔ واقرضوا اللہ قرضا حسنا۔ خوشی دلی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو قرض دو۔ یعنی اس کی راہ میں بشاشت قلبی کے ساتھ خرچ کرو وہ کئی گنا بڑھا کر آپ کو دے گا۔

اس کے بعد مکرم ڈاکٹر صاحب نے تبلیغ بلادِ غیر کے لئے چندہ کی اپیل فرمائی اور کہا کہ آپ ہزاروں سے اتنی رقم یہاں جمع کرا کے جائیں۔ کہ ہم آسانی سے اپنا کام جاری رکھ سکیں۔

حضرت ڈاکٹر صاحب کی اس اپیل کے جواب میں سامعین نے نقد اور وعدوں کی شکل میں تقریباً ۸۰ ہزار روپیہ کی رقم آپ کے پاؤں میں ڈھیر کر دی۔ آپ کی تقریر کے بعد ۲۷ر دسمبر کی پہلی نشست کا اختتام ہوا۔

## ۲۷ر دسمبر ۱۹۷۵ء - دوسری نشست

وقفہ طعام و قیام کے بعد جناب سید سلطان علی شاہ صاحب کی زیر صدارت آج کی دوسری نشست کا وقت مقررہ پر آغاز ہوا۔ تلاوت قرآن کریم اور اشعار درثمین کے بعد صدر جلسہ نے اپنے دورۂ انگلستان کے تاثرات سنائے۔

پھر جناب پروفیسر خلیل الرحمان صاحب نے حسب پروگرام تقریر فرمائی اور کہا میں حیاتیات کا طالب علم ہوں اس لئے میری تقریر کا عنوان ہے:

زندگی کیا ہے عناصر کا ظہور ترتیب
موت کیا ہے انہیں اجزا کا پریشاں ہونا

اس شعر میں جو حقیقت پنہاں ہے وہی آج ساری دنیا میں وجہ بیقراری بنی ہوئی ہے۔ قومیں ایک دوسرے سے متصادم ہیں۔ انیسویں صدی کے نیچرل فلاسفر ڈارون نے ...... ایک نقطہ بیان کیا ہے۔ کہ

[1] مکمل تقریر ۷ر جنوری کے پرچہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

مکرم جناب پروفیسر خلیل الرحمان صاحب ایم ایس سی

# معرکہ کربلا اسلامی روایات و اقدار کی سربلندی کا معرکہ تھا اور فسق و فجور کے مقابلے میں تقویٰ اللہ کا علم بلند رکھنے کی جنگ تھی

جان و دلم فدائے جمال محمدؐ است
خاکم نثار کوچۂ آل محمدؐ است

اسلامی سال کا پہلا مہینہ محرم الحرام ہمیں اس عظیم المناک سانحہ کی پُر از درد یاد دلاتا ہے جو آج سے تیرہ سو سال سے کچھ زائد عرصہ قبل عراق کی سرزمین پر میدانِ کربلا میں نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے معصوم اہلِ بیت کو بے کسی۔ بے بسی اور کس مپری کی حالت میں پیش آیا اور تاریخ اسلام میں ایک ایسا خونین باب رقم کر گیا جس کے سُرخ دھبے سینکڑوں سال سے بہتے والے سیلاب اشک بھی نہیں دھو سکے۔ آج بھی ہر گلی کوچے میں اس حادثہ کی یاد میں دبی دبی سسکیوں۔ آہ و بکا۔ نالہ و شیون کی صدائیں فضا میں بلند ہو کر اس ظلم و ستم کی داستان دہراتی ہیں۔ جو بے گناہ بچوں۔ معصوم خواتین اور پاک و صاف مردوں پر اس جرم کی پاداش میں ٹوٹا کہ انہوں نے حق کے مقابلے میں ہوس اقتدار کے سامنے سر جھکانے سے انکار کیا اور اسلامی روایات و اقدار کا علم بلند کئے رکھنے کے لئے اپنی جانیں خدا کی راہ میں پیش کر دیں۔

زمانہ گواہ ہے کہ اسلام کے روشن چہرہ کو جب بھی نفس پرستی کی گھٹا ٹوپ گھٹاؤں اور سفلی جذبات و خواہشات کی ظلمتوں میں چھپانے کی کوشش کی گئی مشیت ایزدی نے پردۂ غیب سے اپنی تائید کے ساتھ ایک ایسا مردِ میدان کھڑا کر دیا جس نے طاغوتی طاقتوں کا مقابلہ کر کے تاریکیوں کے یہ پردے چاک کر دیئے اور دنیا کو ایک بار پھر آستانۂ الہٰی اور درِ نبوی پر جھکنے پر مجبور کر دیا۔ ان راز ہائے دروں کو جاننے والا کوئی ایسا ہی مصلح ربانی اور محبوب یزدانی اس درد و غم کی کسک محسوس کر سکتا ہے جسے ایسے ہی حالات میں اپنے زمانے کے سفاکوں سے واسطہ پڑا ہو۔ جیسے میدانِ کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کو پیش آئے تھے۔

جن بد نصیبوں کو کبھی بھول کر بھی اس کوچہ سے گذر نہیں ہوا وہ ہمیشہ واقعات کو ظاہری حالات پر محمول کر کے اس سے نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش میں اکثر اوقات سنگین لغزش اور ٹھوکر کے مرتکب ہو جاتے ہیں جس کی زد سے اسلام کے خوبصورت چہرے پر ایسی بدنما خراشیں پڑ جاتی ہیں جو غیروں کے لئے محل اعتراض ٹھہر جاتی ہیں اور انہیں صاف کرنے کے لئے ایک غیبی مرہم کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ایسے ہی مصلح ربانی اور امام یزدانی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؒ نے اس زمانہ میں شہدائے کربلا کے زخموں کی کسک محسوس کی اور شدت غم و اندوہ سے آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوئے۔

کربلائیست سیر ہر آنم + صد حسین است در گریبانم

ظاہر بینوں نے اہل تشیع بھائیوں کو حضرت صاحب کے خلاف بھڑکانے کے لئے اس شعر کو امام حسین علیہ السلام کی شان میں گستاخی قرار دینے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ کوئی بھی اپنے محبوب کو کسی کی حقارت کا نشانہ بنتے نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن جب اس شعر کی گہرائیوں میں ڈوب کر اس دُکھ۔ اس درد۔ اس غم۔ اس صدمہ اور اس محبت۔ عشق اور پیار کا اندازہ لگایا جائے جس نے حضرت صاحب کو بے ساختہ یہ شعر کہنے پر مجبور کیا تو ایک انصاف پسند انسان کا سر ان دونوں خدا آشنا بندوں کی عظمت کے سامنے جھک جاتا ہے۔

فرماتے ہیں کربلا کا میدان ہر گھڑی میری آنکھوں کے سامنے ہے میں ہر لمحہ ایک حسینؓ اسلام کے لئے شہید ہوتے دیکھتا ہوں۔ یوں دن میں کتنے ہی حسین میری آنکھوں کے سامنے اپنی جان خدا کی راہ میں پیش کرتے ہیں۔ تم ایک حسین کا درد لئے بیٹھے ہو۔ تمہیں میرے غم کی کیا خبر جو ہر روز سینکڑوں حسین ظلم و استبداد کا شکار ہوتے دیکھتا ہے۔

وہاں بھی سب کچھ دین حق کی سربلندی کے لئے پیش کر دیا گیا اور یہاں بھی اسی راہ میں سب کچھ لٹانے کی آرزو اور تمنا ہے۔ لیکن تعجب انگیز امر یہ ہے کہ ماہرین زبانِ اُردو نے "در گریبانم" کے الفاظ پر گرفت کی ہے۔ لیکن کیا یہ بزعم خود ماہرین کوئی ایسا محاورہ۔ ایسا روزمرہ استعارہ یا تشبیہ بنا سکتے ہیں جس میں "در گریبانم" کے استعمال سے تحقیر و استہزا کا کوئی پہلو نکلتا ہو۔ اس کے برعکس گریبان تو لباس کا وہ حصہ ہے جو گلے کے ارد گرد دل و دماغ کے درمیان واقع ہوتا ہے۔ دماغ غور و فکر اور سوچ و تدبر کا مرکز ہے اور دل جذبات کا۔ اس کا مطلب تو یہ ہونا چاہیئے حسینؓ میرے دل و دماغ پر چھائے رہتے ہیں اور میں ان کا غم کبھی نہیں بھول سکتا۔ اس سے ذرا مختلف ہی سہی مگر یہ محاورہ بھی تو ہے کہ "اپنے گریبان میں منہ ڈال کر تو دیکھو" یعنی اپنی اندرونی حالت پر غور کرو۔ اپنے دل میں جھانک کر دیکھو۔ حضرت صاحب تو جب اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھتے ہیں تو انہیں مظلوم حسین رضی کے درد و الم کی تصویر نظر آتی ہے۔ اور "گلے" کی نسبت سے "گلے کا ہار" ہونا بھی ایک محاورہ ہے اور گریبان گلے ہی کی زینت ہوتا ہے۔ اس کا مطلب بھی "کسی چیز سے پیچھا نہ چھوٹنا ہے"۔ اس سے بھی یہی ظاہر ہوا کہ حضرت صاحبؑ کا حضرت امام حسین علیہ السلام کے غم سے پیچھا نہیں چھوٹتا۔ لیکن جب تعصب اور ضد کی پٹی آنکھوں پر بندھ جائے تو حقیقت کا نظر آنا ممکن نہیں ہوتا۔ یہ وہ گرد و غبار ہے جو دل کی تاریکی میں اور اضافہ کا موجب ہوتا ہے۔

حضرت صاحب کو اگر اسلام کی بیماری و بےکسی کی کوئی مثال ملی تو وہ بھی کربلا کے میدان سے۔ فرماتے ہیں ؎

ہر طرف کفر است جوشاں ہمچو افواج یزید
دینِ حق بیمار و بےکس ہمچو زین العابدین

کفر یزید کی افواج کی طرح بڑے جوش و خروش سے اسلام پر ہر طرف سے حملہ آور ہے۔ اور اسلام زین العابدین کی طرح بیمار و بےکس پڑا ہے۔ انصاف کیجئے کیا افواج یزید کو کفر سے تشبیہ اور اسلام کو زین العابدین سے تشبیہ دینے والا حضرت امام حسین علیہ السلام کی شان میں کبھی تحقیر آمیز الفاظ استعمال کر سکتا ہے۔ کسی کی دشمنی میں حق و انصاف کا خون تو نہیں کرنا چاہیئے کیا قرآن کریم نے یہ نہیں فرمایا:—

"اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف

نہ کرو- انصاف کرو یہ تقویٰ کے قریب تر ہے" (۵-۸)
پھر ایک موقعہ پر حضرت امام حسینؓ کی شان میں فرماتے ہیں :-

"حسین رضی اللہ عنہ طاہر مطہر تھا- اور بلاشبہ وہ ان برگزیدوں میں سے ہے جن کو خدا تعالےٰ اپنے ہاتھ سے صاف کرتا اور اپنی محبت سے معمور کر دیتا ہے اور بلاشبہ وہ سردارانِ بہشت میں سے ہے اور ایک ذرہ کینہ رکھنا اس سے موجب سلب ایمان ہے اور اس امام کا تقوےٰ اور محبت الٰہی اور صبر اور استقامت اور زہد اور عبادت ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے اور ہم اس معصوم کی ہدایت کی اقتداء کرنے والے ہیں جو اس کو ملی تھی- تباہ ہوگیا وہ دل جو اس کا دشمن ہے اور کامیاب ہوگیا وہ دل جو عملی رنگ میں اس کی محبت ظاہر کرتا ہے اور اس کے ایمان اور اخلاق اور شجاعت اور تقوےٰ اور استقامت اور محبت الٰہی کے تمام نقوش انعکاسی طور پر کامل پیروی کے ساتھ اپنے اندر لیتا ہے- جیسا کہ ایک صاف آئینہ میں ایک خوبصورت انسان کا نقش- یہ لوگ دنیا کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں- کون جانتا ہے ان کا قدر- مگر وہی جو ان میں سے ہیں- دنیا کی آنکھ ان کو شناخت نہیں کرسکتی کیونکہ وہ دنیا سے بہت دور ہیں- یہی وجہ حسین رضؓ کی شہادت کی تھی کیونکہ وہ شناخت نہیں کیا گیا- دنیا نے کس پاک اور برگزیدہ سے اس کے زمانہ میں محبت کی تا حسینؓ سے بھی محبت کی جاتی- غرض یہ امر نہایت درجہ کی شقاوت اور بے ایمانی میں داخل ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کی تحقیر کی جائے- اور جو شخص حسینؓ یا کسی اور بزرگ کی جو آئمہ مطہرین میں سے ہے تحقیر کرتا ہے یا کوئی کلمہ استخفاف کا اس کی نسبت اپنی زبان پر لاتا ہے وہ اپنے ایمان کو ضائع کرتا ہے کیونکہ اللہ جلشانہ اس شخص کا دشمن ہو جاتا ہے جو اس کے برگزیدوں اور پیاروں کا دشمن ہے-"

(تبلیغ رسالت (تبلیغ حق) جلد دہم ص۱۰۳)

کوئی بھی صحتمند ذہن ان چند سطور کے مطالعہ کے بعد یہ باور کرنا گوارا نہیں کرے گا کہ حضرت مرزا صاحب نے کبھی اپنی زبانِ مبارک یا نوکِ قلم سے ایسے الفاظ ادا کئے ہوں جن میں حضرت امام حسین رضؓ کی شان میں گستاخی کا کوئی شائبہ تک بھی موجود ہو-

یہ الفاظ قابلِ غور ہیں "دنیا کی آنکھ ان کو شناخت نہیں کرسکتی کیونکہ وہ دنیا سے بہت دور ہیں" اور واقعی دنیا نے انکی شناخت کا حق آج تک ادا نہیں کیا کیونکہ وہ آج تک اس اعلیٰ اور ارفع مقصد کو نہیں پہچان سکی جس کی خاطر حضرت شبیرؓ نے نہ صرف اپنا بلکہ اپنے معصوم بچوں کے سر بھی پیش کرنے سے دریغ نہ کیا- مرورِ زمانہ نے اس حادثہ سے متعلق روشن واقعات پر گرد و غبار کی کتنی ہی دبیز تہیں کیوں نہ جمادی ہوں اور اس دور کے سیاسی واقعات کا پس منظر کچھ ہی کیوں نہ ہو حضرت مرزا صاحب کی تحریر کی روشنی میں ایک حقیقت کھل کر ہمارے سامنے آتی ہے کہ معرکۂ کربلا کے پیچھے ذاتی اغراض و مقاصد کے محرکات ہرگز کارفرما نہ تھے- نانِ جویں پہ فخر کرنے والے ابوتراب کے بیٹے اور فاطمۃالزہرا کی گود میں تربیت پانے والے لختِ جگر کو حرص و ہوا کا غلام گرداننا خانوادۂ رسول کے ساتھ صریح ناانصافی ہے-

معرکۂ کربلا اسلامی روایات و اقدار کی سربلندی کا معرکہ تھا- یہ حق و باطل کا ٹکراؤ تھا- یہ رحمانی اور طاغوتی قوتوں کا تصادم تھا یہ فسق و فجور کے مقابلے میں تقوی اللہ کا علم بلند رکھنے کی جنگ تھی-

یہ انسانی آزادیٔ ضمیر اور حقوق کے استحکام کی جد و جہد تھی- اور یہ انسانی قوت و طاقت- جبر و استبداد اور ظلم و ستم کے سامنے سر جھکانے کی ذلت سے آزادی دلانے کی کشمکش تھی- اور اسلام کی رگوں میں ایک نئی زندگی پھونکنے کی سعی بلیغ تھی- اس کی تائید میں قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ بطور دلیل پیش کی جا سکتی ہے :-

"اور اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس کے دین کی مدد کرتا ہے- یقیناً اللہ طاقتور غالب ہے- وہ جنہیں اگر ہم زمین میں طاقت دیں تو وہ نماز کو قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور اچھی باتوں کا حکم کریں گے- اور بری باتوں سے روکیں گے اور سب کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہی ہے"

آپ نے ایک مقصد کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا اور شہادت کا رتبہ پایا- ایک بہت بڑے مفکر اسلام لکھتے ہیں کہ :-

(۱) بعض لوگ یزید کے شخصی کردار کو بہت نمایاں کرکے پیش کرتے ہیں جس سے یہ عام غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے کہ وہ تغیر جسے روکنے کے لئے امام کھڑے ہوئے تھے بس یہ تھا کہ ایک برا آدمی برسر اقتدار آ گیا تھا لیکن یزید کی شخصیت کا جو برے سے برا تصور پیش کرنا ممکن ہے اسے جوں کا توں مان لینے کے بعد بھی یہ بات قابلِ تسلیم نہیں ہے کہ اگر نظام صحیح بنیادوں پر قائم ہو تو محض ایک برے آدمی کا برسر اقتدار آ جانا کوئی ایسی بڑی بات ہو سکتی ہے جس پر امام حسینؓ جیسا دانا- اور زیرک اور علم و شریعت میں گہری نظر رکھنے والا شخص بے صبر ہوجائے اس لئے یہ شخصی معاملہ بھی وہ اصل تغیر نہیں ہے جس نے امام کو بے چین کیا تھا"

اور آگے چل کر اسی مضمون میں چند سطور کے بعد یہی مفکرِ اعظم یوں تحریر فرماتے ہیں (ذرا تناقض ملاحظہ فرمایئے) :-

(۲) "اسلامی ریاست کی روح تقوےٰ اور خدا ترسی اور پرہیزگاری کی روح تھی جس کا سب سے بڑا مظہر خود ریاست کا سربراہ ہوتا تھا- حکومت کے عمال اور قاضی اور سپہ سالار سب اس روح سے سرشار ہوتے تھے اور پھر اسی روح سے وہ پورے معاشرے کو سرشار کرتے تھے" (نوائے وقت صفحہ ۵-۱۳ر جنوری ۱۹۷۶ء)

(۳) "وہ تغیر کیا تھا؟ ظاہر ہے کہ لوگوں نے اپنا دین نہیں بدل دیا تھا حکمرانوں سمیت سب لوگ خدا اور رسول اور قرآن کو اسی طرح مان رہے تھے جس طرح پہلے مانتے تھے- مملکت کا قانون بھی نہیں بدلا تھا اور عدالتوں میں قرآن اور سنت کے مطابق تمام معاملات کے فیصلے بنی امیہ کی حکومت میں بھی ہو رہے تھے جس طرح ان کے برسر اقتدار آنے سے پہلے ہوا کرتے تھے- بلکہ قانون میں تغیر تو انیسویں صدی عیسوی سے پہلے دنیا کی مسلم حکومتوں میں سے کسی کے دور میں بھی نہیں ہوا-"

اب پہلی اور تیسری تحریر کو سامنے رکھ کے دیکھ لیجئے- اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر یزید برا بھی تھا تو بھی اس کے زمانے میں نظام اسی طرح چل رہا تھا جس طرح بنی امیہؓ کے برسر اقتدار آنے سے پہلے تھا اس لئے حضرت امام حسین علیہ السلام کو اس کے خلاف تلوار اٹھانے کی ضرورت نہیں تھی- اگر انہوں نے ایسا کیا تو صرف حصول اقتدار کی خاطر (نعوذ باللہ)

پہلی اور دوسری تحریر کو پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یزید برا نہیں تھا کیونکہ اس کے برا ہونے کی صورت میں مملکت کا قانون قرآن و سنت کے مطابق نہ ہوسکتا تھا- بنو امیہ میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ

عنہ بھی شامل ہیں اور تیسری تحریر کے مطابق یہ قانون اسی طرح چل رہا تھا جس طرح حضرت عثمان اور حضرت علی کے زمانے میں۔ اور اس سے قبل بھی اس صورت میں بھی حضرت امام حسینؓ کے لئے یزید کے خلاف تلوار اُٹھانے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا اور اگر انہوں نے ایسا کیا تو اس سے اقتدار پر قبضہ کرنے کی خواہش کا ہی اظہار ہوتا ہے جو خلاف واقعہ ہے۔ اس کے زمانے اور اس سے قبل کے زمانے میں وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ نظام ریاست کی بنیاد قرآن و سنت تھے۔

اگر محض نامزدگی ہی ایک ایسا مسئلہ تھا تو پھر حضرت عثمان رضؓ اور حضرت علی رضؓ کے خلاف تلواریں کیوں اُٹھائی گئیں حالانکہ وہ منتخب خلیفہ تھے۔ اور وہ تھے جنہیں ایک طرف تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دامادی کا شرف حاصل تھا اور دوسری طرف ان کی تربیت آپ ہی کے مبارک ہاتھوں میں ہوئی تھی۔

قرین قیاس یہی ہے کہ سربراہ مملکت کا متقی نہ ہونا اور اس کے نتیجے میں نظام سلطنت کا قرآن و سنت کے مطابق نہ ہونا ہی ایک ایسی وجہ ہوسکتی ہے جس نے حضرت امام حسینؓ کو کوفے والوں کے اصرار پر عراق کا سفر اختیار کرنے پر مجبور کیا جو آپ کی شہادت پر منتج ہوا۔ کیونکہ جب سربراہ مملکت ہی رقص و سرود اور ناؤ نوش کی مستی میں گھنیری زلفوں کے تاریک سائے میں مدہوش ہو کر گہری نیند سو جائے تو الناس علیٰ دین ملوکھم کے تحت رعایا خدا خوفی اور تقویٰ کی راہوں پر کیسے قدم مار سکتی ہے۔

اسباب کچھ بھی ہوں لیکن جو ستم ان معصوموں پر ڈھایا گیا اس پر جتنے بھی آنسو بہائے جائیں کم ہیں۔

خدا کے دین کی آبیاری کے لئے خون کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے۔ اس کے پھلنے پھولنے کے لئے ہر دور میں جانی اور مالی قربانیاں پیش کی جاتی رہی ہیں لیکن اس مقام کو پانے کے لئے اس جذبہ۔ عشق۔ تڑپ۔ اخلاص۔ جرأت و استقامت اور صبر کی ضرورت ہے جو اہل بیت نے کربلا کی شہادت گاہِ اُلفت میں دکھایا۔ شاید اسی لئے کسی نے کہا تھا:۔

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

حضرت صاحبؑ فرماتے ہیں:۔

"اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے۔ وہ کیا ہے؟ ہمارا اسی راہ میں مرنا۔ یہی موت ہے جس پر اسلام کی زندگی۔ مسلمانوں کی زندگی اور زندہ خدا کی تجلی موقوف ہے"

(فتح اسلام صفحہ ۱۶-۱۷)

---

## افتتاح عربی کلاس

شبان الاحمدیہ مرکزیہ نے اپنے مجوزہ پروگرام کے تحت مسجد دارالسلام ۵ عثمان بلاک نیوگارڈن ٹاؤن لاہور میں یکم فروری ۱۹۷۶ء سے عربی کلاس کے اجراء کا فیصلہ کیا ہے جس کا اسی دن باقاعدہ افتتاح ۱۰ بجے صبح محترم حضرت امیر قوم مولینا صدرالدین صاحب فرمائیں گے۔ اور محترم علامہ شیخ عبدالرحمان مصری صاحب مندرجہ ذیل پروگرام کے مطابق ہفتہ میں دو بار لیکچر دیا کریں گے۔

بروز ہفتہ ——— ۴ تا ۵ بجے شام
" " اتوار ——— ۱۰ تا ۱۱ بجے صبح

خواتین کے لئے پردہ کا انتظام کیا گیا ہے۔

الداعی۔ شاہد جاوید۔ سیکرٹری مرکزی شبان الاحمدیہ۔

---

# جلسہ سالانہ ۱۹۷۵ء کی مختصر روئداد

(بسلسلہ صفحہ ۲)

زندگی کے پیچھے جو حقیقت کار فرما ہے وہ یہ ہے۔ کہ ہر اچھی شئے کو بقا ہے اور ہر بری اور بے فیض کو فنا دامنگیر ہے۔ اسی حقیقت کو آج سے ۱۴۰۰ برس پہلے قرآن کریم میں بھی بیان کیا جا چکا ہے۔ اما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض۔

یونان کے ایک فلاسفر نے کھاؤ پیو اور عیش کرو کے نظریہ کو جنم دیا۔ دوسرے نے کہا کہ مذکیت کو اپناؤ۔ تیسرے فلاسفر نے عقل وشعور کی قید سے آزاد ہو کر زندگی گذارنے کی تلقین کی۔

ایسے متصادم نظریات کے آپس کے ٹکراؤ نے ایسی خوفناک شکل اختیار کرلی ہے کہ انسانیت کی تباہی کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ اسی ڈر سے دنیا کی سوپر طاقتیں آپس میں بقائے باہم کے معاہدے کر کے دنیا میں باقی رہنے کی تگ و دو کر رہی ہیں۔

رسول کریمؐ کی زبان مبارک سے اللہ تعالےٰ انسانوں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ آؤ تمہیں دنیا میں زندہ و پائندہ رہنے کی میں ترکیب بتاؤں۔ وہ فلسفہ اور ترکیب کیا ہے؟ آپ نے ان اللہ یحی الارض بعد موتھا کی تشریح کرتے ہوئے مردہ زمین کے زندہ ہونے کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ مادی زندگی کا منبع سورج ہے اس کی روشنی اور حرارت کی وجہ سے پودے دو طرح سے خوراک حاصل کرتے ہیں۔ ایک جڑوں کے ذریعے اور دوسرے فضا سے کچھ کیمیائی گیسوں کے ذریعے۔

محترم پروفیسر صاحب نے فرمایا کہ انسانوں کی بھی یہی مثال ہے۔ وہ زمین سے جسم کی اور روح کی آسمان سے روزی حاصل کرتے ہیں۔ آسمان ہدایت کا سورج حضرت محمد صلعم ہیں جن کی وساطت سے انسانوں کی روحانی ربوبیت ہوتی ہے۔ پھر ہر صدی کے سر پر خدا تعالےٰ کے مبعوث کردہ مجدد ہیں جو چاند کی مثال ہیں اور اپنے سورج یعنے حضرت محمد صلعم سے روشنی حاصل کر کے دنیا کو ہدایت کرتے ہیں۔

(پروفیسر صاحب کی تقریر بڑی مدلل، مبسوط اور اثر انگیز تھی جو موصول ہونے پر آیندہ شائع ہوگی)

پروفیسر صاحب کے بعد ڈاکٹر عبدالکریم پاشا صاحب نے تقریر فرمائی جو اسی پرچہ میں دوسری جگہ شائع ہو رہی ہے۔

محترم پاشا صاحب کے بعد جناب علامہ شیخ عبدالرحمان صاحب مصری نے والعصر ان الانسان لفی خسر کی تلاوت کے بعد "حضرت مسیح موعود کا مقام" پر ایک فاضلانہ تقریر فرمائی اور احادیث کے حوالوں سے ثابت کیا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلعم نے اپنے زمانہ کو مسیح موعود کے زمانہ سے تشبیہ دی ہے۔ اس سے بڑا اور مقام کیا ہوسکتا ہے (آپ کی مفصل تقریر موصول ہونے پر شائع کی جائے گی) مکرم مصری صاحب کی تقریر پر ۲۷ دسمبر کی دوسری نشست ختم ہوئی

---

## ایک اور صدمہ

۱۷ر دسمبر ۱۹۷۵ء کو جناب محمد اعظم علوی صاحب کے والد بزرگوار کا انتقال ہوا تو آپکی چھوٹی بہن خدیجہ بیگم اس صدمہ کو برداشت نہ کر سکی وہ ایسی گم سم ہوئی کہ تین ہفتہ تک مسلسل علاج کے باوجود اسے ہوش نہ آیا اور ۱۱ر جنوری کو وہ بھی مولائے حقیقی سے جا ملی انا للہ وانا الیہ راجعون اس صدمہ کی شدت اور زیادہ ہو جاتی ہے جب مرحوم کے چھوٹے چھوٹے سات بچے (جن کی عمریں ۱۴ سال سے ۴ ماہ تک ہیں۔ چھ لڑکیاں۔ ایک لڑکا) بلبلاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کا حافظ و ناصر ہو

# تقریر جناب ڈاکٹر عبدالکریم سعید پاشا صاحب نیوزی لینڈ

آپ نے سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا :۔

صاحب صدر اور حاضرین جلسہ

پچھلے دو دنوں سے سورۃ فاتحہ پر محترم این۔اے فاروقی صاحب اور حضرت امیر جماعت ایدہ اللہ ایسی روشنی ڈالتے رہے کہ میں نے بھی اپنی جلسہ سالانہ پر پہلی تقریر کا آغاز کلام پاک کی اسی سورت سے کرنا مناسب سمجھا۔ میں اللہ تعالےٰ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے کوئی ایسی بات کہنے کی توفیق دے جسے سُن کر کسی شاداب دل میں وہ بیج پھوٹ پڑے جو کسی دن ایسا مضبوط درخت بنے جس کے سائے سے سارا جہان مستفید ہو۔ اگر ایک بھی انسان کی زندگی میں یہ جلسہ تبدیلی لا سکے تو جلسہ کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔

میں اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ میں اتنی بزرگوں بھری محفل کو خطاب کر سکوں اس لئے میری تقریر کا روئے سخن ان بچوں اور جوانوں کی طرف ہے جو گرد و نواح سے اس جلسہ میں شامل ہونے آئے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کو گم سم بیٹھے تقریریں سنتے اور نمازوں میں شامل ہوتے ہوئے اور ننھے ننھے ہاتھ اُٹھا کر دعائیں کرتے ہوئے دیکھ کر میرے بچپن کی یادیں تازہ ہو جاتی ہیں جو جلسہ سالانہ سے وابستہ ہیں۔ جب میں تین چار سال کا تھا تو دیواروں پر چسپاں جلسہ کے اشتہار ابھی میری نظروں کے سامنے سے گذرتے ہیں۔ گو میں پڑھ نہیں سکتا تھا لیکن یہ بات واضح تھی کہ جو لکھا ہے اس کا مطلب سفر کر کے کہیں دو تین سو میل دُور جانا ہے۔ وہاں لاہور ہے جہاں بہت سے لوگ جمع ہوتے ہیں اور تقریریں سنتے ہیں۔ تقریبا سب احمدی گھرانوں میں جس جوش و خروش سے لاہور آنے کی تیاریاں ہو رہی تھیں میرا دل وہ خوشی اور گہما گہمی کبھی نہیں بھُلا سکتا۔ جوں جوں جلسہ قریب آ رہا تھا میرا دل بے تاب ہو رہا تھا۔ پھر سفر کا دن آیا اور سارا خاندان ایک لمبے سفر پر روانہ ہوا۔ شاید وہ لاہور پہنچ جانے کا شوق تھا کہ ابھی تین سو میل کے سفر کے دس میل گذرے تو کسی بچہ نے دریافت کیا "لاہور آ گیا !!"

شام گئے لاہور آ گیا۔ پھر دوسرے دن جلسہ شروع ہوا اکٹھے بیٹھ کر تقریریں بھی سنیں نمازیں بھی پڑھیں اور [illegible] لوگوں سے ملے بھی۔

تقریروں میں جو بچپن میں سُنا وہ تو یاد نہیں لیکن یہ بات دل میں رہ گئی کہ جلسہ میں علم کی باتیں تھیں۔ اللہ اور رسولؐ کا نام تھا اور دین کی راہ تھی اور وہ سبق تھا جس پر بزرگ عمل کر رہے تھے اور ہمیں بھی یہی کچھ سیکھنا تھا۔

بہر حال بچپن کے ان دنوں میں جو بہت چھوٹے چھوٹے دماغوں نے قبول کیا ہوگا یقینی ہے کہ وہ ان دماغوں کی نشو و نما کے لئے ضروری تھا اور اس کا اثر انشاء اللہ ساری زندگی رہے گا۔ جلسہ ختم ہو گیا اور واپسی کا سفر پورا ہوا۔ پھر بچپن کا ایک اور سال اس امید پر گذارا کہ پھر دسمبر آئے گا اور پھر جلسہ ہوگا۔ اور پھر لاہور جائیں گے۔ اس طرح کئی دسمبر آئے اور کئی جلسے گذرے شروع میں جلسہ لاہور کا سفر تھا اور گزرتے سالوں کے ساتھ ساتھ یہ خوشی کم ہوتی گئی اور جلسہ ایک روح پرور تجربہ کا روپ دھارنے لگا۔ آج میں آپ کے سامنے کھڑا ہوں اور امید ہے میرے سامنے وہ بچے یا جوان ہوں گے جو کل کو نہ صرف اس اسٹیج سے بلکہ دنیا کے ہر ملک کے اسٹیج سے حق کا پیغام دنیا کو دیں گے اور دین اسلام کی روشنی سے دنیا کا ہر تاریک کونہ منور کریں گے اور وہ بیج جو مجدد زمان نے ہم کو دیئے وہ دور دراز کے ملکوں میں بو دینے میں مدد کریں گے۔

حال ہی میں ہمارے اس باغیچے کو طوفان کا سامنا کرنا پڑا۔ طوفان کی ظالم ہواؤں نے مسیح موعودؑ کے باغ کے درختوں کو بھی خوب آزمایا۔ یہاں وہ درخت بھی تھے جو ہر طوفان کا مقابلہ سینہ تانے کر گئے اور وہ درخت بھی تھے جو تیز ہواؤں کے جھونکوں کے آگے جھک گئے یا ٹوٹ گئے اور وہ بھی تھے جو نہ جھکے نہ ٹوٹے بلکہ کٹ گئے۔ ہر قوم اور ہر تحریک کو زمانے کے اُٹھائے ہوئے طوفانوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہماری جماعت بھی ایسے وقت سے گذری اور جن لوگوں نے وقت کے اس امتحان کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا ان کو انشاء اللہ اس کا پھل اسی دنیا میں ملنا شروع ہوگا۔

جلسہ کے پروگرام میں میرے نام کے ساتھ بریکٹ میں نیوزی لینڈ بھی لکھا ہے۔ شاید اس کا مقصد یہ ہے کہ میں وہاں کے قیام کا کوئی اہم واقعہ سناؤں۔ میرے وہاں کے قیام کا بلکہ میری ساری زندگی کا سب سے اہم واقعہ میرے دل اور دماغ پر ان قربانیوں کا اثر ہے جو آپ نے اپنے اصولوں پر قائم رہنے کی خاطر دیں۔ میرے لئے وہ ایک ایسا نہ بھولنے والا سبق ہے جس نے مجھے یہ سکھایا کہ کس طرح لوگوں نے جان و مال کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنی اولادوں اور زمانے کے لوگوں کو "دین" کو دُنیا پر مقدم کرنے کا نمونہ دکھایا۔ خدا تعالےٰ ہم سب کو اس نمونہ پر قائم رکھے۔

کل زاہد عزیز صاحب نے Decline of religion in the West (مغرب میں مذہب کا زوال) پر خیالات کا اظہار کیا۔ ان کے دادا صاحب (ڈاکٹر اللہ بخش) نے ان کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ مغرب میں دین کی سلیٹ صاف ہو رہی ہے یہ غیر اسلامی دین کی سلیٹ کا ذکر ہے اور میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ پچھلے پانچ سال کے تھوڑے سے عرصہ میں ہی سلیٹ بڑی تیزی سے صاف ہوتی دکھائی دے رہی ہے۔ گو مغرب کے لوگ مغرب کے دین پر عمل چھوڑ رہے ہیں پھر بھی ان کے دل اور دماغ میں ایک بے تابی پائی جاتی ہے اور وہ بے تابی کسی دین کی تلاش ہے۔ کبھی وہ تجربہ کے طور پر بدھ مت اور کبھی ہندو دین کو اور کبھی بے دین زندگی دیکھتے ہیں۔ تو باہر [illegible] دین کی سلیٹ صاف ہو رہی ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اندر سے اس سلیٹ پر الفاظ لکھنے کی جستجو مسلسل قائم ہے اور وہ دن انشاء اللہ آئے گا جب ان سب سلیٹوں پر دین اسلام کے اصول ہر سو لکھے نظر آئیں گے۔

آپ سب بزرگوں سے میری التجا ہے کہ اس قیمتی وقت سے غافل نہ رہیں۔ اپنی تبلیغ اور اسلام کا پیغام دنیا میں پہنچائیں۔ اب بھی وقت ہے کہ رسول کریم صلعم اور مجدد زماں کی تعلیم مغرب کے پیاسے دلوں کی پیاس بجھانے کو ہر ملک میں پہنچائی جائے اگر یہاں سے لوگ نہیں جا سکتے تو آپ کی جماعت کے لوگ جو تعلیمی یا کسی اور مقصد کی خاطر مغرب میں جاتے ہیں ان سے رابطہ قائم کریں۔ ان کو اپنا قیمتی لٹریچر مہیا کریں تاکہ وہ وہاں کے لوگوں تک پہنچائیں۔ ان کے ساتھ رابطہ قائم رکھیں اور خط و کتابت کے ذریعہ انکی ایسی تربیت کریں جو اسلام کے پھیلانے میں مفید ثابت ہو سکے۔ میں یقین سے کہتا ہوں

(باقی برصفحہ کالم نمبر ۱)

# کسی مامور کے دعویٰ کو پرکھنے کیلئے سب سے پہلے زمانہ پر نظر ڈالنی چاہیئے

## کیا زمانہ کسی مامور کی بعثت کا تقاضا کرتا ہے یا نہیں

**خطبہ جمعہ - مؤرخہ ۱۲؍ جنوری ۱۹۷۶ء - فرمودہ علامہ شیخ عبدالرحمان صاحب مصری جامع احمدیہ احمدیہ بلڈنگس لاہور**

والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین اٰمنو وعملوا الصالحات وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر

زمانہ کی قسم ہے یقیناً انسان خسران میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور جن کے اعمال ایمان کے مطابق ہیں اور وہ ایک دوسرے کو حق پر قائم رہنے اور اس کو پھیلانے کی تاکید کرتے رہتے ہیں اور اس راہ میں جو مشکلات پیش آئیں ان کو استقلال کے ساتھ خندہ پیشانی سے برداشت کرنے کی ایک دوسرے کو تاکید کرتے رہتے ہیں۔

یہ وہ سورۃ ہے جسے صحابہ کرام رضؓ جب کبھی انہیں آپس میں ملنے کا اتفاق ہوتا تھا تو اسے دہرا لیا کرتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ سورۃ ایک تو انہیں اسلام سے قبل کی گندگی کی حالت یاد کرا رہی ہوتی تھی جس میں وہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ اور دوسرے اس اصلاح کی طرف ان کی توجہ مبذول کرا رہی تھی جو ان کے قلوب میں حضرت نبی کریم صلعم کی صحبت کی پاک تاثیروں کی برکت سے پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ اور اس ہمدردی مخلوق کے جذبات کو ان کے سامنے لا رہی تھی جو ان کے دلوں میں اسلام کی برکت سے موجزن رہتے تھے کہ کسی طرح دوسرے لوگ بھی اس نعمت سے متمتع ہوں گویا بالفاظ دیگر یہ مختصر سی سورت وہ کسوٹی ان کے ذہن نشین کراتی رہتی تھی جو کسی مامور کے دعوے کی سچائی کو پرکھنے کا کام دیتی ہے۔

پس پہلا معیار جو کسی مامور کی صداقت کو پرکھنے کے لئے اس سورۃ میں بتلایا گیا ہے وہ زمانہ ہے جس کی قسم کے ساتھ اس سورۃ کی ابتداء کی گئی ہے۔

**قسم کی حقیقت** } قرآن کریم میں جس چیز کی قسم کھائی جاتی ہے وہ درحقیقت دلیل ہوتی ہے اس حقیقت پر جو قسم کے بعد ذکر کی جاتی ہے۔ اس سورۃ میں گویا زمانہ کو دنیا میں لوگوں کی روحانی حالت کی گراوٹ پر دلیل ٹھہرایا گیا ہے۔ اور بتلایا گیا ہے کہ کیا یہ زمانہ انسانوں کی روحانی و اخلاقی انتہائی پستی کی وجہ سے اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ اس وقت کوئی زبردست مصلح زبردست اصلاحی صلاحیتوں سے لیس ہو کر پیدا ہو جو اس پستی کو بلندی میں بدل دے اور ان کے دلوں کی تاریکی کو روشنی میں تبدیل کر دے۔ پس کسی عظیم الشان مصلح کی صداقت پر دلالت کرنے والی سب سے پہلی دلیل خود زمانہ ہوتا ہے جس میں ایسا مصلح خدا کی طرف سے اصلاح خلق کے لئے مبعوث کیا جاتا ہے۔

**خسران کی نوعیت** } چنانچہ قرآن کریم نے جس خسران کا ذکر فرمایا ہے جس میں انسان نزول قرآن و بعثت حضرت نبی کریم صلعم کے وقت مبتلا تھے وہ کاروباری خسران نہ تھا بلکہ خدا کو چھوڑ کر شیطان کو ولی بنانے والا خسران تھا جیسا کہ سورۃ النساء ع ۱۷ میں فرمایا ومن یتخذ الشیطان ولیًا من دون اللہ فقد خسر خسرانًا مبینًا جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنی ولی بناتا ہے وہ کھلے کھلے خسران کا شکار بنتا ہے۔

**مزید روشنی** } مزید روشنی اس امر پر سورۃ المجادلہ میں بدیں الفاظ ڈالی گئی ہے استحوذ علیھم الشیطان فانسٰھم ذکر اللہ اولئک حزب الشیطان الا ان حزب الشیطان ھم الخاسرون۔ شیطان ان لوگوں پر اس قدر غالب آیا ہوا ہے کہ اس نے ان کے دلوں سے خدا کی یاد کو اس قدر محو کر دیا ہے کہ اب یہ لوگ شیطان کی ہی جماعت بن گئے ہیں اور یہ واضح حقیقت ہے کہ جب انسان شیطان کا ساتھی بن جائے تو وہ اپنی زندگی کے مقصد کو حاصل کرنے میں خاسر یعنے ناکام ہو جاتا ہے۔

**بڑھ کر گراوٹ کا نقشہ** } اس سے بڑھ کر روحانی گراوٹ کا نقشہ مندرجہ ذیل دو آیتوں میں پیش کیا گیا ہے تاللہ ارسلنا الیٰ امم من قبلک فزین لھم الشیطان اعمالھم فھو ولیھم الیوم ولھم عذاب الیم۔ خدا اپنے وجود کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ ہم نے ضرور تجھ سے قبل امتوں کی طرف ان کی اصلاح کے لئے رسول بھیجے تھے لیکن لوگوں نے ان کی تعلیموں کو بھلا دیا اور ان کے بتلائے ہوئے نیک اعمال کو ترک کرکے ان کے بد اعمال کو اختیار کر لیا جن کو شیطان نے انہیں خوبصورت کرکے دکھلایا۔ چنانچہ ایسے گندے اعمال کی خوبصورتی پر شیدا ہو کر انہوں نے ان کو اختیار کر لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیطان ان کا ولی بن گیا اور وہی اب ان کا ولی بنا ہوا ہے اور یہ ان کے پیچھے لگ کر دردناک عذاب میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے ان گندے اعمال کی وجہ سے ظھر الفساد فی البر والبحر۔ یعنے یہ کہ ساری کائنات میں فساد ہی فساد پھیلا ہوا ہے اور واقعات شہادت دے رہے ہیں کہ دنیا خطرناک فسادوں کی گرفت میں آئی ہوئی ہے۔

**دو صورتوں میں سے کس صورت کو اختیار کیا جائے** } ظاہر ہے کہ اب دو ہی صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ اسی موجودہ حالت کو ہی برقرار رکھا جائے اور دوسری صورت یہ کہ اس کی اصلاح کی جائے۔

**الٰہی سنت** } خدا تعالےٰ کی سنت مستمرہ یہی چلی آ رہی ہے کہ جب دنیا میں گمراہی اپنا سکہ جمالیتی ہے تو اللہ تعالیٰ مخلوق کی ہدایت کے سامان پیدا کر دیتا ہے یعنے اپنے کسی مخلص بندے کو بطور مصلح لوگوں کی اصلاح کے لئے کھڑا کر دیتا ہے جو ان کی اصلاح کی قابلیت اپنے اندر رکھتا ہو کیونکہ اس نے ان علینا للھدیٰ کے ماتحت ہدایت کا کام اپنے ہاتھ میں لیا ہوا ہے۔ چنانچہ سورۃ البقرہ ع ۴ میں انسان کو جو شیطان کے بہکانے کا

ذکر کیا ہے تو اس کے معاً بعد فرمایا فاما یاتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلاخوف علیھم ولا ھم یحزنون والذین کفروا وکذبوا بایاتنا اولئك اصحاب النار ھم فیھا خالدون کہ ضرور بالضرور میری طرف سے ہدایت آتی رہے گی پس جو لوگ میری اس نازل کردہ ہدایت کی اتباع کریں گے پس وہ خوف اور حزن سے نجات پائیں گے اور جو اس ہدایت کو قبول کرنے سے انکار سے کام لیں گے اور تکذیب سے پیش آئیں گے وہ اصحاب النار ہوں گے اور اسی میں رہیں گے۔

**ہدایت نازل کرنے کا ذریعہ** خدا تعالےٰ گمراہی کے غلبہ کے بعد ہدایت نازل کرنے کا کونسا ذریعہ اختیار کرتا ہے اس کا ذکر اللہ تعالےٰ نے سورۃ زخرف کے پہلے رکوع میں فرمایا ہے :۔

افنضرب عنکم الذکر صفحا ان کنتم قوما مسرفین وکم ارسلنا من نبی فی الاولین وما یاتیھم من نبی الا کانوا بہ یستھزءون۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ لوگ گناہوں میں حد سے بڑھ جائیں اور ہم ان کی اصلاح کی طرف توجہ نہ کریں اور پہلی قوموں کے بارے میں ہماری اس سنت پر غور کرو کہ کیا ہم ان امتوں میں جب وہ گناہوں کی دلدل میں پھنس جاتے تھے تو ان کو اس سے نکالنے کی طرف متوجہ نہ ہوتے تھے یعنے ان کی اصلاح کے لئے نبی نہ بھیجا کرتے تھے قرآن کریم نے نبی کا لفظ دو معنوں میں استعمال کیا ہے ایک تو ان نبیوں کے لئے جو نئی ہدایت لاتے تھے اور ایک وہ جو ان کی لائی ہوئی ہدایت پر خود بھی عمل کرتے اور لوگوں کو بھی اس پر عمل کرواتے جس کی وضاحت سورۃ النجم میں موجود ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ کسی مامور کے دعوےٰ کو پرکھنے کے لئے سب سے پہلے زمانہ پر نظر ڈالنی چاہیئے کہ کیا زمانہ کسی مامور کی بعثت کا تقاضا کرتا ہے یا نہیں سو جب ہم اس زمانہ پر نظر ڈالتے ہیں جس میں سیدنا حضرت مرزا صاحب نے مسیح اور مہدی ہونے کا دعوےٰ کیا تو ہمیں صاف طور پر وہی زمانہ نظر آتا ہے جس کے متعلق حضرت نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ بدأ الاسلام غریبا سیعود غریبا فطوبیٰ للغرباء اور اس زمانہ کے متعلق فرمایا :۔ کیف تھلك امۃ انا فی اولھا والمسیح فی اٰخرھا اور ان غرباء کو طوبیٰ کی بشارت دی ہے ان کے متعلق فرمایا کہ ان کا [illegible] مسیح کے ساتھ ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ سیدنا حضرت مرزا صاحب نے فرمایا :۔

وقت ہے وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت<br>
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

آسمان بارد نشان الوقت مے گوید زمین<br>
این دو شاہد از پئے تصدیق من استادہ اند

یعنی آسمان بھی میری صداقت کے لئے نشان برسا رہا ہے اور زمین بھی کہہ رہی ہے کہ مسیح کے آنے کا وقت یہی ہے یہ دو گواہ میری صداقت پر گواہی دینے کے لئے کھڑے ہیں پس ہمارے امام سیدنا حضرت مرزا صاحب کی صداقت کو پرکھنے کے لئے ہر شخص کو زمانہ پر نظر ڈالنی چاہیئے کہ اس زمانہ میں جس قدر روحانیت کا فقدان تھا اور گناہوں کی جس قدر کثرت و بہتات تھی کیا گناہوں میں اسراف کی یہ حالت تقاضا نہیں کر رہی تھی کہ کوئی عظیم الشان مجدد پیدا ہو جو چاروں طرف پھیلی ہوئی تاریکی کو روشنی میں بدل دے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ مسیح کی آمد سے قبل دنیا میں تاریکی کا زور ہوگا اور وہ اسے نور میں بدل دے گا۔

**دوسری کسوٹی** زمانہ کے علاوہ دوسری کسوٹی ماموریت کے مدعی کی صداقت کو پرکھنے کے لئے اس سورۃ میں یہ بتلائی گئی ہے کہ وہ دلوں میں سے گمراہی کو نکال کر ان کو ایمان کی روشنی سے بھر دے اور ان کے بد اعمال کو صالح اعمال میں تبدیل کر دے اب اس حقیقت کا کون انکار کر سکتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلعم کے زمانہ میں بھی صحابہ کرام رضہ اسی وجہ سے ایک دوسرے کو اس سورۃ کے مضمون کی طرف توجہ دلاتے تھے کہ وہ دیکھتے تھے کہ چاروں طرف گمراہی اور تاریکی ہی تاریکی پھیلی ہوئی ہے اور روشنی اگر ہے تو ان لوگوں کے دلوں میں ہی ہے جو آنحضرت صلعم پر ایمان لے آئے ہیں اور بد عمل انہی کے نیک عمل میں تبدیل ہوگئے ہیں اسی طرح حضرت نبی کریم صلعم کے غلام اور خلیفہ کے ذریعہ ان کے ماننے والوں کے دلوں میں بھی ایسا ہی انقلاب پیدا ہوگیا۔ حضرت مسیح موعودؑ کے ماننے والوں کے متعلق عدالتوں تک کو یہ یقین تھا کہ احمدی جھوٹ نہیں بول سکتا احمدیوں کی حالت میں تغیر اور ان کے اعمال میں انقلاب دیکھ کر لوگ حیرت زدہ ہوگئے تھے اور کافی تعداد لوگوں کی احمدیت میں داخل محض احمدیوں کے کردار کو دیکھ کر ہی ہوئی۔

**تیسری کسوٹی** تیسری کسوٹی اس حق کو پھیلانے کا جوش کا ماننے والوں کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ احمدیوں میں یہ جوش اور اس کے لئے قربانی کا جذبہ ایسا نمایاں ہے کہ دشمن بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔

**چوتھی کسوٹی** چوتھی کسوٹی یہ ہے کہ اس کے ماننے والوں کے دلوں میں مخالفین کی طرف سے اس راہ میں جن ایذا رسانیوں کا شکار بنایا جاتا ہے ان کو برداشت کرنے کی قوت ان کے دلوں میں پیدا کر دی جاتی ہے چنانچہ اس راہ میں کئی احمدی قتل ہوئے اور [illegible] کو ان کی بیویوں سے الگ کر دیا گیا اور کئی احمدیوں کی جائدادیں تباہ کر دی گئیں۔ اور کئی احمدیوں کو روزگار سے محروم کر دیا گیا مگر کسی کے قدموں میں لغزش نہیں آئی سو اب بھی ہمیں اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چل کر اپنے ایمانوں کی مضبوطی اور اپنی اس پر استقامت کا ثبوت دینا چاہیئے۔ خدا ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

## تقریر جناب ڈاکٹر عبد الکریم سعید پاشا صاحب (بقیہ صفحہ ۶)

کہ آپ کی جماعت کا قیمتی لٹریچر۔ آپ کی جماعت کی تربیت، اور آپکی جماعت کا نمونۂ اسلام ہی صرف ایسا نمونہ ہے جو مغرب کے سائنسدانوں کے دماغوں میں دین کی رغبت پیدا کر سکتا ہے۔

انشاء اللہ وہ وقت قریب ہے کہ حضور نبی کریمؐ کی پیشگوئی کہ آخری زمانہ میں سورج مغرب سے طلوع ہوگا۔ پوری ہوگی۔ اس پیشگوئی میں سورج سے مراد دین اسلام ہے۔ اس کے آثار باوجود مغرب میں گناہ کی زندگی کے ایک حد تک پہنچ جانے کے نظر آتے ہیں۔ اور وہ آثار ان سوالات سے ظاہر ہوتے ہیں جو اسلام کے متعلق لوگ پوچھتے ہیں۔ اور بعض اوقات ایسے انسان بھی ملتے ہیں جو خود قرآن یا مذہبی ادب (LITERATURE) مانگتے ہیں۔

پچھلے رمضان میں اللہ تعالےٰ نے مجھے توفیق دی کہ میں سارے روزے رکھوں اور میرے ساتھ ہماری ہسپتال کے کیتھولک پادری صاحب نے بھی پورے روزے رکھے۔ گو وہ مسلمان تو نہیں تھا لیکن اس کے دل میں اسلام کے ایک امر کو آزما کر دیکھنے کا شوق

(باقی برصفحہ کالم ۱)

جناب ممتاز احمد فاروقی صاحب۔ اسلام آباد

# امامِ مظلوم

(بسلسلہ اشاعت گذشتہ)

مگر بدقسمتی سے ہم لوگ حضرت مسیح موعودؑ کی باتوں کو دل کے کانوں سے نہیں سنتے اور نہ ان پر پورے طور پر عمل کرتے ہیں۔ فی زمانہ ہمارے لئے سیاسی۔ معاشی۔ مذہبی اور معاشرتی مشکلات پیدا ہو گئی ہیں۔ اندرون ملک تو ہمارے تبلیغی کاموں پر ایک طرح پابندی لگ گئی ہے۔ اب بیرونی ممالک میں تبلیغی کاموں پر بھی رکاوٹیں پیدا ہو رہی ہیں کیونکہ بیرونی مشنوں کو چلانے کے لئے زرِ مبادلہ ملنا از حد دشوار ہو گیا ہے۔ ایسے وقت میں ہمیں اپنے گھر کی فکر کرنی چاہیئے۔ اور باہمی مشورے۔ باہمی مدد اور اتفاق اور قربانی اور ایثار کے جذبے سے اپنے پروگرام کے لئے راستے ڈھونڈنے اور ان پر گامزن ہونے کا پروگرام بنانا چاہیئے۔ ایسے نازک وقت میں ہمیں ہوشیار رہنا چاہیئے کہ ہم لوگ زمانے کی سیاسی فضا سے متاثر ہو کر جماعتی معاملات میں پولیٹیکل چالیں نہ چلیں اور اپنے آپ کو افلاطون زمانہ سمجھتے ہوئے بزرگان سلسلہ کی نصیحت اور راہ نمائی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے۔ اُلٹا ان سے بدظنی کریں اور حسد کھائیں۔ کیونکہ یہ ہماری ناکامی اور تباہی کا پیش خیمہ ہو گا۔ ہمیں صحابہ کرامؓ کی زندگیوں سے سبق اور ہدایت لینی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ حشر میں فرماتے ہیں:

والذین جاءو من بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین اٰمنوا ربنا انک رؤف رحیم

(اور وہ جو ان کے بعد آئے کہتے ہیں ہمارے رب ہماری مغفرت کر اور ہمارے بھائیوں کی جو ایمان میں ہم سے سبقت لے گئے۔ اور ہمارے دلوں میں ان کے لئے جو ایمان لائے حسد نہ پیدا ہونے دے۔ اے ہمارے رب تو مہربان رحم کرنے والا ہے۔)

اب ذرا گوشِ ہوش سے حضرت مسیح موعودؑ کا فرمان سنو:۔

"اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور قدرت سے اس جماعت کو بنایا ہے۔ اس جماعت کا ہر ایک شخص اپنے بھائی سے باکمال ہمدردی پیش آئے اور حقیقی بھائیوں سے بڑھ کر ان کی قدر کرے۔ اُن سے جلد صلح کر لیوے اور دلی عناد کو دُور کر دے۔ اور صاف باطن ہو جاوے اور ہرگز ایک ذرہ کینہ اور بغض ان سے نہ رکھے۔"

پھر فرماتے ہیں:۔

"دوسروں کا شکوہ کرنا۔ دل آزاری کرنا۔ سخت زبانی سے دوسرے کے دل کو صدمہ پہنچانا۔ کمزوروں، عاجزوں کو حقیر سمجھنا سخت گناہ ہے۔ تم میں ایک نئی برادری اور نئی اخوت قائم ہوئی ہے۔ تم سب کا روحانی باپ ایک ہی ہے۔ لیکن اگر کوئی عمداً ان شرائط (بیعت) کی خلاف ورزی کرے اور اپنی بےباکانہ حرکات سے باز نہ آئے تو وہ اس سلسلہ سے خارج تصور کیا جائے گا۔ یہ سلسلۂ بیعت محض براد فراہمی طائفہ متقین یعنے تقویٰ شعار لوگوں کی جماعت کے جمع کرنے کے لئے ہے تا ایسے متقیوں کا ایک بھاری گروہ دنیا میں اپنا نیک اثر ڈالے گا۔

۱۹ جنوری ۱۹۰۳ء۔ حضرت اقدسؑ نے عشاء سے پہلے یہ رویاء سنائی کہ:۔

"میں ملکِ مصر کے دریائے نیل پر کھڑا ہوں اور میرے ساتھ بہت سے بنی اسرائیل ہیں۔ اور میں اپنے آپ کو موسےٰ سمجھتا ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم بھاگے چلے آتے ہیں۔ نظر اُٹھا کر پیچھے دیکھا تو معلوم ہوا کہ فرعون ایک لشکر کثیر کے ساتھ ہمارے تعاقب میں ہے اور اس کے ساتھ بہت سامان مثل گھوڑے وگاڑیوں و رتھوں کے ہے اور وہ ہمارے بہت قریب آ گیا ہے۔ میرے ساتھ بنی اسرائیل بہت گھبرائے ہوئے ہیں اور اکثر ان میں سے بے دل ہو گئے ہیں۔ اور بلند آواز سے چلاتے ہیں کہ اے موسےٰ ہم پکڑے گئے۔ تو میں نے بلند آواز سے کہا "کلا ان معی ربی سیھدین" (نہیں نہیں ایسا نہیں ہو سکتا میرا رب میرے ساتھ ہے وہ ضرور میرے لئے راستہ نکالے گا۔")

پھر حضور کی آنکھ کھُل گئی اور یہی آیت وردِ زبان تھی۔

(نوٹ۔ حضرت مسیح موعودؑ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل پر فرعون نے مظالم ڈھائے تھے اور ان کو بےبس کر دیا تھا۔ اسی طرح میری جماعت پر بھی ایسا وقت آئے گا اور ان کو بےبس کر دیا جائے گا۔ اسی لئے اس رویاء میں حضور کی جماعت کو بنی اسرائیل دکھلایا گیا) (تذکرہ ص ۶۹۶)

اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ کو اور بھی کشوف اور رؤیا میں دکھلایا اور بتلایا گیا کہ باوجود مخالفت کے اللہ تعالیٰ اس جماعت کو تباہی سے بچائے گا اور اپنے مخالفین پر روحانی غلبہ عطا کریگا۔

## حضرت مسیح موعودؑ کی دُعا اور ارشاد

فی زمانہ ہماری جماعت پر ایک بڑا بھاری ابتلاء آیا ہوا ہے۔ ہمارے احتجاج کے باوجود ہمیں غیر مسلم اقلیت بنا دیا گیا ہے اور اس طرح ہماری معاشی اور معاشرتی زندگی میں بہت سی رکاوٹیں کھڑی ہو گئی ہیں۔ حج بیت اللہ کو بھی ہمارے لئے بند کر دیا گیا ہے۔ کئی ایک کمزور ایمان والے راہِ حق سے بھٹک کر ہماری جماعت کو چھوڑ گئے ہیں۔ اور اوفو بالعھد۔ ان العھد کان مسئولا کو نظر انداز کر کے سمجھتے ہیں کہ ان کی دنیا سنور جائے گی۔ مگر اپنی آخرت خراب کر لی۔ اگر آج موسم خزاں ہے تو انشاء اللہ موسم بہار بھی ضرور آئے گا۔ اس لئے بقول شاعر ؎

مذہب کے ساتھ رابطہ استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ

حضرت مسیح موعودؑ کو بھی آنے والے ابتلاؤں کا علم دیا گیا تھا۔ اور آپ اپنی جماعت کے لئے درد دل سے دعائیں بھی کرتے رہے ہیں۔ اور یہ بھی حضور کو بشارت دی گئی تھی کہ بالآخر ایک وقت آئے گا جب سیصلح اللہ جماعتی انشاء اللہ۔ (یعنے اللہ تعالیٰ میری جماعت کی اصلاح کر دے گا) مگر جب تک وہ وقت نہیں آتا ہمیں بحکم خداوندی یاایھا الذین اٰمنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ (اے مومنو صبر اور دعاؤں سے مدد حاصل کرو) پر ہمیں عمل کرنا چاہیئے۔ یاد رکھیں حضرت مسیح موعودؑ کو ایک شعر الہام ہوا تھا ؎

قادر ہے وہ بارگاہ ٹوٹا کام بناوے + بنا بنایا توڑ دے کوئی اس کا بھید نہ پاوے

حضرت مسیح موعودؑ نے خود بھی ان ابتلاؤں اور فتنوں کو دُور کرنے اور اپنی جماعت کے لئے الٰہی مدد اور نصرت کی دُعا کی ہے اپنی کتاب آسمانی فیصلہ میں فرماتے ہیں ؎

اے خدا اے مالکِ ارض و سما
اے پناہ حزبِ خود در ہر بلا
اے رحیم و دستگیر و رہنما
اے کہ در دستِ تو فضل ست و قضا
سخت شورے اوفتاد اندر زمیں
رحم کن بر خلق اے جاں آفریں
امر فیصل از جنابِ خود نما
تا شود قطعِ نزاع و فتنہ ہا

**خاتمہ** انسان طبعاً بے صبرا اور جلد باز پیدا ہوا ہے۔ وہ چاہتا اور امید کرتا ہے کہ جو کام اس کے مطلب کا ہے وہ جلد ہو جائے اور انتظار نہ کرنا پڑے۔ مگر خدائی کام اللہ کی منشاء اور ارادے کے ماتحت اپنے وقت پر ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے بھائیو:-

؎ وحیِ حق کی بات ہے ہو کر رہے گی بے خطا
کچھ دنوں کر صبر ہو کر متقی اور بُرد بار

نوٹ: چونکہ فی زمانہ ہماری تبلیغی کوششوں کو بیرونی ممالک میں پھیلانا ضروری ہے۔ اور ساتھ ہی حضرت مسیح موعودؑ کی شخصیت۔ ان کی سیرت اور اخلاق۔ ان کے مشن کا خصوصیات۔ ان کی پیشگوئیاں اور ان کا پورا ہونا۔ ان کی دعاؤں اور قبولیت کے اعجاز کو اصل رنگ اور خوبصورتی میں دکھانا ضروری ہے اور ہمارا فرض ہے۔ اس لئے میں نے حضرت کی سیرت وغیرہ کو کہانیوں کے رنگ میں مختصراً جمع کر کے انگریزی میں ایک کتابچہ لکھا ہے۔ جس کا ٹائیٹل ہے

(Anecdotes from the Life of the Promised Messiah)

ہے۔ یہ کتابچہ لکھ کر میں نے اپنی انجمن کے حوالہ کر دیا ہے اور وہ طبع ہو چکا ہے اور دارالکتب اسلامیہ احمدیہ بلڈنگس لاہور سے دو روپے میں مل سکتا ہے۔

## بقیہ تقریر سعید پاشا صاحب — از صفحہ ۸

دیکھئے اور پھر اس کے اخلاق کی قوت دیکھئے کہ باوجود اس کے کہ وہ ایک ہزار لوگوں کے قریب کا دینی سربراہ ہے۔ اس میں یہ ہمت ہے کہ وہ سب کو کہتا پھرے کہ:

I am observing muslim fast with Dr. Saeed.

یعنی میں ڈاکٹر سعید کے ساتھ مسلمانوں کے روزے رکھ رہا ہوں۔ اسی طرح وہاں کے ایک جونیئر سرجن (Junior Surgeon) نے درخواست کی کہ رمضان کے بارے میں کچھ لٹریچر literature دو۔ ان چھوٹی چھوٹی اور بظاہر ناقابلِ ذکر باتوں میں حضرت مرزا صاحب کے ان سفید پرندوں کی جھلکیاں نظر آتی ہیں جن کو انہوں نے کشفی حالت میں مغرب میں پکڑا۔

"بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منارِ بلند تر محکم افتاد"

---

# جلسہ سالانہ شبان الاحمدیہ مرکزیہ کی مختصر رپورٹ

(بسلسلہ اشاعت گذشتہ)

مکالمے کے اختتام کے بعد محترم میاں شوکت حمید صاحب تشریف لائے۔ آپ نے شبان الاحمدیہ کے لئے نہایت ٹھوس اور افادی تجاویز پیش کیں۔ آپ نے نہایت شستہ اور سلجھے ہوئے انداز میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ شبان الاحمدیہ کو چاہیئے کہ وہ تمام احمدی نوجوانوں کے مکمل کوائف درج ہو تاکہ ان سے رابطہ قائم کرنے میں آسانی ہو۔ آپ نے جماعتی تنظیم پر زور دیا اور کہا کہ اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ نوجوانوں کو منظم کیا جائے انہوں نے اس امر پر افسوس ظاہر کیا کہ شبان الاحمدیہ کے اجلاس میں شبان کم اور بزرگ زیادہ ہیں۔ یہ صورتِ حال حوصلہ افزا نہیں۔ احمدی نوجوانوں کو آگے آنا چاہیئے اور جماعتی کاموں میں سرگرمی سے عمل پیرا ہو جانا چاہیئے۔

میاں شوکت حمید صاحب کے بعد ننھے ابرار احمد نے آیت الکرسی معہ ترجمہ سنائی۔ یہ بچہ دارالسلام میں بچوں کے تربیتی کورس میں زیرِ تعلیم ہے۔ اس نے با ترجمہ آیت الکرسی زبانی سنا کر احباب پر واضح کیا کہ احمدی بچوں کی دارالسلام میں تربیت کے نتائج کتنے حوصلہ افزا ہیں۔

اس کے بعد محترم جناب مرزا مسعود بیگ صاحب اسٹیج پر تشریف لائے اور شبان الاحمدیہ کو اس شاندار پروگرام پیش کرنے پر مبارکباد دی اور ان کی بے حد حوصلہ افزائی فرمائی۔ آپ نے فرمایا مرکزی احمدیہ انجمن شبان الاحمدیہ کے ساتھ ہر طرح سے تعاون کرنے کے لئے تیار ہے۔ ماضی میں بھی انجمن نے شبان الاحمدیہ کے ساتھ ہر ممکن تعاون کیا ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ نوجوانوں میں اب جذبۂ دینی ایک نئے رنگ میں نمودار ہوا ہے۔ میں توقع کرتا ہوں کہ ہماری دوسری مقامی جماعتیں بھی شبان الاحمدیہ سے حتی المقدور تعاون کریں گی۔ آپ نے نوجوانوں کو ہدایت فرمائی کہ وہ دینی جذبہ سے سرشار ہو کر اپنے اس نیک کام میں ہمہ تن محو ہو جائیں، انجمن ان کی ہر طرح سے حوصلہ افزائی کرے گی اور ان کے ساتھ ہر قسم کا تعاون کیا جائے گا۔

آخر میں صدر مجلس جناب پروفیسر خلیل الرحمان صاحب نے اپنے صدارتی کلمات میں فرمایا کہ اس سال ہمارے تمام اجلاسوں میں شبان الاحمدیہ کا یہ سیشن سب سے زیادہ کامیاب رہا ہے اور اس میں بھی بچیوں کی طرف سے پیش کیا جانے والا مکالمہ تو بے حد کامیاب رہا ہے۔ آپ نے محترم طارق محمود صاحب کی طرف سے بچیوں کے لئے دس روپے کا اعلان کیا ان بچیوں کے لئے دعا کی۔ اس کے بعد محترم خان بہادر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اختتامی دعا کے لئے تشریف لائے اور شبان الاحمدیہ کے اس کامیاب اجلاس پر بڑی خوشی کا اظہار کیا اور خدا تعالےٰ سے دعا کی کہ اللہ تعالےٰ نوجوانوں کی صلاحیتوں کو اجاگر کرے اور انہیں دین و دنیا کی نعمتوں سے مالا مال کرے۔ انہوں نے بڑی دلسوزی سے یہ بھی دُعا کی کہ اللہ تعالیٰ اس جماعت کو ایسے مصائب اور امتحانوں سے محفوظ و مامون رکھے جن سے اس کا وجود بھی معرضِ خطر میں پڑ جائے۔ انہوں نے بارگاہ ایزدی میں جماعت کی ترقی افراد جماعت کی بہتری اور بہبود کے لئے نہایت دلسوزی اور رقت سے دُعا کرتے ہوئے اس مبارک تقریب کا اختتام فرمایا۔

... نے دہرایا۔ تو انعامات کی رقم ۲ صد روپیہ تک پہنچ گئی۔

جناب شکر اللہ خان منصور ایڈووکیٹ

# تحریک احمدیت اور غلام احمد پرویز

## جھوٹے الزاموں کی مثالیں

جناب پرویز صاحب نے جس طرح اپنی کتاب میں حضرت مرزا صاحب اور احمدیت کے خلاف جھوٹ بولے ہیں۔ بے انصافی برتی ہے اور بد دیانتی سے کام لیا ہے اسی طرح جھوٹے الزام بھی عائد کئے ہیں۔ تمام الزاموں کے ذکر کی مضمون ہذا میں گنجائش نہیں مگر چند ایک کا تذکرہ ضروری ہے۔

**پہلا الزام** } صاحب شریعت۔ صاحب کتاب۔ مستقل نبی ہونیکا دعویٰ۔

پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ مرزا صاحب نے صاحب شریعت۔ صاحب کتاب اور مستقل نبی ہونے کا دعوےٰ کیا۔ صاحب کتاب یا مستقل نبوت کے دعوےٰ کے ثبوت میں کوئی حوالہ تحریر نہیں کیا جس سے اس الزام کی بطالت ظاہر ہے۔ البتہ صاحب شریعت ہونے کے ثبوت میں حضرت اقدسؑ کی کتاب اربعین ۴ سے ایک اقتباس نقل کیا ہے لیکن اس اقتباس کے سیاق و سباق کو دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ اگر یہ زحمت کی ہے تو عمداً بد دیانتی سے کام لیا ہے اقتباس مذکور حسب ذیل ہے:۔

"ماسوا اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر و نہی بیان کئے اور اپنی اُمت کے لئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب شریعت ہوگیا۔" (پرویز صاحب کی کتاب ص)

اس کے بعد حضرت اقدسؑ کے چند الفاظ چھوڑ کر ایک فقرہ نقل کر دیا ہے۔ ہم چھوڑے ہوئے الفاظ کے ساتھ پرویز صاحب کا نقل کردہ فقرہ لکھتے ہیں:۔

"پس اس تعریف کے رُو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی" (حوالہ مذکور)

اصل بات یہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب اس تحریر میں اپنے دعویٰ کی صداقت کو پرکھنے کے لئے مامورین الٰہی کی صداقت کے ایک قرآنی معیار کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعویٰ نبوت و رسالت کے بعد تیئس ۲۳ برس زندہ رہے۔ یہودیوں عیسائیوں اور مشرکین معترضین کو مخاطب کرکے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم اور آپ کی وحی کے متعلق فرمایا:—

(ا) انہ لقول رسول کریم۔ یعنے یہ وحی (قرآن کریم) آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بنائی ہوئی نہیں بلکہ کلام رسول ہے یعنے وہ پیغام ہے جو اللہ نے اپنے رسول کے ذریعہ انسانوں کی طرف بھیجا ہے۔

(ب) وما ھو بقول شاعر۔ یعنے یہ شاعری بھی نہیں

(ج) ولا بقول کاھن۔ اور یہ کاہن کی کہانت بھی نہیں جیساکہ معترضین کا اعتراض ہے:

(د) بلکہ فرمایا:—

تنزیل من رب العالمین۔ یعنے یہ کلام اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل کردہ ہے۔

اور فرمایا بطور دلیل صداقت کہ:—

لو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین۔

(سورۃ الحاقۃ)

یعنے اگر آنحضرتؐ کوئی باتیں ہماری طرف (اللہ کی طرف) جھوٹ منسوب کر دیتے یعنے (افتراء علی اللہ کرتے تو ہم (اللہ تعالےٰ) انہیں دائیں ہاتھ سے پکڑتے اور رگِ جان کاٹ دیتے۔ پس یہ آیت قرآنی اس امر پر شاہد ہے کہ تیئس برس کا عرصہ سچے اور جھوٹے مدعیان ماموریت من اللہ کی پرکھ کا قرآنی معیار صدق و کذب ہے۔ مفتری علی اللہ ۲۳ برس کے اندر ہلاک ہو جاتا ہے یا ہلاکت خیز عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ آئمہ سلف اور مفسرین نے بھی اس آیت سے یہ معیار مانا ہے۔ اہل سنت کے عقیدوں کی ایک معتبر مشہور کتاب "شرح عقائد نسفی" میں بھی اس دلیل کو بطور عقیدہ کے لکھا ہے۔ اس معیار صداقت پر کسی شخص نے بعض غلط اور غیر معقول عذرات پیش کئے۔ جن میں سے ایک یہ تھا کہ صرف صاحب الشریعت افتراء کرکے ہلاک ہوتا ہے۔ اس اعتراض کے ابطال میں حضرت مرزا صاحب نے دو جواب لکھے ہیں۔ ایک "تحقیقی" اور دوسرا "الزامی"۔ تحقیقی جواب یہ دیا ہے کہ:

"اوّل تو یہ دعوےٰ بلا دلیل ہے۔ خدا نے افتراء کے ساتھ شریعت کی کوئی قید نہیں لگائی" (حوالہ مذکور)

اور الزامی جواب وہ لکھا ہے جو پرویز صاحب نے نقل کیا ہے۔ اور ہم نے اُوپر درج کیا ہے۔ اس میں معترض کی تعریف کو فرض کرکے جواب دیا ہے۔ اقتباس مذکور میں "اُمت" کے لفظ سے حضرت اقدسؑ کا منشاء و مراد اپنی جماعت نہیں بلکہ صاحب الشریعت نبیوں کی امت ہے۔ چونکہ معترض کا اعتراض غلط ہے کیونکہ ارشاد خداوندی میں "بعض الاقاویل" کے الفاظ میں شریعت کے نہیں۔ اس لئے آپ نے معترض کا مفہوم امر و نہی فرض کرکے اس کے عذر لنگ کو رفع کیا ہے۔ کہ اگر اس کا مطلب وحی میں امر و نہی کا ہوتا ہے تو وہ آپ کی وحی میں بھی ہے۔ لہذا یہ معیار آپ پر بھی صادق آئے گا۔ لیکن اپنے اس عقیدہ کے متعلق آگے تحریر فرمایا ہے:۔

"ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور قرآن ربانی کتابوں کا خاتم ہے۔ تاہم خدا تعالےٰ نے اپنے نفس پر یہ حرام نہیں کیا کہ تجدید کے طور پر کسی اور مامور کے ذریعہ سے یہ احکام صادر کرے کہ جھوٹ نہ بولو۔ جھوٹی گواہی نہ دو۔ زنا نہ کرو۔ خون نہ کرو اور ظاہر ہے کہ ایسا بیان کرنا بیانِ شریعت ہے۔ جو مسیح موعودؑ کا بھی کام ہے۔ پھر وہ دلیل تمہاری کیسی گاؤ خورد ہو گئی کہ اگر کوئی شریعت لائے اور مفتری ہو تو وہ تیئس برس تک زندہ نہیں رہ سکتا۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ تمام باتیں بے ہودہ اور قابلِ شرم ہیں۔" (حوالہ مذکور)

یعنے آپ کی وحی میں امر و نہی کے ہونے سے شریعت کا لانا مراد نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا بیان کرنا ہے جیسا کہ علمائے اسلام اپنی طرف سے بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ اسی شریعت محمدیہ کا بیان بعض دوسرے ماموروں کے ذریعہ بطور تجدید الہاماً بھی کراتا ہے۔ ورنہ اس کے متعلق آپ کا عقیدہ الفاظ ذیل میں ملاحظہ ہو:۔

"ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ حقیقی اور واقعی طور پر تو یہ امر

ہے کہ سید و مولیٰ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آنجناب کے بعد مستقل طور پر کوئی نبوت نہیں اور نہ کوئی شریعت ہے اگر کوئی ایسا دعوےٰ کرے تو بلاشبہ وہ بے دین اور مردود ہے۔" (چشمۂ معرفت ص۳۲۴ حاشیہ)

یہ کتاب حضرت اقدس کی زندگی کے آخری سال ۱۹۰۸ء کی ہے اور یہ حوالہ پرویز صاحب کے الزام کے ردّ میں قول فیصل کا حکم رکھتا ہے۔ اس کے بعد بھی جو شخص آپ کے خلاف صاحب شریعت ہونے کے دعوےٰ کا الزام عائد کرتا ہے وہ انصاف اور حق پرستی کا دشمن ہے۔ وہ غلام احمد پرویز ہو یا کوئی اور

## دوسرا الزام۔ پیچ میں پھنسانا۔

حضرت مرزا صاحب نے صداقت اسلام کے اثبات میں سب سے پہلی کتاب لکھ کر شائع کی۔ اس کا نام "براہین احمدیہ" ہے۔ اس کتاب کی اہمیت اور عظمت کا اعتراف اس زمانہ کے مشہور مسلم رسالوں اور اخباروں میں مسلّمہ علمائے وقت اور دانشورانِ زمانہ کی طرف سے کیا گیا۔ مثال کے طور پر دو آراء درج ذیل ہیں:۔

### (۱) رسالہ اشاعۃ السنۃ:۔

"یہ کتاب اس زمانہ میں موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں شائع نہیں ہوئی۔ آئندہ کی خبر نہیں......... ہمارے ان الفاظ کو اگر کوئی ایشیائی مبالغہ سمجھے تو ہم کو کم سے کم ایک ایسی کتاب بتا دے جس میں جملہ فرقہ ہائے مخالفین اسلام خصوصاً آریہ و برہمو سماج سے زور شور سے مقابلہ پایا جاتا ہو۔"

(جلد ۷۔ از مولوی ابوسعید محمد حسین بٹالوی)

### (۲) اخبار وکیل۔ امرتسر:۔

"ان کی کتاب براہینِ احمدیہ نے غیر مسلموں کو مرعوب کر دیا اور اسلامیوں کے دل بڑھا دیئے۔"

(مولانا عبداللہ العمادی۔ ایڈیٹر ۳۰ر مئی ۱۹۰۸ء)

آپ نے خدمتِ اسلام کا جو کارنامہ سر انجام دیا اور سر انجام دے رہے تھے اس کے پیشِ نظر مسلمان عام طور پر آپ کو مجدد الوقت ماننے پر آمادہ تھے بلکہ تسلیم کر چکے تھے۔ نیز آپ کے بہت سے الہامات جو اس کتاب میں درج تھے ان کا صحیح اور سچا ہونا قبول کر چکے تھے۔ ان الہامات میں وہ الہام بھی تھے جن میں آپ کو عیسےٰ کا نام دیا گیا۔ اور جن کی بناء پر حضرت مرزا صاحب مجددیت کے دعوےٰ کے ساتھ مثیل مسیح ہونے کا دعوےٰ بھی کرتے تھے جیسا کہ فرمایا:۔

"مصنّف کو اس بات کا بھی علم دیا گیا ہے کہ وہ مجدّد وقت ہے اور روحانی طور پر اس کے کمالات مسیح بن مریم کے کمالات سے مشابہ ہیں اور ایک کو دوسرے سے بشدت مناسبت و مشابہت ہے۔" (اشتہار ۱۸۸۵ء)

اس وقت تک خدا نے آپ کو یہ علم نہیں دیا تھا کہ موعود مسیح آپ ہی ہیں۔ مگر بعد میں جب آپ کو منجانب اللہ الہاماً مطلع کیا گیا کہ آنے والا (موعود) مسیح آپ کو ہی بنایا گیا ہے اور کہ عیسےٰ بن مریم فوت ہو چکے ہیں تو آپ نے حضرت عیسےٰ کی وفات اور اپنے مسیح موعودؑ ہونے کا اعلان فرمایا۔ مسیح موعودؑ کوئی الگ چیز نہیں بلکہ اس سے مراد مثیل مسیح ہی ہے مگر وہ جو موعود ہے۔ اس اعلان پر علمائے وقت آپ کے سخت مخالف ہو گئے کیونکہ وہ عیسےٰ بن مریم کے زندہ آسمان پر اُٹھائے جانے اور دوبارہ دنیا میں نازل ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے۔ یہ علماء قبل ازیں آپ کی کتاب "براہین احمدیہ کی اہمیت و عظمت کے معترف تھے اور اس میں مندرجہ آپ کے الہامات کی صحت کو قبول کر چکے تھے اور اپنی تحریروں میں ان کے صدق و حقانیت پر تبصرے بھی لکھ چکے تھے لیکن اعلان مذکورہ کے بعد مخالف ہو کر خود اپنے ہی قول و قرار سے ایک پیچ میں پھنس گئے یعنی جن الہامات کو وہ پہلے قبول کر چکے تھے ان کو اب جھٹلائیں تو کس منہ سے اور کیونکر جھٹلائیں؟

یہ خدا کی قدرت تھی۔ اس قدرت خداوندی سے خدا تعالےٰ اپنے ماموُرین کے مخالفین کو انہیں کے قول و اقرار سے پیچ میں پھنسا کر شرمندہ و نادم کرتا اور لاجواب کیا کرتا ہے۔ اسی حقیقت الامر کا اظہار حضرت مرزا صاحب نے الفاظِ ذیل میں فرمایا ہے:۔

"یہ الہامات اگر میری طرف سے اس موقعہ پر ظاہر ہوتے جبکہ علماء مخالف ہو گئے تھے تو وہ ہزارہا اعتراض کرتے۔ لیکن وہ ایسے موقعہ پر شائع کئے گئے جبکہ یہ علماء میرے موافق تھے یہی سبب ہے کہ باوجود اس قدر جوشوں کے ان الہامات پر انہوں نے اعتراض نہیں کیا۔ کیونکہ وہ ایک دفعہ ان کو قبول کر چکے تھے اور سوچنے سے ظاہر ہوگا کہ میرے دعوئ مسیح موعود ہونے کی بنیاد انہی الہامات سے پڑی ہے اور انہی میں خدا نے میرا نام عیسےٰ رکھا اور جو مسیح موعود کے حق میں آیتیں تھیں وہ میرے حق میں بیان کر دیں۔ اگر علماء کو خبر ہوتی کہ ان الہامات سے تو اس شخص کا مسیح ہونا ثابت ہوتا ہے تو وہ کبھی ان کو قبول نہ کرتے۔ یہ خدا کی قدرت ہے کہ انہوں نے قبول کر لیا اور اس پیچ میں پھنس گئے۔" (اربعین نمبر ۲ ص۳۱)

اس کی مثال مشرکین عرب کی مثال ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبل از دعوےٰ ان میں صادق و امین مسلّم تھے۔ پھر جب آپ نے اپنا دعوےٰ بیان کیا اور ان مشرکین کو حق کی طرف آنے کی دعوت دی تو وہ آپ کو جھٹلانے لگے خدا نے انہیں اسی قدرتِ خداوندی کے پیچ میں پھنسا کر شرمندہ و نادم اور لاجواب کیا کہ جب تمہیں مسلّم رہے اور مانتے رہے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ سے صادق امین ہیں کبھی جھوٹ کے نزدیک نہیں گئے تو اب انہیں اس بات میں ارتکاب کذب سے کیسے ملوث کر سکتے ہو۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:۔

قد لبثت فیکم عمراً من قبلہٖ افلا تعقلون۔

چنانچہ اپنے ہی قول و قرار سے وہ منکر اس پیچ میں پھنس کر لاجواب ہو گئے۔ ماموُرین الٰہی کسی کو پیچ میں نہیں پھنساتے بلکہ منکرین خود ہی قدرت خداوندی سے اپنے قول و قرار سے پیچ میں پھنس کر مارے جاتے ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

مکرو ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین

جس پر آریوں اور عیسائیوں نے اپنی ناسمجھی۔ حسد۔ بغض اور عناد سے بڑے بڑے اعتراض کئے جیسا کہ غلام احمد پرویز حضرت مرزا صاحب پر ان کے الفاظ "پیچ میں پھنس گئے" کو بغض و عناد کی وجہ سے غلط مفہوم میں لے کر طعنے اور طنز کرتا چلا جاتا ہے مگر عقل و خرد سے

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور — مورخہ ۲۱ر جنوری ۱۹۷۶ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ — شمارہ نمبر ۳

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۳ | یوم چہار شنبہ ۲۵ محرم الحرام ۱۳۹۶ھ مطابق ۲۸ جنوری ۱۹۷۶ء | نمبر ۴

## ملفوظات حضرت مجدد صد چہارم علیہ السلام

# معجزہ کی حقیقت سمجھنے کے لئے قرآن شریف کا کلام نہایت روشن مثال ہے۔

معجزہ کی اصل حقیقت یہ ہے کہ معجزہ ایسے امرِ خارق عادت کو کہتے ہیں کہ فریقِ مخالف اسکی نظیر پیش کرنے سے عاجز آ جائے۔ خواہ وہ امر بظاہر نظر انسانی طاقتوں کے اندر ہی معلوم ہو۔

جیسا کہ قرآن شریف کا معجزہ جو ملک عرب کے تمام باشندوں کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ پس وہ اگرچہ نظر سرسری انسانی طاقتوں کے اندر معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اس کی نظیر پیش کرنے سے عرب کے تمام باشندے عاجز آ گئے پس معجزہ کی حقیقت سمجھنے کے لئے قرآن شریف کا کلام نہایت روشن مثال ہے کہ بظاہر وہ بھی ایک کلام ہے جیسا کہ انسان کا کلام ہوتا ہے لیکن وہ اپنی فصیح تقریر کے لحاظ سے اور نہایت لذیذ اور مصفّٰی اور رنگین عبارت کے لحاظ سے جو ہر ایک حق اور حکمت کی پابندی کا التزام رکھتی ہے اور نیز روشن دلائل کے لحاظ سے جو تمام دنیا کے مخالفانہ دلائل پر غالب آ گئیں اور نیز زبردست پیشگوئیوں کے لحاظ سے ایک ایسا لاجواب معجزہ ہے جو باوجود گذرنے تیرہ سو سال کے اب تک کوئی مخالف اس کا مقابلہ نہیں کر سکا اور نہ کسی کو طاقت ہے۔ قرآن شریف کو تمام دنیا کی کتابوں سے یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ معجزانہ پیشگوئیوں کو بھی معجزانہ عبارات میں جو اعلیٰ درجہ کی بلاغت اور فصاحت سے پُر اور حق و حکمت سے بھری ہوئی ہیں۔ بیان فرماتا ہے۔ غرض اصل اور بھاری مقصد معجزہ سے حق اور باطل یا صادق اور کاذب میں ایک امتیاز دکھلانا ہے اور ایسے امتیازی امر کا نام معجزہ یا دوسرے لفظوں میں نشان ہے نشان ایک ایسا ضروری امر ہے کہ اس کے بغیر خدا تعالےٰ کے وجود پر بھی پورا یقین کرنا ممکن نہیں اور نہ وہ ثمرہ حاصل ہونا ممکن ہے جو پورے یقین سے حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ مذہب کی اصل سچائی خدا تعالےٰ کی ہستی کی شناخت سے وابستہ ہے۔ سچے مذہب کے ضروری اور اہم لوازم میں سے یہ امر ہے کہ اس میں ایسے نشان پائے جائیں جو خدائے تعالےٰ کی ہستی پر قطعی اور یقینی دلالت پیش کریں۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم صـ۴۶-۴۷)

# جلسہ سالانہ ۱۹۷۵ء کی مختصر روئداد
## مؤرخہ ۲۸ دسمبر - آخری نشست

آج کا اجلاس محترم جناب میاں غلام حیدر صاحب تیمم کی زیر صدارت وقت مقررہ پر شروع ہوا۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض حسب سابق جناب پروفیسر خلیل الرحمان صاحب نے ادا فرمائے۔ تلاوت قرآن مجید اور نعت رسول کریم صلعم (از درثمین) کے بعد جناب چوہدری مسعود اختر صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کے ملفوظات پڑھ کر سنائے بعد ازاں جناب محترم بشارت احمد بقا صاحب نے هوالذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله ولو کره المشرکون کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

معزز سامعین و صاحب صدر

میری تقریر کا موضوع وہ عظیم شخصیت ہے۔ جس کے نام سے آج ساری مسلم قوم بیزار ہے یعنے حضرت مسیح موعود، مجدد زمان علیہ الصلوٰۃ والسلام، جنہیں خدا نے بدر کامل بنا کر اس زمانہ کے لئے بھیجا۔ مگر مسلمانوں نے اس کے نور سے مستنیر ہونے کے بجائے اپنے گھروں کے دروازے بند کر لئے اور تاریکی پسند ہمیشہ ایسا ہی کیا کرتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اگر یہ تحریک احمدیت ایک آسمانی تحریک ہے اور ہر صدی کے سر پر مجددین کی بعثت کسی آسمانی منصوبے کا ایک حصّہ ہے۔ تو دنیا پر واضح رہنا چاہیئے کہ اسلام و احمدیت کا یہ سورج ان کی ساری مخالفت کے باوجود اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ ساری دنیا پر چمکے گا۔ آپ نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا۔ کہ مذہب اسلام کی حفاظت و اشاعت کا اللہ تعالےٰ نے وعدہ کر رکھا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر صدی کے سر پر ایک مجدد مبعوث فرما کر اللہ تعالےٰ نے اس وعدہ کی تکمیل فرمائی ہے جو دین اسلام کی آبیاری کرتے اور اپنے زمانہ کے نئے نئے مسائل کو قرآن کریم کے ذریعہ حل فرماتے رہے ہیں حدیث مجدد ان الله یبعث لهٰذه الامة علٰی رأس کل مائة سنة من یجدد لها دینها۔ متفق علیہ حدیث ہے۔ اور اس کی بنیاد پر متعدد صلحاء نے خود ہمارے ملک میں حضرت میرزا صاحب سے پہلے اپنے اپنے زمانہ کا مجدد اور امام ہونے کا دعوےٰ کیا اور خود مسلمانوں نے اسے قبول کیا۔ بدقسمتی سے آج دنیا پرست اور جاہ طلب علماء نے اس زمانہ کے مامور حضرت مرزا صاحبؒ کے مقابلہ میں دلائل سے عاجز آ کر یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ مجدد خدا نہیں بناتا بلکہ مجدد کے مرنے کے بعد لوگ فیصلہ کرتے ہیں۔ کہ مرحوم "مجدد" تھا۔ بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

تجدید و احیائے دین کے کاموں میں سابقہ مجددین پر ان کے ہمعصر علماء نے تنقید بھی کی اور کفر کے فتوے بھی لگائے اور آج بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ ہی خلاف اسلام ہے۔ اور بعض کے نزدیک وہ مجدد کامل ابھی پیدا نہیں ہوا جو پورے اسلام کو ساری دنیا میں نافذ کر دے میں کہتا ہوں کہ یہ گستاخی ہے۔ کفرانِ نعمت ہے۔ اور شوخ چشمی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ سابقہ مجددین کرام کے عہد میں انکے مقابلہ کا ایک بھی ایسا شخص نہ ہوا جو اپنے فیض روحانی سے دلوں میں اسلام کو دوبارہ قائم کر دیتا۔ اور اپنے متبعین کے اندر انقلاب لے آتا۔

آپ نے مزید فرمایا کہ چودھویں صدی کے متعلق احادیث میں خاص پیشگوئیاں بھی تھیں اور حضرت مرزا صاحبؒ کے دعوےٰ سے قبل مسلمان قوم میں شدید انتظار بھی پایا جاتا تھا کیونکہ یہ صدی علمی و سائنسی تحقیقات کے لحاظ سے ایک عظیم الشان مجدد کو چاہتی تھی۔ اس زمانہ میں جس شدت کے ساتھ خدا تعالےٰ کی ہستی کا انکار کیا گیا۔ اور مذہبی آزادی ملنے کے باعث الحاد و زندقہ کا پرچار جتنا عام ہوا۔ تیرھویں صدی کے آخر کے لٹریچر سے اس کا بخوبی ثبوت مل سکتا ہے۔

آپ نے متعدد مسلم و غیر مسلم مفکرین اور دانشوروں کے حوالہ سے بتایا کہ حضرت صاحب کی وفات پر انہوں نے کتنے شاندار الفاظ میں خدمت اسلام کے سلسلہ میں حضور کو خراج تحسین پیش کیا۔ آج میں احمدیوں کو "کافر" قرار دینے والوں سے یہ پوچھتا ہوں کہ تیرھویں صدی کے آخر میں جب چاروں طرف سے مسلمانوں پر بے بسی، بے چارگی، مایوسی اور بد دلی چھائی ہوئی تھی اور دجالی قوتوں نے سارے عالم اسلام پر عموماً اور برّ صغیر ہند پر خصوصاً اپنا تسلّط جما لیا ہوا تھا۔ اور اُمید کی کرن کسی طرف سے بھی پھوٹتی دکھائی نہ دیتی تھی تو اس وقت وہ کون شخص تھا جس نے مسلمانوں کو جملہ ادیانِ عالم کے بالمقابل یہ احساس برتری عطا کیا کہ اسلام ایک زندہ مذہب ہے۔ اسلام کا خدا زندہ، اس کا رسول زندہ اور اس کی کتاب زندہ ہے۔ اور کوئی نہیں جو اس کے سامنے کھڑا ہونے کی جرأت کر سکے۔

اگر حق و انصاف کی نگاہ سے دیکھا جائے تو ہمیں اس زمانہ میں صرف ایک ہی شخص ایسا نظر آتا ہے جس کا نام نامی اور اسم گرامی حضرت میرزا غلام احمدؑ قادیانی ہے (مفصل تقریر موصول ہونے پر انشاء اللہ الگ شائع ہوگی) محترم بقاء صاحب کی پُر جوش اور ولولہ انگیز تقریر کے بعد جناب شیخ نثار احمد صاحب نے امام الزمان کے ذریعے خدا کی شناخت پر بڑی عمدہ اور مدلل تقریر فرمائی (جو ۷ جنوری کے پیغام صلح میں شائع ہو چکی ہے)

ان کے بعد جناب این اے فاروقی صاحب نے یریدون لیطفئوا نورالله بافواههم والله متم نوره ولو کره الکافرون کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

دو دن جو تقریریں آپ سن چکے ہیں۔ میرا منشاء تو اُن سے پورا ہو چکا ہے۔ تلاوت کردہ آیات کا مفہوم بتاتے ہوئے آپ نے کہا کہ رسولوں کے مخالف ان کی لائی ہوئی روشنی کو بجھانا چاہتے ہیں۔ جس طرح چور اور ڈاکو روشنی کو اپنے مشن کی تکمیل میں رکاوٹ سمجھ کر اُسے گُل کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ پھر آپ نے ممتحن اور شاگردوں کی مثال دے کر بتایا کہ اگر ایک لڑکے کو امتحان کے پرچے بتا دیئے جائیں۔ اور دوسرے کو نہیں۔ مگر امتحان میں دونوں فیل ہو جائیں تو ممتحن کسے پسند کریگا اس طرح بھائی! پکڑے تو ہم جائیں گے یہ منکر تو سستے چھوٹ جائیں گے۔ کیونکہ نجات کا پرچہ ہمیں بتا دیا گیا مگر ہم نے اس پر

(باقی پر ص ۱۲ کالم ۱)

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مؤرخہ ۲۸ جنوری ۱۹۷۶ء

# اُصولِ دینِ اِسلام کی اِفادیت

## اور عالمگیر اشاعت

(قسط نمبر ۲)

گذشتہ اشاعت میں ہم نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی تھی کہ دین سے عام بے رُخی کا سب سے بڑا سبب اصولِ دین کو موجودہ ذہنیت کے مطالبہ کے مطابق پیش نہ کرنا ہوا ہے۔ پہلے زمانوں کے مطالبے تقاضے اور تھے مگر اس سائنسی دَور کے تقاضے دگر ہیں، حق و باطل یا راست و ناراست کی پرکھ کے بارہ میں **ذہنیتوں میں ایک عالمگیر انقلابی تبدیلی** واقع ہو چکی ہے۔ لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ علمبردارانِ دین اس انقلابی مطالبے کی طرف توجہ نہیں کرتے ۔ اصولِ دین کو پیش کرنے میں نئی انقلابی ذہنیت و تقاضوں کو مدِنظر نہیں رکھتے اور اس کے مطابق اُصولِ حقہ کی تشریح کرنے سے قاصر و عاجز ہو رہے ہیں۔ ہم نے گذشتہ شیوع میں بعض مستشرقین کے حوالہ جات سے یہ امر ثابت کیا ہے کہ جب تک اصولِ حقہ روحانیہ کو نہ صرف عقل و علم اور مشاہدہ و تجربہ سے ثابت کیا جائے بلکہ اس زندگی کے مسائل حل کرنے والا ثابت کیا جائے تب تلک دنیا انہیں قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اس بارہ میں مشہور سیاست دان لارڈ لوتھین کا اقتباس پیش کیا تھا وہ کہتا ہے:۔

"موجودہ سائنس کا انسان ہر امر یہاں تک کہ صداقت کو بھی آخری نتائج کے معیار پر جانچتا ہے اگر اسے کسی مذہب کی پیروی کی حاجت ہے تو اس کا مطالبہ یہ ہے کہ وہ اسے اس دنیا کے مسائل حل کرنے میں مدد دے"

مغربی مفکرین مذہب کے بارہ میں نہ صرف متذکرہ بالا نتیجہ پر پہنچے ہیں بلکہ ان میں سے بعض دانشوروں کا یہ بھی کہنا ہے کہ دنیا کو جو بنیادی مسائل حل طلب اس وقت درپیش ہیں ان کا حل دینِ اسلام باحسن وجوہ پیش کرتا ہے۔ چنانچہ اس کے ثبوت میں مشہور مصنف مسٹر گب کے مفصل حوالہ جات پیش کئے جا چکے ہیں۔ اس کا کہنا ہے:۔

"یورپ کو اپنے ثقافتی و روحانی نشو و نما کے لئے اسلامک سوسائٹی کے امداد و تعاون حاصل کئے بغیر چارہ نہیں، مغربی تہذیب کی انتہائی تضادوں کے درمیان، اسلام ایک توازن قائم کرتا ہے یہ دین ایک طرف تو یورپ کے قومی نقطہ نگاہ اور دوسری طرف روسی آمریت کے برخلاف ہے جس طرح موجودہ یورپ **اور روس دونوں اقتصادی جنون میں مبتلا ہیں، اسلام نے اس طرح مادیت کو سجدہ نہیں کیا۔ . . . . . .**"

"سرمایہ داری اور اشتراکیت کے بین بین اسلام نے ایک درمیانی راہ اختیار کی ہے . . . . . . . . . ."

"انسان کی خدمت کے لئے اسلام کے لئے ایک اور موقعہ بھی میسّر ہے کیونکہ اس میں نسلی مفاہمت و تعاون کی ایسی شاندار روایات موجود ہیں جو کسی دوسرے معاشرہ کا ریکارڈ نہیں . . . . . . . . نسلی، لونی، روایاتی **اختلافات کے بظاہر ناممکن المفاہمتی تضاد کو اسلام کے ذریعہ ہی متفق و ہم رنگ بنایا جانا** ممکن ہے۔ پس اگر مشرقی و مغربی اقوام کی باہمی مخاصمت کو تعاون میں تبدیل کرنا منظور ہو تو اس کے لئے اسلام کی مداخلت ناگزیر ہے۔ مغرب جن مسائل سے اس وقت مشرق سے دوچار ہے ان کا بہت حد تک **حل اسلام میں مل سکتا ہے۔** اگر ان دونوں میں اتحاد پیدا ہو جائے تو عالمگیر امن و صلح کے لئے بہت بڑا موقع میسّر آ سکتا ہے۔ لیکن اگر مغرب اسلام کی **مدد سے انکار کرے تو اس کا نتیجہ تباہ کُن ہوگا۔**"

دین کی ترقی و ترویج اور اصولِ اسلام کی افادیت و اشاعت کے لئے متذکرہ بالا اقتباسات سے بڑھ کر اور کیا کہا اور لکھا جا سکتا ہے؟ مگر یہ افکار بیشتر و اکثر مغربی مفکرین سے متعلق ہیں۔ علمبردارانِ دینِ اسلام اور تابعینِ دینِ متین کے اذہان ایسے افکار و عزائم سے ابھی تک یکسر خالی پڑے ہیں الّا ماشاء اللہ۔ ہم نے گذشتہ قسط میں حضرت بانیٔ سلسلہؑ کا بھی ایک اقتباس نقل کیا تھا جس میں آپ نے اصولِ دینِ اسلام کی اشاعت سے متعلق موجودہ زمانہ کی سائنسی و منقلب ذہنیت کو مدِنظر رکھنے کے بارہ میں فرمایا تھا چنانچہ آپ لکھتے ہیں:۔

"اے بزرگو! اب یہ وہ زمانہ ہے کہ جو شخص بغیر اعلےٰ درجہ کے عقلی ثبوتوں کے اپنے دین کی خیر منانا چاہتا ہے تو یہ خیال محال اور طمع خام ہے . . . . . . . . . سو آپ لوگ اگر **دینِ اسلام کی حقیقت کے پھیلانے کے لئے جو فی الواقعہ حق ہے** کوشش کرو گے تو خدا اس سعی کو ضائع نہیں کرے گا۔ **خدا نے** ہمکو صدہا براہین قاطعہ حقیقت اسلام پر عنایت کیں جو ہمارے مخالفین کو ایک بھی نصیب نہیں **خدا نے ہم کو حق محض عطا فرمایا** اور ہمارے مخالفین باطل پر ہیں۔ **راستبازوں کے** دلوں میں جلال احدیت کے ظاہر کرنے کے لئے جو سچا جوش ہوتا ہے اس کی ہمارے مخالفوں کو بو بھی نہیں پہنچی"

پھر نہ صرف حضرت بانیٔ سلسلہ نے ایک حکیم حاذق کی طرح زمانہ کے مزاج اور امراض کی سچی نبض شناسی فرمائی بلکہ ایک جماعت کو اشاعت و تبلیغ کے اہم مقصد پر صحیح طریق سے گامزن بھی کر دیا۔ جماعتِ احمدیہ کی تبلیغی جدّ و جہد سے گذشتہ صدی میں ایسے شاندار نتائج نکلے ہیں کہ یہ دنیا کے لئے حیرت انگیز واقعات بن رہے ہیں۔ ہمارے سامنے یہ سوال ہے کہ اُنیسویں صدی کے آخر میں جب حضرت اقدسؑ نے اصولِ اسلام کی اشاعت اور اس کا صحیح طریقِ کار وضع کیا، کونسے واقعات تھے جنہوں نے آپ کی طرف رہنمائی کی؟ ایک صدی پیشتر تو جملہ مفکرین، دین کی ترقی و فروغ اور اہمیت و افادیت سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ ایک صدی قبل کیا کسی مغربی یا مشرقی مفکر نے ایسے خیالات کا اظہار کیا تھا جس قسم کے اقتباسات ہم نے متذکرہ بالا سطور میں دین کو نئی طرز پر پیش کرنے اور دینِ اسلام کے موجودہ لاینحل مسائل کے حل کے لئے پیش کئے ہیں؟ پھر سائنسی زمانہ کی ایسی صحیح صحیح تشخیص اور دینِ اسلام کے اصولوں میں زمانہ کی طلب و پکار کے تقاضوں کا ایسا صحیح حل کسی نے پیش کیا تھا جیسے حضرت بانیٔ سلسلہؑ نے واضح کر کے ایک جماعت کی زندگیوں میں اُسے گاڑ دیا؟ کیا یہ کارنامہ کسی انسانی ذہن کی کاوش کا نتیجہ ہو سکنا ممکن ہے؟ کیا ایسا علمِ غیب اور زندگیوں میں یہ خارق عادت انقلاب کسی انسانی سعی کا نتیجہ ہو سکتا ہے؟ دین کی ایسی ضرورت حقہ کو ایسی صحت سے معلوم کر لینا جبکہ دنیا میں ہر سو مذہب کے بارہ میں گھٹا ٹوپ اندھیرا اور مایوسی چھا چکی ہو کہاں تک انسانی بس کی بات ہے؟ پھر کیا اس انسان اور اس کے

سچے شاگردوں نے اسلام کے اصولوں کو زمانہ کے تقاضوں کے مطابق پیش کرکے خارق عادت کامیابی اور حیرت انگیز انقلاب پیدا نہیں کر دکھلایا؟

اگر ان تمام سوالات کے جوابات یہی ہیں کہ ایسے علم غیب اور قدرت پر بجز مافوق بشری، خدائی حکمت و طاقت کام کر رہی ہے تو پھر اس نتیجہ کے ماننے سے کیا چارہ کار ہے کہ حضرت بانی سلسلہؒ کے **اقدامات اور طریق کار منجانب اللہ** ہی تھے جیسے آپ نے اپنے ابتدائی دورِ تبلیغ میں تحریر فرمایا تھا:۔

"خدا نے ہم کو صدہا براہین قاطعہ حقیقت اسلام پر عنایت کیں جو ہمارے مخالفین کو ایک بھی نصیب نہیں۔ خدا نے ہم کو حق محض عطا فرمایا اور ہمارے مخالفین باطل پر ہیں۔ راستبازوں کے دلوں میں جلالِ احدیت کے ظاہر کرنے کے لئے جو سچا جوش ہوتا ہے اس کی ہمارے مخالفوں کو بُو بھی نہیں پہنچی۔"

کیا یہ سب کچھ واقعات حقہ میں درست، راست اور صحیح ثابت نہیں ہو چکا؟ کیا آپ نے سائنسی اصولوں کے عین مطابق علم وعقل کی روشنی اور مشاہدہ و تجربہ کی زبردست کسوٹی پر اصولِ دینِ اسلام کی صداقت کو ثابت کرکے نہیں دکھلایا؟ کیا آپ کے مقابلہ پر کسی اور دین کے پیرو نے اپنے مذہب کی صداقت کو ثابت کرنے میں کوئی کامیابی حاصل کی؟ کیا آپ کے بارہ میں موافق و مخالف نے ہمزبان ہو کر یہ اقرار نہیں کیا کہ دینِ اسلام کے بارہ میں یہی **انسان اس زمانہ میں "فتح نصیب جرنیل" کے عظیم خطاب کا واقعی مستحق ہے؟** اگر یہ امر واقعہ ہے کہ اس زمانہ میں بانیٔ سلسلہؒ کے ہاتھوں تمام ادیانِ باطلہ کو شکست فاش ہوئی اگر یہ درست ہے کہ آپ کے فرمودہ کے موجب

صفِ دشمن کو کیا ہم نے بحجت پامال
سیف کا کام قلم سے ہے دکھایا ہم نے

دشمنانِ دین اسلام کو فرار کے سوا اور کوئی راستہ نظر نہ آیا تو پھر سوچا جائے کہ یہ کارروائی اور کارنامہ سوائے تائیدِ ربی اور نشانِ قدرت حضرت ذوالجلال، کسی اور طرح انجام پانا ممکن ہے؟ ع

دن چڑھا ہے دشمنانِ دیں کا ہم پہ رات ہے
اے مرے سورج نکل آ کہ میں ہوں بے قرار

اس مقام پر قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب فتح اسلام اور غلبۂ دین کی ایسی چمک دکھلا دی گئی تو مدعیانِ اسلام نے اس کی کیا قدر کی؟ اس بارہ میں ہم اپنے خیالات آئندہ قسط میں پیش کریں گے۔

**بقیہ روئداد جلسہ از صـ۲**

عمل نہ کیا۔ اور فیل ہو گئے۔ آپ نے چندہ ماہوار کے متعلق حضرت صاحب کے ایک اشتہار کا حوالہ دیا۔ جس میں عدم اعانت اور چندہ ماہوار نہ دینے کے مرتکب لوگوں کو اپنی جماعت سے علیحدہ کرنے کی دھمکی دی۔ اس کے بعد فاروقی صاحب نے سب دوستوں سے ایک آنہ فی روپیہ کے حساب سے چندہ ماہوار دینے کی اپیل کی اور وصیت ہونے کی طرف بھی توجہ دلائی اور زکوٰۃ کو بھی انجمن کے خزانہ میں جمع کرانے کی تحریک فرمائی۔

آپ کے بعد جناب میرزا مسعود بیگ صاحب نے **وما اصابکم من مصیبۃ......** الخ کی تلاوت کے بعد مصائب اور ابتلاؤں کے فلسفہ پر قرآن مجید کی مختلف آیات کے حوالوں سے بڑی تفصیل سے

(باقی بر صـ۷ کالم ۲)

# الحاج شیخ برکت اللہ صاحب مرحوم

گذشتہ شمارہ میں احباب کو اطلاع دی گئی تھی کہ سیالکوٹ میں ہمارے نہایت محترم بزرگ شیخ برکت اللہ صاحب جو ۶ دسمبر ۱۹۷۵ء کو انگلستان تشریف لے گئے تھے اچانک ۱۴ جنوری ۱۹۷۶ء کو وہاں وفات پا گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

۱۸ جنوری کو بیڈ فورڈ میں محترم شیخ محمد طفیل صاحب انچارج احمدیہ ہاؤس لندن نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ۱۹ جنوری کو مرحوم کی میت بذریعہ ہوائی جہاز لاہور لائی گئی۔ مرحوم کے عزیز و اقارب اور احباب جماعت ہوائی مستقر پر پہنچے۔ وہاں سے میت مرحوم کی ہمشیرہ بیگم ایس اے رحیم صاحبہ کی کوٹھی واقعہ جان روڈ لاہور چھاؤنی لے جائی گئی اور محترم جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔ یہاں سے میت سیالکوٹ لیجائی گئی جہاں کثیر تعداد میں عزیز و اقارب، شہر اور چھاؤنی کے دیگر احباب نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔ نماز جنازہ مسجد سیالکوٹ چھاؤنی کے امام جناب ماسٹر خالد سعید صاحب نے پڑھائی اور بالآخر مرحوم کی میت وزیر آباد پہنچائی گئی جہاں مرحوم کے عزیز و اقارب کے علاوہ لاہور، وزیرآباد اور راولپنڈی سے احباب جماعت نے محترم مولانا بشیر احمد صاحب منٹو کے اقتداء میں نمازِ جنازہ پڑھی اور مرحوم کی میت کو حضرت شیخ نیاز احمد صاحب مرحوم کے قدموں میں دفن کر دیا گیا۔

مرحوم نہایت ہی صاف گو، دیندار، مخلص، شفیق اور غریب پرور بزرگ تھے۔ ہر ایک سے نہایت اخلاص سے ملتے، خوشی اور غمی کے موقعہ پر پہنچتے۔ ارکانِ دین کے لئے ان کے دل میں ایک ولولہ تھا۔ عبادت میں خضوع و خشوع تھا ساری عمر تہجد کی نماز نہایت التزام سے ادا کی۔ خدا ترسی ان کی زندگی کا ایک طرۂ امتیاز تھی۔ شرافت کی یہ انتہا تھی کہ اگر کسی کے متعلق انہیں کہا جاتا کہ وہ شخص لین دین کے معاملہ میں صحیح نہیں تو آپ فرماتے کہ میں تو اپنی جگہ نیک نیت ہوں خدا مجھے اس کا اجر دے گا اور اس کا معاملہ خدا سے ہوگا۔

سیالکوٹ چھاؤنی کی مسجد میں اذان دینا، امامت کرانا اور اس کی صفائی تک کرنا اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ غرض کہ احمدی سیرت کا ایک زندہ نمونہ تھے۔ خداوند کریم مرحوم پر اپنی ہزار ہزار رحمتیں نازل فرمائے اور انہیں اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے اور ان کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

پیغام صلح: ہمیں اس اچانک صدمہ میں محترم جناب شیخ نثار احمد صاحب، شیخ محمود احمد صاحب، شیخ غلام احمد صاحب، بیگم ایس اے رحیم صاحبہ، شیخ سلیم احمد صاحب۔ شیخ شریف احمد صاحب اور ان کے صاحبزادگان سعادت ندیم صاحب اور آصف گل صاحب اور مرحوم کے دیگر بھائیوں اور اعزہ و اقرباء سے دلی ہمدردی ہے۔ اور دعا ہے کہ خدائے قدوس ان سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ اور مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

**ورودِ مسعود** احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے نامور اور مشہور مبلغ اسلام متعینہ برلن جناب مولانا محمد یحییٰ بٹ صاحب رخصت پر پاکستان تشریف لے آئے ہیں۔ موصوف مؤرخہ ۲۴/۱/۷۶ کو تقریباً ۹½ بجے ایئرپورٹ پر جہاز سے اترے۔ جماعت کے متعدد احباب اور مولانا کے عزیز ان کے استقبال کے لئے ہوائی اڈے پر موجود تھے۔ آپ کچھ عرصہ پاکستان میں قیام فرمائیں گے۔ (مفصل آئندہ)

# مغرب میں عیسائیت کا مستقبل

## تقریر بر جلسہ سالانہ، زاہد عزیز صاحب (انگلینڈ)

مسٹر زاہد عزیز صاحب مانچسٹر یونیورسٹی میں الیکٹر انجینئرنگ میں پی ایچ ڈی کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ آپ مسٹر عزیز احمد صاحب ایم ایس سی کے صاحبزادے اور جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب کے پوتے اور جناب مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی کے نواسے ہیں۔ اس عزیز نوجوان نے دین اسلام اور احمدیت کا کافی مطالعہ کیا ہے

آپ کی مفصلہ ذیل تقریر بر جلسہ سالانہ کو بہت سے احباب نے عمدہ پایہ کی تقریر قرار دیا ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر مغرب میں لوگ عام طور پر دین عیسائیت کو خیرباد کہہ رہے ہیں تو یہ امر ہمارے مقصد کے مفید مطلب ہے کیونکہ باطل اصولوں سے جب ذہن آزاد ہو جائیں گے تو اصولِ حقہ اسلامیہ کا نقش ان پر خوب جمے گا۔ گویا زاہد صاحب کی تقریر انسانی قلب کی سلیٹ کے صاف ہونے کی تشریح میں ہے۔ نائب مدیر

آج سے ایک سو سال قبل اس سے زائد عرصہ پہلے یورپ چرچ کے زیر اثر تھا۔ عام لوگ کم علم اور غریب تھے۔ اکثر پڑھے لکھے لوگ سمجھتے تھے کہ خدا نے ان کے ممالک۔ یعنی یورپین ممالک کو ایشیا اور افریقہ اور دنیا کے دوسرے حصوں میں سلطنتیں عطا فرمائی تھیں تاکہ وہاں کے جاہل لوگوں کو عیسائیت کی تعلیم دے کر مہذب بنایا جائے۔ لیکن قریباً انیسویں صدی کے نصف سے دو factors نے آہستہ آہستہ اپنا اثر پھیلانا شروع کیا جن کی وجہ سے لوگوں کے یہ خیالات تبدیل ہو گئے۔ یہ دو چیزیں تھیں ایک تو Theoretical سائنس اور دوسری Technology اور Engineering

سائنس میں ترقی سے Bible کی کئی باتیں مثلاً دنیا کی ابتداء اور حضرت آدم کی تخلیق کی کہانی غلط ثابت ہوئی اس کے علاوہ سائنسی ریسرچ کا تقاضا ہے کہ مختلف حقیقتوں کا مشاہدہ کر کے نتائج نکالے جائیں، اور ٹھوس ثبوت کے بغیر کسی چیز کو حقیقت تسلیم نہ کیا جائے جب لوگوں کا طرز خیال اس قسم کا ہو گیا تو مغربی ممالک میں اناجیل کی مختلف روایات کے متعلق شکوک پیدا ہو گئے۔ اس بات سے انکار نہیں کہ حضرت عیسیٰؑ نے معجزات دکھائے ہوں گے۔ لیکن جب ان معجزات کا ثبوت صرف یہی ہو کہ وہ اناجیل میں درج ہیں، اور وہ کسی ایسے شخص کے لئے دلیل نہ ہوں جو موقعہ پر ناموجود تھا، اور خود اناجیل کی صحت پر شک ہو تو سائنسی دنیا کے نزدیک ان معجزات پر یقین نہیں رکھا جا سکتا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اناجیل میں صرف ان معجزات کو ہی دلائل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ سائنسی طرزِ خیال کی روشنی میں اہلِ مغرب نے اناجیل میں پیش کئے ہوئے عقائد پر وہ اندھا دھند یقین یا Blind Faith چھوڑ دیا۔

دوسرا Factor جو نمودار ہوا وہ مغربی ممالک کی Technological ترقی تھا۔ اس کی بدولت عام لوگوں کی زندگی مالی طور پر بہتر ہو گئی۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن، اخبارات وغیرہ اکثر کو میسر ہو گئے اور وہ دنیا کے حالات سے اس حد تک آگاہ ہو گئے جس کا اندازہ لگانا ایک صدی پہلے بالکل ناممکن تھا۔ ان کو دنیا کے مختلف سیاسی، فوجی، معاشی مسائل وغیرہ سے واقفیت ہو گئی۔ اس کے علاوہ اس ترقی کی وجہ سے لوگوں کے ذاتی مسائل بڑھ گئے کیونکہ انسان کی زندگی بہت پیچیدہ ہو گئی۔

عیسائیت اور باقی تمام مذاہب سوا اسلام کے اس زندگی کے مسائل کے متعلق خاموش ہیں۔ یورپ میں چونکہ عموماً مذہب اور عیسائیت کو ایک ہی چیز سمجھا جاتا ہے اس لئے وہاں کے لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ مذہب ایک بےسود چیز ہے کیونکہ وہ اس دنیا کے مسائل سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ یورپ کے وہ لوگ جو عیسائی عقائد میں ایمان رکھتے ہیں وہ خود محسوس کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس دنیا کی مشکلات مثلاً سیاسی و معاشی مسائل کا حل عیسائیت میں موجود نہیں۔ اسی وجہ سے روس کے حکام نے عیسائیت کو ترک کر کے Communism کو Adopt کر لیا۔

میں نے دو وجوہات مغرب میں مذہب کے تنزل کی بیان کی ہیں۔ پہلی وجہ کا نتیجہ ہے کہ روحانی تسکین نہ حاصل ہونے کی وجہ سے نوجوان طبقہ میں Drugs لینے کا رواج بڑھتا جا رہا ہے اور نفسیاتی بیماریاں اور خودکشیاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ دوسری وجہ کا نتیجہ ہے کہ باوجود مہذب اقوام ہونے کا دعوے کرنے کے مہلک سے مہلک ہتھیار تیار کئے جا رہے ہیں کیونکہ وہ اپنے سیاسی مسائل حل نہیں کر سکتے۔ اور معاشی مسائل کا یہ حال ہے کہ ہر ملک کے اندر تقسیم دولت کے متعلق جھگڑا ہے۔

ان تمام مسائل کا حل صرف دینِ اسلام میں ہے۔ روحانی تسکین حاصل کرنے کا طریقہ خدا تعالےٰ کی ہستی پر کامل ایمان ہے۔ اس کے لئے استجابت دُعا پر اور خدا تعالےٰ کا اب بھی مخاطبہ مکالمہ کرنے پر یقین لازمی ہے۔ یہی چیزیں ہیں جن پر حضرت مسیح موعودؑ نے زور دیا۔ جیسا کہ میں نے پہلے کہا سائنسی طرز خیال کی دنیا کسی چیز میں یقین نہیں رکھتی اور ہر بات میں دلائل اور حقیقت چاہتی ہے نہ کہ قصے۔ حضرت مرزا صاحب کا اسلام پیش کرنے کا طرز تو ہے ہی یہی جیسا کہ مثلاً ان کی مشہور کتاب "اسلامی اصول کی فلاسفی" میں دیکھا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم سے عقائد کے علاوہ ان عقائد کے متعلق جو دلائل قرآن میں ہیں وہ بھی پیش کئے جائیں۔ اس کے علاوہ سائنسی طرز خیال میں Experiment یعنی تجربہ اور Observation یعنی مشاہدے کو بہت بڑا درجہ دیا جاتا ہے اور جو چیز ان باتوں سے دریافت ہو اس کو صحیح سمجھا جاتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے اس سلسلہ میں دین کی یہ خدمت کی کہ وحی اللہ جو کہ مذہب کی بنیاد ہے اس کو اپنے مشاہدے اور تجربے سے ایک حقیقت ثابت کیا۔

اسی طرح مغرب کے سیاسی اور معاشی مسائل کا حل بھی اسلام میں ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے بیعت کی چھٹی شرط میں کہا ہے کہ رسوم کو ترک کر کے قرآن شریف کی حکومت کو قبول کرنا چاہیئے۔ یہاں رسوم سے مطلب صرف وہ رسوم نہیں جو مسلمانوں نے ہندوؤں سے لی ہیں بلکہ ہر ایک غیر اسلامی Ideology۔ اب یورپ اپنے سیاسی اور معاشی مسائل کے حل کے لئے مختلف رسوم مثلاً Capitalism، Socialism، Communism وغیرہ پر امیدیں لگائے بیٹھا ہے۔ لیکن حضرت مرزا صاحب نے اسی شرط بیعت میں کہا ہے کہ ہر راہ میں قال اللہ و قال الرسول کو دستور العمل قرار دینا چاہیئے۔ انہوں نے مسلمانوں کی توجہ اس امر کی طرف دلائی کہ ان کو غیر اسلامی رسوم، خواہ پرانی رسوم یا یورپ کی نئی رسوم، کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ حضرت مولانا محمد علیؒ نے کتاب The New World Order میں دکھایا ہے، یورپ

(باقی صفحہ کالم ۲)

مکرم پروفیسر خلیل الرحمان صاحب ایم ایس سی

# ہمارے رسول کریم صلعم اقلیم روحانیت کے سراجِ منیر ہیں اور اسی سورج سے چودھویں صدی کے بدرِ کامل نے اکتسابِ نور کیا

## تقریر بر موقعہ جلسہ سالانہ - مؤرخہ ۲۷ دسمبر ۱۹۷۶ء

یایھا الذین اٰمنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم ج واعلموا ان اللہ یحول بین المرء وقلبہ وانہ الیہ تحشرون (۸-۲۴)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ اور رسول کا حکم مانو جب وہ تم کو اس کام کے لئے بلاتا ہے جو تمہیں زندگی دیتا ہے - اور جان لو کہ اللہ انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہوتا ہے اور کہ تم اس کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے"۔

مخاطبین مومن ہیں - عرف عام میں چلتے پھرتے - کھاتے پیتے زندہ انسان ہیں اور خدا اور رسول کے ہر حکم پر اپنا سب کچھ لٹا دینے کے لئے منتظر رہتے ہیں مگر عجیب بات ہے کہ ان کے لئے بھی الفاظ "لما یحییکم" استعمال ہوتے ہیں - معلوم ہوا کہ زندگی اور موت قرآن کریم کے فلسفہ کے مطابق کوئی ایسا راز اور اعلیٰ حقیقت ہے جس سے خود مومن بھی اور وہ مومن جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تھے آشنا نہیں - یہ کوئی ایسا Phenomenon ہے جو انسانی عقل و شعور - اس کے فکر و نظر اور سوچوں کی حدود سے ورائے الوریٰ ہے - اور اس کی تہ کو پانے کے لئے کسی خاص نور اور روشنی کی ضرورت ہے۔

فلاسفروں - سائنسدانوں اور شاعروں نے بھی اپنی اپنی ذہنی اُپج اور انداز میں "زندگی کی تعریف کی ہے - سائنسدان کہتے ہیں زندگی کھانے پینے - نشو و نما پانے - سانس لینے اپنے مخصوص ماحول کے ساتھ مناسبت - اعضاء کے باہمی ربط و ضبط اور بقائے نسل کا نام ہے - مشہور یونانی فلاسفر EPICURUS کا قول ہے "کھاؤ پیئو اور عیش کرو" زندگی اسی کا نام ہے - اور پاک و بھارت کے نامور شاعر غالب کہتے ہیں: ؎

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترتیب
موت کیا ہے انہی اجزا کا پریشاں ہونا

بیسویں صدی کا یہ نیا نقطہ نظر EXISTETIALISM کہتا ہے کہ عقل و خرد کی پابندیوں سے آزاد ہو کر ایک منظم اور مربوط نظام زندگی کی ترویج کی جائے - ان سب میں قدر مشترک یہ ہے کہ یہ فلسفہ زندگی کے مادی پہلو کو اجاگر کرتی ہیں - اور انسانوں پر اس کا یہ اثر پڑا ہے کہ زندگی صرف یہی زندگی ہے جو موت کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے - بابر نے بھی اسی سے متاثر ہو کر کہا ہوگا ؏

بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

اس کے باعث مشرق و مغرب میں مزدکیت - اپی کیوریت اور جدلیت کے فلسفوں نے جنم لیا - اور انسان اپنی زندگی کے حقیقی مقصد سے دور لذت پرستی اور نفسانیت کی تنگ و تاریک وادیوں میں بھٹکنے لگ پڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انسانیت اپنی فطری آواز یعنی ایک خدا کی ہستی کے خلاف بغاوت کر کے جغرافیائی حدود - قومیتوں - تہذیبوں اور ثقافتوں میں بٹ کر رہ گئی - ہر قوم دوسری پر سبقت لے جانے کی تگ و دو اور دوڑ دھوپ میں مصروف ہو گئی - قوموں میں یہ ٹکراؤ اور تصادم دنیا کو بڑی تیزی سے تباہی کے ہولناک گڑھے کے کنارے لے آیا ہے - اور قومیں ایک دوسرے سے متصادم نہ ہونے کے لئے سلامتی اور امن و آشتی کی راہیں تلاش کر رہی ہیں لیکن ان کی یہ تمام تر کوششیں اندھیروں میں بھٹکنے کے سوا کچھ نہیں کیونکہ امن اور زندہ رہنے کے یہ حقیقی انداز نہیں۔ ؎

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا اور نکتہ وروں سے کھل نہ سکا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

یہ اشارے ہمیں قرآن کریم کے مختلف مقامات پر مختلف پیرایوں میں ملتے ہیں - مثلاً سورۃ یٰسین میں آتا ہے وَاٰیۃ لھم الارض المیتۃ احیینٰھا واخرجنا منھا حبا فمنہ یاکلون ......... من العیون - اور ایک نشان ان کے لئے مردہ زمین ہے - ہم نے اسے زندہ کیا اور اس میں سے اناج نکالا تو وہ اس سے کھاتے ہیں - اور ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کئے اور اس میں چشمے جاری کئے - اسی زمین پر جس میں آج چشمے اور دریا بہتے ہیں اور رنگا رنگ پھلوں کے باغ ہیں ایک ایسا وقت بھی گذرا جب اس میں ایک تنکا تک نہ اُگ سکتا تھا یہ ایک ایسی مردہ حالت میں تھی کہ اس میں کسی زندگی کے آثار پیدا ہونے کا امکان تک نہ تھا - آج بھی موسموں کے تغیر و تبدل سے اس پر ایک ایسا وقت آتا ہے جب یہ مردہ حالت میں ہوتی ہے - آج کل موسم خزاں ہے پتے کچھ جھڑ چکے ہیں اور کچھ جو باقی ہیں جھڑ رہے ہیں - خاص طور پر سرد علاقوں میں تو درخت ایسے کھڑے ہیں جیسے ان پر پھول پتے کبھی آئے ہی نہیں تھے - گویا مردہ ہیں ان کی اس ظاہری حالت سے یہ گمان بھی نہیں گذر سکتا کہ ان کی یہ حالت بدل جائے گی - لیکن جب موسم بہار کی آمد ہوتی ہے آسمان سے بارش نازل ہوتی ہے اور ان کی زندگی کا سامان بن جاتی ہے - وہ اجزاء جو مٹی میں ملے ہوتے ہیں پانی میں حل ہو کر اس میں زندگی کی ایک نئی روح پھونک دیتے ہیں - نئی کلیاں - نئے شگوفے اور نرم و نازک سرسبز شاخیں اور کونپلیں پھوٹتی ہیں - یہ سرسبز پتے اور شاخیں سورج کی روشنی میں فضا سے کیمیاوی اجزا لے کر (کاربن ڈائی اکسائیڈ گیس) خوراک تیار کرتے ہیں جو باریک باریک نالیوں کے ذریعے پتوں سے جڑوں تک پہنچ جاتی ہے - ایک طرف جڑوں کے ذریعے زمین سے اور دوسری طرف پتوں کے ذریعے آسمان سے تعلق ہوتا ہے - دونوں کے باہمی ربط سے دیکھتے ہی دیکھتے ساری زمین پھل پھول کی آرائش و زیبائش سے آراستہ و پیراستہ ہو جاتی ہے - یہی وہ مقام ہے جہاں قرآن کریم میں اس کے لئے حتیٰ اذا اخذت الارض زخرفھا (یہاں تک کہ زمین اپنا ہار سنگار کر لیتی ہے) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں - اور یہی اس کی زندگی کی شہادت ہے - یوں رزق ارضی اور رزق سماوی سے اس مردہ زمین کی خفیہ قوتیں بیدار ہو کر اسے حیاتِ نو بخشتی ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ آخر سردیوں اور خزاں میں ہی کیوں ایسا ہوتا ہے جبکہ بارش تو سردیوں میں بھی ہوتی رہتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا سورج سے حاصل ہونے والی توانائی اور حرارت سے گہرا تعلق ہے - پتوں کے سرسبز رہنے کے لئے سورج کی روشنی اور حرارت بہت لازمی ہے - گرمیوں میں پودے تقریباً ۱۱ گھنٹے سورج کی روشنی میں رہتے ہیں اور ۸ گھنٹے اندھیرے میں۔

مگر سردیوں میں انہیں صرف ۵ گھنٹے کے لئے کافی مقدار میں روشنی اور حرارت حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے پتوں میں سبز مادہ جس کے ذریعے فضا سے خوراک حاصل کی جاتی ہے آہستہ آہستہ ختم ہو جاتا ہے پتے اور شاخ کے درمیان جوڑ میں بھی ایک رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے اس لئے زمین سے بھی خوراک نہیں پہنچ سکتی اس لئے وہ جھڑ جاتا ہے یہ پودوں کے لئے تاریکی مصائب اور ابتلاء کا دَور ہوتا ہے۔ جوں توں کرکے یہ اپنے بچاؤ اور زندہ رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ موسم بہار کے آنے پر ان کی زندگی کا رُخ بدل جاتا ہے۔ سورۃ النحل میں ہے "اور اللہ ہی بادل سے پانی اتارتا ہے پھر اس کے ساتھ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے یقیناً اس میں لوگوں کے لئے نشان ہیں جو سنتے ہیں" (۱۶—۶۵)

انسانوں اور پودوں کی زندگی کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے۔ بلکہ نظریۂ ارتقاء کے حامی تو یہاں تک کہتے ہیں کہ جانوروں کا ارتقاء ابتدائی طور پر پودوں ہی کی کسی خاص نوع سے ہوا ہے۔ قرآن کریم میں سورۃ نوح کی یہ آیت قابل غور ہے واللّٰہ انبتکم من الارض نباتا اور اللہ نے تمہیں زمین سے سبزہ کے طور پر اُگایا۔

اگر انسانوں کو بھی سبزہ کے طور پر اُگایا ہے تو پھر جس طرح سبزہ کو زمین اور فضا سے خوراک حاصل کرنے کے لئے سورج کی روشنی اور حرارت کی ضرورت ہے اسی طرح انسانوں کو بھی دو قسم کے رزقوں کی حاجت ہے جو اسی ذریعہ سے حاصل کئے گئے ہوں۔ انسانوں کو زمینی رزق تو اسی سُورج کی برکت سے حاصل ہوتا ہے لیکن وہ آسمانی رزق جو اُوپر سے آتا ہے اور جس کے بارے میں ورزق ربک خیر وابقٰی آیا ہے۔ یہ رزق تیار کرنے والا سُورج کون ہے۔ وہی دنیا کا عظیم ترین انسان جو سارے کمالات کا ایک بے مثال خزینہ تھا اور جس کے کمالات کا اعتراف مجددِ زمان حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؑ نے یوں کیا ہے

این چشمۂ رَواں کہ بخلق خدا دہم
یک قطرۂ ز بحرِ کمال محمدؐ است

ایک قطرہ جب لاکھوں انسانوں کے مردہ دلوں کو سرسبز و شاداب کر گیا تو اس بحر کی وسعتوں اور گہرائیوں کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔

دنیا کے سُورج کو اگر سراجًا وھاجًا (گرمی اور روشنی دینے والا) فرمایا ہے تو اقلیم روحانیت کے سورج کو بھی سورۃ الاحزاب میں و داعیًا الی اللّٰہ باذنہٖ و سراجًا منیرًا فرمایا گیا ہے (اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور روشن کرنے والا سُورج) وہی سُورج جس کی روشنی اور حرارت وحی کی بارانِ رحمت کا سبب بن کر مردہ دلوں کی سوئی ہوئی مخفی قوتوں کو بیدار کرکے ایک نئی زندگی کا ذریعہ بن جاتی ہے:۔

"تم کس طرح اللہ کا انکار کرتے ہو اور تم مردہ تھے پھر اس نے تمہیں زندگی دی" (۲—۲۸)

ان الفاظ میں اسی زندگی کی طرف اشارہ ہے۔

سورج میں اپنی روشنی اور حرارت نہ ہو تو وہ دوسروں کے لئے زندگی کا ذریعہ کیسے بن سکتا ہے اس سُورج کی روشنی کا سرچشمہ اللّٰہ نور السمٰوات والارض تھا۔ اس نور کو کلی طور پر اپنے اندر سمو کر وہ خود روشن ہوا اور فاران کی پہاڑیوں سے طلوع ہو کر نہ صرف عرب کی سرزمینِ بے آب و گیاہ کو شاداب کر گیا بلکہ ساری کائنات کو روشن کرکے زندگی دے گیا۔ سرچشمۂ نور کی گرمیٔ عشق سے اس کا دل پگھل کر آنکھوں کی راہ بارانِ رحمت بن کر برسا اور اس چٹیل اور سنگلاخ زمین کو لہلہاتے ہوئے لالہ زاروں میں تبدیل کر گیا۔ روشنی کی یہ کرن

تاریک غارِ حرا کی ظلمتوں سے پھوٹی اور دنیا کو حیاتِ نو بخش گئی۔

یہ سورج تاقیامت چمکتا اور زندگی دیتا رہے گا۔ ہاں کبھی کبھی کچھ تاریک راتیں بھی آ جاتی ہیں لیکن یہ بھی تندیلیں جلا کر انہیں روشن کرنے والوں سے کبھی محروم نہیں رہیں جو چاند کی طرح اسی سُورج سے روشنی لے کر خود منوّر ہوتے اور اسے زمین پر منعکس کرتے رہتے ہیں۔ انہیں میں سے ایک حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بھی تھے مگر آپ کی قوم نے آپ کا مقام نہ پہچانا۔ ایک دن آئے گا کہ وہ آپ کے وقت کو رو رو کر یاد کرے گی لیکن یہ اشک ہائے ندامت ان داغوں کو نہیں دھو سکیں گے جو اس کے ظلم و ستم نے اس کے دامن پر لگا دیئے ہیں۔

یہ زندگی پانے کا راز کیا ہے؟ سورۃ طٰہٰ میں جہاں یہ ہے کہ:۔

"تیرے رب کا رزق بہتر اور ہمیشہ رہنے والا ہے"

وہیں آگے یہ الفاظ آتے ہیں:۔

"اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دے اور خود اس پر قائم رہ۔ ہم تجھ سے رزق نہیں مانگتے۔ ہم تجھے رزق دیتے ہیں اور اچھا انجام تقوےٰ کے لئے ہے۔"

یہی وہ الفاظ ہیں جو زندگی کے سارے اسرار و رموز سے پردہ اٹھاتے ہیں۔ اصلی زندگی خدا اور اس کے رسول سے تعلق اور "کونوا مع الصادقین" میں ہے۔ بدنصیب ہے وہ انسان جو ان سے تعلق توڑ کر زندگی کی تلاش میں بھٹکتا پھرتا ہے۔

# مغرب میں عیسائیت کا مستقبل

(بسلسلہ صفحہ ۵)

کے یہ مسائل اسلام سے کیسے حل ہوتے ہیں۔

اب ضروری ہے کہ ہم مغرب میں تبلیغ اسلام پر اور زور دیں اور حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت مولانا محمد علی رح اور دیگر بزرگان کا لٹریچر وسیع پیمانے پر پھیلائیں اور انہی lines پر وقت کے موافق مزید لٹریچر پیدا کریں۔

اس کے علاوہ خاص طور پر ضرورت ہے کہ دعائیں کی جائیں کہ اللہ تعالےٰ لوگوں کے دلوں کو ہمارے لٹریچر کے پیغام کی طرف مائل کرے۔ حضرت امیر مرحوم نے بھی اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اسی راہ پر قائم رہیں جو حضرت مجددِ وقت نے دکھائی ہے کیونکہ یہی اسلام کی کامیابی کا راز ہے جیسا کہ خدا نے ان کو بتایا اور جیسا کہ واقعات اب ثابت کر رہے ہیں۔

## بقیہ روئداد جلسہ از صفحہ

بقیہ روئداد جلسہ از صفحہ

روشنی ڈالی اور فرمایا کہ مومن ابتلاؤں کے بعد ایمان میں اور ترقی کرتے ہیں۔ مصائب انسان کی مخفی قوتوں کو بیدار کرتے ہیں۔ آپ نے حضرت طالوت اور حضرت ابراہیم علیہم السلام پر وارد شدہ ابتلاؤں کا تذکرہ کیا اور پھر یہ خوش خبری بھی سنائی کہ آپ کی جماعت کا چندہ موجودہ ابتلاء سے قبل ۲۰ ہزار روپے کے قریب تھا اور بعد از ابتلاء کئی گنا بڑھ گیا۔ نیز قضا و قدر کی طرف سے جو مصائب آتے ہیں ان میں اصطفاء کا رنگ ہوتا ہے۔ ہلاکت کا نہیں اس کا علاج واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے اور ان اللّٰہ مع الصابرین کہہ کر مومنوں کو تسلی دی ہے۔ آپ نے اپنی تقریر میں سامعین پر زور دیا کہ اپنی نمازوں میں خشوع اور خضوع پیدا کریں۔ تضرع

میں بڑی تاثیر ہے۔ اور خدا کے حضور رونا بڑے کام کی چیز ہے آپ نے مثنوی مولانا روم سے ایک بزرگ کے متعلق واقعہ کا حوالہ بھی دیا کہ کس طرح ایک حلوہ فروش بچے کی چیخ و پکار اس بزرگ کے تمام قرضہ کی ادائیگی کا سبب بن گئی۔ اس سے بے تضرع کامیابی مشعل [illegible] پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ اس جلسہ کی یہ آخری تقریر تھی جس کے بعد حضرت امیر قوم نے دعا پر جلسہ کا اختتام فرمایا۔

# جلسہ سالانہ پر
## دوکمسن احمدی بچیوں کا دلچسپ مکالمہ

جلسہ سالانہ کے موقعہ پر دوکمسن احمدی بچیوں مدیحہ رسول اور شاہدہ جنجوعہ کے مابین بطور احمدی اور غیر احمدی ایک دلچسپ مکالمہ ہوا۔ جو تمام حاضرین نے بے حد پسند کیا۔ اور مختلف احباب نے دونوں بچیوں کو انعامات سے نوازا۔ یہ مکالمہ درج ذیل ہے۔ نائب مدیر

مدیحہ رسول، غیر از جماعت کی حیثیت سے احمدی لڑکی شاہدہ جنجوعہ سے مخاطب ہو کر:۔

مدیحہ: السلام علیکم

شاہدہ: وعلیکم السلام۔ ارے آپ یہاں کیسے! بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔

مدیحہ رسول: بس یونہی لاہور آئی تھی۔ سوچا آپ سے بھی ملتی جاؤں پتہ چلا کہ آپ یہاں کسی جلسے میں گئی ہوئی ہیں۔ پوچھتے پوچھتے یہاں آ گئی۔

اچھا تو یہ کیسا جلسہ ہے۔ کوئی ووٹوں وغیرہ کی بات ہے؟

شاہدہ: جی نہیں۔ ہمارا سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم تو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ہمارا یہ جلسہ ہر سال انہی دنوں میں لاہور میں ہوتا ہے۔

مدیحہ رسول: اچھا تو آپ بھی احمدی ہیں؟ آپ نے پہلے کبھی ذکر ہی نہیں کیا؟

شاہدہ: جی ہاں! میں خدا کے فضل سے احمدی ہوں۔ الحمدللہ

مدیحہ: اگر ووٹوں وغیرہ کا کوئی سلسلہ نہیں تو پھر اس جلسے کی غرض کیا ہے۔

شاہدہ: اس جلسہ میں ہمارے بزرگ دنیا کو اسلام اور قرآن کی روشنی سے منور کرنے کی تجاویز پر غور کرتے اور سوچتے ہیں کہ کس طرح دنیا کو اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول صلعم کے قدموں میں جھکا دیا جائے۔

مدیحہ: بڑی عجیب بات ہے لوگ آپ کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے اور آپ چلے ہیں اشاعت اسلام اور اشاعت قرآن کرنے۔

شاہدہ: یہ تو اللہ تعالےٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ہم کیا ہیں۔ ہمارے بھائی ہمارے متعلق غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ ہم سے بھی انہیں سمجھانے میں کوتاہی ہوئی ہے۔

مدیحہ: بھئی جب آپ اشاعت اسلام اور اشاعت قرآن کا دعوےٰ کرتے ہیں تو مسلمانوں کو غلط فہمی کیوں ہونے لگی۔ آخر کوئی بات تو ضرور ہوگی۔

شاہدہ: جی ہاں! ایک بات ضرور ہے کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد آئے گا جو دین میں پڑ گئی خرابیوں کو دور کرے گا۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو مجدد تسلیم کرتے ہیں اور دوسرے لوگ ہمیں اس بات میں غلطی پر سمجھتے ہیں۔

مدیحہ رسول اور شاہدہ (مکالمہ کرنے والی بچیاں) بمع حضرت امیر ایدہ اللہ (صدر جلسہ) وجناب شیخ [illegible] صاحب سٹیج پر

مدیحہ: تو کیا ان سے پہلے بھی کوئی مجدد آئے ہیں۔

شاہدہ: جی ہاں ان سے پہلے بھی مجددین گذرے ہیں۔ ان میں سے تین تو خود برصغیر ہند و پاکستان میں آئے ہیں۔

مدیحہ: کون کون سے؟

شاہدہ: حضرت شیخ احمد سرہندی صاحبؒ جنہیں مجدد الف ثانی بھی کہتے ہیں اور لفظ مجدد ان کے نام کا حصہ ہی بن گیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ اور شہید بالاکوٹ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ جو تیرھویں صدی کے مجدد تھے۔

مدیحہ: بھئی ہم نے تو ان کا نام کبھی نہیں سُنا۔

شاہدہ: یہ دیکھیں۔ "نوائے وقت" ۴ر دسمبر ۱۹۷۵ء کے شمارے میں مولانا سید سلیمان ندوی صاحب کا یہ مضمون ہے: "برصغیر پاک و بھارت کے تین اولوالعزم مجدد" اور اس میں یہ تین نام ہیں۔

مدیحہ: مگر میں نے تو سُنا ہے کہ مرزا صاحب نے نبی ہونے کا دعوےٰ کیا ہے اور اس طرح رسول کریم صلعم کے خاتم النبیین ہونے کے منکر ہیں۔

شاہدہ: کیا آپ نے ان کی کوئی کتاب بھی پڑھی ہے یا یونہی سُنی سنائی پر اعتبار کر لیا ہے۔

مدیحہ: ہم نے تو سُنا ہی ہے۔ کتاب تو کوئی نہیں پڑھی

شاہدہ: انصاف کی بات تو یہی ہے کہ جس پر ہم کوئی الزام لگائیں کم از کم اسے صفائی کا موقعہ تو دیں۔ آپ نہ دوسروں کی بات سنیں نہ میری کیوں نہ ہم یہ فیصلہ ان کی اپنی تحریروں کی روشنی میں ہی کر لیں۔

مدیحہ: کیا آپ مجھے ان کی ایسی کوئی کتاب دکھا سکتی ہیں

شاہدہ: جی ہاں! میں آپ کو کتابیں بھی دکھا سکتی ہوں۔ اس وقت میں آپ کے سامنے ان کی کچھ تحریریں رکھتی ہوں۔ ان کو پڑھ لیں اور خود سوچ لیں۔

مدیحہ: ہاں یہ تو میں نے پڑھ لی ہیں۔ مجھے تو ان میں کوئی قابل اعتراض بات نظر نہیں آتی۔ مگر میں نے یہ بھی سنا ہے کہ وہ اپنے نہ ماننے والوں کو کافر کہتے ہیں۔

شاہدہ: لیجئے یہ بھی پڑھ لیجئے۔ میں اپنے پاس سے کچھ نہیں کہتی۔

مدیحہ: یہ سوال بھی کچھ کچھ حل ہو گیا ہے

دیکھیں یہاں ایک حوالے میں ایک لفظ آیا ہے "مسیح موعود"۔ وہ کیا ہوتا ہے۔

شاہدہ: اس کا مطلب تو یہ ہے وہ مسیح جس کا وعدہ دیا گیا ہے یا آنے والا مسیح۔

مدیحہ: ہاں یہ تو ہم بھی مانتے ہیں کہ عیسٰے علیہ السلام آسمان پر ہیں اور آخری زمانے میں وہ پھر آئیں گے۔

شاہدہ: بھئی یہیں تو آپ کو غلطی لگتی ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں تیس آیات ایسی ہیں جن میں حضرت عیسٰے علیہ السلام کی وفات کا ذکر ہے۔

مدیحہ: یہ کونسی آیات ہیں۔ ذرا دکھائیں تو سہی۔

شاہدہ: یہ دیکھیں یہ ہمارے حضرت صاحب کی کتاب ازالہ اوہام ہے اس کے صفحہ ٥٩٨ سے ٦٢٧ تک دیکھ لیں۔

مدیحہ: اس میں وہ آیت کیوں چھوڑ گئے ہیں جس میں یہ آتا ہے وما قتلوہ وما صلبوہ۔ یعنی نہ انہوں نے نے قتل کیا نہ صلیب دیا۔ اور دوسری جگہ ہے بل رفعہ اللہ الیہ اور اللہ نے اس کو اپنی طرف اُٹھا لیا۔

شاہدہ: اچھا ٹھیک ہے نہ قتل کیا نہ صلیب دیا۔ تو کیا سارے لوگ اسی طرح مرتے ہیں۔ کیا طبعی موت یا بیماری وغیرہ سے نہیں مرتے۔

مدیحہ: اگر عیسٰے علیہ السلام وفات پا گئے ہیں تو پھر میں نے سنا ہے حدیث میں ان کے آنے کا ذکر ہے یہ کیوں؟

شاہدہ: بھئی اسی حدیث میں یہ بھی تو ہے کہ وامامکم منکم۔ یعنی تمہارا امام تم ہی میں سے ہوگا۔

مدیحہ: تو کیا اب مسلمانوں میں سے ہی کوئی اور عیسٰے پیدا ہوگا۔

شاہدہ: ہے تو ایسا ہی

مدیحہ: اگر وہی عیسٰے علیہ السلام دوبارہ آجائیں تو کیا فرق پڑے گا۔

شاہدہ: بہت خوب! آپ کے لئے کوئی فرق ہی نہیں پڑتا۔ ہماری غیرت تو یہ گوارہ کر ہی نہیں سکتی کہ ہمارے نبی صلعم کے بعد کوئی نبی آکر آپ کی مُہر ختم نبوت کو توڑ دے۔

مدیحہ: وہ کیسے؟

شاہدہ: دیکھیں حضرت عیسٰے علیہ السلام نبی تھے نا۔

مدیحہ: جی ہاں

شاہدہ: جب پھر آئیں گے تو نبی رہیں گے یا ان سے یہ عہدہ چھن جائے گا۔

مدیحہ: نبی ہی رہنا چاہیئے۔

شاہدہ: تو جب آنحضرت صلعم کے بعد ایک نبی پھر آگیا تو خاتم النبیین کون ہوا۔

مدیحہ: بعد میں آنے والا

شاہدہ: تو ختم نبوت کا صحیح معنوں میں قائل کون ہوا؟

مدیحہ: بھئی آپ نے تو مجھے اُلجھن میں ڈال دیا ہے۔ میں آپ کو اپنے مولوی صاحب سے پوچھ کر بتاؤں گی۔ مگر جب مرزا صاحب کہتے ہیں کہ میں نبی نہیں ہوں تو انہیں نبی کہکر ان پر کفر کا فتویٰ کیوں لگایا گیا۔

شاہدہ: بات یہ ہے کہ جب آپ نے کہا کہ میں اس صدی کا مجدد ہوں اور میں ہی وہ مسیح بھی ہوں جو آنے والا تھا تو لوگوں نے اس سے یہ سمجھ لیا کہ آنے والا مسیح تو نبی ہوگا اس لئے یہ بھی نبی ہونے کا مدعی ہے۔

مدیحہ: اس مسئلہ پر سوچنے کی ضرورت ہے۔

شاہدہ: ضرور سوچیئے لیکن حضرت مرزا صاحب کی اپنی کتابوں کی روشنی میں۔

مدیحہ: اچھا تو اب اجازت چاہتی ہوں۔ بہت دیر ہوگئی۔ آپ بھی کبھی آئیں نا۔

---

مکرم جناب چوہدری مسعود اختر صاحب ایڈوکیٹ لاہور

# آہ! میجر ڈاکٹر محمد اسحاق صاحب

۲۹ر دسمبر ۱۹۷۵ء کی شام کو میں دارالسلام میں چوہدری نذر رب صاحب کے پاس بیٹھا تھا کہ اطلاع ملی کہ میرے ماموں جان ڈاکٹر محمد اسحاق صاحب راولپنڈی میں بعارضہ قلب انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ماموں جان مرحوم جلسہ سالانہ میں باقاعدگی سے آیا کرتے تھے اور اس جلسہ میں ان کی غیر حاضری محسوس ہو رہی تھی معلوم ہوا کہ ڈاکٹروں نے آرام کا مشورہ دیا ہے اس لئے نہیں آسکے۔ جلسہ سالانہ میں ان کی صحت کے لئے دُعا بھی کی گئی۔ لیکن مشیت ایزدی کے آگے کون دم مار سکتا ہے وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے

مرحوم کی عمر ۷۰ سال کے قریب تھی لیکن اتنی خوبیوں کے مالک تھے اور ایسی زندہ دلی طبیعت میں تھی کہ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے بہت جلد ہی ہم سے بچھڑ گئے۔

اپنے لئے تو ہر ایک جی سکتا ہے لیکن ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں جو اپنے علاوہ دوسروں کے لئے بھی جیتے ہیں۔ جن کی ذات خلق خدا کی خدمت میں راحت محسوس کرے وہی لوگ ایسے ہوتے ہیں جو فیوض باری تعالےٰ کا حقیقی معنوں میں شکر بجا لاتے ہیں۔ اور ماموں جان مرحوم ایسے ہی لوگوں میں سے تھے۔ آپ ایک عرصہ تک اپنی بہنوں کے خاندانوں کی کفالت کرتے رہے اور اس کے علاوہ بھی جہاں کہیں رہے اپنے ارد گرد کے علاقہ میں غریبوں اور ناداروں کا مُفت علاج کرتے رہے اور کبھی ذاتی منفعت یا آرام کا خیال نہ کیا۔ اس دور میں جب ڈاکٹر صاحبان اس پیشہ کو کاروباری شکل دے دی ہے اپنی گرہ سے دوائیں خرید کر مفت غریبوں کا علاج کون کرتا ہے؟ ماموں جان دوائیں لے کر شام کے وقت جمعے کے دن ارد گرد کے علاقہ میں چلے جاتے اور مفت دوائیں دیتے۔ یہاں تک کہ نادار مریضوں کو دودھ بھی اپنی جیب سے خرید کر دیتے۔ کوئی دو سال ہوئے میں پنڈی گیا تو مجھے اپنا کلینک دکھا رہے تھے۔ میں نے کہا آپ آرام کریں۔ پیسے آپ کسی سے لے نہیں سکتے تو یہ کلینک کس لئے بنا رہے ہیں۔ کہنے لگے میں نے لیبارٹریز کا بہت کام فوج کی نوکری کے دوران کیا ہے۔ غریب لوگ ٹیسٹ کروانے کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتے میں اگر مفت یا آٹھ آنے میں اُن کو وہی ٹیسٹ کر دوں گا جس کے دوسرے دس روپے لیتے ہیں تو ان غریبوں کو بھی علاج میں سہولت رہے گی اور میں بھی فارغ رہوں گا۔ اپنے کلینک میں بہت سی ربڑ کی گرم پانی کیلئے بوتلیں خرید کر رکھ دیں کہ جن غریبوں کے پاس گرم پانی کے لئے بوتلیں نہیں وہ ان سے لے جا کر استعمال کر کے واپس کر جاتے۔ اگر کوئی مریض ایک دو دن دوا لینے نہ آتا تو خود دوا لے کر اس کے گھر جا پہنچتے کہ مبادا زیادہ بیمار ہو گیا ہو۔ اگر کسی مریض کو ہسپتال میں داخلہ کی ضرورت ہوتی تو خود ساتھ جا کر داخلہ کرواتے۔ Specialists کے پاس نادار مریضوں کو لے جا کر خود دکھا کر لاتے اور ٹیکسی کا کرایہ بھی اپنی جیب سے ادا کرتے۔ اور اس معمول میں اخیر دم تک فرق نہیں آنے دیا حتیٰ کہ آخری ہفتہ میں جب ڈاکٹروں نے مکمل طور پر بستر میں آرام کرنے کا مشورہ دے رکھا تھا مریض

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۲)

جناب شکراللہ خاں منصور صاحب ایڈوکیٹ

# تحریکِ احمدیت اور غلام احمد پرویز

## بسلسلہ اشاعت گذشتہ

یاد رہے کہ پیچ دینا ۔ پیچ لگانا اور پیچ میں پھنسانا غلام احمد پرویز صاحب کا اپنا کردار ہے ۔ اس کا انہیں بڑا چسکا ہے ۔ جس کی مثالوں سے ان کی کتاب بھرپور ہے ۔ مثلاً:۔

اوّل: کارل مارکس جرمن نژاد یہودی تھا جو کمیونزم کا بانی ہوا ہے وہ جرأت مند اور دلیر آدمی تھا ۔ اس لئے کھلا خدا کے وجود سے انکار کرتا تھا ۔ پرویز صاحب بھی اس کے قدم بہ قدم مارتے ہیں ۔ لیکن اس جرأت اور دلیری سے محروم ہونے کی وجہ سے یا مسلمانوں کے عتاب کے خوف سے کارل مارکس کے مقام (انکارِ خدا پر) پر ذرا پیچ دے کر پہنچتے ہیں ۔ کارل مارکس نے علی الاعلان کہا "خدا کا کوئی وجود نہیں ہے" مگر پرویز صاحب یوں لکھتے ہیں کہ "خدا کا وجود ہے مگر مثل مردہ بت کے" نہ بولتا ہے ۔ نہ کائنات میں کوئی کام کرتا ہے ۔ نہ کہیں کوئی دخل دیتا ہے اور نہ دخل دینے کا کوئی اختیار رکھتا ہے ۔ یہ نظریہ صریح انکار خدا ہے ذرا پیچ کے ساتھ ۔

دوم: قرآن کریم خدا کی آخری کتاب ہدایت ہے ۔ یہ مسلمانوں کا ایمان ہے ۔ مسلمان احادیث رسول اللہؐ پر بھی ایمان رکھتے ہیں ۔ کیونکہ وہ قرآن کریم کے معنی اور مفہوم ۔ مطلب اور مقصد کو رسول اللہ صلعم کے ارشادات کے مطابق سمجھنا چاہتے ہیں ۔ پرویز صاحب احادیث کو نہیں مانتے ۔ مگر صاف انکار بھی نہیں کرتے ۔ اس غرض کے لئے ایک پیچ لگاتے ہیں ۔ پرویز صاحب احادیث کو روایات کے اسم سے موسوم کرکے انہیں ساقط الاعتبار قرار دیتے ہیں ۔ اور مجوسیوں کی سازشوں کی ساختہ پرداختہ ٹھہراتے ہیں اس لئے وہ کہتے ہیں کہ یہ روایات رسول اللہ کے ارشادات نہیں ہو سکتے مگر وہ احادیث سے انکاری نہیں ۔ ہاں جو روایت قرآن کریم کے مطابق ہو مخالف نہ ہو اسے رسول اللہ صلعم کا قول قرار دیا جا سکتا ہے ۔ اور قرآن کے مطابق یا مخالف ہونے کا فیصلہ غلام احمد پرویز خود کرے گا ۔ کیونکہ قرآن کو کسی نے صحیح سمجھا ہی نہیں ما سوا پرویز کے ۔ یہ سب قیل و قال کھلا انکار حدیث ہے مگر ذرا پیچ کے ساتھ ۔

سوم: حضرت مرزا صاحب مکلّم من اللہ ہونے کے دعویدار تھے ۔ پرویز صاحب کہتے ہیں کہ کسی انسان کا مکلّم من اللہ ہونا خارج از امکان ہے ۔ لہذا ایسا مدعی جھوٹا ہے کیونکہ مکلم من اللہ کا دعوےٰ نبوت کا دعوےٰ ہے جو کفر ہے اور خارج از اسلام ہو جانے کا موجب ہے ۔ لہذا مرزا صاحب غیر مسلم خارج از اسلام ہیں اور ان کے معتقدین بھی ۔ اب سوال ہوتا ہے کہ پھر آپ کا ان بزرگوں اور آئمہ سلف کے متعلق کیا فتوےٰ ہے جنہوں نے حضرت مرزا صاحب سے پہلے مکلّم من اللہ ہونے کے دعوے کئے اور جن کے مسلمان اب بھی معتقد ہیں ۔ پرویز صاحب کہتے ہیں وہ لوگ گذشتہ

چکے ان کے متعلق وہ کچھ کہنا نہیں چاہتے اور ان کے معتقد مسلمان وہ بے علم جاہل ہیں ۔ یعنے فتوےٰ پرویز صاحب کا ان پر بھی وہی ہے مگر دبے کر ذرا پیچ کے ساتھ ۔ قصہ مختصر پرویزی پیچوں کو کہاں تک شمار کریں ۔ ان کی ساری کتاب اسی قسم کے پیچوں سے بھری ہوئی ہے ۔ لہذا انہیں اگر پرویز صاحب کی بجائے "پُرپیچ صاحب" کہا جائے تو بات اسم بامسمیٰ ہوگی ۔

## تیسرا الزام ۔ تکفیر المسلمین

علمائے اسلام میں باہمی تکفیر بازی کی وباء مدت سے عام ہو رہی تھی ۔ خود پرویز صاحب لکھتے ہیں :۔

" ان کے فتاوےٰ کفر کی بے محابیوں کا یہ عالم تھا اور ہے کہ مسلمانوں کا کوئی فرقہ ایسا نہیں جس پر دوسرے فرقوں کے علماء نے کفر کا فتوےٰ نہ لگایا ہو ۔ بالفاظ دیگر اس وقت عالم اسلام میں شاید ہی کوئی مسلمان ایسا ہو جو ان کے فتوؤں کے مطابق کافر نہ قرار پا چکا ہو"

پیچ وا ویلا ان کا اس وجہ سے ہے کہ ان فتاوےٰ کی زد خود ان پر بھی پڑی ہوئی ہے ۔ علمائے اسلام نے ان کو بھی کافر خارج از اسلام قرار دے رکھا ہے ۔ لیکن حضرت مرزا صاحب نے اس تکفیر بازی کی سخت مخالفت کی ہے جیسا کہ فرمایا ؎

کلمہ گویاں را چرا کافر نہی نام اے اخی
رو اگر مردی یہودے را باسلام اندر آر

اور تعجب کی بات ہے کہ پرویز صاحب یہ الزام حضرت مرزا صاحب پر عائد کرتے ہیں ۔ پھر اس پر بڑا زور دیتے ہیں ۔ خود نہ صرف مرزا صاحب کو بلکہ لاکھوں کلمہ گو اہل قبلہ پابند صوم و صلوٰۃ احمدیوں کو کافر خارج از اسلام قرار دے کر خوشیاں مناتے ۔ انبساط و تشکر کے گیت گاتے ہیں بلکہ خوشی سے پھولے نہیں سماتے ہیں ۔ ان کے قول و فعل کا یہ تضاد افسوسناک ہے ۔ حضرت مرزا صاحب پر ان کا یہ الزام کھلا جھوٹ ہے ۔ حضرت اقدسؑ کی کسی تحریر کے بعض ٹکڑے سیاق و سباق سے الگ کرکے لکھ دینا اور ان سے خلاف منشائے مصنف مفہوم نکال کر اعتراض جمانا سراسر امانت و دیانت کے منافی ہے ۔ آپ کا مسلک و موقف اس مسئلہ میں بالتفصیل مندرجہ ذیل ہے ۔ فرماتے ہیں:

(۱) " ابتداء سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعوے کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر نہیں ہو سکتا ہاں ضال اور جادۂ صواب سے منحرف ضرور ہوگا ...... میں کسی کلمہ گو کا نام کافر نہیں رکھتا جب تک کہ وہ میری تکفیر اور تکذیب کرکے اپنے تئیں کافر نہ بنا لیوے ....... اور اس بات کا وہ خود اقرار کر سکتے ہیں کہ اگر میں اللہ تعالےٰ کے نزدیک مسلمان ہوں تو مجھ کو کافر بنانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فتوےٰ ان پر یہی ہے کہ وہ خود کافر ہیں ۔ سو میں ان کو کافر نہیں کہتا بلکہ وہ مجھ کو کافر کہہ کر خود فتوےٰ نبویؐ کے نیچے آتے ہیں"

(تریاق القلوب صفحہ ۱۳۰ ۔ ۱۳۱)

(۲) " وہ (مخالف علماء) خود اس بات کا اقرار رکھتے

ہیں کہ اگر میں مفتری نہیں اور مومن ہوں تو اس صورت میں وہ میری تکذیب اور تکفیر کے بعد کافر ہوئے اور مجھے کافر ٹھہرا کر اپنے کفر پر مُہر لگا دی۔ یہ ایک شریعت کا مسئلہ ہے کہ مومن کو کافر کہنے والا آخر کافر ہو جاتا ہے پھر جبکہ قریباً دو سو مولویوں نے مجھے کافر ٹھہرایا اور میرے پر کفر کا فتوے لکھا گیا اور انہیں کے فتوے سے یہ بات ثابت ہے کہ مومن کو کافر کہنے والا انسان خود کافر ہو جاتا ہے ......... اگر یہ مسئلہ صحیح نہیں ہے کہ کسی کو کافر کہنے سے انسان خود کافر ہو جاتا ہے تو اپنے مولویوں کا فتوے مجھے دکھلا دیں میں قبول کر لوں گا اور اگر کافر ہو جاتا ہے تو دو سو مولوی کے کفر کی نسبت نام بنام ایک اشتہار شائع کر دیں بعد اس کے حرام ہوگا کہ میں ان کے اسلام میں شک کروں"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۶۳—۱۶۴)

(۳) "پھر اس جھوٹ کو تو دیکھو کہ ہمارے ذمہ یہ الزام لگاتے ہیں کہ گویا ہم نے بیس کروڑ مسلمانوں اور کلمہ گو کو کافر ٹھہرایا۔ حالانکہ ہماری طرف سے تکفیر میں کوئی سبقت نہیں ہوئی خود ہی ان کے علماء نے ہم پر کفر کے فتوے لکھے اور تمام ہندوستان اور پنجاب میں شور ڈالا کہ یہ لوگ کافر ہیں۔ کیا کوئی مولوی یا کوئی اور مخالف یا کوئی سجادہ نشین یہ ثبوت دے سکتا ہے کہ پہلے ہم نے ان لوگوں کو کافر ٹھہرایا تھا۔ اگر کوئی ایسا کاغذ۔ یا اشتہار یا رسالہ ہماری طرف سے ان لوگوں کے فتوے کفر سے پہلے شائع ہوا ہے جس میں ہم نے مخالف مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا ہو تو وہ پیش کریں ورنہ خود سوچ لیں کہ یہ کس قدر خیانت ہے کہ کافر تو ٹھہرادیں آپ اور پھر ہم پر یہ الزام لگاویں کہ گویا ہم نے تمام مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا ہے۔ اس قدر خیانت اور جھوٹ اور خلاف واقعہ تہمت کس قدر دل آزار ہے۔ ہر ایک عقلمند سوچ سکتا ہے۔ اور پھر جبکہ ہمیں اپنے فتووں کے ذریعہ سے کافر ٹھہرا چکے اور آپ ہی اس بات کے قائل بھی ہو گئے کہ جو شخص مسلمان کو کافر کہے تو کفر اُلٹ کر اسی پر پڑتا ہے تو اس صورت میں کیا ہمارا حق نہ تھا کہ بموجب انہیں کے اقرار کے ہم ان کو کافر کہتے"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۲۰—۱۲۱)

(۴) وفات سے چند روز پہلے لاہور سٹیشن پر سر فضل حسین مرحوم سے آپ کی گفتگو ہوئی۔ آپ سے کہا گیا کہ دوسرے مسلمان اگر آپ کو کافر کہتے ہیں تو کہیں مگر آپ نہ کہیں تو کیا حرج ہے؟ آپ نے فرمایا:-

"ہم کسی کلمہ گو کو کافر نہیں کہتے جب تک وہ ہمیں کافر کہہ کر کافر نہ بن جاوے۔ یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے کہ جو مومن کو کافر کہے وہ کافر ہو جاتا ہے اس مسئلہ سے ہم کس طرح انکار کر سکتے ہیں۔ ہم نے پہلے ان پر کوئی فتویٰ نہیں دیا اب جو انہیں کافر کہا جاتا ہے تو انہیں کے کافر بنانے کا نتیجہ ہے۔ جو ہمیں کافر نہیں کہتا ہم اسے ہرگز کافر نہیں کہتے۔ لیکن جو ہمیں کافر کہتا ہے تو اسے کافر نہ سمجھیں تو اس میں حدیث اور متفق علیہ مسئلہ کی مخالفت لازم آتی ہے اور یہ ہم سے نہیں ہو سکتا۔"

(اخبار بدر۔ مورخہ ۲۴ر مئی ۱۹۰۸ء)

حضرت اقدسؑ کے یہ اقوال آپ کی اسی کتاب "حقیقۃ الوحی" یا اس کے بعد کے ہیں جس میں سے ایک اقتباس پرویز صاحب نے اپنی تائید میں نقل کیا ہے۔ ان سے بالبداہت یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہے کہ آپ کسی مسلمان کو کافر نہیں کہتے تھے۔ اور ہاں جو شخص آپ کو کافر کہتا تھا حدیث نبوی کے مطابق وہی کفر اس پر اُلٹا تے تھے۔ اور یہ جوابی طور پر حدیث۔ فتویٰ نبوی اور متفق علیہ مسئلہ کے مطابق کافر کہتے تھے اس سے بھی آپ کی مراد اس کا غیر مسلم خارج از اسلام ہونا نہیں بلکہ گمراہ۔ جادہ صواب سے ہٹا ہوا اور قابلِ مواخذہ ہوتا ہے جیسا کہ فرماتے ہیں:—

(۵) "ڈاکٹر عبدالحکیم خاں اپنے رسالہ المسیح الدجال وغیرہ میں میرے پر یہ الزام لگاتا ہے کہ گویا میں نے اپنی کتاب میں یہ لکھا ہے کہ جو شخص میرے پر ایمان نہیں لائے گا گو وہ میرے نام سے بھی بے خبر ہوگا

اور گو وہ ایسے ملک میں ہوگا جہاں تک میری دعوت نہیں پہنچی تب بھی وہ کافر ہو جائے گا اور دوزخ میں پڑے گا۔ یہ ڈاکٹر مذکور کا سراسر افتراء ہے میں نے کسی کتاب یا کسی اشتہار میں ایسا نہیں لکھا اس پر فرض ہے کہ وہ ایسی کوئی میری کتاب پیش کرے جس میں یہ لکھا ہے ....... ہاں میں کہتا ہوں کہ چونکہ میں مسیح موعود ہوں پس جس شخص پر میرے مسیح موعودؑ ہونے کے بارے میں خدا کے نزدیک اتمام حجت ہو چکا ہے اور میرے دعوے پر وہ اطلاع پا چکا ہے وہ قابل مواخذہ ہوگا کیونکہ خدا کے فرستادوں سے دانستہ منہ پھیرنا ایسا امر نہیں ہے کہ اس پر کوئی گرفت نہ ہو۔ اس گناہ کا داد خواہ میں نہیں ہوں بلکہ ایک ہی ہے جس کی تائید کے لئے میں بھیجا ہوں یعنے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم"۔ (حقیقۃ الوحی ص۱۷۸)

یعنے حضرت اقدسؑ نے کافر کہنے والوں کو جواباً جو کافر کہا اُس کافر کے لفظ سے مراد "گناہگار" ہونا ہے۔ صاحبانِ انصاف پسند اور حق طلب غور کریں۔ کیا ان وضاحتوں اور صراحتوں سے اظہر من الشمس نہیں کہ غلام احمد پرویز کا یہ الزام جھوٹ کا کوہ ہمالہ ہے۔

## چوتھا الزام

پرویز صاحب لکھتے ہیں مرزا صاحب نے

خدا کا ظہور ہونے۔ خاتم الانبیاء ہونے

محمد رسول اللہ ہونے کے دعوے کئے

یہ الزامات پرویز صاحب کی "مادہ پرستی" پر مبنی کج فہمی پر دال ہیں۔ پرویز صاحب غور کریں وہ خود وحی خداوندی کی ضرورت کے باب میں انسانی زندگی کی تین شاخیں یا شقیں بیان کرتے ہیں۔ (پہلی شاخ) جس کے متعلق لکھتے ہیں۔

"ایک اس کی طبعی زندگی ہے۔ یعنی اس کے بدن یا جسم کی زندگی"۔ ص۳۵

زندگی کی اس شاخ کے متعلق کہتے ہیں وحیِ خداوندی کی ضرورت نہیں کیونکہ

"اس کی اس زندگی کے تقاضے وہی ہیں جو دیگر حیوانات کے ہیں۔ کھانا پینا۔ سونا۔ سانس لینا۔ افزائش نسل کرنا اور ایک مُدت کے بعد مر جانا۔ ان امور کا تعلق قوانین فطرت سے

جلد ۶۳ | یوم چہارشنبہ ۲ صفر المظفر ۱۳۹۶ھ مطابق ۴ فروری ۱۹۷۶ء | نمبر ۵

(ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام)

# کامل کی دعا میں ایک قوتِ تکوین پیدا ہو جاتی ہے

## اور باذنہٖ تعالےٰ وہ دعا عالمِ سفلی اور علوی میں تصرف کرتی ہے

اب ہم فائدہ عام کے لئے کچھ استجابت دعا کی حقیقت ظاہر کرتے ہیں سو واضح ہو کہ استجابت دعا کا مسئلہ در حقیقت دعا کے مسئلہ کی ایک فرع ہے اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جس شخص نے اصل کو سمجھا ہوا نہیں ہوتا اس کو فرع کے سمجھنے میں پیچیدگیاں واقع ہوتی ہیں اور دھوکے لگتے ہیں پس یہی سبب سید صاحب کی غلط فہمی کا ہے۔ اور دعا کی ماہیت یہ ہے کہ ایک سعید بندہ اور اس کے رب میں ایک تعلق جاذبہ ہے یعنی پہلے خدا تعالےٰ کی رحمانیت بندہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے پھر بندہ کے صدق کی کششوں سے خدا تعالےٰ اس سے نزدیک ہو جاتا ہے اور دعا کی حالت میں وہ تعلق ایک خاص مقام پر پہنچ کر اپنے خواص عجیبہ پیدا کرتا ہے سو جس وقت بندہ کسی سخت مشکل میں مبتلا ہو کر خدا تعالےٰ کی طرف کامل یقین اور کامل امید اور کامل محبت اور کامل وفاداری اور کامل ہمت کے ساتھ جھکتا ہے اور نہایت درجہ کا بیدار ہو کر غفلت کے پردوں کو چیرتا ہوا فنا کے میدانوں میں آگے سے آگے نکل جاتا ہے پھر آگے کیا دیکھتا ہے کہ بارگاہِ الوہیت ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں تب اس کی روح اس آستانہ پر سر رکھ دیتی ہے اور قوتِ جذب جو اس کے اندر رکھی گئی ہے وہ خدا تعالےٰ کی عنایات کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ تب اللہ جلشانہ اس کام کے پورا کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس دعا کا اثر ان تمام مبادی اسباب پر ڈالتا ہے جن سے ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں۔ جو اس مطلب کے حاصل ہونے کے لئے ضروری ہیں۔ مثلاً اگر بارش کے لئے دعا ہے تو بعد استجابت دعا کے وہ اسباب طبعیہ جو بارش کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ اس دعا کے اثر سے پیدا کئے جاتے ہیں۔ اور اگر قحط کے لئے بد دعا ہے تو قادرِ مطلق مخالفانہ اسباب کو پیدا کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ بات ارباب کشف اور کمال کے نزدیک بڑے بڑے تجارب سے ثابت ہو چکی ہے کہ کامل کی دعا میں ایک قوتِ تکوین پیدا ہو جاتی ہے یعنی باذنہٖ تعالےٰ وہ دعا عالم سفلی اور علوی میں تصرف کرتی ہے۔ اور عناصر اور اجرامِ فلکی اور انسانوں کے دلوں کو اس طرف لے آتی ہے۔ جو طرفِ مؤید مطلوب ہے۔ خدا تعالےٰ کی پاک کتابوں میں اس کی نظیریں کچھ کم نہیں ہیں۔ بلکہ اعجاز کی بعض اقسام کی حقیقت بھی در اصل استجابت دعا ہی ہے اور جس قدر ہزاروں معجزات انبیاء سے ظہور میں آتے ہیں یا جو کچھ کہ اولیائے کرام ان دنوں تک عجائب کرامات دکھلاتے رہے اس کا اصل اور منبع یہی دعا ہے۔ اور اکثر دعاؤں کے اثر سے ہی طرح طرح کے خوارق قدرتِ قادر کا تماشا دکھلاتے رہے ہیں۔ وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گذرا کہ لاکھوں مردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے اور پشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے اور آنکھوں کے اندھے بینا ہو گئے۔ اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے۔ اور دنیا میں یک دفعہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا۔ کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا؟ وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعائیں ہی تھیں جنھوں نے دنیا میں شور مچا دیا۔ اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اس امی بیکس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔

# ابتلاء و آزمائش کی غرض تو انسانوں پر انکے ایمان کی اصلی حقیقت کو منکشف کرنا ہوتا ہے یا

## دوسرے اُن لوگوں کو جو ان کے دعوئے ایمان سے دھوکہ کھا رہے ہوتے ہیں۔ واقف کرنا ہوتا ہے

### خُطبہ جُمعہ۔ مؤرخہ ۹ر جنوری ۱۹۷۶ء۔ فرمودہ جناب علامہ شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب۔ جامع احمدیہ۔ احمدیہ بلڈنگس لاہور

الم٥ احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا اٰمنا وھم لایفتنون ٥ ولقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکاذبین ام حسب الذین یعملون السیئات ان یسبقونا ساء ما یحکمون ٥ من کان یرجوا لقاء اللہ فان اجل اللہ لاٰت وھو السمیع العلیم ٥ ...... ولنجزینھم احسن الذی کانوا یعملون۔ ——— (سورۃ العنکبوت - ع)

یہ سورۃ العنکبوت کے پہلے رکوع کی آیات ہیں جو میں نے تلاوت کی ہیں ان آیات میں ایمان کا دعوےٰ کرنے والوں کو مختلف قسم کی آزمائشوں میں ڈالنے کا ذکر ہے تا پتہ لگے کہ ان کا ایمان حقیقی اور صدق پر مبنی ہے یا محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے جس میں حقیقت کا نام و نشان نہیں۔

**ایک اعتراض اور اس کا جواب** آزمائشوں کے ذکر پر بعض یہ اعتراض کرتے ہیں کہ خدا کو آزمائش کی کیا ضرورت ہے آزمائش کی ضرورت تو اس کو پیش آتی ہے جسے علم نہ ہو یا جس کا علم ناقص ہو لیکن خُدا کے متعلق تو یہ مسلّم ہے کہ اس کا علم کامل ہے جس میں نقص کا شائبہ تک نہیں اس اعتراض کا جواب خدا نے سورۃ کے ابتدائی لفظ "الٓمٓ" میں دے دیا ہے۔ "الٓمٓ" کے معنی ہیں میں ہر چیز کا سب سے بڑھ کر علم رکھتا ہوں دنیا کی کوئی چیز میرے علم سے باہر نہیں حتیّٰ کہ انسان کے اندرونی خیالات اور اس کے مخفی در مخفی ارادے بھی میرے علم سے باہر نہیں۔ اس کی شعوری و غیر شعوری ساری کیفیات بھی میرے علم میں ہوتی ہیں۔

**اشیاء کے متعلق خُدا کا علم** دنیا کی تمام اشیاء کے متعلق اللہ تعالےٰ نے اپنے علم کا ذکر مندرجہ ذیل آیۃ میں کیا ہے وعندہٗ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو ویعلم ما فی البّر والبحر وما تسقط من ورقۃ الا یعلمھا ولا حبۃ فی ظلمات الارض ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔ غیب کے تمام خزانے اللہ کے پاس ہیں۔ ان خزانوں کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا جو کچھ خشکی اور تری میں ہے اس کے ذرّہ ذرّہ کا علم خُدا کو ہے کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ خدا کے علم میں ہوتا ہے اور زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ نہیں یعنی کوئی رطب اور یابس چیز نہیں مگر وہ خدا کے کھُلے کھُلے علم میں ہوتی ہے۔

**انسانوں کے متعلق خُدائی علم** اشیاء کے متعلق اپنے علم کا ذکر کرنے کے بعد انسانوں کے متعلق فرمایا اے انسان! وان تجھر بالقول فانہ یعلم السّر واخفی اگر تو اپنی بات کو کھل کر کہہ دے تو اس کو بھی وہ جانتا ہے اور اگر تو اپنے دل کی باتوں کو لوگوں سے بطور سِرّ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر خفا میں رکھنا چاہے یعنے صرف اپنے دل کے مخفی خانوں سے باہر نہ نکلنے دے تب بھی وہ خدا کے علم سے مخفی نہیں رہ سکتیں۔ اسی کو شعوری اور غیر شعوری کہتے ہیں۔

**ایمانی حالت کے متعلق خدائی علم** یہ تو ہر انسان کی عام حالت اور اس کی دلی کیفیات کا ذکر تھا۔ اب اس کی ایمانی حالت کے متعلق خدا اپنے علم کا ذکر مندرجہ ذیل آیات میں فرماتا ہے۔ سورۃ البقرہ ع۲ کے شروع میں ہی فرماتا ہے ومن الناس من یقول اٰمنا باللہ وبالیوم الاخر وما ھم بمؤمنین۔ یخادعون اللہ والذین اٰمنوا وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا ولھم عذاب الیم بما کانوا یکذبون۔ بعض لوگ منہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں اللہ کو مانتے ہیں یوم آخر پر ہمارا ایمان ہے لیکن خدا شہادت دیتا ہے کہ وہ مومن ہرگز نہیں یہ خدا کو اور مومنوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں حالانکہ یہ اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہوتے ہیں لیکن یہ عقل سے اس قدر کورے ہیں کہ انہیں اس بات کا بھی شعور نہیں کہ انسانوں کو دھوکہ دیا جا سکتا ہے لیکن خدا کو دھوکہ دینا محال ہے وہ دھوکا نہیں کھا سکتا۔

**دھوکہ نہ کھانے کی دلیل** اس کے بعد اللہ تعالےٰ زبردست دلیل اس حقیقت کے ثبوت میں پیش کرتا ہے کہ خدا کسی کے محض دعویٰ ایمان سے دھوکہ نہیں کھا سکتا کیونکہ وہ انسان کے صرف ظاہر کو ہی نہیں دیکھتا بلکہ اس کی نظر اس کے باطن کی گہرائیوں پر ہوتی ہے اس کی دلیل کہ اس نے ان کے ظاہری ایمانوں سے دھوکا نہیں کھایا یہ ہے۔ ایسے لوگوں کے دلوں میں روحانی بیماری ہے۔ اور یہ روحانی تپ دق ان کی رُوح کو چمٹی ہوئی ہے اگر ان کے باطن میں حقیقی ایمان ہوتا اور قرآن کریم پر مخلصانہ عمل ہوتا تو قرآن کریم کی شان تو یہ ہے کہ وہ تمام رُوحانی بیماریوں سے شفاء کا کام دیتا ہے لیکن ان کی حالت بیماری میں تو دن بدن اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ خدا نے ہرگز دھوکہ نہیں کھایا ورنہ اگر وہ ان کے دعوئے ایمان کو صدق پر مبنی یقین کرتا تو ان کی روحانی بیماریوں کو دن بدن کم کرتا جاتا اس کے برعکس ان کا انجام تو یہ ہو رہا ہے کہ اپنے اس جھوٹ کے نتیجہ میں عذاب الیم کا شکار ہو رہے ہیں۔

**حقیقت پر سے پردہ اُٹھانا** اللہ تعالےٰ نے الفاظ بما کانوا یکذبون میں ان کے دعوئے کو جھوٹ پر مبنی قرار دیتے ہوئے ان کے دعوئے ایمان کی حقیقت پر سے پردہ اُٹھا دیا ہے پھر سورۃ المنافقون میں ایسے منافقوں کے متعلق صریح الفاظ میں فرمایا کہ یہ جو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ یقیناً تو خدا کا رسول ہے یہ تو ٹھیک ہے کہ تو خدا کا رسول ہے لیکن یہ منافق جھوٹے ہیں یہ اپنے دلوں میں ہرگز تجھے خدا کا رسول نہیں سمجھتے۔ اسی طرح سورۃ الحجرات میں اعراب کے اس قول پر کہ ہم مومن ہیں فرمایا یہ مت کہو کہ ہم مؤمن ہیں ایمان تو ابھی تک

(باقی بر صفحہ ۱۰ کالم نمبر ۲)

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— ۴ر فروری ۱۹۷۶ء

# آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے

کراچی کے سندھی روزنامہ "ہلال پاکستان" مؤرخہ ۶ر جنوری ۱۹۷۶ء کی ایک خبر کے مطابق جناب شیخ ایاز صاحب کو سندھ یونیورسٹی کا وائس چانسلر مقرر کیا گیا ہے۔ اس تقرر کے متعلق روزنامہ "نوائے وقت" کی ۱۹ر اور ۲۰ر جنوری کی اشاعتوں میں حیدر آباد کے احمد خانزادہ سندھی صاحب کا ایک قسط وار مقالہ شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے شیخ صاحب موصوف کے اس منصب پر فائز ہونے کو ان کے مخصوص "مذہب اور وطن دشمن" نظریات کے مدِ نظر قابلِ اعتراض اور "بے جا نوازش" قرار دیا ہے۔

اس کے ثبوت میں جناب احمد خانزادہ صاحب نے شیخ صاحب کی کتابوں "کلہے پاتم کینرو" "بھنور بھرے آکاش" "جے کاش لکو ریا کا بیڑی" اور سندھی رسالہ "مہران" میں سے ترجمہ کرکے کچھ اقتباسات پیش کئے ہیں۔ ان اقتباسات میں سے چند ایک چبھتے ہوئے فقرے جو ان کی سوچ اور فکر کی نشاندہی کرتے ہیں قارئین کرام کی دلچسپی کے لئے یہاں درج کئے جاتے ہیں:—

"دین اور دھرم سب ڈھول ہیں"۔ "مسجد اور اذان مکر و فریب ہیں"۔ "نہ اللہ باقی ہے نہ انسان فانی ہے"۔ "میں ان دیکھے خدا کو نہیں مانتا"۔ "عرش والا کم نہیں۔ تیرے پاس بھی حور و غلمان اور شراب طہور موجود ہیں"۔ "خدا کہیں بھی موجود نہیں ہے اور یہ سب ڈھونگ ہے"۔ "قرآن سے کیا حاصل ہوتا ہے"۔ "قرآن پڑھنا بکنا ہے"۔ "میرا کوئی نبی۔ ولی۔ اوتار اور رشی نہیں اور نہ میرا کوئی مصحف ہے اور نہ کوئی کتاب ہے اور نہ کوئی پوتھی پستک" وغیرہ۔ یہاں صرف وہی فقرے نقل کئے گئے ہیں جن کا خدا۔ رسول اور قرآن کے انکار سے تعلق ہے۔

اگر سندھی کتابوں میں سے اخذ کئے گئے اقتباسات کا یہ ترجمہ درست ہے تو یہ نتیجہ اخذ کرنے میں بھی کوئی مشکل پیش نہیں آتی کہ خدا رسول اور قرآن کا یا یوں کہئے کہ دین کا جو مجموعی تصور ایاز صاحب کے سامنے پیش کیا جاتا رہا ہے یا دین کے علمبرداروں کا جو عملی نمونہ ان کے سامنے رہا ہے یہ اس سے گہری مایوسی اور ناامیدی کا ایک ناخوشگوار شدید ردِ عمل ہے جو انہیں اس نقطہ پر لے آیا ہے۔ وہ نہ صرف اسلام کے خدا۔ رسول اور قرآن سے متنفر ہیں بلکہ وہ ہر اس مذہب کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں جو آنکھوں سے اوجھل کسی ہستی کو اپنی بنیاد قرار دیتا ہو۔ ایک طرف تو وہ یہ کہتے ہیں کہ صرف "انسانیت ہی میرا مذہب ہے" اور دوسری طرف یہ ساری انسانیت ان کو صوبہ سندھ کی حدود میں سمٹی ہوئی نظر آتی ہے جو ان کی زبان بولتی ہے۔ ان کی ثقافت کو اپنائے ہوئے ہے اور صرف ان کی داڈو قوم سے تعلق رکھتی ہے۔ اس ساری کائنات میں پھیلی ہوئی نسلِ انسانی سے انہیں کوئی واسطہ نہیں۔ اس کی وجہ صرف یہی دکھائی دیتی ہے کہ ان کے سامنے خدا کا بحیثیت رب العٰلمین اور رسول کا بحیثیت رحمۃ اللعٰلمین اور قرآن کریم کا بحیثیت ایک ایسی کتاب کے جو ان دونوں ہستیوں کی ان صفات کا احاطہ کئے ہوئے ہے کوئی ٹھوس بنیادی نظریہ نہیں اس لئے ان کے ان الفاظ کو ایک پریشان ذہن کے پریشان خیالات سے ہی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ ان پر قرآن کریم کے یہ الفاظ کیسے ٹھیک بیٹھتے ہیں کہ "شاعر ہر وادی میں پریشان بھٹکتے پھرتے ہیں"۔ آج سے کوئی دو تین سال قبل ملک کے ایک نامور شاعر فراز کو اپنے ایک شعر میں رسولوں کی کتابوں کو نفرت کے صحیفے کہنے پر اپنے عہدہ سے علیحدہ ہونا پڑا۔

یہ طرزِ فکر نیا نہیں۔ یہ اس وقت سے ہی موجود ہے جب سے بنی نوع انسان نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے اس کائنات ارضی کو نوازا۔ ہر زمانہ میں ایسے نظریات کسی نہ کسی شکل میں جنم لیتے اور پروان چڑھتے رہے ہیں۔ اور قرآن کریم اس پر گواہ ہے کہ جب بھی ایسے گم کردہ راہ انسانوں کو اپنی معرفت کی راہیں سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان میں اپنے نذیر اور بشیر بھیجے تو قوم کے صاحب حیثیت طبقہ نے ہی ایسے بندگانِ خدا کے راستے میں کانٹے بچھائے اس لئے کہ وہ اپنی نفس پرستی کی روایات سابقہ سے آزاد ہو کر قیود کا کوئی ایسا جُوا اپنی گردن میں ڈالنے کے لئے تیار نہیں تھے جو کسی آنے والی خیالی زندگی کے سہانے خوابوں سے ان کا دل بہلانے کا سامان کرتا ہو۔ سورۃ الاعراف شروع سے آخر تک پڑھ جائیے وہاں یہی نظر آئے گا کہ جب بھی خدا کے ساتھ تعلق قائم کرنے کا پیغام دیا گیا اس کا جواب "قال الملأ من قومه" (اس کی قوم کے سرداروں نے کہا) سے شروع ہوا۔ یہ روحانی اور مادی قوتوں کا ٹکراؤ ہمیشہ سے چلا آرہا ہے۔ لیکن کثرت ہمیشہ مادہ کے پرستاروں کی رہی ہے کیونکہ ان کے حواس خمسہ کی قوتِ ادراک اپنے محدود سطحی دائرے سے پرے نہیں دیکھ سکتی اور ساتھ ہی ان کے دنیوی مادی مفادات پر زد پڑنے کا بھی امکان ہوتا ہے۔ اسی لئے جب ایسے طبقہ کے سامنے ایک ان دیکھے خدا کا تصور پیش کیا گیا اور پیش کرنے والے نے اپنی ہستی کو اس کے لئے بطور دلیل سامنے رکھا اور اس کے ہاتھ پر اس کی تائید میں خارق عادت واقعات بھی رونما ہوئے۔ دیکھنے والوں نے اسے ساحر۔ مجنون اور کاہن اور مفتری کے القابات سے نوازا یہ باتیں ان کی سمجھ سے بالاتر تھیں۔ امراء رؤسا کے علاوہ وقت کا طبقۂ علماء بھی اس میں پیش پیش رہا۔

ہر مذہب کے علماء نبی وقت کے وارث ہوتے ہیں۔ علماء بنی اسرائیل انبیاء بنی اسرائیل کے وارث تھے اور علماء عیسائیت حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے وارث ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہاں تک فرما دیا کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہوں گے۔ جو لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کا کام کریں گے۔ اتنا بلند مقام اور اتنی بھاری ذمہ داری۔ کیا کسی نے یہ مقام پہچانا اور اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی قلیل سی بھی سعی کی۔ مقام افسوس ہے کہ رحمۃ اللعٰلمین کی امت اس وقت بہتر سے بھی زیادہ فرقوں میں بٹی ہوئی ہے اور ہر فرقہ کے علماء دوسرے فرقہ سے وابستگان کو کافر اور ملحد کے خطابات سے مخاطب کرتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے پیچھے ایک ہی مسجد میں نماز تک ادا کرنے کے روادار نہیں۔ حالانکہ دعویٰ سب کا یہی ہے کہ ہمارا خدا ایک رسول ایک اور قرآن ایک ہے۔ اور سب ہی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والے ہیں اگر یہ سب کچھ ایک ہے تو پھر یہ افتراق و انتشار اور تشتت کے کیا معنی۔ نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ دل اور دماغ پر خدا۔ رسول اور قرآن کی حکومت نہیں۔ نفس پرستی کا بھوت سوار ہے جس نے امتِ مسلمہ کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے اسے ذلت و رسوائی اور ذہنی

کشمکش سے دو چار کر دیا ہے۔ اس وقت اگر قولاً نہیں تو فعلاً مسلمانوں کے دن رات ایسے بسر ہوتے ہیں جیسے اللہ تعالےٰ کی ہستی کو انکے کاروبار اور معمولات میں کوئی دخل نہیں۔ دل اس کی محبت۔ خوف اور تقوےٰ سے خالی ہو چکے ہیں۔ ثقافت۔ قومیت۔ زبان۔ دولت، نسل اور وطن کے روپ میں نئے خداؤں نے جنم لے لیا ہے اور کسی کو سامنے آکر سینے پہ ہاتھ رکھ کر یہ کہنے کی جرأت نہیں کہ تمہارے یہ معبود سب باطل ہیں۔ میری زندگی تمہارے سامنے ہے آؤ میں تمہیں دکھاؤں خدا کیا ہے۔ کہاں ہے۔ اس کی قدرتیں اور طاقتیں کیا چیز ہیں اور اس کے در پہ دستک دینے والے کی زندگی میں کیا کیا محیّر العقول انقلابات واقع ہوتے ہیں۔ ہاں اگر اُٹھا تو خاکِ قادیان سے ایک عاشقِ خدا اور عاشقِ رسول اُٹھا اور پکارا:

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

اور فرمایا کہ میرے پاس آؤ۔ اگر تھوڑے عرصے میں تم کوئی غیر معمولی اور خارق عادت نشان نہ دیکھو تو میں جھوٹا ہوں۔ اور سزا بھگتنے کے لئے تیار رہوں گا۔

آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہر چند
ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے

اس کی تعلیم کیا تھی۔ یہی کہ:—

"اُسی خدا کو مانو جس کے وجود پر توریت اور انجیل اور قرآن تینوں متفق ہیں کوئی ایسا خدا اپنی طرف سے مت بناؤ جس کا وجود ان کتابوں کی متفق علیہ شہادت سے ثابت نہیں ہوتا وہ بات مانو جس پر عقل اور کانشنس کی گواہی ہے اور خدا کی کتابیں اس پر اتفاق رکھتی ہیں۔ خدا کو ایسے طور سے نہ مانو جس سے خدا کی کتابوں میں پھوٹ پڑ جائے۔ زنا نہ کرو۔ جھوٹ نہ بولو اور بدنظری نہ کرو اور ہر ایک فسق و فجور اور ظلم اور خیانت اور فساد اور بغاوت کی راہوں سے بچو اور نفسانی جوشوں کے مغلوب مت ہو۔ پنج وقت نماز ادا کرو کہ انسانی فطرت پر پنج طور پر ہی انقلاب آتے ہیں اور اپنے نبی کریمؐ کے شکر گذار رہو اور اس پر درود بھیجو کیونکہ وہی ہے کہ جس نے تاریکی کے زمانہ کے بعد نئے سرے خدا شناسی کی راہ دکھلائی۔ اپنے رسول کی متابعت کرو اور قرآن کی حکومت اپنے سر پر لے لو کہ وہ خدا کا کلام اور تمہارا سچا شفیع ہے۔ اسلام کی ہمدردی اپنی تمام قوتوں سے کرو اور زمین پر خدا کے جلال اور توحید کو پھیلاؤ۔ مجھ سے اس غرض سے بیعت کرو کہ تا تمہیں مجھ سے روحانی تعلق پیدا ہو اور میرے درخت وجود کی ایک شاخ بن جاؤ اور بیعت کے عہد پر موت کے وقت تک قائم رہو۔"

۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو جب پاکستان کی قومی اسمبلی نے خدا۔ رسول اور قرآن کے حکم کے صریح خلاف اس تعلیم پر کاربند لاکھوں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والے انسانوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا تو ہفتہ تشکر منایا گیا۔ دیگیں چڑھائی گئیں۔ مٹھائیاں تقسیم ہوئیں۔ مبارکباد دی گئی۔ اخبارات نے اداریئے لکھے اور خصوصی اشاعت کا اہتمام کیا گیا۔ لوگ ایک دوسرے سے گلے ملے کہ ہم اگر کسی کو اسلام میں داخل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے تو کیا ہوا مسلمان کہلانے والے لاکھوں کو دائرہ اسلام سے خارج کرنے میں تو کامیاب ہو گئے۔ اب ہم روزِ محشر فخر سے سر اُونچا کر کے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ آپ کی ختم نبوت کے تحفظ کا سہرا ہمارے سر ہے۔ ہماری شفاعت کیجئے۔

اس کے فوراً ہی بعد پنجاب کے ایک سابقہ وزیر اعلےٰ کے اس بیان پر کہ "قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے سے سوشلزم کے لئے راہ ہموار ہو گئی ہے" ایک عالمِ دین بہت سٹ پٹائے اور فرمایا کہ یہ منطق ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ ہم نے تو اسلام کے لئے راہ ہموار کی تھی نہ کہ سوشلزم کے لئے۔ یہ منطق ان کی سمجھ میں کبھی نہیں آئے گی۔ راہ سوشلزم کے لئے ہی ہموار ہوئی ہے۔ اس لئے وادیٔ مہران سے اگر دہریت کے حق میں نعرے لگتے ہیں۔ لٹریچر شائع ہوتا ہے اور نظمیں لکھی جاتی ہیں۔ خدا رسول اور قرآن کو نازیبا الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے تو اس پر برافروختہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور اگر آپ کے حساس ذہن کے لئے یہ صدمہ قابل برداشت نہیں تو پھر غیرت ملّی اور دینی کا یہ تقاضا ہے کہ ایسے بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہِ راست پر لانے کے لئے حضرت مرزا صاحب کی طرح یہ آواز بلند کریں کہ آؤ دیکھو ہماری زندگی خدا کی ہستی پر ایک زندہ دلیل ہے۔ ہمارے پاس رہ کر خدا کے نشان دیکھو اور اگر ہم نہ دکھا سکیں تو جو سزا چاہو دے دو۔ تو ایسا ہرگز نہ ہو سکے گا اور کبھی نہیں ہو سکے گا۔

کیونکہ نفس روح پر غالب ہے

(پروفیسر خلیل الرحمٰن۔ ایم۔ ایس سی — ایڈیٹر)

---

## (تحریکِ احمدیت اور غلام احمد پرویز — بقیہ صفحہ ؟)

۳۔ وہابیوں کا تصوّر
۴۔ اہلِ قرآن کا تصوّر
۵۔ نیچریوں کا تصوّر
۶۔ پرویزیوں کا تصوّر
۷۔ سوشلسٹوں کا تصوّر

ہمیں بتلایا جائے کہ ان میں سے کونسا تصوّر ہے جسے دین اللہ "اسلام" سمجھا جائے؟ اور آئین پاکستان ان میں سے کس تصوّر کو دین اللہ "اسلام" قرار دیتا ہے؟ کیونکہ جماعت احمدیہ لاہور کا وہ رکن اس "اسلام" کو اختیار کرنا چاہتا ہے جو دین اللہ اسلام ہے اور اسی دین اللہ اسلام کے مطابق وہ "مسلمان" متصور ہونا چاہتا ہے۔ کیونکہ مملکتِ پاکستان کا مذہب اسلام وہی ہے اور وہی ہو سکتا ہے جو دین اللہ "اسلام" ہے۔ اگر کہا جائے کہ یہ سب تصوّر دین اللہ "اسلام" ہیں جسے کوئی چاہے اختیار کرے تو یہ قول بالبداہت باطل۔ ناممکن اور ناقابل قبول ہے کیونکہ ہر رطب و یابس اللہ کا دین "اسلام" نہیں ہو سکتا۔ ایسی صورت میں ہمیں بتلایا جائے کہ ہم کیا کریں؟ پھر بھی واضعین آئین اگر یہی سمجھیں کہ یہ سب مختلف النوع متضاد المفہوم تصوّرات دین اللہ "اسلام" ہیں تو آئین میں یہی تعریف درج کر دیں تا آئین مکمل اور معاملہ ختم ہو۔ کوئی آئین دنیا میں ایسا نہیں جس نے کوئی اصطلاح اپنی بنیاد کے لئے استعمال کی ہو مگر اس کی تعریف اور وضاحت نہ کی ہو ماسوا آئینِ پاکستان کے۔ اور انشاء اللہ تعالےٰ واضعین آئینِ پاکستان کبھی ایسا نہ کریں گے اور نہ کر سکیں گے۔ شاید کوئی صاحبِ دل کسی وقت کچھ سوچ لے ؎

جانم گداخت از غمِ ایمانت اے عزیز
ویں طرفہ تر کہ من بگمانِ تو کافرم (مسیح وقتؑ)

# اشاعتِ اصولِ دینِ اسلام کی اہمیت و افادیت

(قسط نمبر ۳)

مرا بکفر کنی متہم ازیں گفتار
کہ کفر نزد تو ابرار را سزا باشد

پاکستان اسمبلی ۱۹۷۴ء میں جب جماعت احمدیہ کے برخلاف آئین میں تبدیلی کا سوال پیش ہوا تو اس وقت یہ سوال سرفہرست تھا کہ بانیٔ سلسلہؑ نے اسلام کے بنیادی مسئلہ جہاد کو منسوخ کیا ہے۔ اس سوال سے ایک تو یہی مقصد تھا کہ دین کے بنیادی مسئلہ کو منسوخ کرنے والا شخص اور اس کے پیرو کیونکر مسلمان کہلانے کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ دوسرا مقصد اس سوال سے یہ تھا کہ دین اسلام میں نئی شریعت کا اضافہ کیا گیا ہے اور اس حرکت کا مرتکب یقیناً نئے دین کا لانے والا یا نئی نبوت کا دعویدار ہے۔

مخالفین کے اس سوال سے یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ اس امر کو بخوبی جانتے تھے کہ نئے احکام لائے بغیر یا شریعت اسلامیہ میں ترمیم و تنسیخ کئے بغیر کوئی شخص حقیقی معنوں میں مدعی نبوت قرار نہیں دیا جا سکتا، اس لئے کہ دعویٰ نبوت کا حقیقی و اصل مطلب ہی پہلی شریعت میں تبدیلی ہے، پس اگر یہ ثابت کر دیا جائے کہ حضرت بانیٔ سلسلہؑ نے کسی حکم شریعت کو منسوخ کر دیا ہے تو اس سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ آپ نے حقیقتاً نبوت کا دعوےٰ کیا ہے۔ اس لئے آپ اور آپ کے جملہ متبعین دائرہ اسلام سے خارج اور غیر مسلم ہیں مگر ان مخالفین نے اتنا نہ سوچا کہ جو شخص رات دن یہ کہتا ہو ؎

یک قدم دوری ازاں روشن کتاب
نزدِ ما کفر است و خسران و تباب

یا ہمیشہ اس امر کا وظیفہ کرتا ہو کہ قرآن کریم کا کوئی نقطہ یا شعشہ منسوخ یا تبدیل نہیں ہو سکتا یا اس کا یہ قول ہو کہ جس روز آیت ولٰکن رسول اللہ و خاتم النبیین اتری اس روز سے جبرئیلؑ وحی نبوت لانے سے منع کر دیا گیا یا یہ کہتا ہو کہ وحی نبوت حضرت آدمؑ سے شروع ہوئی اور آنحضرت صلعم پر ختم ہو گئی۔ وہ جہاد ایسے بنیادی حکم اسلام کو کیسے منسوخ قرار دے سکتا ہے؟ تعجب تو یہ ہے کہ جو لوگ خود اپنے عمل سے جہاد کو منسوخ کر چکے ہوں وہ دوسروں پر کس دیدہ دلیری سے ایسا الزام لگانے میں اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے ہیں! نہ صرف مسئلہ جہاد کے بارہ میں جماعت احمدیہ کا کوئی علیحدہ عقیدہ ہے بلکہ اس کا کوئی بھی عقیدہ یا عمل خلاف قرآن و سنت نہیں۔ اسی لئے تو حضرت بانیٔ سلسلہؑ نے یہ بھی فرمایا کہ فقہ کے مسائل میں آپ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے پیرو اور اس لئے اہلِ سنت والجماعت کے مسلک پر قائم ہیں۔

حضرت بانیٔ سلسلہؑ نے نہ صرف اسلامی جہاد کو منسوخ نہیں کیا بلکہ آپ نے اور آپ کی سچی اتباع میں جماعت احمدیہ نے ختم کردہ جہاد کو اس زمانہ میں جاری کیا ہے۔ جس جمود اور بےحسی کا شکار عام طور پر مسلمان ہو رہے تھے اور جس مایوسی و انحطاط کی گہرائیوں میں وہ گرفتار ہو چکے تھے اس سے حضرت مجددِ وقت نے انہیں نکالنے کی سعی بلیغ فرمائی۔

کیا یہ امر واقع نہیں کہ موجودہ زمانہ کی سراسر منقلب ذہنیت) دین اسلام کے بارہ میں کسی سیفی جہاد کا تقاضا نہیں کرتی؟ اگر کسی مسلمان قوم یا ملک کے تقاضے حضرت مسیح موعودؑ کے بعد ایسے بدل گئے ہوں کہ ان پر مدافعانہ جہاد سیفی کا فریضہ عاید ہوتا ہو تو یہ دیگر امر ہے لیکن پھر بھی یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ قومی و ملکی مصالح کے تحت جس مدافعانہ سیفی جہاد کا جواز اسلام میں دیا گیا ہے وہ بھی اس جہاد سے جو دین کی حفاظت کے لئے اختیار کیا جاتا ہے مختلف نوعیت رکھتا ہے۔ جیسے ذاتی حفاظت کے لئے دفاع میں کسی ڈاکو یا چور کے برخلاف کاروائی کرنے کی اجازت اسلام دیتا ہے اسی طرح قومی و وطنی تحفظ میں دفاعی جنگیں کرنا اسلام کی تعلیم ہے تاہم ان کو ان جنگوں سے نسبت نہیں جو دین کے مٹا دینے کے لئے مخالفین کرتے ہوں جیسے کہ آنحضرت صلعم اور صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں کفار کا مقصد دینِ اسلام کو نیست و نابود کر دینا تھا نہ کہ کوئی دنیاوی غرض تھی۔ لہٰذا جہاد یا قتال فی سبیل اللہ کامل طور پر ان جنگوں پر اطلاق پاتا ہے جو مخالفین دین متین کے مٹا دینے کے برخلاف دفاعی رنگ میں کی جائیں۔

بہرحال یہ تو ایک بدیہی بات ہے کہ بانیٔ سلسلہؑ اور جماعت احمدیہ اسی دین کو اپنا مذہب قرار دیتے ہیں جو آنحضرت صلعم قرآن و سنت کی صورت میں دنیا کو دے گئے۔ جہاد کا جو غلط مفہوم عام طور پر مخالفین اور بعض مسلمانوں نے سمجھ رکھا تھا یعنے یہ کہ زبردستی از راہ ظلم و تعدی اپنے دین کو منوانے کے لئے یا اپنی سلطنت کی توسیع کرنے کے لئے کیا جائے، اسے غلط و خلاف اسلام قرار دیا۔ البتہ خدا تعالےٰ کی جانب سے یہ علم پاکر آپؑ نے فرمایا کہ موجودہ زمانہ میں جہاد اسلامی کے تقاضے اس کی عالمگیر تبلیغ کا تقاضا کرتے ہیں۔

جائے غور ہے کہ اگر بانیٔ سلسلہؑ یا آپ کے بعد آپ کی جماعت دینِ اسلام یعنے قرآن و سنت رسولؐ میں ترمیم کے قائل ہوتے یا ایسی کسی تبدیلی کے مرتکب ہوتے ہوتے تو ۱۹۱۱ء میں علامہ اقبال کیونکر علیگڑھ میں یہ کہہ سکتے تھے:-

"اگر تمہیں اس زمانہ میں ٹھیٹھ اسلامی تہذیب کا نمونہ دیکھنا ہو تو وہ تمہیں اس فرقہ میں نظر آئے گا جو آج قادیان میں پیدا ہوا ہے۔"

کیا جہاد کے بنیادی اسلامی عقیدہ کو منسوخ کرکے جماعت احمدیہ کو علامہ اقبال ٹھیٹھ اسلامی تہذیب کا نمونہ قرار دے سکتے تھے؟ پھر یہی علامہ صاحب اپنی نظم میں جماعت احمدیہ کے مسلک کو ہی پیش کرتے ہیں۔ ؎

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں
کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
ولایت، پادشاہی، علم اشیاء کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں! فقط اک نقطۂ ایماں کی تفسیریں
غلامی میں نہ کام آتی ہیں تدبیریں نہ شمشیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

موجودہ تبدیل شدہ انقلابی ذہنیت میں دین کو نئے رنگ میں پیش کرنے کی حاجت لازم پڑی ہے۔ مثلاً زندگی کے مسائل کا حل

علم و عقل اور سائنس کی روشنی میں اصول دین کی صداقت کو ثابت کرنا۔

جبر و توہم پرستی، زور و زبردستی، طاقت و تمکنت بطور ثبوت اصول دین آج قبول نہیں۔ حق و صداقت کی شناخت کے معیار آج سراسر تبدیل ہو چکے ہیں پہلے زمانوں میں طاقت و تمکنت اور شان و شوکت

پہلے زمانوں میں طاقت و تلوار اور سلطنت و تمکنت روک بن رہے تھے مگر اب وساوس اور شکوک و شبہات اور عقلی اور علمی ثبوت کا نہ ہونا نیز مشاہدہ و تجربہ کا فقدان اور زندگی میں اصولِ حقہ دینیہ کا بے اثر و غیر مفید ہونا قرار دیئے جا چکے ہیں۔

جہاد و فتوحاتِ اسلام، نئے طرزِ تبلیغ اور نئے طریق اسلوب پر اور دعویٰ مسیحیت۔

طرزِ تبلیغ میں یہی بنیادی و انقلابی تبدیلی دعویٰ مسیحیت کے راز کو منکشف کرتی ہے۔

اب جبر و جنگ، دین کے منوانے کے لئے نہیں کی جاتی بلکہ ان کا باعث اقتصادیات و دنیاوی منافع یا تجارت یا قومی و وطنی برتری و جذبۂ افتخار بن رہا ہے۔ مفاد قوم اور وطن کی خاطر دفاعی رنگ میں مقابلہ کرنا بھی یقیناً جزوِ اسلام ہے لیکن جہاں صداقت و اصول حقہ کی حفاظت کے لئے جنگ کی جائے اس کا درجہ اعلیٰ و افضل ہے فروغ و فتح اسلام کا طریق کار اب قومی و ملکی برتری و طاقت کے حصول سے وابستہ نہیں بلکہ اس کے لئے ایک صالح جماعت کا قرآنی دلائل و علم سے مسلح ہو کر دجال کے وساوس کا قلع قمع کرنا ہے۔ جیسے حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ اگر میں دجال کو پاؤں تو اس کے وساوس کا قلع قمع کروں۔ اس دعویٰ مسیحیت کے راز کو مسلمانوں نے بحیثیت قوم کہاں تک سمجھا ہے؟

یہ حاجت است کہ تیغ از برائے دیں بکشی + نہ دیں بود کہ بہ خونریزیش بقا باشد

چو دیں مدلل و معقول و با ضیا باشد + کدام دل کہ ازاں مذہبش ابا باشد

چو دیں درست بود خنجرے نمی باید + کہ نورِ قولِ موجہ عجب نما باشد

بہوش باش کہ جبر است خود دلیلِ گریز + تسلئی دلِ مردم ازیں کجا باشد

زجبر حجتِ حق بر جہاں نیاید راست + برو دلیل بدہ گر خرد ترا باشد

نیز انفرادی و اجتماعی رنگ میں اسلامی زندگی و تہذیب کو کہاں تک اختیار کرنے کی طرف توجہ کی گئی ہے؟ حالانکہ حضرت مسیح موعودؑ اور آپؑ کی جماعت نے ان دونوں میدانوں میں نمایاں راہنمائی کر دکھلائی ہے۔ جیسے حضرت اقدسؑ ایک نظم میں فرماتے ہیں:

ایسا گماں کہ مہدیٔ خونی بھی آئے گا + اور کافروں کے قتل سے دیں کو بڑھائیگا

اے غافلو یہ باتیں سراسر دروغ ہیں + بہتان ہیں بے ثبوت ہیں اور بے فروغ ہیں

یارو جو مرد آنے کو تھا وہ تو آچکا + یہ راز تم کو شمس و قمر بھی بتا چکا

حاکم و طاقتور اور دنیاوی تنظیم و ترقی میں غالب و فاتح اقوام کو دلائل و علم سے مغلوب اسلام و حق کر دکھلایا گیا ہے۔ مگر نہ اس عالی مقصد میں وہ جماعت احمدیہ لاہور کے معاون ہوئے نہ ہی علیحدہ طور پر تبلیغ کے مقصد کو مسلمانوں نے اپنایا۔

مگر اس کے برعکس فاتح و غالب اسلام جماعت کو کافر و غیر مسلم قرار دے دیا! اگر اسلام نے فتح پانا اور غالب آنا ہے تو اس کا یقینی و بہترین طریق کار جماعت احمدیہ لاہور کے طریق کار کے سوا دوسرا اور کوئی ہو نہیں سکتا پھر ایسی جماعت کو غیر مسلم گرداننا کس حالت قومی کو ظاہر کرتا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو دینِ اسلام کی اصل حقیقت کا پتہ نہیں؟ یا یہ کہ آج تبدیل شدہ زمانہ میں اس کی اصل فتح یا جہاد کے تقاضے معلوم نہیں یا پھر یہ کہ دین سے کچھ تعلق و رشتہ ہی نہیں، بس سیاست ہی سیاست منظور و مدِ نظر

اور قومیت و وطنیت کے نظریات ہی محیط و مسلط ہو چکے ہیں جس کے سامنے دین و قرآن کے تقاضے کوئی حقیقت و حیثیت نہیں رکھتے ورنہ کیا وجہ ہے کہ جب آج دین کی صحیح و سچی تبلیغ کے لئے جس قدر میدان وسیع و اہم پیدا ہو چکا ہے جیسا اس سے ماقبل کبھی نہیں تھا اس وقت مسلمان قوم فریضہ جہاد زمانہ یعنی تبلیغ سے سراسر غافل پڑی ہے؟

بلغ ما انزل الیک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ میں رسالت کا مطلب و مقصد ہی تبلیغ بیان ہوا ہے وما علیک الا البلغ۔ تجھ پر تبلیغ حق کا فریضہ ادا کرنا لازم و ضروری پڑا ہے۔ پھر فرمایا:۔ ما انت علیھم بمصیطر، وما انت علیھم بجبار۔ تو ان پر نگہبان و نگران بنا کر نہیں بھیجا گیا نہ ہی ان پر جبر کے ذریعہ حق کو ٹھونسنے کا حق تجھے دیا گیا ہے۔ ان آیات سے واضح ہے کہ جبر و اکراہ اور تشدد و ظلم کے راستہ سے نہ تو اسلام کے پھیلانے کا حکم ہے نہ ہی ایسا کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام رض نے عمل کیا تھا۔ البتہ اس زمانہ کی جہالت و انتہائی تعصب کا تقاضا یہ ہو گیا تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کی مدافعانہ محافظت کی تائید میں تلوار کا مقابلہ تلوار سے کیا جائے مگر یہ طاقت و جبر کی روک اب موجود نہیں اس لئے دین کی تبلیغ کے لئے تلوار و جنگ اور طاقت و تمکنت اب ضروری نہیں رہے۔ فتح و غلبۂ دین اسلام کے لئے تو ایک جماعت کا روحانی و اخلاقی نمونہ یعنی اس صداقت پر کامل عمل پیرا ہونا اور کے اسے دوسروں تک اپنے جماعتی عمل و نمونہ اور معقولیت و تبلیغ ذریعہ پہنچانا ہے۔ چنانچہ اسی کے عین مطابق رسولِ خدا صلعم نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ اگر میں دجال کو پاؤں تو اس کے وساوس یا اعتراضات کا دفعیہ و ازالہ کر کے اسے شکست دوں۔ اور یہی امر بانیٔ سلسلہؑ اور اس کے سچے پیروؤں نے کر کے دکھلایا ہے:۔

تھوڑے نہیں نشاں جو دکھائے گئے تمہیں
کیا پاک راز تھے جو بتائے گئے تمہیں
پر تم نے ان سے کچھ بھی اٹھایا نہ فائدہ
منہ پھیر کر ہٹا دیا تم نے یہ مائدہ

حضرت مسیح موعودؑ کا یہ فاتحانہ راستہ اور غالبانہ انداز کس قدر قرآنی تعلیم اور احادیث صحیحہ کے مطابق نیز دنیا میں صلح و امن سے کس قدر موافقت رکھتا ہے یہ جماعت احمدیہ لاہور کی تاریخ سے ثابت ہے مگر مسلمان قوم کو نیکی و تقویٰ اور شرافت و نجابت کے طریقوں سے کچھ ایسی دوری ہو چکی ہے کہ کوئی معقول شخص ان کے ایسے غیر اسلامی کردار کی روشنی میں قطعاً دین اسلام کو سچا مذہب ماننے کو تیار نہیں ہو سکتا بلکہ نئی نسل کی دین سے بیزاری و بغاوت کا باعث یہی بلند اسلامی سیرت و کردار کا فقدان اور قومی سطح پر اس سے مسلمانوں کی محرومی بن رہی ہے۔

مولوی محمد علی صاحب ڈیرہ غازی خان

# مقامِ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

## کمالاتِ قدسیہ میں سب نبیوں سے بڑھ کر آنحضرت کی اعلیٰ درجہ کی قوتِ قدسی

ہماں سرور و سید و نور جاں
محمدؐ کزو بست نقشِ جہاں

(گزشتہ سے پیوستہ)

وحی الٰہی ایک ایسا آئینہ ہے جس میں خدائے تعالےٰ کی صفات کمالیہ کا چہرہ حسبِ صفائی باطن نبی منزل علیہ کے نظر آتا ہے اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پاک باطنی و انشراح صدری و عصمت و حیا و صدق و صفا و توکل و وفا اور عشقِ الٰہی کے تمام لوازم میں سب انبیاء سے بڑھ کر اور سب سے افضل و اعلےٰ و اکمل و ارفع و اجلیٰ و اصفیٰ تھے۔ اس لئے خدائے جلشانہٗ نے ان کو عطر کمالاتِ خاصہ سے سب سے زیادہ معطر کیا اور وہ سینہ و دل جو تمام اولین و آخرین کے سینہ و دل سے فراخ تر و پاک تر و معصوم تر و روشن تر و عاشق تر تھا وہ اسی لائق ٹھہرا کہ اس پر ایسی وحی الٰہی نازل ہو کہ جو تمام اولین و آخرین کی وحیوں سے اقویٰ و اکمل و ارفع و اتم ہو کر صفاتِ الٰہیہ کے دکھلانے کے لئے ایک نہایت صاف اور کشادہ اور وسیع آئینہ ہو[1] کیونکہ کلامِ الٰہی کے نزول کا عام قاعدہ اور اصول یہ ہے کہ جس قدر قوتِ قدسی اور کمال باطنی اس شخص کا ہوتا ہے جس پر کلام الٰہی نازل ہوتا ہے۔ اس قدر قوت اور شوکت اس کلامِ الٰہی میں ہوتی ہے۔ آنحضرتؐ کی قوت قدسی اور کمال باطنی چونکہ اعلےٰ سے اعلےٰ درجہ رکھتی تھی جس سے بڑھ کر نہ کسی انسان میں ہوئی اور نہ ہوگی۔ اس لئے قرآن شریف بھی تمام سابقہ کتب اور صحائف سے نہایت اعلیٰ مقام اور مرتبہ پر واقع ہوا ہے۔ جہاں تک کہ کوئی دوسرا کلام نہیں پہنچا۔ وجہ یہ کہ آنحضرت کی استعداد اور قوت قدسیہ تمام سابقہ انسانوں سے بڑھی ہوئی تھی اور تمام مقاماتِ کمال آپؐ پر ختم ہو چکے تھے اور آپؐ انتہائی نقطہ پر پہنچے ہوئے تھے۔ ...... اور جس طرح نبوت کے کمالات آپؐ پر ختم ہو گئے۔ اس طرح پر اعجاز کلام کے کمالات قرآن شریف پر ختم ہو گئے۔ اور آپؐ خاتم النبیین ٹھہرے اور آپؐ کی کتاب خاتم الکتب ٹھہری[2] حضرت خاتم الانبیاء کی کس قدر شان بزرگ ہے اور اس آفتابِ صداقت کی کیسی اعلےٰ درجہ پر روشن تاثیریں ہیں جس کا اتباع کسی کو مومن کامل بناتا ہے کسی کو عارف کے درجے تک پہنچاتا ہے کسی کو آیت اللہ اور حجت اللہ کا مرتبہ عنایت فرماتا ہے اور محامد الٰہیہ کا مورد ٹھہراتا ہے۔[3]

**عالی مرتبہ نبی** پس میں ہمیشہ تعجب کی نگاہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی جس کا نام محمد ہے (ہزار ہزار درود اور سلام اس پر) یہ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے۔ اس کے عالی مقام کا انتہاء معلوم نہیں ہو سکتا اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔ افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے اس کے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا وہ توحید جو دنیا سے گم ہو چکی تھی وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اس کو دنیا میں لایا ہے[4]

**قوی الاثر قوتِ قدسیہ** یہ بات کسی سمجھدار پر مخفی نہیں ہوگی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زاد و بوم ایک محدود جزیرہ نما ملک ہے جس کو عرب کہتے ہیں جو دوسرے ملکوں سے ہمیشہ بے تعلق رہ کر گویا ایک گوشۂ تنہائی میں پڑا رہا اس ملک کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے بالکل وحشیانہ اور درندوں کی طرح زندگی بسر کرنا اور دین اور ایمان اور حق اللہ اور حق العباد سے بے خبر محض ہونا اور سینکڑوں برسوں سے بُت پرستی و دیگر ناپاک خیالات میں ڈوبے چلے آنا اور عیاشی اور بدمستی اور شراب خواری اور قمار بازی وغیرہ فسق کے طریقوں میں انتہائی درجہ تک پہنچ جانا......... غرض ہر یک طرح کی بُری حالت اور ہر یک نوع کا اندھیرا اور ہر قسم کی ظلمت و غفلت عام طور پر عربوں کے دلوں میں چھائی ہوئی ہونا ایک ایسا واقعہ مشہور ہے کہ کوئی متعصب مخالف بھی بشرطیکہ کچھ واقفیت رکھتا ہو اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ اور پھر یہ امر بھی ہر ایک منصف پر ظاہر ہے کہ وہی جاہل اور وحشی اور یاوہ اور ناپارسا طبع لوگ اسلام میں داخل ہونے اور قرآن کو قبول کرنے کے بعد کیسے ہو گئے اور کیونکر تاثیرات کلام الٰہی اور صحبت نبی معصوم نے بہت ہی تھوڑے عرصہ میں ان کے دلوں کو یکلخت ایسا مبدل کر دیا کہ وہ جہالت کے بعد معارف دینی سے مالا مال ہو گئے اور محبت دنیا کے بعد الٰہی محبت میں ایسے کھوئے گئے کہ اپنے وطنوں، اپنے مالوں اور اپنے عزیزوں اپنی عزتوں، اپنی جان کے آراموں کو اللہ جلشانہ کے راضی کرنے کے لئے چھوڑ دیا۔ چنانچہ یہ دونوں سلسلے ان کی پہلی حالت اور اس نئی زندگی کے جو بعد اسلام انہیں نصیب ہوئے قرآن شریف میں ایسی صفائی سے درج ہیں کہ ایک صالح اور نیک دل آدمی پڑھنے کے وقت چشم پر آب ہو جاتا ہے۔ پس وہ کیا چیز تھی۔ جو ان کو اتنی جلدی ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف کھینچ کر لے گئی۔ وہ دو ہی باتیں تھیں۔ ایک یہ کہ وہ نبیؐ معصوم اپنی قوتِ قدسیہ میں نہایت ہی قوی الاثر تھا۔ ایسا کہ نہ کبھی ہوا اور نہ ہوگا۔ دوسری خدائے قادرِ مطلق حیّ و قیوم کی پاک کلام کی زبردست اور عجیب تاثیریں تھیں کہ جو ایک گروہِ عظیم کو ہزاروں ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لے آئیں۔ بلاشبہ[5] یہ وہ عجیب و غریب تبدیلیاں ہیں جو اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ببرکت پیروی قرآن شریف و اثر صحبتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہور میں آئیں۔ جب ہم اس بات کو دیکھتے ہیں کہ وہ لوگ مشرف باسلام ہونے سے پہلے کیسے اور کس طریق اور عادت کے آدمی تھے اور پھر بعد شرف صحبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و اتباع قرآن شریف کس رنگ میں آئے اور کیسے عقائد میں، اخلاق میں، چلن میں، گفتار میں، رفتار میں، کردار میں اور اپنی جمیع عادات خبیث حالت سے منتقل ہو کر نہایت طیب اور پاک حالت میں داخل کئے گئے تو ہمیں اس تاثیر عظیم کو دیکھ کر جس نے ان کے زنگ خوردہ وجودوں کو ایک عجیب تازگی بخشی اور روشنی اور چمک بخش دی تھی اقرار کرنا پڑتا ہے کہ یہ تبدیلی ایک خارق عادت تبدیلی ہے جسے معجزہ کہنا چاہیئے[6] اور پھر ایسی مؤثر اور جاذب تعلیم دینا جو صفاتِ رذیلہ کو دور

---

[1] سرمہ چشم آریہ صفحہ ۲۳ [2] ملفوظات احمدیہ صفحہ ۱۶ حصہ سوم
[3] براہین احمدیہ صفحہ ۲۲۶ حاشیہ در حاشیہ ۱

[4] حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۱۵-۱۱۶ [5] سرمہ چشم آریہ صفحہ ۲۸ تا ۳۰ [6] تصدیق النبی صفحہ ۲۱

کر کے بھی دکھا دے اور ان کی جگہ اعلیٰ درجہ کی خوبیاں پیدا کر دے - عربوں کی جو حالت تھی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں - وہ سارے عیبوں اور برائیوں کا مجموعہ بنے ہوئے تھے اور صدیوں سے ان کی یہ حالت بگڑی ہوئی تھی مگر کس قدر آپؐ کے فیوضات اور برکات میں قوتِ قدسی تھی کہ تئیس برس کے اندر کل ملک کی کایا پلٹ دی یہ تعلیم ہی کا اثر تھا[8]

**زبردست قوتِ جاذبہ** } بات دراصل یہ ہے کہ مربی کے قوی کا اثر ہوتا ہے - جس قدر مربی قوی التاثیر اور کامل ہوگا ویسی ہی اس کی تربیت کا اثر مستحکم اور مضبوط ہوگا یہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسی کے کامل اور سب سے بڑھ کر ہونے کا ایک اور ثبوت ہے کہ آپؐ کے تربیت یافتہ گروہ میں وہ استقلال اور رسوخ تھا کہ وہ آپؐ کے لئے اپنی جان و مال تک دینے کے لئے دریغ نہ کرنے والے میدان میں ثابت ہوئے۔

اور فخر صرف آپؐ کو ہی ملا ہے - پھر جس قدر پاک گروہ صحابہؓ کا حضرت نبی کریمؐ کو ملا وہ کسی دوسرے نبی کو نصیب نہیں ہوا - یوں تو حضرت موسےٰؑ کو بھی کئی لاکھ آدمیوں کی قوم مل گئی تھی - لیکن وہ ایسی مستقل مزاج پاکباز اور عالی ہمت نہ تھی جیسا کہ صحابہ رضؓ کا گروہ تھا حضرت موسےٰؑ کی قوم کا یہ حال تھا کہ رات کو مومن ہیں تو دن کو مرتد - آنحضرتؐ اور حضرت موسےٰؑ کی اقوام کا مقابلہ کرنے سے گویا کُل دنیا کی اقوام کا صحابہ رضؓ سے مقابلہ ہوگیا - رسول کریمؐ کو جو قوم صحابہ رضؓ کی ملی وہ ایسی پاکباز - خدا پرست اور مخلص تھی کہ اس کی نظیر دنیا کی کسی قوم اور کسی دوسرے نبی کی اُمت میں ہرگز نہیں ملتی - احادیث میں ان کی بڑی بڑی تعریفیں آئی ہیں - آنحضرتؐ نے یہاں تک فرمایا کہ اللہ اللہ فی اصحابی اسی طرح قرآن شریف میں ان کی تعریف ہے - یبیتون لربھم سجداً و قیاماً ...... میرا مذہب یہی ہے کہ آنحضرتؐ کی قوتِ قدسی ایسی زبردست تھی کہ جو دنیا میں کسی دوسرے نبی کو ہرگز نہیں دی گئی - اسلام کی ترقی کا راز یہی ہے کہ حضرت نبی کریم صلعم کی قوتِ جاذبہ نہایت زبردست تھی اور آپؐ کے کلام میں وہ تاثیر تھی کہ جو شخص سنتا تھا وہ آپ کا گرویدہ ہو جاتا تھا جن لوگوں کو آپؐ نے اپنی طرف کھینچا ان کو ہر قسم کی آلائشوں سے پاک و صاف کر دیا[9]

**بے مثل تبدیلی** } آپ کی جماعت ایک ایسی قابلِ قدر اور قابلِ رشک جماعت تھی کہ ایسی جماعت کسی نبی کو نصیب نہیں ہوئی نہ حضرت موسےٰ علیہ السلام کو ملی اور نہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو...... حضرت موسےٰ علیہ السلام کی جماعت تو ایسی شریر اور کج فہم تھی کہ وہ حضرت موسےٰ کو پتھراؤ کرنا چاہتی تھی - بات بات میں سرکشی اور ضد کر بیٹھتے تھے توریت کو پڑھو تو معلوم ہو جائے گا کہ ان کی حالت کیسی تھی - وہ ایک سنگدل قوم تھی - کیا توریت میں ان کو رضی اللہ عنہم کہا گیا ہے ؟ ہرگز نہیں بلکہ وہاں تو سرکش ، ٹیڑھی ، شریر وغیرہ ہی لکھا ہے اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی جماعت ، وہ اس سے بدتر تھی ، جیسا کہ انجیل سے معلوم ہوتا ہے خود حضرت عیسےٰؑ اپنی جماعت کو لالچی بے ایمان کہتے رہے بلکہ یہاں تک بھی کہا کہ اگر تم میں ذرہ بھر ایمان ہو تو تم میں یہ برکات ہوں ، وہ برکات ہوں - غرض وہ اور حضرت موسےٰ علیہ السلام اپنی جماعت سے ناراض ہی گئے اور انہیں ایک وفادار جماعت کے میسر نہ آنے کا افسوس ہی رہا - یہ بالکل سچی بات ہے کہ نہ توریت میں نہ انجیل میں کہیں بھی ان کو رضی اللہ عنہم نہیں کہا گیا - مگر برخلاف اس کے جو جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میسر آئی تھی اور جس نے آپؐ کی قوتِ قدسی سے اثر پایا تھا اس کے لئے قرآن شریف میں آیا ہے رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ اس کا سبب کیا ہے ؟ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسی کا نتیجہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجوہ فضیلت میں سے یہ بھی ایک وجہ ہے کہ آپؐ نے ایسی اعلیٰ درجہ کی جماعت تیار کی - میرا دعوےٰ ہے کہ ایسی جماعت آدم سے لے کر آخر تک کسی کو نہیں ملی[10] جس قدر غور کرتے جاویں آپؐ کے مراتب اور مدارج پر حیرت ہوتی ہے کہ آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے کیسی قوتِ قدسی عنایت فرمائی تھی اور اس میں ایسی تاثیر اور طاقت رکھی تھی کہ صحابہ رضؓ جیسی جان نثار قوم آپؐ نے تیار کی - آپؐ ایسی قوم چھوڑ گئے جو خالص خدا ہی کے لئے قدم اٹھانے والی تھی - وہ خدا تعالےٰ کی راہ میں ایسے سرگرم اور تیار تھے اور اس راہ میں انہیں جان دے کر ایسی خوشی ہوتی تھی کہ آج کل کے دنیا داروں کو کسی مقدمہ کی فتح سے بھی وہ خوشی نہیں ہو سکتی - وہ بالکل خدا ہی کے ہوگئے تھے ایسی زبردست اور بے مثل تبدیلی کوئی نبی اپنی قوم میں پیدا نہیں کر سکا[11]

**صحابہؓ کی اعلیٰ درجہ کی فرمانبرداری** } خدا تعالےٰ کی راہ میں سر کٹوا دینا آسان امر نہیں - جس کے پیچھے پورے چھوٹے اور بیوی جوان ہو - جب تک کوئی خاص گرمی اس کی روح میں پیدا نہ ہو - کیونکر انہیں یتیم اور بیوہ چھوڑ کر سر کٹوانے میں صحابہؓ سے بڑھ کر کوئی نمونہ پیش نہیں کر سکتا - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ اعلیٰ درجہ کی قوتِ قدسی اور تزکیۂ نفس کی طاقت کا ہے اور صحابہؓ کا نمونہ اعلےٰ درجہ کی تبدیلی اور فرمانبرداری کا ہے[12]

**آنحضرتؐ کے کمالاتِ قدسیہ میں کوئی نبی شریک مساوی نہیں** } بلاشبہ یہ سچ بات ہے کہ حقیقی طور پر کوئی نبی بھی آنحضرتؐ کے کمالاتِ قدسیہ سے شریک مساوی نہیں ہو سکتا - بلکہ تمام ملائکہ کو بھی اس جگہ برابری کا دم مارنے کی جگہ نہیں چہ جائیکہ کسی اور کو آنحضرتؐ کے کمالات سے کچھ نسبت ہو[13]

(۱) رسولِ خدا پرتو از نورِ اوست + ہمہ خیرِ ما زیرِ مقدورِ اوست
(۲) جہاں سرور و سید و نورِ جہاں + محمدؐ کزو بست نقشِ جہاں
(۳) بشر کے بدے از ملک نیک تر + نہ بودے اگر چوں محمدؐ بشر
(۴) دلش ہست نورانی و سرمدی + بتابد درو فرّۂ ایزدی
(۵) کسے کش بود مصطفیٰ رہنما + سرِ بخت او باشد اندر سما
(۶) پر از یادِ او ہست جان و دلم + بخواب آمد اندیشہ ہم نگسلم

ترجمہ (۱) رسول خدا اسکے نور کا پرتو ہیں - اور ہماری ساری بھلائیاں انہیں کے ساتھ وابستہ ہیں۔
(۲) وہی سردار - سید اور جہان کا نور محمد (صلعم) ہے جس کی وجہ سے جہان کی تخلیق ہوئی۔
(۳) انسان فرشتے سے کیونکر بڑھ پاتا اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سا بشر پیدا نہ ہوتا۔
(۴) آپ کا دل نورانی اور ازلی ہے - اور اسمیں خدا کی عظمت اور شان جھلکتی ہے۔
(۵) وہ شخص جس کا رہنما محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے اس کا نصیبہ بلندی میں آسمان تک پہنچتا ہے۔
(۶) میرے جان و دل اس کی یاد سے معمور ہیں - خواب میں بھی مجھے کوئی دوسرا خیال نہیں آتا۔

---

[8] الحکم ۱۰؍ مئی ۱۹۰۳ء ۔ ۵۸
[9] ملفوظات احمدیہ صفحہ ۵۳-۵۴ حصہ سوم
[10] الحکم ۱۰؍ جنوری ۱۹۰۶ء ۔ [11] الحکم ۱۰؍ جون ۱۹۰۶ء
[12] الحکم ۱۰؍ جولائی ۱۹۰۶ء ۔ [13] براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۲۴۲

محترم چوہدری شکر اللہ خاں صاحب منصور ایڈووکیٹ

# تحریک احمدیت اور غلام احمد پرویز

## (آخری قسط)

**حاصل کلام** } قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے :-

(۱) ان الدین عند اللہ الاسلام

(۲) انہ لقول رسول کریم ....... تنزیل من رب العلمین -

(۳) ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین -

یعنے اسلام اللہ کا دین ہے - قرآن اللہ کا کلام ہے - اب تا قیامت انسانی فلاح و نجات محمد رسول اللہ کی اتباع میں مختص و محدود ہے - یہ تین دعوے ہیں جو قرآن کریم میں درج ہیں مگر ان کا ثبوت کیا ہے ؟ محض یہ اعتقاد کہ ایسا ہے زمانہ حال میں انسانی طبائع کو مطمئن نہیں کر سکتا - صرف قیل و قال پر مبنی دلیل آرائی اور ازمنہ گذشتہ کے قصّے اور کہانیاں بھی یقین نیز اور قول فیصل کا حکم نہیں رکھتیں کیونکہ ہر مذہب کے پیروکار اپنے اپنے مذاہب کے متعلق دلیل آرائیاں کرتے اور قصّے کہانیاں سناتے ہیں - فلسفۂ مغرب اور علوم سائنس نے انسانی طبائع کو تجربہ اور مشاہدہ پر مبنی ثبوت کا طلبگار بنا دیا ہے - چونکہ یہ ثبوت بہم نہیں پہنچایا اس لئے انسانوں کا ایمان دین و مذہب سے متزلزل ہو کر خدا کی ہستی سے متذبذب ہے اور دنیا میں سوشلزم - کیمونزم - نیچریت اور دہریت وغیرہ تحریکات رواج پا رہی ہیں - اندریں حالات ضرورت تھی کہ غیر اسلامی ادیان و تحریکات کو غلط اور باطل ثابت کرنے کے لئے قرآن میں مندرجہ متذکرہ بالا تین دعووں کا تجربہ اور مشاہدہ پر مبنی قطعی اور یقینی ثبوت بہم پہنچایا جائے - یہ ثبوت دنیا کے سامنے حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام نے پیش کیا - آپ کی ساری زندگی اور زندگی بھر میں سارا آپ کا کام اسی ثبوت پر مشتمل ہے - کوئی شخص آپ کی سوانح حیات اور آپ کے قلمی اور روحانی جہاد کو نیت نیک سے مطالعہ کر کے دیکھے تو سہی ؟ احمدیوں نے حضرت مرزا صاحب کو کسی نئے دین کسی نئی شریعت کسی نئی نبوّت کے لئے قبول نہیں کیا بلکہ اس بناء پر مانا ہے کہ آپ کی ذات و شخصیت - وجود اور کلام نے زمانۂ حال میں ان تینوں دعووں کی صداقت کا ثبوت بہم پہنچا دیا ہے - یعنے دلائل قطعیہ اور نشانات سماویہ روحانیہ سے ثابت کر دکھایا ہے کہ اب دنیا میں

۱- خدا کا سچا اور زندہ دین صرف اسلام ہے

۲- خدا کا سچا اور زندہ کلام صرف قرآن کریم ہے

۳- فلاح و نجات صرف محمد رسول اللہ کی اتباع میں محدود و مختص ہے -

اور کہ اسلام کے علاوہ سب مذاہب و تحریکات غلط - باطل اور گمراہی ہیں - اسی کا نام احمدیت اور تحریک احمدیت اسی سے عبارت ہے - چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ آپ کو ماننے والے امور شریعت اسلام پر کاربند - احکامات قرآنی پر عامل ہو کر اپنی جانوں اور مالوں سے تبلیغ اسلام اور اشاعت قرآن میں لگ گئے - یہ حقیقت بھی لوگوں کے سامنے ہے کہ علماء اور عوام نے مرزا صاحب کے ماننے والوں پر بہت زیادتیاں کیں اور کرتے چلے آ رہے ہیں جانوں سے مارا - مکانوں کو جلایا - جائیدادوں کو لوٹا - بائیکاٹوں سے تنگ کیا - حکومتی قانون کی تلوار بھی آزمائی مگر وہ حضرت مرزا صاحب کے دامن کو نہیں چھوڑتے - اس کی وجہ کیا ہے ؟ اس میں ان کا کیا مفاد ہے ؟ دنیاوی مفاد تو یکسر غارت ہوتا ہے - پھر کیا وجہ ہے کہ وہ حضرت مرزا صاحب کو مخالفین کے ہمنوا ہو کر جھوٹا نہیں کہتے اور نہیں کہہ سکتے کیونکہ حضرت مرزا صاحب نے انہیں خدا دکھلا دیا ہے - انہیں پختہ یقین اور کامل اطمینان کرا دیا ہے کہ خدا ایک زندہ ہستی ہے اور

۱- اسلام اس زندہ خدا کا زندہ اور سچا دین ہے

۲- قرآن اس زندہ خدا کا زندہ اور سچا کلام ہے - اور

۳- اور اب تا بقیامت فلاح و نجات محمد رسول اللہ صلعم کی اتباع سے وابستہ ہے -

اور غیر اسلام سب ادیان سراسر ضلالت تخسر الدنیا والآخرت ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہیں - اگر آپ کو ماننے والے آپ کے دامن کو چھوڑتے ہیں تو اس ایمان محکم سے بھی ہاتھ دھو ڈالتے ہیں - کیونکہ ان تینوں دعووں کی صداقت کا زندہ ثبوت زمانہ حال میں اور کوئی نہیں - آپ ہی نے یہ ثبوت بہم پہنچایا اور آپ ہی نے سب مخالفین اسلام کو ساکت و لاجواب کر کے میدان مقابلہ سے فرار پر مجبور کیا اور نظارہ لیظہرہ علی الدین کلہ کا دنیا کو دکھلا دیا - آپ کا یہ ارشاد بالکل سچ ہے کہ ؎

صف دشمن کو کیا ہم نے بحجت پامال
سیف کا کام قلم ہی سے دکھایا ہم نے

لیکن علمائے وقت نے انہیں قبول نہیں کیا - اور مختلف قسم کے دعاوی کرنے کے الزامات آپ کی طرف منسوب کئے - مثلاً یہ کہ آپ نے نبوت کا دعوےٰ کیا - شریعت میں تغیر و تبدل کا دعوےٰ کیا - نئے دین اور نئی اُمت بنانے کا دعوےٰ کیا - وحی نبوت پانے کا دعوےٰ کیا -

حالانکہ آپ تمام عمر ان الزاموں کی تردید کرتے رہے اور آپ کے ماننے والے بھی ان سے انکاری ہیں - لیکن علماء مخالفین نے ان الزاموں کی تنسیب پر بضد ہو کر آپ کو کافر و غیر مسلم قرار دیا حتےٰ کہ عوام کو مشتعل کر کے حکومت وقت سے بھی آپ کے اور آپ کے ماننے والوں کے غیر مسلم ہونے کا قانون بنوایا - ہم کہتے ہیں دعووں کی باتیں چھوڑ دو - چلو غیر مسلم ہی سہی مگر یہ تو مانو کہ اس "غیر مسلم" نے تمام دنیا کے غیر مسلموں کے سامنے اور ان کے بالمقابل یہ ثابت کر دیا کہ

۱- اسلام خدا کا سچا اور زندہ دین ہے

۲- قرآن خدا کا سچا اور زندہ کلام ہے

۳- انسانی فلاح و نجات اب تا قیامت نبئ اسلام کی اتباع سے وابستہ ہے -

اور ایسے طور پر ان تین دعووں اور امور کو ثابت کیا کہ جس کی تیرہ سو سال میں کوئی نظیر نہیں - کیا آپ کا یہ کارنامہ غیر مسلم ہوتے ہوئے ہی سہی احسانمند ہونے کا موجب ہے یا گالیاں دینے کا - مدح و ثنا کرنے کا باعث ہے یا توہین و تذلیل کرنے کا ؟ تو سہی ؟ کچھ خوف خدا تو کرو ؟

**واضعین آئین سے گذارش** } اسلام اللہ کا دین ہے - یہ اذن فی القرآن ہے - آپ نے آئین میں لکھا ہے کہ مملکت پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہے - لہٰذا جس شخص کا

مذہب اسلام ہو وہ حسب آئین مملکت مسلمان ہے - اور یہ بات یقینی ہے کہ مملکتِ پاکستان کا جو مذہب "اسلام" ہے وہ وہی ہے جسے قرآن کریم میں اللہ کا دین "اسلام" کہا گیا ہے - لیکن آئین میں "اسلام" کی کوئی تعریف نہیں لکھی گئی اور نہ دین اسلام رکھنے والے "مسلمان" کی کوئی تعریف درج کی گئی ہے - صرف ایک ترمیم کے ذریعہ غیرمسلم کی تعریف لکھ کر احمدیوں کی دونوں جماعتوں قادیانی اور لاہوری کو "غیرمسلم" قرار دیدیا گیا ہے - جس کا مطلب بالفاظ دیگر حسب آئین یہ ہے کہ ان کا مذہب دینِ "اسلام" نہیں ہے - اب سوال یہ ہے کہ جماعت احمدیہ لاہور کا ایک رُکن ہے جو چاہتا ہے کہ حسب آئین و قانون اس کا مذہب دین اللہ "اسلام" سمجھا جائے اور اس دین اللہ اسلام کے مطابق اسے مسلمان تصوّر کیا جائے تو وہ کیا کرے؟ یاد رہے کہ ایک طریقہ جو اب تک چلا آ رہا تھا یہ ہے کہ جو شخص خود کو مسلمان کہے یا اپنا مذہب اسلام بتلائے وہ مسلمان سمجھا جائے - اس طریقہ کو آئین رد کر چکا ہے - یہاں دو باتیں قابلِ غور ہیں -

**اوّل** - اگر یہ کہا جائے کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قطعی اور غیر مشروط ختم نبوّت پر ایمان لے آئے تو یہ ایمان وہ پہلے ہی جماعت احمدیہ لاہور کا رُکن ہوتے ہوئے کامل طور پر رکھتا ہے - حتّٰی کہ اس کے نزدیک آنحضرت کی ختم نبوّت ایسی قطعی اور غیر مشروط ہے کہ آپ کے بعد نہ کوئی نیا نبی دُنیا میں آ سکتا ہے اور نہ پُرانا - اگر یہ کہا جائے کہ وہ بعد آنحضرت صلعم پیغمبر ہونے کے کسی دعویدار کو پیغمبر یا دینی مصلح نہ مانے تو وہ پہلے ہی کسی ایسے شخص کو پیغمبر یا دینی مصلح نہیں مانتا - اس کے باوجود اُسے "غیرمسلم" لکھدیا گیا ہے - بتلائیے کہ وہ کیا کرے؟ اگر کہا جائے کہ وہ "احمدی" کہلانا چھوڑ دے تب وہ مسلمان تصوّر ہوگا تو یہ بالکل غیر معقول بات ہوگی - کیونکہ وہ احمدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام "احمد" کی نسبت سے کہلاتا ہے - اگر آنحضرت کے نام "محمد" کی نسبت سے "محمدی" کہلانا غیرمسلم نہیں بناتا تو آپ کے نام "احمد" کی نسبت سے "احمدی" کہلانا کیوں غیرمسلم ہونے کا سبب ہو - اللہ کے دین "اسلام" کی یہ تعریف اور شرط نہیں ہو سکتی اور نہ ہی اللہ کا دین اسلام رکھنے والے "مسلمان" کی یہ تعریف اور شرط ہو سکتی ہے - اگر کسی کو اس امر سے انکار ہو تو وہ اللہ کے دین کی ایسی تعریف کی اللہ کی کلام قرآن کریم کی کوئی آیت یا اللہ کے رسول کے ارشادات سے کوئی حدیث اس بارے میں بتلائیے -

**دوم** - اسلام کے متعلق پاکستان میں مختلف تصوّر پائے جاتے ہیں - مثلاً:-

۱- شیعوں کا تصوّر
۲- سُنیوں کا تصوّر

(باقی بر صفحہ ۴ کالم ۲)

## خطبہ جمعہ (بقیہ صفحہ [illegible])

تمہارے دلوں میں داخل بھی ہوا غرض کہ قرآن کریم اس مضمون کی آیات سے بھرا ہوا ہے کہ بعض لوگ زبان سے تو ایمان کا اظہار کرتے ہیں لیکن دل انکے انکار سے لبریز ہوتے ہیں -

### آزمائش کی اصل غرض

پس اس بات کو واضح کرنے کے بعد کہ آزمائش کے ذریعہ خدا کو کسی کے دل کی کیفیت کا پتہ لگانا مقصود نہیں ہوتا کیونکہ اس پر تو ہر انسان کے ایمان کی پوری کیفیت ہر وقت منکشف رہی ہے آزمائش اور ابتلاؤں کی غرض تو انسانوں پر ان کے ایمان کی اصلی حقیقت کو منکشف کرنا ہوتا ہے یا دوسرے ان لوگوں کو جو ان کے دعویٰ ایمان سے دھوکہ کھا رہے ہوتے ہیں ان کے ایمان کی حقیقت سے واقف کرنا ہوتا ہے - اگر مدعیان ایمان پر ایسے ابتلاء وارد نہ کئے جائیں جو اصلی اور بناوٹی مدعیان ایمان میں تمیز کر دیں تو ہر بناوٹی مدعی ایمان بھی اپنے آپ کو سچا اور حقیقی مومن ہی سمجھتا رہے اور دوسرے لوگ بھی اس کو ایسا ہی سمجھتے رہیں اسی لئے خدا نے فرمایا کہ محض زبان سے دعویٰ کرنے والے لوگوں کو محض ان کے قول پر ہی نہیں چھوڑا جا سکتا کیونکہ قول سچا بھی ہو سکتا ہے اور جھوٹا بھی، اس لئے ان کے صدق اور کذب کو ظاہر کرنے کے لئے انہیں ابتلاؤں کی بھٹی میں ڈالا جانا ضروری ہے کیونکہ اس کے سوا اور کوئی ذریعہ صدق اور کذب کو آزمانے کا ہو نہیں سکتا۔ یفتنون کا لفظ اختیار کرکے اس طرف اشارہ کر دیا گیا کہ اس ذریعہ سے اگر ایک طرف جھوٹے مدعیوں کا جھوٹ ظاہر ہو جاتا ہے تو دوسری طرف پختہ ایمان والوں کا ایمان اس ذریعہ سے کندن ہوتا رہتا ہے اور تمام میل کچیل چھٹ کر الگ ہوتی رہتی ہے - اور روحانیت میں صاحب پختہ ایمان ترقی پر ترقی کرتا جاتا ہے - اور لفظ فتن ان دونوں مفہوموں کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے -

### خدائی سنّت مستمرّہ

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ ابتلاؤں کا نشانہ صرف تمہیں ہی نہیں بنایا جا رہا ہے بلکہ تم سے پہلی اُمتیں بھی اس کا نشانہ بنتی رہی ہیں یہ ہماری سنّت مستمرّہ ہے ان ابتلاؤں سے غرض ہمیشہ یہی رہی ہے کہ صادقوں کے صدق اور کاذبوں کے کذب کو ظاہر کرکے اسے نمایاں کیا جائے -

### ابتلاؤں کی ایک خاص قسم

ابتلاؤں کی دو قسمیں ہیں ایک قسم تو وہ ہے جو براہِ راست خدا تعالیٰ کی طرف سے وارد ہوتی ہے اور دوسری قسم وہ ہے جو لوگوں کی طرف سے مومنوں پر وارد کی جاتی ہے لوگ مومنوں کو جن ایذا رسانیوں کا نشانہ بناتے ہیں ان کی غرض ایک ہی ہوتی ہے وہ یہ کہ تمام مومنوں کو جن میں سچے اور جھوٹے سب شامل ہوتے ہیں ایمان سے نکال کر کفر کی طرف کھینچ لائیں جھوٹے مدعی ایمان تو کھنچے چلے جاتے ہیں لیکن پختہ ایمان والے اپنے ایمان پر ثابت قدم رہتے ہوئے انکی وارد کردہ تکالیف کو کامل طور پر برداشت کرتے ہیں ان کے قدم ان تکالیف سے لڑکھڑاتے نہیں لیکن ان ایذا رسانیوں کے مرتکب خدا کے نزدیک ظلم کی راہ اختیار کرنے کی وجہ سے قابلِ سزا قرار پاتے ہیں، انہی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا وہ لوگ جو مومنوں کو اپنے ظلموں اور ایذا رسانیوں کا شکار بناتے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہماری گرفت سے بچے رہیں گے - اگر ان کا ایسا خیال ہے تو ان کا یہ فیصلہ بہت بُرا ہے وہ ضرور سزا پائیں گے اور خدائی عذابوں کا ضرور نشانہ بنیں گے اس سے وہ کسی صورت میں بچ نہیں سکتے کیونکہ ان کا مقابلہ خدا کے دیوں کو دکھ دینے کی وجہ سے من عادی ولیًّا فقد اذنتہ بالحرب کی وعید کے ماتحت خدا کے ساتھ ہے سو ایسے لوگ یاد رکھیں کہ وہ وقت ضرور آنے والا ہے جب خدا ان کے مقابلہ کے لئے میدان میں نکلے گا اور ان کو تباہ کر کے رکھ دے گا وہ مظلوم کی آہوں اور ان کی فریادوں کو سن رہا ہے ✻

✻ اور ان کو ظالموں کے ہاتھوں سے نجات دلانے کے طریقوں کو بھی جانتا ہے پس وقت آئیگا کہ حقیقی مومن ظالموں کی ایذا رسانیوں سے مخلصی حاصل کریں گے -

### پختہ ایمان والوں کو تسلی دینا

ظالموں کو سزا کی وعید سنانے کے بعد سچے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ ازراہ تسلی فرماتا ہے کہ تم میں سے جو اپنے نفس کی اصلاح کے لئے خدا کی راہ میں مجاہدہ کریگا اسکا فائدہ اسی کو پہنچتا رہے گا خدا کی خدائی میں تو اس سے کوئی اضافہ نہ ہوگا وہ تو ہر چیز سے غنی ہے وہ لوگ جو حقیقی ایمان کے زیور سے آراستہ ہونگے اور ان کی زندگی ایمان کے مطابق اعمال صالحہ کے بجا لانے میں گذرتی رہے گی تو وہ یاد رکھیں کہ یہ تکالیف جو انکو ظالموں کی طرف سے ۴۵ مرم پہنچائی جا رہی ہیں وہ آزمائش کی گھڑیاں گذرنے کے بعد بالآخر دُور کر دی جائیں گی جیساکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آخر دُور کر دی گئیں اور انہیں آرام کی زندگی میسّر آگئی - اس کے علاوہ ان کے اعمال کی بہترین جزا بھی انکو عطا کی جائیگی -

اللہ تعالیٰ ہمیں استقامت عطا فرمائے اور مرتد ہونے سے محفوظ رکھتے ہوئے مرنے تک حق کا وارث کرے آمین -

اذکروا موتاکم بالخیر

# آہ! پیارے شیخ محمد حسین مرحوم و مغفور

شیخ محمد حسین بھی بالآخر رخصت ہوئے۔ ادھر ۲۸ر دسمبر کو جلسہ سالانہ بخیریت تمام ہوا اور اکثر احباب جماعت اپنے گھروں کو جا رہے تھے ادھر ہمارے شیخ صاحب نے بھی آخرت کا رخت سفر باندھا اور شام ۴ بجکر ۲۰ منٹ پر اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ جو چند ہفتہ پیشتر تک نہایت تندہی سے دفتر میں مصروف کار نظر آتے تھے۔ آج مرحومین کی فہرست میں شامل ہو چکے ہیں وقت بڑی تیزی سے گذر جاتا ہے۔ شیخ صاحب ایک مدت تک ہمارے ہی گھر کے ایک کمرہ میں رہتے تھے اور پھر ان سے ہمسائگی کا رشتہ کسی نہ کسی صورت میں اب تک قائم رہا یہ رشتہ خونی رشتوں سے قریب تر اور عزیز تر تھا۔ اب سے پورے ۱۶ سال پہلے ۱۳ر جنوری ۱۹۵۹ء کی سرد صبح کو جبکہ میں کالج گیا ہوا تھا۔ والد محترم مولانا آفتاب الدین صاحب اچانک وفات پا گئے کمرۂ امتحان سے سیدھا گھر آیا۔ سوگوار احباب جمع تھے اور شیخ صاحب جملہ انتظامات میں ایک شفیق دوست کی طرح مستعد نظر آ رہے تھے۔ لیکن آہ! وہی پیارا دوست آج خود زیر خاک مولانا مرحوم کے سرہانے ابدی نیند سو رہا ہے۔

احمدیہ مارکیٹ سے نیچے اترتے ہوئے دفتر سے گذرتے ہوئے یوں لگتا ہے کہ شیخ صاحب ابھی آتے ہیں۔ کبھی ان کی بلند آواز کانوں میں گونجتی ہے کبھی ان کے قدموں کی مخصوص چاپ سنائی دیتی ہے ہمت، محنت، استقامت، نفاست جس کی شخصیت کے نمایاں پہلو تھے۔ آج وہ ہم میں نہیں۔ دفتر انجمن اور آفتاب الدین احمد دارالشفاء ان کے بغیر آج بے کیف سے لگتے ہیں قدم قدم پر ان کی کمی ایک مدت تک ان کی یاد دلائے گی اور شاید یہ خلا پُر نہ ہو سکے۔ شیخ محمد حسین مرحوم شہر سیالکوٹ سے جوانی میں احمدیہ بلڈنگس لاہور آئے دفتر انجمن کے مختلف شعبوں میں کام کرتے ہوئے امین کے ذمہ دار منصب تک پہنچے اور دیانت، امانت، محنت، لگن اور ذہانت کی بدولت مرکزی دفتر میں ایک ممتاز مقام حاصل کیا۔ ان کا حافظہ بھی خوب تھا۔ انجمن کے کسی فیصلہ واقعہ یا ریکارڈ سے متعلق کوئی بات پوچھنا ہوتی تو ہم شیخ صاحب مرحوم کے پاس چلے جاتے اور یہ یقین ہوتا کہ ان سے صحیح بات کا علم ہو جائے گا۔

حضرت رسول اکرم صلعم نے فرمایا کہ خدا کو وہ عمل بہت پسند ہے جس پر مداومت اختیار کی جائے۔ شیخ صاحب مرحوم کے طریق کار میں یہ خوبی نہایت نمایاں تھی۔ جو کام بھی ان کے سپرد کیا جاتا اسے نہایت سلیقہ باقاعدگی اور مستعدی اور نفاست سے کرتے اور ہر چیز اس درجہ قرینے سے رکھتے کہ ہر کوئی اس سے استفادہ کر سکتا دفتری اوقات کے بعد آفتاب الدین احمد دارالشفاء میں بیٹھ کر دکھی انسانوں کی خدمت کرنا ان کی زندگی کا جزو بن چکا تھا، سخت بیماری کے ایام میں بھی کسی کو اس کے کرنے یا سمجھنے میں دقت نہ ہوتی یہ خوبی کم ہی لوگوں میں ہوتی ہے۔ انجمن کے لئے شیخ صاحب مرحوم کا وجود کسی نعمت سے کم نہ تھا۔ شیخ صاحب ان تمام خوبیوں کو لئے ہوئے خلوص اور خاکساری سے انجمن کی خدمت کرتے ہوئے راہی ملک عدم ہوئے۔

جن لوگوں کو شیخ صاحب مرحوم کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے یا جن احباب کا انجمن کے کاروبار سے کسی رنگ میں بھی تعلق رہا ہے انہیں معلوم ہے کہ ان میں استقامت اور جرأت قابل ستائش حد تک موجود تھی۔ انجمن کی تاریخ میں کئی نشیب و فراز آئے لیکن شیخ صاحب مرحوم کبھی نہ گھبرائے بلکہ ہمیں بھی ہمت سے کام لینے کی نصیحت کرتے،

ستمبر ۱۹۷۴ء کے مشکل ترین دور میں شیخ صاحب مرحوم نے جس استقامت اور حوصلہ مندی کا ثبوت دیا انہیں یاد کر کے آج بھی ان کی عظمت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ رشتہ دار اکٹھے ہیں کہ اب تو قوم کا اجتماعی فیصلہ ہے کہ احمدی خارج از اسلام ہیں آپ جماعت سے علیحدگی اختیار کر لیں۔ لیکن شیخ صاحب مرحوم ثابت قدم رہے۔ ان نازک حالات کا اندازہ کچھ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جو اس منظر کے شاہد تھے۔

شیخ صاحب مرحوم جب ایک فیصلہ کر لیتے تو پھر کسی خطرہ سے نہ گھبراتے اور نہایت پامردی اور استقامت سے مشکلات کا مقابلہ کرتے۔

آفتاب الدین احمد ہومیو پیتھک دارالشفاء جس کی حیثیت ۱۹۵۶ء تک محض ایک کوٹھڑی کی تھی جس کی نمناک دیواروں کے درمیان چند دوائیوں کی شیشیوں کو لئے ہوئے درویش صفت مولانا آفتاب الدین صاحب مرحوم کئی برس تک بیماروں کی خدمت کرتے رہے۔ شیخ صاحب مرحوم نے دن رات محنت کر کے اس کوٹھڑی کو ایک باقاعدہ شفاخانہ اور پھر ایک مکمل ادارہ کی شکل دی جس کی شہرت احمدیہ بلڈنگس سے نکل کر پورے پاکستان میں پھیل گئی۔ شیخ صاحب مرحوم کا یہ ایک کارنامہ ہی ان کی آخرت کے لئے صدقہ جاریہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ دعا ہے کہ خدا مرحوم پر اپنی ہزار ہزار رحمتیں نازل فرمائے اور ان کے اہل و عیال کا حامی و ناصر ہو۔

شریک غم — ناصر احمد۔ احمدیہ بلڈنگس لاہور

ہم دفتر کے کام اور دارالشفاء کے حسابات کی فکر انہیں دامنگیر رہتی تھی۔ شیخ صاحب مرحوم اس لحاظ سے خوش قسمت تھے کہ ان کا ہر کام، ہر حساب اور ریکارڈ اس حد تک مکمل رہتا کہ بعد میں

## قرارداد تعزیت

مؤرخہ ۱۲ر جنوری ۱۹۷۶ء بروز بدھ تنظیم خواتین احمدیہ لاہور کا ایک اجلاس زیر صدارت محترمہ ذکیہ شیخ دارالسلام میں منعقد ہوا۔ جس میں یہ تعزیتی قرارداد پاس کی گئی کہ

"یہ اجلاس اپنی بہن سلمٰی ناصر احمد صاحبہ کے والد محترم جناب شیخ برکت اللہ صاحب کی ناگہانی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔ مرحوم و مغفور نہایت متقی و پرہیزگار اور مخلص احمدی تھے۔ دعا ہے اللہ تعالےٰ مرحوم کی روح پر اپنے انعامات نازل فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

یہ اجلاس محترمہ سلمٰی ناصر احمد صاحبہ اور انکے دیگر لواحقین سے گہرے تاسف کا اظہار کرتا ہے۔ اس صدمہ میں ہم سب ان کے ساتھ برابر کے شریک ہیں اور دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالےٰ ان کو اس صدمہ کے برداشت کی توفیق دے اور صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

نسرین گل محمد۔ سیکرٹری تنظیم خواتین احمدیہ لاہور

# شامِ غریباں کی تقریب

دسویں محرم الحرام کو حسب سابق کراچی میں شام غریباں کی تقریب ٹیلی ویژن پر دکھائی گئی۔ ہم نے بھی بچوں سمیت اسے دیکھا اور سُنا۔ گذشتہ سال والے علامہ ترابی کی ہی تقریر تھی۔ آپ نے خلافِ توقع حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماکر ہمارے دلوں کو خوش کیا۔ حسب معمول اپنی تقریر میں بہت احتیاط سے کام لیا اور کوئی فرقہ وارانہ دکھ دینے والی بات نہیں کی جس طرح گذشتہ سال ان کی تقریر کا محور مشہور حدیث انا مدینۃ العلم و علیٌّ بابھا۔ تھی۔ اس بار اس حدیث پر صرف ایک بار اشارہ کرنے کے کوئی خاص دلچسپی نہیں لی۔ ان کی تقریر کا محور غزوات و سرایا تھے۔ (غزوہ وہ جنگ ہے جو حضور سرور کائنات صلعم نے لڑی ہو۔ سریہ وہ جنگ ہے جو حضور کے حکم سے صحابہؓ نے لڑی ہو۔)

علامہ صاحب نے فرمایا کہ یورپ والے کہتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے۔ محمد صاحب کے غزوات اور ان کے صحابہ کے سرایہ کی فہرست بہت طویل ہے اور اس طرح اسلام اپنی صداقت سے نہیں بلکہ تلوار کے زور سے پھیلا ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلعم نے حملہ کرنے میں کبھی ابتداء نہیں کی حضور نے جب بھی تلوار اُٹھائی تو مدافعت کے طور پر اُٹھائی۔ اسی کو جہاد کہتے ہیں، جارحانہ طور پر لڑنے کو جہاد نہیں کہتے جنگ (قتال کہنا چاہیئے تھا۔ ساحل) کہتے ہیں۔ حضورؐ نے کبھی جارحانہ اسلام نہیں پھیلایا بلکہ مدافعت سے دشمن کو روکا۔ پھر علامہ صاحب نے ایک ایک غزوہ کو زبانی گنا اور ان قبائل کے نام گنوائے جو حملہ آور ہوتے تھے۔ اسی طرح ہر ایک سریہ اور مدِمقابل فریق کا زبانی نام گنوا کر بڑی داد پائی۔ ادھر ہمارے بدن کا ذرّہ ذرّہ مرزا غلام احمدؒ کی جے۔ کی کیفیت میں ڈوبا ہوا تھا

حضرت اقدسؑ کی بعثت سے پہلے سُنی مولوی ہوں کہ شیعہ علماء۔ اہلحدیث کے علماء ہوں کہ اہلِ قرآن کے قرآن دان، سب یہی کہتے تھے کہ تلوار کے زور سے کافروں کو مسلمان بنایا گیا۔ وہ حضرت علیؓ کی ذوالفقار کے گیت گاتے کہ علیؓ نے اس تلوار سے اسلام پھیلایا۔ ان نادانوں نے سلطان ٹیپو کے گیت گائے کہ اس نے جبراً پانچ لاکھ ہندوؤں کو مسلمان بنایا۔ اورنگ زیبؒ اور محمودؒ نے لاکھوں ہندوؤں کو بزورِ شمشیر مسلمان بنایا مگر آج مرزا غلام احمدؒ نے ان علماء کو لا اکراہ فی الدین کی بھولی بسری آیت یاد دلا کر ان کا نقطہ نگاہ بدل دیا اور اب وہ جھوم جھوم کر بیان کرتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا اپنے حسن و خوبی سے پھیلا ہے گویا اسلام کسی ذوالفقار کا محتاج نہیں پھر ناسخ و منسوخ کا مسئلہ سمجھا کر ان کو بھول بھلیوں سے نکال کر غیر منسوخ قرآن پڑھنے والا بنا دیا۔ ان مولویوں کو غیرت دلائی۔

ؔ غیرت کی جا ہے عیسٰیؑ زندہ ہو آسمان پر
مدفون ہو زمیں میں شاہِ جہاں ہمارا

تو مصر، شام، حجاز اور پاک و ہند کے بے شمار چوٹی کے علماء

کی حضور صلعم سے بوقت نکاح عمر کے متعلق جو غلط فہمی پھیلائی ہوئی تھی وہ بھی حضرت مرزا صاحبؒ اور احمدی مبلغین کی کوششوں سے دُور کی گئی۔ احمدیوں کی اس بے مثال خدمت کا اجر خدا کے حضور کیا ملے گا؟ اسے تو خدا ہی بہتر جانتا ہے مگر آہ! ایسی خادمِ اسلام جماعت کو مسلمانوں نے یہ اجر دیا کہ ان کا بائیکاٹ کیا ان کے مکانوں اور دکانوں کو لُوٹا گیا۔ ان کی مسجدوں کو گھروں کو جلایا گیا جن میں تلاوت کے لئے رکھے گئے قرآن اور رسولؐ کے منبر بھی جل گئے، اور پھر ان احمدیوں کو سکھوں۔ عیسائیوں اور ہندوؤں کی طرح کافر قرار دے کر اقلیت بنا دیا گیا۔ حد تو یہ ہے کہ شامِ غریباں منانے والے شیعہ حضرات جو فخر سے کہتے رہتے ہیں کہ جب ظلم سے کوئی گھر جلائے جاتے ہیں تو ہمیں حسینؑ کے کنبہ کے وہ خیمے جلتے ہوئے یاد آجاتے ہیں جو یزیدیوں نے جلائے تھے یہی شامِ غریباں میں رونے والے شیعہ حضرات احمدیوں کے گھروں، مسجدوں کو جلانے اور احمدیوں کو بیگناہ قتل کرنے والوں کے ساتھ مل گئے۔ اور ان رونے والوں کو احمدی مظلومین کی ہمدردی میں دو آنسو بہانے اور احتجاج کرنے کے لئے دو لفظ بھی میسّر نہیں آئے اُلٹا احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت بنانے کے فیصلہ پر مہر تصدیق لگا کر لاکھوں مسلمانوں کو کافروں کے حوالے کر دیا۔ کیا حضرت محمد مصطفےٰ صلعم اور علی المرتضےٰ رضؓ اور حسینؓ کی پاک ارواح اپنی قبروں میں لرز نہ گئی ہوں گی؟ اسلام کی کھیتی کی یہ بربادی غیروں سے نہیں خود مسلمانوں کے ہاتھوں سے ہوئی جس طرح حضرت حسینؑ کا کنبہ خود مسلمانوں کے ہاتھوں برباد ہوا۔

ؔ من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ بامن ہرچہ کرد آں آشنا کرد

احمدی کوئی شامِ غریباں نہیں مناتے۔ شیعہ حضرات سال میں دس دن ہنگامہ آرائی کر کے سارا سال گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں مگر احمدی اپنے ہاتھوں میں پرچم اسلام اور قرآن لے کر حسینؑ کے ناناؐ کے دین کا ڈنکا چاردانگ عالم میں بجاتے پھرتے ہیں۔ علامہ اقبال کا یہ شعر

ؔ دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

یا تو صحابہؓ پر صادق آتا ہے یا آج احمدی مبلغین اس شعر کے مصداق ہیں۔

عہ یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

## ہفت روزہ پیغامِ صلح
خود پڑھنے کے بعد دوسرے احباب تک پہنچائیں (مدیر)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ــــــ مورخہ ۴ فروری ۱۹۷۶ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ــــــ شمارہ نمبر ۵

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۳ | یوم چہارشنبہ ۱۰ صفر المظفر ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۱ فروری ۱۹۷۶ء | نمبر ۶

## مَلفُوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السّلام

# قبُولیّتِ دُعا کی شرائط

دعا سے وہ دُعا مراد ہے جو بجمیع شرائط ہو۔ اور تمام شرائط کو جمع کر لینا انسان کے اختیار میں نہیں جب تک توفیق ازلی یاور نہ ہو۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ دُعا کرنے میں صرف تضرع کافی نہیں ہے۔ بلکہ تقوےٰ اور طہارت اور راست گوئی اور کامل یقین اور کامل محبّت اور کامل توجّہ اور یہ کہ جو اپنے لئے دُعا کرتا ہے یا جس کے لئے دُعا کی گئی ہے اُس کی دنیا اور آخرت کے لئے اس بات کا حاصل ہونا خلافِ مصلحت الٰہی بھی نہ ہو۔ کیونکہ بسا اوقات دُعا میں اور شرائط تو سب جمع ہو جاتے ہیں۔ مگر جس چیز کو مانگا گیا ہے وہ عنداللہ سائل کے لئے خلافِ مصلحت الٰہی ہوتی ہے۔ اور اس کے پورے کرنے میں خیر نہیں ہوتی۔ مثلاً اگر کسی ماں کا پیارا بچّہ بہت الحاح اور رونے سے یہ چاہے کہ وہ آگ کا ٹکڑا یا سانپ کا بچّہ اس کے ہاتھ میں پکڑا دے۔ یا ایک زہر جو بظاہر خوبصورت معلوم ہوتی ہے اس کو کھلا دے تو یہ سوال اس بچّہ کا ہرگز اس کی ماں پورا نہیں کرے گی۔ اور اگر پورا کر دیوے اور اتفاقاً بچّہ کی جان بچ جاوے لیکن کوئی عضو اس کا بے کار ہو جاوے تو بلوغ کے بعد وہ بچّہ اپنی اس احمق والدہ کا شاکی ہوگا اور بجز اس کے اور بھی کئی شرائط ہیں کہ جب تک وہ تمام جمع نہ ہوں اس وقت تک دُعا کو دُعا نہیں کہہ سکتے۔ اور جب تک کسی دُعا میں پوری روحانیت داخل نہ ہو۔ اور جس کے لئے دُعا کی گئی ہے اور جو دُعا کرتا ہے ان میں استعداد قریبہ پیدا نہ ہو تب تک توقع اثر دُعا اُمید موہوم ہے اور جب تک ارادہ الٰہی قبولیّت دُعا کے متعلق نہیں ہوتا تب تک یہ تمام شرائط جمع نہیں ہوتیں اور ہمتّیں پُوری توجہ سے قاصر رہتی ہیں ........ بلاشُبہ ایک مُومن کی دعائیں اپنے اندر اثر رکھتی ہیں اور آفات کے دُور ہوتے اور مرادات کے حاصل ہونے کا موجب ہو جاتی ہیں کیونکہ اگر موجب نہیں ہو سکتیں تو پھر کیا وجہ کہ قیامت میں موجب ہو جائیں گی۔ سوچو اور خوب سوچو کہ اگر درحقیقت دُعا ایک بے تاثیر چیز ہے اور دنیا میں کسی آفت کے دُور ہونے کا موجب نہیں ہو سکتی تو کیا وجہ کہ قیامت کو موجب ہو جائے گی۔ یہ بات تو نہایت صاف ہے کہ اگر ہماری دعاؤں میں آفات سے بچنے کے لئے درحقیقت کوئی تاثیر ہے تو وہ تاثیر اس دنیا میں بھی ظاہر ہونی چاہیئے تا ہمارا یقین بڑھے اور امیّد بڑھے اور تا آخرت کی نجات کے لئے ہم زیادہ سرگرمی سے دعائیں کریں۔ (برکات الدُعا)

## سعید الفطرت ابتلاؤں میں بھی اپنے ربّ کی عنایتوں کی خوشبو سونگھتا ہے

دُعا کے لئے بھی یہی قانون ہے۔ کہ جسم تکلیف اُٹھاوے۔ اور روح گداز ہو اور پھر صبر و استقلال سے اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان لا کر حسن ظن سے کام لیا جاوے۔ ہر ایک کام کے لئے زمانہ ہوتا ہے۔ اور سعید اس کا انتظار کرتے ہیں۔ جو انتظار نہیں کرتا اور چشم زدن میں چاہتا ہے کہ اس کا نتیجہ نکل آوے۔ وہ جلد باز ہوتا ہے۔ اور بامراد نہیں ہو سکتا۔ میرے نزدیک یہ بھی ممکن ہے اور ہوتا ہے کہ دُعا کے زمانہ میں ابتلاء کے طور پر اور بھی ابتلاء آ جاتے ہیں ...... مگر مستقل مزاج اور سعید الفطرت ان ابتلاؤں اور مشکلات میں بھی اپنے ربّ کی عنایتوں کی خوشبو سونگھتا ہے ÷ (ملفوظات حصّہ چہارم)

محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

# قومی تعمیر کی تین بنیادی خصوصیات
## جذباتِ رحم و غضب کے استعمال کے صحیح مواقع

انسانی فطرت میں جس قدر مختلف قسم کے جذبات موجود ہیں، دراصل ان سب کی بناء دو جذبوں پر قائم ہے۔ یعنی جذبۂ رحم اور جذبۂ غضب۔ بلکہ یوں کہنا صحیح ہوگا کہ یہ دو جذبے باقی تمام جذبات کے لئے بطور جڑ اور ماں کے ہیں جس سے وہ سب پرورش پاتے ہیں۔

قومی تعمیر کا سوال درحقیقت انہی دو بنیادی جذبات کے صحیح استعمال کا مسئلہ ہے۔ جو انسان یا قوم ان دو جذبات کے صحیح استعمال سے واقف ہے یا یہ کہ وہ عملی زندگی میں انہیں برمحل و موقع استعمال کرنے پر قادر ہے وہ حقیقتاً انفرادی و قومی ترقی کے گہرے راز سے واقف ہے۔ اور وہ ترقی کے میدان میں خاطر خواہ کامیابی حاصل کرسکتا ہے۔ برخلاف اس کے جو انسان یا قوم بوجہ ناواقفیت یا بوجہ عدم صبر و حوصلہ کے ان جذبات کو صحیح موقع و محل پر استعمال نہیں کرسکتی۔ ان سے قومی ترقی کی امید رکھی نہیں جا سکتی۔ گو کتنی ہی نیک نیتی و خیرخواہی مدِنظر ہو۔ اور گو کوئی شخص عارف باللہ ہو یا علم و فضل کے میدان میں درخشاں ستارہ کی مانند چمک رہا ہو۔ لیکن قومی تخلیق و تعمیر کے اہم مقصد کا حل جذبات کے صحیح و برمحل اظہار سے ہی وابستہ ہے اس لئے کہ قومی تعمیر نام ہے پراگندہ انسانوں کو ایک متحدہ رشتۂ اخوت میں منسلک کرنے کا۔ گویا اس مدعا کی ترقی کا سارا راز دوسرے انسانوں کے ساتھ صحیح تعلقات قائم کرنے میں مضمر ہے۔ پس جس شخص نے فطرتاً یا تدبر و عقل کے ماتحت صحیح قسم کے تعلقات نبھانے کا گر حاصل کر لیا وہی قومی تعمیر و ترقی کے میدان میں ممد و معاون ثابت ہوا اور وہی اس بات کا اہل ہے کہ اسے اس مقصد کا حامل بنایا جائے۔

قرآن کریم نے یہاں ایک ایسی قوم کی تخلیق کا ذکر کیا ہے۔ جس کا رشتۂ اتحاد تعلق باللہ اور اخلاق و روحانیت پر قائم ہو، وہاں اس محکم اصول کو بھی بیان کیا ہے کہ قومی تعمیر کا مقصد کس طرح کامیابی کے اوج پر پہنچایا جا سکتا ہے۔ یعنی وہ زرّین اصول بیان فرمایا ہے کہ کہاں اور کن مواقع پر جذبات رحم و غضب کا استعمال مناسب و برمحل ہے تا قومی پودا کی نشو و نما صحیح طریق پر ہو سکے۔ چنانچہ جس موقع پر حضرت نبی کریم صلعم و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر فرما کر یہ بیان کیا کہ ان کی مثال ایک مبارک پودا کی ہے جو بویا جاتا پھر بڑھتا اور تناور ہوتا ہے۔ جس سے آخرکار کفار بھی مرعوب ہوتے ہیں۔ وہاں ہی ان تین خصوصیات کا ذکر موجود ہے جو کسی ایسی قوم کی تعمیر کے لئے ضروری اور لازم جزو ہیں۔ ملاحظہ ہوں آیات کریمہ:—

"محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا۔ ذالك مثلھم فی التوراۃ ومثلھم فی الانجیل کزرع اخرج شطاہ فازرہ فاستغلظ فاستوی علی سوقہ یعجب الزراع لیغیظ بھم الکفار وعد اللہ الذین امنو و عملوا الصلحت منھم مغفرۃ و اجرا عظیما"

تین صفات حمیدہ کا ذکر ان آیات میں درج ہے۔ یعنے آنحضرت صلعم اور آپؐ کے صحابہؓ کی امتیازی خصوصیات یہ ہیں:—

(۱) تعلق باللہ اور رضاءِ الٰہی کا حصول یہ تو وہ اصل مقصد ہے جو قومی تعمیر کے سامنے ہے۔

(۲) دو خصوصیات کا ذکر جملہ اشداء علی الکفار اور رحماء بینھم میں کیا ہے یعنے کفار کے برخلاف سختی اور شدت اور اپنوں کے مقابل رافت اور نرمی۔

پس یہ وہ دو صفات ہیں جن پر قومی تخلیق و تعمیر کا سارا دار و مدار ہے اگر پہلی صفت یعنی رضاءِ الٰہی کا حصول مدعا و نصب العین ہے جو قومی تعمیر کے عقب میں کار فرما ہے تو یہ دو صفات یعنی جذباتِ رحم و غضب کا صحیح استعمال وہ ستون ہیں جن پر قومی ترقی کی رفتار قائم ہے۔ کفار کے مقابل سختی اور اپنوں کے مقابل رحم کا صحیح مفہوم وہ نہیں جو غلطی سے سمجھ لیا گیا ہے۔ یعنی یہ کہا جاتا ہے کہ جو کافر ہو اس پر ہمیشہ سختی کرو اور جو مسلمان ہو اس سے بلا لحاظ موقع و حالات عفو و درگذر سے پیش آؤ۔ لیکن قرآن کریم میں کیا ایسے کفار کا ذکر نہیں آیا جن کے ساتھ نیکی اور خیرخواہی کا حکم دیا ہے۔ پھر وہ مسلمان جو دانستہ طور پر بدی پر مصر ہے کیا اس کے برخلاف شرعی سختی کا حکم نہیں آیا؟ صاف ظاہر ہے کہ آیت

### روحانیت و اخلاقِ عالیہ کا اظہار

کریمہ کا مطلب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ہر مسلمان خواہ وہ کیسا ہی مفسد و فتنہ پرداز یا بدعمل و بدکار ہو، اس سے ہمیشہ عفو و درگذر کیا جائے اور ہر کافر خواہ وہ کیسا ہی نیک نیت و نیک منش ہو، اس کے برخلاف سختی عمل میں لائی جائے نہ ہی یہ مطلب اس آیت کا صحیح ہے کہ ایک ہی عمل جب وہ کافر سے سرزد ہو تو سخت سزا کا مستوجب اسے قرار دیا جائے اور جب مسلمان سے وہی بات ظاہر ہو تو کسی اور سزا کا محل بنے۔ بلکہ اگر قرآنی اصولوں کو ملاحظہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اکثر اوقات قرآن میں اپنوں کے خلاف زیادہ سزا کا ذکر آیا ہے۔ کیونکہ ان پر ذمہ داری زیادہ ہے اور ان کی بے راہ روی سے بہتوں کے لئے ٹھوکر کا احتمال ہے چنانچہ آنحضرت صلعم کی ازواجِ مطہرات کے برخلاف ڈبل سزا کا حکم دیا ہے۔ حالانکہ اگر آیت زیر بحث سے مراد اپنوں کو کم سزا دینا لیا جائے تو اس اصول کا اطلاق سب سے پہلے آنحضرت صلعم کی ازواجِ مقدسہ تھیں نہ کوئی اور۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم سے مراد وہ مفہوم نہیں جو عام طور پر رائج ہے۔ یعنی یہ کہ ہر جگہ کفار کے خلاف سختی ہو اور ہر موقع پر اپنوں کو معاف کر دیا جائے۔ اس غلطی کا یہ باعث ہے کہ اسلام نے جس قوم کی تعمیر و تخلیق کا حکم دیا ہے اس کے مقاصد کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اسلام میں قومی تعمیر سے مدعا اخلاق عالیہ کا نشو و نما ہے۔ اگر ایک ایسی قوم تیار ہو جائے جو باوجود اپنی اعلےٰ درجہ کی تنظیم و تربیت کے اخلاقِ عالیہ کی حامل نہ ہو۔ تو اس قسم کی قوم اسلامی مقاصد و مطالب کو بروئے کار لانے میں قطعاً ممد و معاون نہیں ہو سکتی اور نہ ہی یہ وہ قوم ہوگی جس کی تخلیق قرآن کے پیش نظر ہے۔ یہ امر بکلی یاد رکھنا چاہیئے کہ محض ایک قوم کی تعمیر یا کسی ایسی قوم کی تخلیق جس کے مدِنظر دنیاوی مقاصد ہوں اسلام کا نصب العین نہیں۔ اسلام نے قومی تعمیر کو ایک ذریعہ حصول قرار دیا ہے کیونکہ روحانیت و اخلاق کا اظہار کامل رنگ میں ایک قوم کے وجود کو چاہتا ہے۔ پس جہاں یہ بات غلط ہے کہ قرآن مقاصد عالیہ کا حصول قومی تعمیر کے بغیر ممکن ہے۔ اسلام کے مدِنظر دنیا میں اخلاقِ عالیہ کا اظہار ہے۔ اور یہ مقصد ناممکن الحصول ہے

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۲)

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مورخہ ۱۱ فروری ۱۹۷۶ء

# کچھ تو خوفِ خدا کرو لوگو!

روزنامہ "نوائے وقت" اور اس کے مقالہ نگار جماعت احمدیہ کے دیرینہ مونس و غمخوار ہیں ان کی اس ہمدردی اور احسانات کا یہ عالم ہے کہ عدل و انصاف اور سچائی کی تمام اقدار کو پس پشت ڈالتے ہوئے ربوہ سٹیشن کے ایک عام نوعیت کے واقعہ کو مبالغہ آمیزی سے کام لے کر ایسے خوفناک انداز میں پیش کیا کہ عوام کو اپنے جذبات پر قابو نہ رہا اور اس کی آڑ میں ایسی تحریک چلائی گئی جس نے ملک کے امن و امان اور ایک قلیل سی جماعت کی زندگی کو خطرے میں ڈال دیا۔ اس طرح ملک کے ان دشمنوں کو بھی جو مدت سے یہ آرزو دل میں چھپائے بیٹھے تھے کھل کھیلنے کا موقع فراہم کیا۔ یہ سب کچھ قرآن - اسلام اور تحفظ ختم نبوت کے نام پر ہوا۔ تعجب انگیز بات یہ ہے کہ اس تمام تحریک میں وہ لوگ پیش پیش تھے جنہوں نے نہ کبھی پہلے پاکستان کو دل سے تسلیم کیا تھا اور نہ اب ہی تسلیم کرتے ہیں۔ تحریک پاکستان کے آغاز سے ہی ان قوتوں کی طرف سے ایسا لٹریچر شائع ہوتا رہا ہے جس میں لگی لپٹی رکھے بغیر ایسا مواد پیش کیا جاتا رہا ہے جس سے پاک دشمن طاقتوں کو ہی تقویت ملتی رہی ہے لیکن جب ان کی تمام مذموم کوششوں کے باوجود پاکستان ایک حقیقت بن کر دنیا کے نقشے پر ابھرا تو یہ بھی اپنا بوریا بستر لپیٹ کر یہاں آ دھمکے اور اس کے استحکام اور ترقی کے غم میں ان کی راتوں کی نیند اُچاٹ ہوگئی ہے۔ ان کی تمام کوششوں کا نقطۂ ماسکہ یہ ہے کہ پاکستان کی ساری برائیوں اور بیماریوں کا علاج ان کے برسرِ اقتدار آنے میں ہے۔ ان کے آنے سے اس چمن میں بہار آ جائے گی۔ دودھ اور شہد کی نہریں بہیں گی اور لوگ پکار اُٹھیں گے کہ اگر سطح زمین پر کوئی جنت ہے تو یہی ہے۔ لیکن اللہ تعالےٰ مفسد اور مصلح کو خوب جانتا ہے۔ اس کی سنت یہی رہی ہے کہ اس نے محض گناہ کی کثرت کی وجہ سے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا اس لئے کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے لیکن جب گناہ کے ساتھ شرارت اور ظلم بھی شامل ہو جائیں تو اس کی رحمت کا ہی یہ تقاضا ہے کہ وہ اپنی بستی کو مفسدوں اور شریروں سے پاک کرکے اسے ان کے حوالے کرے جو اس کی منشاء اور مرضی کے مطابق چلنے والے۔ اس کے بندوں سے عدل و احسان سے پیش آنے والے اور اس کے احکام کو اس کی زمین میں نافذ کرنے والے ہوں۔ تاریخ اس پر شاہد ہے۔ کوئی مثال ایسی نہیں ملتی کہ خدا سے تعلق رکھنے والے کسی گروہ نے خفیہ تنظیم اور زیرِ زمین سرگرمیوں کے ذریعے ملک میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا کر حکومت چھیننے کا ارادہ کیا ہو۔ ہاں یہ ضرور دیکھنے میں آیا ہے کہ وقت کی اکثریت نے ایسے گروہ کو اپنے ارادوں کی تکمیل کی راہ میں سنگِ گراں سمجھ کر اپنے راستے سے ہٹانے کے لئے ہزارہا جتن کئے لیکن ارادہ الٰہی نے اپنے اس اصول کے تحت کہ "جو نسلِ انسانی کے لئے نافع ہوتے ہیں وہ زمین میں قائم رہتے ہیں" اس قلیل گروہ کو تمکنت بخشی خواہ وقتی طور پر اسے کتنے ہی ابتلاؤں آزمائشوں اور مصائب سے کیوں نہ گذرنا پڑا۔

خیال تھا کہ قومی اسمبلی کے ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کے فیصلے کے بعد بغض و حسد کے وہ زہریلے سانپ جو ان اخبارات اور ان کے مقالہ نگاروں کے سینوں پر لوٹتے رہے ہیں اس آگ کے سرد پڑ جانے سے بلوں میں گھس جائیں گے۔ مگر بڑے دُکھ سے کہنا پڑتا ہے کہ وہ اب بھی اپنے دل کے پھپھولے پھوڑنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ پاکستان ہی کا کیا ذکر وہ ہر اسلامی اور غیر اسلامی مُلک کی تمام برائیوں کا سبب جماعت احمدیہ کے وجود کو ہی قرار دیتے ہیں۔ "دو بچے آپس میں لڑ پڑیں۔ کسی کالج میں ہڑتال ہو۔ کوئی ٹھوکر کھا کر گر پڑے۔ کسی کا گھڑا ٹوٹ جائے لبنان کی خانہ جنگی ہو۔ مصر اسرائیل اُلجھ پڑیں۔ امریکہ اسرائیل کو ہتھیار دے۔ کوئی طیارہ اغوا ہو جائے تو فوراً خبر آ جائے گی "اس میں جماعت احمدیہ کا خفیہ ہاتھ کام کر رہا ہے"۔

پچھلے دنوں اپنے آپ کو ایک عالم دین کہلانے والے بزرگ بڑے دُور کی کوڑی لائے کہ "قادیانی اسرائیل اور بھارت کے ساتھ مل کر پاکستان کو ختم کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ اور ایک دوسرے صاحب نے فرمایا قادیانی اور کمیونسٹ مل کر پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اس پر سوائے انّا للہ و انّا الیہ راجعون پڑھنے اور لعنت اللہ علی الکاذبین کہنے کے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔

یہ سراسر افترا ہے۔ جھوٹ ہے۔ کذب بیانی اور ذہنی اختراع ہے۔ جماعت احمدیہ کا ہر فرد محب وطن پاکستانی ہے اس جماعت نے بالعموم اور جماعت احمدیہ لاہور نے بالخصوص حضرت قائد اعظم مرحوم و مغفور کے زیرِ سایہ تحریکِ پاکستان میں ایک مثبت کردار ادا کیا ہے۔ اس کے ہر بچے۔ جوان۔ بوڑھے مردوں اور عورتوں سب نے دامے درمے۔ قدمے اور سخنے اس کی تشکیل میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔

پاکستان کے قیام کے بعد جب سکھوں اور ہندوؤں نے مشرقی پنجاب کے بے گناہ مسلمانوں کے خون سے ہاتھ رنگنے شروع کئے تو یہ "قادیان کے غیر مسلم قادیانی" ہی تھے جنہوں نے اردگرد کے دیہات کے مظلوموں کو اپنے ہاں پناہ دی اور بحفاظت سرحد کے اس پار پہنچانے کا اہتمام کیا۔ جب ان لُٹے پٹے مجروح قافلوں نے سرزمین پاک پر قدم رکھا تو جماعتِ احمدیہ لاہور کے "غیر مسلم احمدیوں" نے اپنے کیمپوں میں انہیں آرام و سکون پہنچانے کا بندوبست کیا۔ جماعت کے خرچ پر دوائیاں اور سامان خورد و نوش بہم پہنچایا۔ دن رات انکی خدمت کی۔ اس کے مقابلے میں بعض مسلمان کہلانے والوں کے ہاتھوں انہیں جس ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا وہ بھی ناقابلِ بیان ہے۔ ابھی کل ہی کی بات ہے سیلاب میں گھرے ہوئے تباہ حال چنیوٹ کے رہنے والوں کے ساتھ اہلِ ربوہ نے جو سلوک کیا اس کا اعتراف انہوں نے خود کیا۔ لیکن اس کا اجر جو اہلِ چنیوٹ نے دیا ایسی احسان فراموشی کی مثال بھی کم ہی ملے گی۔

پاکستان کے وجود میں آنے سے پہلے بھی یہ علاقہ احمدیوں کی اکثریت کا وطن مالوف تھا۔ ان کی کئی نسلوں نے اسی کی خاک سے جنم لیا ہے۔ لاہور تو احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کا ۱۹۱۴ء سے مرکز رہا ہے۔

یہ اس وقت کہاں تھے جب صوبہ سرحد میں ریفرنڈم ہو رہا تھا اور اس وقت کہاں تھے جب پنجاب سیکرٹری ایٹ پر مسلم لیگ کا جھنڈا لہرایا جا رہا تھا۔ اسی دَور کا احمدیہ لٹریچر اور ان کا لٹریچر اُٹھا کے مقابلہ کر لو کس میں پاکستان کی تائید اور کس میں اس کی مخالفت میں مضامین

نظر آتے ہیں۔ خود "نوائے وقت" بھی تو ایک احمدی مخیر بزرگ سید محمد حسین شاہ صاحب مرحوم و مغفور کی نظرِ عنایت کا مرہونِ منت ہے۔ اب اسے تسلیم کرے یا نہ کرے۔

جب یہ کیبنٹ مشن پاکستان کے خلاف اور متحدہ ہندوستان کے حق میں ہندوستان کا دورہ کر رہا تھا۔ احمدی بزرگوں کی ہی آہِ سحر گاہی آسمان سے یہ بشارت لائی "پاکستان زندہ باد"۔ ایک مایوسی کی حالت میں حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحبؒ مرحوم و مغفور امیر جماعت احمدیہ لاہور کو یہ خوشخبری سنائی گئی۔ جس کا ذکر انہوں نے اپنے قریب بیٹھے والوں سے کیا۔ اس کے برعکس یہ ہر اس کوشش میں شریک تھے جس سے قائدِ اعظم کو اپنے ارادے میں ناکام بنایا جا سکے۔

یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ اس وطن کو ہمارے باپ دادوں نے سکھوں اور انگریزوں کے خلاف لڑکر اپنے خون سے سینچا اسکے ہر شجر و حجر کی رگوں میں ہمارا خون ہے۔ یہ کل کے آنے والے ہمیں غدار کہتے اور وطن دشمن سمجھتے ہیں۔ آگ لینے آئی اور مالکن بن بیٹھی۔ کہتے ہیں کہ ہم کمیونسٹوں سے مل کر ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کے مطابق تو حضرت قائد اعظم کی بیسیوں ایسی تقریریں ہیں جن میں انہوں نے بار بار صوبائی عصبیت پھیلانے والوں۔ ففتھ کالمسٹوں اور کمیونسٹوں وغیرہ کی تخریبی سرگرمیوں کے خلاف عوام کو خبردار کیا لیکن کیا انکی تحریرات یا تقاریر میں سے ایسا کوئی ایک فقرہ بھی دکھا سکتے ہیں جس میں انہوں نے احمدیوں کی ملک دشمن سرگرمیوں کے متعلق ذکر تک کیا ہو یا ملک سے ان کی وفاداری میں ذرا بھر شک کا اظہار کیا ہو۔ بلکہ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ جب ان سے احمدیوں کو مسلم لیگ سے نکالنے کا مطالبہ کیا گیا تو آپ نے اس پر شدید ناپسندیدگی اور ناراضگی کا اظہار کیا۔ اور فرمایا جو لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتا اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے وہ مسلم لیگ کا ممبر ہو سکتا ہے۔ لیکن آپ کے رخصت ہونے کے فوراً ہی بعد پاکستان کے دشمنوں کے لئے میدان خالی ہوگیا اور آئے دن اسے اپنے ہاتھوں سے ختم کرنے کے منصوبے پروان چڑھنے لگے۔ کیونکہ ان لوگوں کو قائد اعظم اور آپ کے قائم کردہ پاکستان سے ذاتی عناد اور دشمنی بھی۔ احمدیوں کے خلاف ۱۹۵۳ء اور ۱۹۷۴ء کی تحریکیں بھی اسی سازش کی کڑیاں تھیں۔ ورنہ ہم سے بڑھ کر ختمِ نبوت کا قائل کون ہے۔ چھمب۔ جوڑیاں۔ چونڈہ۔ کھیم کرن اور قلعہ قیصر ہند کے محاذِ جنگ آج بھی جماعت احمدیہ کے سپوتوں کی داستانِ جراٌت و وفا سنا رہے ہیں۔ اور یہی ان کا قصور ہے۔ کہ کیوں انہوں نے دشمن کے سامنے ہتھیار ڈال کر پاکستان اس کے حوالے نہ کیا اور ہمیں گھی کے چراغ جلانے اور یوم تشکر منانے کا موقعہ نہ دیا۔ ہمیں اقلیت قرار دینے سے اگر ہمارا ملک بچ گیا تو یہ کوئی بڑی قربانی نہیں ہم ہرگز یہ نہیں چاہتے اور نہ ہی حب الوطنی کا یہ تقاضا ہے کہ ہم اس کی عزت پہ کوئی آنچ آنے دیں۔

انسان کے دل سے جب خدا کا خوف نکل جائے تو وہ اخلاقی اقدار کی تمام حدود پھلانگ جاتا ہے خواہشِ نفس اس کا معبود و مقصود بن جاتی ہے۔ اس کی محبت میں وہ اندھا ہو جاتا ہے اور اس کی تکمیل میں نیک و بد کی تمیز بھی جاتی رہتی ہے "جنگ اور محبت میں ہر حربہ جائز ہے" کے مقولہ کے مدِ نظر وہ مذہبی اصولوں کے استحصال سے بھی نہیں چوکتا۔

ہمیں کہتے ہیں ہم کمیونسٹوں سے مل کر پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ان کے اپنے دل کی آواز اور خواہش ہے۔

الزام ہمیں دیتے ہیں؟ وہ بے خدا معاشرہ قائم کرنا چاہتے ہیں جبکہ آپ کا دعوٰے "اسلامی نظام" "نظام اسلام"۔ "نظامِ مصطفیٰ" اور "شرعی نظام" قائم کرنے کا ہے۔ اشتراکی بھی اپنی طرز کا ایک معاشرہ وجود میں لانا چاہتے ہیں اور آپ بھی خدا۔ رسول۔ قرآن اور اسلام کا نام استعمال کرکے اقتدار کی کرسی تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ ہمارا سیاست اور حکومت کے کاروبار سے قطعًا کوئی تعلق نہیں۔ مقابلہ ہوگا تو آپ میں اور کمیونسٹوں میں پھر ہم درمیان میں کہاں سے آجاتے ہیں لیکن یاد رکھئے آپ ان سے بھی ٹکر نہیں لے سکیں گے کیونکہ آپ روس اور چین کو باوجود خدا کے منکر ہونے کے ناراض کرنے کی کبھی جراٌت نہیں کرسکیں گے۔ اور نہ آج تک کر سکے ہیں۔ ادھر عرب ممالک میں عراق۔ مصر اور شام بھی سوشلزم کی طرف جھکاؤ رکھتے ہیں۔ اور افریقہ کے بہت سے ممالک بھی اس سے متاثر ہیں۔ ایسے حالات میں آپ کیسے اپنے لئے کوئی خطرہ مول لے سکتے ہیں۔ ورنہ چاہیئے تو یہ تھا کہ آپ کی توجہ کا سب سے پہلا نشانہ وہ لوگ ہوتے جو سرے سے خدا کو ہی نہیں مانتے۔ آپ انکے سامنے اللہ تعالےٰ کی ہستی کے لئے کوئی ٹھوس دلائل دیتے۔ اپنی پاک و صاف اور متقیانہ زندگیاں ان کے سامنے رکھتے اور انہیں خدا کی ہستی پہ بطور شہادت پیش کرتے۔ رسول اور نبی بھی تو محض خدا کے وجود کا قائل کرنے اور اس سے تعلق قائم کرانے کے لئے تشریف لاتے رہے۔ کیا آپ کے پاس کوئی ایسی دلیل ہے کہ کسی رسول نے آکر اپنی قوم سے یہ کہا ہو کہ صرف مجھے مانو اور میرے احکام کی تعمیل کرو۔ خدا کو ماننے کی ضرورت نہیں۔ نجات مجھ پہ ایمان لانے میں ہے قرآن کریم میں تو یہی ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اس لئے کہ رسول کی زندگی خدا کی ہستی پر بطور دلیل ہوتی ہے اور اس کے نقشِ قدم پہ چل کر ہی خدا سے تعلق قائم کیا جا سکتا ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ آپ نے خدا کو نہ ماننے والوں سے تو تعرض نہ کیا اور ان لوگوں کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جو خدا۔ رسول اور قرآن کے ماننے والے ہیں۔ اس سے دو ہی نتیجے نکل سکتے ہیں یا آپ نے رسول صلعم کو خدا پر ترجیح دی ہے جو خلاف اسلام ہے اور شرک ہے اور یا آپ بھی خدا کے منکر ہیں اس لئے اس کو منوانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی۔ اس صورت میں کمیونسٹوں کے ہاتھ کون مضبوط کر رہا ہے ہم یا آپ۔

پھر ہمیں طعنہ دیا جاتا ہے کہ ہم اسرائیل اور بھارت کے ساتھ مل کر پاکستان کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ اگر آپ کے پاس اس کا کوئی ٹھوس ثبوت ہے تو سامنے لائیے۔ صداقت اور حق کا خون مت کیجئے۔ حقائق کا منہ مت چڑایئے۔ ہندوستان ایٹمی طاقت بن چکا ہے اس کے کارخانے مہلک ہتھیار تیار کرنے میں شب و روز مصروف رہتے ہیں۔

اسرائیل کو دنیا کی بڑی طاقتوں کی حمایت اور پشت پناہی حاصل ہے جو اسے جدید ترین مہلک جنگی ساز و سامان سے لیس کر رہی ہیں کیا آپ کے پاس کوئی ایسی اطلاع ہے کہ احمدیوں نے اپنے فلاں ملک میں واقع جنگی ساز و سامان کے کارخانے سے اسرائیل یا بھارت کو اتنے بحری جنگی جہاز۔ اتنے لڑاکا طیارے اور اتنے ٹینک اور اتنے ایٹم بم بطور امداد دیئے ہیں۔ یا ان کے فوجی دستے اسرائیل یا بھارت کی فوج میں شامل ہیں۔ اگر ہے تو اسے شائع کریں اور حکومت پاکستان کے نوٹس میں لائیں۔

ہاں امداد کا ایک اور ذریعہ بھی ہو سکتا ہے کہ احمدی ایک

سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ملک کے اندر فتنہ و فساد برپا کریں۔ گڑبڑ مچائیں اور دشمن کو سرحدیں پار کرنے کا موقعہ مل جائے۔ جیسے مشرقی پاکستان میں ہوا تھا۔ مگر ان ۲۸ سالوں میں آپ کوئی ایک مثال بھی پیش نہیں کر سکتے کہ کسی احمدی نے کوئی ملکی قانون توڑنے کی جرأت کی ہو چہ جائیکہ وہ اتنے بڑے پیمانے پر ملک کے امن و امان کو درہم برہم کرنے کی جسارت کرتے۔ مگر آپ کا دامن اس سے پاک نہیں۔ کم از کم دو دفعہ تو ایسا ہو چکا ہے۔ مگر یہ محض اللہ تعالےٰ کا فضل تھا کہ اس نے دشمن کو یہ ہمت نہ دی کہ وہ پاکستان کی طرف میلی آنکھ سے دیکھ سکے۔

ہمارے امامؑ نے جنہیں ماننے کی وجہ سے ہم گردن زدنی قرار پائے ہیں اپنے ایک اشتہار مؤرخہ ۲۹ رمئی ۱۹۰۸ء میں اپنی تعلیم کا تو یہ لب لباب پیش کیا ہے:۔

"میری تمام جماعت جو اس جگہ حاضر ہیں یا اپنے مقامات میں بود و باش رکھتے ہیں اس وصیت کو توجہ سے سنیں کہ وہ جو اس سلسلہ میں داخل ہو کر میرے تعلق ارادت اور مریدی کا رکھتے ہیں اس سے غرض یہ ہے کہ تا وہ نیک چلنی اور نیک بختی اور تقوےٰ کے اعلےٰ درجہ تک پہنچ جائیں اور کوئی فساد اور شرارت اور بدچلنی ان کے نزدیک نہ آ سکے۔ وہ پنج وقت نماز جماعت کے پابند ہوں۔ وہ جھوٹ نہ بولیں اور کسی زبان سے ایذا نہ دیں۔ وہ کسی قسم کی بدکاری کے مرتکب نہ ہوں اور کسی شرارت اور ظلم اور فساد اور فتنہ کا خیال بھی دل میں نہ لاویں۔ غرض ہر ایک قسم کے معاصی اور جرائم اور ناکردنی اور ناگفتنی تمام نفسانی جذبات اور بے جا حرکات سے مجتنب رہیں اور خدا تعالےٰ کے حضور میں غریب دل اور بے شر اور غریب مزاج بندے ہو جائیں اور کوئی زہریلا خمیر ان کے وجود میں نہ رہے۔"

بتایئے اس میں کونسی غیر اسلامی بات ہے۔ احمدی گناہ گار ہی سہی لیکن نہ کوئی ان کی حب الوطنی میں شک کرنے کا مجاز ہے اور نہ ہی کوئی یہ شہادت دے سکتا ہے کہ احمدیوں نے کبھی فتنہ و فساد برپا کیا ہو اور ان ۲۸ سالوں میں کبھی اپنی حکومت کے لئے پریشانی کا موجب ہوئے ہوں۔

خدا کا خوف کیجئے اور اس دن سے ڈریئے جس دن نہ مال و دولت۔ نہ ماں باپ۔ نہ بہن بھائی اور بیوی بچے کسی کے کام آئیں گے۔ نہ سیاسی مقام اقتدار کسی کو اس کی گرفت سے بچا سکے گا اور نہ ہی کوئی پارٹی یا جتھا اس کے گناہوں کا کفارہ بن سکے گا۔ صرف اس کے اعمال ہوں گے اور خدائے عزوجل کی کرسیٔ انصاف۔ ہمیں معاف فرمایئے اور اپنے حال پر رہنے دیجئے۔

---

(مکتوبِ لندن ——— بقیہ از کالم ۲)

صاحب مرحوم و مغفور کے صاحبزادے اقبال احمد صاحب کو جو عرصہ سے مانچسٹر (انگلستان) میں مقیم ہیں حکومت کی طرف سے جسٹس آف پیس (آنریری مجسٹریٹ) بنا دیا گیا ہے۔ اقبال احمد صاحب ریڈیو بی بی سی مانچسٹر کے ایشیائی پروگرام کے انچارج ہیں اور ایک سکول میں استاد بھی ہیں۔ کچھ عرصہ کی ٹریننگ کے بعد وہ عدالت میں مجسٹریٹ کے فرائض ...

---

محمد بیدار صاحب جائنٹ سیکرٹری جماعت کراچی

# مکتوبِ کراچی

## مولانا محمد یحییٰ بٹ صاحب مبلغ جرمن مسلم مشن کی کراچی میں آمد

مؤرخہ ۲۳ رجنوری ۱۹۷۶ء بروز جمعہ مولانا محمد یحییٰ بٹ صاحب بذریعہ پی۔ آئی۔ آر کراچی پہنچے۔ جناب محمد حسن خاں صاحب سیکرٹری جماعت کراچی انہیں لینے کے لئے وہاں موجود تھے۔ چنانچہ خان صاحب مولانا صاحب کو مسجد میں لے آئے اور بٹ صاحب نے نماز جمعہ کا خطبہ دیا اور فرمایا:۔

"آج دنیا مادی ذرائع کے لحاظ سے قریب تر ہو گئی ہے۔ اب اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو تمام نسلِ انسانی کو ایک کر سکتا ہے۔ کیونکہ ہندو دوسرے مذاہب کے بزرگوں کو نہیں مانتا۔ عیسائی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر ہے اور یہودی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے انکاری ہیں لہذا صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو تمام نسلِ انسانی کے رہنماؤں کو سچا یقین کرتا ہے اور ان کی تکریم فرض قرار دیتا ہے اور تمام دنیا کو ایک مذہب پر جمع کر سکتا ہے۔

بعد نماز جمعہ مولانا موصوف کے اعزاز میں جماعت کراچی نے ایک پُرتکلف عصرانہ کا اہتمام بھی کیا اور احباب کے ساتھ مولانا کی گفتگو کا سلسلہ کافی دیر تک جاری رہا۔ بعد میں محمد حسن خان صاحب کو مڈوے ہاؤس چھوڑنے کے لئے لے گئے اور دوسرے روز بذریعہ ہوائی جہاز بٹ صاحب لاہور چلے گئے۔

---

جناب شیخ محمد طفیل صاحب مبلغ انگلستان

# مکتوبِ لندن

## لندن ٹیلی ویژن پر اسلام کے متعلق پروگرام

۱۱ رفروری بدھ کی رات کو لندن ٹیمز (THAMES) ٹیلی ویژن پر اسلامی عقائد اور رسومات پر ایک دس منٹ کا پروگرام پیش کیا گیا۔ جس میں مس ڈیوس نے شیخ محمد طفیل صاحب مبلغ انگلستان سے اسلام کے متعلق مختلف سوالات کئے جن کا تعلق صلوٰۃ۔ زکوٰۃ۔ حج۔ رمضان سے تھا۔ خنزیر کے گوشت اور شراب کی حرمت کے متعلق بھی سوالات پوچھے گئے۔ شیخ صاحب نے وقت کی کمی کے باوجود ان امور کی وضاحت کی اور عقلی اور نقلی دلائل سے اپنے موقف کو پیش کیا۔

شیخ صاحب نے منتظمین پروگرام کو قبل از وقت بتا دیا کہ ان کا تعلق لاہور احمدیہ تحریک سے ہے لیکن مس ڈیوس نے بتایا کہ ان کے پاس دوسرے ذرائع سے یہ اطلاع پہنچ گئی ہے (بعض مخالفوں نے رخنہ اندازی کی کوشش کی لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہوسکے)

## جناب اقبال احمد صاحب کے لئے اعزاز

احباب جماعت یہ سن کر خوش ہوں گے کہ مولانا آفتاب الدین احمد

(باقی کالم ۱ کے نیچے)

# ساری قوموں میں مختلف زمانوں میں نبی آتے رہے ہیں اُنکی صداقت پر ایمان لانا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

## بین الاقوامی اتحاد کا یہی وہ بہترین نسخہ ہے جو محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم خدا تعالیٰ کی طرف سے لائے

خُطبہ جمعہ - مؤرخہ ۳۰ جنوری ۱۹۷۶ء - فرمودہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ - جامع احمدیہ - احمدیہ بلڈنگس لاہور

للہ ما فی السمٰوات و ما فی الارض وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ فیغفر لمن یشاء و یعذّب من یشاء واللہ علےٰ کلّ شیٔ قدیر ......... وقالوا سمعنا واطعنا غفرانک ربّنا و الیک المصیر ———— (البقرہ رکوع ۴۰)

---

فرمایا یہ سورۃ بقرہ کے آخری رکوع کی چند آیات ہیں - جن میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے - کہ جو کچھ زمین و آسمان میں ہے - وہ اللہ ہی کا ہے - اور کائنات کی کوئی شئے اس سے مخفی نہیں ہے - اس لئے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اس کو ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ تعالےٰ اس کا تم سے حساب لے گا۔ پھر جس کو چاہے بخشدے اور جس کو چاہے سزا دے گا - کیونکہ اللہ پاک ہر چیز پر قادر ہے - ان آیات میں تمام انسانوں کو اعلیٰ اخلاق کی تلقین کی گئی ہے، حاکموں کے لئے ان میں عدل و انصاف کا حکم ہے - مخلوق خدا کے حقوق کی حفاظت کا حکم ہے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ - تمہارے لئے رسول اللہ صلعم کی زندگی ایک عمدہ نمونہ ہے - یہ اللہ تعالےٰ کی گواہی ہے کہ ہمارے رسول مقبول صلعم بے نظیر اخلاق کا مجسّمہ تھے - حضور کی بادشاہت سے پہلے اور بعد کی زندگی قابلِ رشک اور تمام دُنیا کے لئے ایک نمونہ تھی - ہمارے آقا و مولا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم ساری دنیا کے لئے کامل نمونہ بن کر آئے - حضور نے غربت میں بھی عمدہ نمونہ دکھایا - اور بادشاہی میں بھی۔

پھر فرمایا:- اللہ بار بار اپنی تخلیق کا ذکر اس لئے فرماتا ہے - اور اپنی قدرت کا بیان اس غرض سے کرتا ہے کہ انسان اپنے پروردگار کے احسانات کو سمجھ کر اس کے آگے سر بسجود ہو - کیونکہ انسانوں کی فطرت و جبلّت میں اپنے محسن کے آگے جھکنے کا جذبہ رکھا گیا ہے اللہ تعالےٰ اپنے بے پایاں احسانات کا ذکر فرما کر اسی فطرت کی طرف توجّہ دلاتا ہے وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ - جب انسان کو یہ یقین ہو جائے کہ اللہ تعالےٰ میرے چھپے بھیدوں کو جانتا ہے اور وہ اس کا حساب لے گا - تو انسان سے کسی قسم کی بُری حرکت سرزد نہیں ہو سکتی - اور وہ نہایت اعلےٰ کردار والا نہیں بن جاتا ہے اور آیت مذکورہ کا بھی یہی مطلب و منشاء ہے - اور اس میں انسانوں کی روحانی تربیّت اور بلند کردار پیدا کرنا مقصود ہے - پس ہمیں اپنے ارادوں اور اعمال کو پاکیزہ بنانے کی کوشش کرنی چاہیئے - فیغفر لمن یشاء و یعذّب من یشاء - پھر محاسبہ میں جس کے لئے اللہ تعالےٰ چاہے - اس کی کمزوریوں کی پردہ پوشی فرماوے - مگر جس کو سزا کے قابل سمجھے - اسے ضرور سزا ملے گی - واللہ علےٰ کلّ شیٔ قدیر - اللہ تعالےٰ کو ہر شئے پر قدرت حاصل ہے - اور وہ اپنے علم اور قدرت کی بناء پر اکثر باتوں کو قابلِ معافی بھی قرار دے سکتا ہے - علےٰ کلّ شیٔ قدیر کا یہی مطلب ہے - اس کے بعد آتا ہے اٰمن الرسول بما انزل الیہ من ربّہ والمؤمنون ایمان و معرفت اور احسان کے اس عقیدہ پر محمد رسول اللہ صلعم اور آپؐ کے ساتھی پُورے طور پر ایمان رکھتے ہیں - فرمایا المؤمنون - یہ کمال ہے کہ اللہ تعالےٰ حضور صلعم کے ساتھیوں کے ایمان کی بھی تصدیق فرماتا ہے - پھر آگے ہے کل اٰمنا باللہ وملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ لانفرق بین احدٍ من رسلہ - اللہ اور ملائکہ پر ایمان کے ساتھ تمام قوموں کے رسولوں اور کتابوں پر بھی محمد رسُول اللہ صلعم اور ان کے ساتھی ایمان لاتے ہیں - یعنی محمد صلعم صرف اپنی رسالت اور کتاب پر ہی ایمان نہیں لاتے بلکہ تمام دوسری اقوام کے رسولوں اور ان کی کتابوں پر بھی ایمان دینی عقائد میں شامل کر کے تمام قوموں کے اتحاد کی حضوؐر نے راہ ہموار فرما دی ہے۔

---

## شادی کی پُر مسرّت تقریب

فلائٹ لفٹیننٹ مبشر عمر سلّمہ کا نکاح ۲۶ر نومبر ۱۹۷۵ء کو ہمراہ گلناز ایوب سلمہا، راولپنڈی میں پڑھا گیا - حق مہر چالیس ہزار روپے قرار پایا - دولہا میاں حضرت مولنا نورالدین اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے اور دلہن خانبہادر غلام ربّانی خاں صاحب (مانسہرہ) کی نواسی ہیں - مبشر عمر سلّمہ کی والدہ محترمہ بیگم صاحبہ عبدالسلام عمر نے اس خوشی میں مبلغ -/25 روپے انجمن کو لبطور شکرانہ عطیہ اشاعت اسلام کے لئے دیئے ہیں جزاھا اللہ احسن الجزاء

احباب جماعت دُعا فرمادیں کہ یہ رشتہ جانبین کے لئے پُر مسرت اور بابرکت ہو۔

---

## تقریبِ سعید و عطیہ

محترم جناب شیخ کرامت اللہ صاحب نے اپنے صاحبزادہ جہاں زیب کرامت جن کی شادی جمیلہ خلجی بنت این - ایم خلجی سے یکم جنوری کو ہوئی - اس مبارک تقریب کی خوشی میں انجمن کو یک صد روپیہ عطا فرمایا۔

اللہ تبارک و تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ اس رشتہ کو دونوں خاندانوں کے لئے مبارک بنائے - ہم شیخ کرامت اللہ صاحب کو اس تقریب سعید کی مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

محمد بیدار مد جائنٹ سیکرٹری جماعت کراچی

---

## کلامِ حضرت مسیح موعودؑ

جان و دلم فدائے جمالِ محمدؐ است + خاکم نثارِ کوچۂ آلِ محمدؐ است

دیدم بعینِ قلب و شنیدم بگوشِ ہوش + در ہر مکاں ندائے جلالِ محمدؐ است

ایں چشمۂ رواں کہ بخلق خدا دہم + یک قطرۂ ز بحرِ کمالِ محمدؐ است

ایں آتشم ز آتشِ مہرِ محمدی است + ویں آبِ من ز آبِ زلالِ محمدؐ است

از سراہ نورد

# سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کی تفسیر تفہیم القرآن کا ایک مختصر جائزہ

ہمیں نہ اس بات کا کوئی دعویٰ ہے کہ ہم مفسّر قرآن ہیں اور نہ یہ غلط فہمی کہ قرآن حکیم کے مطالب و معانی کو جس طرح ہم سمجھ پائے ہیں وہ بس ہمارا ہی حصّہ تھا کسی اور کو وہ سمجھ عطا نہیں ہوئی کہ وہ اس بحرِ ذخّار سے انمول موتی ڈھونڈ نکالے۔ یہ مقام و مرتبہ کہ کلام اللہ کے بعض رموز و نکات کی حکمت خاص طور پر ایک مخصوص معانی میں کھولی جائے صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے یا اُن اولیاء اللہ کا ہے جنہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں اللہ جلشانہٗ کسی مخصوص خدمت کے ادا کرنے کے لئے چُن لے ہمیں تو اپنی سمجھ اور علم کے مطابق محض ایک طالب علم ہونے کی سعادت ہی نصیب ہو جائے تو یہ مقامِ فخر و شکر ہے۔ مقصود صرف یہ ہے کہ ہماری زندگی کی راہ کو یہ روشنی جو اس مصفّی اور پرسکون قندیل سے نکل رہی ہے روشن رکھ سکے تاکہ راہ کی کٹھنائیاں نظر آئیں اور اگر کہیں ٹھوکر لگے تو سنبھل کر ہم راہ پر پھر چل سکیں۔ ہم نے اس مقصد سے کلامِ پاک پر لکھی جانے والی تفسیریں اور کتابیں پڑھنے کی کوشش کی اور اسی لئے تفسیر تفہیم القرآن کا بھی مطالعہ کیا۔

جناب سیّد ابوالاعلیٰ مودودی نے تقریباً تیس برس ہوئے قرآن پاک کی تفسیر اپنے ماہنامہ ترجمان القرآن میں قسط وار چھاپنا شروع کی تھی۔ مقصود یہ بھی تھا کہ اگر کسی مقام پر کسی قاری کو کوئی ایسی بات محسوس ہو جس میں مودودی صاحب کو وہ کوئی مشورہ دے سکے تو وہ ضرور دے تاکہ جب کتابی شکل میں یہ تفسیر چھپے تو وہ اشکال رفع کی جا سکیں۔ شاید برس ۱۹۷۲ء میں یہ سالہا سال کی طویل محنت اختتام کو پہنچی اور جماعت اسلامی نے اس کے لئے خاص طور پر جشن منائے اور اس دن سے مودودی صاحب کو صاحب تفہیم القرآن کہنا شروع کر دیا۔

تفسیر تفہیم القرآن چھ ضخیم جلدوں میں چھپی ہے۔ ہمارے پاس اس کے مختلف برسوں کے مطبوعہ مندرجہ ذیل نسخے ہیں:۔

(۱) جلد اوّل۔ پانچواں ایڈیشن طبع ہفتم اکتوبر ۱۹۶۸ء کاپی نمبر ۱۹۸۷۷۔
(۲) جلد دوم۔ آفسٹ ایڈیشن طبع چہارم ۱۹۶۷ء کاپی نمبر ۶۵۴۴۔
(۳) جلد سوم۔ دوسرا ایڈیشن طبع چہارم فروری ۱۹۷۲ء۔ کاپی نمبر درج نہیں۔
(۴) جلد چہارم ـــــ طبع چہارم۔ اپریل ۱۹۷۴ء۔ کاپی نمبر ۹۶۰۰
(۵) جلد پنجم ـــــ طبع دوم۔ اکتوبر ۱۹۷۱ء۔ کاپی نمبر درج نہیں۔
(۶) جلد ششم ـــــ طبع اوّل اکتوبر ۱۹۷۲ء۔ کاپی نمبر درج نہیں۔

جلد اوّل کے مقدمہ میں مودودی صاحب نے لکھا ہے:۔

"ناظرین کرام سے میری درخواست ہے کہ صرف اس مقدّمے کو دیکھ کر ہی اس کے تشنہ ہونے کا فیصلہ نہ کر دیں بلکہ پوری کتاب کو دیکھنے کے بعد اگر ان کے ذہن میں کچھ سوالات جواب طلب باقی رہ جائیں یا کسی سوال کے جواب کو وہ ناکافی پائیں تو مجھے اس سے مطلع فرمائیں۔"

قرآن پاک کے تراجم اور تفاسیر اُردو میں بھی بے شمار ہو چکے ہیں۔ مودودی صاحب نے اسی لئے اپنے ترجمہ اور تفسیر کے شروع میں ہی کہہ دیا ہے کہ:۔

"اس راہ میں مزید کوشش اگر معقول ہو سکتی ہے تو صرف اس صورت میں جبکہ آدمی کسی ایسی کسر کو پورا کر رہا ہو جو سابق مترجمین و مفسرین کے کام میں رہ گئی ہو یا طالبین قرآن کی کسی ایسی ضرورت کو پورا کرے جو کہ پچھلے تراجم و تفاسیر سے پوری نہ ہوتی ہو۔ ان صفحات میں ترجمانی و تفہیم قرآن کی جو سعی کی گئی ہے وہ دراصل اسی بنیاد پر ہے۔ میں ایک مدّت سے محسوس کر رہا تھا کہ ہمارے عام تعلیمیافتہ لوگوں میں رُوحِ قرآن تک پہنچنے اور اس کتاب پاک کے حقیقی مدعا سے روشناس ہونے کی جو طلب پیدا ہو گئی ہے اور روز بروز بڑھ رہی ہے وہ مترجمین اور مفسرین کی قابل قدر مساعی کے باوجود ہنوز تشنہ ہے۔" (تفہیم القرآن جلد اوّل ص۵)

تفسیر تفہیم القرآن لکھنے کا مقصد مودودی صاحب نے بیان کیا۔ اور یہ بھی کہا کہ پوری کتاب پڑھنے کے بعد بھی اگر اس باب میں کوئی تشنگی یا ذہن میں کوئی جواب طلب سوال پیدا ہو جو گذشتہ مترجمین اور مفسرین کی سعی کے علی الرغم رہ جانے والے خلا کو پُر کرنے کے لئے اس تفسیر کی تدوین کا اصل مقصود ہے تو پڑھنے والا مودودی صاحب کو ضرور اس سے آگاہ کرے۔ مودودی صاحب نے دیباچہ میں اپنے قارئین کی بھی نشاندہی کر دی ہے تاکہ جو توقعات تفسیر مذکور سے وابستہ کی جا سکیں ان کی حدود کا بھی تعیّن ہو جائے:۔

"اس کام میں میرے پیشِ نظر علماء اور محققین کی ضروریات نہیں ہیں اور نہ ان لوگوں کی ضروریات میں جو عربی زبان اور علوم دینیہ کی تحصیل سے فارغ ہونے کے بعد قرآن مجید کا گہرا تحقیقی مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے حضرات کی پیاس بجھانے کے لئے بہت کچھ سامان پہلے سے موجود ہے۔ میں جن لوگوں کی خدمت کرنا چاہتا ہوں وہ اوسط درجے کے تعلیمیافتہ لوگ ہیں جو عربی سے اچھی طرح واقف نہیں ہیں اور علوم قرآن کے وسیع ذخیرے سے استفادہ کرنا جن کے لئے ممکن نہیں انہی کی ضروریات کو میں نے پیشِ نظر رکھا ہے۔" (ایضاً)

پھر تفسیر اور ترجمہ میں جو طریق کار انہوں نے اختیار کیا ہے اس کے بارے میں کہا ہے:۔

"میں نے اس کتاب میں ترجمے کا طریقہ چھوڑ کر آزاد ترجمانی کا طریقہ اختیار کیا ہے۔" (ایضاً)

ایسا طریقِ کار اختیار کرنے کی انہوں نے طویل وجوہ لکھی ہیں تاکہ کہیں یہ غلط خیال قائم نہ ہو جائے کہ وہ لفظی ترجمے کے طریق کار کو غلط سمجھتے ہیں۔

یوں تفسیر تفہیم القرآن نے اپنی امتیازی خصوصیات کا مختصراً تذکرہ کر دیا ہے۔ یعنی یہ کہ اس کا مخاطب طبقہ:۔

(الف) اوسط درجے کے تعلیمیافتہ لوگ ہیں جو عربی سے اچھی طرح واقف نہیں۔
(ب) عام تعلیمیافتہ لوگوں میں جو رُوحِ قرآن تک پہنچنے کی طلب پیدا ہو گئی ہے وہ مترجمین اور مفسرین کی قابلِ قدر مساعی کے باوجود ہنوز تشنہ ہے۔
(ج) یہ کوشش (یعنی تفسیر تفہیم القرآن) اگر معقول ہو سکتی ہے تو صرف اس صورت میں جبکہ یہ کسی ایسی کسر کو پورا کر رہی ہو جو سابق مترجمین کے کام میں رہ گئی ہو۔

تفسیر مذکور کے شروع میں آٹھ صفحات کا دیباچہ اور اٹھائیس صفحات کا مقدمہ درج ہے۔ مقدمہ میں مودودی صاحب نے قرآن پاک کے سمجھنے میں جو مشکلات پیش آ سکتی ہیں، جو سوالات پیدا ہو سکتے ہیں اور بقول انکے وہ سوالات بھی جو خود ان کے ذہن میں مطالعہ قرآن میں اوّل اوّل پیدا ہوتے

تھے یا بعد میں سابقہ پیش آیا ان پر بحث کی ہے - اب اس بات کا فیصلہ کہ گذشتہ ترجموں اور تفاسیر میں کونسی کمی تھی جو اس تفسیر نے پوری کر دی ہے انہوں نے قاری پر چھوڑ دیا ہے کیونکہ تشنگی کا حوالہ جو انہوں نے شروع میں دیا تھا اس کی نشاندہی ان کے دیباچے یا مقدمے میں کہیں نہیں ہوتی - نہ صرف یہ بلکہ :-

"بہت سے تفسیری مباحث کو میں نے سرے سے ہاتھ ہی نہیں لگایا جو علمِ تفسیر میں بہت بڑی اہمیت رکھتے ہیں - مگر اس طبقے کے لئے غیر ضروری ہیں - پھر جو مقصد میں نے اس کام میں اپنے سامنے رکھا ہے وہ یہ ہے کہ ایک عام ناظر اس کتاب کو پڑھتے ہوئے قرآن کا مفہوم و مدعا بالکل صاف صاف سمجھتا چلا جائے - اور اس سے وہی اثر قبول کرے جو قرآن اس پر ڈالنا چاہتا ہے - نیز دوران مطالعہ میں جہاں جہاں اسے اُلجھنیں پیش آسکتی ہوں وہ صاف کر دی جائیں - اور جہاں کچھ سوالات اس کے ذہن میں پیدا ہوں ان کا جواب اسے بر وقت مل جائے" (ص۶)

یعنی تفسیر زیرِ نظر کا مقصد قرآن پاک کے مفہوم و مدعا کو صاف صاف سمجھانا ہے - اسی طرح جس طرح کہ قرآن پاک چاہتا ہے تاکہ قاری پر وہی اثر مترتب ہو جو وہ کرنا چاہتا ہے - اس لئے اگر دورانِ مطالعہ کوئی اُلجھن پیدا ہو تو وہ صاف ہو جائے - اور جو سوال پیدا ہو اس کا جواب مل جائے - اگر تفسیر تفہیم القرآن اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو گئی ہے تو یقیناً یہ اسلامی ادب میں قابلِ قدر اضافہ ہوگا -

یہ سمجھنے کے لئے کہ تفسیر تفہیم القرآن اپنے مقاصد میں کس حد تک کامیاب رہی ہے - ہمیں یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ جس کتاب کی تفسیر و تشریح کر رہی ہے اس کتاب کا موضوع اور مدعا کیا ہے - مودودی صاحب نے خود بھی یہی تنقیحات اپنی تفسیر کے مقدمے میں بھی قائم کی ہیں - چنانچہ انہوں نے خود اس بارے میں جو تعین کیا ہے وہ یہ ہے:-

ا - اس کتاب کا موضوع انسان ہے اس اعتبار سے کہ بلحاظ حقیقت نفس الامری اس کی فلاح اور اس کا خسران کس چیز میں ہے -

ب - اس کا مرکزی موضوع انسان کی ظاہر بینی - قیاس آرائی - یا خواہش کی غلامی کے سبب قائم کردہ نظریات کی بناء پر اختیار کردہ رویّے کی غلطی کھول کر دکھاتا ہے اور اس سے پیدا ہونے والے خطرناک نتائج سے اُسے آگاہ کرتا ہے -

ج - اور اس کا مدعا اُس صحیح رویہ کی طرف دعوت دینا ہے جسے انسان اپنی غفلت سے گم اور اپنی شرارت سے مسخ کرتا رہا ہے -

ظاہر ہے کہ قرآن پاک میں ان مندرجہ بالا تین امور کے بارے میں جو باتیں بھی زیرِ بحث آئی ہوں گی ان سے مقصد انہی امور کا صاف صاف واضح کرنا انہیں دل میں بٹھانا اور عملی زندگی میں اُس راہ کو اختیار کرنے کی بے اختیارانہ تحریص کا پیدا کرنا ہی ہوگا اور جو تفسیر یا تشریح نتیجۃً اپنے منطقی یا عملی اثرات میں اس مقصد سے ہٹا سکتی ہو وہ یقیناً اس کے صحیح مفہوم کی ترجمان نہیں ہوگی - چاہے اسے عقیدت یا روایت کے کتنے ہی سہارے دیئے جائیں - کیونکہ مطلوب و مقصود کے واضح تعین کے بعد کوئی ایسی تشریح جو خود اس مقصود کی ہی نقیض ہو جائے ہرگز قابلِ ستائش نہیں ہوسکتی اور تشریح کنندہ کا فرض ہے کہ وہ اپنی تشریح پر دوبارہ غور کرے اور اسے مقصود متن سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرے -

جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں تفسیر تفہیم القرآن چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے - انڈکس اور فہرست مضامین کو چھوڑ کر یہ تین ہزار آٹھ سو پینتیس صفحات پر پھیلی ہوئی کتاب تیس سال کی کاوش کا نتیجہ ہے - اور بقول اسعد گیلانی صاحب کے جو مودودی صاحب کے متبعین میں سے ہیں یہ مودودی صاحب کی علمی زندگی اور اسلام کے بارے میں ان کے "جامع" اور "وسیع" تصور کا پورا نچوڑ اور خلاصہ ہے - اور کہ اس سے باہر مودودی صاحب کی فکر کا کوئی گوشہ موجود نہیں - ایک ایسی ضخیم تصنیف کے بارے میں تفصیلاً لکھنا بہت وقت طلب بھی ہوتا اور طویل بھی - اس لئے ہم نے مختصراً صرف اُنہی بعض مقامات کے بارے میں کچھ عرض کرنا مناسب سمجھا ہے جہاں ہمیں مودودی صاحب کی بیان کردہ وضاحت سے پوری پوری تسلی نہیں ہوئی - جہاں اشکال باقی رہ گیا ہے - ہمارا مطالعہ خالص طالبعلمانہ ہے - ہمیں مودودی صاحب کی کتاب پر نہ تو کوئی ریویو کرنا ہے نہ تنقید - نہ محاکمہ کرنا ہمارا منصب ہے نہ مناظرہ مقصود - بلکہ مودودی صاحب نے جس نیک نیتی سے لکھا ہے :-

"بہر حال یہ حرفِ آخر نہیں ہے - ہر ناظر سے میری درخواست ہے کہ جہاں کوئی تشنگی محسوس ہو یا کسی سوال کا جواب نہ ملے یا مدعا اچھی طرح واضح نہ ہو رہا ہو اس سے مجھے مطلع کیا جائے تاکہ مَیں اس خدمت کو زیادہ سے زیادہ مفید بنا سکوں" - (ایضاً جلد اول ص۱۰)

اسی سنجیدگی اور پوری نیک نیتی سے ہم ان کی توجہ ان بعض باتوں کی طرف دلانا چاہتے ہیں جہاں ہمیں ابہام یا اشکال یا عدم تسلی کا احساس ہوا ہے اور ہم اُمید کرتے ہیں کہ ہماری معروضات کو اُسی خلوص سے زیرِ غور لایا جائے گا جس سے ہم عرض کر رہے ہیں - ہم یقین دلاتے ہیں کہ ہمارا شمار مودودی صاحب کی تفسیر کے اُنہیں قارئین کی صف میں ہے جنہیں اوسط درجے کا تعلیمیافتہ اور عربی سے اچھی طرح واقف نہیں کہکر بیان کیا گیا ہے - ہم ہرگز ان علماء کرام میں شمار نہیں ہوتے جن کو "میری غلطیوں سے آگاہ فرمائیں" کی دعوت خود مودودی صاحب نے دی ہے -

جیسا کہ ہم شروع میں عرض کر آئے ہیں مودودی صاحب نے تفسیر کی اس کوشش کا جواز یہی بیان فرمایا ہے کہ گذشتہ تفاسیر میں جو کوئی کمی رہ گئی تھی یا کسر تھی وہ اس تفسیر میں دُور کرنے کی سعی کی گئی ہے - ہم بصد ادب عرض کریں گے کہ ہمارا تاثر مودودی صاحب کی تفسیر پڑھنے کے بعد یہ نہیں ہے - بڑی حد تک ہمیں مودودی صاحب کی تفسیر پرانی روایت کا تکرار ہی محسوس ہوئی ہے - ہاں صرف اس حد تک فرق ضرور ہے کہ اس میں زورِ قلم شوکتِ الفاظ کے بل پر اس پرانی روایت کو یا تو معقول یا عین حسین دکھانے پر صرف ہوتا دکھائی دیتا ہے - مثلاً سورۃ بقرہ میں سبت کا قانون توڑنے والے یہودیوں کا ذکر کرکے قرآن پاک نے فرمایا ہے: "فقلنا لھم کونوا قردۃً خاسئین" اس پر نوٹ دیتے ہوئے مودودی صاحب نے لکھا ہے :-

"بندر بنائے جانے کی کیفیت میں اختلاف ہے - بعض یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی جسمانی ہیئت بگاڑ کر بندروں کی سی کر دی گئی تھی اور بعض اس کے یہ معنی لیتے ہیں کہ ان میں بندروں کی سی صفات پیدا ہوگئی تھیں لیکن قرآن کے الفاظ اور اندازِ بیان سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسخ اخلاقی نہیں جسمانی تھا - میرے نزدیک قرین قیاس یہ ہے کہ ان کے دماغ بعینہٖ اسی حال میں رہنے دیئے گئے ہوں گے جس میں وہ پہلے تھے اور جسم مسخ ہو کر بندروں کے سے ہو گئے ہوں گے" - (جلد اول صفحہ ۸۴)

وہ تو خیریت ہے کہ انہوں نے "بندروں کے سے" کہہ دیا - ورنہ ترجمہ تو "بندر بن جاؤ" ہی کیا گیا ہے - چنانچہ اسی حاشیہ میں سورۃ الاعراف

کے رکوع ۲۱ کا حوالہ دیا ہے کہ اس واقعہ کی تفاصیل وہاں بیان ہوئی ہیں - اور وہاں حاشیہ ۱۲۶ میں اسی حاشیہ ۸۳ کا حوالہ دیا ہے - چنانچہ سورۃ الاعراف کے حاشیہ ۱۲۵ میں لکھا ہے کہ :-

"مزید برآں جو آیات اس وقت ہمارے پیشِ نظر ہیں ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس بستی پر خدا کا عذاب دو قسطوں میں نازل ہوا تھا - پہلی قسط وہ جسے عذابِ بئیس (سخت عذاب) فرمایا گیا اور دوسری قسط وہ جس میں نافرمانی پر اصرار کرنے والوں کو بندر بنا دیا گیا - ہم ایسا سمجھتے ہیں کہ پہلی قسط کے عذاب میں دونوں گروہ شامل تھے اور دوسری قسط کا عذاب صرف پہلے گروہ کو دیا گیا تھا واللہ اعلم بالصواب - ان اصبتُ فمن اللہ و ان اخطأتُ فمن نفسی - واللہ غفور رحیم"

(جلد دوم صـ۹۲ـ)

کیا پرانے روایتی مترجم اور مفسر اس کے علاوہ کچھ اور کہتے ہیں ؟ حالانکہ سورۃ النساء کی آیت ۴۷ میں جہاں سبت کے توڑنے والوں کی سزا کا پھر یہ ذکر ہے اور کہا گیا ہے" او نلعنھم کما لعنّآ اصحاب السبت" وہاں نوٹ نمبر ۷۸ میں مودودی صاحب نے بغیر کچھ مزید حاشیہ لکھنے کے سورۃ بقرہ کے حاشیہ ۸۲ اور ۸۳ کا حوالہ دیا ہے حالانکہ سورۃ النساء کی یہ آیت سورۃ بقرہ کی کیفیت کو سمجھنے میں بہت ممد ہو سکتی ہے - سورۃ النساء کی محولہ بالا آیت میں اہلِ کتاب کو جو ہمارے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حضورؐ کے مخاطب تھے کہا گیا ہے کہ اس کتاب پر ایمان لاؤ ورنہ کہیں :-

"ہم (تمہارے) چہرے بگاڑ کر پیچھے پھیر دیں یا ان کو اسی طرح لعنت زدہ کر دیں جس طرح سبت والوں کے ساتھ ہم نے کیا تھا اور یاد رکھو اللہ کا حکم نافذ ہو کر رہتا ہے"

(ترجمہ مودودی صاحب جلد اول صـ۳۵۸ـ)

اب یہ تو ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اہلِ کتاب یہود حضورؐ پر ایمان نہ لائے اور ان پر اللہ کا عذاب اُترا - وہ ذلیل و خوار اور خائب و خاسر ہی ہوئے - نہ تو ان کے چہرے بگاڑ کر اُلٹے کر دیئے گئے اور نہ ہی انہیں بندروں کی شکل میں مسخ کر دیا گیا - کیا سورۃ النساء کی اس آیت کی روشنی میں سورۃ البقرہ کی محولہ بالا آیت میں بھی ان یہودیوں کا جو سبت کے قانون کو توڑنے کے مرتکب ہوئے تھے مسخ اخلاقی اور معنوی مراد لینا زیادہ درست نہیں اور کیوں مسخ جسمانی ہی کو ترجیح دی جائے ؟

اسی طرح سورۃ البقرہ کی آیت" واذ قتلتم نفسًا فادّرءتم فیھا - واللہ مخرجٌ ماکنتم تکتمون" پر حاشیہ نمبر ۸۵ لکھا ہے :-

"اس مقام پر یہ بات تو بالکل صریح معلوم ہوتی ہے کہ مقتول کے اندر دوبارہ اتنی دیر کے لئے جان ڈالی گئی کہ وہ قاتل کا پتہ بتا دے لیکن اس غرض کے لئے جو تدبیر بتائی گئی تھی یعنی لاش کو اس کے ایک حصے سے ضرب لگانے اس کے الفاظ میں کچھ ابہام محسوس ہوتا ہے - تاہم اس کا قریب ترین مفہوم وہی ہے جو قدیم مفسّرین نے بیان کیا ہے" (جلد اول صـ۸۶ـ)

ظاہر ہے کہ جب بنی اسرائیل کی زیادتیوں کو گنا جا رہا ہے تو یہ بھی ضرور کوئی اہم واقعہ انہی کے متعلق ہوگا جو اسے قرآن پاک نے خاص طور پر یہاں بیان کیا - لیکن کیا یہ عجیب بات نہیں کہ اتنے اہم واقعہ میں نہ مقتول کا علم ہے نہ آئندہ نسلوں کے پاس اس واقعہ کا کوئی تاریخی ثبوت محفوظ ہے اور نہ کبھی اس کے بعد ایسا معجزہ دہرایا گیا کہ کسی مقتول کی لاش کے ایک حصے کو دوسرے حصہ سے مارا گیا یا اس لاش پر گائے ذبح کر کے اس کے گوشت سے مقتول کی لاش کو ضرب لگائی گئی اور جان لوٹ کر اس مقتول میں آگئی اور مقتول قاتل کا پتہ بتا گیا - حالانکہ اس تمام واقعہ کے آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کذٰلک یحی اللہُ الموتٰی - ویریکم اٰیٰتہٖ لعلکم تعقلون ط - قرآن پاک کے مشکل مقامات میں سے یہ بھی ایک مقام ہے لیکن ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ تفسیر تفہیم القرآن اس اُلجھاؤ کو سلجھانے میں ہماری کوئی امداد نہیں کرتی - بلکہ خود مودودی صاحب کا اعتراف ہے کہ اس کے الفاظ میں کچھ ابہام سا محسوس ہوتا ہے" پھر خود ہی انہوں نے پرانے مفسرین کی تشریح کو قریب ترین مفہوم قرار دے دیا کہ چونکہ یہ واقعہ گائے کے ذبح کرنے کے بعد کا ہے چنانچہ اس گائے کے گوشت سے مقتول کو ضرب لگائی گئی اور اس :-

"طرح گویا بیک کرشمہ دو کار ہوئے - ایک یہ کہ اللہ کی قدرت کا ایک نشان انہیں دکھایا گیا اور دوسرے گائے کی عظمت و تقدیس اور اس کی معبودیت پر بھی ایک کاری ضرب لگی کہ اس نام نہاد معبود کے پاس اگر کچھ طاقت ہوتی تو اسے ذبح کرنے سے ایک آفت برپا ہوتی نہ کہ اس کا ذبح ہونا اُلٹا مفید ثابت ہو"

اس قسم کی تشریح میں محلِ نظر بات جمع مخاطب کا صیغہ "قتلتم" ہے - ظاہر ہے کہ کسی ایک شخص کا قتل اُس وقت تک پوری قوم کو قابلِ الزام نہیں گردان سکتا جب تک کہ اس کے قتل پر پوری قوم کے اکابر متفق نہ ہوئے ہوں اور ظاہر ہے کہ وہ تبھی قتل کہلائے گا جبکہ وہ ناحق ہو - پھر کیوں تعجب نہ ہو کہ پورے بنی اسرائیل کو اس کے لئے موردِ الزام ٹھہرایا جا رہا ہے لیکن نہ بائبل میں اور نہ ہی قرآن پاک میں اس مقتول کی نشاندہی کی گئی ہے -

پرانی تفسیروں کی باتوں میں بھی یہی قصہ بیان کیا گیا ہے جس کا مودودی صاحب نے مختصراً اشارہ کیا ہے - لیکن وہ خود اس میں ابہام محسوس کرتے ہیں - یہاں بھی تفسیر تفہیم القرآن نے نہ صرف یہ کہ گذشتہ تفاسیر کی کمی کو دور نہیں کیا بلکہ اسی کمی کی پیروی کی ہے -

ہم نے ایک اور بات جو مودودی صاحب کی تفسیر میں محسوس کی ہے وہ یہ ہے کہ بعض مقامات پر ایسا دکھائی دیتا ہے جیسے کہ کسی واقعہ کا ہونا فرض کر لیا گیا ہے اور پھر اسی فرض کو حقیقت سمجھ کر باقی تمام عمارت تصوراتی سہاروں پر تعمیر کر دی گئی - مثلاً ہاروت ماروت کے بارے میں سورۃ البقرہ کی آیت ۱۰۲ پر حاشیہ نمبر ۱۰۵ میں یہ فرض کر کے کہ اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کے ذریعے بنی اسرائیل کو "آزمانا چاہا ہوگا" روایتی تفسیر کو ہی قبول کر لیا گیا ہے - پھر اس اُلجھن سے نکلنے کے لئے کہ اگر ہاروت ماروت کو تعلیم سحر پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے محض امتحاناً ہی مامور ہونا تسلیم کر لیا جائے تو اس سے ایک بُرے کام کی تعلیم و تبلیغ کا جواز نکل آتا ہے جو بجائے خود ایک قابلِ اعتراض صورت حال ہے - مودودی صاحب کو کہنا پڑا کہ یہ تو ایسا ہے جیسے رشوت خوروں کو پکڑنے کے لئے بے وردی سپاہی نشان زدہ سکے دے رہے ہوں - لیکن تعجب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے نزدیک سحر کا سیکھنا یا سکھانا شیاطین کا کام ہے اور خود مودودی صاحب کہہ رہے ہیں کہ یہ ایک بُرا فعل ہے تو پھر وہ خدائے رحیم و کریم

جو ہمیشہ انسانوں کو گمراہی سے نکالنے کے لئے انبیاء اور رسل بھیجتا رہا اور اس نے ہمیشہ انسانوں کی امداد ہی کی اس پر انسانوں کو نعوذ باللہ بہکانے کے لئے فرشتوں کے بھیجنے کا اہتمام کرنے کا گمان بھی بہت بڑی زیادتی ہوگا۔ مودودی صاحب کا یہ کہنا کہ:۔

"فرشتوں نے بازارِ ساحری میں اپنی دکان لگائی ہوگی اور دوسری طرف وہ اتمام حجت کے لئے ہر ایک کو خبردار بھی کر دیتے ہوں گے کہ دیکھو ہم تمہارے لئے آزمائش کی حیثیت رکھتے ہیں تم اپنی عاقبت خراب نہ کرو"

(جلد اوّل۔ صفحہ ۹۸)

کسی طرح بھی اس زیادتی میں کمی نہیں کرتا جو اس طرح کے استدلال سے رحیم و کریم خدا پر ہو جاتی ہے۔ کیا کبھی کسی نشان زدہ سکّہ دینے والے نے رشوت خور ملازم کو اپنے منہ سے کہا ہے کہ دیکھو میں تمہارے لئے آزمائش ہوں مجھ سے سکّہ قبول کرو گے تو پکڑے جاؤ گے کیونکہ میں تو دراصل بے وردی سپاہی ہوں۔ الزام تو یہ تھا کہ سحر کی تعلیم فرشتوں نے بابل میں دی جو ہاروت ماروت کا نام رکھتے تھے۔ جواباً اگر یہ کہا جائے کہ ہاں تعلیم تو فرشتوں نے ہی دی تھی مگر تم نے لی کیوں؟ وہ تو ایک امتحان تھا۔ تو بتائیے اس سے مصدر تعلیم کے ثقہ ہونے میں کیا فرق پڑا۔ جواب تو تبھی درست ہوگا اگر اسے نفی میں کہا جائے کہ ایسی تعلیم کوئی دی ہی نہیں گئی اور نہ ایسا کرنا فرشتوں کو سزاوار ہے۔

مودودی صاحب قرآن پاک میں ناسخ منسوخ کے قائل ہیں اسی لئے فرضیتِ صیام کی آیات میں وہ ایک حکم کے ذریعے دوسرے حکم میں دی گئی "رعایت" کو منسوخ شدہ تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ سورۃ البقرہ کی ایک آیت ۱۸۴ پر حاشیہ ۱۸۳ لکھتے ہوئے انہوں نے کہا ہے:۔

"۲ھ میں رمضان کے روزوں کا یہ حکم قرآن میں نازل ہوا مگر اس میں اتنی رعایت رکھی گئی کہ جو لوگ روزے کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتے ہوں اور پھر بھی روزہ نہ رکھیں وہ ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں۔ بعد میں دوسرا حکم نازل ہوا اور عام رعایت منسوخ کر دی گئی لیکن مریض اور مسافر اور حاملہ یا دودھ پلانے والی عورت اور ایسے بڈھے لوگوں کے لئے جن میں روزے کی طاقت نہ ہو اس رعایت کو بدستور باقی رہنے دیا گیا۔ اور انہیں حکم دیا گیا کہ بعد میں جب عذر باقی نہ رہے تو قضا کے اتنے روزے رکھ لیں جتنے رمضان میں ان سے چھوڑے گئے ہوں"

(جلد اول صفحہ ۱۴۱)

ہمیں حیرت ہے کہ جس رعایت کا ذکر اس حاشیہ میں کرکے پھر کسی دوسرے حکم سے منسوخ قرار دلوایا گیا ہے خود اسی رعایت کو دوبارہ حاملہ عورتوں اور بڈھوں کے لئے کہاں سے اخذ کر لیا گیا ہے۔ جبکہ دوسری مرتبہ یہ رعایت سرے سے ہٹ جانا قرار دے دی گئی ہے اور مریضوں اور مسافروں کو فعدۃ من ایّام اُخر کا مکلف کر دیا گیا۔ متن میں تو "وعلی الذین یطیقونہٗ" کا ترجمہ "اور جو لوگ روزہ رکھنے کی قدرت رکھتے ہوں (پھر نہ رکھیں)" کیا گیا ہے۔ قوسین میں درج شدہ عبارت "پھر نہ رکھیں" تو آیت میں کہیں بھی نہیں یہ الفاظ مودودی صاحب کو اس لئے داخل کرنے پڑے کہ اس ترجمے کی روشنی میں جو انہوں نے یطیقونہٗ کا کیا ہے ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہ تھا ورنہ آیت کے معنی عجیب سے ہو جاتے تھے کیونکہ اس کے بعد متواصلاً الفاظ "فدیۃ طعام مسکین" کے آتے ہیں اب اگر ایسے قوسین میں درج شدہ الفاظ کے بغیر مودودی صاحب والے ترجمہ سے دیکھا جائے تو صورتِ حال یہ بنتی ہے:

"اور جو لوگ روزہ رکھنے کی قدرت رکھتے ہوں تو وہ فدیہ دیں۔ ایک روزے کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے"۔ صفحہ ۱۴۱

ظاہر ہے کہ اس سے آیت کا مطلب سمجھ نہیں آتا۔ اسی لئے مجبوراً انہیں قوسین میں کچھ الفاظ اپنے آپ سے داخل کرنا پڑے لیکن جب ان کے قریب کے الفاظ اس کے بعد شھر رمضان والی آیت میں نظر نہیں آئے تو کہہ دیا کہ وہ عام رعایت منسوخ ہو گئی۔ اگر وہ رعایت واقعی منسوخ ہو گئی ہے تو حاملہ عورتوں، دودھ پلانے والی ماؤں اور عورتوں یا بڈھوں کے لئے جس استثناء یا رعایت کا ذکر انہوں نے حاشیہ ۱۸۳ میں کیا ہے اس کی سند وہ کہاں سے لائے ہیں۔ یطیقونہٗ تو ان کے نزدیک روزے کی قدرت رکھنے والے ہیں۔ حاملہ عورتیں دودھ پلانے والی مائیں یا بڈھے لوگوں کے بارے میں تو دونوں جگہ خاموشی ہے کیونکہ حاملہ عورتیں۔ دودھ پلانے والی مائیں اور بڈھے بہرحال بیماروں یا مسافروں کے ذیل میں نہیں آتے۔ یہ اُلجھن دراصل یطیقونہٗ کا ترجمہ قدرت رکھتے ہوں کرنے کے سبب پیدا ہوئی ہے۔ حالاں کہ اگر اس کا مفہوم یہ لیا جائے کہ جنہیں روزہ رکھنے میں مشقت کا سامنا ہو تو وہ فدیہ دے دیں تو وہ تمام استثنائی حالتیں جو مودودی صاحب نے گنوائی ہیں خود بخود اس میں آ جاتی ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ مودودی صاحب نے جس کو عام رعایت کہا ہے وہ دراصل عام رعایت تھی ہی نہیں۔ وہ شروع سے ہی خاص رعایت تھی۔ اسی لئے اسے دوسری بار شھر رمضان والی آیت کے بعد دہرایا نہیں گیا کیونکہ جب ایک بار اس کا ذکر کر دیا گیا تو پھر اس خاص استثنائی حالت کو دہرانے کی ضرورت نہیں تھی۔ مودودی صاحب کو تسلیم ہے کہ فریضتِ صیام کی یہ آیت ۲ھ میں جنگِ بدر سے پہلے نازل ہوئی اور اس کے بعد کی آیات اس کے ایک سال بعد نازل ہوئیں لیکن مناسبت مضمون کے باعث اسی سلسلہ بیان میں شامل کر دی گئیں۔ وہ آیات جو سال بعد نازل ہوئیں شاید "شھر رمضان الذی انزل فیه القرآن" سے شروع ہوتی ہیں۔ مودودی صاحب نے حاشیہ ۱۸۶ میں لکھا ہے کہ جنگ کے موقع پر تو آپؐ نے حکماً روزہ سے روک دیا تھا:۔

"حضرت عمرؓ کی روایت ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو مرتبہ رمضان میں جنگ پر گئے پہلی مرتبہ جنگِ بدر میں اور آخری مرتبہ فتح مکّہ کے موقعہ پر اور دونوں مرتبہ ہم نے روزے چھوڑ دیئے۔ ابنِ عمر کا بیان ہے کہ فتح مکّہ کے موقع پر حضورؐ نے فرمایا تھا کہ انہٗ یوم قتال فافطروا"

(صفحہ ۱۴۲)

ظاہر ہے کہ فریضتِ صیام کی یہ آیت جنگِ بدر سے پہلے نازل ہوئی تھی اور اس میں یہ الفاظ وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین کی رعایت موجود تھی لیکن فتح مکہ تک دوسرا حکم جس سے مودودی صاحب عام رعایت کی منسوخی پر استدلال کرتے ہیں نازل ہو چکا تھا۔ اس کے باوجود دونوں موقعوں پر حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم قتال میں روزہ رکھنے سے منع کرنا کیا اس بات کا غماز نہیں کہ حضور کے نزدیک ایسا کرنے کی اجازت جناب الٰہی سے دی گئی تھی۔ قرآن پاک میں یوم قتال روزہ نہ رکھنے کا استثناء ہماری نظر سے نہیں گذرا۔ یوم قتال پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ہی طرح کا دو مختلف موقعوں کا عمل جس کے درمیان تقریباً چار سال سے زائد کا وقفہ ہے کیا اس بات کا شاہد نہیں کہ وہ پہلے حکم میں دی گئی کسی رعایت کو منسوخ نہیں سمجھتے تھے۔ یوں ناسخ و منسوخ کے جس غلط اصول کو کتاب اللہ میں داخل کرنے کی کوشش کی گئی اسکی کوئی سند[۴۴]

---

۴۴ موجود تفسیر ـــ مودودی صاحب نے اس اصول کو مان کر بھی پہلے ہی تفسیر نویسوں کا اتباع کیا ہے ـــ

(باقی ـــ باقی)

از مسز نسیم اختر صاحبہ علی پور

# ایّامِ بلا میں ایک باوفا پر کیا گذری

صادق آں باشد کہ ایّامِ بلا + می گذارد با محبت باوفا
گر قضا را عاشقے گردد اسیر + بوسد آں زنجیر را کز آشنا

اس مرتبہ پیغام صلح کا تازہ شمارہ موصول ہوا ویسے تو پورا اخبار ہی روحانیت سے پُر ہوتا ہے۔ لیکن قاضی شیر محمد صاحب کے حالاتِ زندگی پڑھ کر اس عظیم بزرگ کی یاد تازہ ہوگئی اور ان کی عقیدت میں آنکھوں سے آنسو بے اختیار رواں ہو گئے۔

ان کے عقیدت مند نے ان کے متعلق بیش بہا معلومات مہیّا کی ہیں۔ لیکن ہمیں ان کی زندگی کا نزدیک سے مطالعہ کرنے کا موقعہ ملا ہے۔ وہ ایک بلند پایہ انسان تھے۔ ۱۹۰۵ میں یہ ستارہ قاضی محمد مصطفےٰ کے گھر سے روشن ہوا اور اکتوبر ۱۹۷۵ میں اپنی چمکتی اور روشن زندگی کے انمٹ نشان چھوڑتا ہوا غروب ہوگیا۔ لیکن میرے خیال میں یہ داستان یہاں ہی ختم نہیں ہو جاتی۔ آپ کی زندگی کے چند اہم حالات آپ کے عقیدت مندوں کے بیانات کی ترجمانی کرتے ہیں۔

**قاضی شیر محمدؒ** } پیدائش ۱۹۰۵ء وفات ۲۲ اکتوبر ۱۹۷۵ء بروز بدھ بوقت ساڑھے چھ بجے شام

**قبولِ احمدیت** } ان کا دل شروع ہی سے دنیا سے بیزار تھا وہ ہمیشہ جھوٹ اور بُرائی کے خلاف وعظ کرتے تھے۔ شروع ہی سے پابند صوم و صلوٰۃ تھے۔ جب وہ مولوی عصمت اللہ صاحب مرحوم اور مرزا مظفر بیگ صاحب ساطع سے ملے تو انکے خیالات سے متاثر ہوئے اور تحریک احمدیت کو ایک سچا سلسلہ جانا آخرکار وہ اس سلسلہ عالیہ میں شریک ہوگئے۔ وہ لوگ جو ہر طرح سے آپ کے خیر خواہ تھے آپ کو جان سے مارنے کے درپے ہوگئے اور طرح طرح سے آپ کو ستانا شروع کر دیا جب مخالفین کی زیادتیاں حد سے تجاوز کر گئیں تو آپ کو اپنے اہل و عیال سمیت آبائی وطن علی پور کو خیر باد کہنا پڑا۔

**ترکِ وطن** } وطن چھوڑنے کے بعد آپ اسماعیل آباد تشریف لائے اسماعیل آباد میں اس وقت شیخ میاں فاروق احمد صاحب مل کا انتظام سنبھالے ہوئے تھے انہوں نے آپ کو دیکھتے ہی آپکی عالمانہ خوبیوں کو بھانپ لیا ۲ عدد دوکانیں ان کے بیٹوں کے نام الاٹ کیں۔ اللہ تعالےٰ نے بھی کاروبار کو خوب برکت دی۔ پھر آپ بعض معزز حضرات کے بار بار اصرار پر گورنمنٹ نور جہان گرلز ہائی سکول میں درس دینے لگے۔

**آپ کی خدمات** } جب روزگار کی طرف سے کچھ اطمینان حاصل ہوا تو تبلیغ دین کی طرف متوجّہ ہوئے اور جلد ہی اپنے گرد اپنے عقیدتمندوں کی ایک کثیر تعداد جمع کرنے میں کامیاب ہوگئے جلد ہی ایک جماعت تشکیل دی جو خدا کے فضل سے دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرتی رہی۔ جمعہ اور عیدین کی نمازیں آپ ہی پڑھاتے ہر جگہ بغیر خوف و خطر تبلیغ اسلام کرتے نظر آتے۔ بچّوں سے شفقت سے پیش آتے ہر غریب کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھتے بیمار کی تیمار داری اور بھوکے کو کھانا کھلانا ان کی عادات میں شامل تھا۔ جماعت احمدیہ کی روز بروز بڑھتی ہوئی تعداد کو دیکھ کر لوگوں کو تشویش ہوئی وہ خاموش رہتے لیکن درپردہ وہ آپ کے تبلیغی مشن کو تباہ کرنے کے منصوبے باندھتے رہتے۔

**حادثاتِ زمانہ** } اگر یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہتا تو ایک دن یہاں کی نصف آبادی اس جماعت میں شامل ہو جاتی۔ لیکن قسمت کی ستم ظریفی کہ یہاں میاں فاروق احمد صاحب نے بوجوہ اسماعیل آباد ملز کو خیر آباد کہہ دیا۔ ان کے جانے کے بعد اس خاندان پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے وہ لوگ جو درپردہ آپ کے مخالف تھے اُن کی مخالفت کھُل کر سامنے آگئی اور انہوں نے ہر طرح سے آپ کے خاندان کو نقصان پہنچایا۔ یہاں تک کہ تمام کاروبار تباہ ہوگیا دوکانیں چھین لی گئیں۔ اب پھر ماضی کی داستان دہرائی جانے لگی روزگار کا کوئی ذریعہ نہ رہا تو مجبوراً ان کے فرزندوں کو مل میں ملازمت کرنی پڑی لیکن یہاں بھی ان لوگوں نے چین نہ لینے دیا۔ جماعت کے اکثر افراد نے خاموشی اختیار کرلی اور کچھ اسماعیل آباد کو چھوڑ کر چلے گئے۔

**ایک عظیم حادثہ** } حال میں جو سانحہ ہو گذرا ہے یہ تاریخ کے سیاہ ترین واقعات میں شمار ہوتا ہے اور مسلمان کہلانے والوں نے جو شرمناک کارنامے انجام دیئے اس کی مثال نہیں ملتی کئی بے گناہ لوگوں کے گھر لوٹ لیے گئے عورتوں کی بے حرمتی کی گئی، بچوں کے ساتھ کئے گئے مظالم ڈھکے چھپے نہیں۔

آہ! وہ رات کتنی خوفناک تھی جب مخالفین کی کثیر تعداد آپ کے دروازے پر جمع ہوگئی اور آپ کے بیٹوں کو باہر نکلنے کو کہا گیا۔ جب وہ باہر آئے تو انہیں کہا گیا کہ یا احمدیت سے توبہ کرو یا دوسری صورت میں مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اب ان کے سامنے دو راستے تھے اوّل جماعت احمدیہ سے علیحدگی کا اعلان کرتے یا اپنے آپ کو دشمنوں کے حوالے کر دیتے۔ لیکن اس مرحلہ پر مرحوم نے ایک ایمان افروز تقریر کی۔ آپ کی رُوح پرور تقریر نے ملتِ اسلامیہ کے منجمند جسم میں حرارت ایمان کی ایک نئی لہر دوڑا دی اور آپ نے اپنی تائید میں چند ٹھوس دلائل پیش کرکے انہیں وقتی طور پر مطمئن کر دیا لیکن دوسرے روز مخالفین نے آپ کو نقصان پہنچانے کی نئی راہ نکالی۔ آپ کے بڑے فرزند کے کاروبار کو تباہ کر دیا گیا

اس دن کے بعد آپ کے لئے روزگار کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ دوکاندار مذہبی تعصب کی بدولت اشیائے خوردنی ان کے ہاتھ فروخت نہیں کرتے تھے غرضیکہ ہر جگہ انہیں اچھوت سمجھتے ہوئے ان پر مظالم ڈھائے گئے لیکن آپ کا خاندان اپنے ایمان پر پختگی سے قائم رہا کوئی لالچ یا خوف آپ کے ایمان کو ڈانواں ڈول نہ کر سکے۔

**آپ کی وفات کیسے ہوئی** } کچھ عرصہ بعد حالات پھر معمول پر آگئے لیکن دشمن آپ کے خاندان کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ دن رات کے دکھوں نے آپ کو نڈھال سا کر دیا لیکن اپنا دُکھ کسی پر ظاہر نہیں کرتے تھے حالات کو دیکھ دل ہی دل میں کڑھتے۔

ان کی وفات کن حالات میں ہوئی مندرجہ بالا باتوں کی روشنی میں قارئین کرام بخوبی سمجھ گئے ہوں گے لیکن مندرجہ واقعہ پڑھ کر آپ کو اُن کی مظلومیت کا علم ہوگا۔ ۲۲ر ستمبر رمضان المبارک کی صبح آپ نماز سے فارغ ہونے کے بعد سیر کی غرض سے نکلے لیکن دشمن جو آپ کے پیچھے لگے ہوئے تھے انہوں نے آپ کو زدوکوب کیا اور جب آپ نڈھال ہو گئے تو آپ کو دو اجنبی آدمی گھر چھوڑ گئے کئی روز تک موت وزیست کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے ۱۴ بعد آخر کار ۲۲ر اکتوبر کو آپکی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ خدا آپ کو کروٹ کروٹ جنّت نصیب کرے۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔

محترم شاہد جاوید جنجوعہ صاحب سیکرٹری مرکزی شبان الاحمدیہ لاہور

# جامع احمدیہ دارالسلام میں عربی کلاس کے اجرا کی افتتاحی تقریب

یکم فروری ۱۹۷۶ء بروز اتوار بوقت ۱۰-½ بجے صبح جامع احمدیہ دارالسلام میں عربی تربیتی کلاس کے افتتاح کے سلسلہ میں ایک تقریب منعقد ہوئی۔ پروگرام کے مطابق افتتاح حضرت امیر قوم مولانا صدرالدین صاحب ایدہ اللہ نے کرنا تھا لیکن آپ تشریف نہ لا سکے اس لئے تقریب کی صدارت محترم ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب نائب صدر انجمن نے فرمائی۔ تلاوت کلام پاک کے بعد جائنٹ سیکرٹری شبان الاحمدیہ پاکستان جناب زاہد جنجوعہ نے اس کلاس کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے بتلایا کہ یہ کورس شبان الاحمدیہ کے مجوزہ لائحہ عمل کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

آپ نے کہا چونکہ نسلِ انسانی کے لئے سرچشمہ ہدایت قرآن کریم عربی زبان میں ہے اور یہی دینِ اسلام اور حضرت مجدّد زمان کے علم الکلام کا ماخذ ہے جس کا بہترین حصہ عربی زبان میں ہے۔ اس لئے قرآن کریم اور حضرت صاحب کی عربی کتب کو صحیح طور پر سمجھنے اور ان سے استفادہ کرنے کے لئے عربی جاننا ضروری ہے۔

زاہد جنجوعہ نے شبان الاحمدیہ کی طرف سے علامہ شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ ہم محترم مولینا صاحب کے تہ دل سے شکر گذار ہیں کہ انہوں نے عربی کی تدریس کے لئے اپنی گرانقدر خدمات سے ہمیں اس پیرانہ سالی کے باوجود مستفید کرنے کا عزم کیا ہے۔

آخر میں زاہد جنجوعہ نے درخواست کی کہ تمام احباب اس کلاس میں ذوق و شوق سے حصہ لیں اور دینی مقاصد کی تکمیل میں ہمارے ممد و معاون ثابت ہوں۔

اس کے بعد محترم ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب نے اپنے افتتاحی خطاب میں آیات وانہ لتنزیل رب العلمین ۝ نزل به الروح الامین ۝ علی قلبك لتكون من المنذرین ۝ بلسان عربی مبین ۝ کی تلاوت کے بعد فرمایا کہ یہ قرآن شریف رب العلمین کی طرف سے جبریل امین کے ذریعہ حضرت رسول کریم صلعم کے قلب سلیم پر نازل ہوا تاکہ تمام جہانوں کی روحانی تربیت فرمائے۔ یہ عربی زبان میں ہے جو کہ بڑی فصیح ہے اور کھول کھول کر بیان کرنے والی ہے اور مافی الضمیر کے اظہار کے لئے سب زبانوں سے بڑھ کر ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسے اُم الالسنة بھی قرار دیا ہے صاحب صدر نے فرمایا کہ آج ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعہ عربی بول چال کے درس نشر کئے جا رہے ہیں تاکہ عربی بولنا آجائے یہ بھی بڑی مفید بات ہے۔ لیکن ہمارا مقصد یہ ہے کہ کلام الٰہی پر عبور اور معارف قرآن حاصل ہو جائیں اس لئے ہماری غرض خالصتاً دینی ہے آپ نے شبان الاحمدیہ کو مبارک باد دی کہ انہوں نے اس کارِ خیر کی بنیاد ڈالی ہے۔ اور دُعا کی کہ اللہ تعالےٰ حضرت مولنا مصری صاحب کی عمر دراز فرمائے اور ہمارے نوجوانوں کو توفیق بخشے کہ وہ ان سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکیں۔

محترم ڈاکٹر صاحب کے بعد استاذی المکرم حضرت مولنا شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب نے قریباً ایک گھنٹہ تک صرف و نحو اور عربی کے بنیادی قواعد نہایت سلیس اور عام فہم زبان میں سمجھائے اور اعراب کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ لیکچر کے بعد نوجوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے اس نیک کام کی بنیاد تو رکھ دی ہے۔ لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ استقلال اور باقاعدگی سے اس کارِ خیر کو پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے۔

حاضرین کی تواضع چائے اور بسکٹ سے کی گئی۔ اس کلاس کا پروگرام فی الحال یہ تجویز ہوا ہے:۔

ہفتہ: ۴ بجے سے ۵ بجے شام

اتوار: ۱۰ بجے سے ۱۱ بجے صبح

فیس داخلہ کوئی نہیں۔ جو ممبرانِ سلسلہ بھی اس میں شمولیت فرمانا چاہیں ہم انہیں خوش آمدید کہیں گے۔ اُمید ہے اپنی علمی ضرورت پورا کرنے اور ثواب دارین حاصل کرنے کے لئے سلسلہ کے بھائی اور بہنیں ہمارے ساتھ پُورا تعاون کریں گے۔

## قومی تعمیر کی تین بنیادی خصوصیات

بقیہ صفحہ ۲

جب تک صحیح اعتقادات و صحیح عمل پر ایک قوم تعمیر نہ کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جگہ جگہ قرآن کریم میں الذین آمنوا وعملوا الصلحت کا جملہ آیا ہے۔ جہاں بھی کسی بڑی کامیابی یا فلاح کا ذکر ہے وہاں جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ پس اگر قومی تعمیر کے کام میں اخلاق عالیہ کا مقصد نظر انداز ہو گیا۔ تو اسلام کا مدعا و مقصد حاصل نہ ہوا۔ اور اگر قومی تعمیر کا کام رہ گیا تو بھی اسلامی نصب العین تشنہ تکمیل رہا۔ اس بحث سے نتیجہ یہ نکلا کہ جب کسی قوم کی تخلیق و تعمیر اس طرز سے کی جائے کہ اس سے ملک و قوم میں اخلاق و روحانیت کو ترقی نصیب ہو۔ تب یہ کہا جائے گا کہ اسلامی مقصد کامل ہو گیا اگر جذباتِ رحم و غضب کے استعمال سے مراد صرف یہ ہو کہ ایک قوم کے افراد سے اس قسم کی محبت و مودت لگائی جائے کہ وہ بلا شرط نرمی و رافت کا محل ہو۔ اور جو افراد اس قوم سے باہر ہوں وہ محل غیظ و غضب ہوں تو صاف ظاہر ہے کہ جو قوم اس اصول کے ماتحت تربیت کی جائے گی وہ ہرگز دنیا میں اخلاق عالیہ کی علمبردار نہیں ہو سکتی۔ پس آیت موصوفہ سے رائج مفہوم لینا اس دلیل سے بھی غلط ٹھہرا کہ اس سے حصول مقاصد وابستہ نہیں۔ جو قوم جنبہ داری کے کے اصول پر قائم کی جائے گی وہ کبھی دنیا میں امن و عافیت اور عدل و انصاف کی حامل نہیں ہو سکتی۔ پس یہ کس طرح صحیح ہے کہ اسلام کے مدِنظر ایک ایسی قوم کی تخلیق ہے جس کی بناء جنبہ داری پر قائم ہو۔

**اعتذار** — پریس میں خرابی کے باعث چند اشاعتوں سے "پیغام صلح" بروقت شائع نہیں ہو رہا ہے۔ جس کے لئے ہم قارئین کرام سے معذرت خواہ ہیں (ادارہ)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ـــــــ مورخہ ۱۱ر فروری ۱۹۷۶ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ـــــ شمارہ نمبر ۶

چٹ

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۳ | یوم چہار شنبہ ۱۷ صفر المظفر ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۸ فروری ۱۹۷۶ء | نمبر ۷

# ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردھم علیہ السلام

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت، محبت اور تعظیم کے نتیجہ میں انسان خدا کا محبوب بن جاتا ہے

## قرآن شریف سے آنحضرت صلعم کی شفاعت کا ثبوت

قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے بارہ میں مختلف مقامات میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ و یغفرلکم ذنوبکم۔ کہ اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو تا خدا بھی تم سے محبت کرے اور تمہارے گناہ بخشے۔ اب دیکھو کہ یہ آیت کس قدر صراحت سے بتلا رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنا جس کے لوازم میں سے محبت اور تعظیم اور اطاعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس کا ضروری نتیجہ ہے کہ انسان خدا کا محبوب بن جاتا ہے اور اس کے گناہ بخشے جاتے ہیں اگر کوئی گناہ کی زہر کھا چکا ہے۔ تو محبت اور اطاعت اور پیروی کے تریاق سے اس زہر کا اثر جاتا رہتا ہے اور جس طرح بذریعہ دوا مرض سے ایک انسان پاک ہو سکتا ہے ایسا ہی ایک شخص گناہ سے پاک ہو جاتا ہے اور جس طرح نور ظلمت کو دور کرتا ہے اور تریاق زہر کا اثر زائل کرتا ہے۔ اور آگ جلاتی ہے ایسا ہی سچی اطاعت اور محبت کا اثر ہوتا ہے۔ دیکھو آگ کیونکر ایک دم جلا دیتی ہے۔ پس اسی طرح پُرجوش نیکی جو محض خدا کا جلال ظاہر کرنے کے لئے کی جاتی ہے۔ وہ گناہ کا خس و خاشاک بھسم کرنے کے لئے آگ کا حکم رکھتی ہے۔

جب ایک انسان سچے دل سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہے اور آپ کی تمام عظمت اور بزرگی کو مان کر پورے صدق و صفا اور محبت و اطاعت سے آپ کی پیروی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ کامل اطاعت کی وجہ سے فنا کے مقام تک پہنچ جاتا ہے تب اس تعلق شدید کی وجہ سے جو آپ کے ساتھ ہو جاتا ہے وہ الٰہی نور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اترتا ہے اس سے یہ شخص بھی حصہ لیتا ہے۔ تب چونکہ ظلمت اور نور کی باہم منافات ہے وہ ظلمت جو اس کے اندر ہے دور ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ کوئی حصہ ظلمت کا اس کے اندر باقی نہیں رہتا اور پھر اس نور سے قوت پا کر اعلیٰ درجہ کی نیکیاں اس سے ظاہر ہوتی ہیں اور اس کے ہر ایک عضو میں محبت الٰہی کا نور چمک اٹھتا ہے تب اندرونی ظلمت بکلی دور ہو جاتی ہے اور علمی رنگ سے بھی اس میں نور پیدا ہو جاتا ہے۔ اور عملی رنگ سے بھی نور پیدا ہو جاتا ہے۔ آخر ان نوروں کے اجتماع سے گناہ کی تاریکی اس کے دل سے کوچ کرتی ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ نور اور تاریکی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا ایمانی نور اور گناہ کی تاریکی بھی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔

اور اگر ایسے شخص سے اتفاقاً کوئی گناہ ظہور میں نہیں آیا تو اس کو اتباع سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ آئندہ گناہ کی طاقت اس سے مسلوب ہو جاتی ہے اور نیکی کرنے کی طرف اس کو رغبت پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ آپ قرآن شریف میں فرماتا ہے حبب الیکم الایمان و زینہ فی قلوبکم و کرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان۔ یعنی خدا نے تم پر پاک روح نازل کر کے ہر ایک نیکی تمہیں پیاری لگائی اور کفر اور فسق اور عصیان تمہاری نظر میں مکروہ کیا۔

لیکن اگر اس جگہ یہ سوال ہو کہ وہ نور جو بذریعہ نبی علیہ السلام کے پیروی کرنے والے کو ملتا ہے جس سے گناہ کے جذبات دور ہو جاتے ہیں وہ کیا چیز ہے؟ سو اس سوال کا یہ جواب ہے کہ وہ ایک پاک معرفت ہے جس کے ساتھ کوئی تاریکی شک و شبہ کی نہیں۔ اور وہ ایک پاک محبت ہے جس کے ساتھ کوئی نفسانی غرض نہیں اور وہ ایک پاک لذت ہے جو تمام لذتوں سے بڑھ کر ہے جس کے ساتھ کوئی کثافت نہیں اور وہ ایک زبردست کشش ہے جس پر کوئی کشش غالب نہیں اور وہ ایک قوی الاثر تریاق ہے جس سے تمام اندرونی زہریں دور ہوتی ہیں۔

(ریویو آف ریلیجنز اردو جلد اول ص ۱۹۴-۱۹۶)

محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

# آنچہ بر خود مپسندی بر دیگراں مپسند

## "جمعیۃ کے خلاف ہر سکہ کھوٹا ہے"

کے عنوان کے تحت اخبار "ایشیا" ۸ر فروری ۱۹۷۶ء کا شیوع رقمطراز ہے:-

"اسلامی جمعیت طلبہ طالب علموں کی واحد نمائندہ تنظیم کی حیثیت رکھتی ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے اس کے مقابل غیر ملکی اور غیر اسلامی نظریات کی حامل نام نہاد طلبہ تنظیمیں دم توڑ چکی ہیں یا دم توڑتی جا رہی ہیں"

عنوان اور اقتباس مندرجہ "جمعیۃ کے سوا ہر سکہ کو کھوٹا اور اس کے مقابل ہر تحریک و اقدام کو نہ صرف غیر ملکی بلکہ غیر اسلامی نظریات کا حامل قرار دے رہے ہیں۔

اس طرح یہ امر کسی مزید تشریح کے بغیر واضح ہو گیا کہ جماعت اسلامی اور جمعیۃ طلباء اسلامی کے سوا باقی تمام جماعتیں کھوٹے سکے اور غیر اسلامی نظریات کی حامل ہیں۔ صرف یہی دو یعنی جماعت اسلامی اور اس کی تنظیم طلباء ہی حقیقتاً اسلامی اور ملکی کہلانے کی حقدار ہیں۔ جائے غور ہے کہ جماعت احمدیہ پر یہ اعتراض کرنے والے کہ یہ جماعت صرف اپنے آپ کو ہی دینِ اسلام کی صحیح نمائندہ جماعت قرار دیکر باقی مسلمان جماعتوں کو رسمی و اسمی مسلمان کیوں کہتی ہے خود وہی روش اختیار کرتے ہیں جو ان کے نزدیک قابلِ اعتراض ہے حالانکہ حدیث شریف میں آیا ہے لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ، جو بات تمہیں اپنے لئے پسند نہیں وہ اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کے لئے کیوں جائز قرار دیتے ہو، آنچہ بر خود مپسندی بر دیگراں مپسند۔

انی مھین من اراد اھانتک، جو شخص تیری اہانت کریگا میں اس کی اسی رنگ میں ذلت کروں گا۔ یہ خدائی الہام کس وضاحت سے صادق آ رہا ہے۔ پھر اسی اقتباس کا ایک اور عنوان قائم کیا گیا ہے:- "سرکار ہار گئی طلباء جیت گئے"۔ لیکن ہمیں اس کی کوئی وضاحت نظر نہیں آتی کہ سرکار کیسے ہاری اور طلباء کو کیسے جیت ہوئی۔ سوائے اس کے کہ طلباء نے جمعیۃ پر مزعومہ تشدد کے الزامات لگائے گئے ہیں۔ اس کے مقابل ۱۹۷۱ء کے عام انتخابات میں جماعت اسلامی کو جو فقید المثال اور عبرتناک شکست ہوئی تھی جس کا کوئی شخص وہم و گمان بھی نہ کر سکتا تھا، اس کا بھی کچھ ذکر کیا جانا مناسب تھا۔ جماعت احمدیہ لاہور پر یہ الزام بھی لگایا جاتا ہے کہ اس نے جمہور مسلمانوں سے الگ اپنا ایک نام کیوں رکھا؟ لیکن جماعت اسلامی نے خود اپنی جماعت کا ایک نام ایسا رکھا جس سے یہ پایا جاتا ہے کہ صرف یہی جماعت اسلامی ہونے کی حقدار ہے دوسری تمام جماعتیں غیر اسلامی ہیں۔ پس پہلا سوال یہ ہے کہ اگر کسی جماعت کا نام رکھنا صحیح نہیں تو جماعت اسلامی نے کیوں اپنے لئے ایک نام تجویز کر رکھا ہے اور پھر نام بھی ایسا کہ جس سے یہ اثر دینا مقصود ہو کہ باقی تمام جماعتیں غیر مسلم ہیں۔ پاکستان بننے کے وقت تو جماعت اسلامی نے اس نے سخت الفاظ لکھے تھے کہ مسلم لیگ اور حضرت قائد اعظم کیسے مسلمان کہلانے کے مستحق ہیں جبکہ انہیں اسلام کا پتہ ہی نہیں۔

## خلافت راشدہ کا صحیح نمونہ

اپنے ماسوا مسلمان گروہوں کو کافر یا کھوٹے سکے قرار دینا اور اسلام کی صرف اپنے گروہ کے لئے مخصوص کرنے کی وباد کی ابتداء حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جب شروع ہوئی تھی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان مکفرین خارجیوں کو اگرچہ وہ آپ کے حمایتی تھے یہی فرمایا تھا اخواننا بغوا علینا لا تکفرھم ولا تفسقھم۔ یہ ہمارے مسلمان بھائی ہیں، ہم ان کی نہ تو تکفیر کرتے ہیں نہ ہی ان کے برخلاف فسق کے فتاوی لگاتے ہیں۔ البتہ حکومتِ ملکی کے بارہ میں انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت ضرور کر رکھی ہے۔ باہمی اندرونی اختلافات کو آڑ بنا کر تکفیر و تفسیق کے فتاوی عائد کرنا خلافت راشدہ کے ذمہ نہیں لگتا۔

پھر حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے تو یہاں تک وضاحت و احتیاط کر دی کہ فرمایا:-

"جس نام کو ہم اپنے اور اپنی جماعت کے لئے پسند کرتے ہیں وہ ہے "مسلمان فرقہ احمدیہ"

نہ صرف اپنی جماعت بلکہ خود اپنا نام بھی (احمدی) رکھا، جیسے دوسرے مقام پر اس کی وضاحت کی کہ یہ نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اَحمد پر اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس سے اس جماعت کی خصوصیت نمایاں ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں جہادِ اسلامی کے لئے قتال کی ضرورت نہیں بلکہ بتقاضائے حالات موجودہ تبلیغ و اشاعتِ دین کی ضرورت پڑی ہے۔

## "ایشیا" کے ذمہ ہمارا قرض

قریباً ایک سال کا عرصہ ہو چکا ہے جب اس اخبار میں "ایشیا" کے عقیدہ کے مطابق کہ اب بعد ختم نبوت کسی قسم کی وحی یا مکالمہ الٰہیہ باقی نہیں رہے، ہم نے اس سوال کا جواب طلب کیا تھا کہ پھر جماعتِ اسلامی کے نزدیک وہ جملہ اولیاء و صلحائے امتِ محمدیہ جنہوں نے تکلم الٰہیہ کے دعاوی کئے ہیں کیا اسی وجہ سے منکرِ ختم نبوت اور کافر ہیں؟ مگر کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ ایک اسلامی جماعت، اسلامی نظام کے قیام کی داعی ہے اور وہ ایک اصول وضع کرتی ہے مگر جب اس اصول کے تحت ایک سوال اٹھتا ہے تو وہ خاموش ہو جاتی ہے کیا ایسی مسلسل و متواتر خاموشی اس امر کا قطعی ثبوت نہیں کہ اسے بجز گریز اور کوئی راہ نہیں ملی اور کیا اس سے یہ حتمی طور پر ثابت نہیں ہو جاتا کہ مزعومہ اصول۔ کہ مکالمہ الٰہیہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکارِ ختم نبوت کا باطل ہے؟

ع کب تک رہو گے ضد و تعصب میں ڈوبتے
آخر قدم بصدق اٹھاؤ گے یا نہیں

## دعائے مغفرت اور جنازہ غائبانہ

سرینگر کشمیر سے ایک خط کا اقتباس:-

"محترم المقام جناب محمد اعظم علوی صاحب زاد اللہ مجدکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ شیخ محمد طفیل صاحب کے مکتوب سے معلوم ہوا کہ آنجناب کے والد گرامی وفات پا گئے۔ ان کے علاوہ شیخ محمد حسین صاحب حکیم عبدالعزیز صاحب بھی رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ گذشتہ جمعہ ہر سہ بزرگوں کی نماز جنازہ غائبانہ جامع احمدیہ قلمدان پورہ سرینگر میں محترم المقام الحاج شیخ عبدالصمد صاحب کی اقتداء میں ادا کی گئی۔ اللہ تعالیٰ ان تینوں بزرگوں کو جوارِ رحمت میں خاص جگہ دے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

مخلص (پروفیسر) نورالدین زاہد۔
(۱۹ر جنوری ۱۹۷۶ء)

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مؤرخہ ۱۸ر فروری ۱۹۷۶ء

# گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

لاہور کے ایک کثیر الاشاعت روزنامہ مؤرخہ ۲۹ر جنوری ۱۹۷۶ء کے صفحہ ۷ پر پروفیسر صوفی محمد اشرف صاحب چشتی صابری ایم ۔ اے ۔ (سیالکوٹ) کا ایک مکتوبِ گرامی "آئین پاکستان کی خلاف ورزی" کے عنوان سے شائع ہوا ہے ۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے ربوہ سے شائع ہونے والے انگریزی ماہ نامہ ریویو آف ریلیجنز کے سرورق کا عکس بھی دے دیا ہے ۔ پروفیسر موصوف کو یہ اعتراض ہے کہ اس پر ان الدین عند اللہ الاسلام لکھا ہوا ہے اور ماہ نامہ کا تعارف انگریزی سے ترجمہ کردہ ان الفاظ میں کرایا گیا ہے :—

" ایک ماہنامہ جو کہ دینِ اسلام کی اشاعت کے مقصد کے لئے وقف ہے ۔ یہ ماہنامہ احمدیہ تحریک کا آرگن ہے جو تحریک حقیقی اصلی اور سچے اسلام کو پیش کرتی ہے ۔ یہ مذہبی ، سوشل اور اقتصادی امور پر بھی بحث کرتا ہے اور اسلامی تصوف و سلوک اور حالات حاضرہ پر بھی مواد مہیا کرتا ہے ، نیز کتب پر ریویو بھی درج کرتا ہے ۔"

ہم بخوفِ طوالت فاضل پروفیسر صاحب کے ارشادات گرامی یہاں ہوبہو نقل کرنے سے قاصر ہیں لیکن ان کا مفہوم یہ ہے کہ جب آئین کی رُو سے جماعت احمدیہ کے دونوں فریق (قادیانی اور لاہوری) "غیر مسلم ہیں یعنی دائرۂ اسلام سے خارج ہیں" تو انہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے اخبارات اور رسائل میں اسلام کی حقانیت اور اس کے آخری دین ہونے پر مضامین لکھیں اور یہ دعوےٰ بھی کریں کہ اسلام کی صحیح تصویر وہی ہے جو تحریکِ احمدیت پیش کرتی ہے ۔ اس جرم کی سزا دلانے کے لئے ان کے خلاف عدالتِ عالیہ کا دروازہ کیوں نہیں کھٹکھٹایا جاتا ۔ اور پاکستان کے مقدس آئین کی "مٹی پلید کرنے" کے لئے انہیں سرِ دار کیوں نہیں کھینچا جاتا ۔

ہمیں ماہنامہ زیرِ بحث کی ہیئتِ ظاہری اور باطنی کا جیسا کہ اب وہ ربوہ سے شائع ہوتا ہے کوئی زیادہ علم نہیں لیکن پروفیسر صاحب کی اطلاع کے لئے یہ گذارش کرتے ہیں کہ یہ رسالہ ہمارے مسیح موعود علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق جنوری ۱۹۰۲ء سے حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب مرحوم و مغفور امیر جماعتِ احمدیہ لاہور کی ادارت میں شائع ہونا شروع ہوا ۔ اس کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے حضرت صاحب نے فرمایا :

" چونکہ ہماری جماعت کو معلوم ہوگا کہ اصل غرض خدا تعالےٰ کی میرے بھیجنے سے یہی ہے کہ جو جو غلطیاں اور گمراہیاں عیسائی مذہب نے پھیلائی ہیں ان کو دُور کرکے دنیا کے عام لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کیا جائے اور اس غرض مذکورہ بالا کو جس کو دوسرے لفظوں میں احادیث صحیحہ میں کسرِ صلیب کے نام سے یاد کیا گیا ہے پورا کیا جائے اس لئے انہی اغراض کو پورا کرنے کے لئے رسالہ انگریزی جاری کیا گیا جس کا شائع ہونا امریکہ اور یورپ کے اکثر حصوں میں بخوبی مفید ثابت ہو چکا ہے اور بہت سے دلوں پر اثر ہونا شروع ہو گیا ہے ۔"

اپنے مرشد و امام کی ان اغراض کو پورا کرنے کے لئے جس محنت لگن ۔ خلوص اور بے لوث جذبہ سے حضرت مولانا صاحبؒ نے شب و روز کام کیا اور انگریزی زبان میں فصیح و بلیغ اور مدلل مضامین معجزانہ طور پر آپ کی نوکِ قلم سے ایک چشمِ رواں کی طرح بہے کہ خود عیسائیوں کے ذہن متزلزل ہو گئے ۔ عیسائیت پر ان کا ایمان ڈگمگا گیا ۔ سر میلکم ہیلی جیسے انگریز کو اعتراف کرنا پڑا کہ "جب میں اسے پڑھتا ہوں تو مجھے یقین ہو جاتا ہے کہ اسلام ہی سچا مذہب ہے اور اس فکر میں مجھے راتوں نیند نہیں آتی" اور سینکڑوں انگریزی علم و تہذیب کے متوالے نوجوان جو پادریوں اور دہریوں کے عقلی دلائل سے مسحور تھے اسلام کے دامنِ عافیت میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے ۔ دریدہ دہن آریوں ۔ دہریوں اور عیسائیوں کو جو اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی سے باز نہ آتے تھے مسکت جواب دے کر ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا ۔ نہ صرف یہ بلکہ جمع قرآن ۔ حفاظت احادیث ۔ اسلامی جنگیں ۔ مسئلہ وراثت ۔ کثیر الازدواجی ۔ طلاق ۔ سود ۔ غلامی ۔ پردہ اور بہشت و دوزخ جیسے دقیق مسائل پر عام فہم اور سلیس زبان میں ایسے مضامین کے لئے یہ مسلم اور غیر مسلم عوام میں بہت پسند کئے گئے ۔ غرض جس بھی مخالف اسلام نے اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دشنام طرازی کے لئے زبان کھولی وہ گدی سے کھینچ لی گئی عیسائی تو یہاں تک عاجز آ گئے کہ انہوں نے ایک خفیہ سرکلر کے ذریعے اپنے مشنریوں کو احمدیوں کے ساتھ بات چیت اور مناظرہ سے منع کر دیا ۔

آج بھی اگر یہ ماہنامہ اسی طرز پر کوئی خدمت انجام دے رہا ہو تو بتایئے اس سے اسلام اور مسلمانوں کو کیا نقصان پہنچ رہا ہے کہ آپ نے دستورِ پاکستان کے تقدس کا واسطہ دے کر عدالتِ عالیہ سے داد رسی کی درخواست کی ہے ۔ اگر آپ اپنی چشم روشن سے تعصب کی رنگین عینک اتار کر دیکھیں تو ۱۸۸۰ء سے ۷ر ستمبر ۱۹۷۴ء تک تحریک احمدیت سے وابستہ کچھ یہی دیوانے نظر آئیں گے جنہوں نے مغرب کی تاریک فضاؤں میں اسلام کی شمعیں جگہ جگہ روشن کیں اور اسلام کے خوبصورت چہرے سے وہ بدنما داغ صاف کرنے کی کوشش کی جو مخالفوں نے نہیں بلکہ اپنوں نے ہی لگا دیئے تھے ۔ اگر اس سلسلہ میں آپ کوئی اور نام پیش کرنے کی کوشش بھی کریں گے تو آپ کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا ۔ تاریخی حقائق سے چشم پوشی انصاف پسندی اور حق پرستی نہیں ۔

آئین پاکستان کی جس دفعہ کے تحت آپ احمدیوں کو گردن زدنی قرار دیتے ہیں ذرا اس کے ساتھ اسی آئین کی دفعہ ۲۰ پر بھی ذرا غور فرما لیجئے جس کے تحت "(ا) ہر شہری کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مذہب کو اختیار کرے اور تشہیر کرے (ب) ہر مذہبی فرقہ کو حق حاصل ہے کہ وہ مذہبی ادارے قائم کرے"

اس کے ساتھ ہی کتابچہ بعنوان "ختم نبوت پر قومی اسمبلی کا متفقہ فیصلہ" شائع کردہ مرکزی وزارت اطلاعات کے صفحہ ۱۱ پر جناب وزیر اعظم پاکستان کے ان الفاظ پر بھی نظر ڈالتے جایئے "ہم دورِ جدید میں رہتے ہیں ہمارا آئین کسی مذہب و ملت کے خلاف نہیں بلکہ ہم نے پاکستان کے تمام شہریوں کو یکساں حقوق دیئے ہیں ۔ ہر پاکستانی کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ فخر و اعتماد سے بغیر کسی خوف کے اپنے مذہبی عقائد کا اظہار کر سکے پاکستان کے آئین میں پاکستانی شہریوں کو اس امر کی ضمانت دی گئی ہے"۔

اور پھر ان سوالات کا جواب اپنے دل سے ہی پوچھ لیجئے :—

۱۔ کیا احمدی پاکستانی شہری نہیں ؟

۲۔ کیا پاکستانی شہری ہونے کی حیثیت سے آئین پاکستان ان کو یہ حق نہیں دیتا کہ وہ جو مذہب چاہیں اختیار کریں اور اس کی تبلیغ کے لئے ادارے قائم کریں ۔

۳۔ کیا آئین میں یہ یقین دہانی نہیں کرائی گئی کہ جو کوئی چاہے اپنے

عقائد کا اظہار بغیر کسی خوف کے کر سکے گا؟

۴۔ اگر احمدی اس ضمانت کی بناء پر اپنے عقائد کا اظہار کرتے اور ادارے قائم کرتے ہیں تو اس میں آئین پاکستان کے تقدس پہ کیا حرف آتا ہے کہ انہیں مستوجب سزا قرار دیا جائے۔

ہم پروفیسر صاحب موصوف کے ساتھ اس بات میں متفق ہیں کہ کسی مُلک کا آئین ایک مقدس دستاویز ہوتی ہے جس کی حدود کے اندر رہ کر ہی کوئی مُلک ترقی اور خوشحالی کی منزلیں طے کر سکتا ہے لیکن یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ آج تک انسانوں کا بنایا ہوا کوئی آئین ترمیم و تنسیخ اور تغیّر و تبدل کے بے رحم عوامل کی دست بُرد سے کلیتاً محفوظ نہیں رہ سکا نت بدلتے ہوئے حالات اور ضروریات زمانہ قوانین میں لچک اور حالات کے ساتھ مناسبت پیدا کرنے کی اہلیت کا محرّک بن جاتے ہیں لیکن آج سے چودہ سو سال پہلے احکم الحاکمین کی طرف سے نسل انسانی کی مادی اور رُوحانی ربوبیت کے لئے ایک ایسا ناقابلِ ترمیم و تنسیخ مقدّس ترین آئین نافذ کیا گیا جس نے رشد و ہدایت اور کفر و ضلالت کی راہیں متعین کرنے کے بعد آزادئ ضمیر آزادئ تحریر و تقریر اور آزادی رائے کی سب سے زیادہ ضمانت دی ہے۔ اور جس بے نظیر و بے مثال انسانؐ کو اس آئین کے نفاذ پر مامور کیا گیا اس کی پاک و مطہر زندگی کا ہر لمحہ اس کے ہر حرف کی تفسیر ہے۔

اگر پروفیسر صاحب کو اس کے کامل ترین دستور ہونے پہ یقین اور ایمان ہے تو کیا وہ اس کی کوئی ایک آیت بھی ایسی دکھا سکتے ہیں یا اس کے حرف حرف پہ عمل کرنے والے کی زندگی سے کوئی ایسی ایک بھی مثال پیش کر سکتے ہیں جو احمدیوں کو اپنے آپ کو مسلمان کہنے سے روکتی ہو؟ یا دوسروں کو یہ اختیار دیتی ہو کہ وہ جس کو چاہیں مسلمان سمجھیں اور جسے چاہیں کافر کہیں۔ لیکن ہم کامل اعتماد کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ وہ ہرگز ایسا نہیں کر سکیں گے۔

اس کے برعکس ہم ان کی توجہ سورۃ النساء کی آیت ۹۴ کی طرف مبذول کرتے ہیں جس میں یہ ارشاد ہوتا ہے "ولاتقولوا لمن القیٰ الیکم السلام لست مؤمنا" یعنی جو تمہیں السلام علیکم کہے اُسے تم یہ نہ کہو کہ تم مؤمن نہیں۔ یہاں مسلمان کی بجائے لفظ مؤمن استعمال کیا ہے اور جیسا کہ سورۃ الحجرات کی آیت ۱۴ کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے مؤمن کا درجہ مسلمان کے درجہ سے بلند اور اعلےٰ ہے۔ یہ مثال تو ہم نے قرآن کریم سے پیش کی ہے اب ذرا غور سے سُنیں وہ کیا فرماتے ہیں جن کا خلق ہی سراسر قرآن تھا۔ آپ کا ارشاد ہے:

"جو ہماری نماز پڑھے۔ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے اور ہمارے ہاتھ کا ذبیحہ کھائے وہ مسلمان ہے۔ اللہ اور اس کا رسول اس کی ضمانت دیتے ہیں۔"

ذرا فقیہوں کا فتویٰ بھی سُن لیجئے:

"جس میں ننانوے وجوہ کُفر کی ہوں اور ایک وجہ اُس میں مسلمانوں والی پائی جاتی ہو اسے کافر مت کہو"

ان تصریحات اور شہادتوں کے باوجود اگر پروفیسر صاحب احمدیوں کو قابلِ مواخذہ تصوّر کرتے ہیں تو اس سے یہی نتیجہ اخذ کرنا پڑے گا کہ ان کے مخصوص نظریات کے مطابق آئین پاکستان نے اللہ تعالےٰ کی طرف سے نازل کردہ آئین کو منسوخ کر دیا ہے جو عین خلاف واقع ہے کیونکہ اس ملک کا دستوری نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے اس کے آئین کو اسلامی آئین کہا جاتا ہے اس لئے اس کی کوئی دفعہ خلاف قرآن و سنت نہیں ہو سکتی۔ اب دیکھنا یہ ہوگا کہ تضاد کی صورت میں برتری کس دستور کی قائم کی جاتی ہے۔

اس ضمن میں سورۃ الروم کے یہ الفاظ بھی قابل توجہ ہیں کہ:۔

"اللہ کی بنائی ہوئی فطرت پر قائم رہو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فطرت انسانی کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی ہے:۔

"ہر بچہ خالق کائنات کی اطاعت کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں"

اگر اسلام یعنی اللہ تعالےٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری انسانی فطرت کا خاصہ ہے تو احمدی کیونکر اپنی فطرت کی آواز کے خلاف بغاوت کرکے کوئی دوسری راہ اپنے لئے پسند کر سکتے ہیں یا انہیں ایسا کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالےٰ ربّ العٰلمین ہے۔ وہ کسی فرد۔ جماعت یا ایک قوم کا ربّ نہیں جو بھی چاہے اور جس وقت بھی چاہے اس کے درِ رحمت پہ دستک دے سکتا ہے۔ اس کی ربوبیت عام ہے۔ خاص نہیں۔ اُس نے تو اپنے انکار کرنے والوں کو بھی ایسے انعامات سے نوازا ہے جو اس کے ماننے والوں کو کبھی خواب میں بھی دیکھنے نصیب نہیں ہوئے۔ پھر اس کے بے بہا انعامات اور بے پایاں افضال سے محرومی احمدیوں کا نصیبا ہی کیوں ہو۔ اور کسی عاجز بندے کو یہ اختیار اس نے کب دیا ہے کہ اس کے دستِ کرم کو روک دے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم رحمۃ للعٰلمین اور ساری کائنات کے نجات دہندہ بن کر آئے ہیں تو آپ کی کامل اتباع کے بغیر خدا کو پانا ناممکن ہے۔ پھر کون ایسا بدنصیب ہوگا جو آپ سے منہ موڑ کر نجات کی تمنا کرے۔ آپ کے عشق و محبت میں ڈوب کر ہی سلوک کی وہ کٹھن منزلیں طے کی جا سکتی ہیں جو لقاءاللہ کے مقام تک پہنچاتی ہیں۔ یہی وہ کھویا ہوا راستہ تھا جس پہ دوبارہ ڈالنے کے لئے حضرت مرزا صاحب اور آپ سے پہلے اس اُمت میں مجدّدین۔ محدّثین اور اولیاءاللہ تشریف لائے۔ ہاں اگر صرف حضرت مرزا صاحب کو مجدّد۔ محدث مسیح موعود اور مہدئ مسعود تسلیم کر لینے کی یہ سزا ہے تو پھر آپ سے قبل گذرے ہوئے اس مقام کے صلحاء اور صوفیاء کرام کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے والوں کے لئے پروفیسر صاحب کیا فتویٰ صادر فرمائیں گے جبکہ وہ خود بھی اپنے اسم گرامی کے ساتھ "چشتی اور صابری" کے الفاظ بڑھانے کی سعادت سے محروم رہنا گوارا نہیں کرتے اور ان کے متعلق کیا ارشاد ہوگا جو برسوں سے اپنی نجات کے لئے عیسیٰ علیہ السلام کی راہ تک رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ نبی بھی ہوں گے اور اُمتی بھی حالانکہ آئینِ پاکستان "کسی بھی مفہوم میں" ایسے مصلح کی آمد میں سدِ راہ ہے۔ اگر وہ آئے گا اور دعوےٰ کرے گا تو اس کے ماننے والے بھی اسی ذیل میں آئیں گے جس میں کہ احمدی۔

ہم تو پھر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے نام احمدؐ کی نسبت سے احمدی کہلاتے ہیں جیسا کہ ہمارے حضرت صاحب نے اس نام کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔

"اور اس فرقہ کا نام مسلمان فرقہ احمدیہ اس لئے رکھا گیا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے دو نام تھے ایک محمّد صلی اللہ علیہ وسلّم۔ دوسرا احمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اسم محمّد جلالی نام تھا........ اسم احمد جمالی نام تھا........ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی مکہ کی زندگی میں اسم احمدؐ کا ظہور ہوا........ یہ پیشگوئی کی گئی تھی کہ آخری زمانہ میں پھر اسم احمدؐ کا ظہور کرے گا اور ایسا شخص ظاہر ہوگا جس کے ذریعہ سے احمدی صفات یعنی جمالی صفات ظہور میں آئیں گی اور تمام لڑائیوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ پس اسی وجہ سے مناسب معلوم ہوا کہ اس فرقہ کا نام فرقہ احمدیہ رکھا جائے" (اشتہار ۴ر نومبر ۱۹۰۰ء)

اگر ہم افضل الرسل اور خاتم النّبیّین صلی اللہ علیہ وسلّم کے اس نامِ نامی اور اسم گرامی سے نسبت کی وجہ سے موردِ غضب و عتاب

ہیں تو یہ یقین مقام سعادت اور سچی رسول کا نشان ہے

تیرے منہ کی ہے قسم میرے پیارے احمد
تیری خاطر سے یہ سب بار اٹھایا ہم نے (مسیح موعودؑ)

اگر دلوں میں کجی نہ ہو اور ذہن بیمار نہ ہوں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور مجدد زمان کے مندرجہ ذیل الفاظ ہی اس بات کا کافی ثبوت ہیں کہ آپ اور آپ کی جماعت اللہ تعالے کی نگاہ میں اور قرآن و سنت کے مطابق اپنے آپ کو مسلمان کہلانے کے مستحق ہیں :-

"ہمارے مذہب کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" (ازالہ اوہام ص۱۳۶ طبع اول)

"جن پانچ چیزوں پر اسلام کی بنا رکھی گئی ہے وہ ہمارا عقیدہ ہے اور جس خدا کی کلام یعنی قرآن کو پنجہ مارنا حکم ہے ہم اسکو پنجہ مار رہے ہیں اور فاروق رضی اللہ عنہ کی طرح ہماری زبان پر "حسبنا کتاب اللہ ہے"۔ (ایام الصلح ص۸۶ طبع اول)

اس کے باوجود اگر پروفیسر صاحب اور ان کے ہم خیال احمدیوں کو غیر مسلم اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھنے پر ہی مصر ہیں تو بھی انہیں ان کا ممنون ہونا چاہیئے کہ وہ کافر ہو کر بھی دنیا کو خدا۔ رسول اور قرآن پاک کی طرف دعوت دینے میں حتی المقدور مصروف ہیں اور جہاں بھی مخالفین کی طرف سے اسلام پر کبھی کوئی وار کیا جاتا ہے یہ اپنا سینہ آگے کر دیتے ہیں۔ اور دشمن کو میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

ع گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

## بقیہ ـــــــــــ از کالم اول

کیا ہے۔ حضرت امیر فرماتے ہیں کہ میں نے فوراً ہی حضرت صاحب کی ایک عربی کتاب انہیں پڑھنے کو دی۔ جب دوبارہ ملے تو معذرت کی اور ان کا دل صاف ہو گیا۔

راقم الحروف کا اس سلسلہ میں ذاتی تجربہ بھی ہے۔ ۱۹۷۴ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت کے دوران میں راقم کا لڑکا جو یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھا۔ ایک دوست کے ساتھ گھر آیا اس نے کچھ اعتراضات کئے۔ تسلی بخش جوابات کے بعد حضرت صاحب کی کتاب "اسلامی اصول کی فلاسفی" میں نے اسے دی۔ اور کہا کہ یہ کتاب پڑھ کر خود فیصلہ کر لینا کہ آیا اس کا مصنف اسلام کا دشمن ہے یا دوست۔ اس پر اس کا بہت اچھا اثر ہوا۔

ایک اور صاحب کو جو ڈگری کالج کے پرنسپل ہیں براہین احمدیہ پڑھنے کے لئے دی۔ اسے پڑھ لینے کے بعد وہ خود لاہور تشریف لائے اور سلسلہ کا لٹریچر خریدا اور ان کا رویہ تبدیل ہو گیا۔ رسول کریم صلعم کا فرمان ہے الامام جنۃ یقاتل من ورائہ۔ کہ امام وقت ڈھال ہوتا ہے۔ اس کے پیچھے ہو کر لڑا جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کا اپنا لٹریچر ہی وہ ڈھال ہے جو اس پر آشوب زمانہ میں ہم اپنی مدافعت کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔ (پ۔ ح۔ د)

## قرارداد تعزیت

مورخہ ۲۵/۱/۷۹ بروز جمعہ مقامی جماعت احمدیہ لائل پور کا اجلاس زیر صدارت جناب میاں حمید احمد صاحب منعقد ہوا جس میں درج ذیل تعزیتی قرار داد منظور کی گئی :-

"مقامی جماعت لائل پور شیخ محمد حسین صاحب کی بے وقت اور ناگہانی وفات پر اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کرتی ہے اور خداوند کریم کے حضور دعا گو ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے شیخ صاحب مرحوم کو جنت الفردوس میں مقام اعلیٰ عطا فرمائے اور ان کے پسماندگان کو یہ عظیم صدمہ برداشت کرنے کی ہمت اور توفیق بخشے۔ آمین۔

مقامی جماعت اس سلسلہ میں شیخ صاحب مرحوم کی بیگم صاحبہ اور دیگر بچگان سے اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرتی ہے۔ محمود بیگ۔ سیکرٹری مقامی جماعت احمدیہ لائل پور

# الامام جنۃ یقاتل من ورائہ (حدیث شریف)

ترجمہ: امام وقت ڈھال ہوتا ہے۔ جس کے پیچھے ہو کر لڑا جاتا ہے

# مخالفین احمدیت کے پھیلائے ہوئے زہر کا تریاق حضرت مسیح موعودؑ کی کتب میں موجود ہے

پاکستان کی قومی اسمبلی کے ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کے فیصلے سے قدرتی طور پر راقم الحروف کو بہت صدمہ ہوا۔ مجھے یقین ہے کہ صرف جماعت احمدیہ لاہور ہی صحیح طور پر ختم نبوت کے عقیدہ پر قائم ہے۔ کیونکہ یہ جماعت آنحضرت صلعم کے بعد نہ کسی پرانے اور نہ کسی نئے نبی کے آنے کی قائل ہے۔ اس جماعت سے متعلقہ افراد سیاست سے ہمیشہ کنارہ کش رہے ہیں۔ اور ان کا واحد مقصد زندگی اشاعت اسلام ہی رہا ہے۔ جو بھی حکومت برسر اقتدار آئی۔ یہ اس کے وفادار رہے۔ اور ہر کلمہ گو کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ پھر یہ ایسی سخت سزا کے کیوں مستحق ٹھہرائے گئے۔ اس الجھن، صدمہ اور کشمکش کی حالت میں راقم نے حضرت مرزا صاحب کی کتب کا دوبارہ مطالعہ شروع کیا۔ جوں جوں پڑھتا جاتا تھا ہر صفحہ کو ایک نور عشق قرآن اور محبت رسول صلعم میں معمور پایا۔ اور آپ کے اپنے اس فرمودہ

بعد از خدا بعشق محمدؐ مخمرم + گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

کا مصداق پایا۔ دل کو سہارا ملا۔ اور مطالعہ نے زخموں پر مرہم کا کام کیا۔ سوچا۔ الحمد للہ کہ دھوکہ نہیں کھایا۔

اس ابتلا کی جو وجہ سمجھ میں آئی وہ یہ تھی۔ کہ یہ عوامی حکومت ہے۔ اسے بہرحال عوام کے جذبات کا احترام کرنا تھا۔ مگر عوام کے سامنے حضرت مرزا صاحب کی جو غلط تصویر سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے علماء کی جانب سے پیش کی گئی تھی اسے انہوں نے قبول کر لیا۔ اور تحقیق کی ذرا بھی تکلیف گوارا نہ کی۔ علماء کی طرف سے جو بے جا اعتراضات، اتہام تراشی اور غلط عقائد حضرت صاحب کی طرف منسوب کئے گئے وہ چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی صورت میں نہ صرف اندرون ملک پھیلائے گئے بلکہ عربی میں ترجمہ کر کے عرب ممالک میں بھی تقسیم کئے گئے۔ اس سارے زہر کا تریاق حضرت صاحب کی اپنی تقریباً ۸۰ شرح و بسط سے لکھی ہوئی کتب میں موجود ہے۔ یہ کتب اردو، فارسی، اور عربی دان طبقہ کے لئے لکھی گئی تھیں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ عوام کا پڑھا لکھا طبقہ ان تحریرات کی جو اس کے سامنے مفاد پرست لوگوں نے مسخ کر کے پیش کی تھیں۔ حضرت صاحب کی اپنی کتب کی روشنی میں چھان بین کرتا اور اپنے شکوک و شبہات کو رفع کرنے کی کوشش کرتا۔ لیکن افسوس ہے کہ بوجوہ ایسا نہ کیا گیا اور غلط فہمیاں دور نہ ہو سکیں۔ اس وقت موجودہ حالات میں ضرورت اس امر کی ہے کہ جس حد تک ممکن ہو سکے حضرت مسیح موعودؑ کی کتب کی ایک وسیع پیمانہ پر اشاعت اور تشہیر کی جائے۔ ممکن ہے اس طرح کچھ انصاف پسند طبائع ان سے روشنی حاصل کر سکیں اپنا دل صاف کر سکیں۔ اس ضمن میں یہ عرض کر دینا غیر ضروری نہ ہوگا۔ کہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قیام یورپ کے دوران کا ایک واقعہ بار بار بیان کیا ہے کہ ایک عرب رئیس اُن سے اکثر ملنے آتے تھے اور جماعت احمدیہ کے کام کے مداح بھی تھے۔

وہ ایک بار کسی معاند کی تحریر یا تقریر سے متاثر ہو کر آئے اور نہایت برہمی سے مخاطب ہوئے کہ آپ کے مرشد نے نبوت کا دعویٰ

(باقی کالم اول کے نیچے)

از- راہ نورد

# سیّد ابوالاعلیٰ مودُودی کی تفسیر تفہیم القرآن کا ایک مختصر جائزہ

(بسلسلہ اشاعت گذشتہ)

مسئلۂ طلاق پر بھی مودودی صاحب نے روایتی مذہب ہی کو اختیار کیا ہے۔ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ اسلام میں ایک ہی نشست میں تین طلاق دینے سے بھی طلاق بائن ہو جاتی ہے جس سے رجوع بجُز ایک اور آدمی سے نکاح اور طلاق ہو جانے کے ممکن نہیں۔ اور اسی صورتِ حال سے نپٹنے کے لئے حلالہ کا طریق ایجاد کیا گیا ہے۔ مودودی صاحب اس ضمن میں لکھتے ہیں:—

"رہی یہ صورت کہ ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے ڈالی جائیں جیسا کہ آجکل جہلا کا عام طریقہ ہے تو یہ شریعت کی رُو سے سخت گناہ ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بڑی مذمت فرمائی ہے اور حضرت عمرؓ سے یہاں تک ثابت ہے کہ جو شخص بیک وقت اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیتا ہے آپ اسے دُرّے لگاتے تھے۔ تاہم گناہ ہونے کے باوجود آئمہ اربعہ کے نزدیک تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ اور طلاق مغلّظ ہو جاتی ہے۔" (جلد اوّل صفحہ ۱۷۵)

یہ صورت حال ہمارے لئے بہت ہی عجیب و غریب ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک شئے گناہ بھی ہو اور نافذ العمل بھی۔ اُس سے وہی نتائج برآمد ہوں جو عام صحیح صورتِ حال سے برآمد ہونے چاہئیں۔ ہم نے تو قانون وضعی (SECULAR - LAW) میں اس اصُول کو دیکھا ہے کہ جو معاملہ قانوناً واقع نہ ہو سکتا ہو وہ چاہے کسی بھی حیلہ سے برپا کیا جائے وہ ساقط العمل (NULL - AND - VOID) ہوتا ہے۔ شریعت میں تو اس پر گناہ کا اضافہ بھی ہے۔ لیکن جو شریعت میں گناہ ہو اُس سے اس طرح کے قانونی واجبات کس طرح جاری ہو سکتے ہیں جس طرح کے حالتِ صواب میں جاری ہوتے ہیں۔ نکاح اور زنا دو مختلف صورتیں ہیں۔ دونوں کے واجبات اور مقتضیات الگ الگ ہیں اس لئے دونوں کے احکامات الگ الگ ہیں۔ دونوں کو ایک طرح کی حالت سمجھنا ایک لا اخلاق AMORAL انسان کے نزدیک تو شاید درست ہو ایک مسلمان عالم دین کے نزدیک تو بجا نہیں ہو سکتا۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلمؐ نے ایک ایسے فعل کی مذمت کی ہے — شریعت مطاہرہ کے نزدیک ایسا کرنا گناہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس پر دُرّے لگاتے تھے۔ پھر یہ فعل شریعت میں وہ نتائج کیونکر پیدا کر سکتا ہے جو صحیح طریق پر دی گئی طلاق مغلّظ سے پیدا ہوتے ہیں۔

مودودی صاحب نے سورۃ الطلاق کے تحت بہت تفصیلی بحث اس موضوع پر کی ہے اور یہ ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ وہ لوگ جو ایک نشست میں دی جانے والی تین طلاقوں کو ایک ہی شمار کرتے ہیں وہ درست نہیں لیکن عجیب بات ہے کہ وہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہی استنباط کرنا چاہتے ہیں جو احادیث نہیں چاہتیں۔ مثلاً ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں بیک وقت دے دیں تو حضورؐ نے فرمایا ایلعب بکتاب اللہ و انا بین اظہرکم۔ اور سخت غصے میں کھڑے ہو گئے۔ یا ایک اور نے اپنی بیوی کو ہزار طلاق دے دی اور حضورؐ نے فرمایا بانت منه بثلاث فی معصیة اللہ تعالیٰ وبقی تسع مائة وسبع وتسعون ظلماً وعدواناً۔ ان شاء اللہ عذبه وان شاء غفرله۔ کیا یہ ظاہر نہیں کرتا کہ حضورؐ ایسے لوگوں کی عدم سمجھ پر غصہ فرما رہے تھے کہ یہ کتاب اللہ میں بیان کردہ تین طلاق کا مطلب ہی نہیں سمجھے۔ ورنہ ہزار طلاق کا مطلب کیا؟ اسی طرح رُکانہ بن عبد یزید کے معاملہ میں حضورؐ نے پوچھا کہ کیا اس کی نیّت ایک ہی طلاق دینے کی تھی اور جب اس نے حلفاً کہا کہ ہاں تو حضورؐ نے اسے رجوع کا حق دے دیا۔

مودودی صاحب نے مانا ہے کہ طاؤس اور عکرمہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ بیک وقت تین طلاقیں دی جائیں تو صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور اس رائے کو امام ابن تیمیہؒ نے بھی اختیار کیا ہے ان کی رائے کا ماخذ یہ روایت ہے کہ ابوالصّہبا نے ابن عباس سے پُوچھا "کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلمؐ اور حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں اور حضرت عمرؓ کے ابتدائی دَور میں تین طلاقوں کو ایک قرار دیا جاتا تھا" انہوں نے کہا ہاں (بخاری و مسلم) لیکن یہ بات مودودی صاحب کے نزدیک کئی وجوہ سے قابلِ قبول نہیں کیونکہ بعد میں جو حضرت عمرؓ نے تین طلاق کو طلاق بائن قرار دے دیا ممکن نہ تھا کہ حضرت عمرؓ سنّت کے خلاف کوئی فیصلہ کرتے۔ اور کہ خود ابنِ عباس کا اپنا فتوے ایک نشستی تین طلاق کو طلاقِ بائن شمار کرنے کا ہی تھا۔ اوّلاً تو کسی بھی فتوے کے لئے اس مخصوص صورتِ حال کا علم ہونا ضروری ہے جس میں فتوے دیا گیا ہو۔ اور ثانیاً اگر بالفرض حضرت عمرؓ نے یک نشستی تین طلاق کو بائن قرار بھی دے دیا تو اسے دائمی حیثیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ کیا خود مودُودی صاحب نے نہیں کہا کہ:—

"ابتدائی دَور میں چونکہ لوگوں کے اندر دینی معاملات میں خیانت قریب قریب مفقود تھی اس لئے تین طلاق دینے والے کے اس بیان کو تسلیم کر لیا جاتا تھا کہ اس کی اصل نیّت ایک طلاق دینے کی تھی اور باقی دو طلاقیں محض پہلی طلاق پر زور دینے کے لئے اس کی زبان سے نکلی تھیں۔ لیکن حضرت عمرؓ نے جب دیکھا کہ لوگ پہلے جلد بازی کر کے تین تین طلاقیں دے ڈالتے ہیں اور پھر تاکید کا بہانہ کرتے ہیں تو انہوں نے اس بہانے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔"

(تفہیم القرآن جلد پنجم صفحہ ۵۶)

تعجب ہے کہ جب وہ حضرت عمرؓ سے خلافِ سنّت فیصلہ کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے تو پھر کس طرح خود ہی دوسرے لمحے حضرت عمرؓ کے ایک ایسے ہی عمل کو بیان کر رہے ہیں جس میں انہوں نے لوگوں کے اس قول کو ماننے سے انکار کر دیا جس کو حضور قبول کرتے رہے دل کا حال تو اللہ تعالےٰ ہی جانتا ہے۔ عمومی طور پر تو شریعت ظاہر پر ہی فیصلہ کرتی ہے۔ اگر محض تین طلاق کے الفاظ ایک نشست میں طلاق بائن کا حکم رکھتے ہیں تو پھر اصل نیت کا کیا مقام رہ جاتا ہے اور یہ کیسے قبول کیا جا سکتا ہے کہ باقی دو لفظوں کا تکرار محض زور دینے کے لئے تھا؟ صاف ظاہر ہے کہ جب حضورؐ نے اس بات کو قبول کیا ہے کہ محض تکرار لفظی کسی صورتِ حال کو واقع نہیں کر سکتی جب تک کہ نیت میں وہ مقصد نہ ہو تو پھر ہمیں کیا حق ہے کہ ہم ظاہری قول کو قبول نہ کریں اور یہ کہکر کہ لوگوں کی دینی حالت اب پہلے سی نہیں رہی ہر کس و ناکس پر ایک ہی حکم نافذ کر دیں۔ پھر یہ بھی

تو دیکھئے کہ تین طلاق آخر شریعت میں رکھی کیوں گئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب بھی زوجین کی باہمی رنجش کا نتیجہ خاوند کی طرف سے طلاق کے اعلان میں ہوگا اس وقت خاوند نفسیاتی طور پر بیوی کو اپنے سے قطعی طور پر جُدا ہی کرنے کا ارادہ رکھتا ہوگا۔ اگر اُس کی نیت رجعت کی ہوگی اور بیوی کو بھی علم ہو کہ یہ تو محض ڈراوا ہی ڈراوا ہے تو اس صورتِ حال کے درست ہونے کے بعد میں کسی نفسیاتی تبدیلی کے نتیجے میں رجوع کرنے کا کوئی مقام ہی نہیں رہتا۔ کیونکہ اُس نفسیاتی کیفیت میں جب خاوند اپنی بیوی کو طلاق جیسے اقدام کا سزاوار سمجھتا ہو وہ اگر پچاس بار بھی لفظ طلاق دہرا دے تو ممکن ہے۔ جبھی تو مودودی صاحب نے ایسے واقعات کا ذکر کیا ہے کہ "ایک ایسے شخص نے حضرت عثمان رض سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاق دی ہے۔ حضرت علی رض سے ایک اور نے ایسا ہی کہا تو حضرت علی رض نے کہا کہ تین طلاق سے تو وہ تجھ سے جُدا ہوگئی باقی طلاقوں کو اپنی دوسری عورتوں پر تقسیم کرتا پھر" (تفہیم القرآن جلد پنجم صفحہ ۵۵۶) کیا کوئی آدمی حضرت علی رض کے اس قول سے وہ مفہوم لے سکتا ہے جو مودودی صاحب چاہتے ہیں۔ کیا اس شخص کی باقی عورتیں بھی اس فعل کے نتیجے میں طلاق شدہ مانی جائیں ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر رض نے تعزیراً ایسا کیا ہو کہ یک نشستی تین طلاق کو طلاق بائن قرار دے دیا۔ لیکن حضرت علی رض۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رض حضرت زبیر بن العوام اور حضرت عبداللہ بن عباس رض نے اسے ایک ہی طلاق قرار دیا (المدخل لدراسۃ الفقہ الاسلامی لدکتور محمد یوسف موسیٰ صفحہ ۴۴) اور امام ابنِ تیمیہؒ نے بھی ایسا مانا جو خود مودودی صاحب کو تسلیم ہے۔

معجزات اور نشانات کی بحث میں مودودی صاحب کا موقف بہت کچھ اُلجھ سا گیا ہے۔ وہ ایک طرف تو روایت کی پیروی کرتے دکھائی دیتے ہیں اور دوسری طرف معجزات اور نشانات کے صدور کو اس اصلاحی سکیم سے یکسر خارج بھی سمجھتے ہیں جس کے تحت نبی اپنے دَور کے مخاطبوں اور اپنے معاصرانہ سماج کو بدلنے کی سعی کرتے ہیں۔ وہ ان تمام لوگوں کو جو معجزہ یا نشان کی تاویل کرتے ہیں یہ کہتے ہیں کہ بہتر یہی ہے کہ تم سرے سے قرآن ہی کا انکار کر دو:۔

"معجزات کے باب میں اصل فیصلہ کُن سوال صرف یہ ہے کہ آیا اللہ تعالےٰ نظام کائنات کو ایک قانون پر چلا دینے کے بعد معطل ہو چکا ہے اور اب اس چلتے ہوئے نظام میں کبھی کسی موقع پر مداخلت نہیں کر سکتا۔؟ یا وہ بالفعل اپنی سلطنت کی زمام تدبیر و انتظام اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے اور ہر آن اس کے احکام اس سلطنت میں نافذ ہوتے ہیں اور اس کو ہر وقت اختیار حاصل ہے کہ اشیاء کی شکلوں اور واقعات کی عادی رفتار میں جزئی طور پر یا کلّی طور پر جیسا چاہے اور جب چاہے تغیّر کر دے؟ جو لوگ اس سوال کے جواب میں پہلی بات کے قائل ہیں ان کے لئے معجزات کو تسلیم کرنا غیر ممکن ہے کیونکہ معجزہ نہ اُن کے تصورِ خدا سے میل کھاتا ہے اور نہ تصورِ کائنات سے۔ لیکن ایسے لوگوں کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ قرآن کریم کی تشریح و تفسیر کرنے کے بجائے اس کا صاف صاف انکار کر دیں"

(تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ ۶۶)

یعنی ضروری ٹھہرا کہ قرآن پر ایمان لانے کے لئے معجزوں پر اسی طرح ایمان لایا جائے جس طرح کہ کوئی ایک صاحب اُن کا صادر ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ یہ تو ایک انتہا پسندانہ مُوقف ہے۔ لیکن مودودی صاحب صرف ایسے لوگوں کے بارے میں ہی اتنے متشدّد نہیں جو اشیاء کی عادی شکلوں یا واقعات کی عادی رفتار میں اب اللہ تعالےٰ کے جزئی یا کلّی دخل کو غیر ضروری سمجھ کر معجزوں کی ضرورت کے قائل نہیں رہے۔ بلکہ وہ ان لوگوں کو بھی گوارا نہیں کرتے جو معجزوں اور نشانات کی کوئی ایسی تشریح کرتے ہوں جو اُن کی خرقِ عادت حیثیت کو بدل دیتی ہو:۔

"ایسے نشانات یا معجزات کو جو لوگ قوانین فطرت کے تحت صادر ہونے والے عام واقعات قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں وہ درحقیقت کتاب اللہ کو ماننے اور نہ ماننے کے درمیان ایک ایسا موقف اختیار کرتے ہیں جو کسی طرح معقول نہیں سمجھا جا سکتا۔ اس لئے کہ قرآن جس جگہ صریح طور پر خارق عادت واقعہ کا ذکر کر رہا ہو وہاں سیاق و سباق کے بالکل خلاف ایک عادی واقعہ بنانے کی جد و جہد محض ایک بھونڈی سخن سازی ہے جس کی ضرورت صرف ان لوگوں کو پیش آتی ہے جو ایک طرف تو کسی ایسی کتاب پر ایمان لانا نہیں چاہتے جو خارق عادت واقعات کا ذکر کرتی ہو اور دوسری طرف آبائی مذہب کے پیدائشی معتقد ہونے کی وجہ سے اس کتاب کا انکار بھی نہیں کرنا چاہتے جو فی الواقع خارق عادت واقعات کا ذکر کرتی ہے۔"

(تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ ۶۵)

اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ محض اس وجہ سے کہ وہ لوگ ان مقامات کی تشریح مودودی صاحب کے مفہومِ معجزہ سے مختلف کرتے ہیں اس لئے قرآن پاک کو چھوڑ دیں۔ یہ تحریص ہمارے لئے ناقابلِ فہم ہے۔ وہ لوگ بھی تو خدا تعالےٰ کی قدرتِ کاملہ سے انکاری نہیں۔ ان کا تو صرف یہ موقف ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے بنائے ہوئے قوانین کو نہیں توڑتے۔ قانون بھی تو آخر انہی کا بنا ہوا ہے کیا وہ اپنی جگہ پر کچھ کم حیرت انگیز ہے؟

وہ لوگ جو معجزات یا نشانات کو قوانین الٰہی ہی کا ایک ان دیکھا یا ان سُنا یا ان ہی کے تحت بسا اوقات ہو جانے والا ظہور قرار دیتے ہیں جو کسی نبی کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے خدائے پاک کے حکم سے اُس مخصوص ظہورِ معجزہ کے وقت الٰہی قوانین کے تحت صادر ہوگیا تو یہ ان کی ایک تفسیری تشریح ہی تو ہے ظہورِ نشان یا معجزہ سے اس طرح تو وہ بھی انکاری نہیں ہوتے۔ ان پر ناراض ہو کر انہیں سرے سے ہی قرآن چھوڑ دینے کی ترغیب دلانا ہمارے نزدیک درست نہیں۔

لیکن یہ بھی تو سوچئے کہ آخر یہ معجزات اور نشانات ہوتے کس لئے ہیں۔ مودودی صاحب فرماتے ہیں:۔

"پیغمبروں نے جب کبھی اپنے آپ کو فرستادۂ ربّ العالمین کی حیثیت سے پیش کیا تو لوگوں نے اُن سے یہی مطالبہ کیا کہ اگر تم واقعی ربّ العالمین کے نمائندے ہو تو تمہارے ہاتھوں سے کوئی ایسا واقعہ ظہور میں آنا چاہیئے جو قوانین فطرت کی عام روش سے ہٹا ہوا ہو اور جس سے ظاہر ہو رہا ہو کہ ربّ العالمین نے تمہاری صداقت ثابت کرنے کے لئے اپنی براہِ راست مداخلت سے یہ واقعہ نشانی کے طور پر صادر کیا ہے۔ اس مطالبہ کے جواب میں انبیاء نے وہ نشانیاں دکھائی ہیں جن کو قرآن کی اصطلاح میں معجزات کہا جاتا ہے" (ایضاً۔ صفحہ ۶۵)

چناں چہ اس کا مقصد یہ ہوا کہ معجزات پیغمبروں کے ادراقِ اعتماد کی حیثیت سے پیش کئے گئے۔ لیکن:۔

"صلی اللہ علیہ وسلم جب دیکھتے تھے کہ اس قوم کو سمجھاتے سمجھاتے مُدتیں گذر گئی ہیں اور کسی طرح یہ راستی پر نہیں آتی تو بسا اوقات آپ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی تھی کہ کاش کوئی نشانی خدا کی طرف سے ایسی ظاہر ہو جس سے ان لوگوں کا کُفر ٹوٹے اور

یہ میری صداقت تسلیم کر لیں۔ آپ کی اس خواہش کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بے صبری سے کام نہ لو جس ڈھنگ اور جس ترتیب و تدریج سے ہم اس کام کو چلوا رہے ہیں اس پر صبر کے ساتھ چلے جاؤ۔ معجزوں سے کام لینا ہوتا تو کیا ہم خود نہ لے سکتے تھے۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ جس فکری و اخلاقی انقلاب اور جس مدنیت صالحہ کی تعمیر کے کام پر تم مامور کئے گئے ہو اسے کامیابی کی منزل تک پہنچانے کا صحیح راستہ یہ نہیں ہے۔ تاہم اگر لوگوں کے موجودہ جمود اور ان کے انکار کی سختی پر تم سے صبر نہیں ہوتا اور تمہیں گمان ہے کہ اس جمود کو توڑنے کے لئے کسی محسوس نشانی کا مشاہدہ کرانا ضروری ہے تو خود زور لگاؤ اور تمہارا بس چلتا ہو تو زمین میں گھس کر یا آسمان پر چڑھ کر کوئی ایسا معجزہ لانے کی کوشش کرو جسے تم سمجھو کہ یہ بے یقینی کو یقین میں تبدیل کر دینے کے لئے کافی ہوگا مگر ہم سے امید نہ رکھو کہ ہم تمہاری یہ خواہش پوری کریں گے کیونکہ ہماری اسکیم میں اس تدبیر کے لئے کوئی جگہ نہیں"

(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ ۵۳۶ - ۵۳۵)

یہ تو تھا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے احترام میں جواب اب عمومی طور پر کہا گیا ہے کہ:—

"اللہ تعالےٰ محض اپنی قدرت قاہرہ کے زور سے افکار فاسد کو مٹا کر لوگوں میں فکر صالح پھیلا دے اور تمدن فاسد کو نیست نابود کر کے مدنیت صالحہ تعمیر کر دے تو ایسا ہرگز نہیں ہوگا کیونکہ یہ اللہ کی حکمت کے خلاف ہے جس کے تحت اس نے انسان کو دنیا میں ایک ذمہ دار مخلوق کی حیثیت سے پیدا کیا...... اور اس کی سعی کے مطابق جزا اور سزا دینے کے لئے فیصلہ کا ایک وقت مقرر کر دیا" (ایضاً صفحہ ۵۳۶)

یعنی اصولی طور پر بھی خدا تعالےٰ اپنی قوت قاہرہ کو مدنیت صالحہ کے برپا کرنے کو استعمال نہیں کرتے کیونکہ یہ اللہ کی حکمت کے خلاف ہے — صرف یہی نہیں بلکہ نشانات کے عدم ظہور پر فرماتے ہیں:—

"یعنی نشانیوں کے نہ دکھانے کی اصل وجہ یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دکھانے پر قادر نہیں ہے بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ ان طریقوں سے کام لینا اللہ کی مصلحت کے خلاف ہے اس لئے کہ اصل مقصود تو ہدایت ہے نہ کہ ایک نبی کی نبوت منوا لینا اور ہدایت کے بغیر ممکن نہیں کہ لوگوں کی فکر و بصیرت کی اصلاح ہو۔" (تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ ۲۶)

"اس کے ساتھ یہ بات اور سمجھ لینی چاہیئے کہ یہ جو اللہ تعالیٰ دشمنان حق کی مخالفانہ کاروائیوں کا ذکر کرتے ہوئے اپنی مشیت کا بار بار حوالہ دیتا ہے اس سے مقصود در اصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپؐ کے ذریعہ اہل ایمان کو یہ سمجھانا ہے...... کہ تمہارا کام شریروں اور باغیوں کے مقابلہ میں اللہ کے پسند کردہ طریقہ کو غالب کرنے کے لئے جد و جہد کرنا ہے...... تمہیں باطل پرستوں کے مقابلہ میں سخت کشمکش اور جد و جہد کر کے اپنے حق پرستی کا ثبوت دینا ہوگا ورنہ معجزوں کے زور سے باطل کو مٹانا اور حق کو غالب کرنا ہوتا تو تمہاری ضرورت ہی کیا تھی؟" (تفہیم القرآن جلد اول۔ صفحہ ۵۷۴)

اب مندرجہ ذیل تحریرات کو دوبارہ پڑھ لیجئے۔ ان میں یہی تو کہا گیا ہے نا کہ

(ا) معجزات۔ خارق عادت کا ظہور ہوتا ہے

(ب) جو ان سے انکاری ہیں انہیں قرآن ہی کا انکار کر دینا چاہیئے۔

(ج) جو ان کی تاویل میں انہیں عام قوانین الٰہی کے تحت صادر ہونے والے عام واقعات بتانے کی کوشش کرتے ہیں وہ بھونڈی سخن سازی کے مرتکب ہیں۔

لیکن

(ھ) معجزہ نمائی کی ہماری اسکیم میں کوئی جگہ نہیں

(د) اللہ تعالےٰ اپنی قدرت قاہرہ کو مدنیت صالحہ کی تعمیر کی تائید میں نہیں لاتا کیونکہ یہ اللہ کی حکمت کے خلاف ہے۔

(ز) وہ نشانیاں نہیں دکھاتے کیونکہ ان طریقوں سے کام لینا ان کی مصلحت کے خلاف ہے۔

ایک طرف

(م) معجزہ در اصل نبیوں کو فرستادہ رب العالمین ثابت کرنے کی رب العالمین کی طرف سے براہ راست مداخلت تھی۔

لیکن دوسری طرف

(ل) اللہ تعالیٰ نشانیاں اسی لئے نہیں دکھاتے کہ اصل مقصود تو ہدایت ہے نہ کہ نبی کی نبوت منوانا

اب ان میں سے کونسی حیثیت درست ہے وہ سمجھ میں نہیں آتا۔ مودودی صاحب کا ان لوگوں کے بارے میں دیا گیا یہ فیصلہ جو نشانات کو قوانین فطرت کے تحت صادر ہونے والے عام واقعات دکھانے کی کوشش کرتے ہیں ان لوگوں کی نیک نیتی اور مسلمان کہلانے پر اصرار کے مقابل سخت زیادتی ہے۔ جب تک ہمارے پاس کوئی ثبوت موجود نہ ہو کہ ایسا ماننے والے محض آبائی عصبیت کے سبب اس کتاب کو مانتے چلے جا رہے ہیں یا دل و دماغ سے غور کرنے کے بعد بھی وہ اس کتاب کے قائل ہیں۔ ہمارا ان کو آبائی عصبیت پر متہم کرنا خود ہمارے بارے میں شکوک و شبہات کو پیدا کر سکتا ہے۔ آخر مودودی صاحب بھی تو خوارق کے وجود کو محض اعتقاداً ہی مان رہے ہیں ورنہ انہوں نے خود نہ تو کوئی خوارق عادت بات ہوتی دیکھی ہے اور نہ ہی ان سے کوئی خارق عادت بات ظہور پذیر ہوئی ہے۔ اگر کوئی یہ کہدے کہ مودودی صاحب نے بھی تو ایمان اپنے آبائی مذہب کے باعث ہی خوارق پر لایا ہے تو مودودی صاحب کے پاس اس سے انکار کا کیا ثبوت ہوگا یہی نا کہ میں نے اس باب میں اپنی عقل کی روشنی سے معلوم کیا ہے کہ خارق عادت واقعات کا ہونا بعید از امکان نہیں۔ اگر یہی جواب ہے تو اس شخص کا جواب کیوں درست نہیں جو کہتا ہے کہ جس کو تم خارق عادت کہتے ہو میں اسے قوانین فطرت کے تحت ہونے والا واقعہ بتا سکتا ہوں۔ اب دونوں کا خارق عادت واقعہ کے وقوع سے استنباط اگر اسلام ہی کی حقانیت کو ثابت کرنا ہے تو پھر ایک کا عمل ممدوح اور دوسرے کا مذموم کیوں قرار دیا جائے۔ پھر ایک کو کیوں کہا جائے کہ وہ بھونڈی سخن سازی کا مرتکب ہے؟ جہاں تک ہمیں گمان ہے مودودی صاحب اب خارق عادت کے ظہور کے قائل نہیں۔ کیونکہ وہ انہیں صرف انبیاء کے لئے ایک خصوصی امتیاز قرار دیتے ہیں اور نبوت اب بند ہو چکی ہے۔ کہیئے کیا ایسی حالت میں آپ کا کسی دوسرے مسلمان کو خارق عادت کی تمام تر تشریح کرنے پر مطعون کرنا کہاں تک بجا ہے جبکہ آپ کا اپنا ایمان بھی خارق عادت پر محض سماعی اور قیاسی ہے نہ کہ علمی اور ذاتی۔

مودودی صاحب کے طرز استدلال کا ایک اور افسوسناک پہلو بھی ہے وہ اصرار کرتے ہیں کہ قرآن پاک کو ماننے والا مسلمان صرف اسی طور پر اس کے ترجمہ اور تفسیر کو قبول کرے جس طور سے اسے مودودی صاحب نے سمجھا ہے۔ اور اگر وہ اس کا کوئی اور مفہوم اپنی سمجھ کے تحت لے تو اس کے اسلام میں ہی شک ہے۔ یہ انتہاء پسندانہ جبریت جس کے تحت دوسروں کو اپنے ہی نکتہ نظر قبول کرنے پر مجبور کرنا یا اسے سرے سے ہی۔ اس گروہ

سے نکال پھینکنا جس کا فرد ہونے پر اسے اصرار ہو ہمارے لئے ناقابلِ قبول ہے۔ تعجب یہ ہے کہ اس قسم کا انتہا پسندانہ رویہ عموماً انہی لوگوں سے انہی لوگوں کے بارے میں صادر ہوتا ہے جو خود کو اسلام کا ترجمان کہتے ہیں اور جو اسلام پر عامل بھی ہوتے ہیں اور شدّت سے اسکا منجانب اللہ ہونا بھی تسلیم کرتے ہیں۔ چاہے ان کے ایمان کی بنیاد عقلیت ہو یا روایت پسندی۔ بہرحال اُن میں سے کسی کو اسلام سے باہر دھکیلنے کا یہ عجیب طریق تحکّم کسی بھی اچھے مسلمان کو نہ مرغوب ہو سکتا ہے نہ زیب دیتا ہے۔

ہمیں اس بات سے انکار نہیں کہ اللہ تعالےٰ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ یہ ان کی سلطنت ہے جس کے وہ حاکمِ کُل ہیں۔ جب وہ اتنے بڑے نظام کو عدم سے وجود میں لائے ہیں جس کی وسعت کی حد معلوم نہیں تو کیا وہ خارق عادت واقعات نہیں دکھا سکتے؟ ضرور دکھا سکتے ہیں۔ ہم معجزات اور کرامت کے قائل ہیں۔ لیکن ہمیں اختلاف اس بات سے ہے کہ مودودی صاحب قوانین فطرت کے حوالے سے معجزات کی تشریح کو ناجائز کیوں سمجھتے ہیں؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ خود اللہ تعالےٰ نے قوانینِ فطرت کی طرف بار بار انسان کی توجہ دلائی ہے اور اسے اس کی عظمت اور اس میں پنہاں تحیّر کا احساس دلایا ہے؟ بات یہ ہے کہ انسان روزہ مرّہ کی زندگی کے چلن سے ایسا عادی ہو چکا ہے کہ اسے اس میں کوئی خاص بات تحیّر انگیز محسوس نہیں ہوتی اُسے اس کائنات کے ازلی ابدی ہونے کا یقین سا ہو گیا ہے وہ اس کو حقیقت اور غیب کو واہمہ سمجھتا ہے وہ اگر خدا کا بھی قائل ہوا تو مادہ کے ازلی ابدی اور رُوحوں کی اقادیت کو بھی تسلیم کرنے لگا۔ یوں ایک ان کہی تثلیث نے اس کے ذہن میں پنجے گاڑ رکھے ہیں۔ یہ حقیقت جو ہمیں ظاہر نظر آتی ہے اللہ تعالےٰ نے اس کی طرف انسانوں کی توجہ شدّ و مدّ سے دلائی ہے اور بار بار کہا ہے کہ اگر غور کرو تو سب سے عجیب شئے تو یہ کائنات ہے۔ کیا یہ کسی معجزہ سے کم ہے؟ کیا کائنات کو اللہ تعالےٰ کے سوا کسی اور نے بنایا ہے کہ انسان اس عادی صورت حال میں کسی غیر عادی مداخلت کے ہونے سے ہی اللہ تعالےٰ کی ہستی یا اس کے فرستادوں کی صداقت کا قائل ہو سکے؟

قرآن پاک میں بنی اسرائیل کے بارے میں بعض واقعات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کے بعض انبیاء کے بعض اہم کارناموں ہی کا یا ان کی زندگیوں کے بعض ہی پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی۔ خود کتاب اللہ نے بعض واقعات کو قصص کہکر بیان کیا ہے۔ مودودی صاحب نے قرآن پاک کے اس طریق تخاطب کی تشریح میں لکھا ہے:۔

"جو لوگ قرآن کے اندازِ بیان سے اچھی طرح واقف نہیں ہوتے وہ بسا اوقات اس شبہ میں پڑ جاتے ہیں کہ شاید یہ سارا معاملہ بس ایک دو صحبتوں میں ختم ہو گیا ہوگا۔ نبی اُٹھا اور اس نے اپنا دعوےٰ پیش کیا۔ لوگوں نے اعتراضات کئے اور نبی نے ان کا جواب دیا لوگوں نے جھٹلایا اور اللہ نے عذاب بھیج دیا۔ حالانکہ فی الحقیقت جن واقعات کو یہاں سمیٹ کر چند سطروں میں بیان کر دیا گیا ہے وہ ایک نہایت طویل مُدّت میں پیش آئے تھے۔

قرآن کا یہ مخصوص طرز بیان ہے کہ وہ قصّہ گوئی کی خاطر نہیں کرتا بلکہ سبق آموزی کے لئے کرتا ہے اس لئے ہر جگہ تاریخی واقعات کے بیان میں وہ قصّے کے صرف ان اجزاء کو پیش کرتا ہے جو اس کے مقصد و مُدّعا سے کوئی تعلق رکھتے ہیں باقی تمام تفصیلات کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ پھر اگر کسی قصّہ کو مختلف مواقع پر مختلف اغراض کے لئے بیان کرتا ہے تو ہر جگہ مقصد کی مناسبت سے تفصیلات بھی مختلف طور پر پیش کرتا ہے"۔ (تفہیم القرآن جلد دوم۔ صفحہ ۴۳-۴۲)

یہی نہیں بلکہ بعض جگہوں پر دلائل میں بھی تفصیل میں جانا ضروری نہیں سمجھا گیا بلکہ درمیانی حصص کو ترک کر کے انہیں سامع کے ذہن پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ مثلاً بعث بعد الموت کے بارے میں سورۃ السجدہ میں اللہ تعالےٰ نے لوگوں کا اعتراض نقل کیا ہے کہ وَقَالُوا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ۔ مودودی صاحب نے اس پر حاشیہ لکھا ہے:۔

"اُوپر کے فقرے اور اس فقرے کے درمیان پوری ایک داستان کی داستان ہے جسے سامع کے ذہن پر چھوڑ دیا گیا ہے۔"

(تفہیم القرآن جلد چہارم ص۴۲)

اسی طرح قرآن پاک کی زبان میں بھی بعض باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ایک جگہ وہ لفظ محض لغوی طور پر استعمال ہو جو دوسری جگہ اصطلاحاً آ جائے اور پھر اصطلاحاً بھی ایک عمومی اصطلاح ہو سکتی ہے جو تمام لوگوں میں مروّج ہو یا پھر قرآن پاک نے خود اس اصطلاح کو وضع کیا ہو اور وہ ان خاص معنوں میں مستعمل ہو رہی ہو۔ اس لئے وہاں اسے لغوی معنوں میں لینا یقیناً اس مفہوم کی ترجمانی نہیں ہوگی جو کہ قرآن کا مقصود ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"پھر ایک بات یہ بھی کہ قرآن اگرچہ عربیٔ مبین میں نازل ہوا ہے لیکن اس کے ساتھ وہ اپنی ایک مخصوص اصطلاحی زبان بھی رکھتا ہے اس نے بکثرت الفاظ کو ان کے اصل لغوی معنی سے ہٹا کر ایک خاص معنی میں استعمال کیا ہے اور بہت سے ایسے الفاظ ہیں جن کو وہ مختلف مواقع پر مختلف مفہومات میں استعمال کرتا ہے۔ پابندیٔ لفظ کے ساتھ جو ترجمے کئے جاتے ہیں ان میں اس اصطلاحی زبان کی رعایت ملحوظ رکھنا بہت مشکل ہے اور اس کے ملحوظ نہ رہنے سے بسا اوقات ناظرین طرح طرح کی اُلجھنوں اور غلط فہمیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں"۔ (تفہیم القرآن جلد اوّل ص۱)

لیکن ہمیں ایسا محسوس ہوا ہے کہ خود مودودی صاحب نے بھی اوپر بیانکردہ اُصولوں کو بعض جگہوں پر ملحوظ نہیں رکھا۔ نہ صرف یہ بلکہ اُن لوگوں کے لئے بہت سخت لفظ استعمال کئے ہیں جو مودودی صاحب کی ان مقام پر اختیار کردہ تشریح یا تفسیر سے اختلاف کرتے ہیں حالانکہ ان کی اساسِ اختلاف کچھ اسی نوعیت کی ہے جس کا حدود اربعہ خود مودودی صاحب نے اُوپر بیان کر دیا ہے۔

ہم نے مودودی صاحب کے بیان کردہ اُصول اس لئے اُوپر درج کر دیئے ہیں کہ جب ہم متعلقہ مقامات پر ان اصُولوں کی روشنی میں مودودی صاحب کی اپنی تشریحات کا موازنہ کریں تو بات صاف ہو سکے۔ (باقی۔ باقی)

## تقریبِ مُلاقات

محترم مولانا محمد یحییٰ بٹ صاحب مبلغ اسلام برلن (جرمنی) کی پاکستان تشریف آوری کے موقع پر مقامی جماعت احمدیہ لاہور بتاریخ ۲۰ فروری ۷۶ء بعد از نماز جمعہ مسجد دار السلام میں آپ کے اعزاز میں استقبالیہ کا اہتمام کر رہی ہے۔ جس میں جناب مولانا موصوف یورپ میں جماعتی سرگرمیوں کے بارہ میں اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں گے۔ آپ کی تقریر کے بعد وقفہ سوالات بھی ہوگا اور اجلاس کے اختتام پر جملہ حاضرین کو چائے پیش کی جائے گی۔ جملہ احباب سے استدعا ہے کہ وہ اس دینی اجتماع میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں شرکت فرما کر اپنے ایمان کو تازہ کریں۔ الداعی الی الخیر (چوہدری) نذر رب۔ سیکرٹری مقامی جماعت احمدیہ لاہور

مرتبہ مولوی محمد علی صاحب مبلغ ڈیرہ غازی خاں

# مقامِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

## تائید و نصرت میں سب نبیوں سے بڑھ کر

## آنحضرت صلعم کی تائید و نصرت کی پیشگوئی

(گذشتہ سے پیوستہ)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک سورۃ بھیجکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عُلو اور مرتبہ ظاہر کیا ہے اور وہ سورۃ ہے۔ الم تر کیف فعل ربك باصحاب الفيل۔ یہ سورۃ اس حالت کی ہے کہ جب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مصائب اور دُکھ اُٹھا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس حالت میں آپ کو تسلی دیتا ہے کہ مَیں تیرا مؤید و ناصر ہوں۔ اس میں ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے کہ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے ربّ نے اصحاب الفیل کے ساتھ کیا کیا۔ یعنی ان کا مکر اُلٹا کر اُن پر ہی مارا اور چھوٹے چھوٹے جانور ان کے مارنے کے لئے بھیجدیئے۔ ان جانوروں کے ہاتھوں میں کوئی بندوقیں نہ تھیں بلکہ مٹی تھی سجّیل بھیگی ہوئی مٹی کو کہتے ہیں۔ اس سورۃ شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خانہ کعبہ قرار دیا ہے اور اصحاب الفیل کے واقعہ کو پیش کرکے آپ کی کامیابی اور تائید اور نصرت کی پیشگوئی کی ہے[1]

### نصرت اور تائید خدا تعالیٰ کے مقرب کا بہت بڑا نشان ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیخکنی کے لئے قریش نے کس قدر زور لگایا۔ وہ ایک قوم تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تن تنہا۔ مگر دیکھو! کون کامیاب ہوا، اور کون نامراد رہے۔ نصرت اور تائید خدا تعالیٰ کے مقرب کا بہت بڑا نشان ہے[2]

### آنحضرت کا وجود از سرتا پا نشاناتِ الٰہی کا پُتلا تھا

کوئی نبی، کوئی مامور دنیا میں ایسا نہیں آیا جس کے ساتھ تائیداتِ الٰہی شامل نہ ہوں۔ اور یہ تائیدات اور نشانات ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت پُر شوکت اور پُر قوت تھے۔ آپ کے حرکات سکنات میں کلام میں نشانات تھے۔ گویا آپ کا وجود از سرتا پا نشاناتِ الٰہی کا پُتلا تھا۔ جس قدر خداوند قادرِ مطلق نے تمام دنیا کے مقابلہ پر، تمام مخالفوں کے مقابلہ پر، تمام دشمنوں کے مقابلہ پر، تمام منکروں کے مقابلہ پر، تمام دولتمندوں کے مقابلہ پر، تمام زور آوروں کے مقابلہ پر، تمام بادشاہوں کے مقابلہ پر، تمام حکیموں کے مقابلہ پر، تمام فلاسفروں کے مقابلہ پر، تمام اہلِ مذہب کے مقابلہ پر ایک عاجز و ناتوان، بے زر، بے زور ایک اُمّی ناخواں، بے علم، بے تربیت کو اپنی خداوندی کے کامل جلال سے کامیابی کے وعدے دیئے ہیں۔ کیا کوئی ایماندار اور حق کے طالبوں میں سے شک کر سکتا ہے کہ یہ تمام مواعید کہ جو اپنے وقتوں پر پُورے ہو گئے اور ہوتے ہیں۔ یہ کسی انسان کا کام ہے۔

دیکھو ایک غریب اور تنہا اور مسکین نے اپنے دین کے پھیلنے کے اور اپنے مذہب کی جڑھ پکڑنے کی اس وقت خبر دی کہ جب اُس کے پاس چند بے سامان درویشوں کے اور کچھ نہ تھا۔ اور تمام مسلمان صرف اس قدر تھے کہ ایک چھوٹے سے حجرہ میں سما سکتے تھے اور اُنگلیوں پر نام بنام گنے جا سکتے تھے جن کو ایک گاؤں کے چند آدمی ہلاک کر سکتے تھے۔ جن کا مقابلہ ان لوگوں سے پڑا تھا کہ جو دنیا کے بادشاہ اور حکمران تھے اور جن کو اُن قوموں کے ساتھ سامنا پیش آیا تھا کہ جو باوجود کروڑہا مخلوقات ہونے کے ان کے ہلاک کرنے اور نیست و نابود کرنے پر متفق تھے۔ مگر اَب دنیا کے کناروں تک نظر ڈال کے دیکھو کہ کیونکر خدا نے انہیں ناتوان اور قدر قلیل لوگوں کو دنیا میں پھیلا دیا۔ اور کیونکر اُن کو طاقت اور دولت اور بادشاہت بخش دی اور کیونکر ہزارہا سال کی تخت نشینیوں کے تاج اور تخت ان کے سپُرد کئے گئے۔ ایک دن وہ تھا کہ وہ جماعت اتنی بھی نہیں تھی کہ جس قدر ایک گھر کے آدمی ہوتے ہیں اور اَب وہی لوگ کئی کروڑ دنیا میں نظر آتے ہیں[4] یہی سچائی کی ایک زبردست دلیل ہے جو دنیا کے تمام نبیوں سے زیادہ ہمارے سیّد و مولیٰ ہمارے محترم آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی ہے کیونکہ وہ اقبال اور عزت اور خدا کی مدد اور نصرت جو ان کو ملی وہ کسی اور نبی کو حاصل نہیں ہوئی[5]

### خُدائی تائید و نصرت

کیا یہ حیرت انگیز ماجرا نہیں کہ ایک بے زر، بے زور، بے کس، اُمّی، یتیم، تنہا، غریب ایسے زمانہ میں کہ جس میں کہ ہر ایک قوم پوری پوری طاقت مالی اور فوجی اور علمی رکھتی تھی۔ ایسی روشن تعلیم لایا کہ اپنی براہین قاطعہ اور حُجج واضحہ سے سب کی زبان بند کر دی اور بڑے بڑے لوگوں کو جو حکیم بنے پھرتے تھے اور فیلسوف کہلاتے تھے، فاش غلطیاں نکالیں اور پھر باوجود بے کسی اور غریبی کے زور بھی ایسا دکھایا کہ بادشاہوں کو تختوں سے گرا دیا اور اُن تختوں پر غریبوں کو بٹھا دیا۔ اگر یہ خدائی تائید نہیں تھی اور کیا تھی۔ کیا تمام دنیا پر عقل اور علم اور طاقت اور زور میں غالب آ جانا بغیر تائید الٰہی کے بھی پیدا ہوا کرتا ہے۔

خیال کرنا چاہیئے کہ جب آنحضرت صلعم نے پہلے پہل مکّے کے لوگوں میں منادی کی کہ میں نبی ہوں۔ اُس وقت ان کے ہمراہ کون تھا اور کس بادشاہ کا خزانہ ان کے قبضہ میں آگیا تھا کہ جس پر اعتماد کرکے ساری دنیا سے مقابلہ کرنے کی ٹھہر گئی یا کونسی فوج اکٹھی کر لی تھی کہ جس پر بھروسہ کرکے تمام بادشاہوں کے حملوں سے امن ہو گیا تھا۔ ہمارے مخالف بھی جانتے ہیں کہ اس وقت آنحضرت صلعم زمین پر اکیلے اور بے کس اور بے سامان تھے۔ صرف اُن کے ساتھ خدا تھا[6] پھر دیکھنا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے کیسے بچا لیا۔ دشمنوں کے بیچ میں سے گذر گئے اور ان کے سر پر خاک ڈال گئے مگر ان کو نظر نہ آ سکے۔ پھر مخالف لوگ بمدد ایک سراغ شناس کے اس غار تک پہنچے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مخفی تھے۔ مگر اس جگہ بھی خدا تعالیٰ نے دشمنوں کو اندھا کر دیا اور وہ دیکھ نہ سکے پھر ایک نے ان میں ایسے وقت میں خبر پاکر تعاقب کیا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے راہ میں جا رہے تھے مگر وہ اور اس کا گھوڑا ایسے طور سے زمین پر گرے کہ وہ سمجھ گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حق پر ہیں اور خدا ان کے ساتھ ہے۔

ایسا ہی خسرو پرویز نے جب آپ صلعم کو گرفتار کرنا چاہا تو ایک ہی

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۲)

۱؎ الحکم ۱۷ر جولائی ۱۹۰۱ء۔ ۲؎ بدر ۱۷ر جنوری ۱۹۰۷ء

۳؎ الحکم ۲۴ر جولائی ۱۹۰۲ء۔

۴؎ براہین احمدیہ صفحہ ۲۴۲-۲۴۴ حاشیہ ۱۱۔ ۵؎ چشمۂ معرفت صفحہ ۷

۶؎ براہین احمدیہ حصہ دوم صفحہ ۱۲۷

# جماعت میں تنظیم کا مقام

## تقریر زاہد جنجوعہ - برموقعہ جلسہ سالانہ
## مؤرخہ ۲۶ر دسمبر ۱۹۷۵ء نشست شبان الاحمدیہ

تعارف: عزیز زاہد جنجوعہ ہمارے محترم راجہ محمد افضل صاحب کے صاحبزادہ ہیں - آپ ایف - ایس - سی (پری میڈیکل) کے طالبعلم اور تنظیم شبان الاحمدیہ مرکزیہ کے جائنٹ سیکرٹری ہیں - (اپنے والد نامدار کی مانند اسلام و احمدیت کے ساتھ ایک خاص عشق رکھتے ہیں - جس کی جھلک قارئین کرام کو ان کی درج ذیل تقریر میں نظر آئے گی -

جماعتی زندگی میں تنظیم کے بغیر کامیابی محال ہے - اسی لئے کسی بھی جماعتی نظام میں مرکز بنیادی حیثیت کا حامل ہوتا ہے اور جماعتی ترقی کے لئے مرکزیت اجتماعیت ایک خاص مقام رکھتی ہے - لیکن اس کے ساتھ ساتھ جماعتی زندگی میں افراد کی اہمیت بھی مسلّم ہے - کیونکہ

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملّت کے مقدّر کا ستارا

جب تک ایک فرد اپنے معاشرے میں ایک جزو کی حیثیت سے زندگی گذارتا ہے تو اس کا وجود اپنی جگہ ایک اہمیت رکھتا ہے - لیکن جب وہی فرد قوم یا جماعت سے رابطہ منقطع کر لیتا ہے تو پھر وہ اپنی مخصوص قوّتِ جاذبہ کھو بیٹھتا ہے اور دوسروں کو متاثر نہیں کر سکتا - بقول شاعر

ع فرد قائم ربط ملّت سے ہے تنہا کچھ نہیں

روز مرّہ زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ کسی بھی کام کو منظم شکل و صورت میں انجام دیا جائے تو اس کی قدر و قیمت دوبالا ہو جاتی ہے - پھول الگ الگ بھی ہماری طبیعت پر خوشگوار اثر ڈالتے ہیں - لیکن اگر انہی منتشر گلہائے رنگا رنگ کو گلدستے کی صورت میں سجا دیا جائے تو ان کی جاذبیت میں اضافہ ہو جاتا ہے -

انسانی زندگی کا کوئی پہلو بھی نظم و ضبط سے خالی نہیں - خود ہمارا وجود بھی تنظیم کی ایک واضح مثال ہے - ہمارے وجود میں مختلف نظام پائے جاتے ہیں مگر ان سب میں بڑا گہرا ربط و ضبط پایا جاتا ہے -

عالم نباتات میں ایک درخت کو ہی لیجئے - اس میں جڑ - تنا - شاخیں پتے - پھول اور پھل ہوتے ہیں - ان سب میں ایک تعلّق اور تعاون پایا جاتا ہے - درخت کی زندگی کا دار و مدار اس کی جڑ پر ہوتا ہے میں تو کہوں گا - کہ ع پیوستہ رہ شجر سے اُمید بہار رکھ

آپ نے فرمایا میں اس وقت جن الفاظ میں آپ سے مخاطب ہوں یہ تمام خیالات اور الفاظ بکھری ہوئی صورت میں میرے ذہن میں موجود تھے مگر میں نے انہیں یکجا کر کے ایک مضمون کی صورت دے دی - اگر میں اپنے بکھرے ہوئے خیالات کو منظم صورت نہ دیتا تو آپ کبھی بھی محسوس نہ کر سکتے کہ میرے خیالات کیا ہیں - میرے جذبات کیا ہیں اور میرے احساسات آپ میرے انداز سوچ سے اس صورت میں واقف ہوئے ہیں کہ آپ نے میرے خیالات کی منظم شکل ایک مضمون کی صورت میں سُنی -

• جماعتی زندگی میں اتحاد باہمی کی اشد ضرورت ہوتی ہے یہ وہ فلسفۂ حیات تھا جس پر عمل پیرا ہو کر ایک مٹھی بھر مجاہدین اسلام کی جماعت صحرائے عرب سے اُٹھ کر کُرۂ ارض کے چپے چپے پر چھا گئی -

مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری + تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا

یہ اتحادِ باہمی رابطہ سے پیدا ہوتا ہے - اگر ربط باہمی کی مثال دیکھنا چاہیں تو ان ذراتِ خاکی میں دیکھیں ایک ذرّہ خاکی کتنا حقیر اور ناقابلِ التفات سمجھا جاتا ہے - مگر جب یہی ذرّہ کسی آندھی اور طوفان کا جزو بنتا ہے تو پھر قیامت برپا کر دیتا ہے - بڑے بڑے اور تناور درخت جڑوں سے اکھڑ جاتے ہیں - اور بلند و بالا عمارات مٹی کا ڈھیر ہو جاتی ہیں - قطرۂ آب اپنی انفرادی حیثیت میں کس قدر حقیر اور بے حیثیت شئے ہے مگر جب یہی حقیر سا قطرہ کسی طوفان کا جزو بنتا ہے تو پھر لاکھوں من وزنی جہاز اس کے خوفناک تھپیڑوں سے پناہ مانگتے ہیں -

یہ کائنات بھی باہمی اتفاق و اتحاد اور مرکزیت کی بنیاد پر قائم ہے یہ نظامِ شمسی اس لئے قائم ہے کہ تمام سیارے ایک مرکزی نقطے کے گرد گردش کر رہے ہیں - اور اگر یہ مرکزیت سے انحراف کریں تو پھر دنیا کی صف لپیٹ دی جائے - مگر سورج اور اس کے سیاروں کا ربط بھی اس کشش کی وجہ سے قائم ہے - جو وہ ایک دوسرے کے لئے رکھتے ہیں اور وہ انہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونے دیتی - انسانی ترقی کے لئے اجتماعیت و مرکزیت کی اہمیت سب سے زیادہ ہے - اور یہی وہ فلسفہ حیات ہے جسے اسلام نے انسانی زندگی کی نشو ونما کے لئے پیش کیا ہے - مرکز کی اطاعت اس قدر ضروری ہے کہ اس کے بغیر ترقی محال ہے -

آپ نے ایٹم کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ اس کا وجود بھی اس کے مرکزہ کا مرہونِ منّت ہے تو پھر ہم یہ کیسے تصور کر لیں کہ کوئی جماعت ایک مؤثر مرکز کی عدم موجودگی میں زندہ رہ سکتی ہے - جماعتی نظام میں اخوت و محبت کا بھی اپنا مقام ہے کیونکہ اسلام کی متحدہ قومیت کا تصور ہے

كل مومنٍ اخوة

جماعتی نظام میں افتراق و انتشار سے اجتناب کا نام ہے :-

اعتصام باللہ

اور ان تمام اچھائیوں اور خوبیوں کا مقصود و مطلوب ہے :-

تقوى الله

کیونکہ جماعتی زندگی میں تقوےٰ ایک ایسی شئے ہے کہ اگر یہ ہے تو سب کچھ ہے - اور اگر یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں - حضرت مسیح موعود علیہ السلام جماعت کو تقوےٰ کی جس منزل پر لے جانا چاہتے تھے ذرا ملاحظہ فرمایئے حضور فرماتے ہیں :-

" چاہیئے کہ ہر ایک صبح تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے تقویٰ سے رات بسر کی اور ہر ایک شام تمہارے لئے گواہی دے تم نے ڈرتے ڈرتے دن بسر کیا "

یہ ہے وہ تقوےٰ کا بلند مقام جس پر ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام دیکھنا چاہتے ہیں اور یہ تقویٰ کی معراج ہے کہ انسانی زندگی کے شب و روز اس بات پر گواہی دیں کہ یہ انسان حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کے معیار پر پورا اُترتا ہے تقوےٰ سے گریز اور جماعتی زندگی میں افتراق و انتشار کا انجام کیا ہے - ذرا یہ بھی تو دیکھئے :-

وكنتم على شفا حفرة من النار

افتراق و انتشار ایک ایسی آگ ہے جو جماعت کو بھسم کر دیتی ہے - یہ آیات اس بات کی دعوت دے رہی ہیں کہ ہم اتفاق و اتحاد اور اخوت و محبت سے مل جُل کر رہیں کیونکہ حضرت صاحب کی غرض یہ ہے کہ :-

" جب تک تم ایک وجود کی طرح بھائی بھائی نہ بن جاؤ گے اور آپس میں بمنزلہ اعضاء نہ بن جاؤ گے فلاح نہ پاؤ گے "

بمنزلہ اعضاء سے مجھے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا وہ ارشاد گرامی یاد آ رہا ہے جس میں آپ نے اُمّتِ محمدیہ کو جسمِ انسانی سے تشبیہہ دے کر فرمایا : جیسے جسم انسانی میں ایک عضو کی تکلیف سے سارا جسم بے چین ہو جاتا

ہے۔ بعینہٖ ایک مومن کی تکلیف کو تمام مومنین برابر کی شدت کے ساتھ محسوس کرتے ہیں۔

یہ ایک ایسی لا زوال حقیقت ہے جسے قبول کئے بغیر کامیابی محال ہے لیکن یہ سب کچھ اقوال کی حد تک قبول نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ ضرورت تو اس کے عملی مظاہرے کی ہے۔ کیونکہ جماعتی انحطاط میں قول و فعل کا تضاد بھی برابر کا شریک ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ جماعت میں سچی اخوت بیدار ہو لیکن اگر اس بات کی طرف توجہ نہ کی گئی تو اس کے انجام سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود بھی خبردار کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ کہ :—

"اگر سچی اخوت نہیں تو جماعت تباہ ہو جائے گی۔" (درتقریر)

اسی طرح ایک اور جگہ حضور فرماتے ہیں کہ :—

"اگر اس جماعت میں سچی ہمدردی اور اخوت نہ ہوگی تو پھر یہ جماعت تباہ ہو جائے گی اور خدا تعالےٰ اس کی جگہ کوئی اور جماعت پیدا کر دے گا"

اس لئے اب ہمارے سامنے دو ہی راستے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہم حضرت امام الزمان علیہ السلام کی خواہش کے عین مطابق جماعت میں سچی اخوت و محبت بیدار کریں یا پھر اپنے ہاتھوں سے اپنی آنکھوں کے سامنے اسے تباہی کے منہ میں جاتے ہوئے دیکھ کر خاموش تماشائی بنے بیٹھے رہیں۔ اب اس کا فیصلہ ہمیں کرنا ہے کہ ہم ان میں سے کس راستے کا انتخاب کرتے ہیں۔

جناب والا! — زندگی نام ہے حرکت اور نظم و ضبط کا جب کہ موت نام ہے سکوت و جمود کا۔ اس لئے جماعتی زندگی میں سکوت و جمود کو اسی صورت میں توڑا جا سکتا ہے اور جماعت میں تحریک اسی صورت میں پیدا ہو سکتی ہے۔ اور اس میں زندگی کی رُوح اسی صورت میں پھونکی جا سکتی ہے۔ کہ آپس میں گہرا ربط و ضبط ہو اور افراد جماعت کو منظم کیا جائے۔ اور یہ سب کچھ تب ہی ممکن ہوگا کہ بزرگانِ سلسلہ وقتاً فوقتاً بیرونی جماعتوں میں تشریف لے جائیں۔ ان کی مشکلات دیکھیں۔ ان کی شکایات سُنیں اور پھر انہیں دفع کرنے کی کوشش کریں۔

اس سلسلہ میں اگر نوجوانوں کی مؤثر تربیت اور رہنمائی کی جائے اور انہیں زمانے کے تقاضوں کے مطابق حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے مؤثر ہتھیاروں سے لیس کر دیا جائے تو پھر وہ بے خطر آتش نمرود میں کود جانے سے بھی دریغ نہیں کریں گے اور ہر حال میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مشن کو آگے بڑھانے کے لئے تیار رہیں گے۔ قرآن و حدیث اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علم الکلام سے بڑھ کر اور مؤثر ہتھیار ہو بھی کیا سکتے ہیں۔ لہٰذا اب نوجوانوں کو بھی چاہیئے کہ وہ اس علم الکلام کا صحیح وارث بننے کے لئے اور ان ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے لئے آگے بڑھیں اور خود کو انہی خطوط پر استوار کریں۔ جن پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہمیں چلنے کی تلقین فرمائی ہے اور وہ ہے۔ تعلق باللہ اور تقویٰ اللہ۔ لہٰذا اب اگر ہم چاہتے ہیں کہ

— دجالی طلسم پاش پاش ہو۔

— انسانیت، مادیت و دہریت کے عذاب سے نجات پائے۔

— عالمِ اسلام اپنی کھوئی ہوئی منزل اور عظمت رفتہ کو حاصل کر لے

— ظلمت کدہ یورپ، اسلام کی سنہری کرنوں سے منوّر ہو تو پھر ہمیں

"دین کو دنیا پر مقدم رکھنے" کے عہد کا عملی ثبوت دیتے ہوئے آگے بڑھنا چاہیئے۔ ہمارے اوپر حجت قائم ہو چکی ہے۔ چاہیئے کہ ہم اس قرآن کو لیکر آگے بڑھیں اور اپنی مہم تیز سے تیز تر کر دیں کیونکہ کوچ کا نقارہ بج چکا ہے اور منزل دُور نہیں ***

## مقام محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم — بسلسلہ صفحہ

رات میں گرفتار پنجۂ اجل ہو گیا۔ اور ایسا ہی بدر کی لڑائی میں جبکہ مخالف پُوری تیاری کر کے آئے تھے اور اس طرف سراسر بے سامانی تھی۔ خدا تعالےٰ نے وہ نمونۂ تائید دکھلایا جس نے رُوئے زمین پر اسلام کی بُنیاد جما دی۔

**بے نظیر تائید و نُصرت** — ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر دنیا میں ہوئے ہیں۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ اُن میں سے کون تباہ ہوا؟ ایک بھی نہیں۔ اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مجموعی طور پر دیکھ لو۔ کیونکہ آپؐ جامع کمالات تھے۔ ساری قوم آپؐ کی دشمن ہو گئی اور اس نے قتل کے منصوبے کئے۔ مگر آپؐ کی اللہ تعالیٰ نے وہ تائید کی جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔

## نُصرتِ الٰہی

خُدا کے پاک لوگوں کو خدا سے نُصرت آتی ہے<br>
جب آتی ہے تو پھر عالم کو اک عالم دکھاتی ہے<br>
وہ بنتی ہے ہَوا اور ہر خسِ رہ کو اُڑاتی ہے<br>
وہ ہو جاتی ہے آگ اور ہر مخالف کو جلاتی ہے<br>
کبھی وہ خاک ہو کر دشمنوں کے سر پہ پڑتی ہے<br>
کبھی ہو کر وہ پانی ان پہ اک طوفان لاتی ہے<br>
غرض رُکتے نہیں ہرگز خدا کے کام بندوں سے<br>
بھلا خالق کے آگے خلق کی کچھ پیش جاتی ہے

---

۵؎ مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ ۲۴ر ستمبر ۱۹۰۵ء

## کشمیری زبان میں قرآن مجید کے ترجمہ کا انتظام

جناب پروفیسر نورالدین زاہد سرینگر سے جناب محمد اعظم علوی صاحب کے نام ایک خط میں رقمطراز ہیں :—

"میں اس وقت حسب ارشاد شیخ محمد طفیل صاحب قرآن پاک کا کشمیری زبان میں ترجمہ کر رہا ہوں۔ تیسرے پارے تک ترجمہ ختم ہوا ہے۔ کل چوتھے پارے کا ترجمہ شروع ہوگا یہ ترجمہ حضرت امیر کبیر مولانا محمد علی صاحب مرحوم کی حمائل میں درج اُردو ترجمہ کا کشمیری رُوپ ہے۔ ترجمہ کا کام ختم ہوگا تو حلّ لُغات اور تفسیر کا کام ہاتھ میں لے لوں گا۔ آپ میری طرف سے حضرت امیر مولانا صدرالدین صاحب کی خدمت میں بعد سلام فدویانہ التماسِ دُعا کریں۔ دوسرے اکابرین و احباب کی خدمت میں مخلصانہ سلام عرض ہے۔

مخلص نیاز کیش۔ (پروفیسر) نورالدین زاہد

(۱۹ر جنوری ۱۹۷۶ء)"

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور —— مورخہ ۱۸ر فروری ۱۹۷۶ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ —— شمارہ نمبر

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۳ | چہارشنبہ ۲۴ صفر المظفر ۱۳۹۶ھ مطابق ۲۵ فروری ۱۹۷۶ء | نمبر ۸

## ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

# آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوی الاثر قوت قدسیہ

یہ بات کسی سمجھدار پر مخفی نہیں ہوگی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زاد بوم ایک محدود جزیرہ نما ملک ہے جس کو عرب کہتے ہیں جو دوسرے ملکوں سے ہمیشہ بے تعلق رہ کر گویا ایک گوشۂ تنہائی میں پڑا رہا ہے۔ اس ملک کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے بالکل وحشیانہ اور درندوں کی طرح زندگی بسر کرنا اور اور دین اور ایمان اور حق اللہ اور حق العباد سے بے خبر محض ہونا اور سینکڑوں برسوں سے بت پرستی و دیگر ناپاک خیالات میں ڈوبے چلے آنا۔ اور عیاشی اور بدمستی اور شراب خوری اور قمار بازی وغیرہ فسق کے طریقوں میں انتہائی درجہ تک پہنچ جانا۔ اور چوری اور قزاقی اور خونریزی اور دختر کشی اور یتیموں کا مال کھا جانے اور بیگانہ حقوق دبا لینے کو کچھ گناہ نہ سمجھنا۔ غرض ہر ایک طرح کی بری حالت اور ہر یک نوع کا اندھیرا اور ہر قسم کی ظلمت و غفلت عام طور پر تمام عربوں کے دلوں پر چھائی ہوئی ہونا ایک ایسا واقعہ مشہور ہے کہ کوئی متعصب مخالف بھی بشرطیکہ کچھ واقفیت رکھتا ہو۔ اس سے انکار نہیں کر سکتا۔

اور پھر یہ امر بھی ہر ایک منصف پر ظاہر ہے کہ وہی جاہل اور وحشی اور یاوہ اور ناپارسا طبع لوگ اسلام میں داخل ہونے اور قرآن کو قبول کرنے کے بعد کیسے ہو گئے اور کیونکر تاثیرات کلام الٰہی اور صحبت نبی معصوم نے بہت ہی تھوڑے عرصہ میں ان کے دلوں کو یک لخت ایسا مبدل کر دیا کہ وہ جہالت کے بعد معارف دینی سے مالا مال ہو گئے اور محبت دنیا کے بعد الٰہی محبت میں ایسے کھوئے گئے کہ اپنے وطنوں اپنے مالوں اپنے عزیزوں اپنی عزتوں اپنی جان کے آراموں کو اللہ جلشانہٗ کے راضی کرنے کے لئے چھوڑ دیا۔ چنانچہ یہ دونوں سلسلے ان کی پہلی حالت اور اس نئی زندگی کے جو بعد اسلام انہیں نصیب ہوئے قرآن شریف میں ایسی صفائی سے درج ہیں کہ ایک صالح اور نیک دل آدمی پڑھنے کے وقت بے اختیار چشم پُر آب ہو جاتا ہے۔ پس وہ کیا چیز تھی جو ان کو اتنی جلدی ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف کھینچ کر لے گئی۔ وہ دو ہی باتیں تھیں ایک یہ کہ وہ نبی معصوم اپنی قوت قدسیہ میں نہایت ہی قوی الاثر تھا ایسا کہ نہ کبھی ہوا اور نہ ہوگا۔ دوسری خدائے قادر مطلق حی و قیوم کے پاک کلام کی زبردست اور عجیب تاثیریں تھیں کہ جو ایک گروہ کثیر کو ہزاروں ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لے آئیں۔ بلاشبہ یہ قرآنی تاثیریں خارق عادت ہیں کیونکہ کوئی دنیا میں بطور نظیر نہیں بتلا سکتا کہ کبھی کسی کتاب نے ایسی عجیب تبدیلی و اصلاح کی جیسی قرآن شریف نے کی۔ (سرمہ چشم آریہ صفحہ ۲۸-۳۰ حاشیہ)

---

## سچے اور زندہ خدا کا ثبوت

یہ خیال ہرگز درست نہیں کہ انبیاء علیہم السلام دنیا سے بے وارث ہی گذر گئے۔ اور اب انکی نسبت کچھ رائے ظاہر کرنا بجز قصہ خوانی کے اور کچھ وقعت نہیں رکھتا بلکہ ہر ایک صدی میں ضرورت کے وقت ان کے وارث پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اور اس صدی میں یہ عاجز ہے، خدا تعالےٰ نے مجھ کو اس زمانہ کی اصلاح کے لئے بھیجا ہے تا وہ غلطیاں جو بجز خدا تعالےٰ کی خاص تائید کے نکل نہیں سکتی تھیں۔ وہ مسلمانوں کے خیالات سے نکالی جائیں اور منکرین کو سچے اور زندہ خدا کا ثبوت دیا جائے اور اسلام کی عظمت اور حقیقت تازہ نشانوں سے ثابت کی جائے۔

(برکات الدعا۔ صفحہ ۲۵)

مکرم جناب میرزا مسعود بیگ صاحب ایم۔اے جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

# ایک مخلص بزرگ کی جدائی

احباب کرام جماعت کے ایک دیرینہ مخلص بزرگ خواجہ عبدالحمید صاحب پنشنر انسپکٹر پولیس کی وفات سے آگاہ ہو چکے ہیں۔ خواجہ صاحب مرحوم و مغفور ان بزرگوں میں سے تھے جنہیں حضرت مسیح موعودؑ کو دیکھنے اور آپ کی مجالس میں شریک ہونے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ ایسے احباب اب بہت تھوڑے رہ گئے ہیں اور ان میں سے کسی کا اس دار فانی سے کوچ کر جانا بڑے صدمہ اور قومی نقصان کا موجب ہوتا ہے۔ خواجہ عبدالحمید صاحب کوچہ میاں اسد اللہ وکیل کٹڑہ جیمل سنگھ امرتسر کے رہنے والے اور ایک معزز خاندان کے چشم و چراغ تھے اور عین عالم جوانی میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مسیح موعود کی شناخت کی توفیق عطا فرمائی جس سے آپ کی زندگی میں ایک نمایاں تبدیلی آ گئی۔ یہ خداداد امتیاز اس جماعت کو حاصل رہا ہے کہ محکمہ پولیس سے وابستہ وہ لوگ جنہوں نے احمدیت قبول کی ان کے کردار یکسر بدل گئے اور وہ ارکان اسلام اور صوم و صلوٰۃ کی پابندی کے علاوہ تہجد خوان بن گئے اور اپنے نیک نمونے کی وجہ سے پبلک اور حکام ہر دو کی نظروں میں مقبول ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑی عزت بخشی اور دین کی خدمت کے مواقع بھی عطا فرمائے۔ خواجہ صاحب مرحوم بھی انہی نیک نام پولیس افسران میں سے تھے اور امرتسر شہر میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

جماعت امرتسر کی بزرگ ہستیوں میں سے شیخ فیض الرحمٰن صاحب پنشنر جو اکاؤنٹنٹ جنرل کے دفتر میں تھے اور بابو ثناء اللہ صاحب سپروائزر ڈاکخانہ جات اور شیخ کریم اللہ صاحب جو اخبار وکیل میں کام کرتے تھے اور خواجہ عبدالحمید صاحب کا نام خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ بابو ثناء اللہ صاحب سالہا سال تک جماعت کے سیکرٹری اور خزانچی کے فرائض ادا کرتے رہے اور ہر ماہ باقاعدگی سے لاہور تشریف لاتے اور صدر دفتر میں جماعت کا چندہ وغیرہ جمع کرواتے۔ خواجہ عبدالحمید صاحب اس جماعت کے پریذیڈنٹ تھے اور ۱۹۳۵ء میں سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد وہ جماعتی کاموں میں پہلے سے بڑھ کر حصہ لینے لگے اور ان کے وجود سے جماعت کو بڑی تقویت حاصل تھی۔ گذشتہ ساٹھ سال سے خواجہ صاحب مرحوم نے بڑی باقاعدگی سے چندہ ادا فرمایا ہے۔

خواجہ صاحب کی ولادت ۲۵ فروری ۱۸۸۰ء کو ہوئی اور وفات کے وقت مرحوم کی عمر چھیانوے سال کی تھی لیکن اس پیرانہ سالی کے باوجود انکے قویٰ اچھے تھے اور وہ روزانہ تھوڑی سیر بھی کرتے تھے۔ البتہ ان کی بینائی کمزور ہو گئی تھی لیکن پیغام صلح اور اخبار کی سرخیاں پڑھتے رہتے تھے۔ لیکن انکی یادداشت بہت اچھی تھی اور حافظہ کمال کا تھا۔ کچھ عرصہ قبل جب راقم کو ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا تو انہوں نے احمدیت کے ابتدائی زمانہ کے بہت سے واقعات تفصیلاً سنائے خصوصاً حضرت اقدسؑ کے مختلف اوقات میں امرتسر تشریف لانے کے واقعات اور مختلف مناظرے اور لیکچر جو امرتسر میں ہوئے ان کی تفصیلات اور احمدیت کی روز افزوں ترقی اور مخالفین سلسلہ کی حسرتناک ناکامی کے بہت سے ایمان افروز واقعات انہوں نے بیان کئے۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت مولانا صدرالدین صاحب ان کے ہم عصر اور قریباً ہم عمر ہیں۔ جس زمانہ میں لاہور میں ہماری جماعت قائم ہوئی یعنی ۱۹۱۴ء میں، اس وقت خواجہ صاحب مرحوم لاہور میں تعینات تھے اور اس جماعت کے ابتدائی دور کے واقعات بھی جب کٹھن مراحل درپیش تھے انہوں نے بیان فرمائے اور جس رنگ میں بھی ممکن ہوا انہوں نے جماعت کی خدمت کو مدنظر رکھا۔ انہی ایام میں جب حضرت شاہ صاحب مرحوم کے ملازم پنڈت قادر بخش صاحب مرحوم انگریزی ترجمۃ القرآن کا مسودہ قادیان سے لے کر آئے تو بٹالہ ریلوے سٹیشن پر وہ خواجہ عبدالحمید صاحب کی سپردگی میں دے دیا گیا جو اُن دنوں ریلوے پولیس میں تھے اور خواجہ صاحب مرحوم نے بہ حفاظت تمام وہ قیمتی ٹرنک حضرت ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب مرحوم تک پہنچایا۔ خواجہ صاحب مرحوم دیرتک جماعت کے بزرگوں خصوصاً حضرت ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب مرحوم اور حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم سے اپنے قریبی تعلقات اور ان بزرگوں کے اخلاص اور قربانیوں کا ذکر اور حضرت امیر مرحوم و مغفور کے کارہائے نمایاں کا تذکرہ فرماتے رہے۔ حضرت میاں غلام رسول صاحب مرحوم سے بھی خواجہ صاحب موصوف کے گہرے مراسم تھے اور ان کی ذات سے وہ بڑے متاثر تھے۔

آپ اپنے چھوٹے صاحبزادہ ڈاکٹر اصغر حمید صاحب (پروفیسر ریاضی انجنیئرنگ یونیورسٹی لاہور) کے پاس ہی قیام فرما تھے اور وفات سے صرف ایک ہفتہ قبل اپنے بڑے صاحبزادہ لفٹیننٹ کرنل عبدالوحید صاحب (ریٹائرڈ) کے پاس کراچی تشریف لے گئے۔ اس سفر کا مقصد لاہور کی شدت کی سردی سے بچنا اور آنکھ کا معائنہ کرانا بھی تھا لیکن یہ سفر ان کے لئے دنیا سے کوچ کر جانے کا سفر ثابت ہوا اور چند دن کے اندر گھر ہی میں سیڑھی سے گر کر حادثہ کا شکار ہوئے اور اعلیٰ ترین طبی سہولتوں کے باوجود ۱۸ جنوری ۱۹۷۶ء بروز اتوار رات کے پونے بارہ بجے اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مرحوم کو کراچی میں ہی دفن کیا گیا اور نماز جنازہ اُن کے صاحبزادہ ڈاکٹر اصغر حمید صاحب نے پڑھائی۔

خواجہ صاحب مرحوم اس لحاظ سے بھی بڑے خوش نصیب انسان تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑی صالح اور نیک بخت اولاد عطا فرمائی تھی جو دنیاوی لحاظ سے بھی مرفہ الحال ہے۔ ڈاکٹر اصغر حمید صاحب بھی ایک نہایت بلند کردار کے انسان ہیں اور احمدیت کا قابل رشک نمونہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اور ان کی والدہ محترمہ اور ان کے بھائی جان اور ہمشیرہ اور سب اعزہ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور خواجہ صاحب کی نیک روایات اس خاندان میں باقی و ساری ہیں۔

---

# شمعِ ہدایت

## حضرت امیر مرحوم کے انگریزی ترجمۃ القرآن کے

متعلق مولانا عبدالماجد دریا بادی تحریر فرماتے ہیں:۔

"جب میں انگریزیت کے پھیلائے ہوئے زہر الحاد ...... میں غرق تھا مرحوم کے انگریزی ترجمۃ القرآن نے دستگیری کی، وہ اگر محض اتفاق سے ایک عزیز کے پاس دیکھنے کو نہ مل جاتا۔ تو خدا معلوم کتنی اور مدت تک میں بھٹکتا رہتا۔ اور میری ہی طرح خدا معلوم اور کتنوں کے حق میں وہ شمعِ ہدایت ثابت ہوا ہوگا۔"

---

# دارالسلام میں

## بلا معاوضہ جرمن زبان کی تعلیم کا انتظام

احباب جماعت کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ عربی کلاس کے اجراء کے بعد اب انجمن نے جرمن زبان کے ایک ماہر کی خدمات حاصل کی ہیں۔ اور جرمن زبان کی کلاس کا اجراء عنقریب عمل میں لایا جائے گا۔ اس لئے تمام ایسے حضرات سے جو جرمن زبان سیکھنے کا شوق رکھتے ہوں انہیں انجمن کی فراہم کردہ اس سہولت سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ اور مرکز کو اپنے اسمائے گرامی سے مطلع کرنا چاہیئے۔ یہ تعلیم بلا معاوضہ ہوگی اور پروگرام کا عنقریب اعلان کر دیا جائے گا۔

ناظم دارالسلام

# اَب محض وعظ کی نہیں — عمل کی ضرورت ہے

۶ فروری بروز جمعہ مسجد اقصیٰ میں یہودیوں کو عبادت کی اجازت دیئے جانے کے خلاف پاکستان بھر میں یوم احتجاج منایا گیا۔ اسرائیلی عدالت کے اس فیصلے کو عالمِ اسلام کے خلاف منظم سازش کی ایک کڑی کہا گیا ہے۔ ولولہ انگیز تقریروں سے جذبۂ ملّی کو اُبھارنے اور قومی غیرت کو بیدار کرنے کی کوشش کی گئی۔ شعلہ بیانی نے سینوں میں آتشِ انتقام بھڑکائی۔ کچھ دل تڑپے۔ کچھ چہرے سُرخ ہوئے اور کچھ آنکھیں نمناک ہوگئیں لیکن جوش و خروش کے اس طوفان میں غوطہ لگا کر حقیقت تک پہنچنے کی کسی کو ہوش نہ آئی۔ کسی کو یہ بتانے اور سوچنے کی توفیق نہ ملی کہ آخر وہ کونسے واقعات اور کیا عوامل ہیں جن کی وجہ سے کروڑوں کی یہ قوم جس کا یہ دعوےٰ ہے کہ اس کا خُدا ایک۔ رسول ایک اور قرآن ایک آج اپنے سے کئی گنا کم عددی قوت رکھنے والی قوموں کے ہاتھوں ظلم ستم۔ نکبت و ادبار۔ افتراق و تشتت اور اضطراب کا شکار ہے۔ مسجد اقصیٰ کو نذر آتش کرنے کے موقعہ پر اسی قسم کے احتجاج۔ چیخ و پکار اور واویلا کا آخر کوئی مؤثر نتیجہ کیوں برآمد نہ ہوا۔ اور اس واقعہ نے مسلمانوں میں اتحاد اور اتفاق پیدا کرنے میں کیوں مدد نہ دی۔

جو قوم ابتدا سے آج تک مسلسل اس کوشش میں ہمہ تن مصروف رہی ہو کہ کس طرح وہ مسلمانوں کی قوت اور یک جہتی کو پارہ پارہ کرسکتی ہے اور اس کے ساتھ اُسے بڑی طاقتوں کی حمایت کا بھی یقین ہو اور اس بل بوتے پر وہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کی بارہا دھجیاں اُڑا چکی ہو۔ پھر اس سے ایسے احتجاج کو کس طرح در خور اعتنا سمجھنے کی توقع کی جاسکتی ہے۔

مسلمانوں کو سیاسی۔ معاشی اور سماجی طور پر نقصان پہنچانے کی یہودی سازشیں اور تخریب کاریاں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لے جانے کے ساتھ ہی شروع ہوگئی تھیں۔ وہ دشمنوں کے ساتھ مل کر انہیں نقصان پہنچانے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ بارہا انہوں نے معاہدوں کو پس پُشت ڈال کر دشمنوں کا ساتھ دیا۔ مسلمانوں کے اندر داخل ہوکر ان کی طاقت کو کھوکھلا کرنے میں مصروف رہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ عبداللہ بن ابی میدانِ جنگ سے اپنے تین سو ساتھیوں سمیت واپس لوٹ آیا۔ کیا اسلامی تاریخ کا یہ ایک دردناک ترین سانحہ نہیں کہ عبداللہ بن سبا کی عیاریوں اور فریب کاریوں کے دام ہمرنگِ زمین میں پھنس کر خود مسلمانوں نے ہی ذی النورین حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ جیسے خلیفۂ وقت کے خلاف پہلی بار اپنی تلوار بے نیام کرکے آپکے مقدّس خُون سے اُسے اس وقت رنگین کیا جب آپ رمضان شریف میں قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے تھے اور یہ وہی انسان تھا جس کی ساری دولت زندگی بھر مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور خوشحالی کی خاطر پانی کی طرح ہمیشہ بہتی رہی۔ کوئی اہلِ دل ہو تو وہ آپ کے یہ الفاظ جن میں آپ نے شورش پسندوں اور اپنے خون کے پیاسوں کو شہادت سے پہلے مخاطب فرمایا تھا پڑھ کر تڑپ اُٹھے گا۔ آپ نے فرمایا:۔

" خلافت تو میں چھوڑ نہیں سکتا۔ یہ قمیص خدا تعالےٰ نے مجھے پہنائی ہے۔ اسے تو میں ہرگز نہیں اتاروں گا۔ مجھے اپنا قتل ہونا اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں خدا تعالےٰ کی پہنائی ہوئی قمیص کو اُتار دوں اور مسلمانوں کو آپس میں لڑنے مرنے دوں ........ باقی رہا یہ کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے سو یاد رکھو کہ اگر وہ مجھے قتل کر دیں گے تو اس دن کے بعد سب مسلمان کبھی ایک مسجد میں نماز نہیں ادا کریں گے اور کبھی سب مسلمان مل کر ایک دشمن کا مقابلہ نہیں کریں گے اور نہ مسلمانوں کا اتحاد قائم رہے گا "

کیا شہادت عثمان رضی اللہ عنہ سے لے کر اب تک کے واقعاتِ عالم اس پیشگوئی پر مہرِ تصدیق ثبت نہیں کر گئے اور کر رہے ہیں۔ جنگ جمل۔ معرکۂ کربلا۔ امویوں۔ عباسیوں اور علویوں کی آویزشیں۔ بغداد کی تباہی۔ سپین میں مسلمانوں کا المناک انجام۔ میر قاسم اور میر صادق کی غداریاں۔ دوسری جنگِ عظیم میں لارڈ لارنس کے بہکاوے میں آکر عربوں کی تُرکوں کے خلاف بغاوت۔ برِ صغیر کی تقسیم میں نا انصافی۔ بنگلہ دیش کی علیحدگی۔ مسلمانوں کی تفرقہ بازی۔ اور آج کی مسلمان حکومتوں میں اختلافات۔ مراکش اور الجزائر کی آپس میں جنگ یہ سب ایسے واقعات ہیں جن سے ایک غیر جانب دار مؤرخ چشم پوشی نہیں کر سکتا۔ یہودی آج بھی معرکۂ خیبر میں کھائے ہوئے زخم چاٹ رہا ہے۔ اور اس کی ناپاک نگاہیں مسجد نبوی اور مسجد حرم کی طرف اُٹھ رہی ہیں۔

ہم ہمیشہ اپنے گناہوں۔ کوتاہیوں اور فروگزاشتوں کا الزام دوسرے کی دہلیز پر ڈال دیتے ہیں اور اپنے گریبان میں جھانک کر حقیقت کو پانے کی تکلیف گوارا کرنے سے گریز کرتے رہتے ہیں۔ فعلِ بد کے تو خود مرتکب ہوتے اور لعنت شیطان پر کرتے ہیں۔ ہم نے یہ معلوم کرنے کی کوشش کبھی نہیں کی کہ غیروں کو ہم میں گھس کر سازش کا موقعہ ہی کیوں ملتا ہے۔ آخر ہماری وہ کونسی کمزوریاں ہیں جن سے دشمن ہمیشہ فائدہ اُٹھانے کی ٹوہ میں لگا رہتا ہے۔ اور موقعہ آنے پر اسے ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔

قرآن کریم نے تو اس کی نشاندہی سورۃ البقرہ کی آیت ۱۲۰ میں بہت پہلے ان الفاظ میں کر دی تھی :۔

" اور یہودی تجھ سے ہرگز راضی نہ ہوں گے اور نہ ہی عیسائی یہاں تک کہ تو ان کے مذہب کی پیروی کرے۔ کہہ اللہ کی ہدایت وہی ہدایت ہے اور اگر تو ان کی بگڑی ہوئی خواہشوں کی پیروی کرے اس کے بعد جو تیرے پاس علم آیا تو تیرے لئے اللہ سے بچانے والا نہ کوئی دوست اور مددگار ہوگا۔"

یہ علم قرآن کریم کے ہر صفحہ پر موتیوں کی طرح بکھرا پڑا ہے لیکن ہم نے اس سے اپنے اخلاق و کردار کا دامن سجانے کی کوشش میں بڑی سنگین کوتاہی سے کام لیا ہے۔ اسی لئے ہمیں اب بچانے والا نہ کوئی دوست ہے اور نہ مددگار۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ مسلمانوں نے ان کی بگڑی ہوئی خواہشات کی پیروی شروع کر دی ہے جس کا خمیازہ انہیں یوں اُٹھانا پڑ رہا ہے کہ ان کی قوت اتصال اور پیوستگی ختم ہوکر وہ آپس میں ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے ہیں۔ قرآن کریم نے بے شمار دوسرے مقامات پر ان عواقب سے مسلمانوں کو خبردار کیا ہے۔

سورۃ آل عمران کی آیت ۱۰۳ میں فرمایا:۔

" اور سب کے سب اللہ کے عہد کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ نہ کرو"

یہ اللہ کی رسّی یا عہد کیا ہے؟ یہی قرآن کریم اور پھر آیت ۱۰۵ میں اس طرح ارشاد ہوتا ہے :۔

" اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے تفرقہ کیا اور اختلاف کیا اس کے بعد کہ اُن کے پاس کھلی کھلی باتیں آچکی تھیں اور انہی کے لئے بڑا عذاب ہے۔"

ایسے لوگوں سے جنہوں نے اللہ تعالےٰ کے عہد کو پس پُشت ڈالا اور باوجود روشن دلائل کے پھر آپس میں گروہ در گروہ اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اس نے سورۃ الانعام کی آیت ۱۵۹ میں اپنی بیزاری کا ان الفاظ میں اعلان کیا ہے کہ :۔

" وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور فرقے ہو گئے تیرا ان سے کوئی سروکار نہیں ان کا معاملہ اللہ تعالےٰ کی طرف ہے پھر وہ ان کو بتا دیگا جو وہ کرتے تھے۔"

اللہ تعالےٰ نے اس افتراق اور انتشاد کے نتائج سے سورۃ الانفال کی آیت ۴۶ میں بھی یوں آگاہ فرمایا ہے :-

" اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم ہمت ہار دوگے اور تمہاری ہَوا (رُعب) جاتی رہے گی اور صبر کرو اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"

ان تمام آیاتِ فرقانی کی روشنی میں یہی حقیقت نمایاں اور واضح طور پر ہمارے سامنے آتی ہے کہ جب کوئی قوم تفرقہ کا شکار ہو جائے۔ گروہ در گروہ ہو جائے اس کی جمعیت منتشر ہو جائے تو وہ اپنا رعب و دبدبہ شان و شوکت اور جاہ و حشمت کھو بیٹھتی ہے اور یہی حال کئی صدیوں سے مسلمانوں کا ہے۔ یہ تفرقہ جنم کیسے لیتا ہے اسے بھی قرآن کریم نے کھول کر بیان فرمایا ہے۔ سورۃ الجاثیہ کی آیت ۲۳ اس کی تشریح ان الفاظ میں کرتی ہے :-

"تو کیا تو نے دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنایا اور اللہ تعالےٰ نے اسے علم کی بنا پر گمراہ ٹھہرایا اور اس کے کان اور اس کے دل پر مُہر لگا دی اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا۔ پس اللہ تعالیٰ کے بعد کون اسے ہدایت دے سکتا ہے تو کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے"

جو انسان اپنی خواہش نفس کا غلام ہو جائے خواہ یہ ہوسِ اقتدار ہو ہوس دولت یا جنسی ہوس، اس کی سوچنے۔ سننے اور دیکھنے کی تمام قوتیں سلب ہو جاتی ہیں۔ نیکی اور بدی کی تمیز جاتی رہتی ہے وہ اپنے نفس کی مرادوں کے سامنے جھک جاتا ہے اگرچہ اس کا آخری انجام تباہی و بربادی اور ذلّت و رسوائی ہی کیوں نہ ہو۔ کیا مسلمانوں کی تاریخ میں ہوسِ اقتدار۔ ہوس زر اور جنسی ہوس ہی اس کے زوال کا باعث نظر نہیں آتی اور ان کی انہی کمزوریوں سے غیروں نے فائدہ اُٹھانے کی کوشش نہیں کی۔ کیا آج بھی ہمارے سامنے یہی نقشہ نہیں۔ یہی تو قرآن کا ثریا پر چلا جانا تھا۔ اور اسی لئے اس کو واپس مسلمانوں کے ہاتھوں میں دینے کے لئے حضرت مرزا صاحب تشریف لائے۔ مسلمانوں کی انہی بیماریوں کے علاج کے لئے وہ مسیحا بن کے آئے۔ انہوں نے ہی آ کر دجّال اور یاجوج ماجوج کی نشاندہی کی جنہوں نے اپنے مکرو فریب اور دجل سے مسلمانوں میں ایسی بیماریاں داخل کرنے کی کوشش کی جن سے ایک غیر محسوس طریقے پر رفتہ رفتہ اخلاق کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹتا رہا۔ مسلمان، مسلمان نہ رہا۔ وہ رنگ نسل۔ زبان اور ثقافت کے طلسم میں کھو گیا اور حضرت مرزا صاحب جو اس طلسم کو پاش پاش کرنے اور مسلمانوں کو ایک مضبوط اور متحد قوم بنانے کے لئے آئے تھے اس کی نظر میں کانٹا بن کر چبھنے لگے۔ جس قوم کی فریب کاریاں آشکارا اور بے نقاب کر کے قوم مسلم کو اس سے خبردار کرنے کے لئے آپ نے ہزاروں صفحات سیاہ کر دیئے انہیں اسی قوم کا لگایا ہوا پودا کہا گیا۔ جس صلیب کو وہ توڑنے کے لئے اور ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لئے آئے تھے اسی قوم مسلم کے علماء اسے بچانے کے لئے عیسائی پادریوں سے مل گئے۔ نہ صرف یہ بلکہ تمام ہندوستان میں گھوم پھر کر کفر کے فتاویٰ پر دستخط کرائے اور مسلمانوں میں ایک نئے انتشار کا باب کھول دیا۔ اگر مسلمان حضرت مرزا صاحب کی بتائی ہوئی علامات سے اپنے دشمن کو شناخت کر لیتے تو انہیں شاید آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ دل تسلیم کر چکے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے درست کہا تھا اگر ایسا نہ ہوتا تو علامہ اقبال مرحوم یہ نہ فرماتے : ؎ کھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام
چشم مسلم دیکھ لے تفسیر حرف ینسلون

اب بھی اگر شک ہو تو کنز العمال کی یہ حدیث دیکھ لو کہ دجال کے ساتھی اور پیرو یہود ہوں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر یہ حدیث کتنی بیّن دلیل ہے اور آپؐ کے غلام کی سچائی کا کتنا واضح ثبوت۔ لیکن مفاد پرست طبقہ خواہ وہ کوئی بھی ہو اسے اس لئے تسلیم کرنے پر تیار نہیں کہ ایک تو اس کے مخصوص مفاد پر زد پڑتی ہے اور دوسرا اسے حضرت مسیح موعود کی ذات سے خدا واسطے کا بَیر ہے وہ نہیں چاہتا کہ وہ کسی طور اس زمانہ کے مجدد، مسیح موعودؑ اور مہدی موعود تسلیم کر لئے جائیں۔ لیکن وقت بہت قریب ہے کہ تارِ عنکبوت سے بنا ہوا یہ جالا تار تار ہو جائے گا اور اگر مسلمان نہیں تو دوسری قومیں اس سچائی کو پالیں گی کہ حضرت مرزا صاحب واقعی چودھویں صدی کے ایک عظیم ریفارمر اور مصلح تھے اور ان کا مقصد دنیا میں قرآن کریم کی تعلیم کو عام کرنا تھا جس کے ساتھ نہ صرف مسلمانوں بلکہ تمام دنیا کی نجات وابستہ ہے۔

مسلمانوں کو یہ یاد رکھنا چاہیئے اور موجودہ واقعاتِ عالم سے ان کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں کہ جب تک وہ اپنی خواہشاتِ نفس پر چھری پھیر کر قرآن کریم کی طرف واپس نہیں لوٹیں گے نہ وہ متحد ہو سکتے ہیں نہ وہ دشمن کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور نہ وہ سیاسی سماجی اور معاشی طور پر ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتے ہیں۔ انہیں اپنے ایسے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کو شناخت کرنا پڑے گا جو اُن کے درمیان پھوٹ اور تفرقہ ڈال کر دشمن کے ہاتھ مضبوط کرتے ہیں۔ اور اس طرح مسلمان قوم کو پھر اس آگ کے گڑھے کی طرف دھکیل رہے ہیں جس سے بچانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم تشریف لائے تھے اور صدیوں کے قبائلی تعصّبات کو مٹا کر اپنے ماننے والوں کو بھائی بھائی بنا دیا۔

ہم خدا کے فضل سے مسلمان ہیں اس لئے ہم مسلمان بھائیوں کے ان جذبات اور احتجاج میں نہ صرف برابر کے شریک ہیں بلکہ ان سے دو قدم آگے ہیں لیکن ان سے بھی ایک درخواست کرتے ہیں کہ ہم جو کچھ بھی ہیں وہ اللہ بہتر جانتا ہے مگر آپ ہماری راہ میں روڑے نہ اٹکائیں۔ ہمیں دجّال اور یاجوج ماجوج اور ان کے ساتھیوں کے چہروں سے نقاب نوچ لینے دیں۔ ہمیں کسرِ صلیب کا اہتمام کرنے دیں اور ہمیں یہ کہنے دیں کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام اپنی طبعی عُمر پا کر اللہ تعالےٰ کے مقربین میں شامل ہو چکے ہیں کیونکہ اسی میں اسلام کی زندگی ہے۔ ہمیں قرآن کو دنیا میں پہنچانے دیں کیونکہ یہی وہ مشن ہے جو حضرت مرزا صاحب نے ہمارے سپرد کیا ہے۔ ہمیں آپ کی سیاست اور حکومت سے کوئی تعلق نہیں۔ ہماری یہی راہ ہے اور ہم اسی پر چلنا چاہتے ہیں۔ ہم اسی تلوار اسی توپ اور اسی ایٹم بم سے دنیا کے دلوں کو فتح کرنے کا عزمِ صمیم رکھتے ہیں۔ اور اگر آپ اب بھی جبکہ مسلمان کی توپ کا رُخ خود مسلمان کے سینے کی طرف ہے۔ یہ سمجھتے ہیں کہ روس۔ امریکہ۔ اسرائیل اور بھارت کا مقابلہ تلوار کے ذریعے ہی کیا جا سکتا ہے اور جس کے التواء کے لئے آپ شب و روز حضرت مرزا صاحب کو مطعون کرتے رہتے ہیں تو اپنے ان رہنماؤں سے جو اپنے آپ کو مسلمانوں کا امام اور پیشوا سمجھتے ہیں التجا کیجئے کہ بسم اللہ! تلوار سونت کر آگے بڑھیئے ہم آپ کے شانہ بشانہ لڑیں گے۔ کیونکہ اس حدیث کے بموجب الامام جنۃ یقاتل من ورائہ امام ایک ڈھال ہوتا ہے جس کے پیچھے لڑائی لڑی جاتی ہے۔ دشمن کا وار ڈھال کی طرح پہلے وہ خود سہتا ہے اور بعد میں اس کے پیرو۔ رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی نمونہ ہے۔ ورنہ محراب و منبر سے محض احتجاجی تقریریں کر لینے سے تاریخ کا دھارا نہیں مڑے گا اور نہ مسلمانوں کی قسمت بدلے گی۔ اَب محض وعظ کی نہیں عمل کی ضرورت ہے ؛

---

## ایک ضروری تصحیح

اخبار پیغامِ صلح مجریہ ۱۱ر فروری ۱۹۷۶ء کے صفحہ نمبر ۵ پر حضرت امام الزمان علیہ السلام کے ایک اشتہار کی تاریخ ۲۹ر مئی ۱۸۹۸ء کی بجائے سہوِ کتابت سے ۱۹۰۸ء لکھی گئی ہے جس کا ہمیں افسوس ہے۔ قارئین کرام اس کی درستگی فرمائیں۔ (ادارہ)

# محاسبۂ الٰہی کا خوف انسان کو بدیوں سے باز رکھتا ہے

## اور اللہ تعالیٰ کی قدرت وطاقت کا تصوّر انسانی کردار کو بلند کرتا ہے

**خُطبۂ جُمعہ - مؤرخہ ۲۰ر فروری ۱۹۷۶ء - فرمودہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ - بمقام جامع احمدیہ - احمدیہ بلڈنگس لاہور**

لِلہِ مافی السمٰوٰت و مافی الارض وان تبدوا مافی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ فیغفر لمن یشاء و یعذب من یشاء واللہ علیٰ کلّ شیءٍ قدیر۔ اٰمن الرسول بما اُنزل الیہ من ربّہ والمؤمنون کلٌّ اٰمن باللہ و ملٰئکتہ وکتبہ و رسلہ لا نفرق بین احد من رسلہ، وقالوا سمعنا و اطعنا غفرانک ربّنا و الیک المصیر۔ ......... ربّنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا۔ ربنا ولا تحمل علینا اصراً کما حملتہٗ علی الذین من قبلنا۔ ربنا ولا تحمّلنا مالا طاقۃ لنا بہٖ واعف عنا وقفہ واغفرلنا وقفہ وارحمنا وقفہ انت مولٰنا فانصرنا علی القوم الکافرین ——— (البقرہ - آخری رکوع)

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ زمین و آسمان کی وسعتوں میں جس قدر بھی مخلوق ہے ان سب پر میرا تصرف و قبضہ ہے - اور ان سب کا مجھے پورا پورا علم ہے - الا یعلم من خلق - بھلا وہ نہ جانے - جو خالق ہے - مالک ہے اور علیٰ کلّ شیءٍ قدیر ہے -

فرمایا - اس رکوع میں دنیا میں زندگی گذارنے کے طریقوں کا ذکر ہے اور ساتھ ہی یہ انتباہ بھی فرما دیا ہے کہ وان تبدو ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ - جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے - تم اس کو ظاہر کرو یا چھپاؤ - اللہ تم سے اس کا حساب لے گا - کیونکہ وہ تمہارے سینوں کے رازوں کو جانتا ہے - اور اس کی تمہارے پاتال تک نظر ہے - اس بیان کا مقصد یہ ہے کہ میرے رسول خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمنین کی جو جماعت تیار کی ہے - اسے ان احکام پر عمل کرنا چاہیئے -

جس قوم کو یہ یقین ہوا کہ اللہ تعالےٰ ہمارے ارادوں کو جانتا ہے - وہ پاک ہو گئی - وہ گناہ کے نزدیک جا ہی نہیں سکتی - اس کا قلب منوّر ہو گیا - اس کا اُٹھنا، بیٹھنا اور ہر کام با برکت بن گیا - کیونکہ اس کے دل میں خُدا بس گیا - زندگی کے تمام معاملات میں اس سے خدا پرستی کا اظہار ہوا یہ قوم رسول کریم صلعم کی قوم تھی - جس کے اعمال میں خلق الٰہی کی تصویر نظر آتی تھی - اور بقول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور کی زندگی میں قرآن نظر آتا تھا - اللہ اور اس کا رسول یہ چاہتا ہے کہ ساری اُمّتِ مُسلمہ اخلاقِ الٰہی کی مظہر ہو - دِلوں میں طہارت پیدا ہو - آپس میں اِتحاد ہو - ساری قوم مل کر کام کرنے والی ہو - اس سے برکت پیدا ہوتی ہے -

پس دِلوں کے ارادوں سے واقف خُدا ہے - تم کبھی غافل نہ ہو - خدا تعالےٰ کے احکام پر عمل کرو - تم میں منفرد کردار ہو - تمہارے اندر یہ یقین ہو کہ خدا ہر جگہ موجود ہے اور وہ ہمیں دیکھ رہا ہے - صحابہ کرامؓ جہاں بھی گئے خلقِ رسُول کا نمونہ ساتھ لے گئے - مشرق اور مغرب اور شمال اور جنوب، ہر جگہ کے انسان ان کے پاک نمونہ سے متاثر ہو کر مسلمان ہوئے، صحابہ کرامؓ کی بلندئ کردار نے دِلوں کو فتح کیا -

مَیں نے باہر جا کر غیر مُلکوں میں ان کی عظمت کے نشانات دیکھے ہیں - تم بھی عمل کرو - عمل کرو - تمہارے کارخانوں، تمہاری دکانوں، اور تمہارے گھروں میں اسلام کی برکت کا ظہور ہو - صرف زبان سے محض مان لینے کا کیا فائدہ ہے - عمل سے بہشتی زندگی بنتی ہے - اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے حصہ ملتا ہے -

فرمایا مؤمن کہتے ہیں سمعنا، سُن لیا - اور اس کے بعد یہ بھی کہتے ہیں واطعنا - یعنی ہم نے اطاعت کی اور فرمانبرداری بھی اختیار کی - پھر وہ (مؤمن) پکارتے ہیں غفرانک مولا! ہم تیری حفاظت کے طلبگار ہیں - اگر ہمارے اعمال میں کوئی کمزوری رہ گئی ہے تو معاف فرما دے - یعنی اپنی رحمت سے ہماری کمزوریوں کی پردہ پوشی فرما - حالتِ اضطراب میں پردہ پوشی کی یہ دُعا بڑی پُراثر ہے - جیسے کوئی شخص چور کی موجودگی میں ڈرتے ہوئے پورا فقرہ ادا نہ کر سکے اور صرف "چو" اس کے مُنہ سے نکلے -

دُعا کرو کہ ہم سب پاک ہو کر خدا تعالےٰ کے حضور حاضر ہوں - اور دنیا سے جاتے وقت نیک اعمال کا زادِ راہ ہمارے ساتھ ہو - موت یقینی ہے - اور اس سے مفر نہیں ہے - لہٰذا اپنا نمونہ اچھا پیش کرو - تمہاری زندگی پاکیزگی کا ایک نمونہ ہو اور رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سچّی پیروی کا اس میں صحیح نقشہ ہو - لوگوں سے معاملات میں، برتاؤ میں اس کا عکس ہو - آگے آتا ہے لا یکلّف اللہ نفساً الا وسعہا - اللہ تعالےٰ انسانوں پر ان کی برداشت اور طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا -

پھر دُعا سکھائی ہے - کہ اے ہمارے ربّ اگر ہم بھول جائیں یعنی دانستہ یا نادانستہ تیری نافرمانی کر بیٹھیں تو ہمیں نہ پکڑنا اور اے ہمارے ربّ ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالنا جیسا تو نے ہم سے پہلوں پر ڈالا - اور ایسا بوجھ بھی ہم پر نہ ڈالنا جس کے اُٹھانے کی ہم میں ہمّت نہ ہو - اور ہمیں معاف فرما - ہماری حفاظت فرما اور ہم پر اپنے کمال فضل سے رحم فرما - اور مخالفین کے مقابلے میں ہمیں اپنی نصرت سے نواز - مبارک ہے وہ قوم جو احکامِ الٰہی پر سچے دل سے عمل کرتی ہے -

## حدیث میں ہر صدی کے سر پر ایک مجدّد آنے کا ذکر ہے

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا باغ سرسبز ہے اور برگ و بار سے لدا ہوا ہے - جماعتِ احمدیہ پر خدا تعالےٰ کا خاص فضل ہے - کہ اس نے اپنے زمانہ کے مجدّد کو شناخت کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کے نمونہ کو اس زمانہ میں دہرایا - ہم نے اس مجدّد کا زمانہ پایا جس کی کتابوں میں الٰہی نوُر ہے - جس نے دہریت، مادیت اور جملہ ادیانِ باطلہ کا مقابلہ کر کے دکھا دیا - جس نے منکرینِ خُدا پر، خُدا کی طرف سے ایک حجت قائم کی -

اے جماعتِ احمدیہ! مَیں تم سے خاص طور پر مخاطب ہوں کہ تم نیک ہو جاؤ - ایک ہو جاؤ - مُبارک ہے وہ قوم جو دوسروں کے ساتھ فراخی کا سلوک کرتی ہے ٭

از: راہ نورد

# سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تفسیر تفہیم القرآن کا ایک مختصر جائزہ

قرآنِ پاک کے مخاطبوں میں ایک بہت اہم گروہ عیسائیوں کا بھی ہے اور قرآن پاک ان کے مسلک کو تفصیلاً زیرِ بحث لایا ہے۔ مستشرقین یورپ اور مسیحی منادوں نے اس بحث کو سمجھنے کی بجائے یہ کہنا شروع کر دیا کہ قرآن پاک نعوذ باللہ یہودیوں اور عیسائیوں کی روایات سے اخذ کر کے خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی تصنیف ہے اور اس کا ماخذ وحی الٰہی نہیں اس الزام کو ان اسرائیلی کہانیوں نے بہت تقویت دی جو ہمارے مفسرین نے بدقسمتی سے اپنی تفسیروں میں نقل کر دیں۔ ان کہانیوں نے متن قرآن کے معانی کو ہمارے مفسروں اور مترجموں کے لئے ان کہانیوں کا پابند کر دیا۔ حالانکہ ان کہانیوں کی صحت کو متن قرآن کریم کی روشنی میں جانچا جانا چاہیئے تھا نہ کہ متن قرآن کے معانی ہی ان کہانیوں کی رعایت سے کئے جاتے۔ اپنی عددی قوت اور وسعت تبلیغ و تاثیر کے باعث عیسائی اور عیسائیت یقیناً وہ طاقت ہیں جن کے مسلک کا تجزیہ کرنا اسلام کے لئے ضروری تھا۔ اور اس تجزیئے میں حضرت مسیح علیہ السلام مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ اُن کی شخصیت کو جس طور پر دیو مالائی اور مافوق الفطرت یا بالائے عقل بنا دیا گیا ہے وہ عیسائیت کی بنیادی ضروریات کا عین تقاضا تھا۔ آدم کا گناہ کرنا اور اولادِ آدم کا اس گناہ کے سبب موروثی اور پیدائشی گنہگار ٹھہرنا اس بات کا متقاضی تھا کہ اولادِ آدم کا نجات دہندہ آدم کی اولاد نہ ہو تاکہ وہ اس وراثت کو پیدائشی طور پر حاصل نہ کرے جو آدم کے نطفے سے ہر فرزند آدم کا مقدر ہے۔ مسیحیت نے جب اولاد آدم کو پیدائشی اور موروثی گنہگار ٹھہرایا تو مسیحؑ کو اس وراثت سے پاک رکھنے کے لئے آدم کی نسل سے ہٹا کر نعوذ باللہ خدائی اختیارات سونپے کیونکہ آدم کی اولاد تو گنہگار تھی وہ با اختیار کیسے ہوتی۔ مٹی کے پرندے بنا کر اُن میں رُوح ڈالنا۔ مُردہ انسانوں کو دوبارہ زندگی دینا۔ اندھوں۔ کوڑھیوں اور اپاہجوں کو چشم زدن میں آنکھوں والا۔ پاک صاف۔ اور خود کار کر دینا۔ یہی نہیں بلکہ خود بھی موت کے منہ سے نکل کر گذشتہ تقریباً دو ہزار سال سے اسی جسم کے ساتھ زندہ آسمانوں پر موجود ہونا۔ سب اُس کے مخصوص امتیازات گردانے گئے جو کسی دوسرے انسان کو آج تک نہیں ملے۔ یہ ابدی زندگی جو اسی جسم کے ساتھ مسیح کو حاصل ہوئی اس میں مسیح کا صلیب پانے والا واقعہ ایسا نہ تھا جیسے تاریخی طور پر جھٹلایا جا سکتا ہے اور یہودیوں کے نزدیک کسی مدعی رسالت و نبوت کا کاٹھ پر لٹکایا جانا اور اس پر جان دے دینا اُس کے کاذب ہونے کا ثبوت تھا کیونکہ انہوں نے اپنی کتابوں میں یہی پڑھا تھا:۔

"وہ جو پھانسی دیا جاتا ہے خدا کا ملعون ہے۔"

(استثناء ۲۱:۲۱)

اور خود عیسائیوں نے بھی پرانے صحیفوں سے یہی کچھ سمجھا تھا:۔

"کیونکہ لکھا ہے جو کوئی کاٹھ پر لٹکایا گیا سو لعنتی ہے"

(گلیتون ۔ ۳ : ۱۳)

اس لئے مسیحی معتقدات میں پہلے مسیح کو پاک ٹھہرایا گیا اور دیگر تمام ابنائے آدم کو پیدائشی طور پر گنہگار سمجھا گیا جس میں نعوذ باللہ تمام انبیاء بھی شریک تھے۔ عدل اور رحم کے باہمی ٹکراؤ سے بچنے کے لئے خدا نے اپنے [illegible] کنواری عورت [illegible] بغیر باپ کے پیدا ہوا ۔ یوں آدم کا گناہ مسیح میں منتقل نہ ہو سکا۔ اور اولاد آدم کو گناہوں اور دُکھوں سے بچانے کے لئے اسے نعوذ باللہ "اکلوتے بیٹے" مسیح کو جو بے گناہ تھا عدل کی بھینٹ چڑھا دیا اور یوں مسیحی معتقدات کے تحت آدمؑ اور اولادِ آدم کے گناہوں کا بوجھ مسیح کے کندھوں پر ڈالا گیا تاکہ وہ نعوذ باللہ لعنتی موت مر کر انسانی گناہوں کی سزا پانے کے لئے جہنم میں جائے اور یوں اولاد آدم کو اس سزا سے بچائے تا جو کوئی اس کے کفارہ پر ایمان لائے نجات پا جائے۔ مسیح کے مصلوب ہونے کے بعد اسی جسم کے ساتھ دوبارہ زندگی کا دعوےٰ بھی اسی مسیحی عقیدہ کی ضرورت تھی۔ اگر وہ دوبارہ مسیحؑ کو اسی جسم کے ساتھ جی اُٹھ کر اب تک زندہ تسلیم کرتے تو یہودی معتقدات کے تحت مسیح نعوذ باللہ کاذب ٹھہرتے تھے کیونکہ وہ مصلوب ہوئے اور جان دے دی۔

اس طرح مسیحؑ تمام انسانوں سے الگ ایک ایسا منفرد وجود بن گیا جو نوع انسانی پر نافذ تمام طبعی قوانین سے نہ صرف بالا تر ہو گیا بلکہ بادی النظر خود اُن قوانین کی قوتِ متحرکہ یا نعوذ باللہ ان پر حاکم نظر آنے لگا۔ اب چند لمحے توقف کیجئے اور سوچئے کہ سب انسان تو طبعی قوانین سے پیدا ہوئے اور مسیح اُن سے علاحدہ رکھے جائیں۔ تمام انسان تو ایک طبعی عمر پا کر کسی نہ کسی طرح پر فوت ہو جائیں اور مسیح دو ہزار سال سے زندہ موجود ہوں۔ تمام انسان تو مل کر بھی کسی پرند یا مخلوق کے پتلے میں جان نہ ڈال سکیں اور مسیح پرند بنا کر ان میں جان ڈال دیں۔ کیا یہ سب باتیں مسیح کو ایک ہستی نہیں بنا دیتیں جو انسانوں سے یقیناً مختلف ہے۔ اب اگر عیسائیوں نے مسیح کو خدا اور خدا کا بیٹا بنا دیا تو ان کے پاس ایسا باور کرنے کے وجوہ ظاہراً موجود ہوں گے سورۃ آلِ عمران میں حضرت مسیحؑ کا ذکر ہے۔ مودودی صاحب لکھتے ہیں:۔

"یہاں یہ بات اور سمجھ لینی چاہیئے کہ قرآن کی یہ پوری تقریر دراصل عیسائیوں کے عقیدہ الوہیت مسیح کی تردید و اصلاح کے لئے ہے اور عیسائیوں میں اس عقیدہ کے پیدا ہونے کے اہم ترین اسباب تین تھے:۔

(۱) حضرت مسیح کی اعجازی ولادت

(۲) ان کے صریح محسوس ہونے والے معجزات

(۳) ان کا آسمان کی طرف اُٹھایا جانا جس کا ذکر صاف الفاظ میں ان کی کتابوں میں پایا جاتا ہے"

(تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ ۲۵۷)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ مقصود جس کی نشاندہی مودودی صاحب نے عیسائیوں کے عقیدہ الوہیت کی تردید و اصلاح کے عنوان سے کی ہے ان تمام باتوں کو جو عیسائیوں کے معتقدات میں علیٰ حالہ مان لینے سے حاصل ہو جاتا ہے؟ ہمارا خیال ہے کہ ایسا ممکن نہیں۔ اس کا ثبوت گذشتہ کم از کم ایک ہزار سال سے کروڑوں انسانوں کا الوہیت مسیح پر ایمان لانا ہے۔ الوہیت جیسے وہ انہی وجوہ کی بناء پر مسیح میں متحقق سمجھتے آ رہے ہیں جن وجوہ کو مودودی صاحب نے مختصراً لیکن نہایت جامع طور پر اُوپر بیان کیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کہا جائے آخر کروڑوں مسلمان بھی تو مسیح کے ان اعجازوں کے باوجود انہیں انسان ہی سمجھتے ہیں تو گذارش ہے کہ اس سے مسیحیوں یا غلط استنباط کی تردید تو نہیں ہوتی۔ کیا قرآن پاک نے مودودی صاحب کے خیال میں ان وجوہ کی جو الوہیت مسیح کے عقیدہ کے تین اہم اسباب میں کوئی ایسی توجیہہ بیان کی ہے جو عیسائیوں کے ان معتقدات کی تردید و اصلاح کرتی ہو۔ مودودی صاحب کا کہنا ہے:۔

قرآن نے پہلی بات کی تصدیق کی اور فرمایا مسیح کا بے باپ پیدا ہونا محض اللہ کی قدرت کا کرشمہ تھا.............. دوسری بات کی بھی قرآن نے تصدیق کی اور خود مسیح کے معجزات ایک ایک کر کے گنوائے مگر بتا دیا کہ یہ سارے کام اس نے اللہ کے اذن سے کئے تھے ..................

اب تیسری بات کے متعلق اگر عیسائیوں کی روایت مرے سے بالکل ہی غلط ہوتی تب تو ان کے عقیدہ الوہیت مسیح کی تردید کے لئے ضروری تھا کہ صاف صاف کہہ دیا جاتا کہ جسے تم اللہ اور ابن اللہ بنا رہے ہو وہ مرکر مٹی میں مل چکا ہے..... لیکن ایسا کرنے کی بجائے قرآن ........ ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے جو زندہ اٹھائے جانے کے مفہوم کا کم ازکم احتمال تو رکھتے ہیں۔" (ایضاً صفحہ ۲۵۸)

یعنی وہ تینوں باتیں جن پر الوہیت مسیح کے عقیدہ کی بنیاد ہے مودودی صاحب کے نزدیک واقعتہً تو درست ہیں البتہ اُن سے وہ مفہوم لینا جو الوہیت مسیح کا عقیدہ بُن دے غلط ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ :۔

(۱) بے باپ پیدا ہونا محض اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہے اللہ جس طرح چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔"

(۲) "کہ یہ سارے کام (یعنی معجزات ـــ ناقل) اس نے اللہ کے اذن سے کئے تھے یا اختیار خود کچھ بھی نہیں کیا۔"

(اور) (۳) "کہ مسیح سرے سے صلیب چڑھائے ہی نہیں گئے۔ یعنی وہ جس نے آخری وقت میں ایلی ایلی لما سبقتانی کہا تھا اور وہ جس کی صلیب پر چڑھی ہوئی تصویر تم لئے پھرتے ہو وہ مسیح نہ تھا۔" (ایضاً صفحہ ۲۵۸)

اس بات سے قطع نظر کہ کیا واقعی قرآن پاک نے یہی کہا جو مودودی صاحب بیان کر رہے ہیں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ توضیحات الوہیت مسیح کے عقیدہ کی کس طرح تردید یا اصلاح کرتی ہیں کیونکہ مودودی صاحب مانتے ہیں :ـــ

"یہ پوری تقریر دراصل عیسائیوں کے عقیدہ الوہیت مسیح کی تردید و اصلاح کے لئے ہے۔" (ایضاً صفحہ ۲۵۷)

پہلا جواب کہ اسے محض اللہ کی قدرت کا کرشمہ قرار دیا جائے اگر درست بھی مان لیا جائے تو بات یہیں تو ختم نہیں ہو جاتی۔ عیسائیوں نے حضرت عیسٰی کو اللہ اور ابن اللہ اسی وجہ سے سمجھا تھا کہ ان کی پیدائش غیر فطری طور پر بغیر باپ کے ہوئی تھی؟ سوال یہ ہے کہ آخر اللہ تعالےٰ نے مسیح کو بن باپ پیدا کیوں کیا اور وہ اصل الاصول کیوں توڑا جس سے سید الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مستثنےٰ نہیں کیا؟۔ اس میں کوئی تو مصلحتِ خداوندی ہوگی۔ وہ مصلحت مسیحی عقیدہ نے موروثی گنہگاروں کی قطار سے گنہگاروں کے منجی کو الگ اور پاک رکھنے کی صورت میں پہچان لی۔ اگر کہا جائے کہ آخر آدم کو بھی تو ماں باپ کے بغیر پیدا کیا تھا تو عرض ہے کہ وہاں تو تخلیق کا آغاز تھا۔ مسیح سے تو کوئی تخلیق جدید شروع نہ ہو رہی تھی۔ ہاں اگر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر باپ کے ہوتے تو بات کسی حد تک سمجھ میں آ سکتی تھی کہ خاتم الانبیاء پر ایک ایسا دکھا کر نبوت کو ختم کیا گیا لیکن مسیح میں تو کوئی ایسی بات بھی نہ تھی۔ اللہ تعالےٰ کا کوئی کام بے مقصد نہیں۔ مودودی صاحب کو چاہیئے تھا کہ حضرت مسیح کے بن باپ پیدا ہونے کی مصلحت بھی بیان کر دیتے محض کرشمۂ قدرت الٰہی کہہ دینا کافی نہیں کیونکہ جس بات کو آپ محض کرشمہ قدرت الٰہی کہہ رہے ہیں اس پر ایک عظیم مشرکانہ عقیدے کی عمارت اٹھائی گئی ہے اور آپ خود مانتے ہو کہ یہاں دراصل ہی مشرکانہ عقیدے کی نفی کی خاطر یہ سب کچھ کہا گیا ہے۔ بات صرف پیدائش تک محدود نہیں بلکہ آدم کے گنہگار ہونے اور اولاد آدم کے نسلاً بعد نسل اس گناہ کے داغ کو پیدائشی طور پر مرد کے ذریعے پانے اور ہبوط نسل انسانی اور اس ہبوط سے نجات پانے تک ممتد ہے۔ آپ نے دیکھا کہ معاملہ صرف پیدائشی اعجاز کا نہیں بلکہ اس سے پیدا ہونے والے عقیدہ کا ہے۔ اور دونوں کا آپس میں گہرا رشتہ ہے۔

رہا دوسرا جواب تو اس میں بھی مسیحی عقیدہ جناب مسیح کے اختیارات باپ سے اس مخصوص رشتے کی بنا پر ماخوذ مانتا ہے جو باپ اور بیٹے کو باہم مربوط کرتا ہے۔ یہ باپ ہی تو ہے جس نے بیٹے کو اختیار دیا ہے۔ عقیدہ ابن اللہ ہونے کا ہے اور اس ابنیت کے سبب اُسے ان اختیارات کے استعمال کا حق بخشا گیا ہے جس سے دوسری نوع انسانی کو جو مخلوق ہے اور خدا تعالےٰ کے ساتھ شریکِ اختیار نہیں ہو سکتی باز رکھا گیا ہے۔ اب آپ کی توضیح کہ مسیح کے محسوس معجزات مسیح کے اپنے اختیار سے نہیں بلکہ باذن اللہ تھے۔ مسیح کے باذن اللہ ہونے کی کس طرح نفی کرتی ہے؟ کیا باپ کے تفویض کردہ اختیارات استعمال کرنے سے بیٹے کی ابنیت کی نفی ہو جاتی ہے؟ مسیحی عقیدہ تو یہی ہے کہ مسیح کے اختیارات اس کے اس مخصوص رشتہ سے ماخوذ تھے جو اُسے خدا تعالیٰ کا نعوذ باللہ اکلوتا بیٹا ہونے کے سبب حاصل تھے۔ یہاں بھی وہی اُلجھن ہمارا راستہ روکتی ہے جو پہلے جواب کی راہ میں حائل ہے کہ بالفرض ان اختیارات اور محسوس معجزات کی تفویض اور صدور میں مصلحت الٰہی کیا تھی۔ اگر کہا جائے کہ نبوت مسیح کی تائید تو ایک بار پھر یاد رکھیئے کہ یہاں مودودی صاحب کو مسلّم ہے کہ قرآن پاک :ـــ

"عیسائیوں کے عقیدۂ الوہیت مسیح کی تردید و اصلاح کے لئے"

یہ سب کچھ بیان کر رہا ہے۔ یعنی مقصود الوہیت مسیح کی نفی ہے نہ کہ نبوت مسیح کا اثبات۔ مخاطب مسیحی ہیں نا کہ یہود۔

اب رہا تیسرا جواب تو مودودی صاحب مانتے ہیں کہ جہاں تک نفسِ واقعہ کا تعلق ہے وہ ضرور پیش آیا تھا۔ ہر چند کہ :ـــ

"وہ جس نے آخری وقت میں ایلی ایلی لما سبقتانی کہا تھا اور وہ جس کی صلیب پر چڑھی ہوئی حالت کی تصویر تم لئے پھرتے ہو وہ مسیح نہ تھا"

یعنی یہ درست ہے کہ تاریخی طور پر ایک شخص کو آج سے تقریباً انیس سو سال قبل یروشلم میں یہودوں کے اصرار پر رومیوں کی تصدیق سے صلیب مروڑ دیا گیا تھا اور اس نے آخری وقت میں ایلی ایلی لما سبقتانی بھی کہا تھا لیکن وہ مسیح نہ تھا۔ لیکن یہ کہہ چکنے کے باوجود مودودی صاحب کو اس بیان کی کمزوری کا احساس ضرور ہوگا کیونکہ وہ لکھتے ہیں :ـــ

"تاہم ان (یعنی یہودیوں ـــ ناقل) کا جُرم اس سے کم نہیں ہوتا کیونکہ جس کو اُنہوں نے کانٹوں کا تاج پہنایا جس کے منہ پر تھوکا اور جسے ذلت کے ساتھ صلیب پر چڑھایا اس کو وہ عیسٰی بن مریم ہی سمجھ رہے تھے۔" (ایضاً صفحہ ۴۱۹)

لیکن اس کا ایک دوسرا رُخ بھی ہے جو شاید نظروں سے اوجھل رہ گیا ہے اور وہ یہ کہ جن کو مجرم کہا جا رہا ہے ان کو تو اس بات کا علم ہی نہ ہو سکا کہ انہوں نے کوئی جُرم کیا ہے۔ وہ تو اپنے نزدیک عین ثواب کا کام کر رہے تھے اور دین کی حفاظت کا اہم فریضہ سرانجام دے رہے تھے۔

جس پر ان کے اعتقاد کی رُو سے جرم کے ظاہراً پورے طور پر انجام پا جانے سے مہر تصدیق ثبت ہو رہی تھی کہ :۔

"وہ جو پھانسی دیا جاتا ہے خدا کا ملعون ہے"

اور وہ جو ملعون ہو وہ نبی کیونکر ہو سکتا ہے۔

یہ تو یہودوں کا معاملہ رہا۔ لیکن جہاں تک عیسائیوں کا تعلق ہے اور جنہیں مودودی صاحب یہ کہکر حیرت میں ڈال دینا چاہتے ہیں کہ :۔

"وہ جس کی صلیب چڑھی ہوئی حالت کی تصویر تم لئے پھرتے ہو وہ مسیح نہ تھا۔ مسیح کو تو اس سے پہلے ہی خدا نے اٹھا لیا تھا"

کیا وہ بھی اس واقعہ کے عینی شاہد نہ تھے جس کا ذکر مودودی صاحب نے یہ کہکر کیا ہے :-

"جس کو انہوں نے کانٹوں کا تاج پہنایا جس کے منہ پر تھوکا اور جسے ذلت کے ساتھ صلیب پر چڑھایا اس کو وہ عیسیٰ بن مریم ہی سمجھ رہے تھے"

اب نفسِ واقعہ کے دونوں گواہ ——— یہود اور مسیحی تو ایک ایسے شخص کے مصلوب ہونے کا ذکر کرتے ہیں جو ان کے درمیان وجہ نزاع ہے - اور اسے مسیح ہی کہتے ہیں - نہ یہودیوں کو اس کا علم ہو سکا ہے کہ جسے صلیب دیا گیا وہ مسیح نہ تھا اور نہ عیسائیوں نے آج تک کہا کہ وہ شخص جس کو صلیب دیا گیا وہ مسیح کے سوا کوئی اور تھا - تو بعد میں محض یہ کہہ دینے سے کہ وہ جسے صلیب دیا گیا وہ مسیح نہ تھا مسیحی عقیدہ کی تردید کیسے ہو گئی؟ یہ دعوے تو محض دعوے ہے جس کی کوئی دلیل یا کوئی ثبوت بھی تو ہونا چاہیئے اگر بالفرض محض اس دعوے سے مسیحی عقیدہ کی تردید ہو گئی تو اُن چھ صدیوں میں گذر جانے والے مسیحیوں اور یہودیوں کا کیا قصور ہے جنہیں مودودی صاحب کا نکتۂ نظر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل معلوم ہی نہ ہو سکا - اور وہ مسیح کے کفارے پر اس کی موت کے باعث ہی ایمان لاتے رہے :-

"لیکن عیسائیوں نے ......... مسیح کو خدا کا اکلوتا بیٹا قرار دیا ان کا عجیب و غریب نظریہ اس باب میں یہ ہے کہ چونکہ مسیح خدا کا مظہر اور اس کے کلمے اور اس کی روح کا جسدی ظہور ہے اس لئے وہ خدا کا اکلوتا بیٹا ہے اور خدا نے اپنے اکلوتے کو زمین پر اس لئے بھیجا کہ وہ انسانوں کے گناہ اپنے سر لے کر صلیب پر چڑھ جائے اور اپنے خون سے انسان کے گناہ کا کفارہ ادا کرے" (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ ۴۲۹)

ہم مجبور ہیں کہ کہیں کہ مودودی صاحب کی مندرجہ بالا توضیحات کے باوجود ہمارے لئے یہ بات اب بھی غیر واضح ہے - لیکن ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مودودی صاحب نے یہاں ان لوگوں کے لئے جو ایسی توضیحات کو غیر واضح اور مسئلہ متنازعہ فیہ میں مسیحی عقیدہ ہی کی تائید پر منتج ہوتا محسوس کرتے ہیں بہت ہی سخت الفاظ استعمال کئے ہیں - وہ کہتے ہیں :-

"جو لوگ قرآن کی آیات سے مسیح کی وفات کا مفہوم نکالنے کی کوشش کرتے ہیں وہ دراصل یہ ثابت کرتے ہیں کہ اللہ میاں کو صاف سلجھی ہوئی عبارت میں اپنا مطلب واضح کرنے کا سلیقہ نہیں - اعاذنا اللہ من ذالک" (ایضاً صفحہ ۲۵۸)

مودودی صاحب کی یہ بہت بڑی زیادتی ہے - وہ لوگ جو مسیح کی وفات قرآن پاک سے ثابت کرتے ہیں انہوں نے تو کبھی یہ جسارت نہیں کی کہ کہیں کہ خدا تعالےٰ کو صاف سلجھی ہوئی عبارت میں اپنا مطلب واضح کرنے کا سلیقہ نہیں - لیکن کیا خود مودودی صاحب نے اس حاشیہ سے چند سطر قبل خود ہی نہیں لکھا تھا کہ :-

"قرآن ......... ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے جو زندہ اُٹھائے جانے کے مفہوم کا کم از کم احتمال تو رکھتے ہیں" (ایضاً صفحہ ۲۵۸)

کیا یہ بات کہ "کم از کم احتمال تو رکھتے ہیں" خود ایک ایسا بیان نہیں جو متذکرہ صدر آیت پر غیر واضح ہونے کا الزام دھرتا ہے اور وہ مختلف احتمالات کی موجودگی کا اعلان کرتا ہے - کیا اللہ تعالےٰ کے کلام پر احتمالی اور غیر واضح ہونے کا الزام خود مودودی صاحب نہیں لگا رہے؟ یہی نہیں خود اس سے قبل ایک اور بحث کے دوران وہ کیا قرآنی آیت فقلنا اضربوہ ببعضھا کے بارے میں نہیں لکھ چکے :-

"لیکن اس غرض کے لئے جو تدبیر بتائی گئی تھی یعنی لاش کو اس کے ایک حصے سے ضرب لگاؤ اس کے الفاظ میں کچھ ابہام محسوس ہوتا ہے" (ایضاً صفحہ ۸۶)

(خط کشیدہ الفاظ قرآنی آیت کا اُردو ترجمہ یا مفہوم ہے) ابہام کا الزام اب کون کلام پاک کی آیت پر لگا رہا ہے اگر اب کوئی مودودی صاحب پر وہ الزام لوٹا دے جو انہوں نے قرآن پاک سے وفات مسیح کے قائلین پر لگایا ہے تو اس میں وہ غلط الزام لگانے والا نہ ہوگا کیونکہ مودودی صاحب ابہام کا خود ہی تو اقرار کر رہے ہیں -

نہ جانے مودودی صاحب نے یہ کہاں سے اخذ کر لیا کہ وفات مسیح کا مفہوم قرآن پاک سے نکالنے کا مطلب گویا نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ پر جسارت ہے کہ اسے صاف صاف بات کہنے کا سلیقہ نہیں - اگر یہ نتیجہ نکالنا درست ہے تو چھ جلدوں میں لکھی جانے والی تفسیر تفہیم القرآن کس کلام کی وضاحت ہے کیا وہ کلام ان تفسیروں کے بغیر واضح نہ تھا - آپ متن قرآن پاک کا تفسیری حصے کی ضخامت سے موازنہ کیجیئے آخر اتنے لمبے چوڑے حواشی کسی متن کی وضاحت ہی تو ہیں - تو کیا اس کا مفہوم قرآن پاک کا نعوذ باللہ غیر واضح کلام ہونا ہوگا -

قرآن پاک سے وفات مسیح پر استدلال کرنے والے تو سیدھی سادھی اور واضح عبارتیں پیش کرتے ہیں جن میں ایک جگہ اللہ تعالےٰ نے "مُتوفیک" کہکر مسیح کو مخاطب کیا ہے اور دوسری جگہ مسیح کے منہ سے "توفیتنی" کہلوا کر اللہ تعالےٰ کو مخاطب کیا گیا ہے - ہمیں تو یہ لفظ بڑے صاف نظر آتے ہیں جن کا بجز "میں تجھے وفات دینے والا ہوں" اور "جب تو نے مجھے وفات دی" اور کوئی ترجمہ کرنا خواہ مخواہ صاف لفظوں کو اُلجھانے کے سوا کچھ نہیں - لفظ متوفی - مر جانے والے کے لئے اتنا معروف ہے کہ اس کے بیان کرنے کی بھی حاجت نہیں - عدالتوں میں چلے جایئے وہاں مر جانے والے کا ذکر کرتے ہوئے بیانات میں فیصلوں میں جرح اور جواب جرح میں ہر جگہ لفظ متوفی استعمال کیا جاتا ہے - قبرستانوں کے کتبے میں تاریخ وفات لکھی جاتی ہے اور اکثر کتبوں پر آپ لفظ "متوفی" تاریخ فلاں فلاں لکھا پائیں گے - اور اگر بُرا نہ منائیں تو مودودی صاحب کے انتقال پُر ملال پر بھی اگر ان کی قبر پر بھی کوئی کتبہ ہوا تو اس پر "متوفی" ہی لکھا ہوا ہوگا ایک ایسا لفظ جو ان معنوں میں معروف ہے اس کا کوئی اور ترجمہ سیاق و سباق سے کاٹ کر کرنا مترجم کے ذہن کا اُلجھاؤ ہو تو ہو خدا تعالےٰ کے کلام میں کسی قسم کے ابہام پر دلالت نہیں کرتا - انہوں نے لکھا ہے کہ توفی کے اصل معنی لینے اور وصول کرنے کے ہیں روح قبض کرنا اس لفظ کا مجازی استعمال ہے - لیکن کیا مودودی صاحب نے جب کبھی کسی انسان کے قبض روح کے بارے میں عربی اور اردو کی کتب میں لفظ متوفی پڑھا ہے تو اس سے بجز وفات پانے کے کوئی اور مفہوم لیا ہے - پھر یہاں لغوی اور مجازی معنوں کی بحث کیوں پیدا کرتے ہیں - ہمیں گمان غالب ہے کہ مودودی صاحب دل سے اس بات کو درست سمجھتے ہیں کہ توفی کے معنے حضرت عیسےٰ کی ضمن میں بھی وفات پانے کے ہی ہیں ورنہ اُن کے قلم سے :-

"زندہ اُٹھائے جانے کے مفہوم کا کم از کم احتمال تو رکھتے ہیں"

کا جملہ نہ نکل سکتا تھا - اور وہ حتمی طور پر کہہ سکتے تھے کہ بجز زندہ

(باقی برصفحہ کالم ۲)

# قومی تعمیر کی تین بنیادی خصوصیات

## جذباتِ رحم و غضب کے استعمال کے صحیح مواقع

## احمدیوں میں عزت و مرتبت کا معیار صرف قومی خدمت ہونا لازم ہے

(۲)

### کفر کے اصولوں کے خلاف مضبوطی

اشداء علی الکفار رحماء بینھم کے جملہ کے ماتحت جس اعلیٰ درجہ کے قومی تعمیر کے اصول کو بیان کرنا قرآن کریم کے مدِ نظر ہے وہ یہ ہے کہ مومن کفر کے مقابل سخت ہوتے ہیں اور روحانی امور یعنی اخلاق عالیہ مثلاً ایمان، اخلاق، ایثار، استقلال کی بات خواہ وہ اپنوں میں نظر آئے اس کے مقابل نہ جھکنا، اس کی تائید و حمایت نہ کرنا اور اخلاق و روحانیت کا مظاہرہ خواہ وہ غیروں کی طرف سے عمل میں آئے کا گرویدہ و فریفتہ ہو جانا یہ وہ زرین اصول ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے ہی کسی ایسی قوم کی تخلیق ہوتی ہے جس کا شیوہ خدا پرستی و خدا خوفی ہو۔ ورنہ اپنے آدمیوں اور اپنی قوم کے لوگوں سے تو ہر جگہ نرمی برتنے کا اصول دنیا میں رائج ہے بلکہ آجکل تو جو قومی اصول مغرب میں مسلم ہے وہ یہی ہے کہ اپنی قوم کی طرف داری اور غیروں پر سختی ہو۔ پس اگر قرآن نے بھی اسی قسم کی جنبہ داری کی تعلیم تلقین کی ہے تو یہ تو کوئی احسن و خوبی کی بات نہیں بلکہ یہ اسی تعلیم کا نتیجہ ہے کہ دنیا میں فساد و فتنہ زوروں پر ہے۔ انصاف و عدل مفقود ہو رہے ہیں ظلم و تشدد کا دور دورہ ہے۔ مسلمان بھی اگر قومی عروج کی خاطر اسی اصول پر کاربند ہونا پسند کریں جو ان قوموں نے اختیار کیا ہوا ہے۔ جن کی تخلیق اور تعمیر اخلاق و روحانیت کے اصولوں پر قائم نہیں بلکہ دنیاوی حدود یا دنیاوی مقاصد و رشتۂ اتحاد پر جن کی بنیادیں قائم ہیں۔ تو ایسی قوم باقیوں سے کیونکر ممتاز حیثیت رکھنے کا دعوےٰ کر سکتی ہے اور کیونکر وہ صحیح معنوں میں اسلامی نصب العین کو حاصل کر سکتی ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں تاریخ سے ہمیں یہی دکھلائی دیتا ہے کہ اسلام و اخلاق کے اصولوں کے قیام میں سختی برتی گئی۔ خواہ اس کے توڑنے والے پرائے ہوں یا اپنے اور اخلاق و روحانیت کے سامنے تواضع اختیار کی گئی۔ یہ نہیں کیا گیا کہ اگر اپنوں نے اصولوں کو توڑا تو اُن سے اغماض برتا گیا اور دوسروں سے وہی بات سرزد ہوئی تو غیض و غضب دکھلایا گیا۔ آج بھی جس ایک اصول کے قائم نہ کرنے سے مسلمان قوم اسلامی معیار پر ترقی پذیر نہیں ہوتی وہ یہی اصول ہے کہ حق و حقانیت کو پہلے اپنے آدمیوں کے اندر رائج کیا جائے۔ اور پھر یہ توقع ہو کہ دوسرے بھی اس پر عمل پیرا ہوں گے مگر ملاّ کا سارا غیض و غضب کفار کی سرکوبی پر ختم ہو جاتا ہے۔ اپنوں کی اصلاح کے لئے جس قسم کی مضبوطی درکار ہے وہ کہیں دکھلائی نہیں دیتی۔ کہیں یہ تنگ دلی و تعصب ہے کہ اپنے فرقہ کے علاوہ دوسری جگہ کسی نیکی و حق پرستی کا اعتراف کرنا بھی گناہ خیال کیا جاتا ہے اور کہیں یہ نفس پرستی ہے کہ اپنی عزت و وجاہت کے قیام پر سارا زور صرف ہوتا ہے۔ اصولِ حقہ خواہ کیسے عظیم الشان ہوں اپنوں کی طرف سے عمداً انکار رد کیا ہو رہا ہو۔ لیکن وہاں غیرت حرکت میں نہ آئیگی البتہ جہاں ذاتی قدر و منزلت میں فرق آنے کا سوال ہو وہاں دوسری طرف خواہ کیسا ہی اخلاق و ایثار، ایمان، قومی خیر خواہی کا جذبہ موجود ہو۔ ایک ادنیٰ غلطی بھی گردن زدنی قرار دے دی جاتی ہے۔

### قومی نظام طرفداری و جنبہ داری سے مبرا ہونا چاہیئے

متذکرہ بالا بیان سے یہ مطلب نہیں کہ جہاں کسی اپنے آدمی سے قصور سرزد ہوا وہاں اس کے برخلاف پوری شدت و سختی سے کارروائی کی جائے۔ معافت و نرمی ایک اعلیٰ درجہ کی خوبی ہے اور اپنوں کے ساتھ تو برتاؤ کرنے میں تو اس خصلت کا اظہار کرنا اور بھی ضروری اور قومی تعمیر کے کام کے لئے نہایت اہم ہے لیکن یہاں سوال ان اصولوں کا ہے جن پر قومی ترقی کی بناء ہے، نہ کہ ادنیٰ ذاتی کمزوریوں کا۔

وہ اصول جو قرآن کریم نے تلقین کئے اور پھر آنحضرت صلعم نے اپنی مبارک زندگی میں انہیں عملی جامہ پہنایا وہ قومی طور پر ایک وسیع پیمانہ میں حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی خلافتوں کے زمانہ میں کیونکر رائج ہو گئے؟ اگر اس سوال کے جواب میں کسی ایک اصول کا نام لیا جا سکتا ہے تو وہ یہی اصول ہے کہ ان دو اصحاب کبار رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے اس اصول کو اپنی خلافتوں کی بناء قرار دے لیا تھا کہ محکم قومی اصولوں کی خلاف ورزی جہاں ہوتی دکھلائی دے وہاں پوری تندہی و مضبوطی سے کام لیا جائے چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے سارے ملکِ عرب کے خلاف اس لئے جنگ کی کہ وہ لوگ زکوٰۃ کے اصول کو ماننے سے انکاری ہو رہے تھے اگر وہ اس موقع پر نرمی اختیار کرتے جیسے کہ ایک سطحی انسان کہے گا کہ اپنوں کے خلاف جنگ نہ کرنی چاہیئے تھی تو نتیجہ اس کمزوری کا واضح تھا کہ ایک مضبوط قومیت کی بنیاد جو قرآنی اصولوں کو عملی جامہ پہنانے پر سختی سے کاربند ہو ہرگز نہ پڑ سکتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ نے بھی اپنی خلافت کے دوران میں اسی اصول کو محکم طور پر مدِ نظر رکھا۔ جبلہ ایک قوم کا رئیس اور حاکم تھا۔ جب اس کا تنازعہ ایک غریب عامی مسلمان سے ہو گیا۔ تو حضرت عمرؓ نے فیصلہ کے وقت ہرگز جبلہ کی دنیاوی وجاہت و عزت کا پاس نہیں کیا بلکہ اسکے خلاف فیصلہ صادر کیا اور اس فیصلہ کے اجراء میں یہاں تک سختی سے کام لیا کہ جبلہ بھاگ کر اسلام سے منحرف ہو گیا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس امر کی بھی پرواہ نہ کی اگر حضرت عمرؓ جبلہ کی دنیاوی وجاہت کے مقابل یا کم از کم اس کی اس دھمکی کے مقابل وہ اسلام کو چھوڑ دے گا دب جاتے اور منصفانہ کے خلاف احکام کا نفاذ چھوڑ دیتے اور غلطی سے اسے اپنوں کے خلاف نرمی و رافت کے مترادف سمجھ لیتے تو پھر نتیجہ ظاہر ہے جگہ جگہ اسی قسم کے لوگ پیدا ہو جاتے جو قرآنی اصولوں کو توڑتے اور پھر دنیاوی رعب یا دھمکیوں سے اپنا بچاؤ کر لیتے تو اس صورت میں کہاں اس قوم کی تشکیل ہوتی جو قرآنی اصولوں کو محکم پکڑتی؟ اس طرح جب خالد بن ولیدؓ نے قومی حساب دینے سے انکار کیا تو کیا حضرت عمرؓ وہاں اس لئے دب گئے کہ یہ اپنا بھائی ہے اور اس قدر عظیم الشان جرنیل ہے جس کی تلوار نے کفر کے مقابل ایسی شاندار کامیابی حاصل کی ہے؟ اگر آپ ایسے موقع پر نرم پہلو اختیار کرتے تو نتیجہ ظاہر ہے قوم میں حق پرستی اور قومی امانت و دیانت کے متعلق وہ قوتِ عمل پیدا نہ ہوتی جو ایک خدا پرست قوم کا شعار ہونا چاہیئے۔ کیا حضرت عمرؓ نے اس موقع پر اعلےٰ درجہ کی قابلیت اور خدمتِ اسلام کے کام کو اخلاق و روحانی امور کے مقابل برتری دی؟

### ذاتی معاملات و اعتراضات میں حضرت عمرؓ کا عفو

لیکن ان واقعات سے یہ بھی نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ شاید حضرت عمرؓ کی طبع بھی

سخت گیر واقع ہوئی تھی اور وہ اپنی رائے کے خلاف کسی کی نہ سن سکتے تھے۔ ہرگز نہیں بلکہ متعدد مواقع پر آپ نے پبلک میں اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ جب ایک بدو عورت نے عورتوں کے مہر پر پابندی کے خلاف حضرت عمرؓ کے خطبہ کے بالمقابل قرآنی آیت پیش کی تو آپ نہ کوئی تاویل کی نہ ہی اپنی عزت و وجاہت کے سوال کو ملحوظ رکھ کر کسی ایچا پیچی سے کام لیا۔ صاف اور کھلے الفاظ میں اسی مجلس میں اعتراف کیا۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ ذات درمیان میں نہ تھی۔ مقصد تو قرآنی تعلیم کا بول بالا تھا۔ جب اپنی رائے کی غلطی کی اطلاع ہوئی تو فوراً رجوع کر لیا اسے کہتے ہیں قرآن کو مقدم کرنا اور یہ وہ روح ہے جس سے قوم کے اندر قرآن اور اس کے اصولوں کو مقدم کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے خواہ اس سے اپنی یا اپنے لوگوں کی ہی ذلت کیوں نہ ہو۔ ایک دوسرے مشہور موقع پر ایک شخص نے کسی غلط فہمی کے ماتحت حضرت عمرؓ کی امانت و دیانت پر شک ظاہر کیا چونکہ اس غلطی میں اس شخص کی نیت میں کوئی فتنہ و فساد نہ تھا بلکہ نیک نیتی سے ایک شبہ کا ازالہ منظور تھا اس لئے حضرت عمرؓ نے باوجود اس کے کہ اس شخص کا شبہ سراسر غلط تھا اور باوجود اس کے کہ اس نے عام مجلس میں بلا تحقیق وہ اعتراض پیش کر دیا تھا اسے کوئی سزا نہیں دی۔ بلکہ نہایت احسن و عمدہ طریق سے اس کی اس غلطی پر آگاہ کر دیا۔ اب جو شخص سخت گیر و جابر طبع ہوتے ہیں کیا وہ اپنی ذات کے خلاف پبلک میں ایسی ذلت اور پھر سراسر غلط الزامات کو سن کر خاموش رہتے ہیں؟

یہ چند ایک ایسی مثالیں ہیں جن سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ جس قوم کے مدنظر قرآنی اصولوں کا بول بالا ہو عملی زندگی کے میدان میں وہ قوم کیونکر بیک وقت ایک طرف قومی تعمیر کے کام کو اور دوسری طرف قال اللہ اور قال الرسول کو غالب و بلند کرنے میں کامیاب ہوتی ہے۔

## احمدی قوم کی تربیت و توسیع کے چند بنیادی اصول

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی احیائے دین کے مقصد کی خاطر دوبارہ مسلمان قوم کی تشکیل قرآنی اصولوں پر قائم کرنا چاہی۔ انتہائی نصب العین یہی ہے کہ ایک ایسی قوم پیدا ہو جس کے مدنظر اصولِ حقہ کی عملی طور پر ترویج اور اس کی اشاعت ہو۔ جماعت احمدیہ کا قیام اسی عظیم الشان اصول کے ماتحت ہے۔ یہ جماعت نہ کوئی فرقہ ہے نہ عام مفہوم میں اسے فرقہ داری سے کوئی تعلق ہے بلکہ ایک ایسا مرکز و محور ہے جس کے گرد جمع ہونے سے صحیح معنوں میں اسلامی قومیت کا احیاء مقصود ہے۔ جماعت احمدیہ لاہور کا دعویٰ ہے کہ وہ اپنے امام و مطاع کی حقیقی متابعت میں انہی اصولوں پر قائم و دائم ہے اور اس میں کیا شبہ ہے کہ دینِ اسلام کے خوبصورت چہرہ کو دنیا میں بے نقاب کرنے میں جو بے نظیر خدمات اس جماعت اور اس کے محترم امیر مرحوم ایدہ اللہ تعالےٰ نے سرانجام دی ہیں وہ واقعی حضرت اقدس علیہ السلام کا حقیقی جانشین قرار دینے کے لئے کافی ہیں البتہ جہاں تک ایک قوم کی تربیت کا سوال ہے اس میں بہت توجہ کی ضرورت ہے۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے تبدیل شدہ حالات زمانہ کے باعث خدا تعالےٰ سے علم پا کر جو طریقِ کار قومی تربیت و اشاعتِ حق کے لئے تجویز کیا اس کے چند بنیادی اصول یہ ہیں :-

(۱) احمدی قوم کو ملکی سیاست سے کوئی تعلق نہ ہونا چاہیئے۔

(۲) چونکہ دنیا میں عام طور پر ذرائع قبولیت حق کے لئے تیار ہو چکی ہیں اس لئے اب ضرورت یہ ہے کہ حقانی اصولوں کی بہترین رنگ میں اشاعت و ترویج کی جائے۔ دجال جس کی تہذیب باعثِ فتنہ و فساد ✻ ہو رہی ہے کا قلع قمع اسی روحانی و علمی جنگ سے مقدر ہے۔

(۳) احمدیوں کی تربیت قرآنی اصولوں پر ہو اور اس امر کو سب سے مقدم کیا جائے کیونکہ خود اشاعتِ حق کے کام کا انحصار ایک بڑھتی ہوئی مستحکم قوم کے کندھوں پر ہی ہے۔

## بنیادی اصولوں پر مضبوطی اور سختی سے پابندی کی ضرورت

اب یہ وہ اصول ہیں جن پر حضرت علیہ السلام نے اپنی قوم کی بنیادوں کو استوار اور اپنی زندگی میں ان اصولوں پر اسے چلایا۔ یہی وہ اصول ہیں جن پر عمل پیرا ہونے سے احمدی قوم کی تنظیم و توسیع ممکن ہے۔ جو شخص وہ خواہ اپنے آپ کو احمدی کہلاتا اور بڑے سے بڑا خادم دین ہونے کا دعویٰ کرتا ہو جب متذکرہ بالا کسی اصول کو قولاً یا فعلاً توڑنے کا مرتکب ہوتا ہے تو گویا قوم کی بنیادوں کو کمزور کرتا ہے۔ اور قوم پر واجب ہے کہ وہ اسے اس کی غلطی یا غلط راہ روی پر متنبہ کرے اور اگر وہ باز نہ آئے تو اس پر سختی سے نوٹس لے کیونکہ قومی ترقی و خیرخواہی اور قومی عزت و وقار انفرادی خیرخواہی اور عزت سے بہت بڑھ چڑھ کر درجہ رکھتی ہے۔

احمدی قوم میں عزت و مرتبت کا معیار صرف قومی خدمت ہونا لازم ہے۔ اور قومی خدمت پر وہی شخص قادر ہوگا جو بانیٔ سلسلہ کے مقرر شدہ قوانین کے ماتحت عمل کریگا۔ اپنی رائے اور اپنی عقل کو خدائی علم اور خدائی تجویز کے ماتحت کرے گا۔ قومی وحدت اور اخوت کے مضبوط کرنے کا بھی صرف یہی ذریعہ ہے کہ جملہ افراد بانیٔ سلسلہ کے مجوزہ پروگرام کو صحیح یقین کر کے اس پر عمل پیرا ہوں احمدی کارکنوں میں سے جو کارکن قومی توسیع و تنظیم کے اصولوں سے متفق نہ ہو یا اسے عمداً توڑنے والا ہو اس کے ساتھ اس معاملہ میں نرمی برتنا یا اغماض سے کام لینا یا اس کی قابلیت یا دنیاوی وجاہت سے مرعوب ہو کر اس سے باز پرس نہ کرنا ایک ایسی غلطی ہے جس کا اثر قومی استحکام اور ترقی پر پڑتا ہے۔ اس لئے اس معاملہ میں رحماءُ بینھم کا اطلاق ہرگز جائز نہیں۔ البتہ اگر کسی کارکن میں کوئی ذاتی کمزوری ہو تو اس جگہ اس کے مناسب تلطف اور درگذر سے کام لینا صحیح ہوگا۔ اگر جماعت احمدیہ کے جملہ ادارے اور کارکن ایک متحدہ پالیسی پر گامزن ہوں یہ وہی پالیسی ہو سکتی ہے جو بانیٔ سلسلہ کا پروگرام تھا اور جس پر احمدی قوم آپ کی زندگی میں عمل پیرا ہوئی تو اس کا نتیجہ تھوڑے عرصہ میں قومی ترقی و توسیع پر نمایاں ہوگا اور اس لئے قومی تربیت میں اشداءُ علی الکفار کی سی مضبوطی اور سختی درکار ہے۔ البتہ جہاں کسی فرد کی ذاتی عزت و وجاہت کا سوال ہو اس جگہ عفو و درگذر سے کام لینا قومی فلاح ہو سکے گا۔ ہم میں سے کوئی شخص حضرت عمرؓ سے بڑھ کر عزت و قدر کا مالک نہیں پس جب حضرت عمرؓ ذاتی معاملات و اعتراضات کے بارہ میں عفو و درگذر سے کام لیتے مگر قومی تربیت کے اصولوں میں بڑے سے بڑے شخص کی پرواہ نہیں کرتے تو ہماری قوم کے نظام پر بھی واجب ہے کہ وہ انہی اصولوں کی پیروی کرے تا قوم دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے۔ اللھم انصر من نصر دین محمد صلعم واجعلنا منھم۔

## مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی تفسیر ـــ بسلسلہ صفحہ ۸

(بسلسلہ صفحہ)

آسمان پر اٹھانے کے یہاں کوئی دوسرا احتمال ہے ہی نہیں۔ لیکن ہمیں افسوس اس بات پر نہیں کہ وہ مسیح کو زندہ آسمان پر گذشتہ ایک ہزار نو سو پچھتر سال سے کیوں تسلیم کرتے ہیں وہ ان کی مرضی ہے جو چاہیں کریں۔ افسوس اس بات کا ہے کہ وفاتِ مسیح ماننے والوں پر یہ تہمت کیوں دھر دی کہ وہ نعوذ باللہ قرآن پاک کو غیر واضح کلام سمجھ کر نعوذ باللہ خدائے عز و جل کو بات کرنے کا سلیقہ سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں کہیں وہ خود تو اس گستاخی کے مرتکب نہیں؟ کیونکہ یہاں بجائے قرآن پاک سے وفاتِ مسیح ثابت کرنے والوں سے الجھنے کے انہیں مسیحی عقیدہ سے بحث کرنا چاہیئے تھی جس کو کہ وہ یہاں قرآن کا مخاطب سمجھتے ہیں جو لوگ قرآن پاک سے وفاتِ مسیح ثابت کرتے ہیں وہ تو بہرحال قرآن پاک کو تسلیم کرتے ہیں تبھی تو اسے بطور حجت پیش کرتے ہیں مسیحی تو قرآن پاک کو مانتے نہیں۔　　(باقی ـــ باقی)

# شَذُرَات

## چودھویں صدی کا مجدّد کون ہے؟

ماہنامہ "الحق" اپنی ایک حالیہ اشاعت میں یُوں رقمطراز ہے:—

"ہر ایک صدی میں کوئی نہ کوئی مجدّد آئے گا جو دین کو نکھارے گا۔ عقائد، اعمال و کلیاتِ دین میں لوگ جو فرق اور خرابی ڈالیں گے۔ مجدّد ہر صدی میں آکر دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی الگ کر دے گا۔"

"الحق" نے جب از راہ انصاف تسلیم کر لیا کہ ہر صدی میں مجدّد آتا ہے تو پھر اسے یہ بھی بتلانا چاہیئے کہ چودھویں صدی جو اب اختتام پر آ رہی ہے، کا مجدّد کون ہُوا ہے؟

اُسے علمائِ کرام سے استفسار کرنا چاہیئے کہ اس صدی میں کس نے دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی الگ کر دیا ہے جیسے کہ خود حدیث میں بھی اس کی نسبت حکماً و عدلاً آیا ہے یعنی وہ مذاہب مختلفہ کے مابین حق و باطل کو از رُوئے انصاف الگ الگ ظاہر کر دے گا۔ نیز اہلِ اسلام کے مختلف الخیال اصحاب کے مابین متنازعہ فیہ مسائل میں بھی صحیح عقائد و تعلیم کو غلط سے الگ کر دے گا۔ خود قرآن کریم نے یہی راہِ اتحاد بین المسلمین تجویز فرمائی جب یہ فرمایا واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا۔ راہِ اتفاق قرآن و سنت سے متعین کرنا ضروری ہے نہ کہ جمہوریت کے ووٹوں سے۔ دنیاوی مسائل کو اگر جمہوری ووٹوں کی کثرت کی بنا پر طے کیا جائے بشرطیکہ وہ فیصلہ کسی طرح قرآن و سُنّت کے برخلاف نہ ہو تو یہ صحیح بات ہے لیکن دینی مسائل میں تو اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کا فرمانِ خداوندی صادر ہوا ہے پھر مزید یہ کہ باہمی اختلاف کی صورت میں بھی یہی راہ متعین کی کہ ان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ والرسول۔ تنازعہ کی صورت میں معاملہ خدا اور رسول کی طرف لوٹاؤ۔

پس اتحاد کا قرآنی طریقِ کار اگر صدق دل سے قبول کر کے اس کے مطابق فیصلے کرنے کی سچی تمنّا ہو تو آج ہی اس معیار پر مسلمانوں کے باہمی تمام دینی تنازعے طے پا سکتے ہیں۔ حضرت مجدّد زمان نے خود فیصلہ کے اسی طریقِ کار کے ماتحت جملہ عُلماء کو بار بار دعوت دی اور دعویٰ فرمایا کہ آپ جس مسئلہ کو جس طرح خود مانتے ہیں یا کوئی دعویٰ کرتے ہیں اُسے قرآن و سنّت کی کسوٹی پر آزمایا جائے۔ چونکہ آپ نبوّت کے منصب پر ہرگز فائز نہیں بلکہ صرف مجدّدیت کے مقام پر کھڑا ہونے کا آپ کو دعویٰ ہے اس لئے نہ صرف آپ کا اپنا قول حُجّت نہیں بلکہ آپ کا الہام بھی دوسروں کے لئے کوئی حُجّت نہیں رکھتا۔ چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں "اگر مَیں اپنے الہام کو قرآن و سُنّت کے برخلاف پاؤں تو اسے بلغمی مادہ (کالمادۃ السیال) کی طرح پھینک دوں"۔

پس اب محترمی ایڈیٹر "الحق" نے جس صاف گوئی سے کام لے کر یہ تسلیم فرمایا ہے کہ اسلام میں ہر صدی پر مجدّد کا آنا لازم ہے تو اس پر از رُوئے صدق یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ بتلائے کہ چودھویں صدی کا مجدّد کون ہوا ہے جو اس معیار پر پُورا اُترتا ہے کہ اُس نے دُودھ کا دودھ اور پانی کا پانی نکھار کر رکھ دیا ہے۔ جس نے نہ صرف حق و باطل میں تمیز پیدا کر دی بلکہ جس امر کو حق کہا اُسے قرآن و سنّت سے بھی ثابت کر دکھایا۔ اب جبکہ مجدّد کا ہر صدی پر آنا تسلیم کر لیا گیا تو پھر مجدّد صدِ چہاردہم کے وجود کی نشاندہی کرنا لازم ہوگیا ہے تاہم بھی یہ دیکھیں کہ اگر وہ شخص حضرت مرزا غلام احمدؑ نہیں تو اور کون ہے؟

علمائِ اسلام عقیدہ وفاتِ مسیح کو مان چکے اور اب ہر صدی پر مجدّد کے آنے کے عقیدہ کو صحیح تسلیم کرتے ہیں تو پھر احمدیوں کا تصور جس کی بناء پر وہ کافر قرار دیئے گئے ہیں یہی ثابت ہوا کہ انہوں نے مسلّمہ اصولِ بعثتِ مجدّدین کے تحت چودھویں صدی میں بھی ایک مجدّد کو مان لیا۔ اس صورت میں تو احمدی حضرت رسولِ کریم صلعم کی حدیث کی صداقت پر ایمان لانے والے ثابت ہوئے۔ تو اسے ان کے کفر کی بناء ٹھیرانا کہاں تک صحیح ہے؟ بیّنوا و توجروا۔

---

## دل ہمارے ساتھ ہیں

گجرات سے ایک صاحب جناب میرزا مسعود بیگ صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:—

"مورخہ ۲۲ر نومبر ۱۹۷۵ء کو مکرم چوہدری فتح محمد صاحب عزیز صاحب کی دختر نیک اختر کے نکاح کے موقعہ پر آپ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا اس کے اثرات جناب کرنل بشیر صاحب چوہدری (گجرات) کی صاحبزادی کی شادی پر ظاہر ہوئے۔ جبکہ اس موقع پر ان کے مولوی صاحب نے صرف کلمہ پڑھا کر ایجاب و قبول کرا دیا اور چھوہارے تقسیم کر دیئے اس وقت ایک وکیل صاحب نے فرمایا۔ کہ:

"جو خطبہ نکاح چوہدری فتح محمد صاحب عزیز کی لڑکی کی شادی کے وقت پڑھا گیا تھا وہ نہایت عالمانہ، فاضلانہ وعظ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور اس میں قرآن کریم اور حدیث کو نہایت عمدگی سے بیان کیا گیا تھا۔ ایسا ہی مسنون خطبہ اور اعلانِ نکاح ہو چاہیئے۔ مجھے تو اس سے بے حد لذّت محسوس ہوئی۔"

قریب ہی سے کسی نے کہدیا کہ "وہ نکاح خواں تو مرزائی تھا"۔ جس پر وکیل صاحب نے فرمایا:—

"خواہ وہ مرزائی تھا یا کچھ اور تھا۔ لیکن اس نے قرآن و حدیث جس خوبی سے بیان کیا اس سے مجھے بے حد مسرّت ہوئی اور ہمارے عقائد اور مسلک کے خلاف بھی اس خطبہ میں کوئی بات نہ تھی"

اس پر سب حاضرینِ مجلس نے تائید کی اور کہا کہ ہمارے علماء تو عربی کا مسنون خطبہ بھی نہیں پڑھتے اور فقط کلمہ شریف اور ایجاب و قبول کو ہی کافی سمجھتے ہیں۔

فہمیدہ طبقہ میں اس خُطبہ نکاح کا بڑا چرچا ہے۔ اللہ تعالےٰ آپ کا حافظ و ناصر ہو۔

---

ہفت روزہ "پیغامِ صلح" خود پڑھنے کے بعد دوسرے احباب تک پہنچائیں۔

ہفت روزہ پیغامِ صلح لاہور — مورخہ ۲۵ر فروری ۱۹۷۶ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۳۸ — شمارہ نمبر ۸

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر اخبار پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۳ | چہار شنبہ یکم ربیع الاول سنہ ۱۳۹۶ھ مطابق ۳ مارچ سنہ ۱۹۷۶ء | نمبر ۹


# ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

## خدا تعالےٰ سے نہایت سوز اور ایک جوش کے ساتھ یہ دعا مانگنی چاہیئے کہ وہ نماز جو صدیقوں اور محسنوں کی ہے۔ وہ نصیب کرے

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ خدا تعالےٰ سے نہایت سوز اور ایک جوش کے ساتھ یہ دعا مانگنی چاہیئے کہ جس طرح اور پھلوں اور اشیاء کی طرح طرح کی لذتیں عطا کی ہیں نماز اور عبادت کا بھی ایک بار مزہ چکھا دے۔ کھایا ہوا یاد رہتا ہے۔ دیکھو اگر کوئی شخص کسی خوبصورت کو ایک سرور کے ساتھ دیکھتا ہے تو وہ اسے خوب یاد رہتا ہے اور پھر اگر کسی بدشکل اور مکروہ ہیئت کو دیکھتا ہے تو اس کی ساری حالت اس کے بالمقابل مجسم ہو کر سامنے آ جاتی ہے۔ ہاں اگر کوئی تعلق نہ ہو تو کچھ یاد نہیں رہتا۔ اسی طرح بے نمازوں کے نزدیک نماز ایک تاوان ہے کہ ناحق صبح اُٹھ کر سردی میں وضو کر کے خواب راحت چھوڑ کر اور کئی قسم کی آسائشوں کو چھوڑ کر پڑھنی پڑتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اسے بیزاری ہے۔ وہ اس کو سمجھ نہیں سکتا۔ اس لذت اور راحت سے جو نماز میں ہے اس کو اطلاع نہیں ہے۔

پھر نماز میں لذت کیونکر حاصل ہو۔ میں دیکھتا ہوں کہ ایک شرابی اور نشہ باز انسان کو جب سرور نہیں آتا تو وہ پے درپے پیالے پیتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کو ایک قسم کا نشہ آ جاتا ہے۔ دانشمند اور زیرک انسان اس سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے اور وہ یہ کہ نماز پر دوام کرے اور پڑھتا جاوے یہاں تک کہ اس کو سرور آ جاوے۔ اور جیسے شرابی کے ذہن میں ایک لذت ہوتی ہے جس کا حاصل کرنا اس کا مقصود بالذات ہوتا ہے اسی طرح ذہن میں اور ساری طاقتوں کا رُجحان نماز میں اسی سرور کو حاصل کرنا ہو اور پھر ایک خلوص اور جوش کے ساتھ کم از کم اس نشہ باز کے اضطراب اور قلق و کرب کی مانند ایک دعا پیدا ہو کہ وہ لذت حاصل ہو تو میں کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں کہ یقیناً یقیناً وہ لذت حاصل ہو جائے گی۔ پھر نماز پڑھتے وقت ان مفاد کا حاصل کرنا بھی ملحوظ ہو جو اس سے ہوتے ہیں۔ اور احسان پیش نظر رہے۔ ان الحسنات یذھبن السیئات۔ نیکیاں بدیوں کو زائل کر دیتی ہیں۔ پس ان حسنات کو اور لذات کو دل میں رکھ کر دعا کرے کہ وہ نماز جو صدیقوں اور محسنوں کی ہے وہ نصیب کرے۔ یہ جو فرمایا ہے کہ ان الحسنات یذھبن السیئات یعنی نیکیاں یا نماز بدیوں کو دُور کرتی ہے۔ یا دوسرے مقام پر فرمایا ہے کہ نماز فواحش اور برائیوں سے بچاتی ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ باوجود نماز پڑھنے کے پھر بدیاں کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہیں مگر نہ رُوح اور راستی کے ساتھ۔ وہ صرف رسم اور عادت کے طور پر ٹکریں مارتے ہیں۔ اُن کی رُوح مُردہ ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کا نام حسنات نہیں رکھا یہاں جو حسنات کا لفظ رکھا اور الصلوٰۃ کا لفظ نہیں رکھا باوجودیکہ معنی وہی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تا نماز کی خوبی اور حسن و جمال کی طرف اشارہ کرے کہ وہ نماز بدیوں کو دُور کرتی ہے جو اپنے اندر ایک سچائی کی رُوح رکھتی ہے اور فیض کی تاثیر اس میں موجود ہے وہ نماز یقیناً یقیناً بُرائیوں کو دُور کر دیتی ہے۔ نماز نشست اور برخاست کا نام نہیں نماز کا مغز اور رُوح وہ دعا ہے جو ایک لذت اور سرور اپنے اندر رکھتی ہے۔

(ماخوذ از تقریر حضرت مسیح موعودؑ)

از افاضات: حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

# مَیں پُوچھتا ہُوں!
## کیا ہم نے دِین کو دُنیا پر مقدّم کیا؟

**مجدّدِ وقت کی پیدا کردہ قوّتِ عمل** } اس زمانہ میں جب عام طور پر دیکھتے ہیں کہ بحیثیت ایک قوم مسلمانوں کے اندر سُستی اور غفلت چھا چُکی ہے اس زمانہ کے مجدّد نے قوم کے ایک حِصّہ کے اندر قوّتِ عمل پیدا کر دی، خوب یاد رکھیئے سُستی اور غفلت آ جاتی ہے۔ اس کو دُور کرنا مُشکل نہیں۔ جس طرح کپڑے کے اُوپر گرد پڑ جاتی ہے اسی طرح انسان کے عمل پر بھی سستی آ جاتی ہے۔ مگر سُستی اور غفلت کو دُور کرنا مُشکل بھی ہے۔ کیونکہ جس بات کی انسان کو عادت ہو جائے اس کا احساس نہیں رہتا۔ بعض لوگوں کی آنکھیں ایسی ہو جاتی ہیں کہ ان کو مَیل معلوم نہیں ہوتی۔ یہ ہمارے ملک میں جو خاکروب ہیں چونکہ عموماً غلاظت میں رہتے ہیں۔ اس لئے ان کا میل کچیل کا احساس بھی کم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح غفلت اور سُستی کا انسان کو احساس نہیں ہوتا اور جب یہ حالت پیدا ہو جائے تو غفلت کا دُور کرنا مُشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر یہ احساس پیدا ہو جائے تو غفلت کا دُور کرنا سہل ترین کام ہوتا ہے۔ اتنا ہی آسان ہوتا ہے جتنا آسان ایک کپڑے کو جھاڑ کر اس سے گرد کا دُور کر دینا ہے۔ مجدّدین یہی احساس پیدا کر دیتے ہیں۔

**ہمارے علم کو مُسلمانوں نے اپنا لیا** } حقیقت یہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں نے بہت سا علم جو احمدیت لائی تھی اُس کو اپنا لیا ہے۔ لیکن ہمیں نہیں اپنایا اور یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اسلام کے کتنے اصولوں کو ہندوؤں نے اور عیسائیوں نے اپنایا ہے لیکن اسلام کے ساتھ انہیں بُغض اور عداوت ہے۔ بعض وقت لوگ کہتے ہیں احمدیت نے کیا کر لیا۔ میں کہتا ہوں بہت کچھ کر لیا۔ بڑا طبقہ جو مسلمانوں کا ہے، جو حالات کو دیکھتے ہیں وہ بہت کچھ سمجھ چُکے ہیں۔ احمدیت نے جو علم پیدا کیا ہے انکی زبانیں نہیں مانتیں تو دل مانتے ہیں۔

**ہماری اچّھا سمجھا جانے کی خواہش** } ہمارے دوست کہتے ہیں کہ کیا ہوا اگر انہوں نے ہمارے علم کو لے لیا۔ ہم کو تو اچھا نہیں سمجھتے ممکن ہے اس میں ہماری ہی اصلاح مقصود ہو۔ یہ ایک بیماری ہے جو بعض دِلوں کو لگی ہوئی ہے کہ لوگ ہمیں اچّھا نہیں سمجھتے۔ بہت اچھا، نہ سمجھیں۔ دیکھنا چاہیئے کہ آیا قرآن کا علم پھیلا؟ خُدا کا نام بلند ہُوا؟ اگر یہ ہو گیا تو ہمارا مقصد حاصل ہو گیا بہت اچھا ہُوا کہ ہمیں بُرا سمجھتے ہیں اصل غرض تو خدا کا نام بلند کرنے سے ہے۔ جس طرح اُس وقت اللہ تعالےٰ نے اسلام کی کامیابی کا رستہ کھولا تھا اسی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ اَب وقت آگیا ہے اس وعدہ کے پُورا ہونے کا جو اسلام کے غلبہ کا وعدہ ہے۔

**قوّتِ عمل کے مطابق کامیابی** } اَب بھی کامیابی کے رستے خُدا کھول رہا ہے۔ مگر وہ اسی قدر کھلتے ہیں جس قدر انسان کی قوّتِ عمل ہوتی ہے۔ اگر ان رستوں کو زیادہ کُھلا ہوا دیکھنا چاہتے ہو تو اپنی قوّتِ عمل کو بڑھاؤ۔ یہی لوگ زیادہ سرگرمی سے کام میں لگ جائیں خُدا کی نصرت کے دروازے اور کھُل جائیں گے۔

- - - - - - - - - - - - - - - - - - - - - - - -

**خدماتِ دِین میں حِصّہ نہ لینے والے دوست** } میں نے دفتر سے دریافت کیا کہ جماعت لاہور میں ایسے لوگ کتنے ہیں جو ان دینی خدمات میں حصّہ نہیں لیتے جو یہ جماعت کر رہی ہے تو معلوم ہُوا کئی آدمی ایسے ہیں جو چندہ ماہوار نہیں دیتے۔ اس کے علاوہ کچھ وہ لوگ ہیں جن کی آمدنیاں بہت ہیں مگر وہ اپنی آمدنی کے لحاظ سے اس کام میں حِصّہ نہیں لیتے۔

**مَیں پُوچھتا ہُوں کیا ہم نے دِین کو دُنیا پر مقدّم کیا؟** کیا کیا ہم نے کہ کامیابی کی توقع رکھیں؟

خُوب یاد رکھیئے جو شخص جماعت کے کاموں میں حِصّہ نہیں لیتا وہ جماعت میں شامل نہیں سمجھا جائے گا۔ کام ہی ایک چیز ہے جو شمولیّت کا حق دار بنا سکتا ہے۔ انسان کے اندر کام کی قوّت بڑی زبردست ہوتی چاہیئے اتنی زبردست ہونی چاہیئے کہ کام کر کے تکان نہ ہو۔ یہی جو ہمارے کام کرنے والے ہیں اگر پُوری قوّت کے ساتھ کام لیں تو دس گُنا کام کر سکتے ہیں۔

**قوّتِ عمل بڑھاؤ اور زِندگیاں سادہ بناؤ** } یہ ہمارے دوست جن کو مشکل نظر آتا ہے کہ کہاں سے لائیں ان کو یہ دو تین باتیں یاد رکھنی چاہئیں کہ احمدی ہونے کی خصوصیّت تو یہی تھی کہ اس میں قوّتِ عمل پیدا ہو جائے۔ پس آپ اپنی قوّتِ عمل کو ضائع نہ کریں جس طرح جسم کے کسی حِصّہ سے کام نہ لیں تو وہ بیکار ہو جاتا ہے اسی طرح کام نہ کرنے سے قوّت ضائع چلی جاتی ہے۔ خدا کی راہ میں دینے کی بھی ایک قوّت ہے اسے ضائع نہ ہونے دو۔ دوسرے چاہیئے کہ اپنی زندگی کو سادہ سے سادہ رنگ دو۔ اور خدا کے حکم کو مقدّم کرو۔ ایسا نہ ہو کہ دُنیا کا حق ادا ہو جائے اور دِین کا حق رہ جائے ایسا نہ ہو کہ ہماری تگ و دَو انہی باتوں تک محدود رہ جائے اور کوئی عملی کام نہ کر سکیں۔

ہم نے سُستی کو ترک کر دینا ہے۔ اعلائے کلمۃُ اللہ کے لئے پُوری کوشش اور جد و جہد کرنا ہے۔ جب ارادہ زبردست ہوتا ہے۔ عزم پختہ ہوتا ہے تو رستے بھی کھُل جاتے ہیں۔ اس وقت کو جماعتی نظام کی نذر کر دیجئے۔ سوچیئے مگر اس نیت سے کہ ہم نے اس پر عمل کرنا ہے۔ ہر ایک شخص اگر ارادہ کر لے تو یہی چھوٹی سی جماعت ایک انقلاب پیدا کر سکتی ہے۔

---

ہالینڈ مشن

## خُدا ہمارے ساتھ ہے

الحاج مولانا عبدالرّحیم جگو صاحب انچارج ہالینڈ مشن کا پچھلے دنوں گُردے کا اپریشن ہُوا تھا، اپنے تازہ خط میں رقمطراز ہیں کہ "میں خُدا کے فضل سے رفتہ رفتہ ٹھیک ہو رہا ہوں۔ عیدالاضحیٰ کی نماز خاکسار نے ہی پڑھائی، خُطبہ بھی دیا۔ نماز کے لئے پانچسو افراد جمع ہو گئے تھے جو مختلف شہروں سے آئے تھے۔ بعض افراد تو چار پانچ گھنٹے کا سفر طے کر کے صرف نمازِ عید ادا کرنے کے لئے آئے تھے۔ خُطبہ میں خاکسار نے مُسلمانوں کے موجودہ حالات پر روشنی ڈالی اور احمدیت کی خدماتِ اسلامی اور تبلیغ و اشاعتِ دین کی تفصیل بتائی۔ پچھلے ہفتہ محرّم نئے اسلامی سال کی مجلس منعقد کی جسمیں احباب نے کثرت سے شرکت کی۔ اس مجلس میں بھی اسلامی تعلیمات پر روشنی ڈالی لوگوں نے اسے بہت پسند کیا اور کہا کہ اس مجلس میں کافی مفید معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ لوگوں کو اسلام کے مسائل کا علم نہیں جو ان پر آشکارا ہونے ضروری ہیں۔ احمدیہ جماعت کو رجسٹرڈ کرانے کی تجویز ہے۔ مرکز کو مبلغ تیار کرنے پر زیادہ توجہ دینی چاہیئے اور دوسری زبانوں میں لٹریچر پیدا کرنا چاہیئے۔ ہم خُدا کا کام کر رہے ہیں اور انشاء اللہ جب ہم استقامت، خلوصِ نیت، اور نیک عزم و استقلال سے کام کرتے رہیں گے تو ضرور کامیاب ہوں گے۔ خُدا ہمارے ساتھ ہے۔ دُعا ہے کہ خُدا ہمارے دینی و

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مؤرخہ ۳ مارچ ۱۹۷۶ء

# "صحیح اور سچی صحافت ایک جہاد ہے"

[illegible] صالح

مسجد نبوی کے امام و خطیب فضیلت مآب شیخ عبدالعزیز بن صالح آج کل پاکستان کے دورہ پر آئے ہوئے ہیں۔ آپ جہاں بھی گئے پاکستانی عوام نے بڑے احترام اور فرطِ عقیدت سے دیدہ و دل فرشِ راہ کئے۔ ایسا کیوں نہ ہوتا۔ آپ کو مدینۃ النبیؐ کی اس مسجد کا امام ہونے کا فخر حاصل ہے جس کے گیلے فرش پر سجدہ کرنے والے اُن عظمتوں اور رفعتوں کے وارث ہوئے جن پر فرشتے بھی رشک کرتے ہیں۔ اور انہیں اس محراب و منبر سے اپنے سامعین کو مخاطب کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے جہاں سے فخر موجودات و کائنات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً دس سال تک نسلِ انسانی کے مُردہ دلوں کو حیاتِ نو بخشنے کے لئے رشد و ہدایت کے چشمے بہاتے رہے۔ آپ کی تشریف آوری کے اس موقع پر مسرت و انبساط کے جذبات سے معمور ہمارے دل بھی دوسرے پاکستانی بھائیوں کے دلوں کے ساتھ دھڑکتے ہیں اور ہم بھی آپ کو اھلاً و سھلاً مرحبا کہتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ انقلاب زمانہ کی وجہ سے ہمارے دلوں کی یہ دھیمی دھڑکنیں اس نقار خانے میں سُنائی نہ دے سکیں۔

ہمیں آپ کی ہر تقریر اور خطبہ پڑھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اور ہم نے بڑی شدت سے یہ محسوس کیا ہے کہ آپ کا دِل اسلام کی محبت سے لبریز اور اس کی سربلندی کے لئے ایک تڑپ اور آرزو سے معمور ہے۔ عالم اسلام کی موجودہ مشکلات اور مصائب کا واحد حل آپ کے نزدیک اس کی صفوں میں اتحاد اور اسلامی تعلیمات پر عمل میں مضمر ہے۔ اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک مسلمان قرآن و سُنت کے مطابق اپنی زندگیاں سنوارنے کی طرف توجہ نہیں کریں گے۔ جس رقت اور دلسوزی سے آپ نے ہر موقعہ پر اس مقصد کے حصُول کے لئے دُعا کی ہے وہ اس منصب پر فائز ایک خدا خوف اور متقی انسان کا ہی حِصّہ ہو سکتا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں میں باہمی اخوت و اتحاد اور رابطہ کے فقدان کی وجوہات سے بھی بخوبی آگاہ ہیں اسی لئے آپ نے ہر وہ بات کہنے سے بھی اپنا دامن بچایا ہے جس سے ان کے اس مقدس مشن کو نقصان پہنچنے کا ذرا سا بھی احتمال ہو۔ اس کے برعکس آپ نے اپنے ایک انٹرویو میں بڑی جرأت سے کچھ ایسی فکر انگیز باتیں بھی کہی ہیں جو ایک بے ریا اور بے لوث انسان ہی کہہ سکتا ہے۔ مثلاً اس انٹرویو میں صحافت کے متعلق ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:۔

"اس وقت صحافت عوام تک پہنچنے کے لئے سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔ جس طرح کسی زمانے میں اشعار لوگوں پر اثر انداز ہوتے تھے اب صحافت وہی اثر رکھتی ہے۔ صحیح اور سچی صحافت ایک جہاد ہے۔"

پھر اسی انٹرویو میں اس سوال کے جواب میں کہ مسلمانوں کی موجودہ مشکلات

اور [illegible]

"دشمنانِ اسلام نے سیاست۔ مال و دولت اور اسلحہ سے مسلمانوں کو مٹانے کی کوشش کی مگر جب اس میں ناکام ہوئے تو انہوں نے اپنے انداز بدل لئے۔ دشمنوں نے ہمارے خلاف ایک [illegible] اسلوب بھی اختیار کیا ہے جس کی منصوبہ بندی کافی عرصہ پہلے کر لی گئی تھی اور یہ منصوبہ مسلمانوں کی نئی پود کے اسلامی عقائد [illegible]

(نوائے وقت اشاعت خاص ۲۰ر فروری سنہ)

ہم اپنے ہموطن بھائیوں سے نہایت درد مند دل کے ساتھ التجا کرتے ہیں کہ وہ جناب شیخ عبدالعزیز بن صالح کے ان الفاظ "شکوک و شبہات پیدا کرنا"۔ "افکار کے حملوں کی صورت میں نئی جنگ" اور "صحیح اور سچی صحافت ایک جہاد ہے" پر دل و ذہن پر پڑے ہوئے تعصب کے پردے چاک کر کے غور کریں اور انصاف سے کہیں کہ اگر آج سے قریباً نوّے سال قبل اس صدی کے مجدد اور مسیح موعود علیہ السلام حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے اللہ تعالیٰ سے ایک نور اور روشنی پا کر انہی امراض اور ان کے علاج کی نشاندہی کی تو آپ نے قرآن کریم اور احادیث کی کونسی خلاف ورزی کی کہ انہیں کافر۔ ملحد اور دجّال کے القابات سے نوازا گیا اور آج تک آپ کے ماننے والوں پر خدا کی فراخ زمین کو تنگ کئے رکھنا روا سمجھا گیا۔

سورۃ القلم اور سورۃ التکویر دونوں ابتدائی مکّی سورتیں ہیں کیا ان کی بالترتیب یہ آیات نٓ والقلم وما یسطرون۔ ما انت بنعمۃ ربک لمجنون۔ و اذا الصحف نشرت۔ (قلم دوات اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں۔ اس پر گواہ ہیں کہ تو مجنون نہیں۔ اور جب صحیفے پھیلا دیئے جائیں گے) اس واقعہ پر ایک کھلی شہادت نہیں ہیں کہ جو وسیع پیمانے پر جدید نشریاتی اداروں مثلاً پریس۔ ٹیلیفون۔ ٹیلیگراف۔ ریڈیو ٹیلیویژن نے۔ کتب۔ رسائل۔ اخبارات اور تقادیر کے پھیلانے میں گذشتہ ایک صدی کے دوران میں ترقی کی منازل انتہائی سُرعت سے طے کی ہیں اس کی نظیر گذشتہ تیرہ صدیوں میں نہیں ملتی۔ دنیا ذرائع مواصلات کی وجہ سے اتنی سمٹ گئی ہے کہ تحریر و تقریر کا پھیلاؤ غیر محدود ہو کر رہ گیا ہے نشرت کا لفظ قابلِ غور ہے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے لئے الفاظ "نشریاتی ادارے" ہی استعمال کئے جاتے ہیں۔ اسی کی تائید میں ہم کنزالعمال کی یہ حدیث بھی پیش کرتے ہیں:۔

"ان بین یدی الساعۃ تسلیم الحاجۃ وفشوّا التجارۃ حتی تعین المرءۃ زوجھا علی التجارۃ وقطع الارحام وظھور شھادۃ الزور وکتمان شھادۃ الحق وظھور القلم۔"

(رواہ احمد والحاکم عن ابن مسعود)

(احمد اور حاکم نے ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے حاجت سلام کرنا واجب سمجھا جائے گا اور کثرت تجارت ہوگی یہاں تک کہ عورت اپنے خاوند کو تجارت میں مدد دیا کرے گی اور قطع رحمی اور جھوٹی شہادت دینا اور سچی شہادت کا اخفا اور قلم کا زور ہوگا)

معاشی۔ معاشرتی۔ سماجی اور سائنسی عُلوم کے میدان میں تحقیقات نے جہاں قرآن کریم کے معارف کا انکشاف کیا ہے وہاں ایسے فا[سد] نظریات و افکار کو بھی جنم دیا ہے جو نئی پرانی دونوں نسلوں کے دلو[ں]

مذہب کی طرف سے شکوک و شبہات پیدا کرنے اور بالآخر اس سے متنفر کرنے کا موجب ہوتے ہیں۔

ایسے حالات میں اسلامی اور غیر اسلامی افکار میں ایک نئی جنگ لازمی تھی جس کی طرف جناب شیخ عبدالعزیز بن صالح نے اشارہ کیا ہے۔ یہ جنگ جیتنے کے لئے ویسے ہی بلکہ اس سے بڑھ کر مؤثر ہتھیار تیار کرنے اور استعمال کرنے کی ضرورت تھی۔ اور یہ ہتھیار قرآن و سنت پر صدق دل سے عمل کرنے کی بدولت میسر آسکتے تھے۔

جب "دشمن طاقتوں کی طرف سے افکار کے حملوں کی صورت میں نئی جنگ شروع کر دی گئی" تو ضروری تھا کہ قرآن کریم اور احادیث کی تعلیم کی روشنی میں ان حملوں کا موثر جواب نظریات و افکار کی صورت میں ہی دیا جاتا۔ قلم کے خلاف قلم اُٹھایا جاتا نہ کہ تلوار۔ ایک عام عقل کا انسان بھی یہ ماننے کے لئے کبھی تیار نہ ہوگا کہ کتب۔ رسائل۔ اخبارات۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن جیسے نشریاتی اداروں کے ذریعے خلاف اسلام افکار و نظریات کی اشاعت کو تلوار کے ذریعے ختم کیا جا سکتا ہے۔ جو ہتھیار دشمن استعمال کرے وہی اپنے بچاؤ اور دفاع کے لئے کارگر ہو سکتا ہے۔ اگر قرآن کریم اپنے اس دعوے پر کہ "جھوٹ نہ اس پر اس کے سامنے سے آسکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے۔ وہ حکمت والے تعریف کئے گئے (اللہ) کی طرف سے اُتاری گئی ہے" (حٰم السجدۃ۔ ۴۲) پورا نہیں اترتا تو پھر نعوذ باللہ یہ نظریاتی اور فکری لحاظ سے تہی دامن ہے اور مخالفین اسلام نے یہی ثابت کرنے کے لئے اپنی پوری طاقت اور وسائل صرف کئے ہیں اسی وجہ سے حضرت مرزا صاحب مجدد صدی چہاردہم نے دشمنانِ اسلام کے باطل عقائد کو پاش پاش کرنے اور ان کے الزامات کے جوابات دینے کے لئے تلوار کے بجائے قلم کے جہاد کو اپنایا اور آخری دم تک میدان میں خم ٹھونک کر کھڑے رہے حتیٰ کہ دشمن کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ یہی وہ صحیح اور سچی صحافت ہے جسے شیخ عبدالعزیز بن صالح نے جہاد کہا ہے۔
شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے بھی تو یہ فرمایا تھا ؎

دُنیا کو ہے اُس مہدیٔ برحق کی ضرورت
ہو جس کی نگاہ زلزلۂ عالمِ افکار

کسی مہدیٔ برحق کی نگاہ ہی اس زلزلۂ عالمِ افکار کی تباہی اور کفر و الحاد کی تند و تیز یورش سے عالمِ اسلام کو بچا سکتی تھی۔ وہ مہدیٔ برحق عین ضرورت کے وقت آیا اور اس نے فرمایا:۔

"اے حق کے طالبو اور اسلام کے سچے محبو! آپ لوگوں پر واضح ہے کہ یہ زمانہ جس میں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں یہ ایک ایسا تاریک زمانہ ہے کہ کیا ایمانی اور کیا عملی جس قدر امور ہیں سب میں سخت فساد واقع ہوگیا ہے اور ایک تیز آندھی ضلالت اور گمراہی کی ہر طرف سے چل رہی ہے ........ اس زمانہ کا فلسفہ اور طبعی (سائنس) بھی روحانی صلاحیت کا سخت مخالف پڑا ہے ............ ان علوم میں دخل رکھنے والے دینی امور میں اکثر ایسی بدعقیدگی پیدا کر لیتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کے مقرر کردہ اصولوں اور صوم و صلوٰۃ وغیرہ عبادات کے طریقوں کو تحقیر اور استہزاء کی نظر سے دیکھنے لگتے ہیں ............ بلکہ اکثر ان میں سے الحاد کے رنگ میں رنگین اور دہریت کے رگ و ریشہ سے پُر اور مسلمانوں کی اولاد کہلا کر پھر دشمن دین ہیں جو لوگ کالجوں میں پڑھتے ہیں اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ ہنوز وہ اپنے علوم ضروریہ کی تحصیل سے فارغ نہیں ہوتے کہ دین اور دین کی ہمدردی سے پہلے ہی فارغ اور مستعفی ہو چکتے ہیں۔

عیسائی تعلیم بھی سچائی اور ایمانداری کے اڑانے کے لئے کئی قسم کی شرنگیں تیار کر رہی ہے اور عیسائی لوگ اسلام کے مٹا دینے کے لئے جھوٹ اور بناوٹ کی تمام باریک باتوں کو نہایت درجہ کی جانکاہی سے پیدا کر کے ہر ایک رہزنی کے موقع اور محل پر کام میں لا رہے ہیں اور بہکانے کے نئے نئے نسخے اور گمراہ کرنے کی جدید صورتیں تراشی جاتی ہیں"۔

پھر فرماتے ہیں:۔

"اب اے مسلمانو سنو! اور غور سے سنو کہ اسلام کی پاک تاثیروں کے روکنے کے لئے جس قدر پیچیدہ افتراء اس عیسائی قوم میں استعمال کئے گئے اور پُر مکر حیلے کام میں لائے گئے اور اُن کے پھیلانے میں جان توڑ کر اور مال کو پانی کی طرح بہا کر کوششیں کی گئیں یہاں تک کہ نہایت شرمناک ذریعے بھی جن کی تصریح سے اس مضمون کو منزہ رکھنا بہتر ہے اسی راہ میں ختم کئے گئے"۔

(فتح اسلام)

انصاف سے کہئے کیا یہ الفاظ اسی منصوبہ کی تشریح اور وضاحت نہیں کرتے جس کے ذریعے بقول امام مسجد نبویؐ مسلمانوں کی نئی پود کے اسلامی عقائد کو متزلزل کر کے انہیں شک و شبہات میں مبتلا کرنا اور اس طرح الحاد و دہریت کی راہ دکھانا ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر آپ کو اس بندہ کے قبول کرنے میں کیا تامل ہے جو "مصلحت عام کے لئے خاص کر کے بغرض اعلاء کلمۂ اسلام و اشاعت نُورِ حضرت خیر الانام اور تائید مسلمانوں کے لئے اور نیز ان کی اندرونی حالت کے صاف کرنے کے ارادہ سے دنیا میں بھیجا" گیا۔

اور اس نے اعلان کیا کہ:۔

"اسلام کے لئے پھر اس تازگی اور روشنی کا دن آئے گا جو پہلے وقتوں میں آچکا ہے اور وہ آفتاب اپنے پورے کمال کے ساتھ پھر چڑھے گا جیسا کہ پہلے چڑھ چکا ہے ........
اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے وہ کیا ہے ہمارا اُسی راہ میں مرنا۔ یہی موت ہے جس پر اسلام کی زندگی مسلمانوں کی زندگی اور زندہ خدا کی تجلی موقوف ہے"۔ (فتح اسلام)

جناب شیخ عبدالعزیز بن صالح نے بھی فرمایا ہے:۔

"وہ وقت دور نہیں جب کلمۂ حق ساری دُنیا میں بلند ہوگا اور اغیار کے سارے منصوبے خاک میں مل جائیں گے"

لیکن اس کلمۂ حق کا بلند ہونا حضرت مرزا صاحب کے دامن سے وابستہ ہے۔ دل حقیقت کو تسلیم کر چکے ہیں۔ زبانیں اقرار کریں یا نہ کریں۔

---

# درخواست دُعائے صحت

جماعت ڈیرہ غازی خاں کے بزرگ محترم چوہدری علم الدین صاحب عرصہ سے بیمار چلے آ رہے ہیں، پچھلے ہفتہ سے بیماری کا زور اور زیادہ ہوگیا ہے جس کے باعث زیادہ کمزور ہو گئے ہیں۔

احباب محترم چوہدری صاحب کی صحت یابی کے لئے دعا فرماویں کہ اللہ تعالےٰ اس قیمتی وجود کو صحت اور توانائی عطا فرمائے۔

(۲) چوہدری غلام رسول صاحب ولد اللہ جوایا صاحب ساکن موضع کھکھاں والی تحصیل پسرور بیمار ہیں اور احباب جماعت سے درخواست کرتے ہیں کہ ان کی صحت یابی کے لئے دُعا کی جائے۔

---

(خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ دیں۔ (مینجر)

مکرم جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب دام برکاتہ

# اللہ تعالےٰ اپنے ماموروں سے کئے گئے وعدے ضرور پورے کرتا ہے اور یہی یقین ہماری قلبی قوت اور حقیقی زندگی کا سرچشمہ ہے

## نئے افق اور ہمارے فرائض

### تقریر جلسہ سالانہ ۲۷ دسمبر ۱۹۷۵ء

مکرم و محترم جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے اپنی تقریر میں سامعین سے اپیل فرمائی تھی کہ "آپ کی انجمن نے کمیٹی برائے تبلیغ بلاد غیر از سر نو تشکیل کی ہے۔ آپ کا فرض ہے کہ اس کے ہاتھ مضبوط کریں اور کم از کم اپنے اموال سے ہر شخص امداد دے۔ اس وقت میں آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ ایک خطیر رقم جو کم از کم ایک لاکھ روپیہ ہو جمع کریں۔"

حضرت ڈاکٹر صاحب کی اپیل کے ان پاک الفاظ کو اللہ تعالےٰ نے ایک عجیب تاثیر بخشی اور نیکی کے فرشتوں نے دلوں میں کچھ ایسی تحریک پیدا کی کہ سامعین کے قلوب جوش سے بھر گئے۔ اور انہوں نے دیکھتے دیکھتے اسّی ہزار روپے کے لگ بھگ (نقد اور وعدوں کی شکل میں) اسی وقت مکرم ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا اور جلسہ کے بعد دیگر احباب کے علاوہ صرف ایک دوست نے گیارہ ہزار روپے نقد اس اپیل کے جواب میں خزانہ انجمن میں جمع کرائے ہیں۔ قارئین کرام کو یہ جان کر بھی مسرت ہوگی۔ کہ اس خلقِ مجسم اور خصوصیات سلسلہ عالیہ احمدیہ کے حقیقی امین کا ایک لاکھ روپے کا مطالبہ جماعت نے پورا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ محترم ڈاکٹر صاحب کے روحانی و جسمانی فیوض سے جماعت تا دیر مستفیض ہوتی رہے۔ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

مکرم جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب تقریر فرما رہے ہیں۔

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ......... الخ آیت۔
ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءھم البینٰت، واولٰئک لھم عذاب عظیم ۝
(آل عمران ۱۰۴-۱۰۵)

اواخر مئی تا ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء میں جو واقعات اپنے وطن میں پیش آئے ان کے بعد دینی فرائض کی کما حقہٗ ادائیگی اور اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی راہ میں ممکنہ طور پر پیش آنے والی مشکلات کے بارہ میں ہماری فکرمندی ایک فطری امر تھا۔ ہماری پرامید نگاہیں بیرونی دنیا خصوصاً مغربی ممالک کی جماعتوں کی طرف اٹھنے لگیں اور دماغوں میں خیالات پیدا ہونے لگے۔ کہ اگر ہمارے لئے خدمتِ اسلام کا میدان یہاں محدود ہو جائے تو ان جماعتوں کے تعاون اور ہمدردی سے اس فریضہ کو بجا لا سکیں گے یہ خیالات سوچ و بچار کی حد سے آگے نہ بڑھ سکے۔ اور اپنی کئی مشکلات اور کمی وسائل کی وجہ سے کوئی عملی قدم اٹھ نہ سکا۔ حتیٰ کہ مصلحت الٰہی نے ایک موقع لندن میں منعقد ہونے والی کنونشن کی صورت میں فراہم کر دیا اور یہ تجویز کافی بحث و تمحیص کے بعد انجمن نے منظور کر لی۔ کہ ایک پانچ رکنی وفد اس کنونشن میں شامل ہو۔ مجھے اس وفد کا سربراہ مقرر کیا گیا۔ یہ مارچ ۱۹۷۵ء کا واقعہ ہے۔ کنونشن اگست کے آخری عشرہ میں منعقد ہوئی۔

۱۸ اگست ۱۹۷۵ء کو میں لندن پہنچ گیا اور ۲۱ اگست سے کنونشن شروع ہوئی جو ہفتہ بھر جاری رہی۔ تقاریر اور بعض دیگر تقاریب کی کسی قدر روئیداد سلسلہ کے اخبارات کے ذریعہ آپ کے علم میں آچکی ہے۔ ان تفصیلات میں جانے کے لئے اس وقت میرے پاس وقت نہیں۔

کنونشن میں کئی ممالک کے مندوبین شامل ہوئے جن کی مجموعی تعداد ڈیڑھ اور دوسو کے قریب تھی۔ سب سے زیادہ تعداد سرینام اور ہالینڈ میں مقیم سرینامی احباب کی تھی۔ یہ لوگ ہمارے باہمت آنریری مبلغ اسلام عبدالرحیم جگو صاحب کی قیادت میں تشریف لائے تھے۔ ڈچ مشن کے سابق مبلغ مولوی بشیر احمد صاحب اور ان کی اہلیہ بھی اس وفد میں شامل تھیں۔ یہ لوگ نہایت مخلص اور محبت کرنے والے ہیں اور سلسلہ کے لئے جوش رکھتے ہیں۔ جس کا نمونہ دسمبر ۱۹۷۳ء کے سالانہ جلسہ پر آپ میں سے اکثر لوگ دیکھ چکے ہیں۔ ٹرینیڈاڈ اور گیانا سے بھی کئی احباب آئے اور لندن میں مقیم پاکستانی احمدی بھی شامل ہوئے۔ لیکن لندن اور انگلستان کے دیگر شہروں سے جتنے احباب کے آنے کی مجھے توقع تھی وہ پوری نہ ہوئی۔ فجی کی جماعت کے پریزیڈنٹ جناب غلام نبی دین صاحب۔ ایک خاتون اختر النساء اور ہمارے محترم مبلغ حافظ شیر محمد صاحب نوشاہی تشریف لائے برلن مسجد کے امام محترم مولانا یحییٰ بٹ صاحب بھی آئے اور محترم [illegible] عبدالمنان عمر صاحب جو اس زمانہ میں جرمنی میں تھے تشریف لائے۔

کنونشن میں جو تقاریر ہوئیں ان میں خصوصیت سے قابل ذکر ایک انگریز خاتون مسز جینٹ وائٹ کی دو تقریریں تھیں۔ جو بہت پسند کی گئیں۔ محترم میاں فاروق احمد شیخ صاحب نے ایک مقالہ "احمدیت کے مقام" کے موضوع پر پڑھا اور اس کا اردو مفہوم بھی بیان فرمایا۔ دس شرائط بیعت پر انہوں نے خصوصیت سے زور دیا۔ ایک خطبہ جمعہ کے علاوہ میری ایک تقریر "مغرب سے طلوع آفتاب" اور دوسری "تحریک احمدیہ لاہور کا پیغام اور مقام" کے عنوان سے ہوئی۔ سرینامی مندوبین کی خواہش پر دوسری تقریر کا اردو ترجمہ بھی ساتھ ساتھ سنایا گیا۔

کنونشن کے دوران چند طویل مشاورتی اجلاس بھی ہوئے۔ جن میں لندن مشن کی عمارت اور مشن کے انتظامات کے لئے ایک ٹرسٹ کے قیام کے متعلق تجاویز پاس ہوئیں۔

لندن اور انگلستان کے بعض دوسرے مقامات پر ہماری جماعت کے افراد کافی تعداد میں موجود ہیں۔ لیکن میں نے محسوس کیا کہ ان کا باہمی رابطہ بہت کم ہے۔ خصوصًا پاکستانی احباب مشن کے کاموں میں کافی دلچسپی نہیں لیتے۔ جس کی کچھ وجوہات بھی انہوں نے بیان کی ہیں۔ میں نے اس افسوسناک صورتِ حال کو شدت سے محسوس کیا اور اس کی اصلاح کی کوشش ضروری سمجھی۔ کنونشن کے دوران اور اس کے بعد بھی چند دن رہ کر اس کام پر پوری توجہ دی۔ خوش قسمتی سے محترم حافظ شیر محمد صاحب خوشابی میرے ساتھ ہی ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان کی معیت میرے لئے غنیمت ثابت ہوئی۔ اور انکی موجودگی سے میں نے پورا استفادہ کیا۔ ہم نے مل کر لوگوں کے گھروں میں جا کر اُن سے ملاقاتیں کیں۔ اس سلسلہ میں مسٹر راس محمود اور ان کی والدہ محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ اور بیگم راس محمود، عزیز حامد الرحمٰن اور چوہدری حمید صاحب نے بھی ہماری کافی مدد کی۔ ہم نے ممبر بنانے کی ایک مہم کا آغاز کیا جس میں ہمیں خاطر خواہ کامیابی ہوئی اور حوصلہ افزا نتائج برآمد ہوئے۔ سینتالیس ۴۷ کے قریب افراد میرے آنے سے پہلے ممبر بن چکے تھے۔ ہر ممبر نے خوشی سے معقول چندہ ماہوار دینا منظور کیا۔ میری موجودگی میں ہی چندہ کی رقوم وہاں جمع ہونی شروع ہو گئی تھیں۔ ابھی اس میدان میں بہت کچھ مزید کام کرنے کی گنجائش ہے۔ متواتر اور مسلسل جد و جہد اور رابطہ قائم رکھنے سے وہاں ایک مضبوط جماعت بن سکتی ہے۔ اگرچہ لوگ بے حد مصروف ہیں اور فاصلے زیادہ ہیں۔ تاہم اگر امام صاحب کے علاوہ ایک اور موزوں شخص مقرر کیا جائے۔ جو اس طرف پورا وقت اور توجہ دے۔ تو یہ کام بہت نتیجہ خیز ہو سکتا ہے۔ اس امر کا تجربہ حافظ شیر محمد صاحب کی اس کوشش سے بھی ہوا ہے۔ جو میرے چلے آنے کے بعد بھی وہ چند دن کرتے رہے۔

لندن کنونشن کے دوران مغربی نصف کرۂ ارض کے کئی شرکاء نے مجھ سے اس خواہش کا اظہار کیا۔ کہ میں اُن کے علاقوں کا دَورہ بھی کروں۔ کئی پاکستانی دوستوں نے بھی مجھ سے کہا کہ آدھا سفر تو طے ہو چکا ہے۔ اب اگر آگے بھی چلے جاؤں تو بہت مفید ہوگا۔ میرا بھی جی چاہتا تھا مگر تنہا دُور دراز کا سفر کٹھن نظر آتا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے محض اپنے تصرف اور خاص فضل سے میرے لئے یہ سفر سہل کر دیا اور مَیں نے اسے نہایت مبارک اور مفید بھی پایا۔ مجھے لندن کنونشن اور سفر کے دوران جو جو مشکلات پیش آتی رہیں اور جس جس رنگ میں اللہ تعالےٰ میرے لئے ہر موقع پر آسانی کی راہیں پیدا فرماتا رہا۔ اس سے یہ بات ایک حقیقت بن کر سامنے آ جاتی ہے کہ جب انسان اللہ تعالےٰ کی راہ میں محض اس کی خوشنودی کی خاطر (جس میں ذاتی خواہشات یا اغراض کو دخل نہ ہو) گھر سے نکل پڑتا ہے تو اللہ تعالےٰ کی تائید ضرور اس کے شاملِ حال ہو جاتی ہے اور وہ سفر کی صعوبتیں بھی آسان کر دیتا ہے۔

اَب مَیں اس سفر کے کچھ تاثرات اور بعض اہم واقعات بیان کرنا مناسب سمجھتا ہوں:۔

ماموریِ الٰہی کی یہ پیشگوئی کہ "میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا" وضاحت سے پوری ہو چکی ہے۔ یہ حقیقت جب میری آنکھوں نے دیکھی اور کانوں نے اس کی گونج زمین کے مغربی کناروں پر پہنچ کر سُنی تو میرا دل اس یقین سے بھر گیا کہ اللہ تعالےٰ اپنے ماموروں سے کئے گئے وعدے ضرور پورے کرتا ہے۔ اس مامور سے کئے گئے کئی اور اٹل وعدے ابھی پورے ہونے ہیں اور یہی وہ یقین ہے جو نہایت نامساعد حالات میں بھی ہماری قلبی قوت اور حقیقی زندگی کا سرچشمہ ہے۔

میرے مشاہدہ کا یہ حصّہ تو نہایت ایمان افروز اور خوش کُن تھا لیکن ایک اور امر بھی سامنے آیا۔ جس کا تعلق ہماری کوتاہیوں سے ہے۔ وہ چنداں خوشگوار نہ تھا۔ جرأت مندانہ طور پر اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کر لینے کے بعد اس کے ازالہ کی پوری کوشش کرنا ہمارا فرضِ اولین ہے۔ لندن جا کر مجھے ایک چیز سے گہری تشویش پیدا ہوئی۔ وہ یہ تھی کہ وہاں ہماری جو تصویر بعض لوگوں کے ذہنوں میں راسخ ہو چکی ہے اور وہ انکی مایوسی کی غمازی کرتی تھی۔ اس کی ذمہ داری ہم پر بھی عائد ہوتی ہے۔ گو اسکے کچھ خارجی اسباب بھی ہیں جن کی تفصیلات میں مَیں اس موقع پر جانا نہیں چاہتا۔ جہاں مجھے ایک طرف صدمہ ہوا تو دوسری طرف دل میں ایک جوش اور جذبہ بھی پیدا ہُوا کہ جس انجمن کی میں نمائندگی کر رہا ہوں۔ اس کی IMAGE (شبیہ) جس حد تک سنوارنے کی مَیں کوشش کر سکوں مجھے کرنی چاہیئے۔ میں کافی دن مضطرب رہا اور مجھے مغربی نصف کرۂ ارض کے سفر پر جانے پر آمادہ کرنے میں یہی جذبۂ غیرت بھی کافی حد تک ممد ثابت ہوا اور دو ہفتہ کے قلیل عرصہ میں مَیں نے ٹرینیڈاڈ۔ گیانا اور سرینام کا دَورہ مکمل کر لیا۔

ان ملکوں کے احباب کے خلوص۔ جوش اور تعاون سے میں بہت متاثر ہوا ہوں۔ دن رات کے طویل سفر سے دُور دراز کی منزلیں طے کر کے میں نے ان علاقوں کی اکثر جماعتوں کو دیکھ لیا اور ہر مقام پر تحریکِ احمدیت کی اہمیت پر زور دیا اور یقین دہانی کرائی کہ مرکزی انجمن لاہور خدا کے فضل سے آئندہ بھی اپنا فرض ادا کرتی رہے گی۔ جیسا کہ ماضی میں وہ کوشش کرتی رہی ہے اور جو عارضی مشکلات اسے کچھ عرصہ سے درپیش ہیں۔ ان سے انشاءاللہ تعالےٰ جلدی نکل جائے گی۔

سرینام میں مسلمان آبادی کی ایک بھاری تعداد احمدیہ تعلیمات کی پابند ہے۔ لیکن ان میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو احمدیت کی روشنی کو تو اپنانے پر خوش ہیں۔ لیکن اس چراغ کا نام لینے اور اعلانیہ طور پر اپنانے سے ہچکچاتے ہیں جس سے یہ روشنی پیدا ہوتی ہے۔ ایسے عناصر جو "احمدیہ انجمن اشاعت اسلام" کے نام سے تنظیم چاہتے ہیں۔ وہ اس تنظیم کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر رہے ہیں۔

گیانا کی جماعتیں مضبوط ہیں اور ایک فعال تنظیم اور اپنے سربراہ مسٹر یاسین کی قیادت میں سرگرمِ عمل ہیں۔ گیانا کی دُور دراز کی جماعتوں کو بھی مَیں نے دیکھا ہے اور متعدد مقامات پر کئی افراد نے بیعت بھی کی۔

ٹرینیڈاڈ میں قریبًا آٹھ دن تک مخیّر بزرگ مسٹر عزیز احمد کے ہاں رہا اور وہاں کی اکثر جماعتوں سے ان کی مساجد میں ملاقاتیں ہوئیں اور کئی تقاریر ہوئیں۔ مسٹر عزیز احمد صاحب اور دیگر کئی احباب نے بے حد اطمینان کا اظہار کیا اور مجھ سے دوبارہ زیادہ وقت کے لئے آنے کی استدعا کی۔

ان علاقوں میں صرف جماعتِ لاہور کے ممبران ہیں۔ جہاں تک مجھے معلوم ہو سکا وہاں جماعت ربوہ کا کوئی اثر نہیں۔ گیانا میں مجھے بتایا گیا کہ ربوہ کے ایک مبلغ کچھ عرصہ وہاں رہے تھے۔ مگر یہ کہہ کر واپس چلے گئے کہ "آپ لوگ مفید کام کر رہے ہیں۔ میری یہاں پر چنداں ضرورت نہیں"۔

مَیں نے یہ بھی دیکھا کہ یہ سب جماعتیں گو فعال۔ مستعد اور مخلص ہیں لیکن انہیں علمِ دین کی بڑی ضرورت ہے اور ان کے پاس ضروری لٹریچر بھی کافی نہیں۔ انہیں ایسے معلمین کی ضرورت ہے جو علم کے ساتھ عمدہ نمونہ پیش کر سکیں اور روحانی قدروں سے بھی انہیں آشنا کر سکیں۔ قرآن کریم عربی متن کے ساتھ بہت کم لوگ پڑھ سکتے ہیں۔ لیکن قریبًا ہر شخص کے پاس حضرت مولانا محمد علی علیہ الرحمۃ کا انگریزی ترجمہ قرآن ہے اور کئی لوگوں کو سورت اور آیت کے نمبر کے حوالہ سے انگریزی ترجمہ ازبر ہے۔ بعض لوگوں کو مولانا علیہ الرحمۃ کی کتاب "ریلیجن آف اسلام" پر بھی عبور ہے۔ باوجود قرآنی متن نہ جاننے کے اس میں فکر اور تدبّر کرنے والے لوگوں کی کمی نہیں۔

مبلغین سے زیادہ وہاں دینی لٹریچر کی بڑی ضرورت ہے۔ حضرت امیر علیہ الرحمۃ کے اس آخری پیغام کہ "تم قرآن دنیا کو پہنچا دو۔ اپنا کام یہ خود کرے گا" کی صداقت ان ممالک میں جا کر ایک حقیقت بن کر سامنے آ جاتی ہے۔ گیانا کے صدر مقام جارج ٹاؤن سے دور دو بڑے دریاؤں کو فیری (FERRY) کے ذریعہ عبور کر کے ایک مقام ویکنام پر مجھے احباب لے گئے۔ اسے احمدیت کا گہوارہ کہا جاتا ہے۔ وہاں ایک مرحوم بزرگ طالب علی صاحب کے بھائی ابراہیم صاحب نے جو اس جماعت کے موجودہ پریزیڈنٹ ہیں۔ بتایا کہ ۱۹۱۷ء میں جب انگریزی ترجمۃ القرآن پہلی بار شائع ہوا تو طالب علی صاحب کے ہاتھ ایک نسخہ کہیں سے لگا۔ پس گیانا میں وہیں سے احمدیت کا آغاز ہوا اور آہستہ آہستہ باوجود مخالفت کے احمدیت مقبول ہوتی گئی۔

ٹرینیڈاڈ سے مسٹر امیر علی مرحوم ۱۹۲۰ء میں لاہور آئے اور ایک عرصہ تک احمدیہ بلڈنگس لاہور میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد جب واپس گئے تو اسی ترجمۃ القرآن کے ذریعہ انہوں نے اس جزیرہ کو حقیقی اسلام کے نور سے منور کیا۔ غرضیکہ اس امر کی اب بھی بھاری ضرورت ہے کہ نہ صرف صحیح راسخ، دینی، علمی اور سب سے بڑھ کر روحانی بنیادوں پر غیر ممالک میں جماعتوں کی تعمیر نو کی جائے۔ بلکہ کثرت سے قرآن کریم کے تراجم اور دینی لٹریچر پہنچایا جائے۔ اور در اصل یہی اس جماعت کے وجود اور قیام کی غرض ہے اور یہی ہمارا فرض ہے۔ اگر ہم اس فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کریں گے تو اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔

میں بحیثیت آپ کے نمائندہ ہونے کے ان لوگوں کے ساتھ یہ وعدہ کر آیا ہوں کہ گو ہمیں ایک عرصہ سے کچھ مشکلات درپیش آتی رہی ہیں اور ۱۹۷۴ء کے واقعات سے ہماری حالت مزید کمزور ہوئی ہے۔ مگر انشاء اللہ یہ عارضی صورت ہے۔ آپ لوگ ہمارے ساتھ صبر سے کام لیں اور کم از کم ایک دو سال ہمیں حالات کی درستگی کا موقع دیں ہم ابھی سے کوشش شروع کر دیں گے کہ مرکز کی طرف سے آپ کو مزید مایوسی نہ ہو۔ جب بھی میں وہاں یہ وعدہ کرتا نہ معلوم میرا دل کیوں اس وقت اس یقین سے بھرا ہوا ہوتا تھا کہ میں جب اپنی جماعت سے ان کے سلف صالحین اور بزرگوں کا واسطہ دے کر انہیں ان کے فرائض یاد دلا کر اپیل کروں گا کہ گذشتہ غفلتوں سے نکلیں اور وہ آب حیات جس کے لئے دنیا جاں بلب ہو رہی ہے اور جو آپ کے پاس موجود ہے اسے پہنچانے میں مزید غفلت نہ کریں۔ تو میرے بھائی ضرور میری اس گذارش پر کان دھریں گے۔ چنانچہ اس موقعہ پر میں آپ کے سامنے یہی اپیل پیش کرتا ہوں۔

ان ممالک کے نوجوانوں کے جوش اور نظم و ضبط کو دیکھ کر مجھے رشک آتا تھا اور اپنے ہاں کے نوجوانوں کے متعلق میرے دل میں یہ اُمید بندھنے لگتی تھی کہ میں ان کے سامنے اپنی اپیل پیش کروں گا۔ تو وہ بھی خوابِ غفلت سے جاگ اُٹھیں گے۔ لندن کنونشن میں ٹرینیڈاڈ کے ایک معزز مقرر نے اپنی تقریر کے دوران لاہور کی جماعت کے نوجوان طبقہ کی بےحسی کی شکایت کی اور فرمایا کہ وہ ۱۹۷۳ء کے سالانہ جلسہ میں شامل ہوئے تھے تو انہوں نے جتنے لوگ اپنے سامنے بیٹھے دیکھے ان سب کی عمریں پچاس سال سے متجاوز تھیں۔ یعنی صرف بوڑھے لوگ انہیں نظر آئے۔ اگرچہ اس بیان میں کسی قدر مبالغہ تو ہے لیکن یہ ایک حقیقت بھی ضرور ہے کہ زندہ قوموں کی علامت یہی ہوتی ہے کہ اس میں بوڑھوں سے زیادہ نوجوان میدانِ عمل میں نظر آتے ہیں۔ اب غیرت کا تقاضا یہی ہے کہ نوجوان ۱۹۷۳ء کے اپنے اس معزز مہمان کے اس بیان کو اپنے لئے ایک مہمیز سمجھیں۔ اور اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے میدان عمل میں نکل آئیں۔

ٹرینیڈاڈ کی ایک معزز خاتون مسز زرینہ حنیف محمد صاحبہ نے اپنا ایک قیمتی مضمون مجھے پڑھنے کے لئے دیا تھا۔ وہ بھی ۱۹۷۳ء کے جلسہ سالانہ کے وفد کے ساتھ لاہور آئی تھیں۔ اس مضمون میں انہوں نے بھی ہمارے متعلق مفید نشاندہی فرمائی ہے۔ یہ مضمون انہوں نے لندن کنونشن کے لئے لکھا تھا۔ میں ان کے قیمتی خیالات ضرور آپ تک پہنچاؤں گا۔ اس مضمون کے ایک حصہ کا خلاصہ یہ ہے:۔

"ا۔ انجمن مرکزیہ نوجوان طبقہ کو بیدار کرنے میں ناکام ہوئی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کل کی قیادت کہاں پر ہے؟"

"ب۔ احمدی بہنوں کے حق میں واضح نا انصافی روا رکھی جا رہی ہے۔ انہیں پردہ میں رکھا جاتا ہے۔ یہ صورت احمدیت کے وسیع اور معقول نظریہ سے مطابقت نہیں رکھتی۔"

"ج۔ نوجوانوں کو تبلیغ کے کام کے لئے تربیت دینے کا کوئی باضابطہ انتظام نہیں۔"

"د۔ اس بات کا بھی کوئی انتظام نہیں کہ اس سے انجمن کی شاخوں کی آبیاری ہوتی ہو۔ مثلاً اس بات کا کوئی انتظام نہیں کہ مرکز کے نمائندے وقتاً فوقتاً مختلف ممالک میں دورہ کر کے ان میں تازہ روح پھونکیں اور ان کی حوصلہ افزائی ہو۔ لے دے کے ایک مولانا شیخ محمد طفیل صاحب ہیں۔ جو مغربی دنیا اور مرکز کے درمیان ایک واحد ذریعہ رابطہ کا ہیں۔ ایک بین الاقوامی حیثیت کا مرکز اس قدر کچے دھاگے پر اپنا سارا انحصار رکھتا ہے۔ یہ کہاں تک درست ہے؟"

اس موقعہ پر میں اُن کے جملہ نقاط کے متعلق تبصرہ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا لیکن یہاں پر صرف آپ کے غور کے لئے آپ کے سامنے ان اُمور کو رکھ دینے پر اکتفا کرتا ہوں۔ البتہ ہماری خواتین کے متعلق انہوں نے جو ارشاد فرمایا ہے۔ اس کی طرف اپنی خواتین کی خصوصی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ تمدن کے اختلافات سے قطع نظر کیونکہ ہم ان کے تمام تر تمدن کو اپنے لئے ہرگز پسندیدہ نہیں جانتے بلکہ ان کے لئے بھی اس کے بعض پہلو خالصتاً مذہبی نقطۂ نظر سے زیادہ پسندیدہ نہیں سمجھتے۔ یہ حقیقت ہے کہ ان کے ہاں خواتین نہایت مستعدی سے مردوں سے بڑھ کر جماعتی اور سماجی سرگرمیوں میں حصہ لیتی ہیں اور ان کا عمل مردوں کے لئے تقویت کا موجب ہے۔ ہماری بچیوں اور بہنوں کو مسز زرینہ حنیف محمد صاحبہ کا چیلنج قبول کرنا چاہیئے وہ اپنے تمدن کی حدود کے اندر رہتے ہوئے بھی قومی تعمیر اور خدمتِ دین کے کام میں بہت کچھ کر سکتی ہیں۔ میں اُن سے اپیل کرتا ہوں کہ اگرچہ وہ پہلے بھی جماعتی کاموں میں گہری دلچسپی لے رہی ہیں لیکن یہ کافی نہیں وہ اس سے بہت بڑھ کر کر سکتی ہیں۔ وہ آگے بڑھیں اور اپنے وقت اور آرام اور مال کی مزید قربانی کے لئے تیار ہو جائیں۔

بالآخر میں آپ سب کی توجہ ان آیات قرآنی کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جن کی تلاوت میں نے شروع میں کی ہے جن کا ترجمہ یہ ہے:۔

"اور تم میں سے ایک گروہ ہونا چاہیئے جو اسلام کی طرف بلائیں اور نیک کام کرنے کو کہیں اور بُرے کاموں سے روکیں اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں" (سورۃ آل عمران۔ آیت ۱۰۴)

یہ کام اور مقام آپ نے خود یا آپ کے بزرگوں نے آپ کے لئے منتخب کیا تھا۔ اور آپ نے اس کام اور مقام کے ساتھ ہر قسم کے امتحانوں اور مصائب میں سے گذرنے کے باوجود وابستہ رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ جو کمزور تھے وہ پھر گئے۔ لیکن جو باقی رہ گئے ہیں ان کی اس کام اور مقام سے دلچسپی اور وفاداری میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ میں بڑی تعظیم اور تکریم کے ساتھ اپنا سر ایسے سب لوگوں کے سامنے جھکاتا ہوں لیکن ساتھ ہی خدا، اس کے رسول اور پھر اس کے مامور کا واسطہ دیکر

جن کی وفاداری کی خاطر آپ میں سے بہتیرے ہر قسم کی قربانی دے
چکے ہیں۔ آج کے بعد ایک دوسرے کے خلاف تیار بیٹھے ہیں۔ یہ مندرجہ اور ان
لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے۔"
(سورۃ آل عمران - آیت ۱۰۵)

اللہ تعالیٰ کے اس وعید کو دلوں میں جگہ دیں۔ اپنی بھلائی اسی میں ہے کہ اپنی جانوں پر رحم کریں۔ یہ جماعت پھر سے ایک عظیم جماعت بننے کی تمام استعدادیں اور صلاحیتیں اپنے اندر رکھتی ہے۔ انہیں بروئے کار لا کر کچھ کام کر جائیں۔ تا خداوند کریم کے رُوبرو سرخروئی حاصل کر سکیں۔ اس آیت کے مضمون کی اہمیت پہلے بھی بارہا آپ کے سامنے آ چکی ہے۔ یاد دہانی کے طور پر ایک بار پھر توجہ دلا رہا ہوں۔ دلوں میں اثر بخشنا تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کے فضلوں سے ہمیشہ پُر اُمید رہنا چاہیئے۔ لعل اللہ یحدث بعد ذالک امراً۔

"شاید اس کے بعد اللہ تعالیٰ کوئی بات پیدا کر دے"

مغربی ممالک کے دَورہ سے میرے اس جذبہ کو بڑی تقویت حاصل ہوئی ہے کہ ہمیں مزید غفلت اور سُستی سے کام نہیں لینا چاہیئے۔ دنیا اس وقت روحانی طور پر ایک آگ کی لپیٹ میں ہے اور حضرت صاحب فرما گئے ہیں ؎

این آتشے کہ دامن آخر زماں بسوخت
از بہر چارہ آتش بخدا نہر کوثرم

وہ آب کوثر کب ہم آتش زدہ دنیا تک پہنچائیں گے۔

آپ کی انجمن نے کمیٹی برائے تبلیغ بلاد غیر کی از سر نو تشکیل کی ہے آپ کا فرض ہے کہ اس کے ہاتھ مضبوط کریں اور کم از کم اپنے اموال سے ہر شخص امداد دے۔ اس وقت میں آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ ایک خطیر رقم جو کم از کم ایک لاکھ روپیہ ہو آپ جمع کریں۔ دنیا کے اموال کی حقیقت اور اس کا انجام خصوصاً اس دَور میں کھل کر سامنے آ چکا ہے۔ آج اموالِ دنیا کی جو کثرت ہے اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ ایسا ہی اس کی بے ثباتی اور بربادی کا جو نقشہ آج ہم دیکھ رہے ہیں وہ بھی عدیم المثال ہے۔ اگر یہی مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے ہاتھوں سے خرچ کر دیا جائے تو آگے کام آئے گا۔ قرآن کریم فرماتا ہے:-

و اقرضو اللہ قرضاً حسنًا و ما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللہ۔

ترجمہ: "اللہ کو خوش دلی سے قرضہ دے دو۔ تم جو مال اپنی جانوں کے لئے آگے بھیجو گے وہ اللہ کے ہاں موجود پاؤ گے۔"

و مالکم ان لا تنفقوا فی سبیل اللہ و للہ میراث السمٰوات و الارض۔

ترجمہ: "اور کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کے راستہ میں خرچ نہ کرو۔ حالانکہ آسمانوں اور زمین کا سب مال اللہ کے لئے ہی رہ جاتا ہے۔

اور پھر فرماتا ہے:

من ذا الذی یقرض اللہ قرضاً حسنًا فیضعفہ لہ ولہ اجر کریم۔

ترجمہ:- "وہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو خوش دلی سے قرض دے تو اس کو وہ کئی گنا کر کے دے اور اس کو عمدہ اجر بھی دے۔

اللہ تعالیٰ میری بات کو متاعِ تاثیر بخشے اور آپ کو اُن جملہ امور کے بارہ میں جو میں نے آپ کے سامنے پیش کئے انشراح صدر عطا فرمائے۔ آمین ÷

## احمدیہ ہاؤس لندن

(۱) شیخ محمد حسین صاحب امین احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور
(۲) حکیم عبدالعزیز صاحب لاہور
(۳) مولوی اللہ دتہ صاحب وزیر آبادی۔
(۴) حکیم محمد اسلم علوی صاحب اور ان کی صاحبزادی خدیجہ بیگم مرحومہ
(۵) شیخ برکت اللہ صاحب (سیالکوٹ)
(۶) الحاج سُلطان خان آف ٹرنی ڈاڈ۔ (مسز جمیلہ خان کے سُسر)
(۷) جناب محمد رضا صاحب آزاد سرینام۔ ٹرسٹی احمدیہ انجمن یو۔کے۔
(۸) ڈاکٹر محمد اسحاق صاحب (راولپنڈی)
(۹) نجیب اللہ صاحب (ہالینڈ)

مرحومین کے متعلق مختلف دوستوں نے حالات بھی سنائے۔ اور ان کے پسماندگان سے ہمدردی کا ریزولیوشن بھی پاس کیا۔ شیخ محمد طفیل صاحب نے حیاتِ بعد وفات بعد الممات پر اسلامی نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی۔ اس میٹنگ میں چالیس کے قریب احباب نے شرکت کی۔

---

## سانحۂ ارتحال

محترم شیخ محمد طفیل صاحب لندن سے اطلاع دیتے ہیں کہ:-

"سُرینام (جنوبی امریکہ) میں جماعت کے ایک سرگرم رُکن جناب محمد رضا صاحب (ٹرسٹی احمدیہ انجمن یو۔کے) فوت ہو گئے ہیں۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور ان کے لواحقین کو صبر کی توفیق دے۔

مرحوم کی شاندار دینی خدمات اور جوش و جذبۂ اشاعتِ اسلام کے متعلق جناب شیخ صاحب نے ایک مفصل مضمون بھیجا ہے۔ جو "پیغام صلح" میں عنقریب شائع کیا جائے گا۔

## ہالینڈ میں نجیب اللہ صاحب کی وفات

احباب یہ خبر افسوس کے ساتھ سنیں گے کہ سُرینام کے ایک احمدی دوست نجیب اللہ صاحب بھی اس دارِ فانی سے گذر گئے۔ مرحوم لندن کی احمدیہ کنونشن میں بھی شریک ہوئے تھے۔ کچھ عرصہ سے دِل کے مریض تھے۔ ان کا جنازۂ غائبانہ احمدیہ ہاؤس میں پڑھا گیا اور ان کی اہلیہ کو لندن کمیٹی کی طرف سے تعزیت کے خطوط لکھے گئے۔

## جناب شیخ محمد حسین صاحب کی وفات پر جماعت ڈیرہ غازیخان کا اظہارِ غم

ڈیرہ غازی خان سے مولوی محمد علی صاحب نے اطلاع دی ہے کہ:-

"مورخہ ۲۰ فروری بروز جمعہ شیخ محمد حسین صاحب مرحوم کا جنازۂ غائبانہ مسجد احمدیہ ڈیرہ غازی خان میں پڑھا گیا۔ نیز متفقہ طور پر یہ ریزولیوشن پاس ہُوا کہ "شیخ صاحب کی فوتیدگی سے جماعت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔ خدا تعالیٰ ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور جنت الفردوس میں درجات بلند فرمائے۔ آمین

نیز جماعت کی طرف سے ان کی اہلیہ محترمہ اور عزیز و اقارب سے دلی ہمدردی کا اظہار کیا گیا۔ ساری جماعت ان کے اس غم میں برابر کی شریک ہے اور اللہ تعالیٰ سے پسماندگان کے لئے صبر کی دُعا کرتی ہے۔"

---

ہفت روزہ "پیغام صلح" خود پڑھنے کے بعد دیگر احباب تک پہنچائیں

از: راہ نورد

# سیّد ابو الاعلیٰ مودودی کی تفسیر تفہیم القرآن کا ایک مختصر جائزہ

(بسلسلہ اشاعت گذشتہ)
(قسط نمبر ۴)

مودودی صاحب اُن کے عقائد کی حمایت میں قرآن پاک کو پیش کر رہے ہیں۔ وہ ان تینوں باتوں کو تقریبًا اسی طرح درست تسلیم کرتے ہیں جیسا کہ مسیحی معتقدات کی اساس کے طور پر بطور حقائق ثابتہ کے انہیں پیش کیا جاتا ہے لیکن اُن سے جو نتیجہ نکلتا ہے اس سے وہ انکاری ہیں۔ یوں نتائج سے جان بوجھ کر آنکھ بند کر لینا اور بات ہے ورنہ جناب مسیح کی اعجازی پیدائش ماننا۔ انہیں ایّام دنیا میں غیر معمولی فوق البشری۔ یہی نہیں بلکہ نعوذ باللہ الٰہی اختیارات کا فعلًا حامل تسلیم کرنا۔ پھر ان کا جسم عنصری کے ساتھ زندہ آسمانوں پر چلے جانا اور وہاں آج تک اسی جسم کے ساتھ زندہ موجود ہونا۔ یہ امتیازات اگر درست ہیں تو عیسائیوں کا جناب مسیح کو خُدا یا خُدا کا حصہ مان لینا کوئی اچنبے کی بات نہیں۔

اسی ضمن میں مودودی صاحب نے قرآن پاک کی آیت متعلقہ اہلِ یہود "وقولهم انا قتلنا المسيح عيسى ابن مريم رسول الله" (سورۃ النساء) پر بحث کرتے ہوئے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ یہودی یہ جانتے ہوئے بھی کہ مسیح در اصل خدا تعالےٰ کے سچے رسول ہیں اُن کے مخالف ہوئے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"یعنی جُرأتِ مجرمانہ اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ رسُول کو رسول جانتے تھے اور پھر اس کے قتل کا اقدام کیا اور فخریہ کہا کہ ہم نے اللہ کے رسُول کو قتل کیا ہے" (ایضًا صفحہ ۴۱۸)

گویا قرآن پاک نے یہودیوں کے ایک مثبت قول کو نقل کیا ہے نہ کہ طنزیہ کو۔ لیکن یہ بات واقعی عجیب معلوم ہوتی ہے۔ اور مودودی صاحب نے بھی دو چار سطر اس کے بعد یہی کہا ہے:۔

"بظاہر یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ قوم کسی شخص کو نبی جانتے ہوئے اسے قتل کر دے مگر واقعہ یہ ہے کہ بگڑی ہوئی قوموں کے انداز و اطوار ہوتے ہی کچھ عجیب ہیں۔"
(ایضًا صفحہ ۴۱۸)

اس تشریح کے باوجود ہماری حیرت میں کمی نہیں ہوئی کہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک شخص اللہ تعالےٰ کو مانتا ہو۔ اور یہ بھی تسلیم کرے کہ اُس کی طرف بلانے والا واقعی اس کا نبی اور رسول بھی ہے پھر بھی نہ صرف اسے اس نبی کو تسلیم کرنے سے انکار ہو بلکہ وہ اس کے قتل کا اقدام بھی کر گذرے۔ حالاں کہ بخوبی جانتا ہو کہ اس دنیا میں اسے ہمیشہ رہنا نہیں اور اس احکم الحاکمین کے حضور جا کر اس جُرم کا جواب بھی دینا ہوگا۔ ہمارا خیال یہی ہے کہ قولِ زیرِ بحث میں در اصل یہودیوں کی اس طنزیہ کو نقل کیا گیا ہے جو مسیح پر وہ کرتے تھے اور یہ کچھ یہودیوں سے ہی خاص نہیں۔ مثلًا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے مخالفوں کا بھی یہی رویہ تھا سورۃ الحجر میں مودودی صاحب نے خود ہی مفہوم اس آیت" وقالوا يايها الذى نزل عليه الذكر انك لمجنون کا لیا ہے:۔

"یہ فقرہ وہ لوگ طنز کے طور پر کہتے تھے۔ ان کو تو یہ تسلیم ہی نہیں تھا کہ یہ ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلّم پر نازل ہوا ہے۔ نہ اسے تسلیم کر لینے کے بعد وہ آپ کو دیوانہ کہہ سکتے تھے۔ دراصل ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ شخص جس کو دعویٰ یہ ہے کہ مجھ پر ذکر نازل ہوا ہے۔ یہ اسی طرح کی بات ہے جیسی فرعون نے حضرت موسٰی کی دعوت سننے کے بعد اپنے درباریوں سے کہی تھی کہ ان رسولكم الذى ارسل اليكم لمجنون۔ یہ پیغمبر صاحب جو تم لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں ان کا دماغ درست نہیں"
(تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ ۴۹۸)

ایسے طنزیہ جملوں میں مخالف نبی کے پیرؤوں پر در اصل ایک منفی پہلو سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ایسا شخص نبی ہو ہی نہیں سکتا۔ یہودی جب کہتے تھے کہ ہم نے مسیح بن مریم کو قتل کر دیا تو مفہوم یہ تھا کہ وہ نبی کیونکر ہو سکتا ہے جسے بندے قتل کر دیں۔ لیکن مودودی صاحب نے اس جملے کو مثبت بیان کے طور پر لیا ہے کہ ہاں وہ رسول اللہ ضرور تھے لیکن دیکھو ہم نے کس طرح ان کو بھی قتل کر دیا۔ یہ جرأت یہودیوں کی ہو یا نہ ہو کہ وہ ایسا بیان بوجھ کر کہہ رہے ہوں۔ مودودی صاحب کی ذہنی کیفیت بعض مرتبہ ایسی ہی معلوم ہوتی ہے۔ مثلًا ختمِ نبوت پر بحث کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے:۔

"اب اگر بالفرضِ محال نبوت کا دروازہ کھلا بھی ہو اور کوئی نبی آ بھی جائے تو ہم بے خوف و خطر اس کا انکار کر دیں گے۔ خطرہ ہو سکتا ہے تو اللہ تعالےٰ کی باز پرس ہی کا تو ہو سکتا ہے وہ قیامت کے روز ہم سے پوچھے گا تو ہم یہ سارا ریکارڈ برسرِ عدالت لا کر رکھ دیں گے جس سے ثابت ہو جائے گا کہ معاذ اللہ اس کفر کے خطرے میں تو اللہ کی کتاب اور اُس کے رسُول کی سُنّت ہی نے ہمیں ڈالا تھا۔ ہمیں قطعًا کوئی اندیشہ نہیں ہے کہ اس ریکارڈ کو دیکھ کر بھی ہمیں اللہ تعالےٰ کسی نئے نبی پر ایمان نہ لانے کی سزا دے ڈالے گا۔" (تفہیم القرآن جلد چہارم صفحہ ۱۵۱-۱۵۲)

کتنی ہٹ دھرمی اور سینہ زوری ہے۔ اگر سچ مچ نبی آ جائے۔ وہ خدا کی طرف سے ہو اور بابِ نبوت مسدود بھی نہ ہو تو کیا پھر بھی اس نبی کی نبوت کا انکار کوئی اسلامی شان ہے۔ کیا فرمانبرداری کے طریق ہیں۔ یہ عبارت دیکھ کر ہمیں اُن یہودی علماء کا استدلال یاد آ گیا جس میں انہوں نے مسیح کو ماننے سے اس وجہ سے انکار کر دیا تھا کہ ملاکی نبی کی کتاب میں لکھا ہے کہ مسیح کے آنے سے پہلے ایلیا واپس آئے گا۔ اور چونکہ ایلیا واپس نہیں آیا اس لئے تم مسیح نہیں ہو سکتے۔ وہ بھی ایک ریکارڈ تھا اور مودودی صاحب کو بھی ریکارڈ کا بھروسہ ہے نہ یہودیوں نے حضرت عیسٰے کی تشریح کو قبول کیا اور نہ مودودی صاحب کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تشریح تسلیم ہے ؎

ناز ہے طاقتِ گفتار پہ انسانوں کو

ظاہر ہے کہ اس طرزِ فکر میں خُدا پرستی۔ رضائے باریتعالیٰ اور اس کے احکامات کی فرمانبرداری مقصود نہیں ہو سکتی بلکہ محض ریکارڈ پرستی۔ آبائی عصبیت اور ہٹ دھرمی ہی صحیح دیندارانہ تصوّر بن جاتے ہیں۔ مودودی صاحب نے اس قسم کے طرزِ فکر کو شناخت بھی کیا ہے۔ چنانچہ حضرت نوحؑ کے ذکر میں سُورۃ الشعراء کی آیت ۱۰۵ كذبت قوم نوح المرسلين پر حاشیہ ۷۵ لکھا ہے:۔

"اگرچہ اُنہوں نے ایک ہی رسول کو جھٹلایا تھا لیکن چونکہ رسُول کی تکذیب درحقیقت اُس دعوت اور پیغام کی تکذیب ہے جسے لے کر وہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے آتا ہے اس لئے جو شخص یا گروہ کسی ایک رسول کا بھی انکار کر دے وہ اللہ تعالےٰ کی

نگاہ میں تمام رسولوں کا منکر ہے یہ ایک بڑی اہم اصولی حقیقت ہے جسے قرآن میں جگہ جگہ مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے حتیٰ کہ وہ لوگ بھی کافر ٹھہرائے گئے ہیں جو صرف ایک نبی کا اقرار کرتے ہیں باقی تمام انبیاء کو مانتے ہیں اس لئے کہ جو شخص اصل پیغام رسالت کو جاننے والا ہے وہ تو لازماً ہر رسول کو مانے گا مگر جو شخص کسی رسول کا انکار کرتا ہے وہ اگر دوسرے رسولوں کو مانتا بھی ہے تو کسی عصبیت یا تقلید آبائی کی بناء پر مانتا ہے نفس پیغام رسالت کو نہیں مانتا ورنہ ممکن نہ تھا کہ وہی حق ایک پیش کرے تو یہ اسے مان لے اور وہی دوسرا پیش کرے تو یہ اس کا انکار کر دے۔" (تفہیم القرآن جلد سوم صفحہ ۵۱۰)

اس بات کو ایک اور جگہ یوں بیان کرتے ہیں:-

"دراصل جو بات ان آیات میں بتائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ خدا کی طرف سے آیا ہوا حقیقی دین مسیحیت یا موسویت یا محمدیت نہیں ہے بلکہ انبیاء اور کتب آسمانی کے ذریعے سے آئے ہوئے فرمان خداوندی کے آگے سر اطاعت جھکا دینا ہے اور یہ رویہ جہاں جس بندۂ خدا نے بھی جس زمانے میں اختیار کیا ہے وہ ایک ہی عالمگیر ازلی و ابدی دین حق کا متبع ہے۔ اس دین کو جن لوگوں نے ٹھیک ٹھیک اور اخلاص کے ساتھ اختیار کیا ہے ان کے لئے موسیٰ کے بعد مسیح اور مسیح کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم اجمعین کا ماننا تبدیل مذہب نہیں بلکہ حقیقی دین کے اتباع کا فطری و منطقی تقاضا ہے بخلاف اس کے جو لوگ انبیاء علیہم السلام کے گروہوں میں بے سوچے سمجھے گھس آئے یا پیدا ہو گئے اور قومی و نسلی اور گروہی تعصبات نے جن کے لئے اصل مذہب کی حیثیت اختیار کر لی وہ بس یہودی یا مسیحی بن کر رہ گئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے پر ان کی جہالت کی قلعی کھل گئی۔ کیونکہ انہوں نے اللہ کے آخری نبی کا انکار کر کے نہ صرف یہ کہ آئندہ کے لئے مسلم رہنا قبول نہ کیا بلکہ اپنی اس حرکت سے یہ ثابت کر دیا کہ حقیقت میں وہ پہلے بھی "مسلم" نہ تھے محض ایک نبی یا بعض انبیاء کی گرویدگی میں مبتلا تھے یا آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کو دین بنائے بیٹھے تھے۔" (تفہیم القرآن جلد سوم صفحہ ۶۴۹)

گو یہ درست ہے کہ نبوت تامہ کاملہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی اور آپ کے بعد کوئی نیا یا پرانا نبی نہیں آ سکتا لیکن یہ عقیدہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد محض سماعی حیثیت اختیار کر لیتا اور عین ممکن تھا کہ نبوت کی حقیقت ہی مشتبہ اور ناقابل فہم بن جاتی اگر ہر صدی میں خدائے عز و جل مجددین کرام اور اس صدی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نہ بھیجتا اور ایک بار پھر وحی الٰہی سے اس بات کی توثیق نہ کر دیتا کہ نبوت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام ہو گئی۔

اس کے بعد ہمارے لئے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے حق تعالیٰ کا بھیجا ہوا دین بقول مودودی صاحب، محمدیت نہ رہا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہمارے لئے کسی نبی کی شخصی گرویدگی یا آباؤ اجداد کی اندھی تقلید نہ رہی بلکہ ہمارے لئے محمدیت اور اسلام ایک اور عین حقیقت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ہمارے لئے واجب الاتباع اسوۂ حسنہ ٹھہری۔ کیونکہ ہم نے حقیقت محمدیہ کو حضور کے بعد بھی ہر دور میں جلوہ گر ہوتے ہوئے سنا اور قبول کیا اور اپنے دور میں جلوہ گر ہوتے ہوئے دیکھا اور پہچان لیا۔

اصل گفتگو سے یہ ضمنی انحراف صرف اس افسوسناک روش کے بارے میں کچھ عرض کرنے کے لئے کیا گیا تھا جسے مودودی صاحب نے یہودیوں کے مزعومہ قول انا قتلنا المسیح عیسی ابن مریم رسول اللّٰہ کے حوالہ سے یہودیوں میں متحقق ہونا بیان فرما دیا تھا اور بدقسمتی سے خود بھی ایک ایسے ہی طرز عمل کو اپنے لئے اختیار کرنے کا صریحاً اقرار کیا تھا اور اسی پر تمام امت کو بلا خوف خطر چلنے کی تحریص دلائی تھی۔ سوال ایک اصول کا ہے۔ بحث کسی شخصیت کے بارے میں نہیں۔ البتہ جہاں تک ختم نبوت اور بعثت مسیح موعود کا سوال ہے مودودی صاحب نے اس پر بھی روایتی روش ہی اختیار کی ہے اور شاید اس کے سوا انکے لئے چارہ بھی نہیں تھا۔ لیکن بعض مقامات پر اگر وہ بہتر اور مہذب الفاظ اپنی تنقید میں استعمال فرماتے تو اچھا ہوتا۔

سورۃ النساء کی آیت ۶۴- وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ پر حاشیہ ۹۴ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"یعنی خدا کی طرف سے رسول اس لئے نہیں آتا کہ بس اس کی رسالت پر ایمان لے آؤ اور پھر اطاعت جس کی چاہو کرتے رہو بلکہ رسول کے آنے کی غرض ہی یہ ہوتی ہے کہ زندگی کا جو قانون وہ لے کر آیا ہے تمام قوانین کو چھوڑ کر صرف اس کی پیروی کی جائے اور خدا کی طرف سے جو احکام وہ دیتا ہے تمام احکام کو چھوڑ کر صرف انہی پر عمل کیا جائے اگر کسی نے یہی نہ کیا تو پھر اس کا محض رسول کو رسول مان لینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔" (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ ۳۶۸)

اب اس تشریح کی روشنی میں ان عبارتوں کو پڑھا جائے جو مسیح موعود کی بحث میں مودودی صاحب نے اپنی تفسیر میں لکھی ہیں۔ وہ کہتے ہیں:-

"حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا یہ دوبارہ نزول ........ صرف ایک کار خاص کے لئے .......... ہوگا کہ دجال کا استیصال کر دیں۔ اس غرض کے لئے وہ ایسے طریقے سے نازل ہوں گے کہ جن مسلمانوں کے درمیان ان کا نزول ہوگا انہیں اس امر میں کوئی شک نہیں رہے گا کہ یہ عیسیٰ بن مریم ہی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے مطابق ٹھیک وقت پر تشریف لائے ہیں۔ وہ آ کر مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو جائیں گے جو بھی مسلمانوں کا امام اس وقت ہوگا اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور جو بھی اس وقت مسلمانوں کا امیر ہوگا اس کو آگے رکھیں گے تاکہ اس شبہ کی ادنیٰ سی بھی گنجائش نہ رہے کہ وہ اپنی سابق پیغمبرانہ حیثیت کی طرح اب پھر پیغمبری کے فرائض سرانجام دینے کے لئے واپس آئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کسی جماعت میں اگر خدا کا پیغمبر موجود ہو تو اس کا کوئی امام دوسرا شخص ہو سکتا ہے اور نہ امیر۔ پس جب وہ مسلمانوں کی جماعت میں آ کر محض ایک فرد کی حیثیت سے شامل ہوں گے تو یہ گویا خود بخود اس امر کا اعلان ہوگا کہ وہ پیغمبر کی حیثیت سے تشریف نہیں لائے ہیں۔"

(تفہیم القرآن جلد چہارم صفحہ ۱۶۳)

ان تضادات اور مجبوریوں کو دیکھئے۔ کہاں وہ اعلان کہ رسول اس لئے نہیں آتا کہ بس اس کی رسالت پر ایمان لے آؤ اور اطاعت جس کی چاہو کرو۔ کہاں یہ تاویل کہ عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے لیکن پیغمبرانہ حیثیت میں نہیں۔ پھر خود ہی مودودی صاحب نے آنے والے مسیح کو عیسیٰ بن مریم کی بجائے مثیل مسیح کی آمد قرار دینے والوں کے:-

"اس فریب کا پردہ چاک کرنے کے لئے ہم یہاں پورے حوالوں کے ساتھ وہ مستند روایات نقل کئے دیتے ہیں جو اس مسئلے کے متعلق حدیث کی معتبر ترین کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ ان احادیث کو دیکھ کر ہر شخص خود معلوم کر سکتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا تھا اور آج اس کو کیا بتایا جا رہا ہے۔"

(تفہیم القرآن جلد چہارم صفحہ ۱۵۴)

تمام حدیثیں نقل کیں۔ جن میں لکھا ہے کہ آنے والا مسیح "حاکم عادل بن کر" آئے گا دجال سے مسلمان لڑنے کی تیاری کر رہے ہوں گے صفیں باندھ کر نماز کے لئے تکبیر

اقامت کہی جا چکی ہوگی کہ عیسےٰ بن مریم نازل ہو جائیں گے اور نماز میں مسلمانوں کی امامت کریں گے" "وہ اسلام پر لوگوں سے جنگ کریں گے" وہ "چالیس سال تک زمین میں ایک امام عادل اور حاکم منصف کی حیثیت سے رہیں گے"

"یہ جملہ ۲۱ روایات ہیں جو ۱۴ صحابیوں سے صحیح سندوں کے ساتھ حدیث کی معتبر کتابوں میں وارد ہوئی ہیں اگرچہ ان کے علاوہ دوسری بہت سی احادیث میں بھی یہ ذکر آیا ہے۔ لیکن طولِ کلام سے بچنے کے لئے ہم نے ان سب کو نقل نہیں کیا بلکہ صرف وہ روائتیں لے لی ہیں جو سند کے لحاظ سے قوی تر ہیں" (ایضاً صفحہ ۱۶۲)

اس سے قطع نظر کہ انہوں نے بعض الفاظ کا ترجمہ کیا کر دیا ہے۔۔۔ان کی منقولہ احادیث سے دو تین باتیں بڑی صاف طور پر اخذ ہوتی ہیں:۔

(ا) آنے والا مسیح حکم - عدل - بن کر آئے گا۔

(ب) بعض احادیث کی رُو سے نماز میں مسلمانوں کی امامت کرائے گا

(ج) اُمّت کے جن دو لشکروں کو دوزخ کی آگ سے محفوظ رہنے کی خوشخبری نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے ان میں سے

"دوسرا وہ (ہے) جو عیسےٰ بن مریم کے ساتھ ہوگا"

لیکن خود ہی مودودی صاحب ان نقل کردہ احادیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

"دوسری بات جو اتنی ہی وضاحت کے ساتھ ان احادیث سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عیسےٰ بن مریم علیہ السلام کا یہ دوبارہ نزول نبی مقرر ہو کر آنے والے شخص کی حیثیت سے نہیں ہوگا۔ نہ ان پر وحی نازل ہوگی نہ وہ خدا کی طرف سے کوئی نیا پیغام یا نئے احکام لائیں گے۔ نہ وہ شریعت محمدی میں کوئی اضافہ یا کمی کریں گے۔ نہ اُن کو تجدید دین کے لئے دنیا میں لایا جائے گا۔ نہ وہ آکر لوگوں کو اپنے اُوپر ایمان لانے کی دعوت دیں گے نہ وہ اپنے ماننے والوں کی ایک الگ اُمّت بنائیں گے۔"

(ایضاً ص ۱۶۳)

سوال ہو سکتا ہے تو پھر وہ کس لئے آئیں گے؟ وہ اُوپر نقل کیا جا چکا ہے کہ "یہ دوبارہ نزول صرف ایک کارِ خاص کے لئے ہے" اور اُس کارِ خاص کی اہمیت کا اندازہ اس سے کر لیں کہ ان کے ساتھ مل کر جد و جہد کرنے والوں کو دوزخ کی آگ سے حفاظت کی خوشخبری حضور نبی اکرم نے پہلے سے سُنا دی ہے۔ ان حوالوں سے قطع نظر جو "الگ اُمّت" اور "اپنے پر ایمان لانے کی دعوت" وغیرہ کے الفاظ سے ذہن میں پیش آ سکتے ہیں کیا کسی لشکر کا آنے والے مسیح کا ساتھ دینا خود جماعت سازی کو تسلیم نہیں کرتا؟ کیا مودودی صاحب نے یہ نہیں کہا کہ

"جن مسلمانوں کے درمیان اُن کا نزول ہوگا انہیں اس امر میں کوئی شک نہیں رہے گا کہ یہ عیسےٰ بن مریم ہی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے مطابق ٹھیک وقت پر تشریف لائے ہیں"

کیا اس بیان میں یہ احتمال ظاہر نہیں کہ اُن مسلمانوں کے سوا دوسرے مسلمان بھی ہوں گے؟ تو کیا دوسرے مسلمانوں کو ان پہلے مسلمانوں کے ساتھ مل جانے کی دعوت نہیں دی جائے گی تاکہ سب مسلمان مل کر عیسےٰ بن مریم کے لشکر میں شریک ہو کر استیصال دجّال کے کارِ خیر میں شریک ہوں؟ آخر اُمّت کیا ہوتی ہے؟ (ہم یہاں اُمّت کا اصطلاحی اسلامی مفہوم نہیں لے رہے) ایک متبعین کی جماعت ہی تو ہے۔ اُس کے قیام کو تو مودودی صاحب نے خود تسلیم کیا جبکہ نزولِ ثانی پر مسلمانوں کے ایک ایسے گروہ کو عیسیٰ بن مریم کی معیت مل جائے گی جو ان کا ساتھ دے گا۔ کہا گیا ہے کہ اُن کی تشریف آوری پیغمبرانہ نہ ہوگی۔؟ تو پھر اُن کی حیثیت کیا ہوگی؟ :۔

"اُن کی سابقہ نبوّت پر تو آج بھی اگر کوئی ایمان نہ لائے تو کافر ہو جائے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کی اس نبوّت پر ایمان رکھتے تھے۔ اور آپ کی ساری اُمّت ابتداء سے اُن کی مومن ہے یہی حیثیت اُس وقت بھی ہوگی مسلمان کسی تازہ نبوّت پر ایمان نہ لائیں گے بلکہ عیسےٰ بن مریم علیہ السلام کی سابقہ نبوّت پر ہی ایمان رکھیں گے جس طرح آج بھی رکھتے ہیں۔" (ایضاً صفحہ ۱۶۵)

لیکن سوال یہ ہے کہ یہ ایمان کیا چیز ہے؟ کیا وہی جسے مودودی صاحب نے "بس رسالت پر ایمان لے آؤ اور اطاعت جس کی چاہو کرو" کہکر خود ایک ایسی چیز قرار دیا تھا جس کی کوئی وقعت نہیں جب تک کہ اس رسُول کی پیروی نہ کی جائے۔ اب اگر وہ پیغمبرانہ حیثیت سے نہیں آئیں گے تو ان کی حیثیت اور عام اُمّتی کی حیثیت میں کیا فرق ہوگا۔

مودودی صاحب نے علامہ آلوسی کی تفسیر رُوح المعانی کا اقتباس نقل کیا ہے جس میں علامہ موصوف نے لکھا ہے:۔

"عیسٰی علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو وہ اپنی سابق نبوت پر باقی ہوں گے بہر حال اس لئے معزول تو نہیں ہو جائیں گے مگر اپنی پچھلی شریعت کے پیرو نہ ہوں گے"

ظاہر ہے کہ مودودی صاحب نے علامہ آلوسی کو اپنی تائید ہی میں نقل کیا ہوگا۔ اب یہ منطق سمجھ سے باہر ہے کہ وہ

(ا) سابق نبوّت پر بھی ہوں گے

(ب) اُس سے معزول تو نہیں ہو جائیں گے

لیکن (ج) پیغمبرانہ حیثیت میں تشریف نہیں لائیں گے

(د) اور ان کی (سابقہ) نبوّت پر ایمان نہ لانے سے آدمی کافر بھی ہو جائے گا۔

اور آپ کی سابقہ نبوّت (ا) معزول ہوئے بغیر بھی سابقہ ہے۔

(ب) اور معزول نہ ہونے کے سبب اب بھی ان میں ویسی ہی موجود ہے جیسی وہ حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے بھی موجود تھی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیا چیز تھی جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل عیسےٰ علیہ السلام میں ظاہر تھی اور اُس کا انکار کُفر بھی تھا اور اُس کی طرف بُلانے کے وہ مکلف بھی تھے لیکن اب وہ عیسےٰ علیہ السلام میں موجود تو ہے لیکن وہ اس کی طرف کسی کو بُلا بھی نہیں سکتے اور اگر ان کی آمد ثانی کے بعد پیدا ہونے والے لوگ اسے نہ بھی مانیں تو کافر بھی نہیں ہوتے اور قرآن پاک کی آیت وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ کی موجودگی میں بھی وہ مطاع نہیں رہے بلکہ مطیع اور اُمّتی بن گئے۔ مودودی صاحب کہتے ہیں:۔

"ان کا آنا بلا تشبیہ اس نوعیت کا ہوگا جیسے ایک صدر ریاست کے دَور میں کوئی سابق صدر آئے اور حکومت کے صدر کی ماتحتی میں مملکت کی خدمت انجام دے" (ایضاً ص ۱۶۴)

جب وہ خود ہی اسے "بلا تشبیہ" کہہ رہے ہیں پھر وہ دلیل میں ایک ایسی بات کیوں بیان کر رہے ہیں جو ان کے نزدیک اس نوعیت کی ہے ہی نہیں۔ جس کو وہ واضح کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن مان لیجئے کہ مثال درست ہے تو کیا وہ حضرت عیسےٰؑ کے نزول ثانی پر منطبق آتی ہے؟ نہیں۔ اس لئے کہ حضرت عیسےٰ کی شان نبوّت تو بہرحال ان کے ساتھ ہوگی۔ سابق صدر والی مثال میں سابق صدر سے صدارت تو چھن چکی ہوتی ہے۔ وہ تو ایک عام شہری کی حیثیت میں خدمت انجام دیتا ہے اور حاکم صدر ہی صدر ہوتا ہے گویا شانِ صدارت ایک سے ختم ہو چکی ہوتی ہے اور دوسرے میں موجود ہوتی ہے لیکن مودودی صاحب اور ان کے ہم صف کے دوسرے اصحاب یہ مانتے ہیں کہ جو نبوّت جناب عیسیٰ علیہ السلام کو نبی بناتے وقت عطا ہوئی تھی وہ اب بھی اسی شان کے ساتھ ان کے پاس ہے ان سے یہ چھینی نہیں نہ انہیں اُس سے معزول کیا گیا ہے نفسِ نبوّت کے اعتبار سے ان میں اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی فرق نہیں۔ پھر کیا نزول ثانی کے بعد ہمیں بیک وقت دو نبیوں کی نبوّت پر ساتھ ساتھ عمل کرنا ہوگا یہ جانتے ہوئے بھی کہ ایک نبی تو موجود نہیں جبکہ دوسرا ہمارے سامنے

موجود ہے اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ غائب نبی کا اتباع لازم ہے اور حاضر نبی کی نبوت بھی غیر مؤثر ہے۔ آپ خود ہی سوچیں یہ استدلال کس قدر مجبوریوں اور تضادات سے بھرا ہوا ہے۔

پھر یہ تو آج تک نہیں ہوا کہ کسی نبی کی نبوت پر اس کے تمام مخاطب لوگ فوراً اس کو خدا کا نبی پہچان کر ایمان لے آئے ہوں۔ مودودی صاحب کہتے ہیں کہ نزول ثانی میں مسئلہ کفر و اسلام پیدا نہیں ہوگا کیونکہ مسیح کی نبوت سابقہ پر ایمان لانا تو آج بھی مسلمان ہونے کے لئے شرط ہے۔ لیکن سوال قابل غور تو نزول ثانی پر مسیح کو پہچاننا ہے! مودودی صاحب بڑی سادگی سے یہ کہکر گذر جانا چاہتے ہیں کہ:۔

"وہ ایک ایسے طریقے سے نازل ہوں گے کہ جن مسلمانوں کے
درمیان ان کا نزول ہوگا انہیں اس امر میں شک نہیں رہے گا
کہ یہ عیسےٰ بن مریم ہی ہیں"

لیکن یہاں انہوں نے جس انداز میں اس نزول کا ذکر کیا ہے، اس سے یہ بات تو عیاں ہے کہ نزولِ ثانی کے وقت مسلمانوں کا ایک حصہ ہی ایسا ہوگا جن کے درمیان اُن کا نزول ہوگا۔ ان کی تعداد کا تعین مودودی صاحب نے نہیں کیا۔ اب چاہے وہ پچاسی فیصد مسلمان ہوں یا صرف ایک فیصد بہرحال پوری ملّت اسلام تو نہیں ہوں گے۔ اگر بالفرض وہ مسلمان جن کے درمیان مسیح کا نزول نہیں ہوا ان کو پہچاننے سے انکار کر دیں اور پہلے مسلمانوں کی گواہی بھی تسلیم نہ کریں تو مودودی صاحب نے ایسی صورت حال کا بھی کوئی حل سوچا ہے۔ کیونکہ ایسی صورت حال میں معاملہ ایک سابق نبی کے بعد اس کی نبوت کے موجود ہو کر عقیدۃً اس کی سابقہ نبوت کے اقرار لیکن واقعتاً اس کے دو بدو اس کی پہچان اور اطاعت سے انکار کا بن جائے گا۔ اگر مسیح کے مخاطب اُس کے نزول ثانی پر اُس کو پہچان لیں گے تو ظاہر ہے کہ وہ اس کی سابق حیثیت کے بھی مؤید ہوں گے لیکن اگر وہ نزولِ ثانی پر اس کو پہچاننے سے انکار کر دیں تو وہ اس کی سابق حیثیت کے بھی مؤید نہیں رہیں گے کیونکہ ان کے سامنے وہ شخص اصالتاً موجود ہوگا جس کی نبوت کا اقرار تو وہ زبان سے کرتے رہے لیکن اس کے آ جانے پر اس کو پہچاننے سے ہی منکر ہو گئے۔ ایک ایسی صورت حال۔ چاہے افسوسناک ہی سہی۔ کا پیدا ہونا بعید از امکان نہیں کیونکہ انبیاء کے ماننے سے انکار کرنے کی روش کی تاریخ بتاتی ہے کہ باوجود واضح نشانات اور صریح آیات کے کفار نے انہیں ہمیشہ سچا ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ خود مودودی صاحب اقراری ہیں کہ اگر باب نبوت مسدود نہ بھی ہو اور کوئی سچا نبی آ بھی جائے تو وہ اپنے ریکارڈ کی بناء پر اُسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیں گے + نہ صرف یہی بلکہ انہوں نے لکھا ہے کہ یہودیوں نے مسیحؑ کو اللہ کا سچا رسول شناخت کیا پھر بھی فخریہ اُسے صلیب دے کر کہا کہ انّا قتلنا المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ۔ ہو سکتا ہے کہ اسے صرف ایک قیاسی صورت حال قرار دیا جائے تو عرض ہے کہ تاریخ میں اس سے پہلے بھی بجنسہٖ ایسی بات ہو چکی ہے۔ مودودی صاحب نے لکھا ہے:۔

"حضرت یحییٰ اور حضرت عیسےٰ کی بعثت کے زمانے میں یہودی
بالعموم تین آنے والوں کے منتظر تھے ایک حضرت الیاس
دوسرے مسیح اور تیسرے وہ نبی (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم)
جب حضرت یحییٰ کی نبوت شروع ہوئی اور انہوں نے لوگوں
کو اصطباغ دینا شروع کیا تو یہودیوں کے مذہبی پیشواؤں نے ان
کے پاس جا کر پوچھا کیا تم مسیح ہو انہوں نے کہا نہیں پھر پوچھا
کیا تم ایلیا ہو اُنہوں نے کہا نہیں پھر پوچھا کیا تم وہ نبی ہو
اُنہوں نے کہا میں وہ بھی نہیں ہوں تب انہوں نے کہا اگر تم نہ
مسیح ہو نہ ایلیاہ ہو نہ وہ نبی ہو تو پھر تم بپتسمہ کیوں دیتے ہو"
(یوحنا ۱: ۱۹-۲۱)

"پھر کچھ مدت بعد حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا غلغلہ بلند ہوا تو یہودیوں میں یہ خیال پھیل گیا کہ شاید ایلیا نبی آ گئے ہیں (مرقس ۶: ۱۴-۱۵) خود حضرت عیسیٰ کے حواریوں میں بھی یہ خیال پھیلا ہوا تھا کہ ایلیا نبی آنے والے ہیں مگر حضرت نے یہ فرما کر ان کی غلط فہمی کو رفع فرمایا کہ "ایلیا تو آ چکا اور لوگوں نے اسے نہیں پہچانا بلکہ جو چاہا اس کے ساتھ کیا" اس سے حواری پہچان گئے کہ دراصل آنے والے حضرت یحییٰ تھے نہ کہ آٹھ سو برس پہلے گذرے ہوئے حضرت الیاس۔ (متی ۱۱: ۱۴-۱۰ اور متی ۱۷: ۱۰-۱۳)"

(تفہیم القرآن جلد چہارم صفحہ ۳۰۶)

لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ یہودیوں نے نہ صرف حضرت یحییٰؑ کو الیاسؑ کی آمد ثانی نہیں مانا بلکہ خود اس شخصیت کے درپئے آزار ہوئے جس نے بقول مودودی صاحب اس غلط فہمی کو رفع کیا تھا کہ آنے والے سے مراد حضرت یحییٰ علیہ السلام تھے نہ کہ آٹھ سو برس پہلے گذرے ہوئے حضرت الیاسؑ۔ لیکن خود مودودی صاحب نے مندرجہ بالا احادیث اور آنے والے مسیح کی پیشگوئی کو اس طرح کیوں نہیں سمجھا جیسا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے حضرت الیاسؑ کی آمد ثانی کی پیشگوئی کو سمجھا تھا؟ :۔

"جو شخص بھی ان احادیث کو پڑھے گا وہ خود دیکھ لے گا کہ
ان میں کسی مسیح موعود یا مثیل مسیح یا بروز مسیح کا سرے سے کوئی
ذکر ہی نہیں۔ نہ ان میں اس امر کی گنجائش ہے کہ کوئی شخص اس
زمانے میں کسی ماں کے پیٹ اور کسی باپ کے نطفے سے پیدا
ہو کر یہ دعویٰ کر دے کہ میں ہی وہ مسیح ہوں جس کے آنے
کی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی۔ یہ تمام
حدیثیں صاف اور صریح الفاظ میں اُن عیسےٰ علیہ السلام کے
نازل ہونے کی خبر دے رہی ہیں جو آپ سے دو ہزار سال
پہلے باپ کے بغیر حضرت مریم کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔
اس مقام پر یہ بحث چھیڑنا بالکل لا حاصل ہے کہ وہ وفات پا چکے
ہیں یا زندہ کہیں موجود ہیں بالفرض وہ وفات ہی پا چکے ہوں تو
اللہ انہیں زندہ کر کے اُٹھا لانے پر قادر ہے"

(تفہیم القرآن جلد چہارم صفحہ ۱۶۳)

آپ اُوپر نقل ہونے والی دونوں تحریروں کو پڑھیئے۔ اور پھر خود ہی کہیئے کہ آمد ثانی کی وہ تشریح جو ایک نبی اللہ نے کی اور مودودی صاحب نے اسے یہودیوں کے ضمن میں بطور حجت مانا اسے ہی مسلمانوں کے ضمن میں ماننے سے انہیں کیوں ہچکچاہٹ ہے؟ اگر یہودیوں کے لئے الیاس کی آمد ثانی "آنے والے کو حضرت یحییٰ میں مجسم کر سکتی ہے نہ کہ آٹھ سو برس پہلے گذرے ہوئے حضرت الیاسؑ" ہی کی واپسی کا تقاضا کرتی ہے تو پھر مسیح کی آمد ثانی کیوں مرزا غلام احمد علیہ السلام میں پُوری نہیں ہوتی اور "دو ہزار سال پہلے ..... مریم کے بطن سے پیدا ہوئے" ہوئے مسیح ہی کو واپس لانے کے لئے قدرتِ الٰہی کو پکارتی ہے۔ آج بھی یہودی جب (PASSOVER) کی عید مناتے ہیں تو ایک کرسی "ایلیا" کے لئے خالی چھوڑ دی جاتی ہے کیونکہ وہ آج بھی اس کی آمد ثانی کے منتظر ہیں (بحوالہ تفسیر انجیل متی از ولیم بارکلے بزبان انگریزی صفحہ)

(باقی ــــ باقی)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ــــــــ مورخہ ۱۳ر مارچ ۱۹۷۶ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ــــــــ شمارہ نمبر ۹

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر۔ ڈاکٹر اللہ بخش۔

جلد ۶۳ | چہار شنبہ ۸ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۰ مارچ ۱۹۷۶ء | نمبر ۱۰

## ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردھم علیہ السلام

# اپنی جانوں پر رحم کرو۔ اور خدا تعالےٰ کے آستانہ پر گرو

## سچی خوشحالی کا سرچشمہ خدا ہے

خبردار !!! تم غیر قوموں کو دیکھ کر ان کی ریس مت کرو کہ انہوں نے دنیا کے منصوبوں میں بہت ترقی کر لی ہے۔ آؤ ہم بھی انہی کے قدم پر چلیں۔ سُنو اور سمجھو کہ وہ اس خدا سے سخت بیگانہ اور غافل ہیں جو تمہیں اپنی طرف بلاتا ہے، ان کا خُدا کیا چیز ہے۔ صرف ایک عاجز انسان۔ اس لئے وہ غفلت میں چھوڑے گئے۔ میں تمہیں دنیا کے کسب اور حرفت سے نہیں روکتا۔ مگر تم ان لوگوں کے پیرو مت بنو جنہوں نے سب کچھ دُنیا کو ہی سمجھ رکھا ہے۔ چاہیئے کہ تمہارے ہر ایک کام میں خواہ دُنیا کا ہو خواہ دین کا۔ خدا سے طاقت اور توفیق مانگنے کا سلسلہ جاری رہے۔ لیکن نہ صرف خشک ہونٹوں سے بلکہ چاہیئے کہ تمہارا سچ مچ یہ عقیدہ ہو کہ ہر ایک برکت آسمان سے ہی اُترتی ہے۔ تم راستباز اُس وقت بنوگے جب کہ تم ایسے ہو جاؤ کہ ہر ایک کام کے وقت۔ ہر ایک مشکل کے وقت قبل اس کے جو تم کوئی تدبیر کرو اپنا دروازہ بند کرو اور خدا کے آستانہ پر گرو کہ ہمیں یہ مشکل پیش ہے، اپنے فضل سے مشکل کشائی فرما۔ تب رُوح القدس تمہاری مدد کرے گی اور غیب سے کوئی راہ تمہارے لئے کھولی جائے گی۔ اپنی جانوں پر رحم کرو اور جو لوگ خدا سے کُلّی علاقہ توڑ چکے ہیں اور ہمہ تن اسباب پر گر گئے ہیں۔ یہاں تک کہ طاقت مانگنے کے لئے وہ منہ سے انشاء اللہ بھی نہیں نکالتے۔ ان کے پیرو مت بن جاؤ۔ خدا تمہاری آنکھیں کھولے تا تمہیں معلوم ہو کہ تمہارا خدا تمہاری تمام تدابیر کا شہتیر ہے۔ اگر شہتیر گر جائے تو کیا کڑیاں اپنی چھت پر قائم رہ سکتی ہیں؟ نہیں بلکہ یک دفعہ گریں گی اور احتمال ہے کہ اُن سے کئی خون بھی ہو جائیں۔ اسی طرح تمہاری تدابیر بغیر خدا کی مدد کے قائم نہیں رہ سکتیں۔ اگر تم اس سے مدد نہیں مانگو گے اور اس سے طاقت مانگنا اپنا اُصول نہیں ٹھہراؤ گے تو تمہیں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوگی اور بڑی حسرت سے مرو گے۔

یہ مت خیال کرو کہ پھر دوسری قومیں کیوں کامیاب ہو رہی ہیں۔ حالانکہ وہ اس خدا کو جانتی بھی نہیں جو تمہارا کامل اور قادر خدا ہے۔ اس کا جواب یہی ہے کہ وہ خُدا کو چھوڑنے کی وجہ سے دنیا کے امتحان میں ڈالی گئی ہیں۔ خدا کا امتحان کبھی اس رنگ میں ہوتا ہے کہ جو شخص اسے چھوڑتا ہے اور دُنیا کی دولتوں کا خواہشمند ہوتا ہے۔ تو دنیا کے دروازے اس پر کھولے جاتے ہیں اور دین کی رُو سے وہ نرا مفلس اور ننگا ہوتا ہے اور آخر دُنیا کے خیالات میں ہی مرتا اور ابدی جہنم میں ڈالا جاتا ہے۔ اور کبھی اس رنگ میں بھی امتحان ہوتا ہے کہ دنیا سے بھی نامراد رکھا جاتا ہے۔ مگر مؤخرالذکر امتحان ایسا خطرناک نہیں جیسا کہ پہلا۔ کیونکہ پہلے امتحان والا زیادہ مغرور ہوتا ہے بہرحال یہ دونوں فریق مغضوب علیھم ہیں۔

سچی خوشحالی کا سرچشمہ خدا ہے۔ پس جب کہ اُس حیّ و قیوم خُدا سے یہ لوگ بے خبر ہیں بلکہ لاپروا ہیں اور اس سے منہ پھیر رہے ہیں تو سچی خوشحالی ان کو کہاں نصیب ہو سکتی ہے۔ مبارک ہو اُس انسان کو جو اس راز کو سمجھ لے۔ اور ہلاک ہو گیا وہ شخص جس نے اس راز کو نہیں سمجھا۔

(ماخوذ از کشتیٔ نوح)

---

عزیزو! یہ دین کی خدمت کا وقت ہے... اس وقت کو غنیمت سمجھو۔ کہ پھر کبھی ہاتھ نہیں آئے گا... تم اپنے وہ نمونے دکھلاؤ جو فرشتے بھی آسمان پر تمہارے صدق وصفا سے حیران ہو جائیں اور تم پر درود بھیجیں۔ (ایضاً)

# قرآن کریم کے وہ پانچ اصول جو انسان کی روحانی اور دنیوی فلاح کا ذریعہ ہیں

## حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے بارہ میں یورپ کی جدید تحقیقات مسیح محمدی کی صداقت کا بیّن ثبوت ہیں

### خطبہ جمعہ: مورخہ ۲۷ فروری ۱۹۷۶ء۔ فرمودہ مولنا محمد یحییٰ بٹ صاحب (مبلغ جرمنی) جامع احمدیہ احمدیہ بلڈنگس لاہور

الم ذالك الكتاب لاريب فيه ............ اولٰئك هم المفلحون ..... (سورة البقرة)

یہ سورۃ بقرہ سے چند آیات ہیں نے تلاوت کی ہیں۔ جن میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو پانچ اصول سکھائے ہیں جو اقوام و افراد کی زندگی کے لئے نہایت ضروری ہیں وہ لوگ جو ان پانچ اصولوں پر ایمان لاتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ نے متقیوں کے گروہ میں شامل کیا ہے اور یہ خوشخبری دی ہے کہ ایسے لوگ اپنے ربّ کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور جادۂ صواب پر گامزن ہیں۔ نیز یہ لوگ اپنی زندگی کے مقصد میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔

یہ ایک بہت بڑی خوشخبری ہے جو نسل انسانی کو سنائی گئی ہے اور بالخصوص ہمارے لئے ان الفاظ قرآنی میں بہت بڑی تسکین ہے۔ اس وقت پاکستان میں "مسلمان کون ہے" کے موضوع پر بہت بحث کی گئی ہے اور افسوس ہے کہ مسلمانوں میں سے ایک ایسے گروہ کو جو اللہ تعالیٰ کی توحید، حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کی ختم نبوت پر دل سے ایمان لاتا ہے غیر مسلم قرار دے دیا گیا۔ لیکن خدا تعالیٰ کے ان الفاظ کی روشنی میں مسلمانوں کی تعریف نہایت عام فہم کرکے بیان کی گئی ہے اور فرمایا ہے کہ مسلمان وہ ہے جو ان آیات میں مندرجہ پانچ اصولوں پر ایمان لاتا ہے۔ وہ اصول کیا ہیں :- (۱) ایمان بالغیب (۲) نماز کا قائم کرنا (۳) اپنے مال میں سے ایک حصہ خرچ کرنا (۴) اس وحی پر ایمان لانا (۵) حیات بعد الموت پر یقین رکھنا۔

ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے ان پانچوں اصولوں پر دل سے ایمان رکھتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کا سارٹیفکیٹ ہمارے پاس اس کے اپنے الفاظ "کہ ان اصولوں کو ماننے والے متقی جادۂ صواب پر گامزن اور اپنے مقصد حیات میں کامیاب ہونے والے ہیں" موجود ہے۔ دنیا کی کوئی سیاسی طاقت خدا تعالیٰ کے اس سارٹیفکیٹ کو ردّ نہیں کر سکتی۔

ان اصولوں پر ایمان لانے کا فلسفہ کیا ہے؟ اس بارہ میں مختصراً عرض کرتا ہے۔ غیب پر ایمان لانا ہم سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کی ذات پر جو غیب الغیب ہے ایمان رکھیں اور دل کی گہرائیوں سے اس بات پر یقین رکھیں کہ تمام کی تمام کائنات کا خالق خدائے واحد ہے۔ دوسرے غیب پر ایمان ہم سے یہ بھی تقاضا کرتا ہے کہ اس خدا پر ایمان لائیں جسے قرآن کریم نے پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ننانوے صفات قرآن کریم میں بیان فرمائی ہیں۔ ان تمام صفاتِ الٰہیہ پر بھی ایمان لایا جائے۔ تیسرے یہ کہ ہم اپنے آپ کو ان صفاتِ الٰہیہ میں رنگین کریں اور نسلِ انسانی سے اسی طرح سلوک کریں۔ جس طرح خدا تعالیٰ ہم سے سلوک کرتا ہے۔ چوتھے یہ ہم خدا تعالیٰ کے وعدوں پر پورا پورا یقین رکھیں مثلاً یہ کہ خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ہر اس مؤمن سے محبت کرتا ہے۔ جو محسن ہے یعنی یہ کہ وہ نسلِ انسانی کی بھلائی کے لئے اپنے مال کو خرچ کرتا ہے۔ واللہ یحب المحسنین۔

اسی طرح اس کا یہ وعدہ ہے واللہ یحب الصابرین کہ اللہ تعالیٰ سچائی پر ڈٹے رہنے والوں سے بھی محبت کرتا ہے۔ دوسرا اصول نماز کو قائم کرنا، یہ ایک ذریعہ ہے جو زندگی کے مقصد کو حاصل کرنے میں ممد ہے۔

نماز کی ظاہری صورت بغیر نماز کی اصل رُوح کے خدا کو پسندیدہ نہیں۔ نماز کی رُوح نماز کے ان الفاظ سے نہایت واضح ہوتی ہے۔ وہ فقرہ ہے ایاك نعبد و ایاك نستعین۔ اس فقرہ کو دوہرانے والا خدا تعالیٰ سے وعدہ کرتا ہے کہ اے ہمارے پیارے خدا ہم اپنی روزمرّہ کی زندگی کو آپ کے احکام کے مطابق چلائیں گے۔ لفظ عبد ہمارے ذہنوں میں یہ تصور پیدا کرتا ہے کہ ہم اپنے اللہ تعالیٰ کے احکام اسی طرح بجا لائیں جس طرح سے ایک غلام اپنے آقا و مالک کے احکام کو بجا لاتا ہے ایک مومن جو ۳۵ مرتبہ اس فقرہ کو دن بھر نماز کے اندر دوہراتا ہے۔ وہ کبھی بھی مسجد سے باہر آکر بالارادہ اپنی زندگی کی تگ و دو میں خدا تعالیٰ کے احکامات کی نا فرمانی نہیں کر سکتا۔

لفظ اسلام کا یہی فلسفہ ہے کہ مومن اپنے جذبات اور اپنی خواہشات کو اللہ تعالیٰ کے احکامات کے سامنے قربان کرتا چلا جائے حضرت نبی کریم صلعم ہماری طرح انسان تھے۔ ہماری طرح دنیا میں آئے۔ انسانی جذبات اور انسانی قویٰ سے وہ حامل تھے خدا تعالیٰ کے نزدیک اپنے اعمال کے اسی طرح جوابدہ تھے۔ لیکن وہ اپنے روحانی قویٰ کی نشو و نما میں انسانی ترقیات کے انتہائی نکتہ پر پہنچ چکے تھے اور اس ترقی کا راز خدا تعالیٰ نے اپنے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ ان اتبع الا ما یوحیٰ الیّ میں اپنے قویٰ کو خدا تعالیٰ کی وحی کے ماتحت استعمال کرتا ہوں۔ حضرت نبی کریم صلعم کے ترقی کے اس اعلےٰ مقام کو لفظ عبودیت سے ہی تعبیر فرمایا۔ فرمایا الحمد لله الذی علٰی عبده الكتاب (الکہف)۔ نیز ہم ہر روز اپنے کلمۂ شہادت میں یوں اقرار کرتے ہیں :- اشهد ان لا اله ........ عبده و رسوله - پہلے حضرت نبی کریم صلعم کا خدا کا عبد ہونا اور اس کے بعد خدا کے رسول ہونے کا اقرار کیا جاتا ہے۔

اس لفظ "عبد" میں تمام کی تمام نسلِ انسانی کے لئے ایک بہت بڑی بشارت ہے اور اسی لحاظ سے آپ (صلعم) ہم سب کے لئے ایک اعلےٰ نمونہ ہیں۔ ایاك نستعین۔ یہ فقرہ ہم میں ایک قوت پیدا کرنے کا موجب ہے۔ بسا اوقات ہم جانتے ہیں کہ خدا کا حکم کیا ہے۔ لیکن سوسائٹی کے دباؤ کی وجہ سے یا کسی اور نفسانی خواہش کے غلبہ کی وجہ سے ہم خدا تعالیٰ کے احکامات پر گامزن رہنے میں کمزوری دکھاتے ہیں۔ ایسی صورت میں ایاك نستعین کا فقرہ ہمیں خدا تعالیٰ سے مدد مانگنے کی طرف راغب کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی نصرت شاملِ حال ہونے سے ایک مؤمن یقیناً طبعی اور بشری کمزوری پر غالب آجاتا ہے۔

تیسرا اصول و ممّا رزقنٰهم ینفقون، یہ اصول ہم سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ ہم اپنے اموال کو نسلِ انسانی کی فلاح و بہبود پر خرچ کریں اور ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں دے رکھی ہے خواہ علم ہو، دولت ہو، جسمانی طاقت ہو اسے معاشرہ انسانی کی بہتری کے لئے خرچ کیا جائے۔

(باقی بر صفحہ ۵ کالم اوّل)

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مؤرخہ ۱۰ مارچ ۱۹۷۶ء

# جو الہام نفوس کے تزکیہ کا موجب نہیں بنتا

## وہ الہام بھی الحاد ہے

منشی عبدالرحمٰن صاحب نے اپنے ایک مضمون "علامہ اقبال۔ بیسویں صدی کا عظیم مفکر" کے زیرِ عنوان علامہ صاحب کی شاعری کا ذکر کرتے ہوئے "روزگار فقیر" کے صفحات ۳۸ — ۴۰ سے یہ اقتباس پیش کیا ہے :—

"شاعر کو بھی ایک قسم کا الہام ہوتا ہے اس لئے جب وہ کتاب پڑھتا ہے تو اپنی روح کو اس کی معنویت سے ہم آہنگ پاتا ہے اور اس کی طبیعت ایک خاص اہتزاز محسوس کرتی ہے۔ یہ چیز دوسروں کو نصیب نہیں ہو سکتی۔"

اس الہامی کیفیت کا ذکر کرتے ہوئے یہ عظیم مفکر فرماتے ہیں :—

"عجیب بات یہ ہے کہ جب طویل عرصہ کے بعد یہ کیفیت طاری ہوتی ہے تو پہلی کیفیت میں کہا گیا آخری شعر دوسری کیفیت کے پہلے شعر سے مربوط ہوتا ہے۔ گویا اس کیفیت میں ایک قسم کا تسلسل بھی ہے یا یوں کہنا چاہئے کہ یہ فیضان کے لمحے دراصل ایک ہی زنجیر کی مختلف کڑیوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جب یہ کیفیت ختم ہوتی ہے تو میں ایک قسم کی تکان۔ عصبی اضمحلال اور پژمردگی محسوس کرتا ہوں۔"

اس مخصوص الہامی کیفیت کے مدنظر منشی صاحب علامہ اقبال کی شاعری کو کسبی نہیں وہبی قرار دیتے ہیں اور اس کی تصدیق کے لئے اسی مضمون میں وہ یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ڈاکٹر لوکس سابق پرنسپل فارمن کرسچن کالج لاہور کے اس سوال کے جواب میں کہ آیا رسول کریم صلعم پر قرآن کریم کا مفہوم نازل ہوا تھا اور آپ نے اسے عربی میں منتقل کیا یا عبارت ہی ایسی اُتری تھی علامہ صاحب نے فرمایا :—

"یہ عبارت ہی اُتری تھی ......... یقین بلکہ میرا تجربہ ہے کہ جب مجھ پر شعر پورا اترتا ہے تو پیغمبر پر عبارت کیوں نہیں اُتری ہوگی"۔

اس عبارت کی مختلف کڑیاں آپس میں ملاتے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ علامہ اقبال الہام کے قائل تھے۔ چنانچہ وہ شعر و شاعری کو الہام ہی کی ایک قسم اور اسے وہبی تصور کرتے تھے۔ اس سے یہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ الہام کی کچھ اور قسمیں بھی ہیں اور ان کے نزدیک شعر اور عبارتِ قرآن کے نزول کی کیفیت میں کوئی نمایاں فرق نہیں۔ اس کیفیت کے جاتے رہنے کے بعد اپنی طبیعت پر جس شدید اثر کا آپ نے ذکر فرمایا ہے وہ ہمارے خیال میں کم و بیش وہی ہے جس کا ذکر بخاری شریف کے باب کیف کان بدء الوحی کی ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی زبانی یوں آیا ہے کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ کڑکڑاتے جاڑے کے دن آپ پر وحی اترتی پھر موقوف ہو جاتی اور آپؐ کی پیشانی سے پسینہ بہہ رہا ہوتا۔

دو مختلف کیفیتوں میں کہے گئے شعروں میں تسلسل اور ربط کے دعوے سے ایک باریک بین انسان کے دل میں یہ تاثر پیدا ہونا لازمی ہے کہ جس طرح آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض سورتوں کا نزول ایک لمبے زمانہ پر ممتد رہا اور ان سورتوں کی آیات میں ربط اور تسلسل قائم رہا یہاں بھی اسی صورت کو پیش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ شعروں کا الہامی طور پر نزول۔ ان میں ربط و تسلسل محویت اور جذب و سرور کی کیفیت اہتزاز۔ تکان۔ اضمحلال۔ پژمردگی کا احساس یہ سب ایسی باتیں ہیں جو اس شدید قربت اور گہرے تعلق پر دلالت کرتی ہیں جو ماموریں من اللہ اور اولیاء اللہ کو اللہ تعالےٰ سے ہوتا ہے لیکن یہاں کسی نتیجے پر پہنچنے کے لئے قارئین کو مکلف کر دیا گیا ہے۔ ہماری نظر سے بہت پہلے ایک ایسا مقالہ بھی گذرا جس میں علامہ صاحب کے لئے لفظ مجدد استعمال کیا گیا تھا جس مقام اور منصب پر کسی کو فائز کرنا صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت اور مرضی پہ موقوف ہے نہ کہ عوام کو یہ اختیار سونپا گیا ہے کہ وہ جسے چاہیں اُسے اس کے بعض کارناموں کی بنا پر ماموریت کے مقام پر کھڑا کر دیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ شعر میں ایک خاص تاثیر ہوتی ہے۔ ایک اچھا شعر دل میں اتر کر وقتی طور پر ہی سہی ایک خاص لذت و سرور کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔ یہ انسان کے احساسات اور جذبات کو لطیف پیرائے میں بیان کرنے کا ایک نہایت موثر اسلوب ہے اسی لئے مخالفین اسلام قرآن کریم کے فصیح و بلیغ پُر تاثیر اور اعجازی کلام کو جو وحی الٰہی کی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مطہر پر اُترا آپؐ کی زبانِ مبارک سے سُن کر آپؐ کو شاعر کہتے تھے۔ لیکن قرآن کریم نے مختلف مقامات پر آپؐ کے شاعر ہونے کا بڑی سختی سے انکار کیا ہے۔

سورۃ الانبیاء میں ہے :—

"بلکہ کہتے ہیں پریشان خوابیں ہیں۔ بلکہ اس نے افترا کیا۔ بلکہ وہ شاعر ہے۔" (۲۱-۵)

"اور کہتے ہیں کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک مجنون شاعر کی خاطر چھوڑ دیں؟" (۳۷-۳۶)

"بلکہ کہتے ہیں کہ شاعر ہے۔ ہم اس کے لئے گردشِ زمانہ کا انتظار کرتے ہیں" (۵۲-۳۰)

سورۃ الحاقہ میں آپؐ کے شاعر ہونے کا ان الفاظ میں انکار کیا گیا ہے :—

*"اور وہ شاعر کی بات نہیں۔ تم بہت کم ایمان لاتے ہو اور نہ کاہن کی بات ہے۔ تم بہت کم نصیحت پکڑتے ہو۔ جہانوں کے ربّ کی طرف سے اُتارا گیا ہے" (۶۹ — ۴۰ تا ۴۲)

(حاشیہ، دستی تحریر: *وہ یقیناً معزز رسول کا کلام ہے)

سورۃ التکویر کی یہ دو آیاتِ کریمہ بھی بڑی قابلِ غور ہیں :—

"یہ یقیناً معزز رسول پر (اُترا ہوا) کلام ہے (۱۹) اور یہ مردود شیطان کا کلام نہیں"۔ (۲۵)

قرآن کریم کی مندرجہ آیات بینات کی روشنی میں یہ بلا شک و شبہ واضح ہو جاتا ہے کہ شاعر کے کلام کا سرچشمہ کوئی اور ہے۔ ہاں سورۃ الشعراء میں ایک استثنائی صورت ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے :—

"سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں اور اللہ کو بہت یاد کرتے ہیں اور اس کے بعد جو ان پر ظلم کیا گیا بدلہ چاہتے ہیں"

ایسے لوگ جن کا مطمح نظر لذتِ نفس نہیں ہوتا اگر مدافعت کے طور پر ظالم کے عیوب کا ذکر اشعار میں کریں تو ان کا کلام شیطان کے القاء کے ذیل میں نہیں آتا۔ اس اُمت کے اولیاء۔ صوفیاء اور صلحاء نے بھی اپنی دلی کیفیات کو بیان کرنے کے لئے منظوم کلام کا سہارا لیا لیکن اس کا مرکزی نقطہ ہمیشہ تعلق باللہ کا قیام ہی رہا ہے جیسا کہ حضرت مجدد دوراں اور مسیح زماں علیہ السلام نے فرمایا ہے :—

کچھ شعر و شاعری سے اپنا نہیں تعلق
اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

خدا تم۔ رسولؐ اور قرآن ہی وہ تین مرکزی خیال ہیں جن کے گرد آپ کی ساری شاعری گھومتی ہے۔ پڑھے لکھے غیر از جماعت احباب کی ایک محفل میں جب آپؑ کا یہ شعر

تا نہ دیوانہ شدم ہوش نیامد بسرم
اے جنوں گرد تو گردم کہ چہ احساں کردی

پڑھا گیا تو محفل جھوم اٹھی۔ جس نے خود اسی جنون کی حدوں کو چھوا اس نے عشقِ الٰہی۔ عشقِ رسولؐ اور عشقِ قرآن کے وہ جام و سبو لنڈھائے کہ اس کے دامن سے وابستہ ہونے والے کیف و سرور کی اس مستی میں زمینی سے آسمانی ہو گئے۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے خدا کو دیکھ لیا اور خود معرفت کی منازل طے کر کے خدا نما ہو گئے۔ کیا تاریخ میں کوئی ایسی مثال ملتی ہے کہ ایک شاعر نے خواہ وہ کتنا ہی بلند پایہ شاعر کیوں نہ ہو اپنے الہامی شعروں کے ذریعہ اپنے ارادتمندوں کی زندگیوں میں ایسا انقلاب پیدا کیا ہو کہ وہ گناہ اور فسق و فجور کی زندگی ترک کر کے خود آگاہ اور خدا آگاہ ہو گئے ہوں۔ ہمارے علم میں تو یہی ہے کہ بڑے بڑے نامور شاعر جب تک دخترِ رز کی رفاقت انہیں حاصل نہ ہو شعر کہہ ہی نہیں سکتے بلکہ انہیں شعر کہنے کے لئے الہام ہو ہی نہیں سکتا۔ چلو یہ بھی اچھا ہوا کہ مامورِ وقت کی برکت سے لوگوں نے یہ تو جان اور مان لیا کہ "الہام" بھی کوئی چیز ہے اگرچہ وہ اس کی حقیقت اور روح سے ناآشنا ہی رہے۔ الہام کی حقیقت اور مقصد انسانی فطرت میں ودیعت کردہ اللہ تعالےٰ کی جستجو اور تلاش کی راہیں روشن کرنا ہے۔ یہ شمع چراغ نبوت مصطفویؐ سے ہی روشن کی جا سکتی ہے۔ الہام خواہ القاء۔ رویا۔ کشف یا آواز کی صورت میں ہو وہ اللہ تعالےٰ کی ہستی پر ایک برہانِ قاطعہ کی حیثیت رکھتا ہے لیکن اس مقام تک پہنچنے کے لئے انسان کو اپنے نفس کے اوپر ایک موت وارد کرنی پڑتی ہے اور اپنے آپ کو آتشِ عشقِ الٰہی کی اس بھٹی میں جھونکنا پڑتا ہے جو تمام ادنےٰ خواہشات اور سفلی جذبات کو جلا کے خاکستر کر دے۔ یہاں تک کہ اس کا قلب مصفّےٰ مرکزِ انوارِ الٰہی ہو جائے۔ یہی وہ حالت ہے جس میں وہ انا الموجودؐ کی نویدِ جانفزا سے ایک نئی زندگی میں قدم رکھتا ہے۔ اس تلاش میں جس مقام پر عقل و شعور اور فکر و نظر آ کر رک جاتے ہیں اس پر الہامِ الٰہی آ کر ہاتھ تھام لیتا اور منزلِ مقصود تک پہنچانے کے لئے چراغِ راہ کا کام دیتا ہے۔ ہر دور میں عقل نے پردۂ غیب میں نہاں در نہاں ہستیٔ باری تعالےٰ تک رسائی حاصل کرنے میں ٹھوکر کھائی لیکن ہر ایسے دور میں غیب سے ایک مرد آیا اور عقل و شعور کے طلسم کو کلامِ الٰہی سے پاش پاش کر دیا۔ آیئے دیکھیں اسرار و رموزِ غیب پر اطلاع پانے والے اس دور کے عظیم انسان حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ کیا فرماتے ہیں:۔

"جاننا چاہیئے کہ خدا تعالےٰ نہایت کریم و رحیم ہے۔ جو شخص اس کی طرف صدق اور صفا سے رجوع کرتا ہے وہ اس سے بڑھ کر اپنا صدق و صفا اس سے ظاہر کرتا ہے ......... خدا تعالےٰ میں بڑے بڑے محبت اور وفاداری اور فیض اور احسان اور کرشمہ خدائی دکھلانے کے اخلاق ہیں مگر وہی ان کو پورے طور پر مشاہدہ کرتا ہے جو پورے طور پر اس کی محبت میں محو ہو جاتا ہے۔ اگرچہ وہ بڑا رحیم و کریم ہے مگر غنی اور بے نیاز ہے اس لئے جو شخص اس کی راہ میں مرتا ہے وہی اس سے زندگی پاتا ہے اور جو اس کے لئے سب کچھ کھوتا ہے اسی کو آسمانی انعام ملتا ہے ........ خدائے کریم اپنا فصیح اور لذیذ کلام اس کی زبان پر جاری کرتا رہتا ہے جو الٰہی شوکت اور برکت اور غیب گوئی کی کامل طاقت اپنے اندر رکھتا ہے ........ کیا باعتبار کمیت اور کیا باعتبار کیفیت ایسا بے مثل کلام اس کی زبان پر جاری کیا جاتا ہے کہ دنیا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور اس کی آنکھ کو کشفی قوت عطا کی جاتی ہے جس سے وہ مخفی در مخفی خبروں کو دیکھ لیتا ہے اور بسا اوقات لکھی ہوئی تحریریں اس کی نظر کے سامنے پیش کی جاتی ہیں اور مُردوں سے زندوں کی طرح ملاقات کر لیتا ہے اور بسا اوقات ہزاروں کوس کی چیزیں اس کی نظر کے سامنے ایسی آ جاتی ہیں گویا وہ پیروں کے نیچے پڑی ہیں۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴ تا ۱۶)

سورۃ یونس کی یہ آیات:۔

"سنو اللہ کے دوستوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے جو ایمان لائے اور تقوےٰ کرتے تھے ان کے لئے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں خوشخبری ہے۔ اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔" بھی اسی کی تائید کرتی ہیں۔

سورۃ العنکبوت میں ارشاد ہوتا ہے:۔

"جو لوگ ہمارے لئے محنت اٹھاتے ہیں ہم یقیناً انہیں اپنے رستوں پر چلائیں گے اور اللہ یقیناً نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے" (۲۹ - ۶۹)

اگر یہ جہدِ مسلسل انسان کو حقیقت ازلی کی معرفت۔ اس کی شناخت اور قربت اور اس کے ساتھ کلام کی لذت سے آشنا نہیں کرتی اور جو الہام انسان کے اپنے اور اپنے ارد گرد بیٹھے والوں کے نفوس کے تزکیہ کا موجب نہیں بنتا وہ الہام بھی الحاد ہے۔

---

# تقریبِ عیدِ میلاد النبیؐ

مقامی جماعتِ احمدیہ لاہور عید میلاد النبیؐ کے سلسلہ میں ۱۲ مارچ ۱۹۷۶ء بعد از نمازِ جمعہ، جامع احمدیہ، احمدیہ بلڈنگس لاہور میں ایک تقریب کا اہتمام کر رہی ہے جس کی صدارت حضرت امیرِ قوم مولانا صدرالدین صاحب ایدہ اللہ تعالےٰ فرمائیں گے اور

محترم ڈاکٹر سعید احمد صاحب، مولانا محمد یحییٰ صاحب بٹ۔ مبلغِ اسلام برلن مشن، چوہدری مسعود اختر صاحب ایڈووکیٹ اور کرنل حنیف اختر صاحب ملک بھی خطاب فرمائیں گے۔

جملہ ممبرانِ سلسلہ سے استدعا ہے کہ نمازِ جمعہ احمدیہ بلڈنگس کی مسجد میں پڑھیں اور اس تقریب میں شرکت فرمائیں،

اجلاس کے اختتام پر حاضرین کو چائے پیش کی جائے گی۔

چوہدری نذر ربّ (ایم اے)
سیکرٹری مقامی جماعت احمدیہ لاہور۔ دارالسلام

---

# خواتین جماعت احمدیہ لاہور کی طرف سے
# جلسہ میلاد النبیؐ (صلعم)

تنظیم خواتین احمدیہ کے زیرِ اہتمام مؤرخہ ۱۷ مارچ بروز بدھ بعد از نمازِ ظہر ۳½ بجے جامع دارالسلام میں عید میلاد النبیؐ کا ایک جلسہ منعقد ہو رہا ہے۔ سب بہنوں سے درخواست ہے کہ وہ شرکت فرمائیں اور اپنے حلقۂ اثر سے زیادہ سے زیادہ بہنوں کو ساتھ لانے کی بھی کوشش کریں۔

نسرین گل مجدّ۔ سیکرٹری تنظیم خواتین احمدیہ لاہور

---

**یاد دہانی** } جن احباب نے امسال جلسہ سالانہ پر تبلیغ بلاد غیر کے سلسلہ میں خاص اپیل پر وعدے فرمائے تھے۔ اُن سے استدعا کی جاتی ہے کہ وہ اپنے وعدوں کے مطابق رقوم کو خزانہ انجمن میں جلد از جلد بھجوا کر ثوابِ دارین حاصل کریں۔ احباب کی اس توجہ سے دفتر کو یاد دہانی کرانے کی نوبت نہیں آئے گی۔ (ادارہ)

چوتھا اصول۔ قرآن کریم کا یہ وہ عظیم الشان اصول ہے۔ جس سے ہم دیگر ادیان کے پیروکاروں کے قلوب کو فتح کر سکتے ہیں۔ ہر مذہب کا پیرو اپنے ہی مذہب کے بانی کا احترام کرتا ہے۔ لیکن آج سے چودہ سو سال پیشتر قرآن کریم نے اپنے ماننے والوں سے یہ مطالبہ کیا۔ کہ وہ نہ صرف حضرت نبی کریم صلعم پر ایمان لائیں بلکہ یہ لازمی ہے اور یہ ایمان کا جزو ہے کہ وہ آپ صلعم سے پیشتر تمام انبیاء پر بھی ایمان لائیں۔ آج یورپ اگرچہ سائنٹیفک اور ٹیکنیکل علوم میں ترقی یافتہ ہے لیکن مذہبی میدان میں وہ نہایت ہی پسماندہ ہے۔ پاپائے روم نے چند سال پیشتر اعلان کیا تھا کہ مسلمان بھی ایک خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس سے پیشتر پاپائے روم کا یہ اعلان تھا کہ مسلمان "ہیدن" ہیں یعنی وہ خدا کو نہ ماننے والی قوم ہے۔ اسلام ۱۴۰۰ سو سال سے دنیا میں قائم ہے۔ قرآن کریم من وعن دنیا میں موجود ہے۔ لیکن اس کے باوجود عیسائیت کا یہ بڑا طبقہ مسلمانوں کو ایسی قوم سمجھتا رہا جو خدا کو نہیں مانتی۔ لیکن اس کے بالمقابل حضرت نبی کریم صلعم نے یہ اعلان کیا کہ آپ سے پیشتر دنیا میں مبعوث ہونے والے انبیاء علیہم السلام خدا کے نور سے منور اور خدا کی طرف سے سچی وحی پانے والے تھے اسی تعلیم کا یہ نتیجہ ہے کہ ایک مسلمان حضرت عیسٰے علیہ السلام حضرت موسٰے علیہ السلام اور دیگر انبیاء کی اسی طرح عزت کرتا ہے، ان سے محبت کرتا اور ان کو فرستادہ الٰہی سمجھتا ہے جس طرح کہ وہ خود حضرت نبی کریم صلعم سے محبت کرتا اور ان کو خدا تعالےٰ کا سچا رسول اور امین جانتا ہے۔ حضرت نبی کریم صلعم نے اپنے ماننے والوں کو اسی اصول کے ذریعہ سے مذہبی میدان میں انتہائی کمال تک پہنچا دیا ہے۔

پانچواں اصول۔ حیات بعد الموت

ہم میں یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ ہم اپنے اعمال کے جوابدہ ہیں اور خدا تعالےٰ موت کے بعد ہم سے یہ پوچھیں گے کہ ہم نے اپنی زندگی کو کہاں تک خدا تعالےٰ کے احکامات کے مطابق چلایا ہے ذمہ داری کا یہ احساس مسلمانوں میں ایک عملی انقلاب پیدا کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

قرآن کریم میں مندرج ان اصولوں کے فلسفہ پر نگاہ ڈالنے سے ان اصولوں کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ یہی وہ اصول ہیں جن پر ہم قائم ہیں اور جن کی تعلیم حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دی ہے۔ حضرت مولٰنا نورالدین علیہ الرحمۃ کی رہنمائی میں حضرت مولٰنا محمد علی صاحبؒ نے قرآن کریم کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا اور ان تمام علوم قرآنیہ کو جو انہوں نے حضرت امام زمانؑ سے حاصل کئے تھے انہیں اپنی تفسیر میں بالتفصیل لکھ دیا۔ قرآن کریم کی یہ تفسیر اسلام کی صحیح تصویر کا آئینہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تفسیر پڑھے لکھے طبقہ میں نہایت ہی مقبول ہے

حضرت امام زمانؑ کے دوسرے نامور شاگرد خواجہ کمال الدینؒ نے ۱۹۱۳ء میں انگلستان کے اندر مسلم مشن کی بنیاد رکھی اور اس صدی میں یہ وہ پہلے مسلمان مبلغ ہیں جنہوں نے انگریز کے انتہائی عروج کے زمانہ میں ان کے ملک میں پہنچکر اسلام کا جھنڈا نہایت کامیابی کے ساتھ گاڑا۔

حضرت مولانا صدرالدین صاحب (ہمارے موجودہ امیر) نے نہایت کامیابی کے ساتھ ووکنگ مسلم مشن میں اشاعت اسلام کی خدمات سر انجام دیں۔ انہوں نے ۱۹۲۴ء میں برلن (جرمنی) پہنچکر ایک نہایت عظیم الشان اور نہایت ہی خوبصورت مسجد بنا کر یورپ میں ایک اور اسلامی مشن کا اضافہ کیا آپ نے ۱۹۳۹ء میں قرآن کریم کا ترجمہ[۲۴] جو ایک مسلم عالم دین نے کیا۔

حضرت مولانا کی کوششوں سے اور بعد میں پروفیسر ڈاکٹر شیخ محمد عبداللہ صاحب مرحوم اور دیگر اصحاب کی مساعی سے بہت سے قابل جرمن حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ یہ کامیابی حضرت امام زمانؑ کی صداقت پر بہت بڑی دلیل ہے۔ یورپ کے ان دو مشہور مسلم مشنوں کے اندر مجھے بھی تبلیغ اسلام کی خدمات سر انجام دینے کا موقعہ ملا ہے۔ ۳ سال تک ووکنگ مسلم مشن میں اور ۱۷ سال سے برلین مشن میں کام کر رہا ہوں۔

ہم جرمن گورنمنٹ کے تہ دل سے مشکور ہیں کہ اس گورنمنٹ نے ہمیں اسلام کی تعلیم کو اپنے ملک میں پھیلانے کی پوری آزادی دے رکھی ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ ہماری مشکلات کو حل کرنے میں ہماری ہر وقت امداد کرتی ہے حال ہی میں انہوں نے ہماری مسجد کی مرمت کے لئے ۱۴ لاکھ روپیہ ہمیں بطور عطیہ دیا ہے۔ جرمن حکومت نے یہ امداد دے کر برلین مسلم مشن کی بڑی حوصلہ افزائی کی ہے آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی۔ کہ برلین حکومت اپنے ان تمام مہمانوں کو جو اسلامی ممالک سے آتے ہوتے ہیں۔ مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچاتی ہے۔ اسلامی دنیا کی مشہور اور نامور ہستیاں جو آج تک میرے قیام کے دوران مسجد میں آچکی ہیں۔ ان میں سے چند ایک کے نام آپ کو سناتا ہوں۔

تنکو عبدالرحمان بحیثیت وزیر اعظم ملائیشیا۔ سومالیہ کے پریذیڈنٹ مسٹر عدنان اور مملکت پاکستان کے موجودہ وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی صاحب بھٹو۔

آخر میں مَیں آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی علمی تحقیق کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ یہ تحقیق حضرت عیسٰے علیہ السلام کی قبر کے متعلق ہے۔ حضرت امام زمانؑ نے بڑے زور کے ساتھ اس حقیقت کو واشگاف کیا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام صلیب کے واقعہ کے بعد فلسطین کو چھوڑ کر سرینگر کشمیر میں قیام پذیر ہوئے اور مرنے کے بعد وہاں محلہ خانیار میں دفن ہوئے آج جرمن میں اس حقیقت پر بہت سے مقالے لکھے جا رہے ہیں۔ ایک جرمن جرنلسٹ نے حضرت عیسٰے علیہ السلام کی قبر کی تصویر ایک میگزین میں شائع کی ہے اور اس قبر کے متعلق اکثر امور سے عوام کو مطلع کیا ہے۔ جرمن ٹیلیویژن پر بھی اس موضوع پر عیسائی پادریوں، عیسائی پروفیسروں اور عیسائی جرنلسٹوں کا مکالمہ نشر کیا گیا ہے۔ اس مکالمہ میں ایک جرنلسٹ نے نہایت واضح الفاظ میں کہا کہ وہ خود سرینگر پہنچا۔ اس نے قبر کو دیکھا اور اس دوران میں اسے معلوم ہوا کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام تبت بھی تشریف لے گئے تھے۔ چنانچہ وہ تبت پہنچا۔ اور وہاں لامہ (بدھ مت کا مذہبی پیشوا) سے اس نے ملاقات کی۔ جرنلسٹ نے مزید کہا۔ کہ لامہ اُسے لائبریری میں لے گئے۔ اور وہاں انہوں نے ایک ایسا مسودہ دکھایا جس پر حضرت عیسٰے علیہ السلام کے دستخط موجود تھے۔

یورپ کی یہ تحقیقات بھی حضرت صاحب کی صداقت پر بہت بڑی دلیل ہے۔

ہم مسلمان ہیں اسلام کے تمام اصولوں پر ہمارا یقین ہے۔ ہم حضرت نبی کریم صلعم کو خاتم النبیین مانتے ہیں اور حضرت میرزا غلام احمد کو چودھویں صدی کا مجدد سمجھتے ہیں۔

# مسجد برلین میں قالینوں کے لئے امام مسجد برلین کی طرف سے اپیل

قارئین کرام امام مسجد برلین مولٰنا محمد یحیٰی بٹ صاحب کی اس اطلاع سے یقیناً خوش ہوں گے کہ حکومت برلین نے مسجد برلین کی مرمت اور اس میں ہیٹر لگوانے کے لئے ان کی اپیل پر چودہ لاکھ روپیہ بطور عطیہ دیا ہے۔

اب امام صاحب مسجد میں قالین بچھوانے کی ضرورت پر احباب کو توجہ دلاتے ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ جماعت کے مخیّر حضرات اور باثروت آٹھ احباب ایک ایک قالین کا عطیہ دینے کا ذمہ لیں۔ مسجد کی تزئین و تکمیل کے لئے قالینوں کا بچھوانا اشد ضروری ہے۔ کیونکہ وہاں کی شدید سردی کے پیش نظر اور وہاں کے بلند معیار رہائش کے مطابق مسجد میں قالینوں کا ہونا نہایت ضروری ہے ہم اُمید کرتے ہیں کہ جماعت کے مخلص اور صاحب دل دوست اس کار خیر اور مسجد کی تزئین میں حصہ لے کر امام صاحب کی آواز پر لبیک کہیں گے اور ثواب دارین حاصل کریں گے۔

از:- راہ نورد

# سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تفسیر تفہیم القرآن کا ایک مختصر جائزہ

(قسط نمبر ۵)

تعجب ہمیں اس بات پر ہے کہ مندرجہ بالا حدیثوں کو نقل ہی مودودی صاحب نے اس مقصد سے کیا ہے کہ ہر شخص خود معلوم کرلے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا تھا اور آج اس کو کیا بنایا جا رہا ہے (تفہیم القرآن جلد چہارم صہ ۱۵۴)۔ گویا وہ مصر ہیں کہ ان احادیث کے ظاہری معنے اس طرح کئے جائیں جیسا کہ اُنہوں نے سمجھا ہے اور کہ بجز مسیح ناصری کے یہاں کوئی مثیل آنے کا سوال ہی نہیں۔ اگر ان کا یہ اصرار درست ہے تو پھر انہیں اس کا فیصلہ اپنے ہی بیان کردہ اُصول کی روشنی میں کرنا ہوگا۔ وہ لکھتے ہیں :-

"اس دُنیا میں انسان کی ساری آزمائش صرف اس بات کی ہے کہ وہ حقیقت کو دیکھے بغیر مانتا ہے یا نہیں اور ماننے کے بعد اتنی اخلاقی طاقت رکھتا ہے یا نہیں کہ نافرمانی کا اختیار رکھنے کے باوجود فرمانبرداری اختیار کرے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے انبیاء کی بعثت میں۔ کتابوں کی تنزیل میں حتیٰ کہ معجزات تک میں عقل کے امتحان اور اخلاقی قوت کی آزمائش کا ضرور لحاظ رکھا ہے اور کبھی حقیقت کو اس طرح بے پردہ نہیں کر دیا ہے کہ آدمی کے لئے مانے بغیر چارہ نہ رہے۔ کیونکہ اس کے بعد تو آزمائش بالکل بے معنی ہو جاتی ہے اور امتحان میں کامیابی و ناکامی کا مفہوم ہی باقی نہیں رہتا۔ ...... ایمان لانے اور اطاعت میں سر جُھکا دینے کی ساری قدر و قیمت اسی وقت تک ہے جب تک حقیقت تمہارے حواس سے پوشیدہ ہے اور تم محض دلیل سے اس کو تسلیم کرکے اپنی دانشمندی کا اور محض فہمائش سے اس کی پیروی و اطاعت اختیار کرکے اپنی اخلاقی طاقت کا ثبوت دیتے ہو۔"

(تفہیم القرآن جلد اوّل صہ ۱۶۰)

کیا مودودی صاحب کو اس کے باوجود بھی اس بات پر اصرار ہے کہ مسیح ناصری ہی کا نزول ثانی تسلیم کیا جائے کیونکہ ہمیں کسی مثیل کا وعدہ نہیں دیا گیا؟ کیا ان کا نزول امتحان عقل و فہم کا تقاضا نہیں کرے گا؟ اگر یہاں انسان کی ساری آزمائش ہی اس بات کی ہے کہ وہ اختیار کو کس طرح استعمال کرتا ہے اور وہ تھوڑا سا پردہ باقی رہنے سے ہی معلوم ہو سکتا ہے تو مسیح کی بعثت ثانی میں کیا اس آزمائش کی ضرورت نہیں رہے گی؟ یا شائد مسیح کے اُن خصوصی امتیازات کے باعث جو مودودی صاحب مانتے ہیں کہ یہاں بھی اُسے استثنائی صورت بخشی جائے گی؟ مودودی صاحب نے ایک اور بحث کے ضمن میں عقل و فہم کی آزمائش و امتحان کا ایسا تعطل قبول نہیں کیا گو اُن کی وہ بحث تفہیم القرآن کے صفحات میں نہیں ہے :-

"حقیقت کو بالکل بے نقاب کر دینا جس سے عقلی آزمائش کا کوئی موقعہ باقی نہ رہے حکمت خداوندی کے خلاف ہے کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ اس سنّت کو امام مہدی ہی میں بدل دے گا اور ان کی بعثت کے وقت آسمان سے منادی کرے گا کہ لوگو یہ ہمارا خلیفہ مہدی ہے اس کی سنو اور اطاعت کرو۔" (ترجمان القرآن جون ۱۹۴۲ء)

---

عیسائیت کے تذکرہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور عیسائیوں کے وفد نجران کی آمد کے واقعہ کے ضمن میں مودودی صاحب نے مباہلہ والی آیت کو لکھ کر اس پر مندرجہ ذیل حاشیہ لکھا ہے :-

"فیصلہ کی یہ صورت پیش کرنے سے دراصل یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ وفد نجران جان بوجھ کر ہٹ دھرمی کر رہا ہے..... اس لئے جب اُن سے کہا گیا کہ اچھا اگر تمہیں اپنے عقیدے کی صداقت کا پورا یقین ہے تو آؤ ہمارے مقابلہ میں دُعا کرو کہ جو جھوٹا ہے اس پر خدا کی لعنت ہو۔ تو اُن میں سے کوئی مقابلہ کے لئے تیار نہ ہوا۔"

(تفہیم القرآن جلد اوّل صہ ۲۶۱)

مودودی صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ خدا کی لعنت سے مراد کیا تھی اور وہ کس طرح ظاہر ہوتی ہے۔ اور اس میں کونسی ایسی ہیبت تھی کہ نجران کے پادری اس کے خوف سے مقابلہ کے لئے تیار نہ ہوئے؟ مودودی صاحب آیت "قطعنا الوتین" میں جھوٹے نبیوں کے ہلاک ہونے کے قائل نہیں اور عدم فلاح سے مراد وہ بالآخر ناکام ہونا لیتے ہیں۔ وہ ناکامی دنیاوی طور پر کوئی کامیاب ہو لیکن خدا تعالےٰ کے نزدیک وہ کذاب ہو۔ لیکن اگر جسمانی ہلاکت اور عذاب۔ آیات مباہلہ اور قطع الوتین میں مراد نہیں تھے اور نجران کے پادریوں نے آیت مباہلہ کا یہی مفہوم نہیں سمجھا تھا تو پھر انہیں مقابلہ میں آنے سے کونسی چیز مانع تھی۔ ایمان تو وہ پھر بھی حضور پر نہیں لائے اور عدم ایمان کی حالت میں دنیا سے رخصت ہو جانا انہیں آخرت کی باز پرس سے بھی بچا نہیں سکتا تو پھر اُنہوں نے مباہلہ سے فرار کرکے کس بات سے اپنے آپ کو محفوظ کر لیا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ حفاظت دنیاوی عذاب ہی سے ہو سکتی تھی۔ ہمیں تعجب ہے کہ جو حقیقت نجران کے وفد پر کھلی رہی مودودی صاحب اس سے انکاری ہیں۔

"بعض نادان لوگ فلاح کو طویل عُمر یا دنیوی خوشحالی یا دنیوی فروغ کے معنی میں لیتے ہیں اور نتیجہ یہ نکالنا چاہتے ہیں کہ جو شخص نبوت کا دعویٰ کرکے جیتا رہے یا دنیا میں پھلے پھولے یا اس کی دعوت کو فروغ نصیب ہو اُسے نبی برحق مان لینا چاہیئے۔ کیونکہ اس نے فلاح پائی۔ اگر وہ نبیٔ برحق نہ ہوتا تو جھوٹا دعوےٰ کرتے ہی مار ڈالا جاتا یا بھوکوں مار دیا جاتا اور دنیا میں اس کی بات چلنے ہی نہ پاتی یہ احمقانہ استدلال صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو نہ تو قرآنی اصطلاح فلاح کا مفہوم جانتا ہو اور نہ اس قانون امہال سے واقف ہو جو قرآن کے بیان کے مطابق اللہ تعالےٰ نے مجرموں کے لئے مقرر فرمایا ہے۔" (تفہیم القرآن جلد دوم صہ ۲۶۲)

ایک طرف مندرجہ بالا عبارت ہے جس میں کسی کذاب کے دنیاوی طور پر کامیاب ہوجانے کو اس کے کذاب ہونے کی نفی نہیں کہا جاسکتا دوسری طرف مندرجہ ذیل عبارت کو دیکھیں :-

"نبی اللہ کے اذن (SANCTION) سے دعوت دینے کو اُٹھتا ہے اس کی دعوت نری تبلیغ نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے بھی اس کے بھیجنے والے ربّ العالمین کی فرمانروائی کا زور ہوتا ہے اسی بناء پر اللہ کے بھیجے ہوئے داعی کی مزاحمت خود اللہ کے خلاف جنگ قرار پاتی ہے جس طرح دنیوی حکومتوں میں سرکاری کام انجام دینے والے سرکاری ملازم کی مزاحمت خود حکومت

کے خلاف جنگ سمجھی جاتی ہے۔"

(تفہیم القرآن جلد چہارم صفحہ ۱۰۸)

ہمیں تعجب ہے کہ یہ کس فرمانروا کے زور کا ذکر ہو رہا ہے۔ جس کی مملکت میں اس سے منسوب کرکے ایک مفتری اپنی دکان چمکاتا ہے اور اسے کوئی پکڑ نہیں ہوتی اور ایک صادق اپنی دعوت دیتا ہے لیکن اس کے مخالفوں کو کوئی مٹا نہیں سکتا۔ پھر بھی وہ زور آور ہے کہ اسکی مزاحمت گویا اس کے خلاف اعلانِ جنگ ہے کچھ اسی مفہوم کا حاشیہ انہوں نے آیت قطع الوتین پر لکھا ہے:

"بعض لوگوں نے اس آیت سے یہ غلط استدلال کیا ہے کہ جو شخص بھی نبوت کا دعوےٰ کرے اس کی رگِ دل یا رگِ گردن اگر اللہ تعالےٰ کی طرف سے فوراً نہ کاٹ ڈالی جائے تو یہ اس کے نبی ہونے کا ثبوت ہے حالانکہ اس آیت میں جو بات فرمائی گئی ہے وہ سچے نبی کے بارے میں ہے جھوٹے مدعیوں کے بارے میں نہیں ہے۔ جھوٹے مدعی تو نبوت ہی نہیں خدائی تک کے دعوےٰ کرتے ہیں اور زمین پر مدتوں دندناتے پھرتے ہیں یہ ان کی صداقت کا ثبوت نہیں ہے"

(تفہیم القرآن جلد ششم صفحہ ۸۱)

اب اگر یہ استدلال درست ہے کہ یہ آیت سچے نبی کے بارے میں ہے اگر وہ نعوذ باللہ کوئی جھوٹ بولے تو اس کی شہ رگ کٹ جاتی ہے جھوٹا مدعی جو چاہے کرے اسے خوف نہیں تو سورۃ الاحقاف میں مودودی صاحب نے آیت :- قل ان افتریته فلا تملکون لی من اللہ شیئاً کا ترجمہ:

"ان سے کہو اگر میں نے اسے خود گھڑ لیا ہے تو تم مجھے خدا کی پکڑ سے کچھ نہ بچا سکو گے۔ جو تم باتیں بناتے ہو اللہ ان کو خوب جانتا ہے۔ میرے اور تمہارے درمیان وہی گواہی دینے کے لئے کافی ہے اور وہ بڑا درگذر کرنے والا رحیم ہے۔"

(تفہیم القرآن - جلد چہارم صفحہ ۶۰۴)

اگر یہاں پر بھی آخرت ہی پکڑ مراد ہے تو وہ مخاطبوں پر حجت کیونکر ہوگی کیونکہ وہ تو ابھی پردۂ غیب میں ہے اور یہاں اسے بطور دلیل پیش کیا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ پکڑ اسی دنیا میں ہو تبھی وہ کسی مدعی کے صدق یا کذب کی گواہی ہو سکتی ہے۔ اُوپر والی آیت میں کیا یہ دعویٰ نہیں کہ میں نے اگر نعوذ باللہ جعلسازی کی ہو تو تم مجھے خدا کی پکڑ سے نہ بچا سکتے تھے۔ یہاں تو بعض الاقاویل والا حصر بھی نہیں ہے کہ مودودی صاحب کہہ سکیں کہ اگر سچا نبی کسی بات پر جھوٹ بولے اور اسے اللہ کی طرف منسوب کرے تو ایسی حالت میں اس کو پکڑ ہونے کا قانون آیت قطع الوتین میں بیان کیا گیا ہے اور جھوٹا نبی بقول ان کے مدتوں دندناتا پھرے اُسے کسی دنیاوی پکڑ کا خوف نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ قانون امہال کے تحت اسے مہلت میسر حاصل ہے یہاں تو دعویٰ کو مطلق جعلسازی کہا گیا ہے اور اس کا ترجمہ:- "تو تم مجھے خدا کی پکڑ سے نہ بچا سکو گے" کا اعلان ہے۔

پھر سورۃ بنی اسرائیل میں حضورؐ کو مخاطب کرکے اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں:-

"و ان کادوا لیفتنونک عن الذی اوحینا الیک لتفتری علینا غیرہ - و اذاً لا تخذوک خلیلاً ۔ و لولا ان ثبتناک لقد کدت ترکن الیھم شیئاً قلیلاً - اذاً لاذقناک ضعف الحیوٰۃ و ضعف الممات ثم لا تجد لک علینا نصیراً

اس کا ترجمہ مودودی صاحب نے یوں کیا ہے:-

"اے محمدؐ ان لوگوں نے اس کوشش میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی کہ تمہیں فتنے میں ڈال کر اس وحی سے پھیر دیں جو ہم نے تمہاری طرف بھیجی ہے تاکہ تم ہمارے نام پر اپنی طرف سے کوئی بات گھڑو۔ اگر تم ایسا کرتے تو وہ ضرور تمہیں اپنا دوست بنا لیتے اور بعید نہ تھا کہ اگر ہم تمہیں مضبوط نہ رکھتے تو تم ان کی طرف کچھ نہ کچھ جھک جاتے لیکن اگر تم ایسا کرتے تو ہم تمہیں دنیا میں بھی دوہرے عذاب کا مزہ چکھاتے اور آخرت میں بھی دوہرے عذاب کا۔ پھر ہمارے مقابلے میں تم کوئی مددگار نہ پاتے۔"

(تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ ۶۳۲)

اس پر حاشیہ لکھتے ہوئے مودودی صاحب نے کہا ہے:-

"اگر تم حق کو جان لینے کے بعد باطل سے کوئی سمجھوتہ کر لیتے ....... تو خدا کا غضب تم پر بھڑک اٹھتا اور تمہیں دنیا و آخرت دونوں میں دوہری سزا دی جاتی۔"

یہ درست ہے کہ یہاں ذکر سچے نبی کا ہے۔ لیکن معاملہ "اپنی طرف سے کوئی بات گھڑنے" کا بھی تو ہے۔ اول تو سچے نبی کے بارے میں جھوٹ گھڑنے کا احتمال خود ایک گستاخی ہوگا۔ ہمیں علم نہیں کہ مودودی صاحب ایک ایسے احتمال کو اپنے ذہن میں جگہ کس طرح دیتے ہیں۔ لیکن اگر ایک سچے نبی کو صرف جزوی ایک یا چند باتوں کے گھڑنے پر اتنی سخت وعید سنائی جا سکتی ہے تو وہ جس کا تمام کاروبار ہی جھوٹ ہو اس پر کسی گرفت کا نہ ہونا عجیب دکھائی دیتا ہے۔ ثانیاً ہم جس نکتے پر توجہ منعطف کروانا چاہتے ہیں وہ "دنیا میں بھی دوہرا عذاب" کا پہلو ہے۔ اگر بازپرس آخرت میں ہی ہے تو یہاں کس قسم کے دنیاوی دوہرے عذاب دیئے جانے کا ذکر ہے؟ مودودی صاحب نے آیت قطع الوتین کے حاشیہ میں "....... رگِ گردن اگر خدا تعالےٰ کی طرف سے فوراً نہ کاٹ ڈالی جائے ......" میں فوراً کا لفظ داخل کرکے شاید یہ بیان کرنا چاہا ہے مگر انہوں نے ضرور کہا ہے کہ جھوٹے مدعی کو قانون امہال اور آخرت کی بازپرس کے باعث دنیا میں گرفت کا خوف نہیں بچے بھی بالآخر گرفت ہوتی ہے مگر نہ جانے کس خوف کے تحت وہ یہ تعیین کرنا مناسب نہیں سمجھتے کہ فوراً سے وہ کم از کم یا زیادہ سے زیادہ کس قدر مدت اس گرفت کے ظہور کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ یہ ایک متضاد کیفیت کا اظہار ہے کیونکہ ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ قطع الوتین کی آیت میں جو قانون بیان ہوا ہے سورۃ آل عمران کی آیات بھی اُسی کی غماز ہیں اور فلاح کے جس معنی کا وہ سہارا لے رہے ہیں خدا تعالےٰ کا مقصد اس سے وہ نہیں وگرنہ مباہلہ والی آیات کا کوئی وزن باقی نہیں رہے گا۔

انبیاء کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا قرآن پاک میں ذکر کیا گیا ہے۔ مودودی صاحب نے بجا طور پر اسے قصہ گوئی کو محض قصہ گوئی کی خاطر نہیں بلکہ سبق آموزی کے لئے ان کا حوالہ دینا بیان کیا ہے۔ وہ خود مانتے ہیں کہ تاریخی واقعات کے بیان میں وہ قصے کے صرف اُن اجزاء کو پیش کرتا ہے جو اس کے مقصد و مدعا سے کوئی تعلق رکھتے ہیں باقی تمام تفصیلات کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ لیکن مسیحؑ کے بارے میں وہ اس اصول کو ترک کر دیتے ہیں۔ وہ پرانی روش ہی کو اپناتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی پیدائش کا معاملہ یہودی قوم میں فی الواقع ذرہ برابر بھی مشتبہ نہ تھا بلکہ جس روز وہ پیدا ہوئے تھے اسی روز اللہ تعالےٰ نے پوری قوم کو اس بات پر گواہ بنا دیا تھا کہ یہ ایک غیر معمولی شخصیت کا بچہ ہے جس کی ولادت معجزہ کا نتیجہ ہے نہ کہ کسی اخلاقی جرم کا۔ جب بنی اسرائیل کے ایک شریف ترین

اور مشہور و نامور مذہبی گھرانے کی بن بیاہی لڑکی گود میں بچّہ لئے ہوئے آئی اور قوم کے بڑے چھوٹے سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں اس کے گھر ہجوم کرکے آ گئے تو اس لڑکی نے انکے سوالات کا جواب دینے کی بجائے خاموشی کے ساتھ اس نوزائیدہ بچے کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ تمہیں جواب دے گا۔ مجمع نے حیرت سے کہا کہ اس بچّہ سے ہم کیا پوچھیں جو گہوارے میں لیٹا ہوا ہے مگر یکایک وہ بچّہ گویا ہوگیا اور اس نے نہایت صاف اور فصیح زبان میں مجمع کو خطاب کرکے کہا کہ انی عبد اللّٰہ اٰتٰنی الکتٰب وجعلنی نبیاً۔"

(تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ ۴۱۷)

نہ جانے یہ سب باتیں مودودی صاحب نے کس جگہ لکھی دیکھی ہیں کیونکہ عیسائیوں میں تو ایسی کوئی روایت موجود نہیں یا کم از کم ہماری نظر سے نہیں گذری کہ مسیح کی ولادت پر سینکڑوں ہزاروں کا مجمع ہجوم کرکے اُن کے گھر آ گیا تھا۔ رہا یہ کہ مسیح نے گہوارے میں لیٹے لیٹے کلام کیا تو اس کی بھی شہادت بائبل میں موجود نہیں رہا قرآن پاک کا یہ کہنا کہ و یکلم النّاس فی المھد و کھلاً و من الصّٰلحین۔ تو اس میں اگر مسیح کی انسانی حیثیت کا اظہار مراد لیا جائے تو عین ممکن ہے کیونکہ اگر گہوارے کا کلام اعجاز شمار کیا جاتا ہے تو کہولت کا کلام تو اعجاز نہیں ہو سکتا کیونکہ کروڑوں انسان کہولت میں باتیں کرتے ہیں۔ پھر من الصّٰلحین ہونا بھی کوئی انہیں کا اعجاز نہیں۔ ہاں اس سے مسیحیوں کو یہ بتانا مقصود ہو سکتا ہے کہ دیگر انسانوں کی طرح مسیح بھی بچپن اور بڑھاپے سے گذرے اور دیگر صالحین کی طرح وہ بھی انسانی حیثیت میں صالح ہوئے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت مریمؑ کو بشارت میں بچے کی صرف جسمانی حالتوں کی کیفیت بتائی گئی ہو کہ وہ بچّہ لمبی عمر پائے گا باتیں کرے گا اور صحیح و سالم ہوگا۔ کیونکہ یہی چیزیں کسی ماں کو بچّہ کی پیدائش سے قبل بے چین کرتی ہیں۔ لیکن مودودی صاحب ایسی تشریحات کو نہیں مانتے۔ وہ قالوا کیف نکلم من کان فی المھد صبیّا۔ کا ترجمہ "ہم اس سے کیا بات کریں، جو گہوارے میں پڑا بچہ ہے" کرکے ان لوگوں پر برس پڑے جو اس کا ترجمہ "ہم اس سے کیا بات کریں جو کل کا بچّہ ہے" کرتے ہیں۔ مودودی صاحب کہتے ہیں:۔

"قرآن کی معنوی تحریف کرنے والوں نے اس آیت کا یہ مطلب لیا ہے کہ ہم اس سے کیا بات کریں جو کل کا بچّہ ہے یعنی ان کے نزدیک یہ گفتگو حضرت عیسٰےؑ کی جوانی کے زمانے میں ہوئی اور بنی اسرائیل کے بڑے بوڑھوں نے کہا کہ بھلا اس لڑکے سے کیا بات کریں جو کل ہمارے سامنے گہوارے میں پڑا ہُوا تھا۔ مگر جو شخص موقع و محل اور سیاق و سباق پر کچھ بھی غور کرے گا وہ محسوس کر لے گا کہ یہ محض ایک مہمل تاویل ہے جو معجزے سے بچنے کے لئے کی گئی ہے۔" (تفہیم القرآن جلد سوم صفحہ ۶۶)

اب یہ سارا اُلجھاؤ صرف اسی لئے تو ہے کہ مودودی صاحب ان اُصولوں کو بھی فراموش کر جاتے ہیں جو خود بیان کر چکے ہوتے ہیں۔ کیا اُنہوں نے قرآن کے طرزِ بیان میں اس خاصیت کا ذکر نہیں کیا تھا کہ بعض قصص کے صرف ضروری حصّوں کا بیان کرنا ہی قرآن نے ضروری سمجھا ہے اور تفصیلات یا درمیانی وقفوں کو چھوڑ دیا ہے۔ یہاں انہوں نے ولادت مسیح اور کلام مسیح کے درمیان کی مُدّت جس میں مسیح جوان ہو کر منصب نبوّت پر فائز ہو چکے سبھی کو باہم ملا دیا ہے۔ جبھی تو وہ محل و موقع اور سیاق و سباق کا ذکر کرتے ہیں حالانکہ یہ محل و موقعہ اور سیاق و سباق کو آیات میں متصل ہو زمانے کے اعتبار سے منفصل ہے۔ مودودی صاحب کو یہ گمان لفظ "صبیًّا" سے ہوا ہے۔ لیکن کیا یہ طریق کلام نہیں کہ بڑے بوڑھے اپنے لئے چھوٹوں کو "بچّہ" ہی کہتے ہیں چاہے وہ بچّہ تیس چالیس سال کا ہی کیوں نہ ہو چکا ہو۔ مودودی صاحب اسے معنوی تحریف کہتے ہیں۔ اور ہمیں اس پر تعجب ہے۔ مودودی صاحب نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ذکر میں ایک روایت نقل کی ہے:۔

"ابنِ عباس کی روایت ہے کہ ایک دفعہ کعب بن اشرف (مدینہ کا یہودی سردار) مکّہ آیا تو قریش کے سرداروں نے اس سے کہا: الا تریٰ الیٰ ھٰذا الصبیّ المنبتر من قومہ یزعم انہ خیر منا و نحن اھل الحجیج و اھل السدانۃ و اھل السقایۃ۔ بھلا دیکھو تو سہی اس لڑکے کو جو اپنی قوم سے کٹ گیا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ ہم سے بہتر ہے کہ ہم حج اور سدانت اور سقایت کے منتظم ہیں (بزاز)" (تفہیم القرآن جلد ششم صفحہ ۴۹۰)

اب کیا یہ سچ نہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نبوّت پر فائز ہوتے وقت چالیس برس کے تھے اور قریش کے سرداروں نے اُن کے لئے لفظ "ھٰذا الصبیّ" استعمال کیا۔ تو اگر یہودی بوڑھوں نے مسیح کی دعوت پر انکی والدہ سے شکایت کی اور مسیحؑ سے بات کرنے کو کیف نکلم من کان فی المھد صبیًّا کہکر رَد کر دیا تو وہاں مسیح کو گہوارے کا بچہ کیوں کہا جائے اور ایسے خطاب کو زعمِ بزرگی اور پندار عُمر کیوں نہ سمجھا جائے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے بارے میں قریش کے سرداروں کو اپنے بارے میں تھے۔

مودودی صاحب کو محل و موقع اور سیاق و سباق پر اصرار ہے۔ اُن کا یہ اصرار شاید اس لئے ہے کہ یہاں حضرت مریمؑ کے مسیح کے ساتھ قوم میں واپس آنے کا ذکر ہے اور پھر یہودی بڑے بوڑھوں کا حضرت مریمؑ سے سوال کرنا آ جاتا ہے جس کا جواب حضرت مریم نے خود نہیں دیا بلکہ مسیحؑ کی طرف اشارہ کر دیا کہ مسیحؑ سے پوچھو۔ اس پر بوڑھوں کا استعجاب ظاہر کرتا ہے کہ شاید مسیح ابھی گہوارے میں ہی تھے۔ ورنہ سیاق و سباق مجروح ہو جاتا ہے۔ اوّلاً، جیسا ہم عرض کر چکے ہیں حضرت مسیحؑ کی پیدائش اور مریم کا چُپ کا روزہ رکھنا اور ان کا قوم کی طرف مسیحؑ کی ہمراہی میں آنا دو متصل واقعات نہیں، اور ان کے درمیان سالہا سال کا فاصلہ ہے۔ لیکن اگر مودودی صاحب کا سیاق و سباق کا اصرار درست ہے تو بڑے بوڑھوں کا سوال ضرور عصمت مریمؑ کے بارے میں ہُوا ہوگا۔ (حالانکہ ایسا آیت قرآنی میں درج نہیں) جواب میں مسیحؑ کو مریمؑ کی برٔیت میں یہ کہنا چاہئے تھا کہ لوگو میں معجزے کی پیدائش ہوں جس میں کسی غیر قانونی انسانی دخل کا شک کرکے تم لوگ گنہگار ہو رہے ہو۔ اگر سیاق و سباق میں کسی الزام کی طرف اشارہ ہے اور اس کے ابطال کی تائید میں اس گہوارائی کلام کا صدور اس معجزے کی علت غائی ہے تو پھر مسیح نے جو کلام کیا تھا اس میں اس بات کا کوئی تو ذکر ہوتا کہ میں معجزہ کی پیدائش ہوں۔ وہاں تو دعویٰ نبوّت و رسالت کا اعلان ہے۔

مودودی صاحب کہتے ہیں کہ مسیح کی پیدائش کا معاملہ یہودی قوم میں ذرّہ برابر بھی مشتبہ نہ تھا۔ اور جس روز وہ پیدا ہوئے تھے اسی روز اللہ تعالےٰ نے پوری قوم کو اس بات پر گواہ بنا دیا تھا۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب اس گہوارے کے کلام میں مسیحؑ نے اپنی نبوّت و رسالت کا اعلان کیا تھا تو وہ سینکڑوں ہزاروں لوگ جنہیں مودودی صاحب ہجوم کرواکے حضرت مریمؑ کے گھر لے آتے ہیں۔ اُنہوں نے اس وقت مسیح کی نبوّت و رسالت کو بھی تسلیم کر لیا ہوگا؟ اگر نہیں تو کیوں نہیں؟ اور اگر ہاں تو تیس برس بعد ان یہودیوں نے مسیحؑ کو صلیب دینے کا کیوں سوچا؟ مودودی صاحب یہ تو مانتے ہیں کہ یہودیوں نے مسیحؑ کو تسلیم نہیں کیا تھا جبھی ان کو صلیب دینے کے درپے ہُوئے۔ اور یہ بھی مودودی صاحب مانتے ہیں کہ یہودیوں میں زنا کی سزا سنگساری تھی۔ اور بائبل سے یہ بھی ثابت ہے کہ کسی ناجائز اولاد کو ہیکل میں لانا یا کسی ایسے شخص کا جو ناجائز طور پر

پیدا ہوا ہو ہیکل میں داخل ہونا ممنوع تھا - اب اگر معجزہ بن باپ کی پیدائش کا تھا تو یہودیوں نے مسیح کو تسلیم نہ کرکے بتا دیا کہ وہ اس کی معجزانہ پیدائش کے قائل نہیں - ظاہر ہے کہ دوسری صورت استغفر اللہ نعوذ باللہ مسیح کی ناجائز ولادت کی ہو سکتی تھی - لیکن مسیحؑ کو کبھی ہیکل میں داخل ہونے سے نہیں روکا گیا - بلکہ عہدنامہ جدید گواہ ہے کہ مسیحؑ ہیکل میں بڑے بوڑھوں سے باتیں کرتے تھے نہ ہی مریمؑ پر کوئی حد جاری کی گئی - اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہودی نہ تو مریمؑ پر بدکاری کا کوئی الزام دھر پائے نہ انہوں نے مسیحؑ کو نعوذ باللہ ناجائز اولاد سمجھا - وہ ان کو اسی طرح کا انسان ہی سمجھے جیسا کہ دوسرے لوگ ہوتے ہیں تبھی ان کو بقول اہلِ یہود دعوئ الوہیت یا ابنیت پر لائق سزا ٹھہرایا -

مزید برآں یہاں یہ تو دیکھیں کہ یہ باتیں قرآن پاک کہہ کیوں رہا ہے؟ اللہ تعالےٰ نے اس کے آخر میں کہا ہے ذالك عيسى ابن مريم قول الحق الذى فيه يمترون - ماكان لله ان يتخذ من ولد سبحنه - اذا قضى امرا فانما يقول له كن فيكون - یعنی یہاں اللہ تعالےٰ عیسائی عقیدہ ابن اللہ کو غلط کہہ رہے ہیں اور حضرت عیسےٰؑ کی بشریت کا اثبات کر رہے ہیں - اگر بن باپ کی بات کا ہی اثبات تھا تو پھر ظاہراً عیسائی عقیدہٗ ابنیت کی تکذیب کس طرح ہوئی؟

بعض دیگر انبیاء کے حالات بیان کرتے ہوئے مودودی صاحب نے وہی باتیں لکھی ہیں جو پرانے مفسّر پہلے ہی بیان کر چکے ہیں - اس طرح اس پہلو میں بھی ہمیں کوئی تحقیقی اضافہ نظر نہیں آتا ہمارا مطلب ہے کہ یہاں بھی ہمیں پرانے مفسرین ہی کی روش کا تتبع تفہیم القرآن میں نظر آتا ہے اسرائیلیات نے جس طرح ہمارے مفسرین کو متاثر کیا ہے اس پر تو کتابیں لکھی جا سکتی ہیں لیکن خود اسرائیلیات میں جس طرح جھوٹ اور سچ باہم خلط ملط ہو گئے ہیں اس کا خیال رکھنا ایک ہوشمند مفکر و مفسّر قرآن کا فرض ہے کیونکہ انہی اسرائیلی روایات نے انبیاء کے کردار پر بہت سے بدنما دھبے لگا دیئے جو صریحاً عصمت انبیاء کے خلاف ہیں -

ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مودودی صاحب نے گو کوشش تو کی ہے کہ ایسے واقعات کو بیان کرتے وقت انبیاء کے کردار کو بہتر اور صاف دکھائیں لیکن بعض گھناؤنی تفاصیل کے امکان کو واقعتاً درست مان کر ان کی صفائی کی کوشش چنداں کامیاب ثابت نہیں ہوئی - حالانکہ ان تفاصیل کو درست مان لینے کی کوئی وجہ نہیں - محض اس لئے کہ وہ یوں ہی شہرت پا گئی ہیں اُن میں کچھ نہ کچھ درست ہوگا کا مفروضہ چاہے ذہن کو کتنا ہی مرغوب ہو ضروری نہیں کہ حقیقت بھی اسی طرح ہو - مثلاً حضرت داؤد علیہ السلام ہی کے واقعات کو لیں - وہ ایک اولوالعزم نبی تھے ان کے حضور دو آدمی ننانوے دنبیوں والا مقدمہ لے کر آئے جو قرآن پاک میں مذکور ہے - بدقسمتی سے ایک کہانی اسرائیلی روایات میں بھی بیان ہوتی چلی آئی ہے جو کچھ اس انداز کی ہے کہ کسی نبی کے کردار میں اس کا وقوع کسی طرح بھی ممکن نہیں - ورنہ وہ نبی نبوت کے مقام پر نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالےٰ خود انبیاء کو مقامِ عصمت پر رکھتے ہیں - مودودی صاحب کو اصرار ہے کہ اس اسرائیلی کہانی کی کچھ نہ کچھ اصل ضرور ہوگی تبھی تو اسرائیلی روایات نے اسے نقل کیا ہے وہ یہ ضرور کہتے ہیں کہ واقعہ من و عن درست نہ ہوگا لیکن کچھ نہ کچھ درست ضرور ہوگا - چنانچہ اپنے ذہن سے پھر خود ہی واقعہ کی تفصیلات اور اندازاً ممکنات کا ایک ہیولیٰ بُن لیتے ہیں کہ :-

"اصل واقعہ جو قرآن مجید کے مذکورہ بالا بیان سے صاف سمجھ میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اُوریاہ (جو کچھ بھی اس شخص کا نام رہا ہو) سے محض یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور چونکہ یہ خواہش ایک عام آدمی کی طرف سے نہیں بلکہ ایک جلیل القدر فرمانروا اور ایک زبردست عظمت رکھنے والی شخصیت کی طرف سے رعایا کے ایک فرد کے سامنے ظاہر کی گئی تھی اس لئے وہ شخص کسی ظاہری جبر کے بغیر بھی اپنے آپ کو اسے قبول کرنے پر مجبور پا رہا تھا" (تفہیم القرآن جلد چہارم صفحہ ۳۲۸)

مودودی صاحب نے یہ جو لکھا ہے کہ "قرآن مجید کے مذکورہ بالا بیان سے صاف سمجھ میں آتا ہے" یہ قرآن پاک پر بہت بڑی زیادتی ہے - قرآن پاک میں کہاں وہ بیان ہے جو مودودی صاحب نے اُوپر نقل کر دیا ہے حالانکہ اسی حاشیہ کی ابتداء میں انہوں نے لکھا ہے :-

"اس قصّے اور اس کی شہرت کی موجودگی میں یہ ضرورت باقی نہ تھی کہ قرآن مجید میں اس کی کوئی تفصیل بیان کی جاتی - اللہ تعالےٰ کا یہ قاعدہ ہے بھی نہیں کہ وہ اپنی کتاب پاک میں ایسی باتوں کو کھول کر بیان کرے اس لئے یہاں پردے پردے ہی میں اس کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ اصل واقعہ کیا تھا اور اہلِ کتاب نے اسے بنا کیا دیا ہے" (تفہیم القرآن جلد چہارم صفحہ ۳۲۸)

آپ اُوپر کے دونوں اقتباسات جو دراصل متصلاً ایک دوسرے کے آگے پیچھے ہیں خود ایک دوسرے کی نقیض ہیں ایک طرف تو کہہ رہے ہیں قصّہ کی شہرت کے باعث ایسے قصّے کی تفصیلات قرآن میں نہیں - پردے پردے کا اشارہ ہے - اور پھر خود ہی ایک بیان بھی درج کر دیتے ہیں جو بہت صاف ہے حالانکہ قرآن پاک میں نہ اوریاہ نہ کسی اور کی بیوی کا ذکر یا اشارہ ہے نہ حضرت داؤد کی کسی خواہش نفس کو بیان کیا گیا ہے - پھر یہ کتنی بڑی جسارت ہے کہ کہا جائے :-

"مفسرین کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو ٹھیک بات تک پہنچا ہے اور قرآن کے واضح اشارات سے قصّے کی اصل حقیقت پا گیا ہے کہ حضرت داؤد نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا تھا کہ اس عورت کے شوہر سے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ اپنی بیوی کو میرے لئے چھوڑ دے -"

(تفہیم القرآن جلد چہارم صفحہ ۳۲۹)

قرآن پاک کے واضح اشارے ہمیں تو نظر نہیں آئے - اور اگر بالفرض اسرائیلیوں کے ہاں یہ قصّہ ہی درج نہ ہوتا اور جس طرح کی شہرت بقول مودودی صاحب کے اسے حاصل ہو گئی نہ ہوتی تو کیا ان اشاروں سے جن میں مودودی صاحب واضح کہہ رہے ہیں اُسے بُنا جا سکتا تھا؟ ہرگز نہیں - پھر اس بات کو تو سوچئے کہ اس "جلیل القدر فرمانروا" اور "اس زبردست دینی عظمت رکھنے والی شخصیت" کا آپ پر کیا تاثر پڑتا ہے جو ننانوے بیویوں یا بقول مودودی صاحب "متعدد بیویوں" کے باوجود ایک اور کی منکوحہ کو حاصل کرنے کے لئے اُسے کہتا ہے کہ اپنی بیوی کو چھوڑ دے تاکہ میں اس سے شادی کر لوں - "ایسے جلیل القدر فرمانروا" کی رعایا کی عزّت و عصمت ایسے فرمانروا سے کیسے محفوظ ہوگی - کیا اس پر بھی غور کیا گیا ہے - کیا کسی نبی کا چلن ہے کہ وہ اپنی دنیاوی اور دینی عظمت کو اپنی نفس کی خواہش کے لئے استعمال کرے چاہے وہ بالواسطہ ہی سہی - (باقی ــــ باقی)

---

ذرِ دل جاتا رہا اِک رسم دیں کی رہ گئی + پھر بھی کہتے ہیں کہ کوئی مصلح دیں کیا بکار
راگ وہ گاتے ہیں جن کو آسماں گاتا نہیں + وہ ارادے ہیں کہ جو ہیں برخلاف شہریار
(حضرت مسیح موعودؑ)

# شیخ عبدالعزیز بن صالح امام مسجد نبویؐ کے حالیہ بیانات

ذیل میں ہم اُن بیانات کے اقتباسات چار روزناموں "نوائے وقت" "مشرق"، "امروز" اور "پاکستان ٹائمز" سے من و عن بمعہ ان کے عنوانات کے قارئین کرام کے غور کیلئے پیش کرتے ہیں شیخ عبدالعزیز بن صالح نے اپنے حالیہ دورہ پاکستان میں مختلف مقامات پر دیئے۔ ان پر تبصرہ ہم آئندہ اشاعت میں پیش کریں گے۔ (ادارہ)

## ۱۔ امروز مؤرخہ ۲۱ فروری و ۲۳ فروری ۱۹۷۶ء

پاک۔ سعودی دوستی کی بنیاد اسلام پر ہے: شیخ عبدالعزیز بن صالح

### "قلم اور علم کے جہاد سے دین کی حفاظت کی جائے"

جامعہ اشرفیہ کے طلباء کو امام مسجد نبویؐ کی تلقین

امروز کے سٹاف رپورٹر سے:۔

"لاہور۔ ۲۰ فروری۔ مسجد نبویؐ کے امام اور مدینہ منورہ کے قاضی القضاۃ شیخ عبدالعزیز بن صالح نے آج جامع اشرفیہ مسلم ٹاؤن میں ایک پُرہجوم استقبالیہ تقریب سے خطاب کرتے ہوئے طالبعلموں پر زور دیا کہ وہ دین کا مکمل علم حاصل کریں تاکہ نئے دور کے تقاضوں سے نمٹا جا سکے۔ انہوں نے مسلمانوں کے درمیان اتحاد کی ضرورت اور اہمیت پر زور دیا۔ اور کہا کہ اتحاد ہی میں اسلام کی حقیقی طاقت پوشیدہ ہے۔ اسلام رنگ و نسل اور ذات پات کی تفریق ختم کرنے اور مساوات اور اتحاد کا درس دیتا ہے۔ طلباء کو چاہیئے کہ وہ اسلام کی عظمت اور سربلندی کے لئے دین کی مکمل تعلیم حاصل کرنے پر پوری توجہ دیں۔

"شیخ عبدالعزیز بن صالح نے کہا کہ طالبعلموں کو اپنی طالب علمی کے زمانے میں ہی باعمل زندگی گزارنی چاہیئے تاکہ آئندہ زندگی میں مجاہدانہ صفات پیدا ہو سکیں۔ مستقبل میں نوجوانوں سے یہ توقع رکھی جائے کہ وہ قوم کی رہنمائی اور قیادت کریں گے۔ نوجوان اس کی تیاری آج ہی سے شروع کر دیں تاکہ دین اسلام کی مخالفت کرنے والوں کے ہر چیلنج کا مقابلہ کر سکیں، انہوں نے کہا کہ ہتھیاروں سے لیس مجاہد مادرِ وطن کا دفاع کرتے ہیں اور قلم اور علم کے جہاد سے دین اسلام کی حفاظت کی جاتی ہے۔ ہم اس حقیقت سے غافل رہے اور اپنی ذمہ داریوں کا آج احساس نہ کیا تو ہمارا دشمن ہماری غفلت سے فائدہ اُٹھا کر حملہ کر دے گا۔ ہم سب کا فرض ہے کہ ہم اسلام کے دشمنوں سے چوکنا رہیں۔"

"مسلمانوں کو بڑی طاقتوں پر انحصار کی بجائے اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیئے"

انجمن شہریان بہبود کے استقبالیہ میں امام مسجد نبوی کی تقریر،

ہم پاکستان کی ہر مشکل کو ذاتی سمجھتے ہیں: شیخ عبدالعزیز

"امروز کے سٹاف رپورٹر سے:۔

"لاہور ۲۲ فروری مسجد نبوی کے امام شیخ عبدالعزیز بن صالح نے کہا ہے کہ مسلمان متحد ہو جائیں تو وہ ایک ایسی عظیم قوت بن سکتے ہیں کہ پوری دنیا میں اس سے بڑی قوت نظر نہیں آئے گی۔ آج شب صنعت و تجارت لاہور کی طرف سے دیئے گئے عشائیہ میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اتحاد عالم اسلامی کی خواہش سے کسی بھی مسلمان کا دل خالی نہیں مگر یہ اتحاد جبھی پائیدار اور مستحکم ہو سکتا ہے اگر اس کی اساس دین پر ہو۔ انہوں نے کہا کہ دشمنانِ اسلام اس چیز سے ڈرتے ہیں کہ مسلمانوں کے دل میں یہ احساس پیدا ہو کہ انہیں دین کی بنیاد پر متحد ہونا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ اگر ہم اسلحہ، سامان اور عددی برتری کی بات کریں تو ہمارا دشمن ان سب باتوں میں ہم سے طاقتور نظر آئے گا لیکن ہمارا، قوت ایمانی ایک عظیم اثاثہ ہے انہوں نے کہا کہ میں مادی قوتوں کا منکر نہیں لیکن جب تک عقیدے اور ایمان کی قوت نہ ہو محض مادی قوت کافی نہیں اور اگر ہماری مادی قوتوں کے ساتھ ایمان و عقیدے کی رُوح ہو تو ہمارے لئے کامیابی ہے۔ انہوں نے کہا ذرا اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد کے حالات کا جائزہ لیں جب اللہ نے ہمیں کمزور سے قوی کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر کسی کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے تو وہ ذات باری تعالےٰ ہے۔ انہوں نے کہا کہ میری دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ مسلمانوں کو متحد کر دے ہم نیک ہو جائیں۔ دِل کی کدورتیں دُور ہو جائیں مسلمانوں کا سربلند ہو۔ قبل ازیں ایوان صنعت و تجارت لاہور کے صدر عبیداللہ شیخ نے معزز مہمان کا خیرمقدم کیا۔ آج شام انجمن شہریانِ لاہور کی جانب سے گلستانِ فاطمہ میں دیئے گئے استقبالیہ میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ دنیا کے مختلف حصّوں میں آج مسلمان جن مشکلات سے دو چار ہیں اگر وہ اللہ پر کامل یقین رکھ کر جدوجہد کریں تو ان کے مسائل حل کرنے کے لئے بڑی طاقتوں پر انحصار نہیں کرنا چاہیئے۔ آج جس رنج و غم اور مشکلات کا سامنا ہے وہ خود ہماری پیدا کردہ ہیں۔

شیخ عبدالعزیز بن صالح نے کہا کہ اللہ کی مدد حاصل کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنی مدد آپ کریں۔۔۔۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہم خدا پر بھروسہ نہ رکھیں اور خدا کے احکام کی پابندی نہ کریں تو ہمیں توقع نہیں رکھنی چاہیئے کہ خدا ہماری مدد کرے گا۔ انہوں نے کہا کہ جہاں تک معاشرہ کی اصلاح کا تعلق ہے اگر ہم پہلے اپنی اصلاح کرلیں تو معاشرہ خود بخود درست ہو سکتا ہے۔ ہر شخص کو اپنی قوم، اپنے ملک اور اپنے اہل و عیال کے بارے میں تمام تر ذمہ داریوں کا احساس کرنا چاہیئے۔

## ۲۔ "نوائے وقت" مؤرخہ ۲۳ و ۲۶ فروری ۱۹۷۶ء

"اُمت مسلمہ کو دوسروں پر انحصار کرنے کی بجائے اپنے مسائل خود حل کرنے ہوں گے: شیخ عبدالعزیز۔

"معاشرے کی اصلاح کے لئے ہر فرد کو اپنی ذمہ داریاں محسوس کرنی چاہئیں۔

"اللہ اور رسول کے احکام سے سرتابی کرنے والوں کو فلاح کی امید نہیں رکھنی چاہیئے۔

"لاہور۔ ۲۲ فروری (سٹاف رپورٹر) مسجد نبویؐ کے امام شیخ عبدالعزیز بن صالح نے آج یہاں لاہور کے شہریوں کی طرف سے دیئے گئے ایک استقبالیہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ معاشرہ کی اصلاح اور صحیح معنوں میں اسلامی معاشرہ کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنی اصلاح کی جانب متوجہ ہو جائے اور اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرے جو اس پر اپنی ذات خاندان قوم و ملت اور مذہب کی طرف سے عائد ہوتی ہیں۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو نکتۂ حق پر مجتمع ہو جانا چاہیئے۔ اور دل و جان سے اتباع رسول کرنی چاہیئے کیونکہ اسی میں ملّتِ اسلامیہ کی فلاح اور ترقی مضمر ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ آج لاہور (پاکستان) میں موجود ہوتے ہوئے بھی خود کو اپنے وطن، گھر اور بھائیوں کے مابین محسوس کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آج مسلمانوں کو درپیش مسائل ہمارے دِلوں کو مغموم کرتے ہیں اور ہم میں سے ہر مسلمان اپنے دوسرے بھائی کا غم، دُکھ درد یکساں طور پر محسوس کرتا ہے۔ آپ نے کہا کہ ہمارے غم کو مایوسی میں تبدیل نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ مایوسی گناہ ہے بلکہ جو دُکھ اور رنج ہمیں پہنچتا ہے وہ اس بات کا محرک ہونا چاہیئے کہ جو مصیبت ہمارے سامنے ہے ہم اس مشکل کو دُور کریں۔ انہوں نے کہا کہ ہم اپنی باہمی صفوں کے تفرقہ کے باعث جو غم محسوس کر رہے ہیں اور جو کچھ محسوس کر رہے ہیں یہ احساس خود کی دلیل ہے کہ ہم زندہ ہیں

اور حالات پر قابو پانے کا جذبہ رکھتے ہیں ۔ انہوں نے کہا کہ ہم اپنے مسائل کے حل کے سلسلے میں اللہ تعالٰے پر بھروسہ رکھیں اور اللہ کی مدد سے مایوس نہ ہوں انہوں نے کہا کہ ہمیں یہ چاہیئے کہ ہم وہ وسائل مہیا کریں جن سے یہ رنج و غم دُور ہو جائے اور ہم خدا کے علاوہ کسی پر بھروسہ نہ کریں ۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت تک کوئی قوت سیاست اور حیلہ گری کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس میں خداوند کریم مددؔ شاملِ حال نہ ہو ۔ انہوں نے کہا کہ ہم پر جو مصیبتیں نازل ہوتی ہیں یہ ہمارے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم کو یہ بھی محسوس کرنا چاہیئے کہ ہمیں ہر حال میں اللہ تعالٰے پر بھروسہ کرنا ہے اور اگر ہم ایسا کریں تو آخری فتح ہماری ہوگی ۔

"امام صاحب نے کہا مسلمان اللہ پر کامل بھروسہ رکھیں ان کے تمام مسائل و مصائب خود بخود ختم ہو جائیں گے اور دشمن پر ان کو بالا دستی حاصل ہوگی۔ انہوں نے کہا دنیاوی طاقتیں اور قوتیں کتنی ہی مضبوط نظر کیوں نہ آئیں ہمیں اپنے مسائل کے حل کے لئے ان طاقتوں پر انحصار نہیں کرنا چاہیئے ۔ اُمتِ مسلمہ کو اپنے مسائل خود حل کرنے چاہئیں

"انہوں نے کہا کہ اللہ تعالٰے نے خود فرمایا ہے کہ اگر تم ہماری مدد کروگے تو خدا تمہاری مدد کرے ۔ آپ نے کہا کہ اللہ ہماری مدد کا محتاج نہیں بلکہ خدا کے احکام کی پابندی ہی در اصل اس کی مدد ہے ۔ لہٰذا ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہمیں جو خوشیاں نصیب ہوتی ہیں یا تکلیفیں پہنچتی ہیں وہ اللہ کی جانب سے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہم خدا پر اعتماد نہ کریں ، اس کے احکام کی تعمیل نہ کریں اور رسُولِ خدا کے احکام بھی نہ مانیں تو پھر ہم کیسے توقع رکھ سکتے ہیں کہ خداوند تعالٰے ہماری مدد کرے گا ۔

"امام مسجد نبویؐ شیخ عبدالعزیز نے اہالئ لاہور کی طرف سے دی گئی دعوت میں جو تقریر کی ۔ اس میں زیادہ تر زور وحدت ملّت اور توکّل علی اللہ پر دیا ۔ اس مجمع میں بھی اکثر علمائے دین موجود تھے اور جامعہ نعیمیہ میں تو تھے ہی اکثر و بیشتر علمائے کرام! امام صاحب تو تشریف لے گئے لیکن محافل علماء میں ان کی تقریروں کی گونج باقی ہے اور فقیر کے دل میں رہ رہ کر یہ سوال چٹکیاں لے رہا ہے ؎

ملّت نے کی ہے دولت وحدت جو اپنی گم — گوشِ عمل میں آئے کہاں سے صدائے تم
عالم ہر ایک اپنی جگہ نائبِ رسُولؐ! — لیکن کہاں ہے نقشۂ رحماءُ بینھم

"جس وحدت اور مرکزیت کی طرف مسلمانانِ لاہور نے خصوصًا اور مسلمانانِ پنجاب نے عمومًا امام مسجد نبویؐ کی آمد اور ان کی اقتدا کے سلسلے میں رُخ کیا تھا ۔ کیا علمائے حق اس رُخ کو برقرار رکھنے میں اپنے فرائض ادا کریں گے ؟ یا وہ حال ہوگا کہ ؎ آندھی بھی تی زنگ و بو کی چڑھی اور اُتر گئی

"علمائے حق کو اس سلسلے میں یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہیئے کہ جس دن امام مسجد نبویؐ لاہور میں جمعہ کی نماز پڑھانے آ رہے تھے اسی دن پاکستان کے ثقافتیوں نے لاہور میں رقص و سرود کی محفل جمائی تھی ۔ ان کا بس چلتا تو شاید وہ عین جمعہ کی نماز کے وقت ہی یہ مجلس جماتے ! لیکن محفل شبینہ تھی ۔ اس لئے رات کو جمائی گئی ! لیکن ہمارے ثقافتئے دین و مذہب کو افیون اور انسان کا نجی معاملہ ہی سمجھتے ہیں ۔ انہیں مسجد نبویؐ کے امام و خطیب سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی ؎

کیا غرض مرکز تسبیح و دُعا قائم ہو + اس پہ مطلب ہے کہ اک اپنی سبھا قائم ہو

## ۳۔ "مشرق مؤرخہ ۲۴ر فروری ۱۹۷۶ء"

"دشمنانِ اسلام مسلمانوں کے اندر اسلامی تعلیمات کے متعلق شکوک و شبہات پیدا کر رہے ہیں ۔

"مسلمانوں کا سب سے بڑا ہتھیار اللہ تعالٰے پر ایمان ہے ۔

طلباء اسلام کا مکمل علم حاصل کریں ، شیخ عبدالعزیز کی تقریر ۔

"لاہور ۔ ۲۲ر فروری (سٹاف رپورٹر) مسجد نبویؐ کے امام شیخ عبدالعزیز بن صالح نے کہا ہے کہ مسلمانوں کے لئے جہاد زندگی میں سب سے بڑا ہتھیار ہے ، جو آپ کا اسلامی عقیدہ خدا پر ایمان ہے ۔ آپ کے دشمن جو سب سے زیادہ خطرناک ہتھیار استعمال کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ آپ کے ذہنوں میں شکوک پیدا کر دیں کہ آپ کا دین رجعت پسند ہے ۔ آپ ترقی کے قافلے کا ساتھ نہیں دے سکے ۔ لیکن اگر آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ آپ کا دشمن آپ کی ترقی نہیں چاہتا ۔

"انہوں نے کہا کہ آپ کا دوسری قوموں سے جو امتیاز ہے ۔ وہ اسلامی عقیدہ ہے دشمن اس کو دلوں سے ختم کرنا چاہتا ہے تا کہ آپ اس عقیدہ سے جو قوت حاصل کرتے ہیں نہ کر سکیں ۔ بس آپ کا دشمن یہی چاہتا ہے ۔ وہ آج یونیورسٹی سینٹ ہال میں شعبۂ عربی ، پنجاب یونیورسٹی کے طلباء اور اساتذہ کے اجتماع میں خطبۂ استقبالیہ کا جواب دے رہے تھے ۔ جو ڈین شعبۂ عربی پنجاب یونیورسٹی ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک نے پیش کیا تھا ۔ شیخ عبدالعزیز نے کہا کہ بظاہر ہمارے وطن اور گھر دُور ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارا گھر ایک ہے ۔ ہم سب بھائی ہیں ، وطن ایک ہے ، میں اپنے آپ کو اپنے بھائیوں ، عزیزوں اور اقرباء میں محسوس کرتا ہوں ۔ برادران عزیز یقین کریں کہ مَیں جو کہہ رہا ہوں یہ الفاظ نہیں میرے دل کی آواز ہے ہم اور آپ ایک ہیں اور آپ نے جو میری عزت افزائی کی ہے میں اپنے اور اپنے ساتھیوں کی طرف سے آپ کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ شیخ عبدالعزیز نے طلباء پر زور دیا کہ وہ اسلام کی مکمل تعلیم حاصل کریں تاکہ وہ سچے مسلمان بن کر دنیا میں اسلام کی عظمتِ رفتہ کو بحال کر سکیں ۔"

## ۴۔ "پاکستان ٹائمز ۔ مؤرخہ ۱۸ر و ۲۲ر فروری ۱۹۷۶ء" (ترجمہ)

"جہاد صرف میدانِ جنگ میں لڑنے تک ہی محدود نہیں ۔ (سٹاف رپورٹر)

"شیخ عبدالعزیز بن صالح امام مسجد نبویؐ نے جمعہ کے روز طلباء پر زور دیا کہ وہ اسلام کا علم حاصل کریں اور اس کے ذریعہ تمام حملوں سے اسلام کی حفاظت کریں ۔ یہ بات امام صاحب نے جامع اشرفیہ کے طلباء کی دعوت پر کہی جو انہوں نے آپ کے اعزاز میں دی ۔ آپ نے فرمایا کہ اسلام میں جہاد محض میدانِ جنگ تک محدود نہیں جس کے لئے اسلحہ کی ضرورت پڑتی ہے ۔ جہاد کی دوسری صورتیں بھی ہیں ۔ ان میں سے ایک قسم جہاد کی وہ ہے جو علم سے لڑی جاتی ہے ۔ جو تکمیل تحصیل علم کے بعد طلباء کو جاری کرنی چاہیئے تاکہ وہ اسلام کے برخلاف تمام حملوں کا دفاع کر سکیں ۔ طلباء پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اسلام کے مخالف جس قدر شکوک و شبہات پھیلائے جاتے ہیں ان سب کا قلع قمع کریں ۔"

"آخری غلبہ اسلام کا ہی ہوگا ۔

"شیخ عبدالعزیز نے علماء کی مجلس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ پیروانِ اسلام کو عارضی طور پر کچھ زک پہنچی ہوگی اس کی اصل وجہ ان کا اسلام کی سچی رُوح پر عمل پیرا نہ ہونا ہوتی ہے ۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ آخری فتح مسلمانوں کو ہی ہوگی کیونکہ خدائے تعالٰے نے وضاحت سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ کامیابی ہمیشہ تقویٰ ، انصاف اور دیانت کی ہی ہوگی ۔

"شیخ عبدالعزیز صاحب نے فرمایا کہ ایمانداروں کو چاہیئے کہ وہ اسلامی اصولوں کی روشنی میں پرانے اور نئے علوم سے واقفیت حاصل کریں اور اپنی روز مرّہ زندگی میں صداقت کو ظاہر کریں تاکہ دنیا کی کوئی طاقت انہیں شکست نہ دے سکے ایک مسلمان کا سب سے بڑا سرمایہ اس کا اسلامی اُصولوں پر محکم ایمان ہے ۔

"آپ نے فرمایا کہ مسلمان عدوانِ اسلام کے منصوبوں کا مقابلہ علم سے ہی کر سکتے ہیں ۔ آپ نے فرمایا کہ دشمنانِ اسلام رات دن دینِ اسلام کو کمزور کرنے میں منہمک ہیں مگر وہ اس میں کبھی کامیاب نہ ہوں گے کیونکہ بد دیانتی اور جھوٹ صداقت اور امانت پر کبھی غالب نہیں آ سکتے ۔

آپ نے فرمایا کہ ایک حدیث نبوی سے یہ امر واضح ہے کہ اسلام کو اس کا کوئی بھی دشمن نقصان نہیں پہنچا سکتا ۔

(باقی بر صفحہ کالم ۔)

پیغام صلح کے رپورٹر کے قلم سے

# یہ لندن ہے

آج کل لندن میں انفلوئنزا نے وبائی شکل اختیار کر رکھی ہے ہر روز بہت سے افراد (زیادہ تر عمر رسیدہ) لقمہ اجل ہو جاتے ہیں۔ سکولوں، کالجوں، فیکٹریوں، دفتروں بلکہ ہسپتالوں میں بھی لوگ بیماری کے باعث حاضر نہیں ہو سکتے۔ آئرلینڈ سے جو تنازعہ چل رہا ہے اس کا اثر لندن کی زندگی پر بھی ہے۔ مرکزی شہر میں بم پھٹنے کے واقعات کی تعداد زیادہ ہوتی جا رہی ہے۔ پہلے سوچی سمجھی سکیم کے ماتحت خاص خاص لوگوں کے گھر نشانہ بنتے تھے۔ اب گاڑیوں۔ سٹیشنوں، دوکانوں غرض کہ جہاں لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے بم کے پارسل رکھ دیئے جاتے ہیں۔ حال ہی میں آکسفورڈ سرکس کے سٹیشن پر ایک سوٹ کیس میں ۱۲ پونڈ وزنی بم رکھا پایا گیا۔ سٹیشن ماسٹر نے موقعہ پر پولیس کو بلا کر اس بم کو پھٹنے سے پہلے ناکارہ کرا دیا۔ ورنہ بہت سا جانی و مالی نقصان ہوتا۔

ان واقعات کے علاوہ لندن کی زندگی کا دوسرا تحفہ مہنگائی ہے۔ ویسے تو دنیا کے سب ممالک اس ہوش ربا گرانی کے شکار ہیں لیکن لندن میں ہر چیز کے نرخ بالا سے بالاتر ہو رہے ہیں۔ ڈاک۔ سفر۔ بجلی گیس۔ زندگی کے سب شعبے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں، بہت سے لوگ بجلی گیس کے بل ادا نہ کرنے کے باعث ان سہولتوں (کنکشنوں) سے محروم کر دیئے گئے اور ان میں سے بعض تو وقت سے پہلے ہی سردی سے ٹھٹھر ٹھٹھر کر اگلی دنیا کو سدھار گئے۔ جب ایسے کیس اِکّا دُکّا کی حد سے بڑھنے لگے تو کونسل والوں کو رحم آ گیا اور انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ بل ادا نہ بھی ہو پھر بھی کنکشن نہیں کٹے گا۔

لندن کا ایک اور مسئلہ جرائم کا بڑھ جانا ہے۔ جس رفتار سے مہنگائی بڑھ رہی ہے اسی رفتار سے جرائم کا (خاص طور پر نوجوانوں میں) اضافہ ہو رہا ہے۔ بعض علاقوں میں رات کے دس بجے کے بعد اکیلے چلنا پھرنا خطرے سے خالی نہیں۔ انڈر گراونڈ (زمین دوز) ریلوے کے سٹیشن تو ایسی وارداتوں کے لئے بہت موزوں ہوتے ہیں۔ لمبے لمبے چھتے ہوئے رستے اور لمبی لمبی سیڑھیاں تنہائی اور دہشت سے بھری ہوتی ہیں۔ ان جگہوں پر اکّا دُکّا مسافر گاڑیوں سے اُتر کر اپنی منزل مقصود کو رواں دواں ہو تو جو کچھ اس کی جیب میں ہے اسے گھر تک بحفاظت نہیں لے جا سکے گا۔ سٹیشن کا سٹاف بھی سب کچھ دیکھتے ہوئے کچھ نہیں کر سکتا۔ ایسے موقعوں پر وہ ٹکٹ پوچھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتے۔ جو شراب خانے ہیں ان کے ارد گرد ماحول میں ذرا کھچاؤ زیادہ ہوتا ہے۔ ابھی حال ہی میں لندن کے پولیس انسپکٹر نے وارننگ دی ہے کہ اگر حالات کی یہی رفتار رہی تو ہمارا "لائف سٹائل" (طرزِ زندگی) عنقریب بدل جائے گا۔

لندن انگلستان کا دل ہے جو حال یہاں ہے اسی کی پیروی دوسرے چھوٹے بڑے شہروں میں ہو رہی ہے۔ جو چھوٹے چھوٹے گاؤں ہیں وہاں قدرے امن ہے۔ لیکن جب ان کے قریب کوئی بڑی فیکٹری تعمیر ہو جاتی ہے یا سیلائٹ ٹاؤن بن جاتا ہے تو حالات بگڑنا شروع ہو جاتے ہیں۔ ٹیلی ویژن کے پروگراموں میں فحاشی کی اشاعت وسیع پیمانے پر جاری ہے۔ آرٹ اور تعلیم کے نام پر ایسی ایسی فلمیں دکھائی جاتی ہیں جن کے خلاف خود انگریز قوم کا ایک طبقہ احتجاج کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ہسپتالوں میں دماغی امراض کے مریضوں میں بھی روز بروز اضافہ ہو رہا ہے اور ہسپتالوں سے باہر ایسے مریض ہوش مند انسانوں کے بھیس میں عام سوسائٹی میں گھومتے پھرتے ہیں۔ کچھ عرصہ کی بات ہے وکٹوریا سٹیشن پر میں کسی کو گاڑی پر چڑھانے گیا تو ایک کیفے ٹیریا میں ایک انگریز اور ہندوستانی میں مارکٹائی کا ہنگامہ دیکھا۔ لوگ [illegible] سے لگ سہمے سہمے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر [illegible] پہنچی تو دونوں کے بیانات لے کر چھوڑ دیا۔ جب تک [illegible] کے نزدیک ایسے کیس زیادہ قابلِ توجہ نہیں۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ انگریز [illegible] دماغی عارضہ میں مبتلا ہے لیکن اسے کھلی اجازت تھی کہ خواہ مخواہ لوگوں کے سر چڑھتا پھرے۔

زندگی کے ہر شعبے میں تشدد ایک وبائی شکل اختیار کر رہا ہے۔ سردیاں گذر جائیں گی تو انفلوئنزا کی وبا خود بخود جاتی رہے گی لیکن جرائم کی وبا کے لئے کوئی موسم نہیں یہ ہر موسم میں پھلتے پھولتے رہتے ہیں۔

# شیخ عبدالعزیز بن صالح

(بقیہ بسلسلہ صفحہ ۱۰)

"آپ نے فرمایا کہ دشمنانِ اسلام اب اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو ان کے عظیم دین اور ایمان سے برگشتہ کر دیں کیونکہ ان کا یہ خیال ہے کہ اگر کبھی مسلمانوں کو اپنے دین کے بارہ میں شکوک و شبہات پیدا ہو گئے تو اسلام خود بخود کمزور ہو جائے گا۔

"شیخ صالح نے فرمایا کہ صہونیت کو مسلمانوں کے برخلاف عارضی کامیابی حاصل ہوئی ہے اور انہوں نے "بارلیو" قسم کی ناکہ بندی کر کے اسے ناقابلِ تسخیر سمجھ لیا مگر مسلمانوں کے ایک نعرہ اللہ اکبر سے یہ قلعہ ٹوٹ گیا ہے۔

"آپ نے فرمایا کہ یہ فتح بہتر اسلحہ جات سے حاصل نہیں ہوئی بلکہ مصری بھائیوں نے یہ کامیابی دینِ اسلام پر ایمان کے ذریعہ حاصل کی ہے"

# جلسہ سالانہ ۱۹۷۵ء کی تقاریر کے متعلق اظہارِ تحسین

ایک غیر از جماعت دوست مکرم جناب میرزا مسعود بیگ صاحب جنرل سیکرٹری کے نام اپنے خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"جلسہ سالانہ کی تقاریر نے مجھے بہت متاثر کیا۔ ڈاکٹر اللہ بخش صاحب کے عالمانہ لیکچر اسلام کی نشاۃ ثانیہ کو سن کر میرے ایمان کو زندگی ملی۔ موصوف کا انداز بیان اور طرزِ خطاب بھی مسحور کن تھا ...... بعض بزرگان جماعت کے چہروں پر اللہ کی رحمت اور نور برس رہا تھا اور سامعین کے جذبۂ عقیدت و احترام سے بھی میں بڑا متاثر ہوا ............ میں اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ان جیسی ہستیوں کو خدمت و اشاعت اسلام و قرآن کی خاطر طویل زندگی عطا فرمائے" آمین

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ـــــــ مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۷۶ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۲۸ ـــــــ شمارہ نمبر ۱۰

پیسٹ

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر۔ ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۳ | چہار شنبہ ۱۵ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۷ مارچ ۱۹۷۶ء | نمبر ۱۱

## مَلفُوظَات حَضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

# عالی مرتبہ کا نبیؐ جس کے عالی مقام اور تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں

اس میں شک نہیں کہ توحید اور خدا دانی کے متاع رسول کے دامن سے ہی دنیا کو ملتی ہے بغیر اسکے ہرگز نہیں مل سکتی اور اس امر میں سب سے اعلیٰ نمونہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھایا کہ ایک قوم جو نجاست پر بیٹھی ہوئی تھی ان کو نجاست سے اٹھا کر گلزار میں پہنچا دیا اور وہ جو روحانی بھوک اور پیاس سے مرنے لگے تھے اُن کے آگے روحانی اعلیٰ درجہ کی غذائیں اور شیریں شربت رکھ دیئے۔ انکو وحشیانہ حالت سے انسان بنایا۔ پھر معمولی انسان سے مہذب انسان بنایا پھر مہذب انسان سے کامل انسان بنایا اور اسقدر انکے لئے نشان ظاہر کئے کہ انکو خدا دکھلا دیا اور انمیں ایسی تبدیلی پیدا کر دی کہ انہوں نے فرشتوں سے ہاتھ جا ملائے۔ یہ تاثیر کسی اور نبی سے اپنی اُمت کی نسبت ظہور میں نہ آئی کیونکہ انکے صحبت یاب ناقص رہے۔ پس میں ہمیشہ تعجب کی نگہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی جس کا نام محمدؐ ہے (ہزار ہزار درود اور سلام اس پر) یہ کس عالی مرتبہ کا نبیؐ ہے اس کے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں ہو سکتا اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔ افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے اسکے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا وہ توحید جو دنیا سے گم ہو چکی تھی وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اس کو دنیا میں لایا اُس نے خدا سے انتہائی درجہ پر محبت کی اور انتہائی درجہ پر بنی نوع کی ہمدردی میں اس کی جان گداز ہوئی اس لئے خدا نے جو اس کے دل کے راز کا واقف تھا اسکو تمام انبیاء اور تمام اولین و آخرین پر فضیلت بخشی اور اسکی مرادیں اس کی زندگی میں اس کو دے دیں۔ وہی ہے جو سرچشمہ ہر ایک فیض کا ہے اور وہ شخص جو بغیر اقرار افاضہ اسکے کے کسی فضیلت کا دعویٰ کرتا ہے۔ وہ انسان نہیں ہے بلکہ ذریت شیطان ہے کیونکہ ہر ایک فضیلت کی کنجی اس کو دی گئی ہے اور ہر ایک معرفت کا خزانہ اسکو عطا کیا گیا ہے جو اس کے ذریعہ سے نہیں پاتا وہ محروم ازلی ہے۔ ہم کیا چیز ہیں اور ہماری حقیقت کیا ہے، ہم کافر نعمت ہونگے اگر اس بات کا اقرار نہ کریں کہ توحید حقیقی ہم نے اسی نبی کے ذریعہ سے پائی اور زندہ خدا کی شناخت ہمیں اس کامل نبی کے ذریعہ سے اور اسکے نور سے ملی ہے اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات کا شرف بھی جس سے ہم اس کا چہرہ دیکھتے ہیں اسی بزرگ نبی کے ذریعہ سے ہمیں میسر آیا ہے اس آفتاب ہدایت کی شعاع دھوپ کی طرح ہم پر پڑتی ہے اور اسی وقت تک ہم منور رہ سکتے ہیں جب تک ہم اس کے مقابل پر کھڑے ہیں۔

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۱۵-۱۱۶)

محترم شیخ محمد طفیل صاحب (انگلستان)

# ایک عزیز دوست شیخ محمد حسین کی یاد میں

نومبر سنہ ۱۹۴۰ء کی بات ہے جب میں ایم-اے کا طالب علم تھا مرکزی دفتر انجمن میں شیر محمد صاحب اختر مرحوم سے میرے اچھے مراسم تھے۔ اس وجہ سے اکثر میں دفتر میں آتا جاتا رہتا۔ انہی ایام میں چوہدری محمد سعید بھٹہ صاحب مرحوم ایک نرم و نازک نوجوان کو سیالکوٹ سے لے کر آئے جو انجمن کے دفتر میں کام کرنے کا شوق رکھتے تھے۔ یہ شیخ محمد حسین صاحب تھے جو ایک احمدی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ اور جب ایم اے کا امتحان پاس کر کے میں احمدیہ بلڈنگس لاہور میں آ گیا اور عارضی طور پر مجھے دفتر میں اسسٹنٹ لگا دیا گیا، اس وقت شیخ محمد حسین صاحب منیجر "لائٹ" اور مہمانخانہ کے انچارج تھے۔ لیکن گرمیوں میں رات کے سونے کا انتظام مہمانخانہ کی چھت پر تھا۔ شیخ صاحب کی چارپائی بھی قریب ہوتی تھی۔۔ وہ مہمانخانے کا حساب کتاب لکھنے کے بعد سونے کے لئے آتے اور ہمارا وقت اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے میں صرف ہوتا۔ ایک دفعہ انہوں نے کسی ضرورت کے لئے مجھ سے ایک پیسہ مانگا جو میں نے انہیں دے دیا۔ بات آئی گئی ہو گئی۔ دو تین ہفتوں کے بعد وہ حسب معمول شام کو حساب کتاب کر رہے تھے تو برکت باورچی کو ایک پیسہ دیا کہ مجھے دے آئے۔ اور کہا کہ طفیل صاحب کو کہنا کہ ان کا قرض ختم ہو گیا۔ مجھے ان کا یہ رُوکھا سُوکھا رویہ بہت ناگوار گذرا کہ ایک پیسے کو واپس کرنے کی انہوں نے زحمت کی۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ مالی معاملات میں یہی کھرا پن ان کی عادت تھی۔ بعد میں انہیں انجمن کے خزانے کا امین اور محافظ بنایا گیا اور ان کے حساب رکھنے پر کسی کو کبھی حرف گیری کرنے کا موقعہ نہیں ملا۔

ان دنوں ہم نے شبان الاحمدیہ تنظیم کے تحت ہر ہفتہ اجتماعات کا پروگرام شروع کر رکھا تھا۔ اطفال الاحمدیہ کے نام سے ایک الگ تنظیم تھی۔ اچھا خاصا ہنگامہ رہتا۔ نئے نئے مضامین اور مسائل زیر بحث آتے۔ اور جب میٹنگیں ختم ہو جاتیں مگر ان مسائل پر بحث و تمحیص کا سلسلہ ختم نہ ہوتا۔ کوشش کی کہ شیخ صاحب بھی کبھی تقریر کریں لیکن انہیں حوصلہ نہ ہوتا۔ اگر پبلک میں ان سے کوئی بات کہنے کے لئے کہا جاتا تو ان کا چہرہ ڈر کے مارے یا شرم سے سُرخ ہو جاتا (زندگی کے آخری سالوں میں یہ کیفیت جاتی رہی تھی)

ان دنوں ڈاکٹر شیخ محمد عبداللہ صاحب مرحوم جنرل سیکرٹری تھے انہوں نے کسی معاملہ کی تفتیش کے لئے شیخ صاحب کی ڈیوٹی لگا دی۔ دفتر کے ایک کارکن نے مجھ میں اور شیخ صاحب میں ناچاقی پھیلانے کی غرض سے شیخ صاحب کی خفیہ رپورٹ مجھے دکھا دی جس میں میرا بھی ذکر تھا۔ میں نے اسے پڑھ کر کہا کہ جو کچھ انہوں نے لکھا ہے ٹھیک لکھا ہے۔ ان کے ذمہ ایک کام لگایا تھا جسے انہوں نے دیانت داری سے انجام دیا ہے۔ ان صاحب کو قدرے مایوسی ہوئی۔ لیکن میں نے شیخ صاحب سے کبھی ذکر نہیں کیا کہ ان کی کانفیڈنشل رپورٹ مجھے کسی کارکن نے دکھائی تھی اور نہ ہی میں نے دل میں ان کی اس بات کا بُرا مانا۔

ویسے وہ میرے بہت عزیز دوست تھے بیرونی مشنوں کا حساب کتاب زیادہ تر انہی کو بھیجنا پڑتا تھا۔ جہاں کوئی بات صاف نہ ہوتی یا انہیں سمجھ میں نہ آتی تو فوراً استفسار کرتے اگر میں نے منظور شدہ بجٹ سے زیادہ خرچ کر دیا ہوتا تو اس رقم کو فوراً کاٹ کر معاملہ انجمن میں پیش کر دیتے۔ بعض دوسرے کارکن ایسے معاملات میں ان سے ناراض ہو جاتے لیکن چونکہ مجھے ان کی اُفتاد طبع کا علم ہو گیا تھا میں ان کی پوچھ پرتیت کا کبھی بُرا نہیں مناتا تھا۔

پاکستان بننے کے دن قریب آ رہے تھے اور لاہور میں ہندو مسلم فسادات زوروں پر تھے۔ ہر روز بے گناہ لوگوں کو قتل کیا جاتا اور انکی لاشیں سڑک پر پڑی رہتیں۔ برانڈرتھ روڈ پر ایسے مناظر بارہا دیکھے گئے شیخ صاحب صبح کے وقت جب حالات پُرسکون ہوتے تو احمدیہ بلڈنگس کے ارد گرد چکر لگا کر یہ ضرور پتہ کرتے کہ گذشتہ رات کتنے حادثات ہوئے ہیں۔ اور پھر آکر پوری رپورٹ اپنے دوستوں کو سناتے احمدیہ بلڈنگس کے ساتھ رام گلی لگتی تھی جو ہندوؤں کا محلہ تھا۔ ان ایام میں ان دو علاقوں میں کھچاؤ کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ دونو علاقوں کے باشندوں کو ایک دوسرے کے حملے کا خوف رہتا۔ بلکہ چودھری فضل حق صاحب مرحوم ایک دفعہ رام گلی سے گذر رہے تھے کہ کسی نے ان پر تیزاب پھینکا جس سے ان کے کوٹ کا حصّہ جل گیا لیکن چہرہ اور ہاتھ بچ گئے۔ احمدیہ بلڈنگس کے قریب موچی دروازہ تھا لیکن بیچ میں سڑک اور میدان تھا اور رات کو کرفیو بھی لگتا تھا۔ اس لئے اگر ہم پر حملہ ہوتا تو اس علاقے کے مسلمانوں کا ہماری مدد کو پہنچنا مشکل تھا۔ اور ہمارا ان کو اطلاع پہنچانا بھی مشکل تھا۔ اس کی صورت یہ تجویز کی گئی کہ اگر ایسا خطرہ پیدا ہو جائے تو احمدیہ بلڈنگس سے ایک ڈھول بجا دیا جائے جس کی آواز کو سُن کر ایک فاصلے پر دوسرے رضاکار ڈھول بجا دیں اور اس طرح موچی دروازہ کے مسلمانوں کو علم ہو جائے گا کہ احمدیہ بلڈنگس پر حملہ ہو گیا ہے۔

ہم لوگوں نے مختلف ناکوں پر پہرہ لگانے کی باریاں مقرر کر لیں دو رضاکار ووکنگ مُسلم مشن کی چھت پر پہرہ دیتے اور اسی طرح دوسرے ناکوں پر بھی لوگ خبردار رہتے تھے۔ شیخ صاحب کہنے لگے مجھے بھی کوئی ڈیوٹی دی جائے۔ ہم نے سوچا ان کے سپرد کوئی ہلکا سا کام کرنا چاہیئے۔ ان کے کمرے کے باہر ایک ڈھول رکھ دیا کہ اگر حملہ ہو جائے تو وہ اس ڈھول کو بجا دیں۔

ایک رات کا ذکر ہے کہ کوئی ایک بجا ہوگا رام گلی کی طرف سے کچھ شور وغُل ہوا اور وہاں سے بعض لڑکوں نے ایک دو نعرے لگائے اس پر ہم سب ہوشیار ہو گئے کہ اس طرف سے کچھ گڑبڑ ہونے والی ہے ابھی ہم لوگ بستروں سے اُٹھ ہی رہے تھے کہ مہمانخانے سے ڈھول بجنے کی آواز آئی۔ پھر اس آواز کا اشارہ پا کر دوسری نکڑ پر ڈھول بجنا شروع ہوا بس پھر کیا تھا دس پندرہ منٹوں کے اندر اندر موچی دروازے سے سینکڑوں نوجوان لاٹھیاں اور چاقو لیکر رینگتے چھپتے چھپاتے احمدیہ بلڈنگس کی اس گلی میں آ گئے جس کا سرا رام گلی سے ملتا تھا۔ اور بڑے زور سے اللہ اکبر اور یاعلی یاعلی کے نعرے لگانے شروع کر دیئے ہم نے سمجھا واقعی کوئی حملہ ہو گیا ہے اس لئے ہم بھی اپنے ڈنڈے سنبھال کر (جو چار چار آنے میں خریدے تھے) اور سر پر مفلر اور کپڑے لپیٹ کر گلی میں نکل آئے۔ لیکن رام گلی کی طرف سے نہ کوئی جواباً نعرہ لگا اور نہ لوگ مقابلے کے لئے نکلے۔ کوئی آدھ گھنٹہ تک اسی طرح گہما گہمی رہی۔ لیکن رام گلی میں ہُو کا عالم طاری تھا۔ اتنے میں کسی نے خبر دی کہ فوج آ رہی ہے اس لئے لوگ جلدی جلدی تتر بتر ہو گئے۔ باقی رات سرگوشیوں میں جاگ کر گذری۔ (باقی ـــــ باقی)

---

## قلمی معاونین سے ایک مؤدبانہ گذارش

ادارہ پیغام صلح اپنے قلمی معاونین کا مشکور ہے کہ وہ اپنی جماعت کے ہفت روزہ ترجمان کی معاونت فرماتے ہیں لیکن ان سے یہ مؤدبانہ گذارش ہے کہ وہ اپنے مضامین میں کتب اور اشعار کا حوالہ دیتے وقت اصل تحریرات اور اشعار کا ملاحظہ فرما لیا کریں۔ کیونکہ ہمارے نوٹس میں اکثر یہ بات آئی ہے۔ کہ اقتباسات اور اشعار میں کچھ غلطیاں رہ جاتی ہیں۔ جن کا قارئین پر اچھا اثر نہیں پڑتا۔

(ادارہ)

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۷۶ء

# اگر خواہی دلیلے عاشقش باش
# محمدؐ ہست برہانِ محمدؐ

اسلامی کیلنڈر کا ماہ ربیع الاوّل اس خصوصی امتیاز کا امین ہے کہ اسی میں نسلِ انسانی کے محسنِ بے نظیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اس وقت تشریف لائے جب کائنات کی ہر چھوٹی بڑی بستی - خشکی و تری - بحر و بر پر گناہ - فسق و فجور - ظلم وستم - جور و جفا اور استحصال کی تاریک گھٹائیں چھا رہی تھیں - انسانیت جسے تقویم احسن پہ تخلیق کیا گیا تھا اپنی عظمت و شرافت اور اخلاق و کردار کی اقدار سے بے نیاز اپنے خالقِ حقیقی سے ناآشنا کہیں دُور دِل و نگاہ پر پردے ڈالے محوِ خواب غفلت تھی - کفر و شرک کے اس مہیب و بھیانک دَور میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دُعا "اے ہمارے ربّ! اور ان میں انہی میں سے ایک رسُول اُٹھا جو ان پر تیری آیات پڑھے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھلائے اور ان کو پاک کر دے" اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کی یہ پیشگوئی کہ "اور ایک رسُول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمدؐ ہے" پُوری ہوئی اور یہ خوش نصیبی و خوش بختی عرب کی پیاسی سرزمین کے حصہ میں آئی - سرزمین مکّہ اس سعادت پر جتنی بھی نازاں ہو کم ہے - جس ہستی پر خُدا اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہوں اس کے دامن سے وابستہ ہونے کی توفیق جس قوم کو ملی اس کی خوش قسمتی کی بھی کوئی انتہاء نہیں - لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہم نے آپؐ کی اس تعلیم کو لفظاً اور معناً اپنا مقصد حیات بنایا ہے جو آپ کی بعثت کی غایت اولیٰ تھی -

اس مہینہ کی پہلی تاریخ سے ۱۲ ربیع الاوّل تک آپؐ کے حضورؐ نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کے لئے میلاد کی محفلیں منعقد کی جاتی ہیں - آپؐ پر درود و سلام بھیجا جاتا ہے - نعتیں اور قوالیاں ہوتی ہیں تحریروں اور تقریروں کے ذریعے آپؐ کے حُسنِ ظاہری اور باطنی کا بیان ہوتا ہے جلسے اور جلوس ہوتے ہیں، آپؐ سے عشق و محبت کے اظہار کے لئے جو طریقہ بھی کسی کو موزوں نظر آتا ہے اختیار کیا جاتا ہے - (اس بار تو بین الاقوامی سیرت کانگرس بھی منعقد کی گئی ہے) لیکن ہم اپنے عزم و ہمت کے اس عجز و بے بسی اور علمی کوتاہ دامنی کا اعتراف کرنے پر مجبُور ہیں کہ جن کے لئے اللہ تعالےٰ نے "وانك لعلٰی خلق عظیم (۶۸-۴)- اور "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" (۳۳-۲۱) فرمایا اور اپنا وہ قرب عطا فرمایا جس کا پانا کسی انسان کے لئے قیامت تک ممکن نہیں - ہمارا قلم ان کی بے مثال شخصیت کے مختلف پہلوؤں میں ایسے جاذب نظر - دلکش و دلآویز رنگ بھر سکے کہ قارئین کے دل و نگاہ اور سوچ و فکر کی دُنیا بدل جائے - اور ان کی زندگیوں میں ایسا انقلاب برپا ہو جائے کہ وہ زمان و مکان کی حدود پھلانگ کر "ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ" (۳-۳۱) کے راز سے آشنا ہو جائیں - حال اور قال میں بڑا فاصلہ ہے - اس خلیج کو پاٹنے کے لئے اپنے آپ سے بھی بے نیاز ہونا پڑتا ہے - حال ہی عشق و محبت کے بیان کی زبانِ خاموش ہے - تبھی تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا تھا :-

اگر خواہی دلیلے عاشقش باش
محمدؐ ہست برہانِ محمدؐ

جس کی دلیل اس کے سوائے اور کوئی نہیں کہ اس کے عشق میں فنا ہو جائیں - اس کی محبّت کی آگ میں جل جائیں پھر یہ کھلے گا کہ محمدؐ کون ہیں؟ اور ان کا مقام کیا ہے - جنہوں نے اس پہ عمل کیا وہ ان انعامات کے وارث بھی ہوئے جن کا ان کو وعدہ دیا گیا تھا - پہاڑ بھی ان کی ہیبت سے رائی ہوئے اور دریاؤں نے بھی رستہ دیا - مگر آج!

آج جب علماء - فقہاء اور مفکرین اسلام محراب و منبر اور دوسرے پلیٹ فارمز سے پکارتے ہیں کہ اسلام ساری انسانیت کا مذہب ہے اور دنیا کے مسائل کا حل اسی میں ہے تو مستشرقین اور سائنسدان یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اگر یہ دعوے درست اور صحیح ہے تو دنیا کو یہ پیغام دینے والے ۹۰ کروڑ مسلمان خود کیوں ان مشکلات اور مصائب میں گھرے ہوئے ہیں جن سے نجات حاصل کرنے کے لئے دوسروں کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں - ایک ہی نظریہ کے حامی ہونے کے باوجود ایک مسلمان ملک دوسرے مسلمان ملک کے خلاف کیوں برسرِ پیکار ہے - وہ تمام سماجی برائیاں جو غیر مسلم ممالک میں پائی جاتی ہیں یہ خود ان کا شکار کیوں ہیں - (وہ کونسی بُرائی ہے جو پاکستان میں نہیں پائی جاتی) ان ظاہری حالات کو دیکھتے ہوئے ایسے مفکرین یہ نتیجہ اخذ کرنے میں اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے ہیں کہ اسلام میں اگر کوئی وصف و سہولت تھی بھی تو پہلی صدی ہجری کے پہلے نصف میں ہی زوال پذیر ہو کر آہستہ آہستہ دم توڑ گئی - اگر یہ دین کامل دین ہوتا تو ہر زمانے میں نہ صرف مسلمانوں کے بلکہ تمام دنیا کے مسائل کا حل پیش کرنے کا اہل ہوتا - اگر یہ کہا جاتا ہے کہ مسلمان سامراجی طاقتوں کے استحصال کا شکار رہے ہیں تو یہ بھی پُوچھا جا سکتا ہے کہ آخر وہ کونسے عوامل تھے جنہوں نے مسلمانوں کو اس تیزی سے سامراجیت کی گود میں ڈال دیا - علامہ اقبال نے فرمایا ہے ؎

کی وفا تو نے محمدؐ سے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

معلوم ہوا کہ محمد صلعم کی قوم نے محمد صلعم سے وفا نہ کی - نہ انہیں یہ جہاں ملا اور نہ وہ لوح و قلم کے مالک ہوئے - آپؐ سے وفا کیا تھی: قرآن و سنّت سے وفا - قرآن کریم آپؐ کا سب سے بڑا معجزہ ہے اس میں آج بھی مُردوں کو زندہ کرنے کی شان اور قوّت اسی طرح موجود ہے جس طرح آج سے ۱۴۰۰ سال پہلے تھی - اور اس نے مُردوں کو زندہ کر کے دکھایا ہے - یہ زندگی قلب و نظر کی زندگی ہے جو خدا سے ہم کلام کرتی ہے اور جس کے بعد دنیا کی جاہ و حشمت خود بخود قدموں میں آ گرتی ہے - قرآن کریم کی تاثیرات کے متعلق خود اس میں یوں ارشاد ہوا ہے "(اگر کوئی قرآن ایسا ہو سکتا ہے تو وہ یہی ہے) جس سے مردوں سے باتیں کی جائیں (یعنی مردے جی اُٹھیں)" کیا عرب کی مردہ زمین سے ایسے زندہ انسان پیدا نہ ہوئے تھے - لیکن اَب قولاً اور فعلاً یہ ثابت کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں کہ اس کے تمام کمالات ختم ہو چکے اور اس کی تعلیم پر چلنے سے کوئی شخص ایسا باخُدا نہیں ہو سکتا کہ اس پہ اللہ تعالےٰ اپنی ہستی کے راز منکشف کر دے - اور جو لوگ یہ مانتے ہیں انہیں کافر اور دائرہِ اسلام سے خارج قرار دیا جاتا ہے - پھر بتایئے وہ مذہب جس کا خدا زندہ نہیں - جس کا رسول زندہ نہیں اور جس کتاب پر عمل کرنے سے کسی کی زندگی نہیں سنورتی اسے ماننے سے کیا حاصل - یہی بنیادی وجہ ہے کہ مسلمان اپنے رستے سے بھٹک گیا ہے - اور ذہنی کشمکش - نظریاتی اُلجھن اور بے اطمینانی کا شکار ہے - یہی ان قوموں کا مقصد ہے جو اسلام کو ۱۴۰۰ سال پرانا - فرسودہ اور ناقابل عمل مذہب بتانے کی خفیہ سرگرمیوں میں مشغول ہیں اور نوجوان طبقہ کو کسی حد تک اس سے دُور لے جانے میں کامیاب بھی ہو گئے ہیں - جو تحریکیں اسلام کے نام پر ایوان اقتدار تک پہنچنے کی تگ و دَو کر رہی ہیں ان کے قول و فعل اور اسلام کی من پسند تشریحات میں اتنا تضاد ہے

کہ وہ موجودہ زمانے کے مسائل کا کوئی قابلِ قبول حل قرآن کی روشنی میں پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ اس لئے کہ ان کی اپنی زندگیوں کا اوڑھنا بچھونا قرآن شریف نہیں اور نہ وہ مطہر ہیں کہ اس کے دقیق در دقیق معارف پر اطلاع پاسکیں اسی لئے ہر زمانے میں خدا کے ایسے فرستادوں کی ضرورت رہی ہے کہ ان کا اپنا عمل قرآن کریم پہ ہو اور وہ اپنے وجود سے اس امر کی شہادت دے سکیں کہ اس کتاب پر عمل کرنے والا خدا کے ہاں بڑے معزز مقام کا مالک ہوتا اور زمانے کے مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ انہی لوگوں کو مجدد [illegible] ہے۔

کہتے ہیں ہمارے لئے قرآن بس ہے اور ایسے مصلحین کی اس کے بعد کوئی ضرورت نہیں۔ اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں کہ قرآن خاتم الکتب سماوی ہے اور اس کے فیوض و برکات سے نسلِ انسانی قیامت تک بہرہ ور ہوتی رہے گی۔ مگر قرآن تو اہلِ کتاب کو بھی دعوت دے کہ ایک قدرِ مشترک یعنی اللہ کی عبادت اور اس کی توحید پر اکٹھے ہوجائیں اور یہاں مسلمان کی گولی مسلمان کے سینے میں پیوست ہو۔ (تحفظ ختم نبوت کے بعد اب تحفظ کلمہ کی تحریک چلانے کی کوشش جاری ہے اور "سُنّی بیدار ہوجا" کے نام سے ایک سائیکلو سٹائل خط چکوال کی مسجد کے واقعہ کے بارے میں تقسیم کیا جا رہا ہے)۔ قرآن تو شراب۔ جُوا اور شرک سے اس لئے منع کرے کہ وہ خدا سے تعلق کی راہیں مسدود کر دیتے ہیں مگر یہاں بڑے اہتمام کے ساتھ شراب اور جُوئے کی محفلیں سجائی جاتی ہوں اور صوفیا اور اولیاء کے مزاروں پر خلاف شرع کارروائیاں ہوتی ہوں۔ قرآن تو بدکاری کے قریب جانے سے بھی روکے اور یہاں ہر گلی کوچہ میں قحبہ خانے قائم ہوں۔ قرآن کم تولنے اور ماپنے اور لوگوں کو چیزیں کم دینے سے منع کرے اور اس گناہ کو ایک قوم کی تباہی کا سبب قرار دے اور یہاں اس کا بازار اس حد تک گرم ہو کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بستی مدین میں بھی ایسا نہ ہوا ہوگا۔ قرآن تو قتل وفساد سے روکے اور یہاں قتل وغارت بچوں کا کھیل ہو۔ غرض قرآن کے ہر امر کو نہی اور ہر نہی کو امر میں بدلا جا رہا ہو تو اس لسان وقلب کے بعد اور ایمان وعمل کے تفاوت کو ہم کیا نام دیں؟ البتہ قرآن کریم خود اس پر ان الفاظ میں روشنی ڈالتا ہے:-

"اور لوگوں میں سے ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور وہ مومن نہیں۔ وہ اللہ کو اور ان کو جو ایمان لائے دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ اور سوائے اپنے آپ کے (کسی کو) دھوکا نہیں دیتے اور وہ سمجھتے نہیں۔ ان کے دلوں میں بیماری ہے سو اللہ نے ان کی بیماری کو بڑھایا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے اس لئے کہ جھوٹ بولتے تھے۔ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو کہتے ہیں ہم ہی تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ یقیناً یہ خود ہی فساد کرنے والے ہیں پر سمجھتے نہیں"۔ (۲-۸ تا ۱۲)

ایسے میں کیا انسانوں کو اپنے نفس کے دھوکا اور عذاب سے بچانے اور امراض قلوب سے شفا دینے۔ اور فساد کو امن میں بدلنے کے لئے کسی [illegible] اہل اللہ اور عامل قرآن کی ضرورت نہیں جو اندھوں کو بصیرت اور عقل وشعور کو روشنی دے سکے۔ اور زندہ خدا۔ زندہ رسولؐ اور زندہ کتاب کی شہادت دے سکے۔

حضرت مرزا غلام احمدؐ صاحب قادیانی مجدد صدی چہاردہم کے ساتھ آپ کو بغض وعناد ہی سہی۔ ذرا حضرت مجدد الف ثانی سرہندیؒ کے الفاظ سنتے جلیئے:- "اور یہ بھی جاننا چاہیئے کہ ہر صدی کے سر پر مجدد ہوتا ہے لیکن صدی کا مجدد [illegible] ہزار کا مجدد اور ......

جیسا کہ سو اور ہزار کے درمیان فرق ہے ایسا ہی ان کے مجددین میں بھی فرق ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ اور مجدد وہ ہوتا ہے کہ جس قدر اس مدت میں فیض و برکات امت کو پہنچتے ہیں اس کی وساطت سے پہنچتے ہیں اگرچہ اس وقت اقطاب اور اوتاد اور ابدال اور نجباء موجود ہوں"۔ (ترجمہ مکتوب ۴ جلد ثانی)

ہمارے خیال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے بڑا اس لئے پیش کیا جا سکتا ہے کہ آپ کی سیرت میں رنگین ہو کر دنیا سے آپ کو زندہ نبی اور قرآن کریم کو زندہ کتاب منوایا جائے ورنہ:-

؏ اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

# اخبارِ احمدیہ

— مکرم شیخ محمد طفیل صاحب لندن سے لکھتے ہیں کہ نجیب اللہ[1] صاحب کی وفات کی خبر پیغام صلح میں شائع ہوچکی ہے ان کا صحیح اور پورا نام الحاج رجب نجیب شیخ تھا۔ یہ مخیر دوست گذشتہ ماہ ہالینڈ میں ہارٹ فیل ہونے سے انتقال فرما گئے۔ آپ بہت عرصہ سے دل کے مریض تھے اور ڈاکٹروں نے سفر اور غیر ضروری مشقت سے منع کر رکھا تھا۔ لیکن آپ اس مشورے کے خلاف ہر کنونشن میں شریک ہونے کی کوشش کرتے۔ ٹرنی ڈاد کی دوسری کنونشن میں شریک ہوئے اور وہاں آکر بیمار بھی ہوگئے۔ پاکستان بھی اپنی اہلیہ سمیت تشریف لائے تھے۔ کبھی کبھی طبیعت بگڑ جاتی لیکن ہمت نہ ہارتے۔ کراچی میں جناب سلیم اور رشیدہ نے اپنے ہاں ٹھہرایا تھا۔ لندن کی کنونشن میں بھی شامل ہوئے۔ یہاں آکر بھی کنونشن کی مصروفیات کے باعث انہیں تکلیف ہوگئی تھی بلکہ ہسپتال بھی لے جانا پڑا تھا۔ دو تین روز کے بعد پھر ٹھیک ہوگئے تھے اور جلسوں میں شریک ہونے لگے۔

ہالینڈ پہنچکر بھی گاہے گاہے فون کرتے رہتے تھے۔ جماعت کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس سال جلسہ سالانہ پر دوبارہ لاہور جائیں اور لنڈن کمیٹی کے سیکرٹری مسٹر حفیظ عزیز کو بھی ساتھ لے جانے پر آمادہ تھے افسوس ان کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی۔ جلیب اللہ صاحب نے ہالینڈ سے انکے انتقال کی خبر سنائی۔ جنازہ سرینام لے جایا گیا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور انکی اہلیہ اور دیگر عزیزوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

**وفات حسرت آیات** } جماعت احمدیہ لاہور کے حلقہ میں یہ افسوسناک خبر بڑے دکھ کا باعث ہوگی کہ ڈاکٹر مبارک احمد صاحب کے بڑے بھائی اور مرحوم شیخ غلام محمد صاحب کے صاحبزادہ شیخ صالح محمدؐ صاحب ۲۷ر فروری بروز جمعۃ المبارک شام کو وفات پاگئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم شیخ صالح محمد صاحب اسم بامسمیٰ تھے۔ نہایت منکسر مزاج، ملنسار اور دینی لگاؤ سے سرشار بہت سی خوبیوں کا مرقع تھے وہ واپڈا کے محکمہ بجلی میں ڈویژنل اکاؤنٹنٹ ایسے اہم منصب پر فائز تھے۔ جماعتی سرگرمیوں میں بڑے شوق سے حصہ لیا کرتے تھے۔ مرحوم نے موت سے ایک ہفتہ قبل اپنے بڑے صاحبزادہ عزیزم ناصر احمد ایم اے لیکچرار گورنمنٹ کالج لاہور کی شادی بڑے چاؤ سے رچائی۔ اور شادی کے انتظامات بہ نفسِ نفیس انجام دیئے۔ مرحوم نے اپنے پیچھے سوگوار ماں، بیوی، دو لڑکے ایک بیٹی چھوڑی ہے۔

مرحوم کی جوانی میں بے وقت موت ان کی والدہ کے لئے عظیم صدمہ ہے ہم مرحوم کی والدہ محترمہ، بیوہ، اولاد، بہنوں اور بھائیوں سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں اور خدا کے حضور دست بدعا ہیں کہ وہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ آمین

خط وکتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ دیں (منیجر)

[1] نجیب اللہ ایک اور دوست ہیں۔ جو بفضلہٖ تعالےٰ زندہ ہیں۔

# امام صاحب مسجد نبویؐ کا اصولہائے تحریک احمدیہ کی صداقت کا علانیہ اعتراف

## گر کفر این بود بخدا سخت کافرم

(حضرت مسیح موعودؑ)

گذشتہ اشاعت میں ہم امام صاحب مسجد نبویؐ کے حالیہ دورۂ پاکستان کے دوران مختلف بیانات کے من و عن اقتباسات چار روزناموں کے حوالوں سے شائع کر چکے ہیں اب ذیل میں ان اقتباسات کی مطابقت ظاہر کرنے کے لئے ایک طرف حضرت بانیٔ سلسلہ اور جماعت احمدیہ لاہور کا مسلک اور اس کے بالمقابل امام صاحب کے بیانات پیش کرتے ہیں تاکہ قارئین کرام خود یہ فیصلہ کر سکیں کہ ان دونوں میں کتنی گہری موافقت موجود ہے امام صاحب کے نزدیک مسلمانوں کی اصل قوت کا راز ان کے باطنی ایمان باللہ اور روز مرہ کے کردار و عملِ صالح میں مضمر ہے۔ "دشمن اسلام" مسلمانوں کو ان کے ایمان و عقیدہ میں کمزور و متزلزل کر کے ان کے انحطاط کا اصل طریق دیکھتا ہے۔ اس کے مقابل مسلمانوں کو لازم ہے کہ دشمن کے شکوک و شبہات کا قلع قمع از روئے قلم و علم کریں جو اسلام میں جہاد کی ایک شکل ہے جس کی آج ضرورت ہے۔

دوسرا امر جس پر امام صاحب نے زور دیا ہے وہ یہ ہے کہ جب مسلمانوں کی حقیقی قوت، ان کے مستحکم ایمان و عمل پر مبنی ہے تو وہ قرآن و سنت کی جانب رجوع کریں۔ جب تک ہر فرد اس بارہ میں اپنی ذاتی ذمہ داری کو محسوس کر کے اپنے کردار میں تبدیلی نہیں کرتا، تب تک اسلام کی حقیقت کا اظہار نہیں ہو سکتا۔

سوال یہ ہے کہ جب عام طور پر وفاتِ مسیحؑ کا عقیدہ مان لیا جا چکا ہے۔ جب یہ بھی تسلیم ہے کہ ہر صدی کے سر پر مجدد کا آنا مطابق حدیث و تعامل اُمت ہے۔ جب "دشمن اسلام" کی نشاندھی بھی ہو چکی، اور اس کے حملوں کے طریقوں سے بھی ہمیں آگاہی ہو چکی ہے اور قلم و علم کا جہاد بھی اسلامی و قرآنی تعلیم مان لیا گیا ہے تو پھر تبلایا جائے کہ جس جماعت نے نصف صدی قبل تکمیلِ دین اور ختم نبوت، نیز اتحاد و اصلاح المسلمین کے مسلمہ طریقوں کو مسلمانوں پر واضح کرنے کے علاوہ "دشمنِ اسلام" کے گھر جا کر ان کو عیسائیت کے بطلان اور دینِ اسلام کی صداقت کا معترف کر کے مغربی ممالک میں علمِ اسلام کامیابی سے گاڑ دیئے ہوں، جب اس نے کفرستانوں میں مساجد تعمیر کر کے وہاں اذانیں دے دیں۔ قرآن کریم کے تراجم شائع کر دیئے، اسلامی مشنوں کے قیام و انصرام کا انتظام کیا گیا، تو کیا ایسی جماعت نے مسلمانوں کو صحیح روشنی عطا نہیں کی اور ان کی سچی رہبری کا حق ادا نہیں کیا؟ اور کیا امام صاحب کے فرمودات اسی تحریک احمدیہ لاہور کی صدائے بازگشت نہیں ہیں؟ کیا اس سے یہ امر پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ گیا کہ دل ہمارے ساتھ ہیں اگرچہ زبانیں انکار کریں؟ - ع :-

تھوڑے نہیں نشاں جو دکھلائے گئے تمہیں + کیا پاک راز تھے جو بتائے گئے تمہیں

غور کرنے کی بات ہے کہ آج سے قریباً ایک صدی قبل کس نے دین اور علم کی لڑائیوں کو دیکھ کر قلم کے ذریعہ اسلام کی فتوحات کی بشارتیں دیں، کس نے دجال اکبر اور یاجوج و ماجوج کی پیشگوئیوں کے راز منکشف کئے؟ کیا ایسا علمِ غیب اور قدرت انسانی بس کی بات ہے یا یہ منجانب اللہ تحریکِ دینِ اسلام کی ندا ہے؟

(ڈاکٹر اللہ بخش)

## حضرت مجدد صد چہاردہم اور جماعت احمدیہ لاہور کا مسلک

**۱- دین کی حمایت میں علم اور قلم اب جہادِ زمانہ ہے۔**

ع صفِ دشمن کو کیا ہم نے بحجت پامال
سیف کا کام قلم سے ہی دکھایا ہم نے (حضرت مسیح موعودؑ)

"یہ مقام دارالحرب ہے پادریوں کے مقابل۔ گر یاد رکھو کہ ہماری حرب ان کے ہم رنگ ہے۔ جس قسم کے ہتھیار لے کر وہ میدان میں آئے ہیں، اسی قسم کے ہتھیار لے کر ہم کو نکلنا چاہیئے اور وہ ہتھیار ہے قلم۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اس عاجز کا نام سلطان القلم رکھا اور میرے قلم کو ذوالفقار علی فرمایا۔" (الحکم ۱۷ر جون ۱۹۰۱ء)

**۲- مادی علوم و سائنس پر علومِ فرقانیہ کی صداقت و فتح کا وقت قریب ہے۔**

ع اک بڑی مدت سے دیں کو کفر تھا کھاتا رہا
اب یقیں سمجھو کہ آئے کفر کو کھانے کے دن (حضرت مسیح موعودؑ)

"اس زمانہ مذہب اور علم کی جو نہایت سرگرمی سے لڑائی ہو رہی جاری ہے اس کو دیکھ کر اور علم کے مذہب پر حملے مشاہدہ کر کے بیدل نہیں ہونا چاہیئے۔ یقیناً سمجھو کہ اس لڑائی میں اسلام کو مغلوب و عاجز دشمن کی طرح صلح جوئی کی حاجت نہیں۔ بلکہ اب زمانہ اسلام کی روحانی تلوار کا ہے۔ جیسے وہ پہلے کسی وقت اپنی طاقت دکھلا چکا ہے یہ پیشگوئی یاد رکھو کہ عنقریب اس لڑائی میں بھی دشمن ذلت کے ساتھ پسپا ہوگا اور اسلام فتح پائے گا۔ حال کے علومِ جدیدہ کیسے ہی زور آور حملے کریں، کیسے ہی نئے نئے ہتھیاروں کے ساتھ چڑھ چڑھ کر آئیں مگر

## امام مسجد نبویؐ شیخ عبدالعزیز بن صالح کے حالیہ بیانات

**۱-** "قلم اور علم کے جہاد سے دین کی حفاظت کی جائے۔ (امروز ۱۷ر فروری)

"ہتھیاروں سے مسلح مجاہد مادرِ وطن کا دفاع کرتے ہیں اور قلم و علم کے جہاد سے دین کی حفاظت کی جائے۔

"طلباءِ دین کا مکمل علم حاصل کریں تاکہ نئے دور کے تقاضوں سے نمٹا جا سکے۔ میدان جنگ کے علاوہ جہاد اسلامی کی دیگر اقسام بھی ہیں اور جہاد کی ایک قسم جہاد بالقلم ہے۔ (پاکستان ٹائمز ۱۸ فروری)

"اس وقت جہاد بالقلم والعلم کی ضرورت درپیش ہے جس کی طرف علماءِ وقت اور طلباءِ دینی کو توجہ دینا چاہیئے کیونکہ دشمن شکوک و شبہات کے ذریعہ مسلمانوں کے ایمان کو کمزور کرنا چاہتا ہے۔

**۲-** "جمعہ کے روز طلباء پر زور دیا کہ وہ اسلام کا علم حاصل کریں اور اس کے ذریعہ تمام حملوں سے اسلام کی حفاظت کریں۔ اسلام میں جہاد محض میدانِ جنگ تک محدود نہیں جس کے لئے اسلحہ کی ضرورت ہے بلکہ جہاد کی دوسری صورتیں بھی ہیں۔ ان میں سے جہاد کی ایک قسم وہ ہے جو علم سے لڑی جاتی ہے جیسے طلباء تحصیل علم کے بعد جاری کریں تاکہ اسلام کے برخلاف تمام حملوں کا دفاع کر سکیں۔ اسلام کے دشمن جس قدر شکوک و شبہات پھیلاتے ہیں طلباء کا فرض ہے وہ ان تمام کا قلع قمع کریں۔

"دشمنانِ اسلام مسلمانوں کے قلوب میں تعلیماتِ اسلامی کے متعلق **شکوک و شبہات** پیدا کر رہے ہیں مسلمانوں کا سب سے بڑا ہتھیار اللہ پر ایمان ہے۔ (مشرق ۲۲ر فروری)

## حضرت مجدد صد چہاردہم اور جماعت احمدیہ لاہور کا مسلک

انجام کار ان کے لئے ہزیمت ہے۔ مَیں شکرِ نعمت کے طور پر کہتا ہوں کہ اسلام کی اعلےٰ طاقتوں کا **مجھے علم** دیا گیا ہے جس علم کی رُو سے مَیں کہہ سکتا ہوں کہ اسلام نہ صرف فلسفۂ جدیدہ کے حملہ سے بچائیگا بلکہ حال کے علومِ مخالفہ کو جہالتیں ثابت کرے گا۔ اسلام کی سلطنت کو ان چڑھائیوں سے کچھ بھی اندیشہ نہیں جو فلسفہ اور طبعی کی طرف سے ہو رہی ہیں۔ اس کے اقبال کے دن نزدیک ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ آسمان پر اس کی فتح کے نشان نمودار ہیں۔ یہ اقبال بھی روحانی ہے اور فتح بھی روحانی۔ تا باطل علم کی مخالفانہ طاقتوں کو اس کی الٰہی طاقت ایسا ضعیف کرے کہ کالعدم کر دے۔" (آئینہ کمالات اسلام)

## ۳۔ ہمارا دعویٰ بجز خدمتِ دینِ اسلام اور کچھ نہیں۔

(حضرت مسیح موعودؑ)

ختم شد بر نفسِ پاکش ہر کمال + لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے<br>
ہست او خیر الرسل خیر الانام + ہر نبوت را برو شد اختتام<br>
ز عشاقِ فرقان و پیغمبریم + بدیں آمدیم و بدیں بگذریم

(حضرت مسیح موعودؑ)

"جاننا چاہیئے کہ خدا تعالےٰ نے **اپنی تمام نبوتوں اور رسالتوں کو قرآن شریف اور آنحضرت صلعم پر ختم کر دیا ہے**۔ اور ہم **محض دینِ اسلام کے خادم بن کر آئے ہیں**، نہ اس لئے کہ اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور دین بنائیں ........ اسلام سے سچی محبت رکھنی چاہیئے اور آنحضرت صلعم کی عظمت کو نہیں بھولنا چاہیئے، **ہم خادمِ دین اسلام ہیں، اور یہی ہمارے ظہور کی علتِ غائی ہے**۔ **ہماری کتاب بجز قرآن کریم کوئی نہیں اور کوئی دین بجز اسلام کے نہیں**۔ ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ ہمارے نبی کریم صلعم خاتم الانبیاء ہیں اور قرآن شریف خاتم الکتب ہے۔ سو دین کو بچوں کا کھیل نہیں بنانا چاہیئے اور یاد رکھنا چاہیئے کہ **ہمیں بجز خادمِ اسلام ہونے کے** اور کوئی دعوےٰ بالمقابل نہیں اور جو شخص اس کے برخلاف ہماری طرف منسوب کرے وہ ہم پر افتراء کرتا ہے۔ **ہم اپنے نبی کریمؐ کے ذریعہ فیض پاتے ہیں اور قرآن کے ذریعہ ہمیں فیض معارف ملتا ہے** سو مناسب ہے کوئی شخص اس ہدایت کے برخلاف کچھ بھی دل میں نہ رکھے ورنہ وہی خدا تعالےٰ کے نزدیک اس کا جوابدہ ہوگا۔ اگر ہم اسلام کے **خادم نہیں** تو ہمارا سارا کاروبار عبث اور مردود اور قابلِ مواخذہ ہے۔" (الحکم۔ اگست ۱۸۹۷ء)

## ۴۔ اتحاد المسلمین

کلمہ گویاں را چرا کافر ہمی نامے اخی<br>
گر تو داری خوفِ حق رو بیخ کفر خود برآر<br>
گر کنی تکفیرِ قوم خود چہ کارِ کردۂ<br>
رو اگر مردی جہودے را بہ اسلام اندر آر

"جائے تعجب ہے کہ ایک شخص کلمہ گو ہو اور اہلِ قبلہ و موحد اور اللہ و رسول کو ماننے والا اور ان سے سچی محبت رکھنے والا ہو، قرآن شریف پر ایمان لانے والا ہو اور پھر کسی جزئی اختلاف کی وجہ سے وہ ایسا کافر ٹھہرایا جائے کہ یہود و نصاریٰ کی طرح بلکہ ان سے بھی بدتر شمار ہو۔" (آئینہ کمالات اسلام)

"آجکل یہ کوشش ہو رہی ہے کہ ہزار وجہ اسلام کی پائی جائے تو اس سے چشم پوشی کر کے **ایک بیہودہ اور بے اصل وجہ کفر کی نکال**



## امام مسجد نبویؐ شیخ عبد العزیز ابن صالح کے حالیہ بیانات

"جہادِ زندگی میں مسلمانوں کے لئے سب سے بڑا ہتھیار آپ کا اسلامی عقیدہ کے مطابق خدا پر ایمان ہے آپ کے **دشمن سب سے زیادہ خطرناک ہتھیار** جو استعمال کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ آپکے ذہنوں میں شکوک پیدا کریں کہ آپ کا دین رجعت پسندانہ ہے۔ آپ کا دوسری اقوام سے امتیاز آپ کا اسلامی عقیدہ توحید پر ایمان ہے مگر دشمن اسکو دلوں سے ختم کرنا چاہتا ہے تاکہ آپ اس عقیدہ سے جو قوت حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ نہ کر سکیں۔"

**۳۔** "اسلام ایک ترقی پسند مذہب ہے اور ہر دور کے ہر قسم کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے مگر دشمنانِ اسلام **مسلمانوں** کو کمزور کرنے کے لئے یہ پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ اسلام ایک دقیانوسی مذہب ہے۔"

(امروز۔ ۲۶ر فروری)

"پیروانِ اسلام کو جو عارضی زک پہنچی ہے اس کی اصل وجہ ان کا **اسلام کی سچی رُوح پر عمل پیرا نہ ہونا ہے**........ آخری فتح مسلمانوں کو ہی ہوگی۔ انہیں چاہیئے کہ وہ اسلام کے اصولوں کی روشنی میں پرانے اور نئے علوم سے واقفیت حاصل کریں اور اپنی روزمرہ زندگی میں صداقت کا اظہار کریں۔"

**۴۔** ایک مسلمان کا سب سے بڑا سرمایہ اس کا اسلامی اصولوں پر محکم ایمان ہے۔

"تاکہ دنیا کی کوئی طاقت انہیں شکست نہ دے سکے........ مسلمان عدوِ اسلام کے منصوبوں کا مقابلہ علم سے ہی کر سکتے ہیں........ ایک اکیلا مسلمان بھی جو اسلام کے دین سے بخوبی واقفیت رکھتا ہو آسانی سے دشمنانِ اسلام کا جواب دے سکتا ہے........ دشمنِ اسلام اب اس کوشش میں ہے کہ وہ **مسلمان کو ان کے عظیم دین پر سے ایمان** سے برگشتہ کر دے کیونکہ ان کا خیال ہے کہ جب مسلمان کو اپنے دین کے بارہ میں تشکوک و شبہات پڑ جائیں گے تو اسلام خود بخود کمزور ہو جائے گا........ مصریوں نے جو فتح صہونیت کے برخلاف حاصل کی ہے یہ بہتر اسلحہ سے حاصل نہیں ہوئی بلکہ مصری بھائیوں کی یہ کامیابی دینِ اسلام پر ایمان سے حاصل ہوئی ہے۔"

(پاکستان ٹائمز ۲۲ر فروری ۱۹۷۶ء)

## اتباعِ قرآن وسُنّت

"صداقت کی تائید کرنا ہر حالت میں لازم ہے، یہ صداقت کا راستہ خدا تعالےٰ نے قرآن کریم میں بیان فرما دیا ہے پس ہمیں یہ چاہیئے کہ **ہم قرآن کریم اور سنتِ رسولؐ کا اتباع کریں** تاکہ ہمارا مستقبل درخشاں ہو۔" (پاکستان ٹائمز

"اسلام آباد میں تقریر فرماتے ہوئے امام صاحب نے والہانہ اپیل فرمائی کہ ہمیں اسلام کا راستہ اختیار کرنا ضروری ہے۔ اسلام عالمگیر امن و اخوت کا داعی ہے۔ نیز وہ ان تعصبات سے پاک ہے جو لوگوں نے باہم پیدا کر رکھے ہیں۔ نوعِ انسانی کے لئے اسلام سب سے بڑھ کر اتحاد کا پیغام ہے کیونکہ اس میں تمام لونی، علاقائی اور نسلی امتیازات مٹا دیئے گئے ہیں۔ **اگر مسلمان باہم متحد ہو جائیں تو** وہ دُنیا کے تمام مسائل کو حل کر سکتے ہیں تعلیم اسلام کے ذریعہ انسانی آزادی کا حصول ممکن ہے۔"

**۵۔** "معاشرے کی اصلاح کے لئے ہر فرد کو اپنی ذمہ داریاں محسوس کرنا چاہئیں"

"اللہ اور رسُول کے حکم سے سرتابی کرنے والوں کو فلاح کی اُمید

## حضرت مجدد صدِ چہاردہم اور جماعتِ احمدیہ لاہور کا مسلک

کہ ان کو ایسا کافر ٹھہرایا جائے کہ گویا وہ ہندوؤں اور عیسائیوں سے بدتر ہیں۔" (ازالہ اوہام)

"ابتداء سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعوے کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہو سکتا یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اپنے دعوے کے انکار کرنے والے کو کافر کہنا صرف ان نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے **شریعت اور احکامِ جدیدہ** لاتے ہیں لیکن صاحب الشریعت کے ماسوا جس قدر **مُلہم اور محدث** ہیں گو وہ کیسی ہی جنابِ الٰہی میں شان رکھتے ہوں اور خلعتِ مکالمہ الٰہیہ سے سرفراز ہوں ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن جاتا۔" (تریاق القلوب حاشیہ)

۵۔ ع

از رہِ دیں پروری آمد مروج اندر نخست
باز چوں آید بیاید ہم ازیں رہ بالیقین

### اصلاح المسلمین۔ ایمان باللہ و عمل صالح (رجوع الی القرآن والسنّت) پر مبنی اصلاح۔

"**یاربّ اصلح اُمّت محمّد! اے میرے ربّ اُمّت محمدیہ کی اصلاح ہو!**"

"بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منارِ بلند تر محکم اُفتاد۔"
ترجمہ: تجھے خوشخبری ہو کہ محمدیوں کا قدم عنقریب مضبوط مینار پر قائم کیا جائے گا۔

"یورپ و ایشیا کے لوگ اندر ہی اندر اس بات کو بخوبی سمجھ رہے ہیں کہ دیگر تمام ادیانِ باطل ہیں مگر دُنیا سب کو محبوب ہے........ مسلمانوں کے اندرونی فرقے بھی بخوبی جانتے ہیں کہ کس فرقے کے اُصول عمدہ ہیں مگر ان کی اندرونی حالتیں خراب ہیں۔

قرآن شریف میں آیا ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ اے نبی تو کہدے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے پیار کرتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ کیا یہ لوگ آنحضرت صلعم کی متابعت کرتے ہیں؟۔ کیا ان کی طرح آنحضرت صلعم سُود لیتے تھے یا مداہنت کرتے تھے یا غفلت کرتے تھے یا نفاق کرتے تھے یا دُنیا کو دین پر مقدم کرتے تھے؟ یہ سب باتیں ان لوگوں میں پائی جاتی ہیں۔

ان کی وہ حالتیں نہیں رہیں جو آنحضرت صلعم کے متبعین کی ہوا کرتی تھیں۔ چاہیئے کہ جس طرح آنحضرت صلعم زندگی بسر کرتے تھے اسی طرح زندگی بسر کریں **تب سچے مسلمان ہو جائیں گے**۔ ان لوگوں کے دلوں میں اسلام کا مذہب نہیں رہا مگر کتب و آثار میں اسلامی حقیقت موجود ہے۔ صحابہ کرام کی یہ حالت تھی کہ نہ دنیا اُن سے پیار کرتی تھی نہ وہ دُنیا سے پیار کرتے تھے۔ انہوں نے آنحضرت صلعم کی متابعت میں نئی زندگی حاصل کی تھی۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ **کیا ان لوگوں کا قدم صحابہؓ کے قدموں پر ہے؟** ہرگز نہیں! پس خدا تعالیٰ کا منشاء **اس سلسلہ کے قیام سے یہ ہے کہ لوگ پھر اس راہ پر چلنے لگیں۔**"

### احمدیہ جماعت بنانے کی غرض و غایت اسلامی زندگی و تہذیب کا نمونہ قائم کرنا ہے۔

"میرے آنے کی اصل غرض یہ ہے کہ ایک ایسی جماعت تیار ہو جائے جو سچی مؤمن ہو اور خدا پر حقیقی ایمان اور اس کے ساتھ حقیقی تعلق رکھے اور اسلام کو اپنا شعار بنائے آنحضرت صلعم کے اسوۂ حسنہ پر کاربند ہو

## امام مسجد نبویؐ شیخ عبدالعزیز ابن صالح کے حالیہ بیانات

"نہ رکھنی چاہیئے۔"

"معاشرہ کی اصلاح اور صحیح معنوں میں اسلامی معاشرہ کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنی اصلاح کی جانب متوجہ ہو جائے دنیا بھر کے مسلمانوں کو **نکتہ حق** پر جمع ہو جانا چاہیئے اور دل و جان سے **اتباعِ رسُولؐ کرنی چاہیئے**........ ہم خدا کے علاوہ کسی اور پر بھروسہ نہ کریں۔ اس وقت تک کوئی قوت، سیاست، حیلہ گری کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک اس میں خداوندکریم کی مدد شامل نہ ہو۔ ہم پر جو مصیبتیں نازل ہوئی ہیں **یہ ہمارے ہی اعمال کا نتیجہ ہیں**۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ اگر تم ہماری مدد کرو گے تو خدا تمہاری مدد کرے گا۔ اللہ ہماری مدد کا محتاج نہیں بلکہ خدا کے احکام کی پابندی ہی در اصل اس کی مدد ہے۔۔۔۔ اگر ہم خدا پر اعتماد نہ کریں اور رسولِ خدا کے احکام بھی نہ مانیں تو پھر کیسے ہم یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ہماری مدد کرے گا۔"

(نوائے وقت ۲۳ر فروری ۱۹۷۶ء)

"اللہ کی مدد حاصل کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنی مدد آپ کریں اور اس بات کو مدِنظر رکھیں کہ خدا اسی کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔ اگر ہم نہ خدا پر بھروسہ کریں اور نہ خدا کے احکام کی پابندی کریں تو ہمیں توقع نہ رکھنی چاہیئے کہ خدا ہماری مدد کریگا ........ جہاں تک معاشرہ کی اصلاح کا تعلق ہے اگر ہم پہلے اپنی اصلاح کرلیں تو معاشرہ خود بخود اصلاح پا سکتا ہے۔"

(امروز ۲۳ر فروری ۱۹۷۶ء)

"مسجد نبویؐ کے امام شیخ عبدالعزیز بن صالح نے کہا کہ مسلمان متحد ہو جائیں تو وہ ایک ایسی عظیم قوت بن سکتے ہیں کہ پُوری دنیا میں اس سے بڑی قوت نظر نہیں آئے گی۔ انہوں نے کہا اِتحادِ اسلامی کی خواہش سے کسی بھی مسلمان کا دل خالی نہیں مگر یہ اِتحاد جبھی پائندہ و مستحکم ہو سکتا ہے جب اس کی **اساس دِین پر ہو** انہوں نے کہا کہ دشمنانِ اسلام اس چیز سے ڈرتے ہیں کہ مسلمانوں کے دل میں یہ احساس پیدا ہو کہ **انہیں دِین کی بنیاد پر متحد** ہونا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہم اسلحہ، سامان اور عددی برتری کی بات کریں تو ہمارا دشمن ان سب باتوں میں ہم سے طاقتور ہے **لیکن ہماری قوت ایمانی ایک عظیم اثاثہ ہے**۔"

۶۔ "انہوں نے کہا میں مادی قوتوں کا مُنکر نہیں لیکن جب تک عقیدے اور ایمان کی قوت نہ ہو محض مادی قوت کافی نہیں۔ اور اگر ہماری مادی قوتوں کے ساتھ ایمان و عقیدے کی رُوح ہو تو ہمارے لئے کامیابی ہے۔" (امروز ۲۳ر فروری ۱۹۷۶ء)

"امام مسجد نبویؐ شیخ عبدالعزیز نے اہالیانِ لاہور کی طرف سے دی گئی دعوت میں جو تقریر کی اس میں زیادہ تر زور وحدتِ ملت اور **توکل علی اللہ** پر دیا۔ اس مجمع میں بھی اکثر علمائے دین موجود تھے اور جامع نعیمیہ میں تو تھے ہی اکثر و بیشتر علمائے کرام۔ امام صاحب تو تشریف لے گئے لیکن محافل علماء میں انکی تقریروں کی گونج باقی ہے اور فقیر کے دل میں رہ رہ کر یہ سوال چٹکیاں لے رہا ہے ؎ ملت نے کی ہے دولتِ وحدت جو اپنی گم

گوشِ عمل میں آئے کہاں سے صدائے قم
عالم ہر ایک اپنی جگہ نائب رسول
لیکن کہاں ہے نقشہ رحماءُ بینھم

"جس وحدت اور مرکزیت کی طرف مسلمانانِ لاہور نے خصوصًا اور

## حضرت مجدد صد چہار دہم اور جماعت احمدیہ لاہور کا مسلک

اصلاح و تقویٰ کے راستہ پر چلے اور اخلاق کا اعلیٰ نمونہ قائم کرے تا پھر ایسی جماعت کے ذریعہ دنیا ہدایت پائے اور خدا کا منشاء پورا ہو۔"

### ۶۔ صرف دفاع و محافظت اسلام ہی نہیں بلکہ دین اسلام کی نصرت میں جارحانہ فتوحات۔

"آ رہا ہے اس طرف احرارِ یورپ کا مزاج
نبض پھر چلنے لگی مُردوں کی ناگہ زندہ وار"

### طلوع الشمس من مغربہا کی حدیث کی تعبیر یعنی مغرب میں قبولیتِ اسلام کی پیشگوئی۔

"اس عاجز پر جو ایک رؤیا میں ظاہر کیا گیا یہ ہے کہ مغرب کی طرف سے آفتاب کا چڑھنا یہ معنی رکھتا ہے کہ ممالک مغربی جو قدیم سے ظلمت و ضلالت و کفر میں ہیں آفتابِ صداقت سے منور کئے جائیں گے اور ان کو اسلام سے حصّہ ملے گا۔ میں نے دیکھا کہ میں شہر لندن میں ایک منبر پر کھڑا ہوں اور انگریزی زبان میں ایک مدلل بیان سے اسلام کی صداقت ظاہر کر رہا ہوں۔ بعد اس کے میں نے بہت سے پرندے پکڑے جن کے رنگ سفید تھے میں نے اس کی یہ تعبیر کی کہ بہت سے راستباز انگریز صداقت کا شکار ہو جائیں گے۔" (ازالہ اوہام)

### قرآن کریم کے مقبول انگریزی ترجمہ و تفسیر کی پیشگوئی۔

"میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کر کے اور انگریزی ترجمہ کرا کے ان کے پاس پہنچی جائے۔ میں اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے رہ نہیں سکتا کہ یہ میرا کام ہے دوسرے سے ہرگز ایسا نہ ہوگا جیسا مجھ سے یا جیسا اس سے جو میری شاخ ہے اور اس لئے مجھ میں ہی داخل ہے۔"

"رؤیا دیکھا میں گھوڑے پر سوار ہوں۔ آگے جاتے ہوئے بالکل تاریکی چھا گئی ......... میں نے دیکھا مولوی عبدالکریم مرحوم آ رہے ہیں ......... مولوی صاحب نے ایک چیز مجھے نکال کر بطور تحفہ دی اور کہا کہ بشپ جو پادریوں کا افسر ہے وہ بھی اسی سے کام چلاتا ہے۔ وہ ایک قلم ہے جس کے آگے نالی لگی ہوئی ہے۔ نالی کے اندر ہوا بھر جاتی ہے جس سے وہ قلم بآسانی چلنے لگتا ہے۔ میں نے کہا میں نے یہ قلم نہیں منگوایا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ پھر مولوی محمد علی صاحب نے منگوایا ہوگا۔ میں نے کہا اچھا مولوی صاحب کو دے دوں گا۔" (نومبر ۱۹۰۵ء)

### ۷۔ عالمگیر تحریک اشاعتِ اسلام۔

امن، صلح، اتحاد اور بین الاقوامی حقوقِ مساواتِ انسانیت

#### پر بناءِ احمدیہ تحریک

بجائے ملکی و وطنی اور مختص قومی تحریک کے حضرت مجدد زمان نے ایک ایسی تحریک جاری فرمائی کہ جو ہر قسم کے اقتصادی، ملکی اور وطنی تحریکوں سے بالاتر ایک عالمگیر امن و اتحاد کی علمبردار ہو اور جو براہین و دلائل سے اسلام کی صداقت اور اس دین حقہ کے برخلاف تمام شکوک و شبہات کا مدلل و معقول ازالہ کر کے صداقتِ دینِ اسلام کو مسلمانوں اور غیر مسلموں کے قلوب میں گاڑ دے۔ اور یہ نصب العین نہایت شاندار کامیابی سے تکمیل پذیر ہو رہا ہے۔ جیسے مسٹر فری اینڈ

(باقی کالم ۲ کے نیچے)

## امام مسجد نبوی شیخ عبدالعزیز ابن صالح کی آمد کے بیانات

مسلمانانِ پنجاب نے عموماً امام مسجد نبویؐ کی آمد اور ان کی اقتداء کے سلسلہ میں رُخ کیا تھا کیا علمائے حق اس رُخ کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے فرائض ادا کریں گے یا وہ حال ہوگا کہ ؎

آندھی تھی رنگ و بُو کی چڑھی اور اُتر گئی

"علمائے حق کو اس سلسلہ میں یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہیئے کہ جس دن امام مسجد نبویؐ لاہور میں جمعہ کی نماز پڑھانے آ رہے تھے اسی دن پاکستان کے ثقافتیوں نے لاہور میں رقص و سرود کی محفل جمائی تھی۔ ان کا بس چلتا تو شاید وہ عین جمعہ کی نماز کے وقت ہی یہ مجلس جماتے! لیکن محفل شبینہ تھی اس لئے رات کو جمائی گئی! لیکن ہمارے ثقافتئے، دین و مذہب کو افیون اور انسان کا نجی معاملہ سمجھتے ہیں۔ انہیں مسجد نبویؐ کے امام و خطیب سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی ؎

کیا غرض مرکز تسبیح و دُعا قائم ہو
اس پہ مطلب ہے کہ اپنی سبھا قائم ہو

(نوائے وقت - ۲۶ نومبر سنہ ۶۹ء مرداں)

## جماعتِ احمدیہ لاہور کا مسلک ——— بقیہ کالم اوّل

ایبٹ نے اپنی کتاب "اسلام اور پاکستان" میں اس کا برملا اعتراف یوں کیا ہے:—

"جماعت احمدیہ نے دیگر ادیان کے بارے میں جس قدر دلائل پیش کئے ہیں زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ اس سلسلہ کے شدید ترین مخالفوں نے انہیں بتمام و کمال قبول کر لیا ہے اپنے تبلیغی جوش اور عیسائیت کے خلاف پے درپے اور کثیر الاشاعت حملوں سے اس جماعت نے مسلمانوں کی اکثریت کے دلوں میں مضبوط ایمان پیدا کر دیا ہے۔ گو یہ امر درست ہے کہ جمہور مسلمانوں میں مرزا غلام احمد کے ذاتی دعاوی نے مقبولیت حاصل نہیں کی اور آپ کی تحریر کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ تاہم اس تحریک نے مسلمانوں کے قلوب میں یہ ایمان و یقین پیدا کر دیا ہے کہ یورپ کی موجودہ ترقی اور قوت کا سرچشمہ عیسائیت ہرگز نہیں اور دنیا کا سچا دین صرف اسلام ہے اس تحریک کی بنیادی خصوصیت یہی ہے مگر یہ امر اس قدر تعجب انگیز ہے کہ جس تحریک کی ہر دو شاخوں نے دوسرے مذاہب کے مقابل دینِ اسلام کی حفاظت و توسیع کے میدان میں سب سے زیادہ کام کیا ہے پاک و ہند کے مسلمان سب سے زیادہ اسی جماعت کے خلاف صف آراء ہیں۔"

## جماعت کے مخیّر احباب سے اپیل

(۱) مرکزی مسجد احمدیہ، احمدیہ بلڈنگس کو 56" سائز کے آٹھ عدد سیلنگ فینز کی ضرورت ہے۔ صاحب ثروت دوست بطور عطیہ یہ پنکھے مسجد میں لگوا کر ثواب دارین حاصل کریں۔

(۲) گجرات میں ہمارے نہایت ہی مکرم دوست چوہدری فضل داد صاحب پنشنر کچھ عرصہ سے بیمار ہیں وہ جماعت کے جملہ دوستوں سے دعائے صحت کی درخواست کرتے ہیں۔

از: راہ نورد

# سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تفسیر تفہیم القرآن کا ایک مختصر جائزہ

(قسط نمبر ۷)

پھر آخر اس قصّے کو جو بقول مودودی صاحب اشاروں اور پردوں میں بیان کیا گیا ہے قرآن پاک میں جس سیاق و سباق میں رکھا گیا ہے اُس میں اُس طرح جیسا کہ مودودی صاحب اُسے کسی اسرائیلی شہرت یافتہ قصّہ کی بازگشت کہکر تشریح کرتے ہیں کوئی مفہوم بنتا بھی ہے یا نہیں - مودودی صاحب خود کہتے ہیں کہ :-

"سلسلۂ کلام پر غور کرنے سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ قرآن مجید میں اس مقام پر یہ قصّہ دو اغراض کے لئے بیان کیا گیا ہے پہلی غرض نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو صبر کی تلقین کرنا ہے اور اس مقصد کے لئے آپ کو مخاطب کرکے فرمایا گیا ہے کہ جو باتیں یہ لوگ تم پر بناتے ہیں ان پر صبر کرو اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کرو یعنی تمہیں تو ساحر اور کذّاب ہی کہا جا رہا ہے لیکن ہمارے بندے داؤد پر تو ظالموں نے زنا اور سازشی قتل تک کے الزامات لگا دیئے لہٰذا ان لوگوں سے جو کچھ بھی تم کو سننا پڑے اسے برداشت کرتے رہو - دوسری غرض کفار کو یہ بتانا ہے کہ تم لوگ ہر محاسبے سے بے خوف ہو کر دنیا میں طرح طرح کی زیادتیاں کرتے چلے جاتے ہو لیکن جس خدا کی خدائی میں تم یہ حرکتیں کر رہے ہو وہ کسی کو بھی محاسبے کے بغیر نہیں چھوڑتا حتّٰی کہ جو بندے اس کے نہایت محبوب و مقرب ہوتے ہیں وہ بھی اگر ایک ذرا سی لغزش کے مرتکب ہو جائیں، تو خداوند عالم اُن سے سخت مواخذہ کرتا ہے اس مقصد کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے فرمایا گیا کہ اُن کے سامنے ہمارے بندے داؤد کا قصّہ بیان کرو جو ایسی اور (۱)

(۲) ایسی خوبیوں کا مالک تھا مگر جب اس سے ایک بے جا بات سرزد ہو گئی ہو تو دیکھو کہ ہم نے اسے کس طرح سرزنش کی" (ایضاً صفحہ ۳۳)

ہم نے حاشیہ میں (۱) اور (۲) عبارتوں کو نمبر لگا دیا ہے کہ ان دونوں کا تضاد نمایاں ہو سکے - پہلے قصّے کا اوّل مقصد یہ ہے کہ غلط الزامات پر صبر کرو - قصّہ کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ لغزش پر سرزنش ہوتی ہے - اب آپ ہی کہیئے یا پہلی بات درست ہے یا دوسری - اگر الزام غلط ہے تو سرزنش کیسی اور اگر الزام درست ہے تو صبر کی تلقین کرنا کیا خود تعجب انگیز نہیں - یہ مقاصد جو مودودی صاحب بیان کر رہے ہیں اس طرح تو حاصل نہیں ہو سکتے - مودودی صاحب نے کہا ہے کہ اس قصّے پر تفصیلی بحث انہوں نے اپنی کتاب تفہیمات جلد دوم میں کی ہے اور کہ جو اصحاب مودودی صاحب کی بیان کردہ تاویل کی ترجیح کے مفصّل دلائل ﷺ دیکھ سکیں - البتہ ایک اقتباس اس کا پیغام صلح کی ایک اشاعت میں درج ہوا تھا اور ہمیں گمان غالب ہے کہ درست ہی نقل ہوا ہوگا - ایک دلیل اس میں نقل کردہ یہ ہے :

"جس طرح عام انسانوں سے بھول چوک اور غلطی ہوتی ہے اسی طرح انبیاء سے بھی ہو سکتی ہے - اور یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بالارادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اُٹھا کر ایک دو لغزشیں سرزد ہونے دی ہیں تاکہ لوگ انبیاء کو خدا نہ سمجھ لیں - اور یہ جان لیں کہ یہ بشر ہیں خدا نہیں"۔ (تفہیمات جلد دوم - بحوالہ پیغام صلح ۲۵ جون ۱۹۷۵ء)

گویا مودودی صاحب مانتے ہیں کہ حضرت داؤد سے غلطی ہوئی چاہے کسی مصلحت خداوندی کے سبب ہوئی ہو - تو پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو اصبر ما یقولون - کیوں کہا جا رہا ہے ؟ مودودی صاحب ہی تو کہہ رہے ہیں کہ اگر تجھے ساحر اور کذّاب نعوذ باللہ کہا جا رہا ہے تو داؤد کو بھی تو نعوذ باللہ زانی اور سازشی قاتل کہا گیا تھا - مگر داؤد پر سے مصلحت خداوندی میں حفاظت ہٹالی گئی تھی اور ایک دو لغزشیں ہو جانے دی گئی تھیں تاکہ لوگ اسے انسان سمجھیں - ہم اس سے آگے کچھ نہیں کہتے کیونکہ جائے ادب ہے -

یہ سب اُلجھن مودودی صاحب کو صرف اس لئے ہے کہ اوّلاً تو ننانوے دنبیوں کا مقدمہ انہیں اوریا کی بیوی کا واقعہ یاد دلا دیتا ہے - اور دوسرے حضرت داؤد کا خیال کہ میرے ربّ نے مجھے اس مقدمہ کے ذریعہ یا ان دو مقدمہ لانے والوں کے اچانک آ جانے سے آزمایا ہے اور وہ خدا تعالیٰ کے حضور جھک گئے اس سے وہ سمجھے ہیں کہ ضرور حضرت داؤد کو اوریاحتّی کی بیوی والی لغزشیں یاد آئی ہوں گی اور تیسری بات کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد کو مخاطب کرکے کہا کہ تو خلیفۃ اللہ ہے اس لئے حق و انصاف سے فیصلے کر اور خواہشات کی پیروی نہ کر - اس لئے ضروری انہوں نے اوریاحتّی کی بیوی کے معاملہ میں خواہش کی پیروی کی ہوگی کہ سرزنش ہو گئی -

اب ضروری نہیں کہ اُوپر بیان کردہ باتوں کا پس منظر اُوریاحتّی کی بیوی ہی ہو - اگر مودودی صاحب یہی کہہ دیتے کہ قرآن پاک نے اس واقعہ کا ذکر نہ کرکے اور صرف ننانوے دنبیوں والے مقدمہ کو دہرا کر بتایا ہے کہ اصل واقعہ صرف اس قدر تھا جسے لوگوں نے بگاڑ کر کچھ کا کچھ بنا دیا ہے تو بھی شاید بات بنتی - انہوں نے تو اس کے ڈانڈے پوُرے کے پوُرے ملا دیئے ہیں - ہمارا خیال تو یہ ہے کہ اس واقعہ کا بیان غالباً نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو یہ بتانے کے لئے ہے کہ مخالفتیں تو صاحب جبروت بادشاہوں کو بھی گھبرا دیتی ہیں اور سازشیں ان کے خلاف بھی ہوتی ہیں - لیکن اللہ تعالیٰ ان تمام کو دُور کر سکتا ہے - داؤد خدا تعالیٰ کے نبی اور بادشاہ دو آدمیوں کو اچانک اپنے پاس یوں چلے آتے ہوئے دیکھ کر گھبرا گئے - پھر انہوں نے جو بات کہی وہ کفار عرب کے اس وقت کے طرزِ فکر اور طریق کار کی ترجمان تھی کہ وہ ننانوے دنبیوں کے مالک اب وہ آپ کو کمزور سمجھ کر دبا لینا چاہتے ہیں جیسا کہ مودودی صاحب نے اسی سورت کی تمہید میں قریش مکّہ کے وفد کا ذکر کرکے بتایا ہے - وہ ابوطالب کے پاس اسی لئے گئے تھے - داؤد سمجھ گئے کہ یہ مقدمہ دراصل ان کے توکل علی اللہ اور انصاف کا امتحان ہے - اور ہر پاکباز سجدۂ شکر بجا لاتا ہے اگر وہ امتحان میں کامیاب رہے -

رہا یہ کہ پھر اللہ تعالیٰ نے داؤد کو سرزنش کیوں کی اور یہ کیوں کہا :-

فاحکم بین النّاس بالحق ولا تتبع الھوٰی فیضلّک عن سبیل اللہ -

تو یہ کوئی ضروری نہیں کہ اسے سرزنش ہی سمجھا جائے - یہ ایک عمومی اصول کے طور پر بات [illegible] کی بھی تو ہو سکتی ہے - آخر حضور نبی کریم صلی اللہ

دیکھیں - بدقسمتی سے وہ کتاب اس وقت ہمارے سامنے نہیں کہ ہم اس میں سے [illegible] ۱۴۱۱ [illegible]

علیہ وسلم کو بھی تو کہا گیا تھا:—

ولقد اوحی الیك و الی الذین من قبلك لئن اشرکت لیحبطن عملك ولتکونن من الخسرین" (۳۹ : ۶۶)

تو کیا وہ واقعی شرک کی طرف نعوذ باللہ راغب تھے۔

اسی طرح یوسف علیہ السلام کے بارے میں بھی مودودی صاحب نے کچھ ایسا ہی راستہ اختیار کیا ہے۔ ہاں یہ درست ہے کہ یوسف علیہ السلام اور انبیاءؑ کے بارے میں عموماً مودودی صاحب دوسروں سے صرف اس حد تک مختلف ہیں کہ وہ انبیاء کی تحریک کو خالصتاً سیاسی نوعیت کی رنگت بنا کر چاہتے ہیں۔ ہمیں یہ بات نہ انبیاء کے طرزِ کلام وکردار میں ملتی ہے اور نہ قرآن پاک ایسی بات کہتا ہے بلکہ اس کے برعکس کفار کا یہ الزام انبیاء پر ہوتا ہے کہ یہ دراصل زمین کی حاکمیت ہم سے چھین لینا چاہتے اور ہمیں نکال کر خود قابض ہو جانا چاہتے ہیں۔ اس کا جواب کہیں بھی قرآن پاک میں یہ نہیں کہ ہاں یہ درست ہے کہ زمین سے تمہیں نکال کر انبیاء ایک نیا نظامِ حکومت چلانا چاہتے ہیں۔ اگر وہ اس کو اپنا مقصد کہتا تو پھر کفار کے اس الزام کو الزام کی حیثیت میں نقل نہیں کر سکتا تھا۔ اس بات کا احساس مودودی صاحب کو بھی ہے:—

"یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایک غلام قوم کا ایک بے سروسامان آدمی یکایک اُٹھ کر فرعون جیسے بادشاہ کے دربار میں کھڑا ہوتا ہے ........ تو محض اس کے فعل سے ........ اتنی بڑی سلطنت کو یہ خطرہ کیسے لاحق ہو جاتا ہے کہ یہ اکیلا انسان سلطنتِ مصر کا تختہ اُلٹ دے گا اور شاہی خاندان کو حکمران طبقہ سمیت ملک کے اقتدار سے بے دخل کر دے گا۔ جبکہ اُس شخص نے صرف نبوّت کا دعوےٰ اور بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ پیش کیا اور کسی قسم کی سیاسی گفتگو سرے سے چھیڑی ہی نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ موسےٰ علیہ السلام کا دعوےٰ نبوّت اپنے اندر خود ہی یہ معنی رکھتا تھا کہ وہ دراصل پورے نظامِ زندگی کو بحیثیت مجموعی تبدیل کرنا چاہتے ہیں جس میں لامحالہ ملک کا سیاسی نظام بھی شامل ہے۔"

(تفہیم جلد دوم صفحہ ۶۶-۶۷)

اب یہ تو گاڑی کو گھوڑے کے آگے لگانے والی بات ہے۔ اگر یہ استدلال درست ہے تو فرعون کے اس اعتراض کو قرآن نے کیا قبول کر لیا ہے:—

"اُس نے کہا۔ لوگو ذرا دیکھو۔ یہ تمہارے باپ دادا کو گمراہ اور جہنمی ٹھہراتا ہے اس نے کہا لوگو ہوشیار ہو جاؤ یہ پیغمبر ویغمبر کچھ نہیں۔ اقتدار کا بھوکا ہے۔ چاہتا ہے کہ یوسف کے زمانے کی طرح پھر بنی اسرائیل یہاں حکمران ہو جائیں اور قبطی قوم سے سلطنت چھین لی جائے۔"

(تفہیم القرآن۔ جلد سوم صفحہ[illegible])

اس سے قطع نظر کہ یوسف علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل مصر کے حاکم نہ تھے اور نہ حکومت اہلِ قبط کے ہاتھ سے چھنی ہوئی تھی لیکن فرعون کے منہ سے جو اعلان مودودی صاحب نے کروایا ہے اور اہلِ قبط کے قومی مفاد کے اعتبار سے فرعون نے جس اندیشے کی نشاندہی کی ہے کیا مودودی صاحب کے بیان کردہ مسلک انبیاء کو درست مان لینے سے اس اعلان یا اندیشوں میں کوئی غلط بات کہی جا رہی تھی؟ اگر غلط نہ تھی اور یہی حضرت موسےٰ علیہ السلام کے دعوے میں پنہاں مقصود بھی تھا تو پھر فرعون کیا ان اندیشوں کے اظہار میں سچا نہ تھا؟ اس کا جواب حضرت موسےٰ علیہ السلام کی طرف سے یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ:—

ویلکم لا تفتروا علی اللہ کذبا فیسحتکم بعذاب وقد خاب من افتری۔

اس کا ترجمہ مودودی صاحب نے ہی یہ کیا ہے:—

"موسےٰ نے کہا۔ شامت کے مارو نہ جھوٹی تہمتیں باندھو اللہ پر ورنہ وہ ایک سخت عذاب سے تمہارا ستیاناس کر دے گا۔ جھوٹ جس نے بھی گھڑا وہ نامراد ہوا۔" (۲۰-۶۱)

پھر جادوگروں سے مقابلہ۔ معجزوں اور عذاب کا نزول۔ بنی اسرائیل کی ہجرت یہ سب باتیں کیا تھیں؟ مقصود ومطلوب تو مصر میں ایک ہمہ گیر سیاسی انقلاب لانا تھا اور مودودی صاحب کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں وہ مصری بھی تھے جنہوں نے حضرت موسےٰ کی دعوت قبول کر کے دین موسوی یا بقول مودودی صاحب اس زمانے کا اسلام قبول کر لیا تھا۔ پھر مصر سے فرار اس انقلاب کے برپا کرنے سے ایک قسم کا اعراض نہ تھا۔ ہمیں ان دو مختلف طریقہائے چلن میں مطابقت دکھائی نہیں دیتی اگر مودودی صاحب کا خیال درست ہے تو ہمیں یہ بھی عجیب لگتا ہے کہ فرعون کے ان الفاظ کو قرآن نے کیونکر نقل کیا ہے:—

"یہ ایک سازش ہے جو تم لوگوں نے دارالسلطنت میں ملی بھگت کر کے کی ہے تاکہ سلطنت سے اس کے مالکوں کو بے دخل کر دو۔" (ترجمہ آیت ۱۲۳ سورۃ الاعراف تفہیم القرآن جلد سوم صفحہ ۸۶)

اگر مودودی صاحب کی بات مان لی جائے تو "بے دخل کرنا" ہی تو موسےٰ علیہ السلام کا مقصود تھا اسے اعتراض کے طور پر نقل کرنا چہ معنے دارد۔ فرعون تو پھر بڑا بلند نظر تھا کہ اسے نبوّت موسوی میں پنہاں راز صاف نظر آ گیا تھا حالانکہ صاحب دعوت نے اس کا ذکر تک نہیں کیا تھا۔ پھر فرعون کو صرف اس دنیا کی خوشحالی دیکھ سکنے والا کوتاہ نظر شخص سمجھنا یقیناً ایک غلط فہمی ہوگی کیونکہ وہ خوب ہی سمجھدار ثابت ہوا۔

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر آئے ہیں قرآن پاک نے انبیاء کی زندگی کے بعض اہم واقعات کسی نہ کسی موقع ومحل پر اس کی مناسبت اور کسی ضرورت سے بیان کئے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی کو اس نے ذرا تفصیلاً درج فرمایا ہے۔ مودودی صاحب نے سورہ یوسف کی تفسیر میں بھی اسی سیاسی پہلو ہی کو غالب حیثیت دی ہے اور اس غلط فہمی کو دُور کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر میں شاید ماتحت یا ثانوی حیثیت حاصل تھی اور کہ ملک کا اصل اور مطلق حکمران فرعون مصر تھا۔ آپ نے اُوپر موسےٰ علیہ السلام کے ضمن میں ایک نقل کردہ اقتباس میں دیکھا ہوگا انہوں نے وہاں بھی باور کروانے کی کوشش کی ہے کہ حضرت یوسف کے زمانے میں بنی اسرائیل مصر کے حاکم تھے۔

"لوگو ذرا دیکھو .......... یہ پیغمبر ویغمبر کچھ نہیں اقتدار کا بھوکا ہے چاہتا ہے کہ یوسف کے زمانے کی طرح پھر بنی اسرائیل یہاں حکمران ہو جائیں اور قبطی قوم سے سلطنت چھین لی جائے"

(تفہیم القرآن جلد سوم صفحہ[illegible])

اب یہ تاریخ کو غلط پڑھنا ہی نہیں بلکہ اس کے آثار اور واقعات کے علی الرغم غلط بات کہنا ہے۔ یہ بنی اسرائیل کی تاریخ کو اپنے پاس سے بنا ڈالنا ہے کہ فرعون مصر کا حاکم نہ تھا بلکہ یوسف علیہ السلام حاکم تھے کہ وہ دین الملك نہیں بلکہ شریعت کو وہاں نافذ کر رہے تھے۔ ہمیں تعجب ہے کہ یہ سب باتیں قرآن پاک کے صریح الفاظ کے باوجود کہی جاتی ہیں۔ مثلاً مندرجہ ذیل ترجمہ مودودی صاحب نے ان آیات

کا کیا ہے جس سے صاف حضرت یوسفؑ کی حیثیت ثانوی نظر آتی ہے

"اس طرح ہم نے یوسفؑ کی تائید اپنی تدبیر سے کی اس کا یہ کام نہ تھا کہ بادشاہ کے دین (یعنی مصر کے شاہی قانون) میں اپنے بھائی کو پکڑتا الا یہ کہ اللہ ہی ایسا چاہے"

(تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ ۴۲۰)

اس پر حاشیہ ۶۰ لکھتے ہوئے انہوں نے کہا ہے :-

"ظاہر ہے کہ اللہ کا پیغمبر زمین میں دین اللہ جاری کرنے کے لئے مبعوث ہوا تھا نہ کہ دین الملک جاری کرنے کے لئے۔ اگر حالات کی مجبوری سے اس کی حکومت میں اس وقت تک پوری طرح دین الملک کی جگہ دین اللہ جاری نہ ہو سکا تھا تب بھی کم از کم پیغمبر کا اپنا کام تو یہ نہ تھا کہ اپنے ایک شخصی معاملہ میں دین الملک پر عمل کرے۔ لہذا حضرت یوسف کا دین الملک کے مطابق اپنے بھائی کو نہ پکڑنا اس بناء پر نہیں تھا کہ دین الملک میں ایسا کرنے کی گنجائش نہ تھی بلکہ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ پیغمبر ہونے کی حیثیت میں اپنی ذاتی حد تک دین اللہ پر عمل کرنا ان کا فرض تھا اور دین الملک کی پیروی ان کے لئے قطعاً نامناسب تھی"۔ (ایضاً صفحہ ۴۲۲)

آپ اسے کسی بھی تاویل سے جائز قرار دینا چاہیں اس کا صاف مطلب بہرحال یہی تو ہے کہ پبلک لا بہرحال دین الملک ہی تھا اور جسے مودودی صاحب شخصی معاملہ کہہ رہے ہیں اور ذاتی حد تک دین اللہ پر عمل کرنا بیان کر رہے ہیں وہ خود بخود اس نکتہ نظر ہی کی حمایت بن جاتا ہے کہ جس کے تحت اگر خالص اسلامی نظام رائج نہ ہو تو کم از کم اپنی ذاتی حد تک لوگوں کو شخصی معاملات میں حتی الوسع دین اللہ پر عمل کرتے ہوئے کافر نظام یا دین الملک کے تحت پبلک نظام سے تعاون کرنا اور اگر ضرورت متقاضی ہو تو اس کے تحت نوکری قبول کرنا جائز ہو جاتا ہے۔ اس کے باوجود مودودی صاحب کسی ایسی صورتِ حال میں بھی عام مسلمانوں کو یہ جائز نہیں سمجھتے کہ وہ کسی ایسے دین الملک کے تحت امن پسندی سے زندگی گذاریں اور کوئی منصب قبول کریں :-

"حقیقت یہ ہے کہ اس مقام کی تفسیر میں دورِ انحطاط کے مسلمانوں نے کچھ ایسی ذہنیت کا اظہار کیا ہے جو کبھی یہودیوں کی خاصیت تھی یہ یہودیوں کا حال تھا کہ جب وہ ذہنی و اخلاقی پستی میں مبتلا ہوئے تو پچھلی تاریخ میں جن جن بزرگوں کی سیرتیں ان کو بلندی پر چڑھنے کا سبق دیتی تھیں ان سب کو وہ نیچے گرا کر اپنے مرتبے پر اتار لائے تاکہ اپنے لئے اور زیادہ نیچے گرنے کا بہانہ پیدا کریں۔ افسوس کہ یہی کچھ مسلمانوں نے بھی کیا۔ انہیں کافر حکومتوں کی چاکری کرنی تھی مگر اس پستی میں گرتے ہوئے اسلام اور اس کے علمبرداروں کی بلندی دیکھ کر انہیں شرم آئی لہذا اس شرم کو مٹانے اور اپنے ضمیر کو راضی کرنے کے لئے یہ اپنے ساتھ جلیل القدر پیغمبر کو بھی خدمتِ کفر کی گہرائی میں لے گرے" (ایضاً صفحہ ۴۱۳)

ہمارے نزدیک یہ تمام مؤقف ہی ایک مفروضے پر استوار ہے لیکن یہ مؤقف کتنا خطرناک ہے۔ اس کا اندازہ اسی ایک بات سے ہو سکتا ہے کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت یوسفؑ کی حیثیت واقعی ثانوی تھی تو نعوذ باللہ وہ خدمتِ کفر کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ معاف فرمائیے ہم ایک ایسے مفروضے یا موقف کے حامی نہیں ہو سکتے۔ مزید برآں ایسا نظریہ جو کروڑوں مسلمانوں کی زندگیوں کو یا تو مستقل باغیوں کی حیثیت میں بدل دے یا ان کے اسلام کو ہی داغدار کر کے انہیں کفر کے خادموں کی حیثیت دیدے ہرگز کسی فقہی بصیرت کی غمازی نہیں کرتا۔ اولاً تو یہ کہنا ہی غلط ہے کہ کسی طرح بھی غیر مسلموں یا کافروں کی حکومت میں کوئی منصب لینا یا بعض قوانین کو قبول کرنا یا غیر مسلم حکومت کے تحت زندگی بسر کرنا اسلام کے خلاف ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکی دور میں مسلمانوں کو حبشہ کی عیسائی سلطنت کے تحت جا کر رہنے کو کبھی نہ کہہ سکتے تھے کیونکہ دونوں جگہ غیر مسلم ہی تو حاکمانہ اختیار رکھتے تھے۔ لیکن حبشہ کے غیر مسلم کو مکہ کے غیر مسلموں پر حضورؐ نے خود ترجیح دی اور مسلمانوں کو اُن کی امان میں بھیجا۔ ہمیں علم ہے کہ بعض لوگ یہاں یہ بحث لے بیٹھے ہیں کہ نجاشی بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ گو اس کا بھی کوئی حتمی ثبوت موجود نہیں۔ تاہم اس حد تک تو وہ بھی ہم سے متفق ہونگے کہ جب ہجرت حبشہ کے لئے حضورؐ نے پہلی مرتبہ اجازت دی تھی اس وقت تو بہرحال اسی علم سے دی تھی کہ حبشہ غیر مسلم عیسائی ریاست ہے۔

"یہ حالات جب ناقابلِ برداشت حد تک پہنچ گئے تو رجب ۴۵ عام الفیل ۵ نبوی میں حضور نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ لو خرجتم الی الارض الحبشة فان بها ملكا لا يظلم عنده احدا وهي ارض صدق حتى يجعل الله لكم فرجا مما انتم فيه : اچھا ہو کہ تم لوگ نکل کر حبش چلے جاؤ۔ وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا اور وہ بھلائی کی سرزمین ہے جب تک اللہ تمہاری اس مصیبت کو رفع کرنے کی کوئی صورت پیدا کرے تم لوگ وہاں ٹھیرے رہو" (تفہیم القرآن جلد سوم صفحہ ۵۳)

"اگرچہ مسلمان ایک مظلوم پناہ گزین گروہ کی حیثیت سے اپنا وطن چھوڑ کر دوسرے ملک میں جا رہے تھے مگر اس حالت میں بھی اللہ تعالےٰ نے ان کو دین کے معاملے میں ذرہ برابر مداہنت کرنے کی تعلیم نہ دی بلکہ چلتے وقت زادِ راہ کے طور پر یہ سورۃ ان کے ساتھ کی تاکہ عیسائیوں کے ملک میں عیسیٰ علیہ السلام کی بالکل صحیح حیثیت پیش کریں"

(ایضاً صفحہ ۵۶)

یعنی حضورؐ نے ایک غیر مسلم عیسائی مملکت کے لئے ایک ایسے بادشاہ کو سراہا جو کسی پر ظلم نہیں ہونے دیتا اور اس کی مملکت کو "ارضِ صدق" یا جیسا کہ مودودی صاحب نے ترجمہ کیا "بھلائی کی سرزمین" کہا۔ حالانکہ وہاں غیر مسلم قوانین ہی رائج تھے اور مسلمان اُس کے تحت ہی زندگی بسر کرنے جا رہے تھے۔ وہ نہ تو اُس سرزمین کا قانون بدلنے کا کوئی ظاہر مقصد لے کر گئے تھے نہ انہوں نے کوئی ایسا موقف اُس وقت بھی نجاشی کے سامنے اختیار کیا جب قریش کا وفد اُن کے خلاف شکایت لے کر شاہ حبش کے پاس پہنچا۔ نہ صرف یہی بلکہ تاریخ تو یہ بھی کہتی ہے کہ جب نجاشی کے بعض مخالفین نے حبشہ پر حملہ کیا تو ان مہاجر مسلمانوں نے اس کی کامیابی کے لئے دعائیں کیں اور امداد کے لئے تیار ہوئے۔ اب تعجب ہے کہ یہ وہ سب کچھ کیوں اُس غیر مسلم کے لئے کر رہے تھے۔

یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ سوال یہ ہے کہ کیا مودودی صاحب نے جو کچھ حضرت یوسف کے حالات سے استدلال کیا ہے وہ درست بھی ہے یا نہیں ؟ ان کا یہ کہنا کہ :-

"حضرت یوسف کا دین الملک کے مطابق اپنے بھائی کو نہ پکڑنا اس بنا پر نہیں تھا کہ دین الملک میں ایسا کرنے کی گنجائش نہ تھی بلکہ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ پیغمبر ہونے کی حیثیت میں اپنی ذاتی حد تک دین اللہ پر عمل کرنا ان کا فرض تھا اور دین الملک

کی پیروی ان کے لئے قطعاً نامناسب تھی"

(تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ ۴۲۲)

یہ محض ان کا ذاتی خیال ہے۔ جب قرآن پاک صریحاً کہہ رہا ہے کہ ماکان لیاخذ اخاہ فی دین الملک تو پھر یہ استدلال کیونکر بجا ہے "یوسفؑ بادشاہ کے قانون کی رُو سے اپنے بھائی کو نہ پکڑ سکتا تھا" ان کے نزدیک ماکان لیاخذ کو مترجمین اور مفسرین کا عدم قدرت کے معنی میں لینا نہ کہ عدم صحت اور عدم مناسبت کے معنی میں۔ درست نہیں۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ :-

"اگر اس کے وہ معنی لئے جائیں جو مترجمین و مفسرین بالعموم بیان کرتے ہیں تو بات بالکل مہمل ہو جاتی ہے بادشاہ کے قانون میں چور کو نہ پکڑ سکنے کی آخر وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ کیا دنیا میں کبھی کوئی سلطنت ایسی بھی رہی ہے جس کا قانون چور کو گرفتار کرنے کی اجازت نہ دیتا ہو"

اگر یہ درست ہے تو پھر حضرت یوسف نے دین الملک میں کیوں نہ اپنے بھائی کو پکڑ لیا۔ مودودی صاحب کہتے ہیں کہ بہ حیثیت پیغمبر یہ ان کے لئے مناسب نہ تھا۔ کیونکہ یہ ان کا ذاتی معاملہ تھا۔ یعنی جرم تو دین الملک کے تحت ہی چوری کا ہُوا تھا۔ بجز حضرت یوسفؑ کے کسی اور کو اس بات کا علم بھی نہ تھا کہ چور حضرت یوسف کا بھائی ہے اور سزا بھی چور کو ہی ملنی چاہئے تھی لیکن معاملہ ذاتی حد تک یوسف علیہ السلام کا بن گیا تھا کیونکہ وہ تو جانتے تھے کہ چور ان کا بھائی ہے۔ غور تو فرمائیے کہ یہ کس قسم کا استدلال ہے؟ کیا یہی ایک طریق تھا جس سے یہ ثابت کیا جا سکتا تھا کہ حضرت یوسف پیغمبر خدا ہیں اور دین الملک نہیں بلکہ دین اللہ نافذ کرنے پر مامور ہیں؟ کیا صرف یہی ایک صورت حال تھی جہاں مودودی صاحب کے نزدیک قدرت کی بجائے مناسبت کا مظاہرہ ہو سکتا تھا۔ یعنی دین الملک میں تو گنجائش گرفت تھی لیکن گرفت کی قدرت ہونے کے باوجود دین الملک کے تحت گرفتار کرنا چونکہ پیغمبر کے مقام ماموریت کے باعث مناسب نہ تھا اس لئے دین اللہ کے تحت گرفتار کرنا ہی درست سمجھا گیا۔ لیکن یہ مقام بھی جسے مودودی صاحب نے یوسف علیہ السلام کے مقام ماموریت کے بیّن اظہار کا نکتہ ماسکہ بنا دیا ہے اور مثال کے طور پر چُنا ہے اور جو صرف ایک ہی مقام ہے جہاں حضرت یوسفؑ کی وزارت یا بقول مودودی صاحب کے ڈکٹیٹری یا حکومت کے دور میں دین الملک سے ظاہری علاحدگی اور دین اللہ کی عملی تنفیذ کا مظاہرہ کرنا حضرت یوسفؑ کو میسّر آیا اسے مودودی صاحب نے کیسے بیان کیا ہے ؎ ناطقہ سربگریباں ہے کہ اسے کیا کہئے

جب حضرت یوسف کے بھائی بن یامین دوسرے بھائیوں کے ساتھ مصر آئے تو حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائی کو الگ بُلایا اور بتا دیا کہ "میں تمہارا بھائی ہوں" اب تو ان باتوں کا غم نہ کر جو یہ لوگ کرتے رہے ہیں:-

"اس فقرے میں ساری داستان سمیٹ دی گئی ہے جو اکیس بائیس برس کے بعد دونوں ماں جائے بھائیوں کے ملنے پر پیش آئی ہوگی ........ بن یامین نے سنایا ہوگا کہ ان کے پیچھے سوتیلے بھائیوں اس کے ساتھ کیا کیا بدسلوکیاں ہیں پھر حضرت یوسفؑ نے بھائی کو تسلّی دی ہوگی کہ اب تم میرے پاس رہو گے ان ظالموں کے پنجے میں تم کو دوبارہ نہیں جانے دوں گا بعید نہیں کہ اسی موقعہ پر دونوں بھائیوں میں یہ بھی طے ہو گیا ہو کہ بن یامین کو مصر میں روک رکھنے کے لئے کیا تدبیر کی جائے جس سے وہ پردہ بھی پڑا رہے جو حضرت یوسف مصلحتاً بھی ڈالے رکھنا چاہتے تھے

پیالہ رکھنے کا فعل غالباً حضرت یوسف نے اپنے بھائی کی رضا مندی سے اور اس کے علم سے کیا تھا جیسا کہ اس سے پہلے والی آیت اشارہ کر رہی ہے (یعنی بن یامین کی خرجی میں سرکاری پیالہ رکھ کر چوری کا الزام لگانے کے لئے مواد مہیا کرنا۔ ناقل) حضرت یوسف اپنے مُدتوں کے بچھڑے ہوئے بھائی کو ان ظالم سوتیلے بھائیوں کے پنجے سے چھڑانا چاہتے ہوں گے ........ اس کے لئے دونوں بھائیوں میں مشورہ ہوا ہوگا کہ اسے روکنے کی تدبیر کی جائے اگرچہ تھوڑی دیر کے لئے اس میں بھائی کی سُبکی تھی کہ اس پر چوری کا دھبّہ لگتا تھا لیکن بعد میں یہ دھبّہ اس طرح بآسانی دھل سکتا تھا کہ دونوں بھائی اصل معاملہ کو دنیا پر ظاہر کر دیں .........

آیات میں ایسا کوئی اشارہ موجود نہیں جس سے یہ گمان کیا جا سکے کہ حضرت یوسفؑ نے اپنے ملازموں کو اس راز میں شریک کیا تھا اور انہیں خود یہ سکھایا تھا کہ قافلے والوں پر جھوٹا الزام لگائیں۔ واقعہ کی سادہ صورت جو سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ پیالہ خاموشی سے رکھ دیا گیا ہوگا بعد میں جب سرکاری ملازموں نے اسے نہ پایا ہوگا تو قیاس کیا ہوگا کہ ہو نہ ہو یہ کام انہی قافلے والوں میں سے کسی کا ہے جو یہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔

(ایضاً جلد دوم ص ۴۱۹)

یعنی وہ شخص جو اللہ کا قانون نافذ کرنے کے لئے مامور ہے اس کے نفاذ کا اظہار کرنے کے لئے ایک نعوذ باللہ سازش بنتا ہے۔ اور جس کو مودودی صاحب کہتے ہیں کہ مصر میں حاکم اعلیٰ کے درجے پر تھا اور :-

"ساری سرزمین مصر اس کی تھی ......... یہ گویا اس کا کامل تسلط اور ہمہ گیر اقتدار کا بیان ہے جو حضرت یوسفؑ کو اس ملک میں حاصل تھا ........ ابن زید کے حوالے سے علامہ ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں اس کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ ........ دنیا کے اس حصّے میں وہ جہاں جو کچھ چاہتا کر سکتا تھا وہ سرزمین اس کے حوالہ کر دی گئی تھی حتّٰی کہ اگر وہ چاہتا کہ فرعون کو اپنا زیردست کر لے اور خود اس سے بالاتر ہو جائے تو یہ بھی کر سکتا تھا"

(تفہیم القرآن جلد دوم ص ۴۱۳)

یہ شخص ایک طرف اتنا بلند بیان کیا جاتا ہے اور دوسری طرف دین الملک میں اتنا بے بس کہ اپنے بھائی کو روکنے کے لئے اُسے ایک ایسی مکروہ سازش میں شریک ہونا پڑا جیسے چوری کا دھبّہ کہہ کر مودودی صاحب نے تسلیم کیا ہے۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ چور یا چور کا شریک دونوں جرم کے ارتکاب کی صورت میں برابر کے مجرم ہوتے ہیں۔ یہ اس شخص کا کردار ہے جو :-

"قرآن۔ بائبل۔ اور تلمود کی متفقہ شہادت ہے کہ درحقیقت یوسفؑ سلطنت مصر کے مختار کل (رومی اصطلاح میں ڈکٹیٹر) بنائے گئے تھے اور مُلک کا سیاہ و سپید سب کچھ ان کے اختیار میں دے دیا گیا تھا۔" (ایضاً ص ۴۱۱)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ———— مؤرخہ ۱۷ مارچ ۱۹۷۶ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ———— شمارہ نمبر ۱۱

چیف

احمد سجاد آرٹ پریس ہیرن روڈ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۳ | چہار شنبہ ۲۲ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ مطابق ۲۴ مارچ ۱۹۷۶ء | نمبر ۱۲

# ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

## اے وہ لوگو جو میری جماعت میں ہو!

### آسمان پر تم اسی وقت میری جماعت شمار کئے جاؤ گے جب تقویٰ کی راہوں پر قدم مارو گے

سوا اے وے تمام لوگو! جو اپنے تئیں میری جماعت شمار کرتے ہو، آسمان پر تم اسی وقت میری جماعت شمار کئے جاؤ گے جب تقویٰ کی راہوں پر قدم مارو گے۔ سو اپنی پنجوقتہ نمازوں کو ایسے خوف اور حضورِ قلب سے ادا کرو۔ کہ گویا تم خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہو۔ اور اپنے روزوں کو خدا کے لئے صدق کے ساتھ پورے کرو۔ ہر ایک جو زکوٰۃ کے لائق ہے وہ زکوٰۃ دے اور جس پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی مانع نہیں وہ حج کرے۔ نیکی کو سنوار کر ادا کرو۔ اور بدی کو بیزار ہو کر ترک کرو۔ یقیناً یاد رکھو کہ کوئی عمل خدا تک نہیں پہنچ سکتا جو تقویٰ سے خالی ہے۔ ہر ایک نیکی کی جڑ تقویٰ ہے۔ جس عمل میں یہ جڑ ضائع نہیں ہوگی وہ عمل بھی ضائع نہیں ہوگا۔ ضرور ہے کہ انواعِ رنج و مصیبت سے تمہارا امتحان بھی ہو جیسا کہ پہلے مومنوں کے امتحان ہوئے۔ سو خبردار رہو ایسا نہ ہو کہ ٹھوکر کھاؤ زمین تمہارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتی اگر تمہارا آسمان سے پختہ تعلق ہے۔ جب کبھی تم اپنا نقصان کرو گے تو اپنے ہاتھوں سے نہ کہ دشمن کے ہاتھوں سے۔ اگر تمہاری زمینی عزت ساری جاتی رہے تو خدا تمہیں ایک لازوال عزت آسمان پر دے گا۔ سو تم اس کو مت چھوڑو۔ اور ضرور ہے کہ تم دکھ دیئے جاؤ اور اپنی کئی امیدوں سے بے نصیب کئے جاؤ۔ سو ان صورتوں سے تم دلگیر مت ہو کیونکہ تمہارا خدا تمہیں آزماتا ہے کہ تم اس کی راہ میں ثابت قدم ہو یا نہیں؟ اگر تم چاہتے ہو کہ آسمان پر فرشتے بھی تمہاری تعریف کریں تو تم ماریں کھاؤ اور خوش رہو۔ اور گالیاں سنو اور شکر کرو۔ اور ناکامیاں دیکھو اور پیوند مت توڑو۔ تم خدا کی آخری جماعت ہو سو وہ عمل نیک دکھلاؤ جو اپنے کمال میں انتہائی درجہ پر ہوں۔ ہر ایک جو تم میں سست ہو جائے گا وہ ایک گندی چیز کی طرح جماعت سے باہر پھینک دیا جائے گا اور حسرت سے مرے گا اور خدا کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ دیکھو میں بہت خوشی سے خبر دیتا ہوں کہ تمہارا خدا درحقیقت موجود ہے۔ اگرچہ سب اسی کی مخلوق ہے لیکن وہ اس شخص کو چن لیتا ہے جو اس کو چنتا ہے وہ اس کے پاس آجاتا ہے جو اس کے پاس جاتا ہے۔ جو اس کو عزت دیتا ہے وہ بھی اس کو عزت دیتا ہے۔ تم اپنے دلوں کو سیدھے کر کے اور زبانوں اور آنکھوں اور کانوں کو پاک کر کے اس کی طرف آجاؤ کہ وہ تمہیں قبول کریگا۔

**آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں**

عقیدہ کی رو سے جو خدا تم سے چاہتا ہے وہ یہی ہے کہ خدا ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نبی ہے اور وہ خاتم الانبیاء ہے اور سب سے بڑھ کر ہے۔ اب بعد اس کے کوئی نبی نہیں مگر وہی جس پر بروزی طور سے محمدیت کی چادر پہنائی گئی۔ کیونکہ خادم اپنے مخدوم سے جدا نہیں اور نہ شاخ اپنی بیخ سے جدا ہے۔ اور تم یقیناً سمجھو کہ عیسیٰ بن مریم فوت ہو گیا ہے اور کشمیر سرینگر محلہ خانیار میں اس کی قبر ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں اس کے مر جانے کی خبر دی ہے۔ اور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان کا منکر نہیں۔ گو خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ مسیح محمدی مسیح موسوی سے افضل ہے لیکن تاہم میں مسیح ابن مریم کی بہت عزت کرتا ہوں۔ کیونکہ میں روحانیت کی رو سے اسلام میں خاتم الخلفاء ہوں۔ جیسا کہ مسیح ابن مریم اسرائیلی سلسلہ کے لئے خاتم الخلفاء تھا۔ موسیٰ کے سلسلہ میں ابن مریم مسیح موعود تھا۔ اور محمدی سلسلہ میں میں مسیح موعود ہوں۔ سو میں اس کی عزت کرتا ہوں جس کا ہمنام ہوں۔ اور مفسد اور مفتری ہے وہ شخص جو مجھے کہتا ہے کہ میں مسیح ابن مریم کی عزت نہیں کرتا۔

(ماخوذ از کشتی نوح)

# رحمت انسانیت (صلعم) نے مختلف قوموں کے وفود کو مسجدِ نبوی میں اپنے اپنے طریقہ پر عبادت کرنیکی اجازت دی تھی

## آج کون ہے، جو اپنے گرجا، مندر اور مسجد میں اپنے مخالفین کو اپنے طریقہ کے مطابق عبادت کرنیکی اجازت دیتا ہے۔

## قرآن کریم کا چیلنج ہے کہ کوئی اسکی نظیر بنا کر لائے لیکن عرب و عجم میں اعلیٰ ترین قابلیت رکھنے والے شدید مخالفوں کے باوجود اسکی کوئی نظیر نہ لا سکا

خطبہ جمعہ۔ مؤرخہ ۱۲ مارچ ۱۹۷۶ء۔ فرمودہ حضرت امیر قوم مولینا صدر الدین صاحب ایدہ اللہ بمقام جامع احمدیہ احمدیہ بلڈنگس لاہور

یا ایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون الذی جعل لکم الارض فراشاً و السماء بناءً و انزل من السماء ماءً فاخرج بہ من الثمرات رزقاً لکم. فلا تجعلوا للہ انداداً و انتم تعلمون۔ و ان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا فأتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداءکم من دون اللہ ان کنتم صٰدقین ...... وھم فیھا خالدون ———— (البقرہ۔ آیت ۲۱ تا ۲۵)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ انسانوں کو مخاطب کرکے فرماتا ہے، یا ایھا الناس کہ اے دنیا کے انسانو۔ اعبدوا ربکم اپنے رب کی عبادت کرو۔ زمین و آسمان کا وہ بادشاہ جس نے تمہیں پیدا کیا ہے اور جس نے تمہاری جسمانی اور روحانی ربوبیت کے سامان پیدا فرمائے ہیں اس کی عبادت اور فرمانبرداری اختیار کرو۔ اس خالق کائنات کے آگے جھکو۔ جس نے تمہاری زندگی کے سامان مہیا فرمائے ہیں۔ اس صاحب قدرت ہستی کے احسانات کا اندازہ کرو۔ جس نے تمہاری پیدائش سے بھی پہلے تمہاری روزی کے اسباب پیدا کئے اور زمین و آسمان کو تمہاری خدمت میں لگا دیا فانزل من السماء ماءً اس نے آسمان سے پانی اتارا، فاخرج بہ من الثمرات رزقاً لکم۔ پھر اس سے تمہارے لئے قسم قسم کے میوے، غلہ جات، پھل، پھول پیدا کئے۔ جس سے تمام انسان، حیوان اور چرند و پرند پرورش پاتے ہیں۔ اور پانی سے اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔ ان احسانات کو دیکھتے ہوئے کوئی وجہ نہیں کہ تم خدا کو بھول جاؤ۔ ہمارے رسول صلعم اور قرآن کریم کی آمد سے پہلے کے رسولوں اور ان کی کتب کی مخاطب صرف ان کی اپنی قومیں تھیں۔ مگر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی مخاطب دنیا کی ساری قومیں ہیں۔ حضور صلعم ساری دنیا کے لئے تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمۃ للعٰلمین بنا کر بھیجا۔ آپ کا قلب بڑا وسیع تھا۔ فتح مکہ کے بعد آپ کی خدمت میں جب مختلف قوموں کے وفود آئے۔ آپ نے عیسائیوں کو اپنی مسجد میں اپنے طریقہ پر عبادت کرنے کی اجازت دی۔ آج کون ہے۔ جو اپنے گرجا، مندر اور مسجد میں اپنے مخالفین کو اپنے طریقہ کے مطابق عبادت کرنے کی اجازت دیتا ہے۔

مذہب کا تعصب بڑا خطرناک ہے۔ حضور کی متابعت میں ہی مسلمانوں کی فلاح ہے، اگرچہ یہ مشکل کام ہے۔ کیونکہ اس سے خود کو خدا تعالیٰ کے احکام کے تابع کرنا اور رسول کریم صلعم کے نمونہ کو اپنانا پڑتا ہے، آج دلوں میں خطرناک تعصب آ گیا ہے، حالانکہ چودہ سو سال پہلے کا نمونہ و خلق رسولؐ مسلمانوں کے سامنے موجود ہے۔ اخلاق کی وہ بلندیاں حاصل کرنے کی کوشش کرو، جو سلف صالحین نے پائیں۔

زمین و آسمان کے تعاون اور باہمی ربط میں بھی انسانوں کے لئے ایک سبق ہے۔ والسماء ذات الرجع والارض ذات الصدع آسمان پانی برساتا ہے۔ اور زمین سبزیاں اور غلہ جات اگاتی ہے۔ ان دونوں کے تعاون میں تمام جانداروں کے لئے رزق ہے۔ پس تم خدا تعالیٰ کے ان انعامات کو یاد کرکے اس کی عبادت اور فرمانبرداری اور تقویٰ اختیار کرو۔

یہ تو جسمانی ربوبیت تھی، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی شکل میں انسانوں کی روحانی ربوبیت کا بھی اہتمام بصورت وحی آسمانی فرمایا ہے۔ اسی کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔ وان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا فأتوا بسورۃ من مثلہ۔ اگر تمہیں شک ہے۔ کہ یہ وحی جو ہم نے اپنے بندہ پر اتاری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔ تو تم بھی اس جیسی ایک سورۃ یا آیت ہی بنا کر لے آؤ، وادعوا شھداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقین۔ اور اکیلے ہی نہیں، بلکہ اپنے تمام مددگاروں کو بھی ساتھ ملا لو۔ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا۔ اگر تم ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو فاتقوا النار التی۔ اس آگ سے ڈر جاؤ — وقودھا الناس والحجارۃ، جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ یہ چیلنج اس قوم کو دیا گیا۔ جس کے اندر بڑے بڑے فصیح و بلیغ انسان موجود تھے۔ اور وہ شعرا بھی تھے۔ جنہیں اپنی فصاحت و بلاغت پر بڑا ناز بھی تھا، مگر وہ اس چیلنج کو قبول کرنے سے عاجز رہ گئے۔

یہ چیلنج آج بھی موجود ہے، یورپ کے اندر بھی عیسائیوں اور دیگر اسلام کے مخالفوں میں عربی زبان پر قدرت رکھنے والے موجود ہیں مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت عناد اور شدت کی دشمنی رکھنے کے باوجود قرآن کریم کے اس چیلنج کا جواب دینے کی انہیں جرأت نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ جسے کوئی آج تک نہیں جھٹلا سکا۔ یہ کتاب پہلے بھی لاجواب تھی اور اب بھی ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس پر سچے دل سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

## بتقریب عید میلاد النبیؐ

### جماعت احمدیہ لاہور کا خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور نذرانۂ عقیدت

مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۷۶ء کو حسب پروگرام ایک جلسہ بعد از نماز جمعہ زیر صدارت حضرت امیر ایدہ اللہ منعقد ہوا۔ جس میں مختلف مقررین نے اپنے اپنے رنگ میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔ جلسہ کا افتتاح چوہدری محمد حیات صاحب نے تلاوت قرآن کریم سے کیا بعد ازاں زاہد جنجوعہ صاحب نے حضور صلعم کی اعلیٰ و ارفع شان کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظات پیش کئے۔ ملفوظات کے بعد جناب چوہدری مسعود اختر صاحب ایڈووکیٹ نے غزوات اور معاہدات نبویؐ کے موضوع پر ایک مفصل اور عمدہ تقریر کی۔ آپ نے دلائل و واقعات سے ثابت کیا کہ حضور نے جنگ میں کبھی پہل نہیں کی۔ اور صلح حدیبیہ کے حوالہ سے بتایا کہ ابو جندلؓ کی خستہ حالت دیکھ کر صحابہ کرام کے شدید قلبی دکھ کے اظہار کے باوجود حضورؐ نے محض معاہدہ کی پابندی کرتے ہوئے ابو جندلؓ کو قریش کے پاس واپس بھیج دیا۔

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۲)

ہفت روزہ پیغام صلح ـــــ لاہور ـــــ مؤرخہ ۲۴ مارچ ۱۹۷۶ء

# اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں سے روکتا ہے

(قرآن حکیم)

## شریعت کی بنیاد قرآن کریم اور آنحضرت صلعم کے قول و فعل پر ہے

اپنے ہفت روزہ ترجمان "پیغام صلح" کا تقدس کو برقرار رکھنے اور اپنی جماعت کے موقف کے پیش نظر ہم نے اس کے صفحات کو فرقہ واریت کے زہر سے آلودہ کرنے کی کوشش سے ہمیشہ مقدور بھر اجتناب کیا ہے اور یہ احتیاط ملحوظ خاطر رہی ہے کہ جوش و جذبات کی رَو میں ہمارے قلم سے کہیں ایسا لفظ نہ نکل جائے جس سے وحدت ملّتِ اسلامیہ کے جسدِ نازک پہ ایک ہلکی سی خراش آنے کا بھی امکان ہو۔ لیکن اس کے باوجود اسلام کے لبادہ میں ملبوس بعض سیاسی تحریکیں ہماری دشمنی اور عداوت میں حد سے اتنی آگے بڑھ گئی ہیں کہ انہیں اس وطن میں ہمارا وجود تک گوارا نہیں۔ ۷ ردسمبر ۱۹۷۴ء کے فیصلہ سے بھی ان کے دل کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوئی۔ ان کی تحریر و تقریر کے ترکش میں کوئی ایسا زہر آلود تیر نہیں جسے ہمارے سینے میں پیوست کرنے کا موقع ہاتھ سے جانے دیتا ہوں۔ ایک طرف یہ ستم کہ شعائرِ اسلامی پہ عمل کرنے سے رکوانے کے لئے حکومت کے دروازے پہ دستک پہ دستک دی جا رہی ہے اور دوسری طرف یہ ظلم کہ اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد اور تنبیہہ کہ "اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں سے روکتا ہے کہ ان میں اس کے نام کا ذکر کیا جائے اور ان کے ویران کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ان کو مناسب نہ تھا کہ ان میں داخل ہوتے مگر ڈرتے ہوئے۔ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں عذاب ہے" (۲-۱۱۴) کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے مسجدوں کی تعمیر سے زبردستی منع کیا جاتا ہے۔ اس لئے اگر اس چوٹ کھائے ہوئے دل سے اللہ تعالےٰ کی اس اجازت کے ماتحت "اللہ بری بات کے مشہور کرنے کو پسند نہیں کرتا سوائے اس کے جس پر ظلم کیا گیا اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے" (۴-۱۴۸) "ہائے" نکل جائے تو عین تقاضائے فطرت ہے۔

معاصر "ایشیا" کے ۷ مارچ ۱۹۷۶ء کے ہفتہ وار ایڈیشن میں ملک غلام علی صاحب معاون خصوصی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا ایک مضمون بعنوان "کوئی غیر مسلم شرعاً تعمیر مسجد کا مجاز نہیں" شائع ہوا ہے۔ یہی مضمون روزنامہ "نوائے وقت" میں بھی جو قریباً قریباً جماعتِ اسلامی کا ہی ترجمان ہے چھپ چکا ہے۔ اپنے موقف کے شرعی جواز کے لئے ملک صاحب نے سورۃ التوبہ کی اس آیت سے استدلال کیا ہے وما کان للمشرکین ان یعمروا مسٰجد اللہ شٰھدین علیٰ انفسھم بالکفر اولٰئک حبطت اعمالھم و فی النّار ھم خٰلدون۔ (۹-۱۷) "مشرکوں کا کام نہیں کہ اپنے اوپر کفر کی گواہی دیتے ہوئے اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں۔ ان کے عمل بیکار ہیں اور وہ آگ کے اندر رہیں گے" اور اس کی تائید میں انہوں نے مشہور مفسرین اور علومِ قرآنیہ کے ماہرین کے اقوال پیش کئے ہیں۔ انہیں اس کد و کاوش کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے کہ قومی اسمبلی نے احمدیوں کو قانونی اور دستوری لحاظ سے غیر مسلم قرار دے دیا ہے۔ اور ملک صاحب دو قدم اور آگے بڑھ کر انہیں مشرکین میں شامل کر کے مسجدوں کی تعمیر سے روکنے کے لئے شرعی ثبوت مہیا کرنے کی کوشش ناکام کر رہے ہیں۔

ہمارے خیال میں قرآن کریم کی کسی آیت کو اس کے سیاق و سباق سے علیحدہ کر کے خواہش نفس کی تعمیل اور کسی خاص مقصد کے حصول کے لئے پیش کرنا کتاب اللہ میں قطع و برید۔ معنوی تحریف اور الحاد کے مترادف ہے۔

شریعت کی بنیاد قرآن کریم اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قول و فعل پر ہے۔ اگر کوئی بات قرآن کریم اور آنحضرت صلعم کے قول و فعل کے خلاف پڑتی ہو تو وہ ہمارے نزدیک ردّی کی ٹوکری میں پھینکنے کے قابل ہے خواہ وہ کسی کتنے ہی بڑے مفکر۔ مفسّر اور فلاسفر کا قول ہی کیوں نہ ہو۔

ملک صاحب اگر حق و صداقت اور عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑتے تو انہیں اس سے اگلی ہی آیت میں یہ بھی نظر آ جاتا کہ اگر مشرکین کو مساجد کی تعمیر سے خواہ وہ کسی صورت میں بھی ہو منع فرمایا ہے تو یہاں ان لوگوں کا بھی ساتھ ہی ذکر کر دیا ہے جو ایسا کر سکتے ہیں یعنی "اللہ کی مسجدیں صرف وہی آباد کر سکتے ہیں جو اللہ اور پچھلے دن پہ ایمان لائے اور نماز کو قائم کیا اور زکوٰۃ دی اور اللہ کے سوائے کسی کا خوف نہ کیا سو امید ہے کہ یہ ہدایت پانے والوں میں سے ہوں"۔ (التوبہ - ۱۸) آیت کے شروع کے الفاظ بڑی صراحت سے اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانے والے مشرک نہیں ہوتے اور ان آیات میں رسولِ کریم کا ذکر نہیں اس لئے کہ رسول کا منکر کافر تو ہو سکتا ہے لیکن مشرک نہیں ہوتا۔ شرک صرف یہی ہے کہ اللہ تعالےٰ کی ذات اور صفات میں کسی کو اس کا ہمسر اور برابر ٹھہرایا جائے۔ اس کی عبادت کی جائے اور اسی سے سب کچھ طلب کیا جائے جیسے اللہ تعالےٰ کو ماننے والے اس کی عبادت کرتے اور اسی سے مانگتے ہیں۔ سورۃ البقرہ کی آیت ۱۰۵ بھی اس پر یوں شہادت دیتی ہے "اہل کتاب میں سے جو کافر ہیں پسند نہیں کرتے اور نہ ہی مشرک کہ تمہارے رب سے تم پر کوئی بھلائی اتاری جائے اور اللہ اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے"۔ ملک صاحب یہاں غور فرمالیں کہ اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کا جنہیں کافر کہا گیا ہے اور مشرکین کا بالکل علیحدہ علیحدہ ذکر کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ خدا کے منکر مشرک بھی ہیں اور کافر بھی اور یہود و نصاریٰ صرف کافر۔ اور آیت زیرِ بحث میں صرف مشرکین کو مساجد کی تعمیر سے روکا گیا ہے۔ اور مشرک ہونے کی وجہ سے ہی شٰھدین علیٰ انفسھم بالکفر کے الفاظ ان کے حق میں استعمال ہوئے ہیں نہ کہ دوسرے کافروں کے لئے۔

سورۃ التوبہ نویں سال ہجرت میں نازل ہوئی جبکہ مکہ فتح ہو چکا تھا۔ خانہ کعبہ بتوں سے پاک کیا جا چکا تھا اور اب اس میں صرف ایک خدا کی عبادت ہوتی تھی۔ اس لئے اسے مشرکین کی تولیت سے بھی آزاد کرنا ضروری تھا۔ خانہ کعبہ پہلے ہی سے تعمیر شدہ تھا اس کی کوئی نئی عمارت کھڑی نہیں کرنی تھی۔ اس لئے جس آیت کا سہارا ملک صاحب نے لیا ہے اس میں مستعملہ الفاظ ان یعمروا مسٰجد اللہ ۔کوئی نئی عمارت بنانے کے لئے نہیں بلکہ اس کی مرمت۔ دیکھ بھال اور زائرین کعبہ کی خدمت کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔ یہود و نصاریٰ نے نہ کوئی مسجد تعمیر کی اور نہ خانہ کعبہ پہ اپنی خدمت کے عوض کوئی حق جتایا۔ اس لئے یہاں مراد صرف مشرکین ہی ہیں۔

جن مفسرین اور علومِ قرآنیہ کے ماہرین کے اقوال انہوں نے اپنی تائید میں پیش کئے ہیں ہم انہی میں سے صرف تین اصحاب کے اقوال جنہوں نے اس آیت کی تفسیر میں مشرکین کی تعریف کی ہے اپنے قارئین کے سامنے رکھ کر ان سے ملک غلام علی صاحب کے فہم قرآن کی داد چاہتے ہیں۔

۱۔ امام محمد البغوی اپنی تفسیر معالم التنزیل میں فرماتے ہیں:۔

"فمن کان کافراً باللہ فلیس من شانہ ان یعمرھا۔"

ان الفاظ کا مطلب یہ ہے پس جو کوئی اللہ کا انکار کرنے والا ہو اس کا یہ کام نہیں کہ وہ اسے آباد کرے۔ یہاں رسول کے انکار

کا ذکر نہیں اللہ کے انکار کا ذکر ہے اور یہ شرک ہے - ایسا کرنے والا مشرک ہے، لیکن ملک صاحب نے یہاں بجائے "اللہ کے انکار کرنے والے" کے صرف "کافر" لکھدیا ہے اور یوں دیانت و امانت کا مذاق اُڑایا ہے - ایسا نہ ہو کہ اس سے صرف مشرک ہی جیسا کہ قرآن شریف میں ہے مراد نہ لیا جائے - اور کہیں احمدی اس سے باہر نہ رہ جائیں۔

۲- امام محمد بن ابراھیم الخازن اپنی تفسیر لباب التاویل فی معانی التنزیل میں اس آیت کے ماتحت لکھتے ہیں :- "فمن کان کافراً باللّٰہ فلیس لہ ان یعمر مساجد اللّٰہ" - یہاں بھی مطلب وہی ہے کہ جو اللہ کا انکار کرتا ہے اس کے لئے جائز نہیں کہ مسجدوں کو آباد کرے - لیکن ملک صاحب یہاں صرف لفظ "کافر" لکھ کر اپنی مطلب برآری کرنا چاہتے ہیں۔

۳- قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی اپنی تفسیر المظھری میں اس آیت کی تشریح میں رقمطراز ہیں :- "فمن کان کافراً باللّٰہ فلیس من شانہ ان یعمرھا" - کہ جو کوئی اللہ کا انکاری ہو یہ اس کا کام نہیں کہ انہیں آباد کرے - یہاں ملک صاحب ترجمہ میں بھول کر کافر باللّٰہ لکھ گئے ہیں - اور کافر باللّٰہ مشرک ہوتا ہے۔

اللہ تعالے مشرک اسے قرار دیتا ہے جو اس کا انکار کرے اور اس کی ذات اور صفات میں کسی کو شریک کرے - ملک صاحب کے مفسّرین بھی اُسے "کافر باللّٰہ" کہتے ہیں - عیسائیوں کے ایک وفد کو مسجدِ نبویؐ میں ٹھہرا کر انہیں وہیں عبادت کرنے کی اجازت دینا اور اس کے متعلق مشرکین کے بارے میں ایسی کوئی واضح مثال نہ ہونا بھی یہی ظاہر کرتا ہے کہ مشرکین اور دوسرے کافروں میں ایک بیّن فرق ہے - ان شہادتوں کی موجودگی میں ہم ملک صاحب موصوف سے یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ اُن کے پاس قرآن - حدیث اور مفسّرین کی مزید کونسی شہادتیں ہیں جن کی بناء پر وہ خدا کے خوف اور تقوی اللہ سے بے نیاز ہو کر احمدیوں کو مشرک قرار دینے اور انہیں مسجدیں بنانے سے روکنے کا شرعی جواز تلاش کرنے کی جسارت کر رہے ہیں - حالانکہ دستور پاکستان کی جس ترمیم کا وہ سہارا لے رہے ہیں اُس میں بھی "قانونی اور دستوری لحاظ سے غیر مسلم اقلیت" کے الفاظ ہیں اور ان کے مشرک ہونے کا کہیں دُور کا اشارہ بھی نہیں پایا جاتا - ہاں جن لوگوں کے دل اور ذہن بیمار اور کج ہوں وہ فتنہ پیدا کرنے کے لئے اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں جو متشابہ ہو - جیسا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے "پھر جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ (محکمات کو چھوڑ کر) اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں جو اس میں سے متشابہ ہے فتنہ پیدا کرنے کے لئے اور یہ چاہتے ہوئے کہ اس کی (من مانی) تاویل کریں اور اس کی تاویل کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے"۔

مشرکین کے متعلق فتوی خود اللہ تعالے نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے اور وہاں احمدیوں کا کوئی ذکر نہیں مگر احمدیوں کے بارے میں فتویٰ قومی اسمبلی نے دیا ہے جس سے ملک صاحب من مانی تاویل کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ احمدی بھی مشرک ہیں - اس طرح ان کے نزدیک اللہ تعالے اور قومی اسمبلی کی AUTHORITY میں کوئی فرق نہیں اور قومی اسمبلی کی سند اور ارباباً من دون اللّٰہ میں شامل ہے - پھر بتایئے خدا کا سند تجویز کرنے والا اور ارباباً من دون اللّٰہ کی شریعت کو ماننے والا مشرک ہوا یا احمدیؐ - اور مسجد بنانے کی اُسے اجازت نہیں ہونی چاہیئے یا احمدیوں کو جو اللہ تعالے اس کے رسولوں اور اُن کی کتب اور یوم آخرت پر ایمان لاتے ہیں ۔

ذرا اور آگے چلئے - ملک صاحب جس جماعت سے وابستہ ہیں من حیث الجماعت اس کا یہ عقیدہ ہے اور "تفہیم القرآن" اس پہ گواہ ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام مٹی سے پرندے بنا کر اُن میں پھونکتے اور وہ اُڑنے لگ پڑتے مُردوں کو زندہ کرتے اور دو ہزار سال سے آج تک آسمان پر جیسے تھے ویسے کے ویسے زندہ ہیں اور قیامت کے قریب اُتریں گے - اور ان کی سانس سے کافر ہلاک ہو جائیں گے اس طرح دنیا پر اسلام ہی اسلام ہوگا - لیکن سورۃ المائدہ کی آیات نمبر ۱۴ اور نمبر ۶۴ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہود و نصارٰے قیامت کے دن تک رہیں گے کیونکہ ان آیات میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ "ہم نے ان کے درمیان قیامت کے دن تک دُشمنی اور بُغض ڈال دیا ہے" اور دوسرے مقام پہ ہے (البقرہ ۱۱۳) "سو اللہ ان کے درمیان قیامت کے دن ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف رکھتے تھے" یہود و نصارٰے کے درمیان قیامت کے دن تک دشمنی اور بُغض کا رہنا اور قیامت کے دن ہی ان کے درمیان اختلافات کا فیصلہ ہونے سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام قیامت کے دن تک تشریف نہیں لائیں گے اور آسمان پر خلاف قانونِ فطرت زندہ بیٹھے رہیں گے - قیامت کے بعد تو موت ہے ہی نہیں - اس لئے وہ جب سے آسمان پر تشریف لے گئے ہیں اس کے بعد سے ہمیشہ کے لئے زندہ رہیں گے۔

اللہ تعالے تو یہ فرماتے "کیا انہوں نے اللہ تعالے کے کوئی ایسے شریک بنائے ہیں جنہوں نے (کچھ) پیدا کیا ہو جیسے اللہ پیدا کرتا ہے - پھر پیدائش ان کی نظر میں مل جُل گئی - کہہ دے اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ اکیلا ہے سب پر غالب" (۱۳-۱۶) اور یہاں حضرت عیسٰی علیہ السلام کو خالق طیور سمجھا جا رہا ہو - مُردوں کو زندہ کرنے کے متعلق قرآن کریم کے کئی مقامات پر ایسا سوال آیا ہے "اور کون زندہ مردے سے نکالتا ہے اور مردہ زندہ سے نکالتا ہے"...... تو جواب میں آتا ہے "تو کہیں گے اللہ" (۱۰-۳۱) اگر یہ اختیار اللہ تعالے نے عیسے علیہ السلام کو بھی دیا ہوتا تو ساتھ ہی ان کا ذکر بھی کر دیا ہوتا - لیکن ایسا کہیں نہیں ملے گا۔

سورۃ الفرقان میں ہے :-

"اور زندہ (خدا) پر بھروسہ کر جو مرتا نہیں اور اس کی حمد کرتا ہُوا تسبیح کر" (۲۵-۵۸)

کیا عیسٰے علیہ السلام کو اِن آیات کی روشنی میں خُدا کی طرح خالق - مردوں کو زندہ کرنے والا اور قیامت تک الاٰن کما کان زندہ تصوّر کرنا انہیں اللہ تعالے کے ساتھ شریک کرنا نہیں اور جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کیا وہ مشرک نہیں - پھر انہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ مساجد تعمیر اور آباد کریں - شیشے کے گھر میں بیٹھ کر دوسروں پر پتھر پھینکنے میں احتیاط سے کام لینا چاہیئے - آپ کے اس شرک پہ تو خود قرآن کریم گواہ ہے اور شرعی جواز مہیا کرتا ہے۔

کسی کی دشمنی میں اتنا حد سے نہیں بڑھنا چاہیئے کہ خدا سے نڈر ہو جائے اور آخرت کا خوف بھی نہ رہے ۔

---

# احباب نوٹ فرمالیں

یاد رفتگاں یعنی تذکرہ انصار احمدیہ حصّہ اوّل کے صفحہ ۲۷۳ پہ عارف باللہ "حضرت مولنا حکیم محمد یحیٰی صاحب رحمۃ اللّٰہ علیہ اور ضلع ہزارہ میں آغاز تحریکِ احمدیت" کے عنوان سے ایک مضمون درج ہے - جس کے مصنف خانبہادر جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ہیں - لیکن سہو کتابت سے آپ کا اسمِ گرامی درج ہونے سے رہ گیا ہے - جن احباب کے پاس یہ کتاب موجود ہو، وہ براہِ مہربانی اس پر اپنے ہاتھ سے عالی قدر مصنّف کا نام درج فرمالیں -

(ادارہ)

از : راہ نورد

# سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کی تفسیر تفہیم القرآن کا ایک مختصر جائزہ

## (قسط نمبر ۷)

اور یہ ساری سازش کیوں تھی ؟

" یعنی یہ بات حضرت یوسفؑ کی شان پیغمبری کے شایاں نہ تھی کہ وہ اپنے ایک ذاتی معاملہ میں شاہِ مصر کے قانون پر عمل کرتے ۔ اپنے بھائی کو روک رکھنے کے لئے انہوں نے خود جو تدبیر کی تھی اُس میں یہ خلل رہ گیا تھا کہ بھائی کو روکا تو ضرور جا سکتا تھا مگر شاہِ مصر کے قانون تعزیرات سے کام لینا پڑتا تھا ۔ اور یہ اُس پیغمبر کی شان کے مطابق نہ تھا جس نے اختیاراتِ حکومت غیر اسلامی قوانین کی جگہ اسلامی شریعت نافذ کرنے کے لئے اپنے ہاتھ میں لئے تھے ۔ اگر اللہ تعالےٰ چاہتا تو اپنے نبی کو اس بدنما غلطی میں مبتلا ہو جانے دیتا مگر اس نے یہ گوارا نہ کیا کہ دھبّہ اس کے دامن پر رہ جائے اس لئے اس نے براہ راست اپنی تدبیر سے یہ راہ نکالی کہ اتفاقاً برادرانِ یوسف سے چور کی سزا پوچھ لی گئی اور انہوں نے اس کے لئے شریعت ابراہیمیؑ کا قانون بنا دیا ........... ایک بندے کے لئے اس سے بڑھ کر بلندیٔ درجہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ اگر وہ کبھی بشری کمزوری کی بناء پر خود کسی لغزش میں مبتلا ہو رہا ہو تو اللہ تعالےٰ غیب سے اس کو بچانے کا انتظام کر دے ۔"

(ایضاً صفحہ ۴۲۱)

یعنی چوری کی سازش میں شریک ہونا تو کوئی بشری لغزش نہ تھی ۔ جس سے بچنے کا سامان اللہ تعالےٰ کرتے ۔ لیکن یہ بات کہ سزا کس قانون کے تحت دی جائے وہ بشری کمزوری تھی جس کا دھبّہ اگر پڑ جائے تو اللہ تعالےٰ کی تدبیروں میں فرق آ جاتا ۔ استغفر اللہ کیا یہ اُس نبی کا کردار ہم بتا رہے ہیں جس کی عصمت و عفت کو قرآن نے مثالی کردار کے طور پر پیش کیا ہے ۔ جو اپنے ذاتی چلن کی پاکیزگی کو ثابت کرنے کے لئے صاف صاف کہہ دیتا ہے کہ جب تک اس پر لگائے گئے الزامات کی صفائی نہیں ہوتی وہ جیل سے باہر نہیں آئے گا ہمیں تعجب ہے کہ مودودی صاحب نے اپنے غلط سیاسی نظریئے کی تائید میں جو انہوں نے دین اللہ کو سیاسی اور حکومتی تغلب کا مترادف بنانے کا اختیار کر رکھا ہے مقام یوسفی کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے یا تو یہ غلو ہے کہ دین الملک کے ماتحت حکومت چلانا اگر درست ہو یا اس معاملہ میں جسے مودودی صاحب ذاتی اور شخصی قرار دے رہے ہیں حضرت یوسف دین الملک پر عمل کرتے تو :۔

"سوال اس پر بھی ختم نہیں ہوتا اس سے بھی زیادہ نازک اور سخت تر ایک دوسرے سوال پیدا ہو جاتا ہے یعنی یہ کہ حضرت یوسفؑ ایک راستباز آدمی بھی تھے یا نہیں ؟"

(ایضاً صفحہ ۴۱۲)

یعنی مودودی صاحب کی نظر میں حضرت یوسفؑ اگر : ——

"خود اُس نظامِ حکومت کے خادم بلکہ ناظم اور محافظ اور پشت پناہ تک بن جائے جو شاہِ مصر کی ربوبیت میں چل رہا تھا "

(ایضاً صفحہ ۴۱۳)

تو حضرت یوسفؑ کی راستبازی میں کلام پیدا ہو جاتا ہے ۔ لیکن اگر وہ خود چوری کی اسکیم بنائے اور خود ہی وہ فعل بھی کر گذرے یا اپنے بھائی سے کروا دے تو بھی اس کی راستبازی قائم رہتی ہے کیونکہ مودودی صاحب کہتے ہیں کہ ایسا کوئی اشارہ موجود نہیں کہ حضرت یوسفؑ نے اپنے ملازموں کو اس راز میں شریک کیا تھا ۔ اس فعل سے عصمت نبوّت داغدار نہیں ہوتی ۔ کیونکہ مودودی صاحب کے نزدیک ایسا فعل جائز ہے اور انہوں نے اس سے ایک مستقل اصول بھی اخذ کیا ہے جسے وہ اصطلاحِ شریعت میں "توریہ" کہتے ہیں ۔ یعنی اس تمام اسکیم کے تحت جب چوری کا مال برآمد ہو جاتا ہے اور دوسرے بھائی کہتے ہیں :۔

" اس (یعنی بن یامین ۔ ناقل) کا باپ بہت بوڑھا آدمی ہے ۔ اس کی جگہ آپ ہم میں سے کسی کو رکھ لیں ہم آپ کو بڑا ہی نیک نفس انسان پاتے ہیں ۔ یوسفؑ نے کہا پناہ بخدا دوسرے کسی شخص کو ہم کیسے رکھ سکتے ہیں جس کے پاس ہم نے اپنا مال پایا ہے اس کو چھوڑ کر دوسرے کو رکھیں گے تو ہم ظالم ہوں گے ۔"

(سورۃ یوسف آیات ۷۸ ۔ ۷۹ ۔ ترجمہ مودودی صاحب)

ان آیات پر مودودی صاحب حاشیہ لکھتے ہیں :۔

" احتیاط ملاحظہ ہو کہ "چور" نہیں کہتے بلکہ صرف یہ کہتے ہیں کہ جس کے پاس ہم نے اپنا مال پایا ہے اسی کو اصطلاحِ شریعت میں توریہ کہتے ہیں یعنی حقیقت پر پردہ ڈالنا ۔ یا امرِ واقعہ کو چھپانا جب کسی مظلوم کو ظالم سے بچانے یا کسی بڑے مظلمہ کو دفع کرنے کی صورت اس کے سوا نہ ہو کہ کچھ خلافِ واقعہ بات کہی جائے یا کوئی خلافِ حقیقت حیلہ کیا جائے تو ایسی صورت میں ایک پرہیزگار آدمی صریح جھوٹ بولنے سے احتراز کرتے ہوئے ایسی بات کہنے یا ایسی تدبیر کرنے کی کوشش کرے گا جس سے حقیقت کو چھپا کر بدی کو دفع کیا جا سکے ایسا کرنا شرع و اخلاق میں جائز ہے بشرطیکہ کام نکالنے کے لئے ایسا نہ کیا جائے بلکہ بڑی برائی کو دور کرنا ہو ۔ اب دیکھئے کہ اس سارے معاملہ میں حضرت یوسف نے کس طرح جائز توریہ کی شرائط پوری کی ہیں بھائی کی رضامندی سے اس کے سامان میں پیالہ رکھ دیا مگر ملازموں سے یہ نہیں کہا کہ اس پر چوری کا الزام لگاؤ"

(ایضاً صفحہ ۴۲۵)

یہی نہیں ۔ مودودی صاحب دو قدم اور آگے بڑھتے ہیں :۔

" اس قسم کے توریہ کی مثالیں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں بھی ملتی ہیں اور کسی دلیل سے بھی اس کو اخلاقاً معیوب نہیں کہا جا سکتا ۔"

(ایضاً صفحہ ۴۲۵)

لیجئے ۔ کہاں غزوات ۔ جہاں دشمن کی جنگی چالوں کا مقابلہ عسکری حیلہ جوئی سے ہی کیا جاتا ہے اور کہاں یہ بے ضرر صورت حال جس میں لوگ قحط سے بے حال ہو کر غلہ خریدنے آئے ہیں اپنے بوڑھے باپ کو پیچھے چھوڑ کر اور یہ عہد کر کے آئے ہیں کہ بن یامین کو ضائع نہیں کریں گے بلکہ واپس لائیں گے ۔ نہ انہوں نے مودودی صاحب کے بیان کردہ تفصیلات میں بن یامین سے کوئی بُرائی کی نہ اُن کا بُرائی کا کوئی ارادہ تھا ۔ خود یوسف نے بن یامین کو روکنا چاہا اور چوری کی تمام اسکیم نعوذ باللہ خود تیار کی اور سامان میں پیالہ رکھ دیا ۔ (ہمیں معلوم نہیں ہو سکا کہ "بھائی کی رضامندی" کا علم

مودودی صاحب کو کہاں سے ہوا کیونکہ یہ بات بائبل اور قرآن میں تو مذکور نہیں اور نہ شاید تالمود میں ہو کیونکہ اگر ہوتی تو مودودی صاحب ضرور اس کا اقتباس درج کرتے) اب آپ ہی کہئے کہ "یہ توریہ" کس برائی کے ازالہ کے لئے تھا۔ تفسیر تفہیم القرآن کے مطالعہ میں ہمیں ایسے بیشتر مقامات ملے ہیں جہاں مودودی صاحب کو اگر کوئی مشکل پیش آئی ہے تو انہوں نے خود ہی قیاساً واقعات کا اپنے مطلب یا تخیل کے مطابق برپا ہونا فرض کر لیا ہے۔ یہاں توریہ کی خاطر انہوں نے یوسف اور بن یامین کی سازش فرض کر کے تمام واقعات کا اسی طرح ہوا ہونا بیان کر دیا ہے۔ یہ سب اس لئے کیا کہ دین الملك کے تحت یوسف بن یامین کو روک نہیں سکتے تھے لیکن پھر وہی یوسف ہیں کہ اپنے پورے خاندان کو پورے کر و فر کے ساتھ مصر میں آنے پر استقبال بھی کرتے ہیں اور انہیں وہیں آباد بھی کرتے ہیں:۔

"تلمود میں لکھا ہے کہ جب حضرت یعقوب کی آمد کی خبر دارالسلطنت میں پہنچی تو حضرت یوسف سلطنت کے بڑے امراء و اہل مناصب اور فوج فرا کو لے کر ان کے استقبال کے لئے نکلے اور پورے تزک و احتشام کے ساتھ ان کو شہر لائے۔" (ایضاً صفحہ ۴۳۱)

پھر یہ اصول جسے "توریہ" کے نام سے محمود و مقبول اصول بنایا جا رہا ہے اس کے اثرات کیا ہو سکتے ہیں۔ اس کے تحت تو سچی بات کا اخفاء کسی معصوم کو مجرم بنا دینے کے لئے جائز ہو سکتا ہے کیونکہ فاعل اپنے آپ کو یہ کہہ کر حق بجانب بنوا لے گا کہ اس نے کسی بڑی بدی کو دور کرنے کے لئے ایک چھوٹا فعل برگوارا کر لیا ہے۔ تعجب ہے کہ یوسف علیہ السلام کو تو کسی ایسے فعل کی ضرورت ہی نہ تھی وہ تو جناب مودودی صاحب کی نظر میں ویسے بھی ملک مصر میں ماتحت حالت میں نہ تھے کیا یہ باتیں ظاہر نہیں کرتیں کہ "توریہ" نامی اصول کی بنیادیں خود ریت پر ہیں۔ کیونکہ اگر واقعی یہ تشریح درست ہے جو مودودی صاحب نے کی ہے تو پھر چاہے اسے کتنے ہی حسین و جمیل غلافوں میں سجایا جائے حضرت یوسفؑ کے کردار پر جو بدنما داغ اس سے لگتا ہے وہ عصمت یوسفی کو مکمل طور پر سیاہ کر دیتا ہے۔ تعجب ہے کہ وہ شخص جو اس وقت جبکہ عزیز مصر کے ہاں ایک ادنیٰ حیثیت میں عزیز مصر کی عورت سے اپنا دامن صاف بچا کر لے گیا ایک قریب قریب حاکمانہ اور ذمہ دارانہ مقام پر پہنچ کر خود ایک جرم کا مرتکب ہوا اور الزام اپنے بھائی پر دھر بیٹھا۔ مودودی صاحب کہتے ہیں کہ بعد میں انہوں نے اصل معاملہ عوام کو بتا دیا ہوگا۔ اس کی کوئی شہادت انہوں نے نہیں دی۔ یہ تو درست ہے کہ بن یامین پکڑے گئے چوری کے الزام میں اور مودودی صاحب کے کہنے کے مطابق یوسفؑ کو چوری کا علم تھا۔ اور جب اعلان ہوا کہ اے قافلے والو تم چور ہو تو وہ خاموش بیٹھے رہے۔ کیا قرآن پاک میں نہیں:۔

وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا۔

(۴ : ۱۱۲)

پھر جس نے کوئی خطا یا گناہ کر کے اس کا الزام کسی بیگناہ پر تھوپ دیا اس نے تو بڑے بہتان اور صریح گناہ کا بار سمیٹ لیا۔ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ ۳۹۶)

ایسا آدمی جو ایسی حرکت کرے اس کے بارے میں آپ کا ذہن جو بھی سوچ لے وہ بعید از امکان نہیں۔

ضمناً ایک اور عجیب بات ہمیں مودودی صاحب کی تفسیر سے معلوم ہوئی ہے وہ کہتے ہیں:۔

"اس دوران میں یقیناً انہوں نے مصر میں اسلام کی خوب تبلیغ کی ہوگی۔ اہل مصر میں سے جو لوگ اسلام لائے ہوں گے ان کا مذہب ہی نہیں بلکہ ان کا تمدن اور پورا طرز زندگی غیر مسلم مصریوں سے الگ اور بنی اسرائیل سے ہم رنگ ہو گیا ہوگا مصریوں نے ان سب کو اجنبی ٹھہرایا ہوگا۔ جس طرح ہندوستان میں ہندوؤں نے مسلمانوں کو ٹھہرایا۔ ان کے اوپر اسرائیلی کا لفظ اسی طرح چسپاں کر دیا ہوگا جس طرح غیر عرب مسلمانوں پر محمڈن کا لفظ آج چسپاں کیا جاتا ہے۔"

(تفہیم القرآن جلد دوم۔ صفحہ ۴۳۲)

اس تمام "کی ہوگی" اور "کیا ہوگا" میں سب سے پہلے عجیب بات غیر عرب مسلمانوں کے لئے محمڈن کے لفظ کے استعمال کی دریافت ہے۔ کم از کم ہمیں آج تک معلوم نہ تھا کہ لفظ غیر عرب مسلمانوں کے لئے مخصوص ہے۔

حضرت یوسفؑ کے بارے میں ہم نے مودودی صاحب کی تفسیر سے تفصیلاً اور لمبے اقتباسات اس لئے درج کئے ہیں کہ ان کے سیاسی نظریے کے ضمن میں انہیں اس پر بہت کچھ شدت سے انحصار کرنا پڑا ہے اور وہ اسے اپنے موقف کی تائید میں لاتے ہیں حالاں کہ یہ صریحاً ان کے خلاف جاتا ہے۔ حضرت یوسف کی بحث میں بھی مودودی صاحب کو ایک اور الجھن کا بھی سامنا ہوا ہے کہ:۔

" سوال کیا جا سکتا ہے کہ اس سے کم از کم یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تک مصر کی حکومت میں دین الملک ہی جاری تھا۔ اب اگر اس حکومت کے حاکم اعلیٰ حضرت یوسف ہی تھے جیسا کہ تم پہلے ثابت کر چکے ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ حضرت یوسفؑ خدا کے پیغمبر خود اپنے ہاتھوں سے ملک میں دین ملک جاری کر رہے تھے۔ اس کے بعد اگر اپنے ذاتی معاملہ میں یوسف نے دین الملک کی بجائے شریعت ابراہیمی پر عمل کیا تو اس سے فرق کیا واقع ہوا۔ اس کا جواب تو یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ مامور تو دین اللہ جاری کرنے ہی پر تھے اور یہی ان کا پیغمبرانہ مشن اور ان کی حکومت کا مقصد تھا مگر ایک ملک کا نظام عملاً ایک دن کے اندر نہیں بدل جاتا ........ نظام عدالت اور قانون کو بالفعل بدلنے کے لئے برسوں لگ جائیں گے .......... کیا تاریخ اس بات پر شاہد نہیں کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عرب کے نظام زندگی میں پورا انقلاب برپا کے لئے نو دس برس لگے تھے۔ ..........

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت کے ابتدائی دور میں جب تک قوانین اسلامی جاری نہ ہوئے تھے لوگ پرانے طریقے کے مطابق شراب پیتے رہے مگر کیا حضورؐ نے بھی پی۔ لوگ سود لیتے دیتے تھے مگر کیا آپؐ نے بھی سودی لین دین کیا۔ لوگ متعہ کرتے رہے اور جمع بین الاختین کرتے رہے مگر کیا حضورؐ نے بھی ایسا کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ داعی اسلام کی عملی مجبوریوں کی بناء پر احکام اسلامی کے اجراء میں تدریج سے کام لینا اور چیز ہے اور اس کا خود اس تدریج کے دور میں جاہلیت کے طریقوں پر عمل کرنا اور چیز ہے۔"

(ایضاً صفحہ ۴۲۳)

اس مندرجہ بالا اقتباس کے فکری مغالطوں کو دیکھئے۔ اولاً حضرت یوسفؑ اور حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حالتیں صریحاً مختلف تھیں۔ حضور خود سربراہ ریاست تھے۔ حضرت یوسف نہ تھے۔ حضورؐ سے پہلے کی عرب سوسائٹی رسم و رواج پر چل رہی تھی ان کے پاس ایک دیسی ترقی یافتہ ریاست اور قانون

تھا ہی نہیں جیسا مصریوں کا تھا اور جس کے لئے قرآن نے دین الملک کا لفظ استعمال کیا۔ ہاں مدینہ کے یہود کو اس نوع (CATOGRY) میں کسی حد تک شمار کر سکتے ہیں۔ وہاں بتدریجاً قوانین وضعی یا دین الملک کو بدل کر شریعت ابراہیمی کو رائج کرنا تو کم از کم واقعہ زیر بحث میں تو دونوں قوانین ایک ہی سزا دیتے کیونکہ مودودی صاحب کہتے ہیں دنیا میں کوئی حکومت ایسی نہیں جو چور کو گرفتار نہ کرتی ہو۔ لہذا یہ بھی نہ ہوا کہ دونوں قوانین کا اختلاف واضح ہو سکتا تاکہ علم ہو سکتا کہ بعد میں شریعت ابراہیمی دین الملک میں کیا تدریجی تبدیلی لاتی ہے۔ حضورؐ کے عادات سے جو اسلامی انقلاب کے بتدریج تو سال میں برپا کرنے کی تائید حاصل کی گئی ہے وہ بھی درست نہیں اسلامی شرع کا نفاذ تو صرف مسلمانوں کے لئے تھا غیر مسلموں کو تو انہی کے حال پر چھوڑا گیا۔ اور مسلمانوں کے بارے میں جو یہ کہا گیا کہ وہ شراب پیتے تھے مگر حضورؐ نہ پیتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ تو عرض ہے کہ مسلمان تبھی شراب پیتے تھے جب وہ حرام نہ تھی۔ تبھی سود لیتے تھے جب حرام نہ تھا۔ اگر حرمت سے قبل حضورؐ ایسا نہ کرتے تھے تو وہ کسی شرعی حکم کے تحت نہ تھا بلکہ وہ حضورؐ کا خالصتاً ایسا ذاتی فعل تھا جو ان کی طبع میں فطرۃً راسخ تھا۔ وہ نہ اس کی طرف اُس وقت دعوت دیتے رہے تھے نہ ان کا یہ فعل شرع کے ان احکامات کے تحت جانچا جا سکتا ہے جو بعد میں وحی ہوئے اور نافذ کئے گئے۔ یہاں ایسا مسئلہ ہی نہیں تھا کہ ہم کہہ سکیں کہ :-

"تدریج کی رخصتیں دوسروں کے لئے ہیں داعی کا یہ کام نہیں ہے کہ خود ان طریقوں ہی سے کسی پر عمل کرے جن کے مٹانے کے لئے وہ مامور ہوا ہے۔"

یہ کیفیت تو بعض نہایت ہی واضح آیات کی ہوئی کہ مودودی صاحب نے ان پر بھی جو استدلال کیا ہے وہ نہ صرف اکثر روایات کا ہی اتباع ہے بلکہ جو اعتراضات انبیاء کی شانِ اقدس پر ایک ایسے طرز استدلال کے بعد ماضی میں مستشرقین - آریہ سماجیوں اور غیر مسلموں نے کئے تھے ان کا بھی کوئی جواب نہیں ہو سکا۔ بلکہ ان کی دوبارہ توثیق ہی کر دی گئی ہے لیکن وہ مسائل جو خالص مذہب اور انبیاء کے تعلق باللہ سے بحث میں پیدا ہوئے ہیں۔ ان پر بھی تفسیر تفہیم القرآن کوئی زیادہ راہنمائی نہیں کرتی۔

مثلاً قرآن پاک کے بعض مشکل مقامات میں سے سورۃ البقرہ کی آیات ۲۵۹ میں بیان کردہ واقعہ بھی ہے جہاں اللہ تعالے نے ایک شخص کا ذکر کیا ہے کہ :-

"جس کا گذر ایک ایسی بستی پر ہوا جو اپنی چھتوں پر اوندھی گری پڑی تھی اُس شخص نے کہا کہ یہ آبادی جو ہلاک ہو چکی ہے اسے اللہ کس طرح دوبارہ زندگی بخشے گا۔ اس پر اللہ تعالے نے اُس کی روح قبض کر لی اور وہ سو برس تک مُردہ پڑا رہا۔ پھر اللہ تعالے نے اسے دوبارہ زندگی بخشی اور پوچھا بتاؤ کتنی مدت پڑے رہے اُس نے کہا ایک دن یا چند گھنٹے رہا ہوں گا فرمایا تم پر سو برس اسی حالت میں گذر چکے ہیں"

(ترجمہ آیات از مودودی صاحب)

اس پر مودودی صاحب نے تین مختصر حواشی ۲۹۳ - ۲۹۴ - اور ۲۹۵ لکھے ہیں جو یہ ہیں :-

حاشیہ ۲۹۳: "یہ ایک غیر ضروری بحث ہے کہ وہ شخص کون تھا اور وہ بستی کونسی تھی اصل مدعا جس کے لئے یہاں یہ ذکر لایا گیا ہے صرف یہ بتانا ہے کہ جس نے اللہ تعالے کو اپنا ولی بنایا تھا اُسے اللہ نے کس طرح روشنی عطا کی، شخص اور مکان دونوں کی تعیین کا نہ ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہ اس کا کوئی فائدہ البتہ بعد کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن صاحب کا یہ ذکر ہے وہ ضرور کوئی نبی ہوں گے۔

حاشیہ ۲۹۴: "اس سوال کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ بزرگ حیات بعد الموت کے منکر تھے یا انہیں اس میں شک تھا بلکہ وہ دراصل حقیقت کا عینی مشاہدہ چاہتے تھے جیسا کہ انبیاء کو کرایا جاتا رہا ہے۔"

حاشیہ ۲۹۵: "ایک ایسے شخص کا زندہ پلٹ کر آنا جسے دنیا سو برس پہلے مردہ سمجھ چکی تھی خود اس کو اپنے ہمعصروں میں ایک جیتی جاگتی نشانی بنا دینے کے لئے کافی تھا۔"

(تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ ۲۰۱-۲۰۰)

ہم نے اس آیہ کریمہ کے متن کو بار بار پڑھا ہے - اور ان حواشی کو بھی - ہم اپنے عجز کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ حواشی ہمیں اس آیت کے سمجھنے میں معاون نہیں ہو سکے۔ حاشیہ ۲۹۳ میں کہا گیا ہے کہ جن صاحب کا یہ ذکر ہے وہ ضرور کوئی نبی ہوں گے" حاشیہ ۲۹۴ کہتا ہے "وہ حیات بعد الموت کے منکر (نہ) تھے ....... بلکہ دراصل وہ حقیقت کا عین مشاہدہ چاہتے تھے جیسا کہ انبیاء کو کرایا جاتا رہا ہے" اور حاشیہ ۲۹۵ خود اُس شخص کو جو ضرور کوئی نبی ہوں گے" اور "حقیقت کے عینی مشاہدہ" کے طلبگار بھی سو برس تک مردہ دوبارہ دنیا میں پلٹایا جانا بیان کرتا ہے تاکہ وہ "خود ....... اپنے ہمعصروں میں ایک جیتی جاگتی نشانی بن جائے"۔ ہمارے لئے یہ بات سمجھنا بہت ہی دشوار ہو رہا ہے کہ ایک شخص جو نبی اللہ ہو اور خدا تعالے اس سے ہمکلام ہو رہے ہوں اُس کو اس تجربہ ہمکلامی کے بعد بھی کسی اور ثبوت کی کیا حاجت رہ جاتی ہوگی کہ وہ جانے کہ زندگی کی سرحد کے اُس پار ایک اور دنیا بھی ہے جس کے لئے اُسے حقیقت کے عینی مشاہدہ کی طلب کرنا پڑے جو حیات بعد الموت کا امر واقعہ ہونا دکھا سکے۔ وہ تو خود اس حقیقت عالیہ سے ذاتی طور پر متعارف ہوتا ہے جو تمام مخلوقات کی خالق ہے اسے اُس کے مکالمہ مخاطبہ کے شرف کے بعد بھی حقیقت کے عینی مشاہدہ کی احتیاج خود اس کے ذاتی تجربے کی حقیقت کے بارے میں صاحب تجربہ کے متشکک ہونے کا احتمال پیدا کر دیتی ہے - مزید برآں سو برس ایک چھوٹی سی مدت بھی نہیں کہ اس میں ضرور اس کے وہ ہمعصر زندہ موجود ہوں جن کے سامنے سو برس پہلے وہ شخص یا تو مر گیا تھا یا دنیا اسے مردہ سمجھ چکی تھی - تا وہ دوبارہ اپنے ہمعصروں میں ایک جیتی جاگتی نشانی بن جائے۔

مودودی صاحب نے جس سرسری طور سے اس واقعہ کی تفسیر میں تعین شخص اور تعین مکان کو ایک غیر ضروری بحث کہہ دیا ہے کیا واقعی یہ بات اتنی ہی غیر اہم اور غیر ضروری ہے۔

اگر ایسا ہے تو قرآن پاک کے طالب علم کے لئے اس واقعہ کا بیان معمہ بن جاتا ہے جس کی گرہیں اور بھی سخت ہو جاتی ہیں - کیونکہ یہ واقعہ جس مشکل کے حل کے لئے بطور دلیل بیان کیا جا رہا ہے خود وہ دلیل محل نزاع ہو کر ایک نیا عقدہ پیدا کر دیتی ہے جو حل ہی نہیں ہوتا کیونکہ اوّلاً تو کسی ایسے واقعہ کا ظہور انسانی تاریخ میں محفوظ نہیں اور مودودی صاحب کہہ چکے ہیں کہ اس کے تعین کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں۔ دوسرے اگر یہ کسی اُلجھن کے سلجھاؤ کی کلید ہے تو یہ کلید شاید اُس کے کام تو آ سکتی جس نے ایسا واقعہ ظہور پذیر ہوتے یا خود پر وارد ہوتے دیکھا ہو دوسروں کے لئے تو یہ اُلجھن ہی رہے گی کیونکہ ایسا واقعہ ہر دور میں سو پچاس برس کے فاصلے سے انسانوں کے گروہوں کے سامنے ہوتا دیکھا یا سُنا نہیں گیا کہ وہ حیات بعد الموت یا بعث ثانی پر نشانی ہو سکے۔

آپ اس گتھی کو اس سیاق و سباق میں رکھ کر دیکھیں جہاں قرآن پاک میں اسے رکھا گیا ہے - آیت ۲۵۸ - الم تر الی الذی حاج ابراھیم فی ربہ الخ ہے آیت ۲۵۹ آیت زیر بحث ہے اور آیت ۲۶۰ و اذ

قال ابراھیم ربّ ارنی کیف تحی الموتٰی ہے۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ ذکر ابراھیم کی آیات ۲۵۸ اور ۲۶۰ کے درمیان اس آیت میں ایک واقعہ کا بیان یقیناً اُس سیاق و سباق کی تخفیت۔ تاریخ اُن سے مرتب کی ہوئی یا نتیجہ سے کوئی گہرا تعلق رکھتا ہوگا جو اُسے ان آیات کے درمیان بیان کیا گیا ہے۔ لیکن مودودی صاحب اس بارے میں ہماری کوئی امداد کر پاتے اور یہ مقام تفسیر تفہیم القرآن میں ایک طالب علم کے لئے حل طلب ہی رہ گیا ہے ویسے کسی واقعہ کا وقوع ہونا اعتقاداً مان لیا جاسکتا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ واقعۃً اعتقادی مقام پر نہیں بلکہ دلیل پر بیان کیا گیا ہے اور دلیل کو اعتقاد کا ثبوت ہونا چاہیئے نہ کہ خود ایک نیا مفروضہ جو سائل کو متحیّر اور تشنہ چھوڑ جائے۔

رہا حدود اور احکامات کا معاملہ تو یہاں بھی مودودی صاحب نے کوئی نئی بات نہیں کہی بلکہ اُنہی غلط قدموں کو راہ نما بنایا ہے جو اس سے قبل بھی غلط استدلالی کی خطوط پر اُٹھائے گئے تھے۔

مثلاً زنا کی سزا کے بارے میں قرآن پاک کے واضح حکم کے باوجود وہ شادی شدہ مرد اور عورت کی سنگساری کو شرعاً واجب العمل سمجھتے ہیں حالانکہ ایسی کسی سزا کا حکم قرآن پاک میں نہیں۔ اور چونکہ انہیں ایسا حکم قرآن پاک میں نہیں ملا انہوں نے اسے بعض احادیث میں بیان کردہ واقعات سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن احادیث میں بیان کردہ واقعات کے بارے میں یہ ثابت نہیں ہے کہ جو سزائیں حضورؐ نے سنگساری کی بعض مرتکبین کو دیں وہ سورۃ النور کی آیات جلد آ جانے سے پہلے کی ہیں یا بعد کی۔ پھر جس مقدمہ کو "سب سے بڑا مقدمہ ماعز بن مالک اسلمی" کا کہکر مودودی صاحب نے بطور نظیر پیش کیا ہے اُس کے بارے میں مودودی صاحب نے خود لکھا ہے کہ:۔

"جب پتھر پڑنے شروع ہوئے تو ماعز بھاگا اور اس نے کہا لوگو مجھے رسول اللہ کے پاس لے چلو میرے قبیلے کے لوگوں نے مجھے مروا دیا انہوں نے مجھے دھوکا دیا کہ رسول اللہ مجھے قتل نہیں کروائیں گے مگر مارنے والوں نے اسے مار ڈالا۔ بعد میں جب حضور کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپ نے فرمایا تم لوگوں نے اُسے چھوڑ کیوں نہ دیا۔ میرے پاس لے آئے ہوتے۔ شاید وہ توبہ کرتا اور اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا۔" (تفہیم القرآن جلد سوم صفحہ ۳۳۶)

مودودی صاحب کو اصرار ہے کہ شادی شدہ زانی واجب رجم ہے اور اوپر بیان کردہ واقعہ اس کا سب سے بڑا ثبوت اور نظیر (PRECEDENT.) ہے جو نبوی عدالت سے فیصلہ کی صورت میں صادر ہوا۔ اسی موضوع پر بحث کرتے ہوئے مودودی صاحب نے سورۃ النساء آیت ۱۶ پر جو تفسیری حاشیہ لکھا تھا وہ یہ ہے:۔

"ان دونوں آیتوں (یعنی ۱۵، ۱۶) میں زنا کی سزا بیان کی گئی ہے پہلی آیت صرف زانیہ عورتوں کے متعلق ہے اور ان کی سزا یہ ارشاد ہوئی ہے کہ انہیں تا حکم ثانی قید رکھا جائے۔ دوسری آیت زانی مرد اور زانیہ عورت دونوں کے بارے میں ہے کہ دونوں کو اذیت دی جائے یعنی مارا پیٹا جائے سخت سُست کہا جائے اور ان کی تذلیل کی جائے زنا کے متعلق یہ ابتدائی حکم تھا۔ بعد میں سورۃ نور کی یہ آیت نازل ہوئی جس میں مرد اور عورت دونوں کے لئے ایک ہی حکم دیا گیا کہ انہیں سو سو کوڑے لگائے جائیں۔ اہلِ عرب چونکہ اس وقت تک کسی باقاعدہ حکومت کے تحت رہنے اور عدالتی قانون کے نظام کی اطاعت کرنے کے عادی نہ تھے اس لئے یہ بات حکمت کے خلاف ہوتی اگر اسلامی حکومت قائم ہوتے ہی ایک قانون تعزیرات بنا کر دفعتہً ان پر نافذ کر دیا جاتا۔ اللہ تعالےٰ نے ان کو رفتہ رفتہ تعزیری قوانین کا خوگر بنانے کے لئے پہلے زنا کے متعلق یہ سزائیں تجویز فرمائیں پھر بتدریج زنا۔ قذف۔ اور سرقہ کی حدیں مقرر کیں اور بالآخر اس بناء پر تعزیرات کا وہ مفصّل قانون بنا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلّم اور خلفائے راشدین کی حکومت میں نافذ تھا" (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ ۳۳۱)

سورۃ النساء کا مندرجہ بالا حاشیہ اس باب میں سزاؤں کے قوانین کے تدریجی نفاذ کی حکمت بیان کرتا ہے۔ اس طرح کا تفصیلی حاشیہ سورۃ النور میں بھی ہے جس میں سے ایک مختصر حصّہ ہم نقل کرتے ہیں:۔

"(۵) زنا کو قابلِ سزا فعل تو ۳ھ میں ہی قرار دے دیا گیا تھا لیکن اُس وقت یہ ایک عام قانونی جُرم نہ تھا جس پر ریاست کی پولیس اور عدالت کوئی کارروائی کرے بلکہ اس کی حیثیت ایک معاشرتی یا خاندانی جُرم کی تھی جس پر اہلِ خاندان ہی کو بطور خود سزا دے لینے کا اختیار تھا۔ حکم یہ تھا کہ اگر چار گواہ اس امر کی شہادت دے دیں کہ انہوں نے ایک مرد اور ایک عورت کو زنا کرتے دیکھا ہے تو دونوں کو مارا پیٹا جائے اور عورت کو گھر میں قید کر دیا جائے۔ اس کے ساتھ یہ اشارہ بھی کر دیا گیا تھا کہ یہ قاعدہ "تا حکم ثانی" ہے اصل قانون بعد میں آنے والا ہے (ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ ۳۳۱) اس کے ڈھائی تین سال بعد یہ حکم نازل ہوا جو آپ اس آیت میں پا رہے ہیں اور اس نے حکم سابق کو منسوخ کرکے زنا کو ایک قانونی جرم قابلِ دست اندازیٔ سرکار (Cognizable Offence) قرار دے دیا" (تفہیم القرآن جلد سوم صفحہ ۳۲۵)

گویا یہ حکم ۶ھ میں نازل ہوا اور اس نے بقول مودودی صاحب پچھلے حکم کو جو ۳ھ میں نازل ہوا تھا منسوخ کر دیا حالانکہ یہ غلط ہے کہ قرآن پاک نے یہ کہا ہے کہ اصل قانون بعد میں آنے والا ہے۔ آیت تو صرف یہ کہتی ہے کہ "یہاں تک کہ انہیں موت آ جائے یا اللہ ان کے لئے راستہ نکال دے" راستہ نکالنے کا مطلب مفسرین نے شادی ہو جانا یا امر اللہ ہو جانا لکھا ہے نہ کہ کسی دوسرے حکم کا انتظار۔ مودودی صاحب نے سورۃ نور کو "۵ھ کے نصف آخر میں سورۃ احزاب کے کئی مہینے بعد نازل ہونا بیان فرمایا ہے (تفہیم القرآن جلد سوم صفحہ ۳۰۷)۔ اس وقت کی اسلامی ریاست کی حالت یہ تھی:۔

"جنگ خندق میں یہ لوگ متحد ہو کر دس ہزار فوج کے ساتھ مدینے پر چڑھ آئے تھے مگر ایک مہینے تک سر مارنے کے بعد آخرکار ناکام ہو کر چلے گئے اور ان کے جاتے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علی الاعلان فرما دیا لَنْ تغزوکم قریش بعد عامکم ھذا ولکنکم تغزونھم (ابن ہشام جلد ۳ صفحہ ۲۶۶) اس سال کے بعد قریش تم پر چڑھائی نہیں کریں گے بلکہ تم ان پر چڑھائی کرو گے" (ایضاً صفحہ ۳۰۷)

یعنی اب اسلامی ریاست مضبوط تھی۔ ابتدائی دَور جس میں نفسیات فرد اور اجتماع کا تقاضا تھا کہ تعزیر ہلکی ہو اور فعل زیرِ بحث کو خاندانی اور معاشرتی جرم ہی رکھا جائے قابلِ دست اندازیٔ سرکار نہ بنایا جائے۔ وہ دَور گذر چکا تھا۔ مودودی صاحب کی تفسیر کے مطابق سورۃ النساء والا حکم منسوخ ہو کر سورۃ النور والا حکم آ چکا تھا۔ اس سب صورتِ حال کو دھیان میں رکھ کر اب اس عظیم شخصیت کے جملوں کو پڑھیئے جس پر قرآن کے احکامات وحی ہو رہے تھے اور جو اوّل المؤمنین ہونے کی حیثیت میں انہیں نافذ کرنے کا پابند تھا کہ:۔

"تم لوگوں نے اسے چھوڑ کیوں نہیں دیا۔ میرے پاس لے آئے ہوتے شاید وہ توبہ کرتا اور اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا"

(باقی باقی)

# غزوات و معاہدات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

## جلسہ سیرت النبیؐ منعقدہ جامع احمدیہ بلڈنگس لاہور میں

## چوہدری مسعود اختر صاحب ایڈوکیٹ کی تقریر

---

فرمایا، حضور خاتم النبیین جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی سیرت کے متعلق اتنا لکھا اور کہا جا چکا ہے کہ حضورؐ کی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس سے بنی نوع انسان کو آگاہی نہ ہو۔

بہر حال مَیں حضور نبی کریم صلعم کے غزوات اور معاہدات کا ذکر یہ ثابت کرنے کے لئے کروں گا کہ آپؐ اُن کی کیسی سختی سے پابندی فرماتے تھے اور یہ کہ حضورؐ نے محض دفاع میں جنگ لڑی اور کبھی جارحیت کا ارتکاب نہ فرمایا۔ اس ضمن میں مَیں ان معاہدوں اور غزوات کی بین الاقوامی قانون میں حیثیت سے متعلق بھی کچھ عرض کروں گا۔ کیونکہ مستشرقین یورپ اور کچھ اپنے نادانوں نے اس ضمن میں جو غلط روایات پھیلائیں اُن سے عوام کے ذہن میں یہ تاثر ہے کہ حضور نے جنگیں دین کی اشاعت کے لئے لڑیں اور ایسا جہاد مسلمان پر فرض واجبی ہے۔

حضور نبی کریم صلعم کی مکّی زندگی میں قریش مکّہ نے آنحضورؐ اور مسلمانوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے اور جب یہ ظلم و ستم حد سے بڑھ گیا تو ہجرت کا حکم ہوا۔ پہلے تو مسلمانوں کا ایک گروہ حبشہ کی طرف ہجرت کر گیا اور جب مدینہ کے دو قبائل اُوس اور خزرج کے لوگ مسلمان ہو گئے تو مدینہ کی طرف ہجرت شروع ہوئی۔ اگر ہجرت کی تفصیلات پر غور کیا جائے تو حضورِ سرورِ کائناتؐ کی شخصیت تاریخ عالم کے عظیم ترین قائد کی حیثیت سے سامنے آتی ہے۔ اس موقعہ پر حضورؐ کو اپنی زندگی کی کوئی پرواہ نہیں اگر فکر ہے تو اپنے ساتھیوں کی عافیت کی۔ مکّہ سے تمام مسلمانوں کو حبشہ اور یثرب بھیج دیتے ہیں اور خود وہ عظیم الشان اور بے مثال قائد جن کی زندگی سے نہ صرف مسلمانوں بلکہ خود دین اللہ کی بقا وابستہ ہے صرف حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے ساتھ مکّہ میں رہ جاتے ہیں جہاں ہر طرف دشمن ہی دشمن ہیں اور دشمن بھی وہ جو آپؐ کے خون کے پیاسے اور آپؐ کے قتل کے درپے ہیں۔ تاریخ عالم ایسے جرأت مند اور دلیر قائد کی کوئی اور نظیر دکھانے سے قاصر ہے۔ مؤرخین نے عام طور پر فتح مکّہ کو اسلامی ریاست کی ابتدا سے تعبیر کیا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حضورؐ کے ورودِ مدینہ کے ساتھ ہی اسلامی ریاست کی بنیاد پڑ گئی تھی۔ حضورؐ کے مدینہ پہنچتے ہی اوس اور خزرج قبائل نے جن کی اکثریت مسلمان ہو گئی تھی۔ آنحضرت صلعم کو اپنا قائد تسلیم کر لیا تھا اور یثرب اب مدینۃ النبی بن گیا تھا۔ اسلام لانے سے پیشتر اوس اور خزرج میں جنگ ہوتی رہتی تھی اور یثرب میں بسنے والے تین عرب یہودی قبائل بنی قینقاع۔ بنو نضیر اور بنی قریظہ میں سے بنی قریظہ اوس کا اور بنی نضیر خزرج کا ساتھ دیتے تھے۔ چونکہ اوس اور خزرج۔ چونکہ اوس اور خزرج کے مسلمان ہو جانے سے اُن کی باہمی جنگوں کا خاتمہ ہو گیا تھا لہٰذا مدینہ پہنچنے پر حضورؐ نے مدینہ کے مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان ایک معاہدہ کرایا جس کی شرائط یہ تھیں:۔

۱۔ مسلمان اور یہودی امن اور اتحاد سے رہیں گے۔

۲۔ دونوں فریق اپنے اپنے دین پر قائم رہیں گے اور ایک دوسرے کے دین میں مداخلت نہیں کریں گے۔

۳۔ معاہدہ کے پابند دونوں فریقوں میں سے ایک کی کسی تیسرے فریق کے ساتھ جنگ کی صورت میں معاہدہ کا دوسرا فریق اس کی مدد کریگا لیکن شرط یہ ہوگی کہ فریق اوّل حملہ آور نہ ہو بلکہ اس پر حملہ کیا گیا ہو۔

۵۔ جنگ کے بعد معاہدہ امن دونوں فریقوں کے باہمی مشورہ سے طے کیا جاوے گا۔

۶۔ دونوں فریق مدینہ کی حرمت کو تسلیم کرتے ہیں اور اس میں خون بہانے سے روک دیئے گئے۔

۷۔ اس معاہدہ یا کسی اور جھگڑے کو طے کرنے کے لئے حتمی فیصلہ کرنے کا اختیار حضور نبی کریم صلعم کو ہوگا۔

اَب اس معاہدہ کی شرائط سے صاف ظاہر ہے کہ یہ دفاعی نوعیت کا معاہدہ تھا اور بین الاقوامی قانون کے آج کے دفاعی معاہدوں کے عین مطابق تھا۔ اس سے یہ بھی عیاں ہے کہ مسلمانوں کو مدینہ پر قریش کے حملہ کا خطرہ تھا جس کے سدِ باب کے لئے یہ معاہدہ طے پایا۔ یہ معاہدہ تاریخ اسلام میں بہت اہمیت کا حامل ہے۔

ماہرین علمِ سیاسیات نے ریاست کے تین عنصر لازمی قرار دیئے ہیں اوّل اس کا کوئی علاقہ ہونا جسے وہ　　　　کہتے ہیں۔ دوم اس علاقہ میں آبادی کا ہونا جسے وہ　　　　کہتے ہیں اور تیسرے با اختیار حکومت یا اقتدار اعلےٰ جسے　　　　کہا جاتا ہے۔

علاقہ اور آبادی کے لئے سائز کی کوئی قید نہیں ہے۔ اب ظاہر ہے یہاں آبادی بھی تھی اور جیسا کہ مندرجہ بالا معاہدہ سے ظاہر ہے مدینہ پر حضور سرورِ کائنات کو اقتدار اعلیٰ بھی حاصل تھا اور اس معاہدہ کی غزوۂ خندق کے وقت یہودیوں کی طرف سے خلاف ورزی پر یہود کے دو قبیلوں کو مدینہ سے جلا وطن کر کے اور تیسرے کو اس سے بھی زیادہ سخت سزا دے کر (جس کا ذکر تفصیل سے غزوۂ خندق کے ذکر میں کروں گا) اس اقتدار اعلیٰ　　　　ہونے کا پوری طرح اظہار بھی کر دیا گیا لہٰذا یہ معاہدہ ہی مدینہ میں اسلامی ریاست قائم ہو جانے پر حتمی دلیل ہے۔

اس معاہدہ کی دو شرائط اسلامی ریاست کے بنیادی اصولوں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ شرط نمبر۲ اس اسلامی ریاست میں رہنے والے غیر مسلموں کے دین میں کسی قسم کی مداخلت نہ کرنے کی پابندی مسلمانوں پر عائد کرتی تھی اور اس پر حضور رسالت مآبؐ تا حیات کاربند رہے حتیٰ کہ فتح مکّہ کے وقت بھی کسی غیر مسلم پر دین کے معاملہ میں کوئی سختی نہ کی گئی۔ دین پھیلانے کے لئے صرف اور صرف تبلیغِ دین کو ہی ذریعہ بنایا گیا۔

شرائط نمبر ۳ اور ۴ صرف دفاع میں جنگ کی پابندی عاید کرتی ہیں اور اس بنیادی اُصول پر بھی حضورؐ نے عمر بھر عمل کیا۔ آیئے اب ان کا ذرا تفصیلی جائزہ لیں۔

مسلمانوں کے مکّہ سے مدینہ چلے آنے کے بعد قریش مکّہ کا مدینہ پر حملہ کرنے کا امکان تھا اور حضورؐ اس خطرہ کے پیشِ نظر مختلف دستے مدینہ کے قرب و جوار میں خبریں لانے کے لئے بھیجتے تھے۔ دشمن کی نقل و حرکت پر بھی نظر رکھنا فنِ حرب کے لوازمات میں سے ہے۔ ایسا ہی ایک دستہ جمادی الثانی ۲ ہجری میں عبداللہ بن جحش کی قیادت میں روانہ کیا گیا۔ حضورؐ نے ایک لفافہ میں ہدایات بند کر کے ساتھ دیں اور حکم دیا کہ اسے دو دن کے بعد کھولا جائے۔ جب دو دن کے بعد کھولا گیا تو اس میں ہدایت تھی کہ نخلہ کے مقام تک جا کر قریش کی نقل و حرکت کی خبریں حاصل کی جاویں۔ نخلہ پہنچنے پر دیکھا کہ چند قریش تاجر شام سے واپس جا رہے ہیں۔ عبداللہ بن جحش نے حضورؐ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ان پر حملہ کر دیا اور ایک شخص عبداللہ بن حزرمی کو قتل کر دیا اور دو آدمیوں کو قیدی بنا لیا۔ (باقی۔ باقی)

محترم شیخ محمد طفیل صاحب (انگلستان)

# ایک عزیز دوست شیخ محمد حسین کی یاد میں

(بسلسلہ اشاعت گذشتہ)

بات یوں ہوئی کہ شیخ صاحب نے تھوڑے سے شور و غل کی آواز رام گلی کی طرف سے سنی۔ انہوں نے سمجھا کہ حملہ ہوگیا۔ انہوں نے کمرے کے اندر بیٹھے بیٹھے باہر ہاتھ نکال کر جلدی جلدی قینچیاں ڈھول پر ماریں اور پھر اندر سے اپنا دروازہ بند کر لیا۔ جب ایک دفعہ ڈھول بج گیا تو پھر تو تھوڑی دیر کے لئے قیامت برپا ہوگئی۔ صبح کو جب حقیقت حال کا علم ہوا تو ہم نے ڈھول بجانے کی ڈیوٹی سے انہیں فارغ کر دیا۔

دوسرے دن احمدیہ بلڈنگس اور رام گلی کے ڈاکٹروں کے ہاں مریضوں کا تانتا بندھ گیا جو دل کی دھڑکنوں کا شکار تھے۔ شام تک آدھی رام گلی خالی ہوگئی۔

جب سے میں نے انہیں دیکھا چھوٹی [illegible] مولوی آفتاب الدین صاحب مرحوم کی صحت [illegible] ہومیوپیتھک ادویات سے کرتے تھے۔ [illegible] ان سے اس دن کا اُٹھنا تھا ہمیں بھی ہومیوپیتھک طریق علاج سے حسن ظن کیا عشق ہوگیا۔ چودھری محمد [illegible] بھٹہ مرحوم لاہور آ جاتے تو ان کی تبلیغ سے یہ شوق مزید تیز ہو جاتا۔ بالآخر ہم نے ایک ہومیوپیتھک کلاس کھولی اور چند نوجوانوں کو جمع کرکے ادویات کے خصائص اور بیماریوں کی علامات کا مطالعہ شروع کر دیا۔ بایوکیمک کی بارہ دواؤں کی شیشیاں بھروا کر اپنے پاس رکھ چھوڑیں اور ذرا سی کسی کو چھینک آتی اس کے سر خواہ مخواہ چڑھ کر دوا دے دیتے کبھی تو [illegible] کبھی خطا جاتا لیکن ہومیوپیتھک کا جو نیم حکیم ہوتا ہے [illegible] ہوتا ہے۔ مولوی آفتاب الدین صاحب مرحوم نے اپنی بیٹھک میں [illegible] رہائش تھی) صبح و شام مریضوں کو دیکھنا شروع کیا۔ جب وہ نہیں ہوتے تھے تو ہم میں سے کوئی نکس وامیکا۔ برائی اونیا۔ ایکونائٹ۔ کالی فاس وغیرہ کی پڑیاں بنا کر مریضوں کے حوالے کر دیتا۔ لوگ مفت کا سودا سمجھ کر بغیر چون و چرا ہماری خدمات سے مستفید ہوتے۔ ویسے ڈاکٹروں کی فیس زیادہ تو نہیں تھی، لیکن اٹھنی روپیہ خرچ کرنا بھی بعض لوگوں کے لئے مشکل تھا۔

پھر ہم نے سوچا کہ مہمان خانہ کے کونے پر جو ایک کمرہ ہے اس میں مطب کھول دیا جائے۔ ہم نے ۱۲ فروری ۱۹۲۳ء [illegible] کو بزرگوں اور نوجوانوں کی میٹنگ بلا کر حضرت امیر مرحوم کی موجودگی میں باقاعدہ ہومیوپیتھک ڈسپنسری کا افتتاح کیا۔ ذیل کے دوست اس رسم افتتاح میں شریک تھے:۔ حضرت مولنا صدرالدین صاحب۔ ڈاکٹر سید طفیل حسین۔ ڈاکٹر غلام محمد صاحب۔ مولینا محمد یعقوب خان صاحب، میاں محمد صادق صاحب۔ شیخ عبدالرحمن مصری صاحب۔ مولنا عزیز بخش صاحب۔

جناب ڈاکٹر غلام محمد صاحب مرحوم گو ہماری پارٹیوں میں شریک ہو جاتے لیکن اس طریقہ علاج کے سخت مخالف تھے۔ ہم ان سے خواہ مخواہ اُلجھ جاتے۔ وہ کبھی دلائل سے کبھی ڈانٹ سے ہمیں چپ کرا دیتے۔ میں کبھی کبھی مولوی آفتاب الدین صاحب سے عرض کرتا کہ آپ کو تو اتنا عرصہ ہوگیا اس طریقہ علاج سے فائدہ اُٹھاتے اور لوگوں کو فائدہ پہنچاتے آپ کیوں نہیں اس بارے میں ان سے بحث کرکے انہیں قائل کرتے۔ فرماتے اور بہت سی باتیں حل طلب ہیں اب ایک اور متنازع فیہ امر اپنے درمیان کیوں کھڑا کر لیا جائے۔ ان کو اپنے حال پر چھوڑیں ہم اپنا کام کرتے جائیں گے۔

نماز مغرب کے بعد ڈسپنسری کا وقت ہو جاتا تھا وہاں مریضوں کے مسائل کے ساتھ ساتھ معاشرے کے مسائل بھی زیر بحث آتے رہتے تھے۔

مجھے ایک دفعہ کھانسی کی تکلیف ہوگئی اور ساتھ ہی بخار بھی۔ میں ہومیوپیتھی کی ادویات [illegible] کوئی افاقہ نہ ہوا۔ ایک دوسرے ہومیوپیتھک ڈاکٹر کو بھی [illegible] جس سے میرا ایمان قریباً جاتا رہا تھا اس [illegible] کی تکلیف رہتی اور ذرا بھی تھوڑی [illegible] ایک دفعہ حکیم مرہم عیسٰی صاحب مرحوم [illegible] آ گئے۔ مجھے لیٹے دیکھ کر حال پوچھا۔ میں نے جب علامات بتلائیں تو کہنے لگے تمہیں کھانسی کے ساتھ انتڑیوں کا بخار بھی ہے اور جب تک بخار بالکل نہ اتر جائے صرف سیب پیا کرو۔

ڈاکٹر شیخ محمد عبداللہ صاحب مرحوم نے مجھے زبردستی جناب ڈاکٹر طفیل حسین صاحب مرحوم کی طرف بھیجا۔ انہوں نے پورا معائنہ کیا اور کہا کہ میاں تم اپنی بیماری سے کھلونا سمجھ کر کھیلتے رہے ہو تمہیں شدید برانکائٹس اور ٹائیفائڈ (ٹیپ محرقہ) ہے اور بہت سی ادویات مجھے لکھ کر دیں اور ایک مہینہ کی چھٹی پر گھر جانے کے لئے کہا۔ میری ہمشیرہ اور والدہ ان دنوں شملہ میں تھیں میں وہاں چلا گیا۔ اس وقت مجھے پہلی دفعہ احساس ہوا کہ صرف ایک طریقہ علاج پر پورے طور پر ایمان لے آنا قریباً شرک کے مترادف ہے۔ بہرحال جب میں ٹھیک ہو کر آ گیا تو ہومیوپیتھی کا جوش کم ہوگیا تھا لیکن رفع نہیں ہوا تھا۔ ہاں اب اپنے رویہ میں توازن آ گیا۔

انہی دنوں ایک صاحب بنگال سے تشریف لائے۔ وہ خود ہومیوپیتھک کے ڈاکٹر تھے جب ہماری دلچسپیوں کا حال سنا تو انہوں نے اپنا ایک واقعہ سنایا کہنے لگے "میرا ایک بیٹا سخت بیمار ہوا۔ بہت علاج کیا کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ کتاب پڑھتے پڑھتے مجھے ایک دوا نظر آئی جس میں الف سے لے کر ی تک اس بیماری کی علامات تھیں۔ میں نے اس کی ایک خوراک اپنے بیٹے کو دی۔ اس کا بڑا خوشگوار اثر ہوا۔ اس کی غشی دور ہوگئی اور ہم سے باتیں بھی کیں۔ میں نے شام کو ایک خوراک مزید دی اور بیوی سے کہا اب انشاءاللہ بچہ ٹھیک ہو جائے گا تم آج کی رات سو جاؤ۔ ہم بہت راتوں سے اس کی تیمارداری میں سوتے نہیں تھے۔ رات دس بجے ہمارے بیٹے کو بھی سکون کی نیند آ گئی۔ میں بھی بغلی کمرے میں بستر پر جا کر لیٹ گیا۔ آنکھ لگ گئی۔ کوئی دو بجے کے قریب جاگ اُٹھا میں نے سوچا اپنے بیٹے کو جا کر دیکھوں کس حالت میں ہے۔ جب گیا تو اس کا جسم ٹھنڈا تھا نبض ساقط ہو چکی تھی۔ میرا منشاء واقعہ سنانے سے یہ ہے کہ اگر کسی دوا میں سو فیصدی علامات بھی مرض کی مل جائیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ مریض ضرور ٹھیک ہو جائے گا۔ بس اتنی بات کا خیال رکھیں۔ ویسے میرے تجربے میں یہ طریقہ علاج ہے بہت مفید۔ لیکن اس پر شرک کی حد تک ایمان نہیں رکھنا چاہیئے۔"

---

**عظیم الشان خدمت** "مولانا محمد علی صاحب نے قرآن کا انگریزی ترجمہ کر کے اسلام کی جو عظیم الشان خدمت سر انجام دی ہے اس کا اعتراف نہ کرنا سورج کی روشنی سے انکار کرنا ہے۔ اس ترجمہ کی بدولت نہ صرف ہزاروں غیر مسلموں نے اسلام کے دامن میں پناہ لی بلکہ ہزاروں مسلمان بھی اسلام کے زیادہ قریب آ گئے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں نہایت مسرت سے اعتراف کرتا ہوں کہ یہ ترجمہ ان چند کتابوں میں سے ہے جو چودہ پندرہ سال پہلے جب میں ظلمتوں اور گمراہیوں میں بھٹک رہا تھا۔ میرے لئے شمع ہدایت بن کر آئیں اور مجھے اسلام کا سیدھا راستہ سمجھایا۔ کامریڈ والے مولنا محمد علی مرحوم بھی اس ترجمہ کے بہت شائق تھے اور وہ ہمیشہ اس کی تعریف کیا کرتے تھے۔" (اخبار مسیح ۲۵ جون ۱۹۴۲ء)

**انکا قلم ایک نعمت عظمی تھا** "مرحوم اپنی تصنیفی زندگی میں اپنے قلم کے ذریعے جو خدمات اسلام کی انجام دیں وہ اپنی جگہ پر [illegible] دیے مثال ہیں۔ انگریزی خوانوں بلکہ انگریزیت زدہ اردو خوانوں کے حق میں ان کا قلم ایک نعمت عظمی تھا۔ خدا جانے کتنوں کے ایمان انہوں نے قائم کر دیئے اور یورپ و امریکہ وغیرہ کے کتنے بھٹکے ہوؤں کو انہوں نے اسلام کی راہ دکھا دی ......" (صدق لکھنؤ۔ ۲۶ اکتوبر ۱۹۵۲ء)

میں ان کی آپ بیتی سے بہت متاثر ہوا۔ بعد میں مجھے حضرت اقدسؑ مرزا صاحب کے متعلق معلوم ہوا کہ آپ بیماری میں صرف ایک دوا کھانے پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ دو تین دوائیں کھا لیتے تھے تاکہ جب شفا حاصل ہو جائے تو دل میں یہ خیال پیدا نہ ہو کہ فلاں دوا سے شفا حاصل ہوئی اور خدا تعالیٰ کی طرف سے توجہ ہٹ جائے یہ توحید کا گر ہے۔

حضرت اقدسؑ نے دراصل میں اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ انسان کو اپنے وجود کی نشو و نما اور بقاء کے لئے اور جسم کو مہلک بیماریوں سے بچانے کے لئے اور مختلف دواؤں میں تاثیر پیدا کرنے کے لئے اپنے خالق حقیقی کی ہمہ گیر رحمت و ربوبیت کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ یہی توحید کا گر ہے اور ظاہری اسباب پر بھروسہ کر لینا شرک اور وہم پرستی میں اپنے آپ کو مبتلا کرنا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے بھی یہی فرمایا تھا۔

وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ (الشعراء آیت ۸۰)

یعنی جب میں بیمار پڑ جاؤں تو وہی مجھے شفا عطا فرماتا ہے

میں نے یہ واقعہ شیخ محمد حسین صاحب کو بھی سنایا تھا۔ ہومیو پیتھک دارالشفاء میں داخل ہوتے ہی قرآن مجید کی یہ آیت ایک خوبصورت فریم میں لکھی ہوئی نظر آتی ہے۔

حضرت صاحب کا جو ارشاد ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ ہر شخص جب بیمار ہو از خود مختلف ادویات ڈاکٹر کے مشورے کے بغیر کھانا شروع کر دے حضرت صاحب تو خود طبیب تھے اس لئے ان کا وقفے وقفے کے بعد مختلف دواؤں کا استعمال کر لینا [illegible] ہے۔ ہم جیسے عامی انسان کے لئے بس اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ ڈاکٹر [illegible] سے کام لے کر ایک نسخہ تجویز کرتا ہے لیکن اس نسخے میں تاثیر پیدا کرنا اس کے بس کی بات نہیں۔ عام مشاہدہ ہے کہ پانی سے پیاس بجھتی ہے اور گرم کپڑے پہننے سے سردی نہیں لگتی لیکن ایک ایسا وقت بھی آ جاتا ہے (جب اللہ تعالیٰ کو منظور نہ ہو) تو نہ پانی سے پیاس بجھتی ہے اور نہ گرم کپڑے پہننے سے سردی سے بچاؤ ہوتا ہے گرم کپڑے کیا اگر آگ کی انگیٹھیاں بھی سلگا کر اپنے اردگرد رکھ لی جائیں تو انسان کی کپکپی نہیں جاتی جب انسان یہ سمجھنے لگ جائے کہ خدا کے فضل کے بغیر اسے دوا سے شفا ہو جاتی ہے تو درحقیقت وہ شرک کا ارتکاب کرتا ہے۔ اگر پیٹنٹ ادویات۔ انجکشن۔ وٹامن کی گولیاں انسان کو بیماریوں سے بچا سکتیں تو امراء و رؤساء ہمیشہ تندرست اور خوشحالی کی زندگی بسر کرتے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں حضرت نبی کریمؐ کے متعلق ایک روایت درج کی ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ ایک طبیب سے فرمایا:۔

"تو صرف رفیق ہے۔ طبیب درحقیقت اللہ تعالیٰ ہے"

اس ایک فقرہ میں حضرت نبی کریم صلعم نے کیا علم و حکمت کا دریا بند کر دیا ہے ڈاکٹر صرف ایک دوست اور ساتھی ہے اور انسان کو اپنے دوست کی رفاقت کی بھی ہر وقت ضرورت ہے کس قدر اعلیٰ و ارفع مقام ہے ایک طبیب کا جسے رسول کریمؐ نے اپنا رفیق قرار دیا۔ کس قدر معزز ہے یہ پیشہ اگر طبیب اپنے آپ کو اس مقام کا اہل قرار دے۔ لیکن مرض سے نجات بخشنے والی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور وہی طبیب حقیقی ہے۔

جناب مولوی آفتاب الدین احمد صاحب اچانک ۱۳ جنوری سنہ ۵۶ء تاریخ کو فوت ہو گئے انہوں نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ تبلیغ اسلام میں صرف کیا تھا اور جو وقت ان کے پاس فارغ ہوتا اس میں وہ مفلس اور دکھی انسانوں کی اپنی سمجھ اور طاقت کے مطابق خدمت کرتے وہ صحیح معنوں میں لوگوں کے رفیق تھے انجمن نے ان کی یاد میں ہومیو پیتھی ڈسپنسری کو فری آفتاب الدین احمد ہومیو پیتھک دارالشفاء کا نام دے دیا۔ شیخ محمد حسین صاحب اس کے انچارج مقرر ہو گئے اور بعد میں ایک اور دوست ان کے علاج معالجہ میں مشیر خاص ہو گئے۔

سنہ ۱۹۵۱ء میں ووکنگ تبلیغ کے سلسلے میں مجھے بھیج دیا گیا۔ شیخ محمد حسین صاحب اور میں نے اور دیگر بعض دوستوں نے ہومیو پیتھی میں اکٹھے شوق کا اظہار کیا تھا لیکن میرے لئے اس "ہابی" کو برقرار رکھنا مشکل ہو گیا تھا۔ جب میں اپنی طویل بیماری سے ٹھیک ہوا تو طبیعت بہت عرصہ تک کمزور رہی۔ جو لوگ ڈاکٹروں کی فیس دینے سے معذور تھے وہ اپنے بیمار بچوں کو لے کر احمدیہ بلڈنگس آ جاتے۔ مولوی آفتاب الدین صاحب نہ ہوتے تو مجھ سے ہی کچھ دوا دارو لے جاتے۔ یا مجھے منت سماجت کر کے مریض کو دکھانے اپنے گھر لے جاتے جب میں واپس آتا تو اسی مرض میں (زیادہ تر زکام کھانسی میں) آ کر خود مبتلا ہو جاتا جب چار پانچ بار میری یہی کیفیت ہوئی تو میں نے سمجھ لیا کہ یہ میرے بس کا روگ نہیں اس لئے رفتہ رفتہ میں نے اس شوق سے کنارہ کشی کر لی۔ ووکنگ آنے سے پہلے اپنی تمام ادویات کا سٹاک ڈسپنسری کو دے آیا۔ لیکن شیخ محمد حسین صاحب اور بعد میں ناصر احمد صاحب نے اپنا شغل برقرار رکھا۔ بلکہ شیخ محمد حسین صاحب نے بڑے بڑے پیچیدہ امراض کا علاج کامیابی سے کیا جبکہ دوسرے ڈاکٹر مریض کو لاعلاج قرار دے چکے تھے۔ جب کبھی مجھے پاکستان جانے کا اتفاق ہوتا تو شام کے وقت احمدیہ بلڈنگس لاہور کی ڈسپنسری میں مریضوں کا ہجوم دیکھتا۔ ہر سال ہزاروں کی تعداد میں لوگ ان کی خدمات سے فائدہ اٹھاتے شیخ صاحب بھی مولانا آفتاب الدین احمد صاحب کی طرح طبیب ہی نہیں حقیقی معنوں میں اپنے مریضوں کے "رفیق" بھی تھے۔ بوڑھی عورتیں انہیں بیٹا سمجھ کر جوان لڑکیاں انہیں اپنا بھائی سمجھ کر اور چھوٹی غیر شادی شدہ لڑکیاں انہیں اپنا باپ سمجھ کر ان سے اپنے نجی معاملات میں مشورہ کرتیں۔ اور جیسے وہ انجمن کے امین تھے اسی طرح ان کے پرائیویٹ معاملوں کے امین رہے۔ اور ان کے راز اپنے ساتھ ہی قبر میں لے گئے۔ کئی لڑکیاں اپنی بیماری کے ہاتھوں تنگ آ کر خودکشی کرنے پر آمادہ تھیں۔ ان کو انہوں نے اپنے علاج اور مشورے سے زندہ رہنے پر آمادہ کیا۔ ایک دفعہ بعض نام بتائے بغیر کہنے لگے کہ ایک لڑکی نے انہیں لکھا کہ اس کی شادی قریب ہے اور وہ خوف سے پاگل ہوئی جا رہی ہے۔ جب وہ ۱۵-۱۴ سال کی تھی اس وقت وہ کسی نابکار ٹیکسی ڈرائیور کے ہتھے چڑھ گئی۔ یہ بات اگر خاوند کو بتائے تو پھر مصیبت اور اگر نہ بتائے اور اسے بعد میں شک ہو جائے تو پھر مصیبت۔ سوچتی تھی کہ شادی سے انکار کر دے یا کہیں بھاگ جائے۔

شیخ صاحب نے اسے لکھا کہ نہ شادی سے انکار کرو نہ بھاگنے کی سوچو نہ خاوند کو اس واقعہ کے بتانے کی ضرورت ہے اللہ پر بھروسہ کرو اور اسی سے مدد چاہو۔ خدا تعالیٰ نے چاہا تو سب کام ٹھیک ہو جائیں گے۔

میں نے پوچھا پھر کیا ہوا۔ کہنے لگے چند مہینوں کے بعد اسی کا ایک خط آیا تھا اور لکھا تھا کہ وہ اپنی ازدواجی زندگی سے ہر طرح مطمئن اور خوش ہے اور میرا بہت بہت شکریہ ادا کیا تھا۔ اس طرح کے بہت سے واقعات سے انکا واسطہ پڑتا اور وہ جہاں تک ان سے ہو سکتا اپنے مریضوں کی طبی اخلاقی روحانی مدد پر آمادہ رہتے۔ نہ جانے کتنے لوگوں کی زندگیاں انہوں نے اپنے خاموش عمل سے سنوار دیں۔

اپنے فرائض میں ان کا جو انہماک تھا اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ وہ ایک خشک سڑیل مزاج کے آدمی تھے جب موقع آتا خوب زندہ دلی کا ثبوت دیتے

گردے کی تکلیف انہیں بہت عرصہ سے تھی۔ دو تین بار ہسپتال بھی جا چکے تھے۔ اپنی ادویات کے استعمال سے بیماری کی بہت سی علامات پر قابو پا لیا تھا۔ لیکن کینسر نے اندر ہی اندر اپنا جال پھیلا لیا تھا۔ جب وقت آ گیا تو کسی قسم کا علاج بھی مفید ثابت نہ ہوا۔ ۲۸ دسمبر کو اپنے اہل و عیال عزیزوں اور بے شمار سوگوار دوستوں کو چھوڑ کر خالق حقیقی سے جا ملے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت کے مسکن کو ان کے لئے راحتوں اور خوشیوں کا گہوارہ بنا دے۔

از محترم جناب این۔ اے فاروقی صاحب۔

# چند اقتباسات

(۱)

دُنیا کی مشہور خبر رساں ایجنسی رائٹر نے لندن سے یکم جنوری ۱۹۷۶ء کو ایک خبر بھیجی ہے کہ انگلستان میں روز بروز اُن انگریز مردوں کی تعداد بڑھ رہی ہے جو انگریز عورتوں کے مطالبۂ برابری سے (جو عورتوں کی عالمگیر مطالبۂ آزادی کے سال یعنے ۱۹۷۵ء میں بڑھ چڑھ گیا ہے) تنگ آ کر اب ایشیائی عورتوں سے شادی کر رہے ہیں۔ لندن کی ایک شادی کرانے والی ایجنسی کی منیجر مسز سومان بھارگوا نے رائٹر کے نمائندہ کو بتایا ہے کہ ہندوستانی اور پاکستانی عورتوں سے شادی کی درخواستیں ایک سیلاب کی طرح ان کے دفتر میں آ رہی ہیں۔ یہ خبر لاہور کے روزانہ انگریزی اخبار "دی سن" کے ۲ر جنوری ۱۹۷۶ء کے پرچہ میں چھپی ہے۔

اس سے پہلے امریکن رسالوں میں یہ نکل چکا ہے کہ امریکن سپاہیوں اور فوجی افسروں نے جاپان اور ویت نام سے بڑی تعداد میں اس لئے بیویاں کیں کہ وہاں کی عورتیں (خصوصاً جاپانی عورتیں) اپنے خاوندوں کی فرمانبرداری اور خدمت میں عالمی شہرت رکھتی ہیں۔

(۲)

اسی طرح اسی انگریزی اخبار کے پرچے مؤرخہ ۳۰ر دسمبر ۱۹۷۵ء میں امریکہ سے یہ خبر چھپی ہے کہ جو مائیں شراب پیتی ہیں ان کی اولاد کی گھٹی میں ماں کے پیٹ سے شراب کی طلب پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ تو مسلّمہ ہے کہ الکحل فوراً خون میں جا پہنچتی ہے۔ تو شراب پینے والی حاملہ عورت کے خون میں مل کر وہ اُس بچے کے جسم میں جا پہنچتی ہے جو ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے۔ اور شراب جس طرح بڑوں کو عادت ڈالتی ہے ماں کے پیٹ سے بچّہ کے اندر بھی شراب کی طلب پیدا کر دیتی ہے۔ پھر دُودھ پلانے والی ماں اگر شراب پیتی ہو تو وہ شراب خون میں سے ہو کر دودھ میں اثر پیدا کر دیتی ہے اور شراب کی طلب پیدا کرتی ہے اور اب تو مغرب میں عام ہو گیا ہے کہ مائیں ان بچوں کو جو طفولیت سے نکل کر بڑھ رہے ہیں شراب خصوصاً برانڈی یا دوسری WINE تھوڑی مقدار میں یہ سمجھ کر دیتی ہیں کہ تھوڑی مقدار میں وہ بچّہ کی صحت اور طاقت کے لئے مفید ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچے یا نوجوان کے اندر زمین تیار ہوتی ہے کہ وہ بڑا ہو کر شرابی بن جائے۔

(۳)

چند سال ہوئے مشہور امریکی ہفتہ وار رسالوں "نیوز ویک" اور "ٹائمز" میں سرورق موٹے الفاظ میں چھپا تھا GOD IS DEAD یعنے خدا (نعوذ باللہ) مر گیا ہے۔ ان پرچوں میں جو مضامین اس بارہ میں شائع ہوئے تھے ان میں لکھا تھا کہ امریکہ اور یورپ کے مفکرین اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ خدا یا تو تھا ہی نہیں یا اگر تھا تو اب مر گیا ہے۔ میں نے اس وقت اپنے ہفتہ وار "دی لائٹ" کو لکھا تھا کہ حضرت مسیح جو انسان تھے انہیں خدا ماننے کا یہ لازمی نتیجہ ہونا تھا۔ جب خُدا کا تصوّر ایک انسان کا سا ہو تو پھر خدا کی موت کا نعوذ باللہ خیال پیدا ہونا لازمی تھا۔

پچھلے دنوں میں حضرت مسیح موعود مرزا غلام احمد صاحبؑ کی کتاب حقیقۃ الوحی پڑھ رہا تھا تو اس کے تتمّہ میں مَیں یہ دیکھ کر حیران ہو گیا کہ اس صدی کے مجدّد کو اللہ تعالےٰ نے اس بات کا خیال آج سے قریباً ستّر سال پہلے دلا دیا تھا۔ تتمہ حقیقۃ الوحی (۱۹۵۲ء ایڈیشن) کے صفحہ ۲۷۔۳۶ پر کفّارہ کے مسئلہ کے بارہ میں تبصرہ کرتے ہوئے حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں:—

"اور نیز عقل کب تسلیم کرتی ہے کہ تمام مدار رحمت کا خدا کے پھانسی دینے پر ہو — اور جب ایک دفعہ خدا مر گیا تو پھر اس کی زندگی سے امان اُٹھ گیا۔ اور پھر اس پر کیا دلیل ہے کہ **وہ پھر نہیں مرے گا؟** جو خدا ہو کر بھی مر سکتا ہے اس کی پُوجا کرنا لغو ہے۔ وہ کس کو بچائیگا جب اپنے تئیں بچا نہ سکا۔"

(۴)

حضرت امام الزمانؑ کو اللہ تبارک و تعالےٰ نے جو معرفت غیب کے حالات کی بخشی تھی اُس کا ایک اور نمونہ سُنیئے۔ حقیقۃ الوحی کے اسی ایڈیشن کے صفحہ ۲۲۳ پر آپ اپنے ایک الہام رب لا تذرنی فرداً و انت خیر الوارثین کو جو ۲۵ برس پہلے شائع ہو چکی تھی ایک پیشگوئی بتاتے ہوئے اس الہام کی یوں تشریح فرماتے ہیں:—

"یعنے خدا کی وحی میں میری طرف سے یہ دُعا تھی کہ اے میرے خدا مجھے اکیلا مت چھوڑ جیسا کہ اب میں اکیلا ہوں — **یعنی اگرچہ میں اس وقت اولاد بھی رکھتا ہوں اور والد بھی اور بھائی بھی لیکن رُوحانی طور پر ابھی میں اکیلا ہی ہوں اور تجھ سے ایسے لوگ چاہتا ہوں جو رُوحانی طور پر میرے وارث ہوں**۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اپنے خاندان میں اپنے رُوحانی وارث نظر نہ آتے تھے۔

---

(تقریب عید میلاد النبی صلعم — بسلسلہ صفحہ ۲)

چوہدری صاحب موصوف کے بعد مکرم چوہدری حنیف اختر صاحب لمبی نے اپنی تقریر بلغ العلیٰ بکمالہٖ۔ کشف الدجیٰ بجمالہٖ۔ حسنت جمیع خصالہٖ۔ صلّو علیہ و آلہٖ سے شروع کی اور اس کا ترجمہ سامعین کو سنایا۔ اور پھر فرمایا کہ اس زمانہ کے امامؑ نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی اعلیٰ شان کا نچوڑ اپنے اس شعر میں پیش فرما دیا ہے:

بڑھ کر گمان و وہم سے احمدؐ کی شان ہے + جس کا غلام دیکھو مسیح زمان ہے

جناب کرنل صاحب کے بعد مکرم جناب مولانا محمد یحییٰ صاحب بٹ (مبلغ جرمنی) نے اپنے قیمتی خیالات کا اظہار فرمایا۔ اور کہا۔ کہ نوجوانوں کی طرف سے مسجد میں محفل میلاد النبیؐ کا انعقاد ان کی حضور صلعم سے عقیدت و محبت کی ایک زبردست دلیل ہے۔ ہم بھی جرمنی میں ہر سال ایسی مجالس منعقد کیا کرتے ہیں۔ لیکن برلن مسجد کا نظارہ یہاں سے کچھ مختلف ہوتا ہے۔ وہاں مختلف ممالک اور رنگ و نسل کے لوگ ایک مجمع میں یکجا نظر آتے ہیں۔ جس سے دیکھنے والوں کے دلوں پر اثر پڑتا ہے۔ آپ نے سامعین کے ساتھ مل کر حضور صلعم پر ۳ بار درود شریف پڑھا۔

پھر نسلِ انسانی کے اتحاد کی خاطر خدا تعالےٰ نے حضورؐ کے ذریعہ جو طریقہ بتایا ہے۔ اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ جلسہ کے اختتام پر پُرتکلف چائے سے حاضرین کی تواضع کی گئی۔

جُملہ تقاریر موصول ہونے پر آئندہ انشاء اللہ شائع ہوں گی۔ (نامہ نگار)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور — مؤرخہ ۲۴ر مارچ ۱۹۷۶ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ — شمارہ نمبر ۱۲

چند

جلد ۶۳ | چہار شنبہ - ۲۹ ربیع الاوّل ۱۳۹۶ھ مطابق ۳۱ مارچ ۱۹۷۶ء | نمبر ۱۳

# ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

## مَیں قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے ذرہ اِدھر اُدھر ہونا بے ایمانی سمجھتا ہوں۔

اور میرا عقیدہ یہی ہے کہ جو اس کو ذرا بھی چھوڑے گا وہ جہنمی ہے۔ پھر اس عقیدہ کو میں نے نہ صرف تقریروں میں بلکہ ساٹھ کے قریب اپنی تصنیفات میں بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے اور دن رات مجھے یہی خیال اور فکر رہتا ہے۔ پھر اگر یہ مخالف خدا سے ڈرتے تو کیا ان کا فرض نہ تھا کہ جو مجھ سے پوچھتے کہ فلاں بات خارج از اسلام ہے اس کی کیا وجہ ہے یا اس کا تم کیا جواب دیتے ہو؟ مگر نہیں اس کی ذرا بھی پروا نہیں کی۔ سُنا اور کافر کہہ دیا۔ میں نہایت تعجب سے ان کی اس حرکت کو دیکھتا ہوں کیونکہ اوّل تو حیات و وفات مسیح کا مسئلہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں جو اسلام میں داخل ہونے کے لئے شرط ہو۔ یہاں بھی ہندو یا عیسائی مسلمان ہوتے ہیں مگر بتاؤ کہ کیا ان سے کبھی یہ اقرار لیتے ہو؟ بجز اس کے کہ اٰمنت باللّٰہ و ملٰئکتہٖ وکتبہٖ ورسلہٖ والقدر خیرہٖ و شرہٖ من اللّٰہ تعالٰی والبعث بعد الموت۔ جبکہ یہ مسئلہ اسلام کا جزو نہیں۔ پھر مجھ پر وفات مسیح کے اعلان سے اس قدر تشدّد کیوں کیا گیا کہ یہ کافر ہیں دجّال ہیں۔ ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جاوے۔ ان کے مال لوٹ لینے جائز ہیں اور ان کی عورتوں کو بغیر نکاح گھر میں رکھ لینا درست ہے۔ ان کو قتل کر دینا ثواب کا کام ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایک تو وہ زمانہ تھا کہ یہی مولوی شور مچاتے تھے کہ اگر ۹۹ وجوہ کفر کے ہوں اور ایک وجہ اسلام کی ہو تب بھی کفر کا فتوٰے نہ دینا چاہیئے۔ کو مسلمان ہی کہو۔ مگر اب کیا ہو گیا۔ کیا مَیں اس سے بھی گیا گزرا ہو گیا؟ کیا مَیں اور میری جماعت اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ و اشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ نہیں پڑھتی۔ کیا میں نماز نہیں پڑھتا یا میرے مرید نہیں پڑھتے کیا ہم رمضان کے روزے نہیں رکھتے؟ اور کیا ہم ان تمام عقائد کے پابند نہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اسلام کی صورت میں تلقین کئے ہیں۔ مَیں سچ کہتا ہوں اور خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اور میری جماعت مسلمان ہے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اور قرآن کریم پر اسی طرح ایمان لاتی ہے جس طرح پر ایک سچے مسلمان کو لانا چاہیئے۔ مَیں ایک ذرّہ بھی اسلام سے باہر قدم رکھنا ہلاکت کا موجب یقین کرتا ہوں۔ اور میرا یہی مذہب ہے کہ جس قدر فیوض اور برکات کوئی شخص حاصل کر سکتا ہے اور جس قدر تقرب الی اللہ پا سکتا ہے وہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی سچی اطاعت اور کامل محبّت سے پا سکتا ہے ورنہ نہیں۔ آپ کے سوا اب کوئی راہ نیکی کی نہیں۔ ہاں یہ بھی سچ ہے کہ میں ہرگز یقین نہیں کرتا کہ مسیح علیہ السلام اس جسم کے ساتھ زندہ آسمان پر گئے ہوں اور اب تک زندہ و قائم ہوں اس لئے کہ اس مسئلہ کو مان کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی سخت توہین اور بے حرمتی ہوتی ہے۔ میں ایک لحظہ کے لئے بھی اس ہجو کو گوارا نہیں کر سکتا۔ . . . . . . . اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اب تک زندہ رہتے تو حرج نہ تھا۔ اس لئے کہ آپ وہ عظیم الشان ہدایت لے کر آئے تھے جس کی نظیر دنیا میں پائی نہیں جاتی۔ اور آپؐ نے وہ عملی حالتیں دکھائیں کہ آدم سے لے کر اس وقت تک کوئی ان کا نمونہ اور نظیر پیش نہیں کر سکتا۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے وجود کی ضرورت دنیا اور مسلمانوں کو جس قدر تھی اس قدر ضرورت مسیح کے وجود کی نہیں تھی۔ . . . . . . . مَیں سچ سچ کہتا ہوں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم زندہ رہتے تو ایک فرد بھی کافر نہ رہتا۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی زندگی نے کیا نتیجہ دکھایا؟ بجز اس کے کہ چالیس کروڑ (تثلیث پرست) عیسائی ہیں۔"

(حضرت اقدسؑ کا لیکچر لدھیانہ۔ مورخہ ۶ر نومبر ۱۹۰۶ء)

# شذرات

## نیا جال لائے پرانے شکاری (بلا تبصرہ)

"آج کل لاہور کی دیواروں پر متعدد ایسے چھوٹے بڑے پوسٹر چسپاں ہیں جن پر کلمہ طیبہ کے بارے میں بزعم خود انہوں نے کفر کے فتوے صادر فرمائے ہیں، ایک کتابچہ بھی (جس پر پریس کا نام شائع نہیں کیا گیا) ہزاروں کی تعداد میں شائع کیا جا رہا ہے جن میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ کے خلاف بظاہر اس ہائی کورٹ کی رٹ کا اُردو ترجمہ شائع کیا گیا ہے جس کو لاہور کے دو ملاؤں نے داخل کیا ہے...... جب تک یہ معاملہ عدالت کے زیر سماعت ہے ہم اس پر کسی قسم کا کوئی تبصرہ کرنا نہیں چاہتے۔ لیکن ان بے لگام پمفلٹ اور پوسٹر باز ملاؤں سے یہ دریافت کرنے کا حق ضرور رکھتے ہیں.... کہ کیا تم دن رات یہ رٹ نہیں لگاتے رہے کہ پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ۔ ملاں جی ہوش کے ناخن لو۔ آج تم اس بات پر پوسٹر بازی کر رہے ہو کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر کافر مسلمان ہوتا ہے لیکن ابھی کل ہی کی بات ہے کہ تم نے یہ کلمہ پڑھنے والے اور فقہ حنفی پر عمل پیرا مرزائیوں کو کافر قرار دے دیا ہے۔ آخر کیوں؟

ملاں جی! خدا کا خوف کرو۔ پاکستان پر رحم کرو۔ پاکستان کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کے بعد بھی تمہارا کلیجہ ٹھنڈا نہیں ہوا۔ اس بچے کھچے پاکستان کی تعمیر میں حصہ لو۔ بلاشبہ اس ملک کی بقا اور استحکام اتحاد بین المسلمین پر منحصر ہے۔ اپنے مذموم ارادوں سے باز آؤ۔ یہ مملکت خداداد پاکستان اسلام کا قلعہ ہے اس میں نقب زنی یقیناً اسلام دشمنی ہے۔" (المنتظر ۲/۵ فروری ۱۹۷۲ء)

## کیا یہ سب کافر ہیں؟

"شرم تم کو مگر نہیں آتی"

شورش کاشمیری کیا فرما گئے ہیں

> شورش کاشمیری صاحب کا یہ مضمون ہفت روزہ "چٹان" مؤرخہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا تھا جسے ہم شکریہ کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔

"چٹان" نے صرف اس فتنہ پرور گروہ کی نشاندہی کی تھی جس نے مسلمانوں کی تکفیر اپنے اُوپر فرض کر لی ہے، ان شرعی برہمنوں کو انگریزوں نے اپنے زمانۂ عروج میں بریلی کی مٹی سے پیدا کیا تھا، ان لوگوں نے انگریزوں کی خوشنودئ مزاج کے لئے نہ صرف جہاد کو حرام کہا، بلکہ ان اکابر اسلام کی تکفیر کا ہنگامہ برپا کیا جو علماء کی جماعت میں انگریزوں کی اطاعت کے خلاف ——— اور ہندوستان کو دارالحرب قرار دے رہے تھے۔ اصاغر بریلی نے کاسہ لیسانِ سرکار کی معرفت اپنا جال بچھا کر نہ صرف مسلمانوں کو عالمِ اسلام سے منقطع کرنے کا بیڑہ اُٹھایا بلکہ انگریز کے اولی الامر ہونے کا اعلان کیا، اور فتویٰ دیا کہ ہندوستان دارالاسلام ہے۔ انگریزوں کا یہ خود کاشتہ پودا کچھ دنوں بعد "ایک مذہبی تحریک" بن گیا رفتہ رفتہ اس نے مسجدوں پر قبضہ کرنا شروع کیا ان میں کوئی شخص جید عالم نہیں، زیادہ تر چرب زبان، واعظ یا میلاد خواں لوگ ہیں۔ پاکستان بن جانے کے بعد بعض پُر اسرار گوشوں کی مصلحتوں کے تحت ان لوگوں نے اپنی جہالت پر اتفاق کیا، اور ایک متحدہ محاذ بنا کر لائل پور میں جمع ہو گئے۔ لائل پور کے کارخانہ میں ان کا تکفیری اسلحہ ڈھلنے لگا، لاہور میں ان کی شاخیں بعض شرعی بالا خانے قائم کرنے میں "کامیاب" ہو گئی ہیں۔ یہ فتنہ یہاں اتنا بڑھا ہے کہ ان لوگوں نے نہ صرف علماء حق کا جینا دوبھر کر دیا بلکہ اپنے سوا ہر جماعت اور ہر عالم کو کافر کہنا شروع کیا، حتیٰ کہ بے پڑھے لکھے لوگوں میں اس قسم کے مسئلے بیان کئے گئے جو سرے سے قرآن و حدیث اور دین و فقہ کا حصہ ہی نہ تھے۔

ان لوگوں کے فتووں کا عام لب و لہجہ یہ ہے مثلاً شاہ اسمٰعیل کی بابت ارشاد ہوتا ہے۔

۱۔ میرا مسلک یہ ہے کہ یہ یزید کی طرح ہے، اگر کوئی کافر کہے ہم منع نہ کریں گے اور خود کہیں گے نہیں، البتہ سید احمد، خلیل احمد، رشید احمد (گنگوہی) اور اشرف علی (تھانوی) کے کفر میں جو شک کرے وہ خود کافر ہے۔
(الملفوظ (حصہ اوّل) صفحہ نمبر ۱۳۲ مطبوعہ نوری کتب خانہ بازار داتا صاحب)

۲۔ وہابی، رافضی وغیرہم کفار و مرتدین کے جنازہ کی نماز انہیں ایسا جانتے ہوئے پڑھنا کفر ہے۔ (الملفوظ صفحہ نمبر ۹)

۳۔ بعض علی گڑھی کو سید کہتے ہیں (سائل کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے وہ ایک (نعوذ باللہ) خبیث مرتد تھا (الملفوظ حصہ سوم صفحہ نمبر ۹۲)

انہی کا ایک فتویٰ شیعہ حضرات کی بابت سماعت فرمایئے، ناشر نوری کتب خانہ ہی ہے، کتابچہ کا نام ہے رَدُّ الرفضہ۔ مولوی احمد رضا صاحب فرماتے ہیں

- شاہ اسمٰعیل شہید • سید احمد شہید
- حاجی امداد اللہ مہاجر مکی • مولانا عبدالباریؒ فرنگی محلی
- علامہ شبلی رح • مولانا حالی رح
- سر سید احمد خان رح • مولانا ظفر علی خان رح
- خواجہ حسن نظامی رح • شاہ ابن سعود
- مولانا قاسم نانوتوی رح • مولانا رشید احمد گنگوہیؒ
- مولانا محمود الحسن رح • مولانا اشرف علی تھانوی رح
- مولانا حسین احمد مدنی • مولانا شبیر احمد عثمانی رح
- مولانا احمد علی رح • سید عطاء اللہ شاہ بخاری رح
- علامہ اقبال رح اور • قائد اعظم رح

بریلوی حضرات کے فتاویٰ یہی کہتے ہیں ہم نے نہ صرف کتابوں کے حوالے بلکہ صفحہ و سطر کا حوالہ بھی درج کر دیا ہے، اب آپ خود ہی فیصلہ کر لیں، کہ مجرم کون ہے؟"

---

"وہ علی العموم کفار و مرتدین ہیں۔ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ مردار ہے، ان کے ساتھ مناکحت حرام ہے.... معاذ اللہ مرد رافضی اور عورت ان خبیثوں میں کی ہو جب بھی ہرگز نکاح نہ ہوگا...... باپ کا ترکہ نہ پائے گی ........ رافضی اپنے کسی قریب حتیٰ کہ باپ، بیٹے، ماں، بیٹی کا بھی ترکہ نہیں پا سکتا، سُنی تو سُنی تو کسی مسلمان بلکہ کسی کافر کے بھی یہاں تک کہ خود اپنے ہم مذہب رافضی کے ترکہ میں اس کا اصلا کچھ حق نہیں۔ ان کے مرد عورت، عالم جاہل کسی سے میل جول، سلام کلام سب سخت کبیرہ اشد حرام، جو ان کے ان ملعون عقیدوں پر آگاہ ہو کر پھر بھی انہیں مسلمان جانے یا اُن کے کافر ہونے میں شک کرے بہ اجماع تمام آئمہ دین خود کافر بے دین ہے اور ان کے لئے بھی سب یہی احکام ہیں جو ان کے لئے مذکور ہوئے مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس فتوے کو بگوش ہوش سنیں اور اس پر عمل کر کے سچے پکے مسلمان سُنی بنیں۔" عبدہ المذنب احمد رضا بریلوی

(ردّ الرافضہ صفحہ ۲۳-۲۴)

(ہفت روزہ لیل و نہار ۱۹ اپریل ۱۹۷۰ء)

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مورخہ ۱۳ر مارچ ۱۹۷۶ء

# اس کا فیصلہ ہم اللہ تعالےٰ پر ہی چھوڑتے ہیں

پاکستان کے اخبارات میں شہ سرخیوں کے تحت شائع کی گئی سیرت کانفرنس کی یہ قرارداد قارئین پیغام صلح کی نظروں سے ضرور گذری ہوگی کہ "حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی تھے اور اس پر ایمان نہ رکھنے والے ہر شخص کو ہر جگہ غیر مسلم قرار دیا جائے"

پاکستان میں "غیر مسلم اقلیت" قرار دیئے جانے کے باوجود ہم اس قرارداد کی اپنے دل کی گہرائیوں سے پُرزور حمایت اور تائید کرتے ہیں کیونکہ ہماری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی طرف سے گذشتہ ۶۰ سال کے دوران میں ہزاروں بلکہ لاکھوں صفحات پہ مشتمل شائع کردہ لٹریچر جس نقطۂ نظر کی بڑی شدّ و مد سے توضیح اور تصریح کرتا رہا ہے وہ بالآخر دنیائے اسلام کو اُس نازک موڑ پہ لے آیا ہے جہاں اُسے قرآن و حدیث خلفاءِ راشدین و آئمہ سلف کے اقوال اور جدید تحقیقات کی روشنی میں اپنے عقیدۂ ختم نبوّت کے مسلمات پر نظرِ ثانی کرنا ہوگا یا اس کی اکثریت خود بھی اس قرارداد کی زد میں آ جائے گی۔ اور غیر مسلم دُنیا پہ بھی یہ آشکارا ہو جائے گا کہ حصارِ ختم نبوّت کے محافظ حقیقت میں کون تھے اور اس کی بنیادیں کھوکھلی کرنے والے کون؟

ہم اس دن کے بڑی شدّت سے منتظر ہیں جس دن اللہ تعالےٰ کی یہ بات لم نبق لك من المخزيات شيئًا پوری ہوگی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم المرسلینی پر مُہرِ تصدیق اُن مظلوموں کے ہاتھوں لگے گی جنہیں اس مفروضہ انکار کی پاداش میں خلاف قرآن وسنّت سیاسی مصلحتوں کا شکار ہونا پڑا اس لیے کہ یہ ایک چھوٹی سی۔ کمزور اور پُرامن جماعت تھی جس کی پشت پر نہ کوئی حکومت اور نہ ہی کوئی غیر ملکی طاقت یا سرمایہ تھا۔ اور اس کا آخری سہارا صرف خدا کی ذات تھی۔ ظلم و ستم کے اس طوفان میں داد رسی کے لئے اس کی نگاہیں بغیر اُس کے اور کس کی طرف اُٹھ سکتی تھیں۔

ہم پر یہ الزام لگایا گیا کہ ہم ختم نبوّت کے منکر ہیں لیکن ہمارے دل وہی ایمان۔ یقین اور اطمینان سے پُر ہیں کہ ہم خدا تعالےٰ کے فضل سے محکمات کی ایک ٹھوس اور ناقابلِ شکست و ریخت چٹان پر ثابت قدمی سے کھڑے ہیں اور ایک ایسے حصن حصین کی چاردیواری میں محفوظ ہیں جہاں نقب زنی کا کوئی امکان نہیں اور وہ یہ ہے :۔

ما مسلمانیم از فضلِ خدا + مصطفےٰ ما را امام و پیشوا
ہست اُو خیرالرسل خیرالانام + ہر نبوّت را بروشُد اختتام

اگر خود کشیدہ مصرع کے الفاظ بھی معترضین کو مطمئن کرنے کے لئے ناکافی ہیں تو ہم ان کے سامنے مجموعہ اشتہارات حصہ اوّل صفحہ ۹۷ سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں۔ خدارا وہ اپنے دلوں کو بغض و حسد اور دشمنی و نفاق کے جذبات سے خالی کر کے انصاف کی راہ اپناتے ہوئے ذرا ان الفاظ پر خالی الذہن ہو کر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور خدا کو حاضر ناظر جان کر اپنے دل سے ہی یہ فیصلہ چاہیں کہ کیا یہ الفاظ کہنے اور لکھنے والا کبھی مدعی نبوّت ہو سکتا ہے ؟ :۔

"تمام مسلمانوں کی خدمت میں گذارش ہے کہ اس عاجز کے رسالہ فتح اسلام و توضیح مرام و ازالہ اوہام میں جس قدر ایسے الفاظ موجود ہیں کہ محدّث ایک معنی میں نبی ہوتا ہے یا یہ کہ محدثیت جزوی نبوّت ہے یا یہ کہ محدثیت نبوّت ناقصہ ہے یہ تمام الفاظ حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں بلکہ صرف سادگی سے ان کے لغوی معنی کی رُو سے بیان کئے گئے ہیں ورنہ حاشاو کلا مجھے نبوّت حقیقی کا ہرگز دعویٰ نہیں ہے .....

میرا اس بات پر ایمان ہے کہ ہمارے سیّد و مولیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ سو میں تمام مسلمان بھائیوں کی خدمت میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اگر وہ ان لفظوں سے ناراض ہیں اور ان کے دلوں پر یہ الفاظ شاق ہیں تو وہ ان الفاظ کو ترمیم شدہ تصوّر فرما کر بجائے اس کے محدّث کا لفظ میری طرف سے سمجھ لیں کیونکہ کسی طرح مجھ کو مسلمانوں میں تفرقہ اور نفاق ڈالنا منظور نہیں ہے۔ جس حالت سے ابتداء سے میری نیّت میں جس کو اللہ تعالےٰ جلّ شانہٗ خوب جانتا ہے اس لفظ نبی سے مراد نبوّت حقیقی نہیں ہے بلکہ صرف محدّث مراد ہے"

کیا بزعم خویش اپنے آپ کو متفکّر۔ فقیہہ اور علماء سمجھنے والے مذہبی تاریخ سے کوئی ایسی نظیر پیش کر سکتے ہیں کہ ایک انسان نے اللہ تعالےٰ کی طرف سے حقیقی نبی ہونے کا دعوےٰ کیا ہو اور پھر لوگوں کے فتنہ و فساد اور دباؤ کے مدِ نظر اس دعوےٰ میں ترمیم کرتے ہوئے اپنے آپ کو "محدّث" کہدیا ہو۔ ایسی مثالیں تو ضرور ملتی ہیں کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھا دیا گیا لیکن آپ نے یہ نہ فرمایا کہ مَیں اس کی طرف سے نبی نہیں ہوں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے جان پیش کر دی مگر دعویٰ نبوّت سے دستبردار نہ ہوئے۔ اس لئے کہ وہ مستقل نبی تھے اور اس میں ترمیم کر کے محدّث کہلانے کی گنجائش ہی نہ تھی۔ اگر حضرت مرزا صاحب نے بھی ایک مستقل نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہوتا تو وہ ہرگز ایسا نہ فرماتے کہ لفظ "نبی" کی بجائے "محدّث" تصوّر کر لیں اور اس طرح افتراء علی اللّٰہ کے نتیجے میں آیت "قطع الوتین" کے ماتحت اللہ تعالےٰ انہیں اپنے مقصد میں ناکام و نامراد کر کے نیست و نابود کر دیتا۔ لیکن آپ اپنے دعوےٰ کے بعد ۲۰ سال سے بھی زیادہ عرصہ تک زندہ رہے۔ آپ کے قائم کردہ سلسلہ کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی نصیب ہوتی رہی۔ یہ حقیقت اس کا ایک بیّن ثبوت ہے کہ آپ کا دعوےٰ نبوّت کا نہیں بلکہ مجددیت۔ محدثیت اور مسیح موعود ہونے کا ہی تھا۔

ہم جو کچھ بھی سہی آپ اپنی فکر کیجئے۔ آپ ایک شدید ذہنی اُلجھن، کشمکش اور اضطراب کا شکار ہیں۔ آپ کے دل اس بات کو تسلیم کر چکے ہیں کہ قرآن کریم کی تیس آیات حضرت عیسےٰ ابن مریم اسرائیلی نبی کی وفات پر دلالت کرتی ہیں اور ایک بھی ایسی آیت بصورت جوال کی زندگی کے ثبوت میں پیش کی جا سکے۔ ادھر ان کتب احادیث میں جنہیں آپ صحاح ستہ کہتے ہیں ہر صدی کے سر پر بعثت مجدد اور اس کے ساتھ ہی نزول ابن مریم کی احادیث متواتر ۱۲۰۰ سو سال سے چلی آ رہی ہیں۔ خلاف قرآن پاک آپ نے یہ راہ نکالی ہے کہ وہی عیسےٰ ابن مریمؑ آج دو ہزار سال سے آسمان پر زندہ موجود ہیں حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ خاتم النبیین بھی کہتے ہیں اور تمام انبیاء سے افضل بھی گردانتے ہیں مگر پھر بھی عیسےٰ علیہ السلام کے مقابلے میں آپ کے لئے موت گوارا کر لیتے ہیں۔

غیرت کی جا ہے عیسیٰ زندہ ہو آسماں پر
مدفون ہو زمیں میں شاہِ جہاں ہمارا

جب آپ سے پوچھا جاتا ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام قانون خداوندی سے کیسے باہر رہ سکتے ہیں تو آپ کا جواب یہ ہوتا ہے کہ کیا خدا اس بات پر قادر نہیں کہ وہ آپ کو زندہ رکھ سکتا اور آسمان پر چڑھا لیتا لیکن خدا کو اس میں بے بس و مجبور تصوّر کرتے ہیں کہ وہ کسی اور مرئی صفات والی

خاتون کے بطن سے بھی عیسٰی پیدا کرنے پر قادر ہے۔ آخر حضرت عیسٰے علیہ السلام سے پہلے ایسا کیوں نہ ہوا کہ سارے انبیاء کو باری باری مارتا۔ زندہ کرتا اور دوبارہ اصلاحِ خلق کے لئے بھیجتا رہتا۔ یہ خصوصیت حضرت مسیح علیہ السلام کے لئے ہی کیوں خاص کر دی گئی۔

چلئے کچھ دیر کے لئے مان لیتے ہیں کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام زندہ ہیں اور وہی آئیں گے۔ وہ نبی تھے۔ جب آئیں گے تو نبی ہی رہیں گے اور اگر آپ کے قول کے مطابق وہ اُمتی ہوں گے تو پھر دو باتیں ایک ہی شخصیت میں جمع ہو گئیں نبی بھی اور اُمتی بھی اور یوں وہ اُمتی نبی ہوئے۔ اگر حضرت مرزا صاحب کے اُمتی نبی ہونے کی وجہ سے ختمِ نبوت کی مُہر ٹوٹ جاتی ہے اور ایسا ماننے والوں کو کافر قرار دیا جا سکتا ہے تو حضرت عیسٰےؑ کے اُمتی نبی ہونے کی وجہ سے ختم نبوت کی مُہر کیوں نہیں ٹوٹتی۔ اور ایسا تسلیم کرنے والوں کو کافر کیوں نہیں قرار دیا جا سکتا۔

آپ اس پر بغلیں بجاتے پھرتے ہیں کہ اسلام کے غیر مسلم مفکرین" نے بھی اس قرار داد سے اتفاق کیا ہے۔ ہمیں افسوس ہے آپ نے اس کے مضمرات پر کماحقہٗ غور نہیں فرمایا۔ غیر مسلم مستشرقین کے جتنے نام بھی ہماری نظروں سے گذرے ہیں ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ عیسائی ہیں۔ اگر ایسا ہی ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی تسلیم کر لینے کے بعد ان کے پاس کوئی دلیل نہیں رہتی کہ وہ اسلام نہ لائیں۔ اگر انہوں نے ایسا نہیں کیا تو یہ بات ناقابلِ فہم ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ عیسائیوں اور آپ میں ایک قدرِ مشترک ہے وہ بھی حضرت عیسٰے علیہ السلام کی زندگی اور بعثتِ ثانی کے قائل اور آپ بھی۔ انہوں نے سوچا ہوگا کہ اگر ہم ایسا عقیدہ رکھنے کی وجہ سے کافر کہلاتے ہیں تو جو مسلمان کہلانے والے یہی عقیدہ رکھتے ہیں وہ کیوں نہ کافر کہلا کر ہم میں شامل ہو جائیں اور اس طرح مسلمانوں کی تعداد اور طاقت خود بخود ہی ان کے اپنے ہاتھوں سے کیوں نہ ختم کرائی جائے۔

جو گڑھا آپ نے غیروں کے لئے کھودا تھا آپ خود اس کے کنارے پہنچ چکے ہیں۔ اس کا ایک ہی نتیجہ ہوگا یا غور و فکر کرنے والے سنجیدہ ذہن احمدیت قبول کر لیں گے یا عیسائیت اور کمیونزم کی گود میں چلے جائیں گے عیسائیت کی راہ میں ہم ایک سنگِ گراں تھے۔ ہم نے صلیب کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیا ہے آپ انہیں جوڑ کر اپنے گلوں کی زینت بنانے پر تُلے بیٹھے ہیں۔

ہم آج بھی آپ کو دعوت دیتے ہیں کہ قرآن اور حدیث کی روشنی میں آپ حضرت عیسٰے علیہ السلام کو زندہ ثابت کر دیں تو ہم احمدیت چھوڑ دیں گے لیکن آپ ایسا ہرگز نہیں کر سکیں گے۔ آپ کو یقین ہے کہ اگر آج ہم حضرت عیسٰے علیہ السلام کو وفات شدہ مان لیں تو حضرت مرزا صاحب اپنے تمام دعاوی میں صادق ٹھہرتے ہیں۔

کاش ہمیں مباہلہ کا حق پہنچتا۔ ہم آپ میں سے ایک ایک مفکر، مفسر فقیہہ اور عالم کو اپنے مقابل پر بلاتے اور کہتے کہ بحثیں بہت ہو چکیں۔ دلائل دیئے جا چکے اب فیصلہ کی ایک ہی راہ باقی ہے اور وہ ہے مباہلہ۔ ہم یہ دعا کرتے ہیں کہ" اے اللہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں ہمارا یقین ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں اور حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ چودھویں صدی کے مجدد۔ محدث اور مسیح موعودؑ ہیں اگر ہم اپنے ان اعتقادات میں جھوٹے ہیں تو ہمیں ایک سال کے اندر اندر ختم کر دے" اور آپ سے اس دعا کا مطالبہ کرتے کہ" اے خدا ہم عیسٰے علیہ السلام کو آسمان پر زندہ یقین کرتے ہیں اور مرزا غلام احمد قادیانی کو اپنے تمام دعاوی میں جھوٹا سمجھتے ہیں۔ اگر وہ صادق ہے تو ہمیں ایک سال کے اندر اندر ختم کر دے"۔ پھر دیکھتے حق کس کے ساتھ ہوتا۔ افسوس ہمارے لئے یہ راہ مسدود ہے۔ اس کا فیصلہ ہم اللہ تعالیٰ پر ہی چھوڑتے ہیں۔ جو احکم الحاکمین۔ اور خیر الفاتحین ہے۔

# خواتین جماعت کی سرگرمیاں

## سیالکوٹ چھاؤنی میں خواتین کی محفلِ میلاد

سیالکوٹ چھاؤنی سے ہماری محترمہ بہن خورشید راجہ تحریر فرماتی ہیں:۔

اللہ تعالےٰ کے فضل سے ہماری ہفتہ وار مجالس باقاعدگی سے ہوتی ہیں۔ جماعت کی خواتین اور بچیاں ہر جمعہ کو مسجد میں عقیدت اور شوق سے حاضر ہوتی ہیں۔ دینی کتب میں دلچسپی لیتی ہیں۔ اور سوال و جواب کے ذریعہ اپنے اپنے خیالات کا اظہار بھی کرتی ہیں۔

۱۹ مارچ بروز جمعہ ہم نے محفلِ میلاد النبی صلعم منعقد کی۔ جس میں تمام احمدی اور چند غیر از جماعت خواتین بھی تشریف لائیں۔ کارروائی کی ابتداء میں نے تلاوت قرآن پاک سے کی۔ اور آیات تلاوت کردہ کا ترجمہ و تفسیر بھی اپنے علم اور فہم کے مطابق سنائی۔ میرا موضوع یہی تھا کہ حضور پاکؐ صلعم اخلاق مجسم تھے اور آپؐ کی ساری زندگی ہمارے لئے ہر پہلو سے ایک نمونہ ہے۔ آپؐ کی ذات کے ساتھ ہماری عقیدت اسی رنگ میں مفید ہو سکتی ہے۔ جب ہم اپنے آپ کو ان کے رنگ میں رنگین کریں۔ ایمان بغیر عمل کے اور عمل بغیر ایمان کے کسی مقصد کو پورا نہیں کرتے۔

مَیں نے بچیوں سے وعدہ لیا کہ وہ ہمیشہ سچ کو اپنائیں گی کیونکہ آنحضور کے فرمان کے مطابق سچ ہی تمام نیکیوں کی جڑ ہے اور ہر برائی سے بچنے کے لئے ایک ڈھال ہے۔ تلاوت کے بعد بچیوں نے حمد اور نعتیں پیش کیں۔ کچھ بچیوں نے حضورؐ صلعم کی سیرت پر مضامین بھی پڑھے۔

اس محفل میں سات سال سے لے کر ۱۹/۲۰ سال کی عمر تک کی لڑکیاں شامل تھیں۔ سب نے بڑے اچھے انداز میں نعتیں سنائیں اور مضامین پیش کئے۔ ان میں سے ارم ظفر، صائمہ عظمت فرح، عابدہ۔ سائرہ، نادرہ رشید، شبانہ حفیظ، آزین صدیق خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ خدا تعالےٰ ان سب کو نیک کرے اور صحت و سلامتی کے ساتھ طویل عمریں عطا فرمائے۔ تاکہ وہ بڑھ چڑھ کر دینی خدمات کا موقع پا سکیں۔

بعد ازیں محترمہ زمرد فاضل رمضان صاحبہ نے رسولِ پاک کی سیرت و اخلاق پر ایک بصیرت افروز مضمون پڑھا۔ پھر ہم سب نے مل کر حضورؐ صلعم پر درود و سلام بھیجا۔ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعا کے متعلق ارشادات بھی خواتین کو پڑھ کر سنائے۔ جو سب نے بڑے احترام سے سنے اور پسند کئے۔

آخر میں سب نے مل کر جماعت کے استحکام، ابتلاؤں سے حفاظت اور مسلمانوں کے اتحاد کے لئے بڑے درد سے دعائیں کیں۔ اللہ تعالےٰ دعاؤں کو قبول فرمائے۔

تقریب کے اختتام پر مہمان خواتین کو چائے پیش کی گئی۔

دعاؤں کی طالب آپ کی بہن
بیگم خورشید راجہ۔ سیالکوٹ چھاؤنی

از:- رہ نورد

# سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کی تفسیر تفہیم القرآن کا ایک مختصر جائزہ

## قسط نمبر (۸)

کیا یہ الفاظ اس شخص کے ہو سکتے ہیں جو رجم کو شادی شدہ زانی کے لئے شرعی سزا سمجھتا ہو اور خود حاکم وقت اور مہبطِ وحی ہونے کے سبب اس کے نافذ کرنے کا پابند ہو؟ کیا اس سے یہ غالب تاثر نہیں ملتا کہ یہ واقعہ سورۃ نور کی آیتِ جلد نازل ہونے سے پہلے کا ہوگا ورنہ توبہ کا اب کیا مقام تھا اور قبولیت کا کیا سوال جبکہ مجرم پر ارتکابِ جرم میں حد کا جاری کرنا ہی منشائے شریعت الٰہی ٹھہرا۔ ظاہر ہے کہ حضورؐ ایسے خیالات کا اظہار بھی فرما سکتے تھے جب حضور سمجھتے تھے کہ اللہ تعالےٰ کا منشاء سنگساری نہیں۔ کیونکہ اگر آیاتِ جلد آ جانے کے بعد جب جرم قابل دست اندازیٔ سرکار ہو چکا تھا سنگساری ہی ایسے مجرموں کی سزا تھی تو حضور ایسا نہ کہہ سکتے تھے اور اگر قبل از نزول آیاتِ جلد حضورؐ نے ایسا فرمایا تو حضور سمجھتے تھے کہ سنگساری حکم الٰہی نہیں اس لئے اس میں ردّ و بدل یا کمی بیشی کی جا سکتی تھی۔ مودودی صاحب نے اس بحث پر صفحوں کے صفحے بھر دیئے ہیں۔ لیکن یہ بات ان کی نظروں سے شاید اوجھل رہ گئی ہے۔ ورنہ حضورؐ سے یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ سنگساری کو شرعی سزا بھی سمجھیں اور پھر اس سے بھاگنے والے کو چھوڑ دینے کی ترغیب یہ کہکر لوگوں کو دلائیں کہ شاید وہ توبہ کرتا اور توبہ قبول ہوتی۔ یہ کہنا کہ اس سزا کو گذشتہ سینکڑوں برس سے امّت ایسے ہی تسلیم کرتی چلی آ رہی ہے۔ کوئی دلیل نہیں۔ کیونکہ قرآن پاک کے علی الرغم کوئی رسم اگر رواج پا جائے تو وہ قرآن پاک کی آیات کا سا حکم نہیں رکھ سکتی۔ آخر ایک مدّت طویل تک اسی اُمّت میں غلامی کا رواج بھی تو رہا ہے۔ کیا اُسے بھی اجماعِ اُمّت تصور کیا جا سکتا ہے؟ یا اُسے قرآنِ پاک کا حکم مانا جا سکتا ہے؟ رہا حضرت عمرؓ کا یہ قول کہ قرآنِ پاک میں شاید کوئی اس قسم کی آیت تھی جو اب نہیں ہے لیکن حکم باقی ہے بہت ہی کمزور دلیل ہے۔ کیونکہ باوجود اس کے مودودی صاحب سورۃ النساء کے احکامات کو منسوخ مانتے ہیں پھر بھی وہ آیات آج تک قرآن پاک میں لکھی چلی آ رہی ہیں اور تلاوت کی جاتی ہیں تو حضرت عمرؓ سے منسوبہ روایت کی آیت ہی کو کیوں نہ قرآن پاک میں رہنے دیا گیا۔ کیا یہ عجیب نہیں کہ ایک آیت منسوخ العمل تو قرآن پاک میں ہو اور ایک آیت جو واجب العمل ہے وہ موجود نہ ہو۔ پھر ایک ایسا خیال قرآن پاک میں تحریف تسلیم کرتا ہے جو درست نہیں۔

مودودی صاحب کہتے ہیں کہ بجز خوارج اور معتزلہ کے کسی نے بھی اُمّت کی پوری تاریخ میں اس سے انکار نہیں کیا اور ان کے انکار کی بنیاد بھی بقول مودودی صاحب کے یہ نہیں تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے اس حکم کے ثبوت میں وہ کسی کمزوری کی نشان دہی کر سکے بلکہ وہ اسے قرآن کے خلاف قرار دیتے تھے:۔

”حالانکہ یہ اُن کے فہم کا قصور تھا۔ وہ کہتے تھے کہ قرآن الزانی والزانیۃ کے مطلق الفاظ استعمال کرکے اس کی سزا سو کوڑے بیان کرتا ہے لہٰذا قرآن کی رُو سے ہر قسم کے زانی اور زانیہ کی سزا یہی ہے اور اس سے زانی محصن کو الگ کرکے اس کی کوئی سزا اور تجویز کرنا قانونِ خداوندی کی خلاف ورزی ہے۔“

مودودی صاحب کہتے ہیں کہ قرآن میں مطلق السّارق والسّارقۃ کا حکم بھی قطع ید بیان ہوا ہے اور اگر ان کو تشریحات نبوی سے مقیّد نہ کیا جائے تو ایک پیسہ کی چوری پر بھی ہاتھ کاٹا جائے گا اور لاکھوں کی چوری والا بھی اگر گرفتار ہوتے ہی توبہ کر لے تو اسے چھوڑنا ہوگا کیونکہ قرآن کہتا ہے فمن تاب من بعد ظلمہ و اصلح فان اللہ یتوب علیہ۔ اسی طرح رضاعی ماں اور رضاعی بہن کی حرمت بھی صرف قرآن میں بیان کی گئی ہے۔ رضاعی بیٹی کی حرمت اس استدلال سے قرآن کے خلاف ہونی چاہیئے وغیرہ وغیرہ۔ اس لئے جو بات کہ حضور سے ثابت العمل ہو وہ قرآن کے خلاف نہیں ہو سکتی۔

اوّلاً تو مودودی صاحب کی باتوں سے خود ثابت ہے کہ السّارق والسّارقۃ والے حکم میں انتہائی صورت قطع ید ہو سکتی ہے اور حضورؐ نے جو تشریحات کیں وہ اس کمتر حالت ہی کی تھیں۔ اب اگر الزانی والزانیۃ کی انتہائی سزا رجم درج ہوتی تو تشریحات اس کی کمتر صورتوں کی نشاندہی کرتیں۔ جب ایک صریح سزا درج ہے تو اس سے زیادہ سزا کا تصور قرآن پر اضافہ ہے۔ رہا یہ کہ حضورؐ نے ایسا کیا تھا تو ہم اس کی وضاحت کر چکے ہیں کہ اس کا بعد نزول آیات جلد واقعہ ہونا ثابت نہیں لہٰذا ہم قرآن کی صریح آیات کے خلاف حضورؐ کا عمل کرنا تصوّر میں بھی نہیں لا سکتے۔

دوسرے یہ تو ثابت ہے کہ لونڈی اگر نکاح کے بعد ارتکاب زنا کرے تو اس کے لئے محصنہ عورت سے نصف سزا ہے جیسا کہ قرآن پاک میں مذکور ہے کہ:۔

”فاذا احصنّ فان اتین بفاحشۃ فعلیھنّ نصفُ ما علی المحصنٰت من العذاب“

(سُورۃ النسآء ۴: ۲۵)

یعنی جب وہ حصارِ نکاح میں محفوظ ہو جائیں اور اس کے بعد کسی بد چلنی کی مرتکب ہوں تو ان پر اس سزا کی بہ نسبت آدھی سزا ہے جو خاندانی عورتوں (محصنات) کے لئے مقرر ہے۔ (ترجمہ اُردو مودودی صاحب)

مَوْدُودی صاحب نے اس پر لکھا ہے:۔

”سرسری نگاہ میں یہاں ایک پیچیدگی واقع ہوتی ہے جس سے خوارج اور اُن دوسرے لوگوں نے فائدہ اُٹھایا ہے جو رجم کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر آزاد شادی شدہ عورت کے لئے اسلام میں زنا کی سزا رجم ہے تو اس کی نصف سزا کیا ہو سکتی ہے جو لونڈی کو دی جائے لہٰذا یہ آیت اس بات پر دلیل قاطع ہے کہ اسلام میں رجم کی سزا ہے ہی نہیں۔ لیکن ان لوگوں نے قرآن کے الفاظ پر غور نہیں کیا۔ اس رکوع میں لفظ محصنات دو مختلف معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ ایک شادی شدہ عورتیں جنہیں شوہر کی حفاظت حاصل ہو دوسرے خاندانی عورتیں جن کو خاندان کی حفاظت حاصل ہو اگرچہ وہ شادی شدہ نہ ہوں۔ آیت زیرِ بحث میں محصنات کا لفظ لونڈی کے بالمقابل خاندانی عورتوں کے لئے دوسرے معنی میں استعمال ہوا ہے نہ کہ پہلے معنی میں جیسا کہ آیت کے مضمون سے صاف ظاہر ہے بخلاف اس کے لونڈیوں کے لئے محصنات کا لفظ پہلے معنی میں استعمال ہوا ہے اور صاف ظاہر ہے کہ جب انہیں نکاح کی حفاظت حاصل ہو جائے تب ان کے لئے زنا کے ارتکاب

پر وہ سزا سے جو مذکور ہوئی ۔ اب اگر غائر نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ خاندانی عورت کو دو حفاظتیں حاصل ہوتی ہیں، ایک خاندان کی حفاظت جس کی بنا پر وہ شادی کے بغیر بھی محصنہ ہوتی ہے۔ دوسری شوہر کی حفاظت جس کی وجہ سے اس کے بیلے خاندان کی حفاظت پر ایک اور حفاظت کا اضافہ ہو جاتا ہے بخلاف اس کے لونڈی جب تک لونڈی ہے محصنہ نہیں ہے کیونکہ اس کو کسی خاندان کی حفاظت حاصل نہیں ہے البتہ نکاح ہونے پر اس کو صرف شوہر کی حفاظت حاصل ہوتی ہے اور وہ بھی ادھوری کیونکہ شوہر کی حفاظت میں آنے کے بعد بھی نہ تو وہ اُن لوگوں کی بندگی سے آزاد ہوتی ہے جن کی وہ ملک میں تھی اور نہ اسے معاشرت میں وہ مرتبہ حاصل ہوتا ہے جو خاندانی عورت کو نصیب ہوا کرتا ہے۔ لہذا اسے جو سزا دی جائے گی وہ غیر شادی شدہ خاندانی عورتوں کی سزا سے آدھی ہوگی نہ کہ شادی شدہ خاندانی عورتوں کی سزا سے۔ نیز یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ سورۃ نور کی دوسری آیت میں زنا کی جس سزا کا ذکر ہے وہ صرف غیر شادی شدہ خاندانی عورتوں کے لئے ہے جن کے مقابلہ میں یہاں شادی شدہ لونڈی کی سزا نصف بیان کی گئی ہے ۔ ایسی شادی شدہ خاندانی عورتیں تو وہ غیر شادی شدہ محصنات سے زیادہ سخت سزا کی مستحق ہیں کیونکہ وہ دوہری حفاظت کو توڑتی ہیں اگرچہ قرآن ان کے لئے سزائے رجم کی تصریح نہیں کرتا لیکن نہایت لطیف طریقہ سے اس کی طرف اشارہ کرتا ہے جو بلیدالذہن لوگوں سے مخفی رہ جائے تو رہ جائے تبی کے ذہنِ رسا سے مخفی نہیں رہ سکتا۔"

(تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ ۳۴۲ ۔ صفحہ ۳۴۳)

ہم نے یہ طویل اقتباس اس لئے نقل کیا ہے تاکہ مودودی صاحب کی دلیل اُنہی کے لفظوں میں واضح ہو جائے ۔ حضور نبی اکرم صلعم کی آڑ لے کر انہوں نے جو اپنے سے اختلاف کرنے والوں کو بلیدالذہن کہا ہے، یہ طریق تکلم کوئی قابلِ تعریف چیز نہیں جیسا ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ حضور سے منسوب واقعہ کی اپنی نوعیت ہی ستی اور قطعی طور پر ثابت نہیں نہ خود حضور نے اس سزا کو قابلِ ستائش سزا سمجھا۔ اور جو لوگ کہ رجم کو قرآن کا حکم نہیں مانتے وہ اس بات کو بھی نہیں مانتے کہ حضور نے آیاتِ جلد نازل ہونے کے بعد بھی رجم کی سزا دی ۔ اس لئے مودودی صاحب کو اُن لوگوں کے لئے بلیدالذہنی کا خطاب تراشنا بُری بات تھی ۔ اب ذرا اس دلیل کو دیکھئے جو انہوں نے لونڈیوں کی نصف سزا کو متعین کرنے کے لئے دی ہے وہ کہتے ہیں کہ آزاد عورت کی شادی کے بعد دو حفاظتیں ہوتی ہیں لونڈی کی ایک اور وہ بھی ادھوری ۔ اولاً تو یہ استدلال ہی غلط ہے ۔ لونڈی جس کی ملک ہوتی ہے اسی کی حفاظت میں ہی ہوتی ہے جبھی آیت زیرِ بحث میں فانکحوھن باذن اھلھن کے الفاظ ہیں ۔ مالک کی اجازت کے بغیر لونڈی کا نکاح نہیں ہو سکتا ۔ دوسرے یہ احکامات سورۃ النساء کے ہیں ۔ مودودی صاحب کہتے ہیں کہ سورۃ نور کے احکام آجانے کے بعد سورۃ النساء کے وہ احکامات جو زانیہ عورتوں اور زانی مردوں کی سزا کے بارے میں تھے منسوخ ہو گئے ۔ سوال یہ ہے کہ لونڈیوں کے بارے میں جو احکامات سورۃ النساء میں ہیں کیا وہ منسوخ ہوئے یا علیٰ حالہٖ قائم رہے ۔ ہمارا خیال ہے کہ مودودی صاحب اُن کے علیٰ حالہٖ قائم رہنے کو تسلیم کرتے ہیں ۔ تبھی تو وہ کہتے ہیں کہ :۔

" نیز یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ سورۃ نور کی دوسری آیت میں زنا کی جس سزا کا ذکر ہے وہ صرف غیر شادی شدہ عورتوں کے لئے ہے جن کے مقابلہ میں یہاں شادی شدہ لونڈی کی سزا نصف بیان کی گئی ہے"

تو گذارش ہے کہ سورۃ نور کی دوسری آیت نازل ہونے سے پہلے لونڈیوں کے لئے نصف سزا کا تعین کس طریق سے کیا جاتا تھا؟ تیسرے یہ کہ اگر یہ سزا شادی شدہ لونڈی کی غیر شادی شدہ آزاد عورت کے مقابل پر ہے تو غیر شادی شدہ لونڈی پر کوئی گرفت ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ جو چاہے کرتی پھرے! حالاں کہ یہ درست نہیں ۔ قرآن کا قطعی حکم ہے کہ ولا تکرھوا فتیٰتکم علی البغاء + اور اس حکم کے آنے پر ہی حضورؐ نے فرمایا تھا کہ لا مساعاۃ فی الاسلام۔

(تفہیم القرآن جلد سوم صفحہ ۳۰۲)

لہذا مودودی صاحب کا یہ استدلال کہ غیر شادی شدہ آزاد عورت کی سزا کا نصف شادی شدہ لونڈی کی سزا ہے درست نہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کہکر بعضکم من بعض فی الحقیقت اس تفریق کو مٹایا ہے۔ ہاں غلام عورتوں کی سزا کو نصف اس لئے کہا ہے کہ جس طبقہ سے وہ تعلق رکھتی ہیں ان سے اخلاقی حِسّ کی اس بلندی کی عام توقع نہیں کی جا سکتی جس قدر کہ آزاد عورتوں سے اخلاقی احساس کی شدت اور بلندی متوقع تھی۔ ایک ایسا طریقِ فکر خود اس بات کا ترجمان ہے کہ قرآن پاک مخصوص معاشی ماحول اور ذہنی پختگی یا بلندی کا کس قدر خیال رکھتا ہے۔

مودودی صاحب جس قسم کے تصوّرِ ریاست کے قائل ہیں اس میں فرد اور اجتماع کے حقوق و فرائض کے جو حدود انہوں نے متعین کئے ہیں ان میں بھی بیشتر مقامات ازمنہ قدیمہ کے سخت گیر شاہانہ اور جاگیردارانہ طریقہائے نظامِ حکمرانی کی جھلک نظر آتی یا موجودہ دور کی آمرانہ فسطائیانہ یا کلّی حکومتوں اور سماج کا پرتو دکھائی دیا ہے ۔ یہ اور بات ہے کہ اُس کے لئے روائتی لباس اسلام ہی کے نام پر تیار کیا گیا ہے ۔ ہماری اس تحریر کو کسی تعصّب یا تنگ نظری پر محمول نہ کیا جائے کیونکہ ہمارا اختلاف کسی ذاتی وجہ سے نہیں۔ مودودی صاحب خود تسلیم کرتے ہیں کہ ان کی مجوزہ ریاست میں ضمیر کے تقاضے کے تحت تبدیلیٔ مذہب قابلِ دست اندازیٔ سرکار جرم ہوگا جو ارتداد کہلاتا ہے اور مرتد کی سزا اُن کے نزدیک قتل ہے اس پر انہوں نے ایک مستقل رسالہ بعنوان "مرتد کی سزا" بھی لکھا ہے۔ ان کے نزدیک اگر کسی نے محض اپنے ضمیر کے تقاضے کے تحت مذہب تبدیل کر لیا ہو اس کے ساتھ اس نے چاہے بغاوت نہ کی ہو نہ کسی کو قتل کیا ہو نہ ہی کسی دوسرے شخص کو ترغیب بغاوت دی ہو ۔ محض تبدیلی مذہب اُسے پھانسی کے پھندے یا سنگساری کے میدان میں پہنچا سکتا ہے ۔ مودودی صاحب کی طرح سوچنے والے اشخاص اس حکم کی سند قرآن پاک سے کبھی بھی نہیں لا سکے بلکہ ہمیشہ بعض ایسے واقعات یا احادیث کا سہارا لیتے رہے ہیں جو کسی خاص صورتِ حال سے متعلق تھیں اور اسے عام حکم میں بدل کر قانون بنا ڈالتے رہے ہیں لیکن ان سب کو اس استدلال کی کمزوری کا احساس تھا اور سچ تو یہ ہے کہ ارتداد کا ذکر بارہا قرآن پاک میں آیا ہے لیکن کہیں بھی اُس کی سزائے قتل کا ذکر نہیں بلکہ ایسے شخص کے اعمال ضائع ہو جانے اور آخرت میں خائب و خاسر ہونے ہی کی وعید سنائی گئی ۔ ان تمام صریح اور واضح آیات کے علی الرغم مودودی صاحب نے اپنے مسلک کی حمایت میں ایک آیت درج فرما دی ہے حالاں کہ وہ مرتدین کے بارے میں ہے ہی نہیں۔ اسے زبردستی مرتدین پر جڑ دینا ہمیں عجیب لگا ۔ وہ آیت سورۃ توبہ کی وان نکثوا ایمانھم من بعد عھدھم و طعنوا فی دینکم ۔ فقاتلوا ائمۃ الکفر انھم لا ایمان لھم ۔ لعلھم ینتھون ہے ۔ مودودی صاحب نے اس کا ترجمہ لکھا ہے :۔ "اور اگر عہد کرنے کے بعد یہ پھر اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین پر حملے شروع کردیں تو کفر کے علمبرداروں سے جنگ کرو کیونکہ انکی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں شاید کہ پھر تلوار ہی کے زور سے وہ باز آ

# غزواتِ و معاہداتِ نبویؐ

## جلسہ سیرت النبیؐ منعقدہ جامع احمدیہ، احمدیہ بلڈنگس لاہور میں

### چوہدری مسعود اختر صاحب ایڈووکیٹ کی تقریر

(بسلسلہ اشاعتِ گذشتہ)

حضورؐ کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے عبداللہؓ ابن جحش کو سرزنش فرمائی۔ لیکن قریش تو موقع کی تاک میں تھے۔ انہوں نے دو ماہ جنگ کی تیاری کی اور رمضان ۲ ہجری میں مدینہ پر حملے کے لئے نکلے۔ اور بدر کے مقام پر مسلمانوں اور کفار مکہ کے درمیان پہلی جنگ ہوئی اس جنگ میں کفار کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ تھی، جبکہ مسلمانوں کی تعداد صرف ۳۱۳ ایسے افراد پر مشتمل تھی جن میں بچے بھی شامل تھے اور سب کے پاس ہتھیار بھی نہ تھے۔ کفار کی آمد کی خبر پاکر حضور صلعم ۳۱۳ افراد کو لے کر مدینہ سے نکلے کہ خود مدینہ میں بیٹھ کر لڑنا خطرناک تھا۔ جب بدر کے مقام پر پہنچے تو دیکھا کہ قریشِ مکہ وہاں پر خیمہ زن ہیں۔ فنِ حرب کے ماہرین اس امر پر متفق ہیں کہ حملہ آور فوج کی تعداد دفاع کرنے والی فوج کے مقابلہ میں سہ چند ہونی چاہیئے اور اُسے ہتھیاروں میں بھی فوقیت حاصل ہونی چاہیئے۔ لیکن یہاں تو نہ صرف مسلمانوں کی تعداد ایک تہائی سے کم تھی بلکہ ہتھیار بھی مکمل نہ تھے صاف ظاہر ہے کہ ایسی فوج جارح نہیں ہو سکتی بلکہ یہ تو محض اپنی اور اپنے دین کی بقا کے لئے میدانِ جنگ میں آنے پر مجبور ہوئے تھے۔ اور مسلمانوں کا بدر کے مقام پر پہنچکر کفار کو وہاں خیمہ زن پانا تو اس میں کسی شک کی گنجائش ہی نہیں رہنے دیتا کہ حملہ آور قریشِ مکہ ہی تھے۔ شکست بدر کا بدلہ لینے اور مسلمانوں کو مٹا دینے کے ارادہ سے قریش مکہ سن ۳ ہجری میں پھر مدینہ پر چڑھ دوڑے اور مدینہ سے صرف تین میل کے فاصلہ پر جنگِ اُحد لڑی گئی۔ حالاں کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان تقریباً ۲۷۰ میل کا فاصلہ ہے۔ اس جنگ میں کفار کی تعداد تین ہزار سے زیادہ تھی اور اُن کے اُحد پہنچنے کے دوسرے دن حضور نبی کریم صلعم ۱۰۰۰ مسلمانوں کو لے کر مدینہ سے مقابلہ کے لئے نکلے۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ حملہ آور اس بار بھی کفار ہی تھے۔

جنگِ اُحد میں مسلمانوں کو بھی کافی نقصان ہوا۔ اس کے نتیجہ میں قریشِ مکہ نے مدینہ کے قرب و جوار کے قبائل سے گٹھ جوڑ شروع کیا۔ اسی طرح بیئر معونہ اور رجیع میں مسلمان مبلّغین کے دھوکہ سے قتل کئے جانے کی وجہ سے سن ۵ اور ۶ ہجری میں مسلمانوں کی مختلف قبائل سے جھڑپیں ہوتی رہیں۔ لیکن یہ بھی دفاعی نوعیت کی تھیں۔ بین الاقوامی قانون ہر ریاست کے اس حق کو تسلیم کرتا ہے کہ وہ اس پر حملہ آور ہونے کی نیت سے کسی دوسرے علاقہ میں جمع ہونے والی فوجوں پر اپنے دفاع کے لئے حملہ کر کے انہیں تباہ کر دے۔ اور ایسے حملہ کو جارحیت قرار نہیں دیتا بلکہ اسے ریاستوں کا دفاعی حق قرار دیتا ہے۔ جب دشمن کو جارحیت کی نیت سے فوج جمع کرنے اور فوج کشی سے روکنے کے لئے اس پر حملہ کرنا بین الاقوامی قانون کے مسلمہ اُصول کے مطابق ریاستوں کا دفاعی حق ہے تو پھر یورپ کے مستشرقین کس منہ سے اور کس اُصول کی رُو سے مسلمانوں کے اُن غزوات کو جو مسلمانوں کے دشمنوں کی جمع ہونے والی طاقت کو منتشر کرنے کی غرض سے کئے گئے جارحیت قرار دیتے ہیں۔ اگر مشرقی پاکستان کے مبینہ قتل عام اور مہاجرین کے ہندوستان جانے سے ہندوستان کو اپنے دفاع میں مشرقی پاکستان پر فوجکشی کا اُس کا حق تسلیم کیا جاتا ہے اور یورپ کے تمام ذرائع ابلاغ نے ہندوستان کے اس حق کو تسلیم کرکے اُس کے حق میں پروپیگنڈا مہم چلائی اور خود اقوام متحدہ نے ہندوستان کو جارح قرار دینے سے انکار کیا تو اسی اصول کا اطلاق مسلمانوں پر مکہ میں ڈھائے جانے والے مظالم اور اس کے نتیجہ میں مہاجرین کے مدینہ جانے اور مسلمان مبلّغین کے قتل عام کے جواب میں کی جانے والی کاروائی پر کیونکر نہیں ہوتا اور اسی کا اطلاق غزوہ خیبر پر کیونکر نہیں ہوتا کہیں ایسا تو نہیں کہ یورپ کے مدبّرین کے لینے کے باٹ اور ہیں اور دینے کے باٹ اور۔

اس کے بعد جنگ احزاب جسے غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں لڑی جاتی ہے قریش مدینہ کا محاصرہ کرتے ہیں اور حضور رسالتمآب مسلمانوں سمیت محصور ہیں۔ یہودی قبائل بھی نہ صرف معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہیں بلکہ اندر ہی اندر دشمن سے ملے ہوئے ہیں۔ کفار کا ۲۴۰۰۰ ہزار کا لشکر محاصرہ کئے ہوئے ہے۔ رسد کی راہیں بند ہیں اور مسلمان محصور ہو کر مقابلہ کر رہے ہیں صاف ظاہر ہے کہ مسلمان محض اپنے دفاع میں لڑنے پر مجبور کر دیئے گئے ہیں اور جارحیت پھر کفار نے کی۔

غزوۂ خندق کے وقت مدینہ میں رہنے والے تینوں قبائل نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی جس کی سزا کے طور پر حضور نبی کریم صلعم نے بنو قینقاع اور بنو نضیر کو مدینہ چھوڑنے کا حکم دیا۔ بنو قریظہ نے سعد ابن معاذ کو جو پہلے اُن کا اتحادی تھا اپنا ثالث مقرر کیا۔ سعد نے عہدنامہ قدیم کے مطابق ان کے تین صد مردوں کو سزائے موت۔ عورتوں اور بچوں کو قیدی بنانے اور جائیداد ضبط کرنے کا فیصلہ سنایا۔

اس کے بعد صلح حدیبیہ آتی ہے۔ حضورؐ صرف ۱۴۰۰ افراد کے ساتھ مکہ کی طرف حج کی نیت سے تشریف لے جاتے ہیں اور حدیبیہ پہنچ کر قریش مکہ کو صلح کا پیغام بھجواتے ہیں۔ اگر حملہ کی نیت ہوتی تو آپ بڑا لشکر لے کر جاتے یہ بھی نہ تھا کہ آپ کو بڑا لشکر میسر نہ تھا۔ جب ایک ہی سال بعد دس ہزار افراد فتح مکہ کے موقع پر آپؐ کے ساتھ تھے تو ایک بڑا لشکر اب بھی تیار ہو سکتا تھا۔ لیکن آپؐ جنگ کی نیت سے تشریف نہ لے گئے تھے۔ اسی لئے صلح کا پیغام بھجوایا اور پھر صلح بھی قریشِ مکہ کی شرائط پر کرلی۔ کیا کبھی کسی حملہ آور نے ایسی شرائط پر صلح کی ہے؟ شرائط صلح یہ تھیں:۔

۱۔ مسلمان اس سال فریضۂ حج ادا کئے بغیر واپس چلے جائیں۔

۲۔ اگلے سال وہ حج کے لئے آئیں۔ لیکن مکہ میں تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں۔

۳۔ وہ اپنے ساتھ مکہ میں رہنے والے کسی مسلمان کو ساتھ نہ لے جائیں گے اگر ان میں سے کوئی مکہ آنا چاہے تو مسلمان اُسے نہیں روکیں گے۔

۴۔ اگر کوئی مکہ کا رہنے والا مدینہ جائے تو مسلمان اسے مکہ والوں کے حوالے کر دیں گے۔ لیکن اگر مدینہ میں رہنے والے مسلمانوں میں سے کوئی مکہ والوں سے جا ملے تو وہ اسے واپس نہ کریں گے۔

۵۔ عرب قبائل کو آزادی ہوگی کہ وہ فریقین میں سے جس سے چاہیں اتحاد یا معاہدہ کریں۔

مندرجہ بالا شرائط صریحاً مسلمانوں کے لئے نہایت نقصان دہ تھیں لیکن اس کے باوجود انہیں قبول کر لیا گیا۔ ابھی یہ معاہدہ لکھا ہی گیا تھا کہ ابو جندل ابن سہیل جس نے مکہ میں اسلام قبول کیا تھا اور طرح طرح کے ظلم سہہ رہا تھا کسی نہ کسی طرح مکہ سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور مسلمانوں کے کیمپ میں اس اُمید سے آیا کہ وہاں اسے ہاتھوں ہاتھ لیا جاوے گا۔ اس نے زخموں کے نشان مسلمانوں کو دکھائے۔ خود حضور رسول کریم صلعم کا دل بھر آیا اور حضورؐ نے قریش کے نمائندہ سے ابو جندل کو چوتھی شرطِ معاہدہ سے مستثنیٰ قرار دینے کے لئے کہا لیکن وہ نہ مانا

ادھر ابو جندل کی خستہ حالت دیکھ مسلمانوں کے دلوں پر غم کے بادل چھائے تھے اور وہ اسے دوبارہ ظلم وستم سہنے کے لئے قریشِ مکّہ کے حوالے کرنے کے تصوّر سے غمزدہ تھے۔ دُکھ اس قدر ناقابلِ برداشت تھا کہ حضرت عمرؓ نے حضورؐ سے سوال کیا۔ "کیا آپؐ اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں؟ کیا ہماری راہ حق کی راہ نہیں ہے" جب حضورؐ نے فرمایا بے شک میں اللہ کا سچا نبی ہوں اور ہم حق کی راہ پر ہیں تو پھر حضرت عمرؓ نے عرض کیا "تو حضور پھر دین کے معاملہ میں ہم کیوں اس قدر ذلّت آمیز سلوک برداشت کریں۔" حضورؐ نے فرمایا کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ کے حکم سے کر رہے ہیں۔ الغرض مسلمانوں کے لئے انتہائی اذیت ناک ہونے کے باوجود معاہدہ کی پابندی کی غرض سے ابو جندل کو قریشِ مکّہ کے حوالے کر دیا گیا۔ اُدھر تو معاہدہ کی پابندی کا یہ عالم اور دوسری طرف صلح حدیبیہ کی پانچویں شرط کے مطابق قبیلہ خزاعہ نے مسلمانوں کے ساتھ اتحاد کا معاہدہ کیا اور قبیلہ بنو بکر نے جو اس قبیلہ کا دشمن تھا کفّارِ مکّہ کے ساتھ اتحاد کیا۔ بنو بکر نے ایک رات خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ اور قریش مکّہ نے ان کا ساتھ دیا۔ خزاعہ نے حرم میں پناہ لی لیکن اس کے باوجود ان کے بہت سے افراد کو قتل کر دیا گیا۔ اس پر خزاعہ کا ایک وفد مدینہ آیا اور معاہدہ اِتحاد کے واسطہ سے اپنے دفاع کے لئے مدد چاہی۔ حضور نبی کریم صلعم نے کفّارِ مکّہ کو پیغام بھیجا کہ تین میں سے کسی شرط کو قبول کریں:۔

۱۔ خزاعہ کے مقتولین کا خونبہا ادا کیا جاوے۔ یا

۲۔ وہ بنو بکر کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں یا

۳۔ وہ اعلان کریں کہ صلح حدیبیہ ختم ہو گئی ہے

کفّارِ مکّہ نے جواب میں تیسری شرط کو منظور کر لیا۔ یہ اطلاع ملنے پر حضورؐ نے مکّہ پر حملہ کی تیاری کی۔ حضورؐ معاہدہ کی رُو سے خزاعہ کی مدد کرنے کے پابند تھے اور حضورؐ معاہدہ کی کس حد تک پابندی فرماتے تھے۔ اس کا اندازہ ابو جندل کی قریش مکّہ کو واپسی سے ظاہر ہے۔

ایسے حالات میں کہ قریش مکّہ نے بنو بکر کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے حلیف قبیلہ کو جارحیت اور بربریت کا نشانہ بنایا۔ بین الاقوامی قانون مسلمانوں کو یہ حق دیتا تھا کہ وہ اپنے حلیف کی مدد میں معاہدہ کی رُو سے کفارِ مکّہ کے خلاف جنگ کریں۔ اگر مستشرقین اسے جارحیت قرار دیتے ہیں تو پھر جنگِ عظیم ۱۹۱۴-۱۸ء اور عالمی جنگ ۱۹۳۹-۴۵ء میں برطانیہ۔ فرانس اور امریکہ کو بھی جارح قرار دینا پڑے گا۔ جرمنوں نے بھی ان ممالک پر براہِ راست حملہ نہ کیا تھا بلکہ یورپ کے دوسرے ممالک پر جرمنی کے حملہ کرنے پر اتحادیوں نے جرمنی کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا تھا۔ بین الاقوامی قانون کے جس اُصول کے تحت یہ اعلانِ جنگ دفاعی نوعیت کا تھا بعینہٖ مکّہ پر مسلمانوں کا حملہ اسی اُصول کے تحت دفاعی نوعیت کا تھا اور اسے کسی طرح بھی جارحیت قرار نہیں دیا جا سکتا۔

مکّہ پر حملہ کی تیاری کے لئے تمام قبائل جن سے اِتحاد کے معاہدے تھے بُلائے گئے اور حضورؐ دس ہزار ہمراہیوں کو لے کر مکّہ کی طرف روانہ ہوئے اور مکّہ تقریباً بغیر جنگ کے ہی فتح ہو گیا۔ صرف عکرمہ بن ابوجہل نے اس دستہ پر حملہ کیا جس کی کمان حضرت خالد بن ولید کر رہے تھے اور اس جھڑپ میں چند افراد مارے گئے جس پر حضور نے ناراضگی کا اظہار فرمایا لیکن حضرت خالد بن ولید کے اصل واقع بیان کرنے پر معاملہ ختم ہو گیا۔ حضورؐ نے عام معافی کا اعلان کیا کہ کسی کو طاقت کے زور پر مسلمان نہ بنایا جائے۔ حضورؐ نے مکّہ کے تمام لوگوں کو جن میں وہ بھی تھے جو مسلمانوں کو نہایت اذیّت ناک ظلم کا نشانہ بناتے رہے تھے۔ وہ بھی تھے جو خود حضورؐ کو دُکھ اور تکلیفیں پہنچاتے رہے تھے اور حضورؐ کی اہانت کرتے رہے تھے۔ اور وہ بھی تھے جو مسلمانوں بلکہ خود حضور رسالتمآب کے قریبی عزیزوں کے قاتل تھے۔ لیکن رحم و عفو کا جو سمندر فتح مکّہ کے دن ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ تاریخ عالم اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔

عام معافی کے اعلان کے بعد حضور نبی کریم صلعم کوہِ صفا کے ایک اُونچے مقام پر بیٹھ کر لوگوں سے بیعت لیتے رہے۔ ہزاروں لوگ خود بخود اسلام لے آئے۔ لیکن ایسے بھی تھے جو مسلمان نہ ہوئے اور اپنے پُرانے دین پر قائم رہے اُن پر نہ کوئی سختی کی گئی اور نہ انہیں مجبور کیا گیا وہ بعد میں بھی غیر مسلم ہی رہے اُن سے بھی اتنا اچھا سلوک کیا گیا کہ وہ بعد میں جنگِ حنین میں مسلمانوں کے دوش بدوش لڑتے رہے۔ اس طرح حضورؐ نے فتح مکّہ کے وقت بھی مدینہ کے معاہدہ کی بنیادی شرط کہ کسی کے دین میں مداخلت نہ کی جائے گی پابندی کر کے یہ ثابت کر دیا کہ مدینہ کے معاہدہ کی شرائط کسی کمزوری کی وجہ سے محض حالات سے مجبور ہو کر طے نہ کی گئی تھیں بلکہ اُن اُصولوں پر مبنی تھیں جن پر اسلامی ریاست وجود میں آئی تھی۔

یہاں پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ فتح مکّہ کے وقت کعبہ سے بتوں کو کیوں ہٹا دیا گیا۔ تو اس کے جواب میں دو باتوں کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ اوّل تو یہ کہ فتح کے بعد کعبہ کے متولّی قانونی طور پر قریشِ مکّہ کے بجائے مسلمان بنے لہٰذا ان کو یہ حق پہنچتا تھا کہ وہ جیسے چاہیں کعبہ میں کوئی تبدیلی کریں۔ دوسرے مکّہ اور نواحِ مکّہ کی اکثریت نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس لئے وہاں اب بُتوں کی گنجائش نہ تھی۔ بُت پرست ہی جب ایک اللہ کے آگے جھکنے لگے تو پھر بُتوں کی کیا ضرورت۔ تیسرے توحید اور غیر اللہ کی پرستش سے روکنا مسلمانوں کا سب سے بڑا اصول تھا جس کی خاطر انہیں اس قدر صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ کیونکہ ممکن تھا کہ اس بنیادی اصول پر وہ کوئی سودا یا سمجھوتہ کر لیتے۔

ابھی حضورؐ کو مدینہ سے واپس آئے ایک مہینہ بھی نہ ہوا تھا کہ قبیلہ ہوازن نے جو مکّہ کے مشرق کی طرف پہاڑی علاقہ میں آباد تھا مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے وادئ حنین میں فوج جمع کی۔ اس خبر کی تصدیق ہونے پر حضورؐ بارہ ہزار مسلمانوں کو لے کر حنین تشریف لے گئے اور ہوازن کو شکست دے کر اُن کی جمع کی ہوئی فوج کو منتشر کر دیا۔ یہ جنگ بھی مسلّمہ بین الاقوامی قانون کے مطابق دفاعی جنگ تھی۔ کیونکہ حملہ کی نیت سے جمع ہونے والی طاقت کو منتشر کرنے کے لئے لڑی گئی۔

اس کے بعد یہ اطلاع ملی کہ قیصرِ شام اس غرض سے فوج جمع کر رہا ہے کہ عرب پر حملہ کرے اس کے ساتھ ہی شام کی سرحد کے قریب بسنے والے چند عیسائی قبیلوں نے بھی تیاریاں شروع کر دیں۔ آنحضرت صلعم تیس ہزار مسلمانوں کو لے کر سرحد کے قریب تبوک تشریف لے گئے۔ عیسائی قبائل نے پناہ مانگی جو دے دی گئی۔ لیکن وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ قیصر نے وہاں کوئی فوج جمع نہیں کی تو باوجود اس امر کے کہ آپؐ کو تبوک جانے کے لئے مسلمانوں کی فوج تیار کرنے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا اور خود بھی سخت گرمی میں بیس دن سے زیادہ کا سفر لشکر کے ساتھ کرنا پڑا اور شام کی سرحد بھی خالی تھی آپؐ نے حملہ نہ کیا۔ اگر مقصد جارحیت ہوتا تو اس سے بہتر کوئی موقع نہ تھا۔ لشکر بھی تھا اور راستہ بھی صاف تھا۔ لیکن آنحضور کے پیشِ نظر صرف مدافعت میں لڑنے کا اُصول تھا۔ اس لئے آپ تبوک میں ۲۱ دن قیام کے بعد واپس تشریف لے آئے۔

ان تمام غزوات کے حالات و واقعات اور ان تمام معاہدات کی تفصیل پر پر غور کرنے سے جو مختلف قبائل سے مختلف اوقات میں حضورؐ کی زندگی میں طے پائے ایک بات اظہر من الشمس ہوتی ہے کہ حضورؐ نے نہ تو کبھی جارحیت کا ارتکاب کیا اور نہ ہی کوئی ایسا معاہدہ کیا جس کا مقصد جارحیت کے ارتکاب میں کسی طرف سے کوئی مدد لینا ہوتا۔ میں حیران ہوں کہ مستشرقین اور خود کچھ

# مدیر "نوائے وقت" کے نام

## مولوی عبدالرحمان صاحب پشاوری کا ایک مکتوب

[مولوی صاحب موصوف نے اس خط کی ایک نقل ہمیں بھی پیغام صلح میں شائع کرنے کے لئے ارسال فرمائی ہے۔ جو قارئین کرام کی خدمت میں پیش ہے]

---

مکرمی مدیر نوائے وقت (لاہور) سلام مسنون۔ امید ہے کہ میری معروضات ذیل کو آپ نہایت ٹھنڈے دل و دماغ سے مطالعہ کرنے کے بعد اپنے مؤقر جریدہ میں شائع فرما کر ممنون ہونے کا موقع دیں گے۔

میرے سامنے اس جریدہ کے ۵ جنوری۔ یکم فروری اور ۲ فروری ۱۹۷۶ء کے تین شمارے ہیں۔ ۵ جنوری کے ایک پرچے میں ایک خبر اور اس پر حاشیہ کا لب لباب یہ ہے۔ کہ احمدی (قادیانی اور لاہوری) پاکستان میں بدستور اذانیں دیتے ہیں یعنی اشھد ان محمد الرسول اللہ کہہ کر نماز پڑھنے والوں کو ۵ وقت مسجد میں آنے کی اور نماز پڑھنے کی دعوت دیتے ہیں نمازوں میں قرآن کریم کی تلاوت بھی باآواز بلند کرتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں، غرضیکہ خدا کی طرف سے عائد کردہ فرائض کھلے بندوں بجا لاتے ہیں اور اس طرح اسلامی شعائر اور آئین دونوں کی توہین و تذلیل کر رہے ہیں۔ العیاذاً باللہ۔ حکومت سے مطالبہ کیا گیا ہے۔ کہ انہیں ایسا کرنے سے سختی سے منع کیا جائے۔ ان کو کلیدی عہدوں سے بھی ہٹایا جائے۔ یہ مطالبہ مانسہرہ کے قریب ایک گاؤں داتہ کی جامع مسجد میں ایک قرارداد کے ذریعہ کیا گیا ہے۔

یکم فروری ۱۹۷۶ء کے نوائے وقت میں کسی بزرگ صوفی محمد اشرف صاحب چشتی صابری کی طرف سے بڑے دکھ کا اظہار کیا گیا ہے کہ قادیانی (تحریک احمدیت کے داعی) یا لاہوری احمدی غیر مسلم اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ ان کو کیا حق پہنچتا ہے کہ ان الدین عند اللہ الاسلام لکھیں۔ دونوں پرچوں میں سادہ اور نیک دل انسانوں کو شعائر اسلامی کی پامالی کا واسطہ دے کر اشتعال دلانے اور لوٹ مار اور قتل و غارت پر آمادہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ راقم الحروف آپ کی خدمت میں اللہ تعالیٰ کا ایک ارشاد پیش کرتا ہے۔ اسے قبول کرنا یا رد کرنا آپ کے اسلام اور ایمان پر منحصر ہے۔ ولا یجرمنکم شنان قوم ان لا تعدلوا۔ اعدلوا ھو اقرب للتقوی۔ واتقوا اللہ، ان اللہ خبیر بما تعملون۔ (مائدہ ۵-۸)

ترجمہ: تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو۔ کہ یہ تقوےٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اللہ سے ڈرو۔ کیونکہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔

میں آپ کی خدمت میں واقعات پیش کرتا ہوں۔ داتہ میں ۱۹۷۴ء کی لوٹ مار سے قبل بہت سے احمدی گھرانے آباد تھے۔ جون ۱۹۷۴ء میں جب اسلام کی سربلندی اور ختم نبوت کے تحفظ کی خاطر تحریک چلی، تو چند کمزور اور غریب احمدیوں کو ایک با اثر اکثریت نے طاقت اور دباؤ سے دائرۂ اسلام میں داخل کر لیا۔ چند سر پھرے جو ابھی تک "دائرۂ اسلام" سے باہر ہیں، وہ اپنے لٹے پٹے اور ٹوٹے پھوٹے خالی مکانوں میں سر چھپائے ہوئے ہیں اکثریت کا ان سے بھی یہی مطالبہ ہے۔ کہ اپنے مرشد و امام حضرت میرزا غلام احمد علیہ السلام کو کافر اور کاذب کہیں (نعوذ باللہ) اور "دائرہ اسلام" کے اندر آ جائیں۔ یہ احمدی حضرات اس شرط پر مسلمان ہونے کو تیار نہیں۔ اس لئے اس گاؤں کے طاقتور لوگ وقتاً فوقتاً شعلہ بیان علماء درآمد کرتے رہتے ہیں۔ تاکہ شاید کسی عالم کی گالیاں ان پر اثر کر جائیں اور یہ مجدد زمانہ کو گالیاں دینے پر آمادہ ہو جائیں۔ یوں انہیں خوف زدہ کرنے اور لوٹنے کے بہانے تلاش

کئے جاتے ہیں۔ اسلام زندہ باد۔ ختم نبوت زندہ باد کے مقدس نعروں کے ساتھ لوٹ مار کے لئے دھاوا بولا جاتا ہے۔ ان پاک نعروں کی برکت سے اتنا جوش پیدا ہوتا ہے۔ کہ ہوش و خرد ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ بلکہ اللہ اور رسول کی عظمت تک کا تصور غائب ہو جاتا ہے یہ میرا چشمدید واقعہ ہے کہ مری کی ایک مسجد احمدیہ پر جب "اللہ اکبر"۔ "اسلام زندہ باد" "ختم نبوت زندہ باد" کے نعروں سے پتھراؤ شروع ہوا۔ تو پتھروں کی چوٹ سب سے پہلے مسجد کے دروازے پر نصب شدہ سنگ مرمر کی اس تختی پر پڑی جس پر:۔

ان المساجد للہ۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ انا خاتم النبیین لا نبی بعدی، کندہ تھا۔ اس تختی پر اس قدر شدید سنگ باری کی گئی۔ کہ اس پر ایک گہرا زخم اب بھی آپ کو نظر آئے گا۔ لوٹ مار، گھیراؤ، جلاؤ اور قتل و غارت کی یہ بسم اللہ تھی جو ۳۱ مئی ۱۹۷۴ء کو مری کی مسجد احمدیہ اور اس کی ملحقہ لائبریری سے کی گئی۔ جب مسجد اور لائبریری قرآن مجید کے تیس نسخے، صحیح بخاری اور مختلف علوم کی کتب سے بھری ہوئی الماریاں بالخصوص قرآن مجید کے نسخوں کا ڈھیر جل رہا تھا۔ تو فضا "اسلام زندہ باد" "ختم نبوت زندہ باد" کے نعروں سے گونج رہی تھی۔ اور اس کے ساتھ کچھ متوالے ناچ بھی رہے تھے۔ مسلمان بھائی اپنے اس کارنامے پر خوشی سے پاگل ہو رہے تھے۔ ۹ ہزار "غازیوں" کے اس ہجوم میں تمام سیاسی جماعتوں کے "جانثار" شامل تھے۔ کوئی بھی اس "ثواب دارین" کے حصول میں پیچھے نہیں رہنا چاہتا تھا ہر جماعت بہرہ ور ہونے میں ایک دوسرے سے سبقت لے رہی تھی۔ اسی ہجوم میں ایک ایسا شریف انسان بھی تھا جو اپنے ایک عزیز کو پتھر مارنے سے منع کر رہا تھا۔ وجہ یہ تھی۔ کہ اس نے حضرت مولانا محمد علی علیہ الرحمۃ کا تفسیری نوٹ جو آپ نے سورۂ احزاب میں ختم نبوت پر لکھا ہے۔ پڑھا ہوا تھا۔ جو اس کے دل پر نقش ہو چکا تھا۔ اس دردناک منظر کا نقشہ قرآن کریم کی ان آیات میں کیسا صحیح صحیح کھینچا گیا ہے:۔

"جب وہ تم پر اوپر کی طرف سے اور نیچے کی طرف سے چڑھ آئے اور جب آنکھوں میں اندھیرا آ گیا اور دل گلوں تک پہنچ گئے۔ اور تم اللہ پر مختلف قسم کے ظن کرنے لگے۔ وہاں مومن آزمائے گئے اور سخت مصائب میں ڈالے گئے" (الاحزاب ۱۰-۱۱)

جس مقام پر میں تھا۔ وہاں سے یہی منظر میری آنکھوں کے سامنے تھا چاروں طرف مشتعل ہجوم تھا۔ "مجاہد" مسجد کی عمارت پر تیل ڈالتے اور آگ لگاتے چلے جا رہے تھے۔ کچھ لوٹ میں الجھے ہوئے تھے۔ جو چیز جس کے ہاتھ لگتی "اسلام زندہ باد" کا نعرہ لگا کر لے بھاگتا اور اس کے سامنے سے آنے والا ایک دوسرا "مجاہد" "ختم نبوت زندہ باد" کا نعرہ لگا کر اس سے چھین کر غائب ہو جاتا۔ یہ اس وقت تک جاری رہا۔ جب تک لائبریری، مسجد اور اس کے نیچے کا حصہ جل کر ختم نہ ہو گیا۔ یہ ہجوم یہاں سے ایک دوسری مسجد اور لائبریری میں پہنچا۔ اور اسے بھی جلا کر راکھ کر دیا۔

اسی شام ایک غیر ملکی نشریاتی ادارے نے یہ خبر تمام دنیا کو سنا دی۔ کہ "آج مری میں دو مسجدیں جلائی گئیں"۔ اس کے بعد کیا کچھ نہ ہوا۔ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والوں کے لئے کوئی قابل فخر بات نہیں۔ کسی گھر کو جبراً لوٹ لینا، ڈکیتی یا ڈاکہ زنی ہے۔ لیکن خدا کے گھر کو "اسلام زندہ باد" کا نعرہ لگا کر لوٹا جائے۔ تو اس لوٹ کو تقدیس مل جاتی ہے۔ اور یہ "مقدس جہاد" کہلاتا ہے۔ میں نے آپ کو اس لئے مخاطب کیا ہے۔ کہ اس آگ و خون کے طوفان میں آپ نے جلتی پر تیل ڈالنے میں خاص محنت کی ہے۔ شاید آپ کے سامنے اسلام کی خدمت کا ایک ہی طریقہ تھا۔ ملک میں احمدیوں کا قتل عام ہو، حالات

بے قابو ہو جائیں۔ حکومت کے لئے مشکلات پیدا ہوں اور ملک کی ساکھ خراب ہو۔

**محترم مدیر نوائے وقت سے گذارش** } آپ کا مشن کامیاب ہو چکا۔ آپ احمدیوں کو پاکستانی اسلام کے دائرہ سے خارج کرا چکے ہیں۔ قتل و غارت، لوٹ مار اور آتش زنی کے لئے بھولی بھالی قوم کو جو پاکیزہ نعرہ دیا گیا۔ وہ بھی کارگر ثابت ہوا اس "نعرۂ ختم نبوت زندہ باد" سے بیشتر بے گناہ احمدی گولیوں کا نشانہ بنے یا ان کی جائدادیں تباہ کی گئیں اور انہیں بے گھر کیا گیا۔ ان کی کوئی دادرسی نہیں ہوئی۔ یہ مظلومین داد خواہی کے لئے آسمان کی طرف نگاہیں لگائے بیٹھے ہیں اور قیامت کے روز تک انتظار کریں گے۔ جب احکم الحاکمین کے سامنے ان کے ہاتھ ہوں گے اور ظالموں کے گریبان۔ لیکن اگر آپ اسلام اور پاکستان کی کوئی حقیقی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ تو اس کی نشاندہی ہم کئے دیتے ہیں۔ اس ملک میں بڑے بڑے مفکرین مفسرین، علماء اور فقیہہ موجود ہیں، جن کی یہ خواہش بھی ہوتی ہے۔ کہ امام الحرمین بھی ان کے گھٹنوں کو ہاتھ لگانا اپنی سعادت سمجھیں، لیکن باوجود اس کے مسجدوں سے جوتے چوری ہوتے ہیں۔ دودھ میں آدھے سے زیادہ پانی ملایا جاتا ہے۔ اشیاء میں ملاوٹ ہوتی ہے۔ کم تولا اور ماپا جاتا ہے۔ دفتر کے ملازمین کی ٹوپیاں تو میزوں پر ہوتی ہیں اور جسم غائب۔ قتل و غارت۔ جھوٹی گواہیوں۔ ڈاکہ اور چوری۔ اغوا اور بدکاری کا بازار گرم ہے۔ بڑے بڑے کجکلاہ شراب و کباب اور فسق و فجور کی شبینہ محفلوں میں رونق افروز دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً سنڈے مشرق لاہور، کراچی، کوئٹہ، پشاور۔ ۲۶ اکتوبر ۱۹۷۵ء کی سرخیاں ملاحظہ ہوں "معاشرہ میں بڑھتی ہوئی عماشی کو کیسے روکا جا سکتا ہے" "کچھ علاج اسکا بھی اسے چارہ گراں ہے کہ نہیں" "پاکستان میں تقریباً ۴۷ ہزار عورتیں اس شرمناک کاروبار میں ملوث ہیں"۔ "ہوٹلوں اور نائٹ کلبوں میں جسم فروشی کا دھندا کھلے بندوں ہو رہا ہے"۔ "ماڈرن اور فیشن ایبل بستیوں میں جگہ جگہ قحبہ خانے قائم ہیں"۔ "قانون انسداد عصمت فروشی کے باوجود معاشرہ میں یہ لعنت اپنی تمام برائیوں سمیت موجود ہے"۔ ........ سرخیوں کے کچھ الفاظ ہم نقل کرنے سے قاصر ہیں۔

استغفر اللہ ثم استغفر اللہ۔ یہ بات ہمارے لئے ناقابلِ فہم ہے کہ علمائے کرام ان برائیوں کا انسداد کرنے کے لئے کیوں عوام کے دلوں میں اللہ تعالےٰ پر ایمان اور اس کا خوف پیدا کرنے کے لئے میدانِ عمل میں اُترنے کی ہمت اور جرأت نہیں کرتے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ؎

کہاں مے خانے کا دروازہ اور کہاں واعظ + پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

یہ ملک اسلامی ہے۔ اسلام اور ختم نبوت کے نام پر احمدیوں کو تو خدا کا نام بلند کرنے، اور کلمہ پڑھنے، قرآن کی تلاوت کرنے، نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے سے منع کرنے کے لئے قلمی، لسانی اور سیفی جہاد کو روا سمجھا جاتا ہے لیکن ایسی برائیوں کو دُور کرنے کے لئے ایسے مجاہدین کی رگِ حمیت اور غیرت نہیں پھڑکتی۔ اگر علمائے کرام اپنے فرض منصبی سے آگاہ ہوتے اور سیاست میں ٹانگ اڑانے کی بجائے قرآن اور سیرتِ رسول صلعم کی روشنی میں اصلاح معاشرہ کے لئے سربکف باہر نکل آتے۔ تو شاید اللہ تعالےٰ کے ہاں وہ سرخرو ہو جاتے اور محراب و منبر کی فضیلت اور احترام بھی قائم رہتا۔

**عرضِ آخر** } ہمارے ساتھ ہمارے ملک میں ہماری قوم جو چاہے سلوک کرے۔ مگر ہماری جدوجہد کا تمام تر مقصد یہ ہے۔ کہ دنیا میں اللہ تعالےٰ کا نام بلند ہو۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام دنیا رحمۃ العالمین تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے اور قرآن کریم کی روشن تعلیم کے سامنے جُھک جائے۔

# ایک ضروری وضاحت

ڈاکٹر مبشر حسن صاحب سیکرٹری پاکستان پیپلز پارٹی کی طرف سے شائع کردہ ایک اخباری اطلاع کے مطابق چیئرمین پیپلز پارٹی نے قومی اسمبلی کی چند اقلیتی نشستوں کیلئے جن امیدواروں کو ٹکٹ دیئے ہیں اور وہ بلا مقابلہ منتخب ہو چکے ہیں انمیں ایک صاحب بشیر طاہر احمدی کا نام بھی شامل ہے۔ چونکہ جماعت احمدیہ کے دونو فریق (قادیانی اور لاہوری) اپنے نام کے ساتھ لفظ "احمدی" استعمال کرتے ہیں اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے کہ مسٹر بشیر طاہر کا تعلق احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے ساتھ ہوگا۔ اس کے ازالہ کیلئے ہم یہ وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ ہمارے ریکارڈ کے مطابق اس نام کے کسی صاحب کا جماعت احمدیہ لاہور سے کوئی تعلق نہیں۔

یہ جماعت خالصتاً ایک تبلیغی ادارہ ہے۔ جس کا مقصد محض اشاعتِ اسلام اور اشاعت قرآن ہے۔ اسکا مسلک سیاسی نہیں۔ نہ اس سے پہلے کبھی سیاست میں حصّہ لیا ہے۔ اور نہ ہی اب کوئی ارادہ رکھتی ہے۔

جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور
29—3—76

# اپیل

(۱) مرکزی مسجد احمدیہ، احمدیہ بلڈنگس کو 56" سائز کے آٹھ عدد سیلنگ فینز کی ضرورت ہے۔ صاحب ثروت دوست بطور عطیہ یہ پنکھے مسجد میں لگوا کر ثواب دارین حاصل کریں

# ایک ضروری تصحیح

پیغام صلح مجریہ ۱۷ مارچ ۱۹۷۶ء۔ اداریہ صفحہ ۲ کالم ۲ سطر ایک اور دو کو یوں پڑھا جائے:۔

"ہمارے خیال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے بڑا خراجِ تحسین اس طرح پیش کیا جا سکتا ہے کہ آپؐ کی سیرت میں رنگین ہو کر دُنیا سے آپ کو زندہ نبی اور قرآن کریم کو زندہ کتاب منوایا جائے۔" (ادارہ)

# درخواستِ دعائے صحت

محترم خواجہ نصراللہ صاحب راولپنڈی سے اطلاع دیتے ہیں کہ جناب چوہدری محمد حسن صاحب چیمہ بیمار ہیں۔ اور وہ احباب سے دعائے صحت کی درخواست کرتے ہیں۔

مرتبہ مولوی محمد علی صاحب مبلغ ڈیرہ غازی خاں

# مقامِ محمد مصطفےٰ صلّے اللہ علیہ وسلّم

## علومِ ربّانی میں سب نبیوں سے بڑھ کر آنحضرتؐ سب سے اعرف اور اعلم

(قسط نمبر ۱۶)

---

اُمّی و در علم و حکمت، بے نظیر
زیں چہ باشد حجتے روشن ترے (حضرت مسیح موعودؑ)

ترجمہ:- وہ اُمّی ہے لیکن علم و حکمت میں اپنی نظیر نہیں رکھتا - اس سے بڑھ کر اس کی صداقت پر اور کیا دلیل ہوگی -

تمام جہانوں میں سب سے زیادہ عالی مرتبہ اور مخلوقات میں سب سے زیادہ حیرت انگیز وجود نبیوں اور رسولوں اور خدا کے نیک اور صدیق بندوں کا ہوتا ہے - کیونکہ وہ سب دوسرے لوگوں پر فوقیت رکھتے ہیں - نیک صفات کے پھیلانے اور ظلم و ستم کے دُور کرنے اور عادات کے سنوارنے میں اور اپنوں اور بیگانوں کے لئے نیک ارادے رکھنے میں راست بازی اور سلامتی کے پھیلانے میں، بدی اور تباہی کی جڑ اُکھاڑنے میں، نیکی کی تلقین کرتے اور بُرے کاموں سے منع کرنے میں، بُری خواہشات کو دھتکارنے میں، پروردگارِ عالم کی طرف رُخ کرنے میں، مال سے قطع تعلق کرنے میں پُوری قوت اور مکمّل تیاری کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی اطاعت پر قائم رہنے میں، جمع کردہ لشکروں اور اکٹھی کی ہوئی جماعتوں کے ساتھ شیطان کی ذریت پر حملہ کرنے میں، محبوب کی خاطر ترک وطن کرنے میں، اور بارگاہ الٰہی میں اپنی گردن جھکانے میں وہ دوسروں پر فوقیت لے جاتے ہیں - یقیناً یہ ایسی قوم ہے کہ ان کی آنکھوں میں نیند ایسی حالت میں آتی ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کی محبت میں (محو) اور قوم کے لئے دُعا کرنے میں مصروف ہوتے ہیں - دُنیا داروں کی نظر میں تو دنیا نہایت خوبصورت اور خوش رنگ ہے - لیکن نیک لوگوں کی نظروں میں وہ گندی اور مردار ہوتی ہے - وہ اپنی ساری توجّہ سے خدا تعالےٰ کی طرف متوجّہ ہوتے ہیں اور صدق دل سے وہ اس کی طرف پوری طرح جھک جاتے ہیں - اور جس طرح گھر کی بنیادیں بنائے جانے والے طاقوں اور برآمدوں پر تقدم رکھتی ہیں - اسی طرح مذکورہ بزرگ ہستیاں اس دنیا میں ہر طبقہ کے نیک لوگوں پر تقدم رکھتی ہیں - اور مجھے (کشفاً) دکھایا گیا ہے کہ زمین میں بھی اور بلند پایہ آسمانوں میں بھی ہمارے نبی محمد مصطفےٰؐ جن پر ہر قسم کی برکت، رحمت اور سلامتی نازل ہو کر ان سب سے اکمل افضل اور اعرف اور اعلم ہیں[1]

## آنحضرتؐ نے صفاتِ باری تعالےٰ کا نمونہ دکھایا -

سورۃ الفاتحہ میں جو خدا تعالےٰ کی یہ چار صفات بیان ہوئی ہیں کہ ربّ العٰلمین - الرّحمن الرّحیم - مالک یوم الدین - اگرچہ عام طور پر یہ صفات اس عالم پر تجلّی کرتی ہیں لیکن ان کے اندر حقیقت میں پیشگوئیاں ہیں جن پر کہ لوگ بہت کم توجہ کرتے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چاروں صفتوں کا نمونہ دکھایا - کیونکہ کوئی حقیقت بغیر نمونہ کے سمجھ میں نہیں آ سکتی - ربّ العٰلمین کی صفت نے کس طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم میں نمونہ دکھایا - آپؐ نے عین ضعف میں پرورش پائی - کوئی مدرسہ یا مکتب نہ تھا جہاں آپؐ اپنے روحانی اور دینی قویٰ کو نشو و نما دے سکتے کبھی کسی تعلیم یافتہ قوم سے ملنے کا موقعہ ہی نہ ملا - نہ کسی تعلیم گاہ کا موقعہ پایا اور نہ فلسفہ کے باریک اور دقیق علوم کے حاصل کرنے کی فرصت ملی - پھر دیکھو کہ باوجود ایسے مواقع نہ ملنے کے قرآن شریف ایک ایسی نعمت آپؐ کو دی گئی - جس کے علومِ عالیہ اور حقّہ کے سامنے کسی اور علم کی ہستی ہی کچھ نہیں[2]

## آنحضرتؐ کی شانِ مہدویت -

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم مہدی تھے جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے - وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى - اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اور نبیوں کی طرح ظاہری علم کسی اُستاد سے نہیں پڑھا تھا - مگر حضرت عیسےٰؑ اور حضرت موسےٰؑ مکتبوں میں بیٹھے تھے اور حضرت عیسےٰ نے ایک یہودی استاد سے تمام توریت پڑھی تھی - غرض اسی لحاظ سے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے کسی استاد سے نہیں پڑھا خدا آپ ہی اُستاد ہوا اور پہلے پہل خدا نے ہی آپ کو اقراء کہا، یعنی پڑھ - اور کسی نے نہیں کہا - اس لئے آپؐ نے خاص خدا کے زیرِ تربیت تمام دینی ہدایت پائی اور دوسرے نبیوں کے دینی معلومات انسانوں کے ذریعے سے بھی ہوئے ....... یاد رہے کہ خدا تعالےٰ کے لطف اور احسان اس کے انبیاء علیہم السلام پر گوناگون پیرایوں میں نازل ہوتے ہیں - کسی نبی کی علمی اور عملی تکمیل بلا واسطہ ہوتی ہے اور کسی کی تکمیل میں بعض وسائط بھی ہوتے ہیں - سو یہ خاص فضل کی بات ہے کہ جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی علمی تکمیل بغیر واسطہ کسی دوسرے استاد کے ہو کر اسی لحاظ سے آپؐ کو مہدی کا لقب ملا - ایسا ہی عملی تکمیل بھی بلا واسطہ ہو کر عبد کا لقب ملا - کیونکہ نہ آپؐ کی تعلیم کسی انسان کی معرفت ہوئی اور نہ آپؐ کی عملی طاقتیں کسی مہذب مجلس کی صحبت سے پیدا ہوئیں - اور اسی خالص مہدویت کے نام کے لحاظ سے آپ کو بہت سے اسرار اور معارف اور کلم جامع بخشے گئے - یہاں تک کہ قرآن شریف میں اس قدر معارف اور نکات اور علومِ حکمیہ الٰہیہ اور دلائل عقلیہ فلسفیہ اعلیٰ درجہ کی بلاغت اور فصاحت کے ساتھ بیان فرمائے گئے کہ وہ ان تمام معارف اور بلاغتِ کاملہ کے لحاظ سے ایک اعلیٰ درجے کا علمی معجزہ ٹھہر گیا - جس کی نظیر پیش کرنا تمام جن و انس کی طاقت سے باہر ہے - سو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا وہ اعلیٰ کمال جس سے آپؐ کی خصوصیت تھی مہدویت اور عبودیت ہے -

## مہدویت سے مُراد

مہدویت سے مراد وہ بے انتہاء معارفِ الٰہیہ اور علوم حکمیہ اور علمی برکات ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو بغیر واسطہ کسی انسان کے علم دین کے متعلق سکھلائے گئے - جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے معجزات میں سے اوّل درجہ کا معجزہ ہے - جن کے ذریعے سے بے شمار انسان ایمانی اور عملی قویٰ کی تکمیل کر کے معرفتِ تامہ کے بلند مینار تک پہنچ گئے، اور عارف کامل ہو گئے - مسلمان اگر اس بات پر فخر کریں تو بجا ہے کہ جس قدر ان کو اپنے نبی کریمؐ اور کتاب اللہ قرآن شریف کے ذریعہ سے اسرار اور علوم اور نکات معلوم ہوئے اس کی

---

[1] اعجاز المسیح صفحہ ۱۳۴ - [2] الحکم ۱۷ اپریل ۱۹۰۰ء

نظیر کسی نبی کی اُمت میں نہیں [3]

## خُدا تعالےٰ نے قرآن شریف کا نام مال رکھا ہے

قل بفضل اللہ و برحمتہٖ۔ فبذالک فلیفرحو هو خیرٌ مما یجمعون - ان کو کہدے کہ خدا تعالےٰ کے فضل و رحمت سے یہ قرآن ایک بیش قیمت مال ہے، سو اس کو تم خوشی سے قبول کرو، یہ اُن مالوں سے اچھا ہے جو تم جمع کرتے ہو یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ علم اور حکمت کی مانند کوئی مال نہیں، یہ وہی مال ہے جس کی نسبت پیشگوئی کے طور پر لکھا تھا کہ مسیح دُنیا میں آکر اس مال کو اس قدر تقسیم کرے گا کہ لوگ لیتے لیتے تھک جائیں گے۔ یہ نہیں کہ مسیح درم و دینار کو جو مصداق آیت انّما اموالکم و اولادکم فتنة ہے جمع کرے گا اور دانستہ ہر ایک کو مال کثیر دے کر فتنہ میں ڈال دے گا، مسیح کی پہلی فطرت کو بھی ایسے مال سے مناسبت نہیں، وہ خو انجیل میں بیان کر چکا ہے کہ مُومن کا مال درم و دینار نہیں بلکہ وہ جواہر حقائق و معارف اس کا مال ہیں، یہی مال انبیاء خدا تعالےٰ سے پاتے ہیں اور اسی کو تقسیم کرتے ہیں ـ اسی مال کی طرف اشارہ ہے - انّما انا قاسمٌ و اللہ ھوالمعطی [4]

خدا تعالےٰ نے قرآن شریف کا نام مال رکھا ہے اور حکمت کا نام بھی مال رکھا ہے جیسا کہ فرماتا ہے یؤتی الحکمة من یشآء ومن یؤت الحکمة فقد اوتی خیراً کثیراً۔ مفسر لکھتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں مالاً کثیراً۔ لُغت میں خیر کے معنی مال کے لکھے ہیں اور ایک اور حدیث میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بڑی دعوت کی اور ہر ایک قسم کا کھانا پکایا تو بعض کھانا کھانے کے لئے آئے انہوں نے کھانا کھا کر حظ اُٹھایا اور بعض نے اس دعوت سے انکار کیا وہ بے نصیب رہے - اب دیکھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پلاؤ اور قورمہ وغیرہ پکایا تھا یا روحانی کھانے تھے ـ اصل بات یہ ہے کہ انبیاء اکثر روحانی امور کو طرح طرح کے پیرایوں میں بیان فرمایا کرتے ہیں اور نفسانی آدمی ان کو جسمانی امور کی طرف لے جاتے ہیں - بھلا ہم پُوچھتے ہیں کہ مسیح آکر درم و دینار بہت سے تقسیم کرے گا کہ عُلماء وغیرہ کے گھر سونے چاندی سے بھر جائیں گے لیکن اس کا کہاں تذکرہ ہے کہ وہ لوگ جو روحانی طور پر بھوکے پیاسے ہوں گے ان کی اسی طور سے پوری حاجت برآری کریگا۔ پس اگر یہ تذکرہ کسی اور جگہ نہیں تو یقیناً یاد رکھو کہ یہ وہی تذکرہ ہے جو استعاو کے رنگ پر بیان کیا گیا ہے [5]

## آنحضرت علومِ معرفتِ الٰہی میں اعلم ہیں۔

آسمانی مال جو خدا تعالےٰ کے خاص بندوں کو ملتا ہے جس کو وہ دنیا میں تقسیم کرتے ہیں، دُنیا کا درم و دینار نہیں بلکہ حکمت و معرفت ہے ........ سو پاک مال حکمت ہی ہے۔ جس کی طرف حدیث نبویؐ میں بھی اشارہ ہے کہ اِنّما انا قاسمٌ و اللہ ھوالمعطی ۔یہی مال ہے جو مسیح موعودؑ کے نشانوں میں سے ایک نشان ہے [6]۔ یعنی جس کو خدا تعالےٰ چاہتا ہے حکمت عطا فرماتا ہے اور جس کو حکمت دی گئی اس کو خیر کثیر دی گئی - حکمت سے مراد علم ِعظمت، ذات و صفاتِ باری ہے اور خیر کثیر سے مراد اسلام ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ جلشانہ قرآن کریم میں فرماتا ہے ھو خیر مما یجمعون۔ پھر ایک دوسری آیت میں فرماتا ہے۔ قل ربّ زدنی علماً۔ یعنی اے میرے ربّ تو مجھے اپنی عظمت اور معرفت، شیون اور صفات کا علم کامل بخش اور پھر دوسری جگہ فرمایا وبذالک امرت و انا اوّل المسلمین۔ان دونوں آیتوں کے ملانے سے معلوم ہوا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو اوّل المسلمین ٹھہرے - تو اسی کا یہی باعث ہوا کہ اوروں کی نسبت علوم معرفت الٰہی میں اعلم ہیں۔ یعنی علم ان کا معارفِ الٰہیہ کے بارے میں سب سے بڑھ کر ہے اس لئے ان کا اسلام بھی سب سے اعلیٰ ہے اور وہ اوّل المسلمین ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس زیادتِ علم کی طرف اس دوسری آیت میں بھی اشارہ ہے جیسا کہ اللہ جلشانہٗ فرماتا ہے :-

وعلّمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما

یعنی خدا تعالےٰ نے تجھ کو وہ علوم عطا کئے جو تو خود بخود نہیں جان سکتا تھا۔اور فضلِ الٰہی سے فیضانِ الٰہی سب سے زیادہ تیرے پر ہوا یعنی تو معارفِ الٰہیہ اور اسرار اور علوم ربّانی میں سب سے بڑھ گیا ـ اور خُدا تعالےٰ نے اپنے معرفت کے عطر کے ساتھ سب سے زیادہ تجھے معطر کیا [7]

صد نبی شد معطر از بیچوں
لیک خوشبوئے احمدؐ است افزوں

## آنحضرت صلعم کا اُمّی ہونا ایک نمونہ اور دلیل ہے۔

قرآن شریف کے سمجھنے اور اس کے موافق ہدایت پانے کے لئے تقوےٰ ضروری اصل ہے - ایسا ہی دوسری جگہ فرمایا ہے۔ لا یمسّه الا المطھرون۔ دوسرے علوم میں یہ شرط نہیں ریاضی، ہندسہ، ہیئت وغیرہ میں اس امر کی شرط نہیں کہ سیکھنے والا ضرور متقی اور پرہیزگار ہو بلکہ خواہ کیسا ہی فاسق و فاجر ہی ہو وہ بھی سیکھ سکتا ہے مگر علمِ دین میں خشک منطقی اور فلسفی ترقی نہیں کر سکتا اور اس پر وہ حقائق اور معارف نہیں کھُل سکتے۔جس کا دِل خراب ہے اور تقویٰ سے حِصّہ نہیں رکھتا اور پھر کہتا ہے کہ علومِ دین اور حقائق اس کی زبان پر جاری ہوتے ہیں وہ جھوٹ بولتا ہے ہرگز ہرگز اسے دین کے حقائق اور معارف سے حِصّہ نہیں ملتا بلکہ دین کے لطائف اور نکات کے لئے متقی ہونا شرط ہے۔ جیسا کہ یہ فارسی شعر ہے

عروس حضرت قرآں نقاب آنگاہ بر دارد
کہ دارالملک معنے را کند خالی ز ہر غوغا [8]

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ قرآنی علوم کے انکشاف کے لئے تقوےٰ شرط ہے۔ علوم ظاہری اور علومِ قرآنی کے حصول کے درمیان ایک عظیم الشان فرق ہے۔ دنیوی اور رسمی علُوم کے حاصل کرنے کے واسطے تقوےٰ شرط نہیں ہے - (باقی ـــ باقی)

---

[3] ایام الصلح صفحہ ۳۹۳ تا ۳۹۴ - [4] ازالہ اوہام نمبر دوم صفحہ ۳۵۵ -
[5] الحکم مؤرخہ ۲۳ر جولائی ۱۹۰۰ء بحوالہ ازالہ اوہام ص ۶۳۳ حصہ دوم -

[7] آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۱۸۶ تا ۱۹۰
[8] الحکم ۲۴ر جنوری ۱۹۰۷ء

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور    مورخہ ۳۱ر مارچ ۱۹۷۶ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸    شمارہ نمبر ۱۳

احمد سجاد آرٹ پریس - بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پونہر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۳ چہار شنبہ - ۶ ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ مطابق ۷ اپریل ۱۹۷۶ء نمبر ۱۴

# ایک ضروری وضاحت

## نشہد ان لا الٰہ الا اللہ ونشہد ان محمد رسول اللہ وخاتم النبیین۔ لا نبی بعدہٗ

ہم احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور سے وابستہ تمام اراکین اعلان کرتے ہیں کہ :

"ہم مسلمان ہیں۔ خدائے واحد لا شریک پر ایمان لاتے ہیں اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے قائل ہیں اور خدا کی کتاب قرآن اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خاتم الانبیاء ہیں مانتے ہیں۔ اور فرشتوں اور یوم البعث اور دوزخ اور بہشت پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز پڑھتے اور روزہ رکھتے ہیں اور اہل قبلہ ہیں اور جو کچھ خدا اور رسول نے حرام کیا اس کو حرام سمجھتے ہیں اور جو کچھ حلال کیا اس کو حلال قرار دیتے ہیں اور نہ ہم شریعت میں کچھ بڑھاتے اور نہ کم کرتے ہیں اور ایک ذرہ کی کمی بیشی نہیں کرتے اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ سے ہمیں پہنچا اس کو قبول کرتے ہیں چاہے ہم اس کو سمجھیں یا اس کے بھید کو سمجھ نہ سکیں اور اس کی حقیقت تک پہنچ نہ سکیں اور ہم اللہ کے فضل سے مومن موحد مسلم ہیں"۔ (نور الحق جز اول ص ۵)

اس وضاحت کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے کہ ایک شخص مسمی بشیر طاہر ولد فضل دین ساکن منڈی چوہڑکانہ ضلع شیخوپورہ نے اپنے آپ کو احمدی ظاہر کرکے قومی اسمبلی کی ایک اقلیتی نشست کیلئے پیپلز پارٹی کا ٹکٹ حاصل کرکے انتخاب میں حصہ لیا ہے اور ممبر منتخب ہو گیا ہے۔ مسمی بشیر طاہر کا جیسا کہ ہم پہلے اعلان کر چکے ہیں جماعت احمدیہ لاہور سے قطعاً نہ کوئی تعلق رہا ہے اور نہ اب ہے یہ جماعت خالصتاً ایک تبلیغی ادارہ ہے جسکا مقصد اولین اشاعت اسلام اور اشاعت قرآن ہے اسکا ملکی سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔ اس جماعت نے نہ کبھی پہلے اپنے کسی رکن کو سیاست میں حصہ لینے کی اجازت دی ہے اور نہ اب دے گی۔

حضرت مجدد زمان علیہ السلام کے اوپر دیئے گئے اقتباس میں مندرجہ شرائط سے بغاوت کرنے والا ہرگز احمدی نہیں ہو سکتا۔

# جلسہ سیرت النبی صلعم کراچی

## زیرِ صدارت مکرم جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب منعقدہ ۱۴ مارچ ۱۹۷۶ء جامع احمدیہ کراچی
## مکرم میاں رحیم بخش صاحب کی تقریر

۱۴ مارچ ۱۹۷۶ء کو جماعت کراچی نے یوم سیرت النبی منایا جس میں شمولیت کے لئے لاہور سے مکرم ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب بھی کراچی تشریف لے گئے یہ اس سلسلہ کی پہلی تقریر ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کے ارشاداتِ گرامی ہمیں ابھی موصول نہیں ہوئے موصول ہونے پر وہ کسی آئندہ اشاعت میں قارئین کی خدمت میں پیش ہوں گے۔ (ادارہ)

آنحضرت سردارِ کائنات فخرِ موجودات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور سیرتِ پاک ایسا مقدس موضوع اور اتنا وسیع مضمون ہے۔ جس کا بیان غیر متناہی ہے۔ یہ ایک بحرِ بیکراں ہے۔ آپ کے فضائل اور اخلاق فاضلہ اور کاملہ پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور لکھا جا رہا ہے اور آئندہ بھی لکھا جائے گا اور یہ سلسلہ غیر محدود ہے۔ جس طرح بروئے قرآن اللہ تعالےٰ کے کلمات ان گنت ہیں لوکان البحر مدادا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مددا (۱۹) رسول کریم صلعم کی صفات کاملہ کا شمار مشکل ہے۔ آپ کے کمالات اس سے ظاہر ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ نے آپؐ کو سورہ یٰسٓ میں "انسانِ کامل" سے خطاب فرمایا اس لئے کہ آپؐ کی زندگی تعلیم قرآنی کا عملی نمونہ پیش کرتی ہے جیسا کہ ایک حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب کسی نے آنحضرت صلعم کے اخلاق کے بارہ میں آپ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: کان خلقہ القرآن۔ سورۃ القلم اور سورۃ الاحزاب کی ان آیات کریمہ میں جن کی تلاوت میں نے شروع میں کی ہے اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے دو پہلوؤں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ سورۃ القلم میں ارشاد ہے:۔

ن۔ والقلم و ما یسطرون۔ ما انت بنعمۃ ربک بمجنون
وان لک لاجراً غیر ممنون۔ وانک لعلیٰ خلق عظیم ۔
یعنی آپؐ کے اخلاق اعلیٰ ترین معراج کمال کو پہنچے ہوئے ہیں۔ جس پر اللہ تعالےٰ قلم کی گواہی پیش کرتا ہے۔ گویا اللہ تعالےٰ نے پیشگوئی کے رنگ میں بتا دیا کہ جس قدر بھی آپؐ کے اخلاق کاملہ پر لکھا جائے گا۔ اتنا ہی اس کی عظمت ظاہر ہوگی۔ الغرض "برتر گمان و وہم سے احمد کی شان ہے" دوسرا پہلو جس کی طرف قرآن مجید نے تمام مسلمانوں کی توجہ دلائی ہے۔ وہ آنحضرت صلعم کا اسوۂ حسنہ ہے جیسا کہ سورۃ الاحزاب میں ارشاد ہے ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الاٰخر وذکر اللہ کثیرا۔ یعنی انسانیت کے کمال کے حصول کے لئے آپؐ کے اخلاق فاضلہ ایک کامل نمونہ پیش کرتے ہیں۔ جو اس کے لئے قابلِ تقلید ہے جو آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور اللہ تعالےٰ کی رضا چاہتا ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اس قدر جامعیت کا حامل ہے کہ اس میں زندگی کے ہر پہلو میں تمام انسانوں کے لئے بلا تخصیص زمان و مکان ایک کامل اور قابلِ عمل ہدایت ہے۔ یہ امر قابل ستائش ہے کہ حکومت پاکستان نے ان دونوں موضوعات پر ایک بین الاقوامی سیرت کانگریس منعقد کرکے ایک مستحسن اقدام کیا ہے۔ وزیر اعظم جناب بھٹو صاحب اور وزیر مذہبی امور مولانا کوثر نیازی صاحب نے اپنی افتتاحیہ تقاریر میں ان امور پر خاص طور پر توجہ دلائی ہے۔ کہ موجودہ سائنسی اور علمی اور عقلی دور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور اخلاقِ فاضلہ کو دنیا میں نہ صرف معقولیت اور سائنٹیفک طریق پر پیش کیا جائے۔ بلکہ آپؐ کی ذات ستودہ صفات پر جو غلط اور متعصبانہ اعتراضات کئے گئے ہیں ان کو صحیح تاریخی معیار پر پیش کیا جائے۔ تو دنیا آنحضرت صلعم کی دائمی رسالت اور حقانیت کو تسلیم کرے گی اور آپؐ کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہوگی۔ ان ایام میں عالمی سیرت کانگریس اور دیگر عید میلادالنبی مجالس میں ہر طرف انہی موضوعات کا چرچا ہے۔ مگر یہ قابلِ غور بات ہے کہ آنحضرت صلعم کی حیاتِ طیبہ کو موجود زمانہ میں اس انداز سے سب سے پہلے پیش کرنے کا سہرا حضرت مرزا صاحبؒ مجدد وقت و امامِ زمان کے سر ہے۔ آج سے قریباً ایک صدی پہلے زمانہ پر نظر دوڑائیں تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ تمام عالمِ اسلام خاص کر برِصغیر کے مسلمان اس وقت الحاد و بیدینی کی موجوں میں اس قدر غرق ہو چکے تھے۔ کہ حضرت اکبر الہ آبادی نے ایک شعر میں اس کا یوں نقشہ کھینچا ہے:۔ رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا کر یہ تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

اس مایوسی کے عالم میں ایک مامور من اللہ حضرت مرزا صاحب ہی نے چاردانگ عالم میں اسلام کی حقانیت و صداقت اور رسالت مآب کے اخلاقِ فاضلہ کے بارہ میں واحد آواز اٹھائی۔ اپنی پہلی معرکتہ الآرا کتاب براھین احمدیہ میں وہ تمام مدلل ثبوت پیش کئے جن سے اسلام کی صداقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خیرالبشر اور خاتم الانبیاء ہونا ثابت کیا۔ وہ زمانہ ایسا تھا کہ مسلمان خاص کر تعلیمیافتہ اور اعلیٰ طبقہ کے لوگ دینِ اسلام سے اس قدر نابلد اور متنفر تھے کہ آپس میں ملنے پر ایک دوسرے کو السلام علیکم سے مخاطب کرنا عار سمجھا جاتا تھا بلکہ یہ طریقہ جہذبانہ سمجھا جاتا تھا۔ کہ بجائے سلام مسنون کے "آداب عرض" سے مخاطب کیا جائے۔

حضرت مرزا صاحب نے اپنی کتاب براھینِ احمدیہ اور اس کے بعد کی تمام تحریرات میں خواہ بزبان اُردو۔ فارسی یا عربی اور خواہ بذریعہ نثر یا نظم نہ صرف دینِ اسلام کی صداقت کے یقین دلائل پیش کئے بلکہ ان بیہودہ اور غلیظ اعتراضات کے جو آنحضرت صلعم کی حیاتِ طیبہ پر آریہ اور عیسائی دریدہ دہنی کرتے تھے مدلل اور ساکت جواب پیش کرکے ان کے جھوٹ اور تعصب کا پول کھول کر رکھ دیا اور بذریعہ مباحث و مباہلہ ان پر ایسا اتمام حجت کیا کہ ان کی بن نہ پڑی۔ حضرت مرزا صاحب نے تنہا ان مخالف نزد مخاصمانہ قوتوں کا اس طرح مردانہ وار مقابلہ کیا کہ سب مخالفین میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ اور اپنے اس شعر پر مُہر تصدیق ثبت کردی۔

"صفِ دشمن کو کیا ہم نے بحجت پامال
سیف کا کام قلم سے ہے دکھایا ہم نے

یہی حضرت مرزا صاحب کا بتقاضائے وقت ماموارانہ مشن تھا۔ اور یہی تجدید دین کا کام تھا جس کے لئے اللہ تعالےٰ نے انہیں مبعوث کیا۔ اور اسی غرض کے لئے ایک جماعتِ احمدیہ کا قیام ظہور پذیر ہوا۔ اس جماعت نے اس نہج پر نہ صرف تبلیغ اور اشاعتِ اسلام کے جہادِ اکبر کا بیڑا اٹھایا بلکہ اس نے اپنے کردار میں اسوۂ حسنہ کا ایسا نمایاں نمونہ پیش کیا جس سے صحابہ کرامؓ کے اتباعِ رسول کی جھلک نظر آتی ہے۔ تبھی تو علامہ اقبال نے ایک مرتبہ بلیساختہ کہدیا کہ "اگر اس زمانہ میں ٹھیٹھ اسلام کا عملی نمونہ دیکھنا ہو تو قادیان جاؤ"۔ آج کل گو رہنمایانِ دین مسلمانوں کو اسوۂ حسنہ کی پیروی کی تلقین کر رہے ہیں مگر ان کے پیرد کاروں کی زندگیوں کا عملی پہلو قابلِ رشک نہیں ہے۔

غرض احمدیہ تحریک کے غیر جانبدارانہ مطالعہ سے یہ امر اظہر من الشمس

(باقی بر صفحہ ۹ کالم اوّل)

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مورخہ ۷ اپریل ۱۹۷۶ء

# السا حانفـ او حاا ر گ ا زیغـام

ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے ماہوار مجلہ "فکر و نظر" کے سیرت نمبر میں صفحہ ۷۶۳ پر رحیم بخش شاہین ایم۔ اے کا ایک مقالہ "رسالتمآب اور اقبالؒ" کے موضوع سے شائع ہوا ہے جس میں اقبال کے فلسفۂ ختم نبوت پر بھی بحث کی گئی ہے۔ آپ لکھتے ہیں :—

" اقبال نے ختم نبوت کے مسئلہ کی بطور خاص تشریح اس لئے کی کہ ان کے دور میں پنجاب کے ایک قصبے قادیان میں مرزا غلام احمد نے اپنے آپ کو بتدریج محدث، مجدد، امام مہدی، مسیح موعودؑ اور بالآخر کامل نبی قرار دیا اور ساتھ ہی انگریزی حکومت کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جہاد و قتال کی حرمت کا اعلان کر دیا کیونکہ ان کے خیال میں برطانوی حکومت رحمت کا سایہ تھی۔"

اِس سوچ و فکر کی تائید میں شاہین صاحب نے ضربِ کلیم سے یہ اشعار بھی نقل کئے ہیں :—

(۱) دُنیا کو ہے اُس مہدئ برحق کی ضرورت
ہو جس کی نگاہ زلزلۂ عالم افکار

(۲) فتنہ ملت بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے

(۳) ہو بندۂ آزاد اگر صاحب الہام
ہے اُس کی نگہ فکر و عمل کے لئے مہمیز

(۴) محکوم کے الہام سے اللہ بچائے
غارت گرِ اقوام ہے وہ صورت چنگیز

(۵) وہ نبوت ہے مسلماں کے لئے برگ حشیش
جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیغام

ہمارے خیال میں شاہین صاحب کسی لسانی ادب میں ایم۔ اے ہیں۔ فن تنقید ہر ادب کا ایک لازمی جزو ہے۔ اور اس کے کچھ اخلاق اور فنی قواعد و ضوابط بھی ہیں جن کی پابندی سے کوئی منصف مزاج نقاد اپنے آپ کو اس حد تک آزاد نہیں کر سکتا کہ بغیر کسی کے افکار و نظریات کے گہرے مطالعہ کے محض سُنی سنائی کہانیوں کی بناء پر جذبات کی رَو میں بہتے ہوئے اُسے ہدف تنقید بنانے میں یوں حق و انصاف کی حدود کو روند ڈالے کہ جو اس نے نہیں کہا اس کے لئے بھی اُسے ملزم گرداننے میں جُرأت سے کام لے۔

ہم یہ مانتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب مجدّد بھی ہیں اور محدث بھی۔ مہدی بھی اور مسیح موعود بھی لیکن آپ کا یہ کہہ دینا کہ" بالآخر کامل نبی قرار دیا" ظلم ہے۔ افتراء ہے صریح جھوٹ اور کذب بیانی ہے۔ ہم چیلنج کرتے ہیں کہ آپ اُن کی کسی بھی تحریر سے یہ نکال کر نہیں دکھا سکتے کہ انہوں نے کامل نبی ہونے کا دعوےٰ کیا ہو۔ حضرت مرزا صاحب کی ساری زندگی اور آپ کے بعد آپ کی جماعت کا قیمتی وقت اور سرمایہ گذشتہ ۶۲ سال کے عرصہ میں صرف اس کی تردید میں صَرف ہوا کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا انکار کرتے ہوئے خود نبی ہونے کا دعوےٰ کیا۔ لیکن عوام کی محض سیاسی اور مفاد پرستانہ مصلحتوں کے پیش نظر ہماری یہ تمام جد و جہد اور نحیف آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ قوم نے شخصیتوں کے جو بُت اپنی آستینوں میں سجا رکھے ہیں وہ اگر کوئی چاہے بھی تو حق کے قبول کرنے کی راہ میں سخت روک ہیں۔

حضرت مرزا صاحب سے آپ کو خدا واسطے کا بَیر سہی لیکن اس اُمت میں اولیاء اللہ کے وجود سے تو آپ انکار نہیں کر سکتے۔ دیکھئے
یرو امد از عرش و کرسی و ملا + سالتان سعد صدق خدا
یعنی اولیاء اللہ تو اطفال اللہ ہیں اور وہ عرش اور کرسی سے بھی بلند تر مرتبہ رکھتے ہیں۔ پھر ذرا مولانا رومؒ کا یہ شعر بھی دیکھ لیجئے :—

اُو نبئ وقت خویش است اے مرید
زاں کہ زو نُورِ نبی آید پدید

اے مرید وہ تو اپنے وقت کا نبی ہوتا ہے کیونکہ وہ نورِ نبی صلعم سے منوّر ہوتا ہے اپنے امام علامہ اقبال کے اس شعر پر جو وفات سے ذرا پہلے انہوں نے کہا تھا غور کریں اور بتائیں کہ وہ اپنے آپ کو کیا مقام دیتے ہیں :— سرآمد روزگارے ایں فقیرے
دِگر دانائے راز آید نہ آید

(کوئی دوسرا دانائے راز آئے یا نہ آئے) وہ اپنے آپ کو ایک بے نظیر اور بے مثل دانائے راز کہتے ہیں۔ لیکن قرآن کریم تو فرماتا ہے: وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى (۲۰-۷) (اور اگر تو پکار کر بات کہے تو وہ بھید کو اور اس سے مخفی بات کو بھی جانتا ہے) بھید اور مخفی بات کا جاننے والا تو اللہ تعالےٰ ہی ہے اور حضرت اقبال فرماتے ہیں "میں" دانائے راز ہوں۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ علامہ اقبال خدائی کے مُدعی ہیں۔ دانائے راز بھی تو بھیدوں کا جاننے والا ہی ہوتا ہے۔ پھر سورۃ الفرقان میں ہے: قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِىْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط (کہہ اسے اس نے اُتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کے بھیدوں کو جانتا ہے)۔ اور علامہ اقبال "ضرب کلیم" میں فرماتے ہیں ع "فاش ہے مجھ پہ ضمیر فلک نیلی فام" جو شخص ضمیرِ فلک نیلی فام کے اسرار و رموز پر آگاہ ہونے کا دعوےٰ کرتا ہے کیا وہ اپنے آپ کو خدا کے ساتھ شریک ٹھہرانے کا مرتکب نہیں ہو رہا۔ اب انصاف سے کہئے کہ خدائی کا دعوےٰ نبوت کے دعوے سے بڑھ کر ہے یا نہیں۔ اور اگر" وہ لوگ جو حضورؐ کے بعد کسی اور کو نبی مانیں مسلمانوں سے الگ ایک اقلیت کی حیثیت رکھتے ہیں" تو پھر اُن لوگوں کی حیثیت کیا ہوگی جو اقبال کو خدائی کا مقام دیتے ہیں

اگر رؤیا۔ کشف اور الہام کی بناء پر علامہ اقبال حضرت مرزا صاحب کو دعویٰ نبوت کا ملزم ٹھہراتے ہیں تو ان کا اپنا دامن بھی اس سے پاک نہیں۔ ہم مورخہ ۱۰ر مارچ ۱۹۷۶ء کے پیغام صلح میں اس پر ایک مختصر سی بحث کر چکے ہیں۔ جہاں ہم نے منشی عبدالرحمان صاحب کے مضمون "علامہ اقبال۔ بیسویں صدی کا عظیم مفکّر" کا حوالہ دیا ہے۔

"روزگار فقیر" میں علامہ صاحب فرماتے ہیں :—

"شاعر کو بھی ایک قسم کا الہام ہوتا ہے ........ میرا تجربہ ہے کہ جب مجھ پر شعر پُورا اُترتا ہے تو پیغمبر پر عبارت کیوں نہیں اُتری ہوگی"۔

اپنے اُوپر تو شعر الہاماً اُترنے کا پُورا یقین ہے مگر پیغمبرؐ پر عبارت اُترنے میں شک کا اظہار ہوتا ہے جو الفاظ "ہوگی سے" ظاہر ہے۔ خود تو خدا اور نبی بن جائے تو کوئی حرج نہیں مگر دوسرا مجدد۔ محدّث اور مسیح موعودؑ کا دعوےٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق کرے تو

گنہگار اور گردن زدنی ٹھہرے۔ کیا اس سے بغض و حسد اور نفاق کی بُو نہیں آتی۔

اَب ہم اُن اشعار کا تجزیہ کرتے ہیں جو شاہین صاحب نے فلسفۂ ختمِ نبوت کی تائید میں پیش کئے ہیں:۔

پہلے شعر میں علامہ صاحب خود بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ دنیا کو ایک ایسے مہدئ برحق کی ضرورت ہے جس کی نگاہ سے ہی عالمِ اذکار میں ایک زلزلہ برپا ہو جائے۔ اس شعر میں "عالم افکار" کی بجائے اگر "عالمِ تلوار" ہوتا تو ہم اس سے ضرور یہ نتیجہ اخذ کرتے کہ علامہ صاحب قوم کو تلوار کے جہاد کی دعوت دے رہے ہیں۔ اس کی تائید آپ کا ایک دوسرا شعر یوں کرتا ہے:

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ علامہ صاحب شمشیروں اور تدبیروں کی بجائے قوم میں ذوقِ یقین پیدا کرنے کو ہی "زلزلہ عالمِ افکار" سمجھتے ہیں اور ذوقِ یقین اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب خدا کی ہستی۔ رسولِ کریم صلعم کی رسالت اور قرآن کریم پر ایک محکم ایمان ہو۔ جس کا مجموعی طور پر نام "اسلام" ہے۔ کیا شاہین صاحب حضرت مرزا صاحب کے مقابل میں کوئی اور ایسی ہستی پیش کر سکتے ہیں جس نے آریوں۔ عیسائیوں اور دوسرے غیر مذاہب کے اسلام پر حملوں کا جواب اس پامردی اور یقین سے دیا ہو کہ وہ اس میدان سے پسپا ہونے پر مجبور ہو گئے ہوں۔

دوسرے شعر میں حضرت صاحب پر یہ چوٹ کی گئی ہے کہ آپ نے مسلمانوں کو سلاطین کا پرستار بنایا۔ جس انسان کی ساری عمر عیسائی مذہب کے بودے عقائد کی دھجیاں اُڑانے اور بیخ کنی کرنے میں گذر گئی ہو اس پر یہ الزام سراسر نا انصافی ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو شاہین صاحب کو ان خدمات کی نشاندہی بھی کرنی ہوگی جن کے صلے میں اُن کے ممدوح علامہ اقبال کو "سر" کے خطاب سے نوازا گیا۔ کیونکہ یہی خطاب ان ہوٹی کے انگریزوں کو بھی ملتا تھا جو اپنی حکومت کی نمایاں خدمات سر انجام دیتے تھے۔ اس طرح کیا علامہ صاحب اُن کی صف میں کھڑے دکھائی نہیں دیتے کہیں یہ سر مائیکل اُڈوائر کے سامنے "ہنگامۂ وفا میں میرا سر قبول ہو" کہنے کا صلہ تو نہیں۔ ایک "سر" کے سامنے سر جھکانے کی داد "سر" کی صورت میں ہی ملنی چاہیئے تھی۔ سنہ ۱۹۲۵ء سے اس طرف پیدا ہونے والی نسل کی آنکھوں سے علامہ صاحب کی زندگی کے کچھ رُخ اوجھل رکھنے کی کوشش تو کی جا سکتی ہے لیکن ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جو رازہائے درونِ خانہ سے آشنائی کا دعوےٰ کر سکتے ہیں۔

تیسرے شعر میں "بندۂ آزاد" کے "الہام" کو شاعرِ مشرق فکر و عمل کے لئے مہمیز قرار دیتے ہیں۔ مگر چوتھے شعر میں حضرت مرزا صاحب پر ایک رکیک حملہ کرتے ہوئے آپ کے الہام کو محکوم کا الہام کہہ کر اسے غارت گرِ اقوام گردانتے ہیں۔ ہمیں معلوم نہیں کہ یہ اشعار کہتے وقت علامہ اقبال کے ذہن میں "بندۂ آزاد" اور "بندۂ محکوم" کا کیا مفہوم تھا، کیونکہ ان کی تشریح ہماری نظروں سے نہیں گذری لیکن جب ہم قرآن کریم کی مختلف سورتوں مثلاً الرّعد۔ الاعراف۔ یونس۔ المؤمن۔ سبا اور الدھر میں استعمال کئے گئے الفاظ اغلال اور سلاسل کی روشنی میں "محکوم" اور "آزاد" کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمیں بندۂ آزاد وہی نظر آتا ہے جس نے نہ صرف رسم و رواج اور نفسِ امّارہ کے طوقِ غلامی سے نجات حاصل کر لی ہو بلکہ اپنے نفسِ لوامہ کو بھی پامال کر کے نفسِ مطمئنہ کے مقام کو پا کر اللہ کے بندوں اور اس کی جنّت میں داخل ہو چکا ہو اور دنیا کی ساری آلائشوں سے آزاد ہو کر مهاجر الی اللہ ہو گیا ہو۔ اس مفہوم میں اس صدی میں حضرت مرزا صاحب سے بڑھ کر ہمیں کوئی آزاد نظر نہیں آیا۔ اگر کوئی ہے تو سامنے لایئے۔ جس کی جوانی میں پاک و صاف اور مطہر زندگی پر اس کے دشمنوں نے بھی شہادت دی ہو۔ یہی وجہ تھی کہ قادیان میں ایک "ٹھیٹھ اسلامی معاشرہ" قائم ہو گیا اور جس کا اعتراف خود ڈاکٹر اقبال کو بھی کرنا پڑا۔ اگر یہ اصطلاحات سیاسی محکومیت اور سیاسی آزادی کے نقطۂ نظر سے استعمال کی گئی ہیں جیسا کہ بظاہر نظر آتا ہے تو بھی علامہ صاحب کا یہ فلسفہ قرآن کریم کے بیانات اور تشریحات کے صریح مخالف پڑتا ہے۔

کوئی ملک۔ قوم یا معاشرہ اگر سیاسی۔ معاشی۔ معاشرتی طور پر بالکل آزاد اور ہر قسم کے استحصال سے پاک ہو اور اس میں روحانی اور اخلاقی اقدار کا تحفظ موجود ہو تو کسی "صاحب الہام" یا "صاحب وحی" کے آنے کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن قرآن کریم میں بیان کردہ قصص انبیاء اس پر گواہ ہیں کہ وہ اُس وقت تشریف لائے جب معاشرہ تباہی کے کنارے پہنچ گیا۔ اور اللہ تعالےٰ نے اسے نجات دلانے کے لئے اپنے فرستادے مبعوث فرمائے۔ کیا حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت موسےٰ اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام نمرود، فرعون اور رومیوں کے محکوم نہیں تھے۔ کیا باقی انبیاء علیہم السلام کے تذکرہ میں "قال الملاءُ من قومهٖ" کے الفاظ نہیں آئے۔ اور یہ بات اس پر ایک واضح دلیل نہیں کہ ایسے معاشرہ میں آئے جو قوم کے سرداروں کے محکوم تھے۔ خود ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اس وقت تشریف لائے جب "ظهر الفساد فی البرّ والبحر" کا نظارہ تھا۔ اس برصغیر میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ پرتھوی راج کی حکمرانی میں۔ حضرت مجدّد الف ثانی اکبر اور جہانگیر کے عہدِ ملوکیت میں اور حضرت سیّد احمد شہید سکھوں اور انگریزوں کی عملداری کے دوران میں تشریف لائے۔ مگر باوجود اس کے "وہ غارت گرِ اقوام" نہیں بلکہ "صورت گرِ اقوام" تھے۔

پانچویں شعر میں "نبوّت کا ذکر ہے" اس لئے اس پر کوئی تبصرہ کرنا غیر ضروری ہے۔ جب ہم حضرت مرزا صاحب کو نبی مانتے ہی نہیں تو اس پر اظہارِ خیال کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ البتہ اسلام کی "قوّت و شوکت" کا جو پیام آپ نے دیا ہے وہ ہم آپ کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ جس کتاب میں یہ پیغام ہے اس کا نام ہی "فتح اسلام" ہے۔ یہ اس وقت کا پیغام ہے جب علامہ اقبال ابھی سکول کے طالب علم ہوں گے۔ اور یہ اس وقت کا پیغام ہے جس کے معاشرہ کی حالت کی عکاسی یہ دو شعر کرتے ہیں:۔

مردم ذی مقدرت مشغول عشرتہائے خویش + خرم و خنداں نشستہ با بتانِ نازنین
با خرابات آشنا بیگانہ از کوئے ہدیٰ + نفرت از ارباب دیں باے پرستاں ہمنشیں

وہ پیغام کیا ہے:۔

"...... سچائی کی فتح ہوگی اور اسلام کے لئے پھر اُس تازگی اور روشنی کا دن آئیگا جو پہلے وقتوں میں آچکا ہے اور وہ آفتاب اپنے پورے کمال کے ساتھ پھر چڑھیگا جیسا کہ پہلے چڑھ چکا ہے...... اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے وہ کیا ہے؟ ہمارا اسی راہ میں مرنا۔ یہی موت ہے جس پر اسلام کی زندگی۔ مسلمانوں کی زندگی اور زندہ خدا کی تجلّی موقوف ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کا دوسرے لفظوں میں اسلام نام ہے اسی اسلام کا زندہ کرنا خدا تعالےٰ اَب چاہتا ہے۔"

اس کے ساتھ ذرا دِل کا درد ملاحظہ ہو:۔

ایں دو فکرِ دینِ احمدؐ مغزِ جانِ ما گداخت
کثرتِ اعدائے ملّت قلّتِ انصارِ دیں
اے خدا زودآ و بر ما آبِ نصرتہا ببار
یا مرا بردار یا ربّ زیں مقامِ آتشیں

ایسا جانفزا و جاں گداز پیغام کسی اور کے پاس کہاں۔

# وقت کی پکار

## مختلف مکاتبِ فکر کے اکابر نے اختلافِ مشارب کے باوجود ایک دوسرے کی تکذیب نہیں کی۔

"ندائے وقت" میں مندرج مفصلہ ذیل مضمون سے ظاہر ہے کہ دراصل تکفیر کی مہلک وبا سے عام طور پر خود علماء اسلام بھی بیزار ہیں اور وہ طوعاً اور کرہاً امت اتحادالمسلمین کے عقیدہ کی طرف رجوع کر رہے ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کا خود یہ قول ہے کہ اگر کسی شخص میں ننانوے وجوہ کفر کی ہوں اور صرف ایک وجہ اسلام کی ہو تو اسے بھی کافر کہنا نہیں چاہیئے۔ فقہاء کا قول ہے قد یکفر المسلم۔ بسا اوقات مسلمان سے کفر کا قول یا امر سرزد ہو جاتا ہے مگر اس بناء پر اسے دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے کا حق کسی کو حاصل نہیں۔ ملتِ اسلامیہ میں ایسے انتشار و افتراق کو روکنے کی غرض سے ہی اس لئے یہ تہدید آئی ہے کہ تکفیر کے مرتکب پر خود کفر وارد ہو جاتا ہے۔ مغربی استعماریت سے محفوظ رہنے کی خاطر اب مسلم اقوام و ممالک، اسلام کے رشتۂ اتحاد کی جانب رجوع کر رہے ہیں، یہ ایک عمدہ اقدام ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالعزیز بن صالح امام مسجد نبویؐ نے اپنے حالیہ دورہ میں یہ فرمایا کہ:-

"اتحاد اسلامی کی خواہش سے کسی بھی مسلمان کا دل خالی نہیں، مگر یہ اتحاد تبھی پائندہ و مستحکم ہو سکتا ہے جب اس کی اساس دین پر ہو۔ انہوں نے کہا کہ دشمنانِ اسلام اس چیز سے ڈرتے ہیں کہ مسلمانوں کے دل میں یہ احساس پیدا ہو کہ انہیں دین کی بنیاد پر متحد ہونا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم اسلحہ، سامان اور عددی برتری کی بات کریں تو ہمارا دشمن ان سب باتوں میں ہم سے طاقتور ہے۔ لیکن ہماری قوتِ ایمانی ایک عظیم اثاثہ ہے۔"

دین کے رشتہ پر اتحادالمسلمین کو استوار کرنا ہی شیخ عبدالعزیز بن صالح کے نزدیک فائدہ مند ہو سکتا ہے اور یہی وہ صالح اتحاد و مستحکم اتفاقِ امت ہے جس سے عدوِ اسلام خائف ہے۔ پس مسلمان علماء دین کو باہم بیٹھ کر اب اس فیصلہ کرنے کا وقت آ گیا ہے کہ وہ تکفیر بازی کی مہلک وبا کے برخلاف واضح اعلان شائع کریں کہ آیندہ کوئی مسلمان فرد یا جماعت دوسرے کلمہ گو و قبلہ رُو فرد یا جماعت کو کافر کہنے سے باز آ جائیں۔ نیز یہ کہ اگر باوجود ان کے ایسے اعلان و فتوے کے پھر بھی اگر کوئی فرد یا جماعت کلمہ گویوں کی تکفیر کی مرتکب ہو تو مکفر پر بموجب حدیث کفر لوٹایا جائے گا تاکہ ملت اسلامیہ سے اس کا مقاطعہ واجب آ سکے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر اس قسم کا کوئی اعلان علماءِ اسلام کی طرف سے شائع ہو جائے تو ہی فتنۂ تکفیر کا کماحقہٗ سدباب ہو سکنا ممکن ہے۔ یہی وہ اتحاد کی لہر چلی تھی جس کے باعث پاکستان ایسی اسلامی مملکت کا وجود ممکن الحصول ہوا۔ خود قائد اعظم علیہ الرحمۃ نے اس امر کا واضح اعلان فرمایا تھا کہ ہم ایک واحد قوم ہیں جو ایک خدا، ایک رسُول اور ایک کتاب کو تسلیم کرتے ہیں۔ ع

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک + ایک ہی سب کا نبیؐ، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک + کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

ہمارا یقین محکم ہے کہ جس طرح اب ملتِ اسلامیہ قرآن و سنت کی طرف رجوع کر رہی ہے اور اسی طریق میں اپنی سچی فلاح کو مضمر سمجھنے لگ پڑی ہے بعینہٖ عنقریب اتحادالمسلمین کا یہی عملی طریقِ کار اختیار کرنے پر مسلمان مجبور ہوں گے کہ ہر کلمہ گو، قبلہ رُو، قرآن حکیم کو اپنی دستورالعمل کتاب یقین رکھنے والا ہر شخص اور جماعت دائرہ اخوتِ اسلامیہ کا جزو ہے اور کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ جزئی اختلافات کی بناء پر اسے خارج از اسلام قرار دے سکے بلکہ ایسے مکفر کے لئے آئین و قانون ملکی میں تعزیر رکھی جائے۔ (ادارہ)

### مولانا مفتی پیر غلام رسُول قاسمیؒ

"حضرت مفتی پیر غلام رسول صاحب قاسمی امرتسری رحمۃ اللہ علیہ متوفی سنہ ۱۹۰۷ء سابق پنجاب کے جلیل القدر فاضل اجل اور شیخ طریقت تھے۔ آپ کو تمام علوم کی سند فراغ حضرت علامہ عبدالحی لکھنوی فرنگی محلی قدس سرہٗ اور آپ کے اساتذہ سے حاصل تھی اور طریقت میں آپ عارف باللہ حضرت خواجہ غلام دین محمدؒ صاحب تیراہی نقشبندی مجددی (چورہ شریف ضلع کیمبلپور) رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ اعظم تھے۔ ایک دفعہ امرتسر میں ایک واعظ کی انگیخت پر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے خلاف عوام میں سب وشتم اور تکفیر کا طوفان اٹھا تو حضرت مفتی صاحب قاسمیؒ نے جلسۂ عام میں عوام کو سرزنش کی اور مولانا گنگوہیؒ کی توہین و تکفیر سے عوام کو روکا۔"

### مولانا محمد انور شاہ محدث کشمیری

"سابق ریاست بہاول پور میں ایک مسلمان عورت کا شوہر مرزائی ہو گیا اس پر عورت نے عدالت میں شوہر کے ارتداد کی وجہ سے فسخ نکاح کی درخواست دے دی۔ مقدمہ دائر ہوا اور اس میں حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ سابق صدر مدرس و شیخ الحدیث دارالعلوم دیو بند کی شہادت کے دوران مرزائی وکیل نے فتویٰ تکفیر کو بے اعتبار ثابت کرنے کے لئے کہا کہ "دیو بندی" بریلویوں کو اور بریلوی دیو بندیوں کو کافر کہتے ہیں"۔ اس پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فوراً عدالت کو مخاطب کر کے فرمایا:

" میں بطور وکیل تمام جماعت دیو بند کی جانب سے گذارش کرتا ہوں کہ حضرات دیو بند بریلوی حضرات کی تکفیر نہیں کرتے مسلمانوں اور مرزائی مذہب والوں میں قانون کا اختلاف ہے اور علماء دیوبند و بریلی میں واقعات کا اختلاف ہے، قانون کا نہیں چنانچہ فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر کوئی مسلمان کلمۂ کفر کسی شبہ کی بناء پر کہتا ہے تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔"

(مضمون مولانا محمد صاحب انوری لائل پوری منقول از کتاب "حیاتِ انور" صفحہ ۳۳۳)

### مولانا غلام محمد گھوٹویؒ

"مولانا غلام محمد صاحبؒ فاضل گھوٹوی سابق شیخ الجامعہ عباسیہ بہاول پور، حضرت سید پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑویؒ کے مقرب ترین مریدوں میں سے تھے آپ کا حسب ذیل بیان ملاحظہ ہو:-

" مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کا زمانہ میں نے نہیں پایا۔ مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری اور مولانا محمودالحسن صاحب دیوبندی کی زیارت ایک دفعہ کی ہے۔ مصاحبت کا اتفاق نہیں ہوا۔ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی ایک دفعہ زیارت کی ہے اور ایک دفعہ وعظ بھی سُنا ہے اس سے زیادہ ان حضرات کے ساتھ مصاحبت کا اتفاق نہیں ہوا مگر میرا اعتقاد ان بزرگوں کے متعلق یہ ہے

کہ یہ سب حضرات علماءِ ربانیین اور علماءِ اُمتِ محمدیہ میں سے تھے۔ احقر کو بعض مسائل میں ان سے اختلاف بھی ہے مگر میرا اعتقاد یہی ہے اور اسی اعتقاد کے اختیار کرنے کا سبب ان کی تصنیفات کا مطالعہ اور استفادہ اور قبول عام ہے بالخصوص مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ دامت برکاتہم کی خدمات طریقت پر نظر کر کے شبہ ہوتا ہے کہ وہ اس صدی کے مجدد ہیں۔"

(منقول از کتاب "چراغِ سنت" ص۲ مؤلفہ سید فردوس علی شاہ صاحب)

## مولانا ابوالحسنات رح خطیب مسجد وزیر خاں لاہور

[illegible]

"لاہور ۱۷ر اپریل۔ جماعتِ اسلامی کی تربیت گاہ اچھرہ کے اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری نے فرمایا کہ مجھے کہا گیا ہے کہ میں معین طور پر بیان کروں کہ بریلویوں اور دیوبندیوں کے درمیان اساسی عقائد کے اعتبار سے کیا اختلاف ہے؟ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ بریلی اور دیوبند دونوں جگہ ہر خیال اور ہر عقیدہ اور ہر مذہب کے لوگ موجود ہیں اس لئے بریلویوں اور دیوبندیوں کے اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ موضوع تقریر کا یہ عنوان ہی صحیح نہیں۔ علاوہ ازیں بریلی اور دیوبند دونوں مقام ہندوستان میں رہ گئے ہیں اس لئے پاکستان میں ان کے اختلاف کا سوال بے معنی ہے اگر موضوع سے مراد یہ ہے کہ بریلی کی دینی درسگاہ اور دیوبند کی دینی درسگاہ سے تعلیم و تربیت حاصل کرنے والوں کے نظریات و افکار کے اختلاف پر روشنی ڈالی جائے تو میں اعلان کئے دیتا ہوں کہ اساسی عقائد کے اعتبار سے دونوں مکتبوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ بریلوی علماء حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ توہین کرنے والے کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں اور دیوبند کے علماء بھی اصولی طور پر اسی کلیہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ دونوں سلسلوں کے علماء کے درمیان بعض عبارتوں کے متعلق اختلاف رائے ہے بریلوی علماء دیوبندی علماء کی بعض تحریروں کے ظاہری معانی کو صحیح سمجھنے والا شخص گمراہ ہے۔ دیوبندی اپنے اکابر کی ان تحریروں کو قابلِ گرفت یا موردِ تنقید خیال نہیں کرتے لیکن اصول و اساس میں بریلوی علماء سے سو فیصدی ہیں۔"

## حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ

ماضی قریب کے مشاہیر میں سے حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلویؒ بھی اصولی حیثیت سے معیارِ تکفیر کی تعین میں فقہاءِ اُمت کے ہمنوا تھے چنانچہ آپ نے اپنی کتاب "تمہید ایمان بآیات قرآن" مطبوعہ بریلی ص۳۳ میں فرمایا ہے:

۱۔ "فقہاء کرام نے یہ فرمایا ہے کہ جس مسلمان سے کوئی لفظ ایسا صادر ہو جس میں سو پہلو نکل سکیں ان میں ننانوے پہلو کفر کی جانب جاتے ہوں اور ایک اسلام کی طرف تو جب تک ثابت نہ ہو جائے کہ اس نے خاص کفر کا پہلو مراد رکھا ہے ہم اسے کافر نہ کہیں گے کہ آخر ایک پہلو اسلام کا بھی تو ہے کیا معلوم شاید اس نے یہی پہلو مراد رکھا ہو۔"

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۲۷ پر مولانا بریلوی لکھتے ہیں:—

۲۔ "کتب فتاویٰ میں جتنے الفاظ پر حکم کفر کا جزم کیا ہے ان سے مراد وہ صورت ہے کہ قائل نے ان سے پہلوئے کفر مراد لیا ہو ورنہ ہرگز کفر نہیں۔"

مسئلہ تکفیر — یہ دونوں عبارتیں اس امر کی طرف صاف رہنمائی کرتی ہیں کہ کسی مسلمان کو اس وقت تک ہرگز کافر نہ کہنا چاہیئے جب تک اس کے قول میں پہلوئے کفر مراد نہ ہو۔ لہٰذا اس معیار کے خلاف اگر کسی عالم نے کسی مسلمان کی تکفیر اس کے کسی قول کی بناء پر کی ہے۔ درحالیکہ قائل مذکور کے قول میں تاویلِ صحیح کی گنجائش موجود ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ خود قائل بھی پہلوئے کفر سے اظہارِ براءۃ اور اعلان بیزاری کر چکا ہے تو یہ فتویٰ تکفیر محض اس بناء پر قابلِ قبول نہ ہوگا کہ وہ ایک عالم کی تراوشِ فکر کا نتیجہ ہے عالم خواہ کسی بھی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتا ہو [illegible] قائل مذکور۔ پر فتویٰ تکفیر لگانے والے مفتی کے باب میں بھی تفصیل اور توضیح ہے اگر مفتی نے نفسانیت یا غلط فہمی کی بناء پر فتویٰ تکفیر دیا ہے تو پہلی صورت میں گناہگار اور دوسری صورت میں فی الجملہ معذور ہوگا۔ کافر بہرحال نہیں ہوگا۔ اور اگر اس نے کسی دینی جذبہ کی شدت کے تحت مغلوب ہو کر تغلیظاً فتویٰ دیا ہے تب بھی اس مفتی کی تکفیر جائز نہ ہوگی (اُوپر مولانا اسمٰعیل شہید اور مولانا تھانویؒ کے ارشادات کو پھر ایک دفعہ ملاحظہ فرمایئے کہ انہوں نے تقریباً یہی موقف اختیار فرمایا ہے) اور یہ جو ایک حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کو کافر کہنے والے پر کفر لوٹ آتا ہے تو اس کا مصداق صرف وہ شخص ہوگا جو مسلمان کو اس کے کسی اسلامی قطعی عقیدہ کی وجہ سے کافر کہے۔

مسئلہ تکفیر کی اس مختصر بحث سے یہ بتانا مقصود ہے کہ مختلف مکاتبِ فکر کے ذمہ دار اکابر نے باوجود اختلاف مشارب کے جو ایک دوسرے کی تکفیر نہیں کی بلکہ باہمی حسنِ ظن سے کام لیتے رہے تو اس کا سبب وہی فقہی معیار اور اس کی جزئیات ہیں جن کا اُوپر ذکر ہو چکا ہے اس لئے دورِ حاضر کے مسلمانوں کو بھی اپنے بزرگوں کی تقلید میں کسی مسلمان کی تکفیر میں جلدی نہیں کرنی چاہیئے۔

("نوائے وقت" لاہور۔ مورخہ ۸ر جنوری ۱۹۷۶ء)

---

**قلمی معاونین سے ایک مؤدبانہ گذارش** ادارہ پیغام صلح اپنے قلمی معاونین کا مشکور ہے کہ وہ اپنی جماعت کے ہفت روزہ ترجمان کی معاونت فرماتے ہیں لیکن ان سے یہ مؤدبانہ گذارش ہے کہ وہ اپنے مضامین میں کتب اور اشعار کا حوالہ دیتے وقت اصل تحریرات اور اشعار کا ملاحظہ فرما لیا کریں۔ کیونکہ ہمارے نوٹس میں اکثر یہ بات آئی ہے کہ اقتباسات اور اشعار میں کچھ غلطیاں رہ جاتی ہیں۔ جن کا قارئین پر اچھا اثر نہیں پڑتا۔

(ادارہ)

---

# اپیل

مرکزی مسجد احمدیہ، احمدیہ بلڈنگس میں ۵۶" سائز کے آٹھ عدد سیلنگ فینز کی ضرورت ہے۔ صاحب ثروت دوست بطور عطیہ یہ پنکھے مسجد میں لگوا کر ثواب دارین حاصل کریں۔

از: راہ نورد

# سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تفسیر تفہیم القرآن کا ایک مختصر جائزہ

(قسط نمبر ۹)

اس پر حاشیہ لکھا ہے :۔

"اس جگہ سیاق و سباق خود بتا رہا ہے کہ قسم اور عہد و پیمان سے مراد کفر چھوڑ کر اسلام قبول کر لینے کا عہد ہے اس لئے کہ ان لوگوں سے اب کوئی اور معاہدہ کرنے کا تو کوئی سوال باقی ہی نہ رہا تھا۔ پچھلے سارے معاہدے وہ توڑ چکے تھے ان کی عہد شکنیوں کی بناء پر ہی اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے برأت کا اعلان انہیں صاف صاف سنایا جا چکا تھا۔ یہ بھی فرما دیا گیا تھا کہ آخر ایسے لوگوں کے ساتھ کوئی معاہدہ کیسے کیا جا سکتا ہے اور یہ فرمان بھی صادر ہو چکا تھا کہ اب انہیں صرف اسی صورت میں چھوڑا جا سکتا ہے کہ یہ کفر و شرک سے توبہ کرکے اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کی پابندی قبول کریں۔ اس لئے یہ آیت مرتدین سے جنگ کے معاملہ میں بالکل صریح ہے۔"

(تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ ۱۷۹)

اوّلاً تو یہ آیت بالصراحت ارتداد سے متعلق ہے ہی نہیں، اور صحابہ کرام رض و جملہ مفسرین نے اس آیت سے بالاتفاق کفار کی عہد شکنی مراد لی ہے اور حضرت حذیفہ رض سے روایت ہے کہ اس آیت میں مذکورہ کفار سے جنگ ہوئی ہی نہیں۔ ثانیاً اگر بالفرض اس سے مرتد بھی مراد لے لئے جائیں تو اس میں ارتدادِ محض کی حالت کا ذکر نہیں بلکہ ایسے لوگوں کا ذکر ہے جو تمہارے دین پر حملے کرنے شروع کر دیں۔ اب دین پر حملوں کی ایک نوعیت تو وہ تھی جو عہد نبوی میں پائی جاتی تھی اس وقت یلغار، تیروں اور تلواروں اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کی آگ بھڑکانا ہوتا تھا اور ظاہر ہے کہ جوابی کارروائی بھی اسی نوعیت کی کرنا لازم ہو جاتی تھی اور آج دین پر حملے غلط دلائل۔ علم کج۔ اور جھوٹے پروپیگنڈے کی شکل میں ہوتے ہیں تو جواباً مضبوط دلائل صحیح علم اور تبیان حق سے ہی دین کا دفاع ہو سکتا ہے اور ایسے کفار کے خلاف علمی جنگ برپا کی جا سکتی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ یہ کارروائی حسب ضرورت واقعی ہے جو مشروط ہے۔ مودودی صاحب نے اسے مطلق اور غیر مشروط کہاں سے بنا لیا ہے۔

ایک طرف تو یہ شدت ہے کہ مودودی صاحب مرتدین کو واجب القتل سمجھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ مرتدین ان کے نزدیک وہ لوگ ہوں گے جو اسلام کا اعلانیہ انکار کر دیں پھر خود ہی اپنے محدود دائرے میں سمٹ آتے ہیں کہ قرآن کے ماننے والوں کو بھی "اہلِ کتاب" کہہ کر پکارنے لگتے ہیں :۔

"اس کی نظیریں قرآن کو ماننے والے اہلِ کتاب میں بھی مفقود نہیں" (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ ۲۶۷)

اور کبھی انہیں اور غیر مسلموں کو ایک ہی سمجھ لیتے ہیں :۔

"خدا سے آزاد ہو کر کام کرنا اور اپنے نفس و متعلقات نفس کے بارے میں خود یہ فیصلہ کرنا کہ ہم کیا کریں اور کیا نہ کریں بہرحال ایک کافرانہ رویہ زندگی ہے، خواہ اس پر چلنے والے لوگ "مسلمان" کے نام سے موسوم ہوں یا غیر مسلم کے نام سے"۔

(تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ ۳۳۷)

اور کبھی اتنی وسعت کا اظہار کرتے ہیں کہ اسلام کے ظاہری حدود اربعہ کو بھی اہمیت نہیں دیتے :۔

"اسلام صرف اس دین کا نام نہیں جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں اور مسلم کی اصطلاح کا اطلاق محض حضور کے پیروؤں تک محدود نہیں ہے بلکہ ہمیشہ سے تمام انبیاء کا یہی دینِ اسلام تھا اور ہر زمانہ میں ان سب کے پیرو مسلمان ہی تھے ......... تعجب ہے کہ بعض بڑے بڑے اہلِ علم بھی اس حقیقت کے ادراک سے عاجز رہ گئے ہیں حتیٰ کہ اس صریح آیت کو دیکھ کر بھی ان کا اطمینان نہ ہوا۔ علامہ سیوطی رح نے ایک مفصل رسالہ اس موضوع پر لکھا کہ مسلم کی اصطلاح صرف اُمتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مختص ہے۔"

(تفہیم القرآن جلد سوم صفحہ ۶۴۶)

کبھی خود ہی لکھتے ہیں کہ :۔

"بندوں کے لئے ایمان بس ایک ہی اقرار و تصدیق ہے جس سے ہر مسلمان داخل اسلام ہوتا ہے اور جب تک اس پر قائم رہے مسلمان مانا جاتا ہے اس کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ آدھا مسلمان ہے اور یہ پاؤ یا یہ دوگنا مسلمان ہے اور یہ تین گنا ہے اسی طرح قانون حقوق میں سب مسلمان یکساں ہیں"

(تفہیم القرآن جلد چہارم صفحہ ۸۳)

نیز فرماتے ہیں :۔

"دنیا میں جس فقہی قانون پر اسلامی سوسائٹی بنتی ہے اس کی رُو سے تو ایمان چند عقائد کے اقرار کا نام ہے جس کے بعد کوئی قاضی شرع کسی کے غیر مومن یا خارج از ملت ہونے کا حکم نہیں لگا سکتا"

(تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ ۲۳۶)

نہ صرف یہ بلکہ ایک مرتبہ کلمہ شہادت پڑھ لینا ہی فرض ہے :۔

"امام ابو حنیفہ رح، امام مالک رح اور جمہور علماء کا یہ مسلک ہے کہ درود عمر میں صرف ایک مرتبہ پڑھنا فرض ہے۔ یہ کلمۂ شہادت کی طرح ہے کہ جس نے ایک مرتبہ اللہ تعالےٰ کی الہیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کر لیا اس نے فرض ادا کر دیا۔ اسی طرح جس نے ایک دفعہ درود پڑھ لیا وہ فریضۂ صلوٰۃ علی النبی سے سبکدوش ہو گیا اور اس کے بعد نہ کلمہ پڑھنا فرض ہے نہ درود" (تفہیم القرآن جلد چہارم صفحہ ۱۲۷)

لیکن عمل میں مودودی صاحب نے ایک کلمہ گو گروہ کو خارج از اسلام قرار دلوانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور اس کی تکفیر سرکار دربار سے کروا کر اب بھی دم نہیں لیا اور نہ جانے اور کیا کیا کروانے کی تمنائیں ابھی ان کے خیال انگیز ذہن میں گردش کر رہی ہیں۔ مودودی صاحب نے ایک تفسیری حاشیہ یوں لکھا تھا کہ :۔

"جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ بلاشبہ ماہ حرام میں لڑنا بری بات ہے مگر اس پر اعتراض کرنا ان لوگوں کو زیب نہیں دیتا

جنہوں نے ۱۳ برس مسلسل اپنے سینکڑوں بھائیوں پر صرف اس لئے ظلم توڑے کہ وہ ایک خُدا پر ایمان لائے تھے پھر اُن کو یہاں تک تنگ کیا کہ وہ جلا وطن ہونے پر مجبور
روکا گیا ہو"۔ (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ ۱۶۵)

تعجب ہے کہ کیا یہ مودودی صاحب کی تحریر ہے۔ جب ان کے نزدیک وہ مشرک جو اُس وقت مکہ شریف میں حرم پر قابض تھے اور یہ قدرت رکھتے تھے کہ مسلمانوں کو مسجد حرام میں آنے سے روک دیں مسلمانوں کے "بھائی" ہی شمار ہوتے ہیں اور مودودی صاحب بطور دلیل و حجت انہیں اس ناطے سے ملزم کر رہے ہیں تو اُن احمدیوں کے بارے میں مودودی صاحب کا دل کیوں اس قدر سخت ہوگیا ہے جن کا ان سے ہر ہر باب میں اعتقاداً اور عملاً اتفاق ہے پھر بھی وہ انہیں حرم شریف میں جانے اور زیارتِ مرقدِ نبوی ؐ سے روکنے کی سعی فرماتے رہے ہیں اور انہوں نے اپنے حامیوں سے منواکر دم لیا ہے کہ احمدیوں کو حج بیت اللہ شریف سے روک دیا جائے وہ ہی کہیں کہ ایسا کرنے سے وہ اپنی ہی تفسیر کی روشنی میں کس گروہ کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں؟ وہ اس کے جو چاہیں وجوہاتِ جواز بیان کریں ان کا دل ان کو ہمیشہ ملزم گردانے گا کہ ان کے پاس کوئی ظاہر اور بیّن وجہ احمدیوں کو حج بیت اللہ شریف سے روکنے اور کافر قرار دینے کی نہیں کہاں ان کا یہ دعوےٰ کہ مسیح کے دوبارہ آنے پر مسئلہ کفر و اسلام پیدا ہی نہیں ہوگا اور کہاں ان کا یہ فعل کہ خود مسیح موعودؑ کو ہی کافر اور اس کے ماننے والوں کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دلوائیں شاید وہ اس کو "توریہ" کی قسم کا کوئی تکنیکی فعل کہکر اپنے دل کو تسلی دے لیں اور حقیقت پر پردہ ڈالنا کیونکہ اپنے نزدیک مصلحت بالاتر کے لئے اسے شرعاً جائز سمجھ لیں لیکن ان کا دل اس سے کبھی مطمئن نہ ہو سکے گا کیونکہ یہ تضاد انہیں ہمیشہ خلش پیدا کرتا رہے گا۔

ایک طرف تو انہوں نے اس سوال کا ذکر کیا ہے جو:—

" بالعموم لوگوں کے ذہن میں کھٹکتا ہے ........ کہ ایک طرف تو قرآن ان لوگوں کی انتہائی مذمت کرتا ہے جو کتاب اللہ کے آجانے کے بعد تفرقے اور اختلافات میں پڑ جاتے ہیں اور اپنے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے ہیں دوسری طرف قرآن کے احکام کی تعبیر و تفسیر میں صرف متاخرین ہی نہیں آئمہ اور تابعین خود صحابہ رضؓ کے درمیان اختلافات پائے جاتے ہیں کہ شاید کوئی ایک بھی آیت ایسی نہ ملے گی جس کی ایک تفسیر بالکل متفق علیہ ہو۔

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ اختلاف کی دو صورتیں ہیں ایک محمود ہے اور ایک مغضوب ہے۔ محمود صورت:—

" تو وہ ہے جس میں خدا اور رسول کی اطاعت پر جماعت کے سب لوگ متفق ہوں۔ احکام کے ماخذ بھی بالاتفاق قرآن اور سنت کو مانا جائے اور پھر دو عالم کسی جزوی مسئلہ کی تحقیق میں یا دو قاضی کسی مقدمے کے فیصلے میں ایک دوسرے سے اختلاف کریں مگر ان میں سے کوئی بھی نہ تو اس مسئلے کو مدارِ دین بنائے اور نہ اس سے اختلاف کرنے والے کو دین سے خارج قرار دے بلکہ دونوں اپنے اپنے دلائل دے کر اپنی حد تک تحقیق کا حق ادا کر دیں اور یہ بات رائے عامہ پر یا اگر عدالتی مسئلہ ہو تو مُلک کی آخری عدالت پر یا اگر اجتماعی معاملہ ہو تو نظامِ جماعت پر چھوڑ دیں کہ وہ دونوں

ماخذ بھی بالاتفاق قرآن اور سُنت ہی کو تسلیم کرتا ہے دین سے خارج قرار دلوانے کے لئے بہت بڑے ہنگامے کی سربراہی قبول کی اور حکومت وقت پر زور دیا کہ ان لوگوں کو کافر قرار دے دیا جائے کیونکہ وہ مودودی صاحب یا بعض مولویوں کی تفسیر بعض آیات قرآنی کی درست نہیں سمجھتے تھے۔ چلیں اگر اس گروہ سے ان کے اختلافات کی نوعیت بعض مصلحتوں کے سبب مجبوریوں کی پابند ہے تعجب ہے کہ دوسرے ایسے لوگ بھی چاہے وہ مسلم تھے یا غیرمسلم جنہیں مودودی صاحب کے نکتۂ نظر سے اختلاف ہے ان کے بارے میں بھی تفہیم القرآن کے بیشتر مقامات پر مودودی صاحب کا قلم تلخ ہوگیا ہے اور اس نے ان حدود کا احترام ملحوظ نہیں رکھا جن کا خود مودودی صاحب نے ہی قائم رکھنا حفظِ قلم و نظر کے لئے ضروری قرار دیا تھا۔

مثلاً خدا اور خلق کے تعلق کو سمجھانے کے لئے قرآن پاک نے انسانی زبان میں مستعمل مصطلحات کو استعمال کیا ہے۔ بعض غیرمسلموں یا موجودہ دَور کے بعض ترقی پسندوں نے اس پر اعتراض کیا۔ اُن کا مودودی صاحب "کم فہم ناقدین کے معکوس دماغوں" کے الفاظ میں ذکر کرتے ہیں۔ پھر انہیں "ظالم" کہتے ہیں (تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ ۳۷) پھر کفّار کے سلسلہ میں حضرت نوحؑ کی دُعا کا ذکر کرکے کہتے ہیں " ان کی نسل سے جو بھی پیدا ہوگا بدکار اور نمک حرام ہی پیدا ہوگا۔ (ایضاً صفحہ ۱۱)
اسی طرح بائبل وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:—

" یہ کتابیں ہیں جن کے متعلق بے شرم لوگ کہتے ہیں کہ قرآن میں ان سے یہ قصے نقل کر لئے گئے۔"

(تفہیم القرآن جلد سوم صفحہ ۹۵)

" آخر ایک ہٹ دھرم اور بے حیا آدمی کے سوا کون اس کلام کوش کو یہ کہہ سکتا ہے" (ایضاً صفحہ ۲۹۱)

"کمینہ خصلت لوگوں کا خاصہ ہوتا ہے" (ایضاً صفحہ ۳۰۸)

یہ تو چلئے غیر مسلموں کا معاملہ تھا وہ ان مسلمانوں کو بھی سخت لفظ ہی دیتے ہیں جو اُن سے اختلاف کرتے ہیں کم سے کم انہیں قرآن کی معنوی تحریف کرنے والے" اور ظالموں کے القاب دیتے گئے ہیں (تفہیم القرآن صفحہ ۱۶) پھر وہ مسلمان جنہوں نے مغربی طرزِ زندگی کو اپنا لیا ہے ان کے بارے میں کہتے ہیں:—

" جو لوگ قرآن و سنت کے صریح احکام کے خلاف مغربی معاشرت کے طور طریقے اختیار کر لینے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ پھر انہیں کو عین اسلام ثابت کرنے کی کوشش شروع کر دیتے ہیں ...... وہ گناہ اور نافرمانی پر جہالت اور منافقانہ ڈھٹائی کا اضافہ کر لیتے ہیں جس کی قدر نہ دنیا میں کوئی شریف آدمی کر سکتا ہے نہ آخرت میں خدا سے اُمید کی جاسکتی ہے ....... ان کا حال یہ ہے کہ یہ خیالات رکھتے ہوئے بھی وہ مسلمان بنے پھرتے ہیں انسانیت کی اس سے زیادہ ذلیل قسم غالباً دنیا میں اور کوئی نہیں پائی جاتی" (تفہیم القرآن جلد سوم صفحہ ۳۹۷)

(باقی ــــ باقی)

ہے کہ جن موضوعات پر عالمی سیرت کانگریس یا دیگر میلاد النبیؐ کے اجتماعات میں مذہب اسلام کے بارہ میں خیالات کا اظہار کیا جا رہا ہے ان کا ماخذ احمدیہ لٹریچر ہے۔ اور اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا اصل منبع اور سرچشمہ صرف احمدیت ہے۔ اور یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ کہ اسلامی تعلیمات کی تبلیغ اور اشاعتِ اسلام کا کام موجودہ زمانہ میں احمدیہ لٹریچر کے بغیر ناممکن ہے۔ آہ یہ کس قدر ستم ظریفی اور احسان فراموشی ہے کہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ اور اس کی جماعت کی ایسی شاندار خدمات اسلام پر انہیں غیر مسلم قرار دیا جائے۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی ایسی عظیم الشان اور بے مثل ہستیاں جو حضرت مولانا محمد علیؒ اور خواجہ کمال الدینؒ پر مشتمل ہیں اور جنہوں نے اپنا قلم اور اپنا دماغ اسلام کی خدمت میں وقف کر دیا۔ اور جنہوں نے موجودہ علمی اور سائنسی دور میں وہ بے بہا لٹریچر پیدا کیا جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ انہوں نے اسلام کی صداقت کو کیا بذریعہ تراجم خاصکر انگریزی ترجمہ و دیگر انگریزی تصانیف ایسا منور کیا کہ مغرب کی معاندانہ مخالفانہ فضا کی کایا یکسر پلٹ گئی۔

مذہب اسلام کے بارہ میں یہ فکری اور نظری انقلاب احمدیہ تحریک کا مرہونِ منت ہے۔ جس کی بدولت مسلمانوں کو اپنے دین پر خود اعتمادی پیدا ہوئی جس کا اعتراف ایسی نامور اور مقتدر ہستیوں نے برملا کیا جیسا کہ مولانا محمد علی جوہرؒ اور مولانا دریا بادی دوسری طرف مغرب کی فضاؤں میں اذان کی صدا گونجی۔ اسلامی تعلیمات کی روحانی و اخلاقی اقدار کو احمدیت نے ایسا اجاگر کیا کہ یورپ کے اہلِ فکر کو اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا پڑا۔ یہ سب خادمانِ اسلام خارج از اسلام اور زمرۂ غیر مسلم، کی صف میں شامل کر دیئے گئے!!

حضرت اقبال نے جس شدّتِ درد کا اظہار اپنی ایک نظم میں کیا ہے وہ اس وقت بعینہٖ اس جماعت پر صادق آتا ہے ؎

یہ دستورِ زباں بندی ہے کیسا تیری محفل میں
یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری
اُٹھائے کچھ ورق لالے نے۔ کچھ نرگس نے۔ کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری پڑی ہے داستاں میری
اڑالی قمریوں نے۔ طوطیوں نے عندلیبوں نے
چمن والوں نے مل کر لوٹ لی طرزِ فغاں میری

اس ضمن میں آپ نے جلسہ کے افتتاح میں حضرت مرزا صاحب کا نعتیہ کلام سُنا اب میں حضرت مرزا صاحب مجددِ زمانؒ کی تحریروں سے کچھ اقتباسات پڑھ کر سناتا ہوں جس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت امام وقت نے جناب رسالتمآب ختم الانبیاء کی مدح ثنائی میں کن جذبات کا اظہار کیا:۔

## انک لعلیٰ خلقٍ عظیم

براہین احمدیہ صفحہ ۲۶۶ - ۲۸۲ - حاشیہ ۱۱

"اول قدم حضرت خاتم الرسل محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے ...... جس سے تمام اخلاق فاضلہ مثل آفتاب روشن ہو گئے۔ اور مضمون انک لعلیٰ خلق عظیم کا بپایہ ثبوت پہنچ گیا۔ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں اور دوسرے لوگوں پر بکلی فتح پا کر اور ان کو اپنی تلوار کے نیچے دکھ کر پھر ان کا گناہ بخش دیا۔ اور فتح پا کر سب کو لاتثریب علیکم الیوم کا مژدہ سنایا اور حقانی صبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ جو ایک زمانہ دراز تک آنجناب نے اُنکی سخت ایذاؤں پر کیا تھا آفتاب کی طرح ان کے سامنے روشن ہو گیا۔ اور ان کی صداقت بھی آفتاب کی طرح روشن ہو گئی۔ اور جو اخلاق کرم اور جود اور سخاوت اور ایثار۔ اور فتوت۔ اور شجاعت اور زہد۔ اور قناعت۔ اور اعراض عن الدنیا کے متعلق تھے۔ وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک میں ایسے روشن اور تاباں اور درخشاں ہوئے کہ دنیا میں آنحضرت صلعم سے پہلے کوئی نبی بھی ایسا نہیں گذرا جس کے اخلاق ایسی وضاحت تامہ سے روشن ہو گئے ہوں۔ خدا تعالےٰ نے بے شمار خزائن کے دروازے آنحضرتؐ پر کھول دیئے۔ سو آنجناب نے اُن سب کو خدا کی راہ میں خرچ کیا۔ اور کسی نوع کی تن پروری میں ایک حبہ بھی خرچ نہ ہوا۔ نہ کوئی عمارت بنائی۔ نہ کوئی بارگاہ تیار ہوئی۔ بلکہ ایک چھوٹے سے کچے کوٹھے میں جس کو غریب لوگوں کے کوٹھوں پر کچھ بھی ترجیح نہ تھی اپنی ساری عمر بسر کی۔ بدی کرنے والوں سے نیکی کر کے دکھلائی۔ اور جو دل آزار تھے ان کو اُن کی مصیبت کے وقت اپنے مال سے خوشی پہنچائی۔ سونے کے لئے اکثر زمین پر بستر اور رہنے کے لئے ایک چھوٹا سا جھونپڑا۔ اور کھانے کے لئے نانِ جو۔ یا فاقہ اختیار کیا۔ دُنیا کی دولتیں ان کو بکثرت دی گئیں مگر آنحضرتؐ نے اپنے پاک ہاتھوں کو دنیا سے ذرا آلودہ نہ کیا۔ اور ہمیشہ فقر کو تونگری پر اور مسکینی کو امیری پر اختیار رکھا۔ اور اس دن سے جو ظہور فرمایا تا اس دن تک جو اپنے رفیق اعلےٰ سے جا ملے بجز اپنے مولیٰ کریم کے کسی کو کچھ چیز نہ سمجھا۔ اور ہزاروں دشمنوں کے مقابلہ پر معرکہ جنگ میں کہ جہاں قتل کیا جانا یقینی امر تھا۔ خالصتاً خدا کے لئے کھڑے ہو کر اپنی شجاعت۔ وفاداری اور ثابت قدمی دکھلائی غرض جود و سخاوت۔ اور زہد و قناعت اور مردمی اور شجاعت اور محبتِ الٰہیہ کے متعلق جو جو اخلاق فاضلہ ہیں۔ وہ بھی خداوند کریم نے حضرت خاتم الانبیاء میں ایسے ظاہر کئے کہ جن کی مثل نہ کبھی دنیا میں ظاہر ہوئی، اور نہ آئندہ ہوگی۔

وجود باجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ایک نبی کے لئے متمم اور مکمل ہے۔ اور اس ذات عالی کے ذریعے سے جو کچھ دوسرے نبیوں کا مشتبہ اور مخفی رہا تھا۔ وہ چمک اُٹھا۔ اور خدا نے اس ذاتِ مقدس پر ان معنوں میں وحی رسالت کو ختم کیا۔ کہ سب کمالات اس وجود باجود پر ختم ہو گئے۔ وھذا فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔"

الحکم ۱۰ اپریل ۱۹۰۲ء ۔ ص ۵

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک عظیم الشان کامیاب زندگی ہے۔ اسے کیا بلحاظ اپنے اخلاقِ فاضلہ اور کیا بلحاظ اپنی قوتِ قدسی اور عقد ہمت کے، اور کیا بلحاظ اپنی اعلےٰ تعلیم کی خوبی اور تکمیل کے اور کیا بلحاظ کامل نمونہ اور دعاؤں کی قبولیت کے۔ غرض ہر طرح اور ہر پہلو میں چمکتے ہوئے شواہد اور آیات اپنے اندر رکھتے ہیں کہ جن کو دیکھ کر ایک غبی سے غبی انسان بھی بشرطیکہ اس کے دل میں بے جا غضہ اور عداوت نہ ہو۔ صاف طور پر مان لیتا ہے کہ آپؐ تخلقوا باخلاق اللّٰہ کا کامل نمونہ اور کامل انسان ہیں۔

## ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

ریویو آف ریلیجنز جلد ۱ ۔ ۵ ۔ ص ۲۰۸

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنا۔ جس کے لوازم میں سے محبت اور تعظیم اور اطاعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس کا ضروری نتیجہ ہے کہ انسان خدا کا محبوب بن جاتا ہے اور اس کے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ اور اگر کوئی گناہ کی زہر کھا چکا ہے تو محبت اطاعت اور پیروی کے تریاق سے اس زہر کا اثر جاتا رہتا ہے۔ اور جس طرح بذریعہ دوا مرض سے ایک انسان پاک ہو سکتا ہے ایسا ہی ایک شخص گناہ سے پاک ہو جاتا ہے اور جس طرح نور ظلمت کو دُور کرتا ہے اور تریاق زہر زائل کرتا ہے۔ ایسا ہی سچی اطاعت اور معیت کا اثر ہوتا ہے۔

(باقی پر صلا کالم ۲)

مکرم مولانا احمد گل صاحب فاضل دیوبند

# کیا یہ اِسلام کی خِدمت ہے؟

نوائے وقت کی کسی پچھلی اشاعت میں ایک صاحب کا مضمون شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ کسی مشرک یا کافر کو مسجد تعمیر کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی اور نہ ہی وہ اس میں عبادت بجا لا سکتا ہے۔ مضمون سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے سرگودھا کی حالیہ متنازعہ فیہ مسجد کی تعمیر سے متاثر ہو کر اپنے خیال کا اظہار کیا ہے جو کہ زیرِ تعمیر مسجد کا معاملہ زیرِ تجویز عدالت ہے ہم کوئی تنقید یا تبصرہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ تاہم جبکہ مضمون نگار نے اس مسئلہ کے صرف ایک پہلو کو واضح کیا ہے اور دوسرے پہلو کو عمداً اخفا میں رکھا گیا ہے، جس کی وجہ سے عوام الناس میں غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان ہے۔ اس دوسرے پہلو کو ظاہر کرنا ضروری ہے تاکہ حقیقت اور اصلیت پورے طور پر سامنے آ سکے۔

مضمون نگار نے قرآن مجید کی سورۃ توبہ آیت ۱۷ سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مشرک لوگ نہ مسجد بنا سکتے ہیں اور نہ ہی اسے آباد رکھ سکتے ہیں۔ انہوں نے اپنے اس دعویٰ پر چوٹی کے چند مفسّرین کرام کے اقوال نقل کئے ہیں کہ کافر اور مشرک کو مسجد بنانے سے روکا جائے اور نہ ہی انہیں مسجد میں عبادت کی اجازت دی جائے کیونکہ وہ مشرک ہیں۔ بُت پرست ہیں، کافر ہیں۔ خدا اور رسُول کے انکاری ہیں۔

جہاں تک مفسّرین حضرات کی آراء کا تعلّق ہے، ان کا یہ مؤقف بجا اور درست ہے۔ آیت ماکان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللّٰہ کے مفہوم کے عین مطابق ہے۔ بھلا مشرکوں۔ بُت پرستوں۔ خدا کے منکروں اور کافروں کو مسجد سے کیا تعلق۔ مساجد تو صرف خدائے واحد کی عبادت کے لئے بنائی جاتی ہیں۔ ان کو آباد کرنے کے لئے وہ لوگ کسی طرح موزوں نہیں ہو سکتے جو خدا کے ساتھ اس کی صفات میں دوسروں کو شریک کرتے ہوں۔ اس کے علاوہ جبکہ وہ خود بھی توحید کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر چکے ہوں اور انہوں نے برملا کہہ دیا ہو کہ ہم بتوں کو چھوڑ کر اپنی عبادت صرف ایک خدا کے لئے اختیار کرنے کو تیار نہیں۔ تو اس کے بعد انہیں کیا حق ہے کہ وہ کسی ایسی عبادت گاہ کو استعمال کریں جو صرف خدا کی عبادت کے لئے بنائی گئی ہو۔ یہ لوگ تو اپنے بنائے ہوئے بتوں کے آگے اپنے سر جھکاتے ہیں، مگر مسجد وہ مقام ہے جس میں وحدہٗ لا شریک خُدا کی پرستش کی جاتی ہے۔ کافر تو سرے سے خُدا کی ذات اور صفات کا منکر ہے مگر مسجد خدا کا ایسا گھر ہے جہاں اس پر ایمان لانے کے اقرار کو بار بار دہرایا جاتا ہے اور اس کی توحید کے گیت گائے جاتے ہیں۔ اس بناء پر مشرک اور مسجد دو متضاد چیزیں ہیں جو بیک جا جمع نہیں ہو سکتیں۔ مفسّرین نے اس مسئلہ پر جو کچھ لکھا ہے درست اور حقیقت پر مبنی ہے۔

مندرجہ بالا حقیقت کے باوجود مگر وہ لوگ جو کلمہ گو ہیں۔ خدا تعالیٰ کو اپنا حقیقی معبود مانتے ہیں۔ اس کی ذات اور صفات کے ساتھ کسی دوسری طاقت کو شریک نہیں گردانتے۔ خُدا کے فرستادوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس کی تمام نازل شدہ کتابوں اور وحیوں پر یقین رکھتے ہیں۔ یوم حشر و نشر پر ان کا ایمان ہے۔ ارکانِ اسلام، صوم و صلوٰۃ اور زکوٰۃ کو پابندی سے ادا کرتے ہیں۔ ان جُملہ صفات کے حاملین کے متعلق مضمون نگار کا یہ خیال کہ وہ کافر اور مشرک ہیں۔ انہیں خانۂ خُدا کے بنانے سے روکا جائے تاکہ وہ خدا کے گھر میں داخل ہو کر اس کی توحید کو عملی رنگ میں ظاہر نہ کر سکیں۔ انہیں اس لئے بھی منع کیا جائے کہ وہ خدا کی تسبیح و تحمید سے اپنے آپ کو مطمئن نہ کر سکیں۔ اس لئے بھی کہ وہ اس پاک گھر میں قرآن کا درس دے کر فریضۂ تبلیغ سے سبکدوش نہ ہونے پائیں۔ ایک عقلمند یا اسلامی تعلیمات سے واقفیت رکھنے والی شخصیت پر یہ بات یقیناً تعجب کا موجب ہوگی۔

مضمون نگار نے سورۃ توبہ کی آیت ۱۷ سے اپنا غلط مؤقف واضح کرنے پر متعدد تفاسیر سے حوالجات پیش کئے ہیں اور انہیں غلط رنگ دے کر اپنے لئے بطور سند پیش کیا ہے۔ مگر انہیں یہ توفیق نہ ہوئی کہ وہ اس کے ساتھ مُلحقہ اگلی آیت ۱۸ کو بھی پڑھ لیتے۔ یقیناً اس آیت کو دیکھا ہوگا بلکہ غور سے پڑھا بھی ہوگا مگر تعصّب کا کوئی علاج نہیں۔ انہوں نے عمداً اس آیت کے خلاف ایک ایسے طریق کار کو اختیار کیا ہے جس کی یہ آیت کھُلے طور پر تردید کرتی ہے۔ تمام مفسرین خواہ متقدمین ہوں یا متاخرین اس آیت کی تفسیر میں ہر اُس شخص کو جو کلمہ گو ہے، مسجد میں داخل ہونے اور اس کو آباد کرنے کی اجازت دیتے ہیں اور اسے حقیقی مسلمان سمجھتے ہیں۔

اس سے پہلے کہ اس مسئلہ پر بعض مفسّرین کی آراء پیش کی جائیں یہ امر ظاہر کر دینا مناسب ہوگا کہ آیت ۱۸ میں خدا تعالیٰ نے مساجد آباد کرنے والوں کی چند صفات بیان فرمائی ہیں۔ یہ صفات جن لوگوں میں پائی جاتی ہیں وہ اس آیت کی رُو سے مسلمان ہیں۔ مؤمن اور فلاح یافتہ ہیں اور اللہ کی مساجد کو آباد کرنے کے مستحق ہیں۔

## صفت ایمان باللّٰہ

امام محمد فخرالدین رازیؒ نے تفسیر کبیر جلد چہارم میں آیت مذکورہ بالا کے ضمن میں ایمان باللہ کی صفت پر لکھا ہے :۔

انّہ لابد من الایمان باللّٰہ لان المسجد عبارۃ عن المواضع الذی یعبد اللّٰہ فیہ فما لم یکن مؤمنًا امتنع ان یبنی موضعًا یعبد اللّٰہ فیہ۔

یعنی مسجد ایک ایسا مقام ہے جس میں اللہ کی عبادت کی جاتی ہے۔ اس میں وہی شخص عبادت بجا لا سکتا ہے جس کا خُدا پر ایمان ہو۔ لیکن کافر خدا پر ایمان نہیں رکھتا اس لئے اسے ایسے مقام کے بنانے سے روکا جائے کہ جس میں خُدا کی عبادت مقصود ہو۔

## ایمان بالیوم الاٰخر

امام موصوف نے صفت ایمان بالیوم الاٰخر کی وضاحت اس طرح کی ہے :۔

لان الاشتغال بعبادۃ اللّٰہ تعالیٰ انما تفید فی القیامۃ فمن انکر القیامۃ لم یعبد اللّٰہ و من لم یعبد اللّٰہ لم یبنی بناء لعبادۃ اللّٰہ تعالیٰ۔

یعنی اللہ کی عبادت میں مشغول رہنے سے قیامت میں اچھے نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ اس بناء پر منکر قیامت جو اللہ کی عبادت نہیں کرتا اسے اللہ کی عبادت کے لئے عبادت گاہ نہیں بنانی چاہیئے۔

## صفت اقامۃ الصلوٰۃ

صاحب تفسیر کبیر نے صفت اقامۃ الصلوٰۃ کو یوں بیان کیا ہے :۔

ان المقصود الاعظم من بناء المسجد اقامۃ

الصلوٰۃ۔ فان الانسان مالم یکن مقرا بوجوب الصلوٰۃ امتنع ان یقدم علیٰ بناء المساجد۔

یعنے مساجد کی بناء کا مقصد عظیم یہ ہے کہ اس میں نمازیں ادا کی جائیں۔ لیکن جو شخص سرے سے نمازوں کا قائل ہی نہیں، ایسے شخص کو مسجد بنانے سے روکا جائے۔

## صفت ایتان زکوٰۃ

زکوٰۃ ادا کرنے کا اقرار یا اس حکم پر ایمان لانا۔ یہ بھی ایک مومن کی صفت ہے۔ جس میں یہ صفت نہیں پائی جاتی، صاحب تفسیر کبیر ایسے شخص کو مسجد بنانے کی اجازت نہیں دیتے۔ فرماتے ہیں:۔

والظاھر ان الانسان مالم یکن مقرا بالزکوٰۃ لم یشتغل ببناء المساجد۔

یہ اقتباسات جو اوپر دکھائے ہیں۔ صرف تفسیر کبیر سے لئے گئے ہیں۔ اب علامہ ابن جریر کی بھی رائے ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:۔

فخلیق ان یکون الذین ھذہ صفتھم ان یکونوا عند اللہ ممن قد ھدی اللہ للحق۔

یعنے جن لوگوں میں مندرجہ بالا صفات پائی جاتی ہیں۔ یہ لوگ حق اور صواب حاصل کرنے پر خدا کی ہدایت کے زیادہ مستحق ہیں۔

حضرت ابن عباس، جن پر تمام مفسّرین کو فخر ہے مذکورہ بالا آیت کی تشریح میں بیان فرماتے ہیں:۔

"جو شخص خدا کو ایک مانتا ہے اور قیامت پر ایمان لاتا ہے۔ تمام منزّل من اللہ کتابوں پر یقین رکھتا ہے اور پانچ نمازوں کو ادا کرتا ہے ایسا شخص مسلمان اور فلاح یافتہ ہے۔"

(تفسیر ابن جریر طبری جلد دہم صفحہ ۵۸)

مولانا عبدالماجد دریا بادی نے اپنی تفسیر ماجدی میں تفسیر قرطبی کے حوالے سے لکھا ہے:۔

قال بعض السلف اذا رئیتم الرجل یعمر المسجد فحسنوا بہ الظن۔

یعنے بعض اکابر سلف نے اس سے استدلال کیا ہے کہ جن لوگوں کو مساجد میں آباد ہوتے دیکھو ان سے حُسنِ ظن رکھنا لازم ہے۔

مفسّرِ اعظم فداہ ابی وامی حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت انما یعمر مساجد اللہ کی تفسیر اس طرح بیان فرمائی ہے:۔

اذا رئیتم الرجل یعتاد المسجد فاشھدوا لہٗ بالایمان۔

جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ مسجد کو لازم پکڑے ہوئے ہے تو اس کے ایمان کے گواہ ہو جاؤ۔

(جامع ترمذی۔ ابواب تفسیر القرآن من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

مفسّرین حضرات کے منقولہ بالا حوالجات اور ان کی آراء کو پڑھ کر ہر سلیم الطبع اور منصف مزاج آدمی پر یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ کسی مسلمان کو کافر اور مشرک کہکر اسے مسجد بنانے یا آباد کرنے سے روکا نہیں جا سکتا۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم ایک عرصۂ دراز سے فروعی اختلافات کو بنیادی مسائل کا رنگ دے کر باہم دست و گریبان ہو رہے ہیں۔ قومی اِتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لئے کبھی سیاست سے کام لیا جاتا ہے اور کبھی مذہبی لباس پہن کر عوام الناس کو دھوکہ دیا جاتا ہے۔ خدا تعالےٰ نے ہمیں مملکت پاکستان جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی ہے جو قومی اِتحاد کی وجہ سے معرضِ وجود میں آئی۔ اسکو قائم رکھنے کیلئے بھی اتحاد اتنا ضروری ہے جسقدر اسکو وجود میں لانے کیلئے تھا۔

"پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ"

کا نعرہ جو مسلمانوں میں بلند ہوا اس کی آواز آج بھی کانوں میں گونج رہی ہے۔ مگر افسوس کہ اس پر عمل نہیں ہو رہا۔

### کلمہ طیّبہ جو مسلمان ہونے کے لئے اوّلین شرط ہے

اس کلمہ کے اپنا لینے کے بعد انسان دوسرے تمام غیر مسلم برادری سے نکل کر مسلمان معاشرے میں منسلک ہو جاتا ہے۔ جملہ مصنوعی عداوتوں سے اپنا تعلق توڑ لیتا ہے۔ اپنی برادری سے اپنے غلط اعتقادات سے اور اپنی غلط روایات سے الگ ہو کر اسلامی رشتہ سے اپنا پیوند استوار کرتا ہے۔ ان حالات کے باوجود اگر ایسے کلمہ گو کو کافر اور مشرک کہا جائے یا اسے کلمہ طیّبہ کا عملی رنگ ادا کرنے کے لئے مساجد سے روکا جائے اور اس امر پر قرآن کریم سے دلائل پیش کئے جائیں، تو اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ؎

گر بدیں نمط قرآن خوانی + ببری رونق مسلمانی

---

## جَلْسَہ سیرت النّبیؐ صلعم۔ (بقیہ صفحہ ۹)

آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۱۶۰۔۱۶۱

"وہ اعلیٰ درجہ کا نُور جو انسان کو دیا گیا۔ یعنی انسان کامل کو وہ ملائک میں نہیں تھا۔ نجوم میں نہیں تھا۔ قمر میں نہیں تھا۔ آفتاب میں نہیں تھا۔ وہ زمین کے سمندروں اور دریاؤں میں بھی نہیں تھا۔ وہ لعل اور یاقوت اور زمرّد اور الماس اور موتی میں نہیں تھا۔ غرض وہ کسی ارضی چیز اور سماوی میں نہیں تھا صرف انسان میں تھا یعنی انسانِ کامل میں جس کا اتم اور اکمل اور اعلیٰ اور ارفع فرد ہمارے سیّد و مولیٰ سیّد الانبیاء۔ سیّد الاتقیاء۔ محمّد مصطفٰے صلّے اللہ علیہ وسلّم ہیں۔ سو وہ نُور انسان کو دیا گیا۔"

کتاب البریّہ صفحہ ۱۵۵۔۱۵۷ حاشیہ

محمدؐ است امام و چراغ ہر دو جہاں + محمدؐ است فروزندۂ زمین و زماں

خدا نگویمش از ترسِ حق مگر بخدا + خدا نما است وجودش برائے عالمیاں

برکات الدُعا صفحہ ۱۰

وہ جو عرب کے بیابان مُلک میں ایک عجیب ماجرا گذرا۔ کہ لاکھوں مُردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے اور پشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے۔ اور آنکھوں کے اندھے بینا ہو گئے اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہو گئے۔ اور دنیا میں ایک دفعہ ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سُنا۔ کچھ جانتے ہو وہ کیا تھا؟ وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعائیں ہی تھیں جنہوں نے دُنیا میں شور مچا دیا۔ اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اس اُمّی بےکس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔

کہتے ہیں یورپ کے ناداں یہ نبی کامل نہیں<br>
وحشیوں میں دین کا پھیلانا یہ کیا مشکل تھا کار<br>
پر بنانا آدمی وحشی کو ہے اک معجزہ<br>
معنیٔ رازِ نبوّت ہے اسی سے آشکار<br>
نُور لائے آسماں سے خود بھی وہ اک نُور تھے<br>
قوم وحشی میں اگر پیدا ہوئے کیا جائے عار<br>
روشنی کی مہر تاباں کی بھلا کیا فرق ہو<br>
گرچہ نکلے روم کی سرحد سے یا از زنگ بار"۔

---

خط وکتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ دیں۔ (مینیجر)

از مولوی محمد علی صاحب مبلغ ڈیرہ غازی خاں

# مقام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

## علوم ربّانی میں سب نبیوں سے بڑھ کر آنحضرت سب سے اعرف و اعلم

(بقیہ قسط نمبر ۱۶)

صرف و نحو، طبعی، فلسفہ، ہیئت و طبابت پڑھنے والے کے واسطے یہ ضروری امر نہیں ہے کہ وہ صوم و صلوٰۃ کا پابند ہو۔ اوامر الٰہی اور نواہی کو ہر وقت مدِ نظر رکھتا ہو۔ اپنے ہر فعل و قول کو اللہ تعالےٰ کے احکام کی حکومت کے نیچے رکھے بلکہ بسا اوقات کیا عموماً دیکھا گیا ہے کہ دنیوی علوم کے ماہر اور طلبگار دہریہ منش ہو کر ہر قسم کے فسق و فجور میں مبتلا ہوتے ہیں۔ آج دنیا کے سامنے ایک زبردست تجربہ موجود ہے۔ یورپ اور امریکہ باوجودیکہ وہ ارضی علوم میں بڑی بڑی ترقیاں کر رہے ہیں اور آئے دن نئی نئی ایجادات کرتے رہتے ہیں لیکن ان کی روحانی اور اخلاقی حالت بہت کچھ قابلِ شرم ہے۔ لندن کے پارکوں اور پیرس کے ہوٹلوں کے حالات جو کچھ شائع ہوئے (ہیں) ہم تو ان کا ذکر بھی نہیں کر سکتے۔ مگر علومِ آسمانی اور اسرارِ قرآنی کی واقفیت کے لئے تقویٰ پہلی شرط ہے۔ اس میں توبۃ النصوح کی ضرورت ہے۔ جب تک انسان پوری فروتنی اور انکساری کے ساتھ اللہ تعالےٰ کے احکام کو نہ اُٹھالے اور اس کے جلال اور جبروت سے لرزاں ہو کر نیاز مندی کے ساتھ رجوع نہ کرے۔ قرآنی علوم کا دروازہ نہیں کھل سکتا۔ اور رُوح کے ان خواص اور قویٰ کی پرورش کا سامان اس کو قرآن شریف سے نہیں مل سکتا۔ جس کو پاکر روح میں ایک لذت اور تسلی پیدا ہوتی ہے قرآن شریف اللہ تعالےٰ کی کتاب ہے اور اس کے علوم خدا کے ہاتھ میں ہیں۔ پس اس کے لئے تقوےٰ بطور نردبان کے ہے۔ پھر کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ بے ایمان شریر، خبیث النفس۔ ارضی خواہشوں کے اسیر ان سے بہرہ ور ہوں۔ اس واسطے اگر ایک مسلمان کہلا کر خواہ وہ صرف و نحو۔ معانی و بدیع وغیرہ علوم کا کتنا ہی بڑا فاضل کیوں نہ ہو، دنیا کی نظر میں شیخ الکل فی الکل بنا بیٹھا ہو لیکن اگر تزکیہ نفس نہیں کرتا، قرآن شریف کے علوم سے اس کو حصہ نہیں دیا جاتا۔ .... یہ سچی بات ہے اور مَیں تمہیں بتاتا ہوں کہ چالاکی سے علوم القرآن نہیں آتے۔ دماغی قوت اور ذہنی ترقی قرآنی علوم کو جذب کرنے کا اکیلا باعث نہیں ہو سکتا۔ اصل ذریعہ تقوےٰ ہی ہے متقی کا معلّم خدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبیوں پر اُمیّت غالب ہوتی ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی لئے اُمّی بھیجا کہ باوجودیکہ آپؐ نے نہ کسی مکتب میں تعلیم پائی اور نہ کسی کو استاد بنایا۔ پھر آپ نے وہ معارف اور حقائق بیان کئے جو دنیوی علوم کے ماہروں کو دنگ اور حیران کر دیا۔ قرآن شریف جیسی پاک۔ کامل کتاب آپ کے لبوں پر جاری ہوئی۔ جس کی فصاحت و بلاغت نے سارے عرب کو خاموش کرا دیا۔ وہ کیا بات تھی جس کے سبب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علوم میں سب سے بڑھ گئے، وہ تقویٰ ہی تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مطہر زندگی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ قرآن شریف جیسی کتاب وہ لائے جس کے علوم نے دنیا کو حیران کر دیا۔ آپؐ کا امی ہونا ایک نمونہ اور دلیل ہے اس امر کی کہ قرآنی علوم یا آسمانی علوم کے لئے تقوےٰ مطلوب ہے نہ دنیوی چالاکیاں۔[9]

(۱) ووالله ان كتابنا بحر الهدى
وتالله ان نبيّنا متبقّر

(۲) ويبقى الى يوم القيامة دينه
له ملّة بيضاء لا تتغيّر

(۳) ونؤثر فى الدارين سنن رسولنا
وسنّة خير الرسل خير و ازهر

(۴) ووالله يُثنى فى البلاد امامنا
امام الانام المصطفى المتخيّر

ترجمہ:(۱) اور اللہ کی قسم ہماری کتاب یعنی قرآن کریم ہدایت کا سمندر ہے اور اللہ کی قسم ہمارا نبی کثیر العلم ہے۔

(۲) آپؐ کا دین قیامت تک باقی رہے گا۔ اور آپؐ کی ملتِ بیضا کبھی تغیر پذیر نہیں ہوگی۔

(۳) ہم دونوں جہان میں اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنتوں کو ترجیح دیتے ہیں اور خیر الرسل کی سنت بہتر اور افضل ہے۔

(۴) اور اللہ کی قسم ہمارے امام کی جو ساری دنیا کا امام اور برگزیدہ اور پسندیدہ فرد ہے تعریف کی جائے گی۔

(۱) آنقدرِ شیرِ علم نوشیدہ + کہ ز ناخن بروں ترا دیدہ

(۲) علم مکتب نخواند خط ننوشت + قادرش از ازل بعلم سرشت

(۳) ایزدش در ہمہ علوم افزود
بر جانش صد الصلوٰۃ و درود (درِ مکنون ص۱۳۷)

ترجمہ:(۱) آپؐ نے اس قدر علمِ الٰہی کا دودھ نوش فرمایا کہ وہ ناخن سے باہر نکل آیا۔

(۲) آپؐ نے کسی مکتب میں نہ پڑھا نہ لکھنا سیکھا۔ خدائے قادر نے ازل سے ہی آپؐ کی سرشت میں علم رکھ دیا تھا۔

(۳) خدا تعالےٰ نے آپؐ کو سب علوم میں برتری عطا فرمائی تھی آپؐ پر ہمیشہ خدا تعالےٰ کا درود و سلام ہو۔

---

[9] ملفوظاتِ احمدیہ جلد اول صفحہ ۲۲۴۔

---

## الحاج حافظ چوہدری محمد حسن صاحب چیمہ ایڈووکیٹ گجرات کی وفات

احباب کرام کو یہ سُن کر صدمہ ہوگا کہ ہماری جماعت کے مخلص، پُر جوش رکن چوہدری محمد حسن چیمہ مورخہ ۳ را پریل کی صبح کو وفات پا گئے۔ اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون۔ آپ کافی عرصہ سے بیمار چلے آ رہے تھے۔ اور اپنے صاحبزادے احمد پرویز کے پاس راولپنڈی میں مقیم تھے۔ اور وہیں فوت ہوئے۔ اسی روز جنازہ گجرات لایا گیا۔ جس میں کثیر تعداد میں غیر از جماعت دوستوں نے شرکت کی۔

مرکزی جماعت لاہور، نیز جماعت راولپنڈی اور سیالکوٹ سے بھی بعض احباب نے جنازہ میں شرکت فرمائی۔ (مفصل آئندہ)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور —— مورخہ ۷ / اپریل ۱۹۷۶ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ —— شمارہ نمبر ۱۴

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۳ | یوم چہارشنبہ ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ ۔ مطابق ۱۴ اپریل ۱۹۷۶ء | نمبر ۱۵

# ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

## ہماری جماعت کو سرسبزی نہیں آئیگی جب تک وہ آپس میں سچی ہمدردی نہ کریں

اخلاق قوتوں کو وسیع کیا جائے اور یہ تب ہوتا ہے کہ ہمدردی، محبت اور عفو و کرم کو عام کیا جائے اور تمام عادتوں پر رحم، ہمدردی اور پردہ پوشی کو مقدم کیا جائے ۔ ذرا ذرا سی بات پر ایسی سخت گرفتیں نہیں ہونی چاہئیں جو دلشکنی اور رنج کا موجب ہوتی ہیں ۔ ہماری جماعت کو سرسبزی نہیں آئے گی ۔ جب تک وہ آپس میں سچی ہمدردی نہ کریں جن کو پوری طاقت دی گئی ہے ۔ وہ کمزور سے محبت کرے ۔ میں جو یہ سنتا ہوں کہ کوئی کسی کی لغزش دیکھتا ہے تو وہ اس سے اخلاق سے پیش نہیں آتا ۔ بلکہ نفرت اور کراہت سے پیش آتا ہے ۔ حالانکہ چاہیئے تو یہ کہ اس کے لئے دعا کرے ، محبت کرے اور اسے نرمی اور اخلاق سے سمجھائے ۔ مگر بجائے اس کے کینہ میں زیادہ ہوتا ہے ۔ اگر عفو نہ کیا جائے ، ہمدردی نہ کی جائے تو اس طرح بگڑتے بگڑتے انجام بد ہو جاتا ہے ۔ خدا تعالیٰ کو یہ منظور نہیں ۔ جماعت تب بنتی ہے کہ بعض، بعض کی ہمدردی کرے ۔ پردہ پوشی کی جائے ..... دیکھو ایک دوسرے کا شکوہ کرنا ، دلآزاری کرنا اور سخت زبانی کرکے دوسرے کے دل کو صدمہ پہنچانا اور کمزوروں اور عاجزوں کو حقیر سمجھنا سخت گناہ ہے ۔ اب تم میں ایک نئی برادری اور نئی اخوت قائم ہوئی ہے پچھلے سلسلے منقطع ہو گئے ہیں ۔ خدا تعالےٰ نے یہ نئی قوم بنائی ہے ۔ جس میں امیر، غریب بچے، جوان، بوڑھے ، ہر قسم کے لوگ شامل ہیں ۔ پس غریبوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے معزز بھائیوں کی قدر کریں اور عزت کریں اور امیروں کا فرض ہے کہ وہ غریبوں کی مدد کریں ۔ ان کو حقیر اور ذلیل نہ سمجھیں کیونکہ وہ بھی بھائی ہیں ۔ گو باپ جدا جدا ہوں مگر آخر تم سب کا روحانی باپ ایک ہی ہے اور وہ ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں ۔

## میرا دوست اور عزیز کون ہے؟

میرا دوست کون ہے ؟ اور میرا عزیز کون ہے ؟ وہی جو مجھے پہچانتا ہے ؟ وہی جو مجھ پر یقین رکھتا ہے ؟ کہ میں بھیجا گیا ہوں اور مجھے اس طرح قبول کرتا ہے جس طرح وہ لوگ قبول کئے جاتے ہیں جو بھیجے گئے ہوں ۔ دنیا مجھے قبول نہیں کر سکتی کیونکہ میں دنیا میں سے نہیں ہوں ۔ مگر جن کی فطرت کو اس عالم کا حصہ دیا گیا ہے وہ مجھے قبول کرتے ہیں اور کریں گے ۔ جو مجھے چھوڑتا ہے وہ اس کو چھوڑتا ہے جس نے مجھے بھیجا اور جو مجھ سے پیوند کرتا ہے ۔ وہ اس سے کرتا ہے جس کی طرف سے میں آیا ہوں ۔ میرے ہاتھ میں ایک چراغ ہے ۔ جو شخص میرے پاس آتا ہے وہ ضرور اس سے روشنی لے گا ۔ لیکن جو شخص وہم اور بد گمانی سے دور بھاگتا ہے وہ ظلمت میں ڈال دیا جائے گا ۔ اس زمانہ کا حصن حصین میں ہوں جو مجھ میں داخل ہوتا ہے وہ چوروں، قزاقوں اور درندوں سے اپنی جان بچائے گا ۔ مگر جو شخص میری دیواروں سے دور رہنا چاہتا ہے ، ہر طرف سے موت اس کو درپیش ہے اور اس کی لاش بھی سلامت نہیں رہے گی ۔ مجھ میں کون داخل ہوتا ہے ؟ وہی جو بدی کو چھوڑتا اور نیکی کو اختیار کرتا ہے ۔ اور کجی کو چھوڑتا اور راستی پر قدم مارتا ہے اور شیطان کی غلامی سے آزاد ہوتا اور خدا تعالےٰ کا ایک بندۂ مطیع بن جاتا ہے ۔ ہر ایک جو ایسا کرتا ہے وہ مجھ میں سے ہے اور میں اس میں ہوں ۔ مگر ایسا کرنے پر فقط وہی قادر ہوتا ہے جس کو خدا تعالےٰ نفس زکی کے سایہ میں ڈال دیتا ہے ۔ تب وہ اس کے نفس کے دوزخ کے اندر اپنا پیر رکھ دیتا ہے ۔ تو وہ ایسا ٹھنڈا ہو جاتا ہے کہ گویا اس میں کبھی آگ نہیں تھی ۔ تب وہ ترقی پر ترقی کرتا ہے ۔ (فتح اسلام)

جناب ممتاز احمد فاروقی صاحب

# بیکس اور مضطرب انسانی آوازیں

## یعنی ہندوستانی مسلمان

تخلیق پاکستان سے پہلے۔ مسٹر خالد لطیف گابا (جو ہندو سے مسلمان ہوئے تھے) لاہور کی سوسائٹی میں ایک خاص حیثیت رکھتے تھے۔ اُن کے اسلام لانے میں ہماری لاہور کی احمدیہ جماعت کے لٹریچر نے خاص کام کیا تھا، اس لئے مسٹر گابا ہماری جماعت کے بزرگوں سے ملتے جلتے رہتے تھے۔ ایک گروپ فوٹو جو ہماری جماعت کے بزرگوں اور مسٹر گابا نے کھچوایا تھا۔ اس کی کاپی صفحہ ۱۹۰ کتاب "مجاہد کبیر" پر دیکھی جا سکتی ہے۔ پاکستان بننے پر مسٹر گابا بھارت چلے گئے تھے کیونکہ وہ دو قومی نظریئے کے مخالف تھے۔ مگر جو کتاب 'PASSIVE VOICES' کے نام سے مسلمانانِ ہندوستان کے حالات پر مبنی انہوں نے ۱۹۷۳ء میں لکھی ہے اس میں انہوں نے اقرار کیا ہے کہ ہندوستان میں ہندوؤں کی بیس سالہ حکومت کے نظارے دیکھنے کے بعد وہ اپنی پہلی غلطی کا اقرار کرتے ہیں۔ ابھی پچھلے دنوں وہ پاکستان کے دورے پر آئے ہوئے تھے۔ آپ نے اپنے پرانے دوستوں سے ملاقات کی اور اخبارات میں بیانات بھی دیئے۔ اپنی کتاب میں جو حالات ہندوستانی مسلمانوں کے انہوں نے لکھے ہیں وہ ایسے افسوسناک اور دردناک ہیں کہ پڑھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ میں نے انگریزی میں اس کتاب پر ریویو لکھ کر اخبار "لائٹ" لاہور کو بھیجا ہے۔ ہر جگہ کانگریسی ہندو حکومت نے مسلمانوں کو نیچا دکھانے اور ان کے حقوق سے محروم رکھنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔ ہندوستان کی آبادی قریباً پچپن کروڑ (۱۹۶۱ء کی مردم شماری) ہے۔ اس میں سے مسلمانوں کی آبادی چھ کروڑ ہے مگر لوک سبھا کی ۵۸۰ نشستوں میں سے مسلمانوں کو صرف ۱۸۲ نشستیں مل سکی ہیں۔ بھارتی گورنمنٹ کی بڑی ۸۲ وزارتوں میں سے صرف ۱۰ ایسی وزارتیں ہیں ان میں اکا دکا جونیئر مسلمان افسر نظر آتے ہیں،

سنٹرل گورنمنٹ سیکرٹریٹ میں ۱۸ ہزار کلرکوں۔ ٹائپ کرنے والوں اور آفس سپرنٹنڈنٹوں میں صرف ۸۲ مسلمان ملازم ہیں (۱۹۷۰ میں) مسلمان پولیس اور فوج کے لئے زیادہ موزوں ہوتے ہیں۔ مگر انڈین پولیس سروس میں ۱۹۴۸ء سے لے کر ۱۹۶۵ء کے مقابلے کے امتحانوں میں ۷۸۳ افسر لئے گئے جن میں مسلمان صرف ۱۳ تھے۔ اس وقت اس سروس کے ۱۲۷۹ افسروں میں سے صرف ۴۳ مسلمان ہیں۔ فوج میں سینئر مسلمان افسروں کا فقدان ہے۔ نیوی اور ہوائی فوج میں کوئی مسلمان افسر نہیں۔ دوسرے محکموں میں حال اس سے بھی ابتر ہے۔ مسلمانوں کی اُردو زبان کو سرکاری زبان کے طور پر تسلیم نہیں کیا جاتا۔ دفتروں سکولوں اور سرکاری عدالتوں میں اُردو غائب ہے۔ مسلمان طالبعلموں کو بہت مشکلات درپیش ہیں وہ اچھی ڈگریاں بھی حاصل کر لیں تو بھی ان کو سرکاری ملازمتیں تو درکنار دوسری اچھی ملازمتیں بھی نہیں دی جاتیں۔ بیچارے جائیں تو کہاں جائیں۔ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت تبھی ہو سکتی ہے جب ان کو جداگانہ حق نیابت یا مخصوص نشستیں دی جائیں۔ ؎

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
گھٹ کے مر جاؤں یہ مرضی میرے صیاد کی ہے

علیگڑھ مسلم یونیورسٹی اور عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد جو کہ پہلے خود مختار تھیں اور کافی اختیارات رکھتی تھیں۔ اب مختلف طریقوں سے اُن کے سب حقوق چھین کر ان کو غیر مسلم بورڈ آف ڈائرکٹرز کے ماتحت کر دیا گیا ہے۔ تمام بڑے بڑے اخبارات اور رسالے ہندوؤں کی ملکیت ہیں۔ مسلمانوں کی شکایات اور مطالبات کو شائع نہیں کیا جاتا۔ بلکہ بعض اخبارات مثلاً ملاپ۔ پرتاپ۔ بلٹز۔ آرگنائیزر اور مدر انڈیا۔ اُلٹے مسلمانوں کے برخلاف پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں۔ ہندوؤں کی متعصب اور پولیٹیکل جماعتیں مثلاً جن سنگھا اور راشٹریہ سیوک سنگھا ہمیشہ موقع ڈھونڈتی رہتی ہیں کہ جھوٹی افواہیں اُڑا کر مسلمانوں کے برخلاف فساد کروا دیں ۱۹۶۴ء میں کلکتہ کے نواح میں۔ اور جمشید پور بہار اور دوایلکا (اڑیسہ) میں فساد کروا کر سینکڑوں مسلمان مردوں۔ عورتوں اور بچوں کو شہید کر ڈالا۔ اور ان کے گھر اور دوکانیں جلا دیں۔ پھر ۱۹۶۹ء میں احمد آباد میں اور بھیونڈی (مہاراشٹرہ میں) جو مسلمانوں کے برخلاف فسادات ہوئے ان میں ہزاروں مسلمانوں کو اذیت دے دے کر مارا گیا۔ ان کے جلتے ہوئے گھروں میں مسلمان عورتوں اور بچوں کو زندہ جلا دیا گیا۔ صرف احمد آباد میں مسلمانوں کا ۵۰ کروڑ کا مالی نقصان اور کم از کم چار ہزار موتیں ہوئیں۔ ان فسادوں میں ہندوستانی پولیس بھی غنڈوں کے ساتھ شامل ہو گئی تھی بعد میں گورنمنٹ نے معاملہ کو دبا دیا اور کوئی صحیح انکوائری بھی نہیں کروائی گئی۔ اخباروں میں نقصانات کو شائع نہیں ہونے دیا۔

**مسلم مجلس** } ۲۸ فروری ۱۹۷۰ء کو پہلی دفعہ مسلمانوں کی نو انجمنوں اور سوسائٹیوں نے مل کر ایک "مسلم مجلس" قائم کی تاکہ مسلمانوں کو براہِ راست پالیٹکس میں حصہ لینے کا موقع ملے۔ اب تک تو دوسری غیر مسلم جماعتوں نے اُن سے فائدہ اُٹھایا۔ اور بعد میں دغا دے گئے۔ اس "مسلم مجلس" کا کیا اثر اور فائدہ مسلمانوں کو پہنچتا ہے یہ مستقبل کی بات ہے۔ یہ مجلس U.P (یو۔پی) میں قائم کی گئی ہے۔ ریاست جموں اور کشمیر کے جو حالات ہیں اُن سے تو پاکستان کے مسلمان باخبر ہیں، کشمیر کا معاملہ اور تصفیہ (ہندوستان اور پاکستان) کے درمیان ابھی تک زندہ اور تصفیہ طلب ہے۔ اور مسلمان تبھی دم لیں گے جب کشمیر کے مسلمانوں کو ان کا حقِ خود ارادیت مل جائے گا۔

**کیرالا (KERALA)** یہ صوبہ پرانا ٹراونکور اور کوچین کا علاقہ جنوبی ہندوستان میں ہے۔ یہ چھوٹا سا صوبہ ہے مگر اس کی آبادی دو کروڑ بیس لاکھ ہے جن میں ہندو ایک کروڑ۔ عیسائی ۳۵ لاکھ۔ مسلمان تیس لاکھ سے زیادہ ہیں۔ یہاں کے لوگوں میں تعلیم عام ہے اور تعلیم یافتہ عورتیں۔ تعلیمیافتہ مردوں سے زیادہ ہیں۔ یہاں کے لوگ بڑے سمجھدار اور پالیٹکس کو سمجھنے والے ہیں۔ مگر یہاں کے ہندوؤں میں متفرق فرقے آپس میں برسرِ پیکار رہتے ہیں۔ برہمن اور غیر برہمن کا مقابلہ رہتا ہے۔ اس وجہ سے عیسائیوں اور مسلمانوں کو اپنی ووٹوں سے پورا فائدہ اُٹھانے کا موقع مل جاتا ہے۔ اور یہ ایک ہی صوبہ ہے جہاں مسلم لیگ الیکشن میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہے اور ان کے نمائندے نہ صرف کیرالا کی اسمبلی میں بلکہ لوک سبھا میں بھی صوبے کی طرف سے جاتے ہیں۔ اور ان کی صوبے میں اتنی پوزیشن ہے۔ کہ جو صوبے کی گورنمنٹ بنتی ہے اس میں بھی یہ شامل ہوتے ہیں۔ چنانچہ مسٹر محمد کویا گورنمنٹ میں ہوم منسٹر کی اہم پوسٹ پر فائز رہے ہیں۔ اور کیرالا کی ۱۳۴ نشستوں والی اسمبلی میں صرف مسلم لیگ کی ۱۲ سیٹیں ہیں۔

اس صوبے میں ملا پورم (MALLA PURAM) ایک ضلع ہے جس میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ کیرالا کی اہم زبان ملایالم MALAYALAM اس کیرالا کی ریاست میں ایک فرقہ (ہندوؤں میں سے) ایزاوا (EZHAVAS) ہے یہ لوگ تعداد میں بھی کافی ہیں اور تعلیم یافتہ بھی ہیں مگر برہمنوں سے بڑی مار کھاتے ہیں۔ اور مسلمانوں اور عیسائیوں کو اُن سے بہتر سمجھتے ہیں۔ اور اپنے فرقے کی قدیم بندشوں سے گھبرا کر اُن میں سے بہت سے مسلمان اور عیسائی مذہب اختیار کر کے اپنے آپ کو آزاد تصور کرتے ہیں۔

**تبلیغِ اسلام** } ہماری لاہور کی احمدیہ جماعت کے لئے پاکستان میں تبلیغ کا میدان بہت تنگ ہو گیا ہے اور بیرونی ممالک میں

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۲)

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مورخہ ۱۴ اپریل ۱۹۷۶ء

# "ابّا جان! امام مہدی کب آئیں گے؟"

ہفت روزہ "افریشیا" کا ۱۱ مارچ سے ۱۸ مارچ تک کا شمارہ ہمارے سامنے ہے۔ اس کے سرورق پہ ایک کارٹون ہے (جس کا عکس قارئین کرام کے سامنے ہے) جس کا قلمی خاکہ کچھ ان الفاظ میں کھینچا جا سکتا ہے۔ تصویر میں ایک مولوی صاحب ہیں۔ ریش مبارک مقفیٰ اور مسجع۔ سر کے بال کندھوں سے ذرا اُوپر۔ اور سر پہ باریک سفید کپڑے کی ٹوپی۔ آنکھوں پہ ذرا سا چشمہ۔ گلے میں شیروانی۔ بائیں کندھے پہ دھاری دار چیک کا رومال پاجامہ ٹخنوں سے خاصا اُوپر۔ پاؤں میں بڑے بڑے کھلے ہوئے تسموں والے بوٹ۔ دائیں ہاتھ میں ایک لمبی سی تسبیح رولتے چلا رہے ہیں۔ ان کے پیچھے پیچھے ان کا صاحبزادہ ہے دائیں ہاتھ کو اُوپر کے کونے میں دیوار پہ دو اشتہار چسپاں ہیں۔ ذرا اُوپر والے اشتہار میں لکھا ہے "امام کعبہ ۳ مارچ کو تشریف لا رہے ہیں" دائیں طرف ذرا نیچے دوسرے اشتہار میں ہے "امام مسجد نبویؐ کی آمد۔ جمعہ کو شاہی مسجد میں نماز پڑھائیں گے"۔ پس منظر میں مسجد دکھائی گئی ہے۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ یہ دونوں اشتہار پڑھ کر صاحبزادہ تعجب سے پُوچھتا ہے "ابا جان امام مہدی کب آئیں گے!" یعنی دو امام تو آچکے۔ اب ان کی کسر رہ گئی ہے۔ ابا جان بے چارے جواب تو کیا دیتے البتہ ان کی شکن آلود جبین مُبارک اور چہرے کے تاثرات سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ وہ سعادت مند بیٹے کے اس متعجبانہ سوال سے ایک اُلجھن۔ اضطراب اور پریشانی کا شکار ہیں آخر بتائیں تو کیا بتائیں۔ جواب دیں تو کیا جواب دیں۔

ہو سکتا ہے اس تصویری زبان میں کسی پہ پھبتی اُڑائی گئی ہو یا کسی سے ہنسی اور مذاق کیا گیا ہو۔ مگر ہمیں تو اس کے خطوط و نقوش کے ہر پیچ و خم کے پس پردہ ایک ذہنی کشمکش اور اعصابی کھچاؤ۔ قلبی اضطراب، خیالات کے اُلجھاؤ اور یاس و نا اُمیدی کا وہ احساس دکھائی دیتا ہے جو فسق و فجور۔ گناہ و عصیان اور ہوائے نفس کی تاریک راہوں پر بڑی تیز رفتاری سے دوڑتے ہوئے انسانوں کے پریشان پریشان چہروں اور ویران ویران سی آنکھوں سے ٹپکتا ہے۔ جب روحانی اور اخلاقی اقدار کو بڑی بے دردی سے مادہ پرستی کے ہاتھوں پامال کیا جا رہا ہو تو تباہی دروازے پہ کھڑی دستک دے رہی ہوتی ہے۔ ازمنہ قدیم سے مختلف تہذیبوں کے عروج و زوال کی کہانی بڑی دردناک بھی ہے اور سبق آموز بھی مگر صرف اُن کے لئے جنہیں بصارت کے ساتھ بصیرت بھی نصیب ہو اور ایسے ہمیشہ سے بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ زمانہ کے اوراق پلٹ کے دیکھ لیجئے۔

"ابا جان! امام مہدی کب آئیں گے؟" یہ تصویر میں ایک بچے کی نہیں بلکہ ہر بے قرار و بے چین دِل کی آواز ہے جن تصوّرات کا تسلّط ایک بچے کے حسّاس ذہن پر ہو ان کے پھیلاؤ کا اندازہ ہم نہیں لگا سکتے۔ ساری اسلامی دُنیا آج ایک صدی سے اپنی مشکلات و مصائب کے حل کے لئے اُوپر سے نازل ہونے والے کسی نجات دہندہ کے انتظار میں آسمان کی طرف نگاہیں لگائے بیٹھی ہے۔ وہ مجدّد ہو یا محدّث۔ مہدی ہو یا مسیح۔ نہ آنا تھا نہ آیا اسی انتظار میں ۹۶ سال گذر گئے اور صرف چار سال باقی ہیں۔ کیا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجدّد۔ مہدی اور مسیح کے بارہ میں وہ ساری حدیثیں نعوذ باللہ جھوٹی تھیں؟ اگر ایسا ہی تھا تو آج گیارہ بارہ سو سال سے یہ موضوع احادیث صحاح ستہ میں کیوں مسلسل اور متواتر چلی آ رہی ہیں؟ انہیں نکال پھینکنا چاہیئے تھا۔ نہ یہ ہوتیں اور نہ کوئی دعوےٰ کر سکتا۔ اگر اَب بھی موجود ہیں اور موجود رہیں گی تو پھر چودھویں صدی کا مجدّد۔ مہدی اور مسیح کہاں گیا؟ یہ ہر شخص سوچنے پہ مجبور ہے

اگر ہم سے پُوچھا گیا ہوتا تو ہم یہی جواب دیتے کہ بیٹا! آنے والا آیا اور چلا گیا۔ اَب انتظار عبث ہے۔ تعصّب اور دشمنی نے دُنیا کی آنکھوں پہ پٹی باندھ دی اور کانوں میں روئی ٹھونس دی۔ نہ وہ اسے شناخت کر سکی۔ نہ اس کی آواز سُن سکی۔ آج سے تقریبًا ایک صدی پہلے بھی ہر بچے۔ جوان۔ بوڑھے۔ عورت اور مرد کی زبان پہ یہی سوال تھا "امام مہدی کب آئیں گے؟" جس اضطراب بے چینی اور تڑپ سے اس کا انتظار ہو رہا تھا وہ ان اشعار سے عیاں ہے :-

یا صاحب الزماں بظہورت شتاب کُن۔ (اے زمانے کے امام تو ظاہر ہونے میں جلدی کر)
عالم ز دست رفت تو پا در رکاب کُن۔ (دُنیا ہاتھوں سے نکلی جا رہی ہے تو اسے بچانے کی تیاری کر)
رُوئے زمیں ز کفر و ضلالت تو پاک کُن۔ (رُوئے زمین کو تو کفر و ضلالت سے پاک کر)
اسلام را دوبارہ تو خود کامیاب کُن۔ (اسلام کو تو خود دوبارہ کامیاب کر)

(علی گڑھ گزٹ)

خستہ دلوں کی یہ پُر درد دُعا قبول ہوئی۔ مذہبی دُنیا کے اُفق پر رحمتِ بے پایاں کی ایک بدلی نمودار ہوئی۔ وہ کڑکی۔ گرجی اور برس کر ہزاروں دلوں کی سرسبزی اور شادابی کا موجب ہوئی مگر پتھریلی اور سنگلاخ چٹانیں پیاسی کی پیاسی رہ گئیں، یہ کون تھا وہی مرزا غلام احمد قادیانی :-

"وہ شخص بہت بڑا شخص جس کا قلم سحر تھا اور زبان جادو۔ وہ شخص جو دماغی عجائبات کا مجسمہ تھا۔ جس کی نظر فتنہ اور آواز حشر تھی۔ جس کی اُنگلیوں سے انقلاب کے تار اُلجھے ہوئے

تھے اور جس کی، دو مٹھیاں بجلی کی دو بیٹریاں تھیں۔ وہ شخص جو مذہبی دُنیا کے لئے تیس برس تک زلزلہ اور طوفان رہا جو شور قیامت ہو کے خفتگان خواب ہستی کو بیدار کرتا تھا۔ . . . . یہ نازش فرزندان تاریخ، بہت کم منظرِ عالم پر آتے ہیں اور جب آتے ہیں، دُنیا میں انقلاب پیدا کرکے دکھا جاتے ہیں۔ . . . . . . . . مرزا صاحب کی اس رفعت نے تعلیمیافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کو محسوس کرا دیا کہ اُن کا ایک بڑا شخص ان سے جُدا ہو گیا اور اس کے ساتھ مخالفین اسلام کے مقابلہ پر اسلام کی اس شاندار مدافعت کا جو اس کی ذات سے وابستہ تھی خاتمہ ہو گیا۔"

(مولوی عبداللہ العمادی۔ اخبار وکیل امرتسر)

یہ خراج تحسین" ان کے بعض دعاوی اور بعض معتقدات سے شدید اختلافات کے باوجود" انہیں کیوں پیش کیا گیا اس لئے کہ "مرزا صاحب کا لٹریچر جو مسیحیوں اور آریوں کے مقابلہ پر اُن سے ظہور میں آیا قبول عام کی سند حاصل کر چکا ہے۔ اس لٹریچر کی قدر و عظمت آج جبکہ وہ اپنا کام پُورا کر چکا ہے ہمیں دل سے تسلیم کرنی پڑتی ہے"

اس لئے کہ:۔

"اسلام مخالفین کی یورشوں میں گھر چکا تھا اور مسلمان . . . . . . اپنے تصوروں کی پاداش میں پڑے سسک رہے تھے اور اسلام کے لئے کچھ نہ کرتے تھے یا نہ کر سکتے تھے"

اُس مادی مسیحی دُنیا اسلام کی شمع عرفان حقیقی کو سرراہِ منزل مزاحمت سمجھ کے مٹا دینا چاہتی تھی اور عقل و دولت کی زبردست طاقتیں اس حملہ کی پُشت گری کے لئے ٹوٹی پڑتی تھیں"

حضرت مرزا صاحب کی:

"اس مدافعت نے نہ صرف عیسائیت کے ابتدائی اثر کے پرخچے اُڑائے جو سلطنت کے سایہ میں ہونے کی وجہ سے حقیقت میں اس کی جان تھا اور ہزاروں لاکھوں مسلمان اُس کے اس زیادہ خطرناک اور مستحق کامیابی حملہ کی زد سے بچ گئے بلکہ خود عیسائیت کا طلسم دُھواں ہو کر اُڑنے لگا۔"

"انہوں نے مدافعت کا پہلو بدل کر مغلوب کو غالب بنا کے دکھا دیا ہے اور اگر ہم آج اپنے نئے اور پرانے اختلافات سے قطع نظر کرکے محض اسلام کی خدمت غایت المقصود قرار دے لیں تو یقیناً . . . . . . وہ وقت آ جائے کہ اسلام کی رُوحانی فتوحات سینٹ پال کے گرجا کو مریم و مسیح کی پرستش کی بجائے ایک خدا کی عبادتگاہ بنا دیں اور ناقوسِ کلیسا کے بدلے اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و اشہد ان محمد الرسول اللہ کا نعرہ قدسی فضا میں گونجنے لگے۔"

"اس کے علاوہ آریہ سماج کی زہریلی کچلیاں توڑنے میں مرزا صاحب نے اسلام بہت خاص خدمت انجام دی ہے"

"امید نہیں کہ ہندوستان کی مذہبی دنیا میں اس شان کا شخص پیدا ہو جو اپنی اعلیٰ خواہشیں محض اس طرح مذاہب کے مطالعہ میں صرف کر دے"

یہ اعترافِ حقیقت ایک منصف مزاج غیر از جماعت عالم کا ہے جو اخبار "وکیل" امرتسر کے ایڈیٹر تھے۔

کیا کسرِ صلیب میں کوئی کسر باقی رہ گئی ہے اور آپ کے مہدی ہونے میں کوئی شک و شبہ ہو سکتا ہے ہمیں بڑے دُکھ اور افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج ہر محراب و منبر سے اسی لٹریچر کے ضبط کرانے کے لئے قرار دادیں پاس کروائی جا رہی ہیں جس نے کسرِ صلیب اور قتلِ خنزیر کے لئے تلوار کا کام دیا۔ عیسائیت کے غلبے سے مسلمانوں کو بچایا۔ آریہ دھرم کے بُت کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ اسلام کو ایک زندہ مذہب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک زندہ نبی تسلیم کرایا۔

احمدیوں کو غیر مُسلم قرار دیئے جانے کے فیصلے سے سب سے زیادہ خوشی اور مسرت عیسائیوں کو ہوئی۔ اُن کے گھروں میں گھی کے چراغ جلے۔ اس خوشی اور انبساط میں وہ "مسلمانوں" سے ذرا بھی پیچھے نہیں رہے۔ اُن کی یہ اُمید بر آئی کہ اب بائیبل زندہ ہوگی۔ ہمارا عیسٰی مسیح زندہ ہوگا کیونکہ یہ تو خود مسلمان بھی تسلیم کرتے ہیں وہ زندہ آسمان پر ہیں تو ایک زندہ نبی کو ایک (نعوذ باللہ) مردہ نبی پر ترجیح کیوں نہ ہو۔ یہ منوانا ہمارے لئے آسان ہو جائے گا۔ چنانچہ عیسائیت پھر خم ٹھونک کر میدان میں نکل آئی ہے۔ پاکستان کا کوئی پڑھا لکھا اور بڑے سے بڑا افسر نہیں جس کے پاس بذریعہ ڈاک عیسائیت پر لٹریچر نہ پہنچ رہا ہو۔ ہمیں بھی آ رہا ہے۔ ہر کوچہ و گلی میں ہر چوک اور موڑ پر آپ کو عیسائیت پر لٹریچر تقسیم ہوتا دکھائی دیگا۔ ٹیلیفون پر بھی بات چیت ہوتی ہے۔ روپیہ اور شادی بیاہ کا بھی لالچ دیا جاتا ہے۔ عیسائی جانتے ہیں کہ مسلمان کہلانے والے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ مان کر ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اور نہ اُن میں یہ جرأت ہے۔ ہم ایسے سینکڑوں نام گنوا سکتے ہیں جن کے پہلے اسلامی نام تھے۔ اور اب ان کے ساتھ "مسیح" لگا کر عیسائی نام دیا گیا ہے۔

آپ کا وہ مسیح اور مہدی کیوں آسمان پر بیٹھا مسلمانوں کی حالتِ زار پہ بے بسی اور بے کسی کے آنسو بہا رہا ہے۔ "مسلمانوں" کے لئے اس سے بڑھ کر مشکلات اور مصائب کا کونسا وقت ہوگا کہ مہدی آ کر تلوار چلائے گا اور سب کافروں کو قتل کر دے گا۔ یہودیوں کے ظلم و ستم کے خلاف یہ وا ویلا۔ یہ چیخ و پکار یہ احتجاجی مظاہرے اور یہ آہ و بکا کیوں اس کے کانوں تک نہیں پہنچتی اور اللہ تعالےٰ نے کیوں اور کس مصلحت کے تحت اسے اپنے پاس روک کے رکھا ہے۔

لوگوں سے اپنے آپ کو مجدّد اور مہدی کہلوانے کا شوق رکھنے والے کیوں سینہ سپر ہو کر اس یلغار کا مقابلہ کرنے کے لئے باہر نہیں نکل آتے۔ بچوں کی زبان سے ایسے سوالات کرا کر لوگوں میں مہدی کے لئے جستجو پیدا کرنا اور جب سٹیج تیار ہو جائے تو کسی کو سامنے لا کھڑا کرنا! مگر یہ آسان بات نہیں۔ اسے حدیثِ مجدّد کے مطابق یہ کہنا ہوگا کہ مجھے خدا نے مجدّد اور مہدی بنا کر بھیجا ہے۔ پھر دیکھئے آیت قطع الوتین کے ماتحت اس کا کیا حشر ہوتا ہے، اس شہادت گاہ اُلفت میں قدم رکھنا ہر بوالہوس کا کام نہیں۔ ڈھیروں ڈھیر کتابیں لکھ دینے۔ اپنی کم علمی اور کم فہمی کو مشکل اور غریب الفاظ کی تراکیب میں ڈھالنے۔ حکومت پر قبضہ کرنے کے لئے خفیہ تنظیمیں قائم کرنے اور عوام میں مقبولیت حاصل کرنے کے لئے خلافِ قرآن و سنت افکار کو رواج دینے سے نہ کوئی مہدی یا مجدّد بنا ہے اور نہ ہی بن سکتا ہے۔ اگر حدیث مجدد کے ان الفاظ ان اللہ یبعث کے معنی یہ لئے جائیں کہ مجدد خدا نہیں بناتا لوگ بناتے ہیں تو پھر سورۃ البقرہ کی آیت ۲۱۳ کے ان الفاظ فبعث اللہ النبیین مبشرین و منذرین کے معنی ہوں گے لوگوں نے نبی۔ مبشرین اور منذرین بنائے اور سورۃ المائدہ کی آیت ۳۱ کے ان الفاظ فبعث اللہ غرابا کے معنی ہوں گے کوّوں نے کوّا بنایا یا کوّوں نے کہا یہ کوّا ہے۔

حضرت مرزا صاحب کو مجدّد۔ مہدی اور مسیح موعود تسلیم نہ کرنے کی ضد نے مکفّرین کرام کو قرآن کریم کے معانی میں بھی تحریف کرنے کی جسارت پر آمادہ کر دیا ہے۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔

وہ دن خُدا کے فضل سے دُور نہیں جب خود ساختہ علماء اور مکفّرین کا یہ تارِ عنکبوت سے بنا ہوا جالا ٹوٹ کر رہے گا۔ ملک کے خلاف ان کی سازشیں

از:۔ راہ نورد

# سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تفسیر تفہیم القرآن کا ایک مختصر جائزہ

## قسط نمبر ۱

ان خیالات کو اُس اصول کے تحت جانچئے انہوں نے کتاب و سنّت کو ماخذ احکام مان کر اختلاف کو محمود کہا تھا۔ چاہے مغرب کی تقلید کتنی ہی بُری ہو جب تک کوئی مسلمان قرآن اور سنّت سے اُس پر استدلال کرتا ہے وہ اللہ اور رسول کو ہی آخری سند مان کر اپنے لئے راہ تلاش کرتا ہے اُسے انسانیت کی ایسی ذلیل قسم گردانا جو شاید کہیں نہیں پائی جاتی کوئی اچھا طرز تخاطب نہیں۔ افسوس تو یہ ہے کہ مودودی صاحب ایک طرف تو سب کو دعوت دیتے ہیں کہ اگر ان سے تفسیر میں کہیں کوئی کوتاہی یا غلطی سرزد ہوگئی ہو تو ان کی توجہ اس طرف دلائی جائے دوسری طرف وہ ان تمام لوگوں کو جو انکی بعض مقامات پر کی گئی تفسیر سے متفق نہیں سرے سے مسلمان ہی سمجھنے کو تیار نہیں:۔

"جو شخص کا دل اگر قرآن کی بات پر یقین نہ کرنا چاہتا ہو تو اسے صاف کہنا چاہیئے کہ مَیں اس بات کو نہیں مانتا لیکن یہ بڑی اصولی بزدلی اور علمی خیانت ہے کہ آدمی قرآن کے صاف صاف الفاظ کو توڑ مروڑ کر اپنے من مانے معنی پر ڈھالے. . . . . . . . . یہ قرآن کی تفسیر نہیں بلکہ تحریف اور اس سے بڑھ کر اس کی تغلیط ہے. . . . . . . . . اب اگر کوئی شخص یہ ماننے کے لئے تیار نہیں. . . . . . . تو اُسے صاف صاف کہنا چاہیئے کہ میں قرآن کی اس بات کو نہیں مانتا اپنے عدم ایمان کو اس پردے میں چھپانا کہ قرآن کے صریح اور صاف الفاظ میں اپنے من مانے معنی بھر دیئے جائیں گھٹیا درجے کی منافقت ہے۔"

(تفہیم القرآن جلد سوم صفحہ ۵۶۳ ـ ۵۶۷)

اور یہ سب خطابات ان لوگوں کے لئے ہیں جو "جن" "طیر" "نمل" وغیرہ کے الفاظ جو سورۃ النمل میں آتے ہیں ان کا مجازاً استعمال ہونا بیان کریں نا کہ حقیقتاً۔ حالانکہ خود مودودی صاحب بھی استعارے اور مجاز کے طور پر الفاظ کا استعمال قرآن پاک میں تسلیم کرتے ہیں. اور کہتے ہیں کہ:۔

"حقائق کی سوجھ بوجھ رکھنے والا آدمی تو معنی اور رُوح کو دیکھے گا نہ کہ الفاظ اور اصطلاحات کو" (ایضاً صفحہ ۶۳۸)

لفظوں کا مجازی استعمال تو قرآن میں کئی جگہ ہوا ہے مثلاً سورۃ یٰسٓ میں لینذر من کان حیًا پر مودودی صاحب لکھتے ہیں:۔

" زندہ سے مراد سوچنے اور سمجھنے والا انسان ہے جس کی حالت پتھر کی سی نہ ہو۔"

یا مثلاً:۔

"ہاتھوں کا لفظ اللہ تعالےٰ کے لئے بطور استعارہ استعمال ہوا ہے اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ معاذ اللہ وہ ذات پاک جسم رکھتی ہے اور انسانوں کی طرح ہاتھوں سے کام کرتی ہے"

(تفہیم القرآن جلد چہارم صفحہ ۲۷۰)

یا مثلاً:۔

" واذکر عبدنا داؤد ذالاید (۳۸۔۱۷) اصل الفاظ ہیں ذاالاید. ہاتھوں والا۔ ہاتھ کا لفظ صرف عربی زبان ہی نہیں دوسری زبانوں میں بھی قوّت اور قدرت کے لئے استعارے کے طور پر استعمال ہوتا ہے" (ایضاً صفحہ ۳۲۳)

یہ تو صرف چند مثالیں تھیں۔ انہوں نے اصولاً بھی اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ:۔

"قرآن اگرچہ عربی مبین نازل ہوا ہے لیکن اس کے ساتھ وہ اپنی ایک مخصوص اصطلاحی زبان بھی رکھتا ہے اس نے بکثرت الفاظ کو ان کے اصل لغوی معنی سے ہٹا کر ایک خاص معنی میں استعمال کیا ہے اور بہت سے الفاظ ایسے ہیں جن کو وہ مختلف مواقع پر مختلف مفہومات میں استعمال کرتا ہے"

(تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ)

ایسے بیّن اصول کو قائم کر لینے کے باوجود مودودی صاحب دوسروں پر برس پڑیں تو یہ ان کی زیادتی نہیں تو کیا ہے۔ سورۃ سباء میں حضرت سُلیمانؑ کے عصا کو گھن لگ جانے اور ان کی وفات کے بارے میں مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"موجودہ زمانے کے بعض مفسرین نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ. . . . . . . . گھن سے مراد حضرت سلیمان کے بیٹے کی نالائقی ہے اور عصا سے مراد اُن کا اقتدار ہے اور ان کے مُردہ جسم کے گر جانے سے مراد اُن کی سلطنت کا پارہ پارہ ہو جانا ہے۔ اللہ تعالےٰ کو اگر یہی مضمون بیان کرنا ہوتا تو کیا اس کے لئے عربی مبین میں الفاظ موجود نہ تھے کہ اس ہیر پھیر کے ساتھ اسے بیان کیا جاتا۔ یہ پہیلیوں کی زبان آخر قرآن مجید میں کہاں استعمال کی گئی ہے اور اس زمانے کے عام عرب جو اس کلام کے اوّلین مخاطب تھے یہ پہیلی کیسے بوجھ سکتے تھے۔" (تفہیم القرآن جلد چہارم صفحہ ۱۹۰)

چنانچہ مودودی صاحب کو اُوپر والی تاویلیں پسند نہیں وہ لفظوں کو اُن کے عام معنوں اور اس سے عام اخذ کردہ مفہوم کو ہی صحیح سمجھتے ہیں۔ لیکن جب خود انہیں کوئی ایسی ہی مشکل پیش آتی ہے تو بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اصل لفظوں میں سے کوئی دوسرا پنہاں مضمون نکالنا شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت سلیمان ہی کے ذکر میں آیت و اُوتینا من کلّ شیءٍ پر حاشیہ لکھتے ہیں کہ:۔

"یعنی اللہ کا دیا ہمارے پاس سب کچھ ہے اس بات کو لفظی معنوں میں لینا درست نہیں ہے بلکہ اس سے مراد اللہ کے بخشے ہوئے مال و دولت اور ساز و سامان کی کثرت ہے۔"

(تفہیم القرآن جلد سوم صفحہ ۵۱۱)

اب اگر مودودی صاحب کے نزدیک کسی مقام پر لفظی معنوں میں کوئی مفہوم لینا درست نہیں تو پھر دوسرے مفسرین بھی اگر بعض مقامات کو لفظی معنوں میں نہیں لیتے تو اس پر اعتراض کیسا۔ مودودی صاحب کہتے ہیں کہ قرآن میں پہیلیوں کی زبان کہاں استعمال کی گئی ہے ہم بھی مانتے ہیں کہ قرآن کے کسی مقام کو پہیلیوں کی زبان کہنا نہ صرف غلط ہے بلکہ گستاخی ہوگا مگر مودودی صاحب نے یوں بالواسطہ اُن لوگوں پر طعن کیا ہے جو عصا اور گھن کے لفظی معنوں کو بدل کر اُن سے علاماتی مفہوم اقتدار اور کمزوری کا لیتے ہیں۔ اگر ایسا کرنا پہیلی کی زبان بنا دیتا ہے تو پھر سورۃ التین کی تفسیر میں مودودی صاحب نے والتین والزیتون وطور سینین پر کیوں لکھا کہ:۔

"اس میں شک نہیں کہ ایک عام عربی دان تین اور زیتون کے الفاظ سُن کر وہی معنے لے گا جو عربی زبان میں معروف ہیں لیکن دو وجوہ ایسے ہیں جو یہ معنی لینے میں مانع ہیں ایک یہ کہ آگے طور سینا اور شہر مکہ کی قسم کھائی گئی ہے اور دو پھلوں کے ساتھ دو مقامات کی قسم کھانے میں کوئی مناسبت نظر نہیں آتی ہے" (تفہیم القرآن جلد ششم صـ۳۸۶)

"البتہ یہ طریقہ اہلِ عرب میں رائج تھا کہ جو پھل کسی علاقہ میں کثرت سے پیدا ہوتے ہوں اس علاقے کو بسا اوقات اُس پھل سے موسوم کر دیتے تھے اس محاورہ کے لحاظ سے تین اور زیتون کے الفاظ کا مطلب مناتب تین و زیتون یعنی اُن پھلوں کی پیداوار کا علاقہ ہو سکتا ہے اور اور وہ شام و فلسطین ہے۔ (ایضاً صفہ ۳۸۶)

یعنی اس کا مطلب یہی تو ہوا کہ انجیر اور زیتون کو شام اور فلسطین کے لئے بطور علامت استعمال کیا گیا ہے پھر وہ دوسروں کو یہ حق کیوں نہیں دیتے کہ وہ قرآن پاک کی بعض آیات سے ایسا مفہوم اخذ کریں؟ اسی سورۃ السباء میں مودودی صاحب نے فقالوا ربنا بٰعِدْ بین اسفارنا۔ ("اے ہمارے رب ہمارے سفر کی مسافتیں لمبی کر دے") پر حاشیہ لکھا ہے کہ :۔

"ضروری نہیں ہے کہ انہوں نے زبان ہی سے یہ دُعا کی ہو۔ دراصل جو شخص بھی خدا کی دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے گویا وہ زبان حال سے یہ کہتا ہے کہ خدایا میں ان نعمتوں کا مستحق نہیں ہوں" (صـ۱۹۳ تفہیم القرآن جلد ۴)

طلوع و غروب آفتاب کے وقت نماز سے رُک جانے والی ایک حدیث شریف پر مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ :۔

"اس حدیث میں سُورج کا شیطان کے سینگوں کے درمیان طلوع اور غروب ہونا ایک استعارہ ہے یہ تصوّر دلانے کے لئے کہ شیطان اس کے نکلنے اور ڈوبنے کے اوقات کو لوگوں کے لئے ایک فتنۂ عظیم بنا دیتا ہے" (تفہیم القرآن جلد دوم صـ۶۳۷)

کیا یہاں لفظوں میں پنہاں کسی بہت بڑی حقیقت اور امتحان کا ذکر نہیں جو غروب اور طلوع کے اوقات میں انسان کو فتنہ میں ڈال دیتے ہیں۔

یا مثلاً:۔

"اصل میں لفظ کرسی استعمال ہوا ہے جسے بالعموم حکومت و اقتدار کے لئے استعارے کے طور پر بولا جاتا ہے اُردو زبان میں بھی اکثر کرسی کا لفظ بول کر حاکمانہ اختیارات مراد لیتے ہیں" (تفہیم القرآن جلد اوّل صـ۱۹۵)

جیسا خود مودودی صاحب استعارہ۔ زبانِ حال۔ اور علامت کی زبان کو قرآن پاک اور حدیث میں استعمال ہونا درست سمجھتے ہیں اور اس کو پہیلی کی زبان نہیں کہتے تو پھر دوسروں کو اس تشریح کا طعنہ کیوں دیتے ہیں۔

اس قسم کی جانبداری کی بے شمار مثالیں مودودی صاحب کی تفسیر میں ملتی ہیں۔ نہ صرف یہی بلکہ اس میں سوائے دو ایک مقام کے بیشتر جگہوں پر تو پرانی روش کے ترجمہ اور تفسیر ہی کو درست سمجھا گیا ہے۔ جیسا کہ ہم نے شروع میں عرض کیا تھا مودودی صاحب نے تفسیر تفہیم القرآن لکھنے کی وجہ یہی بیان کی تھی کہ گذشتہ تفسیروں کی بعض خامیوں اور خلاؤں کو پُر کیا جائے اور اگر کوئی کسر پہلے رہ گئی ہے تو وہ دُور کر دی جائے۔ یہ درست ہے کہ ان کی تفسیر میں انبیاء کے واقعات۔ تاریخی نظائر اور دساتیر۔ احکامات اور حدود کے بارے میں بہت لمبی بحثیں درج ہیں۔ عبارت کی چُستی بندش اور وکیلانہ استدلال کی چابکدستی تو ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ اس سے کسی خامی یا کسر کو کماحقہٗ پُورا کر دیا گیا ہے تو یہ درست نہیں۔ انہوں نے نفسِ تفسیر نویسی کے اعتبار سے ایک عام مولوی کی بیان کردہ تفسیر سے بالاتر کوئی محققانہ اضافہ تفسیری ادب میں نہیں کیا۔ ہمارا یہ مطلب نہیں کہ ضرور ہی تشریح و تفسیر کو روایتی نکتۂ نظر سے مختلف ہی ہونا چاہیئے تبھی اسے بہتر یا محققانہ کہا جا سکتا ہے۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ وہ مقصود جس کو حاصل کرنے کے لئے یہ تفسیر لکھنے کی سعی کی گئی ہے وہ پُورا نہیں ہوا۔ کیونکہ تمام وہ غلط کہانیاں۔ تشریحات اور استنباط جن کے سبب ماضی میں مخالفین اسلام نے اسلام۔ قرآن اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراضات کر کے خلقِ خدا کو اسلام کے قریب آنے سے روک دیا تھا اگر اُن کہانیوں۔ تشریحات اور طریقہائے استدلال کو پھر سے درست مان کر صحیح اسلام کی شکل میں پیش کیا جائے اور اُن قباحتوں کو محاسن سمجھ لیا جائے تو اسے کسی خامی کا پُر ہو جانا نہیں کہا جا سکتا۔

یہی نہیں مودودی صاحب کی تفسیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو ہوا تھا اور حضورؐ اس سے متاثر ہوئے تھے۔ (جلد ششم صـ۵۵۳) غزوہ بدر کے اسیروں کو قتل نہ کرنا غلطی تھی اور اسی پر سرزنش ہوئی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ مودودی صاحب کے نزدیک یہاں اہلِ تاویل کی رائے سے ذرا ہٹ کر نبی اکرمؐ کی بجائے مسلمانوں پر ان آیات میں اللہ کا عتاب آ رہا ہے کہ انہوں نے کیوں کفّار کے لوگوں کو اسیر بنایا اور فدیہ طے کر کے چھوڑ دیا حالانکہ حضورؐ نے مشورۂ ابوبکرؓ پر ایسا کیا تھا (جلد دوم صـ۱۵۹) اسی طرح حضرت زینبؓ کی حضرت زید سے طلاق اور حضورؐ سے شادی کے بارے میں بھی مودودی صاحب نے کہا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حضورؐ پر عتاب فرمایا کہ انہوں نے کیوں قصداً زید کو طلاق سے روکا تاکہ وہ اس کام سے بچ جائیں جو اللہ تعالےٰ ان سے کروانا چاہتا تھا یعنی حضرت زینب سے شادی (جلد چہارم صـ۱۱۰) اسی طرح سورہ تحریم کی تفسیر میں انہوں نے ازواج مطہرات کے بارے میں ہونے والے بعض واقعات کا ذکر کیا ہے اور صاف تاثر دیا ہے کہ ازواج میں سے کوئی حضورؐ سے زبان درازی کی مرتکب ہوئی تھیں اور کہ" صرف ایک غبی آدمی ہی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ زبان درازی نہیں" (جلد ششم صـ۲۵) یہ تو صرف وہ چند امور ہیں جن کی طرف ہم نے توجہ دلائی ہے۔

لیکن ہم یہ ضرور کہیں گے کہ ہم نے تفہیم القرآن کو ہرگز اس نظر سے نہیں پڑھا کہ ہم اس میں اختلاف کرنے کے لئے ایسے مقامات تلاش کریں جس پر ہم حرف گیری کر سکیں۔ ایک ایسے اندیشے کو دُور کرنے کے لئے ہم نے اس تفسیر پر خود اس کے داعیوں کے مضامین بھی پڑھے ہیں تاکہ ہمیں اس تفسیر کے محاسن سے آگاہی ہو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی بات ہماری نظر سے اوجھل رہ گئی ہو۔ ہم نے ہفت روزہ آئین لاہور کا خاص "تفہیم القرآن نمبر" بھی دیکھا جس میں کالج کے پروفیسر صاحبان کے مضامین بھی ہیں اور وکلاء صاحبان کے پیغامات بھی۔ جماعتِ اسلامی کے ادیبوں کی نگارشات بھی ہیں اور مولوی صاحبان کی آراء بھی۔ ہمیں علم نہیں کہ بعض بڑے حضرات نے واقعی اتنی طویل تفسیر کو پڑھ کر رائے لکھی ہے ہمارا خیال ہے انہوں نے پڑھ کر ہی رائے ظاہر کی ہوگی لیکن انہوں نے اس کے محاسن کی کوئی نشاندہی نہیں کی۔ حالانکہ رائے ظاہر کرتے وقت ایسا کرنا یقیناً دوسروں کے لئے ممد ہوتا۔

(باقی ۔۔۔ باقی)

## ارشاد حضرت امیر رحمۃ اللہ علیہ :۔

میں آپ سے صرف ایک چیز مانگتا ہوں وہ ہے دلوں کی تڑپ۔ اشاعت قرآن کے لئے ایک تڑپ اپنے دلوں میں پیدا کیجئے خدا کے آگے گریئے اور گڑگڑایئے : کہ ہمارے قلوب میں اس کی خدمت کے سا

# مملکتِ پاکستان کیونکر وجود میں آئی

## اور

## اس کا حقیقی قیام کونسی قومی تبدیلی کا طالب ہے

مملکتِ پاکستان کے وجود میں آنے پر راقم الحروف نے ۱۹۴۸ء میں ایک مضمون اسی اخبار میں شائع کیا تھا جس میں اسلامی سلطنت کے معرضِ وجود میں آنے کے بارہ میں عوامل و اسباب کو بیان کیا تھا۔ اسے من وعن دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے۔ اُس وقت میں نے یہ بھی لکھا تھا کہ دیگر اسلامی ممالک پاکستان بننے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں گے۔ نیز جس اتحادِ اسلامی کی داغ بیل پاکستان میں پڑی ہے یہ لہر دیگر ممالک میں بھی پھیل کر رہے گی۔ چنانچہ گذشتہ چند سال کے اسلامی ممالک کے بعض اقدامات سے [illegible] امر پیچ ثابت ہو چکا ہے۔ مثلاً سربراہان مملکتِ اسلامیہ کے مشترکہ اجلاس [illegible] اسلامی بینک کا قیام، حالیہ بین الاقوامی سیرت کانگریس [illegible] اسی راقم الحروف نے ابتداء میں ہی یہ تحریر کر دیا تھا کہ چونکہ اس [illegible] کی بنیادیں دینِ اسلام کے اشتراک اور کلمہ گوؤں کی وحدت پر رکھی گئی ہیں [illegible] مسلمان پاکستان جس قدر بھی دینِ اسلام کے اصولوں پر سچے دل سے [illegible] کاربند ہوں گے اُسی قدر اس سلطنت کا استحکام ہوگا وگرنہ اگر مغربی نظریہ [illegible] کو اپنایا گیا تو اس کے باعث اس کے کمزور و متزلزل ہو جانے کا خطرہ ہے۔ چنانچہ ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا جو افسوسناک المیہ پیش آیا اس کا تمامتر سبب مغربی نظریہ ہوس اقتدار و زر ہی ہوا۔ اس مضمون میں میں نے یہ بھی واضح کرنے کی کوشش کی تھی کہ غیر ممالک و ادیان میں تبلیغِ دین کا عالی مقصد اس بات کا متقاضی ہے کہ مسلمانوں میں ایک ایسی جماعت موجود ہو جو اپنے نظام و کاروبار اور جملہ افراد کی زندگیوں میں اسلامی تعلیم و عقاید اور نظریۂ حیات کو عملاً پیش کرنے والی ہو۔

یہ تمام امور ۱۹۴۸ء کے حالات کے مطابق تحریر کئے گئے تھے۔ لیکن موجودہ وقتوں میں ان کی صداقت اسی طرح بلکہ پہلے سے بھی نمایاں طور پر واقعات میں نظر آ رہی ہے۔

ڈاکٹر اللہ بخش

مملکتِ پاکستان کا معرضِ وجود میں آ جانا اپنے اندر ایک اعجازی رنگ رکھتا ہے اور اس عطیہ پر ہم جس قدر سجداتِ شکر بارگاہِ الٰہی میں بجا لائیں کم ہوں گے۔ تاہم اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اس اعجاز کی تہ میں بعض خاص عناصر نے کام کیا ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ آج کی دنیا میں یہ بالکل نئی بات ہے کہ کسی گروہ نے مذہبی رشتہ کی وحدت کی بناء پر اپنے سیاسی حقوق کی علیحدگی کا دعوےٰ کیا ہو اور پھر ایسی تحریک پروان بھی چڑھ گئی ہو۔ بلکہ اس کے برخلاف گذشتہ صدی کی تاریخ ہم پر یہ امر روشن کر رہی ہے کہ اسلامی ممالک میں بھی مغربی وطنیت کا نظریہ گھر کرتا چلا جا رہا تھا۔ اور صدیوں سے متحدہ سلطنتیں محض وطنی یا لسانی و قومی بناء پر علیحدہ علیحدہ ٹکڑوں میں منقسم ہوتی چلی جا رہی تھیں۔ عثمانی سلطنت کے حصے بخرے کیوں ہوئے، کیا مصر، مصریوں کے لئے عرب، عربی النسل اقوام کے لئے، ترک ترکوں کے لئے۔ یہ ندائیں مغرب کے وطنی نظریہ کی صدائے بازگشت نہیں ہیں۔ جس سے عالمِ اسلام کی وحدت پاش پاش ہو رہی تھی؟ پس یہ معجزہ کہ پاکستان کی سلطنت وجود میں آ گئی اس لئے رُونما ہو کہ مغربی نظریہ کے بالکل برخلاف مُلک ہند میں اسلامی نظریہ مقبولِ عام ہو گیا۔ جہاں اور تمام لوگ اس اصول کے قائل ہو رہے تھے کہ قوموں کی بناء وحدت وطن وغیرہ پر قائم ہے۔ وہاں مسلمانانِ ہند نے قرآنی تعلیم کے مطابق اپنا نظریہ یہ تسلیم کیا کہ کم از کم ان کی قوم کا شیرازہ دینی وحدت و مذہبی اشتراک پر قائم ہے نہ کہ وطنی و نسلی یا قومی و لسانی اشتراک پر۔ پس جب قرآن کریم کے اس بے مثل اصول پر مسلمانانِ ہندوستان نے متفقہ و متحدہ طور پر سیاسی مطالبہ کیا تو خدا تعالےٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے ان کے اس اقدامِ دینی پر نوازش فرمائی، کیا یہ اس حدیث شریف کی عملی تفسیر نہیں کہ جب بندہ ایک قدم چل کر خدا کی طرف آتا ہے تو خدا تعالےٰ دس قدم سے اس کی طرف مسابقت کرتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ پاکستان کا قیام معجزہ سے کم نہیں، کہ ایسے زمانہ میں جب تمام اسلامی ممالک دنیاوی و دجالی نظریوں کا شکار ہو رہے ہوں ایک خطّہ ارض کے مسلمان قرآنی تعلیم کے ایک اعلیٰ اصولِ وحدت پر قائم ہو کر کفار کے مقابل متحد و منظم ہو جائیں۔ ان اللہ لا یغیّر ما بقوم حتّیٰ یغیروا ما بانفسھم کا مطلب بھی یہی ہے نہ کچھ اور جب کوئی قوم خدا تعالےٰ کے مقرر کردہ اصولوں کی طرف قدم اُٹھاتی ہے تو خدا تعالےٰ بھی یقیناً اس کی خاطر خاص اعجاز دکھلاتا ہے۔

**کلمہ گوؤں کی وحدت کفار کے مقابلہ میں** } دوسرا عالمگیر اسلامی اصول جس پر قیام کے باعث مسلمانوں کو خدا تعالےٰ نے آزاد حکومت عطا کر دی یہ ہے کہ ہر کلمہ گو خواہ وہ کیسا ہی کمزور و گنہگار ہو اس عالمگیر برادری کا فرد ہے جس کی بناء دین و مذہب کے مشترکہ اُصولوں پر قائم کی گئی ہو۔ اور یہ دونوں اُصول باہم لازم و ملزوم ہیں۔ اگر دنیاوی رشتوں سے بالاتر رُوحانی و اخلاق اُصولوں کی وحدت پر کسی قوم کا شیرازہ قائم کرنا مدِ نظر ہو تو پھر اس قوم کا ممبر بننے کے لئے بجز اس کے اور کونسی شرط ہو سکتی ہے کہ جو شخص اُن روحانی اخلاقی اُصولوں پر ایمان لانے کا اقرار کرے اسے اس قوم کا فرد سمجھنے میں تامل نہ کیا جائے۔ مثل اور امور کے اس اصول کے بارہ میں بھی افراط و تفریط کی گئی ہے۔ چنانچہ اگر بعض اصحاب نے یہ غلطی کی کہ اقرار کلمہ پر حصر کر کے عملی اصلاح کی طرف سے غفلت برتی تو دوسری طرف وہ لوگ تھے جو ایسے اقرار کے باوجود دائرہ اخوت سے نکالنے کے درپے ہو رہے تھے۔ حالانکہ بات تو نہایت واضح و سیدھی ہے کہ باہمی تعلق و معاملہ کے بارہ میں وہ تمام افراد جو مشترکہ رُوحانی و اخلاقی نظریوں کے قائل ہونے کے مقر ہوں یکساں حقوق رکھنے والے ہوں گے، کسی فرد کو اس [illegible] سلسلۂ اخوت سے باہر نہیں کیا جائیگا کہ اس میں عملی کمزوریاں اور خامیاں موجود ہیں اس لئے کہ اگر عملی حالت پر اخوت کی بنیاد قائم کی جائے تو اوّلاً تو اس امر کا محاکمہ و محاسبہ انسانی اختیار سے بالاتر ہے۔ دل کی پاکیزگی اور نیّات کی طہارت کو بجز خدا تعالےٰ کے اور کون جان سکتا ہے اور دین میں قلبی طہارت ہی اصل شئے ہے اور دوئم یہ کہ اگر یہ ممکن بھی ہو سکے تو بھی کس کس بات کو وجہ قرار دیا جائے گا۔ اور اس معیار پر کون پورا اُترے گا۔ اور یہ قومی اخوت کیسے تعمیر ہوگی؟ غرضیکہ ادنیٰ تدبّر سے یہ واضح ہے کہ ایسی قوم کی بنیادیں جو روحانی اور اخلاقی معیاروں پر قائم کی گئی ہو ایمان کے اقرار پر ہی قائم کی جا سکتی ہیں عملی حالت پر نہیں اور اس لئے کلمہ کا اقرار دائرۂ اُمتِ مسلمہ میں داخل ہونے کا حق عطا کرتا ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہ سمجھ لینا چاہیئے جیسے کہ دوسری طرف کی انتہا پر جانے والے اصحاب نے عقیدہ بنا لیا ہے کہ افراد کو عملی جدوجہد و اصلاح زندگی کی ضرورت لاحق نہیں۔ بس کلمہ کا اقرار کر لیا اور رخصت ہو گئے۔ کیونکہ اگرچہ کلمہ کا اقرار دائرۂ اخوت میں تو داخل کر دے گا اور ان تمام تعلقات کا حقدار بنا دے گا جو ایسی قوم کے فرد کو حاصل ہیں۔ مگر اصل نجات تو زندگی کی عملی اصلاح سے ہی ہے نہ کہ محض اقرارِ ایمان کے دعوےٰ سے۔

**عالمگیر اخوّت اسلامیہ کی زندہ تحریک** } پاکستان کے معرض وجود میں آ

جانے کا اصل سبب مسلمانانِ ہند کا متحدہ محاذ ہے جو انہوں نے اپنے دین و مذہب کی وحدت کی بناء پر کفر کے مقابل قائم کرکے دکھلایا ہے۔ لیکن یہ امر یہاں تک ہی محدود نہیں بلکہ اخوتِ اسلامی کی یہ لہر عالمگیر وسعت اختیار کرنے کو ہے۔ اس ملک میں دینی وحدت و اشتراک کی بناء پر جو کچھ معجزانہ نتائج رونما ہوئے ہیں اس سے دیگر ممالکِ اسلامیہ میں بھی اس کے اثرات نظر آ رہے ہیں جُملہ ممالکِ اسلامیہ میں ایک ایسی وحدت و اخوت کی لہر آج سرایت کرتی دکھلائی دے رہی ہے کہ اس سے قبل باوجود جد و جہد کے بھی یہ بات کبھی میسّر نہیں آئی۔ اگر یہ ایک معجزہ ہے کہ جہاں مغربی وطنیت کے نظریہ میں جُملہ ممالک اسلامیہ اندھا دُھند بہے چلے جا رہے تھے اور اس لئے صدیوں کی متحدہ اسلامی مملکتیں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر وطنی و قومی دائروں میں منقسم ہوتی چلی جا رہی تھیں تو وہاں مُلک ہند میں اس کے عین برخلاف محض دینی اشتراک و دینی وحدت کی بناء پر مسلمانوں کے اِتحاد نے ایک نئی اور سب سے بڑی اسلامی مملکت کی بنیاد ڈال دی؟ تو یہ معجزہ بھی اس سے کم تر نہیں کہ جُملہ ممالکِ اسلامیہ اب اپنے باہمی رشتۂ اخوت کو زندہ طور پر محسوس کرکے وطنی و قومی رشتوں سے بالاتر اُٹھ رہے ہیں اور مختلف ممالک محض دینی وحدت کی بناء پر ایک دوسرے سے جذباتِ ہمدردی سے وابستہ اور ایک دوسرے کے نزدیک تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ گویا اس وقت مسلمانانِ عالم میں لا دینی نظریہ کی بجائے قرآنی اُصول سرایت کرتا چلا جا رہا ہے۔ کیا یہ جائے تعجب ہوگا اگر یہ دینی وحدت و اشتراک کا جذبہ اور زیادہ شدّت پکڑ کے یہ صُورت اختیار کر لے کہ جُملہ عالمِ اسلام یعنی مختلف اسلامی مملکتیں بوجہ ہم مذہب ہونے کے ایک ایسے اعلیٰ درجہ کے اِتحاد و اخوت میں باہم منسلک ہو جائیں کہ جب اُن میں سے کسی ایک پر ظلم و تعدی ہو تو باقی تمام ممالک نہ صرف ہمدردی کے زبانی دعووں پر ہی اکتفا کرنے والے ہوں بلکہ عملاً ظلم و کُفر کے مقابل سب یکجا اُٹھ کھڑے ہوں!

## قُرآنی اُصولوں کی جانب رجوع

پاکستان میں کلمہ گویوں کی وحدت محض اس لئے عمل میں نہیں آئی کہ غیروں نے انہیں اِتحاد پر مجبور کر دیا۔ گو اس میں شک نہیں کہ کُفر کی یکساں مخالفت نے ان کی آنکھیں کھول دیں۔ مگر اس کے علاوہ بھی عام طور پر مسلمان عوام میں قرآنی اُصولوں کی جانب رجوع کا ایک خاص میلان پایا جاتا ہے اور ہر طرف سے یہی ندا بلند ہو رہی ہے کہ اسلامی شریعت کا نفاذ ضروری و لازم ہے یہ قرآنی تعلیم کی طرف صریح رجحان ہے جو اس مُلک میں پایا جاتا ہے۔ برخلاف اس کے بعض دیگر اسلامی ممالک میں جب آزادی حاصل ہوئی تو وہاں ہمیں خاص طور پر قرآن کی طرف رجوع کا پتہ نہیں ملتا بلکہ جہاں جہاں مُلکی ترقی کی تحریکوں نے زور پکڑا تو ان سب کا رُخ مغربی تہذیب کی پُوری تقلید کی طرف تھا۔ کہیں مغربی لباس کو ایسی اہمیت اور وقعت دی گئی کہ یہ کہا گیا کہ ملکی و قومی ترقی اس کے بغیر ممکن نہیں۔ کہیں عورتوں کی بے جا مغربی آزادی و بے قیدی کو ہی ساری ترقی کا سبب قرار دے کر اسے جبریہ رائج کرنے کے احکام نافذ کئے گئے اور کسی جگہ رائج الوقت عربی رسم الخط کی بجائے لاطینی رسم الخط کو جاری اور سوِس کوڈ کا نفاذ کیا گیا۔ مگر یہ خوش قسمتی صرف اس مُلک کے حصّہ میں آئی کہ اوّلاً تو آزادی کی بنیادیں دینی وحدت و اخوت کے اُصول پر قائم ہوئیں دوم یہ کہ اب عوام میں اس امر کی سچّی خواہش اور بیداری پائی جاتی ہے کہ قرآنی تعلیم اور شرعی احکام کا نفاذ کیا جائے ورنہ اسلامی سلطنت کے معنے کچھ نہیں۔ تعلیم قرآن کی طرف یہ صریح رجحان اور رجوع اگر عملی صورت اختیار کرے تو اس کے صاف معنے احیاءِ اسلام کے ہوں گے۔ اور جس طرح پاکستان کے بعد دیگر ممالکِ اسلامیہ عالمگیر اخوتِ اسلامی کے اُصول سے متاثر ہوئے ہیں اسی طرح یہ بھی لازم ہے کہ پاکستان میں صحیح قرآنی تعلیم کے نفاذ سے دیگر ممالکِ اسلامیہ اثر پذیر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں گے۔ اور جب جُملہ مسلمانانِ عالم میں قرآنِ مجید کی جانب سچّا رجوع پیدا ہو گیا تو پھر یہ سمجھنا چاہیئے کہ احیاءِ اسلام کے دن نزدیک ہیں۔

## عُلمائے ربّانی و مجدّدین کی بعثت

یہ امر ضرور غور کے قابل ہے کہ آخر اس بات کی کیا وجہ ہے کہ جس وقت خود ممالک عربیہ و مصر و شام مغربی تہذیب کی تقلید میں تیزی سے بہے چلے جا رہے ہوں اس وقت مُلک ہند میں خالص اسلامی اُصولوں کی طرف کیوں رجوع ہُوا؟ کیا اس کا سبب اس کے سوا کچھ اور ہے کہ جہاں دیگر اسلامی ممالک گزشتہ صدیوں میں مجدّدین کی بعثت سے محروم رہے ہیں وہاں اس مُلک میں پے در پے چار صدیوں سے مصلحینِ اُمّت آتے رہے جنہوں نے صحیح اسلامی تعلیم کے احیاء اور قرآنی تعلیم کی طرف رجوع کرانے کا بیڑا اُٹھایا تھا؟ آخر غور کرو کہ قرآن مجید کی تعلیم کو پھیلانے اور اسے عام کرنے میں مُلک ہند میں جو غلغلہ اور چرچا نصف صدی سے ہماری سُنتے یہ تحریک کہاں سے اور کس کے پاک وجود سے شروع ہوئی؟ مسلمانوں کی باہمی کُفر بازی کی مہلک مرض پر مسلسل و کاری ضرب کس جانب سے لگائی گئی؟ جب کہ ہر مُلک کے مولوی و مُلّا قرآن کا مغربی زبانوں میں ترجمہ کرنا گناہ کبیرہ قرار دے کر مغربی تعلیمیافتہ مُسلمانوں کو اس کلام کے اعلےٰ معانی سے محروم کرکے انہیں دہریت کی طرف دھکیل رہے تھے۔ اس وقت وہ کونسی طاقت تھی اور اس کا منبع کہاں تھا جس نے علوم قرآنی سے مغرب زدہ مسلمانوں کو روشناس کراکے ان کے اندر اس پر سچّا ایمان پیدا کیا؟ اس قوت و زور کا مخرج کہاں تھا کہ جس نے مفتوح و مایوس مُسلمانوں کو کفرستانوں میں غیروں پر فاتح کر دکھلایا جبکہ مسلمان خود اپنی جگہ پر اس بات سے مایوس و نا امید ہو رہے تھے کہ وہ کفر و مغربی فلسفہ کے سیلاب کا مقابلہ کر سکتے۔ کے "تالیفین" اس وقت وہ کیا معجزنما یقین تھا جس کے باعث مادی فاتحین کے قلوب کو قرآنی تعلیم کے جادو اثر نے مسخر کر دکھلایا؟ دینی احیاء اور قرآنی تعلیم کی طرف رجوع کی یہ ٹھنڈی ہوائیں کیا اسی مُلک سے نہیں اُٹھیں جس کی نسبت اس دَور کے اسلامی شاعر کی زبان پر بھی یہ جاری ہوگیا: ؎ میرِ عرب کو آئی ٹھنڈی ہَوا جہاں سے۔

## کلام اللہ پر یقین کی وجہ

صرف یہی امر غور کے قابل نہیں کہ اس ملک میں قرآنی اُصولوں کا احیاء کیونکر ہوا جبکہ دوسرے ممالک مادیت و دہریت کی تیز رَو مغربی دھارائیں بہتے چلے جا رہے تھے بلکہ یہ امر بھی سوچنے کے لائق ہے کہ مادی فلسفۂ زندگی اور سائنس کے انتہائی عروج کے وقتوں میں قوم کا ایمان اس بات پر کیسے پیدا ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت مکالمہ الٰہیہ واقعی ایک حقیقت و صداقت ہے جس کے ماتحت قرآنِ حمید کا نزول ہوا۔ کسی کتاب کو منجانب اللہ تسلیم کرنا تو دوسرا مرتبہ ہے۔ پہلے تو اس تمام اصول کا ماننا لازم پڑتا ہے۔ کہ کیا کوئی ہستی خدا تعالےٰ کی ایسی موجود ہے جس کا تعلق اپنے بندوں سے براہ راست اس کے خارجی کلام کی نزول کی [illegible] میں ممکن ہے۔ بھلا خدا تعالےٰ کے وجود کے انکار کے زمانہ میں اور ایسے دَور میں جبکہ کلام الٰہی کے خارجی نزول کے خود بعض مسلمان بھی فلسفہ و سائنس کی زد سے عاجز آ کر منکر ہو چکے ہوں یہ کیسے ممکن ہے کہ قرآن مجید کے منجانب اللہ ہونے پر یقین اور اس لئے اس کی سچّی تعلیم کی طرف رجوع کا خیال پیدا ہو؟ کیا مادیت و فلسفہ و سائنس کے عروج کے وقت قلوب کسی روحانی صداقت کے معترف ہو سکتے ہیں، بجز اس کے کہ ایسی صداقت کا کوئی زندہ شاہد و داعی آ کھڑا ہوا ہو اور وہ اپنے وجود سے ہی صداقت کلام الٰہی ثابت کر رہا ہو؟

(باقی ——— باقی)

---

از رہِ دیں پروری آمد عروج اندر نخست
باز چوں آید بیاید ہم ازیں رہ بالیقیں
یا الٰہی باز کے آید ز تو وقتِ مدد
باز کے بینم آں فرخندہ ایّام و سنین
(حضرت مسیح موعودؑ)

مولوی عبدالمجید صاحب چھکسی ملتان۔

# صداقت مسیح موعود علیہ السلام

مامور کا اصلی اور حقیقی کام یہ ہے کہ انسانوں کا خدا تعالےٰ سے تعلق پیدا کرے اور لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دے۔ حضرت مرزا صاحب نے ہزاروں لاکھوں انسانوں کا تعلق خدا سے پیدا کر دیا۔ درخت ہمیشہ پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ حضرت صاحب نے جو انسان پیدا کئے وہ کیسے بلند اخلاق اور روحانیت کے مالک تھے۔ حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحبؒ۔ حضرت مولوی محمد علی صاحبؒ۔ خواجہ کمال الدین صاحبؒ۔ ڈاکٹر بشارت احمد صاحبؒ۔ حضرت مولوی صدرالدین صاحب ایدہٗ۔ شیخ الحاج میاں مولابخش صاحبؒ۔ شیخ میاں محمد صاحبؒ وغیرہ وغیرہ۔ ان سب نے اپنی زندگیاں اسلام کے لئے وقف کیں۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"مجھے آپ پر بہت ہی نیک ظن ہے۔ اسی وجہ سے میں آپ کے ساتھ محبت رکھتا ہوں۔ اگر آپ کی خدا تعالےٰ کے نزدیک فطرت نیک نہ ہوتی تو میرا اس قدر نیک ظن آپ پر ہرگز نہ ہوتا مگر میں دلی جوش سے آپ سے محبت رکھتا ہوں اور آپ کے لئے اکثر پنج وقت غائبانہ دعا کرتا ہوں۔ اُمید ہے کسی وقت وہ دعائیں اپنا اثر دکھائیں گی۔ آخر نیک فطرت انسان پر فضل ہوتا ہے غرض ہر طرح سے تسلی رکھیں دلی جوش سے آپ کی دُنیا اور آخرت اور جسم و جان کے لئے دُعا میں مشغول ہوں۔ اور اس کے آثار اور تاثیرات کا منتظر ہوں۔"

ایک اور خط میں لکھتے ہیں:۔

"مجھے اس سے بہت خوشی ہوئی کہ ایک اور جوان صالح خدا تعالےٰ کے فضل کو پاکر ہماری جماعت میں داخل ہوا ہے۔ یعنی حبی فی اللہ مولوی محمد علی صاحب ایم اے پلیڈر ہیں۔ ان کے آثار عمدہ پاتا ہوں۔ اور وہ ایک مدت سے اپنے دنیاوی کاروبار کا حرج کرکے خدمتِ دین کے لئے قادیان میں مقیم ہیں اور حضرت مولوی نورالدین صاحب سے حقائق اور معارف سُن رہے ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ میری فراست اس بات میں خطا نہیں کرے گی کہ جوان موصوف خدا تعالےٰ کی راہ میں ترقی کرے گا۔ اور یقین ہے کہ وہ خدا کے فضل سے تقویٰ اور محبت دین پر ثابت قدم رہ کر ایسے نمونے دکھائے گا جو ہم جنسوں کے لئے پیروی کے لائق ہوں گے۔ اے خدا ایسا ہی کر آمین ثم آمین۔"

اب یہ باتیں جو حضرت صاحب نے اپنے دعوےٰ کی ابتداء میں کہی تھیں بالکل ٹھیک ٹھیک پوری ہوگئیں۔ اور حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب سے بڑھ کر اس زمانہ میں دینی خدمات بجا لانے والا شخص نظر نہیں آتا۔ غور کرنے والے انسان کے لئے حضرت صاحب کی صداقت پر یہ بڑی بھاری گواہی ہے۔ میاں مولابخش صاحب کی سوانح حیات میں نے پڑھی ہے۔ حالانکہ وہ تاجر تھے لیکن حضرت صاحب کی بیعت کے بعد ان کا تعلق دین سے بڑھتا گیا۔ اور قرآن پاک کے ساتھ عشق بھی بڑھتا گیا۔ ان کو ڈاکٹر بشارت احمد صاحب سے بہت محبت تھی اور اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم کو بھی قرآن کریم سے گہرا عشق تھا اور قرآن کریم کے معانی پر بڑی گہری نظر تھی۔ اور یہی خوبی میاں صاحب موصوف میں بھی پائی جاتی تھی۔ ان کے دو بھائی میاں محمد اسماعیل صاحب اور میاں محمد صاحب بھی اسی رنگ میں رنگین تھے۔

یہ تینوں بھائی ایک ادنےٰ مقام سے ترقی کر کے ایک بلند مقام پر پہنچ گئے۔ تجارت کے انہماک نے انہیں خدا سے غافل نہ کیا۔ اور اس کا مصداق بنا دیا کہ رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله۔ کچھ ایسے مردانِ خدا بھی ہوتے ہیں کہ تجارت اور خرید و فروخت انہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی۔ بلکہ ان کے سینے قرآن کے نور سے منور ہوتے ہیں۔ یہ لوگ عشق قرآن اور خدمت قرآن اور تفقہ فی الدین میں بھی ترقی کرتے گئے۔ ان تینوں بھائیوں کو جب بھی خدمتِ دین کے لئے بلایا گیا۔ اشاعتِ اسلام کے لئے بلایا گیا۔ تو انہوں نے ہمیشہ دل کھول کر حصہ لیا۔ اور جلسہ سالانہ پر جب کوئی تحریک ہوئی تو سب سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ نماز با جماعت کے پابند اور تہجد گذار تھے۔ یہ خوبیاں ایک مالدار تاجر میں کہاں سے آئیں۔ ان لوگوں پر افسوس ہے جو عقل اور فکر سے کام نہیں لیتے۔ اُن کے سامنے خوشبودار مٹی آجائے تو وہ پُکار اُٹھیں کہ اس مٹی میں پھولوں سے خوشبو آئی ہے۔ جیسا کسی نے کہا ہے

گلے خوشبوئے در حمام روزے + رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری + کہ از بوئے دل آویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم + ولیکن مدتے با گُل نشستم
جمال ہمنشیں درمن اثر کرد + وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

یعنی ایک دن کچھ خوشبو میں بسی ہوئی مٹی محبوب کے ہاتھ سے میرے ہاتھ میں پہنچی میں نے اُسے کہا کہ تو مٹی معلوم نہیں ہوتی تو مشک ہے یا عنبر ہے کہ تیری دل آویز خوشبو سے میں مست ہوں۔ اُس نے کہا کہ میں ناچیز مٹی ہی لیکن ایک مُدت پھولوں کے ساتھ ملی رہی ہوں۔ ہمنشین کی خوبصورتی مجھ میں اثر کر گئی ورنہ میں ہوں تو وہی مٹی جو ہوں۔

لیکن جب انسان یا مامور کی صحبت سے مٹی سونا بن جاتی ہے اور ہم نشین کے اخلاق کا اثر دوسرے انسانوں پر پڑتا ہے تو اس کی طرف لوگ توجہ نہیں کرتے اور یہ نہیں سوچتے کہ یہ خوبیاں کہاں سے آئیں۔ یہ کوئی ایک شخص نہ تھا جس پر یہ اثر پڑا ہو۔ بلکہ جو بھی امام وقت کی صحبت میں بیٹھا وہ ایک نیا رنگ لے کر اُٹھا۔ یہ تینوں بھائی تھے جو کم و بیش اس رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ بلکہ ان کی اولاد پر اب بھی وہ رنگ چڑھا ہوا نظر آتا ہے اور ایک خاندان کیا سینکڑوں نہیں ہزاروں خاندان اسی رنگ میں رنگین ہو گئے۔ اور ہمارے مسلمان بھائی یہ نہیں سوچتے کہ سوائے اس کے کہ وہ شخص صادق تھا۔ مامور تھا۔ عاشقِ قرآن پاک تھا۔ خادمِ اسلام تھا جس کے پاس جاکر یہ لوگ بیٹھے۔ ان سب میں اس ایک ہی رنگ کا پیدا ہونا ناممکن تھا۔ یہ چنگاری جس نے ان لوگوں کے سینوں کو روشن کیا امامِ زمان نے ہی اُن کے اندر ڈالی اور یہ ان کے سینوں کے اندر ایک ایسی آگ مشتعل کر گئی جس نے ان کی دنیوی ہوا و ہوس کو خاکستر کر دیا۔

## مسلمان کی تعریف از رُوئے قرآن مجید

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

ولكن البر من امن بالله ........ هم المتقون

(سورۃ البقرہ آیت ۱۷۸)

ایک احمدی کے اوصاف:۔ اللہ تعالےٰ نے ایک متقی مسلمان کے اوصاف بیان کئے ہیں۔ اور وہ سب اوصاف احمدی میں پائے جاتے ہیں۔ ایک احمدی خدا پر ایمان لاتا ہے، یوم آخرت پر، خدا کے فرشتوں پر اور خدا کی کتابوں پر ایمان لاتا ہے۔ وہ تمام نبیوں پر ایمان لاتا ہے۔ وہ اپنا مال قریبی رشتہ داروں اور یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں پر خرچ کرتا ہے۔ وہ نماز قائم کرتا ہے اور زکوٰۃ دیتا ہے اور حج بھی کرتا ہے غرض وہ تمام شرائط ایمان کو مانتا ہے اور تمام ارکان اسلام کی پابندی کرتا ہے۔ اور دوسری صفاتِ عالیہ مثلاً عہد کا پورا کرنا اور مصائب میں مستقل مزاج رہنا اور

صابر رہنا اس کا شعار ہے۔ اس کا ایمان اس قدر قوی ہے کہ ننگی تلواریں اسے ڈرا نہیں سکتیں۔ اور وہ تلواروں کے سائے کے نیچے بھی حق بات کہتا ہے۔ چنانچہ جب صاحبزادہ عبداللطیف شہیدؓ سے علمائے کابل کا مناظرہ ہوا تو سپاہی ننگی تلواریں لے کر اُن کے سر پر کھڑے تھے۔ اور جب زمین میں گاڑ کر پتھراؤ کی بارش کی گئی تو اس وقت بھی اُف تک نہ کی اور آخر وقت تک صبر و استقلال کا نمونہ دکھایا۔

ایسا ہی ۱۹۵۳ء میں جب احمدیوں کے خلاف فتنہ و فساد برپا کیا گیا اور انہیں صفحہ ہستی سے مٹا دینے کے لئے تمام افراد سے مخالفین کھڑے ہو گئے۔ مرکز احمدیت احمدیہ بلڈنگس لاہور کی بجلی کاٹ دی گئی۔ پانی بند کر دیا گیا اور قریب تھا کہ آگ لگا کر جانوں اور مکانوں کو نذرِ آتش کر دیا جائے ایسی حالت میں جماعت کے لوگ مستقل مزاج رہے اور مقابلہ کرنے کے لئے ڈٹے رہے۔ اور حضرت امیرؓ کے رشتہ دار کاریں لے کر آ گئے کہ وقت ہے نکل چلو لیکن حضرت امیر نے کہا کہ جل مرنا منظور ہے مگر میں اپنے امام کے مقام کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ اور جماعت کو چھوڑ کر خود اپنی جان لے کر نکل جاؤں یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ یہ صبر و استقلال کا وہ نمونہ ہے جو راستبازوں اور نیکو کاروں کے سوا دوسری جگہ ملنا مشکل ہے۔ غرضیکہ ہر ایک احمدی کے اندر وہ تمام صفات موجود ہیں جو آیت بالا میں اللہ تعالےٰ نے بیان فرمائی ہیں پس احمدی ایک کامل مسلمان ہے۔

**احمدی جماعت کی خصوصیت:۔**

اللہ تعالےٰ کے حکم کے مطابق ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر و اولئک ھم المفلحون ٥ اس آیت کے مطابق احمدی جماعت ہی خدا کے فضل سے وہ جماعت ہے جس کے سپرد دعوت الی الخیر۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا عظیم الشان کام کیا گیا۔ یہ میں نے تحدیث نعمت کے طور پر عرض کیا ہے ورنہ ہم کیا چیز ہیں۔ ہمارے امامؑ بھی فرما گئے ہیں ؎

یہ سراسر لطف و احسان ہے کہ میں آیا پسند
ورنہ درگاہ میں تیری کچھ کم نہ تھے خدمتگزار

## ۳۔ بارگاہ الٰہی میں حضرت صاحب کی دُعا۔

اے قدیر و خالق ارض و سما + اے رحیم و مہربان و رہنما
اے کہ میداری تو بر دلہا نظر + اے کہ از تو نیست چیزے مستتر
گر تو مے بینی مرا پُر فسق و شر + گر تو دید استی کہ ہستم بد گہر
پارہ پارہ کُن من بدکار را + شاد کُن ایں زمرۂ اغیار را
بر دل شاں ابر رحمت ہا بیار + ہر مرادِ شاں بفضلِ خود برار
آتش افشاں بر در و دیوارِ من + دشمنم باش و تباہ کُن کارِ من
ور مرا از بندگانت یافتی + قبلۂ من آستانت یافتی
در دلِ من آں محبت دیدۂ + کز جہاں آں راز را پوشیدہ
بامن از رُوئے محبت کار کُن + اندکے افشاءِ آں اسرار کُن

اس درد مندانہ اور رقت و سوز سے بھرپور دُعا اور صدا کو اللہ تعالےٰ نے یقیناً سُنا مگر اس نے آپ کو پکڑا نہیں۔ بلکہ آپ کو اپنی بے انتہا نصرت اور تائید سے نوازا۔ جو حضرت صاحب کی صداقت کا بھرپور ثبوت ہے۔ سورۃ جمعہ میں خُدا تعالےٰ کا فیصلہ یہی ہے کہ جھوٹا آدمی کبھی بھی اس قسم کی موت اور تمنا نہیں کر سکتا۔ کیا اس درد انگیز دُعا کو سُن کر کوئی شخص جس کے جسم میں دل اور دل میں ذرّہ بھر ایمان ہو یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب صادق اور راستباز نہ تھے۔

## ۴۔ چراغ دین کے مباہلہ کا نشان

"چراغ دین ساکن جموں جب میری بیعت سے مُرتد

ہو کر دشمنوں سے جا ملا۔ تو مخالفت میں انتہاء کر دی۔ اور چونکہ غضب الٰہی کا وقت آ گیا تھا اس لئے اُس نے خود مباہلہ کی دُعا لکھی اور جناب الٰہی میں دُعا کر کے میری ہلاکت چاہی اور مجھے ایک مکار دے کر خدا تعالےٰ سے دُعا کی کہ تو اس فتنہ کو دنیا سے اُٹھا دے۔ یہ عجیب قدرت حق ہے اور عبرت کا مقام ہے کہ جب مضمون مباہلہ اُس نے کاتب کے حوالے کیا تو وہ کاپیاں ابھی پتھر پر نہیں جمی تھیں کہ دونوں لڑکے اُس کے جو صرف دو ہی تھے طاعون میں مبتلا ہو کر مر گئے اور آخر ۴/ اپریل ۱۹۰۶ء کو لڑکوں کی موت سے تین روز بعد طاعون میں مبتلا ہو کر اس جہان کو چھوڑ گیا۔ اور لوگوں پر ظاہر کر گیا کہ صادق کون ہے اور کاذب کون۔ جو لوگ اُس وقت حاضر تھے ان کی زبانی سُنا گیا ہے کہ وہ اپنی موت کے قریب کہتا تھا کہ اب خدا بھی میرا دشمن ہو گیا ہے۔"

(حقیقۃ الوحی)

۵۔ یہ نشان حضرت صاحب کے صادق ہونے پر کھُلی شہادت ہے:۔

"جب لیکھرام قتل کیا گیا تو آریوں کو میری نسبت شک واقع ہو گیا کہ ان کے کسی مرید نے قتل کیا ہے چنانچہ میری خانہ تلاشی کی گئی اور بعض مولویوں نے اپنی عداوت کی وجہ سے اپنے رسالوں میں یہ شائع کیا کہ پیشگوئی کرنے والے سے لیکھرام کے قتل کی نسبت پوچھنا چاہیئے۔ اُس وقت خدا تعالےٰ کی طرف سے یہ الہام ہوا "سلامت بر تو اے مردِ سلامت"۔ اور وہ اشتہار میں یہ الہام تھا شائع کر دیا گیا۔ تب باوجود مخالفوں کی سخت کوشش کے خدا تعالےٰ نے دشمنوں کی تہمتوں سے مجھے بچایا اور اُن کے مکر اور فریب سے محفوظ رکھا۔ فالحمد للہ علےٰ ذالک۔ میری جماعت کے بہت سے آدمی اس کے گواہ ہیں"

۶۔ ڈاکٹر جان الیگزنڈر ڈوئی جس کو امریکہ اور یورپ کا فرد فرد جانتا تھا حضرت صاحب کی پیشگوئی کے مطابق ہلاک ہوا۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں:

"چونکہ میرا اصل کام کسرِ صلیب ہے۔ سو اس کے مرنے سے ایک بڑا حصّہ صلیب کا ٹوٹ گیا۔ کیونکہ وہ تمام دنیا سے اوّل درجہ پر حامی صلیب تھا جو پیغمبر ہونے کا دعوےٰ کرتا تھا اور کہتا تھا کہ میری دُعا سے تمام مسلمان ہلاک ہو جائیں گے۔ اس کی موت سے پیشگوئی قتل خنزیر والی بڑی صفائی سے پوری ہوئی کیونکہ ایسے شخص سے زیادہ خطرناک کون ہو سکتا ہے جس نے جھوٹے طور پر پیغمبری کا دعوےٰ کیا۔ اور خنزیر کی طرح جھوٹ کی نجاست کھائی۔"

۷۔ ۲۲ مئی ۱۹۰۵ء کو آپ نے رؤیا دیکھا "آہ نادر شاہ کہاں گیا"۔ یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ نادر شاہ ابھی بچّہ تھا۔ اس وقت دنیا کے تمام بادشاہوں میں کوئی نادر شاہ بادشاہ نہ تھا۔ لیکن حیرانی ہے کہ بعد میں ایک شخص غیر متوقع طور پر نادر خاں سے نادر شاہ بنا اور وہ طبعی موت نہ مرا بلکہ ایسے طریق سے قتل ہوا کہ اس وقت ہر زبان پر یہی لفظ جاری تھے کہ "آہ نادر شاہ کہاں گیا"۔ یہ اس قسم کی ہیں جنہیں کوئی انسان قرائن سے نہیں سمجھ سکتا اور بغیر تصرف الٰہی ۱۹۳۰ء میں ہونے والے ایک واقعہ کی خبر ۱۹۰۵ء میں دینا ناممکن ہے پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس اطلاع میں اللہ تعالےٰ کا تصرف کام کر رہا تھا۔ سو اسے عقل والو عبرت حاصل کرو۔

---

**جماعت راولپنڈی کا جلسہ سالانہ** اپنی روایات کے مطابق مورخہ ۹ مئی ۱۹۶۷ء کو شروع ہو گا۔ احباب مفصل پروگرام کا انتظار فرمائیں۔

(خواجہ نصیراللہ آنریری سیکرٹری جماعت راولپنڈی)

مکرم فضل الرحمٰن صاحب احمدیہ بلڈنگس لاہور

# مساجد کی تعمیر کون کر سکتا ہے؟

۲۸ر فروری کے نوائے وقت میں ملک غلام علی صاحب نے ایک مقالہ بہ عنوان "کوئی غیر مسلم شرعاً تعمیرِ مسجد کا مجاز نہیں" شائع کرایا ہے۔ اس مقالہ کو شائع کرانے کی غرض یہ تھی کہ ان دنوں سرگودھا کی ایک عدالت میں جماعتِ احمدیہ کے خلاف ایک مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں جو مقدمہ زیرِ سماعت ہے اس بارے میں جج کی رائے کو متاثر کیا جائے۔

مقالہ نویس نے جو آیت پیش کی ہے اس کے مفہوم سے ہمیں پورا پورا اتفاق ہے۔ انہوں نے قرآن حکیم کی سورۃ توبہ کی آیت ۱۷ پیش کی ہے جس کا مفہوم یوں ہے:

"مشرکوں کے لئے جائز نہیں کہ وہ اللہ کی مساجد کو تعمیر کریں جب کہ وہ اپنے اُوپر کفر کی گواہی دے رہے ہوں۔"

مقالہ نویس نے جماعت احمدیہ کا نام تو نہیں لیا مگر نفسِ مضمون یہی ہے کہ احمدی چونکہ پاکستان کی ایک دفعہ کے تحت غیر مسلم ہیں اس لئے ان کو مساجد کی تعمیر سے روکا جائے۔

انہوں نے شرک کی تعریف نہیں فرمائی۔ حالانکہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مشرک ایسا شخص ہوتا ہے جو خدائے بزرگ و برتر کی وحدانیت پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ اور ایسا شخص بتوں کی پرستش کرتا ہے یا پھر خدا کے ساتھ دوسری ہستیوں کو شریک کرتا ہے۔

مقالہ نویس نے اسی سورت کی آیت ۱۸ کو جان بوجھ کر چھوڑ دیا ہے اور مضمون کو ادھورا چھوڑ کر بڑا غلط تاثر دینے کی کوشش کی ہے۔ اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ خود قرآن حکیم میں مندرج اس آیت کے مفہوم کے تحت آتے ہیں۔

سورہ بقرہ کے رکوع ۱۴ میں یوں آیا ہے:—

"کیا تم کتاب کے ایک حصہ کو مانتے ہو اور ایک حصہ کا انکار کرتے ہو"

میں اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے سورۃ توبہ کی آیت ۱۷ اور آیت ۱۸ کے بارے میں کچھ حوالہ جات نقل کرتا ہوں تاکہ وہ خوب جان لیں کہ احمدیوں کے بارے میں جو رویہ وہ اختیار کئے ہوئے ہیں وہ کتنا خطرناک اور غیر اسلامی ہے۔

احمدی ہرگز ہرگز مشرک نہیں ہیں وہ ایک خدا پر ایمان لاتے ہیں وہ تمام فرشتوں پر ایمان لاتے وہ ان تمام کُتب پر ایمان لاتے ہیں جو خدا کے مقرر کردہ رسولوں پر نازل ہوئیں — وہ تمام انبیاء پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ قرآن کریم کو آخری کتاب اور حضور خاتم المرسلین کو آخری نبی تسلیم کرتے ہیں۔ اور قیامت پر یقین رکھتے ہیں۔ ان تمام صفات کے حامل ہوتے ہوئے وہ کیسے مشرک ٹھہر سکتے ہیں۔

جبکہ پاکستان میں بسنے والے کروڑوں مسلمان عملاً کئی ایک بزرگ ہستیوں کو خدائی صفات کے حامل قرار دے کر شرک میں مبتلا ہیں اور خود مشرک ٹھہرتے ہیں۔

**احمدی** ہرگز ہرگز مشرک نہیں ہیں۔ اور نہ ہی وہ کسی الہامی کتاب کے منکر ہیں نہ ہی وہ ختم نبوت کے منکر ہیں نہ ہی کسی نئی یا پرانی نبوت کے بحال ہونے کے قائل ہیں۔ وہ تو صرف حضرت **خاتم المرسلین** کی نبوت کو زندہ اور جاری و ساری جانتے ہیں۔

مراسلہ نگار نے **سورۃ بقرہ** کے رکوع ۱۴ کی تلاوت تو فرمائی ہوگی جس میں یہ فرمایا گیا ہے:—

"اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں سے روکتا ہے کہ ان میں اس کے نام کا ذکر کیا جائے اور ان کے ویران کرنے کی کوشش کرتا ہے۔"

**سورۃ توبہ** کی آیت ۱۸ کا مفہوم یوں ہے:—

"اللہ کی مساجد صرف وہی لوگ آباد کر سکتے ہیں جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جنہوں نے نماز کو قائم کیا اور زکوٰۃ دی اور اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ کیا۔ سو امید ہے کہ یہ ہدایت پانے والوں میں سے ہوں۔"

اب ان ہر دو آیات کو مدِنظر رکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کون لوگ مساجد کو آباد کر سکتے ہیں اور کون نہیں۔

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مفسرین نے اس آیت **خانہ آبادیٔ مساجد** کے بارے میں کن لوگوں کا ذکر کیا ہے۔

**تفسیرِ کبیر** میں یوں آتا ہے:—

"یہ مشرک لوگ بتوں کی عبادت کرنے کا اپنی زبان سے اقرار کرتے ہیں اور قرآن کریم کو جھٹلاتے ہیں — محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے ہیں یہ تمام امور کفر میں داخل ہیں۔"

**مزید** وضاحت کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ:—

"جبکہ مسجد عبادت گاہ ہے۔ اس لئے اس کی تعظیم لازمی ہے۔ اور کافر اس کی عظمت کو ملحوظ نہیں رکھتا بلکہ اس کی توہین کرتا ہے اس لئے کافر کو مسجد کے بنانے یا اس کی مرمت کرنے کا حق نہیں۔"

**پھر** ایمان باللہ کو معیار ٹھہرا کر مومن اور کافر میں فرق بیان کیا ہے۔

**ایمان باللہ**۔ ترجمہ:—

"یعنی جو آدمی اللہ پر ایمان لاتا ہے تو اس کے لئے مسجد ایسی عبادت گاہ ہے جس میں وہ اللہ کی عبادت کرے مگر جو اللہ پر ایمان نہیں لاتا اسے ایسی مسجد سے روکا جائے جس میں اللہ کی عبادت کی جاتی ہے۔"

**قیامِ صلوٰۃ**:— "مسجد کے بنانے کا مقصد اعظم نماز ادا کرنا ہے جو شخص سرے سے نماز کو فرض ہی نہیں سمجھتا اُسے مسجد کے بنانے سے روکا جائے۔"

**ادائیگی زکوٰۃ**:— "مشرکین اور کافر چونکہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اس لئے انہیں مسجد بنانے کا حق نہیں۔ یعنی جو شخص زکوٰۃ کی فرضیت کا اقرار نہیں کرتا وہ مسجد نہیں بنا سکتا۔"

**علامہ ابنِ جریر** طبری تحت تعمیر مساجد کے تحت اپنی تفسیر میں حضرت ابنِ عباسؓ کی روایت کو پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:—

"جو شخص خدا کو ایک مانتا اور قیامت پر ایمان لاتا ہے۔ جملہ منزل من اللہ کتب کو مانتا ہے اور پانچ وقت نماز ادا کرتا ہے ایسا آدمی مسلمان اور فلاح یافتہ ہے۔"

**مولٰنا** عبدالماجد دریا بادی اپنی تفسیر میں "**قرطبی**" کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:—

"یعنی اکابر سلف نے (انما یعمر مساجد اللہ) سے استدلال کیا ہے کہ جن لوگوں کو مساجد میں آباد ہوتے دیکھو ان سے حُسنِ ظن رکھنا لازم ہے۔"

**ابی سعید** سے ایک حدیث روایت ہے:—

کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ مسجد کو لازم پکڑے ہوئے ہے تو اس کے ایمان کے گواہ ہو جاؤ۔

سو مسلمانوں سے درخواست ہے کہ وہ احمدیوں کے بارے میں عدل و انصاف کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں —

(باقی برصفحہ ۱۲ کالم ۱)

## خبر نامۂ لندن

—— ۱۴ر مارچ ۱۹۷۶ء - احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لندن کی کمیٹی میٹنگ ہوئی جس میں آئندہ تین ماہ کا پروگرام تجویز کیا گیا - مئی کے آخری ہفتہ میں یوم وصالِ مسیح موعود منانے کا فیصلہ ہوا -

میٹنگ کے بعد قاضی عبدالغفار صاحب لاہور چھاؤنی کا جنازہ غائبانہ پڑھا گیا - اللہ تعالےٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور انکے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے - آمین

ماہ پارا خالد اقبال ووکنگ میں بچوں کے لئے ایک ہفتہ وار دینیاتی کلاس جاری کر رہی ہیں - اس قسم کی کلاسیں دوسرے مقامات پر بھی جاری کرنے کی کوشش کی جائے گی -

احمدیہ ھاؤس میں باقاعدہ میٹنگوں کے علاوہ لندن کے گرد و نواح میں بھی جہاں ہمارے ممبر موجود ہیں وہاں بھی گاہے گاہے مختلف اجتماعات منعقد کئے جائیں گے -

شیخ محمد طفیل صاحب نے ۲۴ر جنوری کو ورلڈ کانگرس آف فیتھس کے سالانہ اجلاس میں شرکت کی اور ۲۵ر جنوری کو سرے یونیورسٹی میں اسلام پر لیکچر دیا -

—— ۲۴ر فروری کو ایلنگ اندن میں انہوں نے قرآن میں مسیح علیہ السلام کا تصور کے موضوع پر تقریر کی، اس جلسہ کا انتظام ریورینڈ بیرس نے کیا تھا اور حاضرین میں سب لوگ پادری تھے یا پادری بننے کی ٹریننگ لے رہے تھے -

—— یکم مارچ کو یونائیٹڈ نیشن ایسوسی ایشن کی مذہبی کمیٹی اور ۸ مارچ کو ورلڈ کانگریس آف فیتھس کی مجلس منتظمہ میں شرکت کی -

—— ۱۳ر مارچ کو لندن کے ایک دوست کے گھر قرآن کریم کا درس دیا گیا -

—— ۲۰ر مارچ کو گیانا کے ایک دوست نے اپنے گھر درس اور تقریر کے لئے بلایا -

موسم اب کھل رہا ہے اس لئے عنقریب احمدیہ ہاؤس کی حالت کو بہتر بنانے کے لئے کام شروع کیا جائے گا -

## مساجد کی تعمیر کون کرسکتا ہے - بقیہ صفحہ ۱۱

خدا نے مسلمانوں کو پاکستان جیسی نعمت عطا فرمائی ہے کہیں یہ تمہارے بد اعمال کی وجہ سے کھو نہ جائے - تم نے آزادی اس مطالبہ پر مانگی تھی، کہ ہندو اور عیسائی تمہیں اپنے عقاید پر چلنے نہیں دیتے اور تمہارے مذہب میں مخل انداز ہوتے ہیں -

آج تم خود وہی رول ادا کر رہے ہو - احمدیوں کو زبردستی کافر بنانا چاہتے ہو اُن کو اللہ اور اس کے رسول کا نام لینے سے روکتے ہو ان کی عبادات کو ختم کرانا چاہتے ہو ان کی مساجد پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھ رہے ہو - کیا اسلام اسی کا نام ہے کہ تمہیں کی لا... کی پیروی یا کچھ اور - خلاصہ مضمون یہ کہ احمدی ہرگز ہرگز مشرک اور کافر کی تعریف میں نہیں آتے اور نہ ہی ان آیات کے مفہوم کے مطابق مساجد کی تعمیر اور عبادات باری تعالےٰ کی ادائیگی سے روکے جا سکتے ہیں -

ہاں اہلِ یہود کی طرح انہوں نے سینٹ کے ایک فیصلہ کے تحت [3]

مبیع دین اور اشاعت اسلام کے زیادہ [illegible] ہیں - [illegible] لئے تو اُردو میں لٹریچر کافی ہو سکتا ہے -

مگر ہندوستان کی دوسری زبانوں میں میرے خیال میں MALAYALAM (ملایالم) زبان میں لٹریچر پیدا کرنا چاہیئے - اول کیرالا میں مسلمانوں میں اور خصوصاً EZHAVAS فرقے میں تبلیغ کرنی چاہیئے - وہاں پہلے سے عیسائی کیتھولک مشنری کام کر رہے ہیں اور کامیاب بھی ہوتے ہیں مگر ہماری جماعت کے لئے ان کا مقابلہ کوئی مشکل نہیں - اس کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے - ویسے ہندوستان میں کشمیر میں تبلیغ کا میدان بھی موجود ہے - وہاں کے احباب سے رابطہ زیادہ بڑھانا چاہیئے - اسی طرح اب بنگلہ دیش سے پاکستان کے تعلقات بہتر ہو رہے ہیں - اس لئے بنگالی لٹریچر کی طرف بھی توجہ کرنی چاہیئے -

**ایک ذوقی بات** } جو حالت اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں کی ہے اور جسطرح وہاں اسلام کو رگیدا جا رہا ہے - اُس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ربّ العالمین کی رحمت جوش مارے گی اور آئندہ پندرھویں صدی ہجری (جو چند سالوں میں شروع ہونے والی ہے) کا مجدّد تو ہندوستان میں ظاہر ہونا چاہیئے - کم از کم اس پر علمائے سُوء کفر کا فتوےٰ تو نہیں لگائیں گے - مجھے یاد ہے - حضرت سیّد اسداللہ شاہ صاحب مرحوم و مغفور نے ایک دفعہ اس امر کی طرف توجہ کرکے دُعا مانگی تھی تو انہیں آواز آئی "نعمت اللہ لکھنوی" - اس سے کیا مراد ہے یہ تو اللہ تعالےٰ بہتر جانتا ہے - مگر قرینہ یہی کہتا ہے کہ آئندہ مجدد ہندوستانی ہوگا - وہاں کے مسلمانوں کو اس کی بہت اشد ضرورت ہے - واللہ اعلم بالصواب ؛

[3] حضرت عیسےٰ علیہ السلام اور ان کے ماننے والوں سے جو سلوک کیا اور ان کو مجبور کر دیا کہ وہ شریعت کو لعنت قرار دے کر اور اصل عقاید کو چھوڑ کر ایک نیا عقیدہ اختیار کر لیں سو اس کا نتیجہ آج عیسائی دنیا کی صورت میں آپ کے سامنے ہے اس سے عبرت حاصل کرو - اور اہل یہود کے انجام کو بھی مدِنظر رکھو - آج پاکستان میں بھی سینٹ نے ہی ایک فیصلہ کیا ہے اسے فیصلہ تک ہی محدود رہنے دو ورنہ نتائج کا برآمد ہونا لازمی امر ہے - جو آپ کے اپنے اعمال کا پھل ہوگا -

## درخواست دُعا

مکرّم و معظم مرزا غلام ربانی صاحب (مغل پرنٹنگ پریس نواب شاہ سندھ) بوجہ پیرانہ سالی، احباب جماعت سے دُعا کے ملتجی ہیں، دوست ان کے لئے خلوص دل سے دُعا فرمائیں - مرزا صاحب مکرم کا وجود جماعت کے لئے ایک نعمت سے کم نہیں ہے - اللہ تعالےٰ انکو صحت اور توانائی کے ساتھ لمبی عمر عطا فرمائے - آمین

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور —— مورخہ ۱۴ر اپریل ۱۹۷۶ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۲۸ —— شمارہ نمبر ۱۵

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور نمبر ۷ سے شائع کیا (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۳ | یوم چہارشنبہ ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ مطابق ۲۱ اپریل ۱۹۷۶ء | نمبر ۱۶


# ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

## ہمارا خدا زبردست قدرتوں کا مالک ہے

وہ خدا نہایت وفادار خدا ہے۔ اور وفاداروں کے لئے اس کے عجیب کام ظاہر ہوتے ہیں۔ دنیا چاہتی ہے کہ ان کو کھا جائے اور ہر ایک دشمن ان پر دانت پیستا ہے۔ مگر وہ جو ان کا دوست ہے ہر ایک ہلاکت کی جگہ سے ان کو بچاتا ہے اور ہر ایک میدان میں ان کو فتح بخشتا ہے۔ کیا ہی نیک طالع وہ شخص ہے جو اس خدا کا دامن نہ چھوڑے۔ ہم اس پر ایمان لائے۔ ہم نے اس کو شناخت کیا۔ تمام دنیا کا وہی خدا ہے جس نے میرے پر وحی نازل کی۔ جس نے میرے لئے زبردست نشان دکھلائے۔ جس نے مجھے اس زمانہ کے لئے مسیح موعود کر کے بھیجا۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ نہ آسمان میں نہ زمین میں۔ جو شخص اس پر ایمان نہیں لاتا وہ سعادت سے محروم اور خذلان میں گرفتار ہے۔ ہم نے اپنے خدا کی آفتاب کی طرح روشن وحی پائی۔ ہم نے اسے دیکھ لیا کہ دنیا کا وہی خدا ہے۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں کیا ہی قادر اور قیوم خدا ہے جس کو ہم نے پایا۔ کیا ہی زبردست قدرتوں کا مالک ہے جس کو ہم نے دیکھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں۔ مگر وہی جو اس کی کتاب اور وعدہ کے برخلاف ہے۔ سو جب تم دعا کرو تو ان جاہل نیچریوں کی طرح نہ کرو جو اپنے ہی خیال سے ایک قانون قدرت بنا بیٹھے ہیں جس پر خدا کی کتاب کی مہر نہیں۔ کیونکہ وہ مردود ہیں۔ اُن کی دعائیں ہرگز قبول نہیں ہوں گی۔ وہ اندھے ہیں نہ سوجاکھے۔ وہ مردے ہیں نہ زندے۔ خدا کے سامنے اپنا تراشیدہ قانون پیش کرتے ہیں اور اس کی بے انتہاء قدرتوں کی حد بست ٹھہراتے ہیں۔ اور اس کو کمزور سمجھتے ہیں۔ سو ان سے ایسا ہی معاملہ کیا جائے گا جیسا کہ اُن کی حالت ہے۔

لیکن جب تو دعا کے لئے کھڑا ہو تو تجھے لازم ہے کہ یہ یقین رکھے کہ تیرا خدا ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ تب تیری دعا منظور ہو گی۔ اور تو خدا کی قدرت کے عجائبات دیکھے گا جو ہم نے دیکھے ہیں۔ اور ہماری گواہی رویت سے ہے نہ بطور قصہ کے۔ اُس شخص کی دعا کیونکر منظور ہو اور خود کیونکر اس کو بڑی مشکلات کے وقت جو اُس کے نزدیک قانون قدرت کے مخالف ہیں دعا کرنے کا حوصلہ پڑے جو خدا کو ہر ایک چیز پر قادر نہیں سمجھتا۔ مگر اے سعید انسان! تو ایسا مت کر۔ تیرا خدا وہ ہے جس نے بے شمار ستاروں کو بغیر ستون کے لٹکا دیا۔ اور جس نے زمین و آسمان کو محض عدم سے پیدا کیا۔ کیا تو اس پر بدظنی رکھتا ہے کہ وہ تیرے کام میں عاجز آ جائے گا؟ بلکہ تیری ہی بدظنی تجھے محروم رکھے گی۔ ہمارے خدا میں بے شمار عجائبات ہیں۔ مگر وہی دیکھتے ہیں جو صدق و صفا سے اس کے ہو گئے ہیں وہ غیروں پر جو اس کی قدرتوں پر یقین نہیں رکھتے اور اس کے صادق وفادار نہیں ہیں، وہ عجائبات ظاہر نہیں کرتا۔

کیا بدبخت وہ انسان ہے جس کو اب تک یہ پتہ نہیں کہ اُس کا ایک خدا ہے جو ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے۔ ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں۔ کیونکہ ہم نے اُس کو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اُس میں پائی۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ جان دینے سے ملے۔ اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔ اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا۔ یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا۔ میں کیا کروں اور کس طرح اس خوشخبری کو دلوں میں بٹھا دوں؟ کس دف سے میں بازاروں میں منادی کروں کہ تمہارا یہ خدا ہے تا لوگ سن لیں؟ اور کس دوا سے میں علاج کروں تا سننے کے لئے لوگوں کے کان کھلیں؟

(ماخوذ از کشتی نوح)

## یادِ رفتگان

جناب چوہدری فضل داد صاحب گجرات

# الحاج حافظ محمد حسن صاحب چیمہ آف گجرات کی وفات حسرت آیات

اے خدا بر تربت او بارشِ رحمت ببار
داخلش کُن از کمالِ فضل در بیت النعیم

جماعت کے تمام حلقوں میں یہ خبر نہایت رنج و اندوہ سے سُنی گئی کہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے ایک فدائی اور مخلص بزرگ۔ چوہدری حافظ محمد حسن صاحب چیمہ ۱۳ر اپریل ۱۹۷۶ء صبح سویرے راولپنڈی میں اپنے فرزند چوہدری پرویز احمد صاحب مینجر بنک کے ہاں کچھ عرصہ بیمار رہنے کے بعد بعمر ۸۰ سال اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی میت راولپنڈی سے گجرات لائی گئی۔ نماز جنازہ ۵½ بجے شام ادا کرنے کے بعد ان کو ان کے خاندانی قبرستان میں دفن کیا گیا۔

حافظ صاحب مرحوم ۱۶ر فروری ۱۸۹۶ء موضع کلاچور متصل جلالپور جٹاں۔ تحصیل و ضلع گجرات پیدا ہوئے۔

آپ جماعت گجرات کی طرف سے ہمیشہ مجلس معتمدین کے ممبر منتخب ہوتے رہے۔ آپ کا وجود جماعت گجرات کے لئے بالعموم اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کے لئے بالخصوص ایک بے بہا خزانہ تھا۔ آپ نے اپنی خدا داد ذہانت اور قرآن دانی سے کئی ایک پمفلٹ لکھ کر سلسلہ کی گرانقدر خدمت کی۔ ان میں دو پمفلٹوں کا ذکر کرنا بے حد ضروری ہے۔

اگست ۱۹۶۰ء میں آپ نے ایک پمفلٹ بعنوان "مشاہدات قلبی یا باطنی واردات" لکھا۔ جو ۵۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

علامہ اقبال نے صوبہ مدراس میں انگریزی زبان میں چند خطبات دیئے جس کا مجموعہ ایک کتاب کی شکل میں ۱۹۳۰ء میں شائع ہو گیا۔ بعد میں سید نیاز نیازی صاحب نے اس کا ترجمہ "تشکیل جدید الہیات اسلامیہ" کے نام سے شائع کیا۔ سید نیاز نیازی کی اس تالیف پر "طلوع اسلام" مارچ ۱۹۵۹ء میں تبصرہ شائع ہوا۔ اس تبصرہ پر حسب ذیل الفاظ میں تنقید کی گئی۔ آپ نے لکھا کہ اس تنقید میں ایک نکتہ ایسا ہے جس کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

قرآن کریم نے سمع و بصر و فواد یا قلب کو علم کا ذریعہ بتایا ۳۶/۱۷ سمع و بصر سے مراد ہے انسانی حواس، اور فواد یا قلب انسان کو عقلی اور فکری صلاحیت کا نام دیا ہے۔ لہذا قرآن کریم کی رُو سے حصول علم کا طریق یہ ہے۔ کہ انسان کے حواس اطلاعات بہم پہنچائیں اور قلب (MIND) اس سے نتائج مستنبط کرتا ہے۔ یہ ایک لمبا مضمون ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ آپ نے قرآن کریم کی آیات کے حوالے دیئے ہیں۔ آخر پر آپ نے حضرت مسیح موعودؑ کا یہ شعر لکھا ہے :—

وہ دین ہی کیا ہے جس میں خُدا سے نشاں نہ ہو
تائید حق نہ ہو۔ مدد آسماں نہ ہو

آپ نے مزید لکھا۔ کہ ہم نے قرآنی نکتہ نگاہ سے اس پر اظہارِ خیال کر دیا ہے۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ اب یہ بزرگ ضرور اس مضمون پر سیر حاصل بحث کریں گے۔ ہم اس مضمون کو اس دُعا پر ختم کرتے ہیں :—

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا ........

انت الوہاب۔

دوسرا پمفلٹ جو آپ نے لکھا اس کا نام "جماعتِ اسلامی اور یہ نظریئے"۔ یہ ۶۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

اس کی تالیف کی وجہ یہ ہوئی :—

جماعتِ اسلامی کے ایک صاحب قائد نے "چراغ راہ رسالہ کا قادیانی اقلیت نمبر" شائع کر کے فضا کو پھر مسموم کرنے کی کوشش کی۔

مارچ ۱۹۵۴ء میں جبکہ مشرقی بنگال میں مسلم لیگ کی شکست نے ایک انقلاب برپا کر دیا تھا۔ اس کے نتیجہ میں کچھ ایسے عناصر منظرِ عام پر آ گئے تھے جس کی وجہ سے وہاں کے کارخانوں میں ہنگامے۔ فتنے اور فسادات شروع ہو گئے۔ جس کی وجہ سے ایک طرف ہندوستان میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ اور دوسری طرف شورش پسند قوتیں خود پاکستان کے اندر مرکزی حکومت کو پریشان کر رہی تھیں۔ یہ رسالہ دعوت، فتنہ انگیزی اور اشتعال پرور ہے۔ آپ نے مزید لکھا، یہ ایک مایوس کن اور حد درجہ کی تخریبی کارستانی کا قلمی شاہکار ہے اور یقیناً موجودہ حکومت کی پریشانیوں میں اضافہ ہو گا۔ اور ہر ذی شعور اور سنجیدہ مزاج انسان، جس کے دل میں اسلام کی محبت اور وطن کی اُلفت ہے۔ کفِ دست مل کر رہ جائے گا۔

آپ نے جماعتِ اسلامی کی پوزیشن گذشتہ فسادات (۱۹۵۳ء) میں جو تھی اس کو واضح کیا۔ آپ نے مزید لکھا کہ صدیقی صاحب کی ان عیاریوں کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کیا ایک ہی قلم کی یہ ساری گلکاریاں ہیں۔ جو ایک ہی مضمون میں ظاہر کر دی گئی ہیں اور اس تضاد بیانی اور قلب ماہیت پر خود لکھنے والے کو کچھ احساس نہیں ہوا۔ نہیں نہیں لکھنے والا خوب جانتا ہے کہ مَیں کیا لکھ رہا ہوں۔ وہ خوب سمجھتا ہے کہ مَیں ایک جذباتی قوم سے خطاب کر رہا ہوں۔ جب مقصد محض اشتعال دلانا ہو۔ اور فسادات برپا کرنا ہو تو معقولیت کو کون دیکھے۔ خیال کر لیا گیا ہے۔ کہ کون بیٹھ کر میرے ان جواہر ریزوں کو چُنے گا۔ اور سیاق و سباق کے تضادات کو گنوائیگا مجھے۔ تو صرف حکومت کو پریشان کرنا ہے اور مُلک کی سلامتی اور امن کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔ جب یہ مقصد ہو تو پھر اس طریق پر کاربند اور اس کے لئے کوشاں رہنا چاہیئے۔ یہ ہیں ہمارے صالح راہ نما۔ جو اس وقت بدقسمت مُلک کی آئندہ زمامِ حکومت سنبھالنے کا تہیّہ کئے ہوئے ہیں۔"

### پاکستان میں قادیانیوں کی تعداد

آپ نے لکھا۔ کہ پاکستان میں آٹھ کروڑ انسانوں کی آبادی میں بقول جماعتِ اسلامی قادیانی صرف چالیس ہزار ہیں گویا ہر دو ہزار نفوس کے مقابلہ میں قادیانی صرف ایک اور اس ایک انسان نے دو ہزار مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ وہ اس معاشرے پر چھایا ہوا ہے۔ وہ اس کو مذہب سے متزلزل کر رہا ہے۔ ان کے خلاف بڑی بڑی ہنگامہ پرور جماعتیں۔ احرار، علمائے پاکستان، علمائے اسلام، پرویزی، دیوبندی، اہلِ حدیث، اہل تشیع، صالحین کا گروہ، پورے جبر اور پوری قوت سے مجتمع ہوئے۔ جلسے کئے۔ لاتعداد جلوس نکالے۔ فسادات کئے۔ آتش زنی۔ لُوٹ مار۔ قتل و غارت۔ سب کچھ ہوا۔ آٹھ کروڑ انسان مشتعل ہو ہو کر اُٹھے۔ گرج گرج کر اُبھرے۔ اُبھر اُبھر کر حملہ آور ہوئے۔ مگر اس تحریک کا انجام بقول صدیقی صاحب یہ ہوا کہ جوشیلے طریق کار کی ناکامی کے بعد اب مسئلہ کی صحیح طریق سے حل کرنے کے لئے یہی ایک طاقت (یعنی اسلامی جماعت (ناقل) باقی ہے۔ اور ایسا کرنے کا چانس اسی کے لئے ہے۔

یہ حسرتناک انجام اور عبرتناک خاتمہ تو یہ بتاتا ہے کہ اصلیت کچھ اور ہے اور اصل حقیقت کو چھپایا جا رہا ہے۔ آپ نے اس کیس کا تجزیہ کر کے صاف لکھا کہ مولانا نعیم صاحب یہ آپ کا کوئی کیس نہیں۔ اس میں کوئی قوت نہیں کوئی معقولیت نہیں۔ یہ تو محض نعرہ بازی اور غوغا آرائی ہے۔ اتنے لوگ

(باقی بر صفحہ کالم ۲)

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مورخہ ۲۱ر اپریل ۱۹۷۶ء

# نہتے عرب عوام پر اسرائیلی مظالم اور بیت المقدس

"دریائے اردن کے مغربی کنارے پر مقبوضہ علاقوں میں نہتے عرب عوام پر اسرائیلی مظالم اور بیت المقدس۔ حرم خلیل اور دیگر شہروں میں مسلمانوں کے مقامات مقدسہ کی بے حرمتی کے خلاف" ایک بار پھر ملک بھر میں یوم احتجاج منایا گیا ہے اور یہ عہد دہرایا گیا ہے" کہ پاکستان مکمل فتح تک عربوں کا ساتھ دیتا رہے گا"۔ ٹی۔ وی۔ پر ان بہیمانہ مظالم کی جو تصاویر دکھائی گئی ہیں انہیں دیکھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے اور ایک سخت سے سخت دل انسان کی آنکھیں بھی اشکبار ہو جاتی ہیں۔ کم از کم ہم میں تو اتنی ہمت نہ تھی کہ ایک دوسری نظر اٹھا سکیں۔ اخبارات میں بھی ان انسانیت سوز حرکات کی چند ایک تصاویر آئی ہیں۔ ایک تصویر کو دیکھ کر ہمارا سر شرم و ندامت سے جھک گیا۔ ایک نوجوان عرب طالبہ کو ایک یہودی سپاہی بالوں سے پکڑ کر گھسیٹ رہا ہے لیکن اس عرب طالبہ کا لباس دیکھ کر کوئی باحیا انسان دوسری بار اس کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ اس لباس کو لباس کہنا بھی لباس کی ہتک ہے۔ یہ اس قوم کی ایک بیٹی اور بہن کا لباس ہے جس کے لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا:۔

"اے بنی آدم! بے شک ہم نے تم پر لباس اتارا جو تمہارے عیبوں کو ڈھانکے اور زینت ہو اور تقوےٰ کا لباس یہی بہتر ہے۔ یہ اللہ کی باتوں میں سے باتیں ہیں تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔" (۲۶:۷)

ان نصیحت کی باتوں کو قبول نہ کرنے کا نتیجہ بھی اس سے اگلی ہی آیت میں بیان فرما دیا:۔

"اے بنی آدم! تم کو شیطان دکھ میں نہ ڈال دے۔ جس طرح تمہارے ماں باپ کو باغ سے نکلوا دیا۔ ان سے ان کا لباس اُتروا دیا تاکہ ان کو ان کے عیب دکھا دے ........ ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا دوست بنایا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔" (۲۷:۷)

آج ساری اسلامی دنیا اپنا یہ لباس اتار کر دکھ میں مبتلا ہو گئی ہے۔ اور یہ دکھ اسے اس قوم کی نسل سے پہنچ رہا ہے جس کے متعلق قرآن کریم میں یہ الفاظ بیان ہوئے ہیں کہ:۔

"ان پر ذلت اور محتاجی ڈالی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں آ گئے یہ اس لئے ہوا کہ وہ اللہ کی باتوں کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے اور یہ اس لئے ہوا کہ وہ نافرمانی کرتے اور حد سے بڑھ جاتے تھے۔" (۶۱:۲)

ان آیات کے آئینے میں مسلمان اپنا عکس خود دیکھ لیں۔ اس سے دو ہی نتیجے اخذ کئے جا سکتے ہیں۔ یا تو یہودی اپنے گناہوں سے توبہ کر کے حضرت موسےٰ علیہ السلام کی تعلیم پر واپس آ گئے ہیں اور مسلمان ان کے مقابلے میں اللہ کی باتوں کا انکار کرنے والے۔ نافرمانی کرنے والے اور حد سے بڑھ جانے والے ہو گئے ہیں یا یہودیوں کے مقابلے میں یہ زیادہ مغضوب علیہ ہو گئے ہیں ورنہ کہاں وہ بات کہ تین سو تیرہ ایک ہزار کے مقابلے میں اور تین ہزار پندرہ ہزار کے مقابلے میں فتح پا جائیں اور کہاں یہ بات کہ ۲۶ لاکھ یہودی دس کروڑ عربوں بلکہ ساری اسلامی دنیا کو ناک چنے چبوا رہے ہیں اور یہ بے بس و مجبور قوم باوجود عددی۔ عسکری اور مالی برتری کے محراب و منبر سے احتجاجی تقریروں۔ دعاؤں اور جلوسوں میں نعرہ بازی پر اکتفا کرنے میں ہی اپنی عافیت سمجھتی ہے۔ کیا ان کے لئے جہاد کی یہی ایک راہ رہ گئی ہے۔

آخر اس جہاد کے لئے ان کی رگِ حمیت کیوں نہیں پھڑکتی اور خون جوش میں نہیں آتا جس کے متعلق قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد موجود ہے:۔

"اور تمہیں کیا عذر ہے کہ تم اللہ کے رستے میں جنگ نہ کرو اور کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کے لئے جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم کو اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور اپنی جناب سے ہمارا کوئی ولی بنا اور اپنی جناب سے ہمارا کوئی مددگار بنا۔" (۷۵:۴)

فلسطین اور مقبوضہ عرب علاقوں کے مظلوم مردوں، عورتوں اور بچوں کی یہ چیخ و پکار آپ کے فلک شگاف نعروں کے شور و غوغا میں گم ہو کر کیوں رہ جاتی ہے۔ اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے اگر ان کے "ولی" اور "مددگار" نہیں بنیں گے تو کیا امریکہ اور روس ان کی مدد کو آئیں گے۔ یہ علمائے کرام بنوری۔ نورانی۔ انصاری۔ غفور احمد۔ طفیل محمد وغیرہ جو احمدیوں کے بیرون ملک مشنوں کو بند کروانے کے لئے در بدر ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں فلسطین میں داخل ہو کر نعرۂ جہاد کیوں بلند نہیں کرتے۔ ہم جانتے ہیں یہ گفتار کے غازی ہیں کردار کے غازی نہ کبھی تھے اور نہ بن سکیں گے۔ ان کا جہاد یا "فساد فی سبیل اللہ" صرف کمزور اور نہتے احمدیوں تک محدود ہے۔ یہ ایمان۔ یہ جرأت۔ یہ طاقت اور ہمت ان میں کہاں کہ گولیوں کی سنسناہٹ کی بھی تاب لا سکیں۔ سازش کرنا اور فن ہے اور دشمن کے سامنے سینہ تان کر جانا اور بات ہے۔

اپنی حالت یہ ہے اور الزام حضرت مرزا صاحب پر دھرتے ہیں کہ انہوں نے جہاد منسوخ قرار دیا بات اگر قادیانی مشن کی ہو تو چوٹ حضرت بانیٔ سلسلہ پر جا کرتے ہیں۔ ظفر احمد انصاری نے لندن میں ۱۹۶۲ء میں شائع ہونے والی کسی کتاب کے حوالے سے ایک پریس کانفرنس میں یہ کہا ہے کہ:۔

"اسرائیل میں قادیانی مشن نہ صرف یہ کہ عربوں کے جذبۂ جہاد کو ٹھنڈا کر رہا ہے بلکہ اسرائیلی فوج میں ایک یونٹ چھ سو قادیانی جوانوں کا بھی ہے"

اس کا جواب تو جماعتِ ربوہ ہی دے سکتی ہے کیونکہ ہمیں اس بارہ میں کوئی مصدقہ اطلاعات موصول نہیں ہوئیں۔ لیکن ہمیں افسوس ہے کہ احمدیوں کے خلاف نفرت پھیلانے میں تاریخی حقائق کو کس طرح توڑ پھوڑ کر۔ مسخ کر کے اور اس میں صریح جھوٹ کی آمیزش کر کے لوگوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اس تاریخی حقیقت پر کذب و افتراء کا پردہ ڈال کر اسے چھپایا نہیں جا سکتا کہ پہلی جنگ عظیم میں سلطنت عثمانیہ کے ٹکڑے کرنے میں خود عربوں نے لارڈ لارنس کی مدد اس وعدہ پر کی کہ ان کی ایک علیحدہ ریاست قائم کی جائے گی۔ اس بغاوت میں اگر انگریز مدد نہ کرتے تو یہ قطعاً کامیاب نہ ہو سکتی تھی۔ اگر عربوں میں جذبۂ آزادی زندہ ہوتا تو وہ ترکوں کے غلام بننے پر کبھی رضا مند نہ ہوتے۔ پھر جب بقول "فقیر سر را ہے" لائڈ جارج نے یہ کہکر کہ "معاہدے وہی قابلِ عمل ہوتے ہیں جو نوکِ قلم کی جگہ نوکِ شمشیر سے ہوں" اپنا عہد پورا نہ کیا تو عربوں نے کیوں نوکِ شمشیر سے اس معاہدے کی پابندی کرانے کی جرأت نہ کی اور اس وقت کا انتظار کرتے رہے کہ کوئی باہر سے آ کر ان میں سے جذبۂ جہاد ختم کر دے۔ یہ بھی بڑے اچنبھے کی بات ہے کہ چند ہندوستانی تو فلسطینیوں میں سے جذبۂ جہاد ختم کرانے میں کامیاب ہو گئے اور خود مفتیٔ فلسطین۔ عرب علماء اور ان کے دوسرے اسلامی ممالک کے رفقاء اس جذبہ کو زندہ رکھنے میں ناکام ہو گئے

حالانکہ قرآن عربی میں اور عربوں پر اُترا اور اس میں حکم ویسے کا ویسا موجود ہے انصاری صاحب کو اس راز پر سے بھی پردہ اُٹھانا چاہیئے اور صبح کا بھولا اگر شام کو گھر آ جائے تو اُسے بھولا ہُوا نہیں کہنا چاہیئے۔ ہمت کریں اور پانچ دس ساتھیوں سمیت سربکف اسرائیل میں پہنچکر اس جذبہ کو پھر سے زندہ کرنے کی کوشش کریں۔ یہ کہہ دینا کہ وہاں اسرائیل کی فوج میں چھ سو قادیانی موجود ہیں وہ اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ اس کے جواب میں قادیانی یہ کہہ سکتے ہیں کہ بھارت اور پاکستان کے درمیان جنگوں میں بھارتی مسلمان فوجیوں نے بھی پاکستان کے خلاف حصّہ لیا ہے۔ وہاں پھر بھی شک کی گنجائش ہے لیکن یہاں تو امر واقع ہے۔ یہاں انصاری صاحب اس لئے خاموش ہو جاتے ہیں کہ بھارتی مسلمان ان کے ہم وطن ہیں اور انہی کا مقصد پُورا کر رہے ہیں۔

انصاری صاحب کے اس انکشاف پر "فقیر سر راہے" حضرت مرزا صاحب کی ایک نظم میں سے جھٹ ایک غلط مصرع یہ تاثر دینے کے لئے لکھ مارا ہے کہ انہوں نے ہر قسم کا جہاد منسوخ کر دیا ہے۔ یہ صحافتی بد دیانتی اور بدنیتی ہے۔ وہ مصرع یہ ہے ؎

دیں کے لئے جہاد ہے اے دوستو حرام

یہ نظم سنہ ۱۹۰۲ء میں طبع ہوئی اور اس کا پہلا شعر جس کے مصرع کو توڑ پھوڑ کر لکھا گیا ہے یہ ہے:۔

اَب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
دیں کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال

جس جہاد کو چھوڑنے کی تلقین کی ہے اس کی تشریح دوسرے مصرع میں "جنگ اور قتال" کہہ کر کردی ہے اور وہ بھی اس لئے کہ دین میں کسی کو بزور شمشیر داخل کرنا خلافِ قرآن و حدیث ہے۔ اسی نظم میں آپ آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

فرما چُکا ہے سیّدِ کونین مصطفےٰ
عیسٰی مسیح جنگوں کا کر دیگا التواء

اور یہ اُن احادیث کی طرف اشارہ ہے۔ جن میں یضع الحرب اوزارھا اور تضع الحرب اوزارھا کے الفاظ آئے ہیں جن کا مطلب اوزاروں سے لڑائی بند ہو جانا ہے اور یہ امام مہدی اور مسیح موعود کے زمانہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

اس شعر میں "التواء" کا لفظ قابلِ غور ہے۔ اگر التواء کا مطلب اور مفہوم خود ساختہ علماء کے نزدیک تنسیخ جہاد ہے تو ان کی عقلوں کا ماتم ہی کرنا ہوگا۔

اس التواءِ جہاد کی دجوہات بھی حضرت مرزا صاحب نے اسی نظم کے چند اشعار میں بیان فرمائی ہیں:۔

اب تم میں خود وہ قوّت وطاقت نہیں رہی + وہ سلطنت۔ وہ رعب۔ وہ شوکت نہیں رہی
سب پر یہ اک بلا ہے کہ وحدت نہیں رہی + اک پھوٹ پڑ رہی ہے مودّت نہیں رہی

اَب زندگی تمہاری تو سب فاسقانہ ہے
مُومن نہیں ہو تم کہ قدم کافرانہ ہے

باوجود اس کے اگر مسلمان ہتھیار اُٹھانے کی کوشش کریں گے تو نتیجہ کیا ہوگا۔

یہ حکم سُن کے بھی جو لڑائی کو جائے گا
وہ کافروں سے سخت ہزیمت اُٹھائے گا

اب سنہ ۱۹۰۲ء سے اس وقت تک کے حالات عالم پہ نظر دوڑا کر ذرا تم نظر اُونچی کر کے بتائیں وہ کونسی جنگ ہے جس میں مسلمان شریک ہوئے ہوں اور انہوں نے وہ جیتی ہو۔ اور ہزیمت نہ اُٹھائی ہو۔

ترکوں کی شجاعت اور بہادری کے کارنامے تاریخ عالم کے اوراق میں جلی حروف میں ثبت ہیں۔ لیکن ایک ترک عالم ڈاکٹر عصمت بازوے نے سیرت کانفرنس میں اپنے مقالے میں فرمایا:۔

"مسلمان اَب افکار کے جہاد کی دہلیز پر کھڑے ہیں۔ اب اسلام کی تلوار نیام میں چلی گئی ہے اور افکار کی سُنہری تلوار بے نیام ہو گئی ہے"

امام حرم نبویؐ بھی اسی "افکار کی جنگ" کا ذکر بار بار اپنے خطبات میں کر گئے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے تو یہ فرمایا تھا کہ "جہاد کی شرائط اس مُلک (یعنی اُس دَور کے ہندوستان میں) اور اس زمانہ میں معدوم ہیں۔ باقی مسلمان ممالک کے لئے آپ کا یہ فتویٰ نہیں تھا تو کیوں باقی دُنیا کے مسلمانوں نے تلوار کے ذریعے یہودیوں۔ عیسائیوں اور دوسرے غیر مُسلموں کو اسلام میں داخل کرنے کی جد و جہد نہ کی۔ اور ہندوستان کے علماء کو کیوں سانپ سُونگھ گیا۔ کہ انہوں نے یہاں عیسائیوں۔ ہندوؤں اور سکھوں کو اسلام میں داخل کرنے کے لئے تلوار نہ اُٹھائی۔ اس کے برعکس خود عیسائیت کی گود میں چلے گئے۔

واقعات عالم سے اس چشم پوشی پر ہم سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے سینوں میں بے جا دشمنی۔ عداوت۔ نفرت۔ حسد اور بُغض کی ایک خطرناک آگ بھڑک رہی ہے اور اس جہنّم میں آپ جَل رہے ہیں مگر خدا کے فضل سے اس کی معمولی آنچ تک ہمارے قریب سے بھی نہیں گذرتی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک ؛

# اخبارِ احمدیہ

**سانحۂ ارتحال** جہلم سے یہ افسوسناک اطلاع ملی ہے۔ کہ مولوی عبد الحکیم صاحب ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر (مبلغ انجمن) مورخہ ۷ر اپریل کو وفات پا گئے ہیں۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔ دعا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق دے۔ احباب جماعت سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

**درخواستِ دُعا** مکرم و معظم مرزا غلام ربانی صاحب (مغل پرنٹنگ پریس نواب شاہ سندھ) بوجہ پیرانہ سالی احبابِ جماعت سے دُعا کے ملتجی ہیں، دوست ان کے لئے خلوصِ دل سے دُعا فرمائیں۔ مرزا صاحب مکرم کا وجود جماعت کے لئے ایک نعمت سے کم نہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کو صحت اور توانائی کے ساتھ لمبی عُمر عطا فرمائے۔ آمین

**درخواست دُعائے صحت** مکرم جناب مولانا دوست محمدؐ صاحب (سابق ایڈیٹر پیغامِ صلح) کو آج سے چند روز پہلے راستہ عبور کرتے وقت گر پڑنے کے باعث بازو پر شدید چوٹ آگئی تھی۔ الحمد للہ اب افاقہ ہے۔ تاہم احباب جماعت کی دعاؤں کی ابھی شدید ضرورت ہے۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے بزرگ اپنی نیم شبی دعاؤں میں مولانا صاحب موصوف کو یاد رکھیں۔

# اپیل

## مرکزی مسجد احمدیہ۔ احمدیہ بلڈنگس

لاہور کے لئے ۸ عدد (56" سائز) سیلنگ فینز کی اپیل کی گئی تھی۔ اس اپیل کے جواب میں محترم محمد حسن خاں صاحب نے دو عدد پنکھوں اور محترم ڈاکٹر غلام مجتبےٰ صاحب آف کراچی نے ایک عدد پنکھے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالےٰ انہیں جزائے خیر دے۔

مزید ۵ پنکھوں کیلئے مخیر اور صاحب ثروت احباب کی توجہ کی ضرورت ہے گرمی شروع ہو چکی ہے۔ دوست اس کار خیر میں جلد از جلد حصّہ لیکر ثواب دارین حاصل کریں۔

# مملکتِ پاکستان کیونکر وجود میں آئی

اور

# اور اس کا حقیقی قیام کونسی قومی تبدیلی کا طالب ہے

(قسط نمبر ۲)

---

**اسلام بیداری کی کروٹیں لے رہا ہے** } کیا ہی عجیب نظارہ ہے۔ آج سے نصف صدی قبل اسلامی سلطنتیں مٹتی چلی جا رہی تھیں، اور یا اب نئی حکومتیں وجود میں آنے لگی ہیں۔ آج سے پچاس برس قبل قرآن کریم کی تعلیم کو مسلمان نہ صرف بھلا چکے تھے بلکہ اُن میں سے تعلیم یافتہ ترقی پسند طبقہ اسے موجودہ زمانہ کے لئے ناکافی یا نامناسب یقین کرتا تھا مگر اب یہ وقت ہے کہ بیقراری ہے کہ کب اور کس وقت قرآنی تعلیم کو حکومتِ وقت رائج کرتی ہے، حکومت بھی اس زبردست دباؤ سے بے خبر نہیں اور وہ مجبور ہے کہ جلد یا بدیر اس طرف قدم اُٹھائے، یا تو آج سے نصف صدی قبل وہ وقت تھا کہ مسلمان اسلام کے دین کو ترک کر رہے تھے نہ کسی مجبوری و معذوری کے تحت، بلکہ محض اس لئے کہ اُصولِ حقہ سے بے خبر تھے اور یا آج یہ انقلاب رونما ہو چکا ہے کہ ساری قوم کو تباہی و بربادی منظور ہے حتّٰی کہ جان دینا بھی گوارا ہے، لیکن ایمان سے انکار نہیں۔ یا تو وہ وقت تھا کہ مغربی تنظریئے و اُصول مادیت جاذبِ نظر بن چکے تھے اور ان کی کشش دلوں میں اُترتی چلی جا رہی تھی اور یا اب یہ وقت آ پہنچا ہے کہ مادیت کا سُنہری بُت خدا تعالےٰ کے زبردست حملوں سے پاش پاش ہو چکا ہے اور ہر زبان پر یہ کلمہ جاری ہے کہ مادہ پرستی اور سائنس نے عالم کے امن و عافیت کو تباہ و برباد کردیا ہے، کہاں وہ مغربی وطنیت اور قومیت پرستی کے نظریئے کہ جن سے عالمگیر اسلامی اخوّت پاش پاش ہو رہی تھی اور کہاں اب یہ بدلا ہوا رُخ کہ اسلامی حکومتیں باہم دینی اخوّت کے رشتہ میں منسلک ہونے کو تیار ہیں۔ کیا آپ کو یہ صریح تغیّر دکھلائی نہیں دیتا؟ کیا اب بھی اس میں کوئی شک ہے کہ اسلام اپنی نیند سے بیداری کی کروٹیں لے رہا ہے اور اسلامی نشأۃ ثانیہ کا دَور ہم پر وارد ہو چکا ہے

ع سُنا ہے میں نے یہ قدوسیوں سے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

یہ سب انقلاب کس چیز کے بدلے وقوع میں آ رہا ہے۔ اس بڑھتے ہوئے ایمان کے صدقے کہ اُصول اسلام سچے و راست ہیں اس صادق یقین کے نتیجہ میں کہ قرآنی تعلیم واقعی فلاح و نجات کا ذریعہ ہے اور نہ صرف یہ کہ وہ ہر زمانہ و ہر ملک کی ضروریات کے لئے مکتفی ہے بلکہ یہ کہ جس قدر اس کی ضرورت دنیا کو آج اس کی نجات کے واسطے لاحق پڑی ہے پہلے کبھی نہیں ہوئی۔ عدل و انصاف اس کے بغیر قائم نہیں ہو سکتے ظلم و تعدی سے رہائی نہیں ہو سکتی، امن و صلح کی بنیادیں استوار نہیں کی جا سکتیں جب تک اس تعلیم کی مقبولیت نہ ہو۔ یہ ہے وہ یقین و ایمان جو مسلمان دلوں میں گھر کرتا چلا جا رہا ہے۔ وہ ایمان جو دل کی گہرائیوں سے شروع ہوتا ہے وہ یقین جو ابتداء میں عوام کے لئے نتیجہ خیز دکھلائی نہیں دیتا، وہ عرفان جس کے اثر سے دنیاوی آنکھ بے خبر ہوتی ہے آج مادی دنیا میں انقلاب انگیزیاں کر رہا ہے جس سے کسی کو مجال انکار نہیں کیا خوب کہا ہے:

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا

نگاہِ مردِ مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

- - - - - - - - - - - - - - - - - -

ولایت، پادشاہی، علمِ اشیاء کی جہانگیری

یہ سب کیا ہیں، فقط ایک نکتۂ ایماں کی تفسیریں

یہ تریّا پر گیا ہوا ایمان جس کی بدولت اسلامی دنیا میں انقلاب رُونما ہو رہا ہے کس وجود کی برکت سے آج کے زمانہ میں مسلم قلوب میں گھر کرنا شروع ہوا؟ شاعر، فلسفی، لیڈر، ادیب ان میں سے کبھی کوئی بھی یقیناً ایمان پیدا نہیں کر سکے۔ ان کی غرض و غایت یہ ہوا کرتی ہے نہ انہیں خود اس دولت کا پتہ ہوتا ہے بلکہ یہ سب لوگ تو خود اس کے محتاج ہوا کرتے ہیں۔ مسلمانو! کیوں تم تدبّر نہیں کرتے کہ یہ تمہاری بیداری کا دَور جو محض ایمان کے دوبارہ قائم ہو جانے کے باعث ہے کس صاحبِ بصیرت و عرفان کے نزول کا پتہ دے رہا ہے!

**صداقتِ اُصولِ حقہ پر یقین** } بہت سے لوگ یہ بھی اعتراض کرنے کے عادی ہیں کہ جب تک کوئی لیڈر مسلمانوں کو حکومت و سلطنت نہ دلائے تب تک اس کی طرف کوئی انقلاب منسوب کرنا بے معنی ہے۔ اگر وہ غور کریں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ مسلمان قوم کا شیرازہ دیگر اقوام سے بکلی مختلف ہے۔ جہاں دیگر اقوام کی بناء اُن کا وطنی یا نسلی اشتراک ہے وہاں مسلم قوم کی وحدت کی بناء اس امر پر منحصر ہے کہ ان کے قلوب صداقتِ اصولِ حقہ سے کس قدر لبریز ہیں۔ جس قدر قلوب میں یہ یقین زیادہ ہوگا اسی قدر ان کا باہمی رشتۂ اخوّت مضبوط و مربوط ہوگا اور جتنا ان کا ایمان اصولِ اسلام و تعلیم قرآن پر کم ہوگا اسی نسبت سے ان میں باہمی یگانگت و اتحاد کمزور رہے گا۔ مسلم قوم کے شیرازہ کی بنیادیں اور اس قومیت کے اتحاد کی مضبوطی یا کمزوری کا دار و مدار قرآنی تعلیم پر درجہ یقین سے وابستہ ہے۔ جبکہ اور کوئی منسلک کرنے والی شئے ہے ہی نہیں تو انہی صداقت کے اُصولوں پر ایمان اور اس کی مضبوطی پر قومیت کی بنیادیں استوار ہیں۔ پس جو شخص قرآنی صداقت کو قلوب میں گاڑنے کا موجب ہوگا وہی حقیقتاً مسلم قومیت کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے والا ہوگا۔ اب جائے غور ہے کہ چودھویں صدی میں کس خادمِ اسلام نے صداقتِ اسلام پر تمام دنیا کو للکارا اور کس نے ببانگِ دہل قرآنی تعلیم کی افضلیت پر غیروں کو چیلنج پر چیلنج دیئے جس سے نہ صرف اپنوں کے پست حوصلے بلند ہو گئے بلکہ قلوب میں صداقت گھر کر گئی اور اس طرح باہمی قومیت کی رسّی مضبوط ہو گئی۔ ع

آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہر چند + ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے

کسی مُلک کے لوگوں کا یہ دعوےٰ کہ ہم سب مسلمان ہونے کے باعث دوسروں سے علیحدہ حیثیت و قومیت رکھتے ہیں اور اس دعوےٰ پر غیروں کے مقابل متحدہ قیام و ثبات ایمان کا ایک دعوےٰ ہے جس کی بناء پر خدا تعالےٰ کی یہ معجزانہ عطا ہے کہ ایک سب سے بڑی اسلامی مملکت کا وجود عالم شہود میں آ گیا۔ پاکستان کا وجود میں آ جانا ایک شئے ہے لیکن اس کا مضبوط طور پر قائم و دائم ہو جانا اور صحیح و سچے معنوں میں اسلامی سلطنت بن جانا ایک دیگر امر ہے جہاں خدا تعالےٰ کی اس نعمت و برکت پر ہمیں سجداتِ شکر بجا لانے کا موقعہ ہے وہاں اس سے زیادہ توجہ اس امر کی طرف دینی ضروری ہے کہ یہ ایمان کا دعوےٰ کیونکر سچا ثابت کر دکھلایا جائے کیونکہ سچائی کے بغیر ثبات و قیام ممکن نہیں۔ جہاں قرآن کریم نے یہ ارشاد فرمایا ہے تؤتی الملك من تشاء و تنزع الملك ممن تشاء ..... و تعز من تشاء و تذل من تشاء یعنی سلطنت کی عطا ایک رنگ عزّت ہے وہاں قرآن نے خلافت کی یہ شرائط بھی بیان فرمائی ہیں وعد الله الذين امنوا منكم و عملوا الصلحت ليستخلفنهم فی الارض ہمارا وعدہ خلافت کا ان لوگوں سے متحقق ہوا کرتا ہے جن میں صفات ایمان اور عملِ صالح موجود ہوں۔ اور دوسری جگہ اسی مضمون کو ان الفاظ طیبۃ میں

ادا کیا ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون۔ ہم نے زبور میں یہ ذکر کر دیا ہے کہ زمین کی وراثت صالح بندوں کی ملکیت ہوگی۔ قابلیت وصلاحیت کسی فرائض و عہدہ کو نبھانے کے لئے ضروری و لازم۔ قرآنی شرائط ہیں جو کتاب خود یہ حکم دیتی ہو ان تؤدوا الامانٰت الیٰ اھلھا کہ امانتوں و فرائض کو ایسے لوگوں کے سپرد کرو جو اُن کے ادا کرنے کے واقعی اہل و قابل ہوں تو کیا ایسی کتاب کے نزدیک سلطنت و حکومت کبھی ایسے ہاتھوں میں دی جا سکتی ممکن ہے جو اس کے اہل نہ ہوں اور جو ایسی بھاری خدائی امانت کو دیانت سے ادا نہ کر سکتے ہوں کسی فرد یا قوم کی قابلیت کا اصل پتہ اس وقت لگتا ہے جب اس پر زیادہ ذمہ داری کا بوجھ ڈالا جائے۔ چنانچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ جو مسلمان اس سے قبل حکومت کی رٹ لگا رہے تھے وہ بھی آج حکومت مل جانے پر معترف ہیں کہ ہماری قوم میں ابھی تک وہ صلاحیت موجود نہیں جس سے یہ قوم سلطنت سنبھالنے کی اہل کہلا سکے۔ کثرت ایسے اصحاب کی تھی جو اس اصول سے متفق نہ ہوتے تھے کہ پہلے کسی قوم میں وہ صفات موجود ہونی چاہئیں جو سلطنت چلانے کے لئے ضروری ہیں اور پھر ایسی قوم کو حکومت عطا ہونی چاہیئے وہ یہ کہا کرتے تھے کہ پہلے حکومت مل جائے تو پھر اس کے بعد اعلےٰ صفات کا پیدا ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ لیکن آج واقعات سے اس اصول کی صداقت بھی روزِ روشن کی مانند ظاہر ہوگئی ہے کہ اصل اور مشکل چیز تو صلاحیت کا پیدا کرنا ہے نہ کہ حکومت لے لینا، اگر حکومت حاصل ہو بھی جائے تو بھی اس کی وجہ سے لازماً صلاحیت کا پیدا ہو جانا ضروری نہیں ہوا کرتا بلکہ اکثر دفعہ تو حکومت و سلطنت پیدا شدہ اوصاف کو گنوا دینے کا براہِ راست موجب بن جایا کرتی ہے۔

## پاکستان میں مساوات و اخوت کا عملی رنگ

جہاں اس میں ذرہ بھر بھی شبہ نہیں کہ مسلمان قوم نے اپنے ایمان کے بدلے ہر شئے قربان کر دی مگر کفر پر اسلام کو ترجیح دی وہاں تصویر کا دوسرا رُخ بھی موجود ہے کہ زندگی کے عملی میدان میں اور عملوا الصلحٰت کا نمونہ پیش کرنے سے من حیث القوم وہ عاجز رہی ہے جن اصحاب نے محض اپنے ایمان کو سلامت رکھنے کے لئے ہند سے ہجرت کر کے پاکستان میں پناہ لی ان کے ساتھ مجموعی طور پر یہاں کے باشندوں نے کیسا سلوک کیا؟ مساوات و اخوت کے اسلامی نمونے کہاں تک دکھلائے گئے؟ ہمدردی اور ایثار سے قطع نظر اگر صرف عدل و انصاف کو ہی برقرار رکھا جاتا تو غیر مسلموں کی چھوڑی ہوئی املاک و اموال کا صحیح حقدار کون تھا؟ اس کو ہی دیکھا جاتا تو آج یقیناً قوم کی حالت کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا۔ یہاں انفرادی حالت کا سوال نہیں کیونکہ افراد میں سے بہتوں نے اپنی ہمت و استطاعت سے بڑھ کر خدمت ادا کی بلکہ یہاں قوم کی مجموعی حالت اور کثرت کا ذکر ہے بعض واقعات تو ایسے بھی ہوئے کہ وہ لوگ جو ہندوستان سے اپنے اموال و عزت لٹا کر پاکستان میں سر چھپانے آئے ان کے مالوں اور عزتوں پر یہاں بھی ڈاکہ ڈالا گیا۔ حکومت کی طرف سے جو اخراجات مہاجرین کی امداد کے لئے منظور کئے گئے انہیں ذاتی تصرف سے خورد برد کیا گیا۔ اور اس وقت جبکہ اپنی حکومت قائم ہو چکی ہے اپنے گھر کا کیا نقشہ ہے؟ کیا کافر اور غیر کی حکومت کی مشینری سے زیادہ تندی زیادہ مستعدی اور قابلیت سے ہماری اپنی حکومت اپنے کاموں کو سر انجام دے رہی ہے؟ کیا بے ایمانی، رشوت ستانی، چور بازاری شراب خوری، تعیش پسندی، غرباء و محتاجوں کی حالت سے قطعی بے پروائی پہلے کی بہ نسبت زیادہ ہے یا کم؟ بعض لوگ کہتے ہیں ابھی ابتداء ہے مشکلات درپیش ہیں آہستہ آہستہ حکومت اور قوانین اسلامی کے نفاذ سے سب کچھ درست ہو جائیگا اگر قوم میں مجموعی طور پر یہ زبردست خواہش موجود ہے کہ وہ اپنی عملی زندگی میں اسلامی اخلاق و احکام کو رائج کرے تب تو یہ امید کی جا سکتی ہے کہ حکومت کی امداد کا ہاتھ کچھ کام کر سکے گا لیکن اگر قوم میں سے اپنی عملی زندگی کو تبدیل کرنے کی خواہش مٹ چکی ہے تو حکومت اور اس کے قوانین کیا کر سکیں گے؟ حکومت کے افراد کہاں سے آتے ہیں؟ قوم کا جزو ہی ہوتے ہیں اور اگر قوم کی کثرت نا اہل و قومی کردار سے نابلد ہے تو حکومت کہاں سے اہل و قابل بن جائے گی؟ حکومت تو قوم کے اخلاق و کردار کی آئینہ دار ہوتی ہے جب تک خود قوم میں تبدیلی و اصلاح کی تڑپ پیدا نہ ہوگی حکومت اور اس کے قوانین بے کار محض ہیں آج یہ صداقت ہر کس و ناکس پر منکشف ہو رہی ہے بلکہ بعض لوگ تو مایوس ہو رہے ہیں کہ قوم کی موجودہ حالت واقعی زبوں حالی کی ہے لیکن ایسا کرنے کی ضرورت نہیں اس لئے عام طور پر قوم میں اپنی کمزوریوں کا احساس پیدا ہو چکا ہے اور وہ اپنی اصلاح و تبدیلی کی خواہاں ہے مگر اس میں کوئی کلام نہیں کہ صلاحیت مقدم و لازم شئے ہے اور اس کی عدم موجودگی میں حکومت بھی بے کار و بے بس ہے۔

## سچے اور کامل ایمان کا لابدی نتیجہ اور عملی اصلاح کی ضرورت

آج کون دل یہ محسوس نہیں کرتا کہ کاش ہماری قوم اصلاح یافتہ ہوتی تو ہمیں کوئی خوف و خطر نہ تھا۔ کاش ہماری قوم اعلےٰ سیرت اور عمدہ اخلاق کردار کے مضبوط اور ناقابلِ تسخیر ہتھیاروں سے مسلح ہوتی تو ہمیں غداروں اور خود غرضوں سے سامنا ہوتا نہ بیرونی دشمن سے مقابلہ کی تشویش۔ جو قوم اپنے عزم راسخ پر قائم، باہم متحد و منظم، ایثار و بے نفسی کا مجسمہ ہو، عدل و انصاف، ہمدردی و خیر خواہی بنی نوعِ انسان کی علمبردار ہو اسے کونسی طاقت دنیا سے نیست و نابود کر سکتی ہے، اور اگر ایسا ہو بھی جائے تو وہ ظالم قوت کب تک رہ سکتی ہے۔ کیا یہی قرآن کریم کی تعلیم کا بھولا ہوا سبق نہ تھا جو مسلمان قوم کو ان کے ایک حقیقی مصلح و خیر خواہ نے آج سے نصف صدی قبل یاد دلایا؟ کیا اس کی یہی پکار نہ تھی کہ تمہیں غیر اقوام کی آزادی سے قبل اپنے نفسوں کی حکومت سے آزادی حاصل کرنا ضروری ہے؟ کیا اس کی مسیحائی تعلیم کا لب لباب یہی نہ تھا کہ تم شیطان کی حکومت سے اپنے نفسوں کو چھڑا لو۔ قبل اس کے کہ تم الٰہی حکومت کو دنیا پر قائم کر سکنے کے قابل ہو؟ اس وقت تم نے اس بات کو درخورِ اعتناء نہ سمجھا لیکن آج واقعات نے تمہیں یقین دلا دیا ہے کہ اسلامی سیرت و کردار سے اپنے آپ کو مزین کرنا اور اپنے باطن پر اللہ تعالےٰ کی رضا کو مقدم کر لینا ہی وہ اوّلین اصلاح ہے جس کے بغیر دنیا کا تخت و تاج حاصل کر لینا اور قوانین و قواعد پر قبضہ پا لینا بے سود و بے کار ہے۔ ابھی عالم میں اس وقت ہر طرف امن و امان کا دور دورہ قائم تھا کہ اس نے جگانے کی کوشش کی کہ دیکھو دنیا پرستی سے قلوب کا امن کھویا جا چکا ہے اور یہ باطنی فساد و بے امنی اپنا رنگ بیرونی دنیا میں لانے کو ہے، خبردار ہو جاؤ! ہوس و حرص کی جو آگ دلوں میں بھڑکائی جا چکی ہے قریب ہے کہ وہ مادی شکل میں منتقل ہو کر تمہیں بھسم کر دے ظاہریت پر قناعت نہ کرو۔ دنیا کی دلفریبی و کشش سے مرعوب نہ ہو جاؤ۔ اپنے باطن اور نفس کی جانب دھیان کرو کہ اگر اس میں پاکیزگی، خیر خواہی و امن و عافیت موجود نہیں تو ظاہرا قوانین اور مادی نظام اسے کیونکر نجات دلا سکتے ہیں؟ یہ تمام باتیں اس نے تمہیں بتلائیں دنیا کو عام طور پر اور مسلمان قوم کو خاص کر اس نے بیدار کرنے کی کوشش کی۔

تم تو ہو آرام میں یہ اپنا قصہ کیا کہیں
پھرتے ہیں آنکھوں کے آگے سخت گھبرانے کے دن

اس وقت ان باتوں کو شاید کسی مجذوب کی بڑ یا کسی خود غرض کی دھمکی خیال کیا گیا لیکن آج وہی امور ہمارے سامنے حقیقت کا جامہ پہن کر آ کھڑے ہیں۔

جیسے کہ اُوپر واقعات کی شہادتِ حقہ سے عرض کیا جا چکا ہے مسلمان قوم نے اس ملک میں اپنے ایمان کو دوبارہ قائم کرنے کی طرف جب توجہ کی اور اصولِ حقہ کو تسلیم کر کے اُن پر ثبات و قیام دکھلایا تو اس کے لازم نتیجہ میں خدا تعالےٰ نے انہیں ایک نئی حکومت عطا کی لیکن انہوں نے عمل کے میدان کی

طرف کوئی توجہ نہ دی اور آج وہ اس کی سخت ضرورت محسوس کر رہے ہیں۔

پاکستان کے قیام سے جس ایک امر کو مسلمان قوم نے بشدت محسوس کیا ہے وہ یہ ہے کہ ہماری قوم کی نجات اور ہماری حکومت کا بقاء متقاضی ہے کہ ایک اصلاح یافتہ جماعت مسلمانوں میں سے کھڑی ہو جو صرف اپنے وعظ و تلقین سے اور اپنے خوبصورت علم کلام سے بلکہ اپنے عمل سے اور زندگی کی روزمرہ اقتاد سے عوام میں تبدیلی و اصلاح پیدا کرنے والی ہو۔ عمل کی اصلاح عمل سے ہی ممکن ہے، باتوں سے ممکن نہیں اور ساری قوم کی سچی تبدیلی کے لئے ایک متحدہ و متفقہ جماعتی نظام کی حاجت درپیش ہے جن کی نہ صرف انفرادی زندگیاں اسلام کے باطنی و روحانی نظام کی آئینہ دار ہوں بلکہ جن کا اجتماعی اقدام اور باہمی برتاؤ و سلوک بھی خدا پرستی کے اصولوں کے مطابق ہو جن میں باہمی اسلامی اخوت و مساوات کا رنگ دکھلائی دے اور جو آپس میں محبت و ہمدردی اور حسن ظنی و ایثار میں قابلِ رشک نمونہ پیش کر رہے ہوں۔ اگر یہ سچ ہے کہ مسلمان قوم کی موجودہ اخلاقی حالت اور کردار و سیرت تبدیلی و اصلاح کی محتاج ہے، جس تغیر میں ہی نہ صرف اسلام کے مذہب کا احیاء و اشاعت بلکہ خود اپنی قوم کا سنورنا اور حکومت کا استحکام مضمر ہے تو یہ بات بھی اسی قدر سچی ہے کہ یہ اعلیٰ و ارفع مقصد صرف ایک اصلاح یافتہ جماعت کے قیام اور اس کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ پر ہی منحصر ہے اور دوسری کس طرح سے یہ ممکن العمل نہیں۔

اخلاقِ عالیہ پر قائم ایک جماعتی نظام اور اندرونی پاکیزگی و طہارت و صفائے باطنی کا ایک مرکز ہی مسلمان قوم کی موجودہ مصائب کے لئے تریاق کا حکم رکھتا ہے، جو ان کے روحانی احیاء و اخلاقی ترقی کے لئے از بس ضروری و لازم پڑا ہے بجز اس کے ممکن نہیں اور مسلمان قوم کی اخلاقی تبدیلی کے باعث ہی اصول اسلام کا غیروں کی دنیا میں بول بالا جلد از جلد وقوع میں آجانا ممکن ہے۔

ہم اپنا فرض اے دوستو اب کر چکے ادا
اب بھی اگر نہ سمجھو تو سمجھائے کا خدا

## اخلاقی میدان میں قومی تعلیم و تربیت کا اعلیٰ مقصد۔

جیسے کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے۔ زندہ عملی نمونوں سے کسی قوم میں عملی اصلاح اور اخلاقی تربیت پیدا ہوا کرتی ہے اور یہی وہ غرض ہے جس کے لئے یہ ضروری ہوا کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ سے پاک شدہ کامل لوگ اس امت میں اصلاح کے لئے مبعوث ہوا کرتے ہیں ورنہ تعلیم کا کمال تو فرقان مجید پر ختم ہو چکا ہے۔ پھر ایسے کامل اور بلند مرتبت اشخاص کے اُٹھ جانے کے بعد ان کی جماعت من حیث القوم ان کی وارث ہُوا کرتی ہے۔ جہاں مجددین کی اپنی ذاتی و انفرادی زندگیاں مذہبِ اسلام کی صداقت پر ایک دلیل و برہان ہوا کرتی ہیں وہاں ان کے بعد ان کی جماعتیں اپنی مجموعی حیثیت سے اسلامی نظامِ حیات کے نقشہ کو اپنی جماعتی زندگی میں پیش کیا کرتی ہیں۔ اور ان تمام اخلاق عالیہ اور صفاتِ محمودہ کی حامل ہوا کرتی ہیں جن کا دنیا میں پیدا کر دکھلانا ہی ساری تبلیغ و اشاعت کی غرض و غایت ہوا کرتا ہے اور جس کے فقدان سے ہی دنیا میں فتنہ و فساد برپا ہو جاتا ہے۔ یہ ایسی ہی بلند پایہ جماعت کے اخلاق حسنہ اور نظام اسلامیہ کا اثر ہُوا کرتا ہے۔ کہ پھر اس سے ساری قوم متاثر ہوتی ہے۔ کسی شخص کے گرتے ہوئے ایمان کو دوسرے شخص کا مضبوط ایمان یا دلائل و براہین قائم کرنے کا موجب تو بن سکتے ہیں مگر کسی کی زندگی کو عملوا الصّٰلحٰت کا مصداق بنانے کے لئے ایک عمل صالح پر قائم گروہ کا وجود لازم و ضروری پڑا ہے۔ ایمان سے ایمان اور عمل سے عمل پیدا ہوتا ہے اور قومی کردار میں تبدیلی و اصلاح کے لئے ایک تبدیل شدہ جماعتی نظام کی ضرورت از بس لابدی ہے۔ جب تک مسلم قوم کی اخلاقی تربیت کا سامان ایک بلند پایہ جماعتی نظامِ مرکزی اخلاقی طاقت سے نہ کیا جائے گا تب تک پاکستان کا قیام حقیقی معنوں میں وجود میں نہ آئے گا۔ اور نہ ہی غیروں میں اشاعت و تبلیغ اسلام کی تحریک کسی تیز رفتاری سے اور سرعت سے جاری کی جا سکے گی۔ پس مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اپنا قوم کی اخلاقی و دینی تعلیم و تربیت کے لئے کسی مرکزی نظام و جماعتی وجود کو تلاش کریں کیونکہ یہی وہ ایک شئے ہے جس سے ان کی سچی قومی زندگی اور حکومت الٰہیہ کا قیام وابستہ ہے۔

از عمل ثابت کُن آں نورے کہ در ایمانِ تست
دل چو دادی یوسفے را راہِ کنعاں را گزیں

---

## بیادِ رفتگان — بسلسلہ صفحہ ۲

تو ایک گاؤں میں بسائے جا سکتے ہیں۔ ان سے فضا میں کوئی تموج پیدا نہیں ہو سکتا۔ (یہ پمفلٹ بڑا ہی ضروری ہے اس کو دوبارہ شائع کر کے لوگوں میں تقسیم کیا جانا چاہیئے)

### اہلِ علم اور باشعور طبقہ سے آپ نے اپیل بھی کی کہ:—

"اس قسم کے سپیشل نمبر نکال کر اسلامی جماعت کے راہ نما کچھ اچھے تدبر کا ثبوت نہیں دے رہے۔ اور نہ ہی دوسروں پر لعن طعن کرتے رہنا کوئی عقلمندی ہے۔ اس سلسلہ میں جو صاحبان ملت کی سالمیت اور استحکام پاکستان کے پیشِ نظر اس موضوع پر قرآن کریم اور سنتِ نبوی و کلمہ طیبہ کا احترام کر سکیں گے۔ اپنے قلم کو جنبش دیں گے ہم انشاءاللہ اُن کے رشحاتِ قلم کو طبع کرا کر ملک میں شائع کرا دیں گے۔"

آخر میں آپ نے لکھا کہ:—

"ہماری دعوتِ اسلام کے تمام فرقوں، جماعتوں، اداروں اور انجمنوں کے لئے صدائے عام کا درجہ رکھتی ہے۔ اور ہم توقع رکھیں گے۔ کہ تکفیر کے مہلک مرض کے لئے ایک تریاق تیار ہوگا۔ جو ملت کے جسم کی ایسی تطہیر کر دے گا۔ کہ آئندہ کے لئے وہ مکمل طور پر صحت مند ہو جائے گا۔"

آپ فوجداری مقدمات لیتے۔ ہر قتل کے کیس میں ایک طرف آپ ہوتے۔ آپ کی ذہانت۔ معاملہ فہمی تمام وکلا میں مسلم تھی۔ آپ نے غالباً ۱۹۶۸ء میں مقدمات لینے بند کر دیئے۔

کثرتِ کار کی وجہ سے آپ کی صحت خراب رہنے لگی تھی۔ مزید براں ۱۹۷۲ء میں آپکو اپنے ایک لائق ترین فرزند جناب چوہدری ضیاءالحسن صاحب چیمہ کی وفات کا صدمہ سہنا پڑا۔ جس سے آپکی صحت مزید کمزور ہوگئی اور دن بدن گرتی ہی چلی گئی۔

آپ گاہے گاہے اپنے فرزندِ اکبر ڈاکٹر خالد صاحب کے ہاں راولپنڈی میں چلے جاتے۔ مگر جب چوہدری محمد احمد صاحب پرویز کی تعیناتی بنک منیجر کے عہدہ پر راولپنڈی میں ہوئی تو آپ گجرات سے راولپنڈی منتقل ہو گئے اور آخری دم تک ان کے پاس رہے اور وہاں ہی فوت ہوئے۔

## پُرانی یادیں

آپ کو مجھ سے بیحد محبت تھی۔ اس کی وجوہات ذیل تھیں:—

۱۔ چوہدری صاحب مرحوم اور ان کے چھوٹے بھائی احسن مرحوم میرے کلاس فیلو اور سکول فیلو تھے۔ جب ہم مشن ہائی سکول گجرات میں جونیئر کلاس میں داخل ہوئے۔

۲۔ میں نے ۱۹۲۵ء میں بیعت کی اور ہمیشہ ان کے ہمراہ سالانہ اجتماع پر لاہور جاتا رہا۔

(باقی بر صفحہ ۸ کالم ۲)

# شذرات

## جوابِ تنقید

[جناب جسٹس قدیرالدین صاحب سابق چیف جسٹس ہائی کورٹ نے "قرآنی نظریۂ ریاست" پر ایک پُرمعارف مقالہ سپردِ قلم فرمایا تھا۔ اس پر پروفیسر عبدالحمید صدیقی صاحب نے فروری اور مئی ۱۹۷۵ء کے ترجمان القرآن میں ایک تنقیدی مضمون شائع کرایا۔ جناب قدیرالدین صاحب نے اس کا جواب دیا ہے جو ترجمان القرآن مارچ ۱۹۷۶ء میں شائع ہُوا ہے۔ اس میں سے چند سطور ہم قارئین پیغام صلح کی دلچسپی کے لئے پیش کرتے ہیں ——— ادارہ]

"صدیقی صاحب کو ڈر یہ ہے کہ اگر انسان نے اسلام کی ہمہ گیری جان لی تو لاشعوری طور پر دینِ برحق سے دُور ہو جائے گا۔ کوں سے دین؟ اسی دین سے جو آفاقی، ابدی، سرمدی اور ہمہ گیر ہے؟ اس سے تو وہ قریب ہوگا۔ البتہ فرقہ بندیوں اور ردو کد کی تکرار سے دُور ہو جائے گا۔ جس طرز خیال نے یہ خیال کیا ہے کہ صحیح بخاری، جس کو آج کلام پاک کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب کہتے ہیں، اس کے مرتب امام بخاریؒ کی زندگی میں ان کو اتنا تنگ کیا گیا کہ انہوں نے مرنے کی آرزو کی۔ آج امام ابوحنیفہ رح کے فتووں کو اعتقادات کا درجہ دیتے ہیں۔ مگر ان کی زندگی میں ان پر کُفر کا فتوے لگایا گیا۔ اگر اسلام کی آفاقیت اور ہمہ گیری کو جانتے اور مانتے تو مولانا حالیؒ، مولانا شبلیؒ، ڈاکٹر اقبالؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی پر کُفر کے فتوے نہ لگتے۔ دلوں میں اختلاف کی سمائی ہوئی اتنی وسعت ہوتی کہ دوسروں کی نیک نیتی کو تسلیم کریں۔ بس کسی کی ایک آدھ بات اپنے خیال کے خلاف ملی اور اس کی عزت کو مٹا دینے کے درپے ہو گئے، اور کافر بنا کر کافر گر خوش ہوتے کہ ہماری پارٹی کی فتح ہو گئی۔ اگر ہم خیال بنا کر مسلمان نہ کیا تو کیا ہوا۔ کافر تو بنا کر چھوڑا۔ جو داغ ہم نے لگایا ہے اس کی بُو آنے والی نسلوں کی ناک میں تو جائے گی۔ ادھر یہ ہوا کہ لفظ کُفر سے نفرت کی بُو دُور ہوتی چلی گئی۔ اور لاکھوں مسلمانوں نے اُن ہی "کافروں" کی عزت بھی کی اور اُنکو مظلوم بھی جانا۔ اب ان اختلافات کا فیصلہ روزِ حساب میں اللہ کے سامنے ہوگا۔ کیونکہ ایسے اختلافات کا فیصلہ اس نے اپنے ہی ہاتھ میں رکھا ہے۔" (الحاشیہ ۵:۴۸)

---

کی میرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

بحوالہ ماہنامہ "تحریکِ جدید" ربوہ (بلاتبصرہ):—

## "دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی"

"رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:—

انّ اللّٰہ یبعث لھٰذہ الامّۃ علیٰ رأس کلّ مأۃ سنۃ یجدّد لھا دینھا۔

یعنی ہر صدی کے سر پر اللہ تعالےٰ ایک ایسے شخص کو مبعوث فرمایا کرے گا جو اس اُمّت کے لئے ان کے دین کی تجدید کریگا۔

حدیث معروف ہے۔ خواص و عام اسے جانتے ہیں اور اس لئے بھی جانتے ہیں کہ گذشتہ صدیوں میں مجددین کی بعثت سے وہ واقف ہیں۔ اور متعدد مجددین کے نام بھی بتا سکتے ہیں۔ اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ تجدیدِ دین کا کیا مطلب ہے۔ ماہنامہ "الحق" ایک حالیہ اشاعت میں دیوبند کے متعلق لکھتا ہے:—

"ہر ایک صدی میں کوئی نہ کوئی مجدد آئے گا جو دین کو نکھارے گا عقائد، اعمال اور کلیاتِ دین میں لوگ جو فرق اور خرابی ڈالیں گے مجدد ہر صدی میں آکر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ الگ کر دے گا۔"

حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام نے بھی اس زمانے میں تجدیدِ دین کرنے کا دعوےٰ کیا اور یہ بھی فرمایا کہ اگر وہ نہیں تو اس زمانے میں اور کون تجدید کرنے والا ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے تجدید دین فرمائی اور دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی الگ الگ کر دیا۔ لیکن لوگوں کو اعتراض ہے کہ حضور نے ان سے اختلاف کیوں کیا۔ ستم ظریفی کی حد ہے کہ ایک شخص کرے تو تجدید لیکن اس سے توقع یہ رکھی جائے کہ وہ وہی کچھ کہے جو دوسرے کہتے ہیں۔ اور وہی کچھ کرے جو دوسرے کرتے ہیں۔ یہ بات ناممکن ہے۔ نہ کبھی پہلے [illegible] اور نہ کبھی آئندہ ہوگی۔ مجدد تو لوگوں سے اختلاف کرے گا اور اُن سے کہے گا کہ وہ فلاں بات میں غلطی پر ہیں۔ وہ ان کے اعمال بھی درست کرے گا اور ان کے خیالات بھی اور یقین جانیئے کہ ہر مجدد ایسا ہی کرے گا اور ایسا ہی کرتا رہا ہے۔

پھر حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کے بارے میں توقعات کیوں مختلف ہوں۔ ان پر یہ اعتراض کیوں کیا جائے کہ انہوں نے تو وہ باتیں کہی ہیں جو جمہور کے عقیدے کے خلاف ہیں۔ اگر جمہور ہی نے ہمیشہ درست ہونا ہے تو مجدد کیوں آئیں اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا کیا مطلب۔ آپ خود ہی اس پر غور فرمائیں۔"

---

## یادِ رفتگان ——— بسلسلہ مٹ

۳۔ آپ کے مکان اور میرے مکان میں ۱/۲ ۵ کرم کا فاصلہ ہوگا۔

محمد احمد کے پاس راولپنڈی جانے سے پہلے مکان پر جب آپ اکیلے ہوتے نوکر بھیج کر مجھے منگوا لیتے اور اگر نوکر نہ ہوتا تو خود میرے مکان پر آتے۔ دروازے کی کنڈی کھڑکاتے۔ ہم سمجھ لیتے کہ محترم چیمہ صاحب آئے ہیں۔

ایک دن مجھ سے فرمانے لگے کہ "تمہارے بچوں کے نام بڑے پیارے ہیں بشارت احمد، سعادت احمد۔ دونوں لندن میں ہیں۔ ماہوار کتنی رقم آپ کو بھیجتے ہیں؟" میں نے بجواب کہا:۔ "چیمہ صاحب، میرا خدا زندہ ہے۔ میرا اس پر زندہ ایمان ہے۔ میں اس کے سوا کسی کا محتاج نہیں۔ فرمانے لگے "میرے لئے ایک بات معمہ بنی ہوئی ہے۔ مرکزی انجمن سے جو تحریک ہو، اس میں تم شامل ہوتے ہو۔ تمام اہل خانہ (فضل داد۔ بیگم دُختر) ماہوار چندہ باقاعدہ دیتے ہو۔ اس کے علاوہ تم اپنی بیگم مرحومہ کا ماہوار چندہ اس کی وصیت کے مطابق دو روپیہ ماہوار ۱۹۳۹ء سے ادا کر رہے ہو آخر یہ روپیہ کہاں سے آتا ہے؟" محترم چیمہ صاحب ۱۹۶۹ء سے میں نائی کی دکان پر نہیں گیا اپنی حجامت خود بناتا ہوں۔ کپڑے گھر پر دھو کر استری کر لیتے ہیں۔ پندرہ بیس دن کے بعد گوشت خریدتے ہیں۔ آبائی زمین سے کچھ گندم آ جاتی ہے۔ /۳۰ روپے ماہوار پنشن ہے۔ اور آپ کو معلوم ہے ہوگا کہ میری دُختر مُسرّت بیگم لوکل گورنمنٹ گرلز ہائی سکول گجرات میں ملازم ہے۔ وہ تمام تنخواہ میرے حوالے کرتی ہے۔ یہ تمام باتیں غور سے سننے کے بعد مرحوم نے فرمایا فضل داد تمہاری عزت میرے دل میں بڑھ گئی ہے۔ میں نے شکریہ ادا کیا۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

---

مکرم جناب شاہد عزیز صاحب انگلستان

# ملتِ اسلامیہ کیلئے ایک سبق

"مغرب میں عیسائیت کا مستقبل" کے موضوع پر زاہد عزیز صاحب نے سالانہ جلسہ پر جو تقریر کی تھی وہ ۲۸ر جنوری کے پیغام صلح میں شائع ہو چکی ہے زاہد عزیز صاحب نے نہایت مدلل طریقہ سے اس مضمون پر بحث کی ہے۔ اُن کی تقریر کا خلاصہ [illegible]
[illegible] نے لی تو عیسائیت کی بنیادیں ہل گئیں۔ TECHNOLOGICAL ترقی سے ایک تو انسان کی مالی حالت بہتر ہو گئی دوسرے انسان کو وہ وسائل میسر آ گئے جنہوں نے اسے اس قابل بنا دیا کہ وہ مختلف مذاہب کا مقابلہ کر سکے۔ سائنس اور TECHNOLOGY نے انسان کو زندگی کی آسائشیں بہم پہنچانے کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی کو انتہائی پیچیدہ بنا دیا۔

عیسائیت کی کمزور اور بگڑی ہوئی تعلیمات چونکہ ان مسائل کا حل پیش نہیں کر سکیں، اس لئے یورپین قومیں عیسائیت کو چھوڑ کر الحاد کی طرف مائل ہوتی جا رہی ہیں۔ سطحی طور پر دیکھا جائے تو عیسائیت کا تنزل خوشی کی بات ہے۔ لیکن یہ کافی نہیں کہ ہم یورپ میں عیسائیت کے تنزل پر خوش ہو کر بیٹھ رہیں۔ پہلی بات جس کا ہمیں فیصلہ کرنا ہے وہ یہ ہے کہ اگر ایک قوم عیسائیت سے الحاد کی طرف مائل ہو تو کیا یہ واقعی خوشی کی بات ہے۔ عیسائیت کی تعلیم کتنی ہی کمزور اور بگڑی ہوئی ہو اُس میں سچائی کا تھوڑا بہت عنصر تو باقی ہے۔ بنیادی طور پر عیسائیت کا عقیدہ تو یہی ہے کہ خدا ایک ہے اور وہ انسانیت کو صحیح راستہ دکھانے کے لئے نبی بھیجتا ہے تو کیا ہمارے لئے یہ خوشی کی بات ہے کہ یورپ کی قومیں خدا کی تعلیم (چاہے وہ بگڑی ہوئی حالت میں کیوں نہ ہو) چھوڑ کر کفر اور الحاد کی طرف رجوع کر رہی ہیں۔ خوشی تو اس بات کی ہو کہ اگر یہ قومیں عیسائیت کو چھوڑ کر اسلام کی طرف رجوع کریں۔ ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ **عیسائیت کی تعلیمات کو غلط ثابت کرنے میں ملتِ اسلامیہ نے کیا کردار ادا کیا ہے۔** یہ تعلیمات تو حالات نے خود ہی غلط ثابت کی ہیں۔ جماعتِ احمدیہ نے باوجود محدود وسائل کے اپنی طرف سے پوری کوشش کی۔ لیکن اگر ملتِ اسلامیہ کو دیکھا جائے تو مجموعی طور پر کبھی بھی ہم نے عیسائیت کو چیلنج نہیں کیا۔ یہ خداوند کریم کی مہربانی تھی کہ اُس نے خود ہی عیسائیت کی تعلیمات کو باطل ثابت کر دیا اور مسلمانوں کے لئے تبلیغ اسلام کا کام آسان بنا دیا۔ مگر افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ ہم نے اس موقعہ سے بھی کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا۔ **اب تک تو صرف جماعت احمدیہ ہی اس سلسلہ میں کچھ کام کر رہی ہے۔** اقتصادی حالات کی وجہ سے جب غیر احمدی مسلمانوں نے یورپ میں آباد ہونا شروع کیا تو پھر بھی تبلیغ اسلام کی طرف کوئی توجہ نہ دی گئی۔ آج جبکہ برطانیہ میں صرف دو لاکھ سے زائد تو پاکستانی مسلمان ہی ہیں کسی منظم طریقہ سے کام نہیں ہو رہا۔ جو یورپین مسلمان ہوتے ہیں ان میں زیادہ تعداد تو ان لڑکیوں کی ہے جو مسلمانوں سے شادی کرنا چاہتی ہیں۔ اسلام کو مذہب حق سمجھ کر مسلمان ہونے والے آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔

ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ ہم زاہد صاحب کے تجزیہ سے کیا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ اور یہ بھی کہ ہم وہی غلطیاں تو نہیں دوہرا رہے جو عیسائیت اور اس سے پہلے باقی مذاہب کرتے رہے۔ یہ غلطیاں کیا تھیں ان کا ذکر زاہد صاحب کے مضمون میں نہیں۔ لیکن میری رائے میں پہلی غلطی تو یہ تھی کہ **خدا کی تعلیم کی تفسیر اُسی کے کلام سے کرنے کی بجائے لوگ علماء کی تفسیروں پر تکیہ کرکے بیٹھ رہے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اصل تعلیم تو کھو گئی صرف تفاسیر ہی باقی رہ گئیں۔** مسلمان خوش قسمت ہیں کہ خدا نے خود صحیح اور سچی تعلیم کا دفاع کرنے کا وعدہ کیا ہے۔

لیکن مسلمانوں میں یہ بھی رجحان تقویت پکڑتا جا رہا ہے کہ قرآن کی تفسیر خود قرآن سے کرنے کی بجائے دوسروں پر بھروسہ کیا جائے۔ کیا یہ ہر مسلمان کا فرض نہیں کہ وہ خود قرآن کی آیات کو پڑھے اور سمجھے، اگر ایک [illegible] اسلام کو کہاں سے کہاں لے جاتیں۔ عیسائیت کے مختلف فرقوں کی بنیاد اناجیل کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ بنیادی طور پر کیا یہی چیز مسلمانوں میں فرقہ بندی کی بنیاد نہیں بن رہی؟ یہی وجہ ہے کہ باوجود اس کے کہ خدا نے چودہ سو سال میں قرآن کریم میں تحریف (Corruption) نہیں ہونے دی مگر ہم تو آج تک "مسلمان" کی تعریف بھی نہیں کر سکے!

نامکمل اور بگڑی ہوئی تعلیم ہونے کی وجہ سے عیسائیت زندگی کے مسائل کا حل پیش نہ کر سکی۔ عیسائی علماء نے ٹھوس حل تلاش کرنے کی بجائے کفر کے فتوؤں اور اندرونی جھگڑوں کو ترجیح دی۔ یہ سب اس لئے کیا گیا تاکہ عوام غیر ضروری مسائل میں اُلجھے رہیں۔ اور اصل مسائل ان کی نظروں سے اوجھل رہیں۔ یہ حربے آخر کب تک کام کرتے! **جونہی عوام کو احساس ہُوا کہ زندگی کے مسائل کا حل عیسائیت میں نہیں** وہ الحاد کی طرف مائل ہونے لگے۔ مگر مسلمان علماء کیوں ماڈرن زندگی کے مسائل کا حل پیش کرتے ہوئے ہچکچاتے ہیں؟ اس لئے نہیں کہ اسلام ان مسائل کو حل نہیں کر سکتا بلکہ اس لئے کہ ان مسائل کے حل ڈھونڈنے کے لئے جس قدر علم، تحقیق اور دیانت و صبر کی ضرورت ہے وہ ان میں نہیں۔ کیا فتوئ کفر جاری کرنا کسی ٹھوس کام کرنے سے زیادہ آسان نہیں؟ جب تک مسلمان علماء مذہب کا صحیح مقصد نہ سمجھیں گے وہ کبھی بھی عیسائیت کو زیر نہ کر سکیں گے۔

خدا کا مقصد نبیوں کو بھیجنے کا یہ تھا کہ جس رُوحانی سطح پر انسانیت ایک خاص زمانہ میں تھی اُس سے اُسے بلند کیا جائے۔ رسولِ کریمؐ کی آمد کا مقصد یہ تھا کہ انسانیت کو وہ تعلیم مہیا کی جائے جس پر عمل کر کے وہ رُوحانی معراج حاصل کرے۔ انسان چونکہ خود ہی سائنٹیفک اصول دریافت کر سکتا تھا اس لئے خدا نے دنیاوی چیزوں میں ترقی کے لئے اسے کوئی تعلیم مہیا نہ کی۔ جو غلطی عیسائیت اور دوسرے مذاہب نے کی وہ یہ تھی کہ وہ اس اصول کو نہ سمجھے۔ اگر سائنسی ترقی ہوئی تو پہلے ہر ایجاد اور دریافت کو مذہب کے خلاف قرار دے دیا گیا۔ لیکن جب یہ چیزیں تسلیم شدہ حقائق بن گئیں تو کہا گیا کہ اس کی پیشگوئی ہماری کتاب میں کی جا چکی تھی۔

اس کی مشہور مثال چرچ کا گیلیلیو کو یہ کہنا کہ یا تو جو سائنٹیفک حقائق منطق اور مشاہدہ کی بنیاد پر تم نے دریافت کئے ہیں اُس سے انکار کرو یا موت قبول کرو۔ حضرت عیسٰےؑ کی تعلیمات کا مقصد تو انسان کو روحانی بلندی کا ذریعہ عطا کرنا تھا نہ کہ خدا کے ان اُصولوں کا بیان جو انسان نے خود ہی دریافت کر لئے تھے۔

اسلام چونکہ کامل مذہب ہے اس لئے وہ انسان کی جسمانی، اخلاقی اور رُوحانی حالتوں میں فرق تسلیم نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات انسان کی ہر ایک حالت کو معراج پر پہنچانے کے لئے ہیں۔ اُصول قرآن کریم نے بیان کئے اور تفصیل رسولِ خداؐ نے۔ تو یہ کہنا فضول ہے کہ سائنس کا فلاں اُصول اسلام

کی تعلیمات کے خلاف ہے یا یہ کہ فلاں ایجاد اسلام کی تعلیمات کو خطرہ میں ڈالتی ہے۔ ہمارے عُلمائے کرام ہر نئی ایجاد کے استعمال پر ایک طوفان برپا کر دیتے ہیں اور کچھ عرصہ گذرنے کے بعد یہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ نہیں جی اس کی اجازت تو چودہ سو سال پہلے قرآن مجید میں دی گئی تھی۔ اسی گڑھے میں دوسرے مذہب گرے اور اب اسی طرف ہم رواں ہیں۔ رسولِ کریمؐ نے تو ہر قسم کا علم حاصل کرنے کی ہدایت فرمائی ہے اور یہاں یہ حال تھا کہ کوئی انگریزی پڑھے تو وہ کافر ہو جاتا تھا۔ مذہب کے مقصد کو نہ سمجھنا اس کی تعلیمات کو توڑنا مروڑنا اور غلط جگہ چسپاں کرنا عیسائیت کے لئے باعث تنزل ہُوا۔ یہی غلطی اب ہمارے علماء کر رہے ہیں یہ فتوے کہ ہر وہ شخص جو یہ مانے کہ انسان چاند پر اُتر چکا ہے کافر ہے۔ حماقت کی انتہا ہے یا نہیں۔ سائنس کی ترقی اُن اُصولوں کی دریافت ہے جن کی بنیاد پر یہ کائنات قائم ہے اور ان اُصولوں کا استعمال تو رضائے خداوندی ہے اور ہم اس کی رضا کے خلاف کس طرح جا سکتے ہیں۔

اسلام کا مقصد انسانیت کو ان اصولوں سے روشناس کروانا ہے جن سے جسمانی، اخلاقی اور روحانی معراج حاصل ہو سکتی ہے۔ اس میں اور سائنٹیفک اور TECHNOLOGICAL (ٹیکنالوجی) ایڈوانس میں کوئی تضاد نہیں۔ جس چیز میں انسان خود ترقی کر سکتا تھا (یعنی کہ سائنسی اُصولوں کا دریافت اور ان کا استعمال) وہ خدا نے انسان پر چھوڑ دی۔ لیکن جن چیزوں میں ترقی کی صلاحیت انسان میں نہ تھی اُن کے لئے خدا نے اُصول بنائے اور اپنے رسولوں کے ذریعے انسانیت کو ان سے روشناس کروایا، پھر قرآن میں وہ تمام اُصول جمع کر دیئے جن کے استعمال سے آدمی کامل انسان بن جاتا ہے۔

جو غلطیاں دوسرے مذاہب کے تنزل کا باعث بنیں وہی اب ہم کر رہے ہیں۔ علماء کی ان حماقتوں سے پہلے تو دانشور مذہب سے برگشتہ ہوئے اور جُوں جُوں تعلیم پھیلے گی ہر ایک پڑھا لکھا مذہب سے دُور ہوتا چلا جائیگا کاش ہمارے عُلماء اس بات کو سمجھ سکیں۔

# دُنیا کے تمام مسائل صرف اسلام حل کر سکتا ہے

## مغربی ممالک مادی ترقی کے باوجود اخلاقی خرابیاں ختم کرنے میں ناکام ہوئے۔

لندن میں اسلامی کانفرنس کے افتتاحی اجلاس سے شاہزادہ محمد الفیصل نے نے جو خطاب کیا۔ وہ قارئین کرام کے ازدیاد ایمان کی خاطر درج ذیل ہے اس بیان کے پڑھنے سے واضح ہوگا۔ کہ اسلام کی جو تصویر اس میں پیش کی گئی ہے وہ تمام تر وہی ہے جو جماعت احمدیہ نے آج سے پون صدی پہلے مغرب میں پیش کرکے نہ صرف اسلام کے متعلق بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا۔ بلکہ ہزارہا مغرب کے باشندوں کو اسلام میں لانے کا موجب ہوئی۔ مقام شکر ہے کہ اب دنیا کے مقتدر مُسلمان، عُلماء اور اُمراء بھی اس نکتہ نگاہ سے متفق ہو چکے ہیں۔ (ادارہ)

لندن۔ ۳ر اپریل (بی۔بی۔سی) کل رائل البرٹ ہال میں بین الاقوامی اسلامی کانفرنس شروع ہو گئی سعودی عرب کے شہزادہ محمد الفیصل نے کانفرنس کا افتتاح کیا شہزادہ محمد الفیصل نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا کہ مغربی مُلکوں میں اسلام کے بارے میں متعدد غلط باتیں بتائی جا رہی ہیں کانفرنس کے انعقاد کی غرض و غایت یہ ہے کہ اسلام کا صحیح مفہوم کیا ہے انہوں نے کہا کہ اسلام پیغمبروں کا لایا ہوا مذہب ہے جس نے عوام کو اللہ تعالےٰ کی حقانیت سے آگاہ کیا۔ اسلام دنیا کا سب سے پہلا مذہب ہے جس نے ذات پات اور اونچ نیچ اور رنگ و نسل کا امتیاز مٹایا اور دُنیا کو مساوات کا درس دیا، اسلام کے نزدیک اللہ کے سارے بندوں کو یکساں اہمیت حاصل ہے۔

البتہ ان لوگوں کو امتیاز حاصل ہے جو اللہ اور اس کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کے احکام پر عمل کرکے عوام کی خدمت میں زیادہ منہمک نظر آتے ہیں۔ اسلام نے مظالم کا سدِباب کرنے کے لئے مخصوصی احکام صادر کئے ہیں۔ اسلام پسماندہ طبقات کی امداد اور غریبوں اور یتیموں کی خدمت کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ اسلام میں سُود حرام ہے اور اسلام سُود خور کو بہت بڑا مجرم قرار دیتا ہے۔ انسانیت کی خدمت اسلام کا سب سے بڑا اُصول ہے۔ اسلام انصاف اور رواداری کا مذہب ہے اور اسلام بلا امتیاز مذہب و ملّت ظلم کرنے والوں کو شدید نوعیت کی سزاوں کا مستوجب قرار دیتا ہے۔ اسلام نے کبھی ایسے لوگوں کی حمایت نہیں کی جو خود غرضانہ مقاصد رکھتے ہوں اور اللہ تعالےٰ کی مخلوق کا استحصال چاہتے ہوں۔ اسلام قوموں کے اتحاد کا علمبردار ہے اور جارحیت کا مخالف ہے۔ اسلام یہ دیکھنے کا متمنّی ہے کہ مشرق، مغرب نیز شمال اور جنوب کے باشندے بھائیوں کی طرح رہیں اور ایک دوسرے کے دُکھ درد میں شریک ہوں۔ شہزادہ محمد الفیصل نے کہا یہ درست ہے کہ مغربی مُلکوں نے سائنس اور ٹیکنالوجی میں بڑی ترقی کی ہے۔ لیکن خواہشات نفسانی پر قابو پا سکے اگر انسان اپنی خواہشات کا غلام نہ ہو تو دنیا جارحیت سے محفوظ ہو جائے۔ ایسے حالات میں کسی کو ایٹم بم بنانے کی ضرورت محسوس نہ ہو نہ کسی کو بین البر اعظمی میزائلوں کے حملے کا خدشہ ہو۔ دنیا میں ہمدردی کا جذبہ بڑھے ایک انسان دوسرے کو بھائیوں کی طرح عزیز ہو۔ کل کانفرنس میں اُردن، ایران، کویت، ترکی، سوڈان، اور الجزائر کے علماء اور جماعت اسلامی کے امیر مولانا طفیل محمد نے تقریر کی۔

رائٹر کے مطابق یورپ میں ہونے والی یہ سب سے بڑی اسلامی کانفرنس ہے اسلامی کانفرنس برائے یورپ کے سیکرٹری جنرل سالم عظام نے کانفرنس میں شریک نمایندوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اس کا کوئی سیاسی مقصد نہیں یہ کانفرنس اسلامی کونسل اور عبدالعزیز یونیورسٹی کے زیرِ اہتمام ہو رہی ہے جس کی غرض و غایت اسلام کو صحیح شکل میں پیش کرنا ہے۔ یہ دس روزہ کانفرنس میں بین الاقوامی اسلامی جشن کا ایک حصّہ ہے جو تین ماہ جاری رہے گا اس پر بیس لاکھ پونڈ خرچ ہوں گے۔ سالم عظام نے کہا کہ اسلامی کانفرنس یورپ میں آباد ڈھائی کروڑ مسلمانوں کے مسائل سے نمٹنے کے لئے بنی ہے اسلام یورپ میں سب سے بڑا مذہب ہے اور مسلمان

۴۴

۴۴ چاہتے ہیں کہ معاشرتی سرگرمیوں میں ذمّے دار افراد کی حیثیت سے شریک ہوں مغرب تیرہ سو سال سے اسلام کو اپنا دشمن اور اپنے لئے خطرہ سمجھتا ہے ہم امید رکھتے ہیں کہ یہ رجحانات اب مفاہمت اور تعاون کے جذبے میں بدل جائیں گے۔

سعودی عرب کے شہزادہ محمد الفیصل نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا کہ یہ کانفرنس تاریخی حیثیت رکھتی ہے یُورپ نے پہلی مرتبہ عالم اسلام سے دلچسپی کا اظہار کیا ہے اسلامی تہذیب اور عالمی تاریخ پر اسلام کے اثرات کے بارے میں مغرب کی دلچسپی قابلِ قدر ہے۔ بہرحال اس دَور میں زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اسلام کے پیغام پر توجّہ مرکوز کی جائے اور وہ تصوّرات نمایاں کئے جائیں جو انسان اور معاشرے میں اسلام پیش کرتے ہیں۔ اس کانفرنس میں مختلف موضوعات پر تقریریں ہوں گی اور مقالات پڑھے جائیں گے۔ اجلاس میں سعودی عرب کے وزیر اطلاعات الجزائر کے وزیر برائے امور مذہبی ازہر یُونیورسٹی کے شیخ اور اسلامی سیکرٹریٹ کے سیکرٹری جنرل بھی شریک ہیں۔ بیت المقدس کا مسئلہ بھی زیرِ بحث آئے گا۔ لیکن نہتے عربوں پر اسرائیل کے تشدّد اور مسجد اقصےٰ کی بے حُرمتی کے بارے میں کوئی بیان جاری نہیں کیا جائیگا۔
(بشکریہ امروز ۵ر اپریل سنہ ۱۹۷۶ء)

---

اسلام چیز کیا ہے خُدا کے لئے فنا + ترکِ رضائے خویش پئے مرضیٔ خُدا
جو مر گئے انہیں کے نصیبوں میں ہے حیات + اس راہ میں زندگی نہیں ملتی بجز ممات
شوخی و کبر دیو لعیں کا شعار ہے + آدم کی نسل وہ ہے جو وہ خاکسار ہے
اے کِرمِ خاک چھوڑ دے کبر و غرور کو + زیبا ہے کبر حضرتِ ربِّ غیور کو
بد تر بنو ہر ایک سے اپنے خیال میں
شاید اسی سے دخل ہو دارالوصال میں
(حضرت مسیح موعودؑ)

از: راہ نورد

# سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کی تفسیر تفہیم القرآن کا ایک مختصر جائزہ

## قسط نمبر ۱۱

البتہ مودودی صاحب کے ایک ساتھی اسعد گیلانی صاحب نے ہفت روزہ ایشیا میں ایک مختصر مضمون بعنوان "مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کا تفسیری کارنامہ" لکھا دیکھا ہے جس میں مختصراً اس تفسیر کے محاسن بیان کئے ہیں وہ لکھتے ہیں :۔

"تفہیم القرآن بے شمار خصوصیات کی حامل تفسیر ہے اور مولٰنا مودودی وسیع الاطراف جدید و قدیم علوم پر جامع معلومات و نظر رکھنے والے مفسّر دین۔ جہاں وہ اسلاف کی قدیم ترین تفاسیر میں سے حوالے دیتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں وہاں وہ جدید سائینٹیفک معلومات کو قرآن کے سانچے میں ڈھالتے اور قانونِ قدرت کے پیمانے سے ناپتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں.......

وہ کسی مسئلے میں بھی کہیں منفرد نظر نہیں آتے۔ جو بات بھی بیان کرتے ہیں ان کے ساتھ اکابر علماء سلف کی ایک قطار ہمخیال دکھائی دیتی ہے........ اسلاف سے ہٹ کر انہوں نے ایک قدم بھی تفسیر کی اس وادئ پُر خار میں نہیں رکھا صرف اندازِ بیان۔ لہجہ۔ مسائل کا استخراج و تجزیہ۔ دلائل اور قرآنی حکمت کا مسائلِ حاضرہ پر انطباق ان کا اپنا حِصّہ ہے۔"

پھر وہ تفسیر تفہیم القرآن کی خصوصیات گناتے ہیں :۔

"تفہیم القرآن کی سب سے بڑی خصوصیت اس کے مخاطب کا خصوصی انتخاب ہے...... اس کا خصوصی مخاطب دَورِ جدید کے عالم اسلام میں مسلمانوں کی سوسائٹی کا کار فرما طبقہ ہے یہ کار فرما طبقہ جدید علوم سے آراستہ، جدید ذوق نظر کا حامل جدید تہذیب سے مرعوب اور کچھ کچھ متاثر جدید سائنسی ایجادات کا معترف اور ان سے پُوری طرح استفادہ کرنے کا قائل اور جدید یورپی قوتوں کی ترقیات کو ان کی تہذیب اور کلچر کا مذہب سمجھنے کے معاملے میں مبتلا نظر آتا ہے......

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مولانا مودُودی کی علمی زندگی عملی جد و جہد نظام فکر اور اسلام کے بارے میں ان کے جامع اور وسیع تصوّر کا نچوڑ اور خلاصہ موجود ہے.......... اس سے باہر مولانا مودودی کی فکر کا کوئی گوشہ موجود نہیں ہے۔

.................

اس کی تیسری خصوصیت اس کی راست فکری اور راست روی ہے الٰہیات کے پیچ در پیچ مباحث سے آزاد اور مبرّا جس انداز میں قرآن سوچتا ہے......... مولانا مودودی نے اسی کا اتباع کیا ہے۔"

ہمیں مسلّم ہے کہ تفسیر تفہیم القرآن میں صوری حسن کا خیال رکھا گیا ہے۔ مواد کی فراہمی اور اپنے نظریات میں اُسے ڈھالنے پر بہت محنت اور وقت صرف کیا گیا ہے۔ کتاب میں بعض تاریخی مقامات کی تصویریں یا دین حرب کے عسکری خاکے اور بعض نقشے درج فرما کر معلومات کے سمجھنے میں آسانیاں فراہم کی گئیں ہیں۔ بعض طویل بحثوں میں بیشتر کُتب سے حوالوں کو اس انداز میں ترتیب دیا گیا ہے کہ وہ مودودی صاحب کے مطالب کو واضح کر سکیں لیکن ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ جہاں بات اُن کے مطلب سے ٹکراتی تھی وہاں ان کے مخالف سلف صالحین کے نظریات کو قطعی حذف کر دیا گیا ہے۔ مثلاً معراج نبویؐ کے بارے میں صحابہ کرامؓ میں بھی اس کی کیفیت جسمانی یا روحانی کے بارے میں اختلاف رہا اور حضرت عائشہؓ جیسی عظیم خاتون جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر تھیں وہ بھی اسے ایک روحانی کیفیت ہی سمجھتی تھیں۔ مودودی صاحب کے لئے دیانت داری کا تقاضا یہی تھا کہ وہ دونوں گروہوں کے خیالات کا ذکر فرما دیتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ یہی کیفیت اور بھی بیشتر مسائل میں رہی ہے۔ شاید ان باتوں کو اسعد گیلانی صاحب الٰہیات کی پیچیدگیوں سے آزاد رہنے کی خواہش قرار دیں لیکن آخر معراج جسمانی قرار دینے میں بھی تو الٰہیات کی پیچیدگی کے دخل کا خطرہ موجود تھا۔ اسعد صاحب تفسیر تفہیم القرآن کی سب سے بڑی خصوصیت اس کے مخاطب کا خصوصی انتخاب بیان کی ہے اب فرق صرف اس قدر ہے کہ جہاں اسعد صاحب وہ مخاطب "دور جدید کے عالم اسلام کا کار فرما طبقہ" قرار دیتے ہیں مودودی صاحب خود اسے اوسط درجے کے تعلیمیافتہ لوگ "جو عربی سے اچھی طرح واقف نہیں" بیان کرتے ہیں۔ اس طبقہ میں اسلام کو دوبارہ راسخ کرنے اور اُسے تہذیب جدید کے سیلاب میں بہہ جانے سے بچانے میں یہ تفسیر کس حد تک کامیاب ہوگی یہ تو وقت ہی بتا سکے گا۔ ہمیں تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ اس کی اپیل صرف اسی طبقہ کو ہے جو پرانے خیالات اور آباؤ اجداد سے مل جانے والے اعتقادات کو دین سمجھ بیٹھا ہے۔ جس میں غلط حمیّتِ قومی گھر کر گئی ہے اور وہ اپنے اس قومی مسلک کو اسلام کہکر اسے درست ثابت کرنے کی جدّ و جہد میں مصروف ہے مسلمانوں کے اس طبقہ کو مودودی صاحب نے سہارا فراہم کرایا ہے اور ان آبائی اعتقادات کو اپنے قلم کے زور سے درست تسلیم کروانے کی سعی کی ہے اور اس طبقہ کو اس پر فخر و ناز کرنے پر اُبھارا ہے۔ آیا یہ تفسیر کسی غیر مُسلم کو مسلمان بنا سکتی ہے یا نہیں ہم اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ جیسا کہ صاحب تفسیر کی باتوں سے خیال گذرتا ہے غیر مسلم اس تفسیر کے مخاطب یہاں ہی نہیں۔

ایک اور صاحب جناب پروفیسر خورشید احمد نے بھی اس کتاب پر اپنے تاثرات بیان کئے ہیں۔ ان کا مضمون بعنوان "کتاب انقلاب ـــــ تفہیم القرآن (ایک تاثراتی مطالعہ)" ہے۔ اُس میں سب سے اہم بات جو پروفیسر موصوف نے کہی ہے وہ ہمارے خیال میں دَورِ حاضر کے بنیادی چیلنج کی نشاندہی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے :۔

"ا۔ دَورِ جدید میں تقریباً عالمگیر پیمانے پر وحی کا انکار یا اس سے صرفِ نظر کرکے زندگی کا پورا نقشہ ذاتی اور قومی تعصّبات یا لادینی نظریات کی روشنی میں تعمیر کرنا ــــــ اشتراکی دنیا اور مغرب کی لادینی اقوام کے تصوّرات اسی ذیل میں آتے ہیں۔ ہندومت۔ بدھ مذہب اور دوسرے غیر الہامی مذاہب کے پیرو بھی ایک حد تک اسی گروہ میں شامل ہیں۔

ب۔ جو وحی کے قائل ہیں وہ بھی اس سلسلہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس وحی کو آخری سمجھتے ہیں جو ان کے نبی پر نازل ہوئی۔ اسلام کو وہ مبنی بر وحی مذہب تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

ب ـــــ یہودیت اور عیسائیت کے پیرو اس گروہ سے متعلق ہیں

ج۔ مسلمان جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبیٔ برحق سمجھتے ہیں ان کا ایک بڑا حِصّہ عملاً دین و دنیا کی تقسیم و تفریق کا قائل اور اس پر عامل ہو گیا ہے۔

(۱) اس تفریق دین و دنیا کی ایک مذہبی روایت (VERSION) ہے جس میں دین کو انفرادی زندگی کے چند خاص دائروں اور اجتماعی زندگی کے چند مظاہر تک محدود کر لیا گیا ہے۔

(۲) اور ایک دنیاوی سلسلہ ہے جس میں گو اجتماعی اور ایک حد تک انفرادی زندگی کے لئے دین کو ترک تو نہیں کیا گیا مگر اس کی اصل تعلیمات کے حقیقی مفہوم کو تبدیل کر دیا گیا ہے یا کیا جا رہا ہے۔ یہ گروہ اسلام کا پیوند دوسرے نظاموں اور نظریات سے لگاتا ہے اور اسلام کے احکام کی ایسی تاویلات کرتا ہے جو دراصل تحریف کے مترادف ہیں۔

جس چیز کو ہم دورِ جدید کا چیلنج کہتے ہیں وہ ان ........ چار چیلنجوں پر مشتمل ہے۔

اوّل الذکر کے مقابلہ میں تفہیم القرآن نے وحی کا اثبات کا رویہ اختیار کیا ہے اور محکم دلائل سے بتایا ہے کہ انسان خدا کی رہنمائی کا محتاج ہے۔

ثانی الذکر کے مقابلہ میں تفہیم القرآن نے یہ دکھایا ہے کہ جو اپنے آپ کو وحی کا اجارہ دار سمجھ رہے ہیں وہ کتمان حق اور التباس حق کے مجرم ہیں۔

آخر الذکر دونوں گروہوں کو مخاطب کرکے تفہیم القرآن ان کی غلطیوں کو قرآن اور عقل کی روشنی میں بیان کرتی ہے۔"

(ہفت روزہ آئین لاہور دسمبر ۱۹۷۲ء)

ہم نے پروفیسر صاحب کے بیانکردہ امور کے جوابات کو تفہیم القرآن میں تلاش کرنے کی کوشش کی تاکہ جو شکوک اور اشکالات دورِ جدید نے انسانی ذہنوں یا مسلمان نوجوانوں کے دلوں میں پیدا کر دیئے ہیں اُن کا ازالہ کرنے کا مواد مل سکے۔ ہم افسوس سے کہتے ہیں کہ جس طرح پروفیسر صاحب نے کہا ہے۔ ویسا مواد ہمیں تفسیر القرآن پڑھنے سے نہیں مل سکا۔ ہم مانتے ہیں کہ موجودہ زمانے میں عالمگیر پیمانے پر وحی کا انکار ہوا ہے لیکن صرف یہ کہہ دینا کہ انسان وحی کا محتاج ہے اور اُسے آسمانی راہ نمائی ملنی چاہیئے مسئلہ کا حل نہیں۔ وحی کا انکار جماعت اسلامی کے نزدیک شاید صرف یہی ہے کہ ریاست خود کو مصدر حاکمیت یا مصدر قانون سمجھے اور قوانین کے لئے کسی بالا ہستی کے اختیارات کو تسلیم نہ کرے۔ لیکن یہ تو بہت بعد کا درجہ ہے۔ پہلا درجہ تو خود خالق کائنات اور کسی وحی صدور ہی کا ہے۔ مودودی صاحب نے اپنی منطق اور استدلال کے زور سے یہ ثابت کرنے کی سعی کی ہے۔ خود خالق کائنات کا ہی ہو رہا ہے اور وحی کا انکار بھی دراصل اسی لئے ہے کہ خالق کو تسلیم نہیں کیا جا رہا۔

اور اس کی وجہ جیسا کہ مودودی صاحب اور پروفیسر صاحب تسلیم کریں گے یہی تو ہے کہ:-

"جو چیز نبی اور غیر نبی کے درمیان فرق کرتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک غیر نبی آخرت کے حق میں جو مضبوط سے مضبوط دلائل دے سکتا ہے ان کا زیادہ سے زیادہ فائدہ بس یہی ہو سکتا ہے کہ آخرت کے نہ ہونے کی بہ نسبت اس کا ہونا معقول تر اور اغلب تسلیم کر لیا جائے........ فلسفی اگر واقعی صحیح الفکر فلسفی ہو تو وہ "ہونا چاہیئے" سے آگے نہیں بڑھ سکتا ہے۔ "ہے" اور یقیناً ہے کہنا صرف ایک نبی کا کام ہے"

(تفہیم القرآن جلد پنجم صفحہ ۵۳۵)

اب یہ تو سچ ہے کہ مودودی صاحب کو نہ صاحب الہام ہونے کا دعوٰی ہے نہ وہ وحی ولایت کے جاری رہنے کے قائل ہیں۔ چونکہ وہ خود صاحب تجربہ نہیں وہ وحی کے انکار اور اقرار کی بحث میں زیادہ تر ایک فلسفی ہی کے دلائل دے سکتے ہیں جو "چاہیئے" سے آگے نہیں جا سکتا۔ اس کا اقرارِ وحی کا درجہ بھی کسی انکار وحی کرنے والے فلسفی سے کسی طرح مختلف نہیں کیونکہ دونوں کا عقلی قیاس درست اور غلط ہو سکتا ہے۔ زمین پر انسان نے اپنی حاکمیت کا اعلان تبھی کیا جب اُس نے وحی الٰہی سے انکار کیا اور وحی الٰہی ہی آخرت پر یقینی ایمان پیدا کر سکتی ہے۔ تعجب ہے کہ جو شخص خود یہ کہتا ہو کہ دَورِ جدید میں تقریباً عالمگیر پیمانے پر وحی کا انکار ہوا ہے اور جو یہ لکھے کہ غیر نبی صرف چاہیئے تک راہ نمائی کر سکتا ہے۔ یقینی ہے کی قلمرو میں اُس کی دسترس نہیں؛ وہ وحی کو بند بھی کہتا چلا جائے۔ کیا اس متضاد حیثیت کا انہیں شعور نہیں۔ انکار وحی کا مطلب یا تو یہ ہے کہ خدا سرے سے ہے ہی نہیں وحی الٰہی کیسی؟ یا پھر یہ کہ وہ ہے تو ضرور لیکن ہمیں اس کی وحی کی ضرورت نہیں۔ نتیجہ کے اعتبار سے دونوں قسم کے انکار آخر ایک ہی طرح کا پھل لاتے ہیں جو انکار باری تعالیٰ ہی ہے۔

پھر پروفیسر صاحب کہتے ہیں کہ وہ لوگ بھی جو وحی کے قائل ہیں وہ بھی اس کے سلسلہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک تسلیم نہیں کرتے بلکہ اُسی وحی کو آخری سمجھتے ہیں جو ان کے نبی پر نازل ہوئی۔ جہاں تک نفس وحی کا تعلق ہے (شریعت کا نہیں) کیا یہی پوزیشن خود مودودی صاحب اور انکے ہمنواؤں کی نہیں جس کا الزام وہ یہود و نصاریٰ پر رکھتے ہیں مودودی صاحب خود قائل ہیں کہ مستقل شریعت صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی تھی۔ باقی انبیائے بنی اسرائیل شریعت موسوی ہی کے پیرو تھے:-

"پس...... وجہ مماثلت جس کی بناء پر آنے والے نبی کی تخصیص قابل فہم ہو اس کے سوا نہیں ہو سکتی کہ وہ نبی ایک مستقل شریعت لانے کے اعتبار سے حضرت موسیٰ کی مانند ہو اور یہ خصوصیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی میں نہیں پائی جاتی کیونکہ آپ سے پہلے بنی اسرائیل میں جو بھی آئے تھے وہ شریعت موسوی کے پیرو تھے ان میں سے کوئی بھی مستقل شریعت لے کر نہ آیا تھا۔" (تفہیم القرآن جلد پنجم ص ۲۶۱)

اس سے ظاہر ہے کہ وحی صرف شریعت نہیں بلکہ شریعت کے بغیر بھی ہوتی ہے کیونکہ بنی اسرائیل کے وہ انبیاء جن کا ذکر مودودی صاحب نے کیا ہے صاحب وحی تو ضرور تھے گو بقول اُن کے صاحب شریعت مستقلہ نہ تھے۔ اب اگر وحی کا نزول یہود و نصاریٰ صرف اپنے انبیاء تک مانتے ہیں اور ان کی بعثت کے بعد نزول وحی کو منقطع سمجھتے ہیں تو مودودی صاحب حضور نبی صلعم کے بعد ہر قسم کی وحی کو منقطع سمجھتے ہیں وہ تو حضرت مسیح کے نزول ثانی میں بھی وحی کے اجراء کے قائل نہیں۔ ایک طرف یہ حالت ہے دوسری طرف یہی لوگ اس دَور کے مرض کی شناخت وحی کا انکار [illegible]۔ اگر مرض کا ازالہ صرف گذشتہ وحی کے حوالہ اور محکم دلائل سے [illegible] ہے تو پھر اس وحی کا حوالہ ہر اُمت اپنی کتاب [illegible] کرکے دے سکتی ہے اس میں اس اسلام کا اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ہونا کس طرح مخصوص ہوگا جو محمدؐ رسول اللہ کے ذریعہ [illegible] مودودی صاحب اس کا اثبات محض ماضی کے حوالوں سے کرتے ہیں وہ تو کوئی یہودی اور نصرانی بھی کر سکتا ہے۔ پروفیسر صاحب کہتے ہیں کہ تفہیم القرآن نے ثابت کیا ہے کہ یہود و نصاریٰ جو خود کو وحی کا اجارہ دار سمجھتے ہیں کتمان حق کے مجرم ہیں۔ کیا خود مودودی صاحب عامۃ المسلمین کو بھی اس جرم کا سزاوار نہیں ٹھہراتے۔ (باقی — باقی)

---

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور — مورخہ ۱۲/اپریل ۱۹۷۶ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ — شمارہ نمبر ۱۶

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۳ | یوم چہارشنبہ ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ مطابق ۲۸ اپریل ۱۹۷۶ء | نمبر ۱۷

## ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

# روحانی تسکین اور اخلاقی بلندی بجز الہام کے ممکن نہیں

یہ اعتراض کہ الہام بے اصل اور بے سود اور بے حقیقت چیز ہے جس کا ضرر اس کے نفع سے بڑھ کر ہے سو جاننا چاہیئے کہ ایسی باتیں وہی شخص کرے گا جس نے کبھی اس شرابِ طہور کا مزہ نہیں چکھا اور نہ یہ خواہش رکھتا ہے کہ سچا ایمان اس کو حاصل ہو بلکہ رسم اور عادت پر خوش ہے اور کبھی نظر اس طرف اٹھا کر نہیں دیکھتا کہ مجھے خداوند پر یقین کہاں تک حاصل ہے اور میری معرفت کا درجہ کس حد تک ہے اور مجھے کیا کرنا چاہیئے کہ میری اندرونی کمزوریاں دور ہوں اور میرے اخلاق اور اعمال اور ارادوں میں ایک زندہ تبدیلی پیدا ہو جائے اور مجھے وہ عشق اور محبت حاصل ہو جائے جس کی وجہ سے میں بآسانی سفرِ آخرت کر سکوں اور مجھ میں ایک نہایت عمدہ قابلِ ترقی مادہ پیدا ہو جائے۔ بیشک یہ بات سب کے فہم میں آ سکتی ہے کہ انسان اپنی غافلانہ زندگی میں جو ہر دم تحت الثریٰ کی طرف کھنچ رہی ہے اور علاوہ اس کے تعلقات زن و فرزند اور ننگ و ناموس کے بوجھل اور بھاری پتھر کی طرح ہر لحظہ نیچے کی طرف لے جا رہے ہیں ایک بالائی طاقت کا ضرور محتاج ہے جو اس کو سچی بینائی اور سچا کشف بخش کر خدا تعالےٰ کے جمال و کمال کا مشتاق بنا دیوے سو جاننا چاہیئے کہ وہ بالائی طاقت ربانی ہے جو ہمیں دکھ کے وقت میں سرور پہنچاتا ہے اور مصائب کے ٹیلوں اور پہاڑوں کے نیچے بڑے آرام اور لذت کے ساتھ کھڑا کر دیتا ہے وہ دقیق در دقیق وجود جس نے عقلی طاقتوں کو خیرہ کر رکھا ہے اور تمام حکیموں کی عقل و دانش کو سکتہ میں ڈال دیا ہے وہ الہام کے ذریعہ سے کچھ اپنا پتہ دیتا ہے اور انا الموجود کہہ کر سالکوں کے دلوں کو تسلی بخشتا ہے اور سکینت نازل کرتا ہے اور انتہائی وصول کی ٹھنڈی ہوا سے جانِ پژمردہ کو تازگی بخشتا ہے۔

### رحمانی الہام کی صفات و خصوصیات

اکثر لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ پھر رحمانی الہام کی نشانی کیا ہے اس کا جواب یہی ہے کہ اس کی کئی نشانیاں ہیں۔

(۱) اوّل یہ کہ الٰہی طاقت اور برکت اس کے ساتھ ایسی ہوتی ہے کہ اگرچہ اور دلائل ابھی ظاہر نہ ہوں وہ طاقت بڑے جوش اور زور سے بتلاتی ہے کہ میں خدا کی طرف سے ہوں اور ملہم کے دل کو ایسا مسخر کر لیتی ہے کہ اگر اس کو آگ میں کھڑا کر دیا جائے یا ایک بجلی اس پر پڑنے لگے وہ کبھی نہیں کہہ سکتا کہ یہ الہام شیطانی ہے یا حدیث النفس یا شکی ہے یا ظنی ہے بلکہ ہر دم اس کی روح بولتی ہے کہ یہ یقینی ہے اور خدا کا کلام ہے۔

(۲) دوسرے خدا کے الہام میں ایک خارق عادت شوکت ہوتی ہے۔

(۳) تیسرے وہ پُرزور آواز اور قوت سے نازل ہوتا ہے۔

(۴) چوتھی اس میں ایک لذت ہوتی ہے۔

(۵) اکثر اس میں سلسلۂ سوال و جواب پیدا ہو جاتا ہے۔ بندہ سوال کرتا ہے خدا جواب دیتا ہے اور پھر بندہ سوال کرتا اور خدا جواب دیتا ہے۔ خدا کا جواب پانے کے وقت بندہ پر ایک غنودگی طاری ہو جاتی ہے۔ لیکن صرف غنودگی حالت میں کوئی کلام زبان پر جاری ہونا وحی الٰہی کی قطعی دلیل نہیں کیونکہ اس طرح پر شیطانی الہام بھی ہو سکتا ہے۔

(۶) چھٹی وہ الہام کبھی ایسی زبانوں پر بھی ہوتا ہے جس کا ملہم کو کچھ بھی علم نہیں۔

(باقی بر صفحہ کالم ۲)

# انسان پر اللہ تعالیٰ کے ان گنت احسانات ہیں جس نے رُوحانی و جسمانی ربوبیت کے سامان پیدا فرمانے کے علاوہ انسانوں کو اعلیٰ شکل و صورت سے نوازا ہے

## خطبہ جمعہ - مؤرخہ ۱۶ اپریل ۱۹۷۶ء - فرمودہ حضرت امیر ایدہ اللہ - جامع احمدیہ بلڈنگس لاہور

یایھا النّاس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون الذی جعل لکم الارض فراشًا والسمآء بنآءً وانزل من السمآء مآءً فاخرج بہ من الثمرات رزقًا لکم فلا تجعلوا للہ انداداً وانتم تعلمون - وان کنتم فی ریب ممّا نزلنا علیٰ عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہٖ وادعوا شھدآءکم من دون اللہ ان کنتم صٰدقین - فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا النّاس والحجارۃ اُعدت للکٰفرین ——— (سورۃ البقرہ - رکوع ۳)

قرآن کریم کا یہ پہلا حکم ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے انسانوں کو دیا گیا - ان آیات میں انسانوں کو مخاطب کرکے حکم دیا گیا ہے کہ اپنے قویٰ کو میری فرمانبرداری اور عبادت میں لگادو - اعبدوا ربکم - اس ربّ کی عبادت کرو - جس نے تمہیں پیدا کیا - لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم - انسان کو اللہ تعالیٰ نے نہایت بہترین شکل و صورت عطا فرمائی - اعلیٰ درجہ کے قویٰ عطا کئے - ان کو مخاطب کرکے فرمایا یایھا النّاس - اے انسانوں کے گروہ زمین و آسمان کا بادشاہ تمہیں اپنی طرف بلاتا ہے - اس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہاری ربوبیت کے سامان تمہاری پیدائش سے پہلے فراہم کئے ہیں - یہ سب سے بڑا انعام ہے زندگی عطا کرنا بھی انعام ہے اور اس کے قیام کے اسباب مہیّا کرنا بھی بہت بڑا انعام ہے - انسان میں اُنس کا مادہ رکھا گیا ہے - وہ خالق سے اُنس کے علاوہ اپنے ہمجنسوں سے محبت رکھتا ہے، انسانی فطرت میں اسی مادہ اُنس کے پیشِ نظر اس سے اپیل کی گئی ہے کہ اپنے خالق کے آگے جھکو - اس کی عبادت اور اطاعت کرو - اس کے احکام کی پیروی کرو - اپنے محسن کے آگے جُھک جانا تمہاری فطرت میں ہے جبلت القلوب الیٰ من احسن الیھا انسان کی فطرت میں ہے کہ وہ احسان کرنے والے کے آگے جھکتا ہے - خدا تعالیٰ سب سے بڑھ کر احسان کرنے والا ہے - اس نے زندگی بھی بخشی اور زندگی کے قیام کا سامان بھی عطا کیا - ھوالذی جعل لکم الارض فراشا - وہ وہی ذات ہے جس نے تمہاری رہائش کے لئے زمین کو فرش بنایا - والسمآء بنآءً اور آسمان کو چھت - وانزل من السمآء مآءً - تمہارے فائدے کے لئے تمہاری ضروریات مہیا کرنے کے لئے - تمہارا رزق پیدا کرنے کے لئے اوپر سے پانی اُتارا - تاکہ ہر قسم کے پھل پھول میوہ جات اور غلّہ پیدا ہو - سبزہ اور ترکاریاں پیدا ہوں - پس اے انسان جس کی فطرت میں احسان کرنے والے کے سامنے جھکنا اور شکر گذار ہونا رکھا گیا ہے - وہ ہستی جس کے بے انداز احسانات تجھ پر ہیں - تمہاری عبادت کی حقدار ہے - یہ خطاب ساری انسانیت سے ہے، جو ماضی - حال اور مستقبل کے سب انسانوں پر حاوی ہے - اور عبادت کی غرض یہ بتائی کہ لعلکم تتقون - تاکہ تم متقی بن جاؤ -

تمہیں علم ہونا چاہیئے کہ کس نے تمہیں پیدا کیا، کائنات کی چیزوں سے فائدہ اُٹھانے کے لئے اور نت نئی نئی ایجادات کرنے کے قویٰ کس نے عطا کئے - پس تم اصل موجد اور خالق اور مربّی کے احکام کی فرمانبرداری کرو - اور اس کی عبادت بجا لاؤ - دوسری جگہ فرمایا والسماء ذات الرجع - اس بادل پر غور کرو جو بار بار برستا ہے اور اس کے برسنے سے ساری مخلوق کے لئے رزق پیدا ہوتا ہے - والارض ذات الصدع - اور پھر زمین کو دیکھو جو بارش کے پانی سے پھٹ کر اپنے اندر سے خزانے نکالتی ہے - انسان فطرۃً اپنے محسن کے آگے جھکتا ہے، اس لئے اس کی فطرت سے ہی اپیل کی ہے کہ میں تمہارا خالق ہوں اور تمہاری زندگی کے سامان بھی میں نے ہی پیدا کئے ہیں۔

اس لئے میری عبادت تمہارا فطری تقاضا ہونا چاہیئے -

غور تو کرو، انسان کی پیدائش سے پہلے اس کی خدمت کے لئے زمین و آسمان کو پیدا کیا - انسان ایک اعلیٰ درجہ کی تخلیق ہے - خدا وہ ہے جس نے تمہاری زندگی کو اعلیٰ اور عمدہ رنگ دیا - الذی خلقک فسوّٰک - تمہیں پیدا کیا - پھر کمال بخشا - زمین و آسمان کو تمہاری خدمت میں لگا دیا - یہ کتنا جامع بیان ہے - خدا تعالیٰ نے سورج اور قمر اور آسمان کسی ایک قوم کے لئے نہیں بنائے بلکہ ساری دنیا اور تمام قوموں کو ان سے یکساں فائدہ پہنچتا ہے - ساری دُنیا خدا کے احسان سے مستفید ہو رہی ہے، فرمایا الذی خلقکم والذین من قبلکم - وہ ذات جس نے تمہیں بھی پیدا کیا اور تمہارے آباؤ اجداد کو بھی اسی نے پیدا کیا - اس کی عبادت کرنا تمہارا فرض ہے - لعلکم تتقون - تاکہ تم متقی بن جاؤ - فلا تجعلوا للہ انداداً وانتم تعلمون - پس اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کے سامنے مت جھکو - تم جانتے ہو کہ دوسری چیزیں خود مخلوق ہیں - ان کو خدا کا ہمسر نہ بناؤ - خدائے واحد و یگانہ کو چھوڑ کر دیوی دیوتاؤں اور پیروں فقیروں کے پیچھے مت پڑو - اور اپنے آپ کو ذلیل نہ کرو - جبلت القلوب الیٰ من احسن الیھا - انسان محسن کے آگے جھکتا ہے - محسن حقیقی اللہ تعالیٰ ہے - اس کے آگے جھکو - اللہ حکم بھی دے سکتا تھا، مگر اس نے انسانی فطرت سے اپیل کی ہے - اس نے تمہارے لئے زمین و آسمان پیدا کیا - ان دونوں میں شعور و فہم نہیں ہے - مگر دونوں کتنے تعاون اور باہمی موافقت سے انسانوں کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں والسماء ذات الرجع والارض ذات الصدع - آسمان سے پانی برستا ہے اور زمین اس سے پھٹ کر روئیدگی پیدا کرتی ہے - بارش سے تمام قسم کا رزق پیدا ہوتا ہے -

زمین و آسمان میں کیسا تعاون و رابطہ پیدا کیا - اس سے دنیا جہان کی رونق ہے، خدا نے اس زمین کو بسایا - انسان، حیوان، چرند پرند، اس میں پیدا کئے - پہلے ان کی قابلِ رہائش جگہ بنانے کے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو قبّہ بنایا، جس میں دن کو سُورج چمکتا ہے اور رات کے لئے چاند کا خوشنما چراغ روشنی بخشتا ہے - انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کرکے زمین و آسمان کو اس کی خدمت میں لگا دیا - دونوں بے جان چیزوں کے درمیان رابطہ ہے - زمین انسان کی خاطر اپنے خزانے اُگل رہی ہے - جنگل میں ہاتھی اور شیر بھی رہتے ہیں، حیوانات اور درندے بھی رہتے ہیں - ان سب کو خوراک مل رہی ہے - متضاد اور الگ الگ خلقت رکھنے کے باوجود سب ایک جنگل میں گذارہ کرتے ہیں - یہ قدرت کی نشانیاں ہیں -

قرآن کریم کی تعلیم اور اس پر عمل کرنے کی برکت سے مسلمانوں میں ولی، غوث قطب اور مجدد پیدا ہوئے اور ہوتے رہیں گے اور جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیگر انبیاء سے افضل ہیں - اسی طرح حضور کے غلام اس صدی کے مجدد حضرت میرزا غلام احمد علیہ السلام سب مجددین سے مرتبہ میں

(باقی بر صفحہ ۲ کالم ۲)

ہفت روزہ پیغام صلح ـــــ لاہور ـــــ مؤرخہ ۲۸ راپریل ۱۹۷۶ء

# "ندائے فتح نمایاں بنام ما باشد"

طرابلس (لیبیا) میں یکم فروری ۱۹۷۶ء سے چھ فروری ۱۹۷۶ء تک ایک اسلامی مسیحی ڈائیلاگ سیمینار منعقد ہوا جس میں ساٹھ ممالک کے تین سو نمایندوں نے شرکت کی۔ اس مجلس مذاکرہ میں کیتھولک، پروٹسٹنٹ اور آرتھوڈاکس عیسائیوں نے بھرپور حصہ لیا۔

سیمینار میں یہ چار موضوع زیر بحث تھے:-

۱- کیا مذہب انسانی زندگی کی آئیڈیالوجی بن سکتا ہے؟

۲- مختلف مذاہب کے اندر کونسی بنیادیں قدر مشترک کی حیثیت رکھتی ہیں؟ اور انسان کیسے باہم متحد ہو سکتے ہیں

۳- عدل اجتماعی خدا پر ایمان کے نتیجے میں روئے کار آ سکتا ہے۔

۴- ان سالفہ غلط تصورات کو کیسے ختم کیا جا سکتا ہے جو اسلام اور مسیحیت کے مابین قائم کئے جا چکے ہیں اور دونوں مذاہب کے درمیان عدم اعتماد فضا اور تفریق کیسے ختم کی جا سکتی ہے۔

مذکورہ بالا موضوعات کے سرسری مطالعہ کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جدید دنیا میں غیر متوقع طور پر بڑی تیزی سے بدلتی ہوئی اخلاقی اور معاشی اقدار اور نظریہ اشتراکیت کے نسبتاً زیادہ تیز رفتار پھیلاؤ نے مسیحی اور اسلامی دنیا کو اس امر پر مجبور کر دیا ہے کہ وہ کمیونزم کی ہمہ گیر ہم کو روکنے کے لئے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر کوئی ایسی بنیادی اقدار تلاش کریں جو ان کو آپس میں متحد کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوں اور اس اتحاد سے بوقت ضرورت سیاسی فائدہ بھی اٹھایا جا سکے۔

مسلمان نمایندوں میں سے ایک گروہ نے اس تعاون کے حق میں قرآن کریم کی یہ آیت پیش کی ہے کہ:-

"اے اہل کتاب اس بات کی طرف آؤ جو ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان یکساں ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب بنائے اور اگر وہ پھر جائیں تو تم کہو گواہ رہو کہ ہم فرمانبردار ہیں" (۳: ۶۴)

اس کے مقابلے میں مسلمانوں کے ایک دوسرے گروہ نے اس آیت سے:-

"اور یہودی تجھ سے ہرگز راضی نہ ہوں گے اور نہ ہی عیسائی یہاں تک کہ تو ان کے مذہب کی پیروی کرے"

یہ استدلال کیا ہے کہ مسلمانوں یہودیوں اور عیسائیوں کا کسی ایک نکتہ پر جمع ہونا بظاہر مشکل نظر آتا ہے۔ لیکن یہ گروہ یہ بات بھول گیا ہے کہ آیت مذکورہ جنگ بدر سے پہلے کی نازل شدہ ہے اور سورۃ آل عمران کی محولہ بالا آیت اس جنگ کے بعد جنگ احد کے قریب کے زمانہ میں نازل ہوئی ہے۔ جنگ بدر کے بعد یہ ایک صلح اور امن کا پیغام تھا۔ نسل انسانی کو ایک مرکز پر جمع کرنے کا پیغام۔ جنگ و جدال کو ختم کرنے کا پیغام۔ اسی لئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعلمین تھے۔ سیاق و سباق کو مدنظر رکھے بغیر جب یہ دو آیات غیر مسلموں کے سامنے پیش کی گئی ہوں گی تو اس کی اس رنگ میں پیش کردہ متناقض تعلیم کا مخاطبین کے ذہنوں پر کیا اثر پڑا ہوگا۔ کہ قرآن ایک مقام پہ کچھ کہتا ہے اور دوسرے مقام پہ کچھ اور۔ صلح کا یہ پیغام قرآن کریم کے مختلف مقامات پہ مذکور ہے کہیں

ذکر ہوتا ہے کہ:-

"کوئی قوم نہیں مگر اس میں ڈرانے والا گذر چکا" (فاطر-۲۴)

اور کہیں فرمایا ہے:-

"اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا مگر اس کے رہنے والوں کو (نافرمانی کی وجہ سے) سختی اور دکھ نے پکڑا تاکہ وہ عاجزی اختیار کریں" (۷-۹۴)

اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی قوم اور کوئی بستی ایسی نہیں گذری جس میں کوئی رسول اور نبی نہ آیا ہو۔ اور اس کو مسلمانوں کے ایمان کا جزو بنا دیا کہ وہ اس پر ایمان لائیں جو آنحضرت صلعم کی طرف اتارا گیا اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے اتارا گیا جیسا کہ ارشاد ہوا:-

"رسول اس پر ایمان لایا جو اس کے رب سے اس کی طرف اتارا گیا اور مومن (بھی) سب اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔ ہم اس کے رسولوں میں سے کسی میں کچھ تفرقہ نہیں کرتے" (۲-۲۸۵)

اس سے بڑھ کر اسلام کی ہمہ گیریت اور پیغام کی وسعت اور کیا ہو سکتی ہے۔ یہ نفرتوں کی دیواریں گرانے۔ رنگ و نسل کی تمیز مٹانے فرد کو فرد سے اور قوم کو قوم سے پیوست کرنے کے لئے آیا تھا۔ لیکن بدقسمتی سے خود اس کے نام لیواؤں نے اس کی تعلیم پر وہ ستم ڈھایا کہ دنیا کو اسلام سے ہی نفرت ہو گئی۔ جب مسلمان خود تفرقہ کا شکار ہو گیا تو دوسروں کے لئے اس میں کیا کشش باقی رہتی۔

اگر اس کی حفاظت کا وعدہ خدا کی طرف سے نہ ہوتا تو یہ خود مسلمانوں کے غلط نظریات کے ہاتھوں کب کا مٹ چکا ہوتا۔ مگر وہ ہر صدی میں اسے نئی زندگی دینے کے لئے اپنی طرف سے اپنی تائید کے ساتھ ایسے انسان کو کھڑا کرتا رہا جو اس کا خوبصورت چہرہ۔ روشن تعلیم اور پُرحکمت و شوکت پیغام دنیا کو سناتا ہے۔

انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی اور چودھویں صدی ہجری نے بھی ایک ایسا ہی انقلاب دیکھا۔ یہ وہ دور ہے جب مسلمان اپنی سیاسی روحانی اور اخلاقی قوت کھو چکا تھا۔ جب اپنے آپ کو مسلمان کہنا تہذیب و شائستگی کے منافی سمجھا جاتا تھا۔ غیر مذاہب خاصکر عیسائیت اور آریہ مت نے اسلام پر بظاہر ایک ناقابل شکست یورش کر رکھی تھی۔ لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں ایسا لٹریچر شائع اور تقسیم ہو رہا تھا جس میں اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات پر ناپاک حملے کئے جاتے۔ عمامہ و جبہ پوش نام نہاد علماء بلوں میں منہ چھپائے پھرتے تھے۔ مسلمان دھڑا دھڑ عیسائی مذہب قبول کرتے اور شدھی کا شکار ہوتے جا رہے تھے۔ انہیں بچانے والا کوئی نہ تھا۔ ایسے میں رحمت خداوندی جوش میں آئی اور خاک قادیان سے ایک درویش صفت۔ خدا اور رسول کے عشق میں مخمور۔ گوشۂ گمنامی میں رہنے والے مرزا غلام احمد قادیانی کی یہ آواز فضاؤں میں گونجی:-

رسید مژدہ ز غیبم کہ من ہماں مردم
کہ او مجدد ایں دین و رہنما باشد

ترجمہ: مجھے آسمان سے یہ خوشخبری پہنچی ہے کہ میں ہی ہوں کہ جو اس دین کا مجدد و رہنما ہوگا۔

منم مسیح بہ بانگ بلند مے گویم
منم خلیفۂ شاہے کہ بر سما باشد

ترجمہ: میں بلند آواز سے یہ اعلان کرتا ہوں کہ میں اس بادشاہ کا خلیفہ ہوں جو آسمان پر ہے۔

مخالفت کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ خود مسلمان آریوں اور عیسائیوں سے

از: راہنورد

# سیدابوالاعلیٰ مودودی کی تفسیر تفہیم القرآن کا ایک مختصر جائزہ

## قسط نمبر ۱۲

تفسیر تفہیم القرآن میں مودودی صاحب نے مسلمانوں کو بھی اہل کتاب مسلمان کہہ کر پکارا ہے جس سے شاید خود کو الگ سمجھتے ہوں۔ لیکن کس بنا پر وہ عام مسلمانوں سے الگ ہیں؟ کیا ان کا اپنا وحی کا علم بھی صرف سماعی نہیں؟ ان کی اپنی گواہی یا تجربہ اس پر کوئی نہیں تو پھر وہ دوسروں کو ملزم کس طرح کر سکتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:-

"تم نے (یعنی یہودیوں نے۔ ناقل) اس رسول کو اس لئے ماننے سے انکار کیا کہ یہ اس قوم میں مبعوث ہوا تھا جسے تم حقارت کے ساتھ اُمّی کہتے ہو۔ تمہارا زعم باطل یہ تھا کہ رسول لازماً تمہاری اپنی قوم کا ہونا چاہیئے تم یہ فیصلہ کئے بیٹھے تھے کہ تمہاری قوم سے باہر کا جو شخص بھی رسالت کا دعویٰ کرے وہ ضرور جھوٹا ہے کیونکہ یہ منصب تمہاری نسل کے لئے مختص ہو چکا ہے اور اُمیّوں میں کوئی رسول نہیں آسکتا"

(تفہیم القرآن جلد پنجم صـ۸۳)

اور یہ بھی لکھا ہے کہ:-

"وہ صاف کہتے تھے کہ جو کچھ ہمارے یہاں آیا ہے ہم صرف اسی کو مانیں گے دوسری کسی تعلیم کو جو کسی غیر اسرائیلی نبی کے ذریعہ سے آئے خواہ وہ خدا ہی کی طرف سے ہو تسلیم کرنے کے لئے وہ قطعی تیار نہ تھے" (ایضاً صـ۸۵)

کیا خود مودودی صاحب نے کسی مزعومہ ریکارڈ کے بھروسہ پر نہیں کہا تھا کہ:-

"اب اگر بالفرض" محال نبوّت کا دروازہ واقعی کھُلا ہو اور کوئی نبی آ بھی جائے تو ہم بے خوف وخطر اس کا انکار کر دیں گے۔" (تفہیم القرآن صـ۱۵۲)

حالانکہ وہ خود فرماتے ہیں کہ:-

"اس طرح نبوّت درحقیقت اللہ تعالےٰ کی وہ حجت ہے جو اس نے انسانوں پر قائم کر دی ہے اور اس کے ماننے یا نہ ماننے پر انسان کے مستقبل کا انحصار ہے"

(تفہیم القرآن جلد ششم صـ۴۵)

کیا یہ حقیقت نہیں کہ وہ اور ان کی طرح کے تمام لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر کفر کا فتوےٰ اس لئے لگاتے ہیں کہ انہوں نے وحی پانے کا دعویٰ کیا حالانکہ وہ کسی نئی شریعت کے لانے کے مدعی نہ تھے بلکہ اُسی وحی کے پانے کا اقرار کرتے تھے جو زیر سایہ نبوّتِ محمدیہ اولیائے اُمّت کو ملتی ہے اور سلسلۂ نبوّت پر ایک گواہ کا کام کرتی ہے۔ وہی گواہی جو ہمیشہ سے انسانوں کو وحی کی حقانیت پر مطلوب رہی اور جسے مودودی صاحب نے اللہ تعالےٰ کی حجت کہا ہے۔ یہاں اس کا اللہ تعالےٰ کی حجت ہوتا اسی لئے تو ہے کہ اس کے ذریعے اللہ تعالےٰ اپنا آپ ظاہر کیا اور انا الموجود کہکر انسانوں کو پکارا ورنہ انسانوں کے پاس عذر ہوتا کہ فلسفی کی ٹامک ٹوئیوں سے زیادہ ہمارے پاس کوئی یقینی گواہی موجود نہ تھی۔ وہ فلسفی کا غالب امکان ہی رہتا نہ کہ نبی کی یقینی حقیقت ہوتا۔ اس اعتبار سے نبوّت کا درحقیقت اللہ تعالےٰ کی حجت ہونا مطلق وحی کے نزول کی نسبت سے ہے نا کہ شریعت کے نزول کے حوالے سے کیونکہ کسی شریعت کا قبول بذاتِ خود وحی کے شکوک و شبہات سے پاک قبول کرنے پر منحصر ہے، یوں وحی کا درجہ اولیت کا ہے اور شریعت اس سے نمو پاتی ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر وحی شریعت کی حامل ہو گو شریعت وحی کے ذریعے ہی دی جاتی ہے۔

یہ تو وحی اور کتمانِ حق کا مسلمہ ہے۔ لیکن عیسائیوں کے عقاید کو غلط ثابت کرنے میں جو کچھ کہ مودودی صاحب نے تفسیر تفہیم القرآن میں کہا ہے اس کے بارے میں، ہم مختصراً پیچھے لکھ آئے ہیں۔ ہو سکتا ہے اسے نظریاتی اختلاف کہہ کر پکارا جائے لیکن پروفیسر صاحب یہ تو مانیں گے کہ کسی بھی انسان کو انہی کتُب اور عقاید پر جوابدہ قرار دیا جا سکتا ہے جنہیں وہ تسلیم کرتا ہو۔ جو کتابیں اس کے نزدیک مستند ہی نہیں اُن پر بحث کرنا کہ وہ دراصل مستند ہیں اور ان میں بیان کردہ عقاید درست ہیں محض وقت کا زیاں ہی تو ہے۔ مودودی صاحب نے تو تقریباً دس صفحے (۴۶۶ تا ۴۷۶ جلد پنجم) انجیل برناباس کو مستند ثابت کرنے اور اس سے اقتباسات نقل کرنے پر صرف کر دیئے ہیں۔ حالانکہ انجیل برناباس مسیحیوں کے نزدیک ناقابلِ اعتبار اور مشکوک الصحت ہے۔ اب انہیں اس سے ملزم کرنا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ یوں نہ تو عقلاً اور نہ ہی نقلاً۔ تفسیر تفہیم القرآن میں عیسائیوں کے عقاید کا غلط ہونا ثابت کیا جا سکا ہے۔ یہودیوں کے بارے میں تو بحث اس سے بھی کہیں زیادہ محدود ہے۔ ان دو حاملانِ وحی کو تفسیر مذکور کسی طرح بھی مسلمانوں اور اسلام کی طرف سے کماحقہٗ قائل کرتی نظر آتی ہے۔

اسی طرح پروفیسر صاحب نے جن دو چیلنجوں کا جواب تفسیر مذکور میں دیا جانا بیان کیا ہے۔ وہ ممکن ہو ہی نہیں سکا۔ رہا آخرالذکر دونوں چیلنج جن کے تحت وہ مسلمانوں کی غالب اکثریت کو دین و دنیا کی تفریق یا دنیاوی اور اجتماعی مسائل میں دین کے حقیقی مفہوم کو بدل دینے کے اقدام کا مرتکب سمجھتے ہیں اس میں تفسیر مذکور نے مودودی صاحب کے معروف سیاسی مسلک کا تتبع کیا ہے۔ ہم اسلام کو زندگی کا مکمل نظام سمجھتے ہیں جو فرد کو رضاکارانہ طور پر ایمان لے آنے کے بعد اپنی زندگی پر نافذ کرنا ہوتا ہے۔ شریعت اس بات کی محتاج نہیں کہ ضرور ایک حکومت ہی ہو تبھی مسلمان اسے اپنے روزمرّہ اعمال پر نافذ کر سکتا ہے۔ یہ ایک بہت بڑا ضابطہ ہے جو ایک عرصہ دراز سے مسلمانوں کے بعض دانشوروں کو پیش ہے۔ وہ اسلام اور حکومت کو لازم وملزوم سمجھتے ہیں ان کے نزدیک دین و دنیا کی تفریق کا مطلب حکومت اور عبادت کے دو الگ الگ حلقے قائم کرنا ہے۔ حالانکہ کوئی مسلمان چاہے وہ کسی کافر حکومت کے ماتحت ہی رہ رہا ہو اسلام کے اُن تقاضوں کو پورا کرنے سے احتراز نہیں کر سکتا جنہیں وہ حکومت پر قابض ہوئے بغیر اپنی زندگی میں نافذ کر سکتا ہو وہ نہیں کہہ سکتا کہ چونکہ یہاں اسلامی حکومت نہ تھی اس لئے میں نے اسلام کے مطالبات پورے نہیں کئے۔ شریعت مسلمان سے علاحدہ کوئی چیز نہیں۔ یہاں مسلمان سے مطلب وہ مسلمان ہے جو اسلام کو اپنا دین سمجھ کر اس پر عامل ہونا چاہیئے۔ دراصل دین کے مفہوم کے بدلنے کا مرض بھی کمزوریٔ ایمان اور وحی کے عدم یقین کا نتیجہ ہے ورنہ یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ اسلام کا تقاضا کیا ہے اس کا مفہوم بدل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن ایک طرف تو مودودی صاحب اور ان کے ہمنوا دوسروں پر مفاہیم بدلنے کا الزام لگاتے ہیں تو دوسری طرف وہ خود بھی مطلب کے مطابق مفہوم کو نہیں بدلتے۔ وہ تمام مسلمانوں کو اہل کتاب تک کہہ جاتے ہیں پھر انہی سے دوسرے مسلمانوں کو کافر کہلوانے کے مطالبے بھی کرتے ہیں اور انہی کے ووٹوں سے

چوہدری مسعود اختر صاحب ایڈووکیٹ

# ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

ہم جو ڈیڑھ نصف صدی سے زیادہ عرصہ سے دیکھتے چلے آ رہے ہیں کہ جماعت ربوہ اور راسخ العقیدہ عامۃ المسلمین دونوں گروہ ہی منکرینِ عقیدۂ ختم نبوت ہیں اس کا تازہ ترین ثبوت روزنامہ "نوائے وقت" لاہور نے اپنی اشاعت مورخہ ۱۷ر اپریل ۱۹۷۶ء میں فراہم کیا ہے۔

روزنامہ "نوائے وقت" نے اس شمارہ میں جماعت ربوہ کی طرف سے روزنامہ "گارڈین" لندن کے شمارہ ۱۸ر مارچ ۱۹۷۶ء اور "ٹائمز" کی جشنِ عالمِ اسلامی کے موقعہ پر خصوصی اشاعت میں مطبوعہ دو اشتہاروں کے عکس شائع کرنے کے علاوہ روزنامہ "گارڈین" مطبوعہ ۱۰ر اپریل ۱۹۷۶ء میں شائع ہونے والے اس اشتہار کا عکس بھی شائع کیا ہے جو برطانیہ میں مقیم پاکستانی مسلمانوں کی طرف سے جماعت ربوہ کے متذکرہ بالا اشتہاروں کے جواب میں شائع کرایا گیا ان اشتہاروں کے نیچے روزنامہ "نوائے وقت" نے ایک "نوٹ" "مرزائیوں کا دعویٰ نبوت کے بطلان کے باوجود اس پر اصرار معنی خیز ہے" کے عنوان سے رقم کیا ہے۔

جماعت ربوہ کی طرف سے ٹائمز لندن میں "INVITATION TO AHMADIYYAT OR THE TRUE ISLAM" کے عنوان سے شائع ہونے والے اشتہار میں مندرجہ ذیل الفاظ سوادِ اعظم کے عقیدۂ ختم نبوت کے منافی ہیں۔

"THE MOVEMENT ALSO HOLDS THAT THE HOLY PROPHET MOHAMMAD MAY PEACE BE UPON HIM, IS THE SEAL OF PROPHETS, AND NO OTHER PROPHET CAN APPER AFTER HIM, EXCEPT ONE WHO IS SPIRITUALLY HIS DISCIPLE."

ترجمہ:- "تحریک کا یہ عقیدہ ہے کہ رسولِ کریم حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں کی مہر ہیں اور حضورؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا ماسوائے اس کے جو حضورؐ کا روحانی پیرو (یا مرید) ہو۔"

مندرجہ بالا عبارت میں لفظ "EXCEPT" یا "ماسوائے" ایک استثنیٰ کی حالت پیدا کر رہا ہے اور ظاہر ہے کہ اس عقیدہ کے لوگ حضور خاتم النبیین کے بعد نبوت کا جاری ہونا مانتے ہیں لیکن ایک شرط ضرور عاید کرتے ہیں کہ ایسے استثنائی نبی کا حضور نبی کریم صلعم کا روحانی پیرو ہونا ضروری ہے۔ اب یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ختم نبوت بلا استثناء ہے لہٰذا جماعت ربوہ کا مندرجہ بالا عقیدہ۔ اسلام کے عقیدۂ ختم نبوت کی ضد ہے۔

جماعت ربوہ کے متذکرہ بالا اشتہار کے جواب میں برطانیہ میں مقیم پاکستانی مسلمانوں کی طرف سے روزنامہ گارڈین لندن مطبوعہ ۱۰ر اپریل ۱۹۷۶ء میں "THE LAST OF THE PROPHETS MUHAMMAD (SALLALLHU ALIAHE WASALLAM)" کے عنوان سے شائع ہونے والے اشتہار کے مندرجہ ذیل الفاظ قابلِ غور ہیں:-

"JESUS SON OF MARY, CALLED THE MESSIAH, IS TO DESCENT (AND NOT BE BORN) FROM HEAVEN"

اشتہار کے مندرجہ بالا الفاظ حضرت عیسٰے ابنِ مریم علیہ السلام جنہیں حضرت مسیح علیہ السلام بھی کہا جاتا ہے کے آسمان سے نزول کے عقیدہ کا اظہار کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ تمام دنیا کے مسلمان چاہیے ان کا تعلق کسی فرقہ یا جماعت سے ہو، حضرت عیسٰے یا مسیح علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ کا نبی اور رسول مانتے ہیں۔ لہٰذا جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسٰے یا مسیح علیہ السلام آسمان سے نزول فرمانے والے ہیں وہ بھی عقیدہ ختم نبوت کے منکرین ہیں کہ ختم نبوت آسمان یا زمین کہیں سے بھی کسی بھی نبی کے نزول کے مانع ہے۔

ادارہ نوائے وقت نے ان اشتہاروں کے نیچے جو نوٹ لکھا ہے اس میں پاکستان کی قومی اسمبلی کے فیصلہ کا حوالہ دیتے ہوئے یوں رقمطراز ہے:-

"پاکستان کی قومی اسمبلی کے متذکرہ فیصلے کی رُو سے مرزا غلام احمد کا دعوئے نبوت اور دعوئے مسیحیت باطل ثابت ہو چکا ہے۔ مگر اس کے باوجود مرزائی اپنے آپ کو "مسلمان" کہلاتے ہیں اور اپنے ادعائے مسلمانی پر مصر بھی ہیں جس کا وہ راسخ العقیدہ عامۃ المسلمین میں برملا اظہار بھی کرتے رہتے کہ وہ ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں مگر جیسا کہ قرائن سے معلوم ہوتا ہے اور اس امر کی شہادتیں بھی ملتی ہیں کہ مرزائی حضرات صریحاً منافقت سے کام لے رہے ہیں وہ عامۃ المسلمین کے رُو برو یہی کہتے ہیں کہ وہ اسی اسلام کے قائل و عامل ہیں جسے سرورِ کائنات فخرِ موجودات احمد مجتبیٰؐ نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اور جس پر دنیا کے ۷۰ کروڑ مسلمان عامل ہیں اور جو اُنکی زندگیوں میں عامل و نافذ ہے۔ مگر اندرون خانہ مرزائی "جماعت احمدیہ" کے ارکان مرزا غلام احمد کو نبی "مسیح موعود" مانتے ہیں۔"

ادارہ "نوائے وقت" نے اگر تعصب کی پٹی اپنی آنکھوں پر سے اتار کر تمام اشتہارات کا مطالعہ کیا ہوتا تو اُن کو نظر آ جاتا کہ مرزائی جس گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں وہی گناہ خود برطانیہ میں مقیم پاکستانی اور دنیا بھر میں ان کے ہم عقیدہ لوگ بھی کر رہے ہیں۔ فرق تو صرف یہ ہے کہ ربوہ والوں کا نبی "مسیح موعود" تو آ چکا لیکن عامۃ المسلمین نبی "مسیح موعود" کے آسمان سے نازل ہونے کی انتظار میں ہیں۔ ختم نبوت کا عقیدہ تو دونوں صورتوں میں مجروح ہوا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ اگر عقیدہ ربوہ والوں کا ہو تو گناہ اور قابلِ مواخذہ لیکن اگر وہی عقیدہ ادارہ نوائے وقت اور عامۃ المسلمین کا ہو تو عین اسلام ہے۔ ایسا انصاف شاید خالصہ راج میں ہوا ہو تو ممکن ہے لیکن کسی بھی مہذب معاشرہ میں اسے صریح بے انصافی ہی کہا جائے گا۔ پاکستان قومی اسمبلی کے متذکرہ فیصلہ کی رُو سے تو ادارہ نوائے وقت اور عامۃ المسلمین اور خود ان کے عیسٰے ابن مریم جب نازل ہوں گے تو تمام کے تمام آئینی اور قانونی مقاصد کے لئے غیر مسلموں کے زمرہ میں ہی شامل ہوتے ہیں۔

بفضلہ تعالیٰ ہمارا یعنی جماعت احمدیہ لاہور کا عقیدہ ہے کہ ختم نبوت ایک مسلّم عقیدہ اہلِ اسلام کا ہے جس سے انحراف کرنا کفر ہے۔ ختم نبوت کا عقیدہ اسلام کا ایک زبردست اصول ہے جس کی بنیاد محکمات پر رکھی گئی ہے۔ قرآن کریم نے ختم نبوت کے سارے مراتب کو نہایت کھلے اور بیّن الفاظ میں بیان فرمایا ہے مثلاً یہ کہ حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کُل دنیا کے لوگوں کی طرف رسول ہیں اور آپؐ عالمین یعنی آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے بھی ہادی ہیں اور یہ کہ دین کو قرآن میں کامل کر دیا گیا اور ہر قسم کی صداقتیں اس کے اندر جمع کر دی گئی ہیں اور کہ اس کی حفاظت کو اللہ تعالےٰ نے اپنے ذمہ لے لیا۔ غرض ان تمام امور کو جو ختم نبوت کے لئے ضروری تھے کھلے الفاظ میں بیان کر کے یہ بھی فرما دیا کہ آپؐ خاتم النبیین ہیں یعنی چونکہ نبوت کو آپؐ نے کمال تک پہنچا دیا اس لئے آپ کے بعد کوئی نبی نہیں اور اس طرح پر ختم نبوت کے عقیدہ کی بنیاد اعلےٰ درجہ کے محکمات پر رکھ دی اور پھر احادیثِ صحیحہ

متواترہ میں اس کی اس قدر کھلی کھلی وضاحت کر دی کہ کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اسی لئے تو امامِ زمان حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ نے بار بار لکھا۔ اگر عیسٰے ابنِ مریم آ گئے تو پھر ختمِ نبوت کہاں رہی۔ اب کوئی نبی نہیں آ سکتا نہ نیا نہ پُرانا نہ آسمان سے نہ زمین سے۔ حضرت مرزا صاحب نے نہایت واضح اور غیر مبہم الفاظ میں اپنا عقیدہ یوں بیان فرمایا:—

ما مسلمانیم از فضلِ خدا + مصطفٰے ما را امام و پیشوا
ہست اُو خیر الرسل خیر الانام + ہر نبوت را بروشد اختتام

یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ جس شخص نے اس صدی میں سب سے پہلے اور پاکستان قومی اسمبلی کے فیصلہ سے ۹۰ سال قبل ABSOLUTE FINALITY OF PROPHITHOOD OF PROPHET MUHAMMAD کا اعلان کرکے عقیدۂ ختمِ نبوت کے تصور کو اُجاگر کیا۔ اُسی کو عقیدۂ ختمِ نبوت کا منکر کہہ دیا گیا۔

ہم ادارہ نوائے وقت کی توجہ ایک بار پھر برطانیہ میں مقیم پاکستانی مسلمانوں کے اشتہار کی مندرجہ بالا عبارت جس میں

JESUS SON OF MARY CALLED MESSIAH, IS TO DESCEND FROM HEAVEN

کے عقیدہ کا اظہار کیا گیا ہے کی طرف مبذول کراکے ایک سوال پوچھنا چاہتے ہیں کہ "FROM HEAVEN" کے الفاظ کس آیت قرآنی یا حدیثِ صحیح سے لئے گئے ہیں۔ نزولِ مسیح کا ذکر صاف صاف تو قرآن شریف میں کسی آیت میں نہیں ہے البتہ نزولِ مسیح کا ذکر بہت سی احادیث میں ہے لیکن آج تک ہماری نظر میں سے ایسی کوئی حدیث نہیں گزری جس میں "FROM HEAVEN" یعنی "آسمان سے" کے الفاظ بھی ہوں۔ ہم عامۃ المسلمین اور اور ادارہ "نوائے وقت" کے نہایت مشکور ہوں گے اگر وہ ہمارے علم میں اضافہ کرنے کے لئے کسی ایسی حدیث کی نشاندہی کر دیں جس میں نزول کے ساتھ "FROM HEAVEN" یا "آسمان سے" کے الفاظ بھی درج ہوں۔

جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں عرض کیا ہے کہ نزولِ مسیح کے بارہ میں تواتر سے احادیث ہیں اور لفظ نزول کے معنی ضروری نہیں کہ آسمان سے اترنا ہی ہوں۔ حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ مفسرِ قرآن نے نزولِ مسیح کے بارہ میں لکھا ہے:—

"نزولِ مسیح کے مسئلہ کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ لفظ نزول کی حقیقت کو سمجھ لیا جائے۔ صحیح احادیث میں لفظ نزول کے ساتھ آسمان کا لفظ نہیں آیا اور لفظ نزول کے معنی آسمان سے اُترنا ہرگز نہیں۔ نہ ہی ہر حال میں اُوپر سے نیچے آنا اس کے معنی ہیں۔ اللہ تعالٰے فرماتا ہے انزلنا الحدید۔ ہم نے لوہا اُتارا۔ حالانکہ وہ آسمان سے نہیں اُترتا بلکہ زمین سے ہی پیدا ہوتا ہے اور انسان اپنی کوشش اور محنت سے اُسے حاصل کرتا ہے۔ اور فرماتا ہے انزلنا علیکم لباسا۔ ہم نے تمہارے اُوپر لباس اُتارا۔ وہ بھی آسمان سے نہیں اُترتا۔ اور فرماتا ہے انزلنا لکم من الانعام ثمانیہ ازواج۔ چارپایوں سے آٹھ جوڑے جوڑے کرکے تمہارے لئے اُتارے۔ اور رسولوں اور کتابوں کے متعلق بالخصوص یہ لفظ بولا گیا ہے۔ حالانکہ رسول یہیں پیدا ہوئے اور کتابیں بھی اُوپر سے لکھی لکھائی نہیں آتیں۔ مثلاً حضور نبی کریم صلعم کے لئے بھی نزول کا لفظ قرآن کریم میں فرمایا ہے قد انزلنا الیکم ذکرا رسولا یتلوا علیکم ایات اللہ (ہم نے تمہاری طرف یاد دلانے کو رسول نازل کیا جو تم پر اللہ کی آیات پڑھتا ہے) اور سورۃ الحدید میں رسولوں کا ذکر کرکے فرمایا۔ و انزلنا معھم الکتاب والمیزان (اور ان کے ساتھ ہم نے کتاب اور میزان اُتاری) ان کے ساتھ کتاب اُتارنے کے لفظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ رسولوں کو بھی نازل کیا اور کتاب بھی ان کے ساتھ نازل کی پس لفظ نزول سے مراد صرف مبعوث ہوتا ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں یہ دونوں لفظ ساتھ ساتھ استعمال ہوئے ہیں۔ اذ بعث اللہ المسیح بن مریم فینزل عند المنارۃ۔ جب اللہ تعالٰے مسیح ابنِ مریم کو مبعوث کرے گا پس وہ منارہ کے قریب نزول کریگا یہاں صاف مسیح ابنِ مریم کی بعثت کا ذکر ہے اور بعثت اسی زمین پر بذریعہ امرِ ربّی ہوتی ہے پس لفظ نزول اور بعثت کا درحقیقت ایک ہی مفہوم ہے۔"

دراصل 'آسمان سے نزول' کا قصہ عیسائیوں کی تقلید میں گھڑ لیا گیا ہے۔ عیسائیوں نے حضرت عیسٰے علیہ السلام کی اُلوہیت ثابت کرنے کے لئے اور اس طرح تثلیث کا چکر چلانے کے لئے حضرت عیسٰے کے زندہ آسمان پر چلے جانے کا قصہ گھڑا۔ اور جس کے متعلق یہ عقیدہ ہو کہ وہ زندہ آسمان پر اُٹھ گیا اب اس کے نزول کا مطلب بھی یہی ہوگا کہ وہ آسمان سے نازل ہو۔ اور پھر اہلِ کتاب میں سے مسلمان ہونے والے یہ نصرانی روایات اپنے ساتھ اسلام میں لے آئے اور بعد میں مفسرین نے ان بے سروپا قصوں کو بلا تحقیق اپنی تفاسیر میں جگہ دی اس ضمن میں شیخ الازہر علامہ محمود شلتوت اپنے فتوے در بارہ وفاتِ مسیح میں لکھتے ہیں:—

ترجمہ "سورۃ النساء کی آیت میں بل رفعہ اللہ الیہ وارد ہوا ہے۔ اکثر مفسرین نے اس میں رفع کی تفسیر آسمان کی طرف جانا کی ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے کسی اور کو مسیح کی شبیہہ بنا دیا اور مسیح کو جسم سمیت آسمان پر اُٹھا لیا۔ وہ وہاں زندہ ہیں اور آخری زمانے میں اُتریں گے سُؤروں کو مار ڈالیں گے اور صلیب کو توڑ دیں گے۔ مفسرین اس بارے میں اوّل تو ان روایات پر اعتماد کرتے ہیں جن میں دجّال کے بعد نزولِ مسیح کا ذکر ہے۔ یہ روایاتِ مضطربہ اپنے الفاظ اور معانی میں اس قدر مختلف ہیں کہ ان میں تطبیق ممکن نہیں۔ اس امر کی تصریح خود علمائے حدیث نے کی ہے۔ مزید برآں یہ وہب بن منبہ اور کعب الاحبار کی روایات ہیں جو اہلِ کتاب میں سے مسلمان ہوئے تھے۔ علمائے جرح و تعدیل کے نزدیک ان راویوں کا جو درجہ ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

مفسرین کی دوسری دلیل وہ روایت ہے جو ابوہریرہؓ سے مروی ہے اور جس میں نزولِ عیسٰے کی خبر دی گئی ہے۔ اگر یہ حدیث صحیح بھی تسلیم کر لی جائے تب بھی یہ واحد ہے اور علمائے اُمّت کا اجماع ہے کہ خبرِ واحد سے نہ تو کوئی عقیدہ ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی امورِ غیبیہ کے بارے میں اس پر اعتماد کرنا درست ہے۔

مفسرین کی تیسری دلیل وہ بیان ہے جو حدیثِ معراج میں آیا ہے کہ جب آنحضرت صلعم نے آسمانوں کی طرف صعود کیا اور یکے بعد دیگرے آسمانوں کو کھولتے گئے تو دوسرے

آسمان پر حضرت عیسٰے علیہ السلام اور ان کے خالہ زاد بھائی حضرت یحیٰے علیہ السلام سے اُن کی ملاقات ہوئی۔ اس دلیل کی غلط سلیقت تو اس کے بیان سے واضح ہے۔ تمام علماء تسلیم کرتے ہیں کہ معراج میں حضور بہت سے انبیاء سے ملے اور یہ ملاقات محض روحانی تھی۔ اگر جسمانی ہوتی تو ماننا پڑے گا کہ جس طرح حضرت عیسٰے علیہ السلام زندہ اُٹھا لئے گئے اسی طرح باقی انبیاء بھی زندہ اُٹھا لئے گئے ہوں گے اور حضرت یحیٰی تو خصوصاً زندہ اُٹھا لئے گئے ہوں گے کیونکہ وہ حضرت عیسٰے کے ساتھ ہی ملے تھے تو کیا ان تمام انبیاء کا پھر نزول ہوگا؟

یہاں مفسرین کی اس طرفہ بات کو بھی مدنظر رکھئے کہ جب وہ رفعه الله اليه آیتِ قرآنی کا مفہوم بیان کرتے ہیں تو حدیثِ معراج سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں چونکہ معراج میں حضور نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو دوسرے آسمان پر دیکھا اس لئے رفعه الله اليه کے معنی ہیں اللہ نے عیسٰی کو آسمان پر اُٹھا لیا۔ لیکن جب حدیث معراج کے سلسلے میں اُن سے کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے دوسرے انبیاء کی طرح حضرت عیسٰے علیہ السلام سے بھی روحانی ملاقات ہوئی ہو تو وہ جھٹ کہتے ہیں واہ جی قرآن میں تو آچکا ہے رفعه الله اليه گویا اس طرح یہ لوگ حدیث کی تشریح کرتے ہیں تو اپنے مزعومہ معنی پر آیت کو دلیل گردانتے ہیں اور جب آیت کی تفسیر کرتے ہیں تو حدیث کے مزعومہ مفہوم کو بطور سند لاتے ہیں۔

سورۃ آل عمران کی آیت۔ انی متوفيك و رافعك الی۔ سورۃ النساء کی آیت بل رفعه الله اليه سے ملا کر پڑھیئے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلی آیت میں رفع کا جو وعدہ کیا تھا دوسری آیت میں اسی وعدہ کے پورا ہوتے ذکر کیا گیا ہے۔ پہلی آیت میں وفات۔ رفع۔ تطہیر کے وعدے تھے۔ اگرچہ دوسری آیت میں وفات اور تطہیر کا بیان نہیں صرف رفع الی الله کا ذکر ہے تاہم دونوں آیتوں میں تطبیق کے لئے ضروری ہے کہ ان تمام وعدوں کو یہاں بھی مدنظر رکھا جائے۔ پس آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو وفات دی پھر رفع فرمایا اور انہیں کافروں کے الزامات سے معصوم ثابت کیا۔“ ............

”یہ بات بالکل عیاں ہے کہ وفات کے بعد بلندی درجات ہی مراد ہوسکتی ہے نہ کہ رفع جسمانی بالخصوص جبکہ آیت میں متصل بعد و مطهرك من الذين كفروا کا فقرہ موجود ہے جو یہ ثابت کر رہا ہے کہ یہاں شرف و اجتبا اور عظمت و تکریم کا مقصود تھا“

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا۔ حضرت امام مالکؒ۔ حضرت امام بخاریؒ کا مذہب یہ تھا کہ حضرت عیسٰے وفات پا چکے ہیں۔ احادیث سے بھی حضرت عیسٰےؑ کی وفات ثابت ہے۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ نے قرآن کریم کی تیس آیات سے وفات مسیح ثابت کی اور ان کے پیرو کاروں کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ حضرت عیسٰے وفات پا چکے ہیں۔ اگر حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو نبی مسیح موعود“ بننے کا شوق ہوتا تو وہ حضرت عیسٰے ابن مریم جو کہ نبی اللہ تھے کی وفات کیوں ثابت کرتے اور عمر بھر کہتے رہے کہ ”مسلمانو! عیسٰے کو مارو اس میں اسلام کی زندگی اور عیسائیت کی موت مضمر ہے“۔ اور جسے فوت شدہ تسلیم کر لیا گیا۔ اس کے زندہ آسمان پر چڑھ جانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور جو زیرِ زمین دفن ہو اس کا آسمان سے نزول چہ معنے دارد۔ لہٰذا حضرت مرزا غلام احمد صاحب اور ان کی جماعت وفاتِ عیسٰے کے قائل ہیں لہٰذا نزولِ عیسٰے کے قائل نہیں۔

البتہ جو لوگ حضرت عیسٰےؑ کے بجسد عنصری زندہ آسمان پر چڑھ جانے کا عقیدہ رکھتے ہیں جب وہ نزول مسیح کی احادیث دیکھتے ہیں تو اُن کو معاً یہ خیال آتا ہے کہ یہ نزول آسمان سے ہوگا۔ لہٰذا وہ احادیث کے ساتھ ”آسمان سے“ یا FROM HEAVEN کے الفاظ اپنے پاس سے گھڑ کر اپنی طرف سے اضافہ کر لیتے ہیں جو لوگ نزول کے معنے بعثت نہیں سمجھتے اور جو مسیح موعود سے نبی عیسٰے ابن مریم کا نزول سمجھتے ہیں اور حدیث کے الفاظ امامکم منکم میں سے منکم کے معنے پر غور نہیں کرتے وہ یقیناً عیسٰے ابن مریم (جو کہ نبی اللہ تھے) کے آسمان سے نزول کے قائل اور وہی JESUS SON OF MARY CALLED THE MESSIAH IS TO DESCENT FROM HEAVEN“ کا عقیدہ رکھتے ہیں وہ یقیناً پاکستان کی قومی اسمبلی کے منظور شدہ آئین کی زد میں آتے ہیں۔

ہم معاصر نوائے وقت سے عقیدہ ختم نبوت کی حرمت کے واسطے گزارش کریں گے کہ وہ مندرجہ بالا حقائق پر ٹھنڈے دل و دماغ سے تعصب کی پٹی اپنی آنکھوں پر سے ہٹا کر غور فرماویں اور پھر فتوےٰ صادر فرماویں کہ ختم نبوت کے اقرار اور محافظین ختم نبوت کے دعاوی کے باوجود عیسٰی نبی کے آسمان سے نازل ہونے پر اصرار چہ معنی دارد۔ اور یا یوں کہہ لیجئے کہ عیسٰے نبی کے آسمان سے نازل ہونے کا عقیدہ رکھ کر عقیدہ ختم نبوت چہ معنی دارد۔

مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب اور اب ان کی اولاد نے ربوہ میں جو نبوت کا ڈھونگ رچا رکھا ہے اس کی وجہ تو ان کی خاندانی خلافت کی گدی قائم رکھنا ہے وہ اپنے مریدوں کا استحصال کر رہے ہیں لیکن عامۃ المسلمین کا بھی ایک نبی کے آنے کا منتظر ہونا کس وجہ سے ہے۔ عقیدۂ ختم نبوت کی حقیقت تو وہی ہے جو حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے بتائی ہے کہ ”اب نہ کوئی نیا نبی آسکتا ہے نہ پرانا۔ نہ زمین سے نہ آسمان سے“۔ اور اسی مسلک پر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور قائم ہے۔ ہم یہ بات ہمیشہ سے کہتے آئے ہیں کہ جماعتِ ربوہ کے عقیدہ کے مطابق حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو نبی تسلیم کرنے سے ختم نبوت کے عقیدہ پر یقیناً زد پڑتی ہے تو عامۃ المسلمین کے عقیدہ کے مطابق آسمان سے ایک نبی آنے سے بھی ختم نبوت کا عقیدہ محفوظ و مصئون نہیں رہتا۔

کاش کوئی دلیل رشید اس امر کو عامۃ المسلمین پر واضح کر سکے اور ان کو خاتم النبیین کے بعد کسی اور نبی کی آمد کا عقیدہ رکھنے سے باز رکھ سکے۔ ہاں اگر ربوہ والوں کی نبوت کی طرح ادارہ نوائے وقت اور عامۃ المسلمین بھی اسی عقیدہ کی رٹ لگائے رکھیں کہ عیسٰے نبی نے آسمان سے نزول فرمانا ہے اور اس کے باوجود وہ عین مسلمان اور محافظِ ختم نبوت ہونے کے بلند بانگ دعاوی بھی کریں تو پھر دونوں میں فرق نہیں ہاں بحیثیت ادارہ ”نوائے وقت“ کے حسب حال یہ شعر ہے:

جو ان کی زلف میں آئی تو حسن کہلائی + وہ تیرگی جو میرے نامۂ سیاہ میں ہے

---

## جماعتِ راولپنڈی کا جلسہ سالانہ

اپنی شاندار روایات کے مطابق مؤرخہ ۹ رمئی سنہ ۱۹۷۷ء کو شروع ہوگا۔ احباب مفصل پروگرام کا انتظار فرمائیں۔

خواجہ محمد نصیر اللہ۔ آنریری سیکرٹری جماعت راولپنڈی

ڈاکٹر خورشید عالم رب نواز

# حضرت مجدد زمان علیہ السلام نے وفات مسیح کو ثابت کر کے کسر صلیب کا کارنامہ انجام دیا

نیاز فتحپوری رقمطراز ہیں کہ :-

"مرزا صاحب کی تحقیق کا طرۂ امتیاز اُن سے کوئی نہیں چھین سکتا کہ اُنہوں نے نہ صرف مذہبی بلکہ تاریخی حیثیت سے بھی ثابت کر دیا کہ مسیح ہجرت کر کر کے آخر میں سرینگر پہنچے اور ان کی قبر فلاں مقام پر موجود ہے ........ آخر کار سب کو مان لینا پڑا کہ حضرت عیسےٰ واقعی کشمیر آئے۔" [1]

وجہ ہے کہ مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کے ترجمۃ القرآن کے دیباچہ میں یہ اعتراف موجود ہے کہ صرف حضرت مرزا صاحبؒ نے ہی :-

"ہندوستان سے لے کر ولایت تک کے پادریوں کو شکست دے دی۔" (صفحہ ۳۰)

— یاجوج ماجوج کے معمے کو حل کیا اور دجال کی نشاندہی کی۔

— نیز "اسلامی جہاد" کی صحیح حقیقت ظاہر کی۔

اس موضوع پر مفصل بحث آگے آتی ہے۔ یہاں سردست ڈاکٹر اقبال مرحوم کے ایک مکتوب سے یہ اقتباس درج کیا جاتا ہے :-

"قرآن کریم کی تعلیم کی رو سے جہاد یا جنگ کی صرف دو صورتیں ہیں محافظانہ اور مصلحانہ ........ علیٰ ھٰذالقیاس اور دین کی اشاعت کے لئے تلوار اُٹھانا بھی حرام ہے۔" [2]

بات حضرت مرزا صاحب کے ۱۹۰۲ء کے ان اشعار کی صدائے بازگشت معلوم ہوتی ہے۔ دونوں جگہ "حرام" کا لفظ قابلِ توجہ ہے :-

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال + دین کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال
ہر ہیں خود نشان کہ زمان وہ زماں نہیں + اب قوم میں ہماری وہ تاب و تواں نہیں
اب تم میں کیوں وہ سیف کی طاقت نہیں رہی + بھید اس میں ہے یہی کہ وہ حاجت نہیں رہی
اب کوئی تم پہ جبر نہیں غیر قوم سے + کرتی نہیں ہے منع صلوٰۃ اور صوم سے

نوٹ: جہاد، سے مراد سیفی جہاد ہے، جیسا کہ خود اشعار سے عیاں ہے۔ تفصیلی بحث بعد میں کی جائے گی۔

## مُرتد کی سزا قتل نہیں

مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں :-

"یہ بات اسلامی قانون کے کسی واقف کار آدمی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ اسلام میں اس شخص کی سزا قتل ہے جو مسلمان ہو کر پھر کفر کی طرف پلٹ جائے ..... قتل مرتد کے معاملہ میں مسلمانوں کے اندر کبھی دو رائیں نہیں پائی گئیں۔" [3]

قرآن پاک واضح الفاظ میں اعلان کرتا ہے لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ (۲۵۶:۲) کہ دین کے معاملہ میں کوئی زبردستی نہیں ہو سکتی۔ پھر قرآن متعدد مقامات پر ایسے لوگوں کا ذکر کرتا ہے جو ایمان لا کر واپس کفر کو پلٹ جاتے ہیں۔ لیکن ایک مرتبہ بھی ان کے لئے کوئی سزا تجویز نہیں کرتا۔ اس امر کا اعتراف مولانا مودودی نے بھی "تفہیم القرآن" میں کیا ہے۔ مرتد کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کریم فرماتا ہے :-

"وَمَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَیَمُتْ وَھُوَ کَافِرٌ فَاُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ (۲: ۲۱۷)

یعنی جو شخص تم میں سے اپنے دین سے مرتد ہو جائے۔ اور کافر ہونے کی حالت میں مر جائے سو یہی ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں کام نہ آئے اور وہی لوگ آگ والے ہیں۔"

آیت میں (فیمت) لا کر صاف بتا دیا کہ مرتد قتل نہ ہوگا بلکہ اپنی موت مرے گا۔ حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ فرماتے ہیں :-

"ایسا لگتا ہے کہ یہ غلط فہمی ان لوگوں کی وجہ سے پیدا ہوئی جو مُرتد ہو کر دشمنوں سے جا ملے اور اُن کے ساتھ دشمنوں کا سلوک کیا گیا۔ یا پھر ایک مُرتد نے کسی مسلمان کی جان لے لی تو اس کو قتل کر دیا گیا۔ یہ قتل اصل میں سزا کے طور پر تھا نہ کہ مرتد ہونے کی وجہ سے۔" [1]

مولانا موصوف نے اپنی ایک اور تصنیف "مرتد کی سزا کیا ہے؟" میں قرآن، حدیث اور تاریخ ہر سہ اعتبار سے ثابت کر دیا کہ مرتد کی سزا ہرگز قتل نہیں۔ اَب مولانا مودودی نے بھی اپنا سابقہ بیان بدل ڈالا ہے لکھتے ہیں :-

"اسلام میں مُرتد کی انتہائی سزا قتل ہے۔" [2]

جبکہ سابقہ بیان کی رُو سے تخفیف یا زیادتی کا سوال ہی نہیں اُٹھتا کیونکہ مرتد کو ہر حالت میں قتل ہونا تھا۔ اور قتل میں کمی کرنا ممکن ہی نہیں۔ جماعتِ اسلامی ہی کے مولوی باقر صاحب تو صاف صاف فرماتے ہیں :-

"اسلام کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرنے والا مرتد نہیں ہوتا۔ مرتد وہ ہے جو اسلامی مملکت کی بنیادوں کو نقصان پہنچائے نہ اسلام کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرنے والا سزائے موت کا مستحق ہو سکتا ہے۔" [3]

علی گڑھ کے ناظمِ دینیات مولانا محمد تقی صاحب امینی لکھتے ہیں :-

"مرتد ہونے کی سزا قتل نہیں ہے ........ یہ معاملہ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ہے ........ حکومت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے حکومت صرف بغاوت کی بناء پر سزا دے سکتی ہے۔" [4]

---

[1] "نگار" بابت جون ۱۹۶۱ء۔
[2] مکتوب اقبال، مندرجہ رسالہ "ہمایوں" لاہور۔ جون ۱۹۳۸ء صفحہ ۴۸۸۔
[3] مرتد کی سزا اسلامی قانون میں، ص ۷ طبع ۱۹۶۳ء۔

---

[1] محمد دی پرافٹ، (انگریزی) ص ۲۲۱۔ ۱۹۵۱ء
[2] "قادیانی مسئلہ" ص ۲۰۴
[3] بحوالہ "نوائے وقت" ۲۹ اکتوبر ۱۹۵۳ء
[4] ماہنامہ "برھان" دہلی۔ اپریل ۱۹۶۵ء ص ۲۱۳۔

## ملفوظات ——— بسلسلہ صفحہ اوّل

(۷) خدائی الہام میں ایک خدائی کشش ہوتی ہے۔ اوّل وہ کشش ملہم کو عام تفرید اور انقطاع کی طرف کھینچ لے جاتی ہے اور آخر اس کا اثر بڑھتا بڑھتا طبائع سلیم مبایعین پر جا پڑتا ہے تب ایک دنیا اس کی طرف کھینچی جاتی ہے اور بہت سی رُوحیں اس کے رنگ میں بقدر استعداد آجاتی ہیں۔

(۸) آٹھویں۔ سچا الہام غلطیوں سے نجات دیتا اور بطور حَکَم کے کام کرتا ہے اور قرآن شریف سے کسی بیان میں مخالف نہیں ہوتا۔

(۹) سچے الہام کی پیشگوئی فی حد ذاتہٖ سچی ہوتی ہے گو اسکے سمجھنے میں لوگوں کو دھوکا ہو۔

(۱۰) دسویں۔ سچا الہام تقویٰ کو بڑھاتا اور اخلاقی قوتوں کو زیادہ کرتا اور دنیا سے دل برداشتہ اور معاصی سے متنفر کر دیتا ہے۔

(۱۱) چا اسلام چونکہ خدا کا قول ہے اس لئے وہ اپنی تائید کے لئے خدا کے فعل کو ساتھ لاتا ہے اور اکثر بزرگ پیشگوئیوں پر مشتمل ہوتا ہے جو سچی نکلتی ہیں

ایس-ایم-خالد اقبال (انگلستان)

# مکتوب لندن

محترم خالد اقبال صاحب جنرل سیکرٹری صاحب کی خدمت میں لکھتے ہیں :-

دو ہفتے قبل مسز طفیل کا ٹیلیفون آیا کہ ایک پادری صاحب طفیل صاحب کو اپنے چرچ کی سالانہ کانفرنس میں اسلام کی نمائندگی کے لئے بلانا چاہتے ہیں۔ اس کانفرنس کا طفیل صاحب کو علم تو تھا۔ لیکن تاریخ کا تعین ابھی نہ ہوا تھا کہ انہیں پاکستان جانا پڑا۔ روحی طفیل نے اس ٹیلیفون کے بعد مانچسٹر اقبال احمد صاحب سے رابطہ قائم کیا وہ فارغ نہیں تھے۔ مسز سلمی وائٹ ملی نہیں۔ بالآخر مجھ سے بات ہوئی۔ میرے سکول کا آخری دن تھا۔ میں پادری صاحب سے بات چیت کر کے فیصلہ کرنے کی حامی بھر لی۔ چند دن بعد مسٹر ہاجز روپر کا ٹیلیفون آیا۔ وہ شام ساڑھے چھ بجے لندن میں نہیں ہائنڈ ہیڈ (HIND HEAD) میں ۸ر اپریل کو بلا رہے تھے۔ ان سے بات تفصیل سے ہوئی تو معلوم ہوا کہ مختلف پادری اور چرچ کے لوگ پانچ چھ گروپ میں سال بھر اسلام کے بارے میں ایک کتاب کی روشنی میں تحقیق کرتے رہے ہیں۔ اب مقررہ تاریخ کو وہ اس بارے میں اپنی اپنی کارروائی پیش کرنے والے ہیں۔ ہیڈ پادری صاحب کا خیال ہے کہ اس وقت اگر اسلام کا نمائندہ ہمارے سامنے ہوگا تو اختلاف رائے اور بحث پر اس کے خیالات سے بھی استفادہ ہو سکتا ہے۔

میں نے انہیں بتایا کہ میں لندن میں کوئی ۱½ گھنٹہ کی مسافت پر سکول میں کام کرتا ہوں۔ ۶½ بجے شام اپنے کام سے چھٹی کے بعد پہنچنا ذرا مشکل ہوگا۔ انہوں نے ان باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر ان کے ہاں ساڑھے چھ اور پونے سات بجے نہ پہنچ سکیں تو پھر ۸ بجے کے قریب دوسری جگہ جہاں پر یہ اجلاس ہونے والا تھا وہاں پہنچ سکتا ہوں۔ انہوں نے میری بیوی کو بھی دعوت دی اور اجلاس کی تفصیلات سے بھی آگاہ کر دیا۔

یہ مسئلہ تو حل ہوا۔ مگر در اصل بڑا مرحلہ باقی تھا۔ اس اجلاس کی نوعیت کے اعتبار سے تیاری کے لئے وقت بہت کم تھا۔ اور سکول کی مصروفیات پھر ۱۱ر اپریل کو "احمدیہ ہاؤس" ڈوکنگ میں ماہانہ اجلاس کا افتتاح بھی تھا ۱۲ر اپریل کو ورلڈ کانگرس آف فیتھس "WORLD CONGRESS OF FAITHS" کی مجلس بھی لندن میں ہو رہی تھی۔

خیر اللہ کا نام لے کر اپنی پڑھائی شروع کی۔ سکول میں ایک پادری صاحب ہیں اور ایک نن 'NUN' دونوں سے مدد لے کر اسلام کے بارے میں بیسیوں سوال جمع کئے اور ان کی روشنی میں مختلف کتابوں کی ورق گردانی کرتے رہے مسز پارہ اقبال کو ۱۱ر اپریل کو احمدیہ ہاؤس میں جو تقریر کرنا تھی۔ ان کے موضوع سے بھی کچھ مدد ملی کیونکہ وہ بھی اسلام اور عیسائیت کے بارے میں بولنے والی تھیں۔ اس سلسلے میں وہ اپنے طور پر مطالعہ کر چکی تھیں۔

۸ر اپریل کا دن آیا۔ سکول سے ایک گھنٹہ پہلے چھٹی مل گئی۔ ایک دوسرے ٹیچر نے میری آخری کلاس لے لی۔ اس طرح میں کوئی چار بجے ہی ووکنگ پہنچ گیا۔ مسز پارہ اقبال کو سکول کے راستے سے لے لیا۔ ہلکا ناشتہ کیا۔ بچوں کو والدہ صاحبہ کے پاس گھر پر چھوڑا اور HIND HEAD کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں چند باتیں یاد آئیں۔ مولانا محمد علی مرحوم کے انگریزی ترجمۃ القرآن سے مسز پارہ اقبال نے وہ حوالے نکالے۔ کار میں پڑھ کر بھی سنا دیئے اور نشانات بھی رکھ دیئے کہ وقت ضرورت کام آئیں۔

ہم لوگ ٹھیک وقت پر ڈھونڈتے ہوئے مسٹر روپر کے گھر جا پہنچے انہوں نے اپنی بیگم کے ساتھ خوش آمدید کہا۔ پھر کھانے سے پہلے اجلاس کے بارے میں کچھ تفصیلات بتاتے رہے اور وہ کتاب دکھائی جس کی مدد سے یہ سب کارروائی ہو رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے فرمایا کہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم اس کتاب کی فلاں دعا سے اجلاس کی کارروائی شروع کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے حیرت اور خوشی کے ملے جلے جذبات سے اس دعا کو پڑھا۔ یہ الفاتحہ اور سورۃ اخلاص کا ترجمہ تھی۔ ترجمہ مصنف نے ذرا نئی طرز سے کیا تھا۔ لیکن معنوں میں فرق نہ تھا۔ میں نے بخوشی اجازت دی۔ لیکن انہیں بتایا کہ اس دعا کو ہر مسلمان اپنی نمازوں میں پانچ وقت پڑھتا ہے اس کتاب کا نام جس میں یہ دعا اور اسلام کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔ کتاب کا نام ہے A NEW THRESHOLD - اور لکھنے والے ایک پادری ڈیوڈ براؤن ہیں۔

اس کے ساتھ میں نے SONGS OF ISLAM سے مسلم پریئر دکھائی تو فرمانے لگے آپ اپنی بیگم کو کہیں اس دعا سے اجلاس کا اختتام کریں۔ پھر ہم نے اس کے ساتھ کھانا کھایا جس میں انہوں نے ہر طرح اسلامی نظریات کا احترام ملحوظ خاطر رکھا تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم اور دعا سے کھانا شروع ہوا اور اسی طرح الحمد للہ اور دوسری دعاؤں سے اس کا اختتام ہوا۔

ٹھیک آٹھ بجے ہم چند میل دور مقررہ چرچ میں پہنچے تو وہاں کاروں کی آمد سے گہما گہمی کا اندازہ ہوا۔ سب لوگ منتظر تھے اور چائے کا دور چل رہا تھا۔ تعارف کے دوران کئی پادریوں سے ملاقات ہوئی۔ ان میں سے بعض خواتین و حضرات ہندوستان اور ایشیائی ممالک کی سیر و سیاحت اور حالات سے پوری طرح بہرہ ور تھے۔ ایک معمر خاتون نے ایک کٹی کوتوں والی ڈبیہ دکھائی جس میں سنہری کام کیا ہوا تھا ایک قرآن شریف تھا۔ یہ بہت خوبصورت رسم الخط میں تھا۔ ایسا لگتا ہے۔ کافی حد تک نایاب ہوگا۔ اس خاتون کو ان کے کسی بزرگ نے قراقرم سے بہت عرصہ پہلے لا کر دیا تھا۔

ان چھوٹی چھوٹی باتوں سے پتہ چلتا ہے۔ کہ ان لوگوں میں کسی دوسرے مذہب کے بارے میں علم حاصل کرنے اور مختلف قسم کی معلومات جمع کرنے کا کتنا شوق ہوتا ہے۔

کوئی دس پندرہ منٹ بعد ہمارے میزبان صدر کی حیثیت سے ایک میز کے قریب بیٹھے۔ ان کے ایک طرف مجھے بٹھایا گیا۔ دوسری طرف مسز پارہ اقبال اور پھر ان کے بعد ہندوستان سے آئے ہوئے پادری صاحب بیٹھے۔ اجلاس میں شرکت کرنے والے ۵، ۶ گروپ اپنے اپنے سربراہوں کے ساتھ سامنے آدھے دائرہ بنا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ سب حاضرین کی تعداد ۸۰ کے لگ بھگ تھی۔

سب لوگ کھڑے ہوئے۔ تو صاحب صدر نے دعا کا صفحہ نمبر بتایا سب نے مل کر اونچی آواز میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص کا ترجمہ پڑھا اور اس طرح اس اجلاس کا آغاز ہوا۔

صاحب صدر نے پہلے گروپ کو کارروائی اور سوالات پیش کرنے کے لئے کہا اور ساتھ ہی ہم دونوں کا تعارف کروا دیا۔ اس گروپ نے جو نقاط سب کے سامنے رکھے اس میں سے جو باتیں میں نے نوٹ کیں وہ کچھ اس طرح ہیں :-

— محمد صلعم نے ایک نئے مذہب اسلام کا آغاز کیا۔ محمڈن مذہب کیا ہے۔

— حضرت عیسٰے صحیح معنوں میں خدا کے نبی نہیں، بلکہ خدا کے بیٹے ہیں

— مساجد کے بارے میں: آیا مسلمان مسجد کے بغیر بھی نماز ادا کر سکتے ہیں۔ اور کیا کسی گرجا کو مسجد کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اسلامی نماز کا طریق۔

— مسلمان تارکین وطن کی انگلستان میں سکونت اور انکے مسائل کیا تھے۔

— پھر اسی گروپ نے سوال سامنے رکھا کہ نماز عربی میں کیوں ہوتی ہے انگریزی اور دوسری زبانوں میں کیوں نہیں۔

جلد ۶۳ | یوم چہار شنبہ ۴ جمادی الاوّل ۱۳۹۶ھ مطابق ۵ مئی ۱۹۷۶ء | نمبر ۱۸

# مُلفُوظاتِ حضرت مجدّد صد چہاردہم علیہ السّلام

## صبر کی تعلیم

منجملہ انسان کے طبعی امور کے ایک صبر ہے جو اس کو ان مصیبتوں اور بیماریوں اور دُکھوں پر کرنا پڑتا ہے جو اس پر ہمیشہ پڑتے رہتے ہیں اور انسان بہت سے سیاپے اور جزع فزع کے بعد صبر اختیار کر لیتا ہے لیکن جاننا چاہیئے کہ خدا تعالےٰ کی پاک کتاب کے رُو سے وہ صبر اخلاق میں داخل نہیں ہے بلکہ وہ ایک حالت ہے جو تھک جانے کے بعد ضرورتاً ظاہر ہو جاتی ہے یعنی انسان کی طبعی حالتوں میں سے یہ بھی ایک حالت ہے کہ وہ مصیبت کے ظاہر ہونے کے وقت پہلے روتا چیختا سر پیٹتا ہے۔ آخر بہت سا بخار نکال کر جوش تھم جاتا ہے۔ اور انتہاء تک پہنچ کر پیچھے ہٹنا پڑتا ہے۔ پس یہ دونوں حرکتیں طبعی حالتیں ہیں اُن کو خلق سے کچھ تعلق نہیں۔ بلکہ اس کے متعلق خُلق یہ ہے کہ جب کوئی چیز اپنے ہاتھ سے جاتی رہے۔ اور اس چیز کو خدا تعالےٰ کی امانت سمجھ کر کوئی شکایت منہ پر نہ لاوے اور یہ کہے کہ خدا کا تھا خُدا نے لے لیا۔ اور ہم اس کی رضا کے ساتھ راضی ہیں۔ اس خلق کے متعلق خدا تعالیٰ کا پاک کلام قرآن شریف ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے: ولنبلونّکم بشیءٍ من الخوف والجوع ونقصٍ من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین الذین اذا اصابتهم مصیبةٌ قالوا انا للہ وانا الیه راجعون اولٓئك علیهم صلوات من ربهم و اولٓئك هم المهتدون۔ یعنے اے مومنو! ہم تمہیں اس طرح پر آزماتے رہیں گے کہ کبھی کوئی خوفناک حالت تم پر طاری ہوگی اور کبھی فقر و فاقہ تمہارے شامل حال ہوگا۔ اور کبھی تمہارا مالی نقصان ہوگا۔ اور کبھی جانوں پر آفت آئے گی اور کبھی اپنی محنتوں میں ناکام رہو گے۔ اور حسب المراد نتیجے کوششوں کے نہیں نکلیں گے۔ اور کبھی تمہاری پیاری اولاد مرے گی پس ان لوگوں کو خوشخبری ہو۔ کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچے۔ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم خدا کی چیزیں اور اس کی امانتیں اور اس کے مملوک ہیں۔ پس حق یہی ہے کہ جس کی امانت ہے اس کی طرف رجوع کرے یہی لوگ ہیں جن پر خدا کی رحمتیں ہیں۔ اور یہی لوگ ہیں جو خدا کی راہ کو پا گئے۔ غرض اس خُلق کا نام صبر اور رضا برضاء الٰہی ہے۔ اور ایک طور سے اس خلق کا نام عدل بھی ہے۔ کیونکہ جبکہ خدائے تعالےٰ انسان کی تمام زندگی میں اس کی مرضی کے موافق کام کرتا ہے۔ اور نیز ہزارہا باتیں اس کی مرضی کے موافق ظہور میں لاتا ہے اور انسان کی خواہش کے مطابق اس قدر نعمتیں اس کو دے رکھی ہیں کہ انسان شمار نہیں کر سکتا تو پھر یہ شرطِ انصاف نہیں کہ اگر وہ کبھی اپنی مرضی بھی منوانا چاہے تو انسان منحرف ہو اور اس کی رضا کے ساتھ راضی نہ ہو اور چون و چرا کرے۔ یا بے دین اور بے راہ ہو جائے۔

(اسلامی اُصول کی فلاسفی)

## اخلاق فاضلہ کا حصول اور جماعتی ترقی کا راز

اپنی تمام طاقت سے کوشش کرو اور اس کے بندوں پر رحم کرو اور ان پر زبان یا ہاتھ یا کسی تدبیر سے ظلم نہ کرو اور مخلوق کی بھلائی کے لئے کوشش کرتے رہو۔ اور کسی پر تکبّر نہ کرو گو اپنے ماتحت ہو اور کسی کو گالی مت دو گو وہ گالی دیتا ہو۔ غریب اور حلیم اور نیک نیّت اور مخلوق کے ہمدرد بن جاؤ تا تم قبول کئے جاؤ۔ بہت ہیں جو حلم ظاہر کرتے ہیں۔ مگر وہ اندر ہی سے بھیڑیئے ہیں۔ بہت ہیں جو اوپر سے صاف ہیں۔ مگر اندر سے سانپ ہیں۔ سو تم اس کی جناب میں قبول نہیں ہو سکتے جب تک ظاہر و باطن ایک نہ ہو۔ (کشتیٔ نوح)

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مؤرخہ ۵ مئی ۱۹۷۶ء

# شاید کہ تیرے دل میں اُتر جائے میری بات

مرکز جماعتِ اسلامی منصورہ میں خواتین کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے قادیانیوں[1] کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے فرمایا ہے کہ "وہ مرتد یا مرتد کی اولاد ہیں۔ اس لئے اُن سے قطع تعلق کرنے کو کہا گیا ہے لیکن اگر ان کی اصلاح کرنی مقصود ہو تو اُن سے میل جول رکھا جا سکتا ہے"۔

مولانا صاحب کے پائے کے مفکرِ قرآن، تفہیم القرآن کے مصنف، مزاج شناسِ رسول ہونے کے مدّعی اور پروفیسر غلام اعظم صاحب کے الفاظ میں:

"اس وقت پوری دنیا کی تحریکِ اسلامی کے رُوحانی قائد" اور ایک بہت بڑی منظّم سیاسی اور مذہبی جماعت کے بانی اور رہنما سے ہمیں یہ توقع ہرگز نہ تھی کہ وہ قرآن کریم کے ارشاداتِ عالیہ پر ایک گہری نظر رکھتے اور رسول صلعم کے مزاج کو سمجھتے ہوئے کسی جماعت کے بارے میں ایسا فتویٰ صادر فرمائیں گے جبکہ اس جماعت اور اس کے بانی کے یہ عقائد ہوں:— "میں نہ نبوت کا مدعی ہوں اور نہ معجزات اور ملائک اور لیلۃ القدر وغیرہ سے منکر بلکہ میں ان تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں اور جیسا کہ سنت جماعت کا عقیدہ ہے ان سب باتوں کو مانتا ہوں جو قرآن اور حدیث کے رُو سے مسلم الثبوت ہیں اور سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت اور رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی۔ اٰمنت باللّٰہ و ملٰئکتہٖ و کتبہٖ و رسلہٖ والبعث بعد الموت و اٰمنت بکتاب اللّٰہ العظیم القراٰن الکریم واتبعت افضل رسول اللّٰہ و خاتم انبیاء اللّٰہ محمد ن المصطفٰی و انا من المسلمین وانت تعلم ما فی نفسی ولا یعلم غیرک و انت خیر الشاھدین"

(ماخوذ از اشتہار مؤرخہ ۲ر اکتوبر ۱۸۹۱ء)

قرآن کریم کی اصطلاح میں مرتد وہ ہے جو حالت اسلام سے پھر حالت کفر کی طرف لوٹ جائے۔ محولہ بالا اقتباس میں بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اسلام کی ایک جامع تعریف بیان فرمائی ہے۔ آج تک جماعت احمدیہ کے کسی فرد نے نہ اس میں ذرّہ بھر کمی بیشی کی ہے اور نہ اس سے انحراف کیا ہے بلکہ باوجود پاکستان میں غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کے وہ کلمہ۔ نماز۔ روزہ۔ حج اور زکوٰۃ کو جن پر اسلام کی بنا ہے اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہیں اور ہر قیمت پر ان پر کاربند رہنے کا مصمم ارادہ کئے ہوئے ہیں تو قرآن کی کونسی آیت اور آنحضرت صلعم کی کس حدیث کی رُو سے یہ غیر منصفانہ فتویٰ صادر کرنا مناسب سمجھا گیا ہے۔ اگر یہ لوگ مرتد ہیں تو پھر اس دنیا میں کفر و اسلام کی تعریف بدل گئی ہے۔

[1] جب لفظ قادیانی استعمال کیا جائے تو آج کل اس سے مراد دونوں جماعتیں ہیں

• کلمہ پڑھنے والے۔ صوم و صلوٰۃ کے پابند زکوٰۃ دینے اور حج کرنے والے اگر مرتد ہیں تو ان ارکانِ اسلام سے بغاوت کرنے والوں۔ چوروں۔ ڈاکوؤں شرابیوں اور جواریوں۔ چور بازاروں اور سمگلروں اشیاء میں ملاوٹ کرنے والوں اور بدکاروں کو کیا کہا جائے گا۔ کیونکہ یہ عملی طور پر اسلام کا انکار ہے۔" وہ کام کے نہیں نام کے مسلمان ہیں" کہدینا کافی نہیں ہو سکتا۔ عوام کے غیظ و غضب اور طعن و تشنیع سے بچنے کے لئے اس "عملی ارتداد" کو "نام کے مسلمان" جیسے نرم الفاظ میں بیان کرنا ہمارے خیال میں مصلحت آمیزی اور عدل و حقیقت سے فرار کے مترادف ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔

ہمیں جناب مولانا مودودی صاحب پر بدظنی سے کام لینے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ ممکن ہے اُنہوں نے ہم سے اختلاف رائے کی بنا پر خلوص نیت سے ایسا ارشاد فرمایا ہو۔ لیکن ہمیں افسوس ہے کہ قرآن و حدیث سے ایسے فتوے کی کوئی سند ہمیں نہیں مل سکی۔ ہمیں نہ فہم قرآن کا دعوےٰ ہے اور نہ احادیث پر عبور کا مگر اپنی معمولی سوجھ بوجھ کے مطابق جو کچھ ہم ان ذرائع سے اخذ کر سکے ہیں وہ یہ ہے کہ:—

(۱) ہدایت اور ضلالت۔ نیکی اور بدی۔ ظلمت اور نور۔ گناہ اور ثواب کی راہیں روشن کر دینے اور اعمالِ انسانی پر مرتب ہونے والے نتائج کی وضاحت کے بعد اللہ تعالےٰ نے انسان کو عقل و شعور عطا کرکے اسے اختیار دے دیا ہے کہ وہ جو راہ چاہے اپنے لئے منتخب کر لے۔ اس پر کسی قسم کا جبر روا نہیں رکھا اور اس طرح انسان کو ذہنی آزادی عطا کی ہے۔ اس کی تائید قرآن کریم کی ان آیاتِ کریمہ سے ہوتی ہے۔

"دین میں کوئی زبردستی نہیں۔ ہدایت گمراہی سے واضح ہو چکی ہے"
(۲ — ۲۵۶)

"اور کہہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے سو جو کوئی چاہے ایمان لائے اور جو کوئی چاہے انکار کرے" (۱۸ — ۲۹)

"ہم نے انسان کو ملے ہوئے نطفے سے پیدا کیا ہے۔ اُسے ہم آزماتے ہیں۔ سو اسے ہم نے سننے والا دیکھنے والا بنایا۔ ہم نے اُسے راستہ دکھا دیا ہے چاہے وہ شکر گذار رہے اور چاہے ناشکرا۔" (۷۶ — ۲-۳)

"اور اگر اللہ چاہے تو ان کو ہدایت پر جمع کر دے۔ سو تو جاہلوں میں سے نہ ہو" (۶ — ۳۵)

"اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے اور ہم نے تجھ کو ان پر نگہبان مقرر نہیں کیا اور نہ تو ان کا کارساز ہے" (۶ — ۱۰۸)

"کہہ دے اللہ کی دلیل ہی تو فیصلہ کُن ہے۔ سو اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔" (۶ — ۱۴۹)

اگر دین میں داخل کرنے اور اس پر چلانے کے لئے جبر اور زبردستی کو کام میں لایا جاتا تو پھر جزا و سزا ثواب اور عذاب۔ جنت اور دوزخ۔ اللہ تعالےٰ کی رضا اور غضب کا تصوّر ہی ختم ہو کر رہ جاتا۔ اور انسان کے اندر تحقیق و جستجو اور تلاشِ حق کے لئے جو بے پناہ قوتیں رکھی گئی ہیں وہ معطل ہو کر رہ جاتیں۔ ایک اَن دیکھی ہستی کی تلاش اور معرفت کے لئے دین اور مذہب کی صورت میں

مسلسل جد و جہد کا جو پیغام مضمر ہے وہ بے معنی ہو کر رہ جاتا وہ لذت اور سرور جس کے حصول کے لئے اللہ کے بندوں نے اپنی گردنیں کٹوانا اور ذلت و رسوائی قبول کرنا سیکھ لیا۔ کیسے حاصل ہو سکتا۔ اللہ تعالےٰ نے انسانوں کو بے شعور چوپایوں کی طرح ایک لاٹھی سے ہانک کر کسی سمت لے جانے کے لئے بے بس و مجبور نہیں چھوڑا بلکہ اُسے فکر و نظر اور عقل و شعور کی نعمتوں سے نواز کر اس کائنات کے حسین و جمیل چہرہ کی نقاب کشائی کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور فاستبقوا الخیرات فرما کر اسے ان بلندیوں اور رفعتوں کو پانے کے لئے ترغیب دی ہے جہاں تک اس کی رسائی ممکن ہو سکے اور اس جنت کو حاصل کرنے کی تڑپ اس میں رکھی ہے جو زمین و آسمان کی وسعتوں سے بھی وسیع تر ہے۔

(۲) اگر کوئی بدنصیب انسان اسلامی اصطلاح کی رُو سے اسلام لانے کے بعد پھر کُفر میں لوٹ جائے تو اسے انسانوں کے ہاتھوں قتل کی سزا ملنے کی کوئی شہادت ہمیں قرآن کریم سے نہیں ملتی۔ اس کے ثبوت میں ہم یہ دو آیات مختلف مقامات سے پیش کرتے ہیں:۔

"اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھرے پھر مر جائے (فیمت) اور وہ کافر ہی ہو سو یہی ہیں جن کے عمل دنیا اور آخرت میں کام نہ آئے اور یہی آگ والے ہیں اسی میں رہیں گے" (۲-۲۱۷)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ ایک قوم لائے گا وہ ان سے محبت رکھے گا اور وہ اس سے محبت رکھیں گے......" (۵-۵۴)

ان دونوں آیات میں سے پہلی میں لفظ فیمت استعمال ہوا ہے اور دوسری میں نہ ہی یہ لفظ ہے اور نہ ہی قتل کا۔ ہم حیران ہیں کہ پھر مُرتد کے لئے قتل کی سزا کا جواز کہاں سے نکالا گیا ہے۔

اس سلسلے میں ایک حدیث کا سہارا لیا گیا ہے جس میں مذکور ہے کہ کچھ لوگوں نے پہلے اسلام کا اظہار کیا۔ پھر آب و ہوا کی ناموافقت کی وجہ سے بیماری کا بہانہ کیا اور آنحضرت صلعم نے انہیں باہر کھلی ہوا میں جہاں بیت المال کے اُونٹ بھی ہوتے تھے۔ رہنے کی اجازت دی جب وہ اچھے ہو گئے تو انہوں نے چرواہے کو قتل کر ڈالا اور اُونٹ بھی لے کر چلے گئے اُنہیں قتل اور ڈاکہ کے جرم میں قتل کی سزا دی گئی نہ کہ ارتداد کی وجہ سے۔ ظاہر ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم قرآن کریم کے حکم کے خلاف ہرگز کوئی قدم نہ اُٹھا سکتے تھے۔ قرآن میں مرتد کی سزا نہیں مگر قتل کے بدلے قتل کی سزا موجود ہے۔ اس لئے انہیں اسی حکم کے تحت سزا دی گئی۔

ہم اتنا جانتے ہیں کہ جن لوگوں کے قلوب اسلام کی روشن صداقت کی قوت سے مسخر ہوئے انہوں نے اپنا سب کچھ دے دیا مگر اسلام نہ چھوڑا لیکن جو لوگ اس کی بڑھتی ہوئی سیاسی قوت اور اقتدار سے مرعوب ہو کر اسلام میں داخل ہوئے وہی بالآخر موقع پاتے ہی سازش کے ذریعے اس کی جڑیں کھوکھلی کرنے۔ اس میں نفاق و انتشار پیدا کرنے اور اسے کمزور کر کے دوسروں کے لئے تر نوالہ بنانے کا باعث ہوئے۔ اب بھی اسلام کا حُسن اور خوبی ہی دلوں کو مسخر کر سکتی ہے۔ جبر و استبداد دلوں میں نفرت۔ عداوت۔ نفاق اور بغاوت کو جنم دیتے ہیں جس کی آگ میں ظالم و مظلوم دونوں جل کر خاک ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے:۔

"سو اللہ کی رحمت سے تو ان کے لئے نرم ہے اور اگر تو سخت کلام۔ سخت دِل ہوتا تو تیرے ارد گرد سے بکھر جاتے" (۳-۱۵۹)

ایک دوسرے مقام پر ہے:۔

"اپنے رب کے رستے کی طرف حکمت اور اچھے وعظ سے بُلا اور ان کے ساتھ اس طریق پر بحث کر جو نہایت عمدہ ہو۔ تیرا ربّ اسے خوب جانتا ہے جو اس کے رستے سے گمراہ ہو اور وہ سیدھی راہ پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے" (۱۶-۲۵)

(۳) اگر کسی میں کوئی برائی نظر آتی ہے تو اس میں بھی کتاب اللہ نے رہنمائی فرمائی ہے:۔

"بدی کو اس بات کے ساتھ دُور کر جو بہت اچھی ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں جو وہ بیان کرتے ہیں" (۲۳-۹۶)

ہم بہت مشکور ہیں کہ مولانا صاحب نے ہم بھٹکے ہوؤں کو راہ دکھانے کے لئے اپنے پیرو کاروں کو ہمارے ساتھ میل جول رکھنے اور رابطہ قائم کرنے کی رعایت دے دی ہے لیکن مفید نتائج اسی وقت برآمد ہو سکتے ہیں جب اس کے پیچھے جذبہ وہی کار فرما ہو جس کا بیان اللہ تعالےٰ نے مذکورہ بالا آیات میں کیا ہے۔ ہم تو بدل و جان یہ چاہتے ہیں کہ کوئی ہمارے قریب آ کر ہمیں دیکھے کہ ہم کون ہیں اور کیا ہیں اور ہمارے سینوں میں خدا۔ اس کے رسُول اور اس کی کتاب اور اسلام کے لئے کیا درد اور جذبہ ہے۔ ورنہ اس میل جول کی اجازت سے اگر ہمارے حالات میں تجسس مقصود ہو تو اصلی غرض مفقود ہو جائے گی۔

اگر حضرت مرزا صاحب پر مدعی نبوت ہونے کا الزام لگا کر انکے پیروکاروں کو مرتد ٹھہرایا جا رہا ہے تو ان لوگوں کے بارے میں کیا فتوےٰ ہوگا جو آج تقریباً دو ہزار سال سے خلافِ قرآن کریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر بٹھائے ہوئے ہیں اور اس انتظار میں ہیں کہ وہ آ کر مسلمانوں کی تمام مشکلات اور مصائب کا خاتمہ کریں گے۔ ہماری نظر سے تو کوئی ایسی آیت یا حدیث نہیں گذری جس سے یہ مستنبط ہوتا ہو کہ اللہ تعالےٰ انہیں خلعتِ نبوت سے محروم کر کے ایک دوسرے نبی کا اُمتی بنا کر بھیجے گا۔ اس صورت میں آنحضرت صلعم کے بعد حضرت عیسیٰؑ کو ماننے والے کیا مرتد نہیں کہلائیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے سے ایک اور بڑی اُلجھن پیدا ہوگی جس کا اثر قرآن کریم کی صداقت پر پڑتا ہے۔ سورۃ المائدہ کی آیت ۱۱۷ میں ہے:۔

"اور مَیں اُن پر گواہ تھا جب تک مَیں ان میں رہا۔ پھر جب تو نے مجھے وفات دیدی تو تُو ہی اُن پر نگہبان تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے"

اگر عیسیٰ علیہ السلام خود موجود اور حاضر ہوں گے تو وہ یہ الفاظ ہرگز ادا نہیں کر سکتے اس لئے قرآن کریم کی یہ آیت نعوذ باللہ بے معنی ٹھہرتی ہے اور اگر قرآن کریم کے الفاظ درست ہیں اور یقیناً درست ہیں تو پھر حضرت عیسیٰؑ موجود اور حاضر نہیں ہو سکتے۔ اس اُلجھن کو آپ کیسے دُور کریں گے کیونکہ باوجود کوشش کے ہمیں تفہیم القرآن میں بھی اس پر کوئی تشریحی نوٹ نظر نہیں آیا۔

خموشی معنیٔ دارد کہ در گفتن نمے آید

یہ زمانہ کسی کو کافر اور مرتد بنانے کا نہیں۔ مسلمان بنانے کا ہے ایسے فتوؤں سے ملّتِ اسلامیہ کو جو پہلے ہی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ چکا ہے اس میں اضافہ کرنے کی نہیں سب کو ایک مرکز پر جمع کرنے کی ضرورت ہے۔ کتنی بد نصیبی ہے کہ گاندھی جی نے تو آٹھ کروڑ اچھوتوں کو اپنے ساتھ ملانے کے

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۱)

ترجمہ جناب فخر الدین احمد صاحب۔ راولپنڈی

# اسلام میں عورت کا مقام

## (ساتویں احمدیہ کنونشن منعقدہ لنڈن کے افتتاحی اجلاس میں جینٹ سلمہ ائیٹ (بسلس اف پیس) کا مقالہ)

خواتین و حضرات

آزادیٔ نسواں کے فلک شگاف نعروں اور اقوام متحدہ کے سال ۱۹۷۵ء کو خواتین کا عالمی سال قرار دینے کے پیش نظر میں نے سوچا کہ اس اجتماع میں "اسلام نے عورت کو کیا مقام عطا کیا ہے" کے موضوع پر اظہارِ خیال کروں۔

صدیوں پرانے سماج میں عورت کو بیوی اور ماں کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ بیوی اپنے شوہر کا نصف بہتر ہے۔ اس کے دُکھ سُکھ میں برابر کا شریک بن کر وہ اس کے سکون اور راحت کا سرمایہ ہے۔ ماں کے قدموں تلے جنت کا سکون ہے۔ میاں بیوی خوش خوش زندگی بسر کرتے چلے آئے تھے کہ حضرت آدمؑ کے ازلی دشمن نے جس طرح باغ عدن میں حوّا کو ورغلایا اور پھسلایا تھا آج اسی حوّا کی بیٹیوں کو بھی بھکایا ہے اور اسے سبز باغ دکھلائے ہیں کہ اس کائنات کو رنگینی بخشنے والی تو تم ہو۔ دنیا کی رونق اور چہل پہل تمہارے ہی دم قدم سے ہے۔ مگر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ معاشرے میں تمہیں ایک طفیلی حیثیت دی گئی ہے۔ اور اے نادان تو اسی پر قناعت کر گئی ہے۔ ان چکنی چپڑی باتوں نے عورت میں احساسِ کمتری کو جھنجھوڑا۔ اور اپنی شخصیت اور انفرادی حیثیت منوانے کے لئے وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ جلوت کی ہوس نے اس میں مرد کی نگہبانی سے چھٹکارا حاصل کرنے کا جذبہ اُبھارا وہ اب مرد کی محض لونڈی بن کر رہنے پر تیار نہ تھی بلکہ اپنی موہومہ عظمت حاصل کرنے کے لئے صنفِ نازک اور زینتِ حرم سڑکوں پر نکل آئی اس نے رعنائی اور دلربائی کے نئے نئے انداز اپنائے۔ دنیا میں عام بے چینی اور بے اطمینانی معاشی بد حالی نے اگر تجارت اور صنعت کے میدان میں آتشِ رقابت کو بھڑکایا ہے تو طبقۂ نسواں کی کس...

اور ان میں پائے جانے والے اضطراب نے ا...
تفوق قبول نہ کرنے اور آزادیٔ نسواں کا نعر...
ادھر صنعتی اور سماجی حسد و رقابت اپنی انتہا...
نسواں کی تحریک چند غیر ذمہ دار رہنماؤں کی تلوّن م...
خواہش کے سبب نامعقول اور غیر پسندیدہ سرگرمیو...
ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ چند کوتاہ اندیش خوا...
میں کہہ و مہ کے جائز مطالبات کو بھی اگر لے جائے...
بدنامی کی موت مر جائے گی۔ کسی نے کہا ہے کہ

چوں از قومی یکے بے دانشی کرد + نہ کہہ را منزلت ما...

انصاف سے دیکھا جائے تو بہت سے ملکوں اور قومو...
کو اس کے حقوق دیتے ہیں۔ تحمل۔ خود غرضی اور لاپرواہی...
مثلاً وراثت۔ ضبط تولید۔ اسقاط حمل کو قانونا روکنا۔ خو...
زندگی کے لئے عورتوں کا مردوں کے شانہ بشانہ کسب معاش...
روزگار۔ زندگی کی اقدار تغیر پذیر ہیں۔ اور برابر ارتقاء کے مدار...
چلی جا رہی ہیں۔ کوئی ...

ہر زمانے میں ایک ہی ڈگر پر چلتے رہے ہیں قید حیات و بند غم کے مرقع ہم... دنیا کے مناظر ہمارے بزرگوں نے دیکھے۔ ہم دیکھ رہے ہیں اور ہماری آئندہ نسل بھی دیکھے گی۔ نغمۂ شادی اور نوحۂ غم کل بھی سنائی دیتے تھے۔ آج بھی فضا میں گونج رہے ہیں اور کل بھی سنے جائیں گے۔ اس لئے خدائے لم یزل کی عبودیت کا اقرار کرنے والے مسلمانوں پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ وہ خدائے بزرگ و برتر کے تابندہ جلال اور سنت اللہ کی حقیقت کو بدل وجان تسلیم کریں اور اس کے کلام معجز نظام قرآن کریم کی پُرحکمت جانفزا اور شفاء الناس تعلیم سے ان امراض کا علاج تلاش کریں جو آج وبائی صورت اختیار کر چکی ہیں۔

تعصب کی عینک اُتار کر جب تاریخ عالم کی ورق گردانی کی جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ادیانِ عالم میں اسلام ہی وہ دین ہے جس نے صدیوں پہلے عورت کو حقوق عطا کئے اور انسانی معاشرے میں حیا کے دسار اور وفا کے شعار میں ملبوس عورت کو عزت و شرف کے سنگھاسن پر بٹھایا۔ آج بھی دُکھی ماندی تھکی ہاری حوّا کی بیٹی کے لئے اس دین کی آغوش میں سکون موجود ہے اکثر غیر مسلم نقاد معترض ہیں کہ اسلام نے عورت کو چاردیواری میں محبوس اپنے شوہر کے تابع فرمان اور دست نگر بنا دیا ہے۔ ان کے اعتراضات کی تان اس رواجی پردے پر آن کر ٹوٹتی ہے جو بیشتر اسلامی ملکوں میں پایا جاتا ہے۔ قرآن کریم خدا کا آخری اور مکمل کلام ہے۔ ہمارے مفسرین اور فقہاء نے احکام شریعت کی تشریح اور توضیح اپنے اپنے ذوق اور وجدان کے مطابق کی ہے۔ عورتوں کے مسائل کے بارے میں بھی قرآنی آیات کی تفسیر انہوں نے اپنے اپنے رنگ میں کی ہے۔ یہ دینی اجتماع جس میں خواتین اور حضرات شریک ہیں اس وقت ایک حوّا کی بیٹی ان سے کھلے منہ خطاب کر رہی ہے اس کا ثبوت ہے کہ پردے کی رواجی پابندی بے حقیقت ہے۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ ایک مؤمن کی نگاہ میں مؤمنہ کی وقعت کیا ہے اور خداوند کریم کا اس بارے میں کیا حکم ہے۔

قرآن حکیم صرف ریاضت اور عبادت کی رسوم پر زور نہ... بلکہ وہ ایک پُر امن اور صحت مند معاشرے کی تعمیر کے اصول ... ... حقوق اللہ اور حقوق ال...

اللہ کو بہت یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں - ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر تیار کیا ہے۔" (الاحزاب ۳۳: ۳۵)

(۳) "مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے حقوق کی نگہداشت کرنے والے ہیں۔" (توبہ ۹: ۷۱)

رسول عربی صلعم کی زبان مبارک سے ہم تک پہنچنے والے یہ کلمات خداوند ذوالجلال کا کلام ہے - جو وحی جبرائیل کے ذریعہ آپ پر نازل ہوا - آپ معلم کتاب بھی تھے اور مکارم اخلاق بھی - آپ قرآنی احکام کی تفسیر قول اور فعل سے سکھاتے ہیں - تدبیر منزل اور سیاست مدن سے متعلق احکام قرآنی میں مردوں اور عورتوں کو یکساں مخاطب کیا گیا ہے - گویا اللہ تعالےٰ نے عورتوں اور مردوں میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھا - حقوق اللہ اور حقوق العباد کی نگہداشت دونوں پر یکساں فرض کی گئی ہے اس سے بڑھ کر عورتوں اور مردوں کی مساوات کی اور کیا مثال دی جا سکتی ہے -

اسلام نے مرد و زن کو رشتۂ ازدواج میں جکڑ کر ان میں اشتراک عمل کا ایک موقعہ مہیا کیا ہے تاکہ ایک دوسرے کی رفاقت میں ان کی مثالی زندگی خوشگوار - پُر سکون - خوش آئند اور با مقصد ہو - اپنی کوششوں اور صلاحیتوں کی مدد سے وہ ایک پُر امن اور صحت مند معاشرے کے قیام میں معاون ہوں -

بیوی خاوند کی لونڈی نہیں بلکہ اس کا ساتھی مشیر اور ہمدرد و غمگسار بن کر اس کے دل میں اتر جائے :-

" اور اس کے نشانوں میں سے ہے کہ تمہیں مٹی سے پیدا کیا - پھر دیکھو تم انسان بن کر پھیل جاتے ہو اور اس کے نشانوں میں سے ہے کہ تمہارے لئے تمہارے نفسوں سے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم ان سے تسکین پاؤ اور تمہارے درمیان محبت اور رحم پیدا کیا۔" (الروم ۳۰: ۲۰-۲۱)

"(تمہاری عورتیں) تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو" (البقرۃ ۲: ۱۸۷)

ان آیات قرآنی کا منشاء یہ ہے کہ میاں اور بیوی ایک جان دو قالب کی صورت میں زندگی گذاریں - اور رہ حیات میں ایک دوسرے سے بچھڑنے کی بجائے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے منزل گاہ مقصود تک بڑھتے چلے جائیں

بعض دلوں میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ جس دین میں عورت اور مرد کی ہم آہنگی اور ہم نفسی پر اتنا زور دیا ہے اس کے پیرو کاروں میں عورتوں میں پردے کا رواج کیوں ؟

بہت کم لوگوں کو علم ہوگا کہ عورتوں میں پردے کا رواج اسلام سے صدیوں قبل موجود تھا - مشرق وسطیٰ کے بہت سارے ملکوں اور قوموں میں عورتیں مستور رہتی تھیں - ہزاروں برس قدیم یونان میں بھی پردے کا رواج تھا - حاضرین کی تفنن طبع کے لئے یونانی ہیرو الس اور ایچیلس کا قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ ٹرائے کا مقابلہ کرنے کے لئے الس فوج کی تیاری میں مصروف تھا - عام بھرتی کا اعلان سن کر تھیلس نامی ایک عورت نے اپنے بیٹے ایچیلس کو جنگ میں جانے سے روکنے کی ترکیب سوچی - اسے گمان تھا کہ اگر اس کا بیٹا جوانی میں مر گیا تو نامور ہوگا [illegible] خواہ وہ گمنامی کی موت مرے [illegible] اس لئے اس نے الس کی [illegible] لڑائی میں موت تو سامنے [illegible] ایچیلس کو [illegible] اور حرم سرا میں بٹھا [illegible] الس [illegible] سال ایچیلس سے واقف تھا اسے بھرتی کرنے کی غرض سے [illegible] کے محلے میں آیا [illegible] کے سپاہیوں کے بہروں پر عورتوں کے لئے زرق برق پوشاکیں

عطریات اور زیورات کے خوان رکھے تھے - ایک خوان میں تحائف کے نیچے خنجر اور ڈھال چھپے رکھے تھے - تحائف تقسیم کئے جا رہے تھے کہ نقارے پر چوٹ پڑی - سپاہیوں نے خوان سروں سے پھینک تلواریں سونت لیں اور ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے - پردہ دار عورتیں سراسیمہ ہو کر ادھر ادھر بھاگنے لگیں ، البتہ ایک دوشیزہ کھڑی یہ تماشا دیکھ رہی تھی - میدان جنگ کا سماں دیکھ جانے اس کے جی میں کیا آیا کہ نقاب الٹ کر وہی خنجر اور ڈھال اٹھا لی جو تحائف سے ڈھکی چھپی ہوئی تھی اور ایچیلس زنان خانے سے نکل کر لشکریوں میں شامل ہو گیا -

یہ واقعہ ایک داستان پارینہ ہی سہی یہ تو ظاہر ہے کہ یورپ کے جنوبی حصوں میں عورتیں مردوں سے الگ رہا کرتی تھیں - جب مسلمانوں کا ان علاقوں پر تسلط ہوا تو عین ممکن ہے ان علاقائی رسوم و رواج سے نو وارد بھی متاثر ہوئے اور رفتہ رفتہ ان کے علماء نے عورتوں کے لئے اسی لئے پردے کی پابندی کو اپنا لیا ہو اور اسے تعلیمات اسلامی کے مطابق اور موافق ٹھہرا دیا ہو -

عہد رسالتمآب میں بلکہ کم و بیش پہلی صدی ہجری میں موجودہ پردے کا نام و نشان نہیں ملتا - البتہ آنے والے دور میں جب عجمی اور دوسری غیر عرب قوموں نے اسلام قبول کیا تو وہ اپنے آبائی رسم و رواج کو ساتھ ہی لائے - شرک کی جگہ وہ توحید کے پرستار تو ہو گئے - مگر ان میں پورا رہن سہن میں فوری تبدیلی نہ ہوئی - چنانچہ عورتوں کے حقوق اور حیثیت کے بارے میں وہ پوری طرح احکام قرآن سے باخبر نہ ہوئے - سچ تو یہ ہے کہ عقیدہ بدلنے کے ساتھ ہی رسم و رواج تبدیل نہیں ہوتے جب تک ایمان اور ایقان پورے طور پر دلوں میں رچ نہ جائے رہن سہن کے طریقے نہیں بدلا کرتے - دگر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ پردے کے بارے میں احکام قرآنی کی تفسیروں میں اس حد تک اختلاف رونما ہو - قرآن کریم نے اختلاف رائے کے حل کرنے کا یہ گر بتایا ہے کہ متشابہات کو محکم یا اصل الاصول کے تابع کر لیا کرو - اس لئے حقوق نسواں اور مرد و زن میں مساوات کے مسائل حل کرنے کے لئے ہمیں قرآن مجید کی محکمات سے رہنمائی حاصل کرنی ہوگی -

دنیا میں مسائل متنازعہ فیہ کے حل کے لئے افہام تفہیم سے کام لیا جاتا ہے - مگر ایک حد اور دائرے کے اندر رہ کر - خدا تعالےٰ بھی حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا - فروعات کو اصول سے حل کیا جائے تو معاملات سلجھ جاتے ہیں - مثلاً ضبط تولید کے مسئلہ کو لیجئے میرے نزدیک تو خاندانی منصوبہ بندی میں کوئی قباحت نہیں -

آزادی کی دلدادہ بعض خواتین کا کہنا ہے کہ اپنے ابدان و اجسام کی ہم خود مالک ہیں - ان سے ہم جو چاہیں کریں - اس بارے میں کسی غیر کی دھونس نہیں چلے گی - اس قول میں کوئی معقولیت نہیں اور اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں - اگر وہ اپنے زعم میں حق بجانب ہیں تو بچہ ہمیشہ ماں کی نسل کہلائے گا اور اس کی بقا و فنا اس کے ہاتھ میں ٹھہری؟ اور نسل کشی کس قوم میں روا ہے؟ ذرا اس معاملے میں قرآن کریم کا حکیمانہ ارشاد بھی سنیئے -

"کہہ آؤ میں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے حرام کیا ہے تم پر واجب ہے کہ تم اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو - اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور اپنی اولاد کو مفلسی کی وجہ سے قتل نہ کرو - ہم تم کو رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی" (الانعام ۶: ۱۵۱)

" اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے نہ مار ڈالو - ہم ہی انہیں رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی - ان کا مار ڈالنا بڑی غلطی ہے۔" (بنی اسرائیل ۱۷: ۳۱)

(باقی)

مرتبہ مولوی محمد علی صاحب مبلغ ڈیرہ غازی خان۔

# مقام محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم

## آنحضرتؐ سب نبیوں سے بڑھ کر معصوم

## نبی کریم صلعم کی عصمت اور فضیلت کا مقام

سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر
لیک از خدائے برتر خیرالوریٰ یہی ہے (حضرت مسیح موعودؑ)

(قسط نمبر ۱۷)

معصوم ہونے کے اسباب اور معصوم بنانے کے اسباب جس قدر ہمارے نبی کریمؐ کو میسر آئے تھے وہ کسی دوسرے نبی کو کبھی نہیں ملے۔ اسی لئے عصمت کے مسئلہ میں آنحضرت صلعم جس مقام اور درجہ پر ہیں وہاں کوئی شخص کبھی معصوم نہیں ہے۔ خود بخود کوئی شخص معصوم نہیں بن سکتا۔ بلکہ کسی کا معصوم بنانا اللہ تعالےٰ کا کام ہے۔ حضرت نبی کریم صلعم پر اللہ تعالےٰ کا کتنا بڑا فضل تھا جیسا کہ قرآن شریف میں فرمایا ہے۔ وکان فضل اللّٰہ علیك عظیما پس جس شخص پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہو اور جسے کل دنیا کے لئے مبعوث کیا گیا ہو۔ اور جو رحمۃ للعٰلمین ہو کر آیا ہو۔ اس کی عصمت کا اندازہ بھی اس کے درجہ سے ہو سکتا ہے۔ جو شخص ایک عظیم الشان بلندی پر کھڑا ہو۔ اس کا مقابلہ نیچے کھڑا ہوا کیسے کر سکتا ہے۔ حضرت مسیحؑ کی ہمت اور دعوت صرف بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں تک محدود تھی۔ اس لئے ان کی عصمت کا درجہ بھی اسی حد تک ہونا چاہیئے۔ لیکن اس کے خلاف جو شخص کل عالم کی نجات اور رستگاری کے واسطے آیا تھا۔ ایک دانشمند آدمی خود ہی سوچ سکتا ہے کہ اس کی تعلیم کیسی عالمگیر صداقتوں پر مشتمل ہوگی اور اسی لئے وہ اپنی تعلیم میں کس درجہ کا معصوم ہوگا۔

حضرت مسیحؑ کو ان کے پیرو ایک بار چھوڑ ہزار بار کہیں کہ وہ خدا ہے۔ لیکن کون شخص ان کی خدائی کو مان سکتا ہے۔ جبکہ انسانیت کا اقبال بھی ان کے وجود میں نظر نہیں آتا۔ دشمنوں کے نرغے میں پھنس جاتے ہیں۔ اور ان سے طمانچے کھاتے ہوئے صلیب پر لٹکائے جاتے ہیں۔ باوجودیکہ ان کے مخالف ان پر طعن کرتے ہیں کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو صلیب پر سے اتر آ۔ لیکن آپ خاموش ہیں اور ایسے نازک وقت میں بھی اپنی خدائی کا کوئی کرشمہ نہیں دکھاتے۔ اس کے خلاف ہمارے نبی کریم صلعم کی مخالفت میں خسرو پرویز شاہ ایران نے منصوبہ کیا۔ اور آپ کو گرفتار کر کے قتل کر دینا چاہا۔ لیکن خود اسی رات اپنے بیٹے کے ہاتھوں قتل کر دیا گیا۔ ادھر حضرت مسیحؑ کو ایک معمولی چپڑاسی پکڑ کر لے جاتا ہے۔ اور ان کے ساتھ تائید الہٰی کا کوئی پتہ نہیں ملتا۔ غرض جس قدر ان امور کی چھان بین اور تنقیح کی جائے گی اسی قدر حضرت نبی کریمؐ کے مدارج عالیہ ثابت ہوں گے۔ اور آپؐ ایک بلند مینار پر کھڑے نظر آئیں گے۔ اور آپؐ کے مقابلہ میں حضرت مسیحؑ بہت ہی نیچے کھڑے ہوں گے۔ اس سے بڑھ کر حضرت نبی کریمؐ کی عصمت اور فضیلت کیا ہوگی[1] دنیاوی لوگوں کے من گھڑت خدا اور اللہ تعالےٰ کے مرسل بندہ کے حالات کا مقابلہ اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ مسیح جسے لوگوں نے خدا بنایا۔ اسے تو دشمنوں نے پکڑ لیا۔ لیکن خدا کے سچے مرسل بندہ حضرت محمدؐ کو پکڑنے والا خود مر گیا۔ غور کرو کہ ایک شخص جو انسان کہلاتا ہے۔ اور اپنے سارے کاروبار خدا پر چھوڑتا ہے۔ اسے گرفتار کرنے والا خود مارا جاتا ہے۔ ایسا عاجز ثابت ہوا۔ کہ یہودی جن کی صفت میں آیا ہے ضربت علیہم الذلۃ والمسکنۃ ایسے بنادتی خدا کو ایک ہی گھنٹہ میں گرفتار کر لیتے اور مارنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار[2]

### معصومِ کامل

روح القدس کا تعلق تمام نبیوں اور پاک لوگوں سے ہوتا ہے پھر مسیح کی اس سے کیا خصوصیت ہے؟ اس کا جواب یہی ہے کہ کوئی خصوصیت نہیں بلکہ اعظم اور اکبر حصّہ روح القدس کی فطرت کا حضرت سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے..... ورنہ اس کو پاک پیدائش میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک ذرہ ترجیح نہیں بلکہ دنیا میں معصوم کامل صرف محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر ہوا ہے[3]

### آنحضرتؐ سب سے بڑھکر پاک ہیں

ہم کہتے ہیں کہ وہ افضل الرسل ـ سید المعصومین رحمۃ للعالمین اور خاتم النبیین ہیں اور مسِ شیطان سے سب سے بڑھ کر پاک ہیں اور تمام کمالات نبوت انہیں کی ذات پاک پر ختم ہو گئے ہیں[4] ہمارا تو یہی ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہ معصوم نبیؐ ہیں کہ جن پر تمام کمالات نبوت کے ختم ہو گئے تھے اور ہر ایک طرح کا کمال اور درجہ انہیں پر ختم ہو گیا ہے[5]

### آنحضرتؐ کی عصمت کی ایک خاص دلیل

جہاں قوت ایمانی ہو وہاں معاصی ٹھہر ہی نہیں سکتے ـ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی کی طرف دیکھا جاوے کہ انہوں نے حرمت کی آیت نازل ہونے کے بعد کیسی شراب چھوڑ دی کہ پھر اس توبہ کی حالت میں ہی مر گئے۔ وہاں تو شراب نے کبھی دورہ نہ کیا اور نہ ہی کسی کو ایسا از خود رفتہ کر لیا کہ وہ مجبور ہو جاتا ـ حکم حرمت کے دن پھر شہر کی گلیوں میں ٹخنوں تک شراب بہہ نکلی مگر یہ سب کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسی اور تاثیر کا نتیجہ تھا کہ صحابہ رضؓ کے ایمان ایسے قوی ہو گئے تھے کہ شراب بھی جس کا وہ لوگ پانی کی جگہ استعمال کرتے تھے شرک طرح ایسی نابود ہوئی کہ پھر نہ عود کر سکی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے ابتداء ہی سے کیسا معصوم رکھا تھا کہ باوجودیکہ کہ آپؐ کے تمام رشتہ دار اور اقرباء اور ہم قوم اس خبیث چیز کے استعمال میں مستغرق تھے ـ اور آنحضرتؐ نے ابتدائی چالیس سالہ زندگی انہی لوگوں میں بسر کی مگر کسی کا اثر آپؐ پر نہ ہوا ـ گویا روزِ ازل ہی سے اللہ تعالےٰ نے آپ کو معصوم بنایا تھا ـ اور یہ آپؐ کی فطرت سلیم کی اور عصمت کی ایک خاص دلیل ہے[6]

---

[1] ملفوظات احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۲۲۸ تا ۲۲۹

[2] ملفوظات احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۳۱۴ ـ [3] تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۳۳ حاشیہ

[4] [5] الحکم ۱۷ نومبر ۱۹۰۷ء ـ

[6] الحکم ۲۶ اپریل ۱۹۰۸ء

# سیّد المعصومین

ہم اپنی پوری تحقیق کی رو سے ایک سید المعصومین اور ان تمام پاکوں کا سردار سمجھتے ہیں جو عورت کے پیٹ سے نکلے اور اس کو خاتم الانبیاء جانتے ہیں کیونکہ اس پر تمام نبوتیں اور تمام پاکیزگیاں اور تمام کمالات ختم ہو گئے ؎

(۱) سید شاں آنکہ نامش مصطفےٰ است
رہبرِ ہر زمرۂ صدق و صفاست
(۲) می درخشد روئے حق در روئے او
بوئے حق آید ز بام و کوئے او
(۳) ہر کمالِ رہبری بر وے تمام
پاک روئے و پاک رویاں را امام
(۴) اے خدا اے چارۂ آزارِ ما
کن شفاعت ہائے او در کارِ ما (ضیاء الحق ص۱)

## ترجمہ:

(۱) ان لوگوں کا سردار وہ ہے جس کا نام محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلّم) ہے۔ تمام اہلِ صدق و صفا کا وہی رہنما ہے۔

(۲) اس کے چہرہ میں خدا کا چہرہ چمکتا نظر آتا ہے۔ اس کے در و دیوار سے خدا کی خوشبو آتی ہے۔

(۳) رہبری کے تمام کمالات اس پر ختم ہیں خود بھی مقدس ہے اور سب مقدسوں کا امام ہے۔

(۴) اے خدا اے ہماری تکلیفوں کی دوا! ہمارے معاملہ میں اس کی شفاعت ہمیں نصیب کر۔

---

؎ مجموعہ اشتہارات ص۱۵۶ حصہ دوم

---

# اِک نظر کراچی پر

★ بانو ذہین

> مندرجہ ذیل نظم مکرمی میاں رحیم بخش صاحب آف کراچی نے روزنامہ "امن" سے اقتباس کر کے ارسال فرمائی ہے اور لکھا ہے کہ اگرچہ یہ نظم اہالیان کراچی کے لئے لکھی گئی ہے تاہم یہ پورے پاکستان پر بلکہ کل عالمِ اسلام پر منطبق ہوتی ہے۔ (ادارہ)

اہلِ فن - اہلِ فکر - اہلِ نظر + ڈالیے اِک نظر کراچی پر
آدمی بڑھتے جا رہے ہیں مگر + گھٹ رہا ہے وقارِ نوعِ بشر
بے حسی چھا گئی ہے ذہنوں پر + برف جذبات اور دل پتھر
پُرکشش سے یہاں ہوا اک بازار + بِک رہے ہیں یہاں پہ اہلِ ہُنر
یاں ادب کے بھی ہیں اجارہ دار + اور خودساختہ ہیں دانشور
قتل ہوتا ہے شام کو سورج + دیکھئے آسماں کو خوں میں تر
دشمنوں کا گلہ کریں کس سے + ہاتھ میں دوستوں کے ہیں خنجر
فتح دوراں کا یہ عالم ہے + لب پہ خُطبہ ہے ہاتھ میں ساغر
اُٹھ گئیں پردہ داریاں [illegible]

درد کی بے نقاب [illegible]

---

# پروگرام جلسہ سالانہ

## احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام راولپنڈی

### بتاریخ ۹ مئی ۱۹۷۶ء بجامع احمدیہ مسجد مبارک ۳۳-۳۴ ملّت کالونی (مکھا سنگھ اسٹیٹ) راولپنڈی

---

**پہلی نشست:۔ زیرِ صدارت محترم رشید احمد مسرّت صاحب**
**صبح ۹ تا ۱۲½ بجے تک**

سٹیج سیکرٹری: خواجہ محمد نصیر اللہ صاحب

تلاوت قرآن مجید: مولوی عبدالرحمان صاحب - ۵ منٹ
نظم درثمین: خواجہ محمد نصیر اللہ صاحب - ۵ منٹ
ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ: الحاج میاں فاروق احمد صاحب: ۵ منٹ
خوش آمدید: میاں بشیر احمد منظور صاحب: ۵ منٹ

(۱) تقریر: حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت کی غرض اور ہماری جماعت کے فرائض اور ان سے عہدہ برآ ہونے کا طریقہ۔ — حضرت مولانا عبدالمنان عمر صاحب ایم۔ اے — ۴۰ منٹ

(۲) تقریر - بیرون پاکستان اشاعتِ اسلام اور جماعت احمدیہ کی ماضی میں خدمات اور مستقبل میں اس امر کے لئے مثبت اقدام کی ضرورت — الحاج شیخ محمد طفیل صاحب: ۲۰ منٹ

(۳) تقریر۔ احیائے اسلام کے مواقع اور پاکستان میں جماعت کے فرائض — مولانا محمد یحییٰ بٹ صاحب: ۴۰ منٹ

(۴) تقریر: بیگم صاحبہ میاں فاروق احمد صاحب: ۱۰ منٹ
" : بیگم صاحبہ شیخ اکرام الحق صاحب: ۱۰ منٹ
" : ڈاکٹر جہاں آرا ملک صاحبہ: ۱۰ منٹ

## وقفہ: برائے طعام و نمازِ ظہر و عصر

**دوسری نشست: زیرِ صدارت الحاج میاں فاروق احمد صاحب۔**
**بعد دوپہر ۲½ بجے تا ۵ بجے تک**

## مذاکرہ

موجودہ حالات میں جماعت کی تنظیم - اتحاد اور جماعتی سرگرمیاں بالخصوص میل جول - مساجد - قبرستان - شادی بیاہ و اقتصادی حالات - مضافات کی جماعتوں اور مرکز کے روابط - نوجوانوں کی تربیت اور ان کی سلسلہ سے فعال وابستگی کے وسائل اور مسائل پر غور کیا جائے گا۔

ہر حاضر صاحب مذاکرہ کے لئے ۵ منٹ میں اپنے [illegible] سکتے ہیں۔ اور اگر وہ چاہیں گے تو دوسری دفعہ بھی ۵ منٹ

ڈاکٹر خورشید عالم ترین صاحب سرینگر

# بیویوں سے نیک سلوک کا حکم

ایک نکتہ بیان فرمایا کہ قرآن کریم میں علم مجھے د و یطعمون الطعام علی حبہ مسکینا و یتیما و اسیرا (۸:۷۶)
کہ خدا کے نیک بندے اللہ کی محبت کے ماتحت مسکینوں اور یتیموں اور اسیروں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ فرمایا۔ بی بی میں تو یہ تینوں حالتیں ایک جگہ نظر آتی ہیں۔ بی بی سے بڑھ کر مسکین کون ہو سکتا ہے جس کے ذرائع خورد و نوش سارے شوہر پر مبنی ہیں۔ یتیم وہ اس طرح ہے کہ اس کے والدین سے الگ کرکے اُسے شوہر لے آیا۔ اسیر وہ اس طرح ہے کہ شوہر کے قید نکاح میں اسیر ہے۔ بغیر اس کی مرضی کے نہ کہیں آ سکتی ہے نہ جا سکتی ہے۔ پس بی بی میں تو وہ تینوں حالتیں جمع ہیں جو اگر فرداً فرداً کسی شخص واحد میں ہوں تو وہ مستحق رحم و ہمدردی ٹھہرتا ہے تو ظاہر ہے کہ بی بی کس قدر قابل رحم و ہمدردی کی مستحق ہے[1]

حقہ اور تمباکو حضرت کو ناپسند تھا۔ مُرشد کے زیر اثر بہت سے احمدیوں نے تمباکو نوشی ترک کر دی۔ ایک منچلے مرید نے حقہ کی مذمت میں ایک نظم حضور کو پڑھ کر سنائی۔ نظم میں جس قدر ممکن تھا حقہ کی برائی کی گئی تھی۔ نظم کو سننے کے بعد حضورؑ نے تبسم فرمایا اور کہا کہ خدا کے کلام اور بندے کے کلام میں کس قدر فرق نمایاں ہوتا ہے۔ خدا نے قرآن کریم میں شراب اور جوئے سے سخت بیزاری کرنے کے باوجود اتنا ضرور فرمایا کہ اثمھما اکبر من نفعھما (۲: ۲۱۹) کہ ان دونوں کا گناہ اور نقصان ان کے نفع سے زیادہ ہے۔ گویا کسی قدر نفع ان دونوں میں تسلیم کر لیا۔ لیکن انسان جو حقہ کی مذمت پر اُترا تو اُسے کسی رنگ کا بھی نفع اس میں نظر نہ آیا[2]

مقدمات کے دوران میں آپ کو کئی بار گورداسپور جانے کا اتفاق ہوا۔ ایک مرتبہ آپ گورداسپور میں درختوں کے نیچے ٹہل رہے تھے درختوں کے پتے بکثرت نیچے گرے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ شیخ سعدیؒ نے کہا ہے کہ

ہر ورق دفتریست معرفت کردگار

لیکن بھٹیارا ہے کہ ان پتوں کو بے دریغ آگ میں جھونکتا چلا جاتا ہے۔ سچ ہے۔ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست[3]

ایک مرتبہ عربی زبان کی فصاحت و بلاغت کے متعلق آپ کچھ ارشاد فرما رہے تھے۔ کسی نے کہا کہ عربی میں ثقالت اور طوالت ہے مگر انگریزی میں ایسا نہیں۔ حضورؑ نے فرمایا کہ "میرا پانی" اس کی انگریزی کیا ہے۔ جواب ملا کہ "مائی واٹر"۔ فرمایا کہ عربی میں محض "مائی" کافی ہے۔ بتایئے ثقالت اور طوالت عربی میں ہے یا انگریزی میں؟

پس شمس العلماء مولانا ممتاز علی صاحب کا یہ ریمارک (REMARK) بالکل درست ہے کہ:۔

"مرزا صاحب مرحوم نہایت مقدس اور برگزیدہ بزرگ تھے اور نیکی کی ایسی قوت رکھتے تھے جو سخت سے سخت دلوں کو تسخیر کر لیتی تھی وہ نہایت باخبر عالم، بلند ہمت مصلح اور پاک زندگی کا عملی نمونہ تھے۔" (بحوالہ شہادت حقہ صفحہ ۱۸)

[1] مجدد اعظم جلد ۲۔ صفحہ ۱۲۵۶ [2] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۱۲۶۵
[3] ینگ اسلام، مجریہ یکم جنوری ۱۹۰۸ء

# جواہر الحکم

سے یوں دوہرایا کہ حضرت مرزا صاحب

"عام انسانی سطح سے یقیناً بلند تھے...... مرزا صاحب کی علمیت اور ذہانت بے پناہ تھی"[1]

چنانچہ اسی عظیم ہستی کے دہانِ مقدس سے ادا کئے ہوئے چند جملے ملاحظہ ہوں:۔

- "یاد رکھو! جب اللہ تعالیٰ کو کسی نے چھوڑا، تو خدا نے اسے چھوڑ دیا اور جب رحمان نے چھوڑ دیا تو ضرور شیطان اپنا رشتہ جوڑ لے گا۔
- خدا کو چاہنے والے بہت ہیں مگر پانے والے کم ہیں کیونکہ یہ مرتبہ سچی سرگرمی، سچی جانفشانی پر موقوف ہے۔ باتیں قیامت تک کیا کرو کیا ہو سکتا ہے۔
- نادان ہے وہ انسان جس کے سامنے روزانہ ہزارہا نمونے ہوں اور پھر بھی وہ ان سے سبق نہ سیکھے اور عقل نہ سیکھے۔
- نفس لمبی عمر کے وعدے کرتا ہے، یہ دھوکا ہے عمر کا اعتبار نہیں ہے پس جلدی راستبازی اور عبادت کی طرف جھکنا چاہیئے۔
- جو دل ناپاک ہے خواہ قول کتنا ہی پاک ہو وہ دل خدا کی نگاہ میں قیمت نہیں پاتا۔
- مجھے بار بار تعجب آتا ہے کہ لوگ اپنے جیسے انسان کی خوشامد تو کرتے ہیں مگر افسوس خدا کی خوشامد نہیں کرتے۔
- یہ سنت اللہ ہے کہ جس سلسلہ کو خدا تعالیٰ خود قائم کرتا ہے اس کی شیطان سب سے زیادہ مخالفت کرتا ہے جس سلسلہ کی مخالفت نہ ہو یا اگر ہو بھی تو بہت کم ہو وہ سلسلہ سچا نہیں ہوتا۔
- یہ قویٰ جو انسان کو دیئے گئے ہیں اگر وہ ان سے کام لے تو یقیناً ولی ہو سکتا ہے۔
- اگر دلوں پر اثر اندازی چاہتے ہو تو عملی طاقت پیدا کرو۔
- دینی خدمت وہی بجا لا سکتا ہے جو آسمانی روشنی اپنے اندر رکھتا ہے۔
- اگر کوئی شخص اپنے اندر اپنے ابنائے جنس کے لئے ہمدردی کا جوش نہیں پاتا وہ بخیل ہے۔
- حرص کی مثال حالت جرب یعنی خارش کے مریض کی سی ہے کہ جس کو کھجلانے سے راحت تو ملتی ہے، لیکن آخر کار نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ یہی کہ خون نکل آتا ہے۔
- جتنا شرف بڑھ جاتا ہے محنت اور کام ہلکا ہو جاتا ہے۔
- حلال پر بھی اس قدر زور نہ مارو کہ نفس پرست ہی بن جاؤ۔
- جس قدر دنیا زیادہ ملتی ہے، اسی قدر بلائیں زیادہ سامنے آتی ہیں۔
- جس قدر کوئی چیز اعلیٰ ہو، اس کے بیان کے واسطے الفاظ اسی قدر کمزور ہوتے ہیں۔
- نکتہ آوری ہی مشکل ہے، نکتہ چینی تو ایک ادنیٰ استعداد کا آدمی بلکہ

[1] ینگ اسلام۔ یکم جنوری ۱۹۴۰ء
[2] رسالہ انڈین اینٹی کویری۔ بابت ستمبر ۱۹۰۰ء

ایس۔ایم۔خالد اقبال (انگلستان)

# مکتوبِ لندن

## احمدیہ ہاؤس لندن میں ماہانہ اجلاس۔

شیخ محمد طفیل صاحب کی پاکستان کے لئے روانگی سے پہلے احمدیہ ہاؤس کی آخری مجلس میں یہ طے ہوا تھا کہ احمدیہ ہاؤس میں ہر ماہ ایک جلسہ یا مجلس قائم کی جائے تاکہ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لندن کا کام پُورے طور پر عمل میں آسکے۔ اسی سلسلہ میں ۱۱ر اپریل کا دن پہلے اجلاس کے لئے مقرر کیا گیا، اور ساتھ ہی ماہ مئی میں "مسیح موعود ڈے" کی تاریخ بھی مقرر کی گئی۔

۱۱ر اپریل کے اجلاس میں جو پروگرام تیار کیا گیا تھا اس کی اطلاع مسٹر حفیظ عزیز اور مسز جمیلہ خان نے کوئی ۲۰۰ خواتین و حضرات کو دی تھی۔ اس پروگرام میں بچوّں کے پروگرام کے علاوہ جناب شاہد عزیز کی تقریر خصوصی مہمان مقرر کی حیثیت سے تھی۔ اور دوسری تقریر بیگم مہ پارہ اقبال کے لئے مخصوص تھی۔

۱۱ر اپریل کو ٹھیک تین بجے ہم نے ظہر اور عصر کی نمازوں سے اس مجلس کا آغاز کیا۔ غیر متوقع طور پر شروع میں حاضرین کی تعداد کم تھی۔ لیکن جُوں جُوں اجلاس آگے بڑھتا گیا لوگ آتے گئے اور احمدیہ ہاؤس کا ہال بھرتا گیا۔ اس دفعہ ہم نے نیچے بڑے ہال کے علاوہ ساتھ والے کمرے کو بھی پہلی بار استعمال کیا۔ دفتر کا پورا سامان کرسیاں وغیرہ کتابیں اور چائے کا سامان جو مختلف حاضرین اپنے ساتھ لائے تھے ساتھ والے کمرہ میں رکھا جو حال ہی میں اس حصہ کے کرایہ دار کے چلے جانے کی وجہ سے ہمیں ملا ہے۔ اس کمرہ کی وجہ سے جگہ کی کشادگی میں بہت فرق پڑا اور ایسا لگتا ہے کہ اگر دوسو کے دوسو افراد بھی اس اجلاس میں آجاتے تو سب کے لئے جگہ نکل ہی آتی۔

اجلاس کی کاروائی دُعا سے شروع ہوئی۔ خاکسار نے قرآن شریف کی چند آیات پڑھ کر سنائیں اور ان کے بعد انگریزی میں ترجمہ بھی کر دیا۔ پھر مسز جمیلہ خان نے سب لوگوں کو خوش آمدید کہا اور اس جلسہ کے اغراض و مقاصد اور آئندہ جلسوں کے مقاصد پر بھی روشنی ڈالی۔

بعد ازاں جناب شاہد عزیز صاحب سے درخواست کی گئی کہ اب وہ اپنی تقریر کریں۔ اس پر شاہد عزیز نے سورۃ الفاتحہ کے ساتھ اپنے مقالہ کا آغاز کیا۔ انہوں نے بتایا کہ ان کے کبھی وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ایک دن آئے گا کہ انہیں یہ حیثیت ملے گی کہ وہ کسی منبر پر کھڑے ہو کر درس دے رہے ہوں گے جو کبھی مولانا نورالدین رحمۃ اللہ علیہ یا مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ دیا کرتے تھے۔

ہمیں اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر سوچنا چاہیئے کہ کیا یہ ہماری جماعت کی پستی کی دلیل تو نہیں کہ آہستہ آہستہ ہم ان علماءِ دین کی صحبت سے محروم ہوتے چلے جا رہے ہیں اور وہ بھی ایسے کہ ان کا نعم البدل پیدا کئے بغیر۔

اس تمہید کے بعد سورۃ الفاتحہ کی تفسیر کے بارے میں انہوں نے نہایت ہی خوش اسلوب پیرائے میں حاضرین کو درس دیا۔ قریب آدھ گھنٹہ انہوں نے اس سورت کے معنی و مفہوم بیان کر کے حاضرین پر بہت اچھا اثر چھوڑا۔

شاہد عزیز صاحب کے بعد یعقوب چوہدری (عمر ۱۲ سال) نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معجزانہ پیدائش کے عنوان سے اپنے طور تیار کی ہوئی تحقیق بیان کی۔ یعقوب میاں نے اس پیدائش کا آغاز حضرت عبداللہ کے والد کے حالات اور حضرت عبداللہ کی پیدائش سے شروع کیا۔ یہ انداز اور تحقیق بھی اپنی حیثیت کے اعتبار سے بہت دلچسپ رہی۔ سب حاضرین نے اس کو بہت پسند کیا۔ یعقوب میاں کے احمدیہ ہاؤس میں تقریر کرنے کا یہ دوسرا موقعہ تھا۔

اس تقریر کے بعد بیگم مہ پارہ اقبال نے "اسلام اور عیسائیت" کے موضوع پر ایک مقالہ پڑھا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ مسلمان تو پیدائش سے ہی ہیں۔ لیکن "اسلام اور عیسائیت" کا موازنہ کرنے کا موقعہ انہیں انگلستان میں آکر ہی ملا۔ اس موازنہ کی ضرورت اس لئے بھی محسوس ہوتی ہے کیونکہ ہمارے بچے اسی ماحول میں پل رہے ہیں۔ وہ اس ماحول سے وہ کچھ لے سکتے ہیں۔ جو ہم نے اپنے ماحول سے نہیں لیا۔ اسی لئے ہمیں نہ صرف عیسائیت اور دوسرے مذاہب کا علم ہونا چاہیئے بلکہ اسلام اور مذہب کا بھی علم ان ممالک میں جتنا ضروری ہے شاید پاکستان اور مسلم ممالک میں اتنا نہ ہو۔ یہاں تو قدم قدم پر ہمیں اس موازنہ اور مقابلہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس مقالہ کا انداز بیان بھی اچھا رہا اور سب نے اسے پسند کیا۔

اس کے بعد لطیف اقبال (عمر ۷ سال) نے اسلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اپنا ایک مضمون پڑھا اور ایک چھوٹی سی نظم سنائی۔ ان کا بھی یہ دوسرا موقعہ تھا۔

لطیف اقبال کے بعد تزئین اقبال (عمر ۵ سال) نے اُٹھ کر حاضرین سے یہ کہا کہ وہ سمجھتی ہے کہ خدا ایک ہے۔ اور محمد صلعم اس کے پیغمبر ہیں۔

اب حبیب عزیز (عمر ۷ سال) کی باری آئی۔ انہوں نے بھی چھوٹی سی تقریر کی ان کی تقریر کی تیاری کے ساتھ ساتھ جس کاغذ پر یہ تقریر لکھی گئی تھی۔ اس کو بڑے خوبصورت طریق سے ربن وغیرہ لگا کر خوب خوب سجایا گیا تھا۔

ان کی چھوٹی بہن عمر عزیز کی تقریر کا کاغذ بھی کچھ اسی انداز کا تھا۔ دونوں کے لئے یہ کام ان کی منہ بولی آنٹی (۱۷۷) آنٹی وی نے کیا تھا۔ حاضرین کی تعریف کرنے پر ان کی بھی بہت حوصلہ افزائی ہوئی۔

ان بچوّں کی تقاریر کے بعد مسز جمیلہ خان کے صاحبزادے نے "نعماتِ احمدیت" میں سے احمدیت اور اسلام کی چیدہ چیدہ خصوصیات پڑھ کر سنائیں۔

مسٹر حفیظ عزیز نے سیکرٹری کی کاروائی اور احمدیہ ہاؤس کے مختلف امور پر روشنی ڈالی اور کسی حد تک اس مقصد پر بات کی جس کی وجہ سے شیخ محمد طفیل صاحب حال ہی میں پاکستان کے دورہ پر تشریف لے گئے ہیں۔

خاکسار نے چند منٹ کی اجازت لے کر حاضرین کو مختصراً کاروائی سنائی جس کا تعلق ۸ر اپریل کی مجلس سے تھا۔ قارئین پیغام صلح اس کاروائی کی تفصیل علیحدہ پڑھ چکے ہوں گے۔

آخر میں مسٹر فیض خان نے "ایک مسلمان کی دُعا" سے مجلس کا اختتام کیا۔ اس طرح جو مجلس ہولے ہولے تین بجے دوپہر شروع ہوئی تھی ایک پُر رونق طریق پر کوئی ۵ بجے شام ختم ہوئی۔ پھر حاضرین کو دوسرے حصہ میں لے جایا گیا۔ جہاں چائے کیک وغیرہ سے سب کی تواضع کی گئی۔ خیال رہے کہ کیک بسکٹ چائے وغیرہ کا انتظام حاضرین میں سے چند گھرانوں نے خود کیا تھا۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ سلسلہ اچھا ہے۔ اس طرح کسی ایک پر نہ بوجھ پڑتا ہے اور نہ لندن کمیٹی کو اس سلسلہ میں اخراجات کرنا پڑتے ہیں۔

اس اجلاس میں خاکسار کی تجویز پر یہ فیصلہ ہوا کہ آئندہ جمعہ بلکہ آئندہ دو جمعوں کی نمازوں کا انتظام احمدیہ ہاؤس میں کیا جائے۔ چونکہ چھٹیوں کا زمانہ ہے۔ اور خصوصاً سکولوں میں چھٹیاں ہیں اس لئے یہ انتظام مناسب رہے گا اور ساتھ ہی احمدیہ ہاؤس کے باغ وغیرہ کی صفائی اور چند ضروری کام ہو سکیں گے۔

## ورلڈ کانگریس آف فیتھس کا اجلاس۔

۱۲ر اپریل کا دن ورلڈ کانگریس آف فیتھس کے لئے مقرر تھا۔ اور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

# پیغامِ صلح لاہور

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

سالانہ چندہ آٹھ روپے، زرِ مبادلہ، بیرونی ممالک سے ایک پونڈ

## مسیح موعودؑ نمبر

ایڈیٹر
پروفیسر خلیل الرحمٰن ایم۔ ایس سی

رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸
فون نمبر ۵۳۴۳۷
تار کا پتہ تبلیغ لاہور


"لاہور میں ہمارے پاک ممبر موجود ہیں۔ لاہور میں ہمارے پاک محب ہیں
میں تیرے خالص محبوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا اور اُن کے نفوس و
اموال میں برکت دوں گا۔"
(الہام حضرت مسیح موعودؑ)

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسے قبول نہ کیا لیکن خدا
اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے
اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

### حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کی جماعت کا مذہب

ما مسلمانیم از فضلِ خدا
مصطفےٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بر و شد اختتام
آں کتابِ حق کہ قرآن نام اوست
بادۂ عرفان ما از جام اوست
یک قدم دوری ازاں روشن کتاب
نزدِ ما کفر است و خسران و تباب

### جماعت احمدیہ لاہور کی تعلیمی خصوصیات

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا نہ نیا نہ پرانا
۲۔ قرآن کریم کی کوئی آیت منسوخ نہیں نہ آئندہ ہوگی۔
۳۔ کوئی کلمہ گو کافر نہیں۔
۴۔ سب صحابہ اور ائمہ قابل احترام ہیں
۵۔ حسب مجدد کا ماننا فرض ہے
۶۔ اسلام تمام دنیا پر غالب آئیگا۔


جلد ۶۳ | یوم چہار شنبہ ۱۸ و ۲۵ جمادی الاوّل ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹ و ۲۶ مئی ۱۹۷۶ء | نمبر ۲۰-۲۱


رسید مژدہ ز غیبم کہ من ہماں مردم ✤ کہ او مجددِ ایں دین و رہنما باشد

اے معترض بخوفِ الٰہی صبور باش ✤ تا خود خدا عیاں کند آں نورِ اخترم

حضرت اقدس میرزا غلام احمد مسیح زمان مہدی دوران علیہ الصلوٰۃ والسلام

# ارشادات

"چونکہ انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے۔ اس لئے انجمن دنیاداری کے رنگوں سے بکلی پاک رہنا ہوگا اور اس کے تمام معاملات نہایت صاف اور انصاف پر مبنی ہونے چاہئیں۔۔۔"

"جب تک خدا تعالےٰ کی طرف سے کوئی شخص رُوح القدس پا کر کھڑا نہ ہو تب میرے بعد مل کر کام کرو اور ایک دوسرے کی اصلاح چاہو۔ مگر نرمی اور اخلاق اور دعاؤں پر زور دینے سے۔"

"انجمن کے تمام ممبر ایسے ہوں گے جو سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوں۔ اور پارسا طبع اور دیانت دار ہوں۔ اور اگر آئندہ کسی کی نسبت یہ محسوس ہوگا کہ وہ پارسا طبع نہیں ہے۔ یا یہ کہ وہ دیانت دار نہیں یا یہ کہ وہ ایک چالباز ہے اور دُنیا کی ملونی اپنے اندر رکھتا ہے۔ تو انجمن کا فرض ہوگا۔ کہ بلا توقف ایسے شخص کو اپنی انجمن سے خارج کر دے۔ اور اس کی جگہ اور مقرر کرے۔۔۔۔"

"میری تو یہی رائے ہے۔ کہ جس امر میں انجمن کا فیصلہ ہو جائے۔ کہ ایسا ہونا چاہیئے۔ اور کثرت رائے اس میں ہو جائے۔ تو وہی امر صحیح سمجھنا چاہیئے اور وہی قطعی ہونا چاہیئے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور بعد میں ہر ایک امر میں صرف انجمن کا اجتہاد کافی ہوگا۔"

"اگر تم اپنے نفس سے درحقیقت مر جاؤ گے۔ تب خدا میں ظاہر ہو جاؤ گے اور خدا تمہارے ساتھ ہوگا۔ اور وہ گھر بابرکت ہوگا۔ جس میں تم رہتے ہوگے اور ان دیواروں پر خدا کی رحمت نازل ہوگی۔ جو تمہارے گھر کی دیواریں ہیں۔ اور وہ شہر بابرکت ہوگا۔ جہاں ایسا آدمی رہتا ہوگا۔ اگر تمہاری زندگی اور تمہاری موت اور تمہاری ہر ایک حرکت اور تمہاری نرمی گرمی محض خدا کے لئے ہو جائے گی اور ہر ایک تلخی اور مصیبت کے وقت تم خدا کا امتحان نہیں کرو گے اور تعلق کو نہیں توڑو گے بلکہ آگے قدم بڑھاؤ گے تو میں سچ سچ کہتا ہوں کہ تم خُدا کی ایک خاص قوم ہو جاؤ گے۔۔۔۔۔۔" (الوصیّۃ)

"اے حق کے طالبو اور اسلام کے سچے محبّو! آپ لوگوں پر واضح ہے کہ یہ زمانہ جس میں ہم لوگ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ ایک ایسا تاریک زمانہ ہے کہ کیا ایمانی اور کیا عملی جس قدر امور ہیں سب میں سخت فساد واقع ہو گیا ہے۔ اور ایک تیز آندھی ضلالت اور گمراہی کی ہر طرف سے چل رہی ہے۔ وہ چیز جس کو ایمان کہتے ہیں اس کی جگہ چند لفظوں نے لے لی ہے جن کا محض زبان سے اقرار کیا جاتا ہے۔ اور وہ امور جن کا نام اعمالِ صالحہ ہے ان کا مصداق چند رسوم یا اسراف اور ریاکاری کے کام سمجھے گئے ہیں۔ اور جو حقیقی نیکی ہے اس سے بکلی بے خبری ہے۔ اس زمانہ کا فلسفہ اور طبعی بھی رُوحانی صلاحیت کا سخت مخالف پڑا ہے۔ اس کے جذبات اس کے جاننے والوں پر نہایت بد اثر کرنے والے اور ظلمت کی طرف کھینچنے والے ثابت ہوتے ہیں۔ وہ زہریلے مواد کو حرکت دیتے اور سوئے ہوئے شیطان کو جگا دیتے ہیں۔ ان علوم میں دخل رکھنے والے دینی امور میں اکثر ایسی بد عقیدگی پیدا کر لیتے ہیں۔ کہ خدا تعالےٰ کے مقرر کردہ اُصولوں اور صوم و صلوٰۃ وغیرہ عبادت کے طریقوں کو تحقیر اور استہزا کی نظر سے دیکھنے لگتے ہیں۔ ان کے دلوں میں خدا تعالےٰ کے وجود کی بھی کچھ وقعت اور عظمت نہیں۔ بلکہ اکثر ان میں سے الحاد کے رنگ سے رنگین اور دہریت کے رگ و ریشہ سے پُر اور مسلمانوں کی اولاد کہلا کر پھر دشمنِ دین ہیں۔ جو لوگ کالجوں میں پڑھتے ہیں اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ کہ ہنوز وہ اپنے علوم مروجہ کی تحصیل سے فارغ نہیں ہوتے کہ دین اور دین کی ہمدردی سے پہلے ہی فارغ اور مستعفی ہو چکتے ہیں۔

یہ میں نے صرف ایک شاخ کا ذکر کیا ہے۔ جو حال کے زمانہ میں ضلالت کے پھلوں سے لدی ہوئی ہے۔ مگر اس کے سوا صدہا اور شاخیں بھی ہیں جو اس سے کم نہیں! عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ دنیا سے امانت اور دیانت ایسی اُٹھ گئی ہے کہ گویا بکلی مفقود ہو گئی ہے۔ دنیا کمانے کے لئے مکر اور فریب حد سے زیادہ بڑھ گئے ہیں۔ جو شخص سب سے زیادہ شریر ہو وہی سب سے زیادہ لائق سمجھا جاتا ہے۔ طرح طرح کی ناراستی۔ بد دیانتی۔ حرامکاری۔ دغابازی دروغگوئی اور نہایت درجہ کی دُوبہ بازی اور لالچ سے بھرے ہوئے منصوبے اور بدذاتی سے بھری ہوئی خصلتیں پھیلتی جاتی ہیں۔ اور نہایت بے رحمی سے ملے ہوئے کینے اور جھگڑے ترقی پر ہیں۔ اور جذباتِ بہیمیہ اور سبعیہ کا ایک طوفان اُٹھا ہوا ہے۔ اور جس قدر لوگ ان علوم اور قوانین مروجہ میں چست چالاک ہوتے جاتے ہیں۔ اسی قدر نیک گوہری اور نیک کرداری کی طبعی خصلتیں اور حیا اور شرم اور خداترسی اور دیانت کی فطرتی خاصیتیں ان میں کم ہوتی جاتی ہیں۔"

"اے دانشمندو! تم اس سے تعجب مت کرو کہ خدا تعالےٰ نے اس ضرورت کے وقت میں اور اس گہری تاریکی کے دنوں میں ایک آسمانی روشنی نازل کی۔ اور ایک بندہ کو مصلحتِ عام کے لئے خاص کر کے بغرض اعلائے کلمۂ اسلام و اشاعتِ نور حضرت خیرالانام اور تائیدِ مسلمانان کے لئے اور نیز ان کی اندرونی حالت کے صاف کرنے کے ارادہ سے دنیا میں بھیجا۔ تعجب تو اس بات میں ہوتا کہ وہ خدا جو حامیٔ دین اسلام ہے جس نے وعدہ کیا تھا کہ میں ہمیشہ تعلیم قرآنی کا نگہبان رہوں گا۔ اور اسے سرد اور بے رونق اور بے نور ہونے نہیں دوں گا وہ اس تاریکی کو دیکھ کر اور ان اندرونی اور بیرونی فسادوں پر نظر ڈال کر چپ رہتا اور اپنے اس وعدہ کو یاد نہ کرتا جس کو اپنے پاک کلام میں مؤکد طور پر بیان کر چکا تھا۔ پھر میں کہتا ہوں کہ اگر تعجب کی جگہ تھی تو یہ تھی کہ اس پاک رسول کی یہ صاف اور کھلی پیشگوئی خطا جاتی جس میں یہ فرمایا گیا تھا۔ کہ ہر ایک صدی کے سر پر خدا تعالےٰ ایک ایسے بندہ کو پیدا کرتا رہے گا۔ کہ اس کے دین کی تجدید کرے گا۔ سو یہ تعجب کا مقام نہیں بلکہ ہزار در ہزار شکر کا مقام اور ایمان اور یقین کے بڑھانے کا وقت ہے کہ خدا تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے اپنے وعدہ کو پورا کیا اور اپنے رسُول کی پیشگوئی میں ایک منٹ کا بھی فرق پڑنے نہیں دیا۔ اور نہ صرف اس پیشگوئی کو پوری کر کے دکھلایا بلکہ آئندہ کے لئے بھی ہزاروں پیشگوئیوں اور خوارق کا دروازہ کھول دیا۔ اور اگر تم ایماندار ہو تو شکر کرو اور شکر کے سجدات بجا لاؤ کہ وہ زمانہ جس کا انتظار کرتے کرتے تمہارے بزرگ آباء گذر گئے اور بے شمار رُوحیں اس کے شوق میں ہی سفر کر گئیں۔ وہ وقت تم نے پا لیا اب اس کی قدر کرنا یا نہ کرنا اور اس سے فائدہ اُٹھانا یا نہ اُٹھانا تمہارے ہاتھ میں ہے۔"

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت نے اپنے رسولِ مقبول کی راہ میں ایسا اتحاد اور ایسی روحانی یگانگت پیدا کر لی تھی کہ اسلامی اخوت کے رُو سے سچ مچ عضوِ واحد کی طرح ہو گئی تھی۔ اور ان کے روزانہ برتاؤ زندگی اور ظاہر و باطن میں انوارِ نبوت ایسے رچ گئے تھے کہ گویا وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عکسی تصویریں تھے۔ سو یہ بھاری معجزہ اندرونی تبدیلی کا جس کے ذریعہ سے محض بُت پرستی کرنے والے کامل خدا پرستی تک پہنچ گئے اور ہر دم دنیا میں غرق رہنے والے محبوبِ حقیقی سے ایسا تعلق پکڑ گئے کہ اس کی راہ میں پانی کی طرح اپنے خونوں کو بہا دیا۔ یہ دراصل ایک صادق اور کامل نبی کی صحبت میں مخلصانہ قدم سے عمر بسر کرنے کا نتیجہ تھا۔" (فتحِ اسلام)

ہفت روزہ پیغام صلح —— لاہور —— مورخہ ۲۶ مئی ۱۹۷۶ء

# آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

ادارہ "پیغام صلح" حسب دستور اس سال بھی اپنے قارئین کرام کی خدمت میں پیغام صلح کا "مسیح موعود نمبر" پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے ہمیں اپنی کوتاہیوں اور کمزوریوں کا احساس ہے جن کی وجہ سے ہم اسے ایک مثالی اور حضرت مسیح موعودؑ کی شان کے شایان نمبر بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکے لیکن ہمیں پھر بھی اُمید ہے کہ ہماری بہنیں اور بھائی۔ ہمارے بچے اور نوجوان ان خامیوں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ہمارے اس جذبہ اور شوق کی جستجو کریں گے جس کے تحت یہ شائع کیا جا رہا ہے۔ اس کے ہر لفظ اور سطر میں اس پیار اور عقیدت کی تلاش کریں گے جس کی بے داغ لڑی میں یہ پروئے گئے ہیں اور اس دکھ اور درد کو ڈھونڈیں گے جس کی ٹیسیں آج کے دن ہمارے ان ننھے منے دل سے اُٹھ رہی ہیں اور جو ہماری اس کائنات کے وسیع خلاؤں میں بھٹکتی ہوئی ویران ویران اور بے نور سی آنکھوں سے ٹپک رہا ہے۔ قلم اپنے بچھڑے ہوئے محبوب کے حسن و جمال کی تصویر کشی کے لئے اُٹھے اور دل نگار اور آنکھیں اشکبار نہ ہوں یہ ممکن ہی نہیں۔

ٹھیک اڑسٹھ (۶۸) سال پہلے آج ہی کے دن چودھویں صدی کی وہ بے نظیر بے مثال شخصیت جسے نہ صرف برصغیر بلکہ ساری مذہبی دنیا مرزا غلام احمد قادیانی کے نام سے جانتی ہے تیس سال تک میدانِ کارزار میں مخالفین اسلام سے نبرد آزما رہتے اور تمام ادیان پر اسلام کو دلائل و براہین کی تلوار سے غالب کرنے کے بعد اپنے پیاروں اور جاں نثاروں کو غم و اندوہ کے تلاطم میں سوگوار بے قرار چھوڑ کر اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملی

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

ہماری چشم تصوّر اس المناک منظر کی تاب نہیں لا سکتی۔ وہ جھکی جھکی سی نیم وا خواب آلود خوبصورت آنکھیں جو کبھی اوپر کو اُٹھتیں تو قلب و جگر کی دنیا بدل جاتی آج ہمیشہ کے لئے بند ہو چکی تھیں۔ وہ ہونٹ جو ایک عرصہ تک مردہ دلوں کو پیغام حیات دیتے رہے۔ آج خاموش تھے۔ اور وہ ہاتھ جن سے نکلی ہوئی تحریروں نے دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا آج اس میں کوئی جنبش نہیں تھی۔ اور وہ نور میں ڈھلا ہوا چاند سا چہرہ جس پر ایک نظر سے دل کی دنیا سارے ہموم و غموم سے پاک ہو جاتی تھی اور جس کی کشش سے بڑے طویل اور کٹھن بھاری فاصلے چشم زدن میں طے ہو جاتے۔ تھے آج آخری دیدار کے لئے اپنے پروانوں کے سامنے تھا۔ ہر آنکھ سے سیلابِ اشک رواں ہے۔ دبی دبی سی سسکیاں ہیں۔ لڑکھڑاتے قدم ہیں ساری فضا پہ غم کی تاریک گھٹائیں چھائی ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہوتا اس نے ان کو زندگی اور روشنی بخشی۔ مایوسیوں میں اُمیدوں کے چراغ روشن کئے۔ خطرات میں ان کا ہاتھ تھاما۔ ان کی ڈولتی نیا کو ساحل سے ہمکنار کیا۔ وہ ان کا محبوب بھی تھا اور پیشوا بھی۔ ان کا ہادی بھی تھا اور سچا دوست بھی ان کا ہمدرد بھی تھا اور غمخوار بھی۔ وہ ان کی ساری اُمیدوں اور خوشیوں کا مرکز تھا۔ انہوں نے ساری دنیا سے تعلق توڑ کر اس سے رشتہ جوڑا تھا۔ وہ بھی بڑا با وفا تھا۔ اس کی راتیں ان کے لئے دُعاؤں میں گذرتیں اور دن ان کی غمگساری میں۔ وہ بے چینی اور اضطراب میں اپنے بھائیوں کے دروازوں پر راتوں کو بھی دستک دیتا کہ کوئی تکلیف تو نہیں۔ وہ انہیں اپنے ماں باپ سے بھی زیادہ پیارا تھا اور وہ اسے اپنے بچوں سے بھی زیادہ محبوب۔ اگر قانون قدرت کا بدلنا ممکن ہوتا تو یہ سارے اس کی خاطر اپنی جانیں پیش کر دیتے۔ لیکن ایسا ہو سکتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس دنیا سے کبھی رخصت نہ ہوتے۔

مگر قوم ابھی زندہ تھی۔ یہ غم سہہ گئی۔ خدا کے ساتھ تعلق کی جو راہیں اُس نے اُن کو دکھائی تھیں وہ ان کے سامنے تھیں۔ وہ خلوص اور جذبہ جو وہ اُن میں پیدا کر گیا تھا وہ ابھی سرد نہیں پڑا تھا۔ جس منزل کی نشاندہی اس نے کی تھی وہ اسے دیکھ رہے تھے۔ خدمتِ اسلام کی جو چنگاری وہ ان کے دلوں میں روشن کر گیا تھا اس کی حرارت ابھی باقی تھی۔ وہ اس نکتہ کو پا گئی کہ ان کا مسیحا تو صرف ایک بیج بونے آیا تھا اس کی آبیاری ان کے ذمے ہے۔ آندھیوں اور طوفانوں میں اس کی حفاظت کا بیڑا انہوں نے اُٹھانا ہے۔ اور جب یہ بار آور ہو تو اس کے اثمار سے دنیا کو بہرہ ور کرنا ان کا کام ہے۔ یہ اس کی امانت تھی۔

قوم اس امانت کو اپنے سینے سے لگا کر اپنا سارا غم بھلانے کی کوشش میں مصروف ہو گئی آپ کے ہاتھوں قائم کردہ سلسلہ بڑی کامیابی سے اپنی منزلیں طے کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا کہ اس کی کشتی پھر سے ڈولنے لگی۔ ہوس اقتدار کے اژدھے پھنکارنے لگے۔ بغض و حسد کے عفریت سر اُٹھانے لگے۔ حقائق پر خود پسندی اور خود غرضی کے مہیب و تاریک سائے چھانے لگے۔ خطرات و خدشات نے آ گھیرا۔ ایسے میں چند ایک مردانِ حق آگاہ آگے بڑھے اور اس کشتی کو ڈوبنے سے بچا لیا۔ انہوں نے اپنے آقا کی تعلیم پر مبنی نئے خطوط متعین کئے۔ نئی حدود مقرر کیں اور ایک نئے عزم۔ نئے ارادے اور نئے ولولے کے ساتھ اس کام کو جاری رکھنے کا بوجھ اپنے نحیف و ناتوان کندھوں پر اُٹھا لیا جو ان کا رہنما ان کے سپرد کر گیا تھا۔

۱۹۰۸ء اور ۱۹۷۶ء کے درمیان ۶۸ سال کی ایک وسیع خلیج حائل ہے۔ ہمیں یہ احساس ہے کہ یہاں تک پہنچنے میں ہم اپنے ماضی سے بالکل کٹ چکے ہیں۔ وہ نقوشِ پا جن پر ہمارا یہ مختصر سا قافلہ رواں دواں تھا اب اگر بالکل مٹ نہیں گئے تو اتنے دھندلا ضرور چکے ہیں کہ ہماری کمزور آنکھیں پلٹ کر انہیں اگر دیکھنے کی کوشش کریں بھی تو ان کا نظر آنا مشکل ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا ہے کہ کوئی قوم اپنے ماضی سے کٹ کر اور اپنے حال کو فراموش کر کے صرف مستقبل کے سہانے خوابوں کے سہارے زندہ نہیں رہ سکتی۔ زندہ قومیں ماضی کی روشنی میں اپنے حال کو سنوارتی اور مستقبل کے لئے سوچتی ہیں۔ دنیا اپنی مادی ترقی اور اس سے جنم لینے والی نئی تہذیب کے نقطۂ عروج کو پا لینے کے باوجود اُس سے مایوس ہو چکی ہے اور وہ امن آشتی کی تلاش میں اندھیروں میں سرگرداں اور حیران بھٹک رہی ہے وہ کسی ایسی روشنی کی جستجو میں ہے جو اسے تباہی و بربادی کے راستوں سے واپس لوٹا کر سلامتی کی راہوں پہ ڈال دے۔ عالم اسلام ایک نئی کروٹ لے رہا ہے۔ اسلام کے متعلق اس کے زاویہ نگاہ میں ایک نمایاں تبدیلی واقع ہو رہی ہے۔ اُسے یہ احساس ہو چکا ہے کہ اسلام نسلِ انسانی کی فلاح کے لئے ربّ العٰلمین کی طرف سے رحمۃٌ للعٰلمین کو عطا کیا ہوا ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے یہ کسی ایک فرد فرقے جماعت یا ملک کا اسلام نہیں۔ ممالک غیر میں مختلف مذاہب کی مشترکہ کانفرنسیں۔ ایک دوسرے کے مذہب کے بنیادی اُصولوں کو سمجھنے اور ان کی بنیاد پہ مفاہمت کی راہیں ڈھونڈنے کی سعی یہ سب ایسے واقعات ہیں جو ایک واضح سوال کی صورت میں اور بھی نمایاں طور پر اُبھر کر ہمارے سامنے آتے ہیں کہ ان میں ہمارا کوئی مقام اور کردار کیوں نظر نہیں آتا۔ آج سے چند سال قبل کوئی ایسی مذہبی تقریب نہ ہوتی جس میں ہم نمایاں نہ ہوتے۔ کوئی کانفرنس ایسی نہ ہوتی جس میں ہمارا نمائندہ ایک باعزت حیثیت میں شامل نہ ہوتا۔ جہاں غیروں کے خلاف اسلام کے دفاع کا سوال پیش ہوتا تو اس کے لئے ہم ہی سے درخواست کی جاتی۔ اور ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عطا کئے ہوئے براہین کے تیغ و سناں سونت کر بلا خوف و خطر میدان کارزار میں کود پڑتے۔ دشمن کو بھاگنا ہی پڑتا۔ ہمارے مخالف مسلمان بھائی ہمیں اپنے کندھوں پر اُٹھا کر جلوس کی شکل میں جشنِ فتح مناتے۔ ہم سے یہ ہمارا قابلِ فخر مقام کیوں چھن گیا یہ ہم نے کبھی سوچنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی۔

## کہیں ایسا تو نہیں !

کہ ہم نے اس چشمۂ حیات سے منہ موڑ لیا ہے جس نے ہمیں زندگی بخشی تھی۔

عقائد سے بال برابر بھی اختلاف نہ کریں۔ چنانچہ شروع میں آپ بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح حیاتِ مسیح ہی مانتے تھے۔ مگر یہ عقیدہ عیسائی پادریوں کے ہاتھ میں ایک خطرناک ہتھیار پکڑا دیتا تھا۔ حضرت مرزا صاحب جو اوائل عمر سے عیسائیوں کے حملوں کی مدافعت میں مصروف تھے اس کا جواب یوں دیتے تھے کہ اس میں مسیحؑ کی کیا خصوصیت ہوئی تو حضرت الیاس بھی تو بقول بائبل آسمان پر چلے گئے تھے۔ مگر یہ جواب کافی وشافی نہ تھا کیونکہ:۔

(۱)۔ اس جواب سے تو صرف اتنی بات نکلتی تھی کہ اس خصوصیت میں حضرت الیاسؑ حضرت مسیحؑ کے شریک ہیں۔ رسول اللہ صلعم جو وفات پاکر مدینہ میں مدفون ہیں ان پر حضرت مسیحؑ کی برتری بہرحال قائم رہتی تھی۔ جب بعد میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا صاحب کو اطلاع دی کہ مسیح ابنِ مریم تو وفات پاگیا تو آپ نے خود لکھا ؎

مسیح ناصری را تا قیامت زندہ می فہمند
مگر مدفونِ یثرب را نہ دادند ایں فضیلت را

یعنے مسیح ناصری کو تو لوگ قیامت تک زندہ سمجھتے ہیں۔ مگر یثرب کے مدفون صلعم کو یہ فضیلت نہیں دیتے۔

(۲) حدیثوں میں یہ بھی بار بار آیا ہے کہ جب یاجوج اور ماجوج اور دجال کے فتنے اُٹھیں گے اور اسلام اور مسلمانوں پر سخت خطرہ کا وقت ہوگا تو مسیحؑ ابنِ مریمؑ آن کر ان خطرات سے نجات دے گا۔ گویا نعوذ باللہ آنحضرت صلعم کا فیض مسلمانوں کو نہ بچا سکے گا اور بنی اسرائیل کا ایک بظاہر ناکام نبی جو اپنے دشمنوں کے ہاتھوں سے صلیب پر چڑھ گیا اُسے اللہ تعالیٰ نے آسمان پر سنبھال کر بٹھایا ہوا تھا کہ بوقت ضرورت کام آئے اور امتِ مسلمہ کو آن کر بچائے۔ اس میں پھر حضرت عیسےٰؑ کی آنحضرت صلعم پر فضیلت ثابت ہوتی تھی۔

(۳) صرف اتنا ہی نہیں بلکہ عیسائی پادری مسلمانوں کو کچھ اس طرح مخاطب کرتے تھے کہ تم بھی تو حضرت مسیحؑ کو ایک مقدس اور عظیم نبی مانتے ہو جو رُوح اللہ اور کلمۃ اللہ تھے۔ ہم انہیں خدا کا بیٹا سمجھتے ہیں۔ تو آؤ اس تھوڑے سے فرق کو قرآن کریم کو ہی حکم بنا کر فیصلہ کر لیتے ہیں۔ اس دلیل کو خود پادری صاحبان کی زبانی سُنیئے:۔

"پھر تمام انبیاء کے حق میں مرقوم ہے وما جعلنٰھم جسداً لا یاکلون الطعام وما کانوا خالدین یعنی ہم نے اُن کے جسم ایسے نہیں بنائے کہ کھانے پینے کے بغیر ہمیشہ زندہ رہ سکیں۔ پس جو کوئی باوجود جسد عنصری کھانے پینے کے بغیر زندہ رہ سکے وہ تمام انبیاء سے نرالا اور افضل ہے مسیح جو قریباً دو ہزار سال سے بے خورد و نوش زندہ ہے وہ ان رُسل اور انبیاء میں شمار نہیں کیا جا سکتا جن کی زندگی کا دار و مدار کھانے پینے پر ہے۔ جبکہ محمد صاحب ان اوصاف سے بالکل خالی ہیں۔ تو کیا یہ صاف ظاہر نہیں کہ مسیح اُن سے افضل اور بدرجہا بہتر ہے۔"

(دیکھو حقائق قرآن مشتہرہ کرسچن بک سٹور لدھیانہ)

**مسیح کی خدائی** پادری صاحبان حیاتِ مسیح کے مسلمانوں کے عقیدہ سے صرف حضرت مسیحؑ کی آنحضرت صلعم پر فضیلت اور برتری کو نہیں ثابت کرتے تھے بلکہ قرآن کریم کا حوالہ دے کر حضرت مسیح کی خدائی تک نعوذ باللہ ثابت کرتے تھے۔ مثلاً قرآن کی مندرجہ ذیل آیت کو وہ استعمال کرتے تھے:۔

او ترقیٰ فی السماء ولن نؤمن لرقیک حتیٰ تنزل علینا کتاباً نقرؤہ قل سبحان ربی ھل کنت الا بشراً رسولا

(سورۃ بنی اسرائیلؑ۔ آیت ۹۳)

یعنے (کفار منجملہ اور مطالبات کے حضورؐ سرورِ کائنات صلعم سے یہ بھی مطالبہ کرتے تھے کہ) "یا تو آسمان پر چڑھ جائے اور ہم تیرے چڑھنے کو بھی نہیں مانیں گے۔ یہاں تک کہ تو ہم پر کتاب اُتارے جسے ہم پڑھ سکیں۔ کہو میرا ربّ پاک ہے میں صرف ایک انسان رسول ہوں"۔

یعنے اس آیت پاک کی رُو سے ایک انسان اور رسول کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ جسد عنصری سمیت آسمان پر چڑھ جائے تو جب یہ مانا جائے کہ حضرت عیسےٰؑ اپنے جسد عنصری سمیت آسمان پر چڑھ گئے تھے اور وہاں دو ہزار سال سے الآن کما کان زندہ موجود ہیں تو وہ بشریت اور رسول سے بڑھ کر ہوئے اور وہ مقام خدائی کا ہی ہے۔

**عیسائیت کی کامیابی** مندرجہ بالا چند مثالوں سے واضح ہو گیا ہوگا کہ حیاتِ مسیح کے عقیدہ سے عیسائی حملہ آوروں کو کیا زبردست دلائل مل رہے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انیسویں صدی کے دوسرے پچاس سال کے دوران مسلمان بکثرت عیسائی ہونے لگ گئے۔ ان میں پڑھے لکھے اعلیٰ خاندان کے لوگ اور علماء تک تھے۔ اسلام کی اس مغلوبیت اور مسلمانوں کے ارتداد کو دیکھ کر ایک دل تھا جو ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا اور خون کے آنسو رو رہا تھا۔ اور وہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کا قلب مبارک تھا۔ آپ نے اپنے دُکھ اور درد کو مختلف جگہ ظاہر کیا مگر آپ کی ایک نظم کے کچھ اشعار سُن لیجئے ؎

مے سزد گر خوں ببارد دیدۂ ہر اہلِ دیں + بر پریشاں حالیٔ اسلام و قحط المسلمیں
ہر طرف کفر است جوشاں ہمچو افواجِ یزید + دینِ حق بیمار و بیکس ہمچو زین العابدیں
ایں دو فکر دینِ احمد مغزِ جانِ ما گداخت + کثرتِ اعدائے ملت قلتِ انصارِ دیں
اے خدا زود آ و بر ما آبِ نصرت ہا ببار + یا مرا بردار یارب زیں مقامِ آتشیں

**دعوئ مجددیت** چنانچہ اللہ تعالےٰ نے حضرت مرزا صاحب کے دل کے صدق اور درد کو دیکھا اور آپ کی گریہ و زاری کو سُنا اور ۱۳۰۰ھ میں آپ کو بذریعہ وحی اطلاع دی کہ بموجب حدیث شریف

ان اللہ یبعث لھٰذہ الامۃ علیٰ راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔ (ابوداؤد)

ترجمہ:۔ "بیشک اللہ تعالےٰ اس اُمت (محمدیہ) کے لئے ہر صدی کے سر پر ایک شخص کو مبعوث کرتا رہے گا جو اس کے دین کی اس کے لئے تجدید کرے گا۔"

چودھویں صدی ہجری کا مجدد اس نے آپ کو مقرر فرمایا ہے۔ اس دعویٰ کا ذکر آپ نے اپنی پہلی کتاب براھینِ احمدیہ میں ہی کیا اور ساتھ ہی ظاہر کیا کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو علم دیا ہے کہ آپ کو مسیح ابن مریم سے شدید مناسبت ہے:۔

"اور مصنف کو اس بات کا بھی علم دیا گیا ہے کہ وہ مجددِ وقت ہے اور رُوحانی طور پر اس کے کمالات مسیح ابنِ مریم کے کمالات سے مشابہ ہیں اور ایک دوسرے سے بشدت مناسبت ومشابہت ہے"۔

اس لئے یہ جو الزام لگایا جاتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے پہلے اپنے آپ کو مجدد منوایا اور پھر موقعہ دیکھ کر مسیح موعود ہونے کا دعوےٰ کر دیا صحیح نہیں۔ اُوپر کے جلی الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ آپ کے روحانی کمالات اور مرتبہ کو مسیح ناصری سے شدید مشابہت و مناسبت شروع سے تھی۔

باوجود اس دعوےٰ کے اس کتاب نے جو مقبولیت مسلمانوں میں پائی اس کی جھلک اس ریویو میں نظر آتی ہے جو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی (لیڈر اہلِ حدیث اور اس لئے مجدد اور مسیح موعودؑ کے متعلق تمام احادیث سے بخوبی واقف) نے کی جس کے کچھ الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:۔

"ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں اور موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں تالیف نہیں ہوئی ...... اس کا مؤلف بھی اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و حالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت کم پائی گئی ہے ...... جنہوں

نے اسلام کی نصرت مالی و جانی و قلمی و لسانی کے علاوہ حالی نصرت کا بیڑہ بھی اُٹھایا ہو اور مخالفین اسلام اور منکرین الہام کے مقابلہ میں مردانہ تحدّی کے ساتھ یہ دعوےٰ کیا ہو کہ جس کو وجودِ الہام کا شک ہو وہ ہمارے پاس آ کر اس کا تجربہ و مشاہدہ کر لے اور اس تجربہ اور مشاہدہ کا اقوامِ غیر کو بھی مزہ چکھا دیا ہو۔"

(اشاعت السنۃ جلد ۷ ۱۸۸۴ء جون تا نومبر ص ۱۵۲)

## دعویٰ الہام

مندرجہ بالا ریویو سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب کے دعاوی مجددیت ـ مسیح ناصرؑی سے مماثلت اور الہام پر کسی کو اعتراض نہ تھا اس لئے کہ :ـ

الف ـ مجدّدیت اسلام میں معروف اور مسلّم ہے ـ حضرت مجدّد الف ثانی صاحب یا حضرت مجدّد سرہندی صاحب کا تو نام ہی ان کی مجددیّت کے لقب پر مشہور ہوا ـ حضرت مرزا صاحب کے زہد و تقوےٰ ـ مستجاب الدعوات ہونے اور آپ کے اسلام کے لئے سینہ سپر ہونے کا علم تو مسلمانوں کو پہلے ہی سے تھا ـ آپ پہلے ہی وہ تمام کام کر رہے تھے جو مجدد وقت کو کرنے چاہیئے تھے جیسا کہ مندرجہ بالا ریویو سے بھی عیاں ہے ـ

(ب) اسلام میں سلسلۂ الہام جاری ہونے کا ثبوت قرآن شریف اور حدیث نبوی سے ثابت ہے اور پہلے بھی اکابرین اسلام ملہم من اللہ ہونے کا دعوےٰ کر چکے تھے ـ قرآن کریم کی آیت لھم البشریٰ فی الحیٰوۃ الدنیا (یعنے اولیاء اللہ کو اس دُنیا کی زندگی میں مبشرات دیئے جاتے ہیں جو رؤیائے صادقہ کشف و الہام کے ذریعہ سے ملتے ہیں) اسی طرح احادیث میں رجال یکلّمون من غیر ان یکونوا انبیاءَ (یعنے ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جن سے اللہ تعالےٰ ہمکلام ہو بغیر اس کے کہ وہ نبی ہوں) یا لم یبقیٰ من النبوّۃ الا المبشرات (یعنے نبوت میں سے کچھ باقی نہیں سوائے مبشرات کے) اس مسئلہ پر دلالت کرتی ہیں ـ

## اعلانِ وفاتِ مسیح

میں پہلے لکھ آیا ہوں کہ اسلام کے خلاف اور عیسائیت کی تائید میں سب سے اہم بات عقیدۂ حیاتِ مسیح تھا جس سے حضرت مسیحؑ کی رسول اللہ صلعم سے برتری بلکہ نعوذ باللہ خدائی تک نکالی جا رہی تھی ـ اس لئے اس فتنہ کا خاتمہ جس علم سے ہونا ضروری تھا وہ حضرت مرزا صاحب کو اللہ تعالےٰ کی جناب سے دیا گیا کہ مسیح ناصریؑ تو وفات پا چکے ـ اگر حضرت مرزا صاحب اس اعلان کی بنیاد محض اپنے الہامات پر رکھتے تو کسی کو اعتراض یا شک کی گنجائش تھی ـ مگر حکم الٰہی کے بموجب جب آپ نے قرآن کریم پر غور کیا تو اس میں تیس آیات ایسی ملیں جن سے وفاتِ مسیح ثابت تھی ـ اسی طرح احادیث صحیح سے ـ اجماع صحابہؓ سے اور خود بائبل سے حضرت مرزا صاحب نے ثابت کیا کہ حضرت مسیحؑ نے نہ تو صلیب پر وفات پائی نہ آپ وہاں سے آسمان پر چڑھے بلکہ بعد میں طبعی وفات پا کر اہلِ جنت میں داخل ہو گئے ـ اور کچھ عرصہ بعد اللہ تعالےٰ سے خبر پا کر حضرت مرزا صاحب نے یہ اعلان کیا کہ صلیب سے زندہ اتر کر حضرت مسیح کشمیر میں آئے اور وہاں بموجب حدیث شریف ۱۲۰ سال کی عمر پا کر محلّہ خان یار سرینگر میں مدفون ہیں ـ جب یہ اعلانات حضرت مرزا صاحب نے کئے تو لوگوں کو اچنبا ہوا مگر آج خود عیسائی محققین اور سرینگر کے ایک تاریخ کے پروفیسر (غیر احمدی) ان امور کی تائید کر رہے ہیں ـ سہ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا ـ

## مخالفت کا طوفان

حضرت مسیح کے اور نبیوں کی طرح وفات شدہ ہونے کے اعلان سے اگر کھلبلی پڑنی چاہیئے تھی تو وہ عیسائی حضرات میں ـ مگر حیرت کی بات ہے کہ ان سے زیادہ مسلمان علماء میں مخالفت کا طوفان و جوش اُٹھا ـ حضرت مرزا صاحب جو دلائل قرآن کریم ـ احادیث صحیح اور اجماعِ صحابہ رضؓ سے دے رہے تھے وہ اس قدر مضبوط تھے کہ ان پر گرفت نہ ہو سکتی تھی ـ گرفت کا موقعہ ملا تو اس بات پر کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت مرزا صاحب کو علم دیا کہ مسیح ناصریؑ تو وفات پا چکے اور آنے والا مسیح تو ہے ؟ احادیث صحیحہ میں آنے والے مسیح کے لئے صریح الفاظ اِمامکم منکم (صحیح بخاری) اُمّکم منکم (صحیح مسلم وغیرہ) میں متعدد بار آئے ہیں کہ وہ تم میں سے تمہارا امام ہوگا ـ مگر چونکہ ساتھ ہی کہیں مسیح موعود کے لئے لفظ نبی بھی آیا ہے اور اُدھر عیسائیوں کی یہ روایات تھیں کہ حضرت مسیح ناصری آسمان پر زندہ موجود ہیں اور وہ دوبارہ آئیں گے تو مسلمانوں نے ان عیسائی خیالات کو بدقسمتی سے اپنا لیا ـ

جب حضرت مرزا صاحب نے مسیح موعود ہونے کا دعوےٰ حکم الٰہی سے کیا تو مخالف عُلماء نے اعتراض کیا کہ احادیث میں تو مسیح موعود کے لئے لفظ نبی آیا ہے ـ حضرت مرزا صاحب کا جواب نہایت سیدھا اور سادہ تھا کہ حدیث میں اگر لفظ نبی مسیح موعود کے لئے آیا ہے یا خود حضرت مرزا صاحب کے الہامات میں بھی یہ لفظ آپ کے لئے آیا ہے تو یہ مجازی اور لغوی معنوں میں خدا سے پا کر پیشگوئی کرنے والے کے ہیں نہ کہ حقیقی معنوں میں کیونکہ

"خاتم النبیّین کے بعد نبی کیسے آ سکتا ہے ؟"

مقام غور ہے کہ اگر حضرت مرزا صاحب نعوذ باللہ ایک جھوٹے اور مفتری انسان ہوتے تو آپ کے لئے آسان تھا کہ احادیث کا اور اپنے الہامات کا فائدہ اُٹھا کر سچ مچ کا دعوےٰ کر بیٹھتے جیسا کہ بہائی مذہب کے بانی نے ایک وقت کیا ـ مگر آپ ساری عمر اس کا انکار کرتے اور مُدعی نبوت پر لعنت بھیجتے اور مدعی نبوت کو "کافر ـ کاذب ـ خارج از دائرہ اسلام" بتاتے رہے ـ

حضرت مرزا صاحب نے جو مجازی معنوں میں احادیث اور اپنے الہامات میں لفظ نبی کی تشریح کی ان مجازی معنوں میں دوسرے اولیائے کرام نے بھی یہ لفظ اپنے لئے استعمال کیا ہے اور اس کی تائید میں اس سے بڑھ کر اسناد ہیں ـ مگر میں اس بحث میں پڑوں تو اپنے اصل موضوع سے بہت دُور نکل جاؤں گا ـ میں صرف دو باتیں عرض کرتا ہوں :ـــ

(الف) حضرت مرزا صاحب نے جو لفظ نبی کو مجازی معنوں میں لیا یہ بہترین حل تھا کہ نہ تو احادیث نعوذ باللہ غلط ٹھہریں نہ آپ کے اپنے الہامات ـ آپ نے نہ تو احادیث کو جھٹلایا اور نہ مُلہم من اللہ ہوتے ہوئے اپنے الہامات کو ـ بلکہ اس مشکل کا بہترین حل بتایا ـ

(ب) آپ کی زندگی میں آپ پر نبوت کا مُدّعی ہونے کا الزام لگا اور آپ نے اس قدر شدّ و مد سے اس کا انکار کیا کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہ تھا ـ کہ آپ نے مُدعی نبوت پر لعنت بھیجی اور اسے "کافر کاذب خارج از دائرہ اسلام" کہا اور بار بار حلفی بیانات سے اس کا انکار کیا کہ آپ نے نبوت کا دعوےٰ کیا ہے ـ اس لئے ان کے بعد ان کے لڑکے یا کسی اور کو حق نہیں پہنچتا کہ ان کی طرف دعوےٰ نبوت منسوب کرے ـ

## دعویٰ مسیح موعود

یہ مخالفت اور اعتراضات اور تکفیر کا باعث زیادہ تر آپ کا مسیح موعود ہونے کا دعوےٰ تھا جو آپ نے اللہ تعالےٰ کے حکم سے کیا ـ اس میں کیا حکمتِ الٰہی تھی وہ آخر میں عرض کرتا ہوں ـ ۱۳۰۰ سال سے مسلمان مانتے تھے کہ آنے والا مسیح خود حضرت مسیح ناصریؑ ہوں گے جنہیں اللہ تعالےٰ نے صلیب پر سے زندہ مع اپنے جسدِ عنصری کے آسمان پر اُٹھا کر بٹھا لیا ہے ـ یہ عقیدہ سے اگر ایک طرف حضرت عیسٰیؑ کی رسول اللہ صلعم پر برتری ثابت ہوتی تھی اور آنحضرت صلعم خاتم النبیّین نہ رہتے تھے تو دوسری طرف حضرت عیسٰیؑ کی خدائی بھی ثابت ہوتی تھی جیسا کہ میں پہلے بتا آیا ہوں ـ

## کسرِ صلیب

اس لئے کسرِ صلیب جو مسیح موعود کا کام حدیث شریف میں بتلایا گیا ہے اس کے لئے ان تمام غلط عقائد کی تردید تصحیح ضروری تھی ـ تبھی تو پادری صاحبان احمدیوں سے بحث کرنے سے کترا جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارے مخاطب مسلمان ہیں ـ اُس زمانہ میں تو مسلمان ایسے موقعوں پر احمدیوں کو علی الاعلان مسلمان کہتے تھے اور پادریوں

# "قدرت ثانیہ کا ظہور" یا جماعت احمدیہ پر زبردست ابتلاء اور اسکی حتمی کامیابی کی عظیم خدائی پیشگوئی۔

## قدیم سنۃ اللہ کے عین مطابق ابتلا بعض جماعتی کمزوریوں کے باعث پیش آیا ہے۔

((مکرم و محترم جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب))

[حضرت اقدس مسیح موعودؑ کو جب خدا تعالیٰ کی طرف سے وفات کی خبر دی گئی تو اُس وقت حضرت اقدسؑ نے خدا تعالیٰ کی منشاء و ہدایت کے مطابق اپنے بعد اپنے پیروؤں کے لئے رسالہ الوصیّت تحریر فرمایا اس الوصیّت میں آپ نے چند بنیادی نصائح فرمائیں، اپنی بعثت کا اصل مقصد بیان فرمایا، نیز یہ عظیم پیشگوئی فرمائی کہ میرے بعد میرے متبعین کے ساتھ خدا تعالیٰ اپنی قدرت اور معیت کا نشان دکھلائے گا جیسے خدا تعالیٰ میرے ساتھ اپنی قدرت نمائی کے نشانات دکھلاتا رہا ہے۔ آپ نے وضاحت فرمائی کہ میری وفات قریب ہے نیز یہ کہ میرے بعد مخالفت کا ایک طوفان میری جماعت پر آنے والا ہے، وہ طوفان اس قدر زبردست ہوگا کہ بہت سے میرے پیرو اس کی برداشت نہ لاکر مرتد ہونے کی راہ اختیار کریں گے، یہاں تک کہ دشمن یقین کر لے گا کہ اب یہ سلسلہ نیست و نابود ہو جائے گا۔ نیز اپنے لوگوں کی بھی کمر ہمت ٹوٹ جائے گی وغیرہ۔ **مگر خدا تعالیٰ نے مجھے اطلاع دی ہے کہ میں دوسری بار اپنی قدرت کا جلوہ تیری جماعت کو دکھلاؤں گا اور گرتی ہوئی جماعت کو سنبھال لوں گا۔** مفصلہ ذیل سطور میں راقم الحروف نے "قدرتِ ثانیہ" کے موضوع پر جو کچھ جلسہ سالانہ پر تقریر کے دوران بیان کیا تھا اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔ کئی اصحاب کی طرف سے اس خواہش کا اظہار کیا گیا ہے کہ میں ان خیالات کو قلمبند کر کے شائع کر دوں، کیونکہ ان کے نزدیک یہ باتیں ایمان افروز ہیں]

(ا۔ ب)

حضرت اقدسؑ رسالہ الوصیّت میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"سو اے عزیزو! جب کہ قدیم سے سنۃ اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دو قدرتیں دکھلاتا ہے تا مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھلاوے تو اب ممکن نہیں کہ خدا تعالیٰ اپنی قدیم سنت کو ترک کر دیوے۔ اس لئے تم میری اس بات سے جو میں نے تمہارے پاس بیان کی غمگین مت ہو اور تمہارے دل پریشان نہ ہو جائیں کیونکہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا دیکھنا بھی ضروری ہے اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے **کیونکہ وہ دائمی ہے** جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہ ہوگا۔ اور وہ دوسری قدرت آ نہیں سکتی جب تک میں نہ جاؤں۔ لیکن میں جب جاؤں گا تو پھر خدا اس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیجدے گا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی جیسا کہ براھین احمدیہ میں وعدہ ہے۔ وہ وعدہ میری ذات کی نسبت نہیں بلکہ تمہاری نسبت وہ وعدہ ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے:۔

"میں اس جماعت کو جو تیرے پیرو ہیں قیامت تک دوسروں پر غلبہ دوں گا"

"سو یہ ضرور ہے کہ تم پر میری جدائی کا دن آوے تا بعد اس کے وہ دن آوے جو دائمی وعدہ کا دن ہے۔ **وہ ہمارا خدا وعدوں کا سچا** وفادار اور **صادق خدا ہے وہ سب کچھ تمہیں دکھلائے گا** جس کا وعدہ اس نے کیا ہے۔ ...... سو تم خدا کی قدرت ثانی کے انتظار میں اکٹھے ہو کر دعا کرتے رہو اور چاہیئے کہ ہر ایک صالحین کی جماعت ہر ایک ملک میں اکٹھے ہو کر دعائیں لگے رہیں تا دوسری قدرت آسمان سے نازل ہو اور تمہیں دکھلاوے **کہ تمہارا خدا ایسا قادر خدا ہے۔"**

محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب جلسہ سالانہ ۱۹۷۵ء پر تقریر فرما رہے ہیں۔

اس کے بعد حضرت اقدسؑ اپنی سچی پیروی کی بعض علامات بیان فرماتے ہیں کہ:۔

"تم بھی ہمدردی اور اپنے نفسوں کے پاک کرنے سے روح القدس سے حصہ لو اور نفسانی جذبات کو بکلی چھوڑ دو......... دنیا کی لذتوں پر فریفتہ مت ہو کہ وہ خدا سے دور کرتی ہیں۔ خدا کی رضا کے لئے وہ راہ اختیار کرو جو اس سے زیادہ اور کوئی راہ تنگ نہ ہو۔ خدا کے لئے تلخی کی زندگی اختیار کرو۔ وہ درد جس سے خدا راضی ہو اس لذت سے بہتر ہے جس سے خدا ناراض ہو جائے وہ شکست جس سے خدا راضی ہو اس فتح سے بہتر ہے جو موجب غضب الٰہی ہو۔ اس محبت کو چھوڑ دو جو خدا کے غضب کے قریب کرے۔

"اگر تم **صاف دل** ہو کر اس کی طرف آ جاؤ تو ہر ایک راہ میں وہ تمہاری مدد کرے گا اور کوئی دشمن تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا، خدا کی رضا کو تم کسی طرح پا ہی نہیں سکتے جب تک تم اپنی رضا چھوڑ کر، اپنی لذات چھوڑ کر، اپنا مال چھوڑ کر اپنی جان چھوڑ کر، اس کی راہ میں وہ تلخی نہ اٹھاؤ **جو موت کا نظارہ تمہارے سامنے** پیش کرتی ہے۔ لیکن اگر تم تلخی اٹھا لو گے تو ایک پیارے بچے کی طرح خدا کی گود میں آ جاؤ گے اور تم ان راستبازوں کے وارث کئے جاؤ گے جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں، ہر ایک نعمت کے دروازے تم پر کھولے جائیں گے لیکن تھوڑے ہیں جو ایسے ہیں"۔

### بعد وفات، جماعت پر ایک عظیم ابتلاء کے بعد قدرتِ ربّی کے ظہور کی پیشگوئی

حضرت اقدسؑ نے اپنی متذکرہ بالا الوصیّت ۱۹۰۵ء میں تحریر فرمائی اور آپ کی وفات مئی ۱۹۰۸ء کو ہو گئی۔ آپ کی زندگی میں مخالفت کا وہ پہلا طوفان ۱۹۰۵ء میں کافی حد تک ختم ہو چکا تھا اور جماعت کی طرف رجوع خلائق ہوتا چلا جا رہا تھا اور دوسری مخالفت کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا۔ پھر ایسے حالات میں کہاں کسی شخص کو یہ

مکرم جناب چوہدری مسعود اختر صاحب ایڈوکیٹ

# "حضرت امامِ زمان کی بعثت کی غرض اور ہماری جماعت کے فرائض اور ان سے عہدہ برآ ہونے کا طریقہ"

ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت مرزا غلام احمدؑ چودھویں صدی کے مجدد تھے لہذا ان کی بعثت کی غرض بھی وہی تھی جو اس حدیث مجدد میں بیان کی گئی ہے:-
ان اللہ یبعث لھٰذہ الامۃ علیٰ راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔ کہ اللہ تعالےٰ ہر صدی کے سر پر اس اُمت کے لئے ایک ایسا شخص مبعوث کرے گا جو دین کی تجدید کرے گا۔
حضرت امامِ زمان علیہ السلام خود اس کے متعلق فتح اسلام میں یوں لکھتے ہیں :-
"پھر میں کہتا ہوں کہ اگر تعجب کی جگہ تھی تو یہ تھی کہ اس پاک رسول کی یہ صاف اور کھلی کھلی پیشگوئی خطا جاتی جس میں فرمایا گیا تھا کہ ہر صدی کے سر پر خدا تعالےٰ ایک ایسے بندہ کو پیدا کرتا رہے گا کہ جو اس کے دین کی تجدید کرے گا۔ سو یہ تعجب کا مقام نہیں بلکہ ہزار در ہزار شکر کا مقام اور ایمان و یقین کے بڑھانے کا وقت ہے کہ خدا تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے اپنے وعدہ کو پورا کر دیا۔ اور اپنے رسولؐ کی پیشگوئی میں ایک منٹ کا بھی فرق پڑنے نہیں دیا اور نہ صرف اس پیشگوئی کو پوری کر کے دکھلایا بلکہ آئندہ کے لئے بھی ہزاروں پیشگوئیوں اور خوارق کا دروازہ کھول دیا۔ اگر تم ایماندار ہو تو شکر کرو اور شکر کے سجدات بجا لاؤ کہ وہ زمانہ جس کا انتظار کرتے کرتے تمہارے بزرگ آباء گذر گئے اور بے شمار روحیں اس کے شوق میں ہی سفر کر گئیں وہ وقت تم نے پا لیا۔ اب اس کی قدر کرنا یا نہ کرنا اور اس سے فائدہ اُٹھانا یا نہ اُٹھانا تمہارے ہاتھ میں ہے۔ میں اس کو بار بار بیان کروں گا اور اس کے اظہار سے میں رُک نہیں سکتا کہ میں وہی ہوں جو وقت پر اصلاحِ خلق کے لئے بھیجا گیا تا دین کو تازہ طور پر دلوں میں قائم کیا جائے۔"

اور دین میں کس وجہ سے تجدید کی ضرورت تھی اس کا ذکر بھی حضرت صاحب نے خود ہی فتح اسلام میں یوں کیا ہے :-
"اے حق کے طالبو اور اسلام کے سچے محبو! آپ لوگوں کو واضح ہو کہ یہ زمانہ جس میں ہم لوگ زندگی بسر کر رہے ہیں یہ ایک تاریک زمانہ ہے کہ کیا ایمانی اور کیا عملی جس قدر امور ہیں سب میں سخت فساد واقع ہو گیا ہے اور ایک تیز آندھی ضلالت اور گمراہی کی ہر طرف سے چل رہی ہے وہ چیز جس کو ایمان کہتے ہیں اس کی جگہ چند لفظوں نے لے لی ہے جن کا محض زبان سے اقرار کیا جاتا ہے اور وہ اُمور جن کا نام اعمالِ صالحہ ہے ان کا مصداق چند رسوم یا اسراف اور ریاکاری کے کام سمجھے گئے ہیں اور جو حقیقی نیکی ہے اس سے بکلی بے خبری ہے۔ اس زمانہ کا فلسفی اور طبعی بھی روحانی صلاحیت کا سخت مخالف پڑا ہے اس کے جذبات اس کے جاننے والوں پر نہایت بد اثر کرنے والے اور ظلمت کی طرف کھینچنے والے ثابت ہوتے ہیں۔ وہ زہریلے مواد کو حرکت دیتے اور سوئے ہوئے شیطان کو جگا دیتے ہیں۔ ان علوم میں دخل رکھنے والے دینی امور میں اکثر ایسی بدعقیدگی پیدا کر لیتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کے مقرر کردہ اصول اور صوم و صلوٰۃ وغیرہ عبادت کے طریقوں کو تحقیر اور استہزا کی نظر سے دیکھنے لگتے ہیں۔ ان کے دلوں میں خدا تعالےٰ کے وجود کی بھی کچھ وقعت اور عظمت نہیں بلکہ اکثر اُن میں سے الحاد کے رنگ سے رنگین اور دہریت کے رگ و ریشہ سے پُر اور مسلمانوں کی اولاد کہلا کر دشمنِ دین ہیں۔"

پھر ایک اور کمزوری کی نشاندہی یوں کرتے ہیں :-
"عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ دنیا سے امانت اور دیانت ایسی اُٹھ گئی ہے کہ گویا بکلی مفقود ہو گئی ہے دنیا کمانے کے لئے مکر اور فریب حد سے زیادہ بڑھ گئے ہیں۔ جو شخص سب سے زیادہ شریر ہو وہی سب سے زیادہ لائق سمجھا جاتا ہے۔ طرح طرح کی ناراستی۔ بد دیانتی۔ حرامکاری۔ دغابازی اور دروغگوئی اور نہایت درجہ کی روبہ بازی اور لالچ سے بھرے ہوئے منصوبے اور بد ذاتی سے بھرے ہوئی خصلتیں پھیلتی جاتی ہیں اور نہایت بیرحمی سے ملے ہوئے کینے اور جھگڑے ترقی پر ہیں اور جذباتِ بہیمیہ اور سبعیہ کا ایک طوفان اُٹھا ہوا ہے اور جس قدر لوگ ان علوم اور قوانین مروجہ میں چست و چالاک ہو جاتے ہیں اسی قدر نیک گوہری اور نیک کرداری کی طبعی خصلتیں اور حیلہ اور شرم اور خدا ترسی اور دیانت کی فطرتی خاصیتیں ان میں کم ہوتی جاتی ہیں۔"

اور پھر ایک اور شر کی نشاندہی یوں کی ہے :-
"عیسائیوں کی تعلیم بھی سچائی اور ایمانداری کے اڑانے کے لئے کئی قسم کی سرنگیں تیار کر رہی ہے اور عیسائی لوگ اسلام کے مٹا دینے کے لئے جھوٹ اور بناوٹ کی تمام باریک باتوں کو نہایت درجہ کی جانکاہی سے پیدا کر کے ہر ایک رہزنی کے موقعہ اور گمراہ کرنے کی جدید صورتیں تراشتی جاتی ہیں اور اس انسانِ کاملؐ کی سخت توہین کر رہے ہیں جو تمام مقدسوں کا فخر اور تمام مقربوں کا سرتاج اور تمام بزرگ رسولوں کا سردار تھا ...... -
اب اے مسلمانو! سنو اور غور سے سنو کہ اسلام کی پاک تاثیروں کے روکنے کے لئے جس قدر پیچیدہ افتراء اس عیسائی قوم میں استعمال کئے گئے اور پُر مکر حیلے کام میں لائے گئے اور ان کے پھیلانے میں جان توڑ کر اور مال کو پانی کی طرح بہا کر کوششیں کی گئیں یہاں تک کہ نہایت شرمناک ذریعے بھی جن کی تصریح سے اس مضمون کو منزّہ رکھنا بہتر ہے اسی راہ میں ختم کئے گئے یہ کرسچن قوموں اور تثلیث کے حامیوں کی جانب سے وہ ساحرانہ کارروائیاں ہیں کہ جب تک اُن کے اس سحر کے مقابل پر خدا تعالےٰ وہ پُر زور ہاتھ نہ دکھاوے جو معجزہ کی قدرت اپنے اندر رکھتا ہو اور اس معجزہ سے اس طلسمِ سحر کو پاش پاش نہ کرے۔ تب تک اُس جادوئے فرنگ سے سادہ لوح دلوں کو مخلصی ہونا بالکل قیاس اور گمان سے باہر ہے سو خدا تعالےٰ نے اس جادو کے باطل کرنے کے لئے اس زمانہ کے سچے مسلمانوں کو یہ معجزہ دیا کہ اپنے اس بندہ کو اپنے الہام اور کلام اور اپنی برکاتِ خاصہ سے مشرف کر کے اور اپنی راہ کے باریک علوم سے بحرہ کامل بخش کر مخالفین کے مقابل پر بھیجا اور بہت سے آسمانی تحائف اور علوی عجائبات اور روحانی معارف و دقائق ساتھ دیئے تا اس آسمانی پتھر کے ذریعہ سے وہ موم کا بُت توڑ دیا جائے جو سحرِ فرنگ نے تیار کیا ہے۔ سو اے مسلمانو! اس عاجز کا ظہور ساحرانہ تاریکیوں کے اُٹھانے کے لئے خدا کی طرف سے ایک معجزہ ہے۔ کیا ضرور نہیں تھا کہ سحر کے مقابل پر معجزہ بھی دنیا میں آتا۔ کیا تمہاری نظروں میں یہ عجیب اور ان ہونی بات ہے کہ خدا تعالےٰ نہایت درجہ کے مکروں کے مقابلہ پر جو سحر کی حقیقت تک پہنچ گئے ہیں ایک ایسی حقانی چمکار دکھاوے جو معجزہ کا اثر رکھتی ہو۔ اے دانشمندو۔ تم اس سے تعجب مت کرو کہ خدا تعالےٰ نے اس ضرورت کے وقت میں اور اس گہری تاریکی کے دنوں میں ایک آسمانی روشنی نازل کی اور ایک بندہ کو مصلحتِ عام کے لئے خاص کر کے

ہیں شاید ان تدبیروں سے دماغی چالاکیاں پیدا ہوں یا طبیعات میں پُرفنی اور ذہن میں تیزی اور خشک منطق کی مشق حاصل ہو جائے یا عالمیت اور قابلیت کا خطاب حاصل کر لیا جائے اور شاید مُدت دراز کی تحصیل علمی کے بعد اصل مقصود کے کچھ ممد بھی ہو سکیں مگر تا تریاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شود ۔ سو جاگو اور ہوشیار ہو جاؤ ۔ ایسا نہ ہو کہ ٹھوکر کھاؤ......؟"

مندرجہ بالا اقتباسات طوالت کے باوجود مَیں نے اس لئے ضروری سمجھے ہیں کہ حضرت صاحب کی بعثت کی اغراض خود ان کی تحریروں سے بتائی جائیں اور ساتھ ہی ان اقدام کا ذکر بھی حضرت صاحب کی تحریروں سے کیا جاوے جو انہوں نے اپنے مشن کی تکمیل کے لئے ضروری سمجھے ۔ اور ساتھ ہی آخری اقتباس میں نے اس نقطہ کی وضاحت کے لئے دیا ہے کہ حضرت صاحب محض روایت پسند اور لکیر کے فقیر نہ تھے بلکہ اپنے مقصد کی اولیت کو آپ ذرائع سے بالاتر رکھتے تھے اور انجمنیں اور مدارس بُت بن کر اصل مقاصد کی راہ میں حائل ہو جائیں ۔

الحاد اور گمراہی کو دُور کر کے توحیدِ حقیقی کو قائم کرنا چونکہ حضرت صاحب کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک اعلیٰ ترین مقصد تھا اسی لئے آپ کی تمام کتابیں توحید اور انسان کے تعلق باللہ سے متعلق نادر تحریروں سے پُر ہیں ۔ اسی طرح الوصیت میں جو انجمن احمدیہ بنانے کے لئے لکھی گئی فرماتے ہیں :-

" اور چاہیئے کہ جماعت کے بزرگ جو نفسِ پاک رکھتے ہیں میرے نام پر میرے بعد لوگوں سے بیعت لیں ۔ خدا تعالےٰ چاہتا ہے کہ ان تمام رُوحوں کو جو زمین کی متفرق آبادیوں میں آباد ہیں کیا یورپ اور کیا ایشیا ان سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں توحید کی طرف کھینچے اور اپنے بندوں کو دینِ واحد پر جمع کرے ۔ یہی خدا تعالےٰ کا مقصد ہے جس کے لئے میں دنیا میں بھیجا گیا سو تم اس مقصد کی پیروی کرو مگر نرمی اور اخلاق اور دُعاؤں پر زور دینے سے اور جب تک کوئی خدا سے رُوح القدس پا کر کھڑا نہ ہو سب میرے بعد مل کر کام کرو ۔ اور چاہیئے کہ تم بھی ہمدرد اور اپنے نفسوں کو پاک کر کے رُوح القدس سے حصہ لو کہ بجز رُوح القدس کے حقیقی تقویٰ حاصل نہیں ہو سکتا ۔ اور نفسانی جذبات کو بکلی چھوڑ کر خدا کی رضا کے لئے وہ راہ اختیار کرو جو اس سے زیادہ کوئی راہ تنگ نہ ہو ۔ دنیا کی لذتوں پر فریفتہ مت ہو کہ وہ خدا سے جُدا کرتی ہیں اور خدا کے لئے تلخی کی زندگی اختیار کرو درد جس سے خُدا راضی ہو اُس لذت سے بہتر ہے جس سے خُدا ناراض ہو جائے اور وہ شکست جس سے خدا راضی ہو اس فتح سے بہتر ہے جو موجب غضبِ الٰہی ہو ۔ اس محبت کو چھوڑ دو جو خُدا کے غضب کے قریب کرے ۔ اگر تم صاف دل ہو کر اس کی طرف آ جاؤ تو ہر ایک راہ میں وہ تمہاری مدد کرے گا اور کوئی دشمن تمہیں نقصان نہ پہنچا سکے گا ۔ خدا کی رضا کو تم کسی طرح پا ہی نہیں سکتے جب تک ہم اپنی رضا چھوڑ کر اپنی لذات چھوڑ کر اپنی عزت چھوڑ کر اپنا مال چھوڑ کر اپنی جان چھوڑ کر اس کی راہ میں تلخی نہ اُٹھاؤ جو موت کا نظارہ تمہارے سامنے پیش کرتی ہے ۔ اگر تم تلخی اُٹھا لو گے تو ایک پیارے بچے کی طرح خُدا کی گود میں آ جاؤ گے ۔ اور تم اُن راستبازوں کے وارث کئے جاؤ گے جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں اور ہر ایک نعمت کے دروازے تم پر کھولے جائیں گے لیکن تھوڑے ہیں جو ایسے ہیں ............ دیکھو میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ آدمی ہلاک شدہ ہے جو دین کے ساتھ کچھ دُنیا کی ملونی رکھتا ہے اور اُس نفس سے جہنم بہت قریب ہے جس کے تمام ارادے خُدا کے لئے نہیں ہیں بلکہ کچھ خُدا کے لئے اور کچھ دُنیا کے لئے پس اگر تم دُنیا کی ایک ذرّہ بھی ملونی اپنے اغراض میں رکھتے ہو تو تمہاری تمام عبادتیں عبث ہیں اس صورت میں تم خدا کی پیروی نہیں کرتے شیطان کی پیروی کرتے ہو ۔ تم ہرگز توقع نہ کرو کہ ایسی حالت میں خدا تمہاری مدد کرے گا بلکہ تم ایسی حالت میں زمین کے کیڑے ہو اور تھوڑے ہی دنوں تک تم اس طرح ہلاک ہو جاؤ گے جس طرح کہ کیڑے ہلاک ہوتے ہیں اور تم میں خُدا نہیں ہوگا ۔ بلکہ تمہیں ہلاک کر کے خدا خوش ہوگا ۔ لیکن اگر تم اپنے نفس سے درحقیقت مر جاؤ گے تب خُدا میں ظاہر ہو جاؤ گے اور خُدا تمہارے ساتھ ہوگا اور وہ گھر بابرکت ہوگا جس میں تم رہتے ہوگے ۔ اور ان دیواروں پر خُدا کی رحمت نازل ہوگی جو تمہارے گھر کی دیواریں ہیں اور وہ شہر بابرکت ہوگا جہاں ایسا آدمی رہتا ہوگا ۔ اگر تمہاری زندگی اور تمہاری موت اور تمہاری ہر ایک حرکت اور تمہاری نرمی گرمی محض خدا کے لئے ہو جائے گی اور ہر ایک تلخی اور مصیبت کے وقت تم خُدا کا امتحان نہیں کرو گے اور تعلق کو نہیں توڑو گے بلکہ آگے قدم بڑھاؤ گے تو مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ تم خُدا کی ایک خاص قوم ہو جاؤ گے ۔"

جہاں تک ہماری جماعت کے فرائض کا تعلق ہے انہیں چند الفاظ میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ ہدایت کی اس راہ پر چلنا جس کی طرف امام زمانؑ نے ہماری راہنمائی کی اور امامِ زمانؑ کے مشن کی تکمیل کو اپنا مقصدِ حیات بنا کر اُس جہت پر عمل کرنا ۔

اور ان تمام فرائض سے عہدہ برآ ہونے کا جو طریقہ حضرت امامِ زمانؑ نے خود وضع کیا وہ الوصیۃ کے مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہے ۔ وہ لوگ جن کی روحیں ابھی تک دُنیا کے مکروہ دیو کا شکار نہیں ہوئیں مندرجہ بالا عبارت کے اثر کو محسوس کر سکتے ہیں ۔ ہاں دنیادار لوگ اسے پڑھ کر بغیر درد محسوس کئے ورق اُلٹ سکتے ہیں ۔ ہمارے سامنے اب دو راہیں کھلی ہیں ۔ اوّل یہ کہ امام زمانؑ کی وصیت پر عمل کر کے خدا کی ایک خاص قوم بن جائیں یا پھر اس راہ سے ہٹ کر ہلاکت کی اس راہ پر گامزن رہیں جس کی نشاندہی حضرت صاحب نے فرما دی ہے ۔ ان میں سے کونسی راہ ہمیں امام زمان کے مشن کی تکمیل کی طرف لے جاتی ہے اس کا فیصلہ ایک عام سوجھ بوجھ کا انسان بھی کر سکتا ہے اور اگر ہم اب بھی درست فیصلہ نہ کر سکے تو پھر ہماری حالت صمٌ بکمٌ عمیٌ والی ہوگی ۔ اور ہمیں کوئی تجویز ۔ کوئی لائحہ عمل ۔ کوئی پلان ہلاکت سے نہیں بچا سکے گا ۔ مَیں یہ اس لئے کہتا ہوں کہ فتح اسلام میں جن پانچ شعبوں کا ذکر حضرت صاحب نے کیا ہے اور جو اللہ کے حکم سے بنائے گئے ہیں ان کے بغیر کامیابی ممکن نہیں اور ان کا انحصار بھی تمام تر ہمارے اسی فیصلہ پر ہے ۔ کیونکہ یہی وہ بات ہے جس سے دلوں کو وہ بصیرت نصیب ہوتی ہے جو خدا کی ہستی پر یقین اور ایمان سے دلوں کو بھر دیتی ہے ۔ پھر ایسی ہی قوم اس ایمان ۔ یقین اور بصیرت سے دنیا کو آشنا کر سکتی ہے ۔ دیئے سے دیا جلتا ہے ۔ جو چراغ خود روشن نہ ہو وہ دوسروں کو کیسے روشنی بخش سکتا ہے ۔

یہ تاریخِ عالمِ انسانی کا بہت بڑا المیہ ہوگا کہ وہ قوم جس نے دُنیا بھر کو توحید اور اسلام کا پیغام دیا جس نے دنیا کے ہر برِّ اعظم اور ہر مُلک میں نور کے مینار تعمیر کئے عین اُس وقت خود اندھیروں کی نذر ہو جائے جب دنیا بھر میں اُس کے تعمیر کردہ روشنی کے میناروں کی روشنی سے ایک عالم منور ہو رہا ہو آج تبلیغ دین کے لئے کل سے زیادہ سازگار ہیں ۔ بیرونی دنیا میں تعصّبات کا زور قریباً ٹوٹ چکا ہے ۔ یورپ اور امریکہ میں عیسائیت دم توڑ رہی ہے ۔ اگر اس خلا کو توحید دین اللہ اور اللہ کے ماننے والوں سے پُر نہ کیا گیا تو خطرہ ہے کہ وہ تمام معاشرہ لادینیت ۔ الحاد اور کفر کا شکار ہو جائے گا ۔ اس لئے آج وہاں تبلیغِ دین کی ضرورت پہلے سے بھی زیادہ ہے ۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالےٰ اپنے دین کی تبلیغ کے ذرائع بھی پیدا کر رہا ہے ۔ ایک تو امامِ زمانؑ کی جماعت کے پیدا کردہ لٹریچر یا علمِ کلام نے دنیا بھر کے مسلمانوں اور غیر مسلموں میں یکساں انقلاب پیدا کیا ہے ۔ آج حضور نبی کریم صلعم کو بحیثیت اللہ کے پیغمبر کے یورپ اور امریکہ میں بھی تسلیم کیا جانے لگا ہے ۔ جنوبی امریکہ میں آپکی جماعت

اور شمالی امریکہ میں سلاسمت بڑی زور دار اسلامی تحریکیں ہیں جن میں اتنی طاقت ہے کہ وہ جنوبی اور شمالی امریکہ پر دین کے میدان میں غلبہ حاصل کر لیں۔ آج ان کی تعداد لاکھوں میں ہے تو کل کروڑوں میں بھی ہو سکتی ہے بشرطیکہ ہم ان کو وہ تعاون پیش کریں جس کے وہ متمنی ہیں۔ وہ ہماری جماعت کے رُوحانی پودہ کی شاخیں ہیں اور ہم پر تاریخی طور پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم جو ایک جڑ اور تنے کی حیثیت رکھتے ہیں اپنی ان شاخوں کو خوراک جہیا کریں۔ اگر ہم نے یہ فرض پُورا کرنے میں کوتاہی کی تو پھر مستقبل کا مؤرخ ہمیں معاف نہ کرے گا۔

ان بدلے ہوئے حالات میں ہمیں اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں تامّل نہ کرنا چاہیئے کہ بلادِ غیر میں زیادہ فعال جماعتیں ہماری زیادہ توجہ کی مستحق ہیں کہ وہ ہمارے مستقبل کی اُمید ہیں۔

علاوہ ازیں اس وقت تبلیغ اسلام کے لئے جو دیگر تنظیمیں کام کر رہی ہیں ان کے حالات سے آگاہی اور ممکن ہو تو اُن سے رابطہ قائم کرنا بہت ضروری ہے۔ مثال کے طور پر لیبیا کے کرنل قذافی اپنے ملک میں ایک صحیح اسلامی معاشرہ تشکیل دینے کی کوشش کر رہے ہیں جس کی بنیادیں محض علم پر ہی نہیں بلکہ وہ رُوح اور روحانی تجربات کے بھی بہت معتقد ہیں۔ اور باقی ادیانِ عالم کی طرف ان کا رویہ بھی بالکل غیر روایتی ہے۔ ایسی تحریک دین اللہ کے لئے بہت مفید ہو سکتی ہے اور ہمیں ایسی تحریکوں سے قریبی رابطہ رکھنے میں کوئی مضائقہ نہ ہونا چاہیئے۔ جن کے مقاصد وہی ہیں جو امامِ زمان کی تحریک کے ہیں۔

اب وقت ہے کہ ہم اپنے بزرگوں کی روایات کو دہراتے ہوئے اپنی جماعت کے ہر فرد کو علم و عمل میں اپنی اپنی جگہ پر ایک مبلغ دین بنا دیں کیونکہ ع

ہر فرد ہے ملّت کے مقدر کا ستارا

تبلیغ دین ہر مسلمان پر فرض ہے اور اس فرض سے کوتاہی اب زیادہ دیر نہ ہونی چاہیئے۔

حضرت صاحب نے فتح اسلام میں نیکی کی راہ بتلاتے ہوئے لن تنالوا البرّ حتّٰی تنفقوا مما تحبّون کی آیت درج کی ہے۔ اور واقعی اس آیت میں ایک عظیم سبق مضمر ہے کہ ہر وہ شئے جس سے انسان محبت کرتا ہے جب تک اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرے نیکی پا نہیں سکتا۔ اور انسان کی محبت خود اپنی جان۔ جاہ و جلال۔ دولت عزت اولاد۔ جائداد غرض کتنے ہی بُت ہیں جو اللہ اور انسان کے درمیان حائل ہیں۔ مال خرچ کرنا بڑی نیکی ہے لیکن صرف مال خرچ کرنا ہی تو تمام نیکی نہیں۔ سوال یہ ہے کہ ہم میں سے کتنے ہیں جنہوں نے اپنی جان۔ شان و شوکت اور عزت کو اللہ کی راہ میں قربان کیا ہے اور اپنی اولاد کو اس راہ پر چلانے کی سعی کی ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم اللہ کی راہ میں اپنی اولادوں کو لگانا گھاٹے کا سودا سمجھتے ہیں۔ اور اگر ایسا ہے تو ہم نے یقیناً اپنی اولادوں کو گھاٹے کے سودے میں لگا رکھا ہے۔

دُنیا کی بھٹی میں تو جو کچھ بھی جھونکتے چلے جائیں اس کا پیٹ نہیں بھرے گا۔ ضروری ہے کہ ہم اگر تمام بچوں کو نہیں تو کم از کم اپنا ایک ایک بچّہ تو اللہ کے دین کی راہ میں وقف کر دیں اور اسکے نتیجہ کا انتظار کریں۔

اگر ہم اپنی تحریک کے مقاصد پر عمل کرتے رہے اور ان مقاصد کے حصول کی راہ میں کسی شئے۔ کسی شخصیت یا کسی نظریہ کو حائل نہ ہونے دیا تو کامیابی و کامرانی ہمارے قدم چُومے گی۔ اور یہ عارضی رُکاوٹیں انشاء اللہ دُور ہو جائیں گی۔

## سید رشید الدین پیر صاحب العلم کا ارشاد:۔

"کشف میں رسول اللہؐ نے مجھے بتلایا کہ مسیح موعودؑ کا دعوےٰ کرنے والے مرزا صاحب حق پر ہیں۔ خدا تعالےٰ کی طرف سے ہیں۔"

## الوداعی تقریب

مقامی جماعت احمدیہ لاہور کی طرف سے جناب شیخ محمد طفیل صاحب مبلغ انگلستان اور مکرم مولانا محمد یحییٰ صاحب بٹ مبلغ جرمنی کے اعزاز میں ایک الوداعی تقریب جامع احمدیہ، احمدیہ بلڈنگس لاہور میں بروز جمعہ مورخہ ۲۱ مئی ۱۹۷۶ء منعقد ہوئی۔ خطبہ جمعہ جناب مولانا محمد یحییٰ صاحب بٹ نے دیا۔ آپ نے سورۃ جمعہ کی ابتدائی آیات کی تلاوت کے بعد فرمایا کہ اس سورۃ کی روشنی میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تاقیامت دُنیا کے معلم اور مزکی رہیں گے۔ اور حضور کا یہ فیض حضور ہی کے شاگردوں کے ذریعہ سے آنے والے زمانوں میں جاری رہیگا۔ اس کا استدلال آپ نے آیت استخلاف سے کرتے ہوئے فرمایا کہ جیسے انبیاء کا کام انسانی نفوس کا تزکیہ کرنا اور انہیں خالقِ حقیقی کے دروازہ پر جھکانا ہوتا ہے عین اسی طرح سلسلہ محمدی کے خلفاء یعنی مجددین بھی یہی کام کریں گے۔ اسی ذیل میں حضرت مسیح موعودؑ کے ذکر میں آپ نے بتایا کہ آپ کے فیضِ صحبت اور توجہ سے اسی صدی میں کیسے کیسے کامل الایمان لوگ پیدا ہوئے۔ اور دینِ اسلام کو دُنیا کے کناروں تک پہنچانے کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں اور دینِ اسلام کو باقی ادیان پر دلائل سے غالب کر دکھایا۔ مولانا کا اندازِ بیان بڑا دلپذیر، مدلّل اور اثر آفرین تھا۔

نماز جمعہ کے بعد جناب شیخ محمد طفیل صاحب کی تقریر سے اصل تقریب کا آغاز ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ میں ۲۶ مئی کو واپس انگلستان جا رہا ہوں۔ میں نے دو ماہ کے قریب پاکستان میں قیام کیا ہے۔ اور اس عرصہ میں مجھے مختلف جماعتوں میں جانے اور اکثر دوستوں سے ملاقات کا اتفاق ہوا۔ مجھے یہ دیکھ کر ایک گونہ اطمینان حاصل ہوا ہے کہ پاکستان میں جماعت پر ایک سخت ابتلاء کا دَور گذرنے کے باوجود اس کے حوصلے بلند اور عزائم پختہ ہیں۔

جناب شیخ صاحب نے تبلیغ اسلام اور ترقی جماعت کے سلسلہ میں چند تجاویز پیش کیں، اور آپنے اپنے مخصوص دھیمے اور دردمندانہ لہجہ میں جماعت سے ان پر غور کرنے کی اپیل کی۔ آپ نے فرمایا کہ ہمیں اب محض مُلکی یا قومی سطح پر نہیں بلکہ اپنے پروگرام کو آگے بڑھانے کے لئے بین الاقوامی سطح پر سوچنا ہوگا۔

اس کے بعد جناب مرزا مسعود بیگ صاحب جنرل سیکرٹری نے دونوں مبلغین کرام کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ ہم پہلے ہی ان خطوط پر سوچ رہے ہیں۔ جناب سیکرٹری صاحب نے حضرت امیر ایدہ اللہ سے اختتامی دُعا کیلئے گذارش کی۔ دُعا کے بعد حاضرین کی تواضع چائے اور بسکٹ سے کی گئی۔ (رپورٹر)

## عطیات

## برائے سیلنگ فینز جامع احمدیہ۔ احمدیہ بلڈنگس لاہور

| | روپے | پیسے |
|---|---|---|
| (۱) بذریعہ مکرم جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب دارالسلام لاہور | 250 | 00 |
| (۲) محمد حسن خان صاحب کراچی | 050 | 00 |
| (۳) ڈاکٹر سید غلام مجتبیٰ صاحب کراچی | 450 | 00 |
| (۴) معلوم الاسم صاحب کراچی | 300 | 00 |
| (۵) حافظ غلام رسول صاحب لاہور | 50 | 00 |
| (۶) شادی صاحب | 20 | 00 |
| (۷) بیگم صاحبہ مولوی احمد گل صاحب لاہور | 100 | 00 |
| (۸) بیگم رشیدہ ظفر شیخ صاحب سیالکوٹ | 50 | 00 |
| (۹) بیگم صاحبہ شیخ محمد جان مرحوم وزیر آبادی | 460 | 00 |

چوہدری شکر اللہ خان صاحب مرحوم - ایڈووکیٹ

# مسیح محمدی کی مسیح موسوی سے ایک عجیب اور حیرتناک مماثلت

حضرت عیسےٰ ابن مریم علیہ السلام جب یہودی قوم کی ہدایت و رہنمائی کے لئے من جانب اللہ عہدہ نبوت و رسالت پر مامور کئے گئے تو یہودی علماء نے آپ کے بعض اقوال کی بناء پر آپ کے خلاف 'دعوٰی ابن اللہ' کا الزام عائد کیا حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے اس الزام کی تردید کی مگر یہودی علماء اور لیڈروں نے قوم کی تسلی نہ ہونے دی بلکہ عوام کو مشتعل کر کے آپ کو صلیب تک پہنچایا۔ آپ کے متبعین اس وقت قلیل تھے کچھ نہ کر سکے۔ آپ کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد آپ کے بعض ماننے والوں نے افراطِ اعتقاد اور غلو کے باعث یہودی علماءِ مخالفین کے الزام کی تائید و تصدیق کرتے ہوئے آپ کو فی الواقعہ ابن اللہ ماننا شروع کر دیا۔ اور ایسا ہوا کہ عیسائیوں کی کثرت اسی عقیدہ کی قائل ہوگئی اور صحیح العقیدہ عیسائی قلیل سے قلیل تر ہوتے چلے گئے۔ گویا مخالفین اور موافقین ہر دو کی کثرت آپ کے خلاف ایک ایسے دعوے پر متفق ہوگئی جو آپ نے ہرگز نہیں کیا تھا۔

حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام نے جب اپنے منجانب اللہ مامور ہونے کا اعلان کیا تو فرمایا کہ آپ کو چودھویں صدی کا مجدد اور مثیل عیسےٰ ابن مریم بنا کر بھیجا گیا ہے۔ خدا کی قدرت اور انسانوں کے لئے حیرت کی بات ہے کہ آپ کو بھی بعینہٖ وہی واقعہ پیش آیا جو حضرت عیسےٰ ابن مریم کے متعلق وقوع پذیر ہوا تھا۔ آپ کو اگرچہ صرف مجدد اور محدث ہونے کا دعوےٰ تھا مگر آپ کے بعض اقوال کی بناء پر مخالف علماء نے آپ پر دعوےٰ نبوت و رسالت کا الزام عائد کر دیا۔ جس کی آپ نے پرزور تردید و تغلیط کی۔ لیکن مخالف علماء نے قوم کی تسلی نہ ہونے دی اور قوم کو ایسا بھڑکایا کہ آپ کو دشمن دین اور کافر قرار دے کر دم لیا۔ آپ کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد آپ کے بعض معتقدین نے افراطِ اعتقاد اور غلو کے سبب مخالف علماء کے الزام کی تائید و تصدیق کرتے ہوئے آپ کو فی الواقعہ نبی و رسول ماننا شروع کر دیا اور ایسا ہوا کہ آپ کے مریدوں کی کثرت اسی عقیدہ کی قائل ہوگئی۔ اور صحیح العقیدہ قلیل رہ گئے۔ گویا حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے واقعہ کی مانند حضرت مرزا صاحب کے مخالفین و موافقین کی کثرت آپ کے خلاف ایک ایسے دعوےٰ کے الزام پر متفق ہوگئی ہے جو آپ نے ہرگز نہیں کیا تھا۔ یہ واقعہ خدا کی قدرت کا ایک نشان ہے جو انسانی اختیار و اقتدار سے باہر ہے۔

دعوےٰ کے متعلق حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی پوزیشن چھ سو سال بعد اللہ تعالےٰ نے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ صاف کی مگر تاحال متنازعہ فیہ چلی آ رہی ہے اسی طرح دعوے کے بارے میں حضرت مرزا صاحب کی پوزیشن بھی خدا جانے کب تک متنازعہ فیہ چلی جائے۔ بہرحال یہ مسئلہ کہ آپ کا دعوےٰ کیا ہے اور کیا نہیں ہے۔ اس وقت ہمارا موضوع سخن نہیں ہے۔ آپ کے دعوےٰ کو کوئی شخص کسی بھی نام سے نامزد کرے اصل دعوےٰ آپ کا خدا کی طرف سے مامور ہونے کا تھا۔ اگر آپ دعوےٰ مامور من اللہ میں سچے ہوں تو پھر اس کا کوئی شخص کوئی سا نام بھی رکھدے کسی اعتراض اور تنازعہ کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جب آپ سچے مامور من اللہ ثابت ہو گئے تو ہر دعوےٰ قابلِ قبول ہوگا۔

مخالفین کا کہنا ہے کہ آپ مامور من اللہ ہونے کے دعوےٰ میں سچے نہیں تھے۔ ہم کہتے ہیں اگر آپ اس دعوےٰ میں سچے نہیں تھے تو پھر تین ہی صورتیں ممکن ہو سکتی ہیں یعنے یہ کہ آپ کے اس دعوےٰ کا سبب

۱- افتراء اور بناوٹ ہو
۲- یا خرابیٔ دماغ اور پاگل پن ہو
۳- یا غلطی اور غلط فہمی پر مبنی ہو۔

ان تین صورتوں کے علاوہ چوتھی کوئی صورت ممکن نہیں۔ مخالف علماء کو مندرجہ بالا تیسری صورت تسلیم نہیں لہذا وہ بھی خارج از بحث ٹھہری۔ قابلِ غور صرف پہلی اور دوسری صورتیں رہ جاتی ہیں۔

**پہلی صورت - افتراء اور بناوٹ** } واقعاتِ عالمِ انسانی اور انسانی عقل و خرد کا مشاہدہ اور تجربہ پر مبنی یہ قطعی فیصلہ اور فتوےٰ ہے کہ ایک مفتری اور بناوٹ بنانے والے کے لئے ہرگز ممکن نہیں کہ وہ بلا استثنا اپنے سب مخاطبین کو اپنا مخالف بنا ڈالے۔ اگر ایک حصہ کو مخالف بنائے گا تو دوسرے حصہ کو ساتھ ملانے اور ہمنوا بنانے کی بات کرے گا۔ افتراء و بناوٹ کا یہ لازمی تقاضا ہے۔ صرف خدا کے سچے ماموروں کا یہ کردار ہے کہ وہ حق کے بالمقابل ساری دنیا کی پرواہ نہیں کرتے۔ اب حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کی زندگی پر نظر ڈالو۔ کہ انہوں نے اپنے سب مخاطبوں کو عیسائیوں اور آریوں کو۔ سناتنی ہندوؤں اور سکھوں کو۔ برہموؤں دیو سماجیوں اور نیچریوں کو دہریوں اور ملحدوں کو۔ مسلمانوں اور مسلمان علماء کو غلطی خوردہ گمراہ اور جادۂ حق و ثواب سے دور قرار دے کر یک قلم اپنا مخالف اور دشمن بنا لیا۔ دشمن بھی ایسے کہ جانی دشمن۔ مفتریوں کی مانند کسی قسم کی بناوٹ اختیار نہیں کی۔ کیا یہ کردار کسی مفتری اور بناوٹی کا ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ تاریخ عالم میں کسی مفتری کی ایسی مثال ڈھونڈے سے نہ ملے گی۔ ہاں خدا کے سچے ماموروں کی اس قسم کی مثالوں سے تاریخ بھرپور ہے۔

پھر جن افراد نے آپ کو ماننے پر آمادگی ظاہر کی اور آپ کی جماعت میں شامل ہونا چاہا انہیں دنیاوی طور پر کچھ بھی دینے کی تحریص نہ دی بلکہ جانی اور مالی قربانیاں طلب کیں۔ وہ پتھروں سے شہید کئے جاتے۔ جانوں سے مارے جاتے۔ جائدادوں سے لوٹے جاتے۔ بائیکاٹوں سے تنگ کئے جاتے اور آپ ان کی کچھ بھی مدد نہ کر سکتے۔ کیا یہ کسی مفتری یا بناوٹی کا اثر اور کام ہے؟ مزید براں آپ، اپنے ماننے والوں کو کسی آزادی اور عیش و عشرت کا لالچ نہ دیتے بلکہ اپنی جماعت میں شامل کرنے کے لئے نہایت ہی کڑی شرائط عائد کرتے۔ پڑھو اور اپنی ضمیروں کو ٹٹولو! فرماتے ہیں:-

> "یہ مت خیال کرو کہ ہم نے ظاہری طور پر بیعت کر لی ہے۔ ظاہر کچھ چیز نہیں۔ خدا تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔ اور اسی کے موافق تم سے معاملہ کرے گا۔ دیکھو میں یہ کہکر فرض تبلیغ سے سبکدوش ہوتا ہوں کہ گناہ ایک زہر ہے اس کو مت کھاؤ خدا کی نافرمانی ایک گندی موت ہے اس سے بچو۔ دعا کرو تا تمہیں طاقت ملے۔
>
> جو شخص دعا کے وقت خدا کو ہر ایک بات پر قادر نہیں سمجھتا بجز وعدۂ الٰہی کی مستثنیات وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص دنیا کے لالچ میں پھنسا ہوا ہے اور آخرت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم نہیں سمجھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔
>
> جو شخص پورے طور پر ہر ایک بدی سے اور ہر ایک بدعملی سے یعنی شراب سے قمار بازی سے بدنظری سے اور خیانت سے اور رشوت سے اور ہر ایک ناجائز تصرف سے توبہ نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں۔ جو شخص پنجگانہ نماز کا التزام نہیں کرتا وہ میری

جماعت میں سے نہیں ہے جو شخص دُعا میں لگا نہیں رہتا اور انکسار سے خدا کو یاد نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص بد رفیق کو نہیں چھوڑتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔

جو شخص اپنے ماں باپ کی عزت نہیں کرتا اور امور معروفہ میں جو قرآن کے خلاف نہیں ہیں ان کی بات کو نہیں مانتا وہ میری جماعت میں سے نہیں۔ جو شخص اپنی اہلیہ اور اس کے اقارب سے نرمی اور احسان کے ساتھ برتاؤ نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں۔ جو شخص اپنے ہمسایہ کو ادنیٰ خیر سے بھی محروم رکھتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے ہر ایک مرد جو بیوی سے یا بیوی خاوند سے خیانت سے پیش آتی ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔

ہر ایک زانی۔ فاسق۔ شرابی۔ خونی۔ چور۔ قمار باز۔ خائن۔ مرتشی۔ غاصب۔ ظالم۔ دروغگو۔ جعلساز اور ان کا ہمنشین میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ اپنے بھائیوں اور بہنوں پر تہمتیں لگانے والا جو اپنے افعال شنیعہ سے توبہ نہیں کرتا اور خراب مجلسوں کو نہیں چھوڑتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ یہ سب زہریں ہیں تم ان زہروں کو کھا کر کسی طرح بچ نہیں سکتے"

(کشتیٔ نوح صفحہ ۱۷-۱۸)

کسی شخص کے دل میں ذرّہ بھی مادہ انصاف و دیانت داری ہو تو وہ غور کرے ایک طرف تمام مخاطبوں کو مخالف اور دشمن بنا لینا اور دوسری طرف اپنی جماعت میں شمولیت اختیار کرنے والوں کے لئے ایسی کڑی شرائط اور ہدایات مقرر و لازم قرار دینا کیا کسی مفتری اور بناوٹ بنانے والے کا کام ہے؟ یقیناً ناممکن اور محال ہے اور جو امر مستلزم محال ہو وہ بھی محال ہوتا ہے۔ پس حضرت مرزا صاحب کے خلاف افتراء اور بناوٹ کا الزام بطالت کا شاہکار ہے کیا مولانا مودودی اور غلام احمد پرویز میں یہ ہمت۔ حوصلہ اور جرأت ہے کہ وہ مذکورہ بالا گناہوں اور افعال و اعمال کا ارتکاب کرنے والوں کو اپنی جماعتوں ڈولوں اور اصلاحی دائرہ سے خارج قرار دیں۔ وہ کبھی ایسا کر ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ حضرت مرزا صاحب خدا کے مامور ہیں انہیں خدا کے سوا کسی کا خوف نہیں مگر ان افراد کو لوگوں کا خوف لاحق ہے۔ پس افتراء اور بناوٹ کا الزام اگر لگ سکتا ہے تو مولانا مودودی پر لگ سکتا ہے جو لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے اور اپنا ہمنوا بنانے کے لئے

(۱) تقیہ اور توریہ ایسے نظریئے قرآن کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

(۲) حسبِ ضرورت جھوٹ بول کر کام لے لینے کا جواز قرآن کریم سے نکالتے ہیں۔

(۳) حضرت داؤد علیہ السلام کا اپنے ایک ملازم کی بیوی پر مائل ہو کر اسے طلاق دینے پر مجبور کر دینے کا مسئلہ قرآن کریم سے پیدا کرتے ہیں۔

(۴) حضرت یوسف علیہ السلام کا چوری کے ایک الزام کو قائم کرنے کی سازش میں شریک ہونا قرآن کریم سے اخذ کرتے ہیں۔

اور یا افتراء و بناوٹ کا الزام غلام احمد پرویز پر عاید ہو سکتا ہے جو خود سر اور بے راہ دینی قیود و پابندیوں سے آزادی پسند لوگوں کو اپنا ہمنوا بنانے کے لئے

(۱) خدا کو مردہ نما بتا کر سب اختیار انسانوں کے ہاتھ میں دیتے ہیں۔

(۲) دین کی رُوحانی قدروں سے انکار کر کے اسے صرف دُنیاداری تک محدود کرتے ہیں۔

(۳) دین کا مقصد اخلاقیات و روحانیات سے ہٹا کر صرف حکومت بنانا بتلاتے ہیں۔

(۴) قرآن و حدیث میں مندرجہ احکاماتِ دینیہ کو حسبِ ضرورت تبدیل کر لینا جائز بلکہ ضروری قرار دیتے ہیں۔

پس مفتریوں اور بناوٹ بنانے والوں کا کام اور کردار یہ ہوتا ہے نہ وہ جو حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کا تھا۔ آپ کے کردار کی مثال خدا کے سچے ماموروں میں ملتی ہے مفتریوں میں نہیں۔ اور آپ کی ذات و وجود اور متعلقہ واقعات۔ حضور آقائے نامدار حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے حالات کی یادگار کو تازہ کرتے ہیں۔ لہٰذا آپ کے خلاف افتراء اور بناوٹ کا الزام بدیہی البطلان ہے۔

## دوسری صورت۔ خرابیٔ دماغ اور پاگل پن

(ا) یہ الزام لگا کر جو اکثر ماموریں الٰہی پر ان کے مخالفوں کی طرف سے لگایا جاتا رہا ہے مخالفین خود اپنی زبان سے اپنے جھوٹے ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ ہر دو الزام باہم متضاد اور متناقض ہیں۔ جو شخص مفتری اور بناوٹ کرنے والا ہو وہ خرابیٔ دماغ اور پاگل پن کا مریض نہیں ہو سکتا۔ اور جو خرابیٔ دماغ یا پاگل پن کا شکار ہو وہ افتراء اور بناوٹ کرنے والا نہیں ہو سکتا۔ یہ دونوں باتیں بیک وقت ایک ہی شخص میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ ایسا ہونا غیر ممکن اور محالاتِ عقلی میں سے ہے۔

(ب) یہ الزام حضرت مرزا صاحب کی طرف صرف وہی شخص منسوب کر سکتا ہے جو کسی وجہ اور سبب سے

(۱) عقل کا دشمن ہو یا

(۲) آپ کی تحریرات سے ناواقف ہو

کیونکہ صداقتِ اسلام کے اثبات اور غیر الاسلام دینوں کے ابطال میں جن علمی اور عقلی دلائل و براہین ساطعہ و قاطعہ اور حقائق و معارف قرآنیہ پر آپ کی تحریریں مشتمل ہیں اس کی نظیر تیرہ سو سال گذشتہ میں کہیں نہیں ملتی۔ علمی عقلی۔ اخلاقی اور رُوحانی طور پر ایسے خادمِ دین اور بلند مقام انسان پر جو شخص الزام لگاتا ہے یقینی طور پر وہ اگر دشمنِ عقل و خرد نہیں۔ ناواقف اور بے علم بھی نہیں تو خود خرابیٔ دماغ اور پاگل پن کا لاچار مریض ضرور ہے۔

(ج) یہ الزام نیا اور انوکھا نہیں۔ خدا کے اکثر ماموریں پر لگایا گیا حتّٰی کہ آخر الانبیاء خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی مخالفین نے یہ الزام عائد کیا تھا۔ ہم حضرت مرزا صاحب پر یہ الزام لگانے والوں کے سامنے مرزا صاحب کے ہمعصر مسلم اکابرین کی آرا اور بیانات رکھتے ہیں جو انہوں نے اس وقت کے مُسلم اخبارات کے صفحات پر اظہارٌ للحق اپنی قلموں سے ثبت کئے۔ یہ اکابر افراد احمدی نہ تھے بلکہ بعض عقاید میں آپ سے صریح اختلاف رکھتے تھے ملاحظہ ہو:۔

(۱) "وہ شخص بہت بڑا شخص جس کا قلم سحر تھا اور زبان جادو وہ شخص جو دماغی عجائبات کا مجسمہ تھا۔ جس کی نظر فتنہ اور آواز حشر تھی جس کی انگلیوں سے انقلاب کے تار اُلجھے ہوئے تھے اور جس کی دو مٹھیاں بجلی کی دو بیٹریاں تھیں وہ شخص جو مذہبی دُنیا کے لئے تیس برس تک زلزلہ اور طوفان بنا رہا اور شورِ قیامت ہو کے خفتگانِ خوابِ ہستی کو بیدار کرتا رہا خالی ہاتھ دنیا سے اُٹھ گیا"

(اخبار الوکیل امرتسر مئی ۱۹۰۸ء)

(۲) "ان کی یہ خصُوصیت کہ وہ اسلام کے برخلاف ایک فتح نصیب جرنل کا فرض پورا کرتے رہے ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس احساس کا کھُلم کھُلا اعتراف کیا جائے تاکہ وہ مہتم بالشان تحریک جس نے ہمارے دشمنوں کو عرصہ تک پست و پامال بنائے رکھا آئندہ بھی جاری رہے۔" (اخبار الوکیل امرتسر مئی ۱۹۰۸ء)

(۳) "مرزا صاحب کی یہ خدمت آنے والی نسلوں کو گرانبار احسان رکھے گی کہ انہوں نے قلمی جہاد کرنے والوں کی پہلی صف میں شامل ہو کر اسلام کی طرف سے فرض مدافعت ادا کیا اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا جو اس وقت تک کہ مسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون رہے اور حمایت اسلام کا جذبہ اُن کے شعار قومی کا عنوان قومی نظر آئے قائم رہے گا۔ اس کے علاوہ آریہ سماج کی زہریلی کچلیاں توڑنے میں مرزا صاحب نے اسلام کی بہت خاص خدمت انجام دی ہے۔ ان کی آریہ سماج کے مقابلہ کی تحریروں سے اس دعوے پر نہایت صاف روشنی پڑتی ہے کہ آئندہ ہماری مدافعت کا سلسلہ خواہ کسی درجہ تک وسیع ہو جائے ناممکن ہے کہ یہ تحریریں نظر انداز کی جا سکیں"

(اخبار مذکور)

(۴) "ذہانت۔ مشق و مہارت اور مسلسل بحث و مباحثہ کی عادت نے مرزا صاحب میں ایک شانِ خاص پیدا کر دی تھی۔ اپنے مذہب کے علاوہ مذاہب غیر پر ان کی نظر نہایت وسیع تھی اور وہ اپنی ان معلومات کا نہایت سلیقہ سے استعمال کر سکتے تھے۔ تبلیغ و تحقیق کا یہ ملکہ ان میں پیدا ہو گیا تھا کہ مخاطب کسی قابلیت یا کسی مشرب و ملت کا ہو ان کے برجستہ جواب سے ایک دفعہ ضرور گہرے فکر میں پڑ جاتا تھا" (اخبار مذکور)

(۵) "ہندوستان آج مذاہب کا عجائب خانہ ہے اور جس کثرت سے چھوٹے بڑے مذاہب یہاں موجود ہیں اور باہمی کشمکش سے اپنی موجودگی کا اعلان کرتے رہتے ہیں اس کی نظیر غالباً دنیا میں کسی جگہ سے نہیں مل سکتی۔ مرزا صاحب کا دعوےٰ تھا کہ میں ان سب کے لئے حکم و عدل ہوں لیکن اس میں کلام نہیں کہ ان مختلف مذاہب کے مقابل پر اسلام کو نمایاں کر دینے کی ان میں مخصوص قابلیت تھی۔ آئندہ امید نہیں کہ ہندوستان کی مذہبی دنیا میں اس شان کا شخص پیدا ہو گا۔"

(اخبار مذکور)

(۶) "اگرچہ مرزا صاحب نے علوم مروّجہ اور دینیات کی باقاعدہ تعلیم نہیں پائی تھی مگر ان کی زندگی اور زندگی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک خاص فطرت لے کر پیدا ہوئے تھے جو ہر کس و ناکس کو نصیب نہیں ہو سکتی انہوں نے اپنے مطالعہ اور فطرت سلیم کی مدد سے مذہبی لٹریچر پر کافی عبور حاصل کیا اور ۱۸۷۷ء کے قریب جبکہ ان کی عمر ۳۵، ۳۶ سال کی تھی ہم ان کو غیر معمولی مذہبی جوش میں سرشار پاتے ہیں وہ ایک سچے اور پاکباز مسلمان کی طرح زندگی بسر کرتا ہے اس کا دل دنیوی کششوں سے غیر متاثر ہے۔ اسلام اپنے گہرے رنگ کے ساتھ اس پر چھایا ہوا ہے۔" (اخبار مذکور)

(۷) "غیر مذاہب کی تردید میں اور اسلام کی حمایت میں جو نادر کتابیں اُنہوں نے تصنیف کیں تھیں ان کے مطالعہ سے جو وجد پیدا ہوا وہ اب تک نہیں اُترا ہے۔ ان کی کتاب براہینِ احمدیہ نے غیر مسلموں کو مرعوب کر دیا اور اسلامیوں کے دل بڑھا دیئے۔ اس تصنیف نے کم از کم ہندوستان کی حد میں دنیا میں ایک گونج پیدا کر دی جس کی صدائے بازگشت ہمارے کانوں میں اب تک آ رہی ہے۔" (اخبار مذکور)

(۸) "کیریکٹر کے لحاظ سے مرزا صاحب کے دامن پر سیاہی کا چھوٹا سا دھبہ بھی نظر نہیں آتا وہ ایک پاکباز جینا جیا۔ اور اس نے ایک متقی کی زندگی بسر کی۔ غرضیکہ مرزا صاحب کی ابتدائی زندگی کے پچاس سال نے بلحاظ اخلاق و عادات اور پسندیدہ اطوار اور کیا بلحاظ خدمات حمایت دین مسلمانانِ ہند میں ان کو ممتاز برگزیدہ اور قابلِ رشک مرتبہ پر پہنچا دیا۔" (اخبار مذکور)

(۹) "مرزا صاحب نے اپنی پُر زور تقریروں اور شاندار تصانیف سے مخالفین اسلام کے اُن لچر اعتراضات کے دندان شکن جواب دے کر ہمیشہ کے لئے ساکت کر دیا ہے اور ثابت کر دکھایا ہے کہ حق حق ہی ہے اور واقعی مرزا صاحب نے حق حمایت اسلام کما حقہٗ ادا کر کے خدمتِ دینِ اسلام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ انصاف متقاضی ہے کہ ایسے اولوالعزم حامیٔ اسلام اور معین المسلمین، فاضل اجل، عالم بے بدل کی ناگہانی اور بے وقت موت پر افسوس کیا جائے"

(اخبار صادق الاخبار)

(۱۰) "مرزا صاحب مرحوم نہایت مقدس اور برگزیدہ بزرگ تھے اور نیکی کی ایسی قوت رکھتے تھے جو سخت سے سخت دلوں کو تسخیر کر لیتی تھی۔ وہ نہایت باخبر عالم، بلند ہمت مصلح اور پاک زندگی کا نمونہ تھے۔ ہم اُنہیں مذہباً مسیح موعود نہیں مانتے تھے لیکن ان کی ہدایت اور رہنمائی مُردہ دلوں کے لئے واقعی مسیحائی تھی۔" (اخبار تہذیب النسواں)

(۱۱) "مرحوم کی وہ اعلیٰ خدمات جو اُس نے آریوں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں اسلام کی کی ہیں وہ واقعی بہت ہی تعریف کی مستحق ہیں اُس نے مناظرہ کا بالکل رنگ ہی بدل دیا اور ایک جدید لٹریچر کی بنیاد ہندوستان میں قائم کر دی۔ نہ بحیثیت مسلمان بلکہ ایک محقق ہونے کے ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ کسی بڑے سے بڑے آریہ اور بڑے سے بڑے پادری کو یہ مجال نہ تھی کہ وہ مرحوم کے مقابلہ میں زبان کھول سکتا۔" (اخبار کرزن گزٹ دہلی۔ یکم جون ۱۹۰۸ء)

(۱۲) "جو بے نظیر کتابیں آریوں اور عیسائیوں کی رد میں لکھی گئیں ہیں اور جیسے دندان شکن جواب مخالفین اسلام کو دیئے گئے آج تک معقولیت سے ان کا جواب الجواب ہم نے تو نہیں دیکھا سوائے اس کے کہ آریہ نہایت بد تہذیبی سے اسلام یا پیشوایانِ اسلام یا اُصولِ اسلام کو گالیاں دیں کوئی معقول جواب نہ اب تک دیا نہ دے سکتے ہیں۔"

(اخبار مذکور)

(۱۳) "اگرچہ مرحوم پنجابی تھا مگر اس کے قلم میں اس قدر قوت تھی کہ آج سارے پنجاب بلکہ سارے ہندوستان میں بھی اس قوت کا لکھنے والا نہیں۔ ایک پُر جذبہ اور قوی الفاظ کا انبار اس کے دماغ میں بھرا رہتا تھا۔ اور جب وہ لکھنے بیٹھتا تو نپے تُلے الفاظ کی ایسی آمد ہوتی تھی کہ بیان سے باہر ہے۔" (اخبار مذکور)

(۱۴) "اگرچہ مرحوم کے اُردو علم ادب میں بعض بعض مقامات پر پنجابی رنگ اپنا جلوہ دکھا دیتا ہے تو بھی اس کا پُر زور لٹریچر اپنی شان میں بالکل نرالا ہے۔ اور واقعی اس کی بعض بعض عبارتیں پڑھنے سے ایک وجد کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے۔" (اخبار مذکور)

(۱۵) "اس کے مریدوں میں عامی جاہل آدمی نہیں ہیں بلکہ قابل اور لائق گریجوایٹ یعنی بی۔ اے۔ ایم۔ اے اور بڑے بڑے فاضل اور مولوی بھی ہیں۔ موجودہ زمانہ کے ایک مذہبی پیشوا کے لئے یہ کچھ کم فخر کا باعث نہیں کہ قدیم و جدید (دونوں قسم کے) تعلیم یافتہ اس کے مرید بن جائیں۔ اس نے ہلاکت کی پیشگوئیوں، مخالفتوں اور نکتہ چینیوں کی آگ میں سے ہو کر اپنا راستہ صاف کیا اور ترقی کے انتہائی عروج تک پہنچ گیا۔ اس کے ہر دعوے پر اس کے مریدوں کی طرف سے آمنّا و صدقنا کی صدائیں بلند ہوتی تھیں اور ان آوازوں سے ہر شخص یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ مرحوم کو اس کی زندگی میں کتنی کامیابی نصیب ہوئی تھی۔"

(اخبار کرزن گزٹ مذکور)

(باقی بر صفحہ ۸ کالم نمبر ۲)

جناب ممتاز احمد فاروقی صاحب۔ اسلام آباد

# حضرت عیسیٰؑ کشمیر میں

محترم جناب میاں ممتاز احمد صاحب فاروقی اسلام آباد سے تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

جیسا کہ آپ احباب کو علم ہے میں نے حضرت عیسٰےؑ کے کشمیر میں (واقعہ صلیب کے بعد) آنے اور اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو تبلیغ کرنے اور پھر ۱۲۰ سال کی عمر میں فوت ہو جانے اور محلہ خانیار سری نگر میں دفن کئے جانے کا حال اور کوائف اپنی کتاب "کسرِ صلیب" (اُردو) اور "کرمبلنگ آف دی کراس" (انگریزی) میں تاریخی طور پر ثابت کئے ہیں۔ حضرت عیسٰےؑ کے ہندوستان اور کشمیر میں آنے کے متعلق سب سے پہلے حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی کتاب "مسیح ہندوستان میں" کے ذریعہ دنیا کو بتلایا تھا۔ اس کے بعد اور بہت ریسرچ ہوئی ہے اور نئے حالات دریافت ہوئے ہیں۔ جن کا ذکر خواجہ نذیر احمد مرحوم کی کتاب جیسز ان ہیون آن ارتھ، (انگریزی) میں تفصیلاً کیا گیا ہے۔ مگر حضرت عیسیٰؑ کے مقدس کفن کے متعلق تحقیقات کا ذکر میں نے اپنی مذکورہ بالا کتاب میں تفصیلاً کیا ہے۔ ان سب کتابوں کی اشاعت سے تعلیم یافتہ لوگوں میں اندرون ملک اور بیرون ملک ایک دلچسپی اور جستجو پیدا ہو گئی۔ میں نے اپنی انگریزی کی کتاب کے صفحہ ۱۸ پر ایک صاحب پروفیسر ایف ایچ حسنین (کشمیر یونیورسٹی) کے متعلق ذکر کیا ہے کہ وہ بھی اس ریسرچ میں کافی دلچسپی لے رہے ہیں اور مضامین بھی لکھ رہے ہیں۔ انہوں نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ محلہ خان یار میں "یوز آصف" نبی (جو کہ حضرت عیسٰےؑ ہیں) کی قبر کو سرکاری طور پر کھدوا کر دیکھا جائے تو ضرور مزید ثبوت مہیا ہو سکیں گے کہ یہ حضرت عیسٰےؑ کی قبر ہے اگر یہ ثابت ہو جائے تو پولس کا بنا کردہ عیسائی گرجا دھڑام سے زمین پر آ رہے گا۔ اور ایک ہلچل عیسائی دنیا میں مچ جائے گی۔

بہرحال میں نے پروفیسر حسنین صاحب سے خط و کتابت شروع کی۔ اور ان کا ایک تفصیلی اور معلومات سے پُر خط آیا ہے جس سے اس متنازعہ فیہ امر پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ اور یہ نظریہ یقین میں بدل جاتا ہے۔ ویسے ۱۴ اپریل کے پاکستان ٹائمز (راولپنڈی) میں ایک خبر چھپی تھی۔ جو کہ تھاپول (سوئٹزرلینڈ) سے شائع ہوئی ہے۔ وہاں کے ایک سوئس (SWISS) سائنسدان نے اعلان کیا ہے کہ وہ یہ امر ثابت کر سکتا ہے۔ کہ جو مقدس کفن ملک اٹلی کے شہر ٹیورن (TURIN) میں ایک گرجا گھر میں محفوظ رکھا ہے وہ حقیقتاً وہی کفن ہے جس میں صلیب سے اتارے جانے کے بعد حضرت عیسٰےؑ کے جسم کو لپیٹا گیا تھا۔ کیونکہ اس کفن کے کپڑے میں ان پودوں اور پھولوں کے پولن (POLON) کے ذرات کپڑے میں جذب ہو گئے ہیں جو کہ فلسطین میں (صلیب کے واقعہ کے زمانے میں) اُگتے تھے۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ کفن کا کپڑا بعد میں بنایا گیا کیونکہ ان پولن کے ذرات کو کپڑے میں جذب کرواتے کا کس کو خیال آ سکتا تھا۔ مگر چونکہ مسیح کا کفن زمین پر بچھایا گیا تھا اس لئے پولن کے ذرات اس میں جذب ہو گئے اس سائنسدان نے اس کا ثبوت یہ دیا ہے کہ فلسطین کی جھیل گلیلی (GOLILEE) کی تہ میں منجمد کیچڑ کو کھود کر اس صلیب کے زمانے کی مٹی کی تہ کا نمونہ لے کر جب اس کا تجزیہ کیا گیا تو وہ کفن کے پولن کے ذرات کی طرح کے پولن ذرات رکھتا تھا۔ ویسے جیسا کہ میں نے اپنی انگریزی کتاب میں ذکر کیا ہے اس کفن کے کپڑے کی اصلیت کی تصدیق ایک سے زیادہ عیسائی مذہب کے رہنما پوپوں نے بھی کی ہے۔ عیسائی گرجا کا ڈھانچا ریت پر کھڑا ہے اور اس میں زلزلہ آ رہا ہے۔

پروفیسر حسنین صاحب نے اپنے خط میں بعض بہت دلچسپ اور اہم حالات کا ذکر کیا ہے جن کو مختصراً میں بیان کرتا ہوں :۔

پروفیسر صاحب کے الفاظ میں :

(۱) بیس سال کا عرصہ ہوا کہ ایک موسم سرما میں سفر کے دوران لداخ کے دارالخلافہ لیہ (LEH) میں مجھے مجبوراً کئی دن تک ٹھہرنا پڑا اور وقت گذارنے کے لئے لائبریری سے کتابیں لے کر پڑھنے کا خیال آیا۔ اس جگہ صرف ایک ہی کام کی لائبریری مرووین عیسائی مشن (MPROVIAN MISSION) کی تھی۔ وہاں میں نے جرمن زبان کے بہت سے مسودے لکھے ہوئے دیکھے جو کہ پرانی ڈائریاں تھیں۔ ان میں سے ایک ڈائری ڈاکٹر مارکس (MARX) کی ملی جس کے صفحات ۱۱۸ اور ۱۱۹ پر ۱۸۹۰ء کے حالات لکھے ہوئے تھے۔ اس میں روسی سیاح نکولس نوٹووچ کے سفر لداخ کے حالات لکھے تھے کہ کس طرح وہ ہیمس (HEMIS) کے بدھ مذہب کی خانقاہ میں ٹھہرا اور تبتی زبان کے نوشتوں کو پڑھ کر ان کا ترجمہ کروایا۔ اور ان میں حضرت عیسٰےؑ کے سفر کے دوران اس راہب خانے میں ٹھہرنے اور بات چیت کا ذکر تھا۔ میں نے (پروفیسر صاحب) ان دو صفحات کے فوٹو لئے اور سری نگر واپس آ کر حضرت عیسٰےؑ کے سفرِ کشمیر اور یوز آسف نبی کے مقبرے کے متعلق تحقیقات شروع کر دی۔ اور کچھ عجیب انکشافات ہوئے۔

(۲) نسطورین (NESTORIAN) عیسائی پہلی صدی عیسوی میں ملک شام سے ہجرت کر کے کشمیر کی طرف آئے اور لداخ میں ٹنگ ٹسی (TANGTSE) کے مقام پر قیام پذیر ہوئے انہوں نے عبرانی زبان میں بڑے بڑے کتبوں پر اپنے حالات کندہ کئے اور ان پر ایک خاص سینٹ جارجین طرز کی صلیب کا نشان (☩) بھی بنا ہوا ہے۔ یہاں ایک عجیب اتفاق ہوتا ہے۔ پروفیسر صاحب کو اپنی تحقیقات کے دوران اس قسم کی ایک صلیب (لکڑی کی بنی ہوئی) یوز آسف کے مقبرے میں دستیاب ہوئی۔ اس کا ایک فوٹو انہوں نے ہورزو (HORZU) جرمن میگزین کے دسمبر۔ جنوری ۱۹۷۶ء نمبر میں شائع کروا دیا ہے۔

(۳) پھر پروفیسر صاحب کو یوز آسف مقبرے کے اندر ایک پتھر کی سل ملی جس پر دو انسانی پاؤں کے نقش کندہ ہیں جن میں دونوں پاؤں میں زخم اور کیلوں کے نشان ہیں (جو کہ صلیب دیتے وقت لگائے جاتے تھے) وہ نشان اس طرح ہیں (👣)۔

(۴) پھر پروفیسر صاحب نے ایک پرانی دستاویز سے اس گفتگو کے الفاظ دریافت کئے ہیں جو کہ حضرت عیسٰےؑ نے اپنی کشمیر کی آمد پر وہاں ایک ہندو راجہ سے کی تھی۔ اس میں ہندوؤں کی زبان میں "ایشورا پترم" (یعنی خدا کا بیٹا) کے الفاظ ہیں۔

(۵) پھر اسی دستاویز سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسٰےؑ نے کشمیر میں شادی شدہ زندگی بسر کی اور ان کی اولاد بھی تھی۔ اس اولاد میں سے یعنی ان کی نسل سے اب بھی ایک شخص "بشارت سلیم" کشمیر میں موجود ہے۔

(۶) پروفیسر صاحب کو بعض ایسی پتھر کی سلیں ملی ہیں جن پر یہودی بادشاہوں اور ان کی ملکاؤں کا ذکر ہے۔ یہ بھی کشمیر سے ہی دستیاب ہوئی ہیں۔

(۷) موجودہ کشمیری نسل کے لوگوں کے خون کا تجزیہ یا کیمیاوی امتحان کروایا گیا تو ان میں اوسطاً ۲۹ فی صدی یہودیوں والی نسل (SEMITIC) کا خون پایا گیا۔

پروفیسر صاحب ان سب حالات اور انکشافات کے موضوع پر ایک کتاب بھی تصنیف کر رہے ہیں۔ ان کے مضامین انگریزی اور جرمن اور اسپینش زبانوں کے رسالوں میں چھپتے رہے ہیں۔ انہوں نے مجھے لکھا کہ میں اور دوسرے احباب بھی ان کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کو تندرستی کے ساتھ عمر دراز دے

((باقی بر صفحہ ۸ کالم ۲))

مکرم راجہ عبدالمجید صاحب چھکسی ضلع ملتان

# عقیدہ بعثتِ مجددین قرآن کریم، احادیثِ رسول صلعم اور تعامل اولیائے اُمت کے عین مطابق ہے۔

## چودھویں صدی کا مجدد جس نے مسیح موعود ہو کر آنا تھا۔ اب تک کیوں نہیں آیا؟

## احادیث نبویؐ، اناجیل و تورات میں مسیح کی آمد ثانی اور اہلِ ہنود کی کتب مقدسہ میں کلنکی اوتار اور رودر گوپال کی پیشگوئیاں اور نشانات

قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ نے اور رسولِ کریم صلعم نے اپنی اُمت کی راہنمائی اور تائید دین کا جو راستہ یا ذریعہ تبلایا ہے اس کا ذکر قرآن کریم میں سورۃ نور کی آیت ۵۵ میں آیا ہے جو اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں سے کیا ہے جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں۔ فرماتا ہے:۔

"وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضٰی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم اَمناً یعبدوننی لا یشرکون بی شیئاً ومن کفر بعد ذالک فاولٰئک ھم الفاسقون ۝

اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا۔ جیسا انہیں خلیفہ بنایا جو اُن سے پہلے تھے اور وہ ان کے لئے دین کو جو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے مضبوطی سے قائم کر دے گا اور وہ ان کے لئے ان کے خوف کے بعد بدل کر امن (کی حالت) کر دے گا وہ میری عبادت کریں گے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے اور جو کوئی اس کے بعد کفر کرے تو وہی فاسق ہوں گے (سورۃ نور آیت ۵۴-۵۵)

اور رسول کریم نے اس کی تائید مندرجہ ذیل احادیث سے کی ہے:۔

(۱) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان اللہ یبعث لھٰذہ الامۃ علےٰ راس کلّ مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔ (ابو داؤد۔ کتاب الفتن جلد ۲ صفحہ ۲۴۱)

ترجمہ: ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا اللہ تعالےٰ اس اُمّت کے لئے ہر صدی کے سر پر ایک شخص کو پیدا کرے گا جو اس کے دین کی تجدید کرے گا۔

(۲) لقد کان فیمن کان من قبلکم رجال یکلّمون من غیر ان یکونوا انبیاء۔

کہ تم سے پہلے ایسے لوگ ہو گذرے ہیں جو مکالمۂ الٰہیہ پاتے تھے باوجود اس کے کہ نبی نہ تھے۔

رسولِ کریم کے بعد گذشتہ تیرہ صدیوں میں اللہ تعالےٰ دینِ اسلام اور شریعت محمدی کے تحفظ اور تجدید کے لئے ہر صدی میں مجدد مبعوث فرماتے رہے ہیں۔ گذشتہ تیرہ صدیوں کے مجددین کے ناموں کی فہرست نواب صدیق حسن خاں بھوپال نے اپنی کتاب حجج الکرامہ میں شائع کی ہے۔ اس کے مطابق ذیل میں ان تیرہ بزرگانِ دین کے نام درج ذیل ہیں:

| | صدی | مجدد | صفحہ |
|---|---|---|---|
| (۱) | پہلی صدی ہجری | حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ | صفحہ ۱۲۵ |
| (۲) | دوسری صدی ہجری | " " امام شافعی و حنبل " " " | " ۱۳۶ |
| (۳) | تیسری " " | " " ابو شرح و ابوالحسن اشعری " | " ۱۳۶ |
| (۴) | چوتھی " " | " " ابو عبید نیشاپوری / " " قاضی ابوبکر باقلانی | " ۱۳۶ |
| (۵) | پانچویں " " | " " امام غزالی | " ۱۳۶ |
| (۶) | چھٹی " " | " " سید عبدالقادر گیلانی | " ۱۳۶ |
| (۷) | ساتویں " " | " " معین الدین چشتی و امام تیمیہ " | " ۱۳۶ |
| (۸) | آٹھویں " " | " " حافظ ابن حجر عسقلانی و حضرت صالح بن عمر ...... | " ۱۳۶ |
| (۹) | نویں " " | " " سید محمد جونپوری ...... | " ۱۳۷ |
| (۱۰) | دسویں " " | " " امام جلال الدین سیوطی ...... | " ۱۳۸ |
| (۱۱) | گیارہویں " " | " " مجدد الف ثانی ...... | " ۱۳۸ |
| (۱۲) | بارہویں " " | " " شاہ ولی اللہ محدث دہلوی " | " ۱۳۹ |
| (۱۳) | تیرھویں " " | " " سید احمد بریلوی ...... | " ۱۳۹ |

ان عظیم الشان بزرگوں کی صداقت اور راستبازی اُمّت میں مسلم ہے اور ان کو مجدد اور محدث ماننے والے اب تک اس اُمّت میں موجود ہیں۔ ان راستباز بزرگوں نے قرآن کریم کے حکم اور حدیث نبوی کے تحت مجددیت کا دعوےٰ کر کے قرآن کریم اور حدیث کی صداقت کی تصدیق کی ہے۔ جس سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ یہ تجدید کا سلسلہ قیامت تک اُمت میں جاری رہے گا۔ غور کا مقام ہے جب گذشتہ تیرہ صدیوں میں مجدد آتے رہے ہیں تو چودھویں صدی جو خاتمہ کے قریب ہے جس کے ۹۵ سال گذر چکے ہیں کوئی مجدد کیوں نہیں آیا؟ حالانکہ چودھویں صدی کے متعلق مسلمان بزرگوں کی پیشگوئیاں بھی موجود ہیں کہ چودھویں صدی کا مجدد مسیح اور مہدی ہوگا۔

(۱) نواب صدیق حسن خاں بھوپال نے اپنی کتاب حجج الکرامہ ص ۳۹ پر لکھا ہے:۔

" بر سرِ مائۃ چہاردہم کہ دہ سال کامل آنرا باقیست اگر ظہور مہدی علیہ السلام و نزول عیسےٰ صورت گرفت پس ایشاں مجدد و مجتہد باشد"

"چودھویں صدی کے سر پر جس میں دس سال باقی ہیں اگر مہدی اور عیسےٰ آئے تو وہ ہی اس صدی کے مجدد اور مجتہد ہوں گے۔"

(۲) شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ مجدد صدی بارہویں نے مہدی کی پیدائش کا وقت تیرھویں ہجری بتایا ہے۔

(۳) خواجہ حسن نظامی اپنی کتاب "ظہور مہدی" میں لکھتے ہیں کہ شیخ سنوسی اور دوسرے بزرگ عرب اور شام کے اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ مہدی چودھویں صدی ہجری میں ظاہر ہوگا۔

## اسمعوا صوت السماء جاء المسیح جاء المسیح

(کلام حضرت مسیح موعود)

کیوں عجب کرتے ہو گر میں آگیا ہو کر مسیح
خود مسیحائی کا دم بھرتی ہے یہ بادِ بہار
آسماں پر دعوتِ حق کے لئے اِک جوش ہے
ہو رہا ہے نیک طبعوں پر فرشتوں کا اُتار
آ رہا ہے اس طرف احرار یورپ کا مزاج
نبض پھر چلنے لگی مُردوں کی ناگہ زندہ وار
کہتے ہیں تثلیث کو اَب اہلِ دانش الوداع
پھر ہوئے ہیں چشمۂ توحید پر از جاں نثار
باغ میں مِلّت کے ہے کوئی گُلِ رعنا کھلا
آئی ہے بادِ صبا گلزار سے مستانہ وار
آ رہی ہے اَب تو خوشبو میرے یُوسف کی مجھے
گو کہو دیوانہ مَیں کرتا ہوں اُس کا انتظار
ہر طرف ہر مُلک میں ہے بُت پرستی کا زوال
کچھ نہیں انساں پرستی کو کوئی عزّ و وقار
آسماں سے ہے چلی توحیدِ خالق کی ہوا
دِل ہمارے ساتھ ہیں گو منہ کریں بک بک ہزار
اسمعوا صوت السماء جاء المسیح جاء المسیح
نیز بشنو از زمیں آمد امام کامگار
آسماں بارد نشاں الوقت میگوید زمیں
ایں دو شاہد از پئے من نعرہ زن چوں بیقرار
اَب اسی گلشن میں لوگو راحت و آرام ہے
وقت ہے جلد آؤ اے آوارگانِ دشتِ خار
اِک زماں کے بعد اب آئی ہے یہ ٹھنڈی ہوا
پھر خُدا جانے کہ کب آویں یہ دِن اور یہ بہار
کون روتا ہے کہ جس سے آسماں بھی رو پڑا
مہر و مہ کی آنکھ غم سے ہو گئی تاریک و تار
غیر کیا جانے کہ دلبر سے ہمیں کیا جوڑ ہے
وہ ہمارا ہو گیا اُس کے ہوئے ہم جاں نثار

## در عشقِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

(کلام حضرت مسیح موعود)

چُوں زمن آید ثنائے سرورِ عالی تبار
عاجز از مدحش زمین و آسمان و ہر دو دار
آں مقامِ قُرب کو دارد بدلدارِ قدیم
کس نداند شانِ آں از واصلانِ کردگار
آں عنایتہا کہ محبُوبِ ازل دارد بدو
کس بخوابے ہم ندیدہ مثلِ آں اندر دیار
سرورِ خاصانِ حق شاہ گروہِ عاشقاں
آنکہ روحش کرد طے ہر منزلِ وصلِ نگار
آں مبارک پے کہ آمد ذاتِ با آیاتِ او
رحمتے زاں ذاتِ عالم پرور پروردگار
آنکہ دارد قربِ خاص اندر جنابِ پاکِ حق
آنکہ شانِ او نفہمد کس ز خاصان دکبار
احمدِ آخر زماں کو اوّلیں را جائے فخر
آخریں را مقتدا و ملجاؤ کہف و حصار
ہست درگاہِ بزرگش کشتیٔ عالم پناہ
کس نگردد روزِ محشر جز پناہش رستگار
از ہمہ چیزے فزوں تر در ہمہ نوعِ کمال
آسماں ہا پیشِ اوجِ ہمّت او ذرّہ وار
مظہرِ نُورے کہ پنہاں بود از عہدِ ازل
مطلعِ شمسے کہ بود از ابتداء در استتار
صدرِ بزمِ آسماں و حجۃُ اللہ بر زمیں
ذاتِ خالق را نشانے بس بزرگ و استوار
ہر رگ و تارِ وجودش خانۂ یارِ ازل
ہر دم و ہر ذرّہ اش پُر از جمالِ دوستدار
حُسنِ رُوئے اُو بہ از صد آفتاب و ماہتاب
خاکِ کُوئے او بہ از صد نافۂ مُشکِ تتار
ہست او از عقل و فکر و وہمِ مردم دُور تر
کے مجالِ فکر تا آں بحرِ ناپیدا کنار

"پہلا مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عرب کی اصلاح تھی اور عرب کا مُلک اس زمانہ میں ایسی حالت میں تھا کہ بمشکل کہہ سکتے ہیں کہ وہ انسان تھے۔ کونسی بدی تھی جو اُن میں نہ تھی اور کونسا شرک تھا جو اُن میں رائج نہ تھا چوری کرنا ڈاکہ مارنا ان کا کام تھا اور ناحق کا خون کرنا ان کے نزدیک ایک ایسا معمولی کام تھا۔ جیسا کہ ایک چیونٹی کو پیروں تلے کچل دیا جائے۔ یتیموں کو قتل کر کے ان کا مال کھا لیتے تھے۔ لڑکیوں کو زندہ بگور کرتے تھے۔ زنا کاری کے ساتھ فخر کرتے۔ اور علانیہ اپنے قصیدوں میں ان گندی باتوں کا ذکر کرتے تھے۔ شراب خوری اس قوم میں کثرت سے تھی کہ کوئی گھر بھی شراب سے خالی نہ تھا۔ اور قمار بازی میں سب مُلکوں سے آگے بڑھے ہوئے تھے۔ حیوانوں کی عار تھی۔ اور سانپوں اور بھیڑیوں کی ننگ۔

پھر جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اصلاح کے لئے کھڑے ہوئے اور اپنی باطنی توجہ سے انکے دلوں کو صاف کرنا چاہا تو ان میں تھوڑے ہی دنوں میں ایسی تبدیلی پیدا ہو گئی کہ وہ وحشیانہ حالت سے انسان بنے۔ اور پھر انسان سے مہذّب انسان اور مہذّب انسان سے باخدا انسان۔ اور آخر خدا تعالےٰ کی محبت میں ایسے محو ہو گئے کہ انہوں نے ایک بے حس عضو کی طرح ہر ایک دکھ کو برداشت کیا۔ وہ انواع اقسام کی تکالیف سے عذاب دیئے گئے۔ اور سخت بیدردی سے تازیانوں سے مارے گئے۔ اور جلتی ہوئی ریت میں لٹائے گئے اور قید کئے گئے۔ اور بھوکے پیاسے رکھ کر ہلاکت تک پہنچائے گئے مگر انہوں نے ہر ایک مصیبت کے وقت آگے قدم رکھا۔ اور بہتیرے ان میں سے ایسے تھے کہ ان کے سامنے ان کے بچے قتل کئے گئے اور بہتیرے ایسے تھے کہ بچوں کے سامنے وہ سُولی دیئے گئے اور جس صدق سے انہوں نے خدا کی راہ میں جانیں دیں۔ اس کا تصوّر کر کے رونا آتا ہے۔ اگر ان کے دلوں پر یہ خدا کا تصرف اور اسکے نبی کی توجہ کا اثر نہ تھا۔ تو پھر وہ کیا چیز تھی جس نے ان کو اسلام کی طرف کھینچ لیا۔ اور خوق العادت تبدیلی پیدا کر کے ان کو ایسے شخص کے آستانہ پر گرنے کی رغبت دی کہ جو بیکس اور مسکین اور بے زری کی حالت میں مکّہ کی گلیوں میں اکیلا اور تنہا پھرتا تھا۔ آخر کوئی رُوحانی طاقت تھی جو اُن کو سفلی مقام سے اُٹھا کر اُوپر کو لے گئی۔ اور عجیب تر بات یہ ہے کہ اکثر ان کے کُفر کی حالت میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے جانی دشمن اور آنجناب کے خُون کے پیاسے تھے۔ پس میں تو اس سے بڑھ کر کوئی معجزہ نہیں سمجھتا کہ کیونکر ایک غریب مفلس، تنہا بیکس نے ان کے دلوں کو ہر ایک کینہ سے پاک کر کے اپنی طرف کھینچ لیا۔ یہاں تک کہ وہ فخریہ لباس پھینک کر اور ٹاٹ پہن کر خدمت میں حاضر ہو گئے۔"

(حضرت مسیح موعودؑ)
(پیغام صلح)

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

(۴) مولوی محمد حسین بٹالوی اپنے اخبار "اشاعت السنہ" جلد ۶ نمبر ۳ صفحہ ۶۱ پر لکھتے ہیں کہ:۔

"پچھلے علماء نے مسیح نے دوبارہ آمد کا وقت چودھویں صدی قرار دیا ہے"

(۵) حدیث النعماشیہ کے صفحہ ۳۵ میں لکھا ہے:۔

"مہدی ۱۳۰۷ھ میں ظاہر ہوگا" (نوٹ ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۸۹ء ہے)

(۶) ولی نعمت اللہ صاحبؒ جو دلی میں گذرے ہیں نے اپنے ایک قصیدہ میں رسول کریمؐ کے بارہ سو سال بعد ایک امام کے آنے کا وقت بتایا ہے وہ امام اپنے وقت کا مسیح اور مہدی ہوگا۔

(۷) حافظ برخوردار خاں ایک بزرگ سیالکوٹ کے رہنے والے اپنے ایک پنجابی شعر میں لکھتے ہیں ؎

پچھے ہزار سال دے گذرے تریسے سال
عیسےٰ ظاہر ہوسیا کرسی عدل کمال

(۸) رسولِ کریم صلعم نے اس بارے میں جو نشان دہی کی ہے دیکھئے دارقطنی جلد ۸ صفحہ ۱۸۶۔ ترجمہ:۔

"مہدی کے آنے کے دو نشان ایسے ہیں جب سے دنیا ہوئی زمین اور آسمان پر واقعہ نہیں ہوئے۔ ایک نشان یہ ہے کہ رمضان کے مہینہ میں چاند گرہن ۱۳ تاریخ کو ہوگا جو چاند گرہن کی تاریخوں میں پہلی تاریخ ہے اور دوسرا نشان اسی رمضان میں سورج گرہن ہوگا ۲۸ر تاریخ کو جو سورج گرہن کی تاریخوں میں درمیانی تاریخ ہے۔ چنانچہ اس حدیث کے مطابق ۱۸۹۳ء کے رمضان میں چاند اور سورج گرہن واقع ہوا۔

(۹) امام جعفر صاحب جو شیعہ تھے انہوں نے بھی اپنی کتاب اکمال دین صفحہ ۳۶۱ پر لکھا ہے کہ مہدی کی آمد کے دو نشان ہیں جو دس نشانوں کا وزن رکھتے ہیں اور وہ سورج اور چاند گرہن ہیں۔ جب سے آدم ہوا اس وقت سے اب تک اس کرہ پر ایسے نشان نہیں ہوئے۔

نوٹ:۔ چاند گرہن ہمیشہ چاند کی ۱۳-۱۴-۱۵ کو لگتا ہے جب چاند پورا روشن ہوتا ہے اور سورج گرہن چاند کی ۲۷-۲۸-۲۹ تاریخ کو لگتا ہے۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے نشان کے مطابق چودھویں صدی میں ۱۳۱۱ھ ہجری جو مطابق ۱۸۹۳ء کو رمضان میں چاند گرہن ۱۳ تاریخ اور سورج گرہن ۲۸ر تاریخ کو لگ چکا ہے لہذا رسول کریمؐ کے فرمودہ کے مطابق مسیح کے دوبارہ آنے کا وقت رمضان میں چاند اور سورج گرہن کے ساتھ منسلک تھا۔ یعنی مسیح لازمی طور پر دوبارہ ۱۳۱۱ھ میں یعنی چودھویں صدی میں آنا تھا۔ ایسے ہی عیسائیوں کی کتابوں سے بھی یسوع مسیح کی دوبارہ آمد کا وقت ۱۸۹۰ء سے ۱۹۰۰ء تک کا بتلایا جاتا ہے۔ بلکہ ۱۸۹۰ء سے ۱۹۰۰ء تک عیسائی خود بھی بڑے شدومد سے یسوع کی دوبارہ آمد کے انتظار میں تھے۔ اس وقت ان کے اخبار اور رسالے مسیح کی آمد ثانی ۱۹۰۰ء تک آنا بیان کرتے رہے ہیں۔ مگر ۱۹۰۰ء گذرنے کے بعد اب کوئی نام بھی نہیں لیتا کہ مسیح نے آنا ہے۔ Old Testament, Book of Danial Chap. 12-11-12

ترجمہ: مسیح کی دوبارہ آمد یہودیوں کی روزانہ رسم قربانی سوختنی کے خاتمہ کے ۱۲۹۰ سال بعد ہوگی

(۱) نوٹ۔ یہ قربانی چھٹی صدی میں ختم ہوئی اس کے ۱۲۹۰ سال بعد ۱۸۹۰ء بنتا ہے اور یہ مطابق ۱۳۰۸ھ ہے یعنی شروع چودھویں صدی

(۲) اخبار فری تھنکر لندن ۷ر اکتوبر ۱۹۰۰ء میں یہ خبر شائع ہوئی کہ عام انتخابات ممبرانِ پارلیمنٹ کے وقت ایک سیلنٹ سے جو مقام اسلنگن کا باشندہ تھا۔ جب رائے لینے والے نے دریافت کیا تو اس نے رائے نہ دی اور نہایت سنجیدگی سے جواب نہ دینے کی وجہ بیان کی کہ اس سال

- - - - - - - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - - - - - - -

کے خاتمہ سے پہلے مسیح کی دوبارہ آمد کا دن آنے والا ہے یہ باتیں اب سب فضول ہیں"

(۳) ایسا ہی کتاب ہز گلوریس ایپرنگ مطبوعہ لنڈن رسالہ کرائسس سیکنڈ کمنگ مطبوعہ لنڈن صفحہ ۱۵۔ اور رسالہ دی کمنگ تھت لارڈ مطبوعہ لنڈن صفحہ ۱ میں مسیح کی آمد ثانی کی نسبت ذیل میں دی ہوئی عبارتیں شائع ہوئیں:۔

"اب عنقریب دنیا میں ایک نہایت عظیم الشان واقعہ ہونے والا ہے۔ وہ واقعہ ہمارے خداوند یسوع کے دوبارہ آنے کا ہے"

"نشانات پورے ہوگئے ہیں۔ وہ بعثت آگئی ہے۔ مسیح کا آنا بہت قریب ہے۔ کیا ہی شان و شوکت اور جلال کا آنا ہے۔"

اوپر دیئے ہوئے حوالجات سے ثابت ہوتا ہے کہ چودھویں صدی میں ایک امام نے ضرور آنا تھا جس کو مسیح اور مہدی کہا گیا ہے۔ مسلمان اور عیسائی دونوں ہی مسیح کی دوبارہ آنے کو مانتے ہیں۔ اور دونوں کی کتابوں میں مسیح کے آنے کا وقت چودھویں صدی کا شروع بتایا گیا ہے۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کی کتابوں میں جو نشانات مسیح کی آمد ثانی کے تھے وہ سب کے سب پورے ہو چکے ہیں۔ عیسائیوں کی اکثریت تو مایوس ہو چکی ہے۔ جس طرح یسوع مسیح کی دوبارہ آمد کا وعدہ دیا گیا ہے۔ اسی طرح یہودی بھی ملاکی نبی کی پیشین گوئی کے مطابق ایلیاس نبی کا انتظار کر رہے ہیں۔ جب حضرت عیسےٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف نبی مبعوث ہو کر آئے اور نبوت کا دعوےٰ کیا۔ تو یہودیوں نے ان کو کہا کہ تو کیسے مسیح بن کر آ گیا ہے۔ ہمیں تو ملاکی نبی نے اپنے صحیفہ میں خبر دی تھی۔ کہ مسیح سے پہلے ایلیاس نبی دوبارہ دنیا میں آئے گا۔ اس سوال کے جواب میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے خدا تعالےٰ سے خبر پا کر کہا کہ ایلیاس نبی جس کے دوبارہ دنیا میں آنے کا وعدہ تھا وہ یوحنا نبی ہے۔ جیسا کہ انجیل متی ۱۷ باب آیت ۱۰-۱۱-۱۲- میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایلیاس دنیا میں دوبارہ آگیا۔ لیکن لوگوں نے اس کو پہچانا نہیں۔ اور خود اپنی آمد ثانی کو ایلیاس نبی کی آمد ثانی سے مشابہت دے دی اور ایلیاس نبی کے متعلق فرمایا کہ یوحنا کو ہی ایلیاس سمجھ لو۔ یہودیوں نے اس تاویل کو منظور نہ کیا وہ ایلیاس کا آسمان سے ظاہرا اترنا مانتے تھے اور اس تاویل پر جو مسیح نے کی ان کے دشمن ہو گئے اور ان کی یہی دشمنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب تک لے گئی۔ یہودی سمجھتے ہیں کہ آسمان سے اترنے کا پہلا نمبر ایلیاس کا ہے۔ اس کے بعد حضرت عیسےٰ بنی اسرائیل کی طرف نبی ہو کر آویں گے۔ اور ان کے چھ سو سال بعد "وہ نبی" آئے گا۔ ان کے سامنے ایلیاس نبی آسمان سے اترے نہیں، اس لئے انہوں نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام اور ان کے چھ سو سال بعد "وہ نبی" کا انکار کیا۔ یہودی اگر عیسےٰ علیہ السلام کی اس تاویل کو مان لیتے جو انہوں نے خدا سے خبر پا کر کی تھی تو نہ ہی وہ اتنے لمبے انتظار میں پڑتے اور نہ ہی دو نبیوں کا انکار کر کے خدا کے نزدیک مجرم ٹھہرتے۔ یہودی تو غلط فہمی کا شکار ہو چکے ہیں اور قیامت تک ایلیاس نبی کا انتظار کرتے رہیں گے۔ اور خدا کی بتائی ہوئی تاویل کے انکار کی سزا بھگتتے رہیں گے۔ اور اس تاویل کا انکار ہی ان کے لئے باعث خرابی ہوا۔

(۱) عیسائیوں کے امریکن مشن نے ۱۸۸۹ء میں ایک کتاب ........ (MILLENIUM DAWN) شائع کی جس میں مسیح کی آمد ثانی کا وقت چودھویں صدی ہجری کا شروع بتایا۔

"Since the creation of Adam upto 1872 is completed a period of six thousand years, and after 1872 is completed we enter in essentially in the seventh thousand

"the earlier part of which is the time the second coming of christ"
(Our Lord's Return in 1900)

---

اس مشن نے ایک اور کتاب شائع کی جس میں

"That we are now living in the same time of Christ and that the Lord shell come surreptitiously as does thief in the dark night."

(۲) ہندوؤں میں بھی کلنکی اوتار کا آنا مانا جاتا ہے۔ ان کے شاستروں میں لکھا ہے۔ کہ جب "کل جگ" آوے گا۔ یعنی جب دھرم جاتا رہے گا اس وقت کرشن جی مہاراج کالکی اوتار کے بھیس میں دھرم کی رکھشا کے لئے آویں گے۔ اور دنیا میں ایسی جگہ سے ظاہر ہوں گے جو ہندوؤں کی امیدوں کے برعکس ہوگی۔ اور عام لوگ ان کو پہچان نہ سکیں گے۔ چودھویں صدی ہجری کے شروع میں ہی "کل جگ" کا آنا مانتے ہیں۔

(۳) سکھوں میں بھی مہدی میر کا آنا مانا جاتا ہے۔ جنم ساکھی بھائی بالا جو منشی گلاب سنگھ نے ۱۹۲۸ سن "نانک شاہی" میں شائع ہوئی صفحہ ۵۲۸
"وقت آتا ہے کہ لوگ عبادت اور روزے چھوڑ دیں گے۔ جھوٹ فریب عام ہوگا۔ مزاروں۔ مندروں اور پیروں کی پوجا ہوگی۔ اس وقت خدا سچا ماضی اور حال کا علم رکھنے والا دنیا میں لوگوں کی درستی کے لئے اوتار بھیجے گا۔ جو مسلمان اور صاحب الہام ہوگا۔ لیکن اس کو بہت تھوڑے لوگ پہچان سکیں گے۔ وہ دھرم کو دنیا پر مقدم کرے گا۔ اس کی تحریک مرے گی نہیں بلکہ سب دنیا میں پھیل جاوے گی۔"

پھر صفحہ ۲۴۲ دیکھیں لکھا ہے:۔
"مغلوں کی حکومت ۱۵۷۸ سے ۱۸۹۷ بکرمی سن تک رہے گی۔ اس وقت ان میں سے ایک آدمی خدا کی طرف سے آوے گا۔"

گورو گوبند سنگھ صاحب کے دسویں گرنتھ باب ۲۴ میں:۔
"جب دنیا میں دھرم نہیں رہے گا تو خدا 'مہدی میر' کو بھیجے گا۔ جو تمام دنیا میں راستی کا مذہب پھیلائے گا اور مذہب کی تجدید کا کام اس کے آنے سے مکمل ہوگا۔ اس کا آنا چوبیس اوتاروں کے آنے کو پورا کرے گا۔"

گرنتھ صاحب محلہ ۷ جھولنا:۔
"چاند اور سورج کو جب گرہن لگے گا۔ اس وقت ایک اور اوتار آوے گا۔"

(۴) مسلمانوں میں بھی مسیح کا آسمان سے آنا مانا جاتا ہے۔ اور وقت چودھویں صدی کا بتایا جاتا ہے۔ رسول کریمؐ نے حدیث میں رمضان کے مہینہ میں چاند اور سورج گرہن خاص تاریخ یعنی چاند کو چاند کی تیرہ تاریخ اور سورج کو چاند کی ۲۸ تاریخ گرہن لگنے کا نشان مسیح کی آمد ثانی کا نشان بتلایا ہے۔ جو شروع چودھویں صدی میں لگ چکا ہے۔

**مسلمان** - ہندو - سکھ عیسائی چاروں کا ہی اس پر اتفاق ہے کہ چودھویں صدی کے شروع میں کوئی عظیم انسان آسمان سے دنیا کی درستی کے لئے آوے گا۔ مسلمانوں عیسائیوں اور سکھوں میں آنے والا کے نشان کے طور پر سورج اور چاند گرہن لگنا لکھا ہے۔ ہندو کہتے ہیں کہ کل جگ میں آوے گا۔ "کل جگ" کا زمانہ بھی چودھویں صدی کے شروع ہی بتا ہے۔ چاروں اتفاق کرتے ہیں کہ آنے والے کسی ایسی جگہ سے ظاہر ہوگا جو لوگوں کی امیدوں کے خلاف ہوگا اور اس کو بہت کم لوگ پہچانیں گے۔ چاروں ہی مانتے ہیں وہ آسمان سے اترے گا۔

عیسائیوں کے لئے تو حضرت عیسٰے علیہ السلام خود ہی بتا گئے ہیں کہ ایلیاس نبی آسمان سے نہیں اترے گا بلکہ اس کی خو بو پر یوحنا نبی آ گیا اور اپنے متعلق بھی کہہ گئے کہ میری آمد ثانی کو بھی ایلیاس کی آمد ثانی سے مشابہت ہے یعنی میری بھی خو بو کا کوئی اور آوے گا۔ وہ تو ہٹ دھرمی سے انتظار کرتے ہیں۔ حضرت مسیح کے فرمان کے مطابق وہ بھی تاویل کر سکتے ہیں ویسے حضرت عیسٰے علیہ السلام اور ان کے حواریوں کے بعد ان میں صاحب الہام کوئی نہیں ہوا۔ ہندوؤں میں مدت مدید سے کسی نے صاحب الہام ہونے کا دعوے نہیں کیا۔ سکھوں کا فرقہ حضرت گورو نانک صاحب سے شروع ہوا اور بہت لوگ ان کو مسلمان مانتے ہیں۔ جس کا ثبوت ڈیرہ بابا نانک کے گوردوارہ میں ان کا چولا جس پر قرآن کی آیات لکھی ہوئی ہیں۔ اور فیروز پور گوردوارہ میں پوتھی صاحب رکھی ہے جس کی تلاوت بابا صاحب کرتے تھے۔ قرآن کریم ہے۔ اور گرنتھ صاحب میں گورو بابا صاحب نے فرمایا ہے:۔ کہ آنے والا "مسلمان اور مغل ہوگا"۔ گورو گوبند سنگھ صاحب نے کہا ہے کہ "مہدی میر" آوے گا۔

**حضرت** آدم سے لے کر آج تک کسی کے آسمان سے اترنے کی نظیر نہیں ملتی۔ حضرت آدم کے بعد جو نظیر قائم ہے۔ وہ یہی ہے۔ تمام دنیا میں جو بھی نبی۔ اولیاء اوتار آئے سبھی کی پیدائش اسی دنیا میں ماں کے پیٹ سے ہوئی۔ رسول مقبول صلعم نے آ کر دنیا میں جو آخری اعلان کیا۔ وہ یہی ہے۔ کہ دین اسلام ہی سچا مذہب ہے۔ میں آخری نبی ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ قرآن کریم شریعت کی آخری کتاب ہے۔ میں سب دنیا یعنی سب ملکوں اور قوموں کے لئے رسول ہوں۔ اور اس اعلان پر چودہ سو سال گزر چکے ہیں کسی نے نبی کا دعوے نہیں کیا۔ اب اگر دنیا میں لوگ مذہب سے بیزار ہوں تو ان کی درستی کے لئے اسی مذہب اسلام میں سے ہی کوئی آ سکتا ہے۔ اور اسلام میں جو دین کی تجدید کا انتظام ہے وہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ قرآن کریم اور حدیث خلفاء کا یعنی مجددین کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں۔ جس کے مطابق گذشتہ تیرہ صدیوں میں مجدد آتے رہے۔ اور چودھویں صدی کے شروع میں تمام دنیا میں صرف ایک ہی آدمی ہے۔ جس نے چودھویں صدی کے شروع میں اعلان کیا کہ میں اللہ تعالٰے کی طرف سے چودھویں صدی کا مجدد ہوں۔ اور یہ بھی فرمایا۔ کہ میں مسلمانوں کے لئے مجدد ہوں۔ ہندوؤں کے لئے اوتار، سکھوں کے لئے مہدی میر اور عیسائیوں اور یہودیوں کے لئے مسیح اور مہدی ہوں۔ مسلمانوں میں سے مجدد اور مسیح موعود ہونے کی تصدیق اس وقت کے اولیاء اللہ جن کے اسماء گرامی (۱) حضرت خواجہ غلام فرید چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں کی:۔

"میں آپ کو مطلع کرتا ہوں کہ بلاشبہ آپ کے نیک حال کا معترف ہوں کہ آپ خدا کے صالح بندوں میں سے ہیں۔" دعا ہے کہ اللہ تعالٰے کی مہربانی سے کوئی سبب پیدا ہو اور وہ مبارک گھڑی آوے۔ کہ جسمانی دوری اور طویل سفر کا نقاب درمیان سے اٹھ جاوے"

(۲) حضرت سید اشہدالدین صاحب العلم (المعروف پیر جھنڈے والا سندھی):۔
"میں نے رسول کو عالم کشف میں دیکھا پس میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ شخص جو مسیح موعود ہونے کا دعوے کرتا ہے۔ کیا یہ جھوٹا اور مفتری ہے۔ یا صادق ہے۔ پس رسول اللہ نے فرمایا "وہ صادق ہے اور خدا تعالٰے کی طرف سے ہے"۔ پس میں نے سمجھ لیا کہ آپ حق پر ہیں۔ اب بعد اس کے ہم آپ کے امور میں شک نہیں کریں گے اور آپ کی شان میں ہمیں کچھ شبہ نہ ہوگا۔ اور جو کچھ آپ فرماویں گے ہم وہی کریں گے پس اگر آپ یہی کہیں کہ ہم امریکہ جاویں تو ہم وہیں جاویں گے اور ہم نے اپنے تئیں آپ کے حوالے کر دیا۔ اور انشاء اللہ آپ فرمانبردار پائیں گے۔"

(۴) مولوی محمد حسین بٹالوی اپنے اخبار "اشاعت السنہ" جلد ۶ نمبر ۳ صفحہ ۶۱ پر لکھتے ہیں کہ :۔

" پچھلے علماء نے مسیح نے دوبارہ آمد کا وقت چودھویں صدی قرار دیا ہے "

(۵) حدیث الغاشیہ کے صفحہ ۳۵ میں لکھا ہے :۔

" مہدی ۱۳۰۷ھ میں ظاہر ہوگا۔" نوٹ ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۸۹ء ہے)

(۶) نعمت اللہ ولی صاحبؒ جو دلی میں گذرے ہیں نے اپنے ایک قصیدہ میں رسول کریمؐ کے بارہ سو سال بعد ایک امام کے آنے کا وقت بتایا ہے وہ امام اپنے وقت کا مسیح اور مہدی ہوگا۔

(۷) حافظ برخوردار خاں ایک بزرگ سیالکوٹ کے رہنے والے اپنے ایک پنجابی شعر میں لکھتے ہیں ؎

پچھے ہزار سال دے گذرے تریسے سال
عیسے ظاہر ہوسیا کرسی عدل کمال

(۸) رسول کریم صلعم نے اس بارے میں جو نشان دہی کی ہے دیکھئے دارقطنی جلد ۸ صفحہ ۱۸۶۔ ترجمہ :۔

"مہدی کے آنے کے دو نشان ایسے ہیں جب سے دنیا ہوئی زمین اور آسمان پر واقعہ نہیں ہوئے۔ ایک نشان یہ ہے کہ رمضان کے مہینہ میں چاند گرہن ۱۳ تاریخ کو ہوگا جو چاند گرہن کی تاریخوں میں پہلی تاریخ ہے اور دوسرا نشان اسی رمضان میں سورج گرہن ہوگا ۲۸ تاریخ کو جو سورج گرہن کی تاریخوں میں درمیانی تاریخ ہے۔ چنانچہ اس حدیث کے مطابق ۱۸۹۴ء کے رمضان میں چاند اور سورج گرہن واقع ہوا۔

(۹) امام جعفر صاحب جو شیعہ تھے انہوں نے بھی اپنی کتاب اکمال دین صفحہ ۳۶۱ پر لکھا ہے کہ مہدی کی آمد کے دو نشان ہیں جو دس نشانوں کا وزن رکھتے ہیں اور وہ سورج اور چاند گرہن ہیں۔ جب سے آدم ہوا اس وقت سے اب تک اس کرہ پر ایسے نشان نہیں ہوئے۔

نوٹ :۔ چاند گرہن ہمیشہ چاند کی ۱۳-۱۴-۱۵ کو لگتا ہے جب چاند پورا روشن ہوتا ہے اور سورج گرہن چاند کی ۲۷-۲۸-۲۹ تاریخ کو لگتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے نشان کے مطابق چودھویں صدی میں ۱۳۱۱ھ ہجری جو مطابق ۱۸۹۴ء کو رمضان میں چاند گرہن ۱۳ تاریخ اور سورج گرہن ۲۸ تاریخ کو لگ چکا ہے لہذا رسول کریمؐ کے فرمودہ کے مطابق مسیح کے دوبارہ آنے کا وقت رمضان میں چاند اور سورج گرہن کے ساتھ منسلک تھا۔ یعنی مسیح لازمی طور پہ دوبارہ ۱۳۱۱ھ میں یعنی چودھویں صدی میں آنا تھا۔ ایسے ہی عیسائیوں کی کتابوں سے بھی یسوع مسیح کی دوبارہ آمد کا وقت ۱۸۹۰ء سے سن ۱۹۰۰ء تک کا بتلایا جاتا ہے۔ بلکہ ۱۸۹۰ء سے ۱۹۰۰ء تک عیسائی خود بھی بڑے شد و مد سے یسوع کی دوبارہ آمد کے انتظار میں تھے۔ اس وقت ان کے اخبار اور رسالے مسیح کی آمد ثانی سن ۱۹۰۰ء تک آنا بیان کرتے رہے ہیں۔ مگر سن ۱۹۰۰ء گذرنے کے بعد اب کوئی نام بھی نہیں لیتا کہ مسیح نے آنا ہے۔ Old Testament, Book of Danial Chap. 12-11-12

ترجمہ: مسیح کی دوبارہ آمد یہودیوں کی روزانہ رسم قربانی موقوفی کے خاتمہ کے ۱۲۹۰ سال بعد ہوگی

کے خاتمہ سے پہلے مسیح کی دوبارہ آمد کا دن آنے والا ہے یہ باتیں سب فضول ہیں "

(۳) ایسا ہی کتاب ہز گلوریس ایپرنگ مطبوعہ لنڈن رسالہ کرائسس سیکنا مطبوعہ لندن صفحہ ۱۵۔ اور رسالہ دی کمنگ آف لارڈ مطبوعہ لنڈن ۵ میں مسیح کی آمد ثانی کی نسبت ذیل میں دی ہوئی عبارتیں شائع ہوئیں :۔

" اب عنقریب دنیا میں ایک نہایت عظیم الشان واقعہ ہونے والا۔ وہ واقعہ ہمارے خداوند یسوع کے دوبارہ آنے کا ہے "

" نشانات پورے ہوگئے ہیں۔ وہ بعثت آگئی ہے مسیح کا آنا بہت ہے۔ کیا ہی شان و شوکت اور جلال کا آنا ہے۔ "

اوپر دیئے ہوئے حوالجات سے ثابت ہوتا ہے کہ چودھویں صدی میں ایک نے ضرور آنا تھا جس کو مسیح اور مہدی کہا گیا ہے۔ مسلمان اور عیسائی دونوں ؛ کی دوبارہ آنے کو مانتے ہیں۔ اور دونوں کی کتابوں میں مسیح کے آنے کا وقت چودھویں صدی کا شروع بتایا گیا ہے۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کی کتابوں میں نشانات مسیح کی آمد ثانی کے تھے وہ سب کے سب پورے ہو چکے عیسائیوں کی اکثریت تو مایوس ہو چکی ہے۔ جس طرح یسوع مسیح کی دوبارہ کا وعدہ دیا گیا ہے۔ اسی طرح یہودی بھی ملاکی نبی کی پیشین گوئی کے م ایلیاس نبی کا انتظار کر رہے ہیں۔ جب حضرت عیسےٰ علیہ السلام بنی کی طرف نبی مبعوث ہو کر آئے اور نبوت کا دعوےٰ کیا۔ تو یہودیوں ان کو کہا کہ تو کیسے مسیح بن کر آگیا ہے۔ ہمیں تو ملاکی نبی نے اپنے صحیفہ خبر دی تھی۔ کہ مسیح سے پہلے ایلیاس نبی دوبارہ دنیا میں آئے گا۔ اس کے جواب میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے خدا تعالےٰ سے خبر پاکر کہا کہ جس نبی کے دوبارہ دنیا میں آنے کا وعدہ تھا وہ یوحنا نبی ہے۔ جیسا کہ انجیل متی باب آیت ۱۰-۱۱-۱۲- میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایلیاس دنیا میں آگیا۔ لیکن لوگوں نے اس کو پہچانا نہیں۔ اور خود اپنی آمد ثانی کو ایلیاس آمد ثانی سے مشابہت دے دی اور ایلیاس نبی کے متعلق فرمایا کہ یہی ایلیاس سمجھ لو۔ یہودیوں نے اس تاویل کو منظور نہ کیا وہ ایلیاس کا آسمان سے ظاہرا اترنا مانتے تھے اور اس تاویل پر جو مسیح نے کی ان کے ہو گئے اور ان کی یہی دشمنی حضرت عیسٰی علیہ السلام کو صلیب تک لے یہودی سمجھتے ہیں کہ آسمان سے اُترنے کا پہلا نمبر ایلیاس کا ہے۔ اس کے حضرت عیسےٰ بنی اسرائیل کی طرف نبی ہو کر آویں گے۔ اور ان کے چھ سال بعد "وہ نبی" آئے گا۔ ان کے سامنے ایلیاس نبی آسمان سے اُترے نہیں لئے اُنہوں نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام اور ان کے چھ سو سال بعد "وہ نبی" کا کیا۔ یہودی اگر عیسےٰ علیہ السلام کی اس تاویل کو مان لیتے جو انہوں نے خدا خبر پاکر کی تھی تو نہ ہی وہ اتنے لمبے انتظار میں پڑتے اور نہ ہی دو نبیوں انکار کرکے خدا کے نزدیک مجرم ٹھہرتے۔ یہودی تو غلط فہمی کا شکار ہو۔ اور قیامت تک ایلیاس نبی کا انتظار کرتے رہیں گے۔ اور خدا کی بتائی ہوئی تا انکار کی سزا بھگتتے رہیں گے۔ اور اس تاویل کا انکار ہی ان کے لئے باعث خرابی ہوا۔

(۱) عیسائیوں کے امریکن مشن نے ۱۸۸۹ء میں ایک کتاب . . . .

the earlier part of which is the time the second coming of Christ"
(Our Lord's Return in 1900)

---

اس مشن نے ایک اور کتاب شائع کی جس میں

"that we are now living in the same time of Christ and that the Lord shell come surreptitiously as does thief in the dark night."

(۲) ہندوؤں میں بھی کلنکی اوتار کا آنا مانا جاتا ہے۔ ان کے شاستروں میں لکھا ہے۔ کہ جب "کل جگ" آوے گا۔ یعنی جب دھرم جاتا رہے گا اس وقت کرشن جی مہاراج کالکی اوتار کے بھیس میں دھرم کی رکھشا کے لئے آویں گے۔ اور دنیا میں ایسی جگہ سے ظاہر ہوں گے جو ہندوؤں کی امیدوں کے برعکس ہوگی۔ اور عام لوگ ان کو پہچان نہ سکیں گے۔ چودھویں صدی ہجری کے شروع میں ہی "کل جگ" کا آنا مانتے ہیں۔

(۳) سکھوں میں بھی مہدی میر کا آنا مانا جاتا ہے۔ جنم ساکھی بھائی بالا جو منشی گلاب سنگھ نے ۱۹۴۸ سن "نانک شاہی" میں شائع ہوئی صفحہ ۵۲۷

"وقت آتا ہے کہ لوگ عبادت اور روزے چھوڑ دیں گے۔ جھوٹ فریب عام ہوگا۔ مزاروں۔ مندروں اور پیروں کی پوجا ہوگی۔ اس وقت خدا سچا ماضی اور حال کا علم رکھنے والا دنیا میں لوگوں کی درستی کے لئے اوتار بھیجے گا۔ جو مسلمان اور صاحب الہام ہوگا۔ لیکن اس کو بہت تھوڑے لوگ پہچان سکیں گے۔ وہ دھرم کو دنیا پر مقدم کرے گا۔ اس کی تحریک مرے گی نہیں بلکہ سب دنیا میں پھیل جاوے گی۔"

پھر صفحہ ۲۷۲ دیکھیں لکھا ہے:۔

"مغلوں کی حکومت ۱۵۷۸ سے ۱۸۹۷ بکرمی سن تک رہے گی۔ اس وقت اُن میں سے ایک آدمی خدا کی طرف سے آوے گا۔"

گورو گوبند سنگھ صاحب کے دسویں گرنتھ باب ۲۴ میں:۔

"جب دنیا میں دھرم نہیں رہے گا تو خدا "مہدی میر" کو بھیجے گا۔ جو تمام دنیا میں راستی کا مذہب پھیلائے گا اور مذہب کی تجدید کا کام اس کے آنے سے مکمل ہوگا۔ اس کا آنا چوبیس اوتاروں کے آنے کو پورا کرے گا۔"

گرنتھ صاحب محلہ ۷ جھولنا:۔

"چاند اور سورج کو جب گرہن لگے گا۔ اس وقت ایک اور اوتار آوے گا۔"

(۴) مسلمانوں میں بھی مسیح کا آسمان سے آنا مانا جاتا ہے۔ اور وقت چودھویں صدی کا بتایا جاتا ہے۔ رسول کریمؐ نے حدیث میں رمضان کے مہینہ میں چاند اور سورج گرہن خاص تاریخ یعنی چاند کو چاند کی تیرہ تاریخ اور سورج کو چاند کی ۲۸ تاریخ گرہن لگنے کا نشان مسیح کی آمد ثانی کا نشان بتلایا ہے۔ جو شروع چودھویں صدی میں لگ چکا ہے۔

مسلمان ۔ ہندو ۔ سکھ عیسائی چاروں کا ہی اس پر اتفاق ہے کہ

نبی آسمان سے نہیں اترے گا بلکہ اس کی خو بو پر یوحنا نبی آگیا اور اپنے بھی کہہ گئے کہ میری آمد ثانی کو بھی الیاس کی آمد ثانی سے مشابہ ہے یعنی میری بھی خو بو کا کوئی اور آوے گا۔ وہ تو ہٹ دھرمی سے انکار کرتے ہیں۔ حضرت مسیح کے فرمان کے مطابق وہ بھی تاویل کر سکے دیسے حضرت عیسٰے علیہ السلام اور ان کے حواریوں کے بعد ان میں صاحب الہام کوئی نہیں ہوا۔ ہندوؤں میں مدت مدید سے کسی نے صاحب الہام کا دعوٰے نہیں کیا۔ سکھوں کا فرقہ حضرت گورو نانک صاحب سے شروع ہوا اور بہت لوگ ان کو مسلمان مانتے ہیں۔ جس کا ثبوت ڈیرہ بابا نانک میں ان کا چولا جس پر قرآن کی آیات لکھی ہوئی ہیں۔ اور فیروز پور گورودوارہ میں پوتھی صاحب رکھی ہے جس کی تلاوت بابا صاحب کرتے تھے۔ قرآن ہے۔ اور گرنتھ صاحب میں گورو بابا صاحب نے فرمایا ہے:۔ کہ آنے والا "مسلمان اور مغل ہوگا"۔ گورو گوبند سنگھ صاحب نے کہا ہے کہ "مہدی میر آوے گا"۔

حضرت آدم سے لے کر آج تک کسی کے آسمان سے آنے کی نظیر نہیں ملتی۔ حضرت آدم کے بعد جو نظیر قائم ہے۔ وہ یہی ہے کہ دنیا میں جو بھی نبی۔ اولیاء اوتار آئے سبھی کی پیدائش اسی دنیا میں ماں سے ہوئی۔ رسول مقبول صلعم نے آکر دنیا میں جو آخری اعلان کیا۔ وہ یہ ہے۔ کہ دین اسلام ہی سچا مذہب ہے۔ میں آخری نبی ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ قرآن کریم شریعت کی آخری کتاب ہے۔ میں سب دنیا یعنی سب ملکوں اور قوموں کے لئے رسول ہوں۔ اور اس اعلان پر چودہ سو سال گزر چکے ہیں کسی نے نبی کا دعوٰے نہیں کیا۔ اب اگر دنیا میں لوگ مذہب سے بیزار ہوں تو ان کی درستی کے لئے اسی مذہب اسلام میں سے ہی آ سکتا ہے۔ اور اسلام میں جو دین کی تجدید کا انتظام ہے وہ اوپر بتایا جا چکا ہے۔ کہ قرآن کریم اور حدیث خلفاء کا یعنی مجددین کا سلسلہ جاری ہیں۔ جس کے مطابق گذشتہ تیرہ صدیوں میں مجدد آتے رہے۔ اور چودھویں صدی کے شروع میں تمام دنیا میں صرف ایک ہی آدمی ہے۔ جس نے چودھویں صدی کے شروع میں اعلان کیا کہ میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے چودھویں صدی کا مجدد ہوں۔ اور یہ بھی فرمایا۔ کہ میں مسلمانوں کے لئے مجدد ہوں۔ ہندوؤں کے لئے اوتار، سکھوں کے لئے مہدی میر اور عیسائیوں اور یہودیوں کے لئے مسیح اور مہدی ہوں۔ مسلمانوں میں سے مجدد اور مسیح موعود ہونے کی تصدیق کے اولیاء اللہ جن کے اسماء گرامی (۱) حضرت خواجہ غلام فرید چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں کی:۔

"میں آپ کو مطلع کرتا ہوں کہ بلاشبہ آپ کے نیک حال کا ہوں کہ آپ خدا کے صالح بندوں میں سے ہیں۔" "دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی مہربانی سے کوئی سبب پیدا ہو اور وہ مبارک گھڑی آوے کہ جسمانی دوری اور طویل سفر کا نقاب درمیان سے اٹھ جاوے۔"

(۲) حضرت سید اشہدالدین صاحب العلم (المعروف پیر جھنڈے والا) نے "میں نے رسولؐ کو عالم کشف میں دیکھا پس میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ شخص جو مسیح موعود ہونے کا دعوٰے کرتا ہے۔ کیا یہ جھوٹا اور

## [illegible]

(کلام حضرت مسیح موعود)

کیوں عجب کرتے ہو گر میں آگیا ہو کر مسیح
خود مسیحائی کا دم بھرتی ہے یہ بادِ بہار

آسماں پر دعوتِ حق کے لئے اِک جوش ہے
ہو رہا ہے نیک طبعوں پر فرشتوں کا اُتار

آ رہا ہے اس طرف احرارِ یورپ کا مزاج
نبض پھر چلنے لگی مُردوں کی ناگہ زندہ وار

کہتے ہیں تثلیث کو اب اہلِ دانش الوداع
پھر ہوئے ہیں چشمۂ توحید پر از جاں نثار

باغ میں ملت کے ہے کوئی گُلِ رعنا کھلا
آئی ہے بادِ صبا گلزار سے مستانہ وار

آ رہی ہے اب تو خوشبو میرے یُوسف کی مجھے
گو کہو دیوانہ میں کرتا ہوں اُس کا انتظار

ہر طرف ہر مُلک میں ہے بُت پرستی کا زوال
کچھ نہیں انساں پرستی کو کوئی عزّ و وقار

آسماں سے ہے چلی توحیدِ خالق کی ہوا
دِل ہمارے ساتھ ہیں گو منہ کریں بک بک ہزار

اسمعوا صوت السّماء جاء المسیح جاء المسیح
نیز بشنو از زمیں آمد امامِ کامگار

آسماں بارد نشاں الوقت میگوید زمیں
ایں دو شاہد از پئے من نعرہ زن چوں بیقرار

اَب اسی گلشن میں لوگو راحت و آرام ہے
وقت ہے جلد آؤ اے آوارگانِ دشتِ خار

اِک زماں کے بعد اب آئی ہے یہ ٹھنڈی ہوا

## عشقِ محمد صلی اللہ علیہ

(کلام حضرت مسیح موعود)

چُوں زمن آید ثنائے سرورِ عالی تبار
عاجز از مدحش زمین و آسمان و ہر دو دار

آں مقامِ قُرب کو دارد بدلدارِ قدیم
کس نداند شانِ آں از واصلانِ کردگار

آں عنایتہا کہ محبُوبِ ازل دارد بدو
کس بخوابے ہم ندیدہ مثلِ آں اندر دیار

سرورِ خاصانِ حق شاہِ گروہِ عاشقاں
آنکہ روحش کرد طے ہر منزلِ وصلِ نگار

آں مبارک پے کہ آمد ذاتِ با آیاتِ او
رحمتے زاں ذاتِ عالم پرور و پروردگار

آنکہ دارد قُربِ خاص اندر جنابِ پاکِ حق
آنکہ شانِ او نفہمد کس ز خاصانِ دکبار

احمدِ آخر زماں کو اوّلیں را جائے فخر
آخریں را مقتدا و ملجاؤ کہف و حصار

ہست درگاہِ بزرگش کشتیٔ عالم پناہ
کس نگردد روزِ محشر جز پناہش رستگار

از ہمہ چیزے فزوں تر در ہمہ نوعِ کمال
آسماں ہا پیش اوجِ ہمت او ذرّہ وار

مظہرے نورے کہ پنہاں بود از عہدِ ازل
مطلعِ شمسے کہ بود از ابتداء در استتار

صدرِ بزمِ آسماں و حجۃُ اللہ بر زمیں
ذاتِ خالق را نشانے بس بزرگ و استوار

ہر رگ و تارِ وجودش خانۂ یارِ ازل

[illegible]

"پہلا مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عرب کی اصلاح تھی اور عرب کا ملک اس زمانہ میں ایسی حالت میں تھا کہ بمشکل کہہ سکتے ہیں کہ وہ انسان تھے۔ کونسی بدی تھی جو ان میں نہ تھی اور کونسا شرک تھا جو ان میں رائج نہ تھا چوری کرنا ڈاکہ مارنا ان کا کام تھا اور ناحق کا خون کرنا ان کے نزدیک ایک ایسا معمولی کام تھا۔ جیسا کہ ایک چیونٹی کو پیروں تلے کچل دیا جائے۔ یتیموں کو قتل کر کے ان کا مال کھا لیتے تھے۔ لڑکیوں کو زندہ بگور کرتے تھے۔ زنا کاری کے ساتھ فخر کرتے۔ اور علانیہ اپنے قصیدوں میں ان گندی باتوں کا ذکر کرتے تھے۔ شراب خوری اس قوم میں کثرت سے تھی کہ کوئی گھر بھی شراب سے خالی نہ تھا۔ اور قمار بازی میں سب ملکوں سے آگے بڑھے ہوئے تھے۔ حیوانوں کی عار تھی۔ اور سانپوں اور بھیڑیوں کی ننگ۔

پھر جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اصلاح کے لئے کھڑے ہوئے اور اپنی باطنی توجہ سے انکے دلوں کو صاف کرنا چاہا تو ان میں تھوڑے ہی دنوں میں ایسی تبدیلی پیدا ہو گئی کہ وہ وحشیانہ حالت سے انسان بنے۔ اور پھر انسان سے مہذب انسان اور مہذب انسان سے با خدا انسان۔ اور آخر خدا تعالے کی محبت میں ایسے محو ہو گئے کہ انہوں نے ایک بے حس عضو کی طرح ہر ایک دکھ کو برداشت کیا۔ وہ انواع اقسام کی تکالیف سے عذاب دیئے گئے۔ اور سخت بیدردی سے تازیانوں سے مارے گئے۔ اور جلتی ہوئی ریت میں لٹائے گئے اور قید کئے گئے۔ اور بھوکے پیاسے رکھ کر ہلاکت تک پہنچائے گئے مگر انہوں نے ہر ایک مصیبت کے وقت آگے قدم رکھا۔ اور بہتیرے ان میں سے ایسے تھے کہ ان کے سامنے ان کے بچے قتل کئے گئے اور بہتیرے ایسے تھے کہ بچوں کے سامنے وہ سُولی دیئے گئے اور جس صدق سے انہوں نے خدا کی راہ میں جانیں دیں۔ اس کا تصور کر کے رونا آتا ہے۔ اگر ان کے دلوں پر یہ خدا کا تصرف اور اسکے نبی کی توجہ کا اثر نہ تھا۔ تو پھر وہ کیا چیز تھی جس نے ان کو اسلام کی طرف کھینچ لیا۔ اور فوق العادت تبدیلی پیدا کر کے ان کو ایسے شخص کے آستانہ پر گرنے کی رغبت دی کہ جو بیکس اور مسکین اور بے زری کی حالت میں مکہ کی گلیوں میں اکیلا اور تنہا پھرتا تھا۔ آخر کوئی رُوحانی طاقت تھی جو اُن کو سفلی مقام سے اُٹھا کر اُوپر کو لے گئی۔ اور عجیب تر بات یہ ہے کہ اکثر ان کے کفر کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن اور آنجناب کے خون کے پیاسے تھے۔ پس میں تو اس سے بڑھ کر کوئی معجزہ نہیں سمجھتا کہ کیونکر ایک غریب مفلس، تنہا بیکس نے ان کے دلوں کو ہر ایک کینہ سے پاک کر کے اپنی طرف کھینچ لیا۔ یہاں تک کہ وہ فخریہ لباس پھینک کر اور ٹاٹ پہن کر خدمت میں حاضر ہو گئے۔ (حضرت مسیح موعودؑ)

(پیغام صلح)



احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ ... باہتمام ... پرنٹر ... دفتر پیغام صلح ... (حرف ... احمدیہ بلڈنگس)

جلد | چہارشنبہ ۳ رجمادی الثانی ۱۳۹۶ھ مطابق ۲ جون ۱۹۷۶ء | نمبر ۲۲

# مَلفُوظاتِ حضرتِ مجدّدِ صدِ چہاردہم علیہ السّلام

## عشق اوّل سرکش و خونی بود ٭ تا گریزد ہر کہ بیرونی بود

ابتلاء جو اوائل حال میں انبیاء اور اولیاء پر نازل ہوتا ہے اور باوجود عزیز ہونے کے ذلّت کی صورت میں ان کو ظاہر کرتا ہے اور باوجود مقبول ہونے کے کچھ مردود سا کرکے ان کو دکھاتا ہے۔ یہ ابتلاء اس لئے نازل نہیں ہوتا کہ ان کو ذلیل اور خوار اور تباہ کرے یا صفحہ عالم سے ان کا نام و نشان مٹا دیوے کیونکہ یہ تو ہرگز ممکن ہی نہیں کہ خداوند عزّ و جل اپنے پیار کرنے والوں سے دشمنی کرنے لگے اور اپنے سچے اور وفادار عاشقوں کو ذلّت کے ساتھ ہلاک کر ڈالے بلکہ حقیقت میں وہ ابتلاء کہ جو شیر ببر کی طرح اور سخت تاریکی کی مانند نازل ہوتا ہے کہ تا اس برگزیدہ قوم کو قبولیت کے بلند معیار تک پہنچا دے اور الٰہی معارف کے باریک دقیقے ان کو سکھا دے۔ یہی سنّت اللہ ہے جو قدیم سے خدا تعالےٰ اپنے پیارے بندوں کے ساتھ استعمال کرتا چلا آیا ہے۔ زبور میں حضرت داؤد کی ابتلائی حالت میں عاجزانہ نعرے اسی سنّت کو ظاہر کرتے ہیں۔ اور انجیل میں آزمائش کے وقت حضرت مسیح کی غریبانہ تضرّعات اسی عادت اللہ پر دال ہیں اور قرآن شریف اور حدیث نبویّہ میں جناب فخرالرسلؐ کی عبودیت سے ملے ہوئے سالامت اسی قانون قدرت کی تصریح کرتے ہیں۔ اگر یہ ابتلاء درمیان میں نہ ہوتا ۔۔ لیاء ان مدارجِ عالیہ کو ہرگز نہ پا سکتے کہ جو ابتلاء کی برکت سے ابتلاء نے ان کی کامل وفاداری اور مستقل ارادے اور جانفشانی اور ثابت کر دکھایا کہ وہ آزمائش کے زلازل کے وقت دل رکھتے ہیں اور کیسے سچے وفادار اور عاشق صادق بلیں اور سخت سے سخت تاریکیاں آئیں اور بڑے بڑے ۓ اور وہ ذلیل کئے گئے اور جھوٹوں اور مکاروں اور گئے۔ اور اکیلے اور تنہا چھوڑے گئے۔ یہاں تک کہ ربانی ۓا بھروسہ تھا کچھ مدت تک منہ چھپا لیا۔ اور خدا کو یکبارگی کچھ ایسا بدل دیا کہ جیسے کوئی سخت ناراض سمت میں چھوڑ دیا گیا کہ گویا وہ موردِ غضب ہیں اور اپنے تئیں ایسا خشک سا دکھلایا کہ گویا ان پر ذرا مہربان نہیں بلکہ ان کے دشمنوں پر مہربان ہے۔ اور ان کے ابتلاؤں کا سلسلہ بہت طول کھینچ گیا۔ ایک کے ختم ہونے پر دوسرا اور دوسرے کے ختم ہونے پر تیسرا ابتلاء نازل ہوا۔ غرض جیسے بارش سخت تاریک رات میں نہایت شدّت و سختی سے نازل ہوتی ہے ایسا ہی آزمائشوں کی بارشیں ان پر ہوئیں۔ پر وہ اپنے پکے اور مضبوط ارادے سے باز نہ آئے اور سست اور دل شکستہ نہ ہوئے۔ بلکہ جتنا مصائب اور شدائد کا بار ان پر پڑتا گیا اتنا ہی انہوں نے قدم آگے بڑھایا۔ اور جس قدر وہ توڑے گئے اسی قدر وہ مضبوط ہوتے گئے۔ اور جس قدر انہیں مشکلاتِ راہ کا خوف دلایا گیا اسی قدر ان کی ہمت بلند اور ان کی شجاعت ذاتی جوش میں آتی گئی۔ بالآخر وہ اُن تمام امتحانات سے اوّل درجہ کے پاس یافتہ ہو کر نکلے۔ اور اپنے کامل صدق کی برکت سے پورے طور پر کامیاب ہو گئے۔ اور عزّت اور حرمت کا تاج ان کے سر پر رکھا گیا۔ اور تمام اعتراضات نادانوں کے ایسے حباب کی طرح معدوم ہو گئے کہ گویا وہ کچھ بھی نہیں تھے۔ غرض انبیاء اولیاء ابتلاء سے خالی نہیں ہوتے بلکہ سب سے بڑھ کر انہیں پر ابتلاء نازل ہوتے ہیں اور انہیں کی قوت ایمانی ان آزمائشوں کی برداشت بھی کرتی ہے۔ عوام الناس جیسے خدا تعالےٰ کو شناخت نہیں کر سکتے ویسے ہی اس کے خالص بندوں کی شناخت سے بھی قاصر ہیں۔ بالخصوص ان محبوبانِ الٰہی کی آزمائشوں کے وقتوں میں تو عوام الناس بڑے دھوکوں میں پڑ جاتے ہیں۔ گویا ڈوب ہی جاتے ہیں۔ اور اتنا صبر نہیں کر سکتے کہ ان کے انجام کے منتظر رہیں۔ عوام کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ جلشانہ جس پودے کو اپنے ہاتھ سے لگاتا ہے اس کی شاخ تراشی اس غرض سے نہیں کرتا کہ اس کو نابود کر دیوے۔ بلکہ اس غرض سے کرتا ہے کہ تا وہ پودا پھول اور پھل زیادہ لاوے اور اس کے برگ اور بار میں برکت ہو۔"

(حقانی تقریر)

محترم ممتاز احمد فاروقی صاحب - اسلام آباد

# بیرونِ پاکستان کے مسلمان

سکھوں کا کہنا تھا کہ "دھرم نالوں دھڑا وڈا اے" اس کا مطلب یہ ہے کہ مذہب تو اپنی جگہ پر ہے - لیکن اس کے ساتھ جماعت کی تنظیم سب سے ضروری ہے - یہی وجہ تھی کہ انگریزوں کی حکومت میں سکھوں نے جماعتی تنظیم ہمت اور استقلال دکھا کر اپنے مذہبی اداروں اور گُردواروں کی تنظیم کو - باوجود گورنمنٹ کی مخالفت کے اپنے ہاتھوں میں لے لیا - اور اپنے فرقہ کے لئے بہت سی سیاسی اور معاشی مراعات حاصل کر لیں - مگر مسلمانوں کی یہ حالت تھی بقول حالی ؎

قوم کو حالی نہیں راس اتفاق ✦ پھوٹ کا ان پر کھلے گا آکے رنگ

حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدد وقت اور مسیح موعود کے زمانے میں ہی جماعت احمدیہ کو علمائے سُوء کی مخالفت اور تکفیر بازی کا نشانہ بننا پڑا - مگر ان دنوں مخالفت ایک خاص خیال کے لوگوں اور جماعتوں تک ہی محدود تھی - آپ کے بعد حضرت مولانا نورالدین علیہ الرحمۃ کے زمانے میں ہندوستان کے تعلیم یافتہ مسلمان طبقوں میں احمدیہ لٹریچر اور خواجہ کمال الدین صاحب کے لیکچروں کی وجہ سے جماعت احمدیہ کے متعلق حُسنِ ظن بڑھتا جاتا تھا - یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر محمد اقبال (شاعرِ مشرق) کی علیگڑھ والی تقریر میں یہ کہا گیا کہ اگر کسی نے ٹھیٹھ اسلامی زندگی کا نمونہ دیکھنا ہو تو وہ قادیان میں جماعتِ احمدیہ میں نظر آئے گا - ووکنگ مسلم مشن سے متاثر ہو کر علامہ شبلی نے اپنی ایک نظم میں ایک مفروضہ مسلمان مولوی سے اپنے سوال و جواب کا اس طرح حال بیان کیا - جن میں سے چند شعر یہ ہیں :-

؎ آمادۂ اسلام ہیں لنڈن میں ہزاروں
کیا آپ بھی کچھ اس سے خبردار نہیں ہیں
جھلا کے وہ بولے کہ یہ کیا سُوئے ادب ہے
کہتے ہو وہ باتیں جو سزاوار نہیں ہیں
کرتے ہیں شب و روز مسلمانوں کی تکفیر
بیٹھے ہوئے کچھ ہم بھی تو بیکار نہیں ہیں

پھر مولانا ابوالکلام آزاد - مولانا محمد علی جوہر - علامہ شبلی اور ڈاکٹر محمد اقبال کا ذکر آ چکا ہے - مولوی عبدالماجد دریا آبادی - حسن نظامی دہلی والے - خود (قائد اعظم) محمد علی جناح - اور دیگر مسلم اکابرین اور مذہبی لیڈر جماعت احمدیہ کی اشاعت اسلام اور دینی خدمات کے معترف تھے - اور جو اس وقت جماعت احمدیہ کے عقائد تھے بعینہٖ وہی عقائد ۱۹۱۴ء سے ۱۹۷۶ء تک جماعت احمدیہ لاہور (یعنی احمدیہ انجمن اشاعت اسلام بہ سرکردگی مولانا محمد علی صاحب مترجم قرآن کریم انگریزی و خواجہ کمال الدین مسلم مشنری ووکنگ انگلستان) کے ہیں - پہلے تو بعض مذہبی جماعتیں اور چند ایک علماء سُوء ہی جماعت احمدیہ کی تکفیر بازی کرتے تھے - (مگر وہ لوگ خود بھی ایک فرقہ دوسرے کو کافر بناتا رہتا تھا -) مگر یہ قابل برداشت معمولی فتنہ تھا جس کا اثر محدود تھا - مگر پچھلے دو سال میں کچھ ایسے غیر معمولی اور ناروا واقعات ظہور پذیر ہوئے (جن میں جماعت احمدیہ لاہور کا کوئی ہاتھ نہ تھا) کہ علمائے سُوء کی مخالفت اور عناد کا پھوڑا پھوٹ کر بہہ نکلا - کچھ پولیٹیکل حالات ایسے تھے کہ احمدیہ فرقہ کے برخلاف (بلا استثناء) قانونی کارروائی کے تحت غیر مسلم اقلیت بنا دینے کا فیصلہ کر دیا گیا - جماعت احمدیہ لاہور کے احتجاج کو نظر انداز کر دیا گیا - انا للّٰہ و انا الیہ راجعون - اب جو کچھ ان سے ناروا سلوک ہو کوئی شنوائی نہیں - حج تو بند کر دیا گیا - اب قبرستان بھی الگ کئے جا رہے ہیں - اور احمدیوں کو "مسجد" بنانے تک سے روکا جا رہا ہے - حالانکہ قرآن کریم کی رُو سے صرف مشرکین (جو خدا کا شریک بناتے ہیں) پر روک ہے - کسی مسلمان کو کافر کہہ دینے سے وہ روک پیدا نہیں ہو جاتی - اگر آپ سورۃ الکہف کی آیت ۲۱ پڑھیں تو وہاں اصحاب کہف (جو کہ آنحضرت صلعم سے بہت عرصہ قبل ہوئے ہیں - مگر ایک خدا کے پرستار تھے) کے مسکن پر "مسجد" بنا دیئے جانے کا ذکر ہے - ہمارا ایمان اور بھروسہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہے وہی مظلوموں کی آہ کو سنتا اور انکی مدد اور نصرت فرماتا ہے - مگر ہمیں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے نہیں رہنا چاہئے - آیئے پاکستان سے باہر کے مسلمانوں کے متعلق حالات کا ملاحظہ کریں - کہ ہمارا کام خدمتِ دین اور اشاعت اسلام ہے - یہاں نہیں تو کہیں اور سہی -

۱- ڈھاکہ کی ۱۷ رمئی ۱۹۷۶ء کی خبر ہے بنگلہ دیش گورنمنٹ نے مذہبی تنظیموں کے قیام پر سے پابندی ہٹالی ہے - وہ گورنمنٹ اگرچہ سیکولر ہے - مگر مذہبی تبلیغ میں کوئی رکاوٹ نہیں - اس لئے وہاں کے احمدی اگر اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں تو وہ مذہبی اور قانونی نظروں میں مسلمان ہی تصور ہوں گے - اس لئے بنگالی زبان میں لٹریچر پیدا کرنے اور بعد میں مسلم مشن قائم کرنے کی طرف توجہ ابھی سے کرنی چاہیئے وہاں بھی زیادہ آبادی مسلمانوں کی ہے -

۲- ابھی پچھلے دنوں لنڈن میں ورلڈ کانگرس آف فیتھس ہوئی تھی - اس میں ہماری جماعت کی طرف سے ایس - ایم خالد اقبال اور مسٹر مقصود کمال شریک ہوئے تھے - اس کا مختصر حال ۵ رمئی اخبار "پیغام صلح" (لاہور) میں چھپا ہے - اس میں خالد اقبال صاحب کا وہاں کے ایک باحیثیت شخص سے تبادلۂ خیالات ہوا تھا - ان صاحب نے بنظر استعجاب کہا - "عیسائی دنیا ہو - بدھ مت کے لوگ ہوں یا کسی اور مذہب کے پرستار - مگر یہ کبھی سننے میں نہیں آیا کہ کوئی شخص اپنے آپ کو عیسائی کہتا ہو مگر پوپ نے کہہ دیا ہو کہ تم غلط کہتے ہو تم قطعاً عیسائی نہیں ہو وغیرہ وغیرہ - یہ اسلامی دنیا کو کیا ہوا کہ اچانک احمدیوں کو اسلام سے خارج کر دیا - ہمیں تو اس بات کی سمجھ نہیں آتی کہ کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ وہی اسلام کی نمائندگی کرنے والے آج یک لخت کافر ہو گئے -"

۳- مجھے یاد ہے چند سال ہوئے - ہماری احمدیہ انجمن کے سالانہ جلسہ کے موقعہ پر علامہ علاؤالدین صدیقی صاحب نے جہاں جماعت احمدیہ لاہور کی دینی خدمات کی تعریف کی تھی - وہاں اس تکفیر بازی کا ایک افسوسناک واقعہ بتلایا تھا - ان کے سفر امریکہ میں علامہ صاحب کی ملاقات ایک ایسے ممتاز امریکن عیسائی سے ہوئی جو کہ عیسائی مذہب چھوڑ کر مسلمان اور پھر بد دل ہو کر واپس عیسائیت میں چلا گیا تھا - اس شخص نے کہا کہ جب وہ مولانا محمد علی صاحب کے انگریزی ترجمہ قرآن کریم کو پڑھنے اور سمجھنے کے بعد مسلمان ہوا تو کئی ایک باہر سے آئے ہوئے مسلمان نے کہا کہ تم ایک میرزائی کا ترجمہ قرآن اور عقاید اخت[illegible]
ہوئے ہو جس جماعت پر ہمارے علماء نے کفر کا [illegible]
اس لئے تم حقیقتاً مسلمان نہیں ہوئے ہو - اس [illegible]
غصہ ہوا اور اس نے کہا کہ اگر ایک کلمہ [illegible]
کو بھی دوسرے مسلمان مسلم نہیں قرار د[illegible]
عیسائیت بہتر ہے کہ باوجود عقاید کے اخت[illegible]
تو رہتے ہیں" علامہ صدیقی صاحب کو اس وا[illegible]
کہ کس طرح خود مسلمانوں نے ایک مسلم[illegible]

۴- میرے ایک عزیز جو ایک مشہور تعلیمی ا[illegible]
نے ذکر کیا - کہ ان کے دوست الف[illegible]

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— ۲ر جون ۱۹۷۶ء

# شعائرِ اسلام [illegible] ہے

معاصر ایشیا مورخہ ۲۵ر اپریل ۱۹۷۶ کے ایشوع میں چوہدری محمد اسلم سلیمی اسسٹنٹ سیکرٹری جنرل جماعت اسلامی پاکستان کا ایک بیان شائع ہوا ہے۔ جس میں انہوں نے مولوی محمد یوسف بنوری کے ان مطالبات کی تائید کی ہے جو وہ وقتاً فوقتاً حکومت پاکستان سے احمدیوں کے متعلق کرتے رہتے ہیں۔ جماعتِ اسلامی کی طرف سے سلیمی صاحب نے یہ مطالبہ بھی کیا ہے کہ:-

"اب قادیانیوں نے اسلامی شعائر کی توہین اور اسلامی اصطلاحات کے ناجائز استعمال کی جو مہم چلا رکھی ہے اور قومی اسمبلی اور سینٹ کے فیصلے کی عملاً توہین کرنے کی جو روش اختیار کر رکھی ہے اس کو بھی بند کرانے کے لئے سخت کارروائی کی ضرورت ہے۔"

ایسے مطالبات کرنے والے رہنماؤں اور ان جماعتوں کو جن کی وہ نمائندگی کرتے ہیں ہم معذور تصور کرتے ہیں اور ہمیں ان سے ہمدردی ہے کہ ۷ر ستمبر ۱۹۷۴ء کو ان کے ہاتھوں سے وہ مؤثر ہتھیار چھین لیا گیا جس کے ذریعے وہ اپنی سیاسی دکانیں چمکانے اور اپنی مفاد پرستانہ قیادت کو ابھارنے کے لئے احمدیوں کے خلاف گالی گلوچ۔ دشنام طرازی اور نفرت کی مہم کو ہوا دیا کرتے تھے۔ اب اگر کھسیانی بلی کھمبا بھی نہ نوچے تو کیا کرے۔ پاکستان کے وجود میں آنے سے پہلے ان جماعتوں کی طرف سے تحریکِ پاکستان اور قائد اعظم علیہ الرحمۃ کے خلاف جو زہر اُگلا گیا وہ اس بات پر شاہد ناطق ہے کہ قیام و استحکام پاکستان کے لئے انہوں نے کیا کیا "قربانیاں دیں" اور اس تخریب کے لئے کن کن زیرِ زمین کارروائیوں میں ان کے قلوب و اذہان ملوث ہوئے۔ اور نوکِ قلم سے کیا کیا زہر افشانی ہوئی۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہماری نوجوان نسل کی آنکھوں سے تحریکِ پاکستان کے محرکات کو بڑی ہوشیاری سے اوجھل رکھ کر اُن کی ناواقفیت اور لاعلمی کا استحصال کرنے کے لئے دامِ ہمرنگ زمین بچھائے گئے اور وہ اس جال کو نہ دیکھتے ہوئے دانہ تہِ دام کے فریب میں آگئے۔ اور اب ان کے جوش و جذبہ کا استحصال ہو رہا ہے۔ جو کبھی قافلۂ پاکستان کے نقیب تھے وہ بے نام و نشان رہ گئے ہیں اور

لانے پر گردن زدنی قرار دیں۔

زمین اور مکان کی طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلعم کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ربّ العٰلمین ہے۔ وہ ایک خوردبین قرآن کریم میں رسُولٌ الیَ الملاک یا رسُول الی المولوی کے الفاظ ہمیں کہیں نظر نہیں آئے۔ ہم نے اگر کچھ دیکھا ہے تو یہی دیکھا ہے کہ

"کہہ اے لوگو! میں سب کی طرف اللہ کا رسُول ہوں۔ وہ جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے۔ اس کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ سو اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسُول نبی اُمّی پر جو اللہ اور اس کے حکموں پر ایمان لاتا ہے اور اس کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ۔"

ان الفاظ میں تو ہمیں یہ کہیں نظر نہیں آتا کہ جو مولوی کہتا ہے اس پر ایمان لائے اور ہدایت پائے۔ اس سے منع کرنے کا کوئی مجاز نہیں خواہ وہ اپنے آپ کو کتنا ہی بڑا مفکر۔ فقیہہ یا عالم کیوں نہ سمجھتا ہو۔ جس دن سے اس استحصالی طبقہ نے اسلامی معاشرہ میں بد قسمتی سے جنم لیا اسی روز سے مسلمانوں کی شان و شوکت۔ جمعیت اور قوت کا انتشار اور زوال بھی شروع ہوا۔ اور انہی کی نفس پرستی کی بدولت ہر دور میں مذہب کے نام پر نئے نئے فتنے سر اٹھاتے رہے ہیں۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم کی روشنی میں حضرت صہیبؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

"اے صہیب لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اس وقت امیر بکثرت ہوں گے اور فقہا تھوڑے، اور خطبہ پڑھنے والے بڑے جھوٹے۔ دنیادار اور قاری ریاکار اور فریبی۔ دین کو چھوڑ کر اور باتوں میں تفقہ کریں گے اور دنیا کو اس طرح کھائیں گے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ لیکن یاد رکھو کہ ایسے لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کو ہمیشہ بُرا ہی ٹھکانا ملا کرتا ہے۔" (کنز العمال)

پھر انہی کی تعریف میں فرماتے ہیں:-

"لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ قرآن میں سے سوائے رسم کے اور اسلام سے بجز نام کے کچھ نہ رہے گا اور اس سے بطور نام نہاد تعلق ظاہر کریں گے حالانکہ وہ لوگ اسلام سے نہایت ہی دور جا پڑے ہوں گے مسجدیں تو ان کی بھر جایا کریں گی مگر وہ فی الحقیقت ہدایت کے نہ ہونے سے خراب ہوں گی اس زمانہ کے فقہا آسمان کے سایہ کے نیچے معسب

لاکھڑ نخوت ان کی راہ میں سنگِ گراں ہیں جیسے اپنے راستے سے ہٹا کر یہ لوگ غیروں کی جھولی میں ڈالنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ یہ سادہ دل مسلمانوں کو دہریت۔ یہودیت اور عیسائیت کے راستے پر ڈالنا چاہتے ہیں۔ یہ انہی حضرات کی سالہا سال کی "مساعی جمیلہ" کا نتیجہ ہے کہ آج مسلمان ممالک کے سرمایہ سے "جشن عالم اسلام" میں اسلام کی وہ تصویر پیش کی جا رہی ہے جسے دیکھ کر انسان کا سر شرم سے جھک جاتا ہے، کیا یہ بھی عیسائیت اور اسلام کو قریب لانے کی کوششوں کی ایک کڑی ہے انگلستان میں جس ووکنگ سے ۱۹۱۳ء سے صدائے توحید بلند ہوتی رہی آج انہی کی سازشوں کے طفیل وہاں گرد اڑ رہی ہے۔ یہی عیسائیوں کا منشا تھا جو ان کے ہاتھوں پورا ہوا۔ آج عیسائی مبلغین بائبل اور دوسرا مسیحی لٹریچر تھیلوں میں دبائے پاکستان کے ہر گلی کوچے میں مصروف نظر آتے ہیں۔ اور ادھر یہ مطالبہ ہے کہ احمدیوں کو اسلامی شعائر کی "توہین" سے قانوناً روکا جائے۔ کیا یہ دونوں ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں نہیں ؟

وہ شعائرِ اسلامی کہاں ہیں جن سے ہمیں روکنے کی کوششیں کی جاری ہیں ؟ یہ وہ تمام حدود ہیں جن کے اندر رہ کر اپنی زندگی سنوارنے۔ وہ تمام اوامر ہیں جن کے بجا لانے اور وہ تمام نواہی ہیں جن سے بچنے کا اللہ تعالےٰ نے حکم صادر فرمایا ہے۔ ان نام نہاد علماء۔ فقہاء اور مفکرین کی یہ چیخ و پکار کہ احمدیوں کو ان پر عمل کرنے سے روکا جائے اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ ہم کو اللہ تعالےٰ نے ان کے احترام اور تعظیم کی توفیق عطا فرمائی ہوئی ہے۔ اور قرآن کریم میں ایسے لوگوں کو "مؤمن" قرار دیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ :-

" اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کے نشانوں (شعائر اللہ) کی بے حرمتی نہ کرو" (۵-۲)

اور دوسرے مقام پر ہے :-

" اور جو کوئی اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرتا ہے تو یہ دلوں کے تقوٰی سے ہے" (۲۲-۳۲)

اگر شعائر اللہ کی تعظیم و تکریم اور ان پر عمل کا تعلق دلوں کے تقوےٰ سے ہے تو پھر دلوں پر سوائے خدا کے کسی کو اختیار نہیں۔ انہیں ہم سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ ہمیں ان کی غوغا آرائی کا کیا فکر۔ یہ اپنے غم و غصہ کی آگ میں جل رہے ہیں ہمارا کچھ نہیں بگڑتا۔ ہمیں آئین پاکستان یہ حق دیتا ہے کہ ہم بطور احمدی اپنے عقائد کے مطابق جو عبادات بھی بجا لائیں ہمیں اس کی پوری پوری آزادی ہے۔ ہمارا مسجدیں تعمیر کرنا۔ اذانیں دینا۔ نمازیں پڑھنا۔ زکوٰۃ دینا۔ روزے رکھنا اور اگر کبھی موقعہ ملے تو حج کرنا شعائرِ اسلام کی توہین ہے تو ہمیں بتائیے ان کی تعظیم کس کو کہتے ہیں۔ مگر ہاں ان کے ہاں الفاظ کے معانی اُلٹ اور قدریں مختلف ہوتی ہیں۔ مومن اور مسلمان کافر ہوتا ہے اور کافر مسلمان۔ کیونکہ اسلام اب دین اللہ نہیں دینِ مُلّا بن کر رہ گیا ہے۔

احمدیوں کی مسجد سے نماز کے لئے آواز بلند ہو تو وہ شعائرِ اسلامی کی توہین مگر ناچ گھر اور سینما کلب سے اُٹھنے والی طبلے کی تھاپ پر گھنگرؤوں کی جھنکار عین عبادت ٹھہرے، اگر احمدی نماز میں خدا کے سامنے سربسجود ہوں تو شعائرِ اسلامی کی توہین ہو مگر مُردوں کے سامنے سر سجدے میں رکھنا ان کی تعظیم۔ احمدی روزہ رکھیں تو گنہگار مگر ہوٹلوں میں پردوں کے پیچھے احترامِ رمضان میں مصروف "مسلمان" عین مومن۔ احمدی اپنا مال خُدا کی راہ میں خرچ کریں تو شعائرِ اسلامی پہ حرف آئے۔ مگر رشوت۔ چور بازاری۔ سمگلنگ۔ ملاوٹ۔ جُوا اور جیب تراشی سے دولت کمانے والے اللہ تعالےٰ کی حدود کے نگہبان۔ احمدی اگر محض رضائے الہٰی کے لئے حج کریں (جو اب بند کر دیا گیا ہے) تو شعائر اللہ کی توہین کے مرتکب اور "مسلمان حاجی"۔ سونا۔ گھڑیاں۔ کپڑے۔ ٹرانسسٹر وغیرہ اپنے سامان میں چھپا لائیں تو عین سعادت۔ فسق و فجور کی فراوانی و ارزانی نے پاکستانی معاشرہ کو کرب و اضطراب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ یہ کس کی نوازش ہے۔ ان علماء کے دل میں اس کی اصلاح کا درد کیوں پیدا نہیں ہوتا۔ آخر ہمارے ان شعائرِ اسلامی پہ کاربند ہونے سے ان کے سینے پہ کیوں مونگ دلے چلتے اور ان کے دل سے کیوں درد کی ٹیسیں اُٹھتی ہیں۔ کیا ہم کوئی ایسا کام کر رہے ہیں جس سے اسلام کے خوبصورت چہرے پر کوئی داغ لگتا ہے ؟

مظلوموں کے صبر کی بھی انتہاء اور برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے جب یہ بند ٹوٹ جائے تو پھر وہ خدا کے حضور مٹی میں لوٹ کر اس سے انصاف طلب کرتے ہیں۔ اُن کی آہوں اور اللہ تعالےٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں رہتا۔ وہ غفور الرحیم ضرور ہے مگر اپنے بندوں پہ خواہ کتنے ہی گنہگار کیوں نہ ہوں ظلم برداشت نہیں کرتا۔ اس سے نڈر اور بے خوف ہونا ہلاکت کو دعوت دینا ہے۔ آپ کیوں احمدیوں سے عداوت اور نفرت کی آگ میں جل رہے ہیں۔ صبر سے کام لیجئے۔ اپنے اندر کچھ قوتِ برداشت پیدا کیجئے۔ بڑی سیدھی سی بات ہے۔ اگر حضرت مرزا صاحب اپنے دعوٰی میں سچے نہیں ہیں اور ان کی یہ جماعت اللہ تعالےٰ کی مشیت پوری نہیں کر رہی تو یہ خود بخود مٹ جائے گی۔ یہی اللہ تعالےٰ کا طریق رہا ہے اور رہے گا۔ تب اسے ختم کرنے کے لئے آپ کو کوئی طاقت صرف نہیں کرنی پڑے گی اور اگر یہ سلسلہ راستی اور صداقت پہ قائم ہے تو اس کا نتیجہ بھی زود یا بدیر آپ کے سامنے آ جائے گا ذرا انتظار تو کیجئے ؛

## اخبارِ احمدیہ

### درخواست دُعائے صحت

— مکرم میرزا محمد اکبر صاحب نواب شاہ سندھ سے محترم جنرل سیکرٹری صاحب کی خدمت میں لکھتے ہیں کہ :-

" میرے بڑے بھائی مولوی غلام ربانی صاحب کی طبیعت کئی دنوں سے ناساز ہے۔ انہوں نے مجھے کہا کہ ان کی صحت کے لئے بزرگانِ انجمن سے دعا کی درخواست کی جائے۔ مولوی صاحب موصوف نوّے سال عمر پوری کر چکے ہیں۔ برادرم مکرم مولوی غلام ربانی صاحب نے ۱۹۰۷ء میں جماعت راولپنڈی میں شمولیت اختیار کی تھی جبکہ وہ میٹرک کے طالب علم تھے۔ ۱۹۰۷ء سے ۱۹۶۲ء تک وہ راولپنڈی اور مری میں رہے اور جماعت کی مختلف رنگوں میں خدمت کرتے رہے۔ برادری اور علاقہ نے جب ان کے احمدی کہلانے کی وجہ سے سوشل بائیکاٹ کیا تو انہوں نے ہر مشکل کو مردانہ وار برداشت کیا اور ثابت قدم رہے۔ ۱۹۶۲ء سے وہ دیہہ نصرت تعلقہ نواب شاہ میں مقیم ہیں، جہاں ان کی معمولی سی زمینداری ہے۔ ان کے تین بیٹے ہیں۔ بڑا لڑکا مختار کار آباد کاری ہے۔

احباب کرام اور بزرگانِ جماعت سے استدعا ہے کہ برادرم مولوی صاحب کی صحت عاجلہ و کاملہ کے لئے دردِ دل سے دُعا فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

### ایک احمدی بچّی کا ختمِ قرآن

مولوی احمد گل صاحب مسلم ٹاؤن سے اطلاع دیتے ہیں کہ : گُل نسرین نے۔ جو بیگم جاوید احمد صاحبہ کے زیر کفالت ہے۔ قرآن کریم ناظرہ ختم کیا ہے۔ اس خوشی میں بیگم صاحبہ موصوفہ نے پچیس روپے برائے اشاعت قرآن کریم انجمن کو عطا فرمائے ہیں۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بیگم صاحبہ موصوفہ کو اس غریب نوازی کا اجرِ عظیم عطا

# کہ او مجدد ایں دین و رہنما باشد

یہ مقالہ مسیح موعودؑ نمبر کے لئے لکھا گیا تھا۔ مگر دفتر پیغام صلح میں تاخیر سے پہنچنے کے باعث شامل اشاعت نہ ہو سکا۔ ہم صاحب مقالہ جناب فخرالدین احمد صاحب (جو صاحب قلم ہونے کے علاوہ احمدیہ لٹریچر پر بھی پورا پورا عبور رکھتے ہیں) کے مشکور ہیں۔ اور اس مقالہ کے مسیح موعودؑ نمبر میں شامل نہ ہو سکنے پر معذرت خواہ بھی ہیں (ادارہ)

رَبّ العالمین نے اپنی مخلوق کے لئے جسمانی نشو و نما کے سامان بھی پیدا کئے ہیں اور روحانی ربوبیت کے اسباب بھی پیدا کئے ہیں۔ خشک زمین پر مینہہ برساتا ہے تو روئیدگی نمودار ہوتی ہے غلّہ و اناج اُگتا ہے۔ پینے کے لئے پانی میسّر آتا ہے۔ صنعت و حرفت کے لئے پانی اور پانی سے بجلی حاصل کی جاتی ہے۔ الغرض آسمانی بارش سے عالم رنگ و بو میں رونق اور بہار آ جاتی ہے۔ اسی طرح جب زمین روحانی طور پر مردہ اور بے جان ہو جاتی ہے۔ تو آسمان سے ایک بارش نازل ہوتی ہے۔ جو مردہ دلوں کو زندگی بخشتی ہے۔ اور دلوں میں خشیۃ اللہ، پاک بازی راست روی اور خدا کو پانے کے لئے تڑپ پیدا ہو جاتی ہے۔

یہ بارش ماموروں کی بعثت ہوتی ہے جنہیں اللہ کریم و تبارک حسب وقت پر خلعت ماموریت سے سرفراز کرتا ہے۔ حضرت نبی کریم صلعم نے اپنے متبعین کو یہ بشارت دی ہے کہ خداوند قادر و توانا اُمتِ محمدیہ میں ہر صدی کے سر پر ایسے برگزیدہ لوگ مامور کیا کرے گا جو دین اسلام کی خدمت اور اشاعت کیا کریں گے۔ اور وہ غلط اور ناروا باتیں جو بمرورِ ایام پیدا ہو گئی ہوں گی۔ ان کو دُور کر کے اسلام کے تابندہ چہرے کو پھر وہی حسن اور نکھار اور درخشندگی دیں گے جو اس میں ابتدائی زمانہ میں پائی جاتی تھی۔ تاریخِ اسلام گواہ ہے کہ گذشتہ تیرہ صدیوں میں مجدّدین کرام آتے اور انہوں نے ضرورت زمانہ کے مطابق اس دین کی خدمت اور تجدید کی۔ یہ الگ بات ہے کہ ان مجدّدین پر علمائے سوء نے کُفر کے فتوے لگائے انکی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ اور انہیں طرح طرح سے ستایا۔ مگر تاریخ نے ان ماموروں کی صداقت پر گواہی دی اور ان کی خدماتِ جلیلہ کا ذکر محفوظ کر دیا۔ چودھویں صدی پُرفتن اور مفاسد کا زمانہ ہے۔ اس لئے اس صدی میں ایک عظیم الشان مجدّد کی بعثت ضروری تھی۔ صدی کا سر گذر کر اختتام کو پہنچ چکا ہے۔ مگر ماسوا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے اور کسی نے مجدّد صدی چہاردہم ہونے کا دعوے نہیں کیا۔ غور طلب امر تو یہ ہے کہ جب گذشتہ تیرہ صدیوں میں مجددینِ کرام کی بعثت ثابت ہے تو چودھویں صدی میں جب فتن اور مفاسد زوروں پر ہونے تھے مجدّد مبعوث کیوں نہ ہو۔

اس صدی میں علاوہ اور خرابیوں اور بد اعتقادیوں کے جو نمودار ہوئیں سب سے عظیم فتنہ وجود باری تعالےٰ کا انکار تھا۔ مغربی فلسفہ نے نیچریت کو پھیلا رکھا تھا۔ یہاں تک کہ خدائے واحد پر ایمان رکھنے والے بھی خدا کی صفات پر اس حد تک ایمان نہ رکھتے تھے جیسا کہ حق کا تقاضا تھا۔ ان کے نزدیک خدا کا سلسلہ مکالمہ مخاطبہ بند ہو چکا تھا۔ نمازوں میں بے شک وہ خدا کو سمیع تسلیم کرتے تھے مگر اس کی اس صفت کا انکار کرتے تھے کہ وہ ہماری پکار

چودھویں صدی ہجری شروع ہوتے ہی قومی شاعروں نے اسلام کے مرثئے لکھے۔ مذاہب دین کی اسلام سے بے رُخی کے نوحے لکھے۔ مسلمان قوم کے زوال، نکبت و ادبار کی داستانیں بتا رہی تھیں کہ کسی عظیم الشان مصلح کی آمد آمد ہے۔ دین اسلام دنیا میں غالب ہونے کے لئے آیا ہے۔ اس کی خوبصورت تعلیم زیادہ عرصہ تک نگاہوں سے نہیں جا سکتی۔ صدی کے سر پر صلیب کے علمبردار۔ مشرکین ہنود اور ملحد اسلام پر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے۔ لاکھوں فرزندانِ توحید اسلام کو خیرباد کہکر صلیبی گوشے سے لگا چکے تھے۔ زنّار پہن چکے تھے۔ ایسے مشکل وقت میں خدا تعالےٰ نے مجدّدِ وقت کی خلعت مرزا غلام احمد قادیانی کو عطا کی۔ آپ نے دنیا کو چیلنج کیا کہ آؤ میں حق کے متلاشیوں کو زندہ اور قادر خدا دکھلاتا ہوں۔ پھر آپ نے خداوند تعالےٰ کے زندہ اور قادر خدا ہونے کے ثبوت دیئے اور ان بشارات کا ذکر کیا جو آپ کو قبل از وقت دی گئی تھیں اور وقت پر پوری ہوئیں۔ اس سلسلے میں جلسہ مذاہب عالم کا ذکر کرنا کافی ہوگا۔ لاہور میں دنیا بھر کے ادیان کے نمائندوں کو ایک جلسہ میں مدعو کیا گیا کہ وہ اپنے اپنے دین کی خوبیاں بیان کریں۔ اسلام کی نمائندگی حضرت مرزا صاحب کر رہے تھے۔ تاریخ انعقاد جلسہ سے قبل آپ نے اعلان کر دیا کہ میرے خدا نے مجھے بشارت دی ہے کہ میرا مضمون سب مضامین پر غالب رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مضمون نہ صرف اس جلسے میں مقبول ہوا بلکہ اب تک وہ لاکھوں کی تعداد میں مشرق و مغرب میں تقسیم ہو چکا ہے جو اس کی مقبولیت کی دلیل ہے۔ اس مضمون میں آپ نے اسلامی تعلیم کو جس خوبصورت انداز اور دل نشین طرز میں پیش کیا ہے وہ آج بھی متلاشیان حق کے لئے ذریعہ ہدایت ہے۔

عیسائی پادریوں اور آریہ سماجی پنڈتوں اور ملحدوں کو آپ نے للکارا اور ان کے اعتراضات کے دندان شکن جواب دیئے۔ آپ کے مخالفین کو بھی اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ اعدائے اسلام کی یلغار کو روکنے کے لئے مرزا غلام احمد اور ان کے ساتھیوں نے جو قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں۔ وہ فقید المثال ہیں۔

حضرت مجدّدِ دوران امام الزمان کی بعثت سے نہ صرف یہ کہ حدیث مجدّد کی صداقت ثابت ہوتی ہے بلکہ وقت کا تقاضا بھی تھا کہ اس وقت کوئی ایسا مسیح نفس ظاہر ہو جو روحانی مُردوں کو جلائے اور تا احیائے اسلام ہو کہ دوبارہ ملتِ محمدیہ میں رونق اور بہار آ جائے۔ حضرت مرزا صاحب نے ایک ایسی جماعت پیدا کی جو صحیح اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ تھی۔ آپ کی وفات کے بعد ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم نے دانشوروں کے ایک مجمع میں اس امر کا اعتراف کیا کہ آج بھی ٹھیٹھ اسلامی سیرت کا نمونہ دیکھنا ہو تو مرزا غُلام احمد کی تیار کردہ جماعت میں وہ زندہ نمونہ نظر آتا ہے۔ گویا ۱۹۱۱ء میں سلسلہ احمدیہ ٹھیٹھ اسلامی سیرت کا نمونہ تھا۔ دوسرے لفظوں میں بانیٔ سلسلۂ احمدیہ نے صحیح اسلامی بنیادوں پر یہ جماعت تیار کی تھی۔ اس جماعت میں سے مولانا محمد علی مرحوم۔ اور خواجہ کمال الدین مرحوم کی دینی خدمات ایک مسلّمہ حقیقت ہے۔ انہیں اپنوں اور بیگانوں دونوں نے سراہا ہے۔

اپنے استاد سے حاصل کردہ تعلیم کو ان دونوں بزرگوں نے تحریر اور تقریر کے ذریعے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلایا اور نبی کریم صلعم کی سیرت طیبہ اور قرآن کریم کے پیغام حریت کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچایا۔ یہ خدماتِ اسلامی تھیں جن کے سرانجام دینے کے لئے

اس صدی میں مجدد مبعوث ہوا۔ تاریخ گواہ ہے کہ بلادِ غیر میں تبلیغی مشن سب سے پہلے مجددِ وقت کے شاگردوں نے کھولے اور انہوں نے بڑے بڑے جابر حکمرانوں کے ملک میں جا کر اسلام کی تبلیغ کی اور قرآن کریم کی اشاعت کی۔ درحقیقت یہی وہ جہادِ اکبر تھا جس کے لئے امام زمانؑ نے ایک جماعت کی بنیاد رکھی انہوں نے کوئی الگ فرقہ یا دین قائم نہیں کیا بلکہ دینِ اسلام کے ارکان اور شعائر کی پابندی پر زور دیا۔ حضرت مجدد جب لوگوں سے بیعت اخوت لیتے تھے کہ انہیں اپنی جماعت میں داخل کریں تو پہلے ان سے توحید اور رسالت نبیٔ آخر زمان صلعم کا اقرار لیتے تھے اور نبی اکرم صلعم پر کثرت سے درود بھیجنے کی تلقین کرتے تھے۔ اور بیعت کنندہ سے اس امر کا عہد لیتے تھے کہ وہ دین کو دنیا پر مقدم رکھے گا۔ اور رسم و رواج اور ہوائے نفس سے باز رہے گا۔ یہی وہ خصائص تھے جن کی وجہ سے یہ جماعت ٹھیٹھ اسلامی سیرت کا نمونہ تھی۔

ایک اعتراض کیا جاتا ہے کہ حضرت امام الزمانؑ نے جہاد بالسیف کو ترک کرنے کی تعلیم دی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس ملک میں وہ حالات اور وجوہ بھی موجود تھے جن کی بناء پر قرآن کریم نے مخالفوں سے جنگ کرنے کی اجازت دی اور پھر کیا اسلام کی اشاعت کے لئے تیر و کمان، توپ و تفنگ جائز بھی ہے۔ خدا تو حکم دیتا ہے کہ دین میں زبردستی منوانا نہیں اور اس حکم کی موجودگی میں کوئی سیف کو ہاتھوں میں لے کر اسلام پھیلانے کے لئے بڑھ سکتا ہے۔ حضرت مجددِ اعظم کے زمانے سے لے کر تو آج تک دنیا کے کسی اسلامی ملک نے اشاعت اسلام کے لئے تلوار نہیں اٹھائی۔ سچ تو یہ ہے کہ قرون اولیٰ کی تمام جنگیں مدافعانہ تھیں اس لئے اس زمانے میں بھی جب مخالفین اور اعدائے اسلام نے قلمی جنگ جاری کی تو اس کے مقابلے میں امام الزمان نے بھی قلم سے ہی کام لیا اور صف اعدائے کو بحجت پامال کیا۔

یہ سنۃ اللہ ہے کہ داعیان الی اللہ کو ہمیشہ نامساعد اور مخالف حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ اور ان کے متبعین کو طرح طرح سے ستایا جاتا رہا ہے۔ اصحاب کہف کو دیکھ لیجئے۔ تین سو سال تک وہ جور و ستم کا شکار بنے رہے۔ ادھر حضرت مسیح علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ و تبارک کا وعدہ تھا کہ میں تیرا اتباع کرنے والوں کو ان کے معاندین اور مخالفین پر غلبہ دوں گا۔ خدا تعالیٰ برحق ہے اور اس کا کلام اور وعدہ بھی برحق ہے زمین و آسمان ٹل سکتے ہیں مگر خدا کی باتیں نہیں ٹلتیں اس کے مامورین کا اتباع کرنے والے مخالفوں پر غالب آتے رہے ہیں اور وہ وعدہ اب بھی قائم ہے بشرطیکہ کوئی اپنے عہد بیعت میں پورا اترے۔ فتح اسلام اور نصرتِ دین مجدد صدی چہاردہم کے لئے مقدر ہے اور انکی جماعت کے ساتھ بشرطیکہ وہ اپنے عہد بیعت پر کاربند رہیں۔ مبارک ہیں وہ جو اپنے نفسوں کو ٹٹولتے ہیں اور حضرت امام الزمان کے مشن کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل رہتے ہیں۔ حضرت فرماتے ہیں:-

لوائے ما پنہ ہر سعید خواہد بود
ندائے فتح نمایاں بنامِ ما باشد

---

## تاتوانی با جماعت یار باش

مولانا مرتضیٰ خان حسن بی۔ اے مرحوم

تاتوانی با جماعت یار باش + غمگسار و مونس و غمخوار باش
تاتوانی با نکوکاراں نشیں + تاتوانی از بداں بیزار باش
دور باش از فتنہ و شر و فساد + وز شریراں جہاں ہشیار باش
در دو عالم گر بخواہی سروری + خاک پائے احمد مختار باش
عمر تو بگذشت و در خوابی ہنوز + ایں چنیں غفلت چرا بیدار باش

---

# بیرونِ پاکستان کے مسلمان

(بسلسلہ صفحہ ۲)

(بھارت) اپنے عزیزوں سے ملنے گئے تھے۔ انہوں نے واپس آن کر بیان کیا کہ بھارت میں وہاں کے کئی ایک مسلمان اکابرین اور مذہبی لیڈروں نے اُن سے بہ حیرت استفسار کیا کہ بھئی یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جماعت احمدیہ کے لوگ جو سال ہا سال سے مذہب اسلام کی تبلیغ کرتے رہے اور کافروں کو مسلمان بناتے رہے۔ وہ دیکھتے دیکھتے چند علمائے سوء کے پروپیگنڈے اور ایجی ٹیشن سے اور قانونی ایچا پیچی سے "غیر مسلم اقلیت" قرار دیدیئے گئے۔ حالانکہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے اور کلمۂ شہادت پڑھتے اور آنحضرت صلعم کو خاتم النبیین مانتے ہیں۔ ہمارے ہندوستان میں جب کوئی اچھوت مسلمان کیا جاتا ہے۔ تو اسے مسجد میں لے کر صرف کلمۂ شہادت ہی پڑھا کر مسلمان کیا جاتا ہے۔ اور آنحضرت کی ختمِ نبوت کا زبانی اقرار اس وقت نہیں کروایا جاتا وہ تو خود بخود ہی تسلیم شدہ ہے۔ نہ اس کو کہا جاتا ہے کہ اپنے پہلے ہندو مذہب کے اوتاروں اور گروؤں کو برا بھلا کہو ورنہ پورے مسلمان نہیں بن سکوگے۔ آنحضرت صلعم کی حدیث صحیح ہے۔ ابی ذرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا جو شخص کسی کو کافر کہہ کے پکارے یا خدا کا دشمن کہے اور وہ ایسا نہ ہو تو یہ کلمہ کہنے والے پر لوٹ کر پڑ جاتا ہے (بخاری و مسلم) پھر حضور صلعم نے منع فرمایا کہ کسی مذہب یا فرقہ کے پیشوا کو برا مت کہو۔ جو نہ صرف بد اخلاقی ہے۔ بلکہ ممکن ہے کہ اس فرقے کا شخص جواب میں تمہارے مذہب کے پیشوا کو برا کہے اس سے اجتناب کرو۔ حضرت نبی کریم صلعم نے تو نجران کے عیسائی وفد کو مسجد نبویؐ میں اپنا گرجا کرنے اور عبادت کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ کہاں وہ خلقِ عظیم اور مروت اور کہاں ہمارے آجکل کے مسلمان کہ دوسرے مسلمان فرقہ کے فرد کو اپنی مسجد میں نماز کے لئے گھسنے نہیں دیتے۔ حالانکہ دونوں ارکانِ اسلام ہی بجا لاتے ہیں۔ بعض جماعتوں کی تنظیم اور گروہ بندی ایسی زبردست۔ صاحب ثروت و بااثر ہے کہ جہاں وہ جاتے اور رہتے ہیں سب ان کو مسلمان ہی سمجھتے ہیں اور ان سے میل جول رکھتے ہیں اور ان کی عزت کرتے ہیں۔ اس کی وجوہات تو ظاہر ہیں۔ ان کا دھڑا یا جماعتی نظام بڑا سخت اور زبردست ہے۔ ان کی عبادتیں اور سوشل میل جول اور شادیاں فرقہ کے اندر ہی ہوتی ہیں۔ وہ عام طور پر تجارت پیشہ اور متمول ہیں اور اپنی جماعت کے غریب لوگوں کی ہر طرح مدد کرتے ہیں۔ حکومتِ وقت سے بنا کر رکھتے ہیں۔ دوسرے فرقوں اور جماعتوں کے معاملات میں دخل در معقولات نہیں کرتے۔ مخیر بھی ہوتے ہیں اور قومی کاموں میں حصہ بھی لیتے ہیں۔ اپنی غیرت اپنے ہاتھ والا معاملہ ہے۔ اس لئے ہر کوئی اُن سے بنا کر رکھتا ہے اور ان کو برا بھلا نہیں کہتا۔ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے اور کہلاتے ہیں۔

ان سب باتوں سے ہماری احمدیہ جماعت کو سبق سیکھنا چاہیئے ہمارا مشن اشاعت اسلام اور خدماتِ دین ہے۔ پالیٹکس سے ہمیں غرض نہیں۔ مگر جماعتی تنظیم اور اس کی خاطر مالی قربانیاں کرنا ضروری ہے اگر فی الحال پاکستان میں نہیں تو بیرونی ممالک میں اشاعت اسلام اور خدمتِ دینیہ کے مواقع موجود ہیں۔ وہاں آپ مسلمان ہوتے ہوئے "مسلمان" ہی کہلائیں گے۔ انشاءاللہ اور آپ کے کاموں سے آپ کی قدر ہوگی۔ اے خدا تو ایسا ہی کر۔

مکرم راجہ عبدالمجید صاحب چھکسی ضلع ملتان

# عقیدہ بعثتِ مجددینِ قرآن کریم، احادیثِ رسول صلعم اور تعامل اولیائے امت کے عین مطابق ہے

## چودھویں صدی کا مجدد جس نے مسیح موعود ہو کر آنا تھا۔ اب تک کیوں نہیں آیا؟

(قسط نمبر ۲)

لیکن جب آپ نے مجدد کے بعد مسیح موعود ہونے کا دعوےٰ کیا۔ تو علماء مخالف ہو گئے اور انہوں نے نوبت کفر کے فتوؤں تک پہنچائی۔ اور جو کچھ مکتوبات مجدد الف ثانی سرہندی۔ فتوحاتِ مکیہ۔ حجج الکرامہ اور احادیث میں لکھا ہے اس کو سچ کر دکھایا۔ یعنی لکھا ہے:۔

کہ "مسیح اور مہدی کی علماء مخالفت کریں گے۔ ان کا نام گمراہ۔ ملحد۔ کافر اور دجال رکھیں گے اور کہیں گے انہوں نے دین کو بگاڑ دیا اور احادیث کو چھوڑ دیا"

ان کتابوں میں یہاں تک لکھا ہے:۔

"بجز چند افراد کے تمام علمائے اسلام جو زمین میں رہتے ہیں سب اتفاق کریں گے کہ یہ شخص کافر ہے"

یہ پہلی کتابوں کی پیشین گوئیاں بڑی غور طلب ہیں۔ علمائے وقت نے کفر کے فتوے لگا کر ان پیشگوئیوں کو خود ہی پورا کر دیا۔ اور یوں حضرت مرزا صاحب کے مسیح موعود ہونے پر مہر ثبت کر دی۔ حضرت مرزا صاحب کے ساتھ بعینہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام والا معاملہ ہوا۔ یہودیوں نے ان پر کفر کا فتوےٰ لگا کر ان کو صلیب تک پہنچایا اور پہلی کتابوں کی پیشگوئیاں کہ یہودی علماء حضرت عیسےٰ علیہ السلام پر کفر کا فتوےٰ لگائیں گے پوری کر دیں اور عیسائیوں نے یعنی ان کے مریدوں نے ان کے بعد ان کو نبی سے خدا بنا دیا۔ ایسے ہی مسلمانوں کے علمائے وقت نے حضرت مرزا صاحب پر کفر کے فتوے لگائے اور ان کے اپنے مریدوں کے ایک گروہ نے ان کو مجدد اور مسیح موعود سے نبی بنا دیا۔ یوں ان کا مثیل مسیح ہونا ثابت کر دیا۔ نہ ہی حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے خدائی کا دعوےٰ کیا اور نہ ہی حضرت مرزا صاحب نے نبوت کا دعوےٰ کیا۔ اللہ تعالےٰ کے نزدیک دونوں کے مرید جنہوں نے غلو کر کے ایک کو خدا اور دوسرے کو مجدد سے نبی بنایا گرفت میں آویں گے۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام تو خدائی کے دعوے سے قیامت کے دن انکاری ہوں گے۔ لیکن حضرت مرزا صاحب نے تو نبوت کے دعوےٰ سے اسی دنیا میں اپنی زندگی میں ۳۰ سال تک برابر انکار کرتے رہے اور خدا کو گواہ ٹھہرا کر قسمیں کھاتے رہے اور لوگوں کو یقین دلاتے رہے کہ میرا دعوےٰ نبوت کا نہیں مجددیت کا ہے جو خدا کے حکم سے عین وقت پر کیا گیا ہے۔ تعجب کی بات ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ حضرت مرزا صاحب کا یہ افترا برابر تیس سال تک سنتا رہا۔ اور اپنی سنت کے مطابق اس افتراء پر گرفت نہ کی بلکہ جب حضرت سید الشہدین صاحب العلم نے اللہ تعالےٰ کے حضور دعا کی کہ مرزا سچا ہے یا جھوٹا ہے تو کشف میں بذریعہ رسول کریم مرزا صاحب کے خدا کی طرف سے آنے اور سچا ہونے کی تصدیق کر دی۔ اور دوسری طرف مولوی محی الدین لکھو کے والے نے جب حضرت مرزا صاحب کی موت کے متعلق اپنا الہام شائع کیا تو وہ خود مر گیا۔ مولوی اسمٰعیل علی گڑھ والے نے شائع کیا تو وہ مر گیا۔ مولوی غلام دستگیر نے اپنی کتاب تالیف کر کے اپنے مرنے سے پہلے حضرت مرزا صاحب کا پہلے ان کا بڑے زور شور سے شائع کیا وہ بھی خود مر گیا۔ اسی طرح پادری حمید اللہ پشاوری نے حضرت مرزا صاحب کی موت کی نسبت دس ماہ کی معیاد رکھ کر پیشگوئی شائع کی وہ مر گیا۔ بلکہ مذکورہ بالا مولوی صاحبان نے تو قطعی حکم لگایا کہ اگر "مرزا" کاذب ہے تو ہم سے پہلے مرے گا۔ اور ضرور ہم سے پہلے مرے گا کیونکہ کاذب ہے۔ ان کی موت نے فیصلہ کر دیا کہ کاذب کون تھا۔ مرزا صاحب نے اپنی کتابوں میں یہ تو بار بار لکھا ہے کہ ہمارا دعوےٰ مجدد اور مسیح موعود ہونے کا دعوےٰ ہے۔ کیا کوئی دکھا سکتا ہے۔ کہ کسی کتاب میں لکھا ہو۔ کہ ہمارا دعوےٰ نبوت کا ہے؟ یا کسی مرید سے نبوت کی بیعت کی ہو؟۔ کیا نبی کے لئے ضروری نہیں کہ وہ اپنے ماننے والوں سے اپنی نبوت کا اقرار کرائے۔ اس کی بھی دنیا میں کوئی نظیر نہیں کہ آدم سے لے کر رسول کریمؐ تک جتنے بھی نبی آئے کسی ایک نے بھی نبوت کا اقرار اپنے ماننے والوں سے نہ لیا ہو۔ ہمارے بزرگوں نے حضرت مرزا صاحبؒ کی بیعت کرتے وقت آپ کے ہاتھ پر عقد اخوت باندھا تھا۔ نبوت کا اقرار نہیں کیا تھا۔ یہ بات بھی ثابت کرتی ہے کہ حضرت مرزا صاحب کا دعوےٰ نبوت کا ہرگز نہ تھا۔ پھر مرزا صاحب کا اعلان ہے:۔

ما مسلمانیم از فضل خدا + مصطفےٰ مارا امام و پیشوا
ہست او خیرالرسل خیرالانام + ہر نبوت را بروشد اختتام

کے بعد بھی اگر کوئی اصرار کرے کہ حضرت مرزا صاحبؒ نے نبوت کا دعوےٰ کیا تھا۔ تو اس کا معاملہ سپرد خدا ہے۔ مرزا صاحب کے بعد اگر کسی نے نبوت کا دعوےٰ ان کی طرف منسوب کر دیا ہو۔ تو اس کی ذمہ داری آپ پر نہیں آسکتی۔ جس کسی نے ایسا دعوےٰ منسوب کیا ہے۔ وہ ذمہ دار ہے۔ اس پر لازم ہے۔ کہ آپ کی کتابوں میں جس طرح ان کا اعلان ہے:۔

"میرا دعوےٰ یہ ہے۔ کہ میں مسیح موعود ہوں" یا

"نبوت کا دعوےٰ نہیں محدثیت کا دعوےٰ ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے"

"میں نبوت کا مدعی نہیں بلکہ ایسے مدعی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں"

"اور ان لوگوں نے مجھ پر افترا کیا گیا ہے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ نبی کا دعوےٰ کیا ہو"

ایسا ہی کوئی اعلان دکھلائے جس میں یہ لکھا ہو:۔

"کہ میرا دعوےٰ نبوت کا ہے"

یا یہ دکھلائے کہ آپ نے مدعی وحی نبوت ہونے کا دعوے کیا ہو؟ یا یہ تحریر کیا ہو کہ میرے دعوے کے انکار سے کفر لازم آتا ہے بلکہ برخلاف ان کے ہر جگہ یہی لکھا ہے کہ مجھے وحی ولایت کا دعوےٰ ہے، وحی نبوت بعد رسول اللہ صلعم ہمیشہ کے لئے بند ہو چکی ہے۔ نیز بار بار یہ لکھا کہ میرے دعوے کے انکار سے کوئی شخص کافر نہیں ہو جاتا۔ یہ مجھ پر افتراء ہے۔ اور ایسا ہو نہیں سکتا کیونکہ ہم لاہوری "فرقہ احمدیہ" نے مرزا صاحب کے ہاتھ پر عقدِ اخوت باندھا ہے۔ اور ہم ان کو چودھویں صدی کا مجدد۔ مسیح اور مہدی مانتے ہیں۔ نبی ہرگز نہیں جانتے۔ نہ ہی انہوں نے ہم سے اپنی نبوت کا اقرار لیا ہے۔ ہم رسول کریمؐ کے بعد نبوت دعویٰ کرنے والے کو مرزا صاحب کی زبان میں" دائرہ اسلام سے خارج" مانتے ہیں

اور نہ ہی کسی کو نبی کریمؐ کے بعد مصلح دین مانتے ہیں۔ ہم رسول کریم کو خاتم النبیین قرآن کریم کو خاتم الکتب مانتے ہیں۔ اور رسول کریم صلعم کے اس اعلان کے بعد جو انہوں نے آخری حج کے موقعہ پر کیا کہ آج دین کمل کر دیا گیا ہے اسلام کو کامل دین سمجھتے ہیں۔ جس میں قیامت تک کسی قسم کا ردّ و بدل یا اصلاح نہیں ہو سکتی۔ مصلح دین کا مطلب تو وہی لوگ جانتے ہوں گے جنہوں نے اس لفظ کو کسی غرض کے لئے استعمال کیا ہے۔ البتہ اصلاح ان غلطیوں۔ غفلتوں اور افراط و تفریط کی ہو سکتی ہے۔ جو سو سال کے دوران اُمت کے اندر غلط فہمیوں کی وجہ سے رائج ہو جاویں۔ اس کام کے لئے اُمت میں مجدد دین کا سلسلہ جاری ہے۔ اور گذشتہ صدیوں کے سر پر مجدد آتے رہے اور اپنے اپنے وقت میں اُمت کے غافل لوگوں کو اپنا نمونہ احکام الٰہی پر خود عمل کر کے دکھاتے رہے اور امت کو قرآن اور حدیث کے مطابق عمل کرنے کی تاکید فرماتے رہے۔ اس طرح اگر کسی حکم پر غلط طریقہ سے عمل جاری ہو چکا تھا اس کی درستی فرماتے رہے اور جہاں افراط اور تفریط دیکھی اس کو بھی دُور فرماتے رہے۔ اسی کے مطابق حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ چودھویں صدی کے مجدد ہو کر آئے ان کے ذمہ دین اسلام کو دلائل و براہین سے تمام دنیا کے مذاہب پر غالب کرنا تھا۔ اب دیکھنا یہ چاہیئے کہ آیا حضرت مرزا صاحب نے براہین اور دلائل سے اسلام کو غالب کر دکھایا نہیں؟ سو اس بارے میں اسی مضمون میں حضرت مرزا صاحبؒ کے دعوے مجدد اور مسیح موعودؑ کی تصدیق جو اس وقت کے دو اولیاء اللہ کی پڑھ لی ہوگی۔ اب غلبۂ اسلام کے بارے میں اس وقت کے چند علماء کا جو آپ کی زندگی میں موجود تھے۔ اور غلبۂ اسلام کو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ملاحظہ فرمائیں:۔

(۱) حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی کتاب براہین احمدیہ پر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے جو ریویو لکھا ہے۔ وہ اشاعت السنۃ جلد ۷ نمبر ۶-۷-۸-۹-۱۰-اور گیارہ میں ۱۸۸۴ء میں جون تا نومبر کے نمبروں میں ۱۵۲ صفحوں پر ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"اب ہم اس پر اپنی رائے نہایت مختصر اور بے مبالغہ الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک تاریخ اسلام میں تالیف نہیں ہوئی اور آیندہ کی خبر نہیں۔ اور اس کا مؤلف بھی اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے۔ جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت ہی کم پائی گئی ہے۔ ہمارے الفاظ کو کوئی ایشیائی مبالغہ سمجھے تو ہم کو کم از کم ایک ایسی کتاب بتا دے جس میں جملہ فرقہ ہائے مخالفین اسلام خصوصاً فرقہ آریہ و برہم سماج کا اس زور و شور سے مقابلہ پایا جاتا ہو۔ اور دو چار ایسے اشخاص انصار اسلام کی نشان دہی کرے جنہوں نے اسلام کی نصرت مالی و جانی و قلمی و لسانی کے علاوہ حالی نصرت کا بھی بیڑہ اٹھایا ہو اور مخالفین اسلام و منکرین الہام کے مقابلہ میں مردانہ تحدّی کے ساتھ یہ دعوے کیا ہو کہ جس کو وجود الہام کا شک ہو وہ ہمارے پاس آ کر اس کا تجربہ و مشاہدہ کرے اور اس تجربہ و مشاہدہ کا اقوام غیر کو مزہ بھی چکھا دیا۔"

"مؤلف براہین احمدیہ نے مسلمانوں کی عزت رکھ دکھائی ہے۔ اور مخالفین اسلام سے شرطیں لگا لگا کر تحدّی کی ہے۔ اور یہ منادی اکثر روئے زمین پر کر دی۔ کہ جس شخص کو اسلام کی حقانیت میں شک ہو۔ وہ ہمارے پاس آوے اور اس کی صداقت دلائل عقلیہ قرآنیہ و معجزات نبویہ سے (جس سے وہ اپنے خوارق مراد رکھتے ہیں) بچشم خود ملاحظہ کرے۔"

(۲) مولانا ابوالکلام آزاد:۔

"اس میں کلام نہیں کہ مختلف مذاہب کے مقابل پر اسلام کو نمایاں کر دینے کی ان میں مخصوص قابلیت تھی۔ آئندہ امید نہیں کہ ہندوستان کی مذہبی دنیا میں اس شان کا شخص پیدا ہو"۔

(اخبار وکیل ۱۹۰۸ء امرتسر)

(۳) مولوی سراج دین والد مولوی ظفر علی خاں صاحب لاہور

"جوانی میں نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے۔ مرزا صاحب کے دعاوی الہامات کے قائل یا معتقد ہونے کی عزت حاصل نہ ہوئی۔ مگر ہم کو پکا مسلمان سمجھتے ہیں"۔ (اخبار زمیندار مؤرخہ ۸ر جون ۱۹۰۸ء)

(۴) مولوی بشیر الدین صاحب مدیر صادق الاخبار ریواڑی:۔

"مرزا صاحب نے مخالفین اسلام کو ان کے بےسر اعتراضات کے دندان شکن جواب دے کر ہمیشہ کے لئے ساکت کر دیا۔"

(اخبار مئی ۱۹۰۸ء)

(۵) شمس العلماء مولانا ممتاز علی صاحب:۔

"مرزا صاحب مرحوم نہایت مقدس اور برگزیدہ بزرگ تھے۔ اور نیکی کی ایسی قوت رکھتے تھے جو سخت سے سخت دلوں کی تسخیر کر لیتی ہے۔ وہ نہایت باخبر عالم۔ بلند ہمت مصلح اور پاک زندگی کا نمونہ تھے۔ ہم ان کو مذہباً مسیح موعود نہیں مانتے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ آپ کی ہدایت اور رہنمائی مردہ رُوحوں کے لئے واقعی مسیحائی کا کام کرتی تھی۔"

(تہذیب نسواں)

(۶) مولانا عبداللہ العمادی ایڈیٹر اخبار وکیل:۔

"وہ شخص بہت بڑا شخص جس کا قلم سحر تھا اور زبان جادو وہ شخص جو عجائبات کا مجسمہ تھا جس کی نظر فتنہ اور جس کی آواز حشر تھی۔۔۔۔ وہ شخص جو مذہبی دنیا کے لئے تیس برس زلزلہ اور طوفان بنا رہا۔۔۔۔۔۔ دنیا سے خالی ہاتھ اُٹھ گیا۔"

(۷) مرزا حیرت دہلوی ایڈیٹر اخبار کرزن گزٹ:۔

"مرحوم کی وہ اعلیٰ خدمات جو اس نے آریوں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں اسلام کی کی ہیں وہ بہت تعریف کی مستحق ہیں۔۔۔۔۔۔۔ کسی بڑے سے بڑے آریہ اور کسی بڑے سے بڑے پادری کی یہ مجال نہ تھی کہ مرحوم سے مقابلہ میں زبان کھول سکے۔ اگرچہ مرحوم پنجابی تھا۔ مگر اس کے قلم میں اس قدر قوت تھی۔ کہ آج سارے پنجاب بلکہ سارے ہند میں بھی اس قوت کا کوئی لکھنے والا نہیں ۔۔۔۔۔ مرزا صاحب نے جو نمایاں ترقی اپنی قوت بازو سے حاصل کی اس کی نظیر سارے ہندوستان میں بہت کم ملے گی"

(کرزن گزٹ یکم جون ۱۹۰۸ء)

(۸) دسمبر ۱۸۹۶ء مورخہ ۲۶-۲۷-۲۸-۲۹ کو جلسہ اعظم مذاہب لاہور میں ہوا۔ اس کے متعلق حضرت مرزا صاحب نے مؤرخہ ۲۱ر دسمبر ۱۸۹۶ء بدیں مضمون اشتہار شائع کروا کر تقسیم کیا اور شہر لاہور میں دیواروں پر چسپاں کروایا تھا کہ مجھے خدائے علیم نے الہام سے مطلع فرمایا ہے کہ میرا مضمون سب پر غالب آئے گا۔ جو دوسری قومیں بشرطیکہ وہ حاضر ہوں اس کو اوّل سے آخر تک سنیں خلاف ہو جائیں گی۔ اور ہرگز قادر نہ ہوں گی کہ اپنی کتابوں کے یہ کمال دکھلا سکیں۔۔۔۔۔۔۔ خواہ عیسائی ہوں۔ خواہ آریہ خواہ سناتن دھرم والے یا کوئی اور کیونکہ خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے۔ کہ اس روز اس کی پاک کتاب کا جلوہ ظاہر ہو۔"

یہ لیکچر اسلامی اصول کی فلاسفی کے نام سے کتابی صورت میں چھپا ہوا موجود ہے۔ اور تقریباً دنیا کی بہت سی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

اس کے متعلق بعض آرا حسب ذیل ہیں۔

"اس جلسہ میں سامعین کی دلی اور خاص دلچسپی میرزا غلام احمد ... پڑھ کر سنایا۔ ۲۸ر دسمبر کو یہ لیکچر ۳½ گھنٹے تک ہوتا رہا اور عوام الناس نے نہایت خوشی اور توجہ سے اس کو سنا۔ لیکن ابھی صرف ایک سوال ختم ہوا تھا۔ مولوی عبدالکریم نے وعدہ کیا کہ اگر وقت ملا تو باقی کا بھی سنادوں گا۔ اس لئے اگزکٹو کمیٹی اور پریزیڈنٹ نے تجویز کرلی ہے کہ (اس مضمون کی خاطر ۲۹ر تاریخ کا دن بھی بڑھا دیا جائے۔"

(سول اینڈ ملٹری گزٹ بحوالہ مجدّدِ اعظم صفحہ ۴۴۸/۴۴۹)

"اگر اس جلسے میں حضرت مرزا صاحب کا مضمون نہ ہوتا۔ تو اسلامیوں پر غیر مذاہب والوں کے رُوبرو ذلت و ندامت کا قشقہ لگتا۔ مگر خدا کے زبردست ہاتھ نے مقدس اسلام کو گرنے سے بچا لیا۔ بلکہ اس کو اس مضمون کی بدولت ایسی فتح نصیب فرمائی کہ موافقین تو موافقین۔ مخالفین بھی سچے فطری جوش سے کہہ اُٹھے کہ یہ مضمون سب پر بالا ہے ــــ بالا ہے"

(جنرل وگوہر آصفی۔ کلکتہ ۲۴ر جنوری ۱۸۹۷ء)

آخر میں مَیں حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی ایک قسم نقل کرتا ہوں:۔

"مجھ کو خدا کی قسم ہے کہ مَیں مؤمن مسلمان ہوں اور ایمان رکھتا ہوں اللہ تعالیٰ پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور اس کے فرشتوں پر اور بعث بعد الموت پر اور میں ایمان رکھتا ہوں اس بات پر کہ ہمارے رسول محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم تمام رسولوں سے افضل اور خاتم النبیین ہیں"

اَب آپ کا اختیار ہے کہ اس قسم پر اعتبار کریں یا نہ کریں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:۔

ولا تقولوا لمن القیٰ الیکم السلام لست مؤمنا۔ جو شخص تمہیں السلام علیکم کہے تم اسے یہ نہ کہو کہ تو مؤمن نہیں۔

ہماری جماعت "لاہوری فرقۃ احمدیہ" خالص تبلیغی جماعت ہے جو دنیا میں تبلیغ اسلام اور اشاعتِ قرآن کرتی ہے۔ اس جماعت کو ملکی سیاست سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ پاکستان بننے سے پہلے یا بعد کبھی بھی اور کسی وقت بھی سیاست میں نہیں اُلجھی اور ہمیشہ حکومتِ وقت کی وفادار رہی۔ جماعت کے ممبران کے خلاف کبھی اور کسی وقت بھی ان کی وفاداری پر کسی برسرِ اقتدار حکومت نے شک وشبہ نہیں کیا۔ پاکستان کو وجود میں لانے کے لئے بھی دیگر مسلمانوں کی طرح انہوں نے وفاداری سے قائدِ اعظم اور مسلم لیگ کا ساتھ دیا۔ مسلمانوں میں تو ایسی جماعتیں تھیں جنہوں نے قائدِ اعظم کی اور پاکستان کی مخالفت کی اور اپنے ووٹ کانگرس کو دیئے۔ جن کے متعلق اَب بھی گاہے گاہے وزیرِ اعظم صاحب پاکستان اپنے خطبات میں فرماتے رہتے ہیں۔ کہ انہوں نے پاکستان کو اب تک دل سے تسلیم نہیں کیا۔ ہماری جماعت کے کام کو قائدِ اعظم نے بھی سراہا ہے۔ قائدِ اعظم نے کلمہ گویوں کو وحدت قائم کرکے پاکستان کا حصول ممکن بنایا تھا۔ اور اسی کلمہ گویوں کی وحدت کے صدقہ میں ملکوں کے مالک نے کلمہ گویوں کو یہ ملک عطا فرمایا تھا۔ احمدیوں کو قائدِ اعظم مسلمان سمجھتے تھے۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ جب مولانا عبدالحامد بدایونی نے حضرت قائدِ اعظم کی [illegible]

"موجودہ ہندی مسلمانوں میں مرزا غلام احمد قادیانی سب سے بڑے دینی مفکر ہیں۔"

اور دوسری دفعہ علی گڑھ کالج میں تقریر کرتے ہوئے ۱۹۱۱ء میں فرمایا:۔

"اگر تمہیں اس زمانہ میں ٹھیٹھ اسلامی تہذیب کا نمونہ دیکھنا ہو تو وہ اس اس فرقہ میں ملے گا جو قادیان میں پیدا ہوا ہے"

اور دیکھئے چودھری افضل حق صدر جمعیۃ الاحرار اپنی کتاب فتنۂ ارتداد اور پولیٹیکل قلابازیاں میں فرماتے ہیں:۔

"مسلمانوں کے دیگر فرقوں میں تو کوئی جماعت تبلیغی اغراض کے لئے پیدا نہ ہو سکی۔ ہاں ایک دل مسلمانوں کی غفلت سے مضطرب ہو کر اُٹھا اور ایک مختصر سی جماعت اپنے ارد گرد جمع کرکے اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے بڑھا۔ ......

تاہم اپنی جماعت میں وہ اشاعتی تڑپ پیدا کر گیا۔ جو نہ صرف مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے لئے قابلِ تقلید ہے، بلکہ دُنیا کی تمام اشاعتی جماعتوں کے لئے نمونہ ہے"

اس جماعت نے جو کچھ کیا وہ بھی مولانا عبدالماجد صاحب دریا بادی ایڈیٹر صدق سے سنئے:۔

"مولانا محمد علی صاحب کے انگریزی ترجمہ وتفسیر کی تبلیغی افادیت سے انکار کرنا گویا سورج کی روشنی سے انکار ہے۔ اس کے ذریعہ لاکھوں غیر مسلم قلوب اسلام کی جانب راغب ہوئے اور ہزاروں مسلمانوں کا ایمان اسلام پر دوبارہ پیدا ہوا"

محمد مارمیڈیوک پکتھال نے کہا ہے:۔

"مولانا محمد علی لاہور سے زیادہ طویل اور قابلِ قدر خدمات درباره تجدید اسلام کسی اور شخص نے نہیں کیں"

"لاہوری فرقۂ احمدیہ" اور "قادیانی فرقۂ احمدیہ" دونوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینا ایک کے ساتھ بے انصافی ہے۔ کیونکہ یہ دونوں فرقے ۱۹۱۴ء میں عقائد کی بناء پر ایک دوسرے سے علیحدہ ہوئے تھے۔ اور اَب بھی لاہوری حضرت مرزا صاحب کو مجدّد اور قادیانی نبی مانتے ہیں۔ اسی طرح لاہوری مانتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کو نہ ماننے سے کفر لازم نہیں آتا۔ اور قادیانی مانتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کو نہ ماننے سے کفر لازم آتا ہے۔ دونوں کو ایک صف میں کھڑے کرنا ایک سے یقیناً زیادتی ہے۔ اور پھر ایک ایسے فریق کو چھوڑ دینا بھی بے انصافی ہے جن کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام جب دنیا میں دوبارہ آویں گے وہ بدستور اپنی نبوت کے ساتھ آویں گے اور برابر پینتالیس برس تک اُن پر جبرئیل علیہ السلام وحی نبوت لے کر نازل ہوتے رہیں گے۔ دیکھیں مولوی صدیق حسن خاں کی کتاب حجج الکرامہ صفحہ ۴۳۲۔ اب بتلایا جاوے کہ ایسا عقیدہ رکھنے والوں کے نزدیک ختم نبوت کیسے باقی رہی؟ پھر ایک فریق اور ہے جو یہ مانتا ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام اُمتی بن کر آئیں گے۔ نبوت تو اُن کے پاس پہلے ہی ہے۔ اس طرح وہ اُمتی بھی اور نبی بھی کہلائیں گے۔ اور یہ اعلان کرتے ہیں کہ میں اُمتی بھی ہوں اور نبی بھی۔ اس وقت کے مولوی صاحبان ان پر بھی اسی آئین کے تحت فتوے لگائیں گے؟ ان ساری مشکلات سے دین کو بچانے کے لئے حضرت عیسٰے علیہ السلام نے اللہ

(باقی بر صلا کالم ۲)

# شذرات

## "سیاسی حاشیے"

"انتہا دیہ ہے کہ جماعت اسلامی اور مفتی محمود اور شاہ احمد نورانی کی کی جمعیتیں اسلام کے نفاذ کی دعویدار بنتی ہیں۔ مگر وہ جس نظام کی داعی ہیں اس کا نام بھی الگ الگ لیتی ہیں۔ جماعت اسلامی، اسلامی نظام کی دعوت دیتی ہے۔ مفتی محمود کی جمعیت نظامِ شریعت کا نام لیتی ہے۔ اور مولانا نورانی کی جمعیت نظام مصطفٰے کا نعرہ بلند کرتی ہے۔ ناموں کے اس اختلاف سے قطع نظر وہ اسلام کی کسی ایک تشریح اور تعبیر پر بھی متفق نہیں۔ متذکرہ دونوں جمعیتوں نے جماعت اسلامی کے اسلامی عقاید کو بارہا باطل قرار دیا ہے اور جماعتِ اسلامی تو اپنی تنظیم سے باہر کسی مسلمان ہی تسلیم نہیں کرتی۔ اور ان تمام مسلمانوں کو جو جماعت اسلامی کے پروگرام سے اتفاق نہیں رکھتے نام کا مسلمان یا نسلی مسلمان قرار دیتی ہے اسی بنیاد پر اس نے تحریک پاکستان اور مطالبہ پاکستان کی مخالفت کی تھی اور آج بھی وہ پاکستان کو اسلامی ریاست کی بجائے مسلمانوں کی قومی ریاست قرار دیتی ہے۔

اسی طرح مفتی محمود اور مولانا شاہ احمد نورانی بالترتیب دیو بندی اور اہلِ سنت والجماعت کے علماء کے گروہوں سے تعلق رکھتے ہیں اور جب اپنے اسلام کی تبلیغ پر آتے ہیں۔ تو ایک دوسرے پر شرک اور کفر تک کے فتوے لگا دیتے ہیں۔ گویا اپوزیشن کی جو جماعتیں خالص اسلام کی داعی ہیں انہوں نے اسلام کا بھی الگ الگ برانڈ بنا رکھا ہے"

(بشکریہ روزنامہ مشرق ۱۱رمئی ۱۹۷۶ء)

## "جان۔ مال اور عزّت کی حفاظت؟"

"لاہور۔ ۷رمئی (پ پ) جمہوری پارٹی کے صدر نوابزادہ نصراللہ خاں کے گھر واقع خان گڑھ میں گذشتہ رات مسلح ڈکیتی کی واردات ہوئی اور ڈاکو ان کے گھر سے تمام زیورات اور دیگر قیمتی سامان لے گئے نوابزادہ صاحب کل ہی متحدہ جمہوری محاذ کے اجلاس میں شرکت کے لئے خان گڑھ سے لاہور پہنچے تھے۔ آج انہوں نے ایک پریس کانفرنس میں بتایا کہ ڈکیتی کی اطلاع مجھے میرے بیٹے نے ٹیلیفون پر دی ہے انہوں نے بتایا کہ میں نے اس بارے میں پنجاب کے وزیر اعلیٰ سے بات کی ہے۔ اور انہوں نے مظفر گڑھ کے ڈپٹی کمشنر اور ایس پی کو حکم دیا ہے کہ وہ فی الفور ضلع مظفر گڑھ پہنچ کر رپورٹ بھیجیں۔

نوابزادہ صاحب نے الزام لگایا کہ ڈکیتی کی اس واردات کے پیچھے سیاسی ہاتھ ہے کیونکہ ماضی میں خان گڑھ کے علاقے میں کبھی کوئی ایسی واردات نہیں ہوئی انہوں نے کہا کہ سیاسی مخالفین کی زندگی، آبرو اور املاک حفاظت کرنے کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے۔" (نوائے وقت راولپنڈی مورخہ ۸رمئی ۱۹۷۶ء)

ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ پاکستان جس کا مقصد لا الٰہ الا اللہ تھا اور ہے یہاں پر آئے دن ایسے واقعات پڑھنے سننے اور دیکھنے میں آ رہے ہیں۔ نوابزادہ صاحب نے یہ الزام لگایا ہے کہ ڈکیتی کے پیچھے سیاسی ہاتھ ہے، حقیقت کچھ بھی ہو کیا ہم نوابزادہ صاحب سے دریافت کرنے کی جسارت کر سکتے ہیں کہ آپ جیسے تعلیمیافتہ۔ باشرع۔ سیاسی سوجھ بوجھ اور مشرقی تہذیب و تمدن کے پیکر انسان نے اس قوم کے بدقسمت عوام کی اصلاح کے لئے کیا اور کتنی خدمت کی ہے کہ پاکستان کو صحیح معنوں میں ایک اسلامی مملکت بنایا جا سکتا۔ اور ایسے لرزہ خیز اور قابل نفرت واقعات سے ملک عزیز کو پاک کر کے ہر شریف انسان کی عزّت۔ مال اور دولت محفوظ رکھی جا سکتی۔ یہی نہیں اس حکومت کا بھی ہاتھ بٹایا جا سکتا اور اُلجھے ہوئے حالات سے اُسے چھٹکارا حاصل ہوتا جو ملک اور قوم دونوں کے مفاد میں ہوتا۔ ہم یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ سیاسی اور مذہبی انتشار کسی حالت میں بھی مفید نہیں۔ آئیے مل کر اسلامی اتحاد اور رواداری کی تبلیغ کر کے اسلامی معاشرے کی بنیاد رکھیں۔ جب خشیۃ اللہ ہوگی تو ایسے واقعات سے خود بخود نجات حاصل ہو جائے گی۔

## آپ بھی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں

"جس قوم کے قلمکار اور علماء اپنے ضمیر نیلام کر دیں اس قوم کی قسمت میں صرف شکست رہ جاتی ہے۔ تحریک مجاہدین کے دَور میں بعض علماء کا جو کردار تھا وہ ان کے فتووں سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ انگریز نے جب دیکھا کہ مسلمان مذہب کے معاملے میں جذباتی اور جنونی ہیں اور جہاد کو مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں تو اس نے پہلا کام یہ کیا کہ عیسائیت کی تبلیغ شروع کر دی جس کا ایک طریقہ یہ بھی اختیار کیا کہ تمام سرکاری ملازموں کو جن میں مسلمانوں پر خصوصی توجہ دی گئی۔ ان الفاظ کا ایک گشتی مراسلہ بھیجا جس پر کلکتہ کے بڑے پادری ایڈمنڈ کے دستخط تھے۔

"اب ہندوستان میں ایک حکومت قائم ہو گئی ہے۔ تار برقی (ٹیلیگراف) سے سب جگہ کی خبر ایک ہو گئی ہے۔ ریلوے لائن اور سڑک سے آمد و رفت ایک ہو گئی ہے۔ مذہب بھی ایک ہونا چاہیئے۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ آپ بھی عیسائی ہو کر ایک مذھب سے منسلک ہو جائیں۔"

اس ضمن میں پادری فنڈر کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے۔ فنڈر تھا تو انگریز لیکن عربی اور فارسی کا بھی ماہر تھا اور اسلام کے متعلق اس کا مطالعہ بہت وسیع تھا وہ ۱۸۵۴ء میں ہندوستان آیا اور آتے ہی اس نے اسلام کے خلاف محاذ قائم کر دیا۔ اس نے اسلام کے خلاف جتنا پروپیگنڈا کیا ہے وہ آج تک کوئی اور نہیں کر سکا۔ اس کے دلائل جھوٹے ہی سہی مگر وزنی اور پُرکشش ہوتے تھے۔ وہ علماء کو مناظروں کے لئے چیلنج کرتا اور ہجوم اکٹھے کر کے مناظرے کرتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ علماء اس کے اعتراضات کے جواب دینے کے قابل نہیں تھے۔ سکولوں اور کالجوں میں اسلامی تعلیم کم کر دی گئی۔ فقہ۔ حدیث اور قرآن کا داخلہ ممنوع قرار دے گیا اور یہ حکم نامہ جاری ہوا کہ سرکاری ملازمت صرف اسے ملے گی جس کے پاس انگریزی تعلیم کی سند ہوگی۔

انگریزوں کے ہتھکنڈوں کا وہ اثر نہ ہوا جس کی انہیں توقع تھی اس کی بجائے قوم میں یہ ردِ عمل ظاہر ہوا کہ انگریزوں سے نجات حاصل کی جائے۔ ورنہ یہاں اسلام کا نام و نشان نہیں رہے گا۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی سب سے بڑی وجہ یہی تھی۔ انگریزوں نے بھانپ لیا کہ مسلمان جہاد کی درپردہ تیاریاں کر رہے ہیں۔ تو انہوں نے جہاں اور پیش بندیاں کیں وہاں ایک انتظام یہ بھی کیا کہ چند ایک علماء کو خرید لیا اور ان سے اس مسئلے پر فتوے لکھوائے اور نشر کئے کہ ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف جہاد جائز نہیں۔ ان علماء نے اس مسئلے کو یوں اُلجھایا کہ پہلے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ہندوستان دارالاسلام ہے یا نہیں۔ اس کے بعد یہ مسئلہ چھیڑ دیا کہ ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں۔ یعنی یہاں جہاد فرض ہوتا ہے یا نہیں۔

اس منصوبے کے تحت ایک فتوےٰ مکّہ کے علماء سے لیا گیا۔ جس میں یہ لکھوایا گیا —— "جس ملک میں جب تک اسلام کی بعض خصوصیات جاری ہیں وہ دارالاسلام ہے" —— اسے دارالحرب تسلیم کرنے یا نہ کرنے کا جواب ان علماء نے ان الفاظ میں فتوے کی صورت میں دیا —— "دارالاسلام اس وقت دارالحرب نہیں بن جاتا جب وہ کافروں کے ہاتھ میں چلا جائے بلکہ اس وقت دارالحرب بنتا ہے

جب اس میں اسلام کے تمام یا بہت سے احکام جاری نہ ہوں۔

انگریزوں نے اس فتوے کو مسجدوں، مذہبی اداروں، سکولوں، کالجوں اور ہر جگہ پہنچایا اور اس کی خوب تشہیر کی تاکہ ہندوستان کے مسلمان جان لیں کہ اگر کوئی دارالاسلام یعنی مسلمانوں کا کوئی ملک کافروں کے ہاتھ میں چلا جائے تو وہ دارالحرب نہیں بن جاتا، یعنی وہاں کافروں کے خلاف ہتھیار اُٹھانا گناہ ہے انگریزوں نے اس کی بھی تشہیر کی کہ ہندوستان میں مسلمانوں کو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر فرائض کی اجازت ہے۔ اس لئے یہ دارالحرب نہیں بن سکتا۔

ایک فتوے شمالی ہندوستان کے علماء سے لیا گیا۔ اس کی تحریر ملاحظہ فرمایئے:-

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ ہندوستان میں جہاد جائز ہے۔ یہ ملک پہلے مسلمان بادشاہ کے ماتحت تھا اور اب عیسائی حکومت کے زیرِ اقتدار ہے۔ یہ عیسائی بادشاہ اپنی مسلمان رعایا کے مذہبی فرائض میں مداخلت نہیں کرتا مثلاً نماز روزہ، حج، زکوٰۃ نماز جمعہ باجماعت اور مسلمانوں کو ان فرائض کی پوری پوری آزادی ہے۔ وہ عیسائی بادشاہ مسلمانوں کو پناہ دیتا ہے۔ بعینہ جیسے کوئی مسلمان بادشاہ دے گا۔ یہاں مسلمان رعایا کے پاس نہ اپنے حکمرانوں کے خلاف لڑنے کی طاقت ہے نہ ان کے پاس ہتھیار ہیں۔ اگر لڑائی (جہادِ آزادی) شروع کر دی جائے تو شکست ناگزیر ہے جس سے اسلام کی عزت کو نقصان پہنچے گا۔"

علماءِ دین اور مفتیان شرعِ متین" اس بارے میں فرماتے ہیں:-

"اس جگہ (ہندوستان میں) مسلمان عیسائیوں کی امان میں ہیں اور اس ملک میں جہاد واجب نہیں جہاں اہلِ اسلام کو پناہ حاصل ہو۔ جہاد کے لئے ضروری ہے کہ مسلمانوں اور کافروں کو پناہ اور آزادی حاصل نہ ہو لیکن یہاں یہ حالت نہیں۔ مزید برآں یہ ضروری ہے کہ جہاد کیا جائے تو اس میں مسلمانوں کی فتح اور اسلام کی برتری کا قیاس غالب ہو۔ اگر اس قسم کے قیاس کا امکان نہ ہو تو جہاد ناجائز ہے۔"

اس فتوے پر جن علماء کی مہریں ثبت کی گئیں ان کے نام یہ ہیں:۔۔۔ مولوی علی محمد لکھنوی، مولوی عبدالحئی لکھنوی، مولوی فیض اللہ لکھنوی، مولوی محمد نعیم لکھنوی مولوی رحمت اللہ لکھنوی، مولوی قطب الدین دہلوی۔ مولوی مفتی سعداللہ لکھنوی، مولوی لطف اللہ رامپوری، مولوی غلام علی رامپوری۔

اس فتوے میں یہ نقطہ واضح ہے کہ انگریزوں کی غلامی مسلمان کی شان کے خلاف نہیں۔ یعنی اس انگریز کی اطاعت قبول کرلو جو اسلام کی بیخ کنی کر رہا ہے۔ اس فتوے میں مسلمانوں کو بے مائیگی کا احساس دلاکر ان پر انگریزوں کی ہیبت طاری کی گئی ہے۔ کہا گیا ہے کہ مسلمان رعایا کے پاس اپنے حکمرانوں کے خلاف لڑنے کی طاقت نہیں۔ ہتھیار بھی نہیں۔ اس لئے جہاد جائز نہیں۔ یہاں تک کہا گیا ہے کہ یہاں مسلمان عیسائیوں کی امان میں ہیں۔ حالانکہ عیسائی مسلمانوں کو یہ دھمکی دے کر عیسائیت میں لینے کی کوشش کر رہے تھے کہ انہوں نے عیسائیت قبول نہ کی تو انہیں ملازمت سے الگ کر دیا جائے گا۔

یہاں تاریخ اسلام کا حوالہ دینا ضروری ہے۔ رسولِ اکرم صلعم نے جہاد کی ابتداء معرکۂ بدر سے کی تھی۔ آپ اچھی طرح جانتے تھے کہ کفار کی تعداد کئی گنا زیادہ ہے اور ان کے ہتھیار اور گھوڑے بھی بہتر ہیں۔ ان احوال وکوائف کا نتیجہ شکست بھی ہو سکتا تھا مگر رسولِ اکرم صلعم نے تین سو تیرہ مجاہدین سے ایک ہزار کفار کا مقابلہ کیا اور فتح پائی۔ اس کے بعد کفار سے جتنی بھی جنگیں لڑی گئیں ان میں کفار کو تعداد اور اسلحہ وغیرہ کی برتری حاصل تھی۔ رسولِ اکرم صلعم نے کبھی بھی یہ الفاظ نہیں کہے تھے جو اس فتوے میں لکھے گئے ہیں۔ یعنی۔۔۔"یہ ضروری ہے کہ جہاد کیا جائے تو اس میں مسلمانوں کی فتح اور اسلام کی برتری کا قیاس غالب ہو۔ اگر اس قسم کے قیاس کا امکان نہ ہو تو جہاد ناجائز ہے"۔

ایک فتوے اور پیش کیا جاتا ہے جو جنگ آزادی کے زمانے میں "محمڈن سوسائٹی کلکتہ کا فیصلہ" کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ اس فیصلے یا فتوے پر مولوی کرامت علی کے دستخط تھے۔ وہ لکھتے ہیں:-

"دوسرا سوال یہ ہے کہ ملک میں جہاد جائز ہے یا نہیں.......دارالسلام میں جہاد کی کسی حالت میں بھی اجازت نہیں۔ یہ امر اس قدر واضح ہے کہ اس کی حمایت کے لئے کوئی دلیل یا مثال پیش کرنا غیر ضروری ہے۔ اب اگر کوئی گم کردہ راہ مجنون اپنی الٹی قسمت کی وجہ سے ملک ہندوستان کے انگریز حاکموں کے خلاف جنگ شروع کر دے تو اس قسم کی جنگ کو بغاوت تصور کیا جائے گا۔ اور بغاوت اسلامی فقہ میں سخت منع ہے۔ اس لئے یہ جنگ بھی ناجائز ہوگی۔ اگر کوئی شخص کسی حالت میں بھی ایسی جنگ کرے گا تو مسلمان اپنے حاکموں کا ساتھ دینے پر مجبور ہوں گے اور ان کے ساتھ مل کر باغیوں سے جنگ کریں گے۔ مندرجہ بالا امر صاف طور پر فتاویٰ عالمگیری میں مرقوم ہے۔"

اس فتوے پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں۔ یہ فتویٰ اسلامی نظریات کے سراسر منافی ہے اور صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ انعام واکرام کے عوض لکھا گیا ہے اس ضمن میں خیال آتا ہے کہ پاکستان کے معرض وجود میں آتے ہی کشمیری مجاہدین نے ڈوگرہ راج کے خلاف جنگِ آزادی شروع کر دی تھی۔ قبائلی پٹھان کشمیری بھائیوں کی مدد کے لئے پہنچ گئے تھے۔ مقبوضہ علاقوں میں ہندوؤں نے مسلمانوں کا قتل عام اسی پیمانے پر کیا تھا جس پر مشرقی پنجاب میں کیا تھا۔ ہزارہا کشمیری لڑکیاں اغوا ہو گئی تھیں۔ اور ان حالات میں پاکستان کے ایک عالم نے جو آج بھی اپنے آپ کو اسلام کا اجارہ دار سمجھتا ہے فتوےٰ دیا تھا کہ کشمیر کی جنگ جہاد نہیں ہے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے پہلے اور بعد کے فتوے اور کشمیر کی جنگ آزادی کے متعلق دراصل اس سازش کی کڑیاں ہیں جسے ملائیت کہا جاتا ہے۔ اگر آپ تاریخِ اسلام کا گہرا مطالعہ کریں تو آپ پر یہ انکشاف ہوگا کہ صلیبیوں اور یہودیوں نے اسلام کو نظریاتی طور پر تباہ کرنے اور اسلام کی رُوح کو مسلمانوں کی نظروں سے اوجھل کرنے کے لئے مسلمانوں میں مُلائیت کا فتنہ پیدا کیا تھا۔ آگے چل کر مُلائیت باقاعدہ پیشہ بن گئی تھی۔ اس گروہ نے سیدھے سادے اور کم علم مسلمانوں کو بے بنیاد مگر پرکشش باتوں سے توہمات میں اُلجھا کر اسے مذہب کہا اور خدا اور خدا اور بندوں کے درمیان "رابطے کا ذریعہ" بن گئے۔ پھر ان لوگوں میں سے بعض نے اپنے آپ کو عالم کہنا شروع کر دیا اور اپنے آپ کو فتوے صادر کرنے کی اتھارٹی بنا لیا۔

ان ایمان فروشوں کا جذبۂ حریت دیکھ کر ذہن میں چند ایک سوال اُبھرتے ہیں۔ ایک یہ کہ جنگِ آزادی لڑنی ہی کیوں پڑی؟ ہندوستان میں مسلمان حکومت کو زوال کیوں آیا اور مسلمان غلام کیوں ہوئے؟ اور دوسرا سوال یہ کہ یہ غدار کون تھے؟ کہاں سے آئے تھے؟ اور تیسرا یہ کہ کیا یہ ایک ہی جست میں دین داری سے غداری میں جا پڑے تھے؟ (بشکریہ حکایت۔ مجریہ ماہ مئی ۱۹۷۶ء)

---

## عقیدہ بعثت مجددین ۔۔۔۔۔۔ بسلسلہ صفحہ ۹

تعالےٰ سے علم پاکر جو تاویل ایلیاس نبی کے آنے کی یہودیوں کو بتائی تھی۔ اس پر بھی غور کرنا چاہیئے۔ اور اسی طرح کی تاویل حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے متعلق پہلی کتابوں اور پہلے بزرگوں کے اقوال سے تلاش کرنی چاہیئے۔ تاکہ کلمہ گویوں کی وحدت قائم کرکے اللہ تعالےٰ کی خوشنودی حاصل ہو۔ کوئی ۳۰ یا ۴۰ سال پہلے جب تحریک خلافت کا شور تھا۔ یہ مسئلہ اس وقت بھی پیش ہوا تھا کہ مسلمان کس کو سمجھا جاوے۔ اس وقت بھی غور وخوض کے بعد بڑے بڑے علماء ومفکرین نے اُمت کے مشورہ سے یہی فیصلہ کیا تھا کہ جو بھی اپنے آپ کو مسلمان کہے توحید ورسالت کا قائل ہو پس اسے مسلمان سمجھا جاوے اور اس کے دوسرے عقائد سے قطع نظر کر لی جاوے

---

ہفت روزہ پیغام صلح خود پڑھنے کے بعد دوسرے احباب تک پہنچائیں۔

جناب شیخ محمد طفیل صاحب مبلغ انگلستان ——— یاد رفتگاں

# جناب محمد رضا صاحب مرحوم
## سرینام کے ایک مخیر دوست کی جدائی

نام تو ان کا محمد رضا تھا لیکن ڈچ زبان میں ہجے کی وجہ سے انہیں [illegible]
ملاقات ہوئی۔ ایر پورٹ سے سیدھا اپنے گھر لے گئے اپنے ایرکنڈیشنڈ کمرے میں ٹھہرایا اپنی اہلیہ کو دوسرے کمرے میں منتقل کر دیا جو مجھے مناسب معلوم نہیں ہوا۔ لیکن راجہ صاحب کسی بات کا فیصلہ کر لیتے انہیں اس سے روکنا مشکل ہوتا۔

جس دن وہاں پہنچا اسی دن انہوں نے شام کو ایک میٹنگ بلا کر میری مصروفیات اور لیکچروں کا ایک پروگرام بنا دیا اور اگلے روز سے اس پر عملدرآمد شروع ہوگیا۔ پہلے سرینام کے وزیر اعظم اور گورنر جنرل سے ملاقات کا وقت مقرر کیا۔ وہاں سے فارغ ہوئے تو وزیر اعظم سے ایک دن کے لئے سرکاری کار کا انتظام کرا دیا کہ مختلف جگہوں کی سیر کرا دے۔ ساتھ ساتھ تقریروں کا سلسلہ جاری رہا۔

دو دنوں کے لئے ہوائی جہاز کے ذریعہ نکیری گئے۔ جہاں اپنی جماعت کے پُر جوش مبلغ محمد یٰسین صاحب سے ملاقات ہوئی۔ خدا کے فضل سے انہوں نے وہاں احمدیت کا علم بلند کر رکھا ہے اور اب تک خوب سرگرمی سے کام کر رہے ہیں۔ وہاں سے واپسی پر (PARAMARIBO) اور نواحی علاقوں میں جلسوں میں شمولیت کے لئے جاتے رہے۔ جب کوئی دینی کام ہوتا راجہ صاحب اور ان کے دوست باقی سب کام بھول جاتے اور رات دن مذہبی امور کی انجام دہی میں صرف کر دیتے۔ راجہ صاحب اپنے دوستوں پر اور ان کے دوست ان پر جان چھڑکتے تھے۔

دوسری احمدیہ کنونشن کے موقعہ پر وہ ٹرنی ڈاڈ آئے۔ ای او کلارو کی جامع مسجد نئی نئی بنی تھی اور ابھی تعمیر کے سلسلے میں کافی قرض باقی تھا۔ وہاں ہمارا جلسہ ہوا۔ میں نے راجہ صاحب سے کہا کہ اس مسجد پر کچھ قرض ہے وہ اتارنا ہے۔ کہنے لگے آپ جلسہ میں اپیل کریں۔ جو چندہ جمع ہوگا اس کو وضع کر کے باقی رقم میں دے دوں گا۔ اس طرح ایک ہی نشست میں مسجد کا سارا قرض بیباق ہوگیا۔ اس طرح کیلے قونیا کی نئی مسجد کے لئے بھی انہوں نے خاص رقم عطا فرمائی۔

انہی ایام کی بات ہے مجھ سے ایک دفعہ تنہائی میں بات کرنے لگے۔ کہنے لگے تم مجھے اپنا بھائی سمجھنا۔ اگر کبھی کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے اطلاع دینا۔ میں نے کہا کہ راجہ صاحب آپ تبلیغی مشن کے لئے اتنا کچھ کرتے رہتے ہیں اگر اس سلسلے میں ضرورت ہوئی تو آپ سے عرض کروں گا۔ کہنے لگے تم میرا مطلب نہیں سمجھے۔ مشن کے لئے تو میں ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہوں کہ اور خدا تعالیٰ نے مجھے بہت کچھ دیا ہوا ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے لئے یا اپنی فیملی کے لئے کچھ ضرورت ہو تو بے تکلف اپنا بھائی سمجھ کر لکھ دینا۔ میں نے ان کی مخلصانہ پیشکش کا شکریہ ادا کیا لیکن اس بارے میں کبھی انہیں کہنے یا لکھنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

سفر میں اپنے ساتھ اچھا خاصا کیش لے کر چلتے تھے۔ بس سے پتلون کی جیب ادھڑی رہتی تھی۔ میں نے کہا کہ آپ کو خواہ مخواہ اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالتے رہتے ہیں۔ کہنے لگے ابھی تک خدا نے اپنا فضل کیا ہے۔ ایک بار ایسا بھی ہوا کہ جب میں امریکہ کے سفر پر روانہ ہونے لگا تو مجھے سیف کھولنے کا نمبر بھول گیا اور جہاز چلنے کا وقت ہوگیا۔ میری جیب میں چند ڈالر تھے بس اسی طرح جب جہاز پر سوار ہوگیا تو نمبر یاد آگیا۔ لیکن بے فائدہ۔ نیویارک پہنچا تو جیب میں قلی کو دینے کے لئے رقم تک نہ تھی۔ اسی پریشانی میں کھڑا تھا کہ ایک امریکی واقف کار مل گئے۔ اپنی کار میں بٹھا کر اپنے دفتر لے گئے۔ وہاں میں نے اپنی حالت بیان کی تو مجھے مطلوبہ رقم [illegible]
کہا اگر پانچسو دوست آنا چاہیں۔ کہنے لگے بڑے شوق سے۔ ہم ان کے لئے چشم براہ ہوں گے۔ خیر پانچسو تو نہیں کوئی اڑھائی سو کے قریب دوست اس تیسری کنونشن میں شریک ہونے کے لئے سرینام تشریف لے گئے۔ یہ ۱۹۷۰ء کا ذکر ہے۔ حضرت مولانا صدرالدین صاحب امیر جماعت۔ میاں فاروق احمد شیخ ان کی اہلیہ اور بچے بھی اس کنونشن میں شریک ہوئے۔

راجہ صاحب نے دس دنوں کے لئے تمام مہمانوں کو اپنے ہاں اور اپنے دوستوں کے ہاں ٹھہرایا۔ ہر طرح سے ان کے آرام و آسائش کا خیال رکھا۔ مختلف جماعتوں میں جلسے کئے گئے۔ دعوتوں کا انتظام ہوا۔ سیر و تفریح کا پروگرام بھی بنایا گیا۔ اس کنونشن کی مصروفیات سے احباب تھک کر چور ہو گئے لیکن سرینام کے احمدی دوستوں کے خلوص اور محبت کی یاد اب تک دلوں میں تازہ ہے۔ راجہ صاحب نے کنونشن کا بہت سا کام اپنے ذمے لے رکھا تھا۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ انہیں رات کو بھی کافی آرام نہیں ملتا تھا۔ ایک دفعہ مسجد میں جلسہ ختم ہوگیا اور دوست ٹرانسپورٹ کے انتظار میں مسجد سے باہر نکل آئے۔ راجہ صاحب کو تلاش کیا تو وہ کہیں نظر نہیں آئے۔

میں ان کی تلاش میں مسجد میں گیا تو انہیں صف پر لیٹے ہوئے دیکھا۔ میں قریب گیا تو دیکھا کہ خوب گہری نیند سوئے ہوئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا انہیں یہی تھوڑا سا آرام کا وقفہ ملا ہے۔ تھوڑی دیر بعد میری موجودگی کا احساس کر کے انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔ میں نے کہا طبیعت ٹھیک ہے یا ڈاکٹر کو بلاؤں۔ کہنے لگے آپ فکر نہ کریں میں تھوڑی دیر تک آپ لوگوں سے آ ملتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے ابھی آدھ گھنٹہ تک ٹرانسپورٹ نہیں ملے گی۔ میں نے سوچا تھوڑی سی اپنی تھکن اتار لوں۔

اس زمانہ میں انہیں ذیابیطس کی تکلیف شروع ہوگئی۔ ادویات پر بھروسہ کر کے بدپرہیزی بھی ساتھ ساتھ کرتے رہتے تھے۔ یہی بیماری رفتہ رفتہ پیچیدہ شکل اختیار کرتی گئی۔

آخری خط جو ان کا میرے نام آیا اس میں انہوں نے یہی اپیل کی تھی کہ سلسلہ احمدیہ کی بھلائی کے لئے اختلافات بھول کر مل جل کر کام کرو۔

اس کے بعد اس سال کے آغاز میں ہالینڈ سے ایک دوست نے ٹیلیفون پر ان کی جدائی کی خبر سنائی۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی ہزار ہزار رحمتیں نازل فرمائے اور ان کے اہل و عیال کا حامی و ناصر ہو۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ——— مورخہ ۲ر جون ۱۹۷۶ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۲۸ ——— شمارہ نمبر ۲۲

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

میں تیری تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا
(الہام حضرت مسیح موعودؑ)

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

فون نمبر: ۵۳۷۳۷

# پیغامِ صلح

لاہور پاکستان

ایڈیٹر: پروفیسر خلیل الرحمٰن ایم۔ ایس سی

ما مسلمانیم از فضلِ خدا
مصطفیٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

من نیستم رسول و نیاوردہ ام کتاب
ہاں ملہم استم و ز خداوند منذرم
ختم شد بر نفسِ پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

● رجسٹرڈ ایل نمبر: ۸۳۸
● تار کا پتہ
● تبلیغ لاہور

● سالانہ چندہ
● پاک و ہند سے آٹھ روپے
● بیرونی ممالک سے: ایک پونڈ

دنیا میں ایک نذیر آیا۔ پر دنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اسکی سچائی ظاہر کر دیگا
(الہام حضرت مسیح موعودؑ)

جلد ۶۳ | چہار شنبہ ۱۰ جمادی الثانی ۱۳۹۶ھ مطابق ۹ جون ۱۹۷۶ء | نمبر ۲۳

## ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردھم علیہ السلام

# حضرت اقدسؑ کی ایمانی قوت

ہم اپنے خدا تعالیٰ پر یہ قوی ایمان رکھتے ہیں کہ وہ اپنے صادق بندہ کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔ حضرت ابراہیمؑ کی طرح وہ آگ میں ڈالا جاوے تو وہ آگ اس کو جلا نہیں سکتی۔ ہمارا مذہب یہی ہے کہ ایک آگ نہیں۔ اگر ہزار آگ بھی ہو تو وہ جلا نہیں سکتی۔ صادق اس میں ڈالا جاوے تو ضرور بچ جاوے گا۔ ہم کو اگر اس کام کے مقابلہ میں جو خدا تعالیٰ نے ہمارے سپرد کیا ہے آگ میں ڈالا جاوے تو ہمارا یقین ہے کہ آگ جلا نہ سکے گی۔ اور اگر شیروں کے پنجرہ میں ڈالا جاوے۔ تو وہ کھا نہ سکیں گے۔ میں یقیناً کہتا ہوں کہ ہمارا خدا وہ خدا نہیں جو اپنے صادق بندہ کی مدد کر نہ سکے بلکہ ہمارا خدا قادر خدا ہے جو اپنے بندوں اور اس کے غیروں میں ما بہ الامتیاز رکھ دیتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر دعا بھی ایک فضول شئے ہے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو کچھ میں خدا تعالیٰ کی نسبت بیان کرتا ہوں اس کی قوتیں اور طاقتیں اس سے بھی کروڑ در کروڑ درجے بڑھ کر ہیں جن کو ہم بیان نہیں کر سکتے ہمارا ایمان ہے کہ اگر قریش مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر آگ میں ڈال دیتے تو وہ آگ ہرگز ہرگز آپ کو جلا نہیں سکتی تھی اگر کوئی محض اس بناء پر کہ آگ اپنی تاثیر نہیں چھوڑتی انکار کرے تو وہ خبیث اور کافر ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے جب ان سب دشمنوں کو مخاطب کر کے یہ کہہ دیا کہ فَكِيدُونِي جَمِيعًا تم سب مکر کر کے دیکھ لو میں اس کو ضرور بچا لوں گا۔ پھر اگر کوئی یہ وہم بھی کرے کہ آگ میں ڈالتے تو معاذ اللہ جل جاتے۔ قرآن شریف سچا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے وعدے سچے ہیں۔ وہ کوئی بھی حیلہ اور فریب آپ کی جان لینے کے لئے کرتے اللہ تعالیٰ ضرور ان کے گزند سے محفوظ رکھتا جیسا کہ محفوظ رکھ کر دکھایا۔ خواہ وہ صلیب کا مکر کرتے خواہ آگ میں ڈالنے کا۔ غرض کوئی بھی کرتے آخر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے وعدے کے موافق صادق ثابت ہوتے جیسا کہ ہوئے۔ جس طرف ہم جماعت کو کھینچنا چاہتے ہیں وہ یہی عظیم الشان مرحلہ خداشناسی کا ہے۔ اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ انشاء اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ سب کچھ ہو جاوے گا۔

ہمارے اختیار میں ہو تو ہم فقیروں کی طرح گھر بہ گھر پھر کر خدا تعالیٰ کے سچے دین کی اشاعت کریں اور اس ہلاک کرنے والے شرک اور کفر سے جو دنیا میں پھیلا ہوا ہے لوگوں کو بچا لیں۔ اگر خدا تعالیٰ ہمیں انگریزی زبان سکھا دے تو ہم خود پھر کر اور دورہ کر کے تبلیغ کریں اور اسی تبلیغ میں زندگی ختم کر دیں خواہ مارے ہی جاویں۔ (الحکم ۱۰ جولائی ۱۹۰۲ء)

---

## قوم سے خطاب

(از حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

قوم کے لوگو اِدھر آؤ کہ نکلا آفتاب + وادیٔ ظلمت میں کیا بیٹھے ہو تم لیل و نہار
کیا تماشا ہے کہ میں کافر ہوں تم مومن ہوئے + پھر بھی اس کافر کا حامی ہے وہ مقبولوں کا یار
یہ اگر انساں کا ہوتا کاروبار اے ناقصاں + ایسے کاذب کیلئے کافی تھا وہ پروردگار
کچھ نہ تھی حاجت تمہاری نے تمہارے مکر کی + خود مجھے نابود کرتا وہ جہاں کا شہریار
پاک و برتر ہے وہ جھوٹوں کا نہیں ہوتا نصیر
ورنہ اُٹھ جائے اماں پھر سچے ہو دیں شرمسار

(از جناب محمد الرحمٰن صاحب پشاور)

# روئداد جلسہ سالانہ پشاور

مورخہ ۱۶/۴/۷۶ کو راقم الحروف کی تحریک پر امسال جلسہ سالانہ مورخہ ۲رمئی ۱۹۷۶ء کو منعقد کرنے کا فیصلہ ہوا۔ اخراجات کا تخمینہ لگایا گیا۔ اور احباب جماعت نے نہایت فیاضی سے مقررہ رقم پوری کر دی۔

۱۷/۴/۷۶ کو احباب کی خدمت میں شمولیت کے لئے دعوت نامے بھیج دیئے گئے۔ مرکز سے بعض بزرگ مقررین کے علاوہ حضرت امیر قوم سے بھی درخواست کی گئی کہ وہ بطور تبرک شرکت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ مگر حضرت ممدوح نے سفر کی صعوبت برداشت نہ کر سکنے کی وجہ سے معذرت کا اظہار فرمایا۔

احباب جماعتہائے لاہور۔ راولپنڈی۔ سرائے نورنگ۔ ہزارہ۔ مردان نوشہرہ۔ پشاور۔ سفید ڈھیری۔ شیخ محمدی اور بازید خیل بڑے ذوق و شوق سے جلسہ میں شریک ہوئے جن کی کل تعداد تقریباً دو سو تھی۔ خواتین بھی کافی تعداد میں شامل ہوئیں۔

مورخہ ۲/۵/۷۶ کو جناب ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب صدر جماعت کی طبیعت ناساز ہونے کی وجہ سے انہوں نے جناب شیخ فاروق احمد صاحب سے درخواست کی کہ وہ پہلے اجلاس کی صدارت فرمائیں۔ جلسے کا آغاز مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے تلاوت قرآن کریم سے کیا۔ اس کے بعد عزیزم حمیدالرحمٰن نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا منظوم کلام موجودہ حالات کی مناسبت سے بڑے موثر رنگ میں پیش کیا۔

اس کے بعد راقم الحروف نے حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت پر حاضرین کو مخاطب کیا اور عرض کیا کہ حضرت صاحب کی بعثت وقت کے تقاضوں کے مطابق ہوئی جبکہ بڑے بڑے مفکر اسلام سے دل برداشتہ ہو چکے تھے عیسائیت کا غلبہ تھا۔ لاکھوں کی تعداد میں بڑے بڑے اعلیٰ خاندان اور علما عیسائیت کی آغوش میں چلے گئے تھے۔ آریہ سماج اور برہمو سماج کا بھی زور تھا کئی مسلمان شدھ ہو گئے تھے۔ عیسائیت اس قدر زوروں پر تھی کہ مکہ اور مدینہ کو بھی صلیب کی زد میں چلے جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس وقت کے انگریز پادری اور سیاستدانوں کے لیکچر اس پر خاص روشنی ڈالتے ہیں۔ مسلمانوں کی حالت کا نقشہ کچھ یوں تھا:۔

رہا دین باقی نہ اسلام باقی + اک اسلام کا رہ گیا نام باقی

مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی نے بھی مسلمانوں کے انحطاط اور زوال کا ذکر ان مایوس کن الفاظ میں کیا ہے:۔

"اب حالت بالکل دگرگوں ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں مسلمانوں پر ادبار اور انحطاط کا تسلط ہے اور علم و عمل کے ہر میدان میں وہ سب سے پیچھے نظر آتے ہیں۔ اسلامی انفرادیت بہرحال اسقدر مضمحل ہو چکی ہے کہ آج کل کے مسلمانوں کو بحیثیت مجموعی پہلے مسلمانوں کا جانشین یا ان کے منصب و عظمت کا وارث کہنا اپنی ہنسی خود آپ اڑانے کے مترادف ہے۔" (مسلمانوں کا عروج و زوال صـ۶)[*]

ایسے حالات میں جب ہر طرف یاس و ناامیدی کی تاریکی چھائی ہوئی تھی اس وقت ایک ایسا سینہ بھی تھا جو اسلام کے لئے بریاں ہوا۔ ایک دل تھا جو مسلمانوں کے لئے تڑپا۔ ایک جان تھی جو پگھل گئی اور اس کی زبان سے بے قراری میں یہ الفاظ نکل گئے ؎

ایں دو فکر دین احمدؐ مغز جانِ ما گداخت + کثرتِ اعدائے ملت قلتِ انصار دیں
اکی مضطرب روح چیخ اٹھی ؎
دن چڑھا ہے دشمنانِ دیں پہ ہم پہ رات ہے + اے میرے سورج نکل باہر کہ میں ہوں بیقرار
فضل کے ہاتھوں سے اب اس وقت کر میری مدد + کشتیٔ اسلام تا ہو جائے اس طوفاں سے پار
میرے زخموں پر لگا مرہم کہ میں رنجور ہوں + میری فریادوں کو سن میں ہو گیا زار و نزار
دیکھ سکتا ہی نہیں میں ضعفِ دینِ مصطفیٰؐ + مجھ کو کر اے مرے سلطان کامیاب و کامگار

پس اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ کے مطابق حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود علیہ السلام کو تجدید دین کے لئے مبعوث فرمایا اور انہوں نے اس مایوسی کو جو مسلمانوں پر چھائی ہوئی تھی اور ان کو کوئی اصلاح کی صورت نظر نہیں آتی تھی یہ کہکر کہ سچائی کی فتح ہوگی اور اسلام کے لئے پھر اس تازگی اور روشنی کا دن آئے گا جو پہلے وقتوں میں آ چکا ہے اور وہ آفتاب جو اپنے پورے کمال کے ساتھ چڑھے گا جیسا کہ پہلے چڑھ چکا ہے۔ نوید جانفزا میں بدل دیا۔

آپ نے فرمایا:۔

"آج کل تمام مذاہب کے لوگ جوش میں ہیں۔ عیسائی کہتے ہیں کہ اب ساری دنیا میں مذہب عیسائی پھیل جائے گا۔ برہمو کہتے ہیں کہ ساری دنیا میں برہمو کا مذہب پھیل جائے گا۔ آریہ کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب سب پر غالب آ جائے گا۔ مگر یہ سب جھوٹ کہتے ہیں خدا تعالیٰ ان میں سے کسی کے ساتھ نہیں۔ اب دنیا میں اسلام کا مذہب پھیلے گا اور باقی سب مذاہب اس کے سامنے حقیر اور ذلیل ہو جائیں گے۔"

(ملفوظات جلد ۲ صفحہ ۳۴۳)

اس اعلان کے ساتھ آپ مذہب کے میدان میں ایک جری اور بہادر پہلوان کی طرح کود پڑے اور تمام مذاہب کے پیشواؤں اور لیڈروں کو اپنے مقابلے پر بلایا اور ہر میدان میں فتح پائی۔ آپ نے مسلمانوں کی مایوسی کو نہ صرف امید میں بدل دیا بلکہ عملی طور پر اسلام کو دوسرے مذاہب پر غالب کرکے دکھلایا۔ مسٹر بشیر احمد ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر ضلع سیالکوٹ کہتے ہیں کہ ایک وہ وقت تھا کہ مولویوں کے غول کے غول آگے آگے ہوتے تھے اور ایک عیسائی پادری ان کے پیچھے ہوتا تھا۔ مگر ان کے پیر کہیں نہیں جمتے تھے۔ ایک وہ وقت آیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے ایسے مبلغ پیدا کئے کہ پادریوں کے غول کے غول ایک احمدی مبلغ کے آگے آگے ہوتے تھے۔ اور ان کے پیر کہیں نہیں جمتے تھے۔ یہ انقلاب ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اسلام کا غلبہ حضرت صاحب نے دکھا دیا۔ اور آپ کے ذریعہ سے دنیا میں پھر اسلام کا بول بالا ہوا اور آج جماعت احمدیہ کے مبلغین دنیا کے کونے کونے میں کام کر رہے ہیں۔

راقم الحروف کے بعد جناب بشارت احمد بقا صاحب کی تقریر ہوئی آپ نے فرمایا کہ جماعت احمدیہ ایک آسمانی تحریک ہے اور اس الہٰی منصوبہ کا ایک حصہ ہے جس کا حفاظت دین کے لئے خدا تعالیٰ نے خود وعدہ فرمایا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ قرآن کی صداقت آج تک ثابت ہے اور اس صداقت کو ثابت کرنے کے لئے مامور من اللہ آتے رہے۔ آپ کی تقریر کافی طویل اور موثر تھی۔ میں ان سے درخواست کروں گا کہ وہ مفصل تقریر لکھ کر پیغام صلح میں شائع کرائیں تا کہ جماعت کا ہر فرد اس سے مستفید ہو سکے۔

بقا صاحب کے بعد جناب بشیر احمد منٹو صاحب نے تقریر فرمائی آپ کی تقریر نہایت عالمانہ تھی۔ آپ نے فرمایا کہ سب انبیاء کی تعلیم ایک ہی تھی یعنی وہ توحید خداوندی کا پیغام دیتے تھے۔ جو توحید کے ساتھ وابستگی پیدا کرے گا وہ ہی روحانی زندگی پائے گا۔ نبی انسانوں کو توحید سے وابستہ کر کے انہیں انسانیت کے معراج تک پہنچا دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اللہ سے راضی اور اللہ ان سے راضی ہو جاتا ہے۔ اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں اور ان کی محبت اس قدر ارفع ہوتی ہے کہ وہ اپنی جانیں بھی اس پر قربان کر دیتے ہیں۔ آپ کی تقریر بڑی دلنشین تھی۔ میں ان سے بھی یہ توقع رکھتا ہوں کہ وہ اپنی تقریر لکھ کر پیغام صلح میں شائع کرنے کے لئے بھجوا دیں گے۔

(باقی بر صـ۵ کالم ۲)

[*] مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں:۔ "۱۸۵۷ء کے انقلاب نے مسلمانوں کے ہر ایک نظم کو پارہ پارہ کر دیا اور ان کے تمام امتیازات کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔" (آزاد مورخہ ۲۶ر جنوری ۱۹۵۱ء صـ۲ کالم ۲)

پشاور میں منعقد ہونے والی اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان کی بائیسویں سالانہ کانفرنس کے موقعہ پر پروفیسر غلام اعظم سابق امیر جماعت اسلامی مشرقی پاکستان نے اپنے پیغام میں کہا تھا کہ :

" اسلامی انقلاب برپا ہونے کے امکانات جس قدر پاکستان میں روشن ہیں کسی اور ملک میں نہیں اور اس کی وجہ محض یہ ہے کہ یہاں اسلامی جمعیت طلبہ مرشد مودودی کے افکار کی رہنمائی میں مصروف جہاد ہے کسی اور ملک کے مسلمان نوجوان اتنی بڑی تعداد میں اسلام کا کلمہ بلند کرنے کی جد و جہد نہیں کر رہے "

پھر آگے چل کر پروفیسر صاحب فرماتے ہیں :—

" سید مودودی اس وقت پوری دنیا کی تحریکِ اسلامی کے روحانی قائد ہیں ۔"

ان "پوری دنیا کی تحریک اسلامی کے روحانی قائد" کے افکار کی ایک ہلکی سی جھلک تو قارئین پیغام صلح کو ہمارے قلمی معاون جناب "راہ نورد" کے تحقیقی مقالہ "سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تفسیر تفہیم القرآن کا ایک مختصر جائزہ" میں نظر آ گئی ہوگی ۔ لیکن آج ہم ان کی دلچسپی کے لئے مودودی صاحب کا ایک نیا نظریہ ان کے سامنے رکھتے ہیں جو انہوں نے اپنے "اسلام کس چیز کا علمبردار ہے" کے زیر عنوان لندن کانفرنس میں پڑھے جانے والے مقالے میں پیش کیا ہے ۔ آپ کا یہ مقالہ اپریل ۱۹۷۶ء کے ترجمان القرآن کے ص۲۲ پر شائع ہوا ہے ۔ صفحہ ۲۷ پر پیراگراف کے تحت نبی کے مشن پر بحث کرتے ہوئے آخری سطور میں رقمطراز ہیں :—

" ضروری نہیں ہے کہ سب نبی اپنے اس مشن کو کامیابی کے آخری مراحل تک پہنچانے میں کامیاب ہی ہو گئے ہوں ۔ بہت سے انبیاء ایسے ہیں جو اپنے کسی قصور کی بناء پر نہیں بلکہ متعصب لوگوں کی مزاحمت اور حالات کی نامساعدت کے باعث ناکام ہو گئے ۔"

یہ ہیں وہ دقیق معارف ۔ باریک نکات اور جدید افکار جو بزعم خود اس عظیم مفکر و مفسر قرآن اور مزاج شناس رسول کی طرف سے لندن کانفرنس میں پیش کئے گئے ۔ لیکن فارغ دین و دانش سے محروم ان نام نہاد دانشوروں کے انبوہ سے ایک بھی آواز بلند نہ ہوئی کہ ایسا کہنا خدا کی ۔ اس کے رسولوں کی ۔ قرآن کریم کی اور خود نبی کریم صلعم کی توہین ہے ۔ ایسے خدا کو ماننے کی کیا ضرورت جو اپنے انبیاء کو اپنی طرف سے ایک مشن کی تکمیل کے لئے مبعوث کرکے انہیں عوام کے تعصب ۔ مزاحمت ۔ ان کی سازشوں اور نامساعد حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دے اور خود بے بس و مجبور اور ان کی مدد کرنے سے معذور ہو کر ان کی ذلت و رسوائی اور ناکامی کا تماشا دیکھتا رہے ۔ العیاذ باللہ ۔ یہ مذہب سے بیزار کرکے دہریت کی راہ دکھانا نہیں تو اور کیا ہے ۔ اگر یہی احیائے اسلام کی تحریک ہے تو وہ دن دور نہیں جب اسلام کی صف صرف اس وطن سے ہی نہیں باقی دنیا سے بھی لپیٹ لی جائے گی ۔

مودودی صاحب پر در اصل حکومت اور جبر و استبداد کے ذریعے دین کو قائم کرنے کا بھوت بری طرح سوار ہے ۔ یہ آج کی بات نہیں ۔ دسمبر ۱۹۴۰ء اور جنوری ۱۹۴۱ء کے "ترجمان القرآن" میں "تجدید و احیائے دین" کے نام سے آپ کا ایک مبسوط مقالہ شائع ہوا تھا جس میں انہوں نے ایک مجدد کا نام لے کر یہ بتایا تھا کہ یہ سب کس طرح اپنے مشن میں سیاست و سیاسی تدبر ۔ جنگی مہارت کے اعتبار سے وہ تمام دنیا پر اپنا سکہ جما دے گا اور اپنے عہد کے تمام جدیدوں سے بڑھ کر جدید تر ہوگا ۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی جدتوں کے خلاف مولوی اور صوفی صاحبان ہی سب سے پہلے شورش برپا کریں گے ۔ پھر مجھے یہ بھی اُمید نہیں کہ اپنی جسمانی ساخت میں وہ عام انسانوں سے کچھ بہت مختلف ہوگا اس کی علامتوں سے اس کو تاڑ لیا جائے گا ۔ وہ خالص اسلام کی بنیادوں پر ایک نیا مذہب فکر پیدا کرے گا ۔ ذہنیتوں کو بدلے گا اور ایک زبردست تحریک اٹھائے گا جو بیک وقت تہذیبی بھی ہوگی اور سیاسی بھی ۔ جاہلیت اپنی تمام طاقتوں کے ساتھ اس کو کچلنے کی کوشش کرے گی مگر بالآخر وہ جاہلی اقتدار کو الٹ کر پھینک دے گا اور ایک ایسا زبردست اسلامی اسٹیٹ قائم کرے گا جس میں ایک طرف اسلام کی پوری روح کار فرما ہوگی اور دوسری طرف سائنٹیفک ترقی اوج کمال تک پہنچ جائے گی ۔"

( بشکریہ طلوع اسلام مئی ۱۹۷۶ء ۔ )

آگے چل کر لکھتے ہیں :—

" اس کی موت کے بعد اس کے کارناموں سے دنیا کو معلوم ہوگا کہ یہی تھا وہ خلافت کو منہاج النبوت پر قائم کرنے والا جس کی آمد کا مژدہ سنایا گیا تھا ۔"

ان سطور کے سرسری مطالعہ سے ہی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مودودی صاحب نے پہلے مجددین کو اپنے مقصد میں ناکام قرار دیتے ہوئے اپنا عکس ایک عظیم الشان مجدد اور خونی مہدی کی صورت میں اُبھارنے کی کوشش کی ہے جو ایک عظیم انقلاب برپا کرے گا اور اگر لندن کانفرنس میں پڑھے گئے مقالہ کی سطور اور محولہ بالا سطور کو بالمقابل رکھ کر دیکھا جائے تو مودودی صاحب نے اپنی شخصیت کو ان تمام "ناکام انبیاء" سے بھی زیادہ بلند ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے جو بقول اُن کے اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکے ۔

ہمارا تو یہ خیال ہے کہ بدلے ہوئے موجودہ واقعات میں مودودی صاحب کو اپنا ۳۶ سالہ پرانا خواب لوگوں کے تعصب اور نامساعد حالات کی وجہ سے شرمندۂ تعبیر ہوتا دکھائی نہیں دیتا اور اب وہ اپنے موافقین ۔ معاونین اور صالحین کو جنہیں وہ اتنے لمبے عرصہ تک یہ سہانے خواب دکھاتے اور انہیں پاکستان کے آئندہ حکمران بتاتے رہے ہیں یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ کیا ہوا اگر میں اپنے مشن میں کامیاب نہ ہو سکا ۔ بہت سے ایسے انبیاء بھی گذرے ہیں جو دنیا میں حکومت قائم نہ کر سکے اور (نعوذ باللہ) ناکام و نامراد اس دنیا سے اٹھ گئے ۔ لیکن ایسا سوچنا ۔ کہنا اور یہ زہر دوسروں تک پھیلانا اللہ تعالےٰ کی توہین ہے ۔ اپنے نفس کی خاطر ایسا کہتے ہوئے ایسے لوگوں کے دل کیوں نہیں لرز اُٹھتے ۔ خدا کے ہاں یہ بے باکی اور گستاخی آخر اپنا رنگ لا کر رہے گی ۔ اس کے غضب سے کوئی بھی امن میں نہیں رہ سکتا ۔

ایسے بے بنیاد افکار کی تردید کے لئے ہم قرآن کریم سے اللہ تعالیٰ ہی کی زبانی وہ ثبوت پیش کرتے ہیں جو اس نے اپنے انبیاء کی نصرت اور تائید کے بارے میں دیئے ہیں ۔

سورۃ الانبیاء میں انبیاء علیہم السلام کے ہی ذکر میں ہے :—

" اور کتنی بستیاں ہم نے ہلاک کر دیں جو ظالم تھیں اور ان کے بعد ہم نے دوسری قوم کو لا کھڑا کیا ۔" (۱۱)

"سو یہی ان کی پکار رہی یہاں تک کہ ہم نے انہیں کٹے ہوئے (کھیت) اور بجھے ہوئے (شعلے کی طرح) کر دیا" (۱۵)

"بلکہ ہم حق کو باطل پر ڈالتے ہیں سو وہ اس کا سر توڑ دیتا ہے پس ناگہاں وہ نابود ہو جاتا ہے۔ اور تمہارے لئے اس کی وجہ سے افسوس ہے جو تم بیان کرتے ہو" (۱۸)

بتایئے حق کس کے ساتھ ہوا۔ بستیاں کن کی ہلاک ہوئیں۔ اور کون کٹے ہوئے کھیت اور بجھے ہوئے شعلہ کی طرح ہوا۔ کیا انبیاء یا اُن کے مخالفین؟۔ اور خدا نے کس کی نصرت فرمائی حق کی جو انبیاء کے ساتھ تھا یا باطل کی جو مخالفین کے ساتھ تھا۔

آیئے دیکھیں سورۃ الروم میں اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے :۔

"اور ہم نے تجھ سے پہلے رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا پس وہ ان کے پاس کھُلی دلائل لے کر آئے۔ سو ہم نے ان کو سزا دی جو مجرم ہوئے اور مؤمنوں کی مدد کرنا ہم پر لازم ہے" (۴۷)

یہاں تو ذکر ہی پہلے رسولوں کا ہے۔ مدد کس کی ہوئی اور سزا کس کو ملی۔ ناکام مخالفین ہوئے یا انبیاء۔ جو دلائل لے کر وہ آئے تھے وہ اللہ تعالیٰ کی شناخت کے لئے تھے یا حکومت قائم کرنے کے لئے۔

سُورۃ المجادلہ میں ہے :۔

"اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے کہ یقیناً میں غالب رہوں گا۔ میں اور میرے رسُول اللہ طاقتور اور غالب ہے" (۲۱)

یہاں تو سب رسولوں کا ذکر ہے۔ اگر عربی گرامر سے ذرا بھی آپ کو واقفیت ہے تو لَاَغْلِبَنَّ کے لفظ پر غور فرمائیں۔ اس میں کتنی طاقت۔ شوکت۔ قوت اور دعوہ ہے۔ کیا جواز ہے آپکے پاس اللہ تعالیٰ کو اس میں ملزم ٹھہرانے کا کہ وہ اپنے وعدہ سے پھر گیا اور نہ وہ طاقتور ہے اور نہ غالب۔ اور نہ ہی وہ اپنے رسولوں کو ان کے مخالفین کی دستبرد سے بچا سکا۔

جب ہوس و اقتدار کی پٹی آنکھوں پر بندھ جاتی ہے تو عقل و خرد اور فہم و فراست پر تالے پڑ جاتے ہیں۔ سوچنے سمجھنے کی قوتیں سلب ہو جاتی ہیں۔ انسان اندھا ہو کر ہلاکت کی راہ پر چل پڑتا ہے۔ اُسے اس سے چاہے ان اُصولوں کا ہی خون کیوں نہ ہو جن کے سہارے وہ اپنا یہ مقصد حاصل کرنے کی کوشش میں مصروف ہوتا ہے۔ وہ مقصد کیا ہے فرماتے ہیں :۔

"تم رُوئے زمین پر خدا کے سب سے زیادہ صالح بندے ہو۔ لہٰذا آگے بڑھو لڑکر خدا کے باغیوں کو حکومت سے بے دخل کر دو اور حکمرانی کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لو" (خطبات)

یہ لوگوں کو بغاوت اور فتنہ و فساد پر اکسانا کونسا دین ہے۔

مودودی صاحب کا یہ خود ساختہ تصوّر کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کو دُنیا میں حکومت قائم کرنے کے لئے بھیجتا ہے اور دین صرف حکومت کے ذریعے ہی قائم کیا جا سکتا ہے، ہمیں قرآن کریم میں کہیں نظر نہیں آیا۔ قرآن کریم نے انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی غرض انسانوں کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنا بتائی ہے۔ جب انسان ایمان بالغیب اور ایمان بالآخرت کا جُوا اپنی گردن میں ڈال لیتا ہے تو اُسے اس تعلق کو قائم رکھنے کے لئے کسی انسانی طاقت یا حکومت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ نہ ہی دین میں کوئی جبر ہے کہ تلوار کے ذریعہ لوگوں کو اس پر قائم رکھا جائے۔ تاریخ اس مفروضہ کو شدت سے جھٹلاتی ہے کہ کوئی حکومت دین کو کامیاب رکھنے میں کامیاب ہوئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد ان کی حکومتوں کا کیا حشر ہوا۔ بادشاہ ہوتے ہوئے بھی حضرت داؤد علیہ السلام کو یہودیوں پر لعنت بھیجنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معاً بعد حکومت قائم ہوتے فتنۂ ارتداد کیوں رونما ہوا۔ حکومت موجود تھی لیکن حضرت [illegible] کے آخری دَورِ خلافت میں ایسا فساد اور بغاوت برپا ہوئی کہ مسلمانوں کی گردنیں ایک دوسرے کی تلوار سے کٹیں اور بعد میں بھی کٹتی رہیں۔ حکومت کیوں دین کو قائم کرنے میں ناکام ہو گئی۔ اورنگ زیب بڑا نیک اور متقی بادشاہ تھا لیکن اس کی ساری عمر فتنوں کو فرو کرنے میں گذر گئی اور اس کے ساتھ ہی سلطنت مغلیہ کا زوال شروع ہو گیا۔ جب انسانوں کا تعلق خدا سے کٹ جائے۔ تقویٰ ختم ہو جائے اور اس کی جگہ حرص و ہوا لے لے تو کوئی حکومت بھی انسانوں میں خوفِ خدا پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ یہ کہنا کہ دین کو قائم رکھنے کے لئے حکومت کی ضرورت ہے گاڑی کو گھوڑے کے آگے باندھنے کے مترادف ہے۔ یہ صرف دین ہے جو حکومت کو قائم رکھ سکتا ہے۔ اسی لئے حضرت مرزا صاحب نے یہ الفاظ اپنی بیعت میں شامل کئے تھے کہ

"مَیں دِین کو دُنیا پر مقدم کروں گا"

یہاں دُنیا کو چھوڑنے کا نہیں بلکہ دین کے مقابلے میں اسے مؤخر کرنے کو کہا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اپنی اور آپ کے مُریدوں کی زندگی کے متعدد واقعات اس پر شہادت دیتے ہیں کہ انہوں نے مشکل سے مشکل مقام پر بھی تقویٰ کا دامن اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ آپ نے خود اپنے باپ کے خلاف درختوں کے مقدمے میں شہادت دی۔ اور آپ کے مریدوں نے اپنے بیٹوں اور بھائیوں کے خلاف شہادتیں دیں۔ اس لئے کہ مخالف فریق کے ساتھ انصاف ہو سکے نہ کہ دروغ مصلحت آمیز کو اپنایا جو آج کل کے پیش کردہ نئے افکار کا ایک لازمی جُزو سمجھا جاتا ہے۔ اور دلیل یہ دی جاتی ہے کہ جس سچ سے فساد پیدا ہونے کا خطرہ ہو اسے سچ کے بجائے جھوٹ بول کر فساد کو روکنا اچھا ہے۔ یہ نقطۂ نظر بھی قرآن کریم کے صریحًا خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ "تم سچوں یا صادقوں کے ساتھ ہو جاؤ"۔ کیونکہ صادق ہمیشہ صدق کی راہ دکھاتے ہیں اگر وہی جھوٹ بولنا شروع کر دیں تو وہ خود کیسے صادق ہوئے۔ صدق سے کبھی فساد پیدا نہیں ہوتا یہ جھوٹ ہے جو ہمیشہ فساد کا موجب رہا ہے۔ البتہ جدید سیاست میں سب جائز ہے اور ایسی ہی سیاست مودودی صاحب کے دین کا جُزو ہے۔ اس نئے دین کی اشاعت کے لئے وہ قرآن۔ احادیث اور تاریخ کو بھی بدلنے سے گریز نہیں کرتے۔ لیکن ایسی انسانی تحریکوں کا انجام جو دین کو دُنیا کے حصُول کا ذریعہ بنائیں حسرتناک ہی ہوتا ہے۔ یہ صرف آسمانی تحریکیں ہی ہیں جو مصائب و مشکلات اور حوادثِ زمانہ سے ٹکرا کر بھی پھلتی پھولتی رہتی ہیں۔ تاریخ میں ایسی مثالوں کی کمی نہیں ❊

---

## روئداد جلسہ سالانہ پشاور ـــــــ بسلسلہ صفحہ ۲

اس کے بعد جناب کپتان عبدالواجد صاحب تشریف لائے اور لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۔ کے موضوع پر آپ نے ایک سیر حاصل بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ معارف قرآنی کو کوئی نہیں سمجھ سکتا جب تک وہ قلبی طہارت حاصل نہ کر لے۔ تقریر کافی عالمانہ تھی۔ میں ان سے بھی درخواست کروں گا کہ وہ اپنی پُوری تقریر پیغام صلح میں اشاعت کے لئے بھجوا دیں۔

بعد ازاں شیخ محمد طفیل صاحب جو آج کل لنڈن میں مبلغ اسلام ہیں بلادِ غیر میں اسلام کی طرف بڑھتے ہوئے رجحان پر اظہار خیال فرمایا جو سامعین کے لئے بڑی دلچسپی کا موجب ہوا۔

آخر میں صاحب صدر میاں فاروق احمد شیخ صاحب نے صدر جماعت، سیکرٹری اور احباب جماعت کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے انہیں اس مبارک جلسہ کی صدارت کا اعزاز بخشا۔ اس کے بعد آپ نے تقاریر کا جائزہ لیا اور فرمایا کہ ایک دو مقررین کے علاوہ باقی کسی یونیورسٹی یا درسگاہ کے فارغ التحصیل نہیں تھے۔ ہاں مگر ہر مقرر نے جس خوبصورتی سے اپنا مضمون نبھایا وہ انکے عشقِ احمدیت کا ثبوت ہے۔

# رسولِ اکرمؐ سارے مسلمانوں کے لئے ایک ہی دین اور ایک ہی شریعت لائے

"۔۔۔ بڑی خوش قسمتی ہے کہ اللہ۔ محمدؐ، قرآن۔ عبادات پر سب فرقے متحد ہیں۔ یہی تو ایمان کا مغز ہے۔ اسی حقیقت کے مدِنظر مسلمان کی تعریف ابتداء ہی میں یوں کی گئی ہے کہ وہ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا زبان اور دل و جان سے قائل ہوتا ہے۔ خود رسول اللہ صلعم کے زمانے میں مسلمان کی یہی پہچان تھی۔ اور اسی کلمہ کے دل سے قبول کرنے اور زبان سے اس کا اقرار کرنے سے بڑے سے بڑا کافر مسلمان ہو جاتا تھا ۔۔۔"

(مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے سابق چیف جسٹس جناب قدیرالدین احمدؐ کے قلم سے)

اسلام کسی ایک دین کا نام ہے یا طرح طرح کے بہت سے دین اور بہت سی شریعتوں کو ملا کر ان کا نام اسلام رکھ دیا گیا ہے؟

یہ سوال ان سب لوگوں کے لئے اہم ہے جو اپنے آپ کو سچے دل سے مسلمان بھی کہتے ہیں اور اسلام سے محبت بھی رکھتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے ملک میں یہ مسئلہ ابھی تک حل نہیں ہوا کہ مسلمان کن عقائد کے رکھنے والوں کو کہتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے دستور میں مسلمان کی تعریف DEFINATION شامل نہیں ہو سکی۔ اس لئے شق نمبر ۲۹۰ کے جزا نمبر (۳) میں غیر مسلم کی تعریف شامل کی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ سوال کہ مسلمان کس کو کہتے ہیں؟ کھل کر ۱۹۵۳ء میں اس وقت سامنے آیا جب قادیانیوں کے خلاف پنجاب میں فسادات اور ایک تحقیقی عدالت مقرر کی گئی کہ ان فسادات کے اسباب کی تفتیش کرے۔ اس عدالت کے صدر جناب محمد منیر تھے۔ جو اس وقت چیف جسٹس تھے۔ ایک رکن کیانی صاحب مرحوم تھے۔ جو اس وقت پنجاب ہائی کورٹ کے جج تھے۔ اس عدالت نے ملک کے تقریباً تمام فرقوں کے سرکردہ علماء کو بطور گواہ کے بلایا۔ جو فرقے اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے وہ سب پیش ہوئے اور سب سے یہ سوال کیا گیا کہ مسلمان کی تعریف کیا ہے؟ ہر ایک کا جواب منیر رپورٹ میں درج ہے۔ ان جوابات کو غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے کوئی بھی یہ کہہ کر مطمئن نہیں ہوا کہ اللہ کو ایک ماننا اور محمدؐ کو اس کا سچا پیغمبر ماننا ایک مسلمان کا عقیدہ ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ اور شرائط شامل کی گئیں۔ وجہ یہ تھی کہ اگر وہ شرائط نہ لگاتے تو پھر فرقوں میں جو اختلاف ہے اس کی بنیاد قائم نہ ہو سکتی۔ ہر فرقے کے عالم نے ان عقائد کا ذکر کسی نہ کسی طرح سے مسلمان کی تعریف میں کرنا ضروری سمجھا۔ جن کو وہ اپنے فرقے کی خصوصیت سمجھتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان کی تعریف میں فرقوں کی تعریفیں شامل ہوتی رہیں۔ دوسرے الفاظ میں اسلام دینوں کا ایک مجموعہ نظر آنے لگا۔ اور خالص اسلام کی تعریف مسلمان کی تعریف کے ساتھ الجھ کر رہ گئی۔

## سوچنے سمجھنے کی ہدایت اور بشری غلطیاں

اس کیفیت سے یہ سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ آیا احکامِ الٰہی اور سنتِ رسول اللہ صلعم کو سمجھنے کا اختیار ہر ایک مسلمان کو حاصل ہے یا نہیں۔ اگر فرقوں کے اعتقادات کو تھوڑی دیر کے لئے الگ رکھ دیں۔ تو اس سوال کا جواب آسان نظر آتا ہے کیونکہ کلامِ پاک میں جابجا تاکید ہے کہ کائنات اور خود کلامِ مجید پر انسان غور کرے۔ اپنی عقل استعمال کرے اور بات کو ذہن نشین کرے۔ چنانچہ سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۱۷۹ میں ارشاد ہوا ہے کہ

"ان کے پاس دل ہیں مگر وہ سوچتے نہیں۔ ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں۔ ان کے پاس کان ہیں مگر وہ سنتے ہی نہیں۔ وہ جانوروں کی طرح ہیں۔ بلکہ اُن سے بھی زیادہ گئے گذرے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھوئے ہوئے ہیں۔"

سورۃ آلِ عمران کی آیت نمبر ۱۹۱ میں ارشاد ہوا ہے کہ (ہوشمند لوگ):۔

"آسمان اور زمین کی ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں۔"

سورۃ النساء کی آیت نمبر ۸۲ میں ارشاد ہوا ہے کہ:۔

"کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے۔"

سورۃ انفال کی آیت ۲۲ میں تاکید کی سختی حد کو پہنچ گئی ہے۔ فرمان باری تعالےٰ ہے کہ:۔

"یقیناً اللہ تعالےٰ کے نزدیک بدترین قسم کے جانور وہ بہرے اور گونگے لوگ ہیں۔ جو عقل سے کام نہیں لیتے۔"

اب اگر انسان غور و فکر کرتا ہے تو وہ باوجود پورے ایمان کے اپنی عقل اور اپنے علم کے مطابق ہی ہر بات کو سمجھ سکتا ہے۔ ہر شخص کی عقل اور اس کے علم میں فرق ہوتا ہے۔ اس لئے جو نتائج نکالے جاتے ہیں ان میں بھی فرق ہونا لازمی ہے۔ اس قسم کے جو فرق ہیں۔ ان پر گرفت کرنا اور یہ سمجھنا کہ جو بات ہماری سمجھ میں آئی۔ وہ تو صحیح ہے۔ مگر جو دوسرے کی سمجھ میں آئی وہ غلط ہے۔ اس بنیادی اُصول کے خلاف ہے کہ انسان کو اللہ تعالےٰ نے نہ صرف سوچنے اور سمجھنے کا حق دیا ہے بلکہ اس کی شدید تاکید کی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ احتیاط ہر مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ سوچنے سمجھنے میں پوری احتیاط اور علم سے کام لے۔ بعض آدمیوں کو خدا نے عقلِ سلیم دی ہے اور بعض کی سوچ اور سمجھ میں کسر رہ جاتی ہے۔ چنانچہ جو لوگ بات کو خود سمجھنے کے قابل نہیں۔ ان کو یہ راستہ بتایا گیا ہے کہ:۔

"اگر تم نہیں جانتے ہو تو اہلِ علم سے پوچھ لو"

یہ فرمان سورۃ ... ۴۳ ویں آیت میں صادر ہوا ہے۔ اس کا نتیجہ بھی لازمی طور سے یہ ہوگا کہ جب انسان کسی دوسرے پر اعتبار کرے گا تو اس میں بھی وہ غلطی کر سکتا ہے۔ بہرحال اگر کوئی شخص بات کو خود سمجھے یا یہ سمجھ کر کہ وہ اس کی قابلیت نہیں رکھتا۔ کسی دوسرے شخص کی بات مان لے۔ جس کو وہ قابلِ اعتبار سمجھتا ہے اور اس پر بھروسہ کرے۔ تو پھر اس سے زیادہ اور کیا مطالبہ اس سے کیا جا سکتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس شخص کے بعد جو انسان کر سکتا ہے۔ اور دیانت داری کے باوجود غلط راہ پر پڑ جائے تو اس کو قصوروار ٹھہرانا مشکل ہے۔ خصوصاً ایسے شخص کو جو اللہ اور رسولؐ اور کلامِ پاک پر ایمان رکھتا ہو۔ خود بھی سوچتا ہو۔ اور اہلِ بصیرت سے سوال بھی کرتا ہو۔ پھر ان کی بات سُن کر اپنا اطمینان بھی کرتا ہو۔

ان حالات میں اس کی غلطی، غلطی تو ہو سکتی ہے مگر اس کو موردِ الزام سمجھنا بہت مشکل کام ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے کہ:۔

"وہ کسی سے اس کی طاقت سے زیادہ کی توقع نہیں رکھتا۔"

سورۃ انعام کی آیت نمبر ۷ میں ارشادِ ربانی ہے کہ:۔

"۔۔۔ ہم ہر شخص پر ذمہ داری کا اتنا ہی بار رکھتے ہیں جتنا اسکے امکان میں ہے۔"

بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس سے بھی زیادہ ہے۔ چنانچہ سورۃ بقرہ کی آیت ۱۸۵ میں فرمایا گیا ہے کہ:۔

"اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے۔ سختی کرنا نہیں چاہتا۔"

مذکورہ بالا گذارشات اور آیات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو لوگ نیک نیتی اور طلب حق کے ساتھ کوئی اعتقاد یا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ تو بس ان کی اتنی ہی طاقت ہے۔ اگر وہ غلطی کرتے ہیں۔ اس سے بچ جانا انکے بس میں نہیں ہے۔ اور اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کرم گستری سے ان کو بتا دیا۔ کہ،

"۔۔۔۔ نا دانستہ تم جو بات کہو اس پر تم پر کوئی گرفت نہیں۔ لیکن اس بات پر ضرور گرفت ہے جس کا تم دل سے ارادہ کرو۔" (الاحزاب آیت ۵)

**اختلاف لڑائی کا جواز نہیں** اس نتیجہ سے دوسرا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اگر لوگ دیانت داری اور صحیح جستجو کے بعد کوئی اعتقاد یا طریقہ اختیار کریں تو اس بناء پر اُن سے لڑنا جھگڑنا یا ان کو بُرا بھلا کہنا درست نہیں ہو سکتا۔ اگر ان سے جھگڑے کرنے کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ تو پھر ان کو بھی حق حاصل ہوگا۔ کہ وہ بھی جھگڑنے والوں کو بُرا بھلا کہیں۔ اور ان سے دست و گریباں ہوں۔

اگر مندرجہ بالا باتوں کا خیال رکھا جائے۔ تو پھر فرقہ بندی اور فساد کی بجائے آپس میں رواداری اور حسنِ سلوک کی راہ نکل سکتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں نیک نیتی کا اختلاف رائے تو جائز ہے بلکہ باعثِ برکت بھی ہو سکتا ہے۔ مگر اختلاف کو جھگڑے کی بنیاد بنانا اور گروہوں میں تقسیم ہو جانا احکامِ الٰہی کے سراسر خلاف ہے۔ سورۃ انعام کی آیت نمبر ۱۶۰ میں خداوند ربّ العزت کا ارشاد ہے کہ:۔

"۔۔۔۔ جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے یقیناً ان سے تمہارا کچھ واسطہ نہیں۔ ان کا معاملہ تو اللہ کے سپرد ہے۔ وہی ان کو بتائے گا۔ کہ انہوں نے کیا کچھ کیا۔۔۔۔"

اس کے معنی یہ ہوئے کہ اختلافات تو ہو سکتے ہیں۔ لیکن ان کا فیصلہ اُن لوگوں کے ہاتھ میں نہیں ہے جو خود ان میں مبتلا ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس فیصلے کو اپنے ہاتھ میں رکھا ہے تاکہ روزِ حساب بتا دے کہ کوئی صحت پر تھا اور کوئی غلطی پر۔ اس دن یہ بھی کھل جائے گا کہ کس کی نیت صاف تھی اور کون اور ضد اور تشدد پر تھا۔ اختلاف کے ساتھ ضد بہت آسانی سے پیدا ہو جایا کرتی ہے۔ اور ضد میں ایک اسفلی تسکین و اطمینان بھی ہوتا ہے۔ جو آدمی اس کا شکار ہوتا ہے۔ وہ اکثر اس طرف اپنی آنکھیں بند کر لینی چاہتا ہے۔ اگر ایسا بھی کرے۔ تب بھی یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ خداوند کریم اس کی اجازت نہیں دیتا۔ کہ مسلمان اُمّتِ محمدیؐ کو فرقوں میں تقسیم کر دے۔ اللہ کے احکام میں جو فرقہ بندی کی ممانعت آتی ہے۔ اسے اس سے زیادہ اور کیا وضاحت سے بیان کیا جا سکتا ہے کہ سورۃ آلِ عمران کی آیت ۱۰۴ میں ارشاد ہوا ہے کہ:۔

"۔۔۔ کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو فرقوں میں بٹ گئے"

جو لوگ فرقہ میں بٹ جاتے ہیں اور فرقہ پرستی کرتے ہیں۔ ان میں سے جو نیک نیت ہوتے ہیں۔ وہ یہی سمجھتے ہیں کہ ہم تو صحیح راہ پر ہیں لیکن دوسرے سب راستہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ اس لئے ہمارا کام اپنی رائے پر قائم رہنا اور دوسروں کو غلط روی سے روکنا ہے۔ جن کو یہ خیال آئے ان کو بھی سوچنا چاہیئے کہ ایسا ہی خیال اس شخص کا بھی ہو سکتا ہے جو نیک نیتی سے غور و فکر کر کے قابلِ اعتبار ہدایت حاصل کرنے کے بعد کوئی دوسرا اعتقاد یا طریقہ اختیار کرتا ہے۔

اس لئے ہر ایک فرقہ یہی سوچنے میں حق بجانب ہے کہ بس ہم ہی صحیح راستے پر ہیں۔ لیکن غور کرنے کی بات ہے۔ کہ اگر یہ یقین کہ ہم سچے راستہ پر ہیں۔ فتنہ و فساد کی اجازت دے دے تو تمام فرقوں کا کام بس لڑنا اور جھگڑنا ہی رہ جائے۔ حالانکہ اتنی بات بھی ظاہر ہے کہ سارے فرقے عملاً صحیح راستے پر نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ان میں آپس میں بہت جگہ تضاد ہوتا ہے۔ نیز اگر صحیح راستہ اتنا آسان اور کھلا ہوا ہوتا۔ تو جو خدا سے ڈرنے والے اور رسول اللہ سے محبت کرنے والے ہیں۔ وہ اس سے سرِ مو نہ ہٹتے۔ کسی فرقے کا یہ زعم کہ دوسرا فرقہ صحیح راستہ پر نہیں ہو سکتا۔ اسی حد تک درست ہو سکتا ہے کہ اپنا راستہ اس فرقے کے پیرو کو صحیح اور درست نظر آتا ہے۔ مگر جو چیز کسی کو صحیح اور درست نظر آئے۔ اس کے متعلق یہ خیال کر لینا کہ اس میں اس کی عقل کی کوئی غلطی ہو ہی نہیں سکتی انسانی عقل کو اس کی حد سے بالا کر دینا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کسی نہ کسی بنیاد پر اپنے آپ کو صحیح سمجھتا ہے اور اس زعم میں رہتا ہے کہ جو میرے پاس ہے۔ وہ کسی کے پاس نہیں۔ اس کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ روم کی آیت ۳۱ و ۳۲ میں یوں ظاہر کر دیا ہے کہ:۔

"۔۔۔۔ ان مشرکین میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے اپنا دین الگ الگ بنا لیا ہے اور گروہوں میں بٹ گئے ہیں۔ ہر ایک اسی پر مگن ہے کہ جو اس کے پاس ہے۔"

**دین اور خدا کی بندگی میں خلل** اگر اس میں کوئی نقصان نہ ہوتا۔ کہ ہر شخص جو کچھ سمجھے۔ اسی کو حرفِ آخر جانے اور سارے دوسرے خیالات کو غلط اور گمراہی سمجھے۔ تو اللہ تعالیٰ اس طریقے کی مذمت ایسے کھلے الفاظ میں نہ فرماتا۔ جو لوگ اپنے ذیلی عقائد و خیالات کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ گویا ہر دوسرا ذیلی عقیدہ اور خیال ملحدانہ اور کافرانہ ہے۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ جب کوئی غیر جانبدار شخص اس قسم کے اختلافات کو دیکھتا ہے۔ تو اس کا اعتبار خود دین ہی پر سے اُٹھ جاتا ہے۔ وہ لازماً سوچتا ہے کہ ہر ایک فرقے کا دعوٰی تو صحیح ہو نہیں سکتا۔ اس لئے ان سب میں کوئی غلط خیال یا ضد شامل ہوگی۔ چنانچہ قریب ہو جاتا ہے کہ وہ کسی کو بھی نہ مانے اور سوچنے لگے کہ کیا اسلام اسی کا نام ہے؟ کہ ہر ایک فرقہ اپنے آپ کو تو جنتی ہونے کا دعوٰی کرے اور دوسرے فرقوں کو دوزخی سمجھ کر مگن رہے۔ آج کل جو لوگ کمزور اعتقادات رکھتے ہیں۔ ان کے لئے اس قسم کی ضد۔ اختلاف اور فرقہ پرستی مزید الحاد کا سبب بن جاتی ہے۔ وہ یہ دیکھ کر گھبراتے ہیں کہ یہ تو سارے فرقے ہیں۔ اسلام کدھر ہے؟ اور مسلمان کہاں؟ اس میں شک نہیں۔ کہ عیسائیوں کے یہاں بھی یہی کیفیت ہے۔ مگر ان کی خرابیاں ہمارے لئے قابلِ پیروی تو نہیں۔ اس کیفیت سے نقصان ان کو بھی پہنچ رہا ہے۔ بلکہ ان سب حالات کو پیشِ نظر رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کیفیت سے خود مذہب کے تصور اور "ایمان باللہ" کو بڑا نقصان پہنچتا ہے۔ وہ لوگ جو مذہب سے مانوس نہیں۔ وہ ان حالات سے دل برداشتہ ہو رہے ہیں۔ وہ اختلاف اور ضدوں کو دیکھ کر اسلام سے ہی نہیں بلکہ سرے سے مذہب ہی سے بد دل ہو سکتے ہیں۔

آج کل لا مذہبیت کے بہت سے اسباب ہیں۔ لیکن اس بات کو بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مذہب سے انحراف کے معنی یہ نہیں کہ اس کا اثر مسلمان نوجوانوں کے دلوں پر نہیں پڑتا۔ جب مذہب ہی نہ ہوگا۔ تو فرقوں کی طرف کون آئے گا۔ اس لئے جس غلط فہمی کی نشاندہی مذکورہ بالا آیت ربانی میں کی گئی ہے اس کی اہمیت کو کم نہیں سمجھنا چاہیئے۔

**اختلاف رائے اور فرقہ پرستی میں فرق** یہاں ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اختلافات بھی ہیں۔ اور لوگوں کا ان پر اعتقاد بھی ہے۔ ان کو غلط فہمی ہی کہیں تب بھی یہ کیسے ممکن ہے کہ جس چیز پر کوئی شخص ایمان رکھے اس کو سچا نہ کہے۔ لہٰذا اس دشواری کا حل نکلنا چاہیئے۔ یہ کیفیت اور یہ خیال بظاہر بہت دشوار سوال پیدا کرتا ہے۔ مگر اس سے نجات کا راستہ

ہے - اور وہ یہ ہے کہ اختلاف رائے اور فرقہ بندی کے فرق کو سمجھا جائے فرق یہ ہے کہ اختلاف رائے میں ضد اور تلخی نہیں ہوتی - محض اختلاف زیادہ سے زیادہ اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ افہام و تفہیم کی کوشش کی جائے اور یہ جائز ہے - بلکہ انسان کو سوچنے سمجھنے کا حق حاصل ہے - جب کسی نتیجہ پر پہنچنے کے بعد اس خیال کو جو واضح ہوا - ایک مدرسہ خیال کی بجائے کسی تنظیم کی بنیاد بنایا جاتا ہے اور ایک منظم گروہ بن کر پارٹیوں کی صورت اختیار کی جاتی ہے - اور اس بات پر کمر باندھی جاتی ہے کہ اپنے خیال کو دوسروں سے منوایا جائے - بلکہ یہ بتایا جائے کہ بس ہم ہی راہِ راست پر ہیں - اور تم سب گمراہ ہو - تو اس طرح فرقہ بندی پیدا ہوتی ہے - جب ایک دفعہ کوئی فرقہ بن جائے - تو پھر اس کو اپنی بات کی پچ کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اس پر اڑنا اور ضد کرنا پڑتا ہے - نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غور و فکر جس کی اسلام میں اجازت ہے دل و دماغ سے نکل جاتے ہیں - اور فرقہ بندی کی خرابیاں ظہور میں آتی ہیں - اس وقت یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ نے فرقہ بندی ہی کو منع کیا ہے - اور آخری فیصلہ اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے -

## سچا مسلمان یا فرقہ پرست

مختلف فرقوں کا خیال کیجئے اور دین کا خیال کیجئے - پھر ان اعتقادات کو پیش نظر رکھئے جو فرقہ وارانہ ہیں - آپ دیکھیں گے کہ فرقہ بندی سے خود اسلام کا مرکزی نقطۂ نظر پوری طرح ابھر کر سامنے نہیں آتا - وہ نقطۂ نظر تو خدائے واحد کی پرستش اور رسول اکرمؐ کی نبوت کو حقیقی ماننا ہے - ان ہی دو مرکزی نکاتِ ایمان سے ملحق اور متصل کلام اللہ پر ایمان لانا اور ارکانِ اسلام پر عمل کرنا ہے - بڑی خوش قسمتی ہے کہ اللہ - محمدؐ - قرآن اور عبادات پر سب اہم فرقے متحد ہیں - یہی تو ایمان کا مغز ہے - اسی حقیقت کے مدِنظر مسلمان کی تعریف ابتداء ہی میں یوں کی گئی ہے - کہ وہ

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا زبان اور دِل سے قائل ہوتا ہے، خود رسول اللہ صلعم کے زمانے میں مسلمان کی یہی پہچان تھی - اور اسی کلمہ کے دل سے قبول کرنے اور زبان سے اس کا اقرار کرنے سے بڑے سے بڑا کافر مسلمان ہو جاتا تھا۔

مگر آج کل اس مختصر اور جامع کلمہ سے سب فرقوں کے طرفدار غیر مطمئن ہیں وجہ یہ کہ کلمہ فرقہ بندی کے لئے زہر ہے - جو یہ مان جائے کہ انسان اس کلمہ سے مسلمان ہو جاتا ہے - وہ فرقہ وارانہ اختلافات کو اہم نہیں سمجھ سکتا - کیونکہ ان مسلمانوں کو جو اہلیت رکھتے ہیں - یہ آزادی ہے کہ وہ کلام اللہ اور سنتِ رسول اللہ کو خود سمجھیں - اس میں اختلاف بھی ہو سکتا ہے اور غلطی بھی ہو سکتی ہے - چنانچہ مختلف مدارس خیال پیدا ہو سکتے ہیں - خرابی تو اس وقت شروع ہوتی ہے - کہ تفصیل کو مرکزی حیثیت دی جائے - اور ~~پھر سمجھ لیا کہ~~ اختلافی خیالات اور اعتقادات پر اس طرح ضد کی جائے کہ گویا کسی دوسرے کو سوچنے اور سمجھنے کا حق ہی نہیں -

اس وقت یہ خیال نہیں آتا - کہ فرقہ بندی اور جتھہ بندی کے اندر خود ایک تضاد ہے اور وہ یہ کہ فرقوں کے مؤید اور طرفدار اسلام کے ماتحت اپنا تو یہ حق سمجھتے ہیں کہ وہ تو قرآن پاک کے وہ معنی سمجھیں جو ان کو بھاتے ہیں اور مجموعہ حدیث میں سے ان کو پسند کر لیں - جو ان کی مرضی کی ہیں اور پھر ان کے معنی اس طرح سے نکالیں جو اُن کے دل کو لگتے ہیں - مگر دوسروں کا یہ حق تسلیم نہیں کرتے کہ وہ بھی اپنی عقل اور سمجھ کے مطابق ایسا ہی کر سکتے ہیں -

فرقہ بندی درحقیقت اسلام میں آزاد خیالی کی برکت کو غلط استعمال کرنے سے پیدا ہوتی ہے - اگر ہر فرقہ یہ سمجھے کہ جس حق کے ماتحت اسلام میں اس نے اپنا اعتقاد قائم کیا ہے - وہی حق دوسروں کو بھی حاصل ہے - تو اللہ اور رسول اور کلام اللہ اور عبادات پر اتفاق ہو جانے کے بعد پھر کسی اور اعتقاد پر بضد ہونے کی گنجائش باقی نہ رہے - اس کی کوئی ضمانت نہیں کہ اللہ کے نزدیک کونسا فرقہ سب سے سچا اور ہر غلطی سے محفوظ ہے - اور اس بات کا ثبوت یہ ہے - کہ سب فرقے اپنے کو ایسا ہی سمجھتے ہیں -

جو لوگ اپنے اعتقادات اور خیالات سے مطمئن ہیں - وہ یہ دیکھ کر پریشان ہوتے ہیں - کہ دوسرے ان کے ہم خیال کیوں نہیں - جب ان کا اعتقاد گہرا اور پکا ہوتا ہے - تو ان کا دل یہی گواہی دیتا ہے کہ اُن سے اختلاف نہیں کیا جا سکتا - چنانچہ وہ دوسروں کو گمراہ اور بدنیت سمجھتے ہیں - مگر اس کا علاج تبلیغ اور تفہیم ہے - ضد اور لڑائی سے نہ تبلیغ ہو سکتی ہے اور نہ تفہیم - بلکہ دوسرا فریق بھی ضد پر آ جاتا ہے - چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خود رسولِ پاک سے فرمایا تھا کہ

"—— یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لئے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو - ورنہ کہیں اگر تم تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے ——"

(آل عمران آیت ۱۵۸)

## اللہ کی رضا یا اپنی اَنا

ایک بہت بڑی بات جو اُن لوگوں کے لئے خاص طور پر قابلِ غور ہے - جو نیک نیت ہیں - اور اللہ کے لئے کوشش کرتے ہیں کہ خالص نیت اور خالص اللہ کی خاطر جو کام ہوتا ہے - وہ بے غرض بھی ہونا چاہیئے - فرقہ بندی سے بے غرضی گھٹتی چلی جاتی ہے اور غرض اور ہماہمی بڑھتی چلی جاتی ہے - فرقہ پرست . ایسے کام کرنے پر مجبور ہوتے ہیں جن کا تعلق دوسرے پر حملے کرنے - اپنا بچاؤ کرنے اور پھر جوابی حملوں سے ہوتا ہے - ان کے لئے یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ

- اپنے جتھے کو قائم رکھنے کے لئے -
- اس میں طرح طرح سے نمائشی ایکا پیدا کریں -
- دوسروں سے اپنے فرقے کو علیحدہ کر کے اسے نمایاں کریں -
- اپنی کتابیں علیحدہ تیار کریں -
- اپنے رسم و رواج علیحدہ بنائیں اور ان پر زور دیں -
- اپنے ہیرو قائم کریں - اور رنجشوں کی صورتوں کو پختہ کرتے رہیں -

یہ کام خالص نیکی اور دین کی خالص پیروی سے زیادہ آسان ہے کیونکہ ضد اور رنجشوں سے ہوا اور ہوس کے جذبات کو تسکین ہوتی ہے - یوں ہی بات بڑھتی جاتی ہے - اور جب بات بڑھتی ہے تو ایک فرقہ دوسرے کو کافر کہتا ہے، حالانکہ دِل کے کفر کا حال خدا ہی کو معلوم ہے -

ہر انسان کو یہ مرتبہ نصیب نہیں کہ نیک نیتی اور صمیم قلب سے کسی اعتقاد یا عمل کو سچّا اور صحیح سمجھے اور اس کے باوجود ان کو جو ان سے اختلاف کریں بدنیت نہ سمجھے -

یہ رسولِ خدا محمدؐ ہی کا مرتبہ تھا کہ انہوں نے ان لوگوں کو راہِ راست پر آنے کی دعائیں دیں - جنہوں نے آپ پر پتھر پھینکے اور گالیاں دیں - یہ حضرت علیؓ ہی کا حوصلہ تھا کہ جب دشمن کو زیر کر چکے اور قریب تھا کہ خنجر سے ہلاک کر دیتے تو اس بناء پر اس کو چھوڑ دیا کہ اس نے آپ کے منہ پر تھوک دیا تھا - اس نے حیران ہو کر وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ کہ میری ذاتی نفرت جو تیری حرکت سے پیدا ہوئی تھی وہ جہاد فی سبیل اللہ میں شامل ہو جائے - نتیجہ یہ ہوا کہ وہ شخص جو آپ کا دشمن بن کر بہ حیثیت ایک کافر کے مرنے والا تھا - اسلام قبول کر کے مسلمانوں کا دوست بن گیا - اور حضرت علیؓ کا یہ عمل ہمارے واسطے ہمیشہ کے لئے مشعلِ راہ بن کر سامنے آ گیا -

یہاں ایک امکانی غلطی کو دُور کرنے کے لئے یہ کہنا ضروری ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کافر سے نبرد آزمائی اس کی زیادتی کی وجہ سے کی تھی - اس کو زبردستی مسلمان بنانے کے لئے نہیں - بعض مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ تبلیغ کا طریقہ زور اور زبردستی ہے - وہ رسولِ اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ کی جنگوں کو تبلیغ دم

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۲)

# ہمدردی میں سب نبیوں سے بڑھ کر
# غم خواریٔ خلق اللہ
## قسط نمبر (۱۸)

کوئی نبی اور ولی قوت عشقیہ سے خالی نہیں ہوتا۔ یعنی ان کی فطرت میں حضرت احدیت نے بندگان خدا کی بھلائی کے لئے ایک قسم کا جوش ڈالا ہوا ہوتا ہے۔ پس وہی عشق کی آگ اُن سے سب کچھ کراتی ہے۔ اور اگر ان کو خدا کا یہ حکم بھی پہنچے کہ اگر تم دعا اور غمخواریٔ خلق اللہ نہ کرو تو تمہارے اجر میں کچھ قصور نہیں تب بھی وہ اپنے فطرتی جوش سے رہ نہیں سکتے اور ان کو اس بات کی طرف خیال بھی نہیں ہوتا کہ ہم کو اس جانکنی سے کیا اجر ملے گا۔ کیونکہ ان کے جوشوں کی بناء کسی غرض پر نہیں۔ بلکہ وہ سب کچھ قوتِ عشقیہ کی تحریک سے ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

لعلّك باخعٌ نفسك الّا یکونوا مؤمنین ۰ ۲۶/۲

خدا اپنے نبی کو سمجھاتا ہے کہ اس قدر غم اور درد کہ تو لوگوں کے مومن بن جانے کے لئے اپنے دل پر اُٹھاتا ہے اس سے تیری جان جاتی رہے گی۔ سو وہ عشق ہی تھا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جان کی کچھ پروا نہ کی۔ پس پیری مریدی کا یہی اصل ہے اور صادق اسی سے شناخت کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ خدا کا قدیمی اصول ہے کہ قوتِ عشقیہ صادقوں کے دلوں میں ضرور ہوتی ہے تا وہ سچے غمخوار بننے کے لائق ٹھہریں۔ جیسے والدین اپنے بچے کے لئے ایک قوتِ عشقیہ رکھتے ہیں تو ان کی دُعا بھی اپنے بچوں کی قبولیت کی استعداد زیادہ رکھتی ہے۔ اسی طرح جو شخص صاحبِ قوتِ عشقیہ ہے وہ خلق اللہ کے لئے حکم والدین رکھتا ہے۔ اور خواہ نخواہ دوسروں کا غم اپنے گلے میں ڈال لیتا ہے کیونکہ قوتِ عشقیہ اس کو نہیں چھوڑتی اور یہ خداوند کریم کی طرف سے ایک انتظامی بات ہے کہ اس نے بنی آدم کو مختلف فطرتوں پر پیدا کیا ہے۔ مثلاً دنیا میں بہادروں اور جنگجو لوگوں کی ضرورت ہے۔ سو بعض فطرتیں جنگ جوئی کی استعداد رکھتی ہیں۔ اسی طرح دنیا میں ایسے لوگوں کی بھی ضرورت ہے کہ جن کے ہاتھ سے خلق اللہ اصلاح ہوا کرے۔ سو بعض فطرتیں یہی استعداد لے کر آتی ہیں اور قوتِ عشقیہ سے بھری ہوئی ہوتی ہیں[1]۔ ایسے لوگ چونکہ بنی نوع کی ہمدردی میں محو ہوتے ہیں۔ اس لئے رات دن سوچتے رہتے ہیں اور اسی فکر میں کڑھتے رہتے ہیں کہ یہ لوگ کسی نہ کسی طرح راہ پر آ جائیں اور ایک بار اس چشمہ سے ایک گھونٹ پی لیں۔ یہ ہمدردی یہ جوش ہمارے سیدو مولیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں غایت درجہ کا تھا اس سے بڑھ کر کسی دوسرے میں ہو نہیں سکتا۔ چنانچہ آپ کی ہمدردی اور غمگساری کا یہ عالم تھا کہ خود اللہ تعالےٰ نے اس کا نقشہ کھینچ کر دکھایا ہے ۲۶/۲ لعلّك باخعٌ نفسك الّا یکونوا مؤمنین ...... اس آیت کی حقیقت آپ پورے طور پر نہ سمجھ سکیں تو جُدا امر ہے مگر میرے دل میں اس کی حقیقت یوں پھرتی ہے جیسے بدن میں خون ہے

بدل دردیکہ دارم از برائے طالبانِ حق + نمے گردد بیاں آں درد از تقریر کوتاہم

## مامورین اللہ کی ہمدردی

مامور من اللہ جب آتا ہے تو اس کی فطرت میں سچی ہمدردی رکھی جاتی ہے اور یہ ہمدردی عوام سے بھی ہوتی ہے اور جماعت سے بھی۔ اس ہمدردی میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھے ہوئے تھے اس لئے کہ آپ کل دُنیا کے لئے مامور ہو کر آئے تھے اور آپؐ سے پہلے جس قدر نبی آئے وہ مختص القوم اور مختص الزمان کے طور پر تھے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کُل دُنیا اور ہمیشہ کے لئے نبی تھے اس لئے آپؐ کی ہمدردی بھی کامل ہمدردی تھی چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ۲۶/۲ لعلّك باخعٌ نفسك الّا یکونوا مؤمنین[2]

غرض اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی ہمدردی اور محنت اُٹھانے سے بنی نوع کی رہائی کے لئے جان کو وقف کر دیا تھا اور دُعا کے ساتھ اور تبلیغ کے ساتھ اور انکے جور و جفا اُٹھانے کے ساتھ اور ہر ایک مناسب اور حکیمانہ طریق کے ساتھ اپنی جان اور اپنے آرام کو اس راہ میں فدا کر دیا تھا[3]۔ اس آیت سے اس درد اور فکر کا پتہ لگ سکتا ہے جو آپؐ کو دُنیا کی تباہ حالت دیکھ کر ہوتا تھا کہ وہ مومن بن جاوے۔ یہ تو آپؐ کی عام ہمدردی کے لئے ہے۔ اور یہ معنی بھی اس آیت کے ہیں کہ مومن کو مومن بنانے کی فکر میں اپنی جان دے دیگا۔ یعنی ایمان کو کامل بنانے میں۔

اسی لئے دوسری جگہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ یا ایها الذین اٰمنوا باللہ ورسولہ۔ بظاہر تو تحصیل حاصل معلوم ہوتی ہوگی۔ لیکن جب حقیقتِ حال پر غور کیا جاوے تو صرف معلوم ہوتا ہے کہ کئی مراتب ہوتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالےٰ تکمیل چاہتا ہے۔ غرض مامور کی ہمدردی مخلوق کے ساتھ اس درجہ کی ہوتی ہے کہ وہ بہت جلد اس سے متاثر ہوتا ہے[4]

اسی طرح مامورین جو آتے ہیں ان کی فطرت میں بھی ایک بات ہوتی ہے وہ کیا؟ مخلوق کے لئے دلسوزی اور بنی نوع انسان کی خیر خواہی کے لئے ایک گدازش وہ طبعی طور پر چاہتے ہیں کہ لوگ ہدایت پا جاویں اور خدا تعالیٰ میں زندگی حاصل کریں[5]

## ہمدردی مخلوق

پیغام پہنچانے والے کو عام طور پر پیغام پہنچا دیتے ہیں اور اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ اس پر عمل ہو یا نہ ہو گویا وہ تبلیغ صرف کان ہی تک محدود ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے مامورین الٰہی کان تک بھی پہنچاتے ہیں۔ اور اپنی قوتِ قدسیہ کے زور اور ذریعہ سے دل تک بھی پہنچاتے ہیں۔ اور یہ بات کہ جذب اور عقد ہمت ایک انسان کو اس وقت دیا جاتا ہے جبکہ وہ خدا تعالےٰ کی چادر کے نیچے آ جاتا ہے اور ظلّ اللہ بنتا ہے۔ پھر وہ مخلوق کی ہمدردی اور بہتری کے لئے اپنے اندر ایک اضطراب پاتا ہے۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مرتبہ میں کل انبیاء علیہم السلام سے بڑھے ہوئے تھے۔ اس لئے آپؐ مخلوق کی تکلیف دیکھ نہیں سکتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ عزیزٌ علیه ما عنتّم۔ یعنی یہ رسول الدوام تمہاری تکالیف کو دیکھ نہیں سکتا وہ اس پر سخت گراں ہے اور اسے

---

[1] مکتوباتِ احمدیہ صفحہ ۲۲

[2] الحکم ۶ر فروری ۱۹۰۰ء ۔ [3] الحکم ۳۱ر مارچ ۱۹۰۲ء ۔
[4] اسلامی اصول کی فلاسفی صفحہ ۳۲۲ ۔ [5] الحکم ۳۱ر مارچ ۱۹۰۲ء
[6] الحکم ۲۴ر جولائی ۱۹۰۲ء ۔

ہر وقت اس بات کی تڑپ لگی رہتی ہے کہ تم کو بڑے بڑے منافع پہنچیں۔ ان ان ساری باتوں کو یکجائی طور پر دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اوّل خدا تعالیٰ مدد دیتا ہے پھر دوسرے درجہ پر مامور من اللہ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں جوش ڈالا ہے۔ اور وہ اسی جوش اور تقاضائے فطرت کے ساتھ مخلوق کی بہتری میں ہر ایک قسم کی کوشش کرتے ہیں۔ جیسے ماں اپنے بچے کو دودھ دیتی ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اس لئے کہ والدہ کا نفس مزکّی نہیں ہے۔ اور یہ مزکّی النفس لوگ ہوتے ہیں[7] یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ایک طرف انبیاء ورسل اور خدا تعالیٰ کے مامورین اہلِ دنیا سے نفور ہوتے ہیں اور دوسری طرف مخلوق کے لئے ان کے دل میں اسقدر ہمدردی ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس کے لئے بھی خطرہ میں ڈال ڈال دیتے ہیں۔ اور خود ان کی جان جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت قرآن شریف میں فرماتا ہے ...... کہ تو ان لوگوں کے مومن نہ ہونے کے متعلق اس قدر ہم و غم نہ کر۔ اس غم میں شاید تو اپنی جان ہی دے دے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمدردیٔ مخلوق میں کہاں تک بڑھ جاتے ہیں۔ اس قسم کی ہمدردی کا نمونہ کسی اور میں نہیں پایا جاتا۔ یہاں کہ ماں باپ اور دوسرے اقارب میں بھی ایسی ہمدردی نہیں ہو سکتی۔ مخلوق تو انہیں کاذب اور مفتری کہتی ہے اور وہ مخلوق کے لئے مرتے ہیں۔ یقیناً یاد رکھو کہ یہ ہمدردیٔ والدین میں بھی نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ اولاد سرکش اور نافرمان ہے یا اور نقص اس میں پاتے ہیں۔ مگر انبیاء ورسل کی یہ عادت نہیں ہوتی وہ مخلوق کو دیکھتے ہیں کہ ان پر حملہ کرتی اور ستاتی ہے لیکن وہ اس کے لئے دعا کرتے ہیں۔

## جذب و کشش کی قوّت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی ہدایت کے لئے اس قدر دعا کرتے تھے جس کا نمونہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے دل میں ایک پیاس لگا دی تھی کہ لوگ مسلمان ہوں۔ اور خدائے واحد کے پرستار ہوں۔ جس قدر کوئی نبی عظیم الشان ہوتا ہے۔ اسی قدر یہ پیاس زیادہ ہوتی ہے۔ اور یہ پیاس جس قدر تیز ہوتی ہے اسی قدر جذب اور کشش کی قوت بھی تمام راستبازوں اور ماموروں سے بڑھ کر تھی۔ جس کا ثبوت اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ آپؐ کی زندگی ہی میں کل عرب مسلمان ہوگیا[8]۔ اس طرح وہ خاص اور اعلیٰ فطرت کا آدمی جس کو دوسرے لفظوں میں نبی کہتے ہیں۔ اس کی طرف کھینچا جاتا ہے۔ پھر وہ نبی بوجہ اس کے کہ ہمدردیٔ بنی نوع کا اس کے دل میں کمال درجہ پر جوش ہوتا ہے۔ اپنی روحانی توجہات اور تضرع اور انکسار سے یہ چاہتا ہے کہ وہ خدا جو اس پر ظاہر ہوا ہے۔ دوسرے لوگ بھی اس کو شناخت کریں اور نجات پاویں۔ اور دلی خواہش سے اپنے وجود کی قربانی خدا تعالیٰ کے سامنے پیش کرتا ہے اور اس تمنّا سے کہ لوگ زندہ ہو جائیں کئی موتیں اپنے لئے قبول کر لیتا ہے اور بڑے مجاہدات میں اپنے تئیں ڈالتا ہے[9]۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے ایمان لانے کے لئے اس قدر جانکاہی اور سوز و گداز سے دعا کرتے تھے کہ اندیشہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس غم سے خود ہلاک نہ ہو جاویں اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان لوگوں کے لئے اس قدر غم نہ کر اور اس قدر اپنے دل کو دردوں کا نشانہ مت بنا۔ کیونکہ یہ لوگ ایمان لانے سے لاپرواہ ہیں اور ان کے اغراض اور مقاصد اور ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ اشارہ فرمایا ہے کہ اے نبی (علیہ السلام) جس قدر تو عقد ہمت اور کامل توجہ اور سوز و گداز اور اپنی روح کو شفقت میں ڈالنے سے ان لوگوں کی ہدایت کے لئے دعا کرتا ہے۔ تیری دعاؤں کے پُر تاثیر ہونے میں کچھ کمی نہیں ہے۔ لیکن شرط قبولیتِ دعا یہ ہے کہ جس کے حق میں دعا کی جاتی ہے۔ سخت متعصب اور لاپرواہ اور گندی فطرت کا انسان نہ ہو ورنہ دعا قبول نہ ہوگی[10]

[7] الحکم ۲۴ر جولائی ۱۹۰۲ء۔ [8] الحکم ۳۱ر اکتوبر ۱۹۰۵ء۔
[9] حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۱۔

## ہمدردیٔ مصطفےٰ اور ایک برہمو صاحب کی شہادت

آپؐ نے پینتیس برس کی عمر میں ہمدردی نوع انسان کا یہ نمونہ دکھایا کہ زید بن حارث کسی لڑائی میں پکڑا گیا اور وہ غلام بنا کر خدیجہؓ کے بھتیجے کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا اور خدیجہؓ کے بھتیجے نے اس غلام کو اپنی پھوپھی کی نذر کیا تب آپؐ نے اس غلام کو خدیجہؓ سے مانگ کر آزاد کر دیا اور آپؐ کا دل اپنے ملک کو تاریکی اور جہالت میں ڈوبا ہوا دیکھ کر بہت دردمند رہتا تھا۔ اور عورتوں کے حال زار اور معصوم لڑکیوں کو زندہ درگور ہوتے ہی دیکھ کر جگر پاش پاش ہوتا تھا۔ فی الواقع آنحضرتؐ کی ذات سے جو جو فیض دنیا کو پہنچے اُن کے لئے نہ صرف عرب بلکہ تمام دنیا کو ان کا شکر گزار ہونا مناسب ہے۔

کون کونسی تکلیفیں ہیں جو اس بزرگ نے نسلِ انسان کے لئے اپنے اُوپر برداشت نہیں کیں اور کیا کیا مصیبتیں ہیں جو اُن کو اس راہ میں اُٹھانی نہیں پڑیں۔ عرب جیسے وحشی اور کندۂ ناتراش ملک کو توحید کی راہ دکھانا اور ان بدیوں سے روکنا جو جو عادت میں داخل ہوگئی تھیں کچھ سہل کام نہ تھا۔ تنگ دل اور متعصب لوگ ایسے بزرگ کی نسبت کچھ ہی کہیں لیکن جو لوگ انصاف پسند اور کشادہ دل ہیں وہ کبھی محمدؐ صاحب کی ان بے بہا خدمات کو جو وہ نسلِ انسان کے لئے بجا لائے بھلا کر احسان فراموش نہیں ہو سکتے۔

وہ اپنی فضیلت کا ایسا جھنڈا کھڑا کر گئے ہیں جس کے نیچے اب تیرہ[13] چودہ[14] کروڑ دنیا کے آدمی پناہ گزین ہیں اور انکے نام پر جان دینے کیلئے مستعد کھڑے ہیں[11]۔

ادنیٰ صفت انسان کی یہ ہے کہ بدی کا مقابلہ کرنے یا بدی سے درگذر کرنے کی بجائے بدی دُور کرنے والے کے ساتھ نیکی کی جاوے۔ یہ صفت انبیاء کی ہے اور پھر انبیاء کی صحبت میں رہنے والے لوگوں کی ہے اور اس کا اکمل نمونہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ خدا ہرگز ضائع نہیں کرتا ان دلوں کو کہ ان میں ہمدردی بنی نوع ہوتی ہے[12]

(۱) بدل دردیکہ دارم از برائے طالبان حق + نمے گردد بیاں آں درد از تقریر کوتاہم
(۲) دل و جانم چناں مستغرق اند فکر اوشاں است + کہ نے از دل خبر دارم نہ از جان خود آگاہم
(۳) بدیں شادم کہ غم از بہر مخلوقِ خدا دارم + ازیں در لذتم کز درد مے خیزد زِ دل آہم
(۴) مرا مقصود و مطلوب و تمنا خدمت خلق است + ہمیں کارم ہمیں بارم ہمیں رسمم ہمیں راہم

ترجمہ: (۱) وہ درد جو میں طالبانِ حق کے لئے اپنے دل میں رکھتا ہوں اس درد کو الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔

(۲) میری جان و دل ان لوگوں کی فکر میں اس قدر مستغرق ہے کہ مجھے نہ اپنے دل کی خبر ہے نہ اپنی جان کا ہوش ہے۔

(۳) میں تو اس پر خوش ہوں کہ مخلوقِ خدا کا غم رکھتا ہوں اور اس کے باعث میرے دل سے جو آہ نکلتی ہے اس میں مگن ہوں۔

(۴) میرا مقصود اور میری خواہش خدمتِ خلق ہے۔ یہی میرا کام ہے یہی میری ذمہ داری ہے۔ یہی میرا فریضہ ہے۔

[10] ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۲۷۔ [11] چشمۂ معرفت صفحہ ۲۴۶
[12] الحکم ۱۴ر مئی ۱۹۰۸ء

[10] ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ... [11] چشمۂ معرفت ... ۲۴۶

# حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تین بڑی ذمہ داریاں جن کو آپ تاقیامت پورا کرتے رہیں گے۔

## آخری زمانہ میں ایک عظیم الشان نائب رسول کے آنے کی پیشگوئی۔

## "اہلِ مکہ ایک دن میری صداقت کو مانیں گے اور وہ دن دنیا کے لئے عجیب ہوگا۔" (حضرت مسیح موعودؑ)

**خطبہ جمعہ مورخہ ۱۸ مئی ۲۰۰۳ء جو حضرت امیر ایدہ اللہ کی اجازت سے مولانا محمد یحییٰ بٹ صاحب مبلغ جرمنی نے مسجد احمدیہ بلڈنگس لاہور میں دیا۔**

هوالذی بعث فی الامیین رسولاً منهم یتلوا علیهم ایته و یزکیهم و یعلمهم الکتب والحکمة و ان کانوا من قبل لفی ضلل مبین ۝ و اخرین منهم لما یلحقوا بهم و هو العزیز الحکیم ۝ ذالک فضل الله یؤتیه من یشآء والله ذو الفضل العظیم ۝
سورۃ جمعہ ۔ ایت

سورۃ جمعہ سے ان تین آیات کو پڑھنے اور ان کا ترجمہ کرنے کے بعد فرمایا۔

ان آیات میں تین امور کا ذکر کیا گیا ہے ۔ اوّل حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ کا ذکر ۔ دوم آپ صلعم کی ذمہ داریوں کا ذکر اور سوئم آخری زمانہ میں ایک نائب رسول کے پیدا ہونے کی عظیم الشان خوشخبری کا ذکر۔

آپ صلعم سے پہلے جس قدر انبیاء دنیا میں مبعوث ہوئے ان کا دائرہ عمل محدود تھا۔ وہ ایک خاص قوم کے لئے اور ایک خاص وقت کے لئے مبعوث کئے گئے لیکن آپؐ نہ کسی خاص قوم اور نہ ہی کسی خاص وقت کے لئے دنیا میں نبی بنا کر بھیجے گئے بلکہ آپؐ کا دائرہ عمل تمام کی تمام نسلِ انسانی کے لئے تا قیامت ممتد ہے ۔ جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا قل یاایھاالناس انی رسول الله الیکم جمیعا (۱۵۸-۷) یعنی یہ کہ آپ عرب و عجم مشرقی و مغربی ممالک غرضیکہ تمام کی تمام نسلِ انسانی کے لئے رسول بن کر بھیجے گئے ہیں۔ نیز اس امر کے ثبوت کے لئے کہ آپؐ کا دائرہ عمل تا قیامت پھیلا ہوا ہے۔ فرمایا وماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول الله و خاتم النبیین یعنی یہ کہ آپؐ تا قیامت نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں اور آپؐ کے بعد دنیا میں اب کوئی نیا یا پرانا نبی ہرگز مبعوث نہ ہوگا۔

اسی حقیقت کو سورۃ جمعہ کی آیات میں بیان کرتے ہوئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ آپ اُمیّوں کے لئے اور ہر اس قوم کے لئے جو آپؐ کے بعد دنیا میں پیدا ہوگی رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں ۔ اُمّی کا لفظ عربی زبان میں ہر اس شخص پر بولا جاتا ہے جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو ۔ اور ہر اس شخص پر بھی بولا جاتا ہے جو اُم القریٰ یعنی مکہ کا رہنے والا ہو ۔ آپ ہر دو لحاظ سے اُمّی تھے ۔ یعنی اہلِ مکہ ہونے کے لحاظ سے اور اس لحاظ سے بھی کہ آپؐ لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے ۔ آپ اہلِ مکہ اور ہر اس قوم کے لئے نبی بنائے گئے جو آپؐ کے بعد پیدا ہونے والی ہے ۔ واخرین منهم میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے ۔ بحیثیت نبی اللہ آپؐ کی بعض ذمہ داریوں کو بیان کرتے ہوئے فرمایا :۔

یتلوا علیهم ایته یعنی خدا تعالےٰ کے احکامات کو نسلِ انسانی کے سامنے پڑھنا ۔ اور ہر اس کلمہ کو جو وحی نبوت کے رنگ میں آپ پر نازل ہوا ہے اسے دنیا کے سامنے پیش کرنا اور اس کی اشاعت کرنا ہے ۔ دوسری ذمہ داری یہ بیان فرمائی کہ و یزکیهم اپنے ماننے والوں کا تزکیہ کرنا ۔ اور ان کی ایسے رنگ میں تربیت کرنا کہ ان کے اخلاق اور روحانی قوتیں پرورش پائیں اور اپنے کمال کو حاصل کر لیں ۔ تیسری ذمہ داری یہ بیان فرمائی ویعلمهم الکتاب والحکمة ۔ یعنی نسلِ انسانی کو قرآن کریم کی تعلیم دینا اور اس کی تعلیمات کی حکمت اور اس کا فلسفہ انہیں سکھانا۔

قرآن کریم اگرچہ عربی زبان میں آپؐ پر نازل ہوا ۔ اور ایک زبان دان کہہ سکتا ہے کہ وہ قرآن کریم خود سمجھ لے گا اور اس کی حکمت خود معلوم کر لے گا۔ لیکن ایسا ہونا منشاء الٰہی کے مطابق نہیں۔ بلکہ خدا تعالےٰ نے آپؐ کے ذمہ یہ کام لگایا ہے کہ آپ لوگوں کو اس کتاب کی حکمت سکھائیں۔

یہ ہر سہ ذمہ داریوں کا دائرہ اتنا ہی وسیع ہے جتنا کہ آپؐ کی بعثت کا دائرہ وسیع ہے ۔ یعنی تمام کی تمام نسلِ انسانی کا تزکیہ کرنا اور انہیں قرآن کریم کے مطابق اور ان کی حکمت کا سکھانا آپؐ کے فرائض میں ہے ۔

آپؐ نے اپنی عین حیات میں ان ہر سہ ذمہ داریوں کو خوب نبھایا ۔ اور بے مثال کامیابی حاصل کی ، مشکلات کے باوجود قرآن کریم کی وحی کی ملکِ عرب میں خوب اشاعت کی ۔ صحابہ کرام کا تزکیہ کیا اور انہیں ایک عظیم الشان قوم بنا دیا وہ قوم جو ایک وقت میں یاکلون کما تاکل الانعام ۔ یعنی حیوانوں کی سطح پر تھی انہیں اپنی تربیت سے بااخلاق اور روحانی انسان بنا دیا ۔ یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے انہیں رضی الله عنهم و رضو عنه کا سرٹیفکیٹ مل گیا۔

قرآن کریم کے مطالب اور اس کی حکمت ایسی سکھائی کہ انہوں نے بعد میں اس علم کو دنیا میں پھیلایا ۔ آپؐ نے اپنی عین حیات میں یدخلون فی دین الله افواجا کا عظیم الشان نظارہ بھی دیکھ لیا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے ۔ آپ نے اپنی عین حیات میں ہی بے شک ان ذمہ داریوں کو خوب نبھایا اور ان میں ایک عظیم الشان کامیابی حاصل کی۔ لیکن اپنے بعد آنے والی قوموں میں آپؐ اپنی ذمہ داریوں کو کیسے نباہ رہے ہیں۔ اس سوال کا جواب قرآن کریم نے خود دیا ہے فرمایا:۔

وعد الله الذین امنو منکم و عملوا الصالحات لیستخلفنهم فی الارض کما استخلف الذین من قبلهم ولیمکنن لهم دینهم الذی ارتضی لهم ولیبدلنهم من بعد خوفهم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا ۔

یعنی یہ کہ اللہ تعالےٰ اُمتِ محمدیہ میں آپؐ کے نائبین پیدا کرتا رہیگا جو خادمِ دینِ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے ۔ جو دین کی تقویت کا باعث ہوں گے اور جو اُمتِ محمدیہ پر خوف کی حالت طاری ہو جانے پر اسے امن کی حالت میں تبدیل کر دیں گے ۔ ان نائبین کو خدا تعالےٰ نے خلیفہ کہکر پکارا ہے ۔ حدیث میں آپؐ نے انہیں نائبین کو مجدد کے لفظ سے اور محدث کے

لفظ سے پکارا ہے۔

اُمّتِ محمدیہ میں نائبین کا یہ سلسلہ جاری ہے۔ اور تاقیامت جاری رہے گا یہ سلسلہ آپ کی صداقت پر بہت بڑی دلیل ہے۔ اس سلسلہ کا منقطع ہو جانا ناممکن ہے۔ جب تک آپ کی نبوت کا زمانہ دنیا میں جاری رہے گا آپؐ کے نائبین کا بھی یہ سلسلہ اس کے ساتھ جاری رہے گا۔ یہ ہر دو لازم و ملزوم چیزیں ہیں جنہیں ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔

آپ کی وفات کے بعد گذشتہ تیرہ صدیوں میں اُمّتِ محمدیہ میں خلفاء کا سلسلہ مجددین و محدثین کا سلسلہ جاری رہا لیکن احادیث میں ہمارے اس زمانہ کے لئے اس سلسلہ کے ایک فرد کا نام خاص طور پر علیحدہ لیا گیا ہے اور یہی وہ خوشخبری ہے جو آیت و آخرین منھم میں اُمّتِ محمدیہ کو سنائی گئی ہے۔

احادیث میں لکھا ہے۔ جب سورۃ جمعہ کی یہ آیات آپؐ پر نازل ہوئیں تو صحابہؓ نے آپؐ سے دریافت کیا یا رسول اللہ، و آخرین منھم لما یلحقوا بھم سے کون لوگ مراد ہیں۔ تین بار آپ سے یہ سوال پوچھا گیا۔ آپؐ نے بالآخر سلمان فارسی کے کندھے پر ہاتھ رکھ فرمایا:۔

"لو کان الایمان معلقاً بالثریا لنالہ رجل من اھل فارس۔

یعنی آخری زمانہ میں اگر ایمان لوگوں کے دلوں سے نکل کر آسمان پر بھی چلا جائے تب اہل فارس میں سے ایک شخص پیدا ہوگا جو ایمان کو ثریا سے لاکر پھر اسے لوگوں کے دلوں میں گاڑ دے گا۔"

اسی عظیم الشان نائب رسول اللہ کو احادیث میں مسیح کہکر بھی پکارا گیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

کیف انتم اذا نزل عیسیٰ ابن مریم فیکم و امامکم منکم۔

نائبین کا جو سلسلہ اُمّت محمدیہؐ میں جاری ہے اس بارہ میں اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ نائبین رسول اللہ حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کے خدام کی حیثیت سے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں وہ آپؐ کے لائے ہوئے دین میں آپ کی سنت میں ایک ذرہ بھر تبدیلی نہیں کر سکتے۔ وہ دل و جان سے آپ کے دین پر عاشق اور اس پر فدا ہوتے ہیں وہ عمر بھر اسی امر میں کوشاں رہتے ہیں کہ کسی طرح آپؐ کے دین کی شان دنیا میں دوبالا ہو۔

مسیح کی آمد کی پیشگوئی بخاری میں موجود ہے۔ اُمّتِ محمدیہ کا بہت بڑا حصہ اس پیشگوئی کے مطابق ایک مسیح کے آنے کا منتظر ہے۔ یہ پیشگوئی جہاں ایک عظیم الشان نائب رسول کے آنے کی خوشخبری سنا رہی ہے وہاں اس پیشگوئی کا حل بھی نہایت ہی مشکل ہے۔ یہ پیشگوئی آپؐ کی پیشگوئیوں میں سے ایک مشکل ترین پیشگوئی ہے۔ جس کا حل معلوم کرنا کوئی آسان نہیں۔ اسلام کے شروع زمانہ میں اُمّتِ محمدیہ میں ایک ایسا گروہ پیدا ہوا جنہوں نے قرآن کی تعلیمات اور اسلام کی روایات کو عقل و دلائل سے سمجھنے کی کوشش کی۔ انہوں نے اس پیشگوئی اور اس میں مسیح کی آمد کی خوشخبری کا بالکل انکار کر دیا۔ دلیل یہ دی کہ قرآن کریم میں واضح طور پر بیان ہو چکا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام جو آپؐ سے چھ سو سال پیشتر یہودیوں میں نبی بنا کر مبعوث کئے گئے فوت ہو چکے ہیں۔ جیسا کہ آیت یا عیسیٰ انی متوفیک یا آیت فلما توفیتنی اب فوت شدہ انسان دوبارہ اس دُنیا میں واپس نہیں آ سکتا۔

اُمّتِ محمدیہ کے کثیر گروہ نے یعنی اہلِ سنت والجماعت نے اس پیشگوئی کو صحیح تسلیم کیا۔ اور اسے صحیح تسلیم کر کے اسے آئندہ نسلوں تک پہنچایا۔ انہوں نے اپنے طور پر اس مشکل کو حل کرنے کی کوشش کی۔ اور کہا کہ حضرت عیسیٰ فوت نہیں ہوئے بلکہ وہ زندہ آسمان پر اُٹھا لئے گئے۔ انہوں نے قرآن کریم کی آیت

و ما قتلوہ و ما صلبوہ و لکن شبہ لھم ... بل رفعہ اللہ الیہ کو اپنے نظریہ کی صداقت میں پیش کیا۔ اور لفظ شبہ لھم سے یہ استدلال کیا کہ حضرت عیسےٰؑ خود تو صلیب پر نہ چڑھائے گئے بلکہ کوئی اور انسان جو ان کا ہم شکل بنا دیا گیا تھا۔ اسے صلیب پر چڑھایا گیا۔ اسے ہی صلیب پر مارا گیا۔ اصلی مسیح کو راتوں رات کمرہ کی چھت پھاڑ کر اللہ تعالےٰ اپنے پاس آسمان پر زندہ ہی لے گئے۔

کسی اور کو ہمشکل بنانا اور اصلی مسیح کو آسمان پر لے جانا اس کے لئے کوئی دلیل تو نہ دی بلکہ اسے معجزہ کا نام دے کر سائلین کی تسلی کرانے کی کوشش کی گئی۔

آمد مسیح کے بارہ میں احادیث پر اگر نظر ثانی کی جائے تو کئی ایک اور مشکلات سامنے آتی ہیں مسلم میں مندرجہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنے والے مسیح کو نبی کہکر بھی پکارا گیا ہے نبی کے علاوہ یوں بھی ذکر کیا گیا ہے کہ آنے والا مسیح شریعت محمدیہ کا پابند ہوگا یعنی امتی ہوگا۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے واضح طور پر خاتم النبیین قرار دیا ہے اور آپ نے خود اس کی تشریح میں فرمایا۔ لا نبی بعدی۔ اب ان الفاظ کی روشنی میں مسلم کی حدیث کے الفاظ کا حل علماء اسلام کے لئے بہت بڑی مشکل بنا رہا ہے۔

جبکہ آپؐ خاتم الانبیاء ہیں تو آپ کے بعد کسی نبی کے آنے کی انتظار کیا معنی؟ اس مشکل کو بھی حل کرنے کی بھی بڑی کوشش کی گئی ہے۔ تفاسیر میں مختلف تاویلات دی گئی ہیں لیکن ان تمام تاویلات کے باوجود صحیح مسلم میں مندرج الفاظ کا کوئی معقول حل سامنے نہیں آ سکا۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے آمد مسیح کی پیشگوئی کو اہل سنت والجماعت کے علماء کی طرح قبول کیا ہے اور قرآن و حدیث کی روشنی میں ایک نہایت ہی معقول حل پیش کیا ہے۔

پہلی بات یہی فرمائی کہ قرآن کریم کی روشنی میں یہ امر بالکل واضح ہے کہ حضرت عیسےٰ بن مریم فوت ہو چکے۔ اب جو فوت ہو چکا وہ کبھی دوبارہ دنیا میں نہیں آئے گا۔

ہاں صحیح بخاری اور مسلم میں آنے والے مسیح کی خوشخبری کا مدعا یہی ہے کہ وہ نائبین رسول اللہ کے سلسلہ کا ایک عظیم الشان فرد ہوگا۔ جو مجدد اور محدث ہوگا۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب نے خدا سے علم پاکر آج دنیائے اسلام کو خوشخبری دی کہ آنے والے مسیح کی پیشگوئی ان کے وجود میں پوری ہوگئی۔ اور خدا نے انہیں مسیح بنا کر بھیج دیا ہے۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب کو اللہ تعالےٰ نے الہاماً بتایا:۔

مسیح موسوی فوت ہو چکا ہے

انا جعلناک المسیح یعنی تمہیں ہم نے مسیح بنا کر بھیج دیا ہے۔

حضرت مرزا صاحب کا علماء اسلام پر بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے مسیح کی آمد کے بارہ میں تمام مشکلات کو حل کر دکھایا۔ انہوں نے فرمایا کہ احادیث میں جس مسیح کے آنے کا ذکر ہے وہ مسیح موسوی نہیں بلکہ اُمّتِ محمدیہ کا ایک ایک کامل فرد مراد ہے۔ جسے احادیث میں مجدد یا محدث کہکر پکارا گیا ہے۔ یہ مسلم کی حدیث میں جو آنے والے مسیح کو "نبیؐ" اور "اُمتی" کہکر پکارا گیا ہے یہ اسی طرف اشارہ ہے کہ وہ محدث ہوگا۔ ورنہ وہ جو کامل طور پر نبی ہے وہ کسی طور سے دوسرے نبی کا مطیع یا اُمتی نہیں ہو سکتا۔ ہاں جو محدث ہے وہ ایک پہلو سے اُمتی ہوتا ہے اور ایک پہلو سے نبی۔ اُمتی اس پہلو سے کہ وہ اپنے نبی متبوع کا کامل متبع ہوتا ہے۔ نبی اس لحاظ سے کہ نبیوں کا سا معاملہ اس سے کیا جاتا ہے۔

حضرت مرزا صاحب نے آیت و ما قتلوہ و ما صلبوہ و لکن شبہ لھم کو ایک معجزہ پر ہی دلالت کرنے والی قرار نہیں دیا۔ بلکہ اس آیت کو ایک علمی رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اور انہوں نے اس آیت سے

ستدلال کیا ہے جو یہودیوں اور عیسائیوں کے مابین ایک نزاع کا فیصلہ کر دیتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے فرمایا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے مابین جو عرصہ سے جھگڑا چلا آ رہا ہے وہ یہ ہے کہ یہودی مسیح ناصری کو نعوذ باللہ دعوئے مسیحیت اور دعوئے نبوت میں جھوٹا سمجھتے ہیں اسی بناء پر انہوں نے انہیں صلیب پر لٹکایا تا ان کو صلیب پر مار دیں اور یوں قوم کو بتا دیں کہ وہ جھوٹا نبی تھا لعنتی موت مارا گیا۔

عیسائی قوم نے حضرت عیسیٰؑ کی لعنتی موت کو قبول کر لیا اور یہ عقیدہ بنا لیا کہ حضرت عیسیٰؑ نے نسلِ انسانی کے گناہوں کے بدلے صلیب پر اپنی جان دے دی اور یوں ہم حضرت مسیح کی لعنتی موت کو نجات کے لئے ضروری ٹھہرا دیا۔ حضرت مرزا صاحب نے فرمایا کہ:-

اللہ تعالیٰ نے آیت وماقتلوہ وما صلبوہ - میں یہودیوں اور عیسائیوں کے ان غلط نظریات کی تردید کی ہے اور بتایا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر چڑھائے تو گئے لیکن وہ صلیب پر مرے نہیں بلکہ وہ مرنے والوں کے مشابہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس لعنتی موت سے بچا لیا۔ اور انہیں ہجرت کا حکم دے کر انہیں کشمیر میں پناہ دی۔ اور بعد میں وہ کشمیر۔ محلہ خانیار میں فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہوئے۔

حضرت میرزا صاحب نے آمدِ مسیح کی جس طور پر تشریح کی ہے۔ اس میں نہ صرف علمی پہلو غالب ہے بلکہ اس کی مثال حضرت عیسیٰؑ کی زندگی میں بھی ملتی ہے۔ حضرت مسیح ناصریؑ کے زمانہ میں یہودی ایلیا نبی کے آنے کے قائل تھے۔ وہ یہی سمجھے بیٹھے تھے کہ ایلیا نبی اپنے جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر بیٹھا ہے اور ایک دن اسی جسد عنصری کے ساتھ واپس آئے گا۔ حضرت عیسیٰؑ نے یہودی علماء سے اختلاف کیا اور فرمایا ایلیا فوت ہو چکا ہے ہاں اس کے آنے کی پیشگوئی صحیح ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی اور شخص اس کی خو بو میں آئے گا۔ حضرت عیسیٰؑ نے کہا ایلیا کا آنا حضرت یحییٰ کی بعثت سے پورا ہو چکا۔ یہودی علماء نے حضرت مسیح کی اس تاویل کو نہ مانا لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضرت مسیح کی اس تاویل کو مانا ہے اور یہودیوں کو اس سے اختلاف کرنے اور حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو نہ ماننے کی وجہ سے ملامت کی ہے۔

حضرت میرزا غلام احمد صاحب نے آنے والے مسیح کی اسی رنگ میں تاویل کی ہے جس طرح حضرت عیسیٰؑ نے خود ایلیا نبی کے آنے کی پیشگوئی کی تاویل کی تھی لیکن موجودہ علمائے اسلام اسی طریق کو اپنائے ہوئے ہیں جسے حضرت مسیحؑ کے زمانہ میں یہودی علماء نے اپنایا تھا۔

حضرت میرزا صاحب نے قرآن حکیم کے حقائق و معارف کے ہر زمانہ میں کھولے جانے پر بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ نائب رسول پر اپنے زمانہ میں جو حقائق قرآن کھولے جاتے ہیں وہ عالمِ بالا میں پہلے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف ہوتے ہیں۔ بعد میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے مجددین و محدثین پر کھولے جاتے ہیں۔

معرفتِ الٰہی کا یہ نقطہ اس امر کی طرف توجہ دلا رہا ہے کہ حقائق و معارف قرآنیہ کا نسلِ انسانی کو سکھانا درحقیقت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری اور آپ کے فرائض میں سے ہے۔ ہاں نائبین رسول آپ سے روحانی طور پر یہ علم حاصل کرتے اور اسے دنیا میں پہنچاتے ہیں۔ صحیح بخاری میں مسیح موعود کے کاموں میں سے ایک کام یہ لکھا ہے کہ وہ صلیب کو توڑے گا۔

حضرت میرزا غلام احمد صاحب نے آیت وماقتلوہ کی یہ تفسیر کر کے حضرت مسیح ناصریؑ صلیب پر نہیں مرے بلکہ بچا لئے گئے اور کشمیر میں مدفون ہوئے موجودہ عیسائی مذہب کی بنیاد ہی کو گرا دیا ہے۔ اور یہی وہ کسرِ صلیب کا کام ہے۔ جسے حضرت میرزا صاحب نے نہایت کامیابی کے ساتھ کر دکھایا۔

**اسلام** کے بارہ میں یورپ میں ایک بہت بڑی تبدیلی پیدا ہو چکی ہے۔ ایک وقت تھا کہ عیسائی دنیا مسلمان دنیا کو اپنا شکار سمجھتی تھی اور یورپ یہ خیال کئے بیٹھا تھا کہ اسلام کو اب صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے گا۔ لیکن آج یہ انقلاب رونما ہوا ہے کہ پوپ نے اپنے مریدوں کو حکم جاری کیا ہے کہ وہ مسلمان سوسائٹیز سے تعلق قائم کریں۔ اور وہ یقین کریں کہ مسلمان HEATHEN نہیں۔ جیسے کہ پاپائے روم کا مسلمان کے بارہ میں نظریہ تھا بلکہ وہ بھی ایک خدا کو مانتے ہیں۔

اس انقلاب کی وجہ کیا ہے؟

ایک جرمن پروفیسر نے اس امر پر بحث کرتے ہوئے یہ بتایا کہ اس تبدیلی کی بڑی وجہ مسلمان جماعتوں کی وہ علمی خدمات ہیں جو انہوں نے گذشتہ ساٹھ سال میں کی ہیں۔ انہوں نے قرآن کریم کے تراجم کر کے یورپ میں پھیلائے مشن کھولے۔ مبلغین بھیجے۔ ان مساعی نے یورپ کے مفکرین پر بڑا انقلاب برپا کیا۔ جس سے پوپ بھی مذہب اسلام کی بعض سچائیوں کے ماننے پر مجبور ہو گیا ہے۔

جرمن پروفیسر نے مسلمان جماعتوں کا نام تو نہیں لیا۔ جنہوں نے یہ خدمات سرانجام دی ہیں۔ لیکن واقعات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہی جماعتیں ہیں جو حضرت میرزا غلام احمد صاحب مسیح موعودؑ کے ہاتھوں تیار ہوئیں۔

اہلِ یورپ کے نظریات میں اسلام کے بارہ میں انقلاب برپا ہو رہا ہے۔ اہلِ عرب میں ایک انقلاب برپا ہوگا۔ آج اہل عرب کسی غلط فہمی کی بناء پر حضرت میرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود کو کافر جانتے ہیں۔ لیکن ایک وقت آتا ہے کہ اہلِ عرب حضرت میرزا صاحب کی ان خدمات کو جو انہوں نے مسیح اور مجدد ہونے کی حیثیت میں سرانجام دیں سراہیں گے اور انکے دعویٰ مجددیت و محدثیت کو سچا جانیں گے۔ حضرت میرزا صاحب نے فرمایا ہے:

"اہلِ مکہ ایک دن میری سچائی کے قائل ہوں گے اور وہ دن دنیا کے لئے عجیب ہوگا"

---

## رسول اکرمؐ سارے مسلمانوں کیلئے ایک ہی دین اور ایک ہی شریعت لائے۔ بقیہ صفحہ

کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک جاہل کو عالم بنانے کی ترکیب اس کو مارنا اور کافر کو مسلمان بنانے کی ترکیب اس پر ظلم و تشدد کرنا بلکہ قتل کرنا بھی ہے ان غلط خیالات سے اسلام غیر مسلموں کے علاوہ ان کمزور ایمان والوں میں بھی بدنام ہوتا ہے۔ جو ظاہری باتوں کو سن کر یہ سمجھتے ہیں کہ ایمان زبردستی سے پیدا کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح اسلام کو دل سے قبول کرنے کی راہ میں خود ان کے لئے رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں اور اسلام رحمت کی بجائے قہر کی صورت اختیار کرتا معلوم ہوتا ہے۔

بعض مسلمانوں کی یہ کیفیت بھی ہے کہ قہر کے بیان سے ان کا دل سیر ہوتا ہے۔ اور ان کی سمجھ میں یہ بھی نہیں آتا۔ کہ اس کا اثر دوسروں کے دلوں پر کیا پڑتا ہے۔ وہ یہ بھی نہیں سوچتے۔ کہ وہ خود اگر قہر کے قائل ہیں اور اس طرح سنگدلی کے مداح ہیں۔ تو کم سے کم یہ سوچیں کہ آج کل دنیا رحم و کرم کی متلاشی ہے۔ رواداری کی آرزومند ہے۔ اس زمانے میں تبلیغ ایسے انداز سے نہیں ہو سکتی۔ جس میں ضد اور تشدد ہو اور نہ کبھی اسلام جبر و زبردستی سے پھیلا ہے۔ (بشکریہ "جنگ" کراچی - ۱۶ رمئی ۱۹۷۶ء)

---

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور — مورخہ ۹ رجون ۱۹۷۶ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ — شمارہ نمبر ۲۳

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر اخبار پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۳ | چہار شنبہ ۱۷ جمادی الثانی ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۶ جون ۱۹۷۶ء | نمبر ۲۴

## ملفوظات حضرت مجدد چہاردہم علیہ السلام

# اگر خدا کی خاطر تلخی اٹھاؤ گے تو ایک پیارے بچے کی طرح خدا کی گود میں آجاؤ گے

اور چاہیئے کہ تم بھی ہمدردی اور اپنے نفسوں کے پاک کرنے سے رُوح القدس سے حصہ لو کہ بجز رُوح القدس کے حقیقی تقویٰ حاصل نہیں ہو سکتی اور نفسانی جذبات کو بکلی چھوڑ کر خدا کی رضا کے لئے وہ راہ اختیار کرو جو اس سے زیادہ کوئی راہ تنگ نہ ہو۔ دنیا کی لذتوں پر فریفتہ مت ہو کہ وہ خدا سے جدا کرتی ہیں۔ اور خدا کے لئے تلخی کی زندگی اختیار کرو درد جس سے خدا راضی ہو اُس لذت سے بہتر ہے۔ جس سے خدا ناراض ہو جائے۔ اور وہ شکست جس سے خدا راضی ہو اس فتح سے بہتر ہے جو موجب غضب الٰہی ہو۔ اس محبت کو چھوڑ دو جو خدا کے غضب کے قریب کرے اگر تم صاف دل ہو کر اس کی طرف آجاؤ تو ہر ایک راہ میں وہ تمہاری مدد کرے گا۔ اور کوئی دشمن تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ خدا کی رضا کو تم کسی طرح پا ہی نہیں سکتے جب تک تم اپنی رضا چھوڑ کر اپنی لذات چھوڑ کر اپنی عزت چھوڑ کر اپنا مال چھوڑ کر اپنی جان چھوڑ کر اس کی راہ میں وہ تلخی نہ اٹھاؤ جو موت کا نظارہ تمہارے سامنے پیش کرتی ہے۔ لیکن اگر تم تلخی اُٹھالو گے تو ایک پیارے بچے کی طرح خدا کی گود میں آجاؤ گے۔ اور تم ان راستبازوں کے وارث کئے جاؤ گے جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں اور ہر ایک نعمت کے دروازے تم پر کھولے جائیں گے۔ لیکن تھوڑے ہیں جو ایسے ہیں۔ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ تقویٰ ایک ایسا درخت ہے جس کو دل میں لگانا چاہیئے۔ وہی پانی جس سے تقویٰ پرورش پاتی ہے تمام باغ کو سیراب کر دیتا ہے۔ تقویٰ ایک ایسی جڑ ہے کہ اگر وہ نہیں تو سب کچھ ہیچ ہے۔ اگر وہ باقی ہے تو سب کچھ باقی ہے۔ انسان کو اس فضولی سے کیا فائدہ جو زبان سے خدا طلبی کا دعویٰ کرتا ہے لیکن قدم صدق نہیں رکھتا۔ دیکھو میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں۔ کہ وہ آدمی ہلاک شدہ ہے جو دین کے ساتھ کچھ دنیا کی ملونی رکھتا ہے۔ اور اس نفس سے جہنم بہت قریب ہے جس کے تمام ارادے خدا کے لئے نہیں ہیں۔ بلکہ کچھ خدا کے لئے اور کچھ دنیا کے لئے۔ پس اگر تم دنیا کی ایک ذرہ بھی ملونی اپنے اغراض میں رکھتے ہو تو تمہاری تمام عبادتیں عبث ہیں۔ اس صورت میں تم خدا کی پیروی نہیں کرتے بلکہ شیطان کی پیروی کرتے ہو۔ تم ہرگز توقع نہ کرو کہ ایسی حالت میں خدا تمہاری مدد کرے گا۔ بلکہ تم اس حالت میں زمین کے کیڑے ہو اور تھوڑے ہی دنوں تک تم اس طرح ہلاک ہو جاؤ گے جس طرح کہ کیڑے ہلاک ہوتے ہیں۔ اور تم میں خدا نہیں ہوگا۔ بلکہ تمہیں ہلاک کر کے خدا خوش ہوگا۔ لیکن اگر تم اپنے نفس سے درحقیقت مر جاؤ گے تب خدا میں ظاہر ہو جاؤ گے اور خدا تمہارے ساتھ ہوگا اور وہ گھر بابرکت ہوگا جس میں تم رہتے ہوگے۔ اور ان دیواروں پر خدا کی رحمت نازل ہوگی جو تمہارے گھر کی دیواریں ہیں۔ اور وہ شہر بابرکت ہوگا۔ جہاں ایسا آدمی رہتا ہوگا۔ اگر تمہاری زندگی اور تمہاری موت اور تمہاری ہر ایک حرکت اور تمہاری نرمی گرمی محض خدا کے لئے ہو جائے گی۔ اور ہر ایک تلخی اور مصیبت کے وقت تم خدا کا امتحان نہیں کرو گے اور تعلق کو نہیں توڑو گے بلکہ آگے قدم بڑھاؤ گے۔ تو میں سچ سچ کہتا ہوں کہ تم خدا کی ایک خاص قوم ہو جاؤ گے۔ تم بھی انسان ہو جیسا کہ میں انسان ہوں۔ اور وہی میرا خدا تمہارا خدا ہے۔ پس اپنی پاک قوتوں کو ضائع مت کرو۔ اگر تم پورے طور پر خدا کی طرف جھکو گے تو دیکھو میں خدا کی منشاء کے موافق تمہیں کہتا ہوں کہ تم خدا کی ایک قوم برگزیدہ ہو جاؤ گے۔ خدا کی عظمت اپنے دلوں میں بٹھاؤ اور اس کی توحید کا اقرار نہ صرف زبان سے بلکہ عملی طور پر کرو۔ تا خدا بھی عملی طور پر اپنا لطف و احسان تم پر ظاہر کرے۔ کینہ پروری سے پرہیز کرو اور بنی نوع سے سچی ہمدردی کے ساتھ پیش آؤ۔ ہر ایک راہ نیکی کی اختیار کرو۔ نہ معلوم کس راہ سے تم قبول کئے جاؤ۔ (رسالہ الوصیت)

رپورٹ: جناب محمد الرحمٰن صاحب سیکرٹری جماعت پشاور

# مکرم جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کا پشاور میں ورودِ مسعود

مورخہ ۵/۲ کو جناب جنرل سیکرٹری صاحب کی طرف سے راقم الحروف کو ایک خط موصول ہوا جس میں یہ تحریر تھا کہ جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب چند دنوں کے لئے اپنے وطن ہزارہ تشریف لے گئے ہیں اور وہ اسی دوران میں اگر ممکن ہوا تو پشاور بھی تشریف لائیں گے۔

اسی اثنا میں جناب خان بہادر صاحب کی طرف سے بھی یہ اطلاع مل گئی کہ آپ ۱۳/۵ کو بذریعہ ویگن پشاور تشریف لائیں گے۔ یہ یقین ہو جانے پر میں نے آپ کی آمد کے متعلق پروگرام مرتب کرکے تمام احباب جماعت پشاور سفید ڈھیری، بازید خیل، شیخ محمدی کو اطلاع دے دی۔ اور چارسدہ میں جناب میاں عبداللہ شاہ صاحب کے پاس اور دیگر بزرگوں کے پاس جہاں جہاں میں پہنچ سکتا تھا خود گیا اور انہیں نماز جمعہ پشاور میں ادا کرنے کی درخواست کی۔

۱۳/۵ کو حسب پروگرام محترم ڈاکٹر صاحب کوئی ۸½ بجے بذریعہ ویگن پہنچے۔ میں بمعہ چند عزیزوں کے ان کے استقبال کے لئے ویگن کے اڈہ پر موجود تھا۔ چونکہ آپ کے قیام کا بندوبست جناب ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب کے ہاں کیا ہوا تھا اس لئے آپ سیدھے وہاں تشریف لے گئے۔

میں بمعہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب ۴ بجے کے قریب آپ کی قیام گاہ پر حاضر ہوا۔ شام کو آپ وہاں کے احباب سے ملاقات کے لئے سفید ڈھیری تشریف لے گئے اور مغرب کی نماز وہاں پڑھائی اور واپس آ گئے۔

۱۴/۵ کو چارسدہ سے جناب میاں عبداللہ شاہ صاحب اور سید فضل حق بادشاہ صاحب۔ بنوں سے صاحبزادہ محمد شفیع صاحب خلف الرشید صاحبزادہ عبدالرب صاحب۔ نوشہرہ سے شیخ ممتاز احمد صاحب تشریف لائے۔ جماعتہائے سفید ڈھیری، بازید خیل اور شیخ محمدی کے دوستوں اور نوجوانوں نے بھی کثرت سے شرکت کی۔ ان کے علاوہ جماعت کی اکثر خواتین بھی بڑے شوق سے شامل ہوئیں۔ (ان میں ایک خاتون کا خط بھی ہے جو انہوں نے خواتین کی طرف سے لکھا ہے شائع کیا جا رہا ہے) جناب ڈاکٹر صاحب ایک بجے تشریف لائے اور تمام احباب سے ملاقات کی۔ ڈیڑھ بجے مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے اپنی مخصوص لحن میں اذان دی۔ اور جناب ڈاکٹر صاحب نے خطبہ شروع کیا۔ (کوشش کی جائے گی کہ یہ خطبہ کسی آئندہ ایشوع میں شائع کیا جا سکے) مختلف مقامات سے آپ نے تین آیات تلاوت کرنے کے بعد فرمایا کہ میں نے یہ تین آیات آج کے خطبے کے لئے اس لئے منتخب کی ہیں کہ یہ ہمارے موجودہ حالات سے ایک خاص مناسبت رکھتی ہیں۔ آپ نے ان اندرونی اور بیرونی حالات کا مفصل جائزہ لیا اور بتایا کہ ایسے حالات میں بحیثیت احمدی ہمارے کیا فرائض ہو سکتے ہیں۔ ہمارا سب سے اولین فرض خدا سے تعلق۔ تقوی اللہ اور اس کے در پہ جھکنا۔ یہی وہ بنیادی چیز ہے جو ہر قسم کی مشکلات اور مصائب کو آسان کر سکتی ہے۔ دوسری چیز جو ہمیں رشتۂ اخوت میں باندھ سکتی ہے وہ باہمی ہمدردی اور اپنے بھائیوں کے متعلق حسنِ ظن سے کام لینا ہے۔ بدظنی سے نفرت پیدا ہوتی ہے جو بھائیوں کو ایک دوسرے سے دور اور جدا کر دیتی ہے۔ اس سے اجتناب ضروری ہے۔ ۴۵ منٹ کے اس خطبے میں ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جو کچھ وہ بیان کر رہے ہیں اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی نصرت اور تائید ہے۔ سامعین ایسے دم بخود تھے جیسے ہر ایک یہی چاہ رہا ہو کہ آپ بولتے جائیں اور وہ سنتا جائے۔ آپ کی زبان میں ایسی تاثیر تھی کہ ہر بات رگ و ریشہ میں اُتری جاتی تھی۔ نہ چاہنے کے باوجود یہ خطبہ ختم ہو گیا۔

نماز کے بعد **مجلسِ مذاکرہ** کا پروگرام تھا۔ یہ پروگرام جناب میاں عبداللہ شاہ صاحب کی صدارت میں شروع ہوا۔ اس کا آغاز مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے تلاوت قرآن کریم سے کیا۔ جناب ڈاکٹر صاحب نے امریکہ سے آنے والے معزز مہمانوں کے حالات بیان کئے اور پھر حاضرین سے کہا کہ اگر میرے اور میرے کام کے متعلق احباب کوئی سوال پوچھنا چاہیں تو میں حاضر ہوں۔ اس کے بعد احباب نے مختلف سوالات پوچھے جن کے آپ نے اطمینان بخش جواب دے کر ان کے شکوک و شبہات رفع کئے۔ جناب قاضی عبدالرشید صاحب کے ایک استفسار کا جواب دینے کے بعد آپ نے فرمایا کہ اگر آپ مزید اطمینان کرنا چاہتے ہیں تو چند دنوں کے لئے دارالسلام (لاہور) میں تشریف لائیں اور اپنی آنکھوں سے وہاں کے حالات کا جائزہ لیں۔

وقت کافی ہو جانے کی وجہ سے میں نے صاحب صدر کی اجازت سے مجلسِ مذاکرہ کے اختتام کا اعلان کیا اور سیکرٹری کی حیثیت سے اپنے محترم و معزز مہمان کا شکریہ ادا کیا کہ آپ باوجود کمزوری اور سخت گرمی کے پشاور تشریف لائے اور اس کمی کو جو جماعت کے جلسہ سالانہ پر بعض اشد مجبوریوں کی وجہ سے تشریف نہ لا سکنے کی وجہ سے محسوس کی گئی تھی بطریق احسن پورا کیا۔ اور اس طرح اس خلا کو پُر کیا جو اس دوران میں ہمیں محسوس ہوا۔

اس موقع پر خواتین کی طرف سے ایک خط ملا جو ان کی خواہش کے مطابق مجلس میں پڑھ کر سنایا گیا۔ (یہ خط شائع کیا جا رہا ہے۔ ادارہ) بیگم صاحبہ جناب ڈاکٹر کرم الٰہی صاحب مرحوم و مغفور نے مبلغ -/500 روپے اشاعت قرآن کے لئے چندہ بھی عطا فرمایا۔ جزاھا اللہ احسن الجزاء۔

جماعت کی طرف سے محترم ڈاکٹر صاحب کے اعزاز میں عصرانہ دیا گیا۔ یہ تقریب سعید ۶ بجے شام نہایت خوشگوار ماحول میں اختتام پذیر ہوئی۔

میں برادرم مولوی عبدالرحمٰن صاحب اور عبدالودود خان صاحب کا مشکور ہوں کہ انہوں نے اس تقریب کو کامیاب بنانے میں میرے ساتھ بھرپور تعاون کیا اور عزیزان عبدالرحمٰن اور عبدالسمیع کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے جناب ڈاکٹر صاحب کو آنے جانے کی سہولت مہیا فرمائی۔ آخر میں معزز مہمان نے اُن دوستوں اور بزرگوں سے ملاقات کی جو جلسہ پر تشریف نہ لا سکے دوسرے دن صبح سوا نو بجے کی فلائٹ سے آپ واپس لاہور تشریف لے گئے۔ یہ تقریب خدا کے فضل سے ہر پہلو سے نہایت کامیاب رہی۔

---

## مکرم جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی خدمت میں ایک مخیر اور نیکدل احمدی خاتون کا خط

بخدمت حضرت قبلہ ڈاکٹر صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

میں اور میری دیگر احمدی بہنیں جناب کی آمد پر انتہائی خوشی اور مسرت محسوس کر رہی ہیں اور آپ کو خوش آمدید کہتی ہیں۔ پچھلے جلسہ میں آپ کی غیر حاضری سے مجھے ایک خلا سا محسوس ہو رہا تھا ہم آپ کی اس گرمی کے موسم میں تشریف آوری کی انتہائی مشکور ہیں۔ آپ نے قرآن کریم کی اشاعت کے لئے جو تحریک کی ہے یہ ایک نہایت مقدس اور بلند کام ہے جس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انتہائی زور دیا۔ حضرت امیر مرحوم کی وفات کے بعد سے آج تک ہمارے کان اس آواز کو سننے کے لئے ترس گئے تھے۔ جزاک اللہ احسن الجزاء۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہماری جماعت کے اندر تنظیم کم ہے۔ مگر میں سمجھتی ہوں کہ اگر ہم میں سے ہر آدمی اپنے دل میں یہ عہد کر لے کہ میں نے قرآن کریم کی اشاعت کے لئے اپنی ضرورتوں کو کم کرنا ہے تو اس تنظیم سے بڑھ کر اور کوئی پاکیزہ تنظیم نہیں کہ جماعت کے سب لوگوں کی دلی تمنا اور اشاعتِ قرآن اور تبلیغ اسلام ہو جو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق یورپین ممالک میں ہونی چاہیئے۔ ہمیں اپنے پیارے مسیح موعود علیہ السلام کے مشن سے ایک قدم کبھی ادھر اُدھر نہ ہونا چاہیئے کیونکہ اسی میں ہماری کامیابی کا راز ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کی عظمت کو دنیا سے ضرور منوانا ہے۔ اگر اس کارِ خیر میں ہم بھی حصہ لیں تو یہ ہماری انتہائی خوش قسمتی ہوگی۔ مجھے اُمید ہے ڈاکٹر صا

ہفت روزہ پیغام صلح ۔۔۔۔ لاہور ۔۔۔۔ مورخہ ۱۶ جون ۱۹۷۶ء

# پر جو دنیا کے بنے کیڑے وہ کہاں ڈھونڈتے ہیں

جناب غلام احمد پرویز صاحب اپنے آپ کو اس دور کا ایک بہت بڑا مفکر اور مفسر قرآن سمجھتے ہیں ۔ ان کا خیال ہے کہ ان کے پائے کا عالم پاکستان میں کیا سارے عالم اسلام میں کوئی نہیں ۔ انہیں اس پر بھی بڑا فخر ہے کہ وہ حضرت مرزا صاحب کے صف اوّل کے معاندین میں سے ہیں کیونکہ یہ انہی کا کارنامہ ہے کہ "۱۹۳۵ء میں بہاول نگر کے ایک جج نے پرویز صاحب کے ایک مضمون کی روشنی میں یہ فیصلہ دیا کہ ایک مسلمان احمدیت کا "مذہب" اختیار کرنے سے دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے" اور جس کا ذکر وہ موقعہ بے موقعہ کرنے سے نہیں تھکتے ۔ قومی اسمبلی کے ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کے فیصلے کا سہرا بھی وہ اپنے اسی مقالہ کی بناء پر اپنے سر باندھتے ہیں ۔ جناب پرویز صاحب اس پر جتنے بھی خوش ہوں کم ہے ۔ کیونکہ اس فیصلہ سے ان کے اس مادی نظریہ زندگی کی تائید ہوتی ہے جسے وہ قرآن کریم کے مقدس الفاظ میں لپیٹ کر شکر میں لپٹی ہوئی کڑوی گولیوں کی طرح سادہ لوح عوام کے حلق سے نیچے اتارنے کی کوششوں میں مدتوں سے مصروف ہیں ۔ وہ کھل کر سوشلزم یا اشتراکیت کا نام اس لئے نہیں لیتے کہ کہیں عوام کے غیظ و غضب کا نشانہ نہ بن جائیں اور جو تھوڑی بہت مقبولیت انہیں اس طرح حاصل ہوئی ہے وہ خاک میں نہ مل جائے ۔ ورنہ ان کے لٹریچر کا اگر غور سے مطالعہ کیا جائے تو ہر لفظ اور ہر سطر میں آپ کو مارکس کے نظریات کی روشن جھلک نظر آئے گی ۔ وہ قرآن کریم کی تعلیم کے اس کثیر حصے ۔ روحانی تاثیرات اور اخلاقی اقدار کے معترف نہیں بلکہ منکر ہیں ۔ جو انسان کو حیوانی سطح سے بلند کر کے انسانی سطح پر لے جاتی اور انسانی سطح سے اٹھا کر لقاء اللہ کے مقام تک پہنچاتی ہیں اور جہاں وہ مسجود ملائک ہو جاتا ہے ۔ ان کا خیال یہ ہے کہ وحی نبوت ختم ہو جانے کے بعد اب اللہ تعالیٰ بالکل خاموش ہے کوئی کتنا ہی اتباع رسول میں غرق ہو ۔ کتنا ہی راتوں کو اٹھ کر اس کے سامنے سجدوں میں روتا ہے اور کتنا ہی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ہر طرح نگہداشت کرنے والا ہو اللہ تعالیٰ اپنا یہ وعدہ کہ :۔

" وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے ۔ پھر سیدھے راہ پر جمے رہتے ہیں اُن پر فرشتے اترتے ہیں کہ تم نہ ڈرو نہ غمگین ہو اور اس جنت کی خوشی مناؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے ۔"

کبھی پورا نہیں کرتا ۔ اور وہ اس دنیا سے بے نیل و مرام اٹھ جاتا ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا بھی کہ :۔

" اگر تم اللہ سے پیار کرنا چاہتے ہو تو میرے نقش قدم پر چلو وہ تم سے پیار کرے گا ۔"

بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ پرویز صاحب ان تمام عبادات کو تضیع اوقات تصور کرتے ہیں جو انسانی زندگی کے روحانی پہلو کو اجاگر کرنے سے تعلق رکھتی ہیں اور اپنی وضع کردہ اصطلاحات کے پردے میں ان کی ایسی تعبیر اور تفسیر کرتے ہیں جس سے انہیں مادی رنگ دے دیتے ہیں ۔ ایسے قرآن کریم کا صرف وہی حصہ قابل عمل ہے جو مسلمانوں کی سیاسی اور معاشی زندگی سے تعلق رکھتا ہے اور اسی کا نام ان کے نزدیک "دین" "اسلامی نظام" یا "اسلامی حکومت" ہے جس کے قیام اور استحکام میں [illegible] ہے ۔ حالانکہ یہ قانون قدرت کے قطعاً خلاف ہے ۔

"طلوع اسلام" مئی ۱۹۷۶ء میں "متاع دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی" کے زیر عنوان انہوں نے "اُمت کی تشکیل" "رسول اللہ کا منصب" "زندہ اتھارٹی" ۔ "اللہ اور رسول سے مراد" کے ذیلی عنوانات کے تحت اپنے "فلسفہ دین" یا "اسلامی نظام" کی منطقی اور معقولی رنگ میں تشریح کر کے قارئین کو اپنے جن جدید افکار سے متاثر کرنے کی کوشش کی ہے ہم ان کے ان منطقی نتائج کا تجزیہ قارئین "پیغام صلح" کی خدمت میں پیش کرتے ہیں :۔

## "اُمت کی تشکیل"

کے تحت قرآن کریم کو حبل اللہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

" لیکن کتاب تو حروف اور الفاظ کا مجموعہ ہوتی ہے اور مجرد الفاظ مختلف افراد کے لئے وجہ جامعیت نہیں بن سکتے ۔ اس کے لئے محسوس اتھارٹی کی ضرورت ہوتی ہے جو ان افراد کو یکجا رکھ سکے اور ان کے اختلافی معاملات میں حکم بن جائے ۔ یہ محسوس اتھارٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تھی ۔"

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب

کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں :۔

" اس اتھارٹی کے لئے جیتی جاگتی ہونے کی شرط نہایت اہم اور لاینفک ہے ۔ یہی ہے وہ محور جس کے گرد "اسلامی نظام" گردش کرتا ہے اور یہی ہے وہ نقطہ ماسکہ جس سے اُمت کی وحدت قائم رہتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اطاعت کتابوں کی رو سے نہیں کی جا سکتی زندہ اتھارٹی کی رو سے کی جا سکتی ہے ۔"

ہمیں اس سے کلی اتفاق ہے کہ قرآن کریم "حبل اللہ" ہے اور اسے مضبوطی سے پکڑنے کا حکم ہے تاکہ تفرقہ پیدا نہ ہو سکے ۔ رسول کریم صلعم نے اس کتاب اقدس کے حرف حرف کو اپنی زندگی میں سمو کر اس پر عمل کر کے اپنی قوم کے سامنے ایک مکمل نمونہ قائم کیا اسی لئے آپکو خُلق عظیم اور اُسوہ حسنہ کا پیکر کے خطابات بارگاہ الٰہی سے عطا ہوئے لیکن پرویز صاحب آپؐ کو سنٹرل اتھارٹی قرار دیتے ہوئے یہ بات بھول جاتے ہیں کہ اس مقام کو حاصل کرنے میں آپؐ نے کونسے ذرائع اور وسائل اختیار کئے ۔ کیا مصائب جھیلے اور کن کن کٹھن منزلوں سے گذرنا پڑا اور اس میں آپ کو کتنا عرصہ لگا ۔ وہ آپ کی ۵۳ سالہ مکی زندگی کی ساری تفاصیل کو یکسر طاق نسیان میں رکھ کر اس تضاد کو [illegible] دنیا کے سامنے رکھتے ہیں جو آپؐ نے دس سالہ مدنی زندگی پر دائم کیا جو مقصد نہیں بلکہ نتیجہ تھا ان تمام صعوبتوں ۔ ایذاؤں اور ابتلاؤں کا جن سے آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کو گذرنا پڑا ۔ غار حرا میں جو آواز اقرأ آئی تک جب آپ کی عمر قریباً چالیس سال تھی آپؐ کو اپنے متعلق یہ شبہ تک نہ تھا کہ آپؐ کو کسی منصب پر فائز کیا جانے والا ہے ۔ اور جیسا

آپ کو کوئی "نظام" یا "مملکت" قائم کرنی ہے - پھر وہ کونسا جذبہ اور تڑپ تھی جو آپؐ کو کسی کی تلاش میں پریشان لئے پھرتی تھی۔ اور غارِ حرا کی تاریکیوں میں زندگی کی تمام دلچسپیوں سے دُور سجدوں میں دن رات بسر کرتا کس نظام کے قیام کا منصوبہ تھا۔ سورۃ المزمّل میں جو سورۃ العلق کے بعد ابتدائی مکّی زمانہ میں نازل ہوئی آپ کو حکم ہوتا ہے :-

" رات کو قیام کر سوائے تھوڑے حصّے کے - اس کا آدھا یا اس سے کچھ کم کر یا اس پر بڑھا لے اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھ - ہم تجھ پر ایک بھاری بوجھ ڈالیں گے - بے شک رات کو اُٹھنا نفس کو زیادہ روندنے والا اور بات کو زیادہ درست کرنے والا ہے " (۲ تا ۶)

سورۃ بنی اسرائیل بھی ابتدائی مکّی زمانہ کی ہے - اس میں آپؐ کو ارشاد ہوتا ہے :-

" سورج کے ڈھلنے سے شروع کرکے رات کے اندھیرے تک نماز کو قائم رکھ اور صبح کے قرآن کو بھی - صبح کے قرآن میں حضور ہوتا ہے - اور رات کے کچھ حصّے میں اس (قرآن) کے ساتھ جاگتا رہ - یہ تیرے لئے نفل کے طور پر ہے - اُمید ہے کہ تیرا رب تجھے بڑی تعریف کے مقام پر کھڑا کرے " (۷۸ تا ۷۹)

دیکھ لیں اس بھاری بوجھ کے اُٹھانے اور مقام محمود پر کھڑا کرنے کے لئے اللہ تعالےٰ نے آپؐ کو کونسا ذریعہ بتایا ہے - کیا قرآن کریم کے ایسے سارے حصّے اور وہ ساری مکّی سورتیں جن میں کامیابی کا مرکزی نقطہ تعلّق باللہ بتایا گیا ہے منسوخ ہو چکی ہیں اور اب قرآن کریم کا صرف وہ حصّہ ہی قابلِ عمل ہے جو ۲۷ مدنی سورتوں کے ایک مختصر حصّے پر مشتمل ہے ؟

اگر یہ نظام ہی قائم کرنا مقصود تھا تو کیا وجہ تھی کہ اسے قائم کرنے کے بعد بھی آپؐ نے دنیا سے کوئی تعلّق نہ رکھا اور اللہ کے دین میں جب لوگوں کو فوج در فوج داخل ہوتے بھی دیکھ لیا تو بھی اپنے رب کی حمد تسبیح اور اس کی حفاظت طلب کرتے میں ایسے محو رہے کہ کھڑے کھڑے آپؐ کے پاؤں سُوج جاتے اور سجدہ گاہ آنسوؤں میں ڈوب جاتی - قیام مملکت کا مقصد حاصل ہو جانے کے بعد آپ کو یہ کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی کہ "میں اپنے رب کا شکرگزار بندہ نہ بنوں"۔ پرویز صاحب کی نظر دنیا پر ہے وہ رُوح کی لطافتوں اور اس کے کیف و سرور کے اسرار و رموز کو کیا جانیں -

جیسا کہ ہم اُوپر لکھ آئے ہیں پرویز صاحب قرآن کریم کی اطاعت کے لئے ایک جیتی جاگتی - زندہ اور محسوس اتھارٹی لازمی قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ پہلی سنٹرل اتھارٹی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم خود تھے - لیکن آنحضرت صلعم کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد قرآن کریم کو ایک اور ایسی اتھارٹی کی ضرورت ہوتی ہے اس کا حل وہ یہ نکالتے ہیں کہ آپؐ کے بعد یہ اتھارٹی خلفائے راشدینؓ کو یکے بعد دیگرے منتقل ہوتی رہی جیسے کہ صـ۱۶ پر یہ فرماتے ہیں :-

" اور "اللہ اور رسول کی اطاعت" کی عملی شکل خلافت علیٰ منہاجِ رسالت کی اطاعت تھی "

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کے تشریف لے جانے کے بعد قرآن کریم بھی ویسے کا ویسا موجود تھا اور سنٹرل اتھارٹی بھی موجود، لیکن اس کے باوجود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانے میں فتنہ ارتداد اُٹھ کھڑا ہوا - حضرت عمرؓ رضی اللہ کا زمانہ آرام سے گذرا مگر حضرت عثمان رضؓ کے زمانے میں بغاوت ہوئی اور آپ کو نہایت دردناک حالات میں شہید کر دیا گیا - آپ کی اس شہادت کے بعد جن فتنوں نے سر اُٹھایا وہ اسلامی تاریخ کا بڑا المناک باب ہے - قرآن اس وقت بھی موجود تھا - سنٹرل اتھارٹی بھی تھی - اور بقول پرویز صاحب علیٰ منہاج رسالت تھی - مگر یہ نظام اور سلطنت درہم برہم ہو گئی - آخر ایسا کیوں ہوا - پرویز صاحب کا یہ کہنا کہ :-

" اس میں نہ کوئی مذہبی فرقہ پیدا ہوا نہ سیاسی پارٹی.........

اور اس طرح اُمّت کی وحدت قائم تھی "

خلافِ حقیقت ہے - کیا حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان سیاسی اختلاف نہ تھا - جنگ جمل اور جنگِ صفین کس کی نشاندہی کرتی ہیں - یہ خوارج کون تھے - اور ان کا کیا مقصد تھا - اس کے "دو ہی جواب ہو سکتے ہیں یا یہ زندہ جیتی جاگتی اور محسوس سنٹرل اتھارٹی نعوذ باللہ "اطیعو اللہ و اطیعوالرسول" کے حکم سے منحرف ہو گئی جو قطعاً غلط ہے اور یا دنیا پرستی نے ان ذہنی اور قلبی انقلاب کے اثرات کو جو آنحضرت صلعم پیدا کر گئے تھے، محو کرنا شروع کر دیا اور اقتدار پسندی اور جاہ پسندی نے اس کی جگہ لے لی جس کا نتیجہ یہی ہونا تھا -

خلافتِ راشدہ حضرت علی رضؓ پر ختم ہو گئی اور پرویز صاحب آنحضرتؐ کی حدیثِ مجدّد کے قائل نہیں اس لئے اب انہیں یہ دقّت پیش آئی کہ جیتی جاگتی - زندہ اور محسوس اتھارٹی کسے بنا کر پیش کیا جائے - وہ اس کے لئے آیت اطیعوا اللہ و اطیعوالرسول کا سہارا لے کر اس کی یہ من مانی تاویل کرتے ہیں کہ اس سے مراد اب "اسلامی نظام اور اسلامی حکومت ہے" اور یہ سنٹرل اتھارٹی ہے اور اسی کو متقدمین نے اپنی تفاسیر میں "امام" کہہ کر پکارا ہے - ان کے نزدیک امام کوئی فرد واحد نہیں بلکہ "اسلامی نظام یا حکومت ہے"۔ اس کے لئے وہ مولانا ابوالکلام آزاد کی اس تحریر کا حوالہ دیتے ہیں جس میں آپ نے مالِ غنیمت کا ذکر کرتے ہو فرمایا ہے کہ "سب کچھ امام کے سامنے پیش کرنا چاہیئے"۔ اور اس کی تائید میں ایک دوسری تحریر یہ پیش کرتے ہیں کہ " جو کچھ بھی ہاتھ آئے (مالِ غنیمت) حکومت یعنی (سٹیٹ) کا ہے "۔ اس لئے امام اور سٹیٹ دونوں مترادف ٹھہرے - اس طرح وہ سب کچھ سٹیٹ کے حوالے کرکے اپنے اشتراکی نظریہ کی تائید میں قرآن کریم کو استعمال کرتے ہیں - ہم اس فلسفہ کی باریکیوں کو سمجھنے سے قاصر ہیں کہ پہلی سنٹرل اتھارٹی رسول کریم صلعم فردِ واحد - آپ کے بعد خلفاءِ راشدین میں سے ہر ایک بطور سنٹرل اتھارٹی فرد واحد اور اب خلافت راشدہ کے بعد سنٹرل اتھارٹی "اسلامی حکومت" حالانکہ اطیعوا اللہ و اطیعوالرسول کے الفاظ قرآن کریم میں پہلے بھی موجود تھے اس وقت فردِ واحد کیوں سنٹرل اتھارٹی قرار پائے - اس وقت بھی "اسلامی حکومت" یا "اسلامی نظام" کو ہی کیوں نہ

صـ۲۲ پر وہ جیتی جاگتی - محسوس اور زندہ سنٹرل اتھارٹی کا مقام مکّہ کو دیتے ہیں اور مثال دیتے ہیں "کہ دَورِ حاضر کی مثال میں یوں سمجھئے کہ جب ہم ماسکو کہتے ہیں تو اس سے مراد ایک شہر نہیں ہوتا بلکہ کمیونزم کا محسوس مرکز یا علامت ہوتا ہے"۔ مثال بھی دی تو "ماسکو" کی - دل میں چھپا چور کیسے زبان پر آ گیا - پہلے محسوس اتھارٹی یا مرکز جیتی جاگتی - زندہ شخصیت کیونکہ اس کے بغیر قرآن کریم کے مجرد حروف پر عمل ممکن نہیں اور اب مرکز محسوس ایک اینٹ پتھر کا بے جان شہر آخر وہ کیسے قرآن کے مجرد حروف پر عمل کرکے بتائے گا - اسلام کا مرکز ہمیشہ مدینہ رہا - مکّہ فتح ہو جانے کے بعد بھی حضورؐ نے مدینہ کو چھوڑ کر اسلامی حکومت کا مرکز مکّہ کو نہ بنایا اور حضرت علی رضؓ کے زمانہ میں تو مدینہ بھی اسلامی حکومت کا مرکز نہ رہا - مکّہ کیسے محسوس مرکز بن سکتا ہے - وہ اپنی اس کمزور دلیل کو سمجھتے ہوئے کہتے ہیں قبلہ کا مطلب ہے "جو ہر وقت کسی کے پیش نظر رہے - اسی کو نصب العین کہا جاتا ہے "۔ آخر اس نصب العین کی کھُل کر نشاندہی تو کریں کہ وہ کیا ہے - کیا قبلہ والوں کو ماسکو کے آگے جھکانا ہے اپنے

(باقی بر ص۱۰ کالم ۲)

مولانا عبدالمجید سالک مرحوم و مغفور

# مسلمانوں کی تکفیر کا مسئلہ

## پھر مسلمان کون ہے؟

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ دنیا میں دینِ اسلام کی بقاء صرف اتحاد و اخوت پر منحصر ہے۔ جس زمانے میں مسلمان ایک دوسرے کو بھائی سمجھتے تھے اور اسلام کے مقاصد مقدسہ کی تکمیل میں متحد رہتے تھے وہی زمانہ اسلام کا عہدِ زرّیں تھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا منشاء بھی اسی زمانے میں پورا ہوا جو "بنیان مرصوص" دیکھنا چاہتے تھے۔ لیکن جب مسلمان ذاتی اغراض کی لعنت میں گرفتار ہو گئے۔ اور اسلام جیسے سادہ آسان دین میں منطقیانہ موشگافیاں ہونے لگیں۔ جن کا مقصود ہمیشہ اپنے مدِ مقابل کو نیچا دکھانا ہی ہوتا تھا۔ تو ایسے علماء پیدا ہوتے گئے جنہوں نے اخوتِ اسلامی اور اتحادِ ملی کو بالائے طاق رکھ کر تکفیر کی تیغِ بے پناہ بے نیام کر لی۔ اور پھر ان کی ضربوں سے کوئی مسلمان محفوظ نہ رہا۔

**آئمہ دین کے خلاف** } حضرت امام ابوحنیفہؒ کی عظمت اور جلالت سے کون انکار کر سکتا ہے لیکن علماء نے ان کو کافر، زندیق اور بدعتی قرار دے کر نہ صرف زندان میں محبوس کرایا بلکہ زہر دلا کر نذرِ اجل کر دیا۔

حضرت امام شافعیؒ کو انسر من ابلیس (شیطان سے بڑھ کر مضرت رساں) قرار دیا اور طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ حضرت امام مالکؒ کو کافر اور بدعتی قرار دے کر شہر بھر میں ان کی تذلیل و تشہیر کرائی۔ قید خانے میں بھجوایا جہاں ان پر اس قدر تشدد کیا گیا۔ ان کے ہاتھ بازوؤں سے اُکھڑ گئے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو طمانچے لگوائے، کوڑوں سے پٹوایا اور پھر پاؤں میں بھاری بیڑیاں ڈلوا کر ملک بدر کر دیا۔ حضرت امام بخاری کو بخارا اور سمرقند سے نکلوایا، یہاں تک امام ممدوح نے رو رو کر اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی کہ دنیا اپنی وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہو چکی ہے اس لئے تو مجھے اپنے پاس بُلا لے۔

**اکابر اولیاء کے خلاف** } پھر اکابر اولیاء و صوفیاء مثلاً شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ، حضرت سید عبدالقادر جیلانی، غوثِ اعظمؒ، حضرت بایزید بسطامیؒ، حضرت ذوالنون مصریؒ، حضرت ابوبکر شبلیؒ، حضرت معین الدین چشتیؒ، حضرت داتا گنج بخش مخدوم علی ہجویریؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ اور بے شمار دوسرے بزرگوں کو بھی فتوائے تکفیر کی شمشیرِ بے زنہار نے نہ چھوڑا۔

ایک زمانہ تھا جب مکفر علماء کو سلاطین و امراء کی بارگاہ میں بہت اثر و نفوذ حاصل تھا۔ اور ان کے فتاوے کے ماتحت بعض اکابر علم اور ساطین اسلام عذاب قتل کے تختۂ مشق بنائے جاتے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ زمانۂ حال میں وہ صورت نہیں رہی ورنہ متاخرین میں سے کوئی قابلِ ذکر ہستی اپنی جان سلامت نہ لے جاتی۔ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہؒ حضرت سید احمد بریلویؒ اور مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے خلاف کفر و ارتداد کے فتوے دیئے گئے جن میں یہ بھی لکھ دیا گیا کہ:

"جو ان کے کافر و مرتد ہونے پر شبہ کرے وہ بھی کافر ہے" (بھونچال بر شکر نمال صفحہ ۱۲۰)

**سرسید احمد خان** } اس کے بعد انگریزی زمانے میں سرسید احمد خان کے خلاف صدہا علماء نے کفر کے فتوے صادر کئے۔ ایک فتوے کے الفاظ حسب ذیل ہیں:-

"اس شخص کی اعانت کرنی اس سے علاقہ و رابطہ پیدا کرنا ہرگز درست نہیں۔ اصل میں یہ شخص مولوی نذیر احمد وہابی بنگالی دہلوی غیر مقلد کا ہے۔ یہ شخص بسبب تکذیب آیاتِ قرآنی کے مرتد ہو کر ملعون ابدی ہوا۔ اور مرتد ہُوا۔ ایسا مرتد کہ بلا قبول اسلام اسلامی عملداری میں یہ جزیہ دے کر بھی نہیں رہ سکتا۔ مگر اہلِ کتاب اور ہنود وغیرہ جزیہ دے کر بھی اسلامی عملداری میں رہ سکتے ہیں۔ گویا یہ سخت کافر و مرتد ہوا"

(انتظام المساجد صفحہ ۱۳-۱۵ مولوی محمد لدھیانوی)

یہاں تک کہ ہندوستان کے علماء نے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے علماء سے بھی سرسید احمد خان کے خلاف فتوے منگائے۔ چنانچہ مکہ معظمہ سے چاروں مذاہب اہلسنت کے مفتیوں نے جو فتوے دیا اس کا خلاصہ یہ ہے:-

"یہ شخص (سرسید) ضال اور مضل ہے۔ بلکہ ابلیس لعین کا خلیفہ ہے۔ اس کا فتنہ یہود و نصاریٰ کے فتنہ سے بھی بڑھ کر ہے۔ خدا اس کو سمجھے ضرب و حبس سے اس کی تادیب کرنی چاہیئے۔"

مدینہ منورہ کے علماء کا فتوے یہ ہے:-

"جو کچھ دُرِّ مختار اور اس کے حواشی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ماحصل یہ ہے کہ یہ شخص یا تو ملحد ہے یا منزع سے کفر کی جانب مائل ہو گیا ہے۔ اگر گرفتاری سے پہلے توبہ کر لے تو قتل نہ کیا جائے ورنہ اس کا قتل واجب ہے۔"

علی گڑھ کالج کے خلاف حرمین شریفین مفتیوں کا فتوے یہ ہے:-

"یہ مدرسہ جس کو خدا برباد کرے۔ اس کے بانی کو خدا ہلاک کرے۔ اس کی اعانت جائز نہیں۔ اگر یہ مدرسہ بن کر تیار ہو جائے تو اس کو منہدم کرنا اور اس کے مددگاروں سے سخت انتقام لینا واجب ہے۔"

ان فتاویٰ کے اقتباسات "حیات جاوید" (سوانحعمری سرسید) مؤلفہ الطاف حسین حالی سے لئے گئے ہیں۔

**مولانا محمد قاسم اور دیوبندی علماء** } حضرت مولانا ابوالقاسم نانوتویؒ بانیٔ دارالعلوم دیوبند۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمود الحسن شیخ الہند، مولانا اشرف علی تھانویؒ کے متعلق علمائے بریلی کے سردار اور امام مولانا احمد رضا خان بریلوی نے ایک فتوے مرتب کیا۔ جس میں تین سو مفتیوں کے دستخط ثبت ہیں۔ اس فتوے میں درج ہے کہ یہ تمام لوگ (بزرگانِ دیوبند اور ان کے متبع) باجماع اہلِ اسلام مرتد اور خارج از اسلام ہیں۔ (حسام الحرمین صفحہ ۱۰۰) علماء بریلی نے تمام علمائے دیوبند کے متعلق نام بنام یہ فتوے دیا کہ:-

"یہ قطعاً مرتد اور کافر ہیں اور ان کا ارتداد کفر سخت اشد درجے تک پہنچ چکا ہے۔ ایسا کہ جو ان مرتدوں اور کافروں کے ارتداد اور کفر میں ذرا سا بھی شک کرے وہ بھی انہیں جیسا مرتد و کافر ہے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ ان سے بالکل مجتنب رہیں۔ ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا تو ذکر ہی کیا اپنے پیچھے بھی ان کو نماز نہ پڑھنے دیں نہ ان کا ذبیحہ کھائیں نہ ان کی شادی غمی میں شریک ہوں۔ نہ ان کو اپنے ہاں آنے دیں، یہ بیمار ہوں تو عیادت کو نہ جائیں، مریں تو گاڑنے پرنے میں شرکت نہ کریں۔ مسلمانوں کے قبرستان میں جگہ نہ دیں۔ غرض ان سے بالکل احتیاط و اجتناب رکھیں۔ جو ان کو کافر

نہ کہے گا وہ خود کافر ہو جائے گا - اور اس کی عورت
اس کے عقد سے باہر ہو جائے گی - اور جو اولاد ہوگی حرامی
ہوگی - از رُوئے شریعت ترکہ نہ پائے گا۔"

(پوسٹر عُلمائے بریلی)

ان کے علاوہ زمانہ حال میں مولانا محمد علی - مولانا شوکت علی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالماجد دریاآبادی، مولانا ظفر علی خاں، علامہ اقبال اور بے شمار دوسرے اعاظم رجال فتوی تکفیر کا نشانہ بنائے گئے - جن کی تفصیلات کو بخوف طوالت نظر انداز کیا جاتا ہے۔

**تمام فرقوں کی تکفیر باہمی** } خدا کی قدرت ہے کہ تکفیر کے مشغلے سے کسی فرقے کے علماء بھی بچ نہیں سکے اور مسلمانوں کا کوئی فرقہ ایسا نہیں جس کے خلاف دوسرے فرقوں کے عُلما نے کفر کا فتویٰ نہ دیا ہو - مثلاً

**اہلسنّت کافر** } شیعہ علماء نے (حدیقہ شہداء ص۷۵) فتویٰ دیا کہ "فرقہ اثنا عشریہ امامیہ کے سوا کوئی ناجی نہیں خواہ مارا جائے خواہ اپنی موت مرے"[1]

**شیعہ کافر** } (ردِّ تبرا ص۳۱) شیعہ حضرت صدیق رضؓ کی خلافت کے منکر ہیں - اور فقہ کی کتاب میں لکھا ہے کہ جو شخص حضرت صدیق رضؓ کی خلافت کا انکار کرے اس نے اجماع کا انکار کیا اور کافر ہو گیا - اور کافر کے لئے حکم ہے وہ واجب القتل ہے۔

**اہلحدیث کافر** } "تقلید کو حرام اور مقلدین کو مشرک کہنے والا (یعنی وہابی) شرعاً کافر بلکہ مرتد ہُوا - (انتظام المساجد باخراج اہل الفتن) علماء اور مفتیانِ وقت پر لازم ہے بمجرد مسموع ہونے ایسے امر کے - (یہ فتوے سنتے ہی) اس کے کفر و ارتداد کا فتوے دینے میں تردّد نہ کریں - ورنہ زمرۂ مرتدین میں یہ بھی شامل ہوں گے۔"

(انتظام المساجد باخراج اہل الفتن ص۷)

**بریلوی کافر** } مولوی سید مرتضیٰ دیوبندی کا ایک پورا رسالہ "ردّ التکفیر علی الفحاش التنظیر صرف مولوی احمد رضا خاں بریلوی کی تکفیر پر مشتمل ہے - جس میں مولوی صاحب موصوف اور ان کے تمام مریدین و معتقدین کو کافر قرار دیا گیا ہے۔

**پیرپرست کافر** } استفسار کیا گیا ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ کہنے والا کافر اور اس کا ورد کرنے والا کیا ہے؟ جواب ملا جس کا عقیدہ یہ ہے وہ مشرک ہے - جو شخص محوذ اور مفتی ان امور کا ہے وہ راس المشرکین (یعنی مشرکین کا سردار) ہے - اس کے پیچھے نماز درست نہیں - اس طرح کا اعتقاد رکھنے والا چاروں مذہبوں میں کافر و مشرک ہے - (مجموعہ فتاوی ص۵۲ مطبع صدیقی لاہور)

مولانا احمد رضا خان بریلوی، ہمارے مولانا عبدالحامد بدایونی اور مولانا ابوالحسنات خطیب مسجد وزیر خان اور ان کے والد مرحوم کے پیر و مرشد تھے - انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے "احکام شریعت مصطفوی" جس کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں :-

"نکاح نام باہمی ایجاب و قبول کا ہے اگرچہ برہمن پڑھا دے - چونکہ وہابی سے پڑھوانے میں اس کی تعظیم ہوتی ہے جو حرام ہے - لہٰذا احتراز لازم ہے" (احکام شریعت حصّہ دوم ص۱۴۴)

"وہابی، دیوبندی کو ابتداءً سلام کرنا اور خندہ پیشانی سے ملنے پر قلب سے نورِ ایمان نکل جانے کی وعید ہے۔"

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متفق علیہ حدیث مبارک ہے کہ میری اُمت میں تہتر فرقے ہوں گے جن میں سے ایک ناجی ہوگا - اس تحریر سے بغیر شیعہ فرق اسلامی کی تکفیر کیسے ثابت ہوتی ہے؟

اس کتاب میں درج ہے کہ :-

"جو شخص دیوبندیوں کو کافر نہ کہے، وہ بھی کافر - اور روزِ قیامت ان کے ساتھ ایک ہی رسّی میں باندھا جائے گا - وہابی کو زکوٰۃ کا روپیہ حرام ہے - وہابی کے پاس لڑکوں کو پڑھانا حرام - حرام - حرام - عورت کا ذبیحہ جائز، یہودی کا ذبیحہ حلال جبکہ نام الٰہی عزّ و جل کا لے، رافضی، تبرّائی، دیوبندی، وہابی، غیر مقلد، قادیانی، چکڑالوی، نیچری، ان سب کے ذبیحے محض نجس، مردار اور حرام قطعی ہیں - اگرچہ لاکھ بار نام الٰہی لیں اور کیسے ہی متقی اور پرہیزگار بنتے ہوں - وہابی کے کتے کا تذکار بھی حرام ہے - ان فرقوں کے لوگوں کے پیچھے نماز بالکل باطل محض ہے" (احکام شریعت مصطفوی حصّہ اول)

ان تمام مذکورہ بالا فتوؤں کی روشنی میں یہ ظاہر ہو گیا کہ عالم اسلام اور تاریخ اسلام کے اکابر اور ملّت اسلام کے تمام فرقے کسی نہ کسی گروہِ علماء کے نزدیک کافر و مرتد اور خارج از اسلام ہیں شریعت اور طریقت کی دنیا میں ایک مسلک اور خانوادہ بھی تکفیر سے محفوظ نہیں ملاحظہ ہو جامع الشواہد ص۲

"چاروں اماموں کے پیرو اور چاروں طریقوں کے متبع یعنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ، مجددیہ سب لوگ کافر ہیں۔"

اب ہر مسلمان خود سوچ سکتا ہے کہ آیا یہ شغلِ تکفیر اسلام یا ملّت کی کوئی خدمت ہے یا اس کو تباہ و برباد کرنے کا آلہ ہے ــــ یہ حقائق جس مسلمان کے سامنے آئیں گے وہ شرم سے زمین میں گڑ جائے گا - جو غیر مسلم انہیں دیکھے گا وہ اسلام سے سخت متنفر ہو جائے گا - کیا یہ دین کی نیک نامی اور ملّت کی عزت کا سامان ہے یا اُمتی باعث رسوائی پیغمبر ہو رہے ہیں

اس میں شک نہیں کہ علماء کی اس باہمی تکفیر کے ہنگامے کو دیکھ کر ایک سیدھا سادا مسلمان پریشان ہو جاتا ہے اور اس کے قلب میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہونے لگتے ہیں - لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ اس ہنگامۂ تکفیر کو اسلام سے کوئی تعلق نہیں - اللہ اور رسول اور ائمہ دین اس سے کاملاً بری ہیں - یاد رکھنا چاہیئے کہ اسلام کلمۂ توحید ہے جو تمام مسلمانوں کو ایک کر دیتا ہے ــــ جو شخص اس امر کا اقرار کرتا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ - اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اس کے رسول اور پیغمبر ہیں" - وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے -

(بشکریہ المنتظر ۵/۲ مئی ۱۹۷۶ء)

## بقیہ مقالہ ــــــــ از صفحہ

نظریات دوسروں پر ٹھونسنے کے لئے یہ لوگ قرآن کو بھی بدلنے سے نہیں چُوکتے -

قرآن کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے پہلے کی طرح اب بھی زندہ اور جیتی جاگتی اتھارٹی کی ضرورت ہے - یہ زندہ اتھارٹی ہر زمانے میں پیدا ہونے والا فرد واحد ایک امام اور مجدّد ہوتا رہا ہے یہ مقام اُمّت محمدیہ میں اسی کو حاصل ہوتا ہے جو اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول کے مدِنظر قرآن کریم کو اپنا اوڑھنا بچھونا بناتا ہے - اور اللہ اور رسول کی اس حد تک اطاعت کرتا ہے کہ اس کی زندگی ایک نشان بن جاتی ہے - اسی لئے حضرت مجدّد زمانؑ نے فرمایا تھا

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چُوموں
قرآن کے گرد گھوموں کعبہ میرا یہی ہے -

قرآن ہی کعبہ ہے - قرآن ہی قبلہ ہے اور قرآن ہی نصب العین ہے - اس نصب العین کی طرف بلانے والا آنحضرت کے ارشاد کے مطابق ہمیشہ ص۱۴ ایک امام اور مجدّد اس اُمّت میں پیدا ہوتا رہا ہے - کوئی حکومت یا اشتراکی

اور جو اس زمانہ کی ہے جب اسلامی سٹیٹ بقول ان کے قائم ہو چکی تھی
پرویز صاحب حوالہ دے کر "سٹیٹ" کا مفہوم اخذ کرتے ہیں اسی میں یہ

مکرم و محترم جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

# "قدرتِ ثانیہ کا ظہور"

## احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی بناء بانی سلسلہ کے "مزعومہ دعویٰ نبوت" پر رکھی گئی ہے

(قسط نمبر ۲)

یہ بتلایا جا چکا ہے کہ حضرت اقدس مسیح موعودؑ کو اپنی وفات کے قریب یہ علم دیا گیا تھا کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے سلسلہ پر ایک زبردست ابتلاء آئے گا۔ ایسا عظیم ابتلاء کہ جب مخالف اور موافق دونو، خدائی سلسلہ کے غلبہ سے مایوسی کا اظہار کریں گے نیز بہت سے جماعت احمدیہ سے تعلق رکھنے والے اصحاب بھی مخالفت کو ناقابلِ برداشت پا کر منحرف ہو جائیں گے گویا انکار و مخالفت کا ایسا زبردست ریلا اُٹھے گا کہ وزلزلوا زلزالاً شدیداً کا نظارہ پیش ہوگا۔ چنانچہ پاکستان کے آئین میں جو ترمیم ستمبر ۱۹۷۴ء کو ہوئی جس کی رُو سے جماعتِ احمدیہ کو اقلیت قرار دے دیا گیا ہے اور اس سے قبل جو ہنگامے بپا کئے گئے جس میں احمدیوں کے جان و مال غیر محفوظ ہو گئے تھے۔ یہ تمام واقعات حضرت اقدسؑ مسیح موعودؑ کی الوصیت میں کی گئی دوسری مخالفت کی پیشگوئی کو سچا ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں، جب دوسری عظیم مخالفت اور جماعت احمدیہ پر زبردست ابتلاء کی پیشگوئی واقعات میں صحیح نکل چکی ہے تو اس پیشگوئی کا دوسرا جزو کہ ایسے ابتلاء مخالفت کے بعد خدا کی قدرت ظاہر ہوگی اور جماعت کا یہ پودا جو خود خدا تعالیٰ کے ہاتھ کا لگایا ہے بڑھے گا اور اپنے برگ و بار لائے گا نیز حضرت عیسیٰؑ کے الہام کے مطابق حضرت اقدسؑ کے الہام وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا کو پورا کرنے کے سامان خدا تعالیٰ کے غیبی ہاتھ سے پیدا ہوں گے یہ قدرتِ ربّی کی جانب سے پیدا شدہ ذرائع واسباب جن سے سلسلہ کی ترقی و فروغ وابستہ ہے خدائی قدرت کے جلوہ کو ظاہر کرنے والے ہوں گے مگر جو شخص خدا تعالیٰ کی ہستی، اس کے قادرانہ مظاہر پر ایمان رکھتا ہے اور درمیان میں آنے والے ابتلاؤں سے نہیں ڈرتا، ایسے ہی صاحب عزم و استقامت اصحاب خدا کے اس معجزہ کو دیکھتے ہیں جیسے کہ اس کی ادنےٰ ترین جھلک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی زندگیاں بھی پیش کرتی ہیں۔ جنگِ احزاب میں مُلک عرب کے جملہ قبائل متحد ہو کر دس سے بیس ہزار کی تعداد میں مدینہ منورہ پر ٹوٹ پڑے تھے۔ تو اس وقت بھی کمزور دل لوگوں نے یہی کہا تھا ما وعدنا اللّٰہ ورسولہٗ الا غرورا (نعوذ باللہ) خدا اور اس کے رسول نے ہمیں دھوکہ دیا۔ اب ہماری جائے پناہ کہاں ہے۔ لیکن حقیقی مؤمنوں کے قلوب اس وقت بھی صداقت و یقین سے لبریز ہو کر یہ کہہ رہے تھے فلما راء المؤمنون الاحزاب قالوا ھذا ما وعدنا اللّٰہ ورسولہ وصدق اللّٰہ ورسولہ وما زادھم الا ایمانا وتسلیما۔ جب مؤمنوں نے اُمڈ کر آنے والے لشکروں کو دیکھا تو کہا کہ خدا اور اس کے رسول نے جس ابتلا کا وعدہ فرمایا تھا وہ یہی تو ہے اور اس میں کیا شک و شبہ کی گنجائش ہے کہ جب ایسے عظیم ابتلاء کی خبر پیش از وقت درست نکلی تو پھر غلبۂ صداقت کی پیشگوئی کیوں سچی نہ نکلے گی؟ پس وہی واقعہ جس سے کمزور دل اگر مایوس ہوتے تو مؤمنین کے لئے ازدیادِ ایمان کا باعث بنا۔

## ابتلاء بطور آزمائش اصطفےٰ کے لئے آتے ہیں

حضرت مسیحؑ پر بھی جب ایسا ابتلاء آنے والا تھا تو انہوں نے یہ فرمایا تھا کہ یونس نبی کا نشان دکھلایا جائے گا یعنی ابن آدم تین روز قبر میں رہنے کے بعد زندہ ہو جائے گا چنانچہ صلیب پر غش کھانے کے بعد حضرت مسیحؑ کو ایک باغ کی کھوہ کے اندر رکھ کر ان کی جب مرہم پٹی کی گئی تو تیسرے روز اس سے باہر آکر اپنے حواریوں سے ملے اور ان کے ساتھ کھانا کھایا اور ان کو اپنے زخم دکھلائے۔ پس ایسے عظیم ابتلاء خدائی تحریکوں پر آیا کرنے کی سنتِ الٰہیہ جاری ہے جیسے قرآن کریم میں ان الفاظ میں بھی بیان کیا گیا ہے وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطٰن فی امنیتہ فینسخ اللّٰہ ما یلقی الشیطٰن ثم یحکم اللّٰہ اٰیٰتہ۔ یعنی ہماری طرف سے جب کبھی بھی کوئی فرستادہ مبعوث کیا گیا اور اس نے کلمۂ توحید کو قائم کرنا چاہا تو شیطان نے اس میں وسوسہ اندازی کی مگر خدا تعالےٰ نے شیطانی وسوسہ اندازی کو مٹا کر ہمیشہ اپنے سلسلوں کو دنیا میں قائم و رائج کیا۔ عظیم ابتلاؤں کے وارد کئے جانے کا ذکر قرآن کریم نے ایک اور آیت میں بھی یوں فرمایا ہے: حتی اذا استیئس الرسل وظنوا انھم قد کذبوا جاءھم نصرنا۔ مخالفت کی ایسی آندھیاں چلیں کہ خود رسول بھی لوگوں کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے اور منکرین نے تو یقین ہی کر لیا کہ واقعی ان کی تکذیب غالب و کامیاب ہو گئی۔ تب ایسی حالت میں خدا تعالےٰ کی نصرت آئی۔ لہٰذا جیسے حضرت مسیح موعودؑ نے اس کی وضاحت فرمائی۔ خدائی سلسلوں کے بانیان کی زندگیوں کے بعد بھی ان کی جماعتوں پر عظیم ابتلاء آتے ہیں مگر اس سے خدائی تحریکیں نہ صرف ختم نہیں ہو جایا کرتیں بلکہ آخرکار وہی غالب آکر رہتی ہیں کیونکہ خدائی نصرت و تائید اور قدرت ان کی پُشت پر کام کر رہی ہوتی ہے۔ وکان حقاً علینا نصر المؤمنین۔ ہم پر مؤمنوں کی نصرت فرض عاید ہوتی ہے۔

## موجودہ ابتلاء کی بابت حضرت اقدسؑ کا ایک واضح رؤیا

جیسے بیان ہو چکا ہے الوصیت میں حضرت اقدسؑ نے نہایت وضاحت سے اپنے بعد جماعت احمدیہ پر ایک عظیم ابتلاء کا ذکر فرما کر پھر اس کے بعد "قدرتِ ثانیہ" کی پیشگوئی کی ہے۔ اگرچہ "الوصیت" بھی حضرت اقدسؑ نے خدائی منشاء و علم پا کر تحریر فرمائی۔

اور اگرچہ اس میں ان لغزشوں کا ذکر بھی اشارۃً کر دیا گیا ہے جس کے باعث ایسے عظیم ابتلاء نے آنا تھا۔ تاہم آپ کے ایک اور رؤیاءِ صادقہ میں اس سے بھی زیادہ وضاحت سے اس ابتلاء کے اسباب و علل کو آپ پر ظاہر کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ پہلے وہ رؤیاء کتاب "تذکرہ" میں سے نقل کیا جاتا ہے اور پھر واقعاتِ حقہ سے اس کی عین مطابقت پر روشنی ڈالی جائیگی۔

## ایلی ایلی لما سبقتانی کی پکار اور میاں محمود احمد صاحب کا دورِ اقتدار

۱۸ مارچ ۱۹۰۶ء:-

"آج بروز یکشنبہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اپنے گھر کے مکان میں بیٹھا ہوں اور ایک خربوزہ کی شکل کا کوئی پھل میرے ہاتھ میں ہے۔ اس کو چھیل کر کھانا چاہتا ہوں۔ اتنے میں میں نے محمود احمد کو دیکھا اس کے ساتھ ایک انگریز ہے، وہ ہمارے گھر میں داخل ہو گیا۔ پہلے اس جگہ کھڑا ہوا جہاں پانی کے گھڑے رکھے

جاتے ہیں) پھر اس چوبارے کی طرف آگے بڑھا جہاں بیٹھ کر مَیں کام کرتا ہوں۔ گویا اس کے اندر جا کر تلاشی کرنا چاہتا ہے۔ اس وقت مَیں نے دیکھا میر ناصر نواب کی شکل پر ایک شخص میرے سامنے کھڑا ہے۔ اس نے بطور اشارہ مجھے کہا کہ آپ بھی اس چوبارہ میں جائیں انگریز آیا ہے تلاشی کرے گا۔ میرے دل میں گذرا اس میں صرف وہ کاغذات پڑے ہیں جو تالیف کتاب کا مسودہ ہے وہی دیکھے گا۔ اتنے میں آنکھ کھل گئی۔

" فرمایا معلوم نہیں اس واقعہ کی کیا تعبیر ہے اس سے پہلے تھوڑے دن ہوئے یہ دیکھا تھا یعنی یہ الہام ہوا تھا

" عورت کی چال، ایلی ایلی لما سبقتانی بریت
اذ کففت عن بنی اسرائیل "

" مَیں نے اپنے اجتہاد سے اس کے یہ معنے سمجھے تھے کہ کوئی شخص عورتوں کی طرح پوشیدہ مکر کرے گا جس سے ممکن ہے کہ ہم پر اس کی دھوکہ دہی سے کوئی مقدمہ ہو مگر آخر بریت ہوگی۔ واللہ اعلم" (صفحہ ۵۴۶-۵۴۷)

پھر انہی الہامات کا ذکر تذکرہ صفحہ ۵۴۰ پر ان الفاظ میں کیا ہے:-

۱۹ر فروری ۱۹۰۶ء:-

" عورت کی چال ایلی ایلی لما سبقتانی۔ بریت۔ اذا کففت عن بنی اسرائیل۔"

" فرمایا یہ خیال گذرتا ہے واللہ اعلم کہ کوئی شخص زنانہ طور پر مکر کرے یعنی مردِ میدان بن کر کاروائی نہ کرے بلکہ چھپ کر عورتوں کی طرح کوئی نقصان پہنچانا چاہے۔ جس کا نتیجہ آخر بریت ہو۔ مگر یہ صرف اجتہادی رائے ہے۔ اللہ تعالےٰ بہتر جانتا ہے اس کے کیا معنی ہیں۔ ایک مَردوں کی چال ہوتی ہے۔ جو گمنام ہو کر کوئی بدی کرتا ہے یا عورت کی طرح چھپ کر کوئی حملہ کرتا ہے اور آخری فقرہ کے یہ معنی ہیں کہ فرعون کے شر سے ہم نے بنی اسرائیل کو بچا لیا۔"

(بحوالہ بدر ۲ ۸ صفحہ ۱)

جیسا کہ حضرت اقدسؑ نے فرمایا ہے الہامات اور رؤیا میں جن مستقبل کے واقعات کو بطور علم غیب ظاہر کیا جاتا ہے، ان کی پوری اور اصل حقیقت تو اسی وقت کھلتی ہے جب وہ واقعات میں رونما ہو جائیں اس سے قبل تو خود مُلہم پر بھی ان کی پوری تفصیلی حقیقت ظاہر نہیں کی جاتی، البتہ وہ اپنے اجتہاد سے اس کے معنی بیان کرتا ہے۔

حضرت یوسفؑ کو جب رؤیاء میں سورج اور چاند و ستارے سجدہ کرتے دکھلائے گئے تو اس وقت اس کی صحیح تعبیر نہ حضرت یوسفؑ کو معلوم تھی نہ ہی حضرت یعقوبؑ کو۔ لیکن جب واقعات میں یہ رؤیاء صادق ثابت ہوئی اور حضرت یوسفؑ کے والدین اور بھائی ان کی حکومت کے ماتحت ہوئے تو حضرت یوسفؑ اس وقت پکار اٹھے هٰذا تاويل رؤياي من قبل یہ میرے ابتداء میں رؤیاء کی اصل تاویل ہے۔ اسی بنا پر ہم بھی موجودہ واقعات کی روشنی میں حضرت اقدسؑ کے اس روشن رؤیا کی صحیح تعبیر جان سکتے ہیں۔

## ایلی ایلی لما سبقتانی کی پکار اور میاں محمود احمد کا آمرانہ دورِ اقتدار

موجودہ واقعات کی روشنی میں اگر متذکرہ بالا رؤیاء کی تعبیر کی جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ اس میں تاریخ احمدیت کے موجودہ واقعات کا ذکر کیا گیا ہے جبکہ اس کی کچھ تفصیل یوں ہے۔ حضرت اقدسؑ کے ہاتھ میں ایک پھل ہے جسے آپ نے چھیل لیا ہے اور کھانے کے لئے تیار ہیں لیکن سامنے میاں محمود احمد صاحب آ جاتے ہیں۔ اس سے بتلانا یہ مقصود ہے کہ حضرت اقدسؑ نے مسلم قوم کے معاشرہ کی سچی اصلاح کے لئے جو جماعت تیار کی وہ عظیم اصلاحات کرنے ہی والی تھی مگر ایسا تسلط پانے سے وہ اس لئے قاصر رہی کہ میاں محمود احمد صاحب کی قیادتِ جماعت نے ایسا نہ ہونے دیا۔ ان امور کی تفصیل یہ ہے۔

## پھل کیا تھا اور کھانے سے کیا مراد ہے؟

انجیل میں بھی ایک واقعہ مرقوم ہے کہ حضرت مسیحؑ کو ایک مرتبہ جب بھوک لگی اور آپ انجیر کے درخت کی طرف گئے کہ اس کا پھل کھائیں۔ لیکن وہاں جانے پر حضرت مسیحؑ کو معلوم ہوا کہ درخت پر پھل نہیں ہے چنانچہ حضرت مسیحؑ نے درخت پر لعنت کی اور وہ سوکھ گیا۔ قرآن کریم میں بھی سلسلہ موسویہ اور سلسلہ محمدیہ کو انجیر اور زیتون سے مشابہت دی گئی ہے۔ جیسے فرمایا والتین والزیتون ...... انجیر اور زیتون کی قسم، طورِ سیناء اور مکہ معظمہ کی قسم۔ تمام مفسرین نے بالاتفاق یہ تسلیم کیا ہے کہ انجیر و زیتون کے پھلوں سے مراد موسوی و محمدی دو عظیم خدائی سلسلے ہیں۔

پس حضرت مسیحؑ کے انجیر کے درخت کی طرف جا کر پھل کھانے سے مراد یہی ہے کہ آپ جس روحانیت و اخلاق کا بیج اپنی قوم میں بونے آئے تھے اس کا پھل کھانا چاہتے تھے یعنی یہودی قوم میں دوبارہ روحانیت و اخلاقی ارتقاء چاہتے تھے مگر آپ نے دیکھ لیا کہ اب اس درخت پر باوجود آپ کی عظیم بعثت کے پھل نہیں لگے۔ جس کا آخر نتیجہ یہی ہوا کہ وہ درخت یا شجرہ طیبہ سوکھ گیا۔ حضرت اقدسؑ بھی مسلمان قوم کی روحانی و اخلاقی اصلاح کے لئے ہی مبعوث کئے گئے تھے۔ رؤیا میں پھل آپ نے چھیل بھی لیا تھا کہ سٹیج اقتدار پر میاں محمود احمد صاحب نظر آئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت اقدسؑ وہ پھل کھانے سے رہ گئے۔ گویا جماعت احمدیہ کی تشکیل کی جو اصل غرض، مسلمانوں کی روحانی و اخلاقی اصلاح تھی وہ حاصل نہ ہو سکی۔ اب یہ امور واقعاتِ حقہ ہیں کہ حضرت مولانا نورالدینؓ کی زندگی میں قریب تھا کہ جماعت احمدیہ، عوام و خواص مسلمانوں کی دلچسپی و مقبولیت کا مرکز بن جائے مگر حضرت مولاناؓ کی وفات اور جناب میاں محمود احمد صاحب کے آمرانہ اختیارات کے باعث ایسا نہ ہو سکا۔ ۱۹۱۱ء میں علیگڑھ میں غیر احمدیوں کے اجتماع میں علامہ ڈاکٹر اقبالؒ نے فرمایا تھا۔

" اگر تمہیں اس زمانہ میں ٹھیٹھ اسلامی تہذیب کا نمونہ دیکھنا ہو تو وہ تمہیں اس فرقہ کی صورت میں ملے گا جو آج قادیان میں پیدا ہوا ہے "

کیا آزادانہ رائے سے یہ امر پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ جاتا کہ روحانی و اخلاقی اصلاح کا جو مقصد حضرت اقدسؑ نے اپنے سامنے رکھا تھا اور جو فی الحقیقت آپ کی بعثت کی اصل غرض و غایت تھی وہ حضرت مولانا نورالدینؓ صاحب کی زندگی میں حاصل ہونے ہی والا تھا گویا آپ یہ پھل چھیل کر کھانے کے لئے تیار ہی تھے کہ احمدیہ تحریک کی سٹیج قیادت پر میاں محمود احمد صاحب نمودار ہو گئے۔ جس کے باعث وہ پھل کھایا نہ جا سکا۔ خود علامہ اقبال صاحب نے جب تحریک احمدیہ کی مخالفت کی اور ان سے دریافت کیا گیا کہ ۱۹۱۱ء میں تو آپ کی رائے اور تھی تو انہوں نے اس کے جواب میں یہی کہا کہ مجھے جو توقعات ۱۹۱۱ء میں احمدیت سے تھیں وہ پوری نہ ہوئیں۔ ایک تو جماعت احمدیہ میں بانیٔ سلسلہ کی پوزیشن کے بارہ میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ دوئم میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جماعت احمدیہ کے ایک فرد سے ہتک آمیز الفاظ سنے۔

اب دیکھ لو کہ کیا یہ واقعات نہیں کہ جماعت احمدیہ کی نیکی پاکبازی اور اس کا صحیح معنوں میں ٹھیٹھ اسلامی تہذیب کا نمونہ ہونے کی جو توقعات ۱۹۱۱ء میں تھیں وہ ۱۹۳۵ء میں سراسر تبدیل ہو چکی تھیں۔ عوام و خواص

بجائے نیک توقعات کے جماعتِ احمدیہ کے عقائد و تعلیمات اور نظام اخلاق و نیک کرداری کے بارہ میں مایوسی و نفرت میں بدل چکے تھے؟ کیا اس بارہ میں کوئی ادنےٰ سا شبہ و شک بھی موجود ہے؟ اگر واقعات حقہ یہی ہیں تو کیا حضرت اقدسؑ کے متذکرہ بالا رؤیا کی یہ تعبیر کہ جو پھل آپ کھانے والے تھے وہ آپ کھا نہ سکے اس لئے کہ جماعت کی قیادت میاں محمود احمد صاحب کے ہاتھ میں آ گئی، درست و صحیح ثابت ہوئی یا نہ؟ تو اس رؤیا کے یہ اشارے کہ ہم پر دھوکہ دہی سے کوئی مقدمہ کھڑا کیا جائے نیز یہ کہ عورت کی چال سے مراد یہ ہے کہ کوئی چھپ کر بدی کرنے گا۔ پھر یہ کہ مقدمہ اور مخفی طور پر بدی کرنے کا نتیجہ ایلی ایلی لما سبقتانی کی صورت میں ظاہر ہوگا یعنی جماعت احمدیہ پر ایسا عظیم ابتلاء آئے گا کہ آپ کی روح الفاظ پکار اٹھے جو حضرت مسیحؑ نے صلیب پر لٹکائے جانے کے وقت بولے تھے۔ کیا یہ تمام امور موجودہ وقتوں میں واقعات کی شکل اختیار نہیں کر چکے؟

البتہ اس رؤیا صادقہ میں میاں محمود احمد صاحب کے ساتھ جو انگریز کا دیکھنا جو آپ کے گھر میں داخل ہوگیا ہے مزید تفصیل کے محتاج بیان ہیں جن کے بارہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ

## مسلمان قوم کی ایمانی و اخلاقی اصلاح کا پھل } جماعت احمدیہ پر موجودہ ابتلاء

ایسی عظیم آزمائش ہے کہ اس سے قبل ایسا سخت امتحان پہلے کبھی وارد نہیں ہوا، اس سے پہلے جو مصائب پیش آئے وہ انفرادی نوعیت رکھتے تھے مگر یہ مشکل پوری جماعت کے لئے کڑی آزمائش ہے۔ اسی مناسبت سے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ یہ وہی وقت ہے جب حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی روح عالم بالا میں خدا تعالےٰ کے حضور یہ پکار رہی ہوگی

ایلی ایلی لما سبقتانی

اے میرے خدا! اے میرے خدا! یہ تمام دنیاوی اسباب و ذرائع میری جماعت کی مخالفت پر اب تُل چکے ہیں۔ کسی جماعت کی تائید و نصرت میں جب جملہ دنیاوی اسباب و ذرائع نہ صرف معدوم ہو جائیں بلکہ اس کے برخلاف اس کے نیست و نابود کرنے پر کمر بستہ ہو جائیں اگر ایسے نازک دور سے گذر کر کوئی جماعت پھر کامیاب ہو کر غالب آ جائے تو صرف اسی صورت میں یہ کہنا درست ہوگا کہ اسے خدا تعالےٰ کی تائید و نصرت حاصل ہے۔ اس لئے کہ وہ دنیاوی اسباب جو کسی جماعت کی کامیابی کے ضامن ہوا کرتے ہیں جب مفقود ہو جاویں بلکہ برعکس اس کے اسے کچلنے کے لئے مجتمع ہو کر حملہ آور ہو گئے ہوں جیسے کہ اس وقت ایسا نظارہ جماعتِ احمدیہ کو پیش آیا ہوا ہے تو ایسی نازک حالت سے نکل کر اگر یہی بے بس و کمزور جماعت ترقی پا کر فتحیاب ہو جائے تو کیا عقلِ سلیم اسی امر کو واجب التسلیم قرار نہ دے گی کہ یہ معجزہ خدا کی قدرت و نصرت کے کرشمے کے سوا اور کسی طرح ظہور پذیر نہیں ہوا؟ اور یہی وہ بات ہے جسے حضرت اقدسؑ قدرتِ ثانیہ کا نام دے رہے ہیں۔ چنانچہ اس میں وفات کی خبر دینے کے ساتھ یہ الہام ہوا:

لا نبقی لک من المخزیات ذکراً قل میعاد ربک

ولا نبقی لک من المخزیات شیئاً۔

ہم تیرے بارہ میں مخزیات کے ذکر کو باقی نہیں رہنے دیں گے۔ تیرا وقت اب قریب آ گیا ہے ہم تیرے ذکر کے بارہ میں مخزیات کو ہرگز باقی رہنے نہیں دیں گے۔

اس جملہ کو دوہرانے کا مطلب یہی کچھ ہے کہ ایک مرتبہ تیری زندگی میں اور دوسری مرتبہ تیری وفات کے بعد جب تیرے پیروؤں

فضول اعتراض اور وساوس گھر کر جائیں گے تو ہم اپنی قدرت سے انہیں باقی نہ رہنے یا مٹا دینے کے سامان خود اپنی جانب سے پیدا کریں گے۔

اسی لئے اصل الہام میں ایلی ایلی لما سبقتانی کے ساتھ الفاظ برئیت اور اذ کففت عن بنی اسرائیل بڑھائے گئے ہیں۔ اب اس واقعاتی تشریح سے یہ امر بکلی واضح ہوگیا کہ حضرت اقدسؑ نے اپنے رؤیا جس میں میاں محمود احمد صاحب کو دیکھا کا تعلق کیوں ان الہامات سے قائم کیا۔ میاں محمود احمد والے رؤیا کو بیان فرما کر ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ:۔

"اس سے چند روز پہلے یہ رؤیا دیکھا تھا یعنی یہ الہام ہوا تھا "عورت کی چال"، ایلی ایلی لما سبقتانی برئیت، اذ کففت عن بنی اسرائیل"

اور اس کی تعبیر میں یہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص چھپ کر عورتوں کی طرح مکر کرے گا جس سے ممکن ہے کہ ہم پر اس کی دھوکہ دہی سے کوئی مقدمہ ہو۔ پھر دوسری جگہ اسی الہام کی تعبیر یوں فرماتے ہیں:۔

"خیال گذرتا ہے واللہ اعلم کوئی شخص زنانہ طور پر مکر کرے یعنی مردِ میدان بن کر کاروائی نہ کرے بلکہ چھپ کر عورتوں کی طرح کوئی نقصان پہنچانا چاہے۔ جس کا نتیجہ آخر بریت ہو......... ایک مردوں کی چال ہوتی ہے جو گمنام ہو کر کوئی بدی کرتا ہے یا عورت کی طرح چھپ کر کوئی حملہ کرتا ہے اور آخری فقرے کے یہ معنے ہیں کہ فرعون کے شر سے ہم نے بنی اسرائیل کو بچا لیا۔" (تذکرہ صفحہ ۵۴۰ بحوالہ بدر جلد ۲ صفحہ ۶)

اب اس میں کوئی بھی شک و شبہ باقی نہ رہ گیا کہ یہ رؤیا اور الہام آج کے جماعت احمدیہ پر ابتلاء سے ہی متعلق ہیں۔

حضرت اقدسؑ جس پھل کو کھانا چاہتے تھے تمثیلاً وہ پھل مسلمان قوم کی ایمانی و اخلاقی اصلاح کا پھل تھا لیکن جب آپؑ یہ کھانے ہی کو تھے تو احمدیہ جماعت کی سٹیج قیادت پر میاں محمود احمد صاحب آ گئے جس کی وجہ سے نہ صرف آپ پھل کھانے سے رہ گئے بلکہ برعکس آپ پر مقدمہ بپا کر دیا گیا کہ آپ دعوےٰ نبوت کرنے کی وجہ سے کافر ہیں اس لئے آپ سے نسبت رکھنے والے دونوں گروہ غیر مسلم اقلیت ہیں۔

دعوےٰ نبوت کے الزام لگانے میں کون اس سے انکار کر سکتا ہے کہ اس کا باعث مخالفین کے نزدیک میاں محمود احمد کا نیا عقیدہ اجرائِ نبوت اور حضرت اقدس سے متعلق دعوئِ نبوت ہی بنا۔

مزید براں حضرت اقدسؑ نے اپنی جماعتِ احمدیہ کو مسلم قوم کی ایمانی و اخلاقی و عملی اصلاح کے لئے کھڑا کیا تھا۔ مگر میاں محمود احمد کے قائم کردہ نظامِ جماعت سے ایسی عملی اصلاح کو کونسی تقویت حاصل ہوئی؟ وہی جماعت احمدیہ جو ۱۹۱۱ء میں علامہ ڈاکٹر اقبال کی نگاہ میں ٹھیٹھ اسلامی تہذیب کا نمونہ پیش کر رہی تھی اور اس وجہ سے قریب تھا کہ تمام مسلم قوم کی توجہ کو اپنی طرف جذب کر لے، ۱۹۳۵ء میں انہی کے نزدیک نہ صرف قابلِ کشش نہ رہی بلکہ وجہ بیزاری و بغاوت بن گئی! اناللہ

کیا حضرت اقدسؑ کے الہام "عورت کی چال" اور آپ کی اپنی تعبیر کے مطابق چھپ کر عورتوں کی طرح مکر کرنا یا گمنام ہو کر بدی کرنا ہی سلسلہ احمدیہ کی بدنامی اور اس کے برخلاف مقدمہ بازی کا موجب نہیں ہوئے؟

ایک طرف خلافِ شریعت عقائد اجرائے نبوت اور تکفیر گھڑے گئے، تو دوسری طرف سلسلہ احمدیہ کی عالی شہرت و روایات نیکی، نیک کرداری

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم نمبر ۱)

ایک رپورٹر کے قلم سے

# ہماری تبلیغی سرگرمیاں

## جماعت احمدیہ سیالکوٹ چھاؤنی کے یک روزہ اجلاس

### مورخہ ۵/۶ کی مختصر رپورٹ

مورخہ ۸ رمئی کو شام کے ۵ بجے جماعت احمدیہ سیالکوٹ چھاؤنی نے ایک دینی اجتماع کا اہتمام کیا۔ جس میں ممبران جماعت وکلاء اور اساتذہ جماعت کی دعوت پر تشریف لائے۔ جلسہ کی صدارت شہر کے ایک معزز ایڈووکیٹ نے فرمائی۔ سب سے پہلے محترم شیخ نثار احمد صاحب اس اجتماع کو خطاب کیا۔ آپ نے احمدیہ تحریک کے مقاصد پر ایک پُرمغز مقالہ پڑھا جو اخبار پیغام صلح کی کسی آئندہ اشاعت میں الگ شائع کیا جا رہا ہے۔

شیخ صاحب کی تقریر کے بعد محترم مولانا محمد طفیل صاحب ایم۔اے امام احمدیہ مشن لندن نے احباب کے سامنے دیار غرب میں جماعت احمدیہ کی خدمات اسلامی اور ان سے پیدا ہونے والے نتائج کا بڑے موثر انداز میں خلاصہ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تبلیغ اور اشاعت اسلام کے سلسلہ میں جو علم الکلام بانیٔ سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام نے ہمارے ہاتھ میں دیا۔ اس کے اندر اس قدر معقولیت ہے کہ کوئی انصاف پسند شخص اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ عیسائی دنیا نے جس قدر اعتراضات اسلام پر کئے تھے۔ حضرت مرزا صاحب کے پیش کردہ علم الکلام کے سامنے بے حقیقت ہو کے رہ گئے ہیں۔ اور محققین و مفکرین غرب اب اسلام کی حقانیت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ آج اگر یورپ میں یہ کہا جائے کہ مسیح ناصری علیہ السلام بجسد عنصری الآن کما کان [illegible] زندہ بیٹھے ہیں۔ تو کوئی ذہین شخص اس بات کو قبول نہیں کرے [illegible] عقیدہ کو نہایت مضحکہ خیز خیال کرتا ہے۔ اسی طرح [illegible] عقائد بیان کرے۔ کہ اسلام لونڈیاں رکھنے کی [illegible] قتل مرتد کی تعلیم دیتا ہے۔ اور خود قرآن کے اندر [illegible] منسوخ آیات پائی جاتی ہیں۔ تو کوئی دانشمند ان عقائد کے [illegible] اسلام کے قریب نہیں آ سکتا۔ اس صدی میں اسلام کو واقعی [illegible] شخص کی ضرورت تھی۔ جو اس کو تمام حشو و زوائد سے صاف کر کے دنیا کے سامنے پیش کرتا۔ اور پیروی اسلام سے حاصل ہونے والی معرفت اور قوت روحانی کے نشانات دنیا پر ظاہر کرتا جن کے مقابلہ سے دنیا بھر کے غیر اسلامی علماء عاجز آ جاتے۔ آپ نے فرمایا کہ دیار مغرب میں مجھے قریباً تیس برس تبلیغ اسلام کرتے ہوئے گذرے ہیں۔ یہ بات میرے ذاتی مشاہدہ اور تجربہ میں آ چکی ہے کہ ہماری جماعت جس انداز سے اسلام اہل مغرب کے سامنے پیش کرتی ہے۔ اس میں بہت بڑی کشش ہے۔ ہماری تبلیغ اور ہمارے لٹریچر سے اہل مغرب کی سوچ اور فکر میں نہایت خوش آئند انقلاب پیدا ہوا ہے۔ اور مغرب سے سورج کے طلوع ہونے کے آثار پیدا ہونے شروع ہو گئے ہیں۔

مولانا صاحب کی تقریر کے بعد بعض حضرات نے سوالات کئے۔ ایک سوال یہ ہوا کہ جناب مرزا صاحب کے علم الکلام کی خصوصیت کیا ہے۔ اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ حضرت مرزا صاحب نے اپنے استدلال کی بنیاد قرآن اور سنت کو بنایا ہے۔ آیات قرآنی کی تفسیر اور تعبیر آپ نے آیات قرآنی سے کی ہے اور بدلائل بتایا ہے کہ قرآن میں ناسخ منسوخ کا عقیدہ بعض کم فہمی کی بناء پر گھڑا گیا ہے۔ قرآن مجید میں کوئی آیت منسوخ نہیں اور نہ کوئی ناسخ ہے۔ اور قیامت تک اس کا ایک شوشہ تک منسوخ نہیں ہو سکتا۔ سنت رسول اللہ قرآن کریم کی مفسر اور خادم ہے۔ اسلام مرد و زن کے حقوق کا ہر دو کی فطری استعدادوں، قوتوں اور صلاحیتوں کے علی الرغم تعین کرتا ہے۔ اور ساری بنی نوع انسان میں بلا امتیاز نسل، قوم، رنگ اور زبان عالمگیر مساوات کا داعی ہے۔ اس لئے غلام اور لونڈیاں رکھنے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ اگر مڈل ایسٹ میں آج بھی بعض بادشاہوں کی حرم میں بلا نکاح اور بلا تعداد لونڈیاں رکھی جا رہی ہیں تو یہ سب کچھ اسلامی تعلیمات کے صریح منافی عمل کیا جا رہا ہے اور اس کا غیر اقوام پر بڑا بد اثر پڑ رہا ہے۔ قتل مرتد کے لئے قرآن کریم میں کوئی سند نہیں پائی جاتی۔ انبیاء بلا تخصیص عصمت کبریٰ کے مقام پر فائز ہوتے ہیں۔ اور اپنے ہر قول اور فعل میں معصوم عن الخطا ہوتے ہیں۔ نہ وہ کبھی جھوٹ بولتے ہیں نہ کوئی مذموم فعل کرتے ہیں۔ اسلام ایک زندہ حقیقت ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک زندہ نبی ہیں۔ کیونکہ آپ کی پیروی سے خداشناسی کا جوہر پیدا ہوتا ہے اور ہر جویائے حق، حق کو پا لیتا ہے۔ یہ کمال اور یہ طاقت اب کسی دوسرے نبی میں نہیں رہی۔ اور ساری بنی نوع انسان کے لئے تا قیامت آپ صلعم ایک روحانی [illegible] رہبر و راہنما ہیں۔

سوال ہوا۔ کہ جب اسلام دین کامل ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک سب کے ہادی و رہنما ہیں۔ تو پھر مرزا صاحب کو ماننے پر کیا دلیل ہے۔ قرآن شریف سے استدلال فرمائیں۔

مولانا طفیل صاحب نے فرمایا۔ حضرت مرزا صاحب کا ماننا ایمانیات میں شامل نہیں ہے۔ یعنی ہمارا جزوِ ایمان نہیں۔ لیکن خدا نے اسلام کی آبیاری کا ایک سلسلہ قائم فرمایا ہے جس کی خبر اس نے اپنے کلام پاک میں اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بذریعہ حدیث دی ہے۔ اور اسلامی تاریخ اس صداقت پر شاہد ناطق ہے۔ اس لئے اس الٰہی سلسلہ کا ساتھ دینے سے ایک مسلمان (اقرارٌ باللسان) سے گذر کر تصدیقٌ بالقلب کے بلند مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ سلسلہ مجددین و محدثین جن کا ظہور ہر صدی ہجری میں ہوتا رہا ہے [illegible] حدیث نبوی کی بنیاد پر ہی نہیں مانتے بلکہ قرآن مجید کی رُو سے مانتے [illegible] سورۃ نور میں آیت استخلاف پر غور فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا [illegible] مسلمانوں میں وہ لوگ جو ایمان کے ساتھ عمل صالح بجا لائے [illegible] سب کو اس زمین پر ضرور خلیفہ بنایا جائے گا۔ جس طرح ان لوگوں کو بنایا گیا جو اے مسلمانو! تم سے پہلے گذر چکے ہیں۔ خدا تعالےٰ نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن شریف میں مثیل موسےٰ قرار دیا ہے۔ اس لئے سلسلہ محمدی کو سلسلۂ موسوی سے مشابہت تامہ ہے جس طرح سلسلہ موسوی میں خلفاء پیدا ہوئے۔ اسی طرح کے خلفاء پیدا کرنے کا خدا تعالےٰ نے مسلمانوں کو وعدہ دیا ہے۔ سلسلۂ موسوی میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس میں بعض خلفاء بیک وقت نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی۔ پھر بعض صرف نبی تھے۔ اور بادشاہ نہیں تھے۔ اسی طرح خدا تعالےٰ نے سلسلہ محمدی میں پہلے چار خلفاء میں بادشاہت اور خصائص نبوت اکٹھی کر دیں۔ اور بعد میں روحانی خلفاء الگ کر دیئے اور بادشاہ الگ۔ یہ روحانی خلفاء مجددین و محدثین تھے۔ جنہوں نے خدا تعالےٰ کی تائید و نصرت سے اسلام کی ہر دور میں آبیاری کی اور پاسبان کے فرائض سر انجام دیئے۔ حضرت شیخ عبد القادر گیلانی، حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے اسمائے گرامی سے کون مسلمان واقف نہیں۔ حضرت مرزا صاحب بھی اسی روحانی سلسلہ کی ایک مضبوط کڑی تھے۔ جس طرح سلسلہ موسوی میں چودہویں صدی پر مسیح ابن مریم خلیفہ ہوئے۔ اسی طرح سلسلہ محمدی میں بھی چودہویں صدی میں خدا تعالیٰ نے ایک مسیح خلیفۃ الرسول بھیجا۔ تا دونوں سلسلوں میں مشابہت تامہ پیدا

ہو جائے ۔ جن حالات زمانہ میں مسیح ابن مریم پیدا ہوئے ۔ انہیں حالات میں حضرت مرزا صاحب پیدا ہوئے ۔ بنی اسرائیل انتہائی نکبت کی حالت میں تھے ۔ جب حضرت مسیح ناصریؑ نے ظہور فرمایا ۔ بعینہ اسلامیوں کی دنیا میں یہی حالت تھی ۔ جب حضرت مرزا صاحب خدا تعالے کی طرف سے عہدۂ مجددیت پر فائز کئے گئے ۔ [illegible] کا ہے کہ سلسلہ اپنی نبوت پر استدلال نہیں کیا ۔

جواب : اپنی نبوت پر استدلال ہرگز نہیں کیا ۔ بلکہ اپنے مامور من اللہ ہونے پر استدلال فرمایا ہے ۔ کفر و الحاد کے پُرآشوب دور میں خدا تعالے نے حضرت مرزا صاحب کے ذریعے اس قدر چہرہ نمائی فرمائی کہ زمین و آسمان روشن ہو گئے ۔ ان نشانات کا حوالہ دے کر آپ نے محض یہ بتانا چاہا کہ میں خدا تعالے کا مامور ہوں ۔ دعوی نبوت سے ہمیشہ آپ نے انکار فرمایا ہے ۔ آپ کی کسی کتاب سے دعویٰ نبوت پیش نہیں کیا جا سکتا البتہ ختم نبوت کے حق میں اس قدر لکھا اور کہا ہے کہ ایک دفتر بن جاتا ہے ۔

سوال : حدیث میں عیسیٰ ابن مریم کی دوبارہ آمد کے بارہ میں پیشگوئی پائی جاتی ہے ۔ مگر مرزا صاحب کہتے ہیں کہ میں وہی مسیح ابن مریم ہوں ۔ جس کا وعدہ دیا گیا ہے ۔ جو بالبداہت غلط معلوم ہوتا ہے ۔

جواب :۔ قرآن شریف کی رُو سے وفات مسیح ابن مریم ثابت ہے اسلام میں سب سے پہلے معتزلہ فرقہ پیدا ہوا ۔ جس نے عقل اور فکر اور فلسفہ کی بناء پر حیات مسیح کا انکار کیا ۔ اور اس انکار پر قائم رہنے کے لئے نزولِ ابن مریم سے متعلق تمام احادیث کو غلط قرار دیا ۔ مگر جمہور علماء و فقہاء اسلام نے پوری تحقیق اور تدقیق کے بعد ان احادیث سے انکار سُوءِ ادب یقین کیا ۔ احادیث کو صحیح مان کر انہوں نے قرآن مجید کی آیت یا عیسیٰ انی متوفیک و رافعک الیّ کے یہ معنے ایجاد کئے ۔ کہ توفا سے مراد پورا پورا لینے کے ہیں ۔ یعنے عیسےٰ کو پُورا پُورا لے کر خدا نے اپنی طرف اُٹھا لیا ۔ اور اب وہ الآن کما کان کی حالت میں پہلے آسمان پر تشریف فرما ہیں ۔ اور بمطابق حدیث نبویؐ وہ دنیا پر دوبارہ نزول فرمائیں گے ۔ اس پر بڑی مشکلات پیدا ہوئیں ۔ نزول ثانی میں سب سے بڑی روک خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا تھا ۔ دوسری مشکل یہ تھی کہ حضرت عیسےٰ رسولًا الیٰ بنی اسرائیل تھے ۔ ان مشکلات کے باعث توجیہات اور تاویلات کا ایک سلسلہ چل نکلا لیکن اُمتِ مسلمہ ہر طور نزول ابنِ مریم سے متعلق احادیث پر پُوری طرح چھچی ہوتی اور کسی نے [illegible] ان عقائد سے اپنے مذہب کی ابدی صداقت کی دلیل پکڑی اور مسلمان علماء کو لاجواب کر دیا ۔ اور بے شمار مسلمان گھرانے عیسائیت کی آغوش میں چلے گئے ۔ ایسے پُرآشوب وقت میں حضرت مرزا صاحب مامور کئے گئے آپ نے خدا سے علم پا کر اعلان فرمایا کہ قرآن کریم حضرت مسیح ابن مریم کی وفات کی خبر دیتا ہے ۔ چونکہ مسیح وفات پا چکے ہیں اور دوسرے انبیاء کی طرح داخل جنت ہو چکے ہیں اس لئے ان کے دوبارہ نزول کا اب سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ آپ نے مزید فرمایا کہ وفات مسیح ثابت ہو جانے سے عیسائیت کی موت ثابت ہو جاتی ہے ۔ اور کفارہ کا عقیدہ باطل پڑ جاتا ہے ۔ مسلمانوں کے لئے چونکہ آپ مہدی بن کر آئے تھے ۔ اس لئے آپ نے نزولِ ابن مریم کے بارے میں جس قدر متضاد تصوّرات عالم اسلام میں پائے جاتے تھے ان پر بطور حکم و عدل اپنا فیصلہ صادر فرمایا جو عین قرآن احادیث ، تاریخ اور عقل انسانی کے مطابق تھا ۔ آپ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور باب نبوت اب قیامت تک [illegible] پر تابع شریعت محمدی ہوں گے ۔ اور آپ کی اپنی نبوت معطل ہو جائے گی ۔ آپ نے فرمایا یہ تمام توجیہات کم فہمی سے پیدا ہوئی ہیں ۔ حسب آیت و ما ارسلنا رسولٍ الا لیطاع باذن اللہ ۔ حضرت مسیح ہرگز شریعت محمدی کے تابع نہیں ہو سکتے ۔ حضرت الیاس کے نزول ثانی پر یہودی ابھی تک بدستور جمے بیٹھے ہیں ۔ انہوں نے حضرت یحییٰ اور مسیح ناصری علیہ السلام کا محض اس لئے انکار کر دیا تھا کہ حضرت الیاس دوبارہ تشریف نہیں لائے اور جب تک وہ نہ آئیں ۔ مسیح اور "وہ" نبی نہیں آ سکتا ۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے حضرت الیاس کے نزول ثانی کی تاویل اور توجیہہ یہ کی کہ ایلیا جس نے آنا تھا وہ تو آ چکا اور وہ یوحنا ہے ۔ مگر یہودی آج تک اس توجیہہ کو قبول کرنے پر تیار نہیں ہوتے ۔ حضرت مرزا صاحب نے قرآن اور حدیث میں یوں مطابقت بیان فرمائی کہ مسیح ناصری فوت ہو چکے ہیں ۔ جس مسیح کے آنے کی خبر احادیث میں دی گئی ہے ۔ وہ اُمتِ محمدیہ کا ایک فرد ہے ۔ جو نبی نہیں بلکہ وہ حضرت مسیح کا ہمرنگ ہے ۔ خلق ، خلق اور زمانے کے لحاظ سے ۔ اسی کے ہاتھ سے کسر صلیب اور قتلِ خنزیر مقدر ہے ۔ واقعات پکار پکار کر شہادت دے رہے ہیں کہ واقعی حضرت مرزا صاحب کے ہاتھوں کسرِ صلیب ہوئی ہے اور خنازیر قتل ہوئے ہیں

مولانا طفیل صاحب کے بعد محترم مولانا محمد یحییٰ بٹ صاحب امام برلن مسجد تشریف لائے ۔ موصوف نے اپنی تقریر کا آغاز اس مقام سے کیا ۔ جہاں مولانا محمد طفیل صاحب کی تقریر ختم ہوئی ۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت مرزا صاحب نے دینِ اسلام کے تمام اصولوں کو مانا ہے اور ان کی فلاسفی کو نہایت مؤثر پیرایہ میں بیان فرمایا ہے ۔ اس فلاسفی اور طریق استدلال کا نتیجہ ہے کہ آپ کے شاگردوں کی علمی اور تبلیغی کاوشوں سے بہت سے یورپین حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہیں اور احرار یورپ کا مزاج مائل بہ اسلام ہوا ہے ۔ حضرت مرزا صاحب نے آمد مسیح کی پیشگوئی کو صحیح مان کر اس کی نہایت معقول تشریح اور توضیح فرمائی ہے ۔ اس تشریح و توضیح کی صداقت قرآن و حدیث ، عقل اور یہودی تاریخ کی رُو سے ثابت کی ہے ۔ حضرت الیاس کی آمد [illegible]

آپ نے فرمایا کہ حضرت مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ ہرگز نہیں کیا بلکہ مدعی نبوت پر لعنت بھیجی ہے ۔ آپ کے الہامات میں نبی اور رسول کے الفاظ ضرور پائے جاتے ہیں ۔ لیکن ان کا مفہوم وہی ہے جو صوفیا کرام نے بیان کیا ہوا ہے ۔ مثنوی مولانا روم میں امام اور مجدد کو نبی کہکے پکارا گیا ہے ۔ آپ فرماتے ہیں :۔

او نبی وقتِ خویش است اے مرید + تا از و نورِ نبی آید پدید !
مکر کن در کار نیکو خدمتے + تا نبوت یابی اندر اُمتے

س لئے حضرت مرزا صاحب کے کلام میں جہاں جہاں ایسے الفاظ آئے ہیں وہاں حضرت ممدوح کی پیش کردہ تشریحات کو مدنظر رکھنا چاہیئے یہ جاننا نہایت ضروری ہے کہ نبی کون ہوتا ہے ۔ از روئے قرآن کریم

نبی کی تعریف یہ ہے کہ

(۱) وہ خدا تعالیٰ سے براہ راست تعلق قائم کرے۔ اس تعلق باللہ میں کسی گذشتہ نبی کا عمل دخل نہ ہو۔

(۲) نبی مطاع ہوتا ہے کسی دوسرے نبی کا مطیع نہیں ہوتا۔

(۳) نئی کتاب لاتا ہے۔ یا پہلی کتاب شریعت میں خدا کی وحی سے کچھ رد و بدل کرتا ہے۔ نبی کی یہ تعریف حضرت مرزا صاحب پر صادق نہیں آتی۔ کیونکہ آپ نے بہ پیروی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالےٰ سے تعلق قائم کیا۔ آپ اُمتِ محمدیہ کے ایک فرد ہیں۔ اور تابع شریعت محمدی ہیں۔ آپ مطاع نہیں بلکہ مطیع ہیں۔ آپ نے قرآن شریف کی کسی آیت یا اس کے کسی حکم کو وحی الٰہی سے منسوخ نہیں کیا۔ حضرت مرزا صاحب نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء مانا ہے۔ اور صاف فرمایا ہے۔ کہ اب کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ جو قرآن کو منسوخ یا اس کی کسی تعلیم میں کوئی تبدیلی لا سکے۔ خدا تعالےٰ نے وحی نبوت پر ہمیشہ کے لئے مہر لگا دی ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے لغوی معنی کی رو سے لفظ نبی کو استعمال کیا ہے جیسے اصطلاح اسلام میں محدث اور ولی کہا جاتا ہے جزوی نبوت کی اصطلاح بمعنی رؤیا صالحہ ہے۔ اور اس کی بناء حضرت ختمی المرتبت صلعم کی حدیث ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے۔ کہ مومن کا رؤیائے صالحہ نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ رؤیا صالحہ کا شرف تو حضور صلعم کو قبل از بعثت بھی حاصل تھا۔ مگر اس کے باعث آپ نبی نہ ہوئے۔ بلکہ جب وحی نبوت آپ پر اتری تو آپ مرتبہ نبوت پر فائز ہوئے۔ اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو بچپن میں ہی رؤیا ہوا۔ کہ سورج چاند اور ستارے انہیں سجدہ کرتے۔ اور پھر کنوئیں میں بھی وحی ہوئی۔ حالانکہ ابھی بچے تھے۔ نبوت تو بہت بعد کی بات تھی۔ حضرت اُمّ موسیٰ، حضرت مریم صدیقہ اور حضرت مسیح کے حواریوں پر وحی ہوئی مگر ان میں سے کوئی نبی نہ ہوا۔ وحی نبوت بالکل الگ شئے ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے صاف لکھا ہے کہ وحی نبوت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ پر ختم ہو گئی۔ اس تحریر کے بعد آپ پر دعویٰ نبوت کے الزام کی کوئی بنیاد نہیں رہتی۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے مسیح کو نبی کہکر پکارا ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے۔ کہ وہ شریعت محمدیہ کا پابند ہوگا۔ یعنی اُمتی ہوگا۔ نبی اپنے حقیقی معنوں کی رُو سے کبھی اُمتی نہیں ہوتا۔ اس مشکل کا حل حضرت مرزا صاحب نے یوں فرمایا ہے۔ کہ محدث میں دونوں شانیں نبوت اور اُمتیت کی پائی جاتی ہیں۔ یعنی ایک ولی ایک پہلو سے نبی ہوتا ہے۔ اور دوسرے پہلو سے اُمتی۔ لیکن نبی میں صرف شانِ نبوت پائی جاتی ہے۔ وہ کسی کا اُمتی نہیں ہوتا۔

ان تشریحات سے حضرت مرزا صاحب کی پوزیشن واضح ہو جاتی ہے۔ محدثین کے قائل سب علماءِ اسلام ہیں۔ حضرت مرزا صاحب بھی زمرۂ اولیاء کے ایک فرد ہیں۔ اس سے کچھ بھی زیادہ نہیں ہیں۔

مولانا صاحب کی تقریر کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا۔ ایک صاحب نے سوال کیا۔ آنے والے مسیح کا نام حدیث میں ابنِ مریم رکھا گیا ہے۔ جناب مرزا صاحب ابنِ مریم کیونکر ٹھہرتے ہیں۔

جواب: مریم سے مراد وہ مریم نہیں۔ جو حضرت مسیح ناصریؑ کی ماں تھیں جس طرح آمدِ مسیح کی پیشگوئی سے مراد مثیلِ مسیح ہے۔ اسی طرح مریم سے مراد ایسا مومن ہے۔ جو مثیل مریم ہو۔ قرآن کریم نے مومنین کی مثال حضرت مریم سے دی ہے۔ حدیث میں ابنِ مریم سے مراد صفت مومن ہی ہے۔ نہ کہ حضرت عیسٰے ابنِ مریم۔ جو قرآن شریف کی رُو سے نبی تھے۔ اور رسولٍ الیٰ بنی اسرائیل تھے۔ اور جو فوت ہو چکے ہیں۔

نماز مغرب کا وقت قریب آ چکا تھا۔ اس لئے سوال و جواب کا سلسلہ زیادہ دیر تک نہ چل سکا۔ اور اجلاس کو ختم کرنا پڑا۔ اجلاس کے خاتمہ پر صدر جلسہ نے فرمایا۔ آج جس ماحول میں اور جس طریق سے گفتگو ہوئی ہے۔ اس سے دل بہت ہی خوش ہوا ہے۔ بین الفرقی اختلافات پر افہام و تفہیم کی اگر ایسی مہذب اور شستہ صورت اختیار کی جائے۔ تو بڑی نتیجہ خیز ہو سکتی ہے میں آج بہت متاثر ہوا ہوں۔ اور خواہش کرتا ہوں۔ کہ ایسے اجلاس گاہے ماہے آئندہ بھی ہوتے رہیں۔

نماز مغرب کے بعد تمام احباب کی پُر تکلف چائے سے تواضع کی گئی۔ اور رات کے ۸ بجے احباب خوش خوش اپنے گھروں کو لوٹے۔

## قدرتِ ثانیہ کا ظہور (بسلسلہ صفحہ ۹)

(بسلسلہ صفحہ ۹)

راستبازی اور ٹھیٹھ اسلامی دینداری کو عظیم دھچکا لگا۔ جب سیاست نیں (دخل اندازی) اور آمرانہ خلافت کی دنیا دارانہ شان و شوکت میں اسے تبدیل کر دیا گیا۔

یہی وجہ ہے کہ رؤیا میں آپؑ میاں محمود احمد کے ساتھ ایک انگریز کو دیکھتے ہیں "جو ہمارے گھر میں داخل ہو گیا" انگریز کا ساتھ ہونا اس امر کی علامت ہے کہ میاں محمود احمد کی قیادتِ جماعت انگریزوں کی حکومت کی مانند ایمانی اور اخلاقی اُصولوں پر قیام کی بجائے مادہ پرستی اور پھوٹ ڈالنے کی پالیسی اور سیاسی دخل اندازی پر قائم کی جائے گی۔ چنانچہ میاں محمود احمد صاحب نے اپنی آمرانہ پاپائیت کی خاطر کو بنا جماعت میں پھوٹ ڈال کر کی۔ یہ امر میں از روئے واقعات کسی دوسرے مضمون میں ثابت کر چکا ہوں کہ جماعت احمدیہ میں تفرقہ کی اصل وجہ میاں صاحب کا من مانا آمرانہ نظام قائم کرنا ہوا کیونکہ حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ کسی وقت نہ قیادت کے خواہاں ہوتے تھے۔ نہ ہی بغاوت کے مرتکب۔ جماعت میں جو تفرقہ پیدا کیا گیا اس کا تمامتر باعث میاں صاحب کی مطلق العنان قیادت اور آمرانہ پاپائیت کی ہی روش ہوئی ورنہ حضرت مولاناؒ اختلاف سے ماقبل اور اختلاف سے مابعد بھی میاں صاحب کی قیادت کو تسلیم کر کے ان کے ماتحت کام کرنے کو تیار تھے اور باہمی صلح و اتحاد کی متعدد بار مخلصانہ مساعی فرما چکے تھے۔

اب ان واقعات سے کون اور کب تک انکار کرتا چلا جائے گا کہ جماعت احمدیہ پر موجودہ مصائب مفصلہ ذیل وجوہ سے وارد ہوئیں:۔

۱۔ جماعت احمدیہ کے اتحاد کو قائم نہ رہنے دیا گیا۔

۲۔ جماعتی نظام کو ٹھیٹھ ایمانی و اخلاقی اقدار کے فروغ کی بجائے سیاسی مادہ پرستانہ رنگ دے دیا گیا۔ جہاں آمریت تشدد اور سیاسی مصالح کی بناء پر احکام صادر کئے جاتے ہیں نہ کہ انصاف و حق پرستی کے موافق۔

۳۔ خلاف شریعتِ اسلامیہ معتقدات، یعنی اجرائے نبوت اور تکفیر کلمہ گویاں کے فتاوے گھڑے گئے نیز اسلامی جمہوری نظام کے عین برعکس مطلق العنان پاپایانہ آمریت یا گدی و پیر پرستی کا اندھا جابرانہ نظام قائم کیا گیا۔ اس طرح مخالفوں کو حضرت اقدسؑ کی ذات سے عداوت و بغض کا پورا موقعہ فراہم کیا گیا۔

پس حضرت اقدسؑ کے متذکرہ بالا رؤیا اور الہام کو اگر موجودہ واقعات کی روشنی میں مطالعہ کیا جائے تو از روئے انصاف و حق پرستی اس امر میں قطعاً کوئی بھی شبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ ان کا صحیح انطباق آج کے واقعات پر ہو رہا ہے

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ــــــ مؤرخہ ۱۶؍ جون ۱۹۷۶ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ــــــ شمارہ نمبر ۲۴

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۳ | چہارشنبہ ۲۴ جمادی الثانی ۱۳۹۶ھ مطابق ۲۳ جون ۱۹۷۶ء | نمبر ۲۵

# ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

## خدا تعالےٰ کیا چاہتا ہے

اے سننے والو سنو!! کہ خدا تم سے کیا چاہتا ہے۔ بس یہی کہ تم اُسی کے ہو جاؤ۔ اُس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرو نہ آسمان میں نہ زمین میں۔ ہمارا خدا وہ خدا ہے جو اب بھی زندہ ہے جیسا کہ پہلے زندہ تھا۔ اور اب بھی وہ بولتا ہے جیسا کہ وہ پہلے بولتا تھا اور اب بھی سنتا ہے جیسا کہ پہلے سنتا تھا یہ خیال خام ہے کہ اس زمانہ میں وہ سنتا تو ہے مگر بولتا نہیں۔ بلکہ وہ سنتا ہے۔ اور بولتا بھی ہے۔ اس کی تمام صفات ازلی ابدی ہیں۔ کوئی صفت بھی معطل نہیں اور نہ کبھی ہوگی۔ وہ وہی واحد لاشریک ہے جس کا کوئی بیٹا نہیں اور جس کی کوئی بیوی نہیں وہ وہی بےمثل ہے جس کا کوئی ثانی نہیں اور جس کی طرح کوئی فرد کسی خاص صفت سے مخصوص نہیں اور جس کا کوئی ہمتا نہیں جس کا کوئی ہم صفات نہیں اور جس کی کوئی طاقت کم نہیں۔ وہ قریب ہے باوجود دور ہونے کے۔ اور دور ہے باوجود نزدیک ہونے کے۔ وہ تمثل کے طور پر اہل کشف پر اپنے تئیں ظاہر کر سکتا ہے۔ مگر اس کے لئے نہ کوئی جسم ہے نہ کوئی شکل ہے اور وہ سب سے اوپر ہے۔ مگر نہیں کہہ سکتے کہ اس کے نیچے کوئی اور بھی ہے اور وہ عرش پر ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ زمین پر نہیں۔ وہ مجمع ہے تمام صفات کاملہ کا۔ مظہر ہے تمام محامد حقہ کا اور سرچشمہ ہے تمام خوبیوں کا۔ اور جامع ہے تمام طاقتوں کا۔ اور مبدء ہے تمام فیضوں کا۔ اور مرجع ہے ہر ایک شئے کا۔ اور مالک ہے ہر ایک ملک کا۔ اور متصف ہے ہر ایک کمال سے۔ اور منزہ ہے ہر ایک عیب اور ضعف سے۔ اور مخصوص ہے اس امر میں کہ زمین والے اور آسمان والے اسی کی عبادت کریں۔ اور اس کے آگے کوئی بات بھی ان ہونی نہیں اور تمام روح اور ان کی طاقتیں اُسی کی پیدائش ہیں۔ اُس کے بغیر کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی۔ وہ اپنی طاقتوں اور قدرتوں اور نشانوں سے اپنے تئیں آپ ظاہر کرتا ہے۔ اور اس کو اسی کے ذریعہ ہم پا سکتے ہیں۔ اور وہ راستبازوں پر ہمیشہ اپنا وجود ظاہر کرتا رہتا ہے۔ اور اپنی قدرتیں ان کو دکھلاتا ہے۔ اسی سے وہ شناخت کیا جاتا ہے اور اسی سے اس کی پسندیدہ راہ شناخت کی جاتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے بغیر جسمانی آنکھوں کے۔ اور سنتا ہے بغیر جسمانی کانوں کے۔

اور بولتا ہے بغیر جسمانی زبان کے۔ اسی طرح نیستی سے ہستی کرنا اُس کا کام ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ خواب کے نظارہ میں بغیر کسی مادہ کے ایک عالم پیدا کر دیتا ہے۔ اور ہر ایک فانی اور معدوم کو موجود دکھلا دیتا ہے۔ پس اسی طرح اس کی تمام قدرتیں ہیں۔ نادان ہے وہ جو اس کی قدرتوں سے انکار کرے۔ اندھا ہے وہ جو اُس کی عمیق طاقتوں سے بے خبر ہے۔ وہ سب کچھ کرتا ہے اور کر سکتا ہے۔ بغیر ان امور کے جو اس کی شان کے مخالف ہیں یا اس کے مواعید کے برخلاف ہیں۔ اور وہ واحد ہے اپنی ذات میں اور افعال میں اور قدرتوں میں۔ اور اس تک پہنچنے کے لئے تمام دروازے بند ہیں۔ مگر ایک دروازہ جو فرقانِ مجید نے کھولا ہے اور تمام نبوتیں اور تمام کتابیں جو پہلے گذر چکیں۔ ان کی الگ طور پر پیروی کی حاجت نہیں۔ کیونکہ نبوتِ محمدیہ ان سب پر مشتمل اور حاوی ہے **اور بجز اس کے سب راہیں بند ہیں تمام سچائیاں جو خدا تک پہنچاتی ہیں۔ اسی کے اندر ہیں نہ اس کے بعد کوئی نئی سچائی آئے گی۔ اور نہ اس سے پہلے کوئی ایسی سچائی تھی۔ جو اس میں موجود نہیں۔ اس لئے اس نبوت پر تمام نبوتوں کا خاتمہ ہے۔**

(الوصیت)

ترجمہ: ـــــــ جناب فخرالدین احمد صاحب راولپنڈی

# سائنس کیا ہے؟

## ساتویں احمدیہ کنونشن منعقدہ آر اے سی ایس ہال ٹوٹنگ لندن میں مسز جلینٹ سلمہ وائیٹ کا مقالہ جو ۲۶/۵/۶۷ کو پڑھا گیا۔

کرسچن یونین کی ایک اشاعت میں مندرجہ ذیل مکالمہ شائع ہوا ہے ـ

### بائبل کی پہلی کتاب پیدائش

(بطرز جدید)

(وزیر اعظم اپنے دفتر میں بیٹھے کاغذات دیکھ رہے ہیں۔ دروازے پر دستک سنائی دیتی ہے۔)

"کون"؟ - وزیر اعظم دروازہ کھولتے ہوئے پوچھتے ہیں۔

"میں خدا ہوں"۔ اجنبی بولا۔

"تمہاری بات پر یقین نہیں آتا" وزیر اعظم ناک سکیڑتے ہوئے "خیر ـ کوئی معجزہ دکھاؤ" (خدا نے پیدائش کا معجزہ دکھایا)

"اہوں" وزیر اعظم نے لاپرواہی سے کہا:

"بھلا یہ بھی کوئی معجزہ ہے - میرے ملک کے سائنسدان تو امتحانی نلیوں میں پیدائش کے کامیاب تجربے کر رہے ہیں - بلکہ انہوں نے تو تخم تاثیر کا عقدہ بھی حل کر لیا ہے - ان کا مصنوعی توالد و تناسل تمہارے سست بنیاد نظام پیدائش سے کہیں زیادہ حتمی اور یقینی ہے چنانچہ ہماری تجربہ گاہوں میں مختلف النوع جنین سے اپنے من پسند وجود پیدا کئے جاتے ہیں ـ"

"چلو کوئی اور معجزہ دکھاؤ"۔

اور خدا کے حکم سے فضا تاریک ہو گئی اور اولے گرنے لگے۔

"واہ یہ کوئی معجزہ ہے" وزیر اعظم بولا۔

اس نے ٹیلیفون اٹھایا اور فضائی وزارت کو حکم دیا کہ ایک طیارہ بھیجا جائے جو بادلوں پر Chloride Crystals کے بلوری ٹکڑے بکھیرے۔

حکم کی دیر تھی محکمہ موسمیات کا طیارہ فضا میں پرواز کرنے لگا۔ اس کے چھڑکاؤ سے اولے گرنے بند ہو گئے۔ بادل پھٹ گئے اور دھوپ نکل آئی۔

"دیکھ لیا حضرت اپنا معجزہ"۔ وزیر اعظم نے کہا چلئے - کوئی اور معجزہ پیش کیجئے۔

خدا نے اشارہ کیا اور زمین پر مینڈک برسنے لگے۔

وزیر اعظم نے فون اٹھایا اور وزارت زراعت و ماہی گیری کو حکم دیا "فی الفور غوک کشی کا بندوبست کیا جاوے"

حکم کی دیر تھی۔ آناً فاناً مینڈک نیست و نابود ہو گئے۔ عوام نے اس مصیبت سے چھٹکارا پانے پر وزیر اعظم زندہ باد!! کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ اور اس کی عوام دوستی کی یاد میں اپنی تجربہ گاہوں کے نام بدل کر اس کے نام پر رکھ دیئے۔

وزیر اعظم نے اینٹھتے ہوئے کہا "ہے کوئی اور معجزہ"

خدا نے حکم دیا اور سمندر پاٹ گئے۔

وزیر اعظم نے ٹیلی فون اٹھایا اور قطبین سے براہ راست رابطہ قائم کیا۔ اور آبدوزی کے مرکز کو حکم دیا۔ دور دور مار کرنے والے میزائل چھوڑ دیئے جائیں جو منجمد شمالی میں برف کو پگھلا دیں - حکم ملتے ہی میزائل حرکت میں آ گئے۔ برف پگھل کر پانی بنتی گئی اور سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگے۔

"میں اس ہستی کو نیستی میں بدلنے پر قادر ہوں - نسل انسانی کو مٹا دونگا"۔

"یہ بے حقیقت بات ہے - جناب والا"۔ وزیر اعظم بولا - "ملاحظہ کیجئے"۔ اپنی میز پر لگے ہوئے ایک بٹن کو وزیر اعظم نے دبایا - چشم زدن میں میزائل بجلی کے کوندے کی طرح اپنے اڈوں سے طے شدہ ٹھکانوں کی طرف بڑھنے لگے - ہائیڈروجن بموں نے دھما چوکڑی مچا دی۔ اور تابکاری کے اثرات سے جاندار ہلاک ہونے لگے - موت کا سایہ پھیلنے لگا۔

"میں مُردوں کو جلا سکتا ہوں"۔ خدا نے کہا۔

وزیر اعظم نے اپنے گتے کے تابوت کا ڈھکنا اٹھایا اور گڑگڑا کر کہا۔

"للہ مجھے پھر سے زندگی بخش دو اور لوٹ کر دنیا میں جانے دو"۔

"کیوں تم کون ہو"؟ خدا نے کہا اور تابوت کا ڈھکنا بند کر دیا۔

### خواتین و حضرات۔

سائنس کیا ہے اور اس کی غرض و غایت کیا ہے - اس مجلس میں اس موضوع پر کچھ کہنا ہے - سائنس نام ہے عناصر اربعہ کی موزوں موافقت سے تجربات اور مشاہدات کا۔ انسان مخلوق ہے۔ خالق تو نہیں - البتہ اس کائنات میں پائے جانے والے عناصر کی مناسب ترکیب و تحلیل کر سکتا ہے - سائنس کی کوئی دریافت نہیں بلکہ ابتدائے آفرینش سے چلی آتی ہے - ابنائے آدم عناصر اربعہ کو رام کرنے کی کوشش کرتے چلے آئے ہیں۔ آگ دریافت ہوئی تو اس کے فوائد مشاہدے میں آئے۔ پونجی اور پہیئے سے کام لیا جانے لگا۔ فلاحت اور زراعت میں نئی نئی چیزیں استعمال ہونے لگیں۔ تن ڈھانکنے کے لئے جانوروں کی کھال سے بتدریج اون - سوت اور ریشم سے کام لیا جانے لگا۔ غاروں اور درختوں کے تنوں میں رہنے والے گھاس پھونس کے جھونپڑوں سے اینٹ گارے کے مکانوں میں رہنے لگے جو بڑھتے بڑھتے فلک بوس اور کثیر المنزل عمارتوں میں بدل گئے - باد و باراں کی تسخیر سے پن چکی پن بجلی اور آبپاشی کے نئے نئے وسائل دریافت ہوئے - الغرض سائنس کی یہ کہانی بڑی طویل اور دلچسپ ہے۔ اس کی نشو و نما سے مخلوق خدا کی بھلائی اور خدمت خلق کے نئے افق ابھرے - ان حقیقتوں کے موُرخ کے پھیلنے سے بعض فرسودہ اور لا یعنی اوہام ماند پڑ گئے توہم پرستی کی بنیادیں ہل گئیں - سائنس نے پچھلے ڈیڑھ سو سال میں اساطیر الاولین کا جس طرح ابطال کیا ہے وہی ہمارا موضوع سخن ہے۔

صنعتی انقلاب اور مشینی آلات نے ہماری معیشت پر جو کاری ضرب لگائی تھی اس کے زخم ابھی تازہ ہی تھے کہ ہمیں علم الحیات کے نئے انکشافات - خلا نوردی کے نئے تجربات اور طبی دنیا کے نئے مشاہدات نے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ تخلیق کائنات کی غرض و غایت کیا ہے؟ حیات مستعار کا مقصد و منشاء کیا ہے؟ سائنس کی غرض کیا ہے - اس نقد و نظر سے پہلے یہ مسلمہ حقیقت نظر انداز نہیں کی جا سکتی - کہ پچھلی صدی میں جو ترقی ہوئی ہے وہ مادی ترقی تھی جس نے ہماری اخلاقیات اور روحانیات پر کوئی اثر نہیں ڈالا - ان ایجادات اور انکشافات نے بلاشبہ بنی نوع انسان کو آرام و آسائش - تنعم اور عیش و عشرت کے زیادہ مواقع فراہم کئے ہیں - مگر ساتھ ہی ہلاکت آفرینی کے نئے نئے سامان بھی مہیا کئے ہیں کچھ ایجادات اور اختراعات ایسی بھی ہیں جو انسان کے لئے نہ مفید ہیں نہ مضر البتہ انہوں نے ہمیں نئے مسائل میں الجھا دیا ہے - بفضل تعالےٰ ہم دین فطرت کے پیروکار ہیں اس لئے ہم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم حسن و قبح - نیک و بد خیر و شر میں تمیز کریں - اور جو انکشافات جدیدہ نسل انسانی کی فلاح و بہبود کی ضمانت دیں ان کی حوصلہ افزائی کریں اور جو مزید رساں اور مخرب اخلاق ہوں ان کی کھل کر مذمت کریں - سائنسی دور کے امتداد کے ساتھ ساتھ کہا جا رہا ہے کہ ابنائے آدم اب قدیم جہالت کی تاریکیوں سے نکل آئے ہیں - اور ترقی کی راہوں پر رواں دواں ہیں - مگر ان ظلمتوں سے نجات کس آفتاب عالم تاب کی مرہون منت ہے اور یہ چشمہ ہدایت کون ثابت ہوا - ! تاریخ انسانی گواہ ہے کہ ضلالت سے نکال کر ہدایت کا رستہ دکھانے

(باقی بر صفحہ ۹ کالم ۲)

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مورخہ ۲۳ جون ۱۹۷۶ء

# "انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے نہ کہ فردِ واحد"

ہمارے ہفت روزہ "پیغام صلح" کا نام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس مختصر سے رسالہ کے نام پر ہے جو آپ نے اپنی وفات سے چند روز قبل "پیغام صلح" کے نام سے دُنیا کے مختلف مذاہب کے پیرؤوں کو آپس میں امن صلح اور آشتی سے رہنے کا پیغام دینے اور انہیں اس بات کی طرف خاص طور پر توجہ دلانے کے لئے شائع کیا کہ ایسا امن اور صلح اسی وقت ممکن ہو سکتی ہے جب سارے مذاہب کے پیرو ہر بانیٔ مذہب کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھنے اور اپنی تحریر و تقریر میں کبھی ایسے تحقیر آمیز اور گستاخانہ الفاظ استعمال نہ کرنے کا عہد کر لیں جن سے کسی دوسرے مذہب کے پیرؤوں کی دلآزاری اور دلشکنی ہوتی ہو۔ اس سے ایک دوسرے کے قریب آنے دوسرے کے مذہبی عقائد کو جاننے۔ ان پر غور و تحقیق کرنے اور ان کی صداقت کی تہ تک پہنچنے میں مدد ملے گی اور انصاف پسند لوگوں کے لئے حق و باطل میں تمیز کرنا آسان ہو جائے گا۔

ہم پُورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے ہفت روزہ نے ہمیشہ اپنے نام کی لاج رکھنے کی حتی المقدور کوشش کی ہے۔ اپنے امام کی بتائی ہوئی پالیسی سے ساری عُمر سرمُو انحراف نہیں کیا اور اپنے ارد گرد بھڑکی ہوئی تفرقوں کی آگ کو اپنے دامن سے ہَوا دینے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ اس نے ہمیشہ آپس میں الفت اور پیار و محبت کی فضا پیدا کرنے میں ممد و معاون ہونے کی سعی کی ہے۔ اپنے ہی بھائیوں کے زہر میں بجھے ہوئے ایسے جملے سُن کر بھی کہ "پیغامی جہنم کی چلتی پھرتی آگ ہیں" اپنے صفحات کو جذبۂ انتقام سے آلودہ ہونے سے بچائے رکھا۔ کیونکہ اس نے ذاتیات کے لئے اصُولوں کا خون کبھی نہیں ہونے دیا۔ مگر جہاں اصولوں کی حفاظت کا سوال پیدا ہوا ہے تو اس پر اس نے کبھی سمجھوتہ نہیں کیا۔

اس تمہید کی ضرورت ہمیں اس لئے پیش آئی ہے کہ معاصر "الفضل" نے ۲۵ مئی ۱۹۷۶ء کو "خلافت نمبر" شائع کیا ہے جس میں حضرت مجدد زمان کی کتاب "الوصیت" سے اور جماعت ربوہ کے خلیفۂ ثانی جناب میاں بشیر الدین محمود احمدؓ صاحب مرحوم کی تحریرات سے کچھ متعلقہ اقتباسات پیش کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد قیام و استحکام خلافت کے متنازعہ فیہ مسئلہ پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جماعتِ احمدیہ لاہور کی طرف سے ایسا بے شمار لٹریچر شائع کیا جا چکا ہے جس میں اس مسئلہ کا کوئی پہلو تشنہ نہیں رہنے دیا گیا۔ اس لئے اب اس پر ہمارا کچھ کہنا یا لکھنا زیادہ مفید مطلب نہ ہوگا لیکن ہمیں یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے کہ جس آیت استخلاف کو حضرت مرزا صاحب اپنے دعوےٰ مسیحیت پر بطور دلیل پیش کرتے ہیں اسی آیت سے جناب میاں محمود احمد صاحب آپ کے بعد قیام خلافت پر استدلال کرتے ہیں۔ اس طرح سوچنے اور فکر کرنے والے ذہنوں میں اس اُلجھن کا پیدا ہونا ضروری ہے کہ نعوذ باللہ باپ غلط ہے یا بیٹا یہ آیت ان میں سے کسی ایک کے دعوےٰ کے حق میں ہی دلیل ٹھہرائی جا سکتی ہے نہ کہ دونوں کے حق میں۔ ہم نے حضرت مرزا صاحب کو مجدد۔ مہدی اور مسیح موعودؑ تسلیم کیا ہے۔ آپ کو مامور من اللہ مانتے ہوئے ہم کسی طرح آپ کی شان میں یہ کہنے کی گستاخی نہیں کر سکتے کہ آیت استخلاف کو اپنے اُوپر چسپاں کرنے میں آپ کو دھوکا لگا ہے کیونکہ یہ آیت آپ کے بعد آنے والوں کے لئے قرآن کریم میں اُتری تھی۔ ہمارا یقین اور ایمان ہے کہ اگر حضرت مسیح موعودؑ اپنے مسیحیت میں صادق ٹھہرتے ہیں تو اسی آیت کی رُو سے ورنہ نہیں اور اسی لئے آپ نے اپنی کتاب شہادت القرآن میں منجملہ اور آیات کے اس آیت کو اپنے حق میں بطور قرآنی شہادت پیش کیا ہے۔

ہم بڑی معذرت کے ساتھ اپنے جماعتِ ربوہ کے انصاف پسند اور غور و فکر کرنے والے ایسے وسیع القلب نوجوان بھائیوں کی خدمت میں جن کی اس جماعت میں کمی نہیں یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتے ہیں کہ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب "شہادت القرآن" اگر فرصت ہو تو پُوری کی پُوری اگر نہیں تو اس کے صفحات ۲۲ تا ۲۵ اور ۵۷ تا ۶۲ پڑھ کر آپ ہی کسی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کریں کہ حق و صداقت کہاں ہے اور اسے چھوڑ دینے سے جماعتِ احمدیہ کیسے کیسے صدمات اور حادثات سے کئی بار دو چار ہوئی ہے۔ (یہ صفحات اس طبع اوّل کے ہیں جو ۱۸۹۳ء میں شائع ہوئی)

ہم بڑے اختصار سے آپ کے سامنے یہ حقائق پیش کر دیتے ہیں۔ حضرت صاحب اپنے دعویٰ کے ثبوت میں سب سے پہلے سورۃ المزمل کی یہ آیت پیش کرتے ہیں :۔

انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولاً ؂

یعنی ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا ہے جو تم پر گواہ ہے جس طرح ہم نے فرعون کی طرف رسُول بھیجا۔

اور فرماتے ہیں :۔

"اب ظاہر ہے کہ کما کے لفظ سے یہ اشارہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مثیلِ موسےٰ ہیں۔ چنانچہ توریت باب استثنا میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیلِ موسےٰ لکھا ہے اور ظاہر ہے کہ مماثلت سے مراد مماثلتِ تامہ ہے نہ ناقصہ"۔

اسی مماثلت کو آگے بڑھانے کے لئے آپ ایک دوسری آیت ولقد اٰتینا موسی الکتاب و قفینا من بعدہٖ بالرسل (۲-۸۷) کا حوالہ دیتے ہیں کہ :۔

"ہم نے موسےٰ کو کتاب دی اور بہت سے رسل اسکے پیچھے آئے"

شہادت القرآن کے ص۲۳ پر اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :۔

"رسل سے مراد مرسل ہیں خواہ وہ رسُول ہوں یا نبی ہوں یا محدث ہوں۔ چونکہ ہمارے سید و رسول صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور بعد آنحضرت صلعم کوئی نبی نہیں آ سکتا اس لئے اس شریعت میں نبی کے قائم مقام محدث رکھے گئے"۔

جس پر یہ حدیث مجدد اور علماء اُمتی کانبیاءِ بنی اسرائیل گواہ ہے۔

چونکہ حضرت موسےٰ آنحضرت صلعم کے مثیل ہیں اور ان میں مماثلت تامہ ہے اس لئے جو سلسلہ حضرت موسےٰ کے بعد قائم ہوا اور وہ پے در پے انبیاء کا سلسلہ تھا اسی طرح اس مماثلت کو اپنے کمال تک پہنچانے کے لئے آنحضرت صلعم کے بعد بھی کوئی ایسا سلسلہ قائم ہونا ضروری تھا۔ اس سلسلہ کے قیام کے متعلق حضرت صاحب آیت استخلاف سے دلیل لیتے ہیں۔ یہ آیت یوں ہے :۔

وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصٰلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ...... لا یشرکون بی شیئاً۔

"یعنی خدا نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کئے یہ وعدہ کیا ہے کہ البتہ انہیں زمین میں اسی طرح خلیفہ کرے گا جیسا کہ ان لوگوں کو کیا جو ان سے پہلے گذر گئے..... میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے"۔

اس کی تشریح کے طور پر شہادت القرآن کے ص۵۸ پر فرماتے ہیں :۔

"دوسری مماثلت تامہ کاملہ استخلاف محمدی کی استخلاف موسوی سے

مسیح موعود کا آنا ضروری ٹھہراتی ہے جیسا کہ آیت متذکرہ ذیل سے مفہوم ہوتا ہے۔ (یہ آیت ہم نے اوپر لکھدی ہے) یعنی (یہ صاف بتلا رہی ہے کہ ایک مجدد حضرت مسیح کے نام پر چودھویں صدی میں آنا ضروری ہے کیونکہ امر استخلاف محمدی امر استخلاف موسوی سے اسی حالت میں اکمل اور مشابہت پیدا کر سکتا ہے جبکہ اول زمانہ اور آخری زمانہ باہم نہایت درجہ کی مشابہت رکھتے ہوں۔"

**مختصر** یہ کہ آنحضرت صلعم حضرت موسےٰ کے مثیل ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد پے درپے نبی آئے اور آپؑ کے بعد چودھویں صدی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے۔ اس سلسلۂ موسوی کو سلسلۂ محمدی سے مماثلت ہونا بھی لازمی ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلعم کے بعد آپؐ ہی کے ارشاد کے مطابق ہر صدی میں ایک مجدد آتا رہا اور چودھویں صدی میں حضرت مرزا صاحب بطور مجدد مبعوث ہوئے۔ اس لئے آپ کو سلسلہ موسوی کے آخری خلیفہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے مماثلت ہونی چاہیئے اس وجہ سے آیت استخلاف مندرجہ بالا کے تحت آپ مثیل مسیح یا مسیح موعود کہلائے۔ اور اسی بنا پر آپ نے یہ دعویٰ کیا۔

ہم حیران ہیں کہ شہادت القرآن کی اس واضح شہادت کے بعد جناب میاں صاحب کو یہ حق کس طرح پہنچتا ہے کہ آیت مذکورہ کو وہ حضرت صاحب کے بعد آنے والوں پہ چسپاں کریں اور اس طرح نظام خلافت کے اجراء کے لئے جواز نکالیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ سلسلہ موسوی کے آخری نبی یا خلیفہ حضرت عیسےٰ کے بعد کسی قسم کا نظام خلافت شروع ہونے کی ہمیں کوئی تاریخی شہادت نہیں ملتی۔ تو مسیح محمدی کے بعد جو خود خلیفہ ہے خلافت کیسی؟ حضرت صاحب کا یہ شعر بھی اسی پہ دلالت کرتا ہے۔

منم مسیح ببانگِ بلند مے گویم
منم خلیفۂ شاہے کہ بر سما باشد

**ہم** اسی سلسلہ میں ضمناً دو تین اور قابلِ غور باتیں بھی عرض کرنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ ہم نے یہ پڑھا اور سُنا ہے کہ حضرت صاحب نے اپنی جماعت کا نام جماعتِ احمدیہ تجویز کرنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ یہ نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالی نام احمد پر رکھا گیا ہے۔ اور اسم احمد کی تمام تر جمالی صفات کا ظہور مکہ میں ہوا۔ اس لئے مکہ میں مکہ فتح ہونے کے بعد بھی خلافت قائم نہ ہوئی۔ حضرت صاحب نے بھی فرمایا ہے کہ "ہم مکہ میں مریں گے یا مدینہ میں"۔ اس لئے قادیان کو اگر لوگ تشبیہ اور استعارہ کے رنگ میں مکہ تصور کرتے ہیں تو قادیان میں خلافت قائم نہیں ہو سکتی۔ اس کے برعکس آپ کا وصال لاہور میں ہوا جو اسی وجہ سے "مدینۃ المسیح" کہلاتا ہے۔ آنحضرت صلعم کے وصال کے بعد خلافت مدینہ میں قائم ہوئی۔ اس نسبت سے مسیح محمدی کی خلافت لاہور میں قائم ہونی چاہیئے جو آپ کی منشاء کے عین مطابق ۱۹۱۴ء میں "احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور" کے نام سے قائم ہوئی جیسا کہ آپ نے ضمیمہ متعلقہ رسالہ الوصیت کے پیرا نمبر ۱۳ میں ارشاد کیا ہے کہ :-

"چونکہ انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے (خلیفہ کا لفظ نہیں لکھا) اس لئے انجمن کو دنیا داری کے رنگوں سے بکلی پاک رہنا ہوگا اور اس کے تمام معاملات نہایت صاف اور انصاف پر مبنی ہونے چاہئیں"

**خلافت** کے قیام پر دوسری دلیل "الوصیت" سے لی گئی ہے۔ جناب چوہدری محمد شریف صاحب فاضل ربوہ نے "خلافت علیٰ منہاج النبوۃ" کے ذیلی عنوان کے تحت "الوصیت" سے ایک طویل اقتباس پیش کیا ہے جس کی آخری سطور ان الفاظ میں ہیں :

"میں خدا کی طرف سے ایک قدرت کے رنگ میں ظاہر ہوا اور میں خدا کی ایک مجسم قدرت ہوں اور میرے بعد بعض اور وجود ہونگے جو دوسری قدرت کا مظہر ہوں گے"

اس "دوسری قدرت" یا "قدرت ثانی" سے مراد وہ خلافت لیتے ہیں۔ حالانکہ "وجود ہوں گے" کے الفاظ صاف طور پر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ایک نہیں بلکہ ایک سے زیادہ ہوں گے اور نہ ہی خود حضرت صاحب نے یہ الفاظ یہاں لکھے ہیں کہ "میرے بعد خلیفہ ہوں گے"۔ ہمیں تعجب ہے کہ ان الفاظ سے کونسے قاعدہ اور قانون کی رُو سے خلافت کے معنی اخذ کر لئے ہیں۔

اسی رسالہ (الوصیت) کے صفحہ ۱۴ پر فرماتے ہیں:-

"اور جب تک کوئی خدا سے روح القدس پا کر کھڑا نہ ہو سب میرے بعد مل کر کام کرو"۔

یہاں بھی مل کر کام کرنے کی وصیت ہے اور کسی ایک شخص کو خلیفہ یا اپنا جانشین بنانے کی خواہش کا اظہار نہیں فرمایا۔

جیسا کہ ہم اوپر حوالہ دے چکے ہیں ضمیمہ متعلقہ رسالہ الوصیت میں صفحہ نمبر ۵ پر پیرا نمبر ۱۳ میں فرماتے ہیں :-

"چونکہ انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے اس لئے اس انجمن کو دنیاداری کے رنگوں سے بکلی پاک رہنا ہوگا اور اس کے تمام معاملات نہایت صاف اور انصاف پر مبنی ہونے چاہئیں"

اس سے زیادہ اور کونسے واضح الفاظ میں آپ اپنے بعد شخص واحد کو خلیفہ مقرر کرنے سے منع فرما سکتے تھے۔ جناب میاں محمود احمد صاحب بھی خلیفہ کے معنی "جانشین" لیتے ہیں۔ اور یہاں لفظ "جانشین" ہے یعنی خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی خلیفہ انجمن ہوگی نہ کہ فردِ واحد۔

"خلافتِ احمدیہ" کے صفحہ ۲۴ پر جناب میاں صاحب آیت استخلاف کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

اب اگر پہلی اُمتوں میں نبیوں کے بعد انجمنیں خلیفہ بنتی تھیں تو اب بھی انجمن ہی خلیفہ ہوگی اور اگر پہلی قوموں میں شخص واحد نبی کا قائم مقام (خلیفہ) ہوتا رہا ہے تو اب بھی شخص واحد ہی قائم مقام ہوگا"

حضرت صاحب کی تحریر مندرجہ بالا اور اس تحریر کو بالمقابل رکھ کر دیکھ لیجئے اور فیصلہ کر لیجئے کہ کون درست کہتا ہے حضرت صاحب یا میاں صاحب۔ اس تحریر سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ حضرت صاحب ویسے ہی نبی تھے جیسے پہلے انبیاء۔ اور جناب میاں صاحب اور ان کی جماعت کا یہی عقیدہ رہا ہے اور اب بھی ہے۔ اس کے لئے استدلال کے طور پر میاں صاحب کو یہ کہنا پڑا کہ حضرت صاحب نے ۱۹۰۱ء کے بعد نبوت کا دعوےٰ کیا اور پھر فرمایا ۱۹۰۲ء کے بعد۔ ہم ۱۹۰۰ء ہی سے لیتے ہیں اور آگے چلتے ہیں۔ حضرت صاحب نے اپنی صداقت کے لئے سورۃ الحاقہ کی آیات ۴۴ تا ۴۶ وَلَوْ تَقَوَّلَ - الخ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ پیش کی ہیں۔ اور فرمایا ہے کہ اس کے لئے ۲۳ سال کی میعاد ہے۔ جھوٹا اپنے دعوے کے بعد ۲۳ سال تک زندہ نہیں رہ سکتا ورنہ قرآن کریم کا یعنی اللہ تعالےٰ کا یہ قول صادق نہیں ٹھہرتا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ خود حضرت صاحب ۱۹۰۸ء میں فوت ہو جاتے ہیں کیا جناب میاں صاحب اور ان کی جماعت کے نزدیک حضرت صاحب بقول ان کے نبوت کے اس دعوےٰ میں صادق ٹھہرتے ہیں اور آیت قطع الوتین کے ماتحت نہیں آتے۔ لیکن اگر یہ مدت ۱۸۸۵ء سے جب آپ نے مجدد ہونے کا دعوےٰ کیا شمار کی جائے تو یہ تقریباً ۲۴ سال کا عرصہ بنتا ہے۔ انصاف سے کہئے اب دعویٰ مجددیت صحیح ہے یا دعویٰ نبوت۔ اگر آپ کا دل یہ تسلیم کرے کہ دعویٰ مجددیت صحیح ہے تو پھر جناب میاں صاحب کا مذکورہ بالا طرزِ استدلال حق و صداقت سے کوسوں دُور ہے۔ شخصِ واحد خلیفہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔

مکرم جناب نصیر احمد فاروقی صاحب،

# کسرِ صلیب کا ایک اور ثبوت

نوٹ: اس مضمون میں جہاں عیسائیوں کا ذکر ہے تو روئے سخن یورپ اور امریکہ کے عیسائیوں کی طرف ہے۔

قرآنِ پاک میں یاجوج اور ماجوج کے خروج اور دنیا پہ چھا جانے کی پیشگوئی کی گئی ہے۔ احادیث نبویؐ میں ان اقوام کی مذہبی کارروائیوں کو فتنہ دجال کے نام سے پکارا گیا ہے۔ مخبرِ صادق صلعم نے اس فتنہ کو ابتدائے آفرینش سے تا قیامت سب سے خطرناک فتنہ فرمایا ہے۔ اور کیا سچ فرمایا کیونکہ عیسائی اقوام نے اپنے سیاسی غلبہ کو پائیدار بنانے کے لئے دنیا بھر کو عیسائی کرنا چاہا۔ انہیں صرف ایک مذہب میں جان نظر آئی کہ وہ مقابلہ کر سکے۔ اور اس لئے اسے فنا کرنے کے لئے اسلام پر قرآنِ پاک پر اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک پر بدترین بہتان باندھے اور گندے حملے کئے۔ اپنے سیاسی غلبہ اور مادی ذرائع کو اپنے عقائد کی نامعقولیت پر بطور ملمع استعمال کرکے کروڑہا انسانوں کو گمراہ کیا۔ مگر یورپ اور امریکہ میں علمی اور سائنس کی ترقیات نے جو معقولیت کو عام کیا تو عیسائیت کے نامعقول عقائد اس کی تاب نہ لا سکے۔ سائنس کے وقتی انکشافات سے متاثر ہو کر یہ لوگ دہریت اور مادہ پرستی میں اُلجھ کر رہ گئے۔ مگر خود تو ڈوبے تھے اپنے سیاسی غلبہ و ترقیات کی وجہ سے ساری دنیا کے ایمان پر ہاتھ صاف کیا۔ دولت پرستی سے پہلے تو سرمایہ داری کو عام کیا۔ پھر خود اس کے ردِ عمل میں اشتراکیت کے جن کو جنم دیا جس نے مادہ پرستی اور دہریت کی پیدا کردہ فضا کا فائدہ اٹھا کر دنیا بھر میں اکثر غرباء کو خدا سے منحرف کر دیا۔ بلکہ حال میں تو دنیا بھر میں مشتہر کیا کہ اگر خدا کبھی تھا بھی تو اب وہ نعوذ باللہ مر گیا ہے۔ جن کا خدا کا تصور مسیح ابن مریم جیسے عاجز انسان کا تھا جو بقول انکے صلیب پر مر گیا ان کے خدا باپ کا مر جانا بھی کوئی تعجب کی بات نہیں۔

خدا پرستی کی جگہ ہوا و ہوس پرستی۔ دنیا پرستی۔ دولت پرستی۔ شہوت پرستی۔ عریانی و فواحش اور اخلاقی گندگیاں یہاں تک کہ اب خلافِ فطرت افعال کو قانوناً جائز قرار دیکر اور کھلم کھلا کرکے دنیا کو تباہی اور آگ کے گڑھے کی طرف یہ اقوام لے جا رہی ہیں۔ نسلِ انسانی کی تاریخ میں ایسی گمراہی اور گمراہ کن کارروائیوں کی نظیر نہیں ملتی۔ اس لئے اگر مخبر صادق صلعم نے اسے نسلِ انسانی کا سب سے بڑا فتنہ بتایا تو نہایت صحیح فرمایا۔

## مسیح موعود

یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ یاجوج اور ماجوج اور دجال کے متعلق سینکڑوں پیشگوئیاں تو من وعن پوری ہو جائیں مگر ان کے ساتھ جو پیشگوئیاں لازم و ملزوم کے طور پر تھیں یعنے مسیح ابنِ مریم کا اسی زمانہ میں آنا، اسلام کی مدافعت کرنا اور ان فتنوں کا مقابلہ کرنا، وہ پوری نہ ہوتیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں صاف لکھا ہے کہ وہ مسلمانوں میں سے ان کا ایک امام ہوگا۔ قرآن پاک کی آیت خاتم النبیین اور تیس اور آیات مقدسہ جو وفاتِ مسیحؑ ناصری کو ثابت کرتی ہیں وہ بھی یہی ظاہر کرتی ہیں کہ مسیح ابنِ مریم کا دوبارہ آنا مماثلت کے رنگ میں ہوگا نہ کہ اصل مسیح کے آنے کے رنگ میں۔

احادیث کے بعض آئمہ نے پہلے سے ہی چودھویں صدی کے مجدد کو مسیح ابنِ مریم کا مصداق بتایا تھا۔ چودھویں صدی آئی اور ختم بھی ہونے لگی۔ سوائے حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے نہ تو کسی نے اس صدی کا مجدد ہونے کا دعویٰ کیا نہ مسیح موعود ہونے کا۔

## کسرِ صلیب

مسیح موعود کا سب سے اہم کام حدیث نبویؐ میں کسرِ صلیب فرمایا گیا ہے۔ اب یہ ظاہری معنوں میں تو ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اگر لکڑی کی صلیبوں کو توڑنا تھا تو یہ کام کسی ترکھان کے لئے زیادہ موزون تھا دھات کی صلیبوں کو پگھلانا تھا تو لوہار کو آنا چاہیئے تھا۔ اور نہ کسی کی مذہبی نشانی کو جسمانی رنگ میں توڑ دینے سے اس مذہب کا ابطال ہوتا ہے بلکہ یہ کچھ اچھے اخلاق میں سے نہیں، کہ کوئی مہذب انسان اسے پسند نہیں کرتا۔ قرآن پاک و احادیث نبویؐ اس قسم کے جبر و اکراہ کے صریحاً خلاف ہیں۔

تو کسرِ صلیب صرف اسی رنگ میں ممکن اور صحیح تھا کہ چونکہ عیسائیت اس زمانہ میں شدومد سے اسلام قرآن پاک اور محمد صلعم پر حملہ آور تھی اور مسلمانوں کو اور دوسرے انسانوں کو تثلیث اور کفارہ کے جھوٹے عقائد کی طرف جو حضرت مسیحؑ کے نہ تھے بلکہ سینٹ پال نے گھڑے تھے ہر قسم کے جائز و ناجائز ذرائع سے آمادہ کر رہی تھی اس لئے اس مذہب کے عقائد کو (جن کا نشان صلیب تھا) توڑ کر رکھ دیا جائے۔ اور یہ کام پچھلے نوّے سال میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب اور آپ کی جماعت نے جس نمایاں رنگ میں کیا اس کا اعتراف صرف انصاف پسند مسلمانوں کو ہی نہیں بلکہ خود عیسائیوں کو بھی ہے۔ ان کی کتابوں میں یہ اعتراف موجود ہے۔ اور پھر جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے۔ عیسائیوں نے اپنے مشنریوں کو احمدیوں سے مناظرہ یا مقابلہ کرنے سے روک دیا۔ کوئی منصف مزاج یا حق پسند انسان پچھلے نوّے سال کے مذہبی لٹریچر (اخبارات۔ رسالوں، کتابوں کی شکل میں) دیکھ لے۔ کس لٹریچر نے عیسائیت کی جڑوں کو ہلا دیا؟

## تین اہم کام

حضرت مرزا غلام احمد صاحب اور آپ کی جماعت کے کارہائے نمایاں تین شکلوں میں ہیں جن کی تاریخی شہادت و صداقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

(۱) اسلام، قرآن پاک اور آنحضرت صلعم کی ذات پاک پر عیسائیوں اور ان کے نقالوں کے حملوں کا منہ توڑ جواب۔

(۲) اسلام پر لٹریچر جو موجودہ زمانہ کی سائنس اور علمی ترقیات کی روشنی میں اسلام کو سچا مذہب، قرآن پاک کو اللہ تعالےٰ کی کامل ہدایت، اور آنحضرت صلعم کو بہترین ہادی ثابت کرتا ہے۔

(۳) خود عیسائیوں کے گڑھ یعنے یورپ اور امریکہ میں جا کر تبلیغ اسلام

## کسرِ صلیب

ان خدماتِ اسلامی کا لازمی نتیجہ کسرِ صلیب یا عیسائیت کے بنیادی عقائد کا ٹوٹ کر گر پڑنا تھا۔ سو بحمد اللہ کہ رسول اللہ صلعم کی پیشگوئی کہ مسیح موعود کسرِ صلیب کرے گا پوری ہوئی۔ دنیا بھر پہ غالب اور اپنے مذہب کو پھیلانے والی قوموں کے مذہب کو ایک گاؤں کے رہنے والے انسان کا توڑ کر رکھ دینا ناممکن تھا اگر اللہ تعالےٰ کی امداد اس کے شاملِ حال نہ ہوتی۔

اس کا مزید ثبوت یہ بھی ہے کہ اس مشکل کام میں کامیابی کی خبر حضرت مسیح موعودؑ کو پہلے سے اللہ تعالےٰ نے مبشرات کے رنگ میں دی تھی کہ یہ بظاہر ان ہونی بات ہو کر رہے گی۔ چنانچہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب

نے اس کا ذکر کتابوں، ملفوظات اور اپنے اشعار میں بھی کیا ہے ان میں سے کچھ سُن لیجئے ؎

آسماں پر دعوتِ حق کے لئے اک جوش ہے
ہو رہا ہے نیک طبعوں پر فرشتوں کا اُتار
آ رہا ہے اس طرف احرارِ یورپ کا مزاج
نبض پھر چلنے لگی مُردوں کی ناگہ زندہ وار
آ رہی ہے اب تو خوشبو میرے یوسف کی مجھے
گو کہو دیوانہ میں کرتا ہُوں اس کا انتظار

(وہ یوسف جس کے لئے حضرت مرزا صاحب بے قرار تھے وہ اسلام کی کامیابی تھی۔)

؎ بگفت ایں اجرِ نصرت را دهندت اے اخی ورنہ
قضائے آسمان است ایں بہر حالت شود پیدا

؎ کہتے ہیں تثلیث کو اب اہلِ دانش الوداع

آپ نے یہ پیشگوئیاں تب کیں جب عیسائیت اسلام پر زور شور سے حملہ آور تھی اور بظاہر عیسائیت پر عیسائیوں کا ایمان تھا۔ مگر خدا کی باتیں پتہ ہی اس طرح لگتی ہیں کہ وہ تب کی جاتی ہیں جب حالات بظاہر ان کے خلاف ہوں۔ ایک دفعہ حضرت مولانا نورالدینؒ کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

"مولوی صاحب میں نے اسلام کی کامیابی کا چاند نکلا دیکھ لیا ہے۔"

ہلی کا باریک ہلال بہت کم لوگوں کو نظر آتا ہے مگر باریک بین اور طاقتور نگاہیں اسے گرد و غبار میں سے بھی دیکھ لیتی ہیں۔ ایک دفعہ حضرت مولانا موصوف نے عرض کی حضرت سننے میں تو یہ آتا ہے کہ اہلِ مغرب مذہب ہی کو چھوڑ رہے ہیں تو وہ اسلام کو کیسے قبول کریں گے۔ تو حضرت مرزا صاحب نے فرمایا:۔

"مولوی صاحب یہ سلیٹ صاف ہو رہی ہے تاکہ نئے نقوش (اسلام کے۔ ناقل) اچھے آئیں۔"

سو ہم نے پچھلے ساٹھ برس میں دیکھ لیا کہ ہزاروں عیسائی انگلستان، جرمنی امریکہ اور دوسرے عیسائی ممالک میں مسلمان ہو گئے۔ اور وہ بھی حضرت مسیح موعود کی جماعت کے ہاتھوں پر۔ اور اب تو امریکہ کے "بلالی مسلمان" (سابق نیگرو) کو شامل کر کے مسلمانوں کی تعداد ماشاءاللہ لاکھوں تک پہنچی ہے وہ جو حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا تھا ؎ "کہتے ہیں تثلیث کو اب اہلِ دانش الوداع" اس کا نظارہ اور ایسے لوگوں کی تعداد کروڑوں تک پہنچ گئی ہے کیونکہ بیشتر پروٹسٹنٹ عیسائی اب صرف نام کے عیسائی رہ گئے ہیں۔ انہوں نے عیسائیت کے معتقدات کو اور گرجے جانا چھوڑ دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ پروٹسٹنٹ عیسائی اتنے متعصب اور قدامت پسند نہیں ہوتے جتنے کہ رومن کیتھولک ہوتے ہیں۔ مگر اللہ اکبر کہ اب رومن کیتھولک عیسائی بھی اپنے مذہب سے اُکھڑ گئے۔ دوسرے مُلکوں کا تو کوئی حال نہیں لکھتا۔ امریکہ کے لوگوں کی یہ خوبی ہے کہ وہ اپنے عیب و ثواب دونوں کو چھاپ دیتے ہیں۔ دُنیا کے مشہور ہفتہ وار رسالہ "ٹائم" نامی جو نیو یارک سے چھپتا ہے کہ ۲۴ مئی ۱۹۷۶ء کے سرورق کی سُرخی موٹے حروف میں یہ ہے:۔

"امریکہ میں رومن کیتھولک مذہب"
"یہ چرچ جو پھوٹ کا شکار ہے"

اور عجیب بات یہ ہے کہ سرورق پر صلیب کی جو تصویر ہے وہ پھٹ کر دو ہوگئی نظر آتی ہے! کسرِ صلیب کو عیسائی دوست مان لئے۔ ہمارے دوست مانیں یا نہ مانیں۔

اور اس رسالہ کے سرورق کے سلسلہ میں جو اہم مضمون اندر چھپا ہے اس کے شروع میں ایک عیسائی خاتون کا ریمارک درج ہے:۔

"میں چاہتی ہوں کہ جلد مروں تاکہ میں رومن کیتھولک مذہب پر مر سکوں" یعنی اس مذہب کے اب دن تھوڑے رہ گئے ہیں۔

پھر رسالہ مذکور لکھتا ہے:۔

"رومن کیتھولک۔ ان الفاظ میں مرکوز ہیں پُر تکلف مگر سنجیدہ مذہبی رسومات جن میں لاطینی زبان میں عود اور آگر کی بتیوں کے دھوئیں میں بھجن گائے جاتے ہیں۔ کئی امریکن رومن کیتھولک جن کی عمر ۳۰ سال سے زیادہ ہے انہیں اپنے اس تاریخ سے معمور ادارہ میں رہنا اس طرح یاد ہے کہ گویا وہ ایک روحانی قلعہ میں رہ رہے تھے۔ اس سے انہیں کبھی تسلی ہوتی تھی تو کبھی وہ ان کے راستہ میں حائل ہوتا تھا۔ اور کبھی وہ اس سے سخت خوف بھی محسوس کرتے تھے۔ مگر وہ عالم محفوظ اور مربوط تھا جس میں وہ لوگ جو اس کے قواعد کے مطابق چلتے تھے انہیں ابدی گارنٹیاں یا ضمانتیں دی جاتی تھیں۔

**مگر اب وہ قلعہ مسمار ہو چکا ہے**۔ ۱۹۶۲ء کی دوسری ویٹیکن کونسل (جسے پوپ نے بلایا تھا۔ ناقل) کے منعقد ہونے سے پہلے امریکہ کا رومن کیتھولک مذہب کم سے کم باہر سے دیکھنے والوں کو دین کا ایک مضبوط مینارہ نظر آتا تھا۔ وہ نہ صرف عیسائیت کا امیر ترین فرقہ تھا بلکہ دوسروں سے زیادہ پرہیزگار بھی سمجھا جاتا تھا اگرچہ اس بارہ میں لوگوں کو اختلاف رائے بھی تھا۔ جب وہ دوسری ویٹیکن کونسل ۱۹۶۵ء میں جا کر بالآخر ختم ہوئی تو امریکہ کے رومن کیتھولک فرقہ کے خیالات میں ایک طوفان برپا تھا جس نے کہ انسانی ذہن کی بند کھڑکیاں کھول دیں۔ بہت سی دیواریں گر پڑیں اور بہت سی زنجیریں (بیڑیاں) ٹوٹ پھوٹ گئیں۔

یہ زمانہ بہت سے لوگوں کے لئے تلخ تجربہ تھا۔ اس سے اگلے دس برس میں بہت سے رومن کیتھولک فائق ہو گئے۔ ننوں (راہب عورتوں) نے اپنے کانونٹ چھوڑ دیئے۔ پادریوں نے اپنے گرجوں کو الوداع کہا اور رومن کیتھولک عوام الناس اپنی مذہبی عبادات و معتقدات سے یکسر منحرف ہو گئے۔"

(نوٹ: اُوپر کی تصویر اگرچہ وسیع تر الفاظ میں ہے مگر اغلباً یہ انداز بیان اثر پیدا کرنے کے لئے ہے۔ مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کے لوگ مرتد ہو گئے۔ ناقل)

"رومن کیتھولک فرقہ جو امریکہ میں سب سے بڑا فرقہ ہے اس کے تقریباً ۵ کروڑ ممبر تھے۔ اب ۱۹۷۶ء میں اس فرقہ میں اتنا تلاطم نہیں رہا جو دس سال قبل تھا۔ **اس کا انحطاط اب آہستہ ہو گیا ہے**۔ مگر پھر بھی یہ ایک فرقہ ہے جس کے لوگوں کے دلوں میں ہر قسم کے سوالات پیدا ہو رہے ہیں اور آپس کے اختلافات بڑھ رہے ہیں۔ اس کے ممبروں کے مقاصد اور تخیلات میں باہم تصادم ہے۔ عام ممبروں میں سے اکثر (جن میں آپس میں تفرقہ ہے ایسے سوالات کے بارہ میں کہ سماجی کارروائیاں کیا ہونی چاہئیں پرہیزگاری کیا ہے یا تقلید کی جائے یا تبدیلیاں پیدا کی جائیں) اپنے آپ کو رومن کیتھولک تو کہتے ہیں مگر وہ کلیسا کے ان کے ذاتی معاملات میں سابق اختیارات کو بُرا مانتے ہیں۔ بشپ صاحبان میں بھی آپس میں اختلافات نمایاں ہیں کہ ان کا در اصل کام کیا ہے یا وہ اپنے اختیارات کو کس طرح استعمال کریں۔ پادری صاحبان راہب اور ننیں کبھی ایک طرف ہوتی ہیں کبھی دوسری طرف۔ "کلیسا کی تعلیم اور عمل میں جو چوڑی خلیج حائل ہے اُسے

امریکہ کے بشپ صاحبان کی کانفرنس کے صدر جوزف برنارڈین نے جو سنسٹی کے آرچ بشپ ہیں بہت محسوس کیا ہے۔ انہوں نے اپنے ایک انٹرویو میں جو "یونائیٹڈ سٹیٹس کیتھولک" رسالہ میں چھپا ہے کہا: "آج کل بہت سے لوگ اپنے آپ کو اچھے کیتھولک کہتے ہیں اگرچہ ان کے اعتقادات اور اعمال میں اور کلیسا کی سرکاری تعلیمات میں تصادم ہے۔ یہ تو ایک بالکل نیا تصور ہے کہ رومن کیتھولک اس زمانہ میں کون ہے؟"

"اس کے علاوہ اور بھی بہت سی شہادت ملتی ہے اور مختلف کھتونیاں ہیں کہ رومن کیتھولک کلیسا میں کیا تنزل اور اختلافات ہیں۔ سرکاری کیتھولک ڈائرکٹریز جو سالانہ چھپتی ہیں ان میں اعداد و شمار جو چھپتے ہیں اُن سے اُس انحطاط کا اندازہ ہو سکتا ہے جو پچھلے دس سال میں پیدا ہو چکا ہے۔ مثلاً رومن کیتھولک سکول (پرائمری و ہائی سکول جو دنیاوی تعلیم کے ساتھ مذہبی تعلیم کا خاص انتظام کرتے تھے) ان کی کل تعداد تیرہ ہزار تین سو چالیس تھی، اُن میں سے تین ہزار ایک سو تیس بند ہو چکے ہیں۔ طلبہ اور طالبات کی تعداد جو ۱۹۲۵ء میں چھپن لاکھ تھی اب صرف ۲۵ لاکھ رہ گئی ہے۔"

"ایک زبردست خروج ہوا ہے وہ قریباً ۲۵ ہزار ننوں اور دس ہزار پادریوں کا تھا جن میں ایک نہایت قابل بشپ بھی تھے اُن سب نے اپنے اپنے مذہبی ادارے چھوڑ دیتے ہیں، بعض نے تو رومن کیتھولک مذہب کو چھوڑ دیا ہے۔ بعض نے شادی کے ارادہ سے رہبانیت یا پادری کے عہدوں کو چھوڑ دیا ہے (رومن کیتھولک مذہب میں پادری کبھی شادی نہیں کر سکتے۔ ناقل) اور بعض نے مایوس ہو کر علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ بعض نے اپنے اعتقادات پر قائم نہ رہنے کا اعلان کیا ہے۔ کچھ نے یہ اعلان کیا ہے کہ وہ خدا کی خدمت غیر مذہبی اداروں میں رہ کر کریں گے۔"

## طلاق کا مسئلہ

قارئین کو یاد ہوگا کہ ایک زمانہ تھا کہ عیسائی پادریوں اور مشنریوں کا یہ عام شیوہ تھا کہ اسلام میں طلاق کی اجازت پر تمسخر و استہزا کرتے تھے حالانکہ اگر اسلام میں طلاق کی اجازت ہے تو ساتھ بہت سی بندشیں بھی ہیں۔ اللہ تعالے نے قرآن کریم میں فرمایا ہے فان کرھتموھن فعسیٰ ان تکرھوا شیئًا و یجعل اللہ فیہ خیرًا کثیرًا (النساء ع ۳ آیت ۱۹) یعنی اگر تم انہیں (عورتوں کو) ناپسند کرتے ہو تو ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت سی بھلائی رکھ دے۔ پھر حدیث شریف میں ہے کہ ان ابغض الحلال عند اللہ الطلاق یعنی اللہ تعالے نے جن چیزوں کی اجازت دی ان میں سب میں زیادہ اُسے ناپسند طلاق ہے۔ اسی لئے مسلمانوں میں طلاق بہت کم تھی۔ اگرچہ اب مغرب زدہ طبقوں میں بڑھ گئی ہے مگر وہ بھی مغرب زدہ اور اسلام سے دُور پڑے ہوئے طبقوں میں۔ ورنہ پہلے مسلمانوں میں طلاق بہت کم تھی۔ مگر پھر بھی عیسائیوں نے کسی زمانہ میں اس پر استہزاء و تمسخر اُڑایا۔ مگر وہ بھول گئے کہ اللہ یستھزئ بھم یعنے اللہ اُن کے استہزاء کی اسی رنگ میں سزا دے گا۔ چنانچہ آج عیسائیوں میں طلاق مسلمانوں سے بہت زیادہ ہے۔ عرصہ ہوا میں نے پڑھا تھا کہ ہر چار نکاحوں میں سے ایک طلاق سے فسخ ہوتا ہے۔ اور اب تو یہ شرح اور بھی بڑھ گئی ہے۔ مگر ابھی تک رومن کیتھولک لوگوں میں طلاق پر سخت بندش تھی اور پوپ کے سوا کوئی اسے دے نہیں سکتا تھا۔ مگر حال میں کئی رومن کیتھولک ملکوں مثلاً اٹلی میں بھی طلاق کی قانوناً اجازت ہو گئی ہے۔ اور امریکہ کی بعض ریاستوں میں تو صرف ایک دن کے قیام سے طلاق کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

پھر بھی رومن کیتھولک اس معاملہ میں ابھی تک قدامت پسند تھے۔ پر اب ان کا حال بھی اسی رسالہ سے سنیئے:

"عیسائیت سے ایک اور بیزاری کی وجہ یہ ہے کہ اب رومن کیتھولک امریکہ میں طلاق کی شرح وہی ہے جو کہ غیر کیتھولک عیسائیوں میں ہے۔ اس کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ ان کی مذہبی عدالتیں پہلے سے بڑھ چڑھ کر شکستہ شادیوں کا جائزہ لے رہی ہیں۔ اور گئے سال انہوں نے قریباً دس ہزار طلاقیں دیں۔ بروک لین کی عدالت کے جج موسیو جسٹس وائن ہارٹ نے کہا: اگر میاں بیوی واقعی اکٹھا نہیں رہ سکتے تو کوئی معقول وجہ ہوتی ہے۔ اور یہ ہمارا فرض ہے کہ معلوم کریں کہ وہ کیا وجہ ہے۔ کسی کو مجبور نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ وہ کرے جو وہ نہ کر سکتا ہو۔" بہت سے رومن کیتھولک لوگ محسوس کرتے ہیں کہ ناکام شادیوں کو ختم کرنے کا طریق اتنا پیچیدہ نہیں ہونا چاہیئے جتنا اب ہے۔"

## رومن کیتھولک مذہب کا مستقبل

"ٹائم" رسالہ لکھتا ہے:-

"امریکہ میں رومن کیتھولک مذہب کا مستقبل کیا ہے؟ ایک یسوعی ماہر تعلیم جسٹ مسٹر تھامس کو مایوسی ہے اور ان کا خیال ہے کہ مذہب سے موجودہ انحراف کم نہیں ہوگا۔ بعض لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ حالات بہتر ہو رہے ہیں مگر موصوف کا خیال ہے کہ یہ شمع کا بجھنے سے پہلے چمک اُٹھنا ہے۔ اسی طرح بائبل کا ایک عالم جان مائلز نامی "آج کل کی دینیات" میں لکھتا ہے کہ رومن کیتھولک ایک ایسی دلدل میں پھنسے ہیں کہ اس سے نکل نہیں سکتے۔ اگر کلیسا نے اپنا حکم منوانے کی کوشش کی تو اس سے اور مواد پھوٹے گا اور رومن کیتھولک لوگوں کی تعداد کم ہو جائے گی۔ اور اگر کلیسا نے اپنے اختیارات استعمال نہ کئے تو وہ سرکاری طور پر تو بہت سے لوگوں کا گروہ بنا رہے گا مگر بتدریج کمزور ہوتا چلا جائے گا اور بھی پراگندہ ہوتا جائے گا۔"

فاعتبروا یا اولی الابصار

## ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں
## ایصالِ ثواب کے لئے مبلغ ایک ہزار روپے کا عطیہ
## ایک احمدی خاتون کا قابلِ قدر ایثار

ہماری ایک معزز بہن نے مکرم جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے ذریعہ ترجمۃ القرآن فنڈ میں انجمن کو مبلغ ایک ہزار روپیہ کا عطیہ دیا ہے۔ اور خواہش کی ہے کہ پانصد روپیہ ان کے والد مرحوم اور پانصد روپیہ ان کے دادا مرحوم کی روح کے ایصالِ ثواب کی خاطر صدقہ جاریہ کے طور پر تراجم قرآن فنڈ میں جمع کیا جائے۔ اس عظیم خاتون نے اپنا نام ظاہر نہ کرنے کی بھی درخواست کی ہے۔ جو شہرت طلبی کے اس دور میں اخفائے صدقہ کی ایک عمدہ اور قابلِ تقلید مثال ہے۔

دعا ہے اللہ تعالے اس نیک دل اور مخیر خاتون کو اس مالی قربانی کا بہتر اجر عطا فرمائے اور ان کے والد مرحوم اور داد مرحوم کے جنت میں درجات بلند فرمائے۔ آمین

(رپورٹر)

ترجمہ بیگم صاحبہ مکرم میاں محمد احمد صاحب لاہور۔

# حضرت مسیح موعودؑ

سلسلہ احمدیہ کے بانی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہیں آپ کے آباؤ اجداد بابر کے زمانہ میں سمرقند سے ہجرت کرکے ۱۵۳۲ء میں ہندوستان میں وارد ہوئے۔ اور ضلع گورداس پور میں موجودہ قصبہ قادیان آباد کیا۔ اسی نسبت سے آپ مرزا غلام احمد قادیانی کہلائے۔

آپ کی تاریخ پیدائش غالباً ۱۸۳۶ء ہے۔ آپ نے معمولی مروّجہ تعلیم اپنے گاؤں اور قصبہ بٹالہ میں حاصل کی۔ اوائل عمر میں اپنے والد کے زیر ہدایت زمینداری کار و بار میں بھی مصروف رہتے اور پھر انہی کے حکم پر کچھ عرصہ سرکاری ملازمت بھی کی۔ ان ایام میں آپ کا وقت کام کاج کے علاوہ عموماً تنہائی میں اور قرآن کے مطالعہ میں گزرتا۔ دنیوی کاروبار کی طرف میلان نہ تھا۔ اور خلوت زیادہ پسند تھی۔ چنانچہ اپنے والد بزرگوار کو اپنے ایک خط میں لکھا کہ میں چاہتا ہوں کہ بقیہ عمر تنہائی میں گزاروں۔

آپ کے والد کی وفات کے بعد ۱۸۷۶ء سے آپ کی زندگی کا ایک نیا دَور شروع ہوا۔ آپ مکمل طور پر خدمتِ دین میں مصروف ہو گئے۔ اسی زمانہ میں ہندوؤں کی ایک نئی تحریک آریہ سماج کا آغاز ہوا۔ آپ کے مضامین آریہ سماجی عقائد کی تردید میں اخبارات میں شائع ہونے شروع ہوئے اسی زمانہ میں آپ نے اپنی سب سے پہلی اور مشہور کتاب براہین احمدیہ لکھنی شروع کی۔ اس کتاب میں اسلام کی حقانیت پر نہایت پُر زور بحث ہے اور اس وقت کی مخالفِ اسلام تین بڑی بڑی تحریکوں آریہ سماج، برہمو سماج اور عیسائیت کے اسلام پر اعتراضات کے جواب ہیں۔ اس کتاب میں وحی الٰہی کی ضرورت پر بھی زور دیا گیا ہے اور اس کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

انہی دنوں آپ پر یہ ظاہر کیا گیا کہ آپ چودھویں صدی کے مجدّد ہیں۔ اور دینِ اسلام کی تائید کے لئے آپ کو کھڑا کیا گیا ہے۔ آپ کا یہ دعویٰ اس کتاب میں موجود ہے۔

اس زمانہ میں لوگ آپ کی خدمت اسلام آپ کے زہد و تقوےٰ بلند پایہ تصانیف اور آپ کے دشمنانِ اسلام کے ساتھ مقابلہ کی وجہ سے آپ کے شیدا ہو گئے اور آپ کی بے حد تعریف کرنے لگے۔

۱۸۹۰ء سے آپ کی زندگی کا ایک تیسرا دَور شروع ہوا۔ آپ نے اعلان کیا کہ مجھ پر ظاہر کیا گیا ہے کہ مسیح ابنِ مریم فوت ہو گئے ہیں۔ اور جس مسیح کے اس اُمّت میں آنے کی پیشگوئی ہے۔ اور جو اسی اُمّت کا ایک مجدّد ہوگا وہ میں ہی ہوں۔ اور جس مہدی کے اس اُمّت میں آنے کی پیشگوئی ہے۔ اس سے بھی مراد وہی مسیح ہے جو دلائل اور براہین سے اسلام کو دنیا میں پھیلائے گا۔ اور ایسے مہدی کا آنا جو کہ تلوار سے دین اسلام کو پھیلائے۔ جیسا کہ عام طور پر مشہور ہو گیا ہے۔ غلط اور قرآن شریف کی تعلیم کے خلاف ہے۔

آپ کے اس دعوےٰ کے ساتھ مخالفت کا ایک طوفان کھڑا ہو گیا۔ اور اس شخص کو جس کے ساتھ کل تک اسلام کی بہترین امیدیں وابستہ تھیں۔ اسلام کا دشمن سمجھا جانے لگا۔ جس کی بات کو کل تک ہر شخص خوش ہو کر سنتا تھا۔ آج وہ ہر طرف سے لعنتوں اور ملامتوں کا نشانہ بن گیا۔

آپ مخالفت کا مقابلہ نہایت بلند اخلاق سے کرتے رہے اور گالیوں پر خاموش ہو جاتے۔

اشاعتِ اسلام کا کام جو آپ نے شروع کیا روز بروز ترقی کرتا گیا اور رفتہ رفتہ ساری دُنیا میں پھیلنا شروع ہو گیا۔

آپ کے قلب میں اشاعتِ اسلام کا جذبہ اس قدر موجزن تھا کہ آپ کی اس زمانہ کی تمام تحریروں میں اسی کا اظہار ہے۔ کہ اسلام کے دنیا میں غالب ہونے کا وقت ہے۔ حالانکہ نہ تو آپ انگریزی جانتے تھے اور نہ ہی یورپ کے لوگوں سے آپ کا کوئی تعلق تھا۔ مگر آپ کو مغرب میں اسلام پھیلانے کا خاص خیال تھا۔

یہ ہی آپ کے دل کا ولولہ تھا کہ اسلام کا پیغام رُوئے زمین پر اور بالخصوص دیارِ مغرب میں پہنچایا جائے۔ جہاں اب تک اسلام کی تاریک تصویر ہی لوگوں کے سامنے تھی۔ چنانچہ ۱۹۰۱ء میں ایک انگریزی رسالہ ریویو آف ریلیجنز اس مقصد کے لئے قادیان سے جاری کیا گیا۔ جس میں اسلام کی صحیح تصویر مغربی ممالک کے سامنے پیش کی جاتی تھی۔ اسی سے ترقی کرتے کرتے ۱۹۱۲ء میں ووکنگ مشن کی بنیاد رکھی گئی۔ اور ۱۹۲۲ء میں جرمنی میں برلن مشن قائم ہوا۔ دوسرے ممالک میں بھی تبلیغ اسلام کا کام آپ کی جماعت نے شروع کیا۔ اس میں کچھ شُبہ نہیں کہ وہ جوش جس نے آہستہ آہستہ یہ تمام عملی صورتیں اختیار کیں اور سینکڑوں کی تعداد میں یورپ کے لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔ سب سے پہلے قادیان کے ایک گوشہ نشین کے قلب میں ہی پیدا ہوا۔

**مسلمان** ایک غلط فہمی کا شکار تھے اور اب تک ہیں کہ ایک ایسا مہدی آنے والا ہے جو تلوار کے ذریعے کافروں کو مسلمان بنائے گا۔ جب تک ایسے مہدی کا آنا مسلمات میں سے ہے اس وقت اسلام سے یہ اعتراض کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے۔ دُور نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اللہ تعالےٰ کی طرف سے یہ اطلاع دی گئی کہ قابلِ اعتبار احادیث میں کسی ایسے مہدی کے آنے کا ذکر نہیں جو تلوار سے اسلام پھیلائے بلکہ آنے والے مسیح کا ہی دوسرا نام مہدی رکھا گیا ہے۔

ان دونوں دعووں کا یعنی دعوےٰ مسیح و مہدی کا مقصد ان دو روکوں کو دُور کرنا تھا جو کہ اسلام کی قبولیت کے راستہ میں روک تھیں۔

**دعوتِ اسلام** کے کام کے لئے حضرت مرزا صاحب نے تزکیہ نفس اور صفائی قلب کو بہترین ذریعہ قرار دیا ہے اور اسے اسلام کا جہاد قرار دیا ہے۔ آپ سے پیشتر اور آپ کے زمانہ میں جو بزرگ بیعت لیتے تھے۔ وہ اپنے مریدوں کو تزکیہ نفس کے لئے طرح طرح کے مجاہدات بتلاتے تھے۔ آپ نے ان تمام مجاہدات کا مقام اشاعت اسلام کو دیا۔

آپ نے جہاد کا صحیح مفہوم بھی واضح کیا اور بتایا کہ جہاد جس سے مراد اسلام کے لئے جنگ ہے خاص حالات کے ماتحت ہوتا ہے۔ لیکن وہ جہاد جس کی اسلام میں ہر وقت ضرورت ہے جہاد بالقرآن ہے۔

باوجود علماء کی شدید مخالفت اور عوام کی طرح طرح کی ایذا رسانیوں کے جماعت ترقی کرتی چلی گئی۔

۱۹۰۱ء میں مردم شماری سے چند ماہ پیشتر آپ نے اس سلسلہ کا نام **احمدی**۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک **احمدؐ** پر رکھا۔

دسمبر ۱۹۰۵ء میں آپ کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے خبر دی گئی کہ آپ کی وفات قریب ہے۔ اس لئے آپ نے ایک رسالہ بنام الوصیت لکھا جس کی رُو سے ایک انجمن بنائی جس کا نام بعد میں صدر انجمن احمدیہ رکھا اور اسی انجمن کو آپ نے اپنا جانشین قرار دیا۔

آپ نے تصنیف کے کام کو اپنی زندگی کے آخری ایام تک جاری رکھا۔ بالآخر ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو آپ اپنے

مولائے حقیقی سے جا ملے اور قادیان میں مدفون ہیں۔

اس کے بعد کا دور اور غالباً ایک سہانا دور ہمارے بزرگوں کو نصیب ہوا جس میں جماعت کو ترقی نصیب ہوئی اور اشاعت اسلام کا کام نہایت جوش و خروش سے ہوا۔

اب ایک ابتلاؤں کا دور ہمارے مقدر میں آیا ہے۔ اور آج ہم اپنے تئیں خادم اسلام کہنے والے اور اپنے عقاید کو عین دین اسلام کے مطابق سمجھنے والے پاکستان کے آئین کی رُو سے دائرہ اسلام سے خارج کر دیئے گئے ہیں۔ میں نہ تو ان زخموں کو کریدنا چاہتی ہوں اور نہ ہی حالات کی تفصیل میں جانا چاہتی ہوں۔ زخم ابھی تازہ ہیں۔ ان کی تکلیف میں کمی نہیں آئی کہ انہیں بھول سکیں۔ اور حالات ابھی سازگار نہیں ہوئے۔

میں آپ کی توجہ حضرت صاحب کے چند ایک **مَلفُوظات** کی طرف دلانا چاہتی ہوں۔ جن میں ہمارے لئے تسلی اور یقین دہانی ہے تاکہ ہم ہمت نہ ہار بیٹھیں۔

ہمیں چاہیئے کہ ہم حضرت صاحب کی ان تحریرات کو پڑھیں اور غور کریں جو کہ آپ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تحریر کی ہیں۔ تاکہ اگر کبھی لوگوں (یعنی مخالفوں) کے اعتراضات سے متاثر ہو کر دل میں کسی قسم کا وسوسہ پیدا ہو تو دور ہو جائے۔

اس کے علاوہ حضرت صاحب کے ان ملفوظات پر غور کرنا چاہیئے جو ایسا لگتا ہے کہ صرف ہمارے لئے انہوں نے تحریر کئے ہیں۔ اور جو عین زمانۂ حال کے مطابق ہیں۔ ان میں ہمارے لئے تسلی اور بشارتیں ہیں تاکہ ہم ابتلاؤں سے گھبرا کر حوصلہ نہ چھوڑ بیٹھیں۔

حضرت صاحب نے فرمایا ہے کہ:—

”میں قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے ذرا اِدھر اُدھر ہونا بے ایمانی سمجھتا ہوں۔

”میں خدا تعالےٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اور میری جماعت مسلمان ہے اور آنحضرت صلعم اور قرآن کریم پر اسی طرح ایمان لاتی ہے جس طرح ایک سچے مسلمان کو لانا چاہئے۔ میں ذرہ بھی اسلام سے باہر قدم رکھنا ہلاکت کا موجب یقین کرتا ہوں اور میرا یہی مذہب ہے کہ جس قدر فیوض اور برکات کوئی شخص حاصل کر سکتا ہے اور جس قدر تقرب الی اللہ پا سکتا ہے وہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اطاعت اور کامل محبت سے پا سکتا ہے، ورنہ نہیں آپ کے سوا اب کوئی راہ نیکی کی نہیں“۔

پھر فرمایا:—

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ عقیدہ کی رُو سے جو خدا تم سے چاہتا ہے وہ یہی ہے کہ خدا ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نبی ہے اور خاتم الانبیاء وہ سب سے بڑھ کر ہے اور اس کے بعد کوئی نبی نہیں۔“ (کشتیٔ نوح)

پھر فرمایا:—

”اے لوگو جو میری جماعت میں ہو آسمان پر تم اسی وقت میری جماعت شمار کئے جاؤ گے جب تقویٰ کی راہوں پر قدم مارو گے۔ سو اپنی پنج وقتہ نمازوں کو ایسے خوف اور حضورِ قلب سے ادا کرو کہ گویا تم خدا کو دیکھتے ہو اور اپنے روزوں کو خدا کے لئے صدق کے ساتھ پورے کرو ہر ایک جو زکوٰۃ کے لائق ہے زکوٰۃ دے اور جس پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی مانع نہیں تو حج کرے۔ نیکی کو سنوار کر ادا کرو اور بدی کو بیزار ہو کر ترک کرو۔ یقیناً یاد رکھو کہ کوئی عمل خدا تک نہیں پہنچ سکتا جو تقویٰ سے خالی ہو۔ ہر نیکی کی جڑ تقویٰ ہے۔

ضرور ہے کہ رنج و مصیبت سے تمہارا امتحان ہو جیسا کہ پہلے مومنوں کے امتحان ہوئے۔ سو خبردار ہو ایسا نہ ہو کہ ٹھوکر کھاؤ۔ زمین تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتی۔ اگر تمہارا آسمان سے پختہ تعلق ہے۔ جب کبھی تم اپنا نقصان کرو گے تو اپنے ہاتھوں سے کرو گے نہ کہ دشمن کے ہاتھوں سے۔ اگر تمہاری زمینی عزت ساری جاتی رہے تو خدا تمہیں ایک لازوال عزت آسمان پر دے گا۔ سو تم اس کو مت چھوڑو اور ضرور ہے کہ تم دکھ دیئے جاؤ اور اپنی کئی امیدوں سے بے نصیب کئے جاؤ۔ سو ان صورتوں میں تم دلگیر مت ہو کیونکہ تمہارا خدا تمہیں آزماتا ہے کہ تم اس کی راہ میں ثابت قدم ہو یا نہیں۔

پھر آگے فرمایا:۔ ”تمہارا خدا درحقیقت موجود ہے۔ اگرچہ سب اسی کی مخلوق ہے لیکن وہ اس کو چن لیتا ہے جو اس کو چنتا ہے وہ اس کے پاس آ جاتا ہے۔ جو اس کے پاس جاتا ہے۔ جو اس کو عزت دیتا ہے۔ وہ اس کو عزت دیتا ہے تم اپنے دلوں کو سیدھا کر کے اور زبانوں اور آنکھوں کو پاک کر کے اس کی طرف آ جاؤ کہ وہ تمہیں قبول کرے گا۔“ (کشتی نوح)

اللہ تعالےٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم حضرت مرزا صاحب کے سچے پیرو ہوں اور ثابت قدم رہیں۔ اور تقویٰ کی راہوں پر چلیں۔ دل ڈرتا ہے کہ کہیں دُنیا کی طرح ہماری آخرت بھی اکارت نہ جائے ×

## سائنس کیا ہے — (بقیہ صفحہ ۲)

والے مصلحین کی اکثریت دانا تھی۔ آج تمدن کے علمبرداروں میں دانش سے تہیدست بھی ہیں۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ آج کا ترقی یافتہ انسان انہیں نادان رہنماؤں کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے اور اپنی حقیقت سے ناآشنا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ سائنس ہمیں وہ ولولہ دیتا جس سے فکر انسانی زیادہ رفعتوں تک پرواز کرتی مگر ہوا یہ کہ انسان دنیا و مافیہا سے بے خبر ہونے لگا ہے۔ اور اب یہ دعوےٰ کیا جا رہا ہے کہ اس جہانِ رنگ و بو سے غربت و افلاس۔ مشقت اور احتیاج کے نقش کہن مٹا کر ایک جہانِ نو کی تعمیر کی جائے گی۔ پچھلے چند برسوں سے عوام میں یہ احساس کروٹ لے رہا ہے کہ جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کے نتائج خوشگوار نہیں ہوں گے۔ اسی لئے سائنسدان کو قدر و منزلت کی بجائے شک و شبہ کی نظروں سے دیکھا جا رہا ہے۔ خلا نوردی کے عجائبات کے بارے میں حیرت و استعجاب کی جگہ اب اضطراب لے رہا ہے۔ فکر گستاخ نے فطرت کی طاقتوں کو بے نقاب تو کر دیا۔ مگر ہر ایک نشیمن اس کی بے تاب بجلیوں سے خطرہ محسوس کر رہا ہے۔ کمپیوٹروں اور سمیات کے کثرت استعمال نے ذہن انسانی کی عظمتوں کو خاک میں ملا دیا ہے۔ قلبِ انسانی کے سکون کو برباد کر دیا ہے۔ ادھر امتحانی نلکیوں کے ذریعہ بچے کی پیدائش اور جینن کے غیر فطری توالد و تناسل نے طرح طرح کے وساوس اور اخلاقی مسائل کو جنم دیا ہے۔ خالق حقیقی نے الفق و سما میں ہمارے لئے لطیف و نظیف ہوا کا جو سمندر پھیلایا تھا وہ روز افزوں صنعتی کارخانوں اور مشینوں کے دھوئیں اور خارج ہونے والی کثیف گیسوں سے آلودہ ہو چکی ہے دریاؤں جھیلوں اور ندیوں سے ہماری بقا کے لئے جو مصفا پانی موجزن تھا جراثیم کش دوادُں اور کارخانوں سے بہہ کر آنے والے سیال مادے کی غلاظت

(باقی برصفحہ ۱ کالم ۲)

# خبرنامہ لندن

شیخ محمد طفیل صاحب کراچی سے ۲۹ر مئی کو لندن واپس پہنچ گئے۔ آپ ۲۷ر مارچ کو پاکستان گئے تھے اور قریباً دو ماہ بعد واپس تشریف لے آئے ہیں۔ قیام پاکستان کے دوران انہوں نے کراچی۔ لاہور۔ سیالکوٹ، راولپنڈی اور پشاور میں مختلف جلسوں میں شرکت کی۔

—— ۲۶ر مئی کو احمدیہ ہاؤس لندن میں یوم مسیح موعودؑ منایا گیا۔ نماز ظہر اور عصر کے بعد جلسہ شروع ہوا جس کی صدارت مسز جمیلہ خان نے کی، جناب محمد خالد اقبال نے دعا سے افتتاح کیا۔ مسٹر زاہد عزیز نے حضرت اقدس مرزا غلام احمدؒ کی زندگی اور دعاوی پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ مسٹر شاہد عزیز نے بیچنگز آف اسلام سے ایک اقتباس پڑھ کر سنایا محترمہ رضیہ فاروقی نے حضرت اقدسؑ اور تحریکِ احمدیت پر ایک تقریر کی شیخ محمدؐ طفیل صاحب نے اختصار سے اپنے دورۂ پاکستان کے حالات سنائے۔

جلسہ میں جناب مولینا عبدالحق ودیارتھی صاحب بھی شریک تھے۔ اسی طرح مانچسٹر سے جناب اقبال احمد صاحب اور مسٹر اور مسز آصف شیخ بھی آئے ہوئے تھے۔ اقبال احمد صاحب نے بھی حاضرین سے خطاب کیا۔ جلسہ کے بعد حاضرین کی تواضع چائے بسکٹوں اور حلوہ سے کی گئی۔ ماہ پارا اقبال، مسز ہارون اور مسز جمیلہ نے کھانے پینے کی اشیاء فراہم کیں۔

مسز سلمیٰ وائیٹ انگریز نو مسلمہ جو ہمارے جلسوں میں حصہ لیتی رہتی ہیں اپنے علاقہ کی کونسلر منتخب ہوئی ہیں۔ اس سے قبل انہیں آنریری مجسٹریٹ بنایا گیا تھا۔ اس لحاظ سے وہ پہلی انگریز مسلم خاتون ہیں جو برطانیہ میں مجسٹریٹ بھی ہیں اور کونسلر بھی۔

مسز وائیٹ شیخ محمدؐ طفیل صاحب کے ہاتھ پر مسلمان ہوئیں اور ان کے مضامین لائٹ اور اسلامک ریویو میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

—— ۲ر جون بدھ۔ شیخ محمدؐ طفیل صاحب کو ایک اسلامک پروگرام کے سلسلہ میں بی بی سی کے سٹوڈیو میں بلایا گیا جہاں ایک فیچر فلم میں انہوں نے نماز کا انگریزی ترجمہ ریکارڈ کیا۔

## سائنس کیا ہے (بقیہ صفحہ ۹)

سے گندلا ہو رہا ہے۔ یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ یہ سائنس کی غیر حکیمانہ ترقی کا نتیجہ ہے۔ بڑی بڑی طاقتیں چھوٹی چھوٹی اور ترقی پذیر قوموں کو اپنے سیاسی اغراض کے لئے استعمال کرنے اپنے استحکام اور حصول اقتدار کے لئے اپنے سیاسی اور عسکری تفوق کو جتانے کے لئے مہلک ہتھیاروں کیمیائی آلاتِ حرب و ضرب کے لئے ایک تجربہ گاہ بنانے کو بد اخلاقی نہیں خیال کیا جاتا۔ بلکہ یہ عین تہذیب ہے۔ مارٹن لوتھر کنگ نے اس زمانہ میں پائی جانے والی بے چینی اور عدم اطمینانی کا باعث کچھ یوں بیان کیا ہے:—

"ہماری سائنس ہماری روحانی قوتوں سے آگے نکل چکی ہے۔ ایسا نظر آتا ہے کہ ہمارے میزائل تو ٹھکانوں پر لگ جاتے ہیں مگر نسلِ انسانی اپنی اصل منزلِ مقصود سے ہٹ کر غلط سمت کی طرف ہے۔"

---

مکرم حفیظ الرحمٰن شیخ صاحب محترم جنرل سیکرٹری صاحب کی خدمت میں لکھتے ہیں:—

"جامع مسجد احمدیہ۔ دارالسلام میں محترم راجہ محمد افضل صاحب کے زیر نگرانی دینی تعلیم حاصل کرنے والے احمدی بچوں میں سے مندرجہ ذیل بچوں نے خدا کے فضل و کرم سے مورخہ ۸۶/۶/۱۳ بروز اتوار قرآن مجید ختم کر لیا ہے۔

(۱) محمد سلمان حفیظ۔ (۲) خورشید ضیاء (۳) شاہدہ پروین جنجوعہ۔ ✱

✱ ان بچوں کے والدین نے شکرانے کے طور پر مبلغ -/۱۵ روپے (بحساب -/5 روپے فی بچہ) انجمن کے خزانہ میں جمع کرائے ہیں"۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بچوں کو خادمِ دین اور اپنے والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے۔ آمین۔

# جلسۂ یومِ وصال

۲۶ر جون کو حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے یومِ وصال کے سلسلہ میں مقامی جماعت احمدیہ لاہور کے زیرِ اہتمام ایک جلسہ مسجد دارالسلام (نزد یونیورسٹی کیمپس) میں محترم ڈاکٹر وحید احمد صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جلسہ کا آغاز چوہدری محمد حیات صاحب نے تلاوت قرآن مجید سے کیا۔ اس کے بعد ہماری دو نہایت ہونہار اور ہونہار بچیوں مدیحہ رسول اور شاہدہ جنجوعہ نے حضرت مسیح موعودؑ کی مدح میں ایک نظم نہایت خوش الحانی سے سنائی۔

نظم کے بعد ہمارے ایک اور ہونہار بچے اقبال احمد صاحب نے اپنی مختصر تقریر میں بانیٔ تحریک احمدیت کی بعثت کی غرض بتائی اور اس امر پر زور دیا کہ ان کا مقصد صرف اور صرف اسلام کو دیگر ادیانِ عالم پر غالب کرنا اور مسلمان کو اس کی عظمتِ رفتہ واپس دلانا تھا۔ ہمیں چاہیئے کہ موجودہ مشکلات کے باوجود اس بلند مقصد کے حصول کے لئے محض خدا کی خوشنودی کی خاطر کوشاں رہیں۔ اقبال احمد صاحب کے بعد ہمارے نوجوان مقرر زاہد جنجوعہ صاحب تشریف لائے۔ انہوں نے اپنے مخصوص اور مؤثر انداز میں حضرت مسیح موعود کے اخلاقِ حسنہ کے چند پہلو سامعین کے سامنے پیش کئے۔

بعد ازاں پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب نے ایک عالمانہ پُر معارف اور حقائق سے بھرپور تقریر کی۔ محترم پروفیسر صاحب نے دعویٰ مسیح موعودؑ سے پہلے اور اس کے بعد کے واقعات کا موازنہ کیا۔ پھر عیسائیت کی یلغار اور احادیث میں مسیح موعودؑ کی بعثت کی نشانیوں کا تفصیلی جائزہ لیا۔ اور ان مشکلات کا ذکر کیا جو دعوے مسیح موعود کے بعد بانیٔ سلسلہ احمدیہ کو پیش آئیں اور اب تک ان کے متبعین کو پیش آ رہی ہیں۔ آپ نے قرآن مجید کی آیات اور دیگر دلائل سے یہ ثابت کیا کہ موجودہ دور میں اسلام کے دفاع اور پیش آمدہ مشکلات کا حل اسی میں تھا کہ وعدہ کے مطابق مسیح موعود آتا۔ اور حقائق نے یہ ثابت کر دیا کہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ ہی اس معیار پر پورے اُترتے ہیں۔ اس کے بعد سید ناصر احمد صاحب نے اپنی مختصر تقریر میں اس امر پر زور دیا کہ حضرت مسیح موعودؑ کی شخصیت کو فروعی مسائل کی اُلجھنوں سے الگ کر کے ایک عظیم مفکرِ اسلام کی حیثیت سے پیش کیا جائے تاکہ لوگوں کے ذہنوں سے یہ غلط فہمی نکل سکے کہ بانیٔ سلسلہ کی بعثت کی غرض محض اپنے آپ کو منوانا تھی۔

آخر میں محترم چوہدری مسعود اختر صاحب نے اپنی مدلل تقریر میں ثابت کیا کہ دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا مقصد تو تحریکِ احمدیت کے لئے ایک بنیادی فلسفہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس میں موجودہ مادیت کے قبیح اثرات اور سیاست اور مذہب کے متعلق مختلف اُلجھنوں کا حل موجود ہے آپ نے وضاحت فرمائی کہ اس کا مطلب دنیا کو چھوڑنا نہیں بلکہ زندگی کی تگ و تاز میں دینی مقاصد اور اس کے تقاضوں کو اولیت دینا مقصود ہے۔

اس کے بعد محترم عبدالحفیظ بٹ صاحب نے وفاتِ مسیح پر مختصر سی تقریر فرمائی۔ جلسہ کا اختتام محترم ڈاکٹر سعید احمد صاحب کے پُر اثر ناصحانہ الفاظ اور نہایت پُر درد دعا پر ہوا۔ (رپورٹر)

مکرم جناب برکت اللہ صاحب محمود ایڈووکیٹ سیالکوٹ

# دیکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
# آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

کیا ہمارے مکفرین ہستیٔ باری تعالیٰ کے قائل ہیں۔ اور کیا وہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر واقعی ایمان رکھتے ہیں اور حضور کے فرمودات کو اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں حکم گردانتے ہیں اور کیا وہ ختم نبوت کے عقیدہ کو درست تسلیم کرتے ہوئے حضورؐ کے بعد کسی نبی کے آنے کے منتظر نہیں ہیں؟

۱۔ خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایمان اس بات کا مقتضی ہے کہ ان کے تمام احکام پر توجہ اور تندہی سے عمل پیرا ہوا جائے اور اس کا خوف ہر وقت دلوں پر مسلط ہو:—

" انما المؤمنون الذين اذا ذكر الله وجلت قلوبهم و اذا تليت عليهم ايٰته زادتهم ايمانًا و علٰى ربهم يتوكلون (۸ : ۲)

یعنی مومن وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے اور جب ان پر اس کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ ان کو ایمان میں بڑھاتی ہیں اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔"

محض خشک لبوں سے سرسری اقرار صحیح ایمان کے مترادف نہیں ہوتا۔ جبکہ ایسے اقرار میں ابن الوقتی یا سیاسی اغراض کی نشو ونما مقصود ہو۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنا آخری پیغام قرآن مجید کی صورت میں عطا فرمایا ہے۔ اگر ہم قرآن کریم کے احکامات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں اور اس کے کسی ایک حکم سے بھی سرِ مو انحراف نہ کریں تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ ہم خدا کی ہستی کے قائل ہیں اور اسے اپنے درمیان ہر وقت اور ہر جگہ موجود پاتے ہیں۔ اور اس کا ڈر اور خوف ہر وقت ہمارے دلوں کے اندر موجود رہتا ہے۔ کیونکہ یہ عظیم الشان کلام بھی تو اسی کا نازل کیا ہوا ہے۔ لیکن اگر حالت یہ ہو۔ کہ قرآن مجید پر عمل تو درکنار ہم اس کی صورت سے بھی ناآشنا ہوں تو یہ حالت اس بات کی نشاندہی کرے گی کہ ہمارا اس کتاب پر ایمان نہیں اور اس طرح ہم خدا تعالیٰ کی ہستی کے منکر ہیں۔ ورنہ اس کے احکام سے بے رُخی کیسی؟ ان حالات میں ایمان بالرسل کیسے اور کیونکر پیدا ہو سکتا ہے۔

۲۔ اگر ان مکفرین کے دلوں میں ایمان باللہ کا فقدان نہ ہوتا تو جب انہوں نے احمدیوں کی تکفیر کی قرارداد منظور کر کے چالیس لاکھ مسلمانوں کو اپنے زعم میں دائرہ اسلام سے خارج کر ڈالا۔ تو ان کے بدن خوفِ خدا سے لرز کیوں نہ گئے۔ اور ان کے دل ہیبتِ الٰہی سے کانپ کیوں نہ اُٹھے۔ انہیں خدا تعالیٰ کا یہ صریح حکم کیوں یاد نہ رہا:—

" ولا تقولوا لمن القٰى اليكم السلام لست مؤمنا

(۴ : ۹۴)

اور تمہیں جو السلام علیکم کہے اسے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں"

اور اگر یاد تھا۔ اور یقیناً یاد تھا۔ تو پھر انہیں ایسے ہلاکت خیز اقدام کا اختیار کس نے دیا تھا۔ خدا کا حکم جانتے اور سمجھتے ہوئے بھی اس سے سرتابی کا ارتکاب اس بات کا بدیہی ثبوت ہے۔ کہ وہ سرے سے خدا تعالیٰ کی ہستی ہی کے قائل نہیں ورنہ اگر اس کی عظمت و جبروت ان کے دلوں اور دماغوں پر منقش ہوتی تو وہ ایسی قبیح حرکت کے ہرگز مرتکب نہ ہوتے۔ کیونکہ خشیۃ اللہ ہی تو اصل ایمان ہے جب خدا تعالیٰ ہر السلام علیکم کہنے والے کو مومن قرار دیتا ہے تو پھر ایسے شخص کو مومن تسلیم کرنے میں ہمارا کیا عذر ہو سکتا ہے۔ لیکن جب ایمان باللہ ہی مفقود ہو پھر تو قرآن کریم کی واضح آیات کی خلاف ورزی ایک معمول ہو جاتا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی ہستی سے انکار کی صورت میں قرآن کریم پر ایمان کیونکر اور کیسے ہو سکتا ہے اور اسی طرح رسولِ کریم صلعم کی رسالت پر یقین کیونکر ہو سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے مکفرین رسول کریم کی مشہور حدیث من صلّٰی صلوٰتنا و استقبل قبلتنا و اکل ذبیحتنا فذالک مسلم کو یکسر فراموش کر گئے۔ جبکہ اس حدیث میں واضح طور پر مسلمان کی تعریف آ گئی ہے۔ در اصل انہوں نے خدا۔ رسول اللہؐ اور اسلام کو محض نعرہ بازی کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ اور ان کے معبود اب دنیا کی عزت و دولت و منصب بن کر رہ گئے ہیں۔ خدا رسیدہ، رسول کریم صلعم اور اسلام کے سچے شیدائی کے رنگ میں پیش کرنے میں ہمہ تن مصروف ہیں تاکہ اس طرح ان کے مذموم سیاسی مقاصد کی تکمیل بآسانی سرانجام پا سکے وہ خود بخود امیرِ شریعت بن بیٹھے ہیں اور دستار و جبہ کا وقار لوگوں کے دلوں میں قائم کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔ چونکہ اقتدار کے بھوکے ہوتے ہیں لہذا سیاسی برتری کے حصول کی غرض سے پیہم فساد کی بھڑکاتے رہتے ہیں۔ اور لوگوں کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ گویا قوم کی اصلاح کا کاروبار اب انہی کے ذمہ ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:—

" اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو۔ کہتے ہیں کہ ہم ہی تو اصلاح کرنے والے ہیں۔" (۲ : ۱۱)

طاغوتی طاقتوں کا دَور دَورہ ہر زمانہ میں رہتا ہے۔ فرعون اور نمرود ہر زمانہ میں دندناتے پھرتے ہیں۔ افسوس تو یہ ہے کہ مسلمانوں میں بھی فرعون اور نمرود صفت لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں ایسے لوگوں کے حالات درج کر کے لوگوں کو ان کے بد انجام کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ تاکہ ان کے ہولناک انجام سے عبرت حاصل کریں اور ان جیسے اعمال کے مرتکب نہ ہوں۔ لیکن ہمارے مکفرین فرعون و نمرود عاد و ثمود کے واقعات سے آنکھیں بند کئے ہوئے کنبھ کی نیند سو رہے ہیں۔ اور بالکل نہیں ڈرتے کہ خدا تعالیٰ کا ہمہ گیر قانون ان کی تعلّیوں کے پیشِ نظر ان پر بھی وارد ہو سکتا ہے۔ ان کے دل سخت ہو چکے ہیں۔ اور یہ علامت کسی بڑے عذابِ الٰہی کا پیش خیمہ ہے۔

تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب
کیوں نہیں لوگو تمہیں خوفِ عقاب (حضرت مسیح موعودؑ)

۳۔ سیاسی جماعتوں کی تشکیل درخود کوئی معیوب چیز نہیں ہے۔ اگر ان کا نصب العین صحیح معنوں میں قومی خدمت اور اصلاح عامۃ الناس ہو۔ ایسی جماعتیں نہایت منفعت بخش ثابت ہوتی ہیں اور اپنی بے لوث خدمت سے قوم اور ملک کو ترقی کے اعلیٰ مدارج پر پہنچا دیتی ہیں۔ لیکن ایسی جماعتیں جو اپنے تئیں خالص دینی اقدار کی حامل و عامل ظاہر کرتی ہیں مگر در پردہ سیاسی غلبہ حاصل کرنے کے لئے ہمہ وقت کوشاں رہتی ہیں۔ ان سے ملک اور قوم کو بوجہ ان کی ریاکاری کے کسی بھلائی کی اُمید نہیں ہو سکتی۔ اور وہ اپنی فطرتی تنگ نظری کے باعث مُلک اور قوم کو تباہی کے عمیق گڑھے میں دھکیل دیتی ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ ایسے ہی لوگ جو شومئ قسمت سے مذہبی غلبہ کے ساتھ سیاسی غلبہ بھی حاصل کر لیتے ہیں تو پھر ظلم و ستم کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ ہمارے مُلک کی مذہبی جماعتوں کو ابھی سیاسی غلبہ حاصل نہیں ہوا ہے۔ تاہم اپنی سرگرمیوں سے ارباب بست و کشاد کی قوتِ فکر و عمل کو معطل کر ڈالا ہے۔ اور وہ ان کے آگے معمول بن کر رہ گئے ہیں اور ان سے جو چاہتے ہیں منوا لیتے

ہیں۔ کسی کا مؤمن کہلانا محض ان کے حسنِ ظن پر منحصر ہے اور جسے چاہے گردن زدنی قرار دے دیں۔ مگر جس دم زمامِ اختیار بھی ان کے ہاتھوں میں منتقل ہو گئی تو پھر ان کو وہ قوت حاصل ہو جائے گی جو پوپ کو بھی باوجود اس کے ہمہ گیر تقدس اور عوام کی بے پناہ عقیدت کے کسی وقت بھی حاصل نہ ہو سکی۔ اور پھر بے گناہ لوگوں پر محض اختلافِ عقیدہ یا اختلافِ رائے پر وہ مظالم ڈھائے جائیں گے جن کے سامنے چنگیزی مظالم بھی ہیچ نظر آئیں گے۔ تعجب ہے کہ خود تو لوگوں کو پوپ کے ساتھ تشبیہ دے کر مطعون کرتے رہتے ہیں۔ لیکن حالت یہ ہے کہ خود پوپ بننے کے متمنی رہتے ہیں اور اس جیسی شان و شوکت حاصل کرنے کے لئے دن رات کوشاں ہیں۔ یہ تکفیر بازی (Excommunication) پوپ کے پاس بڑا حربہ تھا۔ اور ایسے فتوے سے بڑے بڑے شہنشاہ لرز جاتے تھے۔ اب یہ حربہ انہوں نے یورپ سے مستعار لے لیا ہے۔ اور آئے دن لوگوں کو کافر بناتے رہتے ہیں۔ اور اس حربہ کو زیادہ مؤثر بنانے کے لئے انہیں سیاسی غلبہ کی اشد ضرورت ہے۔ تحریکِ ختمِ نبوت ایسے ہی مذموم ارادوں کی تکمیل کے لئے گاہے بگاہے کسی نہ کسی بہانے سے شروع کر دی جاتی ہے۔ یہ بحث اب فرسودہ ہو چکی ہے کہ کیوں ایسی جماعتیں احمدیوں کے خلاف ہیں۔ یہ حقیقت اب منظرِ عام پر آچکی ہے کہ وہ سیاسی اقتدار کے بھوکے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کے پاس کوئی مثبت منشور نہیں ہے۔ جس کے ذریعہ لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا سکیں کیونکہ ان کے دماغ صحت مندانہ سوچ بچار سے عاری اور ان کے دل انسانی ہمدردی سے خالی ہیں اس لئے انہیں حکومت بدلنے کا ایک ہی گر یاد ہے اور وہ یہ کہ احمدیوں کے خلاف لوگوں کے جذبات کو ابھارا جائے اور ملک میں قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم کر کے ملکی نظام معطل کر دیا جائے اور اس طرح زمامِ اختیار ان کے ہاتھ لگ جائے۔ ملک میں انتشار پیدا کرنے میں تو یہ لوگ کامیاب ہو جاتے رہے ہیں۔ لیکن عروسِ اقتدار سے ہمکنار ہونا ابھی تک ان کو نصیب نہیں ہو سکا۔ لوگوں میں مقبول ہونے کا یہ آسان طریقہ انہوں نے اپنا لیا ہے۔ اور ملک میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکاتے ہوئے انہیں مطلقاً کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہو رہی ان کے ضمیر مردہ ہو چکے ہیں کیونکہ دلوں میں خوفِ خدا باقی نہیں رہا۔

اس نام نہاد تحریکِ ختمِ نبوت نے ۱۹۳۱ء میں پنجاب میں جنم لیا۔ اس کا پس منظر بھی سیاسی تھا۔ ریاست جموں و کشمیر میں پیش آمدہ واقعات کے پیشِ نظر کشمیر کمیٹی کی تشکیل ہوئی تاکہ مہاراجہ جموں و کشمیر کے خلاف ایسا لائحہ عمل تیار کیا جائے جس سے مہاراجہ مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ سیاسی مراعات تفویض کرنے پر مجبور ہو جائے۔ اس کمیٹی کے صدر مرزا بشیرالدین محمود منتخب ہوئے۔ اس کمیٹی میں تمام مکاتیبِ فکر کے علماء شیعہ۔ سنّی اہلِ حدیث وغیرہ شامل تھے۔ حتیٰ کہ علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال بھی اس کمیٹی میں شامل تھے۔ کانگرس نے اس کمیٹی کو غیر مؤثر بنانے اور اپنا سیاسی اقتدار ریاست میں بڑھانے کی غرض سے جماعتِ احرار کی پشت پناہی کی بلکہ یہ جماعت کانگرس کے ایما پر ہی معرضِ وجود میں آئی۔ اس وقت تک مسئلہ ختمِ نبوت نے سیاسی تحریک کی صورت اختیار نہ کی تھی۔

کشمیر کمیٹی کی ہمہ گیر نمائندگی کے پیشِ نظر اس کا استیصال ناممکن تھا چنانچہ انہوں نے مرزا بشیرالدین محمود صاحب کے عقائد کی مناسبت سے تحریکِ ختمِ نبوت کی بنا ڈالی۔ جس سے مرزا بشیرالدین محمود صاحب کی قیادت ختم ہو کر رہ گئی اور ساتھ ہی کشمیر کمیٹی کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ تحریک ختمِ نبوت کی بظاہر کامیابی غیر ذمہ دار سیاسی جماعتوں کے ہاتھ ایک سیاسی حربہ آگیا جس سے وہ ہر حکومت کو متزلزل کرتے رہے بعد میں اس تحریک کو مزید قوت علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کے ایک مضمون سے جو غالباً ۱۹۳۶ء کے اوائل میں (STATESMAN) میں چھپا مل گئی۔ معلوم نہیں علامہ صاحب نے یہ مضمون کن کمزور لمحوں میں جماعتِ احرار کے بڑھتے ہوئے دباؤ کے پیشِ نظر سپردِ قلم کیا۔ اصل حقیقت سے کوئی محرمِ راز ہی پردہ اُٹھا سکے گا کیونکہ یہ مضمون ان کے سابقہ معتقدات کے صریحاً منافی تھا۔ خود تحریکِ احمدیت کے بڑے مداح رہے تھے۔ ان کے بڑے بھائی احمدی تھے جن کی اولاد اب تک احمدیت پر قائم ہے۔ ان کے اپنے بڑے صاحبزادے آفتاب احمد صاحب کی ابتدائی تعلیم و تربیت قادیان میں ہی ہوئی۔ ایسے حالات میں یہ مضمون کسی بیرونی اثر کی غمازی کرتا ہے۔ اس مضمون کے تار و پود اسی تاریخ کے سٹیٹسمین کے اڈیٹوریل میں بکھیر دیئے گئے تھے۔ تاہم سیاسی جماعتوں کو ایک ہتھیار مل گیا۔ اور اسے وہ گاہے بگاہے لوگوں کی نظروں میں اُچھالتے رہتے ہیں۔ قرآن کریم کے ارشادات کو زینتِ طاقِ نسیان کر دیا۔ لیکن علامہ صاحب کے بالبداہت غلط نظریہ کو صحیفہ آسمانی کا درجہ دے کر اس پر عمل پیرا ہوا جا رہا ہے ایسے ہی لوگوں کے متعلق قرآن کریم نے واضح طور پر فرمایا ہے۔ واتخذوا من دون اللہ الہۃً لیکونوا لھم عزّاً یعنی اور وہ اللہ کے سوائے اور معبود بناتے۔ تاکہ ان کے لئے قوت کا موجب ہوں۔ ان سے تو سٹیٹسمین Statesman کا غیر مسلم اڈیٹر ہی با انصاف ثابت ہوا۔ جس نے بلا خوف لومۃ و لائم خدا لگتی بات کر ڈالی۔ مگر مسلمان ہیں کہ انہوں نے اسے صحیفہ آسمانی بنا ڈالا ہے۔ اب کے اس مضمون کو بہت ہی اچھالا گیا۔ جس کے نتیجہ میں چالیس لاکھ مسلمانوں کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا۔ اور اس طرح اپنے زعم میں ۹۰ سالہ مسئلہ حل کر دیا۔ احمدیوں کا مسئلہ تو حل ہو گیا۔ کیا تکفیر بازی کا مرض بھی ختم ہو گیا؟ ابھی حال ہی میں ایک مولوی صاحب نے فتوےٰ دیا ہے کہ جو نمازیں امام مسجد نبوی کے پیچھے پڑھی گئی ہیں وہ ضائع گئیں۔ لوگوں کو چاہیئے کہ دوبارہ یہ نمازیں اپنے طور پر پڑھ لیں۔ یہ فتوےٰ اس لئے صادر ہوا۔ کہ امام مسجد مذکور وہابی مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ سنّی شیعہ کو کافر کہتے ہیں اور سنّی وہابیوں کو کافر کہتے ہیں۔ بریلوی دیوبندی کی نظر میں کافر ہیں اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ ہمارے متعلق تو یہ کہا جاتا ہے کہ ہمارے کفر پر تمام اُمّت کا اجماع ہو گیا۔ اول تو اجماع تو کوئی دلیل نہیں اگر بفرضِ محال اسے درست بھی تسلیم کر لیا جائے۔ ہمیں یہ تو کوئی بتلائے کہ اجماع کن کا کس کے خلاف ہوا۔ اور یہ اجماع کس حد تک مؤثر ہے۔ جب تمام فرقے ایک دوسرے کی نظر میں کافر ہیں۔ تو پھر تمام کافر اگر مل کر ایک مومنین کی جماعت کو کافر کہہ ڈالیں۔ تو کیا وہ کافر ہو جائے گی۔ پہلے ہمارے مکفرین اپنے مسلمان ہونے کا ثبوت پیش کریں۔ پھر انہیں دوسروں کو کافر کہنا زیب دیتا ہے اور کیا اسلام تک محدود جماعت اسلامی اور جمعیت العلماء کا سیاسی شگھٹن اجماع اُمّت کہلاتا ہے۔ کس نے ان کو ابنائے اسلام کا نمائندہ بنایا ہے۔ وہ تو پاکستان کے مسلمانوں کی بھی نمائندہ جماعتیں نہیں ہیں۔ جتنا ان کا اجماع مضحکہ خیز ہے اتنا ہی ان کا فتویٰ کفر بے اثر اور کالعدم ہے۔ نہ یہ خود مسلمان بنتے ہیں اور نہ ہی کسی اور کو مسلمان رہنے دیتے ہیں۔ ایسی حالت میں اسلام زندہ باد کے نعروں کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے ؎

واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو + کیا بات ہے تمہاری شرابِ طہور کی

(باقی ہے باقی)

ہفت روزہ پیغامِ صلح لاہور ــــــــــ مؤرخہ ۲۳ / جون ۱۹۷۶ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ــــــــــ شمارہ نمبر ۲۵

حافظ محمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغامِ صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۳ | چہار شنبہ یکم رجب ۱۳۹۶ھ مطابق ۳۰ جون ۱۹۷۶ء | نمبر ۲۶

# مَلفُوظاتِ حضرت مُجدّد صدِ چہاردہم علیہ السّلام

## مسیح موعود ہونے کا دعویٰ ملہم من اللہ اور مجدد من اللہ کے دعویٰ سے کچھ بڑھکر نہیں

### مسیحیت کا دعویٰ ایک خطاب ہے۔ جو مفاسدِ زمانہ کے علاج کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا ہے

ما سوا اس کے جو شخص ایک نبی متبوع علیہ السلام کا متبع ہے اور اس کے فرمودہ اور کتاب اللہ پر ایمان لاتا ہے۔ اس کی آزمائش انبیاء کی آزمائش کی طرح کرنا ایک قسم کی نادانی ہے۔ کیونکہ انبیاء اس لئے آتے ہیں کہ تا ایک دین سے دوسرے دین میں داخل کریں۔ اور ایک قبلہ سے دوسرا قبلہ مقرر کرادیں۔ اور بعض احکام کو منسوخ کریں اور بعض نئے احکام لاویں۔ لیکن اس جگہ تو ایسے انقلاب کا دعوےٰ نہیں ہے وہی اسلام ہے جو پہلے تھا۔ اور وہی نمازیں ہیں جو پہلے تھیں۔ وہی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو پہلے تھا۔ اور وہی کتابِ کریم ہے جو پہلے تھی۔ اصل دین میں سے کوئی ایسی بات چھوڑنی نہیں پڑی جس سے اس قدر حیرانی ہو۔ مسیح موعود کا دعوےٰ اس حالت میں گران اور قابلِ احتیاط ہوتا کہ جب اس دعوے کے ساتھ نعوذ باللہ کچھ دین کے احکام کی کمی بیشی ہوتی۔ اور ہماری عملی حالت دوسرے مسلمانوں سے کچھ فرق رکھتی۔ اب جبکہ ان باتوں میں سے کوئی بھی نہیں۔ صرف مابہ النزاع حیاتِ مسیح اور وفاتِ مسیح ہے اور مسیح موعود کا دعوےٰ اس مسئلہ کی درحقیقت ایک فرع ہے۔ اور اس دعوے سے مراد کوئی عملی انقلاب نہیں اور نہ اسلامی اعتقادات پر اس کا کچھ مخالفانہ اثر ہے۔ تو کیا اس دعوے کے تسلیم کرنے کے لئے کسی بڑے معجزہ یا کرامت کی حاجت ہے۔ جس کا مانگنا رسالت کے دعویٰ میں عوام کا قدیم شیوہ ہے۔ ایک مسلمان جسے تائید اسلام کے لئے خدا تعالےٰ نے بھیجا جس کے مقاصد یہ ہیں کہ تا دینِ اسلام کی خوبیاں لوگوں پر ظاہر کرے اور آج کل کے فلسفی وغیرہ الزاموں سے اسلام کا پاک ہونا ثابت کر دیوے۔ اور مسلمانوں کو اللہ اور رسولؐ کی محبت کی طرف رجوع دلاوے کیا اس کا قبول کرنا ایک منصف مزاج اور خدا ترس آدمی پر کوئی مشکل امر ہے؟

مسیح موعود کا دعویٰ اگر اپنے ساتھ ایسے لوازم رکھتا جن سے شریعت کے احکام اور عقائد پر کچھ مخالفانہ اثر پہنچتا تو بے شک ایک ہولناک بات تھی لیکن دیکھنا چاہیئے کہ میں نے اس دعوے کے ساتھ کس اسلامی حقیقت کو منقلب کر دیا ہے؟ کون سے احکام اسلام میں سے ایک ذرہ بھی کم یا زیادہ کر دیا ہے۔ ہاں ایک پیشگوئی کے وہ معنے کئے گئے ہیں۔ جو خدا تعالےٰ نے اپنے وقت پر مجھ پر کھولے ہیں۔ اور قرآن کریم ان معنوں کی صحت کے لئے گواہ ہے۔ اور احادیث صحیحہ بھی اُن کی شہادت دیتے ہیں پھر نامعلوم کہ اس قدر کیوں شور و غوغا ہے۔

(آئینۂ کمالاتِ اسلام)
صفحہ ۲۷۵-۲۷۶

محترمہ اُم سلمہ صاحبہ بنت مولوی محمد علی صاحب مبلغ ڈیرہ غازی خان

# حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے تجدیدی کارنامے

ذیل کا مضمون ہمارے محترم مولوی محمد علی صاحب، مبلغ ڈیرہ غازی خان کی صاحبزادی محترمہ اُم سلمہ کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہے، جو موصوفہ کے اعلیٰ دینی شغف اور گہرے مطالعہ کا آئینہ دار ہے۔ اُمید ہے کہ یہ مضمون ہماری جماعت کی دوسری خواتین کے لئے بھی حضرت مجدد زمانؒ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنے میں ایک تحریک ثابت ہوگا ——— (ادارہ)

ع
انسان کی عظمت کو ترازو میں نہ تولو
انسان تو ہر دَور میں انمول رہا ہے

کسی انسان کی عظمت کا انحصار اس کے کارناموں پر ہوتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے نہایت نا مساعد حالات میں تجدید و احیائے ملت اور ابطالِ مذاہب باطلہ کے تاریخ ساز کارہائے نمایاں سر انجام دیئے ہیں۔ آپؑ ایک پسماندہ گاؤں قادیان میں پیدا ہوئے۔ جہاں تعلیم و تدریس اور علم و معرفت کے کوئی سامان نہ تھے۔ آپؑ نے جب مجدد ہونے کا دعویٰ کیا تو گویا دُنیا میں ایک آگ سی لگ گئی اور تمام عُلماء اور فضلا آپؑ کے مخالف ہوگئے۔ طرح طرح کی مخالفتیں اور شورشیں برپا کی گئیں اور کُفر کے فتوے جاری کر دیئے گئے۔

ان کے علاوہ آریوں، عیسائیوں، سکھوں اور ہندوؤں نے بھی زبردست مخالفت کی کیونکہ آپؑ نے ان سب مذاہب کو باطل ثابت کیا۔ اس طرح مصائب و مشکلات کے پہاڑ آپ پر ٹوٹ پڑے۔ لیکن آپؑ کے پائے استقلال میں ذرہ بھی لغزش نہ آئی بلکہ آپ نے ان مصائب و مشکلات کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ یہ استقامت و استقلال سوائے تائید الہٰی کے کسی کو میسّر نہیں آتا۔ آپ اپنے ربّانی مشن کی بجا آوری میں شب و روز مشغول و مصروف رہے اور تجدید و تبلیغ کے کام میں اپنے مال و وقت اور اپنی جان و جسم کو تا دمِ مرگ لگائے رکھا۔

آپؑ نے اُردو، فارسی اور عربی میں تقریباً ستّر اسّی کتابیں لکھیں اور اسلام اور مذاہبِ عالم پر بینظیر لٹریچر پیدا کیا۔ اور اللہ تعالےٰ کے حکم سے یہ دعوےٰ کیا کہ میری عربی تصانیف کا بلحاظ لٹریچر اور بلحاظ معارف کوئی بڑے سے بڑا عربی دان مقابلہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ کسی شخص کو اس چیلنج کے مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی۔

آپؑ نے مقامِ مجددیت پر فائز ہوکر اعلانِ عام کیا کہ تمام رُوئے زمین پر صرف ایک ہی دین زندہ ہے اور وہ ہے اسلام۔ اور ایک ہی ایسا رسولؐ ہے جس کے رُوحانی فیوض و برکات کے حاصل کرنے کا دروازہ آج بھی کُھلا ہے۔ آپؑ نے چودھویں صدی میں تقاضائے وقت کے تحت اللہ تعالےٰ کی ہستی اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر زور دیا۔ اس زمانہ کا سب سے بڑا فتنہ اللہ تعالےٰ کے انکار کا فتنہ تھا۔ چنانچہ آپؑ نے اس فتنہ کا سدِ باب کیا۔ اور خدا تعالیٰ کی ہستی پر زور دیتے ہوئے دنیا کو چیلنج کیا کہ آؤ میں تمہیں زندہ خدا دکھاؤں۔

حضرت امامِ زمانؑ کا زندہ خدا پر زندہ ایمان تھا۔ اسی حق الیقین اور علیٰ وجہ البصیرت ایمان کی طاقتوں کے ذریعہ یہ روحانی اور تجدیدی کارنامے آپؑ نے سر انجام دیئے۔ اگر یہ کچھ نہ ہوتا تو اسلام و قرآن کی اشاعت تبلیغ اور حفاظت و مدافعت کے کام ہرگز نہ ہو سکتے تھے۔

آپؑ نے تبلیغ و تعلیمِ اسلام کے جو تاریخ ساز کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہ تاریخِ تجدید و احیائے اسلام کا ایک سنہری باب ہے۔ آپؑ نے ہر قدم پر غیرتِ دین اور اشاعت و حفاظتِ اسلام کا اظہار کیا۔ اپنوں کو دلائل و براہین سے سمجھایا اور غیروں کے سامنے حقائق و شواہد رکھے۔ آپؑ نے جہاد بالقرآن کا بے نظیر کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ آریوں، عیسائیوں اور سکھوں کے عقائد کی غلطیاں واضح کرتے ہوئے اسلام کی حقانیت و صداقت پر مہرِ تصدیق ثبت کی۔ اور زندہ خدا کے زندہ کارناموں اور اس کی عظمتوں اور قدرتوں کے ہزاروں نشان دکھائے اور اس طرح اسلام کی فتح و نصرت کے جھنڈے اکنافِ عالم میں گاڑ دیئے۔ حضرت صاحب کا کام اسلام اور قرآن کی خدمت کے سوا کچھ نہ تھا۔ جو چیزیں صرف قصہ کہانی بن کر رہ گئی تھیں آپؑ نے انہیں ایک حال کی کیفیت اور وجدان و مشاہدہ کی حقیقت بنا دیا۔ اور علمی، اخلاقی اور ایمانی میدان میں سبقت حاصل کی۔

ہر زمانہ کا مجدد اپنے دَور کے تقاضوں کے مطابق مفاسدِ زمانہ کا علاج کرتا اور تجدید و احیاء دین کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ چنانچہ عصرِ حاضر کے اس بطلِ جلیل اور مامورِ الہٰی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تحقیقی، علمی، تجدیدی اور رُوحانی کارنامے اس قدر ہیں کہ ان کو پڑھ کر یا سُن کر یا دیکھ کر ذاتِ باری تعالیٰ اور اسلام کی صداقت پر ایمان زندہ ہو جاتا ہے۔

آپؑ نے اِسمی و رسمی اسلام کی بجائے حقیقی اسلام پیش کیا۔ اور جو غلط عقائد و مسائل، روایات و رواج اسلام میں راہ پا گئے تھے اُنکی نشاندہی فرمائی۔ اور تجدیدِ دین و احیاءِ شریعت کا قابلِ رشک فریضہ انجام دیا۔ اور نہایت مایوس کن حالات میں غلبۂ اسلام کا رُوح افزا مژدہ سنایا۔ اور اس کو ایک حقیقت بنا کر دکھا دیا۔ حضرت امامِ وقت نے اسلام کی حفاظت و اشاعت اور مدافعت کے لئے یہ جماعت تیار کی۔ زمانہ شاہد ہے کہ یہی ایک جماعت ہے جسے اس فریضہ کی تکمیل کی توفیق حاصل ہوئی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تقاضائے وقت کے تحت تجدیدِ دین اور احیائے ملت کے جو عظیم الشان کارنامے سر انجام دیئے ہیں ان میں سے چند بنیادی امور یہ ہیں :-

(۱) - حیات و وفاتِ مسیح ناصری۔
(۲) - ختمِ نبوت -
(۳) - اُمتِ مسلمہ میں سلسلۂ مجددین و محدثین -
(۴) - اشاعت و غلبۂ اسلام

حضرت مرزا صاحبؒ کا مقصد پاک و مطہر مومنوں کی ایک ایسی جماعت تیار کرنا تھا جو اپنے نیک عمل سے اشاعت اسلام کا فریضہ ادا کرے اور جس کا تعلق آسمان والے سے ہو۔ حضرت امامِ زمانؑ جماعت میں وہ روحانی انقلاب پیدا کرنا چاہتے تھے جو تعلیمِ فرقانی اور خلقِ محمدیؐ کی اتباع کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہو۔

عملی میدان میں بھی حضرت اقدس مسیح موعودؑ علیہ السلام کی خدمات اس قدر نمایاں ہیں کہ آپ نے اس زمانہ میں ایک جماعت کو پھر سے تعلیم فرقانی پر نہ صرف عامل بنا دیا بلکہ اس جماعت کو جہادِ اکبر پر لگا دیا۔ اس کی برملا شہادت علامہ اقبالؒ نے اپنی علیگڈھ کی ۱۹۱۱ء کی تقریر میں ان الفاظ میں دی کہ :-

"اگر تمہیں اس زمانہ میں ٹھیٹھ اسلامی تہذیب کا نمونہ کہیں دیکھنا ہو تو وہ تمہیں اس فرقہ میں ملے گا جو آج قادیان میں پیدا ہوا ہے۔"

حضرت مسیح موعودؑ نے سر دھڑ کی بازی لگا کر اسلام کی بیش بہا خدمت کی۔ اور اس کو تمام ادیانِ عالم پر برتر ثابت کر دیا۔ اور اس طرح اس

(باقی بر صفحہ ۱ کالم ۲)

ہفت روزہ پیغام صلح —— لاہور —— ۳۰ جون ۱۹۷۶ء

# ہمیں صرف خدا اور رسول کی محبت چاہیئے یہی عین اسلام ہے

ہمارے جن قارئین کو ہفت روزہ المنبر پڑھنے کا کبھی کوئی موقعہ ملا ہو ان کی نظروں سے یہ اشتہار ضرور گذرا ہوگا جس کا عنوان ہوتا ہے "قادیانیوں کو دعوت اسلام"۔ ہمیں یہ دعوتِ اسلام دینے کے لئے مدیر "المنبر" مولانا عبدالرحیم اشرف نے "قادیانیوں سے پہلا خطاب" کے نام سے ایک پمفلٹ لکھا ہے اور اسے تقسیم کرنے کے لئے "مسلمانوں" کو ترغیب دلائی ہے کہ -/15 روپے فی صد محصول ڈاک بھیجکر یہ کتابچہ منگوائیں اور "مسلمانوں" اور "قادیانیوں" دونوں میں تقسیم کرکے "فریضہ حمایت حق و ابطال سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش" فرمائیں۔ ہم تو ہمیشہ سے یہ سمجھتے آئے ہیں اور جب سے اسلام کی تبلیغ شروع ہے ایسا ہی ہوتا آیا ہے کہ دعوتِ حق دینے والے اور "ابطال باطل" کرنے والے سود و زیانِ زندگی سے بے نیاز ہوکر اپنا سب کچھ حتیٰ کہ جان بھی راہِ حق میں مسکرا کر پیش کر دیتے ہیں اور یہاں چند اوراق پہ مشتمل ایک پمفلٹ کے لئے -/15 روپے فی صد کے حساب سے محصول ڈاک طلب کیا جاتا ہے۔ ہم تجربۃً یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایسے کم سے کم ۵۰۰ کتابچے اس خرچ میں بھیجے جا سکتے ہیں۔ حکیم صاحب ایک سکول بھی چلاتے ہیں۔ اخبار بھی شائع کرتے ہیں اور ان کا اپنا مطب بھی ہے۔ کیا ان تمام وسائل سے "اسلام" کی تبلیغ۔ اشاعت اور خدمت کے لئے ان کے دل میں جو "اسلام" کے غم اور دکھ میں گھلا جا رہا ہے اتنی وسعت بھی پیدا نہیں ہوتی کہ وہ بھٹکے ہوئے لوگوں کو راہ ہدایت کی طرف بلانے کے لئے اپنی جیب سے کچھ رقم نکال سکیں۔ اسلام قربانی چاہتا ہے۔ اور سب سے زیادہ اُن سے جو دوسروں کو دعوت دینے پر مامور کئے گئے ہوں یا اپنے آپ کو اس پر مامور سمجھ بیٹھیں۔ اور حکیم صاحب تو "ناظم اعلےٰ مرکزی مجلس تحفظ ناموسِ رسالت" ہیں کے لئے اگر جان بھی چلی جائے تو عین سعادت اور راحت ہے۔ اس کے لئے دوسروں کی جیبوں میں ہاتھ ڈالنے سے اس پر سخت حرف آتا ہے۔ انہیں خود بھی اس کا اعتراف ہے کہ "قادیانی" ایک کروڑ روپے سے زیادہ رقم اُس اسلام کی تبلیغ کے لئے خرچ کر رہے ہیں جو وہ پیش کرتے ہیں۔ ہمیں بڑا افسوس ہے کہ "مسلمان" حکیم صاحب کی اس بار بار بلکہ ہر بار دہرائی جانے والی اپیل پر کان نہ دھر کے بڑی بے حسی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ بلکہ یوں کہنا درست ہوگا۔ کہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں "اسلام" سے ہی متنفر ہو رہے ہیں مولانا ذرا اپنے مخصوص دائرے سے باہر نکل کر یونیورسٹیوں اور کالجوں کے طلباء سے اسلام کی بات کریں اُن پر یہ حقیقت فاش ہو جائے گی کہ قادیانیوں کا اسلام میں آنا تو رہا الگ اپنی "مسلمان" قوم کی یہ پڑھی لکھی نئی پود ہی ہمارے پیش کردہ اسلام سے برگشتہ خاطر ہوکر دہریت کی گود میں گر پڑنے کو تیار بیٹھی ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ کے تحت سب سے پہلا حق اپنے قریبیوں کا ہوتا ہے۔ ہمارا غم نہ کھائیے۔ ہم تو اب "قانونی اور دستوری" لحاظ سے آپ کے نزدیک ایک چھوٹی سی "غیر مسلم" اقلیت ہیں۔ ان کروڑوں کا فکر کیجئے جو اشتراکیت کے مہیب کنارے پر کھڑے ہیں۔ اور قریب ہے کہ اس سیلاب کا ایک ہی ریلا انہیں اپنے ساتھ بہا کر لے جائے۔ اور یہ یقین جانیئے اس میں آپ بھی بہہ جائیں گے۔ جہاں جہاں مسلمان اس انقلاب سے متاثر ہوئے ہیں وہاں

کے عبرتناک اور سبق آموز واقعات پڑھ کر دیکھ لیں کہ جن نام نہاد اللہ والوں کی متاعِ دین و دانش نفس پرستی نے لوٹ لی ان کا کیا انجام ہوا۔ یہ سنت اللہ ہے کہ جو قوم بھی حیوانی جذبات سے مغلوب ہو کر جادۂ حق پرستی سے ہٹ جاتی ہے وہ عذاب استیصال کی مورد ہو جاتی ہے اور سفحۂ ہستی سے اس کا نام و نشان تک محو ہو جاتا ہے۔ اس میں مسلمان اور غیر مسلم کے لئے کوئی استثناء نہیں اگر ایسا نہیں تو پھر قرآن کریم میں مذکورہ قوم نوحؑ۔ قوم لوطؑ۔ عاد و ثمود۔ اصحاب الایکہ اور یہود و نصاریٰ کے واقعات بے معنی اور بے مقصد ہو کر رہ جاتے ہیں۔

ہم یہ باور کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں کہ اشرف صاحب ایک صحافی ہونے کی حیثیت سے اپنے گرد و پیش سے اتنے بے خبر ہیں کہ ان کی نگاہیں ہر در و دیوار پر لکھی ہوئی اس "تحریر" اصلی کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ "حق چار یار" پہ کبھی نہیں پڑی ہوں گی۔ اور انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ اس رٹ درخواست کا ردِ عمل ہے جو بعض مولوی صاحبان کی طرف سے اس ضمن میں دائر کی گئی ہے کہ مسلمانوں کا ایک دوسرا یا اثنا عشری فرقہ جمیشہ طور پر یہ کلمہ پڑھتا ہے "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ علی ولی اللہ۔ وصی رسول اللہ۔ خلیفۃ بلا فصل"۔ اور اسے "تحفظ کلمہ" کا عنوان دیا گیا ہے۔ اس دوسرے فرق نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ ہمارا کلمہ حقیقی ہے۔ جو کلمہ دوسرے مسلمان پڑھتے ہیں وہ منسوخ ہو چکا ہے کیونکہ "مرزائی" یہی کلمہ پہلے بھی پڑھتے تھے اور اب بھی پڑھتے ہیں مگر اس کے باوجود انہیں "غیر مسلم" یا "نام نہاد مسلم" بنا دیا گیا ہے۔ اس لئے یہ کلمہ پڑھنے سے اب کوئی دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ درست ہے تو کیا ان حقائق کی روشنی میں ہم حکیم صاحب موصوف سے بڑے عجز و انکسار کے ساتھ یہ استفسار کر سکتے ہیں کہ ہمیں (قادیانی اور لاہوری) وہ کس اسلام میں واپس آنے کی دعوت دیتے ہیں۔ پاکستان میں تو اسلام کے کئی "برانڈ" ہیں اور ہر "برانڈ" دوسرے کو نقلی اور اپنے کو اصلی بتاتا ہے۔ یہ بتائیے خریدار جائے تو کہاں جائے۔ دیوبندی۔ بریلوی۔ چکڑالوی۔ نیچری۔ مالکی۔ حنبلی۔ شافعی۔ وہابی۔ شیعہ وغیرہ ہر کوئی ہے۔ لیکن مسلمان کوئی نہیں۔ ہمیں وہ بتائیے جن کا اسلام قرآن اور حدیث کے مطابق ہو۔ اگر یہ کہہ کر ہمیں خاموش کرنے کی کوشش کی جائے کہ یہ مختلف مکاتیب فکر ہیں تو یہ ہمارے لئے وجہ تسلی نہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کو کافر کہتا ہے۔ اور پھر اگر ہم بھی یہ کہہ دیں کہ آپ کی طرح ہم بھی ایک مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتے ہیں اور اس طرح ہمیں بھی اپنے آپ کو مسلمان کہنے کا حق حاصل ہے تو آپ کی بھویں کیوں تن جاتی ہیں اور شکن آلود جبینیں کیوں تاریک ہو جاتی ہیں آنکھوں سے شعلے کیوں برسنے لگتے ہیں۔ اور آپ کے سینوں میں بھڑکتی ہوئی بغض و حسد کی آگ سے ہم پہ آپ کی یہ پھنکاریں ہمیں کیوں جھلسائے دیتی ہیں۔ قرآن کریم کے رُو سے عدل و انصاف یہ تو نہیں کہ اپنے لئے پیمانے اور دوسروں کے لئے اور۔ وہاں تو یہ ہے "واقیموا الوزن بالقسط ولا تخسروا المیزان" (الرحمٰن ـ ۹)

ہم آپ کی توجہ قرآن کریم کی اس آیت کی طرف دلاتے ہیں :۔

" یقیناً وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور گروہ گروہ ہو گئے تیرا (رسول اللہ) ان سے کچھ سروکار نہیں۔ اُن کا معاملہ اللہ کی طرف ہے پھر وہ ان کو خبر دے گا جو وہ کرتے تھے"

(الانعام ـ ۱۶۰)

اس آئینے میں اپنی صورت دیکھ کر مدد لگتی کہیئے کہ کیا ان فرقوں میں سے بشمول آپ کے کسی ایک کو بھی رسولِ کریمؐ کی ذاتِ اقدس سے ذرا بھر بھی عقیدت اور تعلق ہے۔ اور کیا انہیں یوم حساب اللہ تعالےٰ کے سامنے اس کے لئے جوابدہ ہونے کا ذرا سا بھی دل میں خوف ہے۔ اور اگر نہیں تو پھر "تحفظ ناموسِ رسالت"

کے نام پر یہ کاروبار کیسا۔

ایک "غیر مسلم" کی یہ بات پلّے باندھ لیجئے کہ یہ ملک جو نیزوں کی نوکوں پر ٹنگے ہوئے معصوم جسموں۔ اَن گنت لاشوں اور ہزاروں لٹی ہوئی عصمتوں کی راکھ پر تعمیر ہوا ہے۔ یہ دینِ اسلام کے نام پر حاصل ہُوا۔ اس کا مطلب لاالٰہ الا اللہ تھا۔ اسلام کسی بندہ کا نہیں اللہ تعالےٰ کا اپنا پسندیدہ دین ہے۔ جو بھی پسند کرے اسے اختیار کرنا اس کا حق ہے۔ یہ کسی ایک فرقے کی کوششوں کا ہرگز نتیجہ نہیں اور یہ اللہ تعالےٰ کا ایک انعام اور نعمت ہے۔ یہ نعمت آپ کی کافر گری۔ فرقہ بندی اور گروہ سازی کی بھینٹ چڑھ گئی تو پھر نہ مسلمانوں کا کوئی ٹھکانا ہوگا اور نہ "غیر مسلموں" کا۔ اللہ تعالےٰ اپنے انعامات آزمائش کے طور پر بھی دیتا ہے کہ کوئی قوم اس کی منشاء پر کس طرح پوری اُترتی ہے۔ پھر نا اہلوں، قدر نا شناسوں اور ناشکر گذاروں سے چھین لینے میں بھی اُسے کوئی دیر نہیں لگتی۔ سورۃ یونس کی ان آیات پر غور کریں :-

"اور یقیناً ہم نے تم سے پہلے کئی نسلوں کو ہلاک کر دیا جب وہ ظلم کرنے لگ گئے اور ان کے رسول ان کے پاس کھلی دلائل لے کر آئے اور نہ ہوا کہ وہ ایمان لاتے۔ اسی طرح ہم مجرم لوگوں کو سزا دیتے ہیں پھر ہم نے ان کے بعد تمہیں زمین میں حاکم بنایا تاکہ ہم دیکھیں تم کس طرح عمل کرتے ہو" (۱۰-۱۳ تا ۱۴)

ستمبر ۱۹۴۸ء کے بعد سے "پاکستانی مسلمان" جن افعال کے مرتکب ہوتے رہے ہیں وہ ہمارے سامنے ہیں اور آج مذہب اور اسلام کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے اسے بھی ہم جانتے ہیں اور آپ سے بھی یہ پوشیدہ نہیں۔ قرآن اور حدیث کو سامنے رکھ کر خدا کے لئے شہادت دیں کہ کیا ایسے اعمال بجا لانے والے آپ کے نزدیک مسلمان کہلانے کے مستحق ہیں۔ ہم قرآن کریم کے اوامر اور نواہی اور ان کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی صرف ایک ہی جامع حدیث آپ کے سامنے رکھتے ہیں پھر پوچھتے ہیں کہ ان کی روشنی میں مسلمان کی تعریف کیجئے اور اسے پہلے اپنی ذات پر اور بعد میں دوسرے مسلمانوں پر چسپاں کر کے جی کڑا کر کے کہہ دیں کہ اس شیشے میں مسلمان اور مؤمن کا خوبصورت چہرہ ہے یا حقیقت اس کے برعکس ہے۔ آپ کو عالم دین ہونے کا دعوےٰ ہے اس لئے آپ قرآنی اوامر و نواہی سے بخوبی واقف ہوں گے اور حدیث کا علم بھی آپ کے پاس ہے۔ ہم صرف یاددھانی کے طور پر یہ حدیث نقل کرتے ہیں:

"عن عبداللّٰہ بن عمرو عن النّبی صلی اللّٰہ علیہ وسلّم قال المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ والمھاجر من ھجر ما نھی اللّٰہ عنہ۔

(عبداللہ ابن عمرو سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ مسلم وہ ہے کہ اس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان بچے رہیں اور مہاجر وہ ہے جو اسے ترک کر دے جس سے اللہ نے روکا ہے) (بخاری۔ کتاب الایمان)

بتائیے اَب کون مسلمان ہے جس کی جان و مال۔ عزت اور آبرو دوسرے مسلمان کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ ہے۔ اور کون مسلمان اس صورت میں مہاجر کہلانے کا مستحق ہے جو حدیث شریف میں بیان ہوئی۔ اگر ہم ان تمام ذنوب۔ مکروہات اور سیئات کا ذکر جو اس وقت مسلمانوں میں پائی جاتی ہیں تفصیل سے کرنے بیٹھیں اور ہر مسلمان ملک کہلانے والے کی معاشرتی زندگی کا نقشہ کھینچیں تو سینکڑوں نہیں ہزاروں اوراق سیاہ ہو جائیں ایسے میں اگر ہم آپ سے یہ پوچھ بیٹھیں کہ آپ ہمیں کونسے اسلام کی دعوت دیتے ہیں تو آپ کے پاس کیا جواب ہوگا۔ اور اگر ہوگا تو یہی کہ جو قرآن اور حدیث نے پیش کیا ہے۔ سو وہ خدا کے فضل سے ہمارے پاس ہے اور اگر نہ ہوتا تو روزانہ محراب و منبر سے یہ قرار دادیں پاس نہ ہوتیں کہ "قادیانیوں کو شعائر اسلامی کی توہین کرنے سے روکا جائے"۔ یہ اسی لئے ہے کہ احمدی (قادیانی اور لاہوری) ان شعائرِ اسلامی کا عملاً احترام کرتے ہیں اور یہ عمل ایسا ہے جو آپ کو اپنی آنکھوں سے نظر آتا ہے اور آپ کا دل اس پر گواہی دیتا ہے۔ ورنہ یہ غوغا آرائی کیسی!

آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کے سارے اعمال تو آنحضرت صلعم کی اس حدیث کے مطابق ہیں :-

"عن ابن عمر قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بنی الاسلام علٰی خمس شھادۃ ان لا الٰہ الا اللّٰہ وان محمد رسول اللّٰہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ والحج وصوم رمضان"

(ابن عمر سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے۔ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا اور حج کرنا اور ماہ رمضان کے روزے رکھنا)

اگر یہی اسلام ہے اور یقیناً یہی ہے اور اس کے مطابق یہ سارے اعمال بجا لاتے ہیں تو ہمارے پاس کوئی ٹھوس اور معقول دلیل نہیں رہتی کہ اُنہیں قانونی اور دستوری لحاظ سے بھی غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ دنیا ہمیں کیا کہے گی۔ ہم نے ان الفاظ میں بیان کردہ مسلمان کی تعریف کو پاؤں کے نیچے مسل کر یہ جرأت کی اس لئے جب تک ان سے یہ ساری چیزیں زبردستی اور قانوناً نہ چھڑائی جائیں ہمارا موقف ریت کی بنیاد پر کھڑا ہے اور ہماری یہ خود ساختہ عمارت کبھی دھڑام سے نیچے آکر ہمیں ہی کچل ڈالے گی۔ لیکن آنحضرت صلعم کا یہ قول بھی سُن لیجئے کہ "ان المعرفۃ فعل القلب" (کہ معرفت دل کا فعل ہے) اس دل کے فعل کو آپ ہم سے کیسے چھینیں گے۔ جن قلوب میں خدا اور اس کے رسولؐ کی محبت کے چراغ روشن ہوں وہ مر کے بھی زندہ رہتے ہیں۔

ہمیں "رب العلمین" اور "رحمۃ اللعلمین" کے بتائے ہوئے اسلام کی ضرورت ہے۔ ہمیں اس خود ساختہ اسلام کی دعوت نہ دیجئے جو انسان کے ہاتھوں انسان کا گلا کاٹنے کا حکم دیتا اور رہبانیت کی زندگی کی ترغیب دلاتا ہے اور جس میں علم "مسلمان" کیا خود ان کے مدّعیان ادام دنوں مبتلا ہیں۔ خواہشاتِ نفس کی تعمیل اور تکمیل اور چیز ہے اور اللہ تعالےٰ کی راہ پر قدم مارنا اور ہے۔ ہمیں یہ دوسری راہ پسند ہے اس کے لئے خواہ کتنی ہی قربانی کیوں نہ دینی پڑے ؞

---

# مسجد دارالسّلام میں پیڈسٹل فینز کی ضرورت

دو ماہ قبل انجمن کی اپیل پر لبیک کہتے ہوئے متعدد خواتین اور احباب جماعت نے جامع احمدیہ بلڈنگس اور مسجد دارالسلام کے لئے چھت کے پنکھے بطور عطیات مہیا فرما دیئے ہیں۔ فجزاھم اللّٰہ احسن الجزاء۔

اب مسجد دارالسلام کے لئے تین پیڈسٹل فینز کی ضرورت محسوس کی گئی ہے۔ چنانچہ بیگم صاحبہ چوہدری فضل حق صاحب سابق جائنٹ سیکرٹری نے ایک پیڈسٹل فین خرید کر مسجد کو عطا فر دیا ہے۔ اور اب دو پنکھوں کی ضرورت باقی ہے۔ جماعت کے مخیّر احباب اور خواتین سے اپیل کی جاتی ہے وہ اس کارِ خیر میں شمولیت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں ؞ خاکسار ناظم دارالسلام کالونی لاہور

---

رند، مال، رامش کسے مفلس نے گردد + خدا خود می شود ناصر اگر ہمت شود پیدا
اگر دست طادر نصرتِ اسلام بکشائد + ہم اندہر شما ناگہ ید قدرت شود پیدا (مسیح موعود)

# مسیح موعودؑ کے دعوے کی حقیقت

(۱)

۴ جون ۱۹۷۶ء کو جو تقریب "یوم مسیح موعودؑ" کے موقع پر مرکزی مسجد احمدیہ میں منعقد کی گئی اس میں ڈاکٹر اللہ بخش صاحب نے مندرجہ بالا موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا جو سامعین کی دلچسپی اور ازدیاد ایمان کا باعث ہوا۔ مختصر وقت میں ڈاکٹر صاحب اس موضوع کے صرف ایک پہلو کو پیش کر سکے۔ اب آپ نے اسے کسی قدر تفصیل سے قارئین اخبار کے لئے قلمبند کر کے بھیجا ہے۔ چونکہ مضمون طویل ہے اس لئے قارئین کی سہولت کے پیش نظر اسے اقساط میں شائع کیا جا رہا ہے۔

——— (ادارہ) ———

حضرت اقدسؑ مرزا صاحبؑ نے جب اپنی شہرۂ آفاق کتاب "براہین احمدیہ" تصنیف فرمائی تو برصغیر کے مسلمانوں نے بجا طور پر اس پر نہایت شاندار ریویو کئے۔ مولوی محمد حسین نے جو بعد میں آپ کے برخلاف طوفانِ مخالفت کے لیڈر ثابت ہوئے تو یہاں تک اپنے رسالہ میں تحریر کیا کہ تیرہ سو سال میں ایسی کتاب تائید اسلام میں شائع نہیں ہوئی اور لکھا کہ اگر کوئی ہماری اس بات کو مبالغہ قرار دے تو اسے واجب ہے کہ ایک ایسی کتاب کی نشاندہی کرے جس میں جملہ مذاہب کی اس طرح پُرزور تردید کی گئی ہو۔ نیز مولوی صاحب نے لکھا کہ حضرت مرزا صاحبؑ ہمارے ہموطن و ہم مکتب ہیں اور ہم ذاتی علم سے بخوبی جانتے ہیں کہ مرزا صاحب موصوف مادر زاد ولی ہیں آپ نے مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کی صداقت پر جو تحدی مخالفین اسلام کے بالمقابل کی ہے اور جس کا مزہ انہوں نے مخالفین کو چکھا بھی دیا ہے وہ صحیح درایت ہے۔ مولوی صاحب نے اپنے ریویو کو یوں ختم کیا:-

غرضیکہ جو خدمت مرزا صاحب نے حالی و قالی، مالی و جانی اور لسانی و قلمی کی ہے اس کی کوئی نظیر زمانۂ حال میں تو نہیں ملتی۔ اور آئندہ کا علم خدا کو ہے لعل اللّٰہ یحدث بعد ذالک امرا۔ غرضیکہ اس کتاب کی تصنیف سے حضرت اقدسؑ کو مسلمانوں میں ایسی مقبولیت و عزت حاصل ہوئی کہ وہ آپ کو مجدد زمان مان چکے تھے۔ یہ واقعہ ۱۸۸۵ء کا ہے مگر ۱۸۸۹ء میں صرف چار سال بعد آپ نے اپنا رسالہ "فتح اسلام" شائع کیا تو اس پر چاروں طرف سے مخالفت کی بوچھاڑ اور تکفیر کے فتووں کی بھرمار ہو گئی۔ یہاں یہ اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا:

اس کا جواب یہ ہے کہ "براہین احمدیہ" میں باوجود دعوے ملہمیت و مجددیت کے اور باوجود حضرت مسیح سے مماثلت کے آپ ابھی حضرت مسیح کو آسمان پر زندہ مانتے اور واپس آنے کے قائل تھے چنانچہ ان امور کا ذکر آپ نے براہین میں بھی فرما دیا مگر ۱۸۸۹ء میں "فتح اسلام" میں پہلی مرتبہ یہ اعلان فرمایا کہ خدا تعالےٰ نے مجھے یہ اطلاع دے دی ہے کہ مسیح ابن مریم وفات پا گئے ہیں، نیز جس مسیح موعود کے نزول کا ذکر احادیث نبویؐ میں کیا گیا ہے اس کا مصداق تمثیلاً چودھویں صدی کا مجدد یعنی میں ہی ہوں۔ یہ وہ امور ہیں جو مجھے خدا تعالےٰ نے منکشف فرمائے ہیں اور میں نے انہیں مطابق قرآن و حدیث پا کر ان کی صحت کو قبول کر لیا ہے اور یہی دعوتِ قبولیت میں اپنے مسلمان بھائیوں کو بھی دیتا ہوں۔

## طوفانِ مخالفت و تکفیر کی حقیقی وجہ

اس واقعاتی بیان سے کچھ بھی شک و شبہ باقی نہ رہ گیا کہ مخالفت اور تکفیر کی اصل وجہ کیا ہوئی۔ دعاوی ملہمیت و مجددیت تو قابلِ قبول تھے اور حضرت مسیح ناصریؑ سے مشابہت بھی منظور تھی لیکن مسلمانوں کو عام طور پر یہ ماننا ہرگز منظور نہ تھا کہ مسیح ناصری وفات پا گئے ہیں اور آپ کے دوبارہ نزول کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے مشابہ کوئی شخص آوے۔ جس عظیم شخصیت کے نزول کا انتظار اُمتِ محمدیہ کو تیرہ سو سال سے ہو رہا ہے وہ عظیم رجل ہم مرزا صاحب کو ماننے کے لئے ہرگز تیار نہیں کیونکہ یہ تمام باتیں ہماری گذشتہ روایات اور تصورات کے برخلاف ہیں مسیح ناصری تو خدا کے عالی شان انبیاء میں سے ایک عظیم الشان نبی ہو گزرے ہیں۔ ہم یہ کیسے اور کیونکر تسلیم کر لیں کہ مرزا غلام احمد وہی عظیم و جلیل القدر ہستی ہیں جن کے بارہ میں احادیث میں یہاں تک آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مجھ سے سب سے قریب تر مومن ہے۔ نیز یہ فرمایا کہ یدفن معی فی قبری۔ ان تمام پیشگوئیوں کو ہم صرف عن الظاہر کر کے تمثیلاً و تشبیھاً کیسے اور کیوں مان لیں؟ پس یہ حقیقت الامری ہے کہ مخالفت کی ساری وجہ دعویٰ ملہمیت و مجددیت یا محض مشابہت مسیح نہیں ہوئے بلکہ مخالفت کا سبب یہ امر ہوا کہ تیرہ سو برس سے جس عظیم مصلحِ اُمت نے مسیح ہو کر آنا تھا حضرت مرزا صاحبؑ کا دعوے اسی شخصیت کی عظمت و شان کا دعوے ہے۔ اس بات کو تسلیم کرنے میں مسلمانوں کی ساری اس عمارت کو جو ان کے ذہنوں اور عقیدوں میں مسلط چلی آ رہی تھی، ایک عظیم ٹھیس لگتی اور تمام سابقہ روایات کی نفی کرتی تھی۔ نیز مسیح نے دوبارہ آسمان سے نزول فرما کر اور مہدی سے مل کر مخالفین اسلام کے بالمقابل جو تلوار کا جہاد کرنا اور مسلمانوں کو ان کی کھوئی ہوئی سلطنت و عظمت دلانا تھی حضرت مرزا صاحبؑ نے ایسے اقدامات کو باطل قرار دے دیا۔ کیونکہ آپ جہاد کی نفی کرتے ہیں اور غیر مسلم حکومت کی ماتحتی اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ پس کہاں مسیحؑ ناصری کا دوبارہ نزول اور مسلم قوم کو ان کی دوبارہ شان و شوکت اور حکومت و سطوت کا بہ جبر و طاقت واپس دلانا اور کہاں یہ تعلیم کہ اب دینِ اسلام، تبلیغ و اشاعت کی منکسرانہ و غریبانہ راہ اختیار کرنے سے غالب آئے گا!! حقیقتاً حضرت مسیحؑ کے دوبارہ نزول اور دینِ اسلام کے دوبارہ احیاء و غلبہ سے متعلق حضرت اقدسؑ کا انقلابی تخیل عام طور پر سابقہ روایات کے عین برعکس اور الفاظ حدیث کے ظاہری معنوں کے برخلاف واقع ہوا تھا۔ یہی وہ انقلابی تصور تھا جسے مسلمان قوم کو منظور و تسلیم کرنے سے انکار ہے۔

## دعویٰ نبوت کا الزام اور افتراء

مسیح موعود کا دوبارہ تمثیلی نزول اور احیاء و فتح دین کا بظاہر نیا تصور، مسلمانوں کے نزدیک خلافِ اسلام عقائد ہیں۔ چنانچہ حضرت اقدسؑ کے برخلاف کُفر کے فتوے کے جواز کو یہ رنگ دیا گیا کہ یہ شخص مدعی نبوت ہے اور دعوے نبوت، بنیادی عقیدہ ختم نبوت کے صریحاً برخلاف ہے، فتویٰ کُفر میں صاف یہ کہا گیا کہ اگرچہ قادیانی نے دعویٰ نبوت سے انکار کیا ہے مگر جو کیفیت دعویٰ کی آپ

نے بیان کی ہے وہ حقیقتاً دعویٰ نبوت ہی ہے۔ گویا یہ امر اسی حقیقت کو آشکارا کرتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنی سابقہ روایات کی رُو سے نزولِ مسیح اور احیاء دینِ اسلام کے بارہ میں جو توقعات قائم کر رکھی تھیں، حضرت مرزا صاحبؑ کی تعبیر سے وہ تمام ختم ہو جاتی ہیں بھلا مسلمانوں میں سے اس اُمت کا کوئی فرد، کیسے اور کیونکر اُن عظیم و انقلابی عالمگیر پیشگوئیوں کا مصداق بن سکتا ہے جو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے مسیح و مہدی کے بارہ میں کی ہیں اور جو کسی ایک امر میں بھی اپنے ظاہری الفاظ میں مرزا صاحب پر چسپاں نہیں ہوتیں؟ یہ تمام نیا تصوّر اور انقلابی تخیل ہماری تیرہ سو سالہ مسلّمہ روایات کے صریحاً برخلاف و برعکس واقع ہوا ہے اور ہم اسے خلافِ دینِ اسلام یقین کر کے ایسے مُدّعی کو کافر و بے ایمان سمجھنے کا اعلان کرتے ہیں۔

## "فتح اسلام" میں کُفر کے فتویٰ کی پیشگوئی

بعض اصحاب نے یہ نکتہ نگاہ قائم کیا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت مرزا صاحبؑ ایک چالباز اور منصوبہ باز انسان تھے، ان کے نزدیک اس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ نے پہلے پہل مناظر و مباحثِ اسلام کی حیثیت حاصل کی، پھر "براہینِ احمدیہ" میں ملہمیّت و مجددیّت کے دعاوی کر دیئے، جب اس پر آپ کو شہرت حاصل ہو گئی تو پھر ظلی بروزی نبوت وغیرہ کے دعاوی کھڑے کر دیئے اور آخر پر حقیقی نبی ہونے کا دعویٰ داغ دیا۔ اور نئی اُمت بنانے کا ڈھونگ کھڑا کر دیا۔ غرض یہ تمام مراحل آپ نے تدریجاً طے کئے تاکہ لوگ آپ کے جھانسے میں آتے چلے جائیں۔ العیاذاً باللہ۔

افسوس۔ ایسے اصحاب اگر ذرہ بھر حقائق کو مدِنظر رکھتے تو کبھی ایسے نظریات قائم نہ کر سکتے تھے، کیونکہ یہ تمام مفروضے واقعاتِ حقّہ کے برخلاف ہیں۔ مثلاً جو شخص منصوبہ بازی کے تحت تدریجاً دعاوی کرتا ہے وہ کبھی اپنے کسی آئندہ ذہنی منصوبہ کے برخلاف نہیں کہتا۔ مگر حضرت اقدسؑ "براہینِ احمدیہ" میں اپنے آئندہ مزعومہ منصوبہ کو کہ آپ ہی وہی مسیح موعود ہیں کے برخلاف لکھتے ہیں یعنی یہ کہ مسیح آسمان پر زندہ موجود ہے اور وہی آئندہ زمانہ میں نازل ہونے والے ہیں۔ جائے انصاف و غور ہے کہ کیا وہ شخص جس کے دماغ میں آئندہ مسیح موعود کا دعویٰ کرنا ہو اپنے ہی منصوبہ کے برخلاف لکھ سکتا ہے؟ وہ تو اپنے آئندہ منصوبہ کی تائید میں ہی کچھ اشارات تحریر کرے گا یا کم از کم وہ اس بارہ میں خاموشی اختیار کرے گا۔ اپنے آئندہ منصوبہ کے برخلاف تو کبھی تحریر نہیں کرے گا۔

پھر جب آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تو اس وقت آپ کا خیال کیا تھا؟ یہ کہ لوگ میرے اس دعوے کو قبول کر لیں گے یا اس کے برخلاف اُٹھ کھڑے ہوں گے؟ اگر "فتح اسلام" لکھتے وقت آپ کا خیال یہ ہوتا کہ چونکہ میرے دعوےٰ مجددیت و ملہمیت کو لوگوں نے خوشی قبول کر لیا ہے، اب اس نئے دعویٰ کو بھی امکانی طور پر وہ قبول کر لیں گے، تو بھی ایسے دعویٰ کرنے کا کوئی جواز بن سکتا تھا۔ لیکن آپ تو "فتح اسلام" میں دعوےٰ مسیح موعود کرنے کے ساتھ ہی یہ اعلان بطور پیشگوئی بھی کرتے ہیں کہ میرے اس دعوےٰ کی وجہ سے تم میرے برخلاف کُفر کا فتویٰ لگاؤ گے؟ چنانچہ خود آپ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:۔

"اب بہتیرے تم میں سے کُفر کا فتویٰ لکھیں گے اور اگر ممکن ہوتا تو قتل کر دیتے۔" (صفحہ ۲۳)

پھر اسی کتاب میں فرماتے ہیں:۔

"دنیا کے لوگ جو تاریک خیال اور اپنے پرانے تصوّرات پر جمے ہوئے ہیں وہ اس کو قبول نہیں کریں گے" (صفحہ ۱۲)

بلکہ اپنے اس رسالہ کی ابتداء میں ہی اس طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ مجھے اس دعوےٰ مسیحیت کے اعلان کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ جو فرض مجھ پر عائد کیا گیا ہے وہ پورا ہو جائے، مجھے اس سے غرض نہیں کہ اس تحریر کا اثر دلوں پر کیا ہوگا:۔

"میں اس مضمون میں جہاں تک خدا تعالیٰ نے مجھے تقریر کرنے کا مادہ بخشا ہے اس سلسلہ کی عظمت اور اس کارخانہ کی نصرت کی ضرورت آپ صاحبوں پر ظاہر کرنا چاہتا ہوں تا وہ حق تبلیغ جو مجھ پر وارد ہے اس سے میں سبکدوش ہو جاؤں۔ پس اس مضمون کے بیان کرنے میں مجھے اس سے کچھ غرض نہیں، کہ اس تحریر کا دلوں پر کیا اثر پڑے گا صرف غرض یہ ہے کہ جو بات مجھ پر فرض اور جو پیغام پہنچانا میرے ذمہ پر قرض لازمہ کی طرح ہے وہ جیسا کہ چاہیئے مجھ سے ادا ہو جائے خواہ لوگ اس کو بسمع رضا سُنیں اور خواہ کراہت اور قبض کی نظر سے دیکھیں اور میری نسبت نیک گمان رکھیں، یا بدظنی کو اپنے دلوں میں جگہ دیں۔ وافوض امری الی اللہ" (صہ ۲)

اَب حضرت اقدسؑ کے ان اقتباسات سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ دعوےٰ مسیحیت کرتے وقت آپ کو خوب علم تھا کہ عام طور پر علماءِ اسلام مشتعل ہو کر مخالف ہو جائیں گے، یہاں تک کہ کُفر کا فتوےٰ لکھیں گے۔ کیونکہ یہ اُمور ان کے عقائد و پرانے تصوّرات کے صریحاً برخلاف ہیں۔ چنانچہ عین اسی آپ کے خیال کے مطابق ہوا۔ لیکن قابلِ غور بات یہ ہے کہ ایک منصوبہ باز، چالباز، نفس پرست و شہرت پسند، خود غرض انسان یہ جانتے ہوئے کہ جو قدم وہ اب اُٹھانے والا ہے اس کی وجہ سے اس کی قوم اس سے سخت برافروختہ اور دشمن ہو جائے گی کیا پھر بھی ایسی خطرناک راہ کو اختیار کرے گا؟ جان بوجھ کر اپنی شہرت و عزت کو اپنے ہاتھوں سے برباد کرتا اور بنی بنائی مقبولیت کو ایک بات کہکر اسے تباہ کر دیتا) کیا ایسے اقدامات یہ ثابت کرتے ہیں کہ ان کے کرنے والا کوئی چالباز و منصوبہ باز شخص ہے یا حتمی طور پر اس کا ثبوت ہے کہ ایسا انسان اپنی حق گوئی اور بے باکی و بے خوفی میں بے مثل ہے؟ اور اپنا سب کچھ راہِ حق میں قربان کرنے کو تیار ہے؟

پھر یہ بات بھی تو نہیں کہ "فتح اسلام" میں کوئی نیا دعویٰ کر رہے ہوں بلکہ اسی دعویٰ ملہمیت و مجددیت کا اقرار ہے چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"پھر میں کہتا ہوں کہ اگر تعجب کی جگہ تھی تو یہ تھی کہ اس پاک رسول صلعم کی یہ صاف اور کھلی کھلی خطا جاتی جس میں فرمایا گیا تھا کہ ہر ایک صدی کے سر پر خدا تعالیٰ ایک ایسے بندہ کو پیدا کرتا رہے گا کہ جو اس کے دین کی تجدید کرے گا۔ سو یہ تعجب کا مقام نہیں بلکہ ہزار در ہزار شکر کا مقام اور ایمان و یقین کے بڑھانے کا وقت ہے خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اپنے وعدہ کو پورا کر دیا اور اپنے رسول مقبولؐ کی پیشگوئی میں ایک منٹ کا فرق پڑنے نہیں دیا بلکہ آئندہ کے لئے بھی ہزاروں پیشگوئیوں اور خوارق کا دروازہ کھول دیا۔ اگر تم ایماندار ہو تو شکر کے سجدات بجا لاؤ کہ وہ زمانہ جس کا انتظار کرتے کرتے تمہارے بزرگ آباء گذر گئے اور بےشمار روحیں اس کے شوق میں ہی سفر کر گئیں۔ وہ وقت تم نے پا لیا۔ اب اس کی قدر کرنا

یا نہ کرنا اور اس سے فائدہ اُٹھانا یا نہ اُٹھانا تمہارے ہاتھ میں ہے۔ میں اس کو بار بار بیان کروں گا اور اس کے اظہار سے میں رُک نہیں سکتا کہ میں وہی ہوں جو وقت پر اصلاح خلق کے لئے بھیجا گیا تا دین کو تازہ طور پر دلوں میں قائم کیا جائے۔ میں اس طرح بھیجا گیا ہوں جس طرح سے وہ شخص بعد کلیم اللہ مرد خدا کے بھیجا گیا جس کی رُوح ہیرو ڈیس کے عہد حکومت میں بہت تکلیفوں کے بعد آسمان کی طرف اُٹھائی گئی۔ سو جب وہ دوسرا کلیم اللہ جو حقیقت میں سب سے پہلا اور سیدالانبیاء صلعم ہے دوسرے فرعونوں کی سرکوبی کے لئے آیا جس کے حق میں ہے انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولا تو اس کو بھی جو اپنی کارروائیوں میں کلیم اوّل کا مثیل مگر رتبہ میں اس سے بزرگتر تھا ایک مثیل مسیح کا وعدہ دیا گیا اور وہ مثیل المسیح قوت و طبع اور خاصیت مسیح ابن مریم پاکر اسی زمانہ کی مانند اور اسی مدت کے قریب قریب جو کلیم اوّل کے زمانہ سے مسیح ابن مریم کے زمانہ تک یعنی چودھویں صدی میں آسمان سے اُترا وہ اُترنا روحانی طور پر تھا جیسا کہ مکمل لوگوں کا صعود کے بعد خلق اللہ کی اصلاح کے لئے نزول ہوتا ہے اور سب باتوں میں اسی زمانہ کے ہم شکل زمانہ میں اُترا جو مسیح ابن مریم کے اُترنے کا زمانہ تھا۔ تا سمجھنے والوں کے لئے نشان ہو پس ہر ایک کو چاہیئے کہ جلدی میں انکار نہ کرے۔" (صفحہ ۹-۱۱)

اس مقام پر حضرت اقدسؑ حاشیہ پر فرماتے ہیں:۔

"یہ زمانہ جس میں ہم ہیں ایک ایسا زمانہ ہے کہ ظاہر پرستی اور رُوح و حقیقت سے دُوری اور دیانت و امانت سے محرومی اور سچائی و اخلاقی پاکیزگی سے مہجوری اور لالچ و بخل اور حبّ دنیا سے معموری اس زمانہ میں عام طور پر ایسی پھیل گئی ہے کہ جیسے حضرت ابن مریم کے ظہور کے وقت یہودیوں میں پھیلی ہوئی تھی۔ جیسے یہودی اس زمانہ میں بکلی نیکی سے بے خبر ہو گئے تھے صرف رسوم و عادات کو نیکی سمجھتے تھے۔ علاوہ اس کے دیانت و امانت اور اندرونی صفائی و عدالت ان میں سے بکلی اُٹھ گئی تھی۔ سچی ہمدردی و سچے رحم کا نام و نشان نہیں رہا تھا۔ ایسا ہی اس زمانہ میں یہ تمام بلائیں ظہور میں آ گئی ہیں۔ حلال چیزوں کو شکر و مشکورانہ فروتنی کے ساتھ استعمال نہیں کیا جاتا حرام کے ارتکاب سے کوئی کراہت و نفرت باقی نہیں رہی........ ایمانی کمزوری نے الٰہی محبت کو ٹھنڈا کر دیا ہے۔ دنیا کی محبت میں لوگ دبے جاتے ہیں اور ضرور تھا کہ ایسا ہوتا۔ کیونکہ حضرت عالی سیدنا و مولانا صلی اللہ علیہ وسلم بطور پیشگوئی فرما چکے ہیں کہ اس اُمت پر ایک زمانہ آنے والا ہے........ تب فارس کی اصل میں سے ایک ایمان کی تعلیم دینے والا پیدا ہوگا، اگر ایمان ثریا میں معلق ہوتا تو وہ اسے اس جگہ سے بھی پا لیتا۔" (صفحہ ۱۱-۱۴)

اب ان اقتباسات سے اظہر من الشمس ہو گیا کہ "فتح اسلام" میں ملہمیت و مجددیت کے دعویٰ سے بڑھ کر اور کوئی دعویٰ نہیں کیا گیا۔ البتہ سابقہ روایتی عقائد کو کہ وہی مسیح ابن مریم نازل ہو کر بہ جبر دین اسلام کو غالب کرکے مسلمانوں کو سلطنت و حکومت دلائیں گے کے برخلاف یہ بتلایا کہ چودھویں صدی کا مجدد ہی مثیل مسیح ابن مریم بن کر آیا ہے کیونکہ اس زمانہ کی امراض وہی ہیں جو حضرت مسیح کے زمانہ میں پھیل رہی تھیں، اس لئے اس زمانہ کے معالج و مصلح کی شان و رتبہ اُس کے کام کے باعث مسیح ناصری کے رتبہ و شان کے مثل و مانند ہے۔ پس دعوے تو کوئی نیا نہیں مگر چودھویں صدی کے مجدد کی شان و رتبہ کو حضرت مسیحؑ کے شان و رتبہ سے اشد مماثلت ضرور ہے۔ اب یہ وہ بات تھی کہ جس کے ببانگ دہل اعلان سے علماء میں کھلبلی مچ گئی۔ انہوں نے اسے ایک نئے دعویٰ کا اعلان سمجھا۔ ان کے نزدیک یہ دعوے نبوت کا دعویٰ بن گیا۔ انہوں نے ایسے عقائد کو دین اسلام کے برخلاف سمجھا اس لئے وہ مخالفت پر کمربستہ ہو گئے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد حضرت اقدسؑ کو نواب محمد علی خانصاحب کے شکوک کے ازالہ کے لئے اپنی کتاب "آئینہ کمالاتِ اسلام" میں واضح طور پر یہ لکھنا پڑا کہ دعویٰ مسیحیت، ملہمیت و مجددیت کے دعاوی سے کوئی بڑا دعویٰ نہیں۔ کیونکہ یہاں کسی دینی انقلاب کا قطعاً کوئی دعوے نہیں، وہی دینِ اسلام ہے، وہی کتاب پاک وہی رسولِ مقدس و مطہر ہیں۔ چنانچہ ناظرین کرام کی یاد دہانی کے لئے "آئینہ کمالات اسلام" سے متعلقہ اقتباس اس شمارہ کے صفحہ اوّل پر دیا گیا ہے جس کے مطالعہ سے بجز اس کے اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا کہ آپ کا حقیقی و اصل دعوے مجدد صد چہاردہم ہونے کا ہی ہے اور مسیح موعود ایک لقب ہے جو طریق کار اور کام اور تعلیم کی مطابقت اور مزاج و طبع کی موافقت کے باعث مجدد صد چہاردہم کو خدا تعالےٰ کی طرف سے دیا گیا ہے، دعویٰ نبوت بعد رسول اللہ صلعم ہرگز نہیں کیا گیا، نہ ہی کوئی نیا دین یا نئی کتاب، یا نئے احکام لانے کا ادعا ہے۔ پس اس پر اس قدر تعجب اور یہ شور و غوغا کیوں کیا جا رہا ہے؟

(جاری ہے)

---

# ایک ضروری اعلان

میرے متعلق بالعموم یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے مسلک اور رکنیت سے الگ ہو چکا ہوں لہٰذا میں اس غلط فہمی کا ازالہ ضروری سمجھتا ہوں۔ اور بذریعہ اعلان ہذا احباب جماعت کو مطلع کرتا ہوں کہ خدا کے فضل سے میں اپنی اس جماعت سے بدستور وابستہ ہوں۔ اور اس کا باقاعدہ چندہ گذار رکن ہوں۔ اور اس کے اعتقادات کو درست تسلیم کرتا ہوں۔ ظفر سلیم

(شیخ میاں ظفر سلیم کراچی)

---

# اخبار احمدیہ

**ولادت باسعادت** سید حسن شاہ صاحب گوجرانوالہ کو اللہ تعالےٰ نے پوتا عطا فرمایا ہے۔ شاہ صاحب نے اس خوشی میں مبلغ پانچ روپے اشاعتِ اسلام کے لئے ارسال فرمائے ہیں۔ احباب جماعت نو مولود کی صحت اور درازیٔ عمر کے لئے دعا فرماویں۔ بچہ کا نام محمد علی رکھا گیا ہے۔

— محمد بیدار صاحب کراچی سے اطلاع دیتے ہیں کہ:۔

مسجد احمدیہ کراچی کے خادم مکرم جہانداد خاں کی (باقی برصفحہ ۱۲ کالم ۲)

مکرم جناب برکت اللہ صاحب راٹھور ایڈووکیٹ سیالکوٹ

# رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

(بسلسلہ اشاعت گذشتہ)

۵۔ یہ تمام باتیں اس امر کی نشاندہی کرتی ہیں کہ ہمارے مکفرین مطلقاً خدا کی ہستی پر ایمان نہیں رکھتے لیکن کمال ہوشیاری سے لوگوں کو یہ تاثر دلاتے ہیں۔ کہ گویا اس برصغیر میں وہی ایک مسلمان ہیں۔ دراصل مسلمانوں کو بے پناہ محبت اور عقیدت رسول کریم کی ذات مبارک سے ہے۔ اسی سے یہ لوگ ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اپنے مقاصد کے حصول کی خاطر ناموسِ رسولؐ کے فلک شگاف نعرے لگاتے ہیں جس سے لوگ جذبات کی رَو میں بہہ جاتے ہیں۔ اور اس جوش میں ایسے لوگوں کی نیت کا جائزہ لینا بھول جاتے ہیں۔ اگر وہ ذرا سمجھ بوجھ سے کام لیں تو جلد ان نعروں کی حقیقت ان پر آشکار ہو جائے۔ اور انہیں جلد معلوم ہو جائے کہ در پردہ ان نعروں میں ان کی ذاتی مصلحتیں کام کر رہی ہیں۔ ورنہ ان کو دین سے کوئی لگاؤ نہیں۔ وہ اساسِ دین کو مضبوط و استوار کرنے کی بجائے کھوکھلا کر رہے ہیں۔ اگر یہ حالت نہ ہوتی۔ تو وہ ۴۰ لاکھ مسلمانوں کو اپنے زعم میں دائرہ اسلام سے خارج کروا کر جشن نہ مناتے۔ دعوے تو قرآن دانی کا کرتے ہیں۔ لیکن انہیں یہ بھی علم نہیں کہ یہ سب کچھ کس قدر قرآن مجید کی صریح تعلیم اور ارشادات ختم المرسلین کے منافی ہیں ایک کافر اگر کلمہ پڑھ لے تو وہ مسلمان ہو جاتا ہے۔ اور ایسے ہی السلام علیکم کہنے والا بھی مومن ہی تسلیم ہوتا ہے۔ معلوم نہیں انہیں کہاں سے اختیارات مل گئے ہیں۔ کہ خدا اور رسول کے ارشادات سے قطع نظر اب کسی کا مومن ہونا ان مکفرین کے رحم و کرم پر منحصر ہے۔ خدا جانے انہیں کافر گری کا مختار عام کہاں سے دستیاب ہو گیا جو یہ لوگ اتنی دیدہ دلیری سے خلاف فرمان الٰہی و خلاف ارشادات رسولؐ حرکات کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ان میں بیشتر وہ لوگ ہیں۔ جو نظریہ پاکستان کے بھی مخالف تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ملک سے باہر رہ کر اسے کوئی گزند نہ پہنچا سکیں گے۔ تو انہوں نے پاکستان میں پناہ گزین ہو کر اس کے خلاف تخریبی کارروائیاں شروع کر دیں اور دو دفعہ اپنی مذموم تحریکوں سے اسے بیخ و بن سے ہلا دیا۔ لیکن چونکہ اس کی اساس ایک نہایت ہی نیک نیت مردِ خدا کے ہاتھوں سے محض خدا کے فضل و کرم سے ڈالی گئی تھی اس لئے پاکستان کا کچھ نہ بگاڑ سکے اور انشاء اللہ یہ لوگ اپنے مذموم ارادوں میں ہمیشہ ناکام رہیں گے۔ آج پاکستان کو بھی ایک اتاترک کی اشد ضرورت ہے جو ان مکفرین کی ریشہ دوانیوں کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دے۔

۶۔ اگر واقعی ہمارے عقائد ان لوگوں کی نظروں میں ناپسندیدہ ہیں تو ان کو لازم تھا کہ وہ قرآن کریم کے احکام کے مطابق کوئی لائحہ عمل اختیار کرتے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ادع الیٰ سبیلِ ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن ۱۶: ۱۲۵ یعنی اپنے رب کے رستہ کی طرف حکمت اور اچھے وعظ سے بلا اور ان کے ساتھ اس طریق پر بحث کر جو نہایت عمدہ ہو۔ کیسا خوبصورت اور پُر معارف کلامِ الٰہی ہے جو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پر نازل ہوا کیا یہ لوگ اپنے تئیں مسلمان کہلاتے ہیں۔ اور دوسروں کے مسلمان کہلانے کا حق تسلیم نہیں کرتے۔ ان آیات پر ایمان رکھتے ہیں۔ اگر رکھتے ہیں۔ تو پھر کیوں اس پر عمل پیرا نہیں ہوتے۔ تشدد۔ قتل و غارت۔ لوٹ مار اور آتشزدگی کا جواز قرآن کریم کی کونسی آیات میں پایا جاتا ہے۔ جن کے دلوں میں خوف خدا بستا ہے وہ تو ان چیزوں سے متنفر ہیں۔ اسلام سلامتی کا دین ہے۔ اس کا دامن ان بہیمانہ لغویات سے پاک ہے۔ البتہ طاغوتی طاقتوں کو ایسی وحشیانہ باتوں سے فروغ حاصل ہوا ہے۔ ان لوگوں نے گھروں کے ساتھ مساجد کو بھی۔ جہاں اللہ کا ذکر کثرت سے ہوتا ہے جلا ڈالا۔ اور مزید ستم یہ کہ ان مساجد میں رکھے ہوئے قرآن مجید کے نایاب نسخہ جات بھی جلا ڈالے اور ان کے ضمیر نے انہیں ذرہ بھر بھی ملامت نہ کی۔ اللہ اور رسول کے کس حکم کی تعمیل میں انہوں نے یہ غارت گری روا رکھی۔ کیا یہ ایمان باللہ و ایمان بالرسل کے دعویداروں کا کام ہو سکتا ہے۔ کیا نبیوں میں رحمت لقب پانے والے کی اُمت کے یہی کام ہونے چاہئیں۔ کیا یہ دین کے اجارہ دار ننگِ دین اور ننگِ رسول نہیں ہیں یقیناً ہیں کیونکہ ان کے دل نورِ ہدایت سے منور نہیں اور کیونکر ہو سکتے ہیں کیونکہ اللہ تعالےٰ تو فرماتا ہے کہ "کسی قوم کی دشمنی کہ انہوں نے تم کو حرمت والی مسجد سے روکا تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم زیادتی کرو اور نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ اللہ کا تقوےٰ کرو۔ اللہ بدی کی سزا دینے میں سخت ہے۔" (۵: ۳) یہ ہے رحمۃ للعالمین کی تعلیم۔ اب اس سے اندازہ لگائیں کہ یہ لوگ کیسے ناموسِ رسولؐ کے محافظ ہو سکتے ہیں۔ پھر اللہ تعالےٰ کا یہ واضح حکم کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتا ہے اور اس کا تقوےٰ اختیار کرتا ہے تو یہی بامراد ہیں (۲۴: ۵۲)۔ اور ان تطیعوہ تھتدوا یعنی اگر اس کی اطاعت کرو گے تو سیدھے راستہ پر رہو گے (۲۴: ۵۴)

کیا یہ مسجدوں اور گھروں کو نذرِ آتش کرنا قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم کرنا ہدایت یافتہ لوگوں کا کام ہے۔ تحریکِ ختمِ نبوت جب زوروں پر تھی تو یہ امیرانِ شریعت مسجدوں میں منبرِ رسولؐ پر کھڑے ہو کر احمدیوں اور بانیٔ احمدیت کو نہایت فحش گالیاں دیتے رہے ہیں۔ چاروں طرف سے لاؤڈ سپیکروں پر گالیوں کی آوازیں آتی تھیں اور کوئی انہیں منع کرنے والا نہیں تھا۔ یہ صریح خدا اور رسولؐ کی تعلیم سے بغاوت تھی۔ ان کے دلوں میں خوفِ خدا باقی نہ رہا تھا۔ یہ ناموسِ رسولؐ کے محافظ خود گمراہ ہو چکے تھے۔ اخباروں کے کالموں کے کالم احمدیت اور بانیٔ احمدیت کے خلاف دروغ بافی کے لئے وقف کر دیئے گئے تھے۔ لوگوں کے جذبات کو احمدیوں کے خلاف اُبھارا جاتا تھا۔ اللہ تعالےٰ تو لوگوں کو عقل سے کام لینے کی پیہم تلقین فرماتا ہے جیسا کہ بار بار فرمایا افلا تعقلون۔ لیکن یہ محافظینِ اسلام عقل کو جواب دے چکے تھے اور یہ سب کچھ قیامت ان لوگوں پر برپا کی جا رہی تھی جو لوگ قرآن کریم کو سینوں سے لگائے غیر ممالک میں تبلیغ اسلام کا اہم فریضہ ادا کر رہے ہیں۔ اور سینکڑوں غیر مسلموں کے دلوں کو نورِ اسلام سے منور کر کے انہیں مشرف بہ اسلام کر رہے ہیں۔ وہ تو ٹھہرے غیر مسلم اور یہ جن کا ہر کام ارشاداتِ الٰہی اور سنتِ رسولؐ کے منافی ہے۔ اور جن کو خدا نے تبلیغ اسلام کی کبھی توفیق بھی نہیں دی وہ مسلمان بنے بیٹھے ہیں۔ انہوں نے اسلام کفر بازی میں سمجھ رکھا ہے۔ قرآن کریم نے مضبوط دلائل ہی صداقت کا معیار ٹھہرایا ہے ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین بار بار ارشاد باری تعالےٰ آیا ہے۔ اگر ہم بھی ان کی نظروں میں گمراہ تھے۔ تو ان کا فرض تھا کہ دلائل اور براہین قاطع سے ہمیں راہِ راست پر لے آتے مگر ان کے دامن تو دلائل کی متاعِ عزیز سے تہی ہیں۔ اسی لئے تو انہیں ہم پر جلد غصّہ آ جاتا ہے اور فرعون کی طرح چلّا اُٹھتے ہیں ان ھٰؤلاء لشرذمۃ قلیلون ۝ وانھم لنا لغائظون ۲۶: ۵۴-۵۵ یعنی یہ تھوڑی سی جماعت ہے اور وہ ہمیں غصّے میں لانے والے ہیں...... اور

یکادون یسطون بالذین یتلون علیھم اٰیٰتنا۔(۲۲:۷۲)
یعنی قریب ہے کہ اُن پر حملہ کریں جو اُن پر ہماری آیتیں پڑھتے ہیں۔
غرض انہوں نے تشدد ہی معیارِ صداقت ٹھہرا لیا ہے۔کیا یہ تمام باتیں اس امر کی نشاندہی نہیں کرتیں کہ وہ اسلام کی صحیح تعلیم سے بے بہرہ ہیں اور ان کے دلوں میں خدا اور رسول کا کوئی خوف نہیں ہے۔اگر ہمارے مکفرین کو علامہ اقبال کے مندرجہ ذیل اشعار یاد ہوں تو علامہ صاحب کے مضمون کو ہمارے خلاف اتنا نہ اُچھالتے۔یہ اشعار ان مکفرین کے حسب حال ہیں۔اور علامہ صاحب نے انہیں ہماری طرف متوجہ ہونے سے پہلے ہی غیر مسلم قرار دے دیا ہوا ہے۔سنئے اور سر دُھنئے:

شور ہے ہو گئے دُنیا سے مسلمان نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یوں تو سید بھی مرزا بھی افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

۷۔ اور پھر یہ عجیب بات ہے کہ یہ لوگ خود تو تمام محدثین و مجددین کے دعاوی کو مشتبہ قرار دیتے ہیں۔اور ان کے الہامات اور دعاوی مکالمہ و مخاطبہ کو محلِ اعتراض ٹھہراتے ہیں۔انہیں یہ بھی تسلیم نہیں کہ وہ خدا تعالےٰ سے اطلاع پاکر ایسا دعویٰ کرتے ہیں۔بلکہ کہتے ہیں۔کہ یہ لوگ محض ان کے کاموں اور تقدس کے پیشِ نظر انہیں مجدد بنا ڈالتے ہیں۔ورنہ وہ نعوذ باللہ خدا کی طرف سے مامور نہیں ہوتے لیکن ایسے طرز کلام سے خود اپنے تئیں مجدد کہلوانے کے لئے راہ ہموار کر رہے ہیں۔لوگوں کے دلوں میں ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت یہ بات ڈالی جا رہی ہے کہ گویا مجددیت و محدثیت اپنے حق میں رائے عامہ استوار کرنے پر حاصل ہو سکتی ہے تاکہ سیاسی اقتدار کے ساتھ ساتھ دینی قیادت بھی ان کے ہاتھ آ جائے۔اس طرح ملک میں ان کا تسلط ہر طرح سے مکمل ہو جائے۔تاکہ پھر جو کوئی نظام بھی نافذ کریں لوگ اسے نظامِ اسلام یا نظامِ الٰہی تسلیم کریں۔خواہ وہ نظام امریکہ یا روس سے درآمد کیوں نہ کیا ہوا ہو۔جا بجا اشتہار جلی حروف میں لکھی ہوئی عبارتوں کی صورت میں نظر آتے ہیں۔جن میں "خدا کی زمین پر خدا کا قانون نافذ" نافذ کئے جانے پر زور دیا جا رہا ہے جو کہ بالبداہت غلط ہے۔خدا کا قانون تو ہر وقت جاری و ساری ہے۔معلوم نہیں یہ لوگ سورج، چاند، ہواؤں اور بادلوں وغیرہ کے لئے کوئی نیا ہی قانون نافذ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔حالانکہ اسی خدائی قانون کے باعث تو خود بھی زندہ ہیں۔ہم انسانوں کی تو کوئی بھی بات انہیں پسند نہیں۔اَب خدا کی خدائی پر بھی ہاتھ صاف کرنے کے درپے ہیں۔انسان جب گستاخی پر اُتر آئے۔تو پھر ان سے خدائی کا دعوے بھی کوئی بعید نہیں۔اگر ان کی مراد سماجی قوانین ہیں۔تو وہ تو پہلے ہی ملک میں نافذ ہیں۔لاہور ہائیکورٹ کا حالیہ فیصلہ اس پر شاہد ہے کیوں نہیں یہ لوگ اس ضابطہ یا قانون کا ڈھانچہ جو ان کے ذہنوں میں ہے شائع کر دیتے تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ خدائی قانون اس ڈھنگ کا ہوتا ہے اور اور اس طرح اپنی خلوص نیت کا ثبوت دیں۔محض نعرہ بازی سے لوگوں کو دھوکا دینا کیا اس کا نام دینداری اور مسلمانی ہے لیکن مصیبت تو یہ ہے کہ ان کے پاس کوئی مثبت پروگرام نہیں۔ان کے دل اور دماغ صحیح سوچ بچار سے عاری ہیں۔

۸۔ جہاں تک ختمِ نبوت کے مسئلہ کا تعلق ہے کیا یہ لوگ قرآن کریم پر ہاتھ رکھ کر قسم کھا کر یہ کہنے کو تیار ہیں۔کہ وہ خود بھی ختمِ نبوت کے قائل ہیں۔جس صورت میں وہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی کی آمدِ ثانی کے قائل ہیں تو ان کا اپنے تئیں محافظین ختمِ نبوت قرار دینا عبث ہے اور بدترین قسم کی بد دیانتی ہے۔لیکن انہیں دیانت داری سے کیا سروکار۔انہیں تو اپنے ذاتی مفاد سے غرض ہے۔اور یہ دلیل کہ پرانے نبی ہونے کی صورت میں اُن کا نزول ختمِ نبوت کے نقیض نہیں ہے اتنی بودی ہے۔کہ کوئی عقلمند اُسے درست تسلیم نہیں کر سکتا۔نبی نبی ہی رہے گا خواہ کتنا ہی پرانا کیوں نہ ہو۔اور جب ایسا نبی رسولِ کریم صلعم کے بعد نازل ہوگا یا مبعوث ہوگا، تو مُہرِ ختمِ نبوت لامحالہ ٹوٹ جائے گی۔یہ لوگ اتنی موٹی بات کو بھی نہیں سمجھتے۔دراصل ان لوگوں نے غلط اصول گھڑ لئے ہیں۔اور انہی غلط اصولوں کی آبیاری کئے جاتے ہیں ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔ختم اللہ علٰی قلوبھم وعلٰی سمعھم و علٰی ابصارھم غشاوۃ (۲:۷) یعنی اللہ نے اُن کے دلوں پر اور کانوں پر مُہر لگا دی اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔یہ عجیب بات ہے کہ بقول ان کے "نیا نبی" ماننے والے تو کافر خواہ وہ خاتم النبیین کی کتنی بھی معقول تاویل کیوں نہ کرتے ہوں۔لیکن ایک پرانے مستقل نبی کی بعثت کے قائل اور منتظر مسلمان بھی کہلائیں گے۔ع

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

اور اس پر طرہ یہ کہ ہم جو خاتم النبیین کے بعد کسی نبی کے آنے کے قائل بھی نہیں خواہ نیا ہو یا پرانا۔ہمیں بھی کافر ٹھہرا دیا۔اس لئے کہ ہم بھی احمدی کہلانے کی گستاخی کر بیٹھے ہیں۔اور اسی پر بس نہیں۔انہوں نے کمال گستاخی اور دیدہ دلیری سے بالخصوص بانیٔ سلسلہ احمدیہ حضرت مجدد صدی چہاردہم علیہ السلام کو بھی نعوذ باللہ کافر ٹھہرا دیا۔وہ اپنی تعلّیوں میں اس قدر نڈر ہو گئے ہیں کہ خدا تعالےٰ کے عذاب سے بالکل بے نیاز ہو چکے ہیں۔خدا تعالےٰ کے دل میں اپنے ماموروں کے لئے بڑی غیرت ہوا کرتی ہے۔وقت ہے کہ وہ جلد اللہ تعالےٰ کے حضور توبہ و استغفار کریں۔وہ عذابِ الٰہی کو دعوت دے ہی چکے ہیں معلوم نہیں کب اور کس وقت اچانک پکڑے جائیں۔اللہ تعالےٰ کے دل میں اپنے ولیوں اور ماموروں کے لئے کس قدر غیرت ہوتی ہے۔اس کی وضاحت ایک مثال سے کئے دیتا ہوں۔حضرت سرمد رحمۃ اللہ علیہ کے مقدس نام سے اس برِ صغیر میں کون مسلمان واقف نہیں۔یہ بزرگ اورنگ زیب عالمگیر شہنشاہ ہند کے عہد میں ہوئے۔انہیں مغل شہنشاہ نے علماء کے فتوئ کفر پر قتل کر ڈالا۔قصور صرف یہ تھا کہ حضور نے ایک رباعی فرمائی تھی ؎

ہر کس کہ سرِ حقیقتش باور شد + او پہن تر از سپہر پہناور شد
مُلا گوید بر فلک شد احمد + سرمد گوید فلک بہ احمد در شد

اس رباعی میں حضور نے آنحضرت صلعم کا کس قدر عالی مقام بیان فرمایا ہے۔لیکن علمائے وقت نے اپنی حسبِ روایات شہنشاہ عالمگیر سے شکایت کی کہ یہ شخص معراج جسمانی کے قائل نہیں بلکہ روحانی معراج کا عقیدہ رکھتا ہے اس لئے گردن زدنی ہے۔چنانچہ اسی جرم کی پاداش میں ہی اورنگ زیب کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش کیا۔لیکن اس مغل شہنشاہ کو اس دن سے چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔اللہ تعالےٰ نے ایک گمنام اور حقیر قوم کو اس کے مقابل لا کھڑا کیا اور ۲۵ سال تک اس قوم کو مغلوب کرنے کے لئے دکن میں لڑتا رہا۔اور پھر اسے دہلی آنا نصیب ہوا اور بالآخر وہیں دکن میں ہی داعی اجل کو لبیک کہا اور اورنگ آباد میں مدفون ہوا۔ایک تاریخ دان کہہ سکتا ہے کہ مرہٹوں کو ایک قابل لیڈر میسر آ گیا۔لیکن لیڈر کا پیدا کرنا اور بنانا بھی تو اللہ کا کام ہے ان القوۃ للہ جمیعا۔ادھر پنجاب میں سکھوں کی پُرامن قوم نے سر اُٹھایا اور سلطنتِ مغلیہ اپنے انتہائی عروج کے زمانہ میں ہی زوال پذیر ہو گئی۔اور رہی سہی کسر عالمگیر کی وفات کے ۲۹ سال بعد

(باقی ص۱ کالم ۲)

محترمہ نسرین گل محمد صاحبہ سیکرٹری تنظیم خواتین احمدیہ لاہور

# یومِ وصال

دارالسلام میں تنظیم خواتین احمدیہ مقامی جماعت کے زیرِ اہتمام مورخہ ۲۶ مئی ۱۹۷۶ء کو حضرت مسیح موعودؑ کا یومِ وصال منایا گیا۔ رسولِ خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے مسیح کے متعلق بہت سی پیشگوئیاں فرمائی ہیں جو اس صدی کے شروع میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعودؑ مہدی زماں کی بعثت پر مہرِ تصدیق ثبت کر چکی ہیں۔ حضور صلعم نے اپنی اُمت کو یہ تلقین بھی فرمائی (ایک حدیث شریف میں ہے)۔

"اس کو میرا سلام کہنا۔ چاہے تمہیں برف پر گھٹنوں کے بل چل کر جانا پڑے"۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ اس کو قبول کرنے میں بڑی دشواریاں ہونگی افسوس ہے ان نام نہاد عاشقانِ رسُول پر کہ انہوں نے فرمانِ رسولِ خدا کی تابعداری کرنے کے بجائے اس کی تکفیر کی۔

تنظیم خواتین احمدیہ نے اسی مسیح موعود و مہدی زماں جس کو رسُول خدا نے سلام کہنے کی تاکید فرمائی تھی کے یومِ وصال کے موقعہ پر مؤرخہ ۲۶ مئی ۱۹۷۶ء بروز بدھ شام ۵½ بجے مسجد دارالسلام میں محترمہ رفیعہ صدر علی صاحبہ کے زیرِ صدارت ایک جلسہ کا اہتمام کیا۔

کارروائی کا آغاز محترمہ طاہرہ جنجوعہ صاحبہ نے تلاوتِ کلامِ پاک سے کیا۔ زاہدہ جنجوعہ نے نظم پڑھی۔ بچیوں میں شمائلہ غفور، فرحا دیبا اور اُمِ سلمیٰ نے مسیح موعودؑ کی بعثت کے وقت ہند و دیگر عرب ممالک میں اسلام کی پسماندگی کا نقشہ پیش کیا اور مسیح موعود کی سیرت اور عظیم کارناموں پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔

محترمہ زبیدہ محمد احمد (جو کہ حضرت امیر مرحوم کی بہو اور محترم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی صاحبزادی ہیں) نے اپنی تقریر میں حضرت صاحب کی بعثت کے وقت اسلام کی بے کسی خصوصًا ہندوستان میں آریہ تحریک اور عیسائی پادریوں کے اسلام پر حملوں اور مولوی صاحبان کی پسپائی اور پھر مسیح موعودؑ کا براہین سے ان کو شکست دینا۔ اور تبلیغ دین کے لئے جماعت احمدیہ کے قیام کا جامع الفاظ میں ذکر کیا اور بتایا کہ حضرت صاحب نے نہ صرف مُلکِ ہند میں ان یلغاروں کا سدِ باب کیا۔ بلکہ بیرون مُلک ملکۂ برطانیہ اور دیگر عیسائی بادشاہوں کو بھی دعوتِ قبولِ اسلام دی۔ مغرب میں اشاعتِ اسلام کی ضرورت کو شدت سے محسوس کرتے ہوئے انگریزی میں ایک رسالہ ریویو آف ریلیجن قادیان سے اور انگریزی ترجمہ قرآن اور دیگر اسلامی لٹریچر کے ترجمہ کی بنیاد ڈالی۔ خدا سے خبر پاکر حضرت مسیح ناصریؑ کی وفات قرآن کریم سے ثابت کر کے کسرِ صلیب کا کامیاب اور مشکل کام سرانجام دیا۔ فاضل مقررہ نے مسیح موعود علیہ السلام کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے اپنی تقریر کے اختتام پر الوصیت سے جماعت کے نام حضرت صاحب کا پیغام پڑھ کر سنایا۔

صدر جلسہ نے اپنی تقریر کا آغاز نم آلود آنکھوں سے اظہارِ تشکر کرتے ہوئے کہا کہ مجھے یہ دیکھ کر ازحد خوشی ہوئی ہے کہ آج کے پُرآشوب دَور میں بھی ہماری بچیاں اس قدر علم اور جذبۂ ایمانی رکھتی ہیں۔ انہوں نے بچیوں کے نام لے کر ان کی حوصلہ افزائی کی اور تاکید کی کہ ان کو جلسۂ سالانہ کے موقعہ پر تقریر کرنے کا موقعہ دیا جائے۔ اپنی مختصر سی تقریر میں انہوں نے کہا۔ کہ آج تعلیم کا زمانہ ہے۔ عقل بیدار ہو چکی ہے۔ آج کے مہدی و مسیح کو تلوار کی ضرورت نہیں۔ نہ پہلے اسلام تلوار سے پھیلا اور نہ آج تلوار سے پھیلے گا۔ آج براہین و دلائل کا زمانہ ہے۔ اسی لئے حضرت مسیح موعودؑ جو کہ "سُلطان القلمؑ" تھے خود بھی اسلام پر کثیر کتابیں لکھیں۔ اور دین کے مخالفوں کو دلائل و براہین سے شکست دی۔ اور اپنے شاگردِ عزیز مولانا محمد علیؒ کو بھی قلم عطا کی تاکہ وہ جہاد بالقلم کریں۔

انہوں نے کہا آج کا مولوی انتظار کر رہا ہے۔ کہ پہلے سُورج مغرب سے طلوع ہو پھر مسیح و مہدی تشریف لائیں۔ انہوں نے کہا سنت اللہ تبدیل نہیں ہوا کرتی۔ آج اسلام کا سُورج مغرب سے طلوع ہو چکا ہے اور یہ سب آپ کے انگریزی ترجمۂ قرآن کریم و دیگر اسلامی لٹریچر کا کرشمہ ہے۔ آخر میں صدر جلسہ نے دُعا فرمائی۔

تقریب کے دوران ننھی بچی (چار سالہ) نجمہ ضیاء نے توتلی کلام مسیح موعودؑ ترنم سے پڑھ کر سنایا۔

تقریب کے اختتام پر حاضراتِ جلسہ کی تواضع مشروب سے کی گئی۔ اور نمازِ مغرب باجماعت ادا کرنے کے بعد بہنیں اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوگئیں۔

## حضرت مسیح موعودؑ کے تجدیدی کارنامے ——— بسلسلہ صفحہ ۲)

عاشقِ صادق نے خدا تعالےٰ کے حکم کے مطابق ایک جماعت تیار کی جو اپنے مہدی مسیح موعودؑ کے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار ہوئی اور اس کی تعلیم کو زمین کے کناروں تک پہنچایا۔ اس جماعت کی مخالفت میں ہر قسم کے طوفان اُٹھے لیکن جماعت نے اس صادق کے دامن کو نہ چھوڑا بلکہ جان، مال، وقت اور اولاد کی قربانی کیلئے تیار ہوئی۔

دُعا کرتی ہوں کہ خدا تعالےٰ ہمیں حضرت محمدؐ کے عاشقِ صادق حضرت مسیح موعودؑ کے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق دے۔ اسلام اور احمدیت کی ترقی کا زمانہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور ہمیں زیادہ سے زیادہ قربانیوں کی توفیق بخشے۔ اے خدائے عزّ وجلّ ایسا ہی کر۔ آمین

رسید مژدہ ز غیبم کہ من ہماں مردم
کہ او مجددِ ایں دین و رہنما باشد۔

ترجمہ: مجھے غیب سے یہ خوشخبری ملی ہے کہ مَیں وہی مرد ہوں جو کہ اس دین کی تجدید کرنے والا اور رہنما ہے۔

## دیکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف۔ بقیہ صفحہ ۹

نادر شاہ درّانی کے حملہ نے پُوری کر دی فاعتبروا یا اولی الابصار کاش کہ ہمارے مکفرین کو قرآن مجید کے پڑھنے اور سمجھنے کی توفیق ہوتی۔ ایسے متعدد واقعات کلام الٰہی میں درج ہیں جن سے ہم مسلمانوں کو سبق سیکھنا چاہیئے تھا۔ مگر ان کے دل سخت ہو گئے ہیں۔ جب دِلوں کی کیفیت ایسی ہو جائے تو یہ امر عذابِ الٰہی کا پیش خیمہ ہوا کرتا ہے۔ ابھی وقت ہے کہ یہ لوگ سمجھ جائیں۔

یارب نہ وہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے میری بات
دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور

(باقی۔ باقی)

بگوش ہوش شنو از من اے مکفرِ من + کہ من گواہ بدیں کردگار خود بکنم
ز فکرِ تفرقہ باز آ باآشتی پرواز + دگرنہ گریہ بر غمگسار خود بکنم
(مسیح موعودؑ)

مقالہ مسز جینٹ سلمیٰ واٹیمٹ ——— ترجمہ: جناب فخرالدین احمد صاحب راولپنڈی

# سائنس کیا ہے

## (۲)

### سائنسدان کو کس کے حضور جوابدہ ہونا ہے؟

میں سمجھتی ہوں وہ اس لئے مجرم ہیں کہ انہوں نے اپنے ذاتی مفاد اور اغراض کو مقدّم رکھا ہے اور بنی نوع انسان کے حقوق اور ذمّہ داریوں سے غافل رہے۔ انہوں نے انسان جیسے احسن تقویم پر پیدا کیا گیا تھا۔ کی خدمت کو یکسر فراموش کر دیا۔ کسی حد تک اس کا موجب انسان کی ضروریات اور اُمنگوں سے سائنسدانوں کی بے خبری بھی ہے۔ ممکن ہے ان کا مقصد نقصان اور ضرر رسانی نہ ہو لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان گُم گشتہ راہ ہو جائے تو اس کا کیا علاج ہے۔ سب سے پہلے تو یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ سائنس کی بدولت ہم تو کمتی کا پر نہیں بنا سکتے۔ سائنس کا دائرہ کار محدود ہے۔ اس کا کام صرف یہ ہے کہ فطرت کی ان طاقتوں کو اُجاگر کرے جو اس مربُوط نظامِ کائنات کو چلا رہی ہیں۔ سائنسدان جب بھی اس زاویہ نگاہ سے کائنات کا مطالعہ کرے گا اسے لازماً ہستی باری تعالےٰ کا اعتراف کرنا پڑے گا۔ اور وہ اس ورلڈ اوری خالق السموات والارض کے قانونِ قدرت کا مشاہدہ کرے گا اور اس کی جستجو ابنائے آدم کے حق میں تعمیری اور مفید ہوگی۔ مشکل یہ ہے کہ ہمارے سائنسدانوں کے سامنے تجارتی اور صنعتی رقابت۔ سیاسی اور عسکری برتری اور جھوٹے قومی وقار کے مقاصد ہیں اور یہی غیر صحت مند رجحان عالمی امن میں موجودہ صورتِ حال پیدا کرنے کا باعث ہیں۔

آج نسل انسانی کو ان تفکرات اور مشکلات و مصائب سے چھٹکارا دلانے کی ضرورت ہے۔ دنیا میں واحد دینِ اسلام ہی ہے جس کی تعلیم میں دنیوی زندگی میں کوئی اُلجھن نہیں۔ وہ مسائل زندگی کا حل پیش کرتا ہے۔ دُنیا کے تھکے ماندے بوجھوں کے نیچے دبے ہوئے انسانوں کو سکون و اطمینان بخشتا ہے اور ان کے بوجھ ہلکا کرتا ہے۔ مناظر قدرت۔ انواع و اقسام کے اناج۔ رنگ برنگ کے پھُول۔ پھل اور ترکاریاں۔ ان کے گوناگون خواص۔ نظامِ شمسی۔ برف پوش پہاڑ۔ ہرے بھرے جنگل۔ گل پوش مرغزار۔ دلفریب کہسار۔ سرسبز وادیاں۔ سمندر اور دریا۔ قسم قسم کے طیور و وحوش ہمیں خالق و صانع حقیقی کی ہستی کا پتہ دیتے ہیں۔ اور اس کی قدرت یکتائی اس بے نشان کی چہرہ نمائی کرتی ہے۔ اس متوازن فہم اور ادراک سے ہم نیک و بد۔ سود و زیاں۔ خیر و شر اور حق و باطل میں تمیز کر سکتے ہیں۔

آیئے ہم صداقتوں کے سرچشمہ خدا کی کتاب قرآن مجید سے رہنمائی طلب کریں۔

کتابِ مقدس کی پندرھویں سورۃ الحجر میں خدا کا یہ کلام ہے:۔

> اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور ہم نے اس میں پہاڑ بنائے اور اس میں ہم نے ہر ایک چیز اندازہ کی ہوئی اُگائی اور تمہارے لئے اس میں روزی کا سامان بنایا اور اس کے لئے (بھی) جسے تم رزق نہیں دیتے۔ اور کوئی چیز نہیں مگر اس کے خزانے ہمارے ہی پاس ہیں اور ہم اسے ایک مناسب اندازہ سے اتارتے ہیں"۔ (۱۵: ۱۹-۲۱)

سورۃ النحل میں خدا فرماتا ہے:۔

> " اور اللہ ہی بادلوں سے پانی اُتارتا ہے۔ پھر اس کے ساتھ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے۔ یقیناً اس میں لوگوں کے لئے نشان ہے جو سنتے ہیں"۔ (۱۶: ۶۵)

سورۃ یٰسٓ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

> " اور ایک نشان ان کے لئے رات ہے۔ اس سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں۔ تو ناگہاں وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں اور سُورج اپنے مقررہ رستے پر چلتا رہتا ہے۔ یہ غالب علم والے کا اندازہ ہے اور چاند کے لئے ہم نے کئی منزلیں مقرر کر دیں یہاں تک کہ وہ پھر کھجُور کی پرانی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے۔ نہ سوُرج کو حاصل ہے کہ چاند کی غایت کو پہنچے اور نہ رات دن سے آگے نکلنے والی ہے اور سب (اپنے اپنے) دائرہ میں چل رہے ہیں"۔ (۳۶: ۳۷-۴۰)

ہم اس تعلیم سے روگردانی تو کر سکتے ہیں۔ مگر ہستی باری تعالےٰ کا انکار نہیں کر پاتے۔ وہ ہمیں بار بار متنبہ کرتا ہے۔ اگر ہم اس کے احکام پر عمل نہ کریں گے۔ اس کی عطا کردہ عقل۔ فہم اور شعور کا صحیح استعمال نہ کریں گے تو خسرانِ تباب کے سمندر میں غرق ہونے والے ہوں گے جہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا۔ ہماری بد اعمالیوں اور بے اعتدالیوں کی سزا خدا کے قہر اور غضب کی صورت میں ہمیں ملے گی۔

میں پھر اپنے موضوع کی طرف آتی ہوں۔ ابھی ابھی میں نے سوال کیا تھا۔ انسان کی پیدائش کی غرض کیا ہے۔ اس کا جواب دینے سے پہلے آیئے ہم دیکھیں انسان کیا ہے۔

ہمارے سائنسدانوں کا ایک گروہ تو اس بات کا قائل ہے کہ روح اور جسم کے اس حسین امتزاج میں رُوح تو فانی ہے اور جسم خلیوں کا مجموعہ ہے جو سائنس کے جوڑ جاڑ سے تغیّر پذیر ہونے والا مادہ ہے۔ اس کے برعکس ایک جماعت انسان کو علم الحیات کا ایک حادثہ قرار دیتی ہے۔ جس کی ارتقاء کسی خارجی عمل کی مرہونِ منّت نہیں بلکہ انسان از خود ارتقاء پذیر ہے۔ اس کا اخلاق بھی اس کی ذاتی خصوصیت ہے اور وہ اپنے مقدر کا خود بنانے والا ہے۔ قرآن حکیم اس حقیقت کو واضح کرنے کے بعد کہ اس کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ و تبارک ہے بتاتا ہے کہ انسان مخلوق ہے۔ اور روح اور مادے کا مرکب۔ اس کائنات میں اس کا مقام اور رتبہ خواہ کتنا اشرف ہو اس پر صانع حقیقی کی عبودیت اور اطاعت واجب ہے۔ اور قوانین فطرت اور احکام الٰہیہ کی فرمانبرداری لازم۔

انسان کی حقیقت جان لینے کے بعد اب ہمیں دیکھنا ہے کہ انسان کی تخلیق کا مقصد کیا ہے؟ رازِ حیات کوشش ناتمام اور سعی پیہم کا نام ہے، انسان جو اشرف المخلوقات کہلاتا ہے۔ بہیمی اور ملکوتی صفات کا حامل ہے اس کے اخلاق کا انحصار اس کی استعداد پر ہے کہ وہ کہاں تک عبودیت کا مظہر ہے۔ ایک[1] پروم کا قول ہے: "انسان ایسا حیوان ہے جس کے لئے اس کی بقاء ایک مسئلہ ہے جو اسے خود ہی حل کرنا ہے"۔ ایک اور دانشمند[2] کہتا ہے "ہمارا وجود ہی بذاتہ ایک دلیل ہے"۔ یہ افکار پریشاں اس اُلجھن کی غمازی کرتے ہیں جو عام انسان کو اپنی حقیقت سے آشنا ہونے میں ہوتی ہے۔ ایک مکتبہ خیال کہتا ہے کہ انسانی زندگی کا وجود دلیل کا محتاج ہے دوسرا نظریہ زندگی کے وجود کو ہی دلیل قرار دیتا ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ اس عقدہ کا حل افراد کے ہاتھوں میں ہے۔ ان خواص سے آگہی جو قدرت نے اس میں ودیعت کر رکھے ہیں اور جنہیں وہ خویش و اقارب۔ ملک و ملت کی خدمت میں لگا دیتا ہے اس کی افادیت کو آشکار کر دیتے ہیں۔ اس مرحلے پر بھی قرآن مجید ہماری رہنمائی کرتا ہے:۔

---

[1] Man for himself, 1947 Ed.
[2] Thoreau, 1841.

" اور ہر ایک کے لئے ایک سمت ہے جدھر وہ منہ کرتا ہے
پس نیکیوں کو ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر لو۔ جہاں کہیں تم
ہوگے اللہ تم کو اکٹھا کر کے لائے گا۔" (۲: ۱۴۸)

بالآخر میں اپنے پہلے سوال کی طرف آتی ہوں' سائنس کی غرض و غایت کیا ہے'
میں نے سائنس کے متعلق بیان میں یہ تجزیہ کرنے کی کوشش کی تھی۔
اب جو انسان کی ہستی اور زندگی کی حقیقت بیان کر چکی ہوں تو سائنس کی غرض و
غایت پر بھی روشنی ڈالتی ہوں۔ اسی بنیاد پر ہم سائنس کی افادیت پر غور
کرتے ہیں۔

اگر سائنس سے مراد تخلیقی عناصر کے استعمال اور اطلاق ہے تو
یہ عمل تعمیری ہوگا۔ اور اگر یہ اندازہ کرنا مشکل ہو کہ سائنس کا کوئی عمل تعمیری نتیجہ
پیدا کرے گا یا تخریبی تو اس عقدہ کے حل کرنے کے لئے ہمیں فطرت کے
اصولوں اور قانونِ قدرت سے کام لینا ہوگا۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

"سورج اور چاند حساب کے پیچھے ہیں۔ اور بوٹیاں اور درخت سجدے
کرتے ہیں اور آسمان کو بلند کیا اور میزان کو قائم کیا تاکہ تم میزان
میں سرکشی نہ کرو اور وزن کو انصاف سے قائم کرو اور تول میں
کمی نہ کرو۔" (۵۵: ۵-۹)

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سائنس اور ٹیکنالوجی نے ہماری روزمرہ
کی زندگی کے کچھ شعبہ جات میں عدم توازن پیدا کر دیا ہے۔ زراعت
کو لیجئے۔ جراثیم کش دواؤں اور مصنوعی کھاد کے اندھا دھند استعمال سے پیداوار
میں اضافہ تو ہوا مگر قدرت نے جو پُر حکمت نظام قائم کیا تھا وہ برقرار
نہیں رکھا جا رہا۔ جراثیم کش ادویات اور مصنوعی کھاد نے ربیع اور خریف
کے اوقات میں خلل ڈال دیا ہے۔ اور کسی حد تک بعض ایسے کیڑے مکوڑے
جاندار اور نباتات کو ختم کر دیا ہے جن کا وجود فصل کی نشو و نما کے
لئے ضروری تھا۔ مقامِ شکر ہے کہ صبح کے بھولے شام کو گھر آ رہے
ہیں اور اب اس حقیقت کو محسوس کر رہے ہیں۔ علم الحیات کو لیجئے
مصنوعی تخم ریزی اور نسل کشی نے اخلاقیات میں نئے مسائل کھڑے
کر دیئے ہیں۔ انسانی دماغ کو بھی جدید تحقیقات نے اپنے ماحول اور
دیگر کیمیاوی عوامل سے اثر پذیر ہونے والا قرار دیا ہے اگر یہ تسلیم کر لیا
جائے کہ کیمیاوی اجزاء و عوامل کی ناموزوں اور غیر متناسب تحلیل و ترکیب سے
گوناگون ذہنی خلفشار اور جسمانی عوارض پیدا ہوتے ہیں تو علم الحیات
کے ماہرین پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ وہ اس عدم توازن کو مٹانے اور
ذہنی امراض و عوارض کو دُور کرنے کی کوشش کریں۔ شعورِ انسانی کو قابو
میں رکھنے کے لئے مروّجہ ضابطہ اخلاق میں الجھن پیدا ہو جاتی ہے۔ بالخصوص
محرک۔ نشہ آور۔ ہیجان انگیز اور مسکن ادویہ جو مزاج اور خلطوں پر اثر انداز
ہوتی ہیں ذہنی امراض کے لئے کسی حد تک مفید تو ہیں مگر ان کا
بے محل اور بے جا استعمال جو خرابیاں پیدا کرتا ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی
بات نہیں۔

دو سو سال پہلے کی بات ہے فرانس کے نامور عالم ڈیڈیروٹ نے
اپنے ایک خواب کا ذکر کیا تھا جس میں انہوں نے دیکھا کہ جنین گملوں میں
اُگائے جا رہے ہیں۔ گویا ان کی استعدادوں کا پہلے سے ہی اندازہ کیا
جا رہا ہے۔ اور جس طرح پودوں کی قلمیں پیوند کی جاتی ہیں اسی طرح
انسانی خد و خال اور خصائص کی تحلیل اور ترکیب سے اپنی ضرورت اور پسند
کے مطابق جنگجو۔ فلاسفر۔ سیاستدان اور سرکاری درباری افراد پیدا
کئے جا رہے ہیں۔ اس وقت یہ خواب بھوت پریت کا قصہ تھے۔ مگر
آج یہ خواب حقیقت میں بدل رہا ہے۔ اور کہا جا رہا ہے کہ انسانی
نطفہ میں پائے جانے والے زوجین کے خصائص اور عادات بھی
تقسیم کئے جا سکتے ہیں۔

جب میں یہ سوال دوہراتی ہوں کہ سائنس کی غرض و غایت کیا ہے؟
تو میرا مقصد آپ کے سامنے کوئی فرسودہ اور لایعنی خطبہ یا
وعظ کرنا نہیں ہوتا۔ بلکہ میں چاہتی ہوں کہ آپ کو اس خطرے سے
آگاہ کروں جو آج نسلِ انسانی کو گھیرے ہوئے ہے۔ آج کا اہم ترین
مسئلہ نسلِ انسانی کا بقاء ہے۔

میناپولس کے ادارہ صنعت و حرفت کے پروفیسر سیلویڈر لوریا
نے بھی اعتراف کیا ہے کہ وہ ان خوفناک نتائج کو رجاسہ نہیں بلکہ
بیم سے دیکھ رہے ہیں۔ جو غیر فطری توالد و تناسل کے تجربوں
سے حاصل ہو رہے ہیں۔ ان پروفیسر صاحب کے خدشات صحیح تھے۔
سنہ ۱۹۷۲ء میں سوئٹزرلینڈ میں علماء و فضلاء کی ایک مجلس منعقد ہوئی
تھی۔ اس میں پروفیسر نلز زنگرٹ نے جو سویڈن کے ادارہ تحقیقات
سے منسلک ہیں اپنے مقالے میں ان کامیابیوں کا ذکر کیا جو انہیں مختلف النوع
اور مختلف الجنس مادہ ہائے تولید سے دو غلے حیوان پیدا کرنے میں حاصل
ہوئی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے انسان اور اسی قسم کے دیگر غیر فطری جوڑے
پیدا کئے تھے۔

آیئے ہم ایک بار پھر سوچیں سائنس کی غرض و غایت کیا ہے؟
کیا خدا کی تخلیق کے شاہکار کسی نو آموز اور نابلد کی طرح بگاڑنے کے
لئے یا اس کو سنوارنے کے لئے؟

وقت کا تقاضا ہے کہ اس مسئلہ پر تمام اسلامی ملکوں میں۔ اور
ان کے مکاتب خیال میں غور کیا جائے۔ بالخصوص علم طب۔ طبیعات۔
کیمیا اور علم الحیات کے دانشور اس موضوع پر سنجیدگی سے سوچ بچار کریں۔
بحر و بر میں پہلے بھی ایک مرتبہ فساد رونما ہوا تھا۔ تاریخ گواہ ہے
کہ مسلمان فرمانرواؤں نے اپنے اپنے دورِ حکومت میں علم و فضل کے
بڑے بڑے مرکز قائم کئے تھے۔ دانش عرب و عجم اور حکمت فرقانیہ کے
یہ اُبلتے ہوئے چشمے صلیبی جنگوں کی لپیٹ میں آ گئے تھے۔ کیا ابھی
وقت نہیں آیا کہ اسلام پھر اقوام غرب و شرق کی رہنمائی کرے اور
بھولے بھٹکوں کو راہ پر ڈالے۔ مغربی سائنسدانوں نے ذہنِ انسانی میں
جو اُلجھن اور امنِ عالم میں جو خلفشار پیدا کیا ہے اس کو اسلامی تعلیم
ہی دُور کر سکتی ہے اور یہی امن و سلامتی کی ضامن ہے۔

"لو تمہیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے"

---

# اخبار احمدیہ ۔۔۔۔ بقیہ صفحہ

اہلیہ فوت ہوگئی ہیں۔ مرحوم کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور سب
سے چھوٹی بچی کی عمر صرف سات ماہ ہے۔

جہانداد خان صاحب جماعت کے صاحب دل احباب سے دعا کی
درخواست کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے جنت میں درجات بلند
فرمائے اور اس کے معصوم بچوں کا خود ہی حافظ و ناصر ہو۔
احباب کرام سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ۔۔۔۔۔ مورخہ ۳۰ جون ۱۹۷۶ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ۔۔۔۔۔ شمارہ نمبر ۲۶

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد یہ پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم
جماعت احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان
ہفت روزہ
پیغام صلح
لاہور پاکستان
ایڈیٹر پروفیسر خلیل الرحمٰن ایم-ایس سی
فون نمبر ۵۳۷۳۷
میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔ (الہام حضرت مسیح موعودؑ)
ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دین
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب
کیوں نہیں لوگو تمہیں خوفِ عقاب
کیا یہی تعلیم فرقاں ہے بھلا
کچھ تو آخر چاہیئے خوفِ خدا
مؤمنوں پر کفر کا کرنا گماں
ہے یہ کیا ایمانداروں کا نشاں
دنیا میں ایک نذیر آیا، پر دنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا (الہام حضرت مسیح موعودؑ)
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸
تار کا پتہ "تبلیغ" لاہور
سالانہ: پاک و ہند سے — آٹھ روپے
بیرونی ممالک سے — ایک پونڈ



جلد ۶۳ | چہار شنبہ ۸ رجب ۱۳۹۶ھ مطابق ۷ جولائی ۱۹۷۶ء | نمبر ۲۷


# ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

## خدا تعالےٰ ایک پیارا خزانہ ہے، اس کی قدر کرو

کیا بدبخت وہ انسان ہے جس کو اب تک پتہ نہیں کہ اس کا ایک خدا ہے جو ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے۔ ہماری اعلیٰ لذّات ہمارے خدا میں ہیں۔ کیونکہ ہم نے اس کو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اس میں پائی۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔ اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا۔ یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا۔ میں کیا کروں اور کس طرح اس خوشخبری کو دلوں میں بٹھا دوں۔ کس دف سے میں بازاروں میں منادی کروں کہ تمہارا یہ خدا ہے تا لوگ سن لیں۔ اور کس دوا سے میں علاج کروں تا سننے کے لئے لوگوں کے کان کھلیں۔ اگر تم خدا کے ہو جاؤ گے تو یقیناً سمجھو کہ خدا تمہارا ہی ہے۔ تم سوئے ہوئے ہو گے اور خدا تعالےٰ تمہارے لئے جاگے گا۔ تم دشمن سے غافل ہو گے اور خدا اُسے دیکھے گا اور اس کے منصوبے کو توڑے گا۔ تم ابھی تک نہیں جانتے کہ تمہارے خدا میں کیا قدرتیں ہیں۔ اور اگر تم جانتے تو تم پر کوئی ایسا دن نہ آتا کہ تم دُنیا کے لئے سخت غمگین ہو جاتے۔ ایک شخص جو ایک خزانہ اپنے پاس رکھتا ہے کیا وہ ایک پیسہ کے ضائع ہونے سے روتا ہے اور چیخیں مارتا ہے اور ہلاک ہونے لگتا ہے۔ پھر اگر تمکو اس خزانہ کی اطلاع ہوتی کہ خدا تمہارا ہر ایک حاجت کے وقت کام آنے والا ہے تو تم دُنیا کے لئے ایسے بے خود کیوں ہوتے۔ **خدا ایک پیارا خزانہ ہے۔** اس کی قدر کرو کہ وہ تمہارے ہر ایک قدم میں تمہارا مددگار ہے۔ تم بغیر اس کے کچھ بھی نہیں اور نہ تمہارے اسباب اور تدبیریں کچھ چیز ہیں۔

غیر قوموں کی تقلید نہ کرو۔ جو بکلی اسباب پر گر گئی ہیں اور جیسے سانپ مٹی کھاتا ہے انہوں نے سفلی اسباب کی مٹی کھائی اور جیسے گدھ اور کتے مُردار کھاتے ہیں۔ انہوں نے مُردار پر دانت مارے۔ وہ خدا سے بہت دُور جا پڑے انسانوں کی پرستش کی اور خنزیر کھایا۔ اور شراب کو پانی کی طرح استعمال کیا۔ اور حد سے زیادہ اسباب پر گرنے سے اور خدا سے قوت نہ مانگنے سے وہ مر گئے اور آسمانی رُوح ان میں سے ایسی نکل گئی جیسا کہ ایک گھونسلے سے کبوتر پرواز کر جاتا ہے۔ ان کے اندر دُنیا پرستی کا جذام ہے جس نے ان کے اندرونی اعضا کاٹ دیئے ہیں۔ پس تم اس جذام سے ڈرو۔ میں تمہیں حدِ اعتدال تک رعایت اسباب سے منع نہیں کرتا بلکہ اس سے منع کرتا ہوں کہ تم غیر قوموں کی طرح نرے اسباب کے بندے ہو جاؤ اور اس خدا کو فراموش کر دو جو اسباب کو بھی وہی مہیا کرتا ہے۔ اگر تمہیں آنکھ ہو تو تمہیں نظر آ جائے کہ خدا ہی خدا ہے باقی سب ہیچ ہے۔"

(کشتی نوح صفحہ ۱۹-۲۰)

## کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

خدا سے وہی لوگ کرتے ہیں پیار + جو سب کچھ ہی کرتے ہیں اس پر نثار
اسی فکر میں رہتے ہیں روز و شب + کہ راضی وہ دلدار ہوتا ہے کب
اسے دے چکے مال و جاں بار بار + ابھی خوف دل میں کہ ہیں نابکار

لگاتے ہیں دل اپنا اس پاک سے
وہی پاک جاتے ہیں اس خاک سے

# اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ زمین اور آسمان کا جملہ انتظام اسکے اپنے یدِ قدرت میں ہے

# اور کوئی ذات بغیر اذنِ الٰہی شفاعت اور سفارش بھی نہیں کر سکتی

## خطبہ جمعہ۔ مؤرخہ ۲۵ رجون ۱۹۷۶ء۔ فرمودہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالےٰ جامع احمدیہ۔ احمدیہ بلڈنگس لاہور

اِنّ ربّکم اللہ الّذی خلق السمٰوات والارض فی ستّۃ ایّامٍ ثمّ استوٰی علی العرش ط یدبّر الامر ما من شفیعٍ الّا من بعد اذنہٖ ذٰلکم اللہ ربّکم فاعبدوہ ........ یفصّل الاٰیٰت لقومٍ یعلمون (سورۃ یونس آیت ۳)

فرمایا۔ تمہارا پروردگار تو وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ وقتوں میں پیدا کیا۔ پھر وہ عرش کی طرف متوجہ ہوا۔ یدبّر الامر وہ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے ما من شفیع الّا من بعد اذنہ۔ کوئی سفارش کرنے والا نہیں۔ مگر اس کے حکم کے بعد۔ ذالکم اللہ ربّکم۔ یہ اللہ تعالےٰ تمہارا ربّ ہے فاعبدوہ۔ سو تم اسی کی عبادت کرو۔ افلا تذکّرون تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ آگے فرمایا الیہ مرجعکم جمیعاً، اسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ وعد اللہ حقّا۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔

آگے فرماتا ہے۔ انّہ یبدؤ الخلق ثمّ یعیدہٗ لیجزی الّذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت بالقسط۔ بے شک وہی مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے۔ پھر اسے دوبارہ بنائے گا۔ تا کہ انہیں جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں۔ انصاف کے ساتھ بدلہ دے۔ پھر انبیاء علیہم السلام کے منکرین کا ذکر کیا ہے کہ آخرت میں ان کے لئے کھولتا ہوا پانی پینے کو اور دردناک عذاب ہے بما کانوا یکفرون یہ اس لئے کہ وہ کفر کرتے تھے۔

اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں جگہ جگہ اپنی ذات کے متعلق ذکر فرمایا ہے، اور یہاں اپنی عظمت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ کہ جس نے زمین اور آسمان کو پیدا کیا۔ کیا وہ دوسری خلق پر قادر نہیں۔ انسان کا عقل اور اس کا علم تو موجودہ مخلوق کا بھی احاطہ نہیں کر سکتا۔ تو اور خلق کے انکار کے کیا معنے۔ اور چھ وقتوں کا ذکر اس لئے فرمایا کہ خلق بھی بتدریج ہوئی اور دوسری خلق بھی بتدریج ہوگی۔ اور شفیع کا ذکر اس لئے فرمایا کہ شفاعت بھی اس کی اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ ان ساری باتوں کی اصل غرض اللہ تعالےٰ کی عظمت اور اس کے خالق ہونے کی طرف متوجہ کرنے کے بعد دوسری زندگی کی طرف توجہ دلانا ہے۔

پھر اپنے احسانوں کے ذکر میں فرمایا ھو الّذی جعل الشّمس ضیاءً والقمر نوراً۔ جس نے سورج کو چمکتا ہوا اور چاند کو روشن بنایا یہ دونوں بے جان ہیں۔ مگر اللہ کی مخلوق کی بھلائی کی خاطر ان میں ایک گہرا ربط اور تعاون ہے جس سے بارش دھوپ اور زمین کی روئیدگی کا وجود ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کا مختارِ کُل ہے۔ وہ ہر انسان کا مالک ہے۔ خواہ وہ کوئی ہو۔ کسی نسل سے ہو۔ وہ تو اپنے بندوں کی فرمانبرداری کو دیکھے گا۔ سورج اور قمر کی منازل بنا دی گئی ہیں۔ تا کہ تم سالوں اور گنتی کا حساب جان لو۔ ہر شخص کو اللہ تعالےٰ کے پاس جانا ضرور ہے۔ وہ تمہارا محاسبہ کرے گا کہ تم نے کس حد تک اس کے احکام کی تابعداری کی؟ اور کس حد تک مخلوق خدا کی بھلائی میں اپنی زندگی بسر کی۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ رسول خدا صلعم کی زندگی کا بہترین نمونہ تمہارے سامنے ہے۔ توریت انجیل میں اللہ تعالےٰ کی ذات کا ذکر نہیں ہے۔ اگر ہے تو بہت کم۔ لیکن قرآن کریم کے ہر صفحہ پر ذات باری تعالےٰ کا بالتفصیل ذکر موجود ہے۔ کوشش کرو۔ کہ تمہاری زندگی رضاء الٰہی کے مطابق بسر ہو۔ تمہیں یقین ہو کہ خدا تعالےٰ تمہارے ہر قول و فعل کو دیکھ رہا ہے۔ یہ یقین ہی انسان کو خدا تعالےٰ کی نافرمانی کی گندی موت سے بچاتا ہے۔ چاہیئے کہ تمہارے نیک اعمال سے اسلام کا نام روشن ہو۔ تمہاری زندگی الٰہی اخلاق کا نمونہ ہو۔ اس میں سب انسانوں سے محبت ہو۔ تمہاری عبادات میں خشوع و خضوع ہو اپنے بھائی بندوں کے لئے دعائیں کرو۔ تمہارے لئے حکم ہے کہ تمہاری زبان ہاتھ اور کسی بھی حرکت سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ تمہارے دلوں میں تقویٰ کا نور ہو۔ تمہارا خدا تمہیں مناہی میں گرفتار نہ دیکھے۔ اور تم اس کو راضی کرنے والے بنو۔

تمہارے اندر تقویٰ ہو۔ ہر وقت دل میں خدا تعالےٰ کا یہ خوف ہو۔ کہ ہمارا آقا و مولا ہمیں دیکھ رہا ہے۔ اور وہ ہمارا محاسبہ کرے گا۔ یہ یقین نفس انسانی کی اصلاح کا موجب ہوتا ہے۔ مبارک ہے وہ قوم جس کو یقین ہو جائے کہ ہمارا خالق ہمیں دیکھتا ہے۔ اس کے احسانات کو یاد کر کے اس کی عبادت کرو۔ ادعوا ربّکم تضرّعاً وخفیۃ۔ چھپ چھپ کر اور عاجزی سے اللہ تعالےٰ کو پکارو ہر مشکل کے وقت صرف اور صرف اسی کی مدد طلب کرو۔

تبارک اللہ ربّ العالمین۔ اللہ تعالےٰ کی ذات بڑی بابرکات ہے وہ اپنے بندوں کی پکار کو سنتا ہے اور ان کی مدد کو پہنچتا ہے۔ وہ دنیا جہان کا ربّ ہے۔ اس کی برکتیں کبھی ختم نہیں ہوتیں تم اپنی زندگیوں کو الٰہی رنگ میں رنگین کرو۔ صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ جو بھی شخص خدا تعالےٰ کے احکامات کی پابندی کرے گا خدا تعالےٰ اس پر راضی ہوگا۔

کسی نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ما الاحسان یارسول اللہ۔ حضور احسان کس کو کہتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ان تعبد اللہ کانّک تراہ۔ تم اس طرح عبادت کرو۔ کہ گویا تم اللہ تعالےٰ کو دیکھ رہے ہو۔ فان لم تکن تراہ فانّہ یراک۔ اور اگر تم ایسا نہیں کر سکتے کہ اسے دیکھ سکو۔ تو تمہیں یقین ہو کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔ یہ تعلیم انسان کو معرفت اور عرفان بخشتی ہے۔ اس سے زندگی میں روشنی پیدا ہوتی ہے۔ اور انسان مخلوق کے لئے بابرکت بن جاتا ہے۔

---

**گناہ ایک زہر ہے** "دیکھو میں یہ کہہ کر فرض تبلیغ سے سبکدوش ہوتا ہوں کہ گناہ ایک زہر ہے اس کو مت کھاؤ۔ خدا کی نافرمانی ایک گندی موت ہے اس سے بچو۔ دعا کرو تا تمہیں طاقت ملے"۔ (کشتیٔ نوح)

ہفت روزہ پیغام صلح ـــــ لاہور ـــــ مؤرخہ ۷ جولائی ۱۹۷۶ء

# ولادت حضرت مسیح ناصری علیہ السلام

لانسٹ (LANCET) کے ۲۹ جون ۱۹۵۶ء کے ایشوع کا انگریزی زبان میں ایک اقتباس ہمارے سامنے ہے جو حال ہی میں ایک کتاب میں ہماری نظروں سے گذرا ہے۔ اس میں ایک کنواری ماں کے بطن سے پیدا ہونیوالی بچی کے عجیب و غریب نوعیت کے معاملہ پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ ماں کا نام ظاہر کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا۔ ڈاکٹروں کی ایک ٹیم نے اس کنواری ماں کا جدید ترین معلوم سائنسی طریقوں سے معائنہ کرنے کے بعد یہ کہا ہے کہ ماں کے اس موقف کو مسترد کرنے کے لئے ان کے پاس کوئی بجواز نہیں طبی معائنہ سے ان کے قول کے مطابق یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ماں اور بچی دونوں کے خون اور جسمانی ساخت کی باریک سے باریک تفاصیل میں بھی غیر معمولی یکسانیت پائی گئی ہے۔

یہ اقتباس اور اس کا ترجمہ نقل کرنے سے محترم مصنف نے اس واقعہ کی روشنی میں یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی پیدائش کوئی غیر معمولی بات نہیں اور اسے حضرت عیسٰیؑ کی الوہیت کی دلیل ٹھہرانا خلاف عقل و دانش ہے۔

ہمیں قرآن اور جدید ترین سائنسی تحقیقات کے رُو سے یہ قطعاً تسلیم نہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام اور یہ بچی بن باپ پیدا ہوئے۔ اس لئے آج ہم عام موضوع سے ہٹ کر قارئین سے سائنس کی زبان میں بات کریں گے اور کوشش کریں گے کہ اپنے خیالات کو عام فہم اور سہل زبان میں بیان کریں تاکہ موضوع زیر بحث کے مختلف پہلو کھل کر سامنے آ جائیں اور ہمارے قارئین کے لئے دلچسپی کا موجب ہوں۔

ہمارا یہ پختہ ایمان ہے کہ سائنس جوں جوں ترقی کرے گی قرآن کریم کے اسرار و رموز سے حجاب اُٹھتے چلے جائیں گے اور ایک دن آئے گا کہ اس عظیم کتاب کے سامنے گردنیں جھک جائیں گی اور حواس اپنیار سے بیگانہ فلسفی اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ ہاں حواسِ خمسہ کے علاوہ علم کے کوئی اور ذرائع بھی ہیں جنہیں مجموعی طور پر "وحی" کہا جاتا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتے تو صحرائے عرب کے ایک اُمّی پر یہ کائنات کے بھید کیسے کھلتے۔

کچھ عرض کرنے سے پہلے ہم اپنے قارئین سے معذرت خواہ ہیں کہ اس ضمن میں ہمیں ایسے حقائق بیان کرنے پڑیں گے جنہیں بیان کرتے سے عام طور پر حیا مانع ہوتی ہے۔ مگر یہ قرآنی حقائق ہیں اس لئے کوئی چارہ نہیں۔

سورۃ الذاریات میں آسمانوں اور زمین کی تخلیق کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ "ہر چیز سے ہم نے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو" (۵۱ - ۴۹) آج سے صدیوں پہلے اس راز سے کون آشنا تھا کہ کائنات میں موجود مخفی در مخفی چیز سے لے کر انسان تک ہر ایک چیز کے جوڑے موجود ہیں۔ حتّٰی کہ موجودات کی ہر شئے کے بنیادی ایٹم میں بھی مثبت اور منفی برقی بار والے ذرّات آپس میں جوڑے بناتے ہیں جن کی باہمی کشش سے ایٹم کی ترکیب تنظیم اور ترتیب میں ایسا توازن برقرار رہتا ہے جس میں عام حالات میں کوئی خلل اور فساد واقع ہونے کا احتمال نہیں رہتا۔ من کلّ شئیٍ فرما کر اس میں کوئی استثنائی صورت باقی نہیں رہنے دی۔

انسانوں میں ازواج یا جنس مخالف کا ذکر سب سے پہلے سورۃ البقرہ میں یوں آتا ہے: "اے آدم تم اور تمہاری زوج یا بی بی جنت میں رہو" آدم کے لئے بی بی کے پیدا کرنے کی غرض و غایت کیا تھی۔ اس پر ایک تو سورۃ الروم کی آیت ۲۱ سے روشنی پڑتی ہے۔ سورۃ الروم میں ہے" اور اس کے نشانوں میں

اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔"

ہم جدید سائنسی تحقیق کی بناء پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ "نفس واحدۃ" سے مراد ایک ہی نوع ہے کیونکہ افزائش نسل کا دار و مدار ایک ہی نوع کے نر اور مادہ کا تعلق قائم کیا جائے تو یا تو بچہ پیدا ہی نہیں ہوتا اور اگر بفرض محال پیدا ہو بھی جائے تو اس سے آگے نسل نہیں چل سکتی۔ خچر کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

انسانوں میں افزائش نسل کا ذریعہ مرد اور عورت کا آپس میں تعلق ہے۔ اسلام نے نکاح کے ذریعے اس تعلق کو پاکیزگی اور تقدّس بخشا ہے۔ اور یہی وہ تعلق ہے جس کی بناء پر ایک پاکیزہ اور متوازن معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

جس چیز سے انسان کی تخلیق ہوتی ہے اسے قرآن کریم نے بہت سی سورتوں مثلاً النحل (۴) الکھف (۳۷) الحج (۵) المؤمنون (۱۴) فاطر (۱۱) یٰسٓ (۷۷) النجم (۴۶) عبس (۱۹) میں لفظ "نطفہ" سے یاد فرمایا ہے۔ جس کا مطلب انسانی غذا سے تیار شدہ وہ آخری مصفّیٰ پانی اور جوہر ہے جس سے انسان کی نسل آگے چلتی ہے۔ لفظ زوج کی موجودگی میں اس شک اور شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہونی چاہیئے کہ یہ نطفہ مرد اور عورت دونوں میں موجود ہوتا ہے کیونکہ "انسان" کے لفظ میں یہ دونوں شامل ہیں۔ اور ان دونوں نطفوں کے باہمی ملاپ سے ہی نیا انسانی وجود تشکیل پاتا ہے لیکن ایسے ہی ناقابل فہم شکوک کے ازالہ کے لئے جیسا کہ طبی رسالہ لانسٹ میں ظاہر کئے گئے ہیں سورۃ الدھر میں یہ واضح الفاظ موجود ہیں کہ "ہم نے انسان کو ملے جلے نطفہ سے (نطفۃٍ امشاجٍ) سے پیدا کیا ہے۔ اسے ہم آزماتے ہیں (مختلف منزلوں سے گذارتے ہوئے اس کی تکمیل کرتے ہیں)۔ سو اسے ہم نے سنتے دیکھنے والا بنایا۔ (عقل و شعور کی قوتیں عطا کر کے اس ہستی کی تلاش کی راہیں سمجھائیں۔ جو اسے ایک غیر حقیقت شئے سے جبکہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا وجود میں لائی)۔ یہ ملا جلا نطفہ تب ہی پیدا ہو سکتا ہے جب اس میں مرد اور عورت دونوں کا تعلق شامل ہو۔ اسے ایک دوسرے پیرائے میں سورۃ الفرقان (۵۴) میں یوں بیان فرمایا ہے" اور وہی ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا پھر اسے نسب اور سسرال والا بنایا اور تیرا رب قدرت والا ہے"۔ یہاں الفاظ نسباً وّ صھراً استعمال ہوئے ہیں۔ مرد کے سسرال بیوی کے ماں باپ اور بیوی کے سسرال مرد کے ماں باپ۔ اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ نسب اور صہر کے بغیر بچوں کی پیدائش ناممکن ہے۔ اس لئے عیسٰیؑ کے نہ صرف ماں باپ دونوں تھے بلکہ بیوی بچے بھی تھے۔ اس سے تو کسی کو بھی اختلاف نہیں کہ وہ بشر تھے۔ ان کی تخلیق پانی (نطفہ) سے ہوئی اور انہیں بھی نسب اور صہر والا بنایا۔

اس نطفۃٍ امشاج سے یا لڑکے پیدا ہوتے ہیں اور یا لڑکیاں۔ جیسا کہ سورۃ النجم (۴۵) میں ہے" اور کہ وہی دو ساتھی پیدا کرتا ہے نر اور مادہ نطفہ سے جب اس کا اندازہ کیا جاتا ہے"۔ اندازہ کرنے سے ہم یہاں یہ مراد لیں گے کہ یہ نطفے دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جن کے ملنے سے لڑکے پیدا ہوتے ہیں اور دوسرے وہ جن کے تعلق سے لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور آج کی سائنسی تحقیق نے اس حقیقت پر سے پردہ اُٹھایا ہے کہ

مرد کے نطفے میں دو مختلف قسم کے اجزا ہوتے ہیں - جنہیں جیوانے یا SPERMS کہتے ہیں - لیکن عورت کے نطفہ میں سارے اجزاء یا بیضے (OVA) ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں - ہم ان کی خورد بینی باریکیوں اور تفاصیل میں نہیں جا سکتے صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ مرد کے نطفے کے بعض اجزاء یا (SPERMS) ایک لحاظ سے عورت کے بیضہ یا (OVUM) سے مشابہ ہوتے ہیں اور جب یہ آپس میں ملتے ہیں تو لڑکی پیدا ہونے کا غالب امکان ہوتا ہے - اور اگر رحم مادر میں بچّے کی نشو و نما معمول کے مطابق ہو تو یقیناً لڑکی پیدا ہوتی ہے - اس کے برعکس مرد کے نطفے میں جو SPERMS یا جیوانے عورت کے بیضہ سے ایک صورت میں مختلف ہوتے ہیں ایسے ایک جیوانہ اور بیضہ کے ملنے سے لڑکا پیدا ہوتا ہے - ایسی صورت میں بھی یہ لازمی ہے کہ ماں کے رحم میں نشو و نما پانے والا بچہ معمول کے مطابق بڑھ رہا ہو۔

حضرت عیسٰے علیہ السلام مرد تھے ان کا مذکورہ بالا سائنسی انکشاف کے مدِّنظر بن باپ پیدا ہونا ناممکن ہے - قرآن کریم میں "زوج" - "نسباً و صہراً" - "نطفہ" - "نطفۃ امشاج" کے الفاظ اور دورِ جدید کے انکشافات اس پر ایک دلیلِ قاطعہ کا حکم رکھتے ہیں کہ حضرت عیسٰےؑ بن باپ ہرگز نہیں تھے اور نہ ان کی یہ پیدائش معجزانہ تھی - کیونکہ لڑکے کی پیدائش میں کردار ادا کرنے والا جزو سوائے مرد کے نطفہ کے اور کہیں سے نہیں آ سکتا یہودیوں نے بھی اسی لئے حضرت مریم علیہا السلام پہ الزام لگایا تھا لیکن قرآن کریم نے سورۃ المائدہ (۷۵) میں "و اُمّہ صدیقۃ" کہہ کر آپ کو اس ناپاک الزام سے بری کر دیا۔

متی کی انجیل باب ۱ میں حضرت مسیح کا نسب نامہ بیان کرتے ہوئے آیت ۱۶ میں کہتی ہے " اور یعقوب سے یوسف پیدا ہوا - یہ اس مریم کا شوہر تھا جس سے یسوعؔ پیدا ہوا جو مسیح کہلاتا ہے " عجیب بات ہے شوہر بھی ہے اور بی بی بھی آخر وہ کونسے ایسے غیر معمولی واقعات تھے جنہوں نے حضرت مسیح کی پیدائش سے پہلے میاں بیوی کو وظیفۂ زوجیت ادا کرنے سے باز رکھا حالانکہ حضرت مسیحؑ کے اور بہن بھائی بھی تھے - کیا صرف حضرت مسیح کے سلسلہ ہی میں ایسا ہوا - یہ بات ہمارا ذہن قبول کرنے سے قاصر ہے -

اگر کنواری ماؤں کے بطن سے پیدا ہونے والے بچّوں کے مسئلہ کو مان لیا جائے تو بھی لڑکے کا پیدا ہونا محال ہے - کیونکہ رحمِ مادر میں اُترنے سے پہلے بیضہ دو حصّوں میں تقسیم ہوتا ہے - ایک حصہ بڑا ہوتا ہے جو آخرکار بیضہ بناتا ہے اور دوسرا حِصّہ چھوٹا ہوتا ہے جو زائل ہو جاتا ہے - یہ دونوں حصے صرف جسامت کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں - مگر اپنی اندرونی بناوٹ کے لحاظ سے ایک جیسے ہوتے ہیں - اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ چھوٹا حِصّہ زائل نہیں ہوتا اور یہ بھی بیضہ کے ساتھ رحم میں موجود ہوتا ہے - مرد اور عورت کا تعلق بھی نہیں ہوتا تو یہی امکان ہے کہ یہ دونوں حِصّے پھر آپس میں مل جائیں اور ان کے ایک ہو جانے کے بعد بچّے کی پیدائش کا امکان پیدا ہو جائے - اس صورت میں صرف لڑکی ہی پیدا ہوگی - لڑکا ہرگز نہیں ہو سکتا - ہم اُوپر بیان کر آئے ہیں کہ لڑکے کے لئے مرد کی طرف سے مختلف جیوانے کا ماں کے بیضہ کے ساتھ ملنا ایک سائنسی حقیقت ہے - حضرت مسیح بھی کنواری ماں کے بطن سے پیدا ہوئے ان کی جنس مذکّر نہیں مؤنّث ہونی چاہیئے تھی چونکہ وہ مذکّر تھے اس لئے ان کا باپ ہونا لازمی ہے -

لانسٹ کی رپورٹ میں بھی بچّی کی پیدائش کا ذکر ہے - اگر ناممکن کو ممکن تصوّر کر لیا جائے تو یہی ہونا چاہیئے تھا۔

ہمارے نزدیک یہ رپورٹ بھی شک و شبہ سے بالا نہیں - ماں کا نام ظاہر نہ کرنا اور ماں بچّی کے خون اور جسمانی ساخت کی تفاصیل میں یکسانیت ہمارے اس شبہ کو یقین میں بدل دیتے ہیں -

اگر ڈاکٹروں نے پردۂ بکارت کی اپنی اصلی صورت میں بحالی کو ہی کنوارپنے کی علامت تصوّر کرتے ہوئے یہ رپورٹ دی ہے تو یہ خلافِ واقعات ہے کیونکہ میڈیکو لیگل ریکارڈ میں ایسے واقعات کا بھی ذکر ملتا ہے کہ اس پردہ کا ویسا کا ویسا رہنے کے باوجود حمل ٹھہر گیا - کیونکہ اس پردہ کے درمیان ایک باریک سا سوراخ ہوتا ہے جس میں سے مرد کے نطفہ میں موجود خوردبینی اور تیز رفتار اجزا گذر کر رحم میں اس مقام تک پہنچ جاتے ہیں جہاں بیضہ ان سے ملنے کے لئے موجود ہوتا ہے۔

خون اور جسمانی ساخت میں یکسانیت بھی ایک عجیب راز کی نشاندہی کرتی ہے - اور شاید اسی سے بچنے کے لئے اس خاتون نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا - باپ بیٹی اور بہن بھائی کے اجزائے تولید میں بڑی قریبی مشابہت اور یکسانیت ہوتی ہے - ان دونوں رشتوں کے آپس میں اختلاط سے جو اولاد پیدا ہوگی اس کے اور ماں باپ دونوں کے خون اور جسمانی ساخت میں بہت قریبی یکسانیت کا غالب امکان ہے - مغربی معاشرہ کی اخلاقی اقدار کے مدِّنظر یہ ناممکن نہیں - ہو سکتا ہے یہ خاتون کسی اُونچے گھرانے سے تعلق رکھنے والی ہو اور اپنے گھرانے کو سکینڈل سے بچانے کے لئے اس نے یہ کہانی گھڑی ہو اور ڈاکٹروں نے باوجود علم کے اس خاندان کی عزّت کو داغ نہ لگانے کے لئے اخفا سے کام لیا ہو - ہمارے لئے یہ واقعات قرآن کریم کی تعلیم کی روشنی میں محض بے حقیقت اور بے دلیل ہیں - اللہ تعالےٰ کا قانون نہیں بدل سکتا ہے اور آج تک اس کا قانون یہی رہا ہے کہ نسل کو آگے بڑھانے کے لئے مرد اور عورت کا تعلق آپس میں ضروری ہے ؛

---

# مقصدِ مذہب

پہلا شخص جس نے مذہب کا صحیح تخیّل ، دنیا کے سامنے پیش کیا وہ حضور اقدس صلعم ہی کی ذات بابرکات تھی - آنحضرت صلعم نے آ کر مذہب کا بالکل نیا مفہوم دنیا کے سامنے پیش کیا - وہ مفہوم یہ تھا کہ مذہب کا مقصد موروثی گناہ سے نجات دلانا نہیں - بلکہ اس کی استعدادِ مخفی کی نشو و نما اور ترقی دینا ہے جو انسان میں پہلے سے موجود ہوتی ہے - یعنی جس سے مراد ارتقائے انسانیت ہے - دنیا کی ہر شئے کی طرح انسان میں بھی بعض مخفی قابلیتیں اور استعدادیں موجود ہیں - اور مذہب کا کام یہ ہے کہ ان کو بروئے کار لائے - اور احسن طریق پر ترقی دے - آپؐ کے مطابق مذہب ایک نظریۂ حیات اور طریقِ زندگی کا نام ہے - تاکہ ہمارے اندر جو خوبیاں مخفی ہیں وہ نمایاں ہو جائیں -

وہ خوبی یہ ہے کہ خدا نے اپنی رُوح کے ذریعہ ہمارے اندر الوہیت کی آگ پھونک دی ہے لیکن یہ لطیفۂ الٰہی ہمارے ان جذبات کے پردوں میں چھپا ہوا ہے جو اپنی اصلی حالت میں خصوصاً صفات بہیمیہ سے مشابہ اور اقرب ہیں جس طرح فطرت میں بدصورتی سے خوبصورتی اور [illegible] پیدا ہو جاتی ہے - اسی طرح ہماری صفتِ حیوانیت ، اخلاقِ فاضلہ کے لئے بمنزلہ اساس و بنیاد ہوتی ہے - پیغمبر عرب صلعم پہلے نبی اور رسول اللہ تھے جنہوں نے یہ راز عالم پر آشکار کیا - ارتقائے مذکورہ بالا سے مراد ہمارے شعور و ادراک کا ارتقاء ہے - یعنی بہیمی شعور کا الٰہی شعور سے اتصال و وصال ہو جائے - یہ دراصل مذہب کا باطنی پہلو ہے - جو نبی کریم نے ظاہر کیا - اور اسی کے اظہار میں آپؐ کی عظمت مضمر ہے - خدا کے دوسرے انبیاء کا مقصدِ نبوّت بھی یہی تھا لیکن اس مقصد کے حصول کے لئے جو طریقِ کار روایات میں بیان ہوا ہے وہ نہ آسان ہے اور نہ باقاعدہ ، بلکہ بعض اوقات غیر فطری ہے - انہوں نے ہمیں بیش قیمت نصائح دیں - لیکن وہ کسی ترتیب اور نظام کے ماتحت نہ تھیں - انہوں نے

مکرم جناب برکت اللہ راٹھور ایڈوکیٹ سیالکوٹ۔

(بسلسلۂ اشاعت ۳۰ر جون ۱۹۷۶ء)

نمبر ۹ ہمارے مکفرین عملاً قرآن مجید کو چھوڑ چکے ہیں و قال الرسول یارب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا (۲۵: ۳۰)
کیونکہ انہوں نے اس کے صریح احکام کو پس پشت ڈال دیا ہے - اور ذہنی اور عملی طور پر ویدوں کی تعلیم پر کاربند ہو چکے ہیں - جیسا کہ ویدوں میں ہے - کہ ایک اچھوت وید پڑھنا تو درکنار اسے سن بھی نہیں سکتا - اور اگر وہ سن پائے تو اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈال دیا جائے - تاکہ آئندہ ویدوں کی بھنک بھی اس کے کانوں میں نہ پڑ سکے - ویدوں کی تعلیم کی تتبع میں ان لوگوں کو بھی احمدیوں کا قرآن مجید کا تلاوت کرنا سخت ناگوار گذر رہا ہے - آئینی ترمیم کے ابتدائی دور میں تو انہوں نے اودھم مچا رکھا تھا - احمدیوں کو تلاوت قرآن پاک کے جرم کی پاداش میں مار پیٹ کے متعدد واقعات ہوئے اور ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا - وہ تو خیر گذری کہ زمامِ اختیار ابھی ان کے ہاتھوں میں منتقل نہیں ہوئی، ورنہ وہ ایسے مظالم کے مرتکب ہوتے جن کے تصور سے بھی روح کانپ اٹھتی ہے اور غریب احمدیوں کی کہیں بھی شنوائی نہ ہوتی - مسجدوں میں احمدیوں کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا گیا - نہ صرف یہ بلکہ انہیں اپنی مساجد تعمیر کرنے کا بھی کوئی استحقاق نہ رہا اور وہ اپنی عبادت گاہ کو مسجد کے نام سے بھی نہیں پکار سکتے - انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون - یہ ویدوں کے نئے پجاری برہمنوں کے کان کتر گئے -

اچھوت تو اپنی عبادت گاہ کا نام مندر رکھ سکتے ہیں اور انہیں اپنا مندر تعمیر کرنے کے لئے بھی کوئی مخالفت نہیں ہے - لیکن کلمہ گووں کے لئے کوئی مراعات نہیں کہ وہ اپنی مسجدیں تعمیر کر سکیں - احمدیوں کا بائیکاٹ کیا گیا اور جگہ جگہ اشتہار چسپاں کئے ہوئے نظر آتے تھے - کہ بائیکاٹ جاری رہے گا - اب ایسا فعل خالصتاً مشرکانہ ہے - کیونکہ مشرکین مکہ نے بھی حضور نبی کریم صلعم اور ان کے ساتھیوں کا متواتر تین سال تک بائیکاٹ جاری رکھا - جو شعب ابی طالب کے نام سے مشہور ہے - اور مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر ڈالا - اب یہی طریق کار اپنے تئیں مسلمان کہلانے والے کلمہ گووں کے خلاف اپنا رہے ہیں - ان اسلام کے ٹھیکیداروں نے چالیس لاکھ فرزندانِ توحید کو عملاً اچھوت بنا ڈالا ہے - یہ فعل رحمۃ للعالمین کی امت کہلانے والوں کو زیب نہیں دیتا - ہم کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں - وہ اس بات پر مصر ہیں کہ ہم تسلیم کریں - کہ ہم غیر مسلم ہیں - ہم کہتے ہیں کہ ہم ختم نبوت کے قائل ہیں - لیکن وہ اس بات کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں - کیا یہ ان لوگوں کا کام ہو سکتا ہے جن کے دلوں میں خوفِ الٰہی ہو - ایسے حالات میں کوئی انصاف پسند کہہ سکتا ہے کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی ہستی کے قائل ہیں اور رحمۃ للعالمین کے صحیح طور پر پیروکار ہیں - کوئی قانون ہمیں مسلمان کہلوانے میں مانع ہو سکتا ہے - ہمارا معاملہ تو براہ راست اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے - اور اس کے فضل سے ہم مسلمان ہیں - ہمارا مسلمان ہونا کسی انسان کی نظرِ کرم پر منحصر نہیں ؎

ما مسلمانیم از فضل خدا + مصطفیٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام + ہر نبوت را برو شد اختتام

نمبر ۱۰ ہندوؤں نے تو کروڑوں اچھوتوں کو گلے لگا لیا ہے - اور اپنی برادری اور دھرم میں داخل کر لیا ہے - [illegible] ہمارے مکفرین کی صورت میں [illegible] جو قرآن پاک کی بلند پایہ تعلیم سے آنکھیں بند کر کے ایسی حرکات کے مرتکب ہو رہے ہیں - جو کبھی مشرکین کا خاصہ تھا -

یہ لوگ اپنی حالت کو بہتر بنانے کی بجائے دن بدن قسی القلب ہوتے جا رہے ہیں - کیونکہ بھولے بھالے عوام کو جذباتی تصویروں اور تحریروں کے بل بوتے پر اپنے ساتھ لگا لیا ہے اور ان سے مسجدیں اور قرآن پاک جلانے کا کام لے رہے ہیں - ان کی اصلاح کی بجائے انہیں وحشی اور مردم خور بھیڑیئے بنا ڈالا ہے - جن کی تندی کو اپنی اشتعال انگیزیوں سے اور بھی تیز تر کرتے رہتے ہیں - گویا ان کا زندگی کا ماحصل ہی تخریب کاری ہے اور کچھ نہیں - یہ لوگ علمائے دین کہلاتے ہیں - ان کو تو چاہیئے تھا کہ اسلام کی نہایت خوبصورت تعلیم سے لوگوں کو روشناس کراتے - تاکہ لوگوں کے اخلاق کو سنوارنے میں ممد و معاون ہوتے - انہوں نے یہی کافی سمجھ لیا ہے - کہ دیواروں پر اشتہار جلی حروف میں جا بجا لکھوا دیئے کہ ملک میں فحاشی اور شراب نوشی بند کرو - اس سے بھی ان کی نیک نیتی ظاہر نہیں ہوتی - یہ انہوں نے حکومتِ وقت کے خلاف ایک نعرہ بلند کیا ہے تاکہ لوگوں کو حکومت وقت سے متنفر کر کے ملک میں انتشار پیدا کیا جا سکے - وہ لوگوں کو یہ تأثر دینا چاہتے ہیں کہ وہی ایک نیک پاک لوگ ہیں - باقی تمام حکومت کے اراکین غیر اسلامی روش کے مرتکب ہو رہے ہیں - ایسی نازیبا اور منافقانہ حرکات کرنے کی بجائے انہیں تو چاہیئے تھا کہ قرآن کریم ہاتھوں میں لے کر چاروں طرف نکل جاتے اور قریہ قریہ شہر بہ شہر اپنی انتھک مساعی سے لوگوں کو نیکی پاکیزگی اور ایمانداری کی تلقین کرتے - اس طرح سے فحاشی بھی خود بخود ختم ہو سکتی تھی اور قوم کا کردار اور اخلاق بھی بلند ہو سکتا تھا لیکن یہ اُن کے بس کا روگ نہیں انہیں لوگوں کی اصلاح سے کوئی غرض نہیں وہ تو اپنا اُلّو سیدھا کرنا چاہتے ہیں - خدا کے راستے میں نکلنا جان جوکھوں کا کام ہے یہ نرم گدیلوں پر بیٹھنے والے نعرہ بازوں کے بس کا روگ نہیں -

می شود ہر مو درازے خرقہ پوش + آہ ازیں سوداگرانِ دیں فروش

وہ تو یصدون عن سبیل اللہ و یبغونھا عوجا ۱۱: ۱۹ کے مصداق عوام کو جہالت کے عمیق گڑھے میں پھینکنا چاہتے ہیں کیونکہ ان مکفرین کے مفید مطلب ہے - یہ اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اس کے لئے چاہتے ہیں - یہی لوگ آخرت کے منکر ہیں - احمدیوں نے جو اسلام کی اشاعت میں کوشش کی اور لوگوں کے اخلاق کو بلند کرنے کے سلسلہ میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے - اس کا ذکر میں یہاں نہیں کرنا چاہتا، اس لئے کہ مکفرین کے دل احمدیوں کے خلاف بغض سے بھرے ہوئے ہیں ان کی تعریف سے کہیں ان کے دلوں پہ سانپ نہ لوٹنے لگ جائیں - میں انگلستان کے ایک شخص جان ویزلی (JONN WESLEY) کی مثال دیتا ہوں - تاکہ معلوم ہو جائے کہ جو لوگ حقیقی طور قوم اور انسانیت کے خیر خواہ ہوتے ہیں اور جن کے دل میں لوگوں کی زبوں حالی دور کرنے کے لئے ایک تڑپ ہوتی ہے وہ کیا کچھ کر ڈالتے ہیں اور کسی حکومت یا اقتدار کا سہارا نہیں ڈھونڈتے اس شخص نے لاکھوں میل گھوڑے پر سفر کر کے لاکھوں مواعظ حسنہ کروڑوں انسانوں کے سامنے دیئے - اور جب تک زندگی رہی لوگوں کو خدا کی طرف بلاتا رہا - اس نے حکومت وقت پر ہمارے مکفرین کی طرح زور نہیں ڈالا کہ وہ لوگوں کو ڈنڈے کے ذریعے سیدھے راستے پر لائے - اس کے پاس

(باقی برصفحہ کالم نمبر ۲)

مکرم جناب نصیر احمد فاروقی صاحب

# جینریشن گیپ

اس عنوان سے میرا ایک مضمون کچھ عرصہ ہوا اخبار پیغام صلح میں چھپ چکا ہے۔ جس میں میں نے آج کل کے نوجوانوں کی والدین سے بغاوت یا حکم عدولی پر قرآن حکیم کی روشنی میں کچھ لکھا تھا۔ منجملہ اور باتوں کے میں نے یہ لکھا تھا کہ اللہ تعالےٰ نے اس بارہ میں ایک اہم ہدایت تو والدین اور اولاد دونوں کو یہ دی ہے کہ وقضیٰ ربّك الّا تعبدوا الّا ایّاہ کہ اگر دونوں فریق اللہ تعالےٰ کی عاجزی سے فرمانبرداری کریں تو ہی ان کے آپس کے تعلقات صحیح رہ سکتے ہیں — اولاد اور والدین کی عمروں میں مزاجوں میں - اور نقطۂ نظر میں اختلاف تو ہمیشہ سے تھا مگر پہلے یہ تھا کہ والدین خدا تعالےٰ کے فرمانبردار تھے اسی لئے وہ بہتر انسان تھے اور اپنی اولاد کے لئے بہتر نمونہ تھے۔ اور اسی لئے اولاد اُن کی عزّت اور قدر کرتی تھی اور اگر عمر اور مزاج کے فرق کی وجہ سے اولاد کو ماں باپ کا کبھی کبھار روکنا ٹوکنا بُرا بھی لگتا تھا تو خود اولاد بھی خدا پر ایمان اور اس کے خوف کی وجہ سے ماں باپ کے سامنے کچھ نہ کہتی تھی اور ان کی عزّت اور فرمانبرداری میں لگی رہتی تھی۔ اب اس زمانہ میں یورپ و امریکہ میں جہاں "جینریشن گیپ" کی وجہ سے سخت خاندانی ناچاقی اور اولاد کی گستاخی اور بغاوت بڑھ گئی ہیں اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ خود والدین کو نہ خدا پر ایمان ہے نہ اس کے احکام کی وہ فرمانبرداری کرتے ہیں (اخلاقی تعلیمات تمام مذاہب کی متشابہ ہیں) اور نہ وہ والدین اخلاقی قدروں کو کھو دینے کی وجہ سے اولاد کے لئے قابلِ عزّت و تقلید نمونہ باقی رہے ہیں۔ اس لئے اولاد کے دل میں ان کی عزّت اور قدر باقی نہیں رہی کیونکہ انسان کی فطرت میں ہے کہ وہ اخلاقی اور روحانی خوبیوں کا اعتراف کرتی اور عزّت کرتی ہے۔ جب والدین کو خدا پر ایمان نہیں رہا یا اس کے فرمانوں کی پرواہ نہ رہی تو اولاد کو کہاں ہونا تھی۔ اس لئے اولاد بھی اخلاقی قدروں کو کھو چکی ہے۔ ماں باپ کی عزّت اخلاقی قدروں میں سب سے اوّل ہے۔ خدا پہ ایمان نہ ہونے کی وجہ سے خدا کی فرمانبرداری میں والدین کی عزّت اور احترام بھی اولاد کے دلوں سے اُٹھ گئے — اور اگر آج مشرقی ممالک میں بھی اولاد باغی ہو رہی ہے تو اسی لئے کہ مغرب کی اندھا دھند تقلید میں اہلِ مشرق میں سے اکثر خدا پر ایمان کھو بیٹھے ہیں۔ خدا کی فرمانبرداری کا تو سوال ہی باقی نہیں رہتا۔

## بوڑھے ماں باپ

ماں باپ کے اَن گنت احسانات کے بدلہ میں اُن سے احسان کرنے کا اولاد کو حکم دیتے ہوئے اللہ تعالےٰ نے مزید فرمایا اِمّا یبلغنّ عندك الکبر احدھما او کلٰھما جہاں اس قطعی اصول کو مقرر فرمایا کہ والدین میں سے ایک یا وہ دونوں جب بوڑھے ہو جائیں تو اولاد انکو اپنے پاس رکھے۔ اولاد اس حکم کو سب سے مشکل پاتی ہے۔ (اس کے حسن و قبح پر میں نے بالتفصیل بحث پیغامِ صلح میں کی تھی اور حال میں اخبار "لائٹ" میں کی ہے اس لئے میں اسے دوہراتا نہیں) منجملہ اور باتوں کے میں نے یہ لکھا تھا کہ مغرب میں جو اس کا حل سوچا گیا ہے کہ بوڑھے ماں باپ کو "اولڈ پیپلز ہوم" یعنی بوڑھوں کو ہوسٹلوں میں رکھا جائے اس میں بہت سے نقائص ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ماں باپ جو اولاد کی محبت کے بھوکے ہوتے ہیں وہ اس سے محروم رہتے ہیں۔ آج کل کے حالات میں اولاد کے لئے یہ ممکن نہیں رہا کہ جا کر ان سے مل سکے۔ یا انہیں محبت بھرا خط ہی لکھ سکے۔ اس سے بوڑھے والدین قلبی مایوسیوں اور غموں کا شکار ہو کر یا تو مالیخولیا اور دوسری دماغی بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں اور یا اُن میں سے بعض خواب آور گولیاں کھا کر خودکشی کر لیتے ہیں۔ اس بات کی تائید روزنامہ "نوائے وقت" کے ادبی ایڈیشن مؤرخہ ۲۰ر جون کے ایک مضمون سے ہوتی ہے۔ جس کے چند اقتباسات میں ذیل میں درج کرتا ہوں :-

"اولڈ پیپلز ہوم میں (پیرس)"

عطاءالحق قاسمی کے زیرِ ترتیب سفرنامہ "شوق آوارگی" کا ایک باب

(نوٹ: مصنّف ایک خاتون زولا نامی کے ساتھ اس بوڑھوں کے ہوسٹل میں گئے تھے۔ جب وہ دونوں اس کمرہ میں گئے جہاں بوڑھے شام کا وقت کاٹ رہے تھے تو ........)

" زولا کی نگاہیں اپنی ماں کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ اور پھر وہ ہال کے سب سے آخر میں ایک راکنگ چیئر پر رُک گئیں جہاں اسکی ماں آنکھیں بند کئے نیم دراز تھی۔ زولا اس کے سرہانے کی طرف گئی اور اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ اُس کی ماں نے آنکھیں کھولیں اور زولا کو سامنے پا کر ایک دم سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اور زولا کو چمٹا کر چٹاخ چٹاخ گالوں پر بوسے لینے لگی.......... اس نے زولا کو دونوں بازوؤں تھاما ہوا تھا اور بڑے انہماک سے اس کے لباس کا جائزہ لے رہی تھی۔ ایسے لگتا تھا کہ وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں صدقے ہوتی جا رہی ہو........

دس پندرہ منٹ کی گفتگو کے بعد زولا کے چہرہ سے یوں لگا جیسے اس کے دماغ پر سے کوئی بڑا بوجھ اُتر گیا ہو اور اب وہ (اپنے آپ کو) ہلکی پھلکی محسوس کر رہی ہو۔

" اس نے مجھے بتایا کہ ماں واپس گھر جانے پر بری طرح بضد تھی مگر میرے سمجھانے بجھانے اور تمہاری پیرس میں موجودگی وجہ سے وہ بمشکل اس امر پر راضی ہوئی ہے کہ وہ یہاں کچھ دن اور قیام کرے گی میں نے اسے جھوٹ موٹ دلاسا دیا ہے کہ میں اگلے ہفتے اسے یہاں سے لے جاؤں گی۔ وہ کہتی ہے کہ میں تمہارے فلیٹ کے سٹور روم میں پڑی رہوں گی۔ اور نہ صرف یہ کہ تمہارے پروگراموں میں حائل نہ ہوں گی بلکہ تمہاری عدم موجودگی میں تمہارے لئے کھانا بھی پکا رکھوں گی اور بازار سے سودا سلف بھی لا دیا کروں گی۔

"وہ اور کیا کہتی تھی؟" میں نے بجھے دل سے اُس سے پوچھا۔

" وہ میرے بڑے بھائی کی شکایت کر رہی تھی کہ اُس نے دو سال سے اپنی شکل نہیں دکھائی اور نہ وہ ایک عرصہ سے اپنے پوتے پوتیوں کو دیکھ سکی ہے۔ ماں کو ان سے بے حد پیار ہے......

(ایک اور بوڑھے نے پوچھا) کیا تم لوگوں نے بھی بوڑھوں کے لئے اسی طرح کے گھر بنائے ہوئے ہیں؟" (بوڑھا ہنستے ہنستے اس سوال پہ ایک دم چُپ ہو گیا)

" نہیں ہمارے ہاں ایسا نہیں ہوتا۔ وہ شروع سے آخر تک ہمارے درمیان رہتے ہیں۔ اور ہم ان کی خدمت کرتے ہوئے راحت محسوس کرتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسا نہیں کرتے۔ مگر معاشرہ میں انہیں بہرحال اچھی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا۔"

"تم یقیناً ہم سے زیادہ مہذّب لوگ ہو" بوڑھے نے گلوگیر لہجہ میں کہا "ہم اگر اپنی زندگی کے باقی دن اپنے بچوں کے بغیر بسر کر رہے ہیں تو اس میں کسی کا کوئی قصور نہیں۔ ہمارے والدین بھی ہمیں دیکھنے کو ترس جایا کرتے تھے۔"

" تو کیا آپ کے بچے آپ سے ملنے کے لئے نہیں آتے؟" میں نے پوچھا۔

" شروع شروع میں جب وہ ہمیں یہاں داخل کراتے ہیں تو ہر "ویک اینڈ" (یعنی ہفتہ اتوار کے ایّام) پر ملنے کے لئے آتے ہیں اس کے بعد

وقت گذرنے پر وہ گیپ (وقفہ) ڈالنا شروع کر دیتے ہیں اور پھر ایک مہینے کے بعد اپنی شکل دکھاتے ہیں، رفتہ رفتہ یہ عرصہ طویل ہوتا چلا جاتا ہے اور پھر اُن سے صرف کرسمس کے موقعہ پر ملاقات ہوتی ہے حتّٰی کہ ایک وقت آتا ہے کہ کرسمس پر ان کی بجائے ان کی طرف سے کرسمس کارڈ موصول ہوتا ہے اور پھر ایک دن اطلاع ملنے پر وہ (ہماری) میت وصول کرنے آجاتے ہیں جس (یعنے میت) کی آنکھیں اپنے بیٹوں کے انتظار میں مرنے کے بعد بھی کھلی ہوتی ہیں۔"

"مجھے یوں لگا جیسے کسی نے میرا کلیجہ مسل دیا ہو۔ میں یہ گفتگو آگے نہیں بڑھانا چاہتا تھا لیکن بوڑھے نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ہمیں گو یہاں ہر طرح کی سہولت اور آسائشیں حاصل ہیں لیکن ہم اپنے بچوں کی شکلیں دیکھنے کو ترس جاتے ہیں۔ پہلے یہاں پالتو جانور رکھنے کی اجازت تھی، چنانچہ لوگ بلیوں وغیرہ کو محبت دے کر سکون حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے جو ہمارے دلوں میں اپنی اولاد کے لئے ہے لیکن اب انتظامیہ نے پالتو جانور رکھنے پر پابندی عائد کر دی ہے، چنانچہ اب کئی مائیں۔ یہاں رات کو اپنے ساتھ گڑیوں کو تھپکیاں دے دے کر سلاتی ہیں۔ ہم تمہیں ہنستے کھیلتے دکھائی دیتے ہیں جبکہ ہمارے قہقہے کھوکھلے ہیں اور ہمارے سینوں میں چیخیں رُکی ہوئی ہیں۔ جب یہاں کسی کا کوئی ملاقاتی آتا ہے تو تھوڑی دیر کے لئے ہمارے چہروں پر رونق آجاتی ہے اور اس کے بعد ہم پھر غم کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب جاتے ہیں.........

"بوڑھے کی (انگریزی میں) بات نہ سمجھنے کے باوجود اس کے لہجے کے درد نے اس میز کے گرد بیٹھے ہوئے بوڑھے مرد و زن کے چہروں کو حزن و ملال کی تصویر بنا دیا تھا اور اس کی فضا کو ایسے ویران قبرستان میں تبدیل کر دیا تھا جہاں ہَوا کی سرسراہٹ میں روحوں کے چلنے کا گمان ہوتا تھا۔ مجھے ایسا معلوم دیا کہ اولڈ پیپلز ہوم میں موجود بوڑھے مرد و زن کی مصروف اولاد نے انہیں کفن پہنا دیئے ہیں اور اب انہیں تجہیز و تکفین کرنے والے ادارے کے سپرد کر کے مطمئن ہو بیٹھے ہیں۔

"میں نے زولا کا بازو پکڑا اور اُٹھ کر باہر آگیا۔ اس کی ماں دروازہ تک چھوڑنے آئی۔ اس کے چہرے پر بے بسی اور عاجزی تھی۔ وہ زولا کو بار بار یاد دلا رہی تھی کہ مجھے اگلے ہفتے یہاں سے اپنے فلیٹ میں لے جانا نہ بھولے۔ وہ اس کے سٹور روم میں پڑی رہے گی۔ نہ صرف یہ کہ اس کے پروگراموں میں حائل نہ ہوگی بلکہ اس کے لئے بازار سے سودا سلف بھی لا دیا کرے گی۔ وہ بھکاریوں کی طرح پیچھے پیچھے چلتی آرہی تھی۔ زولا نے بیزاری سے اُس کی طرف دیکھا اور پھر میرا بازو تھام کر باہر نکل آئی۔"

یہ تو پیرس کے ایک بوڑھوں کے ہوسٹل کا ایک نظارہ پاکستان کے ایک معروف صحافی کے قلم سے آپ نے دیکھا۔ میں نے مشہور عالم رسالہ ریڈرز ڈائجسٹ میں جس کی کئی سال ہوئے اشاعت دو کروڑ تھی اور اب شاید بڑھ گئی ہو امریکہ کے اسی قسم کے بوڑھوں کے ہوسٹلوں سے وہاں کے رہنے والوں سے انٹرویو پڑھے تھے کہ کس طرح ان کی اولاد انہیں دھوکا دے کر یا جھوٹا وعدہ کر کے انہیں وہاں پھینک گئی اور پھر جا کر آہستہ آہستہ انہیں بالکل بھول گئی۔ بوڑھوں نے پھر بھی اپنی اولاد کو معاف کرتے ہوئے ان سے درد مندانہ اپیل کی کہ کبھی ہمیں خط ہی لکھ دیا کرو۔

فاعتبروا یا اولی الابصار۔ اور قرآن کے حکم کو یاد رکھو کہ بڑھاپے میں ماں باپ تمہارے پاس رہیں۔ جوان اولاد یاد رکھے کہ کل کو اُسنے بھی بوڑھے ماں باپ بننا ہے۔ تب کیا ہوگا؟ ٭٭٭

# آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

(بسلسلہ صفحہ ۵)

انجیل تھی۔ اور اپنی فصاحت اور بلاغت اور خلوص نیت سے وہ بے لوث خدمتِ خلق کے جذبہ سے سرشار تھا۔ تاریخ دانوں کا کہنا ہے کہ انگلستان میں انسانی ہمدردی و مروّت اور حسنِ اخلاق جو نظر آتا ہے وہ اس نیک مرد اور اس کے ساتھیوں کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ ایسے ہی لوگوں کی زندگیاں ہمارے علماء کے لئے بھی مشعلِ راہ ہونی چاہئیں۔ سارا بوجھ انہیں حکومت وقت پر ہی نہیں پھینک دینا چاہیئے۔ حکومت نے تو جرائم کے استیصال کے لئے پہلے ہی قوانین بنا رکھے ہیں۔ انہیں لازم ہے کہ خود آپ بھی اس سلسلہ میں کچھ ہاتھ پاؤں ہلائیں اور اقتدار کے خواب دیکھنا ترک کر دیں۔ شرارت کو چھوڑ دیں اور نیکی اور پاکیزگی کو اپنائیں۔ لوگوں کو قرآن کی تعلیم سے روشناس کرائیں۔ بدی خود بخود دُور ہو جائے گی۔ اسی میں ملک کی نجات ہے۔

بہرحال میرا ایمان ہے کہ ان لوگوں کو قعرِ مذلت سے احمدیت ہی نکال سکتی ہے۔ وہی ایک جماعت قرآن کریم کی خوبصورت تعلیم دنیا کے سامنے پیش کرنے کے قابل ہے۔ کیونکہ انہوں نے قرآن مجید کو اپنے سینوں سے لگایا ہوا ہے اور قرآن کریم کی تعلیمات کی اشاعت کے لئے ان کے دلوں میں والہانہ جذبہ ہے۔ انہیں اقتدار اور حکومت کی قطعاً کوئی خواہش نہیں۔ اگر ان کے دلوں میں کوئی تڑپ ہے تو صرف یہی کہ دنیا میں اسلام کا بول بالا ہو۔ اور ہر مسلمان رسولِ کریم صلعم کا صحیح نمونہ ہو۔ یہ جذبہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پیدا کردہ ہے جو مجددِ صدی چہاردہم اور امامِ زمان ہیں۔ انہی کے دامن سے وابستگی کے باعث ہر احمدی فہم قرآن کی دولت سے مالا مال ہے۔ اگر یہ علماء سُو ان کے راستہ میں روکاوٹیں پیدا نہ کریں تو ہر احمدی پاکستان میں وہی کام کر سکتا ہے جو کہ انگلینڈ میں ویزلی نے کیا تھا۔ اور قوم کو خود غرضی اور توہمات کے عمیق گڑھے سے نکال کر بلند اخلاق اور بلند کردار بنا سکتے ہیں۔ احمدیت خدا کے مامور کی چلائی ہوئی تحریک ہے۔ اسی سے قوم کی فلاح و بہبود وابستہ ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت اسے مٹا نہیں سکتی ؎

اسمعوا صوت السماء جاء المسیح جاء المسیح
نیز بشنو از زمیں آمد امامِ کامگار
باغ میں ملت کے ہے کوئی گلِ رعنا کھلا
آئی ہے بادِ صبا گلزار سے مستانہ وار
اب اسی گلشن میں لوگو راحت و آرام ہے
وقت ہے جلد آؤ اے آوارگانِ دشت و خار (مسیح موعودؑ)

---

# ضرورت ہے

۱۹۵۳ء کے فسادات کے متعلق جسٹس منیر احمد اور جسٹس کیانی مرحوم کی طرف سے ایک تحقیقاتی عدالتی رپورٹ شائع ہوئی تھی۔ اس کی ایک کاپی اگر کسی صاحب کے پاس ہو، اور وہ قیمتاً یا عاریتاً دے سکیں، تو ذیل کے پتہ پر خط و کتابت فرمائیں:۔

پتہ:۔ (مولانا) دوست محمد
معرفت دفتر ہفت روزہ "پیغام صلح"
احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور ۷

جناب شیخ محمد طفیل صاحب مبلغ انگلستان

# احمدیہ ہاؤس لندن
# ایک نئے دور کا آغاز

ہم یہ مضمون مولانا شیخ محمد طفیل صاحب کی انتہائی خواہش کے احترام میں شائع کر رہے ہیں لیکن اپنے ذاتی علم کی بناء پر اس سے متفق نہیں ہیں کہ احمدیہ مشن ہاؤس لندن کی تاریخ اتنی مختصر ہے جتنی انہوں نے بیان کی ہے۔ اس میں انہوں نے اپنی کوششوں کے صرف اس پہلو کو ہی نمایاں کیا ہے جس سے ان کا ذاتی تعلق ہے مگر اس کے اور بھی بہت سے ایسے پہلو ہیں جو ابھی تشنۂ تحریر ہیں اور بہت سے ایسے خلا ہیں جو پُر کرنے باقی ہیں۔ اس سلسلہ میں مرکزی انجمن کا موثر کردار بھی سامنے نہیں آیا۔ یہ باب مکمل ہونے پر قارئین پیغام صلح کے سامنے پیش کر دیا جائے گا ——— (ادارہ)

مجھے ۱۹۶۶ء میں تبلیغ کے سلسلے میں ووکنگ سے ٹرنی ڈاڈ جانا پڑا۔ تین سال کے بعد جب واپس لوٹا تو اس وقت تک ووکنگ مسجد ہمارے ہاتھ سے جا چکی تھی۔ اور ہمارے پچاس سالہ کام کو سخت دھچکا پہنچ چکا تھا۔ ووکنگ مسجد کے چھن جانے کی خبر ہمیں ٹرنی ڈاڈ ہی میں مل گئی تھی۔ وہاں کی جماعت کو بھی اس خبر سے بہت صدمہ پہنچا۔ ان دوستوں نے ارادہ ظاہر کیا کہ لندن میں اپنا ایک نیا مشن قائم کیا جائے۔ اس غرض سے وہاں کے دوستوں نے کچھ رقم اکٹھی کر کے مجھے دی اور بعد میں مزید رقم بھجوائی لیکن اگست ۱۹۶۹ء کو جب میں انگلستان پہنچا تو اشیاء کی قیمتیں گراں ہو چکی تھیں ایک نئے مشن کا قیام تو درکنار وہاں ہمیں اپنی رہائش کا انتظام کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ اتفاق سے چند سال قبل ایک مکان ہم نے ووکنگ میں قسطوں پر خریدا تھا اس میں اپنا دفتر قائم کیا اور رہائش رکھی۔ پرانے دوستوں اور شناساؤں سے تعلق پیدا کیا۔ مختلف سوسائٹیوں سے پھر سے رسم و روابط پیدا کئے اور اس طرح سے خط و کتابت ، ترسیل لٹریچر اور لیکچروں کا سلسلہ جاری ہوا۔

اس کے ساتھ ہی میں نے کوشش شروع کی کہ لندن میں یا لندن کے نواح میں کوئی موزوں جائداد مل جائے تاکہ اشاعت کا کام مستحکم بنیادوں پر قائم ہو جائے۔ لیکن ہر چند ماہ بعد مکانوں کی قیمتوں میں اضافہ ہو جاتا حتیٰ کہ پانچ ہزار پونڈ مالیت کے مکان پندرہ ہزار کے ہو گئے۔ اور ہمیں کسی موزوں جائداد کے ملنے سے مایوسی ہو گئی۔

۱۹۷۴ء کا سال ہمارے سلسلے کی تاریخ میں ایک المیہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

جولائی کے شروع میں الحاج عزیز احمد صاحب لندن تشریف لائے۔ ان دنوں واحد عمر دین صاحب (احمدیہ یوتھ موومنٹ ٹرنی ڈاڈ کے صدر) لندن میں مقیم تھے اور میرے کاموں میں ہر طرح شریک تھے۔ اس کے ساتھ مل کر ہم نے ایک دو مکانات بھی دیکھے ایک مکان عزیز صاحب کو بھی دکھایا جس کی قیمت کوئی ۲۷ ہزار پونڈ بنتی تھی۔ لیکن کچھ پسند نہیں آیا۔ اتنا تو مجھے علم تھا کہ عزیز احمد صاحب نے پانچ ہزار پونڈ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن اتنی رقم ناکافی تھی۔ میں نے انہیں باتوں باتوں میں تحریک کی کہ یہ رقم ناکافی ہوگی۔ جب وہ دوسرے روز ٹرنی ڈاڈ کو روانہ ہونے لگے تو مجھے ایئرپورٹ پر ایک طرف بلا کر کہنے لگے کہ میں دس ہزار پونڈ چھوڑ کر جا رہا ہوں جب ضرورت ہو بنک سے نکلوا لینا۔

جناب عزیز احمد صاحب کے جانے کے دو چار دنوں بعد جناب میاں اللہ بخش صاحب اور جناب میاں فضل احمد صاحب لندن آ گئے اس وقت تک ہم ایک اور مکان ساؤتھ لندن میں دیکھ چکے تھے۔ میاں صاحبان کو بھی یہ جائداد دکھائی گئی جسے انہوں نے پسند کیا مسئلہ قابل حل یہ تھا کہ اس میں تین کرایہ دار بستے تھے۔ مسٹر آدم حسین صاحب نے جو اس مکان کے ایجنٹ تھے یقین دلایا کہ وہ ان لوگوں کو آسانی سے نکلوا دیں گے۔ بہر حال کچھ ابتدائی گفت و شنید کے بعد جمعہ ۱۹ر جولائی ۱۹۷۴ء کو دو ہزار دو سو پچاس پونڈ مکان کا بیانہ دے کر میں نے کنٹریکٹ پر دستخط کر دیئے اور بقایا رقم کا دو مہینے کے اندر اندر دینے کا وعدہ کیا۔ مکان کی قیمت ساڑھے بائیس ہزار پونڈ تھی۔ ہمیں مکان پر قبضہ کرنے کے لئے کم از کم دس ہزار پونڈ رقم کی مزید ضرورت تھی۔ مجھے اُمید تھی کہ سرینام، گیانا اور ٹرنی ڈاڈ کی جماعتیں اور پاکستانی احباب یہ رقم دو ماہ کے اندر اندر مہیا کر دیں گے۔ اس سلسلے میں مجھے سرینام بھی جانا پڑا۔ وہاں سے جناب محمد رضا صاحب نے پانچ ہزار پونڈ بھجوانے کا وعدہ کیا۔

ستمبر کا مہینہ آ گیا مکان کی خرید کی تاریخ بھی سر پر آ گئی لیکن مطلوبہ رقم کا انتظام نہ ہو سکا۔ نہ پاکستانی احباب کی طرف سے رقم ملی اور نہ سرینام کی طرف سے۔ وعدے ہوتے رہے لیکن مجھے وعدہ سے زیادہ کیش کی ضرورت تھی۔ ان حالات میں بنک کے منیجر کے پاس گیا اور اسے کہا کہ مجھے دس ہزار پونڈ ایک دو دنوں تک چاہئیں تاکہ مکان خریدا جا سکے جو ہمارا مشن ہاؤس ہوگا۔ اس کو آپ گروی رکھ کر ہمیں رقم قرض دے دیں چند مہینوں میں رقم لوٹا دی جائے گی۔ منیجر نے کہا کہ لندن کے مکان کے سلسلے میں ہمیں اپنی رپورٹ منگوانے میں کم از کم دو ہفتے لگ جائیں گے۔ میں نے اسے کہا کہ مجھے تو دو تین روز میں اتنی رقم چاہیئے۔ اس وقت میں نے اپنا مکان اور اپنی اہلیہ کا جو اثاثہ تھا اسے گروی رکھنے کی تجویز پیش کی۔ اس نے کہا کہ اس کے متعلق وہ تحقیق اسی روز مکمل کر کے مجھے اطلاع دیں گے۔

دوسرے دن میری اہلیہ اور میں نے ضروری کاغذات پر دستخط کئے اور بنک نے ہمیں دس ہزار پونڈ کا چیک دے دیا۔ غرض اس طرح سوموار ۳۰ر ستمبر ۱۹۷۴ء کو ہمیں مکان کا قبضہ مل گیا۔ یہ وہی مہینہ ہے جب ہمیں پاکستان میں غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ اس مہینے اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے انگلستان میں ہمارے لئے ایک نیا دروازہ کھول دیا۔

اس سلسلہ میں اس امر کا ذکر بھی ضروری ہے کہ میں نے ایک وقت یہ بھی سوچا کہ ممکن ہے کہ میں دس ہزار پونڈ کے قرض کو چند مہینوں میں ادا نہ کر سکوں اس طرح سے خواہ مخواہ اپنے آپ کو مصیبت میں مبتلا کر سکوں اس لئے میرے ذہن میں ایسے خیالات آنے شروع ہو گئے کہ جب تک دس ہزار پونڈ کی رقم مجھے موصول نہ ہو جائے میں سودا مکمل کرنے سے اجتناب کروں (جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ سودا منسوخ ہو جاتا) جناب مولوی عبدالمجید صاحب سے ٹیلیفون پر مشورہ کیا اور انہیں ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔ کہنے لگے کہ آپ کے خدشات اپنی جگہ درست ہیں لیکن موجودہ حالات میں آپ یہ "رسک" لے لیں اور اب قدم پیچھے نہ ہٹائیں۔ بعد میں حالات رفتہ رفتہ درست ہو جائیں گے۔ میں نے ان کے مشورے پر عمل کیا اور مکان کی رقم کا انتظام کیا۔ (سرینام اور دوسری جگہوں سے رقم آتے آتے قریباً چھ ماہ لگ گئے اور رقم بھی پوری نہیں آئی۔ اس لئے بنک کا کچھ قرض تا دم تحریر باقی ہے اور میرا مکان ابھی تک بنک کے پاس گروی ہے) یہاں کا قانون ایسا تھا کہ جب تک ہماری انجمن رجسٹرڈ نہ ہو جاتی اسے ایک

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم نمبر ۲)

مکرم مولوی احمد گل صاحب فاضل دیوبند

# غلام احمد پرویز کی علمی فرمائیگی کا ایک نمونہ

تحریکِ احمدیت کا آغاز ایک صدی قبل حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدّد صدی چہاردہم کے دستِ مبارک اور خدا تعالےٰ کے حکم سے ہوا۔ اسی دوران تحریک کو گونا گون مخالفتوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔ اس کے راستے میں زور دار آندھیاں آئیں۔ بادل گرجے۔ بجلیاں چمکیں۔ خدا تعالےٰ کے لگائے ہوئے اس درخت کو بیخ و بُن سے اکھاڑنے کے لئے ہر سمت سے تیر و تبر چلائے گئے۔ اس معاملہ میں سرتوڑ کوششیں کی گئیں۔ علماء نے فقیہوں نے۔ صوفیوں اور سجادہ نشینوں نے مل کر زور لگایا۔ مختلف سٹیجوں سے "مرزائیت کے تابوت میں آخری میخ" کے الفاظ بارہا سنائے گئے۔ الغرض آپ کے معاند خواہ مسٹر ہوں خواہ فقیہہ۔ علوم جدیدہ سے بہرہ مند ہوں یا قدیم طرز کے علوم کے سند یافتہ ہر ایک کی کوشش رہی ہے کہ آپ کی اصل تصویر کو مسخ کیا جائے۔ آپ کے خیالات کو، عقائد کو اور علمی کام کو لوگوں کی نظر سے اوجھل رکھا جائے اور تحریرات اور فرمودات کو غلط رنگ دے کر نشر کیا جائے تاکہ عوام الناس بھی اس نیک تحریک سے بدظن ہو کر ان کے ہم نوا بن جائیں۔ مگر اس کے باوجود خدا کا لگایا ہوا یہ پودا۔ پاک مقاصد لئے ہوئے یہ تحریک نہ ان قوتوں سے ہٹ سکی اور نہ ہی انشاءاللہ مٹے گی۔ یہ اس لئے کہ یہ تحریک خالص اسلامی تحریک ہے۔ احیاءِ دین اور اشاعت اسلام اشاعتِ قرآن اور عوام الناس کی بھلائی کے لئے معرضِ وجود میں آئی ہے۔

امّا ما ینفع النّاس فیمکث فی الارض

ان چند تمہیدی کلمات کے بعد میرا روئے سخن مسٹر غلام احمد صاحب پرویز کی طرف ہے جو حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے ہم نام ہونے کے باوجود ان کی ہر اچھی سے اچھی بات کی مخالفت کرنا ان کا وطیرہ بن چکا ہے۔ انہوں نے "ختمِ نبوّت اور تحریکِ احمدیت" کے نام سے کچھ عرصہ پہلے کتاب لکھ کر اپنے اندرونی عناد کا مظاہرہ کیا ہے۔ کتاب کیا ہے؟ خرافات اور الزامات کا ایک مجموعہ۔ تین صد صفحات پر پھیلے ہوئے اس مجموعے میں بانئ جماعت احمدیہ کے خلاف غلط فہمیاں پھیلا کر عوام کو گمراہ کرنے اور حقائق سے ہٹ کر کذب و افتراء سے کام لینے کی کوشش کی گئی ہے۔ کتاب لکھنے سے پہلے مؤلف پر اخلاقاً فرض تھا کہ حضرت مرزا صاحب کی کتب کا مطالعہ کر لیتے۔ اگر کہیں انہیں خلافِ عقل، خلافِ شرع یا خلافِ تاریخ کوئی بات نظر آتی تو جماعتِ احمدیہ کے علماء کی طرف رجوع کرتے مگر یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور ہے۔ عداوت اور عناد نے انہیں اندھا کر رکھا ہے۔ انہیں تو ایسی کتابیں چاہئیں جن میں حضرت مرزا صاحب پر اعتراضات کئے گئے ہوں۔ الزامات تراشے گئے ہوں۔ عبارات کو غلط رنگ دے کر اچھالا گیا ہو۔ چنانچہ ایسی ہی کتابوں کا سہارا لیکر انہوں نے کتاب لکھنے کی سعی فرمائی۔ جیسا کہ وہ خود بھی اس کا اقرار کرتے ہیں:۔

> "مجھے مرزا صاحب کی اکثر کتابیں میسّر نہیں آسکیں اس لئے میں نے اقتباسات کے لئے زیادہ تر اپنے نوٹس پر انحصار کیا ہے لیکن ان کے حوالوں کو پروفیسر الیاس برنی (مرحوم) کی کتاب "قادیانی مذہب" سے چیک کر لیا ہے"
>
> (ختمِ نبوّت صفحہ ۲۹)

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ لاہور میں رہ کر "مجھے مرزا صاحب کی کتابیں میسّر نہیں آسکیں" پرویز صاحب کے الفاظ کس قدر سادہ اور مضحکہ خیز ہیں۔ لاہور (جو مرکزی شہر ہونے کی حیثیت رکھتا ہے) جہاں بے شمار لائبریریاں اور کتب خانے ہیں۔ احمدیہ بلڈنگس میں جماعت احمدیہ کا مرکز ہے جہاں سلسلۂ احمدیہ کی ہر قسم کی کتابیں دستیاب ہیں۔ اس کے علاوہ لاہور میں پھیلے ہوئے احمدیوں کے گھروں میں کتابیں پائی جاتی ہیں۔ اگر تحقیق مدِنظر ہوتی تو بڑی آسانی سے کتابیں حاصل ہو سکتی تھیں مگر مخالفت برائے مخالفت کو سامنے رکھ کر انہوں نے "اپنے نوٹس پر انحصار کیا" اور مرزا صاحب کی کتابوں سے نوٹ کئے گئے حوالوں کو پروفیسر الیاس برنی (مرحوم) کی کتاب "قادیانی مذہب" سے چیک کیا گیا۔

کتاب لکھی جا رہی ہے ایک ایسے شخص کے خلاف جس نے اردو اور عربی اور فارسی میں اسّی پچاسی [85] کتابیں لکھ کر اپنی علمیت کا خراج نہ صرف اپنوں سے بلکہ غیروں سے بھی لیا ہو، جس نے اسلام کی حمایت اور ادیانِ باطلہ کے رد میں "براہینِ احمدیہ" جیسی عظیم الشان کتاب لکھی ہو۔

> "جس کی نظیر آج تک اسلام میں شائع نہیں ہوئی اور آئندہ کی خبر نہیں لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔ اور اس کا مؤلف بھی اسلام کی مالی و جانی و لسانی و قلمی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر مسلمانوں میں بہت کم پائی گئی ہو۔"
>
> (اشاعۃ السنّۃ۔ جلد ۷ مولوی محمد حسین بٹالوی)

اور جس — نے "مناظرے کا بالکل رنگ ہی بدل دیا اور جدید لٹریچر کی بنیاد ہندوستان میں قائم کر دی۔ نہ بحیثیت مسلمان ہونے کے بلکہ ایک محقق ہونے کے ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ کسی بڑے سے بڑے آریہ بڑے سے بڑے پادری کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ مرحوم (مرزا غلام احمد۔ ناقل) کے مقابلہ میں زبان کھول سکتا۔ اگرچہ مرحوم پنجابی تھا مگر اس کے قلم میں اس قدر قوّت تھی کہ آج سارے پنجاب بلکہ سارے ہند میں اس قوّت کا کوئی لکھنے والا نہیں ایک پُرجذبہ اور قوی الفاظ کا انبار اس کے دماغ میں بھرا رہتا تھا۔ اور جب وہ لکھنے بیٹھتا تو نپے تُلے الفاظ کی ایسی آمد ہوتی تھی کہ بیان سے بالا ہے۔"

(کرزن گزٹ دہلی یکم جون ۱۹۰۸ء مرزا حیرت دہلوی)

اور "جو دماغی عجائبات کا مجسمہ تھا۔ جس کی نظر فتنہ اور آواز حشر تھی۔ جس کی انگلیوں سے انقلاب کے تار اُلجھے ہوئے تھے، جس کی دو مٹھیاں بجلی کی دو بیٹریاں مشعلیں تھیں۔"

(اخبار وکیل ۱۹۰۸ء ایڈیٹر مولوی عبداللہ العمادی)

ایسی شخصیت کے خلاف کتاب لکھتے وقت اس کی کتابوں کو نظر انداز کر دینا اور اس کے مخالفوں کی کتابوں پر اعتماد رکھنا کہاں کی شرافت اور دیانت ہے۔ اس بے محل اعتماد کا نتیجہ یہ نکلا کہ پرویز صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۷۳ پر "پیغامِ صلح" سے جو حوالہ پیش کیا ہے اسے صفحہ ۳۹ کی بجائے صفحہ ۹ پر دکھایا ہے۔ ان سے یہ غلطی اس لئے ہوئی کہ حضرت مرزا صاحب کے کسی مخالف کی کتاب پر جو کچھ لکھا ہوا پایا، پرویز صاحب نے اسے از خود صحیح سمجھ کر اپنی کتاب میں جُوں کا توں لکھ دیا۔ اور بعد میں شاید اس غلطی سے پیدا ہونے والی گرفت سے بچنے کے لئے بطور پیش بندی انہیں اپنی کتاب میں ان الفاظ کا اضافہ کرنا پڑا:۔

> "کتابوں کے مختلف ایڈیشنوں کی وجہ سے بعض اوقات صفحات کے نمبروں میں فرق پڑ جاتا ہے۔ اس لئے میرے حوالوں میں اس قسم کا فرق ہو سکتا ہے۔" (ختمِ نبوّت صفحہ ۲۹)

کو (جو انہوں نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۷۳ پر حضرت مرزا صاحب کے بارے میں کی ہے) بیان کرتے ہیں جس سے معلوم ہو جائے گا کہ "تاریخی اور دینی معلومات" میں حضرت مرزا صاحب "پست" ہیں یا پرویز صاحب۔ پرویز صاحب لکھتے ہیں:۔

"جن حضرات کو مرزا صاحب کی تصانیف پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے وہ اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ علمی نقطہ نگاہ سے وہ کس قدر پست ہیں۔ چونکہ یہ موضوع بڑی تفصیل کا متقاضی ہے اس لئے ہم اس بحث میں نہیں اُلجھنا چاہتے۔ اس مقام پر ہم صرف دو چار مثالیں پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جن سے واضح ہو جائے گا کہ مرزا صاحب کی تاریخی اور دینی معلومات کیسی تھیں۔ فرماتے ہیں

تاریخ کو دیکھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہی ایک یتیم لڑکا تھا جس کا باپ پیدائش سے چند دن بعد فوت ہو گیا (پیغام صلح صفحہ ۹ مصنفہ مرزا صاحب)

حالانکہ تاریخ کا ایک ادنےٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ حضور نبی اکرمؐ کے والد، حضور کی پیدائش سے پہلے ہی فوت ہو گئے تھے" (ختم نبوت صفحہ ۱۷۳)

پرویز صاحب کی اس عبارت سے تین امور ظاہر ہوتے ہیں۔ عبارت کے پہلے حصے میں انہوں نے حضرت مرزا صاحب کی تاریخی اور دینی حیثیت پر نیش زنی کی ہے۔ دوسرے حصے میں ان کی علمی حیثیت گرانے کے لئے پیغام صلح سے اقتباس پیش کیا ہے جس میں مرزا صاحب نے حضرت نبی کریم صلعم کی پیدائش کے بعد آپ کے والد عبداللہ کی وفات کا ذکر کیا ہے۔ تیسرے میں مرزا صاحب کی تاریخی رائے کو تاریخ کے خلاف قرار دے کر ان کی تحقیر اور تذلیل کی ہے۔ ہم ان تینوں امور کو سامنے رکھ کر کچھ لکھنا چاہتے ہیں اور یہی موضوع ہمارے زیر بحث ہے۔

پرویز صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ارباب سیر نے تاریخی واقعات اور آنحضرتؐ کی سیرت اور زندگی سے متعلق حالات پر آپ کے والد ماجد عبداللہ کی وفات پر اکثر اختلاف کیا ہے۔ ہم اس کی وضاحت تاریخ کی مستند کتب سے کرتے ہیں تاکہ پرویز صاحب کو جو "علمی سطح" پر غلطی لگی ہے اس سے ان کے علم میں اضافہ ہو سکے اور ان کو معلوم ہو جائے کہ

"تاریخ کا ایک ادنےٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ حضور نبی اکرمؐ کے والد، حضور کی پیدائش (کے بعد ہی۔ ناقل) سے پہلے ہی فوت ہو گئے تھے۔" (ختم نبوت صفحہ ۱۷۳)

اس سے پہلے کہ آنحضرتؐ کے والد ماجد کی وفات پر جو اختلاف پایا جاتا ہے، اسے دکھایا جائے۔ آپؐ کے حالات زندگی کے بارے میں جو اختلاف پایا جاتا ہے۔ اسے پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

## حضرت نبی کریمؐ کی پیدائش پر اختلاف

علامہ قسطلانی، آنحضرتؐ کے سن پیدائش، مہینہ اور مدت حمل میں اختلاف کو ظاہر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

قد اختلف فی عام ولادته صلی الله علیه وسلم
و اختلف ایضاً فی الشهر الذی ولد فیه و
اختلف ایضاً فی مدة الحمل۔

(مواهب اللدنیه جز اوّل صفحہ ۲۵)

میں ہمیشہ اختلاف چلا آتا ہے" (سیرۃ الرسول جلد صفحہ ۴۸)

سر سید احمد خان:۔

"اس حساب سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۵۷۰ء میں ہوئی تھی" (خطبات احمدیہ صفحہ ۳۰۲)

غلام احمد پرویز:۔

"۹ر ربیع الاوّل مطابق ۲۰ر اپریل ۵۶۱ء بوقت صبح اس نیّر عالمتاب کا طلوع ہوا جس سے دنیا بھر کی تاریکیوں کو کافور ہو جانا تھا۔" (معراج انسانیت صفحہ ۴۷)

علامہ اسلم جیراجپوری:۔

"۹ر ربیع الاوّل مطابق ۷ر اپریل ۵۷۱ء کو اسی سال جس میں اصحاب فیل کا واقعہ ہوا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی۔" (تاریخ امت جلد ۱ صفحہ ۶۲)

## آنحضرت صلعم کی عمر میں اختلاف

علامہ عمادالدین اسمٰعیل نے آپؐ کی عمر میں ۶۳۔ ۶۵ اور ۶۰ سال کا اختلاف بیان کیا ہے:۔

"اختلف فی ولادت عمره فالمشهور انه ثلاث وستون سنة وقیل خمس وستون سنة وقیل ستون سنة" (تاریخ ابوالفدا جز اوّل صفحہ ۱۵۲)

## وفات کی تاریخ میں اختلاف

۱۲ر ربیع الاول ———— تاریخ ابوالفدا جز اوّل صفحہ ۱۵۲
یکم ربیع الاوّل ———— سیرت النبی حصہ دوم صفحہ ۱۴۲

## روحانی اور جسمانی معراج میں اختلاف

امام رازی نے آنحضرتؐ کے معراج کی کیفیت پر اختلاف کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مسلمانوں کا کثیر گروہ جسمانی معراج کا قائل ہے اور قلیل گروہ آپ کے معراج کو روحانی قرار دیتا ہے:۔

"فالاکثرون من الطوائف المسلمین اتفقوا علی انه اسری بجسد رسول الله صلی الله علیه وسلم والاقلون قالوا انه ما اسری الا بروحه۔"
(تفسیر کبیر جز پنجم صفحہ ۲۶۴)

جس طرح مندرجہ بالا تواریخ اور سیر کی کتب میں، آنحضرتؐ کی مختلف حالات زندگی کے بارے میں اختلاف پایا گیا ہے۔ اسی طرح آپ کے والد ماجد کی وفات پر بھی تاریخ نگاروں نے اختلاف کیا ہے۔

"چونکہ یہ موضوع بڑی تفصیل کا متقاضی ہے اس لئے ہم اس بحث میں نہیں اُلجھنا چاہتے۔ اس مقام پر ہم صرف دو چار مثالیں پیش کرتے ہیں جن سے واضح ہو جائے گا کہ (پرویز صاحب ناقل) کی تاریخی اور دینی معلومات کیسی (ہیں)" (ختم نبوت صفحہ ۱۷۳)

ابن ہشام:۔

لم یلبث عبدالله بن عبدالمطلب ابو رسول الله صلی الله علیه وسلم ان هلك، وام رسول الله صلی الله علیه وسلم حامل به (سیرت ابن ہشام جز اوّل صفحہ ۱۴۸)

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم وسلّم کے باپ عبداللہ ابن مطلب نے وفات پائی جبکہ آپ حمل کی حالت میں تھے۔

ابنِ قیم :—

اختلف فی وفات ابیہ عبداللہ هل توفی ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حمل او توفی بعد ولادته

(زاد المعاد جزاوّل ص۱۸ مطبوعہ مصر)

آپؐ کے والد عبداللہ کی وفات میں اختلاف ہے کہ ان کی وفات آپ کے دورانِ حمل میں ہوئی یا آپ کی ولادت کے بعد۔

عماد الدین اسماعیل :—

فهو عبداللہ المذکور بیثرب فمات بها ولرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شهران وقیل کان حملا۔

(تاریخ ابوالفدا جزُ اوّل ص۱۱۱ مطبوعہ مصر)

عبداللہ مدینہ میں فوت ہوئے جبکہ رسول اللہ دو ماہ کے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ حمل میں تھے۔

علی بن برہان الدین حلبی :—

وقیل فی المهد حین توفی ابوه ابن شهرین۔

(سیرت حلبیہ جزاوّل ص۴۹ مطبوعہ مصر)

کہا گیا ہے کہ آپ جھولے میں دو ماہ کے تھے کہ آپؐ کے والد فوت ہوئے۔

ابنِ قیم :—

انه توفی بعد ولادته بسبعة الشهر (زاد المعاد جزاوّل مطبوعہ مصر)

آپ کے والد آپ کی ولادت کے سات ماہ بعد فوت ہوئے۔

مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی :—

محمد بن اسحاق گوید آنحضرت در شکم مادر بود کہ وفات یافت عبداللہ۔ و بعضے گویند در مہد بود بیست ہشت ماہ یا دو ماہ - و ایں قول اصح اقوال است۔ (معراج النبوت جلد ۲ - ص۱۹)

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ آپ ماں کے شکم میں تھے کہ آپ کے والد عبداللہ نے وفات پائی اور بعض نے کہا ہے کہ آپ آٹھ ماہ کی یا دو ماہ کی عمر میں تھے اور یہ آخری قول زیادہ صحیح ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی :—

تاریخ کو دیکھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم وہی ایک یتیم لڑکا تھا جس کا باپ پیدائش سے چند دن بعد فوت ہو گیا۔ (پیغام صلح ص۳۹)

یہ ہیں وہ شواہد جو حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے موقف کی حمایت کرتے ہیں اور پرویز صاحب کی علمی معلومات پر گواہی دیتے ہیں کہ "علمی نقطۂ نگاہ سے وہ کس قدر پست ہیں۔" دراصل ان کے علم کی جولانگاہ ایک تماش دائرہ تک محدود ہے - ان کا علم کلام چند ایک اصطلاحات سے آگے نہیں جا سکتا مگر پھر بھی کوئیں کے مینڈک کی طرح اپنے حدود اربعہ پر پھولے نہیں سماتے۔

کیڑا جو دب رہا ہے گوبر کی تہہ کے نیچے
اس کے گماں میں اس کا ارض و سما یہی ہے

علم تاریخ جو ایک وسیع سمندر ہے، اس کی وسعت اور گہرائی پر نظر رکھنا، بیان کردہ واقعات کے حسن و قبح کو پرکھنا۔ اس کے لئے علم چاہیئے عقل سلیم اور سوجھ بوجھ چاہیئے مگر اس سے پرویز صاحب محروم ہیں۔

"تاریخ کا ایک ادنےٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ حضور نبی اکرمؐ کے والد، حضورؐ کی پیدائش سے پہلے ہی فوت ہو گئے تھے۔"

ان کی لاعلمی پر بیّن ثبوت ہے۔

اس علمی فراخی اور بے سرو سامانی کے باوجود پرویز صاحب کی اس تعلّی کا بھی ذکر یہاں کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جو انہوں نے زیرِ تبصرہ کتاب کے شروع میں "آغازِ سخن" کے زیرِ عنوان بیان کی ہے اور اپنے مدِ مقابل فریق (جماعت احمدیہ) کو علمی سطح سے نیچے گرانے کی ناکام کوشش کی ہے بڑے فخر سے لکھتے ہیں:-

"... اس لئے فریقِ مقابل کے پاس میرے دلائل کا کوئی جواب نہیں ہوتا"

اب قارئین خود فیصلہ کر لیں کہ متذکرہ بالا مورخین کی آرائ کے مقابلے میں ان کی یہ تعلّی کہاں تک درست ہے۔ انہوں نے نادانی سے یا بنظرِ تحقیر حضرت مرزا صاحب کے متعلق ایسی بات لکھدی ہے جس کی زد نہ صرف مرزا صاحب پر پڑتی ہے بلکہ ابنِ ہشام - ابنِ قیم اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہم جیسے مشاہیر علماء بھی اس زد سے نہ بچ سکے۔ اگر اب بھی وہ اپنے لکھے پر بضد ہیں تو اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے:

گر نہ بیند بروز شپرۂ چشم + چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

حضرت مرزا صاحب، کی ذات یا ان کے منصب پر اعتراض کرنا یا انہیں مورد الزام ٹھہرانا - انہیں گالیاں دینا یا ان کی توہین و تحقیر کرنا، پرویز صاحب - یہ تو بڑی آسان بات ہے مگر ان جیسا بامقصد کام کر کے دکھانا - یہ بڑا مشکل کام ہے - ان کے کام کا مختصر سا خاکہ بھی ملاحظہ فرما لیں۔

آپ اس صدی کے مجدّد ہیں اور یہی آپ کا منصب ہے - اس منصب کی وجہ سے حضرت مرزا صاحب نے مسلمانوں کے اندرونی اور بیرونی فتنوں کا ازالہ کیا ہے - مسلمانوں کا اعتقاد تھا کہ قرآن شریف کی بہت سی آیات منسوخ ہیں - مرزا صاحب نے دلائل بیّنہ سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ قرآن شریف کی کوئی آیت منسوخ نہیں۔

علماء کی کثیر تعداد نے اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا تھا - آپ کا ارشاد ہے کہ یہ دروازہ اس اُمّت میں تا قیامت کھلا ہے۔

اہلِ حدیث کے جیّد علماء نے یہ عقیدہ بنا رکھا تھا کہ حدیث قرآن پر قاضی ہے اور کہ حدیث قرآن کی ناسخ بھی ہو سکتی ہے - مرزا صاحب نے ان عقائد کی بھی اصلاح کی اور مولانا محمد حسین بٹالوی سے جو اپنے وقت کے رئیس المحدثین تھے، ایک زبردست مناظرہ کیا جس میں قرآن شریف کی متعدد آیات سے آپ نے استدلال کیا اور اس مباحثہ کے بعد عام طور پر اَب علماء کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ حدیث نہ تو قرآن کی قاضی ہے اور نہ اس کی ناسخ ہو سکتی ہے۔

مسلمانوں کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ کچھ احکام قرآن میں ایسے ہیں جن کی تلاوت تو منسوخ ہے مگر احکام قابلِ اجرا ہیں - مثال کے طور پر یہ پیش کیا جاتا ہے کہ قرآن میں ایک آیت تھی جس کی رُو سے زانی سنگسار کیا جاتا تھا مگر اَب وہ آیت مرفوع از تلاوت ہے۔ مگر اس حکم پر عمل کرنا ضروری ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے اس عقیدہ کو بالکل باطل قرار دیا۔

علماء کا آپس میں چھوٹی چھوٹی سی چپقلشوں کی بناء پر یہ معمول ہو گیا تھا کہ وہ ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگا رہے تھے - آپ نے اعلان کر دیا کہ کلمہ طیّبہ کا قائل مسلمان ہے اسے کوئی شخص دائرہ اسلام سے خارج نہیں کر سکتا۔

مسیح موعود کے منصب کے لحاظ سے آپ نے بڑے زور سے عیسائیت کی تردید کی۔ کفارہ کے مسئلہ کے انکار کو ثابت کر کے رکھ دیا - اور سب سے بڑھ کر عیسٰے علیہ السلام کو وفات یافتہ قرار دے کر موجودہ مسیحیت کا خاتمہ کر دیا۔

سلسلہ مجددین میں آپ پہلے مامور ہیں، جنہوں نے خدا سے مکالمہ مخاطبہ پا کر، صداقتِ اسلام کو دلیل کے طور پر پیش کیا - ہزاروں پیشگوئیاں کیں جو پوری ہوئیں - غیر مذاہب کے دینی راہنماؤں کو للکارا کہ وہ خدا نمائی کا نشان دیں، ورنہ ہم سے اسلام کی صداقت کا نشان دیکھیں - جیسا کہ حضرت مرزا صاحب ضمیمہ انجام آتھم ص۶۲ پر فرماتے ہیں:-

"بالآخر میں پھر ایک طالب حق کو یاد دلاتا ہوں کہ وہ دین حق کے نشان اور اسلام کی سچائی کے آسمانی گواہ جن سے ہمارے نابینا علماء بے خبر ہیں وہ مجھ کو عطا کئے گئے ہیں مجھے بھیجا گیا ہے تا میں ثابت کروں کہ ایک اسلام ہی ہے جو زندہ مذہب ہے

اور وہ کرامات مجھے عطا کئے گئے ہیں جن کے مقابلہ سے تمام
غیر مذاہب اور ہمارے اندرونی اندھے مخالف بھی عاجز ہیں۔"

چنانچہ اپنے مخالفوں کو متواتر اپنے مقابلے کے لئے للکارا۔ اپنی صداقت اور اپنے مخالفوں کے ابطال میں کتابیں تحریر کیں اور ان کے جوابات کی صورت میں انعامات کی پیشکش کی مگر کسی کو مقابلے میں لکھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اسی چیلنج میں نہ صرف ہندوستان کے علماء تھے، بلکہ آپ نے عرب و عجم کے علماء کو بھی ھل من مبارز کا چیلنج دیا اور ان میں مصر کے مشہور عالم سید رشید رضا ایڈیٹر المنار بھی تھے۔ مگر انہیں بھی عربی دانی کے باوجود آپ کی عربی تحریر کا فصاحت، بلاغت اور معانی کے لحاظ سے مقابلہ کرنے کی توفیق نہ ہوئی۔

اُمتِ مسلمہ میں آپ واحد شخص ہیں جنہوں نے غیر مسلم سلاطین، امراء اور دینی راہنماؤں کو اسلام کی دعوت دی اور ان پر اسلام کی صداقت پر دلائل پیش کئے۔

آپ نے ایک ایسی جماعت تیار کی جو یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف پر عمل پیرا ہو کر مسلمانوں میں پھیلے ہوئے غلط عقائد کی اصلاح کرے اور اسلام کے دشمنوں کی طرف سے عائد کردہ الزامات کا منہ توڑ جواب دے۔ دین اسلام کی عزت و منزلت اور بانئے اسلام کی پاکیزہ سیرت کو دنیا کے سامنے نمایاں طور پر پیش کرے۔ چنانچہ آپ کی جماعت نے انگریزی میں اوّلین تفسیر شائع کر کے ایک عالمی انقلاب کی بنیاد رکھی اور علماء فرنگ اور فضلاء کلیسا کو اسلام کی پاکیزہ تعلیمات سے تعارف کرانے کے لئے انہیں کے ممالک میں تبلیغی مراکز کھول کر انہیں مذہب اسلام سے متاثر کیا چنانچہ جماعت کی مساعی اور جدوجہد سے لارڈ ہیڈلے جیسی بڑی بڑی شخصیتیں تثلیثی عقائد چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوئیں۔ الحمد للہ علیٰ ھذا

اس کے علاوہ حضرت مرزا صاحب نے تحقیق کے میدان میں بھی حیرت انگیز کام سرانجام دیا ہے۔ پرویز صاحب اسے بھی ملاحظہ فرمائیں۔

آپ نے ثابت کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب سے اُتر کر بنی اسرائیل کی گمشدہ "بھیڑوں" کی تلاش میں کشمیر میں پہنچے۔ اور وہیں محلہ خانیار میں دفن ہوئے۔

سکھوں کی روایات کے مطابق بابا نانک کو آسمان سے ایک چولا ملا۔ جس پر مکمل قرآن لکھا تھا اور متعدد غلافوں میں لپٹا ہوا تھا۔ حضرت مرزا صاحب خود وہاں تشریف لے گئے اور وہاں سے اصل چولا نکلوایا۔ آپ نے اس تحقیق سے ایک نئے باب کا اضافہ کر کے ثابت کر دیا کہ بابا نانک سچے مسلمان تھے۔

اسی طرح بابا نانک کی ایک کتاب "پوتھی صاحب" گرو ہرسہا واقع فیروز پور میں موجود تھی۔ حضرت مرزا صاحب نے مولوی محمد علیؒ اور چند دیگر مریدوں کو کتاب کی حقیقت دریافت کرنے کے لئے بھیجا۔ کتاب کو دیکھا گیا تو وہ قرآن مجید کا ایک قلمی نسخہ نکلا جسے بابا نانک صاحب تلاوت کے لئے اپنے پاس رکھتے تھے۔

حضرت مرزا صاحب نے تاریخ میں پہلی بار تحقیق سے ثابت کیا کہ عربی زبان اُم الالسنہ (زبانوں کی ماں) ہے۔ اس سلسلہ میں ایک کتاب "منن الرحمٰن" عربی زبان میں لکھی جس میں آپ نے عربی زبان کو الہامی ثابت کیا اور اسے دُنیا کی تمام زبانوں کا منبع و ماخذ قرار دیا۔

آپ نے ثابت کیا کہ حضرت مسیح ناصری صلیب پر فوت نہیں ہوئے تھے بلکہ بے ہوشی کی حالت میں صلیب سے اتار لئے گئے اور مرہم عیسیٰ یا مرہم حواریین کے استعمال سے آپ کے زخم مندمل ہوئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت کرتے ہوئے کتاب "ازالہ اوہام" کے ساتھ آپ نے ایک اشتہار دیا کہ اگر کوئی شخص قرآن کریم سے احادیث سے عربی کی کسی لغت یا کتاب سے توفّی کے معنے جب خدا فاعل ہو اور ذی روح مفعول ہو قبض روح کے سوا کچھ اور نکال کر دکھا دے تو اسے ایک ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔ اس علمی تحقیق پر آپ کا چیلنج اور انعام اب بھی برقرار ہے جسے کسی نے قبول نہیں کیا۔

یہ ہے وہ تحقیقی اور تبلیغی امر جو حضرت مرزا صاحب کے وجود مسعود سے ظاہر ہوا۔ ایک منصف مزاج اور سلیم الفطرت انسان اسے ضرور بنظر استحسان دیکھے گا اور آپ کی اس کی تحریر کو بھی مبنی بر حقیقت جان کر تصدیق کرے گا۔ جو کتاب "پیغام صلح" کے صفحہ ۳۹ پر درج ہے۔

"تاریخ کو دیکھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہی ایک یتیم لڑکا تھا جس کا باپ پیدائش سے چند دن بعد ہی فوت ہو گیا۔"

---

# احمدیہ ہاؤس لندن — ایک نئے دور کا آغاز

(بسلسلہ صفحہ ۸)

خود ہی کے نام پر خریدنا تھا۔ اس لئے موجودہ حالات میں مکان کی رجسٹری میرے نام سے ہوئی۔ لیکن میں نے فوراً انکم ٹیکس والوں کو بنک کو اور لاہور انجمن کو اس قسم کی تحریریں بھجوا دیں کہ یہ جائداد احمدیہ انجمن یو کے لئے خریدی گئی ہے جس کا میرے لواحقین سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

مکان تو مل گیا لیکن اس کے باغ اور اندرونی آرائش پر کسی نے سالوں سے توجہ نہ دی تھی۔ مختلف کمروں میں ردّی کے ڈھیر لگے تھے۔ ۱۸-۱۹ر اکتوبر کو عید الفطر کی تیاریاں تھیں۔ ہم نے وہاں ایک عید ملن پارٹی کا انتظام کرنا تھا۔ نیچے کے دو کمروں میں درمیانی دیوار کو توڑ کر شگاف کیا اور اس طرح ان دونوں کمروں کو ملا دیا۔ اور ۱۹ر اکتوبر کو وہاں پہلی عید ملن پارٹی ہوئی۔ جس میں سو کے قریب دوستوں نے شرکت کی۔ ذیل کے دوست اور عزیز اپنے فارغ اوقات میں ہر طرح سے مزدوروں کی طرح کام کرتے رہے

مسز جمیلہ خان۔ مسٹر حفیظ عزیز، ان کی اہلیہ۔ میکس عزیز (یہ دونوں عزیز ڈاکٹر ایم۔اے عزیز کے بھائی ہیں۔ میکس عزیز اب کینیڈا جا چکے ہیں) محمد خالد اقبال اور ان کی اہلیہ۔ ظفر مسعود اور ان کی اہلیہ۔ خالد عبد اللہ۔ خالد رحمان۔ رخشی طلعت حسین۔ مسٹر محمد ہارون ان کی اہلیہ اور بیٹی رفیعہ۔ مسٹر عبد العلی اور ان کے بچے۔ مسٹر ادریس علی۔ بشارت احمد طفیل۔ حسینہ علی۔ مسٹر رحیم وغیرہم۔

غرض ان سب عزیزوں اور دوستوں کے تعاون سے مکان کی شکل نکل آئی۔ ان میں پاکستان ٹرنی ڈاڈ اور گیانا کے احمدی اور ہمدردانِ احمدیت نے شانہ بشانہ کام کیا اور اس طرح سے سینکڑوں پونڈ کے مزید اخراجات سے ہمیں بچا لیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے۔

## دار الاحمدیہ

ہم نے اس مکان کا نام دار الاحمدیہ (احمدیہ ہاؤس) رکھا ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے صحیح رنگ میں احمدیت کے پیغام کو عام کرنے والا ادارہ بنا دے! اس وقت جبکہ دُنیا کی بہت سی قومیں احمدیت کے نام کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے درپے ہیں اس گھر کو تحریک احمدیت کو نئی زندگی عطا کرنے والا مقام بنا دے۔ آمین۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم o

---

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ــــــ مورخہ ۷ر جولائی ۱۹۷۶ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ــــــ شمارہ نمبر ۲۷

احمدیہ ... پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد یوسف پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۳ | چہار شنبہ - ۱۵ رجب ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۴ جولائی ۱۹۷۶ء | نمبر ۲۸


## ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

# اس دنیا کے فلسفیوں کی پیروی مت کرو

اور ان کو عزت کی نگاہ سے مت دیکھو کہ یہ سب نادانیاں ہیں سچا فلسفہ وہ ہے جو خدا نے تمہیں اپنے کلام میں سکھلایا ہے۔ ہلاک ہو گئے وہ لوگ جو اس دنیوی فلسفہ کے عاشق ہیں اور کامیاب ہیں وہ لوگ جنہوں نے سچے علم اور فلسفہ کو خدا کی کتاب میں ڈھونڈا۔ نادانی کی راہیں کیوں اختیار کرتے ہو کیا تم خدا کو وہ باتیں سکھلاؤ گے جو اسے معلوم نہیں۔ کیا تم اندھوں کے پیچھے دوڑتے ہو کہ وہ تمہیں راہ دکھلاویں اے نادانو! وہ جو خود اندھا ہے وہ تمہیں کیا راہ دکھلائے گا۔ بلکہ سچا فلسفہ روح القدس سے حاصل ہوتا ہے جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے تم روح کے وسیلہ سے ان پاک علوم تک پہنچائے جاؤ گے جس تک غیروں کی رسائی نہیں اگر صدق سے مانگو تو آخر تم اسے پاؤ گے تب سمجھو گے کہ یہی علم ہے جو دل کو تازگی اور زندگی بخشتا ہے۔ اور یقین کے مینار تک پہنچا دیتا ہے وہ جو خود مردار خوار ہے وہ کہاں سے تمہارے لئے پاک غذا لائے گا۔ وہ خود اندھا ہے وہ کیونکر تمہیں دکھا دے گا۔ ہر ایک پاک حکمت آسمان سے آتی ہے پس تم زمینی لوگوں سے کیا ڈھونڈتے ہو جن کی روحیں آسمان کی طرف جاتی ہیں وہی حکمت کے وارث ہیں جن کو خود تسلی نہیں وہ کیونکر تمہیں تسلی دے سکتے ہیں مگر پہلے دلی پاکیزگی ضروری ہے پہلے صدق و صفا ضروری ہے پھر بعد اس کے یہ سب کچھ تمہیں ملے گا۔ یہ خیال مت کرو کہ خدا کی وحی آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہے اور روح القدس اب اتر نہیں سکتا بلکہ پہلے زمانوں میں ہی اتر چکا۔ اور میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ ہر ایک دروازہ بند ہو جاتا ہے مگر روح القدس کے اترنے کا کبھی دروازہ بند نہیں ہوتا۔ تم اپنے دلوں کے دروازے کھولدو تا وہ ان میں داخل ہو تم اس آفتاب سے خود اپنے تئیں دور ڈالتے ہو جب کہ اس شعاع کے داخل ہونے کی کھڑکی کو بند کرتے ہو۔ اے نادان اُٹھ اور اس کھڑکی کو کھول دے تب آفتاب خود بخود تیرے اندر داخل ہو جائے گا۔ جبکہ خدا نے دنیا کے فیضوں کی راہیں اس زمانہ میں تم پر بند نہیں کیں بلکہ زیادہ کیں تو کیا تمہارا ظن ہے کہ آسمان کے فیوض کی راہیں جن کی اسوقت تمہیں بہت ضرورت تھی وہ تم پر اس نے بند کر دی ہیں۔ ہرگز نہیں بلکہ بہت صفائی سے تم پر دروازہ کھولا گیا ہے۔ اب جبکہ خدا نے اپنی تعلیم کے موافق جو سورۃ فاتحہ میں سکھلائی گئی گذشتہ تمام نعمتوں کا تم پر دروازہ کھول دیا ہے تو تم کیوں ان کے لینے سے انکار کرتے ہو۔ اس چشمہ کے پیاسے ہو کہ پانی خود بخود آ جائے گا۔ اس دودھ کے لئے تم بچہ کی طرح رونا شروع کرو کہ دودھ پستان سے خود بخود اتر آئے گا۔ رحم کے لائق بنو تا تم پر رحم کیا جائے۔ اضطراب دکھلاؤ تا تسلی پاؤ بار بار چلاؤ تا ایک ہاتھ تمہیں پکڑ لے کیا ہی دشوار گذار وہ راہ ہے جو خدا کی راہ ہے پر ان کے لئے آسان کی جاتی ہے جو مرنے کی نیت سے اس اتھاہ گڑھے میں پڑتے ہیں وہ اپنے دلوں میں فیصلہ کر لیتے ہیں کہ ہمیں آگ منظور ہے ہم اس میں اپنے محبوب کے لئے جلیں گے۔ پھر وہ آگ میں اپنے تئیں ڈال دیتے ہیں پس کیا دیکھتے ہیں کہ وہ بہشت ہے یہی ہے جو خدا نے فرمایا ان منکم الا واردھا کان علیٰ ربک حتماً مقضیاً۔ الخ۔ یعنے اے بدو اور اے نیکو تم میں سے کوئی بھی نہیں جو جہنم کی آگ پر گذر نہ کرے مگر وہ جو خدا کے لئے اس آگ میں پڑتے ہیں وہ نجات دیئے جائیں گے۔ لیکن وہ جو اپنے نفس امارہ کے لئے آگ پر چلتا ہے وہ آگ اسے کھا جائے گی۔ پس مبارک وہ جو خدا کے لئے اپنے نفس سے جنگ کرتے ہیں اور بدبخت وہ جو اپنے نفس کے لئے خدا سے جنگ کر رہے ہیں اور اس سے موافقت نہیں کرتے جو شخص اپنے نفس کے لئے خدا کے حکم کو ٹالتا ہے وہ آسمان میں ہرگز داخل نہیں ہوگا۔ سنا

# مَیں نے دارالسّلام میں کیا دیکھا

## تأثرات:۔ مکرّم جناب شیخ اللہ بخش صاحب بدوملہی

مجلس منتظمہ کے اجلاس میں شمولیت کے لئے مجھے دارالسلام میں آنے کا اکثر موقعہ ملتا رہتا ہے۔ اور یہاں نمازوں درس اور باقی تقریبات میں بھی شامل ہونے کی سعادت اکثر نصیب ہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں مَیں دارالسلام میں آیا ہُوا تھا۔ اتفاقاً ۳۰ر مئی ۱۹۷۶ء بروز اتوار یہاں حضرت مسیح موعودؑ کے یوم وصال کے سلسلہ میں منعقد ہونے والے ایک جلسہ میں شریک ہونے کا موقع ملا۔ جلسہ کا آغاز تلاوت قرآن کریم سے ہوا جس میں دو بچیوں نے حضرت مسیح موعودؑ کے اشعار سُنائے۔ اور مقررین زاہد جنجوعہ۔ پروفیسر خلیل الرحمان صاحب اور چودھری مسعود اختر صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا جس سے ایمان تازہ ہوا۔ پروفیسر خلیل الرحمن صاحب کا انداز اچھوتا تھا اور تقریر دل میں اُتر رہی تھی اور حضرت صاحب کی صداقت صاف صاف ظاہر ہو رہی تھی۔ عصر کے وقت جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے قرآن مجید کا درس دیا۔ آپ کے انداز تلاوت اور اس کی تشریح سے تمام حاضرین بہت محظوظ ہوئے۔ میرے پاس الفاظ نہیں جن میں اپنے تاثرات بیان کر سکوں۔ شام اور عشاء کی نمازیں بھی ان کی اقتداء میں پڑھنے کا موقع نصیب ہُوا۔ جس طرز میں قرآن شریف پڑھتے ہیں اس سے دل بے حد مسرور ہوتا ہے اور رُوح میں طراوت پیدا ہوتی ہے۔

۳۱ر مئی بروز سوموار صبح میں احمدیہ ہوسٹل میں آیا اور ماسٹر محمد صغر علی صاحب انچارج محمد علی میموریل ڈسپنسری سے پوچھا کہ اب تک کتنے مریض آچکے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ $\frac{5}{76}$-۳۱ تک ۴۰۰۰ مریضوں کو دوائی دی جا چکی ہے۔ اور ایسے بھی مریض آتے ہیں جن کو جناب ڈاکٹر سعید احمد صاحب مفت دیکھ کر نسخہ لکھ دیتے ہیں۔ یہ لوگ تین تین چار چار سو میل کے فاصلے سے یہاں آتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی بے ثباتی ان پر عیاں ہو چکی ہے۔ بدوملہی۔ کراچی اور پشاور وغیرہ کے دوروں پر جب ڈاکٹر صاحب تشریف لے گئے تو آپ نے اپنی جیب سے رقم خرچ کی۔

بلادِ غیر کی کمیٹی کا کام دیکھکر خوشی ہوئی۔ ان کے معاونین کے لئے دل سے دعا نکلتی ہے۔ جس بے حسی کا شکار بیرونی مُلکوں کی جماعتیں تھیں اب وہ دُور ہو رہی ہے اور وہ فعّال بن گئی ہیں۔ اور ہر جگہ پر باضابطہ جماعتیں قائم ہو رہی ہیں۔

میری دُعا ہے کہ جو لوگ بھی جماعت کے کاموں میں حصّہ لے رہے ہیں اللہ تعالےٰ ان پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے اور جہاں جہاں میری جماعت ہے۔ وہاں اللہ تعالےٰ انہیں خدمتِ دین کی توفیق بخشے۔ اور ان پر اور ان کی اولاد پر اپنے فضل و کرم کی بارش برسائے۔ جو اس انقلاب میں ثابت قدم رہے ہیں۔ انہیں باری تعالےٰ اپنی جناب سے اجر عظیم عطا فرمائے۔ انشاءاللہ اب دورِ خزاں جانے والا ہے اور بہار کی آمد آمد ہے۔

ہمارے اخبارات "لائٹ" اور "پیغام صلح" کا معیار بھی پہلے سے بہت بلند ہو گیا ہے۔ اور یہ دونوں اخبار اندرون اور بیرون ملک مقبول ہو رہے ہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

یہ بڑی ناشکر گزاری ہوگی اگر مَیں یہ بیان نہ کروں کہ ماہ جُون کی ایک جلتی دہکتی دوپہر کو اپنے بیمار نواسہ کو لے کر دارالسلام پہنچا۔ یہ وقت ہر شخص کے آرام کا ہوتا ہے۔ مگر اپنے نواسہ کی تکلیف دیکھ کر مجھے اور سب کچھ بھول گیا اور مَیں نے ماسٹر اصغر علی صاحب مہتمم محمد علی میموریل ڈسپنسری سے مل کر اپنے نواسے کی تکلیف بیان کر کے مکرّم جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو اس مریض کو اسی وقت دکھلانے کی استدعا کی۔ ماسٹر صاحب ساتھ لے کر آئے۔ گھنٹی بجائی۔ نوکر باہر آیا۔ میں نے اپنا نام و پتہ بتایا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب اطلاع ملتے ہی اپنا آرام چھوڑ کر فوراً باہر تشریف لے آئے۔ مجھے اور مریض کو آرام کی جگہ پر بٹھایا۔ پھر ٹھنڈے مشروب سے تواضع فرمائی۔ اللہ اللہ یہ غریب نوازی۔ مریض کے نانا کی اتنی حوصلہ افزائی۔ بجز خدا کے خاص بندوں کے اخلاق کا یہ نقشہ کہاں ملتا ہے۔ پھر میرے نواسے کو بڑی توجہ۔ انہماک اور غور سے دیکھا اور اسے تسلی دی کہ تم انشاءاللہ تعالےٰ صحت یاب ہو جاؤ گے۔ آپ نے نسخہ تحریر فرما دیا۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ آپ ایک سپیشلسٹ ڈاکٹر ہونے اور اپنے فن میں ممتاز مقام رکھنے کے باوجود مریضوں سے فیس بالکل نہیں لیتے بلکہ اکثر اوقات دوا بھی اپنے پاس سے دیتے ہیں۔

اللہ تعالےٰ ان کی عمر میں برکت دے اور دکھی انسانیت کو اُن سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کا موقع عطا فرمائے۔

---

شیخ محمد طفیل صاحب مبلّغ اسلام۔ انگلستان

# احمدیہ ہاؤس لندن

## ایک انگریز نوجوان کا قبولِ اسلام

۲۷ر جون ۱۹۷۶ء کو ہماری ماہانہ مجلس منعقد ہوئی۔ ڈیڑھ بجے کے قریب ہماری مجلس منتظمہ کی میٹنگ ہوئی جس میں احمدیت کی ترقی و ترویج کے سلسلے میں مختلف تجاویز پر بحث ہوئی۔ احمدیت پر اُردو، انگریزی لٹریچر کی مناسب تقسیم کا کام ذیل کے احباب کے سپرد کیا گیا۔

۱۔ شیخ محمد خالد اقبال ۔ ۲۔ ڈاکٹر زاہد عزیز ۔ ۳۔ مسٹر شاہد عزیز

تین بجے تک دوسرے احباب بھی آ گئے۔ پہلے نماز پڑھی گئی پھر شیخ عبدالعزیز صاحب مرحوم (راولپنڈی) مسز چارلس (ٹونی ڈاڈ) تساء کی والدہ (فیجی) عقیلہ ہاردلی کے بھائی (کینیڈا) کا جنازہ غائبانہ پڑھا گیا۔ اور انکے عزیزوں کو تعزیتی خطوط لکھنے کا فیصلہ ہُوا۔

اس مجلس کی خصوصی مقررہ مس گلیڈیز لڑبرک تھیں جو ورلڈ کانگرس آف فیتھس کی ایجوکیشن کمیٹی کی سیکرٹری ہیں۔ انہوں نے ورلڈ کانگرس آف فیتھس کی تاریخ بیان کی جس میں بتایا کہ کس طرح اس کی ابتدائی میٹنگوں میں خواجہ کمال الدین صاحب اور احمدیت سے تعلق رکھنے والے دوسرے دوست بھی شریک ہوتے تھے۔ ان کی آدھ گھنٹہ کی تقریر کے بعد ان سے کافی سوالات پُوچھے گئے جنکا انہوں نے عمدگی سے جواب دیا۔

بعد میں حاضرین کی تواضع بسکٹوں، کیکوں۔ پھلوں اور چائے سے کی گئی۔ جو چائے نہیں پیتے تھے ان کو جُوس پلایا گیا۔ یہ سب اشیاء خواتین اور دیگر دوست اپنے ساتھ لائے تھے۔ اس لئے مشن پر کسی طرح کا بوجھ نہیں پڑا۔ ایک ڈیڑھ گھنٹہ تک احباب آپس میں گفتگو کرتے رہے۔ مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ افسوس ان کی آنکھ کا جو اپریشن پاکستان میں خراب ہو گیا تھا اس کی کوئی اصلاح یہاں نہیں ہو سکی۔

ڈاکٹر پاشا سعید اور ان کی اہلیہ بھی ڈھونڈھتے ڈھانڈتے احمدیہ ہاؤس پہنچکے لیٹ ہو گئے تھے۔ خیر پہنچ گئے۔ اب انہیں آسان راستہ بتا دیا ہے۔ تاکہ جلدی آ جایا کریں۔ اس میٹنگ میں ایک انگریز نوجوان نے جو کچھ عرصہ سے اسلامی کتب کا مطالعہ کر رہے تھے آ کر اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ حاضرین کو اس پر بڑی مسرت ہوئی اور ان کو بڑی مُبارک باد دی۔

ہمارا آئندہ ماہانہ جلسہ ۲۵ر جولائی کو ہوگا۔

# مدفون ہو زمیں میں شاہِ جہاں ہمارا

اپنے قارئین سے معذرت کے ساتھ آج ہم ایسے موضوع پر قلم اُٹھا رہے ہیں جو ان کے لئے بہت پُرانا۔ گھسا پِٹا اور غیر دلچسپ ہوگا کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس پر ۱۸۹۱ء سے کہ آج تک تقریباً ۸۵ سال حضرت مجددِ زمان کی کُتب۔ نجی محفلوں۔ عام اجتماعات، جلسوں اور مناظروں میں اتنی سیر حاصل بحث ہو چکی ہے۔ اور اس طرح اس کا تار و پود بکھیرا جا چکا ہے۔ کہ اس جدید سائنسی دَور میں اس پر کچھ کہنا یا لکھنا محض تحصیل حاصل ہوگا۔ لیکن ہم ایسا کرنے پر مجبور ہیں یا مجبور کئے گئے ہیں کیونکہ انہیں یہ پڑھ کر حیرت ہوگی کہ آج بھی "مسلمانوں" کی اکثریت اپنے "علماء" کے خلاف قرآن منطقی دلائل کے بل بوتے پر حضرت عیسےٰؑ کو آسمان پر زندہ مان کر نہ صرف کلیسائی عقائد کو تقویت دے رہی ہے بلکہ "تحفظ ختم نبوت" کی مدعی ہونے کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک نبی کی آمد کے منتظر ہو کر اس "مہرِ ختم نبوت" کو توڑنے کی مرتکب ہو رہی ہے۔ جس کی حفاظت کے پردے میں اس نے ایک پُر امن جماعت کو قرآن کریم کے صریح ارشادات کے برعکس اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنانے میں ضمیر کی کوئی چبھن اور خلش محسوس نہ کی۔ ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ ہماری نوجوان نسل کو بھی جو پوری طرح اپنی جماعت کے عقائد اور موقف سے آگاہ نہیں اس سے تھوڑی بہت واقفیت ضرور حاصل ہو جائے گی اور وہ اعتماد کے ساتھ معترضین کو جواب دے سکے گی۔

ہمارے قارئین کو یاد ہوگا کہ ہم نے "مسیح موعود نمبر" میں "آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے" کے عنوان سے ایک اداریہ سپردِ قلم کیا تھا۔ اس میں خاطب ہم خود حضرت مجددِ زمان کو ماننے والے تھے ہمیں "مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان" کی طرف سے جناب محمد یوسف صاحب عیسیٰ پوری کا اس اداریہ پر ایک طویل تنقیدی مراسلہ ملا ہے۔ جس میں انہوں نے اداریہ مذکور کے بعض حصے نقل کرکے عام طور پر دُہرائے جانے والے اعتراضات پیش کئے ہیں۔ ہماری یہ کوشش اُنہی کے جواب میں ہے۔ ان کا یہ خط رسالہ "لولاک" لائل پور میں بھی اَب شائع ہو چکا ہے۔ اس لئے یہ اور بھی ضروری ہوگیا ہے کہ اس کا جواب لکھا جائے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

"آنجناب بے خبر نہیں ہوں گے کہ سیّدنا عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) کے آسمان سے نازل ہونے کا عقیدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متواتر احادیث میں وارد ہے اور دَورِ نبویؐ سے آج تک اُمّت اسلامیہ میں نسلاً بعد نسلٍ اور طبقۃً بعد طبقۃٍ متواتر چلا آتا ہے یہی عقیدہ حدیث۔ فقہ۔ تفسیر اور عقائد کی کتابوں میں اکابر اُمّت نے درج فرمایا۔ لیکن جناب مرزا غلام احمد صاحب نے اسے بیک جنبش قلم "شرک عظیم" قرار دے ڈالا۔ میں عقل وفطرت کے نام پر آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ کیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ تمام صحابہ۔ تابعین۔ مجددین۔ اولیاء۔ اقطاب جو سیّدنا عیسےٰؑ کی حیات اور آمدِ ثانی کے قائل تھے وہ سب نعوذ باللہ گمراہ اور شرکِ عظیم کے مرتکب تھے؟ کیا اس کے بعد بھی آپ کو اپنے ماضی سے کٹ جانے میں کوئی شک وشبہ باقی رہ جاتا ہے؟"

ہم محمد یوسف صاحب کی خدمت میں یہ عرض کئے دیتے ہیں کہ جماعتِ احمدیہ میں لوگ مختلف فرقوں سے آکر شامل ہوئے۔ خود حضرت مرزا صاحب اور

...سفر کیا۔ اس کے بعد آپ نے قرآن کریم کی آیات پر غور کرنا شروع کیا اور پورے ایک سال بعد یعنی ۱۸۹۱ء میں جب آپ کو حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات کا یقین ہوگیا تو آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعوےٰ کیا۔ اسی دعویٰ کے بعد مخالفت کا طوفان اُٹھا۔ بہت سے لوگ جماعت سے الگ ہوگئے اور آپ کے علماء نے کفر کا فتویٰ لگایا۔

اب بات بالکل سیدھی سادی ہے۔ قرآن کریم خدا کا قول ہے اور اس کے بعد ساری کتابیں جن کا آپ نے حوالہ دیا ہے قولِ بشر میں داخل ہیں۔ خدا کا قول بشر کے قول پر حاوی اور حکم ہے۔ ہم قرآن کریم کے اس واضح حکم کے تحت کہ:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی اطاعت کرو اور رسُول کی اور اپنے میں سے صاحب امر لوگوں کی اطاعت کرو۔ پھر اگر کسی چیز میں باہم جھگڑا کرو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لے جاؤ اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہو۔ یہ بہتر اور انجام کار اچھا ہے۔" (النساء ۵۹)

تاہم حضرت عیسےٰؑ کی حیات اور ممات کا فیصلہ قرآن کریم سے چاہتے ہیں۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت مسیح آسمان پر زندہ ہیں تو پھر انہوں نے ہی نازل ہونا ہوگا اور حضرت مرزا صاحب اپنے اس دعوے میں جھُوٹے قرار پاتے ہیں اور اگر نہیں تو یہ خود بخود فیصلہ ہو جائے گا کہ یہ شرکِ عظیم ہے یا نہ۔

بخوف طوالت ہم صرف چند باتیں عرض کرنے پر ہی اکتفا کریں گے۔ اور چونکہ آپ نے "عقل و فطرت" کے نام پر ہم سے یہ پُوچھا ہے اس لئے ہم اس کے مطابق بھی انشاء اللہ اس فرض سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کریں گے کہ غور و فکر سے کام لینے والوں کے لئے عقل و فطرت بھی یہی گواہی دیتی ہے کہ مسیح ابن مریم فوت ہو چکے ہیں اور اب ان کا انتظار فعل عبث ہے۔

## قرآن کریم کی شہادت

(۱) سب سے پہلے ہم محمد یوسف صاحب کی خدمت میں سورۃ الصف کی آیت ۶ پیش کرتے ہیں جس میں خود حضرت عیسےٰؑ کی زبانی آپ کے بعد احمد نامی رسول کے تشریف لانے کی خوشخبری کے طور پر پیشگوئی کی گئی ہے۔

"اور جب عیسےٰؑ بن مریم نے کہا میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں اس کی تصدیق کرتا ہوا جو میرے سامنے توریت سے ہے و

مبشراً برسولٍ یاتی من بعدی اسمہٗ احمد

اور ایک رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہے"

اس سے تو کسی بڑے سے بڑے عالم کو انکار کی مجال نہیں کہ آنحضرت صلعم حضرت عیسےٰؑ کے بعد مبعوث ہوئے۔ اب من بعدی سے دو ہی معنے اخذ کئے جا سکتے ہیں "میری وفات کے بعد" یا "میرے آسمان پر اُٹھائے جانے کے بعد" کیونکہ جب آنحضرت صلعم تشریف لائے تو حضرت عیسیٰؑ سطح ارضی کے کسی کونے میں موجود نہ تھے۔ کچھ وقت کے لئے ہم یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ حضرت عیسےٰؑ بقول یوسف صاحب آسمان پر تشریف لے گئے ہیں لیکن مشکل یہ پیش آتی ہے کہ جب وہ دوبارہ نازل ہوں گے تو یہ آیت قرآن کریم میں ویسی کی ویسی موجود ہوگی۔ اور مسلمانوں کے سامنے ہوگی۔ اور اس کے معانی بھی وہی ہوں گے جو ہم اُوپر لکھ آئے ہیں کہ "میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہے"۔ یہی خوشخبری پہلے نزول کے وقت دی گئی اور اب یہی دوسرے نزول کے وقت موجود ہے۔ اگر پہلے نزول والی پیشگوئی کو درست مانا جائے تو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی وفات لازم آتی ہے اور اگر دوسرے نزول کے وقت بھی اسے صحیح سمجھا جائے تو اس کا مطلب

یہ ہوگا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے پہلے نزول کے بعد احمد نام کے جس شخص نے نبوت کا دعوےٰ کیا وہ نعوذ باللہ۔ نعوذ باللہ اپنے دعوےٰ میں صادق نہیں تھا اب دوسرے نزول کے بعد جو آئے گا۔ وہ سچا ہوگا اور یا اس عیسےٰ کا دعوےٰ کرنے والے کو کاذب اور مفتری کہا جائے گا کیونکہ احمد نام کے نبی آ چکے اور چلے گئے۔ اس اُلجھن کا حل یوسف صاحب کیا پیش کر سکتے ہیں۔ ہم آنحضرت صلعم کو اپنے دعوےٰ میں سچے اور خاتم النبیین سمجھتے ہیں اس لئے حضرت عیسےٰ کو فوت شدہ مانتے ہیں۔

ہو سکتا ہے یوسف صاحب یہ کہیں کہ یہ آیت منسوخ متصور ہوگی۔ اس کا جواب ہمارے پاس ہے۔ سورۃ البقرہ آیت ۱۰۶ میں ارشاد ہوتا ہے:۔

"ہم جو آیت منسوخ کرتے یا اسے فراموش کرا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لے آتے ہیں۔ کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

اگر یہ آیت حضرت مسیحؑ کے نزول ثانی کے وقت منسوخ قرار دی جائے تو اللہ تعالےٰ کو اپنے وعدہ اور قدرت کے مطابق اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لانی ہوگی اور یہ مسلمہ امر ہے کہ جس شخص پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے کوئی ایسی آیت اُترے گی وہ بوسیلہ جبرائیل علیہ السلام ہوگی۔ اور وحی نبوت کہلائے گی۔ اب ایسی کوئی آیت تو حضرت عیسےٰ پر ہی اترے گی کیونکہ وہ پہلے بھی نبی تھے اور اب بھی وہی تشریف لائے ہیں تو اس صورت میں مہر ختم نبوت کیسے محفوظ رہی کیا اس طرح آپ بجائے تحفظ ختم نبوت کے اِس حصار نبوت میں اپنی من مانی تاویلوں سے دراڑیں پیدا کرکے اسے زمین بوس کرنے میں مصروف تو نہیں۔ ہیں افلا تعقلون

(۲) اس کے بعد ہم ان کی خدمت میں سورۃ آل عمران کی آیت ۵۵ پیش کرتے ہیں جس میں اللہ تعالےٰ نے حضرت عیسےٰ کو مخاطب کرکے فرمایا:۔

"جب اللہ نے کہا اے عیسےٰ میں تجھے وفات دینے والا ہوں (متوفیک) اور اپنی طرف تیرا رفع کرنے والا ہوں (رافعک) اور تجھے ان سے پاک کرنے والا ہوں (مطھرک) اور جنہوں نے تیری پیروی کی انہیں ان پر جنہوں نے انکار کیا قیامت کے دن تک فوقیت دینے والا ہوں پھر میری ہی طرف تمہارا لوٹ آنا ہے پس میں تمہارے درمیان ان باتوں میں فیصلہ کروں گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔"

اس فیصلہ کے دن کو قیامت کا دن تصور نہ کر لیجئے اگلی ہی آیت ۵۶ ہے:۔

"سو وہ جنہوں نے انکار کیا میں ان کو دنیا و آخرت میں سخت دُکھ کا عذاب دوں گا اور ان کے لئے کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا"

یہ آیت بھی نزول ثانی کے وقت قرآن کریم میں موجود ہوگی۔ اللہ تعالےٰ پھر انہی الفاظ میں حضرت مسیح سے مخاطب ہوگا۔ ہم رفع اور وفات کے وہی معنی تسلیم کر لیتے ہیں اور آپ کی اپنی طرف سے وضع کردہ اس دلیل کو بھی مان لیتے ہیں کہ رفع پہلے ہوگا اور وفات بعد میں حالانکہ قرآن کریم میں ایسا تصرف ظلم عظیم ہے کیونکہ وہ خود اسی صورت میں فرماتا ہے:۔

"پھر جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں جو اس میں سے متشابہ ہے اختلاف (فتنہ) چاہتے ہوئے اور یہ چاہتے ہوئے کہ اس کی من مانی تاویل کریں۔ اس کی تاویل کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے اور ان کے جو علم میں پختہ ہیں کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے۔ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے اور عقل والوں کے سوائے کوئی نصیحت قبول نہیں کرتا۔"

مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پہلا رفع تو نزول ثانی کے لئے ہوا اب اس کے بعد دوسری بار آسمان پر اُٹھائے جانے کا کیا مقصد ہوگا جب نزول ثانی کے وقت آپ کے مطابق اس دنیا میں اسلام ہی اسلام رہے گا اور باقی سب مذاہب ختم ہو جائیں گے تو اختلاف کہاں ہوگا۔ خدا کا خوف کیجئے۔ آنحضرت صلعم جیسے اولوالعزم نبی کے دستِ مبارک پر تو یہ نہ ہوا لیکن حضرت عیسےٰؑ کے ہاتھ پہ یہ ہو جائیگا۔ اس طرح آپ کس کو فضیلت دے رہے ہیں حضرت عیسےٰؑ کو یا آنحضرت کو؟ پھر یہ تحفظ ختم نبوت کیسا

اس کے علاوہ جب سارے مسلمان ہو جائیں گے تو وہ انکار کرنے والے کون ہوں گے جنہیں دنیا اور آخرت میں عذاب دیا جائے گا اور وہ ماننے والے کون ہوں گے جنہیں دوسروں پر فوقیت حاصل ہوگی۔ قرآن کریم تو فرماتا ہے کہ ان اختلافات کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا اور آپ کہتے کہ حضرت عیسےٰ کے دوبارہ آنے کے بعد یہ ختم ہو جائیں گے۔ کون سچا ہے خدا یا آپ۔ قرآن کریم فرماتا ہے:۔

"وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے سب دینوں پر غالب کرے اور اللہ کافی گواہ ہے۔"

اور آپ فرماتے ہیں عیسےٰ ابن مریم اسرائیلی نبی کے ہاتھوں یہ وقوع میں آئے گا۔ ہم کس کی گواہی مانیں آپ کی یا اللہ کی جو فرماتا ہے کہ میں کافی گواہ ہوں یاد رکھئے یہ غلبہ آنحضرت کے ہی ہاتھوں آپ کے ایک غلام۔ اُمتی اور کامل متبع کے ذریعہ مقدر ہے جسے آپ نے خود "مسیح" کا نام دیا ہے۔ آپ کی نسلیں انتظار کرتے کرتے گذر جائیں گی مگر وہ اسرائیلی نبی کبھی نہیں آئے گا اگر اس آیت کو بھی منسوخ قرار دے کر راہِ فرار اختیار کرنے کی کوشش کریں گے تو ہمارا سوال وہی ہوگا جو ہم ۱ کے ذیل میں لکھ آئے ہیں۔

(۳) آیئے اب المائدہ ۷۵ اور آل عمران ۱۴۴ پر بھی غور کرتے جائیں المائدہ کی مندرجہ آیت کا ترجمہ

"مسیح ابنِ مریم سوائے رسول کے کچھ نہیں قد خلت من قبلہ الرسل (اس سے پہلے بھی رسول گذر چکے ہیں اور اس کی ماں صدیقہ تھی۔ وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ دیکھو کس طرح ہم اُن کے لئے باتیں بیان کرتے ہیں۔ پھر دیکھو یہ کس طرح اُلٹے پھیر جاتے ہیں۔"

آل عمران میں ہے:۔

"اور محمدؐ ایک رسول ہی ہے اس سے پہلے سب رسول گذر چکے (قد خلت من قبلہ الرسل) پھر اگر وہ مر جائے یا قتل کیا جائے تو کیا تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے"

اس آیت میں قد خلت کی تفسیر قرآن کریم نے افاین مات او قتل سے کر دی ہے اب عقل یہی کہتی ہے کہ اگر حضرت عیسےٰ سے پہلے رسول قد خلت کے مطابق مر چکے ہیں تو انہی الفاظ کے مطابق آنحضرت صلعم سے پہلے تمام رسول مر چکے ہیں اور حضرت عیسےٰ ان میں شامل ہیں اور یہ کوئی اصول نہیں کہ ان الفاظ کے معنی ایک جگہ تو مرنے کے کئے جائیں اور دوسری جگہ اپنا مطلب حل کرنے کے لئے اپنی مرضی کے مطابق آسمان پر اُٹھایا جانا مانے جائیں۔

آپ کو بخوبی علم ہے کہ آل عمران کی اسی آیت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے آنحضرت صلعم کی وفات کا ثبوت پیش کیا تھا لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے مجمع سے ایک بھی آواز نہ اُٹھی کہ یہ صحیح نہیں کیونکہ حضرت عیسےٰؑ آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ اور حضرت مسیح کی وفات پہ یہی پہلا اجماع ہے ضرورت نہیں۔ کیونکہ ان سے بڑھکر قرآن کو جانتے اور اس پہ عمل کرنے والا کوئی نہیں۔

اسی آیت میں یہ الفاظ لاکر کہ "اس کی ماں صدیقہ تھی۔ وہ دونوں کھانا

کھاتے تھے" حضرت مسیح کو انسانوں میں شمار کیا اور عیسائیوں کے عقیدہ الوہیت مسیح کی نفی کی ہے، اگر آپ کے عقیدہ کے مطابق وہ حوائج بشریہ سے بے نیاز اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے برعکس آج دو ہزار سال سے آسمان پر زندہ موجود ہیں تو آپ مسیح میں خدائی صفات کے قائل ہیں اور یہ شرک ہے۔ اور اس حقیقت کے انکشاف کے بعد بھی اگر آپ ان کو زندہ تسلیم کرتے ہیں تو آپ مشرک ہیں۔ یہ فتویٰ ان تمام مسلمانوں کے خلاف ہرگز نہیں دیا جا سکتا جو اس سے پہلے اس دنیا سے گذر گئے۔ قرآن حکیم کی ہر حقیقت سے پردہ عین بوقت ضرورت اُٹھتا ہے۔ اسی لئے یہ خاتم الکتب ہے۔ اس میں ہر زمانہ کے مسائل کا حل ہے۔ جو مسئلہ جس زمانہ سے تعلق رکھتا ہوگا اسی میں اس کا حل پیش [illegible]

ہم اللہ کی ہر چیز پر قدرت کے بدل و جان قائل ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار اس کے امر پر موقوف ہے اور اس کا امر اس کے ارادے پر۔ یہ آیت کریمہ اس پر واضح دلیل ہے:-

"انما امره اذا اراد شيئا ان يقول له كن فيكون"

"اس کا حکم جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے صرف یہی ہوتا ہے کہ اسے کہتا ہے ہو جا سو وہ ہو جاتی ہے" (یٰسٓ ۸۲)

یہاں ارادہ پہلے ہے اور کُن کا امر بعد میں۔ اور اسی سے قدرت کا اظہار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حکیم ہے علیم ہے اور خبیر ہے۔ اس کے ارادے میں حکمت ہوتی ہے اور وہ جانتا ہے کہ جو وہ حکم دے گا اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی چیز سے کیا نتائج برآمد ہوں گے۔ آپ کوئی ایسی آیت یا حدیث یا سلف صالحین میں سے کسی کا ایسا قول پیش کر دیجئے جس میں واضح طور پر یہ درج ہو کہ اللہ تعالیٰ نے عیسٰی کو آسمان پر اُٹھانے کا ارادہ کیا۔ اس نے کُن کا حکم دیا اور وہ اُٹھا لئے گئے۔ اور اس سارے معاملے میں یہ حکمت پوشیدہ تھی۔

یاد رکھئے حیاتِ مسیح کے سلسلہ میں نہ قرآن آپ کے ساتھ ہے نہ حدیث اور نہ ہی ثقہ علماء اور مفسرین جو راسخ فی العلم ہیں۔ احادیث میں "نَزَلَ" کے لفظ سے یہ استنباط کر لینا کہ نزول تب ہی ہوگا جب صعود ہو تو یہ فکر و شعور سے تہی دامنی کا ثبوت ہے۔

---

رپورٹر:-

# خبرنامہ لندن

۱۱ر جون ۱۹۷۶ء:- ویسٹ منسٹر ایبے میں کامن ویلتھ سروس میں شیخ محمد طفیل صاحب نے شرکت کی۔ بعد از دوپہر ان کی اہلیہ اور ان کی بیٹی روحی طفیل کو ملکۂ برطانیہ کی طرف سے چائے پر بلایا گیا۔ جس میں دیگر نمائندگان مذاہب بھی شریک تھے۔

۱۴ر جون ۱۹۷۶ء:- یونائیٹڈ نیشنز کی مذہبی کمیٹی میں شیخ صاحب نے شرکت کی۔ اسی شام کو ورلڈ کانگرس آف فیتھس کی مجلس منتظمہ میں بھی شریک ہوئے۔

۱۷ر جون ۱۹۷۶ء:- ورلڈ کانگرس آف فیتھس کی ایجوکیشن کمیٹی میں بلایا گیا۔

۱۸ر جون ۱۹۷۶ء:- بی بی سی ٹیلیویژن پر اسلام کے متعلق ایک پروگرام دکھایا گیا

صص

# جرمنی کے مسلمان

مغربی جرمنی میں موتمر عالم اسلامی کے نمایندہ مسٹر محمد ایس عبداللہ لکھتے ہیں:-

"جرمنی سے اسلام کے تعلقات کی ابتداء عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ میں ہوئی جب اس زمانہ کے فرمانروا کے پاس خلیفۂ بغداد کے سفیر ہارون عبداللہ آئے اور انہوں نے جرمنی کے ساتھ تجارت اور دوستی کا [illegible] ان ترجموں میں اہم ترین ترجمہ تھیودور آرنلڈ کا ہے کیونکہ اس نے ترجمہ کے ساتھ دو صد صفحات کا دیباچہ بھی شائع کیا۔ جس میں جناب رسالتمآب صلعم کی ذاتِ اقدس پر کئے گئے پادریوں کے حملوں کا مسکت جواب تھا۔ یہ ترجمہ ۱۷۴۶ء میں شائع ہوا۔

۱۷۱۴ء میں آہمزر لوہن نامی قصبہ میں عیسائیوں اور مسلمانوں کا ایک اجتماع ہوا جس کے اختتام پر قصبہ کے گرجا میں مسلمانوں اور عیسائیوں نے مل کر دعا کی یہ گرجا لوتھر کے پیروکاروں کا تھا۔ ۱۷۲۰ء میں برلن کے نزدیک پوٹسڈم میں پہلی مسجد تعمیر ہوئی۔ یہاں وہ ترک محافظ نماز ادا کرتے تھے جنہیں سلطان ترکی نے فریڈرک ولیم اوّل کو پیش کیا تھا۔

## ۱۹۲۴ء میں برلن میں پہلی مسجد مسلمانوں کی تنظیم اور جرمن ترجمۃ القرآن

۱۹۲۲ء میں برلن[1] کے اندر جرمن مسلمانوں نے اپنی پہلی تنظیم قائم کی اور ۱۹۲۶ء میں انہوں نے اپنی مسجد بنائی۔ ۱۹۳۸ء میں ایک مسلمان کا جرمن زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ شائع ہوا۔ دوسری جنگِ عظیم کے دوران فلسطین کے مفتیٔ اعظم سید امین الحسینی مرحوم نے برلن کے اسلامی مرکز میں قیام فرمایا۔ ان دنوں تقریباً دو ہزار جرمن اسلام کے پیروکار تھے۔

آج مغربی جرمنی میں تقریباً بارہ لاکھ مسلمان ہیں جن میں سے ۴۴ ہزار یہاں کے مستقل باشندے ہیں۔ ساڑھے نو لاکھ ترک ہیں ایک لاکھ ۲۰ ہزار یوگوسلاویہ کے ہیں۔ پچاس ہزار عرب ہیں جن میں زیادہ تر الجزائر، مراکش اور ٹیونس کے رہنے والے ہیں دس ہزار ایرانی ہیں اور پانچ ہزار پاکستانی، بھارت، ملائشیا، وغیرہ کے ہیں۔ ۳۵ صد روسی مہاجر بھی ہیں۔ مشرقی جرمنی میں بھی مسلمان موجود ہیں مگر ان کی کوئی تنظیم نہیں۔ مشرقی برلن کے کئی مسلمان نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے مغربی برلن آ جاتے ہیں۔"

(بشکریہ نوائے وقت ۲۸ر جون ۱۹۷۶ء)

---

[1] یاد رہے کہ ۱۹۲۴ء برلن مسجد کی تعمیر اسلامی مشن کا قیام اور قرآن کریم کا جرمن زبان میں ترجمہ جماعت احمدیہ لاہور کی مساعی سے جماعت کے موجودہ امیر حضرت مولانا صدرالدین صاحب نے ہی کئے تھے۔

(ادارہ)

---

صص جس میں پس منظر میں مجھے نماز، اذان اور دیگر دعاؤں کا انگریزی میں ترجمہ کرنے کے لئے کہا گیا۔

۲۷ر جون ۱۹۷۶ء:- کو احمدیہ ہاؤس لندن میں جلسہ ہوگا۔ پروگرام کی تفصیلات بعد میں شائع ہونگی۔

مکرم جناب فخرالدین احمد صاحب راولپنڈی ——— یادِ رفتگان

# آہ! شیخ عبدالعزیز

# اِک دِیا اور بُجھا.........

جناب شیخ عبدالعزیز صاحب گورنمنٹ پنشنر و عم الحاج مولینا شیخ محمد طفیل مبلغ انگلستان و امریکہ نے ۳ر جون ۱۹۷۶ء بروز جمعرات سنٹرل گورنمنٹ ہسپتال راولپنڈی میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

پچھتر سال کی عمر میں سے کم و بیش اٹھاون برس سے وہ سلسلۂ احمدیہ سے وابستہ تھے۔

شیخ صاحب مرحوم رہنے والے تو وسطی پنجاب کے تھے مگر ۱۹۱۷ء کے قریب تلاش روزگار کے سلسلے میں شملہ چلے گئے تھے۔ اور آرمی ہیڈ کوارٹر میں ملازم ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد ان کے برادر بزرگ شیخ محمد لطیف مرحوم (والد بزرگوار الحاج شیخ محمد طفیل صاحب مبلغ انگلستان و امریکہ) بھی آرمی ہیڈ کوارٹر میں ملازم ہو گئے۔

دوسری جنگِ عظیم میں آرمی ہیڈ کوارٹر جنرل ہیڈ کوارٹر میں بدل گیا اور شملہ سے دلی منتقل ہو گیا۔ شیخ برادران بھی شملہ سے دلی آ گئے۔ ۱۹۴۷ء میں صبح آزادی نے طلوع کیا، پاکستان وجود میں آیا اور اس مملکتِ خداداد نے جنرل ہیڈ کوارٹر پاکستان کے لئے راولپنڈی کا انتخاب کیا۔ شیخ برادران بھی دلی سے راولپنڈی چلے آئے اور دونوں بھائیوں نے یہیں اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کی۔

حضرت مولینا محمد علیؒ امیر جماعت احمدیہ گرمی کا موسم کسی پہاڑی مقام پہ گزارا کرتے تھے۔ لاہور میں رہ کر وہ تصنیف و تالیف کا کام اتنی اچھی طرح نہیں کر سکتے تھے۔ جتنا کہ پہاڑی مقام پر۔ اس لئے پہلے تو آپ نے ایبٹ آباد میں موسم گرما گذارا۔ ایک مرتبہ کوہ مری بھی تشریف لے گئے اور ۱۹۱۸ء میں پہلی مرتبہ شملہ تشریف لائے۔ ان دنوں شملہ میں احمدیوں کی اچھی خاصی جماعت تھی۔ مولینا عمرالدین شملوی مرحوم اور مولنیا عبدالرحمٰن جالندری جماعت قادیان کے سرکردہ رکن تھے۔ اور شیخ عبدالحق صاحب مناظرِ اسلام اور مخدوم محمد اشرف جماعت لاہور کے علاوہ ازیں مسلمان اُمراء رؤسا اور شرفا بھی بڑی تعداد میں شملے آ جاتے۔

حضرت امیر مرحوم تفسیر القرآن کی تصنیف کے علاوہ روزانہ درس قرآن کریم بھی دیا کرتے تھے۔ احباب سلسلہ اور غیر از جماعت علم دوست اصحاب اس چشمۂ معرفت پر اُمڈے چلے آتے تھے۔ وہ اس سلسلۂ حقانیہ کی خدماتِ اسلامی کے بڑے مداح بن جاتے تھے۔ اور جماعت کے کارناموں کا خوب چرچا ہوتا۔

شیخ عبدالعزیز صاحب بھی ان درسوں میں شریک ہوتے تھے۔ پھر جماعت احمدیہ لاہور اور جماعتِ قادیان کے علماء کے درمیان اختلافی مسائل پر جو مباحثے ہوتے تھے ان میں بھی شرکت کرتے تھے۔ دونوں بھائیوں میں رُشد کا مادہ تو وراثتاً چلا آتا تھا۔ زیادہ دیر نہیں لگی کہ انہوں نے احمدیت قبول کر لی۔ شیخ عبدالحق صاحب (حال کراچی) مولنا عمرالدین شملوی سے کئی بار مباحثے کر چکے تھے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مولنا عبدالرحمٰن جالندری جو جماعت قادیان کے امام الصلوٰۃ تھے جماعت لاہور میں شامل ہو گئے۔ مولنا عمرالدین شملوی نے بھی بعد میں اپنے غلط عقائد ترک کر دیئے تھے اور جماعت لاہور سے منسلک ہو گئے تھے اور تا وفات جماعتِ لاہور سے وابستہ رہے۔

شیخ عبدالعزیز مرحوم ایک مجاہد تھے۔ تبلیغ کرنے کے لئے ان میں ایک خاص ولولہ اور جوش تھا۔ سفر و حضر میں وہ خدمتِ دین کو نہ بھولتے۔ قرآن کریم سے انہیں خاص عشق تھا۔ بارہا انہوں نے راولپنڈی میں خطبات جمعہ دیئے۔ اندازِ بیان بڑا سادہ اور عام فہم تھا۔ خطبہ کے دوران دُر ثمین سے اشعار پڑھا کرتے تھے۔

خطبہ جمعہ کے علاوہ وہ بچوں کو ناظرہ قرآن کریم بھی پڑھایا کرتے تھے۔ اور اس فیض رسانی کے موقعہ پر وہ احمدی اور غیر احمدی میں کوئی امتیاز روا نہ رکھتے۔ بیسیوں غیر از جماعت خاندانوں میں انہوں نے قرآن کریم پڑھایا۔ احمدی بچوں کو ہمیشہ قرآن پڑھنے اور علم قرآن سیکھنے کی تلقین کرتے۔ میں نے بارہا دلی اور شملہ کے احباب سے سُنا ہے کہ مرحوم شیخ صاحب میں احباب قادیان کی غلطی کا ازالہ کرنے کی تڑپ جنون کی حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ سرکاری ملازمین تو تعطیل کا دن سیر و تفریح میں گذارتے تھے اور شیخ عبدالعزیز مرحوم کتابیں بغل میں دبائے بحث مباحثہ کے لئے مستعد ادھر سے اُدھر جاتے رہتے۔ اللہ اللہ کیا زمانہ تھا۔ ہمارے بزرگ بھی کیا لوگ تھے۔ ان کا اُٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا، جینا اور مرنا اللہ اور اس کے دین کے لئے ہوتا تھا۔ بات کرتے تو دل میں اُتر جاتی۔ کوئی بے علم اُلجھ پڑتا تو ملائمت سے کلام کرتے۔ دنیا کماتے تھے، مگر خدا کی راہ میں بڑھ چڑھ کر خرچ کرنے کے لئے۔ مسجدوں میں نماز کے لئے آتے تو زبانوں پر ذکر اور دلوں میں فکر لئے ہوئے۔ نقد و نظر کے کھوٹے سکے نہیں اُچھالتے تھے۔ اشاعتِ قرآن اور تبلیغ اسلام کے لئے نہ ان کے مالوں میں کمی آتی تھی نہ ہاتھ کوتاہ ہوتے۔ دیتے۔ بار بار دیتے اور دینے سے نہ تھکتے۔ حضرت امام الزمانؑ کے لائق احترام خادمو! تم نے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد نبھایا اور کیا خوب نبھایا۔ رب العزت نے بھی تمہیں عزت دی۔ اور تمہارے ناموں اور کاموں کو بقائے دوام بخشی۔ اللہ زمینوں اور آسمانوں کا نور ہے۔ اور اس کائنات میں اسی کے نور کا ظہور ہے انبیاءِ کرام اور رُسلِ عظام بھی نور لے کر آتے ہیں۔ اور گم گشتگانِ راہ کو نور سے حصہ دیتے ہیں تا وہ ضلالت اور گمراہی کی تاریکیوں سے نکل کر بحفاظت منزل کی طرف رواں دواں ہوں۔ اسی نور کی شمعیں خدا کے پاک بندوں کے آگے آگے ہوتی ہیں۔ تم بھی شمعِ نور ہاتھوں میں تھامے نورِ حق پھیلاتے رہے۔ دریغا آج ان شمعوں میں سے ایک اور شمع آج خاموش ہو گئی۔

شیخ عبدالعزیز صاحب مرحوم کی راستبازی کا ایک واقعہ ازدیاد ایمان کا موجب ہوگا۔ دورانِ ملازمت ان کے ایک متعصب غیر از جماعت رفیق کار نے اپنے حکام کو بھڑکایا کہ شیخ صاحب دفتر میں احمدیت کی تبلیغ کرتے ہیں اور زبانی گفتگو کے علاوہ اپنا لٹریچر بھی تقسیم کرتے ہیں۔ شیخ صاحب کی جواب طلبی ہو گئی اور کچھ لوگوں نے جھوٹے سچے بیان بھی دے دیئے۔ شیخ صاحب کو ایک دوست نے مشورہ دیا کہ آپ کہہ دیں کہ یہ سارا لٹریچر مجھے دفتر کے پتہ پر ہی آتا ہے۔ اور لوگ خود لے جاتے ہیں شیخ صاحب نے فرمایا یہ تو خلاف واقع ہے۔ میں چند روپوں کی ملازمت کی خاطر جھوٹ نہیں بولوں گا نہ ہی غلط بیانی کروں گا۔ ملازمت جاتی ہے تو جائے چنانچہ آپ نے صحیح واقعات بیان کر دیئے، ان دنوں آپ کے سپرنٹنڈنٹ بنائے جانے کی تجویز ہو رہی تھی مگر واہ رہے جوش ایمانی کہ جھوٹ بولنا گوارا نہ کیا۔ حضرت شیخ عبدالحق مناظر اسلام فرماتے ہیں، "شیخ عبدالعزیز صاحب نے عربی زبان سیکھ کر تیس سال تک شملہ اور اس کے اردگرد تبلیغ اسلام کا کام کیا ہے اور آجکل (یہ تحریر ۱۹۴۳ء کی ہے۔ ناقل) باوجود بوڑھا ہونے کے جوانوں کی طرح جماعت احمدیہ راولپنڈی کا کام بطور محاسب سر انجام دے رہے ہیں۔" ۴۴

ص ۱۴ "میری زندگی کے چند واقعات")

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا

مکرم جناب ماسٹر محمد عبداللہ صاحب آنریری مسلم مشنری سان فرانسسکو امریکہ۔

# ہالینڈ اسلامک مشن

## احمدیہ انجمن اشاعت اسلام نیدرلینڈ

ہالینڈ۔ نیدر لینڈ یورپ کے خوبصورت ترین ممالک سے ہے۔ یہاں کے شہروں کا پلین۔ خوبصورتی اور باغات کو دیکھ کر دل پر اچھا اثر ہوتا ہے۔ لوگ محنتی اور جفاکش ہیں۔ ایمسٹرڈم۔ ڈین ہیگ۔ یوٹریکٹ، اور نوٹرڈم ہالینڈ کے مشہور شہروں سے ہیں۔ یوٹریکٹ کا ریلوے اسٹیشن قابل دید ہے۔ جس سے دنیا بھر کا مشہور ستاپنگ سنٹر شروع ہو جاتا ہے ابھی تک اس کی توسیع کا کام ختم نہیں ہوا۔ جب مکمل ہو جاوے گا۔ تو یورپ اور امریکہ کے ریلوے اسٹیشن اس کے مقابلہ میں ماند پڑ جاویں گے۔ اس اسٹیشن کے نواح میں کھدائی کرتے ہوئے کھنڈرات ملے ہیں۔ جن سے پایا جاتا ہے کہ وہاں ایک مشہور قلعہ تھا۔ ان کھنڈرات سے کئی ایک چیزیں ملی ہیں۔ جو یہاں کے میوزیم میں رکھی گئی ہیں۔

پاکستان جاتے ہوئے خاکسار کی ملاقات مولینا عبدالرحیم جگو۔ الحاج جمن خان امام جماعت یوٹریکٹ اور ڈین ہاگ کی جماعت کے نمائندوں سے ایمسٹرڈم کے ہوائی اڈے پر ہوگئی تھی۔ پاکستان سے واپسی پر خاکسار نے بلجیم جانا تھا۔ لہذا مناسب خیال کیا کہ ایک روز کے لئے ڈین ہاگ ٹھہر جاؤں۔ لیکن جب خاکسار نے ڈین ہاگ پہنچکر مولینا جگو صاحب کو ٹیلی فون کیا تو آپ نے اپنے مکان پر خاکسار کی دعوت کر دی۔ اور اتوار ۱۴۔ جون کی شام کو ڈین ہاگ کی جماعت کے صدر اپنی موٹر پر خاکسار کو یوٹریکٹ (۵۰ میل) لے گئے۔

## استقبالیہ جلسہ

مولینا جگو صاحب کو خداوند کریم نے انتظامی معاملات میں خاص قابلیت بخشی ہے۔ اس قلیل نوٹس پر لوگوں کو بلانا۔ جلسہ کا انتظام کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہ آسکتا تھا کہ اس قلیل وقت کے اندر میرے لئے استقبالیہ جلسہ کا انتظام ہو جاوے گا۔

جونہی میرا داخلہ ایک پرانے گرجا کے ہال میں ہوا تو مولینا جگو صاحب کی بلند آواز سے "اسلام زندہ باد" "مولینا ماسٹر محمد عبداللہ زندہ باد" کے نعرے لگا اور پھولوں کے ہار پہنائے۔ چونکہ سفر سے کافی تکان تھی۔ اس لئے خاکسار نے صدر ایوب حسن محمد کی اجازت سے بیٹھ کر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد حاضرین کی تواضع کیک اور چائے سے کی گئی۔

اس موقعہ پر اعلان کیا گیا کہ بروز سنیچر شام کو (۱۹ جون) اسی ہال میں اور اتوار ۲۰ جون بعد دوپہر ڈین ہاگ میں جلسے ہوں گے جن میں خاکسار کی تقریریں اسلام پر ہوں گی۔

اتوار کی رات مولینا جگو صاحب کے مکان پر ٹھہرنے کے بعد خاکسار اگلے روز بلجیم چلا گیا جہاں میرا قیام چار روز ہوا۔ بلجیم میں مراکو۔ ٹیونس اور دیگر ممالک کے مسلمان ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔ میں اپنی رہائش کا بندوبست ایک ہوٹل میں کرنے والا تھا کہ ایک ٹیونس کے مسلمان نے مجھے اپنا مہمان بنا لیا۔ اور اس نے میری خاطر مدارت میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔

## مسجد کی تعمیر

برسلیز (بلجیم) میں ایک عالی شان مسجد زیر تعمیر ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ یہ مسجد اس سال کے اختتام پر پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گی۔ خاکسار کو ایک انجینئر حفاظتی ٹوپی پہنا کر مسجد کی عمارت کا اندرونی حصہ دکھانے کے لئے لے گئے۔ یہ مسجد اور مرکز اسلامیہ تین منزلوں میں سے گول شکل کا ہے اور ایک بلند منارہ ہے۔ اسی میں امام کے لئے فلیٹ۔ لائبریری روم اور کلاس روم وغیرہ ہیں۔ تیسری منزل پر وسیع ہال عید کے موقعہ پر نماز پڑھنے کے لئے ہے۔ اور پہلی منزل پر ایک چھوٹا ہال جمعہ نماز اور روزانہ نمازوں کے لئے ہے۔ مرکز کے موجودہ ڈائرکٹر اور امام ٹیونس کے ہیں۔ ان سے ملاقات ہوئی۔ لیکن نہ وہ اچھی طرح انگریزی بول سکتے تھے اور نہ میں اچھی طرح عربی بول سکتا تھا۔ اس مسجد پر ساڑھے چار ملین ڈالر خرچ ہونگے۔ اور یہ رقم سعودی عرب گورنمنٹ کے عطیہ سے پوری ہوگی۔

چونکہ سنیچر ۱۹ جون کو میرا لیکچر یوٹرکٹ میں ہونا تھا۔ اسی لئے میں ۱۸ جون کو بلجیم سے واپس آگیا۔ خدا کی شان ۱۸ کو صبح سے بارش شروع ہو گئی۔ اور یہ سلسلہ اتوار تک رہا۔ جس سے ڈر تھا کہ اس کا جلسہ کی حاضری پر برا اثر پڑے گا۔ لیکن خداوند کریم کے فضل سے لوگ دور دراز علاقوں سے آگئے اور حاضری پر چنداں اثر بارش کا نہ پڑ سکا۔

جلسہ کی مکمل رپورٹ غالباً مولینا جگو صاحب بھیج دیں گے۔ میری تقریر "قرآن کریم کی خصوصیات" پر ہوئی۔ جس کا خاصہ اثر پڑا۔ میں نے اپنی تقریر میں جماعت کو منظم طور پر کام کرنے کی تلقین کی اور بتایا کہ جماعت کے ہر ممبر کو ماہوار چندہ ادا کرنا چاہیئے۔

دوسرا جلسہ ڈین ہیگ میں ہوا۔ اس کی رپورٹ بھی مولینا جگو صاحب بھیج دیں گے۔ ہال حاضرین جلسہ سے بھرا ہوا تھا۔ خاکسار نے امریکہ میں تبلیغ اسلام پر روشنی ڈالتے ہوئے حاضرین کی توجہ ہالینڈ میں تبلیغ کی طرف دلائی۔ خاکسار کی تقریر سے قبل مولینا عبدالرحیم جگو نے خاکسار کا تعارف کرایا۔ اور مولینا بشیر احمد صاحب مبلغ اسلام نے احمدیہ تحریک پر تقریر فرمائی۔ جلسے کی صدارت کے فرائض نور سردار صاحب نے ادا کئے۔ الحاج جمن خان امام کی دعا کے بعد مجلس برخاست ہوئی۔ ہر دو جلسوں کے اختتام پر کیک اور چائے کا بندوبست کیا گیا۔

## مال غنیمت

ہماری جماعت کو ایک پرانے گرجے میں (جو عیسائیوں کی مذہبی غفلت اور بیزاری کی وجہ سے بند پڑا ہوا ہے) جلسے کرنے۔ جمعہ نماز پڑھنے اور دعوتیں کرنے کے لئے دو تین ہال مفت میں مل گئے ہیں۔ سالانہ کرایہ ایک روپیہ ہے۔ یہاں کی حکومت کا قانون ہے۔ کہ اگر کوئی مکان خالی پڑا ہو۔ تو اس کو اس فیملی کو دلایا جا سکتا ہے جو بے گھر ہو۔ مولانا عبدالرحیم جگو کی دور بین نگاہ نے اس قانون سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ آخر آپ اور آپکی جماعت اس میں کامیاب ہوگئی۔ اور آپ کو ایک کمرہ اور دو ہال نماز اور جلسوں کے لئے مل گئے۔ جماعت کے نوجوانوں نے ان کمروں کو خوبصورت بنانے کارپٹ بچھانے میں کافی کام کیا ہے۔ اور خرچ بھی کیا ہے۔

## جنرل سیکرٹری انجمن کا خط

خاکسار کے دوران قیام میں جناب سیکرٹری صاحب انجمن کا خط مولینا جگو صاحب کو موصول ہوا ہے جو نہایت حوصلہ افزا ہے۔ یہاں کی جماعتوں کو منظم کرنے کے لئے مالی امداد کی ضرورت ہے۔ لٹریچر کی بھی ضرورت ہے جس کے ذریعہ اشاعت و تبلیغ کے کاموں میں آسانیاں پیدا ہو جاویں گی۔ امید ہے انجمن اس کی طرف جلد توجہ دے گی۔ مولینا جگو صاحب نے جو کام اس ملک میں اس قدر قلیل عرصہ میں کیا ہے۔ وہ واقعی قابل داد ہے۔ آپکو خداوند کریم نے فطری طور پر مبلغ بنایا ہے۔ آپ اس فریضہ کے لے ہر وقت آمادہ نظر آتے ہیں۔ آپ نے مختلف نوجوانوں میں دلچسپی پیدا کرتے

(باقی بر صفحہ ۹ کالم ۲)

رپورٹ:- محمد بیدار صاحب کراچی

# کراچی میں جلسہ یوم وصال حضرت مسیح موعود علیہ السلام

مؤرخہ ۳۰ مئی ۱۹۶۷ء بوقت ۵½ بجے بعد نماز عصر جلسہ یوم وصال حضرت مسیح موعودؑ زیر صدارت جناب میاں رحیم بخش صاحب احمدیہ مسجد میں منعقد ہوا۔ تلاوت قرآن کریم کے بعد خاکسار نے درثمین سے حضور صلعم کی مدح میں حضرت صاحب کا نعتیہ کلام سنایا جس کا آخری شعر تھا ؎

اس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں + وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

نعت کے بعد شیخ عبدالحق صاحب مناظر اسلام نے تقریر فرمائی آپ نے کہا کہ حضرت مرزا صاحب نے نہ صرف اسلام کا غیر مذاہب کے حملوں سے بچاؤ کیا۔ بلکہ اس شدت سے ان پر حملے کئے کہ ان کو اپنی جان بچانا مشکل ہو گئی۔ آپ نے مختلف حوالہ جات سے بتایا۔ کہ آپ کی قوت مسیحائی کے آپ کے اشد ترین مخالف بھی معترف ہیں۔ آپ نے مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کی تفسیر کا حوالہ بھی سنایا جو کہ درج ذیل ہے۔

"اس زمانہ میں پادری لفرائے پادریوں کی ایک بہت بڑی جماعت لے کر اور حلف اٹھا کر ولایت سے چلا کہ تھوڑے عرصہ میں تمام ہندوستان کو عیسائی بنا لوں گا۔ ولایت کے انگریزوں سے روپیہ کی بہت بڑی مدد کے مسلسل وعدوں کا اقرار لے کر ہندوستان میں داخل ہو کر بڑا تلاطم برپا کیا.......... حضرت عیسےٰؑ کے آسمان پر بجسم خاکی زندہ موجود ہونے اور دوسرے انبیاء کے زمین میں مدفون ہونے کا حملہ عوام کے لئے اس کے خیال میں کارگر ہوا۔ تب مولوی غلام احمد قادیانی کھڑے ہوئے اور لفرائے اور اس کی جماعت سے کہا۔ کہ عیسےٰ جس کا تم نام لیتے ہو دوسرے انسانوں کی طرح فوت ہو کر دفن ہو چکے ہیں اور جس عیسےٰ کے آنے کی خبر ہے وہ میں ہوں۔ پس اگر تم سعادت مند ہو تو مجھ کو قبول کر لو۔ اس ترکیب سے اس نے لفرائے کو اس قدر تنگ کیا کہ اس کو اپنا پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا۔ اور اس ترکیب سے اس نے ہندوستان سے لیکر ولایت تک کے پادریوں کو شکست دے دی۔" (دیباچہ تفسیر مولوی اشرف علی تھانوی صفحہ ۳۰)

یہ بہت بڑا اعتراف ہے۔ کہ مسیح موعود علیہ السلام نے واقعی کسر صلیب کر دکھایا۔

جناب شیخ صاحب موصوف کے بعد میاں رحیم بخش نے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ آنحضرتؐ کا ایک نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور دوسرا نام احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جلالی نام ہے اور قرآن کریم میں چار مقامات پر آیا ہے:

(۱) ماکان محمدٌ ابا احدٍ من رجالکم ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔ (الاحزاب ۴۰)

محمد تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ لیکن اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے ختم کرنے والے۔

(۲) محمد رسول اللہ ۔ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعًا سجدًا یبتغون فضلًا من اللہ رضوانا سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود ط

محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو اس کے ساتھ ہیں۔ کافروں کے مقابلہ میں قوی اور آپس میں رحم کرنے والے اور تو انہیں رکوع کرتے ہوئے اور سجدے کرتے ہوئے دیکھتا ہے۔

(۳) ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل۔

نہیں مگر محمد اللہ تعالےٰ کے رسول ہیں اور ان سے پہلے تمام رسول فوت ہو چکے ہیں۔

(۴) والذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت بما نزل علٰی محمدٍ وھو الحق من ربھم۔ (سورۃ محمد آیت ۲)

اور جو لوگ ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں جو محمدؐ پر اتارا گیا وہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔

محمدؐ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جلالی نام ہے۔ اور جلالی صفات کا اظہار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی میں شروع ہوا۔ جس کے متعلق علامہ اقبال یوں کہتے ہیں ؎

ہو چکا گو قوم کی شانِ جلالی کا ظہور + ہے مگر باقی ابھی شانِ جمالی کا ظہور

تو آنحضرت کے بعد جلالی شان صدیوں تک قائم رہی اور جمالی زندگی جس کا اظہار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں ۱۳ برس تک ہوا۔

آپ نے فرمایا:- حضورؐ نے دشمنانِ دین کی سختیاں برداشت کیں اور صبر و استقلال کا وہ نمونہ دکھایا کہ دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ مگر احمد نام قرآن کریم میں صرف ایک جگہ ہے:-

واذ قال عیسےٰ ابن مریم یٰبنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقًا لما بین یدیّ من التوراۃ ومبشرًا برسولٍ یاتی من بعدی اسمہ احمد۔ (سورۃ الصف)

اور جب عیسےٰ بن مریم نے کہا۔ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں اس کی تصدیق کرتا ہوا جو میرے سامنے توریت سے ہے۔ اور ایک رسول کی خوشخبری دیتا ہوا جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہے۔

یہ نام احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا جمالی نام ہے۔ اور جمالی شان کا ظہور بقول علامہ اقبال ابھی باقی ہے۔ حضرت صاحب نے اس جماعت کا نام مسلمان فرقہ احمدیہ اسی جمالی نام پر رکھا ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں:-

"اس فرقہ کا نام مسلمان فرقہ احمدیہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو نام تھے ایک (۱) محمد صلی اللہ علیہ وسلم دوسرا احمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور اسم محمد جلالی نام تھا۔ اور اس میں یہ پیشگوئی مخفی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دشمنوں کو تلوار کے ساتھ سزا دیں گے۔ جنہوں نے تلوار کے ساتھ اسلام پر حملہ کیا اور صدہا مسلمانوں کو قتل کیا۔ لیکن اسم احمد جمالی نام تھا۔ جس سے یہ مطلب تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں آشتی اور صلح پھیلائیں گے۔ سو خدا نے ان دو ناموں کی اس طرح تقسیم کی کہ اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ کی زندگی میں اسم احمد کا ظہور تھا۔ اور ہر طرح سے صبر اور شکیبائی کی تعلیم تھی۔ اور پھر مدینہ کی زندگی میں اسم محمد کا ظہور ہوا۔ اور مخالفوں کی سرکوبی خدا کی حکمت اور مصلحت نے ضروری سمجھی۔ لیکن یہ پیشگوئی کی گئی تھی۔ کہ آخری زمانہ میں پھر اسم احمد ظہور کرے گا۔ اور ایسا شخص ظاہر ہوگا جس کے ذریعہ سے احمدی صفات یعنی جمالی صفات ظہور میں آئیں گی۔ اور تمام لڑائیوں کا خاتمہ ہو جائیگا۔ پس اسی وجہ سے مناسب معلوم ہوا کہ اس فرقہ کا نام احمدیہ رکھا جائے۔ تا اس نام کو سنتے ہی ہر ایک شخص سمجھ لے یہ فرقہ دنیا میں آشتی اور صلح پھیلانے آیا ہے اور جنگ اور لڑائی سے اس فرقہ کو کوئی سروکار نہیں۔ سو اے دوستو آپ لوگوں کو یہ نام مبارک ہو اور ہر ایک کو جو امن اور صلح کا طالب ہے یہ فرقہ بشارت دیتا ہے۔ نبیوں کی کتابوں میں اس مبارک فرقہ کی خبر دی گئی ہے۔ اور اسکے ظہور کے لئے بہت سے اشارات ہیں۔ زیادہ کیا لکھا جائے خدا اس نام میں برکت ڈالے۔ خدا ایسا کرے۔ کہ تمام روئے زمین کے مسلمان اس مبارک فرقہ میں داخل ہو جائیں تا انسانی خونریزیوں کا زہر بکلی ان کے دلوں سے نکل جائے اور وہ خدا کے ہو جائیں اور خدا ان کا ہو جائے۔ اے قادر کریم تو ایسا ہی کر۔ آمین۔" (تریاق القلوب)

از محترم مولانا عبدالرحیم جگو صاحب ہالینڈ

# ہالینڈ مشن

## ہالینڈ کی جماعت احمدیہ کا دورۂ جرمنی اور برلن میں نماز جمعہ کی ادائیگی

لندن کنونشن کے بعد ہالینڈ کی جماعت یورپ کی دیگر احمدی جماعتوں میں دورہ کرنے کا شوق رکھتی تھی۔ فیصلہ کیا گیا کہ برلن مسجد جس کا ہم پچاس سال سے شہرہ سن رہے تھے۔ اسے دیکھا جائے۔ اور ایک قافلہ کے ہمراہ جرمنی کا دورہ کیا جائے۔ چنانچہ ایک ہفتہ پہلے یہ پروگرام تیار ہو گیا۔ اور ہمارا ۴۹ افراد کا گروپ (بمعہ مستورات) ایک بس کے ذریعہ UTRECHT شہر سے ویسٹ جرمنی کو روانہ ہو گیا۔ راستہ میں ہالینڈ کے بارڈر سے گذر کر ایسٹ جرمنی اور پھر ویسٹ جرمنی کے بارڈر سے گذر کر ہم برلن پہنچ گئے ہر جگہ پاسپورٹ دکھانے کی ضرورت پڑتی تھی۔ چونکہ مولانا یحییٰ بٹ صاحب اپنی واپسی پر فون کے ذریعہ ہمارے ساتھ بات چیت کر چکے تھے۔ اس لئے وہ ہمارے منتظر تھے۔ ہماری بس سیدھی مسجد پہنچی۔ امام مسجد صاحب نے دوستوں سے مل کر بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ ایک ایک پیالی چائے پینے کے بعد مسجد دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ چونکہ مسجد نئے سرے سے مرمت کی جا رہی ہے۔ اس لئے اس کی خوبصورتی باہر سے نظر نہیں آتی۔ پھر بھی ہالینڈ کی جماعت کے احباب پر احمدیہ انجمن (اشاعت اسلام لاہور) کے کارناموں کا ایک بڑا عمدہ اور اچھا اثر پڑا۔ اور اسلام کا اتنا بڑا عظیم الشان مرکز یورپ کے اس ملک میں دیکھ کر ایمان تازہ ہوا اور اسی اثر کے تحت قافلہ کے ہر ممبر نے اپنے سفری اخراجات سے کچھ نہ کچھ بچا کر برلن مشن کو عطیہ دیا مسجد دیکھنے کے بعد احباب نے ہوٹل میں آ کر آرام کیا۔ پھر صبح پروگرام کے مطابق برلن شہر کا دورہ کیا گیا۔ جمعہ کا دن تھا اور مسجد کے زیر مرمت ہونے کے باعث مسجد میں نماز نہیں پڑھی جا سکتی تھی۔ چنانچہ مسجد سے ملحقہ مکان میں امام مسجد صاحب کی اقتداء میں نماز جمعہ ادا کی گئی۔ امام صاحب کا خطبہ بڑا مؤثر اور دلنشین تھا۔ اور اس کا دوستوں پر بڑا خوشگوار اثر پڑا۔

دوسرے دن ہم مغربی برلن کا چکر لگانے کے بعد حصہ مشرقی برلن (روسی حکومت) دیکھنے گئے۔ بعد ازاں پھر مسجد کی طرف لوٹے۔ امام صاحب نے سب دوستوں کی دعوت کی۔ گرمی کی شدت کے باعث باہر کرسیاں بچھا کر ہم سب بیٹھ گئے۔ ہمارے ساتھ واپسی پر چند جرمن طلباء بھی آ گئے تھے۔ انہیں بھی ساتھ بٹھایا گیا۔ مسجد کے باغ میں اسلام کے مختلف مسائل پر گفتگو ہوتی رہی، جرمن طلباء نے جس میں بڑی دلچسپی لی۔ چونکہ علی الصبح واپسی کی تیاری کرنی تھی۔ اس لئے ہم امام صاحب اور دیگر احباب سے رخصت ہو کر مسجد سے ہوٹل میں آ گئے اور واپسی کی تیاری شروع کر دی۔ صبح آٹھ بجے ہمارا قافلہ بس کے ذریعہ برلن سے واپس روانہ ہو گیا اور اسی دن ہالینڈ کے شہر یوترخت میں (۹ بجے) پہنچ گیا۔ ہمارے ساتھ دو اہلسنت والجماعت دوست بھی تھے۔ دونوں نے برلن مسجد دیکھ کر کہا تھا کہ "یہ کام خدا کا ہی ہے اور ایک معجزہ ہے جسے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام نے کر دکھایا ہے"۔ ان دوستوں پر مسجد دیکھنے کے بعد یہ اثر ہوا ہے کہ وہ احمدیوں کو اسلام کا سچا خادم سمجھنے لگے ہیں اور برملا کہتے ہیں کہ سنی سنائی باتوں سے نہیں بلکہ مشاہدہ سے حقیقت حال کا پتہ چلتا ہے۔ دونوں نے مسجد کی تصویریں بھی لیں تا کہ احمدیوں کے متعلق بدگمانی پھیلانے والوں کو دکھائی جا سکیں۔ یورپ میں اتنا بڑا خدا کا گھر کھڑا دیکھ کر ہر شخص متاثر ہو کر کہنے لگا کہ واقعی یہ ایک حیرت انگیز بات ہے۔ بے شک کبھی یورپ اسلام قبول کرے گا۔ واپسی کے بعد بھی برلن مسجد کی عظمت کا احساس رہے۔ جزاک اللہ۔ ہماری کوشش ہے کہ ہم جرمن، ہالینڈ اور انگلینڈ کی جماعتوں اور مرکزی انجمن میں ایک مضبوط رابطہ قائم کریں [illegible]

---

# ہماری معزز بہنوں کا جذبۂ ایثار

## مکرم جناب ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب کی معرفت

### دو پیڈسٹل فینز کا عطیہ

## مسجد دارالسلام کی ضرورت پوری ہوگئی

مستورات کی مال سے محبت ضرب المثل ہے۔ مگر یہ کتنی خوشگوار اور وجد آفرین حقیقت ہے کہ زر پرستی کے اس زمانہ میں ہماری معزز احمدی بہنیں مردوں سے بھی بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کر رہی ہیں۔ قارئین کرام نے ۲۳ جون کے شمارہ میں یہ خبر پڑھی ہوگی کہ انگریزی ترجمۃ القرآن فنڈ میں ایک خاتون نے ایک ہزار روپیہ مکرم جناب ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب کے ذریعہ جمع کرایا ہے۔ اور اب مسجد دارالسلام کو پیڈسٹل فینز کے لئے بھی مبلغ ایک ہزار روپیہ ہماری معزز بہن بیگم رضیہ مدد علی صاحبہ نے حضرت ڈاکٹر صاحب موصوف کی وساطت سے ہی خود بخود عطیہ دیا ہے

جزاها الله احسن الجزاء

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری اس بہن کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

---

## ایک اور عطیہ

ملتان سے محترمہ بیگم میاں نثار احمد صاحب نے بھی مسجد احمدیہ کے لئے چھت کا ایک پنکھا ارسال فرمایا ہے (جناب میاں نثار احمد صاحب جماعت ملتان کے صدر ہیں) جو مسجد دارالسلام میں لگا دیا گیا ہے۔

فجزاها الله احسن الجزاء (ایڈیٹر)

---

## ہالینڈ اسلامک مشن۔ بقیہ صـ

کے لئے مختلف امور ان کے ذمہ لگا دیئے ہیں۔ آپ انجمن کے عہدہ دار بننا پسند نہیں کرتے اور نہ ہی انجمن کے عہدہ دار ہیں لیکن انجمن کے عہدہ دار آپ کی تجاویز پر عمل کرتے ہیں۔ آپ کا جماعت میں اچھا وقار ہے۔

### برلن کا سفر

مولانا جگو صاحب نے ایک قافلہ برلن مسجد کی زیارت کا سلسلہ [illegible] جو پچاس زن و مرد پر مشتمل ہوگا۔ کرایہ بس۔ ہوٹل۔ خوراک [illegible] آج مولانا محمد یحییٰ صاحب امام مسجد برلن کا ٹیلیفون آیا ہے کہ آپ پاکستان سے واپس برلن آ گئے ہیں۔ اس سے ان کی صحت اور جلد ہوگا [illegible] میں مسجد کا دروازہ کھلا ہوگا۔ اور وہ نماز جمعہ وہاں ادا کر سکیں [illegible] مختلف شہروں سے خاکسار کو دعوتیں مل رہی ہیں اور لوگ مولانا جگو صاحب کو ٹیلیفون کر رہے ہیں کہ میں چند روز مزید یہاں قیام کروں [illegible]

(باقی بر صـ۱۱ کالم ۲)

جناب عزیز کاشمیری ایڈیٹر روشنی سرینگر کشمیر

# حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سفرِ کشمیر

## راج ترنگنی کی نشان دہی

پھول کی پتّی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر + مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

کشمیر سے متعلق تواریخ میں کلہن پنڈت کی راج ترنگنی کو اہم اور خاص مقام حاصل ہے۔ جب بھی کشمیر کے کسی واقعہ کا ذکر چھڑ جاتا ہے تو اکثر و بیشتر اشخاص جھٹ پوچھنے لگ جاتے ہیں کہ راج ترنگنی میں اس بارے میں کیا کچھ آیا ہے اگرچہ ان کے پسِ منظر میں صرف جذبات و احساسات اور عقیدت ہی کارفرما ہوتی ہے جو انہیں راج ترنگنی سے متعلق ذہنوں میں مرتسم ہوئی ہوتی ہے۔

راج ترنگنی کا مصنّف پنڈت کلہن ہے۔ جس کا باپ چمپک راجہ ہرش دیو (۱۰۸۹ـ۱۱۰۱ء) کا وزیر تھا۔ ہرش دیو کا ایک بغاوت کے دوران کام تمام ہوا۔ اور چمپک نے ہرش دیو کے قتل کے بعد کہیں ملازمت نہیں کی۔ اس کی جائے رہائش پریہاس پور تھی اس کلہن کی جائے پیدائش بھی وہی بیان کی جاتی ہے۔ دونوں باپ بیٹے شیو کے بھگت تھے۔ اس طرح سے کلہن پنڈت آسودہ حال گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ مؤرخ ہونے کے علاوہ شاعر بھی تھا۔ اس لئے راج ترنگنی افسانوی انداز میں نظم میں تحریر کی گئی آٹھ سو سالہ پرانی تاریخ ہے۔ جو شاعرانہ مبالغہ سے پُر ہزاروں سال پہلے راجاؤں کی کہانیوں پر مشتمل ہے۔

ترنگ لہر کو کہتے ہیں۔ راج ترنگنی کے معنی ہیں "شاہی خاندانوں کو اُتار چڑھاؤ" یا "بادشاہوں کا دریا"۔ یہ سنسکرت زبان میں ۱۱۴۸ء سے ۱۱۵۰ء تک کے دوران لکھی گئی ہے اور ہزاروں سال کے تاریخی واقعات پر مشتمل ہے۔ ابتدائی حصّہ، مختصر اور افسانوی طرز کا ہے اور خود کلہن کے بیان کے مطابق غلطیوں سے مبرّا نہیں ہے۔ (۱:۱۳) مختلف مقامات پر متن میں نقائص ہیں۔ اور ۷۱۲ء سے ۷۱۵ء تک کے واقعات گمشدہ ہیں۔ (صفحہ ۴۱۸)

راج ترنگنی کے کئی تراجم شائع ہو چکے ہیں۔ جن میں سر اورل شائن (۱۹۰۰) کا ترجمہ قابلِ ذکر ہے۔ لیکن اس ترجمے کے بعد شری رنجیت سیتارام پنڈت نے ۱۹۳۴ء میں راج ترنگنی کا انگریزی ترجمہ کیا۔ جس کا تعارف پنڈت جواہر لال نہرو نے لکھا ہے۔ یہ ترجمہ مستند مانا جاتا ہے جو پہلے ۱۹۳۵ء میں اور پھر دوسری بار ساہتیہ اکیڈمی نیو دہلی کی طرف سے ۱۹۶۸ء میں شائع ہو گیا ہے۔ اس لئے یہی ترجمہ اس وقت ہمارے پیشِ نظر ہے۔

عام طور پر جب تاریخی اہمیت کا حامل یہ سوال اٹھتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کشمیر آئے ہیں۔ اور سرینگر ہی میں مدفون ہیں تو بعض لوگ فوراً پوچھنے لگتے ہیں کہ پنڈت کلہن کی راج ترنگنی میں اس کے بارے میں کیا کچھ آیا ہے؟ سو ایسے لوگوں کے اطمینان کے لئے ہم راج ترنگنی کا جائزہ لیتے ہیں:۔

چنانچہ کشمیر کی اہمیت کے پیشِ نظر پنڈت نہرو کتاب کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں کہ:۔

"کشمیر ـــ مختلف ایشیائی تمدّنوں، مغربی یونان و روم، ایران اور مشرقی منگولیا کے تمدّنوں کا مرکز رہا ہے"۔ (صفحہ ۷۱۱)

اس کے بعد مترجم کتاب کے دیباچہ میں رقمطراز ہے کہ:۔

"ہندوستان میں آریوں نے یونانیوں کی طرح قدرتی تصورات کو اشکال کی صورت میں پیش کیا"۔ (صفحہ XXIII)

پنڈت کلہن راج ترنگنی کے ابتدائی مقدمے ہی میں لکھتا ہے کہ:۔

"یہ وہ ملک ہے جسے چکر آبھٹ، وجیسا، ادی کیسوا، اور عیسانا نے زینت بخشی ہے۔ یہاں کوئی ایسا خطہ نہیں ہے جس پر تخم کنجد چھا جائے گا۔ کشمیر۔ ایسی سرزمین ہے جسے روحانی طاقت ہی سے فتح کیا جا سکتا ہے۔ مسلح فوجیوں کی بدولت نہیں۔ یہاں کے باشندے زیادہ تر عقبیٰ کے مواخذہ سے ڈرتے ہیں۔ یہاں سردیوں میں نہانے کو گرم پانیوں کے چشمے ہیں۔ دریا کے کناروں پر آرام دہ مکانات ہیں۔ یہاں کے دریا خونخوار جانور کے بغیر اور خطروں سے خالی ہیں۔ یہاں خالق کائنات کی پیدا کردہ زمین چونکہ گرمی کی شدّت برداشت نہیں کر سکتی۔ اس لئے تمازتِ آفتاب کو بھی اس کا احترام ہے۔ اور وہ گرمیوں میں بھی نرمی روا رکھتا ہے۔ علم، بلند مکانات، زعفران، ٹھنڈا پانی انگور وغیرہ جو یہاں وافر ہیں۔ جنّت میں بھی ملنے مشکل ہیں"۔

(ترنگ ۱: ۳۸ـــ۴۲)

ازاں بعد ایرانیوں، یونانیوں کے علم و ادب، تہذیب و تمدّن اور فنِ تعمیر کا کتاب میں جگہ جگہ ذکر کیا گیا ہے اور لکھا ہے کہ:۔

"یونانیوں کو ملیچھ کہا جاتا تھا"۔ (صفحہ ۲۱)

"مارتنڈ مندر کو یونانیوں کے مندر کے مشابہ و مثل قرار دیا گیا ہے"۔ (صفحہ ۲۲، ۱۳۵، ۳۲۱)

ہارون کی پہاڑی پر برآمد شدہ قدیمی ٹائلوں کو یونانی طرز کی اور ان پر کندہ بعض اشکال کو پومپیائی طرز کی قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح سے اُن یکطرفہ ذہنیت کے افراد کا منہ بند کر دیا گیا ہے۔ جو حقیقت کے برخلاف انہیں بدھ مت کے آثار میں سے قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح اونتی پورہ کے کھنڈرات کو بھی یونانی فنِ تعمیر کا نمونہ قرار دیا گیا ہے۔ (صفحہ ۱۸۵)

کھراستھی کو آرامی زبان کے رسم الخط میں سے قرار دیا گیا ہے۔ جو ہند میں شاہ دارا (داریوس) ۵۲۲ـ۴۸۶ ق۔م) کے عہدِ حکومت میں رائج ہوا جبکہ گندھارا اور مغربی پنجاب ایرانیوں کی عملداری میں تھا۔ (صفحہ ۴۷۹)

لفظ گنجو (خزانچی) اصل میں ایرانی ہے۔ نیز لکھا ہے کہ سورج کی پوجا کرنے میں ایرانی اور ہندوستانی آریہ یکساں ہیں۔ البیرونی نے بھی اعتراف کیا ہے کہ یونان اور ہندوستان میں مُردوں کو جلانے کی رسم یکساں ہے۔ (صفحہ ۵۱۳) اور کشمیر کی سرحدات پر پہرہ رکھا جاتا تھا۔ اور صرف یہودیوں کو داخلہ کی اجازت تھی۔ (صفحہ ۵۳۲) گوشت اور چاول پکا کر پلاؤ بنانے کی رسم قدیم آریوں کی ہے۔ جسے مغربی ممالک اور ترکی میں پلاؤ کہا جاتا ہے (صفحہ ۵۳۸) برہمن گوشت کا استعمال شوق سے کیا کرتے تھے (صفحہ ۵۵۵) کشمیر کے زن و مرد موسمِ گرما و سرما میں بالکل ننگے سویا کرتے تھے (صفحہ ۵۵۶) شیشے کانچ کے لئے سنسکرت لفظ کاسا (KACA) عبرانی لفظ کاس (KAS) سے لیا گیا ہے۔ (صفحہ ۲۷۷) ہندوکش اور کافرستان کے باشندے یونانی نسل کے ہیں (صفحہ ۶۳۱) سوات کے حکمران سکندر اعظم کی اولاد میں سے ہونے کے مدعی ہیں اور مسٹر بینی ڈکٹ گوز (BAN DICT GOES) کے بیان کے مطابق کافرستان کے باشندے دراصل عیسائی تھے۔ (صفحہ ۶۳۱)

چوتھے ترنگ کے شعر ۴۹۶ میں لکھا ہے کہ بادشاہ جیوپیڈ نے شاعر دامودر گپتا کو سیاسی مشیروں میں خاص وزیر بنایا۔ جس طرح بالی نے سوکرا کو مقرر کیا۔ بالی اسوریہ کا بادشاہ تھا۔ (صفحہ ۱۶۳)

وتستا۔ سنسکرت میں دریائے جہلم کا نام ہے جو اب بھی کشمیر میں مروّج ہے۔ پرتگیزی پادری جو اکبرِ اعظم کے ساتھ کشمیر گئے انہوں نے اس دریا کا نام بھجبیت رکھا۔ قدیم یونانی وتستا کو ہیڈسپس یا ہائیڈسپس کے نام سے جانتے تھے (۱۰:۱۱)

ان سب توجیہات کے بعد ہم نے دیکھنا اور غور کرنا ہے کہ یہ کونسی معتبر ہستی ہے جس کا ذکر کلہن نے تاریخ کے آغاز ہی میں عیسانا کے نام سے کیا ہے۔ کہ اس نے اس سرزمین کو زینت بخشی ہے۔ چنانچہ کتاب کے دوسرے ترنگ میں ایک واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ:۔

"سندھی متی کو ۳۷ سال کی عمر میں سُولی دی گئی۔ تب اس کا گرو عیسانا بے قابو ہوگیا۔ باوجودیکہ اس نے اپنے نفس پر مکمل قابو پایا تھا۔ وہ جنازہ گاہ پر چلا گیا۔ اس کے ماتھے پر خالق کی اس رموزی شلوک کو پڑھا۔

"عمر بھر غربت، دس سالہ قید، سُولی پر موت اور پھر اس کے بعد حکمرانی"

اس نے سوچا کہ تین دَور تو پُورے ہو گئے ہیں۔ چوتھا کیسے پُورا ہوگا۔ پھر وہ خدا کی عظمت اور معجزات کا قائل ہو گیا۔ جس نے کئی دوسرے افراد کو دوبارہ زندگیاں دیں۔ اسی خیال میں ایک رات عیسانا کو معجزہ کی خاطر نیند اُچاٹ ہوگئی۔ رُوحانی خوشبو کو سُونگھا اُس نے دیکھا کہ سُولی پر سے لاش لے لی گئی ہے۔ عیسانا ننگی تلوار ہاتھ میں لئے جنازہ گاہ کی طرف گیا۔ اور ایک درخت کی آڑ میں اس نے دیکھا کہ لاش کے سارے اعضاء کو جوگنیاں جوڑ رہی ہیں۔ سندھی متی کی رُوح وہاں بھٹکتی پھرتی تھی۔ اس کو جوگنیوں نے یوگ کے ذریعہ تالو میں کو کے لاش میں ڈال دیا۔ پھر اسے رُوحانی ادویات سے مالش کی گئی اور وہ زندہ ہو گیا۔ جیسے نیند سے بیدار ہو گیا۔ اور وہ (جوگنیاں) اس سے محبت کرنے لگیں۔ اُلجھن میں پڑا ہوا عیسانا ڈر گیا کہ چونکہ رات ختم ہو رہی ہے اس لئے کہیں جوگنیاں پھر سے جوڑے گئے اعضاء کو ساتھ نہ لے جائیں۔ اسی نے آگے بڑھ کر زور سے آواز دی۔ جیسے سنتے ہی یہ دیویاں بھاگ گئیں اور بھاگتے ہوئے بولیں:

ڈرو نہیں! اے عیسانا۔ ہم اس کے اعضا نہیں لے جائیں گے۔ اور اس پخنے ہوئے محبوب کو قریب نہیں دیں گے۔ یہ ہمیشہ ہمارا چیدہ محبوب رہا ہے۔ اسے روحانی جسم دیا گیا ہے۔ یہ زمین پر سندھیمان کے نام سے مشہور ہوگا اور اپنی نیکی اور علمی کی بدولت آریہ راجہ بھی کہلائے گا۔

سندھیمان کو اپنی یادداشت عود کر آگئی۔ اور گرو کو سلام کیا۔ عیسانا نے اسے گلے لگایا۔ اس واقعہ کا ذکر سُن کر سرینگر کے باشندے جوان اور بوڑھے سب حکام سمیت موقع پر آ گئے۔ اور جو اسے پوری طرح شناخت نہ کر سکے۔ انہیں اس نے معقول سوال پوچھ پوچھ کر مطمئن کیا۔ پھر گرو کے اصرار پر اس نے حکومت قبول کی۔ اور اپنے گرو عیسانا کے نام پر ایشہ براری قائم کی۔" (۲:۱۴۳)

قارئین کرام کے لئے قابل غور امور یہ ہیں کہ:۔

(۱) ساری راج ترنگنی میں ایک ہی مصلوب شخص کے جی اُٹھنے کا یہی ایک واقعہ مرقوم ہے جو حضرت مسیح ناصری کے واقعہ صلیب کے ساتھ مطابقت و مشابہت رکھتا ہے۔ اس واقعہ کے سلسلہ میں ایک دفعہ نہیں بلکہ برابر آٹھ بار زاہد و عابد، پرہیزگار، نفس پر قابو یافتہ گرو عیسانا کا نام استعمال ہوا ہے۔

(۲) انجیل میں حضرت مسیح کے صلیب دینے کے وقت کی عمر زاید از ۳۳ سال بیان کی گئی ہے۔ یہاں سندھیمان کی عمر ۳۷ سال بیان کی گئی ہے۔ (ترنگ ۲:۸۱)

(۳) حضرت مسیح کو صلیب سے اتارنے کے بعد نکودیمس وغیرہ مرہم کی مالش کرتے ہیں۔ عود اور مُر کی خوشبو دیتے ہیں۔ یہاں بھی سندھیمان کے جسم کو روحانی ادویات کی مالش کی جاتی ہے اور خوشبویات دی جاتی ہیں۔ (۲:۱۰۷ و ۲:۱۲۲)

(۴) حضرت مسیح غار میں بے ہوشی کے بعد ہوش میں اس طرح آ گئے گویا نیند سے بیدار ہو گئے (دیکھئے واقعہ صلیب کی چشمدید شہادت) اور یہاں بھی ایسی ہی کیفیت ہے۔

(۵) حضرت مسیح بھی خدا کے چیدہ محبوب اور نرمی و حلیمی کے شہزادہ تھے اور یہاں بھی یہی الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

(۶) حضرت عیسیٰؑ کے جی اُٹھنے کے بعد اس کے پیرو شک میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ کیا یہ عیسیٰ مسیح ہی ہے تو وہ ان کو اپنے زخم بطور شہادت پیش کرتے ہیں اور کھانے کو کچھ مانگتے ہیں۔ یہاں بھی سندھیمان کی شناخت میں شک کرنے والوں کو معقول سوال و جواب سے مطمئن کیا جاتا ہے۔

چونکہ پنڈت کلہن نے ہزاروں سال پہلے کی کہانیوں کو نظم میں پیش کیا ہے اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ واقعات غلط ملط اور اُلٹ پلٹ ہو گئے ہیں۔ سندھیمان اور عیسانا کے واقعات غلط ملط ہو گئے ہیں۔ اور چونکہ وہ خود اپنے والد چمپک کی طرح شیو کے پرستار تھے اور (راماین، مہابھارت) اور دوسرے ہندو لٹریچر سے متاثر تھے اس لئے اپنے انداز میں ہر نیک شخص کو بھی شیو کے پجاری میں سے قرار دیتا ہے۔ بایں ہمہ حضرت عیسیٰ کے نام مبارک اور حالات و واقعات کے نشانات و علامات بدرجہ اتم ان کی تصنیف راج ترنگنی میں موجود ہیں۔ اور اس زمانہ کو بھی راجہ گوپادت کا عہد قرار دیا گیا ہے۔ (۲:۱۴۵)

اسی طرح ترنگ ۱:۱۲۲ میں بتایا گیا ہے کہ عیسانا نے ماؤں کے پیکر (شیو کی دیویاں) بنائیں جو روحانی قوت سے تابندہ تھیں۔

دوسری جگہ عیسانا چندرا کو ایک حکیم قرار دیا گیا ہے (ترنگ ۴:۲۱۶)

پھر ایک اور جگہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ:۔

"اس وقت یسوع راجہ بیرون ملک سے آیا۔ اور اسے بادشاہ نے گورنر کے عہدہ پر مقرر کیا" (۸:۱۱۷)

راج ترنگنی کوئی باقاعدہ تاریخی کتاب نہیں ہے بلکہ راجاؤں کی کہانیاں نظم میں بیان کی گئی ہیں اور یہ کلہن پنڈت کا عظیم ترین کارنامہ ہے جس نے یادداشت کے طور پر ہزاروں سال کے سنے سنائے واقعات کو نظم میں مربوط کر کے پیش کیا ہے۔ خواہ اس میں مبالغہ، ناقص تحقیق ہوئی ہو۔ اور تاریخی ربط اور تسلسل قائم نہ رہا ہو۔ اور بعض واقعات گمشدہ بھی ہوں۔ اس کے باوجود وہ کشمیر میں حضرت عیسیٰ کے بارے میں جس قدر نشاندہی کر چکے ہیں وہ محققوں، متلاشیوں اور حق شناسوں کے لئے کافی سے زیادہ ہے۔

## (ہالینڈ اسلامک مشن سلسلہ صفحہ ۹)

میں نے ہالینڈ میں اپنی سیٹ کل ۲۳ جون کے لئے ریزرو کرائی ہے۔ ۲۹ جون کو واپس جانا تھا۔ یہاں کے احباب کے اصرار پر ایک ہفتہ اور رہنا پڑا۔ ہماری جماعت کے بزرگوں کو چاہیئے کہ وہ بیرون ملک کی جماعتوں کا دورہ کیا کریں۔ اس سے جماعتوں میں سپرٹ پیدا ہوتی ہے۔ اور تبلیغی امور ترقی پذیر ہوتے ہیں۔ یہاں کے حلقۂ احباب کو یہ معلوم کر کے خوشی حاصل ہوتی ہے کہ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ماہ اگست ۱۹۷۶ء میں لندن کے دورہ کے بعد ہالینڈ تشریف لائیں گے۔ خداوند کریم ڈاکٹر صاحب موصوف کو توفیق بخشے کہ آپ اپنے قیمتی اوقات میں بیرون ممالک کے احباب کو ملاقات کا شرف بخشیں۔ والسلام

رپورٹر

# بتقریب یوم وصال حضرت مسیح موعودؑ

## مکرم زاہد جنجوعہ صاحب کی مفصل تقریر

جو آپ نے جلسہ منعقدہ مؤرخہ ۳۰ر جون ۱۹۷۶ء کے موقع پر جامع دارالسلام ہو میں کی۔

"مجھے جناب ناصر احمد صاحب کی طرف سے یہ حکم ملا کہ مجھے بھی حضرت مسیح موعودؑ کے یوم وصال پر کچھ عرض کرنا ہے۔ وقت کی قلت کے باوجود میں نے اسے اپنی خوش نصیبی سمجھا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدموں پر نچھاور کرنے کے لئے عقیدت و محبت کے یہ چند پھول لایا ہوں جو پیش خدمت ہیں"۔

زاہد جنجوعہ صاحب نے فرمایا:۔

جناب صاحب صدر معزز خواتین و حضرات!

جس طرح اللہ تعالےٰ نے انسانی روحوں کے لئے آپ کو روحانی معالج بنا کر بھیجا تھا، اسی طرح آپ جسمانی بیماروں کے لئے بھی ایک بڑے طبیب تھے۔ ہزاروں انسان آپ کے دستِ شفا کی برکت سے صحتیاب ہوئے۔

آپؑ نے اپنے گھر پر ہی ایک مطب قائم کیا ہوا تھا جس میں حاجت مند حاجت براری کے لئے حاضر ہوتے اور اس طرح آپ کے قیمتی وقت کا بہت سا حصّہ مریضوں کی دیکھ بھال میں صرف ہوتا۔ ایک دفعہ بہت سی خواتین حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ سے دوا طلب کی۔ آپ انکی طرف متوجہ ہوئے تو اس میں قریباً ۳ گھنٹے لگ گئے۔ جب آپ فارغ ہوئے تو حضرت مولنا عبدالکریم صاحب نے جو آپ کے پاس موجود تھے فرمایا:۔

"حضرت یہ تو بڑی زحمت کا کام ہے آپ کا بہت سا قیمتی وقت ضائع ہو جاتا ہے"

اس پر آپ مسیحِ وقت کا جواب سنئے۔ حضورؑ نے فرمایا:۔

"بھئی یہ بھی دینی کام ہے یہ مسکین لوگ ہیں یہاں کوئی ہسپتال نہیں ہے۔ میں نے ان لوگوں کے لئے بہت سی انگریزی اور یونانی ادویات منگوا کر رکھ چھوڑی ہیں جو بوقت ضرورت کام آ جاتی ہیں۔ ایک مؤمن کو ان کاموں میں سست اور بے پرواہ نہیں ہونا چاہیئے۔"

جب حضرت مسیح موعودؑ کی آواز اکنافِ عالم میں پہنچی تو سعید روحیں دیوانہ وار لپکتی ہوئی آئیں۔ آپ کے اوپر ایک وقت یہ بھی تھا:

میں تھا غریب و بیکس و گمنام بے ہنر ✦ کوئی نہ جانتا تھا کہ ہے قادیان کدھر
اب دیکھتے ہو کیسا رجوعِ جہاں ہوا ✦ اک مرجعِ خواص یہی قادیاں ہوا

مگر ربّ العزت نے اپنے وعدہ کے مطابق آپ کو گوشۂ گمنامی سے نکال کر وہ شہرت عام اور بقائے دوام بخشی کہ آپ کا پیغام اور نام زمین کے کناروں تک پہنچا اور خدا تعالےٰ نے آپ کو اپنی زندگی میں ہی ایسی قبولیت بخشی کہ لوگوں کی کثرت آمد و رفت کی وجہ سے سڑکوں اور رستوں میں گڑھے پڑ گئے اور یہ سلسلہ تواتر سے قائم رہا کہ طالبانِ حق کے آرام اور قیام و طعام کے لئے ایک مہمان خانہ کی بنیاد ڈالنا پڑی۔ باوجودیکہ یہ مہمان خانہ موجود تھا مگر ایسے کئی واقعات سننے میں آئے ہیں کہ حضرت اپنے گھر سے کھانا پکوا کر خود اٹھا کر لے آتے تھے۔ اور مہمانوں کی دلجوئی کرتے اور انہی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے۔ رات دن تصنیف و تالیف کے کام میں مصروف رہتے تھے۔ اس کے لئے سخت دماغی محنت کی ضرورت تھی۔ دو زرد چادروں میں تو آپ پہلے ہی لپٹے ہوئے تھے پھر اوپر سے دماغی محنت و مشقت اس سوچ و فکر کی مدت سے آپ کی ہڈیاں تک پگھلی جاتی تھیں۔ ایسے میں آپ کی صحت برقرار رکھنے کے لئے اچھی غذا کی ضرورت تھی۔ مگر آپ کے لئے کسی خاص غذا کا کوئی اہتمام نہ تھا بلکہ آپ سادہ سی اور عام غذا کھا کر بھی اپنے کام میں محو رہتے بلکہ بعض اوقات وہ بھی کھانا بھول جاتے۔ کہتے ہیں جن دنوں امرتسر میں ڈپٹی عبداللہ آتھم سے مباحثہ ہو رہا تھا ان دنوں ایک رات بہت سے احباب آپ کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کے سر میں میٹھا میٹھا سا درد محسوس ہو رہا تھا ایسے میں منشی عبدالحق صاحب کمال محبت سے گویا ہوئے اور بیماری کی بابت پوچھنا شروع کیا اور کہا:۔

"حضرت آپ کا کام بہت نازک ہے اور آپ کے سر پر بھاری فرائض کا بوجھ ہے آپ کو چاہیئے کہ صحت کا خیال رکھا کریں اور ایک خاص مقوی غذا لازماً آپ کے لئے ہر روز تیار ہونی چاہیئے۔"

حضرت صاحب فرمانے لگے:۔

"ہاں بات تو درست ہے اور ہم نے کبھی کبھی کہا بھی ہے مگر عورتیں کچھ اپنے دھندوں میں ایسی مصروف ہوتی ہیں کہ اور باتوں کی بالکل پرواہ نہیں کرتیں۔"

منشی صاحب کہنے لگے:۔

"اجی حضرت آپ ڈانٹ ڈپٹ کرتے نہیں کہتے اور رعب پیدا نہیں کرتے۔ میرا یہ حال ہے کہ میں کھانے کے لئے خاص اہتمام کرتا ہوں اور کیا مجال ہے جو میرا حکم ٹل جائے اور میرے کھانے کے اہتمام خاص میں کوئی سرِ مُو فرق آ جائے ورنہ ہم دوسری طرح خبر لے لیں"۔

اس پر حضرت مولنا عبدالکریم صاحب بے اختیار بول اٹھے کہ منشی صاحب ٹھیک ہی تو کہتے ہیں، حضور کو بھی چاہیے کہ درشتی سے یہ امر منوائیں یہ بات سن کر حضرت صاحب نے ان کی جانب دیکھتے ہوئے متبسم لہجے میں فرمایا:۔

"ہمارے دوستوں کو تو ایسے اخلاق سے پرہیز کرنا چاہیئے۔"

یہ تھے آپ کے اخلاق حسنہ جس نے آپ کی شخصیت میں کشش اور جاذبیت پیدا کر دی تھی کہ جو بھی آپ کی خدمت میں ایک بار حاضر ہوتا واپس جانے کا نام نہ لیتا۔ یہ گواہی ایک ہندو سادھو نے بھی دی کہ:۔

"بھیڑے ارادے لے کے ایتھوں کئی لنگھدے ویکھے نیں مگر
بھیڑا دی مرجے کول جاوندا اسے اوتھوں مُڑیاں کدے نہیں
ویکھیا او مرجے دا ہی ہو کے رہ جاوندا اے۔"

ایسے واقعات بھی ہیں کہ لوگ آپ کا سر قلم کرنے کے ارادے سے گئے مگر خود پہلی ہی نظر میں گھائل ہو گئے اور پھر آپ کے اخلاق اور جذبۂ محبت کی آگ میں پگھل کر رہ گئے اور ان کے سرِ پُرغرور ایسے جھکے کہ اٹھنے کا نام نہ لیا۔

آج آپ کے حضور خراجِ عقیدت پیش کرنے کا سب سے بہتر اور مستحسن طریقہ یہ ہے کہ ہم آپ کے دیئے ہوئے لائحہ عمل کو اپنی اجتماعی و انفرادی زندگی میں نافذ کرنے کا پھر سے عہد کریں اور آخری دم تک اس پر قائم رہنے کے لئے جد و جہد کریں اس راہ میں خواہ ہماری جان تک ہی کیوں نہ چلی جائے۔

ہفت روزہ پیغام صلح ——— مؤرخہ ۱۴ر جولائی ۱۹۷۶ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ——— شمارہ نمبر ۲۸

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۳ | یوم چہارشنبہ - ۲۲ رجب ۱۳۹۶ھ - مطابق ۲۱ جولائی ۱۹۷۶ء | نمبر ۲۹

## مَلفُوظاتِ حَضرَت مجدّد صَدِ چہاردھم عَلَیہِ السّلام

# ابتلاء اور ہمّ و غم اللہ تعالےٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں

جن لوگوں کو اللہ تعالےٰ پر یقین نہیں ہوتا ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ذراسی تکلیف پہنچنے پر وہ گھبرا جاتے ہیں اور خودکشی کرنے میں ہی آرام دیکھتے ہیں۔ لیکن انسانی رُوح کی تکمیل اور تربیت چاہتی ہے کہ اس پر مختلف قسم کے ابتلاء آویں تاکہ اس کا اللہ تعالےٰ پر یقین بڑھے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ تاہم جن لوگوں کو اپنی عمر میں کسی قسم کی تکلیف اور ابتلاء کا سامنا نہیں پڑتا ان کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ بالکل دُنیا اور اس کی خواہشات میں منہمک ہوتے ہیں۔ اور اُن کا سر کبھی اُوپر کی طرف نہیں اُٹھتا۔ اور خدا تعالیٰ کا کبھی بھول کر بھی انہیں خیال نہیں آتا۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو انسانیت کی اعلےٰ درجہ کی خوبیوں کو ضائع کر دیتے اور اس کی بجائے ادنےٰ سی باتیں حاصل کر لیتے ہیں کیونکہ مصائب کے اندر ایمان اور ایقان کی ترقی ان کے لئے وہ راحت اور اطمینان کے سامان پیدا کرتی ہے جو دُنیا کے اموال و لذات میں کبھی بھی حاصل نہیں ہو سکتے لیکن افسوس ہے کہ دُنیادار لوگ بچوں کی طرح آگ کے انگارہ پر خوش ہو جاتے ہیں لیکن اس کی سوزش اور نقصان رسانی سے آگاہ نہیں ہوتے۔ لیکن جو لوگ ابتلاؤں کی حالت میں استقامت سے کام لیتے ہیں، انہیں اللہ تعالےٰ اپنے خاص فضل سے ایمان اور یقین کی دولت سے مالا مال کر دیتا ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان پر کوئی ابتلاء نہیں آیا وہ ایک وجہ سے بدقسمت ہیں کیونکہ وہ ناز و نعمت کی زندگی بسر کر کے خُدا سے غافل اور بہائم کی سی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کی زبان ہوتی ہے لیکن اس سے حق نہیں بول سکتے اور ان کی زبان پر خُدا کی حمد و ثنا کبھی جاری نہیں ہوتی۔ وہ صرف فسق و فجور کی باتیں کرنے اور ذائقہ چکھنے کے لئے ہوتی ہے۔ ان کی آنکھیں ہوتی ہیں، لیکن نظارۂ قدرت دیکھنے کے لئے نہیں بلکہ بدکاری کے لئے، پھر ایسے لوگوں کو خوشی اور راحت کیسے میسر آ سکتی ہے کسی شخص کو ہم و غم میں مُبتلا دیکھ کر یہ مت سمجھو کہ وہ بدقسمت ہے۔ نہیں بلکہ اگر وہ اس ہم و غم میں خُدا کو نہ بھُولے تو وہ اس سے پیار کرتا ہے اور اس پر بڑی بڑی رحمتیں نازل کرتا ہے۔ اسکی مثال یوں سمجھو کہ جس طرح پر کسی بیمار اعضاء پر مرہم لگانے سے پیشتر اسکا چیرنا اور عمل جراحی کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح پر خُدا کی برکات کے نزول سے پہلے اس کی راہ میں ہم و غم آنا ضروری ہوتا ہے۔ (ملفوظاتِ احمدیہ۔ صفحہ ۸۲-۸۳)

محترمہ زرینہ محمد صاحبہ — مکتوب ٹرینیڈاڈ {جنوبی امریکہ}

# ٹرینیڈاڈ سے آمدہ ایک تازہ خط کے اقتباسات

محترمہ زرینہ محمد صاحبہ اپنے ۱۴ر جون ۱۹۷۶ء کے ایک تازہ مکتوب میں تحریر فرماتی ہیں :

پیارے قابلِ صد احترام ڈاکٹر سعید احمد صاحب ۔ وعلیکم السلام

مجھے افسوس ہے۔ کہ میں نے آپ کے گرامی نامہ مورخہ ۵/۷۶ کا جواب نہ دیا۔ کیونکہ میں دوسرے کاموں میں معروف رہی۔ اب آپ کا ایک اور نوازشنامہ مورخہ ۶/۷۶ ابھی مل گیا ہے۔ آپ کے اس عنایت نامہ کا جواب بھی خواہش کے باوجود جلدی نہ دے سکی۔ کیونکہ فلو کے شدید حملہ سے چند دن میں بیمار رہی ابھی تک میرا ہاتھ بوجہ ضعف کانپتا ہے۔ لیکن میں محسوس کرتی ہوں۔ کہ مجھے آپ کی خدمت میں آج ہی جواب لکھنا چاہیئے۔

ہم نے آپ کے "مرسلہ تبلیغی منصوبہ پر تبصرہ جنرل سیکرٹری جناب مرزا مسعود بیگ صاحب کو بھیجدیا ہے۔ مولانا شیخ محمد طفیل صاحب اور آنریبل والیس ڈی محمد صاحب کے دوروں کی رپورٹیں ملیں۔ نیز مجھے اس خط کی نقل ملی۔ جو آپ نے مسٹر ایم بی یاسین صاحب کو لکھا تھا۔ اور آنریبل والیس ڈی محمد صاحب کو پیش کردہ سپاسنامہ کی ایک کاپی بھی ملی۔

مسٹر عزیز احمد صاحب بخیریت ہیں۔ ان کی بیگم صاحبہ کا امریکہ میں اپریشن ہوا جو کامیاب رہا ہے۔

جنرل سیکرٹری صاحب کے ایک خط سے اطلاع موصول ہو گئی تھی۔ کہ ٹرینیڈاڈ کی جماعت کو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی شاخ تسلیم کر لیا گیا ہے۔ لیکن ہم چاہتے تھے کہ اسے بطور شاخ ایک خصوصی خط کے ذریعہ تسلیم کیا جائے۔ اور الحاق کی شرائط سے مطلع فرمایا جائے۔ چنانچہ اس قسم کی تحریر کے آجانے سے تمام جماعت کو بے حد مسرت حاصل ہوئی۔

## سہ ماہی اجتماع ۷۶-۷۴ - احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام ٹرینیڈاڈ اینڈ ٹوبیگو

بطور سیکرٹری مراسلت یہ میرے فرائض میں داخل نہیں تھا۔ کہ کنونیشن کی رپورٹ لکھوں۔ تاہم میں نے مختصر سا خاکہ جناب جنرل سیکرٹری صاحب کی خدمت میں بھیجدیا تھا۔ اور میں سمجھتی ہوں کہ آپ کو مفصل رپورٹ کا انتظار ہوگا۔ یہ کام جماعت کے سیکرٹری کا تھا۔ آپ کے نوازشنامہ کی وصولی کے بعد میں نے انہیں یاد دہانی کرائی ہے کہ مرکز کو ایسی رپورٹ کا انتظار ہے (یہ رپورٹ مل چکی ہے۔ ناقل)

اپنی مقامی جماعتی سرگرمیوں کا پروگرام اپنی بساط کے مطابق اس وقت ہم تیار کر چکے ہیں۔ ایگزیکٹو کمیٹی جس کے ۱۲ کیس ممبران ہیں۔ ٹی اینڈ ٹی کی مقامی احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے معاملات کی نگہداشت اور تجاویز مرتب کرنے کے لئے مہینہ میں ایک بار اجلاس منعقد کرتی ہے اور ساری جماعت ہر تین ماہ کے بعد اکٹھی ہوا کرتی ہے۔ اسی سلسلہ میں تین کمیٹیاں تشکیل کی گئی ہیں۔

(ا) کمیٹی برائے طباعت ماہانہ رسالہ دی کال۔ (THE CALL)

(ب) پروپیگنڈا (نشرو اشاعت)

(ج) سہ ماہی اجلاس

میری رائے میں "دی کال" کے پہلے دو پرچوں کا معیار ظاہری زیب و زینت کے لحاظ سے چنداں بلند نہ تھا۔ لیکن مضامین کے اعتبار سے بلند تھا۔ خصوصاً رسالہ کے نام کا جو انتخاب کیا۔ اس پر اداریہ بہت اچھا تھا اب تیسرا شمارہ ہر لحاظ سے بہتر ہے۔

نشرو اشاعت کمیٹی نے "جہادِ اکبر" کے نام سے ایک عملی پروگرام ترتیب دیا ہے۔ اس سلسلہ کے اجتماع ہم مسجدوں کی بجائے ہر دوسرے اتوار کو سات بجے سے نو بجے شام تک مختلف مقامات پر منعقد کرتے ہیں۔ مثلاً کمیونٹی سنٹر۔ پانچ رہائش گاہیں یا باغ یا باغوں کے پچوراہے۔ انتخاب کر لیتے ہیں۔ اسی طرح ہم غیر احمدیوں اور غیر مسلموں کو اپنی جانب متوجہ کر سکیں گے۔ اب دوسری سہ ماہی میٹنگ ۱۸ر جولائی ۱۹۷۶ء کو منعقد کرنے کا ارادہ ہے۔

۸ر مئی ۱۹۷۶ء کو احمدیہ خواتین کی ایک تنظیم قائم کی گئی۔ اس تنظیم کا مقصد معاشرتی اور ثقافتی طور پر خواتین کو مجتمع کرنا ہے۔ ہر فاؤنڈیشن ہال کی مسجد میں اکٹھے ہوتے ہیں اور ہر اجتماع ایک خاص نوعیت کا ہوتا ہے جس میں سب ممبر سرگرم حصّہ لیتے ہیں۔ ہمارے سب سے پہلے اجتماع میں جبکہ ہم نے احمدیہ خواتین کی تنظیم کی بنیاد رکھی تھی۔ ان ڈور کھیلوں کا پروگرام بنایا۔ مجھے نہایت خوشی ہوتی۔ جب میں نے ۱۸ سال سے ۶۰ سال تک کی خواتین کو ان کھیلوں میں حصّہ لیتے اور محظوظ ہوتے دیکھا۔

معلوم ہوتا تھا کہ اس قسم کی تفریح سے ہماری خواتین پہلے کبھی بھی لطف اندوز نہ ہوئی تھیں۔ دوسری میٹنگ میں خواتین کو سان فرنینڈو لے جایا گیا۔ جہاں مسلم خواتین نے مینا بازار کا انتظام کیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ ایسے مینا بازار میں جاکر انسان بہت کچھ سیکھ سکتا ہے۔

"مسلم ویمن ایسوسی ایشن" ٹرینیڈاڈ کی ایک ستائیس سالہ پرانی تنظیم ہے جس میں ہم نے نئی جان ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ اس مینا بازار کی جاذبیت ان گڑیوں کی پریڈ (DOLLS PARADE) میں تھی جو پاکستانی لباس میں ملبوس چھوٹی بچیوں نے کی۔ کچھ گڑیاں ہم ۱۹۷۳ء میں لاہور سے محترمہ بیگم میاں فضل احمد صاحب کی ہمشیرہ صاحبہ سے لائی تھیں۔ لباس کے انہی نمونوں سے ہم نے بچیوں کے ملبوسات تیار کئے تھے۔

اب آئندہ میٹنگ میں "متفرق کھانوں کا تبادلہ" ہوگا (Exchange of recipes) ہر خاتون ممبر اپنے گھر پر کوئی کھانا یا مشروب تیار کر کے لائے گی جو سب چکھیں گے اور تیار کرنے کا طریقہ بتایا جائے گا۔ امید ہے کہ ان چھوٹی چھوٹی مگر نادر کوششوں سے ہم اپنی خواتین میں انشاءاللہ دلچسپی پیدا کر لیں گے۔

مجھے آپ کا جریدہ "لائٹ" ملتا رہتا ہے۔ اور میں سابقہ چند شماروں پر ایڈیٹر لائٹ کو داد دیتی ہوں۔ ظاہری زیب و زینت کے علاوہ ان کے مضامین بہت اعلےٰ قسم کے ہیں۔ سائز بھی بہت پیارا ہے۔ آسانی سے ہاتھ میں لے کر پڑھا جا سکتا ہے۔

میں نے ایک دن میں یہ خط مکمل نہیں کیا بلکہ علالت کے باعث دو تین دنوں میں مکمل کیا ہے۔ حنیف اور میری جانب سے سب جماعت کے ممبران کو سلام و احترام قبول ہو۔

# ایک ضروری تصحیح

میرے نام پر چند ٹریکٹ ان دنوں میں شائع ہوئے ہیں ان میں سے ایک ٹریکٹ کا نام ہے :

"ہستی باری تعالیٰ بذریعہ ظہور صفات الٰہی"

اس کے صفحہ ۲۸ پر غلطی سے سورج گرہن کو بجائے دن کے رات کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ قارئین کرام اسے درست فرمالیں۔ والسلام

خاکسار۔ (حضرت) شیخ عبدالرحمان مصری

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مورخہ ۲۱؍جولائی ۱۹۷۶ء

# مُدّعیانِ اسلام کے لئے لمحۂ فکریہ

"پاکستانی مسلمان کی نگاہ میں ہم احمدی "غیر مسلم" ہی سہی مگر یوگنڈا کے ہوائی اڈہ پر اسرائیلی وحشیانہ حملہ کے نتیجہ میں جو جانی اور مالی نقصان ہوا ہے اس پر ہمارا رنج وغم کسی بھی اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے سے کم نہیں۔ بڑی طاقتوں کے مخصوص سیاسی عزائم کے مدِنظر جب سے یہ ریاست مشرق وسطیٰ کے قلب میں خنجر کے طور پر قائم ہوئی ہے اس وقت سے اس کے پڑوسی عرب ممالک اس کی چیرہ دستیوں کا شکار رہے ہیں اور انہیں امن کا ایک لمحہ بھی نصیب نہیں ہوا۔ اگر کچھ عرصہ کے لئے گرم جنگ ملتوی ہوئی بھی ہے تو سرد اعصابی جنگ کی حالت ہمیشہ سے طاری رہی ہے۔ تقریباً دس کروڑ عرب آبادی کے مقابلے میں چند لاکھ نفوس ایک آہنی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے ہیں اور حالت یہ ہے کہ یہ ہر طرف سے ان میں گھرے ہوئے ہیں۔ اسرائیلیوں کی اس جرأت اور دلیری اور جارحیت کو دیکھ کر بڑی حیرت ہوتی ہے کہ کیا یہ اسی قوم کی نسل ہے جس کے متعلق قرآن کریم کی پہلی ہی سورۃ الفاتحہ میں "مغضوب علیھم" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور اس کے نقش قدم پر چلنے سے بچنے کے لئے مسلمانوں کو دعا سکھائی گئی ہے۔ اور کیا یہ اسی قوم کی اولاد ہیں جس کی نافرمانیوں۔ پے در پے عہد شکنیوں، حرام خوری۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کے انکار۔ قتل انبیاء حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان تراشی اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھانے اور انہیں قتل کرنے کی کوشش کی وجہ سے حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسےٰؑ کی زبان سے اس پر لعنت بھیجی گئی اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے اس پر ذلت اور محتاجی ڈالی گئی اور اس طرح وہ اللہ کے غضب کا محل بن گئی۔ آج ہزاروں سال کے بعد اس قوم کی حالت میں ایسے حیران کن انقلاب کا واقع ہونا اور اس کی یکسر کایا پلٹ جانا مُدّعیانِ اسلام کے لئے لمحۂ فکریہ بھی ہے اور وجہ تشویش بھی۔ لیکن "کبھی اسے نوجوان مسلم تدبّر بھی کیا تو نے" کہ وہ کیا عوامل ہیں جو نہ صرف عربوں بلکہ تمام مسلمان ممالک کو باوجود سارے مادی وسائل کی دستیابی کے اس مقام پر لے آئے ہیں جہاں ذلت و رسوائی ان کا منہ چڑا رہی ہے۔ کہیں یہ وجہ تو نہیں کہ "مسلمان" مغضوب علیہ قوم جیسے افعال کے مرتکب ہو کر زیادہ موردِ غضب الٰہی ہو گئے ہیں۔ ان کا رسولؐ اور نبیؐ مثیلِ موسےٰ بھی ہے اور خاتم النبیّین بھی۔ ان کی کتاب خاتم الکتب ہے اور ان کا دین ایک مکمل دین۔ ان ساری باتوں کے ہوتے ہوئے اگر مسلمان کوئی دوسری راہ اختیار کریں تو وہ اللہ تعالیٰ کے ازل سے جاری و ساری قانون کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔ ہمارے پاس اس کے لئے قرآن کریم اور احادیث کی شہادت موجود ہے۔ محض زبان سے مسلمان کہلا کر غیر اقوام پر غلبہ حاصل کرنے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

بنی اسرائیل کو اللہ تعالےٰ نے فرعون کے عذاب سے نجات دی۔ صحرائے سینا میں ان پر بادلوں کا سایہ کیا۔ ان پر من و سلویٰ اتارا اور حضرت موسےٰ پر ان کی رہنمائی کے لئے تورات اتاری جس میں ان سے خدا کی راہوں پر چلنے۔ اس کی شریعتوں اور اس کے حقوق اور اس کے حکموں کی محافظت اور اس کی آواز کا شنوا ہونے کا اقرار لیا اور اس پر قائم رہنے کے نتیجہ میں انہیں ساری دنیا کی قوموں پر فضیلت دینے کا وعدہ فرمایا۔ لیکن جب انہوں نے اس عہد کو پسِ پشت ڈال دیا تو اللہ تعالےٰ نے ان کے بُرے اعمال کے بدلے ان پر ذلت اور مسکنت وارد کر دی۔

قومیں اپنے ماضی سے سبق حاصل کرتی ہیں۔ یہودیوں میں تورات، انجیل اور قرآن کریم کو سمجھنے والے بڑے بڑے عالم ہیں۔ ایسا دکھائی دیتا ہے انہوں نے صدیوں سے ان پر مسلط رسوائی اور در بدر ٹھوکریں کھانے کے اسباب پر غور کرنے کے بعد انہوں نے اپنی فضیلت اور عظمتِ رفتہ کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے انہی کتب کی روشنی میں جد و جہد شروع کر رکھی ہے۔ اور اسی راستہ پر واپس لوٹ آنے کی کوشش کر رہے ہیں جس نے ان کے آبا و اجداد کو سربلندی اور رفعت عطا کی تھی۔ وہ زبان سے اقرار کریں یا نہ کریں لیکن قرآن کریم کے پیش کردہ اصول ان کے دلوں میں گھر چکے ہیں، وہ اس راز کو پا گئے ہیں کہ "ان پر ذلت کی مار ہے۔ جہاں کہیں وہ پائے جائیں سوائے اس کے کہ اللہ کے عہد اور لوگوں کے عہد کے ذریعہ سے پناہ لیں" (آل عمران ۱۱۱) اللہ کا ایک عہد تو وہ ہے جو ان سے پہلے لیا گیا تھا اور دوسرا یہ ہے کہ وہ اسلام میں داخل ہو جائیں جو ابھی تک انہوں نے نہیں کیا۔ اور "لوگوں کے عہد کے ذریعے پناہ" لینے کا مطلب صاف ہے کہ وہ غیر اقوام کی پناہ میں آ جائیں یہی راستہ انہوں نے اختیار کیا ہے۔ آج کئی بڑی طاقتیں امریکہ۔ روس برطانیہ وغیرہ ان کی پُشت پناہی کر رہی ہیں۔ انہی کی طاقت کے سہارے وہ ساری دنیا کے مسلمانوں کو آنکھیں دکھا رہے ہیں۔

مسلمانوں سے بھی ایک عہد لیا گیا تھا کہ:—

"سب کے سب اللہ کے عہد (قرآن) کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ نہ کرو اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب تم باہم دشمن تھے پھر اس نے تمہارے دلوں میں اُلفت ڈال دی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی ہو گئے۔ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی باتیں کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔"

اللہ کے اس عہد یا قرآن کو مضبوط پکڑنے میں جو راز ہے وہ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے "صٓ والقرآن ذی الذکر" (ص ۱) صادق اور سچے خدا کا یہ وعدہ ہے کہ اس قرآن سے بزرگی اور شرف ملتا ہے۔ اسے پکڑنے والے ان بلندیوں اور رفعتوں کے دلکش مناظر اور لذت و سرور سے آشنا ہوتے ہیں جن سے غیروں کی نگاہیں محروم رہتی ہیں۔ اسے تھامنے والے اللہ کے لشکر بن جاتے ہیں جو ان جندنا لھم الغالبون کے وعدہ کے مطابق ہمیشہ غالب رہتے ہیں۔ اور زمین کے وارث ہو جاتے ہیں اس کے برعکس:—

"وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسے چھوڑ کر اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے اور گروہ گروہ ہو گئے ہیں اللہ کے رسولؐ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کا معاملہ اللہ کی طرف ہے پھر وہ ان کو خبر دے گا جو وہ کرتے تھے۔" (الانعام ۱۶۰)

اور اللہ ان کو خبر دے رہا ہے۔ حالات ہمارے سامنے ہیں۔ رسول کریمؐ کو اسی لئے بڑے دُکھ کے ساتھ اللہ تعالےٰ کے حضور یہ شکایت کرنی پڑی کہ:

"اے میرے ربّ میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑی ہوئی چیز کی طرح قرار دیا ہے۔" (۲۵-۳۰)

اگر کفارِ مکہ نے اسے چھوڑی ہوئی چیز قرار دیا تھا تو آپ کی وہ قوم جس نے اسے پکڑ کر چھوڑ دیا زیادہ قابلِ مواخذہ اور مستوجب سزا ہے۔ گھر کی روشنی گُل کر کے اندھیرے میں کوئی اپنا سر پھوڑ لے تو گناہ کس کا۔ احادیثِ نبویؐ بھی اس کی تائید کرتی ہیں کہ ایک زمانہ آئے گا جب قرآن اور ایمان اس قوم سے چھوٹ جائیں گے اور ان میں وہی صفات پیدا ہو جائیں گی جن کی وجہ سے بنی اسرائیل اللہ تعالےٰ کے غضب کے مستحق ہو گئے۔ ہم یہاں صرف

دو تین احادیث کا حوالہ دینے پر ہی اکتفا کریں گے۔

بخاری میں حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ:۔

"رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ تم ان قوموں سے جو تم سے پہلے ہوئی ہیں ایسی موافقت تامہ پیدا کر لوگے کہ اگر وہ لوگ سوسمار کے بِل میں گھسے ہیں تو تم بھی گھسو گے۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ صلعم کیا یہود اور نصاریٰ سے موافقت ہوگی فرمایا اور کیا"

یہودیوں سے مشابہت کے متعلق کنز العمال کی بھی ایک حدیث ہے جس میں ایک ایسے بدترین فعل کا ذکر ہے جس کا یہاں بیان کرنا بھی نامناسب معلوم ہوتا ہے۔ حضرت ابنِ عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا:۔

"میری اُمت پر بھی بعینہٖ وہی واقع ہوگا جو بنی اسرائیل کے ساتھ ہوا یہاں تک کہ اگر بنی اسرائیل میں سے کسی نے بر ملا اپنی ماں کے ساتھ جنسی تعلق قائم کیا تو میری اُمت سے بھی بعض ایسا کریں گے اور بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے لیکن میری اُمت کے لوگ ۷۳ فرقے بن جائیں گے اور بجز ایک فرقہ کے باقی سب جہنم میں جائیں گے جب پوچھا گیا یا رسول اللہ ناجی فرقہ کونسا ہے تو فرمایا کہ وہ لوگ ہیں جو اس طریق پر چلیں گے جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔"

ترکِ قرآن کے متعلق بھی حضرت ابنِ مسعودؓ کی روایت سنتے جایئے:۔

"ان قوموں کا کیا ہی حال ہوگا جو دولتمندوں کی عزت کریں گے اور خدا کی عبادت کرنے والوں کی تحقیر کریں گے اور جو بات ان کی [illegible] خواہشوں کے مطابق قرآن میں ہوگی اس پر تو عمل کریں گے اور جو ان کی خواہش کے مخالف ہوگی تو قرآن کو ترک کر دیں گے اور اس وقت بعض حصّہ قرآن پر ایمان لائیں گے اور بعض حصّہ پر کُفر کریں گے اور جو خدا نے ان کے لئے بغیر سعی کے مقدّر کر دیا ہے اس سے بڑھ کر سعی کریں گے اور اجل مکتوب اور رزق مقسوم کی ذرا پرواہ نہ کریں گے۔ اور جو بغیر سعی کے حاصل نہیں ہو سکتی اس میں کچھ بھی کوشش نہ کریں گے خواہ اس کوشش کا نتیجہ کیسا ہی بڑا بار آور اور مفید ہو اور خواہ وہ ایسی تجارت ہو جس میں خسارہ نہیں (یعنی حرام کھائیں گے اور حلال کے لئے سعی نہیں کریں گے)"

یہاں اگر ہم "مسلمانوں" اور "یہودیوں" میں مشابہت تامہ کے اظہار کے لئے ایک ایک بات کا ذکر کرنے بیٹھیں تو کئی صفحات سیاہ ہو جائیں گے اس لئے ہم یہاں صرف تین چار بڑی واضح باتوں کا ذکر کرتے ہیں۔ یہودیوں نے تورات کو اپنی خواہشات کے تابع کر دیا تو مسلمانوں نے قرآن کو۔ یہودی فسق و فجور میں مبتلا ہوئے تو مسلمان ان سے سینکڑوں قدم آگے ہیں۔ یہودی اگر حرام کھاتے تھے تو مسلمانوں میں بھی حلال و حرام کی کوئی تمیز نہیں رہا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہودی قتل انبیاء کے مرتکب ہوئے تو مسلمان قتلِ اولیاء کے کیونکہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل"۔ علماء سے مراد آج کل کے علماء نہیں بلکہ مجددین اور اولیائے اُمت ہیں۔ یہ علماء تو یہودیوں کے احبار اور رہبان سے مشابہت رکھتے ہیں جو لوگوں کے اموال باطل طریقوں سے ہڑپ کرتے رہتے ہیں۔

جب مسلمان یہودی صفت ہو گئے تو ضروری تھا کہ ان میں ایک مثیلِ مسیح بھی آتا۔ وہ بھی آیا اور اُنہوں نے اس کے اور اس کی جماعت کے ساتھ وہی سلوک کیا جو یہودیوں نے حضرت مسیح ابنِ مریم اور آپ کے حواریوں کے ساتھ کیا۔ اور یوں خدا کی رحمت سے دور اور اس کے غضب کے مورد بن گئے۔

یہودیوں کے لئے تو پھر بھی نجات کی ایک راہ تھی کہ وہ لوگوں کے عہد کے نیچے آجائیں گے لیکن ان مسلمان کہلانے والوں کے لئے قرآن کریم کے مطابق تو یہ راہ بھی مسدود ہے۔

"العمران" میں ہے:۔

"مؤمن مؤمنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے تو اس کا اللہ کے ساتھ کوئی کچھ بھی تعلق نہیں سوائے اس کے کہ تم اُن سے کسی طرح اپنا بچاؤ کر لو۔ اور اللہ تم کو اپنی سزا سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف انجام کا پہنچنا ہے" (۳-۲۷)

"النساء" میں ایسے لوگوں کو جو مؤمنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں اور ان کے ہاں عزت کے متلاشی ہوتے ہیں منافق کہا ہے:۔

"منافقوں کو خبر دے دو کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے جو مؤمنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں کیا وہ ان کے ہاں عزت چاہتے ہیں تو عزت سب اللہ کے لئے ہی ہے" (۴: ۱۳۸-۱۳۹)

اسی سورۃ میں آگے چل کر فرمایا ہے:۔

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو مؤمنوں کو چھوڑ کر کافروں کو ولی نہ بناؤ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کی سزا کے لئے اپنے خلاف کھلی دلیل دے دو۔" (۱۴۴)

سورۃ المائدہ میں فرمایا ہے:۔

"اے لوگو جو ایمان لائے یہودیوں اور عیسائیوں کو ولی مت بناؤ وہ ایک دوسرے کے ولی ہیں اور جو کوئی تم میں سے ان کو اپنا ولی بناتا ہے بلاشبہ وہ انہی میں سے ہے۔ یقیناً اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔"

آپ ان کی کوئی توجیہہ ہی کیوں نہ کریں مگر ہمارے نزدیک قرآن کریم کے یہ الفاظ آج بھی اپنے اندر وہی حقیقتیں رکھتے ہیں جو آج سے چودہ سو سال قبل ان میں موجود تھیں۔ مسلمان اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر ذرا یہ سوچنے اور غور کرنے کی زحمت تو گوارا کریں کہ کیا ان سے انحراف کرکے وہ ظالم منافق۔ یہودی اور نصاریٰ صفت اور اللہ تعالیٰ کی سزا کے مستحق نہیں ہو گئے؟ ہمارے کلام میں تلخی سہی لیکن "زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاق"۔ ہمارے الفاظ کی اس کڑواہٹ میں اس دُکھ اور درد کو محسوس کرنے کی کوشش کیجئے جو باوجود "ناطے مسلم" ہونے کے ہم مسلمانوں کی زبوں حالی پر ہم اپنے دل میں رکھتے ہیں اور بڑی شدت سے چاہتے ہیں کہ "مسلمان" جن غلط راہوں پر پڑ گئے ہیں ان سے واپس لوٹ کر اپنا مدت سے کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر لیں۔

اسی مقصد کے لئے حضرت مرزا صاحب تشریف لائے تھے۔ وہ ایمان کو ثریا سے واپس لاکر آپ کے دلوں میں داخل کرنے قرآن کو آپ کے ہاتھوں میں دینے اور مسلمانوں کو اعلیٰ مقام دلانے کے لئے آئے جس کی طرف ان کا یہ الہام "بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم اُفتاد" اشارہ کرتا ہے۔ آپ حاذق طبیبوں اور خوبروؤں کو مسیحا کا خطاب دیدیں تو کوئی حرج نہیں مگر جو انسان آپ کی روحانی بیماریوں کی نشاندہی اور تشخیص اور علاج کے لئے اللہ تعالیٰ نے بھیجا اور اس کا نام مسیح رکھ دیا تو آپ کے دل جوشِ غیظ و غضب سے پھٹ گئے اور سینوں میں نفرت و عداوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ اس میں جلتے ہوئے جو کچھ آپ نے کیا وہ آپ کے دستور اور تاریخ کا ایک حصّہ بن چکا ہے۔ لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ولی کے دشمن ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے خلاف اعلانِ جنگ ہوتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ ہی کی فتح ہوتی ہے۔

جب تک "مسلمان" قرآن و سنت کی طرف واپس نہیں لوٹیں گے اُن کے مصائب کا خاتمہ ہرگز نہیں ہوگا۔ اور جب وہ لوٹ آئیں گے تو ان کے لئے حضرت مرزا صاحب کے مقام اور مذہب کو شناخت کرنا مشکل نہیں ہوگا۔ اور یہی وہ دن ہوگا جب یہ قوم رو رو کر ان کے وقت کو یاد کرے گی اور کفِ افسوس ملے گی کہ اس نے یہ قیمتی وقت کیوں کھو دیا۔

(باقی بر صفحہ کالم نمبر ۲)

# اس اُمت میں مجدّدین کرام انسانوں کا خُدا تعالےٰ سے تعلّق جوڑنے کیلئے آتے ہیں

# اور اس مقدّس مشن کو حضرت امامِ زمان نے بدرجۂ احسن پورا کیا

(تقریر مکرم جناب شیخ نثار احمد صاحب بر موقعہ جلسہ سیالکوٹ)

تشہد و تعوذ کے بعد فرمایا :-

دنیا ماموریں کی قدر نہیں کرتی لیکن ان مقدّس ہستیوں میں اندر جوہر ہوتے ہیں جو پوشیدہ نہیں رہتے - اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے ن والقلم و ما یسطرون - "دوات گواہ ہے اور قلم اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں جس قدر علوم دنیا میں پھیلیں گے وہ آخر اس نتیجہ پر پہنچا دیں گے کہ دین اسلام ہی سچا اور غالب دین ہے - مجدّد ہی اسی دین کی آبیاری کے لئے آتے ہیں - ان کے نزدیک اپنی بڑائی نہیں ہوتی مخلوق خدا کی بھلائی ہوتی ہے - اور ان کی ایک ہی تڑپ ہوتی ہے کہ دنیا میں نیکی پھیلے - وہ رسول کریم صلعم کی پیروی میں ہی کام کرتے ہیں اور ان کی گردن پر بھی جوا اسی ہادی برحق کا ہوتا ہے اس زمانہ کے مجدّد نے فرمایا

این چشمۂ رواں کہ بخلق خدا دہم + یک قطرۂ زبحرِ زلال محمد است

اور آپ نے فرمایا :-

"کوئی انسان حضرت نبی کریمؐ کی پیروی کے بغیر خدا تک نہیں پہنچ سکتا اور میں نے جو کچھ پایا ان کی پیروی سے پایا ہے"

آپ کا منظوم کلام بھی یہی نشاندہی کرتا ہے - کیا بلند نعتیہ شعر ہے

اگر خواہی نجات از مستیٔ نفس
بیا در ذیلِ مستانِ محمدؐ

مجدّدین کی بعثت یہ خدا کا ہی قائم کردہ نظام ہے کہ ختم نبوّت کے بعد سلسلۂ رشد و ہدایت جاری رہے - نبوّت تو لاریب ختم ہو گئی آنحضرت محمد صلعم پر لیکن خدا کے ساتھ تعلق جوڑنے کی ضرورت تو ختم نہیں ہوئی - اسی تعلق کو بڑھانے کے لئے مجددین آتے ہیں - آپ کے ساتھ خدا کی خاص تائید ہوتی ہے - اور وحی ولایت سے زیادہ ان کا دعویٰ نہیں ہوتا - دین اور اخلاق کا ایک گہرا تعلق ہے - اس کی مثال ظاہر میں بھی ہے - جب بارش بند ہوتی ہے تو زمین کا پانی یعنے وہ چشمے جو زمین کے اندر ہیں وہ بھی نیچے چلے جاتے ہیں اور خشک ہو جاتے ہیں - یہی قانون اس کا عالم روحانی میں ہے اگر اللہ تعالےٰ کی وحی نازل نہ ہو تو اخلاق خود بخود مردہ ہو جاتے ہیں - خدا کے ساتھ لَو لگانے والوں کے ساتھ بیٹھنے والوں اور اس کی نصیحتوں پر کان دھرنے والوں کے اخلاق بلند ہو جاتے ہیں - تو معلوم ہوا کہ اخلاق فاضلہ تعلق باللہ سے پیدا ہوتے ہیں اور وحی الٰہی اخلاق کے نشوونما میں وہی کام دیتی ہے جو بارش زمین کی روئیدگی کے نشوونما میں دیتی ہے۔

خُدا کے فرستادوں کا ایک کام یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ خدا سے خبریں پاتے ہیں اور زمانے کی پیدا کردہ غلطیوں کی اصلاح کرتے ہیں - اس امام نے بھی کئی بہت سے قابل قدر کارناموں کے ساتھ ساتھ یہ بھی انکشاف کیا کہ یہ خیال اور انتظار کہ حضرت مسیح ناصری جو ہزارہا سال سے معہ جسد عنصری آسمان پر زندہ ہیں ایک خام خیال ہے اور یہ انتظار ایک عبث انتظار ہے کیونکہ وہ طبعی وفات پا چکے ہیں - گو یہ مسئلہ حیات و وفات مسیح کا جزو ایمان نہیں لیکن یہ ایک بہت بڑی روک ہے اشاعت دین میں اور اصلاح کے کام میں کہ لوگوں نے ان دونوں باتوں کو مسیح ناصری کی آمد سے وابستہ کر رکھا ہے - زمانے کی حالت کیا سے کیا ہوئی اور ہو رہی ہے اصلاح کا اور کونسا وقت ہے - حال ہی میں جناب این اے فاروقی صاحب نے امریکہ کے ایک مشہور رسالے کے حوالہ سے اس کا ایک جملہ لکھا تھا God is dead - نعوذ باللہ خدا مرگیا ہے - اور اس سلسلہ میں امریکہ اور یورپ کے مفکرین نے بہت حاشیہ آرائیاں کیں کہ خدا یا تو تھا ہی نہیں اور اگر تھا تو اب مر گیا ہے - تو غور فرماویں - کس قدر ضرورت ہے لوگوں کو خدا کی طرف بلانے کی اور زندہ خدا کو پیش کرنے کی اور یہ ہو نہیں سکتا جب تک خدا کا چمکتا ہوا چہرہ دنیا پر ظاہر نہ کیا جائے - اور یہ خدا کے مامور ہی کرتے ہیں جو اس زمانہ کے مجدّد نے کر کے دکھا دیا اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا :-

"دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسے قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی کو ظاہر کر دے گا"

چنانچہ بڑے بڑے نشان ظاہر ہوئے اور نا قابل تردید واقعات سے یہ سچائی ثابت ہوئی یہ ایک الگ مضمون ہے - میں یہ ذکر کر رہا تھا کہ اہل مغرب کے نزدیک God is dead اس پر جناب فاروقی صاحب نے اخبار میں بہت عمدہ مضمون لکھا تھا کہ حضرت مسیح جو انسان تھے انہیں خدا ماننے کا لازمی نتیجہ یہی ہونا تھا - جب انسان کا تصور انسان کا سا ہو تو پھر موت کا خیال پیدا ہونا لازمی تھا - اور اس صدی کے مجدّد نے آج سے کم و بیش ۷۰ سال پیشتر لکھا تھا کہ عقل کب تسلیم کرتی ہے کہ تمام مدار رحمت کا خدا کے پھانسی دینے پر ہو جب ایک دفعہ خدا مر گیا تو پھر اس کی زندگی سے امان اُٹھ گیا اور پھر اس پر کیا دلیل ہے کہ وہ پھر نہیں مرے گا - جو خدا ہو کر بھی مر سکتا ہے اس کی پوجا کرنا لغو ہے وہ کس کو بچائے گا جو اپنے تئیں نہ بچا سکا - یہ ہوتی ہے دلیل - قرآن نے ایک اصول قائم کیا ہے قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین اگر تم سچے ہو دلائل لاؤ اور دلائل ایسی چیز ہے کہ یا تو اس کو توڑ کر دکھاؤ یا ان کے سامنے سرِ تسلیم خم کرو تیسری کوئی بات نہیں اور اگر ہے تو وہ ہٹ دھرمی ہے اور اور یہ خدا کی نافرمانی ہے - کیونکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے : واذا قلتم فاعدلوا - بات کرو تو عدل کی کرو -

اس زمانہ کے امام نے یہ انکشاف کیا کہ مسیح ناصری فوت ہو چکے ہیں تو بڑی تحقیق اور تاریخی شہادتوں سے اسے ثابت کیا - لیکن ایک ہیجان پیدا ہو گیا اور سخت مخالفت شروع ہو گئی - حالانکہ اس سے اسلام کا بول بالا ہوتا ہے اور عیسائیت کی عمارت کی بنیاد گر جاتی ہے کتنی بڑی فتح ہے کہ آج اسلام کی مدِ مقابل صرف عیسائیت ہی ہے - مسلمانوں کو تو خوش ہونا چاہیئے تھا لیکن ہوا کیا ایک طوفان مخالفت کا اُٹھا جس میں اضافہ ہی اضافہ ہو رہا ہے - لیکن حقیقت، حقیقت ہی ہوتی ہے - آج اس کی تحقیق کی سچائی ظاہر ہو رہی ہے خود پادریوں نے لکھا ہے کہ انجیل کے قدیم نسخوں میں مسیح کے آسمان پر اُٹھائے جانے کا کوئی ذکر نہیں - اور حال ہی میں سرینگر یونیورسٹی کے پروفیسر حسنین نے بھی تاریخی حقائق سے تصدیق

کی ہے مسیح ناصری کی قبر سرینگر محلہ خانیار میں ہے۔ اس کے متعلق تفصیل سے سب کچھ اخبارات میں آچکا ہے۔ اور قابلِ غور امر یہ ہے کہ قرآن تو کہتا ہے کہ نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰؐ کی بعثت ہوئی لوگوں کا تزکیہ کرنے کے لئے اور ان کو کتاب و حکمت سکھانے کے لئے اور یہ بھی ارشاد ہوا وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ۔ کہ اب آخرین کے لئے بھی آنحضرت صلعم ہی معلّم ہیں ایک انسان کامل جس کے ذریعہ شریعت کامل ہوئی ایسے عظیم الشان انسان کے ہاتھ سے اُمّت کی باگ ڈور نکال کر ایک مختص القوم اور مختص الزمان نبی کو یہ اعزاز دینا چاہتے ہیں جس نے خود کہا کہ میں اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لئے آیا ہوں۔ وہ قرآن جس نے عرب کی بُت پرستی کو جڑ سے اُکھیڑ دیا اور تمام مذاہب باطلہ پر اتمامِ حجّت کیا اور وہ محمدؐ کے فیض سے پرورش یافتہ جن کے سامنے ظلمتیں پاش پاش ہو گئیں اور جن کے سامنے سلطنتیں سرِ تسلیم خم کرتی چلی گئیں۔ اور جنہوں نے دُنیا کے چاروں کونوں میں صداقت کی شمعیں روشن کیں۔ کیا وہی قرآن اب فیضِ محمدی سے غلط عقیدوں کو دُور کرنے اور اُمّت کی اصلاح کے قابل نہیں رہا۔ مسیح ناصری کے نزول کا عقیدہ ختمِ نبوت کے منافی ہے جب قرآن اور محمد رسول اللہ کے جانشینوں نے یہ احسن طریق پر کام کر کے دکھا دیئے اور ساری دنیا اور قومیں آپ کے مرہونِ منّت ہیں کے ہی وہ کسی کے مرہونِ منّت نہیں تو اب کوئی اور آکر انہیں احسان مند کرے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ تو خود قرآن اور محمد رسول اللہ کی قوتِ قدسی کی ہتک ہے۔

اس زمانہ میں اس عقدہ کو اس امام نے آکر کھولا اور اس دور میں آپ سے پہلے کوئی اور آواز نہ اُٹھی جس نے تبلیغ دین کی طرف متوجہ کیا اور عملی طور پر اشاعت کے لئے عظیم کام کیا اور اسلام کی برتری اور غلبہ پر ۸۰ بیش قیمت کُتب شائع کیں جن سے دنیا نے استفادہ کیا اور اب بھی کر رہے ہیں۔ کیا یہ عظیم شخص اس سلوک کا مستحق تھا جو اس سے ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ کیا یہ تعاون کے قابل کام نہیں کہ اسلام کے لئے کام کیا جائے اور اسلام کا بول بالا ہو۔ حالات کیا سے کیا ہو رہے ہیں۔

اے چشمِ اشکبار ذرہ دیکھ تو سہی + یہ گھر جو جل رہا ہے کہیں اپنا گھر نہ ہو

وحدت بڑی چیز ہے۔ اکیلے پر وہ فضل نہیں ہوتا جو دو پر ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک بھاری جماعت پر جو فضل ہوتا ہے وہ چند آدمیوں پر نہیں ہوتا اس وحدت کے لئے صبر، تحمل، برداشت ہونی چاہیئے۔ وحدت کی رُوح صحابہؓ میں پھُونکی گئی۔ جنہوں نے اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تَنَازَعُوْا کا نمونہ پیش کیا اور ثمر دُنیا نے دیکھا۔ سچ ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ سابقہ صحیفوں میں بھی تو یہی ہے :۔

A good tree bears good fruits and a Corrupt tree brings forth evil fruits and the Trees are known by the fruits they bear.

کیسے کیسے بلند مرتبہ لوگ اس عظیم امام کے گرد حلقہ بگوش ہوئے اور انہوں نے اعتراف کیا کہ یہ سارا فیض اس امام کا ہے اور یہ امام فرماتا ہے کہ یہ سارا فیض رسول عربیؐ سے ہے۔ اور ختمِ نبوت کے متعلق آپ کے مندرجہ ذیل حوالجات ایک طالبِ حق کے لئے کافی ہیں۔

(۱) خداتعالیٰ ایسی ذلّت اور رسوائی اس اُمّت کے لئے اور ایسی ہتک اور کسرِ شان اپنے مقبول خاتم الانبیاء کے لئے ہرگز روا نہیں رکھے گا کہ ایک رسول بھیجکر جس کے ساتھ جبرائیل کا آنا ضروری امر ہے اسلام کا تختہ اُلٹ دے۔ (ازالہ اوہام ص۵۷۷)

(۲) اور پھر ایک نادانی یہ ہے کہ جاہل لوگوں کو بھڑکانے کے لئے کہتے ہیں کہ اس شخص نے نبوّت کا دعوےٰ کیا ہے حالانکہ یہ ان کا سراسر افتراء ہے۔ (حقیقۃ الوحی ص۳۹۰)

(۳) یہ کہنا کہ نبوّت کا دعوےٰ کیا ہے کس قدر جہالت اور کس قدر حق سے خروج ہے۔

(۴) اگر یہ اعتراض ہو کہ نبوّت کا دعوےٰ کیا ہے اور وہ کلمۂ کُفر ہے تو بجز اس کے اور کیا کہیں کہ لعنت اللہ علی الکاذبین۔ (انوار الاسلام ص۳۴)

(۵) یاد رکھنا چاہیئے کہ ہمیں بجز خادمِ اسلام ہونے کے اور کوئی دعویٰ نہیں۔ (الحکم ۱۷ اگست ۱۸۹۹ء)

(۶) حقیقۃ الوحی جو ۱۹۰۷ء میں لکھی گئی اس میں متعدد بار اپنے تئیں مجدّد کہا ہے۔ صفحہ ۱۹۳ پر لکھا ہے :۔

"اور یہ اہلِ سنّت میں متفق علیہ امر ہے کہ آخری مجدّد اس اُمّت کا مسیح موعود ہے۔

من آنچہ شرطِ بلاغ است با تو مے گویم
تو خواہ ازاں پند گیر خواہ ملال

---

## مقالہ ـــــ بقیہ صفحہ ۲

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ "مسلمانوں" کے دلوں سے ہمارے خلاف بے جا نفرت، دشمنی اور عداوت کی آگ کو اپنی بارانِ رحمت سے ٹھنڈا کر دے۔ انہیں حضرت مرزا صاحب اور ہماری صحیح پوزیشن کو سمجھنے کی توفیق دے اور حبل اللہ کو پھر مضبوطی سے تھامنے کی طاقت اور قوّت عطا فرمائے کیونکہ اسی میں ان کی نجات ہے۔ آمین

---

## فراہمی زکوٰۃ کے لئے اپیل

زکوٰۃ کی اپیل قبل ازیں احباب جماعت کو ارسال کی جا چکی ہے اب رجب کا آخری عشرہ بھی شروع ہو چکا ہے براہِ کرم تمام جماعتوں کے سیکرٹری صاحبان زکوٰۃ وصول کر کے مرکز میں ارسال فرمائیں۔ کیونکہ زکوٰۃ کی رقم لازمی طور پر قومی بیت المال میں جمع ہونی چاہیئے۔

(افسر تحصیل)

---

## درخواست دُعا

اہلیہ صاحبہ حکیم عبدالعزیز صاحب مرحوم بہت بیمار ہیں اور میو ہسپتال لاہور میں زیرِ علاج ہیں۔ جملہ احباب ان کی صحت عاجلہ و کاملہ کے لئے دُعا فرمائیں۔

---

ہفت روزہ پیغامِ صلح
خود مطالعہ کرنے کے بعد دوسرے دوستوں تک پہنچائیں۔

مرتبہ جناب مولوی محمد علی صاحب مبلغ ڈیرہ غازیخان

# مقامِ محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم

## آنحضرت صلعم سب نبیوں سے افضل - افضل الرسل

محمد ہمیں نقشِ نورِ خداست + کہ ہرگز جنوئے بگیتی نخاست

(قسط نمبر ۱۹)

"یاد رہے کہ کسی رسُول اور کتاب کی اسی قدر عظمت سمجھی جاتی ہے۔ جس قدر ان کو اصلاح کا کام پیش آتا ہے اور جس قدر اس اصلاح کے وقت مشکلات کا سامنا پڑتا ہے - سو یہ بات ظاہر ہے کہ ابتدائے زمانہ میں جو کتاب نازل ہوئی ہوگی وہ کسی طرح کامل مکمّل نہیں ہو سکتی - کیونکہ ابتدائے زمانہ میں ان مشکلات کا وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا جو بعد میں پیدا ہوئیں۔ ایسا ہی قومی وحدت کے زمانہ میں اس وقت کے نبیوں اور رسولوں کو وہ مشکلات ہرگز پیش نہیں آسکتی تھیں جو اقوامی وحدت کے زمانہ میں اُس نبی کو پیش آئیں۔ جس کو یہ حکم ہوا کہ تمام قوموں کو ایک وحدت پر قائم کرو۔ چونکہ خدا کو منظور تھا جو بنی آدم ایک ہی قوم اور ایک ہی قبیلہ کی طرح ہو جائیں۔ اور غیریت اور بیگانگی جاتی رہے اور جیسے یہ سلسلہ وحدت سے شروع ہوا ہے وحدت پر ہی ختم ہو - اس لیے اس نے آخری ہدایت کو تمام دنیا کے لئے مشترک بھیجا اور اس وقت زمانہ بھی وہ آپہنچا تھا کہ بباعث کُھل جانے راستوں اور مطلع ہونے ایک قوم کے دوسری قوم سے اور ایک ملک کے دوسرے مُلک سے اتحاد سلسلہ نوعی کی کارروائی شروع ہوگئی تھی - اور بوجہ میل ملاپ دائمی کے خیالات بعض مُلکوں کے بعض مُلکوں میں اثر کرنے لگے تھے۔ چنانچہ یہ کارروائی اَب تک ترقی پر ہے - اور سارے سامان جیسے ریل، تار اور جہاز وغیرہ ایسے ہی دن بدن نکلتے آتے ہیں کہ جن سے یقیناً یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قادرِ مطلق کا یہی ارادہ ہے کہ کبھی دن تمام دُنیا کو ایک قوم کی طرح بنا دے۔ بہرحال پہلے نبیوں کی محدود کوشش تھی کیونکہ ان کی رسالت بھی ایک قوم میں محدود ہوتی تھی اور آنحضرت کی غیر محدود اور وسیع کوشش تھی کیونکہ ان کی رسالت عام تھی - یہی وجہ ہے جو فرقان مجید میں دُنیا کے تمام مذاہبِ باطلہ کا ردّ موجود ہے - اور انجیل میں صرف یہودیوں کی بدچلنی کا ذکر ہے۔

پس آنحضرتؐ کا دوسرے نبیوں سے افضل ہونا اسی غیر محدود کوشش سے ثابت ہے - ما سوا اس کے یہ بات اجلیٰ بدیہات ہے کہ ہر شرک اور مخلوق پرستی کو دُور کرنا اور وحدانیت اور جلالِ الٰہی کو دلوں پر جمانا سب نیکیوں سے افضل اور اعلیٰ نیکی ہے - پس کیا کوئی اس سے انکار کر سکتا ہے کہ یہ نیکی جیسی آنحضرتؐ سے ظہور میں آئی ہے کسی اور نبی سے ظہور میں نہیں آئی۔ آج دنیا میں بجز فرقان مجید کے اور کونسی کتاب ہے کہ جس نے کروڑہا مخلوقات کو توحید پر قائم کر رکھا ہے اور ظاہر ہے کہ جس کے ہاتھ سے بڑی اصلاح ہوئی وہی سب سے بڑا ہے[1][2]"

### وجوہ افضلیّت

"سب نبیوں سے افضل وہ نبی ہے کہ جو دُنیا کا مربّی اعظم ہے - یعنی وہ شخص کہ جس کے ہاتھ سے فسادِ اعظم دُنیا کا اصلاح پذیر ہُوا - جس نے توحید گم گشتہ اور ناپدید کو پھر زمین پر قائم کیا جس نے تمام مذاہبِ باطلہ کو حجت اور دلیل سے مغلوب کرکے ہر ایک گمراہ کے شبہات مٹائے جس نے ہر یک ملحد کے وسواس دُور کئے اور سچا سامان نجات کا...... اصولِ حقّہ کی تعلیم سے از سرِ نو عطا فرمایا۔ پس اس دلیل سے کہ اس کا فائدہ اور افاضہ سب سے زیادہ ہے - اس کا درجہ اور رتبہ بھی سب سے زیادہ ہے - اب تواریخ بتلاتی ہیں ، کتاب آسمانی شاہد ہے اور جن کی آنکھیں ہیں وہ آپ بھی دیکھتے ہیں کہ جو نبی بموجب اس قاعدہ کے سب نبیوں سے افضل ٹھہرتا ہے۔ وہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں[3] اور جیسا کہ اس دلیل سے حضرت خاتم الانبیاء کا نبی صادق ہونا ثابت ہوتا ہے - ایسا ہی اس سے آنحضرتؐ کا دوسرے نبیوں سے افضل ہونا بھی ثابت ہوتا ہے - کیونکہ آنحضرتؐ کو تمام عالم کا مقابلہ کرنا پڑا اور جو کام حضرت ممدوح کے سپرد ہوا وہ حقیقت میں ہزار دو ہزار نبی کا کام تھا[4]"

### سیّد الانبیاء

"چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم افضل الانبیاء اور سب رسولوں سے بہتر اور بزرگتر تھے اور خدائے تعالےٰ کو منظور تھا کہ جیسے آنحضرتؐ اپنے ذاتی جوہروں کی رُو سے فی الواقعہ سب انبیاء کے سردار ہیں ایسا ہی ظاہری خدمات کی رُو سے بھی ان کا سب سے فائق اور برتر ہونا دُنیا پر ظاہر اور روشن ہو جائے - اس لئے خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو کافہ بنی آدم کے لئے عام رکھا - تا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محنتیں اور کوششیں عام طور پر ظہور میں آویں - موسےٰ اور ابنِ مریم کی طرح ایک خاص قوم سے مخصوص نہ ہوں - اور تا ہر ایک طرف سے اور ہر ایک گروہ اور قوم سے تکالیف شاقہ اُٹھا کر اس اجرِ عظیم کے مستحق ٹھہر جائیں کہ جو دوسرے نبیوں کو نہیں ملے گا[5]"

### آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی فضیلت

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو وہ بزرگی اور فضیلت حاصل ہے جو اور کسی نبی کو حاصل نہیں ہوئی آپؐ ایسے وقت میں مبعوث ہوئے جب دُنیا پر ایک تاریکی چھائی ہوئی تھی اور عملی اور اعتقادی طور پر دُنیا ضلالت میں پڑی ہوئی تھی - عرب کے لوگ جو بلا واسطہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے مخاطب تھے اُن کی یہ حالت تھی کہ بدیوں میں غرق ہو چکے ہوئے تھے - اور اخلاق فاضلہ کا نام تک نہیں جانتے تھے - لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں آپؐ نے ایک عظیم الشّان تبدیلی ان کی زندگی میں پیدا کر دکھائی اور تمام بدیوں سے جن میں وہ مبتلا تھے ان کو نجات دی[6] - اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ جزیرۂ عرب جو بجز بُت پرستی کے اور کچھ بھی نہیں جانتا تھا ایک سمندر کی طرح خُدا کی توحید سے بھر گیا[7] چنانچہ کون اس سے ناواقف ہے کہ اس سرزمین میں جو بُتوں سے بھری ہوئی تھی ہمیشہ کے لئے بت پرستی دُور ہو کر ایک خُدا کی پرستش قائم ہوگئی - اور آپؐ اس وقت رخصت ہوئے جب آپ نے لاکھوں انسانوں کو ایک خُدا کے حضور جُھکا دیا اور توحید پر قائم کر دیا[8] پس میں ہمیشہ تعجّب کی نگاہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبیؐ جس کا نام محمدؐ ہے (ہزار ہزار درود اور سلام اس پر) یہ کس عالی مرتبہ کا نبیؐ ہے - اس کے عالی مقام کا انتہاء معلوم نہیں ہو

---

[1] چشمۂ معرفت ص ۱۴۷ + [2] براہین احمدیہ ص ۱۲۵

[3] براھین احمدیہ ص ۱۱۶ - [4] براھین احمدیہ ص ۱۲۵
[5] براھین احمدیہ ص ۵۲۵ [6] ریویو آف ریلیجنز جلد ۲ -
[7] چشمۂ معرفت ص ۸ - [8] الحکم ۲۴ فروری ۱۹۰۷ء -

سکتا۔ اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔ افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے اس کے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا۔ وہ توحید جو دنیا سے گم ہو چکی تھی وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اس کو دنیا میں لایا۔ اس نے خدا سے انتہائی درجہ پر محبت کی۔ اور انتہائی درجہ پر بنی نوع کی ہمدردی میں اس کی جان گداز ہوئی۔ اس لئے خدا نے جو اس کے دل کے راز کا واقف تھا اس کو تمام اولین و آخرین پر فضیلت بخشی۔ اور اس کی مرادیں اس کی زندگی میں اس کو دیں۔ وہی ہے جو سرچشمہ ہر ایک فیض کا ہے۔ اور ہر ایک **فضیلت کی کنجی** اس کو دی گئی ہے۔ اور ہر ایک معرفت کا خزانہ اس کو عطا کیا گیا ہے۔ ہم کیا چیز ہیں اور ہماری حقیقت کیا ہے ہم کافر نعمت ہوں گے اگر اس بات کا اقرار نہ کریں کہ توحید حقیقی ہم نے اسی نبی کے ذریعہ سے پائی۔ اور زندہ خدا کی شناخت ہمیں اس کامل نبیؐ کے ذریعہ سے اور اس کے نور سے ملی[9]

## آنحضرت صلعم کا دوسرے نبیوں سے افضل ہونے کا ثبوت

میرا مذہب یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو الگ کیا جاتا اور کل نبی جو اس وقت تک گذر چکے ہیں سب کے سب اکٹھے ہو کر وہ کام اور وہ اصلاح کرنا چاہتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہرگز نہ کر سکتے تھے۔ ان میں وہ دل اور قوت نہ تھی جو ہمارے نبی کو ملی تھی۔ اگر کوئی کہے کہ یہ نبیوں کی معاذاللہ سوءِ ادبی ہے تو وہ نادان مجھ پر افتراء کرے گا۔ میں نبیوں کی عزت و حرمت کرنا اپنے ایمان کا جزو سمجھتا ہوں۔ لیکن نبی کریمؐ کی **فضیلت کل** انبیاء پر میرے **ایمان کا جزوِ اعظم** اور میرے رگ و ریشہ میں ملی ہوئی بات ہے۔ یہ میرے اختیار میں نہیں کہ اس کو نکال دوں۔ بدنصیب اور آنکھ نہ رکھنے والا مخالف جو چاہے سو کہے۔ ہمارے نبی کریم صلعم نے وہ کام کیا جو نہ الگ الگ اور نہ مل جل کر کسی سے ہو سکتا تھا۔ اور یہ اللہ تعالےٰ کا فضل تھا۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء[10] آنحضرتؐ کا ایسی گمراہی کے وقت مبعوث ہونا کہ جب خود حالت موجودہ زمانہ کی ایک بزرگ معالج اور مصلح کو چاہتی تھی اور ہدایت ربّانی کی کمال ضرورت تھی۔ اور پھر ظہور فرما کر ایک عالم کو توحید اور اعمالِ صالحہ سے منوّر کرنا۔ اور شرک اور مخلوق پرستی کا جو ام الشرور ہے، قلع قمع فرمانا اس بات پر صاف دلیل ہے کہ آنحضرتؐ خدا کے سچے رسول اور سب رسولوں سے افضل تھے[11]

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیّد و مولیٰ (اس پر ہزارہا سلام) اپنے افاضہ کے رُو سے تمام انبیاء سے سبقت لے گئے ہیں۔ کیونکہ گذشتہ نبیوں کا افاضہ ایک حد تک آ کر ختم ہو گیا۔ اور اب وہ قومیں اور وہ مذہب مُردے ہیں کوئی ان میں زندگی نہیں[12]

## آنحضرتؐ خدا کے سچے رسول ہیں

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کے نام اپنے اندر جمع رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ وجود پاک جامع کمالات متفرقہ ہے۔ پس وہ موسےٰ بھی ہے اور عیسیٰؑ بھی اور آدمؑ بھی اور ابراھیمؑ بھی اور یوسفؑ بھی اور یعقوب بھی۔ اسی کی طرف اللہ جلشانہ اشارہ فرماتا ہے فبھدٰھم اقتدہ۔ یعنی اے رسول اللہؐ تو ان تمام ہدایات متفرقہ کو اپنے وجود میں جمع کر لے۔ جو ہر ایک نبی خاص طور پر اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ پس اس سے ثابت ہے ..... کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک باعتبار اپنی صفات اور کمالات کے مجموعۂ انبیاء تھی۔ پس ظاہر ہے کہ جو شخص ان تمام متفرق ہدایتوں کو اپنے اندر جمع کرے گا اس کا وجود ایک جامع وجود اور تمام نبیوں سے وہ افضل ہوگا[13]

اس آیت سے آنحضرت صلعم کی بڑی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ جس قدر گذشتہ انبیاء ہوئے انہوں نے مخلوق کی ہدایت مختلف پہلوؤں سے کی اور مختلف قسم کی ان میں خوبیاں تھیں۔ کسی میں کوئی خوبی اور کمال تھا اور کسی میں کوئی۔ اور ان تمام نبیوں کی اقتداء کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ ان تمام متفرق خوبیوں کو اپنے اندر جمع کر لینا چاہیئے۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جو شخص جامع ان تمام خوبیوں کا ہے جو متفرق طور پر تمام انبیاء میں پائی جاتی ہیں وہ تمام متفرق کمالات اپنے اندر جمع رکھتا ہے۔ اس لئے وہ تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ کیونکہ ہر ایک خوبی اس میں موجود ہے اور وہ تمام متفرق خوبیوں کا جامع ہے مگر پہلے اس سے کوئی نبی ان تمام خوبیوں کا جامع نہ تھا[14]

## آنحضرت صلعم بوجہ جامع کمالات افضل ہیں

اب آسمان کے نیچے فقط ایک ہی نبی اور ایک ہی کتاب ہے۔ یعنی حضرت **محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو اعلیٰ و افضل سب نبیوں** سے اور اتم و اکمل سب رسولوں سے اور خاتم الانبیاء اور خیرالناس ہیں جن کی پیروی سے خدا تعالےٰ ملتا ہے۔ اور ظلماتی پردے اٹھتے ہیں اور اسی جہان میں سچی نجات کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ اور قرآن شریف جو سچی اور کامل ہدایتوں اور تاثیروں پر مشتمل ہے۔ جس کے ذریعہ سے حقانی علوم اور معارف حاصل ہوتے ہیں۔ اور بشری آلودگیوں سے دل پاک ہوتا ہے اور انسان جہل اور غفلت کے حجابوں سے نجات پا کر حق الیقین کے مقام تک پہنچ جاتا ہے[15]

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت عظیمہ

(۱) از تو صد تشنہ اے امامِ انام + شربتِ عذب ریختند بکام
(۲) فضلِ تو ایں بس است اے سرور + کہ بجز تو نیست ہادیٔ دیگر
(۳) کشورِ دین بنامِ تو بکشود + قفل ہا راشکست باتو ودود
(۴) ایں سخن را ثبوت ہست آساں + مگر بانصاف بنگرند دراں
(۵) بے زباناں فصیح از تو شدند + زشت رُویاں صبیح از تو شدند
(۶) کور چشماں ز تو شدند بصیر + دل سیاہاں شدند ماہ منیر
(۷) اقتدار تو ہر کہ کرد بجاں + مدح او آمد است در قرآں
(۸) حق ستود است بندگانِ بسیار + کہ شدند از تو کامل الانوار (درِ مکنون)

ترجمہ: (۱) اے امامِ انام آپکی وجہ سے صدہا پیاسوں نے میٹھا شربت اپنے حلقوں میں ڈالا۔
(۲) اے ہمارے آقا آپؐ کی یہی فضیلت کافی ہے کہ آپؐ کے سوا اور کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔
(۳) دین کی سلطنت ہم نے آپؐ کے نام سے فتح کی ہے اور اے مہربان تیرے ساتھ ہم نے تالوں کو توڑا ہے۔
(۴) اس بات کا ثبوت بہت آسان ہے بشرطیکہ کوئی شخص اس میں انصاف سے غور کرے۔
(۵) آپؐ کے طفیل بے زبان فصیح بن گئے ہیں اور زشت رُو لوگ خوبصورت ہو گئے ہیں۔
(۶) اندھے آپؐ کی برکت سے بینا بن گئے ہیں اور سیاہ دل ماہِ منیر کی مانند ہو گئے ہیں۔
(۷) جس نے جان و دل سے آپؐ کی پیروی کی۔ اس کی تعریف قرآن کریم میں آئی ہے
(۸) حق تعالیٰ نے بہت سے ایسے لوگوں کی تعریف فرمائی ہے جو آپکی وجہ سے کامل الانوار ہو گئے۔

---

[9] حقیقۃ الوحی ص ۱۱۵ ۔ [10] الحکم ۱۷ جنوری ۱۹۰۱ء
[11] براھین احمدیہ ص ۱۲۱ ۔ [12] چشمہ مسیحی ص ۷۵ ۔
[13] بدر ۱۰ جنوری ۱۹۰۷ء ۔ [14] آئینہ کمالات اسلام ص ۳۴۳
[15] براھین احمدیہ ص ۴۲۵ [16] تحفہ گولڑویہ ص ۱۴۲

# تحریکِ احمدیہ یا اسلام کا ناقابلِ تسخیر حصار

(ترجمہ از انگریزی۔ چوہدری محمد شریف)

از جناب میاں رحیم بخش صاحب ایم اے کراچی

پاکستان میں یہ بات قریباً مسلم ہو چکی ہے کہ احمدی خواہ وہ قادیانی ہوں یا لاہوری شاخ سے تعلق رکھتے ہوں تمام کے تمام غیر مسلم ہیں یہ امر کس قدر افسوسناک اور اندوہناک ہے! اور فرقہ وارانہ تعصب اور اندھی تقلید کی یہ کیسی سیاہ مثال ہے!! یہ امر کس قدر تعجب خیز ہے کہ خود مسلمان دوسرے فرقہ کو خارج از اسلام قرار دیں!!! جیسے حقائق سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ بانیٔ تحریک احمدیہ اسلام کے اس زمانہ زوال و انحطاط میں اسلام کے ایک جید پہلوان ثابت ہوئے ہیں۔ نیز آپ کا ساتھ دینے والے آپ کے مخلص مقتدی اسلام کے اولین اور کامیاب ترین مشنری ثابت ہوئے ہیں۔ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی بانی تحریکِ احمدیہ نے اپنی ساری زندگی اسلام کا علم بلند کرنے میں وقف کر دی اور اپنی انتھک جد و جہد سے سچی اسلامی رُوح کا دوبارہ احیاء کر دکھلایا۔ نیز اس زمانہ میں آپ نے دینِ اسلام کی صداقت اور برتری بذریعہ محکم دلائل اور علمِ کلام ثابت کر دکھلائی۔ چونکہ یہ زمانہ سائنس اور عقل کا زمانہ ہے، اس لئے آپ نے دوسرے مذاہب کے مقابل یہ تمام کامیابی ان کے معتقدات کو غیر معقول اور باطل ثابت کر کے حاصل کی۔ نہ صرف آپ کی تمام زندگی محض خدمت اسلام کے لئے وقف تھی۔ بلکہ ساتھ ہی آپ ایک مادر زاد ولی اللہ اور مقرب الٰہی بھی تھے۔ جنہوں نے اسلام اور دیگر مذاہب کے علوم کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ اور جن کے اپنے روحانی تجربات اور مافوق القدرت واردات نے یہ بات دنیا پر ثابت کر دی کہ ایک زندہ خدا فی الواقعہ موجود ہے۔ دینِ اسلام اور حضرت محمد صلعم خیر الانام کو بدنام کرنے اور ان کے خلاف گمراہ کن پراپیگنڈا کے مقابل آپ نے تن تنہا ایک چومکھیا جنگ جاری رکھی۔

ہر مباحثہ، مناظرہ اور چیلنج کے وقت آپ نے دشمن کو نیچا دکھلایا اور زیر کیا۔ ایک آزمودہ کار و فاتح جرنیل کی طرح آپ نے دینِ اسلام اور آنحضرت صلعم کی صداقت کو تمام مخالفین اسلام کے مقابل قائم کر دکھلایا۔ اور علمِ اسلام کو بلند کرنے میں بھی نمایاں فتح حاصل کی۔ بانیٔ تحریکِ احمدیہ کو ان کے ہمعصروں نے ان کی وفات پر جو خراجِ تحسین پیش کئے [illegible] وہ شاہد ہیں کہ آپ کا مقصد فی الواقع اسلام کی برتری اور اس دین کو انسانیت کا مذہب ثابت کرنا تھا۔ حضرت مرزا صاحب پر تمام تعریفی کلمات اور مدح سرائی جو ان غیر احمدی حضرات کی طرف سے کی گئی ہے، جنہیں آپ کی شاندار خدماتِ اسلام نے بے حد متاثر کیا۔ جن میں سے صرف چند اقتباسات درجِ ذیل ہیں:۔

۱۔ چوہدری افضل حق صاحب صدر جمعیت احرار:۔

"میرزا صاحب نے اپنی جماعت میں اشاعتی تڑپ پیدا کی جو دوسروں کے لئے نمونہ ہے۔" (فتنۂ ارتداد اور پولیٹیکل قلابازیاں ص ۴۶)

۲۔ مولانا عبداللہ العمادی صاحب مدیر اخبار وکیل امرتسر:۔

"میرزا صاحب نے ایک سچے اور پاکباز انسان کی طرح زندگی بسر کی ....... کیرکٹر کے لحاظ سے میرزا صاحب کے دامن پر سیاہی کا چھوٹا سا دھبہ بھی نظر نہیں آتا۔ وہ ایک پاکباز جینا جیا اور اس نے ایک متقی کی زندگی بسر کی۔"

(اخبار وکیل امرتسر ۳۰ مئی ۱۹۰۸ء)

۳۔ شمس العلماء مولانا ممتاز علی صاحب:۔

"میرزا صاحب مرحوم نہایت مقدس اور برگزیدہ بزرگ تھے اور نیکی کی ایسی قوت رکھتے تھے جو سخت سے سخت دلوں کو تسخیر کر لیتی تھی وہ نہایت باخبر عالم۔ بلند ہمت مصلح اور پاک زندگی کا نمونہ تھے ....... آپ کی ہدایت و رہنمائی مردہ روحوں کے لئے واقعی مسیحائی کا کام کرتی تھی۔" (اخبار تہذیب نسواں)

۴۔ مولانا ابوالکلام آزاد:۔

"میرزا غلام احمد صاحب کی رحلت اس قابل نہیں کہ اس سے سبق حاصل نہ کیا جاتا۔ ایسے لوگ جن سے مذہبی یا عقلی دنیا میں انقلاب پیدا ہو۔ ہمیشہ دنیا میں نہیں آتے۔ یہ نازشِ فرزندانِ تاریخ بہت کم منظرِ عام پر آتے ہیں اور جب آتے ہیں تو دنیا میں انقلاب پیدا کر کے دکھاتے ہیں مرزا صاحب کی اس رحلت نے ان کے بعض دعاوی اور بعض معتقدات سے شدید اختلاف کے باوجود ہمیشہ کی مفارقت پر مسلمانوں کو ان تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کو محسوس کرا دیا کہ ان کا ایک بڑا شخص اُن سے جُدا ہو گیا اور اس کے ساتھ مخالفین اسلام کے مقابلہ پر اسلام کی اس شاندار مدافعت کا جو اس کی ذات سے وابستہ تھی خاتمہ ہو گیا ان کی یہ خصوصیت کہ وہ اسلام کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جرنیل کا فرض پورا کرتے رہے ہیں ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس احساس کا کھلم کھلا اعتراف کیا جائے تاکہ وہ مہتم بالشان تحریک جس نے ہمارے دشمنوں کو عرصہ تک پست اور پامال بنائے رکھا آئندہ بھی جاری رہے ....... مرزا صاحب اس پہلی صفِ عشاق میں نمودار ہوئے تھے جس نے اسلام کے لئے یہ ایثار گوارا کیا کہ ساعت مہد سے لے کر بہار و خزاں کے سارے نظارے ایک مقصد پر ہاں ایک شاہد رعنا کے پیمانِ وفا پر قربان کر دیئے۔"

("اخبار وکیل" امرتسر ۱۹۰۸ء)

۵۔ مولوی سراج الدین صاحب والد ماجد مولوی ظفر علی خان صاحب:۔

"میرزا صاحب جوانی میں بھی صالح اور نیک بزرگ تھے۔ بناوٹ اور افتراء سے بری اور پکے مسلمان تھے۔"

(اخبار زمیندار۔ ۸ جون ۱۹۰۸ء)

۶۔ مولوی سید وحید الدین صاحب مدیر علیگڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ:۔

"میرزا صاحب اسلام کے ایک بڑے پہلوان تھے۔"

(علیگڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ۔ جون ۱۹۰۸ء)

۷۔ علامہ اقبال رح:۔

"میرزا غلام احمد قادیانی سب سے بڑے دینی مفکر ہیں۔"

(رسالہ انڈین اینٹی کویری ستمبر ۱۹۰۰ء)

اسلام کی خدمت اور تبلیغ اسلام اور اسلامی ریسرچ کے میدان میں آپ کی زندگی کے بعد آپ، کے مریدوں نے بالخصوص مغربی دنیا میں جو خدمات سر انجام دیں اس کا کسی قدر اندازہ اس ریویو سے کیا جا سکتا ہے جو مسٹر محمد مارمڈیوک پکتھال انگریز نو مسلم نے حضرت مولانا محمد علی مرحوم و مغفور کی کتاب ریلیجن آف اسلام پر لکھا:۔

"کسی زندہ انسان نے اسلام کی تجدید کے لئے لاہور کے مولانا محمد علی سے زیادہ قیمتی اور طویل خدمات انجام نہیں دیں ان کے تصنیفی کارناموں کی وجہ سے تحریک احمدیت ایک خاص شہرت اور امتیاز کی مالک بن گئی ہے۔ یہ اسلام کی تصویر ایک ایسے شخص کے قلم سے ہے جو قرآن و سنت

سے خوب واقف ہے۔ جس کے دل میں پچھلی پانچ صدیوں کے اسلام کے انحطاط کا درد ہے اور جس کے دل میں اس کی نشأۃ ثانیہ کے لئے ایک امید ہے جس کے لئے آثار اَب چاروں طرف نظر آنے لگے ہیں۔"

(رسالہ اسلامک کلچر۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء)

یہ تھے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی بانیٔ سلسلہ احمدیہ۔ غیر احمدی حضرات کی نظر میں۔ یعنی دینِ اسلام کا ایک عظیم پہلوان اور اس کا عالی مبلّغ۔ اور یہ ہیں آپ کے خدام جو خدمت اور تبلیغ اسلام کے جذبات سے لبریز ہیں۔ مگر کیا ہی بدقسمتی ہے کہ ان تمام کے تمام کو غیر مسلم قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم کا واضح ارشاد اس کے برخلاف یہ ہے:۔

"لا تقولوا لمن القیٰ الیکم السّلام لست مؤمنا" (نساء۔ ۹۴)

"کسی شخص کو جو تمہیں السّلام علیکم کہے یہ نہ کہو کہ تو مؤمن نہیں"

پھر قرآن حکیم میں ارشاد ہوا:۔

"کیا مؤمنوں کے لئے اب ایسا وقت نہیں آ چکا کہ وہ خدا تعالےٰ کے کلام اور جو کچھ ہم نے حق نازل کیا اس کی طرف جُھک جائیں۔" (الحدید۔ ۱۶)

## تحریک احمدیہ کی صحیح نمائندگی کس شاخ نے کی ؟

اس امر کا تو عام طور پر بخوبی علم ہے کہ جماعتِ احمدیہ کے دو فریق ہیں لیکن اس بات سے عام طور پر بے خبری ہے کہ ان دو فریقوں میں تفرقے کے کیا اسباب ہوئے۔

۱۹۱۴ء میں اس جماعت میں تفرقہ ہوا جس کے نتیجہ میں جماعت دو حصّوں میں منقسم ہو گئی۔ اگرچہ جماعتِ احمدیہ کا بیشتر حِصّہ قادیان سے وابستہ رہا جن کا مرکز اب ربوہ ہے۔ لیکن حقیقتاً اس نے تحریک احمدیہ کی صحیح نمائندگی نہیں کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ قادیانی یا ربوہ جماعت نے حضرت بانیٔ سلسلہ کی تصویر اور نام کو مسخ کر کے پیش کیا اور بدنام کر دیا ہے۔ یہ اصل وجہ ہے کہ عام مسلمانوں میں جماعت احمدیہ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ربوہ جماعت کے عقائد ختم نبوّت اور بانیٔ سلسلہ کے دعاوی کے بارے میں انتہاء پسندانہ اور غالیانہ واقع ہوئے ہیں۔ ان لوگوں نے حضرت بانیٔ سلسلہ کے دعاوی اور مقام کو ایسے غلط رنگ میں پیش کیا ہے کہ جس سے عام دلوں میں ان کی صحیح تصویر ختم ہو چکی ہے۔ یہ عقائد بانیٔ سلسلہ کے متعلق نبوّت کا دعوےٰ اور تمام مسلمانوں کی تکفیر سے متعلق ہیں۔ یہ تمام فاسد عقائد میاں محمود احمد صاحب کے مطلق العنان آمریت یعنی خلافت کو قائم کرنے کے لئے گھڑے گئے ہیں۔ جن کا بانیٔ سلسلہ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔

ان کے برخلاف لاہور کی قلیل جماعت، تحریک احمدیہ کی صحیح نمائندگی ۱۹۱۴ء سے کرتی چلی آ رہی ہے۔ اس جماعت کے قائم اوّل حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ جیسے عالم فاضل تھے۔

فریق احمدیہ لاہور نے اپنے آپ کو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے نام پر علیحدہ و الگ طور پر قائم کیا۔ کوئی شخص چاہے کتنا ہی حضرت بانیٔ سلسلہ کی مخالفت کرے، نفرت یا ان کی ذات سے تمسخر کرے لیکن یہ صداقت اظہر من الشمس ہے کہ بانیٔ سلسلہ نے اپنے آپ کو ہمیشہ مجدّدِ دین کا مرتبہ دیا۔ جیسے کہ پہلی صدی اسلام سے تیرھویں صدی تک دوسرے مجدّدین ہر صدی میں اُمّتِ محمدیہ میں آتے رہے ہیں چنانچہ پہلی صدی کے مجدّد حضرت عمرؓ بن عبد العزیز رح تھے اور اس سلسلہ کے گیارہویں صدی کے دوسرے ہزار کے مجدّد حضرت مجدّد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اور بارہویں صدی کے مجدّد حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رح اور اسی طرح چودھویں صدی کے مُدّعی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی تھے۔ بانیٔ تحریکِ احمدیہ کے دعاوی کے متعلق جو متضاد اور انتہاء پسندانہ آراء ہیں۔ ان سے بچنے کے لئے قرآن شریف میں یہ دعا آئی ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔

"اے خدا ہمیں سیدھے راستے پر چلا جو معتدل ہے اور جس پر تیرے انعام یافتہ لوگ چلتے رہے ہیں نہ وہ جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ ہی گمراہوں کا"

## جماعت احمدیہ لاہور اور حضرت بانیٔ سلسلہ کے عقائد اہلِ سنّت والجماعت کے عقائد کے مطابق ہیں۔

جماعت احمدیہ لاہور جن معتقدات کو مانتی ہے۔ وہ وہی ہیں جو بانیٔ سلسلہ کی تحریروں سے ثابت ہیں اور جو اسلام کے بنیادی عقائد اور اہلسنّت والجماعت کے عقائد کے مطابق ہیں اور یہ مفصلہ ذیل ہیں:۔

(۱) "ہم ان عقائد کو جو اہلِ سنّت والجماعت اسلام کا جزو سمجھتے ہیں۔ ان پر ایمان لاتے ہیں۔" (ایام الصلح)

(۲) "ہم تمام بنیادی اصُولوں اور معتقداتِ اسلام پر ایمان لاتے ہیں۔ مثلاً کلمہ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر تمام دین کے عقائد۔" (ایام الصلح)

(۳) "ہم حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کو خاتم الانبیاء یا آخری نبی مانتے ہیں اور قرآنِ حکیم کو آخری کتاب مانتے ہیں۔" (ازالہ اوہام ص)

(۴) "ہم حضرت محمد صلعم کے بعد کسی مُدّعی نبوّت کو کاذب اور کافر سمجھتے ہیں۔" (اخبار الحکم ص)

حضرت بانیٔ سلسلہ کا اعتقاد حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کے بارے میں ان کی فارسی نظموں سے ظاہر ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بانیٔ سلسلہ کا اعتقاد اس بارے میں کیا ہے۔ وہ اشعار یہ ہیں:۔

ختم شد بر نفسِ پاکش ہر کمال + لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ما مسلمانیم از فضلِ خدا + مصطفےٰ مارا امام و پیشوا

ہست او خیر الرسل خیر الانام + ہر نبوّت را بروشد اختتام

(دُرِّ ثمین)

جماعتِ احمدیہ لاہور کے عقائد جو بانیٔ سلسلہ کے عقائد کے عین مطابق ہیں وہ مندرجہ بالا فارسی اشعار سے بخوبی ظاہر ہیں۔

درحقیقت ۱۹۱۴ء میں جو تفرقہ جماعتِ احمدیہ میں نمودار ہوا وہ حقیقتاً ان دو عقائد پر بنا ہے:۔

۱۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ختمِ نبوّت۔ اور

۲۔ تکفیر المسلمین

چنانچہ جماعتِ احمدیہ لاہور یہ مانتی ہے کہ حضرت نبیٔ اکرم محمد مصطفےٰ صلعم آخری نبی تھے جن کی ذات پر تمام انبیاء کا خاتمہ ہو گیا۔ اس لئے جو شخص کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتا ہے دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور مجدّدیت کے دعویٰ کا انکار کسی شخص کو دائرہ اسلام سے خارج کرنے کا موجب نہیں ہو سکتا۔

جماعتِ احمدیہ لاہور نے ان دو بنیادی اعتقادات پر

۱۹۱۴ء میں اختلاف کیا اور اس دن سے آج تک ان دو عقائد کے متعلق غیر مبہم اور واضح طور پر متواتر یہ اعلان کرتی چلی آئی ہے۔ لیکن یہ بات از حد افسوسناک ہے کہ ان باتوں کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا کہ کونسی جماعت تحریک احمدیہ کی صحیح نمائندگی کر رہی ہے؟ ۱۹۷۴ء میں غیر مسلم کی جو تعریف آئین پاکستان کی ترمیم کے مطابق ہوئی ہے۔ اس کی زد میں جماعت احمدیہ لاہور نہیں آتی۔

## تحریکِ احمدیت ایک انقلابی تحریک ہے۔

جماعتِ احمدیہ اسلام میں ایک انقلابی تحریک ہے۔ جو سراسر ایک دینی و رُوحانی تحریک ہے جسے سیاست اور خلافت و اقتدار کے حصول سے کوئی تعلق نہیں۔ اس تحریک کے خالص مقاصد دین اسلام کا احیاء اور مسلمانوں کے ایمانوں کو خدا تعالےٰ کی زندہ ہستی اور دین اسلام کی صداقت کے متعلق تقویت پہنچانا ہے تاکہ ایسے مستحکم ایمان کی بناء پر دنیا میں اسلام کی عالمگیر تبلیغ کی جا سکے۔ اس کے علاوہ دیگر معتقداتِ اسلام کے احیاء بھی اس تحریک کے مدِ نظر ہیں۔ نیز حضرت رسُولِ کریم صلیٰ اللہ علیہ وسلم کے وقت کے ابتدائی مسلمانوں کی سچی رُوح کو بیدار کرنا ہے۔

چودھویں صدی کی ابتداء میں جب حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے دعویٰ مجدّدیت کیا، اس وقت مسلمانوں کی دنیاوی طاقت تمام دُنیا میں انحطاط پذیر تھی۔ مغربی طاقتوں نے ہر جگہ زور پکڑا ہوا تھا۔ اور ان طاقتوں کو (SUPER POWER) سپر پاور کی حیثیت حاصل تھی۔ جو دیگر ترقی پسند اقوام کے کاروبار پر نگرانی کرتی ہیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بین الاقوامی سطح پر تمام سیاسی مسائل یہ طاقتیں (SUPER POWER) اپنے حسب منشاء حل کرتی ہیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی خروج یاجوج ماجوج کے پورا ہونے کا یہی وقت تھا۔ جب دو عظیم طاقتیں (SUPER POWER) دو بلاک (BLOCK) کی شکل میں غالب ہیں۔ چنانچہ علامہ اقبالؒ نے بھی کس خوبصورتی سے اپنے ایک شعر میں اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے:۔

کھل گئے یاجُوج اور ماجُوج کے لشکر تمام
چشمِ مُسلم دیکھ لے تفسیرِ حرفِ ینسلُون

اس شعر میں علامہ اقبالؒ کا اشارہ قرآن مجید کی اس آیت کی طرف ہے۔

وھم من کل حدب ینسلون

## خروج دجّال و یاجوج وماجوج کی پیشگوئیوں کا پورا ہونا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی احادیث میں آخری زمانہ کی خبریں دی گئی ہیں۔ جو آج ہماری آنکھوں کے سامنے پوری ہو رہی ہیں۔ چنانچہ احادیث نبوی میں جن اقوام کا ذکر بطور دجّال یا یاجوج وماجوج آتا ہے، وہی اقوام ہیں۔ یہ بات اب مسلّم ہے کہ یاجوج ماجوج کے دو بلاک (BLOCK) ہیں۔ احادیث میں دجّال کی ایک اور خصوصیت کا بھی ذکر ہے کہ وہ دائیں آنکھ سے اندھا ہوگا۔ مگر اس کی بائیں آنکھ روشن ستارے کی مانند چمکتی ہوگی۔ یہ حدیث بھی اُن قوموں کی خاصیت کو تحقیقی پیرایہ میں بیان کرتی ہے۔ یعنی یہ کہ وہ دُنیاوی امور میں بہت ہوشیار اور زیرک ہوں گی۔ مگر دینی امور اور روحانی لحاظ سے بے خبر ہوں گی۔ مغرب کی عیسائی دنیا کے متعلق یہ حقیقت کیسی سچی ثابت ہو رہی ہے۔ احادیث کے مطابق دجّال کی دیگر خصوصیات کا مفصّل بیان جس نے دیکھنا ہو وہ تحریکِ احمدیت از حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ یا اس کا انگریزی ترجمہ از شیخ محمد طفیل صاحب صفحہ ۱۸۱ تا ۲۵۰ کا مطالعہ کرے۔

خروجِ دجّال کی ان پیشگوئیوں کے سلسلے کے ساتھ دیگر پیشگوئیاں مثلاً مسیح کی بعثت ثانی اور اس کا مسیح الدجّال کو قتل کرنا بھی منسلک ہیں۔ اس زمانہ کے دیگر عجیب نشانوں کا ذکر بھی احادیث میں آیا ہے جن پر سے بانیٔ سلسلہ احمدیہؒ نے پردہ اُٹھا کر ان کی حقیقت کو تبلادیا ہے۔ ان میں سے چند ایک کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:۔

۱۔ یہ کہ رمضان کے ایک ہی مہینے میں کسُوف اور خسوف واقع ہوگا۔ یہ ایک نادر الوقوع کرشمہ ہے اور بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی زندگی جو مسیح موعود تھے اُن کی زندگی میں واقع ہو چکا ہے۔

۲۔ ایک نمایاں نشان جس کی پیشگوئی حضرت رسولِ خدا صلعم نے فرمائی تھی یہ ہے کہ "سُورج مغرب سے طلوع کرے گا۔" جس کا مطلب بانیٔ سلسلہ نے یہ تبلایا کہ آخری یعنی مسیح موعودؑ کے زمانے میں صداقت اسلام کا آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا یعنی مغربی اقوام اسلام کو قبول کریں گی۔

حضرت اقدس مرزا صاحبؑ اگرچہ مغربی زبانوں سے ناواقف تھے۔ مگر مغربی تہذیب سے باخبر تھے اور وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے مسلمانوں کی توجہ اور جدو جہد کو مغرب میں اسلام کی تبلیغ کیطرف پھیرا۔ آپ اپنے زمانہ میں پہلے شخص تھے جنہوں نے ایک انگریزی جریدہ موسومہ بہ ریویو آف ریلیجنز (REVIEW OF RELIGIONS) کا افتتاح مولانا محمد علی صاحب ایم اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ جیسے عالم فاضل کی ادارت میں کیا۔ اس رسالہ نے انگریزی بولنے والی دُنیا میں اسلام کے حُسن اور خوبصورتی کا چرچا بلند کر دیا۔

اس سلسلہ میں دوسرا بڑا اہم قدم ۱۹۱۲ء میں اٹھایا گیا۔ جب حضرت اقدسؑ مرزا صاحب کے ایک اور خادم خواجہ کمال الدین صاحبؒ نے ووکنگ (انگلستان) میں اسلامک مشن قائم کیا۔ اس وقت انگریزی خواندہ مسلمانوں میں مغرب میں تبلیغ اسلام کے کام کو اچنبھا بلکہ مجنونانہ خیال سمجھا جاتا تھا اگرچہ یہ صحیح ہے کہ بعد میں جب اس مشن کے نتائج برآمد ہوئے تو انہوں نے اپنی غلطی کو تسلیم کرکے اس کام کی اہمیت کو بھی تسلیم کر لیا۔

اسلام پر انگریزی علم کلام اور ووکنگ مشن کی تحریک سے اب سب لوگ بخوبی باخبر ہیں۔ مغرب میں یہ تمام تبلیغی کام بھی جماعتِ احمدیہ لاہور کی طرف سے پیش کیا گیا۔ جس کے یہ حیرت انگیز اور انقلابی نتائج نکلے ہیں۔ چنانچہ نہ صرف مغربی مفکرین نے اسلام کے اعلیٰ اصولوں کی صداقت کو تسلیم کیا بلکہ مغرب کی مقتدر اعلیٰ اور نمایاں شخصیتوں نے اسلام میں داخل ہونے کا اعلان بھی کر دیا۔

ووکنگ مسلم مشن کی تحریکات کے نتائج اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم کئے جا سکتے ہیں۔ جو ISLAM OUR CHOICE کے نام سے ڈاکٹر ایس۔ اے خلوصی نے شائع کی ہے۔ اور جس میں مغربی نومسلمین کے اپنے بیانات دیئے گئے ہیں۔ سوچنے کا مقام ہے کہ دُور اُفتادہ گاؤں کا ایک الگ تھلگ رہنے والا شخص جسے مغربی تہذیب کی ہوا بھی نہ لگی تھی کیونکر اور کیسے ایسی عظیم الشان پیشگوئیاں کر سکتا تھا کہ "اب مغرب سے طلوعِ اسلام کا وقت قریب ہے"؛ کیا اس سے ثابت نہیں ہو جاتا کہ یہ سب خدائی تحریک کی وجہ سے ہوا؟

یقیناً حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؒ چودھویں صدی کے مجدّد اعظم تھے۔ جنہوں نے اسلام کو اس کی اصل صورت میں پیش کیا اور ایک ایسی جماعت تعمیر کی جس کا نام انہوں نے جماعت احمدیہ رکھا اور جس کے سپرد تبلیغ اسلام یا اشاعتِ تعلیم قرقان کا عظیم کام تھا۔ قرآن کریم میں بھی ارشاد ہوا:۔

ولتکن منکم اُمّۃ ........ اولئک ھم المفلحون۔

ترجمہ:۔ اے مسلمانو تم میں ہمیشہ ایک ایسی جماعت کا وجود ضروری

ہے۔ جو لوگوں کو اسلام کی دعوت دے یعنی اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے۔

## احمدی نام کی وجہ تسمیہ۔

مخالفین سلسلہ اور غالی مریدوں میں یہ غلط فہمی بھی عام ہے کہ جماعت کا نام "احمدیہ" بانیٔ سلسلہ کے نام پر رکھا گیا ہے۔ یہ امر صداقت سے بہت بعید ہے۔ جیسے کہ خود بانیٔ سلسلہ نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ آپ نے اس جماعت کا نام "احمدیہ" حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر رکھا۔ مردم شماری کے وقت اس جماعت کو "مسلمان فرقہ احمدیہ" کے نام سے مخصوص کیا۔

یہ امر واقع ہے کہ ۱۹۰۱ء تک آپ نے اپنی جماعت کا کوئی نام نہ رکھا تھا۔ حالانکہ جماعت کی بنیادیں اس سے دس سال قبل رکھی جا چکی تھیں۔ ۱۹۰۱ء میں پہلی مرتبہ ہندوستان میں مردم شماری کا کام حکومت برطانیہ نے کیا۔ اس لئے اس وقت بانیٔ سلسلہ نے اپنے متبعین کو یہ ہدایت فرمائی کہ وہ اپنے نام کے ساتھ "مسلمان فرقہ احمدیہ" لکھائیں۔ تا کہ آپ کے مریدوں کی تعداد کا اندازہ لگایا جا سکے۔ اسی اعلان میں بانیٔ سلسلہ نے جماعت کا نام رکھنے کی وجہ تسمیہ بھی بتلا دی تھی۔ یعنی یہ کہ ہمارے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو نام تھے محمدؐ اور احمدؐ۔ ان دونوں ناموں کا ذکر قرآن کریم میں بھی آیا ہے۔ ان دو ناموں کا ایک گہرا مفہوم حضرت نبی اکرم صلعم کی زندگی کے دو مختلف پہلوؤں سے ہے۔ یہ دونوں نام ایک ہی مخرج سے یعنی حمد سے ہیں۔ چنانچہ احمدؐ کے معنے ہیں وہ جس نے خدا تعالےٰ کی سب سے بڑھ کر ثنا کی اور محمدؐ کے معنے ہیں جس کی حمد و ثنا سب سے بڑھ کر ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں احمد نام کا ظہور ہوا۔ اور آپؐ کی مدنی زندگی میں نام محمدؐ کی جلوہ گری ہوئی۔ پس یہ ظاہر ہے کہ آنحضور صلعم کی پہلی (مکی زندگی) ایک بیکسی، تنہائی کی زندگی تھی۔ اس زمانہ میں آنحضرت صلعم نے تبلیغ اور دعا کے ذریعہ مخالفین کی قوت اور طاقت کا مقابلہ کیا۔ آنحضور صلعم کی زندگی کے دوسرے پہلو کا مدینہ میں ظہور ہوا۔ جب آپؐ نے اپنی اور دین اسلام کی حفاظت کی خاطر مدافعانہ رنگ میں تلوار اُٹھائی۔ تلوار نکالنے کی ضرورت اس وقت اس لئے پیش آئی کہ مخالفین اسلام اپنی تمام تر قوت کو جمع کر کے دینِ اسلام کو ملیامیٹ کرنے کے لئے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے تھے۔ ان جنگی اقدامات کا نتیجہ اسلام کی فتح ہوا اور اسلام کی سلطنت قائم ہو گئی۔ اسی لئے آنحضرت صلعم کی زندگی کے اس پہلو کو نام محمدؐ کی جلوہ گری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں آنحضور صلعم کی طاقت اور حکومت کے باعث آپؐ کی تعریف و توصیف عمل میں آئی۔

آنحضور صلعم کی زندگی کے یہ دو پہلو اسلام کے دو زمانوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ اسلام کی بعثت اوّل میں اسلام کی شان و شوکت اور حکومت قائم ہوئی جو آنحضرت صلعم کی مدنی زندگی کے مطابق ہے۔ لیکن جب مسلمانوں کی قوت اور شوکت دنیا سے جاتی رہی، جسے زوالِ اسلام کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جس کی انتہا اُنیسویں اور بیسویں صدیوں میں ہوئی اور جس میں اسلام پر پہلی سی بے کسی اور محرومی طاری ہوئی جیسی کہ آنحضرت صلعم کے مکی زمانہ میں ہوئی تھی۔ تو یہ وقت نامِ احمدؐ کے ظہور کا تھا۔ خود آنحضور صلعم نے بھی پیشگوئی فرمائی تھی کہ آخری یعنی موجودہ زمانہ میں اسلام اپنے انحطاط کی صورت اختیار کرے گا۔ چنانچہ یہ بات آج صادق ثابت ہو چکی ہے۔ اس وقت مسلمان باوجود اپنی تعدادی اکثریت کے طاقت اور دنیاوی شان و شوکت سے محروم ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت صلعم کی مکی زندگی میں تھے۔ اس لئے اب دوبارہ اسلام کو وہی غلبہ نصیب ہونا مقدر ہے جو پہلے ہوا مگر ظاہری طاقت یا عسکری قوت سے نہیں بلکہ تبلیغ اسلام کے ذریعہ، جس طرح مکی زندگی میں حضور اکرم صلعم نے کر دکھلایا تھا۔

چنانچہ یہ امر موجودہ وقتوں میں مقدر ہو چکا تھا کہ نام احمدؐ کے پیچھے جو اصل رُوح کام کر رہی ہے اس کے اظہار کا صحیح موقع بھی یہی زمانہ ہے۔ اور اسی لئے آنحضور صلعم کے نامِ احمدؐ کی وجہ سے اس جماعت کا نام احمدیہ تجویز کیا گیا۔ اور اسی لئے بانیٔ سلسلہ نے اپنی جماعت کو مغرب میں تبلیغ اسلام بذریعہ قلم اور تقاریر بجا لانے کا کام سپرد کیا۔ اس سے یہ امر ظاہر ہے کہ اس جماعت کے اغراض و مقاصد قرآن کے اس خدائی حکم کے ماتحت ہیں جو سورۃ آلعمران آیت ۱۰۴ میں درج کئے گئے۔ نیز ادع الیٰ سبیل ربّك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن۔ (نحل - ۱۲۶)

(باقی آئندہ)

## نماز کی حقیقت

"پھر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ نماز جو اپنے اصلی معنوں میں نماز ہے دُعا سے حاصل ہوتی ہے۔ غیراللہ سے سوال کرنا مومنانہ غیرت کے صریح مخالف ہے کیونکہ یہ مرتبہ دُعا اللہ ہی کے لئے ہے۔ جب تک انسان پُورے طور پر حنیف ہو کر اللہ تعالےٰ ہی سے سوال نہ کرے اور اسی سے نہ مانگے سچ سمجھو کہ حقیقی طور پر وہ سچا مسلمان اور سچا مومن کہلانے کا مستحق نہیں۔ اس کی حقیقت ہی یہ ہے کہ اس کی تمام طاقتیں اندرونی ہوں یا بیرونی سب کی سب اللہ تعالیٰ ہی کے آستانہ پر گری ہوئی ہوں۔ جس طرح پر ایک بڑا انجن بہت سی کلوں کو چلاتا ہے۔ پس اسی طور پر جب تک انسان اپنے ہر کام اور ہر حرکت و سکون کو اسی انجن کی طاقت عظمیٰ کے ماتحت نہ کر لیوے وہ کیونکر اللہ تعالےٰ کی الوہیت کا قائل ہو سکتا ہے اور اپنے آپ کو انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض کہتے وقت واقعی حنیف کہہ سکتا ہے؟ جیسے منہ سے کہتا ہے ویسے ہی ادھر کی طرف متوجہ ہو تو لاریب وہ مسلم ہے وہ مومن اور حنیف ہے۔ لیکن جو شخص اللہ تعالےٰ کے سوا غیراللہ سے سوال کرتا ہے وہ ادھر بھی جھکتا ہے وہ یاد رکھے کہ وہ بڑا ہی بدقسمت اور محروم ہے کہ اس پر وہ وقت آ جانے والا ہے۔ کہ وہ زبانی اور نمائشی طور پر اللہ تعالےٰ کی طرف نہ جُھک سکے ترک نماز کی عادت اور کسل کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ کیونکہ جب انسان غیراللہ کی طرف جھکتا ہے اور خدا تعالےٰ کی طرف سے ایک سختی اور تشدد اس کے دل میں پیدا ہو کر اسے منجمد اور پتھر بنا دیتا ہے۔ جیسے وہ شاخیں پھر دوسری طرف مڑ نہیں سکتیں اسی طرح پر دِل اور رُوح دن بدن خدا تعالےٰ سے دُور ہوتی جاتی ہے۔ پس یہ بڑی خطرناک اور دل کو کپکپا دینے والی بات ہے کہ انسان اللہ تعالےٰ کو چھوڑ کر دوسرے سے سوال کرے۔" (حضرت مسیح موعودؑ)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور — مورخہ ۲۱ر جولائی ۱۹۷۶ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ — شمارہ نمبر ۲۹

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۳ | چہار شنبہ ۲۹ رجب ۱۳۹۶ھ مطابق ۲۸ جولائی ۱۹۷۶ء | نمبر ۳۰


## ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

# ہر ایک جو پاک ہوا وہ یقین سے پاک ہوا

اے وے لوگو جو نیکی اور راستبازی کے لئے بلائے گئے ہو تم یقیناً سمجھو کہ خدا کی کشش اس وقت تم میں پیدا ہوگی اور اسی وقت تم گناہ کے مکروہ داغ سے پاک کئے جاؤ گے جبکہ تمہارے دل یقین سے بھر جائیں گے شاید تم کہو گے کہ ہمیں یقین حاصل ہے۔ سو یاد رہے کہ یہ تمہیں دھوکا لگا ہوا ہے یقین تمہیں ہرگز حاصل نہیں کیونکہ اس کے لوازم حاصل نہیں۔ وجہ یہ کہ تم گناہ سے باز نہیں آتے تم ایسا قدم آگے نہیں اٹھاتے جو اٹھانا چاہیئے۔ تم ایسے طور سے نہیں ڈرتے جو ڈرنا چاہیئے۔ خود سوچ لو کہ جس کو یقین ہے کہ فلاں سوراخ میں سانپ ہے وہ اس سوراخ میں کب ہاتھ ڈالتا ہے اور جس کو یقین ہے کہ اس کے کھانے میں زہر ہے وہ اس کھانے کو کب کھاتا ہے اور جو یقینی طور پر دیکھ رہا ہے کہ اس فلاں بن میں ایک ہزار خونخوار شیر ہے اس کا قدم کیونکر بے احتیاطی اور غفلت سے اس بن کی طرف اٹھ سکتا ہے۔ سو تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں اور تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں کیونکر گناہ پر دلیری کر سکتی ہیں اگر تمہیں خدا اور جزا سزا پر یقین ہے۔ گناہ یقین پر غالب نہیں ہو سکتا اور جبکہ تم ایک بھسم کرنے اور کھا جانے والی آگ کو دیکھ رہے ہو تو کیونکر اس آگ میں اپنے تئیں ڈال سکتے ہو۔ اور یقین کی دیواریں آسمان تک ہیں شیطان اُن پر چڑھ نہیں سکتا۔ ہر ایک جو پاک ہوا وہ یقین سے پاک ہوا۔ یقین دُکھ اٹھانے کی قوت دیتا ہے یہاں تک کہ ایک بادشاہ کو تخت سے اتارتا ہے اور فقیری جامہ پہناتا ہے۔ یقین ہر ایک دُکھ کو سہل کر دیتا ہے یقین خدا کو دکھاتا ہے۔ ہر ایک کفارہ جھوٹا ہے اور ہر ایک فدیہ باطل ہے۔ اور ہر ایک پاکیزگی یقین کی راہ سے آتی ہے وہ چیز جو گناہ سے چھڑاتی اور خدا تک پہنچاتی اور فرشتوں سے بھی صدق اور ثبات میں آگے بڑھا دیتی ہے وہ یقین ہے۔ ہر ایک مذہب جو یقین کا سامان پیش نہیں کرتا وہ جھوٹا ہے ہر ایک مذہب جو یقینی وسائل سے خدا کو دکھا نہیں سکتا وہ جھوٹا ہے ہر ایک مذہب جس میں بجز پرانے قصوں کے اور کچھ نہیں وہ جھوٹا ہے۔ خدا جیسے پہلے تھا وہ اب بھی ہے اور اس کی قدرتیں جیسی پہلے تھیں وہ اب بھی ہیں اور اس کا نشان دکھلانے پر جیسا کہ پہلے اقتدار تھا وہ اب بھی ہے۔ پھر تم کیوں صرف قصوں پر راضی ہوتے ہو وہ مذہب ہلاک شدہ ہے جس کے معجزات صرف قصے ہیں جس کی پیشگوئیاں صرف قصے ہیں اور وہ جماعت ہلاک شدہ ہے جس پر خدا نازل نہیں ہوا اور جو یقین کے ذریعہ سے خدا کے ہاتھ سے پاک نہیں ہوئی۔ جس طرح انسان نفسانی لذات کا سامان دیکھ کر ان کی طرف کھینچا جاتا ہے اسی طرح انسان جب روحانی لذات یقین کے ذریعہ سے حاصل کرتا ہے تو وہ خدا کی طرف کھینچا جاتا ہے اور اس کا حسن اس کو ایسا مست کر دیتا ہے کہ دوسری تمام چیزیں اس کو سراسر ردّی دکھائی دیتی ہیں اور انسان اسی وقت گناہ سے مخلصی پاتا ہے جبکہ وہ خدا اور اس کے جبروت اور جزا سزا پر یقینی طور پر اطلاع پاتا ہے ہر ایک بیباکی کی جڑھ بے خبری ہے۔ جو شخص خدا کی یقینی معرفت سے کوئی حصہ لیتا ہے وہ بے باک نہیں رہ سکتا۔ اگر گھر کا مالک جانتا ہے کہ ایک پُرزور سیلاب نے اس کے گھر کی طرف رُخ کیا ہے اور یا اس کے گھر کے ارد گرد آگ لگ چکی ہے اور صرف ایک ذرہ سی جگہ باقی ہے تو وہ اس گھر میں ٹھہر نہیں سکتا۔ تو پھر تم خدا کی جزا سزا کے یقین کا دعویٰ کر کے کیونکر اپنی خطرناک حالتوں پر ٹھہر رہے ہو سو تم آنکھیں کھولو اور خدا کے اس قانون کو دیکھو جو تمام دنیا میں پایا جاتا ہے۔ چوہے مت بنو جو نیچے کی طرف جاتے ہیں بلکہ بلند پرواز کبوتر بنو جو آسمان کی فضا کو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

(کشتی نوح)

# "وفاتِ مسیح ناصریؑ"

جماعت احمدیہ اور عامۃ المسلمین کے درمیان پہلا متنازعہ فیہ مسئلہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کی حیات و ممات کا ہے۔ عام مسلمانوں کے نزدیک وہ زندہ بجسدہ العنصری (اسی مادی جسم کے ساتھ) آسمان پر ہیں۔ اور جماعت احمدیہ اور محققین علماء ان کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح وفات پا چکے ہیں۔

اس سے پہلے کہ اس مسئلہ پر تفصیلاً لکھا جائے چند تمہیدی امور جو تشریح طلب ہیں ان پر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

اوّل۔ سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج اس دور میں حیات و ممات مسیح کا مسئلہ اُٹھانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

دوئم: حضرت عیسٰے علیہ السلام کو زندہ بجسدہ العنصری تسلیم کر لینے سے ہمارے عقائد میں کیا خرابی اور نقص پیدا ہوتا ہے؟

سوئم: حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی اور موت کے متعلق قرآن مجید احادیث اور علماءِ دین کا کیا فیصلہ ہے۔

چہارم: اگر حضرت مسیح ناصری علیہ السلام دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح وفات یافتہ تھے تو حیاتِ مسیح ناصری کا عقیدہ مسلمانوں میں کیسے رائج ہو گیا۔

سو سب سے پہلی بات کہ آج اس زمانہ میں اس مسئلہ کو اُٹھانے کی کیا ضرورت تھی۔ در اصل یہ سوال ان لوگوں کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے جنہیں تبلیغ اسلام اور اشاعتِ اسلام سے کوئی دلچسپی نہیں کیونکہ نہ انہوں نے عیسائیت میں اور نہ ہی دوسرے مذاہب میں تبلیغ اسلام کی ضرورت کو محسوس کیا اور نہ ہی ان کو کسی قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ مسیحی دنیا میں تبلیغ اسلام کے راستہ میں سب سے بڑی روک یہی مسئلہ تھا۔

آپ اگر حضرت عیسٰے علیہ السلام کو دوسرے انسانوں کی طرح زندہ مانتے تو چنداں کوئی اعتراض کی بات نہ تھی اور نہ ہی ان کو زندہ ماننے سے ہمارے عقائد میں کوئی فرق پڑتا۔ لیکن اگر عام انسانوں سے الگ حضرت مسیح ناصریؑ کی زندگی کے اندر ایسی خصوصیات تسلیم کی جائیں جو خالصتاً الٰہی صفات ہوں تو یقیناً ایسا عقیدہ قرآن مجید کی صریح تعلیمات کے خلاف ہے۔ اصل میں قابلِ اعتراض ایسی ہی زندگی ہے جس کا مسیحی دنیا پرچار کر رہی ہے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ اس دور میں حیاتِ مسیح کے عقیدہ کی وجہ سے پادری صاحبان لاکھوں مسلمانوں کو اسلام سے بیزار اور عیسائیت کے حلقہ بگوش کر چکے ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان کے اخبارات اس کے گواہ ہیں۔

حضرت عیسٰے علیہ السلام کی حیاتِ غیر طبعی کا عقیدہ صرف عیسائیوں کا ہی نہیں بلکہ عام مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے کہ:-

" عیسٰے علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور پیدائش کے وقت مسِ شیطانی سے وہ بالکل منزہ تھے۔ انہوں نے پیدا ہوتے ہی ماں کی گود میں باتیں کیں اور بڑے ہو کر کوڑھیوں کو ٹھیک کیا۔ اندھوں کو بینا کر دیا۔ مُردے زندہ کئے۔ وہ غیب جانتے تھے۔ پرندوں کے خالق تھے۔ جب یہودی انہیں صلیب دینے لگے تو خدا تعالےٰ نے انہیں زندہ آسمان پر اُٹھا لیا۔ دو ہزار سال ہو گئے کہ وہ بغیر کھانے پینے کے زندہ آسمان پر بیٹھے ہیں۔ نہ انہیں ضروریاتِ زندگی کی احتیاج ہے اور نہ ہی زمانہ کے تغیرات سے وہ متاثر ہوئے ہیں نہ ان کے اتنے طویل عرصہ میں جسم تحلیل ہوا ہے۔ جب وہ نازل ہوں گے تو ان کی عمر اس وقت صرف چالیس برس ہوگی اور وہ اپنے منصبِ نبوت پر اسی طرح فائز ہوں گے جس طرح پہلے تھے بعض کا خیال ہے کہ وہ نبوت سے معزول ہو جائیں گے صرف امتی ہوں گے۔ وحی ان پر باقاعدہ آئے گی اور وہ تمام دنیا کی اصلاح کرنے کے لئے آئیں گے حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت بھی انہی کی اصلاح کی محتاج ہوگی۔"

لیکن اس کے برعکس یہی مسلمان ہمارے سید و مولےٰ سرکار دو عالم محبُوبِ خدا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ:-

" حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش عام انسانوں کی طرح ہوئی نہ آپ نے پیدا ہوتے ہی ماں کی گود میں باتیں کیں اور نہ ہی بڑے ہو کر کسی اندھے کو ٹھیک کیا اور نہ کسی کوڑھی کو شفا بخشی اور نہ ہی کسی پرندہ کے خالق تھے اور جب کفار مکہ انہیں قتل کرنے لگے تو آپ نے غارِ ثور میں جا کر پناہ لی اور آپؐ کی وفات عام انسانوں کی طرح ہوئی اور آپؐ کا روضہ مبارک مدینہ منورہ میں ہے۔"

اب آپ ہی انصاف کریں کہ ان عقائد کے تقابل اور موازنہ کرنے سے اسلام کا کیا رہ جاتا ہے اور عیسائیت کے سامنے مسلمان اپنی گردن کس طرح بلند کر سکتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

؎ مسیح ناصری را تا قیامت زندہ می فہمند
مگر مدفونِ یثرب را ندادند ایں فضیلت را

یہ مسیح ناصری کو قیامت تک زندہ سمجھتے ہیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فضیلت نہیں دیتے۔

؎ ہمہ عیسائیاں را از مقالِ خود مدد دادند
دلیری ہا پدید آمد پرستارانِ میت را

انہوں نے اپنے عقیدہ سے تمام عیسائیوں کی مدد کی۔ اسی وجہ سے مُردہ پرستوں میں بھی دلیری آگئی۔

غرض جس طرح پہلے لکھا جا چکا ہے کہ سوال صرف حیاتِ مسیح کا نہیں بلکہ ان تمام صفات کے ساتھ زندہ جاوید ماننے کا ہے جس سے حضرت مسیح ناصری صفاتِ خداوندی میں شریک ہو جاتے ہیں جو سراسر شرک ہے اور قرآن مجید کی تعلیم کے مطابق اس طرح کے غلط عقائد مسلمانوں کیلئے سم قاتل ہیں۔

دوئم۔ حیاتِ مسیح کے ماننے کے نقصانات اور خرابیاں

(۱) حضرت عیسٰے علیہ السلام کو آسمان پر زندہ بجسدِ عنصری ماننے سے خدا تعالےٰ کی صفت سبحان سے انکار لازم آتا ہے۔ کیونکہ اس عقیدہ سے تو ماننا پڑے گا کہ خدا تعالےٰ کا بھی ان مادی آسمانوں پر ایک مادی اور جسمانی وجود ہے جس کی طرف حضرت مسیح علیہ السلام کو اسی مادی جسم کے ساتھ اُٹھایا گیا۔ حالانکہ خدا تعالےٰ مجسّم ہونے اور آسمانوں پر ایک مخصوص جگہ رہنے سے پاک ہے۔ اسی واسطے جب آنحضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کفارِ مکہ نے مطالبہ کیا کہ اَو ترقیٰ فی السماء یعنی آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور وہاں سے کتاب لا کر دکھائیں تب ہم آپ پر ایمان لائیں گے تو خدا تعالےٰ نے جواب میں فرمایا قل سبحان ربی ھل کنت الا بشراً رسولاً (۱۷-۹۳) کہہ میرا ربّ پاک ہے۔ میں صرف بشر رسول ہوں۔ تو اس جواب سے معلوم ہوا کہ نہ صرف اس جسدِ خاکی کے ساتھ آسمان پر جانا بشریت کے منافی ہے بلکہ اللہ تعالےٰ کی صفت سبحانیت کو بھی چھوڑنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اس طرح تو ماننا پڑے گا کہ خدا کا ایک جسمانی وجود ہے جو ان مادی آسمانوں پر موجود ہے حالانکہ خدا تعالےٰ مجسّم ہونے سے پاک ہے ایسا مشرکانہ عقیدہ رکھنا قرآن مجید کے صریحًا منافی ہے۔ فسبحان اللہ عمّا یصفون۔

(۲) اگر یہ عقیدہ رکھا جائے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا جسم ایسا ہے کہ

(باقی بر صفحہ ۸ کالم اوّل)

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مورخہ ۲۸ جولائی ۱۹۷۶ء

# "قرآن کریم کا معاشی نظام پرویز صاحب کی نظر میں"

ہم معذرت خواہ ہیں۔ کہ اداریہ غیر ضروری طور پر طویل ہو گیا ہے۔ مگر مضمون اب بھی تشنۂ تکمیل ہے۔ (ادارہ)

اس دور میں تحریک احمدیت کے اشد ترین بد نصیب مخالفین میں سے ایک جناب غلام احمد پرویز صاحب بھی ہیں۔ ان کی کوئی تحریر۔ تقریر یا گفتگو ایسی نہیں ہوتی جس میں وہ اپنے اصلی موضوع سے ہٹ کر حضرت مرزا صاحب کی ذات کو معاندانہ رنگ میں زیر بحث نہ لاتے۔ اور آپ کے پیش کردہ اسلام کو تمسخر اور استہزاء کا نشانہ نہ بناتے ہوں۔ ہمارے جن قارئین کو پرویز صاحب کے مضامین پڑھنے کا اتفاق ہوا ہوگا۔ ان پر یہ بات واضح ہو گئی ہوگی کہ ان کے تنظریۂ اسلام اور حضرت مرزا صاحب کے نظریۂ اسلام میں ایک بنیادی فرق ہے۔ حضرت مرزا صاحب اسلام کو ایک مکمل ضابطۂ حیات کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اسلام ایک ایسا دین ہے جس میں اللہ تعالےٰ نے انسان کی روحانی اور جسمانی دونوں ضروریات کا مکمل سامان مہیا کیا ہے لیکن یہ فرما کر کہ :—

"اپنی نگاہیں اس کی طرف بھی نہ کر جو ہم نے ان میں سے قسم قسم کے لوگوں کو دنیا کی زندگی کی آرائش کے لئے سامان دیا ہے تاکہ ہم ان کو اس کے ذریعہ سے آزمائیں اور تیرے رب کا رزق بہتر اور زیادہ دیرپا ہے" (طٰہٰ - ۱۳۱)

روحانی اقدار کو اولیت بخشی ہے کیونکہ یہی وہ سرچشمے ہیں جن سے انسانی زندگی کی فلاح اور کامیابی کی نہریں پھوٹتی ہیں۔ اور یہی مقصد اولیٰ تھا جس کی خاطر انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوتے رہے۔ اس کے برعکس پرویز صاحب فرماتے ہیں :—

"یہ صحیح ہے کہ رسول افراد معاشرہ کی اخلاقی تہذیب کا فریضہ بھی سرانجام دیتے تھے۔ لیکن یہ چیز مقصود بالذات نہیں ہوتی تھی یہ ایک ارفع و اعلیٰ مقصد کے حصول کا ذریعہ ہوتی تھی اور وہ مقصد ہوتا تھا انسانوں کی تمدنی۔ تہذیبی۔ ثقافتی۔ عمرانی۔ معاشرتی معاشی۔ سیاسی زندگی میں انقلاب برپا کرنا"

(طلوعِ اسلام۔ اپریل ۱۹۷۶ء صفحہ ۱۵)

اس اقتباس کے الفاظ سے صاف عیاں ہے کہ پرویز صاحب انسان کی مادی زندگی کو ارفع اور اعلیٰ مقصد سمجھتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں اس کے روحانی پہلو کو ثانوی حیثیت دیتے ہیں جیسا کہ پہلے فقرے میں لفظ "بھی" سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور جن پانچ ستونوں کلمہ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ پر اسلام کی عمارت کھڑی ہے اپنے اس انوکھے طرز فکر کے مطابق پرویز صاحب انہیں بجا لانے کو "جذبات کی تسکین" اور "خانقاہیت" کا نام دیتے ہیں لیکن حضرت مرزا صاحب اپنے آپ کو انہی کی حفاظت پر مامور ہونے کا مدعی قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ یہی قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا نچوڑ اور نظام زندگی کی اساس ہیں۔ انہی عبادات کا نام پرویز صاحب "مذہب" رکھتے ہیں اور فرماتے ہیں :—

"مذہب کا مقصود انفرادی جذبات کی تسکین ہوتا ہے"

اور اپنی تائید میں قرآن کریم کے بجائے علامہ اقبال کے اس شعر کا حوالہ دیتے ہیں :—

مست رکھو ذکر و فکرِ صبحگاہی میں "انہیں"
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں "انہیں"

وہ بھول گئے ہیں کہ یہی علامہ اقبال ایک دوسرے مقام پر عطارؒ۔ رومیؒ اور جنیدؒ کا نام لے کر اپنے ایک شعر کے دوسرے مصرع میں فرماتے ہیں :—

"کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحرگاہی"

پرویز صاحب خود اس "آہ سحرگاہی" سے بکلی ناآشنا اور بیگانہ ہیں ورنہ یہی وہ آہِ سحرگاہی اور ذکر و فکر صبحگاہی ہے جو خشک اور تپتے ہوئے صحرائے عرب کی سیرابی کا ذریعہ بن گیا۔ جب یہ نہ رہی تو اس کے صدقے میں جو مادی انقلاب آیا وہ بھی ارتقائے زمانہ کی تند و تیز لہروں کے سامنے خس و خاشاک کی طرح بہہ گیا۔ اور اب بھی اگر کوئی انقلاب آئے گا تو انہی راہوں سے۔ وہ لاکھ سر پیٹتے رہیں۔ ان کے ذہن اور قلب کا "مادی اسلام" یہاں نافذ نہیں ہو سکے گا اور غلبہ اسی اسلام کو ہوگا جس کی تہ میں روحانیت کی تسکین کا سامان کار فرما ہے۔

ہم نے پہلے ایک سابقہ اداریہ میں عرض کیا تھا کہ پرویز صاحب "مارکسی نظام معیشت" کے شارح اور مبلغ ہیں لیکن عوام کے غیظ و غضب کا نشانہ بننے کے خوف سے وہ کھل کر سامنے نہیں آتے۔ وہ اپنے اس نظریہ کو پیش کرنے میں تلبیس حق بالباطل اور ملمع سازی سے کام لیتے ہیں۔ وہ قرآن کریم کی آیات کی ایسی من مانی تعبیر اور تشریح کرتے ہیں کہ مارکس کی DAS KAPITAL کی تفسیر نظر آئے۔ "طلوع اسلام" کے محولہ بالا ایشوع میں صفحہ ۲۳ پر فرماتے ہیں :—

"طلوعِ اسلام کنونشن منعقدہ اکتوبر ۱۹۷۵ء میں میرے ایک خطاب کا عنوان تھا۔ جہاں مارکس ناکام رہ گیا اس سے آگے۔ اس میں میں نے بڑی وضاحت سے بتایا ہے کہ خود مارکس نے اپنے تصور کے نظام کے عملاً متشکل کرنے کے لئے کس طرح اپنے عجز کا اظہار کیا۔ اور اس کے بعد میں نے یہ لکھا ہے کہ اس کے تصور کا نظام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح متشکل کر کے دکھا دیا تھا اور وہ آج بھی قرآن کریم کی روشنی میں کس طرح قائم کیا جا سکتا ہے۔"

ان سطور کی روشنی میں کون ذی عقل و فہم انسان یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور نہ ہوگا کہ پرویز صاحب کی "فکرِ جدید" کے مطابق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مارکس کے تصور کا نظام ایک ہی تھا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مارکس اسے عملی شکل نہ دے سکا اور حضور نبی کریمؐ نے "اسے متشکل کر کے دکھا دیا"۔ یہ کس قدر جھوٹ ہے۔ افتراء ہے۔ گستاخی ہے اللہ کے حضور اس کے نبیؐ کے حضور اور قرآن کریم کی صریح تعلیمات کے حضور۔ ماتم تو یہ دوسروں کی متاعِ دین و ایمان لٹنے کا کرتے ہیں لیکن اپنی عقل پر آٹھ آٹھ آنسو نہیں بہاتے کہ وہ کس طرح قرآن کریم کے بنیادی تصورات کی دھجیاں فضا میں بکھیر کر کفر و الحاد اور دہریت کی راہ استوار کر رہی ہے۔ اگر اسے ہر بوالہوس کا شعار حسن پرستی نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے۔

مارکس کے نظریۂ معیشت کا نچوڑ تین فقروں میں اس طرح پیش کیا جا سکتا ہے :—

۱۔ تمام ذرائع پیداوار حکومت کی ملکیت میں ہونے چاہئیں۔ نجی ملکیت کی کوئی گنجائش نہیں۔

۲۔ تمام انسانوں کی ضروریاتِ زندگی مہیا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہوگی کیونکہ وسائل پیداوار اس کے ہاتھ میں ہوں گے۔

۳۔ ہر شہری سے اس کی اہلیت اور قابلیت کے مطابق کام لیا جائے اور اس کی ضروریات کے مطابق اسے دیا جائے۔

پرویز صاحب کے خیالات کے ترجمان "طلوع اسلام" کے اسی ایشوع کے صفحہ ۲۳ پر "سوشلزم سے آگے" کے عنوان کے تحت لکھا ہے "قرآن کریم کا معاشی نظام

تین بنیادی عناصر پر مشتمل ہے :۔

۱۔ افراد معاشرہ کی بنیادی ضروریاتِ زندگی بہم پہنچانا مملکت کی ذمہ داری ہے۔

۲۔ مملکت اپنی اس عظیم ذمہ داری سے اسی صورت میں عہدہ برآ ہو سکتی ہے جب وسائلِ رزق اس کی تحویل میں ہوں۔

۳۔ افراد معاشرہ اپنی صلاحیتوں اور استعداد کے مطابق پوری پوری محنت کریں اور اس کے ماحصل سے (مملکت کے انتظام کے مطابق) بقدر اپنی ضروریات کے لے کر باقی دوسروں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے مملکت کی تحویل میں دے دیں ۔"

بتایئے کیا فرق ہے مارکس اور پرویز صاحب کے بیان کردہ نظامِ معیشت میں اور کیسی تفسیر کی ہے انہوں نے DAS KAPITAL کی۔ سوائے اس کے کہ نمبر ۳ میں انہوں نے یہ کہہ کر کہ :۔

"بقدر اپنی ضروریات کے لے کر باقی دوسروں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے مملکت کی تحویل میں دیدیں"

اسے "قل العفو" کے تحت قرآنی لباس پہنانے کی سعی ناکام کی ہے اور یہ ظاہر کرنے کوشش کی ہے کہ افراد معاشرہ کو اپنی ضروریات لینے اور حکومت کی تحویل میں دینے کا اختیار حاصل ہے حالانکہ یہ نمبر ۱ اور نمبر ۲ کے بالکل مخالف پڑتا ہے۔ جب وسائل رزق حکومت کی تحویل میں ہوں اور ضروریات زندگی پوری کرنا بھی حکومت کی ذمہ داری ہو تو وہ کون ایسی نا اہل حکومت ہوگی جو افراد معاشرہ کو ان کی ضروریات سے بڑھ کر دے گی کہ ان کے پاس کچھ بچ بھی جائے اور وہ پھر اسے حکومت کی تحویل میں دے دیں تاکہ پرویز صاحب کے "قرآنی نظام معیشت" کے تقاضے پورے ہوں ہاں ایسی صورت میں تو پکی پکائی روٹی" کے چند سوکھے ٹکڑے اور" دال کے چند دانے" بچ جانے کی امید ضرور کی جا سکتی ہے جو حکومتِ وقت کو پیش کر کے دل کو یہ تسلی دی جا سکتی ہے کہ ہم نے قرآن پر عمل کر لیا۔ اور اب خدا اور رسولؐ کے حضور سرخرو ہو گئے۔ داد دیجئے پرویز صاحب کی ذہانت۔ فطانت اور قرآن فہمی کی۔ حیرت ہے کہ اس پر بھی حضرت مرزا صاحب کی مخالفت میں جامے سے باہر ہوئے جاتے ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے پرویز صاحب کے سامعین اور مخاطبین میں تلاش معاش اور فکر روزگار کے مارے تشریف فرما ہوتے ہیں اس لئے ان کے "جذبات کی تسکین" کے لئے وہ قرآن کریم کی ایسی تفسیر کرتے ہیں جو ان کے دلوں میں اُمید کے چراغ روشن کر دے اور ان کی قرآن فہمی اور نکتہ رسی پر داد و تحسین کے ڈونگرے برسائے جائیں۔ ورنہ ان میں سے اگر ایک بھی قرآن کے بنیادی تصورات اور محکمات سے واقف ہوتا تو اس مفسرِ قرآن سے پوچھ بیٹھتا کہ :۔

۱۔ اللہ تعالےٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ کہا ہے۔ خلیفہ وہی ہو سکتا ہے جو اپنے آقا کے رنگ میں پوری طرح رنگین ہو اور اس کی راہ پر وفاداری اور استقامت سے چلنے والا ہو۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں "صبغۃ اللہ" فرماتا ہے یعنی اللہ کا رنگ اپنے اُوپر چڑھانا یہ رنگ اس کے ۹۹ ناموں میں پوشیدہ ہے۔ ان میں ایک نام "الرزاق" ہے جو اس کی صفت رزاقی کو ظاہر کرتا ہے۔ کیا اللہ کی ساری صفات اس ایک نام میں سمٹ سمٹا کر سما گئی ہیں اور انسان کو صرف "رزاقی" کا کردار ہی ادا کرنا ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو اس نے (اللہ) تمام سامانِ رزق مہیا کر دیئے ہیں۔ اب ان سے استفادہ کرنا اس کے جانشین انسان کا اپنا کام ہے اس لئے خدا کو ہمارے معاملات میں کیا دخل اور اس کو ماننے کا کیا فائدہ۔ اور آخرت کے حساب کتاب اور مالک یوم الدین ہونے کے

کیا معنے ؟ کیسی باریک راہوں اور SUBTLE طریقوں سے اللہ کی ہستی سے انکار کا زہر سیدھے سادے لوگوں کے ذہن میں بھرا جا رہا ہے اور اشتراکیت کے لئے راستہ صاف کیا جا رہا ہے۔

۲۔ حضرت موسےٰ مثیل محمد صلعم ہیں۔ آپ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے۔ سورۃ البقرہ جو مدنی سورت ہے کی آیت نمبر ۶۱ میں بیان فرمایا گیا ہے کہ حضرت موسےٰ کی قوم نے ان سے ان چیزوں کے لئے اللہ سے دُعا کا مطالبہ کیا جو زمین اُگاتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کیا تم <u>اعلےٰ کے بدلے ادنےٰ چیز کو</u> پسند کرتے ہو۔ شہر میں اُترنے اور کھیتی باڑی کے بعد ان کو یہ چیزیں تو مل گئیں لیکن ان پر ذلت اور محتاجی ڈالی گئی۔ اللہ کے غضب کا محل بن گئے۔ کیونکہ وہ اللہ کی باتوں کا انکار کرتے تھے اور اللہ کے نبیوں کو قتل کرتے تھے اور نافرمانی میں حد سے بڑھ گئے تھے۔ آخر ان کا کیا قصور تھا۔ انہوں نے رزق ہی تو مانگا تھا۔ اور اللہ تعالےٰ نے رزاق ہونے کی حیثیت میں ان کو رزق دے دیا۔ پھر ایک چیز ان کی خواہش۔ حضرت موسےٰ کی دعا اور صفت رزاقی کو کام میں لاتے ہوئے انہیں دینے کے بعد ان پر ذلت اور محتاجی ڈالنا نعوذ باللہ ناانصافی نہیں تو اور کیا ہے یا یہ بتایئے کہ انہوں نے اللہ کی کونسی باتوں کا انکار کیا۔ رسولوں کو ناحق کیوں قتل کیا۔ اور کیسی نافرمانی کی کہ مورد غضب الٰہی ہوئے اور یہی پیٹ کا دھندا سبت کے دن مچھلیاں پکڑنے کی وجہ سے ان کے لئے لعنت کا موجب کیوں بنا۔ آخر مچھلیاں ہی تو پکڑتے تھے۔ اور یہ ان کا ایک اہم ذریعہ معاش تھا۔ انہیں اس سے محروم رکھنے میں کونسا فلسفہ مخفی ہے۔

۳۔ سورۃ المائدہ رکوع ۱۵ اٹھا کے دیکھئے۔ حضرت عیسےٰ کے حواری آپ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ہمارے لئے آسمان سے مائدہ اتارا جائے۔ وہی روٹی کا جھگڑا ہے۔ وہ اسے اتارنے کو اپنے اطمینان قلب کا ذریعہ اور حضرت مسیح کی صداقت کا نشان بناتے ہیں۔ لیکن آپ جواب دیتے ہیں "<u>اللہ کا تقوےٰ کرو اگر تم مومن ہو۔</u>" بھئی رزق مانگنے سے تقویٰ کا تعلق۔ اللہ تعالےٰ اس مطالبہ کے جواب میں فرماتے ہیں :۔

"میں اس کو تم پر اتارنے والا ہوں پھر جو کوئی تم میں سے اس کے بعد ناشکری کرے تو میں یقیناً اسے ایسا عذاب دوں گا کہ تمام جہانوں میں اور کسی کو ایسا عذاب نہیں دوں گا"

کیسی عجیب بات ہے کہ رزق دینے کا مطالبہ بھی منظور ہے مگر اس کے ساتھ عذاب کا وعید بھی ہے۔ اس رزق کے جھگڑے کے ہاتھوں اس وقت ساری دنیا جس عذاب میں مبتلا ہے وہ ہمارے سامنے ہے۔ حتیٰ کہ پرویز صاحب کا "ماسکو" بھی جو ان کی نگاہ میں قرآنی نظام معیشت کے قیام کا داعی ہے اس عذاب سے باہر نہیں۔ سرمایہ دار ملک تو رہے الگ۔ آخر وہ کونسی ناشکری ہے جس کے ساتھ یہ عذاب وابستہ ہے؟

۴۔ ہم خود پرویز صاحب سے یہ پوچھنے کی جسارت کرتے ہیں کہ کیا وہ ہمیں قرآن کریم کی کسی آیت یا رسول کریم صلعم اور آپ کے بعد آنے والے خلفائے راشدین کے تعامل سے یہ بتا سکتے ہیں کہ انہوں نے باوجود "زندہ۔ محسوس اور سنٹرل اتھارٹی" ہونے کے مسلمانوں کی اس وقت کی تھوڑی بہت نجی ملکیت کو حکومت کی ملکیت میں لیا؟ ان کے خیال میں اگر ایسا ہوا ہے تو سورۃ النساء

میں آیت ۷ سے ۱۴ تک تقسیم وراثت کے جو احکام نازل ہوئے ہیں اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے "حدود اللہ" فرمایا اور جن پہ عمل کرنے کو جنّت کی زندگی اور "الفوز العظیم" قرار دیا ہے ان کے کیا معنی رہ جاتے ہیں جب کسی کے پاس ہوگا ہی کچھ نہیں اور ساری ملکیّت حکومت کی ہوگئی تو کوئی تقسیم کیا کرے گا اور کامیابی کیا پائے گا۔ اسی صورت کی آیت ۲۰ میں ایک بی بی کی جگہ دوسری بی بی سے نکاح کرنے کے ذکر میں فرمایا "اور تم اُسے سونے کا ڈھیر دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ نہ لو" بھئی جو اپنی ایک وقت کی روٹی کے لئے حکومت کا محتاج ہے وہ کنگلا سونے کا ڈھیر کہاں سے دے گا۔؟

جگہ جگہ قرآن کریم میں مقررہ نصاب کے مطابق زکوٰۃ دینے کا تاکیدی حکم ہے۔ اور یہ وہی حکم ہے جس کی تعمیل کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تلوار اُٹھانی پڑی۔ اگر ذرائع اور وسائل رزق تمام حکومت کی تحویل میں تھے تو حضرت ابوبکرؓ کا یہ فعل کہاں تک قرآن کے حکم کے ماتحت تھا اور یہ کہاں کا انصاف تھا کہ بے گناہ لوگوں کو نعوذ باللہ نشانۂ ستم اور انتقام بنایا جاتا۔

آیئے ہم آپ کو آنحضرت صلعم کے حجۃ الوداع کے عرفات کی پہاڑی پر آخری خطبہ کی طرف لے جاتے ہیں۔ یہ وہی خطبہ ہے جسے میگنا کارٹا اور ایک اہم تاریخی دستاویز کی حیثیت حاصل ہے۔ اس پہ آپ نے اللہ تعالیٰ اور لوگوں کو گواہ ٹھہرایا۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور اپنا پیغام پہنچا دینے کے لئے سجدہ شکر ادا کیا۔ اس کی پہلی ہی دفعہ میں آپ نے لوگوں کو ایک دوسرے کی جان۔ مال اور عزّت کی حفاظت کی وصیّت فرمائی ہے۔ اور انہیں اتنا ہی حرمت والا ٹھہرایا ہے جتنا مکّہ کا شہر۔ ذوالحجہ کا مہینہ اور عرفات کا میدان اور وہ خاص دن ہے۔ اگر "مال" حکومت کا تھا تو اس میں اس کے ذکر کی ضرورت ہی کیا تھی۔

ایسے خلاف قرآن نظریات پیش کرکے کیا آپ لوگوں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ رسول کریم صلعم نے نعوذ باللہ۔ تم نعوذ باللہ خدا کے احکام کے خلاف اور اپنی وحی کے خلاف کیا۔ اور آپ کے صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین نے "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول" کی خلاف ورزی کی۔ کیا آپ کے دل میں آپؐ کے اس سجدہ شکر کی یہی عظمت اور احترام ہے؟ اور یہی آپ کا وہ "تحفّظ ختم نبوّت" کا دعویٰ ہے جس پہ اتنا اتراتے ہیں؟ ہم "غیر مسلم" ہی سہی لیکن ہم آپ کا پیچھا کرتے رہیں گے۔ آپ کے ان خلاف قرآن نظریات کا تار و پود بکھیرتے رہیں گے اور آپ کے چہرے سے وہ مصنوعی نقاب اُلٹتے رہیں گے جس کے پیچھے بیٹھ کر آپ سادہ دل مسلمانوں کو خدا اور رسول کی بتائی ہوئی راہ سے گمراہ کرنے میں مصروف ہیں تا آنکہ دنیا جان لے کہ مقام نبوّت کی حفاظت کس نے کی حضرت مرزا صاحب کے ماننے والوں نے یا آپ جیسے "مسلمانوں" نے۔

# جرمنی میں اسلامی عبادت گاہیں

## جرمنی میں ولمرس ڈورف مسجد کی ۵۰ویں سالگرہ

۱۹۷۶ء جرمنی کے مسلمانوں کے لئے ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اس سال کے دوران برلن ولمرس ڈورف کی مسجد کی ۵۰ ویں سالگرہ منائی جا رہی ہے۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ جرمن حکمران ولیم اوّل (۱۸۱۳ء تا ۱۸۴۰ء) کے مُسلم گارڈس کو نماز کی ادائیگی کے لئے ایک علیحدہ کمرہ دیا گیا تھا۔ لیکن ۱۹۲۲ء سے پہلے جرمنی کے مسلمانوں نے ایک بڑے طبقہ کی شکل اختیار نہیں کی تھی۔ یہی وہ سال تھا جب کہ ہندوستانی النسل مسلمانوں نے جو برلن میں مقیم تھے۔ قلب یورپ میں واقع اس شہر میں ایک مسجد کی تعمیر کا فیصلہ کیا اور ۱۹۲۶ء میں اس مسجد کی تعمیر مکمّل ہو گئی۔ اور آج بھی جرمنی میں ہند اسلامی طرز تعمیر کے منفرد نمونہ کی حیثیت سے موجود ہے۔

۱۹۳۵ء میں اس مسجد کی انتظامی کمیٹی کے زیر اہتمام قرآن کریم کا جرمن زبان میں ترجمہ شائع کیا گیا۔ اس سلسلہ میں سرکردہ اور سربرآوردہ مُسلم علماء کا تعاون و اشتراک حاصل کیا گیا مشہور زمانہ علمائے وقت نے مسجد برلن میں درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا جن میں ڈاکٹر نظیر الاسلام اور ڈاکٹر ایم ایس عبداللہ جیسی شخصیتیں بھی شامل تھیں۔ الحاج سیّد امین الحسینی کے علاوہ جنہیں عالمی اسلامی کانگریس اور علمائے اسلام کی کانگریس کی صدارت کا شرف حاصل ہوا پہلے جرمن نژاد مسلم عالم محمد امان الہیم نے بھی مسجد برلن میں بڑے اجتماعات سے خطاب کیا تھا۔

جرمنی سے مسلمانوں کے ربط و ضبط کی تاریخ ۱۱۶۸ سال قدیم ہے جبکہ قدیم جرمن شہر آخین میں ۸۰۲ء میں اسے ڈی شارلمین نے مسلم سفیر ہارون عبداللہ کو خوش آمدید کہا تھا۔ جنہیں خلیفہ ہارون رشید نے بغداد سے اس پیام کے ساتھ روانہ کیا تھا کہ وہ شہنشاہ جرمنی سے دوستی اور خیر سگالی کے معاہدے کے خواہشمند ہیں۔

آج اسی تاریخی شہر میں مسجد بلالؓ کھڑی ہے۔ یہ مسجد ۱۹۶۷ء میں تعمیر کی گئی۔ اور اسے جرمنی کے علاقہ رائیلن بجے ویسٹ فالین کے مسلمانوں کا روحانی مرکز کہا جا سکتا ہے۔ اس مسجد اور اسلامی سینٹر کی تعمیر آخین میں زیر تعلیم مسلم طلباء کی سرگرمیوں کی رہین منّت ہے۔ اس مسجد اور سینٹر کو ۲۶ مسلم ممالک سے گرانٹ ملتی ہے۔ مسجد آخین کی طرح میونخ میں جنوبی جرمنی کا اسلامک سنٹر مسلم طلباء کی رُوحانی آسودگی کا سامان مہیا کرتا ہے۔ وفاقی جمہوریہ جرمنی میں ایک مسلم کنڈر گارٹن بھی ہے۔ میونخ کی مسجد کی تعمیر پر تین ملین ڈوئش مارک کی لاگت آئی اور ۱۴ مُسلم ممالک نے یہ سرمایہ فراہم کیا۔ صرف لیبیا نے ۱.۶ ملین ڈوئش مارک کا عطیہ دیا۔ جرمنی کے کیتھولک چرچ نے بھی اس سلسلے میں فیاضی اور فراخ دلی کا عملی ثبوت دیا۔

اس مسجد کے زیر اہتمام جرمن زبان کے رسالہ "الاسلام" کے علاوہ ترکی زبان میں ایک بلیٹن اور بچّوں کا میگزین "تم اور اسلام" کے نام سے شائع کیا جاتا ہے۔ مسجد کی انتظامی کمیٹی وفاقی جمہوریہ جرمنی میں ۳/۱ ۱۳ ہزار مسلم تارکان وطن کی دیکھ بھال بھی کرتی ہے۔ ایک مشہور عالم دین مصطفیٰ میکر جو ترکی النسل ہیں اس مسجد کے امام ہیں اور وہ اس مسجد میں اسلامی قوانین اور شریعت کی تعلیم بھی دیا کرتے تھے۔ شمالی جرمنی کے شہر

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم نمبر ۲)

از ... اللہ بخش صاحب

# ابتلاؤں کے سلسلہ کا حقیقی باعث احمدیت کی مسخ شدہ شکل ہوئی ہے

## ایک ربوی دوست کے اعتراضات کے جواب

حال ہی میں "قدرتِ ثانیہ کا ظہور" کے عنوان کے تحت راقم نے جو مضامین شائع کئے ان پر دو طرف سے اعتراض ہوئے ہیں "تحفظ ختم نبوت" کے ایک ممبر کی طرف سے اور ایک ربوی دوست کی طرف سے۔ مفصلہ ذیل سطور میں مختصراً ربوی دوست کے اعتراضات کا ذکر مقصود ہے۔ آپ نے بڑے تین اعتراض کئے ہیں۔

۱۔ موجودہ ابتلاء کی ذمہ داری جماعت ربوہ کے عقائد پر ڈالنا صحیح نہیں۔
۲۔ حضرت مسیح موعود کا حقیقی مقصد غلبۂ دین تھا جو پورا ہو چکا نہ کہ اُمتِ محمدیہ کی اصلاح۔
۳۔ رؤیا میں حضرت اقدسؑ نے میاں محمود احمد کے ساتھ جو انگریز دیکھا اس سے مراد میاں صاحب کا سیاست میں دخل اندازی نہیں بلکہ اس سے مراد مولوی محمد علی صاحب ہیں۔

پہلے سوال کے بارہ میں میرے دوست کے الفاظ یہ ہیں:۔
"آپ نے حضرت مسیح موعودؑ کے جس رؤیا کی بنیاد پر جماعت احمدیہ کے خلیفۂ ثانی حضرت میاں محمود احمد پر جو وار کیا ہے یعنی ختم نبوت کا انکار اور تکفیر کے نتیجہ میں نامسلم قرار دلوانے کی جو ذمہ داری ان پر ڈالی ہے وہ نہ صرف بے موقعہ و محل ہے بلکہ حقائق و واقعات کے بھی خلاف ہے۔"

عرصہ قریباً نصف صدی سے یہ تحریکیں جاری ہیں جنہیں تحریکِ احرار یا تحریکِ تحفظ ختمِ نبوت کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ کیا یہ تحریکیں قادیانی یا ربوائی عقیدہ اجرائے نبوت اور دعوئے نبوت بانیٔ سلسلہ کے برخلاف ہی ادعوئے نبوت یا مدعی نبوت سے وابستگی قرار نہیں دی گئی؟

### اجرائے دعوئے نبوت اور تکفیر کے مسائل خلاف تعلیم اسلام اور باعثِ اشتعال ہیں۔

ایک کھلی اور ظاہر و باہر حقیقت سے انکار کرنا کہاں کی صداقت شعاری و انصاف ہے؟ قارئین کرام خود فیصلہ فرما سکتے ہیں۔ ۱۹۵۳ء میں اینٹی احمدیہ ایجی ٹیشن کا جو ابتلاء آیا تھا کیا اس میں یہی ادعائے نبوت کا الزام نہیں لگایا گیا تھا؟ ہمارے دوست نے جو دوسرے تین اسباب پیش کئے ہیں ہمیں ان کے درست تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں یعنی یہ کہ الٰہی سلسلوں کی مخالفت سنت اللہیہ ہے، جماعت احمدیہ کی ترقی باعثِ حسد بنی ہے اور موجودہ دور ہوسِ سیاست و اقتدار کا زمانہ ہے۔ مخالفت کے پہلے سبب پر ہی تو راقم کے سلسلۂ مضامین کی بنا ہے۔ حسد اور ہوس کی بات بھی درست ہے مگر کیا عقائد کا اختلاف یعنی اجرائے و ادعائے نبوت اور تکفیر کے مسائل وجۂ مخالفت نہیں بنے؟ اس پر ہر شخص از روئے واقعات اپنی رائے قائم کر سکتا ہے۔ میرے دوست نے ایسی اظہر من الشمس حقیقت سے انکار کیوں کیا؟ صرف اس لئے کہ اقرار کی صورت میں ذمہ داری میاں محمود احمد صاحب اور جماعت ربوہ پر پڑتی ہے۔ ایک حق پسند اور منصف کے لئے جو دین کا مبلغ بھی ہو صریح واقعات کے برخلاف رائے دینا کہاں تک جائز ہے۔ مگر اس بارہ میں مَیں اپنے دوست کو زیادہ تر ذمہ دار قرار دینے کی بجائے ان کے نظام کو ذمہ دار ٹھہراتا ہوں کہ جہاں جماعتی تعصب اس درجہ ترقی پذیر ہے کہ اپنے نظام کی تائید میں ہر بات نہ صرف روا بلکہ مستحسن اور ثواب قرار دے دی گئی ہے۔

### مصائب کے وقت جماعتِ احمدیہ لاہور کے صحیح عقائد کی پناہ۔

۱۹۵۳ء میں اینٹی احمدیہ تحریک کے بعد جب منیر کمیشن کے سامنے میاں محمود احمد صاحب کے بیان ہوئے تو انہیں پڑھ کر ہر ایک کی زبان پر یہ تھا کہ یہ تو جماعتِ لاہور کے عقائد ہیں۔ یہاں تک کہ مولانا مودودی صاحب نے ایسا ہی فقرہ کہا تھا جس پر میاں محمود احمد کو پھر یہ کہنا پڑا کہ میرے یہ عقائد شروع سے ہیں اور مَیں نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔

اب جو ابتلاء آیا تو اس وقت بھی چوہدری ظفر اللہ خاں نے ایسا ہی بیان شائع کیا تھا جو اس اخبار میں بھی شائع ہوا تھا اور جو ہو بہو جماعت احمدیہ لاہور کے عقائد کا چربہ ہے۔ اس پر ہمارے بعض دوست تو اپنی سادگی کی وجہ سے خوش ہوتے کہ ربوہ نے عقائد تبدیل کر لئے ہیں، کاش ایسا ہوتا! لیکن اندرون خانہ تو یہ جماعت انہی عقائد پر قائم ہے۔ البتہ مصلحتِ وقت کے مطابق رد و بدل کر لینا نہ صرف جائز بلکہ ضروری قرار دیتی ہے جس پر یہ مثل صادق آتی ہے ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور کھانے کے اور۔

### قومی اصلاح ہر مصلح و مامور کا اوّلین مقصد رہا ہے۔

راقم الحروف نے حضرت اقدسؑ کے رؤیا میں پھل سے مراد اُمتِ محمدیہ کی اصلاح کا پھل لیا تھا۔ جو اگرچہ آپ نے چھین لیا مگر کھا نہ سکے کیونکہ سامنے میاں صاحب آ گئے۔ مَیں نے لکھا تھا کہ سلسلۂ احمدیہ کے ذریعہ سچی اسلامی تہذیب کے احیاء کا مقصد اس لئے پورا نہ ہو سکا کہ احمدیت کی قیادت کی سٹیج پر میاں صاحب آ گئے اور آپ کے مقاصد میں اصلاحِ اُمت کی بجائے کوئی دیگر مشاغل جاذب توجہ ہو گئے۔ اس پر میرے دوست یوں لکھتے ہیں:۔

"آپ نے پھل کی تعبیر میں مسلمانوں کی اصلاح کا پھل کھانا مراد لیا ہے اور جناب علامہ اقبال کی پہلے جماعت کی عمدہ رائے اور پھر اس کے اُلٹ ان کا بیان درج فرمایا ہے
یہ تمام باتیں چنداں وزنی نہیں ............ وہ پھل حضرت مسیح موعودؑ کے ہاتھ سے اگر کسی نے چھینا ہی نہیں تو اس کے کھانے سے کون روک سکتا ہے ........ آپ کا مشن ادیانِ باطلہ پر دینِ اسلام کو غالب کرنا تھا ......
پس وہ پھل آپ کو مل گیا ہے پھر اعتراض کیسا؟"

میرے دوست کو یہاں غلط فہمی ہوئی ہے، مَیں نے تو یہ نہیں کہا کہ وہ پھل کسی نے چھین لیا ہے بلکہ مَیں نے تو یہ کہا کہ رؤیا میں یہ نظارہ دکھلایا گیا کہ آپؑ کے ہاتھ میں ایک پھل ہے۔ اسے آپ نے چھیل بھی لیا ہے اور کھانے کو تھے مگر سامنے میاں صاحب آ گئے۔ اگر پھل سے

سے مراد آپ کے نزدیک خلافتِ دین ہے اور وہ آپ کے نزدیک پورا ہو چکا ہے تو پھر رؤیا میں پھل کا کھایا جانا دکھلایا جاتا ۔ لیکن وہاں تو پھل کھانے سے آپ محروم رہ گئے اور دیگر اس کی میاں صاحب کا عمودار ہونا ہوئی ۔

## انگریز کی معیت اور گھر میں داخلہ سے مراد سیاست میں دخل اندازی ہے

۳۔ رؤیا میں میاں صاحب موصوف کے ساتھ ایک انگریز کا ہونا دکھلایا گیا ہے جو حضرت اقدسؑ کے گھر میں داخل ہو جاتا ہے ۔ میں نے اس کی تعبیر یہ کی کہ انگریز کی خصوصیت اس کی سیاست گری اور زر پرستی ہے اور یہی خصوصیات نظام قادیان و ربوہ نے اپنا لی ہیں اور انہی کے باعث مخالفت کے طوفان اور ابتلاؤں کے سلسلے شروع ہو گئے جو بالآخر پاکستان اسمبلی میں مقدمہ اور پھر ترمیم پر منتج ہوئے جس پر حضرت اقدسؑ کی روح رؤیا میں ایلی ایلی لما سبقتانی پکارنے لگی ۔ میرے دوست اس پر لکھتے ہیں :۔

"اس رؤیا میں حضورؑ نے ایک انگریز کا اپنے مکان میں داخل ہونا بیان فرمایا ہے ۔ میری رائے یہ ہے کہ انگریز کے آنے سے مراد جناب مولوی محمد علی صاحب کا آنا ہے یعنی ان کی علیحدگی والی تحریک کا خاتمہ ہے ۔"

اب قارئین کرام خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ میری تعبیر زیادہ درست اور واقعات کے مطابق ہے یا میرے دوست کی ؟ جب حضرت مولوی محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ میاں محمود سے علیحدہ ہو گئے تو آپ تو میاں صاحب کے ساتھ نہ رہے اور گھر سے باہر چلے آئے مگر رؤیا میں تو انگریز کا میاں صاحب کے ساتھ ہونا اور آپ کے گھر میں داخل ہونا ہے مگر تاویل نکلی علیحدہ ہونا اور گھر سے چلے جانا ! میرے دوست کو ایسی تاویل کرتے وقت کچھ تو خیال کرنا چاہیئے تھا ۔ واقعات کیا ہیں کیا یہی نہیں کہ میاں صاحب نے خالصتاً ایک دینی جماعت کے مقاصد میں ہوسِ سیاست اور اقتدار کو داخل کر دیا ۔ جس کے باعث ہی یہ تمام مصائب اور ابتلاؤں کا سلسلہ وارد ہوا ۔ میں اپنے دوست کی یاددہانی کے لئے چند ایک واقعات سیاسی دخل اندازی کے تحریر کرتا ہوں ۔

سب سے پہلے ۱۹۳۰ء کے قریب کشمیر کمیٹی بنائی گئی جس کے صدر میاں صاحب بنے ۔ علامہ اقبالؒ بھی اس کے ممبر تھے ۔ کیا یہ کشمیر کمیٹی خالصتاً ایک سیاسی اقدام نہ تھا ؟ اور کیا اسی کمیٹی میں اختلاف کے باعث علامہ صاحب نے ۱۹۳۵ء میں جماعتِ احمدیہ کے برخلاف بغاوت نہیں کی تھی ؟

پاکستان بن جانے اور قادیان سے نکالے جانے کے بعد کیا اس امر واقعہ میں کوئی ذرہ بھی شک ہے کہ میاں صاحب نے بلوچستان کو احمدیت کی BASE بنانے کا عزم ظاہر کیا تھا جس کے نتیجہ میں پہلے کوئٹہ اور پھر اوکاڑہ میں قتل کے واقعات ہوئے ۔ اس وقت چوہدری ظفر اللہ خاں وزیر خارجہ تھے اور انہیں وزیر اعظم پاکستان بنانا منظور تھا تو اس پر اس وقت کے سیاستدانوں اور علماء نے ۱۹۵۳ء کی اینٹی احمدیہ ایجی ٹیشن کھڑی کی تھی ۔ میرے دوست ! انصاف سے کہیئے ، احمدیوں کے برخلاف یہ تحریک کیا میاں صاحب کی خواہش حکومت پاکستان پر قبضہ کرنے کے برخلاف نہ تھی ؟ کیا منیر کمیشن نے اپنی رپورٹ میں ان تمام واقعات کا اعتراف نہیں کیا ؟ پھر موجودہ آئینی ترمیم بھی ربوہ کی غلط سیاست بازی کے نتیجہ میں نہیں ہوئی ؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ انتخابات کے بعد جماعت ربوہ کا مسلسل یہ پروپیگنڈہ رہا تھا کہ ہمارے ووٹوں سے موجودہ حکومت بنی ہے نیز آئندہ انتخابات میں جو حکومت بننے والی ہے وہ تو کلیتہً احمدی حکومت ہوگی ، اس لئے اے لوگو جلد از جلد آئندہ برسرِ اقتدار آنے والی جماعت میں داخل ہو جاؤ ۔" راقم الحروف کو ان واقعات کا براہ راست علم ہے ۔

آخر آپ کہاں تک انکار کرتے چلے جائیں گے ۔ انڈونیشیا اور تنزانیہ میں بھی سیاست بازی کے نتیجہ میں ہی وہاں کی احمدی جماعتیں برباد ہو گئیں ۔ اب بھی خلیفہ صاحب ربوہ حکومتوں پر قبضہ پانے کے خواب دیکھنے سے باز نہیں آتے ، گزشتہ سال ہندوستان کے مشہور رسالہ (ILLUSTRATED WEEKLY) میں ایک مضمون بمع تصاویر خلیفہ صاحبان ربوہ چھپا تھا جس میں خلیفہ ثالث کی پیشگوئی شائع ہوئی کہ آئندہ چند برس میں متعدد حکومتیں یا تو احمدیوں کی ہوں گی یا پھر احمدی نواز ہوں گی ۔ میرے دوست نے مخالفت کی تیسری وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے :

"تیسری وجہ موجودہ دور کی سیاست ہے یعنی ہوسِ اقتدار میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی خواہش ہے جو بھوت کی طرح سیاسی جماعتوں پر سوار ہے ۔"

آپ نے یہ بالکل صحیح تجزیہ کیا ہے لیکن کیا میرے دوست از روئے واقعات یہ مانیں گے کہ جماعت قادیان اور ربوہ کے نظام پر بھی یہی بھوت سوار ہے میں نے مندرجہ بالا سطور میں ٹھوس اور متواتر واقعات لکھ دیئے ہیں ۔ جن سے ذرہ بھر شک و شبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ نہ آپ کا نظام سیاست کی خاردار وادی میں دخل انداز ہوتا اور نہ جماعتِ احمدیہ کو یہ بد دن دیکھنے نصیب ہوتے ۔ اب بھی سچی توبہ کرنے کا وقت ہے ورنہ حضرت اقدسؑ کے بعض منذر الہامات جو آپ نے اپنی جماعت کے متعلق تسلیم کئے ہیں سے بہت ڈر لگ رہا ہے ۔ ان کی تفصیل کسی اور وقت کی جائے گی ۔

## تحریک احمدیہ اسلام کا مکی دور ہے جو ہوسِ سیاست و زرپرستی سے بالاتر ہے

ہم سب احمدی جب یہ تسلیم کرتے ہیں کہ موجودہ زمانہ کی خاص امراض ہوسِ زر حکومت و اقتدار ہی ہیں اور معالج آسمانی حضرت مسیح موعودؑ انہی امراض کے دور کرنے کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور آپ نے انہی عوارض کے برخلاف جہاد کو احمدیت یا اسلام کا دوبارہ مکی دور سے گذرنا قرار دیا تھا جیسے آپ فرماتے ہیں اور یہی وہ اصل حقیقت ہے جو دعویٰ مسیحیت میں مضمر ہے ۔

ع ملک سے مجھ کو نہیں مطلب نہ جنگوں سے ہے کام
کام میرا ہے دلوں کو فتح کرنا نے دیار
مجھ کو کیا ملکوں سے میرا ملک ہے سب سے جدا
مجھ کو کیا تاجوں سے میرا تاج ہے رضوانِ یار

تو پھر کوئی احمدی نظام سیاست میں دخل اندازی کر کے اور حکومت کے سہانے خواب دیکھ اور دکھلا کر حقیقتاً احمدی کہلانے کا مستحق کیسے ہو سکتا ہے ۔ یہی ربوی نظام نہ اعتقادی طور پر نہ عملی رنگ میں حضرت اقدسؑ کی نیابت کرتا ہے اگرچہ نام اور دعوے ایسا ہی ہے ۔ حضرت اقدسؑ سے ایک مرتبہ حضرت مولینا نورالدینؒ نے یہ سوال کیا کہ آپ مغرب میں تبلیغ اسلام پر زور دیتے ہیں حالانکہ وہاں تو لوگ سرے سے مذہب کو خیرباد کہہ چکے ہیں تو آپ نے فرمایا :۔

"مولوی صا[illegible] ! یہ بات ہمارے مفید مطلب ہے ، سلیٹ صاف ہو رہی ہے ، صحیح نقش عمدہ جمے گا میری روحانی آنکھ نے اسلام کی پہلی رات کا چاند دیکھ لیا ہے ۔"

ہم بھی حضرت اقدسؑ کی اتباع میں یہی کہتے ہیں کہ جب تک احمدیت کا غلط اعتقادی و عملی نقش نہیں مٹتا ، صحیح احمدیت کا نقش جم نہیں سکتا ۔ ہم دست بدعا ہیں کہ احمدیت کی بھیانک اور نفرت انگیز تصویر مٹانے کے لئے خود جماعت ربوہ کو احساس پیدا ہو اور وہ اپنے نظام کو عملاً و اعتقاداً حضرت اقدسؑ کے ٹھیٹھ مسلک کی طرف لانے کی طرف راغب ہوں ۔ کیونکہ جیسے میرے اصل مضمون کا خلاصہ ہے ابتلاء کا مقصد اصطفا و تطہیر ہوا کرتی ہے ، موجودہ ابتلاؤں کا مقصد بھی یہی ہے کہ احمدی نظام اپنی کمزوریوں کو دور کرنے کی طرف متوجہ ہو تا پھر سے اپنی قوم پر اس الٰہی سلسلہ کی حقیقت و عظمت روشن ہو کہ اسلام کے احیاء

دوہزار سال سے بغیر کھانے اور پینے کے آسمان پر زندہ ہے۔ نہ انہیں ضروریاتِ زندگی کی احتیاج ہے اور نہ ہی وہ زمانہ کے تغیرات سے متاثر ہوتے ہیں۔ تو اس سے جو نتیجہ نکلتا ہے اس کا انکار نہیں ہو سکتا کہ اس صورت میں حضرت مسیح ناصری الآن کما کان کے مصداق ہوئے۔ وہ مخلوق نہیں بلکہ خالق کی صفت سے متصف ہیں اس لئے مسیح ناصریؑ ہر بشر سے نرالا اور خالق کی صفات میں شریک ہے۔ اس طرح پر مسیح کی خدائی کو ثابت کرنا جس کے لئے کسی عیسائی کے ہاتھ میں ایک بھی دلیل نہیں صرف مسلمانوں کا حیاتِ مسیح کا عقیدہ ہی کافی ہے۔

(۳) حیاتِ مسیح کا عقیدہ ختم نبوت کے بھی منافی ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے:۔

ما کان محمدٌ ابا احدٍ من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین ۝

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں مگر وہ اللہ کا رسول ہے اور ختم کرنے والا نبیوں کا ——— اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لانبی بعدی۔ میرے بعد نبی نہیں۔

اگر حضرت عیسےٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور دنیا کی اصلاح کے لئے انہوں نے نازل ہونا ہے۔ تو چونکہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنا ہے اس لئے آخری نبی حضرت عیسےٰ علیہ السلام ہی ہوں گے۔ اور یہ بات صراحتاً حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے منافی ہے۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے:۔

ا۔ حضرت مسیح ناصریؑ کی غیر طبعی حیات ماننے اور اس کو معصوم سمجھنے سے خدا تعالیٰ کی صفت سبحانیت کا انکار کرنا پڑتا ہے۔

ب۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو زندہ بجسدہ العنصری خدا تعالیٰ کی طرف آسمان پر لے جانے سے شرک کا دروازہ کھل جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کو مجسم ماننا پڑتا ہے۔

ج۔ حیاتِ مسیح کے عقیدہ کو تسلیم کرنے سے ختم نبوت کے عقیدہ کو چھوڑنا پڑتا ہے۔

دیکھا! آپ نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے متعلق ایسے خیالات رکھنے سے انسان کتنا بہے کہاں جا پہنچتا ہے۔ کہ اس کے دین کا کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ اور اگر حضرت مسیح علیہ السلام کو دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح وفات یافتہ مان لیا جائے تو اسلام کے کسی عقیدہ میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی اور نہ صفاتِ خداوندی چھوڑنا پڑتی ہیں اور نہ ہی قرآن مجید کی آیات کی مخالفت لازم آتی ہے اور نہ ختم نبوت کے عقیدہ کو ترک کرنا پڑتا ہے۔ بلکہ وفاتِ مسیح کے عقیدہ سے عیسائیت پر ایک ایسی کاری ضرب لگتی ہے جس سے اس کی بنیاد بیخ و بُن ہی اُکھڑ جاتی ہے۔

——— مسیح ان قوانینِ الٰہی سے باہر نہیں جو بنی نوع انسان کے لئے بنائے گئے۔ حیات و ممات کے جو قوانین تمام بنی نوع انسان کے لئے بنائے گئے ہیں انہی قوانین کے پابند خدا تعالیٰ کے فرستادہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام بھی تھے ان کے زندہ رہنے کے لئے کوئی نرالا قانون نہیں بنایا گیا۔ بلکہ قرآن مجید نے تو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے متعلق واضح الفاظ میں فرما دیا کہ وہ تمام انسانی اوصاف سے متصف تھے۔ اور خدا تعالیٰ نے انسانیت کے لئے جو ضابطے متعین کر دیئے تھے حضرت مسیح علیہ السلام پیدائش سے لے کر وفات تک انہی کے پابند رہے۔ ان سے انہوں نے سرمو انحراف نہیں کیا اس پر قرآن مجید شاہد ہے۔

(۴) وفاتِ مسیح قرآن کریم کی روشنی میں۔

**پہلی دلیل** ——— یہ ہے کہ تمام آدمزادوں کے رہنے کے لئے یہی کرۂ ارضی ہے جس میں انہوں نے زندگی بسر کرنی ہے۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام بھی انسانی نوع سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ وہ بھی اسی ازلی و ابدی قانونِ خداوندی کے ماتحت ہوں جیسا قرآن مجید میں ہے۔

(ا) فیھا تحیون و فیھا تموتون و منھا تخرجون۔ (الاعراف ۲۵)

اسی زمین میں تم زندہ رہو گے اور اسی میں تم مرو گے اور اسی سے تم نکالے جاؤ گے۔

(ب) ولکم فی الارض مستقرٌّ و متاعٌ الیٰ حین (الاعراف ۲۴)

اور تمہارے لئے زمین میں ایک وقت تک ٹھہرنا اور فائدہ اُٹھانا ہے۔

(ج) الم نجعل الارض کفاتاً ۝ احیاءً و امواتاً۔ (المرسلات ۲۵)

کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا کیا زندوں کو اور کیا مردوں کو۔

(د) منھا خلقناکم وفیھا نعیدکم و منھا نخرجکم تارۃً اخریٰ۔ (طٰہٰ ۵۵)

اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے ہم تمہیں دوسری دفعہ نکالیں گے۔

ان آیات میں حصر کے رنگ میں خدا تعالیٰ نے اپنا قانون بیان کیا ہے کہ تمام انسان اس جسم خاکی کے ساتھ اسی زمین میں زندگی بسر کریں گے۔ نیز یہ اس سنت اللہ کے خلاف ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام کے متعلق جاری و ساری ہے کہ جب ان کو تکالیف دی گئیں تو انہوں نے اسی زمین پر دُکھ اور مصائب برداشت کئے لیکن اس کے برعکس صرف حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ یہودیوں کی مخالفت کے وقت انہیں آسمان پر اُٹھا لیا گیا اور دوہزار سال سے بغیر کھانے پینے کے زندہ آسمان پر بیٹھے ہیں۔ تو یہ آسمان پر رہنا خدا تعالیٰ کے اس قانون کے خلاف ہے۔ جو قرآن مجید کی ان آیات میں بیان کیا گیا ہے۔

**دوسری دلیل** ——— خدا تعالیٰ نے نہ صرف عام انسانوں کے لئے بلکہ تمام انبیاء کے لئے بھی یہ قانون بیان کیا ہے کہ انکی زندگی کا دارومدار کھانے پینے پر ہے۔ جیسا کہ فرمایا:۔

(ا) وما ارسلنا قبلک من المرسلین الا انھم لیاکلون الطعام۔ (فرقان ۲۰)

اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجے مگر وہ یقیناً کھانا کھاتے تھے۔

(ب) وما جعلناھم جسداً لا یاکلون الطعام (الانبیاء ۸)

اور ہم نے ان کے جسم ایسے نہیں بنائے کہ وہ کھانا نہ کھائیں۔

حضرت مسیح ناصری علیہ السلام اور اس کی والدہ صدیقہ کے متعلق لکھا ہے کہ

کانا یاکلان الطعام (المائدہ ۷۵)

وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔

پس اب اگر حضرت مسیح علیہ السلام کھانا نہیں کھاتے اور تمام مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے کہ آسمان پر وہ کھانا نہیں کھاتے تو خدا تعالیٰ کے اس قانون کے تحت وہ اس جسم خاکی کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ جب تک یہ جسم ساتھ ہے کھانا پینا لازمی ہے اس لئے وہ یقیناً فوت ہو چکے ہیں۔

**تیسری دلیل** ——— دنیا میں کوئی ایسا انسانی جسم نہیں جو گردشِ ایام سے مصئون و محفوظ ہو۔ بلکہ اس کے لئے ہمیشہ تغیر پذیر رہنا ضروری ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:۔

(ا) وما جعلنا لبشرٍ من قبلک الخلد ط افائن مت فھم الخالدون۔ (الانبیاء ۳۴)

اور تجھ سے پہلے ہم نے کسی انسان کے لئے ہمیشگی نہیں رکھی (ایک حالت پر رہنے والا نہیں بنایا) تو کیا اگر تو مر جائے تو یہ رہ جائیں گے۔

(ب) وما کانوا خالدین (الانبیاء ۸)

ہم نے انبیاء کے جسم ایسے نہیں بنائے کہ ہمیشہ رہنے والے ہوں یا ایک حالت پر رہنے والے ہوں۔

**خلود کا مفہوم** ——— الخلود ھو تبری الشئی

من اعتراض الفساد و بقاؤہ علی الحالۃ التی ھو علیھا وکل ما یتباطأ عنہ التغیر والفساد تصفہ العرب بالخلود ........ قیل مبقون بحالتھم لا یعتریھم استحالۃ" (مفردات امام راغب الخاو مع الاسلام ص۱۵۳-۱۵۴)

یعنی خلود یہ ہے کہ ایک چیز بگاڑ کے واقع ہونے سے بری ہو (یعنی اس میں کسی قسم کا بگاڑ پیدا نہ ہو) اور جس حالت پر ہے اسی پر باقی رہے اور جس چیز سے تغیر اور فساد پیچھے ہٹا رہے اس کو عرب خلود سے متصف کرتے ہیں ........ یعنی اپنی حالت پر باقی رہنے والے جن میں استحالہ (ایک حالت سے بدل کر دوسری حالت میں جانا) واقع نہیں ہوتا۔ تو لغت عرب کی رو سے خُلُود کا مفہوم یہ ہوا کہ ہمیشہ ایک حالت پر رہنے والا ہو۔ اس میں کسی قسم کا کوئی تغیر اور تبدیلی نہ ہو۔

ان آیات میں خدا تعالےٰ کی ایک سنت بیان کی گئی ہے کہ زمانہ کی تاثیر سے ہر ایک انسان متاثر ہوتا اور پھر بوڑھا ہو جاتا اور زوال پذیر ہوتا ہے اور اس پر تغیرات کا آنا لازمی ہے۔ کبھی وہ بچہ ہوتا ہے پھر جوان ہوتا ہے اور پھر بوڑھا ہو جاتا اور پھر فوت ہو جاتا ہے۔ اس کی تائید میں اور آیات بھی ہیں مثلاً:-

(ا) اللہ الذی خلقکم من ضعف ثم جعل من بعد ضعف قوۃ ثم جعل من بعد قوۃ ضعفا وشیبۃ (الروم ۵۴)

اللہ وہ ہے جس نے تمہیں کمزوری کی حالت سے پیدا کیا پھر کمزوری کے بعد قوت دی پھر قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا بنایا۔

(ب) ومنکم من یرد الی ارذل العمر لکیلا یعلم من بعد علم شیئا (الحج ۵)

اور کوئی تم میں سے ہے جو نکمی عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے تاکہ علم حاصل کرنے کے بعد اسے کچھ علم نہ رہے۔

(ج) ومن نعمرہ ننکسہ فی الخلق افلا یعقلون (یٰسٓ ۶۸)

اور جسے ہم لمبی عمر دیتے ہیں اسے پیدائش میں اوندھا کر دیتے ہیں تو کیا عقل سے کام نہیں لیتے۔

ان آیات میں ایک عام قانون خداوندی بیان کیا گیا ہے جس سے کوئی آدمی باہر نہیں رہ سکتا۔ بچہ ہونے سے انسان کس طرح ترقی کرکے اپنے جسمانی کمال کو پا لیتا ہے اور کمال جسمانی کے بعد پھر اس میں زوال آنے لگتا ہے اور یہ تنزل کی حالت میں یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ انسان پھر ایک بچہ کی طرح ہو جاتا ہے۔ اور سب کچھ حاصل کیا ہوا بھول جاتا ہے۔

اس قانون الہٰی کے ماتحت حضرت عیسےٰ علیہ السلام جبکہ دو ہزار سال ہو چکے ہیں اگر دوبارہ آبھی جائیں تو اتنے بوڑھے ہو چکے ہوں گے کہ بالکل کسی کام کے قابل نہ ہوں گے۔ اگر وہ ہزاروں سال بعد بھی کسی قسم کے تغیر کے بغیر ہی دوبارہ واپس آکر چالیس سال کے ہی ہوں تو یہ بات اس بیان کردہ اصول کے خلاف پڑتی ہے اس لئے قابل قبول نہیں۔ اس قانونِ خداوندی کے تحت یقیناً وہ کافی عرصہ سے فوت ہو چکے ہیں۔

**چوتھی دلیل** ———— تمام انبیاء سابقین کی موت سے قرآن مجید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا استدلال کیا ہے۔

(ا) ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل۔ (المائدہ ۷۵)

مسیح ابن مریم ایک رسول تھے جن سے پہلے سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔

(ب) وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم (آل عمران ۱۴۴)

اور محمد ایک رسول ہی ہے اس سے پہلے سب رسول مر چکے ہیں۔ پھر اگر وہ مر جائے یا قتل کیا جائے تو کیا تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔

یہ دوسری آیت پہلی پیش کردہ آیت کے متعلق تشریح کے طور پر ہے۔ ہر دو آیات میں ایک ہی الفاظ ہیں صرف نام کا فرق ہے۔ پہلی آیت میں مسیح ابن مریم کا نام لیا گیا اور دوسری آیت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بیان کیا گیا ہے۔

اب غور کا مقام ہے اور ایک حق پسند طبیعت کے لئے قرآن مجید کا یہ فیصلہ نہایت ہی بیّن اور واضح ہے۔ پہلی آیت میں فرمایا کہ: "حضرت مسیح ایک رسول ہیں ان سے پہلے سب رسول گذر چکے یعنی فوت ہو چکے ہیں" اس آیت میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے پہلے تمام رسولوں اور نبیوں کی وفات کا ذکر صراحتاً کر دیا گیا ہے جس سے سب مسلمانوں کو اتفاق ہے اس کے بعد اب صرف حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی وفات کا سوال رہ جاتا تھا سو اللہ تعالےٰ نے بعینہٖ انہیں الفاظ میں یہ فرمایا کہ محمد اللہ کے رسول ہیں آپؐ سے پہلے سب رسول گذر چکے ہیں۔

اب آپ غور فرمائیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک اور تو کوئی نبی ہی مبعوث نہیں کیا گیا تو گویا یہ دوسری آیت صرف عیسےٰ علیہ السلام کی وفات ثابت کرنے کے متعلق نازل کی گئی ہے ورنہ حضرت مسیح سے پیشتر تو جو رسول تھے ان کی وفات کا ذکر تو پہلی آیت میں آچکا تھا۔ من قبلہ الرسل میں الف لام استغراقی ہے جیسا کہ بحرالمحیط نے لکھا ہے:-

وقراء الجمھور الرسل بالتعریف علی سبیل التفخیم للرسل ..... وقرءۃ التعریف اوجہ اذ تدل علیٰ تساوی کل فی الخلق والموت فھذا الرسول ھو مثلھم فی ذالک۔ (تفسیر بحرالمحیط ج ۳ ص۶۸)

اور جمہور علماء نے الرسل کو تعریف کے ساتھ پڑھا ہے جس سے مراد یہ ہے کہ تمام رسول پیدائش اور موت میں مساوی ہیں۔ ایسا ہی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال ہے۔

اور اَل تعریف استغراق کا فائدہ دیتا ہے جیسا کہ ابوالبقاء نے اپنی کلیات میں لکھا ہے:-

—— قال عامۃ اھل الاصول والعربیۃ لام التعریف سواء دخلت علی المفرد او الجمع - تفید الاستغراق - (کلیات ابوالبقاء ص۵۶۲)

جمہور علماء اصول اور عربیت یہ کہتے ہیں کہ الف لام تعریف کا خواہ مفرد پر داخل ہو یا جمع پر استغراق کا فائدہ دیتا ہے۔ اور گرامر کا ایک طالب علم بھی جانتا ہے کہ جس پر الف لام استغراق کا داخل ہو اس کے معنی "سب" کے ہوتے ہیں۔ تو قد خلت من قبلہ الرسل کے معنے ہوں گے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے "سب" رسول فوت ہو چکے ہیں خواہ حضرت موسےٰ ہوں یا حضرت عیسےٰ علیہ السلام۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ لفظ "خَلَا" بصیغہ ماضی بغیر کسی صلہ کے جب بھی انسانوں کے متعلق استعمال ہو تو وہ وفات یافتہ انسانوں کے متعلق ہی آتا ہے۔ چنانچہ عربی لغات میں لکھا ہے:-

(ا) خَلَا فلانٌ اذا مات (لسان العرب) خَلَا فلانٌ کے معنی ہیں وہ مر گیا۔

(ب) خَلَا الرجلُ اَی مَاتَ (اقرب الموارد) خَلَا الرَّجُلُ کے معنی ہیں آدمی مر گیا۔

قرآن کریم میں "قَدْ خَلَتْ" کا استعمال بغیر اِلیٰ کے صلہ کے جن لوگوں کے لئے استعمال ہوا ہے وہاں ان کے گذر جانے سے ان کا وفات پا جانا اور اس دنیا میں دوبارہ اصالتاً نہ آنا ہی مراد ہے۔

آیات قرآنی میں خَلَا کا استعمال ————

(ا) تلك أمة قد خلت (البقرہ: ۱۴۵)
(ب) قد خلت من قبلها امم۔ (الرعد: ۳۱)
(ج) فی أمم قد خلت من قبلھم (الاحقاف: ۱۹)
(د) سنت اللہ فی الذین خلو من قبلُ (الاحزاب: ۳۹)

اسی طرح دیوانِ حماسہ میں سموؤل بن عادیا کا شعر ہے :—

اِذَا سَیِّدٌ خَلَا قَامَ سَیِّدٌ
قَؤُوْلٌ بِمَا قَالَ الْکِرَامُ فَعُوْلُ

کہ جب ہم میں سے کوئی سردار فوت ہو جاتا ہے تو ایک اور سردار کھڑا ہو جاتا ہے جو بولنے والا ہوتا ہے اور جیسا کہ بزرگ اس کو حکم دیں عمل کرنے والا ہوتا ہے۔

آیت زیر بحث کی تفسیر کرتے ہوئے مفسّرین نے بھی عموماً اس آیت کی یہی تشریح کی ہے جیسا کہ لکھا ہے :—

وسیخلوا کما خلو بالموت او لقتل — (قنوی علےٰ بیضاوی ج ۳ صـ۱۲۴)

یعنی نبی کریم صلعم ایسے ہی دنیا کو چھوڑ جاویں گے جس طرح گذشتہ انبیاء طبعی موت کے ذریعہ دنیا کو چھوڑ چکے ہیں۔

خود قرآن مجید نے اسی زیر بحث آیت میں "خَلَا" کے معنوں کی تعیین کر دی ہے جیسا کہ فرمایا اَفَاِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ — اگر حضرت محمد رسول اللہ "مَاتَ" طبعی موت سے مر جاویں "اَوْ قُتِلَ" یا قتل کئے جاویں تو لفظ خَلَا — مَاتَ اور قُتِلَ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

تو معلوم ہوا کہ پہلے تمام رسول انہی دو طریقوں میں سے کسی ایک طریق سے دنیا سے گذر چکے ہیں — اگر حضرت مسیح علیہ السلام مصلوب نہیں ہوئے تو یقیناً وہ اپنی طبعی موت سے وفات پا چکے ہیں — اور منطقی لحاظ سے اس آیت میں دلیل استقرائی سے کام لیا گیا ہے اور یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ جب پہلے تمام نبی وفات پا چکے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غیر معمولی عمر پانا ناممکن ہے اگر کوئی ایک رسول بھی آپؐ سے پہلے غیر معمولی عمر پانے والا ہوتا تو یہ دلیل استقرائی استقراءِ ناقص کی وجہ سے ظنی ہو کر کمزور ہو جاتی اور خدا تعالےٰ کی دلیل چونکہ نقص سے پاک ہوتی ہے اور کمزور نہیں ہوتی اس لئے اس جگہ استقراءِ تام مراد ہے" فھو المراد

**پانچویں دلیل** —— دنیا میں جس قدر خدا تعالےٰ کے سوا معبود بنائے گئے ہیں ان سب کے متعلق اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ وہ مر گئے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے :—

" والذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئًا و ھم یخلقون ۝ اموات غیر احیاء ۝ وما یشعرون ایان یبعثون — (النحل ۲۰-۲۱)

اور وہ جنہیں یہ اللہ تعالےٰ کے سوا پکارتے ہیں۔ وہ کوئی چیز پیدا نہیں کرتے اور وہ خود پیدا کئے گئے ہیں۔ مردے ہیں نہ زندہ اور وہ نہیں جانتے کہ کب اُٹھائے جائیں گے۔

اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے خدا بنائے جانے پر تو خود قرآن مجید کی گواہی موجود ہے :—

" لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم۔"
(المائدہ ۱۷- ۷۲)

یقیناً وہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے۔

اس آیت سے یہ یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام جن کو انسانوں کے ایک بڑے حصّہ نے خدا بنایا ہے اور ہر وقت وہ انہیں رَبَّنَا الْمَسِیْح رَبَّنَا الْمَسِیْح کر کے پکارتے ہیں وہ بھی اس آیت کے نزول کے وقت مردوں میں شامل تھے اگر شامل نہ ہوتے تو اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ کے بعد اِلَّا عیسیٰ کہہ کر استثناء کیا جاتا یعنے عیسےٰ کے سوا باقی جن کی پرستش کی جاتی ہے مردہ ہیں زندہ نہیں لیکن اس استثناء کا موجود نہ ہونا اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ میں داخل ہیں — اَمْوَاتٌ کے غَیْرُ اَحْیَاءٍ تاکید کے طور پر لایا گیا ہے کیونکہ اَمْوَاتٌ جو مَیِّتٌ کا جمع ہے کوئی شخص مَیِّتٌ کی جمع سمجھ کر غلط معنی نہ کر لے اس لئے فرمایا غَیْرُ اَحْیَاءٍ کہ نہیں وہ اس وقت بھی زندہ نہیں بلکہ وفات پا چکے ہیں۔

**چھٹی دلیل** —— حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی آمد سے ختم نبوت کا عقیدہ بھی باطل ٹھہرتا ہے کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے :—

" ماکان محمدٌ ابا احدٍ من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیّین (الاحزاب ۴۰)

یعنی محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیّین ہونا اس امر کا متقاضی ہے کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہ ہو — نہ نیا اور نہ پرانا جس طرح نئے نبی کے آنے سے ختم نبوت کا عقیدہ باطل ہوتا ہے اسی طرح پرانے نبی کے آنے سے بھی باطل ہوتا ہے کیونکہ آخری نبی وہ ہوگا جو سب دنیا کے نبیوں سے آخر میں آئے — اگر حضرت عیسےٰ علیہ السلام بعد میں آ جائیں تو خاتم النبیّین تو وہ ٹھہریں گے اگر کہا جائے کہ وہ اس وقت نبی نہ ہوں گے تو یہ قرآن مجید کی رُو سے غلط ہے جس میں لکھا ہے :—

" قال انی عبد اللہ اٰتٰنیَ الکتاب وجعلنی نبیًّا ۝ وجعلنی مبارکًا این ما کنت —

(عیسےٰ نے) کہا میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا اور مجھے مبارک بنایا جہاں کہیں بھی ہوں —

پس اگر وہ دوبارہ آ جائیں تو بھی ان کا نبی ہونا ضروری ہے اور نبوت ان سے منفک نہیں ہو سکتی کیونکہ اگر ان کی نبوت ان کے ساتھ نہیں ہوگی تو ان کا آنا عبث اور بے معنی ہے — محض امامت اور خلافت کا کام کرنے والے تو اس اُمت میں بھی ہو سکتے ہیں — اس سے بھی ثابت ہو گیا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام دوسرے انبیاء کی طرح وفات پا گئے ہیں اور حضرت نبی کریم صلعم ہی آخری نبی ہیں۔

**ساتویں دلیل** —— یہ ضروری نہیں تھا کہ اس قدر حیات و ممات کے اصول بیان کرنے کے بعد بھی نام لے کر حضرت مسیح کی وفات کا ذکر کیا جاتا مگر خدا تعالےٰ نے قرآن مجید میں خصوصیت سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا نام لے کر بھی ان کی وفات کے متعلق بیان کیا ہے — جب یہودیوں نے حضرت مسیح کو صلیب دینے کی تدبیر اور کوشش کی اور اس میں وہ کامیاب ہو گئے تو حضرت مسیح علیہ السلام نے خدا تعالےٰ کی جناب میں اپنی حفاظت کے لیے دعا کی جس کے جواب میں جناب باری کا ارشاد ہوا :—

" اذ قال اللہ یعیسیٰ انی متوفیك ورافعك الیّ ومطھرك من الذین کفروا وجاعل الذین اتبعوك فوق الذین کفروا الیٰ یوم القیامۃ" (اٰل عمران ۵۴)

جب اللہ تعالےٰ نے کہا اے عیسیٰ میں تجھے وفات دینے والا ہوں اور اپنی طرف تیرا رفع کرنے والا ہوں — اور تجھے ان کے الزام سے پاک کرنے والا ہوں جو کافر ہیں اور جنہوں نے تیری پیروی کی انہیں ان پر جنہوں نے انکار کیا قیامت کے دن تک فوقیت دینے والا ہوں :

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے ساتھ چار وعدے فرمائے :—

(ا) توفّی یعنے آپ یہودیوں کی تدبیر سے قتل نہ ہوں گے بلکہ اپنی طبعی موت سے مریں گے۔

(ب) رافع یعنی آپ مصلوب نہیں ہو سکیں گے تا رحمت الٰہی سے دُور ہوں بلکہ قرب الٰہی کے آپ کو اعلےٰ مدارج ملیں گے۔

اصل میں رفع، وضع کی ضد ہے وضع کے معنی ذلّت اور رفع کے معنی عزّت افزائی کے ہیں

(ج) تطہیر۔ یعنے یہودیوں کے منسوب کردہ الزامات سے آپ پاک کئے جائیں گے۔

(د) فوقیت متبعین۔ یعنی میں تیری پیروی کرنے والوں کو قیامت تک تیرے منکرین پر غلبہ دوں گا۔

تو اس آیت میں سب سے پہلے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا وفات پانا ضروری ہے کیونکہ حقیقتاً رفع کا مقام وفات کے بعد ہی ہوتا ہے۔ جب تمام حجاب دُور ہو جاتے ہیں اور ہر نیک آدمی جو ہے وہ وفات کے بعد ہی خدا تعالےٰ کی طرف اُٹھایا جاتا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

"المیّت تحضرہ الملائکۃ فاذا کان الرّجل صالحًا قالوا اخرجی ایّتھا النفس الطیّبۃ فی الجسد الطیّب ...... حتّٰی تخرج ثمّ یعرج بھا الی السماء فیفتح لھا۔" (مشکوٰۃ المصابیح باب مایقال عند من حضرۃ الموت فصل ثالث)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب مؤمن قریب المرگ ہوتا ہے تو اس کے پاس فرشتے آتے ہیں تو اگر وہ نیک ہو تو کہتے ہیں اے پاک رُوح نکل جو تو ایک پاکیزہ جسم میں تھی ........ تو وہ پاکیزہ رُوح باہر نکلتی ہے پھر اسے آسمان کی طرف لے جاتے ہیں۔ پھر اس کے لئے آسمان کا دروازہ کھولا جاتا ہے۔

غرض ہر نیک آدمی جب مر جاتا ہے تو اس کی رُوح اُٹھا کر فرشتے آسمان پر لے جاتے ہیں بعینہٖ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کی رُوح آسمان پر اُٹھائی گئی۔ اور اَب وہ وفات یافتہ انسانوں میں شامل ہیں۔ غرض خدا نے یہ چاروں وعدے علی الترتیب پُورے کر دیئے۔

(۱) حضرت عیسٰی علیہ السلام کو یہودیوں کے ہاتھ سے بچا کر خود طبعی وفات دے دی۔

(۲)۔ بعد از وفات ان کی رُوح کی اپنے حضور عزّت افزائی کی اور ان کے مدارج کو بلند کیا۔

(۳)۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ان کو یہودیوں کے الزامات سے پاک ٹھہرایا۔

(۴)۔ ان کی پیروی کرنے والوں کو ان کے منکرین پر غالب کر دیا۔

آٹھویں دلیل ـــــ خود حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا قول ہے جس میں وہ اقرار کرتے ہیں کہ جب میری قوم نے مجھے خدا بنایا اس وقت میری وفات ہو چکی تھی۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:۔

"و اذ قال اللہ یٰعیسی ابن مریم ءَانت قلت للنّاس اتّخذونی و امّی الٰھین من دون اللہ ط قال سبحٰنک ما یکون لی ان اقول مالیس لی بحق ط ان کنت قلتہٗ فقد علمتہٗ ط تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک ط انّک انت علام الغیوب ما قلت لھم الّا ما امرتنی بہٖ ان اعبدوا اللہ ربّی و ربّکم و کنت علیھم شھیدًا مّا دمت فیھم ج فلمّا توفّیتنی کنت انت الرّقیب علیھم ط و انت علٰی کلّ شیءٍ شھید٥" (المائدۃ ع ۱۱۶-۱۱۷)

اور جب اللہ تعالےٰ نے کہا اے عیسٰی ابنِ مریم کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا کے سوا دو معبود بنا لو کہا تو پاک ہے مجھے کہاں شائع تھا کہ میں وہ کہوں جس کا مجھے حق نہیں اگر میں نے ایسا کہا ہوتا تو تجھے ضرور اس کا علم ہوتا تو جانتا ہے جو کچھ میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تو جی میں رکھتا ہے تو ہی غیب کی باتوں کا جاننے والا ہے۔ میں نے اس سے کچھ نہیں کہا مگر وہی جس کا تو نے مجھے حکم دیا کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رَبّ ہے۔ اور میں ان پر گواہ تھا جب میں ان میں تھا۔ پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو تو ہی ان پر نگہبان تھا اور تو ہی ہر چیز پر قادر ہے۔

اِس آیت میں ذیل کے امور ثابت ہوتے ہیں:۔

(ا) حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا غلط جواب دینے سے انکار

(ب) آپ کا سچی اور صحیح تعلیم دینے کا انکار

(ج) اس بات کا اظہار کہ آپ کی موجودگی اور حاضری میں ان کے پیرو صحیح تعلیم پر قائم تھے۔ اور ان کے عقائد نہیں بگڑے تھے بالکل صحیح تھے۔

(د) ان کی غلط تعلیم اور عقائد کا بگاڑ آپ کی توفّی (یعنی وفات) کے بعد ہوا۔

تو حضرت مسیح علیہ السلام دو زمانوں کا ذکر فرماتے ہیں۔

ایک وہ جسے مادمت فیھم کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں یعنی جب تک وہ ان میں رہے۔

دوسرا کنت انت الرقیب علیھم۔ جب صرف خدا تعالےٰ ہی ان پر نگہبان تھا۔

گویا ایک زمانہ اُمّت میں حاضری کا ہے۔ اور دوسرا غیر حاضری کا۔ اس غیر حاضری کی وجہ حضرت مسیح نے آسمان پر جانا نہیں بتلائی بلکہ توفّیتنی بتائی ہے کہ تو نے مجھے وفات دے دی۔

اب سوال یہ ہے کہ اس وقت حضرت مسیح اپنی قوم میں موجود ہیں یا نہیں؟ اگر موجود نہیں تو اس غیر حاضری کی وجہ سوائے وفات کے اور کوئی نہیں لہذا آپ وفات پا چکے ہیں۔

یہ آیت حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی وفات کو قطعی اور یقینی طور پر ثابت کرتی ہے کیونکہ اس آیت میں عیسائیوں کے عقیدے کا بگڑنے کا زمانہ حضرت مسیح کی وفات کے بعد کا قرار دیا ہے اور چونکہ یہ عقیدہ نزول قرآن سے پہلے بگڑا ہوا تھا اس لئے حضرت مسیح کی وفات بھی نزول قرآن سے پہلے ہو چکی تھی۔ خلاصہ کلام یہ کہ قرآن مجید کے نقطہ نگاہ سے حضرت مسیح علیہ السلام کی زیادہ سے زیادہ تین حیثیتیں تسلیم کی جا سکتی ہیں:۔

---

حاشیہ [۱]: لغت عربی میں توفّی اللہ فلانًا کے معنی:۔

(۱)۔ توفّاہ اللہ عزّ وجلّ: اذا قبض نفسہٗ (تاج العروس)
اس کو اللہ تعالیٰ نے توفّی کر لیا اس وقت کہتے ہیں جب وہ اسکی جان کو قبض کرے۔

(۲)۔ الوفات الموت و توفّاہ اللہ: قبض روحہٗ (القاموس)
وفات کے معنی موت ہیں اور اس کو اللہ تعالےٰ نے توفّی کیا کے معنی ہیں اس نے اس کی رُوح قبض کر لی۔

(۳)۔ توفّاہ اللہ ای قبض روحہٗ (صراح)
اللہ نے اس کو توفّی کیا یعنی اس کی رُوح قبض کر لی۔

(۴) توفّیَ فلانٌ و توفّاہ اللہ: ادرکتہ الوفاۃ (اساس البلاغۃ جلد ۲ ص ۳۴۱)
فلاں توفّی کیا گیا اور اللہ نے اسے توفّی کیا کے معنے ہیں اسے وفات نے آ لیا۔

(۵) توفّی اللہ فلانًا ای قبض روحہٗ۔ (الصحاح للجوزی)
اللہ تعالےٰ نے فلاں کو توفّی کیا یعنے اس کی رُوح قبض کر لی۔

(۶)۔ التوفّی: الاماتۃ و قبض الرّوح وعلیہ الاستعمال العامّۃ (کلیات ابی البقاء ص ۱۲۹)

توفّی کے معنے مار دینا اور قبض روح ہیں اسی معنی کا عام استعمال ہے۔

(ا) انسانوں میں سے ایک انسان
(ب) نبیوں میں سے ایک نبی
(ج) معبودوں میں سے ایک معبود

یہودی انہیں نبی نہیں مانتے صرف ایک بشر مانتے ہیں۔ عیسائی انہیں خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں اور مسلمان انہیں خدا تعالےٰ کا نبی اور رسول تسلیم کرتے ہیں۔ قرآن مجید نے ہر سہ لحاظ سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو وفات یافتہ تسلیم کیا ہے۔

**پہلی حیثیت** = کہ وہ صرف بشر اور انسان ہیں جیسا کہ فرمایا :-

وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد و افائن مت فھم الخلدون۔ (الانبیاء ۳۴)

اور تجھ سے پہلے ہم نے کسی انسان کو ایک حالت پر رہنے والا نہیں بنایا تو کیا اگر تو مر گیا تو یہ رہ جائیں گے۔

اس آیت میں بتلایا ہے کہ انسانی جسم کبھی بھی گردشِ ایام سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ وہ ہمیشہ تغیّر پذیر رہتا ہے اور اس نے زندگی اور موت کی ہر حالت میں اسی کرّۂ ارضی میں رہنا ہے چونکہ حضرت مسیحؑ بھی انسان ہیں اس لئے وہ ان قوانین خداوندی سے جو اس نے انسانوں کے متعلق بنائے ہیں باہر نہیں جا سکتے اور کل نفس ذائقۃ الموت کے تحت وفات پا چکے ہیں۔

**دوسری حیثیت** = کہ وہ نبی ہیں قرآن مجید نے تمام انبیاء کے متعلق فرمایا:-

وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل (آل عمران ۱۴۴)

اور محمدؐ ایک رسول ہے اس سے پہلے سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔

اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے تمام انبیاء کی وفات صراحتاً بیان کی گئی ہے جن میں حضرت مسیح بھی آ گئے ہیں۔

پھر آنحضرت صلعم کی وفات پر جب بعض صحابہ وفات کی خبر پر اعتبار کرنے کو تیار نہ تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہی آیت پڑھی تو سب صحابہ کرام کو آنحضرتؐ کی وفات کا یقین آ گیا حالانکہ اگر وہ اس کے قائل ہوتے کہ حضرت عیسےٰ زندہ ہیں تو وہ حضرت ابوبکرؓ کی اس دلیل سے کیسے خاموش رہ سکتے تھے۔ پس اس سے قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ صحابہ کرامؓ بھی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی وفات کے قائل تھے۔

**تیسری حیثیت** = کہ وہ خدا یا خدا کے بیٹے ہیں تو اللہ تعالےٰ نے ان تمام معبودانِ من دون اللہ کے متعلق فرمایا ہے :-

اموات غیر احیاء وما یشعرون ایان یبعثون (النحل ۲۱)

وہ مر چکے ہیں، زندہ نہیں ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ کب اُٹھائے جاویں گے۔

تمام دنیا جانتی ہے اور قرآن کریم میں اس کا ذکر مفصل موجود ہے کہ عیسائی حضرت مسیحؑ کو الوہیت کا مقام دیتے ہیں اور اپنی حاجات کے وقت خدا کی طرح اسے پکارتے ہیں۔ اس لئے قرآن مجید کے حکم کے مطابق وہ بھی مردوں میں شامل ہو چکے ہیں۔ چونکہ وہ وفات پا چکے ہیں اس لئے لا یستجیب لھو الیٰ یوم القیامۃ قیامت تک وہ ان کی پکار کا جواب نہیں دیں گے۔

قرآن مجید کی اس قدر تصریحات کی موجودگی میں کہ حضرت مسیح علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ حیات مسیح کا عقیدہ قرآن مجید کی نصوصِ صریحہ کے خلاف ہے۔ اس واسطے کسی طرح بھی قابل قبول نہیں۔

باوجود ان تصریحات کے اگر کوئی پھر بھی حضرت مسیح کی آسمانوں میں مادی زندگی پر مصر ہے تو مندرجہ ذیل سوال کا جواب دے کر عند اللہ ماجور ہوں ہم نہایت ممنون ہوں گے۔

سوال: وہ کونسی قرآن مجید کی آیت ہے جس میں لکھا ہے کہ حضرت عیسےٰ ابن مریم بجسدہ العنصری زندہ آسمان پر ہیں اور آخری زمانہ میں نازل ہوں گے اور اُمتِ محمدیہ کی اصلاح کریں گے؟ ☆

# جرمنی میں اسلامی عبادت گاہیں

(بسلسلہ صفحہ ۵)

ہیمبرگ میں ایک بڑا اسلامی، روحانی، و تہذیبی مرکز موجود ہے۔ ایرانی مسلمان سرمایہ داروں کی محنت ہی سے اس مسجد کی تعمیر مکمل ہو سکی ہے۔ لیکن اب یہ مرکز تمام مسلمانوں کے لئے کھلا ہے۔ اور گذشتہ دس برس سے امام مجتہد شیابتری کی زیر نگرانی روحِ اسلامی کا مظہر بن گیا ہے۔ اس سنٹر کے زیر اہتمام شائع ہونے والا کتابچہ "یورپ میں اسلام کی صدائے بازگشت" اسلامی معلومات کا مخزن تصور کیا جاتا ہے۔

جرمنی کی جن مساجد کا اُوپر ذکر کیا گیا ہے ان کے علاوہ جرمنی میں آج ایسا کوئی اہم شہر مشکل ہی سے ملے گا جہاں مسلمانوں کی اجتماعی عبادت کا کوئی مرکز موجود نہ ہو۔ ایک قریبی اندازہ کے مطابق وفاقی جمہوریہ جرمنی میں مسلمانوں کی تعداد ۱۲ لاکھ کی سطح پر پہنچ رہی ہے۔

(بہ شکریہ "مشاہدہ" دہلی)

# اخبار احمدیہ

**دعائے صحت** } مکرم میرزا فضل احمد صاحب حاجی پورہ سیالکوٹ سے تحریر فرماتے ہیں کہ :-

"میری بیٹی تین سال سے ذہنی پریشانی میں مبتلا ہے۔ حالانکہ بفضلہ تعالےٰ گھر میں ہر طرح کا آرام و آسائش میسّر ہے۔ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ اور مکرم جناب ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب سے دردمندانہ درخواست ہے کہ براہ کرم وہ اپنی نیم شبی دعاؤں میں میری بیمار بچی کی صحت کاملہ کے لئے دُعا فرمائیں نیز میرزا صاحب قارئین کرام سے بھی استدعا کرتے ہیں۔ کہ اگر کسی دوست کو ذہنی پریشانی دُور کرنے کا کوئی مجرب نسخہ معلوم ہو تو براہ نوازش اطلاع دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔"

(۲) مکرم چوہدری سلطان احمد صاحب ڈھنڈالی ضلع گجرات تحریر فرماتے ہیں کہ :-

"میری صحت خراب ہے براہِ کرم احباب کرام میری صحت کاملہ کے لئے دردِ دل سے دعائیں فرمائیں۔"

**سلامت روی و باز آئی** } برائے اطلاع احباب جماعت عرض ہے کہ مکرم جناب ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب مؤرخہ ۲۵ / جولائی کو بعد دوپہر بذریعہ ہوائی جہاز کوئٹہ تشریف لے گئے ہیں۔ اس روز آپ نے صبح کی نماز میں بڑی رقت اور سوز سے بقا و استحکام جماعت کے لئے دُعا فرمائی۔ اہل دارالسلام کو اپنی قیمتی نصائح سے نوازا۔ باجماعت نماز کی ادائیگی کی بار بار تاکید فرمائی۔ آپ نے تمام جماعتوں سے انفرادی اور اجتماعی طور پر جماعت کی حفاظت و کامیابی کے لئے اللہ تعالےٰ کے حضور گڑگڑانا ...

☆
ابنِ مریم مر گیا حق کی قسم + داخلِ جنت ہوا وہ محترم
مارتا ہے اسکو فرقاں سربسر + اسکے مر جانے کی دیتا ہے خبر
وہ نہیں باہر رہا اموات سے + ہو گیا ثابت یہ تیس آیات سے

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ـــــ مؤرخہ ۲۸ / جولائی ۱۹۷۶ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ـــــ شمارہ نمبر ۳۰

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر۔ ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۳ یوم چہار شنبہ ۷ شعبان المعظم ۱۳۹۶ھ مطابق ۴ اگست ۱۹۷۶ء نمبر ۳۱

## ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

# قرآن کے رُو سے نہ ہر ایک جگہ انتقام محمود ہے نہ ہر یک جگہ عفو قابلِ تعریف ہے

قرآن کے رُو سے نہ ہر ایک جگہ انتقام محمود ہے اور نہ ہر یک جگہ عفو قابل تعریف ہے بلکہ محل شناسی کرنی چاہیئے اور چاہیئے کہ انتقام اور عفو کی سیرت بپابندی محل اور مصلحت ہو نہ بیقیدی کے رنگ میں۔ یہی قرآن کا مطلب ہے۔ اور قرآن انجیل کی طرح یہ نہیں کہتا کہ اپنے دشمنوں سے پیار کرو بلکہ وہ کہتا ہے کہ نفسانی رنگ میں تیرا کوئی بھی دشمن نہ ہو اور تیری ہمدردی ہر ایک کے لئے عام ہو مگر جو تیرے رسول کا دشمن اور کتاب اللہ کا دشمن ہے وہی تیرا دشمن ہوگا۔ سو تو ایسوں کو بھی دعوت اور دُعا سے محروم نہ رکھ اور چاہیئے کہ تو ان کے اعمال سے دشمنی رکھے نہ ان کی ذات سے اور کوشش کر کہ وہ درست ہو جائیں اور اسی بارے میں فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی یعنی خدا تم سے کیا چاہتا ہے بس یہی کہ تم تمام نوع انسان سے عدل کے ساتھ پیش آیا کرو۔ پھر اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ان سے بھی نیکی کرو جنہوں نے تم سے کوئی نیکی نہیں کی۔ پھر اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ تم مخلوقِ خدا سے ایسی ہمدردی کے ساتھ پیش آؤ کہ گویا تم ان کے حقیقی رشتہ دار ہو جیسا کہ مائیں اپنے بچوں سے پیش آتی ہیں کیونکہ احسان میں ایک خود نمائی کا مادہ بھی مخفی ہوتا ہے اور احسان کرنے والا کبھی اپنے احسان کو جتلا بھی دیتا ہے لیکن وہ جو ماں کی طرح طبعی جوش سے نیکی کرتا ہے وہ کبھی خود نمائی نہیں کر سکتا۔ پس آخری درجہ نیکیوں کا طبعی جوش ہے جو ماں کی طرح ہو اور یہ آیت نہ صرف مخلوق کے متعلق ہے بلکہ خدا کے متعلق بھی ہے۔ خدا سے عدل یہ ہے کہ اس کی نعمتوں کو یاد کر کے اس کی فرمانبرداری کرنا اور خدا سے احسان یہ ہے کہ اس کی ذات پر ایسا یقین کر لینا کہ گویا اس کو دیکھ رہا ہے اور خدا سے ایتاء ذی القربیٰ یہ ہے کہ اس کی عبادت نہ تو بہشت کے طمع سے ہو اور نہ دوزخ کے خوف سے بلکہ اگر فرض کیا جائے کہ نہ بہشت ہے نہ دوزخ ہے تب بھی جوشِ محبت اور اطاعت میں فرق نہ آوے۔ اور انجیل میں کہا گیا ہے کہ جو لوگ تم پر لعنت کریں ان کے لئے برکت چاہو مگر قرآن کہتا ہے تم اپنی خودی سے کچھ بھی نہ کرو بلکہ تم اپنے دل سے جو خدا کی تجلیات کا گھر ہے فتویٰ پوچھو کہ ایسے شخص کے ساتھ کیا معاملہ چاہیئے پس اگر خدا تمہارے دل میں ڈالے کہ یہ لعنت کرنے والا قابلِ رحم ہے اور آسمان میں اس پر لعنت نہیں تو تم بھی لعنت نہ کرو تا خدا کے مخالف نہ ٹھہرو۔ لیکن اگر تمہارا کانشنس اس کو معذور نہیں ٹھہراتا اور تمہارے دل میں ڈالا گیا ہے کہ آسمان پر اس شخص پر لعنت ہے تو تم اس کے لئے برکت نہ چاہو جیسا کہ شیطان کے لئے کسی نبی نے برکت نہیں چاہی اور کسی نبی نے اس کو لعنت سے آزاد نہیں کیا۔ مگر کسی کی نسبت لعنت میں جلدی نہ کرو کہ بہتیری بدظنیاں جھوٹی ہیں اور بہتیری لعنتیں اپنے ہی پر پڑتی ہیں سنبھل کر قدم رکھو اور خوب پڑتال کر کے کوئی کام کرو اور خدا سے مدد مانگو کیونکہ تم اندھے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ عادل کو ظالم ٹھہراؤ اور صادق کو کاذب خیال کرو۔ اس طرح تم اپنے خدا کو ناراض کر دو اور تمہارے سب نیک اعمال حبط ہو جاویں۔

(کشتیٔ نوح)

"جو لوگ بدگمانی کو شیوہ بناتے ہیں وہ تقویٰ کی راہ سے بہت دور جا پڑتے ہیں۔"

(براہین احمدیہ حصہ پنجم)

از افاضات — حضرت امیر مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

# جس چیز نے مسلمانوں کو خدا سے بھی دور کر دیا اور دنیا میں ذلیل ہو گئے وہ کام کی قوت کا نہ رہنا ہے قیام لیل سے کام کی قوت پیدا ہوتی ہے

**اعلائے کلمۃ اللہ کے ساتھ قیام لیل کا حکم** } رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے کھڑا کیا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کریں و ربک فکبر (مدثر) تو اس حکم کے بعد دوسری وحی ان الفاظ میں تھی قم اللیل الا قلیلا نصفہ او زد علیہ رات کو عبادت کے لئے کھڑے رہو نصف ہو یا اس سے کچھ کم یا اس سے کچھ زیادہ۔ اور دوسری جگہ اسی سورت میں آگے چل کر فرماتا ہے۔ تیرا رب جانتا ہے انک تقوم ادنیٰ من ثلثی اللیل ونصفہ وثلثہ تو دو تہائی رات بھی کھڑا رہتا ہے، آدھی رات بھی، تہائی بھی کھڑا رہتا ہے یہ شاید راتوں کی لمبائی اور چھوٹائی کی وجہ سے ہو یا یہ کہ تیرے ساتھ جو کھڑے ہونے والے ہیں وہ اتنا لمبا قیام نہیں کر سکتے تو ایک تہائی رات تک کھڑے رہتے ہیں۔

**قیام لیل کی وجہ** } اس حکم کی پھر وجہ بھی خود ہی بیان فرمائی انا سنلقی علیک قولا ثقیلا ہم نے جو حکم دیا ہے کہ رات کو خدا کی عبادت میں کھڑے رہا کرو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے ایک بہت بڑا کام آپ کے ذمہ لگایا ہے بہت بڑا کام ہم آپ سے لینا چاہتے ہیں۔ قول کے معنے بات کے ہیں اور ثقیل کے معنے ہیں وزنی۔ لیکن ثقیل بیش قیمت چیز کو بھی کہتے ہیں اور قول کا لفظ قرآن شریف میں بھی بہت جگہ اور زبان عربی میں بھی عمل پر استعمال ہوا ہے تو فرمایا بہت بڑا کام آپ سے لینا ہے اور وہ اصلاح خلق کا کام تھا۔ اس لئے رات کو خدا کے حضور کھڑے رہا کرو۔

**قیام لیل کے فوائد** } ان دونوں باتوں میں کیا تعلق ہے اس کے بعد ہی فرمایا ان ناشئۃ اللیل ھی اشد وطأ رات کو جاگنا تو خواہشات نفسانی کو روندنے اور پامال کرنے کی بڑی زبردست قوت رکھتا ہے۔ رات کو اٹھنے سے خواہشات نفسانی پامال ہو جاتی ہیں۔ واقوم قیلا۔ ایسے شخص کی بات میں بڑی مضبوطی ہوتی ہے۔ اس کی بات میں اثر پیدا ہو جاتا ہے۔

## دن میں کام کی زیادتی کے باعث قیام لیل کی ضرورت۔

تیسری بات وہ ہے جو اس آیت میں بیان کی گئی ہے جو میں نے پڑھی ہے۔ ان لک فی النھار سبحا طویلا۔ دن کے وقت میں آپ کے لئے بہت لمبا کام ہوتا ہے اس لئے بھی رات کا اٹھنا ضروری ہے سبح کا لفظ وہ مادہ ہے جس سے تسبیح بھی مشتق ہے۔ یہاں لفظ عمل استعمال نہیں کیا گیا۔ بلکہ سبحا استعمال کیا گیا ہے یعنی امر بڑا تیزی سے

گزرنے کو سبح کہا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ جو اجسام سماوی اپنے راستوں پر چلتے ہیں اور جیسا کہ آجکل کی تحقیقات سے ثابت ہے بڑی تیزی سے چل رہے ہیں اس کا بھی ذکر اسی لفظ سے کیا، کل فی فلک یسبحون وہ سب کے سب اپنے اپنے راستوں پر تیزی سے چل رہے ہیں۔ ایک اور جگہ بھی سبح کا لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے والسابحات سبحا وہ نفوس جو عمل میں بڑی تیزی سے لگے ہوئے ہیں۔ چونکہ وہ بڑی تیزی سے کام میں لگے ہوئے ہیں اس لئے ان کی دوسری صفت ہے فالسابقات سبقا وہی دنیا میں بڑھ جاتے ہیں۔

کہتا ہے کہ کہنا یوں چاہئے تھا کہ چونکہ تمہیں دن کو بہت کام کرنا پڑتا ہے اس لئے رات کو سو جایا کرو یا رات کو عبادت میں کھڑے رہنا پڑتا ہے تو دن کو سو جایا کرو۔ مگر نہیں رات کو عبادت میں کھڑے رہنے کے حکم کے بعد فرمایا یہ اس لئے ضروری ہے کہ دن کو آپ کو بہت کام کرنے پڑیں گے۔ فی الحقیقت یہ تعلق ہے خدا کے ساتھ جس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح کر کے دکھا دیا اور اپنے عمل سے بتا دیا کہ خدا کے ساتھ تعلق کوئی موہوم امر نہیں جس کو لوگوں نے یوں سمجھا ہے کہ گوشہ نشین ہو کر بیٹھ جائے، گھر بار ترک کر دے دنیا چھوڑ دے کام کاج ترک کر کے جنگلوں میں جا بیٹھے، یہ اسلام کا نظریہ نہیں، یہ وہ طریق نہیں جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا۔ بلکہ عبادت کرنے، شب بیداری، رات کے اُٹھنے کو زیادہ کام کرنے کا ذریعہ بتایا ہے اور رات کی سخت عبادت کو ان لک فی النھار سبحا طویلا کا باعث قرار دیا ہے۔

**قیام لیل کے اس حکم کا ہر مسلمان مخاطب ہے** } اس سے معلوم ہوا کہ خدا کی عبادت کی ضرورت اس لئے ہے کہ انسان کام زیادہ کر سکے۔ گویا عبادت الٰہی سے کام کی قوت پیدا ہوتی ہے۔ ہم پیرو تو اس عظیم الشان انسان کے کہلاتے ہیں جو رات کو عبادت میں اور دن کو کام میں گذارتا تھا۔ مگر حالت یہ ہے کہ رات کو سوتے رہ کر بھی دن کو کام نہیں کرتے۔ ایک مسلمان کو جو محمد رسول اللہ صلعم کے نقش قدم پر چلنے والا ہے کو دنیا کو نمونہ تو یہ دکھانا چاہیئے تھا کہ وہ باوجود رات کو عبادت میں گذارنے کے دن کو کام میں دوسروں سے آگے نکل جائے۔ ہم رسول اللہ صلعم کے قصے تو خوب بیان کر سکتے ہیں مگر ہمارے عمل سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ہمیں اس عظیم الشان ہادی سے کوئی نسبت بھی ہے جس کے لئے کہا گیا تھا ان لک فی النھار سبحا طویلا بلکہ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس حکم کا ہم میں سے ہر ایک مخاطب ہے اور درحقیقت ہم کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ اسے محمد رسول اللہ صلعم کے نقش قدم پر چلنے والے تیرے لئے بھی دن کے وقت بڑا سخت کام ہے۔ اس لئے رات کو اُٹھ کر خدا کے حضور کھڑے رہا کرو۔ آنحضرت صلعم کے کاموں کو سبحا طویلا کہا گیا ہے۔ فی الحقیقت اگر آپ کے کاموں کو گنو تو حیرت ہوتی ہے اور انسان خیال کرتا ہے کہ کیا واقعی یہ سارے کام آپ خود کرتے تھے؟ آج تو پانچ وقت نماز پڑھانے کے لئے بھی ایک مولوی کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن اگر رسول اللہ صلعم کے کاموں کو دیکھا جائے تو گو یہ سچ ہے کہ آپ پانچ وقت نمازیں پڑھاتے تھے مگر آپ کے کاموں کی لمبی فہرست میں یہ ایک بہت چھوٹا سا کام نظر آتا ہے۔ آپ کے کاموں کی اتنی لمبی فہرست ہے کہ سمجھ نہیں آتا کہ لکتے سا

# قرآن کریم کا معاشی نظام ایک احمدی کی نظر میں

ہم نے "پیغام صلح" کے گذشتہ ایشوع میں جناب پرویز صاحب کے
پیش کردہ قرآنی نظام معیشت پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے فکر و فہم کے
مطابق قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں یہ بتانے کی کوشش کی تھی کہ جناب
پرویز صاحب کے مزعومہ نظام اور مارکس کے معاشی نظام میں اگر کوئی فرق
ہے تو صرف اتنا کہ انہوں نے "قل العفو" کی تشریح کرتے ہوئے
اسے قرآنی لباس پہنانے کی ناکام کوشش کی ہے - اداریہ طویل ہو جانے کے
باعث ہمیں اسے مجبوراً ختم کرنا پڑا ورنہ یہ ابھی تشنۂ تکمیل تھا۔ ہماری
ان معروضات کو بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تصور کیا جائے کیونکہ یہ
اب ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے تصور کے قرآنی معاشی نظام کو قارئین کے
سامنے پیش کریں تاکہ وہ تقابلی جائزہ سے کسی نتیجہ پہ پہنچ سکیں۔
ہمارا یہ ایمان ہے کہ اسلام دین فطرت ہے - دین فطرت کو
انسانی فطرت کے تقاضوں کے معیار پر پورا اترنا چاہیئے اور اگر کوئی دین
اس ترازو میں پورا نہیں تلتا تو اسے کامل دین کہنے کا نظریہ محل نظر
ٹھہرتا ہے - اس لئے ہم دین اسلام کو اس نقطہ نظر سے پرکھتا ہے
کہ آیا وہ انسانی فطرت کا [illegible] دیتا ہے یا نہ؟
جدید دور کے ماہرین نفسیات انسانی فطرت کو ایسی جبلتوں - جذبات،
احساسات اور خواہشات کا مجموعہ تصور کرتے ہیں جن کا مقصد بقاءِ خود
اور بقاءِ نسل ہے - اپنی بقاء یا فرد کی بقاء اس کی جسمانی ضروریات یعنی
روٹی کپڑے اور مکان پر منحصر ہے اور نسل کی بقاء جنسی تعلقات پر
اسی سے مادی نظریہ زندگی نے جنم لیا ہے جس کے تحت انسان کا اس
دنیا میں پیدا ہونے کا مقصد محض پیٹ اور جنسی بھوک کی تسکین ہے۔
اور اس طرح انسان کو عام حیوانوں کی سطح پر لا کھڑا کیا ہے - یہی وہ نقطۂ
نگاہ ہے جس سے انسان میں حسد - بغض - کینہ رقابت اور عداوت جیسے
جذبات رذیلہ پیدا ہوئے اور انسانی معاشرہ کو فتنہ و فساد کی آگ میں
دھکیلتے رہے ہیں۔
اس کے برعکس سورۃ "التین" میں انجیر - زیتون - طور سینا اور بلد امین
کو شہادت کے طور پر پیش کر کے قرآن کریم تخلیق انسان کے متعلق فرماتا ہے
"کہ ہم نے انسان کو بہترین صورت پر پیدا کیا ہے۔"
یقیناً انسان ارتقائے کائنات کی آخری منزل ہے - اور اللہ کا خلیفہ ہے
اس لئے اسے اپنی پہلی منازل سے بہت مختلف اور ارفع و اعلےٰ ہونا چاہیئے
یہ دوسرے حیوانوں کی طرح محض پیٹ اور جنسی بھوک کا مرکب نہیں بلکہ
اسے اللہ تعالےٰ نے وہ استعدادیں اور صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں اور
عقل و شعور بخشا ہے جنہیں اپنے اندر ودیعت کی ہوئی ہدایت کے مطابق
بروئے کار لا کر وہ اس کائنات کے اسرار و رموز سے پردہ اٹھا کر اسے
تسخیر کر سکتا ہے اور اس منزل سے آگے بڑھ کر اس مرکزی نقطہ کو پا
سکتا ہے جس کی یہ ایک خفیف اور مدھم سی جھلکی ہے - وہ حیوانیت
سے نکل کر روحانیت اور نفسِ امّارہ کی الجھنوں سے آزاد ہو کر نفسِ
مطمئنہ تک اور حزن و خوف سے نجات پا کر امن اور سلامتی تک
[illegible]

کو ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے :-
"پھر ہم اسے ذلیل سے ذلیل حالت کی طرف لوٹا دیتے ہیں
سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے
ہیں - تو ان کے لئے نہ منقطع ہونے والا اجر ہے"
اسی فلسفہ کو دوسرے الفاظ میں یوں ادا کیا ہے :-
"اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں
باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور جو
کافر ہیں چند روز فائدہ اٹھاتے ہیں اور کھاتے ہیں جس
طرح چار پائے کھاتے ہیں اور آگ اُن کا ٹھکانا ہے۔"
(سورۃ محمد - ۱۲)
کیا خوبصورت اور پُر حکمت تمثیل کے ذریعے مومن اور کافر کی زندگی کے
مقاصد میں تمیز بیان کر دی ہے - کیا پرویز صاحب مسلمانوں کو کافرانہ
زندگی کی ترغیب دے رہے ہیں یا مومنانہ زندگی کی - وہ خود ہی انصاف
سے کہہ دیں۔
انسان کی زندگی کا منتہائے مقصود معلوم کرنا ہے تو ان الفاظ پر
غور فرمائیے :-
"اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے باغوں کا وعدہ کیا ہے
جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں انہی میں رہیں گے اور ہمیشگی کے باغوں
میں پاکیزہ رہنے کی جگہوں کا - اور اللہ کی رضا سب سے بڑھ
کر نعمت ہے - یہی بڑی بھاری کامیابی ہے۔" (التوبہ - ۷۲)
مومن کا مطلوب اور مقصود نہ جنت ہے نہ پاکیزہ ٹھکانے بلکہ اللہ تعالےٰ
کی رضا ہے۔

سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے
اے بے خبر جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

اور یہ رضائے الٰہی کن خوش نصیبوں کے حصے میں آئی وہ بھی دیکھ لیجئے :-
"اور سبقت لے جانے والے مہاجرین اور انصار میں سے
پہلے اور وہ جنہوں نے احسان کے ساتھ پیروی کی اللہ ان سے
راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے اور اس نے ان کے
لئے باغ تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ انہی میں
ہمیشہ رہیں گے یہی فوز عظیم یا بڑی کامیابی ہے۔" (التوبہ - ۱۰۰)
یہ دنیا کے ستائے ہوئے لٹے پٹے - گھروں سے نکالے ہوئے بے سرو سامان
لوگ اور یہ جدید دور کی اصطلاح کے مطابق مفلس و نادار انصار کس طرح
اللہ تعالےٰ کی رضا کے مستحق ٹھہر گئے - نہ حکومت - نہ ذریعہ معاش اور
نہ یہ حکومت کی ذمہ داری آخر وہ کیا ذریعہ تھا جو انہوں نے اختیار کیا
اور جو اللہ تعالےٰ کو پسند آ گیا - یہ مارکس کے بے خدا معاشرہ کی
اقدار کی پیروی اور ہیگل نہ تھی جس کی طرف پرویز صاحب اس وقت مسلمانوں
کو ان کے مونس و غمخوار بن کر دعوت دے رہے ہیں - یہ کوئی اور ہی گر ہے
جو اس منزل کی طرف لے جاتا ہے اور جس سے پرویز صاحب یا وصف
دعویٰ قرآن فہمی کے واقف اور آشنا نہیں۔
ہمارے نظریہ کے مطابق جس طرح انسان کی جسمانی دنیا کے ارتقائی
مراحل طے ہوتے ہیں اور جنہیں قرآن کریم نے سورۃ المؤمنون میں
مٹی کے خلاصہ - نطفہ - لوتھڑا - گوشت کا ٹکڑا - اس ٹکڑے میں ہڈیاں
کے پیدا ہوتے اور ہڈیوں پر گوشت چڑھاتے اور آخر میں اسے ایک اور
پیدائش دے کر اٹھا کھڑا کرنے سے تعبیر کیا ہے اسی طرح انسان کی ایک
باطنی دنیا اور کائنات ہے جو اسی قسم کے ارتقائی سفر سے گذر کر اس
مقام کو پا لیتی ہے جہاں اس کا [illegible]

ـہ النّاس کی معرفت اور شناخت کا شرف حاصل ہوتا ہے ۔یہی بنیاد
ے قرآن کے معاشی نظام کی کیونکہ اس ذریعے سے وہ انفرادی
ـگی کی مادی ضروریات پورا کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس کی
ـمانی ساخت ہی ایسی ہے کہ ان سے قطعاً بے نیاز نہیں رہ سکتا ۔ بلکہ
، تو فرماتا ہے : ــــــ

"کہو کس نے اللہ کی زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لئے
نکالی ہے اور کھانے کی ستھری چیزوں کو حرام کیا ہے ۔ کہو
وہ دنیا کی زندگی میں ان لوگوں کے لئے ہیں جو ایمان والے قیامت
کے دن خالص (انہیں کے لئے) اسی طرح ہم باتوں کو لوگوں کے
لئے کھول کر بیان کرتے ہیں ۔ جو علم رکھتے ہیں" (اعراف ۔ ۳۲)

ـں آیت سے یہی مستنبط ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے جہیا کردہ
ـسائل اور ذرائع یہ سب بندوں کا مساوی حق ہے اور سب کے لئے مساوی
ـاقع ہیں کہ وہ حسب استعداد اور صلاحیت ان سے مقدور بھر استفادہ کریں
ـلیکن یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اسی کو مقصد حیات سمجھ بیٹھیں اور اس میں اس
ـحد تک مغرق ہو جائیں کہ دولت ہی ان کا مطلوب و مقصود اور محبوب ہو جائے
ـور اس سے پیدا ہونے والی خرابیاں ان میں پھیل جائیں ۔ اسی لئے اسی سے
ـملی ہی آیت میں چھپی ہوئی اور ظاہر بے حیائی کی باتوں ۔ گناہ ۔ ناحق بغاوت اور
ـللہ تعالےٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کو حرام قرار دیا ہے کیونکہ یہ ساری
ـتیں دولت کی فراوانی سے پیدا ہوتی ہیں اور استحصالی قوتوں کو جنم دیتی ہیں ۔

انسان کے ہاتھوں انسان کے استحصال کو ختم کرنے کے لئے قرآن
ـکریم نے کہیں یہ علاج نہیں بتایا کہ وسائل رزق انسانوں سے چھین کر حکومت
ـکی تحویل میں دے دو ۔ ملکیت کا جذبہ انسان کی فطرت میں موجود ہے ۔ اسی
ـلئے قرآن کریم نے مختلف مقامات پر تقسیم وراثت ۔ تجارت ۔ صنعتوں ۔
ـاور انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر کرکے نجی ملکیت کے جواز کی طرف
ـاشارہ کیا ہے ۔ اس سے کمائی ہوئی دولت کو دوسروں پر خرچ کرنے کے لئے
ـاللہ تعالےٰ کی رضا جوئی کو بنیاد بنایا ہے ۔ اور اس کے نفس کی تہذیب اور تادیب
ـکے لئے ایسے ذرائع تجویز کئے ہیں کہ اس کے اپنے اندر سے نسلِ انسانی
ـکی فلاح اور بہبود کے لئے اپنی دولت لٹانے کے لئے ایک آواز اُٹھے اور
ـاسے خرچ کرنے میں وہ خوشی اور راحت محسوس کرے ۔ اسی کو قربانی کہتے
ـہیں مگر یہ جذبہ سوائے روحانی اقدار پر یقین کے کسی اور راہ سے پیدا نہیں
ـہو سکتا ۔ جس معاشرہ میں یہ بات پیدا ہو جائے وہی صالح اور متوازن معاشرہ
ـہوتا ہے جس میں کسی فتنہ اور فساد کو راہ نہیں ملتی ۔

اسلام اشتراکیت اور سرمایہ داری دونوں کا مخالف ہے ۔ اس
ـنے ایک درمیانی راہ اختیار کی ہے ۔ وہ اشتراکی نظریہ معیشت کے برعکس نجی
ملکیت اور اس سے دولت کے حصول کی اجازت دیتا ہے اور سرمایہ داری کے
برعکس اس دولت کے خرچ کے لئے ایسے راستے تجویز کرتا ہے کہ کمانے
والے کے پاس کچھ بھی نہیں بچتا اور اس کی ساری دولت معاشرہ میں CIRCULATE
ہوتی رہتی ہے ۔ وراثت کی تقسیم ۔ زکوٰۃ اور صدقات کی ادائیگی ۔ ضرورت سے
جو بچ جائے اسے خرچ کرنے کا حکم ۔ سونا اور چاندی جمع کرنے والوں کو
سزا کی تنبیہ ۔ مسافروں ۔ اسیروں پڑوسیوں اور قریبیوں پر خرچ کرنے کی
تاکید ۔ ہنگامی حالات میں قومی فنڈ میں امداد یہ سب دولت کے نکاس کے
ذرائع ہیں لیکن یہ تب ہی ممکن ہے جب اللہ تعالےٰ سے تعلق ہو ۔ جب
یہ ختم ہو جائے تو پھر اشتراکیت کو بھی روکنا ممکن نہیں اور سرمایہ داری

کا دفاع بھی نہیں ہو سکتا اور دنیا انہی دو نظاموں کے ہاتھوں تباہی کے گڑھے
کے کنارے پہنچ گئی ہے ۔ اور پرویز صاحب بھی اس میں اپنا ایک منفرد
مخصوص مفاد کی خاطر کھیل رہا تھا اسے اپنے راستے سے ہٹانے کے
لئے حضرت مرزا صاحب پر دعویٰ نبوت کا جھوٹا الزام لگا کر مباحثوں
اور مناظروں میں اُلجھا دیا اور جس اصلی مقصد کے لئے آپ مبعوث ہوئے
تھے اس سے توجہ ہٹانے کی سرتوڑ کوشش کی ۔ نہ صرف آپ کی زندگی
میں بلکہ آپ کے بعد بھی اس تحریک کے خلاف وقتاً فوقتاً مختلف
تحریکیں اُٹھتی رہیں جن کے پسِ پشت ایسے ہی عوامل کار فرما تھے ۔
کیونکہ یہی ایک ایسی فعال اور منظم تحریک تھی جس نے حدود برصغیر
سے نکل کر ایک بین الاقوامی صورت اختیار کر لی تھی اور اسلام کو
اس کے اصلی خوبصورت اور معقول رنگ روپ میں پیش کر رہی تھی
جس کے نتیجے میں بڑے بڑے عالم انگریز ۔ جرمن اور دوسرے غیر مسلموں
نے ایک اچھی خاصی تعداد میں اسلام قبول کر لیا ۔ سرمایہ دارانہ نظام
کے نا خداؤں اور بے خدا معاشرہ کے قیام کے دعویداروں کو اس
کی ہمہ گیریت سے خوف لاحق ہوا اور اسے ختم کرنے کی ایک آخری
اور بھرپور کوشش کی لیکن خدائی قوتوں کو توہم پرستی سمجھنے والے انسان
کیا جانیں کہ انسانوں کے مٹنے سے خدائی تحریکیں نہیں مٹا کرتیں ۔ وہ
ایک جگہ ڈوب کر دوسری جگہ اُبھر جاتی ہیں ۔ یہ افراد کے ساتھ قائم
سیاسی تحریکیں نہیں ہوتیں کہ ان کے رخصت ہونے کے بعد خود بھی
رخصت ہو جاتی ہیں ۔

پرویز صاحب بھی شاید یہی سمجھتے ہیں کہ احمدیوں کو غیر مسلم
اقلیت بنا دینے کے بعد ہم نے انہیں ختم کر دیا ۔ یہ ان کا خیال خام ہے ۔

اعملوا علیٰ مکانتکم انا عٰملون
و انتظروا انا منتظرون ۔ (ہود ۔ ۱۲۱ ۔ ۱۲۲)

---

## نماز کیا ہے ــــ سلسلہ صفحہ ۹

ٹیکس نہیں ہے ۔ بلکہ عبودیت کو ربوبیت سے ایک ابدی تعلق اور کشش ہے
اس رشتہ کو قائم رکھنے کے لئے خدا تعالےٰ نے نماز بنائی ہے اور اس
میں ایک لذّت رکھ دی ہے جس سے یہ تعلق قائم رہتا ہے ۔ قرآن کریم میں
نماز پر بہت زور دیا گیا ہے ۔ بار بار اس کو قائم کرنے اور اس کی حفاظت کرنے
کی تلقین اس میں پائی جاتی ہے ۔ نماز اللہ تعالےٰ کی سچی محبت اور فرمانبرداری کی
نشانی ہے ۔ اور انسان کے دل میں خدا کی یاد پیدا کرتی ہے ۔ مقصدِ حیات کا
احساس دلاتی ہے "انسان کی زاہدانہ زندگی کا بڑا بھاری معیار نماز ہے ۔ جو شخص
خدا کے حضور نماز میں گریاں رہتا ہے وہ بڑے امن و سکون میں رہتا ہے"
"اصل بات یہ ہے کہ جب تک انسان اس عالم میں حصّہ نہ لے جس سے نماز
اپنی حد تک پہنچتی ہے تب تک انسان کے ہاتھ میں کچھ نہیں" اسی طرح نماز
کے اور بھی بہت سے فائدے ہیں ۔ یہ دین کو درست کرتی ہے ۔ نماز اپنے آقا
کے حضور جسم و جان کی بندگی ہے ۔ خالق و مخلوق کے درمیان وابستگی کا ذریعہ
ہے ۔ بیقرار روح کی تسکین اور مایوس دل کی دعا ہے ۔

(بشکریہ مسعودہ فرزانہ صاحبہ ۔ دار السلام لاہور)

دختر نیک اختر مولوی محمد علی صاحب مبلغ ڈیرہ غازی خان

بفرامرصلیں ہے۔ دونوں بیان یہ صرف کس قدر باہم مطابقت رکھتے ہیں بلکہ دین
واقعاتی امور بن چکے ہیں۔ مسٹر ایبٹ ایک باخبر مصنّف ہیں کیونکہ حالات
حاضرہ سے ناواقف نہیں جیسے کہ وہ حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

> "اگرچہ مرزا صاحب کے ذاتی دعاوی نے مسلمانوں میں مقبولیت حاصل نہیں کی" نیز یہ کہ "جس تحریک کی دونو شاخوں نے مدافعت و توسیع اسلام میں سب سے زیادہ کام کیا ہے، اسی کے خلاف پاک و ہند کے مسلمان صف آراہ ہیں"

غلبہ و فتح اسلام کا خیال ابتدائے چودھویں صدی میں کہاں تھا؟ خود مسلمانوں کے قلوب میں مایوسی و ماتم کی صفیں بچھی ہوئی تھیں اور آسمان کی طرف نگاہیں اُٹھ رہی تھیں کہ کب مسیح و مہدی آئے اور دین کا بول بالا کرے۔ مگر آج احیائے اسلام کی ندا ہر طرف سے سنائی دے رہی ہے؟ عجیب بات یہ ہے کہ احمدیت نے جس طریق کار سے اس فتح کو مقدر بتلایا یعنی دجّال کے وساوس کا قلع قمع کرکے جہاد بالقلم والعلم یا دینِ اسلام کے محاسن کو اُجاگر کرنا، نہ صرف نمایاں کامیابی اسی ذریعہ سے حاصل ہوئی ہے۔ بلکہ آج خود علماء مسجد نبویؐ و حرم بھی اس کے معترف ہو چکے ہیں چنانچہ شیخ عبدالعزیز امام مسجد نبویؐ اور دیگر اسلامی مفکرین جنہوں نے بین الاقوامی سیرت کانگریس میں اپنے خیالات کا اظہار کیا کے بیانات سے ثابت ہے۔ خونی مہدی کے عقیدہ کا آج کون ہوشمند قائل ہے؟ حالانکہ جب حضرت اقدسؑ نے اس کی تردید فرمائی اور اسے خلافِ اسلام قرار دیا تو اس پر انہیں کافر کہا گیا۔ چودھویں صدی کے آغاز میں تمام مساجد میں امام صاحبان یہ وعظ کیا کرتے تھے کہ مسیح کے نزول کا وقت اب قریب آچکا ہے لیکن اس وقت تو ایک منبر سے بھی ہم نے ایسی آواز نہیں سُنی حالانکہ چودھویں صدی اختتام پر آگئی ہے۔ آخر یہ سب ایمانی و ذہنی انقلاب کہاں سے پیدا ہوا؟ میرے دوست! جو دینی انقلاب احمدیت کے مدِّنظر ہے وہ تو برپا کیا جا رہا ہے جس کا دوست و دشمن کو یکساں اعتراف ہے، جو حقائق و واقعات کا رُوپ دھار چکا ہے۔ لیکن آپ کے نزدیک یہ مفروضہ واہمہ ہے۔

پھر اگر اس ٹھوس واقعاتی انقلابی رَد کو ملاحظہ کرکے جسے ایک مردِ خدا نے آج سے قریباً ایک صدی پیشتر بتلا دیا تھا کوئی مؤمن اس کی باقی ماندہ پیشگوئیوں کے صادق ثابت ہونے پر اظہار یقین کرے تو آپ کے نزدیک وہ شکستہ دلوں کی ڈھارس بندھاتا یا مفروضہ واہمہ کا شکار ہے۔ العجب ثم العجب۔

میرے دوست اگر حضرت اقدس کی مندرجہ بالا عبارت از رُوئے انصاف اور تعصّب و ضد سے الگ ہو کر مطالعہ کریں تو یقیناً وہ کہہ اُٹھیں گے کہ جس پُر زور یقین و خلوص اور پُر شوکت اندازِ بیان میں آپ نے یہ عبارت لکھی ہے، کسی انسان بے بنیاد کا ایسی مؤثر و دلپذیر تحریر کرنا ممکن ہی نہیں۔ کس قدر حتمی یقین اور خدا داد وعدوں کے مطابق ایمان پر بار بار یہ لکھ رہے ہیں کہ خدا مجھے اور میری جماعت کو بالآخر عظمت و عزّت دے گا یہ اس کا حتمی اقرار ہے، بے شک اس میری پیشگوئی کو صندوقوں میں محفوظ کر لو۔ یہ ہرگز خطا نہیں جائے گی۔ پھر جس کے مثیل بن کر آپ آئے ہیں شروع میں ہی ان کا ذکر فرما رہے ہیں۔ یعنی یہ توجہ دلا رہے ہیں کہ پہلی تاریخ کو پڑھو۔ حضرت مسیحؑ جب مبعوث ہوئے ان کی زندگی میں ان سے مخالفوں نے کیسا سلوک کیا۔ کس طرح ان کی تحریک بظاہر دب گئی تھی بلکہ تاریخ کے اوراق میں تین سو سال تک کہیں بظاہر اس کا غلبہ دکھلائی نہیں دیتا مگر بالآخر کیا خدائی کرشمہ ہوا کہ وہی تحریک جسے دنیا نے مردہ یقین کر لیا تھا ایسی وسیع پیمانہ پر پھیلی کہ اب چالیس کروڑ انسان حضرت مسیحؑ سے ایسی گہری محبت و عقیدت کے جذبات سے وابستہ ہیں۔ جائے غور ہے! وہ وقت تصوّر کے سامنے لاؤ! جب حضرت مسیح کو مخالفوں نے صلیب پر لٹکا کر اپنی طرف سے ان کا خاتمہ کر دیا

گردم اور مزدور و بے بس سمجھ دیا اس وقت عالَب آئی ہے؟ اگر حضرت مسیحؑ کی زندگی اور اس کے ایک صدی بعد تک بھی کوئی شخص حضرت مسیحؑ کے اس خدائی وعدہ وجاعل الذین اتبعوك فوق الذین كفروا کو دوہراتا تو لازماً میرے دوست کے نزدیک ایسا مؤمن واہمہ کا شکار اور شکستہ دلوں کی ڈھارس بندھانے والے کے خطاب سے ملقب کیا جاتا۔ پھر یہ بھی تو غور کرو کہ جب بانیٔ سلسلہ احمدیہ اپنی جماعت کی کامیابی اور غلبہ کا ذکر فرماتے ہیں تو آپ کو اس کی کیا ضرورت پڑی ہے کہ ساتھ ہی یہ بھی بتلائیں کہ کامیابی کا راستہ سیدھا و صاف اور آسان و سہل نہیں جیسے کوئی ظاہر بین سمجھ لے بلکہ اس میں رکاوٹیں اور ابتلاء پیش آئیں گے یہاں تک کہ دشمن یہ یقین کر لیں گے کہ اب یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ بہتیرے اپنے بھی الگ ہونے کی راہ اختیار کریں گے۔ قومیں ہنسی و ٹھٹھہ کریں گی اور سخت کراہت سے پیش آئیں گی وغیرہ۔

میرے دوست کا کہنا ہے کہ:—

> "مان لیجئے کہ ان ابتلائی پیشگوئیوں میں مرزا صاحب سچے تھے لیکن اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ مامور من اللہ تھے بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ مرزا صاحب اپنی جماعت کو جس راستہ پر لے کر چلے تھے اس میں ابتلاؤں کے سوا کچھ تھا ہی نہیں۔"

غیرت کا مقام ہے! کہ اگر حضرت اقدسؑ کی پیشگوئی میرے دوست کے نزدیک سچی بھی نکل آئے تب بھی اس سے، آپ کے نزدیک آپ کی صداقت ثابت کرنا بیکار ہے!

میرے دوست نے پیشگوئی کے سچا ہونے کی وجہ یہ دی ہے کہ یہ راستہ ہی ایسا تھا۔ تو یہ وہی بات نہیں جسے حضرت اقدسؑ اور راقم نے سنّتِ الٰہیہ قرار دیا ہے۔ پھر کیا میرے دوست کے نزدیک یہ سنّتِ الٰہیہ نہیں؟ کیا پہلے ماموروں کی تاریخ یہی ثابت نہیں کرتی؟ خدائی مصلحین کی زندگیاں اور بعد کے واقعات یہی نہیں بتلاتے؟ مندرجہ بالا سطور میں راقم نے حضرت مسیحؑ کی زندگی اور طویل عرصہ بعد بھی مخالفت اور بظاہر ناکامی کی جو مثال پیش کی ہے تو کیا اس سے انکار ہو سکتا ہے؟

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم افضل الرسل اور کامیاب ترین مصلح ہو گذرے ہیں مگر آنجنابؐ کی زندگی میں کتنی مرتبہ ایسے مواقع پیش آئے جب عظیم مخالفت کے طوفان کو دیکھ کر کمزور مؤمنوں اور منافقوں نے یہ کہہ دیا ما وعدنا اللہ ورسولہ الا غرورا یہ وعدہ تو محض طفل تسلیاں، دل کی ڈھارس اور دھوکہ ہیں، جنگِ اُحد، جنگ احزاب کے وقتوں میں وقتی طور پر کیسی بے بسی اور عاجزی دکھلائی دیتی تھی۔ پھر آنحضرت صلعم کی وفات پر تو گویا سارا ملکِ عرب ہی مُرتد ہو گیا تھا راقم نے یہی تو لکھا تھا کہ ایسے نا مساعد حالات کا پیش آ جانا اور پھر جبکہ مامور من اللہ نے اس کے بارہ میں پہلے سے پیشگوئی بھی کر دی ہو اس کی صداقت پر دلیل ہے نیز اس امر کی بھی دلیل ہے کہ پیشگوئی کا اگلا جزو یعنی آخری غلبہ بھی لازماً پورا ہو کر رہے گا۔ اگر حضرت اقدسؑ نعوذ باللہ مفتری تھے تو کیا وہ اپنے پیرؤوں کو ابتلاؤں کی خبر سُنا کر انہیں خوفزدہ کرنا چاہتے تھے؟ کوئی منصوبہ باز انسان اپنے ہی خلاف ایسا کہہ سکتا ہے؟ حضرت اقدسؑ کی آخری زندگی میں آپ کے خلاف جوش بہت مدھم پڑ چکا تھا۔ پھر آپ نے اپنے بعد کیوں نا مساعد حالات کا ذکر کیا؟ آپ کو تو مریدوں کی تسلّی کے لئے یہ کہنا چاہیئے تھا کہ اب خوشخبری ہی خوشخبری ہے، میری جماعت کامیاب ہے

اب کوئی مشکل درپیش نہیں وغیرہ۔

کاش میرے دوست دنیا کے واقعات پر غور کریں تو انہیں نظر آئے گا کہ دینِ اسلام کی ترقی و فروغ کی جو راہ حضرت بانیٔ سلسلہ نے پیش کی وہ کس قدر زبردست رنگ میں ایک معجزہ کی طرح درست و صحیح نکل چکی ہے، بقول مسٹر ایبٹ صاحب زمانہ گذرنے کے ساتھ یہ تمام و کمال مسلمان اسے قبول کرتے چلے جا رہے ہیں۔ احمدیت کی بنیادی خصوصیت یعنی مسلمانوں کے قلوب میں صداقتِ اسلام گھر کر چکی ہے، جس کی وجہ سے ان میں بیداری کے آثار ہویدا ہیں اور یہ امر بھی خدا تعالےٰ نے حضرت اقدسؑ کو بتلا دیا تھا۔ جیسے آپ کا الہام ہے بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منارِ بلند تر محکم افتاد۔ اور

چوں دورِ خسروی آغاز کردند + مسلماں را مسلماں باز کردند

## حضرت مرزا صاحب کی پیروی سے میں نے کیا کھویا اور کیا پایا؟

بخوتہائی ایدیت آں دامن پاکش + کسے عزت از و یابد کہ سوز درخت عزت را

تحریک "تحفظِ ختم نبوت" کے یہ دوست مجھ سے مذکورہ بالا سوال کا جواب دریافت کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ایک صدی تک حضرت اقدسؑ کی تحریک نے بجز ناکامی و ندامت کچھ حاصل نہیں کیا تو پھر اب کیا توقع ہو سکتی ہے؟ اس مضمون کے پہلے حصہ میں عرض کیا جا چکا ہے، کہ ایک دنیا بالخصوص مغربی دُنیا، دینِ اسلام کی جانب رجوع کر رہی ہے جبکہ آج سے ایک صدی پیشتر خود مسلمانوں کے گھر میں اسلام کے بارہ میں انتہائی مایوسی اور ماتم کی صف بچھی ہوئی تھی، نہ صرف ایک عالمگیر انقلاب کا پیش خیمہ صاف صاف نظر آ رہا ہے بلکہ عجیب بات یہ ہے کہ یہ انقلاب اسی طریق کار کے ذریعہ ظہور پذیر ہو رہا ہے جو فتح و غلبہ اسلام کا حضرت اقدسؑ نے آکر واضح کیا تھا اور جس کی مخالفت علمائے وقت نے کی تھی۔ میرے دوست بتلائیں کہ اسلام کی تائید میں مغربی دُنیا کا بڑھتا ہوا رُجحان انہیں نظر آتا ہے یا نہیں؟ اگر یہ حقیقت انہیں دکھلائی دے رہی ہے تو کیا یہ بھی امر واقع نہیں کہ اس انقلاب عظیم کی داغ بیل جماعت احمدیہ کے قائم کردہ تبلیغی مشنوں سے ہی ہوئی ہے؟ اگر یہ دو امور صحیح ہیں تو اس کے ساتھ ایک تیسرا واقعہ بھی قابلِ غور ہے۔ کیا حضرت اقدسؑ نے ان امور کے بارہ میں آج سے ایک صدی پیشتر خبر نہیں دے دی تھی؟ میرے دوست کو محمدی بیگم اور مصلح موعود قسم کی پیشگوئیوں پر اعتراض ہے، مگر میں ان سے دریافت کرتا ہوں کہ مفصلہ ذیل پیشگوئیاں جو قرآنی علوم کے سائنسی علوم پر غلبہ، مغرب میں تبلیغِ اسلام کی کامیابی اور قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ کے بارہ میں آپ نے کیں، کیا یہ عظیم و عالمگیر انقلابی پیشگوئیاں پوری ہوئیں یا نہ؟

## سائنسی علوم پر فرقانی علوم کی فتح و غلبہ کی پیشگوئی۔

حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں:—

"اس زمانہ میں جو مذہب اور علم کی سرگرمی سے لڑائی لڑی جا رہی ہے ....... یقیناً سمجھو کہ اس لڑائی میں اسلام کو مغلوب اور عاجز دشمن کی طرح صلح جوئی کی حاجت نہیں بلکہ اب زمانہ اسلام کی روحانی تلوار کا ہے۔ جیسے کہ وہ پہلے کسی وقت اپنی طاقت دکھلا چکا ہے یہ پیشگوئی یاد رکھو کہ عنقریب اس لڑائی میں بھی دشمن ذلت کے ساتھ پسپا ہوگا۔ اور اسلام فتح پائے گا ....... میں شکرِ نعمت کے طور پر کہتا ہوں کہ اسلام کی اعلےٰ طاقتوں کا مجھ کو علم دیا گیا ہے جس علم کی رُو سے میں کہہ سکتا ہوں کہ اسلام نہ صرف فلسفۂ جدیدہ کے حملہ سے اپنے تئیں بچائے گا بلکہ حال کے علومِ مخالفہ کو جہالتیں ثابت کر دے گا۔ اسلام کی سلطنت کو ان چڑھائیوں سے کچھ بھی اندیشہ نہیں جو فلسفہ اور طبعی کی طرف سے ہو رہی ہیں۔ اس کے اقبال کے دن نزدیک ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ آسمان پر اس کی فتح کے نشان نمودار ہیں۔ یہ اقبال روحانی ہے اور فتح بھی روحانی ......... آپ نے کس سے اور کہاں سے سُن لیا اور کیونکر سمجھ لیا کہ جو باتیں اس زمانہ کے فلسفہ اور سائنس نے پیدا کی ہیں وہ اسلام پر غالب ہیں۔ حضرت خوب یاد رکھو کہ اس فلسفہ کے پاس تو صرف عقلی استدلال کا ایک ادھورا سا ہتھیار ہے اور اسلام کے پاس یہ بھی کامل طور پر اور دوسرے کئی آسمانی ہتھیار ہیں پھر اسلام کو اس حملہ سے کیا خوف ہے"۔

(آئینہ کمالاتِ اسلام)

میرے دوست غور کرو! ایک صدی قبل گاؤں کا ایک انسان جو مغربی علوم و سائنس سے کلیتہً ناواقف ہے کیونکر ایسی تحدی اور پُر شوکت و عظمت کلام سے یہ دعوےٰ کر سکتا ہے کہ جن امور میں سائنس قرآنی صداقتوں کو غلط قرار دیتی ہے، عنقریب سائنس کی وہ جہالتیں ثابت ہو جائیں گی؟ اس وقت عوام و خواص تو مغربی ترقی علوم و سائنس سے اس قدر مرعوب و متاثر ہو رہے تھے کہ اکثر تعلیمیافتہ مسلمانوں کا یہ گمان غالب ہو چکا تھا کہ اصول قرآن سائنسی علوم کا مقابلہ قطعاً نہیں کر سکتے اس لئے قرآن کے اصولوں کی تاویل مطابق سائنس کر دینا ضروری ہو گیا ہے ورنہ مسلمان سائنس پڑھ کر اسلام سے منحرف ہو جائیں گے۔ آخر سر سید احمدؒ علیگڑھ کی تحریک کا مقصد کیا تھا؟ وحی و الہام کو محض ایک فطرتی ملکہ قرار دینا، دُعا اور اس کی قبولیت سے انکار کرنا وغیرہ کیا یہ سب امور ظاہر نہیں کرتے کہ مغربی علوم کا رعب اور دھاک مسلمانوں کے دلوں پر بیٹھی ہوئی تھی۔ لیکن ان کے مقابل ایک یہ انسان ہے جو نہ صرف دعوےٰ بلکہ پیشگوئی کرتا ہے کہ جن اصولوں میں اس وقت کے علوم، خلاف قرآن رائے ظاہر کرتے ہیں عنقریب ان کی جہالتیں ظاہر ہو جائیں گی اور اسلام کا بول بالا ہوگا ایسا دعوےٰ ایسے حالات میں کرنا کس انسان کے بس کی بات تھی؟ پھر غور کیجئے کہ جب حضرت مرزا صاحب نے باطل علوم سائنس کی شکست کا اعلان کیا اس وقت مادّہ کو غیر فانی سمجھا جاتا تھا مگر آج صرف ایک صدی کے عرصہ میں خود سائنس نے اپنی غلطی کو تسلیم کر کے یہ مان لیا ہے کہ بے شک مادہ فانی ہے اور یہی تعلیم فرقان ہے۔

آپ کو اس عبارت کے پڑھنے سے دو امور کا یقین ہو جانا لازم ہے (۱) حضرت اقدسؑ کے مدِ نظر غلبۂ دینِ اسلام کی تحریک ہے نہ کچھ اور۔ (۲) اس تحریک کی کامیابی کا حتمی یقینی و جوش آپ کے قلب میں موجزن ہے ایسا یقین جس کی بناء پر آپ قطعی پیشگوئی فرماتے ہیں جو آج ہماری آنکھوں کے سامنے پوری ہو چکی ہے۔ انیسویں صدی سائنس کی جہالتیں بیسویں صدی کی سائنس نے برملا تسلیم کر لی ہیں اور فرقانی علوم کے غلبہ کی پیشگوئی صحیح نکل چکی ہے۔ میرے دوست! کاش آپ غور فرمائیں کیا ایسی عظیم و عالمگیر پیشگوئی کرنا اور اس وقت کے سائنسی علوم کو چیلنج دینا جبکہ وہ خود سائنس سے بے خبر ہے اور پھر ان کا حقائق کی دنیا میں صحیح ثابت ہو جانا کسی انسان کے علم و طاقت کا کام ہے؟

## انگلینڈ میں قبولیت اسلام کی پیشگوئی

پھر حضرت اقدسؑ ایک اور پیشگوئی ان الفاظ میں فرماتے ہیں:—

ملفوظات

# نماز کیا ہے؟

نماز کیا ہے؟ یہ ایک خاص دعا ہے - اور اسلامی عبادت میں سے اہم ترین رُکن ہے - جو امیر و غریب، بوڑھے و جوان، مرد و عورت، بیمار و تندرست ہر ایک پر فرض ہے - مگر لوگ اس کو بادشاہوں کا ٹیکس سمجھتے ہیں نادان اتنا نہیں جانتے کہ بھلا خدا تعالےٰ کو ان باتوں کی کیا حاجت ہے - نماز وہ ہے جس میں عبادت کا مزا آ جائے - اصطلاح شریعت میں نماز عبادت کا ایک خاص طریق ہے - آج کل لوگ جلدی جلدی نماز کو ختم کرتے ہیں اور بعد میں لمبی دعائیں مانگنے بیٹھ جاتے ہیں - یہ بدعت ہے - جس نماز میں تضرع نہیں خدا تعالےٰ کی طرف رجوع نہیں، خدا تعالےٰ سے رقّت کے ساتھ دعائیں نہیں وہ نماز تو خود ہی ٹوٹی ہوئی نماز ہے - خدا تعالےٰ کے حضور میں ایسی تڑپ سے کھڑے ہو جاؤ کہ رقّت طاری ہو جائے - جیسے کوئی شخص کسی خوفناک مقدمہ میں گرفتار ہو جاتا ہے اور اس کے واسطے قید یا پھانسی کا فتوےٰ لگنے والا ہوتا ہے - اس کی حالت حاکم کے سامنے کیا ہوتی ہے - ایسے ہی خوف زدہ دل کے ساتھ اپنے خدا تعالےٰ کے سامنے کھڑا ہونا چاہیئے - جس نماز میں دل کہیں اور ہے اور دھیان کسی طرف ہے - منہ سے کچھ نکلتا ہے - یہ سخت لعنت ہے اور ایسی نماز کبھی قبول نہیں ہوتی - خدا تعالیٰ فرماتا ہے :-

"ویلٌ للمصلّین الذین ھم عن صلوٰتھم ساھون"

لعنت ان لوگوں پر جو اپنی نماز کی حقیقت سے ناواقف ہیں - اصل نماز وہی ہے - جس سے مزا آ جاوے - ایسی نماز کے ذریعہ گناہ سے نفرت پیدا ہوتی ہے - یہ وہی نماز ہے جس کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ **نماز مومن کا معراج ہے** - نماز مومن کے لئے کامیابی و ترقی کا ذریعہ ہے - اور اس کے ہر کام کے لئے کامیابی کے راستے کھولتی ہے - اِنّ الحسنات یُذھبن السیّئات - نیکیاں بدیوں کو دُور کر دیتی ہیں "خدا تعالےٰ تو بڑا رحیم و کریم ہے - اس کی کریمی کا بڑا گہرا سمندر ہے - جو کبھی ختم نہیں ہو سکتا - جس کو طلب کرنے والا کبھی محروم نہیں رہا ہے - اسی کے فضل کو طلب کرو - ہر نماز میں دعا کے کئی مواقع ہیں - قیام - رکوع - قعدہ - سجدہ وغیرہ"۔ جب انسان قیام کرتا ہے - تب وہ ایک ادب کا طریق اختیار کرتا ہے - ایک غلام جب اپنے آقا کے سامنے کھڑا ہوتا ہے - تو وہ دست بستہ کھڑا ہوتا ہے - پھر رکوع بھی ادب ہے - جو قیام سے بڑھ کر ہے - اور سجدہ ادب کا انتہائی مقام ہے - جب انسان اپنے آپ کو فناہ کی حالت میں ڈال دیتا ہے - اس وقت سجدہ میں گر پڑتا ہے - مگر افسوس ان نادانوں اور دنیا پرستوں پر جو نماز کی ترمیم کرنا چاہتے ہیں اور رکوع و سجود پر اعتراض کرتے ہیں - آج کل لوگوں کو عبادت، تقوےٰ اور دینداری سے کوئی محبت نہیں بلکہ اپنی نمازوں کو جلد جلد ختم کرتے ہیں - اس کی وجہ ایک عام زہریلا اثر رسم کا ہے - اسی وجہ سے اللہ تعالےٰ کی محبت سرد ہو رہی ہے - عبادتِ الٰہی میں جس قسم کا مزا آنا چاہیئے وہ نہیں آتا - اللہ تعالےٰ نے بنی نوع انسان کو عبادت کے لئے پیدا کیا - تو پھر کیا وجہ کہ اس عبادت میں اس کے لئے لذّت اور سرور نہ ہو - لذّت اور سرور تو ہے مگر اس سے حظ اُٹھانے والا بھی تو ہو"۔ نماز خدا کا حق ہے - اسے خوب ادا کرو - اور خدا کے دشمن سے مداہنہ کی زندگی نہ برتو - وفا اور صدق کا خیال رکھو اگر سارا گھر تباہ و برباد ہوتا ہے تو ہونے دو مگر نماز کو مت چھوڑو - وہ کافر

اور منافق ہیں جو کہ نماز کو منحوس کہتے ہیں - اور کہتے ہیں کہ نماز کو شروع کرنے سے ہمارا فلاں فلاں نقصان ہوا ہے - حالانکہ نماز ہرگز خدا کے غضب کا ذریعہ نہیں - بلکہ جو اسے منحوس کہتے ہیں ان کے اندر خود زہر ہے - جس طرح بیمار انسان کو ہر میٹھی چیز کڑوی لگتی ہے - اسی طرح ان کو نماز کا مزہ نہیں آتا ہے - بعض لوگ پچاس پچاس سال تک نماز پڑھتے ہیں - لیکن ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا - حالانکہ نماز وہ شئے ہے کہ جس سے پانچ دن میں روحانیت حاصل ہوتی ہے - نماز قربِ الٰہی کے لئے سادہ اور آسان عمل ہے - اس کو وہی ترک کرے گا جس کو دین سے کوئی لگاؤ نہ ہوگا - پس "چاہیئے کہ ادائیگی نماز میں انسان سست اور غافل نہ ہو - نماز سے بڑھ کر خدا کی طرف لے جانے والی چیز نہیں - نماز کو جنتر منتر کی طرح نہ پڑھو - بلکہ اس کے معانی اور حقیقت سے معرفت حاصل کرو - یہ بڑی اعلےٰ درجہ کی دعا ہے - مگر لوگ اس کی قدر نہیں جانتے - اور اس کی حقیقت صرف اتنی سمجھتے ہیں کہ رسمی طور پر قیام رکوع و سجود کر لیا - اور چند فقرے طوطے کی طرح رٹ لئے - خواہ اسے سمجھیں یا نہ سمجھیں"۔ کلمۂ طیبہ کے بعد اسلام کا دوسرا رکن صلوٰۃ یعنی نماز ہے - عربی زبان میں صلوٰۃ کے لفظی معنے دُعا کے ہیں "محض الفاظ اور دعا ہی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ضروری ہے کہ ایک سوزش رقت اور درد ساتھ ہو - خدا تعالےٰ کسی دُعا کو نہیں سنتا جب تک دُعا کرنے والا موت تک نہ پہنچ جاوے - دُعا مانگنا ایک مشکل امر ہے اور لوگ اس کی حقیقت سے محض ناواقف ہیں - دُعا کے لوازم میں سے ہے کہ دل پگھل جاوے اور رُوح پانی کی طرح حضرت احدیت کے آستانہ پر گرے - اور ایک کرب اور اضطراب اس میں پیدا ہو"۔ جہاں تک طاقت ہے - وہاں تک رقّت کے پیدا کرنے کی کوشش کرے اور تضرع سے دُعا مانگے کہ شوخی اور گناہ جو اندر نفس میں ہیں وہ دُور ہوں" اور ساتھ ہی انسان بے صبر اور جلد باز نہ ہو - بلکہ صبر و استقامت کے ساتھ دُعائیں لگا رہے - پھر توقع کی جاتی ہے کہ دُعا قبول ہوگی"۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ الصلوٰۃ ھی الدعاءُ الصلوٰۃ مخ العبادۃ - یعنی نماز ہی دعا ہے - نماز عبادت کا مغز ہے - جب انسان کی دُعا محض دُنیوی امور کے لئے ہو تو اس کا نام صلوٰۃ نہیں - لیکن جب انسان خدا کو ملنا چاہتا ہے اور اس کی رضا کو مدِنظر رکھتا ہے اور ادب انکسار تواضع اور نہایت محویت کے ساتھ اللہ تعالےٰ کے حضور میں کھڑا ہو کر اس کی رضا چاہتا ہے - تب وہ صلوٰۃ میں ہوتا ہے - اسی لئے صلوٰۃ کے متعلق اِنّ الصلوٰۃ تنھٰی عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللہ اکبر آیا ہے یعنے نماز تمام قسم کی بے حیائیوں اور خدا کی رضا کے خلاف لے جانے والے امور سے روکتی ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ کا ذکر ہونے کی وجہ سے اس کی تاثیر بہت بڑی ہے - اس لئے یہ صرف برائیوں سے ہی نہیں روکتی بلکہ خدا کی معرفت کی شراب طہور بھی پلاتی ہے - پس ایسی نماز جو ایسے نتائج پیدا کرتی ہے - وہ درحقیقت اللہ تعالےٰ کی رضا اور فرمانبرداری میں اس حد تک فنا ہو - اور یہاں تک دین کو دنیا پر مقدم کر لے کہ خدا تعالےٰ کی راہ میں جان تک دینے اور مرنے کے لئے تیار ہو جائے - جب تک یہ حقیقت انسان کے اندر پیدا نہیں ہوتی اور سچے اخلاص اور فرمانبرداری کا نمونہ نہیں دکھاتا اس وقت تک اس کی نمازیں اور دوسرے اعمال بے اثر ہیں - "نماز کو جس قدر سنوار کر ادا کرو گے اسی قدر گناہوں سے چھٹکارا پاؤ گے"۔ نماز کا ذور روح پر ہے - اس سے سوز و گداز پیدا ہوتا ہے - اس واسطے یہ افضل ہے - نماز کو دعا کا ایک وسیلہ اور ذریعہ سمجھو" "نماز کا مزا ہر ایک مزے پر غالب ہے - لذاتِ جسمانی کے لئے انسان ہزاروں روپے خرچ کرتا ہے اور پھر ان کا نتیجہ بیماریاں ہوتی ہیں - اور یہ مفت کا بہشت ہے جو اسے ملتا ہے - قرآن مجید میں دو جنتوں کا ذکر آیا ہے - ایک ان میں سے دنیا کی جنت ہے - اور وہ نماز کی لذّت ہے - نماز خواہ مخواہ

(باقی بر صفحہ کالم ۲)

... (ملفوظات جلد ہفتم) "نماز اس وقت حقیقی نماز کہلاتی ہے - جبکہ اللہ تعالیٰ سے سچا اور پاک تعلق ہو

راجہ عبدالحمید صاحب چوکی (ملتان)

# ایک مکتوب

## بنام جناب مدیر صاحب "نوائے وقت" لاہور

## بذریعہ اخبار پیغام صلح لاہور

بخدمت جناب مدیر صاحب "نوائے وقت" لاہور۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

قرآن کریم میں ایک حکم یہ بھی ہے۔ کہ "جو شخص تمہیں السلام علیکم کہے اسے مت کہو کہ تو مومن نہیں"۔

ولاتقولوا لمن القیٰ الیکم السلام لست مؤمناً ○ (سورۃ النساء۔ آیت ۹۴)

قرآن مجید کا یہ حکم میرے مد نظر ہے۔ اور میں جو کچھ لکھنا چاہتا ہوں السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ سے شروع کیا ہے اور آپ کے لئے سلامتی کی دعا کے ساتھ آپ پر اللہ تعالےٰ کی رحمتیں اور برکتیں بھی چاہی ہیں۔ کیا آپ بھی مسلمان ہوتے ہوئے اس حکم پر ایمان رکھتے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو اس حکم کے مطابق آپ کو مجھے مومن سمجھنا چاہیئے خواہ میں کوئی بھی کیوں نہ ہوں۔ منشائے خداوندی یہی ہے کہ آپ بھی مجھے مومن سمجھیں اور جواب میں شرع محمدی کے مطابق وعلیکم السلام کہیں۔ کیا آپ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی فرمانبرداری کریں گے۔ آپ کی مزید تسلی کے لئے میں اپنے عقائد بھی بیان کرتا ہوں:۔

(الف) میں اللہ تعالےٰ کی توحید اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر قطعی اور غیر مشروط ایمان رکھتا ہوں۔

(۲)۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر قطعی اور غیر مشروط ایمان رکھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آسکتا۔ اور یہ بھی یقین رکھتا ہوں کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ صلعم پر ختم ہو گئی۔ اب قیامت تک کوئی مصلح دین اور نہ کوئی اور نبی آسکتا ہے۔

(۳)۔ میں قرآن کریم کو اللہ تعالےٰ کی آخری اور کامل کتاب مانتا ہوں جس کا کوئی حکم منسوخ نہیں۔ اور نہ قیامت تک منسوخ ہوگا۔ اور نہ ہی قیامت تک اس میں کوئی حکم داخل ہو سکتا ہے۔

(۴) میں قرآن کریم کی سورۃ نور کی آیت ۵۵ میں جو حکم آیا ہے۔ "اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے ہیں اور اچھے عمل کرتے ہیں وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ انہیں خلیفہ بنایا جو ان سے پہلے تھے اور وہ ان کے لئے دین کو جو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے مضبوطی سے قائم کر دے گا۔ اور وہ ان کے لئے ان کے خوف کے بعد حالات بدل کر امن کر دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ اور جو کوئی اس کے بعد کفر کرے تو وہی فاسق ہیں"۔ (سورۃ نور آیت ۵۴ - ۵۵)

"وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصلحت ..... ھم الفاسقون" اسکو بھی مانتا ہوں

اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث جو حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ تعالےٰ اس اُمت کے لئے ہر صدی کے سر پر ایک شخص کو پیدا کرے گا جو اس کے دین کی تجدید کرے گا۔" عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علیٰ راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔ (ابو داؤد کتاب الفتن جلد ۲ صفحہ ۲۴۱) کے مطابق اس اُمت میں ہر صدی کے سر پر رسول کریمؐ کے بعد مجددین کا اللہ تعالےٰ کی طرف سے آنا مانتا ہوں اور رسول کریم صلعم کے بعد جتنی صدیاں گزری ہیں سب میں مجدد آتے رہے ہیں۔

(۵) میں ہر اس شخص کو جو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرتا ہے اس کو مسلمان سمجھتا ہوں اور جو اس کلمہ طیبہ کا انکار کرتا ہے اسے کافر سمجھتا ہوں۔ اور پختہ ایمان رکھتا ہوں کہ رسول کریمؐ کے وقت یہی طریق رائج تھا کہ کلمہ طیبہ کے اقرار سے مسلمان ہو کر ہر آدمی کا معاملہ سپرد خدا ہو جاتا تھا اور کلمہ طیبہ کے انکار سے آدمی کافر ہو جاتا تھا۔ اور اس کا معاملہ بھی سپرد خدا ہو جاتا تھا۔ قرآن کریم نے جزا و سزا کا مالک خدا کو قرار دیا ہے۔ جس کے سوا دلوں کا بھید کوئی نہیں جانتا۔

(۶) میں تمام صحابہ کرام، تمام آئمہ دین، رسول کریم صلعم کے بعد ہونے والے اماموں، محدثوں اور مجددوں اور ولیوں خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں، کی عزت کرتا اور مانتا ہوں اور ان سب کو صالحین میں شمار کرتا ہوں۔ کسی کو بھی نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔

(۷) مسیح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی کا دعوےٰ کرنے والے پر لعنت بھیجتا ہوں۔ میں نے یہ عقائد رکھتے ہوئے ایک بزرگ کے ہاتھ پر اخوت کی بیعت کر لی۔ بیعت کی شرائط درج ذیل ہیں:۔

۱۔ بیعت کنندہ سچے دل سے عہد اس بات کا کرے کہ آئندہ اس وقت تک کہ قبر میں داخل ہو جائے شرک سے مجتنب رہے گا۔

۲۔ یہ کہ جھوٹ اور زنا اور بد نظری اور ہر ایک فسق و فجور اور خیانت اور فساد اور بغاوت کے طریقوں سے بچتا رہے گا۔ اور نفسانی جوشوں کے وقت ان کا مغلوب نہیں ہوگا۔ اگرچہ کیسا ہی جذبہ پیش آئے۔

۳۔ یہ کہ بلا ناغہ پنجوقتہ نماز موافق حکم خدا اور رسول کے ادا کرتا رہے گا۔ اور حتی الوسع نماز تہجد کے پڑھنے اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کرے گا۔ اور دلی محبت سے اللہ تعالےٰ کے احسانوں کو یاد کر کے اس کی حمد اور تعریف کو اپنا ورد بنائے گا۔

۴۔ یہ کہ عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہیں دے گا۔ زبان سے نہ ہاتھ سے نہ کسی اور طرح سے۔

۵۔ یہ کہ ہر حال رنج اور راحت اور عُسر اور یُسر اور نعمت اور بلا میں اللہ تعالےٰ کے ساتھ وفاداری کرے گا اور بہرحالت راضی بقضا ہوگا۔ اور ہر ایک ذلت اور دکھ کے قبول کرنے کے لئے اس کی راہ میں تیار رہے گا اور کسی مصیبت کے وارد ہونے پر اس سے منہ نہیں پھیرے گا بلکہ قدم آگے بڑھائے گا۔

۶۔ یہ کہ اتباع رسم اور متابعت ہوا و ہوس سے باز آجائے گا۔ اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلی اپنے پر قبول کرے گا اور قال اللہ وقال الرسول کو اپنی ہر ایک راہ میں دستور العمل قرار دے گا۔

۷۔ یہ کہ تکبر اور نخوت کو بکلی چھوڑ دے گا۔ اور فروتنی اور عاجزی اور خوش خلقی اور حلیمی اور مسکینی سے زندگی بسر کرے گا۔

۸۔ یہ کہ دین اور دین کی عزّت اور ہمدردی اسلام کو اپنی جان اور مال اور اپنی عزّت اور اپنی اولاد اور اپنے ہر ایک عزیز سے زیادہ تر عزیز سمجھے گا۔

۹۔ یہ کہ عام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض للہ مشغول رہے گا اور جہاں تک بس چل سکتا ہے اپنی خدا داد طاقتوں اور نعمتوں سے بنی نوع کو فائدہ پہنچائے گا۔

۱۰۔ اس عاجز سے عقدِ اخوّت محض للہ باقرار طاعت در معروف باندھ کر اس پر تاوقت مرگ قائم رہے گا اور اس عقدِ اخوّت میں ایسا اعلیٰ درجہ کا ہوگا کہ اس کی نظیر دنیوی رشتوں اور تعلقوں اور تمام خادمانہ حالتوں میں پائی نہ جاتی ہو۔

جس بزرگ کے ہاتھ پر میں نے بیعت اخوّت کی اس کے متعلق حسب ذیل مسلم اکابرین اور اخبارات کی راستے مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) سرسیّد احمد خاں فرماتے ہیں:۔

"نیک بخت نمازی پرہیزگار یہی امر ان کی بزرگداشت کو کافی ہے۔" (مکتوبات سرسیّد صفحہ ۲۹)

(۲) مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں:۔

"حمایت اسلام کا جذبہ ان کے شعارِ قومی کا عنوان نظر آئے گا........ آئندہ اُمید نہیں کہ ہندوستان کی مذہبی دنیا میں اس شان کا شخص پیدا ہو جو اپنی اعلیٰ خواہشیں محض اس طرح مذاہب کے مطالعہ میں صرف کر دے۔"

(اخبار وکیل امرتسر ۱۹۰۸ء)

(۳) مولانا عبداللہ العمادی فرماتے ہیں:۔

"کیریکٹر کے لحاظ سے ان کے دامن پر سیاہی کا چھوٹا سا دھبہ بھی نظر نہیں آتا وہ ایک پاکباز جینا جیا اور اس نے ایک متقی کی زندگی بسر کی۔ وہ ایک سچے اور پاکباز مسلمان کی طرح زندگی بسر کرتا ہے............ اسلام اس پر اپنے گہرے رنگ میں چھایا ہوا ہے۔"

(اخبار وکیل امرتسر ۳۰ر مئی ۱۹۰۸ء)

(۴) حضرت خواجہ غلام فرید سجادہ نشین فرماتے ہیں:۔

"نیک اور صالح انسان ہیں........ اپنے معاملہ میں سچے اور صادق ہیں آٹھوں پہر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں غرق رہتے ہیں........ کوئی بات میں نے ان میں بُری اور قبیح نہیں دیکھا۔" (ارشاداتِ فریدی حصّہ سوم صفحہ ۱۲۹)

(۵) شمس العلماء مولانا ممتاز علی صاحب فرماتے ہیں:۔

"نہایت مقدس اور برگزیدہ بزرگ تھے............ نہایت باخبر عالم بلند ہمّت مصلح اور پاک زندگی کا نمونہ تھے........ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی ہدایت اور رہنمائی مردہ دلوں کے لئے واقعی مسیحائی کا کام کرتی تھی۔"

(۶) مولوی سراج دین والد مولوی ظفر علی خان مرحوم فرماتے ہیں:۔

"جوانی میں نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے............ ہم اُن کو پکّا مسلمان سمجھتے ہیں۔"

(اخبار زمیندار ۸ر جون ۱۹۰۸ء)

(۷) علّامہ ڈاکٹر محمد اقبال فرماتے ہیں:۔

"موجودہ ہندی مسلمانوں میں سب سے بڑے دینی مفکر ہیں"

(رسالہ انڈین اینٹی کوئیری ستمبر ۱۹۰۰ء صفحہ ۲۴۰)

(۸) ایڈیٹر صادق الاخبار ریواڑی فرماتے ہیں:۔

"اپنی پُر زور تقریروں اور شاندار تصانیف سے مخالفین کے اعتراضات کے دندان شکن جواب دے کر ہمیشہ کے لئے ساکت کر دکھایا کہ حق حق ہی ہے۔ انصاف متقاضی ہے کہ ایسے اولوالعزم حامیٔ اسلام اور معین المسلمین فاضل اجل عالم بے بدل کی ناگہانی اور بے وقت موت پر افسوس کیا جائے۔"

(۹) ایڈیٹر اخبار علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ فرماتے ہیں:۔

"بے شک مرحوم اسلام کا ایک بہت بڑا پہلوان تھا"

(۱۰) ایڈیٹر اخبار کرزن گزٹ فرماتے ہیں:۔

"کسی بڑے سے بڑے آریہ اور بڑے سے بڑے پادری کو یہ مجال نہ تھی کہ وہ مرحوم کے مقابلہ میں زبان کھول سکتا...... اس کے قلم میں اس قدر قوّت تھی کہ آج سارے پنجاب بلکہ سارے ہند میں بھی اس قوت کا لکھنے والا نہیں......... اس کی بعض بعض باتیں پڑھنے سے وجد کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے۔"

(۱۱) شمس العلماء سیّد میر حسن صاحب سیالکوٹی اُستاد ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب فرماتے ہیں:۔

"آپ عزلت پسند، پارسا اور فضول اور لغو سے مجتنب اور محترز تھے۔ اس لئے عام لوگوں کی ملاقات جو اکثر تضیع اوقات کا باعث ہوتی ہے آپ پسند نہیں فرماتے تھے۔"

امریکہ کے ایک بڑے آدمی مسٹر الگزینڈر روف جو پہلے پادری تھے پھر وہ امریکہ کی ایک اخبار سینٹ جوزف مسوری ڈیلی گزٹ کے ایڈیٹر رہے بعد میں وہ صوبجات متحدہ امریکہ کی طرف سے منیلا جزائر فلپائن میں سفیر تعینات ہوئے۔ انہوں نے ۱۸۷۲ء میں دین عیسوی ترک کر دیا اور لا مذہب ہو کر مختلف دینوں کا لٹریچر پڑھنا شروع کیا اتفاق سے براہین احمدیہ کتاب کا اشتہار انگریزی ان کے ہاتھ لگا۔ اس کو پڑھ کر انہوں نے مصنف براہین احمدیہ سے خط و کتابت شروع کی جس کے نتیجہ میں وہ مسلمان ہو گئے اور شیخ محمد نام رکھا گیا اخباروں میں اُن کا مسلمان ہونا پڑھ کر بمبئی کا ایک تاجر حاجی عبداللہ عرب اور ایک اس زمانے کا واعظ مولوی حسن علی ان سے ملنے منیلا گئے۔ اپنے مسلمان ہونے کی کہانی میں شیخ محمد نو مسلم امریکن نے ان کو بتلایا کہ:۔

"مجھ پر مرزا غلام احمد کا بڑا احسان ہے ان کی وجہ سے میں مشرف بہ اسلام ہوا ہوں۔ اور میں اُن سے ملنا چاہتا ہوں"

وہاں ان تینوں نے مل کر امریکہ میں تبلیغی مشن کھولنے کا فیصلہ کیا۔ نو مسلم امریکن نے نوکری سے استعفیٰ دے دیا۔ حاجی صاحب کے ذمّہ روپیہ اکٹھا کرنا تھا۔ جب درمیان میں حضرت مرزا صاحب کا نام آیا تو حاجی عبداللہ عرب نے اپنے پیر سیّد اشہد الدین (پیر جھنڈے والا) سے رجوع کیا اور حالات بتلا کر تبلیغی مشن کی کامیابی کے لئے دُعا کرنے کو کہا۔ دوسرے دن پیر صاحب نے حاجی صاحب کو بتلایا کہ مجھے کشف ہوا ہے کہ:۔

"انگلستان اور امریکہ میں حضرت مرزا غلام احمد کے روحانی تصرفات کی وجہ سے اشاعتِ اسلام ہو رہی ہے"

حاجی صاحب بڑا گھبرائے اور دوبارہ استخارہ کرنے کو کہا دوبارہ استخارہ کے بعد پیر صاحب نے بتلایا کہ:۔

"خواب میں میں نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور حضور نے فرمایا کہ مرزا غلام احمد اس زمانہ میں میرا نائب ہے وہ جو کہے وہ کرو۔"

میرے عقائد اور بیعت اخوّت کے شرائط آپ غور سے پڑھیں۔ اگر ان میں کوئی امر خلاف شرحِ محمدیؐ ہے۔ تو مجھے آگاہ کریں تاکہ میں اس پر غور کر سکوں۔ میں نے یہ درخواست آپ سے اس لئے کی ہے کہ آپ

کا معلمان ہوتے ہوئے یہ تبلیغی فرض ہے کہ لوگوں کو سیدھا رستہ دکھائیں۔ میرا یہ سوال بھی آپ سے ہے کہ کیا میرے عقائد آئین پاکستان کی ترمیم کے مطابق ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں تو مجھے وجہ بتلائیں میں نے اُوپر جو مسلم اکابرین اور اخبارات کی آراء دی ہیں۔ یہ سب مرزا صاحب کی زندگی میں موجود تھے۔ اور انہوں نے مرزا صاحب کو بہت قریب سے دیکھ کر اپنی آراء اُن کے متعلق قائم کی تھیں۔

جب میں نے بیعت اخوت کی تو یہ سب آراء اور خاص طور پر ڈاکٹر سر محمد اقبال اور اُن کے استاد اور نومسلم امریکی شیخ محمد کی آراء اور پیر سید اشہدالدین کی زبانی رسول کریم صلعم کا فرمان کہ مرزا غلام احمد میرا نائب ہے میرے مدِنظر تھیں۔ یا یوں کہہ لیں میں نے ان سب مسلم اکابرین اور اخبارات کی شہادت پر جو کچھ ان بزرگوں نے مرزا صاحب کے متعلق دی تھی۔ اُس سے تو نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ مرزا صاحب اس صدی کے مجدد ہیں۔ میں نے مرزا صاحب کو مجدد صدی چہاردہم مان کر ان کی جماعت میں شمولیت کی تھی۔ یہ سب آرا ۱۸۷۲ء سے ۱۹۱۱ء تک کی ہیں ۱۹۱۴ء میں جیسا کہ آپ کو معلوم ہو گا، مرزا صاحب کے مریدوں میں اختلاف ہوا۔ مرزا بشیرالدین محمود احمد پسر مرزا صاحب نے غلو کر کے اعلان کر دیا کہ مرزا صاحب نبی تھے اور اُن کے نہ ماننے والے کافر ہیں۔ جن مریدوں نے اس بات کی تصدیق نہیں کی انہوں نے علیحدہ قادیان سے لاہور آ کر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی بنیاد رکھی۔

آپ سے میری یہ بھی درخواست ہے کہ کیا ایسے تعریفی اور توصیفی بیان جو میں نے ۱۸۷۲ء سے ۱۹۱۱ء تک کے مسلم اکابرین اور اخبارات کے مرزا صاحب کے حق میں بیان کئے ہیں کسی اور مولوی، عالم کے متعلق ایسے پایہ کے کسی بزرگ یا ۱۸۷۲ء سے ۱۹۱۱ء تک کے اخبارات یا رسالوں میں دکھلا سکتے ہیں۔ اگر آپ کے علم میں ہو تو دو چار کے نام اور آراء مجھے بتلائیں جنہوں نے دین کی اتنی خدمت کی ہو۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی مرزا صاحب کے خلاف تھے لیکن انہوں نے بھی جب مرزا صاحب کی کتاب براہین احمدیہ پر ریویو لکھا تو اس میں لکھتے ہیں کہ:—

"مرزا صاحب نے مسلمانوں کی عزت رکھ لی"

(رسالہ) ایک اور صاحب اُسی زمانہ کے لکھتے ہیں کہ اگر ۱۸۹۴ء کی مذہبی کانفرنس میں مرزا صاحب کا لیکچر نہ ہوتا تو مسلمانوں کی سُبکی ہوتی اس مضمون نے اسلام کو بالا کر دیا ہے۔

میں نے طوالت کی وجہ سے چند مسلم اکابرین اور اخبارات کی آراء لکھی ہیں۔ باقی کو چھوڑ دیا ہے۔ آخر میں آپ کی توجہ آئین میں جو ترمیم ہوئی ہے اس کی طرف مبذول کراتا ہوں۔ اس ترمیم کی رُو سے صرف ایک ہی جماعت دنیا میں ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر قطعی اور غیر مشروط ایمان رکھتی ہے۔ اور وہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور ہے۔ باقی سب جماعتیں رسول کریمؐ کے بعد ایک ہی اسرائیلی نبی کا آسمان سے اُترنا مانتے ہیں۔ ایک یا گذشتہ نبی کا آنا مان کر ختم نبوت پر قطعی اور غیر مشروط ایمان کیسے ہوا۔ قطعی اور غیر مشروط تو یہ ہے کہ اب اس دنیا میں قیامت تک نبی نہیں آ سکتا نہ نیا نہ پُرانا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ رسول کریم صلعم نے اپنے آخری خطاب کے موقعہ پر اعلان کر دیا تھا کہ آج کے دن دین مکمل ہو چکا ہے۔ جب دین مکمل ہے اور قیامت تک یہی دین رہے گا۔ تو نیا یا پُرانا نبی آ کر کیا کرے گا۔ اگر میری بات سے اتفاق نہیں تو آپ نے سمجھ کر [illegible]

# احمدیہ تحریک کیسے اور کہاں غلبہ پا رہی ہے

(بسلسلہ صفحہ ۸)

یہ امر اب مسلمہ حقیقت بن چکی ہے کہ پہلے سائنسی نظریات جو خلاف قرآن تھے یہاں تک کہ خدا کی باشعور و نگران ہستی کا انکار اب غلط ثابت ہو چکے اور متروک کر دیئے گئے ہیں۔ دوسری طرف دنیا کو اسلام کے عالمگیر اصولوں کی طلب ہے جن کے بغیر انسانیت کی نجات ممکن نہیں۔

میرے دوست بتلائیں کہ حضرت اقدسؑ کے پیغام کا خلاصہ کیا یہی امور نہ تھے اور کیا ان کی انجام دہی کے لئے آپ نے اور آپ کے خلفاء نے پوری سعی نہیں کی؟ آج بھی مغربی نقطہ نگاہ میں جو انقلاب آیا ہے کیا وہ انہی مخلصانہ مساعی کا نتیجہ نہیں؟ پھر اگر یہ حقائق اور ٹھوس حقائق اور عالمگیر انقلابی حقائق ہیں تو راقم کا انہیں قبول کرنا مفروضہ واہمی اور شکستہ دلوں کو ڈھارس دینا ہے یا ایک صداقت حقہ کو تسلیم کرنا ہے؟

بے شک مجھے حضرت مرزا صاحب سے وابستگی کے باعث بہت کچھ کھونا پڑا ہے، مجھے عزت و شہرت اور دولت کی قربانیاں دینی پڑی ہیں لیکن ان کی بجائے مجھے دولتِ ایمان نصیب ہوئی ہے، مجھے خدا کی ہستی کا زندہ ثبوت ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے سے نظر آگیا ہے، مجھے یہ یقین ہو گیا ہے کہ خدا واقعی اپنے کامل انسانوں سے ہمکلام ہو کر ان پر عظیم علمِ غیب کی خبریں کھولتا ہے، میرے رگ و ریشہ میں یہ حقیقتیں سرایت کر گئی ہیں کہ دنیا کی نجات اس وقت صرف اسلام کے عالمگیر اصولوں کی قبولیت میں ہی مضمر ہے۔ مجھے ان امور میں قطعاً کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہ گیا کہ اس زمانہ میں حضرت اقدسؑ ہی اسلام کے سچے خیر خواہ ہیں آپ نے ہی خدائی ہمکلامی کے ذریعہ دین حقہ اسلامیہ کی فتح و غلبہ کا راستہ واضح کیا جو آج ایک حقیقت بن کر ہمارے سامنے موجود ہے تو کیا میں یہ سب کچھ ترک کر دوں؟ اس کے عوض آپ مجھے یہ دعوت دیتے ہیں کہ میں جمہور مسلمانوں کی راہ پر آ جاؤں تو سوال یہ ہے کہ وہ کونسی صورت اور شکل اسلام کی ہے جو اس کی بجائے میں اختیار کروں کیونکہ اس وقت تو بہتر فرقے موجود ہیں اور ہر فرقہ اپنے آپ کو ناجی کہتا ہے۔ میرے دوست! آپ مجھے کس اسلام کی طرف بلاتے ہیں وہ اسلام جس میں کوئی حرکت و طاقت باقی نہیں، وہ اسلام جو علم و سائنس کے زمانہ میں کوئی باشعور انسان قبول نہیں کر سکتا۔ وہ اسلام جو صرف رسم و رواج اور لفظ پرستی ظاہر پرستی کا مجموعہ، حقیقت سے خالی اور رُوح سے مردہ ہو چکا ہے۔

(جاری ہے)

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد یار طبع ہوا اور مولوی دوست محمد پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ——— مؤرخہ ۹ راگست ۱۹۷۶ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ——— شمارہ نمبر ۳۱

جلد ۶۳ | یوم چہارشنبہ مورخہ ۱۴ شعبان المعظم ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۱ اگست ۱۹۷۶ء | نمبر ۳۲

## ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

# روح اخوت

ہماری جماعت کو چاہیئے کہ کسی بھائی کا عیب دیکھ کر اس کے لئے دعا کریں لیکن اگر وہ دعا نہیں کرتے اور اس کو بیان کر کے دور سلسلہ چلاتے ہیں تو گناہ کرتے ہیں۔ کونسا ایسا عیب ہے جوکہ دور نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہمیشہ دعا کے ذریعہ سے دوسرے بھائی کی مدد کرنی چاہیئے۔........ بات یہ ہے کہ ابھی جماعت کی ابتدائی حالت ہے۔ بعض کمزور ہیں جیسے سخت بیماری سے کوئی اٹھتا ہے۔ بعض میں کچھ طاقت آگئی ہے پس چاہیئے کہ جسے کمزور پاوے اسے خفیہ نصیحت کرے اگر نہ مانے تو اس کے لئے دعا کرے اور اگر دونو باتوں سے فائدہ نہ ہو تو قضا و قدر کا معاملہ سمجھے۔ جب خدا تعالیٰ نے ان کو قبول کیا ہوا ہے تو تم کو چاہیئے کہ کسی کا عیب دیکھ کر سردست جوش نہ دکھلایا جاوے۔ ممکن ہے کہ وہ درست ہو جاوے۔ قطب اور ابدال سے بھی بعض وقت کوئی عیب سرزد ہو جاتا ہے.............. جلدی اور عجلت سے کسی کو ترک کر دینا ہمارا طریق نہیں ہے کسی کا بچہ خراب ہو تو اسکی اصلاح کے لئے وہ پوری کوشش کرتا ہے۔ ایسے ہی اپنے کسی بھائی کو ترک نہ کرنا چاہیئے بلکہ اس کی اصلاح کی پوری کوشش کرنی چاہیئے۔ قرآن کریم کی یہ تعلیم ہرگز نہیں ہے کہ عیب دیکھ کر اسے پھیلاؤ اور دوسروں سے تذکرہ کرتے پھرو بلکہ وہ فرماتا ہے۔ تواصو بالصبر و تواصو بالمرحمۃ کہ وہ صبر اور رحم سے نصیحت کرتے ہیں۔ مرحمہ یہی ہے کہ دوسرے کے عیب دیکھ کر اسے نصیحت کی جاوے اور اسکے لئے دعا بھی کی جاوے۔ دعا میں بڑی تاثیر ہے اور وہ شخص بہت ہی قابل افسوس ہے کہ ایک کے عیب کو بیان تو سو مرتبہ کرتا ہے لیکن دعا ایک مرتبہ بھی نہیں کرتا۔ عیب کسی کا اس وقت بیان کرنا چاہیئے جب پہلے کم از کم چالیس دن اس کے لئے رو رو کر دعا کی ہو۔ سعدیؒ نے کہا ہے ؎ خدا داند بپوشد + ہمسایہ نداند و خروشد۔ خدا تعالیٰ تو جان کر پردہ پوشی کرتا ہے مگر ہمسایہ کو علم نہیں ہوتا اور شور کرتا پھرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا نام ستار ہے تمہیں چاہیئے کہ تخلقو باخلاق اللہ بنو۔ ہمارا یہ مطلب نہیں کہ عیب کے حامی بنو بلکہ یہ کہ اشاعت اور غیبت نہ کرو کیونکہ کتاب اللہ میں جیسا آ گیا ہے تو یہ گناہ ہے کہ اس کی اشاعت اور غیبت کی جاوے۔ شیخ سعدیؒ کے دو شاگرد تھے۔ ایک ان میں سے حقائق و معارف بیان کیا کرتا تھا۔ دوسرا جلا [illegible] کرتا تھا۔ آخر پہلے نے سعدیؒ سے بیان کیا کہ جب میں کچھ بیان کرتا ہوں تو دوسرا جلتا ہے اور حسد کرتا ہے۔ شیخ نے سا

# تم بھی اپنی زندگیوں میں اپنے رسولؐ کی تعلیمات و اخلاق کا نمونہ پیش کرو

## خُطبہ جُمعہ ۔ مؤرخہ ۳۰ جولائی ۱۹۷۶ء ۔ فرمودہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ ۔ جامع احمدیہ احمدیہ بلڈنگس لاہور

الم ۔ ذالك الكتاب لاريب فيه هدى للمتقين الذين يؤمنون بالغيب ويقيمون الصلوٰة ومما رزقنهم ينفقون والذين يؤمنون بما انزل اليك وما انزل من قبلك وبالاخرة هم يوقنون اولٰئك على هدًى من ربهم واولٰئك هم المفلحون ــــــــ (سورة البقرہ ۔ ۱ تا ۵)

یہ سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیات ہیں ۔ جن کے شروع میں فرمایا ۔

الم ۔ جس کا مفہوم حضرت ابن عباسؓ نے انا اللہ اعلم بتایا ہے یعنی میں اللہ سب سے زیادہ جاننے والا ہوں ۔ اور اس کے بعد فرمایا ذالك الكتاب لاريب فيه ۔ اس کتاب میں جو ہم نے نازل کی ہے ۔ کسی قسم کا کوئی شک و شبہ نہیں ہے ۔ اسی بارے میں دوسری جگہ فرمایا ۔ ان كنتم فى ريب مما نزلنا على عبدنا فاتوا بسورة من مثله وادعوا شهداءكم ان كنتم صدقين ۔ اگر تمہیں اس کتاب کے بارے میں کوئی شک ہے تو کوئی ایک سُورۃ بنا کر لاؤ اور اپنے ساتھیوں اور مددگاروں کو بھی بُلا لو ۔ اس کے ساتھ ہی چیلنج کیا ہے ۔ ان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التى وقودها الناس والحجارة ۔ اگر نہ کر سکو اور تم ہرگز نہیں کر سکو گے تو اس آگ سے ڈرو ۔ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں ۔

یہ دعوےٰ کرنے کے بعد کہ اس کتاب میں کوئی شک و شبہ نہیں ، فرمایا هدًى للمتقين ۔ یہ کتاب متقیوں کو کامیاب کرنے والی ہے ۔ متقی کون ہیں ۔ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلعم سے دریافت کیا کہ حضور متقی کسے کہتے ہیں ۔ فرمایا ان تعبد الله كانك تراه ۔ تو خدا کی اس طرح عبادت کرے گویا اس کو دیکھ رہا ہے ۔ فان لم تراه فانه يراك اگر تو اسے نہ دیکھ سکے تو یہ سمجھ کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے ۔ اس سے نماز میں رقت ، تضرع اور ابتہال پیدا ہوگا اور تقویٰ اختیار کرنے کی توفیق ملے گی ۔ صرف ڈاڑھی بڑھا لینا اور باتیں بنانا تقویٰ نہیں ۔ بلکہ تقویٰ یہ ہے کہ انسان کا ہر فعل خدا کے خوف کے زیرِ اثر ہو ۔

یہ خیال کہ خدا ہمیں ہر حالت میں دیکھ رہا ہے ۔ گھر میں ہوں یا دکان پر ہوں ، دفتر میں ہوں یا کسی اور جگہ ہوں ۔ کہیں ہوں ۔ انسان کو ہر قسم کی بدی اور خدا تعالےٰ کی نافرمانی سے بچانے والا ہے ۔ اسی لئے فرمایا هدى للمتقين ۔ یہ کتاب متقیوں کو کامیاب کرنے والی ہے ۔ اس کے بعد متقیوں کی مزید تعریف یہ فرمائی الذين يؤمنون بالغيب متقی غیب پر ایمان لاتے ہیں ۔ یعنی خدا تعالےٰ پر بغیر دیکھے ایمان لاتے ہیں ۔ ويقيمون الصلوٰة ۔ اور اس کی عبادت بجا لاتے ہیں ۔ وہی بات جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی کہ خدا تعالےٰ دکھائی نہ بھی دے ۔ تو بھی انسان کو اس بات پر ایمان ہونا چاہیئے ۔ کہ وہ ہمیں ہر حال میں دیکھ رہا ہے اور اس کی عبادت کا یہی رنگ ہونا چاہیئے ومما رزقنهم ينفقون اور جو کچھ اللہ تعالےٰ نے انہیں دیا ہے اسے مخلوقِ خدا پر خرچ کرتے ہیں ۔ متقیوں کی اس تعریف کے بعد فرمایا

والذين يؤمنون بما انزل اليك ۔ ان کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں جو آپ پر اتاری گئی ۔ یعنے قرآن کریم کو منجانب اللہ یقین کرتے ہیں وما انزل من قبلك ۔ صرف قرآن کریم پر ہی نہیں بلکہ اس سے پہلے بھی جس قدر کتابیں نازل ہوئیں ان سب پر ایمان لاتے ہیں یہ قرآن کریم کی خصوصیت ہے کہ اس نے پہلی کتابوں پر ایمان لانا بھی ضروری قرار دیا ۔ اور اسی طرح بین الاقوامی اتحاد کی طرح ڈالی ہے ۔ دوسری کتابوں کی طرح نہیں ۔ کہ ہندو صرف ویدوں کو خدا کی کتاب سمجھتے ہیں اور صرف ہندو قوم کو ہی نجات یافتہ یقین کرتے ہیں ۔ اور ایسا ہی یہودی قوم صرف تورات ہی کو خدا کی کتاب سمجھتے ہوئے باقی تمام قوموں اور ان کی کتابوں کو جھوٹا سمجھتی ہے ۔ ایسا ہی عیسائیوں کا حال ہے ۔ کہ وہ دوسرے تمام رسولوں اور قوموں اور ان کی کتابوں کو خدا کی طرف سے نہیں مانتے ۔

یہ طریق قوموں میں باہم نفرت اور دوری پیدا کرتا ہے ۔ اور بین الاقوامی اتحاد میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے ۔ اللہ تعالےٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمة للعالمين فرمایا ہے ۔ آپ دُنیا بھر کے لئے رحمت بن کر آئے ہیں اور آپ کی وجہ سے ہی تمام سابقہ آسمانی کُتب اور سب رسولوں کو جو دوسری قوموں میں آئے خدا کی طرف سے سچا قرار دیا گیا ہے ۔ یہی آپ کے خاتم النبیین یعنی آخری نبی ہونے کی دلیل ہے ۔

وبالاخرة هم يوقنون ۔ اور متقی آخرت کے دن پر یقین رکھتے ہیں ۔ جب انسان کے افعال و اعمال کا حساب کیا جائے گا ۔ اولٰئك على هدًى من ربهم واولٰئك هم المفلحون ۔ یہ لوگ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہدایت کے راستہ پر ہیں ، اور یہی لوگ کامیاب ہوں گے ۔

متقیوں کی یہ تعریف انسان کو ہر بُرے عمل سے بچانے والی ہے ۔ جیسا کہ رسولِ کریم صلعم نے ایک دوسرے موقع پر فرمایا (ترجمہ) کہ تقویٰ یہ ہے کہ خدا تعالےٰ تجھے ایسی جگہ پر نہ دیکھے جس سے منع کیا گیا ہے ۔ انسان اگر اس پر کاربند ہو گھر میں ، دکان پر ، دفتر میں جہاں کہیں بھی ہو اگر یہ خیال دل میں ہو کہ ایسی جگہ نہ جانا چاہیئے ۔ جس سے اللہ تعالےٰ نے منع کیا ہے ۔ تو وہ ہر برائی سے بچ سکتا اور کامیابی کی زندگی بسر کر سکتا ہے ۔

اس عمدہ اور پاک تعلیم کی برکت سے مسلمانوں میں اکابر صلحا و اولیا پیدا ہوئے ۔ جنہوں نے اسلام کی تعلیم پر چل کر دکھا دیا ۔ آپ کی زندگیاں اسلام کا نمونہ ہونا چاہئیں ۔ اللہ تعالےٰ آپ کو اس کی توفیق دے ۔

اے حُبِ جاہ والو یہ رہنے کی جا نہیں + اس میں تو پہلے لوگوں سے کوئی رہا نہیں

اے لوگو عیشِ دنیا کو ہرگز وفا نہیں + کیا تم کو خوفِ مرگ و خیالِ فنا نہیں

(حضرت مسیح موعودؑ)

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مورخہ ۱۱ اگست ۱۹۷۶ء

# عدل کے پیمانے

## اپنے لئے اور ہمارے لئے اور

روزنامہ "نوائے وقت" (راولپنڈی) کی ۲۲ر جولائی ۱۹۷۶ء کی اشاعت میں منظور حسین قریشی صاحب (ڈھڈیال) چکوال نے پیر نذر دین شاہ صاحب گولڑوی کے حالاتِ زندگی اور واقعاتِ کرامت بیان کئے ہیں۔ پیر نذر دین صاحب پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کے والدِ محترم تھے۔ ہم جناب مہر علی شاہ صاحب کے بہت ممنونِ احسان ہیں کہ انہی کی وجہ سے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مجدد زمان کی پُر معارف تصنیف "تحفہ گولڑویہ" منظرِ عام پر آئی۔ جن خوش نصیبوں کو یہ کتاب پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے وہ جانتے ہیں کہ اس میں کس قدر بلند پایہ نکاتِ معارف بیان ہوئے ہیں اور کئی ایسے حقائق سے پردہ اُٹھایا گیا ہے جن سے اس وقت کے مشائخ عظام کے کرشماتِ ولایت، دعوٰئ تقویٰ و طہارت اور قرآن دانی پہ زد پڑتی ہے۔

یہ واقعات پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کی زبانی ان کی خاندانی تاریخ کے حوالے سے بیان کئے گئے ہیں۔ ان سے غیر مبہم طور پر یہ عیاں ہوتا ہے کہ جب مُرید اپنے پیر کے متعلق غلو اور مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں تو وہ تعلیماتِ قرآنی اور ارشاداتِ نبویؐ کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔ وہ ایسے من گھڑت قصے اور کہانیاں ان سے وابستہ کر دیتے ہیں جو عقل و خرد کا منہ چڑاتی ہیں اور ان کی حیثیت الف لیلہ کی کہانی سے زیادہ نہیں ہوتی۔ سچ تو یہ ہے کہ ان کا اسلام سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا اور ان سے مشرکانہ عقائد کی بُو آتی ہے۔

منظور حسین قریشی صاحب لکھتے ہیں کہ "آپ مادر زاد ولی تھے" یعنی جب سے اس دنیا میں تشریف لائے آپ ولی تھے۔ ہم حیران ہیں کہ اس اندھی عقیدتمندی کو کیا نام دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دن رات خدمتِ خلق اور غارِ حرا میں زہد و ریاضت اور عباداتِ شاقہ کے باوجود اس وقت تک یہ علم نہ ہوا کہ آپؐ نبی ہیں جب تک آپؐ اقراء کی وحی نازل نہ ہوئی۔ اس راز کو پانے کے لئے ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا آپؐ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ انہوں نے بتایا کہ یہ وہی ناموس ہے جو حضرت موسےٰ پہ اترا تھا۔ ایک افضل الرسلؐ انسان تو مادر زاد نبی پیدا نہ ہوا لیکن آپؐ کی اُمت کا ایک ادنےٰ انسان مادر زاد ولی پیدا ہو گیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو صدیقیت کا مقام تب حاصل ہوا جب آنحضرت صلعم کے دامنِ فیوض و برکات سے وابستہ ہوئے اور حضرت عمرؓ جن کے متعلق احادیث میں یہ آیا ہے کہ "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتا" مقامِ فاروقیت اس وقت پایا جب اپنی خون آشام تلوار نیام میں ڈال کر اپنا سر آستانہ نبویؐ پر جھکا دیا۔ یہ مادر زاد ولی نہ ہوئے۔ پیر نذر دین شاہ صاحب کا درجہ تو پھر مقامِ نبوت اور مقامِ شیخین سے بھی بہت ارفع اور اعلےٰ ہوا۔

قرآن کریم تو یہ فرماتا ہے :-

"سن لو اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے۔
وہ جو ایمان لائے اور تقوےٰ اختیار کرتے تھے۔"

(یونس ۶۲-۶۳)

خوف و حزن کا احساس تو سنِ شعور کو پہنچنے کے بعد ہوتا ہے اور تقویٰ کی راہیں بھی اسی وقت واضح ہوتی ہیں جب نیکی اور بدی۔ اچھائی اور بُرائی میں تمیز کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اور پھر بدی کو چھوڑ کر انسان نیکی کے راستے پر استقامت اور صبر سے چل پڑتا ہے تب کہیں قربِ الٰہی حاصل کرتا ہے اور اس کا ولی کہلاتا ہے اور یہاں پیدائش کے ساتھ ہی ولایت کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ ایک بچے کو خوف و حزن کا کیا احساس اور تقوٰی کا کیا شعور۔ یہ کتنی خلافِ قرآن بات ہے۔

اس قسم کی ولایت کے ثبوت کے لئے آگے چل کر ایک واقعہ لکھتے ہیں جسے ہم اختصار کی خاطر اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں پیر نذر دین صاحب ایک مسجد میں مصروف عبادت اور مطالعہ رہتے تھے۔ اس مسجد کے قریب سکھوں کا محلہ تھا جہاں سکھ قلعدار کے ایک رشتہ دار کی لڑکی حاملہ پائی گئی۔ ایک حاسد نے اس کا الزام پیر صاحب پر لگا دیا۔ قلعدار نے آپ کو جلانے کا حکم دے دیا۔ جب مقررہ دن آیا تو اس رات پیر صاحب کو "حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی زیارت نصیب ہوئی آپؓ نے فرمایا کہ چتا پر جانے سے پہلے غسل کر کے گھر میں جو نیا لباس موجود ہے پہن کر دو نفل ادا کر لینا۔" اس نصیحت پر عمل کرنے کے بعد آپ چتا پر بیٹھ گئے۔ سکھوں نے ہزار جتن کئے مگر آگ نہ لگ سکی اور جس طرح یہ آگ حضرت ابراہیمؑ کے لئے گلزار بن گئی تھی ان کے لئے بھی بن گئی کیونکہ "وہ نبوت کے کامل ہونے کی دلیل تھی اور یہ ولایت کے لئے معراج" اس دن پیر نذر دین شاہ صاحب کے ماموں پیر فضل دین رحمۃ اللہ علیہ صبح ہی بغداد شریف کی طرف منہ کر کے کھڑے تھے"

ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ ایک زاہد و عابد اور بے گناہ انسان کو اتنی اذیت ناک سزائے موت ملنے پر بھی اس لڑکی نے زبان نہ کھولی کہ اصلی مجرم کون ہے۔ وہ حکمران طبقہ سے تعلق رکھتی تھی یہ بتانے میں اسے خوف مانع نہیں ہو سکتا تھا۔ سکھ سکھ ہی سہی لیکن محلے کے سارے سکھ اس سے بے خبر نہیں ہو سکتے تھے کہ پیر نذر دین شاہ ایک نیک متقی اور عالم نوجوان ہیں ان سے ایسی ناشائستہ حرکت سرزد ہونا بعید از قیاس ہے مگر وہ کبھی نہ بولے کہ باقاعدہ تحقیق کے بعد اگر ثبوت مل جائے تو ایسا فیصلہ کیا جائے۔ ہم قارئین پیغام صلح کے سامنے تین چار باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ حاسدوں نے غلط الزام لگا کر پیر صاحب کو سزا دلوائی اور وہ بچ گئے۔ انصاف سے کہیئے کیا اس وقت کے اور آج کے "علما" اور اکثر "مشائخ" نے مسلمانوں میں اپنے اقتدار کو بچانے اور استحصالی طاقتوں کا ساتھ دینے کے لئے اسی حسد اور بغض کی بناء پر حضرت مرزا صاحب کی طرف دعوٰئ نبوت منسوب کر کے ان کے اور ان کی جماعت کے خلاف بار بار فتنہ و فساد کی آگ نہیں بھڑکائی لیکن اللہ تعالےٰ نے ان کی بے گناہی کی وجہ سے ان کو ہمیشہ اس آگ سے محفوظ رکھا۔ وہاں تو سکھ قلعدار کو بھی پیر صاحب کی بے گناہی کا احساس ہو گیا۔ اس کا ضمیر جاگ اُٹھا اس نے اپنے کئے پر ندامت محسوس کی اور معافی مانگ لی لیکن یہاں ایک بھی اپنے آپ کو "مسلمان" کہلانے والے کے ضمیر نے یہ چبھن محسوس نہ کی کہ ایک لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والی اور چیخ چیخ کر یہ اعلان کرنے والی جماعت کہ ہم آنحضرت صلعم کو خاتم النبیین تسلیم کرتے ہیں، کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ ظلم ہے۔ ناانصافی ہے اور سراسر اسلامی تعلیم کے منافی ہے۔ اس کے لئے ہمیں اللہ تعالےٰ سے معافی مانگنی چاہیئے اور توبہ کرنی چاہیئے۔ اسی واقعہ کے بیان میں ولایت کو تقویت دینے کے لئے یہ بھی لکھا ہے کہ :-

"خدا کی شان کہ اس واقعہ کے جلد ہی بعد یعنی ۱۸۴۸ء میں سکھوں کی عملداری کا تختہ بھی اُلٹ گیا۔"

ساری دنیا جانتی ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ سکھوں کی حکومت کا تختہ حضرت سید احمد صاحب بریلویؒ مجدد صدی سیزدہم اور حضرت شاہ اسمٰعیلؒ کی بالاکوٹ

میں سکھوں کے خلاف جہاد میں شہادت کے بعد اللہ تعالےٰ نے اُلٹا دیا اور اس کے لئے سامان پیدا کر دیئے۔ شاہ صاحب تو جلنے سے اپنی کرامت کی وجہ سے بچ گئے اور سکھ حاکم نے معافی بھی مانگ لی اگر وہ جل جاتے تو انہیں اپنی بے گناہی کی وجہ سے شہادت کا درجہ نصیب ہوتا وہ اس سے بھی محروم رہ گئے۔ ہاں یہ ضرور یاد رکھیئے کہ اللہ تعالےٰ ظالم کو خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو ضرور سزا دیتا ہے جلدی دے یا دیر سے۔

دوسری قابل غور اور دلچسپ بات یہ ہے کہ حضرت غوث الاعظمؒ جو فوت ہو چکے ہیں ایک شخص کو خواب میں آ کر ہدایات دے سکتے (یا الہام کر سکتے ہیں کہ ایسا ایسا کرنا) مگر اللہ تعالےٰ کسی سے ہم کلام ہو کر اسے ہدایات سے نوازے اور جو شخص ایسا دعوےٰ کرے وہ ان کی شریعت میں کافر ہے کیا یہ شرکِ عظیم نہیں کہ مخلوق کو خالق سے اُونچا درجہ دیتے ہیں۔ سورۃ لقمان میں ہے "شرک یقیناً بڑا بھاری ظلم ہے"۔ ایسے ہی لوگوں کو قرآن کریم میں اکثر مقامات پر "ظالم" فرمایا گیا ہے اور ان پر لعنت کی گئی ہے۔ الانعام اور القصص میں فرمایا ہے انه لا یفلح الظلمون (وہ ظالموں کو کامیاب نہیں ہونے دیتا)

اسی پر بس نہیں ایک قدم اور آگے بڑھ کر آگ سے بچ جانے کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ ابوالانبیاء سے مماثلت بیان کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ "وہ نبوّت کے کامل ہونے کی دلیل تھی اور یہ ولایت کے لئے معراج"

ہم تو آج تک یہ خیال کرتے رہے ہیں کہ "تحفظ ختم نبوّت" کے دعویداروں کے ذہن میں کامل نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کے ذریعے دین کمال کو پہنچا اور جن پر نبوّت ختم ہوئی لیکن یہاں بات ہی کچھ اور ہے۔ اپنا موقف درست منوانے کے لئے یہ کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا کہ ہمارے بیان سے زد کہاں جا پڑے گی۔ اگر نبوّت حضرت ابراہیمؑ کے وجود میں اپنے کمال کو پہنچ گئی تو خاتم النبیین وہی ہونے چاہئیں اور آپ کے بعد جو سلسلہ انبیا آپ ہی کی اولاد سے چلا اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ بتایئے آپ کا دعویٰ "تحفظ ختم نبوّت" کہاں تک صداقت پر مبنی ہے۔ اور ختم نبوّت کے منکر آپ ہوئے کہ ہم۔ بخاری شریف میں ہے کہ معراج کی رات آنحضرت صلعم نے حضرت ابراہیمؑ کو چھٹے آسمان پر دیکھا اور پھر آپ اس سے آگے گذر کر اس مقام پر پہنچ گئے جہاں قلموں کی آواز سنائی دیتی تھی۔ بتایئے "نبی کامل" کون ہوا وہ جو آگے بڑھ گیا یا جو پیچھے رہ گیا لیکن

؎ ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

صرف آگ سے بچ جانے کو معراج ولایت قرار دینا بڑی ناانصافی ہے۔ آج کل تو کئی غیر مسلم ایسے ہیں جو آگ پر چل کر دکھا دیتے ہیں۔ اور پھر معراج ولایت تو وہ مقام ہے جس سے آگے ولایت میں صرف بشیر یعنی نبوّت کا مقام ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے لے کر آج تک اس اُمّت کے تمام خلفاء۔ اولیاء۔ صلحاء اور مجدّدین پیر صاحب کے مقابلے میں درجہ میں کم تر تھے۔ اگر یہی بات تھی تو حضرت غوث الاعظمؒ کو خواب میں آ کر ہدایات دینے کی کیا ضرورت تھی اور جلائے جانے کے دن پیر فضل دین صاحب کو بغداد کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو کر غوث الاعظم سے مدد مانگنے کی کیا حاجت تھی۔ ایسی مصیبت کی گھڑی میں تو ایک عام آدمی بھی کعبہ کی طرف منہ کر کے خدا کی دہلیز پہ نجات کے لئے سجدہ ریز ہوتا ہے۔ کعبہ سے منہ موڑ کر ایک فانی انسان سے مدد چاہنا شرک نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ تو نہ قرآن کا اسلام ہے نہ حدیث کا۔ چلئے ہم یہ بھی مانے لیتے ہیں کہ پیر صاحب کو معراج ولایت کا مقام حاصل تھا۔ وہ آگ سے بھی بچ گئے اور انہیں اس رنگ میں حضرت ابراہیمؑ سے بھی مماثلت ہے لیکن ولایت کسی کی خاندانی وراثت نہیں کہ کوئی دوسرا اسے حاصل نہیں کر سکتا۔ رسول کریمؐ کی کامل اتباع سے ہر شخص یہ مقام حاصل کر سکتا ہے اس لئے اگر ایک انسان عشقِ الٰہی اور عشقِ رسولؐ میں فنا ہو کر یہ کہہ دے کہ :-

؎ میں کبھی عیسیٰ کبھی موسیٰ کبھی یعقوب ہوں
نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بیشمار

تو آپ کو کیا حق حاصل ہے کہ آپ اسے کافر کہیں۔ صرف اس لئے کہ آپ کے اقتدار ولایت پر ضرب پڑتی ہے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔

اس سے بھی عجیب تر بات سنئے۔ پیر نذر دین شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ :-

"یہ سب پیر مہر علی شاہ کی کرامت تھی جو اس وقت میری صلب میں تھے۔ اس کی وجہ سے مجھ میں عشقِ الٰہی کی ایک آگ بھڑکتی رہتی تھی ........ جب پیر مہر علی شاہ کا نور اپنی والدہ کے بطن میں منتقل ہوا تو یہی کیفیت ان کی والدہ کی ہو گئی۔"

سورۃ المومنون (۱۲) میں ہے "اور ہم انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کرتے ہیں"۔ معلوم ہوا کہ پیر صاحب کی صلب میں تشریف فرما ہونے سے قبل پیر مہر علی شاہ صاحب مٹی کے اس خلاصہ میں موجود تھے جس سے پیر نذر دین صاحب خود پیدا ہوئے۔ تو پھر تو خاک گولڑہ کا ہر ذرّہ ولی ہے۔ العجب۔ سورۃ الدھر (آیت ۱) میں ہے "یقیناً انسان پر زمانے کا ایک وقت آ چکا ہے کہ وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہ تھا"۔ ناقابلِ ذکر وہ چیز ہوتی ہے جس کا یا تو کوئی وجود ہی نہ ہو اور یا اتنی حقیر ہو کہ اس کی کوئی اہمیت ہی نہ ہو اور یہاں ایسی حقیر اور معدوم الوجود چیز کو کرامت اور اولیائی کا نشان ٹھہرایا جا رہا ہے جو اُصولِ قرآن کے مطابق برسوں کی عبادت ریاضت اور محنت کے بعد اس وقت ملتی ہے جب اس کے ساتھ خدا کا فضل بھی شامل حال ہو۔

اس کے علاوہ انسان کی صلب میں یہ چیز جس سے انسان کی تخلیق ہوتی ہے مردوں اور عورتوں میں حضرت آدمؑ اور حضرت حوّا علیہا السلام سے نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتی آئی ہے۔ پھر تو تخلیق آدمؑ کی غایت اولیٰ پیر مہر علی شاہ صاحب ہی ٹھہرتے ہیں اور ہم نے یہ سُن رکھا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے رسول اکرم صلعم سے فرمایا اگر تیری پیدائش مدِنظر نہ ہوتی تو میں اس کائنات کو وجود میں نہ لاتا۔ اس طرح غایت اولیٰ آنحضرت صلعم ٹھہرتے ہیں۔ اب خود سوچ لیجئے آپ نے کس ہستی پہ وار کیا ہے اور اپنے ان اندھے جذبات کی رَو میں بہہ کر کن کن حقائق کو اپنے پاؤں کے نیچے مسل دیا ہے۔

یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ انسان کی تخلیق مرد اور عورت کے تعلق سے ہوتی ہے۔ اس لئے عورت کی صلب میں بھی وہ چیز ہوتی ہے جو باپ کی صلب میں ہوتی ہے۔ بچہ ماں کے رحم میں تقریباً ۹ ماہ اور ۱۰ دن تک رہتا ہے۔ اس کے خون پر پلتا اور بڑھتا ہے اس لئے ماں کا کردار باپ کے کردار سے کہیں بڑھ کر ہوتا ہے۔ اگر پیر صاحب میں اس قدر کرامت اور اولیائی سمائی تو ماں میں بدرجہ اتم ہونی چاہیئے تھی لیکن بتایا جاتا ہے ماں میں یہ حالت اس "نور" کے رحم میں منتقل ہونے کے بعد پیدا ہوئی۔ آخر وہ ذرّہ جو ماں میں پہلے سے موجود تھا کیوں یہ کرشمہ دکھانے کی قوت سے محروم رہا صرف اس لئے کہ پیر نذر دین شاہ صاحب کے ساتھ اس واقعہ کو اور پیر مہر علی شاہ صاحب کی کرامت کو نمایاں کر کے دکھایا جا سکے؟ آگے لکھا ہے :-

"آپ کی وصیت تھی کہ ........ مجھے مسجد کے قریب دفن کرنا کہ اذان کی آواز آتی رہے"۔ سورۃ فاطر (۲۲) میں اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں :-

"اور نہ ہی زندے اور مردے برابر ہیں۔ اللہ جسے چاہتا ہے سناتا ہے اور تو انہیں سنانے والا نہیں جو قبروں میں ہیں"۔

ظاہر ہے اللہ تعالےٰ کا یہ کہنے کا مقصد ہی یہی ہے کہ جو مر چکے ہیں وہ کچھ نہیں سُن سکتے اور یہاں اس سے بھی کرامت منوائی جا رہی ہے کہ وہ خلافِ قانون خداوندی قبر میں اذان بھی سُن سکتے ہیں اب سوچ لیجئے کہ حضرت

(باقی بر صفحہ ۔ کالم ۲)

# قرآن و سنّت کی روشنی میں اصولوں پر بحث ہی نتیجہ خیز ہو سکتی ہے

(قسط نمبر ۲)

"تحفظ ختم نبوّت" کے رکن میرے دوست سے درخواست ہے کہ اگر وہ اس بحث کو مفید بنانے کے خواہاں ہیں تو آپ قرآن و سنّت کی روشنی میں مفصلہ ذیل اصولوں پر بحث کریں ۔ پھر ہم ان کے موقف کے بارہ میں کوئی رائے دے سکیں گے۔ وہ اصول یہ ہیں:—

## اصولی مباحث ہی فائدہ بخش ہوتے ہیں۔

مباحث ہمیشہ وہ نتیجہ خیز ہوتے ہیں جو اصولوں پر کئے جائیں ۔ میرے دوست کو چاہیئے تھا کہ جب راقم نے مضمون "قدرتِ ثانیہ کا ظہور" پر آپ نے خامہ فرسائی کی تو اس پر اصولی رنگ میں بحث کرتے اور بتلاتے کہ میں نے جس اصول کے تحت جماعت احمدیہ پر موجودہ ابتلاء کو قرآن کریم اور تاریخ سُنّت اللہ سے ثابت کیا تھا تو یہ غلط ہے۔ لیکن آپ نے اس اصول کو چھوا ہی نہیں۔ میں نے جو قریباً نصف درجن آیات اور تاریخ کے حوالے دیئے ان کے بارہ میں آپ نے کچھ کہا ہی نہیں ، آپ کو ابتلاؤں کے اصول کو قرآن و تاریخ کے حوالوں سے غلط ثابت کرکے یہ دکھلانا ضروری تھا کہ ایسا کوئی اصول ہرگز صحیح نہیں۔ یہ بات حضرت اقدسؑ یا راقم الحروف نے من گھڑت لکھدی ہے ۔ لیکن اگر فی الواقع یہ اصول قرآن و تاریخ سے ثابت ہے تو پھر اسے جماعت احمدیہ پر اطلاق کرنے میں کیا روک ہے ؟ اب لیجئے آپ کے اس اعتراض کو کہ جماعت احمدیہ نے جمہور مسلمانوں کے عقائد کے برخلاف کوئی نئے مسائل کھڑے کئے ہیں اس لئے یہ ناقابلِ قبول ہونے کے باعث نہ صرف رد کئے جا رہے ہیں بلکہ آیت نولہ ما تولّٰی کے ماتحت خدا تعالےٰ کے غضب کا موجب بن رہے ہیں ۔ پہلی قابلِ غور بات یہ ہے کہ جمہور کی مخالفت کیا اس امر کا ثبوت ہے کہ کوئی عقیدہ خلاف قرآن و سنّت ہے ؟ یہاں بھی میرے دوست نے کسی اصول پر بحث نہیں کی نہ کسی عقیدہ کو خلافِ قرآن و سنّت ثابت کیا ہے تو کیا اس سے یہ سمجھ لیا جائے کہ اگر جمہور کسی وقت قرآن کے برخلاف کوئی عقیدہ بنا لیں تو قرآن و سنّت کی بجائے جمہور کی سند قابلِ قبول ہوگی ؟ مثلاً آپ حیاتِ مسیحؑ کے عقیدہ کو ہی لے لیجئے ۔ تو کیا اصول یہ ہوگا کہ اس بارہ میں ہم قرآن و سنّت کی پروا کئے بغیر جمہور کی رائے کو صحیح مان لیں گے ؟ جس مسئلہ میں قرآن و حدیث کی وضاحت نہ ہو ، اگر اس میں فقہاء و جمہور کی رائے کو بطور حجت پیش کیا جائے تو اس کے کچھ معنی تو بن سکتے ہیں ، لیکن یہ تو کوئی بھی تسلیم نہیں کرے گا کہ جس بات میں قرآن و سنّت کی صراحت موجود ہے اس کے برخلاف جمہور کی رائے سبیل المومنین ہونے کے باعث قابلِ حجت ہے ۔ میرے دوست کو چاہیئے تھا کہ وہ جن احمدیہ مسائل کو نئے اور غیر سبیل المومنین قرار دے کر شاقق الرسول کا مصداق ٹھہراتے ہیں پہلے ان کے بطلان پر قرآن و حدیث سے روشنی ڈالیں ۔ یہ نئے مسائل دجّال اور یاجوج و ماجوج فرع ہیں عقیدہ حیات و ممات مسیحؑ کی ۔ ہمارا دوست حیات مسیحؑ اور ان کے آسمان سے نزول کا قائل ہے مگر ان پر قرآن و حدیث سے بحث کرنے کی بجائے انہیں غیر سبیل المومنین قرار دے کہ جماعت احمدیہ پر موجودہ ابتلاء کا باعث قرار دیتا ہے ۔ وفات مسیحؑ پر صرف ایک تاریخی واقعہ بیان کرنا کافی ہوگا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے واقعہ پر صحابہ کرامؓ غم سے پریشان ہیں اور اس لئے وفات کو تسلیم نہیں کرتے ۔ حضرت ابوبکرؓ نے نعش مبارک سے چادر اُٹھا کر موت کی جب تصدیق کر لی تو باہر آ کر جمہور کی رائے کی تردید میں خطبہ پڑھا الا من کان یعبد محمدا فان محمدا قد مات اور دلیل اس پر اس آیت سے دی وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل ...... الخ ۔ اس کو سنتے ہی تمام صحابہؓ خاموش ہو گئے اور سب کو یقین ہو گیا کہ فی الواقع آنحضرت صلعم وفات پا چکے ہیں ۔ اس تاریخی واقعہ سے دونو امور بالصراحت ثابت ہو گئے ۔ (۱) کہ حضرت مسیحؑ بھی صحابہؓ کے نزدیک وفات پا چکے تھے ۔ وگرنہ اگر ان کے نزدیک وہ زندہ ہوتے تو یہ دلیل کہ آنحضرت وفات پا گئے ہیں کیونکہ باقی تمام رسول وفات پا چکے ہیں انہیں کیسے خاموش کر سکتی تھی ۔ دوسرا مسئلہ یہ بھی اس واقعہ سے حل ہو گیا کہ قرآن کے برخلاف کوئی مسئلہ تسلیم کرنا کہ جمہور اس کی تائید میں ہیں غلط اصول ہے ورنہ جمہور تو اس وقت وفات کے برخلاف تھے مگر ایک حضرت ابوبکرؓ کی رائے کیوں تسلیم کر لی گئی ؟ اسلئے کہ وہ قرآن اور واقعات کے مطابق تھی ۔ پھر اس واقعہ سے خود حیات مسیحؑ پر اجماع کی بات بھی تاریخی طور پر غلط ثابت ہو گئی ۔ اگر صحابہ کرامؓ میں سے ایک شخص بھی حیاتِ مسیحؑ کو مانتا ہوتا تو وہ حضرت ابوبکرؓ کی اس قرآنی دلیل سے کہ جملہ انبیاء جب فوت ہو گئے تو آنحضرت صلعم بھی لازماً وفات پا گئے کیسے خاموش رہ سکتا تھا ؟ بلکہ یہ کہنا عین درست ہے کہ وفاتِ مسیحؑ پر صحابہ کرام کا اجماع و اتفاق ہو گیا تھا ۔ اگر اجماع کسی مسئلہ کے برحق ہونے پر کوئی دلیل ہے تو پھر صحابہ کرامؓ کا وفاتِ مسیحؑ پر اجماع کیوں قابلِ قبول نہیں جو مطابق تعلیم قرآن بھی ہے ؟ پس یہ ثابت ہے کہ حیاتِ مسیحؑ پر اُمّت کا کبھی اجماع نہیں ہوا ۔ اس عقیدہ میں ایسی علمی غلطی اس لئے لگ گئی کہ احادیث میں تواتر کے ساتھ نزولِ مسیح کا ذکر جب دیکھا گیا تو سطحی نگاہ میں یہ امر لازم آ گیا کہ مسیحؑ آسمان پر زندہ مانے جائیں وگرنہ دوبارہ آپ کیونکر نازل ہو سکتے ہیں ۔ احادیث میں نزولِ مسیح کے ذکر کو دیکھ کر حیاتِ مسیح کو مان لینا ایک نہایت واضح مثال اس غلطی کی ہے جو سطحی طور پر جمہور سے سرزد ہو جایا کرتی ہے یعنی یہ کہ حدیث کو مقدم کر کے قرآن کے برخلاف کوئی بات مان لی جائے مگر حدیث کی تاویل نہ کی جائے ۔ نزولِ مسیح کے بارہ میں یہی وہ مطابق قرآن تاویل کرنا ہے جو حضرت اقدسؑ کا جمہور کے نزدیک ناقابلِ معافی جرم بن گیا ہے ۔ مگر نہ تو عقیدہ حیاتِ مسیحؑ کو قرآن سے ثابت کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی نزولِ مسیح کی کوئی اور تاویل ہو سکتی ہے ۔ ان کے نزدیک وہ لوگ

مومنوں کی قلبی کیفیت یہ تھی **ما زادھم الا ایمانا و تسلیما۔** یعنی جس ابتلاء سے کمزور دل پریشان ہوئے وہی ابتلاء ہی مومنوں **کے ازدیاد ایمان کا باعث ثابت ہوا** اس لئے کہ انہوں نے کہا:۔ **ھذا ما وعدنا اللہ ورسولہ وصدق اللہ ورسولہ وما زادھم الا ایمانا وتسلیما** یہی ابتلاء تو ہمارے ازدیاد ایمان کا باعث بنا ہے کیونکہ اس کی خبر پہلے سے ہمیں دی گئی تھی، پس جب **ابتلاء کی پیشگوئی سچ نکلی تو آخری غلبہ کی خبر کیوں صحیح ثابت ہوگی؟** لیجئے صاحب! میرے دوست جس امر پر تمسخر کرتے اور یہ کہتے ہیں کہ یہ ریاضی کا قاعدہ کہ ایک جزو پوری ہو جائے تو دوسری بھی درست نکلے گی پیشگوئیوں پر اطلاق نہیں پاتا، خود قرآن کریم نے صحابہ کرامؓ کی قلبی کیفیت سے جو ابتلاء کے وقت ان کے ازدیاد ایمان کا سبب بنی تسلیم کر لیا۔ پھر ہمارے دوست کو اصولی بحث تو یہ کرنا چاہیئے تھی کہ حضرت اقدسؑ اور راقم نے الٰہی سلسلوں پر ابتلاء کو سنتِ خداوندی قرار دیا ہے، یہ درست ہے یا نہیں؟ مگر اس پر کچھ نہیں کہا گیا اگر یہ سنتِ مستمرہ ہے اور قرآن کریم و تاریخ سے ثابت ہے کہ ایسا ہی ہوتا آیا ہے تو اسی سنت کا اعادہ جماعت احمدیہ کے بارہ میں ہونا کیوں حیرت کن و تعجب انگیز ہے؟ دوسری اصولی بحث یہ ہونا چاہیئے کہ احمدیہ تحریک نے جن اصولہائے اسلام کا احیاء اس زمانہ میں کیا ہے وہ اصول دنیا دن بدن تسلیم کرتی جا رہی ہے یا رد کر رہی ہے؟ مامورین الٰہی کا حقیقی مقصد ذاتی برتری و عظمت نہیں ہوا کرتے **وما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی اللہ** میرا ذاتی کوئی مفاد یا مقصد اس دعوے سے ہرگز نہیں بلکہ ان کے مدنظر تو دنیا میں نیکی و نیک کرداری اور صحیح اصولہائے حق و راستی کی قبولیت ہوا کرتے ہیں۔ پس بحث تو یہی ہونا چاہیئے کہ حضرت اقدسؑ کی بعثت سے قبل اسلام کی کیا حالت تھی اور آپ کے بعد دنیا کہاں تک اصول اسلام کو قبول کرتی چلی جا رہی ہے یا پھر حضرت مسیحؑ کی وفات اور دجال اور یاجوج ماجوج کی تاویلات کو کہاں تک تسلیم کرتی جا رہی ہے، مغرب میں طلوعِ صداقتِ اسلام کے آثار کہاں تک ہویدا ہیں، قرآن کریم کے علوم کہاں تک غالب آئے مسلمانوں میں بیداری اور قرآن و سنت کی طرف رجوع کہاں تک بڑھا۔ کیونکہ آخر اس صداقت سے کب تک انکار ہوگا کہ یہی مقاصد حضرت اقدسؑ کی تحریک کے پیشِ نظر تھے۔ آج بین الاقوامی سیرت کانگریس اور قرآن کانفرنسیں منعقد کی جا رہی ہیں۔ قرآن کریم کے تراجم اور ممالک مغربی میں مساجد کی تعمیر ہو رہی ہے، مسلمانوں میں قرآن و سنت کی جانب رجوع اور اتحاد و تبلیغ کے جذبے بڑھ رہے ہیں۔ آخر یہ تحریکیں تیرھویں صدی ہجری میں کہاں تھیں؟ اگر یہ تمام انقلابات تحریک احمدیہ کے باعث نہیں ہوئے تو ان کا باعث اور کیا ہوا؟ کیا آئندہ تاریخ اس بات کی گواہی نہ دے گی کہ چودھویں صدی کے دینی انقلابات خواہ وہ غیر مسلم دنیا میں آئے یا مسلم دنیا میں کا منبع بانیٔ سلسلہ کی تحریکِ احمدیہ ہی ہوئی کیونکہ اس زمانہ میں یہ پکار کہ **خدا، دین اور قرآن کی طرف آؤ اور کسی تحریک نے دی ہی نہیں۔** اگر کسی نے دی ہو تو زندہ خدا، زندہ رسول اور زندہ کتاب کی ندا دینے والی کسی ایسی تحریک کا نام لیا جائے، کسی تحریک کی نشاندہی کی جائے جس نے مغربی ممالک میں اشاعت اسلام کا بیڑا اٹھایا ہو یا قرآنی تراجم میں اولیت کی ہو یا ان ممالک میں مساجد اور مشنہائے اسلام کی داغ بیل ڈالی ہو۔ اصولی بحث کا تقاضا ہے کہ ان امور پر روشنی ڈالی جائے مگر ہمارے دوست کو اپنے آباء و اجداد کے عقائد اور رسم و رواج کی تقلید مرغوب ہے جو وہ بھی چاہے قرآن و سنت کے برخلاف ہی کیوں نہ ہو، **ما الفینا علیہ اباءنا** کی دلیل تو پہلے بھی ہر آسمانی تحریک کے برخلاف دی جاتی رہی ہے۔ یہ کوئی نئی اور اجنبی بات نہیں۔ پھر اگر یہی دلیل حرفِ آخر ہے تو بتلایا جائے کہ امتِ محمدیہؐ کو **مجددین کا وعدہ** کیوں دیا گیا تھا۔ مصلحین ربانی بالخصوص خلفاء حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تو اسی لئے آتے ہیں کہ آپؐ کی امت میں اعتقادی و عملی غلطیوں کی اصلاح کریں۔ کیا آنحضرت صلعم کی احادیث میں آخری زمانہ میں اپنی امت کے بھیانک طور پر بگڑ جانے اور قرآن و سنت سے ہٹ جانے کی صریح و صاف پیشگوئیاں نہیں کی گئیں۔ جن کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں اور جو شائع و مشہور ہیں؟ پھر "امتِ مرحومہ کا عملی راستہ" کو اختیار کرنا ہی قرآن و سنت کی اتباع کے مترادف ہے تو امت میں مجددین و مصلحین نے آکر کیا کرنا ہے۔ **بے شک دین قرآن اور سنت میں تو کامل اور محفوظ موجود ہے مگر امت کے بگڑنے اور اس کی اصلاح سے کیسے انکار ہو سکتا ہے۔** حضرت اقدسؑ نے نمایاں رنگ میں اسلام کو کامل و محفوظ دین ثابت کیا اور مسلمانوں کو اس کی طرف رجوع کی دعوت دی کیونکہ وہ رسم و رواج اور تقلید آباء میں گمراہ ہو گئے تھے۔ ان کے مقاصد ترقی پذیر ہیں۔ لہٰذا احمدیت اگرچہ عارضی طور پر نامقبول ہے مگر اس کے احیاء کردہ اصول غلبہ پاتے چلے جا رہے ہیں۔

## دین اسلام کی اساس، ابدی اصول فرقانیہ و سنتِ رسول پر قائم ہے

دینِ اسلام کو ابدی اصولِ حقہ فرقانیہ و سنت رسول صلعم کی اساس پر قائم کرنا، اس دین سے محبت و عشق کے جذبات پیدا کرنا۔ اس کی عالمگیر تبلیغ کے فریضہ کو اپنے پیرؤوں میں رائج کر دکھلانا، علم و حکمت اور تجربہ و مشاہدہ کی بناء پر ایسے دین کی نشر و اشاعت اور ایسے طریقِ کار کی حتمی کامیابی و غلبہ کا یقین پیدا کرنا یہ سب کارنامے حضرت اقدسؑ نے اس زمانہ میں انجام دے کر دیگر اقوام کو اس دین کا گرویدہ بنا لیا ہے۔ پھر کیا دین کی ایسی دلفریب صورت کو چھوڑ کر جس پر غیر بھی فریفتہ ہو رہے ہیں، میں وہ صورت اس دین کی کیسے اختیار کر لوں جو اپنوں کے لئے بھی قابلِ نفرین اور ترک کرنے کے قابل بن چکی ہے۔ ؎

ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے<br>
ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی بھی صورت کو بگاڑ

---

## بقیہ مقالہ ــــ از صفحہ ۲

از صفحہ ۲

مرزا صاحب کی مخالفت کیوں ہوئی۔ کیونکہ آپ ایسی خلاف تعلیم الٰہی باتوں کو ختم کرنے کے لئے آئے تھے اور ان مشائخ کی دکان انہی باتوں پر چمک رہی تھی اور چمک رہی ہے۔ سادہ دل عوام کو جو قرآن اور حدیث سے بے خبر تھے اسی قسم کی نشہ آور گولیاں کھلا کر ان کی جیبوں پر ہاتھ صاف کیا جاتا تھا اگر وہ حضرت مرزا صاحب کی بات پر کان دھر کر حقیقت آشنا ہو جاتے تو ان کی تجوریاں خالی ہو جاتیں، آپ کی آواز استحصال کے خلاف ایک اعلانِ جنگ تھا اور ظاہر ہے استحصال پسند طبقہ نے اپنے مفاد کو محفوظ رکھنے کے لئے مزاحمت کرنی ہی تھی۔ اور بے سر و پا الزام لگانے ہی تھے۔ آج بھی "تحفظ ختم نبوت" کے غم میں گھلنے والوں کا بینک بیلنس دیکھا جائے تو یہ صاف عیاں ہو جائے گا کہ انہوں نے ختم نبوت کا تحفظ کیا یا اپنے نفس کا۔ حضرت عیسٰیؑ کو دو ہزار سال سے زندہ ماننے اور دوبارہ لانے والے ختم نبوت کا تحفظ کیا کریں گے۔ یہ ہمارا فرض ہے اور انشاءاللہ ہم ہی اسے ادا کریں گے۔

# دُنیا کے ممتاز سائنسدانوں کے تجربات

## موت کے بعد زندگی برحق ہے

میرا اعتقاد ہے کہ موت کے بعد ایک اور زندگی کا وجود ہے۔ {ڈاکٹر دانیال فریڈم}

مَیں حیات بعد الموت کی قائل ہوں۔ {لیڈی ڈاکٹر ایلزبتھ روز}

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سائنسی علوم اور مادی فلسفہ کے مقابل اصولِ اسلام کے غلبہ کی پیشگوئی کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:۔

"اس زمانہ میں جو مذہب اور علم کی نہایت سرگرمی سے لڑائی ہو رہی ہے اس کو دیکھ کر اور علم کے مذہب پر حملے مشاہدہ کرکے بیدل نہیں ہونا چاہئے کہ اب کیا کریں۔ یقیناً سمجھو کہ اس لڑائی میں اسلام کو ایک عاجز اور مغلوب دشمن کی طرح صلح جوئی کی حاجت نہیں۔ بلکہ اب زمانہ اسلام کی رُوحانی تلوار کا ہے۔ جیسا کہ وہ پہلے کسی وقت اپنی ظاہری طاقت دکھلا چکا ہے یہ پیشگوئی یاد رکھو۔ کہ عنقریب اس لڑائی میں بھی دشمن سخت ذلت کے ساتھ پسپا ہوگا........انجام کار اس کے لئے ہزیمت ہے......اسلام نہ صرف فلسفہ جدیدہ کے حملہ سے اپنے تئیں بچائے گا۔ بلکہ حال کے علوم مخالفہ کو جہالتیں ثابت کر دے گا۔ اس کے اقبال کے دن نزدیک ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ آسمان پر اس کی فتح کے نشان نمودار ہیں۔" (آئینہ کمالاتِ اسلام)

مندرجہ بالا اقتباس جو حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی کتاب "آئینہ کمالاتِ اسلام" سے لیا گیا ہے اُنیسویں صدی کی آخر کی تحریر ہے۔ اس تحریر کے پڑھنے سے دو امور ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ اوّلاً یہ کہ حضرت اقدسؑ کی باریک بین رُوحانی نگاہ نے اس زمانہ کی اصل جنگ کو بالوضاحت دیکھ لیا تھا۔ یعنے علوم سائنس کا علومِ دینیہ سے الحاد کی جنگ۔ دوئم یہ کہ اس عظیم جنگ میں اسلام عنقریب غالب و فاتح ہوگا کیونکہ جن مسائل میں اس وقت سائنس اسلامی اصولوں کا انکار کر رہی تھی حضرت اقدسؑ کے نزدیک سائنس کا انکار جہالتیں ثابت ہوں گی اور اسلام فتح پائے گا۔

حضرت اقدسؑ کی ان پیشگوئیوں کے صادق ہونے پر خود آج کی سائنس شہادت دے رہی ہے۔ مادہ فانی ثابت ہو چکا ہے۔ تخلیق کائنات میکانکی نہیں بلکہ کسی ماوراء بالارادہ ہستی کے شعور سے وجود میں آئی ہے۔ اور اب یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچنے والا ہے کہ زندگی مابعد الموت کا عقیدہ محض انسانی تصور یا واہمہ نہیں بلکہ علمِ طب کے نزدیک ایسی ثقہ شہادتیں موجود ہیں جن سے مابعد الموت، زندگی حقیقت ثابت ہوتی ہے۔ (ادارہ)

ہم مسلمان اس لحاظ سے بھی خوش قسمت ہیں کہ نظامِ کائنات کے بارے میں بعض حقائق جو ہمارے مذہب کی اساس ہیں، وہ اب مغربی دنیا کے لئے تحقیق اور تدقیق کا موضوع بن رہے ہیں۔ یومِ حساب پر ہمارا ایمان ہے۔ ہم چودہ سو سال قبل سے اس بات پر اٹل یقین رکھتے ہیں کہ خدائے وحدہٗ لاشریک دنیاوی موت کے بعد تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ تب ہر عمل کا حساب ہوگا۔ اور وہی زندگی دائمی زندگی ہوگی۔ مغرب اس سلسلے میں ہم سے چودہ سو سال پیچھے رہ گیا ہے۔ اور اب وہاں چوٹی کے سائنسدانوں نے چھان بین کرکے دنیاوی زندگی کے بعد کی تصدیق کر دی ہے (جو تجربات اور واقعات مغرب میں رُونما ہو رہے ہیں وہ ہمارے ہاں بھی معمول کا حصّہ ہیں۔ کیا آپ کے کسی عزیز کے ساتھ بھی ایسا واقعہ پیش آیا ہے؟) بہرحال کچھ بھی ہو حیات بعد الموت کے ثبوت کی تلاش میں سرگرداں چوٹی کے سائنسدان اب اس حقیقت کے قائل ہو گئے ہیں کہ دُنیا سے کُوچ کرنے کے بعد ایک اور زندگی ہر انسان کی مُنتظر ہے۔

"ہم جانتے ہیں کہ موت کے بعد ایک اور زندگی کا وجود ہے اور ہم اس حقیقت کو سائنسی تجربات کے ذریعہ ثابت کرنے کے لئے بیشمار شہادتیں اور ثبوت جمع کر رہے ہیں۔"

اس بات کا اعلان گزشتہ روز امریکہ کی لیڈی ڈاکٹر الزبتھ کیوبلر روز نے کیا ہے۔ الزبتھ روز بسترِ مرگ پر پڑے ہوئے عالمِ نزع کے علاج کے ماہر چند چوٹی کے ڈاکٹروں میں سے ایک ہے۔ اُس نے کہا "درحقیقت موت کے بعد کی زندگی اتنی حسین ہے کہ وہ لوگ جو ہسپتالوں میں ایک بار موت کا مزہ چکھ چکے ہیں، وہ شاذ و نادر ہی اس دُنیا میں واپس آنے کے خواہشمند دکھائی دیتے ہیں۔

ڈاکٹر روز اور دوسرے محققین نے بتایا کہ موت کے بعد کی زندگی کے بارے میں حیران کُن رفتار سے شہادتیں اور ثبوت جمع ہو رہے ہیں۔ ان شہادتوں کا ماحصل یہ ہے:۔

عالمِ نزع میں گرفتار یکے بعد دیگرے کئی افراد نے بتایا کہ ان کے کئی ایسے دوست اور رشتہ دار جو ان سے پہلے مر چکے تھے، ان کے سفرِ آخرت کے وقت ان کی امداد کو آئے۔

وہ لوگ جنہیں ایک بار طبی نقطۂ نگاہ سے مُردہ قرار دیا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد دوبارہ جی اُٹھے انہوں نے بھی اُوپر بیان کئے گئے تجربہ کی تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ جتنا وقت ان پر موت کی حالت طاری رہی، ماضی میں مر جانے والے ان کے قریبی رشتہ دار اور دوست ان کی امداد کرتے رہے۔

تحقیقات کے دوران ایسے واقعات (جن کا تفصیل کے ساتھ بعد میں ذکر کیا جا رہا ہے) بھی سامنے آئے جن کے مطابق بعض لوگوں کو ماضی میں مر جانے والے آشنا خواب میں ملے اور انہیں بعض ایسی تفصیلات اور معلومات مہیا کیں جن سے اس دنیا کے لوگ ہی باخبر ہو سکتے تھے۔

سائنسدانوں نے ایسے واقعات کو بھی شہادت اور ثبوت کے طور پر پیش کیا ہے جن میں چند عامل مل بیٹھے اور پھر ان کے عمل کے زور سے مردہ افراد کی رُوحوں نے حلقۂ حاضرات میں بیٹھے ہوئے زندہ افراد سے باتیں کیں۔

چنانچہ ان گنت ثبوت فراہم ہو جانے کے بعد ۴۹ سالہ ڈاکٹر الزبتھ نے دعویٰ کیا کہ موجودہ زندگی کے بعد ایک اور زندگی کا وجود ہے۔ ڈاکٹر روز نے کہا:۔ "میں نے ایک ہزار سے زائد افراد کو نزع کی حالت میں گرفتار دیکھا ہے اور مرنے سے قبل ان تمام افراد نے موت کے بعد کی زندگی کے بارے میں وزنی دلائل اور ثبوت اپنے پیچھے چھوڑے ہیں۔"

حالتِ نزع میں گرفتار افراد نے زیادہ تر ایک سے تجربہ کا اظہار کیا یعنی یہ کہ! کچھ عرصہ پہلے مر جانے والے عزیزوں، رشتہ داروں نے ان سے مُلاقات کی ہے۔ اگر وہ اس دُنیا میں اپنے بدن کے کسی عضو (ہاتھ پاؤں وغیرہ) سے محروم تھے تو نزع کی حالت میں انہیں یوں محسوس ہوا جیسے ان کا بدن ہر لحاظ سے مکمل ہو۔ مثلاً لنگڑا شخص یوں محسوس کرتا ہے۔ جیسے اس کے دونوں پاؤں صحیح و سالم ہوں۔

وہ اپنے بدن سے آزاد ہو کر بدن کا انجام دیکھتے رہے۔ انہیں بہت زیادہ سکون، راحت محسوس ہوئی۔

ڈاکٹر الزبتھ روز شکاگو یونیورسٹی کے ہسپتال کے نفسیاتی امراض کے شعبہ میں اسسٹنٹ ڈائریکٹر ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اس نے یہ سنسنی خیز معلومات عالمِ نزع میں گرفتار متعدد افراد سے بات چیت کرکے، لمحہ لمحہ ان کی حالت کا معائنہ کرکے اور مکمل چھان بین کے بعد اکٹھی کی ہیں۔ ڈاکٹر روز اب اپنے موقف کی حمایت میں موت اور عالمِ نزع کے موضوع پر کتابیں لکھ رہی ہیں۔ اور مختلف مقامات پر لیکچر دے رہی ہیں۔ اس کے مطابق اس نے عالمِ نزع میں گرفتار مریضوں کو تنہائی

متانت اور وضع داری کے ساتھ اپنے آنجہانی عزیزوں کے ساتھ جو موت کی تکلیف سے نجات دلانے کے لئے ان کی مدد کو آتے تھے، ملتے اور باتیں کرتے پایا۔ ان واقعات سے یہ مفروضہ تیار کیا جا سکتا ہے کہ:۔

"وہ آنجہانی شخص جس کے ساتھ تم سب سے زیادہ محبت کرتے ہو موت کے وقت تمہاری مدد کرنے کے لئے انتظار کر رہا ہے۔ چنانچہ جب تم موت کی وادی میں قدم رکھتے ہو تو وہاں تنہا نہیں ہوتے بلکہ وہ تمہارا استقبال کرتا ہے۔"

بہت سے محققین نے اس بات کو اور آگے بڑھایا ہے ان کے مطابق کئی افراد نے جو بظاہر ایک بار مر گئے تھے اور پھر دوبارہ زندہ ہو گئے یہ عجیب و غریب بات بتائی کہ انہیں یہ کہکر واپس بھیجدیا گیا ہے:۔

"ابھی تمہاری باری نہیں آئی"

ڈاکٹر روز نے اس بارے میں ایک بارہ سالہ لڑکی کا واقعہ بیان کیا کہ وہ ایک بار مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھی تو حیران و پریشان ہو کر اپنے والدین کو بتانے لگی:۔

موت کی وادی میں میری ملاقات اپنے بھائی سے ہوئی وہ مجھے بہت محبت اور پیار سے ملا۔ میں دوبارہ اس دنیا میں نہیں آنا چاہتی تھی مگر مجھے واپس بھیجدیا گیا"...... یہ ملاقات بڑی حیران کن تھی لیکن میرا تو کوئی بھائی ابھی تک نہیں مرا۔ کیا میرا کوئی بھائی تھا جو مر چکا ہے؟" لڑکی کے والدین یہ بات سن کر ہکا بکا رہ گئے۔ کیونکہ حقیقت یہ تھی کہ لڑکی کا ایک بھائی تھا جو بچپن میں مر گیا تھا۔ مگر لڑکی کو اس بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا گیا تھا۔

"عالم نزع میں گرفتار بعض افراد نے اپنے قفس عنصری سے علیحدہ ہو کر اپنے جسم کے ساتھ ہونے والے سلوک کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے واقعات بھی بیان کئے ہیں"۔ ڈاکٹر روز نے یہ انکشاف کرتے ہوئے بتایا:۔

"ایک شخص گاڑی کے ایک حادثہ کا شکار ہو گیا۔ بعد میں اس نے مجھے حادثے کی ان تمام تفصیلات سے آگاہ کیا جو اس نے اپنی آنکھوں سے ہرگز نہ دیکھی تھیں کیونکہ وہ خود اپنی کار میں پھنس کر رہ گیا تھا۔ اس نے مجھے اپنی ٹانگ کے کٹ کر سڑک کے درمیان پڑے رہنے اور حفاظتی عملہ کی غفلت کے بارے میں بھی بتایا۔ اس شخص کا کہنا تھا کہ اسے یہ تمام معلومات اس لئے حاصل ہو گئیں کیونکہ وہ خود اپنے جسم سے باہر آ گیا تھا"

اسی طرح ایک اور مریضہ نے جو ایک نازک اپریشن کے دوران اپریشن روم میں دم توڑ گئی تھی۔ بعد میں دوبارہ زندہ ہو جانے کے بعد مجھے بتایا کہ وہ اپنی ایک مردہ سہیلی کے ساتھ اپریشن روم میں الگ ایک طرف بیٹھی رہی اور اس پر تبصرہ کرتی رہی اگرچہ بظاہر اپریشن کے دوران وہ بالکل بےہوش تھی لیکن بعد میں اس عورت نے ڈاکٹروں کو ایک سرجیکل غلطی سے آگاہ کیا جسے فوراً درست کرنا پڑا۔ اس کے علاوہ اس نے سرجن کو اپریشن کے دوران ہونے والی اپریشن کرنے والے عملہ کی گفتگو کا کچھ حصہ بھی دوہرا کر سنایا۔

ڈاکٹر روز کی دریافت اور دعویٰ کو بہت سے چوٹی کے ڈاکٹروں اور نفسیاتی امراض کے ماہرین نے سراہا ہے۔ شکاگو یونیورسٹی میں نفسیاتی امراض کے شعبہ کے انچارج ڈاکٹر دانیال فریڈم نے اس بارے میں کہا:۔

ڈاکٹر روز موت اور عالم نزع کے معاملات کی ماہر ہے اس کے تجربہ پر حرف نہیں کی جا سکتی۔ اس نے سینکڑوں ایسے مریضوں سے جو نزع کی حالت میں تھے۔ اور قریب المرگ تھے۔ بات چیت کی اور ان کی دیکھ بھال کی، نفسیاتی امراض کے ماہر ڈاکٹروں کی امریکی ایسوسی ایشن کے صدر ڈاکٹر رابرٹ گبسن نے ڈاکٹر روز اور حیات بعدالموت کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا:۔

"میں ڈاکٹر روز کو جانتا ہوں اور روز کی ان خدمات کے اعتراف اور تعریف کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں جو اس نے زندگی کے آخری مراحل کو سمجھنے کے لئے انجام دی ہیں۔ موت اور مرض الموت کے ضمن میں ان کی تحقیقات لائق تحسین اور ناقابل فراموش ہیں۔ اس کی تحقیقات کی صحیح قدر و قیمت آنے والے دور میں ہو گی۔

موت کے بعد کی زندگی کے بارے میں تحقیقات کرنے والے محققین نے بھی ڈاکٹر روز کی معلومات کی تصدیق کر دی ہے۔ کیلیفورنیا یونیورسٹی کے میڈیکل سنٹر کے ڈاکٹر چارلس گارفیلڈ نے بستر مرگ پر موجود مریضوں کے مطالعہ پر مبنی اپنے تجربات بیان کرتے ہوئے انکشاف کیا:۔

"جاں بلب مریضوں کی ان کے انتہائی عزیز آنجہانی دوستوں کی ملاقات ہوتی۔ جوں جوں موت کا وقت قریب آتا جاتا یوں محسوس ہوتا کہ دم توڑتے ہوئے مریضوں نے ان کے ماضی میں مر جانے والے احباب رابطہ قائم کر لیتے ہیں۔ اور یہ دوست رشتہ دار قریب المرگ مریض کو نسبتاً زیادہ آسانی کے ساتھ موت کو قبول کرنے میں مدد دے رہے ہیں۔" ڈاکٹر گارفیلڈ نے جو سنٹرل کینسر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں ریسرچ سائیکالوجسٹ کے عہدے پر فائز ہیں، بتایا:۔

"حال ہی میں ایک ضعیف عورت کا معائنہ کر رہا تھا۔ یہ عورت ہڈی کے کینسر کی مریضہ تھی۔ اور اس کی حالت ناگفتہ بہ تھی ہم نے مریضہ کا درد کم کرنے کے لاکھوں جتن کئے مگر بے سود۔...... پھر اچانک یوں لگا جیسے اسے بہت افاقہ ہو گیا ہو میں نے عورت سے اس اچانک تبدیلی کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس کی مردہ ماں اسے ملنے آئی تھی اور اسے بتا گئی ہے کہ بہت جلد دونوں اکٹھی ہو جائیں گی۔ اپنی ماں کی زبانی ملاقات کے وعدہ کے بعد اس مریضہ کو بہت زیادہ سکون ملا اور تھوڑی دیر بعد وہ مر گئی۔ ڈاکٹر گارفیلڈ نے مزید کہا:۔

"میں حیات بعدالموت کا قائل ہو گیا ہوں اور میرا خیال ہے کہ موت کے بعد کی زندگی کے سلسلے میں تحقیق ہوتی رہی تو جلد ٹھوس ثبوت مل جائیں گے۔"

ڈاکٹر کارلس اوسس نے جو نفسیات میں پی ایچ ڈی ہے اور نفسیاتی امراض کا چوٹی کا محقق ہے۔ ڈاکٹر گارفیلڈ کے خیالات کی تصدیق کی ہے۔ مختلف تجربات اور شواہد کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد اس کا کہنا ہے:۔

"میرا اعتقاد ہے کہ موت کے بعد ایک اور زندگی کا وجود ہے۔ میرے سامنے اس بات کی تصدیق کے لئے اتنے ثبوت اور شہادتیں موجود ہیں کہ میں اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا۔"

ڈاکٹر اوسس نے جو نفسیاتی امراض کے ریسرچ کی امریکی سوسائٹی میں کام کر رہے ہیں مزید کہا:۔

"اب ہم اس بات کو عملی طور پر ثابت کرنے کے قریب پہنچ چکے ہیں کہ موت کے بعد کی زندگی ایک حقیقت ہے۔ میں نے نزاع کی حالت میں گرفتار سینکڑوں جاں بلب مریضوں کی شہادتیں اکٹھی کی ہیں۔ لمحہ لمحہ ان مریضوں کی حالت غیر ہوتی گئی اور یہ پتہ چلتا رہا کہ دوستوں اور رشتہ داروں کی روحیں نزاع کی حالت میں گرفتار فرد سے ملنے اور اسے دوسری دنیا میں لے جانے کے لئے اس کے پاس آئیں۔ عام طور پر ایسا ہوا کہ جاں بلب شخص کو اس کے آنجہانی عزیز و اقارب مل کر گئے تو دس منٹ بعد اس کی موت واقع ہو گئی۔ اس طرح یہ احساس بھی ہوا کہ ملاقات کے لئے آنے والی روحوں نے قریب المرگ شخص کے مرنے میں سہولت پیدا کر دی۔ موت کے بعد کی زندگی کے بارے میں ایک اور ثبوت یہ پیش کیا گیا ہے کہ بعض اوقات مر جانے والے لوگ زندہ لوگوں کے ساتھ خواب میں گفتگو کرتے ہیں۔ ورجینیا یونیورسٹی کی سلیپ (نیند) لیبارٹری کے ڈائرکٹر ڈاکٹر رابرٹ ڈین ڈی کیسل نے اس ضمن میں کہا:۔

"ایسے کئی واقعات رونما ہوئے ہیں جن میں بعض معروف جانتے والے افراد کی روحیں اپنے جسد خاکی کے ساتھ خواب میں زندہ لوگوں کو ملیں اور ان سے بات چیت کی۔ ان واقعات نے بھی موت کے بعد کی زندگی کے بارے میں ٹھوس ثبوت مہیا کئے ہیں۔"

ڈاکٹر وین ڈی کیسل نے شمالی کیرو لینیین کے ایک امیر شخص کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اس شخص نے کسی بات پر ناراض ہو کر موت سے پہلے وصیت میں اپنے چاروں بیٹوں میں سے تین کو جائیداد میں حصہ دار بننے کے حق سے محروم کر دیا۔ پھر اگلی شب خواب میں اپنے چوتھے بیٹے کو ملا۔

" خواب میں باپ نے اپنی پسندیدہ برساتیوں میں سے ایک برساتی اوڑھ رکھی تھی وہ سراپا احتجاج دکھائی دیتا تھا اور دوران گفتگو بار بار برساتی نما کوٹ کی اندرونی جیب کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔"

صبح ہوئی۔ بڑا بیٹا جاگا۔ اور اپنے باپ کے اس برساتی کوٹ کو جو اس نے خواب کے دوران پہن رکھا تھا نکالا فوراً اس کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا تو یہ دیکھ کر اس کی حیرانی کی انتہا نہ رہی کہ جیب میں ایک تازہ وصیت نامہ موجود تھا۔ اس پر گواہوں کے دستخط موجود تھے اور اس کے تحت باقی تینوں بیٹوں کو بھی جائیداد میں اپنا حصہ وصول کرنے کا حق دار قرار دیا گیا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ باپ نے موت سے تھوڑی دیر قبل جائیداد کی تقسیم کے بارے میں اپنا فیصلہ تبدیل کر لیا تھا۔ دوبارہ ایک وصیت نامہ تیار کرایا اور اسے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب کے اندر ٹھونس دیا۔ پھر اس سے پہلے کہ اپنے تمام لڑکوں کو اس تبدیلی سے آگاہ کرتا، موت کی نیند سو گیا.......... اس ٹھوس ثبوت کی بنا پر میں سمجھتا ہوں کہ موت کے بعد بھی ایک اور زندگی ہے۔

ان سائنسدانوں کے علاوہ یونیورسٹی کے دو دیگر محققین نے بھی حیات بعد الموت کے حق میں ثبوت مہیا کئے ہیں۔ ان محققین نے حیات بعد الموت کے موضوع پر کافی چھان بین کے بعد مردہ آدمی کے دوبارہ زندہ ہونے کے مسئلہ پہ سائنسی نقطہ نظر سے ایک مقالہ سپرد قلم کیا ہے

یونیورسٹی آف آئس لینڈ میں شعبۂ نفسیات کے سربراہ پروفیسر ایلنڈور ہیرالڈسن نے انکشاف کیا ہے کہ آئس لینڈ کے عامل جب ایک روحانی عمل میں مصروف تھے تو ایک آدمی کی رُوح نے ان کے کام میں مداخلت کی۔ پروفیسر ایلنڈور جنہوں نے پروفیسر آئن سٹیون سن، جو یونیورسٹی آف ورجینیا کے نفسیاتی امراض کے شعبہ سے تعلق رکھتے ہیں کی معیت میں اس واقعہ کی چھان بین کی، بتایا ہے:۔

" انسانی رُوح نے عاملوں کے حلقہ میں آ کر اپنا تعارف کرایا اور پھر بتایا کہ کس طرح اس نے اس عالم موجودات میں دوبارہ قدم رکھا۔ کس طرح وہ اس وقت شدید زخمی ہوا۔ جب اپنے ٹرک کی مرمت کر رہا تھا۔ انسانی رُوح نے یہ بھی بتایا کہ اس نے اس کشتی میں دم توڑا تھا جس میں ڈال کر اسے ہسپتال لے جایا جا رہا تھا۔"

پروفیسر ایلنڈور کا کہنا ہے کہ اس نے چھ برس تک اس واقعہ کی تحقیق کی ہے اور ہر اس مرحلہ کی تصدیق کی ہے جو مردہ شخص کی رُوح نے عاملوں کے حلقہ میں بیان کیا تھا۔ اس دوران میں میں نے یہ بھی ثابت کیا کہ عاملوں کے حلقہ میں موجود کسی شخص کو بھی اس واقعہ کی تفصیلات کے بارے میں اتنا معلوم نہ تھا جتنا اس رُوح نے یا اس شخص نے جو دنیا کے لئے مر چکا تھا۔ بیان کیا ہے۔

میرا اعتقاد ہے کہ دوسری دنیا سے آ کر کچھ حقائق بتانے کے بارے میں یہ واقعہ مصدقہ ثبوت ہے اور موت کے بعد کی زندگی کے بارے میں ٹھوس ثبوت کی حیثیت رکھتا ہے۔ (بشکریہ نوائے وقت ۲ راگست ۱۹۷۶ء)

## حضرت مسیح موعودؑ کے روحانی کمالات - بقیہ کالم دوم

کہ دکھایا کہ بڑے بڑے علم وعقل کے مالک، بڑے بڑے فلسفی انگشت بدنداں رہ گئے۔

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بیان کرتے تھے کہ جب لارڈ ہیڈلے نے حضرت اقدس کی کتاب "اسلامی اصول کی فلاسفی" پڑھی وہ سر دھنتا تھا اور کہتا تھا کہ آہ! کیا یہ ہے اسلام؟ میں تو اب تک اس کی فضیلت کو معلوم نہ کر سکا تھا۔ آج حضرت میرزا کی طفیل سے اسلام کی اصل حقیقت مجھ پر منکشف ہوئی۔ (باقی ــــ باقی)

## اخبارِ احمدیہ:

ــــ عبدالرزاق صاحب سواتی خادم مسجد مسلم ٹاؤن لاہور شدید گھریلو پریشانیوں میں مبتلا ہیں

ــــ چوہدری رزاق احمد صاحب ابن چوہدری ظہور احمد صاحب (چک $\frac{56}{2L}$ اوکاڑہ) کا ۴ اپریشن ہونے والا ہے۔ احباب کرام دونوں بھائیوں کے لئے دردِ دل سے دُعا فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

# حضرت مسیح موعودؑ کے علمی و رُوحانی کمالات۔

## دامانِ نگہ تنگ و گلِ حُسنِ تو بسیار + گُلچینِ بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

**حضرت مسیح موعودؑ کی ذات جامع صفات تھی** } یہ ایک حقیقت نفس الامری ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے دماغی اور قلبی دونوں قسم کے کمالات عطا فرمائے تھے۔ دنیا میں ایسے لوگ بہت شاذ ہوتے ہیں جو ان دونوں خوبیوں کے جامع ہوں۔ ایک شخص باوجود علم و فضل کے رُوحانیت سے بالکل سرا اور ایک شخص جو قلبی یا رُوحانی خوبیوں کا مالک ہو علم و فضل سے بالکل تہیدست ہو سکتا ہے۔ لیکن ہمارے حضرت مسیح موعودؑ بفضلہ جامع صفتین تھے۔ آپ زبردست دل و دماغ لے کر آئے جہاں ایک طرف بہت بڑے عالم متبحر تھے۔ اس کے ساتھ ہی آپ رُوحانیت کے بلند مقام پر فائز تھے۔ یہ دونوں کمالات آپ کی زندگی میں بوجہ اتم موجود اور معرض ظہور میں آئے۔ جس کی تفصیل کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ یہاں بطریق اختصار محض چند اشارات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ اسلام کے ایک بہت بڑے فلاسفر، ایک نہایت زبردست مناظر، بہترین مفسر، زبردست مقرر اور ایک بلند پایہ کے مصنف تھے آپ نے کم و بیش اسّی کتب تصنیف فرمائیں۔ جن میں بہت سی کتب عربی میں ہیں جو فصاحت و بلاغت میں نظیر نہیں رکھتیں۔

**حضرت مسیح موعودؑ کے علمی کارنامے** } بے شک ان تیرہ چودہ صدیوں کے عرصہ میں اسلام میں بہت بڑے بڑے مصنّف، مفسّر اور متکلّم ہو گذرے ہیں جن پر دنیائے اسلام الی یوم القیامت فخر کرے گی۔ بحمداللہ ان کے علمی کارنامے ہماری آنکھوں سے اوجھل نہیں لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت مسیح موعودؑ کا پایہ اسلام کی ان مایہ ناز ہستیوں سے کسی طرح کم نہیں بلکہ بڑھ چڑھ کر ہے۔ یہ ہماری ہی رائے نہیں بلکہ اس زمانہ کے چوٹی کے علماء نے اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔ گروہ اہلحدیث کے مسلّمہ لیڈر اور امام مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی نے بڑے پُرزور الفاظ میں براہین احمدیہ کے متعلق لکھا کہ "ایسی تصنیف تیرہ سو برس میں معرض تصنیف میں نہیں آئی"۔

**حضرت مسیح موعودؑ کی جلسہ مذاہب والی تقریر** } ۱۸۹۶ء میں ایک عظیم الشان جلسۂ مذاہب لاہور میں منعقد ہوا جس میں تمام مذاہب کے نمائندوں نے اپنے اپنے مذاہب کی خوبیوں پر لیکچر دیئے۔ بڑے بڑے علمائے کرام نے اسلام کے محاسن پر علمی جوہر دکھائے۔ پنڈتوں اور پادریوں نے اپنے عقائد مخصوصہ کی خوبیوں کو الم نشرح کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ لیکن یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کا مضمون سب پر غالب رہا اور آپ کے قلم سے اسلام کو تمام ادیان پر ایک روشن اور بیّن فتح حاصل ہوئی۔ اور ایک منظر آنکھوں کے سامنے پھر گیا کہ گویا لیظھرہ علی الدین کلہ اسی دن اور اسی موقعہ کے لئے وارد ہوا تھا۔ یہ حضرت مسیح موعودؑ کا وہ علمی کارنامہ ہے کہ تاریخ مذہب میں مثل مہر و ماہ ابدالآباد تک چمکتا رہے گا۔

**حضرت مسیح موعودؑ کے صداقتِ اسلام پر عقلی دلائل** } آپ جس زمانہ میں ظاہر ہوئے وہ علم و فضل کا زمانہ تھا۔ دلیل اور فلسفہ کا زمانہ تھا۔ آپ نے بفضلہ قرآن حکیم کے سرچشمہ سے سیراب ہو کر صداقت اسلام پر ایسے ایسے عقلی دلائل دیئے اور اس فلسفیانہ انداز میں اس کی حقانیت کو ثابت

(باقی بر کالم اوّل)

حضرت خواجہ کمال الدین مرحوم

# عالمگیر مذہب

کسی مذہب کا شانِ عالمگیری سے متصف ہونا عقلاً ممکن ہے۔ خصوصًا اس زمانہ میں جبکہ بوجہ فراوانیٔ اسباب۔ مخابرت و مراسلت، اہالی ارض باہمدگر قریب تر ہو گئے ہیں۔ لیکن مذاہب میں اختلاف عقائد بکثرت موجود ہیں۔ اور وہی مذہب عالمگیر ہو سکتا ہے۔ جو جملہ اختلافات کو مٹا کر ان میں ایک شانِ اتحاد پیدا کر دے۔ اور ہر ایک [illegible] ہو گئے ہیں۔ ابتداءً عقیدہ باری تعالے کو لیجئے۔ بعض مذاہب میں اس کو مرکزی حیثیت دی گئی ہے۔ اور بعض میں اس کا ذکر بھی ضروری نہیں سمجھا گیا۔ مثلاً بدھ مت اور کنفیوشس دونوں نے فلسفۂ اخلاق ہی کی تعلیم دی۔ اور خدا کا ذکر مطلق نہیں کیا۔ علاوہ بریں، خدا پرستوں میں بعض تو اس کی عبادت اس طرز پر کرتے ہیں۔ جو خود اس نے بذریعہ وحی بتا دی ہے۔ اور بعض یہ یقین رکھتے ہیں کہ بذاتِ خود طریقِ عبادت دریافت کرنا اور پھر اس پر عامل ہونا مناسب ہے۔ یعنی یہ لوگ وحی و الہام کو ضروری نہیں سمجھتے صرف اپنے مجلیٰ اور تربیت یافتہ ضمائر کو ہدایت کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ ہندوستان میں برہمو سماج اس کی زندہ مثال ہے۔ علاوہ بریں "اہلِ کتاب" بھی دو طبقات میں منقسم ہیں۔ ایک تو وہ جو یہ یقین کرتے ہیں کہ روح جسم سے جدا ہونے کے بعد دوبارہ دنیا میں نہیں آتی۔ دوسرے وہ جو یہ سمجھتے ہیں کہ جملہ ارواح مقید بالارض ہیں۔ اور ایک جسم سے نکلنے کے بعد دوسرے جسم سے متعلق ہو جاتی ہیں۔ اس عقیدہ کو "تناسخ ارواح" کہتے ہیں۔ ان باتوں کے علاوہ دیگر حقائق کے متعلق بھی بے حد اختلاف آراء موجود ہے۔ پس عالمگیر مذہب وہ ہو سکتا ہے جو سب طرح کے لوگوں کی تشفی کر سکے۔ ان کے سوالات کے جوابات دے سکے۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ جوابات سب کے سب کسی معلّم مذہب ہی نے مہیا کئے ہوں۔ مَیں نے تمام بائبل کو بغور پڑھا ہے۔ علیٰ وجہ البصیرت کہہ سکتا ہوں کہ اس کے اندر عقائد مذکورہ بالا میں ایسے عقائد کی تردید کا جو اس کی تعلیمات کے خلاف ہیں، کوئی سامان موجود نہیں۔ مثلاً بائبل مذکورہ میں تناسخ کے قائلین کی تردید و تشفی کا کوئی پہلو نہیں مل سکتا۔ جناب مسیح بھی اس مسئلہ میں خاموش نظر آتے ہیں۔ پس کس طرح وہ "عالمگیر مذہب" کہلا سکتے ہیں۔ اسی طرح دوسری کتب مذہب قبل از قرآن کا حال ہے۔ ہاں قرآن نے جن جن عقائدِ مروجہ سے اختلاف کیا ہے اس کی تردید عقلیہ طور پر کی۔ علاوہ ازیں ہر شخص اپنے نبی کی عزت کرتا ہے۔ اور اس سے منسوب تعلیم میں اگر کوئی نقص بھی ہو تو بھی وہ اس قدر کشش ضرور رکھتا ہے کہ باوجود امکانِ اغلاط اس کے متبعین اس سے محبت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

مغربی لوگوں کا یہی حال ہے۔ لاکھوں لوگ ایسے ملیں گے جو یسوع کی پاکیزہ خصائل سے وابستگی رکھتے ہیں۔ لیکن مروجہ مسیحیت پر ایمان نہیں لا سکتے۔ عالمگیر مذہب میں اس تناقض کے رفع کرنے کے لئے مواد کا ہونا ضروری ہے۔ آنحضرت صلعم نے یہ فرما کر کہ "جملہ انبیاء خدا تعالےٰ کی طرف سے آئے ہیں"۔ اس گتھی کو سلجھا دیا۔ غرضیکہ آپؐ کا پیش کردہ مذہب ہر لحاظ سے کامل اور مکمل ہے۔ وہ تمام خوبیاں اور صداقتیں جو دیگر مذاہب میں پائی جاتی ہیں، یک وقت اور یک جا اسلام میں مل سکتی ہیں۔ اسی طرح آپؐ نے انسانی فطرت کے ہر پہلو کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔ اور ہر بات کے متعلق تعلیم مہیا فرما دی ہے

باقیماندہ مذہبی الہامی کتابیں اس لحاظ سے ناقص ہیں۔ اور یسوع کی تعلیمات سب تعلیمات سے زیادہ ناقص۔

آنحضرت صلعم کو ہم لوگ۔ کامل نبی اسی لئے کہتے ہیں کہ آپؐ کی شریعت ہر پہلو اور ہر لحاظ سے کامل ہے۔ ان عالمگیر اصولوں سے حالات ہی مواد ملتا ہے۔

## اسلام ایک قابلِ عمل مذہب ہے

اس ضمن میں اس خاص بات کا تذکرہ بھی لابد ہے۔ جس کی خاطر مذہب کو یہ وقیع درجہ حاصل ہے۔ یعنی مذہب کا اعلیٰ ترین اور اوّلین فرض یہ ہے کہ وہ اپنے پیرؤوں کے دماغوں کی آبیاری کرے اور ان کی عقلوں کو منجلی اور ان کے نفسِ مُدرکہ کو ضمیرِ صادق میں مبدّل کر دے۔ ہمارے اندر "بہیمیت" موجود ہے، اور ہمارا نصب العین یہ ہونا چاہیئے کہ اس بہیمیت کو ربانی رنگ دے کر صفاتِ الٰہیہ کی جلوہ گاہ بنا لیں۔ بیشک ہر مذہب میں اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ اصول موجود ہیں۔ لیکن نبی کریم صلعم نے مختصر اور آسان راستہ بتا دیا ہے جہاں دوسرے مذاہب نے اس مقصد کے حصول کے لئے زبردست ریاضت اور ترکِ دُنیا کی تعلیم دی ہے۔ آپ نے ان سب باتوں کو مذموم قرار دے کر ہمیں اسی دنیا میں زندگی بسر کرنے کا طریقہ ایسا بتایا ہے، جس سے گوہرِ مقصود ہاتھ لگ سکتا ہے۔ ہمیں اس کی ضرورت نہیں کہ ایک دن اپنی زندگی کا خدا کے لئے قرار دیں اور چھ دن اپنے لئے۔ بلکہ مؤمن کی زندگی کا ہر لمحہ خدا کی یاد میں بسر ہونا چاہیئے۔ اسی لئے آپؐ نے پنجوقتہ نماز کا حکم دیا۔ اور الفاظ دُعا وہ بتائے جو ہمارے افعال اور اقوال کو روحانیت کا رنگ دے سکتے ہیں۔ آپؐ نے خانگی اور متاہل زندگی کو محمود قرار دیا ہے بلکہ اسے اخلاقِ حسنہ کی تربیت گاہ یقین فرماتے ہیں۔ چونکہ ہماری زندگی میں صرف نفسانی خواہشات ہی کی بدولت ہیجان اور تلاطم برپا ہو سکتا ہے اس لئے آپؐ نے ان کو قابو میں رکھنے کے طریقے بتائے ہیں۔ نہ یہ کہ سرے سے ان جذبات ہی کا قلع قمع کر دیا جائے۔ پس ہمارا کام یہ ہے کہ ان جذباتِ نفسانی کی اس طرح تربیت کریں کہ ان میں روحانیت کا رنگ پیدا ہو جائے۔

فارسی میں ایک مثل ہے "دست بکار دل بیار"۔ ہاتھوں سے کام کرو اور دل میں خدا کی یاد رکھو، یہ مثل اسلامی تعلیمات کی بدولت ایک صداقت بن گئی ہے۔ لہٰذا پھر مَیں اسی بات کا اعادہ کرتا ہوں کہ اس لحاظ سے بھی آپؐ ہی کو جمیع ہادیانِ مذاہب پر تفوّق تام حاصل ہے کہ اس نظامِ حیات کو سب سے پہلے آپؐ ہی نے منضبط فرمایا ؛

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ———— مؤرخہ ۱۱ راگست ۱۹۷۶ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ———— شمارہ نمبر ۳۲

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش۔

جلد ۶۳ | یوم چہار شنبہ ۲۰ شعبان المعظم ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۸ اگست ۱۹۷۶ء | نمبر ۳۳


## ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

# تمام گناہوں سے بچنے کا بڑا ذریعہ خوفِ الٰہی ہے

دیکھو یاد رکھنے کا مقام ہے کہ بیعت کے چند الفاظ جو زبان سے کہتے ہو کہ میں گناہ سے پرہیز کروں گا، یہی تمہارے لئے کافی نہیں ہیں اور نہ صرف ان کی تکرار سے خدا راضی ہوتا ہے بلکہ خدا تعالےٰ کے نزدیک تمہاری اس وقت قدر ہوگی جبکہ دلوں میں تبدیلی اور خدا تعالےٰ کا خوف ہو ورنہ ادھر بیعت کی اور جب گھر میں گئے تو وہی بُرے خیالات اور حالات رہے تو اس سے کیا فائدہ؟ یقیناً مان لو کہ تمام گناہوں سے بچنے کے لئے بڑا ذریعہ خوفِ الٰہی ہے۔ اگر یہ نہیں ہے تو ہرگز ممکن نہیں کہ انسان اُن سب گناہوں سے بچ سکے جو کہ اسے مصری پر چیونٹیوں کی طرح چمٹے ہوئے ہیں مگر خوف ہی ایک ایسی شئے ہے کہ حیوانات کو بھی جب ہو تو وہ کسی کا نقصان نہیں کر سکتے۔ مثلاً بلی جو کہ دودھ کی بڑی حریص ہے جب اسے معلوم ہو کہ اس کے نزدیک جانے سے سزا ملتی ہے پرندوں کو جب علم ہو کہ اگر یہ دانہ کھایا تو جال میں پھنسے اور موت آئی، تو وہ اس دودھ اور دانہ کے نزدیک نہیں پھٹکتے۔ اس کی وجہ صرف خوف ہے۔ پس جبکہ لایعقل حیوان بھی خوف کے ہوتے ہوئے پرہیز کرتے ہیں تو انسان جو عقلمند ہے اسے کس قدر خوف اور پرہیز کرنا چاہیئے۔ یہ امر بہت ہی بدیہی ہے کہ جس موقعہ پر انسان کو خوف پیدا ہوتا ہے اس موقعہ پر وہ جرم کی جرأت ہرگز نہیں کرتا۔ مثلاً طاعون زدہ گاؤں میں اگر کسی کو جانے کو کہا جائے۔ تو کوئی بھی جرأت کرکے نہیں جاتا۔ حتیٰ کہ اگر حکام بھی حکم دیدیں تو بھی ترساں اور لرزاں جائے گا اور دل پر یہ ڈر غالب ہوگا کہ کہیں مجھ کو بھی طاعون نہ ہو جاوے اور وہ کوشش کرے گا کہ مفوضہ کام کو جلد پورا کرکے وہاں سے بھاگے۔ پس گناہ پر دلیری کی وجہ یہی خدا کے خوف کا دلوں میں موجود نہ ہونا ہے۔ لیکن یہ خوف کیونکر پیدا ہو۔ اس کے لئے معرفتِ الٰہی کی ضرورت ہے۔ جس قدر خدا تعالےٰ کی معرفت زیادہ ہوگی اسی قدر خوف زیادہ ہوگا ؎

ہر کہ عارف تر است ترساں تر

اس امر میں اصل معرفت ہے اور اس کا نتیجہ خوف ہے۔ معرفت ایک ایسی شئے ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے انسان ادنےٰ ادنےٰ کیڑوں سے بھی ڈرتا ہے جیسے پسُو اور مچھر کی۔ جب معرفت ہوتی ہے تو ہر ایک ان سے بچنے کی کوشش کرتا ہے پس کیا وجہ ہے کہ خدا جو قادر مطلق ہے اور علیم اور بصیر ہے اور زمینوں اور آسمانوں کا مالک ہے اس کے احکام کے برخلاف کرنے میں یہ اس قدر جرأت کرتا ہے۔ اگر سوچ کر دیکھوگے تو معلوم ہوگا کہ معرفت نہیں۔

بہت ہیں کہ زبان سے تو خدا تعالےٰ کا اقرار کرتے ہیں لیکن اگر ٹٹول کر دیکھو تو معلوم ہوگا کہ ان کے اندر دہریت ہے۔ کیونکہ دنیا کے کاموں میں جب مصروف ہوتے ہیں تو خدا تعالےٰ کے قہر اور اس کی عظمت کو بالکل بھول جاتے ہیں۔ اس لئے یہ بات بہت ضروری ہے کہ تم لوگ دعا کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے معرفت طلب کرو بغیر اس کے یقین کامل ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا وہ اس وقت حاصل ہوگا جبکہ یہ علم ہو کہ اللہ تعالےٰ سے قطع تعلق کرنے میں ایک موت ہے۔ گناہ سے بچنے کے لئے جہاں دعا کرو وہاں ساتھ ہی تدابیر کے سلسلہ کو ہاتھ سے نہ چھوڑو اور تمام محفلیں اور مجلسیں جن میں شامل ہونے سے گناہ کی تحریک ہوتی ہے ان کو ترک کرو اور ساتھ ہی ساتھ دعا بھی کرتے رہو۔ اور خوب جان لو کہ ان آفات سے جو قضا و قدر کی طرف سے انسان کے ساتھ پیدا ہوتی ہیں۔ جب تک خدا تعالےٰ کی مدد ساتھ نہ ہو ہرگز رہائی نہیں ہوتی۔

(تقریر ۲۱ اگست ۱۹۰۴ء)

# نظریۂ حیات اور نظامِ تعلیم

## اپنے ایمان اور اجتماعی فکر و عمل میں مطابقت پیدا کر کے ہی ہم حقیقی ترقی کر سکتے ہیں

اقبال نے کہا تھا ؎

آئینِ نو سے ڈرنا طرزِ کہن پہ اڑنا + منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

مغرب کی قوموں کی زندگی میں تین چار سو سال پہلے یہ کٹھن منزل آئی تھی۔ انہیں فیصلہ یہ کرنا تھا کہ روایت پرستی کی روش اختیار کر کے زندگی کے تمام علمی اور فنی ارتقاء سے انہیں محروم رہنا ہے یا روایات کی فرسودگی سے ذہنی آزادی حاصل کر کے علم اور تجربات کی "مدھم روشنی" میں تسخیرِ حیات و کائنات کے فریضے کی تکمیل کرنی ہے انہیں اپنی روایات سے تقلید اور تاریکی کے سوا کچھ بھی میسر نہیں آ رہا تھا۔ انہوں نے دوسری یعنی علم اور تجربے کی راہ اختیار کر لی۔ نقصانات اس راہ میں بھی ہیں لیکن جہاں تک فائدوں کا تعلق ہے ان کی تلاش کے لئے کہیں دُور جانے کی ضرورت نہیں۔ خود ہماری زندگی کے رجحانات اور ہماری آرزوئیں اس کا بیّن ثبوت ہیں۔ عملی اعتبار سے ہم مغربی علوم کو صحیفۂ آسمانی سے زیادہ اہم سمجھتے ہیں اور ہماری سب سے بڑی آرزو یہی ہے کہ ہماری زندگیاں مغربی اقوام کے قالب میں ڈھل جائیں۔

علم و فن کی ہمہ گیر اور روز افزوں ترقی کے پیشِ نظر اب ہمارے سامنے بھی وہی کٹھن منزل آ گئی ہے جس سے چند صدی قبل ہی اقوامِ مغرب گذری ہیں لیکن ہمارے لئے یہ منزل دشوار تر ہو گئی ہے۔ اس کی ایک خاص وجہ ہے جو ہر دور کی طرح اس دَور میں بھی اہلِ علم کی توجہ کی طالب ہے۔ دشواری یہ ہے کہ ہمارے لئے "آئینِ نو" اور طرزِ کہن کی وہ تشریح جو اقوامِ مغرب نے کر لی ہے کلیتہً قابلِ قبول نہیں۔ آئینِ نو کے مفہوم کے تعیّن میں تو زیادہ دشواری نہیں کیونکہ جہاں تک علمی اور فنی ارتقاء کا مسئلہ ہے اس سے تو کوئی بھی منحرف نہیں ہو سکتا سوائے ان لوگوں کے جو "پروردۂ شب" اور "ظلمت پرست" ہیں۔ ہمارے لئے اصل دشواری "طرزِ کہن" کی شناخت میں ہے۔ اہلِ مغرب کے لئے یہ فیصلہ آسان تھا۔ انہیں از روئے علم اس نتیجے تک پہنچنے میں دشواری نہیں ہوئی کہ ان کا مذہب "طرزِ کہن" کی علامت ہے۔ چنانچہ انہوں نے مذہب یعنی پیشوائیت اور روایت پرستی سے اپنا دامن چھڑا لیا۔ ہمارا دین ایک مکمل دین اور زندہ نظریہ حیات ہے اس لئے اسے ہم "طرزِ کہن" کی علامت قرار نہیں دے سکتے۔ لیکن سماجی، سیاسی اور معاشی زندگی میں قرآنی احکامات سے واضح انحراف اور صدیوں کے روایت پسندانہ انداز نے عملی اعتبار سے ہمارے "دین" کو بھی دیگر مذاہب جیسا ایک مذہب بنا دیا ہے لہٰذا دورِ حاضر کی علمی روشنی میں ہم اس کے مطابق زندگی بسر کرنے میں بھی دشواری محسوس کرتے ہیں یہی ہمارے فکری اور عملی انتشار کی بنیاد ہے اور ہم صدیوں سے اس کا شکار ہیں۔

ہمارا دین اپنی اصل کے اعتبار سے تو مابعدالطبیعاتی ہے لیکن اطلاقی اعتبار سے اس کا سارے کا سارا انحصار اس مادی اور طبیعاتی زندگی پر ہے۔ ہمارے دین کی یہ اہم خصوصیت ہے اس پسِ منظر میں بعض اہم نکات ہمیں برابر اپنے پیشِ نظر رکھنے چاہئیں۔

اسلام سے دین کی تکمیل ہوئی اور مذاہب کا خاتمہ ہوا۔

انبیائے سابقہ کے ماننے والوں نے زندگی کی جو روش اختیار کر رکھی تھی اسلام نے اسے صریح گمراہی قرار دیا۔

زندگی میں ارتقاء کے لئے اسلام نے حیات و کائنات کے علم اور تجربے کو شرطِ لازم اور ایک قسم کی عبادت قرار دیا۔

اسلام نے زندگی کے تسلسل اور دین اور دُنیا کے مابین دوعملی یا ثنویت کو غلط قرار دیا۔

یہ امتیازی خصوصیات اسلام اور دیگر مذاہب کے درمیان حدِ فاصل ہیں۔ اسلام نے دیگر مذاہب کی تصدیق صرف اس لئے کی کہ ان کا مابعدالطبیعاتی سرچشمہ ایک ہے۔ ورنہ اسلام نے دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے سماجی سیاسی اور معاشی کردار اور رجحانات کی نہ صرف یہ کہ تائید نہیں کی بلکہ واضح الفاظ میں تردید کی ہے۔ ہمارے حضور ختمی مرتبتؐ نے اسلام کو ایک مجموعہ عبادات نہیں بلکہ ایک مکمل نظامِ زندگی کی حیثیت سے پیش فرمایا ہے اور حضور رسالتمآبؐ نے جزیرہ نمائے عرب میں ایک ریاست قائم فرما کر اسلام کی اسی ہمہ گیری کی عملی توثیق کی تھی۔

اقبال نے جو کہا ہے کہ۔ ؏

آدم کو ثبات کی طلب ہے + دستورِ حیات کی طلب ہے

تو دین ایک ایسا ہی دستورِ حیات ہے جس کی نظری تکمیل اسلام ہے اور جس کی مکمل عملی تفسیر حضور سرورِ کائنات کی حیاتِ طیبہ ہے جس کا سب سے اہم پہلو وہ دور ہے جو حضور نے پہلی اسلامی مملکت کے سربراہ کی حیثیت سے بسر فرمایا۔

ہمارے دین کا یہی پہلو اسے منفرد اور ممتاز کرتا ہے۔ اور ثابت کرتا ہے کہ اسلام مذہب نہیں ہے ایک مملکت ہے۔ اسلام نے گذشتہ تمام مذاہب کی تصدیق تو کی لیکن ان سب کو منسوخ بھی کر دیا۔ تصدیق اس بنیاد پر کی کہ ہدایت کا سرچشمہ ایک ہے اور تنسیخ اس بنا پر کہ ان میں سے کسی میں بھی دائمی ہدایت کی صلاحیت نہ تھی۔ اس حقیقت کو دورِ حاضر کے علمی انداز میں ایک مثال سے بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔ نیوٹن نے کششِ ثقل کا نظریہ پیش کیا۔ اور ایک زمانے تک یہ نظریہ علمی ترقیوں کی بنیاد رہا۔ پھر آئنسٹائن نے نظریۂ اضافیت پیش کر دیا۔ اس کی وجہ سے نیوٹن کے نظریئے کی اہمیت ختم نہیں ہوئی لیکن اس کی نوعیت بدل گئی۔ اب نیوٹن کی اہمیت تاریخی ہے اور آئنسٹائن کی حیثیت عملی اور علمی ہے لیکن ہمارے مادی علوم کیونکہ تجرباتی انداز میں تدریجی طور پر آگے بڑھتے ہیں اس لئے اُن کی کوئی آخری منزل نہیں ہے۔ ہدایت الٰہیہ کا جہاں تک تعلق ہے اس کی تکمیل ہو چکی اور اسلام اس سلسلے میں حرفِ آخر ہے۔ لہٰذا اب تمام مذاہب کی اہمیت محض تاریخی ہے صرف اسلام نظری اور عملی اہمیت کا حامل ہے۔

اہلِ مغرب نے اپنے مذاہب میں اسی کمی کا کھلم کھلا اعتراف کیا جب انہوں نے اپنی ریاست اور اپنے نظامِ تعلیم کو "غیر مذہبی" بنیادوں پر استوار کرنے کا فیصلہ کیا۔ مختلف تاریخی عوامل کی بناء پر مسلمان ممالک بھی مجبور ہوئے کہ یورپ کی اس روش کی پیروی کریں کیونکہ بحالت موجودہ اسلام بھی دیگر مذاہب کی طرح ایک مذہب بن کر رہ گیا ہے اور اب مذاہب کی حیاتِ نو کا کوئی امکان نہیں ہے سوائے اسلام کے۔ اسلام کی حیاتِ نو ضرور ہو گی اور وہ بھی صرف اس لئے کہ اسلام اپنی اصل حقیقت میں مذہب نہیں، ایک ریاست، ایک مکمل نظامِ حیات اور دستورِ زندگی ہے، اور اس حیاتِ نو میں پاکستان کلیدی کردار ادا کر سکتا ہے۔

انگریزی دَور میں ہم نظامِ تعلیم کی بنیادیں تبدیل نہیں کر سکتے تھے۔ اگر برصغیر کی وحدت برقرار رہتی تو بھی نظامِ تعلیم کی بنیادیں بدلنا ہمارے لئے ممکن نہ ہوتا۔ لیکن پاکستان بن جانے کے بعد تو ہمارے لئے ایسی کوئی مجبوری باقی نہیں رہی۔ یہاں تو اب صرف اندازِ فکر اور ارادے کی کمی ہماری راہ میں حائل ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ خود اپنے دین کے حقائق ہماری نگاہ میں واضح نہ ہوں۔ شاید یہی آخری وجہ سب سے اہم ہے۔

ہمارے ملک میں رہنے والے مسلمانوں کی غالب اکثریت کو اسلام سے بلاشبہ بڑی والہانہ محبت ہے لیکن اس محبت کو اگر اجتماعی اور انفرادی اعتبار سے ہم اپنی زندگیوں میں بھی کارفرما دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے اب یہ عمل لازمی ہو گیا ہے کہ ہم اپنے نظریۂ حیات اور اپنے نظامِ تعلیم میں مکمل ہم آہنگی پیدا کریں۔ مغربی اقوام کو اپنے نظامِ تعلیم اور اپنی ریاست کے لئے "سیکولرازم" کی بنیاد اس لئے تلاش کرنی پڑی کہ ان کے مذاہب زندگی کے ارتقائی مراحل میں اپنی عملی افادیت کھو چکے

(باقی بر صفحہ ۱۱ کالم ۲)

ہفت روزہ پیغام صلح —— لاہور —— مؤرخہ ۱۸ اگست ۱۹۷۶ء

# توہم پرستی یا حقیقت

تمام مُلکی اخبارات و رسائل کے صفحات آج کل طوفانِ باد و باراں اور سیلاب کی قیامت خیز تباہیوں کی خبروں سے سیاہ ہوتے ہیں۔ ٹی۔ وی پر اس کی ہلکی ہلکی جھلکیاں دکھائی جاتی ہیں اور خسروانِ مملکت بھی بے بس و مجبور انسانیت کی تباہی و بربادی کا ہیلی کاپٹروں کے ذریعے جائزہ لینے کے لئے فضاؤں میں اڑتے ہوئے نظر آتے ہیں یہ دیکھ اور پڑھ کر ہمارے دل سے بے اختیار درد کی شدید ٹیسیں اٹھتی ہیں لیکن ان کی سرگوشیوں کا لب و لہجہ اور پیغام ذرا مختلف ہوتا ہے اور ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ دَورِ غلامی میں بھی یہی زمین و آسمان اور چاند سورج تھے یہی سمندر اور دریا تھے بلکہ اُس وقت ستلج اور بیاس بھی سرزمین پنجاب کے سینے پر مچلتے ہوئے بہتے تھے لیکن جب سے ہم نے ہوش سنبھالا ہے کبھی ایسی تباہی سننے اور پڑھنے میں نہیں آئی۔ آخر ۱۹۴۷ء سے آزادی کے بعد ان قدرتی کارندوں میں کیا تغیّر و تبدّل واقع ہو گیا ہے کہ "پاک سرزمین" ہر دوسرے تیسرے سال اِن ارضی اور سماوی آفات کی لپیٹ میں آ جاتی ہے جن کا تدارک باوجود بڑے بڑے منصوبوں کے انسان کے بس سے باہر ہو گیا ہے۔ کروڑوں روپوں کی لاگت سے بند تعمیر کئے جاتے اور بڑے بڑے پشتے باندھے جاتے ہیں۔ ان کی مضبوطی کی وجہ سے سیلاب سے بچاؤ کا دعویٰ بھی کیا جاتا ہے مگر آئندہ برس یہ سب کچھ تند و تیز لہروں کی نذر ہو جاتا ہے۔ شاعر پکار اُٹھتا ہے کہ "تمہید اُٹھ رہی ہے طوفانِ نوح کی" اور مفتیانِ دین کی زبانوں سے یہ الفاظ باہر آ جاتے ہیں کہ یہ ہمارے گناہوں کی سزا ہے لیکن دل پھر بھی زبان کا ساتھ نہیں دیتے۔ وقتی طور پر جذبات میں ایک ہلچل سی مچتی ہے مگر وقت گذر جانے کے ساتھ وہی پہلے سے انداز شام و سحر ہوتے ہیں اور وہی چیخ و پکار کرنے والے لوگ۔ قرآن کریم نے انسانی فطرت کی اس حالت کا نقشہ بڑے پیارے اور پُر حکمت الفاظ میں یوں کھینچا ہے کہ :-

"انسان بے صبر پیدا ہوا ہے۔ جب اُسے تکلیف پہنچتی ہے واویلا کرتا ہے اور جب اُسے بھلائی پہنچتی ہے روک لینے والا ہوتا ہے۔"

(۷۰ - ۲۱:۲۲)

بہر کیف غنیمت ہے کہ کچھ زبانیں تو یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں کہ ان کو دعوت دینے میں ہماری تقصیروں اور خطاؤں کا بھی حصہ ہے۔ لیکن مغرب کی گود میں تربیت پانے والے روشن دماغوں کی اکثریت اسے "اتفاق"، "حادثہ"، توہم پرستی سمجھتی اور کہتی ہے۔ ان کے خیال میں "ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔ گھبرانے کی بات نہیں۔"

آیئے ہم قرآن کریم کی روشنی میں دیکھیں کہ یہ توہم پرستی ہے یا حقیقت۔

اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں ایک اصول بیان فرمایا ہے کہ "ہماری شان نہ تھی کہ عذاب دیتے یہاں تک کہ ایک رسول کو اُٹھا کھڑا کرتے۔" (۱۷:۱۵) یہی وجہ تھی کہ "کوئی قوم ایسی نہیں مگر اس میں ڈرانے والا گذر چکا۔" (۳۵:۲۴) "تا کہ وہ رب کے سامنے معذور ہوں اور شاید کہ وہ بچیں۔" کوئی رسول۔ نبی یا نذیر نہ آنے کی وجہ سے کسی قوم کا یہ عذر ہو سکتا تھا کہ ہمیں آگاہ کرنے والا اگر کوئی آیا ہوتا تو ہم ضرور بچ جاتے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں ایسے انسان مبعوث فرمائے جو انہیں خوشی اور مسرت بھری زندگی کی طرف بلاتے رہے۔ لیکن ان کی قوموں نے ان سے جو سلوک کیا اور اس کے نتیجے میں جو ان پر بیتی وہ بھی عبرت کے لئے قرآن کریم کا ایک اہم حصہ بن چکا ہے۔

حضرت نوحؑ کی دکھ بھری پکار سورۃ نوحؑ میں سنائی دیتی ہے اور جس طوفان سے قوم نوحؑ ہلاک ہوئی وہ آج تک ضرب المثل ہے۔ عاد و ثمود کا ذکر قرآن کریم کے اکثر مقامات پر آیا ہے اپنے فسق و فجور اور سرکشی کی وجہ سے یہ قومیں ایک تند و تیز طوفان اور شدید زلزلہ کے ذریعہ صفحہ ہستی سے نیست و نابود ہو گئیں۔ ان کی بستیوں کے کھنڈرات اب بھی دکھائی دیتے ہیں۔

حضرت شعیبؑ کی قوم کاروباری بد دیانتی کی مرتکب ہو کر اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب کا نشانہ بنی۔ حضرت لوطؑ کی قوم ایک نہایت قابلِ نفرت گناہ کی وجہ سے ایسے شدید زلزلہ کی شکار ہوئی کہ سدوم کی بستی تہ و بالا ہو گئی اور آج وہ بحیرہ مُردار کی تہ میں مدفون ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سطح ارضی پر اس کے کوئی آثار باقی رکھنا بھی پسند نہ فرمایا۔

حضرت موسیٰؑ کتنی عاجزی سے اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"اے میری قوم تم مجھے کیوں دُکھ دیتے اور ستاتے ہو اور تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں"

لیکن اِس قوم نے ٹیڑھا چلنا ہی پسند کیا اللہ تعالیٰ نے ان پر "طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈکیں اور خون" بھیجا تا کہ وہ بچ جائیں لیکن اس "مجرم قوم" نے تکبر کیا۔ یہ ہلکے ہلکے عذاب ان پر اس لئے بھیجے گئے کہ ان کے دل نرم ہو جائیں اور ان میں خوفِ خدا اور عاجزی پیدا ہو جائے۔ لیکن جب حضرت موسیٰؑ کی دُعا سے یہ عذاب کچھ دیر کے لئے ٹل جاتا تو وہ پھر اپنی پہلی روش پر لوٹ آتے۔ جب حد سے گذر گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب استیصال نازل فرمایا اور "ان کو دریا میں غرق کر دیا" اس لئے کہ وہ اللہ کی "باتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان سے لاپرواہ تھے"۔ ان سارے عذابوں سے وہ لوگ ہمیشہ بچا لئے گئے جنہوں نے نبیٔ وقت کا ساتھ دیا اور اللہ تعالیٰ کے ارشادات پر عمل کیا۔ مارب کا بند ٹوٹنے سے جو تباہ کن سیلاب آیا اس نے سبا کے باغات اور سبزہ زاروں کو صحرا اور ریگ زاروں میں بدل دیا۔ اس لئے کہ وہاں کے رہنے والوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر نہ کی اور اس قدر ناشناسی اور کفرانِ نعمت کی سزا کڑوے پھلوں کی صورت میں انہیں ملی۔ کیا یہ سب اتفاقات اور وقتاً فوقتاً زمین میں واقع ہونے والی طبعی تبدیلیوں کی وجہ سے رونما ہونے والے حادثات ہیں؟ کیا یہ توہم پرستی ہے اور اس کے پیچھے کوئی حقیقت کار فرما نہیں اور کیا اعمال صالحہ اور ان کی جزا اور اعمال بد اور ان کی سزا کا آپس میں کوئی تعلق نہیں؟ ہر غور و فکر کرنے والے کے ذہن میں ایسے سوالات کا پیدا ہونا اور ان کا جواب تلاش کرنا ضروری ہے۔

قرآن کریم تو ایسی بستیوں کی ہلاکت اور بربادیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

"اور کتنی بستیاں ہم نے ہلاک کیں جو اپنی روزی کے سامان پر اتراتی تھیں۔ اور یہ ان کے مسکن ہیں جو ان کے بعد کبھی آباد نہیں ہوئے مگر بہت کم۔ اور ہم ہی وارث ہیں۔ اور رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہ تھا جب تک ان کے مرکزی مقام میں رسول نہ بھیجتا جو اُن پر ہماری آیتیں پڑھتا اور ہم بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہیں مگر اس حال میں کہ اُن کے رہنے والے ظالم ہوں۔"

(۲۸:۵۸ تا ۵۹)

جو بستیاں ہلاک ہوئیں وہ خوشحال تھیں۔ اپنی معیشت کے سامانوں پر ان کو ناز تھا۔ خوشحالی کے نتیجے میں کسی قوم میں جو بد اعمالیاں اور بد کرداریاں راہ پالیتی ہیں وہ ان میں بھی پیدا ہو گئیں۔ اس تباہی کے راستے سے واپس بلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اُن میں اپنے رسول بھیجے مگر انہیں اور ان کے متبعین کو ہر طرح کا دُکھ دیا گیا اور انہیں مٹانے کے لئے کوششیں کی گئیں۔ جب ان کا ظلم حد سے بڑھ گیا تو خدا کی بے آواز لاٹھی نے انہیں نسیاً منسیاً کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کی گرفت اُس وقت آتی ہے جب ظلم و ستم کی انتہا ہو جائے کیونکہ وہ فرماتا ہے کہ:

"اللہ اگر لوگوں کو ان کے ظلم پر پکڑتا تو اُس پر کوئی جاندار نہ چھوڑتا

لیکن وہ انہیں ایک وقت مقررہ تک مہلت دیتا ہے پس جب
ان کا وقت آجائے گا وہ ایک گھڑی بھی پیچھے نہیں رہ سکتے اور
نہ آگے جا سکتے ہیں" (۶۱:۱۶)

یہ مہلت اسی لئے ملتی ہے کہ لوگ استغفار کریں کیونکہ :—

"اللہ ان کو عذاب دینے والا نہ تھا حالانکہ وہ استغفار کرتے ہوں"
(۳۳ : ۸)

جب ایسی قوم کی جڑ کاٹ دی جاتی ہے تو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :—

"یوں اس قوم کی جڑ کاٹ دی گئی جنہوں نے ظلم کیا اور سب
تعریف اللہ کے لئے ہے جو جہانوں کی پرورش کرنے والا ہے"
(۴۵:۶)

مقامِ خوف ہے کہ جس انسان کو اللہ تعالےٰ نے اپنا خلیفہ کہا اس کی جڑ کاٹ دینے پر وہ بطور ربّ اپنی تعریف آپ کرتا ہے۔ اس لئے کہ ظلم اس کی صفت ربوبیت کے راستے میں ایک بھاری روک بن کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اسے مٹانا ہی نسلِ انسانی کی فلاح اور کامیابی کا ذریعہ ہوتا ہے۔

بارش اور سیلاب کی تباہ کاریوں کی خبریں اپنے سرورق پر جلی حروف میں شائع کرنے والے اِن اخبارات کے ذرا اگلے صفحے اُلٹائیے ان میں آپ کو قتل و غارت۔ چوری اور ڈاکہ زنی۔ معصوم بچوں اور بچیوں۔ نوجوان لڑکیوں اور شادی شدہ عورتوں کے اغوا اور اُن پر مجرمانہ حملہ کے بعد ان معصوم زندگیوں کو ظالم اور بے رحم ہاتھوں سے ہمیشہ کے لئے خاموش کر دینے کے روز مرّہ واقعات۔ سرِ عام فحش حرکات کرنے والے مردوں اور عورتوں کی آئے دن گرفتاریوں۔ قومِ لُوطؑ میں پھیلے ہوئے گناہ۔ نوسر بازی۔ جیب تراشی فریب اور دھوکا دہی کی وارداتوں۔ اشیاء میں ملاوٹ۔ سمگلنگ چور بازاری (کاروباری بد دیانتی) گندم اور چینی کے سکینڈل۔ قمار بازی شراب خوری کی خبریں ملیں گی۔ بڑی بڑی عالیشان کوٹھیوں میں شبِ تاریک کے پردے میں پروان چڑھنے والے گناہوں کے جرائم ان کے علاوہ ہیں۔ اگر ہم سے کوئی بات رہ گئی ہے تو اسے بھی شامل کر لیجئے اور کہئیے کہ یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔ سُورج کو اُنگلی کے پیچھے چھپانے کی کوشش مت کیجئے ذرا اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھئے اور دل کی گہرائیوں میں جھانک کر دیکھئے وہاں سے آپ کو اس کا صحیح جواب مل جائے گا کیونکہ اللہ تعالےٰ نے فجور اور تقوےٰ میں تمیز کی قوت، ایک انسان کے اندر بذریعہ الہام رکھ دی ہے جو ہر قدم پہ اُسے آگاہ کرتی رہتی ہے۔

"پاکستانی مُسلمانوں" کو اپنے ان جرائم کا شدّت سے احساس تھا اسی لئے انہوں نے "تحفّظ ختمِ نبوّت" کی خاطر اِس صدی کے مجدّد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو گالیاں دیں۔ ان کے ماننے والوں کے گھر اور کاروباری ادارے جلائے۔ ان کی گولیوں کا نشانہ بننے والوں کی لاشوں کو انہی کے جلتے ہوئے اثاثوں میں پھینک کر قہقہے لگائے۔ لُوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کیا اور رسُول ہاشمی کا کلمہ پڑھنے کو "غیر مسلم اقلیت" قرار دیا اور اس سب کو جہاد کا نام دیا۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ ان کے گناہوں کا کفّارہ ہو جائے۔ "نوائے وقت" نے "جاء الحق وزھق الباطل" کے عنوان سے ایک اداریہ لکھا۔ اور "ہفتہ تشکّر منایا گیا"۔ جب حق آگیا اور باطل مٹ گیا تو اس کارِ ثواب کے عوض بارانِ رحمت کا نزول ہوتا نہ کہ زلزلے اور طوفان آتے اور بارش و سیلاب عذاب بن کر ٹوٹتے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم کے جرائم اتنے حد سے بڑھ گئے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے پیارے رسُول کی ختم نبوّت کے تحفّظ کے لئے سر انجام دی گئیں ان خدمات کو بھی بطور کفّارہ اور فدیہ قبول کرنا پسند نہیں فرمایا۔

"تحریکِ تحفظ ختمِ نبوّت" کے قلمی مجاہد "مدیر نوائے وقت" نے اپنے ۹ اگست کے شمارے کے اداریہ کا عنوان "استعینوا بالصبر والصلوٰۃ" باندھا ہے اور اس سے پہلے آنے والے ان الفاظ "یٰایّھا الذین اٰمنوا" کو حذف کر دیا ہے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ ہدایت مؤمنوں کے لئے ہے۔ اور ان کے پیرو مُرشد کے نزدیک پاکستانی مسلمان "نام کے مُسلمان" ہیں اور "گامے ماجھے" ہیں مؤمن نہیں جیسا کہ وہ ۱۳ر ستمبر ۱۹۴۵ء کے "نوائے وقت" میں فرماتے ہیں :—

"گامے ماجھے ووٹ تو دے سکتے ہیں لیکن نظامِ حکومت نہیں چلا سکتے۔ گامے ماجھوں کا غیر اسلامی نظام نہیں چل سکے گا۔"

اور آگے چل کر فرماتے ہیں :—

"اگر زیادہ سے زیادہ پڑھے لکھے لوگ تحریک میں شامل ہوئے اور اُنہیں ہم خیال بنایا گیا تو ماسوائے ان لوگوں کے جو منکر ہو چکے ہیں اور فسق و فجور میں داخل ہو کر غافل ہو چکے ہیں زیادہ لوگوں کو قائل کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی نظام ہی ایک اعلیٰ اور ارفع نظام ہے۔"

جب پاکستانی مسلمان "نام کے مسلمان" "گامے ماجھے" "منکر اور فسق و فجور میں مبتلا ہیں" تو مدیر "نوائے وقت" کا یہ رُوئے سخن کن کی طرف ہے۔ وہ کونسے مؤمن ہیں جنہیں یہ صاحب صبر اور صلوٰۃ کے ذریعے استعانت طلب کرنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے تو اُن اعراب کو بھی جو آنحضرت صلعم کی آنکھوں کے سامنے تھے یہ فرمایا "اٰمنّا" نہیں بلکہ "اسلمنا" کہو کیونکہ ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ "واللہ بصیر بما تعملون" (اللہ تعالےٰ دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو) وانہ لایفلح الظالمون" (اور وہ ظالموں کو کامیاب نہیں کرتا) بلکہ "والظّلمین اعدّ لھم عذاباً الیما" (اور ظالموں کے لئے اس نے دردناک عذاب تیار کیا ہے) ہاں اللہ تعالےٰ نافرمانیوں اور ظلم و ستم کی وجہ سے آنے والا عذاب وقتی طور پر ٹل تو سکتا لیکن رُک نہیں سکتا۔ وہ غفور الرّحیم ہے۔ مُصیبت دُور کر دینے کے بعد دیکھتا ہے کہ اس قوم کے دِلوں میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی ہے یا نہ۔

---

# عذابِ الٰہی سے بچنے کا ذریعہ

واضح رہے کہ جس حال میں وہ بلائیں جو شامتِ اعمال کی وجہ آتی ہیں۔ اور جس کا نتیجہ جہنمی زندگی اور عذابِ الٰہی ہے ان بلاؤں جو ترقی درجات کے طور پر اخیار و ابرار کو آتی ہیں الگ ہیں۔ کیا کوئی ایسی صورت بھی ہے جو انسان اس عذاب سے نجات پاوے۔

اس عذاب اور دُکھ سے رہائی کی بجز اس کے کوئی اور علاج نہیں ہے کہ انسان سچّے دل سے توبہ کرے۔ جب تک توبہ نہیں کرتا، یہ بلائیں جو عذابِ الٰہی کے رنگ میں آتی ہیں اس کا پیچھا نہیں چھوڑ سکتی ہیں کیونکہ اللہ تعالےٰ اپنے قانون کو نہیں بدلتا جو اس بارے میں اس نے مقرر فرما دیا ہے :—

ان اللہ لا یغیّر ما بقوم حتّٰی یغیّروا ما بانفسھم

یعنی جب تک کوئی قوم اپنی حالت میں تبدیلی پیدا نہیں کرتی اللہ تعالےٰ بھی اس کی حالت نہیں بدلتا۔

خُدا تعالےٰ ایک تبدیلی چاہتا ہے اور وہ پاکیزہ تبدیلی ہے۔ جب تک وہ تبدیلی نہ ہو عذابِ الٰہی سے رستگاری اور مخلصی نہیں ملتی۔ (ارشاد حضرت مجدّد صد چہاردہم)

---

# آج دینِ اسلام کی فتح کے لئے
# حضرت مسیح موعودؑ کے طریقِ کار پر یقین پیدا کرنے کی ضرورت ہے

**خطبہ جمعہ:** مورخہ ۶ اگست ۱۹۷۶ء۔ فرمودہ مکرم جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب۔ جامع احمدیہ احمدیہ بلڈنگس لاہور۔

انا فتحنا لک فتحًا مبینا لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک و ما تاخر ویتم نعمتہٗ علیک ویھدیک صراطًا مستقیمًا۔ (سورۃ الفتح)

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے بکمال شفقت مکرم جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب کو خطبہ جمعہ دینے کے لئے ارشاد فرمایا۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے سورۃ الفتح کی چند ابتدائی آیات تلاوت کیں۔ اور اس کے شانِ نزول (صلح حدیبیہ) کا ذکر فرما کر یہ واضح کیا کہ کس طرح حضور صلعم نے جنگ پر صلح کو ترجیح دی تھی۔ اور صحابہ کرام کی مرضی کے خلاف کفار کی کڑی شرائط کو محض امن کی خاطر قبول فرما لیا تھا۔ اور آخر کار یہی صلح عظیم الشان فتوحاتِ اسلامی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ مکمل خطبہ افادۂ عام کے لئے ہدیۂ قارئین کرام ہے۔ (ادارہ)

سورۃ الفتح کی ابتدائی دو آیات میں نے تلاوت کی ہیں جن میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ آپؐ کو نہایت نمایاں فتح دی گئی۔ یہ سورۃ مشہور واقعہ صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی تھی۔ مفسرین نے بالاتفاق یہ تسلیم کیا ہے کہ ان آیات میں جس فتح مبین کا ذکر ہے وہ صلح حدیبیہ ہی ہے حالانکہ اس صلح میں جن شرائط کو تسلیم کیا گیا وہ صحابہ کرامؓ کو گوارا نہ تھیں۔ ان شرائط سے کفارِ مکہ نے یہ تاثر پیدا کرنا چاہا تھا کہ گویا مسلمانوں نے ایک شکست خوردہ فریق کی مانند دب کر صلح کر لی ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اسے نہ صرف فتح کے نام سے موسوم کیا بلکہ **فتحِ مبین** اسے قرار دیا اور فتح مبین بڑے واقعات پر صلح ثابت ہوئی۔ اس صلح کے وقت قریباً چودہ سو اصحابؓ آنحضرتؐ کے ہمرکاب تھے مگر صرف ڈیڑھ برس کے بعد جب فتح مکہ ہوئی تو دس ہزار قدوسیوں کی عظیم جماعت آپؐ کے ساتھ تھی۔

## عظیم فتح کا باعث کونسے اسباب ہوئے؟

قرآن کریم ایک ایسی مدلل و معقول کتاب ہے کہ کسی بات کو بلا دلیل بیان نہیں کرتی چنانچہ یہاں پر ایسی صلح کو جو بظاہر شکست کے مترادف دکھلائی دیتی تھی کیوں فتح مبین قرار دیا؟ یہ دلیل دی ہے کہ تا خدا ان الزاموں سے آپؐ کی بریت کرے جو آپ کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں چنانچہ یہی کچھ واقعات میں پیش آیا اس سے قبل مسلسل مسلمانوں اور کفار میں جنگیں جاری رہی تھیں، جنگوں کے دوران دشمنی کے جذبہ سے کفارِ مکہ آنحضرت صلعم کے صحیح موقف اور سچے کردار سے پوری واقفیت حاصل نہ کر سکتے تھے۔ لیکن اب جو صلح ہوئی تو عداوت کے جذبات ٹھنڈے پڑ گئے اور کفارِ مکہ نے جذبات سے علیحدہ ہو کر آنحضرت صلعم کے موقف و کردار پر غور کیا تو ان میں سے بہتوں پر حقیقت الامری بوضاحت روشن ہو گئی۔ بلکہ خود شرائطِ صلح پر ہی جب تعصب و ضد سے الگ ہو کر کفار نے غور کیا تو ان پر یہ بات کھل گئی کہ نہ تو آنحضرتؐ کو جنگوں سے کوئی دلچسپی ہے، نہ ہی اپنی بات کی پچ یا ضد ہے بلکہ آپ تو ہر حالت میں امن و صلح کو بطریقِ اولیٰ ترجیح دیتے ہیں یہاں تک کہ ایک دینی فریضہ کی ادائیگی کو جس کا اعلان بھی فرما چکے ہیں ملتوی کرنے کو تیار ہیں۔ حالانکہ صلح سے چند ساعت قبل صحابہ کرام رضؓ سے بیعت رضوان یا قتال فی سبیل اللہ کا نیا عہد بھی لے چکے ہیں غرضیکہ آنحضرتؐ کی ذاتِ اقدس کے برخلاف جو الزامات از راہ تعصب و عداوت پھیلائے گئے تھے کہ نعوذ باللہ یہ جبر آپ دین کو منوانے کے قائل ہیں یا یہ کہ آپ جنگجویانہ ذہنیت کے مالک اور ہوس اقتدار و سلطنت کے طالب ہیں۔ ان سب کا ازالہ اس صلحِ عظیم نے کر دیا۔ کیونکہ ان الزامات کی تہ میں اگر ذرہ بھر صداقت ہوتی تو ایسا شخص اپنے صحابہؓ کے برخلاف کیسے ان شرائط کو مان سکتا تھا؟ غرضیکہ خود اس صلح کی بظاہر ذلت آمیز شرائط ان الزامات کی تردید پر کھلی دلیل بن گئیں، اس طرح قبولیت اسلام کے بند دروازے کھل گئے۔

## امورِ غیب پر قطعی و یقینی شہادت

خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات، عالمِ معاد کے حقائق و سربستہ راز، ملائکہ کا وجود، خدا تعالیٰ کا اپنے کامل بندے سے خارجی ہمکلامی کا معاملہ۔ یہ سب امورِ غیب کی باتیں ہیں جن پر انسانی حواس کما حقہٗ احاطہ پانے سے قاصر ہیں مگر یہ ایک حیرت انگیز تاریخی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آنحضرتؐ کی عظیم قوتِ قدسیہ روحانیہ، آپ کی خارقِ عادت تاثیر اور اخلاقِ عالیہؐ کے باعث صحابہ کرامؓ کی پاک جماعت کے قلوب ان امورِ غیبیہ کے بارہ میں قطعی متیقن ہو چکے تھے۔ حضرت علی رضؓ کی طرف یہ قول منسوب کیا جاتا ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ اگر خدا تعالیٰ مجسم و متشکل ہو کر آپ کے سامنے آ جائے تو آپ کے یقین میں کوئی اضافہ نہ ہوگا۔

کفار کے بالمقابل جب شام اور ایران کی جنگوں میں مسلمانوں کی طرف سے کوئی پہلوان میدان کارزار میں جاتا تو تاریخ اسلامی کے اوراق ایسے اقوال سے بھرے پڑے ہیں کہ وہ اپنے ساتھیوں سے الوداع کہتے وقت یہ بھی سوال کرتا کہ اگر کسی نے کوئی بات آنحضرت صلعم سے کہنی ہو تو وہ اپنا پیغام اسے دے دیں کیونکہ تھوڑے عرصہ بعد وہ جامِ شہادت نوش کر کے آنحضور صلعم کی خدمت میں حاضر ہونے والا ہے۔ جائے غور ہے کہ کس قدر عظیم یقین عالمِ آخرت کے امور اور آنحضرتؐ کی ملاقات کا صحابہ کرامؓ کے دلوں میں گڑ گیا تھا کہ اس دنیا کی زندگی اور اس کے حقائق پر بھی فوقیت لے گیا تھا۔ ایمان بالغیب کے امور پر ایسا ہی قطعی یقین صحابہ کرام رضؓ کی جماعت کے قلوب میں گھر کر گیا تھا جس کے باعث وہ نہ صرف اپنے اموال و جائداد بلکہ اپنی جانیں خدا کی راہ اور بنی نوع کو ظلم و ضلالت سے نجات دلانے کے لئے ذبح کرانے کے لئے خوشی سے پیش کر رہے تھے۔ اللّٰھم صلّ علیٰ محمّد و علیٰ اٰل محمّد۔

اسی شہادت کا ذکر قرآن کریم نے ان الفاظ میں کیا ہے جب یہ فرمایا
لیکون الرسول شہیدًا علیکم و تکونوا شھداء علی الناس۔ امورِ غیب پر تمہارے لئے یہ رسولؐ شہادت دیتا ہے۔ اور تم اس یقین کو لے کر پھر دنیا میں بنی نوع انسان کے لئے شہادت پیش کرتے ہو۔ یہ عظیم الشان معجزہ اور حیرت انگیز معمہ ہے کہ ایسے مخفی و نہاں غیر مرئی امورِ غیب پر ایسا حتمی یقین پیدا کر دیا جائے کہ وہ اس دنیا کے لذائذ و محسوساتِ امورِ مادیہ پر بھی سبقت لے جائے۔ ع

اندرہ دیں پروری آمد غرض اندر نخست + بازچوں آید بیاید ہم از یں رہ بالیقین

اسی خارقِ عادت یقین و عمل کا نام قرآن کریمؐ مومنوں کی تائید بذریعہ روح القدس کرنا بتلایا گیا ہے۔

## دوبارہ یقین پیدا کرنے کی ضرورت

سورۃ فتح کی دوسری آیت پر غور کیجئے تو یہاں یہ امر موجود ہے کہ ماتقدم من ذنبك وما تاخر۔ کچھ الزام اور غلط فہمیاں تو اس وقت کفارِ مکہ نے پھیلا رکھی تھیں لیکن یہاں یہ ذکر ہے کہ کچھ مزید الزامات اور غلط فہمیاں آنحضرت صلعم کے بر خلاف آخری زمانہ میں بھی پھیلائی جائیں گی۔ آخری زمانہ کے یہ الزامات وہی ہیں جو دجّال نے اسلام کے بر خلاف پھیلا رکھے ہیں یعنی یہ کہ دینِ اسلام کے باطل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ مذہب جبر و استبدادیت کا دین ہے چنانچہ پہلے وقتوں میں بھی یہ دین بذریعہ تلوار پھیلایا گیا تھا اور آخری زمانہ میں بھی خونی مہدی کے ذریعہ اس دین کا فروغ ہوگا نیز یہ الزام بھی ہے کہ اس دین کا فروغ سلطنت و حکومت کا طالب ہے، اس دین میں روحانیت اور اخلاقِ عالیہ کا کوئی حصّہ نہیں۔ اس کے بالمقابل عیسائی مذہب کی روح اس کے برعکس اعلےٰ اخلاقِ حمیدہ اور رُوحانی طلب پر ہے۔ جس پر خود حضرت عیسےٰؑ کی زندگی و نمونہ شاہد ہے۔ غرضیکہ ہمارے اس آخری زمانہ میں دینِ اسلام اور آنحضرت صلعم کے بر خلاف جس قدر شد و مد سے ایسے الزامات کی تشہیر کی گئی ہے۔ یہ ایک ایسی بیّن حقیقت ہے کہ ہر ایک پر روشن و ظاہر ہے۔ انہی کو قرآنی آیت میں ماتقدم کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت کی غرض و غایت، آنحضرت اور دینِ اسلام کے بر خلاف ان دو غلط الزاموں سے بریّت ثابت کرنے کے لئے ہوئی ہے یہ دو الزام کیا ہیں؟ (۱) دینِ اسلام جبر و تشدد کا دین ہے جس میں ضمیر کی آزادی کو سلب کر لیا گیا ہے، اعتقادات و ایمانیات کو بہ جبر تسلیم کرایا جاتا ہے اور بہ جبر مسلمان بنایا اور رکھا جاتا ہے (۲) آنحضرت صلعم نعوذ باللہ بجائے ایک روحانی و اخلاقی شخصیت کے مادہ پرست و شہوانی انسان تھے۔ ان الزامات کو ایسے وسیع پیمانہ پر پھیلایا گیا اور واقعات کو اس طرح توڑ موڑ کر پیش کیا گیا ہے کہ بعض مسلمان بھی ان کو درست تسلیم کرنے لگ پڑے بعض عُلماء نے بھی غلط فہمی کے ماتحت مختلف رنگوں میں ان الزامات کی تائید کر کے دجّال کو تقویت پہنچانے کے سامان کئے۔

حضرت مسیح موعودؑ اس زمانہ میں پہلے انسان ہیں جنہوں نے اسلام کے اس عظیم اُصول کو دوبارہ زندہ کیا کہ قرآن کریم نہ صرف جبر و تشدد کے بر خلاف ہے بلکہ یہ کہ اس کے نزدیک عقل و علم ہی کسی امر کو جانچنے اور پرکھنے کا معیار ہے نیز یہ کہ یہ امتیاز صرف فرقان کو حاصل ہے کہ جس امر کو یہ کتاب تسلیم کرانی چاہتی ہے اس پر قوانینِ فطرت اور عقل و علم سے دلائل بھی ساتھ دیتی جاتی ہے تاکہ انسانی ذہن روشن ہو کر ان امور کو قبول کرے نہ کسی کے محض کہنے یا بزور و جبر سے آپ نے ایسے دلائل کہ جن سے صداقت تعلیم فرقان اور حقیقت نبوّت حضرت خیرالانام ثابت ہیں بہ تمام و کمال اپنی پہلی عظیم کتاب "براہینِ احمدیہ" میں جمع کر دیئے ہیں۔

پھر جب آپ کو یہ منظور ہوا کہ ایک جماعت کو دجّال کے ایسے الزامات کی تردید پر لگایا جائے تو اس وقت جو کتاب آپ نے لکھی اس کا نام بھی "فتحِ اسلام" رکھا۔ حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت کا مقصد دوبارہ فتوحاتِ اسلام کو لانا تھا مگر یہ فتوحات ملکی و وطنی یا عسکری اور حکومتی بنیادوں پر نہ رکھی گئی تھیں۔ بلکہ صلح حدیبیہ کی مانند ان کی بناء دجّال کے الزاموں کو غلط ثابت کر کے "دینِ اسلام" کو ایمانی و اخلاقی اقدار کا مذہب ثابت کرنا ہے چنانچہ آپ "آئینہ کمالاتِ اسلام" میں فرماتے ہیں کہ:۔

> اس زمانہ میں مذہب اور علم کی زبردست جنگ جاری ہے۔ علم و سائنس نے بنیادی مسائل مذہب مثلاً خدا کی ہستی اور صفات، وحی الٰہی کی خارجی حقیقت، عالمِ معاد اور اُخروی زندگی، ملائکہ کو اس زمانہ کا علم تسلیم نہیں کرتا۔ اس سرگرم لڑائی میں مسلمانوں نے ان وساوس و الزامات کا دفعیہ کرنا ہے جو دجّال نے اس دین پر لگائے ہیں اسلام کی فتح و اقبال کے دن نزدیک ہیں مگر یہ فتح روحانی ہے وغیرہ

صلح حدیبیہ میں بھی آنحضرت صلعم نے مظلوم و محروم ہونے کے باوجود ایسی شرائط کو مان لیا تھا جو صحابہ کرامؓ کو ناقابلِ قبول تھیں۔ مقصد یہ تھا کہ امن کی فضاء پیدا ہو کر اسلام اور آنحضرت صلعم کے محاسن اُجاگر ہوں، حضرت مسیح موعودؑ بھی دجّالی علم و تہذیب کو دلائل و براہین سے باطل ثابت کرنے کے لئے آئے ہیں۔ نیز امورِ غیبیہ پر سے مسلمانوں کا جو ایمان جاتا رہا ہے اسے اپنے ذاتی تجربہ و مشاہدہ کی بناء پر پیدا کرنا ان کی غرض و غایت ہے۔ ایمان بالغیب کے امور پر اسی قسم کا حتمی ایمان جیسے صحابہ کرامؓ کے قلوب میں پیدا ہو گیا تھا۔ آپ بھی پیدا کرنا چاہتے تھے ؎

یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

جس جہادِ زمانہ پر حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی جماعت کو لگایا وہ جہاد بالنفس اور جہاد بالقرآن کا ہے کہ ملکی یا قومی جہاد۔ فتح مبین کے نظارے بھی اس جہاد یقین سے آپ کے خادموں نے دکھلا دیئے ہیں، جس کے باعث آج عالمِ اسلام بیداری کی کروٹیں لے رہا ہے چنانچہ علامہ اقبال صاحب نے اسے تسلیم کر کے کہا۔ ؎

عرب کے صحرا سے جس نے رُوما کی سلطنت کو اُلٹ دیا تھا
سُنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

احیاءِ اسلام یا مسلمانوں کا اپنے دین کی طرف رجوع یعنی قرآن و سنتِ رسولؐ کی طرف واپس آنا اب مسلّمہ اصُول تسلیم کئے جا چکے ہیں۔ ایک عالم کو اسلام کے اصُولوں کی طلب ہے۔ دنیا کی نجات اس کے بغیر ممکن نہیں اور یہ امور مقدر ہو چکے ہیں۔ یہ ہو کر رہنے والی تقدیر اور اٹل معاملات ہیں

بمفت ایں اجرِ نصرت را دہندت اے اخی ورنہ
قضائے آسمانست ایں بہر حالت شود پیدا

یہ صرف ہمارے اپنے لئے باعثِ برکت بات ہے اگر ہمارے قلوب جہادِ زمانہ کی کامیابی پر متیقّن ہو کر اس مقصد کی انجام دہی میں کچھ حصّہ لے لیں ؛

## حضرت امیر مرحُوم کا آخری پیغام

### اپنے سینوں کو ٹٹولو۔ کیا تمہارے دلوں میں امامِ زمانؑ کی ڈالی ہوئی چنگاری کی گرمی موجود ہے؟

آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح نسلِ انسانی بربادی کی طرف دوڑی جا رہی ہے اور قریب ہے کہ یہ آگ کے گڑھے میں گر کر بھسم ہو جائے وہ نسخہ جس سے یہ نسلِ انسانی بچ سکتی ہے وہی ہے جس نے ایک دفعہ پہلے تباہ ہوتی ہوئی نسلِ انسانی کو بچایا، یہ خدا کا آخری کلام ہے یہ قرآن ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ مگر ہم اس نسخۂ شفاء کو دنیا میں نہیں پہنچا رہے۔ اس کے پہنچانے کے لئے ایک پاک نفس جماعت کی ضرورت ہے اس لئے اللہ تعالےٰ نے اس کام کی بُنیاد ایک مامور کے ہاتھ سے رکھوائی اور اس کو چودھویں صدی کے سر پر مجدّد بنا کر بھیجا کیونکہ

نفوس کو پاک وہی کر سکتا ہے جس کو خدا نے اپنے ہاتھ سے پاک کیا ہو۔ اس کے پاس بیٹھنے والے جانتے ہیں کہ اس کے دل میں قرآن اور حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کا کس قدر عشق تھا۔ اس عشق کی آگ اس کے سینے میں ایسی مشتعل تھی، کہ جو اس کے پاس جا کر بیٹھا اس کے سینے میں بھی ایک چنگاری اسی آگ کی پڑ گئی اور ہزارہا بلکہ لاکھوں سینے روشن ہو گئے۔ آج وہ چنگاری کچھ مدھم سا

# حضرت مسیح موعودؑ کا عشقِ رسولؐ

بعد از خدا بعشقِ محمدؐ مخمرم + گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم
(حضرت مسیح موعودؑ)

عشق کی علامات ہر ایک جانتا ہے۔ جس سے عشق ہوتا ہے اس کے رنگ میں عاشق رنگین ہو جاتا ہے۔ اسی کا ذکر ہر وقت زبان پر ہوتا ہے۔ اس کے خلاف وہ کچھ سن نہیں سکتا۔ اسے ہر خوبی سے موصوف سمجھتا اور ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے لئے وہ ہر ایک قربانی کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کو حضرت نبی مرتبت محمد مصطفےٰ صلعم سے جو عشق تھا اسے اگر مذکورہ بالا معیار پر پرکھنا چاہتے ہو تو واقعات پر نظر ڈالو۔ تمہیں صاف نظر آ جائے گا کہ آنحضرت صلعم سے آپ کا عشق درجۂ کمال کو پہنچا ہوا تھا۔

**سنتِ رسول کی پیروی اور بدعات سے نفرت** — حضرت مسیح موعودؑ کا آنحضرت صلعم کے رنگ میں رنگین ہونے کا ظاہر ثبوت یہ ہے کہ آپؑ کا ہر ایک قول اور فعل سنت رسول اللہ صلعم کے عین مطابق تھا۔ عبادات ہوں یا معاملات ہر امر میں بدعات سے بہت نفرت تھی۔ ہر بات میں قرآن اور سنت کی پیروی آپ کو مدِ نظر تھی۔ جب میں نے بیعت کی تو عرض کیا کہ تزکیہ نفس کے لئے کوئی وظیفہ بتایا جائے۔ فرمانے لگے یہی نماز سمجھ سمجھ کر اور سنوار سنوار کر پڑھو۔ اور تہجد پڑھو۔ موجودہ پیروں فقیروں نے جو بہت سے اوراد و وظائف بنا رکھے ہیں ان سے آپ قطعاً متنفر تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ عبادت کے معاملہ میں تو انہوں نے ایک نئی شریعت بنائی ہوئی ہے۔ آپ کے اخلاق بالکل خلق محمدیؐ کا نمونہ تھے۔ جن میں سے کچھ مشتے نمونہ از خروارے پیش خدمت ہیں

**ہر بات میں محامد و محاسن نبویؐ کا تذکرہ** — آنحضرت صلعم کا ذکر اور آپؐ کے محامد و محاسن کا تذکرہ اکثر اوقات آپؑ کا شغل تھا۔ کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ جہاں آنحضرت صلعم کی خوبیوں کا ذکر کسی نہ کسی رنگ میں نہ کر دیں۔ کسی مذہب اور اس کے پیشوا کا ذکر ہو وہاں بالمقابل آنحضرت صلعم کی عظمت اور کمال کا ذکر ضرور لے آتے تھے۔ دعوئے ماموریت سے قبل آپ لدھیانہ میں تشریف رکھتے تھے۔ ان دنوں ٹمپرنس سوسائٹیوں کا نیا نیا پرچار شروع ہوا تھا۔ انکے لیکچر اور ڈرامے مختلف شہروں میں ہوا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ان کا ایک جلسہ تھا۔ لدھیانہ کے سیکرٹری نے حضرت صاحب کی خدمت میں آکر عرض کی کہ آپ بھی مسکرات اور شراب کے خلاف کچھ تقریر فرمادیں۔ لیکن اس میں مذہبی خصوصیات کا تذکرہ نہ ہو۔ صرف منشیات کے استعمال کے خلاف ایک اخلاقی لیکچر ہو۔ آپ نے انکار کر دیا۔ فرمانے لگے یہ کس طرح ممکن ہے کہ منشیات کے خلاف اور ٹمپرنس کی تائید میں لیکچر ہو اور دنیا کے سب سے بڑے اس انسان یعنی آنحضرت صلعم کا ذکر نہ آوے جس نے ایک اشارہ سے ایک ملک کے ملک کے ہاتھ سے شراب کے جام پھنکوا دیئے اور مٹکے توڑ ڈالے گئے۔ جس نے ہر ایک قسم کی نشہ آور چیزوں اور مسکرات کو مذہباً حرام کرکے دنیا پر احسانِ عظیم کیا۔ ٹمپرنس کا جلسہ ہو اور ایسے محسن کا ذکر نہ آوے میں تو اسے برداشت نہیں کر سکتا۔

**حضرت نبی کریم صلعم کے متعلق عدیم النظیر غیرت** — آنحضرت صلعم کے خلاف آپ کچھ سن نہیں سکتے تھے۔ اپنے متعلق اس قدر برداشت تھی کہ بعض دفعہ خبیث باطن لوگ آتے اور بالمشافہ نہایت گستاخی سے کلام کرتے بلکہ دشنام دہی تک سے فرق نہ کرتے۔ لیکن آپ برف کی طرح ٹھنڈے نظر آتے چہرہ پر ملال یا غصہ کے تیور کبھی نظر ہی نہ آتے تھے۔ ایک دفعہ ایک ہندوستانی مولوی جس کو اپنے علم پر بڑا ناز تھا اور اپنے تئیں جہاں گرد اور سرد و گرم زمانہ چشیدہ ظاہر کرتا تھا۔ قادیان آیا اور مسجد میں حضرت صاحب کے ساتھ آپ کے دعاوی کے متعلق نہایت شوخی اور گستاخی سے کلام کرنے لگا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ہی کہنے لگا کہ آپ اپنے دعوے میں کاذب ہیں اور میں نے ایسے مکار بہت دیکھے ہیں۔ اور میں تو ایسے کئی بغل میں دبائے پھرتا ہوں۔ غرضیکہ اس قسم کی بکواس کرتا رہا۔ مگر آپ کی پیشانی پر بل تک نہ آیا بڑے سکون سے سنا کئے اور پھر بڑی نرمی سے اپنی نوبت پر کلام کیا۔ بعض دفعہ جب کسی شخص نے نہایت درشتی سے کلام کیا اور کسی مرید نے اگر کہدیا کہ آپ تہذیب سے کلام کریں تب بھی آپ نے اپنے مرید کو روک دیا اور فرمایا صبر سے کام لو۔ لیکن آنحضرت صلعم کے بارہ میں اگر کوئی گستاخی کرتا یا آنحضرت صلعم کے خلاف کوئی بھی تحریر نظر پڑ جاتی تو اس قدر طبیعت برہم ہو جاتی کہ دیکھنے والے کو حیرت ہو جاتی تھی۔ چہرہ سرخ ہو جاتا تھا اور دیر تک اس کی تردید اور آنحضرت صلعم کے محاسن اور محامد پر نہایت جوش سے تقریر فرماتے۔ اور جب تک اس کے خلاف اس کا رد نہ لکھ لیتے چین نہ آتا۔ جب ایک پادری نے وہ موذی اور خبیث کتاب "امہات المومنین" لکھی جس میں بجز دل آزاری اور اور آنحضرت صلعم اور آپ کے ازواج مطہرات کی شان میں ہرزہ سرائی کے کوئی معقول بات نہ تھی۔ تو اس کے دیکھنے سے اس قدر صدمہ آپ کے دل پر ہوا کہ بیان سے باہر ہے۔ فرمانے لگے ہمارا آرام تلخ ہو گیا ہے۔ میری جائداد کا تباہ ہونا اور میرے بچوں کا میری آنکھوں کے سامنے ٹکڑے ٹکڑے ہونا مجھ پر آسان ہے بہ نسبت اس ہتک اور استخفاف کے دیکھنے اور اس پر صبر کرنے کے۔

**عبداللہ آتھم اور لیکھرام کے متعلق پیشگوئیاں** — یہ جو عبداللہ آتھم اور لیکھرام کے متعلق پیشگوئیاں ہوئی تھیں یہ بھی سب آنحضرت صلعم کے شان کی استخفاف کی بنا پر ہوئی تھیں۔ عبداللہ آتھم کو صاف طور پر آپ نے فرمایا کہ چونکہ اس شخص نے آنحضرت صلعم کو نعوذ باللہ دجّال کہا ہے اس لئے اس گستاخی کی سزا میں یہ شخص پندرہ ماہ کے اندر ہاویہ میں گرایا جائے گا۔ جس پر اس نے کان کو ہاتھ لگا کر اور زبان باہر نکال کر کہا کہ میں نے ایسا نہیں کہا گویا اپنے قول سے وہیں اسی مجلس میں رجوع کر لیا۔ آنحضرت صلعم کی شان میں لیکھرام کی بد زبانی جب حد سے گذر گئی تو آپ نے وہ مشہورِ عالم پیشگوئی کی تھی جس کے عین مطابق وہ چھ سال کے اندر اندر داخل فی النار والسقر ہوا تھا۔ اس کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں:-

الا اے دشمن نادان و بیراہ + بترس از تیغِ بران محمدؐ
کرامت گرچہ بے نام و نشان است + بیا بنگر ز غلمانِ محمدؐ

**لیکھرام سے نفرت اور اس کی وجہ** — ایک مرتبہ حضرت صاحب لاہور سے واپس قادیان جا رہے تھے۔ سٹیشن پر لیکھرام ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ آپ نے توجہ نہ کی۔ کسی نے عرض کیا کہ لیکھرام سلام کرنا چاہتا ہے۔ فرمانے لگے میرے آقا کو گالیاں دیتا اور مجھے آکر سلام کرتا۔ میں ایسے گستاخ شخص کی شکل دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔ اور نہیں ملے۔ کیا سچ فرماتے ہیں ؎

اس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں
وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

**ایک اور واقعہ** لاہور کی آریہ سماج نے ایک مرتبہ جلسہ مذاہب میں تقریر کرنے کے لئے دعوت دی۔ قادیان سے بھی ایک وفد آیا جس کے قافلہ سالار حضرت مولانا نورالدین مرحوم تھے۔ ہماری طرف سے جو لیکچر پڑھا گیا وہ نہایت معقول اور مہذب تھا۔ لیکن آریہ لیکچرار نے حسب معمول نہایت بکواس کی اور آنحضرت صلعم پر نہایت نامعقول حملے کئے ہمارے لوگ نہایت صبر اور تحمل سے سنتے رہے۔ جب واپس قادیان آئے تو حضرت صاحب سے ذکر کیا۔ آپ کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور اس قدر اظہار رنج فرمایا کہ ایسا کبھی نہ دیکھا گیا تھا۔ فرمانے لگے تمہاری غیرت نے کس طرح برداشت کیا کہ آنحضرت صلعم کی شان میں گستاخی ہو رہی ہو اور تم چُپ چاپ بیٹھے سُنا کئے تم اسے روک نہیں سکتے تھے تو اُٹھ کر چلے آتے بیٹھا رہنے کے کیا معنی! مولوی نورالدین مرحوم تو کئی روز شرمندگی سے سامنے نہیں گئے۔ اور اسی جوش میں حضرت صاحب نے وہ مشہور کتاب "چشمۂ معرفت" لکھی۔ جس میں آریہ سماج کی جڑیں پکڑ کر ہلا دیں۔

**آپ کے عشقِ رسول کی نمایاں خصوصیت** آنحضرت صلعم کی تعریف اور محامد و محاسن کا ذکر اُمتِ مرحومہ کے کس عالم اور فقیہہ، محدث اور صوفی نے نہیں کیا؟ سب نے کیا اور خوب کیا۔ لیکن اس امر میں جو ایک خاص رنگ اور شان حضرت مسیح موعودؑ کی تحریروں کو حاصل ہے وہ اور جگہ بہت کم نظر آتی ہے۔ وجہ یہ کہ آپ کا طریقِ تعریف محض اظہار عقیدت اور شاعرانہ طور پر اظہار خیالات تک محدود نہ تھا۔ بلکہ آپ کی ساری کوشش اس امر پر صرف ہوتی تھی کہ اظہار واقعات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور شان کو دنیا کے سامنے نمایاں کیا جائے آنحضرت صلعم کے اخلاق و عادات، تعلیم اور کتاب، اقوال اور اعمال کو دُنیا کے سامنے ایسے صحیح طریق پر اور تمام زوائد و حواشی سے پاک کرکے اپنی اصلی صورت میں پیش کیا جائے کہ ان کی پُوری پُوری چمک ہر ایک دانا و سلیم الطبع انسان کے پیش نظر ہو جائے۔ ابتدائے عمر سے ہی آپ کا طریق تھا۔ پادریوں سے آریوں سے آپ کے مباحثے اور تبادلۂ خیالات جہاں کہیں ہوئے یہی رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔ اشعار بھی آنحضرت صلعم کی تعریف میں جو لکھے وہاں بھی زلف و گیسو اور خط و خال کی تعریفوں سے اجتناب کیا ہے اور آپ کی سیرت اور اخلاق، قوتِ قدسی اور فیضان و برکات کا صحیح صحیح نقشہ ایسی خوبصورت اور دلکش طرز میں کھینچا ہے کہ بے اختیار صلِّ علیٰ رُوح و قلب کہہ اُٹھتے ہیں۔ ان اشعار میں شاعرانہ مبالغہ کا نام و نشان نہیں ہوتا صرف واقعات اور حقیقت کو نظم کرکے رکھ دیتے ہیں۔ جس سے سرورِ دو عالم کی حقیقی شان اور مرتبہ پر ایسی عمدہ روشنی پڑتی ہے کہ ممکن نہیں کہ اسے پڑھے اور سلیم الطبع انسان کا سر اس عظیم الشان انسان کے آگے ادب سے نہ جُھک جائے۔

## حضرت مسیح موعودؑ کے چند نعتیہ اشعار

نعتیں تو بہت سی ہوں گی لیکن حضرت مسیح موعودؑ کی بھی ایک نعت کے چند اشعار بطور نمونہ سُن لیں۔ کیا واقعات کی بنا پر اس سے بہتر اور مؤثر تعریف ہو سکتی ہے؟ نہ کوئی مبالغہ ہے نہ رنگینی ہے محض واقعات ہیں پُرتاثیر۔

اوّلاں وقتیکہ دُنیا پُر ز شرک و کفر بود
ہیچ کس را خوں نہ شد دل جُز دلِ آں شہریار
ہیچ کس از خبثِ شرک و رجسِ بت آگہ نہ شد
ایں خبر شد جانِ احمد را کہ بود از عشق زار
کس چہ میداند گر ازاں نالہ ہا باشد خبر
کاں شفیعے کرد از بہر جہاں در کنجِ غار
من نمیدانم چہ دردے بود و اندوہ و غمے
کاندراں غارے در آوردش حزین و دلفگار

نے ز تاریکی توحش نے ز تنہائی ہراس
نے ز مردن غم نہ خوفِ کژدم و نے بیم مار
کشتۂ قوم و فدائے خلق و قربانِ جہاں
نے بجسمِ خویش میلش نے بہ نفسِ خویش کار
نعرہ ہا پُر درد مے زد از پئے خلقِ خدا
شد تضرع کارِ او پیشِ خدا لیل و نہار
سخت شورے بر فلک افتاد زاں عجز و دعا
قدسیاں را نیز شد چشم از غمِ آں اشکبار
آخر از عجز و مناجات و تضرع کردنش
شد نگاہ لطفِ حق بر عالمِ تاریک و تار

**عشقِ رسول کا عظیم الشان کارنامہ** نظم تو غیر دن کے جوش اور محبت کا اُبال ہوتا ہے۔ جس کا وقتاً فوقتاً اظہار ہوتا رہتا تھا۔ لیکن اصل خاص کام وہ کتاب تھی جو عشقِ محمدی نے آپ سے لکھوائی جس کا نام "براھین احمدیہ" تھا اور جس میں آپ نے قرآن اور نبوتِ محمدیہ پر صدہا دلائل بیّنہ و براہینِ قاطعہ ایسے تحریر فرمائی ہیں جو بالکل اچھوتی اور ایسی مستحکم اور معقول ہیں کہ آپ نے دس ہزار روپے کا انعام اس کی ایک ایک دلیل کے توڑ دینے پر مقرر کیا تھا۔ جس کی تعریف میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی تک کو لکھنا پڑا کہ اس مضمون پر تیرہ سو سال سے مسلمانوں میں ایسی کتاب کوئی تصنیف نہیں ہوئی۔ اتنا ہی نہیں تمام عمر مختلف تصنیفات، تحریرات، اشتہارات، تقریروں وغیرہ کے ذریعہ سے یہی مشغلہ جاری رہا۔ دن رات انہی باتوں کے چرچے تھے، یہی تڑپ تھی یہی عشق تھا کہ کسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شوکت، عزت، عظمت کا اظہار دنیا پر ہو۔

**تین بے نظیر امور** آپ کی اس تمام سعی اور جدوجہد کے تین امور ایسے ہیں جو بے نظیر ہیں۔

**آنحضرت صلعم جامع جملہ کمالات انبیاء ہیں** (۱) آپ کا بڑا زور اس بات پر تھا کہ جو کمالات مختلف انبیاء کو وقتاً فوقتاً حسب ضرورت زمانہ ملتے رہے وہ سب کمالات مجموعی طور پر اور اکمل اور اتم طور پر آنحضرت صلعم کے اندر اللہ تعالے نے جمع کر دیئے "آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری" کہنے والے نے تو بہت پہلے یہ شعر کہا تھا لیکن عملاً ہمارے علماء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دیگر انبیاء کو فضیلت دینے میں بہت دلیر تھے۔ کہیں یہ عقیدہ بنا رکھا تھا کہ قیامت میں جب اللہ تعالے جلوہ فرما ہوگا تو سوائے حضرت موسےٰ کے سب بے ہوش ہو کر گر جائیں گے، یہاں تک کہ آنحضرت صلعم بھی، اور حضرت موسےٰ برابر خدا کو دیکھتے رہیں گے اور بے ہوش نہ ہوں گے۔ یہ بھی مانتے تھے کہ جادوگروں کا جادو حضرت موسےٰ کے سامنے تو دب گیا مگر محمد رسول اللہ صلعم پر چل گیا۔ کہیں حضرت سلیمان کے ماتحت جن و پری کرکے اُنکے تخت کو اُڑاتے تھے۔ حضرت خضر کو بقائے دوام کا تاج پہناتے تھے۔ اور حضرت عیسےٰ اور ان کی والدہ کے سوا اور کسی کی ولادت مسِ شیطان سے پاک نہیں سمجھتے تھے اور حضرت عیسےٰ کو تو ایسی فضیلتیں آنحضرت صلعم پر دی تھیں جن کا کوئی شمار ہی نہیں۔ کہیں پرندوں کا خلق کرنا۔ مُردوں کا زندہ کرنا۔ اندھوں اور کوڑھیوں کو چنگا کرنا۔ عالم الغیب ہونا۔ آسمان پر بجسدہ العنصری چڑھ کر آج تک الآن کما کان کی شان سے زندہ چلے آنا۔ آخر میں اُمتِ محمدیہ کے غرق ہوتے ہوئے بیڑے کو انہی کو پار لگانا۔ گویا ہیں

دعوٰے نبوت کرتا۔ غرضیکہ کوئی ایک فضیلت ہو تو بیان کریں۔ کسی نہ کسی رنگ میں ہر ایک نبی کو کوئی فضیلت دے رکھی تھی۔ اور بعض نے تو یہ غضب کر دیا تھا کہ لغو روایتوں کی بنا پر بعض کمزوریاں تک نعوذ باللہ حضور صلعم کی طرف منسوب کر رکھی تھیں۔ پس حضرت مسیح موعودؑ کا کس قدر عظیم الشان کارنامہ یہ تھا کہ آپ نے ان تمام لغو روایتوں کا قلع قمع کرکے دکھا دیا۔ اور ان تمام بے سرو پا باتوں کی حقیقت کو طشت از بام کرکے ان فرضی فضیلتوں کا خاتمہ کر دیا۔ اور بتلایا کہ ہر ایک خوبی اور ہر ایک انعام جو کسی نبی کو ملا ہے وہ بوجہ احسن اور اتم اور اکمل ہمارے نبی کریم صلعم کو دیا گیا ہے اور یہ زبانی خوش عقیدگی کے رنگ میں نہیں فرمایا، بلکہ صفحوں کے صفحے ان پر لکھ کر ان امور کو پایۂ ثبوت تک پہنچا دیا۔ تفصیل کا یہ موقعہ نہیں۔ جس کا دل چاہے آپ کی یہ تحریریں دیکھ لے۔ پھر آپ نے جو کچھ لکھا وہ اپالوجی کے رنگ میں نہیں لکھا کہ آنحضرت صلعم کی بعض باتوں کے لئے کوئی عذر تلاش کرتے بیٹھ گئے یا الزامی رنگ کے جواب دے کر پیچھا چھڑایا۔ نہیں بلکہ جو کچھ قرآن اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا تھا ان کو ایسی صحیح شکل میں لا کر دکھایا کہ نہ صرف یہ کہ تمام اعتراضات اُڑ گئے بلکہ اس کا حسن اور کمال سامنے آکر وہی چیز جو محلِ اعتراض تھی اعلٰے درجہ کا خُلق ثابت ہوئی۔

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء اور زندہ نبی ہیں۔

(۲) دوسری بات جس پر آپ نے بڑا زور دیا ہے وہ یہ کہ صرف آنحضرت صلعم خاتم النبیین ہیں اور آپؐ پر تمام کمالاتِ نبوت ختم ہو گئے ہیں۔ اس لئے اب آپ کے بعد کسی نبی کی ضرورت نہیں رہی جیسا کہ فرماتے ہیں ؎

ختم شد بر نفسِ پاکش ہر کمال + لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

بلکہ ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ آپ زندہ نبی ہیں۔ اور آپؐ کی نبوت کے زندہ ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ آپ کے فیوض و برکات زندہ اور جاری ہیں۔ اور آپؐ کی اتباع کی برکت اور طفیل سے ہمیشہ ایسے لوگ پیدا ہوتے آئے ہیں جو خدا کا قرب حاصل کرتے اور خدا کے تازہ بتازہ کلام سے مشرف ہوتے رہتے ہیں۔ اور اس زمانہ میں اس امر کا زندہ نشان اپنے وجود کو پیش کیا۔ کیا خوب فرماتے ہیں ؎

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے + کوئی دیں دینِ محمدؐ سا نہ پایا ہم نے
اور دینوں کو جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا + کوئی دکھلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے
ہم نے اسلام کو خود تجربہ کرکے دیکھا + نور ہے نور اٹھو دیکھو سنایا ہم نے
کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشاں دکھلائے + یہ ثمر باغِ محمدؐ سے ہی کھایا ہم نے
آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے + لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے
مصطفٰے پر ترا بیحد ہو سلام اور رحمت + اس سے یہ نور لیا بارِ خدایا ہم نے

## لاہور کے بشپ کی شکست اور سراسیمگی

شعروں میں ہی نہیں، کتابوں میں اشتہاروں میں یہی زور تھا اور بڑا زور تھا۔ جن لوگوں نے اس معاملہ میں لاہور کے بشپ کی شکست اور سراسیمگی دیکھی ہے وہ اس نظارہ کو بھول نہیں سکتے۔ لاہور کے بشپ نے مسلمانوں کو چیلنج دیا کہ ہم سے "زندہ نبی" پر بحث کر لو۔ غیر احمدی مسلمانوں میں فہمیدہ لوگوں نے سمجھ لیا کہ حضرت عیسٰے کو آسمان پر زندہ بٹھا کر اور محمد رسول اللہ صلعم کو خاک میں مدفون کرکے ہم پادری کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کی خدمت میں کسی مناظرے کے لئے درخواست کی جسے آپ نے بھیج دیا۔ مباحثہ کے دن خلقت کے ہجوم میں پادری نے بڑے فخر سے حضرت عیسٰے کے زندہ آسمان پر چڑھنے اور آج تک الآن کما کان کی شان سے زندہ ہونے اور آخر کار ساری دنیا کا بیڑا پار لگانے کے لئے اس کی بعثت اُخریٰ پر تقریر کی اور مسلمانوں کو للکار کر پوچھا کہ "اب بتاؤ زندہ نبی کون ہے"؟ ایک سناٹا تھا جو چاروں طرف چھایا ہوا تھا دفعتاً احمدی مناظر نے کہا کہ زندہ نبی وہ ہے جس کے فیض و برکات زندہ ہیں جس کی اتباع سے آج بھی لوگ خدا سے واصل ہوتے ہیں۔ اور اس کے قرب کو حاصل کرتے ہیں۔ حضرت مسیح نہ صرف مر چکے بلکہ ان کے فیوض و برکات بھی منقطع ہو چکے پس جو نبوت مُردہ ہو چکی اس کو زندہ نبوتِ محمدیہؐ کے سامنے پیش کرنا چہ معنی دارد؟ اس پر پادری سراسیمہ ہو گیا۔ مگر "تاڑ گیا فوراً" بول اُٹھا "تم مرزائی ہو۔ ہماری بحث تم سے نہیں۔ ہماری بحث مسلمانوں سے ہے تم مسلمان نہیں تم کو مسلمان کافر کہتے ہیں"۔ لیکن عجیب تماشا یہ ہوا کہ صداقت کے اثر سے لوگ اس وقت ایسے متاثر تھے کہ بول اُٹھے "کہ یہ مسلمان ہیں انہیں کون کافر کہتا ہے"۔ پھر کیا تھا جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ پس محمد رسول اللہ صلعم کو زندہ نبی پیش کرنے والا اس زمانہ میں مرزا ہی تھا۔ کون ہے جو اس خدمت میں مرزا صاحب کا مقابلہ کر سکتا ہے؟

## ایک جماعت کی جماعت کو عشقِ رسول سے سرشار کر دیا۔

(۳) تیسرا امر جو قابلِ غور ہے وہ یہ کہ نہ صرف عشقِ رسول آپ کی ذات تک محدود رہا بلکہ جو چیز دل سے نکلتی ہے وہ دل پر پڑتی ہے۔ جو آپ کے دامن سے لگا اس میں بھی عشقِ رسول بھر گیا۔ اور اسی مے سے وہ سرشار ہو گیا ؎

ترا میخانہ جو اک مرجعِ عالم دیکھا + خم کا خم منہ سے بصد حرص لگایا ہم نے

جذبات مرشد میں ہوتی ہے وہی مریدوں میں سرایت کر جاتی ہے۔ جو عشقِ رسول کا شعلہ آپ کے سینے میں جل رہا تھا اس کی گرمی آخر ہر مرید کے سینہ میں بھر دی گئی۔ ایک عقلمند کے لئے اس سے بڑھ کر حجت اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک جماعت کی جماعت اس عشق سے سرشار ہو کر خدمتِ دین میں لگ گئی اور خدا اور رسول کے نام کو بلند کرنے اور ان کی عزت کی اشاعت کے لئے تن من دھن کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئی۔ پس جس جماعت کے دلوں میں یہ آگ بھڑک رہی ہو ظاہر ہے کہ اس جماعت کے بانی اور امام کے سینہ میں اس آگ کا شعلہ کس قدر زور سے بھڑکتا ہوگا جس کا اثر مریدوں میں اس قدر نظر آ رہا ہے۔

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر نجات ناممکن ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کو تو آنحضرت صلعم سے وہ عشق تھا کہ جب نیچریت کی ایک ہوا چلی اور مسلمانوں میں سے بعض لوگوں کا خیال ہو گیا کہ نجات کے لئے صرف توحیدِ الٰہی اور اعمالِ صالحہ کی ضرورت ہے اور حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں تو اس خیال کی تائید آپ کے مرید ڈاکٹر عبدالحکیم خاں نے بھی کی۔ آپ نے پہلے تو اسے سمجھایا اور جب نہ مانا تو آپ نے اسے اپنی جماعت سے خارج کر دیا۔ اور کتاب حقیقۃ الوحی لکھی۔ جس کے ابتدائی حصہ میں یہی بحث کی ہے کہ بغیر آنحضرت صلعم کی اتباع کے نجات ناممکن ہے۔

## حقیقۃ الوحی کا ایک اقتباس

حقیقۃ الوحی ص۱۱ میں تحریر فرماتے ہیں:-

"پس اس میں شک نہیں کہ توحید اور خدا دانی کی متاع رسول کے دامن

سے ہی دنیا کو ملتی ہے بغیر اس کے ہرگز نہیں مل سکتی۔ اور اس نے عرب کے وحشیوں کو وحشیانہ حالت سے کامل انسان بنایا۔ پھر معمولی انسان سے مہذب انسان بنایا۔ اور پھر مہذب انسان سے کامل انسان بنایا۔ اور اس قدر ان کے لئے نشان ظاہر کئے کہ ان کو خدا دکھلا دیا۔ اور ان میں ایسی تبدیلی پیدا کر دی کہ انہوں نے فرشتوں سے جا ہاتھ ملائے۔ یہ تاثیر کسی اور نبی سے اپنی اُمت کی نسبت ظہور میں نہ آئی۔ کیونکہ اُن کے صحبت یاب ناقص رہے پس میں ہمیشہ تعجب کی نگاہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ **عربی نبی جس کا نام محمدؐ ہے** (ہزار ہزار درود اور سلام اس پر) یہ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے اس کے عالی مقام کا انتہاء معلوم نہیں ہو سکتا اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔ افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے اس کے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا۔ وہ توحید جو دنیا سے گم ہو چکی تھی وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اس کو دنیا میں لایا اس نے خدا سے انتہائی درجہ پر محبت کی اور انتہائی درجہ پر بنی نوع انسان کی ہمدردی میں اس کی جان گداز ہوئی۔ اس لئے خدا نے جو اس کے دل کے راز کا واقف تھا اس کو تمام انبیاء اور تمام اوّلین و آخرین پر فضیلت بخشی اور اس کی مرادیں اس کی زندگی میں اس کو دیں۔ وہی ہے جو سرچشمہ ہر ایک فیض کا ہے۔ اور وہ شخص جو بغیر اقرار افاضہ کے کسی فضیلت کا دعوےٰ کرتا ہے وہ انسان نہیں ہے بلکہ ذریت شیطان ہے کیونکہ ہر ایک فضیلت کی کنجی اس کو دی گئی ہے، اور ہر ایک معرفت کا خزانہ اسکو عطا کیا گیا ہے۔ جو اس کے ذریعہ سے نہیں پاتا وہ محروم ازلی ہے ہم کیا چیز ہیں اور ہماری حقیقت کیا ہے۔ ہم کافر نعمت ہوں گے اگر اس بات کا اقرار نہ کریں کہ توحید حقیقی ہم نے اسی نبی کے ذریعہ پائی اور زندہ خدا کی شناخت ہمیں اسی کامل نبی کے ذریعہ سے اور اس کے نور سے ملی ہے اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات کا شرف بھی جس سے ہم اس کا چہرہ دیکھتے ہیں اسی بزرگ نبی کے ذریعہ ہمیں میسر آیا اس آفتاب ہدایت کی شعاع دھوپ کی طرح ہم پر پڑتی ہے اور اسی وقت تک ہم منوّر رہ سکتے ہیں جب تک کہ ہم اس کے مقابل کھڑے ہیں۔“

---

## نظریہ حیات اور نظام تعلیم ـ بقیہ صفحہ ۱۱

کے دائرے سے باہر نہیں ان کی بنیاد پر ہر شعبۂ علم میں، سیاسیات میں، ادبیات میں، نفسیات میں، تمام عمرانی اور طبیعاتی، کیمیائی اور حیاتیاتی علوم میں تنسیخ یا اضافہ ہو سکتا ہے۔ اپنی تمام علمی اور فنی برتری کے باوجود اہلِ مغرب بنیت کی فلاح کی منزل سے دُور ہوتے جا رہے ہیں۔ ہم انسانی افکار کی پُر علمی ارتقاء کی راہیں اختیار کرکے امید اور امن کی اس منزل سے آشنا ہو سکتے ہیں جو انسان کی دائمی آرزو رہی ہے۔

(جناب مرزا محمد اکبر صاحب نواب شاہ ـ بحوالہ روزنامہ جنگ کراچی ـ ۵ راگست ۱۹۷۶ء)

---

مکرم جناب شیخ محمد طفیل صاحب مبلغ انگلستان

۲۵ر جولائی ۱۹۷۶ء کو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام یو۔کے۔ کی ایک جنرل میٹنگ ہوئی۔ جس میں آئندہ سال کے لئے نئے عہدہ داروں اور مجلس عاملہ کے ممبروں کا انتخاب ہوا۔ جناب حفیظ عزیز صاحب جنہوں نے دو سال تک سیکرٹری کے فرائض بڑی خوش اسلوبی سے ادا کئے تھے اور بڑے مشکل وقت میں اپنے کام کو نباہا تھا اپنے عہدے سے مستعفی ہو گئے۔ ان کی بجائے جناب شاہد عزیز صاحب ایم۔ ایس۔ سی (جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب کے پوتے) متفقہ طور پر منتخب ہوئے۔ مسز جمیلہ خان انجمن کی صدر ہیں۔ دوسرے ممبرانِ کمیٹی کے نام درج ذیل ہیں :۔

فاروق عبداللہ، حمید چوہدری، مشتاق زئی ملک۔ داس محمود۔ بیگم رضیہ فاروقی، عبدالعلی، مجید علی، خالد اقبال، عبدالسلام ملک، ماہ پارا اقبال، زوجہ طفیل، (نمائندہ یوتھ) حفیظ عزیز۔ ایم ہارون۔ زاہد عزیز۔ شیخ محمد طفیل۔

اس جلسہ میں ہالینڈ سے حکیم صاحب آف سرینام اپنے چار دوستوں کیساتھ تشریف لائے۔ اور رمضان کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

جناب ڈاکٹر سعید پاشا نے انگریزی میں ایک نظم پڑھی جو لائٹ میں شائع ہوگی۔ حسب سابق حاضرین کی تواضع چائے اور دیگر مشروبات سے کی گئی۔

## کینٹربری کانفرنس

۲۹ر جولائی سے یکم اگست تک مجھے کینٹربری کانفرنس میں شرکت کے لئے جانا پڑا۔ جہاں مقامی نمائندوں کے علاوہ امریکہ، کینیڈا، ہندوستان اسرائیل، فرانس، ہالینڈ، سوڈان، ویت نام، جاپان سے بھی لوگ تشریف لائے تھے۔ سوڈان سے جناب سادت المہدی سابق وزیر اعظم کانفرنس میں شریک تھے اور انہوں نے اسلام پر ایک مؤثر تقریر بھی کی۔

پہلے دن کے دوسرے اجلاس کی صدارت کے لئے مجھے کہا گیا تھا۔ اسی دن دنیا کے مختلف ممالک کے ٹیلی ویژن کے پروگرام کے لئے کانفرنس کے بعض حصوں کو ریکارڈ کیا گیا۔

کینٹربری کیتھیڈرل (جو دنیا بھر میں مشہور ہے) کو بھی دیکھنے کا موقعہ ملا۔ اس مقام کو بھی دیکھا جہاں آرچ بشپ بیکٹ کو بادشاہ کے حکم سے قتل کیا گیا تھا۔

جمعہ کی شام سے یہودیوں کا سبت شروع ہوتا تھا۔ ان کی طرف سے کھانے پر شراب بھی رکھی گئی۔ جب سب لوگ اپنے اپنے پیالوں میں اسے انڈیلنے لگے تو میرے قریب بیٹھی ہوئی خاتون کہنے لگی کہ ذرا بوتل میری طرف بھی سرکا دیجئے۔ میں نے کہا میڈم میرے نزدیک یہ زہر ہے اور میں اپنے ہاتھوں سے یہ زہر اپنے کسی دوست کو نہیں دینا چاہتا۔ وہ یہ سُن کر ہنس پڑیں اور انہوں نے کسی اور صاحب کو اشارہ کیا کہ بوتل ان تک پہنچا دے۔

اس کے بعد بڑی دیر تک اسلام کے متعلق پوچھتی رہیں۔

ہمارے مخالفوں نے شور مچا مچا کر احمدیت کے متعلق لوگوں کے ذہنوں کو خاصا بیدار کر دیا ہے اس لئے مجھ سے باتیں کرتے ہوئے کانفرنس کے شرکاء اکثر اسی موضوع پر گفتگو شروع کر دیتے تھے۔ وہ نمائندے امریکہ سے آئے ہوں، فرانس سے یا سوڈان سے یا کہیں اور سے سب کو سلسلہ احمدیہ کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا شوق تھا۔

ویت نام سے بدھسٹ راہب تھیچ نہت ہنہ نے کانفرنس میں شرکت کی۔ ان کے ساتھ ایک خاتون بھی تھیں جو پیرس کی یونیورسٹی کی اعلیٰ تعلیم یافتہ

تھیں۔ باتوں باتوں میں کہنے لگیں اگر وہ چاہیں تو وہاں کی یونیورسٹی میں اچھی ملازمت بطور لیکچرر حاصل کر سکتی ہیں۔ لیکن وہ محض ایک کھیت میں محنت مزدوری کرکے اپنے گذارے کا سامان کرتی ہیں۔

میں نے پوچھا اس بے اعتنائی کا مقصد کیا ہے؟ کہنے لگیں مجھے اس میں خوشی محسوس ہوتی ہے۔ اگر یونیورسٹی میں ملازمت کے لئے گئی تو کسی نہ کسی امیدوار کو مایوس کرکے مجھے وہ ملازمت ملے گی۔ بہت سے دوسرے لوگ مقابلے میں اس ملازمت کو حاصل کرنے کے خواہشمند ہوں گے اس لئے میں کھیتی باڑی کرکے اور فارغ وقت میں مطالعہ کرکے ہر طرح سے مطمئن ہوں۔

جاپان سے جاپانی بدھسٹوں کے لیڈر ایبٹ کوشو ناگائی آئت کیوٹو بھی آئے ہوئے تھے۔ انگریزی زبان پر زیادہ مقدرت نہ تھی اس لئے زیادہ اثر انداز نہیں ہو سکے۔

امریکہ کے پروفیسر ڈانلڈ بشپ (شعبۂ فلسفۂ مشرق) تشریف لائے تھے۔ ان سے تحریکِ احمدیت پر تفصیل سے گفتگو ہوتی رہی۔

رات کو جب تقریریں ختم ہو جاتیں تو کالج کے گرجا گھر میں کچھ دیر کے لئے لوگ اکٹھے ہو جاتے تاکہ سونے سے پہلے کچھ عبادت کریں۔ پہلی دو راتیں تو میں شریک نہ ہو سکا پھر اس خاص عبادت کی شہرت سنی تو میں بھی تماشا دیکھنے چلا گیا۔

ایک خاتون سٹیج پر کھڑی تھیں۔ جب خاص قسم کی موسیقی شروع ہوئی تو انہوں نے اپنی باہوں اور جسم کو ہلانا شروع کیا۔ دوسرے لوگ بھی اسی طرح کرتے رہے۔ بیچ بیچ میں اچھل کود بھی ہوتی رہی۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ چرچ نہیں کوئی جمنازیم ہے۔ قدیم زمانہ میں شاید وحشی اقوام میں عبادت کا ایسا ہی طریقہ رائج ہوگا جس کا احیاء اس زمانے میں کیا جا رہا ہے۔

ہندوستان سے ڈاکٹر تری لوچن سنگھ اور پروفیسر ہربنس سنگھ بھی تشریف لائے تھے۔ ان سے بابا نانک کے چولے کے متعلق بات چیت ہوئی تو کہنے لگے کہ بابا نانک نے آخر عمر میں یہ چولہ اور ہندو جوگیوں کے کپڑے سب اتار پھینکے تھے۔ اس لئے چولے سے ان کے مسلمان ہونے کی دلیل پکڑنا درست نہیں۔ دوسری بات انہوں نے یہ بتائی کہ حج کرنے کے بعد واپس آنے تو انہوں نے کبھی کبھی ہندوؤں کے استھانوں میں جانے کے لئے سنیاسیوں کے کپڑے پہنے تھے۔ ڈاکٹر تری لوچن سنگھ کہنے لگے آپ احمدی لوگ بابا نانک کو مسلمان ثابت کرنے کے لئے تاریخی غلط بیانی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

میں نے ان سے عرض کیا اس کے متعلق میں کچھ سوچ کر ہی عرض کرونگا۔ اس سلسلے میں ہمیں کچھ مزید تحقیق کرنے کی ضرورت ہے۔ پاکستان میں رہنے والے اہلِ قلم دوست کچھ تکلیف فرمائیں۔

بہائی مقرر کی تقریر پر میں نے ایک دو سوال پوچھے تو وہ مجھ سے خفا ہو گئے اور کانفرنس کے دوران میں بھی خفا ہی رہے۔

یکم اگست کو کالج کے گرجا گھر میں ایک انٹر فیتھ سروس منعقد ہوئی۔ اسلام کی طرف سے نمائندگی کرنے کے لئے مجھے کہا گیا۔

اسی دن پانچ بجے شام سب لوگ کینٹربری سے رخصت ہو گئے۔

ووکنگ واپس پہنچکر بہت سے لوگوں کو اپنا لٹریچر بھجوایا، جنہوں نے اپنے پتہ جات مجھے دیئے تھے۔

پانچ اگست کو مولنا عبدالرحیم جگو صاحب ہالینڈ سے پچاس تیس دوستوں کے قافلے کو لے کر لندن تشریف لا رہے ہیں۔

---

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے + کوئی دیں دینِ محمدؐ سا نہ پایا ہم نے
کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشاں دکھلائے + یہ ثمر باغِ محمدؐ سے ہی کھایا ہم نے
(حضرت مسیح موعودؑ)

---

تھے۔ ان کا مذہب اپنی تبدیل شدہ شکل میں علمی اور سماجی ترقیوں کی راہ میں مسلسل حائل ہو رہا تھا۔ ہمارا مسئلہ اس کے برعکس ہے۔

ہماری پستی کی وجہ یہ نہیں کہ ہمیں اپنے دین سے محبت نہیں ہے اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم اس محبت کو دورِ حاضر کی زندگی کے اس علمی اور تکنیکی ارتقاء سے ہم آہنگ نہیں کرتے جو ناقابلِ تردید حقائق بن کر ہمارے سامنے آچکا ہے۔ بات صرف اتنی ہی نہیں کہ ہمارا دین اس ارتقاء سے ہم آہنگی کی صلاحیت رکھتا ہے بلکہ اس ارتقاء کی راہ میں بھی فکر و ادراک کی آخری حدوں تک ہماری رہنمائی کی قوت رکھتا ہے۔ ہمارے دین کی اساس قرآن پاک ہے اور قرآن پاک کی رُو سے۔

- علم ہمیں خالق کائنات کے نام پہ ساری انسانیت کی فلاح کے لئے حاصل کرنا چاہیئے۔
- ہمیں اللہ کے حضور اپنے علم میں مسلسل اضافے کی دُعا برابر کرتے رہنا چاہیئے یعنی اس کے لئے ہمیشہ سعی و عمل میں مصروف رہنا چاہیئے۔
- علم روشنی ہے اور جہل تاریکی۔
- صاحبانِ علم اور جاہل بہ حیثیت انسان برابر شمار نہیں کئے جا سکتے۔
- انسان اپنے علم کی قوت کی بنیاد پر تسخیر کائنات کی راہ طے کر سکتا ہے اور قرآن مجید یعنی ہمارے حضور ختمی مرتبتؐ کے فرمان کی رُو سے
- حصول علم ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔
- مہد سے لحد تک ہمیں حصول علم میں مصروف رہنا چاہیئے۔
- حصولِ علم کے لئے دُنیا کی طویل مسافتیں طے کرنا ہم پر فرض ہے۔

یہ اور ایسی بہت سی ہدایات ہماری رہنمائی کے لئے موجود ہیں یہ صرف ارشادات نہیں احکامات ہیں۔ عالم انسانیت نے براہ راست نہ سہی بالواسطہ ہی ان ہی احکامات پر عمل کرکے علم کی راہوں کا سفر کیا ہے۔ عظمتِ انسانی کے محکم تصور کے بغیر مظاہر کائنات اور قوانین فطرت کی تسخیر ممکن ہی نہیں تھی اور یہ تصور بہترین اور انتہائی مکمل انداز میں انسانیت کو صرف ہمارے نظریۂ حیات سے حاصل ہوا ہے۔ لہٰذا بالواسطہ طور پر انسان کی ساری علمی اور فنی ترقیاں ہمارے ہی نظریئے کی عملی تشریح ہیں لیکن بالواسطہ ہونے کی [illegible] یہ ترقیاں متوازن نہیں رہی ہیں۔ یہ ترقیاں انسانیت کے لئے فوز و فلاح اور امن و سلامتی کی ضمانت نہیں بن رہی ہیں۔ ان سے دنیا کی تباہیاں بھی یقینی اور قریب تر ہوتی جا رہی ہیں۔ اب یہ ہمارا فرض ہے کہ ہر علم سے اس جذبے کی نفی کریں جو انسانیت کی رسوائی کا باعث ہے۔ یہ کام ہمارے سوا کوئی نہیں کر سکتا کیونکہ ساری انسانیت کی مساوات اور برادری کا تصور ہمارے سوا کسی کا جزوِ ایمان نہیں۔ انسانی مساوات اور انسانی عظمت پر یہی یقین ہمارے نظام تعلیم کی بنیاد بن سکتا ہے اور علم کی اس سے زیادہ مقدس اور معتبر کوئی دوسری بنیاد نہیں۔

- خالق کائنات کے بعد (جسے اپنے محدود علم کی بناء پر اہلِ مغرب نیچر کہتے ہیں) نظامِ کائنات میں اپنے شعوری علم کی وجہ سے انسان ہی سب سے بڑی فعال قوتِ حیات ہے۔
- اپنی ذات پر یقین اور اپنے علم کی قوت کی بناء پر انسان حیات و کائنات کی تسخیر کر سکتا ہے۔
- اعلیٰ اقدارِ حیات پر ایمان اور کردار کے علاوہ انسانوں کے درمیان کسی دوسری بنیاد پر کوئی امتیاز قائم کرنا درست نہیں ہے۔
- ساری انسانیت ایک برادری ہے اور رنگ و نسل اور قبیلے کو انسان پر انسان کی فوقیت کی وجہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔
- انسانوں پر انسانوں یا قوموں پر قوموں کی نہیں بلکہ سارے انسانوں پر قانون کی بالادستی قائم ہونا چاہیئے۔
- دُنیا کے سارے وسائل سارے انسانوں کی مشترکہ ملکیت ہیں۔ دُنیا میں سارے انسانوں کی تمام بنیادی مادی ضروریات پوری ہوتی چاہئیں تاکہ وہ انسانی سطح کی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکیں۔

یہ وہ اصول ہیں جو زندگی کے ہر شعبے کو متاثر کرتے ہیں۔ کسی شعبے کا علم

(باقی بر صفحہ ۱ کالم ۱)

حکیم مولوی کریم بخش صاحب ... ڈیرہ غازی خاں


# ایک دردمندانہ اپیل

سونے والو جلد جاگو یہ نہ وقتِ خواب ہے
جو خبر دی وحیِ حق نے اس سے دل بے تاب ہے

---

مجھے اسلام وراثت میں ملا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو چیز بطور ورثہ ملے اس کی قدر و قیمت خود پیدا کردہ چیز سے کم ہوتی ہے۔ یہی سلوک ہم نے اسلام سے روا رکھا ہے۔ اِسمی اسلام ہم میں بہت ہے اور رسمی طور پر قرآن کریم کے بھی ہم بڑے شیدائی ہیں مگر قول و فعل میں مطابقت سے مزیّن اسلام کی تصویر، جس کے ذریعہ اسلام کی ابتدا ہوئی تھی آج ہم میں مفقود نظر آتی ہے۔ ابتدائے اسلام میں باعمل مسلمانوں پر جب غیر مسلموں نے نظر ڈالی، تو اسلام پر فریفتہ ہو گئے اور اپنے مذہب کو چھوڑ کر اسلام کے نور سے اپنے دلوں کو منوّر کیا اور فوج در فوج اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے تھے۔

لیکن وہی اسلام جب ہمارے پاس آیا تو ہم نے اپنے عمل سے اس کی ایسی ڈراؤنی تصویر پیش کی کہ غیر مسلم تو غیر مسلم، خود مسلم شرفاء کی گردنیں ندامت سے جھک گئیں۔ ۱۹۵۳ء کے فسادات میں ہم نے اپنے اخلاق کا کیا نمونہ دکھایا اور پھر ۱۹۷۴ء میں اختلاف رائے کی بناء پر ظلم کرکے اور احمدیوں کو جان و مال کا نقصان پہنچا کر ہم نے اسلامی رواداری کا کس طرح منہ چڑایا۔ صحابہ کرام اور اولیاء عظام نے تو اسلام کی خاطر ہر قسم کی قربانی کرکے محبت و رافت اور اخوت و شفقت کا راستہ انسانوں کو دکھایا اور وہ اپنے پُر حکمت و پُر تاثیر مواعظِ حسنہ سے لوگوں کے دلوں کو نورِ ایمان سے روشن کر کے خیرِ اُمّت کے لقب سے سرفراز ہوئے تھے۔ مگر چودھویں صدی کے مسلمانوں نے کروڑ یا دو کروڑ رحمۃ للعالمین، خاتم النبیّین کے پیروکاروں کو جبراً "غیر مسلم" قرار دے دیا۔ موجودہ صدی کے اس سب سے بڑے حادثہ نے مجھے ایسا بیدار و بے قرار کر دیا۔ کہ میں جناب حضرت میرزا صاحب کی کتب کی ورق گردانی میں لگ گیا۔ علم میں اضافہ اور شوق میں ترقی کے ساتھ مجھ پر مجدّد زمان کی صداقت بھی واضح ہوتی گئی۔ اور ایمانداری کی بات یہ ہے کہ مجھے تاریخ اسلام میں حضرت میرزا صاحب سے زیادہ کوئی عاشقِ رسُول اور خادم قرآن و اسلام نظر نہیں آیا۔ جو بقول مولٰنا ابوالکلام آزاد "شور قیامت ہو کر خفتگانِ خوابِ ہستی کو بیدار کرتا رہا"۔ اور جس نے اسلام کے لئے یہ ایثار گوارا کیا۔ کہ ساعتِ عہد سے لے کر بہار و خزاں کے سارے نظارے ایک مقصد پر (یعنی غلبۂ اسلام۔ ناقل) ہاں ایک شاہدِ رعنا کے پیمانِ وفا پر قربان کر دیئے ہوں۔

جناب حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے مخالفین کی میں نے چیدہ چیدہ کتب بھی مقابل میں پڑھی ہیں۔ مگر سوائے مایوسی کے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ جیسا کہ حضرت مجدّدِ وقت کے کلام میں [illegible] شوکت اور معرفتِ الٰہی کا وہ نور میں نے پایا جو چودھویں صدی کے کسی عالم کے کلام میں نہیں ملا۔ کاش میرے مسلمان بھائی اس عارف باللہ کے کلام سے خود بھی فائدہ اٹھاتے اور دوسروں کو بھی اس اسلامی نور سے منوّر کرتے۔

میں چند عبارات مختصراً حضرت میرزا صاحب کی کتب سے بمع حوالہ جات پیش کرتا ہوں۔ تاکہ کوئی سعادت مند فائدہ اٹھائے۔ ارشاد فرماتے ہیں:-

(۱) "یہ اعتراض ہے کہ میں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ تو بجز اس کے کیا کہیں کہ لعنت اللّٰہ علی الکاذبین المفترین"
(انوار الاسلام ص ۳۴)

(۲) "نبوت کا دعوٰے نہیں بلکہ محدثیت کا دعوٰے ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے"۔ (ازالہ اوہام)

(۳) "میرا نبوت کا کوئی دعوٰے نہیں ہے یہ آپ کی غلطی ہے"۔
(جنگِ مقدّس ص ۶۷)

(۴) "ان لوگوں نے مجھ پر افتراء کیا ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی ہونے کا دعوٰے کرتا ہے"۔ (حمامۃ البشریٰ ص ۸)

(۵) "اس عاجز نے سُنا ہے۔ اکابر علماء میری نسبت یہ الزام مشہور کرتے ہیں کہ یہ شخص نبوت کا مُدّعی ملائک کا منکر، بہشت و دوزخ کا انکاری اور ایسا ہی وجودِ جبرائیل اور لیلۃ القدر اور معجزات اور معراج نبوی سے بکلی منکر ہے۔ لہٰذا میں اظہاراً للحق عام و خاص اور تمام بزرگوں کی خدمت میں گذارش کرتا ہوں کہ یہ الزام سراسر افتراء ہے۔ میں نہ نبوت کا مُدّعی ہوں اور نہ معجزات اور ملائک اور لیلۃ القدر سے منکر بلکہ میں ان تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں۔ اور جیسا کہ سنت جماعت کا عقیدہ ہے ان سب باتوں کو مانتا ہوں ...... جو قرآن اور حدیث کی رُو سے مسلّم الثبوت ہیں۔ اور سیدنا و مولٰنا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللّٰہ علیہ وسلم خاتم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مُدّعی نبوت و رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللّٰہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللّٰہ محمد مصطفٰے صلی اللّٰہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی"۔
(مجموعہ اشتہارات ۲؍اکتوبر جلد اوّل)

(۶) "بالآخر میں عامۃ الناس پر ظاہر کرتا ہوں کہ مجھے اللّٰہ جلّشانہ کی قسم ہے کہ میں کافر نہیں لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ میرا عقیدہ ہے۔ ولٰکن رسول اللّٰہ وخاتم النبیّین پر آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی نسبت میرا ایمان ہے۔ میں اپنے اس بیان کی صحت پر اس قدر قسمیں کھاتا ہوں جس قدر خدا تعالیٰ کے پاک نام ہیں اور جس قدر قرآن کریم کے حرف ہیں۔ اور جس قدر آنحضرت صلعم کے خدا تعالیٰ کے نزدیک کمالات ہیں۔ کوئی عقیدہ میرا اللّٰہ اور رسُولؐ کے فرمودہ کے برخلاف نہیں"۔ (کرامات الصادقین ص ۲۲-۲۳)

(۷) "ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں + دِل سے ہیں خدّامِ ختم المرسلیں"

(۸) "وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نورُ سارا
نام اس کا ہے محمد دِلبر مِرا یہی ہے"

(۹) "وہ اس نور پر فدا ہوں اُس کا ہی میں ہوا ہوں
وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے"

(۱۰) "مامسلمانیم از فضلِ خدا + مصطفٰے مارا امام و پیشوا"

میں نے دس ارشادات حضرت مرزا صاحب کی کتب سے تحریر کر دیئے ہیں تاکہ محبّ اسلام احباب خود عاشقِ رسُول صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے کلام سے مستفیض ہوں۔ جناب مرزا صاحب نے تقریباً اسّی کتب تحریر فرمائی ہیں۔ جن میں حقیقت کلام اللّٰہ قرآن مجید۔ حقیقت نبوت محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم روز روشن کی طرح ثابت کی ہے اور خالص توحید کو دنیا میں پیش کیا ہے۔ آپ کی کتب کا مطالعہ کریں اور ثواب دارین پائیں۔ تفکروا وتدبروا۔


ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ——— مورخہ ۱۸ اگست ۱۹۷۶ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ——— شمارہ نمبر ۳۳



احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

میں تیری تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا
الہام حضرت مسیح موعودؑ

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

فون نمبر: ۵۳۷۳۷

# پیغام صلح

ما مسلمانیم از فضلِ خدا
مصطفیٰ ما را امام و پیشوا

من نیستم رسول و نیاوردہ ام کتاب
ہاں ملہم استم و ز خداوند منذرم

لاہور
پاکستان

ایم۔ ایس سی

● رجسٹرڈ ایل نمبر: ۴۳۸
● تار کا پتہ
● تبلیغ لاہور

● سالانہ چندہ
● پاک و ہند سے آٹھ روپے
● بیرونی ممالک سے: ایک پونڈ

دنیا میں ایک نذیر آیا۔ پر دُنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اسکی سچائی ظاہر کر دیگا
(الہام حضرت مسیح موعودؑ)

جلد ۶۳ | یوم چہار شنبہ ۲۷ شعبان المعظم ۱۳۹۶ھ مطابق ۲۵ اگست ۱۹۷۶ء | نمبر ۳۴

## ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

## اپنی جماعت کو نصیحت۔ میرا معاملہ خدا پر چھوڑ دو

ہماری جماعت کے لئے بھی اسی قسم کی مشکلات ہیں جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت مسلمانوں کو پیش آئے تھے۔ چنانچہ نئی اور سب سے پہلی مصیبت تو یہی ہے کہ جب کوئی شخص اس جماعت میں داخل ہوتا ہے، تو معاً دوست، رشتہ دار اور برادری الگ ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات ماں باپ اور بھائی بہن بھی دشمن ہو جاتے ہیں۔ السّلام علیکم تک کے روادار نہیں رہتے اور جنازہ پڑھنا نہیں چاہتے اس قسم کی بہت سی مشکلات پیش آتی ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ بعض کمزور طبیعت کے آدمی بھی ہوتے ہیں اور ایسی مشکلات پر وہ گھبرا جاتے ہیں۔ لیکن یاد رکھو کہ اس قسم کی مشکلات کا آنا ضروری ہے۔ تم انبیاء اور رسل سے زیادہ نہیں ہو۔ اُن پر اس قسم کی مشکلات اور مصائب آئیں اور یہ اسی لئے آتی ہیں کہ خدا تعالےٰ پر ایمان قوی ہو اور پاک تبدیلی کا موقعہ ملے۔ دعاؤں میں لگے رہو۔ پس یہ ضروری ہے کہ تم انبیاء و رسل کی پیروی کرو۔ اور صبر کے طریق کو اختیار کرو۔ تمہارا کچھ بھی نقصان نہیں ہوتا۔ وہ دوست جو تمہیں قبولِ حق کی وجہ سے چھوڑتا ہے وہ سچا دوست نہیں ہے۔ ورنہ چاہیئے تھا کہ تمہارے ساتھ ہوتا۔ تمہیں چاہیئے کہ وہ لوگ جو محض اس وجہ سے تمہیں چھوڑتے اور تم سے الگ ہوتے ہیں کہ تم نے خدا تعالےٰ کے قائم کردہ سلسلہ میں شمولیت اختیار کر لی ہے۔ ان سے دنگہ یا فساد مت کرو بلکہ ان کے لئے غائبانہ دُعا کرو کہ اللہ تعالےٰ ان کو بھی وہ بصیرت اور معرفت عطا کرے جو اس نے اپنے فضل سے تمہیں دی ہے۔ تم اپنے پاک نمونہ اور عمدہ چال چلن سے ثابت کر کے دکھاؤ۔ کہ تم نے اچھی راہ اختیار کی ہے۔ دیکھو میں اس امر کے لئے مامور ہوں کہ تمہیں بار بار ہدایت کروں۔ کہ ہر قسم کے فساد اور ہنگامہ کی جگہوں سے بچتے رہو اور گالیاں سُن کر بھی صبر کرو۔ بدی کا جواب نیکی سے دو۔ اور کوئی فساد کرنے پر آمادہ ہو تو بہتر ہے کہ تم ایسی جگہ سے کھسک جاؤ اور نرمی سے جواب دو۔ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص بڑے جوش کے ساتھ مخالفت کرتا ہے اور مخالفت میں، وہ طریق اختیار کرتا ہے جو مفسدانہ طریق ہو۔ جس سے سننے والوں میں اشتعال کی تحریک ہو۔ لیکن جب سامنے سے نرم جواب ملتا ہے اور گالیوں کا مقابلہ نہیں کیا جاتا۔ تو خود اسے شرم آ جاتی ہے اور وہ اپنی حرکت پر نادم اور پشیمان ہونے لگتا ہے۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ صبر کو ہاتھ سے نہ دو۔ صبر کا ہتھیار ایسا ہے کہ توپوں سے وہ کام نہیں نکلتا جو صبر سے نکلتا ہے۔ صبر ہی ہے جو دلوں کو فتح کر لیتا ہے۔ یقیناً یاد رکھو کہ مجھے بہت ہی رنج ہوتا ہے جب میں یہ سنتا ہوں کہ فلاں شخص اس جماعت کا ہو کر کسی سے لڑا ہے۔ اس طریق کو میں ہرگز پسند نہیں کرتا اور خدا تعالےٰ بھی نہیں چاہتا کہ وہ جماعت جو دُنیا میں ایک نمونہ ٹھہرے گی وہ ایسی راہ اختیار کرے جو تقویٰ کی راہ نہیں ہے۔ بلکہ میں تمہیں یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ یہاں تک اس امر کی تائید کرتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس جماعت میں ہو کر صبر اور برداشت سے کام نہیں لیتا تو وہ یاد رکھے کہ وہ اس جماعت میں داخل نہیں ہے۔ نہایت کار اشتعال اور جوش کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ مجھے گندی گالیاں دی جاتی ہیں۔ تو اس معاملہ کو خدا کے سپرد کر دو۔ تم اس کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ میرا معاملہ خدا پر چھوڑ دو۔ (تقریر حضرت مسیح موعودؑ)

---

جس نے ہمت کر کے نفس دوں کو زیر پا کیا + چیز کیا ہیں اس کے آگے رستم و اسفندیار
گالیاں سُن کر دُعا دو پا کے دُکھ آرام دو + کبر کی عادت جو دیکھو تم دکھاؤ انکسار
(حضرت مسیح موعودؑ)

جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

# عشقِ رسولؐ
# مسلمانوں کی زندگی کی راہیں

جب سے مسلمانوں پر ادبار و نکبت کی گھٹائیں چھائی شروع ہوئی ہیں۔ تب سے مختلف وقتوں میں ہمدرد قوم و ملت اصحاب نے کئی رنگوں میں یہ کوشش کی ہے کہ مسلمانوں میں دوبارہ قوت و شوکت پیدا ہو جائے۔ چنانچہ غدر کے بعد اس راہ میں سب سے پہلی کوشش سرسید مرحوم اور ان کے رفقاء نے کی۔ سرسید مرحوم بلاشبہ ایک ہمدرد قوم تھے اور بے شک آپ نے اپنی زندگی میں اپنی عقل کے مطابق قوم کی خدمت کی۔ چنانچہ آپ نے جو راستہ مسلمانوں کی ترقی کا سوچا وہ سائنس و علوم دُنیا میں مسلمانوں کا بڑھ چڑھ کر حصّہ لینا تھا۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ جو شخص غور و فکر کے ذریعہ دنیا کے حالات کو مشاہدہ کرے گا وہ یہی نتیجہ نکالے گا۔ کہ جب تک مسلمان دنیاوی اقتدار حاصل نہ کریں تب تک ان میں کوئی قوت پیدا نہ ہوگی۔ اور اس زمانہ میں دنیاوی اقتدار بغیر تعلیم سائنس کے ناممکن ہے لیکن ساتھ ہی ایسی تعلیم کے یہ خطرہ بھی ہے کہ خود مسلمان اس کو حاصل کر کے اپنے مذہب کو خیرباد ہی نہ کہدیں۔ اسی لئے سرسید مرحوم نے بھی جب اس خطرہ کو محسوس کیا تو آپ نے تمام مسائل اسلام کی تاویل ایسے رنگ میں کی جن سے وہ موجودہ دنیوی علوم کے مطابق ہو جائیں۔ مگر تجربہ نے ثابت کیا کہ ایسی دقیق تاویلات سے نئی روشنی کے تعلیمیافتہ اصحاب کی تسلّی پھر بھی ہوئی۔ چنانچہ موجودہ وقت میں سرسید مرحوم کی درسگاہ سے تعلیمیافتہ لوگوں کی نسبت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ۔ جہاں وہ دنیوی علوم سے محبّت رکھتے ہیں وہاں اس سے زیادہ یا کم از کم اتنی محبّت وہ دینی علوم سے بھی رکھتے ہیں۔ جس کا نتیجہ لازمًا یہ ہو رہا ہے کہ اگرچہ مسلمان سائنس میں اعلےٰ سے اعلےٰ ڈگریاں تو لے رہے ہیں۔ لیکن ان کے قلوب میں سے اسلام اور حضرت نبی کریم صلعم کی محبت بہت حد تک کم ہو رہی ہے۔ اور اگر اُن میں سے اکثر اصحاب اعلانیہ لامذہب اور دہریہ نہیں کہلاتے تو اپنے دلوں میں تو ضرور مذہب اور اس کے اُصولوں سے بیزار نظر آتے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی وقت مسلمانوں کی اولاد اعلیٰ اعلیٰ دُنیاوی علوم حاصل بھی کر لے اور اس کے باعث اعلےٰ عہدوں پر سرفراز بھی ہو جائے۔

لیکن اس کے ساتھ ہی وہ مذہب اور اس کے اُصولوں کو ایک پُرانا قصّہ تصوّر کریں۔ حضرت نبی کریم صلعم اور قرآن مجید سے ان کو کوئی رغبت و شوق نہ ہو، اپنی زندگی کو وہ اسلامی تہذیب و تمدّن کے مطابق کرنے کی بجائے عین مغربیت کی عیاشی و اوباشی میں بسر کرنا پسند کریں۔ اگر کوئی وقت ایسا آ جائے تو کیا ہم یہ کہہ سکیں گے کہ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی ہو گئی؟ یا ہمیں مجبورًا یہ کہنا پڑے گا کہ جس طرح مادہ پرستی میں اور بہت سی اقوام نے ترقی کر لی ہے۔ اسی طرح ایک قوم جو مسلمان کہلاتی ہے اس نے بھی اس راہ میں ان کی تقلید کی مسلمانوں کی زندگی اور موت کا سوال صرف ایک ہی بات سے وابستہ ہے۔ اور وہ یہ ہے۔

**دینِ اسلام کی محبت** اگر ذرا بھی غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کی قومیت کا مدار ہی ان کا اپنے مذہب سے عشق پیدا کرنا ہے۔ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے کیوں اُنس ہے۔ محض اس لئے کہ ان کے ایک ہی اصول زندگی ہیں۔ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے اس لئے محبت نہیں کہ ان کی کوئی ایک نسل یا قوم ہے یا اس لئے کہ ان کا جاہ و منصب اور مال و دولت میں کوئی اشتراک ہے بلکہ ان کی محبت کی بنیاد محض انکے مشترکہ اصولِ زندگی یعنی ایک مذہب کا ہونا ہے۔ اب جس قدر زیادہ مسلمانوں کو اپنے مذہب سے محبت ہوگی اتنا ہی زیادہ وہ آپس میں محبت رکھیں گے۔ اور جس قدر مسلمانوں کو اپنے مذہب سے دُوری ہوگی اتنا ہی ان کی قومیت کا شیرازہ کمزور ہوتا جائے گا۔ عشقِ رسُولؐ ہی ایک ایسی چیز ہے جو مسلمانوں کی قومیت کا بنیادی پتھر ہے۔ پس اگر مسلمانوں نے اپنے رسُول سے عشق پیدا کر لیا تب تو ان کی قومیت کا بننا کچھ مشکل نہیں اگر انہوں نے یہ محبت اپنے رسول سے پیدا نہیں کی تو ان کی قوم کبھی بن نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ قوم مسلم کی بنیاد ہی نہیں پڑی۔

**قومِ مسلم کی بُنیاد** بہت ہی قابلِ افسوس یہ امر ہے کہ اب تک بھی مسلم رہنماؤں کو یہ نکتہ سمجھ نہیں آیا کہ اگر وہ کوئی قوم بنانا چاہتے ہیں تو پہلے اس کی بنیاد تو رکھ لیں۔ جب مسلم قوم کو اپنے مذہب اور اپنے رسولؐ سے محبت نہیں ہوگی تو اس سے مذہب اسلام اور حضرت محمد مصطفٰے صلعم کی عظمت کو کیا ترقی ہوگی۔ حیرت تو یہ ہے کہ غیر بھی اس راز کو سمجھ چکے ہیں۔ چنانچہ پادریوں نے متعدد بار اس امر کا اظہار کیا ہے کہ حضرت محمد مصطفٰےؐ کا نام مسلمانوں کے لئے ایک بڑی قوت کا موجب ہے۔ دوسری بات اس جگہ قابل غور یہ ہے کہ جب مسلمانوں کو حضرت نبی کریم صلعم سے عشق ہو تو وہ کس قسم کا ہو۔ یعنے اس محبت کی وجہ کیا ہو۔ کیا اس وجہ سے محبت ہو کہ ہم مسلمانوں کی اولاد ہیں اور ہمارا بھی ایک رسول ہے جس طرح اور قوموں کے پیغمبر ہیں۔ کیا ایک اندھا دھند اور جہالت کی محبت ہو۔ کیا وہ [illegible] اس عشق کی بنیاد ہو؟ اگر ہم عشقِ رسولؐ کو ان راہوں پر [illegible] کرنا چاہیں گے تو یہ تو ممکن ہے کہ جاہل اور فرسودہ خیال کے انسان اس طرف آ جائیں۔ لیکن اعلےٰ تعلیم یافتہ مسلمانوں کو اس طرف نہیں کھینچ سکیں گے اگر ہمارا مقصد یہ ہے کہ اس محبت کے حلقہ میں وہ لوگ بھی آ جائیں جنہوں نے دنیوی علوم میں اعلےٰ ترقیاں کی ہیں۔ تو پھر ہمیں کوئی دوسری راہ اختیار کرنی پڑے گی۔

**حقیقی عشق** حضرت محمد مصطفٰے صلعم کی ذات سے حقیقی عشق پیدا کرنا اس بات پر منحصر ہے کہ ہمارا دل اس بات پر گواہی دے کہ آپ نے اپنے وقت جو کچھ کر کے دکھلایا۔ اسی میں ایک عالم کی سچی خیرخواہی مرکوز ہے۔ ہمارے قلوب اس اطمینان سے لبریز ہوں کہ واقعی جو جو اصولِ زندگی حضرت محمد مصطفٰے صلعم لائے ان کے بغیر دنیا کا حقیقی امن قائم نہیں ہو سکتا۔ ہمارا علم اس قدر گہرا ہو کہ ہماری عملی زندگیاں اس بات کو ثابت کریں کہ ہم اس خیر الرسل کے متبع ہیں نہ صرف یہ یقین اور اطمینان ہماری ذات تک محدود ہو بلکہ ہم میں یہ جوش و ولولہ پیدا ہو کہ ہم تمام دنیا کی بہتری اسی امر میں سمجھ لیں کہ وہ آپ کے قدموں پر آ کر گرے۔ ہم میں یہ تڑپ اور حرکت ہو کہ ہم اسلام اور اس کے اصولوں کو کل عالم میں بلند کریں گے۔ ہم علم الیقین کے درجہ پر پہنچ گئے ہوں تاکہ دنیا کو یہ یقین دلادیں کہ اس کی موجودہ امراض و مصائب کا خاتمہ محض اسلام کے سامنے سر خم کرنے میں ہے۔ (باقی ــــ باقی)

---

اے اسیرِ عقل خود برستی خود کم بنانہ + کیں سپہر العجائب چوں تو بسیار آورد

تو خود را خردمند فہمیدۂ + مقاماتِ مرداں کجا دیدۂ

ہفت روزہ پیغامِ صلح ——— لاہور ——— مؤرخہ ۲۵ راگست ۱۹۷۶ء

# "آسماں نے دولتِ غرناطہ جب برباد کی"

دنیا جانتی ہے کہ اسلام کے ایک عظیم فرزند اور جرنیل حضرت طارقؒ کا ساحلِ اندلس پہ اپنی کشتیوں کو نذرِ آتش کرنے کے بعد مٹھی بھر مجاہدینِ اسلام کے ساتھ سپین کو فتح کرکے وہاں ایک نئی تہذیب و ثقافت کی داغ بیل ڈالنا مادی وسائل سے بے نیازی اور جرأتِ ایمانی و شجاعت کا ایک ایسا انمٹ اور محیرالعقول واقعہ ہے جو نہ صرف تاریخ اسلام بلکہ تاریخ عالم میں تا ہمیشہ یادگار رہے گا۔ یہ قوم اس پر جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔ اس سرزمین پر مسلمانوں کے قدم پڑنے کے ساتھ ہی علوم کے جو چراغ روشن ہوئے وہ تاریکی میں ڈوبے ہوئے یورپ کو بھی منور کر گئے۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ آج کی سائنس اور ٹیکنالوجی کی بنیاد وہیں سے پڑی۔ مسلمان علماء کی تصنیف کردہ کتب کے تراجم یورپین زبانوں میں ہوئے اور ان کی تحقیقات اور تجربات جدید تحقیقات کی اساس قرار پائے۔ تقریباً آٹھ سو سال تک مسلمانوں نے یہ شمع وہاں فروزاں رکھی۔ مگر انہی کے ہاتھوں پھر ایسی بجھی کہ آج تک نہیں جل سکی۔ اس ملک سے آٹھ سو سال پر پھیلے ہوئے اسلامی تہذیب و ثقافت کے نشانات ایسے مٹے جیسے وہ کبھی وہاں تھے ہی نہ تھے۔ مسلمانوں نے اپنے اس حسرتناک انجام اور اس کے پس منظر میں کار فرما عوامل کو یکسر فراموش کر دیا اور اپنے قلوب و اذہان سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا۔ اپنے ماضی کے اس تابناک باب کو اُلٹ کر کبھی یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ کیوں ایسا ہوا۔ لیکن غیر ان کے اس انجام پہ غور و فکر کرنے اور اس سے فائدہ اُٹھانے کے لئے وہاں جا پہنچے۔

محمد احسان صاحب نوائے وقت (راولپنڈی) کی ۲۴ر جولائی کی اشاعت میں "بھارت کے عزائم اور منصوبے" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ ہندوستان کے ذہین سیاست دان اور افسر ڈی۔پی دھر نے سپین میں مسلمانوں کے زوال کے اسباب کا دو سال تک جائزہ لیا۔ وہاں کی لائبریریوں میں محفوظ قدیم ترین تحریرات کا مطالعہ کیا اور اپنی اس عرقریزی کے نتیجہ کو ایک مکمل رپورٹ کی صورت میں حکومت ہند کے سامنے رکھا۔ بھارت میں مسلمانوں کی نسل کشی اسی منصوبے کے مدنظر ہو رہی ہے۔ انہوں نے بھارت کی آزادی کے ۲۲ سال بعد احمد آباد میں ہونے والے فسادات کا ذکر کرتے ہوئے ایک شدید زخمی خاتون کی زبانی خواتین پر بیتی ہوئی ایسی المناک داستان بیان کی ہے جس سے ہر غیرتمند انسان کا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ سپین کی طرح ہندوستان سے بھی مسلمانوں کا نام و نشان مٹانے کی تدبیریں انہی خطوط پر ہو رہی ہیں۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ ڈی۔پی دھر نے مسلمانوں کے نہ صرف زوال بلکہ عروج کے اسباب کا بھی گہرا مطالعہ کیا ہوگا۔ اور پھر یہ نتیجہ نکالا ہوگا کہ انہیں اقتدار میں لانے کی قوتوں کو کمزور کرنے کے لئے وہاں کے غیر مسلموں نے کیا ذرائع اختیار کئے کہ انکا عروج رفتہ رفتہ زوال پذیر ہو کر آخرکار ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

یہ افسانہ نہیں بلکہ ایک روشن حقیقت ہے کہ جب تک مسلمانوں نے اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کے امر کو حرزِ جان بنائے رکھا اور انفرادیت اجتماعیت پر قربان ہوتی رہی مسلمان رشتہ اخوت میں منسلک رہے اور اسی قوتِ اخوت کے باعث پہاڑوں اور دریاؤں نے بھی انہیں راستہ دیا۔ مادی وسائل کی قلت کے باوجود وہ مخالف طاقتوں پر ہمیشہ بھاری رہے۔ ان کی کامیابیوں اور کامرانیوں کا سارا راز اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامنے میں تھا۔ اور وہ جانتے تھے کہ اللہ نے مومنوں کے مال اور جانیں جنت کے بدلے خرید لی ہیں۔ اللہ سے یہ تجارت گھاٹے کا سودا نہیں تھا اور وہ کبھی گھاٹے میں نہ رہے۔

دشمن قوتیں یہ بھانپ گئی تھیں کہ جب تک اس قوم کو نفس پرستی کی راہ نہ دکھائی جائے اور اس کے جذبۂ اخوت اور اتحاد کو ختم کرنے کے لئے اس میں افتراق و انتشار کے بیج نہ بوئے جائیں میدانِ جنگ میں اس پر فتح حاصل کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ لیکن ایسا اس وقت تک نہیں ہو سکتا تھا جب تک خود مسلمانوں میں سے ہی کچھ ایسے لوگ کھڑے نہ کئے جاتے جو ان مقاصد کے حصول میں دشمن کے ممد و معاون ہوتے۔ یہ طریقہ بڑا کامیاب رہا۔ کہیں تو مسلمانوں کا روپ دھار کر خود انہوں نے ایسا کیا اور کہیں مسلمانوں میں سے ہی حرص و ہوا اور اقتدار کے بندے ان کے ہتھے چڑھ گئے۔ مختلف ممالک میں ان کے اندرونی حالات کے مدنظر مختلف طریقے آزمائے گئے۔ شیطان نے یہ اعمال مسلمانوں کو بڑے خوبصورت اور سُودمند کرکے دکھائے۔ اگر کہیں دولت و اقتدار کا لالچ مسلمانوں کی ملی غیرت و حمیت کو اپنے ساتھ بہا کر لے گیا تو کہیں زبان و ثقافت کے اختلافات نے اس کا یہ لباس اُتار لیا۔ اور کہیں فرقہ واریت کے جنون نے بھائی کو بھائی سے دست و گریبان کراکے اس کے دامن اخوت کو تار تار کر دیا۔ جب اپنے ہی دوسروں کا آلہ کار بن جائیں تو بیگانوں سے کیا شکوہ۔ سپین عیش پرستی اور اقتدار پسندی کی قربان گاہ پہ ذبح ہوا۔

نسل پرستی اور زبان و ثقافت کے اختلافات نے دولتِ عثمانیہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ فرقہ واریت اور جاہ و حشمت کی حرص نے برصغیر کے مسلمانوں کی طاقت سلب کر لی۔ ہم دُور نہیں جانا چاہتے۔ برصغیر ہند و پاک کے قریب ترین زمانہ کی تاریخ اپنے قارئین کے سامنے رکھتے ہیں۔ انہیں اپنے سوال کا جواب مل جائے گا کہ سپین اور ہندوستان میں مسلمانوں پہ جو بیتی ہے یا بیت رہی ہے اس کا ذمہ دار عیسائی اور ہندو ہے یا خود مسلمان۔

حضرت سید احمد بریلویؒ اور شاہ اسمٰعیلؒ بالاکوٹ میں مسلمانوں کی سازش سے شہید ہوئے۔ انگریز کو ہندوستان میں سیاسی غلبہ دلانے اور ان کے پیر جمانے میں میر جعفر اور صادق نے مدد دی۔ پہلی جنگِ آزادی کے بعد مسلمانوں کی اجتماعیت کو ختم کرنے کے لئے ان کے مذہبی پیشواؤں کے ذریعے فرقہ واریت کے جذبات کو یہاں تک بھڑکایا گیا کہ ہر فرقہ کے پیشواؤں نے دوسرے فرقہ کے خلاف کفر کا فتویٰ صادر کیا جس کی وجہ سے بغض و عناد کی آگ اس حد تک بھڑکی کہ ایک دوسرے کی مسجد میں نماز ادا کرنا جان کے لئے خطرہ بن گیا۔ ایسے میں جو بھی دردمند انسان حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے ان کی اصلاح کے لئے کھڑا ہوا اس پر بھی کفر کے فتوے لگائے گئے اسے ستایا گیا۔ دُکھ دیا گیا اور ایسے حالات میں اُلجھایا گیا کہ اصل مقصد پورا نہ ہو سکے اس فتویٰ سازی کے تین بڑے ٹکسال گھر دیو بند۔ بریلی اور دہلی میں تھے۔ جہاں ادنیٰ دھاتوں کو پگھلا کر کھوٹے مگر چمکدار سکّے تیار کئے جاتے جن کی ظاہری چمک دمک مذہب کے بازار میں سادہ دل اور مخلص عوام کی آنکھوں کو خیرہ کر دیتی اور حقائق کو ان کی آنکھوں سے اوجھل کر دیتی۔ اگر کسی کو شک ہو تو تحریکِ پاکستان کا وہ باب پڑھ لے جہاں صاف یہ لکھا ہوا دکھائی دے گا کہ مسلمانوں کی اس جدوجہد آزادی کی سب سے بڑی مخالف اور کانگرس کی ہمنوا جمیعت العلماء ہند تھی۔ اور دیوبند ہی سے یہ آواز اُٹھی تھی کہ قومیں وطن سے بنتی ہیں، نہ کہ رسولِ ہاشمی کے لائے ہوئے دین پر عمل پیرا ہونے سے۔ یہ لوگ خواہ بھارت میں ہوں یا پاکستان میں آج بھی اس تحریک۔ اس کے قائدین اور اس وطن عزیز کے دل سے مخالف ہیں۔ "بابالحیل" سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے دیوبند کے بعض فارغ التحصیل علماء اپنی تقریروں میں یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ مسجد

کے بنانے میں تو اختلاف ہو سکتا ہے مگر جب بن جائے تو اس کی مخالفت جائز نہیں۔ بہت خوب! مسجد تو خدا کی عبادت کے لئے بنائی جاتی ہے اور حدیث شریف میں ہے جو مسجد بناتا ہے اللہ تعالےٰ اس کے لئے جنت میں گھر بناتا ہے پھر مسجد کے بنانے میں اختلاف کیوں۔ ہاں ایک مسجد کی حیثیت مسجد ضرار کی ہو سکتی ہے جس کی تعمیر میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ کیا ان علماء کی نگاہ میں پاکستان کی حیثیت اس وقت مسجد ضرار کی تھی کہ انہوں نے اختلاف کیا یا یہ کانگرس کے سکوں کی جھنکار تھی جس نے ان کے ضمیر کا گلا گھونٹ دیا۔ اور اب پاکستان سے فوائد حاصل ہونے کے بعد انہوں نے بظاہر توبہ کرلی ہے لیکن مقصد اب بھی وہ غیر ملکی طاقتوں کا ہی پورا کر رہے ہیں۔

کچھ ایسی مایوس کن حالات میں مسلمانوں کو یہ بھولا ہوا سبق یاد دلانے کے لئے کہ ان کی سیاسی۔ معاشی۔ معاشرتی۔ تہذیبی اور ثقافتی عظمت کا راز ان اخلاقی اور روحانی اقدار کو پھر سے اپنانے میں ہے۔ جو حضرت نبی کریم صلعم نے ان کے سامنے رکھی تھیں قادیان سے ایک پر درد آواز اٹھی۔ یہ صدا حضرت مرزا غلام احمدؒ قادیانی کی صدا تھی۔ یہ کوئی نئی پکار نہیں تھی بلکہ اسی آواز کی صدائے بازگشت تھی جو آج سے چودہ سو سال پہلے صحرائے عرب سے بلند ہوئی تھی۔ اور وہ یہ تھی کہ نسلِ انسانی کی نجات اللہؐ اور رسولؐ کا دامن تھامنے میں ہے نہ کہ مادی وسائل کے بل بوتے پر۔ طاقت سے حاصل کیا ہوا غلبہ عارضی ہوتا ہے مگر جو دل اللہ کے سامنے جھک جاتے ہیں انہیں طاقت سے مغلوب نہیں کیا جا سکتا اور اسی میں ساری طاقت اور قوت کا راز ہے۔ آپ نے ان طاقتوں کی بڑے واضح الفاظ میں نشاندہی کی جو مسلمانوں کی روحانی قوت کو کمزور کرنے اور ان کے جسد ملی میں ایسا زہر بھرنے میں مصروفِ کار تھیں جو غیر محسوس طور پر اُسے مفلوج کر دے۔ آپ نے اس فتنۂ عظیم کی نشاندہی کی جس کی خبر مخبر صادقؐ نے صدیوں پہلے دے دی تھی۔ اور اسے ایسا فتنہ قرار دیا تھا جو اس زمین پر اور اس آسمان کے نیچے نہ کبھی پہلے نمودار ہوا اور نہ قیامت تک نمودار ہوگا۔ اور وہ فتنہ تھا یاجوج ماجوج اور دجال کا فتنہ۔

آپ نے اقوامِ مغرب کو یاجوج ماجوج اور دجال کہا۔ ان تمام نشانیوں کو ان کے متعلق احادیث میں مذکور ہیں تشریح اور تفسیر کرکے ان میں پائی جانے والی خصوصیات کو منکشف کیا اور عیسائیت کے فتنہ کو اجاگر کیا۔ انگریز اس دور کی سب سے بڑی دجالی قوت تھی۔ اس کی سلطنت پہ سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ حضرت مرزا صاحب کی آواز میں اسے اپنے لئے ایک بہت بڑا خطرہ نظر آیا۔ مسلمانوں کا اس آواز پر لبیک کہکر اپنے صراط مستقیم پر واپس آ جانا اس کے سامراجی اور نوآبادیاتی نظام کے لئے ایک موت تھی۔ کیونکہ جہاں جہاں اس کی نو آبادیاں تھیں یا اثر و رسوخ تھا وہاں مسلمانوں کی کثیر تعداد آباد تھی۔ اس نے اپنی صفت دجالیت کو بروئے کار لاکر اپنے نمک خوار مسلمان مذہبی پیشواؤں کو اس تحریک کی مخالفت کے لئے آگے کیا۔ اور الزام یہ لگایا کہ یہ شخص مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرکے نبوت کا مدعی بنتا ہے۔ اُلٹا آپ کو کافر۔ ملحد اور دجال کہا گیا۔ مسلمان ہندو اور عیسائی سب ایک ہو گئے۔

مسلمان حقِ نمک ادا کر رہے تھے۔ ہندو اس لئے کہ انہیں ابھی ابھی انگریزوں کے ذریعے مسلمانوں کی ۸۰۰ سالہ غلامی سے نجات ملی تھی اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان پھر برسرِ اقتدار آ جائیں۔ اور عیسائیوں کا تو مقصد ہی یہی تھا۔ آپ کا بہت سا قیمتی وقت مباحثات اور مقدمات میں ضائع ہو گیا اور اس طرح اس مقصد کو خود اپنوں کی کوتاہیوں کی وجہ سے بڑا نقصان پہنچا۔ انگریز اپنے اثرات اپنے پیچھے چھوڑ گیا ہے۔

پاکستان بن جانے کے بعد بھی تحریک احمدیت کے وابستگان کو ان کی تمام وفاداریوں کے باوجود سکھ کا سانس لینا نصیب نہیں ہوا۔ کیونکہ تحریک پاکستان کے مخالفین اور متحدہ قومیت کے حامی اپنا بوریا بستر سمیٹ کر بھارت اور مشرقی پنجاب سے یہاں آ دھمکے ہیں۔ اور اپنے ارادوں کی تکمیل کے لئے نئے رنگ و روپ اور نئے لباس میں اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔

احمدیوں کے خلاف ۱۹۵۳ء اور ۱۹۷۴ء کی تحریکوں کے پس منظر میں وہی عوامل کار فرما تھے جو تحریک پاکستان کی مخالفت میں کام کر رہے تھے۔ جاننے والوں سے یہ پوشیدہ نہیں کہ ڈوری کہاں سے ہلائی جاتی ہے۔

اب سوچنا یہ ہے کہ ۱۹۷۴ء کی تحریک بھی ڈی۔پی دھر کی رپورٹ کا ہی حصّہ تو نہیں۔ اگر "تحفظ ختم نبوت" کے قائدین کے بینک بیلنس کا جائزہ لینا آپ کے لئے ممکن ہو تو آپ پہ یہ راز کھل جائے گا کہ اس کے غم میں گھلنے والے کتنے مفلس و نادار ہیں کیونکہ سننے میں آیا ہے کہ ایک ایسے ہی قائد اپنے پیچھے لاکھوں کی رقم اور کچھ زمین چھوڑ گئے ہیں۔ حقیقت اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

اپنی مشکلات اور مصائب کا الزام کسی اور کے سر مت تھوپئے۔ اپنی صفوں میں گھسے ہوئے اس دشمن کو پہچانیئے جو جبّہ اور عمامہ میں آپ کا مونس و غمخوار بن کر دوسروں کے اشاروں پر آپ کی جڑوں پہ کلہاڑے چلا رہا ہے ورنہ سپین کا انجام آپ کے سامنے ہے۔

---

## محترمہ بیگم صاحبہ مرغوب عالم شہید کو ایک اور جانگسل صدمہ

احباب جماعت اور قارئین کرام کو یہ پڑھ کر افسوس ہوگا۔ کہ ہماری ایک نہایت ہی معزز مخیر اور دین دار بہن کو اپنے داماد عاشق وحید کی ناگہانی وفات کا شدید صدمہ پہنچا ہے۔

مرحوم المرتضیٰ نامی بحری جہاز میں سیکنڈ انجنیئر کے عہدہ پر فائز تھے۔ یہ جہاز برطانیہ سے پاکستان آ رہا تھا۔ کراچی کے ساحل سے ۵۰-۷۰ میل دور ۱۴ راگست کو جہاز ہی میں انہیں قتل کر دیا گیا۔ کراچی بندرگاہ پر جہاز کے لنگر انداز ہوتے ہی مبینہ قاتل گرفتار ہو چکے ہیں۔ نعش کو تابوت میں بند کرکے دارالسلام لایا گیا اور بعد نماز جنازہ مرحوم کو قبرستان میانی صاحب میں دفنایا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

**پیغام صلح**

ہمیں اس حادثۂ جانکاہ میں اپنی معزز بہن بیگم مرغوب عالم شہید اور مرحوم کی بیوہ عزیزہ غزالہ وحید سے دلی ہمدردی ہے۔ اور ہم ان کے اس اندوہناک غم میں برابر کے شریک ہیں اور دست بدعا ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور معصوم بچوں اور دیگر پسماندگان کا خود نگہبان اور حافظ و ناصر ہو۔

---

**برکات کا مہینہ** رمضان المبارک عنقریب شروع ہونیوالا ہے۔ انسانی فطرت میں ہے کہ جس قدر کم کھاتا ہے۔ اسی قدر تزکیہ نفس ہوتا ہے۔

مکرم جناب چوہدری شکراللہ خان صاحب مظفر گڑھ ایڈووکیٹ۔

# ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک پشاور کے مضمون نویس

## چوہدری رستم علی صاحب غور فرمائیں

گذشتہ سے پیوستہ سال تحفظ ختم نبوت کے نام سے کثیرالتعداد احمدیوں کو جوش و خروش سے مارا اور قتل کیا گیا۔ ان کے مکانوں کو جلایا اور جائدادوں کو لوٹا گیا۔ بائیکاٹوں کے ذریعے ان پر ظلم و ستم ڈھایا اور ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا۔ باہمی فتنہ و فساد۔ قتل و قتال اور خونریزی مسلمانوں کی تاریخ کا ایک نمایاں باب ہے۔ یہ سلسلہ خلیفۂ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانہ سے جو شروع ہوا تو آج تک جاری ہے۔ ازاں بعد کثرتِ علماء نے مسلمانوں کو مختلف فرقوں میں بانٹ دیا۔ ہر فرقہ کے علماء نے دوسرے فرقہ کے لوگوں کو کافر مرتد اور خارج از اسلام قرار دینا شروع کیا۔ تو آج تک یہ کارِ خیر چالو ہے۔ حال ہی میں احمدیوں کو کافر، مرتد اور غیر مسلم قرار دینے کی جو ملک گیر مہم چلائی گئی وہ اِسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ کافر سازی کے اس اسلامی خدمت کے کام میں معقولیت، سچائی، انصاف اور دیانتداری کے تقاضوں کو ہمیشہ بالائے طاق رکھا گیا۔ البتہ سابقہ اور موجودہ زمانوں میں ایک نمایاں فرق ہے۔ سابقہ زمانوں میں جس فرقہ کے علماء شاہی درباروں میں اثر و رسوخ اور دسترس کے حصول کے ذریعے طاقت و اختیار کے حامل بن جاتے وہ بادشاہِ وقت کے حکم سے دوسرے فرقے کے لوگوں کو جس طرح چاہتے مشقِ ستم بناتے کیونکہ اس زمانہ میں بادشاہ کی زبان مُلکی آئین و قانون ہوتا تھا۔ موجودہ زمانہ میں بادشاہ کی جگہ اسمبلی نے لے لی ہے۔ جس کے اراکین لوگوں کے ووٹوں سے منتخب ہوتے ہیں۔ احمدیوں کے مخالف علماء نے عوام مسلمانوں کو مشتعل کر کے ان کی زبانوں پر یہ مطالبہ دے دیا کہ احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ چونکہ پاکستانی لوگوں کی اکثریت یہ مطالبہ کر رہی تھی لہٰذا ان کے ووٹوں سے منتخب شدہ اراکین قومی اسمبلی کو اُسے تسلیم کرنا ہی تھا جو تسلیم کر لیا گیا اور آئین میں ترمیم کر کے بلا تفریق احمدیوں کی دونوں جماعتوں قادیانی اور لاہوری کو غیر مسلم اقلیت ٹھہرا دیا گیا۔ اس مطالبہ کی بنیاد یہ تھی کہ احمدی ختم نبوت کے منکر ہیں اور تحفظ ختم نبوت کی خاطر ایسا کرنا ضروری ہے لیکن حسب سابق یہ مطالبہ بھی معقولیت۔ سچائی۔ انصاف اور دیانتداری پر مبنی نہیں تھا۔ کیونکہ احمدیوں کی ایک جماعت یعنی جماعتِ قادیان تو بھلا ختم نبوت کی منکر ہے مگر دوسری جماعت یعنی احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور اہلِ اسلام کے تمام فرقوں سے بڑھ کر کامل طور پر ختم نبوت کی قائل ہے۔ اس کا عقیدہ اور ایمان یہ ہے کہ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی بھی نبی نیا ہو یا پُرانا دنیا میں نہیں آ سکتا جس کا اعلان و اظہار یہ جماعت اپنی کتابوں۔ رسالوں، اشتہاروں، مناظروں اور مباحثوں کے ذریعے ۶۲ سال سے مسلسل کرتی چلی آ رہی ہے۔ باینہمہ مطالبہ مذکور میں یہ امتیاز روا نہ رکھا گیا۔ جیسا کہ "الحق" کے نامہ نگار موصوف نے بھی اپنے مضمون میں یہی رویّہ اختیار کیا ہے۔ چنانچہ قومی اسمبلی کو بھی حسب مطالبہ بلا امتیاز و تفریق جماعتِ احمدیہ لاہور کا نام غیر مسلم اقلیت میں لکھ دینا پڑا۔ بہرحال علمائے وقت اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ مگر باوجود اس کے انہوں نے اپنے بیان و اظہار میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی۔ کوئی عالم اور غیر عالم ہماری نظروں کے سامنے نہیں آیا جس نے احمدیت کے خلاف قلم اُٹھایا ہو اور اپنے بیان اور رشحاتِ قلم کو معقولیت۔ سچائی۔ انصاف اور دیانت داری پر مبنی رکھا ہو۔

ماہنامہ "الحق" متذکرہ صدر ہمارے سامنے ہے اس میں چوہدری رستم علی صاحب کے نام سے ایک مضمون بعنوان "اقلیتوں کا ہفتہ اور قادیانی مسئلہ" چھاپا گیا ہے۔ جس میں صاحب مضمون نے سر ظفراللہ خاں کے ایک مقالہ "میرا دین" کا تذکرہ کیا ہے۔ جماعتِ قادیان کے رسائل "لاہور"۔ "الفرقان" اور اخبار "الفضل" کے ساتھ جماعت احمدیہ لاہور کے اخبارات "پیغام صلح" اور "لائٹ" کے نام بھی شمار کئے ہیں۔ اور اپنے مقصد کی تائید کے لئے راقم الحروف کے تحریر کردہ ایک پمفلٹ کے اقتباسات بھی درج کئے ہیں۔ مضمون مذکورہ کا لبِ لباب اور مقصد احمدیوں کے خلاف حکومت اور عوام کو از سرِ نو اشتعال دلانا ہے۔ چونکہ اشتعال انگیزی میں کامیابی غلط پراپیگنڈے کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اس لئے مضمون نویس موصوف مجبور تھے کہ غیر معقولیت۔ جھوٹ۔ بے انصافی اور غیر دیانت داری سے کام لیں۔ افسوس ہے کہ ہمیں یہ الفاظ لکھنے پڑے ہیں مگر مضمون مذکور کے مندرجات کے بارے میں اس کے سوا اور کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ ہم اس مضمون سے تین اقتباسات یہاں نقل کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں:۔

(۱) "قومی اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا ہے اور اس کے لئے آئین میں ترمیم کر دی گئی ہے لیکن قادیانیوں نے اس فیصلے کو تسلیم نہیں کیا اور کھلم کھلا اس فیصلے کے خلاف اظہار خیال کر رہے ہیں۔ دن بدن اِن کے اندازِ تحریر میں شدت اور جارحیت پیدا ہو رہی ہے۔ ربوہ کا ماہنامہ الفرقان۔ لاہوری مرزائیوں کا آرگن پیغام صلح اور لائٹ اور قادیانی زعماء کی تقاریر و تحریرات سے عیاں ہے کہ وہ قومی اسمبلی کے فیصلے کو پرِ کاہ کے برابر اہمیت نہیں دیتے اور بڑے دھڑلے سے اپنے مسلمان ہونے اور حقیقی اسلام کے علمبردار ہونے کے دعویدار ہیں۔ انہوں نے قانونی اور اخلاقی ضابطوں کو بالائے طاق رکھ کر بڑی ڈھٹائی سے ایک مہم شروع کر رکھی ہے۔" (ص ۲۵)

(۲) "پیغام صلح اور الفضل و الفرقان کا لہجہ مختلف سہی مافی الضمیر ایک تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ جب قادیانی دستورِ پاکستان کی کھلی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ اسمبلی کی بالادستی کو چیلنج کرتے ہیں۔ اسے ایک ڈھونگ قرار دیتے ہیں تو اس جرأت رندانہ کے بعد قادیانی مسئلہ ایک ایسے کھلے چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے جو نہ صرف دستور۔ ایمرجنسی اور تحفظ امن عامہ کا مذاق اُڑانے کے برابر ہے بلکہ کھلم کھلا بغاوت اور مسلمانوں کے جذبات کی پامالی کے مترادف ہے۔" (ص ۲۷)

(۳) "اگر کوئی شخص ختم نبوت کا منکر ہے مسلمانوں کو مطلق کافر دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیتا ہے ایک مدعی نبوت کی وحی پر قرآن کی وحی کی طرح ایمان لاتا ہے اور اسے مدارِ نجات سمجھتا ہے۔ اور پھر آئین کا کھلا مذاق اڑاتے ہوئے اپنے حقیقی مسلمان ہونے کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے اور قانون حرکت میں نہیں آتا تو ہم اس کے لئے یہی کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا دینی احساس مردہ ہوتا جا رہا ہے اور ہم قادیانی فتنہ انگیزوں کا محاسبہ کرنے میں تساہل برت رہے ہیں۔" (ص ۲۸)

مضمون مذکور کا اوّل و آخر اور حاصل مطلب یہی تین اقتباسات ہیں۔ ان سے صاف عیاں ہے کہ صاحب مضمون کو سخت اعتراض ہے اور وہ شدید طور پر ناراض ہیں کہ احمدی اپنے آپ کو مسلمان کیوں کہے جا رہے ہیں جبکہ ترمیم آئین کے ذریعہ قومی اسمبلی نے انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا ہے۔ "الحق" کے صاحب مضمون موصوف کا کہنا ہے کہ ترمیم آئین کے علی الرغم احمدیوں کا خود

کو مسلمان کہے۔ سمجھے اور قرار دیئے جاتا گیا

۱۔ آئین پاکستان سے انکار ہے۔

۲۔ قومی اسمبلی کے فیصلے سے انحراف ہے۔

۳۔ قانونی و اخلاقی ضابطوں کو بالائے طاق رکھنا ہے۔

۴۔ دستور پاکستان کی کھلی خلاف ورزی ہے۔

۵۔ قومی اسمبلی کی بالا دستی کو چیلنج ہے۔

۶۔ آئین کا کھلا مذاق اڑانا ہے۔

لہٰذا حکومت کو مشتعل کرنے کے لئے اسے ایمرجنسی اور تحفظ امن عامہ کا مسئلہ بناتے اور بغاوت کا ارتکاب قرار دیتے ہیں۔ اور عوام مسلمانوں کو مشتعل دلانے کے لئے کہتے ہیں کہ یہ امر مسلمانوں کے جذبات کی پامالی کے مترادف ہے گویا کہ مسلمانوں کا دینی احساس مردہ ہوتا جا رہا ہے کیونکہ وہ بوجوہات مندرجہ بالا قادیانیوں کا محاسبہ کرنے میں تساہل برت رہے ہیں۔

**غلط پراپیگنڈا** حالانکہ محض اشتعال انگیزی کی خاطر یہ غلط پراپیگنڈا ہے جو سراسر بے انصافی اور غیر دیانت داری پر مبنی ہے۔ کیونکہ ہمیں

۱۔ قومی اسمبلی کے فیصلے سے انکار نہیں۔

۲۔ نہ ان کے آئین پاس کردہ سے منکر ہیں۔

۳۔ نہ دستور پاکستان کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور

۴۔ نہ اسمبلی کی بالا دستی سے انکاری ہیں۔

ہم آئین پاکستان اور قومی اسمبلی کے فیصلے سے کیونکر انکار کر سکتے ہیں اور ایسے انکار سے ہم کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ قومی اسمبلی نے پاکستانی موجودہ آئین میں قوانین مروجہ پاکستان کے "اغراض ومقاصد" کے لئے احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت ٹھہرایا ہے اس سے ہمیں کب انکار ہے۔ ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ

قرآن کریم اور احادیث رسول اللہ

کی رو سے ہم مسلمان ہیں نہ آئین پاکستان کی رو سے۔ اور ہمارے مسلمان ہونے کے ذمہ دار خدا اور خدا کا رسول ہیں نہ قومی اسمبلی آف پاکستان۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں بصراحت بیان ہے

۱۔ عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علیٰ خمس شھادۃ ان لا الٰہ الا اللہ و ان محمد رسول اللہ و اقام الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ والحج وصوم رمضان۔ (صحیح بخاری۔ کتاب الایمان)

ترجمہ:۔ یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے (۱) کلمۂ توحید الٰہی و رسالت محمدیہ (۲) قیام صلوٰۃ۔ اداء زکوٰۃ۔ حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

۲۔ عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی صلوٰتنا و استقبل قبلتنا و اکل ذبیحتنا فذالک المسلم لہ ذمۃ اللہ وذمۃ رسولہ فلا تخفروا اللہ فی ذمتہ۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ)

ترجمہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص ہماری نماز پڑھتا ہے ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرتا ہے اور ہمارا ذبیحہ کھاتا ہے وہ مسلم ہے اور اس کے مسلم ہونے کے ذمہ دار خدا اور اس کے رسول ہیں پس خدا اور اس کے رسول کی ذمہ داری کا انکار نہ کرو۔

پس ہمارا کہنا صرف یہ ہے کہ آئین پاکستان کی رو سے تو نہیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مقدسہ مندرجہ صحیح بخاری منقولہ بالا کی رو سے ہم خدا اور خدا کے رسول کے ذمہ کے ساتھ مسلم ہیں۔ کیا "الحق" کے نامہ نگار مذکور بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات متذکرہ کو غلط اور نعوذ باللہ جھوٹے سمجھتے ہیں۔ حضرت نبی اکرم کے ان ارشادات کے مطابق خود کو مسلم کہنا نہ کہ آئین پاکستان کی رو سے آئین کی خلاف ورزی کیونکر ہوئی۔ اور قومی اسمبلی کے فیصلے سے انحراف کس طرح ہوا؟ ہم آئین و قوانین مروجہ پاکستان کے اغراض ومقاصد کے لئے نہیں بلکہ قرآن وحدیث اور سنت رسول اللہ ؐ کے مطابق خود کو مسلم کہتے ہیں اور اسی لحاظ سے اپنے عقائد کو حقیقی اسلام کی اصطلاح سے موسوم کرتے ہیں، مضمون نویس موصوف اس فرق و امتیاز کو کیوں مدنظر نہیں رکھتے۔ یہ صریح بے انصافی اور غیر دیانت داری ہے۔ ہمیں اپنے اوپر قومی اسمبلی کی بالادستی سے ہرگز انکار نہیں مگر خدا اور خدا کے رسول کے اوپر اس کی بالادستی کیونکر تسلیم کریں۔ پس آئینی ترمیم کے پیش نظر پاکستان کے اندر احمدی افراد سرکاری مسلمان نہ سہی "غیر سرکاری مسلمان" تو کہلا ہی سکتے ہیں کیونکہ وہ

۱۔ خدا اور محمد رسول اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔

۲۔ قرآن کریم اور سنت کو اپنے دین کی بنیاد ٹھہراتے ہیں۔

۳۔ قرآن واحادیث کے تمام احکامات پر ایمان رکھتے اور ان پر عمل کرتے ہیں۔

۴۔ دین اسلام کو سچا دین اور دیگر تمام ادیان کو باطل سمجھتے ہیں۔

**غیر معقول اور صریح جھوٹ** "الحق" کے صاحب مضمون موصوف ہر دو احمدی جماعتوں کو ہم خیال اور ہم عقیدہ قرار دیتے ہوئے بلا امتیاز و تفریق سب کے متعلق یہ الزامات عائد کرتے ہیں کہ احمدی

۱۔ ختم نبوت کے منکر ہیں۔

۲۔ مسلمانوں کو کافر خارج از اسلام قرار دیتے ہیں۔

۳۔ ایک مدعی نبوت کی وحی پر قرآن کی وحی کی طرح ایمان لاتے ہیں۔

۴۔ اور اس وحی کو مدار نجات یقین کرتے ہیں۔

حالانکہ یہ تمام الزامات دروغ بے فروغ ہیں۔ اور جھوٹ صرف دھڑلے سے نہیں بلکہ "ڈھٹے" کے ساتھ بولا گیا ہے۔ کیونکہ مضمون نویس مذکور نے راقم الحروف کا تحریر کردہ پمفلٹ بعنوان "آئین پاکستان میں نئی ترمیم کا مفہوم قرآن و حدیث کے خلاف نہیں ہو سکتا" خود پڑھا اور اپنے مضمون میں اس کا ذکر کیا ہے۔ جس میں بالصراحت دلائل اور ثبوتوں کے ساتھ لکھا گیا تھا کہ جماعت احمدیہ لاہور (یعنی احمدیہ انجمن اشاعت اسلام)

۱۔ ختم نبوت کی منکر نہیں۔ بلکہ اس پر جملہ فرقہائے اسلام سے بڑھ کر پختہ تر اور کامل تر ایمان رکھتی ہے۔

۲۔ کسی کلمہ گو اہل قبلہ مسلمان کو کافر یا دائرہ اسلام سے خارج قرار نہیں دیتی اور نہ ایسا کرنا جائز سمجھتی ہے۔

۳۔ کسی مدعی نبوت کی وحی پر بعد از ختم نبوت ایمان نہیں رکھتی چہ جائیکہ کسی وحی کو قرآن کریم کی وحی کے برابر قرار دے۔

۴۔ قرآن کریم اور سنت رسول کے علاوہ کسی وحی کو مدار نجات نہیں سمجھتی۔

اندریں صورت ظاہر ہے کہ صاحب مضمون مذکور کے ان الزامات کو غیر معقولیت اور جھوٹ کا شاہکار نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے؟ اور بغرض اشتعال انگیزی غلط پراپیگنڈا نہ سمجھا جائے تو اور کیا سمجھا جائے؟

**عقائد باطلہ** راقم الحروف کے تحریر کردہ متذکرہ پمفلٹ کا ذکر کرکے مضمون نویس موصوف لکھتے ہیں:۔

"آخر مؤلف نے اپنے عقائد باطلہ کو قرآن وحدیث سے ناکام مطابقت دینے کے بعد لکھا ہے" (ص۲۶)

کس قدر افسوس کی بات ہے۔ انصاف اور دیانت داری کا تقاضا یہ تھا کہ موصوف ہمارے ان "عقائد باطلہ" کو بیان کرتے اور پھر ان کی قرآن و حدیث

سے جو "ناکام مطابقت" ہم نے دی تھی اُس کی وضاحت فرماتے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو اُن کے اس جھوٹ کی قلعی خود اُن پر کھل جاتی۔ کیونکہ ہمارے سب عقائد قرآن و حدیث کے مطابق ہیں کوئی عقیدہ بھی سرمُو ان کے منافی نہیں ؎

یک قدم دُوری ازاں روشن کتاب
نزدِ ما کفر است و خسران و تباب

**شدید جارحیت** افسوس ہے کہ ہمیں اپنی تحریر میں غیر دیانتداری غیر معقولیت اور جھوٹ کے الفاظ لکھنے پڑے ہیں اور لکھنے پڑتے ہیں۔ انہی کے پیش نظر صاحب مضمون موصوف کہتے ہیں کہ :—

"دن بدن ان کے اندازِ تحریر میں شدت اور جارحیت پیدا ہو رہی ہے۔"

**لیکن** چوہدری صاحب موصوف خود ہی انصافاً اور دیانت داری کے ساتھ سوچ کر بتلائیں کہ ہم کیا کریں جبکہ ہم اعلانیہ کہتے ہیں بلکہ ۶۲ سال سے مسلسل و متواتر کہتے چلے آ رہے ہیں کہ

۱۔ ہم قرآن و حدیث پر مکمل ایمان رکھتے ہیں
۲۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قطعی طور پر آخری نبی مانتے ہیں۔
۳۔ قرآن کریم کو خدا تعالیٰ کی آخری کتاب ہدایت یقین کرتے ہیں۔
۴۔ شریعت اسلامیہ کو تا ابد غیر متغیر سمجھتے ہیں۔
۵۔ نبوت اور ختم نبوت کے بارے میں ہمارے عقائد بعینہٖ اور من وعن وہی ہیں جو اکابر اولیائے عظام و صوفیاء کرام اور مسلّمہ علمائے اسلام کے ہیں اور رہے ہیں۔

**اور** اس کے لئے واضح دلائل اور مکمل ثبوت پیش کرتے ہیں۔ باوجود اس کے اگر کوئی شخص اس کے خلاف ہم پر الزام لگانے سے باز نہ آئے جیسا کہ مضمون نویس موصوف نے سب کچھ پڑھ کر کیا ہے تو ہم کیا کریں؟ اس کے ان الزامات کو بد دیانتی۔ غیر معقولیت اور صریح جھوٹ نہ کہیں تو اور کیا کریں؟ بالفاظ حضرت مجدد الوقت انہیں خدا کا خوف نہ دلائیں تو کیا ان کے منہ میں میٹھا ڈالیں ؎

کچھ تو خوفِ خُدا کرو لوگو!

**گالی گفتار** حسب بیان متذکرہ بالا جب ہم ایسی غلط اور خلاف حقیقت باتوں پر مصر شخص کو خُدا کا خوف دلاتے ہیں تو مضمون نویس موصوف کہتے ہیں :—

"ان پر (یعنی قادیانی خیالات پر) تبصرہ کرنے سے پہلے لاہوری مرزائیوں کا موقف بیان کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ بھی اپنی خیالات کا اظہار کر رہے ہیں اور اس طرح آئینی ترمیم اور ممبرانِ اسمبلی کو ہدفِ تنقید بناتے ہیں اور نجی محفلوں میں "دو ترمیں" کی زبان میں گالی گفتار سے یاد کرتے ہیں۔ لیکن انکا انداز دگر ہے۔" (ص ۲۷)

ان صاحب پر یہ مثل پوری طرح صادق آ رہی ہے کہ ؎ اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے! ممبرانِ اسمبلی کو ہدفِ تنقید وہ لوگ خود بناتے ہیں اور الزام اُلٹا ہم پر لگاتے ہیں۔ پیغام صلح اور لائٹ کے نہیں بلکہ اخبار "نوائے وقت" کے الفاظ منقولہ ذیل کو چوہدری صاحب موصوف ایک بار پھر پڑھ لیں۔ لکھا ہے :—

"بڑی مدت کے بعد یہ حدیث غریب اور قصۂ عجیب سامنے آیا ہے کہ تائیدِ اسلام ایک ایسے شخص کے ہاتھوں ہو گئی جو ایک پاجامہ آدمی ہے۔ مذہبی تعلیم کم ہے۔ جسے اسلامی فقہ کی باریکیوں کو سمجھنے کے لئے نہ تیار کیا گیا اور نہ کسی نے اس مقصد کے لئے اُسے پڑھایا۔ جس کی تربیت بھی ایک ایسے گھرانے میں ہوئی جس کا ماحول سیاسی زیادہ اور دینی کم اور جس کے ساتھ جو لوگ بھی لگے ہوئے تھے وہ بھی کچھ دینی تعلیم کے ماہر نہیں ہیں۔ بوالعجبی ہے کہ ہماری اسلامی تاریخ کا ایک بہت بڑا کام اس سے کیسے ہو گیا۔"

**پھر** مزید لکھا ہے :—

"قادیانی مسئلہ جس قدر اہم تھا اسی قدر نازک بھی تھا سابقہ حکومتوں میں کسی کو ہمت نہ پڑتی تھی کہ اس پر حکم لگائیں۔ سابقہ حکومتوں کو جید علماء کی صلح کاری بھی آپ سے زیادہ میسر تھی لیکن وہ جرأت سے کام نہ لے سکے لیکن یہ کام ظلوم و جہول پیپلز پارٹی کی قیادت کو نصیب ہو گیا۔"

**اور** لکھا ہے :—

"یہ پیپلز پارٹی کے انٹ شنٹ لوگ۔ یہ دنیادار۔ نیم دراز مُو اور منہ پھٹ۔ منہ دراز لڑکے جو مساجد میں صرف عید کے روز جاتے ہیں اور نماز صرف اپنے ماں باپ کے جنازوں کی پڑھتے ہیں۔ یہ نیم اشتراکی۔ نیم سرمایہ دار۔ نیم کمیونسٹ۔ نیم مسلمان کم عمر چھوکرے جو ملک کی سیاست میں دخیل ہیں خواہ کسی نیت ہی سے سہی وہ کام کر گئے ہیں جو کسی بڑے سے بڑے عالم۔ فقیہہ اور کسی مطلق العنان سلطان سے بھی نہ ہو سکا۔"

(اخبار "نوائے وقت" ۔ لاہور ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۴ء)

**لیکن** یہ بھی تو ممکن ہے جیسا کہ "نوائے وقت" کے نامہ نگار صاحب نے لکھا ہے کہ :—

(۱) احکام دین پر غیر عامل
(۲) امور شرعیہ سے نا واقف
(۳) فرائض دینی پر عمل سے بے تعلق
(۴) تعلیم دین کے غیر ماہر
(۵) فقیہہ کی باریکیاں نہ جاننے والے

**یہ** لڑکے اور چھوکرے اس "اہم اور نازک" دینی مسئلہ میں غلطی کھا گئے ہوں۔ بالخصوص جبکہ بڑے بڑے "جید علماء" اس سے ہمیشہ محترز رہے۔ ممبرانِ اسمبلی کی یہ تعریف اور توصیف ہم نہیں کرتے بلکہ ہمیں غیر مسلم اقلیت قرار دینے والے یہ لوگ خود کرتے ہیں۔ ہم تو ان سب اراکین اسمبلی کی ان کے مقام کے مطابق پوری عزت اور احترام کرتے ہیں اور نہ ہی ان کے فیصلے سے انکاری ہیں وہ تو انہوں نے کر دیا ہے۔ ہم تو صرف

(ا) قرآن و سُنّت اور احادیث کے احکامات اور
(ب) اولیاء۔ صوفیاء۔ علمائے اسلام سلف کے اقوال و تحریرات

کو یاد دہانی کراتے ہیں۔ ہم نہ سیاست دان ہیں نہ سیاست میں کسی قسم کی دلچسپی رکھتے ہیں۔ ہماری جماعت کا تمام تر مدعا و مقصد اور سارا غرض و غایت تبلیغ اسلام و اشاعتِ قرآن ہے۔ اگر مقصد اس کے سوا کوئی اور ہو تو جماعت کا قیام فضول اور بیکار ہے۔

اخبار "نوائے وقت" میں مطبوعہ منقولہ بالا تحریر اور رسالہ "الحق" والے چوہدری رستم علی صاحب موصوف کے مضمون متذکرہ بالا کے پیش نظر اُن ہر دو کے مفہوم و مطلب کے عین مطابق ہوگا اگر ہم کہیں کہ اس چودھویں صدی میں

(۱) یہ حدیثِ غریب اور قصۂ عجیب بھی دیکھنے میں آ رہا ہے کہ زمانۂ حال کے بڑے بڑے جُبّہ اور عمامہ پوش علماء تعلیمات اسلام اور قرآن و سنّت کی علمبرداری کا دعوےٰ کرنے والے عالمِ قرآن و سُنّت کی تصریحات ۔ احادیث رسول اللہ صلعم کے احکامات۔ اکابر و مسلّمہ بزرگانِ اسلام سلف کے اقوال و تحریرات کو یکسر پس پشت ڈال کر بالفاظ نامہ نگار اخبار نوائے وقت انٹ شنٹ۔ دنیا دار۔ نیم دراز مُو۔ منہ پھٹ۔ منہ دراز۔ بے نماز لڑکوں۔ نیم اش

نیم سرمایہ دار۔ نیم مسلمان۔ نیم کمیونسٹ۔ کم عُمر چھوکروں کے ایک سیاسی فیصلے کو بلاتفریق و امتیاز دینِ خدا کی ساری بنیاد بنائے پھرتے ہیں۔

(۲) دوسری حدیث اور قصۂ عجیب یہ سرایا ہے کہ جہاں پہلے کافروں اور غیر مسلموں کو کلمہ گو بنانا خدمتِ اسلام کا کام سمجھا جاتا تھا وہاں اب لاکھوں کلمہ گو اہلِ قبلہ مسلمان کہلانے والوں کو کافر۔ مُرتد۔ خارج از اسلام قرار دینے کو تائیدِ اسلام کا بہت بڑا کارنامہ بتایا جا رہا ہے۔

یہ عجیب تائیدِ اسلام ہے۔ زمانے کی ستم ظریفی ہے کہ تائید و حمایتِ اسلام کے کام کا چکر اُلٹا چلایا جا رہا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ جماعتِ احمدیہ لاہور کیا کام کرتی ہے اور اس کا قصور کیا ہے؟ کیا

(۱) تبلیغ اسلام کرنا (۲) اشاعتِ قرآن کرنا (۳) اسلام کو واحد سچا دین ثابت کرنا (۴) اس کے بالمقابل تمام دیگر ادیان کو باطل ٹھہرانا (۵) حضرت محمد رسول اللہ صلعم کو آخری نبی ماننا (۶) قرآن کریم کو غیر متبدل خدا کی آخری کتاب ہدایت یقین کرنا (۷) قرآن و حدیث میں مندرجہ تمام امور پر ایمان رکھنا (۸) قرآن و سنّت کے تمام احکامات پر عمل کرنا (۹) کفرستانوں میں مساجد بنا کر پانچوں وقت اللہ اور اللہ کے رسول کا نام بلند کرنا (۱۰) تمام دنیا میں مالی اور جانی قربانیوں کے ذریعے دین اللہ اسلام کو پھیلانا اور (۱۱) وہاں کے بے خبر لوگوں اسلام کے جھنڈے تلے لانا۔

یہ سب کفر و ارتداد کا کام ہے۔ کیا کافر اور مُرتد اور غیر مسلم یہی کام سرانجام دینے میں مصروف ہیں۔ اور مسلمان کلمہ گوؤں کو غیر مسلم بناتے ہیں۔ بنا بریں ہماری زبان و قلم سے حضرت مرزا صاحب کے یہ الفاظ بے ساختہ نکل جاتے ہیں کہ ؎

کچھ تو خوفِ خدا کرو لوگو!
کچھ تو لوگو حق سے شرماؤ!

اور یا چودھری رستم علی صاحب۔ ایسے حضرات اسے "گالی گفتار" کہہ کر دُرِّثمین کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ دُرِّثمین حضرت مرزا صاحب کے ایسے کلام کا مجموعہ ہے جس میں آپ نے مناجاتِ الٰہی۔ قرآن کریم اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثناء بیان کی ہے اور اسلام کی صداقت دلائل و براہین کے ساتھ واضح کی ہے۔ یقیناً چودھری صاحب موصوف نے اسے پڑھا نہیں ورنہ وہ ایسا ہرگز نہ کہہ سکتے تھے۔ اس گالی گفتار کے چند نمونے بطور مشتے از خروارے ہم یہاں لکھ دیتے ہیں۔ ناظرین اور چودھری صاحب موصوف بالخصوص ان کو ذرا سُن لیں۔ فرماتے ہیں حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام قادیانی:

(۱) ؎ جمال و حسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے
نظیر اس کی نہیں جمتی نظر میں فکر کر دیکھا
بھلا کیونکر نہ ہو یکتا کلامِ پاک رحمٰں ہے
بہارِ جاوداں پیدا ہے اس کی ہر عبارت میں
نہ وہ خوبی چمن میں ہے نہ اُس سا کوئی بُستاں ہے
کلامِ پاک یزداں کا کوئی ثانی نہیں ہرگز
اگر لولوئے عماں ہے وگر لعلِ بدخشاں ہے

(۲) ؎ نورِ فرقاں ہے جو سب نوروں سے اُجلیٰ نکلا
پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا
حق کی توحید کا مُرجھا ہی چلا تھا پودا
ناگہاں غیب سے یہ چشمۂ اصفیٰ نکلا
سب جہاں دیکھ چکے ساری دکانیں دیکھیں
مئے عرفان کا یہ ایک ہی شیشہ نکلا

کس سے اس نور کی ممکن ہو جہاں میں تشبیہ
وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں یکتا نکلا
پہلے سمجھے تھے کہ موسےٰ کا عصا ہے فرقاں
پھر جو سوچا تو ہر اک لفظ مسیحا نکلا
ہے قصور اپنا ہی اندھوں کا وگرنہ وہ نور
ایسا چمکا ہے کہ صد نیّرِ بیضا نکلا

(۳) ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے + کوئی دیں دینِ محمدؐ سا نہ پایا ہم نے
ہم نے اسلام کو خود تجربہ کرکے دیکھا + نور ہے نور اُٹھو دیکھو سنایا ہم نے
اور دینوں کو جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا + کوئی دکھلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے
تھک گئے ہم تو انہیں باتوں کو کہتے کہتے + ہر طرف دعوتوں کا تیر چلایا ہم نے
آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہر چند + ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے
آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے + لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

(۴) ؎ اسلام سے نہ بھاگو راہِ ہدیٰ یہی ہے + اے سونے والو جاگو شمس الضحیٰ یہی ہے
مجھ کو قسم خدا کی جس نے ہمیں بنایا + اب آسماں کے نیچے دینِ خدا یہی ہے
دُنیا کی سب دکانیں ہیں ہم نے دیکھی بھالیں + آخر ہوا یہ ثابت دار الشفاء یہی ہے
سب خشک ہو گئے ہیں جتنے تھے باغ پہلے + ہر طرف میں نے دیکھا بُستاں ہرا یہی ہے
دنیا میں اس کا ثانی کوئی نہیں ہے شربت + پی لو تم اسکو یارو آبِ بقا یہی ہے
اسلام کی سچائی ثابت ہے جیسے سورج + پر دیکھتے نہیں ہیں دشمن بلا یہی ہے

"الحق" کے نامہ نگار چودھری رستم علی صاحب کے نزدیک مبنی برحقیقت یہ دید آفریں شیریں کلام "دُرِّثمین" کی گالی گفتار ہے۔ العجب۔ اور سُنئے:

(۵) ؎ وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا + نام اس کا ہے محمدؐ دلبر مرا یہی ہے
سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر + لیک از خدائے برتر خیر الوریٰ یہی ہے
پہلوں سے خوب تر ہے خوبی میں اک قمر ہے + اس پر ہر ایک نظر ہے بدر الدجیٰ یہی ہے
وہ یارِ لامکانی وہ دلبرِ نہانی + دیکھا ہے ہم نے اس سے بس رہنما یہی ہے
وہ آج شاہِ دیں ہے وہ تاجِ مرسلیں ہے + وہ طیّب و امیں ہے اسکی ثنا یہی ہے
آنکھ اسکی دُوربیں ہے دل یار سے قریں ہے + ہاتھوں میں شمعِ دیں ہے عین الضیا یہی ہے
جو رازِ دیں تھے بھارے اُس نے بتائے سارے + دولت کا دینے والا فرماں روا یہی ہے
اس نور پر فدا ہوں اسکا ہی میں ہوا ہوں + وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے
وہ دلبرِ یگانہ علموں کا ہے خزانہ + باقی ہے سب فسانہ سچ بے خطا یہی ہے
شادابی و لطافت اس دیں کی کیا کہوں میں + سب خشک ہو گئے ہیں پھولا پھلا یہی ہے
لعل یمن بھی دیکھے دُرِّ عدن بھی دیکھے + سب جوہروں کو دیکھا دل میں جچا یہی ہے
دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں + قرآں کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے
اس دیں کی شان و شوکت یا رب مجھے دکھا دے + سب جھوٹے دیں مٹا دے میری دعا یہی ہے

(۶) ؎ از نورِ پاکِ قرآں صبحِ صفا دمیدہ + بر غنچہ ہائے دلہا بادِ صبا وزیدہ
ایں روشنی و لمعاں شمس الضحیٰ ندارد + ویں دلبری و خوبی کس در قمر ندیدہ
از مشرقِ معانی صدہا دقائق آورد + قدِّ ہلال نازک زاں نازکی خمیدہ
کیفیتِ علومش دانی چہ شان دارد + شہدیست آسمانی از وحیِ حق چکیدہ
آں نیّرِ صداقت چوں رُو بعالم آورد + ہر بومِ شب پرستی در کنجِ خود خزیدہ
آنکس کہ عالمش شد شد مخزنِ معارف + واں بے خبر ز عالم کیں عالمے ندیدہ
بارانِ فضلِ رحماں آمد بمقدمِ او + بدقسمت آنکہ از وے سوئے دگر دویدہ
اے کانِ دلربائی دانم کہ از کجائی + تو نورِ آں خدائی کیں خلق آفریدہ
میلم نماند باکس محبوبِ من توئی بس + زیرا کہ زاں فغاں رس نورت بما رسیدہ

مجلہ "الحق" پشاور مذکور کے مضمون نگاروں کے نزدیک یہ سب کلام ہی "دُرِّثمین" کی زبان میں "گالی گفتار" ہے۔ مزید سُنئے فرماتے ہیں حضرت اقدس مرزا غلام احمد علیہ السلام:—

(۷) ؎ در دلم جوشد ثنائے سرورے + آنکہ در خوبی ندارد ہمسرے

آنکہ جانش عاشقِ یارِ ازل + آنکہ روحش واصلِ آں دلبرے
آنکہ در بردِ کرم بحرِ عظیم + آنکہ در لطفِ اتم یکتا دُرّے
آنکہ در جود و سخا ابرِ بہار + آنکہ در فیض و عطا یک خاورے
آں رحیم و رحمِ حق را آیتے + آں کریم و جود حق را مظہرے
آں مبارک پے کہ آمد ذات او + رحمتے زاں ذاتِ عالم پرورے
آں بنی آدم فزوں تر در جمال + وز لآلی پاک تر در گوہرے
بر لبش جاری ز حکمت چشمۂ + در دلش پُر از معارف کوثرے
احمدِ آخر زماں کز نورِ او + شد دلِ مردم ز خور تاباں ترے
(۸) سے پہلوانِ حضرتِ ربِّ جلیل + بر میاں بستہ ز شوکت خنجرے
تیر او تیزی بہر میداں نمود + تیغ او ہر جا نمودہ جوہرے
کرد ثابت بر جہاں عجزِ بتاں + وا نمودہ زورِ آں یک قادرے
عاشقِ صدق و سداد و راستی + دشمنِ کذب و فساد و ہر شرے
آں ترحمہا کہ خلق از وے بدید + کس نہ دیدہ در جہاں از مادرے
روشنی از وے بہر قومے رسید + نورِ او رخشید بر ہر کشورے
آیتے رحماں برائے ہر بصیر + حجتِ حق بہر ہر دیدہ ورے
ناتواناں را برحمت دستگیر + خستہ جاناں را بشفقت غم خورے
(۹) سے حسنِ رویش بہ ز ماہ و آفتاب + خاکِ کویش بہ ز مشک و عنبرے
یک نظر بہتر ز عمرِ جاوداں + گر فتد کس را براں خوش پیکرے
منکہ از حسنش ہمے دارم خبر + جاں فشانم گر دہد دل دیگرے
مے پریدم سوئے کوئے او مدام + من اگر مے داشتم بال و پرے
لالہ و ریحاں چہ کار آید مرا + من سرے دارم باں زود سرے
ہر کہ بے او زد قدم در بحرِ دیں + کرد در اول قدم گم معبرے
اُمّی و در علم و حکمت بے نظیر + زیں چہ باشد حجتے روشن ترے
آں شرابِ معرفت دادش خدا + کز شعاعش خیرہ شد ہر اخترے
شد عیاں از وے علی وجہ الاتم + جوہرے انساں کہ بد آں مضمرے
ختم شد بر نفسِ پاکش ہر کمال + لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے
(۱۰) سے آفتابِ ہر زمین و ہر زماں + رہبرے ہر اسود و ہر احمرے
مجمع البحرین علم و معرفت + جامع الاسمٰی ابر و خاورے
چشمِ من بسیار گردید و ندید + چشمۂ چوں دینِ او صافی ترے
سالکاں را نیست غیر از وے امام + رہرواں را نیست جز وے رہبرے
جائے او جائیکہ طیرِ قدس را + سوزد از انوار آں بال و پرے
آں خداوندش بداد آں شرع و دیں + کاں نگردد تا ابد متغیرے
بعد زاں آں قیدِ دین و شرعِ پاک + شد محیطِ عالمے چوں چنبرے
یک طرف حیراں از و شاہانِ وقت + یکطرف مبہوت ہر دانشورے
نے بعلمش کس رسید و نے بزور + در شکستہ کبرِ ہر متکبرے
او چہ میدارد بمدح کس نیاز + مدحِ او خود فخرِ ہر مدحت گرے
ہست او در روضۂ قدس و جلال + وز خیالِ مادحاں بالا ترے
اے خدا بر وے سلام ما رساں + ہم بر اخوانش ز ہر پیغمبرے
(۱۱) سے ہر رسولے آفتابِ صدق بود + ہر رسولے بود مہرِ انورے
ہر رسولے بود ظلِّ دیں پناہ + ہر رسولے بود باغِ مثمرے
گر بدنیا نامدے ایں خیلِ پاک + کارِ دیں ماندے سراسر ابترے
آں ہمہ از یک صدف صد گوہر اند + متحد در ذات و اصل و گوہرے
اُمتے ہرگز نہ بودہ در جہاں + کاندراں نامد بوقتے منذرے
انبیاء روشن گہر ہستند و لیک + ہست احمد زاں ہمہ روشن ترے
اوّل آدم آخر شاں احمد است + اے خنک آنکس کہ بیند آخرے

رسالہ "الحق" کے نامہ نگار اس کلام کو "دُرِّثمین" کی گالی گفتار سمجھتے ہیں مزید سنئے فرماتے ہیں حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام:—

(۱۲) سے چوں زمن آید ثنائے سرورِ عالی تبار + عاجز از مدحش زمین و آسمان و ہر دو دار
آں مقامِ قرب کو دارد بدلدارِ قدیم + کس نہ داند شانِ آں از واصلانِ کردگار
آں عنایتہا کہ محبوبِ ازل دارد بدو + کس بخوابے ہم ندیدہ مثلِ آں اندر دیار
سرورِ خاصانِ حق شاہِ گروہ عاشقاں + آنکہ روحش کرد طے ہر منزلِ وصلِ نگار
احمدِ آخر زماں کو اولیں را جائے فخر + آخریں را مقتدا و ملجا و کہف و حصار
از ہمہ چیزے فزوں تر در ہمہ نوعِ کمال + آسماں را پیشِ اوجِ ہمتِ او ذرّہ وار
مظہرے نورے کہ پنہاں بود از عہدِ ازل + مطلعِ شمسے کہ بود از ابتدا در استتار
صدرِ بزمِ آسماں و حجۃ اللہ بر زمیں + ذاتِ خالق را نشانے بس بزرگ و استوار
حسنِ روئے او بہ از صد آفتاب و ماہتاب + خاکِ کوئے او بہ از صد نافۂ مشکِ تتار
(۱۳) سے شانِ احمد را کہ داند جز خداوندِ کریم + آں چناں از خود جدا شد کز میاں افتاد میم
زاں نمط شد محو دلبر کز کمالِ اتحاد + پیکرِ او شد سراسر صورتِ ربِّ رحیم
بوئے محبوبِ حقیقی میدمد زاں روئے پاک + ذاتِ حقانی صفاتش مظہرے ذاتِ قدیم
گرچہ منسوبم کند کس سوئے الحاد و ضلال + چوں دلِ احمد نمی بینم دگر عرشِ عظیم
در رہِ عشقِ محمد ایں سر و جانم رود + ایں تمنا ایں دعا ایں در دلم عزمِ صمیم
(۱۴) سے عجب نوریست در جانِ محمد + عجب لعلیست در کانِ محمد
ز ظلمتہا دلے آنگہ شود صاف + کہ گردد از محبانِ محمد
عجب دارم دلِ آں ناکساں را + کہ رو تابند از خوانِ محمد
ندانم ہیچ نفسے در دو عالم + کہ دارد شوکت و شانِ محمد
خدا زاں سینہ بیزار است صد بار + کہ ہست از کینہ داران محمد
خدا خود سوزد آں کرمِ دنی را + کہ باشد از عدوانِ محمد
اگر خواہی نجات از مستیٔ نفس + بیا در ذیلِ مستانِ محمد
اگر خواہی کہ حق گوید ثنایت + بشو از دل ثنا خوانِ محمد
اگر خواہی دلیلے عاشقش باش + محمد ہست برہانِ محمد
سرے دارم فدائے خاکِ احمد + دلم ہر وقت قربانِ محمد
دریں رہ گر کشندم ور بسوزند + نتابم رو ز ایوانِ محمد
فدا شد در رہش ہر ذرۂ من + کہ دیدم حسنِ پنہانِ محمد
دگر استاد را نامے ندانم + کہ خواندم در دبستانِ محمد
بدیگر دلبرے کارے ندارم + کہ ہستم کشتۂ آنِ محمد
دریغا گر دہم صد جاں دریں راہ + نباشد نیز شایانِ محمد
چہ ہیبتہا بدادند ایں جواں را + کہ ناید کس بمیدانِ محمد
الا اے دشمنِ نادان و بے راہ + بترس از تیغِ برّانِ محمد
الا اے منکر از شانِ محمد + ہم از نورِ نمایانِ محمد
کرامت گرچہ بے نام و نشان است + بیا بنگر ز غلمانِ محمد

الغرض کہاں تک لکھا جائے۔ حضرت مرزا صاحب کے کلام کا مجموعہ "دُرِّثمین" اسی طرح کے لذیذ۔ ایمان افروز اور روح پرور کلام پر مشتمل ہے یقیناً صاحب مضمون رسالہ "الحق" موصوف نے اسے نہیں پڑھا۔ ورنہ وہ اس کی طرف گالی گفتار کی بات منسوب کرتے ہوئے خدا سے ضرور خوف کھاتے۔ بالآخر صاحبانِ علم و قلم کے سامنے ہمارا یہ سوال ہے کیا کوئی ایسا شخص ہو سکتا ہے جو کافر و مرتد ہو۔ غیر مسلم اور دائرہ اسلام سے خارج ہو؟ کیا ایسی کوئی مثال ابتدائے دُنیا سے آج تک پیش کی جا سکتی ہے؟ ہرگز نہیں اور ہرگز نہیں۔ بلاشک یہ کلام صرف اسی شخص کے [illegible] و قلم سے نکل سکتا ہے جو سچے دل سے عاشقِ رسول اور عاشقِ [illegible]

چونکہ انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے اس لئے اس انجمن کو دنیاداری کے رنگوں سے بکلی پاک رہنا ہوگا۔
(الوصیت)

# جنوبی کوریا میں اسلام کی تبلیغ واشاعت

اطراف و اکناف عالم میں قبولیت و اشاعت اسلام کی پیشگوئی کرتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ فتح اسلام میں فرماتے ہیں۔

"جو شخص مامور ہو کر آسمان سے آتا ہے۔ اس کے وجود سے علی حسب مراتب تمام دُنیا کو فائدہ ہوتا ہے۔ وہ ایک روحانی آفتاب نکلتا ہے۔ جس کی روشنی دُور دُور تک پہنچتی ہے۔ آفتاب کی کرنوں کی طرح فرشتے آسمان سے نازل ہونا شروع ہوتے ہیں اور دُنیا کے دُور دُور کناروں تک جو لوگ راستبازی کی استعداد رکھتے ہیں ان کو سچائی کی طرف قدم اُٹھانے کی قوت دیتے ہیں"۔ (ادارہ)

گذشتہ دنوں جنوبی کوریا کے دارالحکومت سیول کے جنوبی حصے میں ایک عالی شان مسجد کی تعمیر اور اسلامی سنٹر کے افتتاح کے موقعہ پر جنوبی کوریا میں موجود مسلمانوں نے شاندار جشن منایا۔ اس تقریب میں چالیس سے زیادہ مسلمان ممالک کے مذہبی رہنماؤں نے شرکت کی اور تمام مسلمانوں نے مل کر اس پہلی کامیابی پر ربّ ذوالجلال کا لاکھ لاکھ شکریہ ادا کیا۔

سیول کے جنوبی علاقے میں ایک بلند پہاڑی مقام پر واقع یہ اسلامی سنٹر اور مسجد مختلف اسلامی ممالک کی طرف سے دی جانے والی امداد کے بل بوتے پر دو سال میں مکمل ہوئی ہے۔

سیول میں اسلام کیسے پھیلا۔ یقیناً یہ سوال آپ کے ذہن میں آیا ہوگا۔ یہ حقیقت ہے کہ پُرانے وقتوں میں کچھ غیر ملکی مسلمان یہاں آتے تھے لیکن کوریا میں منظم طریقہ سے اسلام اس وقت پھیلا جب ۱۹۵۳ — ۱۹۵۰ میں کوریا کی جنگ کے دوران ترک مسلمان فوجی اس علاقے میں آئے۔ ۱۹۵۵ میں ایک مسلمان امام ترک فوجیوں کو نماز پڑھانے کے لئے یہاں تشریف لائے اور انہوں نے سیول کی ایک ٹوٹی پھوٹی مسجد میں ۲۰۰ مسلمان کوریائی باشندوں کے ساتھ مل کر اسلام کی تبلیغ کا کام شروع کیا۔ اگرچہ کوریا میں اسلام کی تبلیغ کا کام شروع ہو چکا تھا۔ لیکن ۱۹۶۰ء تک کوریا کے باشندوں نے اس طرف زیادہ دھیان نہ دیا ۱۹۶۰ء میں حاجی صابری سُو کی سربراہی میں کوریا مُسلم فیڈریشن کا قیام عمل میں آیا اور صحیح معنوں میں تبلیغ کا کام شروع ہوا۔ اپنے آبائی نظریات اور پرانی عبادت کا عادی ہونے کے باعث کوریائی عوام فیڈریشن کے قیام کے بعد بھی اسلامی ضابطۂ حیات کے قبول کرنے پر آسانی سے آمادہ نہ ہوئے۔ کیونکہ کوریا کے بیشتر باشندے عیسائیت اور بُدھ مت کے ساتھ اپنے پُرانے تاریخی اور خاندانی تعلقات کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔

اب ذرا ماضی بعید کی طرف پلٹ کر دیکھیں۔ کوریا کے مؤرخین کے مطابق کوریائی عوام کا دنیا کے مسلمانوں سے اس وقت تعارف ہونا شروع ہوا جب کورائیوں کی بادشاہت کے دوران میں عرب تاجروں کی اس علاقے میں آمد و رفت شروع ہوئی۔ کوریا کے علاوہ دوسرے ممالک کے باشندے اس حقیقت سے بہت کم آگاہ ہیں کہ کوریا کے عوام اور مسلمانوں کے درمیان آج سے سات سو سال قبل ہی خون کا رشتہ قائم ہو گیا تھا۔ کوریا کے بعض خاندانوں کے شجرۂ نسب اور تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ایک عرب مسلمان نے پُرانے وقتوں میں کوریا کی شہریت اختیار کی اور پھر یہیں شادی کر لی۔ اس کا خاندان بڑھا، پھلا، پھولا۔ یہ عرب مسلمان ہی دراصل تکسو چنگ خاندان کا بانی تھا۔ چنگ خاندان کا دادا پردادا ۱۳۴۷ء میں (یُوآن کی شہنشاہیت کے دَور میں) منگولیا کی شہزادی جو بعد میں کوریائی بادشاہت کے سلسلہ کے شاہ چنگیال کی ملکہ بنی کے منتظم عملے کے ایک رکن کی حیثیت سے چین سے کوریا میں آیا۔ اس عرب مسلمان نوجوان نے بعد میں کوریا کی ایک عورت کے ساتھ شادی کر لی اور بادشاہِ وقت نے اسے کوریائی زبان میں چن سن ینگ کے نام سے نوازا۔ اس کے ساتھ ہی اسے تاکسو ضلع کا تمام علاقہ بخش دیا۔ بادشاہ نے اس علاقہ کا ٹیکس بھی نہ لینے کا فیصلہ کیا۔

تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کوریا میں عربی النسل مسلمان خاندان سے سابقہ حسب نسب کی بناء پر کسی قسم کا امتیاز نہیں برتا گیا۔ عرب باشندے مقامی آبادی کے ساتھ جلد گھل مل گئے اور بعد میں ان نو آباد کاروں کے خاندانوں میں سے کئی افراد حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے۔ اس کے علاوہ ان لوگوں نے علم و ادب میں بھی کئی سنہری ابواب کا اضافہ کیا۔ لیکن اتفاق کی بات ہے کہ اس طویل عرصہ کے دوران عرب مسلمان ان کوریائی افراد کے دلوں میں مذہبی حوالے سے زیادہ گھر نہ کر سکے۔ جن کی نس نس میں بُدھ مت کے عقائد رچے بسے ہوئے تھے اور وہ مسلمانوں کے خیالات اور عقائد کو بُدھ مت کے اُصولوں سے متصادم اور متضاد سمجھتے تھے۔

حاجی صابری سو نے ایک ملاقات میں کوریا میں اسلام کی تبلیغ اور ترویج کے بارے میں بتایا:۔

"دُنیا میں ہر مقام پر مذہب کے پھیلانے کے لئے شروع کی جانے والی تحریکوں کے دوران ابتداء میں تشدّد اور خون خرابے کے واقعات کثرت سے رُونما ہوئے ہیں لیکن ہم نے کوریا میں مذہبی انقلاب کی داغ بیل ڈالی اور اس غیر اسلامی مملکت میں خون کا ایک قطرہ تک بہانے کی ضرورت پیش نہیں آئی"۔

حاجی صابری سو کوریا کے ان دو پہلے مسلمانوں میں سے ایک ہے جنہوں نے ۱۹۵۹ء میں حج کی سعادت حاصل کی اور دوسرے عرب ممالک کی بھی سیاحت کی۔ اس وقت کوریا کے پندرہ طالبعلموں پر مشتمل ایک گروپ سعودی عرب، مصر، لیبیا، اور کویت میں اسلامی تعلیمات حاصل کر رہا ہے۔ یہ تمام طالب علم وظیفہ حاصل کرتے ہیں۔

کوریا مسلم فیڈریشن کے ڈائرکٹر جنرل محمد سلیمان لی نے کہا:۔

" حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا رشتہ ہی مسلمانوں کے درمیان سب سے بڑا رشتہ ہے۔ جو شخص اسلامی نظامِ حیات کو عملی زندگی میں اختیار کر لیتا ہے تو پھر چاہے وہ کسی نسل، قوم، ملک یا رنگت سے تعلق رکھتا ہو وہ مسلمان ہے، اور دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ مذہب اسلام عملی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے اور اس لحاظ سے یہ مذہب دنیا میں سب سے زیادہ قابلِ عمل اور زیرِ عمل ہے۔ کوریا کی نجی زندگی کی روایات کے تحت کوریائی مسلمان بھی اپنے نظام حیات میں پرانی اقدار کو اہمیت دیتے ہیں۔ اسلام عدل و انصاف، مساوات خوب سے خوب تر کی تلاش کے ساتھ ساتھ پرانی روایات سے رابطہ رکھنے کا حامی ہے۔ نیز اسلام میں دُنیا کے ایسے تمام مذاہب کے لئے جو ایک خدا کی پرستش کے داعی ہیں احترام، رواداری اور عزت کے اصول پائے جاتے ہیں۔

اسلام کے بنیادی اُصولوں سے کوریائی عوام کی عدم واقفیت کا ذکر کرتے ہوئے محمد سلیمان لی نے کہا کہ یہ کہنا غلط ہے کہ اسلام میں کسی قسم کے تشدّد کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ اگرچہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بتایا جاتا ہے کہ آپؐ کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں قرآن مجید رہتا تھا۔ لیکن یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ آپ نے کبھی سختی جبر یا تشدّد کی ترغیب نہیں دی۔ آپؐ نے صرف نیک مقاصد کے لئے جہاد کیا۔ مقدّس جنگیں لڑیں۔

## دو مرحلوں پر مشتمل پروگرام

مسجد اور اسلامی سنٹر کی تعمیر کے بعد مسلم فیڈریشن نے کوریا میں مؤثر طریقہ سے اسلام کی تبلیغ میں حائل رکاوٹوں پر قابو پانے کے لئے ایک مرحلہ وار منصوبہ تیار کیا ہے۔ اس منصوبے کے پہلے مرحلہ کی غرض و غایت کوریا میں مسلمانوں کی تعداد میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کرنا ہے اور براہِ راست رابطہ قائم کر کے ان کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانا ہے۔ اس کے علاوہ پروگرام کے اس مرحلہ میں عربی زبان سکھانے کے لئے ایک ادارہ قائم کرنا اور ملک بھر کی یونیورسٹیوں میں مسلمان

طالب علموں کو منظم کرنا بھی شامل ہے۔ کوریا مسلم فیڈریشن کی نگرانی میں کام کرنے والا عربی زبان سکھانے کا ادارہ ملک بھر میں مقبول ہو رہا ہے اور اس کی طرف سے مسلمان اور غیر مسلم کوریائی عوام کو مفت لیکچر دینے کا سلسلہ جاری ہے۔ اب تک کوریا میں زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے دو سو افراد نے اس تربیتی ادارے کی مدد سے عربی زبان کا کورس مکمل کر لیا ہے۔ لیبیا کال اسلامک سوسائٹی کی طرف سے بھیجے گئے تین مسلمان مبلغ جو اس ادارے سے وابستہ ہیں۔ کوریا کے غیر مسلم باشندوں کو عربی زبان کا سبق دے رہے ہیں۔ اور انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دے رہے ہیں۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی باعث مسرت ہے کہ کوریا کی یونیورسٹیوں میں عربی زبان کے شعبوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اب عربی کے دو شعبے میونگ جی یونیورسٹی اور غیر ملکی زبانوں کی ہان کک یونیورسٹی میں قائم کئے گئے ہیں۔ ان شعبوں کے قیام سے کوریا اور عرب ممالک کے درمیان ثقافتی تعلقات میں اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ کوریا میں اسلام کی مؤثر تبلیغ کرنے میں بھی مدد ملے گی۔

**دوسرا مرحلہ** کوریا مسلم فیڈریشن کے پروگرام کے دوسرے مرحلہ میں کوریا کے نومسلموں کے لئے الگ کالج کے قیام اور ملک کے طول عرض میں ہسپتالوں اور عوامی فلاح و بہبود کے دوسرے اداروں کو فروغ دینا شامل ہے۔ فیڈریشن کے قائدین کا کہنا ہے کہ مستقبل میں کوریا میں اسلام کی تبلیغ کا اچھا طریقہ معاشرتی فلاح و بہبود پر مشتمل سرگرمیوں میں اضافے اور تعلیم و طبی سہولتیں فراہم کر کے ان کوریائی باشندوں کی مدد کرنا ہے۔ جن میں اسلام کی طرف راغب ہونے کی خواہشات پائی جاتی ہیں۔

چونکہ قرآن مجید کا کوریائی زبان میں ترجمہ کرنے کی اشد ضرورت ہے اس لئے کوریا مسلم فیڈریشن نے کوریا ٹرانسلیشن کمیٹی کے نام سے ایک تنظیم بنائی ہے۔

فیڈریشن کے قائدین کے مطابق قرآن مجید کو کوریائی زبان میں ترجمہ کرنے میں کم از کم دس سال لگیں گے۔ اور ۳۰ چوٹی کے مترجم اس فریضہ کو انجام دیں گے۔

کوریا کی مسلم فیڈریشن کے ایک امام حاجی محمد یون ڈیونگ نے کہا:—

"آج کل کوریا میں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ کوریائی عوام مسلمانوں کی مسجدیں اور دوسرے فلاحی اور تبلیغی مراکز سے متاثر ہو کر عربوں اور اسلام سے معمولی واقفیت رکھنے کی خواہش سے ایک قدم آگے بڑھا کر اسلامی قوانین اور ضابطہ حیات قبول کرنے پر آمادہ ہو سکتے ہیں۔ کوریا میں اسلام کی تبلیغ کرتے بیس برس ہو چکے ہیں۔ اس مختصر سی مدت کے دوران کوریائی عوام کا بیشتر دانشور طبقہ جن میں پروفیسر، وکلاء، صحافی، تجارت پیشہ افراد، صنعتکار اور طالب علم شامل ہیں مسلمان ہو چکے ہیں۔"

کوریا کی مسلم فیڈریشن کے امام نے مزید کہا:—

"اب کوریا میں آبادی کا بیشتر حصہ اسلام سے متعارف ہو رہا ہے اور اس طرح دنیا کے اس حصہ میں اسلام کو متعارف کرانے اور پھیلانے میں بڑی مدد مل رہی ہے۔" (بشکریہ "نوائے وقت" ۲۱ جولائی ۱۹۷۶ء)

# مکتوب راولپنڈی

محترم خواجہ محمد نصیر اللہ صاحب سیکرٹری جماعت راولپنڈی اطلاع دیتے ہیں کہ ان کی طرف سے مندرجہ ذیل لٹریچر بذریعہ ڈاک مفت تقسیم کیا گیا اور تقریباً چھپن دوستوں کو پڑھنے کے لئے دیا گیا۔ (ادارہ)

۱۔ آئینِ پاکستان اور مسلمان فرقۂ احمدیہ .. .. .. : ۸۰ عدد
۲۔ مقامِ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم .. .. .. : ۳۰۰ 〃
۳۔ شہادتِ حقہ .. .. .. : ۶۰ 〃
۴۔ برنباس کی انجیل .. .. .. : ۴۰ 〃
۵۔ نماز و نماز کی فلاسفی .. .. .. : ۲۵ 〃
۶۔ احمدیت کیا ہے؟ .. .. .. : ۲۰ 〃
۷۔ اسلام کیا ہے؟ .. .. .. : ۱۵ 〃
۸۔ حج .. .. .. : ۱۰ 〃
۹۔ زکوٰۃ .. .. .. : ۱۰ 〃
۱۰۔ اسلامی اصول کی فلاسفی .. .. .. : ۳۰ 〃
۱۱۔ خداوند یسوع مسیح کے معجزات .. .. .. : ۴۰ 〃
۱۲۔ خداوند یسوع مسیح کی بشارت .. .. .. : ۳۰ 〃
۱۳۔ "بے گناہ نبی" .. .. .. : ۲۵ 〃
۱۴۔ "وہ نبی" .. .. .. : ۴۰ 〃
۱۵۔ خداوند یسوع مسیح کی قربانی .. .. .. : ۵۰ 〃
۱۶۔ اُمت میں کشف و الہام کا مقام .. .. .. : ۲۵ 〃
۱۷۔ قرآن کریم کی بیان کردہ سائنس (اردو) .. .. .. : ۵۰۰ کاپی
۱۸۔ کسرِ صلیب .. .. .. : ۶ 〃
۱۹۔ ہم کون ہیں .. .. .. : ۶۰ 〃
۲۰۔ THE HOLY QURAN HAS DISCUSSED SCIENCE : ۲۰۰ 〃
۲۱۔ جہاد فی الاسلام اور علماء و زعماء پاکستان .. .. .. : ۱۵۰ 〃
۲۲۔ حضرت مرزا صاحب قادیانی کے دعویٰ نبوت کی کہانی جناب خلیفہ صاحب مرحوم ربوہ کی زبانی : ۱۰۰ 〃
۲۳۔ MIRACLES OF JESUS THE CHRIST : ۱۰۰ 〃
۲۴۔ جماعت ربوہ اور جماعت لاہور کے عقائد .. .. .. : ۸۰ 〃
۲۵۔ انجیل کا مسیح اور قرآن کا مسیح .. .. .. : ۶۰ 〃
۲۶۔ وحی اور انسان کا ابدی رشتہ .. .. .. : ۲۵ 〃
۲۷۔ شانِ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم .. .. .. : ۲۰ 〃
۲۸۔ پیشگوئیوں کے ذریعے ہستی باری تعالےٰ کا ناقابل تردید ثبوت : ۱۵ 〃
۲۹۔ حقیقت توحید اور اس کے شواہد : ۲۰ 〃
۳۰۔ حضرت امام الزمان (مسیح موعود) کی فتح عظیم .. .. .. : ۳۰ 〃
۳۱۔ آئین پاکستان میں نئی ترمیم کا مفہوم قرآن و حدیث کے خلاف نہیں ہو سکتا : ۲۰ 〃
۳۲۔ سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب .. .. .. : ۱۵۰ 〃
۳۳۔ تذکرہ .. .. .. : ۴۰ 〃
۳۴۔ چھوٹے بڑے کئے جائیں گے اور بڑے چھوٹے کئے جائیں گے کا صحیح مفہوم : ۲۰ 〃
۳۵۔ MUHAMMAD THE MODERN PROPHET : ۳۰۰ 〃
۳۶۔ تفاوت کا مسئلہ .. .. .. : ۴۰ 〃
۳۷۔ ایک غلطی کا ازالہ .. .. .. : ۳۰ 〃
۳۸۔ خطبہ جمعہ حضرت امیر قوم .. .. .. : ۴۰ 〃
۳۹۔ وفات مسیح و نزول مسیح .. .. .. : ۳۰ 〃
۴۰۔ پیدائش مسیح از روئے اناجیل .. .. .. : ۲۰ کاپی
۴۱۔ حقیقتِ نماز .. .. .. : ۲۰ 〃
۴۲۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض مجبور نہیں بلکہ انتہائی مخلص مسلمان پیدا کرنا تھی .. .. .. : ۱۵ 〃
۴۳۔ کیا خدا آسمان میں رہتا ہے؟ .. .. .. : ۵۰ 〃
۴۴۔ مجدد صاحب الف ثانی اور نبوت مرزا صاحب قادیانی .. .. .. : ۵۰ 〃
۴۵۔ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ حال کے پیغمبر اقوام عالم کے پیغمبر : ۶۰ 〃
۴۶۔ ہمارے عقائد .. .. .. : ۶۵ 〃
۴۷۔ وضاحتی بیان حضرت امیر .. .. .. : ۱۳۰۰ 〃

از جناب شیخ محمد طفیل صاحب لندن

# خبرنامہ لندن

▲ کہتے ہیں انگلستان میں اڑھائی سو سال سے اس قدر شدت کی گرمی نہیں پڑی جتنی اس سال پڑی ہے۔ بہت سے مکانات کی بنیادیں خشک ہو کر سکڑ گئی ہیں اور دیواروں میں دراڑیں پڑ گئی ہیں۔ انشورنس کمپنیوں کو ان کی درستی کے لئے بے تحاشا رقوم خرچ کرنی پڑ رہی ہیں۔ پھول مرجھا گئے ہیں، سبزیاں خشک ہو رہی ہیں۔ پانی کے تالابوں میں سطحِ آب خطرناک حد تک کم ہو گئی ہے۔ ابھی تک کھل کر بارش برسنے کے آثار نظر نہیں آتے۔

▲ ذرا گھر کر بادل آسمان پر آتے ہیں تو سائنسدان ان بادلوں سے مصنوعی طریق پر بارش برسانے کی تجویزیں سوچنے لگتے ہیں۔ چند جہازوں کو اڑا کر ان پر کچھ کیمیکل ادویات چھڑکی جائیں تو بادل کے ٹکڑے بارش میں تبدیل ہو جائیں گے۔ ممکن ہے اس بادل نے جرمنی میں جا کر برسنا ہو۔ جرمن سائنسدان شور مچا دیں کہ انگلستان والوں نے ہماری بارش چوری کر لی۔ اور وہ آئندہ کسی موقعہ پر ان بادلوں کو اپنے ہاں برسا لیں جن کا رخ انگلستان کی طرف ہو۔ اور اس طرح ایک نئے قسم کا بارش چرانے کا چکر چل پڑے۔ آگے ہی دنیا بہت سے مسائل سے دوچار ہے۔ ایک نئی مشکل میں اپنی جان پھنسانی کارِ دانایاں نہیں۔

▲ موسم اور بارش کی بات چل نکلی تو برف کی کہانی بھی سن لیجئے۔ قطب شمالی کے قریب کے علاقوں میں لکھوکھا سال سے برف کے تودے جمے پڑے ہیں۔ ان تودوں کو کسی وجہ سے چھیڑ دیا جائے تو ان میں ایسی ایسی بیماریوں کے جراثیم بھی نیم مردنی حالت میں پوشیدہ ہیں کہ اگر وہ جاگ اٹھیں تو دنیا میں ایسی بیماریاں پیدا ہو جائیں گی جن کے علاج عصرِ حاضر کے انسان کے پاس نہیں۔ اگر ایک ایٹم بمب گرا کر ان برف کے چند پہاڑوں کو پگھلا دیا جائے تو دنیا کے سمندروں میں ایسی طغیانی آ جائے گی کہ طوفانِ نوح کا قصہ اس کے مقابل پر بے حقیقت ہو جائے گا۔ اور یورپ، امریکہ اور ایشیا کے کثیر علاقے ڈوب جائیں۔ اس لئے روس، امریکہ، برطانیہ اور دیگر ایٹمی طاقتوں نے معاہدہ کر رکھا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو تباہ کرنے کے لئے اس قسم کی "موسمی" لڑائی نہیں لڑیں گے۔

▲ نیشنل فرنٹ والوں کی سرگرمیاں اپنی رفتار سے جاری ہیں (یہ تنظیم انگلستان میں رنگ دار لوگوں کے خلاف ہے) کچھ عرصہ ہوا انہوں نے اسلامک کلچر سنٹر میں جو بڑی مسجد بن رہی ہے اس کی کھڑکیوں کے شیشے پتھر مار کر توڑ ڈالے تھے۔ ہمارے ہاں احمدیہ ہاؤس میں ایک دفعہ نماز ہو رہی تھی راہ چلتے چند لڑکوں نے کچھ کنکر پھینکے تھے۔ اب ہم نماز اور اجتماع کے موقعہ پر سڑک کی طرف کھلنے والی کھڑکیوں پر پردے ڈال دیتے ہیں۔

## ہالینڈ کے دوستوں کی آمد

▲ محترمی مولینا عبدالرحیم جگو صاحب ۵ اگست کو قریباً چالیس خواتین و رجال کے ساتھ انگلستان میں آئے۔ میری اہلیہ، میرا بیٹا بشارت اور میں انہیں ملنے ہوٹل میں گئے۔

▲ ۶ اگست کو سب دوست احمدیہ ہاؤس ووکنگ لندن میں نمازِ جمعہ پڑھنے کے لئے آئے۔

جناب مولینا عبدالحق صاحب ودیارتھی نے اپنے مخصوص انداز میں خطبہ دیا جسے ہالینڈ کے دوستوں نے ٹیپ ریکارڈ کر لیا۔ اس موقعہ پر ہالینڈ کے دوستوں کے علاوہ جناب رضا تعظیم صاحب جماعت فجی کے صدر بھی آئے ہوئے تھے۔ کیمرج کے محترم ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب (جو پشاور سے انگلستان آئے ہوئے ہیں) وہ بھی تشریف لے آئے۔ مولنا عبدالمجید صاحب جو فالج کی وجہ سے چلنے پھرنے میں بہت دقت محسوس کرتے ان کو اور مسٹر ڈوڈو کو بھی ہم نے کار بھیجکر بلا لیا تھا۔ کھانے کا سارا انتظام مسز جمیلہ خان صدر لندن جماعت نے کیا۔ ان کے والد اور والدہ بھی شریک جمعہ تھیں۔ کھانے کے بعد تصاویر بھی کھینچی گئیں۔

مولنا عبدالمجید صاحب اور مسٹر ڈوڈو کہنے لگیں بہت سال ہوئے ووکنگ میں بھی اسی طرح کام شروع ہوا تھا۔ مولنا عبدالمجید صاحب ایک دَور کی یادگار ہیں، وہ دَور جو ہمارے لئے ختم ہو چکا ہے۔ اب ایک نئے دَور کا آغاز ہے۔ اتفاق کی بات ہے کہ وہ اس نئے دَور کے آغاز کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ جمعہ کے بعد ان کی صحت کے لئے سب احباب نے دعا کی۔

▲ کھانے کے بعد احباب ہالینڈ اپنی کوچ میں سوار ہو کر ووکنگ مسجد کو دیکھنے چلے گئے۔ وہاں کی سڑک پختہ ہو چکی ہے۔ کمروں میں نئے قالین بچھ گئے ہیں اور انتظام پہلے سے بہتر ہے۔ وہاں سے فارغ ہو کر یہ احباب لندن واپس آ گئے۔

▲ ۷ اگست کا سارا دن ان دوستوں نے ساؤتھ ہال میں خرید و فروخت میں گذارا۔ شام کو ساڑھے آٹھ بجے احمدیہ ہاؤس میں مختصر سا اجتماع ہوا جس میں مولنا جگو صاحب اپنے ان احباب کو ساتھ لے کر آئے جو زیادہ تھکے ہوئے نہیں تھے۔

مغرب اور عشاء کی نمازیں وہاں پڑھی گئیں اور احباب کو پُرتکلف چائے پلائی گئی۔ اور جو احباب ہوٹل میں ٹھہرے رہے تھے ان کے لئے کیک، پکوڑے، آلو چھولے وغیرہ بکس میں ڈال کر ان تک پہنچا دیئے گئے۔

▲ ہالینڈ میں خدا کے فضل سے قریباً دس ہزار احمدی سرینام سے آ کر آباد ہو گئے ہیں۔ ان کو منظم کرنے کا کام باقی ہے۔ ان کی رہائش اور معاش کی مشکلات رفتہ رفتہ حل ہو رہی ہیں۔ امید ہے اس کے ساتھ ساتھ ہی ان مذہبی اور معاشرتی مشکلات کا بھی کوئی حل نکل آئے گا۔

▲ اگست کے آخر میں لندن میں ورلڈ پیس کونسل کے زیرِ اہتمام مذاہب کی ایک پارلیمنٹ منعقد ہوگی۔ مجھے بھی اس میں تقریر کے لئے بلایا گیا ہے۔ اس کی تفصیلات انشاء اللہ بعد میں لکھوں گا۔

---

## درخواست دُعا

ہماری محترم بہن بیگم مرغوب عالم شہید ۱۵ - ۸ - ۷۶ کو کرسچین ہسپتال گلبرگ سے بواسیر کے مسّوں کا اپریشن کرانے کے بعد گھر واپس آئی تھیں کہ داماد کی دردناک اور جواں سال موت نے انہیں نڈھال کر دیا۔ جماعت کے مستجاب الدعوات بزرگوں سے التماس ہے کہ وہ اپنی نیم شبی دعاؤں میں اپنی اس دکھی اور غمزدہ بہن کو یاد رکھیں اور موصوفہ کی صحت اور صبر کے لئے دعا فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

(نائب مدیر)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ـــــ مؤرخہ ۲۵ اگست ۱۹۷۶ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ـــــ شمارہ نمبر ۳۴

محمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۳ | یوم چہارشنبہ ۔ ۵ رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ مطابق یکم ستمبر ۱۹۷۶ء | نمبر ۳۵

# مَلفُوظاتِ حضرت مُجَدِّدِ صَدِ چہاردہم علیہ السّلام

## عذابِ الٰہی سے بچنے کا ذریعہ

واضح رہے کہ جس حال میں وہ بلائیں جو شامتِ اعمال کی وجہ سے آتی ہیں۔ اور جن کا نتیجہ جہنمی زندگی اور عذابِ الٰہی ہے۔ ان بلاؤں سے جو ترقی درجات کے طور پر اخیار و ابرار کو آتی ہیں الگ ہیں۔ کیا کوئی ایسی صورت بھی ہے جو انسان اس عذاب سے نجات پاوے۔ اس عذاب اور دُکھ سے رہائی کی بجز اس کے کوئی تجویز اور علاج نہیں ہے کہ انسان سچے دل سے توبہ کرے جب تک سچی توبہ نہیں کرتا، یہ بلائیں جو عذابِ الٰہی کے رنگ میں آتی ہیں اس کا پیچھا نہیں چھوڑ سکتی ہیں کیونکہ اللہ تعالےٰ اپنے قانون کو نہیں بدلتا جو اس بارے میں اس نے مقرر فرما دیا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ۔ یعنی جب تک کوئی قوم اپنی حالت میں تبدیلی پیدا نہیں کرتی اللہ تعالےٰ اس کی حالت نہیں بدلتا۔

خدا تعالےٰ ایک تبدیلی چاہتا ہے، اور وہ پاکیزہ تبدیلی ہے، جب تک وہ تبدیلی نہ ہو عذابِ الٰہی سے رستگاری اور مخلصی نہیں ملتی۔ یہ خدا تعالےٰ کا ایک قانون اور سنّت ہے اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوتی کیونکہ خود اللہ تعالےٰ نے ہی یہ فیصلہ کر دیا ہے وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا۔ سنت اللہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ پس جو شخص چاہتا ہے کہ آسمان میں اس کے لئے تبدیلی ہو یعنی وہ ان عذابوں اور دُکھوں سے رہائی پائے جو شامتِ اعمال نے اس کے لئے تیار کئے ہیں۔ اس کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے اندر تبدیلی پیدا کرے۔ جب وہ خود تبدیلی کر لیتا ہے تو اللہ تعالےٰ اپنے وعدہ کے موافق جو اس نے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ میں کیا ہے۔ اس کے عذاب اور دُکھ کو بدلا دیتا ہے۔ اور دُکھ کو سُکھ سے تبدیل کر دیتا ہے۔ جب انسان کے اندر تبدیلی کرتا ہے تو اس کے لئے ضرور نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو بھی دکھاتا پھرے۔ وہ رحیم کریم خدا جو دِلوں کا مالک ہے اس کی تبدیلی کو دیکھ لیتا ہے کہ یہ پہلا انسان نہیں ہے اس لئے وہ اس پر فضل کرتا ہے۔ تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک شخص نماز، روزہ اور دوسرے اشغال اذکار سے ریا کرتا تھا تاکہ لوگ اسے ولی سمجھیں۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام لوگ اسے ریاکار سمجھتے تھے یہاں تک کہ بچے بھی جس راستہ سے وہ گذرتا تھا اس کو ریاکار اور فریبی کہا کرتے تھے۔ ایک وقت تک اس کی حالت ایسی ہی رہی۔ آخر اس نے سوچا کہ اس طریق سے کوئی فائدہ تو نہیں ہوا بلکہ حالت بدتر ہی ہوتی ہے اس لئے اس کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ پس اس نے چھوڑ دیا اور ملامتی فرقہ کا سارا طریق اختیار کر لیا۔ مسلمانوں میں ملامتی ایک فرقہ ہے جو اپنی نیکیوں کو چھپاتا ہے اور بدیوں کو ظاہر کرتا ہے تاکہ لوگ انہیں بُرا کہیں۔ اسی طرح پر وہ اپنی نیکیوں کو چھپانے لگا اور اندر ہی اندر اللہ تعالےٰ سے سچی محبت کرنے لگا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لکھا ہے کہ جس کوچہ سے گذرتا عام لوگ اور بچے بھی اسے کہتے کہ بڑا نیک ہے۔ ولی ہے۔ بزرگ ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ سے محبت کرنا مشک اور عطر کی طرح ہے جو کسی طرح پر چھپ نہیں سکتا۔ یہی تاثیریں ہیں سچی توبہ میں۔ جب انسان سچے دل سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کے پہلے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ پھر اسے نیک اعمال کی توفیق ملتی ہے اس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ خدا اس کے دوستوں کا دوست اور اس کے دشمنوں کا دشمن ہو جاتا ہے اور وہ تقدیر جو شامتِ اعمال سے اس کے لئے مقرر ہوئی ہے وہ دُور کی جاتی ہے۔ اس امر کے دلائل بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ انسان اپنی اس مختصر زندگی میں وباؤں سے محفوظ رہے جو شامتِ اعمال کی وجہ سے آتی ہیں۔ اور یہ ساری باتیں سچی توبہ سے حاصل ہوتی ہیں۔ پس توبہ کے فوائد میں سے ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کا حافظ و نگران ہو جاتا ہے اور ساری بلاؤں کو خدا دُور کر دیتا ہے۔ اور ان منصوبوں سے جو دشمن اس کے لئے تیار کرتے ہیں اُن سے محفوظ رکھتا ہے۔

(تقریر حضرت مسیح موعودؑ۔ مؤرخہ ۲۸ اگست ۱۹۰۲ء)

---

ہو گئے بیکار سب حیلے جب آئی وہ بلا + ساری تدبیروں کا خاکہ اُڑ گیا مثلِ غبار
(حضرت مسیح موعودؑ)

# نوائے درد

از حضرت امیر مرحوم

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے :—

اِنّیْ قَرِیْب

میرے بندو میں تم سے بہت قریب ہوں۔

اجیب دعوۃ الداع اذا دعان

کوئی مجھے پکارے میں دُعا کو قبول کرتا ہوں

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں :—
رمضان آتا ہے تو خُدا کی رحمت کے دروازے کھُل جاتے ہیں

یہ ایک حقیقت تھی

جس پر ہمارے ہادیؐ اور آپؐ کے صحابہؓ اور سچّے پیروؤں کی زندگیاں گواہ ہیں۔

اور آج یہ ایک قِصّہ ہے

کیوں؟

اس لئے کہ ہمارے دلوں میں خُدا کے لئے تڑپ پیدا نہیں ہوتی ہمارے جسم خُدا کے آگے گرتے ہیں مگر دِل نہیں گرتے۔ اور دُعا دِل میں تڑپ پیدا ہونے کا نام ہے۔

آئیے اِس رمضان میں ہم
لوگوں کے ظلموں پر نہیں

اپنے ظلم پر

آنسو بہائیں کہ اے خُدا ہم نے تیری قدر نہیں کی تیرے کلام کی قدر نہیں کی۔
اور آس یہ لگائے بیٹھے ہیں کہ تیری رحمت کے دروازے ہم پر کھُل جائیں۔
منہ سے کہتے ہیں کہ تو ہم سے قریب ہے۔ مگر دِل تجھ سے اتنی دُور ہیں کہ اس سے دُور تر کوئی چیز نہیں۔

ہمارے ماتھے تیری دہلیز پر

ہوتے ہیں جہاں جنّت ملنی چاہیئے

اور دل

جمع مالاً وعددہ یحسب ان مالہ اخلدہٗ

کا وِرد کر رہے ہوتے ہیں۔

زبان پر یہ ہوتا ہے

ہم تیرے غُلام ہیں ( انا عبدلک ) اور جو ہمارا مال ہے وہ ہمارا مال نہیں تیرا مال ہے۔

اور دل کی یہ حالت ہوتی ہے ——

کہ تیرے نام کو دُنیا میں بلند کرنے کے لئے چند کوڑیاں خرچ کرنی پڑیں تو وہ ہمیں پہاڑ نظر آتا ہے اور ہم جھُوٹے بہانے بنا کر ہر ممکن کوشش کرتے ہیں کہ ہمارا مال ہم سے جُدا نہ ہو۔

اے خُدا تو اس جھُوٹی زندگی سے ہمیں باہر نکال

ہم زمین پر رات کی خاموشی میں ماتھا رکھتے ہیں تو وہاں سے یہ آواز آتی ہے

کہ مرا خراب کردی تو بہ سجدۂ ریائی

تو نے اپنے ریاکاری کے سجدوں سے مجھے ناپاک کر دیا۔

اے خُدا تو ہمیں اپنی جناب میں سجدہ کرنے کی توفیق دے۔ ہمیں اپنا غُلام بنا لے کہ ہمیں تیرا نام دُنیا میں بلند کرنے کے سوائے فکر نہ ہو۔ اور تو ہمارا رَبّ بن جا کہ تیری توجّہ اُمّتِ محمدیہ کو دُنیا میں سربلند کرنے کی طرف ہو جائے۔

# میرا کون ہے؟

حضرت مسیح موعود علیہ السلام

پس اے نادانو! خوب سمجھو، اے غافلو! خوب سوچ لو کہ بغیر سچّی پاکیزگی ایمانی اور اخلاقی اور اعمالی کے کسی طرح رہائی نہیں اور جو شخص ہر طرح سے گندہ رہ کر پھر اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہے وہ خدا تعالےٰ کو نہیں بلکہ وہ اپنے تئیں دھوکا دیتا ہے اور مجھے ان لوگوں سے کیا کام جو سچے دِل سے دینی احکام اپنے سر پر نہیں اُٹھا لیتے اور رسُولِ کریم صلعم کے پاک جُوئے کے نیچے صدق دل سے اپنی گردنیں نہیں دیتے، اور راستبازی کو اختیار نہیں کرتے، اور فاسقانہ عادتوں سے بیزار ہونا نہیں چاہتے، اور ٹھٹھے کی مجالس کو نہیں چھوڑتے اور ناپاکی کے خیالوں کو ترک نہیں کرتے اور انسانیت اور تہذیب اور صبر اور نرمی کا جامہ نہیں پہنتے بلکہ غریبوں کو ستاتے اور عاجزوں کو دھکّے دیتے اور اکڑ کر بازاروں میں چلتے اور تکبّر سے کرسیوں پر بیٹھتے ~~اور اپنے~~ تئیں بڑا سمجھتے ہیں۔ اور کوئی بڑا نہیں مگر وہی جو اپنے تئیں چھوٹا خیال کرے۔ مبارک وہ جو اپنے تئیں سب سے زیادہ ذلیل اور چھوٹا سمجھتے ہیں۔ اور شرم سے بات کرتے ہیں۔ اور غریبوں اور مسکینوں کی عزّت کرتے اور عاجزوں سے تعظیم سے پیش آتے ہیں۔ اور کبھی شرارت اور تکبّر کی وجہ سے ٹھٹھا نہیں کرتے اور اپنے ربّ کریم کو یاد رکھتے ہیں۔ اور زمین پر غریبی سے چلتے ہیں۔ سو میں بار بار کہتا ہوں کہ ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لئے نجات تیار کی گئی ہے۔ جو شخص شرارت اور تکبّر اور خود پسندی اور غرور اور دُنیا پرستی اور لالچ اور بدکاری کی دوزخ سے اس جہان میں باہر نہیں وہ اُس جہان میں کبھی باہر نہیں ہوگا میں کیا کروں اور کہاں سے ایسے الفاظ لاؤں جو اس گروہ کے دِلوں پر کارگر ہوں، خُدایا مجھے ایسے الفاظ عطا کر اور ایسی تقریریں الہام کر جو ان دِلوں پر اپنا نُور ڈالیں اور اپنی تریاقی خاصیت سے ان کے زہر کو دُور کر دیں۔

(شہادت القرآن)

ہفت روزہ پیغامِ صلح لاہور مورخہ ۲۵ راگست ۱۹۷۶ء

# احیاءِ تبلیغِ اسلام

رابطہ عالم اسلامی کے ماتحت قائم ہونے والی ورلڈ سپریم کونسل نے ۲۶ امور پر مشتمل ایک لائحہ عمل مرتب کیا ہے جن میں "احیائے تبلیغ اسلام"۔ اسلامی ممالک میں عیسائیوں کی نشریات بند کروانا" اور "ایسے نظریات کا مطالعہ کرنا" بھی شامل ہیں جو اسلام کے منافی ہوں۔

جماعتِ احمدیہ کو اس سے بڑھ کر اور کیا خوشی ہو سکتی ہے کہ جس کام کو چند لاکھ انسان باوجود ساری مشکلات۔ رکاوٹوں اور محدود وسائل کے آج ۹۰ سال سے اندرون اور بیرون ملک جاری رکھے ہوئے تھے اس کا احساس اب "رابطہ عالم اسلامی" کی تنظیم کو بھی ہو گیا ہے اور اس کا رُخ اُسی صحیح سمت کی طرف مُڑ گیا ہے جس طرف حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مجدد وقت عالم اسلام کو موڑنے کے لئے چودھویں صدی میں مبعوث ہوئے اور جس کے لئے اس قلیل و ضعیف جماعت کو بھاری قیمت ادا کرنی پڑی۔ اگر ہمیں "غیر مسلم" بنانے اور قتل کرنے کے بعد بھی ان کی جفا اسلام کے حق میں وفا سے بدل جائے تو ہم اللہ تعالےٰ کے سامنے اپنے سر سجدۂ شکر میں رکھ دیں گے کہ ہماری قربانیاں رنگ لائیں اور اسلام کے دفاع کا اہتمام ہونے لگا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہم اس سلسلہ میں چند خدشات کا اظہار کئے بغیر بھی نہیں رہ سکتے۔

مسلمان اس وقت مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ہر فرقہ کے نزدیک صحیح اسلام وہی ہے جو وہ پیش کرتا ہے اور کسی دوسرے فرقے کا اسلام اس کے لئے قابلِ قبول نہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ ہر فرقہ دوسرے کی تکفیر اور تکذیب کرتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک مسلک کے پیرو دوسرے مسلک سے وابستہ امام کے پیچھے نماز پڑھنے کے روادار نہیں۔ واقعات ہمارے سامنے ہیں۔ دُور نہ جایئے ابھی چند ماہ کی بات ہے کہ مسجد الحرام اور مسجد نبوی کے امام یہاں تشریف لائے۔ لاکھوں انسانوں نے اظہار عقیدت کے طور پر ان کی اقتداء میں نمازیں ادا کیں لیکن ان کے جانے کے چند دن بعد ہی ایک گروہ کی طرف سے یہ سوال اُٹھایا گیا کہ چونکہ ہر دو امام غیر مقلد اور مسلک اہل حدیث کے پیرو ہیں۔ اس لئے جن دوسرے مکاتب فکر کے لوگوں نے ان کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں ان کی نمازیں نہیں ہوئیں اس لئے انہیں اس کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ حج پر جانے والے لاکھوں انسان انہی کی اقتداء میں نمازیں ادا کرتے ہیں جن میں یہ اعتراض اُٹھانے والے بھی شامل ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کا رویہ وہاں کیا ہوتا ہے۔ یا تو یہ وہاں پڑھتے ہی نہیں اور اگر بامر مجبوری اور با دلِ ناخواستہ پڑھ بھی لیتے ہیں تو اپنی قیامگاہ پر واپس آکر دوبارہ پڑھتے ہوں گے۔ رابطۂ عالم اسلامی کی تنظیم کا مرکز مکہ میں ہے دیکھنا یہ ہے کہ وہاں سے مرتب ہونے والا لائحہ عمل دوسرے مسلمانوں کے لئے کہاں تک قابلِ قبول ہوگا۔ دوسرا ناخوشگوار واقعہ برمنگھم میں تعمیر ہونے والی مسجد کا ہے۔ اس کی تعمیر پہ بہت بھاری خرچ اُٹھا۔ وہاں کے مسلمانوں نے دل کھول کر خدا کے گھر پہ خرچ کیا لیکن کتنے شرم کی بات ہے کہ امامت کے اختلاف پر دو گروہوں میں تصادم کی وجہ سے حکومتِ برطانیہ کو قیام امن کے مدِنظر مجبوراً مداخلت کرکے مسجد کو مقفل کرنا پڑا۔ مسلمانوں نے اپنے اس ناپسندیدہ نمونہ سے انگریز کو کیا یہ تاثر نہیں دیا کہ اسلام نام ہے ایک دوسرے سے دست و گریبان ہونے اور سر پھٹول کرنے کا۔ اگر اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جیساکہ "مسلمانوں کے علماء چیخ چیخ کر پیش کرتے ہیں تو یہ لٹھم لٹھا اور گتھم گتھا ہونا کیسا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسلام صلح۔ امن اور آشتی کا مذہب ہے اگر صلح اور امن اسی کا نام ہے تو لڑائی جھگڑا کسے کہتے ہیں۔ یہ "اسلام" جس میں فتنہ ہی فتنہ اور فساد ہی فساد ہو کسی کو اپیل نہیں کر سکتا۔ پھر وہ کونسا اسلام ہے اور کس فرقہ کا اسلام ہے جس کی تبلیغ کے احیاء کے لئے ورلڈ سپریم کونسل اتنی سرگرم عمل ہے۔

ایک اور نہایت ہی اہم سوال جو اس وقت ہمارے سامنے آتا ہے یہ ہے کہ ورلڈ سپریم کونسل کے ایک رُکن میاں طفیل محمدؒ صاحب امیر جماعت اسلامی بھی ہیں۔ یہ صاحب اس مسلک کے پابند۔ محافظ اور مبلغ ہیں جس کے بانی کے نزدیک رسولِ کریم صلعم کے سوا باقی جتنے بھی انبیاء گذرے ہیں وہ اپنے اپنے مشن میں ناکام ہوئے۔ بعض انبیاء مثلاً حضرت داؤد علیہ السلام۔ حضرت سلیمانؑ اور حضرت یوسفؑ ایسے افعال کے مرتکب ہوئے جن سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا دامنِ عصمت داغدار ہوتا ہے اور مذہب سے امن اُٹھ جاتا ہے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ بعض اوقات انبیاء سے اپنی حفاظت اُٹھا لیتا ہے اور ان سے ایسے اعمال وقوع میں آتے ہیں جن سے ان کا بشر ہونا ثابت ہوتا کہ یہ لوگ انہیں خدا نہ سمجھ بیٹھیں اور جن کے عقیدہ کے رُو سے بوقت ضرورت جھوٹ بولنا بھی جائز ہے۔ "تجدید احیائے دین" "خلافت و ملوکیت" "رسائل و مسائل حصہ سوم" اور "مکتوبات حضرت علیؓ" میں مختلف صفحات پر ان صحابہ کرام جنہیں قرآن کریم نے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کی خوشخبری دی کے اخلاق و کردار کا جو نقشہ کھینچا ہے اسے دیکھ کر ہم ایسے "غیر مسلموں" کا دِل بھی دہل جاتا ہے یہ وہی صحابہ کبارؓ ہیں جن کے متعلق آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں۔ ان میں سے جس کی پیروی کرو گے تم ہدایت پا جاؤ گے"۔ اگر ہمیں اپنے مضمون کے طویل ہو جانے کا احساس نہ ہوتا تو ہم اپنے قارئین کے سامنے وہ تحریریں رکھتے اور اقتباسات پیش کرتے جو ہماری مذکورہ بالا معروضات کی تائید کرتے ہیں۔ سمجھنے والے اس ایک ہی مختصر سے اقتباس سے بات کی تہ تک پہنچ جائیں گے۔ صحابہ کرام کے بارے میں ایک سائل کا جواب دیتے ہوئے جناب مودودی صاحب لکھتے ہیں:—

"یہ معاملہ ان لوگوں سے متعلق ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صحابہ کرامؓ کے زمرے میں شمار ہوتے تھے مگر آپ کے بعد مرتد ہو گئے اور ان لوگوں سے بھی متعلق جنہوں نے حضورؐ کے عہد میں اسلام تو قبول کر لیا تھا مگر بعد میں بُری روش اختیار کر لی"۔ (بشکریہ طلوع اسلام۔ جولائی ۱۹۷۶ء صفحہ ۲۴)

اُمیّوں میں اللہ تعالےٰ نے اپنا رسول تو اس لئے مبعوث فرمایا کہ ان پر اس کی آیات پڑھے اور ان کے ذریعے ان کا تزکیہ نفس کرے۔ انہیں کتاب اور حکمت سکھائے مگر میاں محمد طفیل صاحب کے مسلک کے مطابق اس خاتم الانبیاء افضل الرسل اور شرف انسانیت کی قوتِ قدسی اتنی کمزور تھی کہ آپ کی وفات کے بعد ہی صحابہ کرامؓ نعوذ باللہ مرتد ہو گئے۔ کیا یہی وہ اسلام ہے جس کی طرف دعوت دینے کے لئے ورلڈ سپریم کونسل نے میاں صاحب کو اپنی رکنیت کا اعزاز بخشا ہے۔ جس اسلام کے پیرو عین اپنے پیغمبرؐ کی وفات کے بعد اس سے بیزار ہو گئے اس میں آج چودہ سو سال بعد کیا کشش باقی رہ گئی ہے یہ کس قدر توہین ہے آنحضرت صلعم کی اور آپ کے جاں نثار اور فدائی صحابہ کبارؓ کی جنہوں نے۔ اپنی جان۔ مال اور اہل و عیال سب اللہ کی راہ میں قربان کر دیئے اور اُن کے بارے میں یہ فرمایا گیا کہ "اُن میں سے بعض نے اپنی قربانی پیش کر دی اور بعض اس کے منتظر ہیں"۔ ایسے نظریات کی تبلیغ دہریت اور الحاد کی تبلیغ تو ہو سکتی ہے اس اسلام کی نہیں جو آنحضرت صلعم لائے تھے۔ چلتے چلتے ذرا یہ کلمات بھی ملاحظہ کرتے جایئے جو اس انسان نے حضورؐ کی شان میں بیان کئے ہیں جسے یہ اسلام کے مبلغ ہونے کے مُدعی "کافر و ملحد و دجال" کہتے ہیں اور جس کی جماعت کو انہوں نے اپنی خواہش نفس کے اتباع میں "غیر مسلم اقلیت" قرار دلانے کے لئے ناخنوں تک زور لگایا۔ پھر انصاف سے کہئے کہ تبلیغ اسلام کا حق یہ ادا کر سکتے ہیں یا وہ جن کا امام سرتا پا عشقِ خدا اور عشقِ رسولؐ میں مخمور ہے۔ حضرت مرزا صاحب

فرماتے ہیں:—

"........ عامہ خلائق پر واضح ہو کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی کس قدر شان بزرگ ہے اور اس آفتاب صداقت کی کیسی اعلیٰ درجے پر روشن تاثیریں ہیں جس کا اتباع کسی کو مؤمن کامل بناتا ہے۔ کسی کو عارف کے درجے تک پہنچاتا ہے۔ کسی کو آیت اللہ اور حجۃ اللہ کا مرتبہ عنایت فرماتا ہے اور محامد الٰہیہ کا مورد ٹھہراتا ہے۔" (براہین احمدیہ حصہ سوم ص۱۴۳)

اِن مختصر مگر جامع الفاظ میں حضورؐ کی شان میں کتنا فصیح و بلیغ قصیدہ بیان فرمایا ہے۔ آپؐ کے کمالات کو وہی آگے پہنچا سکتا ہے جس نے ان کو آپکی کامل اتباع سے اپنے اندر جذب کیا ہو اور انہیں منعکس کر سکتا ہو۔

؎ احمدؐ آخر زماں کز نور او + شد دلِ مردم ز خور تاباں ترے (مسیح موعودؑ)

احمدؐ آخر زماں کا نور تو وہ نور ہے جس سے انسان کے دل کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں اور اس کا دل مہر و ماہ سے بھی زیادہ روشن ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ ایک ناقابل تردید سائنسی حقیقت ہے کہ سورج کی روشنی سے وہی شیشہ چمکتا اور اس روشنی کو منعکس کرتا ہے جو گرد و غبار سے پاک اور شفاف ہو اسی طرح جب ایک انسان کا ظاہر و باطن پاک ہو جاتا ہے تو وہی احمدِ آخر زمان کے نورؐ کو اپنے اندر لے کر اسے دوسروں پر منعکس کر سکتا ہے۔ جذباتِ رذیلہ اور خواہشات نفسانیہ کی غلاظتوں اور آلودگیوں سے اٹے ہوئے دلوں میں یہ صلاحیت کہاں کہ اس نور کو جذب کر کے دوسروں تک پہنچا سکیں۔ جن لوگوں کے سر پہ حصولِ اقتدار کا بھوت سوار ہو اور وہ "اسلام" کی توضیح اور تشریح اسی نظریہ کے ماتحت کرتے ہوں اُن سے "احیاءِ تبلیغ اسلام" کی کیا توقع کی جا سکتی ہے۔

یہ لوگ اسلام میں آزادئ فکر کے بھی قائل نہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اسلام صرف وہی ہے جو "مزاج شناس رسولؐ" اور "اللہ کے شاہکار" پیش کرتے ہیں۔ اس سے سرمو انحراف ارتداد ہے اور مرتد واجب القتل ہے۔ چاہے یہ ارشاد قرآن کریم کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور پھیلا اس سے معلوم ہوا کہ "احیاءِ تبلیغ اسلام" بزور شمشیر ہوگا اور اس زمانے میں جب شاہی فوجیں عیسائیوں کے ساتھ مل کر فلسطینی مسلمانوں کو نیست و نابود کرنا چاہتی ہیں۔ اور عرب ممالک ایک دوسرے کو آنکھیں دکھا رہے ہیں۔ فلسطینیوں کی زبوں حالی پہ منقار زیر پر کئے ہوئے ہیں اور ان کے خونِ ناحق پہ کسی کا دل نہیں پسیجتا۔ میز کے گرد بیٹھ کر باتیں کرنا۔ پروگرام بنانا اور اپنا عکس نمایاں کرنے کے لئے پروپیگنڈا کرنا بڑا آسان ہے لیکن یہ شہادت گاہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے اسے اتنا آسان نہ سمجھئے۔ اگر حکومتیں تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دے سکتیں تو سپین سے مسلمانوں کا بوریہ بستر گول نہ ہوتا۔ عرب ممالک میں بسنے والے عیسائی اور یہودی اس وقت مسلمان ہوتے اور عرب مسلمانوں کو ناکوں چنے نہ چبوا رہے ہوتے۔ ہندوستان میں آٹھ سو سالہ دورِ حکومت میں سب غیر مسلم اسلام قبول کر چکے ہوتے کہ پاکستان بنانے کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ یاد رکھئے یہ دُنیا کے ظلم وستم کے مارے اور ٹھکرائے ہوئے چند درویش ہوتے ہیں جو دنیا کو اللہ اور اس کے رسولؐ کے آستانے پر جھکانے کے لئے ہر غم سے بے نیاز ہو کر سر بکف میدان میں نکل آتے ہیں۔ وہ دولت و اقتدار کی بندھنوں سے آزاد ہوتے ہیں اور انہیں یہ غم بھی نہیں ستاتا کہ دنیا انہیں کیا سمجھتی اور کیا کہتی ہے۔ کچھ ایسے ہی دیوانوں کے دم قدم سے گلشنِ اسلام میں بہار آتی رہی ہے اور آتی رہے گی۔ جاہ و ثروت کے طلبگار اس سے ہمیشہ محروم رہے ہیں۔ کبھی تو اس تاریخ کے اوراق اُلٹا کے دیکھ لیجئے۔

ورلڈ سپریم کونسل کے ارادے نیک ہیں لیکن ان کی تکمیل کی راہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ حیات مسیح ناصریؑ کا عقیدہ بھی ہے۔ "مسلمان یہ مانتے ہیں کہ وہ آج دو ہزار سال سے آسمان پر اپنی اصلی جسمانی حالت میں زندہ ہیں اور قیامت سے پہلے نازل ہو کر اسلام کی مدد کریں گے۔ عیسائی بھی تسلیم کرتے ہیں کہ آپؑ آسمان پر زندہ ہیں اور دوبارہ اصلاح احوال کے لئے تشریف لائیں گے۔ آپ کی کتابوں اور عیسائیوں کی کتابوں میں بھی زمانہ یہی چودھویں صدی بنتا ہے۔ اور جناب مودودی صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عیسٰی نازل ہونے والے ہیں۔ اپنے اس عقیدہ کے رُو سے آپ اسلام کی حقانیت دوسروں کے سامنے اور خاص کر عیسائیوں کے سامنے پیش نہیں کر سکتے کیونکہ خاتم النبیین بھی حضرت عیسٰیؑ ٹھہرتے ہیں اور آنحضرت صلعم سے افضل بھی کیونکہ جو اسلام آنحضرت صلعم لائے اس کے پھل تو ایسے کچے نکلے کہ آپؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی آپ کے صحابہ تک نعوذ باللہ مرتد ہو گئے اور حضرت عیسٰیؑ اس اسلام کو ساری دُنیا کا مذہب بنا دیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنے پروگرام میں یہ شق شامل کی ہے کہ "اسلامی ممالک میں عیسائیوں کی نشریات بند کرائی جائیں" اور دین عیسائیت کے سامنے اعتراف شکست کر لیا ہے کیونکہ آپ کے پاس ان عقائد کی وجہ سے عیسائیوں کے اعتراضات کا کوئی جواب نہیں۔ اور اس طرح قرآن کریم کے اس دعوے کو بھی جھٹلایا ہے کہ:-

"وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور حق کے ساتھ بھیجا کہ اسے تمام ادیان پر غالب کرے چاہے یہ بات مشرکین کو ناگوار ہی کیوں نہ گذرے۔" (9:61)

اور یہ حق ایسا ہے کہ:—

"جب آجاتا ہے تو باطل اسکے سامنے دھول بن کر اُڑ جاتا ہے" (17:81)

"یہ حق ایسا ہے کہ باطل اس پر نہ آگے سے اور نہ پیچھے سے حملہ آور ہو سکتا ہے کیونکہ یہ حکمت والے۔ تعریف کئے گئے اللہ کی طرف سے اُتارا گیا ہے۔" (41:42)

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:-

"بلکہ ہم حق کو باطل پر ڈالتے ہیں سو وہ اس کا سر توڑ دیتا ہے پس ناگہاں وہ نابود ہو جاتا ہے اور تمہارے لئے اس کی وجہ سے افسوس ہے جو تم بیان کرتے ہو۔" (21:18)

عیسائیوں کی نشریات بند کرانے سے تو یہ شور بلند ہوگا کہ مسلمانوں کے پاس ہمارے اعتراضات کا کوئی جواب نہیں اس لئے انہوں نے یہ قدم اُٹھایا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ اُن کے اعتراضات کا جیسے پہلے جماعت احمدیہ کی طرف سے ٹھوس جواب دیا جا رہا ہے ایسا ہی آپ کی طرف سے دیا جائے تاکہ باطل حق کے سامنے دھواں ہو کر غائب ہو جائے لیکن یہ آپ کے بس کا روگ نہیں اور نہ آپ کا غم ہے۔ یہ فرض یہ "غیر مسلم" ہی انشاءاللہ انجام دیں گے۔ اگر یقین نہیں تو مولانا ابوالکلام آزاد کی یہ رائے پڑھ لیجئے: "میرزا صاحب کا لٹریچر جو مسیحیوں اور آریوں کے مقابلہ پر ان سے ظہور میں آیا قبولِ عام کی سند حاصل کر چکا ہے۔ اس کی قدر و عظمت اور اس کے ذریعے مدافعت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں "اس مدافعت نے نہ صرف عیسائیت کے اس ابتدائی اثر کے پرخچے اڑائے جو سلطنت کے سایہ میں ہونے کی وجہ سے حقیقت میں اس کی جان تھا اور ہزاروں لاکھوں مسلمان اس کے اس زیادہ خطرناک اور مستحق کامیابی حملہ کی زد سے بچ گئے بلکہ خود عیسائیت کا طلسم دھواں ہو کر اُڑنے لگا۔" (اخبار وکیل امرتسر ۱۹۰۸ء) اس پہ بھی اعتراض ہو تو اخبار "بندے ماترم" کی یہ تحریر پڑھتے جائیے "احمدی لوگ تمام دنیا کے مسلمانوں میں سے سب سے زیادہ ٹھوس اور مسلسل تبلیغی کام کرنیوالے ہیں اور آنکی تبلیغی جد و جہد اس وقت ہمیں سب سے زیادہ نقصان پہنچا رہی ہے" (۱۸ دسمبر ۱۹۲۷ء)

جناب محی الدین غازی صاحب اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:— ؎

کامل اس فرقۂ زہاد سے اُٹھا نہ کوئی + کچھ ہوئے تو یہی رندان قدح خوار ہوئے

ہم ساقئ کوثرؐ کے رندانِ قدح خوار ہیں۔ آپ حکومتوں اور ان کی دولت کے سہارے کے متلاشی ہیں ہمیں اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولؐ کا سہارا ہے۔ دیکھیں کامیاب کون ہوتا ہے۔ اور اس فریضہ تبلیغ سے کون کماحقہٗ عہدہ برآ ہوتا ہے۔

# جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے۔ اسکو تم ظاہر کرو یا چھپاؤ۔ اللہ تعالیٰ تم سے اسکا حساب لے گا۔

## محاسبۂ الٰہی کا خوف انسان کو بدیوں سے باز رکھتا اور اس میں طہارت نفس پیدا کرتا ہے۔

خطبہ جمعہ۔ مورخہ ۲۰ اگست ۱۹۷۶ء فرمودہ حضرت امیر قوم مولانا صدر الدین صاحب ایدہ اللہ، جامع احمدیہ احمدیہ بلڈنگس لاہور

للہ مافی السمٰوات و مافی الارض۔ و ان تبدوا مافی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ۔ فیغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء واللہ علیٰ کل شیء قدیر

[illegible] ان میں ان تمام معاملات کا ذکر ہے جو انسان کو اس کی زندگی میں پیش آسکتے ہیں۔ ان تمام امور کی تلقین ہے۔ جو انسانیت کے لئے ازبس ضروری ہیں۔ اس میں حکام کے لئے احکام ہیں۔ اور رعیت کے لئے بھی ہدایات ہیں۔ انسانی سیرت و کردار اور معاشرہ کی رہبری بھی اس میں کی گئی ہے۔ للہ مافی السمٰوات و مافی الارض۔ یعنی یہ اس بادشاہ کی طرف سے احکامات ہیں جو زمین اور آسمانوں کا مالک ہے۔ جس کو کائنات کی ہر شئے کا علم ہے۔ خلق کل شیء وھو بکل شیء علیم۔ چونکہ اللہ ہر چیز کا موجد و خالق ہے۔ اس وجہ سے ہر چیز کا پورا پورا علم رکھتا ہے۔ و ان تبدو ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ۔ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اس کو ظاہر کرو یا چھپاؤ۔ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔ اور تم کتنا بھی اخفا سے کام لو، اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔

اس تلقین اور فہمائش کا مقصد انسان میں کردار کی بلندی پیدا کرنا ہے کیونکہ جب تک محاسبۂ الٰہی کا خوف دل میں نہ ہو پاکیزگی اور طہارت نفس حاصل نہیں ہو سکتی۔ ہمیں اپنے دل میں جھانک کر دیکھنا چاہیئے کہ ہم کس حد تک انسانوں سے برتاؤ میں اور زندگی کے دیگر معاملات، تجارت، ملازمت اور حکومت میں کہاں تک خدا تعالیٰ کا خوف ملحوظ رکھتے ہیں۔ آگے فرماتا ہے۔ امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمؤمنون۔ یہ رسول اور اس کے ساتھی ایمان لاتے ہیں جو کچھ اللہ کی طرف سے اس کے رسول (یعنی محمد صلعم) پر اتارا گیا ہے۔ پھر اس کے فرشتوں، کتابوں اور تمام کے تمام رسولوں پر بھی ایمان لاتے ہیں۔

ان آیات میں بین الاقوامی اتحاد کا ایک قابلِ عمل اور کارگر نسخہ بتایا ہے کہ مختلف قوموں کی طرف مختلف ادوار میں مبعوث شدہ پیغمبروں اور ان کی کتابوں پر ایمان لایا جائے۔ ان ہدایات پر عمل کرنے سے آج بھی مختلف المذاہب اقوام کی باہمی دشمنی ختم ہو سکتی ہے۔ لانفرق بین احد من رسلہ۔ فرمایا صرف محمد صلعم کو ہی ماننا کافی نہیں ہے بلکہ تمام دوسرے نبیوں اور رسولوں پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ کیونکہ پہلی قوموں کی جانب بھی رسول بھیجے گئے تھے اور ان پر اللہ تعالیٰ کے احکام نازل ہوئے تھے جو ان خدا کے فرستادوں نے اپنی اپنی قوموں تک پہنچائے۔ حضور صلعم کی اس تعلیم سے انسانوں کے دلوں میں وسعت پیدا کرنا اور بین الاقوامی نفرت و تعصب دور کرنا مقصود ہے۔ اس لحاظ سے بھی حضور صلعم ساری دنیا کے لئے رحمت ہیں۔

آگے آتا ہے وقالوا سمعنا و اطعنا غفرانک ربنا والیک المصیر۔ اے ہمارے رب، ہم نے سنا اور تعمیل حکم کی۔ پھر بھی ہمارے عمل میں اگر کوئی کمزوری اور کوتاہی رہ گئی ہے، تو آخر تیرے ہی دربار میں حاضر ہونا ہے۔ اے مولا ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم تیرے نیک اور فرمانبردار بندے بن سکیں۔ اور تیری رضا کو پاسکیں، نیز ہر ایسی لغزش سے ہماری حفاظت فرمائیو جو تیرے عتاب کا موجب ہو۔

اسلام کی تعلیم کا مقصد قوموں کے انفرادی اور اجتماعی کردار کو بلند کرنا ہے۔ اور حضور صلعم کا سب سے بڑا معجزہ یہی ہے کہ حضور نے عرب جیسی اُجڈ اور وحشی قوم کو مہذب اور باخدا قوم بنا دیا۔ جو اپنے افعال و کردار میں ساری دنیا سے ممتاز ہو گئی۔ حضور کے صحابہؓ جہاں جہاں گئے اپنے حسنِ عمل اور بلند کردار سے انسانی قلوب کو فتح کرتے چلے گئے۔

آپ کو بھی اپنے اعمال سے، افعال سے بلند خیالی، نیک کرداری اور وسیع الظرفی سے اسلام کی زندہ مثال بننا چاہیئے۔ جو کوئی بھی جہاں جہاں ہے اپنا عمدہ نمونہ پیش کرے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے ذریعہ ہر مسلمان مرد و عورت کے دل کو روشن کرنا چاہتا ہے۔ آپ کو خدا تعالیٰ کے اس مقصد کو ہر وقت سامنے رکھنا چاہیئے تاکہ نیتیں صاف اور خیالات پاک ہوں اور اتباعِ رسول کا آپ عملی نمونہ پیش کر سکیں۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ زندہ عملی نمونوں سے ہی کسی قوم کی عملی اصلاح اور اخلاقی تربیت ہوتی ہے اور یہی وہ غرض ہے جس کے لئے خدا تعالیٰ کے ہاتھ سے پاک شدہ لوگ اس اُمت میں مبعوث ہوتے رہے ہیں۔ ایسے کامل اور بلند مرتبت اشخاص مجدد کے مرتبۂ عظیمہ پر فائز ہوتے ہیں اور ان کی ذاتی زندگیاں اسلام کی صداقت پر ایک دلیل اور برہانِ قاطع ہوا کرتی ہیں۔

اس زمانہ بھی ایک امام آیا۔ جسے قبول کرنے اور اس کی آواز پر لبیک کہنے کی خدا تعالیٰ نے آپ کو توفیق دی۔ آپ نے اس مردِ خدا کے ہاتھ پر دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد کیا۔ اب اس عہد کو صدق دل سے نبھانا اور اپنی انفرادی اور جماعتی زندگی میں اسلام کو عملاً نافذ کرنا آپ کا اپنا کام ہے۔ تبلیغ و اشاعت کی اصل غرض و غایت اخلاق حسنہ اور صفات محمودہ کا اپنے اندر پیدا کرنا ہے۔

آج ساری دنیا میں فساد برپا ہے۔ اُٹھو اور اخلاقی میدان میں جماعتی طور پر اپنی پاکیزگی و طہارت کے نمونے دنیا کو دکھاؤ۔ تاکہ مخالف بھی کہہ اُٹھیں کہ اسلام کا سچا نمونہ انہی لوگوں کے پاس ہے۔ اور صاف باطن میں بھی یہ لوگ باکمال ہیں۔ اے خدا تو ایسا ہی کر۔

از افاضات حضرت خواجہ کمال الدین مرحوم

# تاریخ عالم میں سب سے بڑے معلم انسانیت

# حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

## لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ

---

یہ امر واقعی ہے۔ کہ تاریخ عالم میں آپؐ کے علاوہ اور کوئی شخصیت ایسی نہیں دکھائی دیتی جو مجموعۂ حسنات ہو۔ یا جس پر یہ شعر صادق آ سکے ؎

حسن یوسف دم عیسیٰؑ ید بیضا داری + آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور اس خصوصیت کی وجہ سے آپؐ کی شخصیت فوق العادت ہوگئی تھی۔ آپؐ کی سادگی، تحمل، فیاضی، کفایت شعاری، انسانیت، عالی حوصلگی، استقلال فی الافلاس، حلم فی الاقتدار، عجز فی العظمت، شفقت فی الحیوانات، رافت علی الاطفال، جرأت دلیری، علوِ ہمت، نصفت پسندی وغیرہ کو مفصل طور پر بیان کرنے کے لئے ضخیم مجلدات درکار ہیں۔

"آنحضرت صلعم کے خصائل و عادات و اطوار کا مفصلہ ذیل نقشہ میں نے مشہور یورپی، اسلامی عالم و فاضل امام حجۃ الاسلام غزالیؒ کی تصنیف سے ماخوذ کیا ہے۔ کہیں کہیں میں نے اپنی طرف سے بھی کوئی بات بڑھا دی ہے۔ بے شک اس اقتباس میں بعض مقامات پر اعادۂ سبق بھی کیا گیا ہے۔ لیکن اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ یورپ کے وہ لوگ جو اسلام کے متعلق مستند سمجھے جاتے ہیں، انصاف سے کام لیتے تو حضورؐ کی سیرت پر انہیں قلم اٹھانے کے لئے، صحیح اطلاعات اور معتبر مواد کافی مل سکتا تھا، لیکن ان کی نیت تو کچھ اور ہی تھی اور اس لئے وہ امام غزالی سے کیوں استفادہ کرتے۔ ان کا مطلب تو واقدی جیسوں کی تصانیف ہی سے حل ہو سکتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اسی کی تصانیف کو پیش نظر رکھا۔ امام موصوف لکھتے ہیں:۔

"آپ سب لوگوں سے زیادہ حلیم، زیادہ بہادر، زیادہ شریف، زیادہ پرہیزگار تھے۔ زرِ نقد کبھی آپؐ نے دوسرے دن کے لئے اٹھا کر نہ رکھا ... اگر رات ہوگئی اور کوئی رقم آپؐ کے پاس بچ رہی تو آپؐ جب تک اُسے فقراء میں تقسیم نہ فرما لیتے مکان پر واپس نہ آتے۔ نعماء الٰہیہ میں سے آپؐ اپنی ذات کے لئے وہی خرچ کرتے تھے۔ جو ناگزیر تھا، اور وہ بھی سادہ قسم کا مثلاً جَو اور کھجوریں۔ جو شخص آپؐ سے کچھ طلب کرتا بے تامل عطا فرماتے۔ سالانہ حاصل بھی محتاجوں کے لئے وقف تھے۔ کیونکہ آپؐ اپنی ضروریات پر فقراء کی ضروریات کو ترجیح دیتے تھے۔ اور اگر سال گذرنے سے قبل آپؐ کی آمدنی کل خرچ ہو جاتی۔ تو آپؐ اپنے ہاتھ سے اپنی کفش کی مرمت فرماتے۔ گھر کا کام کاج کرتے، اور انتظام خانہ داری میں ازواج کی امداد فرماتے۔ آپؐ سب لوگوں سے زیادہ شرمگیں تھے، کسی کی طرف گھور کر نہ دیکھتے تھے ہمیشہ نیچی نگاہ رکھتے تھے۔ بزرگوں کے ساتھ تہذیب اور غریبوں کے ساتھ شفقت اور مغروروں کے ساتھ تمکنت کے ساتھ پیش آنے کی وجہ سے ہر شخص آپؐ کا مداح تھا۔ ایک مرتبہ جبکہ آپؐ مکہ کے ایک معزز آدمی کے ساتھ مذہبی گفتگو فرما رہے تھے۔ آپؐ نے ایک غریب نابینا کی طرف اپنی توجہ مبذول نہ فرمائی۔ اللہ تعالےٰ نے آپؐ کو نصیحت فرمائی۔ کیونکہ وہ اندھا بھی صداقت مذہبی حاصل کرنے کے لئے آیا تھا۔ بعد ازاں جب کبھی آپؐ اس اندھے کو دیکھتے تھے تو فوراً معانقہ فرماتے۔ اور یوں گویا ہوتے کہ یہ آدمی لائقِ صد تکریم ہے۔ اس کی وجہ سے میرے خدا نے مجھے نصیحت فرمائی۔ آپؐ نے اس شخص کو دو مرتبہ مدینہ کا حاکم بھی مقرر فرمایا۔" (ولیم میور)

آپؐ احرار اور غلاموں، دونوں کی دعوت بخوشی قبول فرما لیتے تھے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ تحفہ کو بھی پسند فرماتے۔ خواہ وہ دودھ کا ایک پیالہ ہوتا یا خرگوش کی ایک ران۔ اور ان کے عوض میں دوسروں کو تحفے عنایت فرماتے جو چیز سامنے آتی تناول فرما لیتے۔ لیکن صدقہ کی چیزوں سے احتراز فرماتے آپؐ ہمیشہ غلاموں کی دعوت پر اُن کے ساتھ تشریف لے جاتے۔ خدا کے معاملہ میں آپ کو ضرور غصہ آ جاتا تھا۔ لیکن اپنے نفس کے لئے کبھی کسی پر ناراض نہ ہوتے خواہ آپؐ کو اپنے اور اپنے احباب کے مفاد کو قربان ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ لیکن اعلانِ حق سے آپؐ باز نہ رہتے۔ ایک مرتبہ بعض کفار نے دوسرے کفار سے بدلہ لینے کے لئے آپؐ کی امداد کرنی چاہی۔ لیکن آپؐ نے اسے منظور نہ کیا۔ اور فرمایا کہ میں امدادِ کفار کو روا نہیں رکھ سکتا۔ حالانکہ اس وقت آپؐ کے ساتھی اس قدر تھوڑے تھے کہ ان میں ایک متنفس کا اضافہ بھی اہمیت رکھنے کا موجب ہو سکتا تھا۔ رفع گرسنگی کے لئے آپ اپنے شکم پر پتھر باندھ لیتے تھے۔ جو چیز سامنے آتی بشوق تناول فرما لیتے تھے۔ اور اگر کھجوریں بغیر دودھ کے ملتیں یا گوشت یا روٹی یا شیرینی کی چیزیں مثلاً شہد یا دودھ ملتا تو بھی شوق سے کھا لیتے۔ آپؐ نے اپنی تمام عمر مسلسل تین دن تک روٹی نہیں کھائی۔ اس وجہ سے نہیں کہ آپؐ خسیس تھے یا محتاج بلکہ ضبطِ نفس مدنظر تھا۔ اکثر آپؐ گرسنہ ہی رہتے تھے۔ مہینوں آپ کے گھر میں آگ نہ جلتی تھی۔ اور یہ حالت اس زمانہ میں تھی جب آپؐ مدینہ میں برسرِ حکومت تھے۔ اپنے ہاتھ سے پیوند لگا لیتے اور بکریوں کا دودھ آپؐ خود دوہتے۔

شادیوں میں بخوشی شرکت فرماتے۔ مریضوں کی عیادت فرماتے، جنازوں کے ہمراہ جاتے۔ اور ادنیٰ آدمیوں کے یہاں جا کر اُن کی ہمدردی فرماتے۔ دشمنوں میں تن تنہا چلے جاتے اور بغیر اظہار مباہات مہمانداری میں دوسروں سے بڑھ جاتے۔ ہر شب دو چار دوستوں کو کھانے کے لئے مدعو فرما لیتے بحالت افلاس بھی مہمان نوازی سے باز نہ رہتے۔ آپؐ فصیح تھے مگر کلام میں طوالت نہ تھی۔ ہمیشہ خندہ پیشانی رہتے۔ زیادہ تر آپؐ خاموش رہتے تھے۔ لیکن جب کلام فرماتے۔ تو بہت زور اور سنجیدگی کے ساتھ۔ چنانچہ آپؐ کے ارشادات سامعین کے قلوب میں کالنقش فی الحجر ہو جاتے تھے۔

حیا اور رافت، صبر اور تحمل، ایثار اور فیاضی، یہ صفات تمام عمر آپؐ کے اقوال اور افعال سے ظاہر ہوتی ہیں۔ دنیاوی معاملات سے آپؐ کبھی متفکر نہیں ہوئے۔ جو لباس ملتا زیبِ تن فرما لیتے، کبھی ادنیٰ عمامہ، کبھی یمنی چادر، کبھی سوتی ٹوپی۔ آپؐ کے دائیں یا بائیں ہاتھ کی چھنگلیا میں چاندی کی انگشتری پڑی رہتی تھی جس میں محمد رسول اللہ تین سطروں میں لکھا ہوا تھا۔ خچر، گھوڑا، گدھا یا اونٹ جو جانور ملتا، اس پر بخوشی سوار ہو جاتے۔ بعض اوقات آپؐ ننگے پاؤں بغیر ٹوپی، عمامہ اور چادر، اپنے دولتکدہ سے دور، مریضوں کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے۔ خوشبو سے اُلفت تھی اور بدبو سے نفرت۔ آپؐ زُہاد سے بے حد مانوس تھے اور عموماً غریبوں کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ شائستہ لوگوں کی قدر فرماتے تھے اور ان سے رسم و راہ کر کے قلوبِ اغیار کو مسخر فرماتے۔ قابلِ رحم لوگوں کے ساتھ بلا امتیاز اقربا سلوکِ حسنہ فرماتے تھے۔ آپؐ نے کبھی کسی پر ظلم نہیں کیا، اور جس نے معافی چاہی فوراً عطا فرمائی۔ بلکہ جانی دشمنوں کے ساتھ بھی آپؐ کا طرزِ عمل رحمدلانہ تھا۔ اگرچہ دشمنانِ ملک کے معاملہ میں آپؐ بے حد سخت تھے۔ لیکن فتح مکہ کے بعد دشمنوں کی سابقہ تکالیف، استہزا، دشنام سب و شتم غرضیکہ ساری باتیں آپؐ نے اپنے دل سے بھلا دیں۔ اور بدترین مجرم کو بھی معاف فرما دیا۔ تکلیف میں بھی سوائے سچ کے اور کوئی بات آپؐ کے منہ

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۲)

محترم راجہ عبدالمجید صاحب۔ چھکی ملتان

# ایک مکتوب

## بنام جناب مدیر صاحب "نوائے وقت" لاہور

(قسط نمبر ۲)

اس سے پہلی قسط میں آپ نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدد صدی چہار دہم کے متعلق ان کی زندگی کے زمانے کے مُسلم اکابرین اور اخبارات کی آراء پڑھ لی ہوں گی۔ کہ وہ حضرت مرزا صاحب کو پکا مسلمان، متقی اور پرہیزگار سمجھتے تھے۔ حضرت مرزا صاحب کی زندگی میں اگر کسی نے اُن پر کفر کا فتویٰ لگایا تو وہ ایسا ہی ہے جیسے اس سے پہلے اس اُمّت محمدیہ میں مجددین یا اولیاء اللہ پر اس وقت کے علماء نے کُفر کے فتوے لگائے حضرت امام جعفر صادق رض۔ امام ابو حنیفہ۔ امام شافعی۔ امام مالک۔ امام احمد بن حنبل۔ امام غزالی۔ سید عبدالقادر گیلانی۔ حضرت معین الدین چشتی۔ امام تیمیہ سید محمد جونپوری۔ حضرت مجدد الف ثانی سرہندی۔ حضرت محی الدین ابن عربی شیخ شبلی۔ حضرت سرمد شہید۔ حضرت ابنِ تیمیہ۔ ابن قیم۔ حضرت جنید بغدادی حضرت امام بخاری (رحمہم اللہ تعالےٰ) علمائے وقت نے کسی کو کافر کسی کو مرجیہ۔ کسی کو زندیق۔ کسی کو کوڑے لگوائے۔ کسی کو زہر دیا۔ کسی کو قید خانہ میں ڈلوایا۔ غرضیکہ ان سب بزرگوں میں سے کوئی بھی علماء کے ہاتھوں سے بچ نہ سکا۔ حتّٰی کہ اصحاب نبویؐ اور خلفائے راشدین جنہوں نے اللہ تعالےٰ سے سرٹیفکیٹ حاصل کئے۔ کہ "وہ اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ ان سے راضی ہوا" ان کو گالیاں دینے والے بھی اس اُمّت میں موجود ہیں۔ حضرت امام حسینؓ اور ان کے خاندان کو شہید کرنے والے بھی مسلمان ہی تھے۔ یہ تو دُور کے زمانے کی بات ہے۔ قریب کے زمانے میں سر سید احمد خاں پر بھی کُفر کا فتویٰ لگایا گیا اور اس کُفر کے فتوے کی تصدیق عرب کے علماء سے کرائی گئی حضرت قائد اعظم رح جن کا نام کلمے کی وحدت کو قائم کرکے پاکستان حاصل کرنے کی وجہ سے ہمیشہ زندہ رہے گا۔ کو کافر اعظم کہنے والے بھی مسلمان اور پاکستان میں ہی بستے ہیں۔ قائد اعظمؒ کی مسلم لیگ کو ووٹ دینے والوں کو سُور اور سُوّر کا گوشت کھانے والے کہنے والے مسلمان ہی تھے اور اب پاکستان میں ہی بستے ہیں۔ دس ہزار۔ جناح۔ جوہر اور ظفر جواہر لال نہرو کی جوتی کی نوک پر قربان کرنے والے (خاکم بدہن) غدار مسلمان بھی اسی پاکستان کے باسی ہیں۔ جب اسلامیان آزادئ پاکستان کے لئے خون کا نذرانہ پیش کر رہے تھے اس وقت حجروں میں بیٹھ کر گاندھی اور نہرو کی خوشی کے لئے فتوے صادر کرنے والے بھی مسلمان ہی تھے جنہوں نے بقول وزیر اعظم پاکستان، پاکستان کو دل سے تسلیم نہیں کیا وہ بھی پاکستان ہی میں رہتے ہیں جن جماعتوں نے گاندھی اور نہرو کی امداد کی اور ان کو ووٹ دیئے اور پاکستان سے غداری کی اور قائد اعظم کی مخالفت کی ان کی اکثریت بھی پاکستان ہی میں بستی ہے۔ اس وقت اُمّتِ محمدیہ میں جتنے فرقے ہیں سب نے ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگا رکھے ہیں۔ اور کسی ایک فرد کو بھی باقی نہیں چھوڑا جو کسی نہ کسی فتوے کے تحت ہو۔ دُور کی بات کو اگر چھوڑا جائے تو حال ہی میں خانہ کعبہ اور مسجد نبویؐ کے امام صاحبان پاکستان آئے تھے۔ ان کی امامت میں پڑھی گئی نمازوں کے متعلق اہلِ سنت والجماعت کے مفتی سیّد شجاعت علی قادری کا یہ فتوے کہ نمازیں نہیں ہوئیں دوبارہ دوہرائی جائیں اور وجہ بیان کی کہ امام صاحبان وہابی عقائد رکھتے ہیں اس کا تعلق بھی انہی فتووں سے ہے جو اہلِ سنت والجماعت نے وہابی جماعت پر لگا رکھے ہیں۔ تاریخ میں صرف حضرت مرزا صاحب ہی واحد فرد ہیں جنہوں نے اپنے وقت میں کسی بھی فرقہ یا فرد پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا اور ہر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والے کو مسلمان سمجھا۔ لیکن چونکہ حضرت مرزا صاحب بھی مذکورہ بالا بزرگان کے ہی زمرے کے فرد تھے کُفر کے فتوے سے بچ نہ سکے یہ ضرور ہے کہ جن لوگوں نے حضرت مرزا صاحب پر کُفر کے فتوے لگائے۔ حضرت مرزا صاحب کے نزدیک مسلمان تھے اس لئے اسلامی شریعت کے مطابق کُفر اُلٹ کر فتوے لگانے والوں کے اُوپر پڑے گا۔ بدیں وجہ اگر کُفر کا لفظ کسی شخص کے لئے استعمال کیا ہو۔ تو وہ شریعت کے تحت جائز بات تھی۔ حضرت مرزا صاحب کے صحیح مسلک کو اختیار کرنے والی جماعت یعنی احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور حضرت مرزا صاحب کے فرمان کے مطابق ہی ہر کلمہ گو کو مسلمان سمجھتی ہے اور اپنی طرف سے کسی کو کافر نہیں سمجھتی اور قرآن کریم کے حکم کا احترام کرتی ہے:۔

جو کوئی السلام علیکم کہے اس کے مؤمن ہونے میں شک
نہیں کرتی۔

حضرت مرزا صاحب کی زندگی کے بعد ۱۹۰۸ تا ۱۹۱۴ - احمدیہ جماعت قادیان نے بڑی کامیابی حاصل کی۔ مگر اسی زمانے ایک تاریک پہلو بھی ساتھ ساتھ چلتا رہا اور آخر ۱۹۱۴ء میں اس نے سلسلہ احمدیہ کے دو ٹکڑے کرکے احمدیت کی مقبولیت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا۔ اگرچہ اختلاف ۱۹۱۴ء میں رُونما ہو مگر اس کی ابتداء حضرت مرزا صاحب کی زندگی ہی میں شروع ہو گئی تھی۔ حضرت مرزا صاحب نے ۱۹۰۶ء میں صدر انجمن احمدیہ قادیان قائم کرکے اس کے ممبروں کی تعداد چودہ مقرر فرماکر جماعت میں سے چودہ معتمدین کے نام خود ہی نامزد کرکے حضرت مولوی نورالدینؓ کو صدر انجمن احمدیہ قادیان کا صدر اور حضرت مولوی محمد علی صاحبؒ کو سیکرٹری مقرر فرما کر تمام کاروبار انجمن اس مجلس کے سپرد کرکے انجمن کو اپنا جانشین مقرر فرما دیا تھا یہ مجلس معتمدین حضرت مرزا صاحب کی زندگی میں نہایت احسن طریق پر الوصیت کے مطابق کاروبار انجام دیتی رہی اس عرصہ کے دوران ۱۹۰۷ء میں میر ناصر نواب صاحب نے مسجد مبارک کی توسیع کے معاملہ میں اپنی مرضی کرنی چاہی تو انجمن کی شکایت پر حضرت مرزا صاحب خود انجمن کے اجلاس میں تشریف لائے اور حالات معلوم کرنے کے بعد مندرجہ ذیل تحریر لکھ کر انجمن کے حوالہ کر دی:۔

> " میری رائے تو یہی ہے۔ کہ جس امر پر انجمن کا فیصلہ ہو جائے کہ ایسا ہونا چاہیئے اور کثرت رائے اس میں ہو جاوے۔ تو وہی امر صحیح سمجھنا چاہیئے اور وہی قطعی ہونا چاہیئے۔ لیکن اس قدر میں زیادہ لکھنا پسند کرتا ہوں۔ کہ بعض دینی امور میں جو ہماری خاص اغراض سے تعلق رکھتے ہیں۔ مجھ کو اطلاع دی جاوے۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ انجمن خلافِ منشاء میرے ہرگز نہیں کریگی لیکن صرف احتیاطاً لکھا جاتا ہے کہ شاید وہ ایسا امر ہو۔ کہ خدا تعالےٰ کا اس میں کوئی خاص ارادہ ہو۔ مگر یہ صورت صرف میری زندگی تک محدود ہے اور بعد میں ہر ایک امر میں صرف اس انجمن کا اجتہاد کافی ہوگا۔ والسلام دستخط مرزا غلام احمد عفی عنہ"
>
> (۲۷ر اکتوبر ۱۹۰۷ء)

میر ناصر نواب صاحب اس سے رنجیدہ ہوئے۔ ایسا ہی ایک اور واقعہ ۱۹۰۷ء کے آخر میں ہوا۔ حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ نے تین ماہ کی رخصت لی اور اپنی جگہ میاں محمود احمد صاحب کو سیکرٹری انجمن تجویز کیا۔ جب دوبارہ سالانہ انتخاب عہدیداران کا وقت آیا تو حضرت مولٰنا محمد علیؒ نے عرض کی کہ بہتر ہے کہ سال آئندہ کے لئے میاں محمود احمد صاحب کو سیکرٹری بنا دیا جاوے۔ جس کے جواب میں حضرت مرزا صاحب نے فرمایا کہ اس کی رائے میں خامی ہے اور

سیکرٹری کے عہدہ پر پھر حضرت مولانا محمد علیؒ کا ہی نام تجویز کیا۔ یہ بات بھی میاں محمود احمد صاحب کی ناراضگی کا باعث ہوئی۔

چونکہ مولانا انجمن کے سیکرٹری تھے

حضرت مرزا صاحب کی جانشین اور انجمن کے صدر مولانا نورالدین صاحبؒ خلیفہ ہوئے۔ حضرت مولوی نورالدین صاحبؒ کی بیماری کے دوران جب وہ سخت علیل تھے میاں محمود احمد صاحب نے خواجہ کمال الدین کے جھنگ میں ایک لیکچر کے دوران اس اعلان پر کہ "ہم ہر کلمہ گو کو مسلمان سمجھتے ہیں" کے خلاف ایک مضمون رسالہ تشحیذ الاذہان اپریل ۱۹۱۱ء میں "تکفیر مسلمانان" شائع کروایا جس کے ذریعے تمام دنیا کے مسلمانوں کو خواہ انہوں نے حضرت مرزا صاحب کا نام بھی نہ سنا ہو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دیا۔ جس پر حضرت مولوی نورالدینؒ صاحب نے بحیثیت صدر کئی ایک ممبران کے سامنے فرمایا کہ میاں محمود احمد صاحب نے مسئلہ کفر و اسلام کو نہیں سمجھا۔ اور حضرت مولوی محمد علیؒ صاحبؒ کو اس مسئلہ کے صاف کرنے کی خدمت تفویض فرمائی۔ اس نے بھی جلتی پر تیل کا کام کیا۔

میاں محمود احمد صاحب نے ۲۵ مارچ ۱۹۱۴ء کے الفضل میں ایک اور مضمون لکھا کہ خلیفہ کا فتوے کیا چیز ہے۔ جس کو فتوے لینا ہو۔ وہ ایک پیسہ کا خط لکھ دے۔ ہم حضرت صاحب کی کتب سے فتویٰ نکال کر بھیج دیں گے۔ اور یوں خلیفہ مولوی نورالدینؒ صاحب سے بغاوت کی۔ جس طرح حضرت مرزا صاحب کی رائے میاں محمود احمد صاحب کے متعلق کچھ اچھی نہ تھی۔ اسی طرح مولوی نورالدین صاحب بھی میاں صاحب کے متعلق کوئی اچھی رائے نہ رکھتے تھے۔ جس کا اظہار انہوں نے ایک خط جو ۱۳ مئی ۱۹۱۳ء کو خواجہ کمال الدین صاحبؒ کو انگلستان میں لکھا تھا اس کا ایک فقرہ :-

"نواب میر ناصر۔ محمود نالائق بے وجہ جوشیلے ہیں۔ یہ بلا اب تک لگی ہے۔ (اللہ نجات دے) آمین"

حضرت مولانا نورالدین صاحب ۱۳ مارچ ۱۹۱۴ء جمعہ کے دن جمعہ کی نماز کے وقت فوت ہوئے۔ اس وقت ظاہرا طور پر جماعت میں مسئلہ کفر و اسلام کی وجہ سے علی الاعلان دو فریق ہو چکے تھے۔ اس مسئلہ کے باعث کسی ایک آدمی کے ہاتھ پر دونوں فریق اکٹھے رہنے پر رضامند نہ ہوئے۔ دو فریق ہو جانے کی وجہ سے مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے اخبار الہلال مورخہ ۲۵ مارچ ۱۹۱۴ء میں تحریر فرماتے ہیں :

"ایک عرصہ سے اس جماعت میں مسئلہ تکفیر کی بناء پر دو جماعتیں پیدا ہو گئی تھیں۔ ایک گروہ کا یہ اعتقاد تھا کہ غیر احمدی مسلمان بھی مسلمان ہیں خواہ وہ مرزا صاحب کے دعوے پر ایمان نہ لاتے ہوں۔ لیکن دوسرا گروہ صاف صاف کہتا تھا کہ جو لوگ مرزا صاحب پر ایمان نہ لائے ہوں وہ قطعی کافر ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آخری جماعت کے رئیس صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد ہیں۔ اس گروہ نے اب انہیں اپنا خلیفہ قرار دیا ہے۔ مگر پہلا گروہ تسلیم نہیں کرتا۔ مولوی محمد علی صاحب ایم اے نے اس بارے میں جو تحریر شائع کی اور جس عجیب و غریب دلاوری کے ساتھ قادیان میں رہ کر اظہار رائے کیا ہے۔ وہ فی الحقیقت ایسا واقعہ ہے جو اس سال کا ایک یادگار واقعہ سمجھا جاوے گا۔"

اسی طرح امرتسر کے ایک صاحب محمد اسلم نے جو احمدی نہیں تھے اور مارچ ۱۹۱۳ء میں بغرض سیر و سیاحت اور تحقیقات قادیان گئے تھے۔ اپنا تاثر اخبار بدر مؤرخہ ۱۳ مارچ ۱۹۱۳ء صفحہ ۹ پر حضرت مولانا نورالدین صاحبؒ کے متعلق اور قادیان میں پیر پرستی کی بو سونگھ کر لکھا ہے :-

"... مولوی صاحب کی تقریر تصنع ریا اور منافقت سے پاک ہے ....

........ مولوی صاحب کی تمام حرکات و سکنات میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سادگی اور بے تکلفی کی شان پائی جاتی ہے ......

ہاں ایک بات کسی حد تک پیر پرستی کی بنیاد آئندہ قادیان میں قائم کئے جانے کے متعلق مجھے نظر آئی وہ الحکم کے ایڈیٹر کا مطبوعہ اشتہار تھا۔ جو قادیان میں بہت جگہ چسپاں پایا گیا جو صاحبزادہ میاں محمود احمد کے سفر حج سے بخیریت واپس آنے کی مبارک میں شائع کیا گیا۔ جس کا مفہوم ........ سیاق و سباق عبارت سے پیر پرستی کے خط و خال نمایاں کر رہا تھا۔ مجھے افسوس ہے ........ کہ وہ بہت دلوں سے خدا پرست قادیان کی دیواروں سے چمٹا ہوا ہے .......... اس کو دیکھ کر پھر مجھے خوف پیدا ہو گیا کہ پیر پرستی کی یہ خاموش چنگاری بڑھتے بڑھتے سارے قادیان کو بھسم نہ کر ڈالے جو غالباً مولوی نورالدینؒ صاحب کے اس دنیا سے رحلت فرمانے کے انتظار میں ہے۔"

مولانا ابوالکلام آزادؒ کے کلام سے واضح ہے کہ میاں محمود احمد صاحب اور ان کے گروہ کا یہ عقیدہ کہ مرزا صاحب کے نہ ماننے والے کافر ہیں، مولوی محمد علی صاحب اور ان کا گروہ اسے تسلیم نہیں کرتا وہ حضرت مرزا صاحب پر ایمان نہ لانے والوں کو بھی مسلمان سمجھتا ہے۔ اور محمد اسلم صاحب کے بیان سے واضح ہے کہ پیر پرستی کے لئے میاں محمود احمد صاحب ۱۹۱۳ء سے ہی میدان صاف کر رہے تھے۔ اسی عقیدہ کے اختلاف کی وجہ سے حضرت مولوی محمد علی صاحبؒ اور ان کے گروہ نے لاہور آ کر ۳ مئی ۱۹۱۴ء کو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی بنیاد رکھی۔ منصف مزاج مسلمانوں کے لئے یہ بات غور طلب ہے کہ میاں محمود احمد صاحب اور ان کے گروہ نے حضرت مرزا صاحبؒ کے فوت ہونے کے چند سال بعد ان کو مجدد سے نبی بنا کر تمام روئے زمین کے مسلمانوں کو جو مرزا صاحب کو نہ مانتے ہوں کافر قرار دیا۔ اور آج بھی ان کے یہی عقائد ہیں۔ بدستور وہ اپنے غلو پر قائم ہیں جس کی وجہ سے وہ "غیر مسلم اقلیت" قرار دیئے گئے۔ لیکن حضرت مولوی محمد علی صاحبؒ اور ممبرانِ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور جن کے عقائد میاں محمود احمد کے برعکس ہیں اور وہ مرزا صاحب کو اسی طرح کا مجدد مانتے ہیں جس طرح دوسرے مسلمان گذشتہ تیرہ صدیوں کے مجددین کو مانتے ہیں گذشتہ صدیوں کے تیرہ مجددین کو ماننے والے اور نہ ماننے والے اس وقت بھی موجود ہیں اور سب مسلمان کہلاتے ہیں۔ ہم ممبرانِ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور چودھویں صدی کے مجدد کو ماننے والے ہیں جس صدی میں سوائے حضرت مرزا صاحب کے کسی اور شخص نے مجدد ہونے کا دعوےٰ نہیں کیا۔ اور صدی کے گذر جانے میں صرف تین چار سال باقی ہیں۔ ہمیں "غیر مسلم اقلیت" قرار دینا نا انصافی اور زیادتی بھی ہے۔ بقول مولانا عبدالمجید قرشی مدیر اخبار "ایمان" پٹی ۲ دسمبر ۱۹۳۳ء میں فرماتے ہیں :-

"انجمن (احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور) کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے قادیانی جماعت کے غلو کی مخالفت کی۔ اور تمام دنیا اسلام کے ساتھ شامل رہ کر ختم نبوت کے علَم کی حفاظت فرمائی۔ قادیانی جماعت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ

علیہ وآلہٖ وسلم کے بالمقابل قادیان میں ایک نئی نبوت کے قیام کا راستہ صاف کر رہی تھی۔ اگر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور اس کا راستہ نہ روکتی تو یہ فتنہ اب تک بہت ہی زیادہ پھیل چکا ہوتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ انجمن کی یہ خدمت تمام عمر کے لئے صد ہزار تحسین و آفرین کی مستحق ہے۔ انجمن کا دوسرا بڑا جہاد یہ ہے کہ اس نے فتنۂ تکفیر کا مقابلہ کیا اور تکفیر سازی کی مشین گنوں کو توڑ دیا۔ میری تہِ دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ انجمن کے کاموں میں برکت ڈالے اور زیادہ سے زیادہ استحکام بخشے۔"

اگر یہ زیادتی اس وجہ سے کی گئی ہے کہ حضرت مرزا صاحبؒ کی کتابوں میں لفظ نبی کا لغوی معنوں میں استعمال ہے یا ظلی یا مجازی نبی پایا جاتا ہے۔ تو اس طرح تو گذشتہ اولیاء اُمت اور گذشتہ مجددین نے بھی لفظ نبی اور اللہ مجازی طور پر استعمال کیا ہے اور لغوی معنوں میں لفظ نبی کا استعمال اہلِ سُنت والجماعت کے عقائد کے مطابق ہے۔ مرزا صاحب نے ۸۰ یا ۸۵ کتابیں تصنیف فرمائی ہیں ہر ایک کتاب میں انکارِ نبوت موجود ہے۔ کوئی بھی شخص حضرت مرزا صاحب کی کتابوں سے یہ نہیں دکھلا سکتا "میرا دعوےٰ نبوت کا ہے" اور نہ ہی انہوں نے اپنے مریدوں سے نبوت کی بیعت لی ہے۔ آدم سے لے کر آج تک کوئی بھی نبی ایسا نہیں گذرا جس نے اپنے ماننے والوں سے اپنی نبوت کا اقرار نہ لیا ہو۔ حضرت مرزا صاحب کی کتابوں میں ہر جگہ یہی لکھا ہوا ہے:۔

"محدثیت کا دعوےٰ ہے جو خدا کے حکم سے کیا گیا ہے"

اور یہ بات بھی ہر کتاب میں موجود ہے کہ:۔

"ہم بھی مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے ہیں۔"

## اہلِ سنّت والجماعت کے عُلماء کا عقیدہ { لغوی معنوں میں نبی کا استعمال از جناب مولانا اشرف علی تھانوی :۔

"رسالت اور نبوت یعنی نبوت تشریع اور رسالت تشریع تو منقطع ہو جاتی ہے۔ اور ولایت کبھی منقطع نہیں ہوتی۔ اس کے بعض شعب کو نبوت تعریفی کہتے ہیں۔ یعنی اخبار عن الحقائق الغیبیہ" (التنبیہ الطربی صفحہ ۱۰۹)

"پس معلوم ہوا کہ جس وحی کو شیخ (محی الدین عربی) باقی اور عام کہہ رہے ہیں وہ بمعنی الہام ہے۔ جو اولیاء کو ہوتا ہے۔ شیخ اپنی اصطلاح میں اس کو وحی کہتے ہیں اور یہ اصطلاح لغت کے مطابق ہے اور قرآن کریم میں بھی وارد ہے۔ چنانچہ اگر مطلق وحیٔ نبوت کی دلیل ہوتی تو موسےٰؑ کی والدہ بالاجماع نبی ہوتیں۔ پس منکرین نبوت اُم موسےٰ کی وحی کی تفسیر الہام ہی سے کرتے ہیں۔ اسی طرح جس نبوت یا رسالت کو عام کہتے ہیں وہ بھی بمعنی لغوی ہے یعنی اخبار وتبلیغ نہ بمعنی حقیقی جس کو شیخ نبوت تشریع ہی سے تعبیر کرتے ہیں (صفحہ ۹۹)

"دیکھئے اس عبارت میں مطلق تبلیغ کو رسالت فرما دیا کہ بناء بر لغت بعض تفاسیر پر ملائکہ کو جن قرار دیا گیا ہے۔ ...... دیکھئے اس میں نبوت کو تمام مخلوقات کے لئے کیسے ثابت فرما دیا ہے اور ساتھ ہی اس کی تفسیر بتلا دی کہ اخبار عن الشئ۔ یہی میں نے عرض کیا تھا اور جو اس قول میں فرمایا کہ غیر انبیاء والرسل بالمعنی الشرعی پر باوجود نبوت بمعنی عام نبوت اور رسالت مزاجیہ کے نبی اور رسول کا اطلاق نہ کیا جاوے اس کی وجہ ہے کہ اس سے ایہام معنی حقیقی اصطلاحی شرعی کا ہوتا ہے اور یہ سخت بے ادبی ہے۔" (صفحہ ۱۱۱)

"اس عبارت میں نبوت کے بقا کا حکم کر دیا جواب یہ ہے کہ شیخ اصطلاح میں مطلق اخبار عن العلوم کو نبوت علمیہ کہتے ہیں اور اس نبوت کے احکام مثل نبوت (مشہودہ) کے نہیں حتیٰ کہ اس کے علوم بھی قطعی نہیں ہوتے۔"

۲۔ جناب مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صدر جمعیت العلماء ہند دھلی۔ مولانا دسویں صدی کی ایک کتاب مجالس الابرار پر حسب ذیل نوٹ دیتے ہیں :۔

"محدَّثین د کی زبر سے محدَّث کی جمع ہے۔ محدَّث اسے کہتے ہیں جس پر خدا کا کلام خاص الہام کے ذریعہ سے آئے۔ یہ لوگ بعض علماء کے نزدیک ادنیٰ درجے کے نبی اور بعض کے نزدیک ولی ہوتے ہیں۔"

۳۔ شیخ الاسلام پاکستان مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی صدر المدرسین جامع اشرفیہ نیلا گنبد لاہور جناب شیخ الاسلام کے حوالے سے لکھتے ہیں :۔

"حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب صفحہ ۸ میں فرماتے ہیں کہ شیخ اکبر نے اپنی خاص اصطلاح میں ولایت اور محدثیت کو نبوت غیر تشریعی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے"

(ٹریکٹ موسومہ حضرت صوفیاء کرام و مولانا محمد قاسم کے خلاف مرزائیوں کا بہتان افتراء)

۴۔ حضرت احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ اپنے مکتوب کی جلد ثانی پنجاہ و یکم میں کلامِ الٰہی کے متعلق فرماتے ہیں :۔

"اللہ جلشانہ کا کسی بشر کے ساتھ کلام کرنا کبھی رُوبرو اور ہمکلامی کے رنگ میں ہوتا ہے اور ایسے حضرات جو خدا تعالےٰ سے ہمکلام ہوتے ہیں وہ خواص انبیاء میں سے ہیں اور کبھی ہمکلامی کا مرتبہ بعض ایسے مکمل لوگوں کو ملتا ہے کہ نبی تو نہیں مگر نبیوں کے متبع ہیں اور جو شخص کثرت شرف ہمکلامی کا پاتا ہے اسکو محدَّث بولتے ہیں اور یہ مکالمہ الٰہی از قسم الہام نہیں اور یہ القاء فی الروع بھی نہیں اور نہ اس کے ساتھ کلام ہے جو فرشتے کے ساتھ ہوتا ہے۔"

۵۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مثنوی جس کے متعلق کہا گیا ہے ؎ مثنوی مولوی معنوی۔ ہست قرآں در زبانِ پہلوی۔ میں حسب ذیل شعر لکھے ہیں ؎

۱۔ چوں بدادی دست خود در دست پیر + بہر حکمت کو علیم است و خبیر

۲۔ او نبی وقت خویش است اے مرید + زانکہ زو نورِ نبی آید پدید

۳۔ مکر کن در کار نیکو خدمتے + تا نبوت یابی اندر اُمتے

مندرجہ بالا حوالہ جات سے یہ امر ثابت ہے۔ کہ لغوی معنوں میں مجازی اور ظلی طور پر نبی کا لفظ استعمال کیا جاوے تو اس سے ختم نبوت کا انکار یا دعوےٰ نبوت لازم نہیں آتا۔ اور نہ ہی کسی کو نبی ماننا مقصود ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ لفظ لغوی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ نہ کہ حقیقی طور پر شرعی معنوں میں۔ مسلمان بادشاہ اپنے لئے اللہ کا لفظ ظلی طور پر استعمال کرتے ہیں یعنی ظل اللہ۔ ظلِ الٰہی۔ جب اس کے استعمال سے وہ خدا نہیں بن جاتے تھے تو اولیاء اللہ یا مجددین اور محدثین ظلی نبی یا مجازی نبی کا لفظ استعمال کر کے اصلی نبی کیسے بن گئے۔ ہندوستان میں جو اَب پاکستان اور بھارت بن چکا ہے۔ شوہر کو عورت کا مجازی اور ظلی خدا کہا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ پنجاب میں اَن پڑھ عورتیں بھی اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے سامنے بولے تو اس کو منع کرنے کے لئے کہہ دیتی ہیں "نہ بول نی تیرا مجاجی خدا اے" یعنے مجازی کے لفظ کو مجاجی بولتی ہیں۔ اور سنئے۔

۱۔ حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ ؎

من نے گویم انا الحق یار میگوید بگو + چوں نہ گویم چوں مرا دلدار میگوید بگو

(دیوان حضرت خواجہ صاحب صفحہ ۵۵)

۲۔ مولانا محمد اسمٰعیل شہید دہلوی :۔ (ترجمہ)

"خبردار تعجب نہ کرنا اور انکار سے پیش نہ آنا کیونکہ جب وادی مقدس کی آگ سے آواز آئی انا اللّٰہ ربّ العالمین"۔ تو نفس کاملہ سے جو اشرف موجودات ہے، اور اللہ تعالےٰ کی ذات کا نمونہ ہے۔ آواز انا الحق نکلے تو تعجب کا مقام نہیں۔" (صراط مستقیم صفحہ ۱۴)

۳۔ حضرت فریدالدین عطار فرماتے ہیں ؎

میتواں موسےٰ کلیم اللہ شد + از ریاضت میتواں اللہ شد

۴۔ حضرت نیاز احمد بریلوی فرماتے ہیں :۔ ؎

اللہ اللہ گو کہ اللہ مے شوی + ایں سخن حق است اللہ مے شوی

[illegible] + یک بیک سازِ ولایت رتبہ پیغمبری

۷۔ صاحب تفسیر نیشاپوری فرماتے ہیں :۔

"والسابقون السابقون کی تفسیر ۔۔۔۔۔۔ بعض افراد اُمّت محمود سابقین میں سے ہوکر درجۂ انبیاء اور گذشتہ رسولوں میں داخل ہوں گے ۔۔۔۔۔۔۔۔ اجزائے نبوّت میں سے ایک جزو ہے جس کو نبوّت مطلق یا نبوّت غیر تشریعی کہتے ہیں۔ اور اور اس نبوّت کا دروازہ بند نہیں۔ صرف تشریعی نبوّت کا دروازہ بند ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ نبوّت غیر تشریعی بھی کسی خاص فرد سے مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ نبوّتِ عامہ ہے جس پر علمائے ربّانی اور اولیاء اللہ پہنچتے رہے ہیں۔"

۸۔ شرح فتوح الغیب حضرت سیّد عبدالقادر جیلانی از شیخ عبدالحق محدّث دہلوی صفحہ ۳۲ :۔

"بس اس وقت تو ہوگا۔ میراث خوار پیغمبروں کا اور صدیقوں کا اور کل نبیوں کا۔ جو کچھ کہ ان سے رہا ہے۔ اور مرتبہ علم۔ دین اور منصب ارشاد ہدایت تجھ کو ملے گا۔ کیونکہ ولایت نبوّت کا ظلّ ہے۔"

۹۔ حضرت مولانا اسمٰعیل شہید دہلوی اپنی کتاب منصب امامت میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"خلیفہ ارشد حکماً نبی است"

"پس جو شخص مراقبہ ذات بمنشاء کمالات نبوت کرے گا۔ تو اس کو نبوّت کے معنوں میں سے ایک معنے پر کہ جس کا درجہ نیک خوابیں ہیں۔ فائز کریں گے۔ لیکن درجہ دوئم میں اسکو رسالت کے معنے سے فیض یاب کریں گے۔"

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ اُمّتِ محمدیہؐ میں گذشتہ اولیاء اللہ مجدّدین اور محدّثین نے بھی لغوی معنوں میں لفظ نبی کا استعمال بشرکت لفظ مجازی و ظلّی جائز قرار دیا ہے۔ اور کسی نہ کسی رنگ میں اس لفظ کا استعمال کیا ہے۔ ان سب گذشتہ اولیاء اللہ اور مجدّدین اور محدّثین کے متعلق آپ کا کیا فتوی ہے جنہوں نے اپنی کتابوں میں مجازی نبی کا اور ظلّی مجازی خدا کا لفظ اپنے لئے استعمال کیا ہے۔ جیسے گذشتہ تیرہ مجدّدین۔ محدّثین اور دیگر بے شمار اولیاء اللہ ظلّی، بروزی، مجازی طور پر لفظ نبی کا استعمال کیا ہے۔ ایسے ہی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مجدّد صدی چہاردہم نے یہ لفظ استعمال کیا ہے

ملاحظہ ہو مجدّد صدی چہاردہم اپنی کتاب الوصیّت جو ۱۹۰۵ء میں چھپی کے صفحہ ۱۲ پر کیا لکھتے ہیں :۔

۱۔ "وہ واحد ہے اپنی ذات میں اور اپنی صفات میں اور افعال میں اور قدرتوں میں اور اس تک پہنچنے کے لئے تمام دروازے بند ہیں۔ مگر ایک دروازہ جو فرقان مجید نے کھولا ہے۔ اور تمام نبوّتیں جو پہلے گذر چکیں۔ ان کی الگ طور پر پیروی کی حاجت نہیں رہی۔ کیونکہ نبوّت محمدیہ ان سب پر مشتمل اور حاوی ہے۔ اور بجز اس کے سب راہیں بند ہیں۔ تمام سچائیاں جو خدا تک پہنچاتی ہیں۔ اسی کے اندر ہیں۔ نہ اس کے بعد کوئی سچائی آئے گی اور نہ اس سے پہلے کوئی ایسی سچائی تھی جو اس میں موجود نہیں۔ اس لئے اس نبوّت پر تمام نبوّتوں کا خاتمہ ہے۔ اور ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ جس چیز کے لئے ایک آغاز [illegible] ہے جو پہلے ملتا تھا۔ مگر اس کا کامل پیرو صرف نبی نہیں کہلا سکتا کیونکہ نبوّت کاملہ تامہ کی اس میں ہتک ہے۔ ہاں اُمّتی اور نبی دونوں لفظ اجماعی حالت میں اس پر صادق آ سکتے ہیں کیونکہ اس میں نبوّت کاملہ تامہ محمدیہ کی ہتک نہیں۔ بلکہ اس نبوّت کی چمک اس فیضان سے زیادہ ظاہر ہوتی ہے[1] اور جبکہ وہ مکالمہ مخاطبہ اپنی کیفیت اور کمیّت کی رُو سے کمال درجہ تک پہنچ جائے۔ اور اس میں کوئی کثافت اور کمی باقی نہ ہو۔ اور کھلے طور پر امور غیبیہ پر مشتمل ہو۔ تو وہی دوسرے لفظوں میں نبوّت کے نام سے موسوم ہوتا ہے جس پر تمام نبیوں کا اتفاق ہے۔ پس یہ ممکن تھا کہ وہ قوم جس کے لئے فرمایا گیا ہے کنتم خیر اُمّة اخرجت للنّاس۔ اور جن کے لئے یہ دُعا سکھائی گئی کہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم۔ ان کے تمام افراد اس مرتبہ عالیہ سے محروم رہتے۔ اور کوئی ایک فرد بھی اس مرتبہ کو نہ پاتا۔ اور ایسی صورت میں صرف یہی خرابی نہیں تھی کہ اُمّت محمدیہؐ ناقص اور ناتمام رہتی اور سب کے سب اندھوں کی طرح رہتے۔ بلکہ یہ بھی نقص تھا کہ آنحضرتؐ کی قوّتِ فیضان پر داغ لگتا تھا اور آپؐ کی قوّتِ قدسیہ ناقص ٹھہرتی تھی۔ اور ساتھ اس کے وہ دُعا جس کا پانچ وقت نماز میں پڑھنا تعلیم کیا گیا تھا اس کا سکھلانا بھی عبث ٹھہرتا تھا۔ مگر اس کے دوسری طرف یہ خرابی بھی تھی کہ اگر یہ کمال کسی فرد اُمّت کو براہ راست بغیر پیروی نورِ نبوّت محمدؐ کے مل سکتا تو ختم نبوّت کے معنی باطل ہوتے تھے۔ پس ان دونوں خرابیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے خدا تعالےٰ نے مکالمہ مخاطبہ کاملہ تامہ مطہرہ مقدسہ کا شرف ایسے بعض افراد کو عطا کیا جو فنافی الرسول کی حالت تک اتم درجہ تک پہنچ گئے۔ اور کوئی حجاب درمیان نہ رہا۔ اور اُمّتی ہونے کا مفہوم اور پیروی کے معنی اتم اور اکمل درجہ تک ان میں پائے گئے۔ ایسے طور پر کہ ان کا وجود اپنا وجود نہ رہا۔ بلکہ ان کی محویت کے آئینہ میں آنحضرتؐ کا وجود منعکس ہو گیا۔ اور دوسری طرف اتم اور اکمل طور پر مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ نبیوں کی طرح نصیب ہوا۔"

(باقی برصفحہ ۱۲ کالم ۲)

[1] باوجود اس کے یہ خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ نبوّتِ تشریعی کا دروازہ بعد آنحضرتؐ کے بالکل مسدود ہے اور قرآن کریم کے بعد اور کوئی کتاب نہیں جو نئے احکام سکھائے۔ یا قرآن کریم کا احکام منسوخ کرے یا اس کی پیروی کرے۔ بلکہ اس کا عمل قیامت تک ہے؛

# اوقات سحر و افطار رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ

## مطابق ماہ اگست و ستمبر ۱۹۷۶ء

يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ

| نام ایام | اگست ۱۹۷۶ء | رمضان ۱۳۹۶ھ | انتہائے سحر | | ابتدائے افطار | |
|---|---|---|---|---|---|---|
| | | | منٹ | گھنٹہ | منٹ | گھنٹہ |
| ہفتہ | ۲۸ | ۱ | ۵ | ۴ | ۳۴ | ۶ |
| اتوار | ۲۹ | ۲ | ۶ | ۴ | ۳۳ | ۶ |
| پیر | ۳۰ | ۳ | ۷ | ۴ | ۳۲ | ۶ |
| منگل | ۳۱ | ۴ | ۸ | ۴ | ۳۱ | ۶ |
| بدھ | یکم ستمبر ۱۹۷۶ء | ۵ | ۹ | ۴ | ۳۰ | ۶ |
| جمعرات | ۲ | ۶ | ۱۰ | ۴ | ۲۹ | ۶ |
| جمعہ | ۳ | ۷ | ۱۱ | ۴ | ۲۸ | ۶ |
| ہفتہ | ۴ | ۸ | ۱۱ | ۴ | ۲۶ | ۶ |
| اتوار | ۵ | ۹ | ۱۲ | ۴ | ۲۵ | ۶ |
| پیر | ۶ | ۱۰ | ۱۲ | ۴ | ۲۳ | ۶ |
| منگل | ۷ | ۱۱ | ۱۳ | ۴ | ۲۲ | ۶ |
| بدھ | ۸ | ۱۲ | ۱۴ | ۴ | ۲۰ | ۶ |
| جمعرات | ۹ | ۱۳ | ۱۵ | ۴ | ۱۹ | ۶ |
| جمعہ | ۱۰ | ۱۴ | ۱۶ | ۴ | ۱۷ | ۶ |
| ہفتہ | ۱۱ | ۱۵ | ۱۷ | ۴ | ۱۶ | ۶ |
| اتوار | ۱۲ | ۱۶ | ۱۸ | ۴ | ۱۵ | ۶ |
| پیر | ۱۳ | ۱۷ | ۱۹ | ۴ | ۱۴ | ۶ |
| منگل | ۱۴ | ۱۸ | ۲۰ | ۴ | ۱۲ | ۶ |
| بدھ | ۱۵ | ۱۹ | ۲۰ | ۴ | ۱۱ | ۶ |
| جمعرات | ۱۶ | ۲۰ | ۲۱ | ۴ | ۱۰ | ۶ |
| جمعہ | ۱۷ | ۲۱ | ۲۲ | ۴ | ۹ | ۶ |
| ہفتہ | ۱۸ | ۲۲ | ۲۲ | ۴ | ۷ | ۶ |
| اتوار | ۱۹ | ۲۳ | ۲۳ | ۴ | ۶ | ۶ |
| پیر | ۲۰ | ۲۴ | ۲۳ | ۴ | ۴ | ۶ |
| منگل | ۲۱ | ۲۵ | ۲۴ | ۴ | ۳ | ۶ |
| بدھ | ۲۲ | ۲۶ | ۲۵ | ۴ | ۲ | ۶ |
| جمعرات | ۲۳ | ۲۷ | ۲۵ | ۴ | ۱ | ۶ |
| جمعہ | ۲۴ | ۲۸ | ۲۶ | ۴ | ۵۹ | ۵ |
| ہفتہ | ۲۵ | ۲۹ | ۲۷ | ۴ | ۵۸ | ۵ |
| اتوار | ۲۶ | ۳۰ | ۲۷ | ۴ | ۵۷ | ۵ |

### روزہ رکھنے کی نیت

وَبِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ۔

### روزہ کھولنے کی دعا

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ لَكَ صُمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ

# تحریک صدقہ جاریہ اشاعت انگریزی ترجمۃ القرآن

کراچی سے ہمارے عزیز دوست مکرمی محمد حسن خان صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:۔
"نومبر ۱۹۷۵ء میں برائے ایصال ثواب اور صدقہ جاریہ اور مفت اشاعت قرآن کریم انگریزی کی ایک تحریک میں نے شروع کی تھی۔ مندرجہ ذیل احباب نے اس نیک تحریک میں حصہ لے کر قابل قدر ایثار دکھایا۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کے اس ایثار کو قبول فرمائے اور نیک اجر دے۔ جماعت کے دوسرے احباب سے بھی گذارش ہے کہ وہ اس نیک تحریک میں حصہ لیں۔ حضرت امیر رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش کے مطابق ہمارا کام قرآن کو دوسروں تک پہنچانا ہے"

| اسمائے گرامی | رقوم (روپے - پیسے) | سکونت |
|---|---|---|
| (۱) مکرم و محترم جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب | 140 - 00 | لاہور |
| (۲) مکرم جناب میاں نصیر احمد فاروقی صاحب | 70 - 00 | ״ |
| (۳) ״ ״ ڈاکٹر اللہ بخش صاحب | 70 - 00 | ״ |
| (۴) ״ ״ میاں محمد احمد صاحب | 350 - 00 | ״ |
| (۵) ״ ״ میاں فضل احمد صاحب | 350 - 00 | ״ |
| (۶) ״ ״ مرزا مسعود بیگ صاحب | 70 - 00 | ״ |
| (۷) ״ ״ ڈاکٹر یوسف احمد صاحب | 70 - 00 | ״ |
| (۸) ״ ״ میاں غلام حیدر صاحب | 70 - 00 | جھنگ |
| (۹) ״ ״ چوہدری خوشی محمد صاحب معہ فیملی | 350 - 00 | کراچی |
| (۱۰) ״ ״ آصف عبد اللہ صاحب | 40 - 00 | ״ |
| (۱۱) ״ ״ میاں بشارت احمد بقا صاحب | 35 - 00 | لاہور |
| (۱۲) ״ ״ میاں عبد الباسط صاحب | 140 - 00 | کراچی |
| (۱۳) ״ ״ شیخ کرامت اللہ صاحب | 350 - 00 | ״ |
| (۱۴) ״ ״ ڈاکٹر فاروق عباس صاحب | 35 - 00 | ״ |
| (۱۵) ״ ״ نسیم جاوید صدیقی صاحب | 35 - 00 | ״ |
| (۱۶) ״ ״ عبد الصمد خان صاحب | 35 - 00 | ״ |
| (۱۷) ״ ״ بیگم افتخار احمد صاحبہ | 35 - 00 | ״ |
| (۱۸) ״ ״ میاں رحیم بخش صاحب | 70 - 00 | ״ |
| (۱۹) ״ ״ ڈاکٹر محمد اسحاق صاحب مرحوم | 350 - 00 | راولپنڈی |
| (۲۰) ״ ״ احتشام الحق مزار صاحب | 35 - 00 | لاہور |
| (۲۱) ״ ״ چوہدری شاہ دین صاحب | 360 - 00 | کراچی |
| (۲۲) ״ ״ شیخ عبد الحق صاحب | 250 - 00 | ״ |
| (۲۳) ״ ״ محمد مسعود صدیقی صاحب | 105 - 00 | ״ |
| (۲۴) ״ ״ آفتاب اعجاز صاحب | 350 - 00 | ״ |
| (۲۵) ״ ״ میاں کلیم الرحمٰن صاحب | 70 - 00 | ״ |
| (۲۶) ״ ״ قاضی عبد الرشید صاحب | 70 - 00 | پشاور |
| (۲۷) ״ ״ انجم ارشاد صاحب | 50 - 00 | کراچی |
| (۲۸) ״ ״ میاں غلام عباس مرحوم۔ بیگم میاں غلام عباس مرحوم۔ میاں عثمان عباس مرحوم | 1250 - 00 (برائے ایصال ثواب) | کراچی |
| (۲۹) ״ ״ محمد بشیر بٹ صاحب | 35 - 00 | کراچی |
| (۳۰) ״ ״ ڈاکٹر فضل احمد خان صاحب | 525 - 00 | کراچی |
| (۳۱) ״ ״ خان محمد حسن خان صاحب | 1225 - 00 | ״ |
| (۳۲) ״ ״ بیگم صاحبہ محمد حسن خان صاحب | 140 - 00 | ״ |
| (۳۳) ״ ״ زاہد حسن خان صاحب | 70 - 00 | ״ |
| (۳۴) ״ ״ شاہد حسن خان صاحب | 70 - 00 | ״ |
| (۳۵) ״ ״ بیگم صاحبہ شاہد حسن خان صاحب | 70 - 00 | ״ |
| (۳۶) ״ ״ بیگم صاحبہ زاہد حسن خان صاحب | 70 - 00 | ״ |

کل میزان: 8910 - 00 روپے

جناب [illegible] صا

# عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
# مسلمانوں کی زندگی کی راہیں

(۲)

**حضرت مسیح الزمانؑ کا مشن** } لوگ پوچھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود تو آگئے لیکن انہوں نے کیا کر دکھایا ۔ مسلمانوں کی قوت و طاقت میں آپ کے آنے سے کیا اضافہ ہو گیا افسوس کہ یہ لوگ ذرا بصیرت سے کام لیتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ اس زمانہ میں سچا عشق رسولؐ کس نے ظاہر کیا ۔ مُلّا پنے اور جہالت کی رُو سے حُبّ رسُول کا دعویٰ بے معنی چیز ہے ۔ بغیر یقین اور ایمان کے اسلام اور قرآن کی خدمت کرنا ۔ ایک خام خیالی اور مُردگی کی دلیل ہے ۔ ایسا کوئی مردِ میدان دکھلانا چاہیئے جس نے موجودہ وقتوں میں حق الیقین کے مرتبہ پر قائم ہو کر اسلام کی تائید میں اپنی جان قربان کی ہو ۔ جس نے عشقِ رسُولؐ میں وہ وہ ترانے گائے ہوں جو قلوب کو لُبھا لینے والے ہوں ۔ کوئی ایسا خادم رسُول ہمیں بتلانا چاہیئے جس کے دل اور دماغ اور رگ و ریشہ اور خون کے ہر قطرے سے حُبِّ رسُولؐ کی خوشبو آتی ہو ۔ کوئی ایسا عاشقِ دین ڈھونڈنا چاہیئے جس کا یہ عشق اپنی ذات تک محدود نہ رہ کر ہزاروں اور لاکھوں انسانوں کو اس راہ میں کشاں کشاں لا چکا ہو ۔ تو اگر یہ ثابت شُدہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب کے عشقِ رسُولؐ کو آج کے زمانہ میں کوئی انسان نہیں پہنچا اور یہ عیاں ہے کہ آپ کی بدولت ہزاروں بلکہ لاکھوں عاشقِ رسُولؐ پیدا ہو گئے اور یہ عاشقِ رسُول پُرانے زمانہ کے مُلّا لوگ نہیں بلکہ علوم سائنس اور تعلیم انگریزی کے ماہر ہیں ۔ اور دوسری طرف یہ بھی ثابت شُدہ امر ہے کہ مسلم قوم کا بُنیادی پتھر عشقِ رسُولؐ ہے ۔ تو پھر بتلایئے کہ حضرت مجدّدِ زمانؑ نے مسلمانوں کے لئے کچھ کر دکھلایا کہ نہیں ؟

کیا اس میں کلام ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے مسلمانوں کو ان کے کھوئے ہوئے ایمان پر دوبارہ قائم کر دیا ۔

بے شک حضرت مرزا صاحب کی آمد سے ظاہری طاقت و قوت مسلمانوں کو اب تک نہیں ملی ۔ لیکن اس میں کیا شُبہ ہے کہ یقین اور عرفان کا وہ مرتبہ جو تمام طاقتوں کا سرچشمہ ہے وہ آپؑ کے آنے سے قائم ہو گیا ۔ میں کہتا ہوں اگر کسی نے حقیقی عشقِ رسُول کی لہر پیدا کر کے دکھلا دی تو اس نے سب کچھ کر دکھایا اور یہ عشق کی لہر جس قدر بھی وسیع ہوتی چلی جائے گی اتنا ہی مسلمانوں کی عزّت و عظمت قائم ہوتی جائے گی ۔

**حضرت نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی عظمت** } جہاں پر حضرت مجدّدِ وقت نے خود اپنے نمونہ سے عشقِ رسُولؐ کی ایک جھلک دکھلائی اور جہاں آپ کی برکاتِ قدسیہ سے ہزارہا انسانوں کے اندر اس عشق کی آگ بھڑک اُٹھی وہاں پر یہ بھی نظر آئے گا کہ آپ نے عشقِ رسُول کا سچا راستہ قوم کے سامنے رکھ دیا ۔ ایک طرف علم و معرفت کی بناء پر محبت پیدا کر دی دوسری طرف حقیقی علم کو دُنیا میں پھیلانے کی تڑپ لگا دی ۔ ایک مسلمان یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ کوئی اس کے مذہب کو بُرا کہے جب ایک شخص قرآن شریف کو اُٹھا کر پھینکتا ہے تو مسلمانوں میں غم و غصّہ کی لہر دوڑ جاتی ہے ۔ اگر ایک دُشمن حضرت محمد مصطفٰے صلعم کی شان میں گستاخی کرتا ہے تو مسلمان اس پر اپنا خون بہانے کو تیار ہو جاتا ہے ۔ یہ تمام علامتیں مبارک ہیں اور ان سے ان کا عشق ٹپکتا ہے مگر یہ باتیں دُنیا کے قلوب میں حضرت نبی کریم صلعم کی عظمت قائم نہیں کر سکتیں اگر آپ کو یہ تڑپ ہے کہ ایک عالم حضرت محمد مصطفٰے صلعم کی عظمت کا قائل ہو جائے ۔ اگر آپ کو یہ خواہش ہے کہ دنیا کی ذہنیت میں آپ کے مذہب سے تنفّر کی بجائے محبّت گھر کر جائے تو اس کا ایک ہی راستہ ہے جو حضرت مسیح الزمانؑ آپ کو دکھلاتے ہیں ۔ حضرت مجدّدِ وقت کے دامن سے وابستہ ہونا اپنے سینہ میں حقیقی عشقِ رسُول پیدا کرتا ہے اور ایک عالم میں اس عشق کی لہر پھیلاتا ہے ۔

## تاریخِ انسانی کے سب سے بڑے معلّم ۔ (بقیہ صفحہ ۶)

سے نہیں نکلی ۔ آپؐ تبسّم فرماتے ۔ قہقہہ لگا کر نہیں ہنستے تھے ۔ جائز مشاغل میں شرکت فرماتے تھے ۔ کبھی ان کی تحقیر نہ کی ۔ کبھی آپؐ اپنے دوستوں کے ساتھ دوڑتے ، تاکہ معلوم ہو کون زیادہ تیز دوڑ سکتا ہے ۔ بعض اوقات لوگ آپؐ کی موجودگی میں اُونچی آواز سے بولنے لگتے ۔ تاہم آپؐ چشم پوشی فرماتے ۔

آپؐ کے پاس اُونٹ اور بکریاں تھیں ۔ جن کا دُودھ آپؐ اور آپؐ کے عیال استعمال کرتے تھے ۔ آپؐ کے یہاں غلام اور کنیزیں بھی تھیں جن کو آپؐ نے آزاد کر دیا تھا ۔ اور ہمیشہ ان کو اپنے ساتھ کھلایا ۔ اور جیسا خود پہنا ویسا ہی ان کو پہنایا ۔ کوئی لمحہ ایسا نہ گذرتا تھا جس میں آپؐ خدا کے لئے یا اپنے نفس کی بہتری کے لئے کوئی بات نہ کرتے ہوں ۔ آپ اپنے متبعین کے باغات میں بھی تشریف لے جاتے تھے ۔ اور کسی شخص کو اس کی مفلسی کی وجہ سے حقیر خیال نہ فرماتے تھے ۔ نہ کسی مالدار آدمی کی ثروت کی وجہ سے مرعوب ہوتے تھے ۔ بلکہ ان دونوں حالتوں کو خدا تعالےٰ کی مشیّت سے منسوب فرماتے تھے ۔ غرضیکہ خدا نے آپؐ کو بہترین اخلاق اور برترین اصُول عطا فرمائے تھے ۔ آپؐ اُمّی محض تھے اور ایک تاریک مُلک میں پیدا ہوئے تھے ۔ لیکن خدا نے آپؐ کو اعلیٰ ترین صفات عنایت کی تھیں ۔ جس کی محافظت آپؐ پر ہوتی ۔ اس کے مقاد کے بہترین محافظ اور نگہبان ہوتے ۔ آپؐ کی گفتگو نہایت دلچسپ اور شیریں ہوتی تھی ۔

## ایک مکتوب ۔ بسلسلہ صفحہ ۱۲

" پس اس طرح پر بعض افراد نے باوجود امتی ہونے کے نبی کا خطاب پایا کیونکہ ایسی صورت کی نبوّت نبوّت محمدیہ سے الگ نہیں ۔ بلکہ اگر غور سے دیکھو تو خود وہ نبوّتِ محمدیہ ہی ہے ۔ جو ایک پیرایہ جدیدہ میں جلوہ گر ہوئی ۔ یہی معنے اس فقرہ کے ہیں ۔ جو آنحضرتؐ نے مسیح موعود کے حق میں فرمایا کہ نبی اللہ و اِمامکم منکم یعنی وہ نبی بھی ہے اور اُمتی بھی

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ـــــــ مورخہ یکم ستمبر ۱۹۷۶ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ـــــــ شمارہ نمبر ۳۵

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد پبلشر نے دفتر ہفت روزہ پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور نمبر ۷ سے شائع کیا ۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۳ | یوم چہار شنبہ ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ مطابق ۸ ستمبر ۱۹۷۶ء | نمبر ۳۶

# ملفوظات حضرت مجدد صدی چہاردہم علیہ السلام

# ہر ایک جماعت کی اصلاح اوّل اخلاق سے شروع ہوا کرتی ہے

اس جماعت کو تیار کرنے سے غرض یہی ہے کہ زبان، کان، آنکھ اور ہر ایک عضو میں تقوےٰ سرایت کر جاوے۔ تقوےٰ کا نور اس کے اندر اور باہر ہو۔ اخلاقِ حسنہ کا اعلیٰ نمونہ ہو۔ اور بے جا غصّہ اور غضب وغیرہ بالکل نہ ہو۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ جماعت کے اکثر لوگوں میں غصّہ کا نقص اب تک موجود ہے، تھوڑی تھوڑی سی بات پر کینہ اور بُغض پیدا ہو جاتا ہے اور آپس میں لڑ جھگڑ پڑتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا جماعت میں کچھ حصّہ نہیں ہوتا۔ اور مَیں نہیں سمجھ سکتا کہ اس میں کیا دقّت پیش آتی ہے کہ اگر کوئی گالی دے تو دوسرا چُپ کر رہے اور اس کا جواب نہ دے۔ ہر ایک جماعت کی اِصلاح اوّل اخلاق سے شُروع ہوا کرتی ہے۔ چاہیئے کہ ابتداء میں صبر سے ترقی کرے اور سب سے عمدہ ترکیب یہ ہے کہ اگر کوئی بد گوئی کرے تو اس کے لئے دردِ دل سے دُعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کی اصلاح کر دیوے۔ اور دِل میں کینہ ہرگز نہ بڑھاوے۔ جیسے دُنیا کے قانون ہیں ویسے خدا کا بھی قانون ہے۔ جب دُنیا اپنے قانون کو نہیں چھوڑتی تو اللہ تعالےٰ اپنے قانون کو کیسے چھوڑے۔ پس جب تک تبدیلی نہ ہوگی تب تک تمہاری قدر اس کے نزدیک کچھ نہیں۔ خُدا تعالےٰ ہرگز پسند نہیں کرتا کہ حِلم اور صبر اور عفو جو کہ عمدہ صفات ہیں ان کی جگہ درندگی ہو۔ اگر تم ان صفاتِ حسنہ میں ترقی کروگے تو بہت جلد خدا تک پہنچ جاؤ گے۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ جماعت کا ایک حصّہ ابھی تک ان اخلاق میں کمزور ہے۔ ان باتوں سے صرف شماتتِ اعداء ہی نہیں ہے بلکہ ایسے لوگ خود بھی قربُ کے مقام سے گِرائے جاتے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ سب انسان ایک مزاج کے نہیں ہوتے۔ اسی لئے قرآن شریف میں آیا ہے کُلٌّ یَعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ۔ بعض آدمی ایک قسم کے اخلاق میں اگر عُمدہ ہیں تو دوسری قسم میں کمزور۔ اگر ایک خُلق کا رنگ اچھا ہے تو دوسرے کا بُرا۔ لیکن تاہم اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اصلاح ناممکن ہے۔

## خَلق اور خُلق کے معنے

خُلق سے ہماری مراد شیریں کلامی ہی نہیں بلکہ خَلق اور خُلق دو الفاظ ہیں۔ آنکھ، کان، ناک وغیرہ جس قدر اعضاءِ ظاہری ہیں جن سے انسان کو حسین وغیرہ کہا جاتا ہے۔ یہ سب خَلق کہلاتے ہیں۔ اور اس کے مقابل پر باطنی قویٰ کا نام خُلق ہے۔ مثلاً عقل، فہم شجاعت، عفت، صبر وغیرہ اس قسم کے جس قدر قویٰ سرشت میں ہوتے ہیں وہ سب اسی میں داخل ہیں۔ اور خُلق کو خَلق پر اس لئے ترجیح ہے کہ خَلق یعنی ظاہری جسمانی اعضاء میں اگر کسی قسم کا نقص ہو تو وہ ناقابلِ علاج ہوتا ہے۔ مثلاً ہاتھ اگر چھوٹا پیدا ہوا ہے تو اس کو بڑا نہیں کر سکتا۔ لیکن خُلق میں اگر کوئی کمی بیشی ہو تو اس کی اصلاح ہو سکتی ہے۔

ذکر کرتے ہیں کہ افلاطون کو علمِ فراست میں بہت دخل تھا اور اس نے دروازہ پر ایک دربان مقرر کیا ہُوا تھا جسے حُکم تھا کہ جب کوئی شخص مُلاقات کو آوے تو اوّل اُس کا حُلیہ بیان کرو۔ اس حُلیہ کے ذریعہ وہ اس کے اخلاق کا حال معلوم کر کے پھر اگر قابلِ مُلاقات سمجھتا تو مُلاقات کرتا ورنہ ردّ کر دیتا۔ ایک دفعہ ایک شخص اس کی مُلاقات کے لئے آیا۔ دربان نے اِطلاع دی۔ اُس کے نقوش کا حال سُن کر افلاطون نے مُلاقات سے اِنکار کر دیا۔ اِس پر اُس شخص نے کہلا بھیجا کہ افلاطون سے کہدو کہ جو کچھ تم نے سمجھا ہے بالکل درست ہے۔ مگر مَیں نے

(باقی بر صفحہ ۵ کالم ۱)

مکرم مولانا دوست محمد صاحب

# رمضان کا مجاہدہ

اسلام نے نسلِ انسانی کی اخلاقی و روحانی اصلاح کے لئے جو راہیں تجویز کی ہیں انہیں حیوانیت سے اُٹھا کر انسانیت کے بلند مقام پر کھڑا کرنے، مخلوقِ الٰہی کی ہمدردی اور ایک دوسرے کے دُکھوں اور تکلیفوں کا احساس ان میں پیدا کرنے اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کے لئے جن رستوں پر چلنے کی تلقین کی ہے۔ ان میں رمضان کے روزے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ بلکہ اگر غور کر کے دیکھا جائے تو روزہ کے اندر انسانی فلاح و بہبود کے وہ تمام پہلو پائے جاتے ہیں جو دوسرے ارکانِ اسلام میں جزواً موجود ہیں۔

یہ وہ مہینہ ہے کہ جب انسان محض خدا تعالیٰ کے لئے ان حلال چیزوں کو جو اس کی زندگی اور بقا کا موجب ہیں اپنے اُوپر حرام کر لیتا ہے اور اس سے یہ سبق حاصل کرتا ہے کہ اگر حلال چیزوں کو وہ خدا کے لئے چھوڑ سکتا ہے تو جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہیں ان کو چھوڑنا بدرجہ اولیٰ ضروری ہے۔ جھوٹ، دغا، فریب، جھگڑا، گالی، ایذا رسانی اور سب سے بڑھ کر رشوت ستانی اور ایک دوسرے کے مالوں کو ناجائز طور پر کھا جانا، یہ وہ چیزیں ہیں جو روزہ کو باطل کر دیتی ہیں۔ رمضان ہی کے ذکر میں یہ بھی فرمایا گیا ہے:-

لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بہا الی الحکام لتاکلوا فریقاً من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون۔

اپنے مالوں کو آپس میں ناجائز طور پر نہ کھاؤ اور نہ ان کے ذریعہ حکام تک پہنچو تاکہ لوگوں کے مالوں کا ایک حصّہ گناہ کے ساتھ کھا جاؤ حالانکہ تم جانتے ہو۔

غور کر کے دیکھا جائے تو اس آیہ کریمہ میں رشوت ستانی اور تمام قسم کے ناجائز مالی تصرف سے کھلے طور پر روکا گیا اور روزہ کے ذکر میں لا کر اس کو بتا دیا گیا ہے کہ جب تم خدا کے لئے حلال چیزوں کو چھوڑ سکتے ہو تو حرام کو چھوڑنا کیوں تم پر دشوار ہے۔

رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جب خدا کا وہ پاک کلام دُنیا پر نازل ہُوا جو انسانی فلاح و بہبود کی صحیح راہوں کو پیش کرتا ہے۔ دنیا کو امن اور عافیت کی حقیقی راہ بتاتا اور ایک خدا کی عبادت کا سبق پڑھا کر بنی نوع انسان کے اندر اخوّت و اتحاد کی ایسی مضبوط کڑیاں پیدا کر دیتا ہے جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتیں۔ آج دُنیا ملکی و قومی تعصبات میں مبتلا ہو کر ایسی ٹولیوں اور جماعتوں میں تقسیم ہو چکی ہے جو ایک دوسری کی خون کی پیاسی ہیں۔ دُنیا کا امن اور عافیت برباد ہو چکا ہے اور اس کی بحالی کی کوئی صورت سوائے اس کے ممکن نہیں کہ قرآن حکیم کی تعلیمات کو دُنیا میں پھیلایا جائے اور اس پیغامِ رحمت کی طرف انہیں دعوت دی جائے۔ جو پہلے بھی دنیا کو آگ کے گڑھے کے کنارے سے اُٹھا کر اُلفت و محبت کی خوشگوار منازل پر پہنچانے کا موجب ہوا اور اب پھر انشاء اللہ تعالیٰ اسی منزل پر دُنیا کو لائے گا۔

یہ کام ہمارا ہے کہ اس پاک کتاب کے اس پیغامِ امن کو دنیا میں لے جائیں۔ یہ اس جماعت کا کام ہے جس کو مجدد وقت نے اسی غرض سے کھڑا کیا ہے کہ قرآن کو لیکر دنیا میں نکل کھڑے ہوں۔ اس کے تراجم دُنیا کی مختلف زبانوں میں شائع کریں۔

یقین کیجئے کہ اسلام کی نشأۃ ثانیہ بلکہ نسلِ انسانی کی حیاتِ ابدی قرآن ہی سے وابستہ ہے اور رمضان کا مہینہ قرآن سے خاص تعلق رکھتا ہے۔ شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدًی للناس و بینٰت من الھدیٰ والفرقان روزہ سے قرآن کے بیّنات، قرآن کے علوم کھلتے اور خدا کی رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ اس لئے آؤ اس رمضان میں ہم پھر ایک دفعہ روزہ اور قرآن کے ذریعہ سے ان افضالِ الٰہی کی کشش کا موجب ہوں جو دُنیا کے تمام مصائب کو ختم کر کے اس کو حقیقی امن و عافیت کا گہوارہ بنا دیں — ایک دفعہ پھر روزہ اور قرآن کے ذریعہ سے خدا کی بادشاہت دنیا پر قائم ہو جاوے کہ یہی فی الحقیقت انسانی پیدائش کی اصل غرض ہے۔

---

ارشاداتِ عالیہ حضرت مجددِ زمانؑ:—

## رمضان المبارک میں روزہ رکھنے کی توفیق ملنا خدائی نعمت ہے۔

### فدیہ اس لئے ہے کہ اس سے روزہ کی توفیق ملتی ہے۔

ایک بار میرے دل میں آیا کہ یہ فدیہ کس لئے مقرر ہے تو معلوم ہوا یہ اس لئے ہے کہ اس سے روزہ کی توفیق ملتی ہے۔ خدا ہی کی ذات ہے جو توفیق عطا کرتی ہے اور ہر شے خدا ہی سے طلب کرنی چاہیئے۔ وہ قادرِ مطلق ہے۔ وہ اگر چاہے تو ایک مدقوق کو بھی طاقتِ روزہ عطا کر سکتا ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ ایسا انسان جو دیکھے کہ روزہ سے محروم جا رہا ہوں تو دُعا کرے کہ الٰہی یہ تیرا ایک مبارک مہینہ ہے۔ میں اس سے محروم جاتا ہوں اور کیا معلوم کہ آئندہ سال رہوں یا نہ رہوں یا ان فوت شدہ روزوں کو ادا کر سکوں یا نہ کر سکوں۔ اس لئے اس سے توفیق طلب کرے۔ مجھے یقین ہے کہ ایسے قلب کو خدا طاقت بخش دے گا۔ اگر خدا چاہتا تو دوسری اُمتوں کی طرح اس اُمت میں بھی کوئی قید نہ رکھتا۔ مگر اس نے قیدیں بھلائی کے لئے رکھی ہیں۔ میرے نزدیک اصل یہی ہے کہ جب انسان صدق اور کمال اخلاص سے باری تعالیٰ میں عرض کرتا ہے کہ مہینے میں مجھے محروم نہ رکھ، تو خدا اسے محروم نہیں رکھتا۔ اور اسی حالت میں اگر رمضان میں بیمار ہو جائے، تو یہ بیماری اس کے حق میں رحمت ہو جاتی ہے کیونکہ ہر کام کا مدار نیت پر ہے۔ مومن کو چاہیئے کہ وہ اپنے وجود سے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی راہ میں دلاور ثابت کرے۔ جو شخص کہ روزہ سے محروم رہتا ہے۔ مگر اس کے دل میں یہ نیت دردِ دل سے تھی کہ کاش میں تندرست ہوتا اور روزہ رکھتا۔ اس کا دل اس بات کے لئے گریاں ہے تو فرشتے اس کے لئے روزے رکھیں گے بشرطیکہ وہ بہانہ جو نہ ہو تو خدا تعالیٰ ہرگز اسے ثواب سے محروم نہ رکھے گا۔ یہ ایک باریک امر ہے۔ اگر کسی شخص پر اپنے نفس کے کسل کی وجہ سے روزہ گراں ہے اور وہ اپنے خیال میں گمان کرتا ہے کہ میں بیمار ہوں اور میری صحت ایسی ہے کہ اگر ایک وقت نہ کھاؤں تو فلاں فلاں عوارض لاحق ہوں گے اور یہ ہوگا اور وہ ہوگا تو ایسا آدمی جو خدائی نعمت کو اپنے اُوپر گراں گمان کرتا ہے کب اس ثواب کا مستحق ہوگا۔ ہاں وہ شخص جس کا دل اس بات سے خوش ہے کہ رمضان آ گیا اور اس کا منتظر ہی تھا کہ آوے اور روزہ رکھوں اور پھر وہ بوجہ بیماری کے نہیں رکھ سکا تو وہ آسمان پر روزہ سے محروم نہیں ہے۔ اس دنیا میں بہت لوگ بہانہ جُو ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم اہلِ دنیا کو دھوکا دے لیتے ہیں۔ ویسے ہی خدا کو فریب دیتے ہیں۔ بہانہ جُو اپنے وجود سے آپ مسئلہ تراش کر اور تکلفات شامل کر کے ان مسائل کو صحیح گردانتے ہیں۔ لیکن وہ خدا کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ تکلف کا باب بہت وسیع ہے۔ اگر انسان چاہے تو اس کی رُو سے ساری عمر بیٹھ کر ہی نماز پڑھتا رہے اور رمضان کے روزے بالکل نہ رکھے۔ مگر خدا اس کی نیت اور ارادہ کو جانتا ہے جو صدق اور اخلاص رکھتا ہے خدا جانتا ہے کہ اس کے دل میں درد ہے اور خدا اسے اصل ثواب سے بھی زیادہ دیتا ہے کیونکہ دردِ دل ایک قابلِ قدر شئے ہے۔ حیلہ جُو انسان تاویلوں پر تکیہ کرتے ہیں۔ لیکن خدا کے نزدیک

ہفت روزہ پیغام صلح ـــــــ لاہور ـــــــ مؤرخہ ۸ ستمبر ۱۹۷۶ء

# زیارت کعبہ سے محرومی

ہمارے قارئین نے اخبارات میں شائع شدہ یہ خبر پڑھ ہوگی کہ احمدیوں کو حج پر جانے سے روکنے کے لئے راولپنڈی کے دو وکلاء نے وہاں کی ایک عدالت میں مقدمہ دائر کیا ہے اور وزارت مذہبی امور کو بطور فریق مخالف عدالت میں حاضر ہونے کے لئے درخواست دی ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ چونکہ احمدیوں کو قومی اسمبلی غیر مسلم قرار دے چکی ہے اس لئے اس حیثیت سے انہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ حج کریں اور اس طرح دوسرے مسلمانوں کا حق ماریں۔ عدالت تو جو فیصلہ اس سلسلہ میں کرے گی کریگی۔ ہم زیر سماعت مقدمہ پر کوئی تبصرہ کرنے یا رائے دینے کے ہرگز مجاز نہیں۔ وزارت مذہبی امور نے بھی اپنے موقف کی وضاحت ایک بیان میں کر دی ہے کہ جو کوئی اس کی طرف سے جاری کردہ مجوزہ فارم یا حلف نامہ پر دستخط نہیں کرے گا اسے حج پر جانے کی ہرگز اجازت نہیں ہوگی۔ لیکن ہم اپنے ان بھائیوں کی خدمت میں جن کی یہ زندگی بھر کی آرزو اور تڑپ تھی کہ انہیں بھی کبھی حرم کعبہ اور حرم نبویؐ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی سعادت حاصل ہوگی۔ ان کے دل بھی دوسرے مسلمانوں کے دلوں کے ساتھ دھڑکیں گے۔ اور وہ بھی لاکھوں انسانوں کے ساتھ شامل ہو کر اپنے سر خدا کے گھر کی دہلیز پر تضرع۔ عاجزی اور نیاز مندی سے رکھ کر اس سے مغفرت اور غلبۂ اسلام کے لئے مدد کے طلبگار ہوں گے اور جنہوں نے اس خواہش کی تکمیل کے لئے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ کاٹ کر کچھ زادِ راہ بھی پس انداز کر رکھا تھا۔ یہ عرض کریں گے کہ وہ صبر و استقامت سے کام لیں۔ اپنے سینے میں اُبلتے ہوئے ان دکھ اور درد بھرے جذبات کو اپنی آنکھوں کی راہ اللہ تعالےٰ کے حضور میں پیش کریں کیونکہ وہ سینوں کی باتوں کو جانتا ہے۔ اور کوئی ایسا عذر تلاش کرنے کی کوشش کبھی نہ کریں جو آسمان پر ہونے والے فیصلہ میں تاخیر کا موجب بن جائے کیونکہ اس کے فیصلے کو بدلنے والی اس سے اونچی اور کوئی عدالت نہیں۔ دنیوی حکومتوں کے قوانین کے سامنے ہم اگر بے بس و مجبور ہیں۔ تو وہ ہمارے اس احساس محرومی کی شدت سے بخوبی آگاہ ہے۔ ہم پر کوئی الزام نہیں کہ ہم میں سے صاحب استطاعت لوگوں نے یہ فریضہ ادا کرنے میں کیوں کوتاہی کی اور کیوں تغافل سے کام لیا۔ یہ سارا بوجھ ان لوگوں کے کندھوں پر ہے جو ہمیں اس سے منع کرنے کی تدابیر سوچ رہے ہیں۔ "نتیجہ یہ ہے کہ اپنے بوجھ قیامت کے دن پورے اُٹھائیں گے۔ اور ان کے بوجھوں سے بھی (حصہ لیں گے) جنہیں علم کے بغیر گمراہ کر رہے ہیں۔ سُنو بُرا بوجھ ہے جو وہ اُٹھاتے ہیں"۔ (۱۶: ۲۵)

قرآن کریم میں ہم ایسے بے بس و مجبور انسانوں کے لئے بڑا بھاری تسلی کا سامان ہے۔ وہ ایسا بڑا بوجھ اُٹھانے والوں کے لئے فرمایا ہے:۔

"اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں سے روکتا ہے کہ ان میں اس کے نام کا ذکر کیا جائے۔ اور ان کے ویران کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ان کو مناسب نہ تھا کہ ان میں داخل ہوتے مگر ڈرتے ہوئے۔ ان کے لئے دُنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا دکھ ہے۔ اور مشرق اور مغرب اللہ ہی کا ہے پس جدھر تم متوجہ ہوگے ادھر ہی اللہ کی توجہ بھی ہوگی۔ بے شک اللہ بہت دینے والا جاننے والا ہے۔"

ایک عظیم الشان مامور وقت کے دامن سے وابستہ ہونے کی وجہ سے ہمارے لئے یہ اور بھی ضروری ہے کہ ہم اپنے نفس کی آلائشوں سے ایسے پاک و صاف ہونے کی کوششوں میں مصروف ہو جائیں کہ روحانی لذات سے سرشار ہو کر ہم جس طرف بھی منہ پھیریں "اس دینے اور جاننے والے" کی توجہ بھی اسی طرف ہو جائے۔ یہ جہاد بالنفس ہے۔ جب تک نفس کو مغلوب نہ کر لیا جائے ہمارے خیال میں حج کا مقصد پورا نہیں ہوتا ورنہ ؎

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی

واقعات گواہ ہیں کہ کئی بار ناساعد حالات کے پیشِ نظر حج ادا نہیں ہو سکا اور آپ کے ساتھیوں کو حدیبیہ سے واپس ہونا پڑا اور ایسی شرائط صلح قبول کرنے کے بعد یہ واپس ہوئے جن کی وجہ سے اکثر صحابہؓ کے دل اداس اور غمگین تھے اس لئے کہ یہ ان کی غیرت کے لئے ایک چیلنج تھا۔ اور حج سے محرومی ان کے لئے ناقابلِ برداشت تھی مگر انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے سامنے اُف تک نہ کی۔ ترکوں کو سالہا سال یہ سعادت نصیب نہ ہوئی۔ دونوں عالمی جنگوں میں حج بند رہا۔ امن بھی حج کے لئے ایک شرط ہے۔ ہمارے لئے جب امن ہی نہیں تو ہم حج کس طرح ادا کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی ان تمام حالات پر نظر ہے۔ وہ ہماری نیتوں اور ارادوں کو خوب جانتا ہے۔ اس لئے غم اور فکر کی کوئی بات نہیں۔

"پھر اگر تم روکے جاؤ تو جو کچھ قربانی سے میسر آئے کرو" (۲: ۱۹۶)

اس کے علاوہ حج کی کچھ اور شرائط بھی ہیں۔ سب سے پہلی اور اہم شرط زادِ راہ ہے زادِ راہ کی قرآن کریم نے خود تشریح فرما دی ہے:

"اور زاد راہ لے لیا کرو البتہ بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے۔ اور اے عقل والو میرا تقویٰ اختیار کرو" (۲: ۱۹۷)

جس خوش قسمت انسان کو اپنی محنت۔ مشقت اور دیانت داری سے کمایا ہوا سفر خرچ اور اس کے ساتھ دولتِ تقویٰ میسر ہو وہی بیت اللہ اور حرم نبویؐ کی زیارت کا مستحق ہو سکتا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ پاکستان سے جانے والے سارے حاجی ان شرائط پر پورے اُترتے ہیں۔ ان میں سے کون یہ دعوےٰ کر سکتا ہے کہ میری کمائی میں حرام کا ایک شائبہ تک نہیں۔ ہم نے تو یہی دیکھا ہے کہ اس مقصد کے لئے رشوت فریب اور دھوکہ دہی اور کالے کاروبار سے حاصل کی ہوئی دولت صرف ہوتی ہے۔ اور جب حاجی صاحبان فریضہ حج ادا کرنے کے بعد واپس آتے ہیں تو ان کے سامان کی تلاشی محکمہ کسٹم کے لئے دردِ سر بن جاتی ہے۔ گزشتہ سال بھی اخبارات میں کچھ اس قسم کی خبریں پڑھنے میں آئی تھیں کہ بعض حاجی صاحبان کے سامان سے ناجائز طور پر لائی اشیاء برآمد ہوئیں۔ سونے کی درآمد تو ایک واضح حقیقت ہے۔ اس کے لئے زرِ مبادلہ حاصل کرنے کے جو ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں وہ بھی خلاف قانون ہوتے ہیں۔ کیا ہمارے احمدی بھائی جن کے لٹریچر میں تقویٰ پر اتنا زور دیا گیا ہے اور ان کے امام نے فرمایا ہے کہ اگر میری جماعت میں تقویٰ پیدا نہ ہوا تو میرا سارا کاروبار عبث ہے کبھی اس قسم کا حج کرنیکا تصور بھی کر سکتے ہیں؟ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم وہاں جائیں تو حلال کی کمائی اور صاف ستھرا ظاہر و باطن لے کر اور واپس آئیں تو پاک تر اور صاف تر ہو کر نہ یوں کہ "حاجی جب حج کے لئے گیا تو ایک چھوٹا سانپ تھا اور جب واپس آیا تو اژدھا بن کر"۔

ہمارے مشاہدے میں آیا ہے کہ سینکڑوں انسان حج کی آرزو لئے ہوئے اس دُنیا سے رخصت ہو گئے کیونکہ انہیں زادِ راہ میسر نہ تھا مگر ان کے زہد اور تقوےٰ پر کسی کو انگلی اُٹھانے کی جرأت نہ ہو سکتی تھی۔ کیا اللہ کے ہاں ان کے لئے کوئی اجر اس لئے نہیں ہوگا کہ وہ حج سے محروم رہے کوئی مال نہ ہونے کی وجہ سے رک جاتا ہے۔ کوئی کمزوریٔ صحت کے ہاتھوں مجبور ہوتا ہے اور کسی کے لئے دوسرے حالات مانع ہو جاتے ہیں لیکن اگر انسان تقویٰ کی دولت سے مالا مال ہو تو "یہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہوتا ہے اور یہی کامیاب ہونے والا ہوتا ہے" (۲: ۵) حج پر جانے کے لئے شرائط ہیں لیکن تقویٰ کی راہوں پر چلنے کے لئے کوئی قید و بند نہیں۔ اس کی راہیں کھلی اور واضح ہیں مگر بہت باریک بھی ہیں۔ جو لوگ ان باریکیوں کو جان لیتے ہیں پھر خدا کا دامن ان کے

ہاتھ سے کبھی نہیں چھوٹتا۔ جب یہ مقام میسّر آجائے تو وہ جزا و سزا کی بندشوں سے بھی آزاد ہو جاتے ہیں۔ ہر عبادت اس لذّت کا نام ہو جاتا ہے جو انہیں اس کی پناہ میں آنے سے ملتی ہے۔ ان کے لئے دُکھ اور سُکھ۔ رنج و راحت اضطراب و اطمینان کے کوئی معنی نہیں رہتے۔ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ یہی ان کے لئے حج ہوتا ہے۔

اس وقت جبکہ سارا ملک سیلاب کی لائی ہوئی آفتوں کی وجہ سے کرب و بلا میں مبتلا ہے ہمیں حج سے روکنے کے لئے یہ تدابیر حکومتِ وقت کی پریشانیوں میں مزید اضافہ کرنے کے علاوہ ایک اور نظریہ سے بھی کی جا رہی ہیں۔ پاکستان کے اندرونی مخالفین یہ خوب جانتے ہیں کہ اگر احمدیوں کو حج پر جانے کی اجازت دی گئی تو یہ وہاں جائیں گے۔ دوسرے اسلامی ممالک سے آئے ہوئے وفود سے ملیں گے۔ ان سے بات چیت ہوگی۔ سوال و جواب ہوں گے۔ تحقیق و تفتیش کے دروازے کھلیں گے اور اس کا اغلب امکان ہے کہ ان کے معقول دلائل سے وہ لوگ متاثر ہو جائیں . . اور ہمارے "علماء" جو در بدر پھر کر ان کے خلاف زہر اُگل رہے ہیں اس کی قلعی کھل جائے . ۔ اور لوگ جان لیں کہ مذہب کی آڑ میں یہ پاکستان کے خلاف اس کے دشمنوں کی شہ پر ایک سازش تھی۔

حکومتِ وقت نے تو ہمارا سارا کیا دھرا پہلے ہی خاک میں ملا دیا ہے اور اب یہ ہمارے مذموم عزائم بے نقاب ہو کر ہمارے لئے مزید ذلّت و رسوائی کا موجب بن جائیں گے اور ان ممالک میں جو ہمارا تھوڑا بہت وقار تھا وہ بھی ختم ہو کر رہ جائے گا۔ کیونکہ کوئی ایسا اسلامی مُلک نہیں جس میں اولیاء اللہ نہ ہو گذرے ہوں۔ اور خدا اور اس کے رسُول کے عشق میں غرق ہونے کے بعد ان کی زبانوں سے ایسے کلمات نہ نکلے ہوں جو ظاہر بین حافظین شریعت کے نزدیک "کلمات کفر تھے"۔ اور ان کی وجہ سے اس زمانے کے ایسے ہی دنیادار عُلماء نے ان کے خلاف کُفر کے فتوے لگائے۔ انہیں ایذائیں دیں اور اتنا ستایا کہ اس کا ذکر ہم مضمون کے طویل ہو جانے کے خوف سے بیان نہیں کر سکتے۔ اس ملک میں چونکہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے پیروؤں کی اکثریت ہے اس لئے صرف ان کا ذکر کر دینا کافی ہوگا۔ آپ کو زہر دیا گیا جس سے آپ کی وفات واقع ہوئی۔ اس کے بعد جو آپ سے سلوک ہوا وہ قاضی نوراللہ شوستری کی زبان سے سُنئے۔ فرماتے ہیں:۔

"شاہ اسمٰعیل قبر ابو حنیفہ کوفی را کہ در بغداد بود کند و عظام اُو را۔ بسوخت و سگے را بجائے اُو دفن نمود۔ و آن موضع را مزبلۂ اہلِ بغداد ساخت" یعنی شاہ اسمٰعیل نے ابو حنیفہ کوفی کی قبر کو جو بغداد میں تھی اکھاڑا اور اس کی ہڈیوں کو جلایا اور ایک کُتّے کو اس کی جگہ دفن کیا گیا اور اس جگہ کو اہلِ بغداد کا پاخانہ بنایا گیا۔"

اگر کسی نے مزید دیکھنا ہو تو مولنا ابوالکلام آزاد کی تصنیف تذکرہ پڑھے اسے معلوم ہو جائے گا کہ ان بزعمِ خویش شریعت کے ٹھیکیداروں کے ہاتھوں کس کی عزّت و ناموس محفوظ رہی ہے۔ اور کس کس نے دُکھ نہیں اُٹھایا۔ اور اُن کے ظلم ستم کا نشانہ نہیں بنا۔ ہم کیا شکوہ کریں کہ انہوں نے حضرت مرزا صاحب اور ان کی جماعت کے خلاف ایسی ایسی کاروائیاں کیں۔ انہیں ہمیشہ اپنا دنیوی مفاد مدِنظر رہا ہے اور اس کی خاطر یہ سب کچھ کرتے رہے ہیں۔ مسیح موعودؑ کے دعوے کے بعد انہوں نے ہی انگریز حاکمِ وقت کے اشارے پر انعام و اکرام کی لالچ میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مجددِ وقت پر کُفر کے فتوے لگائے اور الزام یہ دیا کہ یہ نبوّت کا مُدّعی ہے۔ حالانکہ آپ نے کتاب حقیقۃ الوحی میں جو ۱۹۰۷ء میں پہلی بار طبع ہوئی اور آپ ۲۶ رمئی ۱۹۰۸ء کو فوت ہوگئے اپنے دعوے۔ مجدّدیت کے حق میں نشانات کا ذکر کرتے ہوئے یوں فرماتے ہیں:۔

"قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علیٰ رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا" (رواہ ابوداؤد) یعنی خُدا ہر صدی کے سر پر اس اُمّت کے لئے ایک شخص مبعوث فرمائے گا جو اس کے لئے دین کو تازہ کرے گا۔"

اور یہی وہ دعوے ہے جو براہینِ احمدیہ میں درج ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ۱۸۸۴ء سے لے کر ۲۶ رمئی ۱۹۰۸ء تک آپ کا ایک ہی دعوے رہا جن لوگوں نے آپ کو ختمِ نبوّت کا مُنکر اور مُدّعی نبوّت قرار دیا ہے انہوں نے بڑے ظلم اور نا انصافی سے کام لیا ہے۔ اگر وہ عدل و انصاف کو ملحوظِ خاطر رکھ کر حقیقۃ الوحی کی ہی اس عبارت کو مدِنظر رکھتے تو ایسا کہنے میں اپنے آپ کو کبھی حق بجانب نہ ٹھہراتے۔ فرماتے ہیں:۔

" والنبوۃ قد انقطعت بعد نبینا صلے اللہ علیہ وسلّم ولا کتاب بعد الفرقان الذی ھو خیر الصحف السابقۃ۔ ولا شریعۃ بعد الشریعۃ المحمدیہ ......... وسمیت نبیاً من اللہ علیٰ طریق المجاز لا علیٰ وجہ الحقیقۃ" اور نبوت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد منقطع یعنی ختم ہو گئی ہے اور قرآن کریم کے بعد جو سب سابقہ صحیفوں سے بہتر اور بڑھ کر ہے کوئی دوسری کتاب نہیں اور نہ ہی محمدی شریعت کے بعد کوئی دوسری شریعت ہے ........ مجھے اللہ تعالےٰ نے مجاز کے طور پر نہ حقیقت کے طور پر نبی کا نام دیا ہے"

(ضمیمہ حقیقۃ الوحی ایڈیشن ۱۹۵۲ء صفحہ ۶۴-۶۵)

اگر مخالفین سلسلہ "قطع" کے معنی "جاری" کریں اور مجاز کو حقیقت بنا کر پیش کریں تو اُن کی اس فریب دہی اور حیلہ سازی کا ہمارے پاس کیا علاج ہے۔ اس اُمت میں جتنے بھی اولیاء اللہ اور مجددین گذرے ہیں وہ سب ہی اس کے قائل رہے ہیں کہ نبی کریم صلعم کی کامل متابعت سے شرف مکالمہ و مخاطبہ ملتا ہے۔ ایسے شخص کو محدث کہا جاتا ہے جس کے لغوی معنے نبی بھی ہیں۔ یہ کس قدر جہالت ہے کہ لغوی معنوں کو سادہ دل اور ناواقف لوگوں کے سامنے "اصطلاحِ شریعت" کے معنوں میں پیش کرکے انہیں دھوکہ سے ورغلا کر بے گناہ انسانوں کے خلاف بھڑکایا جائے اور فتنہ و فساد بپا کرنے پر اُکسایا جائے۔ ہم اس کے ثبوت کے طور پر یہاں حضرت مجدد الف ثانی کا قول پیش کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

" اعلم ایھا الصدیق ان کلامہ سبحانہ مع البشر قد یکون شفاھا وذالک الافراد من الانبیاء وقد یکون ذالک لبعض المکمل من متابعھم واذا اکثر ھذا القسم من الکلام مع احد منھم سمی محدثا۔ یعنی اے دوست تمہیں معلوم ہو کہ اللہ جلشانہٗ کا انسان کے ساتھ کلام کرنا کبھی روبرو ہمکلامی کے رنگ میں ہوتا ہے اور ایسے افراد جو خدا تعالےٰ سے ہمکلام ہوتے ہیں وہ خواص انبیاء میں سے ہیں اور یہ ہمکلامی کا مرتبہ بعض ایسے مکمل لوگوں کو ملتا ہے کہ نبی تو نہیں مگر نبیوں کے متبع ہوتے ہیں اور جو شخص کثرت سے شرفِ ہمکلامی سے نوازا جاتا ہے اس کو محدث بولتے ہیں"

کہئے اب مجدد الف ثانی کو آپ کیا کہیں گے وہ بھی مکالمہ مخاطبہ اور محدثیت کے قائل بلکہ مدعی ہیں۔ اس جرم کے بدلے ان کا تو عرس منایا جائے اور حضرت مرزا صاحب اور ان کے پیرو غیر مُسلم اور کافر ٹھہریں۔ فما لکم کیف تحکمون۔

تزک جہانگیری میں آپ کے ایک مکتوب کے حوالہ سے لکھا ہے:۔

"کہ میں اثنائے سلوک میں مقام حضرت عثمانؓ سے گذر کر مقام فاروقؓ پر پہنچا اور پھر مقام فاروقؓ سے مقام صدیقؓ پر پہنچا۔ اس

مقام سے بھی گذر کر مقام محبوبِ الٰہی میں داخل ہوا جو نہایت ہی منوّر اور نہایت ہی رنگین تھا تو مَیں نے اپنے آپ کو ان انوار اور رنگوں کا منعکس پایا یعنی مقامِ خلفاء سے گذر کر مرتبۂ عالی کو پایا“ (ترجمہ ص۲۷۲)

اسی مقام کے متعلق مولینا رُومیؒ فرماتے ہیں : ؎

او نبیؐ وقت باشد اے مرید
زانکہ زو نورِ نبی آید پدید

مولینا رومی کے متعلق آپ کا کیا فتوےٰ ہوگا - اپنے وقت کے ”تن پرور“ اور ”ضمیر فروش“ علماء سُوء کی جفا شعاریوں سے حضرت شیخ احمد سرہندی بھی محفوظ نہ رہ سکے - جب ان کے دلائل کے سامنے عاجز آ گئے تو فتویٰ دیا

”کہ شیخ احمد نے ایک کثیر جماعت پیدا کر لی ہے اور ہزارہا جاں نثار مرید اس نے اپنے گرد جمع کر لئے ہیں اور قریب ہے کہ کوئی فتنہ پیدا کر دے اور سلطنت پر تصرف کر لے“

جہانگیر نے آپؒ کو گوالیار کے قلعہ میں دو سال کے لئے قید کر دیا - لیکن یہ قید بھی ایک تصرفِ الٰہی تھا - یہی قید ہزارہا کفار کے لئے شمعِ ہدایت و نجات بن گئی -

یاد رکھیئے رقیبوں کی جفائیں شعلۂ عشق کو اور بھڑکاتی ہیں - جن دُنیا پرستوں کے دل حرص و ہوا کے صنم خانے ہیں - وہ لذّتِ آشنائی کو کیا جانیں - آپ ہم پر سب کچھ منع کر دیجئے - ہم سے سب کچھ چھین لیجئے وہ شعائرِ اسلامی ہوں یا کوئی اور چیز - ہمارے دلوں کو ہم سے نہیں چھین سکتے - اگر ہمارے دل صاف ہوئے تو ہم اس کے اندر اپنے محبوب کی جھلک ہر لمحہ دیکھتے رہیں گے اور یہی ہمارا حج ہوگا -

## ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم

(بسلسلہ صفحہ اوّل)

قوّتِ مجاہدہ سے اپنے اخلاق کی اصلاح کر لی ہے - اس پر افلاطون نے ملاقات کی اجازت دے دی - پس خُلق ایسی شئے ہے جس میں تبدیلی ہو سکتی ہے اگر تبدیلی نہ ہو سکتی تو یہ ظلم تھا - لیکن دعا اور عمل سے کام لو گے تب اس تبدیلی پر قادر ہو سکو گے - عمل اس طرح سے کہ اگر کوئی شخص ممسک ہے تو وہ قدرے قدرے خرچ کرنے کی عادت ڈالے اور نفس پر جبر کرے - آخر کچھ عرصہ کے بعد نفس میں ایک تغیرِ عظیم دیکھ لے گا اور اس کی عادت امساک کی دُور ہو جاوے گی - اخلاق کی کمزوری بھی ایک دیوار ہے جو خُدا اور بندے کے درمیان حائل ہو جاتی ہے -

(تقریر ۲۱ اگست ۱۹۰۴ء - بمقام لاہور)

## رَبِّ زِدنی علماً کی دُعا اور اُس کا اثر

قرآن میں بعض چھوٹے چھوٹے جملے ہیں جن میں خدا جانے کتنی طاقت بھری ہوئی ہے کہ ان سے بڑے نتائج اور اثرات پیدا ہوتے ہیں - ایک چھوٹے سے جملہ میں نبی کریم صلعم کو دُعا سکھائی گئی ہے رَبِّ زِدنی علماً - کہنے کو تو یہ تین لفظ ہیں لیکن ان تینوں لفظوں نے نہ صرف محمد رسُول اللہ صلعم بلکہ ساری قوم اور تمام اُمّت کے اندر علم کی ایسی طاقت بھر دی کہ ایک برقی رَو ان کے اندر پیدا ہو گئی - جس کی وجہ سے وہ علم کے لئے بیتاب ہوئے جاتے تھے - ابتداء سے دیکھ لو صحابہ رض سے لے کر تابعین اور تبع تابعین سب کے سب علم کے لئے بیتاب نظر آتے ہیں - یہی دو چیزیں تھیں ایک ایمان کی دولت اور دوسرے علم کا خزانہ جس نے دُنیا کو مالا مال کر دیا - قل ربّ زدنی علماً ہے تو محمد رسُول اللہ صلعم

ص۴۴

کو حکم ہوا، لیکن ساری قوم اس حکم میں شامل ہے اور اس ربّ زدنی علماً نے وہ نظارہ دکھایا ہے کہ وہ زمانہ جو تاریکی کا زمانہ تھا، جس میں علم کا نام تک نہ تھا، اس زمانہ میں علم کی مشعل نے اس قدر روشنی کی کہ تمام دنیا اس سے منوّر ہو گئی -　　(حضرت امیر مرحوم)

## مکتوبِ برلین (احمدیہ مشن جرمنی)

(۱) جناب مولینا محمد یحیٰی صاحب بٹ مبلغِ اسلام، مکرم جنرل سیکرٹری صاحب کی خدمت میں تحریر فرماتے ہیں کہ جرمن زبان میں پمفلٹ پیغامِ اسلام کے لئے جو عطیہ جات ملے ہیں - ان کی تفصیل درج ذیل ہے :-

| | | |
|---|---|---|
| (۱) | شہزادی کاجار تقی صاحبہ | 500.00 مارک |
| (۲) | جرمن نو مسلمہ مبارکہ صاحبہ | 120.00 〃 〃 |
| (۳) | جرمن نو مسلمہ فاطمہ صاحبہ | 100.00 〃 〃 |
| (۴) | جرمن نو مسلم عبداللہ صاحب | 40.00 〃 〃 |
| (۵) | مسٹر ابو سعید عمر از فلسطین | 20.00 〃 〃 |
| (۶) | مسٹر زکی از ٹرکی | 20.00 〃 〃 |
| (۷) | جرمن نو مسلم دان اوگے صاحب | 50.00 〃 〃 |
| (۸) | ڈاکٹر نادر صاحب از ایران | 100.00 〃 〃 |
| | کل رقم | 950.00 〃 〃 |

(۲) گذشتہ ماہ پاکستانی سفارت خانے سے تحریری طور پر اطلاع ملی کہ وزیر محترم مولینا کوثر نیازی صاحب باڈ گوڈس برگ تشریف لا رہے ہیں - اگر ملاقات کرنی ہو تو باڈ گوڈس برگ آجائیں - اطلاع ملنے پر مَیں باڈ گوڈس برگ پہنچا - اپنے ساتھ چند ایک پمفلٹ لے گیا - نیز ہمارے ہاں مسجد میں ہونے والے اجتماعات کی تصاویر اور اخبارات کے کٹنگ وغیرہ بھی اپنے ساتھ لے گیا - مقصد یہ تھا کہ وزیر صاحب موصوف کو مسجد کی تبلیغی مساعی کے بارہ میں اطلاع دی جائے اور انہیں گذارش کی جائے کہ وہ خود ایک بار برلین تشریف لا کر اس مسجد کو دیکھیں -

رات سفر کر کے دوپہر کے قریب وہاں پہنچا - ملاقات کے وقت سے چند گھنٹے پہلے ہی سفارت خانہ پہنچ گیا - اور بشیر بابر صاحب سے مُلاقات کی - بابر صاحب نے گفتگو کے درمیان بتایا - کہ مولینا نیازی صاحب کا پروگرام تبدیل ہو گیا ہے اور وہ پروگرام کے مطابق یہاں نہیں آ سکے - بہرحال بابر صاحب کو مسجد اور اس کی مساعی سے متعارف کرایا - اور انہیں اسلام میں داخل ہونے والوں کے لئے ”ڈیکلریشن فارم“ اور اسلام میں داخل ہو جانے کے بعد نو مسلمین کو جو کارڈ مسجد کی طرف سے دیا جاتا ہے - ان کی ایک ایک کاپی دے دی - تصاویر بھی دکھائیں - پمفلٹ کی ایک ایک کاپی بھی انہیں دے دی - انہوں نے معذرت کی کہ مجھے برلین سے باڈ گوڈس برگ آنے کی تکلیف ہوئی اور وہ مجھے بر وقت پروگرام کی تبدیلی کی اطلاع نہیں دے سکے -

تبلیغی مساعی کی ایک رپورٹ تیار کر کے جلد آپ کو بھیج دوں گا -

ماہِ رمضان انشاء اللہ یہاں برلین میں ۲۷ اگست کو شروع ہوگا اور ۲۴ ستمبر ۱۹۷۶ء کو ختم ہوگا - ۲۱ ستمبر کو لیلۃ القدر کا اہتمام مسجد میں ہوگا اور ۲۵ ستمبر کو انشاء اللہ عید الفطر منائی جائے گی - ماہِ رمضان آپ کو اور جملہ احباب جماعت کو مبارک ہو - دُعاؤں میں برلین مسلم مشن کو بھی یاد رکھیں - جملہ احباب کو السلام علیکم -

خاکسار : محمد یحیٰی بٹ

# تالیفِ قلوب اور تالیفِ کتب
# حضرت مسیح موعودؑ کے دو مقصد
# جماعتِ احمدیہ کی سب سے بڑی ضرورت

حضرت مسیح موعودؑ کے سامنے دو مقصد تھے۔ تالیفِ قلوب اور تالیفِ کتب۔ ان دونوں امور کو آپ نے اپنی زندگی میں کمال تک پہنچایا۔ لوگوں کے دلوں کو اپنی اور اپنے سلسلہ کی طرف اس طرح مائل کر دکھایا۔ باوجودیکہ کفر کے فتووں نے آپ کے خلاف تمام ہندوستان میں ایک آگ لگا دی تھی۔ تاہم جو بھی آپ کے پاس آیا آپ کے اخلاقِ حسنہ اور حسنِ سلوک سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ پھر ایسا ہی تالیفِ کتب کے ذریعہ سے جو علم کلام آپ نے پیدا کیا اس سے بہت دیر تک لوگ فائدہ اُٹھاتے رہیں گے فی الحقیقت تالیفِ قلوب وہ عظیم الشان کام ہے جو انبیاء اور ماموروں کی کامیابی کا سب سے بڑا سبب ہے۔ اور تالیفِ کتب زمانۂ حاضرہ کی اہم ترین خدمت ہے۔ جہاں اس بات کو تسلیم کرنے میں کوئی تامّل نہیں ہو سکتا۔ کہ مذہب کا سب سے پہلا کام دلوں کی تسخیر ہے۔ وہاں جو شخص بھی ادنےٰ تدبّر سے کام لے گا وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ اس سائنس اور علم کے زمانہ میں خدمتِ اسلام کا دعوےٰ بیکار ہے جب تک اسلام کی تائید میں اعلےٰ درجہ کا علم کلام پیدا نہ کیا جائے۔ ممکن ہے گذشتہ قرنوں میں حجروں کے گوشہ نشین زاہد و علماء اسلام کی تائید و نصرت میں بہت ممد و معاون ثابت ہوئے ہوں لیکن آج گوشہ نشینی اور چلّہ کشی سے اسلام کو غالب کرنے کا خیال صحیح نہیں اور اس زمانہ کے زاہد اور علماء؟ ان ہی کی نسبت حضرت مسیح موعودؑ نے کیا سچ فرمایا ہے۔ ع

عالماں را معدنِ شیطاں و فساد از جوشِ نفس
زاہداں غافل سراسر از ضرورت ہائے دیں

## صحیح توازن کی ضرورت

تالیفِ کتب کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ وہ ہر ملک و قوم میں پھیلائی جا سکتی ہیں۔ اور اس طرح تبلیغِ اسلام کا دائرہ صرف اپنے ہی مُلک تک محدود نہیں رہ سکتا بلکہ تمام دنیا اس علم سے فائدہ اُٹھا سکتی ہے۔ جماعت احمدیہ حضرت مسیح موعودؑ کی جانشین ہے اس لئے اس جماعت کا فرض ہے کہ اپنے سامنے وہی اغراض و مقاصد رکھے جو حضرت مجدّدِ وقت کے پیشِ نظر تھے۔ تالیفِ قلوب اور تالیفِ کتب کے اہم فرائض کو ادا کرنے میں جماعت کے اندر صحیح توازن کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ اگرچہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ دونوں کام ایک دوسرے کے ممد و معاون اور لازم و ملزوم ہیں۔ مگر جب تک ان دونوں کاموں کو اپنی اپنی حیثیت نہ دی جائے تب تک یہ اندیشہ ہے کہ ہم مجدّدِ وقت کے راستہ سے دُور نہ نکل جائیں۔ مثلاً اگر ہم یہ خیال کر لیں کہ اسلام پر اعلےٰ درجہ کی تصانیف سے کیا فائدہ ہے۔ ہمارے لئے صرف کافی ہے کہ ہم اسلام کے ارکان و عبادات ادا کرتے رہیں ہمارے اس نمونہ سے دنیا خود بخود اسلام کی طرف کھنچ آئے گی تو یہ سراسر کوتاہ اندیشی ہے۔ لیکن اگر دوسری طرف ہم یہ سمجھ لیں کہ ہمارا مقصد صرف چند کتابوں کا شائع کر دینا ہے۔ اور وہ اعلےٰ درجہ کا علمِ کلام اور حقائق و معارف جو حضرت مسیح موعودؑ سے ہمیں ورثہ میں ملے ہیں محض ان کو ہی تصنیفات کے رنگ میں طبع کرا دینا ہمارے لئے کافی ہوگا۔ بغیر اس کے کہ ہم لوگوں کے قلوب میں حسنِ سلوک اور اخلاقِ حسنہ کے ذریعہ سے گھر کر لیں تو یہ بھی ایک ایسی غلطی ہوگی جو کسی ہماری کامیابی

## جماعتِ احمدیہ کا قیام

براہینِ احمدیہ کے سلسلہ دلائل کو موقوف کر کے حضرت مسیح ناصری کی وفات اور جماعت احمدیہ کے قائم کرنے پر جو توجہ صرف کی۔ اس سے کیا حاصل ہوا۔ کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ آپ اپنی زندگی میں اس سلسلۂ دلائل کو تکمیل تک پہنچا جاتے؟ یا کوئی تفسیر قرآن مجید لکھ جاتے۔ جب خود حضرت مسیح موعودؑ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس زمانہ کا سب سے بڑا مجاہدہ علومِ دینیہ کی ترویج ہے۔ اور یہ امر بھی مسلّم ہے کہ آپ کی قلم میں ایک زبردست قوّت موجود تھی۔ تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ نے اس اصل کام کی طرف سے اپنی توجہ کو ہٹا کر قیامِ جماعت کے جھگڑوں میں پڑنا کیوں پسند کیا۔ یہ اعتراضات اگرچہ بظاہر بہت معقول معلوم ہوتے ہیں۔ اور اسی لئے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہماری جماعت کی بہت سی توجہ عملی طور پر ان اعتراضات کو تسلیم کر چکی ہے۔ یعنے ہم نے جماعت کی وسعت اور تنظیم کو ایک خفیف سا امر سمجھ رکھا ہے۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی اصل شانِ ماموریت سلسلۂ احمدیہ کے قیام میں ہی دکھائی دیتی ہے۔ آپ نے بے نظیر تصنیف براہینِ احمدیہ کی صورت میں شائع کی اور جب لوگوں کے قلوب آپ کے علم کے قائل ہو گئے تو پھر خدا تعالےٰ کے حکم کے ماتحت آپ نے جماعت کے قیام پر تمام قوّت صرف کر دی۔

## تالیفِ کتب اور حضرت مسیح موعودؑ

اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ تالیفِ کتب کے لئے اخلاقِ فاضلہ کا ہونا ضروری نہیں۔ ایک انسان جو دماغی قابلیّت رکھتا ہے۔ اور جس نے اپنے آپ کو تالیف کے کام میں لگا دیا ہے وہ اچھی سے اچھی تصنیف کر سکتا ہے۔ بلا لحاظ اس امر کے کہ اس میں بے نفسی اور ایثار کے اعلےٰ جوہر موجود ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ اسی سلسلہ براہین کو جاری رکھ کر بہت بڑی شہرت اور عزّت حاصل کر سکتے تھے۔ اور مال و دولت بھی کما سکتے تھے۔ لیکن خدا کے ماموروں کو تو ان چیزوں سے کچھ علاقہ نہیں ہوتا۔ بلکہ برخلاف اس کے اپنی عملی زندگی سے وہ لوگوں پر ثابت کر دیتے ہیں کہ دُنیا کی ہر ایک شئے حتیٰ کہ جائز طور سے پیدا کردہ عزّت و مال بھی خدا کی راہ میں قُربان ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ نے ایسا ہی کر کے دکھلا دیا۔ اعلےٰ قسم کا لٹریچر پیدا کر کے عزّت و شہرت حاصل کی۔ مگر جماعت کے قیام کی خاطر نہ صرف اس عزّت کو قربان کر دیا بلکہ ہر قسم کی تکلیف اُٹھائی۔

## علمِ کلام کا سلسلہ جاریہ

غرض ایک طرف تو دُنیا نے بے نفسی کا کامل نمونہ مشاہدہ کیا دوسری طرف حضرت مسیح موعودؑ نے جماعت کو قائم کر کے اسی سلسلۂ علمِ کلام کے لئے ایک ایسی صورت پیدا کر دی جو ہمیشہ تک قائم رہے گی۔ اگر حضرت مسیح موعود جماعت قائم نہ کرتے اور اپنی توجہ سے زیادہ علم لکھ جاتے تو صرف اتنی ہی بات ہوتی کہ ایک شخص کے دماغ سے نکلا ہوا علم دُنیا کے پاس رہ جاتا۔ جو کسی صورت میں تمام انسانوں اور تمام پیش آمدہ ضروریات کو کفایت نہ کر سکتا لیکن برخلاف اس کے جماعت احمدیہ کے قیام سے علمِ کلام کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے جاری ہے۔ مختلف اوقات میں مختلف دماغ اس کام کو بہترین طور پر سرانجام دے سکتے ہیں اور دے رہے ہیں۔ پس حضرت مسیح موعودؑ نے پہلے تو خود علم پیدا کیا۔ اس کے بعد اس سے اعلےٰ و ارفع یہ کام کیا کہ بجائے علم کے عالم پیدا کر دیئے اور بجائے تصنیف کے مصنّف پیدا کر دیئے۔ پس سوال یہ ہے کہ معارف و نکات عالیہ کو کتابوں میں سے نکال کر دُنیا کے سامنے پیش کر دینا زیادہ افضل ہے، یا انسانی قلوب کے اعلیٰ جوہروں کی نشو و نما کا سامان پہنچانا؟ کیا اعلےٰ مضمونوں کو آپس میں ربط دے دینا اور اسے احاطۂ رقم میں

(باقی بر صفحہ ... کالم ...)

جناب ڈاکٹر خورشید عالم ترین صاحب

# قرآن اور سائنس

{ یہ تقریر بر موقعہ جلسہ سالانہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہند { منعقدہ بمقام یاڑی پورہ کشمیر۔ اگست ۱۹۷۶ء میں کی گئی۔ }

صاحب صدر اور حاضرین!

میرا آج کا موضوع ہے :۔ "قرآن اور سائنس"۔

مَیں نے اکثر مسلمانوں کو یہ کہتے سُنا ہے کہ قرآن کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی اور علم خاص کر سائنس کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ یہ خیال درست نہیں۔

کسی بھی ہستی کو پُورے طور پر جاننے کے لئے دو چیزوں کی جانکاری اشد ضروری ہے۔ (۱) اس کا قول (۲) اس کا فعل۔ یہی بات اللہ تبارک و تعالےٰ پر صادق آتی ہے۔ یہ درست ہے کہ اللہ تعالےٰ کا قول قرآن پاک کی شکل میں تا ابد ہمارے پاس ہے۔ لیکن خدائے بلند و برتر کا فعل تو کائنات میں ہی ہویدا ہے۔ پس اُسی کے فعل کی جانکاری کے لئے کائنات کا مطالعہ ازبس ضروری ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے :۔

وسخّر لکم ما فی السمٰوات وما فی الارض جمیعًا منہ
انّ فی ذالک لاٰیٰت لقوم یتفکرون (جاثیہ ۴۵۔ آیت ۱۳)

ترجمہ: اور جو کچھ بھی زمین اور آسمانوں میں پایا جاتا ہے وہ سب کا سب تمہارے لئے مسخر کر دیا گیا ہے۔ بے شک ان چیزوں میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے اللہ تعالےٰ کی بے شمار نشانیاں رکھی گئی ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا:۔

وما خلقنا السماء والارض وما بینھما باطلًا
(ص ۳۸۔ آیت ۲۷)

ترجمہ: (اے انسان!) ہم نے زمین اور آسمانوں اور اُن کے درمیان پائی جانے والی چیزوں کو خالی از حکمت پیدا نہیں کیا۔

یہی وجہ ہے کہ جوں جوں خدا کے فعل کے متعلق انسان کی معلومات بڑھتی جاتی ہیں توں توں اس کا علم و عرفان، ایمان و ایقان بھی ترقی کرتا جاتا ہے اور بالآخر اُس کے منہ سے بے اختیار یہ الفاظ نکلتے ہیں :۔

ربّنا ما خلقت ھٰذا باطلًا۔

اے ہمارے ربّ واقعی اس کائنات کو آپ نے خالی از حکمت نہیں بنایا۔

خدا کے فعل سے جانکاری ہی خشیتِ الٰہی کا موجب بنتی ہے۔ جیسا کہ فرمایا:۔

اِنّما یخشی اللہ من عبادہ العلمٰٓؤ (فاطر ۳۵۔ آیت ۲۸)

بیشک اللہ کے بندوں میں علماء ہی اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔

سائنس کیا ہے؟ اللہ کے اسی فعل کو سمجھنے کی انسانی کوشش۔ مندرجہ بالا کی رُو سے قرآن اور سائنس میں چولی دامن کا واسطہ ہے۔ البتہ اس قدر ملحوظِ خاطر رہے کہ قرآن پاک میں اللہ کا قول اللہ تعالےٰ ہی کے ہاتھوں درج ہوا ہے۔ پس اس کا ہر فیصلہ اٹل اور آخری ہے۔ لیکن سائنس چونکہ انسانی کاوش ہے اس میں غلطی کا احتمال عین ممکن ہے۔ اندریں صورت قرآنی فرمودات کو توڑ مروڑ کر لامحل سائنس کے مطابق بنانا ایک بھاری غلطی ہے۔ یاد رکھئے کہ جب کبھی سائنسدان کوئی نظریہ قرآن پاک کے واضح ارشادات کے خلاف پیش کریں گے آگے چل کر ضرور وہ نظریہ غلط ثابت ہوگا۔ تاریخ گواہ ہے کہ واقعی ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ ذرّہ (ATOM) کے بارے میں کل تک یہ نظریہ تھا کہ ذرّہ مادہ (MATTER) کا ادنیٰ ترین جزو ہے۔ جس کو مزید توڑا نہیں جا سکتا۔ حالانکہ اس کے برعکس قرآن پاک میں صاف آیا تھا کہ ذرّہ سے چھوٹی اور ذرّہ سے بڑی اشیاء بھی ممکن ہیں۔ آج ایٹم تو ایٹم پروٹران (PROTRON) تک سالم نہ رہ سکا۔ اسی طرح کل کے سائنسدان مادہ کو غیر فانی قرار دیتے تھے۔ اور قرآن کریم میں کُلّ من علیھا فان آیا ہے۔ آگے چل کر قرآنی نظریہ ہی درست نکلا۔ چنانچہ ریڈیم کو لیبارٹری میں فنا ہوتے مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

ان تمہیدی فقرات کے بعد ہم اصل موضوع کو لیتے ہیں۔ مجھے آدھ گھنٹہ وقت ملا ہے۔ اس قلیل سے وقفے میں سارے امور زیرِ بحث نہیں لائے جا سکتے۔ مختصرًا عرض کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے :۔

وفی الارض اٰیاتٌ للموقنین۔ وفی انفسکم افلا تبصرون
(الذاریات ۵۱۔ آیت ۲۰ و ۲۱)

ترجمہ: اور زمین میں (اللہ تعالےٰ نے) یقین رکھنے والوں کے لئے بے شمار نشاناتِ قدرت رکھے ہیں۔ (اے انسانو اگر تم ساری زمین میں گھوم نہیں سکتے، تو پھر تمہاری آسانی کے لئے ہم نے) خود تمہارے جسموں کے اندر اپنی قدرت کی نشانیاں رکھ دی ہیں۔ تو پھر تم اُن کو دیکھنے کے لئے بصارت پیدا کیوں نہیں کرتے۔

آیئے جسم میں پائی جانے والی ان نشانیوں کی کسی قدر نقاب کشائی کریں۔

(۱) ہمارا ننھا سا دِل چوبیس گھنٹوں میں اس قدر خون پمپ کرکے خون کی نالیوں میں بھیجتا ہے کہ اگر یہ سارا جمع کر دیا جائے تو قریباً پانچ ہزار گیلن کا تالاب بھر سکتا ہے۔ کیا یہ بات معجزہ سے کم ہے؟

(۲) دِل کے ہر مربع ملی میٹر (یعنی بال کے برابر حصہ) میں ۲۳۴۲ خون کی نالیاں ہوتی ہیں جن میں خون دَورہ کرتا ہے۔

(۳) آپ نے گُردہ تو دیکھا ہوگا۔ کتنا چھوٹا سا عضو ہے۔ لیکن اس میں بھی ہر منٹ ۱۳۰۰ ملی میٹر خون صاف ہوتا ہے۔

(۴) چلنے پھرنے، کام کرنے، بولنے، سننے، دیکھنے، سوچنے۔ غرض ہر کام کے لئے جسم اپنی انرجی (طاقت) خرچ کرتا ہے۔ اگر ۲۴ گھنٹے میں صرف ہونے والی انسانی انرجی کو یکجا کیا جائے تو ۴۵۰ ٹن (ٹن ۲۸ من کے قریب ہے) کا بوجھ ایک فٹ اُونچا اُٹھایا جا سکتا ہے۔

(۵) انسانی دماغ کھوپڑی کے چھوٹے سے گوشے میں محدود ہے۔ لیکن اس میں ساری کائنات سمائی ہوئی ہے۔ کیا یہ معجزہ نہیں

کھانا پینا انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ موت سے قبل اس سے مَفر نہیں اس بارے میں قرآن کریم کا یہ پُرحکمت ارشاد ملاحظہ ہو۔

کلوا مما فی الارض حلالًا طیّبًا (البقرہ ۲۔ آیت ۱۶۸)

جو کچھ زمین میں (بزنگ رزق) پایا جاتا ہے اُس سے صرف حلال اور طیب چیزیں کھاؤ۔

یہاں دو شرطیں لگائی ہیں۔ یعنی کھانے پینے والی چیز (۱) حلال ہو۔ یعنی اُس کے کھانے کے شریعت اسلامیہ میں اجازت ہو۔

(۲) وہ چیز طیب ہو۔ طیب تر و تازہ اور صاف ستھری چیز کو کہتے ہیں۔ پس کھانا صاف ستھرا اور تازہ ہو۔ باسی یا گندگی سے آلود کھانا طیب نہیں۔ طیب کے یہ معنی بھی ہیں کہ وہ چیز جس کو کھا کر جسم فرحت محسوس کرے۔ وہ چیز جس کو کھا کر انسان کسی طور جسمانی تکلیف یا سختی پائے طیب نہیں۔ مثلًا انڈا حلال ہے۔ مگر جس شخص کو انڈا کھانے سے الرجی (ALLERGY) ہوتی ہو اُس کے لئے انڈا حلال ہوتے ہوئے بھی طیب نہیں۔ یہی حال ادویات کا ہوگا۔ ہر وہ دَوا جس کے کھانے سے الرجی ہو جائے وہ باوجود مفید ہونے کے طیب نہیں رہتی۔ یاد رہے غیر طیب اشیاء کا استعمال موت کا پیش خیمہ بھی بن سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدائے حکیم و خبیر نے یہ اعلان کر رکھا ہے :۔

لا تحرّموا طیّبٰت (المائدہ ۵۔ آیت ۸۷) طیب چیزوں

چیزوں کو ہرگز تنگ مت کرو۔
رزقکم من الطیبٰت (یاد رکھو تمہارا رزق صرف طیّبات میں رکھا گیا ہے)
اللہ اللہ کیا پُر حکمت انکشاف ہے۔
پچھلے دنوں ابر کی وجہ سے سُورج کی شکل خواب ہوگئی تھی۔ آیئے آج آپ کو اسی کے بارے میں ایک نئی بات بتاتے ہیں۔ یہ بات اسلامی لٹریچر میں آج تک نہیں آئی ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:—

جعل الشمس سراجًا

خُدا نے سُورج کو ایک روشن چراغ بنایا۔
سراج اس چراغ کو کہتے ہیں جس میں تیل اور بتّی جل رہے ہوں۔ چنانچہ سُورج میں بھی تیل و بتّی کی طرح (HELIUM) جل رہی ہے۔ اسی HELIUM کی بدولت روشنی پیدا ہوتی ہے۔
دوسری جگہ سراج کے ساتھ ایک اور لفظ کا اضافہ کیا ہے۔ فرمایا ہے:—

وجعلنا سراجًا وّھاجًا ( )۔

سُورج کو ہم نے علاوہ سراج کے وہاج بھی بنایا۔
وھاج وہ چیز ہے جس سے گرمی کی شعاعیں پھوٹیں۔ چنانچہ سائنس کی آج یہ مسلّم حقیقت ہے کہ گرمی کی شعاعیں ست رنگہ (سفید روشنی) سے ایک علیحدہ چیز ہیں۔ ان کو (INFRA RED RAYS) انفرا ریڈ ریز کہا جاتا ہے۔ انسانی آنکھ ان کو دیکھنے سے قاصر ہے۔ لیکن خاص قسم کی کیمرہ فلم پر اس کا اثر ریکارڈ کیا جا سکتا ہے۔ ان شعاعوں کی دریافت عصرِ جدید کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ لیکن ذرا قرآن پاک کا چودہ سو سال کا یہ بیان ملاحظہ فرمائیں:—

وما یستوی الاعمٰی والبصیر ولا الظلمٰت ولا النور ولا الظل ولا الحرور۔

اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں۔ نہ ہی اندھیرا اور نور برابر ہیں اور نہ ہی سایہ اور حَرُور برابر ہیں۔
یہاں قرآن پاک نے نور (سفید روشنی) اور حرارت والی شعاعیں ایک نہیں۔ فھوالمراد۔
قرآن کریم میں آتا ہے:—

مرج البحرین یلتقیٰن بینھما برزخٌ لا یبغیٰن (سورۃ الرحمٰن)

ترجمہ: اسی نے دو دریا چلائے جو باہم ملتے ہیں اور ان دونوں کے درمیان آڑ ہے جس سے آگے نہیں گذر سکتے۔
عام طور پر اس سے مراد بحر فارس اور بحرِ روم لیا گیا ہے۔ جن کو نہر سویز نے ملا دیا ہے۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ ایک چیز کا نام اس چیز کے جزو پر بھی بول دیا جاتا ہے۔ مثلاً جب یہ کہا جائے کہ میں نے روٹی کھائی۔ تو مراد سالم روٹی بھی ہو سکتی ہے اور اس کا ایک حصہ بھی۔
سمندر کے اندر گرم اور سرد پانی کی رَویں چلتی ہیں۔ پانی کا یہ دریا سمندر کے اندر ایسے ہی آسانی سے گذر جاتا ہے جیسے کوئی گاڑی یا ٹرین کسی سرنگ (TUNNEL) سے گذرتی ہو۔ مجال نہیں کہ گرم یا سرد پانی کی یہ رویں اپنے مضر اثرات سے سمندر کے پانی کو متاثر کر سکیں۔ کیونکہ ان کے اور سمندر کے پانی کے درمیان ایک برزخ (آڑ) ہے جسکو THERMOCLINE کہا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں اکثر جھیل ان میں بستہ ہو جاتی ہے۔ لیکن جھیل میں پانی جانے والی مخلوق محفوظ ہوتی ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس وقت وہاں بھی ایک برزخ پیدا ہو جاتا ہے۔ جو سردی کے اثرات کو اُوپر والی تہ تک محدود کر دیتا ہے۔ یہ ایک بالکل جدید دریافت ہے۔ لیکن عرب کے اُمّی (فداہ امّی

و (ابی) نے چودہ سو برس قبل یہ راز بتا دیا۔ کیونکر بتا دیا؟ اس پر سامعین حضرات ضرور تفکّر فرمائیں۔
سائنس کے مطالعہ سے ہمارے بہت سارے دینی مسائل بھی آسان ہو جاتے ہیں۔ مثلاً قیامت کو لیں۔ دہریہ قیامت کا منکر ہے۔ وہ اس کائنات کو غیر فانی مانتا ہے۔ لیکن آج اگر ایٹمی جنگ ہو جائے تو کیا قیامت کا نقشہ سامنے نہ آجائے گا۔ ویسے بھی اس کائنات کو آخرکار ختم ہو جانا ہے۔ کیونکہ سائنسدانوں کا اعتراف ہے کہ سُورج ہماری طرف یہ جو روشنی اور گرمی بھیجتا ہے اس سے اس کی انرجی میں کمی ہوتی جاتی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق سُورج کا ہر روز ۳۶۰۰ ارب ٹن وزن کم ہو جاتا ہے۔ سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا جب سُورج کا ایندھن ختم ہو جائے گا۔ اور وہ اپنی شعاعیں زمین کی طرف بھیج نہ سکے گا وہی کائنات کا خاتمہ ہوگا۔ یہی بات قرآنِ پاک میں بھی آئی ہے۔ واِذا الشّمس کُوّرَت۔ یعنی سُورج کو لپیٹ لیا جائے گا۔ اور وہ اپنی شعاعیں بھیجنے کے قابل نہ رہے گا۔
قرآن کریم میں آتا ہے:—

ونکتب ما قدّموا و اٰثارھم (سورۃ یٰسٓ)

یعنی جہاں آخرت کے لئے انسانی افعال و اعمال لکھ لئے جاتے ہیں وہاں ان کا اثر دُنیا میں رہ جاتا ہے۔
سینما آپ کے سامنے ہے۔ کئی ایکٹر مُدّتوں پہلے مر گئے لیکن سینما کی ریل پر اُن اثر آج بھی باقی ہے۔ ٹیپ میں ہماری آواز بند ہو جاتی ہے INFRA RED RAYS نے تو اور بھی کمال کر دیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر گرم چیز سے گرمی خارج ہوتی ہے۔ یہ گرمی کیا ہے یہی انفرا ریڈ ریز۔ اب دیکھئے! ایک آدمی کرسی پر بیٹھا اور چلا آیا۔ اس کے جسم کی گرمی کے آثار وہیں رہ گئے جن کو انفرا ریڈ ریز فلم پر دیکھا جا سکتا ہے۔ اسی طرح رات کے وقت بھی بلا روشنی کے تصویریں لی جاسکتی ہیں۔
قرآن پاک میں آتا ہے کہ قیامت کے دن ہاتھ پاؤں وغیرہ گواہی دیں گے۔ یہ چیزیں یہاں بھی گواہی دیتی ہیں۔ دنیا کے بے شمار مجرم اپنے فنگر پرنٹ (FINGER PRINT) یعنی انگلیوں کے نشان ہی سے پکڑے گئے ہیں۔ ہر انسان کی انگلیوں کے نشان دوسرے انسان سے الگ ہوتے ہیں۔
بعض اوقات ایک مجرم بُوٹ کے نشان، رومال، فوٹو یا بال غرض کسی نہ کسی نشان سے پکڑا گیا ہے۔
اس موضوع پر اور بھی بہت کچھ عرض کیا جا سکتا ہے لیکن وقت کی کمی کے باعث اسے آئندہ پر اُٹھا رکھتا ہوں اور اپنی تقریر ختم کرتا ہوں۔

## تالیفِ قلوب اور تالیفِ کتب

(بسلسلہ صفحہ ۶)

لانا اخلاقِ عالیہ کا مظہر ہے یا انسانی قلوب کو اتحاد و محبت کی کڑیوں میں منسلک کر کے دکھانا؟ وہ اعتراض کرنے والے غور کریں۔ کہ ان دونوں کاموں میں سے کونسا سہل کونسا ادنیٰ اور کونسا اعلےٰ ہے

**مؤدّبانہ التماس** جب ہم مجدّدِ وقت کی متابعت کا دعویٰ کرتے ہیں تو ہمارے لئے بہت غور اور فکر کا مقام ہے جماعتِ احمدیہ کی مقتدر ہستیوں کو لازم ہے وہ اس پر غور کریں کہ جہاں ان کے اعلےٰ درجہ کے ایثار اور بینظیر کام کی وجہ سے دُنیا پر اُن کا ایک اثر قائم ہو چکا ہے وہاں اَب اُن کا فرض ہے کہ جماعت احمدیہ کی وسعت و تنظیم میں اپنی تمام تر توجہ کو لگا دیں۔ اسی سے ان کے اعلےٰ جوہر بے نفسی اور قربانی و ایثار کے دُنیا پر ظاہر ہو سکیں گے۔ اسی سے وہ دلوں کو اپنی طرف کھینچ سکیں گے یہی وہ بات ہے جس سے وہ حقیقی طور پر خدا کے مامور کے جانشین کہلانے کے مستحق ہونگے اسی امر میں جماعت احمدیہ کی اصل عزت و وقار مضمر ہے۔ اسی سے علم کلام کا سلسلہ ابد تک جاری رہنے کا سامان ہو سکے گا۔ یہی وہ بات ہے جس سے حقیقی طور پر اُنکی عزت و طاقت قائم رہے گی وہ بجائے علم کے عالم پیدا کریں گے اور بجائے تصنیف کے مصنف چھوڑ جائیں گے۔ ایک عاجز کے پاس مؤدبانہ التماس کے اور کیا رکھا ہے۔ خدا تعالیٰ مقلب القلوب ہے

راجہ عبدالمجید صاحب۔ چھکسی ملتان

# ایک مکتوب

## بنام جناب مدیر صاحب "نوائے وقت" لاہور

### (قسط نمبر ۳)

(۲) اب ایک حوالہ عارف ربانی والمعدن الصمدانی سید عبدالکریم ابن ابراہیم الجیلانی رحمۃ اللہ علیہ مطبع الازہریۃ المصر سنہ ۱۳۲۶ھ :-

ترجمہ :- "محققین میں سے جو لوگ صرف اپنے نفس کی اصلاح تک محدود رہتے ہیں وہ مقام نبوت میں آنحضرت صلعم کے قائم مقام ہوتے ہیں۔ اور ان میں سے جو ہدایت اور ارشاد کا کام کرتے ہیں جیسا کہ ہمارے بزرگ مشائخ عظام کرتے تھے۔ تو وہ مقام رسالت میں آنحضرتؐ کے نائب ہوتے ہیں۔ دین صفحۂ دنیا پر ہمیشہ قائم رہے گا۔ جب تک پاک طائفہ میں سے ایک بھی موجود ہے۔ کیونکہ یہ لوگ حضور صلعم کے خلفاء ہیں اور آپ کے دین کی اسی طرح حفاظت کرتے ہیں جیسا کہ ایک چرواہا بکریوں کی یہ آپ کے دینی بھائی ہیں۔ جن کی طرف حضورؐ نے اپنی اس حدیث میں ارشاد فرمایا "مجھے اپنے ان بھائیوں سے ملاقات کا ازحد شوق ہے۔ جو میرے بعد آدیں" الحدیث، یہ وہ اولیاء ہیں جو مقام نبوت رکھتے ہیں۔ لیکن اس سے مراد نبوت تشریعی نہیں بلکہ اس نبوت سے مراد قرب الٰہی۔ اطلاع علی الغیب اور حکم الٰہی کا ظاہر کرنا ہے کیونکہ نبوت تشریعی آنحضرت صلعم پر ختم ہوگئی۔ یہ لوگ بغیر کسی واسطہ کے انبیاء علیہم السلام کے علوم سے دنیا کو آگاہ کرتے ہیں۔

(۳) ترجمہ: "ان میں جو آنحضرتؐ سے قبل لوگوں کو دعوت الی اللہ دیتے تھے وہ رسول ہوتے تھے۔ اور جس نے آنحضرت صلعم کے بعد ارشاد و تبلیغ کا کام کیا وہ حضورؐ کا خلیفہ ہے۔ لیکن ایسا مستقل طور پر کوئی دعوےٰ نہیں کر سکتا بلکہ آنحضور کا تابع ہوتا ہے۔ جیسا ہمارے بزرگ صوفیائے کرام مثلاً حضرت بایزید بسطامی۔ حضرت جنید بغدادی۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی۔ حضرت محی الدین ابن عربی وغیرہم۔ ان میں سے جو ارشاد و تبلیغ کے لئے مامور نہیں ہوتا۔ بلکہ حسب اطلاع الٰہی مخلوقات کے دیگر امور سرانجام دیتا ہے نبی ہوتا ہے جو نبوت ولایت رکھتا ہے۔ پھر اگر یہ چیز اسے مستقل طور پر بغیر اتباع اپنے سابق کے حاصل ہو تو وہ نبی ہوتا ہے جو نبوت تشریعی رکھتا ہے۔ اس نبوت کا دروازہ آنحضرتؐ کے بعد مسدود ہو چکا ہے۔"

(انسان کامل۔ صفحہ ۸۶ جلد نمبر ۲)

درجہ بالا تین حوالوں میں نمبر ۱ حضرت مرزا صاحب کا ہے۔ اور باقی دو اور بزرگوں کے ہیں۔ پڑھ کر دیکھیں کہ ان حوالوں میں فرق ہے۔ یا تینوں ایک بات بیان کرتے ہیں۔ اگر ان تینوں میں ایک ہی مسلک بیان کیا گیا ہے تو نمبر ۳ حوالہ میں جن بزرگوں کے نام ہیں وہ بھی اسی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کو آپ کیا کہیں گے۔ کہ وہ مسلمان ہیں یا غیر مسلم۔

آپ کو بتا دینے کے بعد کہ مرزا صاحب نے وہی کچھ کہا ہے۔ جو ۱۱ سال سے اُن سے پہلے آنے والے بزرگوں نے کہا۔ میں پھر اپنے اصل موضوع کی طرف آتا ہوں۔ سنہ ۱۹۱۴ء میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی بنیاد رکھنے کے بعد سے آج تک جو کام مولانا محمد علی صاحب اور اُن کے گروہ (جو حضرت مرزا صاحب کو مجدد مانتا ہے۔ یعنی مرزا صاحب کے صحیح مسلک پر قائم ہے) نے کیا۔ اس کے بارے میں غیر ممالک اور ہندوستان کے اخبارات اور مصنفین کی آراء اس جماعت اور جماعت کے مولانا محمد علی صاحب کے متعلق سنئے:-

(۱)۔ (انڈین اسلام صفحہ ۲۱۷ مصنفہ ٹائٹس):-

"تحریکِ احمدیت حقیقتاً ایک اشاعتِ اسلام کی سوسائٹی بن گئی اگرچہ پرانے خیال کے علماء اب تک اسے شک کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔"

"اس وقت احمدی جماعت دنیا میں سب سے زیادہ اشاعت اسلام کرنے والی جماعت ہے۔"

(۳) انفلوئنس آف اسلام صفحہ ۱۰۹ مصنفہ ای جے۔ بونٹس:-

"احمدیت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی ........... لاہور کی جماعت جو زیادہ کام کرنے والی ہے۔ تہیّہ کر چکی ہے کہ مغربی دنیا میں اسلام کو پیش کر کے کامیابی حاصل کرے ............ ترجمہ قرآن انگریزی ایڈیشن جو ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی ایک نئی روشنی کے آدمی کی تصنیف ہے ........ اس احمدیہ ترجمہ کا سب سے پہلا کام یہ ہے۔ کہ وہ مقامات جن پر اعتراض ہوتے ہیں انہیں صاف کیا جائے ........ دوسرے مترجم نے بڑا زور لگایا ہے۔ کہ اسلام ایک بہت بلند مذہب ہے۔ تیسرے وہ مسیح کے مذہب کو ناقص ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔"

(۴) انڈین اسلام صفحہ ۲۳۹:-

"(احمدیت میں) ہم عیسائیت کے خلاف نئے سے نیا اور نہایت جارحانہ پروپاگنڈہ پاتے ہیں۔ جو پہلے کبھی دنیا میں پیدا نہیں ہوا اور یہاں سے دنیا بھر میں بیرونی مشن قائم کئے جا رہے ہیں۔"

(۵) مسلم ورلڈ۔ مصنفہ پادری زویمر۔ جلد نمبر ۱۲:-

"لاہور کی جماعت جو اصل قوم سے علیحدہ ہوگئی ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ بانیٔ سلسلہ کو مجدد تسلیم کرتے ہیں۔ نہ کہ نبی وہ اسلامی رائے عامہ کے زیادہ قریب ہیں۔ ان کا اثر اس سے بہت زیادہ وسیع ہے۔ جو ان کی تعداد سے قیاس ہو سکتا ہے۔ ان کے دائرہ عمل میں تمام اس بات پر زور ہے۔ کہ اسلام ہی صرف ایک ایسا مذہب ہے جو عقل اور فطرت کے عین مطابق ہے ........ بہت سے تعلیم یافتہ مسلمان مانتے ہیں کہ اسلام کے دفاع اور اس کی حفاظت کے لئے جو ان کا موقف ہے۔ وہ اسی کے ذریعہ علمی رنگ میں اسلام کے وفادار رہ سکتے ہیں۔"

(۶) مسلم ورلڈ۔ جلد نمبر ۲۱:-

"مسلمانوں میں فرقہ داری کی رُوح عام طور پر سرایت کر گئی ہے مگر اس سے ایک دلچسپ استثناء احمدی ہیں۔ وہ صرف مذہبی اشاعت پر سارا زور صرف کرتے ہیں اور سیاست سے الگ رہتے ہیں ........ موجودہ اسلام میں یہ ایک قابلِ ذکر گروہ ہے۔ جن کے مقاصد صرف تبلیغی ہیں۔"

(۷) دی اوریئنٹ۔ ایڈیٹر مسٹر فلائٹس مین۔ مئی ۱۹۳۷ء:-

"ایک جماعت کے لیڈر مسیح موعود کے لڑکے ہیں ........ دوسری جماعت اصل احمدیت کہلانے کی مستحق ہے ........ اس کے ممبران نے قیمتی لٹریچر پیدا کیا۔ مثلاً انگریزی و ڈچ ترجمۂ قرآن جن کی ہزاروں کاپیاں مفت تقسیم کی گئی ہیں۔"

(۸) مولانا محمد علی جوہر (مدیر کامریڈ) اپنی خود نوشت سوانح حیات میں لکھتے ہیں:-

"ایک مشفق دوست نے ایک ایسا تحفہ ہمیں بھیجا جس سے بڑھکر

اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ یہ قرآن کریم کا نسخہ تھا......
انگریزی زبان میں نہایت صحیح ترجمہ اور معلومات سے بھرے ہوئے
نوٹ درج ہیں جو کہ قرآن کریم کی تفسیر اور صحف یہود و نصاریٰ
کے گہرے مطالعہ پر مبنی ہیں......... اس جماعت کے کچھ ممبر
انگلستان میں تبلیغ اسلام کا کام کر رہے ہیں.......... یہ ترجمہ
اور اس کے حواشی اس زہر کا نہایت ضروری تریاق ہیں جو سیل
راڈویل اور پامر جیسے انگریزی مترجمین کے فٹ نوٹوں میں پایا جاتا ہے۔"

(۹) الحاج حافظ غلام سرور مترجم قرآن :—

"پچھلے بتیس[۳۲] سال سے مولانا محمد علیؒ نے اپنے آپ کو خدمتِ اسلام
کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ ان کا انگریزی ترجمہ قرآن صرف ایک
ہی کتاب نہیں ہے........ مگر اس وجہ سے اُن کا نام قرآن
کی خدمت کرنے والوں میں ہمیشہ زندہ رہے گا.........انگریزی زبان
میں کوئی ترجمہ یا تفسیر قرآن ایسی نہیں جو مولانا محمد علی صاحب
کی اس معرکۃ الآراء تصنیف کا مقابلہ کر سکے۔"

(۱۰) مسٹر ایس۔ ایچ۔ لیڈر (انگلستان) :—

"آپ کی مذہبی کتاب کے اتنے اعلیٰ درجہ پر اور خوبصورتی کے
ساتھ چھپنے پر میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں اس کے اندر جو نور
اور علم و فضل بھرا ہوا ہے۔ اس کو اگر دیکھا جاوے تو ہمارا
دل آپ کی اتنی بڑی محنت کے لئے تشکر کے جذبات سے بھر
جاتا ہے۔ یہ ترجمہ دنیا کی مذہبی تاریخ میں ایک نئے دور کی ابتدا ہے۔"

(۱۱) اخبار "کویسٹ"، لنڈن :—

"بے شک یہ ایک ایسی تصنیف ہے جس پر ایک عالم و فاضل انسان
فخر کر سکتا ہے۔"

(۱۲) اخبار "مدراس میل" :—

"مولانا محمد علی کا نام ہی اس ترجمہ کی عمدگی کا ضامن ہے۔ شاید
ہی کوئی انگریزی ترجمہ اتنے اعلیٰ پایہ کا ہوگا۔"

(۱۳) اخبار "ہندو" مدراس :—

"اس کے مصنف صحیح اور قابلِ اعتماد ترجمہ کے لئے مشہور ہیں۔
کتاب کے مقدمہ میں تشریحی نوٹوں میں ایک علم کا خزانہ موجود ہے۔"

(۱۴) اخبار "یونائیٹڈ انڈیا" دہلی :—

"نسلِ انسانی جو اب تک تصنیف و تالیف کے میدان میں کارہائے
نمایاں سر انجام دیتے ہیں۔ ان میں مولانا محمد علی کا انگریزی ترجمہ قرآن
ایک نمایاں اور ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔"

(۱۵) اخبار "ایسٹ اینڈ ویسٹ" انگلستان :—

"اس کتاب کی ترتیب انتہائی قابلِ تعریف ہے۔ اسلام کے
مذہبی لٹریچر میں یہ ایک قیمتی اضافہ ہے۔"

(۱۶) اخبار "ٹائمز آف سیلون" :—

"اس تصنیف پر قابل مصنف بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں"

(۱۷) اخبار "ایڈوکیٹ" لکھنؤ :—

"ہم مولانا صاحب محمد علی کو مبارک باد دیتے ہیں کہ ان کا یہ ترجمہ
سب تراجم سے بڑھ چڑھ کر ہے۔"

(۱۸) پادری ذویمر اپنے مسیحی رسالہ "مسلم ورلڈ" جولائی ۱۹۳۱ء صفحات ۲۸۹
تا ۲۹۲ لکھتے ہیں :—

"میں مولانا محمد علی، مسٹر پکتھال اور حافظ غلام سرور کے تراجم کا مقابلہ کرتے
ہوئے صاف صاف لکھتا ہوں کہ مؤخر الذکر دونوں اصحاب اکثر
مولانا محمد علی کے ترجمہ کا اتباع کرتے ہیں اور معمولی الفاظ کا فرق
رہ جاتا ہے اور یہ کہ اس ترجمہ سے دونوں اصحاب نے کثیر
استفادہ حاصل کیا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مولانا کا ترجمہ ایک
نہایت وسیع مطالعے اور دقیق ریسرچ پر مبنی ہے۔ اور اس رنگ
میں باقی کے تراجم (original work) نہیں کہلا سکتے۔

(۱۹) عالمی مسلم کانفرنس فروری ۱۹۵۱ء منعقدہ کراچی۔ ترکی وفد کے رئیس مسٹر
عمر رضا دوغرل مشہور ادیب و ممبر پارلیمنٹ کے تاثرات اسلامک ریویو
ماہ مئی ۱۹۵۲ء :—

"......... ترکی میں متواتر تیس سال تک مولانا (مولوی محمد علی صاحب)
کی تصانیف ہمارے زیر مطالعہ ہیں۔ کئی ایک امور میں آپ نے ہماری
رہنمائی کی۔ اس لئے کہ آپ کی نگاہ معارفِ اسلام کی عمیق گہرائیوں
تک پہنچی ہوئی تھی۔ آپ اسلام کے حقیقی مشن اور مقصد سے خوب
واقف تھے۔ اور دوسروں تک نور کا پہنچانا آپ کی زندگی کا مقصد تھا
....... مولانا کے مکان پر میں نے خواہش ظاہر کی.......... میں خود
ان کے کمرہ میں حاضر ہو کر ان کے ہاتھوں کو بوسہ دوں...... ایک
دو منٹ کے بعد مجھے کھلے دروازہ میں سے ایک نور چمکتا نظر
آیا....... اور مولانا سے بغل گیر ہو گیا۔ آپ کے جسم میں ایک
نورانیت تھی۔ جو زمینی نہیں بلکہ آسمانی تھی.......... آپ کے
چہرہ کے گرد نورانی ہالہ بنایا ہوا تھا۔

مسٹر دوغرل نے آپ کو بتایا کہ اگر مسلمانوں کو کوئی چیز
زندہ رکھ سکتی ہے۔ تو وہ اسلام کی وہ تعبیر ہے جو اس جماعت کے
ذریعہ دنیا میں پھیلی۔ انہوں نے کہا کہ آپ کی بہت سی کتب کے ترکی
ترجمہ ہو چکے ہیں۔ اور وہ کوشش میں ہیں کہ باقی کتب کے بھی ترجمے جلد
ہو جائیں۔"

(۲۰) سیلون کے وفد کے لیڈر نے مل کر خواہش ظاہر کی کہ تامل ترجمہ قرآن
جلد چھپے کیونکہ سیلون کے مسلمانوں کی زبان تامل ہے۔

(۲۱) تھائی لینڈ کے مندوب مسٹر ابراہیم قریشی آپ سے دو دفعہ ملے اور آپ
کو تھائی زبان میں خوبصورتی سے طبع شدہ کتب دکھلائیں جو آپ کی کتب
کے تراجم تھے۔ اور بتلایا کہ قرآن کریم کا ترجمہ آپ کے ترجمہ سے
ہو رہا ہے۔

(۲۲) محمد سعید احمد صاحب مصر کی وزارت تار اور ٹیلیفون اور ریلوے
کے سیکرٹری تھے۔ ان کا خط آیا کہ ریلیجن آف اسلام کا عربی ترجمہ
کرنے کی اجازت دی جاوے۔ جو دے دی گئی۔ اس کے کچھ عرصہ
بعد مسٹر عبدالوہاب عزام جو مصر کے پاکستان میں سفیر تھے۔ آپ کو ملنے
آئے اور ریلیجن آف اسلام کے عربی ترجمہ کے متعلق مزید کوائف
آپ کو دیں۔

اس گرانقدر اور عالمانہ تصنیف کے متعلق چند سرکردہ لوگوں کی آراء
ملاحظہ ہوں :—

سر ایس۔ ایم سلیمان چیف جسٹس :—

"یہ کتاب (RELIGION OF ISLAM مصنفہ مولانا محمد علی)
نہایت جامع اور دقیق معلومات سے لبریز ہے۔ اس میں اسلامی فلسفہ،
فقہ، معرفت الٰہی اور شریعت اسلامیہ پر مفصل اور عالمانہ بحث کی
گئی ہے۔ یہ مصنف کی اعلیٰ قابلیت وسیع معلومات اور انتہائی
محنت کا نتیجہ ہے۔"

سر شفاعت احمد خاں :—

"یہ کتاب نہایت عالمانہ رنگ میں لکھی گئی ہے۔ اور فاضل مصنف
کی انتہا درجہ کی قابلیت اور نکتہ سنجی پر دلالت کرتی ہے۔ اس میں فاضل
مصنف نے اہم امور اسلامیہ پر کما حقہٗ روشنی ڈالی ہے اور ان کی تشریح
کرنے میں کمال درجہ کی قابلیت کا ثبوت دیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ

اسلام کے متعلق یہ ایک مستند اور بے نظیر کتاب ثابت ہوگی۔"

ڈاکٹر سر علامہ اقبال:۔

"نہایت مفید کتاب ہے۔اور مذہب اسلام کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے از بس ضروری ہے"۔

چوہدری سر شہاب الدین سپیکر پنجاب اسمبلی:۔

"اس میں تمام مسائل پر مفصل اور قابلِ اعتبار معلومات درج ہیں۔ شروع سے آخر تک تمام امور پر بے نظیر فاضلانہ بحث کی گئی ہے۔کوئی پبلک یا پرائیویٹ لائبریری اس کتاب سے خالی نہیں ہونی چاہیئے۔"

جسٹس سر عبدالرشید:۔

"یہ کتاب وسیع معلومات سے پُر ہے۔ بے نظیر ریسرچ کا کام کیا گیا ہے اور ہر اخلاقی مسئلہ پر تنقید کی گئی ہے۔"

نواب بہادر یار جنگ۔ حیدر آباد دکن:۔

"لاہور کی جماعت کے امیر مولانا محمد علی صاحب نے اسلام اور قرآن حمید کی جو خدمت کی ہے۔اس سے کون واقف نہیں۔سب سے زیادہ میں انکی انگریزی تالیف ریلیجن آف اسلام[1] سے متاثر ہوا۔اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ موجودہ زمانہ کے رجحانات اور طریقۂ فکر و نظر کو پیش رکھ کر لکھی گئی ہے میں اس کتاب کو مولانا کا ملتِ اسلامیہ کے لئے ایک بہترین تحفہ اور ناواقفانِ مذہبِ اسلام کے لئے با اتمہ پیام تصور کرتا ہوں۔"

اخبار ایسٹرن ٹائمز لاہور۔ ۲۸-۲-۳۶:۔

"بڑی مدت سے یہ ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔کہ اسلام پر کوئی مستند کتاب لکھی جاوے جو اس کے مفہوم اور اس کے متن کو اچھی طرح واضح کرے اس قسم کی کتاب کی اس لئے بھی ضرورت تھی کہ جو لٹریچر غیر مسلم مشنریوں کی طرف سے نکلتا تھا اس میں عام طور پر اسلام کی غلط تصویر پیش کی جاتی تھی۔ اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے مولانا محمد علی نے سالہا سال کے تجربہ اور مطالعہ کے بعد یہ کتاب لکھی ہے، مصنف نے اول سے آخر تک قرآن کریم اور حدیث اور دیگر مستند کتب کے بکثرت حوالہ جات درج کر کے غیر معمولی محنت کی ہے۔اور اس طرح یہ کتاب گویا اسلام کا انسائیکلو

محمد مارما ڈیوک پکتھال۔ رسالہ اسلامک کلچر۔اکتوبر ۱۹۳۶ء:۔

کسی زندہ انسان نے اسلام کی تجدید کے لئے لاہور کے مولانا محمد علی صاحب سے زیادہ قیمتی اور طویل خدمات انجام نہیں دیں۔ انکے تصنیفی کارناموں کی وجہ سے تحریک احمدیت ایک خاص شہرت اور امتیاز کی مالک بن گئی۔میری رائے میں یہ کتاب ان کی سب سے اچھی تصنیف ہے۔یہ اسلام کی تصویر ایک ایسے شخص کے قلم سے ہے جو قرآن و سنّت سے خوب واقف ہے جس کے دل میں پچھلی پانچ صدیوں کے اسلام کے انحطاط کا درد ہے جس کے دل میں اسکی اس نشاۃ ثانیہ کے لئے ایک اُمید ہے۔جس کے آثار اب چاروں طرف نظر آنے لگے ہیں۔"

ایک امریکی مصنف ڈبلیو جے ملیرن:۔

"Perhaps no muslim, living or dead has done more than Maulana Muhammad Ali to lead people to see the good side of Islam. with these books no student of world religion would find any excuse for failing to learn about Islam"

(۲۳) ۱۹۵۰ء میں ایک ترک خاتون مس کرمان جو مشہور ترکی اخبار اولس کی نامہ نگار تھیں پاکستان آئیں تو انہوں نے اخبار نویسوں کی مجلس سے مولانا محمد علی صاحب کی جائے رہائش کے متعلق پوچھنا شروع کیا۔ مولانا محمد یعقوب خان جو اس وقت اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ کے ایڈیٹر تھے نے ان کو مولانا محمد علی سے ملاقات کرائی۔ دورانِ ملاقات اس خاتون نے کہا کہ میری والدہ مذہبی خاتون تھیں اور انہوں نے مجھے قرآن کریم پڑھایا تھا۔مگر قرآن کریم میرے لئے ہمیشہ ایک بند کتاب رہی۔اور مذہب سے متنفر اور بیگانہ رہی۔ میرے اخبار نے مجھے لنڈن میں اپنا چیف رپورٹر بنا کر بھیجدیا۔ وہاں اتفاق سے مجھے آپ کا انگریزی ترجمہ قرآن ملا۔جب میں نے اسے پڑھا تو میری آنکھیں کھُل گئیں۔ اس کے بعد میں نے اور کتابیں پڑھیں اور دل میں مصمم ارادہ کر لیا۔کہ پاکستان جا کر اس شخص کے ہاتھوں کو بوسہ دوں گی جس نے قرآن اور مذہب سے دلچسپی کا دروازہ میرے لئے کھول دیا۔ سو خدا کا شکر ہے۔کہ آج مجھے یہ فخر نصیب ہوا۔ پھر اس خاتون نے مولانا کے ہاتھ کو چوما۔

(۲۴) لبنان کی ایک مجلس خواتین کی صدر محترمہ جبیبہ شعبان لکھتی ہیں:۔

"آپ کی کتاب محمدؐ اینڈ کرائسٹ پڑھنے کے بعد میں نے کتاب کو چوما اور بار بار سینے سے لگایا کہ اس نے مجھے بہت سی ذہنی پریشانیوں اور اُلجھنوں سے نجات بخشی۔ اس خاتون نے آپ کی کئی کتب کے ترجمے عربی زبان میں کر کے بیروت سے خود چھپوائے۔

(۲۵) لاہور کی ایک معزز خاتون نے امریکہ کے سفر کے بعد واپسی پر سنایا کہ انہیں مولانا محمد علی صاحب کی قدر اور عزت کا پاکستان سے باہر جا کر صحیح طور پر پتہ چلا۔ امریکہ میں ایک جگہ کچھ نومسلم مرد اور عورتوں سے ملاقات ہوئی ....... انہوں نے بتلایا کہ ہم (مولانا محمد علی صاحب) انہیں کا انگریزی ترجمہ قرآن اور دوسری کتابیں پڑھ کر مسلمان ہوئے ہیں۔اسی طرح ایک جگہ حبشی مسلمانوں کا مجمع تھا انہوں نے کہا کہ آپ بڑی خوش قسمت ہیں کہ ایسے شہر میں رہتی ہیں جہاں ایک ایسا عالم بزرگ (مولانا محمد علی) رہائش رکھتا ہے۔ جس کا انگریزی ترجمہ قرآن اور دیگر انگریزی کتب پڑھ کر ہم مسلمان ہوئے۔

(۲۶) روزنامہ "ڈان" کراچی۔ ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء:۔

"مولانا محمد علی جن کا انتقال کراچی میں ہوا ہے۔ انہوں نے اس نصف صدی میں اسلامی افکار پر اتنا کام کیا ہے کہ شاید ہی کسی اور فرد نے کیا ہو۔ ....... ایک ایسے مبلغ تھے جنہوں نے اس ماحول میں دعوت بلند کی جبکہ ہند و پاکستان میں اسلام مغربی مشنریوں اور ہندوؤں کی احیائی تحریکات کے بے پناہ حملوں کا ہدف بنا ہوا تھا ....... جس مقصد کے لئے انہوں نے اپنی زندگی وقف کی وہ قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ تھا ....... پہلے ایڈیشن ۱۹۱۷ء کے بعد ....... محمد دی پرافٹ اور ریلیجن آف اسلام بہت اعلیٰ خیال کی جاتی ہے۔ موخرالذکر اسلامی معلومات کا انسائیکلو پیڈیا ہے ....... یہ وفات یقیناً ایک بڑا نقصان ہے۔"

(۲۷) اخبار "صدق" لکھنؤ:۔

"مرحوم نے اپنی طویل تصنیفی زندگی میں اپنے قلم کے ذریعہ جو خدمات اسلام کی انجام دی ہیں وہ اپنی جگہ بے مثل اور بے مثال ہیں۔ انگریزی خوانوں بلکہ انگریزیت زدہ اُردو خوانوں کے بھی حق میں ان کا قلم ایک نعمت عظمیٰ تھا۔ خدا جانے کتنوں کے ایمان انہوں نے قائم کئے۔ یورپ اور امریکہ وغیرہ کے کتنے بھٹکے ہوؤں کو انہوں نے اسلام کی راہ دکھائی۔ اپنی عمرِ عزیز کا ایک ایک لمحہ مرحوم نے دین ہی کی نذر رکھا تھا۔" ۲۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء

(۲۸) "ستارہ" انگریزی لاہور:۔

"موت نے ان کو ہمارے درمیان سے اُٹھا کر ایک ایسا خلا پیدا کر دیا ہے۔جس کا احساس ان تمام لوگوں کو مدتوں رہے گا۔جو اسلام کی نشاۃ ثانیہ سے دلچسپی رکھتے ہیں۔"

(۲۹) مسٹر عبداللہ میڈس پی ایک انگریز نومسلم:۔

"مولانا محمد علی کے دل میں وہ ابدی نور تھا اور اسلام کے لئے وہ

---

[1] ریلیجن آف اسلام کی دینی اہمیت اور قدر و قیمت اس سے واضح ہے۔کہ مصر (یو۔ اے۔ آر) کے ایک نجی اشاعتی ادارہ نیشنل پبلیکیشن اینڈ پرنٹنگ ہاؤس نے

درد اور تڑپ تھی جس نے ان کو وہ قوت عطا کی جو جسمانی کمزوریاں پر بڑھاپے کی عمر پر بھی غالب آ چکی تھی ........ میری پہلی ملاقات ان سے لاہور میں ہوئی تھی میں اس انسان کی سادگی دیکھ کر حیران رہ گیا جس نے اسلام کے لئے اتنی عظیم الشان خدمت کی ........ اسلام کے متعلق نئی زندگی کے جو آثار نظر آ رہے تھے ......

(۳۰) مولانا عبدالمجید سالک صاحب اخبار انقلاب لاہور :—

"وہ نہ صرف ہندوستان بلکہ مغرب کو بھی اسلام کا پیغام دیتے تھے وہ صرف عالم دین ہی نہ تھے بلکہ ایک عالی مفسر اور مجتہد بھی تھے ...... اسلام کو مغربی تعلیمیافتہ طبقوں اور خود مغربیوں تک ایسے رنگ میں پہنچایا کہ وہ بے اختیار اس مذہب کی عظمت کے قائل ہو گئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ممالک مغرب کے صدہا طالبان حق مولانا محمد علی کے مقالات اور کتابوں کو پڑھ کر مسلمان ہوئے — اور یہ مولانا محمد علی ہی کی مساعی کی برکت ہے۔ آج ممالک مغرب میں اسلام کا نام احترام سے لیا جاتا ہے ......... کی مغفرت کا باعث ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ اپنے دین کے مخلص خادموں کی سعی اور جدوجہد کو ضائع نہیں کرتا۔" (اخبار پیغام صلح ۲۶ دسمبر ۱۹۵۱ء)

(۳۱) خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی :—

"مجھے تبلیغی تعلقات کے سبب اپنی عمر کے ابتداء سے آج تک مرحوم سے ملنا جلنا رہا — اور میں اُن کو اسلام کا بہت بڑا اور کامیاب خدمت گزار سمجھتا ہوں" (منادی بابت ستمبر و اکتوبر ۱۹۵۱ء)

(۳۲) ملک عبدالقیوم صاحب پرنسپل لاء کالج لاہور :—

"مولانا مرحوم کا شمار تاریخ اسلام کے ان اکابر میں ہوتا ہے۔ جو بلامبالغہ ایک نئے عہد کے بانی قرار دیئے جا سکتے ہیں ...... آپ کا اخلاص، آپ کا اخلاق اور آپ کی دیانت آپ کے پاکیزہ کردار پہ بمنزلہ کندن تھا۔ آپ کا شمار ان مشاہیر اسلام میں سے ہے جو خدمت اسلام کے لئے پیدا ہوئے اور اسی جوئے میں جاں بحق ہوئے۔ آپ ہی ایسے بزرگ ہیں جن کے لئے قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے اولٰئک المقربون فی جنت النعیم"

(۳۳) مسٹر اے جے خلیل۔ ایڈووکیٹ ہائی کورٹ میسور :—

"آپ اسلام کے حقیقی مجاہد تھے جس نے اپنے عمل سے دُنیا کو دکھا دیا کہ قلم تلوار سے زیادہ طاقت ور ہے ........ آپ اس صدی کے حقیقی مجاہد تھے۔ اس قسم کے انسان قیامت کے دن تک شاذ و نادر ہی پیدا ہوں گے ...... جو اس خادم اسلام نے خالی کی ہے۔"

(۳۴) بیگم صاحبہ میاں بشیر احمد سفیر پاکستان متعینہ ترکی :—

"وحدت اور صداقت کے پیغام کو جسے ۱۳۰۰ سال ہوئے پیغمبر اسلام نے بنی نوع انسان کو سنایا تھا۔ اسے بیسوی صدی عیسوی میں مولانا محمد علی نے دنیا کے کونے کونے میں پہنچانے کی کوشش کی۔ انہوں نے مذہب اسلام کا سچا اور صحیح نقطہ نگاہ دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ قرآن کریم کا ایسا شاندار اعلےٰ ترجمہ پایۂ تکمیل کو پہنچا جس کی سب ممالک میں بیحد قدر ہو رہی ہے۔ ترکی کے دو سال کے قیام کے دوران یہ حقیقت ظاہر ہو چکی ہے کہ مولانا کی اسلامی خدمات کو ترک قوم دلی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتی ہے۔ مولانا کے اسم گرامی سے ترکی قوم کا مذہبی طبقہ خوب واقف ہے۔ ریلیجن آف اسلام کا ترجمہ ترکی زبان میں کیا جا رہا ہے۔"

(۳۵) مولانا عبدالماجد صاحب دریا بادی :—

"مرحوم کی خدماتِ اسلام کا انکار کرنا دن کی روشنی میں آفتاب کے ...... آف ہیومینیٹی — مینوئل آف حدیث ان کی تصانیف ایک سے بڑھ ایک مفید اور معرکۃ الآراء موجود ہیں"

(۳۶) شمس العلماء ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتا۔ کراچی :—

"اسلام کے لئے آپ کی مساعی کے مسلم اور غیر مسلم دونوں معترف ہیں ......... ہم نے ان کی وفات سے ایک ایسا انسان کھو دیا جس کی نظیر پاکستان کے نامور علماء میں کہیں نہیں ملتی"

(۳۷) سر فیروز خاں نون صاحب گورنر مشرقی پنجاب :—

"یہ ایک ایسا نقصان ہے جس میں نہ صرف میں بلکہ تمام دنیائے اسلام آپ سے پوری طرح شرکت کرے گی — حضرت مولانا کی تصانیف ہمیشہ زندہ رہیں گی۔ اور میں نہیں جانتا کہ اور کون ہے جس نے حضرت ممدوح کی طرح اسلام کو دوبارہ زندہ کرنے کے لئے اتنی خدمت سر انجام دی ہو۔ گذشتہ پانچ سو سال میں کوئی ایسی نظیر نہیں ملتی۔"

(۳۸) سر کریم بھائی پروفیسر بمبئی نے ایک جلسہ میں جس کے صدر سر نور محمد تھے فرمایا :—

"جنگ کے دن تھے ........ دن رات بمباری ہوتی تھی ...... لندن کے کسی کلب میں ایک معزز انگریز نے مجھ سے کہا کہ ایسے حالات میں آپ متفکر اور پریشان نظر نہیں آتے اس کی کیا وجہ ہے۔ میں نے کہا میرے پاس ایک ایک کتاب ہے وہ میں روز صبح پڑھ لیتا ہوں۔ اس سے میرے دل کو چین آ جاتا ہے۔ وہ انگریز کہنے لگا مجھے بھی وہ کتاب دکھلاؤ۔ وہ کتاب حضرت مولانا محمد علی کا انگریزی ترجمہ تھا۔ چنانچہ میں نے وہ ترجمہ اس انگریز کو پڑھنے کو دیا۔ پندرہ روز بعد وہ میرے پاس آیا اور کہا "میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں" اس کے لئے کیا کچھ کرنا ہوگا۔ میں نے اسے کلمہ پڑھوایا اور مسلمان کیا۔"

(۳۹) سید میراں محمد شاہ سندھ اسمبلی کے سپیکر اور وزیر :—

"وہاں پارٹی میں میں نے ان کا تعارف کرایا کہ یہ میرے بہنوئی ہیں۔ تھوڑی دیر بعد میراں محمد شاہ صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے بھائی تم نے مولانا کا تعارف ٹھیک طرح نہیں کرایا۔ اپنا بہنوئی کہتے رہے یہ نہ بتایا کہ یہ وہ مشہور مصنف اور مترجم ہیں۔ اور بھائی ان کا انگریزی ترجمہ اگر میرے ہاتھ میں کالج کے ایام میں اتفاقیہ نہ پہنچ جاتا تو میں یا تو دہریہ ہو جاتا یا عیسائی"

(باقی ——— باقی)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ——— مورخہ ۸ ستمبر ۱۹۷۶ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ——— شمارہ نمبر ۳۶

محمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمدیہ پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر اخبار پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۳ | یوم چہارشنبہ ۱۹ رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۵ ستمبر ۱۹۷۶ء | نمبر ۳۷

# ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

## اس زمانہ کا حصنِ حصین میں ہوں

اے اسلام کے ذی مقدرت لوگو! دیکھو! میں یہ پیغام آپ لوگوں تک پہنچا دیتا ہوں کہ آپ لوگوں کو اس اصلاحی کارخانہ کی جو خدا تعالےٰ کی طرف سے نکلا ہے اپنے سارے دل اور ساری توجہ اور سارے اخلاص سے مدد کرنی چاہیئے۔ اور اس کے سارے پہلوؤں کو بنظرِ عزت دیکھ کر بہت جلد حق خدمت ادا کرنا چاہیئے جو شخص اپنی حیثیت کے موافق کچھ ماہواری دینا چاہتا ہے وہ اس کو حق واجب اور دینِ لازم کی طرح سمجھ کر خود بخود ماہوار اپنی فکر سے ادا کرے۔ اور اس فریضہ کو خالصتہً للہ نذر مقرر کرکے اس کے ادا میں تخلف یا سہل انگاری کو روا نہ رکھے اور جو شخص یکمشت امداد کے طور پر دینا چاہتا ہے وہ اسی طرح امداد کرے۔ لیکن یاد رہے کہ اصل مدعا جس پر اس سلسلہ کی بلا انقطاع چلنے کی اُمید ہے وہ یہی انتظام ہے کہ سچے خیر خواہ دین کے اپنی بضاعت اور اپنی بساط کے لحاظ سے ایسی سہل رقمیں ماہواری کے طور پر ادا کرنا اپنے نفس پر ایک حتمی وعدہ ٹھہرا لیں جن کو بشرط نہ پیش آنے کسی اتفاقی مانع کے بآسانی ادا کر سکیں۔ ہاں جس کو اللہ جلشانہٗ توفیق اور انشراح صدر بخشے۔ وہ علاوہ اس ماہواری چندہ کے اپنی وسعت، ہمت اور اندازۂ مقدرت کے موافق یکمشت کے طور پر بھی مدد کر سکتا ہے۔ اور تم اے میرے عزیزو! میرے پیارو! میرے درختِ وجود کی سرسبز شاخو! جو خدا تعالےٰ کی رحمت سے جو تم پر ہے میرے سلسلۂ بیعت میں داخل ہو اور اپنی زندگی اپنے آرام اپنا مال اس راہ میں فدا کر رہے ہو۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ میں جو کچھ کہوں تم اسے قبول کرنا اپنی سعادت سمجھو گے۔ اور جہاں تک تمہاری طاقت ہے دریغ نہیں کرو گے۔

لیکن میں اس خدمت کے لئے معین طور پر اپنی زبان سے تم پر کچھ فرض نہیں کر سکتا تا کہ تمہاری خدمتیں نہ میرے کہنے کی مجبوری سے بلکہ اپنی خوشی سے ہوں۔ میرا دوست کون ہے؟ اور میرا عزیز کون؟ وہی جو مجھے پہچانتا ہے۔ مجھے کون پہچانتا ہے؟ صرف وہی جو مجھ پر یقین رکھتا ہے۔ کہ میں بھیجا گیا ہوں۔ اور مجھے اسی طرح قبول کرتا ہے۔ جس طرح وہ لوگ قبول کئے جاتے جو بھیجے گئے ہوں۔ دُنیا مجھے قبول نہیں کر سکتی۔ کیونکہ میں دُنیا میں سے نہیں ہوں۔ مگر جن کی فطرت کو اس عالم کا حصہ دیا گیا ہے وہ مجھے قبول کرتے ہیں اور کریں گے جو مجھے چھوڑتا ہے وہ اس کو چھوڑتا ہے۔ جس نے مجھے بھیجا ہے اور جو مجھ سے پیوند کرتا ہے وہ اس سے کرتا ہے جس کی طرف سے میں آیا ہوں۔ میرے ہاتھ میں ایک چراغ ہے جو شخص میرے پاس آتا ہے ضرور وہ اس روشنی سے حصہ لے گا۔ جو شخص وہم اور بدگمانی سے دُور بھاگتا ہے وہ ظلمت میں ڈال دیا جائے گا۔ اس زمانہ کا حصنِ حصین میں ہوں جو مجھ میں داخل ہوتا ہے وہ چوروں اور قزاقوں اور درندوں سے اپنی جان بچائیگا۔ مگر جو شخص میری دیواروں سے دُور رہنا چاہتا ہے ہر طرف سے اس کو موت درپیش ہے! اور اس کی لاش بھی سلامت نہیں رہے گی۔ مجھ میں کون داخل ہوتا ہے؟ وہی جو بدی کو چھوڑتا اور نیکی کو اختیار کرتا ہے۔ اور کجی کو چھوڑتا اور راستی پر قدم مارتا ہے اور شیطان کی غلامی سے آزاد ہوتا اور خدا تعالےٰ کا ایک بندۂ مطیع بن جاتا ہے۔ ہر ایک جو ایسا کرتا ہے وہ مجھ میں ہے اور میں اُس میں ہوں۔ مگر ایسا کرنے پر فقط وہی قادر ہوتا ہے جس کو خدا تعالےٰ نفسِ مزکی کے سایہ میں ڈال دیتا ہے۔ تب وہ اس کے نفس کی دوزخ کے اندر اپنا پیر رکھ دیتا ہے۔ تو وہ ایسا ٹھنڈا ہو جاتا ہے کہ گویا اس میں کبھی آگ نہیں تھی۔ تب وہ ترقی پر ترقی کرتا ہے۔

فتح اسلام

# یہ عبادات کا مہینہ ہے۔ آپ ان مبارک ایام میں خدا تعالیٰ کی رضا پانے کی کوشش کریں

## روزہ سے طہارتِ قلبی اور پاکیزگئ نفس حاصل ہوتی ہے

**خطبہ جمعہ۔ مؤرخہ ۲۷ اگست ۱۹۷۶ء۔ فرمودہ حضرت امیرِ قوم ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز۔ جامع احمدیہ۔ احمدیہ بلڈنگس لاہور**

یاایھا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ــــ (البقرہ ــ ۱۸۳)ــ

فرمایا: میں نے اس رکوع کی پہلی آیت پڑھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے مسلمانو! روزے رکھنا تم پر فرض کر دیا گیا ہے اور یہ بھی کہا ہے جیسا کہ پہلے لوگوں پر فرض تھا۔ کما کتب علی الذین من قبلکم روزے رکھنا ایک تاریخی امر ہے۔ تمام انبیائے کرام نے روزے رکھے۔ اور اُن سے فائدہ اُٹھایا۔ حضرت نبی کریم صلعم اس مہینہ کے علاوہ اور ایام میں بھی روزے رکھتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رمضان کی راتوں میں حضور اتنا قیام فرماتے تھے کہ آپؐ کے پاؤں سوج جاتے تھے یہ عابد کوئی معمولی انسان نہیں تھا۔ بلکہ بادشاہ تھا۔ اور حضورؐ کے ماننے والے آپؐ پر فدا تھے۔ مگر بادشاہت کے باوجود آپ نے بڑی سادگی سے زندگی بسر کی۔ بادشاہ ہو کر عبادات کرتے اور رمضان کے مہینہ کے علاوہ بھی روزے رکھتے تھے۔ پس روزہ رکھنا انبیاء کی سُنّت ہے۔ اس سے کردار پیدا ہوتا ہے، صبر و استقامت کی عادت پڑتی ہے۔

رمضان المبارک کا مہینہ ایک اور لحاظ سے بھی مقدس ہے شھر رمضان الذی انزل فیہ القراٰن کہ اس میں قرآن کریم نازل ہوا یہ ایک عظیم الشان اور نسلِ انسانی کی رہبری کے لئے اکمل ترین آسمانی کتاب ہے تمام انسانیت کی ہدایت کا سامان اس میں قیامت تک کے لئے موجود ہے۔ اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ بیّن دلائل کے ساتھ دماغوں کو روشن کرتی ہے۔ یہ ایک فرقان ہے جو حق و باطل کے درمیان ایک حدِ فاصل ہے۔ دوسری الہامی کتابیں اپنی اصلی اور پہلی شکل میں موجود نہیں ہیں۔ مگر قرآن کریم خدا تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اس لئے اس کی حفاظت کے بھی اللہ تعالیٰ نے سامان پیدا فرمائے ہیں۔ اس کتاب کے دنیا بھر میں ہمیشہ سے حفاظ موجود ہیں اور دنیا میں سب سے زیادہ قرآن کریم پڑھا جاتا ہے۔ کثرت سے پڑھا جانا بھی اس کی حفاظت کا سامان ہے اور اس مبارک ماہ میں قرآن کریم کی تلاوت زیادہ اہتمام اور کثرت سے کی جاتی ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ روزہ صرف بھوکا پیاسا رہنے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ اس کا اصل مقصد روحانی اوصاف سے اپنے باطن کو مزیّن کرنا ہے۔ جیسے تم اپنے ظاہر کو مخلوق کو دکھانے کے لئے مزیّن کرتے ہو۔ فرمایا التقویٰ ان لا یراک حیث نہاک۔ خدا تعالیٰ تم کو ایسی جگہ جاتے نہ دیکھے۔ جس جگہ جانے اور جس کام کے کرنے سے اس نے منع فرمایا ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ حضور صلعم کا نمونہ یہ ہے کہ دن کو روزہ رکھتے اور رات تہجد میں گذارتے تھے اور اتنا قیام فرماتے تھے کہ تورمت قدماہ کھڑے کھڑے آپ کے پاؤں سوج جاتے تھے۔ غرضیکہ روزہ رکھنا اور ان دنوں میں زیادہ عبادت کرنا پیغمبروں کی سنت ہے۔

روزہ سے قلب میں جلا پیدا ہوتی ہے۔ نفس کمزور ہو جاتا ہے اس سے خواہشاتِ نفس پر قابو پانے میں مدد ملتی ہے اور بدی کی قوت مر جاتی ہے۔ گناہوں سے بچاؤ ہو جاتا ہے۔

اس زمانہ کے امام نے بھی اپنے رسول صلعم کی پیروی میں روزے رکھے ہیں۔ آپ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے نمونہ کی روشنی میں رمضان کے علاوہ بھی روزے رکھے ہیں۔ آپ نے اتباعِ رسول کے پاکیزہ اور عظیم الشّان نمونے دکھائے ہیں۔

لعلکم تتقون۔ جس نے تقویٰ سیکھ لیا اس کا روزہ کا مقصد پُورا ہو گیا۔ آنکھ کا روزہ ہے۔ کان کا روزہ ہے۔ ہاتھ کا روزہ ہے اور پاؤں کا روزہ ہے۔ جب تک تم اپنے تمام اعضا کو خدا تعالیٰ کے فرمان کے تابع نہ رکھو گے تمہارا روزہ کا مقصد ہرگز پورا نہ ہوگا۔ روزہ کا یہ بڑا عجیب اور اثر انگیز تصوّر ہے۔ اگر انسان یہ سمجھے کہ خدا تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے تو جب ایک انسان دُودھ میں ملاوٹ کرنے لگے۔ کسی کا مال ناجائز طریق سے کھانے لگے۔ اور اسے یاد آ جائے کہ خدا مجھے دیکھتا ہے۔ تو وہ رُک جائے گا۔ اسی طرح ایک کارخانہ دار اپنی مصنوعات کا معیار نہ گرنے دے گا۔ ایک افسر اپنے دفتر کی کرسی پر بیٹھا بیٹھا خدا تعالیٰ کے حضور جوابدہی کے احساس سے کانپ جائے گا اور وہ شیطان کے بہکاوے میں نہیں آوے گا۔ غرضیکہ تقویٰ یعنی خدا کا خوف خدا کا مقرّب بنا دیتا ہے۔

تقویٰ کی تشریح ہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کام سے منع کیا ہے اس سے بچنا۔ یہ عمل بڑا قیمتی ہے۔ اس سے انسان کے مراتب بلند ہوتے ہیں۔ رمضان روحانی تربیت کا مہینہ ہے۔ آؤ ہم سب کوشش کریں کہ ہم سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو۔ جو خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث بنے۔ کارخانہ کا مالک موجود ہو یا نہ ہو مزدور اور کاریگر اسی نیک نیتی سے کام کریں جیسا کہ مالک کی موجودگی میں کرتے ہیں۔ افسر موجود ہو یا نہ ہو عملہ اسی تندہی اور انہماک اور توجّہ سے کام کرے جس طرح وہ اپنے افسر کی موجودگی میں کرتا ہے۔ جس خوش نصیب انسان کو تقویٰ کا یہ مقام حاصل ہو جاتا ہے وہ اپنے گھر کے لئے محلّہ کے لئے اور شہر کے لئے باعثِ برکت بن جاتا ہے۔ تقویٰ سے انسان کے اندر صبر برداشت اور حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ دیکھئے ایک کمسن اور معصوم بچّہ روزہ رکھ کر بھوک اور پیاس سے نڈھال ہونے کے باوجود بھی روزہ نہیں توڑتا یہی تقویٰ ہے۔

فطرت بھی روزہ رکھنے کا سبق دیتی ہے۔ روزہ اکثر امراض کا علاج ہے۔ اسلام کی تعلیم کی برکت سے اس اُمّت میں بڑے بڑے صلحاء پیدا ہوئے۔ تاریخ عالم میں جن کا نام سنہری الفاظ میں مرقوم ہے۔ یہ روزے انسانوں کی بہتری کے لئے ہیں۔ رُوحانی درجات کی بلندی کے حصُول کی خاطر تکالیف برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ ایک بچّہ بھی، پہلے پرائمری میں، پھر مڈل و انٹرنس میں، اس کے بعد ایف اے۔ بی۔ اے۔ ایم اے کر کے معزّز انسان بن جاتا ہے اگر وہ حصولِ تعلیم کی خاطر تکلیفات برداشت نہ کرتا۔ تو اسے یہ معزّز مقام ہرگز نہ ملتا۔ بالکل اسی طرح روحانی امور میں بھی کچھ تکالیف برداشت کرنی پڑتی ہیں اس کے بعد پھر ترقّی ملتی ہے۔ انسان کو صالحیت نصیب ہوتی ہے۔ پس تم بھی خدا تعالیٰ کے ان احکامات کی روشنی میں اس مبارک مہینہ سے فائدہ اُٹھا کر

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مورخہ ۱۵ ستمبر ۱۹۷۶ء

# "اَب بہائی آگے بڑھے" {طلوعِ اسلام جولائی ۱۹۷۶ء}

"اَب بہائی آگے بڑھے" اِس مقالے کا عنوان ہے جو پرویز صاحب نے اپنے ماہنامہ "طلوعِ اسلام" بابت ماہ جولائی ۱۹۷۵ء میں شائع کیا ہے اس کی وجہ تسمیہ یہ ہوئی کہ کراچی سے شائع ہونے والے ماہنامہ "بہائی میگزین" کی اشاعت بابت مارچ ۱۹۷۵ء میں ایک مقالہ "قیامت یا جہانِ فردا" کے عنوان سے شائع ہوا جس میں ایک بہائی فاضل علمی صاحب کی کتاب "قیامت" کا ذکر ہے اِس کتاب میں علمی صاحب نے یہ لکھا ہے کہ "قیامت اسی دُنیا میں قوموں کی نشاۃ ہے جو صاحبانِ شریعت مستقلہ کے ذریعہ رُونما ہے"۔ اِسی مقالہ کے ابتدائیہ میں مقالہ نگار لکھتے ہیں کہ جناب غلام احمد پرویز صاحب نے اِس کتاب "قیامت" پر ریویو کرتے ہوئے لکھا کہ "بے شک قرآن مجید میں قیامت قوموں کی نشاۃ ثانیہ کا نام ہے" اور انہوں نے اپنی تصنیف "جہانِ فردا" میں بھی اِس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ "قیامت قوموں کی نشاۃ اور نئی اُمتوں کی پیدائش ہے جو صاحبانِ مستقل اقدار کے ذریعہ رُونما ہے"۔ یعنی "قیامت" اور "جہانِ فردا" دونوں اِس بات پر متفق ہیں۔ جہانِ فردا سے مقالہ نگار نے اپنی مٹی کی اشاعت میں کچھ متعلقہ اقتباسات بھی پیش کئے ہیں۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ جہانِ فردا بہائی کتاب "قیامت" کی ہم نوا اور مماثل ہے۔"

پرویز صاحب کو اِس پر بڑا طیش آیا ہے۔ بہت جز بز ہوئے ہیں اور اُن کی پیشانی پر بڑی گہری دراڑیں پڑی ہیں کہ "بہائی میگزین" نے دیانت و امانت سے کام نہیں لیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ: —

"ہمارا دَور میکیاولی سیاست کا ہے جس میں کِذب و افتراء اور کتمان و تلبیس حصولِ مقاصد کے لئے ضروری ذرائع قرار دیئے گئے ہیں یہ روِش اِس قدر عام ہوگئی ہے کہ اعیانِ سیاست ہی نہیں، اربابِ مذہب نے بھی یہی حربے استعمال کرنے شروع کر دیئے ہیں ......... مجھے قطعاً یاد نہیں پڑتا کہ میں نے ان کی کتاب قیامت پر کبھی ریویو لکھا ہو"

آگے چل کر فرماتے ہیں: ———

"میں نے اپنی کتاب "جہانِ فردا" میں جو کچھ قیامت - حشر - نشر - جنت - جہنم - حیات، آخرت کے متعلق لکھا ہے اسے پُورے کا پورا درج کریں ......... اپنے مطلب کے مطابق قطع و برید (مذہب تو ایک طرف) صحافتی دیانت بھی نہیں کہلا سکتی"

ہمیں پرویز صاحب کے ان الفاظ کے ایک ایک نقطے سے پُورا پورا اتفاق ہے لیکن آج ہم اُن سے یہ پُوچھتے ہیں کہ جب اپنی ذات پر چوٹ پڑی ہے تو وہ اِتنا کیوں تلملاتے ہیں - اپنی ہی چپیڑ اپنے منہ پر پڑی ہے تو کیوں لال پیلے ہو رہے ہیں - اور جب اپنے ہی ہتھیاروں سے یہ زخم لگے ہیں تو اپنے درد کا شکوہ کیوں اور کس سے کرتے ہیں - یہ مکافاتِ عمل کی دُنیا ہے - گندم از گندم بروید جو ز جو - جو کرو گے وہ بھرو گے اور جو بوؤ گے وہ ضرور کاٹو گے -

پرویز صاحب ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ "کِذب و افتراء اور کتمان و تلبیس کے جن حربوں کا وہ دوسروں کو ملزم ٹھہراتے ہیں کیا بانیٔ سلسلہ اور تحریکِ احمدیت کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکانے کے لئے انہوں نے خود حضرت مرزا صاحب کی تحریرات کو مسخ، قطع و برید اور سیاق و سباق سے علیحدہ کر کے لوگوں کے سامنے پیش نہیں کیا۔ "دیانت و امانت" کا تقاضا تو یہ ہونا چاہیئے تھا کہ حضرت مرزا صاحب کی کتابوں میں جہاں جہاں لفظ "نبی" یا "رسول" آیا ہے اُس کی پوری تشریح اُنہی کے الفاظ میں لوگوں کے سامنے لائی جاتی تاکہ معقول لوگ اِس نتیجے پر پہنچ جاتے کہ آیا ان الفاظ کے استعمال میں حضرت مرزا صاحب ہی ایک منفرد شخصیت ہیں یا آپ سے پہلے بھی اولیاء اللہ اور مجددین نے ایسے الفاظ متعینہ حدود کے اندر مخصوص معنوں میں اپنے لئے استعمال کئے ہیں۔ لیکن پرویز صاحب "حصولِ مقاصد" کے لئے ایسا نہیں کر سکتے تھے کیونکہ پھر اُنہیں اپنے مشن میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا۔ ان کا زندگی بھر کا مشن قرآن کے لباس میں اشتراکیت اور مادیت کی تبلیغ و اشاعت ہے - وہ سراسر مادی انقلاب کے علمبردار اور پرچارک ہیں - رُوحانیت اور اخلاقیت سے ان کو دُور کا بھی واسطہ نہیں - لیکن ایک وقت آئے گا کہ اُن کی یہ تمام تر کوششیں ۲۵/بی گلبرگ کے صحن میں ہی ہمیشہ کے لئے دم توڑ جائیں گی - اور جس چالیس سالہ خدمت کے سلسلے میں احمدیوں کو "غیر مسلم اقلیت" قرار دینے" پر وہ آج نازاں و فرحاں ہیں وہ انانیت و خود پسندی کا مکروہ پیکر بن کر دُنیا کے سامنے آئے گی - ہماری دُعا ہے کہ پرویز صاحب اسے اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے لئے اس وقت تک زندہ رہیں۔

مقالہ بہائیوں نے لکھا - اقتباسات بہائیوں نے پیش کئے اور "قیامت" اور "جہانِ فردا" کو مماثل بہائیوں نے قرار دیا - چاہیئے تو یہ تھا کہ پرویز صاحب کی تنقید کا نشانہ بھی وہی بنتے لیکن عقربی طبیعت سے مجبوری کے تحت انہوں نے اپنی نیش زنی کے لئے بہائیت کے ساتھ احمدیت کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا - فرماتے ہیں: ———

"ہمارے دَور میں دو نئے مذاہب پیدا ہوئے - ایران میں "بہائیت" اور ہندوستان میں "احمدیت" (جسے عرفِ عام میں مرزائیت کہا جاتا ہے)۔ احمدیت اور بہائیت کی بنیاد ایک ہی ہے"

اس بنیاد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: —

"بہاء اللہ صاحب نے یہ کہا کہ ہر کتاب ایک متعین میعاد تک کے لئے ہوتی ہے ......... قرآن کا دَور ختم ہو گیا ہے اَب اس کی جگہ وہ کتاب آگئی ہے جو مجھے ملی ہے - مرزا صاحب نے بھی دعویٰ تو ایسا ہی کیا لیکن اس کے ساتھ ہی کہا کہ مَیں نبی تو ہوں لیکن کوئی نئی کتاب نہیں لایا"

اس کے بعد بہائی مذہب کے عقائد مجملاً بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں: —

"مرزا صاحب کی نبوت نے جو کچھ پیش کیا اس کا ملخص تھا جہاد کی تنسیخ اور وفاتِ مسیح"

ہمارے قارئین خود دیکھ لیں کہ پرویز صاحب نے ان چند الفاظ میں کس قدر "کِذب و افتراء اور کتمان و تلبیس حصولِ مقاصد کے لئے ضروری" سمجھا ہے - بہاء اللہ صاحب کہتے ہیں کہ "قرآن کا دَور ختم ہو گیا ہے اَب اس کی جگہ وہ کتاب آگئی ہے جو مجھے ملی ہے"۔ پرویز صاحب یہ کہکر کہ "مرزا صاحب نے دعوےٰ تو ایسا ہی کیا" یعنی نعوذ باللہ انہوں نے بھی قرآن کریم کو منسوخ قرار دیا ہے - کس قدر بد دیانتی کے مرتکب ہوتے ہیں - اِس پر حضرت مرزا صاحب کی اپنی تحریر ہی سے کافی روشنی پڑتی ہے - ہم مواہب الرحمٰن (۱۹۰۲) سے صرف وہ الفاظ یہاں نقل کرتے ہیں جو قرآن کریم کے متعلق ہیں: ———

"فان القرآن اکمل وطر الشریعة ...... ومن زاد و نقص فاولٰئک من الشیاطین الفجرة" - "قرآن کریم نے شریعت کی تمام حاجتوں کو مکمل کر دیا ہے اور جو شخص قرآن شریف میں سے کچھ کم و بیش کرے وہ شیطان اور بدکاروں میں سے ہے"

اس کے بعد کی کتاب حقیقۃ الوحی (۱۹۰۸) کے ضمیمہ

ہمارے قارئین ہماری ان معروضات کی روشنی میں خود فیصلہ کرلیں کہ پرویز صاحب نے یہ لکھ کر کہ "بہائیت (جو قرآن کو منسوخ سمجھتی ہے) اور احمدیت (جو قرآن کریم اور شریعت محمدی کو آخری سمجھتی ہے) کی بنیاد ایک ہی ہے" کہاں تک دیانت داری اور انصاف سے کام لیا ہے، پھر دوسروں سے گلہ کرتے ہیں کہ وہ قطع و برید سے کام لیتے ہیں۔

اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں کہ:—

"خدا نے جتنی باتیں انسانوں سے کرنی تھیں وہ (اس قرآن) میں اتمام کو پہنچ گئیں۔"

اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن میں جتنی باتیں ہیں وہ مختلف انسانوں سے ہوئیں اور وہ سب کی قرآن میں جمع کر دی گئیں حالانکہ آیت میں لفظ "کلمت" ہے اور جو واحد ہے۔ اس کے معنی "بات" ہے نہ کہ "باتیں"۔ اور یہ لفظ بصیغہ واحد "کتاب" یا "قرآن" کے لئے استعمال ہوا ہے یہ ساری باتیں جو قرآن کریم میں درج ہیں یہ صرف ایک انسان یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئیں نہ کہ "انسانوں" سے اور یہ غیر مبدل ابدی صداقتیں ہیں جن میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ پرویز صاحب کا یہ فرمانا کہ رب کی باتیں ختم ہو گئی ہیں قرآن کریم کے صریحًا خلاف ہے۔ الکھف ۱۰۹ کا ترجمہ ہے:—

"کہو اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لئے سیاہی بن جائے تو سمندر ختم ہو جائے گا قبل اس کے کہ میرے رب کی باتیں ختم ہوں گو ہم اسی جیسا اس کی مدد کے لئے اور لائیں۔"

اور سورۃ لقمان ۲۷ میں ارشاد ہوا ہے:—

"اور اگر جو درخت زمین میں ہیں سب قلمیں بن جائیں اور سمندر سیاہی ہو۔ اس کے بعد سات سمندر اس کی سیاہی بڑھانے والے ہوں۔ اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں۔ اللہ غالب حکمت والا ہے۔"

پرویز صاحب بتائیں کہ اگر کی ساری باتیں ختم ہو گئی ہیں تو یہ نہ ختم ہونے والی باتیں وہ کس سے اور کس طرح کرے گا۔ اس کا جواب بھی سورۃ الکھف کی اگلی آیت ۱۱۰ میں اس طرح بیان ہوا ہے:—

"کہہ میں تمہاری طرح صرف بشر ہوں۔ میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کی اُمید رکھتا ہے تو چاہیئے کہ وہ اچھے عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔"

اچھے اعمال کا نتیجہ اللہ تعالےٰ کی ملاقات ہے۔ اور ملاقات سے قربت پیدا ہوتی ہے اسی لئے یہ بھی فرمایا کہ:—

"جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھیں تو بے شک میں قریب ہوں۔ میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔"

لیکن شرط یہ ہے کہ:—

"وہ میری فرمانبرداری کریں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ ہدایت پائیں" (۲:۱۸۶) اعمال صالحہ بجا لانا ہی اس کی فرمانبرداری ہے"

ہماری سمجھ سے یہ بات بالا تر ہے کہ اعمالِ صالحہ بھی ہوں۔ ملاقات بھی ہو اور قربت بھی۔ پکارنے والے کی پکار کے جواب کا وعدہ بھی ہو اور پھر پرویز کے فلسفہ کے مطابق "بات نہ ہو"۔ ہاں اس بات چیت اور راز و نیاز کے انداز ذرا مختلف ہیں جن کا اگر پرویز صاحب کو تجربہ نہیں تو وہ اپنی فکر و "بصیرت" سے کام لے کر ذرا اپنے اندر جھانک کر دیکھیں کہ کبھی انہوں نے وہ طور طریقے بھی اپنائے ہیں جن کے ذریعے پکار کا جواب ملتا ہے۔ اور وہ کیوں اس آیت کریمہ کے رُو سے کہ:—

"وہ درجوں کو بلند کرنے والا صاحب عرش ہے۔ وہ رُوح کو اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے ڈالتا ہے تاکہ ملاقات کے دن سے ڈرائے۔" (۴۰-۱۵)

اللہ تعالےٰ کے انتخاب سے محروم رہ گئے ہیں۔

اللہ اسی رُوح کے ذریعے باتیں کرتا ہے:—

"سو ہم نے اپنی رُوح کو اس کی طرف بھیجا تو وہ اس (مریم) کے لئے ایک صحیح سالم انسان کی شکل میں متمثل ہوگئی۔ کہا میں تم سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو متقی ہے۔ اس نے کہا میں صرف تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں (وہ فرماتا ہے) تاکہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا بخشوں"۔ الخ۔

یہ روح اگر مریم رض پر جو عورت ہیں اور نبیہ بھی نہیں ہیں اُتر کر انسانی شکل میں باتیں کر سکتی ہے تو کیوں دوسرے ایسے انسانوں پر نہیں اُتر سکتی جو انہی کی طرح اپنے آپ کو گناہوں سے محفوظ رکھتے اور اعمالِ صالحہ بجا لاتے ہیں۔ یہ رُوح ضرور اُترتی اور باتیں کرتی ہے لیکن یہ انہی کا نصیب ہے جو اللہ ہی کو اپنا اِلٰہ مانتے اور اسی کے سامنے جھکتے ہیں۔ جن کا اِلٰہ نفس ہو اور دُنیا کی لذات کے پیچھے پڑے ہوں ان کی یہ قسمت کہاں۔

پرویز صاحب لکھتے ہیں مرزا صاحب نے خدا سے ہمکلامی کر کے ایک نیا مذہب قائم کیا ہے جس کے دو بنیادی اُصول جہاد بالسیف کی تنسیخ اور حضرت عیسٰےؑ کی وفات کا اقرار ہے۔ ہم پرویز صاحب کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ ان دونوں مسائل کے خلاف قرآن کریم کی روشنی میں مقالے لکھیں، ہم انشاء اللہ ان کا جواب قرآن ہی کی تعلیم کے مطابق دیں گے کیونکہ وہ حدیث کے منکر ہیں۔ شرط یہ ہے کہ وہ ہمارے جوابات کو بھی "طلوع اسلام" میں جگہ دیں۔ اگر وہ یہ جرأت نہ کر سکیں تو ہم اپنے ہفت روزہ "پیغام صلح" میں ان کے مقالے اور جوابات شائع کریں گے۔

پرویز صاحب اس سے قطعًا بے خبر ہیں کہ یہ اللہ تعالےٰ سے شرفِ ہمکلامی ہی ہے جس کے ذریعے قرآن کریم کی لازوال صداقتوں پر سے اپنے اپنے وقت میں پردہ اُٹھتا رہا ہے۔ اور تا قیامت ایسا ہوتا رہے گا۔ اگر "وحی" اور "الہام" کے لفظ سے وہ بدکتے ہیں تو ان کے اپنے فہم کا قصور ہے کیونکہ قرآن کریم میں تو لفظ "وحی" اُمِّ موسٰےؑ، حواریوں، شہد کی مکھی اور زمین کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔ تو کیا یہ سب کے سب "نبی" بن گئے؟ اور سب نے قرآن کریم میں ردّ و بدل کر کے نئے مذاہب کی بنیاد رکھی۔

مشکل یہ ہے کہ اگر پرویز صاحب غیر نبیوں سے بھی ہمکلامی کا نظریہ قبول کر لیں تو اشتراکیت کی تبلیغ مشکل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک قرآن صرف مادی فلسفۂ زندگی کا علمبردار ہے۔ اسے روحانیت سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ اس پر عمل کر کے کوئی لقاء اللہ سے مشرف ہو سکتا ہے۔

---

## فطرانہ عیدالفطر

### اس برس بھی دو روپے فی کس ہوگا

عیدالفطر کے دن نمازِ عید سے پیشتر گھر کے ہر فرد کی طرف سے فطرانہ ادا کرنا ضروری ہے۔

تمام احباب جماعت اپنی اپنی جماعتوں کے سیکرٹری اور محاسب صاحبان کو نمازِ عید سے پہلے فطرانہ ادا کر کے عنداللہ ماجور ہوں۔

(افسر تحصیل)

مکرم جناب مولینا عبدالحق صاحب ودیارتھی

# قرآن شریف کی سُورت النمل پر ایک نظر

کلامِ پاک کی ۲۷ ویں سورۃ کا نام اَلنَّمْل ہے جس میں بنی اسرائیل کے سب سے بڑے بادشاہ حضرت سُلیمانؑ کا ذکر ہے اسی کے ضمن میں النمل یا چیونٹی کا ذکر بھی آیا ہے۔ چیونٹی کیا اور اس کی بساط کیا؟ جسامت کے لحاظ سے وہ زندگی کی ایک چھوٹی سی اکائی ہے۔ بظاہر نہ اس کا کوئی فائدہ اور نہ مصرف بلکہ ایک ضرر رساں اور قابلِ نفرت کیڑا ہے۔ جن جانداروں سے ہمیں فائدہ پہنچتا ہے ان کا وجود تو گوارا، پر چیونٹی تو کسی شمار اور قطار میں نہیں۔ لیکن اس ننھی سی جان کو جب غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ قدرتِ الٰہی کا بہت بڑا اعجاز ہے۔ قدرت نے اسے اوصاف سے متصف کیا ہے کہ حضرت سُلیمانؑ جیسے بادشاہ سے بات کر سکے۔ قرآن شریف کی بیشتر آیات کا موضوع اللہ تعالےٰ کی ہستی اس کی توحید قرآن شریف کا کلامِ الٰہی ہونا اور محمد رسول اللہؐ کا رسولِ برحق ہونا ثابت کرنا ہے۔

آؤ چیونٹی کو دیکھیں یہ تین قسم کے عظیم الشان دلائل اس میں اور اس کے کاروبارِ زندگی میں نظر آتے ہیں یا نہیں؟

(۱)۔ چیونٹی کی دُنیا میں ساڑھے تین ہزار قسمیں ہیں ہر قسم دوسری قسم سے فرق رکھتی ہے۔ اگر دُنیا کے فلاسفروں اور انجینیروں اور نقشہ نویسوں کو دعوت دی جائے کہ وہ اتنی چھوٹی سی چیونٹی کے 3500 الگ الگ اوصاف اختلافات اور نقشے سوچیں تو یہ ایک ناممکن امر ہوگا چہ جائیکہ اس کو عمل میں لا کر دکھایا جائے۔ کیا یہ امر حیرتناک نہیں کہ ہر چیونٹی 3500 قسم میں سے اپنی قسم کو پہچانتی ہے اور اس میں کبھی دھوکا نہیں کھاتی۔

(۲) چیونٹی کا اپنی خوراک کی چیز کو پہچاننا فائدہ کی چیز کو لینا کھانا اور زہر سے بچنا عقلمند انسان کو مقابلہ کا چیلنج ہے جس میں بڑے سے بڑا ڈاکٹر بھی بعض اوقات مار جاتا ہے یہ نیکی اور بدی کے درخت کی پہچان ہے جس میں آدم نے دھوکا کھایا اور بنی آدم اکثر دھوکا کھاتے رہتے ہیں۔

(۳) گھر بنا کر رہنا اسے گھر نہ بنانے والے جانوروں پر فضیلت دیتا ہے۔

(۴) بغیر اوزار ہتھیار اور سامان گھر بنانا کتنی بڑی قابلیت ہے۔

(۵) صرف منہ سے کام لے کر موزوں گھر بنانا۔

(۶) گھر بنانے کے لئے موزوں جگہ کا انتخاب کرنا خواہ دوسری منزل یا سیمنٹ کی پختہ چھت ہو کیوں نہ ہو بہت بڑی ہمت اور جرأت کا کام ہے۔

(۷) چیونٹی کا گھر صرف ایک نر اور مادہ کا گھر نہیں ہوتا پوری قوم اور جماعت کا گھر ہوتا ہے۔

(۸) چیونٹی نفس پرست (EGOISTIC) نہیں بلکہ قوم پرست ...... (ATTRUISTS) ہے۔

(۹) اپنی ماں یا ملکہ کے حکم کے مطابق کام کرتی ہے امیرِ قوم سے انحراف نہیں کرتی

(۱۰) ملکہ مختلف افراد کو مختلف کاموں پر مامور کرتی ہے۔

(۱۱) پوری قوم میں کوئی سُست اور بے کار لیٹا ہوا نہیں۔

(۱۲) اپنے جسم سے بیس گنا زیادہ بوجھ اُٹھاتی ہے۔

(۱۳) میرے اللہ نے مجھے بیکار اور باطل نہیں بنایا، یہ اس کا زبردست ایمان ہے۔

(۱۴) تیمور جیسے مُغل بادشاہ کو ہمت نہ ہارنے کا سبق دے سکتی ہے۔ ہندوستان پر دو دفعہ حملہ کرکے شکست کھا کر دِل شکستہ ہو کر بیٹھا ہوا تھا ایک چیونٹی کو اپنے جسم سے بیس گنا بھاری دانہ اُٹھا کر چڑھتے دیکھا۔ دیوار پر چڑھتے دانہ بار بار گر جاتا تھا پھر اُتر کر اسے اُٹھا کر چڑھتی اس نے ہمت نہ ہاری۔ بالآخر دانہ اُٹھا کر لے گئی۔ تیمور نے یہ دیکھ کر سبق لیا اور کامیاب ہو گیا۔

(۱۵) موسم کے متعلق اس کی پیش خبری غلط نہیں ہوتی۔ بارش سے دو دن پہلے اپنے انڈے بچے اور کھانا محفوظ جگہ پر پہنچا دیتی ہے۔

(۱۶) دشمن سے بچنے کے لئے پوری قوم کو خبردار کرتی ہے۔

(۱۷) اپنی قوم میں عدل و انصاف اور اِیتائِ ذِی الْقُرْبیٰ پر عمل کرتی ہے۔

(۱۸) جس سے فائدہ اُٹھاتی ہے اسے نقصان نہیں پہنچاتی بلکہ اسے فائدہ پہنچاتی ہے اور احسان کرتی ہے۔

(۱۹) میکسیکو (امریکہ) میں رہنے والے چیونٹے درختوں پر گھر بناتے ہیں۔ یہ اپنی قوم کے علاوہ تتلیوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ انہوں نے یہ ذمہ داری بے مطلب قبول نہیں کی تاہم جس جان سپاری سے وہ ان کی حفاظت کرتے ہیں وہ قابلِ تعریف ہے۔ تتلیوں کی خوراک خاص قسم کی پھننگیاں اور پتیاں ہیں یہ ان کے لئے مہیا کرتے ہیں چاہے ان کے لئے پچاس پچاس گز دُور جانا پڑے۔

(۲۰) زراعت کو نقصان پہنچانے والے کیڑے مکوڑوں کو مارنے کا کام بھی چیونٹیوں سے لیا جاتا ہے چنانچہ اس مقصد کے لئے اٹلی سے سارڈینیا چیونٹیاں بھیجی گئیں۔

(۲۱) اگر آپ اپنی کھانے پینے کی چیزوں کی حفاظت نہیں کرتے تو جراثیم ان پر حملہ آور ہوتے ہیں چیونٹی آپ کو اپنی خوراک کی حفاظت کا سبق دیتی ہے

(۲۲) اپنی ماں ملکہ یا امیرِ قوم کی اطاعت کا سبق ہے جو چیونٹی ایک زندہ قوم کو دیتی ہے۔

(۲۳) موٹر کار میں ریڈی ایٹر اس لئے لگایا جاتا ہے کہ انجن کو پانی سے ٹھنڈا رکھا جائے۔ اللہ تعالےٰ نے چیونٹی میں ریڈی ایٹر اس لئے لگایا کہ غضب کی سردی میں اس کے جسم کو گرم رکھا جائے۔

(۲۴) ماں کی فرمانبرداری سے جنّت ملتی ہے جس کے بارہ میں فرمایا لَا یَرَوْنَ فِیْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِیْرًا نہ وہاں زیادہ گرمی ہوگی نہ غضب کی سردی۔

(۲۵) بعض قوموں میں بچہ کی پیدائش پر اُس کی ہتھیلی پر چیونٹی رکھی جاتی ہے تاکہ بچہ عقل مند ہو۔ میں نے چیونٹی کی سوانح حیات اس لئے سُنائی ہے کہ آپ اس سے عقل کا سبق لیں۔

(۲۶) حضرت سلیمانؑ حضرت داؤدؑ کے بیٹے اور بنی اسرائیل کی قوم کے بادشاہ تھے چیونٹی کی زبان اس کا کاروبار اور عمل ہے جس پر وہ پیدائش سے لے کر مرنے تک پابند ہے جو چیز اس کے لئے منع ہے اس کے نزدیک نہ جانا۔ پوری ہمت اور طاقت سے کام کرتے جانا یا اپنے فرائض کی پابندی۔ سب کے لئے کھانا ہر فرد کے لئے گھر سب کے ساتھ عدل و انصاف۔ قوم کے ہر فرد کا دوسرے سے پیار اور محبت کا سلوک یہ وہ اسلامی حکومت ہے جس کا سبق پڑھا کر چیونٹی نے شہنشاہِ اعظم حضرت سُلیمانؑ کو متبسم کیا۔

یاد داری کہ بوقتِ زادنِ تو + ہمہ خنداں بودند و تو گریاں

آنچناں زی کہ بوقتِ مردنِ تو + ہمہ گریاں بودند و تو خنداں

بقیہ لبسلسلہ صلاح

فکر ہونی چاہیئے ورنہ گھاٹے میں رہ جائے گا۔

میں اَب زندگی کی ندی میں بہتے بہتے اس مقام پر پہنچ رہا ہوں۔ جہاں سے اگلا کنارہ نزدیک نظر آ رہا ہے۔ میری دلی آرزو ہے۔ کہ زندگی کے باقی ایام بھی اسی مقصد کی تکمیل میں گذارے جائیں۔ ...

مکرم چوہدری فضل داد صاحب گجرات -

# وابستگانِ سلسلہ احمدیہ سے چند ضروری معروضات

میرے عزیز ساتھیو اور بزرگو۔

آج پیغام صلح کے ذریعہ میں اپنے جذبات بڑی دلسوزی کے ساتھ اپنے قارئین کرام تک پہنچانے کا متمنی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ میرے سادہ مگر خلوص سے لبریز جذبات آپ پر اثر کریں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کشتیٔ نوح میں یوں فرمایا:۔

"جو شخص دنیا کے لالچ میں پھنسا ہوا ہے اور آخرت کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں۔ جو شخص درحقیقت دین کو دُنیا پر مقدم نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں۔"

ہر احمدی (مرد ہو یا عورت) اس پر علیحدگی کی گھڑیوں میں غور کرے اگر ہم نے اس پر عمل نہیں کیا تو ہم نے اپنے عمل سے امامِ وقت کے ساتھ وعدہ کر کے وعدہ شکنی کی ہے۔ ایک طرف وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت صاحب کو مانا ہی نہیں اور دوسری طرف ہم لوگ ہیں جنہوں نے آپ کے دعویٰ کو تسلیم کیا۔ اور حضور کے ہاتھ پر دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد کیا اور اگر ہم اس عہد کو نہیں نبھاتے تو ہم دوہرے مجرم ہیں۔

بڑی دلسوزی سے میری استدعا ہے کہ خدا کے لئے اس عہد کو پُورا کریں یاد رکھئے انسان اپنا محاسب آپ ہے۔ چونکہ انسان کے ہر عمل کا اثر اس کی ذات پر مترتب ہوتا ہے لہذا اس کی ذات اس کا اعمالنامہ ہے۔ حتیٰ کہ اس کے دل میں گذرنے والے خیالات تک کی فلم ساتھ ساتھ تیار ہوتی جاتی ہے اور ظہور نتائج کے وقت یہی فلم پردۂ سکرین پر سامنے آ جاتی ہے۔ انسان قانونِ مکافات کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے: انسان صحیح روش پر صرف اسی وقت چل سکتا ہے جب اسے اس بات کا یقین ہو کہ غلط روش پر چلنے سے تباہ ہو جائے گا۔ اگر یقین ہی نہ رہے تو پھر انسان اپنی غلط روش کو چھوڑ ہی نہیں سکتا۔ سورۃ توبہ آیت ۸۸ " وجاھدوا باموالھم ......

واولٰئك ھم المفلحون " میں فلاح پانے والوں کی یوں تعریف کی گئی ہے کہ وہ اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرتے ہیں اور اُنہی کے لئے سب بھلائیاں ہیں اور یہی کامیاب ہونے والے ہیں۔" یعنے اپنے مال اور جان سے اس مقصد کے حصول کے لئے مصروفِ سعی و عمل رہتے ہیں۔

جنت یوں ہی نہیں مل جایا کرتی۔ اس کو پانے کے لئے بڑے بڑے صبر آزما اور ہمت شکن مراحل سے گذرنا پڑتا ہے۔ جو ان جانکاہ مراحل میں ثابت قدم رہے وہ جنت کی نعماء سے بہرہ ور ہوئے۔

یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ آئندہ کے واقعات کا کسی کو علم نہیں۔ لیکن اہلِ بصیرت اپنے روشن ماضی کی مدد سے مستقبل کے اندھیرے کو جھانک ضرور سکتے ہیں۔

ہم مسلمان صراطِ مستقیم سے دُور ہٹ گئے ہیں، اور اپنی تباہیوں، بربادیوں، اپنے مصائب اور اپنے مسائل کے خود ذمہ دار ہیں۔ ہم نے اپنے لئے آشوب قیامت کا سامان خود پیدا کیا ہے۔ اب ہماری نجات اسی میں مضمر ہے کہ ہم قرآن کریم اور اُسوۂ حسنہ کو دوبارہ اپنے لئے مشعلِ راہ بنائیں اور ان پر ثابت قدمی سے چلنے کا عہد کریں۔ رسول کریم کا عملی نمونہ قرآنِ پاک کی تعلیم ہے۔ لیکن ہمارا یہ اظہار عقیدت اس وقت تک بیکار اور بے معنی رہے گا جب تک ہم اپنے عمل سے اس کی تصدیق نہ کریں۔

اسلام محض چند مذہبی عبادات و شعائر کی ادائیگی کا نام نہیں ہمیں یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ ہم حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا بھی اہتمام کریں اور اپنے اخلاق کی اصلاح کی طرف سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہ ہوں۔ کیونکہ جب تک انسان کا اخلاق درست نہیں اس وقت تک وہ حقیقی معنوں میں اشرف المخلوقات کا درجہ حاصل نہیں کر سکتا۔

پاکیزہ اخلاق، امانت و دیانت میں اعلےٰ نمونہ، محنت، خلوص سے کام کرنے کا جذبہ اور اللہ تعالےٰ کے حضور اپنی ذمہ داری کا احساس بے حد ضروری ہے۔ یاد رہے کوئی شخص صداقت کے معیار پر اس وقت پورا اُترتا ہے۔ جب اس کے قول اور فعل میں تضاد نہ ہو۔ ہمیں نبی کریم صلعم کے ارشاد کے مطابق زندگی گذارنی چاہیئے اور ہر آن اپنی اصلاح کی طرف لگا رہنا چاہیئے قرآن: "لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ" ۲۸۶:۲ - جو شخص کوئی اچھا کام کرے گا اس کا اثر اس کی ذات پر مرتب ہوگا اور جو غلط کام کریگا اس کے تباہ کن نتائج بھی اس کی ذات کو بھگتنے پڑیں گے۔

## نجات کا مستحق کون ہے

نجات کوئی ایسی شئے نہیں کہ اس کے ثمرات کا پتہ انسان کے مرنے کے بعد ملے بلکہ نجات تو وہ امر ہے جس کے ثمرات اسی دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں۔ نجات یافتہ آدمی کو ایک بہشتی زندگی اسی دنیا میں مل جاتی ہے۔

## نماز کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا

اگر نماز میں توجہ پیدا نہ ہو تو ہر نماز میں خدا کے حضور کھڑے ہو کر یہ دُعا کرو۔ اے خدا تعالےٰ میں گنہگار ہوں اور اس قدر گناہ کے اثرات نے میرے دل اور رگ و ریشہ میں اثر کیا ہے کہ مجھے رقت اور حضور نماز حاصل نہیں ہوتا تو اپنے فضل و کرم سے میرے گناہ بخش۔ میری تقصیرات معاف فرما اور میرے دل میں اپنی عظمت ڈال، اپنا خوف اور اپنی محبت بٹھا دے تا اس کے ذریعے سے میری سخت دلی دُور ہو کر حضورِ نماز میسر آوے۔ یہ دُعا قیام، رکوع، سجدہ میں کرے۔ آپ نے فرمایا۔ خدا بڑا خزانہ ہے۔ خدا بڑی دولت ہے۔ بکری کے سر پر شیر کھڑا ہو وہ گھاس نہیں کھا سکتی۔ لوگوں میں بکری جتنا بھی ایمان نہیں۔

رسول کریم صلعم کی تشریف آوری کا مطلب صرف اور صرف یہ تھا کہ خدا کی، صرف خدا کی پُوجا کی جائے۔ لیکن آجکل پیروں، فقیروں، مزاروں متولیوں کی دنیا میں اسلامی تعلیمات کا مذاق اُڑایا جا رہا ہے۔ بہشتی، جنتی دروازوں، عرسوں، اور مشرکانہ رقص و سرود، کی محفلوں میں راہِ نجات تلاش کی جاتی ہے۔ اسلام کو اپنے سیاسی اور تجارتی مقصد کی خاطر قربان کیا جاتا ہے۔ توبہ۔ قرآن کریم فرماتا ہے ولٰكن كانوا انفسهم يظلمون ۳۳:۱۷ - وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اور وہی ظلم ہلاکت بن کر سامنے آ جاتا ہے۔

میرے بزرگو علیحدگی کی گھڑیوں میں اپنے موجودہ معاشرہ کو نظر میں لائیں۔ اخبار میں آئے دن لرزہ خیز، اندوہناک اور حوصلہ شکن خبریں آتی ہیں۔ یہ اس قوم کا حال ہے جو اسلام کی مدعی ہے۔ رشوت، ملاوٹ، سمگلنگ۔ قتل و غارت۔ علماء کا حال دیکھئے اسلام کی تعریف نہیں کر سکے۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں جس پر کفر کا فتویٰ نہ لگا ہو۔

لیڈران قوم کی عملی زندگی پر نظر ڈالئے، اپنے علاقہ۔ محلہ۔ شہر۔ پر نظر ڈالئے دُور نہ جائیے اپنے گریبان میں نظر ڈالئے اور خدا لگتی کہیئے کہ آپ کی نظر میں کتنے افراد آپ کو ایسے ملیں گے جن کے قول و فعل میں یکسانیت ہوگی اور کتنے ایسے ہوں گے جن کے عمل اور قول میں تضاد ہوگا۔ کیا ان واقعات کی موجودگی سے یہ روزِ روشن کی طرح ثابت نہیں ہو رہا، کہ یہ دُنیا تباہی کے کنارے پر کھڑی ہے۔ اِس لئے آئیے

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۳)

# مولوی محمد یوسف صاحب لدھیانوی ثم علیسی پوری کے چوتھے کھلے خط کا کھلا جواب

نوٹ: مولوی صاحب مذکور نے ہفت روزہ "لولاک" لائل پور میں ایڈیٹر پیغام صلح کے نام اس وقت تک چار کھلے خط شائع کرائے ہیں ان میں سے پہلے خط کے ایک حصے کا جواب جو وفات و حیات مسیح سے متعلق تھا۔ میں نے بصورت اداریہ "پیغام صلح" کے ۱۴ر جولائی ۱۹۷۶ء کے شمارہ میں دے دیا تھا۔ ان کا دوسرا اور تیسرا خط بدقسمتی سے ہماری نظر سے نہیں گذرا۔ چوتھا "لولاک" کے ۶ر اگست کے شمارہ میں شائع ہوا ہے جس کا مفصل جواب میں ہدیہ قارئین "پیغام صلح" کرنے کی اجازت چاہتا ہوں (مدیر)

مکرمی مولوی محمد یوسف صاحب - اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

آپ کی بڑی نوازش اور کرم فرمائی ہے کہ آپ نے ہمیں راہِ ہدایت کی طرف دعوت دینے کے لئے ایڈیٹر "پیغام صلح" کو مخاطب کرتے ہوئے چار کھلے خط ہفت روزہ "لولاک" لائل پور میں شائع کرانے کی زحمت اُٹھائی ہے۔ افسوس ہے کہ آپ کا دوسرا اور تیسرا خط مجھ تک نہ پہنچ سکا۔ پہلا اور چوتھا خط نظر سے گذرے۔ پہلے خط کے ایک حصے کا جواب جو حیات و ممات مسیح سے متعلق تھا میں نے پیغام صلح کے چودہ جولائی کے شمارہ میں بصورت اداریہ دے دیا تھا۔ اس کے بعد ۲۸ر جولائی کے شمارہ میں بھی ایک مضمون بعنوان "وفاتِ مسیح ناصری" شائع ہو چکا ہے۔ یہ شمارے یقیناً آپ تک پہنچ چکے ہونگے اس لئے میں بڑی شدت سے منتظر تھا کہ آپ ہماری طرف سے وفاتِ مسیح پر قرآن و حدیث کی روشنی میں دیئے گئے دلائل پر ضرور طبع آزمائی فرمائیں گے اور انہی دو ذرائع علم کے رو سے ایسے دلائل قاطع ہمارے سامنے رکھیں گے کہ ہم اپنے اس عقیدہ سے رجوع کرنے اور حضرت مرزا صاحب کے دامن کو جھٹک دینے پر مجبور ہو جائیں گے اور شاید آپ کی یہی ایک نیکی آپ کی دنیا اور عاقبت کو سنوارنے کا موجب ہو جائے گی۔ لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ آپ نے اپنے پہلے مکتوب گرامی کو ان الفاظ پر ختم کیا تھا:—

ع شفا بایدت داروئے تلخ نوش

آپ کے دستِ مسیحا سے تو ہم اب تک زہر کے کتنے ہی ایسے پیالے پی چکے ہیں جنہیں آپ نے ہمارے لئے باعث شفا سمجھا تھا۔ ایک "داروئے تلخ" اور سہی۔ اسے بھی انگبین سمجھ کر پی لیں گے لیکن یہ مرض، مرضِ عشقِ خدا اور رسول ہے جو حضرت مرزا صاحب ہمیں لگا گئے۔ اس کا علاج آپ کے پاس کوئی نہیں۔ ویسے تو:—

تیر پر تیر چلاؤ تمہیں ڈر کس کا ہے (خدا کا بھی نہیں)
سینہ کس کا ہے میری جان جگر کس کا ہے

چونکہ ایک مختصر اداریہ آپ کے چوتھے خط کے تفصیل طلب جواب کا متحمل نہ ہو سکتا تھا اس لئے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ آپ کے کھلے خط کا کھلا جواب ہی دیا جائے۔ چوٹ بھی ذرا برابر کی رہے گی۔ آپ نے جو اہم نکات اس خط میں اُٹھائے ہیں میں اپنے قارئین کی دلچسپی کے لئے انہیں آپ ہی کے الفاظ میں نقل کرتا ہوں:—

۱۔ "النصوص تحمل علٰی ظاھرھا۔ یعنی قرآن و حدیث کے وہی معنے لئے جائیں گے جو اُن کے ظاہر الفاظ سے مفہوم ہوتے ہیں.......... قرآن و حدیث کو معروف و مسلم معنوں سے ہٹا کر ان کو نئے معنے پہناتا قرآن کی اصطلاح میں الحاد۔ حدیث کی اصطلاح میں الحاد و زندقہ اور اہلِ علم کی اصطلاح میں باطنیت ہے.......... اس کے برعکس مرزا صاحب کی مسیحیت کی ساری عمارت" استعارہ پر کھڑی ہے۔"

اس کے بعد آپ نے جیسا کہ آپ جیسے عُلماء کا ہمیشہ سے شیوہ رہا ہے تمسخر اور استہزاء سے کام لیتے ہوئے حضرت مرزا صاحب کے دعوئے "مسیحِ موعودؑ" کا مذاق اُڑایا ہے جسے میں اللہ تعالےٰ کے سپرد کرتا ہوں کیونکہ وہی علیم و خبیر ہے۔

۲۔ آپ نے حضرت حسن بصریؒ کے قول کا یہ ترجمہ دیا ہے کہ:—
"آپ نے یہود سے فرمایا کہ حضرت عیسٰےؑ کی وفات نہیں ہوئی بلکہ وہ قبل از قیامت تمہاری طرف لوٹ کر آئیں گے۔"

۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کا ترجمہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شبِ معراج آپ نے حضرت عیسٰےؑ سے رجوع کیا۔ اُنہوں نے فرمایا:—
"میرے رب کا مجھ سے ایک وعدہ ہے کہ قیامت سے پہلے دجّال نکلے گا پس میں نازل ہو کر اُسے قتل کروں گا۔"
اس کے بعد آپ نے یاجوج ماجوج کی تباہی کا ذکر کیا ہے جو حضرت عیسٰیؑ کی بد دُعا سے اُن پر آئے گی

۴۔ حضرت ربیع بن انس سے روایت شُدہ حدیث کا ترجمہ دیتے ہوئے آپ نصاریٰ کے وفد کو اُس جواب کا ذکر کرتے ہیں جو آنحضرت صلعم نے اسے دیا:—
"نبی کریم صلعم نے فرمایا کیا تُم نہیں جانتے کہ بیٹا اپنے باپ کے مشابہ ہوتا ہے۔ اُنہوں نے کہا جی ہاں۔ فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارا ربّ زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا اور عیسٰیؑ پر فنا آئیگی۔ انہوں نے کہا ہاں یہ تو صحیح ہے الخ"۔
"ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسٰےؑ وعدہ خداوندی کے تحت یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ دوبارہ زمین پر نازل ہوں گے۔"

"النصوص تحمل علٰی ظاھرھا" کا قول آپ کو پیش کرنے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی ہے کہ آپ قرآن کریم کی آیات ۳:۵۴ و ۴:۱۵۷ و ۴:۱۵۸ میں آنے والے الفاظ "ورافعک الیّ" و "ماقتلوہ وماصلبوہ" اور "بل رفعہ اللّٰہ الیہ" سے اور حدیث شریف میں نزولِ مسیح سے متعلق استعمال ہونے لفظ "نزل" سے حضرت مسیح کی حیات پر دلیل دے سکیں۔ لیکن آپ نے اس قول کا یہ ترجمہ کرکے کہ:

قرآن و حدیث کے وہی معنے لئے جائیں گے جو اُن کے ظاہری الفاظ سے مفہوم ہوتے ہیں"

اپنی قرآن دانی اور قرآن فہمی اور علمی قابلیت کا بھانڈا خود ہی بیچ چوراہے میں پھوڑ دیا ہے۔ اپنی مطلب براری کے لئے آپ نے قرآن کریم کے سارے الفاظ کو علاوت قرآن کریم "النصوص" میں شامل کر دیا ہے حالانکہ "النصوص" وہ محکم۔ غیر مبہم اور غیر مبدل اُصول ہیں جن کا ذکر خود قرآن کریم نے یوں فرمایا ہے:—

"ھو الذی انزل علیک الکتٰب منہ اٰیٰت محکمٰت ھن ام الکتٰب و اُخر متشٰبھٰت۔ فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ وما یعلم تاویلہ الا اللّٰہ

والرّاسخون فی العلم۔ یقولون اٰمنا بہ کُلٌ من عند ربّنا ج وما یذکّر الا اُولوا الالباب ٥ (۳ : ۶)

ترجمہ: وہی ہے جس نے تم پر کتاب اُتاری اس میں سے محکم آیتیں ہیں جو کتاب کی اصل ہیں اور کچھ متشابہ ہیں۔ پھر جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں جو اس میں سے متشابہ ہیں اختلاف چاہتے ہوئے اور یہ چاہتے ہوئے کہ اس کی تاویل کریں اور اس کی تاویل کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے اور اُن کے جو علم میں پختہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے۔ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے اور عقل والوں کے سوائے کوئی نصیحت قبول نہیں کرتا۔"

قرآن کریم کے ان الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں دو قسم کی آیات ہیں ایک محکمات اور دوسری متشبہٰت۔ محکمات ام الکتاب۔ اس کی جڑ اور اصول ہیں جن پر اسلام کی بنیاد ہے۔ یہ رُوح المعانی کے مطابق واضحۃ المعنی ظاھرۃ الدلالۃ محکمۃ العبارۃ ہیں۔ ان کے معنی اور دلائل بھی بالکل واضح ہیں اور عبارت بھی محکم ہے۔ اور حضرت جبیر کے مطابق یہ ام الکتاب اس لئے ہیں کہ "لانھن مکتوبات فی جمیع الکتب" یہ ساری کُتب سماوی میں لکھے ہوئے اُصول دین ہیں اور محکم وہ مضبوط چیز ہوتی ہے جو اپنی جگہ سے ہلائی نہ جاسکے۔ اس کے برعکس متشبہٰت کو تاویل کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کی تاویل سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا مگر جو علم میں پختہ ہیں انہیں اللہ تعالےٰ کی طرف سے جانتے ہوئے ان کی ایسی تاویل کرتے ہیں جو محکمات سے متصادم نہ ہوں۔ اور جب بھی کوئی ایسی آیت اُن کے سامنے آئے اس کے معنے محکمات کے حوالے سے کرتے ہیں۔ یعنے اسے اس اُصول کے ماتحت رکھ کر اس کا مطلب اخذ کرتے ہیں جو قرآن کریم میں بیان ہو چکا ہے۔ ان کے علاوہ کچھ ٹیڑھے دل و دماغ والے ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اپنی مطلب براری اور فتنہ و فساد پیدا کرنے کے لئے اس کی من پسند تاویل کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو دھوکا دے کر اپنے موقف کا قائل کرایا جاسکے۔ تاویل کا مطلب ہی اُسے اپنے اصل کی طرف لوٹانا ہے اگر ایسا نہ کیا جائے تو محکمات اور متشابہات کی موجودگی میں قرآن کریم میں تضاد و تناقص اور اختلاف ماننا پڑے گا اور پھر قرآن کریم کی اس آیت :۔

"افلا یتدبرون القرآن ط ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیرا"

کے تحت قرآن کریم پر تدبر نہ کرنے کی وجہ سے اسے نعوذ باللہ من عند غیر اللہ تسلیم کرنا پڑے گا اور اس طرح مخالفین کا یہ دعویٰ کہ "اسے صرف انسان سکھاتا ہے" (۱۶ : ۱۰۳) صحیح ماننا پڑے گا ہے۔ مولوی صاحب! ذرا غور فرمائیے کہ آپ "متشبہٰت" کو بھی "النصوص" یا "محکمٰت" میں شامل کر کے کس طرح اللہ تعالےٰ کے دعوے کو جھٹلانے سے بھی نہیں چُوکتے۔ اور آنحضرت صلعم کی "ختم نبوت" تو علیحدہ رہی ان کی نبوت کو بھی مشکوک بنانے سے خوف نہیں کھاتے یہ صرف اس خاطر کر رہے ہیں کہ اپنی من مانی تاویلوں سے جو آپ کے ٹیڑھے دِل و دماغ کا نتیجہ ہیں لوگوں میں فتنہ و فساد پیدا کریں خواہ اس کی زد خدا اور اس کے رسُول کی ذات پر ہی کیوں نہ پڑے۔ قرآن کریم پر رحم کرتے ہوئے آپ کو یہ تو کم از کم سوچنا چاہیئے کہ اس کے سارے الفاظ کے معنی اگر ظاہر ہیں تو اس میں بار بار یعقلون یشعرون ۔ تشعرون ۔ یتدبرون ۔ یتفکرون ۔ یتفقھون اور اولی الالباب کے الفاظ کیوں استعمال ہوئے ہیں۔ فکر و تدبّر اور عقل و شعور سے تو سوچنے سمجھنے اور تحقیق و تفتیش کا کام لیا جاتا ہے اور چُھپے ہوئے رازوں سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی جاتی ہے جیسا کہ آج کی سائنسی دنیا میں ہو رہا ہے اور جن کا آج سے سو سال پہلے تک تصوّر بھی نہ کیا جاتا تھا وہ حقیقتیں قدرت کی طرف سے عطا کردہ انہی قوتوں کے استعمال سے سامنے آ رہی ہیں۔ اگر سب کچھ ظاہر ہے تو ان کا عطا کرنا بھی بے معنی اور استعمال بھی بے فائدہ ہے۔ نعوذ باللہ قرآن کریم کا یہ دعوےٰ بھی باطل ٹھہرتا ہے کہ "ہر چیز کو ہم نے پوری تفصیل سے بیان کر دیا ہے"۔ (۱۷ : ۱۲) کیونکہ ہمیں اس میں نہ ریل کا ذکر نظر آتا ہے نہ ہوائی جہازوں کا نہ چاند اور مریخ پر جانے والے راکٹوں کا اور نہ ہی ایٹمی قوت، ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کا نہ ہی سیاسی، معاشی، معاشرتی، تہذیبی اور ثقافتی تبدیلیوں۔ مسائل اور ان کا حل۔ پھر یہ کیسی کتاب ہے جس کا یہ دعوےٰ ہے کہ :۔

"یہ کتاب ہے جس کی آیتیں کھول کر بیان کی گئی ہیں۔ قرآنِ عربی۔ اُن لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں"۔ (۴۱ : ۳)

اگر آیتیں کھول کر بیان کر دی گئی ہیں قرآن کے معنوں میں کوئی ابہام اور شک شبہ نہیں رہنا چاہیئے۔ اس صورت میں اس اضافہ کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی کہ "ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں"

ہمارا یہ ایمان ہے کہ قرآن شریف کا ایک ایک نقطہ اور شوشہ مخفی صداقتوں کا حامل ہے۔ اس میں سارے زمانوں کے مسائل کا حل موجود ہے۔ یہ مسائل ہر زمانے میں مختلف ہوتے ہیں۔ ان کا حل "الراسخون فی العلم" یعنی علماء ربّانی جن میں اولیاء۔ صلحاء اور مجددین اُمّت شامل ہوتے ہیں محکمات اور متشابہات کے اصول کو مدِنظر رکھتے ہوئے وہ اجتہاد اور تفقہ فی الدین سے کام لیتے ہیں۔ اسی میں مسلمانوں کے ماضی کی شان و شوکت عظمت اور عروج کا راز پنہاں تھا۔ جب سے آپ جیسے علماء ظاہر نے مفاد پرستی اور لوگوں کا مال باطل طریقوں سے ہڑپ کرنے کے لئے "ما الفینا علیہ اٰباءنا" کا راستہ اختیار کرتے ہوئے سوچ و تفکر پر تالے لگا دیئے اسی زمانے سے فتنہ و فساد کے دروازے وا ہوئے اور مسلمان ذلت و رسوائی اور نکبت و ادبار کا شکار ہونا شروع ہوئے۔ قرآن تو رہا الگ آپ کو آنحضرت صلعم کا یہ تاریخی واقعہ بھی یاد نہ رہا کہ آپؐ نے جب حضرت معاذ بن جبلؓ کو گورنر بنا کر بھیجا تو آپ کو رخصت کرنے کے لئے کچھ فاصلہ تک آپؐ بھی ان کے ساتھ تشریف لے گئے اور فرمایا کہ معاذ اگر تمہیں کوئی مسئلہ پیش آ جائے تو کیسے فیصلہ کرو گے۔ حضرت معاذؓ نے جواب دیا "قرآن میں تلاش کروں گا"۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر وہاں بھی نہ ملے تو پھر کیا کرو گے۔ انہوں نے جواب دیا "پھر آپ کے اقوال و سُنت میں ڈھونڈوں گا"۔ پھر آنحضرت صلعم نے فرمایا اگر وہاں بھی نہ پاؤ تو پھر کیا کرو گے۔ تو آپؓ نے جواب دیا "اجتہاد سے کام لوں گا"۔ یہ سُن کر آپؐ کا چہرہ پُر نور خوشی سے اور بھی چمک اُٹھا اور فرمایا میں اپنی قوم میں جو بات پیدا کرنے آیا ہوں اس میں اللہ تعالےٰ نے مجھے کامیاب کر دیا۔

آپؐ کی بعثت کی غرض و غایت ہی تزکیہ نفس۔ عقل و شعور کو روشن کرنا اور انسانیت کی جھولی میں علم و حکمت کے موتی اور جواہرات ڈالنا تھی لیکن آپ ہیں کہ اُسے اس سے محروم کرنے پر تُلے بیٹھے ہیں۔ خدارا اپنے کانوں میں پڑے ہوئے بوجھوں اور آنکھوں اور دلوں پر پڑے ہوئے پردوں کو دُور کر کے رحم کیجئے قرآن و حدیث پر اور انصاف کیجئے آنحضرت صلعم کی ختم نبوت سے اور مسلمانوں کو جہالت کی تاریکیوں میں دھکیلنے سے باز آ جایئے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر مسلمانوں میں آپ کا استحصال پسند اور مفاد پرست طبقہ نہ ہوتا تو آج اسلام کے سورج نے ہر طرف دنیا کو اپنی روشنی کی لپیٹ میں لے لیا ہوتا۔ میں تو اس خوف سے کانپ اٹھتا ہوں کہ آپ روزِ حشر خدا اور اس کے رسُولؐ کے سامنے اپنے اس جُرم کا کیا جواب دیں گے۔

آپ نے حیات و ممات مسیحؑ کا مسئلہ چھیڑا ہے اس پر اگر بحث مقصود ہے تو پھر اصُولی بحث کی طرف آیئے۔ ہمارے لئے قرآن کریم تمام احادیث

... اقوال علماء ... کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا قول اور کلام ہے اور "وہی" ہونے پر یقین ہے تو ہم وفاتِ مسیح پر قرآن سے دلائل پیش کرتے ہیں آپ بھی قرآن ہی سے حیاتِ مسیح کے حق میں دلائل دے کر ہمارے نظریات کو باطل ثابت کیجئے - اگر ہم حدیث کو سامنے لاتے ہیں تو آپ بھی حدیث کو سامنے لایئے - ان میں تناقض ہو تو ہم اسے قرآن پر پیش کریں گے - اگر قرآن ہماری پیش کردہ حدیث کی تائید میں ہو تو حق و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اسے قبول کر لیں اور اگر آپ کی پیش کردہ حدیث کا مؤید ہو تو ہم اسے قبول کر لیں - ان دونوں کے بعد علماء کے اقوال کی طرف آیئے وہ اگر قرآن و حدیث کے نقیض ہوں تو ہم دونوں کے لئے قابل قبول نہیں ہونے چاہئیں - کیونکہ کسی بھی انسان کے قول کو خواہ وہ مجدد ہونے کا مدعی ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے قول پر ہرگز ترجیح نہیں دی جا سکتی ۔ ؎

خدا کے قول سے قولِ بشر کیوں کر برابر ہو
وہاں قدرت یہاں درماندگی فرقِ نمایاں ہے

یہ تو صداقت پسندی اور حق پرستی نہیں کہ ہم تو قرآن کو پیش کریں اور آپ اسے اپنا مصدق نہ پاتے ہوئے اس سے کنّی کترا کر ہمارے سامنے علماء کے اقوال رکھ کر حیاتِ مسیح ثابت کرنے کی ناکام کوشش کریں - یہ دنیا کو محض فریب اور دھوکا دینا ہے -

آپ خوب جانتے ہیں کہ آپ کے نام نہاد طبقہ نے مکر و فریب سے کام لے کر سادہ دل عوام کے دلوں میں ہمارے سلسلہ اور لٹریچر کے خلاف اتنی نفرت پیدا کر دی ہے کہ وہ ہماری تحریرات کو پڑھنا تو درکنار دیکھنا تک گوارا نہیں کرتے اور آپ اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اُن کے سامنے تصویر کا ایک ہی تاریک رُخ پیش کر رہے ہیں کیونکہ دوسرا روشن رُخ آپ کی ان تخریبی چالوں کی وجہ سے اُن کے سامنے آتا ہی نہیں مگر ایک وقت آئے گا کہ آپ کے چہروں پر پڑے ہوئے یہ سیاہ نقاب الٹ دیئے جائیں گے اور آپ کا باطن ظاہر ہو جائے گا - تب آپ یاس و ناامیدی میں یدخلون فی الاحمدیۃ افواجا کا نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے اور احمدیت مُلّا کا نہیں آنحضرتؐ کا لایا ہوا اسلام ہے - خدا کے وعدے پورے ہو کر رہتے ہیں - یہ سُنّت اللہ ہے کہ حق غالب ہو کر رہتا ہے - اس میں زمانہ کی کوئی قید نہیں - جلدی ہو یا دیر سے - آخر خدا کا ایک دن بھی تو ہزار اور پچاس ہزار سال کا ہوتا ہے -

اب میں آپ کے اُس "بیت العنکبوت" (SPIDER'S WEB) کا تانا بانا ادھیڑتا ہوں جو آپ نے "النصوص تحمل علیٰ ظاھرھا" کہہ کر بُنا ہے - یہ آپ نے اس لئے کیا ہے کہ الفاظ "رفع" اور "نزول" کے ظاہری معنی لیتے ہوئے حضرت مسیح کا آسمان پر بجسد عنصری اُٹھایا جانا اور دوبارہ نازل ہونا ثابت کرنے کے لئے لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک سکیں میں اپنے اس عقیدہ کے تحت کہ قرآن تمام اقوالِ انسانی پر حکم ہے ان الفاظ کو اُسی پر پیش کرتا ہوں -

"رفع" کے معنے آپ بجسد عنصری "اُٹھایا جانا" لیتے ہیں - اگر یہ لفظ حضرت عیسےٰؑ سے متعلق ایک ہی مقام پہ واقع ہوا ہوتا تو ہم آپ کے مفروضہ معنی تسلیم کر لیتے لیکن اس وقت ہمارے سامنے کوئی بائیس[22] مقامات ایسے ہیں جہاں یہ لفظ صیغوں کے لحاظ سے مختلف صورتوں میں استعمال ہوا ہے - میں سب سے پہلے ان مقامات کو لیتا ہوں جہاں یہ لفظ انسانوں کے متعلق استعمال ہوا ہے :-

(۱) سُورۃ یُوسف کی آیت ۱۰۰ پر نظر ڈالئے "ورفع ابویہ علی العرش" ... سورۃ المؤمن کی آیت ۱۵ میں "ذوالعرش" اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہوا ہے یعنی صاحب عرش - اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ حضرت یوسفؑ نے جب بجسد عنصری اپنے والدین کو عرش پر رکھا تو وہ صاحب عرش یا ذوالعرش ہوئے یا نعوذ باللہ خدا بن گئے اور اپنے والدین کو ان کے جسموں سمیت اپنے عرش پر اُٹھا کر رکھ دیا - اس طرح حضرت یوسفؑ اللہ تعالیٰ کے شریک بھی ٹھہرے اور ان کے والدین بھی آج تک عرش پر زندہ ہیں - حضرت مسیح کی اس میں کوئی خصوصیت نہ رہی - ان کے واپس آنے کا بھی انتظار کیجئے -

(۲) - سُورۃ فاطر کی آیت ۱۰ میں ہے "جو کوئی عزت چاہتا ہے تو سب عزت اللہ کے لئے ہی ہے اسی کی طرف پاکیزہ کلمے چڑھتے ہیں (الیہ یصعد الکلمُ الطیب) والعمل الصالح یرفعہٗ اور عمل صالح اُسے (عزت چاہنے والے کو) بجسدِ عنصری آسمان پر اُٹھا لیتا ہے - آپ کی ظاہر بینی اور ظاہر پرستی کے تحت "بل رفعہ اللہ الیہ کے معنی ہوتے ہیں" بلکہ اللہ نے اُسے بجسد عنصری آسمان پر اُٹھا لیا" اور یہاں "عمل الصالح" اللہ کے ہاں عزت چاہنے والے کو بجسدِ عنصری آسمان پر اُٹھا لیتا ہے تو منطقی طور پر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور عمل الصالح دونوں ایک ہی چیز ہیں اس لئے "عمل الصالح" اللہ کے ساتھ شریک ہے - اگر شریک فی الذات نہیں تو شریک فی الصفات ضرور ہے - کیا آپ ہمارے ذہن نشین کر سکتے ہیں کہ یہ کیسے ممکن ہے - اور اس میں قرآن کریم کی کونسی حکمت پوشیدہ ہے - اور عمل صالح میں یہ قدرت کیسے پیدا ہوئی کہ وہ انسان کو بجسد عنصری آسمان پر اُٹھا کر لے جائے - اور اس میں عمومیت ہے یعنی جو بھی اللہ کے ہاں عزت چاہے - خصوصیت کوئی نہیں - کس منطقی قاعدہ کے رُو سے آپ عمومیت کو خصوصیت میں بدل رہے ہیں - اس عمومیت کے تحت تو رسول کریم کے بعد بھی ہر انسان آسمان پر اپنے جسم کے ساتھ چڑھتا رہنا چاہیئے - لیکن ایسا نہیں -

(۳) سورۃ مریم کی آیات ۵۶ اور ۵۷ میں ہے "اور کتاب میں ادریسؑ کو یاد کرو وہ صدیق نبی تھا - ورفعنٰہ مکانًا علیا - یعنی ہم نے بجسد عنصری ایک بلند مکان میں اُٹھا کر رکھ دیا" حضرت عیسےٰؑ کے ذکر میں تو صرف "الیہ" ہے اور یہاں تو مکان کا ذکر بھی ہے - پھر تو حضرت ادریسؑ بھی آسمان پر اس وقت تک زندہ اور ویسے کے ویسے ہیں - اگر حضرت عیسےٰؑ کو اُوپر اُٹھانے اور زندہ رکھنے کا مقصد انہیں دوبارہ دنیا میں بھیجنا ہے تو اُن سے پہلے حضرت ادریسؑ کو نازل ہونا چاہیئے - آپ ان کے بارے میں کیوں خاموش ہیں - اس لئے کہ ان کا ذکر حدیث میں نہیں آیا - قرآن کریم تو دونوں کے متعلق لفظ "رفع" ہی استعمال کرتا ہے - اس سے بھی یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ سے ایک خاص سلوک رَوا رکھا -

(۴) المجادلہ کی آیت ۱۱ کے یہ الفاظ ہیں "یرفع اللہ الذین اٰمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجٰت" بقول آپ کے اس کا ترجمہ یوں ہوگا : اور اللہ بجسدِ عنصری ان لوگوں کو اُٹھاتا رہے گا جو تم میں سے ایمان لائے اور وہ جنہیں علم دیا گیا (درجٰت کے معنی آپ کے اُصول کے لحاظ سے یہاں کچھ نہیں بنتے اس لئے میں نے چھوڑ دیئے ہیں) بعد میں آنے والے مسلمانوں کو تو چھوڑیئے خود آنحضرت صلعم

آسمان پر نہ اُٹھائے گئے اور مدینہ میں مدفون ہوئے ہیں۔ آپ جو معنی رفع کے کرتے ہیں اُن کے مطابق تو نعوذ باللہ نہ آنحضرت ایمان لائے اور نہ وہ صاحبِ علم تھے۔ غضب خدا کا مولوی جی! آپ کو حضرت مرزا صاحب کی دشمنی نے اس قدر اندھا کر دیا ہے کہ آپ کی چوٹ سے نہ خدا کا رسول محفوظ ہے۔ نہ صحابہ کرامؓ اور نہ ہی اس اُمت کے تمام اولیاء، صلحاء اور سابقہ صدیوں کے مجددین کیونکہ یہ سارے کے سارے زمین میں مدفون ہیں اور کوئی بھی آسمان پر نہیں اُٹھایا گیا۔ خدا کا یہ قول اور بات کس طرح سچی ثابت ہوئی۔ اور یہ کیسا خدا ہے کہ وعدہ کر کے اُسے پورا نہیں کرتا۔ پھر اس میں بھی عمومیت ہے۔ مومن اور علم والے سب کا رفع ہوگا اور ہوتا رہے گا۔ حضرت عیسےٰؑ کے لئے یہاں بھی خصوصیت نہیں رکھی۔ عجیب بات یہ ہے کہ یہ ان مومنوں کا ہوگا جو آنحضرت کے اُمتی ہیں۔ لیکن یہ رفع وہ رفع نہیں جو آپ سمجھ بیٹھے ہیں کیونکہ تاریخ اس کا کوئی ثبوت پیش نہیں کرتی یہ اور ہی رفع ہے جو ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا لیکن آپ اس سے محروم رہیں گے

(۵) الزخرف کی آیت ۳۲ میں ہے "ورفعنا بعضھم فوق بعض درجٰت"۔ آپ کے نزدیک اس کا ترجمہ ہوگا "اور ہم نے بجسدِ عنصری اُٹھا لیا بعض کو بعض پر درجے ہیں"۔ اس آیت کے سیاق و سباق کو دیکھ بتایئے کہ اس کا کیا مطلب نکلے گا۔

اَب مَیں ان آیات کی طرف آتا ہوں جن میں یہ لفظ دوسری چیزوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اس سلسلے میں آپ کی توجہ ان آیات کی طرف مبذول کرنے کی طرف اجازت چاہتا ہوں:—

(۱)—**آسمان کے متعلق** } "اللہ الذی رفع السمٰوٰت بغیر عمدٍ ترونھا۔" (۱۳: ۲)، "والسماء رفعھا" (۵۵: ۷)، "والی السماء کیف رفعت (۸۸: ۱۸)"، "رفع سمکھا فسوّٰھا" (۷۹: ۲۸) ان ساری آیات میں "رفع" کے معنی اگر بجسدِ عنصری اُٹھا کر آسمان پر لے جانا کئے جائیں تو یہ سب بےمعنی اور خالی از حکمت ہو کر رہ جاتی ہیں۔ کیونکہ آسمان کو اور اس کی بلندی کو بجسد عنصری اُٹھا کر آسمان پر رکھنے کا کوئی مطلب نہیں نکلتا۔ ذرا اس میزان پر اپنے مفروضہ اصول کو تول کر دیکھئے اور اپنی عقلِ نارسا کا ماتم کیجئے۔

(۲) **گھروں کے متعلق** } "النور" کے پانچویں رکوع میں اللہ تعالےٰ کے نور اور اس کی مثالوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ آیت ۳۶ میں جن گھروں میں یہ نور ملتا ہے ان کا ذکر ان الفاظ میں ہوتا ہے "فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیھا اسمہ"۔ اس کے معنی یوں ہونے چاہئیں کہ ان گھروں میں جن کے متعلق اللہ نے اذن دے دیا ہے کہ وہ بجسدِ عنصری اُٹھائے جائیں گے یعنی اینٹ۔ گارا۔ لکڑی سمیت اُٹھا کر آسمان پر لے جائے جائیں۔ اور ان میں اس کا نام یاد کیا جائے"۔ ان سارے گھروں میں سب سے پاکیزہ تو گھر جس کے در و دیوار کے ہر ذرّے سے نور کی شعاعیں نکل کر دنیا کو منور کر رہی تھیں آنحضرت صلعم کا تنگ سا حجرہ تھا۔ یہ حق اسی کا تھا کہ آسمان پر اُٹھا کر رکھا جاتا اور محفوظ کیا جاتا لیکن وہ زمین پر ہی رہا اور اسی میں آپ اپنے دو ساتھیوں سمیت دفن ہوئے۔ دوسرے کسی گھر کی ایسی قسمت کہاں۔ اس گھر کی بلندی اور رفعت کو آسمان بھی جھک کر ملتے ہیں لیکن مولوی صاحب! لکم قلوب لا یفقھون بھا۔ آپ کی ظاہر بین چشم کور اسے نہیں دیکھ سکتی۔ کیونکہ آپ تو سورج کو انگلی کے پیچھے چھپانے کی کوششوں میں مصروف رہتے ہیں۔ جو ظاہر پرست ہوں ان کو باطن سے کیا تعلق۔

(۳) **ذکر کے متعلق** } "الانشراح": ۴ میں اللہ تعالےٰ رسول کریم صلعم کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے "ورفعنا لک ذکرک" یعنی ہم نے تیرے ذکر کو "جسم سمیت اُٹھا کر آسمان پر دھر رکھ دیا"۔ فرمایئے ذکر کا بھی ایسا ہی جسم ہے جیسا عیسےٰؑ کا تھا اور اسی طرح اسے اُٹھا کر آسمان پر لے جایا گیا؟

مجھے افسوس ہے کہ مضمون کے طویل ہو جانے کے خوف سے مَیں بعض دوسرے مقامات پر واقع لفظ "رفع" کی تفصیل بیان کرنے سے معذور ہوں غور و فکر سے کام لینے والوں کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

اب اگر آپ اپنی جان چھڑانے کے لئے یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں کہ جہاں یہ لفظ "رفع" درجات۔ آسمانوں، گھروں اور ذکر کے لئے استعمال ہوا ہے وہاں اس کا مطلب "بلندی" ہوگا

تو مَیں آپ سے یہ پوچھنے کا حق رکھتا ہوں کہ جب بیس اکیس مقامات پر اس کے معنی "بلندی ہیں" تو صرف ایک مقام پر جہاں یہ حضرت عیسےٰؑ کے متعلق استعمال ہوا ہے اس کے ظاہری۔ معروف۔ مسلّم اور مدلّل معنوں سے ہٹ کر اس کا مطلب "آسمان پر بجسدِ عنصری اُٹھایا جانا" لے کر کیا آپ قرآن کریم کے ان الفاظ "فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ماتشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ و ابتغاء تاویلہ" کے تحت نہیں آتے؟ یقیناً آپ لوگ فتنہ و فساد کے لئے قرآن کریم کو اپنی خواہشاتِ نفسانی کے مطابق ڈھالتے اور من پسند تاویلیں کرتے ہیں کیونکہ آپ خدا کے خوف سے بالکل عاری ہیں۔ اس طرح الحاد اور زندقہ کے الفاظ آپ پر صادق آتے ہیں نہ کہ حضرت مرزا صاحب پر۔

(باقی آئندہ)

## بقیہ از صفحہ

ہم اس ماہِ رمضان المبارک میں۔ نمازِ تہجد میں بارگاہ ربّ العالمین میں سجدہ ریز ہو کر گناہوں سے توبہ کریں اور آئندہ کے لئے ہر برائی سے کنارہ کشی کا عہد کریں۔

میرے عزیزو اور بزرگو۔ یہ دُنیا چند روزہ ہے۔ ہمیں اُخروی زندگی کو خوشگوار و حسین بنانے کی، سرتوڑ کوشش کرنی چاہیئے۔ یہ کام آسان نہیں۔ خاردار ہونے کے علاوہ مشکلات و مصائب سے پُر ہے۔ مگر کوئی مشکل۔ مشکل اور کوئی مصیبت، مصیبت رہ نہیں سکتی۔ اگر کوئی شخص استقامت اور صبر کو اپنا شیوہ بنالے اور خدا پر بھروسہ اور توکّل کرے اللہ تعالےٰ اس شخص کی حفاظت کرتا ہے اور اس کو برکت دیتا ہے۔ جس کو وہ دیکھتا ہے کہ اس کا سینہ صدق اور محبت سے بھرا ہوا ہے۔

میں ہر اس شخص سے جو سلسلۂ عالیہ احمدیہ میں داخل ہے اس کے مقدّس بانی کے نام کا واسطہ دے کر نہایت دلسوزی سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ تھوڑی دیر کے لئے

مرد باید کہ گیرد اندر گوش ✦ گر نوشت است پند بر دیوار

پر عمل کر کے مندرجہ بالا باتوں پر جو کہ نہایت اہم اور ضروری ہیں غور و فکر کرے۔

(۱) جماعت احمدیہ لاہور کے صحیح اسلامی عقائد۔
(۲) ہم ہر کلمہ گو کو مسلمان سمجھتے ہیں۔
(۳) تبلیغ اسلام۔ اشاعت قرآن ہمارا مقصدِ حیات ہے۔ ملکی سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔
(۴) صحیح اسلامی جمہوریت پر قائم جماعت۔
(۵) اصلاح ملّت کی واحد داعی جماعت
(۶) حضرت مرزا صاحب کو مجدّدِ وقت مانتے ہیں۔ نبی نہیں مانتے۔
(۷) تکفیر المسلمین سے بے زاری کا اظہار کرتے ہیں۔

میرا آپ سے ایک سوال ہے کہ جس نعمتِ عظمےٰ کو آپ نے پایا۔ کیا آپ نے اس کو دوسروں تک پہنچایا؟ انسانی زندگی کا مقصد فقط نفسی ہی نہیں بلکہ اس کا مقصد اجتماعی بھی ہے یعنی دوسروں کے نفس کی بھی اسے

(باقی برصفحہ ۔ کالم ۲)

مکرم علامہ عبدالرحمٰن صاحب مصری

# سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کے روزے اور انکے نتیجہ میں حضور کی پُر نور رُوح پر الٰہی برکتوں کی بارش

## وجہ تسمیہ رمضان از حضرت مسیح موعودؑ

(قسطِ اوّل)

فرمایا: رمضان سُورج کی تپش کو کہتے ہیں۔ رمضان میں چونکہ انسان اکل و شرب اور تمام جسمانی لذّتوں پر صبر کرتا ہے۔ دوسرے اللہ تعالےٰ کے احکام کے لئے ایک حرارت اور جوش پیدا کرتا ہے روحانی اور جسمانی حرارت اور تپش مل کر رمضان ہوا۔ اہلِ لغت جو کہتے ہیں کہ گرمی کے مہینے میں آیا اس لئے رمضان کہلایا۔ میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ عرب کے لئے خصوصیّت نہیں ہو سکتی۔ رُوحانی رمضان سے مراد رُوحانی ذوق و شوق اور حرارت دینی ہوتی ہے۔ رمضان اس حرارت کو بھی کہتے ہیں جس سے پتھر وغیرہ گرم ہوتے رہتے ہیں۔ رمضان دُعا کا مہینہ ہے۔ شھر رمضان الذی انزل فیہ القران سے ماہِ رمضان کی عظمت معلوم ہوتی ہے۔ صوفیوں نے اس مہینہ کو تنویرِ قلب کے لئے عمدہ لکھا ہے۔ اس میں کثرت سے مکاشفات ہوتے ہیں نماز تزکیہ نفس کرتی ہے اور روزہ سے تجلّیِ قلب ہوتی ہے۔ تزکیہ نفس سے مراد یہ ہے کہ نفس امارہ کی شہوات سے بُعد حاصل ہو جاوے اور تجلّیِ قلب سے مکاشفات ہوتے ہیں۔ جن سے مؤمن خدا کو دیکھ لیتا ہے۔ انزل فیہ القران میں یہی اشارہ ہے۔ بے شک روزہ کا حکم اجرِ عظیم ہے۔ مگر امراض اور اغراض اس نعمت سے انسان کو محروم کر دیتے ہیں۔ روزہ کے بارہ میں خدا فرماتا ہے۔ ان تصوموا خیر لکم یعنی اگر تم روزہ رکھ ہی لیا کرو تو تمہارے لئے اس میں بڑی خیر ہے۔ (فتاویٰ احمدیہ ص۱۵۵)

### حضور کو روزے رکھنے کی ہدایت اور اسپر حضور کا عمل اور اس کے نتائج

ایک مرتبہ ایامِ جوانی میں ایسا اتفاق ہوا۔ کہ ایک بزرگ معمر پاک صورت مجھ کو خواب میں دکھائی دیا۔ اور اس نے یہ ذکر کر کے کہ کسی قدر روزے انوارِ سماوی کی پیشوائی کے لئے رکھنا سنّت خاندانِ نبوّت ہے۔ اس بات کی طرف اشارہ کیا۔ کہ میں اس سنّت اہلِ بیت رسالت کو بجا لاؤں۔ میں نے رؤیا مذکورہ بالا کے موافق چھ ماہ تک برابر مخفی طور پر روزوں کا التزام کیا۔ اس اثنا میں عجیب عجیب مکاشفات مجھ پر کھلے۔ بعض گذشتہ نبیوں سے ملاقاتیں ہوئیں۔ اور جو اعلےٰ طبقے کے اولیاء اللہ اس اُمّت میں گذر چکے ہیں۔ ان سے ملاقات ہوئی۔ ایک دفعہ عین بیداری کی حالت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو معہ حسنین وعلی رضی اللہ عنہم و فاطمہ رضی اللہ عنہما کے دیکھا۔ اور یہ خواب نہ تھی بلکہ بیداری کی ایک قسم تھی۔ غرض اس طرح پر کئی مقدس لوگوں کی ملاقاتیں ہوئیں جن کا ذکر موجب تطویل ہے۔ اور علاوہ اس کے انوار روحانی تمثلی طور پر برنگ ستون سبز و سُرخ ایسے دلکش و دلستان طور پر نظر آتے تھے۔ جن کا بیان کرنا بالکل طاقت تحریر سے باہر ہے۔ وہ نورانی ستون جو سیدھے آسمان کی طرف گئے۔ جن میں سے بعض چمکدار اور بعض سبز و سُرخ تھے۔ ان کو دل سے ایسا تعلق تھا۔ کہ ان کو دیکھ کر دِل کو نہایت سرور پہنچتا تھا۔ اور دُنیا میں کوئی بھی ایسی لذّت نہیں ہوتی۔ جیسا کہ ان کو دیکھ کر دل اور روح کو لذّت آتی تھی۔ میرے خیال میں ہے۔ کہ وہ ستون خدا اور روزہ کی محبّت کی ترکیب سے ایک تمثیلی صورت میں ظاہر کئے گئے تھے۔ یعنی وہ ایک نُور تھا جو دل سے نکلا۔ اور دوسرا وہ نور تھا۔ جو اُوپر سے نازل ہوا اور دونوں کے ملنے سے ایک ستون کی صورت پیدا ہوگئی۔ یہ رُوحانی امور ہیں کہ دنیا ان کو نہیں پہچان سکتی۔ کیونکہ وہ دنیا کی آنکھوں سے بہت دُور ہیں۔ لیکن دنیا میں ایسے بھی ہیں۔ جن کو ان امور سے خبر ملتی ہے۔

جب میں نے چھ ماہ کے روزے رکھے۔ تو ایک دفعہ ایک طائفہ انبیاء کا مجھ سے ملا۔ اور انہوں نے کہا کہ تو نے کیوں اپنے نفس کو مشقت میں ڈالا ہوا ہے۔ اس سے باہر نکل۔ اس طرح جب انسان اپنے آپ کو خدا کے واسطے مشقت میں ڈالتا ہے۔ تو وہ ماں باپ کی طرح رحم کر کے اسے کہتا ہے۔ کہ تو کیوں مشقت میں پڑا ہے۔ مگر جو لوگ تکلّف سے اپنے آپ کو مشقت سے محروم رکھتے ہیں۔ خدا ان کو دوسری مشقت میں ڈالتا ہے اور نکالتا نہیں اور دوسرے جو خود مشقت میں پڑتے ہیں۔ ان کو وہ آپ نکالتا ہے۔

انسان کو واجب ہے کہ اپنے نفس پر آپ شفقت نہ کرے۔ بلکہ ایسا بنے۔ کہ خدا اس کے نفس پر شفقت کرے۔ کیونکہ انسان کی شفقت اس کے نفس پر اس کے واسطے جہنّم ہے۔ اور خدا کی شفقت جنّت۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصّہ پر غور کرو کہ جو آگ میں خود گرنا چاہتا ہے۔ اسے تو وہ خدا آگ سے بچاتا ہے اور جو خود آگ سے بچنا چاہتے ہیں۔ وہ آگ میں ڈالے جاتے ہیں۔ یہ اسلم ہے۔ اور یہ اسلام ہے۔ کہ جو کچھ خدا کی راہ میں پیش آوے اس کا انکار نہ کرے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اپنی عظمت کی فکر میں خود لگتے۔ تو واللہ یعصمک من الناس کی آیت نازل نہ ہوتی۔ حفاظتِ الٰہی کا یہی سِر ہے۔ (فتاویٰ احمدیہ)

## اخبارِ احمدیہ

۱۔ بمبئی میں ہماری جماعت کے ایک نہایت ہی مخلص دوست اور جماعت احمدیہ بمبئی کے رُوحِ رواں جناب عبدالرزاق صاحب ہائی بلڈ پریشر کے مریض ہیں اور جملہ احباب جماعت اور حضرت امیر ایدہ اللہ سے دُعا کی درخواست کرتے ہیں۔

احباب کرام رمضان المبارک کی خصوصی دُعاؤں میں اپنے اس خادمِ دین بھائی کو ضرور یاد رکھیں۔

۲۔ جماعتِ بمبئی کے ایک اور دوست محمد عمر صاحب کا صاحبزادہ محمد اقبال بی۔کام کے آخری امتحان کی تیاری میں ہے اور اپنی کامیابی کے لئے جملہ احبابِ جماعت کی دعاؤں کا طالب ہے۔

۳۔ **درخواستِ دُعا**: حیدر آباد سندھ سے عزیزی فیاض احمد شیخ صاحب کی خواہش ہے کہ احباب جماعت نماز جمعہ میں ان کی ترقّی اور کامیابی کے لئے دُعا فرماویں۔ احباب سے پُر زور درخواست ہے کہ اس صالح اور مخلص نوجوان کے لئے دُعا

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مورخہ ۱۵ ستمبر ۱۹۷۶ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ شمارہ نمبر ۳۷

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر اخبار پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۳ | یوم چہار شنبہ - ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ مطابق ۲۲ ستمبر ۱۹۷۶ء | نمبر ۳۸

# ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

## جماعت میں باہم اتفاق و محبت کی تاکید

جماعت کے باہم اتفاق و محبت پر مَیں بہت دفعہ کہہ چکا ہوں کہ تم باہم اتفاق اور محبت رکھو اور اجتماع کرو۔ خدا تعالےٰ نے مسلمانوں کو یہی تعلیم دی تھی کہ تم وجود واحد رکھو ورنہ ہَوا نکل جائے گی۔ نماز میں ایک دوسرے کے ساتھ جُڑ کر کھڑے ہونے کا حکم اسی لئے ہے کہ باہم اتحاد ہو۔ برقی طاقت کی طرح ایک کی خیر دوسرے میں سرایت کرے گی۔ اگر اختلاف ہو اور اتحاد نہ ہو تو پھر بے نصیب رہو گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آپس میں محبت کرو اور ایک دوسرے کے لئے غائبانہ دُعا کرو۔ اگر ایک شخص غائبانہ دُعا کرے تو فرشتہ کہتا ہے کہ تیرے لئے بھی ایسا ہی ہو۔ کیسی اعلیٰ درجہ کی بات ہے۔ اگر انسان کی دُعا منظور نہ ہو تو فرشتہ کی تو منظور ہوتی ہے۔ مَیں نصیحت کرتا اور کہنا چاہتا ہوں کہ آپس میں اختلاف نہ ہو۔ مَیں دو ہی مسئلے لے کر آیا ہوں۔ اوّل خدا کی توحید اختیار کرو۔ دوسرے آپس میں محبت اور ہمدردی ظاہر کرو۔ وہ نمونہ دکھاؤ کہ غیروں کے لئے کرامت ہو۔ یہی دلیل تھی جو صحابہ میں پیدا ہوئی تھی۔ کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم۔ یاد رکھو تالیف ایک اعجاز ہے۔ یاد رکھو جب تک تم میں ہر ایک ایسا نہ ہو جو اپنے لئے پسند کرتا ہے وہی اپنے بھائی کے لئے پسند کرے۔ وہ میری جماعت میں سے نہیں۔ وہ مصیبت اور بلا میں ہے اس کا انجام اچھا نہیں۔ مَیں ایک کتاب بنانے والا ہوں۔ اس میں ایسے تمام لوگ الگ کر دیئے جائیں گے جو اپنے جذبات پر قابو نہیں پا سکتے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑائی ہوتی ہے۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ کسی بازیگر نے دس گز چھلانگ ماری ہے۔ دوسرا اس پر بحث کرنے بیٹھتا ہے۔ اور اس طرح پر کینہ کا وجود پیدا ہو جاتا ہے۔ یاد رکھو بغض کا جُدا ہونا مہدی کی علامت ہے اور کیا وہ علامت پُوری نہ ہوگی وہ ضرور ہوگی تم کیوں صبر نہیں کرتے۔ جیسے طبی مسئلہ ہے کہ جب تک بعض امراض کا قلع قمع نہ کیا جاوے مرض دفع نہیں ہوتا۔ میرے وجود سے انشاء اللہ ایک صالح جماعت پیدا ہوگی باہمی عداوت کا سبب کیا ہے بخل ہے، رعونت ہے، خود پسندی اور جذبات ہیں۔ مَیں نے بتلایا کہ مَیں عنقریب ایک کتاب لکھوں گا اور ایسے تمام لوگوں کو جماعت سے الگ کر دوں گا۔ جو اپنے جذبات پر قابو نہیں پا سکتے۔ اور باہم محبت اور اخوت سے نہیں رہ سکتے۔ جو ایسے ہیں وہ یاد رکھیں کہ وہ چند روزہ مہمان ہیں جب تک کہ عمدہ نمونہ نہ دکھائیں۔ مَیں کسی کے سبب سے اپنے اُوپر اعتراض لینا نہیں چاہتا ایسا شخص جو میری جماعت میں ہو کر میرے منشاء کے موافق نہ ہو وہ خشک ٹہنی ہے، اس کو اگر باغبان کاٹے نہیں تو اور کیا کرے خشک ٹہنی دوسری سبز شاخ کے ساتھ رہ کر پانی تو چُوستی ہے مگر وہ اس کو سرسبز نہیں کر سکتی۔ بلکہ وہ شاخ دوسری کو بھی لے بیٹھتی ہے۔ پس ڈرو۔ میرے ساتھ وہ نہ رہے گا جو اپنا علاج نہ کرے گا۔



## احباب جماعت یاد رکھیں

کہ عید الفطر کے دن علاوہ فطرانہ کے عید فنڈ بھی ادا کرنا ضروری ہے اس کی ادائیگی میں تساہل نہ فرمائیں۔ تاکید ہے۔

براہِ مہربانی جماعت کے محصلین اور مبلغین اس طرف پوری پوری توجہ مبذول فرمائیں۔

(قاضی غلام رسول۔ افسر تحصیل)

# ہماری عید

رمضان شریف کا مبارک مہینہ جو آج سے قریباً ۲۶ دن قبل بایں ہمہ افضال و اکرام ایک طرف تو کمزور دلوں کے لئے اپنی ظاہری شدت اور تکالیف کی وجہ سے سخت اضمحلال کا موجب ہو رہا تھا اور دوسری طرف ان قدسی صفت انسانوں کے لئے جو رضائے الہٰی کی تلاش میں ہمیشہ ایسے نادر مواقع کو از بس غنیمت سمجھتے اور ان کے حصول کے لئے سخت ریاضتوں اور مجاہدات میں اپنے آپ کو ڈال دیتے ہیں۔ خاص فرحت و انبساط کے سامان پیدا کر رہا تھا۔ اب ہم سے رخصت ہو رہا ہے اور اپنی رخصت کے ساتھ بعض ان ایام نو بہار کا مژدہ ہمیں سنا رہا ہے جو ظاہری و معنوی برکات و انبساط کے لحاظ سے رمضان شریف سے کچھ کم حیثیت و مرتبہ نہیں رکھتے۔ رمضان شریف ایک تیاری ہے اس عظیم الشان مہم کی جو اس کے بعد ہمیں سر کرنی ہے یہ ایک ابتدائی مرحلہ ہے اس پُرعظمت کام کا۔ جو اس مبارک مہینہ میں مسلمانوں کے سپرد کیا گیا، اور جس کی تکمیل کی ابتداء ان مبارک ایام سے ہوتی جو اس کے بعد وارد ہونے والے ہیں، ہاں یہ پاک اور بابرکت دن جو رمضان المبارک کے نام سے موسوم ہیں ایک تحریک ہیں ان خدمات مہمہ کی جو اس کے بعد ہمیں درپیش ہیں اور جن کے لئے اس سے بہت زیادہ ہمت، بہت زیادہ صبر، بہت زیادہ استقلال اور بہت زیادہ ایثار درکار ہے جو رمضان شریف میں ہم نے دکھایا یا ہمیں دکھانا چاہئے تھا۔ عام مسلمانوں نے تو شاید رمضان کے جانے کا صرف اسی قدر نتیجہ سمجھ رکھا ہے کہ اب کھانے پینے کی وہی آزادی حاصل ہو گئی جو اس سے پہلے تھی۔ انہوں نے ان پاک ایام کا مآل اور عید کی اصل غرض و غایت صرف اسی حد تک محدود سمجھ رکھی ہے کہ اچھے اچھے لباس پہن لئے زیادہ لذیذ کھانے کھا لئے اور جا کر دو رکعت نماز وہ بھی رسمی اور میلہ کے طور پر پڑھ آئے۔ لیکن آہ کاش وہ قرآن کریم کو پڑھتے اور شھر رمضان الذی انزل فیه القرآن کی آیت پر ان کی نظر ہوتی تو وہ دیکھتے کہ رسول اللہ صلعم کو رمضان کے بعد کیا کیا کچھ مہماتِ عظیمہ سر انجام دینی پڑیں اور دعوتِ حق کی ابتداء آپؐ نے انہی ایام مبارک سے شروع کی جن کی ابتداء ہمارے لئے عید بن کر آتی ہے۔ اگر ان سب باتوں پر ہماری نظر ہوتی اور کسی مذہبی شعار کو رسمی طور پر ادا کرنے کے بجائے اس کی اصلی غرض اور علتِ غائی پر ہم غور کرتے ان سے وہ مفید اور بہترین اسباق حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشِ نظر رہا کرتے تھے تو آج ہم اس قدر پستی اور ذلت کا منہ نہ دیکھتے۔

**عید کیا ہے؟** افسوس کہ آج اس سوال کا جواب دینا ایسا ہی مشکل ہے جیسا کہ موجودہ مسلمانوں کو حقیقی اور سچا مسلمان کہنا۔ اسلام نے ہمارے لئے کوئی بات ایسی نہیں رکھی جو اپنے اندر کوئی ایسے اسباق اور حکیمانہ جوہر نہ رکھتی ہو کہ جو ہمیں اوجِ کمال پر پہنچا دینے والے ہیں۔ ذرا ان ابتدائی ایام کی طرف دیکھو جب قرآن کریم کا نزول دنیا میں ہوا اور پھر رمضان شریف کی اصل علتِ غائی اور اس کے بعد معاً ورودِ عید کے فلسفہ پر غور کرو دنیا کے ہر نبی کی زندگی میں یہ ایک مخصوص اور مشترک بات ہمیں دکھائی دیتی ہے کہ انہیں اللہ تعالےٰ کی طرف سے جب کوئی صحیفہ یا ہدایات ملنے والی ہوتی ہیں تو اس سے پہلے انہیں گوشہ نشینی اور روزوں وغیرہ کے ذریعہ سے دنیا سے ایک قسم کا انقطاع کرنا پڑتا ہے۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم کے کھلے اور صریح الفاظ بتا رہے ہیں واذ وعدنا موسیٰ اربعین لیلة۔ ان چالیس راتوں میں موسےٰ علیہ السلام کو اپنی قوم سے جدا ہو کر اور پہاڑ پر جا کر گوشہ نشینی اختیار کرنی پڑی۔ جس کے بعد انہیں تورات دی گئی۔ پھر متی باب ۴۔ آیت ۲۔ میں صاف طور پر مسیح کے چالیس دن اور چالیس رات فاقہ کرنے کا ذکر ہے جس کے بعد آگے چل کر پہاڑی کی تعلیم آتی ہے۔ حضرت رسول کریم اسی قانونِ الہٰی کے ماتحت نزولِ قرآن سے پیشتر مدتوں غارِ حرا میں گوشہ نشین رہے۔ اور نہ معلوم اس گوشہ نشینی کی حالت میں کس قدر روزے رکھے جس کے بعد وہ وقت آیا کہ جس کے متعلق شھر رمضان الذی انزل فیه القرآن کے مبارک موقعہ کو یاد دلایا گیا ہے۔ اس قدر تصریح کے بعد اب شاید یہ سمجھ لینا آسان ہوگا کہ روزوں کا حکم ہمیں کیوں دیا گیا۔ اور کیوں اس کے بعد عید رکھی گئی۔ اس سے ان مہماتِ عظیمہ کا بھی پتہ لگ جائے گا جو روزوں کے بعد ہمیں سر کرنی ہیں اور رسول کریم صلعم نے انہیں سرانجام دیا ہے روزے تو درحقیقت اس مہم کی تیاری کا سامان ہیں جو ان کے بعد پیش آنیوالی ہے۔

**وہ مہم کیا ہے؟** وہ ہے تبلیغ و اشاعت اسلام۔ قرآن کریم کا نزول جب رمضان کے مہینہ میں ہوا اور یہ مسلّم بات ہے کہ رمضان کے آخری عشرہ میں ہوا تو اب اس کی تبلیغ و تلقین ہی وہ سب سے بڑا کام ہے جو اس مبارک مہینہ کے بعد شروع ہونا چاہیئے اور تاریخ شاہد ہے کہ ایسا ہی ہوا۔ رسول اللہ صلعم نے دعوت و تبلیغ اسلام سب سے پہلے جن ایام میں شروع کی وہ شوال ہی کا مہینہ ہے۔ روزے پہلے ہی سے صبر و استقامت اور ان مصائب کے برداشت کرنے کی عادت ڈالنے کے لئے ہیں جو اسلام کے پاک پیغام کی تبلیغ میں وارد ہو سکتی ہیں۔

---

اخبار احمدیہ

## ورودِ مسعود

جناب طیب احمد علی صاحب ممبر پارلیمنٹ و سابق وزیر سرینام (جنوبی امریکہ) جو جماعتِ احمدیہ لاہور کے سرگرم رکن ہیں۔ سوموار ۱۴ر ستمبر معہ بیگم صاحبہ مرکز میں تشریف لائے اور حضرت امیر ایدہ اللہ تعالےٰ کی صحبت سے مستفید ہوئے۔ شام کو ان کے اعزاز میں ایک افطار پارٹی کا اہتمام دارالسلام میں کیا گیا جس میں اکابرینِ جماعت نے بھی شمولیت فرمائی اور تنظیم خواتینِ احمدیہ کی طرف سے بھی معزز مہمانوں کا خیر مقدم کیا گیا۔ معزز مہمان اس ملن پارٹی سے بے حد محظوظ ہوئے، یہ تقریب رات آٹھ بجے اختتام پذیر ہوئی تو معزز مہمان محترم محمد فاضل رمضان صاحب کے ساتھ احمدیہ بلڈنگس واپس آ گئے۔ جناب طیب صاحب فاضل رمضان صاحب کے قریبی عزیز ہیں۔

۱۷ر ستمبر کو چار بجے شام معزز مہمان بذریعہ پی آئی اے (۸ ا م) واپس تشریف لے گئے۔ اللہ تعالےٰ ان کا حافظ و ناصر ہو۔ آمین۔

---

## دعائے صحت کی مکرّر درخواست

مکرّم میرزا فضل احمد صاحب سیالکوٹ سے اپنی بیٹی کی بیماری کے سلسلہ میں دوستوں کی دعاؤں کا شکریہ ادا کرتے اور تحریر فرماتے ہیں کہ میری بیٹی کی بیماری کے متعلق بہت سے احباب نے بذریعہ خطوط اور ٹیلیفون اظہار ہمدردی فرمایا ہے بچی کی صحت بدستور خراب ہے۔ براہ شفقت احباب رمضان المبارک کے ان آخری ایام میں دعاؤں پر اور توجہ دیں کہ اللہ تعالےٰ اسے با[illegible]

## شیخ غلام محمد گوپال صاحب کو صدمہ

شیخ صاحب، مکرم جنرل سیکرٹری صاحب کی خدمت میں لکھتے ہیں کہ:—

"میری بڑی ہمشیرہ ۹/۲۶ کو دس بجے دوپہر سے قبل قضائے الہٰی سے وفات پاگئی ہیں انا للہ وانا الیه راجعون۔ مرحومہ نیک، پارسا طبع، تہجد گذار اور خادم دین خاتون تھیں۔ کافی عرصہ محلہ کی لڑکیوں کو ناظرہ و باترجمہ قرآن کریم مفت

چوہدری شکراللہ خان صاحب منصُور کے مختلف مضامین پر مشتمل کتابچہ "تحریک احمدیت اور غلام احمد پرویز" شائع ہونے کے بعد ہم قطعاً یہ ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ پرویز صاحب کے افکار پریشان پر تبصرہ کے لئے قلم اُٹھایا جائے لیکن جو شخص جرمنی کے بدنام زمانہ دروغگو اور ماہر پروپیگنڈا گوئبلز کی رُوح کی تسکین کے لئے بار بار اس غرض سے جھوٹ بولنے اور لکھنے پر مصر ہو کہ لوگ اُسے سچ سمجھ کر قبول کر لیں اس کی دروغبافیوں کا پردہ چاک کرنے کے لئے ہم اس پر بعض اوقات نہ چاہتے ہوئے بھی مجبُور ہو جاتے ہیں ہمارے خیال میں وہ احساس کمتری کا شکار ہیں اور ایسے نفسیاتی مریضوں کی طرح وہ دوسرے مذہبی یا سیاسی رہنماؤں میں نقائص کی نشاندہی کر کے اپنی شخصیت کا عکس اُبھارنے کی کوششوں میں مصروف رہتے ہیں۔ پاکستان کی سیاسی یا مذہبی قیادت میں شاید ہی کوئی ایسا رہنما ہو جو ان کی تنقید و تنقیص کا ہدف نہ بنا ہو۔ وہ اس وہم میں بُری طرح مبتلا ہیں کہ اس زمانے میں پاکستان کیا بلکہ ساری دُنیا میں ان جیسا کوئی انسان نہیں جس کے دل میں قرآن کریم کے لئے تڑپ اور اسلام کے لئے درد ہو اور اس کے ساتھ سیاسی سُوجھ بوجھ کا مالک اور معاشی اور معاشرتی امور کا بھی ماہر ہو، مگر یہی ان کی خود ستائی خود فریبی اور خود آگاہی سے محرومی کی علامت ہے۔

پرویز صاحب احمدیہ تحریک کے مقابلے میں "طلوع اسلام" کو بھی ایک تحریک کا نام دیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی سیالکوٹ کی ایک کچہری میں ملازم کی حیثیت سے اُبھر کر مجدد۔ محدث اور مسیح موعود کے رتبہ تک پہنچ سکتے ہیں تو مَیں جس نے ساری عُمر انگریز کے دفتروں کی فائلوں کے سرخ فیتے کھولنے اور باندھنے میں صرف کی ہے کسی نہ کسی رنگ میں مذہبی قائد بن کر دُنیا کے سامنے کیوں نہیں آ سکتا۔ آخر مودُودی صاحب کا آغاز بھی تو کوئی ایسا حوصلہ افزا نہ تھا لیکن آج وہ ایک بہت بڑی منظم جماعت کے مذہبی پیشوا ہیں جنہیں "اللہ کا شاہکار" کہا جاتا ہے۔ کوئی مسیح موعود بن جائے، کوئی شاعرِ مشرق بن جائے۔ کوئی قائدِ اعظمؒ اور کوئی اللہ کا شاہکار۔ مجھ میں (یعنی) کونسی قائدانہ صلاحیتوں کی کمی ہے کہ میں پیچھے رہ جاؤں۔ وہ عوام الناس سے اپنی ان چالیس سالہ خدمات کا ٹھوس اعتراف چاہتے ہیں جو بقول ان کے احمدیوں کو "غیر مسلم اقلیت" قرار دینے کا موجب ہوئیں۔ اگر اس محسن کش اور احسان فراموش قوم نے چاندی کی تھالی میں رکھ کر صدارت یا وزارت پیش نہیں کی تو کم از کم کوئی جلسے ہوتے۔ جلوس نکلتے۔ انکے گلے میں ہار ڈالے جاتے اور "بابا جی زندہ باد" کے نعرے لگتے، مگر وائے تو میرے قسمت! کوئی ٹس سے مس نہ ہوا۔ اس لئے اب جو بھی سامنے آئے اس پہ برس پڑتے ہیں اور آتشِ انتقام کو مزید ہوا ملتی ہے۔ وہ پہلے سے بھی بڑھ کر زہر میں بجھے ہوئے تیر برسانا شروع کر دیتے ہیں۔ لیکن اس جنون زدگی میں وہ یہ بھُول جاتے ہیں کہ جب بھی روحانی اور مادی تحریکیں آپس میں ٹکرائیں کامیابی اور کامرانی نے ہمیشہ رُوحانیت کے قدم چُومے۔ اور مادیت اپنی موت آپ مر گئی۔ مردہ گھوڑے کو زور دار چابک رسید کرنے سے کبھی زندہ نہیں کیا جا سکتا۔ تحریکِ احمدیت کے مقابلے میں انشاءاللہ یہی حال "طلوع اسلام تحریک کا بھی ہوگا ہم دیکھ سکیں یا نہ۔ وہ ہزار یہ کہکر

زمین سرنگوں ہوں گی اور اس خطۂ پاک میں ایک بار پھر وہی قرآنی نظام جلوہ بار ہوگا جو چودہ سو سال پہلے سر زمین حجاز میں وجہ بالیدگی شرف انسانیت ہُوا تھا۔"

(طلوع اسلام اگست ۱۹۷۶ء)

پرویز صاحب اپنے آپ کو اب "سیمرغ" کے رُوپ میں دیکھ اور پیش کر رہے ہیں لیکن ذرا آپ کی اپنی ذہنی بالیدگی کا اندازہ لگایئے کہ اسی مضمون "معماران پاکستان" میں "سیمرغ" کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں

"سیمرغ" (ایک افسانوی پرندہ) کو جب محسوس ہوتا ہے کہ اس کی زندگی کے آخری دن قریب آ گئے ہیں تو وہ اپنے گرد تنکے جمع کر لیتا ہے اور اس آشیاں میں بیٹھ کر دیپک راگ الاپتا ہے جس سے اس کے پروں سے شعلے نکلتے ہیں۔ اُن سے اس کا آشیانہ بھی جل جاتا ہے اور وہ خود بھی راکھ کا ڈھیر بن کر رہ جاتا ہے۔ اس کے بعد اس راکھ پر بارش کا چھینٹا پڑتا ہے تو اس میں سے ایک نیا سیمُرغ پیدا ہو جاتا ہے۔"

ایک افسانوی پرندہ جب اپنی آگ میں آپ جل کر راکھ ہو جاتا ہے تو وہ کیسے "نشیرِ جانفزا کو فضائے کائنات میں عام" کر سکتا ہے۔ یہ تو سائنسی حقیقت سے بھی بعید ہے کہ راکھ پر بارش ہو اور پھر اس میں کوئی چنگاری زندہ رہ جائے جو نئے سیمُرغ کی شکل میں ظاہر ہو سکے۔ یہ مثال بیان کرنے کی ضرورت انہیں اس لئے محسوس ہوئی کہ وہ معماران پاکستان میں سب سے اوّل سرسید احمد خان کا نام لیتے ہیں۔ پھر علامہ اقبال کا اور سب سے آخر قائدِ اعظم علیہ الرحمۃ اور اس کے بعد "سیمرغ" کے رنگ میں اپنے اپنے کو پیش کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ یہی اُن کی آرزو اور یہی ان کی حسرت ہے۔ لیکن وہ یاد رکھیں کہ سیمرغ کی طرح ۲۵ بی گلبرگ میں جو آشیانہ وہ تنکوں سے تعمیر کر رہے ہیں ان کے اپنے مادیت پر مبنی نظریات کے دیپک راگ کے شعلوں سے یہ آشیانہ بھی جل جائے گا اور یہ "سیمرغ" بھی لیکن اس کی راکھ سے کوئی دوسرا "سیمرغ" پیدا نہ ہو سکے گا کیونکہ یہ راکھ سامری کے بچھڑے کی راکھ کی طرح کسی موسےٰ کے ہاتھوں فضا میں بکھر جائے گی۔ اور ان کے لئے یہی حکم ہوگا" ان تقول لامساس"۔ اس لئے کہ سامری کے بچھڑے کی طرح پرویز صاحب کا خدا بھی نہ بولتا ہے۔ نہ سنتا ہے اور نہ ہی کسی پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہے۔ اس کے برعکس مردہ دلوں کو حیات کی نوید جانفزا کلامِ الہٰی کی بارش کے چھینٹوں سے ملتی ہے۔ جو خدا کسی کو اپنے کلام سے نہیں نوازتا وہ اس بچھڑے کی طرح جل کر راکھ ہو جاتا ہے اور اس کے ماننے والوں کے لئے "لامساس" کا ہی عبرت آموز حکم ہوتا ہے۔

اگر پرویز صاحب اسے قوموں میں نئی زندگی پیدا ہونے کے لئے بطور مثال بیان کرتے ہیں تو ان کی "مفکریت" اور "بصیرت" حضرت مرزا صاحب کے بیان کردہ "فلسفہ" فنا۔ بقا اور لقا" کو سمجھنے سے کیوں قاصر ہے جس کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ جب کوئی انسان اپنی متاعِ حیات کے ناپائدار تنکوں سے تعمیر کردہ آشیاں کو اپنے اندر بھڑکنے والی آتشِ الہٰی کے شعلوں سے پھونک کر اپنے اُوپر ایک موت وارد کر لیتا ہے تو اس پر کلامِ الہٰی کی بارش کے چھینٹے پڑ کر اسے ایک نئی زندگی بخشتے ہیں اس کے اندر سے ایک نیا انسان جنم لیتا ہے جو نہ صرف خود ایک نئی رُوحِ حیات سے سرشار ہوتا ہے بلکہ اپنے قریب آنے والوں کو بھی زندہ کر دیتا ہے۔ اور ایک ایسا انقلاب برپا کرتا ہے

جیسے حاسد دیکھ کر جل اُٹھتے اور اسے مٹانے کی کوششوں میں مصروف ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ روحانیت کو مادیت پر ترجیح دیتا ہے جس سے استحصال پسند اور مادہ پرست طبقہ کے خود غرضانہ مفادات پر ضرب کاری لگنے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ پرویز صاحب اسے اس لئے نہیں سمجھ سکتے کہ یہ "حال" کی بات ہے "قال" کی نہیں اور وہ "محض گفتار کے غازی ہیں"، کردار کے نہیں۔ مرصّع اور مسجع عبارتیں ذہنی عیاشی کا ذریعہ تو بن سکتی ہیں رُوح کو تازگی اور زندگی نہیں بخش سکتیں۔

پرویز صاحب حضرت مرزا صاحب کو الزام دیتے ہیں کہ انہوں نے اس زمانے میں اللہ تعالےٰ سے شرفِ ہمکلامی۔ وفاتِ مسیح اور جہاد بالسیف کی تنسیخ (حضرت صاحب نے لفظ تنسیخ استعمال نہیں کیا) کے نظریات پیش کر کے ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی ہے حالانکہ وہ خود ان کا انکار کر کے ایک نہایت ہی خطرناک مذہب کی بنیاد رکھ رہے ہیں جس کا اسلام سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ انہوں نے محض مکھیوں کو پھانسنے کے لئے مکڑی کا ایک جالا تنا ہے۔ پرویز صاحب کا مذہب یہ ہے کہ خدا پہلے جو باتیں انسانوں سے کرتا تھا وہ ختم ہو گئیں۔ اب وہ کسی سے کلام نہیں کرتا کیونکہ انسانی فکر و شعور اپنی آخری ارتقائی منزل کو پا چکا ہے اور اسے اب کسی خارجی ذریعہ سے رہنمائی کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

انسان اپنی عقل کے ذریعے اپنی زندگی کے مسائل حل کرنے کا اہل ہے۔ کسی بیرونی ہستی کو جسے اللہ یا خدا کہیں اس کے روزمرہ کے معمولات میں کوئی عمل دخل نہیں۔ بعینہٖ یہی تصور بے خدا معاشرہ کے قائدین پیش کرتے ہیں۔ اور یہی دہریت اور الحاد کی بنیاد ہے۔ ہم پرویز صاحب سے پوچھتے ہیں کہ آپ کے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ خدا پہلے بھی بولتا رہا ہے۔ یہ کیوں نہ تسلیم کر لیا جائے کہ جو خدا آج چُپ ہے وہ پہلے بھی چُپ تھا۔ اور یہ کیسے مان لیا جائے کہ جن کتابوں کو آپ الہامی یا بذریعہ وحی اُترنے والی کتابیں کہتے ہیں وہ واقعی اسی ذریعہ سے نازل ہوئیں۔ یہ تو سائنسی دَور ہے اور سائنس ہر بات کو مشاہدہ اور تجربہ کی کسوٹی پر پرکھتی ہے۔ اگر آپ سے کوئی قرآن کریم کا الہامی کتاب ہونے کا ثبوت مانگ بیٹھے تو آپ کیا دلیل دے سکیں گے۔ اگر آپ یہ پیش کریں گے کہ اس کے ذریعے آج سے چودہ سو سال قبل انسانوں میں ایک محیرالعقول انقلاب برپا ہُوا تو یہ کتاب آج بھی ویسی کی ویسی موجود ہے۔ لیکن مسلمانوں کی حالت ابتر سے ابتر ہوتی جا رہی ہے۔ آج یہ ویسا انقلاب کیوں نہیں برپا کر سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے بھی اسے ناقابلِ عمل قرار دے کر پسِ پُشت ڈال دیا ہے اور ہر اسلامی مُلک نے اپنا اپنا آئین مرتب کر لیا ہوا ہے۔ اس میں آپ کی ملحدانہ کاوشوں کو بھی بڑا دخل ہے۔

ستم ظریفی ملاحظہ فرمایئے کہ پرویز صاحب مذہب کے واحد۔ زندہ خدا کے تصور پر تبر چلا کر بھی مسلمان اور اُمت محمدیہ کے فرد ہیں مگر اس کے برعکس حضرت صاحب بار بار یہ کہہ کر بھی کافر ہیں میرا خدا ایک زندہ خدا ہے جیسے وہ پہلے بولتا تھا اب بھی بولتا ہے۔ میرا نبیؐ ایک زندہ نبی ہے اس کی کامل اتباع سے انسان ایک نئی زندگی پاتا ہے جس سے اللہ تعالےٰ کے ساتھ مکالمہ و مخاطبہ کا شرف حاصل ہوتا اور اس کی زندگی کا ثبوت ملتا ہے میرا قرآن ایک زندہ کتاب اور آخری سرچشمہ ہدایت ہے جس کے چشمہ سے سیراب ہونے والوں کی رُوحوں کو ایک تازگی، فرحت اور زندگی ملتی ہے۔ انصاف سے کہئے کہ مذہب کس کا نیا ہے۔ ایک زندہ خدا کے منکر کا یا اسے ماننے والے کا۔ اسی ضمن میں یہ بھی ذکر کر دوں کہ پرویز صاحب کے پیر و مرشد اقبال بھی الہام کے قائل تھے۔ ایک دفعہ ایف سی کالج لاہور کے پرنسپل (غالباً ڈاکٹر لُوکس) کے اس استفسار پر کہ آیا رسول کریمؐ پر قرآن کریم کا مفہوم اُترا تھا یا عبارت ہی ایسی اُتری تھی علامہ اقبال نے فرمایا جب مجھ پر پُورا شعر اُتر سکتا ہے تو آپ پہ عبارت کیوں نہ اُتری ہوگی۔ اب لگایئے فتویٰ علامہ اقبال پر بھی اور اس جرم کی پاداش میں انہیں بھی امتِ محمدیہ سے خارج کرانے کے لئے جد و جہد شروع کیجئے۔ یہ بھی آپ کی ایک بہت بڑی خدمت اور اسلام پر احسان ہوگا۔

جہاں تک حضرت مرزا صاحب پر "تنسیخ جہاد بالسیف" کے الزام کا تعلق ہے اس سے بڑھ کر جھُوٹ اور افتراء اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ حضرت صاحب کا ایک شعر ہے:—

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
دیں کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال

اس کا مطلب کسی کو جبر و اکراہ سے اسلام میں داخل کرنے کے لئے جنگ کرنا ہے۔ پرویز صاحب ہمیں آنحضرت صلعم یا آپ کے خلفاء راشدین کی کوئی ایک مثال پیش کر دیں کہ انہوں نے لوگوں کو زبردستی اسلام میں داخل کرنے کے لئے تلوار اُٹھائی ہو۔ کیا قرآن کریم میں "لا اکراہ فی الدین ج قد تبین الرشد من الغی" کے ہوتے ہوئے وہ اس حکم کی نافرمانی کر سکتے تھے۔ اور یہ سورۃ البقرہ کی آیت ہے جو مدینہ میں نازل ہوئی۔ اور جہاں سے جنگوں کی ابتدا ہوئی۔

اب ہم "طلوعِ اسلام" اگست ۱۹۷۶ء کے شمارہ سے چند ایک اقتباسات پیش کرتے ہیں جن سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ جہاد کے بارے میں پرویز صاحب کا اپنا کیا عقیدہ ہے اور ہمیں وہ لوگوں میں بدنام کرنے کے لئے کس مکر و فریب سے کام لیتے ہیں۔

"معمارانِ پاکستان" کے عنوان سے پرویز صاحب ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں کی حالت کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں:—

"۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمان بکسر ایک راکھ کا ڈھیر بن کر رہ گئے تھے۔ ان کی سلطنت ہی نہیں چھنی تھی ان کی ملی ہستی ختم ہو گئی تھی۔ وہ ایک قوم کی حیثیت سے باقی ہی نہیں رہے تھے۔ انگریز کی سیاست نے یذبحون ابناءھم و یستحیون نساءھم کی ملت کش پالیسی اختیار کر کے ایک بار پھر فرعونی استبداد کی یاد تازہ کر دی تھی۔"

ہم پرویز صاحب سے ان کی اپنی اس تحریر کی روشنی میں یہ پوچھتے ہیں کہ جب مسلمان قوم کی یہ حالت تھی تو کیا اس کے ہاتھوں میں تلوار اُٹھانے کی کوئی سکت باقی تھی؟ اور یہ وہ وقت ہے جب ہندوستان میں انگریز کے پاؤں ابھی اچھی طرح جمنے نہیں پائے تھے اور مسلمانوں کے ان کے خلاف ایک بار پھر اُٹھ کھڑے ہونے کا امکان ہو سکتا تھا مگر وہ اس سے چالیس پچاس سال بعد جب کہ انگریز نے اپنے پنجے مضبوطی سے گاڑ لئے تھے حضرت مرزا صاحب کو اس کا ملزم ٹھہراتے ہیں کہ انہوں نے کیوں نہ جہاد بالسیف کا حکم دے کر مسلمانوں کو ایک بار پھر ۱۸۵۷ء کے نتائج سے دو چار کیا۔ یہ کس قدر دجل۔ فریب اور مکر ہے جس کا ایک حاملِ قرآن ہونے کا مُدعی مرتکب ہو رہا ہے۔ اسی عبارت میں پرویز صاحب انگریزوں کو فرعون سے مشابہ کہتے ہیں۔ کیونکہ فرعون کی طرح انہوں نے بھی مسلمانوں کے مَردوں کو ذبح کیا اور عورتوں کو زندہ رکھا۔ کیا پرویز صاحب بتا سکتے ہیں (اور انہیں ضرور بتانا چاہیئے کیونکہ وہ بہت بڑے مفکر ہیں) کہ جب حضرت موسےٰ کی قوم پہ یہ بیت رہی تھی تو انہوں نے فرعون سے نجات حاصل کرنے کے لئے اس کے خلاف تلوار اُٹھائی یا اپنی قوم کے ساتھ مصر چھوڑنے پر مجبور ہو گئے؟

ایسے حالات میں وہ پہلے معمار پاکستان کے طور پر سرسیّد مرحوم کی نمود کا ذکر اور ان کی ملتِ اسلامیہ کے لئے خدمات کا ذکر کرتے ہیں لیکن باوجود بڑی کوشش کے ہمیں یہ کہیں نظر نہیں آیا کہ سرسیّد نے انگریزوں کے خلاف تلوار اُٹھانے کا ذکر تک کیا ہو۔ اس کے برعکس وہ فرماتے ہیں:—

"یاد رکھو سب سے سچا کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ہے۔ یہی یقین رکھنے سے ہماری قوم ہماری قوم ہے۔ اگر تم نے سب کچھ کیا اور اس پر یقین نہ کیا تو تم ہماری قوم نہ رہے..........

مجھے امید ہے کہ تم علم اور اسلام دونوں باتوں کے نمونے ہوگے اور تبھی ہماری قوم کو عزت نصیب ہوگی"۔

یہاں تو کہیں بھی جہاد بالسیف کا ذکر نہیں۔

سرسید انگریزوں کے ملازم ہیں۔ انگریز مردوں اور عورتوں کی جان بچاتے ہیں۔ اپنی خدمات جلیلہ کے عوض "سر" کا خطاب پاتے ہیں اور جہاد بالسیف کا کوئی حکم نہیں دیتے مگر انگریز کے "پروردہ" نہیں اس کے برخلاف حضرت مرزا صاحب عیسائیت کے غیر معقول عقائد کے پرخچے اڑا کر اسلام کی برتری ثابت کرتے اور عیسائی پادریوں کو میدان سے بھاگنے پر مجبور کر دیتے ہیں مگر پرویز صاحب فرماتے ہیں کہ "وہ انگریز کے پروردہ تھے"۔ دیکھی آپ نے اس شخص کی امانت اور دیانت۔

پرویز صاحب ہمیں یہ بھی بتائیں کہ پاکستان کی تشکیل نظریات اور دلائل و براہین کی مرہونِ منت ہے یا لوہے کی تلوار کی۔ اور کیا یہ ممکن تھا کہ مسلمان تلوار اٹھا کر یہ ٹکڑا حاصل کر سکتے؟ اگر تھا تو پرویز صاحب ملازمت سے استعفیٰ دے کر کیوں نہ تلوار سونت کر میدان جہاد میں نکل آئے۔

اب ذرا اسی شمارہ میں طلوعِ اسلام کنونشن۔ اکتوبر ۱۹۷۵ء قسط سوئم کی طرف آیئے۔

۱۔ شوکت پرویز صاحب "عمل پیہم" کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے "جہاد" کی تعریف کرتے ہیں:—

"قرآن مجید نے جہاد کو بلند ترین عمل قرار دیا ہے۔ اور جہاد جہد مسلسل ہی کا دوسرا نام ہے بشرطیکہ اس کی سمت صحیح ہو..... ......صحیح سمت میں جہد مسلسل کا نام دین ہے"۔

ہمیں اس تعریف میں جہاد بالسیف کا نام کہیں نظر نہیں آ رہا۔ جسے پرویز صاحب اشاعتِ دین کا ایک بنیادی ذریعہ قرار دیتے ہیں اور جس کے نہ ماننے سے انسان "غیر مسلم اقلیت کا فرد بن جاتا ہے"۔ پرویز صاحب کا اپنے خلاف کیا فتویٰ ہوگا۔

۲۔ نجیبہ فاروقی صاحبہ صفحہ ۷۴ پر فرماتی ہیں:—

"یہ ان صاحب کمال لوگوں کا کردار تھا جن سے متاثر ہو کر روم، ایران، شام و فلسطین۔ مصر۔ شمالی افریقہ اور فارس کے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ انہیں تلوار کے وار کا خوف نہ تھا۔ بلکہ ان کے قلوب ان مومنین کے حسنِ سلوک سے دل دھڑک اٹھے تھے اور پھر اس کے بعد اس گلوب پر افریقہ چین اور مشرقی ہندوستان کے جزائر اسلام سے سرفراز ہوئے۔ وہ اگر تلوار کے وار کھاتے تو کٹ کٹ کر مر جاتے مگر انہوں نے محبت بھری نظریں دیکھی تھیں جس سے ان میں نئی تازگی پیدا ہوئی"۔

۳۔ نجمہ صفدر صاحبہ (صفحہ ۴۸) پر فرماتی ہیں:—

"یورپ کی قومیں پروپیگنڈا کے فن میں ماہر ہیں۔ انہوں نے جب دیکھا کہ اسلام کے مقابلہ میں عیسائیت...... کا چراغ جل نہیں سکتا تو انہوں نے اسلام کی ایسی بھیانک اور خوفناک تصویر کھینچی کہ غیر تو غیر اپنے بھی جب اس کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھیں تو کانپ کر رہ جائیں........ اسی کا نتیجہ ہے کہ جہاں کہیں بھی اسلام کا نام آتا ہے "قتل و غارت گری۔ بربادی اور تباہی — ہلاکت اور خونریزی — ظلم و ستم کے خونین مناظر ایک ایک کر کے آنکھوں کے سامنے آ جاتے ہیں۔ جن میں نظر آتا ہے کہ وحشی اور خونخوار جنگلی انسانوں کے غول کے غول سیلاب کی طرح اُمڈے چلے آ رہے ہیں اور اس سیلاب بلا سے تہذیب و تمدن۔ عدل و انصاف۔ عفت و عصمت ایک ایک کر کے جڑ سے اکھڑتے چلے جاتے ہیں"۔

اس تاثر کو کہ اسلام بزور شمشیر اور ظلم و ستم کی بدولت پھیلا مٹانے کے لئے نجمہ صفدر صاحبہ مسلمانوں کا حمص سے واپسی کے وقت وہاں کے باشندوں کو آدھا ٹیکس واپس کرنے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں:—

"یہ تھی وہ شمشیر جس سے مسلمانوں نے غیر مسلموں کو فتح کیا۔ ان کی زمینوں کو نہیں ان کے دلوں کو فتح کیا تھا"۔

ان تمام عبارات کو یکجائی نظر سے دیکھنے کے بعد آپ خود سوچ لیں کہ پرویز صاحب کی نجی محفلوں میں کیسی باتیں ہوتی ہیں اور وہ ہمیں بدنام کرنے کے لئے کن حربوں سے کام لیتے ہیں۔ الفاظ مختلف ہو سکتے ہیں لیکن جو نظریہ ان تحریرات میں پیش کیا گیا ہے وہ بعینہٖ وہی ہے جو حضرت صاحب نے اس ملک اور اس زمانے میں جہاد بالسیف کے خلاف بڑے مدلل رنگ میں پیش کیا۔ آپ بھی فرماتے ہیں کہ مغربی اقوام نے محض دشمنی اور حسد سے کام لے کر اپنی کتابوں میں اسلام پر یہ تہمت اور الزام لگایا ہے کہ اسلام کی اشاعت قوتِ شمشیر کی نہ کہ اخلاقی اور روحانی اقدار کی مرہونِ منت ہے۔ حالانکہ اسلام جہاں بھی پہنچا اپنی انہی اقدار کی کشش اور جاذبیت کی بدولت وہاں کے باشندوں کے دلوں میں گھر کر گیا جیسے یہ پہلے تلوار کا محتاج نہ تھا آج بھی نہیں ہے اور لوگوں میں اس وقت جو خونی مہدی کا تصور پایا جاتا ہے جو آکر سب کو تلوار کے ذریعے اسلام میں داخل کرے گا یہ اسلام کے خوبصورت چہرے پر ایک بدنما داغ ہے۔ آنحضرت صلعم کو جو جنگیں لڑنی پڑیں وہ لوگوں کو اسلام میں داخل کرنے کے لئے نہیں بلکہ اسلام کو بچانے کے لئے تھیں۔ پرویز صاحب کوئی ایسی مثال پیش نہیں کر سکتے کہ آنحضرت صلعم نے جارحیت سے کام لیا ہو۔ زمانہ بھی گواہ ہے کہ شمشیر و سناں سے فتح کئے ہوئے ملک طاؤس و رباب کی نظر ہو جاتے ہیں لیکن جہاں دلوں پہ سکہ بٹھایا جا سکے وہاں موت کو گلے لگانے کے لئے بچے بھی ایڑیاں اٹھاتے ہیں۔ اور ہر دکھ اور ایذا کے بعد زبان سے "اللہ اکبر" کی صدا بلند ہوتی ہے لیکن یہ مقام قرآن کی اتباع سے ملتا ہے نہ کہ DAS KAPITAL سے۔ پرویز صاحب شیر کے مارے ہوئے شکار سے اپنے پیٹ کی آگ بجھانا چاہتے ہیں اور احمدیت کے بستانِ ثمرور سے خوشہ چینی کر کے اپنے قطعہ بے ثمر کی فصلِ بہار کا پروپیگنڈا کرنے میں مصروف ہیں تاکہ انہیں بھی کوئی مقام مل جائے لیکن اس سے بے خبر ہیں کہ وہ اپنے دامنِ یاس و حسرت کو انگاروں سے بھر رہے ہیں کیونکہ جو خدا کے ولی کا دشمن ہو جاتا ہے اس کے خلاف اللہ تعالیٰ اعلانِ جنگ کرتا ہے۔ جس کا نتیجہ ناکامی و نامرادی کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور کسی کی افترا پردازیاں اور کذب بیانیاں اسے اللہ کے غضب سے نہیں بچا سکتیں۔

ہم نے اپنے سابقہ اداریہ میں پرویز صاحب کو چیلنج کیا ہے کہ وہ جہاد بالسیف اور حیاتِ مسیح کے حق میں قرآن کی روشنی میں مقالے لکھیں ہم انشاء اللہ انہیں قرآن کریم سے ہی جواب دے کر ان کے عزائم کا پول کھول لیں گے۔ ہمیں اس کا شدت سے انتظار رہے گا۔

---

## کلامِ امامؑ

چو چشم حق شناس و نور عرفانت نہ بخشیدند + نہادی نام کافر لاجرم عشاقِ ملت را

اگر خواہی رہِ مولیٰ زلافِ علم خالی شو + کہ رہ نہ دہند دو کونش اسیر کبر و نخوت را

مصفّا قطرہ باید کہ تا گوہر شود پیدا + کجا بیند دلِ ناپاک روئے پاک حضرت را

بلقّاظی بسر کردند عمر خود بلا حاصل + دمے از بہر معنی ہا نہ یابند فرصت را

مسیح ناصری را تا قیامت زندہ می فہمند
مگر مدفونِ یثرب را نہ دادند ایں فضیلت را

# مولوی محمد یوسف صاحب لدھیانوی ختم عیسٰی پوری کے چوتھے کھلے خط کا کھلا جواب

(قسط نمبر ۲)

**استعارات کا استعمال** — جوشِ کتابت میں بغیر سوچے سمجھے آپ یہ بھی فرما گئے ہیں کہ :—

"مرزا صاحب کی مسیحیت کی ساری عمارت استعارہ پر کھڑی ہے"

معذور ہو تو میں آپ کی متاعِ دین و دانش سے محرومی کا ماتم کرنے کے لئے کسی نوحہ گر کو ساتھ رکھوں۔ آپ لسانیات کی ابتداء اور ارتقاء کے فلسفہ سے نابلد محض ہیں۔ آپ کو یہ بھی معلوم نہیں کہ محاورات، تمثیلات، استعارات اور تشبیہات دنیا کی نہ صرف مروجہ بلکہ متروک زبانوں کی فصاحت و بلاغت کی بھی رُوحِ رواں رہی ہیں۔ عربی زبان کو اُمّ الالسنہ کہا جاتا ہے یعنی وہ زبان جس سے باقی ساری زبانیں نکلی ہیں تو کیا اس صورت میں عربی ہی ایک ایسی زبان ہے جو ان موتیوں اور جواہرات سے محروم ہے جو دوسری زبانوں کا قیمتی سرمایہ اور زیور ہیں۔ قرآن کریم اپنی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے آج بھی اتنی ہی بے نظیر کتاب ہے جتنی آج سے چودہ سو سال قبل بھی۔ اس کا یہ چیلنج "فاتوا بسورۃ من مثلہ" آج بھی ساری علمی دنیا کے سامنے موجود ہے لیکن کوئی بھی جرأت نہ کر سکا اور نہ آئندہ کر سکے گا۔ یہی وجہ تھی کہ عرب کے نامور شاعر کو "السکوتر" کے ساتھ چوتھا مصرع یہ لکھنا پڑا کہ "واللّٰہ ما ھٰذا قول البشر"۔ دنیا کے بڑے بڑے ماہرینِ لسانیات۔ ادیبوں۔ شاعروں۔ سائنسدانوں حتیٰ کہ موسیقاروں تک نے اس کی فصاحت و بلاغت کے سامنے سر جھکا دیا ہے۔ کیا عرب قرآن کریم میں استعمال شدہ الفاظ سے ناآشنا تھے کہ وہ ان کو ترتیب دے کر کوئی ایک ہی آیت اس جیسی بنا لاتے؟ ہرگز نہیں۔ مگر ان الفاظ میں ایک ایسی ترتیب و تنظیم ہے۔ ایسا تسلسل اور روانی ہے اور ایسا ربط و ضبط ہے کہ پڑھنے سننے اور غور و فکر کرنے والے پر ایک وجد آفرین کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اس میں محاورات بھی ہیں اور تمثیلات بھی۔ استعارات بھی ہیں اور تشبیہات بھی جن کے ذریعے بڑے بڑے معارف اور باریک نکات بیان ہوتے ہیں۔ لیکن سمندر کی تہ سے موتی وہی نکال سکتا ہے جو اس میں غوطہ لگانا اور اُبھرنا جانتا ہو۔ اس کی سطح اور کنارے کنارے پر ہاتھ پاؤں مارنے والے کے ہاتھ کائی کے چند تنکے ہی آسکتے ہیں جنہیں وہ سمندر کی ساری کائنات سمجھ بیٹھتا ہے اور اس فریب میں مبتلا رہتا ہے کہ اس نے سب کچھ حاصل کر لیا۔

**انجیل میں تمثیلات** — آپ حضرت مسیحؑ کو زندہ تسلیم کرتے ہیں۔ ان کی کتاب انجیل مقدس ہے۔ کبھی پڑھنے کا اتفاق ہُوا ہو تو آپ نے دیکھا ہوگا کہ متی۔ مرقس۔ لوقا اور یوحنا کی انجیلوں میں بے شمار تمثیلات ہیں کیونکہ حضرت عیسٰیؑ اسی زبان میں شاگردوں اور دوسرے لوگوں کو سمجھایا کرتے تھے۔ انجیلوں کی باقی تعلیمات میں کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو یہ تمثیلات کم و بیش سب میں موجود ہیں۔ میں ایک ہی تمثیل کے بیان پر اکتفا کروں گا کہ باقی آپ خود دیکھنے کی کوشش کریں۔

متی ۴:۴ میں ہے :—

"دیکھو ایک بونے والا بیج بونے نکلا اور بوتے وقت کچھ دانے راہ کے کنارے گرے اور پرندوں نے آکر انہیں چُگ لیا اور کچھ پتھریلی زمین پر گرے جہاں ان کو بہت مٹی نہ ملی اور گہری مٹی نہ ملنے کے سبب سے جلد اُگ آئے اور جب سورج نکلا تو جل گئے اور جڑ نہ ہونے کے سبب سے سُوکھ گئے۔ اور کچھ جھاڑیوں میں گرے اور جھاڑیوں نے بڑھ کر انہیں دبا لیا۔ اور کچھ اچھی زمین میں گرے اور پھل لائے۔ کچھ سو گنا کچھ ساٹھ گنا۔ کچھ تیس گنا۔ جس کے کان ہوں وہ سُن لے۔"

اب کانوں نے تو سُنا لیکن اعتراض یہ ہوا کہ تو تمثیلوں میں کیوں باتیں کرتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں :—

"میں ان تمثیلوں میں اس لئے باتیں کرتا ہوں کہ وہ دیکھتے ہوئے نہیں دیکھتے اور سنتے ہوئے نہیں سنتے اور نہیں سمجھتے"۔

**قرآن کریم میں تمثیلات اور استعارات کا استعمال** — قرآن کریم بھی یہی فرماتا ہے :—

"ولقد صرفنا للناس فی ھٰذا القراٰن من کل مثل فابٰی اکثر الناس الا کفورا" (۱۷ : ۸۹)

اور دوسرے مقام پر ہے :—

"ولقد صرفنا فی ھٰذا القراٰن للناس من کل مثل وکان الانسان اکثر شیء جدلا" (۱۸ : ۵۴)

یعنی ہم نے بلاشبہ اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کی مثالیں بار بار بیان کی ہیں"

لیکن ان کا رویہ یہ رہا ہے :—

کہ اکثر لوگوں کو سوائے انکار کے کچھ منظور نہیں" اور "انسان زیادہ تر جھگڑا ہی کرتا رہتا ہے"

ظاہر ہے کہ انکار اور جھگڑا کسی بات کے تہ تک نہ پہنچنے اور نہ سمجھنے سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ قرآن کریم بھی یہی فرماتا ہے کہ :—

"کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں تا ان کے لئے دل ہوتے جن سے وہ سمجھتے۔ یا کان ہوتے جن سے وہ سنتے کیونکہ وہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔" (۲۲ : ۴۶)

کان ہیں لیکن سنتے نہیں۔ آنکھیں ہیں لیکن دیکھتے نہیں اور دل ہیں لیکن اس سے سوچنے سمجھنے کا کام نہیں لیتے۔ تمثیلات میں تو قرآن کریم نے بھی باتیں کی ہیں اور یہ آپ کو قرآن کریم کی بے شمار صورتوں میں نظر آئیں گی۔ اگر ان کے معنی ظاہر ہوں تو یہ کہنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی کہ نہ وہ سنتے ہیں۔ نہ دیکھتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں۔

اگر آپ جویائے حق ہیں تو آپ کو یہ تمثیلات قرآن کریم کی تقریباً ان چوالیس سورتوں ۲ تا ۸ و ۱۰ تا ۱۴ و ۱۷ تا ۱۸ و ۲۰ تا ۲۲ و ۲۸ تا ۳۰ و ۳۵ تا ۴۳ و ۴۶ تا ۴۸ و ۵۱ تا ۵۲ و ۵۷ تا ۵۹ و ۶۰، ۶۲ - ۶۵ اور ۸۹ میں مل جائیں گی اور آپ پر واضح ہو جائے گا کہ اگر ان کے الفاظ کو ظاہر پر محمول کر کے معنی اخذ کئے جائیں تو حقیقت جو ان میں بیان ہوئی ہے وہ نکھر کر سامنے نہیں آسکتی اور نہ یہ کتاب پُرحکمت کتاب کہلانے کا دعوٰی کر سکتی ہے۔

میں آپ کے غور و خوض کے لئے ان میں سے چند ایک مثالوں اور استعارات کا بیان کرنا ہی کافی سمجھوں گا کیونکہ عاقل را اشارہ کافی است :—

(۱) سورۃ الجمعہ کی آیت ۵ دیکھئے۔ فرمایا گیا ہے کہ :—

یہ تو مختصر سا تمثیلات کا ذکر تھا۔ آپ میں استعارات کی تین چار تمثالیں بیان کرتا ہوں اور آپ سے التجا کرتا ہوں کہ اپنے قائم کردہ اصول کے مطابق ان کی تشریح اور توضیح سے ہمارے علم میں اضافہ کر کے ہماری جہالت کے پردے دور کیجئے۔

**اللہ کے متعلق** } اللہ تعالےٰ نے انسان کو اس کے ماحول میں پائی جانے والی اشیاء کا علم حاصل کرنے کے لئے حواس خمسہ یعنے دیکھنے۔ سننے۔ سونگھنے۔ چکھنے اور چھونے کی قوتیں عطا فرمائی ہیں۔ قرآن کریم نے بار بار سننے۔ دیکھنے اور عقل سے کام لینے کی طرف توجہ دلاتی ہے۔ متعدد آیات اس پر شاہد ہیں۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ یہاں دیکھنے اور سننے کی قوتوں کا مالک ہونے کا اشارہ اللہ تعالےٰ کی طرف بھی کئی مقامات پر کیا گیا ہے جیسے سورۃ العلق میں آیا ہے "الم یعلم بان اللہ یریٰ" (کیا وہ جانتا نہیں کہ اللہ دیکھتا ہے)۔ سورۃ یوسف کے حروف مقطعات الرا کا مطلب بھی "میں اللہ دیکھتا ہوں" بیان ہوا ہے۔ اللہ تعالےٰ کا اسی نسبت سے ایک نام البصیر بھی ہے۔ سننے کے متعلق سورۃ المجادلہ (۱) میں ارشاد ہوا ہے "قد سمع اللہ قول التی تجادلک فی زوجھا وتشتکی الی اللہ" کہ اللہ نے اس عورت کی بات کو سن لیا جو تجھ سے اپنے خاوند کے بارے میں جھگڑتی تھی اور اللہ کے حضور شکایت کرتی تھی۔ اسی نسبت سے اللہ تعالےٰ کا ایک نام السمیع بھی قرآن کریم میں مختلف آیات میں استعمال ہوا ہے۔ اگر ظاہری نظر سے دیکھا جائے تو اس سے یہی نتیجہ اخذ کیا جائے گا کہ نعوذ باللہ اللہ کی بھی ویسی ہی آنکھیں اور ویسے ہی کان ہیں جیسے انسانوں اور جانوروں کے اور وہ بھی دیکھنے اور سننے کے لئے انہی مادی ذرائع کا محتاج ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالےٰ کے ہاتھوں کے متعلق بھی الفتح (۱۰) میں اس طرح آیا ہے "ید اللہ فوق ایدیھم" یعنی اللہ تعالےٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔ اس سے اللہ تعالےٰ کی تجسیم لازم آتی ہے اور وہ انسانوں سے کوئی برتر ہستی ثابت نہیں ہوتا حالانکہ الشوریٰ (۱۱) کے الفاظ ہیں "لیس کمثلہ شئ و ھو السمیع البصیر" (اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے)۔ الانعام (۱۰۴) میں اللہ تعالےٰ کی تعریف اس طرح کی گئی ہے "لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر"۔ (نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ نگاہوں کا احاطہ کرتا ہے اور وہ باریک باتوں کا جاننے والا خبردار ہے) ایک طرف تو انسانوں کی طرح دیکھتا بھی ہے۔ سنتا بھی ہے اور اس کے ہاتھ بھی ہیں اور دوسری طرف اس جیسی کوئی چیز نہیں اور آنکھیں اس کا احاطہ بھی نہیں کر سکتیں تو الفاظ کے ظاہر پر جا کر آپ ان دونوں متضاد باتوں میں کس طرح تطابق پیدا کریں گے۔

**رسول کے متعلق** } التوبہ (۶۱) میں آنحضرت صلعم کے متعلق مخالفین کہتے تھے "ویقولون ھو اذن" کہ "وہ کان ہے" اس سے نعوذ باللہ یہ مطلب لیا جائے گا کہ رسول کریمؐ سوائے کان کے باقی تمام اعضاء سے محروم تھے۔ اور دوسری جگہ آپؐ کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔ "وداعیًا الی اللہ باذنہ وسراجًا منیرا" (۳۳:۴۶) (اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور روشن کرنے والا سورج)۔ اس سے بھی آپ مفروضہ کے مطابق یہی معنی لئے جائیں گے کہ آپؐ واقعی ویسے ہی سورج تھے جیسے کہ نظام شمسی والا سورج۔ اس کے برعکس آپ کو حکم ہوتا ہے "قل انما انا بشر مثلکم" (کہہ میں صرف تمہاری طرح بشر ہوں) ۱۸:۱۱۰ ایک جگہ آپ کو روشن کرنے والا سورج کہا جاتا ہے اور دوسری جگہ بشر۔ یہ بالکل ایک بدیہی امر ہے کہ نہ انسان سورج ہو سکتا ہے اور نہ سورج انسان۔ اس سے کیا یہ سمجھ لیا جائے کہ آپ کے فلسفہ کے مطابق قرآن کریم تضادات کا ایک مجموعہ ہے یا یہ کہ اس بیان میں وہ حکمتیں پوشیدہ ہیں جو آپ کو نظر نہیں آتیں۔ اور نہ ان کی باریکیوں تک پہنچنے پر آپ قدرت رکھتے ہیں کیونکہ یہ بھی "اسی سراج منیر" کا ارشاد ہے کہ جو اپنے زمانے کے امام کو شناخت نہیں کر سکتا وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔

**کتاب کے متعلق** } "ولدینا کتاب ینطق بالحق" (۲۳:۶۲) (اور ہمارے پاس کتاب ہے جو سچ سچ بتا دیتی ہے)۔ یہاں لفظ ینطق ہے۔ اور نطق صرف انسانوں کی خاصیت ہے۔ ہم نے آج تک کسی کتاب کو اس طرح بولتے ہوئے نہیں سنا جس طرح انسان بولتے اور باتیں کرتے ہیں۔ اسی لئے انسان کو حیوانِ ناطق بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے ظاہری معنی تسلیم کر لئے جائیں تو پھر کتاب کو بھی حیوانِ ناطق ماننا پڑے گا۔ کیا خیال ہے آپ کا۔

سورۃ فاطر (۲۵) میں ہے "جاءتھم رسلھم بالبینٰت وبالزبر وبالکتٰب المنیر" (ان کے رسول ان کے پاس کھلی دلیلوں اور صحیفوں اور روشن کرنے والی کتاب کے ساتھ آئے) کتاب ضرور روشن کرتی ہے لیکن اس طرح نہیں جس طرح آپ سمجھ رہے ہیں۔ آج تک کوئی انسان بھی یہ گواہی نہیں دے سکے گا کہ اس نے قرآن کریم میں سے اسی طرح روشنی کی شعاعیں نکلتی ہوئی دیکھی ہیں جس طرح سورج۔ چراغ یا بجلی کے قمقمے سے نکلتی ہیں۔ اگر بفرض محال یہ مان بھی لیا جائے تو کوئی کتاب اس طرح روشنی کا منبع نہیں ہو سکتی جس طرح سورج ہے اور جس پر کائناتِ ارضی کی ساری زندگی کا دار ومدار ہے۔ سورج اور بجلی کی روشنی نہ ہو تو اندھیرے میں آپ قرآن کریم پڑھ ہی نہیں سکتے۔ اگر اس کا یہ حال ہے تو اس سے قبل کے تمام صحیفے کس طرح روشن ہو سکتے تھے۔

**لباس کے متعلق** } "تمہارے لئے روزوں کی رات میں اپنی عورتوں کی طرف رغبت کرنا حلال کیا گیا ہے۔ ھن لباس لکم و انتم لباس لھن۔ وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو" (۲:۱۸۷)

لباس کے متعلق تو ہر کوئی جانتا ہے کہ خواہ ریشمی ہو یا سوتی اور خواہ مصنوعی دھاگوں سے تیار کیا گیا ہو آج کل کارخانوں میں تیار ہو کر آتا ہے اور ابتدائی دور میں جب مشینیں ایجاد نہ ہوئی تھیں تو ہاتھوں سے تیار کیا جاتا تھا۔ اگر لباس کے ظاہری معنے ہی لئے جائیں تو آپ کو بتانا ہوگا کہ عورتیں یا مرد لباس ظاہری کی صورت میں کس دھاگے سے اور کس کارخانے میں تیار ہو کر باہر آتے ہیں اور درزی انہیں کس طرح سی کر تیار کرتا ہے۔

لباس ہی کے متعلق قرآن کریم کے لئے دوسرے مقامات پر آیا ہے "ولباس التقویٰ ذالک خیر" (۷:۲۶) یعنے تقوےٰ کا لباس ہی بہتر ہے۔ فاذاقھا اللہ لباس الجوع والخوف (۱۶-۱۱۲) (تو اللہ نے اسے بھوک اور خوف کے لباس کا مزہ چکھایا)۔ "وجعلنا الیل لباسًا" (۷۸:۱۰) (اور ہم نے رات کو لباس بنایا۔

یہ تقوےٰ کا لباس کہاں اور کیسے تیار ہوتے ہیں۔ پھر یہ بھی عجیب بات ہے کہ بھوک اور خوف کا لباس ہو اور اس کا مزہ بھی زبان سے چکھا جا سکے۔ ایک معمہ ہے نہ سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔ قرآن کریم بھی ایک انوکھی کتاب ہے جس میں نعوذ باللہ بعید از قیاس اور دور از عقل باتیں لکھی ہوئی ہیں۔ حکمت کا نام ونشان نہیں ملتا۔

**زندگی اور موت کے متعلق** } "اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ اور رسول کا حکم مانو جب وہ تم کو اس کے لئے بلاتا ہے "لما یحییکم" جو تمہیں زندگی دیتا ہے" (۸:۲۴)

یہاں خطاب مومنوں کو ہے جو چلتے پھرتے، کھاتے پیتے انسان ہیں یعنی معروف ظاہری معنوں میں زندہ ہیں۔ لیکن باوجود اس کے رسول ان کو اس کی طرف بلاتا ہے جو ان کو زندگی دیتا ہے۔ زندگی تو ان کو ملی ہوئی ہے یہ دوسری کونسی زندگی ہے جس کی طرف آنحضرت ان لوگوں کو بلانے

ہیں۔ زندگی کے اگر ظاہری معنے لئے جائیں تو آپ کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں کہ یہ دوسری زندگی کونسی ہے اور اگر اس کا مطلب بیان کرنیکی کوشش کریں گے تو اس سے یہی معلوم ہوگا کہ آپ اس کو استعارہ کے معنوں میں ہی مانتے ہیں اور اس کے بغیر آپ کے لئے کوئی چارہ نہیں۔

میں آپ کی توجہ سورۃ الروم کی آیات ۱۹، ۲۴، ۵۰ کی طرف مبذول کرتا ہوں۔ آیت ۱۹ کا ترجمہ ہے:—

"وہ زندہ کو مُردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے
اور زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے۔"

زندہ سے مردہ کو نکالنا تو سمجھ میں آ سکتا ہے۔ لیکن میں مُردہ سے زندہ کو نکالنا ظاہری معنوں کے لحاظ سے نہیں سمجھ سکا۔

ممکن ہے آپ مجھے یہ جواب دینے کی کوشش کریں کہ یہ مستقبل یعنے قیامت کے لئے ہے کہ وہ مُردوں کو زندہ کرے گا۔ لیکن یہ بات بھی مجھے مطمئن کرنے کے لئے کافی نہیں کہ وہاں تو وہی انسان زندہ کیا جائے گا جو مر چکا ہے اور یہاں لفظ "یخرج" ہے مردے میں سے زندہ نکالتا ہے اس لئے یہاں دو حالتیں ہو جاتی ہیں ایک مردہ اور دوسری زندہ، اس پہیلی کو بھی اپنے اصول کے مطابق حل کرنے کی کوشش کیجئے۔ اس کے ساتھ مُردہ زمین کو زندہ کرنے کا ذکر بھی ہے۔ زمین تو ایک بے جان چیز ہے۔ موت کا لفظ جاندار چیز کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے ایک بے جان چیز جیسے مرتی اور زندہ ہوتی ہے اس پر بھی اپنے فلسفہ کے رُو سے روشنی ڈالئے۔ کیونکہ آپ نے تو یہ قاعدہ طے کر لیا ہوا ہے کہ قرآن و حدیث کے سارے الفاظ کے ظاہری معنے ہی لئے جائیں گے۔ اور بھی اسی قسم کی بیشمار آیات ہیں لیکن میں تفصیل میں نہیں جا سکتا۔ آیات ۲۴ اور ۵۰ کو بھی دیکھ لیں۔ اس قسم کی تمثیلی اور استعاراتی زبان کو قرآن کریم "آیات" کہہ کر پکارتا ہے اور ساتھ ہی لقوم یعقلون فرماتا ہے۔ کیونکہ ان سے عقل والے ہی پُرحکمت معنی اخذ کر سکتے ہیں۔ آپ جیسے سطحی نظر سے دیکھنے والوں کے لئے ان میں کوئی معارف اور نکات نہیں ہیں۔

**خوابوں کے متعلق** سورۃ یوسف (۴) میں حضرت یوسفؑ اپنے باپ حضرت یعقوبؑ کے سامنے یہ خواب بیان کرتے ہیں:—

"اے میرے باپ میں نے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو دیکھا ہے۔ میں نے انہیں اپنے آپ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔"

چاہئے تو یہ تھا کہ حضرت یوسفؑ کی زندگی میں کوئی وقت ایسا آیا ہوتا کہ واقعی آسمانی ستاروں، سورج اور چاند نے آپ کے سامنے سجدہ کیا ہوتا اور اس پر تاریخ کی بھی کوئی گواہی ہوتی لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوا۔ اس کے برعکس حضرت یعقوب علیہ السلام فرماتے ہیں:—

"اور اسی طرح تیرا رب تجھے چن لے گا و یعلمک من تاویل الاحادیث اور تجھے باتوں کے معنی سکھائے گا۔"

اور "تاویل" کا لفظ متشابہات کے سلسلہ میں مذکور ہے جنہیں تاویل کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ ظاہر میں یہ کچھ اور ہوتی ہیں اور باطن میں انکا مطلب کچھ اور ہوتا ہے۔ اور یہ تمثیلات اور استعارے ہی ہوتے ہیں جن کے معنی ڈھونڈنے اور تلاش کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ رؤیا، کشف اور الہام بھی اسی کے ذیل میں آتے ہیں۔ ورنہ ضرور تھا کہ اجرامِ فلکی جن کا ذکر مذکورہ بالا خواب میں ہے واقعی سجدہ کرتے اور دیکھنے والے دیکھ لیتے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ یہ تو ایک عام عقل و فہم کا انسان بھی جانتا ہے کہ خواب تعبیر طلب ہوتے ہیں۔ اور اکثر ظاہری الفاظ کی صورت میں پورے نہیں ہوتے۔ اسی سلسلہ میں میں آپ کے سامنے اسی سورت میں مذکور دو قیدیوں اور فرعون مصر کا خواب رکھتا ہوں:—

ایک قیدی کا خواب یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو شراب نچوڑتے ہوئے دیکھتا ہے اور حضرت یوسفؑ اسے بتاتے ہیں کہ "تو اپنے آقا کو شراب پلائے گا۔" اور دوسرا دیکھتا ہے کہ "میں اپنے سر پر روٹیاں اُٹھائے ہوئے ہوں جن میں سے پرند کھا رہے ہیں۔" حضرت یوسفؑ فرماتے ہیں کہ "دوسرا صلیب دیا جائے گا تو پرند اس کے سر سے کھائیں گے۔" ان دونوں میں پیشگوئیاں ہیں کیونکہ انہیں ان کا انجام پہلے سے بتا دیا گیا ہے۔ اس میں زمانے کا کوئی تعین نہیں اس سے بھی معلوم ہوا کہ پیشگوئیوں میں بھی استعارہ ہوتا ہے اور وہ تاویل طلب ہوتی ہیں۔ انہیں ظاہر پر محمول کرنا جہالت نہیں تو اور کیا ہے لیکن آپ جیسے مسجدوں میں ضرب یضرب رٹنے والے اور قرآن کریم کی چند آیات یاد کر کے علماء کہلانے والے اس حقیقت کو کیا سمجھیں اور کیا جانیں۔

فرعونِ مصر خواب دیکھتا ہے کہ:—

"میں نے سات موٹی گائیں دیکھی ہیں انہیں سات دُبلی (گائیں) کھا گئی ہیں اور سات سبز خوشے اور (سات) اور خشک"

اور وہ اہلِ دربار سے تعبیر پوچھتا ہے وہ اسے پریشان خواب کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔ بات حضرت یوسفؑ تک پہنچتی ہے اور آپ فرماتے ہیں:—

"تم حسب معمول سات سال کھیتی کرو گے تو جو کچھ کاٹو اسے اپنے خوشہ میں ہی رہنے دو سوائے تھوڑے کے جس سے تم کھاؤ۔ پھر اس کے بعد سات سخت سال آئیں گے وہ سب کچھ کھا جائیں گے جو تم نے ان کے لئے جمع کیا ہے سوائے تھوڑے کے جو تم محفوظ کر لو۔ پھر اس کے بعد ایک سال آئے گا جس میں لوگوں پر مینہہ برسایا جائے گا۔ اور اس میں وہ انگور بھی نچوڑیں گے۔"

خواب میں تو سات موٹی اور سات دُبلی گائیوں کا ذکر ہے مگر تعبیر ان کی کھیتی باڑی کے خوشحال سات اور سات سخت سال بتائی جاتی ہے۔ آپ کے خیال میں کیا حضرت یوسفؑ نے ظاہری صورت کو بدل کر تعبیر نہیں بتائی۔ گائیوں اور سالوں کا آپس میں کیا تعلق ہے۔ نہ خواب میں بارش کا ذکر ہے نہ انگوروں کا نہ ہی سبز اور خشک خوشوں کا۔ اپنا یہ اصول "النصوص تحمل علیٰ ظاہرھا" کا غلط ترجمہ اور نظریہ پیش کرتے وقت کچھ تو خُدا کا خوف کیا ہوتا اور سوچا ہوتا کہ بات کہاں سے کہاں تک پہنچ جائے گی۔

اب ذرا کلیجہ تھام کے بیٹھئے کیونکہ میں اب وہ بات پیش کرنے والا ہوں جس میں خود آنحضرت صلعم نے الفاظ کے ظاہری معنی نہیں لئے بلکہ اُن کا مطلب بتایا ہے اور یہیں آپ کے فکر و فہم کی کُٹیا ڈوبتی اور آپ کے علم کا تار و پود بکھرتا ہے۔ البقرہ (۱۸۷) میں ہے "اور کھاؤ اور پیؤ یہاں تک کہ (یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر) تمہارے لئے سفید دھاگا سیاہ دھاگے سے الگ ہو جائے۔ خیط کے ظاہری معنی دھاگا ہی ہیں اور ان الفاظ کے ظاہری لحاظ سے یہی معنے ہونے چاہئیں۔ اب اس پر ایک حدیث دیکھئے جایئے۔ بخاری شریف میں کتاب الصوم میں حضرت عدی بن حاتمؓ سے روایت ہے کہ:—

"جب یہ آیت اُتری تو میں نے ایک سیاہ رسّی اور دوسری سفید رسّی لے لی اور انہیں اپنے تکئے کے نیچے رکھا اور میں رات کو دیکھتا رہا مجھے امتیاز نہ ہوتا تھا۔ میں رسول اللہ صلعم کے پاس صبح حاضر ہوا۔ اس کا ذکر آپؐ سے کیا تو آپؐ نے فرمایا مراد رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی ہے۔"

آپؐ نے خیط الابیض کے معنی دن کی سفیدی اور خیط الاسود کے معنی رات کی سیاہی کئے اور الفاظ کے ظاہر معنی نہ کئے۔ وہ انسانِ کاملؐ جس پر قرآن کریم نازل ہوا وہ تو الفاظ سے ظاہری معنی اخذ نہ کریں مگر آپ ہیں کہ آپؐ کی کتاب میں بھی ردّ و بدل کرنے سے نہیں چوکتے۔ فرمائیے رسولِ کریم صلعم کے ارشاد کردہ معنوں کے خلاف کر کے الحاد اور زندقہ کے فتوے کے نیچے آپ آتے ہیں یا ہم۔ (باقی ــــ باقی)

# اعتقاداً اور عملاً رجوع الی القرآن و السُّنّۃ میں ہی مسلمانوں کی نجات مقدّر ہو چکی ہے۔

## اسلام کی سچّی روح کا تقاضا ان کی قلبی تبدیلی میں مضمر ہے کہ مسلمانوں کے دعاوی اور رسم و رواج کی پیروی میں

ع نورِ دل جاتا رہا اِک رسم دیں کی رہ گئی + پھر بھی کہتے ہیں کہ کوئی مصلحِ دیں کیا بکار (حضرت مسیح موعودؑ)

خطبہ جمعہ: مؤرخہ ۳ ستمبر ۱۹۷۶ء ۔ فرمودہ جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب ۔ جامع احمدیہ ۔ احمدیہ بلڈنگس لاہور

جو لوگ بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی طرف دعویٰ نبوّت منسوب کرتے ہیں ۔ وہ چاہے آپ کے مخالف ہوں یا موافق، غور کریں کہ اگر آپ نے فی الواقع نبوّت کا دعوےٰ کیا ہوتا تو کس قدر یہ امر ضروری تھا ۔ کہ آپ مُریدوں سے یہ منواتے ۔ کہ تم مجھے اس زمانہ کا نبی تسلیم کرو ۔ لیکن تمام دس شرائط بیعت کو پڑھ جاؤ کہیں اس کا اشارہ یا شائبہ تک نہ پاؤگے ۔ آخر یہ کیسا نبی دُنیا میں آیا جو اپنی نبوت پر ایمان لانا ضروری قرار نہیں دیتا بلکہ یہ کہتا ہے کہ "اس عاجز سے عقدِ اخوت باندھ کر اسی پر تا دمِ مرگ قائم رہے گا۔ گویا ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے ہاتھ پر عقدِ اخوت کا اظہار کرتا ہے ۔

فطرت اللّٰہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللّٰہ ذالک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔
( الرّوم ۳۰ )

ترجمہ:۔ خدا تعالےٰ نے انسانوں کی جو سچّی وصحیح فطرت خلق کی ہے، وہ تبدیل نہیں ہو سکتی، اور یہی سچے دین کا تقاضا ہے ۔ مگر اس قانونِ الٰہی سے بیشتر لوگ لاعلم پڑے ہیں ۔

---

جس طرح کائنات کے قوانین ابدی ہیں بعینہٖ فطرت انسانیہ کے قوانین اور تقاضے بھی اٹل اور لا مبدّل ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی دین خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا یا تجدیدِ دین کی کوئی اصلاحی تحریک منجانب اللہ قائم ہوئی تو ان سب کا لُبِّ لباب اور رُوح ایک ہی تھی ۔ حدیث شریف میں تو اس کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان ہُوا ہے ۔ العظمۃ لامر اللّٰہ والشفقۃ علیٰ خلق اللّٰہ ۔ خدا تعالیٰ کے قوانین، اوامر اور قضا و قدر کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا اور مخلوق کی ہمدردی و خیر خواہی کے جذبہ سے ہمہ تن سرشار ہونا ۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ ہر دین اور الٰہی تحریک کی تعلیم کا خلاصہ یہی دو بُنیادی امور ہیں، اختلافات کا بیشتر باعث یا تو بعد کے بڑوں کی اپنی بے راہ روی اور مبالغہ آمیزی ہوئی یا پھر ظاہرا ارکان اور تفصیلی معاملات میں مقامی خصُوصیات اور وقتی ضروریات کو دخل تھا ۔ لیکن جملہ ادیان اور خدائی تحریکات کا خلاصہ اور مغز انہی دو بُنیادی اصولوں پر مرکوز ہے جنہیں حدیث شریف میں بیان کیا گیا ہے ۔ یہ دو اساسی اُصولِ دینِ فطرتِ انسانی میں ودیعت کئے گئے ہیں کیونکہ وہ ایک ہی منبع سے نکلے ہیں ۔ پھر یہی وجہ ہے اس بات کی کہ دُنیا کو بالآخر انہی اُصولوں کی طرف رُجوع کرنا پڑتا ہے ۔ جب انسانی فطرت کے تقاضے ایک جیسے، اٹل اور لا تبدیل ہیں تو لازم ہے کہ لوگ انہی طبعی تقاضوں کی جانب آنے پر مجبور ہوں ۔ پس یہ وہ حقیقی باعث ہے کہ خدا تعالیٰ کا سچا دین قائم و مقبول ہو کر رہتا ہے ۔ انسانوں کی سرشت جو لا مبدّل ہے انہی اُصولوں کو قبول کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے جو خدائی دین اور تحریکات کی طرف سے پیش کئے جاتے ہیں ۔

قرآن کریم نے اس حقیقت کو ایک اور جگہ ایک لطیف تمثیل کے پیرائے میں بیان کیا ہے ۔ جہاں یہ فرمایا ومثل کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت و فرعھا فی السماء توتی اکلھا کل حین باذن ربھا ۔ خدائی کلمۃ یا اُصولِ حقہ دینیہ کی مثال ایسے پاک درخت کی ہے جس کی جڑیں زمین میں دُور دُور تک چلی گئی ہوں اور اس کی شاخیں آسمان میں پھیل رہی ہوں، نتیجہ یہ ہوتا ہے یعنی سنّت اللہ یا قانونِ الٰہی یہی ہے کہ ایسا شجرہ طیبہ اپنے پھل ہمیشہ کے لئے دیتا ہے اس لئے کہ خدائی اذن یا اٹل قانون یہی ہے ۔ یہاں

خُدا تعالیٰ نے اپنے جسمانی قانون کی مطابقت سے اپنے رُوحانی قانون کو جو وہ بھی اٹل و لا تبدیل ہے مثال دی ہے، فطرتِ انسانیہ صحیحہ وہ زمین ہے جس میں جب کلمہ طیبہ کا بیج بویا جائے تو اس سرشت میں بوجہ اس کی خلقت تامہ کے پیوست ہو کر گڑ جاتا ہے، پھر یہ بیج جب عملِ صالحہ کے پانی سے سیرابی پاتا ہے تو فطرت میں اور زیادہ راسخ ہو جاتا اور بیرون میں اپنے برگ و بار لاتا ہے ۔ نہ یہ اکھاڑا جا سکتا ہے، نہ ہی اکھڑ سکتا ہے چاہے مخالف طوفانوں کی کیسی زور دار آندھیاں کیوں نہ چلیں ۔

### دینِ اسلام کے اُصول فطرت صحیحہ میں مرکوز ہیں!

آج جب ہم یہ کہتے ہیں کہ دینِ اسلام کے اصول ہی غالب آ کر رہیں گے تو کیا ہمارا یہ قول محض خوش فہمی پر مبنی ہے؟ ایسا ہرگز نہیں ۔ ہمارے اس یقین کا باعث وہ علمِ قطعی ہے کہ جبکہ اس دین کے اُصول فطرتِ انسانی کے صحیح تقاضوں سے ہم آہنگ ہیں اور ایک دُنیا نے ان پاک اصولوں سے اعراض کر کے اپنے آپ کو مصائب و آلام میں گرفتار کر لیا ہوا ہے تو پھر ہم یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ دنیا فطرتی تقاضوں کے باعث ان پاک اُصولوں کو قبول کرنے کے بجز اور کوئی راہ مخلصی کی نہ پاکر انہیں قبول کر لے گی ۔

دینِ اسلام کا یہ اصُول کہ دین میں جبر کو کوئی دخل نہیں بلکہ یہ دین برضا و رغبت جو چاہے قبول کرے جو نہ چاہے نہ کرے، کا تقاضا بھی یہی ہے کہ دین انہی امور کی تعلیم و تلقین کرے جو فطرت میں مرکوز ہیں، وگرنہ جو بات سرشت میں ودیعت نہیں اسے باہر سے کیسے ٹھونسا جا سکتا ہے ۔ البتہ تعلیم کا مقصد فطرت کے باطنی تقاضوں کو بیدار کرنا اور خوابیدہ قوتوں کو اُبھارنا ہے چنانچہ اسی لئے قرآن کریم نے اپنی تعلیم کو ذکر یا یاد دلانا قرار دیا ہے ۔ اس زمانہ میں تحریکِ احمدیہ کی جو عظیم و بےمثل لہر خدا نے کھڑی کی ہے تو اس کے پیشِ نظر بھی دینِ اسلام کے ان دو بنیادی اُصولوں، یعنی العظمۃ لامر اللّٰہ والشفقۃ علیٰ خلق اللّٰہ کا احیاء ہی ہے چنانچہ دس شرائط بیعت میں یہی اقرار لیا گیا ہے کہ بیعت کنندہ یہ اقرار کرے گا کہ وہ خلقِ خدا کی ہمدردی میں عموماً اور مسلمانوں کی خیر خواہی میں خصوصاً مشغول رہے گا ۔ جو لوگ بانیٔ سلسلہ کی طرف دعوےٰ نبوّت منسوب کرتے ہیں وہ چاہے آپ کے مخالف ہوں یا موافق غور کریں کہ اگر آپ نے فی الواقعہ نبوّت کا دعویٰ کیا ہوتا تو کس قدر یہ امر ضروری تھا کہ آپ مریدوں سے یہ منواتے کہ تم مجھے اس زمانہ کا نبی تسلیم کرو ۔ لیکن تمام دس شرائط کو پڑھ جاؤ کہیں اس کا اشارہ یا شائبہ تک نہ پاؤگے ۔ آخر یہ کیسا نبی دنیا میں آیا جو اپنی نبوّت کو منوانا اور اس پر ایمان لانا ضروری قرار نہیں دیتا؟ بلکہ یہ کہتا ہے کہ اس عاجز سے عقدِ اخوّت باندھ کر اس پر تا دمِ مرگ قائم رہے گا ۔ گویا ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے ہاتھ پر عقدِ اخوّت کا اقرار کرتا ہے ۔

یہ ایک بات ہی تمام ایسے تنازعات کے فیصلہ کرنے کے لئے کافی ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کی پوزیشن اور مقام اسلام میں کیا ہے، کیا مقام نبوت پر قائم ہونے کا آپ کو دعوٰے ہے اور اس کا اقرار لیتے ہیں یا تجدید و احیائے دین اسلام کا جس کے لئے اقرار و عہد اخوت لیتے ہیں؟

اُصولِ احمدیت کی تمام قبولیت کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس تحریک نے دینِ اسلام کی رُوح یا اس کے بنیادی اصولوں کا احیاء کیا ہے، چونکہ یہ وہی اصول ہیں جو فطرت میں مرکوز اور سرشت میں ودیعت کئے گئے ہیں اس لئے دنیا کا آنا لازمی ہے جس طرح فطرتی تقاضے لا تبدیل و اٹل ہیں اسی طرح لوگوں کا ان کی طرف رجوع کرنا اور انہیں قبول کرتے چلے جانا قانونِ الٰہی کے عین مطابق اور اٹل بات ہے۔

## مسلمان عام طور پر سلسلہ احمدیہ کے مخالف کیوں ہیں

اس وقت سب سے بڑا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں ایک طبقہ متعصب و تنگ نظر علماء دین کا ہے مگر ان میں ایک طبقہ فہمیدہ لوگوں کا بھی موجود ہے لیکن کیا وجہ ہے کہ عام طور پر بیک زبان تمام مسلمان جماعت احمدیہ کو غیر مسلم قرار دینے میں متفق ہو گئے؟ اس کا سبب معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں۔ متعصب علماء و عوام تو دین کی اصل رُوح سے غافل پڑے ہیں، ان کے نزدیک چند الفاظ کو منہ سے دوہرا لینا، چند جسمانی حرکات کو اور چند رسوم کو دین کا نام دے کر بطور نمود و نمائش ادا کر لینا ہی دین کی اصل غرض و غایت و منتہائے نظر ہے۔ ان کو اس سے کچھ سروکار نہیں کہ ان کی رُوح و قلب کہاں تک منقلب و متاثر ہوتے ہیں ان کے کردار و سیرت میں کوئی تبدیلی دین کے اصل تقاضوں کے مطابق واقع ہوتی ہے یا نہ؟ مثلاً اگر ایک اسلام کے دعویدار نے ظاہرا ارکان و عبادات کو ادا کر لیا تو وہ نیکی و تقوٰے پر قائم ہونے کے باعث قابلِ مغفرت ہو گیا چاہے اس کے اعمال وہی کے وہی ہوں جو کسی بدترین ظالم و غاصب، اور کافر و فاسق کے اخلاق ہیں۔ انہیں اس سے کچھ بھی تعلق کہ اس کا دل کن جذبات و خواہشات سے معمور ہے اور اس نے کہاں تک پاکیزگی نفس و طہارت قلب سے حصہ لینے کی کوشش کی ہے کیا یہ امر از حد باعث تعجب و حیرت نہیں کہ ایسے مدعیانِ دین دعوٰے تو یہ کریں کہ دین کا حقیقی مقصد رُوح انسانی کی طہارت ہے لیکن اعمال و افعال کو صرف ظاہر اور جسم تک محدود کر دیں باطن و رُوح سے قطعاً کوئی سروکار نہ ہو بلا تاج جو شخص بھی مسلمان اقوام کی حالتوں کو سرسری نگاہ سے بھی دیکھے گا۔ وہ یہی نتیجہ نکالے گا کہ الفاظ پرستی اور ظاہر پرستی کے بجز حقیقت مفقود نظر آتی ہے۔

خود پاکستان کے مسلمانوں کے اعمال کو دیکھ کر کون یہ کہہ سکتا ہے کہ ان کے افعال و کردار قرآن و سُنّت کے مطابق ہیں؟ یہ وہ حقیقت ہے جس کا اعتراف ہر کس و ناکس کو کرنا پڑتا ہے۔ پاکستان حاصل تو اس لئے کیا گیا تھا کہ اس خطۂ زمین کے مسلمانوں کو ان کے دینِ اسلام کے مطابق ایک معاشرہ و تہذیب قائم کرنے کا موقعہ ملے۔ لیکن عملاً نہ صرف ہماری قوم کے ایمان و اخلاق میں کوئی ترقی نہیں ہوئی بلکہ پچیس برس قبل کی اخلاقی و اسلامی اقدار بھی ختم ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ یہ نظارہ کس قدر دردناک و المناک ہے ہر حقیقت جُو و منصف مزاج اس پُرتلخ تبدیلی پر خون کے آنسو بہائے گا

سے

میسزد گر خوں ببارد دیدۂ ہر اہلِ دیں
بر پریشاں حالئ اسلام و قحط المسلمیں

اس عام مرض کا باعث یہی ہے کہ دینِ اسلام کی رُوح اور اس کے اصل نصب العین سے بے خبری ہے۔ ظاہر ارکان اور الفاظ و حرکات کو دین کا حقیقی مقصد قرار دے لیا گیا ہے۔ گذشتہ کئی خطبات میں حضرت امیر مولانا صدر الدین صاحب ہمیں متواتر اس کی جانب توجہ دلا رہے ہیں کہ دین اور تقوٰے کسی ظاہرا شکل و شباہت یا تسبیح اور جسمانی حرکت کا نام نہیں بلکہ وہ تو در اصل قلبی کیفیت اور باطنی جذباتِ عالیہ کا مقام ہے جہاں سے ایمانی و اخلاقی بلندیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اسی لئے جب حضرت رسالتمآب صلعم سے صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ تقوٰے کہاں اور کس جگہ پر ہے۔ تو آنحضرت صلعم نے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ تقوٰے کا مقام قلب و رُوح سے متعلق ہے اور اسی کے مطابق وہ حدیث شریف بھی ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ انسان کے جسم و جان میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جو اگر صحت مند و توانا ہو تو تمام جسم تندرست و توانا ہوتا ہے۔ لیکن اگر وہی بگڑ چکا ہو تو نتیجہ یہ ہوگا کہ سارا جسم بگڑ جائے گا اور اس میں فساد و فتور واقع ہو جائے گا۔ لہذا تمام دیگر اقوام کے علاوہ جو اصل مرض مسلمانوں کی ہے وہ ان کی رُوح و قلب کا فساد زدہ ہونا ہی ہے مگر یہ امر کس قدر افسوسناک ہے کہ بجائے اپنی ایمانی و اخلاقی کمزوریوں کے دُور کرنے کے مسلمانوں کا تمامتر زور ظاہرا ارکان اور جسمانی حرکات پر آ رہا ہے۔ اب قابلِ غور بات یہ ہے کہ جب اس قوم کی توجہ اپنی رُوح و قلب کی صفائی اور طہارت کی طرف نہ ہو تو پھر محض جسمانی حرکات اور ظاہرا الفاظ کیسے اس کی قسمت کو تبدیل کر سکتے ہیں؟ پھر دوسرا طبقہ مسلمانوں میں فہمیدہ اور روشنضمیر بھی موجود ہے۔ لیکن یہ طبقہ مغربی تہذیب سے اس قدر مرعوب ہو چکا ہے کہ اپنے مفاد کے برخلاف کسی فرد یا جماعت کے بارہ میں جمہور کے برخلاف حق کی آواز بلند کرنے کے لئے قطعاً تیار نہیں۔ وگرنہ کس قدر ایسے فہمیدہ و باخبر اصحاب مسلمانوں میں موجود ہیں جو خوب جانتے ہیں کہ جماعت احمدیہ لاہور نہ صرف تکمیل دینِ اسلام کی قائل ہے بلکہ یہی واحد جماعت ہے جو حقیقی معنوں میں تحفظ ختمِ نبوت اور اتحاد المسلمین کے عالی عقیدوں کی اوّلین علمبردار ہے۔ لیکن اس جماعت کی تکفیر کے برخلاف کیا کسی نے آواز بلند کی؟

جماعت احمدیہ لاہور کی جب کوئی منصف مزاج مؤرخ تاریخ لکھے گا تو اسے یقیناً اس امر کا برملا اعتراف کرنا پڑے گا کہ یہی وہ واحد جماعت ہے جس نے موجودہ کفر گری کی فضا میں اتحاد بین المسلمین کے موقف کو بلند کئے رکھا۔ لازماً وہ مؤرخ یہ بھی مانے گا کہ باہمی تکفیر بازی کے برعکس صرف یہی واحد جماعت ہے جس نے کفرستانوں میں قرآن و اسلام کا عالی پیغام پہنچانے کی غرض سے مغربی ممالک میں اسلامی تبلیغی مشن اور مساجد قائم کیں۔ اس طرح جماعت احمدیہ لاہور ہی وہ واحد جماعت ہے جس نے مسلمانوں کے قلوب میں غلبہ و فتح اسلام کا صحیح یقین زندہ کیا۔ تو پھر ایسی بے مثل جماعت کے برخلاف تکفیر کے فتوے کے برخلاف کتنے مسلمانوں نے صدائے احتجاج بلند کی؟ تمام کی تمام قوم مخالفت کی رَو میں بہہ گئی یا یہ کہ ایسی سراسر و ناجائز و نا منصفانہ اقدام کے برخلاف کسی ایک نے بھی پروٹسٹ نہ کیا۔

## مخالفت یا تعریف سے بے نیاز ہو کر خدمتِ دین بجا لاؤ

ہمیں لازم ہے کہ نہ تو کسی مخالفت سے متاثر ہوں اور نہ ہی کسی کی تعریف کے خواہاں ہوں۔ خالصتاً دین کی خدمت کا عین یہی تقاضا ہے کہ مدِّنظر خدا کی خوشنودی اور خدمتِ دین مبین ہو۔ جو قوم دین کے مفہوم سے واقف ہے نہ اس کی رُوح و اصل حقیقت سے باخبر ہے۔ اس سے یہ توقع رکھنا کہ وہ ضرورتِ زمانہ کے مطابق جہادِ زمانہ بجا لائے گی محض خام خیالی اور فرضی حسن ظنی ہے نہ کچھ اور۔ قرآن کریم میں مومنوں کی صفت ان صلوٰتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العٰلمین آئی ہے یعنے وہ اصحاب ہر فعل میں خدا کی خوشنودی کو مدِ نظر رکھتے ہیں حتیٰ کہ ان کا مرنا جینا ان کی نماز و قربانی تمام کی تمام حرکات کی تہ میں رضائے الٰہی ہوا کرتی ہے۔ نہ وہ کسی کی تعریف سے خوش ہو جاتے ہیں اور نہ ہی کسی کی مخالفت سے خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔

## اِنسانی فطرت کے تقاضے یقیناً پورے ہو کر رہیں گے

ہم اپنے جماعتی اقدامات کے نتائج میں بھی اِسی قانونِ الٰہی کو جاری دیکھتے ہیں، لا تبدیل فطرتی تقاضے یہ ہیں کہ ایک عالم کی نجات دُنیا پرستی سے اجتناب میں ہے

جلد ۶۳ | یوم چہارشنبہ ۱۱ شوال المکرم ۱۳۹۶ھ مطابق ۶ اکتوبر ۱۹۷۶ء | نمبر ۴۰

# ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

## بیعت کی اصل غرض

### بدیوں اور خدا تعالیٰ کی نافرمانیوں کو قطعاً چھوڑ دو

اس بیعت کی اصل غرض یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت میں ذوق و شوق پیدا ہو اور گناہوں سے نفرت پیدا ہو کہ اس کی جگہ نیکیاں پیدا ہوں۔ جو شخص اس غرض کو ملحوظ نہیں رکھتا اور بیعت کرنے کے بعد اپنے اندر کوئی تبدیلی کرنے کے لئے مجاہدہ اور کوشش نہیں کرتا جو کوشش کا حق ہے اور پھر اس قدر دعا نہیں کرتا جو دعا کرنے کا حق ہے تو وہ اس اقرار کی جو خدا تعالیٰ کے حضور کیا جاتا ہے سخت بے حرمتی کرتا ہے اور وہ سب سے زیادہ گنہگار اور قابلِ سزا ٹھہرتا ہے۔ پس یہ ہرگز نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ بیعت کا اقرار ہی ہمارے لئے کافی ہے اور ہمیں کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ مثل مشہور ہے جوئندہ یابندہ۔ جو شخص دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اس کے لئے کھولا جاتا ہے اور قرآن شریف میں بھی فرمایا گیا ہے والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا یعنی جو لوگ ہماری طرف آتے ہیں اور ہمارے لئے مجاہدہ کرتے ہیں ہم ان کے واسطے اپنی راہ کھول دیتے ہیں اور صراط مستقیم پر چلا دیتے ہیں لیکن جو شخص کوشش ہی نہیں کرتا وہ کس طرح اس راہ کو پا سکتا ہے۔ خدا یابی اور حقیقی کامیابی اور نجات کا بھی یہی گر اور اصول ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں مجاہدہ کرنے سے تھکے نہیں نہ درماندہ ہو اور نہ اس راہ میں کوئی کمزوری ظاہر کرے۔

تم لوگوں نے اس وقت خدا کے حضور میرے ہاتھ پر اپنے گناہوں سے توبہ کی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ توبہ تمہارے لئے باعث برکت ہونے کی بجائے لعنت کا موجب ہو جاوے کیونکہ اگر تم لوگ مجھے شناخت کرکے بھی اور خدا تعالیٰ سے اقرار کرکے بھی اس عہد کو توڑتے ہو تو پھر تم کو دوہرا عذاب ہے کیونکہ عمداً تم نے معاہدہ کو توڑا ہے۔ دنیا میں جب کوئی شخص کسی سے عہد کرکے اسے توڑتا ہے تو اس کو کس قدر ذلیل اور شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ وہ سب کی نظروں سے گر جاتا ہے۔ پھر جو شخص خدا تعالیٰ سے عہد اور اقرار کرکے توڑے وہ کس قدر عذاب اور لعنت کا مستحق ہوگا۔

پس جہاں تک تم سے ہو سکتا ہے اس اقرار اور عہد کی رعایت کرو۔ اور ہر قسم کے گناہوں سے بچتے رہو۔ پھر اس اقرار پر قائم اور مضبوط رہنے کے واسطے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے رہو وہ یقیناً تمہیں تسلی اور اطمینان دیگا اور تمہیں ثابت قدم کرے گا کیونکہ جو شخص سچے دل سے خدا تعالیٰ سے مانگتا ہے اسے دیا جاتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم میں سے بعض ایسے بھی ہوں گے جن کو میرے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے واسطے قسم قسم کے ابتلاء اور مشکلات پیش آئیں گے۔ لیکن میں کیا کروں؟ یہ ابتلاء نئے نہیں۔ جب خدا تعالیٰ کسی کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور کوئی اس کی طرف جاتا ہے تو اس کے واسطے ضرور ہے کہ ابتلاؤں میں سے ہو کر گذرے۔ دنیادار اور اس کے رشتے عارضی اور فانی ہیں مگر خدا تعالیٰ کے ساتھ تو ہمیشہ کے لئے معاملہ پڑتا ہے پھر اس سے آدمی کیوں بگاڑے؟ دیکھو صحابہؓ کو کچھ تھوڑے ابتلاء پیش آئے تھے۔ ان کو اپنا وطن، مال و دولت، اپنے عزیز رشتہ دار سب چھوڑنے پڑے۔ لیکن انہوں نے خدا تعالیٰ کی راہ میں ان چیزوں کو مری ہوئی مکھی کے برابر بھی نہیں سمجھا۔ خدا تعالیٰ کو اپنے لئے کافی سمجھا۔ پر خدا تعالیٰ نے بھی ان کی کسقدر قدر کی۔ اس سے وہ خسارہ میں نہیں رہے بلکہ دنیا و آخرت میں انہوں نے وہ فائدہ پایا جو اس کے بغیر نہیں مل سکتا ہی نہیں تھا۔ اس لئے اگر کوئی ابتلا آوے تو گھبرانا نہیں چاہیئے۔ ابتلاء مومن کے ایمان کو مضبوط کرنے کا ایک ذریعہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اس وقت روح میں عجز و نیاز اور دل میں ایک سوزش اور جلن پیدا ہوتی ہے جس سے وہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کے آستانہ پر پانی کی طرح گداز ہو کر بہتا ہے۔ ایمان کامل کا مزا ہم و غم کے دنوں میں آتا ہے۔ اس وقت اپنے اعمال کی اصلاح کی فکر کرو۔ خدا تعالیٰ سے اب تمہارا نیا معاملہ شروع ہوا ہے۔ کیونکہ وہ پچھلے گناہ سچی توبہ کے بعد بخش دیتا ہے اور توبہ سے یہ مراد نہیں کہ انسان زبان سے یہ کہدے اور اعمال میں اس کا اثر ظاہر نہ ہو۔ نہیں توبہ یہی ہے کہ بدیوں اور خدا تعالیٰ کی نافرمانیوں کو قطعاً چھوڑ دے اور نیکیاں کرے اور اللہ تعالیٰ [illegible]

از محترم جناب علامہ شیخ عبدالرحمن صاحب مصری

# تقویٰ کا درخت اور اس کا پھل

## (قسط چہارم)

### حضور کا دعویٰ مسیحیت اور

گذشتہ اقساط میں یہ بتلایا گیا ہے کہ تمام لوگوں پر واضح کر دیا کہ حضور کے عطا کردہ علوم کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ علماء زمانہ نے بھی اس حقیقت کا کھلے الفاظ میں اعتراف کیا چنانچہ اس زمانے کے بہت بڑے جید عالم محمد حسین بٹالوی نے صاف لکھ دیا کہ ۱۳۰۰ برس میں اسلام کی تائید میں ایسی شاندار کتاب نہیں لکھی گئی۔ اگر میرے اس ریویو کو ایشیائی مبالغہ سمجھا جائے تو کسی کتاب کا نام لے دیں جس میں اسلام کی ایسی تائید پائی جاتی ہو۔ غیر مذاہب کے علماء کو کھلا چیلنج دیا گیا اگر وہ شرائط مذکورہ کے مطابق اس کتاب کا جواب شائع کر دیں تو ۱۰۰۰۰ ہزار روپیہ انعام پائیں گے مگر کسی کو میدانِ مقابلہ میں آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس کے بعد حضورؑ نے دعویٰ مسیحیت و مہدویت کیا، تو علماء زمانہ اپنے پرانے خیالات کے دماغوں میں راسخ ہونے کی وجہ سے کہ حضرت مسیح ناصری علیہ الصلوٰۃ والسلام آسمان پر زندہ اٹھائے گئے ہیں حضورؑ کے سخت مخالف ہو گئے۔ چنانچہ یہی مولوی محمد حسین بٹالوی جس نے براہین احمدیہ پر ایسا شاندار ریویو لکھا تھا سخت مخالف ہو گیا۔ اور شہر بہ شہر قریہ بہ قریہ پھر کر علماء اور عوام کو حضور کے خلاف بھڑکانے اور ان کے دلوں میں حضور کے خلاف نفرت پیدا کرنے کی مہم شروع کر دی اور آپ کے متعلق لوگوں کو یہ کہہ کر کہ حضورؑ نعوذ باللہ جاہلِ مطلق ہیں عربی زبان کا ایک لفظ بھی نہیں جانتے اور نہ انہوں نے عربی زبان کی تعلیم کسی عالم سے حاصل کی ہے۔ اسی طرح دینی علوم سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ حضرت اقدس کو چونکہ اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم کے علوم اور عربی زبان کی فصاحت اور بلاغت سے آگاہ کرنے کا وعدہ کیا ہوا تھا۔ اس لئے حضور نے بار بار ان علماء کو چیلنج کیا کہ میری تصنیف کردہ عربی کتابوں کے مقابلے میں ویسی ہی فصاحت اور بلاغت سے بھری ہوئی کتابیں لکھیں اور کافی انعام حاصل کریں اسی طرح قرآنی آیات کو قرعہ اندازی سے انتخاب کیا جائے اور ان کی تفسیر میں بھی فریقین کا مقابلہ ہو جائے۔ یہ چیلنج ایک بار نہیں دو بار نہیں بلکہ متعدد مرتبہ کیا گیا۔ لیکن نہ مولوی محمد حسین بٹالوی کو جو حضور کے مقابلے میں اپنے آپ کو بہت بڑا عالم قرار دیتا تھا مقابلہ میں آنے کی جرأت ہوئی اور اسی طرح نہ دوسرے عالم مولوی ثناءاللہ امرتسری کو، جو اپنی تحریروں کے ذریعے حضورؑ کے خلاف نفرت پھیلانے اور علماء اور عوام کو حضور کے خلاف بھڑکانے میں دن رات سعی میں مشغول تھا۔ گویا یہ دونوں عالم ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے کہ حضور کی مقبولیت لوگوں میں نہ پھیلے اور تمام لوگ آپ کو جاہل ہی سمجھتے رہیں۔ لیکن دونوں میں سے کوئی بھی مقابلے میں آنے کی جرأت نہ کر سکا لیکن لوگوں کو یہی تاثر دیتے رہے کہ حضور نعوذ باللہ بالکل جاہل مطلق ہیں۔ آخر جب نہ تو یہ علماء اس قسم کا تاثر دینے سے باز آئے اور نہ ہی مقابلہ میں آ کر اپنی علمیت کا ثبوت دے سکے۔ آخر خدا تعالےٰ نے اپنے مامور کی علمی عظمت دلوں میں بٹھانے کے لئے اور ان علماء کی علمیت کا پردہ فاش کرنے کے لئے سامان کر دیئے۔ اللہ تعالےٰ نے سورۃ القلم میں اپنا یہ قانون بتلایا ہے کہ ماموریں کے مقابلہ سے بھاگنے والے علماء کو مقابلہ میں آنے کے لئے سنستدرجھم من حیث لا یعلمون و املی لھم ان کیدی متین ایسا مجبور کرتا ہے کہ کوئی مفر ان کے لئے باقی نہیں رہتا چنانچہ فرمایا کہ یعنی میں کچھ عرصہ کے لئے ان کو مہلت دیتا ہوں پھر ان کے لئے مقابلے میں آنے کے آہستہ آہستہ سامان کرتا چلا جاتا ہوں اور یہ میری

مذہب کے متعلق خیالات ظاہر کرنے کا موقعہ دیں۔ اس کے لئے انہوں نے پانچ سوال خود ہی مقرر کئے اور ہر مذہب کے عالم کو اس بات پر پابند کیا کہ ان پانچ مقررہ سوالوں کے جواب اپنی اپنی کتاب سے دیں بغیر کسی دوسرے مذاہب پر حملہ کرنے کے۔ اسلام کی نمائندگی تین عالموں نے کی۔ ایک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اور ایک مولوی محمد حسین بٹالوی نے جو اپنے آپ کو بہت بڑا عالم سمجھتا تھا دوسرے مولوی ثناءاللہ امرتسری نے کہ وہ بھی اپنے آپ کو بہت بڑا عالم قرار دیتا تھا یہی دونوں عالم حضور کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جلسہ شروع ہونے سے چند دن قبل اپنی طرف سے ایک اشتہار شائع کیا۔ جس میں صاف لفظوں میں لکھا کہ خدا تعالےٰ نے مجھ کو اطلاع دی ہے کہ اس جلسے میں تیرا مضمون غالب رہے گا چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔ موافق اور مخالف سب نے اعتراف کیا کہ حضرت مرزا صاحب کا مضمون بے نظیر تھا اور کوئی مضمون اس کا لگا نہیں کھا سکتا تھا۔ مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی ثناءاللہ امرتسری جن کو اپنے علم پر بڑا ناز تھا اور جو اپنے آپ کو عالم اور حضرت مرزا صاحب کو جاہل قرار دیا کرتے تھے ان دونوں عالموں کے مضمونوں کی طرف کسی نے التفات تک نہ کیا اور ایک لفظ بھی ان کی تعریف میں ان کے منہ سے نہیں نکلا اور وہ مقابلہ جس کے لئے سالہا سال سے سیدنا حضرت مسیح موعودؑ ان کو بلا رہے تھے اس جلسہ مذاہب عالم میں شامل ہو کر حضرت مرزا صاحب کے مقابلے میں آنے پر مجبور ہو گئے۔ اللہ تعالےٰ ان کو آیت مذکورہ بالا میں بیان کردہ قانون کے ماتحت پکڑ کر مقابلے کے لئے لے آیا تا ان کی ذلت ساری اسلامی دنیا پر نمایاں ہو جائے۔ اور

ان کی علمیت کے پردے فاش ہو جائیں اور دنیا پر واضح ہو جائے کہ علم حقیقی وہی ہے جو خدا تعالےٰ کی طرف سے اپنے خاص بندوں کو ملتا ہے نہ کہ علم چند کتابوں کو پڑھ لینے کا نام ہے جو چند مولوی لوگ مسجدوں میں بیٹھ کر رٹتے رہتے ہیں قرآن کریم اور حدیث میں ۱۳۰۰ سو برس سے یہ پیشگوئی چلی آ رہی تھی کہ مسیح موعود جب ظاہر ہوگا تو اس کے ذریعے تمام ادیان پر اسلام کی برتری ثابت ہو جائے گی چنانچہ اس جلسہ کے موقعہ پر حضورؑ کے قلم سے جو مضمون نکلا اس کی برتری دیگر ادیان کے علماء کے مضمونوں پر تسلیم کر لی گئی۔ جس کے معنے دوسرے لفظوں میں یہ ہوئے کہ آپ کا دعوےٰ مسیحیت برحق تھا۔ اور آپ ہی قرآن اور حدیث کی پیشگوئیوں کے مصداق تھے۔ یہ میں نے آیت واتقوا اللہ و یعلمکم اللہ کی مختصر تفسیر کہ حضور کی علمی برتری کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ اب قسط پنجم میں انشاءاللہ تعالےٰ اور اس کی توفیق سے تقوےٰ کی بعض دیگر علامات سے ظاہر کیا جائیگا کہ حضور ہی درحقیقت حقیقی تقوےٰ کے مالک تھے اور حضورؑ کے وجود پرنور میں ہی متقی کی وہ تمام علامات پائی جاتی تھیں جو قرآن کریم میں مذکور ہیں ؞

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مؤرخہ ۶ر اکتوبر ۱۹۷۶ء

# "حدِ ادراک سے باہر ہیں باتیں عشق و مستی کی"

طبعی اور حیاتیاتی سائنس کے نقطہ نظر سے کائنات ارضی کا ارتقائی سفر اس میں ہمہ وقت مصروفِ کار مختلف النوع تحرکات اور ان کے اثر کے نتیجے میں واقع ہونے والے ردِ عمل اور تغیر و تبدل کے ذریعے طے ہوا ہے۔ یہ عمل اور ردِ عمل کا سلسلہ ایک خوردبینی ذرّے سے لے کر انسان تک جاری ہے ایک ہی خلیہ پر مشتمل نباتاتی اور حیواناتی ذرّے بھی جب یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کے ماحول میں کچھ خوشگوار یا ناخوشگوار تبدیلیاں پیدا ہو رہی ہیں تو وہ بھی ردِ عمل کے طور پر اپنے جسموں میں غیر شعوری طور پر کچھ تبدیلیاں پیدا کر لیتے ہیں جو انہیں زندہ رکھنے کے لئے ناگزیر ہوتی ہیں۔ بعض اوقات خوراک کی کمی اور موسم کی خشکی کی وجہ سے وہ اپنی ساری سرگرمیاں معطل کر دیتے اور اپنے ارد گرد ایک مخصوص کیمیائی مرکب کا خول چڑھا لیتے ہیں جو انہیں خشک ہونے سے بچاتا اور ان کے جسم میں پانی کی ضروری مقدار محفوظ رکھنے میں مدد دیتا ہے۔ گرمی سردی۔ روشنی اور اندھیرے۔ آکسیجن اور کاربانک ایسڈ گیس کی کمی بیشی کا احساس انہیں بھی ہوتا ہے۔ بھوک اور پیاس انہیں بھی لگتی ہے۔ اور افزائش نسل کا سلسلہ ان میں بھی جاری ہے۔ اپنے ارد گرد واقع ہونے والی کیمیائی تبدیلیوں کو بھی وہ جان لیتے ہیں۔ حالانکہ ان تمام باتوں کے لئے انہیں قدرت کی طرف سے خاص اعضا عطا نہیں کئے گئے ہوتے۔

اسی قوتِ حِس کی ترقی یافتہ صورت وہ حواس خمسہ ہیں جو بڑے جانوروں اور انسانوں میں پائے جاتے ہیں اور جن میں سے ہر ایک حِس کے لئے ایک خاص عضو ہے۔ انہی اعضاء کے ذریعے انسان اپنی خارجی دُنیا سے آشنا ہوتا اس کا علم حاصل کرتا اور اس سے نتائج اخذ کرتا ہے۔ اس کی ساری تہذیبی اور ثقافتی ترقی کا راز اسی میں مضمر ہے۔ اس کی طبعی دُنیا کی زیب و زینت اور آسائش۔ یہ ساری جد و جہد اور تگ و دو اور آگے بڑھنے کی لگن اسی کی مرہونِ منت ہے اور انسان تاریکی کے دور سے نکلتا ہوا اس سائنسی اور تکنیکی دَور کی روشنی میں داخل ہوا ہے۔ ان سارے حواس اور ان سے متعلقہ اعضا کا ذکر قرآن کریم میں جگہ جگہ آیا ہے۔ لیکن ان میں سے تین یعنی کان۔ آنکھ اور قلب کے متعلق اکثریت سے بیان کیا گیا ہے۔ دو مقامات پر ان کا اکٹھا ذکر یوں آیا ہے:۔

> "اور یقیناً ہم نے بہت سے جنوں اور انسانوں کو دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے۔ ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھ کا کام نہیں لیتے اور اُن کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھنے کا کام نہیں لیتے۔ اور ان کے کان ہیں جن سے وہ سننے کا کام نہیں لیتے۔ وہ چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ وہ زیادہ گمراہ ہیں یہی بے خبر ہیں۔" (۷: ۱۷۹)

دوسرے مقام پر ہے:۔

> "تو کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں تا ان کے دل ہوتے جن سے وہ سمجھتے۔ یا کان ہوتے جن سے وہ سنتے کیونکہ وہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں"
>
> (۲۲: ۴۶)

اس میں حکمت یہ ہے کہ سننے اور دیکھنے سے حاصل ہونے والے اثرات کے لئے انسانی دماغ میں دو بڑے بڑے مرکز ہیں جہاں یہ پہنچکر نقش ہو جاتے ہیں آنکھ اور کان کی ساخت بھی اسی نسبت سے بہت پیچیدہ واقع ہوئی ہے اور ان سے دماغ کو جانے والے اعصاب بھی نسبتاً بڑے اور دماغ کے بالکل قریب واقع ہوئے ہیں تاکہ فوری طور پر یہ اثرات دماغ پہ نقش ہو سکیں۔ یہ نقوش عارضی نہیں بلکہ مستقل ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک دیکھی ہوئی چیز کا مشاہدہ اپنے تصور میں ہم برسوں بعد بھی کر سکتے ہیں۔ اور سُنی ہوئی آواز کو سالہا بعد بھی پہچان سکتے ہیں خواہ بولنے والا پردے کے پیچھے ہی کیوں نہ ہو۔ سوچنے اور سمجھنے کا مرکز بھی جو دماغ کے سب سے بڑے حصے پر مشتمل ہے سماعت اور بصارت کے مراکز کے بالکل قریب واقع ہوا ہے بلکہ یہ دونوں مراکز اسی کا ایک حصہ سمجھنے چاہئیں۔ بصری اور صوتی اثرات کی چھان بین۔ چھانٹ پھٹک اور تجزیہ کا عمل سوچنے اور سمجھنے کے مرکز میں ہوتا ہے۔ جس سے انسان اپنے تجربہ میں آنے والی کسی شئے کی غایت معلوم کرنے کے لئے اس کی تہ اور گہرائی میں پہنچکر اس سے کوئی نتیجہ اخذ کرتا اور اُس کا اطلاق اپنی زندگی پر کرتا ہے اسی کو ادراک کہا جاتا ہے۔ حیوانات اس صفت سے محروم ہیں۔ وہ آوازیں بھی سنتے اور چیزوں کو دیکھتے بھی ہیں لیکن ان کی حقیقت سے آشنا نہیں ہو سکتے۔

انسان کے علاوہ کسی حیوان سے یہ توقع کرنا کہ وہ لکھ پڑھ کر ڈاکٹر یا انجنیئر بن جائے گا یا انسانی طرزِ عمل اختیار کرے گا بعید از عقل و فہم ہے۔ اسی لئے فکر و تدبر سے کام نہ لینے والے انسانوں کو بھی جانوروں سے بدتر کہا گیا ہے۔ کافروں کی مثال بیان کرتے ہوئے قرآن کریم فرماتا ہے:۔

> "اور ان لوگوں کی مثال جو کافر ہوئے ایک شخص کی مثال کی طرح ہے کہ وہ اسے آواز دے رہا ہو جو بجز پکار اور آواز کے کچھ نہیں سُنتا۔ بہرے۔ گونگے۔ اندھے ہیں سو وہ عقل سے کام نہیں لیتے۔" (۲: ۱۷۱)

عقل و فکر سے عاری انسانوں کے متعلق قرآن شریف نے اسی لئے ختم اللہ علی قلوبھم۔ طبع اللہ علی قلوبھم۔ علی قلوبھم اکنۃ ان یفقھوہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے گرد و پیش میں رونما ہونے والے واقعات اور تجربات کی روشنی میں اپنے ماحول کی حقیقت سے شناسا ہونے کی کوشش نہیں کرتے اور اسی لکیر کے فقیر ہیں اور انہی نقوش پا پہ چلنے میں مصروف رہتے ہیں جو ان کے باپ دادا چھوڑ گئے ہیں۔ یہ ان کے گلے کا طوق بن جاتے ہیں۔ اپنے اسی تنگ دائرہ سے نکل کر کائنات کی ان پہنائیوں میں گم ہونے کی سعادت سے محروم ہو جاتے ہیں جو حدِ ادراک سے باہر ہیں۔ وہ یہ جانتے ہی نہیں کہ حدِ ادراک اور ہمارے محسوسات سے پرے بھی ایک کائنات ہے جس کے مشاہدات اور تجربات بڑے نرالے۔ بڑے عجیب اور بڑے لذیذ ہیں۔ اس بدنصیبی اور محرومی کا ماتم کرنے کے بجائے وہ ان انسانوں کو بھی اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنانے سے خدا کا خوف نہیں کھاتے جو اس عجیب و غریب دنیا میں قدم رکھنے اور اس کی لذتوں سے سرشار و مخمور ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ یہ بدقسمت لوگ کیا جانیں کہ ادراک کی حد کو پار کرنے کے لئے ایک جنون ایک عشق و مستی اور شوقِ فراوان کی ضرورت ہوتی ہے جو انسان کو اس کی خارجی اور محسوسات کی دُنیا سے بے پرواہ اور بے نیاز کر دیتا ہے اور یہ انہی کی خوش نصیبی ہوتی ہے جو اشد حبًا للہ ہوتے ہیں۔ اللہ انہیں اپنی عزیز ترین متاع زیست سے بھی عزیز تر ہوتا ہے۔ وہ آسمان پر بہنے والے چشمہ کا میٹھا اور خوشگوار پانی پیتے ہیں۔ انہیں دجلہ اور فرات کے پانی سے کیا غرض۔ ان کے لئے اسی دنیا میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ جہاں وہ پھل اور ایسی پینے کی چیزیں منگواتے اور پیتے ہیں جو دلوں کو ٹھنڈک پہنچاتی اور ایسے چشمہ سے آتی ہیں جہاں سے اللہ کے بندے پیتے ہیں۔ یہ وہی چشمہ

ہے جس کا نام سلسبیل ہے جس کے پانی میں سونٹھ کی ملونی ہوتی ہے"۔ انہیں ایسا شرابِ طہور پلایا جاتا ہے" لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ"

(نہ اس میں ہلاکت ہوگی اور نہ اس سے وہ متوالے ہوتے ہیں")

اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت ابراہیمؑ نمرود کی آگ میں چھلانگ نہ لگاتے۔ نیل حضرت موسٰیؑ کو راستہ نہ دیتا۔ ایوبؑ اتنی ساری مصائب و مشکلات نہ جھیلتے۔ عیسٰیؑ سُولی پر نہ چڑھتے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا عزیز ترین شہر مکّہ نہ چھوڑنا پڑتا اور ساری دُنیا کی دولت آپؐ کے قدموں میں ہوتی۔

یہ کوئی ماضی کی کہانیاں اور افسانے نہیں۔ اس اُمت میں بھی جن لوگوں نے اپنے رسُولؐ سے جی بھر کے پیار کیا اور ایسا پیار کیا کہ اپنے ماں باپ۔ بیویاں اور بیٹے اور مال و متاع آپؐ کی محبّت اور عشق میں قربان کر دیئے اور اللہ کے پیارے ہو گئے اُن کے ہونٹ بھی اس چشمہ سے سیراب ہوتے رہے ہیں۔ اس چشمہ تک پہنچنے کی راہ بھی رسولِ خُدا نے آپ ہی سجھا دی ہے:-

" ہمیں نے تجھ پر قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارا ہے سو اپنے ربّ کے حکم کے لئے صبر کر اور ان میں سے کسی گنہگار یا ناشکرے کی اطاعت نہ کر اور اپنے ربّ کا نام صبح اور شام یاد کر اور رات کے کچھ حصّے میں اس کے آگے سجدہ کر اور لمبی رات اس کی تسبیح کر"

اس راہ پہ چلنے والے عاشق و مست اپنے وجود سے بھی بے خبر ہو گئے۔ ایسے کہ ؎

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی

کچھ ہماری خبر نہیں آتی

حدِ ادراک سے اس طرف عقل و خرد کے شب و روز میں گُم اس رازِ سربستہ سے ناواقف دنیا و خویش پرست انسانوں نے ان جنون زدوں سے کیا سلوک کیا وہ بھی اس اُمت کے ریکارڈ میں محفوظ ہے۔ حُسن پرستی ہر بوالہوس اور سرگشتۂ رسوم و قیود کا شعار نہیں ہو سکتی۔ دُنیا کے کیڑوں کو یہ لذتِ آشنائی کہاں نصیب۔ اندھا کیا جانے بسنت کی بہار۔ جس نے کبھی کوئی پھل کھایا ہی نہیں وہ اس کے رنگ و بُو اور ذائقہ کے متعلق کیا بیان کر سکتا ہے۔

ہاں یہ ضرور ہوتا آیا ہے کہ ایک کھانے والے کو دوسرا اپنی محرومی کی وجہ سے یہ کہہ دے۔ نہیں تم غلط کہتے ہو۔ جب ہم نے یہ نہیں چکھا تو تم کیسے چکھ سکتے ہو۔ یہ جھوٹ ہے۔ فریب ہے۔ دھوکا ہے۔ اسی لئے قرآن شریف فرماتا ہے کہ " اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں"۔ نہ اوندھے منہ چلنے والا آسمان کی بلندیوں کو دیکھ سکتا ہے۔ اس کی معرفت صرف سیدھی راہ پر چلنے والے اور نظر اُوپر اُٹھا کر دیکھنے والے کو ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

جس طرح ایک معاشرہ میں امراء کے حاسد پیدا ہو جاتے ہیں اسی طرح دولتِ قُربِ الٰہی سے نوازے جانے والوں کے بھی حاسد اور دشمن اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور ان سے اپنی بے نصیبی کا بدلہ لینے کے لئے ان کے خلاف جنگ شروع کر دیتے ہیں۔ عشق و مستی میں مخمور ایسے انسانوں کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو ظاہر پر محمول کر کے یہ لفظ پرست نہ جانے انہیں کیا کیا کہہ دیتے اور کیسے کیسے ستم ان پر ڈھاتے ہیں۔ لیکن جب صدیاں گذر جاتی ہیں تو ان کی پرستش شروع ہو جاتی ہے اور ایسے ایسے معجزات ان کی ذات سے منسوب کئے جاتے ہیں جن کا واقعہ ہونا صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہی مقدر ہو سکتا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ۔ حضرت امام شافعیؒ۔ حضرت امام مالکؒ۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ۔ حضرت سعید بن المسیبؒ۔ حضرت جنید بغدادیؒ۔ حضرت شبلیؒ۔ حضرت ذوالنون مصریؒ۔ حضرت منصورؒ۔ حضرت شیخ اکبرؒ۔ حضرت امام بخاریؒ۔ حضرت امام غزالیؒ۔ حضرت سرمد شہیدؒ۔ حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ حضرت ابنِ تیمیہؒ۔ امام ابنِ حزمؒ۔ امام ابنِ قیمؒ۔ حضرت سید محمدؒ جونپوریؒ۔ حضرت مجدّد الف ثانیؒ وغیرہم میں سے کون ہے جو اس مُردار دُنیا پر اوندھے منہ گرنے والوں کے ہاتھوں ظلم اور اذیّتوں کا نشانہ نہ بنا ہو۔ کسی کو زہر دیا گیا کسی کو کوڑے اور دُرّے لگائے گئے۔ کسی کو قتل کیا گیا کسی کو قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ کسی کو ابلیس سے بھی بڑھ کر مضر کہا گیا۔ انہیں کافر، مُلحد، زندیق، مشرک، مجنون، جاہل، لامذہب، احمق اور نہ جانے کن کن خطابات سے نوازا گیا۔ باوجود وسعت کے خدا کی زمین اُن پر تنگ کر دی گئی۔ ہم کیا شکوہ کریں کہ انہوں نے حضرت مرزا صاحب کو کافر۔ مُلحد اور دجّال کہا اور ان کی جماعت کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوایا۔ کیونکہ حضرت مرزا صاحب نے بھی اولیائے سابقین کی طرح عشق و مستی میں کچھ ایسی باتیں کہہ دیں جو ان کے ادراک سے بہت بعید اور ان کے گمان سے بھی بالاتر تھیں۔

ان کا انصاف تو ملاحظہ فرمائیں کہ اگر:-

۱- حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ یہ کہیں کہ " محبت نے مجھے وصل کے جام پلائے۔ میں نے اپنی خمر سے کہا کہ میری طرف آؤ۔ پس وہ خمر میری طرف پیالوں میں بڑھ کر آیا۔ میں نے اپنے دوستوں میں بیٹھ کر اسے پیا جس سے میں مست ہو گیا" اور اسی مستی میں فرماتے ہیں " میں ہی وہ واحد فردِ کبیر بذاتِ خود ہوں۔ میں ہی واصف اور میں ہی موصوف اور اپنے طریقہ کا نشان ہوں۔ خدا کے مشرق اور مغرب کے مُلکوں کا مالک میں ہی ہوں اور اگر میں چاہوں تو تمام لوگوں کو ایک لحظہ میں تباہ کر دوں"۔ تو آج انہیں خدا کے ساتھ شریک کر کے ان سے مدد چاہی جائے لیکن اگر حضرت مرزا صاحب یہ کہہ دیں کہ:-

" تو مجھ سے ایسا ہے جیسا میری توحید اور تفرید سو وہ وقت آ گیا جو تیری مدد کی جائے اور تجھ کو لوگوں میں مشہور و معروف کیا جائے" تو وہ کافر ٹھہریں۔ اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ میں حضرت سید عبدالقادر گیلانیؒ فرماتے ہیں

؎ فارغم از کبر و کینہ و از ہوا
من خدایم۔ من خدایم۔ من خُدا

۲- حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اگر کہیں کہ:-

؎ من نمی گویم انا الحق یار میگوید بگو
چوں نگویم چوں مرا دلدار میگوید بگو

تو ان کے مزار پہ ہر سال عرس ہوں۔ قوالیاں اور گانے ہوں۔ دھمال ڈالے جائیں اور خواجہ خواجہ کہہ کر مدد کے لئے پکارا جائے لیکن اگر حضرت مرزا صاحب خواب کا ذکر کر کے فرمائیں کہ " میں نے خواب میں دیکھا کہ میں خدا ہو گیا ہوں" اور اس کے ساتھ تشریح کے لئے بخاری شریف کی قُربِ نوافل والی حدیث بیان فرما دیں کہ " جب میرا بندہ نوافل میں میرے آگے گرتا ہے تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سُنتا ہے اور اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے۔ اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے" تو اُنہیں گردن زدنی ٹھہرایا جائے۔ حالانکہ خواب تعبیر طلب ہوتا ہے اور اس کی تعبیر تعطیر الانام فی تعبیر المنام میں یہ لکھی ہے کہ جو شخص خواب میں دیکھے کہ وہ خُدا بن گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کو عنقریب ہدایت کی منزلِ مقصود پہ پہنچا دے گا (یہ عربی الفاظ کا ترجمہ ہے) اور اس قسم کی خوابیں باخدا لوگوں کو آیا کرتی ہیں جن کے پیٹ باطل طریقوں سے کھائے ہوئے مال کے انگاروں سے جل رہے ہوں اُن کی یہ قسمت کہاں ہو سکتی ہے کہ ایسے خواب دیکھیں۔

۳- مولنا رومؒ جو علامہ اقبال کے پیر و مُرشد ہیں فرماتے ہیں:-

؎ روا باشد انا الحق از درختے + نباشد چوں روا از نیک بختے

اسی کو حضرت اسمٰعیل شہیدؒ یوں بیان فرماتے ہیں :—

ترجمہ: خبردار اس معاملہ میں تعجب نہ کر اور انکار سے پیش نہ آنا کیونکہ جب وادی مقدس کی آگ سے آواز اِنّی اَنَا اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْن نکلے تو اگر نفسِ کاملہ سے جو اشرفِ موجودات ہے اور اللہ تعالےٰ کی ذات کا نمونہ ہے (خلیفہ) آواز انا الحق نکلے تو تعجب کا مقام نہیں۔

۴۔ حضرت نیاز احمد بریلویؒ فرماتے ہیں :—

"اللہ اللہ گو کہ اللہ میشوی + ایں سخن حق است واللہ میشوی

ترجمہ: اللہ اللہ کہہ کہ تو اللہ ہو جائے یہ حق بات ہے واللہ تو ہو جائے گا۔

اگر حضرت مرزا صاحب نے ایک خواب کی بات بیان کر دی تو کونسا آسمان ٹوٹ پڑا۔

اسی عشق و مستی کی کیفیت میں حضرت شمس تبریزی جو مولنا روم کے اُستاد تھے (یہ مُلتان میں مدفون شمس تبریزی نہیں) کلیات شمس تبریزی میں فرماتے ہیں :—

ترجمہ: اے عاشقاں اے عاشقاں میں پرانا عاشق ہوں۔ اے صادقاں اے صادقاں میں پرانا صادق ہوں۔ اُس جگہ سے کہ احمدؐ چار و پنج اور سات آٹھ سے گذر گیا تو آٹھویں پر میں تھا۔ میں پرانا عاشق ہوں۔

کیا ان اشعار میں خدائی کا دعوےٰ نہیں۔ اور آنحضرت صلعم کے مقام سے اپنا مقام اونچا نہیں بیان کیا گیا یہ شلوار قمیص۔ ڈاڑھی اور مسواک کا طول و عرض ناپنے والے کہتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے یہ کہہ کر کہ :—

منم مسیح زمان و منم کلیم خدا
منم محمدؐ و احمدؐ کہ مجتبےٰ باشد

کلمات کفر کہے ہیں۔ آپ خود ہی فرماتے ہیں :—

مرا بکفر کنی متہم بدیں گفتار
کہ کفر نزد تو ایوار را سزا باشد

لیکن یہ نہیں سوچتے کہ آپ کی زبان سے عشق محمدؐ کی مستی میں یہ کلمات ادا ہوئے ہیں۔

اگر خواہی دلیلے عاشقش باش
محمدؐ ہست برہانِ محمدؐ

پھر فرماتے ہیں :—

بعد از خدا بعشقِ محمدؐ مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

حضرت مرزا صاحب نے کوئی نئی بات تو نہیں کہی۔ حضرت سید عبدالقادر گیلانیؒ کے ملفوظات میں ہے :—

ترجمہ: "اگر موسےٰ بن عمران زندہ ہوتا تو اس کو میری تابعداری کرنی پڑتی ...... اور حقیقت میں رسول اللہ صلعم میں فانی تھا اور اس وقت میں فلاں نہ تھا ضرور اس وقت میں محمد تھا"
(سیف ربانی مصنفہ الشیخ سید محمد مکی)

اسی کتاب میں حضرت شبلیؒ کے متعلق یہ ذکر ہے :—

"شیخ شبلی نے اپنے شاگرد سے کہا کہ کیا تو شہادت دیتا ہے کہ میں محمد رسول اللہ ہوں تو اس شاگرد نے شہادت دی"

حضرت مرزا صاحب کی ذات کو اس لئے بھی ہدفِ تنقید بناتے ہیں کہ انہوں نے مسیح موعود ہونے کا دعوےٰ کیا لیکن حضرت خواجہ معین الدین چشتی۔ حضرت نیاز احمد بریلوی اور حضرت شاہ شمس تبریزی کے متعلق یہ کیا فتوےٰ دیں گے جو کہتے ہیں :—

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ :

حیدر شیرِ تو منم من نہ منم نہ منم

شاہ شمس تبریزی :—

من آں نفخم کہ در مریم دمیدم
من آں رُوحم کہ عیسےٰ را دوانم

حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں :—

بعد ازاں از نفخ حق عیسےٰ شدم
شد ز جائے مریمی برتر قدم

کہئے حضرت مرزا صاحب نے یہ کہہ کر کیا گناہ کیا کہ وہ تو "کافر و دجال" ہو گئے اور آپ سے پہلے یہ کہنے والے خدا کے شریک اور آپ کے نجات دہندہ بن گئے۔

ہم اُن جفا جُو اور کینہ پروروں سے جو علامہ اقبال کے اس فلسفہ کو :—

اُٹھو میری دُنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخِ اُمرا کے در و دیوار ہلا دو
جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

قرآن سمجھ کر لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ ان کے قلم ان کے نظریہ "حدِ ادراک سے باہر ہیں باتیں عشق و مستی کی" کو پیش کرنے سے کیوں رُک جاتے ہیں۔ کیا اس لئے کہ ان کے صنم خانوں میں حرص و ہوا کے بتوں کی پرستش ہوتی ہے اور ان کی ناقص عقل اس حد سے پرے نہیں دیکھ سکتی؟ اگر ایسا ہی ہے تو یہ ان کا اپنا قصور ہے ورنہ قرآن تو وہ کوثر ہے جس سے جس کا جتنا جی چاہے بھر کے پی لے۔ یہ خمر لذۃ للشاربینا ہے۔ جس کے پینے کا انعام وہ عشق و مستی ہے جو خدا میں گم کر دیتی ہے۔ ایسے انعام یافتہ انسان کی زبان سے اس خمار میں "انا الحق" اور "منم محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشد" کے الفاظ ادا ہو جانا ظاہر پرستوں کے نزدیک تو کفر ہو سکتا ہے لیکن حقیقت آشنا انسانوں کے نزدیک اسلام میں یہ ایک ارفع اور اعلیٰ مقام ہے۔

---

## (۱) ایک ضروری اعلان

اتوار مورخہ دس اکتوبر ۱۹۷۶ء ۴ بجے بوقت عصر دارالسلام میں یوم مولنا محمد علیؒ منایا جا رہا ہے۔ جس میں مختلف احباب عصرِ حاضر کے مایہ ناز محقق اور مفسر قرآن کی دینی خدمات پر روشنی ڈال کر احمدیت کے اس بطلِ جلیل کو خراجِ عقیدت پیش کریں گے۔ لاہور کے احباب و خواتین سے بالخصوص اور قرب و جوار کے دوستوں سے بالعموم التماس ہے۔ کہ وہ دس اکتوبر کو چار بجے بوقت نمازِ عصر دارالسلام میں تشریف لا کر جلسہ کی رونق کو بڑھائیں۔

## (۲) اجلاسِ عام وسالانہ عشائیہ

## اتوار ۱۰ر اکتوبر ۱۹۷۶ء بوقت بعد از نماز مغرب

سالانہ رپورٹ اور آئندہ سال کے لئے عہدیداروں کے انتخاب کے بعد احباب کو عشائیہ پیش کیا جائے گا۔

عبدالسلام۔ سیکرٹری مقامی جماعت احمدیہ لاہور

مکرم جناب میاں ممتاز احمد فاروقی صاحب اسلام آباد

# کیا ایک مسلمان عورت امام الصلوٰۃ بن سکتی ہے؟

اخبار پیغام صلح مؤرخہ ۱۲ر مئی ۱۹۷۶ء کی اشاعت میں ایک اُردو ترجمہ اس ایڈریس (انگریزی) کا چھپا تھا جو ایک نومسلمہ انگریز عورت مسز بیٹنسٹ سلمہ وائیٹ نے لندن میں ہونیوالی ساتویں احمدیہ کنونشن میں اپنی تقریر کے دوران دیا تھا۔ اُس تقریر میں موصوفہ نے ایک اسلامی مسئلہ پر دبی زبان میں اعتراض کیا تھا جو کہ اس مضمون کی سُرخی ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ اب انگلستان کے گرجوں میں بھی عورت کو پادری کے فرائض بجا لانے کی اجازت ملنے والی ہے۔ اور یہودیوں کے عبادت خانوں میں تو ایک عرصہ سے عورتیں عبادت کے امام کے فرائض انجام دے رہی ہیں۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ مذہب اسلام میں ایک مسلمان عورت کو مسجد میں پنجوقتی نمازوں میں امام الصلوٰۃ بننے کی اجازت نہیں ہے؟۔ اُنہوں نے یہ بھی کہا کہ قرآن کریم نے کسی مقام پر صاف لفظوں میں عورت کو امام الصلوٰۃ بنائے جانے سے نہیں روکا۔ پھر موصوفہ نے کہا کہ انہوں نے کئی ایک مسلم مذہبی لیڈروں سے بھی اس کے متعلق استفسار کیا۔ جواب یہی ملا کہ یہی دستور شروع اسلام سے چلا آتا ہے کہ عورت کو امام الصلوٰۃ نہیں بنایا جاتا۔ اس پر موصوفہ نے اپنی رائے دی ہے کہ معلوم ہوتا ہے یہ بندش صرف مسلمان مردوں نے لگا رکھی ہے۔ ورنہ عورت کو امام الصلوٰۃ بننے کا حق ہے۔

مسز سلمہ وائٹ تو خیر ایک نو مسلمہ ہیں اور ابھی انہیں اسلامی مذہبی احکامات اور ان کی وجوہ پر کافی عبور حاصل نہیں ہے اس لئے وہ معذور ہیں مگر تعجب ہے اُن مسلمان لیڈروں پر جن سے موصوفہ نے استفسار کیا تو وہ بھی کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے۔ اس لئے یہ ضروری محسوس ہوا کہ اس موضوع پر کچھ لکھا جائے اور اس مسئلہ کو صاف کیا جائے۔

اسلام میں عبادت اور نیک اعمال کی بجا آوری پر جزا کے اعتبار سے عورت اور مرد اللہ تعالےٰ کی نظروں میں برابر ہیں ۔ سورۃ الاحزاب رکوع ۵ ۔ ۳۵ ویں آیت میں مسلمان مردوں اور عورتوں کی نیکیوں اور خوبیوں اور نیک اعمال بجا لانے اور بدیوں سے بچنے کا ذکر اور ان پر انعامات الٰہیہ کا ذکر ہے۔ اسجگہ مرد اور عورت بالکل برابر ہیں۔ کوئی فرق نہیں ہے۔ مگر باوجود اس کے عورت کو بتقاضائے نسوانیت کچھ اُمور سے واسطہ پڑتا ہے جس سے اس کے مذہبی فرائض میں کچھ ہرج واقع ہوتا ہے۔ مگر اللہ تعالےٰ نے اُسے معذور فرما دیا ہے۔ مثلاً سورۃ البقرہ ۔ آیت نمبر ۲۲۲ میں عورتوں کے ایام حیض (ماہواری ایام) کے دنوں میں ناپاک حالت میں ہونے کا ذکر ہے اور جب تک وہ فارغ ہو کر غسلِ طہارت نہ کریں ۔ وہ نہ تو نماز پڑھ سکتی ہیں اور نہ شادی شدہ حالت میں خاوند سے تعلق پیدا کر سکتی ہیں۔ اس حکم قرآنی کی بنا پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی ایک صحیح احادیث مروی ہیں۔

(۱) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ دوران ایام حیض چونکہ عورت ناپاکی کی حالت میں ہوتی ہے۔ اس لئے وہ نہ قرآن شریف کو ہاتھ لگائے اور نہ اُسے پڑھے (ترمذی)

(۲) حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے، نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ ایام حیض کے دوران ایک عورت مسجد میں داخل نہ ہو جب تک وہ فارغ ہو کر غسلِ طہارت نہ کرلے (ابوداؤد)

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ عیسائی گرجا اور یہودی عبادت خانہ میں پادری اسٹیج سے ہی سامعین کو خطاب کرتا ہے اور خطبہ کے علاوہ مذہبی گیت گانے اور سر جھکا کر یا زیادہ سے زیادہ گھٹنے ٹیک کر اور ہاتھ جوڑ کر دُعا مانگنے کے سوا اور کوئی ایسی حرکت نہیں کرتا جس سے اُسے سامعین کی طرف پُشت پھیر کر رکوع اور سجود کرنے پڑیں ۔ مگر مسجد میں نماز کے دوران امام الصلوٰۃ کو ایسا کرنا پڑتا ہے۔ اب اگر ایک عورت امام الصلوٰۃ ہو تو ظاہر ہے کہ اس کی اس قسم کی حرکات سے مقتدی مردوں کی نہ صرف توجہ ہی بٹ جائے گی بلکہ کسی ضعیف الایمان کو ممکن ہے شیطان بھی ورغلائے۔ مغربی ممالک میں تو فی زمانہ عورتوں کا لباس نہایت چُست اور نیم برہنہ ہوتا ہے اس سے اور بھی خرابی پیدا ہونے کا ڈر ہو سکتا ہے۔ اسلام میں ویسے بھی مردوں اور عورتوں کو ستر چھپانے اور ڈھانک رکھنے کا حکم ہے۔ مگر عورتوں کے لئے زیادہ احتیاط برتی گئی ہے تاکہ ان کا لباس اور سنگار وغیرہ نمازیوں کے لئے جاذبِ نظر نہ ہو۔ احادیثِ صحیحہ میں آتا ہے:۔

(۱) زینبؓ (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بیوی) سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ (چونکہ عورت کو بھی باجماعت نمازوں میں شمولیت کے لئے مسجدوں میں جانے کی اجازت ہے اس لئے) عورت خوشبو لگا کر مسجد میں نہ جائے۔ (مسلم)

(۲) حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ مردوں کے لئے نمازوں میں صفِ اوّل زیادہ مناسب اور بابرکت ہے۔ اور عورتوں کے لئے آخری صف مناسب ہے۔ (مسلم)

یہ بندش اس لئے لگائی ہے تاکہ عورت کے ستر اور حیا کی حفاظت کی جائے اور وہ خواہ مخواہ مردوں کی نظروں کو اپنی طرف مبذول نہ کرائے اور بآسانی مسجد سے گھر جا سکے۔

(۳) حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جوان مسلمان عورت جب مسجد میں جائے تو دوپٹے سے اپنا سر اور سینہ ڈھانکے رکھے۔ تاکہ اس کی نماز قبول ہو سکے۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

(۴) حضرت اُم سلمہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم سے اُنہوں نے دریافت کیا کہ کیا ایک عورت صرف لمبا کُرتہ اور دوپٹہ اوڑھ کر (مگر بغیر کسی خاص پاجامہ کے) نماز ادا کر سکتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اگر اس کا کُرتا یا چولہ اس کے ٹخنوں تک لمبا ہو تو جائز ہے۔ (ابو داؤد)

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام ایک معقول اور قابل عمل فطری مذہب ہے۔ ظاہر ہے کہ جب ایک عورت سات سے دس دن تک ماہواری ایام کی وجہ سے حالتِ ناپاکی میں ہو تو اگرچہ وہ اپنے خانگی امور اور سوشل میل جول وغیرہ بخوبی کر سکتی ہے۔ مگر بعض باتوں سے اُسے ان دنوں میں احتراز کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً شادی شدہ عورت کو اپنے خاوند سے الگ رہنا پڑتا ہے۔ وہ قرآن شریف نہیں پڑھ سکتی۔ روزہ نہیں رکھ سکتی اور نہ ہی نماز پڑھ سکتی ہے۔ ان سب ممنوعات سے اُس پر کوئی پکڑ نہیں ہے۔ خدا نے اسے معذور قرار دیا ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ اگر کوئی عورت بالفرض امام الصلوٰۃ بنا دی جائے تو وہ ان دنوں میں اپنے فرائض ادا کرنے سے قاصر ہوگی۔ سو وہ اس عہدہ پر فائز نہیں کی جا سکتی۔ البتہ اتنی رعایت کی جا سکتی ہے کہ وہ پاک حالت میں بوقت ضرورت اور مجبوری۔ صرف عورتوں کی جماعت کرا سکتی ہے۔ اس معاملہ پر غور کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ ایک دین کے امام اور قائد کو ہر حالت میں مومنین کی سربراہی کرنے کے لئے تیار رہنا پڑتا ہے۔ چونکہ ایک عورت اپنی مجبوریوں کی وجہ سے ماہواری ایام اور حاملہ ہونے کی حالت میں سربراہی نہیں کر سکتی۔ اس لئے کوئی عورت نبیہ نہیں ہوئی۔

جو کچھ مذہب اسلام نے اس معاملہ میں حدود اللہ قائم کی ہیں ان سے مسلمان عورتوں کی عزت۔ عفت اور شرم و حیا کی حفاظت مقصود ہے۔ اس میں عورتوں کی حق تلفی ہرگز ملحوظ نہیں۔ البتہ ایک اور ضروری معاملہ ہے جس کو صاف کرنا ضروری ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ:

الرجال قوامون علی النسآء بما فضل اللّٰہ بعضھم

(باقی بر صفحہ ۱۰ کالم ۲)

راجہ عبد المجید صاحب، چونگی ملتان

# ایک مکتوب
## بنام جناب مدیر صاحب نوائے وقت لاہور
### قسط نمبر (۴)

دے رہی ہے وہ ہر مسلمان کے لئے باعث تشکر و مبارکباد ہے۔"

(۲) شیخ عظیم اللہ صاحب ایڈووکیٹ سیکرٹری انجمن حمایت اسلام لاہور:۔

" میں بلا خوف تردید عرض کرتا ہوں زمانہ حال میں اشاعت اسلام کے لئے جو سرگرمی، ایثار اور قربانی احمدیہ جماعت کا دستور العمل رہا ہے وہ دوسرے تمام فرقوں کے لئے سبق آموز ہے۔ میرا یقین ہے کہ اسلام کی ترغیب اور اس کی اشاعت میں بنی نوع انسان کی ایک نہایت بیش بہا اور حقیقی خدمت ہے اور ان دنوں میں اس معیار پر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے سوا دیگر بہت کم جماعتیں پوری اترتی ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ آپ کی جماعت کو اشاعت اسلام کی سچی خدمت کے لئے مزید توفیق بخشے اور جزائے خیر واحسن عطا فرماوے"۔ (دسمبر ۱۹۳۲ء)

(۳) ڈاکٹر ابو الحسن منصور صاحب پی۔ ایچ ڈی :۔

" میں نے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی کاروائی برلن میں دیکھی میرا خیال یہ ہے کہ جو کوشش اور ہمت اس انجمن نے اشاعت اسلام کے لئے صرف کی ہے۔ اس کی نظیر آجکل دنیائے اسلام کی کوئی انجمن پیش نہیں کر سکتی تمام مسلمانانِ ہند و دیگر ممالک اسلامیہ کے لئے میرا مشورہ ہے کہ اشاعتِ اسلام کے بارے میں اس انجمن کی تقلید و تائید کریں"۔ (دسمبر ۱۹۳۲ء)

(۴) جناب مولانا غلام رسول صاحب مہر ایڈیٹر روزنامہ انقلاب لاہور:۔

" احمدیہ جماعت سے بعض خاص امور میں اختلاف کے باوجود میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی وسیع دینی و ملی خدمات کا ہمیشہ معترف و مدّاح رہا ہوں۔ غیر مسلموں کے مقابلہ میں اسلام کی حفاظت غیر مسلم ممالک و مراکز میں مستقل تبلیغی ادارات کا قیام۔ مختلف حلقوں کی ضروریات کے مطابق موزوں و مناسب مبلغین کی تیاری۔ ان میں سے ہر کام اتنا اہم ضروری اور اس درجہ لازم ہے کہ ہر دردمند مسلمان کو اس کی بجا آوری پر زیادہ سے زیادہ خوش ہونا چاہیئے خواہ ایسا کام انجام دینے والی جماعت سے بعض امور میں اختلاف کتنا ہی ہو۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور تو یہ سب کام بیک وقت انجام دے رہی ہے۔ ........ علاوہ ازیں انجمن نے پندرہ سولہ ملکی و غیر ملکی زبانوں میں مفید لٹریچر ........ اسلام کے متعلق انجمن کی تحریری خدمات ہیں غیر شرعی رسوم کو روکنے اور غریب مسلمانوں کو سود خواروں کی گرفت سے بچانے کی طرف بھی توجہ مبذول ہے۔ میری آرزو ہے کہ انجمن کی ان مفید مذہبی و ملی خدمات کا دائرہ زیادہ سے زیادہ وسیع ہو جاوے"۔

(۵) مولانا عبد المجید قریشی صاحب۔ مدیر اخبار "ایمان" پٹی:۔

" ہندوستان کے سات کروڑ مسلمانوں کے لئے درس عبرت ہے۔ سات ہزار احمدیوں کا اتحاد و اجماع تبلیغی میدان میں جو کچھ کر رہا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ہم سات کروڑ حنفیوں، وہابیوں، شیعوں کو میسر ہے ........ کہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی کامیاب اور عظیم الشان مثال ایک دن تمام امت کے لئے بیداری کا پیغام ثابت ہوگی ........ میری تہ دل سے دعا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ انجمن کے کاموں میں برکت دے اور زیادہ سے زیادہ بیش از بیش کامیابی بخشے"۔

(۶) ........ میں نے اس رسالہ کو بھی دیکھا ہے جو دفتر پیغام صلح سے میرے پاس بھیجا گیا ہے۔ جس میں انجمن کے عقائد اور اس کی دینی و علمی خدمات درج ہیں۔ مجھے معلوم کرکے نہایت مسرت ہوئی کہ انجمن کے ارکان اور عامۃ المسلمین کے درمیان توحید اور رسالت کے متعلق کوئی فرق نہیں .... ..... سمجھتا ہوں کہ جو تبلیغی کام اس عقیدہ کے ماتحت کیا جاوے گا۔ وہ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی پر منتج ہوگا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ اس انجمن کی کارگذاریوں میں برکت دے"۔

(۷) مولانا عبد المجید سالک ـ مدیر روزنامہ انقلاب لاہور:۔

" اس انجمن کے مرکزوں سے پہلے اسلام کے خلاف لٹریچر کی اشاعت بہت زور پر تھی ـ لیکن اب یہ حالت ہے۔ اگر بلاد مغرب کے کسی گوشہ سے کوئی بدبخت انسان اسلام کے اور اس کے شارع علیہ السلام کے خلاف ایک فقرہ بھی شائع کرے۔ تو اس انجمن کے سرگرم مبلغین اس کی تردید اور آئندہ کے لئے ایسے حملوں کے سدّباب کے لئے پوری قوتیں صرف کر دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مذہب مقدس اسلام کی ساکھ روز بروز بڑھ رہی ہے.... جس کی بناء پر مسلمانوں کو اس انجمن کی امداد میں پورا حصہ لینا چاہیئے"۔ (دسمبر ۱۹۳۳ء)

(۸) جناب ڈاکٹر رشید الدین خاں صاحب (دامراس) پی۔ ایچ ڈی یو مسلم:۔

" میرے خیال میں احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور دور حاضرہ میں صرف ایک ہی منظم جماعت ہے۔ جو کہ اسلامی تعلیمات کو صحیح طریق پر پیش کرنے میں سرگرم ہے۔ میں مولانا محمد علی کے انگریزی ترجمۃ القرآن ـ لائف آف دی ہولی پرافٹ ـ اور انگریزی خلافت راشدہ کا خاص ذکر کروں گا ........ یہ تصانیف اپنے رنگ میں بے نظیر ہیں اور حدیث نبوی کے مطابق جہاد اکبر ایک عالم کا جہاد ہے ........ میں آپ کی انجمن کا جو اشاعت اسلام کے لئے بہترین کام کر رہی ہے دل سے مداح ہوں"۔ (دسمبر ۱۹۳۳ء)

(۹) جناب کرنل ڈاکٹر حسان سہروردی وائس چانسلر کلکتہ یونیورسٹی:۔

" احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی دینی خدمات کا میں عرصہ سے معترف ہوں ـ اگرچہ چند متعصب ملاؤں کے کفر کے فتوے سنتے میں آتے رہے ـ گذشتہ سال مجھے انجمن کے سالانہ جلسہ میں بھی شرکت کا موقعہ ملا ........ میرے خیال میں انجمن نے جو خدماتِ اسلامی انجام دی ہیں اور جو کام کر رہی ہے وہ نہایت ہی قابلِ قدر ہیں ـ میں دل سے اس انجمن کی قدر کرتا ہوں"۔ (دسمبر ۱۹۳۲ء)

(۱۰) جناب خان بہادر حاجی بدر الدین صاحب سینیئر اسسٹنٹ رجسٹرار ہائی کورٹ لاہور:

" احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور جو کوشش دنیا میں اسلام کی روشنی

پھیلانے کی کر رہی ہے۔ اس کی نظیر سارے عالم اسلام میں شاید ہی کوئی اور جماعت پیش کر سکتی ہو۔ ہندوستان کے مسلمانوں سے کچھ اور خدمت اسلام کی نہ ہو سکتی ہو تو کم از کم اتنا ہی کریں کہ دامے درمے سخنے جس طرح ہو سکے اس مبارک انجمن کی اعانت کریں ........ میری حقیر رائے میں ایک ایسی انجمن کی زندگی ایک نکمی اور نام نہاد اسلامی ریاست یا سلطنت کی زندگی سے زیادہ قیمتی ہے۔ میری دلی دعا ہے۔ کہ خداوند تعالےٰ اس انجمن اور اس کے مخلصین خادموں پر ہمیشہ اپنی برکتیں نازل فرمائے۔ "آمین"۔ (دسمبر ۱۹۳۳ء)

(۱۱) جناب شمس العلماء مولانا کمال الدین صاحب :

"احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کی دینی خدمات اظہر من الشمس ہیں۔ خصوصاً مولانا محمد علی صاحب کا ترجمۃ القرآن انگریزی اور اردو ...... اس انجمن کا سب سے بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ ان کے نزدیک ہر ایک کلمہ گو مسلمان ہے۔ چاہے وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو ........ میری واقفیت میں مسلمانانِ عالم میں غالباً یہی ایک جماعت ہے جو خدمتِ اسلام کے لئے ہمیشہ سینہ سپر رہتی ہے اور ایک حد تک کامیابی کے ساتھ کام کر رہی ہے۔" (دسمبر ۱۹۳۳ء)

(۱۲) جناب مولانا عبدالکریم صاحب ایم-ایل-سی- بنگال :

"احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور تبلیغ اسلام میں کارہائے نمایاں سر انجام دے رہی ہے ........ یورپ اور دیگر ممالک میں مشن کھولے گئے ہیں۔ اسلام کی تاریخ میں اس انجمن نے ایک نئے دَور کا آغاز کیا ہے۔ اور دنیا کی آواز جو اسلام کے لئے اٹھی ہے اس کی ضرورت کو پورا کیا ہے۔" (۱۹۳۳ء)

(۱۳) نواب زادہ حاجی ولی الاسلام صاحب کلکتہ :

"احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور بلادِ مغربیہ میں تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں عظیم الشان کام کر رہی ہے ....... میرے علم القرآن کا منبع حضرت مولانا محمد علی صاحب بالقابہ امیر جماعت احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا انگریزی ترجمہ قرآن ہے۔" (۱۹۳۳ء)

(۱۴) جناب خواجہ حسن نظامی صاحب دہلی :

"احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی خدماتِ اسلام کا مجھے عرصہ دراز سے اعتراف ہے۔ اگرچہ میں اس جماعت کے عقائد کو تسلیم نہیں کرتا ........ تاہم اشاعتِ اسلام اور تبلیغ اسلام وغیرہ خدمات انجام دیتی ہے ........ وہ بے حد تعریف کے قابل ہے ........ احمدیہ انجمن لاہور کی نسبت آزادی سے خیال ظاہر کرتا ہوں کہ اس کا کام اشاعت اسلام اور حفاظت اسلام کی حد تک بہت پسندیدہ اور بہت اعلیٰ ہے اور بہت مخلصانہ ہے۔" (دسمبر ۱۹۳۴ء)

(۱۵) سید عبدالقادر صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج :

"ابتداء سے صلیب اور ہلال کے درمیان آویزش چلی آتی ہے۔ عیسائی دنیا نہ صرف اپنی تلوار کو مسلمانوں کے برخلاف [illegible] ........ اگر مسلمانوں کو ان کی افتراء پردازیوں کا تھوڑا سا علم بھی ہو جائے تو ........ وہ آپے سے باہر ہو جاویں۔ حقیقت یہ ہے کہ عیسائی مصنفین سے مقابلہ میں راج پال نتھو رام اور پالاحل کی ناپاک ہستیاں مکتب کے بچوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ احمدی مسلمان ہیں یا نا مسلمان مجھے اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ جماعت احمدیہ لاہور نے عیسائی مصنفین کے کذب اور بہتان کے تار و پود کو بکھیرنے میں جو سعی بلیغ کی ہے وہ لائق صد ہزار تحسین ہے۔ اس جماعت کے لٹریچر کی وجہ سے نہ صرف اسلام کے چہرہ سے کذب و افتراء کے بادل چھٹ گئے ہیں بلکہ اس کی تجلی مغرب کے ظلمت کدوں کو بھی اپنی نورانی اور مقدس شعاعوں سے منور کرنے لگی ہے ........ عام مسلمان اعدائے اسلام کی طاغوتی طاقتوں سے بالکل بے خبر کافر گری میں مصروف ہیں ........ جماعت احمدیہ کو اطمینان کے ساتھ تصنیف و تالیف اور اشاعتِ اسلام جیسے مفید کام میں مصروف رہنا چاہیئے۔ اور خدا تعالےٰ کی ذات کے سوا کسی دنیوی طاقت سے صلہ و انعام کی توقع نہیں رکھنی چاہیئے۔" (دسمبر ۱۹۳۴ء)

(۱۶) جناب بیگم شاہنواز صاحبہ :

"احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی خدمات مذہب و قوم کی جو قدر میرے دل میں ہے۔ وہ قلمبند ہو نہیں سکتی ........ اس وقت جبکہ سائنس کی نئی روشنی نے مغرب والوں کے دلوں میں مذہب کی طرف سے ہزاروں شکوک پیدا کر دیئے ایک ایسی انجمن کا سچے اور سادہ طریق پر مذہب اسلام کے آسان اور عام فہم عقائد کو ان ممالک میں لوگوں کے سامنے پیش کرنا ایک بے مثل خدمتِ اسلام ہے۔" (دسمبر ۱۹۳۴ء)

(۱۷) جناب بیگم قلندر علی خان صاحبہ :

"احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے کارہائے نمایاں سب پر اظہر من الشمس ہیں۔ اس انجمن کے ہر فرد میں قومی جذبہ سچا ایثار اور بلند ہمتی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ انجمن اپنے کام میں دن بدن ترقی کر رہی ہے ....... سچ تو یہ ہے کہ اسلامی خدمت حقیقی معنوں میں ہو رہی ہے۔ ہم اُمید کرتے ہیں یہ اسلام کا بول بالا دنیا کے ہر گوشہ میں کر کے رہے گی۔" (دسمبر ۱۹۳۴ء)

(۱۸) جناب سید کشفی شاہ صاحب نظامی ایک صوفی بزرگ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کو مخاطب کر کے کہتے ہیں :

"یہ پیغام ہے جو تم کو دیا جاتا ہے۔ تو اس پر عامل ہو جا مسلمان اس وقت سو رہے ہیں۔ وہ اس پیغام کو بھول گئے ہیں جو اُن کو دیا گیا تھا کہ کفر کے قلعوں پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا علم بلند کرو ........ تو لاہور کے مرکز سے اُٹھی اور مغربی دنیا کے مرکزوں پر پہنچی تو نے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا پیغام سُنا دیا تو نے ان ہستیوں کو جو کفر کے باعث تڑپ رہی تھیں پیغام حیات ان کو سُنا دیا تو نے ان کی زمین میں اسلام کا بیج بو دیا جو کہ اب نشو و نما پر آرہا ہے۔ مگر بیج بو کر اس کو چھوڑ نہ دینا ........ تو اس سے زیادہ قربانی کے لئے تیار ہو جا۔ تو اس سے زیادہ خاکساری دکھا ....... اور دنیا کے قریہ قریہ میں پھیل جا اور توحید کا پیغام غافل ہستیوں تک پہنچا دے تو یہ مت دیکھ کہ دوسرے مسلمان کیا کر رہے ہیں۔ تو اپنا فرض ادا کر اور اس سے زیادہ کر جو اب تک کیا گیا ہے۔ قدرتِ ربانی تیرے کاموں کو دیکھ رہی ہے وہی تیری معاون و مددگار ہے۔ اس کے بھروسہ پر کفر کے لشکر میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا نغمہ سُنا دے۔"

(۱۹) احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی پوزیشن قائد اعظم کی نظر میں دیکھئے۔ قائد اعظم صاحب بانئے پاکستان مولانا محمد علی کے ہاں ایک ٹی پارٹی پر قائد اعظم نے ایک مختصر سی تقریر کی جس میں آپ نے انجمن کی خدمات

کو سراہتے ہوئے ایک واقعہ بیان کیا۔ جو انجمن کے اخبار "لائٹ" سے تعلق رکھتا ہے۔ آپ نے بتلایا:۔ کہ

"ایک گفتگو کے دوران میں وائسرائے لنلتھگو نے مجھ سے کہا کہ تمہارے اس تازہ بیان نے کہ ڈیموکریسی ہندوستان کے لئے [illegible] بیان کیا:۔

"میں نے وائسرائے کو کہا کہ میں آپ کو ایک اخبار بھیجوں گا۔ پہلے آپ وہ پڑھ لیں۔ چنانچہ میں نے "لائٹ" اخبار کا وہ پرچہ جس میں اس موضوع پر مضمون تھا کہ پارلیمانی جمہوریت ہندوستان کے لئے موزوں نہیں ہے۔ وائسرائے کو بھیج دیا۔ انہوں نے اگلے ہی دن وہ مجھے اپنے نوٹ کے ساتھ واپس بھیجا اور لکھا کہ اب آپ کی پوزیشن مجھے سمجھ آگئی ہے جو کچھ آپ کہتے ہیں وہ حق بجانب ہے"

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد قائد اعظم نے کہا:۔

"آپ کی انجمن بہت اعلےٰ کام کر رہی ہے آپ کا "لائٹ" میرے پاس آتا ہے۔ میں ایک سیاسی آدمی ہوں اور سیاسی مضامین کے لئے یہ اخبار پڑھتا ہوں۔ مگر اس کے ساتھ مذہبی مضامین بھی پڑھتا ہوں اور اس کی باقاعدہ فائل رکھتا ہوں"

آپ نے کہا:۔

"میرے پاس بیرونی ممالک سے بھی اسلام کے متعلق خطوط آتے ہیں۔ میں وہ خطوط مناسب جواب کے لئے آپ کی انجمن کے پاس بھیجدیتا ہوں"

(۲۰) مسٹر یوسف ہارون جو کبھی سندھ کے وزیر اعلےٰ تھے اور پھر آسٹریلیا میں پاکستان کے سفیر تھے۔ فرماتے ہیں:۔

"آسٹریلیا میں ایک معمولی قصبہ میں دورہ پر گیا تو ایک آسٹریلین مجھے ملنے کے لئے آیا اور سلسلہ کلام یوں شروع ہوا کہ آپ پاکستان کے ہائی کمشنر ہیں میں نے آپ کے آنے کا سنا تو کچھ باتیں پوچھنے آیا ہوں۔ آپ کے ہاں ایک شہر لاہور ہے۔ اس میں ایک مصنف مولوی محمد علی ہے جس نے قرآن کا ترجمہ و تفسیر انگریزی میں کی ہے۔ اسے پڑھ کر میں اور میرا خاندان مسلمان ہو چکے ہیں۔ اب آپ آئے ہیں تو میں چند اسلامی مسائل پوچھنے آیا ہوں۔ ......... اس شخص کا خیال تھا۔ کہ پاکستان کا ہر شخص اسلام کا عالم ہے۔ کسی حکمت عملی سے اس کو ٹالا۔"

(۲۱) ہالینڈ سے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کی تصنیف میں شمولیت کی دعوت:۔

"وسط اگست ۱۹۵۱ء میں مولانا محمد علی صاحب کو حکومت پاکستان کی طرف سے ایک خط ملا۔ کہ ہالینڈ میں ایک مشہور مستشرق پروفیسر نے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام چھاپنے کے لئے ایک بورڈ بنایا ہے۔ اور خود ہالینڈ سے آپ کا نام تجویز کیا گیا ہے۔ کہ اس انسائیکلوپیڈیا کے مضامین لکھنے میں آپ بھی حصہ لیں۔ اور یہ امید ظاہر کی گئی کہ خرابیٔ صحت کے باوجود آپ اس کام میں حصہ لے سکیں گے۔ کیونکہ اس کی اہمیت مسلمانانِ عالم کے لئے بالخصوص اور تمام لوگوں کیلئے بالعموم بہت زیادہ ہے۔ اس کا جواب جو مولانا نے دیا اس میں اس کام کے کرنے کا بخوشی ذمہ لیا۔ اور انسائیکلوپیڈیا کے مضمون لکھنے میں حصہ لیا۔

(۲۲) ہالینڈ کے ڈاکٹر کریمرجب اسلامی ممالک کا دورہ کرتے ہوئے محض مولانا سے ملنے لاہور آئے بعد میں انہوں نے اپنے دورہ کا حال

مسیحی رسالہ "مسلم ورلڈ" میں لکھتے وقت مولانا سے ملاقات کا ذکر کیا اور لکھا ہے "کہ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کا اندازہ اس کی تعداد سے نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ اس کے کام اور اثر و رسوخ سے کرنا چاہیئے۔ [illegible] پچھلے سال ووکنگ میں ایک ہمارے پاس پاکستانی نوجوان آیا۔ جو عیسائی ہو چکا تھا۔ اور مشنری کے کام کے لئے اپنے آپ کو وقف کر چکا تھا۔ اس کو روما کے مشہور مشنری ٹریننگ کالج میں اعلےٰ تعلیم کے لئے بھیجا گیا تھا اور کالج والوں نے اسے ڈاکٹر آف ڈیوینیٹی کی ڈگری حاصل کرنے کے لئے جو مضمون (THESIS) لکھنے کے لئے دیا۔ وہ مولانا محمد علی پر ریسرچ کرنا تھا اسی لئے یہ نوجوان روما سے ووکنگ آیا تھا۔ تاکہ مولانا کی زندگی۔ شخصیت اور تصانیف کے متعلق معلومات حاصل کرے۔"

(۲۳) اقوام متحدہ کے نیویارک ہیڈ کوارٹر میں مذہبی برانچ کے سیکرٹری مسٹر ولیم ہمبرگ کی طرف سے وزیر اعظم پاکستان جناب لیاقت علی خان کے نام ایک "تار" جب وہ امریکہ کا دورہ کر رہے تھے:۔

"میں آپ کے توسط سے پاکستان کے عوام پر اس بات کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ ہم اس احسن کام کو عزت و قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں جو آپ کے ہم وطن مولوی محمد علی اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام انگریزی زبان میں اسلام کی دینی کتب کی اشاعت کر رہے ہیں۔ پاکستان اور یو۔ ایس۔ اے کے درمیان بہتر افہام و تفہیم کے لئے..... آپ لاہور کے ان عالی فکر اصحاب کو ترغیب دلائیں کہ وہ ایک شاخ نیویارک شہر مرکز اقوام متحدہ میں کھولیں۔ یہ شاخ آپ کے (یعنی پاکستان کے) وفد اقوام متحدہ کا ایک حصہ ہو یا خود مختار ہو۔ اس سے انہیں بین الاقوامی پریس، ریڈیو وغیرہ کی سہولتیں میسر آسکتی ہیں"

مدیر نوائے وقت سے میری درخواست ہے:۔

---

(۱) کیا ان سب آراء کو پڑھنے کے بعد آپ پر ثابت نہیں ہوا۔ کہ یہ سب اکابرین جن کے نام سے دنیا واقف ہے بمع قائداعظم، احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے ممبران کو مسلمان سمجھتے تھے۔ ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ کیونکہ وہ کلمہ طیبہ کے پڑھنے والے کو مسلمان سمجھتے تھے۔

(۲) کیا قائدِ اعظم اس ملک پاکستان کے بانی کو مذہبی امور اور سوالات کے متعلق جو خطوط آتے تھے۔ ان کے جواب دینے کے لئے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا انتخاب غلط تھا یا درست۔ اگر آپ درست سمجھتے ہیں۔ تو اس کا مطلب تو یہی ہے کہ قائد اعظم احمدیہ انجمن اشاعت لاہور کے صدر اور ممبران کو مسلمان سمجھتے تھے۔ بلکہ وہ ہر ۲۵ کی وحدت کو قائم کر کے آپ نے پاکستان حاصل کیا "احمدیہ جماعت لاہور کو غیر مسلم قرار دینا گویا قائدِ اعظم کی روح کو پریشان کرنا ہے۔ اور قائد اعظم کے مخالف جو مسلمانوں کی جماعتیں تھیں ان کو گلے لگانا بھی ان کی روح کو تڑپانا ہے۔ آپ اس پر غور کریں۔ اپنے اس موقف کہ ڈیموکریسی ہندوستان کے لئے موزوں نہیں احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کی اخبار "لائٹ" وائسرائے ہند کو پیش کی۔ جس کے مضمون کو وائسرائے ہند نے بھی صحیح تسلیم کیا اور قائدِ اعظم کو لکھکر بھیجا کہ آپ حق بجانب ہیں۔ یہ بات ثابت کرتی ہے کہ پاکستان کے حصول میں وہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کو دیانت دار اور وفا شعار سمجھتے تھے اور حقیقت بھی یہی تھی۔

(۳) اس کام کو سب آراء دینے والے خدمتِ اسلام سمجھتے ہیں۔ چند ایک جہاد اکبر کہتے ہیں جو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام نے ۱۹۱۴ء سے لے کر اب تک کیا ہے۔ جس کام کے گواہ میں نے آپ کی خدمت میں مغربی ممالک اور پاکستان۔ ہندوستان۔ بنگلہ دیش۔ چین۔ تھائی لینڈ۔ ترکی سیلون۔ اقوام متحدہ۔ جرمنی۔ گویا تقریباً دنیا کے سب ملکوں سے پیش کر دیئے ہیں اور فیصلہ آپ پر ہے لیکن یہ شرط ہے کہ فیصلہ دینے سے پہلے مسدس حالی اور شبلی صاحب کا کچھ لٹریچر جس میں انہوں نے مسلمانوں کی نزولی حالی کا رونا رویا ہے پڑھ لیں۔

دیکھ لیں مسلمانوں کی عزت بچانے والے۔ ہر مخالف کو للکارنے والے تو اسی صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد ہیں، یا آپ کسی اور کا نام بتلائیں گے۔ جس نے اس زبوں حالی کو دور کرنے کی کوشش کی ہو لکھتے لکھتے یہ آپ کو بتلا دوں۔ کہ آپ اب بھی تبلیغ اسلام اور اشاعت قرآن کر کے دیکھ لیں۔ یہ کام آپ سے ہرگز نہ ہوگا۔ آپ کبھی اس میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتے جب تک حضرت مرزا صاحب کا پیدا کردہ لٹریچر غیر مذاہب کے خلاف استعمال نہ کریں اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے اس عقیدہ کو تسلیم نہ کریں کہ کلمہ طیبہ کا اقرار مسلمان کرتا ہے اور انکار کافر۔ رسول کریمؐ آخری نبی ہیں اور اب دنیا میں قیامت تک کوئی نبی نہیں آ سکتا نہ نیا نہ پرانا۔ اور قرآن کریم کا ہر حکم اپنے پر بغیر کسی چون و چرا کے وارد کریں۔ اور یہ سمجھیں کہ ہر کلمہ گو مسلمان ہے۔ اور اسلام میں کوئی فرقہ نہیں۔ اختلافات فروعی ہیں مسلمانوں کا خدا ایک رسول ایک کتاب ایک اور سب مسلمان ایک۔ جنہوں نے یہ سمجھ لیا انہوں نے دنیا فتح کر لی۔ جنہوں نے نہ سمجھا وہ کچھ بھی فتح نہ کر سکے۔

جن قوموں میں آپ تبلیغ کریں گے۔ وہ تو آگے ہی فرقوں کی لعنت سے بیزار ہو کر ایسے مذہب کی تلاش میں ہیں۔ جس میں وحدت ہو۔ جب آپ انہیں اسلام میں فرقے دکھلائیں گے تو وہ بھاگ جائیں گے۔ آپ سے دور چلے جاویں

برادرِ من آپ ہم کو کچھ کہیں ہم تو کلمہ کا پرچار کر کے لوگوں کو مسلمان کرنے کا کام کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ خواہ اس میں جان و مال ہی جاتا رہے آپ اپنا کام کرتے رہیں۔ کہ اُن سے کلمہ طیبہ کا انکار کرا کر پھر کافر بناتے جاویں یا اگر وہ کلمہ نہ چھوڑیں تو کفر کے فتوے لگاتے رہیں۔ جزا و سزا خدا کے ہاتھ میں ہے۔ جس کے اعمال پسند کرے گا اسی کی امداد کرے گا۔

## ایک تجویز

آپ تبلیغ کے لئے ایک غیر ملک جس میں مسلمان برائے نام ہوں یا نہ ہوں پسند کریں۔ اور خود ہی ہمارے لئے اسی طرح ملک تجویز کریں اور وہاں تبلیغ شروع کر دیں سال کے بعد دیکھیں کہ کس نے زیادہ کام کیا ہے۔ دونو فریقین نے اسلام کی تبلیغ کر کے کافروں کو مسلمان بنا کر مسلمانوں میں اضافہ کیا تو اللہ تعالےٰ کی خوشنودی کا باعث ہوگا۔ شرط یہ ہے کہ آپ حضرت مرزا صاحب اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا لٹریچر استعمال نہ کریں اور ہم تو آپ کا کیا کریں گے۔ اور اپنے اپنے عقائد بیان کریں۔ اور اسلام کی خوبیاں بیان کریں۔ پھر آپ کو اندازہ ہوگا۔

مسلمانوں کو کافر بنانے سے تو سوائے اللہ تعالےٰ کی ناراضگی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالےٰ تو وہی چاہتا ہے۔ جس سے میں نے یہ مضمون شروع کیا ہے۔ کہ وہ "جو السلام علیکم کہے اس کو مت کہو کہ تو مومن نہیں"

میرے اس مضمون سے یہ بھی آپ پر ظاہر ہو جاوے گا کہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے ذریعہ دنیا میں کتنا بڑا انقلاب آیا ہے یہ اللہ تعالےٰ کا مشن ہے جو کبھی ناکام نہ ہوگا۔

حضرت آدم سے لے کر دنیا میں رسول کریمؐ تک کوئی نبی ناکام نہیں ہوا اور نہ ہی رسول کریمؐ کے بعد دنیا میں آنے والے مجدد۔ محدث۔ اولیاء اللہ میں سے ہی کوئی ناکام ہوا ہے۔ آدمؑ سے لے کر رسول کریمؐ تک سب رسول بڑی بڑی مشکلات۔ دکھوں مصیبتوں میں گرفتار رہے ایسا وقت بھی سب پر آیا جب دنیا کے بڑے جابر انسان یہ سمجھ لیتے تھے اب ان کا خاتمہ ہے۔ لیکن اللہ تعالےٰ کی امداد بر وقت آئی۔ اور دنیا والے ناکام اور اللہ والے کامیاب ہوئے۔ اسی طرح مجددین۔ محدثین۔ اولیاء اللہ جو بھی آیا دنیا والوں نے ان کے ساتھ بڑی بڑی زیادتیاں کیں ہیں جیسا کہ تذکرہ مصنفہ مولانا ابوالکلام آزاد میں لکھا ہے۔ مگر مشکلوں کے بعد آخر وہی کامیاب ہوئے جو اللہ کی طرف سے تھے۔

حضرت مرزا صاحب نے ایک پیشگوئی کی تھی کہ اللہ تعالےٰ نے مجھے بتلایا ہے کہ میں تیرے نام کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔ سو دیکھ لیں کیسے لفظ لفظ پوری ہوئی ہے۔ آج آپ کسی ملک میں چلے جاویں۔ وہاں مرزا صاحب کے گروہ کا کوئی نہ کوئی آدمی موجود ہے۔ اور ان کی کتابیں اور انکی ہوئی تفسیریں ہر جگہ لوگ پڑھتے ہیں۔ مرزا صاحب کے جیتے بھی مخالف تھے۔ کیا آپ کسی ایک کا نام بتلا سکتے ہیں جس نے اتنی شہرت حاصل کی ہو اور جس کے لٹریچر کو پڑھ کر لوگ غیر ممالک میں بغیر کسی مبلغ کے ہی مسلمان ہو جاتے ہوں۔ مجھے معلوم نہیں آپ کے نزدیک کامیابی کا کیا معیار ہے۔ اگر آپ مجھے کامیابی کا معیار جس کو آپ کامیابی سمجھتے ہوں بتلا دیں تو میں نیم خواندہ سا آدمی آپ کو وہی کامیابی کا معیار مرزا صاحب میں دکھلا دوں گا۔ بلکہ مرزا صاحب کے زمانے میں جو مخالف تھے۔ ان کا اب کوئی نام تک نہیں لیتا۔ یہ بھی ایک سچائی کا معیار ہے جو خداوند کریم نے مقرر کیا ہے دیکھئے کفار مکہ نے کتنی شدت سے رسول کریمؐ کی مخالفت کی تھی۔ کیا اب اس زمانہ میں اُن کا نام باقی رہا۔ لیکن رسول کریمؐ کا نام دنیا میں ہر گھڑی ہر منٹ ہر لمحہ لیا جاتا ہے۔ درود بھیجے جاتے ہیں۔ اس سے تو آپ کو انکار نہیں کہ مرزا صاحب کا نام دنیا کے کناروں تک پہنچ گیا۔ کیا اب بھی آپ کو اس پیشگوئی کے پورا ہونے میں شک ہے۔

دعا ہے اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ تو ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ جس پر چل کر لوگوں پر تیرا انعام ہوا اور اس راستہ سے بچا جس پر چل کر لوگوں پر تیرا غضب ہوا اور نہ گمراہوں کے راستہ پر۔ آمین

میں جہانوں کے پیدا اور پالنے والے خدا کے دربار میں درخواست کرتا ہوں۔ کہ حق بات کہنے والوں کی امداد فرما۔ اور جو ناحق پر ہیں ان کو ہدایت عنایت فرما۔ ہمارے بھائیوں نے جو زیادتی ہم پر کی ہے۔ ان کے مقابلہ میں صبر عطا فرما ایسا صبر جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں کو عطا فرمایا۔ اگر ہم سیدھے راستہ پر ہیں۔ تو ہمیں استقامت عطا فرما۔

## کیا ایک مسلمان عورت امام الصلوٰۃ بن سکتی ہے (بسلسلہ صفحہ ۶)

علیٰ بعض و بما انفقوا من اموالھم (مرد عورتوں کے ذمہ دار ہیں اس لئے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی اور اس لئے کہ انہوں نے اپنے مالوں سے کچھ خرچ کیا ہے۔

(سورۃ النساء۔ آیت ۳۴)

اسلام ایک عملی مذہب ہے۔ اس قدر باہمی حقوق اور ذمہ داریاں پیدا کرنے کے بعد یہ ضروری تھا کہ گھر کی چھوٹی سی سلطنت میں ایک کو دوسرے پر کچھ رنگ حکومت بھی دیا جاتا۔ اور عملاً ساری دنیا کو دینا پڑا ہے کیونکہ اس کے بغیر نظم قائم نہیں رہ سکتا۔ اور وہ رنگِ حکومت جس سے گھر کے امور طے ہوں مرد کو دیا گیا ہے کیونکہ مردوں کو عورتوں پر قوائے جسمانی میں فضیلت ہے۔ اس لئے روزی کمانے کا کام اور ملک و قوم کی حفاظت کا کام ان کے سپرد کیا۔ اور جو ملک کا محافظ ہے وہی گھر کا محافظ بھی ہو سکتا ہے اور دوسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں یعنی مرد کو عورت پر اختیار اس لئے دیا گیا ہے کہ اس پر بوجھ بھی زیادہ ڈالا گیا ہے۔ کیونکہ وہ مال کمانے والا ہے اور یہ مال کے خرچ کرنیوالی ہے۔ اور مال کے کمانے والے کو بہرحال اس کے خرچ کرنے والے پر

# سیرت عمرؓ کے چند اوراق
## درویشی و پادشاہی کا مرقع

جہاں ہمارے سید و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے وہ نرالی شان بخشی کہ دنیا کے کسی اور انسان کو وہ شان نصیب نہ ہوئی وہاں آپ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل و خصائص بھی ایسے عدیم المثال ہیں کہ دنیا کی تاریخ میں ان کی نظیر ڈھونڈنا بے سود ہے حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ عنہ کے نام سے کون مسلمان واقف نہیں؟ آپ کے کارہائے نمایاں نے کس مسلمان کو قوت ایمان نہیں بخشی؟ آپ کے عدل و انصاف، ایمان و اخلاص، تدبر و حکمت اور عقل و ذہانت نے کس بڑے سے بڑے دشمن سے خراجِ تحسین وصول نہیں کیا؟ اور آپ کے زمانہ کی تاریخ لکھتے ہوئے کون مورخ ایسا ہے، مسلم یا غیر مسلم، منصف یا متعصب جس نے آبِ زر کو سیاہی نہ بنایا ہو؟ سچ تو یہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اسلام اور مسلمانوں کی عظیم الشان خدمات انجام دیں اور دین محمدی کی شان کو ایسا بلند کیا کہ ہم قیامت تک نہ ان کو فراموش کر سکتے ہیں اور نہ ان کی نظیر لا سکتے ہیں۔ وہ ایسی خدمات تھیں کہ اگر دنیا میں ایک اور عمرؓ پیدا ہو جاتا تو اس وقت صفحۂ ہستی پر صرف اسلام ہی ایک مذہب ہوتا اور مسلمان ہی ایک قوم۔

سیرتِ عمرؓ کی داستان کے متحمل اخبار کے چند اوراق نہیں ہو سکتے۔ اس کے لئے دفتر بکار ہیں۔ اس مختصر سے مضمون میں ہم صرف حضرت فاروق اعظمؓ کی سیرت کے چند پہلوؤں پر روشنی ڈالیں گے اور وہ بھی بڑے ایجاز و اختصار کے ساتھ۔ اس وقت ہم حضرت عمرؓ کی زندگی کے چار پہلو قارئین کرام کو دکھائیں گے۔

۱۔ عمرؓ بحیثیت ناظم ملک۔ (۲) عمرؓ بحیثیت کمانڈر انچیف یا قائد اعظم۔ (۳) عمرؓ بحیثیت امیر المومنین اور (۴) عمرؓ بحیثیت ایک مسلمان۔

**ملکی انتظام** } خلافت عمر فاروقؓ میں مسلمان اتنی وسیع مملکت کے مالک ہو چکے تھے کہ اس کا انتظام بڑی طاقت اور قابلیت کا محتاج تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے نہ صرف اس وسیع سلطنت کے انتظام کو احسن طریق پر انجام دیا بلکہ ایسی ایسی باتیں ایجاد کیں اور انتظام کے سلسلہ میں ایسی تجاویز کو رواج دیا جن سے نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم حکومتیں بھی اس سے قبل نا آشنا تھیں۔ خلافتِ ثانیہ میں جو باتیں اور نئی ایجادیں مختلف صیغوں میں رائج ہوئیں مؤرخین کے نزدیک اولیت سے تعبیر کی جاتی ہیں اور اس اوّلیت اور قابلیت کا سہرا حضرت عمر فاروقؓ کے سر ہے۔ ذیل میں ان تمام باتوں کو نقل کیا جاتا ہے جو حضرت عمرؓ نے رائج کیں۔

ممالک مفتوحہ کی صوبوں میں تقسیم۔ بیت المال یا خزانہ کا قیام۔ عدالتوں اور قاضیوں کا تقرر۔ فوجی دفتر کی باقاعدہ ترتیب۔ والنٹیر کور یعنی ٹیریٹوریل فورس کا قیام۔ پیمائش کا جاری کرنا۔ تاریخ اور سنہ ہجری کا قیام۔ مردم شماری۔ نہریں کھدوانا۔ شہروں کا آباد کرنا۔ صیغہ محاصل اور دفتر مال کا قیام۔ پبلک ورک ڈیپارٹمنٹ یا نظارت نافعہ کا قائم کرنا۔ پولیس کا قیام اور صیغہ تعلیم اور صیغہ مذہبی کا قائم کرنا۔

**افسرانِ ملکی** } حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مفتوحہ ملک کو آٹھ صوبوں خراسان اور آذر بائیجان۔ چنانچہ یہ تقسیم بجائے خود ملک کے انتظام کے لئے حضرت عمرؓ نے ہر صوبہ کے اندر جو افسران مقرر کئے ان کی تفصیل یہ ہے۔ (۱) والی یا گورنر (۲) کاتب یا میر منشی (۳) کاتب دیوان یا فوجی دفتر کا میر منشی (۴) صاحب الخراج یا کلکٹر (جس کے ماتحت ہر پرگنہ میں تحصیلدار وغیرہ کام کرتے) (۵) صاحب الاحداث یا انسپکٹر جنرل پولیس۔ صاحب بیت المال یا افسر خزانہ (۷) صدر الصدور، قاضی، منصف وغیرہ۔

**افسروں اور عاملوں کو ہدایات** } اس بات کی تو تاریخ شاہد ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہر طرف امن و امان تھا۔ رعایا خوشحال تھی اور تہذیب و تمدن میں دن بدن ترقی ہو رہی تھی اس تمام ترقی و خوشحالی کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمر ایسے افسر مقرر فرماتے تھے جنہیں اپنی ذمہ داری کا پورا پورا احساس ہو جو عادل اور منصف مزاج ہوں۔ اور جنہیں اس بات پر یقین ہو کہ ان سے ان کے افعال کی باز پرس ہوگی حضرت عمرؓ اگر کسی عامل یا افسر کے خلاف شکایت سن پاتے تو فوراً اس کی تحقیق کرتے اور اگر افسر مجرم ہوتا تو اس کو قرار واقعی سزا دیتے۔ حضرت عمر کا عاملین پر اس قدر رعب تھا کہ کوئی اپنے فرائض میں کوتاہی کی جرأت نہ کرتا۔ جب کسی کو گورنر یا افسر مقرر فرماتے تو یہ ہدایت دیتے:-

"یاد رکھو کہ میں نے تم کو امیر اور سخت گیر مقرر کر کے نہیں بھیجا بلکہ امام بنا کر بھیجا ہے کہ لوگ تمہاری تقلید کریں تم لوگ مسلمانوں کے حقوق ادا کرو۔ ان کو زدو کوب نہ کرو کہ وہ ذلیل ہوں۔ ان کی بیجا تعریف نہ کرو کہ غلطی میں پڑیں۔ ان کے لئے اپنے دروازے بند نہ رکھو کہ زبردست کمزور کو کھا جائیں ان سے کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہ دو کہ یہ اُن پر ظلم کرنا ہے۔"

(الفاروق جلد دوم صفحہ ۲)

اس کے علاوہ ہر عامل سے عہد لیا جاتا کہ وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا باریک کپڑا نہ پہنے گا۔ چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔ دروازے پر دربان نہ رکھے گا اور اہلِ حاجت کی ہمیشہ حاجت روائی کرے گا۔ تمام عمال کو حکم تھا کہ ہر سال حج کے موقعہ پر حاضر ہوں۔ حج کی تقریب پر تمام اطراف کے مسلمان جمع ہوتے تھے اور حضرت عمرؓ وہاں اعلان فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی کو اپنے عمال کے خلاف شکایت ہے تو وہ پیش کرے۔ اور پھر لوگوں کی شکایات پر عمال سے باز پرس کرتے۔ ایک دفعہ ایک شخص اٹھا اور کہنے لگا کہ فلاں عامل نے مجھے بے قصور سو کوڑے مارے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے مستغیث کو حکم دیا کہ وہیں مجمعِ عام میں عامل کے سو کوڑے لگائے۔ حضرت عمرو بن العاص نے فاروق اعظم کو سمجھایا کہ یہ بات عاملوں پر گراں گذرے گی۔ لیکن عدلِ فاروقی کے سامنے ان کی پیش نہ گئی اور بالآخر عمرو بن العاص نے اس شخص کو دو سو دینار دے کر اس عامل کا قصور معاف کرایا۔

عیاض بن غنم گورنر مصر کی نسبت شکایت پہنچی کہ وہ باریک کپڑے پہنتا ہے۔ اور دروازے پر دربان بٹھاتا ہے۔ آپ نے ایک شخص کو تحقیق کے لئے روانہ کیا اور حکم دیا کہ اگر یہ باتیں صحیح ہوں تو عیاض کو میرے سامنے پکڑ کر لاؤ۔ چنانچہ عیاض پکڑے ہوئے مدینہ حاضر ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے ان کا باریک کرتا اُتروا کر اونٹ کے بالوں کا چوغہ پہنا دیا اور کچھ بکریاں منگوا کر اس کے حوالے کیں کہ جاؤ جنگل میں جا کر انہیں چراؤ۔ کہ یہی تمہارے باپ دادا کا پیشہ تھا۔ سعد بن ابی وقاص کی نسبت جب معلوم ہوا کہ انہوں نے کوفہ میں اپنے مکان کے آگے ڈیوڑھی بنوائی ہے تو ایک مسلمان کو لکھ بھیجا کہ سعد سے پوچھے بغیر اس کی ڈیوڑھی جلا دو۔ چنانچہ ڈیوڑھی جلا دی گئی اور سعد نے اُف تک نہ کی۔

مکرم جناب میاں بشارت احمد بقا صاحب ناظم دارالسلام

# مسجد دارالسلام میں نمازِ عید الفطر

## تاثرات

رمضان المبارک بارگاہ خداوندی سے ہزاروں ہزار رحمتیں لے کر آیا۔ تقویٰ اور طہارت کے طلبگاروں کو پھر ایک موقع نصیب ہوا کہ نزولِ بارانِ رحمت کے ان مبارک ایّام میں اپنا تزکیہ نفس کریں اور دُنیا طلبی سے اپنے نفس کا رُخ پھیر کر خدا طلبی کے لئے اپنے شب و روز وقف کریں۔

جن خواتین و احباب نے روزے محض خداتعالےٰ کی خوشنودی کے لئے رکھے اور اپنی جُملہ خواہشات نفس کو تابع فرمانِ خداوندی کر دیا۔ انہوں نے یقیناً روزہ کی اصل غرض تقوے کو پُورا کر دیا۔ مبارک ہیں وہ تمام بہنیں اور بھائی جن کے جہاد بالنفس کو خداوند تعالےٰ کی جناب میں شرفِ قبولیت نصیب ہوا۔

۲۹ر رمضان کی شام کو یکم شوال کا ہلال روزہ داروں کے لئے عیدِ مُسرّت کا مژدہ جانفزا لایا اور حسب پروگرام یکم شوال بمطابق ۲۶ر ستمبر مسجد دارالسلام میں ساڑھے آٹھ بجے سے احباب و خواتین آنے شروع ہو گئے اور ۹ بجے تک مسجد کے دونوں حصّے کھچا کھچ بھر گئے۔

احباب نے فطرانہ طے شدہ شرح سے اور عید فنڈ اور مسجد فنڈ اپنی مرضی سے ادا کیا جس کی مجموعی رقم مبلغ نو صد روپے سے زائد ہوئی ہے۔ اتنے بڑے اجتماع سے ہم سب کے دل باغ باغ ہو گئے۔ الحمدللہ کہ احباب کے دِلوں میں خدمتِ اسلام کا جذبہ اور خلوص کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ اور حکومتی فیصلہ انہیں شکست پا نہیں کر سکا۔

پُورے نو بجے محترم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب کی اقتداء میں نمازِ عید پڑھی گئی۔ بعد میں فارُوقی صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں خُطبۂ عید ارشاد فرمایا۔ آپ نے انجیلی دُعا "اے خُدا آج کی روٹی ہمیں دے"۔ سے قرآنی تعلیم کا موازنہ پیش فرمایا۔ عیسائی دُنیا روٹی کے پیچھے ایسی پڑی کہ سر تا سر دُنیا میں ڈوب گئی۔ حالانکہ جناب مسیح ناصریؑ نے مائدہ آسمانی کی دُعا کی تھی۔ اور وہ فی الواقع اپنی امت اور قومِ یہود کے لئے آسمانی روٹی لائے تھے۔ لیکن بعد میں آنے والے شاگردوں نے شریعت کی حدود و قیود کو باطل قرار دے کر کے قوم کو بندۂ حرص و آز اور بندۂ دُنیا بنا کر رکھ دیا۔ وہ مائدہ سماوی جو مسیح علیہ السلام لے کر آئے تھے، اس کی قوم یہود و نصاریٰ نے ناقدری کی۔ لیکن یہی مائدہ خدا کا آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم لائے تو قومِ مسلم نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ پیٹ پر پتھر باندھ کر خدا کی راہ میں جہاد کیا۔ اور موسےٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح یہ نہ کہا کہ:-

"اے موسےٰ اس بستی کے لوگ بڑے جابر و قاہر ہیں ہم اس میں ہرگز داخل نہ ہوں گے۔ جا تُو اور تیرا ربّ ان سے لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔"

بلکہ جہاں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ گرا وہاں اس نے اپنا خُون بہایا۔ خدا کی راہ میں یہ پاکیزہ نفس لوگ بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح ہو گئے اور اُف تک نہ کی۔ روٹی کے لئے دُعا مانگنی معیوب نہیں۔ لیکن انسان محض روٹی سے نہیں جیتا۔ اس کا محض وہ حِصّہ زندہ رہتا ہے جس کا تعلق ان کے مادی جسم اور نفسِ امّارہ سے ہے۔ اس کی حیاتِ روحانی کے لئے آسمانی مائدہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ رمضان میں ہم بحکمِ خُداوندی رزقِ حلال کو ایک معیّن وقت کے لئے حرام قرار دے لیتے ہیں۔ اس کی اصل غرض اور مقصد یہ ہے کہ نفس کی غلامی سے ہم چھٹکارا پائیں۔ اور انقطاع الی اللہ کے لئے جہاد بالنفس کریں اور آسمانی انوار و برکات سے روحانی طور پر زندہ ہو جائیں۔ روزہ سے دنیا کی محبت سرد پڑتی ہے اور خدا کی محبت قوت پکڑتی ہے۔ اور خُدا کی پہچان نصیب ہوتی ہے۔

جن اقوام کی ساری ہمتیں اور صلاحیتیں دُنیا کی روٹی کے لئے صرف ہو رہی ہیں وہ تمام کی تمام اپنے خالق و مالک سے مہجور ہو چکی ہیں۔ بلکہ انہوں نے ہستی باری تعالیٰ سے صریحًا انکار کر دیا ہے اور رُوح اور روحانی زندگی کو محض ایک واہمہ قرار دیا ہے۔ مگر اسلام کے نزدیک انسان رُوح کے بغیر محض ایک حیوانِ ناطق ہے۔ جس کا مقصد صرف کھانا پینا اور مر جانا ہے۔ دراصل انسان رُوح کے ساتھ مکمل ہوتا ہے۔ دینِ اسلام رُوح اور جسم کے باہمی رشتہ کی اہمیت اور اس کی غرض و غایت کی نشاندہی کرتا ہے۔ اور اس کے لئے ایسے راہنما اصول پیش کرتا ہے جن پر عمل درآمد سے فوز و فلاحِ اُخروی حاصل کرنے کے قابل ٹھہرتا ہے۔

خُطبہ کے بعد احباب باہم ایک دوسرے سے نہایت گرمجوشی سے بغلگیر ہوئے اور یہ ایمان افروز نظارہ نصف گھنٹہ تک جاری رہا۔ اس کے بعد سب خواتین اور احباب مسرّت و شادمانی سے اپنی جھولیاں بھر کر اپنے اپنے گھروں کو تشریف لے گئے۔

## عید ملن پارٹی

۲۷ر ستمبر ۱۹۷۶ء کو مسجد دارالسلام میں مقامی جماعتِ احمدیہ لاہور کی طرف سے عید ملن پارٹی کا اہتمام کیا گیا۔ ۵ بجے شام تک کافی تعداد میں احباب جماعت، خواتین اور بچے جمع ہو چکے تھے اور ایک دوسرے سے عید مل رہے تھے۔ مقامی جماعت نے یہ تقریب منعقد کر کے دوستوں اور سلسلہ کی خواتین کو آپس میں مل بیٹھنے کا بہت ہی عمدہ موقع فراہم کیا۔ انفرادی طور پر ہر ایک سے ملنا عملاً ناممکن ہوتا ہے۔ عید ملن پارٹی کی اس مُبارک اور پُر مسرّت تقریب کی بدولت ایک وقت میں تمام احباب سے مُلاقات ہو گئی۔ اس تقریب میں خاص بات **بچّوں کو عید کا تحفہ** تھا اور محترم ڈاکٹر وحید احمد صاحب اور ان کی اہلیہ محترمہ نے خوبصورت پلاسٹک میں بند ٹافی و بسکٹ کے تقریباً ۸۰ پیکٹ بچّوں میں تقسیم کئے۔ اس سلسلہ میں دارالسلام کے مکینوں نے بھی اس تقریب کے اہتمام اور دوستوں کے استقبال میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ اور اس کو ہر لحاظ سے دلچسپ، مفید اور کامیاب بنایا۔

عبدالسلام ۔ سیکرٹری مقامی جماعت لاہور

**حضرت امیر مرحوم نمبر** قارئین کرام مطلع رہیں کہ پیغام صلح کا ۲۷ر اکتوبر ۱۹۷۶ء کا پرچہ حضرت مولانا **محمد علیؒ نمبر** ۲۴ صفحات پر شائع ہوگا۔ اس لئے ۲۰ر اکتوبر کو پرچہ شائع نہیں ہوگا۔ احباب اس خاص نمبر کے لئے اپنے مضامین ۱۵ر اکتوبر ۷۶ء تک بھجوا دیں تاکہ بروقت شائع ہو سکیں۔ (ادارہ)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ——— مؤرخہ ۶ر اکتوبر ۱۹۷۶ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ——— شمارہ نمبر ۴۰

احمد سجاد آرٹ پریس بیرونی دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پرنٹر پبلشر نے دفتر پیغام احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۳ | یوم چہارشنبہ ۱۸ شوال المکرم ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۶ء | نمبر ۴۱


# مَلْفُوْظَاتْ حَضْرَتْ مُجَدِّدْ صَدْ چہارَدَہم عَلَیْہِ السَّلَام

## جماعت کو نصیحت

### تم دنیا کی پرواہ نہ کرو بلکہ اپنے اندر کو صاف کرو۔

اور تم اپنے اعمال اور افعال سے ثابت کر کے دکھا دو کہ واقعی تم نے سچی تبدیلی کر لی ہے۔ تمہاری مجلسوں میں وہی ہنسی اور ٹھٹھا نہ ہو جو دوسرے لوگوں کی مجلسوں اور محفلوں میں پایا جاتا ہے۔ یقیناً سمجھو کہ زمین و آسمان کا خالق ایک خدا ہے۔ وہی خدا ہے جس کے قبضۂ قدرت میں زندگی اور موت ہے۔ کوئی شخص دنیا میں کسی قسم کی راحت اور کوئی نعمت حاصل نہیں کر سکتا مگر اسی کے فضل و کرم سے۔ ایک پتہ بھی اس کے فضل کے بغیر ہرا نہیں رہ سکتا اس لئے ہر وقت اسی سے سچا تعلق پیدا کرے اور اسی کی رضا جوئی کی راہوں پر مضبوط قدم رکھے۔ اگر وہ اس بات کی پابندی کرے گا تو یقیناً اسے کوئی غم نہیں ہے۔ ہر قسم کی راحت۔ صحت۔ عمر و دولت یہ سب اللہ تعالےٰ کی فرمانبرداری میں ہے جب انسان کا وجود ایسا نافع اور سود مند ہو تو اللہ تعالےٰ اس کو ضائع نہیں کرتا۔ جیسے باغ میں کوئی درخت عمدہ پھل دینے والا ہو تو اسے باغبان کاٹ نہیں ڈالتا بلکہ اس کی حفاظت کرتا ہے اسی طرح نافع اور مفید وجود کو اللہ تعالیٰ بھی محفوظ رکھتا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ۔ جو لوگ دنیا کے لئے نفع رساں لوگ بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمریں بڑھا دیتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے وعدے ہیں جو سچے ہیں اور کوئی ان کو جھٹلا نہیں سکتا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے سچے اور فرمانبردار بندے ایسی بلاؤں سے محفوظ رہتے ہیں۔ پس اس بات کو کبھی نہیں بھولنا چاہیئے کہ نری بیعت اور اقرار سے کچھ نہیں بنتا۔ بلکہ انسان زیادہ ذمہ دار اور جوابدہ ہو جاتا ہے۔ اصل فائدہ کے لئے ضرورت ہے حقیقی ایمان اور پھر اس ایمان کے موافق اعمالِ صالحہ کی۔ جب انسان یہ خوبی اپنے اندر پیدا کرتا ہے تو جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ متقی حقیقی مومن اور اس کے غیر میں ایک امتیاز رکھ دیا جاتا ہے۔ اسے ممتاز کیا جاتا ہے۔ اور اس امتیاز کا نام قرآن شریف کی اصطلاح میں فرقان ہے۔ آخرت میں بھی مومن اسی فرقان سے شناخت کئے جائیں گے۔ اس دنیا میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ مومن ہمیشہ ممتاز رہتا ہے۔ اس کے اندر ایک سکینت اور اطمینان بخش روح ہوتی ہے۔ اگرچہ مومن کو دکھ بھی اٹھانے پڑتے ہیں اور قسم قسم کے مصائب اور شدائد کے اندر سے گذرنا پڑتا ہے خواہ لوگ اس کے کتنے ہی برے نام رکھیں اور خواہ اس کے تباہ اور برباد کرنے کے لئے کچھ بھی اراد ے کریں لیکن آخر وہ بچا لیا جاتا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے۔ اور اسے عزیز رکھتا ہے۔ اس لئے دنیا اس کو ہلاک نہیں کر سکتی۔ مومن اور اس کے غیر میں امتیاز ضرور ہوتا ہے۔ اور یہ میزان خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ خدا تعالیٰ کی آنکھیں دیکھتی ہیں کہ کون بد اور شریر ہے۔ خدا کو کوئی دھوکہ نہیں دے سکتا۔ پس تم دنیا کی پروا نہ کرو۔ بلکہ اپنے اندر کو صاف کرو۔ یہ دھوکہ مت کھاؤ کہ ظاہری رسم ہی کافی ہے۔ نہیں۔ امن اس وقت آتا ہے جب انسان سچے طور سے خدا تعالیٰ کے حرم میں داخل ہو۔

پس اب بڑی تبدیلی کا وقت ہے اور خدا تعالیٰ سے سچی صلح کے دن ہیں۔

(۲ نومبر ۱۹۰۴ء۔ بمقام سیالکوٹ)

---

چونکہ انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے۔ اس لئے اس انجمن کو دنیا داری کے رنگوں سے بکلی پاک رہنا ہوگا۔ اور اس کے تمام معاملات نہایت صاف اور انصاف پر مبنی ہونے چاہئیں۔

(ضمیمہ رسالہ الوصیت ص ۲۹)

محترمہ صفیہ جاوید صاحبہ ——— سیکرٹری برائے دستکاری۔

# دستکاری

## تبلیغِ اسلام کے جہادِ اکبر میں حصہ لینے کا ایک سہل طریقہ

جلسہ سالانہ پر دستکاری کی نمائش ایک ایسی روایت ہے جو ہمیں اپنے بزرگوں سے ورثہ میں ملی ہے اور اس نیک روایت کو قائم رکھنے کے جذبے اور شوق کا اظہار احمدی بچیوں اور خواتین کی طرف سے ہمیشہ ہوتا رہا ہے اسی مبارک جذبے کی بدولت گذشتہ سال جلسہ کے موقع پر تین ہزار روپے سے زائد کی دستکاری فروخت ہوئی۔

میرے بچپن کی یادوں میں جلسے سالانہ میں پہلی بار شرکت ایک خاص نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ جلسے کی تیاریاں شروع ہوئیں تو میری بڑی ہمشیرہ نے دستکاری کی نمائش کے بارے میں بتایا اور پھر اپنی نگرانی میں اونی موزے بنوائے۔ ناسمجھی اور کم عمری کے باعث بنائی اچھی نہ تھی۔ مگر نمائش میں وہ موزے رکھے گئے۔ تو میری ہمشیرہ نے خود ہی خرید لئے۔ مگر یہ بات میرے ذہن پر ایک نقش چھوڑ گئی کہ جلسہ سالانہ اور دستکاری لازم و ملزوم ہیں۔ اور یہ تصور نہایت ہی خوش کن ہوتا کہ ہماری بنائی ہوئی چیزیں بھی اس نمائش میں شامل ہیں جن میں دستکاری کی ماہر خواتین کی بنائی ہوئی رنگا رنگ اور جاذبِ نظر اشیاء موجود ہیں۔

دستکاری کی نمائش کا مقصد صرف دستکاری فروخت کر کے چندہ جمع کرنا ہی نہیں بلکہ اس کا اعلےٰ اور پائیدار مقصد اس قوم کی بچیوں میں اس جذبہ کو اُبھارنا اور پروان چڑھانا بھی ہے کہ اشاعتِ اسلام کا یہ جہادِ اکبر جس کا بیڑہ ہم نے اُٹھایا ہے ہم سے اپنی محنت اور وقت کی قربانی بھی چاہتا ہے۔ اور وہ بچیاں اور خواتین جو تعلیمی یا گھریلو مصروفیات کی وجہ سے خدمتِ دین کے لئے زیادہ وقت نہیں نکال سکتیں۔ اُن کے لئے تو دستکاری اس جہاد میں حصہ لینے کا ایک نہایت سہل طریقہ ہے۔ اور یہ کسی صورت بھی تضیع اوقات نہیں بلکہ وقت کا ایک ایسا مصرف ہے جو دوگونہ سرور بخشتا ہے اور حسناتِ دارین کا ضامن بنتا ہے۔

گذشتہ جلسے کے موقعہ پر بیگم زکیہ شیخ صاحبہ نے بتایا تھا کہ وہ اپنے زمانۂ تعلیم میں ہر اتوار کو ایک گھنٹہ اس کام کے لئے وقف کرتی تھیں۔ اور اس طرح سال کے آخر میں کافی دستکاری تیار ہو جاتی تھی۔ اگر ہم سب اس ترکیب پر عمل کریں تو ہفتے میں صرف ایک گھنٹہ خدمتِ دین کے اس کام میں صرف کرنے کے مفید اور دُور رس نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

اُمید تو ہے کہ کوئی بھی بہن اپنے اس فرض سے غافل نہ ہوگی مگر کسی وجہ سے اگر بہنیں ابھی تک دستکاری کی تیاری شروع نہیں کر سکیں تو اب جلدی شروع کر دیں کیونکہ جلسہ سالانہ کے دن بہت قریب ہیں۔

بہنیں ہمیشہ کی طرح کم خرچ مگر کار آمد اور جاذبِ نظر دستکاری تیار کریں۔ گھریلو استعمال کی چھوٹی اور کم قیمت اشیاء کی فروخت آسان ہوتی ہے۔ کسی قسم کی بھی رہنمائی کی ضرورت ہو تو بذریعہ خط یا لاہور میں رہنے والی بہنیں نمازِ جمعہ کے بعد دوسری تجربہ کار خواتین سے مشورہ لے سکتی ہیں۔

بہنوں سے یہ بھی التماس ہے کہ اگر ان کے ذہن میں اس سلسلے میں کوئی تجویز موجود ہو تو درج ذیل پتہ پر جلدی اِطّلاع دیں تاکہ یہ قومی کام بہترین طریقہ پر انجام دیا جا سکے۔

بیگم صفیہ جاوید
۴۵۔ احمد پارک۔ ڈاک خانہ فیروز پور روڈ۔ لاہور

# اخبارِ احمدیہ

جناب محمد بیدار صاحب جائنٹ سیکرٹری جماعت کراچی رقمطراز ہیں:—

ماہ رمضان کی آمد کے موقعہ پر فیصلہ کیا گیا۔ کہ پہلے دو عشروں میں ہر اتوار کو اور آخری عشرے میں ہر روز قرآن کریم کا درس دیا جائے اور جمعہ میں اس کا اعلان کر دیا گیا۔ چنانچہ اعلان کے دوسرے دن روزہ ہو گیا اور اتوار کو احباب درس سننے کے لئے وقت مقررہ پر پہنچ گئے اور نمازِ عصر کے بعد ½۵ بجے درس شروع ہوا۔ افطاری کے سلسلے میں بعض دوستوں نے اپنے اپنے دن مقرر کر لئے تھے کہ افطاری ہماری طرف سے ہوگی۔ چنانچہ افطاری کا انتظام نہایت عمدہ طریقے سے شروع ہوا۔ اور آخر تک خدا کے فضل سے جاری رہا۔ دو عشرے گذر گئے۔ پھر تیسرا عشرہ شروع ہو گیا۔ احباب باوجود بہت دُور دور رہنے کے قرآن کریم کا درس سُننے کے لئے کشاں کشاں چلے آتے تھے اور نمازِ عصر کے بعد ہر روز درس ہوتا رہا اور نمازِ جمعہ کے بعد بھی دوستوں کے اصرار پر ایک گھنٹہ قرآن کریم کا درس ہوتا رہا۔

اسی طرح افطاری کا احباب اپنی اپنی باری پر انتظام فرماتے رہے حتیٰ کہ ماہِ صیام گذر گیا اور عید کا چاند نکل آیا۔

عید کی نماز کا وقت ۹ بجے مقرر ہوا تھا۔ مگر فطرہ جمع کرنے کے لئے سوا آٹھ بجے احباب سے پہنچنے کی درخواست کی گئی تھی۔ کیونکہ بعض احباب بہت دُور رہتے ہیں۔ اور انہیں دو دو اور تین تین بسیں بدلنی پڑتی ہیں۔ احباب فطرہ کی ادائیگی کے لئے وقت سے بہت پہلے تشریف لائے تھے۔ ان میں بہت جوش و خروش پایا جاتا تھا اور دوست بہت محظوظ ہوئے اور حیرت کی انتہاء نہ رہی جبکہ بعض دوست آمد و رفت کی [illegible] کی وجہ سے مسجد میں پہنچ بھی نہ سکے اور پھر بھی ہمارے فطرہ عید فنڈ اور مسجد فنڈ کی رقم ۹۱۴ روپے جمع ہوئی۔ ہم نے اپنی رقم میں سے -/874 روپے مرکز کو ارسال کر دیئے۔ باقی مستحق افراد میں تقسیم کر دیئے گئے۔

نمازِ عید کے بعد احباب کے لئے ٹھنڈے مشروب (کوکا کولا) کا انتظام مقامی جماعت کی طرف سے کیا گیا تھا۔ چنانچہ اس پُر مسرت تقریب کے بعد احباب اپنے اپنے گھروں کو تشریف لے گئے۔ مسجد سے احباب کی دُوری کا یہ عالم ہے کہ بعض دوست دوپہر کے وقت گھر پر پہنچے ہوں گے۔

احبابِ سلسلہ سے دُعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالےٰ کے حضور گڑگڑا کر دُعا کریں۔ کہ اللہ تعالےٰ جماعت کے اس دینی ذوق کو قائم و دائم رکھے۔

# درخواستہائے دُعا

— مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب چک $\frac{156}{2-L}$ اوکاڑہ نے مبلغ یکصد روپے بطور صدقہ جمع کرائے ہیں اور احباب جماعت سے اپنے پسر عزیز چوہدری رزاق احمد صاحب کی صحت کاملہ کے لئے دُعا کی درخواست کی ہے۔

— ڈیرہ غازی خاں میں ہماری جماعت کے ایک بزرگ بھائی چوہدری علم الدین صاحب ہیں۔ وہ عرصہ سے بیمار چلے آ رہے ہیں اور کافی کمزور ہو چکے ہیں۔ احباب جماعت سے استدعا ہے کہ اُن کی صحتیابی کے لئے دردِ دل سے دُعا فرمائیں۔

انکے داماد چوہدری نذیر احمد صاحب ریٹائرڈ سب انسپکٹر پولیس لائلپور سے رات کے اندھیرے میں اپنے بھتیجے کی فوتیدگی پر اس کے گاؤں جا رہے تھے کہ راستے میں تین ڈاکوؤں نے انہیں گھیر لیا اور کلہاڑی سے سر پر وار کیا۔ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ ڈاکو ان کی نقدی اور گھڑی اتار کر فرار ہو گئے۔ چوہدری صاحب کے سر پر گہرا زخم آیا ہے کنپٹی کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔ احباب موصوف کی صحتیابی کیلئے بھی دردِ دل سے دعا فرمائیں۔

(باقی برصفحہ ۵ کالم ۲)

ہفت روزہ پیغام صلح ــــ لاہور ــــ مؤرخہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۷۶ء

# معمارِ پاکستان کون؟

میاں طفیل محمدؐ صاحب امیر جماعت اسلامی کے اس بیان پر کہ مولانا مودودی پاکستان کے بانیوں میں سے ایک ہیں کیونکہ مولانا نے نظریہ دیا تھا آج کل ملکی اخبارات اور رسائل میں ایک دلچسپ بحث چھڑی ہوئی ہے۔ اس کی تائید اور مخالفت میں قلمی زور آزمائی کا سلسلہ ابھی تک بڑی شد و مد سے جاری ہے۔ اسی ضمن میں مرزا محمدؐ حسین صاحب نے بھی "تحریکِ پاکستان اور جماعت اسلامی" کے زیرِ عنوان ۲۸ ستمبر ۱۹۷۶ء کے "نوائے وقت" میں ایک مقالہ سپردِ قلم کیا ہے جس میں انہوں نے سلسلہ احمدیہ سے اپنی دشمنی اور عداوت کا حق ادا کرتے ہوئے اپنے اصلی موضوع سے ہٹ کر تحریر فرمایا ہے:

"کہ اس کامرانی کا ایک اعجازی پہلو بھی ہے وہ یہ کہ اس دور کی بعض دینی تنظیمیں بالخصوص منکرین ختمِ نبوت کی مضبوط جمعیت کئی بھیس بدل کر اور گونا گون رُوپوں میں تشکیل پاکستان میں مزاحم ہوتی رہی (یہاں "رہیں" کی جگہ لفظ "رہی" ہی لکھا ہے) اگر کسی نے مذہب کی فریبِ نظر تعبیر کا سہارا لیا تو کسی نے خانہ ساز الہاموں پر تکیہ کر کے قاطع سبیل بننے کی ناکام کوشش کی۔"

ہمیں بہت افسوس ہے کہ بعض کیف پرور زمانہ قریب کی تاریخ کو مسخ کر کے پیش کرنے میں شرم و حیا سے اس طرح منہ موڑ لیتے ہیں جسے دیکھ کر خود شرم بھی شرم سے پانی پانی ہو جائے۔

ہم نے بانیٔ سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؑ کے واحد لائحہ عمل اشاعت اسلام کو سامنے رکھتے ہوئے سیاست کے خار زار میں قدم رکھ کر سیاسی نظریات کی تلخ اور بے نتیجہ بحثوں میں اُلجھنے کی نہ کبھی کوشش کی ہے اور نہ ہی یہ ہمارا مقصد ہے لیکن پے در پے ناانصافیوں کو دیکھ کر ہمارا حوصلہ شکست کھا جاتا ہے اور ہم پتھر کا جواب کم از کم اینٹ سے دینے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں۔ اس حقیقت کو تو حضرت مرزا صاحب کے شدید ترین معاند بھی معترف ہیں کہ آپ کے مدِ نظر سیاسی اقتدار حاصل کرنا نہ تھا۔ چنانچہ جناب پرویز صاحب "طلوعِ اسلام" بابت ماہ مئی ۱۹۷۶ء کے صفحہ ۲۸ پر مودودی صاحب اور حضرت مرزا صاحب کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:—

"مرزا صاحب نے سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی خواہش نہیں کی تھی لیکن مودودی صاحب کا مطمحِ نگاہ حکمرانی کا اقتدار حاصل کرنا ہے چنانچہ وہ ......... "صالحین" سے کہتے ہیں "تم روئے زمین پر خدا کے سب سے زیادہ صالح بندے ہو لہٰذا آگے بڑھو۔ لڑ کر خدا کے باغیوں کو حکومت سے بے دخل کر دو اور حکمرانی کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لو۔"

یہی جاہ طلبی۔ اقتدار پسندی اور خواہش حکمرانی ہے کہ تحریکِ پاکستان کے پس منظر اور اس کے قائدین کی کاوشوں اور جد و جہد سے بے بہرہ نوجوان نسل کے ذہن سے حضرت قائد اعظم علیہ الرحمۃ اور علامہ اقبالؒ کے انمٹ نقوش محو کر کے مودودی صاحب کا نقش اُبھارنے کے لئے انہیں بانیانِ پاکستان میں دوسرا درجہ دلانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں ورنہ یہی مودودی صاحب ہیں جنہوں نے اس وقت جبکہ اسلامیانِ برصغیر سیاسی لحاظ سے موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا تھے یہ فرمایا:—

"جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر مسلم اکثریت کے علاقے ہندو اکثریت کے تسلط سے آزاد ہو جائیں اور یہاں جمہوری نظام قائم ہو جائے تو اس طرح حکومتِ الٰہی قائم ہو جائے گی۔ ان کا گمان غلط ہے۔ در اصل اس کے نتیجے میں جو کچھ ہوگا وہ مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی۔"

قائدینِ تحریک مسلم لیگ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:—

"افسوس کہ لیگ کے قائد اعظم سے لے کر چھوٹے مقتدیوں تک ایک بھی ایسا نہیں جو اسلامی ذہنیت اور اسلامی طرزِ فکر رکھتا ہو اور معاملات کو اسلامی نقطہ نظر سے پرکھتا ہو"۔

یہ اس قائد کے متعلق کہا جا رہا ہے جس نے یہ فرمایا:—

"اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیشِ نظر رہنا چاہیئے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمان کی اور نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآن کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے اور حکمرانی کے لئے آپ کو لا محالہ علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہے۔" (بحوالہ طلوعِ اسلام۔ اگست ۱۹۷۶ء)

یہ تاریخِ مسلم لیگ کے چالیس سالہ قریبی زمانہ کا کس قدر المناک سانحہ ہے کہ وہ جماعتیں اور ان کے قائدین جنہوں نے ہر قدم پر اس تحریک کی راہ میں کانٹے بچھائے۔ مشکلات پیدا کیں۔ اسے ناکام بنانے کے لئے شب و روز سازشوں میں مصروف رہے۔ اسے شکست دینے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا آج ان لوگوں کے سامنے جو ان واقعات کے عینی شاہد ہیں پاکستان کے بانی۔ اس کے ہمدرد اور مخلصین بن کر ان کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی سعی ناکام کر رہے ہیں۔ وہ اپنے اس مقصد میں کامیابی کی اس لئے اُمید لگائے بیٹھے ہیں کہ انہی کی زیرِ زمین کوششوں سے موجودہ نسل کو جس کی عمر اس وقت قریباً قریباً چالیس سال ہے جان بوجھ کر تحریکِ پاکستان کے پسِ منظر سے بے خبر رکھا گیا تاکہ وہ ان کے اس افسوسناک کردار سے ناواقفیت کی بنا پر ان کی طرف سے پیش کردہ نئے موقف کو بلا سوچے سمجھے قبول کرے اور ان کے لئے حکومت پر قبضہ کرنا ممکن ہو جائے۔

راقم الحروف کو ۱۹۳۶ء سے جب وہ اسلامیہ کالج پشاور اور اس کے بعد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا طالب علم تھا مسلم لیگ کے ایک ادنےٰ خادم کی حیثیت سے اس انقلابی تحریک سے وابستگی کا شرف حاصل رہا ہے۔ وہ اس کی برق رفتار اُٹھان اور اس کے برخلاف مخالفتوں کے طوفان کا عینی شاہد ہے اور پورے وثوق سے کہہ سکتا ہے کہ سوائے جماعتِ اسلامی، جمعیت العلمائے ہند۔ مجلسِ احرار۔ خاکسار تحریک۔ نیشنلسٹ مسلمانوں اور یونینسٹوں کے باقی تمام فرقوں کے مسلمانوں نے حتیٰ کہ اس وقت کی کمیونسٹ پارٹی نے بھی جس کے جنرل سیکرٹری مسٹر پورن چند جوشی تھے ہندوستانی اقوام کے حقِ خود ارادیت کے تسلیم کر لینے کا اعلان کیا یہ اور بات ہے کہ مسٹر جوشی کی اس پارٹی سے علیحدگی کے بعد اس کا رنگ بدل گیا۔

راقم الحروف کے کانوں میں آج بھی اِن آوازوں کی مدھم سی بازگشت سنائی دیتی ہے:—

۱— اک "کافرہ" کے واسطے اسلام کو چھوڑا
"یہ کافرِ اعظم" ہے کہ ہے قائد اعظم (مظہر علی اظہر)

۲— علی گڑھ کے طلباء کو "سرسید کی اولاد"۔ "بچۂ شمر"۔ "اولادِ یزید"۔ "ذریتِ شیطان"۔ اور ابلیس کے قبیلہ کے خطابات دیئے گئے۔

(عطاء اللہ شاہ بخاری۔ بحوالہ زمزم وہند)

۳- "پاکستان کے دونوں اجزاء ایک دوسرے سے علیحدہ ہوں گے اور ان کے درمیان ۲۶ کروڑ ہندوؤں کی ایک زبردست حکومت ہوگی جس کے پاس......... جواہر لال ہوگا۔ گاندھی جی مہاراج ہوں گے۔ کالا ناگ راجگوپال اچاریہ ہوگا۔ مالوی جی ہوں گے برخلاف اس کے بنگال۔ پنجاب۔ سندھ اور سرحد کے مسلمان زیادہ ترکمین ہیں یعنی لوہار۔ موچی۔ بڑھئی۔ کسان۔ مزدور۔ حتیٰ کہ پنجاب کے بعض علاقوں میں مسلمان بھنگی کا کام کرتے ہیں......... پشاور والوں کو لنگوٹا امرت سر کی منڈی سے خریدنا پڑتا ہے۔" (عطاء اللہ شاہ بخاری ۲۹؍دسمبر ۱۹۴۵ء)

کیا یہاں "کمین" مسلمانوں کو اپنے ہندو آقاؤں کے زیر سایہ زندگی بسر کرنے کی تلقین نہیں کی جا رہی؟

۴- "میں تمام مسلم جماعتوں بالخصوص قوم پرست مسلمانوں۔ احرار مسلم مجلس وغیرہ کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ وہ ایک جھنڈے کے نیچے (کانگرس کے جھنڈے۔ ناقل) جمع ہو کر آئندہ مرکزی اور صوبجاتی اسمبلیوں کے انتخابات میں مسلم لیگ کا مقابلہ کریں اور بتا دیں کہ مسلمان متحدہ ہندوستان کے علمبردار ہیں۔ مجھے کوئی شبہ نہیں کہ متحدہ ہندوستان کے تصوّر کی پنجاب۔ بنگال۔ سرحد اور سندھ کے مسلمان بڑی تعداد میں تائید کریں گے۔"

(مولانا آزاد - ۱۵؍دسمبر ۱۹۴۵ء)

۵- دیوبند سے جو اسلامی علوم و فنون اور تہذیب کا گہوارہ ہونے کا مدعی ہے مولانا حسین احمد مدنی کی طرف سے متحدہ قومیت کے حق میں یہ نعرہ بلند ہوا کہ قومیں وطن سے بنتی ہیں نہ کہ تبدیلیٔ مذہب سے۔ اسی کے متعلق حضرت علامہ اقبال نے اپنی وہ مشہور فارسی رباعی تحریر فرمائی جس میں ایک مصرع یہ ہے:-

ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبیست

- اسلامیہ کالج لاہور کے وسیع گراؤنڈ میں حضرت قائد اعظم کے جلسہ میں خاکساروں کی طرف سے گڑبڑ پیدا کرنا۔ گاندھی سے ملاقات کے لئے خطوط اور تاروں کا سلسلہ، دھمکی آمیز خطوط۔ بمبئی میں آپ پر قاتلانہ حملہ یہ سارے واقعات ابھی تک ہماری آنکھوں کے سامنے اور تحریک پاکستان اور اس کے قائد کی زندگی پر لکھی گئی تمام کتابوں میں محفوظ ہیں لیکن مخالفین پاکستان بڑی چالاکی سے ان پر کذب و افتراء کا گرد و غبار ڈال کر انہیں نوجوان نسل کی آنکھوں سے اوجھل کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں تاکہ وہ اپنے عزائم میں کامیاب ہو سکیں۔ دیکھئے تاریخ کا دھارا کس طرح مڑ گیا ہے۔ ایک وہ دَور تھا کہ حرم کو صنم خانے سے پاسبان مل گئے اور آج یہ زمانہ آیا ہے کہ حرم کے پاسبانوں نے ہردوار اور بنارس کا رُخ کر لیا۔

اس کے برعکس مرزا محمد حسین صاحب جن "منکرین ختم نبوت" کو پاکستان کی تشکیل میں مزاحم ہونے کا طعنہ دیتے اور عوامی جذبات کو ان کے خلاف بھڑکانے کی مذموم کوشش کر رہے ہیں تعمیر و تشکیل پاکستان کے سلسلہ میں اُن کی مساعی بھی اس کی تاریخ کا ایک حصّہ ہیں جسے مرزا صاحب کا مکر و فریب کبھی محو نہ کر سکے گا۔ ان کا مختصر سا ذکر جناب رئیس احمد جعفری صاحب (ندوی) نے اپنی مشہور تصنیف "قائدِ اعظم اور ان کا عہد" "اصحاب قادیان اور پاکستان" کے زیرِ عنوان ان الفاظ میں تحریر فرمایا ہے:-

"جماعت احمدیہ لاہور کے امیر جناب مولانا محمد علیؒ صاحب (جن کا مشہور انگریزی ترجمہ قرآن عالمگیر شہرت کا حامل ہے) نے ۹؍اکتوبر ۱۹۴۵ء کو متعدد اردو روزناموں کو حسب ذیل تار ارسال فرمایا:-

"آئندہ انتخابات میں جماعت احمدیہ سے تعلق رکھنے والے تمام اصحاب مسلم لیگ کے اُمیدواروں کو ووٹ دیں اور اُن کی ہر ممکن مدد کریں کیونکہ موجودہ وقت بہت نازک ہے اور اگر مسلم لیگ کو شکست ہو گئی تو مدتوں کے لئے مسلمانوں کی قسمت تاریک ہو جائے گی۔"

جب کوئی اخبار مسلم لیگ کا ترجمان نہ تھا تو جماعتِ احمدیہ لاہور کے انگریزی اخبار "THE LIGHT" جو جناب مولانا محمد یعقوب خان صاحب مرحوم کے زیر ادارت شائع ہوتا تھا کے صفحات اس کے موقف کی وضاحت کے لئے ہمیشہ وقف رہے۔ اور قائدِ اعظم ہمیشہ اسے اپنے پاس رکھتے۔

اسی عنوان کے تحت جناب مرزا محمود احمد صاحب کا بیان بھی ان الفاظ میں درج ہے:-

"آئندہ انتخابات میں ہر احمدی کو مسلم لیگ کی پالیسی کی تائید کرنی چاہیئے۔ تاکہ انتخابات کے بعد مسلم لیگ بلا خوفِ تردید کانگرس سے یہ کہہ سکے کہ وہ مسلمانوں کی نمائندہ ہے۔ اگر ہم اور دوسری جماعتیں ایسا نہ کریں گی تو مسلمانوں کی سیاسی حیثیت کمزور ہو جائے گی اور ہندوستان کے آئندہ نظام میں انکی آواز بے اثر ثابت ہوگی اور ایسا سیاسی اور اقتصادی دھکا مسلمانوں کو لگے گا کہ اور چالیس پچاس سال تک ان کا سنبھلنا مشکل ہو جائے گا۔" (۲۱؍اکتوبر ۱۹۴۵ء کے بیان کا مختصر حِصّہ)

ان بیانات پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب جعفری صاحب لکھتے ہیں:-

"مسلم قوم کی مرکزیت۔ پاکستان یعنی ایک آزاد اسلامی حکومت کے قیام کی تائید مسلمانوں کے یاس انگیز مستقبل پر تشویش۔ عامۃ المسلمین کی صلاح و فلاح نجاح و مرام کی کامیابی۔ تفریق بین المسلمین کے خلاف برہمی اور غصّہ کا اظہار کون کر رہا ہے؟ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور جماعت حزب اللہ کا داعی اور امام الہند؟ نہیں۔ پھر کیا شیخ الہند اور دیوبند کا شیخ الحدیث؟ وہ بھی نہیں؟ پھر کون؟ وہ لوگ جن کے خلاف "کفر" کے فتووں کا پشتارہ موجود ہے۔ جن کی نامسلمانی کا چرچا گھر گھر ہے۔ جن کا ایمان۔ جن کا عقیدہ مشکوک۔ مشتبہ اور محل نظر ہے کیا خوب کہا ہے ایک شاعر نے ؎

کام اس فرقۂ زہاد سے اُٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قدح خوار ہوئے"

جس طرح ہندوستانی مسلمانوں نے ہندو تسلّط کے ماتحت اپنی آئندہ زندگی کے خطرات کو بخوبی جانتے ہوئے بھی تحریکِ پاکستان کی بھرپور حمایت کی اسی طرح احمدیوں نے پاکستان میں اپنے متعلق تمام خطرات کو بھانپتے ہوئے بھی اس تحریک کی دامے درمے قدمے اور سخنے پوری پوری مدد کی۔ ایک احمدی بزرگ کی مومنانہ فراست نے تو یہاں تک دیکھ لیا تھا کہ پاکستان میں احمدیوں کے گھر جلیں گے اور ان کی گردنیں کٹیں گی۔ لیکن اگر اس قربانی سے مسلمانوں کو ایک علیحدہ وطن مل سکتا ہے تو ہمیں یہ بخوشی قبول کر لینا چاہیئے۔ آج وہ اس دنیا میں نہیں لیکن ان کی باتیں ۱۹۵۳ء اور ۱۹۷۴ء میں حرف بحرف پوری ہوئیں۔ احمدیوں کے خلاف فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے والے دونوں دفعہ وہی لوگ تھے جنہوں نے پاکستان کی ناخنوں تک مخالفت کی تھی۔

جس طرح فتح مکّہ کے بعد مخالف قبائل نے اپنی تلوار وقتی طور پر نیام میں ڈال کر اسلام کے سیاسی اقتدار کے سامنے اپنے سر جھکا دیئے تھے لیکن آنحضرت صلعم کے اس دُنیا سے رُخصت ہوتے ہی فتنہ و فساد اور بغاوت کی آگ بھڑکائی بعینہٖ اسی طرح جب کامیابی نے قائدِ اعظم علیہ الرحمۃ کی

تیلات میں مسلم لیگ کے قدم چومے اور مخالفین کے ارادے خاک میں مل گئے تو انہوں نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا مگر ان کے سینوں میں اپنی ناکامیوں کی وجہ سے بغض و حسد کی چنگاریاں سلگتی رہیں۔ جب قائد اعظم اور آپ کے بعد قائدین مسلم لیگ یکے بعد دیگرے اس دنیا سے رخصت ہوتے گئے تو انہوں نے پر پرزے نکالنے شروع کر دیئے اور اپنے سابقہ آقاؤں کے اشارون پر مملکت پاکستان کو اندرونی طور پر کھوکھلا کرنے اور بالآخر ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی غرض سے گاندھی کے حربوں کو کام میں لاتے ہوئے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے دست و گریبان کرنے کے لئے "نظام اسلام"۔ "نظام مصطفےٰ"۔ "نفاذ شریعت" اور "اسلامی نظام" کے علیحدہ علیحدہ نعرے لے کر سادہ لوح عوام کو پھانسا دینے کے لئے میدان میں نکل آئے۔

یاد رکھئے یہ پاکستان سے اپنی نامرادیوں کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔ یہ اس ملک میں "شریعت محمدیؐ" نہیں بلکہ گاندھی اور نہرو کی شریعت قائم کرنا چاہتے ہیں ورنہ یہ مختلف پلیٹ فارموں سے الگ الگ نعرے کیوں؟ کیا یہ سب نعرے ایک ہی نعرہ "نفاذ شریعت محمدیؐ" میں نہیں سما سکتے۔

پاکستان قائم رہنے کے لئے بنا ہے اور انشاءاللہ بد اندیشوں کے مذموم ارادوں کے باوجود دنیا کے نقشے پر یہ سبز ہلالی پرچم لہراتا رہے گا۔ لیکن یہ اپنے متقدمین کی طرح اقتدار کی آرزو لئے اس دنیا سے ایک ایک کر کے رخصت ہو جائیں گے اور یاس و ناامیدی۔ حسرت و ناکامی کے مرجھائے پھولوں کی چادریں اُن کے مدفنوں کی زینت ہوں گی۔ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُونَ (۲۱:۶)

ہم مرزا محمد حسین صاحب اور ان کے گروہ سے متعلق دوسرے احباب گرامی کی خدمت میں التجا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے زخم نہ کریدیں اور ان پر نمک پاشی کرنے سے گریز فرمائیں ورنہ واقعات کے آئینہ میں اگر انہیں اپنی صورت دیکھنی پڑی تو اپنا سا منہ لیکے رہ جائیں گے۔

ہم تو امام وقت حضرت مرزا غلام احمدؒ کے اس ارشاد کے مطابق کہ:—

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا قائل اور یقین کامل سے جانتا ہوں اور اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آنجناب کے بعد اس اُمت کے لئے کوئی نبی نہیں آئے گا نیا ہو یا پرانا۔"

کسی نبی کے آنے کے قائل نہیں۔ ہمارے خلاف یہ فیصلہ کہ ہم کسی نئے نبی کے آنے کے قائل ہیں اور اس طرح اُمتِ مسلمہ سے خارج ہیں قرآن اور سُنت کے خلاف مٹھی بھر انسانوں کا سیاسی فیصلہ ہے جو دشمنان پاکستان کے دباؤ میں آکر کیا گیا ہے لیکن فیصلے وہی اٹل ہوتے ہیں جو آسمان پر کئے جاتے ہیں۔ اور ہم اُسی فیصلہ کے منتظر ہیں۔ اور اگر خدا زندہ ہے اور ضرور ہے تو وہ ہو کر رہے گا اسے کوئی نہیں ٹال سکتا۔

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دُعا کردن
اجابت از درِ حق بہر استقبال مے آید

---

نوٹ: صحتِ بیان کے لئے اس مضمون میں حوالے طلوع اسلام مئی اور اگست ۱۹۷۶ء اور "قائد اعظم اور ان کا عہد" مصنفہ سید رئیس احمد جعفری (ندوی) سے دیئے گئے ہیں۔ (مدیر)

---

# قارئین کرام مطلع رہیں

## ہفت روزہ پیغام صلح کا

# حضرت مولانا محمد علیؒ نمبر

جیسا کہ قبل ازیں اعلان کیا جا چکا ہے۔ مورخہ ۲۷ر اکتوبر ۱۹۷۶ء کا اینتورع حضرت امیر مرحوم نمبر، ۲۴ر صفحات پر مشتمل ہوگا اس لئے ۲۰ر اکتوبر کا پرچہ شائع نہ ہوگا۔

اس خاص نمبر کے لئے جو صاحب قلم احباب حضرت امیر مرحوم کی سیرت و کردار پر اپنے مضامین بھیجنا چاہیں وہ اپنے مضامین براہِ مہربانی جلد از جلد بھجوا دیں۔ تاکہ بر وقت شائع ہو سکیں۔ (ادارہ)

---



---

# اخبارِ احمدیہ

بسلسلہ صلہ ۲

**سانحہ ارتحال** مولوی عبدالرحمان صاحب پکھی (ہزارہ) سے تحریر فرماتے ہیں کہ:— "میری ہمشیرہ ۲۱ر ستمبر ۱۹۷۶ء کو اچانک حرکتِ قلب بند ہو جانے کی وجہ سے انتقال کر گئی ہیں انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مرحومہ پابند صوم و صلوٰۃ تھیں۔ سالہا سال سے نمازِ تہجد و نمازِ اشراق نہایت التزام سے پڑھتی تھیں۔ پیرانہ سالی کے باوجود نمازوں سے کبھی غافل نہ ہوئیں۔ اپنی وسعت سے بڑھ کر مخیر اور فیاض تھیں۔ صرف میں ہی مرحومہ کی شفقت بھری دعاؤں سے محروم نہیں ہوا بلکہ انکے فرزندان حبیب الرحمان اور عبدالقیوم بھی اپنی ماں کی آغوشِ شفقت سے محروم ہو گئے ہیں۔ دِل غمگین ہے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ القلب یحزن والعین تدمع ولا نقول الا ما یرضٰی بہ اللہ۔ اللھم اغفرھا وارحمھا وادخلھا فی جنت نعیم"

احباب جماعت سے نمازِ جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

(۲)۔ مولوی احمد گل صاحب مسلم ٹاؤن لاہور سے اطلاع دیتے ہیں کہ: جماعت کے مخلص دوست مکرم چوہدری محمد عبداللہ صاحب (جو پہلے راولپنڈی میں رہائش پذیر تھے اور اب لاہور منتقل ہو گئے ہیں) کچھ عرصہ سے بیمار ہیں۔ بخار کی شدت میں اُٹھنے کی کوشش میں ایک بار چارپائی سے گر گئے۔ کچھ چوٹیں بھی آئیں۔ نقاہت اور کمزوری زیادہ ہے۔ ان کی صحت کاملہ کے لئے احباب سے دردمندانہ دعا کی درخواست ہے۔

(۳) مکرم چوہدری فضل داد صاحب پنشنر گجرات چیف ایڈیٹر صاحب پیغام صلح کے نام اپنے ایک تازہ خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ: "پیغام صلح میں نمایاں تبدیلی آگئی ہے

(باقی بر صلہ کالم ۲)

# اللہ تعالیٰ تمہیں ماں باپ۔ اقربا۔ دور و نزدیک کے پڑوسیوں اور یتیموں مسکینوں اور مسافروں کے ساتھ احسان کا حکم دیتا ہے اور انہی احکامِ الٰہی کی تعمیل سے دنیا میں جنت مثالِ اسلامی معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔

## خطبہ جمعہ۔ مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۷۶ء۔ فرمودہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ۔ جامع احمدیہ۔ احمدیہ بلڈنگس لاہور

واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئاً و بالوالدین احسانا و بذی القربیٰ والیتمیٰ والمسٰکین والجار ذی القربیٰ والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل و ما ملکت ایمانکم ان اللہ لا یحب من کان مختالاً فخورا ہ ........

.............. وکان اللہ بھم علیما ہ ——— (النساء۔ ۳۶ تا ۳۹) ———

فرمایا:۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اعبدوا اللہ۔ اللہ کی عبادت کرو اور اسی کی فرمانبرداری کرو۔ ولا تشرکوا بہ شیئاً اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو۔ اور آگے فرمایا و بالوالدین احسانا ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔ و بذی القربیٰ۔ اور قریبیوں کے ساتھ بھی نیک سلوک کرو والیتامیٰ والمساکین۔ یتیموں اور مسکینوں کا خیال بھی رکھو۔ یعنی ان کی پرورش کرو۔ آگے کی آیات کا مطلب یہ ہے کہ قرابت داروں، نزدیک و دور کے پڑوسیوں، پاس بیٹھنے والوں اور مسافروں اور ماتحتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فخر کرنے والوں اور تکبر کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں فرماتا۔

اللہ تعالیٰ نے جو مال اپنے فضل سے تمہیں دیا ہے اسے نیک کاموں پر خرچ کرنے میں بخل سے کام نہ لو۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خفیہ خرچ کرو اور اعلانیہ بھی۔ کچھ لوگ دولت کو چھپاتے ہیں۔ تاکہ غرباء و مساکین پر کچھ خرچ نہ کرنا پڑے۔ فرمایا: میں نے مال تو اس لئے دیا تھا کہ میری راہ میں خرچ کریں۔ مگر یہ خرچ کرنا نہیں چاہتے۔

صحابہ کرامؓ نے مالی قربانی کی بڑی اعلیٰ مثالیں قائم کی ہیں۔ انہوں نے قومی ضرورت کے ہر موقع پر حضورؐ کے قدموں میں اپنا مال ڈھیر کر دیا۔ علاوہ ازیں صحابہؓ غرباء پر اپنے اموال خود بھی خرچ کرتے تھے۔ اور حضورؐ کا انفاق فی سبیل اللہ کے سلسلہ میں اپنا یہ ولولہ تھا کہ گھر میں مال رکھتے ہی نہ تھے۔ اور فوراً اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے تھے۔ والدین کی خدمت کرنے اور ان پر احسان کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

صحابہ کرامؓ کا بلند نمونہ دیکھو۔ وہ مال بھی پیش کرتے تھے اور جانیں بھی فدا کرتے تھے۔ کسی نے پوچھا ما الاسلام یا رسول اللہ۔ فرمایا العظمت لامر اللہ والشفقت علیٰ خلق اللہ۔ احکامِ الٰہی کی تعمیل اور خلقِ خدا کی خدمت۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو خدا کے دیئے ہوئے مال سے نیکی کے کاموں پر خرچ کرتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے اپنی توحید کے معاً بعد والدین اور رشتہ داروں کا ذکر فرمایا ہے، پھر مسافر، اجنبی اور راہگیر کو رکھا ہے۔ ملازموں اور ماتحتوں سے حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے۔ اسلام دنیا کو انسانیت کا سبق سکھانے کے لئے آیا ہے۔ بانیٔ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت میں اخلاقِ الٰہی کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کے احکام پروا نہیں کرتے اور نافرمانی کرتے ہیں۔ ان کے لئے دنیا و آخرت میں دکھ کا عذاب ہے۔

پس خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اپنا مال خرچ کرو۔ خود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعلیٰ درجہ کا نمونہ قائم کیا ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ دیکھو! خدا تعالیٰ قدر کرنے والا ہے۔ اس کی راہ میں خرچ کرنے سے دریغ نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی توفیق دے۔

اس علام الغیوب نے انسانوں سے حسنِ سلوک کی تعلیم دے کر کل مخلوقات سے اچھا برتاؤ کرنے پر توجہ دلائی۔ حیوان بھی انسان کی نیکی کے محتاج ہیں اس طرح کہ ان کی برداشت کے مطابق ان پر کام کی مشقت ڈالی جائے۔ اور ان کی اچھی طرح دیکھ بھال بھی کی جائے۔ خدائے پاک انسان تو انسان، حیوانوں پر بھی رحم کرنا سکھاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ساری باتیں اپنے ساتھیوں میں پیدا کر کے دکھا دیں۔ اور دیکھتے دیکھتے عربوں ایسی سنگ دل اور اجڈ قوم شفقت علیٰ خلق اللہ کا مظہر بن گئی۔ حضور صلعم نے اس قوم میں خدائی احکام پر عمل کرنے کا ایک جذبہ اور ولولہ پیدا کر دیا۔ جس نے قرآنی تعلیمات پر عمل کر کے زندگی کے ہر پہلو میں ایک عمدہ نمونہ اپنے پیچھے چھوڑا۔ حضور صلعم کا وجود ساری دنیا کے لئے رحمت ہے۔ آپ کی لائی ہوئی تعلیم بڑی موثر اور قابلِ عمل ہے۔ اسی کے ذریعہ کردار کی تعمیر ہوتی ہے۔ اور اسلام کی تعلیم کا مقصد ہی انسانی کردار میں بلندی پیدا کرنا ہے۔

حضور صلعم نے ایک اکھڑ اور ناخدا ترس قوم کو بلند کردار اور باخدا قوم بنا دیا اور یہی حضورؐ کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔ حضورؐ کی حیاتِ طیبہ اور انفاسِ قدسیہ نے مردہ دلوں کو زندگی بخشی۔ آپ کی رحمت، شفقت اور محبت نے جان کے دشمنوں کو بھی اپنا گرویدہ اور جاں نثار بنا لیا۔ حضورؐ کے بے نظیر عفو و رحم میں ہمارے لئے بھی ایک سبق ہے۔ کہ ہم بھی اپنے سینوں کو وسیع کریں، اور ہر ایک سے نیک سلوک کر کے اسوۂ رسول صلعم کو اپنے عمل سے تازہ کر دیں۔

## اخبارِ احمدیہ ——— بسلسلہ ص ۵

اور یہ پروفیسر صاحب (ایڈیٹر) کے زورِ قلم اور خصوصی توجہ اور محنت کی وجہ سے ہے۔ غلام احمد پرویز کے سلسلہ میں پروفیسر صاحب کا مضمون بڑا پُر زور، مدلل، اور اثر انگیز ہے۔ اور یہ بڑا مبارک قدم ہے۔ میری استدعا ہے کہ تبلیغ جماعت کے سلسلہ میں بھی مضامین شائع کئے جائیں۔

**وفات** پشاور سے ریٹائرڈ کیپٹن عبدالواحد صاحب، جنرل سیکرٹری صاحب کی خدمت میں تحریر فرماتے ہیں:۔

نہایت ہی افسوس اور دلی قلق کے ساتھ اطلاع دی جاتی ہے کہ ہماری جماعت کے بہت پرانے رکن ماسٹر محمد اسحاق صاحب (زروبی) ۱۹ ماہ ستمبر کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ ان کی صحت بہت اچھی تھی لیکن وفات اچانک حرکتِ قلب بند ہونے سے واقع ہوئی ہے۔ نماز ظہر کے لئے وضو کر کے اٹھے تو گر پڑے۔ بمشکل چارپائی پر انہیں ڈالا گیا مگر ان کی روح قفسِ عنصری سے نکل کر اپنے مولیٰ کو جا ملی۔ نماز جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔ مرحوم انتہائی مشکلات کے باوجود جماعت کے ساتھ وابستہ رہے اور ماہوار چندہ باقاعدگی سے ادا کرتے رہے۔ گاؤں میں اکیلے تھے لیکن اپنے اعلیٰ اخلاق اور راستبازی کی بنا پر بہت عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ رمضان میں تراویح کے ساتھ ساتھ نماز تہجد پابندی سے ادا کرتے تھے اور باقی سال میں سوائے علالت کے

مکرم علامہ شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب

# مُتقی کی علامات اور ان کا سیّدنا حضرت مرزا صاحب کے وجود میں ہی نمایاں طور پر پایا جانا

## قرآنی علاماتِ تقویٰ

آپ کے عمل سے کامل تقویٰ کا ثبوت دینے کے بعد اب میں ان علامات سے آپ کے کامل تقویٰ کا ثبوت دیتا ہوں جو قرآن کریم میں خدائی وعدہ کے طور پر کامل تقوے کے ساتھ جزو لاینفک کے طور پر پیش کی گئی ہیں اور وہ بیس ہیں یا بالفاظ دیگر یہ بیس انعامات ہیں جن کے اس دُنیوی زندگی میں ہی دینے کا وعدہ اللہ تعالےٰ نے اس کے ساتھ کیا ہے جس کا دِل تقویٰ کے نُور سے منوّر ہو چکا ہوتا ہے اور وہ مندرجہ ذیل ہیں:—

(۱) علم (۲) معیتِ الٰہی (۳) ولایت الٰہی (۴) رزق بغیر حساب — (۵) ملائکہ کی امداد (۶) ہدایت (۷) فلاح (۸) اللہ تعالےٰ کی محبوبیت (۹) سیّئات کا اس سے دُور ہونا (۱۰) خوف اور حزن سے آزاد ہونا (۱۱) برکاتِ آسمانی کے دروازوں کا اس پر کھُل جانا (۱۲) بصیرت میں ترقی (۱۳) فرقان کا ملنا (۱۴) رحمتِ الٰہی کے دروازوں کا اس پر کھُلنا — (۱۵) زمین و آسمان سے اس کے لئے نشانوں کا دکھلائے جانا (۱۶) بشارتوں کا ملنا اور قبولیّت دُعا (۱۷) اس کے دشمنوں کے منصوبوں کا ناکام بنایا جانا اور ان کے ضرر سے اس کا محفوظ رہنا (۱۸) اس کے دشمنوں پر عذابِ الٰہی کا نازل ہونا (۱۹) مقابلہ میں انجام کار اس کا کامیاب رہنا (۲۰) مسیح موعود جیسے قیامت خیز زلزلہ کی شکل میں دُنیا کا ہلاکت یا عذاب شدید میں مبتلا ہونا۔

اگر تمام دُنیا کے علماء و فضلاء و مشائخ اور صوفیوں کے مقابل میں حضرت سیّدنا مرزا صاحبؑ میں مندرجہ بالا علامات ایسے رنگ میں پائی گئیں ہیں کہ ان کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکا تو دُنیا لاکھ ان پر اعتراض کرے اور ان کے تقوے کو معرضِ بحث میں لائے۔ خدا کے نزدیک آپ کامل متقی ہیں۔ اور ان کا نکتہ چین یقیناً خطاکار اور الٰہی گرفت کے نیچے ہے۔ ان علامات کی موجودگی صرف سیّدنا حضرت مرزا صاحب کو ہی کامل متقی ثابت نہیں کرتی بلکہ قرآن کریم کے متجاب اللہ ہونے اور حضرت نبی کریم صلعم کے خاتم النبیین ہونے پر بھی ایک زبردست شہادت کا کام دے رہی ہے کاش کوئی سنجیدگی سے غور کرنے والا ہو۔

## پہلی علامت

پہلی علامت جیسا کہ مَیں نے لکھا ہے علم ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے واتقوا اللہ ویعلمکم اللہ۔ یعنی اے مومن کہلانے والو خدا کا تقوےٰ اختیار کرو، خدا تعالےٰ تمہیں علم سکھلائے گا۔ قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شخص کو خدا دُنیا میں اصلاحِ خلق کے لئے اپنا خلیفہ بنا کر بھیجنا چاہتا ہے۔ اس کو اپنے تمام ہمعصروں پر علمی لحاظ سے برتری بخشتا ہے جیسا کہ آدم اور ملائکہ کے قِصّہ سے واضح ہے۔ ملائکہ کو آدم کے سامنے اگر اپنی شکست کا اعتراف کرنا پڑے تو اس وجہ سے کہ آدم کو خداوند تعالےٰ نے وہ علم عطا کیا جس سے ملائکہ تہیدست تھے یہ قِصّہ اسی حقیقت کو ذہن نشین کرانے کے لئے بیان کیا گیا ہے کہ خلیفۃ اللہ فی الارض کے علم کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا نہ ظاہری علوم کے ماہرین اور نہ باطنی علوم کے مُدعی کیونکہ اس کا معلّم خود اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اور اسی نے اس کو اس زمانہ کی ضرورت کے لحاظ سے معرفت کے بلند ترین مقام پر کھڑا کیا ہوتا ہے۔ اس لئے ابلیس کی طرح انا خیر منہ کا نعرہ لگاتے ہوئے اس کے سامنے کسی کو اکڑنا نہیں چاہیئے بلکہ ملائکہ کی طرح سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم کہتے ہوئے اس کے سامنے جُھک جانا چاہیئے اور اسی راہ پر قدم مارنا چاہیئے جس پر وہ مار رہا ہے کیونکہ وہی راہ اس وقت خُدا تک پہنچانے والی راہ ہے جو اس کے قرب کی نعمت سے متمتع کرنے والی ہوتی ہے۔ اس سے الگ رہنے والا بجز اس کے کہ محرومی کا منہ دیکھے اور اس کے حِصّہ میں کچھ نہیں آتا۔

چونکہ خاتم النبیین کے بعد اب کسی شخص کے مستقل طور پر خلیفۃ اللہ بننے کا امکان نہیں رہا اس لئے کسی نئے علم نئی معرفت اور نئی ہدایت کے نازل ہونے کا امکان بھی نہیں رہا۔ کیونکہ قرآن کریم تمام انسانی ضرورتوں کو پُورا کرنے والا تمام علوم تمام معرفت کی راہوں اور تمام ہدایتوں پر حاوی ہے اس سے باہر اب کچھ نہیں اس لئے اب جو خلیفہ بنے گا وہ چونکہ سورۃ نُور کی آیت استخلاف کے ماتحت ہی حضرت نبی کریم صلعم کے اُمتی ہونے کی حیثیت سے ہی بنے گا۔ اس لئے ضرورتِ زمانہ کے لحاظ سے اس پر قرآن کریم کے علوم ہی کھولے جائیں گے اور وہ آیت وآخرین منھم لما یلحقوا بھم کے ماتحت رسول کریم صلعم کے علوم کا ہی وارث ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وننزل من القراٰن ما ھو شفاء ورحمۃ للمؤمنین یعنی ہم اسی قرآن میں سے ہی وہ علوم اتارتے رہیں گے جو مومن کہلانے والے یا مُومن بننے والوں کے لئے شفاء اور رحمت ثابت ہوں گے اور اس کی طرف آیت الرحمٰن علّم القراٰن اور آیت ثم ان علینا بیانہ اشارہ کر رہی ہیں، یعنی قرآن کے علوم کی عطا اور اس کی حقیقت سے کسی کو آگاہ کرنے کے کام کو اللہ تعالےٰ نے اپنے ہاتھ میں ہی رکھا ہوا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بوجہ پاک چشمہ سے نکلے ہوئے ہونے کے اس کے علوم کا نزول بھی پاک دِل پر ہی ہو سکتا ہے، جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے لا یمسہ الا المطھرون واتقوا اللہ ویعلمکم اللہ اور کسی کی پاکیزگی اور تقویٰ کا علم خُدا کے سوا اور کسی کو ہو نہیں سکتا اس لئے جب اللہ تعالےٰ کسی کے دل کو تقوےٰ اور پاکیزگی سے لبریز پاتا ہے تو اس پر قرآنی علوم کی بارش کر دیتا ہے اور اسے نبی کریم صلعم کا وارث بنا دیتا ہے۔ جیسا کہ خود حضرت نبی کریم صلعم نے فرمایا العلماء ورثۃ الانبیاء اور علماء اُمتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ پس نبی کریم صلعم کے بعد اب قرآن کریم کے علوم ہی ہیں جن میں کسی خلیفہ کو اپنے ہم عصروں پر برتری حاصل ہو سکتی ہے پس اگر یہ ثابت ہو جائے کہ سیّدنا حضرت مرزا صاحبؑ کو قرآنی علوم میں دیگر علماء زمانہ پر برتری حاصل تھی تو ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ وہ نبی کریمؐ کے خلیفۂ برحق تھے اور تقوےٰ اور تطہیر کے زیور سے مکمل طور پر آراستہ تھے اور ارشاد نبویؐ الامام جنۃ یقاتل من ورائہ کے ماتحت اسی کی راہ پر گامزن ہونے سے ایک طرف شیطانی حملوں کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے اور دوسری طرف ارشاد نبویؐ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین کے ماتحت آپ کی راہ پر قدم مارنے سے ہی قربِ الٰہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔

## ظاہری علوم کی فرومائیگی

قرآنی علوم میں سیّدنا حضرت مرزا صاحبؑ کی برتری کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے کہ آپ کے زمانہ کے علماء علومِ ظاہرہ کے ہتھیاروں سے پُوری طرح مسلح تھے اور انہوں نے ان علوم کی تحصیل پر عُمر کا کافی حِصّہ صرف کیا ہوا تھا۔ مروّجہ علومِ دینیہ یعنی تفسیر، حدیث، فقہ، عِلم کلام وغیرہ سے انہیں کماحقّہٗ واقفیت تھی علوم عربی یعنی ادب صرف و نحو فصاحت و بلاغت وغیرہ میں بھی انہیں خوب دسترس حاصل تھی اور ان کے بالمقابل سیدنا حضرت مرزا صاحبؑ تمام ان ظاہری علوم سے

قریباً قریباً کو رہے تھے اور خود علمائے زمانہ کو بھی اس کا اقرار تھا اور اسی وجہ سے وہ انہیں ہمیشہ اپنے مقابلہ میں جاہل قرار دیتے اور طنزاً عالم یا مولوی کی بجائے انہیں ہمیشہ منشی کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ لیکن باوجود اس کے قرآنی علوم میں مقابلہ کے وقت ان علماء نے ہمیشہ منہ کی کھائی اور سخت ذلت اور رسوائی کے ساتھ پسپا ہوئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سیدنا حضرت مرزا صاحب کے مقابلہ میں آتے ہی ان کے سینوں اور دماغوں سے ان کے تمام علوم کوئی نکال کر لے جاتا ہے۔ اور اس کے بالمقابل سیدنا حضرت مرزا صاحبؑ کی قلم سے حقائق و معارف کا دریا بہتا ہوا نظر آتا تھا جو پڑھنے والوں کیلئے اطمینانِ قلب کا باعث بنتے اور سینوں کے اندر سکینت پیدا کر دیتے اور جس کو پڑھ کر دل لذت و سرور سے اُچھل اُچھل پڑتے۔

**حضور کا کشف** فرماتے ہیں:—

"ایک رات میں کچھ لکھ رہا تھا کہ اسی اثنا میں مجھے نیند آگئی اور میں سو گیا اس وقت میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپ کا چہرہ بدرِ تام کی طرح درخشاں تھا۔ آپ میرے قریب ہوئے۔ اور میں نے ایسا محسوس کیا کہ آپ مجھ سے مصافحہ کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے مجھ سے مصافحہ کیا۔ اور میں نے دیکھا کہ آپ کے چہرے سے انوار نمودار ہوئے اور میرے اندر داخل ہو گئے میں ان انوار کو ظاہری روشنی کی طرح پاتا تھا۔ اور یقینی طور پر سمجھتا تھا کہ میں انہیں محض رُوحانی آنکھوں سے نہیں دیکھ رہا ہوں۔ اور اس مصافحہ کے بعد میں نے نہیں دیکھا کہ آپ مجھ سے الگ ہوئے ہیں اور نہ ہی یہ دیکھا کہ آپ تشریف لے گئے اس کے بعد مجھ پر الہام الٰہی کے دروازے کھول دیئے گئے اور میرے رب نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔ یا احمد بارک اللہ فیک الخ۔ (تذکرہ صہ۳۱)

یہ کشف ۱۸۸۲ء کا ہے۔ اس کشف سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلعم کے علوم اور آنحضور صلعم کے کمالاتِ روحانیہ کے وارث کے لئے جس یگانگت تامہ کی ضرورت ہوتی ہے وہ آپ کے وجود میں بدرجہ اتم پیدا ہو گئی یعنی دونوں کے درمیان سے دوئی کا وجود اُٹھ گیا اب آپ حضرت نبی کریم صلعم کے بروزِ کامل ہو کر آنحضور صلعم کے اسم مبارک احمد اور محمد کے نام سے پکارے گئے اور ان ناموں کے ساتھ پکارے جانے سے سلسلہ الہامات کا آغاز ہو گیا۔ ان الہامات سے میں ذیل میں ان چند الہامات کو درج کرتا ہوں جن کا تعلق علم سے ہے۔

**اس سلسلے کے الہامات۔ پہلا الہام** الرحمٰن علم القرآن یعنی رحمان نے تمہیں قرآن سکھلایا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ثم ان علینا بیانہ کے وعدہ کے مطابق اس زمانہ کی ضرورت جن علوم قرآنیہ کے نزول کی متقاضی ہے۔ وہ تجھے سکھا دے گا جیسا کہ آدم اور ملائکہ کے قصہ سے ظاہر ہے، کہ جس کو خدا سکھلاتا ہے اس کے علم کا مقابلہ دوسرے لوگ ہرگز نہیں کر سکتے پس اس الہام میں اشارۃ النص کے طور پر یہ پیشگوئی بھی مضمر ہے کہ مسلمانوں کے علماء کیا اور دوسرے مذاہب کے علماء کیا کوئی بھی آپ کے علوم کا مقابلہ نہیں کر سکے گا چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔ اس کا ثبوت جلسہ مذاہب اعظم میں مل گیا۔

اس کے ساتھ الہام کے یہ الفاظ ہیں: لتنذر قوما ما انذر آباؤھم و لتستبین سبیل المجرمین یعنی ان علوم کو دینے کی غرض یہ ہے کہ تو ان لوگوں پر اتمامِ حجت کر کے ان کو متنبہ کر دے کہ جس راہ پر تم چل رہے ہو وہ ہلاکت کی طرف لے جانے والی راہ ہے۔ اور تاکہ ان علوم کے ذریعہ ان لوگوں کی راہ بھی اہلِ دنیا پر واضح ہو جائے جو خدا سے قطع تعلق کرنے والے اور اس سے دُور و مہجور ہیں۔ چنانچہ خدا کے عطا کردہ علوم قرآنیہ کے ذریعہ آپ نے دنیا پر ثابت کر دیا کہ اسلام کے سوا باقی تمام مذاہب کی موجودہ تعلیم گمراہی کی طرف لے جانے والی ہے۔ اور اسی طرح مسلمانوں کے عقائد کے متعلق بھی وضاحت سے ثابت کر دیا کہ ان میں بھی غلطیاں راہ پا چکی ہیں۔ اور جب تک یہ ان کی اصلاح نہیں کریں گے قربِ الٰہی کی نعمت سے محروم رہیں گے۔

**دوسرا الہام** کل برکۃ من محمد صلعم فتبارک من علم و تعلم یعنی جو برکت تجھے ملی ہے وہ محمد صلعم سے ہی ملی ہے۔ پس معلم اور متعلم دونوں ہی با برکت ہیں۔ سورۃ جمعہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم اٰیاتہٖ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ و ان کانوا من قبل لفی ضلال مبین و اٰخرین منھم لما یلحقوا بھم و ھو العزیز الحکیم۔ یعنی حضرت نبی کریم صلعم تو اس وقت اپنے صحابہ کرامؓ پر قرآن کی آیات پڑھتے اور انہیں پاک کرتے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتے ہیں۔ لیکن آپ کی یہ تعلیم اس زمانہ تک ہی محدود نہیں بلکہ آنے والی نسلوں کے قابل لوگوں پر بھی آیاتِ قرآنیہ پڑھیں گے انہیں پاک کریں گے ان کو بھی کتاب اور حکمت سکھلائیں گے گویا ان میں بھی یہ سلسلہ تعلیم و تعلم جاری رہے گا ہاں ان آنے والوں میں ایک شخص فارسی النسل ایسا بھی ہوگا جو خصوصیت کے ساتھ اس آیت کا مصداق ہوگا وہ رسول کریم صلعم کی قوت تزکیہ سے مزکی بنے گا اور رسول کریم صلعم سے کتاب اور حکمت سیکھے گا اور اس کے متعلق احادیث میں آیا ہے کہ وہ ایمان کو ثریا سے زمین پر لائے گا۔ پس حضرت مرزا صاحب کا مندرجہ بالا الہام اسی حدیث کے مضمون کی صحت کو عملی طور پر ثابت کر رہا ہے آپ مسلمانوں کے مسلمہ سلسلوں میں سے کسی سلسلہ میں داخل نہ تھے کسی ولی سے آپ نے فیض روحانی نہیں لیا بلکہ براہ راست نبی کریم صلعم سے علم کتاب و تزکیہ قلب حاصل کیا اسی لئے فرماتے ہیں:

دگر استاد را نامے ندانم ⁛ کہ خواندم در دبستانِ محمد

**تیسرا الہام** یقولون انّٰی لک ھٰذا انّٰی لک ھٰذا ان ھٰذا الا قول البشر و اعانہ علیہ قوم اٰخرون۔ یعنی تیرے علوم کی گہرائیوں اور تیرے بیان کردہ معارف و حقائق کو دیکھ کر علماء زمانہ دنگ رہ جائیں گے اور حیرت زدہ ہو کر کہیں گے کہ یہ علوم تجھے کہاں سے ملے تم نے تو ہماری طرح علومِ عربیہ و دینیہ کو حاصل نہیں کیا پھر تم کہاں سے یہ معارفِ قرآنیہ بیان کرتے ہو۔ ضرور ان حقائق کے لکھنے میں دوسرے لوگ تیری مدد کرتے ہیں یہ ایک انسان کا کام نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس الہام میں مندرج پیشگوئی بھی صفائی سے پوری ہوگئی آپ کے بیان کردہ علوم نے فی الحقیقت دُنیا کو محوِ حیرت کر دیا۔

**چوتھا الہام** یا احمد فاضت الرحمۃ علیٰ شفتیک یعنی جو کلام تیرے ہونٹوں سے نکل کر آئے گا، وہ دنیا کے لئے رحمت ثابت ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ہزاروں لوگوں نے آپ کے منہ سے نکلے ہوئے کلمات طیبہ سے فائدہ اُٹھایا اور ان سے اپنی رُوحانی بیماریوں کا علاج کیا اس سے بھی بڑھ کر روحانی سلوک کی منازل بھی طے کیں۔

**پانچواں الہام** فاکتب و لیطبع و یرسل فی الارض یعنی ان علوم کو تحریر میں لا کر انہیں چھپوایا جائے۔ اور پھر انہیں دنیا میں بھیجا جائے چنانچہ خدا تعالیٰ نے اس حکم کو معرضِ عمل میں لانے کی توفیق اس طرح آپ کو دی کہ ایک جماعت مخلصین کی آپ کو عطا کر دی۔ جس نے اپنے اموال کی قربانی سے کتب کو چھپوا کر دنیا میں پھیلا دیا ورنہ آپ تنہا کس طرح اس کام کو کر سکتے تھے قلوب کا اس طرف متوجہ ہو جانا بھی محض نصرت الٰہی سے ہوتا ہے۔

**چھٹا الہام** املوا یعنی ان تمام پیشگوئیوں کو لکھ لو تا جب یہ پُوری ہوں

(باقی بر صفحہ ۱۰ کالم ۲)

محترم میرزا مسعود بیگ صاحب ایم اے لاہور گاہے گاہے باز خواں ......

# سیرتِ عمرؓ کے چند اوراق

## درویشی و پادشاہی کا مرقع

کا خاص جوہر عطا کیا گیا تھا اور وہ ایسے صائب الرائے تھے کہ بسا اوقات ان کی رائے کے مطابق ہی رسول اکرمؐ پر وحی نازل ہوتی۔ آپ سلطنت کے تمام ضروری امور میں مسلمانوں سے مشورہ لیتے اور مجلس شوریٰ اتفاق رائے سے جو بات طے کرتی اسی کو اختیار فرماتے۔ جس روز کوئی مشورہ طلب امر سامنے آ جاتا آپ نقیب کو منادی کا حکم دیتے۔ وہ الصلوٰۃ جامعہ کی منادی کرتا۔ لوگ نماز کے لئے جمع ہوتے اور نماز کے بعد امرِ مشورہ طلب پر بحث و تمحیص ہوتی۔ اور کثرت رائے سے جو فیصلہ ہوتا خواہ وہ حضرت عمرؓ کی منشاء کے خلاف ہی کیوں نہ ہوتا اختیار کیا جاتا۔ حضرت عمرؓ کے رعب اور وجاہت کے باوجود آپ نے لوگوں میں آزادی رائے کا مادہ اس قدر پیدا کیا تھا کہ نہ صرف معمولی سے معمولی شخص آپ کی تردید ہی کر سکتا تھا۔ بلکہ سخت سست الفاظ بھی کہہ لیتا اور آپ برداشت کرتے۔

### حضرت عمرؓ بحیثیت کمانڈر انچیف

گو اپنے عہد خلافت میں حضرت عمرؓ بہ نفسِ نفیس کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے لیکن آپ نے افواج کے انتظام میں ایسی قابلیت کا ثبوت دیا کہ آج تک باوجود تہذیب و تمدن کی ترقی کے اس سے بہتر فوجی نظام کسی حکومت نے قائم نہیں کیا۔ حکومتِ اسلامی کے قیام سے قبل دو بڑی سلطنتیں موجود تھیں جن کی طاقت کا دُور تک اثر تھا۔ ایک رومن ایمپائر اور دوسری حکومتِ ایران۔ روما الکبریٰ کا فوجی نظام یہ تھا کہ بڑے بڑے امراء اور رؤساء کو جاگیریں دی جاتی تھیں۔ اور اس کے عوض بوقت ضرورت ان سے فوجی سپاہی لئے جاتے تھے۔ یہ طریق فیوڈل سسٹم کہلاتا ہے۔ اور آج سے چند صدیاں قبل یورپ میں بھی رائج تھا لیکن اس کے نقصان اور خرابیوں کو محسوس کرتے ہوئے بالآخر یورپین اقوام کو یہ طریق ترک کرنا پڑا۔ اور حضرت عمرؓ کا جاری کردہ طریق اختیار کیا گیا۔ ایران میں بھی اسی قسم کا طریق رائج تھا کہ بڑے بڑے زمیندار جو مرزبان اور دھقان کہلاتے تھے، حصول اراضی کے عوض حکومت کی سپاہیوں سے امداد کیا کرتے تھے۔ یہ طریق جس میں بغاوت کا خطرہ رہتا تھا اور طرح طرح کی خرابیاں تھیں حضرت عمرؓ نے شروع ہی سے اختیار نہیں کیا۔ آپ نے باقاعدہ فوج کی بھرتی کا طریق اختیار کیا۔ اور ایک رجسٹر یا دیوان تیار کیا جس میں تمام فوجیوں کے نام اور ان کی تنخواہوں وغیرہ کا حساب ہوتا تھا۔ تمام افواج براہ راست مرکزی حکومت کے ماتحت ہوتیں۔ ان کو باقاعدہ تنخواہیں دی جاتیں اور مالِ غنیمت سے بھی حصہ ملتا۔ سپاہیوں کو رسد وغیرہ بھی حکومت کی طرف سے ملتی اور لباس بھی سرکاری ہوتا۔ سپاہیوں کو خوش رکھنے کے لئے حضرت عمرؓ نے انہیں طرح طرح کی سہولتیں دے رکھی تھیں۔ ہر سپاہی کو سال میں ایک دو مرتبہ رخصت دی جاتی۔ ان کی شکایات کو بغور سنا جاتا اور اگر کوئی جرنیل یا کمانڈر سختی اور تشدد کرتا ہوا پایا جاتا تو اسے سزا دے کر سپاہیوں کی شکایات کو رفع کیا جاتا اور مسلمان سپاہی یہ محسوس کرتے تھے کہ وہ اور ان کے افسر اور جرنیل آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

### حضرت عمرؓ کی ذہانت اور فوجی قابلیت

خلافت کے بار اور کثیر الاشغال ہونے کے باعث حضرت عمرؓ مدینہ سے باہر تشریف نہیں لے جا سکتے تھے لیکن مدینہ کے اندر بیٹھے بیٹھے بھی آپ ایسی عمدہ تجاویز اپنے جرنیلوں کو لکھا کرتے تھے کہ ان پر عمل کرنے سے ہمیشہ مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ ایک دفعہ منبر پر خطبہ فرما رہے تھے جو کسی حالت کشف میں ... معاذ بن جبلؓ کو ... شہر حدود کی مضبوطی، طریقِ جنگ، قلعوں کے محاصرے اور اس قسم کے تمام امور میں حضرت عمرؓ کی رائے بہترین رائے ثابت ہوتی۔ اور آپ کی تجویز پر عمل کرنے کے باعث مسلمانوں نے کبھی ہزیمت نہیں اٹھائی۔

فوج کی رہائش کے لئے حضرت عمرؓ نے موزوں مقامات پر چھاؤنیاں قائم کیں نئے شہر آباد کئے جیسے کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط وغیرہ اور اپنی سرحدوں کو مضبوط کیا۔ اور ہر طرح سلطنتِ اسلامیہ کو مستحکم بنایا۔

### مفتوح رعایا سے سلوک

اسی جگہ یہ ذکر کر دینا بھی مناسب ہے کہ آپ نے مفتوح رعایا کو جو ذمی کہلاتی تھی ہر طرح کی آزادی اور مراعات بخشیں۔ یہود و نصاریٰ یکساں طور پر مسلمانوں کی غلامی کو اپنی پہلی آزادی پر ترجیح دیتے تھے۔ کیونکہ مسلمانوں کے زیر سایہ وہ محفوظ ہونے کے علاوہ اپنے مذہبی امور میں بھی بالکل آزاد تھے اور ان پر کوئی پابندی عائد نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اسلامی فتوحات اس سرعت سے ترقی کر رہی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے غیر مسلم رعایا سے نہایت ہی فیاضانہ سلوک کیا اور جس کے دوست دشمن سب گواہ ہیں اور آپ کے عدل و انصاف کی داستانیں اتنی کثیر ہیں کہ ان کے لئے ایک علیحدہ مضمون کی ضرورت ہے۔

### (۷) حضرت عمرؓ بحیثیت امیر المومنین

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طبیعت میں غصہ اور شدت ہونے کے سبب بعض صحابہ کا خیال تھا کہ اگر خلافت ان کے سپرد ہوئی تو یہ لوگوں کے ساتھ سختی سے پیش آئیں گے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی وفات سے قبل جب اکابر صحابہ سے مشورہ کیا تو بعض نے اسی رائے کا اظہار کیا۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ کی نگاہ دوربین نے صحیح اندازہ کیا کہ جب بارِ خلافت ان کے کاندھوں پر رکھا جائے گا تو خود بخود ان کی طبیعت میں ملائمت آ جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ خلافت کے پہلے ہی دن آپ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں یہ دعا کی۔ اللھم انی غلیظ فلینی اللھم انی ضعیف فقونی۔ (ترجمہ) اے اللہ میں سخت ہوں مجھے نرم کر۔ میں کمزور ہوں مجھے قوت بخش۔ خلافت کے فرائض اور ذمہ داریوں نے حضرت عمرؓ کی طبیعت میں نمایاں تبدیلی پیدا کر دی اور آپ ہر موقع پر حضرت نبی کریمؐ کے اسوہ حسنہ پر عمل کرتے تھے۔

### عدل و انصاف

حضرت عمر فاروقؓ کے عدل و انصاف کی داستانوں سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم رعایا بھی آپ کے عہدِ خلافت میں بے فکری، خوشحالی، امن اور چین کی زندگی بسر کرتی تھی۔ ہر روز صبح کی نماز کے بعد آپ کا معمول تھا کہ مسجد کے صحن میں بیٹھ جاتے۔ جس کسی کو کوئی شکایت ہوتی وہ بلا روک ٹوک آ کر پیش کرتا۔ کوئی دربان نہیں تھا نہ کوئی سیکرٹری۔ انصاف طلبی اور داد رسی کے لئے کسی کورٹ فیس یا لاگت کی حاجت نہ تھی۔ ہر کس و ناکس خود امیر المومنین کے دربار میں حاضر ہو کر فریاد کر سکتا تھا۔ اور ہر شخص

کی شکایت رفع کرنے کے لئے خود خلیفۂ وقت موجود تھے۔

**رعایا کی خبرگیری** } تمام دن ہی امیر المومنین رعایا کی خدمت، نگہبانی اور امورِ خلافت کی انجام دہی میں گذارتے۔ اور اگر شب کو مکمّل آرام فرمایا کرتے تو ایسا کرنے میں حق بجانب تھے۔ مگر عمرؓ کو ایسا کرنا بھی گوارا نہ تھا۔ تمام رات مدینہ کی گلیوں میں چکر لگاتے اور شب بھر گشت میں گذرتی۔ کہ کہیں رعایا کے کسی آدمی پر ظلم نہ ہو رہا ہو۔ کوئی محتاج اور مظلوم ایسا نہ ہو جس کی شکایت آپ تک نہ پہنچی ہو۔ اور قیامت کے دن خدا اس کی نسبت آپ سے باز پُرس کرے۔ یہی ایک خیال تھا جو ہر وقت آپ کو بے تاب رکھتا تھا۔ اور آپ دن رات لوگوں کو آرام اور آسائش پہنچانے کی فکر میں رہتے تھے۔ ایک رات عشاء کے بعد عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا دروازہ آ کھٹکھٹایا۔ انہوں نے اس بے وقت تشریف آوری کی وجہ پُوچھی تو فرمایا کہ مدینہ کے باہر ایک قافلہ آکر ٹھہرا ہے۔ ایسا نہ ہو کوئی ان کے مال و اسباب کا نقصان کرے۔ چلو ان کی خبرگیری کریں۔ عبدالرحمٰنؓ کو ہمراہ لے گئے۔ لیکن انہیں وہاں پہنچکر سُلا دیا۔ اور خود رات بھر پہرہ دیتے رہے۔

ایک دفعہ حسبِ معمول گشت کر رہے تھے کہ کسی خیمہ سے رونے کی آواز آئی۔ جاکر دیکھا تو معلوم ہُوا کہ ایک عورت چُولہے کے آگے بیٹھی ہے اور اردگرد بچّے بیٹھے رو رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے وجہ دریافت کی تو عورت نے کہا کہ گھر میں کھانے کو کچھ نہیں اور بچّے بھوک سے بلبلا رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ اسی وقت واپس تشریف لائے اور بیت المال سے کچھ کھجوریں ایک آٹے کی بوری اور دیگر ضروری چیزیں باندھ کر پیٹھ پر اُٹھائیں۔ آپ کا غلام بھاگتا ہوا آیا اور عرض کرنے لگا کہ بوری اس کی پیٹھ پر رکھی جائے مگر آپ نے فرمایا "تم اس دنیا میں تو میرا بوجھ اُٹھا سکو گے لیکن خدا کے حضور میرا بوجھ کون اٹھائے گا۔ اپنے قرض کو مَیں خود ہی ادا کروں گا۔" یہ کہتے ہوئے آپ نے وہ چیزیں اُٹھائیں اور اس غریب عورت کے سامنے لا حاضر کیں۔

ایک رات کسی خیمہ سے کراہنے کی آواز آئی۔ آپ نے پُکارا تو اندر سے ایک بدّو نکلا جس سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ بدّو کی حاملہ بیوی دردِ زہ میں مبتلا ہے اور کوئی اس کی خبرگیری کرنے والا نہیں۔ حضرت جلدی جلدی واپس گھر تشریف لائے اور اپنی بیبی اُمِّ کلثوم سے فرمایا کہ چلو تمہاری ایک بہن تکلیف میں ہے اس کی مدد کرو۔ تھوڑی دیر کے بعد بدّو کے گھر لڑکا پیدا ہوا تو خیمہ کے اندر سے اُمِّ کلثوم نے پکارا "امیر المومنین! اپنے بھائی کو مبارکباد دیجئے۔" امیر المومنین کے الفاظ سن کر بدّو سنّاٹے میں آگیا۔ اس کو یقین نہیں آتا تھا کہ آدھی رات کے وقت اس کی خبرگیری کرنے والا خود عمر فاروقؓ تھا اور اس کی غریب بیوی کی دایہ بننے والی عورت عرب و عجم کی ملکہ اُمِّ کلثوم تھی۔

**امانت داری** } ایک روز دوپہر کے وقت کچھ لوگ سائے میں بیٹھے تھے کیا دیکھتے ہیں کہ دُور صحرا میں سخت دھُوپ کے اندر اور جلتی ریت کے اُوپر ایک کملی پوش شخص بھاگا چلا جا رہا ہے۔ سب لوگ حیران تھے کہ اس دوپہر اور شدّت کی گرمی میں کون شخص دیوانہ وار بھاگ رہا ہے۔ کچھ دیر بعد وہ شخص قریب آیا تو اسے پہچان کر سب لوگ تصویرِ حیرت بن گئے، یہ کوئی دیوانہ مجنون، یا معمولی انسان نہیں۔ بلکہ امیر المومنین عمرؓ فاروق تھا۔ لوگ پوچھنے لگے کہ امیر المومنین اس وقت کیا مصیبت پیش آئی تھی کہ آپ اس سخت گرمی میں آگ سی تپتی ریت پر بھاگ رہے تھے۔ فرمایا کہ بیت المال کا ایک اُونٹ رسّی ٹوٹ جانے کے باعث بھاگ گیا تھا۔ اور آپ اس کی تلاش میں اس کے پیچھے دَوڑ رہے تھے۔ یہ تھا آپ کی امانتداری کا حال۔ بیت المال کی ادنےٰ سے ادنےٰ چیز کی حفاظت اپنا فرضِ اوّلین سمجھتے تھے اور قوم کی کوئی چیز خواہ وہ کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو قوم کی اجازت کے بغیر کبھی خرچ نہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ بیمار ہو گئے۔ حکیم نے شہد استعمال کرنے کا مشورہ دیا مگر آپ کے ہاں شہد موجود نہ تھا گو بیت المال میں شہد کافی تھا لیکن آپ اسے استعمال کرنے کے مجاز نہ تھے۔ ایک روز جب تکلیف زیادہ ہوگئی تو آہستہ آہستہ مسجد میں تشریف لائے۔ لوگ صحن میں بیٹھے تھے۔ آپ نے فرمایا بھائی میں بیمار ہُوں مجھے شہد کھانے کی ضرورت ہے۔ بیت المال میں شہد موجود ہے۔ اگر تمہاری اجازت ہو تو تھوڑا سا لے لوں۔ جب لوگوں نے بخوشی اجازت دے دی تب آپ نے اس کو استعمال کرنا جائز سمجھا۔

ایک دفعہ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت اُمِّ کلثوم نے قیصرِ روم کی ملکہ کو عطر کی چند شیشیاں بطور تحفہ بھیجیں۔ ملکہ روم نے تحفہ کے عوض میں وہی شیشیاں جواہرات سے پُر کرکے اُمِّ کلثوم کی خدمت میں ارسال کر دیں۔ حضرت عمرؓ کو جب پتہ چلا تو آپ نے وہ جواہرات لے کر بیت المال میں داخل کر دیئے۔ اور اُمِّ کلثوم سے فرمایا کہ چونکہ قاصد سرکاری آدمی تھا اور اس کو تنخواہ قومی خزانہ سے ملتی ہے اس لئے یہ جواہرات تمہارا مال نہیں ہو سکتے۔ اُنہیں تھوڑا سا معاوضہ دے کر جواہرات قومی خزانہ میں داخل کر دیئے۔

**سادگی اور بےنفسی** } حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ ملکِ عرب کے علاوہ شام، ایران، مصر، کرمان، خوزستان آذر بائیجان اور کئی وسیع مُلکوں کے والی اور بادشاہ تھے۔ لیکن اس کے باوجود نہایت ہی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک معمولی مزدور کے گھر کا اثاثہ اور زر و مال، امیر المومنین کے اثاثہ سے کہیں زیادہ تھے۔ عرب و عجم کا یہ عظیم القدر بادشاہ صرف دوؔ درہم یعنے قریباً دس آنے یومیہ پر گذر اوقات کرتا تھا۔ لاکھوں اور کروڑوں روپیہ ہر سال بیت المال میں آتا لیکن وہ سب مسلمانوں میں تقسیم ہو جاتا اور حضرت عمرؓ کی ذات پر بہت کم خرچ ہوتا تھا قیصر و کسریٰ کے خزانے مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ بڑی بڑی حکومتوں کی دولت اور زر و مال، جواہرات اور اشرفیاں اسلامی خزانہ میں جمع ہوئیں اور سب کی سب قوم کی فلاح و بہبُود پر خرچ ہوئیں اور حضرت امیر المومنین نے عیش و عشرت تو کیا آسودہ حالی کے لئے بھی قوم کا روپیہ خرچ نہ کیا۔

ایک طرف تو روم اور شام پر فوجیں بھیجی جا رہی ہیں اور قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے معاملہ درپیش ہے۔ کہیں خالدؓ اور معاویہؓ سے باز پُرس ہو رہی ہے اور کہیں سعدؓ اور موسےٰ اشعریؓ کے نام احکام لکھے جا رہے ہیں اور دوسری طرف یہ حالت ہے کہ بدن پر بارہ پیوند کا کُرتا، سر پر پھٹا عمامہ اور پاؤں میں پھٹی جُوتی اور کاندھے پر مشک اُٹھائی ہے کہ بیوہ عورتوں کے گھروں میں پانی دے آئیں۔ (باقی آئندہ)

---

# متقی کی علامات ........ بسلسلہ صفحہ

تو لوگوں کے لئے ازدیادِ ایمان کا موجب بنیں چنانچہ حضور نے اس ارشادِ خداوندی کی تعمیل میں یہ تمام الہامات اپنی پہلی تصنیف براہینِ احمدیہ میں ہی شائع کر دیئے اور ان سب نے غیر متوقع طور پر پُورا ہو کر ہزاروں کے ایمانوں کو بصیرت کے مقام پر پہنچا دیا۔ اس سلسلہ میں الہامات تو کثرت سے ہیں۔ مگر میں سر دست انہی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اگرچہ ان پیشگوئیوں کے پُورا ہونے کا ثبوت مختصراً ہر پیشگوئی کے ساتھ ہی دے دیا گیا ہے لیکن تفصیلی روشنی بھی ان پر انشاء اللہ بتوفیقہٖ وعونہٖ آگے ڈالی جائے گی۔

قسط میں علماءِ زمانہ اور سیّدنا مرزا صاحب کے درمیان قرآنی علوم کے بیان کرنے میں مقابلہ اور علماء کی شکست فاش کا اظہار کیا جائیگا۔

# شیطان کی غیر حاضری میں

مؤقر ماہنامہ حکایت، بابت ماہ اکتوبر ۱۹۷۶ء سے درج ذیل مقالہ قارئین کرام کی دلچسپی کے لئے نقل کیا جاتا ہے۔ اس مقالہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بارہ میں قابلِ غور بات یہ ہے۔ کہ قرآن کریم نے اس سے قبل یہودی علماء کے بارہ میں یہ ارشاد فرمایا ہے۔ کہ لولا ینھٰھم الربانیون والاحبار عن قولھم الاثم و اکلھم السحت لبئس ما کانوا یصنعون (المائدہ ۶۳) کیا بات ہے کہ ان کے مشائخ اور ربانی علماء اپنی قوم کو دروغ گوئی اور اکلِ حرام سے منع نہیں کرتے۔ یقیناً جن افعال کے یہ مرتکب ہو رہے ہیں۔ وہ نہایت قبیح ہیں"

افسوس ہے کہ آج ایک عظیم الشان مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے ولتکن منکم اُمۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر کے ارشادِ ربانی کے تحت اس نیک مقصد کی خاطر ایک منظم اور فعال جماعت بنائی۔ تو اُسے قابلِ اعتراض قرار دیاگیا ہے۔ حالانکہ مسلمان قوم کی فرقانی اُصولوں پر تنظیم ہی میں احیاء دین کا دارومدار ہے نہ کہ سلطنتوں کے قیام سے، آج کون ہے۔ جو مسلمان قوم کی عالمی زبوں حالی پر نوحہ کناں نہیں۔ (ادارہ)

رمضان المبارک گزر گیا ہے۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ اس مُبارک مہینے میں خدائے ذوالجلال شیطان کو قید میں ڈال دیتے ہیں اور یہ بھی ہمارا عقیدہ ہے کہ ہم سے جو گناہ سرزد ہوتے ہیں وہ ہم سے شیطان کراتا ہے ورنہ ہم تو ذہن میں گناہ کا تصوّر بھی نہ لائیں۔ مگر ماہِ رمضان ہر سال ہمارے یہ دونوں عقیدے متزلزل کر جاتا ہے۔ ہمیں ان دونوں میں سے کسی ایک عقیدے سے دستبردار ہونا پڑے گا ــــ یا تو شیطان قید نہیں ہوتا، یا ہم سے جو گناہ سرزد ہوتے ہیں ان کا ذمّہ دار شیطان نہیں۔

خدائے ذوالجلال کے اس فرمان اور رسولِ اکرم صلعم کی حدیث کے منکر ہونے کی تو ہم جرأت نہیں کر سکتے کہ ماہ رمضان میں شیطان کو قید میں ڈال دیا جاتا ہے تاکہ یہ خدا کے بندوں کو گناہوں کی ترغیب نہ دے سکے، البتہ یہ فلسفہ مشکوک نظر آتا ہے کہ ہم سے گناہ شیطان کراتا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ماہِ رمضان میں گناہوں میں کمی ہونے کی بجائے اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہ ماہِ رمضان جو کل پرسوں گزر گیا ہے، ہر رمضان کی طرح کوئی اچھی یادیں نہیں چھوڑ گیا۔

ماہ رمضان کا ابھی چاند نظر نہیں آیا تھا کہ بازار سے اشیاء غائب ہو گئیں جن کی مانگ برکتوں کے اس مہینے میں بڑھ جاتی ہے۔ ان میں بناسپتی گھی سرِفہرست رہا۔ مثلاً ڈالڈا پورا مہینہ بازار میں نظر نہیں آیا، البتہ کبھی کسی کے ہاتھ میں ایک ڈبّہ نظر آ جاتا تھا۔ اس سے پتہ چلتا تھا کہ ڈبّے بازار میں موجود ہیں مگر پچھلے دروازے سے بکتے ہیں۔ دیگر ضروری اشیاء چاند کے ساتھ ہی بازار میں نظر آنے لگیں۔ مگر بھاؤ چاند سے باتیں کرتے تھے۔ دکاندار روزے سے تھے۔ اُنہوں نے کم تولا۔ مہنگا بیچا، جھوٹ اس سے زیادہ بولا جو وہ ماہِ صیام سے پہلے اور بعد بولا کرتے ہیں۔ کم از کم دکاندار اور تاجر تو اس مذہبی عقیدے کے منکر نہیں ہو سکتے کہ رمضان المبارک برکتوں کا مہینہ ہے۔

ملاوٹ کا شیطانی کاروبار شیطان کی گرفتاری کے بعد بدستور چلتا رہا۔ ملاوٹ بظاہر دھوکا بازی ہے لیکن اس کی تباہ کاری پر غور کریں تو قتل کا جرم بن جاتا ہے۔ انسانی صحت اذیت ناک بیماریوں کی نذر ہو جاتی ہے۔ نہ جانے اس وقت تک ملاوٹ کتنی جانیں لے چکی ہے اور کتنی اور لے گی۔ ہمارے روزہ دار بھائیوں نے خدا کے روزہ دار بندوں کے قتل کا گناہِ کبیرہ ماہ رمضان میں بھی جاری رکھا۔ جن دکانوں پر سحری اور افطاری کے وقت رش ہوتا تھا انہوں نے خوب ہاتھ رنگے۔ ان میں دودھ دہی والے قابلِ ذکر ہیں ــ ہم نے اپنی آنکھوں دیکھا کہ وہ کس طرح بے دردی اور ڈھٹائی سے چھوٹے چھوٹے بچوں کو ناپے تولے بغیر دودھ اور دہی دیتے اور دھتکارتے تھے۔ ناپ تول میں یہی دھاندلی قصابوں نے کی۔ دکانوں پر یہ مکالمے اکثر سنے جاتے تھے ــ "بھائی روزوں سے پہلے والا ریٹ لگانا"

"بھائی صاحب! روزے سے ہوں۔ ایک پیسہ فالتو نہیں لوں گا" ــ

اور اس نے روزے کے ساتھ ایک کی بجائے کئی پیسے فالتو لئے اور کم تولا۔

اب تو دُکانداروں کی دھاندلی اس قدر عام ہو گئی ہے کہ اسے جائز سمجھا جانے لگا ہے۔ آپ نے ایسے دکاندار بھی دیکھے ہوں گے جنہیں کہو کہ "بھاؤ زیادہ لگا رہے ہیں تو وہ کہتے ہیں" ــ "یہ روزوں کے بھاؤ ہیں۔ اس سے پہلے کبھی سودا مہنگا دیا ہے"؟

جن سرکاری محکموں میں رشوت کا دھندا چلتا ہے وہاں کے اہلکاروں نے شیطان کی غیر حاضری سے یہ فائدہ اُٹھایا کہ اپنا دھندا جاری رکھا اور جُوں جُوں عید قریب آتی گئی اُن کے ریٹ چڑھتے گئے۔ اگر آپ کو خیال ہو کہ وہ روزے سے نہیں تھے۔ تو یہ آپ کی غلط فہمی یا خوش فہمی ہے۔ ان میں بیشتر حضرات پکّے روزہ دار تھے۔ ہمارے ایک ملنے والے نے بتایا کہ انہوں نے ایک اہلکار کو ایک کام کرانے کے لئے ساٹھ روپے دیئے۔ اور التجا کی کہ اب کام ہو جائے اہل کار نے کہا ــ "پیسے جیب میں ڈال کر دھوکا نہیں دوں گا۔ روزے سے ہوں"۔

ہمیں ایک فلمی مکالمہ یاد آتا ہے۔ ایک عادی چور کو مسجد سے پکڑا جاتا ہے وہ نماز پڑھ رہا تھا۔ پکڑنے والے اسے کہتے ہیں کہ نماز پڑھتے ہو اور چوری بھی کرتے ہو؟ وہ کہتا ہے ــ "چوری میرا پیشہ اور نماز میرا فرض ہے"۔

روزہ دار رشوت خوروں نے اپنا پیشہ بھی جاری رکھا اور فرض سے بھی غافل نہ ہوئے۔

ہمیں اپنے ایک دوست کے بیٹے کا بھی واقعہ یاد آ گیا ہے۔ بیٹے نے ایک ایسے سرکاری محکمہ میں ملازمت کے لئے درخواست دی جو رشوت کے بغیر ایک انچ آگے نہیں بڑھتا۔ جن صاحب کے قلم کی ذرا سی جنبش سے اس لڑکے کو ملازمت مل سکتی تھی انہوں نے اسے "کچھ دو کچھ لو" کے واضح اشارے دیئے غریب کا بیٹا ایک سو روپے مالیت کے دو تحفے لے گیا۔ صاحب خفا ہو گئے۔ آخر لڑکے نے صاف پُوچھا کہ اپنی قیمت بتائیں وہ ادا کر دے گا۔ جناب نے فرمایا عیدالضحیٰ آ رہی ہے میں نے قربانی کا دُنبہ نہیں خریدا۔"

لڑکے نے اسی روز چار سو روپے کا دنبہ خرید کر صاحب کے گھر جا باندھا اسے ملازمت مل گئی اور صاحب کا مذہبی فریضہ ادا ہو گیا۔ لڑکے نے چار سو روپے اڑھائی سو روپے قرض لے کر پُورے کئے تھے۔ ہو سکتا ہے کوئی حاجت مند ان صاحب کو حج بھی کرا چکا ہو۔

اس ماہِ رمضان میں بھی ہم دفتروں اور فیکٹریوں میں کام چوری کرتے رہے۔ جھوٹ بولتے رہے۔ بد دیانتی کے مرتکب ہوتے رہے۔ سرکاری کام روزے کے بہانے التوا میں ڈالتے رہے اور ہمارا تکیہ کلام بنا رہا ــ "اب عید کے بعد ہی کریں گے" ــ ہم وہ سارے ہی بُرے کام کرتے رہے جو شیطان سے منسوب ہیں۔ خدا نے تو شیطان کو ایک ماہ کی سزائے قید دے کر ہماری نظروں سے اوجھل کر دیا تھا لیکن ہم نے ایک دوسرے کو اس کی غیر حاضری محسوس نہیں ہونے دی۔

راتوں کو گاہک اور دُکاندار۔ رشوت خور اور رشوت زدہ مومن اور مکار، ملاوٹ کے مجرم اور مریض، مسجد میں کندھے سے کندھا ملا کر تراویح پڑھتے رہے نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز ــ ہم نے ہر روز اور ہر رات خدا کو فریب دینے کی کوشش کی اور اپنے آپ کو اس خود فریبی میں مبتلا کیا کہ جنّت میں ہماری

[illegible]
یقین دلا دیا کہ سارے سال کی نمازوں کا ثواب مل گیا ہے۔ اب اگلا سال چھٹی کرو۔

مسجد واحد جگہ ہے جہاں قوم کو صحیح تعلیم دی جا سکتی ہے۔ مسجد کے تقدس کا اثر کچھ ایسا ہے کہ وہاں پڑھایا ہُوا ایک ایک لفظ دِل میں اُتر جاتا ہے۔ مگر وہاں جو کچھ پڑھایا جاتا ہے اس کی ایک جھلک پیش خدمت ہے۔ ہم نے ایک پیش امام کا خطبہ سُنا۔ فرما رہے تھے کہ آپ مسجد میں آ کر جب وضو کرتے ہیں تو اس وقت تک کے تمام گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے گناہوں کی تفصیل سنائی اور وضو سے ان کے جھڑنے کا عمل وضاحت سے بیان کیا۔

انہوں نے کہا کہ جب آپ وضو کرتے ہاتھ دھوتے ہیں تو وہ تمام گناہ دُھل جاتے ہیں جو ہاتھوں سے کئے جاتے ہیں۔ ان گناہوں کی فہرست یہ بتائی کہ آپ کم تولتے ہیں۔ دُودھ میں پانی ملاتے ہیں۔ چوری کرتے ہیں۔ کسی کو تھپڑ مارتے ہیں۔ رشوت لیتے ہیں ــــ" تو غور کرو اللہ کی عظیم بخشش پر کہ صرف ہاتھ دھونے سے وہ آپ کے ہاتھوں کے گناہ بخش دیتا ہے۔

اُنھوں نے فرمایا کہ جب آپ تین بار کُلی کرتے ہیں تو وہ گناہ جو مُنہ سے کئے جاتے ہیں دُھل جاتے ہیں۔ منہ سے آپ کسی کو گالی دیتے ہیں۔ غیبت کرتے ہیں۔ جھُوٹ بولتے ہیں۔ غلط بھاؤ بتاتے ہیں۔ صرف کُلی کرنے سے یہ گناہ دُھل جاتے ہیں۔ آپ آنکھوں سے بھی گناہ کرتے ہیں۔ کسی غیر عورت کو بُری نظر سے دیکھتے ہیں۔ کوٹھے پر چڑھ کر پردہ نشین عورتوں کو دیکھتے اور سڑکوں پر کھڑے ہو کر دوسروں کی بہو بیٹیوں کو دیکھتے ہیں۔ آپ سینما جاتے ہیں۔ گندی تحریریں پڑھتے ہیں۔ مسجد میں آ کر آپ وضو کرتے جب منہ پر پانی ڈالیں گے تو آنکھوں کے گناہ دُھل جائیں گے۔

مختصر یہ کہ پیش امام نے اپنے مقتدیوں کو حدیثوں کے حوالے دے دے کر یہ مژدہ سنایا کہ آپ کیسا ہی کبیرہ گناہ کیوں نہ کر گذریں، مسجد میں آئیں، وضو کریں، آپ کے اس وقت کے گناہ دُھل جائیں گے۔ پیش امام کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ نماز پڑھ کر مسجد سے نکلیں تو بے خوف ہو کر گناہ کریں، اگلی نماز کے لئے آپ وضو کریں گے تو یہ گناہ جھڑ جائیں گے ــــ مسجد میں منبر پر کھڑے ہو کر امام جو بات کہے اُسے کون کافر تسلیم نہ کرے گا۔

محلوں کی مسجد کے امام حق بات کہنے سے گریز کرتے ہیں۔ وہ اپنے مقتدیوں کو یہ کہنے سے ڈرتے ہیں کہ تم سب گُناہگار ہو، کم تولتے اور مہنگا بیچتے ہو۔ ملاوٹ کرتے اور مخلوق خدا کو بیماریوں میں مبتلا کر کے اُنہیں مجبور کر دیتے ہو کہ وہ اپنے خون پسینے کی کمائی ڈاکٹروں اور دوا فروشوں کو دے دیا کریں۔ امام یہ کہنے سے ڈرتا ہے کہ تمہاری زہریلی ملاوٹ نے جانے کتنے بچے یتیم اور کتنی سہاگنیں بیوہ کر ڈالی ہیں۔ تم قاتل ہو۔ یزید ہو۔ تم رشوت خور ہو۔ غریبوں کی کھال بھی اُدھیڑ لیتے ہو تم دوسروں کی بہو بیٹیوں کو بُری نظر سے دیکھتے ہو۔ تم فریب کار، مکّار اور عیّار ہو۔ مسجد میں خُدا کو دھوکا دینے آتے ہو۔ تمہاری نمازیں اور روزے بیکار اور تمہارے رکوع و سجود بے اثر ہیں کیونکہ تمہارے دل ناپاک ہیں۔ پہلے توبہ کرو۔ پھر کبھی گناہ نہ کرنے کی قسم کھاؤ ورنہ اس مقدس جگہ کو، خدا کے گھر کو، ناپاک کرنے نہ آؤ۔ میں تمہارا جنازہ نہیں پڑھوں گا۔ تم مرتد ہو۔ احکامِ الٰہی کے منکر ہو۔

• مگر محلے کی مسجد کے امام میں ایسی جُرأت آ ہی نہیں سکتی کیونکہ اسے عید۔ شب برات پر پیسے، کپڑے، حلوہ، ختم و درود کی پُرتکلف دعوتیں اور باقاعدہ تنخواہ محلّے کے انہی لوگوں سے ملتی ہے جو مہنگائی، ملاوٹ، رشوت خوری، کم تولنے، دھوکے، غیبت وغیرہ جیسے گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ امام ان لوگوں کو ناراض کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔

ہمارے ہاں اکثر مسجدیں محلّے اور برادریوں کی سیاست بازی کے اڈّے بن

وہ کسی خاص پارٹی کے آلۂ کار بن جاتے ہیں یا دوغلا کردار ادا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ایک محلّے میں پانچ چھ مسجدیں ہیں۔ ان کے امام ایک دوسرے سے کھِچے کھِچے رہتے ہیں۔ آپ نے مختلف مسجدوں کے اماموں کے تصادم بھی دیکھے ہوں گے۔ لاؤڈ سپیکروں کے ذریعے ان کی لڑائیاں سُنی ہوں گی۔ ہم آپ کو متعدد ایسے واقعات سُنا سکتے ہیں جن میں اماموں نے مقتدیوں کو اپنے کسی مخالف امام کے خلاف بھڑکا دیا اور دنگا فساد کرایا۔ ایسے بھی ہوتا ہے کہ ایک مسجد کی امامت پر دو اماموں کا تنازعہ چلتا ہے جو ایک دوسرے کے حامی مقتدیوں کو ڈانگ سوٹے تک پہنچا دیتا ہے۔

ایسے مکتب و مُلّا سے قوم کے شاہین بچوں کو خاکبازی کا سبق نہ ملے تو اور کیا ملے! اسے کہتے ہیں مُلّائیت۔ مُلّا اسے کہتے ہیں جو مذہبی تعلیم سے بے بہرہ ہو مگر اپنے آپ کو عالم سمجھے۔ ہمارے ہاں عالم امام بھی ہیں لیکن اکثریت اُن بے علم عالموں کی ہے جنہوں نے مذہب کو لوگوں کے جذبات اور اپنے معاشی اور معاشرتی مفادات کے سانچے میں ڈھال رکھا ہے۔ ان لوگوں نے مذہب کا چہرہ مسخ کر رکھا ہے۔ ان کی تفسیریں اور تاویلیں بے معنی اور بے بنیاد ہیں۔ اُن میں اُنہوں نے خوبی یہ پیدا کر رکھی ہے کہ سیدھے سادے اَن پڑھ لوگوں کے جذبات کو اُکساتی بھی ہیں تسکین بھی پہنچاتی ہیں

اُمّت رسول اللہ صلعم کو جس قدر نقصان ملائیت اور پیر پرستی نے پہنچایا ہے وہ دُنیائے کُفر کے تمام ترلشکر میدانِ جنگ میں نہیں پہنچا سکے تھے۔ یہ دونوں قباحتیں (مُلّائیت اور پیر پرستی) اسی تخریب کاری کا نتیجہ ہیں جو صدیاں گذریں یہودیوں نے ہمارے مذہب میں شروع کی تھیں۔ آگے چل کر صلیبیوں نے اسے مزید تقویت دی۔ ان دونوں قوموں نے اپنے تجربہ کار آدمی اسلام کے عالم فاضل بنا کر دُنیائے اسلام میں پھیلائے۔ اُنہوں نے اُستادی سے مسلمانوں کی کم فہمی کو جذباتیت میں بدلا اور ان کی اس کمزوری سے ان کے دِلوں میں اسلام کا وہ تصوّر ڈالا جو اسلام کی رُوح کے منافی تھا۔ کفّار نے جس طرح اسلامی نظریات کو سبوتاژ (تباہ) کیا ہے اس کا ذکر احادیث میں بھی آیا ہے۔ یہودیوں نے مسلمان علماء کے بھیس میں غلط حدیثیں بیان کیں۔ جو ہمارے علماء نے ریکارڈ کر کے باقاعدہ احادیث کے مجموعے میں شامل کر لیں۔

آگے چل کر ہماری اپنی قوم میں مُلّا اور پیر پیدا ہو گئے۔ آج صدیوں بعد یہ نظریاتی تخریب کاری مُلّائیت اور پیری مُریدی کے رُوپ میں اس حد تک برحق مانی جاتی ہے کہ ان کے خلاف بات کرنے والے کو مُرتد اور کافر کہہ دیا جاتا ہے۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ قوم گناہوں میں ڈوب گئی ہے۔ مُلّا نے سزا اور جزا کے مسئلے کو ایسا رنگ دے دیا ہے کہ گناہ کے ارتکاب کا خوف ختم ہو گیا ہے گناہ کرو، مسجد میں آ کر وضو کر لو، سب گناہ معاف۔

ایک بار ہم نے ایک فہرست دیکھی جو مُلّاؤں کے ایک گروہ کی تیار کی ہوئی تھی۔ اس میں وہ اموات لکھی تھیں جو شہادت کا رتبہ رکھتی ہیں۔ مثلاً ہیضے سے مرنے والا شہید ہوتا ہے، اور ایسی کئی ایک وجوہات دی گئی ہیں جن سے مرنے والا سیدھا جنّت میں جاتا ہے۔ آخر میں لکھا تھا کہ ڈوب کر مرنے والے سے بھی روزِ محشر کوئی حساب نہیں لیا جائے گا۔ وہ جنّت میں جائے گا۔

ہم اپنی قوم کی اخلاقی حالت اور گناہوں کے ارتکاب میں بے خوفی دیکھتے ہیں تو قوم کو یہی مشورہ دیتے ہیں کہ آیئے ڈوب مریں۔ عنایت اللہ

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ــــ مورخہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۸۶ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ــــ شمارہ نمبر ۴۱

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۳ | یوم چہارشنبہ ۲۵ شوال المکرم / ۳ ذیقعدہ ۱۳۹۶ھ مطابق ۲۰/۲۷ ستمبر ۱۹۷۶ء | نمبر ۴۲-۴۳


# حضرت مسیح موعودؑ کے کشف میں حضرت امیر علیہ الرحمۃ کا علمی و روحانی مقام

حضورؑ کے کشف میں آپ کو مجدد الدین کا خطاب دیا گیا

## ایک دردمند اور پُر اُمید دل

"کسی زندہ انسان نے اسلام کی تجدید کے لئے لاہور کے مولانا محمد علی صاحب سے زیادہ قیمتی اور طویل خدمات انجام نہیں دیں۔ ان کے اور خواجہ کمال الدین صاحب کے تصنیفی کارناموں کی وجہ سے تحریک احمدیت ایک خاص شہرت اور امتیاز کی مالک بن گئی ہے۔ یہ اسلام کی تصویر ایک ایسے شخص کے قلم سے ہے جو قرآن و سنّت سے خوب واقف ہے۔ جس کے دل میں پچھلی پانچ صدیوں کے اسلام کے انحطاط کا درد ہے اور جس کے دل میں اس کی نشأۃ ثانیہ کے لئے ایک اُمید ہے جس کے آثار اب چاروں طرف نظر آنے لگے ہیں۔" (پکتھال)

(رسالہ اسلامک کلچر۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء)

## "مصنف صحیح انگریزی ترجمہ مع اسناد"

"اگرچہ مولوی محمد علیؒ کی تصنیفات ایک لائبریری کا درجہ رکھتی ہیں، تاہم ان کی شاہکار تصنیف انگریزی ترجمۃ القرآن ہے جس سے آپ نے خود کو زندۂ جاوید بنالیا ہے..... کسی شخص کو یہ خیال ہرگز نہ کرنا چاہیئے کہ مولانا صاحب نے قرآن کریم کے کوئی نئے معانی کئے ہیں، جہاں جہاں اُنہوں نے اختلاف کیا ہے ان کا ترجمہ یا تو صحیح و درست ہے یا اُنہوں نے اپنے ترجمہ کی تائید میں اسناد پیش کی ہیں۔"

(حافظ غلام سرور صاحب۔ دیباچہ ترجمہ قرآن انگریزی)

"مولانا محمد علیؒ نے قرآن کا انگریزی ترجمہ کر کے اسلام کی جو عظیم الشان خدمت انجام دی ہے اس کی تبلیغی افادیت سے انکار کرنا گویا سورج کی روشنی سے انکار کرنا ہے۔ اس ترجمہ کی بدولت نہ صرف ہزاروں غیر مسلموں نے دامنِ اسلام میں پناہ لی بلکہ لاکھوں مسلمانوں کے قلوب ایمان سے منوّر ہو گئے..... مولانا محمد علی کا مرتبہ والے بھی اس کے بڑے مدّاح تھے۔"

(مولانا عبدالماجد۔ ایڈیٹر سچ اور صدق جدید)

# روضۂ مطہرِ نبوی پر مولانا مرحوم کی دعا

## بذریعہ شیخ محمد اسماعیل صاحب لائلپوری مرحوم

" اے خدا تیرا دین نہایت بے کسی کی حالت میں ہے۔ دنیا تیری دی ہوئی نعمتوں سے بھری ہوئی ہے۔ سونے اور چاندی کے پہاڑ بھی دنیا میں موجود ہیں۔ مگر اے مالک تیرے دین کو ہاں اس دین کو جس کے متعلق تو نے وعدہ فرمایا ہے کہ اسے سب ادیان پر غالب کردوں گا۔ جس کے متعلق تیرا علم تھا کہ اسے دنیا کے کناروں تک پہنچایا جائے۔ دنیا میں پہنچانے کے لئے سامان نہیں ملتا۔ اے خدا! تثلیث اور کفارہ کے پھیلانے کے لئے دنیا کا مال پانی کی طرح بہہ رہا ہے اور دنیا کی طاقت اس کی پشت پر ہے مگر تیرا دینِ حق اس بے کسی کی حالت میں ہے کہ مسلمانوں کے دل بھی اس کے لئے نرم نہیں ہوتے۔ تیرے پیغمبرؐ کے پروانے تو بہت ہیں مگر اس کی محبت کی آگ میں اپنے آپ کو جلا دینے والے نظر نہیں آتے۔ اے خدا تیرے مسیح نے ایک قوم تیار کی تھی کہ وہ تیرے دین کو دنیا میں پہنچائے اور تیرے وعدوں کے پورا ہونے کا نظارہ دکھائے۔ مگر آہ وہ قوم بھی سیاست میں بہہ گئی اور ایک چھوٹا سا گروہ جو دنیا کی نظروں میں حقیر ہے باقی رہ گیا ہے۔ مگر اے خدا وہ بھی کمزور ہے اور تیری امانت کا حق ادا کرنے سے قاصر ہے۔ اے خدا تو ان کے سینوں میں وہ درد اپنے دین کا پیدا کر دے جو تو نے اپنے پاک رسولؐ کے سینے میں پیدا کیا تھا۔ اور اپنے دین کے غم میں ان کی وہ حالت کر دے جو تو نے اپنے پاک رسولؐ کی کی تھی۔ لعلک باخع نفسک الا یکونوا مؤمنین۔ اے خدا تو ان کی دنیا کی محبت کو ٹھنڈا کر اور اپنی محبت کی ایسی آگ ان کے سینوں میں جلا کہ وہ سب خس و خاشاک کو جلا دے اور اس کی حرارت سے مردہ دلوں کے اندر زندگی پیدا ہو جائے۔ اے خدا! تو اپنی نصرتوں کی ہوائیں اس گروہ پر چلا اور اپنے فضلوں کی بارش ان پر برسا اور اپنی رحمتوں کے دروازے ان پر کھول دے۔ اے خدا تو اس گروہ کو یہ توفیق دے کہ تیرے کلام کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دے۔ اے خدا تو ہماری زندگیوں میں یہ نظارہ دکھا کہ دجال کی مملکت میں اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہوں اور مسجدیں بن جائیں۔ اور تیرا نام فضاء گونجنے لگ جائے۔ اے خدا ہمیں وہ نظارہ دکھا جو تو نے

# حضرت امیر مرحوم کا پیغام

## نوجوانانِ قوم کے نام

میں ایک بات اپنے نوجوان دوستوں سے کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ آپ لوگ احمدی قوم کی روایات کو زندہ رکھیں۔ احمدی جماعت دین کو دنیا میں پھیلانے، قرآن کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے کھڑی ہوئی ہے۔ اپنی اس روایت کو کمزور نہ ہونے دو۔ میں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اس سے بڑھ کر عزت کا اور کوئی کام اس دنیا میں نہیں۔ یہ وہ کام ہے جس کے لئے خدا انبیاء اور صلحاء کو کھڑا کرتا رہا ہے۔ دنیا میں اور بھی بے شمار کام ہیں۔ لیکن خدا اور کسی کام کے لئے انبیاء کو نہیں بھیجتا۔ سو ہمارے لئے یہ فخر کا مقام ہے کہ اس زمانے میں جب کہ مسلمانوں نے تبلیغِ دین کے کام کو پسِ پشت ڈال دیا ہے اللہ تعالیٰ نے ہماری جماعت کو دین کے پھیلانے کے لئے چن لیا ہے۔ جہاں ہمارے لئے یہ فخر کا مقام ہے وہاں عاجزی اور گریہ کا مقام بھی ہے کہ جس کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے اتنے بلند لوگوں کو چنا تھا اس کے لئے اس زمانے میں ہم ناکارہ اور نالائق لوگوں کو موقع دیا ہے۔ سو خدا سے توفیق مانگو کہ تم اس کسوٹی پر پورے اترو۔ میں پھر اپنے نوجوان دوستوں سے کہوں گا اور بار بار کہوں گا کہ اپنی قوم کی روایات کو زندہ رکھو۔ اسلامی اخلاق و آداب کی پابندی کرو۔ قرآن کو پڑھو، سنو۔ اس پر غور اور عمل کرو۔ اسلامی احکام کے احترام کو اپنا شعار بناؤ۔ ایک دن آئے گا کہ تم اپنے ایک ایک بزرگ کے جسم کو اپنے ہاتھوں سے مٹی میں دفن کرو گے۔ تمہارے پیچھے آنے والے تمہارے جسموں سے بھی یہی کریں گے۔ اے میرے نوجوان دوستو! میں تمہیں بڑی تاکید کے ساتھ یہ کہتا ہوں اور نصیحت کرتا ہوں کہ تم اپنے بزرگوں کے جسموں کے ساتھ کہیں اپنی روایات کو دفن نہ کر دینا۔ انکو زندہ رکھنا اور ترقی دینا۔ تاکہ لوگ نہ کہیں کہ یہ قوم مرتی چلی جاتی ہے۔ (پیغام صلح [illegible])

ہفت روزہ پیغام صلح ــــــ لاھور ــــــ مورخہ ۲۷ر اکتوبر ۱۹۷۶ء

# ”پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی“

”وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنی جان پیش کر دیں۔ یہ مت سمجھو کہ وہ مر گئے ہیں۔ بلکہ وہ زندہ رہتے ہیں۔ تم ہی زندگی اور موت کے اس راز سے واقف نہیں“

قرآن کریم کے ان الفاظ میں ہمیں حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ امیر جماعت احمدیہ لاہور کی جن کے نام نامی پر ادارہ پیغام صلح جذباتِ امتنان و تشکر کے طور پر ”محمد علی نمبر“ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے زندگی کی ایک بامعنی تفسیر و تعبیر نظر آتی ہے۔ یہ عشق اور عہدِ وفا نباہنے کی ایک دلسوز اور دلچسپ داستان ہے۔ کوئی ہمارے قلب و نظر کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہو کر دیکھنے کی کوشش کرے تو اسے ”محمد علیؒ“ ایک شخصیت نہیں بلکہ ایک INSTITUTION نظر آئے گا جس کے خوگوشں کی طرح پھلانگتے ہوئے قلم سے لاکھوں صفحات پر پھیلے ہوئے ایسے الفاظ نکلے جو ہم جیسے گم کردہ راہوں کے لئے مشعل راہ بن گئے۔ ان کی روشنی مشرق و مغرب میں پھیلی اور زندگی کی تاریک راہوں پر بھٹکنے والوں کو حقیقت آشنا کر گئی۔ قومیں اپنے محسنوں کے احسانات کو زندہ جاوید بنانے کے لئے لوہے اور سیمنٹ کی یادگاریں تعمیر کرتی ہیں جو حوادث زمانہ سے ٹوٹ پھوٹ کر زمیں بوس ہو جاتی ہیں لیکن حضرت مولانا محمد علیؒ اپنے پیچھے کچھ ایسی ناقابلِ فراموش یادگاریں چھوڑ گئے ہیں جن سے دنیا طوفانی سمندر میں واقع روشنی کے میناروں کی طرح ساحل مراد تک پہنچنے کے لئے ہمیشہ ہدایت حاصل کرتی رہے گی۔ اور آپ کا نام جریدہ عالم پر تا بہ ابد ثبت رہے گا مگر اس مقام تک رسائی حاصل کرنے کے لئے زندگی کے خطرناک خارزاروں میں سے گذرنا پڑتا ہے اور اسے وہی پا سکتے ہیں جو مقصدِ زیست کو پہچان گئے ہوں۔ یہ معرفت کسی ”مردِ مومن“ کے ہاتھ میں ہاتھ دینے سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ یہی معاملہ حضرت مولانا محمد علیؒ کے ساتھ بھی ہوا جیسا کہ آپ خود ”بیان القرآن“ کے دیباچہ میں فرماتے ہیں کہ :۔

”گو قرآن شریف کی اس ناچیز خدمت میں مَیں نے سلف صالحین کی محنت سے بہت فائدہ اُٹھایا ہے مگر میری زندگی میں جس شخص نے قرآن کریم کی محبت اور خدمت قرآن کا شوق پیدا کیا وہ اس صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہیں .......... میں محض مٹی ہوں اگر اس میں کچھ خوشبو کسی کو معلوم ہو تو وہ کسی اور کی پھونکی ہوئی روح ہے

جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

آپ نے جب سے اپنا ہاتھ اس مجدد زمان کے ہاتھ میں دیکر دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کا اقرار کیا۔ قرآن کریم کے ان الفاظ ”واوفوا بالعھد“ کے مدنظر زندگی کے آخری سانس تک اسے بحسن و خوبی نبھایا یہاں تک کہ زندگی کے آخری چند ایام بھی سخت بیماری کی حالت میں قرآن کریم کے پروف پڑھنے میں گذرے جیسے آپ کو یہ پیغام مل چکا تھا کہ ”آپ کی زندگی کا چراغ گل ہونے والا ہے اور آپ ہم سے ملنے والے ہیں۔ ہماری کتاب کی تفسیر نامکمل نہ رہے“

راقم الحروف کی یہ خوش نصیبی اور خوش بختی ہے کہ اسے ۱۹۲۷ء میں جبکہ وہ ابھی طفلِ مکتب تھا حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب مرحوم و مغفور کی معرفت اس عاشق قرآن کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر جماعت احمدیہ لاہور میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اور آج بھی جب وہ یہ الفاظ لکھ رہا ہے اس کے پردہ تصور پر وہی نقوش ابھر رہے ہیں جن پر ۱۹۴۹ء تک اس کی نگاہ پڑتی رہی۔ اب بھی وہ ہونٹ اسی طرح ہلتے دکھائی دے رہے ہیں جیسے کہہ رہے ہوں کہ ”ہمارا کام ہے قرآن کو دنیا میں پہنچا دینا۔ آگے اپنا کام یہ خود کرے گا“ اس نے یہ کام کس طرح کر کے دکھایا اگر ہم اس کی تفصیل میں جائیں تو ایک دو صفحات اس کے متحمل نہیں ہو سکیں گے۔ اس کا اعتراف بیرونی دنیا بھی کر چکی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہماری وہ نسل جو پاکستان کے وجود میں آنے کے وقت ابھی بچپن کی منزل سے گذر رہی تھی کچھ ہماری ہی غفلت کی وجہ سے اس سے واقف نہیں۔ ہمارے نوجوان بھائی اور عزیز اس خزاں دیدہ دور میں ہمارے چمن کی بہار کا قیاس کرتے ہیں۔ وہ ٹھیک ہی تو ہیں لیکن ہم انہیں کیسے بتائیں کہ ایسا تو نہ تھا۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو محمد مارما ڈیوک پکتھال صاحب آج سے چالیس سال قبل یوں نہ لکھتے :۔

”کسی زندہ انسان نے اسلام کی تجدید کے لئے لاہور کے مولانا محمد علیؒ صاحب سے زیادہ قیمتی اور طویل خدمات انجام نہیں دیں ان کے تصنیفی کارناموں کی وجہ سے تحریکِ احمدیت ایک خاص شہرت اور امتیاز کی مالک بن گئی ہے۔ یہ اسلام کی تصویر ایک ایسے شخص کے قلم سے ہے جو قرآن و سنت سے خوب واقف ہے۔ جس کے دل میں پچھلی پانچ صدیوں کے اسلام کے انحطاط کا درد ہے اور جس کے دل میں اس کی اس نشاۃ ثانیہ کے لئے ایک امید ہے جس کے آثار اب چاروں طرف نظر آنے لگے ہیں“

(اسلامک کلچر اکتوبر ۱۹۳۶ء)

اور محمد عمر رضا دوغرل ترکی ادیب یہ نہ فرماتے :۔

”ترکی میں متواتر تیس سال تک مولانا کی تصانیف ہمارے زیر مطالعہ رہیں۔ کئی ایک امور پر آپ نے ہماری رہنمائی کی اس لئے کہ آپ کی نگاہ معارف اسلام کی عمیق گہرائیوں تک پہنچی ہوئی تھی اور آپ اسلام کے حقیقی مشن اور مقصد سے بخوبی واقف تھے اور دوسروں تک اس روشنی اور نور کا پہنچانا آپ نے اپنی زندگی کا مقصد بنایا تھا“ (اسلامک ریویو ۱۹۵۲ء)

دنیا میں اس وقت خدمت اسلام کی دعویدار اور بھی بڑی بڑی انجمنیں تھیں پھر جناب سید کشفی صاحب نظامی کی نگاہِ انتخاب اس پیغام کے لئے جماعت احمدیہ لاہور پر ہی کیوں پڑی کہ :۔

”مغربی دنیا پر کفر کی آندھیاں چھائی ہوئی ہیں۔ تو لاہور کے مرکز سے اُٹھی اور مغربی دنیا کے مرکزوں تک پہنچکر تو نے

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا پیغام سنا دیا

.......... تو نے ان کی سرزمین میں اسلام کا بیج بو دیا .......... مگر بیج بو کر اس کو چھوڑ دینا اور اس کی پرورش نہ کرنا دوبارہ غفلت کی نیند سو جانا ہے۔ تو اس سے زیادہ قربانی کے لئے تیار ہو جا۔ تو اس سے زیادہ جان نثاری دکھا۔ تو اس سے زیادہ مبلغوں کی جماعت پیدا کر جو .......... تمام دنیا کے قریہ قریہ میں پھیل جائیں .......... تو اپنے میں ایسی قوت اور جذبہ پیدا کر جس سے کفر کی آندھیاں دور ہو جائیں۔ تو یہ مت دیکھ کہ دوسرے مسلمان کیا کر رہے ہیں تو اپنا فرض ادا کر اور اس سے زیادہ کر جو اب تک کیا گیا ہے۔ قدرت تیرے کاموں کو دیکھ رہی ہے وہی تیرا معاون و مددگار ہے اس کے بھروسہ پر کفر کے

لشکر میں لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کا نغمہ سنا دے گی۔"

یہ بھی ہمارے گلشن کی بہار میرے دوستو! جس کا باغبان محمد علیؒ تھا اس کے بعد کچھ ایسی آندھیاں چلیں کہ اس بہار کے نظارے بھی ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ رفتار زمانہ کے گرد و غبار نے اس کی تابناک روشنیوں کو ڈھانپ لیا۔ رونق بزم ماند پڑ گئی۔ شمع محفل بجھ جانے کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی۔ جب ہم نے ہم آنکھ کھولی تو ہر سُو اندھیرا ہی اندھیرا تھا لیکن یہ قانونِ فطرت ہے کہ ہر شب کے بعد طلوع سحر ہوتا ہے اور ہر خزاں کے بعد بہار آتی ہے۔ نئی روشنیاں پھیلتی اور نئے شگوفے پھوٹتے ہیں۔ اور رونق بزم جہاں کی بساط بچھائی جاتی ہے۔ قرآن کریم بھی اس مایوسی میں اُمید کی کرن کی یوں خوشخبری دیتا ہے:۔

"اللہ وہ ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے۔ سو وہ بادل کو اٹھاتی ہیں۔ سو وہ اسے جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلاتا ہے اور اسے تہ بتہ کر دیتا ہے۔ پھر تو مینہ کو دیکھتا ہے کہ اس کے اندر سے نکلتا ہے سو جب وہ اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے اُسے پہنچاتا ہے تو وہ خوش ہوتے ہیں گو وہ اس سے پہلے جو ان پر اتارا جائے اس سے پہلے وہ بالکل مایوس تھے سو اللہ کی رحمت کے آثار کی طرف دیکھ کس طرح زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے بے شک وہی مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔"

حضرت مولانا محمد علیؒ مہاجر بھی تھے اور مجاہد بھی۔ مفکر بھی تھے اور شہید بھی۔ آپ نے دو بار ہجرت کی۔ ایک بار اپنے مرشد کے حکم پر اُس وقت جب آپ نوجوان تھے۔ تعلیم کی اعلیٰ سندیں آپ کے پاس تھیں اور ترقی کا بڑا وسیع میدان آپ کے سامنے تھا مگر حضرت صاحب کے ایک اشارے پر سب کچھ ترک کر کے قادیان جا بیٹھے۔ حضرت صاحب کی مومنانہ فراست نے یہ بھانپ لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس نوجوان سے اپنے دین کی خدمت کا وہ کام لینا چاہتا ہے جو اس کے اپنے لئے بھی ایک لازوال شہرت کا باعث بن جائے گا۔ صرف ۲۰ روپیہ ماہوار وظیفہ پر ریویو آف ریلیجنز کا کام سنبھالا۔ اس کے بعد جو کام بھی آپ کے سپرد ہوا اسے حسنِ تدبر اور خوش سلیقگی سے انجام دیا۔ آپ کا دل دنیا کی آلائشوں سے پاک تھا اس لئے صلہ اور ستائش کی پرواہ کئے بغیر آپ اپنی راہ پر چلتے رہے اور حضرت مولانا نورالدین علیہ الرحمۃ کی وفات تک قادیان میں مقیم رہے۔ جب ایک اقتدار پسند طبقہ نے حضرت صاحب کی طرف دعوے نبوت اور کلمہ گوؤں کو کافر کہنے کے غلط عقائد منسوب کئے اور اس طرح خلافت بالگدی کے قیام کی راہ ہموار کی اور آپ کا جینا قادیان میں دوبھر کر دیا تو آپ کو با دلِ ناخواستہ اپنے محبوب کی گلیوں کو چھوڑ کر لاہور ہجرت کرنی پڑی۔ آپ نے قادیان میں رہنے کے لئے مسجد کی جاروب کشی کو بھی اپنے لئے سعادت سمجھنے کا برملا اعلان کیا مگر خلافت کے متمنی لوگوں کو آپ کی علمی قابلیت اور تقوےٰ کے مدِنظر یہ خطرہ تھا کہ کسی وقت بھی جماعت کی کثرت ان کے ساتھ ہو جائے گی اور اس طرح قصرِ خلافت دھڑام سے نیچے آ رہے گا اس لئے آپ کا وہاں رہنا ناممکن بنا دیا گیا۔ آپ کے چند ساتھیوں نے لاہور میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی بُنیاد رکھی۔

آپ مجاہد اس لئے تھے کہ آپ نے تین جہاد کئے۔ ایک اپنے نفس کے ساتھ کہ اس کا گلا گھونٹ کر دین کی خاطر دنیا چھوڑ دی۔ دوسرا آپ کا وہ قلمی جہاد تھا جسکے نتیجے میں وہ نادر اور بیش بہا لٹریچر پیدا ہوا جس میں جدید دور کے سائنسی تقاضوں کا جواب موجود ہے اور جسکی افادیت اور قبولیت کی ایک ہلکی سی جھلک ہم اُوپر دکھا چکے ہیں۔

تیسرا جہاد ان باطل نظریات کے خلاف تھا جنہوں نے آپ کو قادیان چھوڑنے اور اپنا راستہ الگ کرنے پر مجبور کیا اور "النبوۃ فی الاسلام" لکھ کر حضرت صاحب کی اپنی کتب کے حوالوں سے مخالفین پر اتمام حجت کیا۔

یوں تو آپ کا پیدا کردہ بے شمار لٹریچر ہے۔ لیکن بیان القرآن فضل الباری اور ریلیجن آف اسلام ایسی تصانیف ہیں جو آپ کے اس دور کے عظیم مفکر ہونے پر مہرِ تصدیق ثبت کرتی ہیں اپنے آپ کو مفکر کہلانا اور لکھوانا کوئی مشکل امر نہیں لیکن جادو تو وہ ہوتا ہے جو سر چڑھ کر بولے۔ ہمیں کوئی تفسیر ایسی نہیں ملتی جس میں مشکل مقامات کی تشریح کے لئے بغیر حوالہ کے بیان القرآن سے مدد نہ لی گئی ہو۔ اور درس و تدریس میں اس سے استفادہ نہ کیا جاتا ہو۔ ریلیجن آف اسلام غیر ممالک اور دوسری زبانوں میں چھپتی ہے۔ اس پر مصنف کا نام تو ضرور ہوتا ہے لیکن "احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور" کا نام اس لئے حذف کر دیا جاتا ہے کہ کہیں محل اعتراض نہ رہے۔ مگر گلاب کو خوشبو سے اور خوشبو کو گلاب سے تو علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔

اگر اللہ کی راہ میں یعنی دین کی خدمت میں جان دینا شہادت ہے تو حضرت مولانا محمد علیؒ شہید بھی ہیں۔ اس لئے کہ آپ آخری دم تک قرآن کریم کی خدمت میں مصروف رہے۔ اسی راہ میں شب و روز کی ان تھک محنت خرابیٔ صحت کا موجب ہوئی لیکن خدمتِ اسلام کے راستہ میں رکاوٹ نہ بن سکی۔ قرآن کی خدمت کا غم بھی آپ کے ساتھ ہی دفن ہو گیا۔ اِنّا للہ و اِنّا اِلیہ راجعون۔

اگر ہم نے جو آپ کی قائم کردہ انجمن سے تعلق رکھنے والے ہیں آپ کی خدمات کا کماحقہٗ اعتراف نہیں کیا تو خدا کے ہاں آپ کے مقام کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ ہمیں یقین ہے کہ مسلمانوں کی آنے والی نسلیں چاہے وہ کہیں بھی ہوں اسلام کے اس عظیم فرزند کے کارناموں پر فخر کے ساتھ سر اُونچا کر کے اس کی روشنی میں آگے بڑھیں گی اور اسلام کے اصُولوں کی فتح کا جھنڈا گاڑ دیں گی۔ اس سے محرومی اور بدنصیبی اگر ہمارا مقدر ہے تو یہ ہماری شومیٔ قسمت ہے۔ ہم نہ شخصیت پرست ہیں اور نہ "پدرم سلطان بُود" کے قائل لیکن صالح اولاد وہی ہوتی ہے جو اپنے نیک صالح اور متقی باپ کے نقشِ قدم پر چلے۔ اس کے ترکہ اور ورثہ کی نہ صرف حفاظت کرے بلکہ اس میں اضافہ کے لئے دن رات مصروف رہے تاکہ جب دوسرے جہان میں اس کا سامنا اپنے آباؤ اجداد سے ہو تو وجوہٌ یومئذٍ مسفرۃ ضاحکۃ مستبشرۃ کے مصداق ان کے چہرے مسرت و انبساط کے جذبات سے چمک رہے ہوں۔

"ہم سے پہلے اس جہان سے کوچ کر جانے والے عظیم انسانوں کی زندگیاں ہمیں یہ یاد دلاتی ہیں کہ ہم بھی زندگی کی رفعتوں کو پا سکتے ہیں اس طرح کہ جب ہم یہاں سے رخصت ہوں تو زمانے کے ریگ زار پر اپنے پاؤں کے ایسے نقوش اپنے پیچھے چھوڑ جائیں کہ ہمارے بعد آنے والے انہیں دیکھ کر اپنی کشتیٔ حیات کو خوفناک چٹانوں سے بچا کر ساحلِ مراد تک پہنچانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔" (آزاد ترجمہ انگریزی نظم)

حضرت مولانا محمد علیؒ بھی ایسے ہی عظیم انسانوں میں سے تھے۔

محترمہ زکیہ شیخ صاحبہ بنت حضرت امیرؒ۔ لاہور

# ابّا جی
## آپکی یاد اور لمحۂ فکریہ

جس عظیم ہستی کو لوگ مجاہدِ کبیر، مجدّدِ زمان و مسیح موعودؑ کا محبوب شاگرد، زندہ جاوید، بین الاقوامی عزت و شہرت کا مالک۔ ترجمہ تفسیر قرآن اور گرانقدر بے مثال اسلامی لٹریچر کا مصنف اور ایسے دیگر اعلیٰ و ارفع ناموں سے یاد کرتے ہیں، میرے ابّاجی تھے۔ اس نام کے ساتھ ہی طمانیت قلب کا عکس لئے ہوئے ان کا پُر نُور باوقار مسکراتا ہوا چہرہ جس پر نرمی اور شفقت بدرجۂ اتم نظر آتی تھی میری آنکھوں کے آگے گھوم جاتا ہے۔ بچپن میں تو اپنی اس خوش قسمتی کا احساس ہی نہ تھا لیکن جب خدا نے ان کو اپنے پاس بُلا لیا اور خود بھی دُنیا کے واقعات سے دو چار ہونا پڑا تو احساس ہُوا کہ وہ کیا نعمت تھی اور ان کی شخصیت و حیات میں ہمارے لئے کیا پیام اور سبق تھے جن سے استفادہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اِسلام کی تعلیم کو بحیثیت ایک مصنف کے جس خوبصورتی اور سادگی سے وہ اسے صفحۂ قرطاس پر لائے اور دُنیا کے آگے پیش کیا اسی طرح وہ اس پر کاربند اور پابند تھے۔ اُنہوں نے دِین اور دُنیا کو جس خوبی سے نبھایا ہے وہ ہم سب کے لئے ایک قابلِ تقلید مثال ہے۔ بچپن ہی سے ہمیں اسلام سے محبت صرف اس لئے ہوئی کہ ان کا نمونہ ہمارے سامنے تھا۔ مذہب جسے بچے تو کیا بڑے بھی ایک خشک چیز سمجھتے ہیں، ہمارے لئے زندگی سے علیحدہ چیز معلوم نہ ہوتا تھا۔ بلکہ ہم میں تب ہی یہ احساس پیدا ہوا کہ دُنیاوی زندگی کی قدریں مذہب کی کسوٹی پر پُوری اُترتی ہیں۔ ہم نے زندگی کے سب ہی لوازمات پائے مثلاً تعلیم، تفریح اور باہمی میل جول وغیرہ اور یہ سب کچھ اسلامی تعلیم کے مطابق تھا۔ ایک مذہبی اور دِیندار باپ کی اولاد ہونے کی وجہ سے ہمیں کبھی یہ خیال نہ ہُوا تھا کہ مذہب کی وجہ سے ہم کسی دنیاوی دلبستگی اور نعمت سے محروم ہیں یا دِین کے لئے ان کی زندگی وقف ہے تو وہ ہم سے غافل ہیں یا خشک مزاج ہیں۔ بلکہ جب ابّاجی کی زندگی کے مشاغل اور واقعات پر نظر ڈالو تو حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح انہوں نے اسلام کی خدمات اور دنیاوی زندگی کو ساتھ ساتھ نبھایا اور وہ بھی نہایت احسن طریق پر، قرآن اور سُنّت کے مطابق۔

بحیثیت باپ ہونے کے انہوں نے اولاد کو اعلیٰ تعلیم دلائی جن میں لڑکیاں بھی شامل ہیں (کیونکہ اس وقت لڑکیوں کی تعلیم کو کوئی اہمیت نہ دی جاتی تھی بالخصوص مسلمانوں میں) لیکن ساتھ ہی دینی تعلیم کا بھی فکر تھا۔ زندگی کے آخری ایک آدھ سال کی بات ہے کہ میرا سب سے چھوٹا بھائی انگلستان میں تعلیم حاصل کر رہا تھا) تو ووکنگ سے ڈاکٹر عبداللہ مرحوم کا خط آیا جس میں اس نوجوان بچے کی دِینی دلچسپی اور قابلیت کا ذکر تھا۔ وہ خط پڑھتے ہی ابّاجی مرحوم کا چہرہ خوشی سے چمک اُٹھا گویا اُسے دُنیا کی سب سے بڑی ڈگری مل گئی ہو اور آپ نے گھر میں سب کو وہ خط پڑھ کر سنایا۔

ہمارے کالج اور سکول کے کام میں دلچسپی لیتے تھے۔ پھر رات کو کھانے کی میز پر ان کا معمول تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی زندگی کے حالات اور صحابہ کرامؓ کے تاریخی واقعات سنایا کرتے تھے۔ اس کے نتیجہ میں علاوہ کئی اور باتوں کے ہمارے دل میں یہ بات بھی نقش ہو گئی کہ ہر کام میں عزت ہے اور اپنا کام خود کرنے میں کوئی عار نہیں ہونی چاہیئے کیونکہ اس وقت عام طور پر گھروں میں کافی ملازم ہوا کرتے تھے۔ اگر کوئی گھر میں بیمار ہوتا تو ابّا جی دفتر سے لکھتے لکھتے اُٹھ کھڑے ہوتے تھے کیونکہ دَوا دینے اور ٹمپریچر لینے کا وقت ہو جاتا تھا اگرچہ گھر میں اور بھی کام کرنے والے موجود ہوتے تھے۔ حالت یہ تھی کہ جب وہ لکھا کرتے تھے تو میز پر اِدھر گرد کی بڑی بڑی کتابیں کُھلی رکھی ہوتی تھیں اور وہ یوں منہمک ہوتے تھے گویا انہیں اور کسی بات کی خبر نہیں مگر ہر کام کو خود بخود بغیر کسی کے یاد دلانے کے کرتے تھے خواہ وہ معمول کے مطابق ہو یا غیر مطابق۔

سادہ غذا اور جسمانی ورزش کے قائل تھے۔ علاوہ سیر کے گھر میں ہمارے ساتھ ٹینس اور بیڈمنٹن کھیلا کرتے تھے اور اکثر سنجیدہ مذاق بھی کیا کرتے تھے۔ جس سے گھر کی فضا میں خوشگوار شگفتگی سی رہتی تھی۔

وقت کی پابندی اور قوتِ ارادی کا پُورا مکمل نمونہ تھے۔ رات کو وقت پر جلد سوتے اور عین اڑھائی بجے رات کو بغیر کسی گھڑی کے الارم کے تہجّد کے لئے اُٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ سردی کے موسم میں خصوصاً اس وقت بچوں کے کمرے میں آ کر ان کے لحاف وغیرہ درست کر دیتے تھے۔ پھر اس کے بعد ایک مدھم میٹھی میٹھی آواز قرأت کی سنائی دیتی تھی اور فجر کی اذان تک یہ سماں بندھا رہتا تھا۔ بعد نماز فجر مسجد سے آ کر سَیر کے لئے چلے جاتے تھے۔ اور طلوعِ آفتاب کے معاً بعد گھر واپس آ جاتے تھے اور ہمیں اکثر کہا کرتے تھے کہ **فجر کی نماز کے بعد سونا نہیں چاہیئے** بلکہ کام کاج شروع کر دینے چاہئیں۔ اس ضمن میں مجھے ابھی تک ایک واقعہ یاد ہے کہ ایک مرتبہ ہم بہنیں کچھ عرصے کے بعد گھر میں اکٹھی ہوئی تھیں اور باتوں میں رات گئے تک جاگتے کی وجہ سے صبح کی نماز وقت پر ادا نہیں کی بلکہ جس وقت ابّا جی سیر سے واپس آئے تو ہم نماز پڑھ رہی تھیں اور سُورج نکل چکا تھا۔ ناشتے کی میز پر ابّا جی عموماً ہم سب سے پہلے آتے تھے لیکن اس دن وہ موجود نہ تھے۔ مَیں ان کے کمرے میں انہیں بلانے گئی تو ان کے چہرے پر برہمی کے آثار دیکھے وہ بہت کم ناراض اور خفا ہوتے۔ مَیں نے انہیں کہا کہ ناشتہ تیار ہے تو اب ان کے الفاظ مجھے پوری طرح یاد نہیں مگر یہ یاد رہ گیا کہ انہوں نے اس بات کو سخت ناپسند فرمایا کہ بغیر کسی معقول وجہ کے ہم نے نماز بر وقت ادا نہیں کی تھی۔ ان کا انداز اور لب و لہجہ کچھ ایسا سخت بھی نہ تھا، لیکن مجھے اپنی غلطی کا احساس اس شدّت سے ہوا کہ شاید کسی کی بڑی سے بڑی سرزنش بھی یوں اثر نہ کرتی۔ واپس آ کر اپنی بہنوں کو بتایا کہ ابّا جی کی غیر موجودگی کی یہ وجہ ہے۔

غالباً میرے چہرے کا تاثر ابّاجی نے دیکھ لیا تھا۔ چند منٹ بعد ہی وہ کھانے کے کمرے میں آ گئے اور ہمارے ساتھ ناشتہ کیا۔ اور اس دوران ہمیں یہ محسوس نہ ہونے دیا کہ انہیں کوئی ہم سے ناراضگی تھی یا اب ہے۔ ان کے اس طور طریقے سے اُن کی رنجش کی عظمت میرے دل میں گھر کر گئی جو آج تک قائم ہے۔ اب میں سوچتی ہوں کہ زیادہ لعنت ملامت کرنے کا نتیجہ ضروری نہیں کہ اچھا نکلے۔

حُسنِ اخلاق کا وہ ایک مکمل نمونہ تھے۔ ان کا دائرہ ملاقات نہایت وسیع تھا کیا احمدیوں میں اور کیا غیر احمدیوں میں۔ یہی وجہ تھی کہ غیر احمدیوں میں احمدیت اس قدر مقبول تھی۔ غیر احمدی مرد اور خواتین ہماری جماعت کو چندے دیا کرتے تھے۔ ہمارے سٹیج پر ان کی تقریریں ہوا کرتی تھیں، اور ہمارے عقائد اور کاموں کو وہ علی الاعلان سراہا کرتے تھے۔ پھر ابّا جی کی اپنی گفتگو بھی کوئی نہ کوئی قومی و دینی رنگ لئے ہوتی تھی، اور کئی سعید روحیں اس طرح اُن سے انجانے طور پر مستفید ہوتی تھیں۔ رنجشوں کو دِل میں بالکل جگہ نہ دیتے تھے۔ ایک واقعے سے مجھے بہت بڑا سبق حاصل ہوا۔ ان کے ایک احمدی دوست کسی بات پر اُن سے ناراض تھے اور اس حد تک ناراضگی دکھائی کہ اپنے بیٹے کی شادی پر ابّا جی کو نہ بُلایا حالانکہ ان کے رشتے داروں نے انہیں کہا بھی کہ یہ اچھی بات نہیں ہے مگر وہ نہ مانے۔ خیر شادی ہو گئی اور ابّا جی ان کے گھر انہیں مبارک دینے تشریف لے گئے۔ جب وہاں سے واپس آئے تو کسی نے کہا کہ ان صاحب نے تو آپ کو بلایا تک نہیں تھا۔ نہ حق ہمسائگی کا خیال

کیا اور آپ ان کے گھر انہیں بیٹے کی شادی پر مبارک باد دینے چلے گئے۔ تو ابا جی نے نہایت نرمی سے جواب دیا" انہوں نے جو مناسب سمجھا وہ کیا اور میں نے جو مناسب سمجھا وہ کیا"۔ اللہ اللہ کیا وسعت قلبی ہے اور کس طرح انہوں نے آئندہ ذاتی رنجشوں کو بڑھنے سے جڑھ سے کاٹ دیا۔ ورنہ دنیا میں تو یہ معمولی بات ہے کہ ایک رنجش بڑھتے بڑھتے آئندہ ہزاروں رنجشوں کا پیش خیمہ ثابت ہو جاتی ہے۔ پھر خصوصاً جماعت کا سوال ہو کہ جس کام میں باہمی تعاون ضروری ہے۔ اس طرح نہ صرف ذاتی بدمزگی قائم رہتی ہے بلکہ اجتماعی طور پر بھی نقصان پہنچتا ہے، کاش کہ ہم سب بھی دل میں اتنی ہی وسعت پیدا کریں۔ ہم ایک دینی پلیٹ فارم پر جمع ہیں اور اشاعت اسلام جیسے کام میں اس کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے۔ خدا تعالےٰ ہمیں اس کی توفیق دے آمین۔

عملی طور پر یہ ثابت کرکے کہ اسلام میں کیا سادگی اور جاذبیت ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ یہ پیام خود مسلمانوں کو اور دنیا کے دوسرے ملکوں اور قوموں کو نہ پہنچایا جائے۔ اباجی کا یہ عقیدہ اور یقین تھا کہ قرآن کو دوسروں تک پہنچانا ہمارا کام ہے آگے یہ اپنا کام خود کرے گا۔ اور زندگی کے آخری ایام میں انہوں نے وصیت بھی یہی کی تھی۔ جب میں نے یہ سنا کہ ان کا یہ آخری پیغام ہے تو اس بات کی صداقت میں مجھے ماضی کے دو واقعات یاد آ گئے ہیں جو شاید بظاہر تو چھوٹے ہوں مگر سبق بڑا دے گئے۔

پہلا واقعہ یوں ہے کہ میں ایف اے کے پہلے سال میں تعلیم پا رہی تھی۔ ہمارے کالج کی پرنسپل ایک انگریز عیسائی خاتون تھی اور نصاب کے ایک مضمون کے سلسلے میں سود اور نفع پر کچھ اس خیال کا اظہار کیا کہ سود اور نفع ایک چیز ہیں اور اسلام اس کو حرام قرار دیتا ہے۔ چنانچہ مسلمان قوم تجارت نہیں کر سکتی۔ اور اگر ایسا کرے گی تو مذہب کی خلاف ورزی ہوگی۔ خیر کلاس میں تو کسی نے کچھ نہ کہا، جب لیکچر ختم ہوا تو میں نے اس سے کہا کہ مجھے آپ کی بات سے اختلاف ہے اور اس کے متعلق اپنے والد سے پوچھ کر بتاؤں گی کیونکہ میرا علم اتنا وسیع نہیں ہے۔

میں نے گھر آکر اباجی سے ذکر کیا۔ اگلے روز صبح ہی مجھے اباجی نے اس موضوع پر دو تین صفحے اپنی قلم سے لکھے ہوئے دیئے اور پڑھاتے اور ساتھ ہی قرآن شریف بھی دیا کہ اپنی پرنسپل کو دے دینا۔ دو تین روز کے بعد پرنسپل نے مجھے اپنے دفتر میں بلایا اور اباجی کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ انہوں نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ بالکل ٹھیک ہے اور ساتھ ہی اس نے قرآن شریف اپنے پاس رکھنے کی اجازت چاہی، کیونکہ دوسری استانیاں (یہ سب بھی انگریز تھیں) بھی اس کو پڑھنا چاہتی تھیں۔ باقی دو سال کے عرصے میں میں نے محسوس کیا کہ اس نے اسلام کے متعلق کبھی تعصب سے کام نہ لیا۔ اور کلاس میں اس نے دوبارہ اس موضوع پر لیکچر دیا۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ محترمہ لیڈی محمد شفیع صاحبہ مرحومہ کے صاحبزادے کی شادی پر اباجی نے ریلیجن آف اسلام بطور تحفہ دی۔ کوئی تین چار ماہ بعد موصوفہ محترمہ ہمارے گھر آئیں اور اباجی سے کہا کہ میں خاص طور پر بتلانے آئی ہوں کہ میرے بیٹے نے یہ کتاب اس وقت پڑھی جب وہ شادی کے بعد بذریعہ سمندری جہاز انگلستان کی سیر کو بیوی کو ساتھ لے کر گیا اور جہاز میں ہی اس نے یہ تمام کتاب پڑھ ڈالی، اور واپس آکر کہا کہ مجھے یہ نہ معلوم تھا کہ اسلام اس قدر آسان اور دلچسپ مذہب ہے اور جب میں اس کتاب کو پڑھتا تھا تو چھوڑنے کو دل نہ چاہتا تھا۔ وہ صرف یہ بات بتانے کی غرض سے آئیں تو دیکھئے اس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ اگر ہم احمدی اسلام اور قرآن کو دوسروں تک پہنچائیں تو وہ اپنا کام آگے خود نہ کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولوی صاحبان اور علماء کرام نے اسلام کو اس قدر سخت گیر اور پیچیدہ، غیر ضروری مسئلے مسائل میں الجھا ہوا خلافِ فطرت سخت مذہب بنا کر پیش کیا ہوا ہے کہ اسلام کی اصل تعلیم بالکل بگڑ گئی۔ نوجوان اور فہمیدہ طبقہ اس سے متنفر ہو گیا اور مذہب کو ایک ناقابلِ عمل چیز سمجھنے لگا۔

اسلام کی خوبصورت تعلیم پر یہ بدنما داغ تھے جنہیں احمدیت نے دور کیا۔ جب آپ کے امیر کو اپنی جماعت اپنے بچوں کی طرح بلکہ بچوں سے بڑھ کر عزیز تھی اور وہ ہر وقت اس کی ترقی کے خواہاں اور فکرمند تھے تو کیوں نہ ان کی یاد میں آج ہم پھر اس عہد کی تجدید کریں کہ ہم دین کو دنیا پر مقدم کریں گے۔ اور زندگی کے ہر رنگ اور ہر میدان میں ہم اس عہد کے پابند رہیں گے۔

میل جول۔ رسم و رواج اور دیگر دنیاوی مشاغل میں خدا اور اس کے رسول کے حکم کو سامنے رکھیں گے۔ بچوں کو دینی تربیت خود نمونہ بن کر دیں گے کیونکہ بچپن کے بیتے ہوئے واقعات جو دلوں پر نقش ہو جاتے ہیں آئندہ زندگی میں بنیادوں کا کام دیتے ہیں۔ ہم خود بھی اشاعتِ قرآن کو اپنی زندگی کا نصب العین بنائیں اور خدا سے توفیق پانے کی دردِ دل سے دعا کریں ÷

---

# دارالسلام میں

# یومِ حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

---

مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۷۶ء بروز اتوار جامع دارالسلام میں یومِ حضرت امیر مرحوم منایا گیا جس میں جماعت کے چند[1] بلند پایہ مقررین نے چودھویں صدی کے اس عظیم محقق و مفکرِ اسلام کے حضور اپنے اپنے رنگ میں نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ اور امامِ وقت کے اس شاگردِ رشید، مجاہد اسلام کے فضائل پر روشنی ڈالی اور مثالیں دے کر بتایا کہ حضرت امیر مرحوم کی شخصیت ایمان و استقامت کا ایک زندہ نمونہ تھی۔ مکرم جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب نے اپنے مخصوص اور دلچسپ انداز میں مصر کے ایک اشاعتی ادارہ کی شائع کردہ "ریلیجن آف اسلام" اپنے دونوں ہاتھ بلند کر کے دکھلائی اور کہا اسے کہتے ہیں جادو وہ جو سر چڑھ بولے۔ مزید فرمایا کہ مصر کے اس ادارہ نے حضرت مولنا مرحوم کے نام سے تو کتاب شائع کر دی ہے۔ مگر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا نام حذف کر دیا ہے۔

اسلامی علم و معرفت کی اس شمع فروزاں اور کانِ احمدیت کے اس لعلِ بے بدل کی نورانی کرنوں سے ساری دنیا روشن ہونے لگی ہے۔ اس مقبولِ بارگاہِ الٰہی کی دینی کاوشیں اب رنگ لا رہی ہیں اور اسلام کا نور دور دور تک پھیل رہا ہے۔

محترم فاروقی صاحب نے اپنی تقریر میں بتایا کہ مولانا مرحوم کی علمی خدمات کا یہ عالم ہے۔ جہاں جماعت کے نام تک کو کوئی نہیں جانتا۔ وہاں بھی مولانا کے نام کو کسی نہ کسی کتاب کے واسطہ سے لوگ جانتے ہیں۔

---

[1] جناب نصیر احمد فاروقی صاحب۔ جناب میرزا مسعود بیگ صاحب۔ جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب۔ جناب چوہدری مسعود اختر صاحب ÷ (ماسٹر عبدالسلام لہادرہ)

---

# مبشرات

میں نے محمد علی اور ان کے والد کی پیشانیوں پر انوارِ الٰہی کی چمک دیکھی ہے۔

(مولنا نورالدین)

مکرم جناب نصیر احمد فاروقی صاحب

# "ہمارا کام ہے قرآن کو دُنیا میں پہنچا دینا - آگے قرآن اپنا کام خود کرے گا۔"

# حضرت امیر مرحوم کی وصیّت

۲۹ر ستمبر ۱۹۵۰ء کی تاریخ تھی - جمعہ کا دن تھا - وہ دن اور تاریخ میرے دماغ میں کالنقش فی الحجر ہیں - حضرت امیر مرحوم میرے کراچی کے غریب خانہ پہ دل کے مرض سے صاحبِ فراش تھے - اس روز طبیعت علی الصبح غیر معمولی طور پر بگڑ گئی تو معالج ڈاکٹر عبدالرحیم پراچہ صاحب کو بلایا گیا - انہوں نے معائنہ کرکے ٹیکے لگائے - جاتے ہوئے مجھے علیحدہ لے گئے اور کہا "یہ آج کسی وقت فوت ہو جائیں گے - اس لئے آج آپ دفتر نہ جائیں - ہم میں سے کسی کو اس خطرہ کا علم نہ تھا - مجھے ڈاکٹر صاحب کی بات سُن کر ازحد شاق اور صدمہ ہوا - میں اوروں کو پریشان نہ کرنے کی خاطر ڈاکٹر صاحب کے آخری ریمارک کا کسی سے ذکر نہ کیا - مگر میں دفتر بھی نہ گیا -

مگر میرے چھپائے حضرت امیر مرحوم کی حالت چھپنے والی نہ تھی - کوئی دن کے دس گیارہ بجے میں نے جاکر حضرت کے جسم کو ہاتھ لگایا تو وہ برف کی طرح ٹھنڈا تھا - نبض کو دیکھا تو بالکل محسوس نہ ہوتی تھی - سانس بھی آتا جاتا معلوم نہ دیتا تھا - آنکھیں بند تھیں - ڈاکٹر صاحب کی رائے کی تصدیق ہوگئی - میرے لئے سوائے اس کے چارہ نہ تھا کہ اس بڑی گھڑی کا انتظار کروں جس کا انتباہ ڈاکٹر صاحب نے کیا تھا - مگر وقت کاٹے کٹتا نہ تھا - دل بہلانے کے لئے میں اپنے مکان کی اوپر کی منزل میں جہاں میرا کمرہ تھا بیٹھ کر کوئی کتاب لے کر پڑھنے لگا -

کچھ عرصہ بعد میری بڑی ہمشیرہ جو حضرت امیر مرحوم کی بیگم تھیں اور دن رات کی تیمارداری میں لگی ہوئی تھیں اُن کی اونچی آواز میرے کانوں میں پڑی - "نصیر احمد - نصیر احمد" میرے دل کو دھکا سا لگا اور میں دوڑتا ہوا سیڑھیوں سے اُترا تو وہاں میری ہمشیرہ محترمہ کھڑی تھیں - وہ فرمانے لگیں "تمہیں بلا رہے ہیں" تو میری جان میں جان آئی - میں گیا - دیکھا تو حالت وہی تھی - آنکھیں بند تھیں - سانس کے آنے جانے کا کوئی نشان نہ تھا - میں نے دیکھا کہ ہونٹ کچھ ہل رہے ہیں مگر کمزوری اس قدر تھی کہ آواز نکلتی معلوم نہ دیتی تھی - میں نے قریب جا کر سُننا چاہا تو بھی کچھ سنائی نہ دیا - آخر جب میرا کان ان کے ہونٹوں کے قریب گیا تو سنائی دیا کہ آپ فرما رہے ہیں :—

"ہمارا کام ہے قرآن کو دُنیا میں پہنچا دینا - آگے قرآن اپنا کام خود کرے گا۔"

مجھے احساس ہوا کہ اپنا آخری وقت دیکھ کر حضرت امیر نے مجھے بُلا کر اپنی یہ وصیت جماعت کے نام دی ہے - میں نے پھر جسم کو ہاتھ لگایا تو وہ ٹھنڈا برف تھا - نبض کا کہیں پتہ نہ چلتا تھا - میں نے گھڑی دیکھی تو دن کے بارہ یا شاید ایک بجا تھا - میں نے اپنی ہمشیرہ محترمہ سے کہا "میں آج جمعہ کے لئے نہیں جاتا" تو وہ فرمانے لگیں "گھر پہ بیٹھ کر کیا کرو گے - اچھا ہے کہ جاؤ اور وہاں ان کے لئے دُعا کراؤ -

## جمعہ میں دُعا

اُن دنوں کراچی میں جمعہ کا خطبہ میں دیا کرتا تھا - میں نے خطبہ میں جماعت کو حضرت امیر کی نازک حالت بلکہ آخری وقت کی اطلاع دی اور کہا "میری طبیعت اس قدر پریشان اور متفکر ہے کہ میں خطبہ کیا دوں گا - آیئے مل کر دُعا کریں کہ اللہ تعالٰے جیسا کہ اُس نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے چاہے تو مردہ کو زندہ کر سکتا ہے۔" چنانچہ بجائے خطبہ کے تمام جماعت نے لمبی دُعا کی - اسی طرح نماز کیا تھی اور سجدے کیا تھے سوائے اسی دُعا کے - خُدا جانے وہاں کس کے دردِ دل کی دُعا تھی جو جناب باری میں مقبول ہوئی - میں گھر واپس لوٹا تو حضرت امیر کی حالت بہتر ہو چکی تھی - سانس آتا جاتا معلوم دیتا تھا - نبض میں بھی جان پڑ گئی تھی - جسم میں بھی کچھ حرارت آگئی تھی - آہستہ آہستہ حضرت کی طبیعت بہتر ہوگئی اور ماہ اکتوبر میں وہ لاہور تشریف لے گئے - باوجود ڈاکٹر صاحب کی قطعی رائے کے کہ موت کا دن آگیا ہے اور تمام آثار کے جو ان کی رائے کی تصدیق کرتے تھے اللہ تعالےٰ نے رجوع برحمت فرمایا اور مُردہ کو زندہ ہماری آنکھوں کے آگے کر دکھایا — فالحمد للّٰہ علےٰ ذالک -

## جلسۂ سالانہ پہ عجب اتفاق

حضرت امیر کی وفات پھر سال کے بعد اسی ماہ اکتوبر میں ہوئی - اس سال یعنے ۱۹۵۱ء کے سالانہ جلسہ کے موقعہ پہ احمدیہ بلڈنگس لاہور میں اپنی تقریر میں حضرت امیر مرحوم کی متذکرہ بالا وصیت کو جماعت تک پہنچانے کے لئے تمہید باندھ رہا تھا اور جب میں نے وصیت کے الفاظ سنانے تو عین اسی وقت کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم والی گلی سے نو مُسلم ہوبوم صاحب آ رہے ہیں اور اُن کی بغل میں ایک پارسل ہے انہوں نے وہ پارسل مجھے سٹیج پہ بھجوایا - کھولا تو قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ و تفسیر کی وہ آخری ایڈیشن تھی جس کے پروف ختم کرکے حضرت امیر مرحوم اپنے مولیٰ سے جا ملے - چنانچہ میں نے اُسے حاضرین جلسہ کو دکھایا - کوئی چاہے تو اسے محض اتفاق کہے - توارد کہے - جو چاہے کہے - مگر ڈاکٹر عبداللہ مرحوم و مغفور کا ووکنگ سے اس قرآن پاک کے آخری ایڈیشن کو جو حضرت امیر مرحوم کے ہاتھوں مکمل ہوا تھا مسٹر ہوبوم کے ہاتھ بھیجنا اور مسٹر ہوبوم کا بغیر کسی اطلاع کے عین اس وقت پہنچنا کہ جماعت جمع تھی اور میں انہیں حضرت امیر مرحوم کی وصیت سنا رہا تھا کہ "ہمارا کام ہے قرآن کو دنیا میں پہنچا دینا - آگے قرآن اپنا کام خود کرے گا۔" میری رائے میں ایک نشانِ الٰہی تھا کہ محمد علی تو اپنا کام کر گیا - اس نے مرتے دم تک قرآن کریم کے پروف بسترِ مرض کے سرہانے کو اونچا کرکے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ٹھیک کئے - اب یہ تمہارے پاس امانت ہے - اسے دنیا میں پہنچانا تمہارا کام ہے -

ایسے مردانِ خدا ہیں جو یہ کام ابھی بھی کر رہے ہیں - ان میں خاص طور پر قابلِ ذکر ہمارے کراچی کے دوست جناب محمد حسن خان صاحب ہیں جنہوں نے اپنی جیب سے اپنے عزیزوں سے اور اپنے احباب سے چندہ کرکے کئی سو قرآن کریم دنیا میں مفت بھجوانے کا انتظام کیا - فجزاہ اللّٰہ احسن الجزاء - کچھ اور بھی لوگ ہیں جو اس کام کے لئے ہرماہ معقول رقم دیتے ہیں مجھے معلوم نہیں کہ وہ اپنا نام ظاہر کرنا پسند کریں گے یا نہیں اس لئے میں ان کے نام نہیں لکھتا - مگر اللہ تعالےٰ کی جناب میں ان کے نام سنہری حروف سے لکھے جا رہے ہیں وما عند اللّٰہ خیرٌ للابرار -

## قرآن اپنا کام خود کرے گا

حضرت امیر مرحوم کا فرمانا کہ قرآن اپنا کام خود کرے گا محض ایک جذباتی بات نہ تھی۔ خود قرآن کریم نے کئی جگہ اس کتاب کے معجزانہ تصرفات کا ذکر فرمایا ہے۔ اور یہی اس پاک کتاب کے منجانب اللہ ہونے کا زبردست ثبوت ہے۔ اور یہی وہ بات ہے (منجملہ اور باتوں کے) جن کے بارہ میں قرآن کریم کا چیلنج کہ اس جیسی کتاب دیا اس کا کچھ حصہ) تم سب مل کر ہی لکھ لاؤ اگر جیسا کہ تم کہتے ہو کہ محمد (صلعم) نے (نعوذ باللہ) خود لکھ لی ہے آج تک کسی نے قبول نہیں کیا اور نہ کبھی کرے گا یہ بات بھی اس عظیم الشان کتاب نے پہلے سے خود ہی فرمادی کہ د ان لم تفعلوا ولن تفعلوا یعنے اگر تم ایسا نہ کر سکو اور تم کبھی ایسا نہ کر سکو گے تو پھر اپنے انجام کی فکر کرو۔ یہ چیلنج اور پیشگوئی قرآن کریم کے منجانب اللہ ہونے کا ایسا ثبوت ہے کہ عالم کی گردن بھی اس کے سامنے جھک جاتی ہے اور جاہل بھی سمجھ سکتا ہے۔

قرآن کریم نے خود اپنے معجزانہ اثر کا ذکر کئی جگہ کیا ہے۔ ان میں سے ایک کو سُن لیجئے:۔

ولو ان قرانًا سیرت بہ الجبال او قطعت بہ الارض او کلم بہ الموتیٰ ط بل للہ الامر جمیعًا ط افلم یایئس الذین امنوا ان لو یشآء اللہ لھدی الناس جمیعًا ط ولا یزال الذین کفروا تصیبھم بما صنعوا قارعۃ او تحل قریبًا من دارھم حتیٰ یاتی وعد اللہ ط ان اللہ لا یخلف المیعاد ٥ (الرعد ۱۳-۳۱)

لفظی ترجمہ اس آیت شریفہ کا یوں ہے:۔

اگر کوئی قرآن ایسا ہو سکتا ہے کہ جس سے پہاڑ دور کر دیئے جائیں یا اس سے زمین کو قطع کر دیا جائے یا اس کے ذریعہ سے مردے باتیں کرنے لگیں (تو وہ قرآن یہی ہے) بلکہ سب باتیں اللہ کے اختیار میں ہیں۔ تو کیا جو ایمان لائے ہیں کہیں مایوس تو نہیں ہو گئے کہ اگر اللہ چاہتے تو سب ہی لوگوں کو ہدایت دے دے۔ اور جو کافر ہیں انہیں اس کی وجہ سے جو وہ کرتے ہیں کوئی نہ کوئی مصیبت پہنچتی رہے گی یا ان کے گھر کے قریب اُترے گی۔ یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آ جائے۔ بیشک اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

## آیت کی تفسیر

اس آیت شریفہ میں ایک سمندر ہے علم کا خصوصًا علم غیب کا۔ مختصراً جو باتیں اس میں فرمائی ہیں وہ یہ ہیں:۔

۱۔ اس قرآن سے پہاڑ ہٹا دیئے جائیں گے۔
۲۔ اور اس سے زمین کو قطع کر دیا جائے گا۔
۳۔ اس سے مردے بولنے لگیں گے
۴۔ یہ سب باتیں اللہ تعالےٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔
۵۔ ممکن ہے کہ جو ایمان لائے ہیں وہ اس بات سے مایوس ہی ہوں۔ مگر اگر اللہ تعالےٰ چاہے تو سب کے سب لوگوں کو ہدایت دے دے۔
۶۔ اس معجزانہ تبدیلی کے لئے کافروں کو ان کی بدعملیوں کی وجہ سے کوئی نہ کوئی مصیبت پہنچتی رہے گی یا وہ ان کے گھر کے قریب آ اترے گی
۷۔ یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ کا وعدہ آ جائے اور اللہ تعالےٰ کبھی اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

. . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . .

## پہاڑوں کا ہٹ دیا جانا

اگر لغوی معنوں پر اصرار کیا جائے تو اس آیت شریفہ کے معنی بالکل سمجھ نہیں آ سکتے۔ کیا قرآن کریم نعوذ باللہ کوئی ڈائنامیٹ یا بارود ہے جس سے پہاڑ اُڑا دیئے جائیں گے۔ یا کیا وہ نعوذ باللہ ایک قینچی ہے جس سے زمین کو کاٹ دیا جائے گا۔ یا وہ نعوذ باللہ کوئی دوائی ہے جس سے مُردے بولنے لگ جائیں گے؟ جان لینا چاہیئے کہ قرآن کریم میں پیشگوئیاں استعارہ کی زبان میں آتی ہیں جس کی وجہ سے وہ ایک پردۂ اخفا میں ہوتی ہیں یہاں تک کہ وقت آ جائے کہ وہ پوری ہوں تب جا کر پتہ لگتا ہے کہ ان کا راز کیا تھا۔

عربی زبان میں اگر جبل پہاڑ کو کہا جاتا ہے تو بڑے آدمی کو بھی کہا جاتا ہے۔ اور مشکلات کا بھی پہاڑ ہوتا ہے۔ تو یہاں یہ فرمایا کہ قرآن کریم کی راہ میں اگر بڑے لوگ آئیں گے تو وہ بھی ہٹا دیئے جائیں گے ایک مثال ہی لے لیجئے۔ ابتدائے اسلام میں عمر ابن الخطاب اسلام اور مسلمانوں کے سخت ترین دشمنوں میں سے تھے اور محمد صلعم کے قتل کی تگ و دو میں عرصہ تک رہے۔ مگر قرآن کریم کو جب انہوں نے سُنا تو اُن کے دل پہ ایسا اثر ہوا کہ وہ نہ صرف فوراً ایمان لے آئے بلکہ حضرت عُمر بن کر محدث بنے اور رسول اللہ صلعم کی جہاں نثاری میں اور اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے اُنہوں نے وہ کام کئے کہ ان کی عظمت اور افادیت کو مسلمان تو کیا غیر مسلموں تک نے مانا ہے اسی بات کو قرآن کریم نے دوسری جگہ یوں فرمایا ہے کہ:۔

لو انزلنا ھذا القران علےٰ جبل لرایتہ خاشعًا متصدعًا من خشیۃ اللہ ط وتلک الامثال نضربھا للناس لعلھم یتفکرون۔ (الحشر ۵۹-۲۱)

یعنی اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اُتارتے تو تُو اسے اللہ کے خوف سے گرا ہوا پھٹا ہوا دیکھتا اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور کریں۔

اس قرآن نے اگر اس زمانہ میں حضرت عُمرؓ کے دل کو کھا لیا تو اس زمانہ میں جرمنی کے مشہور فلسفی، شاعر اور ڈرامہ نویس گوئٹے کے دل کو بھی کھا لیا جب اس نے کہا (اور وہ بھی کسی عیسائی جرمن کے ترجمہ کو پڑھ کر) کہ یہ کتاب ایسی ہے کہ انسان اسے انتہائی نفرت سے کہ بھی پڑھنا شروع کرے تو جب ختم کرے گا تو وہ اس کے دل میں اپنے لئے انتہائی محبت کو پیدا کر دیتی ہے۔ اگر گوئٹے قرآن کریم کے صحیح معنے اور معارف پر آگاہی پاتا تو یقینًا مسلمان ہوئے بغیر نہ رہتا۔ قرآن کریم کے بڑے بڑے معاند کے بھی دل کو کھا جانے کی اور بھی مثالیں ہیں مگر طوالت کے خوف سے میں ان کا ذکر نہیں کرتا مگر یہ بات ضرور کہوں گا کہ اگر ہم قرآن کریم کو محض ریشم کے جزدانوں میں رکھیں یا تبرکًا پڑھ لیا کریں اور اس کتاب کو دنیا میں نہ پھیلائیں تو پھر اس کے اثرات اور معجزانہ تصرفات کو کیسے جان سکیں گے؟

## زمین کا قطع ہونا

رسول اللہ صلعم اکیلے اور انتہائی بے سرو سامانی کی حالت میں تھے جب تمام دنیا کی اصلاح کا کام آپ کے سپرد کیا گیا۔ کرۂ ارض کی وسعت اور آپ کی بے سرو سامانی کو دیکھ کر کس کے دل میں یہ خیال نہ آتا کہ ساری دنیا میں حق کو کس طرح پہنچایا جا سکتا ہے۔ تو قرآن کریم نے پہلی بات یہ فرمائی کہ وہ زمانہ آ رہا ہے کہ دنیا باوجود اپنی وسعت کے سُکیڑ دی جائے گی۔ چنانچہ آمد و رفت کے وسائل اس زمانہ میں

اس قدر تیز ہو گئے ہیں کہ تمام دنیا کا چکر ایک دن میں یا چند گھنٹوں میں لگایا جا سکتا ہے۔ اخبارات، ریڈیو ٹیلیویژن (جو آسمان میں متعین سیٹلائیٹوں سے تمام دنیا میں اب دکھایا جا سکتا ہے) ہوائی ڈاک وغیرہ ایسے سامان پیدا ہو گئے ہیں کہ زمین کو قطع کرنا یعنے اس کی مسافت کو طے کرنا بالکل آسان ہو گیا ہے۔

دوسری بات زمین کو قطع کرنے میں یہ فرمائی کہ اگرچہ مبلغ اسلام چاہے وہ ایک ہو یا ہماری جیسی چھوٹی سی جماعت ہو تمام دنیا میں پہنچ نہ بھی سکے تو یہ قرآن کریم دنیا کے کونوں میں پھیل جائے گا اور زمین کی مسافت کو بخوبی طے کر لے گا۔ سو نظارہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ دنیا کا کونسا ملک ہے چاہے وہاں کی زبان انگریزی نہ بھی ہو جہاں ہمارا قرآن کریم (ترجمہ و تفسیر) نہیں پہنچا اور اس نے وہاں وہ کام کیا کہ کوئی مبلغ نہیں کر سکتا تھا۔ بلکہ حضرت مجدد مرزا غلام احمد صاحب نے خود لکھا ہے کہ مبلغ بھیجنا خطرہ سے خالی نہیں کہ ان کے نمونہ کے کسی نقص کی وجہ سے وہاں کے لوگوں کو ابتلاء آ سکتا ہے اس لئے اصل توجہ قرآن کریم کے تراجم کر کے اور دوسرے لٹریچر کو دنیا میں پہنچانے کی طرف ہونی چاہیئے۔

## مُردوں کا بول پڑنا

تیسرا قرآن کریم کا اعجاز یہ بتایا کہ اس سے مُردے بول پڑیں گے۔ اب آج تک کسی نے قرآن کریم سے جسمانی مُردے کو نہیں بلوایا۔ ظاہر ہے کہ رُوحانی مردوں کا ذکر ہے۔ اب چاروں طرف دیکھ لیجئے کہ روحانی مُردگی نظر آتی ہے اور کون یقین کر سکتا ہے کہ اس زمانہ کی دہریت دنیا پرستی، دولت پرستی اور شہوت پرستی کو چھوڑ کر دُنیا روحانی زندگی کی طرف آئے گی۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ ہاں آئے گی اور نہ صرف آئے گی بلکہ روحانی علم و معرفت کے بول ان موجود رُوحانی مردوں کی زبانوں سے نکلیں گے۔ کیا رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں جو روحانی مردگی نہ صرف عرب میں بلکہ تمام معروف دنیا میں تھی اس سے بڑھ کر کوئی مایوس کُن حالت ہو سکتی تھی؟ مگر ان روحانی مُردوں کی زبان سے کیا رُوحانی علم و معرفت کی باتیں نکلیں کہ وہ آج ہمارا بیش قیمت خزانہ ہیں۔ اسی طرح انشاء اللہ دوبارہ اس زمانہ میں ہوگا۔ اذا جآء نصر اللہ والفتح ...... انہ کان توابا (النصر ۱۱۰) میں فرمایا کہ جس طرح رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں جب خدا کی نصرت آئی تو لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہوئے اسی طرح دوبارہ ہوگا جو کہ الفاظ انہ کان توابا میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالےٰ پھر اسی طرح رجوع برحمت کرے گا مگر اس کے لئے تم فسبح بحمد ربک یعنے اللہ تعالےٰ کی تسبیح اور حمد کو دنیا میں پھیلانے والے بنو اور واستغفرہ میں فرمایا کہ اپنی کوتاہیوں یا کمزوریوں یا تبلیغ کے کام میں نقائص کے لئے استغفار بھی کرو کہ تمہاری کوتاہیوں کے باوجود اللہ تعالےٰ اس مشکل کو تکمیل تک پہنچائے۔

## تقدیر و قدرتِ الٰہی

چوتھی اور پانچویں بات سورۃ الرعد کی آیت مذکورہ میں یہ فرمائی تھی کہ یہ معجزانہ تصرفات کہ پہاڑ ہٹا دیئے جائیں گے یا زمین کو قطع کر دیا جائے گا۔ مُردے بول پڑیں گے انسان کے لئے ممکن ہیں مگر اللہ تعالےٰ کے اختیار میں سب معاملہ ہے بل للہ الامر جمیعًا۔ پھر فرمایا کہ اگرچہ حالات ایسے بھی ہوں جیسے آج کل کے ہیں کہ خود مسلمان بھی اس بات سے مایوس ہوں کہ قرآن کریم یہ انقلاب عظیم پیدا کر دے گا تو بھی اگر اللہ چاہے تو وہ تمام نسلِ انسانی کو ہدایت عطا فرما سکتا ہے۔

یاد رہے کہ موجودہ زمانہ میں جو کچھ لوگ کہتے یا لکھتے ہیں کہ قرآن کو دنیا میں پھیلاؤ تو یہ یقیناً اس زمانہ کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے خیالات کی ترجمانی ہے۔ انیسویں صدی کے آخر میں جو مسلمانوں میں مایوسی تھی بلکہ عیسائیت کے تابڑ توڑ حملوں کا وہ جواب نہ رکھتے تھے اسے سوائے حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے اور آپ کے خدام کے اور کس نے دُور کیا؟ عیسائیت کے ہزارہا اعتراضات کا کس نے منہ توڑ جواب دیا؟ اور قرآن کریم کے تراجم کر کے اور انہیں دنیا میں پھیلا کر کس نے یہ پیشگوئی پوری کر دکھائی کہ قرآن کریم دُنیا کی مشکلات کا واحد حل ہے؟ آج جو لوگ انہی خیالات کو اپناتے ہیں جانیں یا نہ جانیں تاریخ گواہ ہے کہ یہ مجدد وقت اور آپ کی جماعت کے برکت سے ہے۔

## کفّار پر مصائب کا آنا

سورۃ الرعد کی مذکورہ آیت میں چھٹی بات یہ فرمائی تھی کہ اس انقلاب کے آنے کے لئے اللہ تعالےٰ کفّار کو ان کی بدعملیوں کی وجہ سے اسی دنیا میں مصائب میں مبتلا کرے گا۔ جیسا کہ الم نشرح ہے کہ اس زمانہ میں عیسائی اقوام نے رُوحانیت کو چھوڑ کر حیوانیت کو اختیار کر لیا ہے۔ انکی اخلاقی زندگی کو دیکھ لیجئے کہ وہ کام جو حیوان نہیں کرتے مثلاً خلافِ فطرت جنسی تعلقات انہیں آج یورپ و امریکہ میں کھلم کھلا اور فخریہ کیا جا رہا ہے۔ سو حیوان صرف ایک زبان سمجھتا ہے اور وہ ہے سزا کی۔ اس کے لئے لفظ اس پاک کتاب نے قارعہ استعمال فرمایا۔ قرع کے معنی ہیں ایک کا دوسرے پہ مارنا۔ سو کیا پیاری یہ کتاب ہے کہ فرمایا کہ ہم عیسائی اقوام کو ایک دوسرے پر اُٹھا ماریں گے۔ سورۃ الکہف ۱۸ کی آیات ۹۹ اور ۱۰۰ میں صاف فرمایا ہے وترکنا بعضھم یومئذٍ یموج فی بعض ونفخ فی الصور یعنے جس طرح عیسائی اقوام خدا کو چھوڑ دیں گی اللہ تعالےٰ بھی ان کو چھوڑ دیگا کہ وہ ایک دوسرے میں اسی طرح ٹکریں ماریں گے جس طرح کہ سمندر کی موجیں ٹکراتی ہیں اور جنگ کا صور پھونکا جائے گا فجمعنھم جمعا یعنے ہم ان عیسائی اقوام کو ان جنگوں میں جمع کر دیں گے جو کہ پچھلی دو عالمگیر جنگوں میں ہم نے دیکھا ہے کہ دُور دراز ممالک سے کھنچ کر عیسائی اقوام ان جنگوں میں آ پڑتی ہیں۔ کرہ ارض کے جنوب میں آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے دُور دراز ملکوں سے لے کر امریکہ اور روس، سویڈن، ناروے کے شمالی ممالک تک تمام عیسائی اقوام ان جنگوں میں کھنچی آتی ہیں۔

جنگوں کے علاوہ سرد جنگ (COLD WAR) کی حالت ہر وقت ان اقوام میں رہتی ہے اور اس میں بھی اگر یہ قومیں ایک دوسرے کے خلاف نہ ہوں یا آپس کا تصادم نہ پیدا کریں تو یہ عیسائی اقوام اپنی دولت علمی و تکنیکی ترقیات۔ فوجی طاقت وغیرہ کے بل بوتے پر دوسری تمام قوموں کو غلام کر لیتیں۔ مگر اللہ تعالےٰ نے ان کے باہمی تصادم کو دوسروں کے لئے باعث رحمت بنا دیا ہے۔

## او تحل قریبًا من دارھم

کیا عجیب اور پیاری کتاب قرآن کریم ہے کہ فرمایا کہ جنگیں یا دوسرے مصائب ان کے گھروں کے قریب اُتریں گے۔ سو دیکھ لیجئے کہ پرانے زمانوں میں جنگیں میدانِ جنگ میں ہوتی تھیں۔ یہ صورت نہ تھی کہ ہوائی جہازوں اور راکٹوں کی وجہ سے یورپ کے کسی شہر کے گھر محفوظ نہ رہے بلکہ وہ تباہی و بربادی اور موتا موتی ان شہروں میں ہوئی کہ دُنیا کی تاریخ میں کبھی نہیں ہوئی تھی اور پھر جنگوں کے درمیان میں دوسرے مصائب آ رہے ہیں وہ بھی ان کے گھروں میں اتر رہے ہیں مثلاً ان کی گھریلو زندگیاں برباد ہو گئی ہیں۔ زناکاری و بدکاری اور شراب خوری نے خاندانی زندگیوں کو تباہ کر دیا ہے۔ ان کی اولاد ان سے باغی ہے یا ہپی بن کر آوارہ ہو گئی ہے۔ گھر کا کوئی سکھ نصیب نہیں رہا۔ ہمارے مشرقی لوگ جو مغرب زدہ ہیں اُن میں بھی یہ بیماریاں اسی لئے پیدا ہو رہی ہیں کہ بجائے اپنے مذہب کی اتباع

(باقی ص ۱۲ کالم ۲)

محترم جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب:

# انگریزی ترجمہ و تفسیرِ قرآن از حضرت مولانا محمد علیؒ ....... اِنقلاب انگیز و عہد آفریں کارنامہ

ع گلشنِ اِسلام را دادی بہارِ تازۂ ✦ خانۂ الحاد و کفر و شرک ویراں کردۂ

(۱) "مولانا محمد علی کے انگریزی ترجمہ و تفسیر کی تبلیغی افادیت سے انکار گویا سُورج کی روشنی سے انکار کرنا ہے، اس کے ذریعہ ہزاروں مسلمانوں کے ایمان دوبارہ قائم ہو گئے اور لاکھوں غیر مُسلم دین کے قریب آ گئے۔" ——————— (مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی)

(۲) "انگریزی ترجمہ و تفسیر کے ذریعہ مولانا محمد علی نے اپنے آپ کو زندہ جاوید کر لیا ہے۔ ......... انگریزی زبان میں مولانا محمد علی صاحب کے شاہکار ترجمہ و تفسیر کے مقابل ایسا کوئی دوسرا ترجمہ و تفسیر موجود نہیں ......... انہوں نے سابقہ مترجموں کی بیسیوں غلطیوں کی اصلاح فرمائی ہے اور جہاں کہیں انہوں نے اختلاف کیا ہے وہاں ان کا ترجمہ یا تو بالکل درست ہے یا ان کے ترجمہ کی بناء عربی کی مستند لغات پر ہے۔" (حافظ غلام سرور صاحب)

(۳) "اس وقت کئی ایک تراجم قرآن انگریزی زبان میں کئے جا رہے ہیں مگر شرفِ اوّلیت مولانا محمد علی صاحب کو ہے انگریزی خواں طبقہ کو موجودہ وقتوں میں قرآن کریم سے جو لگاؤ پیدا ہوا اس کا باعث مولانا صاحب کا ترجمہ ہے۔" ——————— (شیخ محمد اکرام صاحب موج کوثر)

(۴) "مترجم کے دلائل کا ادراک ایک علمی غذا ہے۔ اس کا اسلوب مغربی ہے۔ بلکہ میرے نزدیک سائنٹیفک ہے۔ ......... انسانی تخلیق کے ادبی شاہکاروں میں مولانا محمد علی صاحب کا انگریزی ترجمۃ القرآن ایک ممتاز و شہرۂ آفاق حیثیت رکھتا ہے۔" (دی ٹیلیگراف انڈیا دہلی ۱۹۲۹ء)

کسی انسان کی سچّی قدر و منزلت کا معیار اس کا اپنا کام ہے۔ دیکھنا یہ پڑتا ہے کہ کسی شخص نے کس اہمیت و نوعیت کا کام اپنی زندگی میں انجام دیا۔ نیز اس کے کام کی مقدار کیا ہے۔ قبل اس کے کہ حضرت مولانا محمد علیؒ کے انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن کے کام کی قدر و منزلت کا ذکر کیا جائے پہلے یہ بتلا دینا ضروری ہے کہ آپ نے اپنی پچاسی سالہ زندگی میں کتنا علمی کام کیا۔ مولانا صاحب نے خود ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ میرے قلم سے قریباً پچاس ہزار صفحات انگریزی اور ستر ہزار صفحات اُردو کے لکھے گئے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا یہ اندازہ صرف اپنی کتُب کی بناء پر ہے مگر جس قدر چھوٹے کتابچے، پمفلٹ، اشتہار اور خطبات و مضامین آپ نے لکھے ان کا شمار ان صفحات میں نہیں کیا گیا۔ آپ کے قلم کی تیز رفتاری کا کچھ اندازہ حافظ غلام سرور صاحب کے اس ریمارک سے کیا جا سکتا ہے جو حافظ صاحب نے اپنے ترجمۃ القرآن انگریزی کے دیباچہ میں اس طرح کیا ہے:—

"مولانا صاحب نے لکھا ہے کہ اس ترجمہ پر آپ نے سات سال کا عرصہ صرف کیا لیکن اگر کوئی اور شخص اس کام کو کرتا تو وہ دس بیس سال یا تیس اس سے بھی زیادہ عرصہ لگانے پر ایسا عمدہ ترجمہ و تفسیر نہیں کر سکتا تھا۔"

یہاں یہ یاد رہے کہ ترجمۃ القرآن و تفسیر انگریزی کا کام جو حضرت مولاناؒ نے انجام دیا عالمِ اسلام میں قریباً ایک نیا کام تھا۔ نہ صرف اس کے لئے پہلے کوئی مواد موجود نہ تھا بلکہ یہ بھی کہ آپ نے یہ کام سرسری طور پر نہیں کیا بلکہ اس کے لئے قریباً جُملہ لغاتِ عربی و تفاسیر مُطالعہ کیں۔ پھر مغربی مصنّفین کے اعتراضات کے جو وہ اسلام پر کرتے ہیں بھی مدلّل جوابات دیئے ہیں۔ اس امر کا ثبوت آپ کے ترجمہ و تفسیری نوٹوں سے بخوبی ملتا ہے۔ پھر نہ صرف یہی بلکہ قرآن کریم کی سُورتوں کا خلاصہ مضمون، سورتوں کا باہمی ربط، رکوعوں کا خلاصہ یہ سب بالکل ایک نیا کام تھا۔ جو کسی مفسّر نے پہلی مرتبہ انجام دیا۔ اس کا مقصد بھی واضح ہے کہ مخالفین کا سب سے بڑا اعتراض اس پاک کتاب پر یہ تھا کہ اس کی سورتوں میں نہ کوئی مضامین کی ترتیب ہے نہ ان کا باہمی کوئی ربط و تعلق ہے۔

چنانچہ اس اہم اعتراض کا نہایت مدلّل و معقول جواب یوں دیا کہ سورتوں اور رکوعوں کے نہ صرف خلاصہ مضامین دیئے گئے ہیں بلکہ ان کا باہمی ربط و تعلق بھی واضح کیا گیا ہے۔ اب جو شخص اس پہلو سے جانچے گا وہ بخوبی معلوم کر لے گا کہ کس قدر عظیم محنت اور قلبی انہاک سے آپ نے یہ کام کیا۔ کہتے ہیں آپ اس میں ایسے استغراق سے منہمک رہا کرتے تھے کہ گھنٹوں متواتر بیٹھے رہنے کے باعث آپ کی ٹانگیں شَل ہو جایا کرتیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے مرشد حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ نے اس آسمانی کتاب پر ایسا سچی یقین پیدا کیا اور اس قدر محبت اور لگاؤ اس پاک کتاب سے لگا دیا تھا کہ اس دلی شوق کے باعث انسان اپنے آپ کو بھُول جاتا۔ پھر مستزاد یہ کہ خود مولانا صاحبؒ کی اپنی طبع کو ایسے علمی کام سے کامل مناسبت تھی جس میں آپ بجائے تھکن کے راحت اور خوشی محسوس کرتے تھے۔

## عشقِ قرآن کا عالی جذبہ۔ اور ترجمہ و تفسیر انگریزی

جو شخص بھی آپ کے مضامین و خطبات کو پڑھے گا یا آپ کی کتُب کا مطالعہ کرے گا تو اُسے یہ لازماً محسوس ہوگا کہ آپ کے اندر اس پاک کتاب سے حقیقی عشق اور اس کے عالمگیر اشاعت کا درد و تڑپ کوٹ کوٹ کر بھرے ہُوئے تھے۔ چنانچہ آپ جماعت کو ہمیشہ اسی طرف توجہ دلاتے رہتے تھے کہ تکمیل اشاعت قرآن کے ذرائع میسّر آ جائیں۔ اس کتاب اللہ کے تراجم جُملہ زبانوں میں ہو کر پھیلا دیئے جائیں۔ چنانچہ اپنی موت سے قبل آپ نے جو فقرہ فرمایا وہ یہی تھا کہ "ہمارا کام دنیا میں اس قرآن کو پہنچا دینا ہے پھر یہ اپنا کام خود کرے گا۔" کیونکہ آپ کو خوب یقین تھا کہ جو منصف مزاج اس کتاب کی سچی تعلیم سے آگاہ ہوگا وہ کبھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے گا۔ لو انزلنا ھٰذا القرآن علیٰ جبلٍ لرأیتہٗ خاشعًا متصدعًا من خشیۃ اللّٰہ کی تفسیر آپ کے نزدیک یہی تھی کہ بڑے سے بڑا انسان بھی اسے پڑھ کر موم ہو جائے گا۔ جیسے کہ حضرت عمرؓ کا قبولِ اسلام ثابت کرتا ہے کہ حضرت عمرؓ گھر سے نکلے تو اس نیت سے تھے کہ آنحضرت صلعم کو نعوذ باللہ قتل کر دیں گے لیکن لیکن بہن کے گھر پہنچ کر جب سورۃ طٰہٰ سُنی جس میں یہ آتا ہے کہ طٰہٰ ما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ۔ یعنے اس قرآن کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ اسے قبولیت حاصل ہو، اس فرقانی ارشاد سے یہ لازم آیا کہ جو صحیح الفطرت انسان قرآن کریم کی تعلیم فطرتی کو مطالعہ کرے گا وہ اس سے متاثر ہوئے بغیر کبھی نہیں رہ سکتا۔

ترجمہ و تفسیر قرآن انگریزی کے کام پر جو محنت شاقہ قریباً دس برس تک صرف ہوئی۔ اس سے جو نتیجہ نکلا وہ پھر حافظ غلام سرور صاحب کے الفاظ

کو دوسری طرف ایسا عظیم فروغ ہوا کہ دنیا میں اس کی کوئی مثال نہیں۔ بجز ان کے علاوہ اس انگریزی ترجمہ و تفسیر نے یہ ثابت کیا کہ اگر پہلے وقتوں میں قرآنی ہدایت نے دنیا کو نجات دلائی تھی تو اس مادی دور میں بھی اس ہدایت نامہ خداوندی کی پھر سے لابدی ضرورت پڑی ہے، نہ صرف ضرورت ہے بلکہ یہ پیشگوئی بھی پیش کی گئی کہ **اس وقت بھی دنیا پر قرآنی علوم ہی عنقریب غالب آنے والے ہیں اور یہ وہ منشاءِ ایزدی ہے جو اٹل و مقدر ہو چکا ہے** - ایسے زبردست و عظیم مضامین سے یہ ترجمہ و تفسیر لبریز ہے اور یہی باعث ہے کہ جب انہیں مدلل و معقول پیرایہ میں پیش کیا گیا تو اس عالی تصنیف کا وہ اثر مترتب ہوا جیسے اوپر مولٰنا عبدالماجد صاحب کے الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔ ۱۹۶۸ء میں مسٹر ریٹ نے بھی "اسلام اور پاکستان" کے عنوان کے تحت جو کتاب شائع کی اس میں بھی جماعت احمدیہ کی طرف سے مسلمانوں کے دینِ اسلام کی سچائی پر دوبارہ ایمان و یقین پیدا ہونے کو منسوب کیا ہے۔ جائے غور ہے!

مردہ و مایوس قوم کے قلوب کو دینی ایمان و یقین سے پھر سے منور کر دینا اگر **نشأۃ ثانیہ اسلامیہ** کا کارنامہ انجام دینا نہیں تو اسے اور کیا کہا جائے گا۔ مایوسی اور بے ایمانی عظیم ترین گناہ اور موت ہیں۔ انکو یاس و امید بلکہ زندگی و یقین سے بدل دینا ایسا ظاہری کام تو نہیں جو کسی عمارت یا حکومت کی مانند ظاہر بین آنکھوں سے دیکھا جا سکے۔ لیکن یہ باطنی انقلاب کیا واقعی وہی بات نہیں جس کی بابت حدیث شریف میں آیا **لو کان الایمان معلقًا بالثریا لنالہ رجل من ابناء فارس؟ آسمان پر چلے گئے ایمان کو دوبارہ زمینی قلوب میں گاڑ دینا کیا انسانی بس کی بات ہے؟** مُردہ رُوحوں میں پھر سے حرارت و حرکتِ یقین کا پیدا کر دکھلانے کو ہی تو حقیقی مسیحیّت کہتے ہیں۔ اس میں کیا شبہ ہے کہ حضرت مولانا کا ترجمہ مسیح وقت کا ہی کارنامہ ہے جو مشیتِ ایزدی کے تحت انجام پذیر ہوا جیسے کہ خود حضرت مولانا نے دیباچہ میں اس کا برملا اعتراف فرمایا ہے:

> "جس شخص نے میرے دل میں قرآن کریم کی خدمت کا شوق پیدا کیا وہ اس زمانہ کے امام حضرت مرزا غلام احمد مجدد دوران بانیٔ سلسلہ احمدیہ ہیں۔ میں نے آپ کے بہائے ہوئے علوم کے چشمہ سے خوب سیر ہو کر پیا ہے۔"

نہ صرف مولانا صاحب کے اس اقرار سے بلکہ خود حضرت اقدسؑ کی اس پیشگوئی اور رؤیاء سے یہ امر بکلّی ثابت ہے کہ ترجمہ انگریزی کا یہ بے نظیر کارنامہ الٰہی منشاء و مشیّت کے تحت انجام پایا ہے۔ چنانچہ حضرت اقدسؑ نے ازالہ اوہام میں یہ پیشگوئی فرمائی تھی:-

> "میرا ارادہ ہے کہ قرآن کا ترجمہ انگریزی زبان میں کرا کے اور ایک تفسیر بھی تیار کر کے مغربی ممالک میں بھیجی جائے اور میں یہ کہنے سے رُک نہیں سکتا کہ یہ میرا کام ہے جیسے مجھ سے ہوگا یا اس سے جو میری شاخ ہے اور اس لئے مجھ ہی میں داخل ہے ایسا دوسرے سے ہرگز نہ ہو سکے گا۔"

اب اگر تاریخ کی شہادت یہ ہے کہ اس ترجمہ نے ایمان و یقین کے میدان میں انقلاب انگیز اور تاریخ ساز کارنامہ انجام دیا ہے تو پھر اس میں کونسے شک و شبہ کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ یہ وہ بے مثل ترجمہ و تفسیر ہے جس کی پیشگوئی ۱۸۹۱ء میں حضرت اقدسؑ نے فرما کر اسے **اپنی شاخ کا** کارنامہ قرار دیا تھا۔ واقعات شاہد ہیں اور مسلمان اکابرین کی آراء بھی یہی ہیں کہ اسی ترجمہ و تفسیر سے مسلمان قوم کے مُردہ قلوب میں یقین پیدا ہوا کہ خدا تعالےٰ کی ہمکلامی و ہدایت واقعی برحق اور قرآن کریم خدائی ہمکلامی کا اعلےٰ ترین و کامل ترین شاہکار ہے۔ نیز یہ کہ اس خدائی کلام[۴] کی جو بے نظیر و بے مثال ہے دوبارہ اب دنیا کو ہلاکت سے بچنے کے لئے

# احمدیہ ہاؤس لندن میں نمازِ عید

مکرم شیخ محمد طفیل صاحب فرماتے ہیں:-

عید کے لئے ہم سب نے مل کر گھر کی صفائی کی تھی۔ جمیلہ۔ ہارون۔ شاہد عزیز اور خاکسار نے جھاڑو دیا۔ فرش کو رگڑا چیزوں کو ادھر اُدھر ترتیب سے رکھا۔ میں نے خیال کیا کہ ٹائلٹ کی دیواریں نمی کی وجہ سے خراب ہو رہی ہیں ان پر دوبارہ رنگ و روغن کر دیا جائے۔ امید تھی کہ ایک دن میں کام ختم ہو جائے گا لیکن شروع کیا تو معلوم ہوا کہ اُوپر کے غسلخانے سے پانی دیوار میں پڑتا ہے غسلخانے میں جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ چھت کی نالی سے پانی چھلک کر اس دیوار پر پڑتا تھا۔ غرضیکہ میرے دل میں تو بہت کام رفو کا نکلا ایک دن کی بجائے چار پانچ روز لگ گئے۔ پھر معاملہ کچھ کچھ ٹھیک ہوا۔ عید کی تیاریوں کے سلسلہ میں محترمہ رضیہ فاروقی۔ ناصرہ نے سوئیاں تیار کرنے کی ذمّہ داری لی ہے۔ مشتاق ملک جہلمی اور ان کی اہلیہ۔ خالد اقبال۔ عبدالسلام نے پلاؤ پکانے کا وعدہ کیا۔ جمیلہ۔ شاہد عزیز۔ مسٹر رحمان اور ان کی اہلیہ نے گوشت پکانے کا ذمّہ لیا ہے۔ ماہ پارا اقبال بیمار ہو گئیں۔ کوثر ظفر ہسپتال میں ہیں دان کے بیٹا ہوا ہے۔ اس خوشی میں رشن کو پانچ پونڈ دیئے ہیں) اس لئے وہ عید کے انتظامات میں شریک نہیں ہو سکیں۔ ڈاکٹر پاشا سعید۔ مسٹر مجید علی۔ مسٹر ہارون۔ مسٹر یوسف محمد، منیر اعجاز اور دیگر دوستوں نے عید کے انتظامات کے لئے مالی امداد دینے کا انتظام کیا۔ حمید چودھری صاحب نے چاولوں پوری مہیا کی اللہ تعالےٰ ان سب کو جزائے خیر دے۔

۲۴ر ستمبر آخری روزہ تھا۔ مسٹر محمد ہارون اور ان کی فیملی نے اپنے ہاں افطاری کا انتظام کیا۔ گیانا کے بہت سے دوست بھی بلائے گئے تھے محترمی ڈاکٹر سعید احمد صاحب اور خاکسار کو بھی مدعو کیا۔ تراویح کے بعد بھی دیر تک احباب سے بعض مسائل پر گفتگو ہوتی رہی۔ رات بارہ بجے پھر احمدیہ ہاؤس لوٹا۔ دوسرے دن عید کے انتظامات کرتے تھے۔ اس لئے وڈکنگ نہیں گیا۔

لندن اور انگلستان کے دوسرے شہروں میں عید ہفتہ اور اتوار کو منائی گئی ہم نے ۲۶ر ستمبر اتوار کو عید کی نماز کا اعلان کیا تھا۔ اُوپر نیچے کے کمرے لوگوں سے بھر گئے تھے۔ خدا کے فضل سے بہت رونق تھی۔ محمد ہارون صاحب نے خطبہ اور نماز کے لئے لاؤڈ سپیکر کا انتظام کیا۔ محترمی جناب خان بہادر ڈاکٹر سعید احمد صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں نماز پڑھائی اور بعد میں ایک مؤثر اور بلیغ خطبہ دیا۔

عید کے پروگرام کو بچوں کے لئے دلچسپ بنانے کے لئے تمام حاضر بچوں کو مٹھائیوں اور دیگر کھلونوں کی شکل میں انعامات دیئے گئے۔ عید کے لئے بہت سے غیر از جماعت اور بعض غیر مسلم دوست بھی شریک تھے۔ جگہ کی قلت کے باعث زیادہ لوگوں کو مدعو نہ کیا جا سکا۔ احمدیہ ہاؤس کے ایک حصہ میں ابھی ایک کرایہ دار باقی ہے۔ وہ چلا جائے تو ہمارے لئے کچھ فراخی ہو جائے گی۔ شاید آئندہ دو چار مہینوں میں رُخصت ہو جائے

ہالینڈ سے محترمی الحاج عبدالرحیم جگر صاحب نے لکھا ہے اس سال جلسہ سالانہ پر ان کا ارادہ ہے اور ان کے ساتھ پانچ چھ احباب اور بھی ہوں گے۔ اگر ممکن ہوا تو جگر صاحب اپنے احمدی احباب کو ملنے کے لئے کشمیر بھی جائیں گے۔ انکی پاکستان کو

---

[۴] اشد ترین ضرورت پڑی ہے۔ اسی طرح "براہین احمدیہ" میں جب حضرت اقدسؑ کو آنحضرتؐ اور پنج تن کی زیارت نصیب ہوئی تو اس وقت آپ کو جو تفسیر قرآن دی گئی اس کی بابت بتلایا گیا کہ "یہ تفسیر قرآن علی نے کی ہے اور علی یہ تفسیر اب تجھے دیتا ہے"۔ اس پاک کشف میں حضرت علیؓ کا تفسیر قرآن دینا دو طرح منطبق ہوتا ہے۔ اوّلاً یہ کہ حضرت مولانا کو بھی انگریزی میں مسٹر علی ہی کہا جائیگا۔ دوئم یہ کہ آنحضرت صلعم نے حضرت علیؓ کو باب العلم*

مکرم جناب مرزا مسعود بیگ صاحب ایم۔اے

# جماعت کی تربیت کے لئے حضرت امیر مرحوم کی مساعی حسنہ

هوالذی بعث فی الامیین رسولا ......... ......... العزیز الحکیم۔
(سورۃ الجمعہ ۲/۱)

حضرت امیر مرحوم و مغفور مولانا محمد علی صاحب کی وفات پر آج پورے پچیس سال گذر چکے ہیں۔ اور اسی طرح وقت بیتتا جائے گا حتیٰ کہ وہ لوگ بھی جنہوں نے حضرت ممدوح کو دیکھا تھا یا ان کے ساتھ کام کیا تھا اور ان کی پاکیزہ محبت سے سرفراز ہوئے تھے ایک ایک کرکے اس دنیا سے اٹھ جائیں گے۔ لیکن وہ عظیم الشان کام جو حضرت ممدوح نے اپنے زندگی حیات سر انجام دیا وہ ہمیشہ قائم اور زندہ جاوید رہے گا۔ اور آنے والی نسلیں اس کام سے ہی حضرت مولانا کی عظمت اور رفعتِ شان کا اندازہ کریں گی کیونکہ آپ کا وجود اُن تاریخ ساز ہستیوں میں سے تھا جن کے نقوش دوام کے بارہ میں کہا گیا ہے۔

تلك آثارنا تدل علينا + فانظروا بعدنا على الآثار

حضرت امیر علیہ الرحمۃ نے پوری نصف صدی قرآن مجید کی خدمت و اشاعت اور اسلام کی حمایت میں قلم چلایا اور اپنے و پرائے یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوئے کہ اس زمانہ میں مولانا محمد علی صاحبؒ سے زیادہ اور طویل ترمدت کے لئے اور شان اور مرتبہ اور افادیت کے لحاظ سے عظیم تر کام کسی انسان نے سر انجام نہیں دیا۔ اُردو اور انگریزی تفاسیر کے علاوہ آپ نے ساٹھ کے قریب کتب تصنیف فرمائیں اور نوّے کے قریب کتابچے یا رسائل تصنیف کئے جو ہزاروں کی تعداد میں شائع اور تقسیم ہوئے اور کتابوں کے کئی ایڈیشن اب تک شائع ہو چکے ہیں۔ مصنفین بالعموم دنیا کے باقی علائق اور اشغال سے کوئی سروکار نہیں رکھتے اور تمام ذمہ داریوں سے فارغ ہو کر وہ دماغ سوزی کا کام کرتے ہیں۔ لیکن حضرت مولانا مرحوم و مغفور کا یہ کمال تھا کہ ان بلند پایہ تصانیف کے ساتھ ہی ساتھ جماعت کی تعلیم و تربیت، اس کی توسیع و تنظیم و استحکام کی طرف پوری توجہ دیتے۔ انجمن کے صدر اور امیرِ جماعت کی حیثیت سے انتظامی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتے۔ دفتری اُمور کی نگرانی فرماتے اور ایسی نگرانی کہ چھوٹی سے چھوٹی جزئیات تک کا خیال رکھتے اور انجمن کے پیسے پیسے کی حفاظت فرماتے اور نہ صرف اپنی جماعت کی رہبری بلکہ عامۃ المسلمین کی رہنمائی بھی فرماتے۔ آج کی صحبت میں نہایت اختصار کے ساتھ ان مساعی حسنہ کا ذکر کیا جائے گا جو جماعت احمدیہ کی تعمیر و تربیت کے سلسلہ میں آپ کے طریقِ کار میں شامل تھیں۔

## درسِ قرآن کریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی بنیاد ۳ مئی ۱۹۱۴ء کو رکھی گئی۔ اور جماعت کی تعلیم و تربیت کا سب سے پہلا کام جو حضرت امیر مرحوم نے شروع کیا وہ قرآن مجید کا درس تھا۔ اس درس میں احبابِ جماعت لاہور کے علاوہ غیر از جماعت دوست بھی شریک ہوتے اور حضرت مولانا کے فرمودہ معارفِ قرآنی سے استفادہ کرتے۔ انہی لوگوں میں مولانا ظفر علی خاں صاحب مدیر "زمیندار" بھی تھے جو اس درس سے اور حضرت امیر مرحوم کی خدماتِ اسلامی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ آپ نے اخبار "زمیندار" مورخہ ۱۵ر ۱۹۱۵ء میں اس کا برملا اعتراف کیا اور یوں رقمطراز ہوئے: ————

"جناب مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے ان عزیزالوجود بزرگوں میں سے ہیں جن کی عالمانہ زندگی کا کوئی لمحہ خدمتِ اسلام سے خالی نہیں رہتا روزانہ قرآن کریم کا درس دیتے ہیں اور ہر آیت کی تفسیر میں حقائق و معارف کے دریا بہا دیتے ہیں۔ حال ہی میں اس درس کے اہم اقتباسات انہوں نے خود ہی قلمبند کرکے شائع فرمائے ہیں اور اس خوبی کی تفسیر ہے کہ شاید اُردو زبان کا خزانہ ایسے تابناک جواہر ریزے بڑی مشکلوں سے بھی نہ نکال سکے"۔

یہ درس جو ایک رکوع روزانہ کے حساب سے ہوتا تھا دسمبر ۱۹۱۷ء تک جاری رہا اور اس عرصہ میں امیر مرحوم و مغفور نے پورے قرآن مجید کی تفسیر بیان فرمائی۔ ۱۹۱۸ء سے آپ نے قرآن مجید کا دوسرا دَور شروع کیا اور ایک چوتھائی پارہ روزانہ بیان فرماتے تا کہ چار ماہ میں قرآن مجید کا دَور مکمل ہو جائے۔ چنانچہ اپریل ۱۹۱۸ء میں یہ دَور ختم ہوا اور اس میں شمولیت کے لئے بیرون از لاہور بہت سے احبابِ جماعت بھی آئے اور چار ماہ تک لاہور میں مقیم رہ کر انہوں نے قرآن پاک کا علم حاصل کیا۔ اس کے بعد پھر ایک رکوع روزانہ کا درس شروع ہوا۔ نمازِ مغرب کے بعد مسجد احمدیہ بلڈنگس میں حضرت امیر مرحوم کھڑے ہو کر درس دیا کرتے تھے اور راقم الحروف کو بھی ان درسوں میں شمولیت کی سعادت حاصل ہوئی۔ وقتاً فوقتاً حضرت ممدوح سامعین کا تحریری امتحان بھی لیا کرتے تھے۔ ۲۳-۱۹۲۲ء میں جب رمضان المبارک کا مہینہ آیا تو نمازِ عصر سے مغرب تک ایک پارہ روزانہ آپ نے درس میں ختم کیا۔ اس سے قبل ۱۹۱۷ء میں جب آپ ایبٹ آباد میں موسم گرما گزار رہے تھے تو وہاں بھی رمضان شریف میں ایک پارہ روزانہ آپ نے ختم کیا۔ اور جماعت کے کئی دوست ایک ماہ کی رخصت لے کر ایبٹ آباد چلے گئے اور پورے قرآن مجید کے مطالب سننے کی سعادت حاصل کی اس درس میں بھی بہت سے غیر از جماعت احباب شامل ہوتے رہے۔ ایک مرتبہ آپ نے جماعت کے مبلغین اور تبلیغی کلاس کے طلباء کے لئے قرآن مجید کا درس دیا، اور ان مقامات کی بالخصوص تفسیر بیان فرمائی جن پر ایک مبلغ کو اچھی طرح عبور ہونا چاہیئے۔ قرآن مجید کے درس کے علاوہ ہفتہ میں دو تین دن آپ حدیث بخاری کا درس بھی دیا کرتے تھے اور درس قرآن کا سلسلہ جو مختلف پیرایوں میں ہوتا تھا ۱۹۱۴ء سے لے کر ۱۹۳۰ء تک برابر جاری رہا اور جماعت لاہور نے اس سے خوب استفادہ کیا۔

قومی تعمیر کے سلسلہ میں سب سے پہلا ادارہ جو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے قائم کیا وہ اشاعتِ اسلام کالج تھا جو دسمبر ۱۹۱۴ء میں قائم ہوا۔ خود حضرت امیر مرحوم و مغفور اس کالج کے سربراہ تھے۔ اور کالج کے افتتاح پر سب سے پہلا لیکچر حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم نے دیا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر بیان فرمائی۔ اس کالج کے اولین طلباء میں ہماری جماعت کے مایۂ ناز مبلغ حضرت مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی اور "پیغام صلح" کے سابق مدیر فاضل مولوی دوست محمدؒ بھی شامل تھے۔

## خطباتِ جمعہ

قومی زندگی کو سنوارنے اور معاشرہ کی تربیت میں خطبہ جمعہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ لیکن جماعتِ احمدیہ کے قیام سے قبل جمعہ کی اہمیت بہت کم ہو چکی تھی اور اس کی عدم فرضیت کے بارہ میں کئی مسائل گھڑے گئے تھے جہاں نمازِ جمعہ پڑھی جاتی تھی وہاں عربی زبان میں ایک مطبوعہ خطبہ پڑھ کر سُنا دیا جاتا تھا اور سامعین کو کچھ بھی حاصل نہ ہوتا تھا۔ احمدیہ جماعت نے جس طرح درسِ قرآن کا سلسلہ شروع کرکے علومِ قرآنی کے حصول کا شوق دلوں میں پیدا کیا اور آج جگہ جگہ درسِ قرآن ہو رہے ہیں اسی طرح نمازِ جمعہ کی اہمیت کو قائم کیا اور اپنی زبان میں خطبہ کو رواج دیا تاکہ سامعین کے علم میں اضافہ ہو اور ان کی اخلاقی تربیت ہو اور وہ وقت کے تقاضوں

کے مطابق اپنی زندگیوں میں تبدیلی پیدا کر سکیں۔ انگریزوں کے زمانہ میں نمازِ جمعہ کے لئے دو گھنٹہ کی رخصت کا جو قانون پاس ہوا وہ بھی حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی تحریک اور جماعت احمدیہ کی مساعی سے ہوا تھا۔ الغرض ایک احمدی کی عملی زندگی میں نمازِ جمعہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

حضرت امیر مرحوم و مغفور نے خطبات جمعہ کے ذریعہ جماعت کی کماحقہٗ تربیت فرمائی۔ ہر جمعہ کا خطبہ ایک نیا پیغام لے کر آتا اور آپ پینتالیس منٹ کے قریب قوم سے خطاب فرماتے۔ آپ کے خطبات قرآن مجید کے مطالب، جماعتی ضروریات، مسلمانوں کے قومی مسائل، اشاعتِ اسلام کی اہمیت اور قرآن مجید کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچانے کی ضرورت پر مبنی ہوتے تھے۔ آپ خطبہ ایسے انداز میں دیا کرتے تھے جس طرح اُستاد اپنا سبق اچھی طرح تیار کر کے کلاس میں آتا ہے۔ نفسِ مضمون پُر مغز اور رُوحانیت سے بریز ہوتا تھا۔ آپ کے خطبوں میں نہ تکرار ہوتا تھا اور نہ پہلے مضمون کا اعادہ بلکہ ہر جمعہ کے دن ایک نیا مضمون بیان ہوتا تھا اور ایک تازہ لذیذ اور نئی رُوحانی غذا آپ قوم کے سامنے پیش فرماتے تھے، اور سامعین ہمہ تن گوش ہو کر خطبہ کا ایک ایک حرف سُنتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم نے فرمایا کہ وہ ہر مقرر کی تقریر کے چند فقرے سُن کر یہ سمجھ جاتے ہیں کہ اس مقرر نے آگے کیا کہنا ہے۔ لیکن مولانا محمد علی صاحب کی تقریر یا خُطبہ کے بارہ میں انہوں نے اعتراف کیا کہ ایک فقرہ کے بعد دوسرے فقرہ کا انتظار ہوتا ہے اور مولانا ممدوح وہ نکات بیان فرماتے ہیں جو پہلے سے سامع کے ذہن میں نہیں ہوتے۔

موسمِ گرما میں جب آپ پہاڑ پر تشریف لے جاتے تھے تو وہاں سے احباب کے نام "خطوط" تحریر فرمایا کرتے تھے جو اخبار پیغامِ صلح میں شائع ہو کر خطبۂ جمعہ کا بدل ثابت ہوتے اور اس طرح جماعت کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ سال بھر جاری رہتا تھا۔ ڈلہوزی تشریف لے جانے سے قبل ایک دو خطبوں میں آپ جماعت کو ضروری نصائح فرماتے جن میں نماز باجماعت کی پابندی، جمعہ میں باقاعدہ حاضری، چندہ ماہوار کی ادائگی اور کارکنوں کو ان کے فرائض کی کماحقہٗ ادائگی کی طرف خصوصیت سے توجہ دلاتے تھے۔

## جلسہ سالانہ کے لئے تیاری

حضرت امیر مرحوم جب پہاڑ سے واپس تشریف لاتے تو جلسہ سالانہ کی تیاری شروع ہو جاتی تھی اور اکتوبر سے آخر دسمبر تک پُورے تین ماہ آپ جماعت کو اس سالانہ اجتماع کی اہمیت، اس کے فوائد اور جماعت کے ہر فرد کو حرکت کرنے کی طرف توجہ دلاتے، آپ جماعت کے عمائدین، عہدیداروں، کارکنوں، خواتین، نوجوانوں اور طلباء یعنی ہر طبقہ سے الگ الگ خطاب فرماتے اور ان کو ان کے فرائض اور قوم کی ان سے جو امیدیں وابستہ ہیں ان کی طرف توجہ دلاتے۔ اس زمانہ کے خطبات میں آپ "دین کو دُنیا پر مقدم کرنے" کے عہد کے ایفا پر خصوصاً زور دیتے اور ہر متنفس سے مرد ہو یا عورت، بوڑھا ہو یا نوجوان یہ اپیل کرتے کہ وہ جلسہ سالانہ کی کامیابی کے لئے جو درحقیقت اشاعتِ اسلام کے کام کو ترقی دینے کا ایک ذریعہ ہے اپنے وقت کا کچھ حصّہ صرف کرے۔ آپ نے خواتین میں تحریک فرمائی کہ جس طرح وہ اپنی گھریلو ضروریات کے لئے سلائی بُنائی اور کڑھائی کا کام کرتی ہیں اسی طرح خدا کے دین کی مدد کے لئے بھی تھوڑا سا وقت صرف کیا کریں۔ یہ "تحریکِ دستکاری" جماعت میں بہت مقبول ہوئی اور خواتین جماعت بڑی پابندی سے اس پر عمل پیرا ہوتیں اور حضرت امیر مرحوم بھی مسلسل انہیں یاد دہانی فرماتے رہتے۔ یہ تحریک ابھی تک جاری ہے لیکن پہلی سی گرمجوشی نہیں پائی جاتی اگرچہ سالہاسالِ ماسبق میں ہزاروں روپیہ خواتین اس مد میں دے چکی ہیں لیکن حضرت امیر مرحوم کے مدِ نظر یہ امر تھا کہ ہر خاتون اور جوان بچی یہ محسوس کرے کہ وہ یہ کام دین کی خدمت کے لئے کر رہی ہے اور اپنے دیگر مشاغل سے کچھ وقت نکال کر خدا سے کئے گئے عہد کو پُورا کریں۔

دسمبر کے مہینہ میں جماعتِ لاہور کے اکابرین وفدوں کی صورت میں معززین شہر کے پاس جایا کرتے تھے اور انہیں اشاعتِ اسلام کے کام میں تعاون کی دعوت دیتے اور لوگ بخوشی جماعتِ لاہور کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی اعانت کرتے۔ حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم اور حضرت سید محمد حسین شاہ صاحب مرحوم کا ایک وفد ہوتا اور حضرت ڈاکٹر غلام محمد صاحب مرحوم اور سید طفیل حسین شاہ صاحب مرحوم کا دوسرا وفد ہوتا اور کبھی کبھی حضرت امیر مرحوم و مغفور بھی کسی وفد کے ساتھ شامل ہو کر لاہور کے معززین کے پاس جاتے۔ اسی طرح خواتین کا ایک وفد جو بیگم صاحبہ حضرت امیر مرحوم اور بیگم صاحبہ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم اور ہمشیرہ ڈاکٹر غلام محمد صاحب مرحوم، (والدہ صاحبہ شیخ محمد اقبال صاحب) پر مشتمل ہوتا لاہور کے گھرانوں میں جایا کرتا اور خواتین کو اشاعت اسلام کے کام میں شرکت کی دعوت دیتا۔ اسی طرح دوسرے شہروں میں بھی اصحاب ایسے وفد بنا کر اپنے شہر داروں سے چندہ وصول کرتے۔ جہلم میں ہمارے ایک معزز و مخلص بزرگ شیخ قمرالدین صاحب مرحوم اپنے ہاتھ میں ایک کشکول لے کر جہلم شہر کے بازاروں میں پھرا کرتے تھے اور دین کی خاطر ان کا فقیر بننے کا انداز لوگوں کو بہت متاثر کرتا۔ ہر جلسہ سالانہ پر حضرت امیر مرحوم ایک نیا کتابچہ تیار کرتے جس میں ہماری جماعت کے عقائد اور خدمات کا ذکر ہوتا اور مسلمانوں کو ان کے ملّی فرائض اور اعلاءِ کلمۃ اللہ میں تعاون کی طرف توجہ دلائی جاتی۔

جلسہ سالانہ کے دَوران حضرت امیر مرحوم ہر ایک جماعت کے احباب سے الگ الگ ملاقات فرماتے جن میں ان کے مقامی مسائل، انفرادی ضروریات، سال بھر کی کارگذاری اور دیگر امور پر تبصرہ کیا جاتا۔ ہر جلسہ پر آپ ایک نئی تحریک فرماتے جس سے قوم میں نئی زندگی پیدا ہو جاتی اور یہ مٹھی بھر جماعت صدق دِل سے آپ کی آواز پر لبیک کہتی اور دِل کھول کر چندہ دیتی۔ کبھی آپ نے ایک ماہ کی آمد مانگی، کبھی دس یوم کی آمد طلب فرمائی اور کبھی ویسے ہی لاکھوں روپیہ کی ضرورت کا اظہار فرمایا اور قوم نے ہمیشہ بخوشی روپیہ پیش کیا۔ بہت سے قارئین کو یہ نظارہ اب تک یاد ہوگا کہ آپ کی اپیل سے متاثر ہو کر لوگوں نے اپنی جیبیں خالی کر دیں اور خواتین نے اپنے زیور اُتار کر دے دیئے اور اپنی قلیل تعداد کی نسبت سے جتنا روپیہ جماعتِ لاہور نے اشاعتِ اسلام کے لئے دیا ہے اس کی مثال شاید اور کہیں نہ مل سکے۔

وقتی تحریکات کے علاوہ مستقل بنیادوں پر روپیہ کی فراہمی کے لئے آپ نے وصایا کی تحریک فرمائی اور احباب جماعت نے بشرح صدر اس میں حصّہ لیا۔ اراضی ادکاڑہ کے علاوہ صوبہ سندھ میں تین ہزار ایکڑ زرعی اراضی خریدی گئی تاکہ اس کی آمد سے بلادِ غیر کے مشنوں اور تراجم قرآن کے لئے روپیہ فراہم ہو۔ اس کے علاوہ سلور جوبلی تحریک، ارشاد الٰہی۔ دنیا کی لائبریریوں میں سات ہزار سیٹوں کی تقسیم اور جہازی لائبریریوں میں کُتب کے سیٹ رکھوانے کی تحریک فرمائی۔ اور یہ تحریکات جماعت کے وجود میں ہر سال تازہ خون فراہم کرتیں اور جماعت کی ترقی کا قدم تیز سے تیز تر ہوتا چلا گیا۔

## جماعتوں میں دَورے

حضرت امیر مرحوم جب تک ان کی صحت اس کی متحمل ہوئی سال میں کم از کم ایک مرتبہ ساری جماعتوں میں دَورہ فرماتے جس سے جماعتوں کو بہت استحکام نصیب ہوتا اور کئی انفرادی اور اجتماعی کمزوریاں دُور ہو جاتیں۔ اس کے علاوہ سالانہ جلسوں یا خاص تقریبات پر بھی آپ جماعتوں میں تشریف لے جاتے۔ اسی طرح اشاعتِ اسلام کی بنیادیں مضبوط کرنے کے لئے آپ نے دو مرتبہ ریاست حیدر آباد دکن کا دَورہ فرمایا اور دو مرتبہ والیٔ مانگرول

کی دعوت پر اس ریاست میں تشریف لے گئے۔

## نوجوانانِ جماعت کی تربیت

آپ جماعت کے نوجوانوں کی تربیت اور اصلاح کے لئے خاص توجہ فرماتے اور مختلف اوقات میں نوجوانوں کو مختلف پیرایوں میں اپنے بزرگوں کا بوجھ اُٹھانے اور ان کی جانشینی کا اہل بننے کی طرف توجہ دلاتے۔ نوجوانوں میں دینی تعلیم کے فروغ کے لئے ۱۹۳۲ء سے سہ ماہی امتحانات کا سلسلہ شروع کیا جو ۱۹۴۷ء تک جاری رہا۔ نوجوانوں کے لئے موزوں دینی اور مذہبی ماحول مہیا کرنے کی غرض سے انجمن نے تین مرتبہ مسلم ہوسٹل جاری کیا اور اس کے بڑے مفید نتائج مترتب ہوئے اور کالجوں کے طلباء میں نماز کی پابندی، درس قرآن میں شمولیت اور لغویات سے پرہیز کی عادتیں استوار ہوئیں۔ چونکہ نوجوان بالطبع اس امر کے محتاج ہوتے ہیں کہ انہیں بار بار تلقین کی جائے اس لئے حضرت امیر مرحوم بار بار انہیں مخاطب فرماتے اور بڑے مؤثر انداز میں انہیں اپنی قومی روایات کو زندہ رکھنے اسلامی اخلاق آداب کی پابندی کرنے، قرآن مجید کو پڑھنے سننے اور اس پر غور اور عمل کرنے کی ہدایت فرماتے اور انہیں احساس دلاتے کہ خدا کے دین کا سپاہی بننا بڑی عزت، مرتبہ اور فخر کا مقام ہے۔ اس امر کا اظہار بطور تحدیث نعمت اور حمد الٰہی بے جا نہ ہوگا کہ ہماری جماعت کے نوجوان بالعموم بڑے سلجھے ہوئے، نیک سرشت اور نیک عمل ہیں اور آج کل جو عام بے راہ روی اور بد اخلاقی مسلمان نوجوانوں میں پائی جاتی ہے ان میں وہ موجود نہیں۔ یہ ان کے نیک والدین کا پرتو ہے، جنہیں حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم و مغفور کی قیادت نصیب ہوئی۔

## حضرت امیر مرحوم کا پاکیزہ نمونہ

اور سب سے آخر میں اس امر کا ذکر ضروری ہے کہ حضرت امیر مرحوم و مغفور کا اپنا کردار اور پاکیزہ نمونہ بھی جماعت کی تربیت کا ایک بڑا مؤثر ذریعہ تھا۔ اور جیسا کہ آیت مندرجہ عنوان سے ظاہر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے فرستادہ مرسلین، مامورین، صلحا، اور جماعتوں کے سردار اپنے پاک نمونہ سے اپنے متبعین کا تزکیہ کرتے ہیں اور ان کو بلند مقام پر پہنچانے کے لئے خود ان کے سامنے بلندیوں پر چڑھتے ہیں۔ امیر مرحوم ان تمام اخلاقِ فاضلہ اور اوصاف حمیدہ سے متصف تھے جو ایک سچے مومن کی شان ہونی چاہیئے اور آپ کے صالح ہونے پر خود مامور من اللہ نے گواہی دی ہے۔ خدا کے مامور نے آپ سے بہت سی توقعات وابستہ کیں جو بفضلہ تعالیٰ آپ نے پوری کیں۔ امامِ وقت نے آپ کے متعلق بشارات بھی دیں جن کو پورا ہوتے ہم سب نے دیکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے بڑا عظیم الشان کام لیا جو انشاءاللہ ہمیشہ قائم و دائم رہے گا۔

حضرت امیر مرحوم کی نیک سیرت، آپ کا زہد و اتقا، آپ کی سادہ زندگی، محنت کشی، علم دوستی، قرآن مجید سے عشق، غلبۂ اسلام کے لئے بیقراری جماعت کے لئے دردمندی اور اس کی فلاح و بہبود کے لئے راتوں کو اُٹھ کر خدا کے حضور گڑگڑانا یہ سب امور جماعت کی تربیت کے لئے مؤثر ذرائع تھے۔ صحیح تربیت کے لئے اپنے ساتھیوں کی حوصلہ افزائی بھی ضروری ہے اور حضرت امیر دینی کارکنوں اور مبلغین کی ہمیشہ عزت افزائی کرتے۔ جماعت کو اُبھارنے اور ان میں مزید جد و جہد کا شوق پیدا کرنے کے لئے آپ اپنی تمام کامیابیاں جماعت کی طرف منسوب کرتے اور اپنی علمی کاوشوں اور عظیم خدمات کو ہمیشہ جماعت کی خدمات قرار دیتے اور خود ہمیشہ کسر نفسی اختیار فرماتے اور اپنے آپ کو خدا کا ایک عاجز اور کمزور بندہ ظاہر کرتے۔ در اصل آپکی یہ فروتنی بھی آپ کے اخلاقِ فاضلہ کی دلیل تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ کو فخر اور کبر پسند نہیں اور وہ اپنے بندوں میں عجز اور فروتنی پسند فرماتا ہے۔ اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ وارفع درجاتہ

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار + گلچین بہار تو ز داماں گلہ دارد

## مولانا مولوی محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور کا مقام۔ بسلسلہ ص ۱۶

جواب جب رسالے میں چھپتے تھے تو مسیحی دُنیا میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ اور مسلمانوں میں، عیسائیوں میں اور غیر مذاہب کے لوگوں میں یہ رسالہ بڑا مقبول ہوا۔ مؤرخہ ۱۵ ؍ ۱۱ ؍ ۱۹۰۶ کے اخبار بدر میں حضرت صاحب کی ڈائری میں یہ ذکر ہے :-

"ریویو آف ریلیجنز کا ذکر تھا ایک صاحب نے تعریف کی کہ اس کے مضامین نہایت اعلیٰ ہوتے ہیں۔ فرمایا اس کے ایڈیٹر مولوی محمد علی صاحب ایک لائق و فاضل آدمی ہیں۔ ایم اے پاس ہیں۔ اس کے ساتھ دینی مناسبت بھی رکھتے ہیں۔ ہمیشہ اوّل درجہ پر پاس ہوتے رہے ہیں۔ اور ای۔ اے۔ سی میں ان کا نام درج تھا۔ مگر سب باتوں کو چھوڑ کر یہاں بیٹھ گئے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ خدا تعالےٰ نے ان کی تحریروں میں برکت ڈالی ہے۔"

یہ رسالہ ہی پہلا ذریعہ بنا، جس نے انگریزی خواں دُنیا کا اسلام کے متعلق نقطۂ نظر بدل کر رکھ دیا۔ دین کی بڑی عظیم الشان خدمت اس کے ذریعہ ہوئی۔ ہندوستان کے تعلیمیافتہ طبقے نے اس سے بڑا فائدہ حاصل کیا اور حضرت صاحب نے یہ اپنی پہلی خواہش اپنے سامنے ہی پوری ہوتی دیکھ لی۔ اس رسالے سے پہلے حضرت صاحب کو جو پریشانی تھی وہ دُور ہوئی۔ اسی لئے انہوں نے فرمایا "کہ خدا تعالےٰ نے مولوی محمد علی صاحب کی تحریروں میں برکت ڈالی ہے"۔

حضرت صاحب نے "ازالہ اوہام" میں اپنی اس آرزو کو اس طرح بیان فرمایا ہے :-

"سو میری صلاح ہے کہ بجائے وعظوں کے عمدہ عمدہ تالیفیں ان ملکوں میں بھیجی جائیں اور اگر قوم بدل و جان میری مدد میں مصروف ہو تو میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کرکے انگریزی ترجمہ کراکر ان کے پاس بھیجی جاوے۔ میں اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے نہیں رہ سکتا۔ کہ یہ میرا کام ہے۔ دوسرے سے ہرگز نہیں ہوگا جیسا مجھ سے یا اس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے"

اس کے بعد حضرت صاحب نے "منظور الٰہی" صفحہ ۱۸۸ پر تحریر فرمایا :-

"میں چاہتا ہوں کہ ایک کتاب تعلیم اسلام کی لکھوں اور مولوی محمد علی صاحب ترجمہ کریں۔ اس کتاب کے تین حصے ہوں گے۔ ایک یہ کہ اللہ کے حضور میں ہمارے کیا فرائض ہیں اور دوسرے یہ کہ بنی نوع انسان کے ہم پر کیا کیا حقوق ہیں"۔

اسی سلسلہ میں ۲۱ فروری ۱۹۰۷ء کو مولوی محمد علی صاحب کو بلا کر فرمایا :-

"ہم چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے لوگوں پر تبلیغ کا حق ادا کرنے کے لئے ایک کتاب انگریزی میں لکھی جاوے اور یہ آپ کا کام ہے آج کل جو ان ملکوں میں اسلام نہیں پھیلتا، اس کا سبب یہی ہے کہ وہ لوگ اسلام کی حقیقت سے واقف نہیں۔ ........ ان لوگوں کا حق ہے کہ ان کو حقیقی اسلام دکھایا جاوے جو خدا تعالےٰ نے ہم پر ظاہر کیا ہے۔ اور وہ امتیازی باتیں جو خدا تعالےٰ نے اس سلسلہ میں رکھی ہیں وہ ان لوگوں پر ظاہر کرنی چاہئیں ........ ان سب باتوں کو جمع کیا جاوے جس کے ساتھ اسلام کی عزت اس زمانے میں وابستہ ہے"۔

اس طرح یہ دونوں خواہشیں بھی حضرت کی مولوی محمد علی صاحب کے وجود میں ہی پوری ہوئیں۔ رسالے کے لئے اگر مولوی صاحبؒ کا انتخاب کیا تو تالیفات کے متعلق بھی مولوی محمد علی صاحب کو ہی فرمایا کہ یہ آپ کا کام ہے۔ ۱۹۰۷ء میں میاں محمود احمد صاحب بھی مجلسِ معتمدین کے ممبر تھے اور تھوڑا عرصہ پہلے سیکرٹری کا کام بھی کرتے تھے۔ ان کو تو حضرت صاحب نے نہ فرمایا کہ یہ تمہارا کام ہے تم میرے بیٹے ہو۔ (باقی آئندہ)

مکرم راجہ عبدالمجید صاحب چھکسی (ملتان)

# مولانا مولوی محمد علیؒ امیر جماعت احمدیہ لاہور کا مقام۔

## حضرت مرزا غلام احمد مجدد صدی چہاردہم۔ مولانا نور الدینؒ

## دُنیا کے اخبارات اور غیر احمدی اکابرین اور مصنفین کی نظر میں

مولانا مولوی محمد علیؒ صاحب نے ۱۸۹۷ء میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدد صد چہاردہم۔ مسیح موعودؑ و مہدی معہود کی بیعت کی ۔آپ اُس وقت اورینٹل کالج میں پروفیسر تھے اور وکالت کے امتحان کی بھی تیاری کر رہے تھے۔ آپ بیعت کے بعد تقریباً ڈیڑھ سال لاہور میں ہی رہے۔ لیکن اس عرصے میں آپ کا معمول یہ تھا کہ ہر ہفتے کی شام کو لاہور سے رات کی گاڑی بٹالہ جاتے اور وہاں سے کبھی پیدل اور کبھی یکے پر قادیان جاتے اور اتوار کی شام کو واپس لاہور کے لئے چل پڑتے ۔گرمیوں کی چھٹیاں بھی قادیان میں ہی گزارتے ۔قادیان میں حضرت صاحب کی بعض تحریرات کا انگریزی میں ترجمہ کیا کرتے تھے۔ اس عرصے کے دوران حضرت صاحب سے ان کی خط و کتابت بھی ہوتی رہتی تھی۔ ۱۸۹۹ء میں وکالت کا امتحان پاس کرنے کے بعد آپ نے اورینٹل کالج کی نوکری چھوڑ دی۔ وکالت شروع کرنے سے پہلے کچھ عرصہ حضرت صاحب کی خواہش کے مطابق قادیان میں رہنے کے لئے مورخہ ۱۸؍مئی ۱۸۹۹ء کو قادیان پہنچکر "مسیح ہندوستان میں" کا ترجمہ انگریزی میں کرنا شروع کیا ۔ اسی عارضی رہائش کے دوران ۲۲؍مارچ ۱۹۰۰ء ظہر کی نماز کے بعد حضرت صاحب نے مولوی صاحب کو قادیان میں مستقل طور پر رہائش اختیار کرنے کے لئے کہا جس کا جواب مولوی صاحب نے ۲۳؍مارچ ۱۹۰۰ء کو خط کے ذریعے مندرجہ ذیل الفاظ میں دیا:-

"آپ کے قدموں میں ہوں اور آپ کا غلام ہوں اور آپ ہی سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے لئے دُعا کریں کہ خدا تعالےٰ اس وعدہ پر تا دم زیست قائم رہنے کی توفیق دے ۔ اور اسی ایمان پر اُٹھاوے .......... حضور خود بھی یہ وعدہ بیعت کے وقت لیتے ہیں اس لئے میں نے بھی عرض کرنے کی جرأت کی ہے یعنی ان الفاظ کے "میں دین کو دُنیا پر مقدّم رکھوں گا" یہی معنی ہیں کہ بیعت کنندہ مع تمام قوٰی کے خود کو مامور من اللہ کے حوالے کر دے ۔"

حضرت صاحب نے اس خط کے جواب میں لکھا کہ مجھے آپ کا خط پاکر بہت ہی خوشی ہوئی جو اندازے سے باہر ہے۔ مولوی صاحب کو ۱۸۹۹ء میں قادیان پہنچنے پر آپ نے اپنے مکان کی تیسری منزل میں ایک کمرہ رہائش کے لئے اور دوسری منزل جس میں حضرت صاحب خود رہتے تھے دفتر کے لئے دیا۔ ۴؍اپریل ۱۹۰۱ء کو حضرت صاحب نے اپنی منشاء کے مطابق بٹالہ میں میاں نبی بخش صاحب کی دختر کے ساتھ آپ کا نکاح کرا دیا ۔حضرت صاحب نے خود اپنے بچوں کی طرح مولوی صاحب کی شادی کی ۔ ملاحظہ فرمائیں حضرت صاحبؑ کے بارے میں:-

(مجدد صدی چہاردہم صفحہ ۲۸۔ حالات مولوی محمد علی صاحب)

"ہماری جماعت میں اول درجے کے مخلص دوستوں میں سے مولوی محمد علی صاحب ہیں جنہوں نے علاوہ اپنی لیاقتوں کے ابھی وکالت میں بھی امتحان پاس کیا ہے ۔اور بہت سا اپنا حرج اُٹھا کر چند ماہ سے دینی کام کے لئے یعنی میری بعض تالیفات کو انگریزی میں ترجمہ کرنے کے لئے میرے پاس قادیان میں مقیم ہیں اور میں اس مدّت میں یعنی جب سے وہ میرے پاس ہیں ظاہری نظر سے اور نیز پوشیدہ طور پر ان کے حالات کا، اخلاق اور دین اور شرافت کی رُو سے تجسّس کرتا رہا ہوں ۔ سو خدا کا شکر ہے کہ میں نے ان کو دین داری میں اور شرافت کے ہر پہلو میں نہایت عمدہ انسان پایا ہے ۔ غریب طبع ۔ باحیا ۔ نیک اندرون ۔ پرہیزگار آدمی ہے۔ اور بہت سی خوبیوں میں رشک کے لائق ہے ۔ یہ بات ظاہر ہے کہ ایسے ہونہار لڑکے جو ہمہ صفت موصوف ہوں اور ہر طرح سے لائق اور معزز درجہ کے آدمی تلاش کرنے سے نہیں ملتے۔"

(مجموعہ اشتہارات ۹؍اگست ۱۸۹۹ء جلد ہفتم صفحہ ۴۰)

اور اس کے بعد اکتوبر ۱۸۹۹ء میں ایک اور موقعہ پر تحریر فرمایا:-

"اور مجھے اس سے بہت خوشی ہے کہ ایک اور جوان صالح خدا کے فضل کو پاکر ہماری جماعت میں داخل ہوا یعنی حبّی فی اللہ مولوی محمد علی صاحب ایم اے پلیڈر ہیں ۔ میں ان کے آثار بہت عمدہ پاتا ہوں ۔اور وہ ایک مدّت سے دنیاوی کاروبار کا حرج کرکے خدمتِ دین کے لئے قادیان میں مقیم ہیں اور حضرت مولوی نورالدین صاحب سے حقائق و معارف قرآن شریف سن رہے ہیں، اور مجھے یقین ہے کہ میری فراست اس بات میں خطا نہیں کرے گی کہ جوان موصوف خدا تعالےٰ کی راہ میں ترقی کرے گا ۔ اور یقین ہے کہ وہ خدا تعالےٰ کے فضل سے تقوےٰ اور محبتِ دین پر ثابت قدم رہ کر ایسے نمونے دکھائے گا جو ہمجنسوں کے لئے پیروی کے لائق ہوں گے ۔" (مجموعہ اشتہارات ۴؍اکتوبر ۱۸۹۹ء جلد ہشتم صفحہ ۶۸)

اس کے بعد حضرت "اشتہار الانصار" میں تحریر فرماتے ہیں:-

"وہ تمام کتابیں جو انگریزی میں ترجمہ ہو کر ہماری طرف سے نکلتی ہیں ان کا ترجمہ مولوی محمد علی صاحب ہی کرتے ہیں ۔"

پھر مولوی محمد علی صاحب کے کام کو دیکھ کر حضرت صاحب (تبلیغ رسالت جلد دس صفحہ ۲۷) پر لکھتے ہیں ۔ یعنی اپنی پہلی خواہش کا اظہار کرتے ہیں "یہ امر میرے لئے موجب غم اور پریشانی کا تھا کہ وہ تمام سچائیاں اور پاک معارف اور دینِ اسلام کی حمایت میں پختہ دلائل اور انسانی رُوح کو ہمیشہ اطمینان دینے والی باتیں جو مجھ پر ظاہر ہوئیں اور ہو رہی ہیں ان سے مُلک کے تعلیم یافتہ لوگوں اور یورپ کے حق کے طالب علموں کو اب تک کچھ فائدہ نہیں ہوا اور یہ درد اس قدر تھا کہ آئندہ اس کی برداشت مشکل تھی ۔ مگر خدا تعالےٰ چاہتا ہے کہ قبل اس کے کہ ہم اس ناپائدار گھر سے گذر جائیں ہمارے تمام مقاصد پُورے کر دے اور ہمارے لئے آخرت کا سفر حسرت کا سفر نہ ہو اس لئے اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے جو ہماری زندگی کا اصل مقصود ہے ایک تدبیر پیدا ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک رسالہ میگزین مقاصد مذکورہ بالا کے لئے نکالا جاوے ۔"

حضرت صاحب نے ۱۵؍جنوری ۱۹۰۱ء کو اپنے ایک اشتہار میں ایک ضروری تجویز" میں بھی اس رسالے کے متعلق اعلان فرمایا ۔ اس دعوت پر احباب نے قادیان میں جمع ہو کر فیصلہ کیا کہ اس رسالے کو چندے کے ذریعہ چلایا جاوے ۔اس رسالے کے انتظام کے لئے جو انجمن بنی اس کے صدر مولوی نورالدینؓ سیکرٹری خواجہ کمال الدینؒ اسسٹنٹ سیکرٹری و ایڈیٹر مولانا محمد علیؒ کو نامزد کیا ۔رسالہ چل نکلا ۔ اُس وقت عیسائی بہت کچھ اسلام کے خلاف لکھتے تھے ۔ اس کے

(باقی بر صفحہ ۱۵ کالم ۲)

مکرم مولانا محمد یحییٰ بٹ صاحب مبلغ

# برلن مِشن کی سرگرمیاں

رمضان کا مُبارک مہینہ اپنی برکات کے ساتھ ہمارے ہاں ۲۷ر اگست کو شروع ہو کر ۲۴ر ستمبر تک ممتد رہا۔ احباب کو سحر و افطار کے اوقات سے بذریعہ چارٹ مطلع کیا گیا۔ چارٹ کے سر پر اللہ تعالےٰ کی توحید اور سیّدنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا اعلان کیا گیا۔ روزہ رکھنے کی اہمیت اور اس کے مقصد کو قرآن کریم کی آیت اور سیّدنا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے واضح کیا گیا۔ چارٹ میں ۱۷ر ستمبر کی شام کو لیلۃ القدر کے اجتماع کا اعلان کیا گیا۔ احباب کو اس میں شمولیت کی دعوت دی گئی۔ چارٹ کو سبز کاغذ پر خوبصورت چھپوا کر بذریعہ پوسٹ احباب کے نام بھیجا گیا۔ ماہِ رمضان کے دوران مسجد میں خدا کی تسبیح و تحمید کی گئی اور اس کے حضور کھڑے ہو کر رکوع اور سجدہ میں گر کر یورپ میں اسلام کی ترقی کے لئے دعائیں کی گئیں۔

جُمعہ کے اجتماعات میں رونق بڑھ گئی اور ہر ہفتہ کی شام کو ہونے والے اجتماعات بھی خدا کے فضل سے برابر جاری رہے۔ لیلۃ القدر کا اجتماع بابرکت اور با رونق تھا۔ احباب جمع ہوئے۔ روزہ افطار کرنے کے بعد ہم سب نے مل کر مغرب کی نماز ادا کی۔ بعد میں مل کر کھانا کھایا۔ یہ کھانا ٹیونس سے آئے ہوئے ایک نوجوان نے تیار کیا۔ کھانا بڑا لذیذ تھا۔ سب نے بڑی مسرت سے اسے کھایا۔ لیلۃ القدر کا پروگرام قرآن کریم کی تلاوت سے شروع ہُوا۔ تلاوت قرآن پاک شام سے آئے ہوئے ایک نوجوان عبداللہ صاحب نے خوش الحانی سے کی۔ اس کے بعد سیدنا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہم سب نے مل کر تین بار بلند آواز میں درود پڑھا۔

اس کے بعد میں نے قرآن کریم کے نزول کی ۱۴۰۹ ویں برسی پر تقریر کی۔ تقریر چالیس منٹ تک جاری رہی۔ قرآن کریم کا نزول لیلۃ القدر یا لیلۃ مبارکۃ میں شروع ہوا۔ آپؐ پر غارِ حرا میں فرشتہ کا نازل ہونا اور اُس کا سورۃ علق کی پہلی پانچ آیات کا آپ کو سنانا۔ قرآن کریم کے علمی کمالات، قرآن کریم کی رُوحانی برکات اور نسلِ انسانی کے حقوق وغیرہ موضوعات کو مختصراً بیان کیا گیا۔ تقریر سے احباب محظوظ ہوئے۔ بعد میں ایک حلقہ میں بیٹھ کر حاضرین سے مزید قرآن کریم کے کمالات پر گفتگو ہوتی رہی۔ ٹیونیسیا سے آئے ہوئے ایک نوجوان نے کہا کہ اس نے فرانسیسی زبان میں مستشرقین کا اعتراض پڑھا ہے کہ قرآن کریم کے مضامین میں کوئی ربط نہیں۔ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے میں نے کہا ایسا اعتراض قلت تدبر سے پیدا ہوتا ہے۔ قرآن کریم کو غور سے پڑھنے والے اور اس کے مطالب کی باریکی کو جاننے والے خوب سمجھتے ہیں کہ قرآن کریم کے مضامین اور اس کے بیانات میں نہایت ہی اعلیٰ ربط پایا جاتا ہے۔ نیز یہ کہ یہ پُر حکمت اور پُر معارف کتاب بڑے ہی مدلل پیرایہ میں اپنے مضامین کو بیان کرتی چلی جاتی ہے۔ میں نے کہا میں قرآن کریم کی سورۃ بقرہ کی پہلی (۳۹) انتالیس آیات آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں اور اس میں جو پُر حکمت ربط پایا جاتا ہے اسے بیان کرتا ہوں۔ احباب نے میری تشریح کو سُنا۔ اُن کے چہرے خوشی سے تمتما اُٹھے۔ اور اُنہوں نے کہا ہمیں ایسے اجتماعات کی سخت ضرورت ہے جہاں قرآن کریم کے ان علمی پہلوؤں کو واضح کیا جائے۔ الحمد للہ۔

عیدالفطر کے اجتماعات کے لئے احباب کو علیحدہ علیحدہ دعوت نامے بھیجے گئے۔ چودہ مختلف ممالک سے آئے ہوئے احباب نے اس بابرکت اجتماع میں حِصّہ لیا۔ مصر۔ شام۔ اردن۔ عراق۔ ٹیونیسیا۔ لیبیا۔ لبنان ٹرکی۔ ایران۔ پاکستان۔ ہندوستان۔ سینی گال۔ فلسطین اور جرمنی سے آئے مرد و عورت۔ پروفیسرز و میڈیکل ڈاکٹرز۔ مزدور و سوداگر۔ میئر و کارخانہ دار اور طلباء نے مل کر عیدالفطر کی نماز ادا کی۔ نماز سے پیشتر سیدنا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تکمیل کرتے ہوئے احباب نے صدقہ الفطر ادا کیا۔ نماز کے بعد میں نے آدھ گھنٹہ احباب کو خطاب کیا۔ اور حقیقی راحت و دائمی خوشی کے حصُول کے ذرائع کو ماہِ رمضان کی روشنی میں بیان کیا۔ بعد حاضرین کی ماکولات و مشروبات سے تواضع کی گئی۔ لبنان ٹریپولی سے آئے ہوئے میئر نے حاضرین کو لبنان کے اصل مسئلہ سے نہایت معقول پیرایہ میں واضح کیا اور انہوں نے کہا افسوس ہے کہ اخبارات میں اصل واقعات کو پیش نہیں کیا جاتا۔

## جُمعہ کے چودہ (۱۴) اجتماعات

جُمعہ کے اجتماعات خُدا کے فضل سے باقاعدگی سے جاری رہے خطبات میں قرآن کریم کی مختلف آیات کے مضامین کو بیان کیا گیا۔ ہمارے اجتماعات مختلف عرب ممالک سے آئے ہوئے افسران کے گروپ اور بنگلہ دیش ہندوستان۔ پاکستان اور مصر سے آئے ہوئے ڈپٹی کمشنرز کے گروپ نے بھی شرکت کی۔ ایسے مواقع پر سیدنا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے دلائل اور حضور صلعم کی پیروی کی برکات اور مسلمان کون ہے؟ کے موضوعات کو قرآن کریم اور احادیث کی روشنی میں واضح کیا گیا۔ احباب نے خوش دلی اجتماعات میں حِصّہ لیا اور جُمعہ کے خُطبات کو سراہا اور اُن سے وہ محظوظ ہوئے۔ جُمعہ کے اجتماعات پر چودہ خطبات دیئے گئے۔

## ہفتہ کے دِن ہونے والے چودہ اجتماعات یعنی درسِ قرآن

خُدا کے فضل سے ہمارے ہاں ہفتہ کے دن منعقد ہونے والے اجتماعات بھی باقاعدگی سے جاری رہے۔ مسلمان بھائیوں اور عیسائی دوستوں نے اس میں شمولیت اختیار کی۔ قرآن کی مختلف آیات کو واضح کیا گیا۔ حاضرین کے سوالات کے جوابات دیئے گئے۔ بعض جرمن مرد و جرمن عورتوں کو جنہوں نے اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے مزید شوق کا اظہار کیا۔ ہفتہ کے دن ہونے والے اجتماعات کے علاوہ بھی بحث و تمحیص کے لئے وقت دیا گیا۔ انہیں جرمن زبان میں لٹریچر دیا گیا۔ قرآن کریم کا ترجمہ بزبان جرمنی دیا گیا۔ ان طالبان حق کے علاوہ بعض بارہ چودہ سالہ بچّوں کو جن کا باپ عرب مسلمان اور ماں جرمن عیسائی ہے والدین کی خواہش پر اِسلام کی تعلیمات کا سبق دیا گیا۔ اور ان بچّوں کو نماز کے الفاظ عربی زبان میں زبانی یاد کرائے گئے۔ اجتماعات میں عرب نوجوانوں نے جو یُونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرتے ہیں، حضرت میرزا غُلام احمد صاحب کے بارہ میں سوالات کئے۔ انہیں حضرت میرزا صاحب کے دعویٰ مجدّدیت۔ مسیحیت کے دلائل سے روشناس کرایا گیا اور دعوےٰ نبوّت کے بارے میں ان کی غلط فہمی کو دُور کیا گیا۔ بعض جرمن نومُسلمین کو بھی حضرت میرزا صاحب کے دعوے کی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے "DIENER AHMAD" ٹریکٹ پڑھنے کے لئے دیا گیا۔

## برلن سکولز کے طلباء کا مسجد میں آنا

اگست و ستمبر کے مہینوں میں پانچ مختلف کلاسز کے طلباء اپنے پادریوں کے ساتھ مسجد میں آئے۔ اُن میں سے بعض دسویں اور بعض تیرھویں کلاسز کے طلباء تھے۔ طلباء کے سامنے اسلام کی تعلیمات کو مختصراً بیان کیا گیا۔ اور بعد میں ان کے سوالات کے جوابات دیئے گئے۔ سوالات کے دوران اساتذہ یا پادری صاحبان نے بھی بعض سوالات کئے۔ ایک سوال یہ بھی تھا "کیا مسلمان اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ حضرت عیسےٰؑ دوبارہ واپس آئیں گے؟" اس سوال کا جواب ہاں میں دیا گیا۔ اور بتایا گیا کہ حضرت عیسےٰ کے آنے کی پیشگوئی پوری ہو چکی ہے۔

اور جو اس پیشگوئی کا مصداق ہیں ان کا نام ہے حضرت مرزا غلام احمد جو ۱۸۳۵ء میں قادیان میں پیدا ہوئے، ۱۹۰۸ء میں لاہور میں فوت ہوئے۔ حضرت عیسےؑ کی آمد کی پیشگوئی کس طرح حضرت مرزا صاحب کی بعثت سے پوری ہو گئی اس کو مزید واضح کیا گیا۔ اس موضوع پر جو میں نے ایک ٹریکٹ لکھا ہوا ہے اسے اساتذہ کو دیا گیا۔ اور حضرت مرزا صاحب کی شبیہہ مبارک طلباء کو دکھائی گئی۔

## نائیجیریا کا جرنلسٹ

نائیجیریا سے ایک جرنلسٹ جو جرمن حکومت کی دعوت پر برلین آئے تھے۔ ایک جرمن آفیسر کے ساتھ ہماری مسجد میں آئے۔ انہیں مسجد کی تاریخ اور اس کی تبلیغی مساعی سے روشناس کرایا گیا۔ گذشتہ سولہ سترہ سالوں کے اندر ڈیڑھ دوسو کے قریب جرمن مرد و عورت اسلام میں داخل ہوئے ہیں اُن سے آگاہ کیا گیا یہ خبر ان کے لئے بڑی خوشی کا باعث ہوئی۔ ان کی مزید خوشی کا باعث یہ امر ہوا جب انہیں بتایا گیا کہ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور نے نہ صرف یہاں مسجد ہی تعمیر کی ہے بلکہ حضرت مولانا صدرالدین صاحب جو اس مسلم مشن کے بانی اور پہلے امام ہیں انہوں نے قرآن کریم کا ترجمہ جرمن زبان میں مع تفسیر بھی شائع کیا ہے۔ جرمن ترجمہ کی کاپی انہیں دکھائی گئی۔ انہیں مزید بتایا گیا کہ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کے پہلے پریزیڈنٹ حضرت مولانا محمد علی صاحب نے قرآن کریم کا ترجمہ انگریزی زبان میں معہ تفسیر لکھا ہے۔ اس کے علاوہ مولانا ممدوح کی دوسری انگریزی کتب سے بھی انہیں روشناس کرایا گیا۔ قرآن کریم کا ترجمہ انگریزی زبان میں دیکھ کر جرنلسٹ صاحب کہنے لگے یہ ترجمہ میری لائبریری میں موجود ہے۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی ان خدمات کو انہوں نے سراہا۔

## یمن سے ایک معزز مہمان

یمنی حکومت کے ایک معزز پولیٹیکل لیڈر مع اہلیہ و صاحبزادی جرمن حکومت کے مہمان تھے۔ دو افسران کی معیت میں تین کاروں کے ساتھ وہ مسجد دیکھنے آ گئے۔ آدھ گھنٹہ میرے پاس ٹھہرے۔ مسجد کی تاریخ اور مسجد میں ہونے والے اجتماعات سے انہیں آگاہ کیا گیا۔ اور ان اجتماعات کی غرض کو واضح کرتے ہوئے میں نے بتایا مقصد یہ ہے کہ یورپ میں عیسائی دوستوں کو اسلام کی صحیح تصویر سے روشناس کرایا جائے۔ اور اسلام کے بارہ میں ان کے غلط نظریات کو دور کیا جائے۔ ہماری مساعی سے وہ بہت ہی متاثر ہوئے اور اپنے تاثرات کو "مہمانوں کی کتاب" میں عربی زبان میں نہایت ہی خوبصورت الفاظ میں لکھ گئے ملاحظہ فرمائیے:—

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں آج بروز بدھ ۱۴ رمضان المبارک جامع مسجد پاکستانی دیکھنے گیا۔ برادرم محمد یحییٰ بٹ صاحب جو امام و خطیب ہیں اور اس جامع کے مبلغ ہیں سے ملاقات ہوئی اور اس وضاحت سے جو انہوں نے جامع کے اندر ... تبلیغ کے نتائج کے بارے میں کی بہت مسرور ہوا اور وہ ... جو حلقہ بگوش اسلام ہوئے وہ جرمن ... دشمن کی ایک جماعت ہے اور جیسا کہ رابطہ اسلامی اور رابطہ مسیحی کے درمیان طبیب ... نے بتایا اور ان کی حکمت بیان اور طریق موعظہ حسنہ سے اسلام اور حق کی دعوت سے میں نہایت درجہ متعجب ہوا ہوں اللہ تعالیٰ شیخ استاد محمد صاحب کو جس جزاء کے وہ اہل ہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور اول آخر اللہ ہی کے لئے حمد و ثنا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود ہو۔ میں اور میری بیوی نفوی محمد الزہری اور بیٹی فاطمہ محمد الزہری نے اس عظیم ...

۱۳۹۶ھ مطابق ۸ ستمبر ۱۹۷۶ء"

## جرمن خاتون کا قبولِ اسلام

ہمارے اجتماعات میں حصہ لینے والوں میں سے ایک جرمن خاتون نے لیلۃ القدر کے اجتماع میں اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔ اس خاتون نے کلمۂ شہادت پڑھا اور یوں وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئیں۔ حاضرین نے مبارک کہی اور اپنی خوشی کا اظہار کیا۔

## ہالینڈ سے احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کے ممبروں کی برلین میں آمد

ہمارے ہاں ایک نہایت ہی پُر مسرت اجتماع ۲۵/۲۶ جون کو منعقد ہوا۔ ۱۴ر جون کو جب میں خدا کے فضل سے پاکستان سے واپس برلین پہنچا تو میری میز پر محترم مولانا جگو صاحب کا خط پڑا تھا۔ انہوں نے لکھا تھا کہ وہ ایک گروپ کے ساتھ برلین آ رہے ہیں۔ رہائش ان کی ہوٹل میں ہوگی۔ اور وہ اپنے قیام برلین کے دوران مسجد کی زیارت کے لئے بھی آئیں گے۔ میں نے اس خط کے جواب میں جگو صاحب کو ہالینڈ ٹیلیفون کیا اور انہیں اپنے برلین واپس آنے کی اطلاع دی اور اُن کے برلین آنے پر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ اسی دوران محترم مولانا محمد عبداللہ صاحب مقیم امریکہ سے بھی ٹیلیفون پر گفتگو ہوئی۔ انہیں بھی برلین آنے کی دعوت دی لیکن وقت نہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے معذرت فرما دی۔

محترم جگو صاحب اپنے پروگرام کے تحت ایک بڑے قافلہ کے ساتھ بسوں پر سیدھے مسجد آ گئے۔ ہالینڈ سے مختلف شہروں کی جماعتوں سے خواتین و حضرات اس قافلہ میں شامل تھے۔ اُن میں سے اکثر سے لنڈن میں احمدیہ کانفرنس کے موقعہ پر جو ۱۹۷۵ء میں منعقد ہوئی تھی ملاقات ہو چکی تھی ان سب حضرات سے دوبارہ مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ میں نے محترم جگو صاحب ہالینڈ جماعت کے پریزیڈنٹ محترم ایوب صاحب اور محترم جمن صاحب اور دیگر احباب کو کہا آپ اپنے گھر آئے ہیں یہ گھر اور کچن آپ کی منشاء پر چھوڑتا ہوں۔ آپ جیسے اپنے گھر رہتے ہیں اسی طرح یہاں ٹھہریئے۔

جمعہ کے دن تمام احباب نے مل کر نماز ادا کی۔ اس دن خطبہ میں نے اُردو زبان میں دیا۔ ہفتہ کے دن شام کو ہونے والے اجتماع میں بھی احباب نے شمولیت کی۔ انہوں نے مسجد کی عظیم الشان عمارت کو دیکھا۔ اس کی مرمت کے کام کو دیکھا۔ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کی خدمات کا احباب پر گہرا اثر ہوا۔ سب نے حضرت امیر مولانا صدرالدین صاحب کی خدمات کو سراہا اور اپنے محترم امیر جماعت کی درازی عمر کے لئے دعائیں کیں۔ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت اور آپ کی صداقت کے دلائل کو احباب کے سامنے بیان کیا۔ جس سے تمام احباب (مرد و عورتیں) بڑے خوش ہوئے۔ اس تمام کے تمام قافلہ میں شامل ہونے والے مرد اور عورتوں میں اخلاص کا جذبہ بھرا ہُوا تھا۔ اور انہوں نے حسب توفیق مسجد کے لئے مالی قربانی کی۔ اللہ تعالیٰ ان سب احباب کو جزائے خیر دے۔

محترم ایوب صاحب اور ان کی اہلیہ صاحبہ نے ہماری دیگر پُر خلوص بہنوں سے مل کر کھانا پکایا اور سب نے مل کر کھایا۔ کھانا نہایت لذیذ اور پُر تکلف تھا۔ اس کھانے میں ہمارے بعض جرمن دوست بھی شامل تھے۔ ہمارے حلقہ میں شمولیت کرنے والی جرمن خواتین اور جرمن حضرات پر ہالینڈ سے آئے ہمارے احباب کے اخلاص کا بہت ہی اچھا اثر ہوا۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر ایسی پُر اخلاص فیملیز پاکستان یا کسی اور ملک سے آ کر یہاں برلین میں مسجد کے قریب آباد ہو جائیں تو نومسلمین پر نہ صرف اچھا اثر ہوتا بلکہ ایسی فیملیز برلین مسلم مشن کی مضبوطی کا باعث ہو جائیں۔

ھالینڈ کے علاوہ گیانا سے ہمارے محترم مشنری ڈاکٹر ہارون

صاحب نے مجھے خط بھیجا اور لکھا :

"مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ نے سیدنا حضرت نبی کریم صلعم کے معراج پر ایک اعلیٰ مضمون لکھا ہوا ہے۔ مہربانی کرکے مجھے اس مضمون کی ایک کاپی بھجوا دیں"

جن دنوں میں ووکنگ مسجد میں متعین تھا۔ ان دنوں مولانا عبدالمجید صاحب ایڈیٹر اسلامک ریویو لنڈن ہاؤس میں ہر ہفتہ کی شام کو میٹنگ بلایا کرتے تھے جس میں مختلف موضوعات پر تحقیقاتی مضامین پڑھے جاتے اور بعد میں ان مضامین پر نہایت ہی مدلل طور پر بحث ہوا کرتی تھی۔ معراج شریف کے موقعہ پر انہوں نے مجھے کہا کہ میں اس موضوع پر مقالہ پڑھوں۔ مقالہ پڑھا گیا۔ مولانا عبدالمجید صاحب کو پسند آیا۔ انہوں نے اسے اسلامک ریویو میں شائع کر دیا۔ محترم ڈاکٹر ہارون صاحب کو اس مقالہ کی فوٹو کاپی بھیجدی گئی۔ اس کے علاوہ انہوں نے قرآن کریم جرمن ترجمہ کی چھ کاپیاں بھیجنے کیلئے بھی لکھا تھا۔ یہ کاپیاں انہیں اپنے جرمن دوستوں کے لئے درکار تھیں۔ یہ کاپیاں بھی بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ انہیں بھجوا دی گئیں۔

ٹرینیڈاڈ سے محترمہ مسز زینت حنیف صاحبہ نے اپنے رسالہ "THE CALL" کے لئے عیدالفطر کے موقعہ پر چھوٹا سا مقالہ لکھنے کے لئے تحریک کی۔ چنانچہ انہیں انگریزی زبان میں قریباً سات سو الفاظ پر مشتمل ایک چھوٹا سا مقالہ لکھ بھیجا۔

## ریڈیو RIAS پر تقریر کی دعوت

ریڈیو RIAS پر تقریر کرنے کے لئے دعوت آئی ہوئی ہے۔ یہ تقریر انشاءاللہ ماہ دسمبر میں نشر کی جائے گی۔

## عیسائی انجمنوں کی طرف سے اسلام پر تقریر کی دعوت

ریڈیو RIAS پر تقریر کے علاوہ برلین میں بعض عیسائی انجمنوں کی طرف سے بھی اسلام پر تقریر کرنے کی دعوت آئی ہوئی ہے۔ یہ تقاریر ماہ اکتوبر میں عیسائی حلقوں میں پہنچ کر کرنی ہونگی۔ اس طرح بعض گروپوں نے ماہ اکتوبر میں مسجد میں آنے اور یہاں اسلام کے بارہ میں کچھ سننے کے لئے اطلاع دی ہوئی ہے۔

## عطیات

میں پاکستان سے واپس یہاں برلین ۱۴ر جون کو پہنچا۔ ماہ ستمبر کے آخر تک مسجد کی تبلیغی مساعی کے لئے عطیہ جات کو حاصل کرنے کی کوشش کی خداتعالےٰ نے اپنے فضل سے ۳۲ ہزار روپیہ پاکستانی کے قریب جرمن کرنسی میں عطیہ کی رقم ہمیں عطا کر دی۔ اس کے علاوہ مسجد کی مرمّت کے لئے دو لاکھ چالیس ہزار روپیے کے قریب جرمن کرنسی میں ایک اور عطیہ برلین گورنمنٹ نے منظور کر لیا۔ الحمدللہ۔ کُل رقم جو آج تک مسجد کی مرمّت کے لئے ہمیں مل چکی ہے وہ ہے تیو لاکھ پاکستانی روپیہ۔ الحمدللہ۔ مسجد کی مرمّت کے لئے ان سامانوں کا پیدا ہو جانا اسلام کی صداقت اور حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے دعویٰ مسیح موعود کی صداقت پر بہت بڑی دلیل ہے۔

مفت ایں اجرِ نصرت را دہندت اے اخی ورنہ
قضائے آسمان است ایں بہرحالت شود پیدا

مسجد کی مرمّت کا کام کس قدر ہوا ہے۔ کتنا باقی ہے۔ اس کی تفصیل بعد میں لکھوں گا۔ آج صرف اتنا لکھنا چاہتا ہوں کہ مرمّت کا جو کام مکمل ہو چکا ہے اس سے مسجد بہت خوبصورت دکھائی دیتی ہے۔ الحمدللہ اس سلسلہ میں ایک اور خوشخبری احباب جماعت پاکستان کے نام لکھتا ہوں۔ مسجد خوبصورت ہو گئی۔ خوبصورت مسجد کے لئے خوبصورت قالینوں کی ضرورت تھی۔ لیلۃالقدر کے موقعہ پر تیونس کے ایک سوداگر کو جو برلین میں قالینوں کا ہی کام کرتے ہیں' اپیل کی۔ انہوں نے میری اپیل پر لبیک کہا اور تین خوبصورت قالین نئے ہاتھ کے بنے ہوئے مسجد میں بھیجدیئے الحمدللہ ان کی قیمت قریباً پندرہ ہزار پاکستانی روپے ہے۔ اللہ تعالےٰ اپنے فضل سے اس سوداگر کے کاروبار اور اموال میں برکت ڈالے۔ آمین۔ احباب کرام کو السلام علیکم۔

مکرم جناب شیخ اللہ بخش صاحب۔ بدوملہی

# اس صدی کا مجاہدِ اعظم
# حضرت مولٰنا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے تیسرے سالانہ جلسہ منعقدہ دسمبر ۱۹۱۶ء میں شمولیت کے لئے غالباً پہلی مرتبہ پہنچ کر میں حضرت امیر مرحوم کی زیارت سے مشرف ہوا۔ اور پہلی ہی ملاقات میں حضور کی روحانی قوت اور پُر انوار شخصیت کی کشش سے مَیں ایسا متاثر ہوا کہ بیعت کرکے ہی اُٹھا۔ پھر آپ کی پُرمعارف اور نورانیت سے بھرپور تقریر بھی سُنی۔ تقریر کیا تھی قرآنی علوم کا بہتا ہوا دریا تھا جس سے ہر کہ ومہ سیراب ہو رہا تھا۔ آپ کے سینہ میں تبلیغ اسلام اور اشاعتِ قرآن کی بے پناہ تڑپ معلوم ہوتی تھی۔

بیعت کرنے کے بعد جلسہ سالانہ کے علاوہ بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔ اس طرح حضور کو نزدیک سے دیکھنے کا موقع ملا۔ اس زمانہ میں آپ ایک ایسے عالم باعمل تھے۔ کہ جب بھی تبلیغ اسلام اور اشاعت قرآن کے لئے کوئی مالی تحریک فرماتے تو سب سے پہلے اپنی اور اپنے عزیز و اقربا کی طرف سے اعلان فرماتے کہ یہ رقم میرے اور میرے رشتہ داروں کی طرف سے ہے۔

آپ کی اسلام کی حقانیت پر مبنی مدلل، مبسوط، پُرمعارف اور گرانقدر تصنیفات سے اللہ کی مخلوق کو جو عظیم نفع پہنچا ہے، ادیانِ عالم کے تمام حق پسند مفکرین اور محققین نے اس کا اعتراف کیا ہے۔ آپ کی کُتب کے مطالعہ سے جہاں لاکھوں مذبذب مسلمان پکے مسلمان بن گئے اسی طرح بیشتر دہریہ خدائے واحد پر ایمان لے آئے۔ اور بہتیرے آپ کے فیض صحبت سے تدریجاً علومِ قرآن کی معانی میں تن من دھن سے قربان ہو گئے۔ آپ کے انگریزی ترجمۃ القرآن نے انگریزی جاننے، سمجھنے والے علاقوں میں بھی بڑا مفید کام کیا ہے۔ ابھی گذشتہ دنوں مصر کے ایک مشہور اشاعتی ادارہ نے حضرت ممدوحؒ کی مایہ ناز تصنیف ریلیجن آف اسلام کو (احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے نام کو حذف کرکے) صرف مولانا محمد علی لاہوریؒ کے نام سے شائع کیا ہے۔ جو آپ کی عظمت پر ایک زندہ دلیل ہے۔

## جناب میرزا مظفر بیگ ساطع صاحب کو صدمہ

بلانے والا ہے سب سے پیارا + اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

جناب مرزا مظفر بیگ ساطع صاحب مبلغ اسلام کا نام نامی ایک جرنیل کی حیثیت سے نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرون ملک بھی جانا پہچانا ہے، متحدہ ہندوستان میں آریہ سماج کے فتنے کی سرکوبی کے لئے آپ کی خدمات اور پھر اس فتنہ کے جزائر فجی میں سر اٹھانے پر آپکا وہاں پہنچکر آریہ سماجیوں کی سرکوبی کرنا تاریخ اسلام اور احمدیت کا ایک روشن باب ہے۔ آجکل آپ پیرانہ سالی کے باوجود جواں ہمتی، متحمل مزاجی، اور قوتِ ارادی کے ایسے نادر نمونے ہمارے لئے چھوڑ رہے ہیں جو آپکی عظیم شخصیت کے آئینہ دار ہیں ۵/۶ اکتوبر کی شب اس بطلِ جلیل کو جو عرصہ سے دِل کے مریض ہیں ایک ایسے دلدوز صدمہ سے دوچار ہونا پڑا جسے ایک معمولی انسان کے لئے برداشت کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ ان کا جواں سال صاحبزادہ میرزا اورنگ زیب مرحوم راولپنڈی سے لاہور آتے ہوئے کار کے جان لیوا حادثہ کا شکار ہو گیا۔ عظیم باپ کے ساتھ چار معصوم بچوں اور بیوی کو بھی سوگوار چھوڑ گیا، انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اور پھر اس عظیم باپ نے عزیزوں کی آہ زاری، احباب اور دوستوں کے اس موت کو بے وقت بتا کر تسلی دینے کی کوششوں کو یہ کہکر جھٹلا دیا کہ یہ سب غلط ہیں' اورنگ زیب مرزا کی موت وقت پر ہوئی ہے۔ خدا نے جو کیا ہے وہی درست ہے۔ اور اس طرح خدا تعالےٰ پر اپنے زندہ ایمان کا نادر نمونہ پیش فرمایا۔ اللہ تعالےٰ ان کو ان کے جملہ عزیزوں اور متعلقین کو غم کا یہ کوہ گراں [illegible]

# بلادِ غیر سے تبلیغی خط و کتابت کا خلاصہ

## (مرتبہ جناب سیکرٹری صاحب کمیٹی تبلیغ بلادِ غیر)

بلادِ غیر سے تبلیغی خط و کتابت میں بفضلہٖ بہت اضافہ ہو گیا ہے۔ بیرونی ملکوں میں جہاں جہاں ہمارے باقاعدہ مشن ہیں ان کی کارگذاری کی رپورٹ وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہتی ہے۔ دوسرے مقامات پر جہاں ہماری شاخیں ہیں وہاں کی جماعتوں کی کارگذاری بھی اطمینان بخش اور موجب حمد الٰہی ہے۔ آمدہ خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ احباب اور جماعتیں ایک نئے جوش اور ولولہ سے کام کر رہی ہیں گذشتہ جون میں تبلیغ بلادِ غیر کی ششماہی کارگذاری کا ایک مختصر جائزہ شائع کیا گیا تھا جو پاکستانی جماعتوں کے علاوہ تمام بیرونی ممالک میں بھی بھیجا گیا اور اس کے بعد سے خط و کتابت میں بھی مزید اضافہ ہو رہا ہے۔ احباب سے درخواست ہے کہ اپنے دُور افتادہ بھائیوں کی نصرت و کامرانی اور ان کی فلاح و بہبود کے لئے مزید دعا فرماویں۔ آئندہ جلسہ سالانہ میں شمولیت کے لئے بہت سے بیرونی ممالک سے احباب تشریف لانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کے ارادوں کی تکمیل کے سامان مہیا فرمائے۔

**ہالینڈ** } ہمارے نہایت ہی مخلص اور پُر جوش کارکن مولانا عبدالرحیم جگو صاحب کے خطوط بڑی باقاعدگی سے موصول ہو رہے ہیں۔ ہالینڈ میں سرینام کے باشندے کئی ہزار کی تعداد میں آ کر آباد ہوئے ہیں جن میں سے بیشتر ہماری جماعت سے منسلک ہیں اور اللہ تعالےٰ کے فضل سے جوں جوں وہ اپنی تجارت اور کاروبار میں مستحکم ہو رہے ہیں اس کے ساتھ وہ اپنے دینی اور تبلیغی فرائض میں قدم آگے بڑھا رہے ہیں۔ ہالینڈ کے تین بڑے شہروں میں ہماری باقاعدہ شاخیں قائم ہیں جہاں نمازِ جمعہ اور اجتماعات کا انتظام موجود ہے۔ گذشتہ رمضان المبارک میں بیس سے زیادہ مقامات پر نمازِ تراویح کا انتظام تھا۔ لیکن عیدالفطر کی نماز سب نے یکجا طور پر یوٹریکٹ UTRECHT میں مولانا جگو صاحب کی قیادت میں ادا کی اور تین ہزار سے زائد احباب و خواتین شامل ہوئے۔ نمازِ عید کے بعد ساری جماعت کی دعوت کا انتظام تھا۔ دعوت کے ایک حصہ کی جس میں بچوں نے شرکت کی تصویر موصول ہوئی ہے جو دوسری جگہ درج ہے۔ مرکزی انجمن لاہور ہالینڈ مشن کی امداد کے لئے اُردو، عربی اور ڈچ زبانوں میں بہت ہی کتب بھیج رہی ہے۔ سرینام سے آنے والے احباب اُردو زبان بخوبی سمجھتے ہیں۔

اکتوبر کے شروع میں محترم جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب (نائب صدر انجمن و چیئرمین کمیٹی تبلیغ بلادِ غیر) نے ہالینڈ اور جرمنی کا مختصر سا دورہ فرمایا اور ہیگ و یوٹریکٹ کی جماعتوں سے ملاقات اور خطاب فرمایا۔ اس دورہ کی تفصیلات کسی آئندہ اشاعت میں دی جائیں گی۔

**جرمنی** } برلن مشن کی تبلیغی سرگرمیوں کی مفصل روئیداد اسی شمارہ میں دوسری جگہ شائع ہو رہی ہے۔ صرف دو خبروں کا اعادہ اللہ تعالےٰ کے حضور شکرانہ کے لئے کرنا مناسب ہے (۱) لیلۃ القدر کے اجتماع میں ایک جرمن خاتون نے جو مسجد میں آیا جایا کرتی تھی اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا جس سے یہ تقریب بڑی مسرت افزا ہو گئی (۲) عیدالفطر کی تقریب میں چودہ اسلامی ممالک کے باشندوں نے شمولیت فرمائی اور مولانا محمد یحییٰ بٹ صاحب کی قیادت میں نماز ادا کی۔

**لندن** } لندن مشن کا خبرنامہ بھی الگ شائع ہو رہا ہے۔ ۲۶ ستمبر کو جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب نے نمازِ عید کی امامت فرمائی اور بعد ازاں اپنے مخصوص انداز میں ایک مؤثر اور بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ عید کے اجتماع میں بہت سے غیر از جماعت احباب اور کچھ غیر مسلم بھی شامل ہوئے اور جگہ کی قلت زیادہ لوگوں کو مدعو کرنے میں مانع ہوئی۔

**جزائر غرب الہند۔ ٹرینیڈاڈ** } احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ٹرینیڈاڈ و ٹوبیگو اللہ تعالےٰ کے فضل سے مستحکم بنیادوں پر قائم ہو چکی ہے اور روز بروز ترقی کر رہی ہے۔ مختلف النوع مذہبی، تعلیمی اور سماجی امور مختلف کمیٹیوں کے سپرد ہیں جو اپنے دائرہ عمل میں بڑی مستعدی سے کام کر رہی ہیں۔ تبلیغی ماہنامہ "جہادِ اکبر" کے نام سے جاری ہے اور اس میں تمام ممبران خصوصیت سے عملی تعاون کرتے ہیں۔ خواتین کی الگ تنظیم بھی قائم ہو چکی ہے جو ماہانہ اجلاس منعقد کرتی ہے۔ ہفتہ وار اور ماہانہ اجتماعات کے علاوہ احمدیہ انجمن ٹرینیڈاڈ بڑے پیمانہ پر ایک سہ ماہی اجلاس بھی منعقد کرتی ہے۔ جو گذشتہ اپریل اور جولائی میں منعقد ہوئے اور اب ۱۷ اکتوبر کو ایک کنونشن کا اجلاس ہو رہا ہے جس میں محترم ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب بھی شمولیت فرمائیں گے۔ جماعت کا ماہنامہ THE CALL بھی ظاہری اور معنوی اعتبار سے ترقی کر رہا ہے۔ اور گذشتہ عید پر ایک خصوصی نمبر شائع ہوا۔ جناب عزیز احمد صاحب۔ مسز زرینہ محمد۔ مسٹر حنیف محمد۔ مسٹر اقبال ہائیڈل اور مشنری انچارج جناب مصطفیٰ کمال ہائیڈل صاحب اس انجمن کے رُوحِ رواں ہیں۔ اللھم ایدھم بنصرک العزیز۔

(۲) **گیانا** } یہاں ایک فعال اور منظم جماعت کئی سالوں سے قائم ہے اور محترم ایم بی یٰسین صاحب کی زیر سرپرستی کام کر رہی ہے۔ گیانا میں پندرہ سے زائد احمدیہ مساجد ہیں اور اب جارج ٹاؤن میں جو صدر مقام ہے ایک جامع مسجد اور کثیر المقاصد مرکز زیر تعمیر ہے۔ گیانا کے ایک شہر ویکنام کے باشندہ جناب طالب علی صاحب مرحوم برسوں قبل انگریزی ترجمۃ القرآن کا ایک نسخہ ووکنگ مسجد سے خرید کر لائے گئے۔ اور اس قرآن کی برکت سے نورِ احمدیت تمام ملک میں پھیل گیا اور اب خدا کے فضل سے ہزاروں لوگ اس جماعت میں شامل ہیں۔ خواتین کی تنظیم کی رُوحِ رواں مسز صفورہ ضیاءالدین ہیں جو لاہور سے تعلیم حاصل کر کے گئی ہیں۔ وہ النساء کے نام سے ایک رسالہ شائع کرتی ہیں اور "اسلام میں عورت کے مقام" پر ہفتہ وار پروگرام ریڈیو پر پیش کرتی ہیں۔ اور ہفتہ میں دوبار "اسلام اور احمدیت" پر تقریر فرماتی ہیں۔ ملک کے کثیر الاشاعت روزنامہ "گیانا کرانیکل" میں ہر جمعہ کے دن جناب ڈاکٹر اسمٰعیل علی صاحب "احمدیت اور اسلام" پر مقالات شائع کرتے ہیں۔

(۳) **سرینام** } یہاں بھی وابستگان سلسلہ احمدیہ کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ مولانا جگو صاحب یہیں کے باشندہ ہیں اور سیالکوٹ کے ہمارے مخلص نوجوان دوست فاضل رمضان صاحب بھی یہیں سے لاہور آئے تھے۔ سرینام کے بہت سے دوست نقل مکانی کر کے ہالینڈ چلے گئے ہیں۔ تاہم ابھی کثیر آبادی سرینام میں موجود ہے۔ یہ لوگ اُردو اور ڈچ زبان سمجھتے ہیں اور جناب ڈاکٹر بشارت احمد علی صاحب ڈچ زبان میں ایک رسالہ شائع کرتے ہیں۔ گذشتہ ستمبر میں یہاں کے ایک مقتدر دوست مسٹر طیب احمد علی صاحب لاہور تشریف لائے اور سرینام کے لئے مرکزی انجمن کی طرف سے مبلغ بھیجے جانے کی تفصیلات ان سے طے کی گئیں۔ انشاء اللہ جلد ایک مبلغ سرینام کے لئے روانہ ہوں گے۔ سرینام کے صدر مقام پاراماریبو میں ہماری جماعت کی چار مسجدیں ہیں اور دوسرے شہروں میں بھی کئی مساجد ہیں۔

**انڈونیشیا** } انڈونیشیا کی جماعتیں بڑی باقاعدگی سے خط و کتابت کرتی ہیں۔ ہمارے آنے والے جلسہ سالانہ میں ان جماعتوں کے ایک نمائندہ لاہور تشریف لا رہے ہیں۔ ان کے ہمراہ دو طالب علم بھی ہوں گے۔ جو دینی تعلیم کے لئے مرکز میں چند سال قیام کریں گے۔ انڈونیشیا کی جماعتیں محدود مالی وسائل کے باوجود کثرت سے لٹریچر شائع کر

رہی ہیں - ان کے پانچ ماہوار رسالے "سٹڈی اسلام" - "فتح اسلام" وغیرہ باقاعدگی سے شائع ہو رہے ہیں اور حال ہی میں ایک اور رسالہ "النور" بھی شائع ہوا ہے - انڈونیشی زبان میں تحریک احمدیت پر ایک کتاب "تجدید الاسلام" کے نام سے جناب علی یاسر صاحب نے تین حصوں میں شائع کی ہے اور چند دن قبل یہ کتاب مرکز میں موصول ہوئی ہے - اب وہ "اسلامی اصول کی فلاسفی" کی اشاعت کا انتظام کر رہے ہیں - انڈونیشیا میں "دارالکتب اسلامیہ" کے نام سے ہماری ایک شاخ جناب امام موسیٰ کی زیرِ سرپرستی اشاعتِ کتب کا کام کر رہی ہے - ہمارے اخبار "لائٹ" کو خصوصیت سے بہت مقبولیت حاصل ہے، اور اس کے خریداروں میں اضافہ ہو رہا ہے - انڈونیشیا میں سولہ مقامات پر ہماری جماعتیں ہیں اور ان سب کے نمائندے کرسمس کی تعطیلات میں ہمارے جلسہ سالانہ کی طرح جاکرتہ میں اپنا سالانہ جلسہ کریں گے - جناب بریگیڈیئر جنرل ریٹائرڈ ایچ - ایم - بخرون ان جماعتوں کے صدر ہیں اور جناب ایس ایچ سوبیتو سیکرٹری جنرل ہیں اور جناب امام موسیٰ دارالکتب اسلامیہ کے منیجر ہیں - بریگیڈیئر صاحب موصوف حضرت امیر مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کے انگریزی ترجمۃ القرآن کو انڈونیشی زبان میں منتقل فرما رہے ہیں اور پندرہ پارہ سے زائد تک مکمل فرما چکے ہیں - احباب ان سب کی کامیابی کے لئے ضرور دعائیں فرمائیں -

**فیجی** } محترم حافظ شیر محمد صاحب کا کچھ عرصہ سے خط موصول نہیں ہوا - لیکن جماعت کے صدر جناب غلام دین صاحب کے خطوط موصول ہوتے ہیں اور وہ لکھتے ہیں کہ حافظ صاحب موصوف طبی ہدایات کے مطابق کام کر رہے ہیں - اگرچہ انجمن نے انہیں واپس آ جانے کی اجازت دے دی تھی لیکن وہ اپنے فرائضِ منصبی کو ناتمام چھوڑ کر واپس آنا پسند نہیں کرتے - حافظ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص رحمت سے بڑی کامیابی عطا فرمائی ہے - [illegible] کی ملکیت تھی - حافظ صاحب محترم نے فیجی [illegible] احمدیہ انجمن اشاعت اسلام فیجی کو رجسٹرڈ کرایا اور جماعت کی توسیع و استحکام کے لئے بڑی تگ و دو فرمائی اور ایک شہر کے حصہ سے وہاں ایک مسجد اور نئی جماعت قائم ہو گئی ہے اور [illegible] کوشش کے بعد جماعت نے یہ جائداد اور ہال ساڑھے دس ہزار ڈالر میں خرید کر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے نام منتقل کروا لیا ہے - فالحمد للہ علیٰ ذالک - گذشتہ جون میں حافظ صاحب نے لکھا کہ علالت کے دوران انہیں بشاراتِ الٰہی نصیب ہوئیں اور انہیں یقین ہو گیا کہ بحالی صحت کے علاوہ اللہ تعالیٰ ان سے مزید کام بھی لے گا - اب وہ مسجد کی تعمیر کے لئے کوشاں ہیں جس پر چالیس ہزار ڈالر خرچ ہوں گے - خود حافظ صاحب امریکہ اور کینیڈا سے پانچ ہزار ڈالر جمع کر کے لائے ہیں اور مزید چندہ جمع کیا جا رہا ہے - جملہ احباب جماعت حافظ صاحب مکرم کی صحتِ کاملہ اور کامیابی کے لئے خاص دعا فرمائیں -

**ہندوستان** } ہندوستان میں ہماری سرگرمیوں اور تبلیغی جد و جہد کا مرکز کشمیر میں ہے جس کے مختلف شہروں اور قصبات میں منظم جماعتیں قائم ہیں اور ان جماعتوں میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسے بزرگ اور نوجوان موجود ہیں جو شب و روز اسلام اور سلسلہ احمدیہ کی خدمت کے لئے کمربستہ رہتے ہیں - سرینگر میں اخبار "روشنی" اور ماہنامہ "اشاعت الحق" کے ذریعہ سے محترم عبدالعزیز شورہ صاحب اور مکرم ڈاکٹر خورشید عالم ترین صاحب سلسلہ کی سرگرمیوں کو آگے کرتے رہتے ہیں اور یہ ماہنامہ بالخصوص صرف احمدیہ تحریک کا ترجمان ہے - پروفیسر نورالدین زاہد صاحب جو ایک فاضل اور قابلِ قدر نوجوان ہیں - قرآن مجید کا کشمیری زبان میں ترجمہ کر رہے ہیں اور چار پارے مکمل کر چکے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں اس کی تکمیل کی توفیق دے، پروفیسر صاحب موصوف اس سے قبل "تبو درلڈ

آرڈر" کے ایک باب اور "الاحمدیہ" مصنفہ شیخ محمد طفیل صاحب کا کشمیری زبان میں ترجمہ کر چکے ہیں، ماہ رمضان میں انہوں نے جامع احمدیہ سرینگر میں نماز تراویح اور درس قرآن مجید کا سلسلہ باقاعدگی سے جاری رکھا۔ یاری پورہ میں جماعت کی نو تعمیر شدہ مسجد کی آبادی اور رونق مکرم ڈاکٹر محمد یوسف تاثیر صاحب جنرل سیکرٹری اور ملک غلام حسن صاحب و محمد رمضان صاحب کے ذمہ ہے - صوفی پورہ میں جماعت کی عید گاہ مسجد، ایک مدرسہ ہے اور ایک کوآپریٹو شاپ بھی ہے - الحاج محمد صادق صاحب اور مکرم محمد حسن بٹ صاحب یہاں امامت اور خطابت اور انتظام کے ذمہ دار ہیں - بھدرواہ میں جناب ماسٹر عبدالکریم صاحب اور غلام محمد خادم صاحب کی مساعی حسنہ سے جماعتی سرگرمیاں جاری ہیں - مسجد میں باقاعدہ پابندی سے نماز کے علاوہ لٹریچر کی تقسیم بھی خوب کرتے ہیں، یہاں پر مستورات بھی مردوں کے دوش بدوش سرگرم عمل ہیں - جموں میں مسجد پیر مٹھا میں بھی درس و تدریس کا سلسلہ جاری ہے -

**صوبہ مہاراشٹر** } میں ایک نہایت ہی فاضل اور مخلص نوجوان مکرم محمد جنید الظہر صاحب بڑا مفید کام کر رہے ہیں - آپ "اسلام دی ریلیجن آف ہیومینٹی" اور "زندہ نبی کی زندہ تعلیم" کا ہندی زبان میں ترجمہ کر چکے ہیں اور اب قرآن مجید کا ہندی زبان میں ترجمہ کر رہے ہیں - کشمیر اور ہندوستان کے دیگر مقامات سے بھی ہمارے لٹریچر کی مانگ بڑھ رہی ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب ہم کتابیں بذریعہ ڈاک بھیج سکتے ہیں -

**بمبئی** } میں محترم عبدالرزاق صاحب ہماری جماعت کے نہایت اہم اور پرجوش رکن ہیں - گذشتہ ماہ انہوں نے جنوبی ہند کا دورہ کیا اور وہاں کی جماعتوں میں زندگی کی لہر دوڑا دی - [illegible] بہت پرانے بزرگ مولوی محمد بڈھن صاحب [illegible] میں محمد حسین صاحب [illegible] اور جماعت کے دوسرے [illegible] - یہ دورہ بے حد مفید رہا - جناب رزاق صاحب ہندوستان کے مختلف مقامات میں مقیم احمدیوں سے سلسلہ خط و کتابت جاری رکھتے ہیں - اور کچھ عرصہ بعد آسام کے دورہ پر جانے کا ارادہ رکھتے ہیں - اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے - آمین -

## حضرت امیر مرحوم کی وصیت ═══ بسلسلہ ۹

کے ہم عیسائیوں کی تہذیب کی اندھا دھند نقل کر رہے ہیں -

### اللہ کا وعدہ

آخری بات یہ فرمائی تھی کہ یہ مصائب اور تکالیف آتی رہیں گی یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آن رہے - وہ وعدہ کیا ہے؟ قرآن کریم نے خود بتایا ہے کہ

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ

کہ وہی تو اللہ ہے جس نے کہ اپنے رسول کو بھیجا ہدایت اور سچے دین کے ساتھ تاکہ اسے دینوں پر غالب کرے - اور خود اسی سورت الرعد کی آیت مذکورہ میں فرمایا کہ اس قرآن کے ذریعہ سے انقلاب عظیم پیدا ہوگا - سو یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جو پورا ہو کر رہے گا کیونکہ وہ علیٰ کل شیءٍ قدیر ہے اور وہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتے - کیا پیاری کتاب ہے کہ فرمایا کہ کوئی وعدہ پورا ہونے سے رہ یوں سکتا ہے کہ وعدہ کرنے والے کو قدرت نہ ہو کہ وعدہ کو پورا کر سکے یا پھر وہ وعدہ کر کے مکر جائے یا اسے پورا کرنے کی پرواہ نہ کرے - اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ان تمام کمزوریوں سے پاک ہے - فسبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم ؁

جناب میرزا احمد بیگ صاحب لائلپور

# جناب ڈاکٹر مرزا مظفر بیگ صاحب ساطع کو صدمات

(۱) جناب مرزا صاحب عیدالفطر کی نماز پڑھنے گئے تو وہیں انہیں دل کا دورہ پڑا۔ کار پر انہیں گھر پہنچایا گیا۔

(۲) جناب مرزا صاحب کے بیٹے ڈاکٹر مرزا ینیر سلطان بیگ کی نومولود بیٹی فوزیہ بعمر ایک ماہ اللہ کو پیاری ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ امریکن ہسپتال لائل پور کی لیڈی ڈاکٹروں نے چار روز متواتر رات دن آکسیجن ۔ بجلی ۔ انجکشن اور مختلف قسم کی دوائیاں آزمائیں لیکن تقدیر کے آگے تدبیر کی کچھ پیش نہ گئی۔

(۳) ابھی صف ماتم بچھی ہی تھی کہ فون پر اطلاع آئی کہ جناب مرزا صاحب کے فرزند مرزا اورنگ زیب بیگ بنک منیجر راولپنڈی کار کے حادثہ میں سخت زخمی ہوگئے ہیں۔ جناب مرزا صاحب عیدالفطر سے ہی صاحب فراش تھے مگر ان سے نہ رہا گیا اور اپنے کنبہ سمیت راولپنڈی روانہ ہو گئے۔ ۸، ۹ اکتوبر کی درمیانی رات پانچ بجے پہنچے تو کوٹھی میں قیامت بپا تھی۔ اورنگ مرزا ایک بجے رات زخموں کی تاب نہ لاکر اللہ کو پیارا ہو چکا تھا۔ ثم انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحوم اپنے بال بچوں اور چند عزیزوں سمیت ۲ کاروں پر اپنے والد بزرگوار کی عیادت کے لئے لائل پور آرہے تھے۔ مگر اپنے آسمانی باپ سے جا ملے۔ گوجر خاں کے قریب پٹھان شرابیوں کی کار سے شدید ٹکر ہوئی اور کار الٹ گئی تو لوگوں نے بڑی مشکل سے کار کو سیدھا کیا اور زخمیوں کو باہر نکالا مرحوم کی بیگم کے زیورات قیمتی آٹھ ہزار روپے ایک اٹیچی کیس میں تھے جو کسی نے اڑا لئے۔ زخمیوں کو C.M.H راولپنڈی میں داخل کیا گیا۔ مرحوم اپنے بڑے سالے مرزا خالد بیگ صاحب آف ابوظہبی کی نئی ٹیوٹا TOYOTA کار میں سفر کر رہے تھے۔ خالد مرزا اپنی کار خود چلا رہے تھے۔ ان کے ساتھ ہی مرحوم اپنی آٹھ سالہ بیٹی شاذیہ بیگم کو اپنے گود میں لئے بیٹھے تھے۔ خالد مرزا۔ مرحوم کی بیگم ۔ مرحوم کے تینوں بچے اور گود والی لڑکی بال بال بچ گئے۔ مرحوم کی بڑی سالی کرنل نصرت جہاں زیب صاحبہ C.M.H لاہور کی کھوپڑی کے اوپر کے حصے کے ٹکڑے ہو گئے۔ مگر جان بچ گئی۔ C.M.H راولپنڈی کے تمام ڈاکٹروں اور شہر کے بڑے بڑے ڈاکٹروں نے ہرچند دن رات محنت کی مگر ہوا وہی جو خدا کو منظور تھا۔

جناب مرزا صاحب نے میت کے غسل کے بعد پھولوں سے لدے ہوئے اپنے بیٹے کا منہ چوما اور ایک دردناک فقرہ کہا :۔

"بیٹا اورنگ زیب قبر میں جانے کی باری تو میری تھی مگر چلے گئے تم"

اس فقرہ کو سن کر تمام مجمع تڑپ گیا اور جناب مرزا صاحب نے ایک مختصر [illegible]

مرحوم کی کوٹھی متصل ریس کورس سے جنازے کا جلوس روانہ ہوا۔ سب سے آگے پھولوں سے لدی ہوئی جنازہ کی وین کار تھی۔ پیچھے ملٹری اور سول کے بڑے بڑے عہدیداران و افسران اور شہر کے معززین اپنی کاروں پر تھے۔ یہ لمبا جلوس شہر کمیٹی محلہ کے قریب میدان پر جو ریس کورس سے تقریباً ۲ میل کے فاصلہ پر ہے آکر ختم ہوا اور اسی میدان میں نماز جنازہ پڑھائی گئی۔ ہر فرقہ کے لوگوں نے کثرت سے شرکت کی۔ دعا کے بعد میت کا تابوت قبر میں روتے ہوئے اتارا گیا۔ قبر برابر ہوئی تو پھولوں کی چادر چڑھائی گئی اور پھر پھولوں کی پتیاں برسائی گئیں۔ اور سب نے مل کر دعائے مغفرت کی۔ مرحوم جناب مرزا صاحب کے چھوٹے بھائی مرزا محمد اعظم بیگ مرحوم کے داماد تھے مرحوم کی قبر اس کی ساس اور سسر کی قبروں کے سرہانے بنی تو مرحوم بڑی سالی کرنل نصرت جہاں زیب صاحبہ نے بے ساختہ کہا :۔

"جو داماد ساس سسر کے قدموں میں بیٹھ کر خدمت کرتا تھا انہوں نے اس کو اپنے سرہانے جگہ دے کر سر کا تاج بنایا"

فیصلہ کیا گیا کہ جس کوٹھی میں مرحوم کا بال بچہ رہتا ہے آئندہ بھی وہ اسی کوٹھی (جس کا کرایہ چھ صد روپیہ ماہوار ہے جو پہلے بنک ادا کرتا تھا) میں ہی رہے گا۔ جس طرح پہلے بچوں کی اعلیٰ تعلیم ہو رہی ہے اسے جاری رکھا جائے گا۔ کار کا خرچ ملازموں کی تنخواہیں اور گھر کا سارا خرچ پہلے کی طرح دیا جائے گا ایک اورنگ زیب نہیں ہوگا باقی سب کچھ ہوگا۔

کرنل نصرت جہاں زیب صاحبہ سرکاری خرچ پر فریضہ حج ادا کرنے آٹھ اکتوبر بذریعہ ہوائی جہاز روانہ ہو رہی تھیں کہ اس حادثہ جانکاہ کے پیش نظر یہ سفر کچھ عرصہ کے لئے ملتوی کرنا پڑا۔

جناب مرزا صاحب نے اپنے ہونہار نوجوان بیٹے کی قبر پر کھڑے ہو کر کہا:۔

"بیٹا تمہاری عمر ۳۴ سال ہے اور میری عمر ۶۷ سال۔ میں نے اپنے بیٹے اور بیٹیاں خدا کے فضل سے پال پوس لی تھیں جن میں سے ایک تم بھی ہو۔ تمہارے چھوٹے چھوٹے چار بچے ہیں۔ جن کو تم نے پالنا پوسنا تھا۔ مگر تم انہیں خدا کے حوالے کر کے آگے چلے گئے۔ ہم خدا کے ان رازوں کو سمجھ نہیں سکتے اور وا ویلا کرتے ہیں اس دنیا میں ہماری ملاقات عارضی تھی۔ جہاں تم گئے وہاں ہم بھی آ رہے ہیں۔ وہاں کی ملاقات دائمی ہوگی اور پھر کبھی جدائی نہیں ہوگی۔ بیٹا میں تمہیں خدا اور رسولوں کے حوالے کرتا ہوں۔ میرا سلام حضور صلعم کو پہنچانا"۔

اس دردناک موت کے موقع پر جناب مرزا صاحب نے جس حوصلے اور صبر کا مظاہرہ کیا تمام لوگ تعریف کر رہے تھے۔ بہت سے عزیزوں نے تعزیت کے خطوط اور تاریں بھیجیں اور فون کئے وہ ان سب کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ تمام جماعتوں سے درخواست کرتے ہیں کہ نماز جنازہ غائبانہ اپنے ہاں پڑھ کر مرحوم کی مغفرت کی دعا کریں۔

رستے دو ہی ہیں

جلد ۶۳ | یوم چہار شنبہ ۱۰ ذیقعد ۱۳۹۶ھ مطابق ۳ نومبر ۱۹۷۶ء | نمبر ۴۴

# ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

## پاک ہونے کا ایک طریق ۔ جماعت احمدیہ کے قیام کی اصل غرض

پس میرے نزدیک پاک ہونے کا یہ عمدہ طریق ہے اور ممکن نہیں کہ اس سے بہتر کوئی اور طریق مل سکے کہ انسان کسی قسم کا تکبر اور فخر نہ کرے نہ علمی نہ خاندانی، نہ مالی۔ جب خدا تعالیٰ کسی کو آنکھ عطا کرتا ہے تو وہ دیکھ لیتا ہے کہ ہر ایک روشنی جو ان ظلمتوں سے نجات دے سکتی ہے وہ آسمان سے ہی آتی ہے اور انسان ہر وقت آسمانی روشنی کا محتاج ہے۔ آنکھ بھی دیکھ نہیں سکتی جب تک سورج کی روشنی جو آسمان سے آتی ہے نہ آئے۔ اسی طرح باطنی روشنی جو ہر ایک قسم کی ظلمت کو دور کرتی ہے اور اس کی بجائے تقوےٰ اور طہارت کا نور پیدا کرتی ہے آسمان ہی سے آتی ہے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ انسان کا تقویٰ، ایمان عبادت، طہارت، سب کچھ آسمان سے آتا ہے اور یہ خدا تعالےٰ کے فضل پر موقوف ہے وہ چاہے تو اس کو قائم رکھے اور چاہے تو دور کر دے۔

پس سچی معرفت اسی کا نام ہے کہ انسان اپنے نفس کو مسلوب اور لاشئ سمجھے اور آستانہ الوہیت پر گر کر انکسار اور عجز کے ساتھ خدا تعالیٰ کے فضل کو طلب کرے اور اس نورِ معرفت کو مانگے جو جذباتِ نفس کو جلا دیتا ہے اور اندر ایک روشنی اور نیکیوں کے لئے قوت اور حرارت پیدا کرتا ہے۔ پھر اگر اس کے فضل سے اس کو حصہ مل جاوے اور کسی وقت کسی قسم کا بسط اور شرح صدر حاصل ہو جاوے تو اس پر تکبر اور ناز نہ کرے بلکہ اس کی فروتنی اور انکسار میں اور بھی ترقی ہو۔ کیونکہ جس قدر وہ اپنے آپ کو لاشئ سمجھے گا اسی قدر کیفیات اور انوار خدا تعالےٰ سے اتریں گے جو اس کو روشنی اور قوت پہنچائیں گے۔ اگر انسان یہ عقیدہ رکھے گا تو امید ہے کہ اللہ تعالےٰ کے فضل سے اس کی اخلاقی حالت عمدہ ہو جائے گی۔ دنیا میں اپنے آپ کو کچھ سمجھنا بھی تکبر ہے۔ اور یہی حالت بنا دیتا ہے۔ پھر انسان کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ دوسرے پر لعنت کرتا ہے اور اسے حقیر سمجھتا ہے۔

میں یہ سب باتیں بار بار اس لئے کہتا ہوں کہ خدا تعالےٰ نے جو اس جماعت کو بنانا چاہا ہے تو اس سے یہی غرض رکھی ہے کہ وہ حقیقی معرفت جو دنیا میں گم ہو چکی ہے اور وہ حقیقی تقوےٰ و طہارت جو اس زمانہ میں پائی نہیں جاتی۔ اسے دوبارہ قائم کرے۔ عام طور پر تکبر دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ علماء اپنے علم کی شیخی اور تکبر میں گرفتار ہیں۔ فقراء کو دیکھو تو ان کی بھی حالت اور ہی قسم کی ہو رہی ہے ان کو اصلاحِ نفس سے کوئی کام ہی نہیں رہا۔ ان کی غرض و غایت صرف جسم تک محدود ہے اس لئے ان کے مجاہدے اور ریاضتیں بھی کچھ اور ہی قسم کی ہیں جیسے ذکر اذہ وغیرہ جن کا چشمہ نبوت سے پتہ نہیں چلتا۔ میں دیکھتا ہوں کہ دل کو پاک کرنے کی طرف ان کی توجہ ہی نہیں۔ صرف جسم ہی جسم باقی رہا ہوا ہے۔ جس میں روحانیت کا کوئی نام و نشان نہیں۔ یہ مجاہدے دل کو پاک نہیں کر سکتے۔ اور نہ کوئی حقیقی نورِ معرفت کا بخش سکتے ہیں پس یہ زمانہ اب بالکل خالی ہے۔ نبوی طریق جیسا کہ کرنے کا تھا وہ بالکل ترک کر دیا گیا ہے اور اس کو بھلا دیا ہے۔ اب اللہ تعالےٰ چاہتا ہے کہ وہ عہد نبوت پھر آ جاوے اور تقوےٰ و طہارت پھر قائم ہو۔ اور اس کو اس نے اس جماعت کے ذریعہ چاہا ہے۔

پس فرض ہے کہ حقیقی اصلاح کی طرف تم توجہ کرو اسی طرح پر جس طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح کا طریق بتایا ہے۔

(تقریر حضرت مسیح موعودؑ ۔ دسمبر ۱۹۰۴ء)

> چونکہ انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے اس لئے اس انجمن کو دنیا داری کے رنگوں سے بکلی پاک رہنا ہوگا۔ (الوصیت)

مکرّم جناب مولانا دوست محمد صاحب سابق ایڈیٹر پیغام صلح

# دورِ حاضر کا سب سے بڑا مجاہد

اگر دینِ حق کی تائید و حمایت میں مخالفین و معاندین سے نبرد آزما ہونا اور اسلام اور اسلام کی صداقت و عظمت کا سکّہ دِلوں پر بٹھانے کی جد و جہد کہلا سکتا [illegible]
اصغر قرار دیا۔ اور تبلیغِ دین کو جہادِ اکبر ٹھہرایا۔ اگر ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ کے ارشادِ خداوندی میں غلبۂ دین کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا سب سے بڑا مقصد قرار دیا گیا ہے اور جیسا کہ مفسّرین نے لکھا ہے اس مقصد کی تکمیل مسیح موعودؑ کے زمانہ سے وابستہ ہے۔ اگر افضل الجہاد کلمۃ الحق عند سلطان جابر کے پُر حکمت ارشاد میں ایک جابر انسان کے سامنے سچّی بات کہدینا افضل الجہاد قرار دیا گیا ہے، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث صحیح ہے کہ عالم کے قلم کی سیاہی کا ایک قطرہ غازی کے خون اور عابد کی ستّر سالہ عبادت سے بہتر ہے تو یقین جانئے کہ حضرت مرزا غلام احمد کے بعد مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ اس زمانہ کا سب سے بڑا مجاہد اور سب سے بڑا عالم تھا۔ جس نے تائیدِ دین اور حمایت حق میں پورے پچاس سال تک دشمنانِ دین سے وہ نبرد آزمائی کی جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ قلم اور سیاہی کے ذریعہ سے دلائلِ حقّہ اور براہینِ قاطعہ پیش کرکے اسلام کی عظمت و صداقت کا سکّہ ہزاروں اور لاکھوں انسانوں کے دِلوں پر اس نے بٹھا دیا۔ اس نے قرآن کے ذریعہ سے وہ جہادِ کبیر کیا جس کی توفیق اس زمانہ میں شاید ہی کسی کو ملی ہو۔ اس نے تبلیغِ دین کا ڈنکا چاردانگِ عالم میں بجا کر اور کفرستانوں میں مسجدیں بنوا کر اس جہادِ اکبر کا فرض ادا کیا۔ جو تلوار کے جہاد سے ہزار درجہ بڑھ کر ہے اور دُنیا کو دکھا دیا کہ یہی وہ وقت ہے جب دینِ اسلام تمام دنیا پر غالب ہوگا اور لیظھرہ علی الدین کلہ کی پیشگوئی مسیح موعودؑ کے شاگردوں ہی کے ذریعہ پوری ہو کر رہے گی۔ ہاں اس نے اس افضل الجہاد کا حق بھی ادا کیا جو ایک جابر انسان کے سامنے کلمۂ حق کہنے سے ادا ہوتا ہے۔ اس وقت جب قادیان کی سرزمین جہاں اس نے اپنے مُرشد کے اشارہ پر اپنے تمام دنیوی مفاد پر لات مار کر دھونی رمائی تھی، جبر و استبداد کا دَور دَورہ شروع ہوا، اور ایک نئی نبوت قائم کرکے مسلمانوں کی تکفیر کا علم بلند کیا گیا تو اس مردِ خدا نے بلا خوف لومۃ لائم کسی قسم کے خطرہ کی پروا نہ کرتے ہوئے کھلے طور پر اعلان کیا کہ کلمہ گو کی تکفیر ایک ایسا جُرم ہے جس کو اسلام کسی طرح رَوا نہیں رکھتا نہ مسیح موعودؑ نے اپنے انکار کرنے والے کو کافر کہنا جائز قرار دیا ہے اور نہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی آ سکتا ہے جس کا انکار موجبِ کفر ہو، اسی کلمۂ حق کے لئے اسے دیارِ مسیح موعودؑ سے جو اپنے وطن سے بڑھ کر اسے محبوب تھا ہجرت کرنی پڑی اور ہر قسم کے دُکھوں اور تکلیفوں سے گذرتے ہوئے اور جماعت کے ایک کثیر حِصّہ سے لعنت و ملامت کے کلمات اور طرح طرح کے الزامات سہتے ہوئے وہ عظیم الشان کام اس نے سرانجام دیا جو رہتی دُنیا تک یادگار رہے گا۔ اس نے مسیح موعودؑ کی اس وصیت کو جسے قادیان میں شخصی اقتدار کے سایہ میں ملیا میٹ کر دیا گیا تھا لاہور آ کر اسے دوبارہ زندہ کیا اور یہ نعرہ بلند کرتے ہوئے کہ خُدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین انجمن ہے نہ کوئی شخصِ واحد۔ دوبارہ اس انجمن کو قائم کیا جو قادیان میں شخصی حکومت کے ذریعہ سے ختم کر دی گئی تھی۔ اور اس سے وہ کام لیا جس کی وصیت اس مامور من اللہ نے ان الفاظ میں کی تھی:-

> "اور چاہیئے کہ جماعت کے بزرگ جو نفسِ پاک رکھتے ہیں میرے نام پر میرے بعد لوگوں سے بیعت لیں خدا تعالےٰ چاہتا ہے کہ ان تمام رُوحوں کو جو زمین کی متفرق آبادیوں میں آباد ہیں، کیا یورپ اور کیا ایشیا ان سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں، توحید کی طرف کھینچے [illegible] بعد مل کر کام کرو۔" (الوصیت)

یہ ہے وہ جہاد جس پر مسیح موعودؑ نے اپنی جماعت کو لگایا اور مولنا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے ہر پہلو سے اور ہر رنگ میں اس کا حق ادا کیا اس لیئے یہ کہنا خلافِ حق نہیں کہ محمد علی وہ مجاہد اعظم ہے جو مسیح موعودؑ کے بعد اس زمانہ میں اپنی نظیر آپ ہے۔

جہاد بالسیف کے متوالو! نہیں صرف زبان سے "جہاد" "جہاد" پکارنے اور مسیح موعودؑ پر منسوخی جہاد کا طعن کرنے والو! آئیے اور آنکھیں کھول کر دیکھو کہ جس جہاد کی تلقین مرزا صاحب نے کی اور جماعتِ احمدیہ نے اس پر عمل کرکے دکھایا وہی اصلی اور حقیقی جہاد ہے جس کا اسلام نے حکم دیا ہے۔ وہی جہادِ اکبر ہے جو تلوار کے جہاد اصغر سے ہزار درجہ بہتر ہے وہی جہادِ کبیر ہے جو اس زمانہ میں مولنا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کے ذریعہ کر دکھایا اور جماعتِ احمدیہ لاہور اس پر سرگرمی کے ساتھ عمل پیرا ہے، وہی افضل الجہاد ہے جس کی توفیق اس زمانہ میں مولنا محمد علی امیر جماعتِ احمدیہ لاہور کے سواۓ اور کسی کو میسّر نہیں آئی۔ آؤ اس جہاد میں تم بھی شریک ہو جاؤ کہ اسی میں دُنیا و عاقبت کی بھلائی اور حقیقی فلاح مضمر ہے۔

---

# اعانت اشاعتِ قرآن مجید کیلئے بچت کا ایک عمدہ طریق

محترمہ مسرت چوہدری صاحبہ بنت چوہدری فضل داد صاحب پنشنر گجرات سے تحریر فرماتی ہیں کہ:-

ابا جی اکثر و بیشتر مجھے اس امر کی طرف توجہ دلاتے رہتے ہیں کہ میں بچت کا طریقہ اختیار کروں تاکہ ایک طرف تو موجودہ مہنگائی کا مقابلہ کیا جا سکے دوسرا بچت کی ہوئی رقم کا آگے صحیح مصرف بھی ہو سکے۔ اب انکی تحریک اور خواہش کے مطابق میں بچت کا ایک آسان طریق تحریر کرتی ہوں تاکہ اس طریق پر عمل کرنے کے بعد وہ رقم اشاعت قرآن میں دی جائے جو کہ ہماری اُخروی زندگی میں کام آ سکے۔

معزز احمدی بہنوں سے میری صرف یہی درخواست ہے کہ وہ روزانہ مُٹھی بھر آٹا صبح و شام الگ کرکے رکھ لیا کریں۔ اس طرح روزانہ کا یہ نکالا ہوا آٹا ۶۰ چھٹانک بنے گا۔ یوں بازاری نرخ کے مطابق اس کی قیمت 75.40 روپے بنتی ہے۔ اس طرح ہر احمدی خاتون اس میں اگر حِصّہ لے تو کثیر رقم جمع ہو سکتی ہے۔ یہ علاوہ اس رقم کے ہوگا جو وہ ماہانہ چندہ ادا کرتی ہیں۔

مستورات ویسے بھی دل کھول کر چندہ دیتی رہتی ہیں گزشتہ سالانہ جلسہ کے موقعہ پر انہوں نے مرد بھائیوں سے بڑھ چڑھ کر حِصّہ لیا۔ اَب بھی انہیں میری اس استدعا پر عمل پیرا ہونا چاہیئے تاکہ جلسہ سالانہ پر علم ہو سکے کہ یہ

(باقی بر صفحہ ۴ کالم ۱)

ٹھونک کر کھڑی تھیں۔ آپ نے خدا کے فضل۔ اپنی خداداد قابلیت اور ذہانت۔ سیاسی تدبّر اور بصیرت اور جذبۂ خلوص اور ایثار کی بدولت اس آہنی دیوار کو مردِ مؤمن کی طرح اپنی ایک ٹھوکر سے اس طرح ریزہ ریزہ کر دیا کہ ساری دُنیا دانتوں میں اُنگلیاں داب کر رہ گئی۔ جسے دیوانے کا خواب اور مجذوب کی بڑ کہہ کر مذاق اُڑایا جاتا تھا اس کی تعبیر ایک ٹھوس حقیقت کے رنگ میں سبز قطعہ کی صُورت میں پاکستان بن کر دُنیا کے نقشے پر اُبھری۔ انگریز کی عیاری۔ ہندو کی مکاری اور اپنوں کی طرف سے دلآزاری دھوآں بن کر فضا میں تحلیل ہوگئی۔ یہ تین جیک اور ترنگا محمد علی جناحؒ کی ملی حمیت وغیرت کے سامنے سرنگوں ہو گئے۔ یہ قوم بابائے قوم کے اس احسانِ عظیم کو کیسے بھول سکتی ہے۔ یہ تھا دوسرا محمد علیؒ اپنی قوم کی بگڑی قسمت کو بنانے والا۔

مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی یا علی برادران کے ناموں سے کون واقف نہیں۔ محمد علی جوہر تحریکِ خلافت کی رُوحِ رواں تھے۔ اس تحریک نے "دو نئی شخصیتیں محمد علی اور شوکت علی نام کی پیدا کیں۔ یہ دونوں بھائی بجائے خود ایک بہت بڑا طوفان تھے۔ ایک بہت بڑا حادثہ تھے۔ ایک بہت بڑا انقلاب تھے۔ یہ طوفان کی طرح اُٹھے اور سارے مُلک پر چھا گئے۔ یہ حادثہ کی طرح واقع ہوئے اور ہر زندگی ان کی لپیٹ میں آگئی۔ یہ انقلاب کی طرح اُبھرے اور مخالف طاقت کو انہوں نے زیر و زبر کرکے رکھ دیا رحمہا اللہ!"

(قائداعظم اور ان کا عہد ص ۹۷)

مولانا محمد علی جوہر کی غیرت نے یہ بھی گوارا نہ کیا کہ وہ ایک غلام مُلک میں مدفون ہوں۔ اور آج وہ

"مسجد عمرؓ میں نبیوں اور پیغمبروں کے زیر سایہ شمیم جنّت سے لُطف اندوز ہو رہے ہیں"

(قائدِ اعظم اور ان کا عہد ص ۹۷)

یہ برصغیر ہندوستانی سیاست میں آپ کے روشن کردار کو اپنی آنکھوں سے کبھی اوجھل نہیں کر سکتا۔

محمد علی باکسر نے جو ایک عرصے تک دُنیا کے مُکا بازی پر چھائے رہے اپنے ہر حریف کو اپنے بازو کی قوتِ حیدری سے کام لے کر ایسے مُکے رسید کئے کہ اُسے چھٹی کا دُودھ یاد آ گیا اور اس طرح اپنے فن میں آخری مقابلہ تک اپنی برتری قائم رکھی۔ آپ کا حریف کین نارٹن روتا ہُوا رِنگ سے بصد حسرت و یاس باہر آیا۔ ہر موقعہ پر اللہ تعالٰے اس نام کی لاج رکھتا رہا۔

اب جبکہ محمد علی نے تبلیغِ اِسلام کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دینے کے ارادہ کا اظہار کیا ہے تو ہماری دِلی دُعا ہے کہ وہ اس میدان میں بھی ہر مقابل میں آنے والے کو دلائل و براہین کے ایسے زوردار اور دندان شکن مُکے رسید کریں کہ پہلے ہی راؤنڈ میں اسے ناک آؤٹ کر دیں تاکہ اِسلام کی برتری ثابت ہو سکے۔

ایں دُعا از من و از جُملہ جہاں آمین باد

## اعانت اشاعتِ قرآن کیلئے بچت کا ایک عمدہ طریق

(بسلسلہ صفحہ ۲)

طریقہ کہاں تک مؤثر اور فائدہ مند ہے۔

آخر میں حضرت مسیح موعودؑ کے دو شعروں پر اپنے خط کو ختم کرتی ہوں جو میری بہنوں سے اپیل کا لُبِ لباب ہے

ز بذلِ مال در راہش کسے مفلس نمی گردد
خدا خود مے شود ناصر اگر ہمت شود پیدا

# اخبارِ احمدیہ

۱۔ مکرم چوہدری علم دین صاحب نے ڈیرہ غازی خاں سے اپنی اور اپنی جماعت کی طرف سے مختلف مدات میں حسب ذیل رقم بھیجی ہے۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

فطرانہ ۶۰/- مسجد فنڈ ۱۰/- چندہ ماہوار ۳۰/- کل میزان ۱۰۰/-

نیز وہ احباب کرام سے اپنے اور اپنے عزیز امان اللہ خاں کی صحت اور کاروبار میں ترقی کے لئے بھی دُعا کے خواستگار ہیں۔

۲۔ مولوی عبدالکریم صاحب رند ڈیرہ غازی خاں نے اپنے پوتے کی پیدائش کی خوشی میں مکرم علم دین صاحب کے ذریعہ مبلغ بیس روپے خزانہ انجمن میں جمع کرائے ہیں۔ احباب کرام نو مولود کی صحت اور درازیٔ عمر کے لئے بھی دُعا فرمائیں۔

۳۔ جناب محمود احمد صاحب نیوز ایڈیٹر ریڈیو پاکستان بہاولپور سے اطلاع دیتے ہیں۔ کہ اللہ تعالٰے نے اپنے فضل و کرم سے انہیں دوسرا بیٹا عطا فرمایا ہے۔ اس خوشی میں انہوں نے اور ان کی اہلیہ محترمہ نے مبلغ یک صد روپے مفت تقسیم قرآن کے لئے عطیہ بھیجے ہیں۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالٰے مولود مسعود کو صحت والی لمبی زندگی عطا فرمائے اور اپنے والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے۔

۴۔ خواجہ نصیر اللہ صاحب اطلاع دیتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مُفت لٹریچر دستی یا بذریعہ ڈاک تقسیم کیا ہے:۔

۱۔ ہم کون ہیں؟ ۔۔۔ ۱۵ عدد
۲۔ حضرت مسیح موعودؑ مجددؒ زمان کا دعوےٰ اپنی آخری دو کتابوں کی رو سے ۔۔۔ 30 "
۳۔ تذکرہ ۔۔۔ 25 "
۴۔ آئینِ پاکستان میں نئی ترمیم کا مفہوم قرآن وحدیث کے خلاف نہیں ہو سکتا ۔۔۔ 15 "
۵۔ قومی اسمبلی کی خدمت میں خدا اور اس کے رسول کے نام پر ۔۔۔ 30 "
۶۔ پاکستان قومی اسمبلی میں مُسلم کی تعریف کا مطالبہ ۔۔۔ 40 "
۷۔ حضرت خواجہ غلام فریدؒ چاچڑاں شریف کا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی بانیٔ تحریکِ احمدیت سے اظہار عقیدت ۔۔۔ 15 "
۸۔ شہادت حقّہ ۔۔۔ 20 "
۹۔ مولانا محمد علیؒ کی قیادت میں قیامِ پاکستان کے لئے احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کی جد و جہد ۔۔۔ 15 "
۱۰۔ کسرِ صلیب ۔۔۔ 4 "
۱۱۔ اسلامی اصول کی فلاسفی ۔۔۔ 2 "
۱۲۔ خورشید فاران ۔۔۔ 4 "
۱۳۔ قرآن کریم کی بیان کردہ سائنس (اردو) ۔۔۔ 100 "
۱۴۔ THE HOLY QURAN HAS DISCUSSED SCIENCE ۔۔۔ 50 "
۱۵۔ ہمارے عقائد ۔۔۔ 30 "
۱۶۔ جماعتِ ربوہ اور جماعتِ لاہور کے عقائد ۔۔۔ 30 "
۱۷۔ مقامِ محمدِ مُصطفٰے ۔۔۔ 10 "

ہماری بیعت کا لُبِ لباب بھی دین کو دُنیا پر مقدم کرنا ہی ہے آپ اس کو عملی زندگی سے ثابت کرنا چاہیئے

تا توانی جہد کن از بہر دیں با جان و مال
تا ز ربّ العرش یابی خلعت صد آفریں

مکرّم جناب میاں بشارت احمد بقا صاحب

# عالمِ اسلام کا ایک درخشندہ ستارہ

# حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا محمد علیؒ کا شمار بحیثیت ایک طالب علم کے قابل ترین طلباء میں کیا جا سکتا ہے۔ آپ کی علمی قابلیت کا اندازہ اس ایک بات ہی سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ کہ آپ خود جب بی۔اے پاس کر چکے تو اسلامیہ کالج لاہور میں بی۔اے کی جماعت کو حساب پڑھاتے تھے۔ اور آپ کے ہمعصروں کا کہنا ہے کہ آپ کی کلاس میں بعض طالب علم آپ سے عمر میں بڑے تھے۔ یہ آپ کی ذہانت و فطانت اور خدا داد قابلیت کی ایک بیّن دلیل ہے۔

آپ نے ایم۔اے انگریزی میں کیا اور پھر ایل ایل بی کی ڈگری بھی امتیازی رنگ میں حاصل کر لی۔ گویا ایک رنگ میں آپ نے مروّجہ تعلیم کی انتہا کو چھُو لیا۔ آپ کی یہ کامیابی واقعی بڑی قابلِ داد ہے۔ کیونکہ آپ ایک دُور اُفتادہ دیہات کے رہنے والے تھے۔ اور آپ کی تعلیم کے ابتدائی دس سال بالخصوص دیہاتی ماحول میں گذرے۔ اور شہری ماحول سے آپ کو کالج میں پہنچنے کے بعد واسطہ پڑا۔ اُس زمانہ میں دیہاتوں میں تعلیم کا کوئی چرچہ نہ تھا۔ یہ بالکل تصرف الٰہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے والد گرامی کے دل میں اپنی اولاد کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ ورنہ اس زمانہ میں زیادہ سے زیادہ یہی ہوا کرتا تھا کہ بچوں کو قرآن ناظرہ پڑھوا دیا اور لکھنے پڑھنے کی معمولی شُدھ بُدھ پیدا کر دی۔

حضرت مولانا کے والد گرامی کے دل میں اس زمانہ کے معاشی و معاشرتی اور تمدّنی حالات کے پیشِ نظر یہ خیال ضرور پیدا ہوا ہوگا کہ میرے بچے تعلیم یافتہ ہو کر اعلےٰ سرکاری عہدوں پر فائز ہوں۔ اور خاندان کا نام روشن کریں۔ لیکن مولانا صاحب کی ذات کا جہاں تک تعلق ہے ان کے والد گرامی کی یہ آرزو یوں پوری نہ ہوئی۔ مولانا صاحب کو خدا تعالےٰ نے کسی عظیم مقصد کے لئے پیدا کیا تھا۔ جس کا سوائے اس کی ذات پاک کے اور کسی کو کچھ علم نہ تھا۔ آپ کالج میں بطور پروفیسر پڑھا رہے تھے کہ آپ کے ہاتھ میں حضرت مجدّد زمان علیہ السلام کی تصنیف ازالہ اوہام کسی دوست کی وساطت سے پہنچی۔ اس کے مطالعہ سے آپ کی سوچ اور فکر میں یکسر انقلاب آ گیا اور تھوڑے عرصہ کے بعد مسلسل مطالعہ نے آپ کو اس نتیجہ پر پہنچا دیا۔ کہ قادیان سے جو ندا بلند ہوئی ہے۔ وہ ندائے حق ہے۔ اور اس پر لبیک کہنے میں ہی سعادت دنیوی و اُخروی ہے۔ آپ قادیان تشریف لے گئے اور بلا خوف لومۃ و لائم آپ نے اپنا دست بیعت حضرتِ مجدّدِ وقت کے دست حق پرست میں دے دیا۔ اب آپ پروفیسر چوہدری محمد علی ایم۔اے۔ ایل۔بی نہ رہے بلکہ اپنے امام کی طرف سے حبیّ فی اللہ مولوی محمد علی ایم۔اے کا نام پایا۔ یہ آپ کی بھرپور جوانی کا زمانہ تھا۔ چہرے پر ڈاڑھی نمودار ہو چکی تھی۔ آپ کی عمر کے اور بھی تعلیمیافتہ نوجوان حضرت مرزا صاحب کے حلقہ ارادت میں آئے تھے۔ مگر پیر روشن ضمیر کی طرف سے کسی کو بھی مولوی کا لقب عطا نہ ہوا۔ یہ بہت بڑا شرف ہے جو حضرت مولانا صاحب کو اپنے پیرؒ مرشد نے عطا فرمایا۔

بلاشبہ حضرت مولانا محمد علیؒ دُنیا میں اپنے علم وفضل اور حاصل کردہ ڈگریوں کے بَل بوتے پر کسی اعلےٰ سرکاری عہدے پر ضرور پہنچتے۔ اور سرکاری سطح پر آپ کی تعظیم اور توقیر بھی ضرور ہوتی۔ لیکن جو شہرت آپ کو اپنے امام کا دست و بازو بن کر نصیب ہوئی۔ اس کا عشرِ عشیر بھی آپ کو دنیاوی وجاہت کے باعث نصیب نہ ہوتا اگر آپ دنیا کی طرف جھکتے۔ تو زیادہ سے زیادہ آپ صوبہ پنجاب کے چیف جسٹس ہو جاتے۔

ہندوستان میں بے شمار ایسے لوگ رہتے ہیں جو ٹی کے وکیل اور عدالتہائے عالیہ کے جج تھے۔ مولانا صاحب کا شمار بھی ان میں ہوتا تھا۔ لیکن یہ عزّت آپ کی شہرت دوام کا باعث نہ ہوتی۔ امام زمانہ کے قدموں میں آکر بیٹھنا شروع کیا۔ اور آپ کے افاضہ روحانی سے سینہ نورِ ایمان سے منوّر ہو گیا۔ دنیا کی محبت سرد پڑ گئی۔ اور خدمتِ دین کا جذبہ فزوں تر ہوتا گیا۔ چنانچہ حضرت مجدد الوقتؑ نے فرمایا:—

ہماری جماعت میں اوّل درجہ کے مخلص دوستوں میں سے مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے ہیں ...... اور بہت سا اپنا ہرج اُٹھا کر چند ماہ سے ایک دینی کام کے انجام دینے کے لئے یعنی میری تالیفات کو انگریزی میں ترجمہ کرنے کے لئے میرے پاس قادیان میں مقیم ہیں ......... میں اس مُدت میں ...... ان کے حالات کا، اخلاق اور دین کی شرافت کی رُو سے تجسّس کرتا رہا ہوں۔ سو خدا تعالےٰ کا شکر ہے کہ مَیں نے ان کو دینداری اور شرافت کے ہر پہلو میں بھی نہایت عمدہ انسان پایا ہے۔ غریب طبع، باحیا، نیک اندرون، پرہیزگار آدمی ہے۔ اور بہت سی خوبیوں میں رشک کے لائق ہیں۔"

("تبلیغ رسالت جلد ۸ صفحہ ۴۷")

ایک دوسرے موقع پر ارشاد گرامی یوں ہے:—

" مجھے اس سے بہت خوشی ہے۔ کہ ایک اور جوان صالح خدا تعالےٰ کے فضل کو پاکر ہماری جماعت میں شامل ہوا ہے۔ یعنی حبی فی اللہ مولوی محمد علی صاحب ایم اے۔ پلیڈر۔ میں ان کے آثار عمدہ پاتا ہوں۔ اور وہ ایک مُدّت سے اپنے دنیاوی کاروبار کا حرج کرکے خدمتِ دین کے لئے قادیان میں مقیم ہیں۔ اور حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب سے حقائق و معارف قرآن سُن رہے ہیں۔ اور مجھے یقین ہے۔ کہ میری فراست اس بات میں خطا نہیں کرے گی۔ کہ نوجوان موصوف خدا تعالےٰ کی راہ میں ترقی کرے گا۔ اور یقین ہے کہ وہ خدا کے فضل سے تقویٰ اور محبّت دین پر ثابت قدم رہ کر ایسے نمونے دکھائے گا جو ہمجنسوں کے لئے پیروی کے لائق ہوں گے۔ اے خدا ایسا ہی کر۔ آمین! ثم آمین!!!"

ان ارشادات کے بعد واقعات نے بتا دیا۔ کہ حضرت امام الزمان کی فراست مومنانہ نے واقعی خطا نہ کی۔ بلکہ جو کچھ کہا گیا۔ وہ حرف بحرف پُورا ہوا۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب نے خدا تعالےٰ کی راہ میں خوب ترقی کی۔ اور اسلام کی سرفرازی اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو دنیا میں پھیلانے میں جو ایثار اور جد و جہد کی۔ وہ آپ کے ہمجنسوں کے لئے فی الواقعہ پیروی کے لائق ٹھہری۔

اس سلسلہ میں آپ کے پیر و مرشد کے مندرجہ ذیل کلمات نہایت قابلِ غور ہیں:—

"مشکل امر یہ ہے کہ جس کو ذرا بھی استعداد ہو جائے۔ وہ دنیا کی طرف جھک جاتا ہے۔ میں چاہتا ہوں ایسے لوگ پیدا ہوں جیسے مولوی محمد علی صاحب کام کر رہے ہیں۔ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ اَب وہ اکیلے ہیں کوئی ان کا ہاتھ بٹانے والا قائم مقام نظر نہیں آتا" (الحکم ۳۰ر نومبر ۱۹۰۵ء)

حضرت مرزا صاحب نے یہ رائے اس زمانہ میں ظاہر فرمائی۔ جب تحریک احمدیت خوب زوروں پر تھی۔ اور اس کے اندر بڑے بڑے قابل لوگ آ چکے تھے۔ لیکن علم و فضل اور تبلیغ کے وسیع میدان میں حضور علیہ السلام کو مولانا صاحب

منفرد دکھائی دیئے۔ اگر اس واضح حقیقت کا آج کوئی انکار کرے۔ تو یہ حق و صداقت کا خون کرنا ہوگا۔ مولانا صاحب کو تا دمِ واپسیں تحریک احمدیت اور خود عالمِ اسلام میں منفرد مقام حاصل رہا۔ آپ کے ذریعے حضرت امام الزمان کے ارادے اور پروگرام شرمندہ تعبیر ہوئے۔ قرآن کی روشنی چار دانگ عالم میں پھیلی، اسلام کا بول بالا ہوا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا سکّہ غیروں کے دلوں پر بیٹھا۔ اور علومِ قرآن کی بالادستی جملہ ادیانِ عالم پر قائم ہونے میں مدد ملی۔

چنانچہ جناب محمد مارمڈیوک پکتھال کو کھلے بندوں اعتراف کرنا پڑا۔۔۔۔

"کسی زندہ انسان نے اسلام کی تجدید کے لئے لاہور کے مولانا محمد علی صاحب سے زیادہ قیمتی اور طویل خدمت انجام نہیں دی۔ ان کے تصنیفی کارناموں کی وجہ سے تحریک احمدیت ایک خاص شہرت اور امتیاز کی مالک بن گئی ہے۔ ........ یہ اسلام کی تصویر ایک ایسے شخص کے قلم سے ہے۔ جو قرآن و سنت سے خوب واقف ہے اور جس کے دل میں پچھلی پانچ صدیوں کے اسلام کے انحطاط کا درد ہے اور جس کے دل میں نشاۃ ثانیہ کے لئے ایک امید ہے۔ جس کے آثار اب چاروں طرف نظر آنے لگے ہیں۔" (رسالہ اسلامک کلچر اکتوبر ۱۹۳۶ء)

مولانا صاحب مرحوم اس صدی میں پہلے مسلمان عالمِ دین ہیں۔ جنہیں قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر انگریزی زبان میں کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ ورنہ آپ سے پہلے جس قدر تراجم قرآن مارکیٹ میں مشہور اور مقبول تھے وہ سب کے سب غیر مسلم سکالروں کے ترجمہ شدہ تھے۔ اور ان تراجم کا مقصد قرآن اور اسلام کی حقانیت کو پھیلانا نہیں تھا۔ بلکہ نفرت اور عداوت کی آگ کو بھڑکانا تھا۔ مگر جب حضرت مولانا صاحب کا ترجمہ مارکیٹ میں آیا۔ اور یورپ اور امریکہ میں پہنچا۔ تو معاندینِ اسلام کے جھوٹے پروپیگنڈا کا پول کھلنا شروع ہو گیا۔ اس ترجمہ سے کئی سعید روحوں کو آبِ حیات نصیب ہوا اور بے شمار اہلِ دانش اسلام کی عظمت کے آگے اپنا سر جھکانے پر مجبور ہو گئے۔ اور عیسائی مشنریوں کو میدانِ تبلیغ میں اپنی شکست کے آثار دکھائی دینے لگے۔

انگریزی ترجمۃ القرآن سے قبل ۱۹۰۲ء میں قادیان سے آپ کی زیرِ ادارت ایک بلند پایہ ماہوار رسالہ بنام ریویو آف ریلیجنز نکلنا شروع ہوا۔ اس رسالہ میں آپ کے طبعزاد بلند پایہ مضامین اور اداریئے چھپتے۔ اور یورپ اور امریکہ میں پہنچتے۔ ان مضامین کو پڑھ کر کونٹ ٹالسٹائی جیسے عظیم مفکر اور اہلِ قلم نے برملا اعتراف کیا۔ کہ اسلام کی تعلیم کو اچھی طرح سے سمجھنے میں بہت مدد ملی ہے۔ اور اسلام کی جو تصویر ان میں کھینچی جاتی تھی اسے نہایت دلآویز تسلیم کیا۔

آج اگر یہ کہا جائے۔ کہ مولانا صاحب کے انگریزی ترجمۃ القرآن سے یورپ اور امریکہ کے کفرستانوں میں سچائی کے چراغ روشن ہوئے ہیں تو یہ قطعًا مبالغہ نہیں ہوگا۔ امریکہ میں خدا نے آج ایک عظیم قوم پیدا کر دی ہے جو اسلام کو اپنا کر ہر قسم کے فسق و فجور اور کفر و ضلالت سے پاک ہو گئی ہے۔ جو خدا کے فضل سے دن دگنی رات چوگنی ترقی کر رہی ہے۔ ایسی عظیم قوم کے پیدا ہونے میں مولانا صاحب مرحوم کے انگریزی ترجمۃ القرآن کا بہت بڑا حصہ ہے۔

حضرت مجدّدِ زمان کو خدا نے فرمایا تھا "میں تیری تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا" ان کی تبلیغ یہی اسلام کی تبلیغ تھی بحمد اللہ کہ آپ کی یہ تبلیغ آج دنیا کے کناروں تک پہنچ رہی ہے۔ اسلام کا پیغامِ حق بنی نوع کو دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ رہا ہے۔ اس صورتِ حال کو دیکھ کر دل گواہی دیتا ہے کہ حضرت مولانا محمد علیؒ واقعی عالمِ اسلام کے درخشندہ ستارہ تھے۔ جن پر جس قدر فخر و ناز کیا جائے کم ہے۔

مولانا صاحب کے دینی کارناموں سے آپ کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہو چکی ہے اور ان کی تصنیفات خود عرب ممالک میں خوب مقبول ہو رہی ہیں۔ اور انہیں بطور سند تسلیم کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بات قارئین کے لئے یقینًا دلچسپی کا باعث ہوگی۔ کہ مصر کے جامع ازہر سے حضرت مولانا صاحب کی شہرہ آفاق کتاب "دی ریلیجن آف اسلام" شائع ہوئی ہے۔ جس پر آپ کا نام بطور مصنف درج ہے۔ لیکن احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا نام حذف کر دیا گیا ہے۔ جس مصلحت کے پیشِ نظر ہماری انجمن کا نام شائع نہیں کیا گیا۔ وہ تمام پر واضح ہے۔ چلو۔ "اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے"۔ حکومت کی طرف سے آج ہم نان مسلم "NOT MUSLIM" ہو گئے ہیں۔ لیکن خدا اور رسول کی نظر میں تو ایسا نہیں۔

یہ رات جو ہم پر مسلط کی گئی ہے۔ کب تک قائم رہے گی۔ ایسی بھی کوئی شام ہے جس کی سحر نہ ہو۔ انشاء اللہ وہ دن ضرور آئے گا۔ جس دن سچائی کا سورج پوری آب و تاب سے طلوع کریگا۔

ہمارے حضرت مولاناؒ نے تنہائی کے گوشوں میں نصف صدی بیٹھ کر اسلام کی بے پایاں اور گرانمایہ خدمت سر انجام دی ہے۔ جو اب میٹھے پھل لا رہی ہے۔ یہ خاموش خدمت خدا کے حضور میں شرف قبولیت پا رہی ہے۔ اس سے صداقتِ اسلام کی روشنی پھیل رہی ہے۔ ہزاروں ہزار لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے اور ہو رہے ہیں۔

حضرت مولانا کے وہ تمام ہمعصر جو دنیا کے لئے جیئے آج صفحہ ہستی سے نسیًا منسیًا ہو رہے ہیں۔ لیکن مولانا کا نام آپ کی اعلیٰ دینی خدمات دینی کے باعث زندہ جاوید رہے گا۔

حضرت مولانا بڑے بے نفس اور باخدا بزرگ تھے۔ آپ تحریک احمدیت سے پورے اخلاص سے وابستہ ہوئے۔ پورے صدق اور جوش سے سلسلہ کی خدمت سرانجام دی مگر اپنی نمائی کبھی نہ چاہی۔ آپ کا قلم مسلسل چلتا رہا اور ہزارہا صفحات پر صداقت کے موتی بکھیرتے رہے۔ آپ اسلام کے نہایت ہی کامیاب وکیل ثابت ہوئے۔ آپ کی کوئی کتاب اٹھا کر دیکھ لیں۔ دلائل عقلی و نقلی کا انمول خزانہ دکھائی دیتی ہے۔ ادنیٰ رنگ آمیزیوں سے یکسر پاک اور افسانوی مبالغوں سے کوسوں دور۔ ہر بات قاری کے دماغ میں کھبتی چلی جاتی ہے کسی قسم کے ابہام اور الجھاؤ کی قطعًا کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس لحاظ سے آپ ایک نئے طرزِ تحریر کے موجد اور بانی ہیں۔ جسے اکثر اہلِ قلم لوگوں نے اپنایا ہے۔ مگر پوری طرح نہیں۔ کیونکہ ابھی تک مذہبی لٹریچر میں ادبیت کا غالب رنگ موجود ہے۔ حضرت مولانا نے مشکل سے مشکل مضمون کو نہایت سادہ اور سلیس زبان میں بیان فرمایا ہے جسے معمولی علم والا بھی سمجھ سکتا ہے اور اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی اس سے پوری طرح محظوظ ہوتا ہے۔ یورپ کے عیسائی مشنری اور مستشرقین بالخصوص حضرت مولانا کی تصنیفات سے بہت مرعوب ہوتے ہیں۔ اور انہیں بڑی بے بسی کے ساتھ اپنے ہتھیار آپ کے سامنے ڈالنے پڑتے ہیں۔

جماعت احمدیہ کے مالی وسائل ہمیشہ بڑے محدود رہے ہیں۔ لیکن اب تو بالکل ہی محدود ہو گئے ہیں۔ ہمیں قرآن کو دنیا میں پھیلانے اور اعلائے کلمۃ الحق کرنے میں جس قدر دشواریاں اب پیش آ رہی ہیں۔ ان کا کبھی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ عالم اسلام کے بیدار مغز لوگ تحریک احمدیت اور حضرت مولانا محمد علیؒ کی خدمات دینی کے ضرور معترف ہیں اور آپ کی تصنیفات سے اشاعت اسلام کے سلسلہ میں استفادہ بھی کرتے ہیں۔ مگر آج دولت کے انبار رکھنے کے باوجود کسی ایک ملک کو یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی کہ دنیا کے مختلف ممالک میں اشاعت اسلام کے مراکز کھولیں اور اسلام پر بلند پایہ لٹریچر شائع کریں۔ علماءِ دین احمدیت کی جس قدر چاہیں مخالفت کر لیں۔ لیکن ایک بات انہیں بھولنی نہ چاہیئے کہ کلمہ گوؤں کو دائرۂ اسلام سے اکثریت کے بل بوتے پر خارج قرار دینا خدا اور رسول کے نزدیک کوئی قابلِ قدر کارنامہ

(باقی بر صفحہ ۔ کالم ۲)

# حضرت امیرِ قوم مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی جلسہ سالانہ ۱۹۵۰ء کی ایک یادگار تقریر

## تبلیغِ اسلام اور اشاعتِ قرآن کی توفیق پانے کے لئے

# ایک دردمندانہ دُعا

> اے بادشاہ! تیرے انعامات کے خزانے بے حد و حساب ہیں۔ اور ہر زمانہ میں ہر مانگنے والے کے لئے کھلے ہیں۔ ہم بھی تیرے نام کو دنیا میں بلند کرنے کی غرض سے تیرے در پر حاضر ہوئے ہیں۔ اور سب مل کر بچشمِ گریاں تیرے انعامات کے لئے تیرے در پر صدا بلند کرتے ہیں۔ اے **فضلوں اور رحمتوں کے مالک**!! تو ہی اپنے کرم سے ہمارے دلوں میں وہ آہیں پیدا کر جو تیرے فضلوں اور رحمتوں کے دروازے ہم پر کھول دیں تاکہ ہم تیرے قرآن اور محمدؐ کے نام کو دنیا میں روشن کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ آمین

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے اس سینتیسویں سالانہ اجتماع کا افتتاح میں اس مشہور دُعا سے کرتا ہوں جو ہر مسلمان کی شب و روز کی دُعا ہے۔ اور جس نے قرآن کے ماننے والوں سے بھی خراجِ تحسین وصول کیا ہے۔ چونکہ دُعا کرنے والا درحقیقت بارگاہ الہٰی میں سائل کے طور پر حاضر ہوتا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ ہم بھی اپنے ظاہر اور باطن میں ایک تغیر پیدا کریں۔ ظاہری رنگ میں یوں کہ ہم سب کے سب ایک سائل کی طرح کھڑے ہو جائیں (سوائے ان کے جو میری طرح کسی کمزوری کی وجہ سے کھڑا ہونے سے معذور ہوں۔) اور باطنی رنگ میں یوں کہ ہمارے دلوں میں یہ احساس پیدا ہو جائے کہ جس طرح ایک سائل اپنے آپ کو عاجز اور کمزور پا کر ایک غنی کے در پر جاتا ہے ہم بھی اپنی کمزوریوں کو محسوس کرتے ہوئے خدا کے دروازے پر آئے ہیں۔ تم کتنے بھی صاحبِ علم اور مالدار ہو خدا کے سامنے تمہاری حیثیت ایک فقیر سے زیادہ نہیں واللہ غنی و انتم الفقراء یایھا الناس انتم الفقراء الی اللہ واللہ ھو الغنی الحمید۔ تو آیئے ایک فقیر کی طرح خدا تعالےٰ کے دروازے پر کھڑے ہو کر صدائیں بلند کریں۔ اور اس کام میں جو ہمارے امام نے ہمارے سپرد کیا تھا، اپنے عجز اور کمزوری کو محسوس کرتے ہوئے اس طاقتور بادشاہ سے مدد مانگیں۔ جو پہلے بھی ان لوگوں کی جو اس کے ہو جاتے ہیں زبردست نصرت فرماتا رہا ہے اور آئندہ بھی اس کا وعدہ ہے کہ جو اس کا ہو جائے گا وہ اس کی بھی اسی طرح نصرت فرمائے گا جس طرح اس نے اپنے برگزیدوں کی مدد فرمائی۔

ہم درماندہ درویشوں کی پہلی صدا اس بارگاہِ عالی پر جو تمام جہانوں کی ربوبیت فرماتا ہے یہ ہے الحمد للہ رب العالمین۔ اے تمام مخلوق کی ربوبیت فرمانے والے تو نے اپنے بندوں پر مادی رزق کے دروازے وسیع کھول دیئے ہیں اور زمین اور آسمان کی مادی طاقتوں کو ان کی خدمت پر لگا دیا ہے مگر مادی رزق کی فراوانی اور ظاہری کشش انہیں تجھ سے غافل کر کے ہلاکت اور بربادی کی طرف لے جا رہی ہے اس نے تو ان پر اپنے رُوحانی رزق کے دروازے کھول دیئے۔ تاکہ یہ نسلِ انسانی تباہی اور بربادی سے بچ کر اپنے حقیقی کمال کو حاصل کر لے۔ اے خدا جو ہمیشہ انسانوں کی ربوبیت فرماتا رہا ہے اور جس نے بالآخر ساری نسل انسانی کی روحانی ربوبیت کے لئے اپنا آخری نبی محمد رسول اللہ صلعم اور اپنا آخری اور کامل پیغام قرآن بھیجا تو اب نسلِ انسانی کی ربوبیت کے لئے اپنے قرآن اور پیغمبر کی قبولیت کی ہوا چلا دے۔ اور ہمیں بھی وہ سامان عطا فرما کہ ہم تیرے قرآن کو اور تیرے پیغمبر کی خوبصورت تصویر کو ساری دنیا میں پہنچا دیں۔

اور ہماری دوسری صدا اس ارحم الراحمین کے دروازے پر یہ ہے کہ الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین، اے رحمتوں کے سرچشمے تو اس نسلِ انسانی پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور ان کے گناہوں کی سزا بھی ان پر آئے تو تیرے مالکیت کے تقاضے سے تیری رحمت اس کے ساتھ بھی ملی ہوئی ہو۔

اور ہماری تیسری صدا اس مقتدرِ حقیقی کے دروازے پر یہ ہے:—
ایاک نعبد و ایاک نستعین۔ ہم تیرے غلام ہیں اور تیری غلامی کا فخر بھی تیری مدد سے ہی مل سکتا ہے۔ ہماری آرزو یہ ہے کہ یہ ساری نسلِ انسانی تیری غلامی کو اختیار کر کے فلاح اور بہبود پائے۔ یہ کام انسانی طاقت سے نہیں ہو سکتا۔ اس لئے تیرے دروازے پر آئے ہیں کہ اس میں تو ہماری مدد فرما۔ یہاں تک کہ ہم ساری نسلِ انسانی کو تیری غلامی میں داخل کر دیں۔ ہم تیرے در پر جھکتے ہیں اور ساری نسلِ انسانی کو تیرے در پر جھکانے کی آرزو رکھتے ہیں۔ مگر اے قدرت اور طاقت کے مالک خدا یہ کام تیری مدد کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ سو ہم یہ سوال لے کر تیرے در پر آئے ہیں کہ تو ہماری اسی طرح مدد فرما جس طرح تو اپنے رسولوں کی مدد فرماتا رہا ہے۔ تیرا وعدہ ہے انا لننصر رسلنا والذین اٰمنوا فی الحیٰوۃ الدنیا اللّٰھم انجز وعدک و انصر عبادک المستضعفین
اے زمین اور آسمان کے مالک تو زمین اور آسمان کی تمام طاقتوں کو ہماری مدد کے لئے لگا دے۔ اے خدا تو اپنے دین کی نصرت کے لئے اپنی ملائکہ کی افواج کے ساتھ اس زمین پر نزول فرما اور اپنے دین کی خدمت کا کام کرنے والوں کی مدد فرما۔

ہماری چوتھی صدا اس منعمِ حقیقی کے دروازے پر یہ ہے:—
اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔
ہم تیرے پیغام کو دُنیا میں پہنچانے کی آرزو رکھتے ہیں۔ ہمیں اس رستہ پر چلنے کی توفیق دے۔ جس رستے پر وہ لوگ چلے جنہوں نے تیری بارگاہ سے بڑے انعام پائے۔ جن کی ساری نیک آرزوؤں کو تو نے پورا فرمایا اور ان ٹھوکروں سے ہمیں بچا جو ٹھوکریں کھا کر ہدایت کے بعد بھی لوگ تیری ناراضگی کا محل بن گئے۔ یا صحیح رستے کو چھوڑ کر غلط رستے پر پڑ گئے۔ اے بادشاہ تیرے انعامات کے خزانے بے حد و حساب ہیں اور وہ ہر زمانہ میں ہر مانگنے والے کے لئے کھلے ہیں۔ ہم بھی تیرے نام کو دُنیا میں بلند کرنے کی غرض سے تیرے در پر حاضر ہوئے ہیں اور آج سب مل کر بچشمِ گریاں تیرے انعامات کے لئے تیرے در پر صدا بلند کرتے ہیں جن انعامات سے تُو نے ہماری سرکار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں کو نوازا اے خداوند عالم تیرے انعامات تو ختم نہیں ہوتے۔ ہم ناکارہ انسانوں کی وہ آہیں ہی ختم ہو جاتی ہیں جو تیرے انعامات کے دروازے کھول دیتی ہیں۔ تو ہی اپنے کرم سے ہمارے دلوں میں وہ آہیں پیدا کر۔ اے خدا فضلوں اور رحمتوں کے دروازے ہم پر کھول دے کہ ہم تیرے قرآن اور محمدؐ کے نام کو دنیا میں روشن کرنے میں اور تیرے قرآن اور محمدؐ کے نور سے تیری دُنیا کو روشن کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ آمین

اما بعد۔ اس اجتماع میں جس کی اصل غرض بالفاظ بانیٔ سلسلہ احمدیہ یہ ہے کہ جماعت کی (۱) "معرفتِ الہٰی ترقی پذیر ہو" (۲) "تعلقاتِ اخوت استحکام پذیر ہوں"۔ (۳) یورپ اور امریکہ کی دینی ہمدردی کے لئے تدابیرِ حسنہ پیش کی جائیں"۔ شمولیت کے لئے خوش آمدید کہتا ہوں

مجھے اور آپ کو مل کر کام کرتے ہوئے ۳۷ سال گذر گئے ۔ فالحمد لله علی ذالك کہ اس نے نصف صدی تک مجھے یہ کام کرنے کی توفیق دی اور موقعہ بھی دیا ۔ مگر دنیا میں بلند سے بلند مقام پر بھی پہنچ گیا ہوتا تو مجھے اس خوشی کا عشرِ عشیر بھی نصیب نہ ہوتا جو آج مجھے حاصل ہے ۔ میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کی خدمات کو بھی وہ قبولیت فرمائی ہے جو وہ اپنے دین کے خادموں کو پہلے عطا فرماتا رہا ہے ۔ اور اسلام کی نشأۃ ثانیہ میں جس کے آثار آپ کو چاروں طرف کھلے نظر آ رہے ہیں ۔ جس قدر مفید نتائج اس قلیل جماعت کی خدمات نے پیدا کئے ہیں جس کی قلت کی وجہ سے لوگ اسے درخور اعتنا نہیں سمجھتے ۔ کوئی بڑی سے بڑی اسلامی جماعت بھی نہیں دکھا سکتی ۔ آپ کی ان خدمات کا اعتراف باوجود بُغض جیسے کرشیکاگو، بجی، ملیاں، نائیجیریا، برٹش گائنا ۔ ڈچ گائنا جہاں سے ہنستے والے ایک ہمارے دوست نے سال گذشتہ بھی اس پلیٹ فارم سے توجہ دلائی تھی ۔ اور اس سال بھی وہاں سے ہمارا ایک اور بھائی یہاں پہنچا ہے ۔ چین کے اس مُلک میں اس جماعت نے کس قدر کام کیا ہے، اس کی شہادت چند سال ہوئے مشہور چینی سیاح عثمان وو آپ کے سامنے ادا کر گئے ۔ اور اس عظیم الشان آبادی میں جو انڈونیشیا کے نام سے مشہور ہے اور اس وقت مسلمان آبادی کی تعداد کے لحاظ سے شاید سب سے بڑا اسلامی ملک ہے جو حرکت آپ کی جماعت نے پیدا کی ہے وہ اپنی نظیر نہیں رکھتی اسی طرح یورپ اور امریکہ کے غیر مسلموں میں جس قدر آپ کی خدمات سے قرآن کریم، حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام روشن ہوا وہ ایک بے نظیر کام ہے ۔ ووکنگ مشن اور برلن مسجد کا نام دنیا میں روشن ہے ۔ مگر امریکہ میں بھی جہاں ابھی چند سال کام کرتے ہوئے ہمیں ہوئے ہیں ۔ آپ کی خدمات کا اعتراف اس حد تک موجود ہے کہ امریکہ کے ایک مشہور آدمی کی وساطت سے جن کا نام ولیم اہرگ ہے اور جو یو این او کے مذہبی شاخ کے سیکرٹری ہیں ایک تار مسٹر لیاقت علی خاں کو ان کے امریکہ کے دَورہ میں پہنچا جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں جس کی نقل مسٹر اہرگ نے مجھے بھی بھیجی ہے :۔

”میں آپ کے توسط سے پاکستان کے عوام پر اس بات کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ ہم اس احسن کارکردگی کو عزت و قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں جو آپ کے ہموطن مولوی محمد علی اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے انگریزی زبان میں اسلام کی دینی کتب کی اشاعت اور اپنی ذاتی کوششوں سے پاکستان اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کے مابین بہتر افہام و تفہیم پیدا کرنے کے لئے کر رہے ہیں ۔ ہم ان تمام کوششوں کے بھی معترف ہیں جو پاکستان کے دینی رہنما عالمی امن کے قیام اور انفرادی زندگی کی بہتری کے لئے سرانجام دے رہے ہیں ۔

میں یہ بھی گذارش کرنا چاہتا ہوں کہ آپ لاہور کے ان عالی فکر اصحاب کو ترغیب دلائیں کہ وہ مرکزی ادارہ اقوام متحدہ کی ایک شاخ نیویارک شہر میں کھولیں، چاہے یہ شاخ آپ کے وفد اقوام متحدہ کا ایک حصہ ہو، یا خود مختار، اس سے انہیں مقامی قومی اور بین الاقوامی پریس، ریڈیو اور ایجوکیشنل فورم کی اور دیگر سہولتیں جو وہاں میسر آ سکتی ہیں حاصل ہو جائیں گی، پاکستان ریاستہائے متحدہ امریکہ میں اسلام، مسیحیت اور یہودیت کے مابین محبت و ارتباط پیدا کرنے میں عرب لیگ سے تعلق رکھنے والے ممالک سے بہتر قیادت کر سکتا ہے اور آپ اس ذریعہ سے بین الاقوامی افہام و تفہیم اور تعاون کو بڑھانے اور امنِ عالم کی کوششوں کے لئے زیادہ مضبوط بنیادیں قائم کرنے کا موجب ہوں گے، جو ان لوگوں کے ہاتھوں سے رکھی جائیں گی جو ایک سچے خدا پر ایمان رکھتے اور نسلِ انسانی کے باہمی اتحاد اور اخوت کے قائل ہیں ۔

اس قسم کی نمائندگی اہل امریکہ کو پاکستان کی ان ضروریات کا صحیح اندازہ دے سکے گی، جو یونائیٹڈ سٹیٹس انفرمیشن سروس کے ذریعہ اور پریزیڈنٹ ٹرومین کے چار نکاتی پروگرام کے ماتحت جہاں تک اس کا پاکستان سے تعلق ہو پُوری کی جا سکتی ہیں اور ہمارے پرائم منسٹر نے بھی اس میں دلچسپی کا اظہار کیا، چنانچہ ان کے سیکرٹری کی طرف کے لئے جن کا اظہار انہی میں کیا گیا ہے آپ کا شکریہ ادا کروں ۔

وزیر اعظم نے آپ کی ان سفارشات کو نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھا، جن میں بین الاقوامی افہام و تفہیم اور تعاون کو بڑھانے اور امنِ عالم کے لئے زیادہ ٹھوس کام کی بنیاد قائم کرنے کی تجویز کی گئی ہے ۔“

یہ وہ کام ہے جس کی طرف ہماری توجہ چودھویں صدی ہجری کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی بدولت ہوئی جو درحقیقت یورپ اور امریکہ میں ہی نہیں ساری دنیا میں تبلیغ اسلام کی بنیاد رکھنے کے لحاظ سے اس زمانہ کے واحد امام ہیں ۔

## کیا ہمارا امام اپنے مقصد میں ناکام رہا؟

جب ہمارے امام نے تبلیغ اسلام کی بنیاد رکھی تو اس کی پہلی ضرورت یہ بیان فرمائی کہ پہلے اسلام پر اعلےٰ درجہ کا لٹریچر تیار کیا جائے اور پھر اسے یورپ اور امریکہ میں پھیلایا جائے ۔ آپ کی سب سے پہلی کتاب ازالہ اوہام کو صفحہ ۷۷۱ سے صفحہ ۷۷۴ تک پڑھیئے وہاں آپ ان باتوں کا اعادہ پُورے زور سے پائیں گے آپ اس عزم کو لے کر اُٹھتے ہیں کہ :۔

”میں جہاں تک میرے امکان میں ہے تالیف کے ذریعہ سے ان علوم اور برکات کو ایشیا اور یورپ کے ملکوں میں پھیلاؤں گا جو خدا تعالیٰ کی پاک رُوح نے مجھے دی ہیں ۔“

پھر فرماتے ہیں :۔

”یورپ اور امریکہ نے اسلام پر اعتراضات کا ایک بڑا ذخیرہ پادریوں سے حاصل کیا ہے ۔ اور ان کا فلسفہ اور طبعی بھی ایک الگ ذخیرہ نکتہ چینی کا رکھتا ہے ........ ان اعتراضات کا جواب دینے کے لئے کسی منتخب آدمی کی ضرورت ہے جو ایک دریا معرفت کا اپنے صدر منشرح میں موجود رکھتا ہو ۔ جس کے معلومات کو خدا تعالےٰ کے الہامی فیض نے بہت وسیع اور عمیق کر دیا ہو ۔“

پھر فرماتے ہیں :۔

”سو میری صلاح یہ ہے کہ بجائے ان وعظوں کے عُمدہ عُمدہ تالیفیں ان مُلکوں میں بھیجی جائیں ۔ اگر قوم بدل و جان میری مدد میں مصروف ہو تو میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کر کے اور انگریزی میں ترجمہ کرا کر ان کے پاس بھیجی جائے ۔“

اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں :۔

”میں اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے رہ نہیں سکتا کہ

یہ میرا کام ہے دوسرے سے ہرگز ایسا نہیں ہوگا جیسے مجھ سے
یا اس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے۔"

اس کے بعد ان ممالک میں اس لٹریچر کی تقسیم کو ضروری ٹھہرایا۔ اور یہ تجویز فرمائی کہ وہاں اپنے آدمی بھیجکر ان کے ذریعہ سے یہ لٹریچر ان میں تقسیم کیا جائے۔

اب یہ حضرت امام کی ۱۸۹۱ء کی تڑپ ہے کہ یورپ اور امریکہ اور ایشیا میں تبلیغ اسلام کے لئے عمدہ عمدہ تالیفات تیار کی جائیں اور ایک تفسیر بھی قرآن کریم کی انگریزی میں تیار کی جائے۔ مگر اس سارے کام کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ میرا کام ہے یا اس کا جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے۔ اور دوسرے سے یہ ہرگز نہیں ہوگا۔ ایک طرف ان الفاظ کو اور دوسری طرف واقعات کو دیکھو۔ کیا ہمارا امام نعوذ باللہ ناکام رہا۔ یا اس کی جس قدر آرزوئیں تھیں وہ ایک ایک کرکے پوری ہوئیں؟ پھر کیا ساری اسلامی دُنیا میں کوئی دوسرا انسان ایسا نظر آتا ہے جس نے تبلیغ اسلام کی خاطر ایسا لٹریچر تیار کیا ہو۔ یا اسے دُنیا میں پھیلانے کا انتظام کیا ہو۔ کیا یہ سچ نہیں کہ اسلام پر جو لٹریچر اس جماعت لاہور یا احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے تیار کیا ہے اس کی نظیر ساری دنیا میں نہیں ملتی اور پھر کیا یہ سچ نہیں کہ اس جماعت کے سارے تیار کردہ لٹریچر کو دیکھا جائے تو وہ تبلیغ اسلام کے سارے پہلوؤں پر حاوی ہے۔ اس میں قرآن کریم کا ترجمہ اور تفسیر بھی ہے اس میں حدیث شریف بھی موجود ہے۔ اس میں سیرت نبویؐ کے مختلف پہلو بھی ہیں۔ اس میں زمانہ نبویؐ کے تیس سالہ امتداد یعنی خلافت راشدہ کی تاریخ بھی موجود ہے۔ اس میں عیسائی پادریوں کے سارے اعتراضات کا جواب بھی ہے۔ اور یورپ کے فلسفہ اور طبعی کی نکتہ چینی کا جواب موجود ہے۔ اس میں ریلیجن آف اسلام جیسی کتاب بھی موجود ہے جس پر ریویو کرتے ہوئے مرحوم مارمیڈیوک پکتھال نے لکھا تھا کہ جس قدر علمی اور قیمتی خدمت احیائے اسلام کی اس عاجز نے کی ہے اس زمانہ میں دوسرا کوئی نہ کر سکا۔ اور جس پر ایک مشہور امریکی مصنف نے لکھا تھا کہ اس عاجز کے قرآن کے انگریزی میں ترجمہ اور تفسیر کے بعد اور اس کتاب ریلیجن آف اسلام کے بعد کوئی شخص اسلام کی تعلیم کے کسی پہلو سے ناواقف ہونے کا عذر پیش نہیں کر سکتا۔

جیسا کہ میں نے ابتداء میں کہا تھا آج پچاس سال سے اوپر ہوگئے جب مجھ عاجز پر اور میرے مرحوم رفیق خواجہ کمال الدین پر امام وقت کی نظر انتخاب پڑی وہ آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند کی مصداق تھی، اور آپ کے الہامی فیض سے جہاں اور لوگ مستفیض ہوئے ہم دونوں بھی ہوئے۔ میرا دوست اپنے مالک سے ۱۹۳۲ء میں جا ملا۔ مگر میں اللہ تعالےٰ کے حسنات کی شکر گذاری کس طرح کروں کہ مجھ سے اللہ تعالےٰ اب تک اپنے دین کی خدمت کا کام لے رہا ہے۔ ہاں مجھ پر بھی ۱۹۳۴ء سے مہلک بیماریوں کے حملے شروع ہوئے جو کہ یکے بعد دیگرے سخت تر ہوتے چلے گئے۔ سب سے پہلے ۱۹۳۴ء میں ڈاکٹروں نے میری ایک بیماری کو مہلک ٹھہرایا جس کی وجہ سے میں نے کتاب ریلیجن آف اسلام کو طبع کرنے میں جلدی کی۔ پھر ۱۹۳۸ء میں میرے متعلق ڈاکٹری فتوےٰ جب میں ڈلہوزی میں تھا یہ تھا کہ ان کی موت کی خبر معلوم نہیں کس وقت آجائے۔ پھر ۱۹۴۸ء میں کوئٹہ میں خطرناک بیماری مجھ پر آئی اور اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے پھر میری دستگیری فرمائی۔ اور اب ۱۹۵۰ء میں پھر زندگی کی کوئی امید باقی نہیں رہی تھی۔ مگر میرا خدا ہر دفعہ جب اس نے مجھے مہلت دی تو مجھے مزید کام کرنے کی توفیق دیتا رہا۔ اور ہر بیماری کے بعد میں پھر کام میں لگا رہا۔ اور نہ صرف تصنیف کا کام کیا بلکہ تراجم قرآن کریم جیسے عظیم الشان کام کی، امریکہ میں مشن قائم کرنے کی، ادارہ تعلیم قرآن کی بنیاد انہی بیماریوں کے اندر رکھی گئی۔ اور میں اس کے دروازے سے یہ امید رکھتا ہوں کہ آئندہ بھی مجھے کسی کام کے لئے ہی اس نے مہلت دی ہے وہ مزید کام اگر کوئی علمی رنگ کی خدمت کا ہو تو

اس کا علم اللہ تعالےٰ کو ہی ہے۔ لیکن اس وقت جب میں بیمار ہوا تو اس علمی ذخیرہ کو جو اللہ تعالےٰ نے مجھے تیار کرنے کی توفیق دی۔ دُنیا میں پھیلانے کا کام میرے مدِ نظر تھا۔

ہمارے امام کی اگر پہلی خواہش یہ تھی کہ اسلام پر عمدہ عمدہ تالیفات ہوں تو دوسری خواہش یہ بھی تھی کہ ان تالیفات کو اور قرآن کریم کی اس تفسیر کو یورپ اور امریکہ اور ایشیا کے ملکوں میں پھیلایا جائے۔ آپ نے تبلیغ اسلام کی بنیاد اسی پر رکھی تھی کہ اسلام پر اعلیٰ درجہ کی کتابیں لکھی جائیں۔ جن میں موجودہ تہذیب اور عیسائی دُنیا کے ہر قسم کے اعتراضات کا جواب ہو۔ اور اسلام کی ان پر فوقیت ثابت کی جائے۔ مگر یہ صرف بنیاد تھی اصل عمارت یہ تھی کہ اس لٹریچر کو دنیا میں پھیلانے کا انتظام کیا جائے۔

جس طرح بنیاد کے بغیر عمارت کی کوشش ایک بے سُود کوشش ہے، اور قادیانی جماعت نے یہی غلطی کی ہے۔ اسی طرح بنیاد بنا کر چھوڑ دینا اور اس پر عمارت نہ بنانا بھی کوئی عقلمندی کا کام نہیں۔ اور مجھے بعض وقت ڈر لگتا ہے کہ ہماری جماعت کا قدم اس دوسری غلطی کی طرف تو نہیں اُٹھ رہا۔

ہمارے امام کی یہ دونوں آرزوئیں تھیں کہ اول اسلام پر اعلےٰ درجہ کی تصانیف ہوں اور پھر ان کو دنیا میں پھیلانے کا انتظام کیا جائے سو اللہ تعالےٰ نے آپ کی ان دونوں آرزوؤں کو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے ہاتھ سے پورا کرایا۔ مگر اب تک وسیع پیمانے پر صرف مفت ٹریکٹ لٹریچر کے پہنچانے کا انتظام تھا اور قیمتی لٹریچر کی بھی قرآن کریم اور سیرت نبویؐ کی کوئی دس ہزار سے لے کر بیس ہزار کاپیاں پہنچائی گئی تھیں۔ اس پر سال گذشتہ اس نئی عمارت کا اضافہ ہوا کہ آٹھ کتابوں کا ایک سٹ دُنیا کی پانچہزار لائبریریوں میں مفت پہنچانے کی تجویز کی گئی۔ یہ بڑا بھاری کام تھا۔ جو ساڑھے تین لاکھ روپیہ کے خرچ کو چاہتا تھا۔ مگر اللہ تعالےٰ کے فضل و احسان سے اس میں ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ روپیہ جمع بھی ہوچکا ہے۔ جس میں گو ابتداء اس جماعت نے کی ہے مگر دوسرے مسلمان بھائیوں نے بھی بڑی فراخ دلی سے اس میں حصّہ لیا ہے۔ اور باقی کے متعلق کچھ وعدے بھی ہیں اور کچھ کوشش ہو رہی ہے۔ اور کتابیں کوئی پانچہزار سے لے کر بیس ہزار تک کی تعداد میں یا چھپ چکی ہیں یا چھپ رہی ہیں۔ گویا پانچہزار کا سٹ آٹھ آٹھ کتابوں کا دنیا میں پہنچانے کا انتظام کافی حد تک ہوچکا ہے اس طرح اسلام پر چالیس ہزار بیش قیمت کتابیں ساری دنیا کی لائبریریوں میں پھیل جائیں گی۔ جہاں ایک ایک لائبریری میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں انسانوں کی نظر سے گذرتی رہیں گی۔ حضرت امام کے ان الفاظ کو پھر پڑھیئے کہ عُمدہ عُمدہ تصانیف اسلام پر تیار ہوں۔ اور پھر ان کو یورپ اور امریکہ اور ایشیا میں پھیلایا جائے۔ کیا یہ خدا کی آواز نہ تھی جو آپ کی زبان سے ہمیں پہنچائی گئی اور کیا یہ خدا کا طاقتور ہاتھ نہ تھا جس کی مدد سے امام زمان کی یہ دونوں آرزوئیں آج ہماری آنکھوں کے سامنے آپ کی جماعت کے صرف چھوٹے سے گروہ کے ہاتھ سے پوری ہو رہی ہیں۔

میرے دوستو! اور اے میرے مسلمان بھائیو! خدا کی اس آواز اور خدا کے اس فعل کو تحقیر کی نگاہ سے نہ دیکھو۔ یہ ایک انقلاب ہے جو دنیا میں نمودار ہو رہا ہے اور ہماری آنکھوں کے سامنے نمودار ہو رہا ہے مُلکوں کے ملک اور قوموں کی قوموں میں بیداری پیدا ہو رہی ہے اور وہ دن دُور نہیں کہ آپ آفتاب اسلام کو رُوحانیت کے آسمان پر پُوری قوت سے چمکتا ہُوا دیکھ لیں گے۔

اس کے ساتھ ہی میں ایک خوشخبری بھی سُنانا چاہتا ہوں۔ علاوہ اس کے کہ چالیس ہزار بیش قیمت کتب دُنیا کی پانچہزار لائبریریوں میں پہنچانے کا انتظام کیا گیا ہے۔ ایک اور تجویز بھی ہمارے سامنے ہے جس کی بنیاد ایک حد تک ڈال چکا ہوں۔ اس تجویز کی رُو سے ہم ایک مستقل بنیاد قرآن کریم کو

دنیا میں پہنچانے کی رکھ سکیں گے۔ سردست تو یہ ایک محدود سا خیال ہے کہ ہر سال کوئی پانچ ہزار کاپی قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کی ہم طالبعلموں کو وہ کہیں بھی ہوں بہت رعایتی قیمت پر دے سکیں۔ تاکہ ہماری اپنی نسلیں بھی براہِ راست سرچشمۂ قرآن سے نور حاصل کر سکیں۔ اور غیر بھی آسانی سے قرآن کریم کے نور سے فائدہ اُٹھا سکیں۔ مگر میں اُمید رکھتا ہوں کہ جب یہ کام شروع ہو گیا تو نہ صرف یہ تعداد بڑھ سکے گی بلکہ مسلم اور غیر مسلم غیر مستطیع اصحاب کو بھی ہم اس میں شامل کر سکیں گے۔ یعنی انہیں بھی رعایتی قیمت پر یہ ترجمہ پہنچانے کے قابل ہو جائیں گے۔ اور اس طرح یہ جماعت قرآن کریم کے نور سے ساری دُنیا کو منور کرنے کی ایک بُنیاد رکھ سکے گی۔ دُعا کیجئے کہ اللہ تعالےٰ ایسی بنیاد رکھنے کی ہمیں توفیق دے جس پر قیامت تک عمارت بنتی چلی جائے گی۔

اس کے علاوہ قرآن کریم کے پانچ ترجمے جو اس وقت مکمل ہیں ہیں اور اب تک طبع نہیں ہو سکے۔ یہ کام بھی آنے والے سال میں شروع ہو جانے کی اُمید ہے مگر اس کے ساتھ ہی میں اپنے احباب کو ایک اور بات کی طرف بھی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ قرآن کریم خدائے پاک کا کلام ہے اور اس کو دنیا میں پہنچانا اور دنیا کو اس کے نور سے منور کرنا پاکوں کا کام ہے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے انه لقرآن کریم، فی کتاب مکنون لا یمسه الا المطهرون۔ اس کے معنے یہ بھی ہیں کہ قرآن دنیا کو نفع پہنچانے والی کتاب ہے مگر یہ نفع انہی لوگوں کے ذریعہ سے پہنچ سکتا ہے جو پہلے خود اپنے نفسوں کو پاک کریں۔ وہ پاک نفس گروہ تھا جس نے رسولِ پاک کے ساتھ ہو کر اس قرآن کو دُنیا میں پہنچایا اور ایک تباہ ہوتی ہوئی دُنیا کو بچایا۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ تہذیب انسانی چھٹی صدی عیسوی میں بالکل تباہی کے کنارے پر پہنچ رہی تھی۔ خدا کا کلام قرآن بھی اس پر شاہد ہے۔ ظهر الفساد فی البر والبحر، اور ہر ملک اور ہر قوم کی تاریخ بھی اس پر گواہ ہے۔ تہذیب انسانی کا ایک موجودہ زمانہ کا مؤرخ لکھتا ہے کہ چھٹی صدی عیسوی میں تہذیب انسانی ایک کھوکھلے درخت کی طرح گرنے کو تیار تھی کہ عرب میں ایک انسان پیدا ہوا، جس نے تہذیب انسانی میں ایک نئی رُوح پھونک دی۔

**{خدا کے آخری پیام، نسخۂ شفا قرآن حکیم کو دنیا کے ہر انسان تک پہنچاؤ}**

آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح نسلِ انسانی بربادی کی طرف دوڑی چلی جا رہی ہے اور قریب ہے کہ یہ لوگ آگ کے گڑھے میں گر کر بھسم ہو جائیں۔ وہ نسخہ جس سے نسلِ انسانی بچ سکتی ہے وہی ہے جس نے ایک دفعہ پہلے تباہ ہوتی ہوئی نسلِ انسانی کو بچایا۔ یہ خدا کا آخری کلام ہے۔ یہ قرآن ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے مگر ہم اس نسخۂ شفاء کو دُنیا میں نہیں پہنچا رہے۔ اسکے پہنچانے کے لئے ایک پاک نفس جماعت کی ضرورت ہے اس لئے اللہ تعالےٰ نے اس کام کی بنیاد اپنے ایک مامور کے ہاتھ سے رکھوائی۔ اور اس کو چودھویں صدی کے سر پر مجدّد بنا کر بھیجا کیونکہ نفوس کو پاک وہی کر سکتا ہے جس کو خدا نے اپنے ہاتھ سے پاک کیا ہو۔ اس کے پاس بیٹھنے والے جانتے ہیں کہ اس کے دل میں قرآن اور حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کا کس قدر عشق تھا۔ اس عشق کی آگ اس کے سینے ایسی مشتعل تھی کہ جو اس کے پاس جا کر بیٹھا اس کے سینے میں بھی ایک چنگاری اسی آگ کی پڑ گئی اور ہزارہا بلکہ لاکھوں سینے روشن ہو گئے۔ اور آج وہ چنگاری کچھ مدھم نظر آ رہی ہے۔ اپنے اپنے سینوں کو ٹٹولو کیا تمہارے دلوں میں وہ امامِ زمان کے پاس بیٹھنے والوں میں نظر آتی تھی۔ تمہارا قدم دیوانہ وار آگے کیوں نہیں بڑھ رہا؟ تم ہی وہ لوگ تھے جو اس عشق سے بیتاب ہو کر لوگوں کے دروازوں پر پھرتے تھے اور ان کو اس نیک کام میں شامل ہونے کی دعوت دیتے تھے۔ آپ بھی ثواب حاصل کرتے تھے اور دوسروں کو بھی ثواب میں شامل کرتے تھے آج تم میں وہ لوگ کیوں کم ہو گئے؟ تم ہی وہ لوگ تھے کہ دینی خدمات کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیتے تھے۔ اور تم دیوانہ وار مُلکوں میں نکل گئے کہ خدا اور رسول کا نام اور خدا کا پاک کلام دُنیا کو پہنچا دیں۔ تم نے کفرستانوں میں مسجدیں بنا دیں اور اللہ اکبر کی آوازیں بلند کر دیں۔ تمہارے مسلمان بھائی تمہیں گالیاں دیتے رہے مگر خدا کی راہ میں تمہارا جنون بڑھتا ہی چلا گیا۔ ہاں تم میں ہی وہ لوگ تھے جو اپنے دُنیا کے کام کرتے ہوئے بھی دینی کاموں کو اسی طرح سر انجام دیتے تھے کہ زندگی وقف کرنے والوں سے بھی بڑھ کر ان کا کام ہوتا تھا۔ آج وہ بہت کم نظر آتے ہیں۔ تم ہی وہ مالدار اور غرباء تھے کہ جب کوئی ضرورت پیش آتی تھی تو مالدار غرباء سے اور غرباء مالداروں سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ اگر آج کوئی مالی تکلیف پیش آتی ہے تو تم قربانیاں کرنے کی بجائے یا خدا کی راہ میں جہاد کرنے کی بجائے گھر بیٹھے یہ مشورے کرتے ہو کہ فلاں مشن بند کر دو۔ قرآن کی اشاعت بند کر دو۔ تم اب آگے بڑھنے کی بجائے اپنے قدم پیچھے ہٹانے کو تیار ہو گئے ہو۔ خدا کے پاک بندوں کی یہ حالت نہیں ہونی چاہیئے ان کا قدم آگے بڑھتا ہے وہ سخت سے سخت مشکلات کے وقت بھی قدم آگے ہی بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔ اور خدا کی نصرت ان کے ساتھ ہوتی ہے۔ ؎

خدا کے پاک بندوں کو خُدا سے نصرت آتی ہے
جب آتی ہے تو پھر عالم کو اک عالم دکھاتی ہے

کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ خدا اور رسُول کی محبت کی جگہ دنیا کی محبت تمہارے دلوں میں اثر کرتی چلی جا رہی ہے۔ اور تم دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے عہد کو فراموش کرتے جا رہے ہو۔ اور جہاد کی رُوح کی جگہ تمہارے اندر آرام طلبی کی رُوح سرایت کرتی چلی جا رہی ہے۔ خدا سے ڈرو اور اس کے مسکین بندے بن جاؤ۔

آخر پر پھر دُعا کریں کہ اے خدا تو ہمارے سینوں میں اپنے قرآن اور اپنے رسُول پاک کی آگ کی وہ چنگاری ڈال جو ہماری ہوا و ہوس کو بھسم کر دے اور اپنے رسُول اور اپنے کلام کا وہ عشق عطا فرما جو ہماری دنیا کے مال کی محبت کو ٹھنڈا کر دے۔ اے خدا تو ہمیں اپنے دیوانوں میں داخل کر دے۔ کیونکہ حقیقی فرزانگی یہی ہے۔ تو ہمیں اپنے در پر گرانے کی توفیق دے۔ کیونکہ طاقت اسی سے ملتی ہے۔ تو ہمارے اندر سے آرام طلبی کی رُوح کو اپنی زبردست قوت سے نکال دے اور اس کی جگہ جہاد کی وہ زبردست رُوح ہمارے اندر بھر دے جس سے ہم تیرے رستے میں کام کرتے ہوئے تھکیں نہیں اور کسی کا طعنہ، کسی کی گالی، کسی کی نکتہ چینی وہ اپنا یا دوسرا تیرے رستے میں ہمارے قدم کو ڈھیلا نہ ہونے دے۔ اے خدا ہم میں کمزوری آ رہی ہے تو ہماری دستگیری فرما۔ وادخلنا برحمتك فی عبادك الصالحین ۞

## عالمِ اسلام کا ایک درخشندہ ستارہ ۔۔۔ بسلسلہ صلے

نہیں ہے بلکہ کارنامہ یہ ہے۔ کہ کفار و فجار کو کلمہ طیبہ پڑھا کر دائرہ اسلام میں داخل کیا جائے۔ یہ خدمت ان کے مقدر میں نہیں ہے۔ ہم خدا تعالےٰ کے شکر گذار ہیں کہ اس نے ہمیں کافروں کو حلقہ بگوشِ اسلام کرنے کی توفیق اور سعادت عطا کر رکھی ہے اور باوجود مالی دشواریوں کے غیر ممالک میں ہمارے مشن اعلائے کلمۃ الحق کرنے میں مصروف ہیں۔ اور ہمارے مولانا مرحوم و مغفور کی تصنیفات تبلیغ اسلام میں ممد و معاون ثابت ہو رہی ہیں۔

خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے واذکرونی اذکرکم واشکروا لی ولا تکفرون۔ مجھے یاد کرتے رہو۔ میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔

خدا تعالےٰ کو یاد کرنے کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ اس کے نام کو دنیا میں پھیلایا جائے اور بنی نوع انسان کو اس کی حاکمیت کے نیچے لایا جائے جو فرد یا افراد ایسا کرتے ہیں خدا تعالےٰ بھی ان کے نام زندہ رکھتا ہے مرنے کے بعد بھی انہیں حیاتِ جاوید عطا کرتا ہے۔ اس آیت کریمہ کی روشنی میں

مکرم جناب علامہ شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری

# متقی کی دیگر علامات

## (قسط پنجم)

**متقی کی دیگر علامات** } متقی کی بعض علامات سورۃ الطلاق ع کی مندرجہ ذیل آیات میں بیان فرمائی گئی ہیں۔

من یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لایحتسب ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ ان اللہ بالغ امرہ قد جعل اللہ لکل شیٔ قدرا۔

اور پھر فرمایا ومن یتق اللہ یجعل لہ من امرہ یسراً یعنی جو شخص اللہ تعالےٰ کا تقوےٰ اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اس کے لئے مصائب اور مشکلات سے مخلصی پانے کا راستہ نکال دیتا ہے اور یہ مخرج اسے اپنے طریق سے عطا کرتا ہے جس کا اسے وہم وگمان نہیں ہوتا اور یاد رکھو کہ اللہ تعالےٰ پر جو لوگ توکل کرتے ہیں اللہ تعالےٰ انکے لئے کافی ہوتا ہے یعنی ان کی تمام پیش آمدہ مشکلات میں ان کی مدد کرتا ہے اللہ تعالےٰ اپنے امر کو پورا کرکے رہتا ہے ہر چیز کے لئے اللہ تعالےٰ نے اندازہ مقرر کیا ہوا ہے پس تقوےٰ کے لئے بھی ایک اندازہ ہے جب تقوےٰ اس اندازہ پر پہنچ جاتا ہے تو اس کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں اور اس کی علامات ظاہر ہونی شروع ہو جاتی ہیں پھر فرمایا جو شخص اللہ تعالےٰ کا تقوےٰ اختیار کرتا ہے اللہ تعالےٰ اس کے کاموں میں سہولت پیدا کر دیتا ہے۔

**حضرت مرزا صاحب کی مخالفت اور اسکے نتائج** } یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ سیدنا حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ ماموریت کے ساتھ ہی ان کے خلاف دشمنی کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ مخالفین نے آپ کو ہر رنگ میں مصائب کا نشانہ بنایا آپ کے راستہ میں مشکلات کے پہاڑ کھڑے کر دیئے مگر اللہ نے ہر موقعہ پر آپ کی حفاظت کی اور مندرجہ بالا وعدہ کے مطابق ان مصائب اور مشکلات سے صحیح سلامت نکل آنے کا راستہ نکال دیا اور دشمن کو خائب و خاسر ہوکر ہر موقعہ پر ناکامی ہی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اسی قسم کی مخالفت کا ایک واقعہ آپ کو آپ کے چچا زاد بھائی امام الدین کے ذریعہ پیش آیا اس واقعہ کی تفصیل حضورؑ کے اپنے الفاظ میں ہی سننے کے قابل ہے جو ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

یہ شخص امام الدین حضرت اقدسؑ کا سخت دشمن تھا اور ہمیشہ اسی خیال میں رہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح حضور کے لئے مشکلات پیدا کرے۔ چنانچہ حضورؑ کے رہائشی مکان اور حضورؑ کی مسجد کے قریب اس شخص امام الدین کی زمین تھی چنانچہ اس زمین پر اس نے دیوار کھینچ دی تاکہ احمدی احباب حضورؑ کو ملنے کے لئے اور نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں آتے تھے ان کے لئے آنے کا راستہ بند ہو جائے جو ہو گیا۔ سارے شہر کا چکر کاٹ کر انہیں حضورؑ تک پہنچنے کے لئے موقعہ ملتا تھا۔ اب یہ بات مذکورہ بالا آیت میں واضح ہے کہ جب متقی پر مشکلات کا حملہ ہوتا ہے تو اللہ تعالےٰ ان کو ان مشکلات سے نکلنے کے لئے سامان کر دیتا ہے اور مشکلات پیدا کرنے والے کے حملہ کو ناکام بنا دیتا ہے اب بظاہر اس دیوار کو گرانے کے لئے جو امام الدین نے کھڑی کی تھی کوئی قانونی شکل نظر نہ آتی تھی کیونکہ سرکاری کاغذات میں وہ زمین انہیں کے نام لکھی ہوئی تھی چنانچہ حضورؑ کے وکیل نے حضورؑ کو یہی مشورہ دیا کہ مقدمے میں کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اس شخص کو کچھ روپیہ دے کر راضی کر لیا جائے حضورؑ نے بصد مجبوری وکیل کے مشورے کو قبول کر لیا لیکن امام الدین کی غرض چونکہ ایذا رسانی تھی اس لئے وہ روپیہ لینے پر راضی نہ ہوا حضور نے فرمایا کہ اچھا ہم اس معاملے کو خدا پر چھوڑتے ہیں۔ چنانچہ حضور پر اس سلسلے میں اپنے الہامات نازل ہوئے۔ جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس سلسلے میں ایک مخفی امر ہے جس پر آج تک کسی کی نظر نہیں پڑی اب وہ امر ظاہر ہو جائے گا۔ اور اس کا ظاہر ہونا مقدمے میں کامیابی کا باعث بنے گا۔ چنانچہ کافی دنوں کی بحث و مباحثہ کے بعد حضورؑ کے وکیل کے دل میں خدا تعالےٰ کی طرف سے یہ خیال ڈالا گیا کہ اس پرانے مقدمہ کی مثل جس کی بناء پر امام الدین نے اس زمین کے مالک ہونے کا دعوےٰ کیا تھا اور جس پر اس نے دیوار کھینچی تھی۔ کہ اس کا انڈکس دیکھا جائے۔ جب وہ انڈکس نکلوایا گیا تو اس سے ظاہر ہوا کہ اس زمین کا مالک صرف امام الدین ہی نہیں بلکہ حضرت اقدسؑ مسیح موعودؑ کے والد بھی اس کے مالک تھے اس مخفی امر کا ظاہر ہونا تھا کہ امام الدین کا سارا زور اس بات کو ظاہر کرنے پر جو خرچ ہو رہا تھا کہ وہ اکیلا ہی اس زمین کا مالک ہے وہ ٹوٹ گیا۔ چنانچہ جب وہ جج کو انڈکس دکھایا گیا تو جج نے فوراً اس کے خلاف فیصلہ دے دیا اور حکم دیا کہ دیوار فوراً گرا دی جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الطلاق کی آیت کے مطابق حضرت مسیح موعودؑ جیسے متقی انسان کے لئے پیدا کردہ مشکلات کو دور کرنے کے لئے غیب سے سامان پیدا کر دیئے جو بظاہر پیدا ہوتے نظر نہیں آ رہے تھے اس کو کہتے ہیں انّ اللہ مع المتقین (یعنی اللہ تعالےٰ ہی متقیوں کے ساتھ ہوتا ہے اور ہر مشکل کے وقت اس کی مدد کے لئے فوراً پہنچ جاتا ہے۔ چنانچہ جب فیصلے کا دن آیا تو اس دن حضور کے مخالف بہت خوش تھے کہ آج حضورؑ کے مقدمے کے اخراج کا حکم سنایا جائے گا لیکن خدا تعالیٰ اپنے وعدے کے مطابق حضورؑ کو اس مصیبت سے نکالنے کے لئے اس سے مخلصی کے سامان پیدا کر رہا تھا جس کے نتیجے میں بظاہر جو شکست نظر آ رہی تھی وہ فتح سے بدل جاتی تھی چنانچہ ایسا ہی ہوا اور دشمن جب اپنی فتح کا یقین کئے بیٹھا تھا عدالت سے ناکام و نامراد لوٹتا ہے۔ اسی کا نام ہے خدا کی قدرت، اور اسی کا نام ہے خدا کا علم غیب اور اسی کا نام متقی کی تائید اور نصرت الٰہی، کاش کوئی اہل دل اس پر غور کرے اور ہدایت کے نور سے اپنے دل کو منور کرے۔

جناب پرویز صاحب اور ان کے ہمنوا دوست جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ بعد قرآن باب وحی بند ہے اس واقع پر انصاف کی نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ واقعات کی شہادت کو وہ کس طرح جھٹلا سکتے ہیں یہ ایک ہی واقعہ نہیں جس کو اتفاق سے تعبیر کیا جائے بلکہ اس قسم کے متعدد واقعات حضور کی زندگی میں پیش آئے جنہوں نے ایسی بھیانک اور خطرناک صورت اختیار کر رکھی تھی کہ ان سے مخلصی کی کوئی راہ نظر نہ آتی تھی لیکن خدا تعالےٰ نے اپنے بندہ مسیح موعود کو اپنے پاک الہامات کے ذریعہ ان سے مخلصی کے سامان پیدا کرنے کی بشارت دی اور وعدہ الٰہی کے مطابق مخلصی حاصل ہوگئی جیسا کہ اقدام قتل کے مقدمہ میں کرم دین کے فوجداری مقدمہ میں، مولوی محمد حسین بٹالوی کے فوجداری مقدمہ میں ڈاک خانے والے مقدمہ میں ان سب مقدموں میں بظاہر رہائی پانے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی لیکن اللہ تعالےٰ نے اپنے وعدہ ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً کے مطابق سیدنا مرزا صاحب کے لئے مخرج نکال دیا۔ اسی طرح متقی کے لئے اس کے امر میں یسر کے پیدا کرنے کا وعدہ اس آیت میں دیا گیا ہے حضورؑ کا اہم امر تو ایک ہی تھا یعنی اسلام کی اصل شکل کو دنیا

کے سامنے پیش کرتا اور اس پر مخالفین کے حملوں کو ناکام بنا کر دکھلانا اور اسلام کو تمام دیگر ادیان پر غالب کر کے دکھلانا

سو حضورؑ کی اس غرض اور حضورؑ کے اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے آپ اپنے اموال کو پانی کی طرح بہانے کے لئے ہروقت تیار رہتی تھی اور ساتھ ہی حضورؑ کے مشن کو کامیاب بنانے میں حضور کا ہاتھ بٹانے کے لئے مستعد رہتی تھی اور اب تک ان دونوں قسم کی قربانیوں کے لئے مستعد چلی آتی ہے۔ منصف مزاج قارئین کرام دیکھ لیں کہ مذکورہ بالا تمام مشکلات کو دور کرنے کے لئے جو سامان اللہ تعالےٰ حضرت مسیح موعود کے لئے کرتا رہا کیا وہ اس امر پر صاف دلالت نہیں کرتے کہ متقی کے لئے جو وعدے قرآن کریم میں دیئے گئے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی معیت اس کے شاملِ حال رہے گی خدا اس کا ہرامر میں اپنا ولی ہونا ثابت کرتا رہے گا اس کے مقابلے میں دشمن کو شکست اور اپنے اس بندے کو ہر میدان میں فتح مند کرتا رہے گا یہ تمام وعدے اللہ تعالےٰ کے کیا اپنے بندے حضرت مسیح موعود کے حق میں پورے ہوئے ہیں یا نہیں کیا ان کا پورا ہونا ان پر بیّن دلیل نہیں کہ سیدنا حضرت مسیح موعودؑ خدا کے نزدیک حقیقی متقی تھے۔

تیسرا وعدہ سورۃ الطلاق کی اس آیت میں متقی کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی طرف سے الفاظ ویرزقہ من حیث لا یحتسب میں کیا گیا ہے۔ اللہ تعالےٰ کا حضورؑ کے لئے رزق کا کفیل ہونا اظہر من الشمس ہے چنانچہ خود حضور کو خوابوں اور الہام کے ذریعہ جو اس کا یقین دلایا گیا ہے وہ وہ حسب ذیل ہے۔ حضور فرماتے ہیں :۔

"عرصہ قریباً اٹھائیس برس کا گذرا ہے کہ مَیں نے خواب میں ایک فرشتہ ایک لڑکے کی صورت میں دیکھا۔ جو ایک اُونچے چبوترے پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک پاکیزہ نان تھا جو نہایت چمکیلا تھا وہ نان اس نے مجھے دیا اور کہا کہ یہ تیرے لئے اور تیرے درویشوں کے لئے ہے یہ اس زمانہ کی خواب ہے جبکہ مَیں نہ کوئی شہرت اور نہ کوئی دعوے رکھتا تھا۔ اور نہ میرے ساتھ درویشوں کی کوئی جماعت تھی مگر اَب میرے ساتھ بہت سی وہ جماعت ہے جنہوں نے خود دین کو دُنیا پر مقدم رکھ کر اپنے تئیں درویش بنا دیا ہے۔ اور اپنے وطنوں سے ہجرت کر کے اور اپنے قدیم دوستوں اور اقارب سے علیحدہ ہو کر ہمیشہ کے لئے میری ہمسائگی میں آ آباد ہوئے ہیں۔

اور نان سے مَیں نے یہ تعبیر کی تھی کہ خُدا ہمارا اور ہماری جماعت کا آپ متکفّل ہوگا۔ اور رزق کی پریشانگی ہم کو پراگندہ نہیں کرے گی۔ چنانچہ سالہائے دراز سے ایسا ہی ظہور میں آ رہا ہے۔

(نزول المسیح صفحہ ۲۰۶-۲۰۷)

یہ خواب ۱۸۷۴ء کا ہے۔ حضورؑ کو جب اپنے والد صاحب کی وفات کے متعلق الہام ہوا اور وہ اس الہام میں بتلائے ہوئے وقت کے مطابق ہی فوت ہوئے تو ان کی وفات پر حضور کے دل میں جو خیال گذرا اور اس پر جو الہام ہُوا اس کا ذکر حضور مندرجہ ذیل الفاظ میں فرماتے ہیں :۔

"جب مجھے حضرت والد صاحب مرحوم کی وفات کی نسبت اللہ جلشانہٗ کی طرف سے یہ الہام ہوا۔ جو میں نے ابھی ذکر کیا ہے تو بشریت کی وجہ سے مجھے خیال آیا کہ بعض وجوہ آمدن حضرت والد صاحب کی زندگی سے وابستہ ہیں۔ پھر نہ معلوم کیا کیا ابتلا ہمیں پیش آئے گا تب اس وقت یہ دوسرا الہام ہوا۔ الیس اللہ بکافٍ عبدہٗ یعنی کیا خدا اپنے بندے کو کافی نہیں ہے اور اس الہام نے عجیب سکینت اور اطمینان بخشا اور فولادی میخ کی طرح میرے دل میں دھنس گیا۔ پس مجھے اس خدائے عزوجلّ کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس نے اپنے مبشرانہ الہام کو ایسے طور سے مجھے سچا کر کے دکھلایا کہ میرے خیال اور گمان میں بھی نہ تھا میرا وہ ایسا متکفّل ہُوا کہ کبھی کسی کا باپ ہرگز ایسا متکفّل نہیں ہوگا۔"

(کتاب البریہ صفحہ ۱۶۲ حاشیہ)

"بعض اوقات خواب یا کشف میں رُوحانی امور جسمانی شکل پر متشکّل ہو کر مثل انسان نظر آجاتے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ جب میرے والد صاحب غفراللہ لہٗ جو ایک معزز رئیس اور اپنی نواح میں عزت کے ساتھ مشہور تھے انتقال کر گئے تو ان کے فوت ہو جانے کے بعد دوسرے یا تیسرے روز ایک عورت نہایت خوبصورت خواب میں مَیں نے دیکھی جس کا حُلیہ ابھی تک میری آنکھوں کے سامنے ہے اور اس نے بیان کیا کہ میرا نام رانی ہے اور مجھے اشارات سے کہا۔ کہ میں اس گھر کی عزت اور وجاہت ہوں۔ اور کہا کہ مَیں چلنے کو تھی۔ مگر تیرے لئے رہ گئی۔"

(ازالہ اوہام۔ صفحہ ۲۱۳)

(نیز دیکھو الحکم جلد ۸ ص ۲۲ دسمبر ۱۲)

(جب رؤیا میں عورت سے مراد اقبال اور فتحمندی اور تائید الہٰی ہے حضرت والد صاحب کی وفات کے چند یوم بعد میں نے دیکھا کہ مَیں ایک پیڑھی پر بیٹھا ہوں تو ایک عورت نوجوان عمدہ لباس پہنے ہوئے تیس۔ تیس سال کی میرے سامنے آئی اور اس نے کہا کہ میرا ارادہ اَب اس گھر سے چلے جانے کا تھا۔ مگر تمہارے لئے رہ گئی ہوں۔"

(بدر جلد ۲ ص ۲۴ صفحہ ۲)

"انہی دنوں میں مَیں نے ایک نہایت خوبصورت مرد دیکھا اور اس نے کہا۔ کہ تم ایک عجیب خوبصورت آدمی ہو۔ تب اُس نے اشارہ سے میرے پر ظاہر کیا کہ مَیں تیرا بخت بیدار ہوں۔

اور میرے اس سوال کے جواب میں کہ تو عجیب خوبصورت آدمی ہے اس نے یہ جواب دیا کہ "ہاں میں درشنی آدمی ہوں۔"

(ازالہ اوہام ص ۲۱۳)

یعنی تو اس قابل ہوگا کہ تیرے درشن یعنی زیارت کے لئے لوگ آئیں گے چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔

پھر اس آیت میں متقی کے لئے یہ بھی وعدہ ہے کہ متقی اگر متوکّل علی اللہ ہوگا تو ہر امر میں خُدا اس کے لئے کافی ہوگا چنانچہ حضورؑ کے خلاف جس قدر بھی منصوبے حضورؑ کو گرانے کے لئے حضور کے دشمنوں نے تیار کئے ان سب کو اللہ تعالےٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق خاک میں ملا دیا اور حضور کے لئے ایسا کافی ثابت ہوا۔ کہ دشمنوں کے ہر حیلہ اور مکر کے مقابلہ میں دشمن ناکام اور حضورؑ کامیاب رہے۔

---

## ہفت روزہ پیغامِ صلح

خود پڑھنے کے بعد زیادہ سے زیادہ احباب تک پہنچائیں
(مینجر)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ——— مؤرخہ ۳ر نومبر ۱۹۸۶ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ——— شمارہ نمبر ۴۴

محمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر اخبار پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۳ | یوم چہارشنبہ ۱۷ ذیقعد ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۰ نومبر ۱۹۷۶ء | نمبر ۴۵

# ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم علیہ السلام

## حصول قرب الی اللہ کا طریق

### ہر بات اور فعل میں اللہ تعالیٰ کو نصب العین بناؤ

انسان کو چاہیئے کہ حسنات کا پلڑا بھاری رکھے۔ مگر جہاں تک دیکھا جاتا ہے اس کی مصروفیت اس قدر دنیا میں ہے کہ پلڑا بھاری ہوتا نظر نہیں آتا۔ رات دن اسی فکر میں ہے کہ وہ کام دنیا کا ہو جاوے۔ فلانی زمین مل جاوے، فلاں مکان بن جاوے۔ حالانکہ اسے چاہیئے کہ افکار میں بھی دین کا پلڑا دنیا کے پلڑے سے بھاری رکھے اگر کوئی شخص رات دن نماز روزہ میں مصروف ہے تو یہ بھی اس کے کام ہرگز نہیں آ سکتا جب تک کہ خدا کو اس نے مقدم نہیں رکھا ہوا۔ ہر بات اور فعل میں اللہ تعالےٰ کو نصب العین بنانا چاہیئے ورنہ خدا کی قبولیت کے لائق ہرگز نہیں ٹھہرے گا۔ دنیا کا ایک بت ہوتا ہے جو کہ ہر وقت انسان کی بغل میں ہوتا ہے۔ اگر وہ مقابلہ اور موازنہ کرکے دیکھے گا تو اسے معلوم ہوگا کہ طرح طرح کی نمائش اس نے دنیا کے لئے بنا رکھی ہے اور دین کا پہلو بہت کمزور ہے حالانکہ عمر کا اعتبار نہیں اور نہ علم ہے کہ اس نے ایک پل کے بعد زندہ بھی رہنا ہے۔ شیخ سعدیؒ نے کیا عمدہ فرمایا ہے ؎

مکن تکیہ بر عمر ناپائدار

اس وقت جس قدر لوگ کھڑے ہیں کون کہہ سکتا ہے کہ ایک سال تک میں ضرور زندہ رہوں گا لیکن اگر خدا تعالےٰ کی طرف سے علم ہو جاوے کہ اب زندگی ختم ہے تو ابھی سب ارادے باطل ہو جاتے ہیں۔ پس خوب یاد رکھو کہ مؤمن کو دنیا کا بندہ نہ ہونا چاہیئے۔ ہمیشہ اس امر میں کوشاں رہنا چاہیئے کہ کوئی بھلائی اس کے ہاتھ سے ہو جاوے۔ خدا تعالیٰ رحیم کریم ہے اور اس کا ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ تم دکھ پاؤ لیکن یہ خوب یاد رکھو کہ جو اس سے عمداً دوری اختیار کرتا ہے اس پر اس کا قہر ضرور ہوتا ہے۔ عادت اللہ اسی طرح سے چلی آتی ہے۔ نوحؑ کے زمانہ کو دیکھو اور لوطؑ کے زمانہ کو دیکھو۔ موسیٰؑ کے زمانہ کو دیکھو اور پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو دیکھو کہ اس وقت جن لوگوں نے عمداً خدا تعالےٰ سے بعد اختیار کیا ان کا کیا حال ہوا۔ ان لمبی آرزوؤں نے انسان کو ہلاک کر دیا ہے۔ اللہ تعالےٰ بھی فرماتا ہے الھٰکم التکاثر حتّٰی زرتم المقابر کہ اے لوگو جو تم خدا تعالےٰ سے غافل ہو۔ دنیا طلبی نے تم کو غافل کر دیا ہے یہاں تک کہ تم قبروں میں داخل ہو جاتے ہو مگر غفلت سے باز نہیں آتے کلا سوف تعلمون۔ مگر اس غلطی کا تم کو عنقریب علم ہو جاوے گا کہ جن خواہشات کے پیچھے تم پڑے ہو وہ ہرگز تمہارے کام نہ آویں گی اور حسرت کا موجب ہوں گی۔ کلا لو تعلمون علم الیقین۔ اگر تم کو یقینی علم حاصل ہو جاوے تو تم علم کے ذریعہ سے سوچ کر اپنے جہنم کو دیکھ لو اور تم کو پتہ لگ جاوے کہ تمہاری زندگی جہنمی زندگی ہے اور جن خیالات میں تم رات دن لگے ہوئے ہو وہ بالکل ناکارہ ہیں۔ میں ہر چند کوشش کرتا ہوں کہ کسی طرح یہ باتیں دلنشیں ہو جاویں مگر آخر کار یہی کہنا پڑتا ہے کہ اپنے اختیار میں کچھ نہیں ہے جب تک خدا تعالےٰ خود ایک واعظ دل میں نہ پیدا کرے تب تک فائدہ نہیں ہوتا۔ جب انسان کی سعادت اور ہدایت کے دن آتے ہیں تو دل کے اندر ایک واعظ خود پیدا ہو جاتا ہے اور اس وقت اس کے دل کو ایسے کان مل جاتے ہیں کہ وہ دوسرے کی بات کو سنتا ہے۔ راتوں کو اور دنوں کو خوب سوچ کر دیکھو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ انسان بہت ہی بے بنیاد شئے ہے اور اس کے وجود کی کوئی کل بھی اس کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ ایک آنکھ ہی پر غور کرو کہ کس قدر باریک عضو ہے اگر ایک ذرا پتھر آ لگے تو فوراً نابینا ہو جاوے تو پھر اگر یہ خدا کی نعمت نہیں ہے تو کیا ہے۔ کیا کسی نے ٹھیکہ لیا ہوا ہے کہ خدا تعالیٰ اسے ضرور بینا رکھے گا اور اسی پر سب قویٰ کا قیاس کر لو کہ اگر آج کسی میں فرق آ جاوے تو انسان کی کیا پیش چل سکتی ہے۔

(تقریر حضرت مسیح موعودؑ ۳۰ دسمبر ۱۹۰۴ء)

# لاہور مرکز سے معزز مہمان خواتین کی راولپنڈی میں آمد

مکرم خواجہ نصیر اللہ صاحب لکھتے ہیں :۔

محترمہ بیگم میاں فاروق احمد صاحبہ کی زبانی معلوم ہوا کہ چند خواتین لاہور سے ۲۷ر اکتوبر ۱۹۷۶ء کو راولپنڈی تشریف لائیں گی اور اسی دن ۳ بجے وہ اپنی کوٹھی پر جلسہ کا اہتمام کرنا چاہتی ہیں۔ نیز انہوں نے فرمایا کہ خواتین کے یہاں آنے کا ایک تو یہ مقصد ہوگا کہ احمدی عورتوں کو اُن کے فرائض سے آگاہ کیا جائے اور ان کی ایک مضبوط تنظیم قائم کی جائے تاکہ وہ بھی مردوں کے دوش بدوش اشاعتِ اسلام کا کام کریں۔ کیونکہ یہی غرض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آنے اور جماعت کو وجود میں لانے کی تھی۔ اور دوسری غرض یہ ہوگی کہ انہیں سالانہ جلسہ میں شمولیت کی دعوت دی جائے۔ اور نمائش میں رکھنے کے لئے بعض اشیاء کے بنانے پر آمادہ کیا جائے۔ بیگم صاحبہ سے گفتگو کرنے کے بعد طے ہوا کہ ایک جلسہ ان کی کوٹھی پر ہو جس میں غیر از جماعت خواتین کو بھی شمولیت کی دعوت دی جائے اور دوسرے دن یعنی ۲۸ر اکتوبر ۱۹۷۶ء بروز جمعرات مسجد مبارک میں صرف احمدی عورتوں کا جلسہ ہو۔

۱۸ر اکتوبر ۱۹۷۶ء سے احمدی اور غیر احمدی خواتین کو جلسوں میں شرکت کرنے کی دعوت کا کام شروع کر دیا گیا اور یہ مہم ۲۷ر اکتوبر تک جاری رہی۔ اس کے لئے ہمیں بعض کے گھروں میں جانا پڑا۔ بعضوں سے ٹیلیفون پر بات کی اور بعض کو خط لکھے گئے۔

یہاں پر مَیں یہ ذکر کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ محترمہ بیگم میاں فاروق احمد صاحبہ کا وجود نہ صرف عورتوں کے لئے بلکہ مردوں کے لئے اسلامی زندگی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ جمعہ کی نمازوں میں انہوں نے کبھی ناغہ نہیں کیا۔ ماہِ رمضان میں باقاعدگی سے نمازِ تراویح میں شریک ہوتی رہیں۔ اپنی کوٹھی پر بھی درس قرآن مجید کا انتظام کرتی رہتی ہیں اور موجودہ حالات میں اُن کی جرأت اور حوصلہ یقیناً قابلِ ستائش ہے کہ مری میں بھی ان کی کوٹھی پر جمعہ کی نمازیں ہوتی رہیں اور اپنے احمدی ہونے کے اعلان کرنے میں انہوں نے کبھی جھجک محسوس نہیں کی۔ بلکہ اس کا ذکر وہ شکریہ اور احسان مندی کے جذبہ کے ساتھ کرتی ہیں۔

اپنی کوٹھی پر تو اُنہوں نے ۲۷ر اکتوبر ۱۹۷۶ء کو جلسہ کیا اس میں غیر احمدی عورتوں کی تعداد بھی خاصی تھی۔ اپنی تقریر میں انہوں نے اس بات پر بے حد افسوس کا اظہار کیا کہ مسلمانوں میں اخوت کا جذبہ مفقود ہوگیا ہے۔ اور تکفیر بازی کی لعنت اُن پر مسلّط ہوگئی ہے۔ اللہ تعالےٰ کی طرف سے طرح طرح کے تازیانوں کے باوجود انہوں نے کوئی عبرت حاصل نہیں کی اور خصوصیت سے ان ہی لوگوں کو دائرہِ اسلام سے خارج کرتے ہیں جنہوں نے اسلام کی اشاعت کے لئے اپنی زندگیاں وقف کی ہوئی ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ انہیں بھی کئی بار دھمکیاں دی گئیں اور مختلف طریقوں سے ایذائیں پہنچائی گئیں بلکہ بعض خیرخواہوں نے بھی وطن چھوڑ کر باہر کسی ملک کو جانے کا مشورہ دیا۔ مگر اللہ تعالےٰ کا فضل ہمارے شاملِ حال تھا اس نے ہمیں استقامت بخشی اور ہمیں تمام مشکلات کا مقابلہ کرنے کی ہمت اور حوصلہ عطا فرمایا اور اس کی رحمت سے ہمیں یہی امید ہے کہ وہ ہمیں آئندہ بھی حق اور راستی پر ثابت قدم رکھے گا۔

۲۸ر اکتوبر کے جلسہ میں صرف احمدی خواتین شریک ہوئیں۔ محترمہ بیگم ذکیہ شیخ صاحبہ نے خواتین سے اپیل کی کہ وہ سالانہ جلسہ کے لئے ابھی سے تیاری شروع کر دیں اور دستکاری کی نمائش کے لئے ایسی چیزیں بنائیں جو نہ صرف دیکھنے میں خوبصورت ہوں بلکہ مفید بھی ہوں تاکہ اُن کے فروخت کرنے میں دشواری نہ ہو۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ وہ ایک دوسرے سے رابطہ قائم کریں اور سب مل کر جماعت کے استحکام کے لئے کام کریں۔

راقم الحروف نے معزز مہمان خواتین کی خدمت میں عرض کیا کہ عورتوں کی مرکزی مجلس میں لاہور کے علاوہ دوسری جماعتوں سے بھی بعض خواتین کو شامل کرنا چاہیئے اور سال میں تین چار بار مختلف جماعتوں کا دورہ کرنا چاہیئے اور گھر گھر جا کر عورتوں اور بچیوں کو اپنے عقائد اور کام سے آگاہ کرتے رہنا چاہیئے۔ ان سے ملتے رہنے ہی سے ان کو بیدار رکھا جا سکتا ہے اور یہی ایک طریقہ ہے جس سے وہ جماعتی معاملات میں دلچسپی لیتی رہیں گی۔ ان کی خدمت میں یہ بھی عرض کیا گیا کہ اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے ہماری جماعت میں خواتین کی کثیر تعداد تعلیم یافتہ ہے۔ اور ان میں سے بعض تو ایم اے اور پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگریاں حاصل کر چکی ہیں اور اس لئے ضروری ہے کہ جس طرح سالانہ اجلاس کے موقع پر عورتیں مردوں کی تقریریں سنتی ہیں۔ مرد بھی اسی طرح عورتوں کی تقریریں سُنیں۔ اور اس کے لئے مناسب انتظام کرنا چاہیئے۔ راولپنڈی سے کئی برسوں سے ہم اپنے جلسوں میں ایسا انتظام کرتے آئے ہیں۔

محترمہ بیگم میاں فاروق احمد صاحبہ نے اپنی کوٹھی پر حاضر خواتین کو پُرتکلف چائے کی دعوت بھی دی اور مسجد مبارک میں جماعت نے بھی مقابلتاً مختصر پیمانہ پر چائے کا انتظام کیا تھا۔

اس کے بعد اجلاس بخیر و خوبی مغرب کی نماز کے بعد ختم ہو گیا۔

# حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں

میری جان اور دِل محمدؐ کے جمال پر فدا ہوں اور میری خاک اُس کے اور اس کے ساتھیوں کے کوچے پر نثار۔ کیونکہ میں نے دِل کی آنکھوں سے دیکھا اور ہوش کے کانوں سے سُنا کہ ہر ایک مقام میں محمدؐ کے جمال کی ہی گونج ہے۔ یہ چشمۂ رواں جو میں آج لوگوں کو پلا رہا ہوں محمدؐ کے ہی کمالات کے سمندر کا ایک قطرہ ہے اور یہ میری روشنی محمدؐ کی ہی محبت کی روشنی سے مستنیر ہے اور یہ پانی جو آج میرے پاس ہے محمدؐ کے ہی مصفا سرچشموں سے حاصل کیا گیا ہے۔ (حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

# خواہرانِ محترم کی خدمت میں ایک ضروری گذارش

**تحریکِ دستکاری** کے متعلق محترمہ صفیہ جاوید صاحبہ (سیکرٹری برائے دستکاری) کا ایک مضمون ۱۳ر اکتوبر کے پیغامِ صلح میں شائع ہو چکا ہے۔ جس میں اس تحریک کے مفید نتائج اور اس کی مختصر تاریخ بیان کرنے کے علاوہ ہر بہن سے اس میں حصّہ لینے کی اپیل کی گئی ہے۔

اس دستکاری فنڈ کو حضرت امیر رحمۃ اللہ علیہ نے غالباً ۱۹۳۰ء میں اس غرض سے جاری فرمایا تھا تاکہ مستورات بھی اشاعتِ اسلام کے جہاد میں حصّہ لے سکیں۔ آپ اس تحریک میں شامل ہو کر گھر کی چار دیواری کے اندر سے بھی اشاعت و حفاظت اسلام کے کاموں میں حصّہ لے کر دین و دُنیا میں سُرخرو ہو سکتی ہیں۔

جس طرح کی دستکاری آپ کو آتی ہے وہی آپ تیار کر کے خادمِ اسلام ہونے کا شرف حاصل کر سکتی ہیں۔ صرف اس قدر خیال رکھیں کہ کم قیمت، خوبصورت، پائدار اور عام استعمال کی چیز ہو۔ (ادارہ)

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مؤرخہ ۱۰ نومبر ۱۹۷۶ء

# "مخصوص برانڈ کا اسلام"

ہمارے دیرینہ مخلص و ہمدرد "مدیر نوائے وقت" نے محمد علی کی باکسنگ سے ریٹائرمنٹ اور آئندہ کے لئے اپنی زندگی تبلیغ اسلام کے لئے وقف کرنے کے ارادہ کے اظہار پر "محمد علی۔ ریٹائرمنٹ اور تبلیغ اسلام" کے زیر عنوان اپنی ۱۳ر اکتوبر ۱۹۷۶ء کی اشاعت میں اداریہ تحریر فرمایا ہے جس میں لکھتے ہیں :—

"دنیا کے بعض جہالت زدہ خطوں کی طرح امریکہ میں بھی اسلام سے محبت و عقیدت رکھنے والے لوگوں سے وہ عناصر خوب فائدہ اٹھاتے ہیں جو قرآن و حدیث اور شریعت نبویؐ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح عقائد و نظریات کی بجائے مخصوص برانڈ کے اسلام کے علمبردار ہیں وہ کلام پاک کے تراجم بھی اپنے عزائم و مقاصد کے مطابق کرتے ہیں اور جب یہ تراجم اور ان مبلغین کا دوسرا لٹریچر اسلام سے جذباتی دلچسپی رکھنے والے سیاہ فام امریکیوں، افریقیوں۔ یا یورپی باشندوں تک پہنچتا ہے تو وہ اسی مخصوص برانڈ کے اسلام ہی کو اصل اسلام سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں۔"

مدیر "نوائے وقت" ان ارشادات کے بغیر بھی اپنے اس منشاء کا اظہار بخوبی کر سکتے تھے کہ حکومت پاکستان۔ جماعت اسلامی۔ جمعیت العلمائے پاکستان اور تبلیغی جماعت تبلیغی لٹریچر تیار کر کے ان ممالک میں اسلام کی صحیح تصویر پیش کرنے کے لئے بھیجیں اور محمد علی تک رسائی حاصل کریں تاکہ ان کی بھی اس سلسلہ میں رہنمائی ہو سکے لیکن ہمیں افسوس ہے کہ وہ اپنی فطرت سے مجبور ہیں۔ جنہوں نے قرآنی عدل و انصاف کے اس نظریہ کو کہ "دشمن قوم سے بھی انصاف کرنا چاہیئے کیونکہ یہ تقویٰ سے قریب تر ہے" ایک طرف رکھتے ہوئے جھوٹ کے آتشین اسلحہ خانہ سے احمدیوں کے خلاف ۱۹۵۳ء کی تحریک کے دوران میں اپنے اداریوں۔ مقالوں اور خطوط میں کذب و افترا کے وہ خطرناک ہتھیار استعمال کئے جنہوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور بے گناہ انسانوں کو فتنہ و فساد کی آگ میں جھونک دیا۔

جس "مخصوص برانڈ" کے اسلام کا ذکر انہوں نے اپنے اس اداریہ میں کیا ہے اس کا اشارہ اس "اسلام" کی طرف ہے جو جماعت احمدیہ غیر ممالک میں آج ساٹھ ستر سال سے پیش کرتی چلی آرہی ہے۔ اور جس نے ان لوگوں کے دلوں میں اس لئے گھر کیا کہ یہ جبر و تشدد۔ ظلم و ستم اور بربریت و وحشت اور قہر و استبداد کا مذہب نہیں بلکہ پیار و محبت۔ امن و سلامتی۔ صلح جوئی اور اخلاق و کردار اور روحانیت کا مذہب ہے۔ یہ مکر و فریب اور منافقت والا اسلام نہیں قولوا قولاً سدیدا والا اسلام ہے۔ یہ تفریق بین المسلمین کے بجائے لوگوں کو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے گرد جمع کرنے والا اسلام ہے۔ اور یہ مفاد پرستی۔ کینہ پروری۔ جفا جوئی۔ استحصال پسندی اور ستم شعاری والا نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے وفا شعاری اور ایثار و قربانی کا سبق دینے والا اسلام ہے۔ یہ اسلام وہاں جاہل اور اَن پڑھ لوگوں نے قبول نہیں کیا بلکہ ایسے پڑھے لکھے طبقہ میں اس نے قبولیت حاصل کی ہے جس میں سائنسدان، دانشور اور علم و ادب پر باریک نگاہ رکھنے والے لوگ شامل ہیں جو ہر بات کو جذبات کے بجائے عقل کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ ہم مدیر محترم سے پوچھتے ہیں کہ آج سے ستر ہی سال پہلے بھی اپنے آپ کو علماء کہلانے والے بڑے بڑے عمامہ اور جبہ پوش موجود تھے پھر اس "مخصوص برانڈ" والے اسلام کے علمبردار محمد علیؒ۔ کمال الدین اور صدرالدین کو ہی یہ توفیق کیوں ملی کہ دیار مغرب کے شبستانوں میں اسلام کی شمع اس وقت روشن کی اور ان کی پُرسکوت فضاؤں میں اللہ اکبر کی صدا اس وقت بلند کی جب اسے جنون اور دیوانگی کہا جاتا تھا۔ آپ کے علماء کی طرف سے اس وقت یہ آواز کیوں نہ اٹھی کہ جو اسلام یہ لوگ پیش کر رہے ہیں وہ اصلی اور حقیقی اسلام نہیں۔ صحیح اسلام تو جبہ و دستار کے پیچ و خم اور مسواک و شلوار کے طول و عرض میں مقید و محفوظ ہے جسے قبول کر کے نجات دارین حاصل کی جا سکتی ہے۔

نوائے وقت کے اداریہ نویس نے اسلام کے ساتھ "برانڈ" کا لفظ استعمال کر کے اپنی کاروباری ذہنیت کے تحت اسے بھی منڈی کے ایک تجارتی مال کے طور پر پیش کیا ہے۔ انہی کی اس اصطلاح کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ منڈی میں اسی مال کو ترجیح حاصل ہوتی ہے جو اپنی قسم کے دوسرے مالوں سے ہر لحاظ سے بڑھیا اور برتر ہو، اور جس کارخانے میں یہ تیار ہوا ہو اس کے مالک اور صنعت کار کی دیانت۔ امانت اور صداقت مسلّمہ ہو۔ اس کے اجزائے ترکیبی میں کسی ملاوٹ کا شائبہ تک نہ ہو۔ جس صنعت کار نے ہمارے "برانڈ کا اسلام" تیار کیا وہ اللہ اور رسولؐ کے عشق کا ایک مجسمہ تھا۔ اس کی صداقت اور امانت پر یہ گواہی ہے:—

۱۔ "مرزا صاحب نیک اور صالح انسان ہیں ........ مرزا صاحب تو اپنے تمام اوقات خدا تعالےٰ کی عبادت اور دعا۔ نماز اور قرآن کریم کے پڑھنے میں اور اسی قسم کے دیگر اشغال میں گذارتے ہیں"

(اشاراتِ فریدی حصّہ سوم صفحات ۴۲-۶۶ — خواجہ غلام فرید سجادہ نشین چاچڑاں شریف)

۲۔ ہم چشم دید شہادت سے کہہ سکتے ہیں کہ جوانی میں بھی نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے۔" (مولوی سراج الدین صاحب والد ماجد مولوی ظفر علی خاں صاحب)

۳۔ "میں سنتا ہوں کہ آدمی نیک بخت اور نمازی پرہیزگار ہیں۔"

(سرسید احمد خان)

۔ "مرزا صاحب مرحوم نہایت مقدس اور برگزیدہ بزرگ تھے۔"

شمس العلماء مولانا ممتاز علی صاحب)

۵۔ "وہ ان لوگوں میں سے تھے جو خدا تعالےٰ کے خاص بندے ہوتے ہیں اور دنیا میں کبھی کبھی آتے ہیں۔"

(شمس العلماء مولانا سید میر حسن صاحب)

۶۔ "وہ ایک سچے اور پاکباز مسلمانوں کی طرح زندگی بسر کرتا تھا. ........ کیرکٹر کے لحاظ سے مرزا صاحب کے دامن پر سیاہی کا چھوٹا سا دھبہ بھی نظر نہیں آتا۔ وہ ایک پاکباز جینا جیا اور اس نے ایک متقی کی زندگی بسر کی۔"

(مولانا عبداللہ العمادی۔ مدیر اخبار وکیل امرتسر)

۷۔ "میں نے ان کو (حضرت مرزا صاحب کو) ختم رسالت کا اقرار کرنے والا اور صحیح معنی میں عاشق رسولؐ پایا۔"

(ماہ نامہ نگار۔ بحوالہ شہادت حقّہ)

یہ ہے وہ شخص جس نے یہ مخصوص برانڈ کا اسلام پیش کیا اور کیسا اسلام پیش کیا وہ بھی سُن لیجئے:—

(۱) "انہوں نے مذہب کی صحیح روح کو سمجھ کر اسلام کی وہی عملی تعلیم پیش کی جو عہد نبویؐ و خلفائے راشدین کے زمانہ میں پائی جاتی تھی"

(ماہ نامہ نگار نومبر ۱۹۶۱ء)

(۲) "وہ قرآن جس کو مرزا صاحب نے کل قابلیت سے بیان کیا اگر مسلمان

اس قرآن پر اسی طرح چلیں جس طرح مرزا صاحب نے بیان کیا
تو پھر ان جیسا کون ہے۔"

(سردار راجندر صاحب ایڈیٹر خالصہ بہادر)

کیا اس برانڈ کے اسلام کو قبول کرنے والے اَن پڑھ اور جاہل تھے
ہرگز نہیں :-

"اس کے مریدوں میں عامی اور جاہل ہی لوگ نہیں ہیں بلکہ قابل اور لائق گریجوایٹ یعنی بی۔ اے۔ ایم۔ اے اور بڑے بڑے فاضل مولوی بھی ہیں۔ موجود زمانہ کے ایک مذہبی پیشوا کے لئے یہ کچھ کم فخر کا باعث نہیں کہ قدیم و جدید (دونوں قسم کے) تعلیم یافتہ اس کے مرید بن جائیں۔" (جناب مرزا حیرت دہلوی)

اس مخصوص برانڈ کے اسلام نے خدمت کیا انجام دی :-

۱۔ "اس نے سرف عیسائیت کے اس ابتدائی اثر کے پرخچے اڑائے جو سلطنت کے سایہ میں ہونے کی وجہ سے حقیقت میں اس کی جان تھا اور ہزاروں لاکھوں مسلمان اس کے زیادہ خطرناک اور مستحق کامیابی حملہ (سیاسی حملہ اور غلبہ اتنا خطرناک نہ تھا۔ ناقل) کی زد سے بچ گئے بلکہ خود عیسائیت کا طلسم دھواں ہو کر اڑنے لگا ........ اس کے علاوہ آریہ سماج کی زہریلی کچلیاں توڑنے میں مرزا صاحب نے اسلام کی بہت خاص خدمت انجام دی ہے۔"

(مولانا ابوالکلام آزاد اخبار وکیل امرتسر ۱۹۰۸ء)

۲۔ "اس نے نصرانیوں کو اتنا تنگ کیا کہ ان کو پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا اور اسی ترکیب سے اس نے ہندوستان سے لے کر ولایت تک پادریوں کو شکست دی۔" (دیباچہ تفسیر القرآن۔ مولنا اشرف علی تھانوی)

اگر یہ "مخصوص برانڈ کا اسلام"۔ اور اس کا بانی اس میدان میں نہ اُترتے تو عیسائیت اور شدھی کی تحریکوں کے زیر اثر مدیر نوائے وقت اس وقت مسٹر جیمز یا سندر داس ہوتے جس طرح عمادالدین۔ سراج الدین اور عبداللہ آتھم تھے اور آج نہ یہ پاکستان ہوتا۔ یہ بھی سُن لیں :-

"یہ (مرزا صاحب) ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے جبکہ جہالت مسلمانوں پر قابض تھی اور اسلام مسیح اور آریہ مبلغین کے طعن و تشنیع کا مورد بنا ہوا تھا مرزا صاحب نے اس حالت سے فائدہ اُٹھایا اور مسلمانوں کی طرف سے سینہ سپر ہو کر اغیار کا مقابلہ کیا۔"

(تحریک قادیان۔ سید حبیب)

اس حالت سے مرزا صاحب نے کیا فائدہ اُٹھایا۔ کوئی دولت جمع کی مربعے خریدے۔ بنگلے بنائے۔ ہرگز نہیں۔ مسلمانوں کو ان کے دشمنوں کے حملوں سے بچا کر مسلمان رہنے دیا اور اس پاکستان کی بنیاد رکھنے میں مدد دی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو مسلمان "سب سے بڑی اقلیت" نہیں بلکہ سب سے چھوٹی اقلیت ہوتے اور یوں ان کا پاکستان کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوتا۔ ایک دن آئے گا جب دشمن بھی اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔ اس وقت عیسیٰؑ کو آسمان پر زندہ بٹھانے والے مخصوص برانڈ پر ایمان رکھنے والے مسلمان کیوں میدان میں نہ آئے۔ وہ تو عیسائیوں اور آریوں کے آگے آگے اس طرح بھاگتے تھے جیسے بھیڑیں بھیڑیئے کے آگے بھاگتی ہیں۔ انہی رندانِ قدح خوار کی غیرت اور حمیت کچھ کام آئی۔ آپ کے زہد و اتقا کے مدعی نام نہاد علماء میدان چھوڑ کر گھروں میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ اب آپ جیسے متعصب انسان ہمارے لٹریچر سے ناواقف لوگوں کو بہکانے کے لئے بڑھ بڑھ کر باتیں بناتے ہیں اور اپنے مخصوص عزائم کے مدنظر ہمیں بدنام کرنے میں مصروف ہیں۔

اس "برانڈ کے اسلام" کو عالمی مذہبی منڈی میں مقبولیت اور شہرت اس لئے حاصل ہوئی کہ "پاکستانی اسلام" کی طرح اس کے اجزائے ترکیبی میں جھوٹ اور منافقت کی کوئی ملاوٹ نہ تھی اور ان اجزائے ترکیبی کا لیبل بڑے صاف ستھرے اور واضح الفاظ میں اس پر چسپاں تھا۔ ان کا بار بار ہم اعادہ کر چکے ہیں اور ایک بار پھر کرتے ہیں کہ مدیر نوائے وقت کے جھوٹ کا پول کھل جائے :-

(۱) "ہم مسلمان ہیں۔ خدا کی کتاب قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور ہمارا ایمان ہے کہ سیدنا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے نبی اور رسول ہیں اور ان کا دین سب دینوں سے افضل ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ وہ خاتم الانبیاء ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں .......... قرآن کریم نے شریعت کی تمام حاجتوں کو مکمل کر دیا ہے ........ اور جو شخص قرآن شریف میں سے کچھ کم و بیش کرے وہ شیطان اور بدکاروں میں سے ہے۔" (ترجمہ مواہب الرحمٰن صفحہ ۶۶ تا ۶۷۔ ۱۹۰۱ء کے بعد کی کتاب ہے۔)

۲۔ "ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آنجناب کے بعد اس اُمت کے لئے کوئی نبی نہیں آئے گا نیا ہو یا پرانا"

(اور یہ حضرات ایک پرانے نبی حضرت عیسٰیؑ کے انتظار میں بیٹھے ہیں اور ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھ رہے ہیں) (نشانِ آسمانی)

۳۔ "نبوت ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منقطع ہو چکی ہے اور بعد قرآن شریف کے جو تمام کتب سابقہ سے افضل ہے کوئی کتاب نہیں اور نہ شریعت محمدیہ کے بعد کوئی شریعت"

(ترجمہ ضمیمہ حقیقۃ الوحی ۱۹۰۸ء)

۴۔ "اور اگر قرآنی الہامات سے کوئی کافر ہو جاتا ہے تو پہلے یہ فتوے سید عبدالقادرؒ پر لگانا چاہیئے کہ انہوں نے بھی قرآنی الہامات کا دعوے کیا ہے۔" (اشتہار ۲۰ شعبان ۱۳۱۴ھ)

اور سُنیئے سید عبدالقادرؒ غوث الاعظم اپنے متعلق اپنے عربی قصائد میں کیا فرماتے ہیں :-

"ابراہیمؑ کی آگ میری دُعا سے ٹھنڈی ہوئی۔ یعقوبؑ کی آنکھیں میری التفات سے اچھی ہوئیں۔ قربانی کا مینڈھا اسمٰعیلؑ کے لئے نہیں میرے فدیہ کے لئے آیا۔ موسٰیؑ کا عصا میری امداد کا عصا تھا۔ ایوبؑ کی تکلیف میری دُعا سے دُور ہوئی۔ عیسٰےؑ کے گہوارہ میں بولنے والا میں ہی تھا۔ داؤدؑ کو خوش الحانی میں نے عطا کی تھی۔ خدا کے کل ملک درحقیقت میری ملکیت ہیں اور ان کے اقطاب میرے حکم کی تابعداری کرنے والے ہیں۔"

(ترجمہ از قصیدہ الہامیہ)

"بلندی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کے ساتھ میں ہی تھا۔ اللہ تعالےٰ کے مخفی علم میں میری نبوت تھی۔"

(ترجمہ از قصیدہ روحی)

پھر اسی قصیدہ میں فرماتے ہیں :-

"ادریسؑ جب اُوپر گئے تو اُن کے ساتھ میں ہی تھا۔ کشتی میں نوحؑ کے ساتھ میں ہی تھا اور طوفان میں میں نے ہی اس کی حفاظت کی۔ میں ہی پہلی پاک ہستی ہوں اپنے خالق کے علم میں اور میں ہی وہ آخری ہوں جو اُٹھایا گیا سرمدیت میں (گویا حضرت آدمؑ سے بھی بڑھ کر ہیں) کوئی منبر نہیں مگر اس پر میرے نام کا ہی خطبہ ہوتا ہے اور کوئی مسجد نہیں مگر اس میں میری نماز پڑھی جاتی ہے۔" (بحوالہ تطہیر اولیاء)

کیا فرماتے ہیں مدیر "نوائے وقت" کیا حضرت سید عبدالقادر ان تمام انبیاء کے معجزات کا سرچشمہ اور منبع اپنے آپ کو قرار دے کر خدائی کا دعوی

کر کے ایک "مخصوص برانڈ" کے قادری اسلام کی بنیاد نہیں رکھ رہے۔ وہ نہ معراج میں آنحضرت صلعم کے ساتھ ہونے اور نبوت کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ یہاں تو "ظلی" "بروزی" اور "مجازی" کے الفاظ بھی استعمال نہیں کئے گئے۔

ہمارے پاس ان لوگوں کی شپرہ چشمی کا کیا علاج کہ انہیں اپنی نوک بینی کے عین نیچے۔ حنفی۔ مالکی۔ حنبلی۔ شافعی۔ قادری۔ چشتی صابری۔ نظامی۔ دیوبندی۔ بریلوی۔ وہابی۔ چکڑالوی۔ نیچری۔ معتزلی۔ خارجی۔ جعفری۔ مودودی پرویزی وغیرہ "اسلام کے مخصوص برانڈ" نظر نہیں آتے۔ ان سب میں دو اقرار مشترک ہیں۔ ایک یہ کہ عیسےٰؑ کو آج دو ہزار سے آسمان پر زندہ تسلیم کرتے ہیں اور دوسری یہ کہ مذہبی منڈی میں اپنے مال کی قیمت بڑھانے کے لئے ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں۔ اگر گنجائش ہوتی تو ہم یہاں سارے وہ فتاویٰ نقل کر دیتے جو انہوں نے ایک دوسرے کے خلاف لگا رکھے ہیں۔

چونکہ مدیر نوائے وقت نے صرف تین تنظیموں جماعت اسلامی۔ جمعیت العلمائے پاکستان اور تبلیغی جماعت کو مخاطب کیا ہے اس لئے ہم یہاں ان ہی کا ذکر مناسب سمجھتے ہیں۔ ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ جمعیت العلمائے پاکستان اور تبلیغی جماعت کا ذکر تکلفاً کیا گیا ہے تاکہ "نوائے وقت" کی غیر جانبدارانہ پالیسی پہ کوئی حرف نہ آئے اور نہ ہی ان دو تنظیموں کے پاس کوئی ایسا معقول لٹریچر ہے جو مغربی دنیا کے مذہبی۔ معاشی اور معاشرتی مسائل کا موثر جواب دینے کی اہلیت رکھتا ہو اس کے علاوہ ایک جمعیت العلماء اسلام کے صدر مولوی غلام غوث ہزاروی نے فرمایا کہ "مولانا مودودی اور اس کی پیروی کرنے والے کافر ہیں اور ان کے ساتھ بیٹھنے اور ملاقات کرنے والے بھی گمراہ ہیں" (جنگ کراچی ۴ ستمبر ۱۹۷۵ء) یہ صاحب صرف جماعت اسلامی کو آگے لانا چاہتے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں صرف یہی ایک منظم جماعت ہے جو اپنے "جدید افکار" کی روشنی میں مغرب کو اسلام کی طرف دعوت دے سکتی ہے۔ ہم اس جماعت کے افکار کی جھلکیاں اپنے ہفت روزہ پیغام صلح میں وقتاً فوقتاً اور حسب ضرورت پیش کرتے رہے ہیں اب چونکہ یہ افکار مغربی دنیا کو فتح کرنے کے لئے مجدعلی اور ان کی جماعت تک پہنچائے جائیں گے اس لئے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اپنے "مخصوص برانڈ" کے اسلام کے بالمقابل اس "جدید برانڈ" کے اسلام کے افکار و نظریات پھر اپنے قارئین کے سامنے مختصراً رکھ دیں۔

اسلام کی کوئی تشریح۔ تفسیر اور تصویر اس وقت تک قابل پذیرائی نہیں ہو سکتی جب تک وہ قرآن کریم کے پیش کردہ اصولوں اور سنت رسولؐ سے مطابقت نہ رکھتی ہو۔ اس سے قبل ہم بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے نظریات آپ کے سامنے رکھ چکے ہیں اب بانیٔ جماعت اسلامی کے افکار آپ کے سامنے رکھ کر آپ سے ہی انصاف طلب کرتے ہیں کہ ان دونوں میں سے وہ کونسا "برانڈ" ہے جو عالمی مذہبی منڈی میں اور خاص کر مغربی ممالک میں مقبولیت اور شہرت حاصل کرنے کا حقدار ہے۔

**۱۔ اللہ کے متعلق تصوّر** } مودودی صاحب اللہ تعالےٰ کی مشیئت اور رضا پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:—

"دنیا میں کوئی واقعہ کبھی صدور میں نہیں آتا جب تک اللہ اس کے صدور کا اذن نہ دے ...... کسی چور کی چوری۔ کسی قاتل کا قتل۔ کسی ظالم و مفسد کا ظلم و فساد اور کسی کافر و مشرک کا کفر و شرک اللہ کی مشیئت کے بغیر ممکن نہیں ....... مگر اس قسم کے واقعات سے اللہ راضی نہیں ہے۔" (ایشیا ۴ اپریل ۱۹۷۶ء)

سبحان اللہ مغربی دنیا کو خدا کے در پر جھکانے کے لئے کیسا فلسفہ۔ کیسا فکر۔ کیسی نظر اور کیا پُر حکمت تصوّر دیا ہے۔ اللہ کے متعلق۔۔ یہ عجیب خدا ہے ایک طرف خود انسان کو جرم کرنے کا حکم دیتا ہے اور اس میں اس کی اپنی مشیئت بھی شامل ہے لیکن جب وہ مجبور انسان اسی کے حکم کی تعمیل میں یہ گناہ کر بیٹھتا ہے تو اس سے راضی ہونا تو الگ اُلٹا اسے سزا دیتا اور ہمیشہ جہنم میں داخل کرنے کی دھمکیاں دیتا ہے۔ کیا مغرب والے یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم جو گناہ کر رہے ہیں وہ اللہ کی مشیئت اور اس کے اذن کی تعمیل میں کر رہے ہیں۔ اگر اس کے باوجود وہ ہم سے راضی نہیں اور سزا سے ڈراتا ہے تو ایسے (نعوذ باللہ) نا انصاف خدا کو ہزار بار سلام وہ تو ایک ادنےٰ انسان سے بھی گیا گذرا ہے کہ جس کا دوست یا ملازم اس کی مرضی کے مطابق چلے تو اسے انعام و اکرام سے نوازتا اور اس سے خوش ہوتا ہے۔ اس خدا سے تو ہمارا یسوع مسیح بہتر ہے کہ ہمارے گناہوں کے لئے صلیب پر چڑھ گیا۔ پھر ان صاحب کے پیرو بمعہ مدیر نوائے وقت اس شریعت کے نفاذ کا مطالبہ کرتے ہیں۔ خدا کے اذن کے مطابق اگر جرم کیا تو وہ کوئی جرم نہیں اس لئے اس کی سزا کیسی۔ ہر مجرم اپنے ڈیفنس میں یہ بات پیش کر سکتا ہے اور کوئی شرعی عدالت اسے سزا دینے کی مجاز نہیں۔

اس کے برعکس احمدیوں کا خدا "عدل اور احسان اور قریبیوں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور برائی اور زیادتی سے روکتا ہے۔" فرمائیے کونسا خدا اچھا ہے۔ احمدیوں کا یا جماعت اسلامی کا۔

**۲۔ رسُولوں کے متعلق تصوّر** } قرآن کریم فرماتا ہے:— "کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی ان اللہ قوی عزیز۔" اللہ نے لکھ دیا ہے کہ یقیناً میں غالب رہوں گا۔ میں اور میرے رسول۔ اللہ طاقتور غالب ہے (۵۸-۲۱)

مودودی صاحب فرماتے ہیں:—

"اور ان کو منظم کر کے (اپنے متبعین کو) ایک ایسی جماعت بنا دے جو دنیا میں خدا کے دین کو بالفعل قائم کرنے کی جد و جہد کرے یہاں تک کہ خدا کا کلمہ بلند ہو جائے اور دوسرے کلمے پست ہو کر رہ جائیں۔ ضروری نہیں ہے کہ سب نبی اپنے اس مشن کو کامیابی کے آخری مراحل تک پہنچانے میں کامیاب ہو گئے ہوں۔ بہت سے انبیاء ایسے ہیں جو اپنے کسی قصور کی بناء پر نہیں بلکہ متعصب لوگوں کی مزاحمت اور حالات کی نا مساعدت کے باعث اس میں ناکام ہو گئے۔"

(ترجمان القرآن۔ اپریل ۱۹۷۶ء صفحہ ۲۶-۲۷)

خدا نے اپنا کلمہ بلند کرنے اور دوسرے کلمے پست کرنے کے لئے اپنے رسول بھیجے لیکن وہ اس مشن کو متعصب لوگوں اور نا مساعد حالات کی وجہ سے پورا کرنے میں ناکام ہو گئے۔ یہ بھی عجیب خدا ہے کہ ایک طرف کہتا ہے میں اور میرے رسول غالب رہیں گے کیونکہ میں طاقتور اور غالب ہوں، اور دوسری طرف اس کے رسولوں پر متعصب اور نا مساعد حالات غالب آ جاتے ہیں۔ کہاں گئی اس کی طاقت اور کہاں گیا اس کا غلبہ۔ خدا اور اس کے رسولوں کا یہ انوکھا تصوّر اس نئے فلسفے کے نتیجے میں جب مغرب کے مفکرین کے سامنے پیش کیا جائے گا تو ان کا جواب لازماً یہی جواب ہوگا کہ اس خدا اور اس کے رسولوں کو اپنے پاس رکھئے۔ جو اپنے رسولوں کی جو اس کے منتخب اور خاص بندے ہوتے ہیں اور دن رات اس کے سامنے ماتھا زمین پر رگڑتے رہے ہیں مشکلات میں مدد نہیں کر سکتا تو ہمیں اس سے کیا توقع ہو سکتی ہے۔

**۳۔ صحابہؓ کے متعلق تصوّر** } "بعض لوگ کہتے ہیں کہ صحابہؓ نے تو (یزید کی) بیعت کر لی تھی حضرت حسینؓ نے کیوں نہ کی اور وہ ان کو مطعون کرتے ہیں۔ حالانکہ جب کوئی مسلمان حکومت پوری طاقت سے قائم ہو تو اس کے خلاف اٹھنا ہما شما کا کام نہیں .......... یہ نمونہ ہے کہ مسلمان حکومت بگڑ رہی ہو تو مسلمان کا کام تماشہ بین بن کر بیٹھنا نہیں۔" دیکھ لیجئے صحابہ کو ہما شما اور تماشہ بین کا

خطاب دیا جا رہا ہے۔ ان میں سے کچھ ایسے بھی تو ابھی موجود ہوں گے جنہیں آنحضرت صلعم کی صحبت میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا ہی بھی ابو ہرابی تک وہ سعادت کیسا نصیب ہوگا جس کے لئے ہیں ایسے ہوں گے۔ (ایشیا ۲۱ر جون ۱۹۶۲ء)

## ۴۔ غلاموں اور لونڈیوں کے متعلق

اس کے متعلق ہم تفصیل سے اقتباسات درج کرنے سے معذور ہیں ہم اپنے قارئین سے درخواست کریں گے کہ وہ تفہیم القرآن جلد اوّل (۱۹۵۱ء) صفحہ ۳۲۰، تفہیمات جلد دوم (۱۹۵۱ء) صفحات ۳۲۳ - ۳۲۴ - اور ۳۷۵ پر نظر ڈال کر دیکھیں جہاں انہوں نے غلاموں اور لونڈیوں کے متعلق اپنے افکار جدید پیش کئے ہیں۔ ہم تو ان سے یہی نتیجہ نکالتے ہیں کہ وہ قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف غلامی کو جائز قرار دیتے ہیں اور لونڈیوں کے متعلق تو ارشاد ہوتا ہے کہ ان سے تمتع کے لئے نہ نکاح کی ضرورت ہے اور نہ تعداد کی اور اس طرح فحاشی اور عیاشی کے لئے راستہ کھول رہے ہیں۔ یہ افکار و نظریات افریقہ اور امریکہ کی سیاہ فام آبادی کے سامنے پیش کئے جائیں گے جو غیر ملکی سامراجی تسلط سے آزادی کے لئے سالوں سے ان قوتوں کے خلاف نبرد آزما ہیں اور غلامی کی زندگی گذارتے رہے ہیں۔ کتنے خوبصورت ہیں یہ نظریات جنہیں دُنیا کے سامنے پیش کرنے کی بدیر تواتے وقت ترغیب دے رہے ہیں " فلیدع نادیہ - سندع الزبانیہ " سو وہ اپنے ہمنشینوں کو بلالے - ہم بھی بہادروں کو بلا لیں گے" اور اس "برانڈ" اور اس قسم کے دوسرے "برانڈوں کے اسلام" کا مجددِ وقت کے علمِ کلام کی روشنی میں دنیا کے آخری کونے اور آخری مورچے تک اس وقت تک پیچھا کریں گے جب تک ان میں ملاوٹ اور کھوٹ ثابت نہ ہوجائے اور اللہ تعالےٰ - اس کے رسُولوں اور قرآن کا وہ تصوّر دُنیا کے سامنے نہ آجائے جو خود قرآن نے پیش کیا ہے۔

---

## از کتاب دید و شنید

مصنفہ رئیس احمد جعفری - صفحہ ۱۶۰ ۱۹۴۸ء

۱۹۲۲ء میں ندوہ کا سالانہ جلسہ بڑی دھوم دھام سے لکھنؤ میں منعقد ہوا۔ مولانا حبیب الرحمان خاں شروانی (نواب صدر یار جنگ بہادر) صدارت کے لئے حیدر آباد سے تشریف لائے تھے۔ ندوہ کے طلباء نے تحریک خلافت اور کانگرس میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ سیاسی لیڈروں کی بھی ایک معقول تعداد موجود تھی۔ جن میں ضیغم اسلام مولنا شوکت علی پیش پیش تھے

میں ندوہ کے درجہ اوّل میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ امتحان سالانہ ختم ہو چکا تھا۔ بچوں کو عام اجازت تھی کہ وہ تعطیل سے فائدہ اُٹھائیں اور اپنے گھر چلے جائیں لیکن اس اجلاس کی کشش ایسی غالب تھی کہ میں وطن نہیں گیا اور اختتام اجلاس تک ندوہ ہی میں رہا۔

میں ہال کے بغلی کمرے میں کھڑا ہو رہا تھا کہ میرے ایک دوست نے مجھ سے کہا چلو خواجہ کمال الدین صاحب تقریر کر رہے ہیں۔ یہ سُنتے ہی ان کے ساتھ چل پڑا۔ سٹیج پر ایک وجیہہ اور بارُعب آدمی دادِ خطابت دے رہا تھا۔ آواز اتنی گرجدار کہ ہال کے آخری کونے تک تقریر کا ایک ایک حرف سُنا جا رہا تھا۔ بھرا بھرا چہرہ سیاہ داڑھی۔ شرعی جامہ اچکن کے بجائے کوٹ زیب تن۔ سر پر ایک طرہ دار صافہ۔ تقریر کا موضوع تھا "تبلیغ اسلام" تقریر اتنی موثر اور دلنشیں تھی کہ ہر شخص محو حیرت بنا ہوا سُن رہا تھا۔

قادیانیوں کے بارے میں عام خیال یہ تھا کہ وہ کافر ہوتے ہیں۔ خواجہ صاحب بھی اسی مسلک کے پیرو تھے حیرت تھی کہ ایک کافر کے دل میں اسلام کا یہ درد تبلیغ اسلام کا یہ ولولہ اشاعتِ اسلام کا یہ جذبہ کیسے آ گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یورپ میں بہت سے لوگوں کو قبول اسلام کی سعادت سے مشرف کر چکے ہیں۔ انگریزی میں ایک رسالہ بھی نکالتے ہیں اس کا ماہوار اُردو ترجمہ اشاعتِ اسلام کے نام سے ہر ماہ لاہور سے شائع ہوتا رہتا ہے۔ بعد میں یہ معلوم ہوا کہ خواجہ صاحب احمدی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ جماعت مرزا غلام احمد کو نبی نہیں مانتی صرف مجدد مانتی ہے بہر حال آگے چل کر جیسے جیسے خواجہ صاحب کی اسلامی سرگرمیوں کا علم ہوتا گیا ان کی عزت و عظمت دل میں بڑھتی گئی اور دل نے ایک لمحہ کے لئے یہ قبول نہ کیا کہ وہ خدا نخواستہ "کافر" ہیں اگرچہ اکثر لوگ انہیں "کافر" سمجھتے اور ان کے اسلام کے نہایت سختی کے ساتھ منکر تھے۔ خواجہ صاحب کو پھر میں نے کبھی نہیں دیکھا لیکن ایک واقعہ ان کی زندگی کا میں نے ایسا دیکھا جو مجھے آج تک یاد ہے شاید ہمیشہ یاد رہے گا۔

خواجہ صاحب کی تقریر کے بعد اجلاس دوسرے روز کے لئے ملتوی ہوگیا۔ تمام مہمان اپنے اپنے کمروں میں چلے آئے۔ ایک کمرہ خواجہ صاحب کے لئے مخصوص تھا۔ وہ اس میں تشریف لائے۔ اجلاس کے ختم ہونے کے بعد میں گھومتا گھامتا خواجہ صاحب کے کمرے کی طرف سے گذرا اس وقت بالکل سناٹا تھا۔ گیلری میں میرے سوائے کوئی دوسرا آدمی نہ تھا۔ میں نے دیکھا خواجہ صاحب اپنے کمرے میں تنہا عصر کی نماز پڑھ رہے ہیں۔

بڑے اور چھوٹے، عالم اور جاہل ہر طرح کے لوگوں کو میں نے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ لیکن جس استغراق۔ محویت اور خشوع خضوع ۴۴

(باقی کالم اوّل کے نیچے)

---

۴۴ سے میں نے خواجہ صاحب کو نماز پڑھتے دیکھا اس نے میرے دل پر گہرا اثر کیا اور ایک ایسا نقش قائم کیا جو آج تک موجود ہے۔

نماز کی تعریف یہ ہے کہ پڑھنے والا یہ محسوس کرے کہ وہ خدا کو دیکھ رہا ہے۔ خواجہ صاحب کی نماز سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ محسوس کر رہے ہیں کہ وہ خدا کو دیکھ رہے ہیں بغیر اس احساس کے وہ محویت وہ استغراق وہ خشوع و خضوع کی کیفیت پیدا ہی نہیں ہو سکتی تھی جس کے ایک مجسم پیکر خواجہ صاحب نظر آ رہے تھے۔

ممکن ہے کچھ لوگ اب بھی انہیں کافر سمجھتے ہوں لیکن میرے دل پر ان کے اسلام کا ایک ایسا نقش مرتسم ہو چکا ہے جسے حوادث دہر بھی نہ مٹا سکے ÷÷

---

## شادی خانہ آبادی

مکرم جناب میاں عبدالرحمان صاحب انجنیئر مسلم ٹاؤن اطلاع دیتے ہیں کہ ان کے عزیز محمد عبدالمجیب کی شادی کی تقریب مؤرخہ ۳۰ ستمبر کو بخیر و خوبی سر انجام پائی (مبارکباد) اس خوشی میں جناب میاں صاحب موصوف نے بطور صدقہ مبلغ بیس روپے نزد انجمن میں جمع کرائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ اس رشتہ کو دونوں خاندانوں کے لئے باعث برکت اور مثمر بثمرات حسنہ بنائے۔

مکرم جناب علامہ شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری

# قرآن کریم کی تین اہم خصوصیات

## (قسط ششم)

"شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدی للناس وبینٰت من الھدیٰ والفرقان"

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم کی پہلی خصوصیت یہ بیان کی ہے کہ وہ لوگوں کے لئے ہدایت ہے یعنی انسانی زندگی کے ہر شعبے میں ایسی راہ بتلاتا ہے جس پر چل کر انسان اپنی زندگی کو خوشگوار بنا سکتا ہے ہر قسم کی برائیوں سے اجتناب کر سکتا ہے جو طریق بھی زندگی بسر کرنے کے لئے وہ بتلاتا ہے وہ ہر انسان کے لئے مفید اور کارآمد ثابت ہوگا یہ تو قرآن کریم کا دعوےٰ ہے دوسری خصوصیت اس آیت میں قرآن کریم کی یہ بتلائی گئی ہے کہ وہ صرف دعوےٰ ہی پیش نہیں کرتا بلکہ اپنے اس دعوےٰ کو عقلی دلائل سے بھی بپایہ ثبوت بہم پہنچاتا ہے۔

تیسری خصوصیت اس آیت میں قرآن کریم کی یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ صرف ہدایت کی راہ ہی نہیں دکھاتا اور نہ صرف عقلی دلائل سے اس کو درست ثابت کرتا ہے بلکہ اس پر عمل کرنے والوں کو فرقان کی بیّنات بھی عطا کرتا ہے یعنی ایسے معجزات عطا کرتا ہے اور ایسے نشان عطا کرتا ہے جو اپنے متعلق ثابت کر دیتے ہیں کہ وہ فی الحقیقت خدا تعالےٰ کی طرف سے ہے اور وہ نشان ایسے واضح ہوتے ہیں کہ حق اور باطل کے درمیان فرق کر کے دکھا دیتے ہیں باطل انکے سامنے ٹھہر ہی نہیں سکتا اور یہ ایسی خصوصیت ہے کہ اسلام کے سوا اور کسی مذہب کے پیرؤوں کو حاصل نہیں ہوتی۔ یہ تینوں خصوصیتیں جن کا ذکر اُوپر کیا گیا ہے اس زمانے میں مسلمانوں کی نظر سے اوجھل ہوئی ہوئی تھیں۔ سیّدنا حضرت مسیح موعودؑ جو خدا تعالےٰ کی طرف سے اس زمانے میں بطور مجدّد اعظم مبعوث ہوئے انہوں نے ہی ان تینوں خصوصیات پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے ہی تمام مذاہب کے پیرؤوں کو للکارا کہ جو دعوےٰ تم پیش کروگے وہ تم اپنی اس کتاب سے پیش کرو جس کو تم الہامی کہتے ہو۔ اسی طرح اس اپنی کتاب سے اس کا ثبوت بھی پیش کرو۔ اور بتلاؤ کہ تمہاری کتاب خود وہ دعویٰ کرتی ہے جس کو تم دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہو۔ دعوےٰ بھی اپنی الہامی کتاب سے دکھلاؤ اور اس کا ثبوت بھی اپنی الہامی کتاب سے ہی پیش کرو۔ کسی مذہب کا پیرو بھی ان دونوں خصوصیتوں کو اپنی الہامی کتاب سے پیش نہ کر سکا۔ چنانچہ عیسائیوں کے ساتھ جو معرکۃ الآرا مباحثہ ہوا اس میں حضور نے عیسائی مناظر سے بار بار یہ مطالبہ کیا کہ جو کچھ تم حضرت مسیح کے متعلق دعوےٰ کرتے ہو اس کا ثبوت انجیل سے پیش کرو۔ لیکن عیسائی مناظر نہ تو اپنی دعاوی انجیل سے پیش کر سکا اور نہ ہی ان کا ثبوت انجیل سے دے سکا۔

اسی طرح آریہ مذہب کے پیرو بھی اس میدانِ مقابلہ میں کھڑے نہ ہو سکے۔ نہ تو وہ دعاوی اپنی الہامی کتابوں سے پیش کر سکے اور نہ ان کے دلائل اپنی الہامی کتابوں سے پیش کر سکے۔ قرآن کریم کے متعلق حضور نے بڑے زور سے یہ دعوےٰ کیا کہ اس کے متعلق جو دعوےٰ بھی میں کروں گا وہ خود قرآن کریم سے اسے پیش کروں گا۔ اور اس دعوےٰ کے درست ہونے کے ثبوت میں دلائل بھی قرآن کریم سے ہی پیش کروں گا۔ تیسری خصوصیت کے متعلق حضور نے علی الاعلان یہ کہا کہ کوئی مذہب ایسا نہیں جو نشان دکھلا کر یہ ثابت کر سکے کہ وہ فی الحقیقت الہامی مذہب ہے حضورؑ نے صاف لفظوں میں کہا

کوئی مذہب ایسا نہیں جو نشان دکھلائے + یہ ثمر باغِ محمد سے ہی کھایا ہم نے

چنانچہ اس بارے میں آپ نے تمام مذاہب کے پیرؤوں کو چیلنج کیا کہ اگر تمہارے مذاہب میں نشان دکھلانے کی طاقت ہے تو میرے مقابلہ میں آ جاؤ آریوں میں سے پنڈت لیکھرام نے جو اس مذہب کا بہت بڑا مبلغ تھا اس چیلنج کو قبول کیا اور کہا کہ میں پیشگوئی کرتا ہوں کہ تم تین سال کے اندر اندر ہلاک ہو جاؤگے اور تمہارا مشن برباد ہو جائے گا۔ تم بھی میرے متعلق ایسی پیشگوئی کرو۔ چنانچہ حضورؑ نے اس کے متعلق پیشگوئی شائع کی کہ وہ چھ سال کے اندر اندر مارا جائے گا۔ چنانچہ لیکھرام کی پیشگوئی سیدنا حضرت مرزا صاحب کے متعلق تو جھوٹی نکلی لیکن حضرت سیدنا مرزا صاحب نے جو پیشگوئی لیکھرام کے متعلق شائع کی تھی وہ سچی نکلی جس سے ثابت ہوا کہ فرقان کی بیّنات اسلام کے پیرؤوں کو ہی ملتی ہیں یعنی ان کو ایسے نشان خدا تعالےٰ کی طرف سے عطا کئے جاتے ہیں جو حق اور باطل کے درمیان فرق کر کے دکھلا دیا۔ عیسائی مذہب کے پیرؤوں نے صاف اعتراف کر لیا کہ ہم نشان دکھلانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ دیگر مذاہب میں سے بھی کوئی مقابلے میں نہ آیا۔ قرآن کریم کی یہ تیسری خصوصیت کہ اس کے پیرؤوں کو فرقان ملتا ہے صرف سیدنا حضرت مرزا صاحب کے وجود سے ہی صحیح ثابت ہوئی حضورؒ نے اس میدان میں بھی تمام مذاہب پر اسلام کی برتری ثابت کر دی جس کا ثبوت جلسہ مذاہب اعظم والی تقریر ہے آپ نے قرآن کریم کی اس خصوصیت کو ثابت کرنے کے لئے صرف ایک ہی نشان نہیں دکھلایا بلکہ نشانوں کی بارش کر دی۔ پس خلاصہ کلام یہ کہ اسلام کے سوا نہ تو دوسرا کوئی مذہب اپنے پیش کردہ دعاوی کو اپنی الہامی کتاب سے اور نہ ان کی سچائی کا ثبوت ایسے دلائل سے دے سکا جو اس کی الہامی کتاب پیش کرتی ہو اور نہ اس کتاب کی پیروی کے نتیجے میں خدا کی طرف سے ایسے نشان حاصل کر سکا جو حق اور باطل کے درمیان فرق کر کے دکھلا سکیں یہ پورا امتیاز اگر حاصل ہوا ہے تو صرف سیدنا حضرت مرزا صاحبؒ کو حاصل ہوا ہے۔ جو قرآن کریم کی مکمل طور پر پیروی کرنے والے تھے۔ اور جو مبعوث اسی غرض کے لئے ہوئے تھے کہ دنیا پر ثابت کر دیں کہ مذکورہ بالا تینوں خصوصیتیں اسلام کے سوا کسی اور مذہب میں نہیں پائی جاتیں رسمی طور پر تو دوسرے مسلمان بھی قرآن کریم کو افضل الکتب مانتے ہیں لیکن علمی طور پر کسی ایسے شخص کو پیش نہیں کر سکتے جو قرآن کریم کی ان تینوں خصوصیات کو اپنے وجود میں نمایاں طور پر ثابت کر سکے یہ فخر صرف سیدنا حضرت مرزا صاحبؒ کو ہی حاصل ہے کہ انہوں نے قرآن کریم کی ان تینوں خصوصیات کو اپنے وجود میں ثابت کر دکھلایا۔

**چوتھی خصوصیات** قرآن کریم نے اپنی چوتھی خصوصیت یہ بیان کی ہے کہ اس کا نازل کرنے والا خدا اپنی ہستی کا ثبوت دینے کے لئے یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ وہ ہر اس شخص کے قریب ہے جو اس کو پکارتا ہے چنانچہ آیت کے الفاظ یہ ہیں:—

اذا سألک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوالی ولیومنوا بی لعلھم یرشدون۔

ترجمہ:— جب تجھ سے میرے بندے میرے متعلق پوچھیں تو ان کو بتلا دو کہ میں ان کے قریب ہوں قریب ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ میں دعا کرنے والے کی دعا کو سنتا ہوں اور اسے قبول کرتا ہوں۔ پس وہ اپنے آپ کو ایسا قابل بنائیں کہ میں ان کی دعاؤں کو سُن لیا کروں اور انہیں قبولیت

کا شرف عطا کروں۔ پس چاہیئے کہ وہ مجھ پر اپنے ایمان کو مضبوط کریں اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ رُشد کی راہیں ان پر کھلتی چلی جائیں گی۔ اس زمانے میں دیگر مذاہب کے پیرو تو الگ رہے خود مسلمانوں کے اندر بھی ایسے لوگ پیدا ہو گئے جو دعاؤں کی قبولیت کے قائل ہی نہیں رہے۔ سیدنا حضرت مرزا صاحبؑ چونکہ اسلام کی صداقتوں کا ثبوت بہم پہنچانے کے لئے مبعوث ہوئے تھے اس لئے حضور نے دعاؤں کی قبولیت کے متعلق بھی ایسے ثبوت بہم پہنچائے جن کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں۔ مثلاً سگِ دیوانہ کے کاٹے ہوئے پر اگر دیوانگی کے آثار ظاہر ہو جائیں تو طب میں اس کا کوئی علاج نہیں۔ یہی علاج اس کا ہے کہ اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ تا دوسرے لوگ اس سے متاثر ہونے سے محفوظ ہو جائیں لیکن حضورؑ کے زمانے میں ایک نوجوان پر سگِ دیوانہ نے حملہ کیا اور اس کو شملہ کے ایک علاقہ کسولی میں علاج کے لئے بھجوا دیا گیا۔ کیونکہ اس زمانہ میں وہی ایک ہسپتال تھا جس میں سگِ دیوانہ کے کاٹے ہوئے کا علاج ہوتا تھا چنانچہ اس نوجوان کا بھی وہیں علاج ہوا اور وہ بظاہر شفایاب ہو کر واپس چلا گیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد آثار دیوانگی اس میں ظاہر ہونے شروع ہو گئے چنانچہ ایک طرف تو اس کو علیحدہ مکان میں رکھا گیا اور دوسری طرف شملہ کے مکان کسولی میں تار دی گئی جس میں اس کا علاج دریافت کیا گیا وہاں کے ہسپتال نے تار کا جواب تار میں دیا کہ افسوس اب عبدالکریم کے لئے کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نوجوان کا نام تھا عبدالکریم۔ اب کیا یہ حیرت کا مقام نہیں کہ طب جس بیماری کے علاج سے عاجز ہے اس کے متعلق خدا کا ایک بندہ کہتا ہے کہ میں اس کی صحت کے لئے دعا کرتا ہوں چنانچہ ڈاکٹر تو اس کو لا علاج بتلا رہے تھے۔ لیکن خدا کے اس بندے کی دعا سے وہ بیمار شفایاب ہو جاتا ہے۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی خدا کی ہستی کا ثبوت بہم پہنچا سکتا ہے۔ حضورؑ نے تمام صوفیوں، سجادہ نشینوں ظاہری اور باطنی علوم کے ماہرین کو چیلنج کیا کہ چند مریض قرعہ اندازی کے ذریعے تم اپنے حصّہ میں لے لو اور چند میں لے لیتا ہوں تم اس کی شفایابی کے لئے دعا کرو اور میں اپنے حصّہ کے مریضوں کی شفایابی کے لئے دعا کرتا رہوں دیکھیں دونوں کی دعا کے نتیجہ میں کس کے مریض زیادہ شفایاب ہوتے ہیں اسی طرح بعض بیماروں کے متعلق ڈاکٹروں نے صاف جواب دے دیا کہ ان کے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ لیکن حضور کی دُعا سے وہ شفایاب ہو گئے اسی طرح بعض لوگ جن کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی حضور کے پاس اولاد کے لئے آئے اور ان کے اولاد ہو گئی۔ اسی طرح بعض ایسے لوگ جو بعض سخت مشکلات میں گھر گئے تھے اور جن سے مخلصی حاصل کرنا بظاہر ناممکن نظر آتا تھا حضور کی دعاؤں سے ان کو مخلصی حاصل ہو گئی۔

تمام واقعات صاف بتلا رہے کہ اسلام نے جو یہ تعلیم دی ہے دُعا برحق ہے بلکہ دوا سے بھی اس کی تاثیریں زیادہ ہیں بالکل صحیح تعلیم ہے منکرین دُعا اگر انکار پر مصر ہیں تو ان کی مرضی ورنہ ان واقعات کی موجودگی میں ان کو حقیقت دعا پر ایمان لانے کے سوا کوئی چارہ نہیں پس خلاصہ کلام یہ ہے کہ روزے کی جن برکات کا ذکر قرآن کریم میں کیا گیا ہے وہ سب کی سب برکات سیدنا حضرت مرزا صاحب کو حاصل تھیں پہلی برکت روزے کی یہ بتلائی گئی ہے کہ روزہ رکھنے والا متقی بن جاتا ہے۔ تو میں نے ثابت کر دیا ہے کہ متقی کی تمام علامات جو قرآن کریم میں بیان کی گئی ہیں وہ سب کی سب سیدنا حضرت مسیح موعود کے وجود میں پائی جاتی تھیں۔ آپ حقیقی معنی میں متقی ثابت ہوتے تھے دوسری برکت فرقان کا ملنا ہے جو نمایاں طور پر حضور کو ملتا رہا۔ تیسری برکت قبولیت دُعا کی ہے۔

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۲)

# خبرنامۂ لندن

## مذہب اور کلچر کی ورلڈ پارلیمنٹ کا آغاز

۲۸-۲۹-۳۰ ستمبر کو لندن کے کیکسٹن ہال میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ورلڈ پارلیمنٹ آف ریلیجن اینڈ کلچر کی بنیاد رکھی گئی، جس میں ہندو۔ بدھ۔ یہودی۔ عیسائی۔ مسلم۔ سکھ۔ بہائی مذاہب کے نمائندوں کے علاوہ ٹیلی ویژن پروگرام بنانے والے اور مذہبی گانے بجانے والے اور مذہبی ناچ ناچنے والے اور بعض سیاسی جماعتوں کے نمائندے بھی شامل تھے۔ پارلیمنٹ اور کانفرنس کے رُوح رواں شری سنتو مہاراج تھے۔ جو اس سلسلہ میں دُنیا کے بہت سے ممالک کا دورہ کر چکے ہیں۔ پڑھے لکھے اور بڑے پُر جوش مقرر ہیں۔ دو سال ہوئے انہوں نے مجھے اپنے ایک جلسہ میں تقریر کے لئے بلایا تھا۔ اس کانفرنس کے آخری جلسہ میں مجھے بھی تقریر کے لئے موقعہ دیا گیا۔ تقریر کا عنوان منتظمین جلسہ نے خود ہی چُنا تھا۔

"دین اسلام عصر حاضر کے انسان کو کس طرح فائدہ پہنچا سکتا ہے۔"

کارپردازان کانفرنس کے لئے تمام جلسوں کی نوعیت تاریخی قسم کی تھی اس لئے تمام تقریروں کو ریکارڈ کرتے رہے اور جلسہ کے مقررین کی فلم بھی ساتھ ساتھ تیار کرتے رہے۔ شاید کسی وقت جا کر یہ پارلیمنٹ ایک فعال ادارہ بن جائے اس وقت تو ابتدائی حالات زیادہ امید افزا نہیں تھے۔ جلسوں کی حاضری ڈیڑھ سو دو سو افراد سے زیادہ نہ ہو سکی۔ پریس کے نمائندوں کے لئے ہال کی گیلری کا ایک حصّہ مخصوص تھا لیکن اکثر وہ خالی نظر آتا تھا دو چار نمائندے جو آتے تھے وہ حاضرین میں گھُل مِل کر بیٹھ جاتے تھے۔ صرف کانفرنس کے لیکچر سننے کی فیس پانچ پونڈ تھی۔ اس نے بھی لوگوں کو پرے پرے رکھا۔ بعد میں انہوں نے فیس کی شرط اُڑا دی تھی لیکن لوگوں کو اس کا علم نہ ہو سکا۔ منتظمین جلسہ کی ناتجربہ کاری نے بھی اس کانفرنس کو زیادہ کامیاب نہیں ہونے دیا۔

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام یو کے ٹرسٹ کی میٹنگ کے لئے جناب ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب اور جناب میاں فاروق احمد شیخ پاکستان سے اور جناب عزیز احمد صاحب ٹرنی ڈاڈ سے تشریف لائے تھے۔ تین ٹرسٹی انگلستان سے تھے۔ (خاکسار۔ مسز جمیلہ خان اور مسٹر محمد ہارون) ۳ر اکتوبر کو ٹرسٹ کی میٹنگ میں ٹرسٹ کی ایک انتظامیہ کمیٹی کا بھی انتخاب عمل میں آیا۔ ۴ر اکتوبر کو ٹرسٹ کے ممبروں نے انتظامیہ کمیٹی کے بعض ممبروں سے ملاقات کی اور انہیں ٹرسٹ کو چلانے کے پروگرام سے مطلع کیا۔ انتظامیہ کمیٹی کے ممبروں کے نام یہ ہیں:-

شیخ محمد طفیل (صدر) مسز جمیلہ خان (سیکرٹری) مسٹر محمد ہارون۔ محمد خالد اقبال۔ راس محمود۔ حمید چودھری۔ شاہد عزیز۔ عبدالسلام ملک۔ مجید علی۔ سعادت احمد۔ ناصر احمد اور مسز عبداللہ۔

جناب ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب جرمنی اور ہالینڈ کے دورے سے واپس انگلستان آئے۔ ۱۵ر اکتوبر کو ٹرنی ڈاڈ۔ گیانا۔ سرینام کے دورہ پر روانہ ہو گئے۔

مسٹر عزیز احمد صاحب صدر احمدیہ انجمن ٹرسٹ بھی واپس ٹرنی ڈاڈ جا چکے ہیں۔ آئندہ سال اگست کے آخر میں دوبارہ انگلستان واپس آئیں گے تاکہ یو۔کے ٹرسٹ کی کارگذاری کا جائزہ لے سکیں۔

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم ۲)

مکرم راجہ عبدالمجید صاحب چھکسی (ملتان)

# مولانا مولوی محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور کا مقام

## حضرت مرزا غلام احمد مجدد صد چہاردہم و مولانا نور الدین

## دنیا کے اخبارات اور غیر احمدی اکابرین اور مصنفین کی نظر میں

(بسلسلہ اشاعت مورخہ ۲۷ر اکتوبر ۱۹۷۶ء)

کے متعلق عرض کر دوں۔

(۱)۔ مولوی محمد علی صاحب کے متعلق ایک خط میں فرماتے ہیں:۔

"مجھے آپ پر بہت ہی نیک ظن ہے۔ اور اسی وجہ سے میں آپ کے ساتھ خاص محبت رکھتا ہوں۔ اگر آپ کی خدا تعالیٰ کے نزدیک نیک فطرت نہ ہوتی تو میرا اس قدر نیک ظن نہیں ہو سکتا تھا۔ ہرگز نہ ہوتا۔ مگر میں دلی جوش سے آپ سے محبت رکھتا ہوں۔ اور آپکے لئے اکثر پانچ وقت غائبانہ دعا کرتا ہوں۔"

(۲)۔ حضرت کو ایک روشن کشف میں دکھلایا گیا" فرماتے ہیں:۔

"پھر بعد اس کے ایک کتاب مجھے دی گئی۔ جس کی نسبت یہ تبلایا گیا کہ یہ تفسیر قرآن ہے۔ جس کو علی نے تالیف کیا ہے۔ اور علی اب وہ تفسیر تجھ کو دیتا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔"

(تذکرہ صفحہ ۲۱-۲۲)

(۳)۔ حضرت صاحب کا ایک الہام تذکرہ صفحہ ۶۰۶ پر فرماتے ہیں:۔

"رؤیا میں دیکھا کہ میں ایک گھوڑے پر سوار جا رہا ہوں۔ میرے ساتھ کچھ عورتیں بھی ہیں ......... مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم نے ایک چیز نکال کر مجھے بطور تحفہ دی ...... اور نالی کے آگے قلم لگا ہوا تھا۔ جس سے یہ قلم بغیر کسی محنت کے آسانی سے چلنے لگتا ہے۔ میں نے کہا یہ قلم میں نے نہیں منگوایا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ مولوی محمد علی نے منگوایا ہوگا۔ میں نے کہا میں مولوی محمد علی صاحب کو دے دوں گا۔"

حضرت نے خود ہی اس کی تعبیر بھی فرما دی۔ عورتوں سے مراد کمزور لوگ ہو سکتے ہیں۔ قلم سے مراد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولوی محمد علی صاحب کے دل میں ایسی طاقت پیدا کر دے کہ مخالفین کے رد میں اعلیٰ مضامین لکھیں۔

(۴) حضرت مسیح موعودؑ کا ایک اور رؤیا:۔

"مولوی محمد علی صاحب کو رؤیا میں دیکھا۔ آپ بھی صالح تھے اور نیک ارادہ رکھتے تھے۔ آؤ ہمارے پاس بیٹھ جاؤ۔"

(۵)۔ کسی نے خبر دی کہ مولوی محمد علی صاحب کو بخار ہے اور پلیگ نکل آئی ہے۔ حضرت صاحب فوراً مولوی صاحب کے کمرے میں گئے اور حضرت صاحب نے نہایت جذبے کے ساتھ فرمایا:۔

"اگر آپ کو طاعون ہو گئی تو میں جھوٹا ہوں اور میرا دعویٰ الہام غلط ہے۔"

گویا کہ مولوی محمد علی صاحب کو اپنی سچائی کا نشان ٹھہرایا۔

(۶)۔ ایک موقعہ پر مدرسہ تعلیم الاسلام کے متعلق لکھتے ہوئے فرمایا:۔

"ہماری غرض مدرسے کے اجراء سے صرف یہ ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم کیا جائے ......... مدرسے کو ضروری سمجھتا ہوں شاید دینی خدمت کے کام آئے۔ مشکل یہ ہے کہ جس کو ذرا بھی استعداد ہو جائے وہ دنیا کی طرف جھک جاتا ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ ایسے لوگ پیدا ہوں جیسے مولوی محمد علی صاحب کام کر رہے ہیں۔ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں اور وہ اکیلے ہیں ان کا ہاتھ بٹانے والا قائم مقام نظر نہیں آتا۔"

(۷)۔ **مزاج شناس امام** } حضرت صاحب کو اپنی تعلیم اور اپنے عقاید کو صحیح طور پر سمجھنے کے متعلق مولوی محمد علی صاحب پر جو اعتماد تھا اس کا اندازہ حضور کے اس ارشاد سے ہو سکتا ہے۔ حضرت نے "الحکم" اور "البدر" کے ایڈیٹروں کو کہا کہ [illegible] اخبارات میں چھاپنے سے پہلے مولوی محمد علی صاحب ایم اے کو دکھلا لیا کریں۔" (ڈائری ۲۰ر نومبر ۱۹۰۷ء۔ ملفوظاتِ احمدیہ جلد ہشتم صفحہ ۲۴۵)

(۸)۔ اخبار "الحکم" مورخہ ۱۷ر اگست ۱۹۰۷ء:۔

"یہ ایک حقیقت ہے اگر آج زمانہ اس سے آشنا نہیں تو ایک وقت آئے گا کہ اس سے پتا لگ جائے گا کہ یہ بزرگ" نوجوان مولوی محمد علی صاحب ایم اے ہیں۔ جس نے اسلام کی حمایت اور اس کی صداقتوں کے اظہار کے لئے ریویو آف ریلیجنز کے ذریعے اپنے قلم کا وہ سکہ ایشیا اور یورپ میں بٹھایا ہے کہ خود رسل ویب جیسے شخصوں اور ٹالسٹائے جیسے فلاسفروں نے تسلیم کیا کہ اسلام کا وہ فلسفہ جو اس رسالے میں ظاہر کیا گیا ہے وہ دل کو اطمینان دینے والا ہے ......... جناب مولوی محمد علی صاحب کا نام میں نے اس لئے پیش نہیں کیا کہ مسلمانانِ ہند اس مقصد کے لئے منتخب کریں یا ان کو چندہ بھیجیں۔ ان کو نہ ایسی ضرورت ہے نہ ایسی خواہش ... وہ خدا تعالیٰ کے مامور کے تحت نہایت اخلاص اور جوش سے سالہا سال سے اُن کی خدمت کر رہا ہے۔ خدا تعالیٰ نے ، ، توفیق دی تو وہ چپ چاپ یہ کام (قرآن کریم کا ترجمہ انگریزی زبان میں) کر کے دکھائے گا اور دنیا کو پتہ لگے گا کہ خدمتِ اسلام کا جوش کس طرح ظاہر ہوا کرتا ہے۔"

(۹)۔ حضرت صاحب کا ایک اور روشن کشف مولوی محمد علی صاحب کے۔ اپنے سلسلے کے اور خود اپنے متعلق حضرت صاحب نے ابو داؤد کی حدیث عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم یخرج رجل من وراء النھر یقال لہ الحارث حراث علیٰ مقدمۃ رجل یقال لہ منصور۔ کو اپنے اوپر لگایا ہے کہ یہ حارث در اصل اس اُمت کا مسیح ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"سو واضح ہو یہ پیشگوئی جو ابو داؤد کی حدیث میں درج ہے کہ ایک شخص حارث نام یعنی حراث ماوراء النھر یعنی سمرقند کی طرف سے نکلے گا۔ جو آلِ رسول کو تقویت دے گا ....... یہ پیشین گوئی اور مسیح کے آنے کی پیشین گوئی جو مسلمانوں کا امام اور مسلمانوں میں سے ہوگا۔ در اصل دونوں پیشین گوئیاں متحد المضمون ہیں اور دونوں کا مصداق یہی عاجز ہے۔"

پھر حدیث کے ان الفاظ علیٰ مقدمتہٖ رجل یقال لہٗ منصور کی تشریح یوں فرمائی:۔

"اور اس کے (یعنی حارث کے) لشکر یعنی جماعت کا سردار سرگروہ ایک توفیق یافتہ شخص ہوگا۔ جس کو آسمان پر منصور کے نام پر پکارا جائے

گا۔ کیونکہ خدا تعالےٰ اس کے خادمانہ ارادوں کا جو اس کے دل میں ہوں گے آپ ناصر ہوگا۔ اگرچہ اس منصور کو سپہ سالار کے طور پر بیان کیا گیا ہے مگر اس مقام میں کوئی ظاہری جنگ و جدل مراد نہیں بلکہ ایک رُوحانی فوج ہوگی جو اس حارث کو دی جاوے گی جیسا کہ کشفی حالت میں اس عاجز نے دیکھا کہ انسان کی صورت میں دو شخص ایک مکان میں بیٹھے ہیں۔ ایک زمین پر اور ایک چھت کے قریب بیٹھا ہے۔ تب میں نے جو شخص زمین پر تھا مخاطب کرکے کہا۔ کہ مجھے ایک لاکھ فوج کی ضرورت ہے۔ مگر وہ چُپ رہا۔ اور اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ تب مَیں نے اس دوسرے شخص کی طرف رُخ کیا۔ وہ چھت کے قریب آسمان پر تھا۔ اس سے مَیں نے مخاطب کرکے کہا کہ مجھے ایک لاکھ فوج کی ضرورت ہے۔ وہ میری بات سُن کر بولا ایک لاکھ نہیں پانچ ہزار سپاہی دیا جاوے گا۔ تب میں نے اپنے دل میں کہا اگرچہ پانچ ہزار تھوڑے آدمی ہیں۔ پر خدا تعالےٰ چاہے تو تھوڑے بہتوں پر فتح پا سکتے ہیں۔ اس وقت مَیں نے یہ آیت پڑھی کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله۔ پھر وہ منصور مجھے کشف کی حالت میں دکھلایا گیا۔ اور کہا خوشحال ہے خوشحال۔ مگر خدا تعالےٰ کی کسی حکمتِ خفیہ نے میری نظر کو اس کے پہچاننے سے قاصر رکھا۔ لیکن میں اُمید کرتا ہُوں کہ کسی دوسرے وقت دکھایا جائے گا۔"

(ازالہ اوہام صفحہ ۹۴-۹۵)

مولانا مرحوم کے متعلق حضرت اقدس کے الہام موجود ہیں کہ وہ متقی پرہیزگار اور دینداری میں اور شرافت کے ہر پہلو میں نہایت عمدہ انسان تھے۔ جن کے نمونہ کو حضرت صاحب نے پیروی کے لائق بتایا۔ جن کی تحریروں میں اللہ تعالیٰ نے برکت ڈالی تھی۔ جن کے متعلق اللہ تعالےٰ نے بذریعہ الہام بتلایا تھا کہ تفسیرِ قرآن علی نے تالیف کی ہے۔ جن کے متعلق حضرت کو بتلایا گیا تھا کہ مخالفین کے رَدّ میں اعلیٰ مضامین لکھیں گے۔ جو صالح اور نیک ارادہ رکھتے تھے۔ جن کو اپنی سچائی کا نشان ٹھہرایا۔ جس کا قائم مقام حضرت صاحب کو ساری جماعت میں نظر نہ آیا۔ جن کو دکھلائے بغیر حضرت صاحب کی تقریریں اور مضامین اخبار میں چھپ نہ سکتے تھے جن کے متعلق اللہ تعالےٰ اور رسولِ کریم صلعم نے بتلایا کہ آسمان پر منصُور کے نام سے پکارے جائیں گے۔ حضرت صاحب کے یہ سب فرمان مولانا مرحُوم کی عظمت پر ایک زبردست دلیل ہیں۔

ملاحظہ فرمائیں مولانا محمد علی صاحب مولانا نورالدین صاحب خلیفہ اوّل کی نظر میں از ڈائری حضرت مرزا یعقوب بیگ صاحب

(۱) ۹ر فروری ۱۹۱۴ء۔ آج رات ہم چند احباب حضور کو کھانا کھلا رہے تھے۔ آپ نے مجھے فرمایا:۔

"مولوی محمد علی سے پُوچھو مَیں کتنا قرآن جانتا ہوں۔ مولوی صاحب محنت کرکے صدہا صفحات لکھ کر لاتے ہیں۔ مگر اُن کو مختصر کرکے دیتا ہوں۔ بعض اوقات کہتے ہیں کہ آپ کی رائے تمام تحقیقات سے بالاتر ہے۔ پھر فرمایا مجھے مولوی صاحب نے بہت خوش کیا ہے۔ میرا دل باغ باغ ہوگیا ہے انہوں نے یاجوج اور ماجوج اور اصحابِ کہف، ذوالقرنین کی تحقیقات عجیب کی ہے۔ انسائیکلو پیڈیا چھان مارے کیا مسئلہ صاف کیا ہے۔" ۱۱ر فروری ۱۹۱۴ء

(۲)۔ حضرت مولوی محمد علی صاحب قرآن کریم کا ترجمہ سُنانے کے لئے حاضر ہُوئے تو ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

"تو بیا کہ زندہ مانم"

(۳) ۱۸ر فروری ۱۹۱۴ء: مولوی محمد علی صاحب قرآن کریم کے نوٹ سُنانے آئے۔ بعض آیات پر آپ نے مولوی محمد علی صاحب کو مخاطب کرکے فرمایا:۔

"تمہارا روز کا دیکھنا میری رُوح کی غذا ہے۔"

پھر فرمایا:۔

"مولوی صاحب تم مجھے بہت پیارے ہو۔ ایک کام کا معیار ملا ہے علم ہی علم ہے۔ تمہارا فضل ہے۔"

مولوی صاحب نے جواب میں فرمایا:۔

"یہ میری خوش قسمتی ہے کہ حضور کے خیالات کا ترجمہ کرسکوں"

حضرت نے فرمایا:۔

"سب خدا کا فضل ہے۔ جو ہُوا فضل جو ہوگا فضل"

پھر فرمایا:۔

"یہ ترجمہ یورپ، امریکہ، افریقہ، چین، جاپان، آسٹریلیا میں انشاءاللہ مفید ہوگا۔"

(۴)۔ ۲۲ر فروری ۱۹۱۴ء: اس روز طبیعت بہت بشاش تھی۔ مولوی محمد علی صاحب کے متعلق عرض کی گئی کہ قرآن شریف سُنانے کے لئے حاضر ہوئے ہیں تو پنجابی میں فرمایا:۔

"سر آنکھوں پر آئیں۔ قرآن سنائیں کوئی میرا دماغ تھکتا ہے"

اپنے پلنگ کی طرف اشارہ کرکے مولوی صاحب کو فرمایا:۔

"میرے پاس آجائیں"۔ فرمایا: "مجھ کو بہت پیارا ہے"

حضرت صاحب کی دوسری خواہش انگریزی ترجمہ و تفسیر کی تھی۔ مولوی محمد علی صاحب نے اس پر ۱۹۰۹ء میں کام شروع کیا اور ۱۹۱۷ء میں یہ ترجمہ و تفسیر چھپ کر اس کی اشاعت ولایت میں شروع ہوگئی تھی۔ ہندوستان میں آخر نومبر ۱۹۱۷ء کو اشاعت کے لئے پہنچی۔ یہ ترجمہ شائع ہونے کے بعد بے حد مقبول ہوا۔ تمام ہندوستان اور انگلستان کے اخبارات اور مدبّرین نے اس پر تعریفی ریویو لکھے اور اس ترجمہ اور تفسیر نے دنیا میں اوّل مقام حاصل کیا۔ ملاحظہ فرمایئے۔

(۱)۔ اخبار "کویسٹ" لنڈن:۔

"بے شک یہ ایک ایسی تصنیف ہے جس پر ایک عالم فاضل انسان فخر کر سکتا ہے۔"

(۲) اخبار "مدراس میل":۔

"مولانا محمد علی کا نام ہی اس ترجمہ کی عمدگی کا ضامن ہے۔ شاید ہی کوئی ترجمہ اتنے اعلےٰ پایہ کا ہوگا۔"

(۳) اخبار "ہندو" مدراس:۔

"اس کے مصنّف صحیح اور قابلِ اعتماد ترجمہ کے لئے مشہور ہیں کتاب کے مقدمہ میں اور تشریحی نوٹوں میں ایک علم کا خزانہ موجود ہے"

(۴) اخبار "یونائیٹڈ انڈیا" دہلی:۔

"نسلِ انسانی نے جو اَب تک تصنیف و تالیف کے میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں ان میں مولانا محمد علی کا انگریزی ترجمہ قرآن ایک نمایاں اور ممتاز حیثیّت رکھتا ہے۔"

(۵) اخبار "ایسٹ اینڈ ویسٹ" انگلستان:۔

"اس کتاب کی ترتیب انتہائی قابلِ تعریف ہے۔ اسلام کے مذہبی لٹریچر میں یہ ایک قیمتی اضافہ ہے۔"

(۶) اخبار "ٹائمز آف سیلون":۔

"اس تصنیف پر قابل مصنّف بجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔"

(۷)۔ "اخبار ایڈوکیٹ" لکھنؤ:۔

"ہم مولانا محمد علی کو مبارک باد دیتے ہیں کہ ان کا یہ ترجمہ سب تراجم سے بڑھ چڑھ کر ہے۔"

(۸) پادری زویمر اپنے مشہور مسیحی رسالہ "مُسلم ورلڈ" جولائی ۱۹۳۱ء صفحات ۲۸۴-۲۹۴ میں مولانا محمد علی صاحب، مسٹر پکتھال اور حافظ غلام سرور کے تراجم

کا مقابلہ کرتے ہوئے صاف صاف لکھتے ہیں: ــــ کہ
"مؤخرالذکر دونوں اصحاب اکثر مولانا محمد علی کے ترجمہ کا ہی اتباع کرتے ہیں اور معمولی الفاظ کا فرق رہ جاتا ہے۔ اور یہ کہ اس ترجمہ سے دونوں اصحاب نے کثیر استفادہ حاصل کیا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مولانا کا ترجمہ ایک نہایت وسیع مطالعے اور دقیق ریسرچ پر مبنی ہے اور اس رنگ میں باقی تراجم (ORIGINAL WORK) نہیں کہلا سکتے۔"

(۹) مولانا محمد علی جوہر مرحوم فرماتے ہیں: ــــ
"قریباً یہی وہ وقت تھا جبکہ ایک مشفق دوست نے ایک ایسا تحفہ ہمیں بھیجا جس سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ یہ قرآن کریم کا نسخہ تھا جو نہایت اعلیٰ درجہ پر چھپوایا گیا ہے اور اس کے ساتھ انگریزی زبان میں نہایت صحیح ترجمہ اور معلومات سے بھرے ہوئے نوٹ درج ہیں۔ جو کہ قرآن کریم کی تفسیر اور صحف یہود و نصاریٰ کے گہرے مطالعہ پر مبنی ہیں۔ یہ میرے ہم نام فاضل مولانا محمد علی لاہوری کا کارنامہ ہے۔"

(۱۰) مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی: ــــ
"مولانا محمد علی صاحب نے قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ کر کے اسلام کی جو مہتم بالشان خدمت سرانجام دی ہے اس کا اعتراف نہ کرنا سورج کی روشنی سے انکار کرنا ہے۔ اس ترجمہ کی بدولت نہ صرف ہزاروں غیر مسلموں نے اسلام کے دامن میں پناہ لی بلکہ ہزاروں مسلمان بھی اسلام کے زیادہ قریب آ گئے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں نہایت مسرت سے اعتراف کرتا ہوں کہ یہ ترجمہ ان چند کتابوں میں سے ہے جو چودہ پندرہ سال پہلے جب میں ظلمتوں اور دہریت کی گہرائیوں میں بھٹک رہا تھا۔ میرے لئے شمع ہدایت بن کر آئیں اور مجھے اسلام کا سیدھا راستہ سجھایا۔ کامریڈ والے محمد علی مرحوم بھی اس ترجمہ کے بہت شائق تھے۔ اور ہمیشہ اس کی تعریف کیا کرتے تھے۔"
(اخبار "سچ" ۲۵ر جون ۱۹۴۲ء)

(۱۱)۔ الحاج حافظ غلام سرور صاحب جنہوں نے قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ خود بھی کیا تھا، لکھتے ہیں: ــــ
"پچھلے تیس سال سے مولانا محمد علی نے اپنے آپ کو اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ ان کا انگریزی ترجمہ قرآن کریم صرف ایک ہی کتاب نہیں ہے جو اُنہوں نے لکھی ہو۔ مگر اس کی وجہ سے اُن کا نام قرآن کریم کی خدمت کرنے والوں میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ ۱۹۱۷ء سے جب سے یہ ترجمہ چھپا ہے اس کی قدر و قیمت بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ انگریزی زبان میں کوئی اور ترجمہ یا تفسیر قرآن ایسی نہیں جو مولانا صاحب کی اس معرکۃ الآراء تصنیف کا مقابلہ کر سکے۔"

(۱۲) لارڈ ایس ایچ لیڈر (انگلستان): ــــ
"آپ کی مذہبی کتاب کے اتنے اعلیٰ درجہ پر اور خوبصورتی کے ساتھ چھپنے پر میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں۔ اس کے اندر جو نور اور علم و فضل بھرا ہوا ہے اس کو دیکھا جاوے تو ہمارا دل آپ کی اتنی بڑی محنت کے لئے تشکر کے جذبات سے بھر جاتا ہے۔ یہ ترجمہ دُنیا کی مذہبی تاریخ میں ایک نئے دَور کی ابتداء ہے۔"

## حضرت مرزا صاحب کی تیسری خواہش!

مولانا محمد علی کو بلا کر کہا۔ کہ آپ ایک کتاب لکھیں جس سے یورپ اور امریکہ میں تبلیغ ہو۔ مولانا نے "ریلیجن آف اسلام" لکھ کر حضرت صاحب کی اس خواہش کو پُورا کیا ہے۔ اس کتاب کے متعلق بھی چند آراء پڑھئے: ــــ

(۱)۔ سر ایس۔ ایم۔ سلیمان چیف جسٹس: ــــ
"یہ کتاب نہایت جامع اور دقیق معلومات سے لبریز ہے۔ اس میں اسلامی فلسفہ، فقہ، معرفت الٰہی اور شریعت اسلامیہ پر نہایت مفصّل اور عالمانہ بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب مصنّف کی اعلیٰ قابلیت اور وسیع معلومات اور انتہائی محنت کا نتیجہ ہے۔"

(۲)۔ سر شفاعت احمد خان: ــــ
"یہ کتاب نہایت عالمانہ رنگ میں لکھی گئی ہے۔ اور فاضل مصنّف کی انتہا درجہ کی قابلیت اور نکتہ سنجی پر دلالت کرتی ہے۔ اس میں فاضل مصنّف نے اہم امورِ اسلامیہ پر کماحقہ روشنی ڈالی ہے اور ان کی تشریح کرنے میں کمال درجہ کی قابلیت کا ثبوت دیا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ اسلام کے متعلق یہ ایک مستند اور بے نظیر کتاب ثابت ہوگی۔"

(۳)۔ ڈاکٹر علامہ سر محمد اقبال صاحب: ــــ
"نہایت مفید کتاب ہے۔ اور مذہب کے مطالعہ کرنے والوں کے لئے ازبس ضروری ہے۔"

(۴) چوہدری شہاب الدین سپیکر پنجاب اسمبلی: ــــ
"اس میں تمام مسائل پر مفصّل اور قابلِ اعتبار معلومات درج ہیں۔ شروع سے آخر تک تمام اُمور پر بے نظیر فاضلانہ بحث کی گئی ہے کوئی پبلک یا پرائیویٹ لائبریری اس کتاب سے خالی نہ ہونی چاہیئے۔"

(۵) جسٹس سر عبدالرشید: ــــ
"یہ کتاب وسیع معلومات سے پُر ہے۔ بے نظیر ریسرچ کا کام کیا گیا ہے۔ ہر اختلافی مسئلہ پر تنقید کی گئی ہے"

(۶)۔ نواب بہادر یار جنگ حیدر آباد دکن: ــــ
"لاہور کی جماعت کے امیر مولانا محمد علی صاحب نے اسلام اور قرآن کریم کی جو خدمت کی ہے اس سے کون واقف نہیں۔ سب سے زیادہ میں ان کی انگریزی تالیف ریلیجن آف اسلام سے متاثر ہوا۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ موجودہ زمانہ کے رجحانات اور طریقۂ فکر و نظر کو پیش رکھ کر لکھی گئی ہے۔ میں اس کتاب کو مولانا کا ملّتِ اسلامیہ کے لئے بہترین تحفہ اور ناواقفانِ مذہب اسلام کے لئے نہایت باثر پیام تصوّر کرتا ہوں۔"

(۷)۔ اخبار ایسٹرن ٹائمز لاہور: ــــ
"بڑی مدّت سے یہ ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ اسلام پر کوئی مستند کتاب لکھی جاوے جو اس کے مفہوم اور مشن کو اچھی طرح واضح کرے اس قسم کی کتاب کی ضرورت اس لئے زیادہ تھی کہ جو لٹریچر اسلام کے متعلق غیر مذاہب مشنریوں کی طرف سے نکلتا ہے۔ اس میں عام طور پر اسلام کی غلط تصویر پیش کی جاتی تھی۔ اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے مولانا محمد علی صاحب نے سالہا سال کے تجربہ اور مطالعہ کے بعد یہ کتاب لکھی ہے۔ مصنّف نے اوّل سے آخر تک قرآن کریم اور حدیث اور دیگر مستند کتُب سے بکثرت حوالہ جات درج کرنے میں غیر معمولی محنت کی ہے اور اس طرح یہ کتاب گویا کہ اسلام کا انسائیکلو پیڈیا ہے۔"

(۸)۔ محمد مارماڈیوک پکتھال رسالہ اسلامک کلچر اکتوبر ۱۹۳۶ء: ــــ
"کسی زندہ انسان نے اسلام کی تجدید کے لئے لاہور کے مولانا محمد علی صاحب سے زیادہ قیمتی اور طویل خدمات انجام نہیں دیں۔ ان کے تصنیفی کارناموں کی وجہ سے تحریکِ احمدیت (لاہور) ایک خاص شہرت اور امتیاز کی مالک بن گئی ہے۔ میری رائے میں یہ کتاب ان کی سب سے اچھی تصنیف ہے۔ یہ اسلام کی تصویر ایک ایسے شخص کے قلم سے ہے جو قرآن و سنّت سے خُوب واقف ہے۔ جس کے دِل میں پچھلی پانچ صدیوں کے انحطاط کا درد ہے۔ اور جس

کے دل میں اس کی اُس نشأۃ ثانیہ کے لئے ایک اُمید ہے۔ جس کے آثار اَب چاروں طرف نظر آنے لگے ہیں۔"

مولانا محمد علی صاحب نے مولوی نورالدین صاحب کی خواہش کے مطابق اُردو ترجمہ و تفسیر ۱۹۱۸ء میں شروع کی اور تقریباً پانچ سال بعد یہ مکمل ہو گئی اور چھپ کر اشاعت کے لئے تیار ہو گئی۔

اب ملاحظہ ہو وہ نوٹ جو انگریزی قرآن کریم کی تفسیر کے متعلق تمہید میں مولوی محمد علی صاحب نے لکھا ہے اور بیان القرآن کے دیباچہ میں حضرت مسیح موعودؑ اور مولوی نورالدین صاحب کا ذکر کیا ہے۔

انگریزی تفسیر کی تمہید:—

"اس تفسیر کی بہترین باتیں اس زمانہ کے سب سے بڑے مذہبی رہنما حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے قلب سے میرے قلب میں آئی ہیں۔ اور میں نے سیر ہو کر اس چشمہ سے پانی پیا ہے۔

جو اس مصلح اعظم۔ مہدی و مجدد صدی چہاردہم بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے بہایا ہے۔"

دیباچہ بیان القرآن:—

"اگر قرآن کریم کی اس ناچیز خدمت میں مَیں نے سلف صالحین کی محنت سے بہت فائدہ اُٹھایا ہے مگر میری زندگی میں جس شخص نے قرآن کریم کی محبت اور خدمت کا شوق پیدا کیا وہ اس صدی کا مجدد حضرت مرزا غلام احمد قادیانی ہیں اور اس کے بعد فہم قرآن میں جس شخص نے مجھے اس راہ پر ڈالا وہ استاذی المکرم حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ ہیں اگر اس میں کسی کو کچھ خوشبو معلوم ہو تو وہ کسی اور کی پھونکی ہوئی رُوح ہے۔

جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

مجاہد کبیر صفحہ ۱۵۱ - ۱۵۲ پر مولوی محمد علی صاحبؒ کی ایک تحریر شائع ہوئی ہے جو اخبار پیغام صلح مورخہ ۷ر اپریل ۱۹۲۳ء میں چھپی تھی:—

"ختم قرآن - واما بنعمۃ ربک فحدث - ۲ر اپریل ۱۹۲۳ء دوشنبہ کا دن میرے لئے ایک بڑا ہی مبارک دن تھا کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے مجھے اُردو ترجمۃ القرآن ختم کرنے کی توفیق دی۔

............ مجھے یقین ہے کہ آج میری طرح نہ صرف اور بہت سے احباب کی رُوح کو لذت حاصل ہوئی ہوگی بلکہ مولوی صاحب مرحوم (مولوی نورالدین صاحب) کی رُوح اور پھر اس مقدس انسان کی رُوح جس نے یہ لکھا کہ **انگریزی ترجمہ و تفسیر کا شائع کرنے کا کام مجھ سے ہوگا یا اس سے جو میری شاخ ہے۔ اور یوں مجھے کھلے الفاظ میں اپنے ساتھ نسبتِ فرزندی دی** ۔ آج یقیناً ان کی رُوحوں کو بھی اس کام سے خوشی پہنچی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی بڑی بڑی برکات نازل کرے جنہوں نے مجھے اس راہ پر ڈالا اور مجھے اس کام کے قابل بنایا۔"

مولانا مرحوم نے ۱۹۰۲ء سے لے کر ۱۹۵۱ء تک بہت سی کتابیں لکھیں جن میں سے ۲۴ کتابیں ( ) دُنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ اس کے علاوہ ۸۷ رسالے اور ٹریکٹ ہیں۔ جو سارے کے سارے بین الاقوامی شہرت رکھتے ہیں۔

## خبرنامہ لندن — بسلسلہ صفحہ ۸

۱۶ر اکتوبر۔ لندن کے بلومزبری سنٹرل بیپٹسٹ چرچ میں ایک سروس منعقد ہوئی جس میں مختلف مذاہب کے نمائندوں نے حصہ لیا۔ اسلام کی ترجمانی کے فرائض میرے سپرد ہوئے۔ جلسہ کے بعد ویسٹ منسٹر ایبے کے ڈین ہم میں سے بعض احباب کو اپنے گھر چائے کے لئے لے گئے۔ ڈین صاحب لندن کے سب سے بڑے گرجا گھر کے سربراہ ہیں لیکن اپنے مزاج اور بود و باش میں بہت سادہ ہیں۔ ہم لوگ تو کار میں ان کے گھر پہنچے وہ اپنے سائیکل پر سوار ہو کر آئے۔ راستے میں اس کا پیڈل بھی اُتر گیا۔ ان کی اہلیہ کہنے لگیں کہ انہیں دیکھ کر کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ یہ سائیکل سوار ویسٹ منسٹر ایبے کا ڈین ہے۔

ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

## قرآن کریم کی تین اہم خصوصیات

(بسلسلہ صفحہ ۸)

اور وہ بھی ایسی نمایاں طور پر حضورؐ کو حاصل ہوئی کہ کوئی شخص بھی اس میدان میں حضورؐ کا مقابلہ نہ کر سکا۔ پس یہ صرف اس بات کو ثابت نہیں کرتا کہ حضورؐ کا تعلق خدا سے تھا بلکہ اس چیز کو بھی ثابت کرتا ہے کہ قرآن کریم فی الحقیقت خدا کی کتاب ہے جو وعدے اس میں اس کی پیروی کرنے والے کو دیئے گئے ہیں وہ سارے کے سارے سچے اور پیروی کرنے والے کے وجود میں پورے ہو سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو رمضان کی ان برکتوں سے بہرہ ور ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

## اخبار احمدیہ

(۱)۔ مکرم مولانا دوست محمد صاحب سابق ایڈیٹر پیغام صلح بیمار ہیں۔ اور اور کچھ کمزور بھی ہو چکے ہیں۔ وہ احباب سے دعا کی درخواست کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں شفائے کامل عطا فرمائے۔

(۲)۔ کراچی میں جناب انعام اللہ خاں صاحب یوسف زئی بیمار ہیں۔ احباب کرام ان کی شفایابی کیلئے بھی دُعا فرمائیں۔

(۳) **مظہر مُلتانی انتقال کر گئے** احباب جماعت کو یہ پڑھ کر بے حد دُکھ ہوگا کہ مظہر ملتانی جو گزشتہ چند ماہ سے علیل تھے ۳۱ ۱۰/۷۶ کو انتقال فرما گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ احباب جنازہ غائبانہ پڑھ کر دعائے مغفرت فرمائیں۔ مرحوم جماعت ربوہ سے دل برداشتہ ہو کر نکلے اور عمر بھر مفلوک الحالی کے باوجود اہل ربوہ کے خلاف لکھتے رہے۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ——— مورخہ ۱۰ر نومبر ۱۹۷۶ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ——— شمارہ نمبر ۴۵

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۳ | یوم چہارشنبہ ۲۴ ذی قعدہ ۱۳۹۶ھ ـ مطابق ۱۷ نومبر ۱۹۷۶ء | نمبر ۴۶

# مَلفُوظاتِ حضرت مجدّدِ صدِ چہاردہم علیہ السّلام

## اِنسان کے دِل میں خدا تعالےٰ کے قُرب کے حصُول کا ایک درد ہونا چاہیئے۔

خُدا تعالےٰ نے انسان کو اِس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ اس کی معرفت اور قُرب حاصل کرے۔ ماخلقت الجنّ والانس اِلّا لیعبدون جو اِس اصل غرض کو مدِّنظر نہیں رکھتا اور رات دن دُنیا کے حصُول کی فکر میں ڈوبا ہوا ہے کہ فلاں زمین خرید لوں۔ فلاں مکان بناؤں۔ فلاں جائداد پر قبضہ ہو جاوے تو ایسے شخص سے سوائے اِس کے کہ خُدا تعالےٰ کچھ دن مہلت دے کر واپس بُلا لے اور کیا سلوک کیا جاوے۔

انسان کے دِل میں خدا تعالےٰ کے قُرب کے حصُول کا ایک درد ہونا چاہیئے جس کی وجہ سے اس کے نزدیک وہ ایک قابلِ قدر شئے ہو جاوے گا۔ اگر یہ درد اس کے دل میں نہیں ہے اور صرف دُنیا اور اس کے مافیہا کا درد ہے تو آخر تھوڑی سی مہلت پا کر وہ ہلاک ہو جاوے گا۔ خدا تعالےٰ مہلت اس لئے دیتا ہے کہ وہ حلیم ہے لیکن جو اس کے حلم سے خود ہی فائدہ نہ اُٹھاوے تو اسے وہ کیا کرے۔ پس اِنسان کی سعادت اسی میں ہے کہ وہ اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ ضرور تعلق بنائے رکھے۔ سب عبادتوں کا مرکز دل ہے۔ اگر عبادت تو بجا لاتا ہے مگر دِل خُدا تعالےٰ کی طرف رجوع نہیں ہے تو عبادت کیا کام آوے گی۔ اِس لئے دِل کا رجوعِ تام اس کی طرف ہونا ضروری ہے۔ اَب دیکھو کہ ہزاروں مساجد ہیں۔ مگر سوائے اِس کے ان میں رسمی عبادت ہو اور کیا ہے؟ ایسے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت یہودیوں کی حالت تھی کہ رسم اور عادت کے طور پر عبادت کرتے تھے اور دِل کا حقیقی میلان جو کہ عبادت کی رُوح ہے ہرگز نہ تھا۔ اِس لئے خدا تعالےٰ نے ان پر لعنت کی۔ پس اس وقت بھی جو لوگ پاکیزگیٔ قلب کی فکر نہیں کرتے تو اگر رسم و عادت کے طور پر وہ سینکڑوں ٹکریں مارتے ہیں ان کو کچھ فائدہ نہ ہوگا اعمال کے باغ کی سرسبزی پاکیزگیٔ قلب سے ہوتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے قد افلح من زکّٰھا وقد خاب من دسّٰھا کہ وہی بامراد ہوگا جو کہ اپنے قلب کو پاکیزہ کرتا ہے اور جو اسے پاک نہ کرے گا بلکہ خاک میں ملا دے گا یعنی سفلی خواہشات کا اسے مخزن بنا رکھے گا۔ وہ نامراد رہے گا۔ اس بات سے ہمیں انکار نہیں ہے کہ خدا تعالےٰ کی طرف آنے کے لئے ہزارہا روکیں ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتیں تو آج صفحۂ دُنیا پر نہ کوئی ہندو ہوتا نہ عیسائی۔ سب کے سب مسلمان نظر آتے۔ لیکن ان روکوں کو دُور کرنا بھی خدا تعالےٰ کے فضل سے ہوتا ہے۔ وہی توفیق عطا کرے تو انسان نیک و بد میں تمیز کر سکتا ہے۔ اِس لئے آخر کار بات پھر اسی پر آ ٹھہرتی ہے کہ انسان اسی کی طرف رجوع کرے تاکہ قوّت اور طاقت دیوے۔

دُنیا میں جس قدر شورے نفس پرستی اور شہوت پرستی وغیرہ کے ہوتے ہیں اُن سب کا ماخذ نفسِ امّارہ ہی ہے لیکن اگر انسان کوشش کرے تو اسی نفسِ امارہ سے پھر وہ لوامہ بن جاتا ہے۔ کیونکہ کوشش میں ایک برکت ہوتی ہے اور اس سے بھی بہت کچھ تغیرات ہو جاتے ہیں۔ پہلوانوں کو دیکھو کہ ورزش اور محنت سے بدن کو کیا کچھ بنا لیتے ہیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ محنت اور کوشش سے نفس کی اصلاح نہ ہو سکے۔ نفسِ امّارہ کی مثال آگ کی ہے جو کہ مشتعل ہو کر ایک جوش طبیعت میں پیدا کرتا ہے جس سے انسانِ حدِ اعتدال سے گذر جاتا ہے لیکن جیسے پانی آگ سے گرم ہو کر آگ کی مثال تو ہو جاتا ہے اور جو کام آگ سے لیتے ہیں وہ اس سے بھی لے لیتے ہیں مگر جب اِس پانی کو آگ کے اُوپر گرایا جائے تو وہ اس آگ کو بجھا دیتا ہے۔ وہ وہی رہے گی۔ ایسے ہی اگر انسان کی رُوح نفسِ امارہ کی آگ سے خواہ کتنی ہی گرم کیوں نہ ہو مگر جب وہ نفس سے مقابلہ کرے گی اور اس کے اُوپر گرے گی تو اسے مغلوب کر کے چھوڑے گی۔

(تقریر حضرت مسیح موعود۔ ۳۰ ر دسمبر ۱۹۰۴ء)

# مکرم جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کا دورۂ بلادِ غیر

(مرتبہ محترم جناب سیکرٹری صاحب تبلیغ بلادِ غیر)

جیسا کہ احباب کو معلوم ہے ہمارے محترم بزرگ جناب ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب نائب صدر انجمن و چیئرمین کمیٹی تبلیغ بلادِ غیر حسب ایماء انجمن انگلستان، جرمنی، ہالینڈ اور جزائر غرب الہند کا دورہ فرما رہے ہیں۔ اس دورہ کی مفصل رُوداد تو حضرت ڈاکٹر صاحب موصوف کی واپسی پر احبابِ کرام کی خدمت میں پیش کی جائے گی لیکن اس کی مختصر کیفیت قارئین کی اطلاع کے لئے حسب ذیل پیشِ خدمت ہے :۔

ڈاکٹر صاحب محترم ۲۵ر جولائی کو لاہور سے کوئٹہ کے لئے روانہ ہوئے اور کچھ عرصہ اپنے فرزند گرامی میجر جنرل عبداللہ سعید صاحب کے پاس استراحت فرمائی اور یکم ستمبر کو کراچی سے انگلستان کے لئے روانہ ہوئے۔ دوران قیام کوئٹہ ڈاکٹر صاحب موصوف اپنے آپ کو پوری طرح صحت مند محسوس نہیں کرتے تھے اور اس لمبے سفر کے لئے طبیعت میں تذبذب تھا۔ تاہم انہوں نے اللہ تعالٰے کے بھروسہ پر انگلستان اور یورپ کے سفر کا ارادہ کر لیا اور وہ خصوصاً انگلستان اس لئے جانا چاہتے تھے کہ سال گذشتہ جماعت کی جو تنظیم انہوں نے قائم کی تھی اس کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لئے مزید سعی کریں اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام یُو کے ٹرسٹ کی میٹنگ میں بھی شامل ہو سکیں۔ نیز وہاں طبّی مشورہ بھی حاصل کریں اور اگر ڈاکٹروں نے اجازت دی تو ٹرسٹ کی میٹنگ کے بعد جزائر غرب الہند کا دورہ کریں ورنہ ہالینڈ و جرمنی سے ہوتے ہوئے پاکستان واپس تشریف لے آویں۔

انگلستان میں ایک ماہ کے قیام کے دوران موصوف نے نہ صرف پرانے روابط کو مضبوط کیا بلکہ نئے ممبروں سے بھی رابطہ قائم کیا اور انگلستان کی مقامی جماعت کی توسیع کے لئے سعی فرمائی۔ مولینا شیخ محمد طفیل صاحب اور مقامی احباب کی خواہش کے مطابق آپ نے عیدالفطر کی نماز احمدیہ ہاؤس میں پڑھائی اور ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ مورخہ ۱۳ر اکتوبر ۱۹۷۶ء کو ٹرسٹ کی میٹنگ ہوئی جس کے لئے پاکستان سے ڈاکٹر صاحب موصوف کے منجھلے صاحبزادہ ڈاکٹر عبدالکریم پاشا نے جو کینٹ (انگلستان) کے ہسپتال میں کام کرتے ہیں اپنے والد گرامی کے معاینہ کے لئے ڈاکٹروں کے بورڈ کا انتظام کیا اور بورڈ نے بفضلہ تعالٰے ڈاکٹر صاحب کی صحت کو تسلی بخش قرار دیتے ہوئے انہیں مغربی نصف کرّہ کے دورہ کی اجازت دے دی۔ اس تمام عرصہ میں ڈاکٹر صاحب موصوف ہر خط میں احباب سے دُعاؤں کی درخواست کرتے رہے اور احباب نے جمعہ اور درسِ قرآن کے اجتماعات کے علاوہ انفرادی طور پر بھی ان کے لئے بہت دعائیں کیں جن کے متعلق موصوف نے لکھا ہے کہ انہوں نے ان دُعاؤں کی تاثیر بخوبی محسوس کی ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

**جزائر غرب الہند** کی طرف روانگی وسط اکتوبر میں طے پائی اور اس سے قبل ڈاکٹر صاحب موصوف نے برلن اور ہالینڈ کا چھ دن کا دورہ فرمایا اور ۱۲ر اکتوبر کو واپس انگلستان پہنچ گئے۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ٹرنی ڈاڈ کا کنونشن ۱۷ر اکتوبر کو منعقد ہوا جس میں شمولیت کے لئے ڈاکٹر صاحب موصوف ۱۶ر اکتوبر رات گیارہ بجے جارج ٹاؤن (گیانا) پہنچے۔ ٹرنی ڈاڈ سے جناب مصطفٰے کمال اور محمد رفیق صاحبان بھی ان کے ہمراہ تھے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف اپنے تازہ خط میں لکھتے ہیں کہ گیانا میں انہوں نے اپنی زندگی کے مصروف ترین پانچ دن گذارے اور دن رات کے سفر کے علاوہ سولہ سترہ تقاریر خطبات اور مباحثات میں حصہ لیا۔ ۲۱ر اکتوبر کو جناب عزیز احمد صاحب بھی گیانا پہنچ گئے لیکن ایک اتفاقی حادثہ سے ان کی پیشانی پر چوٹ آگئی اور وہ تین روز صاحبِ فراش رہے (الحمد للہ اب وہ تندرست ہیں) گیانا میں جناب ایم بی یٰسین صاحب اور مقامی مبلغ جناب محمد رشید صاحب ڈاکٹر صاحب کی معاونت فرماتے رہے۔ خاتون مبلغ مسز صفورہ ضیاءالدین سے بھی ملاقات ہوئی۔ گیانا کے احباب سے ملاقات کے لئے انہیں مختلف مقامات کا دورہ کرنا پڑا۔ ایک سفر کی کیفیت ڈاکٹر صاحب محترم کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں :۔

"یہ ہمارا گیانا کے دورہ کا صعب ترین سفر تھا۔ چھوٹے ہوائی جہاز کے ذریعہ گئے۔ یہ مقام ایک جزیرہ پر واقع ہے جو ESCEBO COAST کہلاتا ہے لیکن واپسی بذریعہ کشتی ہوئی۔ اور دوسرے جزیرہ VIKANAAM پر راستہ میں دو گھنٹہ تقریر کے لئے اور دوستوں کی ملاقات کے لئے ٹھہرنا تھا۔ چنانچہ کافی مشکلات کے بعد ½۳ بجے شام کو جارج ٹاؤن پہنچے اور رات ½۸ بجے ایر پورٹ پر سرینام کے لئے گئے۔ ہوائی جہاز جس پر جانا تھا خراب ہو گیا اور رات ½۱۲ بجے تک انتظار کے بعد دوسرا جہاز ملا اور ½۱ بجے یعنی آدھی رات کے بعد پارا ماریبو کی ایر پورٹ پر پہنچے۔ گیانا سے یٰسین صاحب اور حاجی عبدالرحمٰن صاحب بھی ہمراہ ہو گئے۔ ایر پورٹ پر کثرت سے لوگ مرد و زن رات بھر سے انتظار کر رہے تھے تعداد سو سے کچھ زائد ہی ہو گی۔ جس عقیدت و محبت کا اظہار انہوں نے کیا وہ عدیم المثال ہے۔ اب ۲۴ر اکتوبر کی صبح تھی اتوار کا دن تھا۔ دس بجے ایک ہال میں تقریر کے لئے پانچ چھ سو سے زیادہ لوگ جمع تھے۔ تھوڑا آرام ملا، پھر یہ سلسلہ شروع ہوا۔ اس تقریر میں اور بعد کی تین تقریروں میں جو کچھ ہوا وہ بجز تائید الٰہی کے مجھ ناکارہ سے کیسے ہو سکتا تھا۔ ہر موقع پر پہلے سے زیادہ تعداد میں لوگ جمع ہوتے رہے اور اللہ تعالٰے نے عجیب اثر یہاں کے لوگوں کے قلوب میں پیدا فرمایا۔ کل رات ایک خاص BUSINESS MEETING یہاں کے ایک لیڈر ڈاکٹر کرامت علی کے مکان پر بلائی گئی۔ اس میں بھی احمدیت کے متعلق ڈیڑھ گھنٹہ میں نے ایک بیان دیا۔ کچھ مخالفین بھی تھے۔ حضرت صاحب پر اعتراضات کئے۔ اس کا پہلے سے علم ہونے کی وجہ سے میں نے اپنی تقریر میں ہر پہلو پہلے ہی واضح کر دیا تھا۔ زیادہ گنجائش نہ تھی۔ پھر بھی انہوں نے زہر اُگلا۔ صرف دو اشخاص نے۔ لیکن بحیثیت مجموعی جماعت کو تقویت حاصل ہوئی۔ یہاں کی مساجد جماعتوں اور عمائدین کے متعلق جو پوزیشن اب سامنے آئی ہے یہ پہلے نہ تھی۔"

سرینام سے ڈاکٹر صاحب موصوف یکم نومبر کو واپس ٹرنی ڈاڈ پہنچے اور ۶ر نومبر کو شکاگو (امریکہ) روانہ ہوئے۔ امریکہ کے دورہ کی تفصیلات آئندہ کسی اشاعت میں ہدیہ قارئین کرام کی جائیں گی۔ احباب سے درخواست ہے کہ وہ ڈاکٹر صاحب موصوف کی کامیابی، بحالی صحت اور بخیر مراجعت کے لئے مزید دُعا فرمائیں۔

---

## جلسہ سالانہ ۱۹۷۶ء کی تاریخیں
## ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶ر دسمبر مقرر ہوئی ہیں

شمولیت جلسہ کے لئے ابھی سے تیاری شروع فرمادیں۔
۲۳ر دسمبر کو مستورات کا جلسہ ہو گا۔
مفصّل پروگرام آئندہ اشاعت میں دیا جائے گا۔

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مؤرخہ ۱۷ نومبر ۱۹۷۶ء

# اعتراف حقیقت

"آج ہمارے معاشرے میں جھوٹ - فریب - رشوت - بدعنوانی بے اخلاقی، لوٹ کھسوٹ کی حد تک نفع اندوزی - شراب - بدکاری - سمگلنگ، چوربازاری - عریانی و فحاشی ایسی لعنتیں فروغ پا چکی ہیں ہم نام کے مسلمان ہیں لیکن ہمارے اعمال زندیقوں اور دہریوں سے بھی بدتر ہیں - گناہ اور برائی اجتماعی کردار بنتی جا رہی ہے - غیر اسلامی افکار و نظریات - بھونڈی اور مکروہ اقدار کی پرورش ہے اور بعض اوقات یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم تباہی کی جانب بگٹٹ دوڑے جا رہے ہیں اور وہ دن دور نہیں جب ہم ماضی کی گمراہ قوموں کی طرح کسی عذاب سے دوچار ہو جائیں گے۔"

(نوائے وقت ۹ راکتوبر ۱۹۷۶ء)

یہ ہے وہ خراج تحسین جو "نوائے وقت" نے ان شاندار الفاظ میں اپنے "مسلمان" بھائیوں کو پیش کیا ہے جن کی متحدہ کوششوں کے نتیجہ میں ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو لاکھوں کلمہ گوؤں کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیا گیا اور اس پہ ہفتہ تشکر منایا گیا - اسی نوائے وقت نے جو آج اپنی قوم کے ان غیر اسلامی اعمال کا رونا رو رہا ہے اس سے بھی بڑھ کر پُرشوکت الفاظ میں اپنی قوم کی ان خدمات کو سراہا - بڑے لمبے چوڑے مقالے شائع کئے اور یہ بھی لکھا کہ "جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا" - حق اور باطل ایک دوسرے کی ضد ہیں - اگر حق یہی ہے جس کا نقشہ خود آج نوائے وقت نے اپنے الفاظ میں کھینچا ہے تو وہ باطل یقیناً اس کا الٹ ہونا چاہیئے جس کے بقول ان کے ہلاک ہونے پر وہ آج تک خوشیاں منا رہے ہیں - یہ مقام شکر ہے کہ ان مسلمانوں نے جن کے اپنے افعال و کردار کی یہ تصویر ہے ہمیں اپنے آپ سے علیحدہ کر کے رسول کریمؐ کی اس حدیث پر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ مسلمان تہتر فرقوں میں بٹ جائیں گے - سارے فرقے مل کر ایک فرقہ کے خلاف کفر کا فتوٰے دیں گے لیکن وہی فرقہ نجات یافتہ ہوگا - ہم نہ اپنے آپ کو ناجی سمجھتے ہیں اور نہ ہی ہمارے دل و دماغ کے کسی گوشے میں یہ وہم و گمان ہے کیونکہ نجات کا دار و مدار کسی ایک خاص فرقہ میں شامل ہونے پر نہیں بلکہ اعمالِ صالحہ پر ہے لیکن ان لوگوں نے اپنی کوشش سے ہمیں اس زمرہ میں ضرور شمار کرا دیا ہے ہماری تو یہ دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ ہمیں اس گروہ میں کرے تاکہ جب ہم روزِ قیامت داورِ محشر کے سامنے اپنے نامہ ہائے اعمال لے کر پیش ہوں تو وہ اور اس کے رسول ہم سے راضی اور خوش ہوں - اور ہمارے رسولؐ کو اللہ تعالےٰ کے سامنے ہماری بد اعمالیوں کی وجہ سے شرمندہ نہ ہونا پڑے -

یہ بھی ایک ناقابلِ تردید تاریخی حقیقت ہے کہ جو قوم اللہ تعالےٰ سے منہ موڑ کر نفسِ امّارہ کے سامنے سربسجود ہو جاتی ہے اللہ تعالےٰ اس کی صف لپیٹ دیتے ہیں ہی انسانیت کی بھلائی سمجھتا ہے اور وہ ایسی نیست و نابود ہو جاتی ہے کہ اس کا نشان تک باقی نہیں رہتا اور اگر کچھ رہتا بھی ہے تو صرف عبرت کے طور پر - کوئی گناہ اور جرم ایسا نہیں جو اس مسلمان قوم میں نہ پایا جاتا ہو - اس لئے اس کی تباہی یقینی ہے - لیکن اس سلسلہ میں اللہ تعالےٰ کا ایک قانون اور سنّت بھی ہے - اور وہ یہ کہ :-

"اگر لوگوں کو اس پر پکڑتا جو وہ کرتے ہیں تو اس کی پیٹھ پر کوئی جاندار نہ چھوڑتا لیکن وہ انہیں ایک وقت مقررہ تک مہلت دیتا ہے سو جب ان کا وقت آئے گا تو اللہ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے" (فاطر - ۴۵)

اس سے پہلے کہ وہ اُن کو پکڑے وہ ان کے پاس اپنی طرف سے کوئی نہ کوئی ڈرانے والا ضرور بھیجتا ہے - کیونکہ وہ فرماتا ہے کہ :-

"ہم جب تک کسی قوم کے پاس کوئی رسول نہ بھیجیں ہم عذاب نہیں دیتے (بنی اسرائیل - ۱۵)

وہ اس لئے :

"تاکہ تمہارے ربّ کے سامنے معذور رہوں اور شاید کہ وہ بچیں - (الاعراف - ۱۶۴)

جب تک کوئی ایسا نذیر نہیں آتا وہ انتظار میں رہتے ہیں اور :-

"اللہ کی قسمیں کھاتے (ہیں) بڑے زور کی قسمیں کہ اگر ان کے پاس ڈرانے والا آئے تو وہ قوموں میں سے ہر ایک سے بڑھ کر ہدایت والے ہوں گے" "پھر جب ان کے پاس ڈرانے والا آتا (رہے) تو وہ اس سے تکبر کرتے ہوئے اور تدبیر کرتے ہوئے دُور بھاگتے ہیں مگر بُری تدبیر کرنے والوں پر ہی بُری تدبیر کا وبال ہوتا ہے" (فاطر - ۴۲-۴۳)

پہلی اُمتوں میں رسول اور انبیاء بطور نذیر تشریف لاتے رہے لیکن آنحضرت صلعم کے خاتم النبیین ہونے کی وجہ سے آپ ہی کے ارشاد کے مطابق اس اُمّت کے لئے مجددین کا سلسلہ بطور نذیر قائم ہوا - اس چودھویں صدی میں جب حضرت مرزا صاحب اسی سلسلہ کی ایک کڑی کی صورت میں تشریف لائے تو انتظار کرنے والوں اور بڑی بڑی قسمیں کھانے والوں نے اتنا شدت سے مخالفت کی کہ آپ کی زبان سے الہاماً یہ الفاظ ادا ہوئے :-

"دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہیں کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا"

آج اپنے ایک ایک گناہ کو شمار کر کے یہ کہنا :-

"کہ ہمارے اعمال زندیقوں اور دہریوں سے بھی بدتر ہیں" (اور)

"ہم ماضی کی گمراہ قوموں کی طرح کسی عذاب سے دوچار ہو جائیں گے"

اسی مجددِ وقت کے انکار کا اعتراف ہے - کیونکہ خدا کے فرستادے اللہ تعالےٰ سے تعلق قائم کرانے کے لئے تشریف لاتے ہیں اور جو لوگ ان کا انکار اور مخالفت کرتے ہیں وہ خدا سے دُور ہوتے جاتے اور اس دُوری کی وجہ سے زندیق اور دہریئے ہو جاتے ہیں - یہ غور و فکر کی بات ہے کہ جو زندیق اور دہریئے ہوں وہ تو خدا ہی کے منکر ہوتے ہیں "ختم نبوت کے تحفظ" سے ان کا کیا تعلق اور جو خود اس کے قائل نہیں وہ دوسروں کو "منکرین ختم نبوت" کا الزام دینے کے کس اخلاق اور آئینی ضابطے کے تحت مستحق ٹھہرتے ہیں -

"آج ہم ان کے مونہوں پر مُہر لگا دیں گے - اور ان کے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے اور اُن کے پاؤں اس کی گواہی دیں گے جو وہ کماتے تھے -" (یٰس)

دیکھئے کس طرح وہ زبانوں سے تو اقرار نہیں کرتے لیکن ان کے قلموں سے جنہیں وہ اپنے ہاتھ میں پکڑ کر لکھتے ہیں یہ شہادت نکل رہی ہے - ایک دن وہ بھی آئے گا اگر یہ نہیں تو ان کی نسلیں اپنے پاؤں سے چل کر اس مقام تک پہنچیں گی جہاں اس دُنیا اور زمانے کا ستایا ہوا عظیم الشان انسان مدفون ہے اور یہ اقرار کرنے پر مجبور ہو جائیں گی کہ ہمارے اسلاف نے آپ پر نہیں بلکہ اپنی جانوں پر اور ہمارے اُوپر ظلم کیا - یہ الفاظ آج اس شخص کے قلم سے نکل رہے ہیں جس کی احمدیت کے خلاف ستم رانیوں اور زہر چکانیوں کی داستان اس کے اپنے

ہی روز نامے کے صفحات میں محفوظ ہے۔ اور جس نے اسے اسلام کی بڑی خدمت اور اپنے لئے بڑی سعادت سمجھا کہ جھوٹ لکھ کر لوگوں میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکائے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے کہ :

"جب انہیں کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو، کہتے ہیں ہم ہی تو اصلاح کرنے والے ہیں"۔

آج یہ اصلاح کرنے والے اپنے اعمالِ شنیعہ کا آپ ہی ماتم کر رہے ہیں ۔

یہ آواز اس وقت پاکستان کے ہر کونے اور زبان سے نکل رہی ہے۔ تین چار روز ہی کی بات ہے کہ "شام ہمدرد" کی ایک تقریب میں پروفیسر محمد عثمان صاحب نے "پاکستان میں اخلاقی اقدار کا احیاء" کے موضوع پر ایک مقالہ پڑھا۔ مقالے کے موضوع کے الفاظ سے ہی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان میں اخلاقی اقدار مر چکی ہیں۔ اور اب ان کے دوبارہ زندہ کرنے کی تدبیریں زیرِ غور ہیں۔ پروفیسر صاحب موصوف نے یہ تین تجویزیں پیش کی ہیں (۱) تعلیم کو تربیت کا نظام بھی بنایا جائے (۲) سیاسی قیادت کا عمل قابلِ رشک ہو۔ (۳) مذہبی جوش و خروش ۔ اس کے بعد بڑی مایوسی سے یہ فرمایا ہے کہ :۔

"ہم میں شاہ ولی اللہؒ اور علی ہجویریؒ اب پیدا نہیں ہو سکتے تو یہ دعا مانگیں گے کہ ایک ماہر تعلیم ہی ہمیں مل جائے"۔

پروفیسر محمد عثمان صاحب عالم ہیں ۔ فاضل ہیں اور ایک ماہر تعلیم بھی کیونکہ جس شخص کے نام کے ساتھ لفظ "پروفیسر" ہو اسے اپنے شعبۂ علم میں اگر حرفِ آخر نہیں تو ماہر ضرور تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس لئے انہوں نے یہ تجاویز بڑے غور و فکر کے بعد ہی پیش کی ہوں گی لیکن ہم انہی کے مقالے کے الفاظ کے مدِّنظر یہ عرض کریں گے کہ جس معاشرے میں اخلاقی اقدار مر چکی ہیں اور انہیں زندہ کرنے کی ضرورت پر وہ زور دیتے ہیں آخر تعلیم دینے اور تربیت کرنے والے ۔ سیاسی قیادت اور مذہبی پیشوا بھی اسی معاشرے کے افراد ہوں گے جس میں خود یہ اقدار دم توڑ چکی ہیں تو وہ دوسروں میں انہیں زندہ کرنے کے لئے کیا اور کیسا نمونہ پیش کر سکیں گے کہ ان کے زیرِ اثر لوگوں میں یہ اقدار دوبارہ زندہ ہو جائیں۔ کیا بقول "نوائے وقت" جن لوگوں کے اعمال زندیقوں اور دہریوں سے بھی بدتر ہیں اور تعلیم و تربیت دینے والے ۔ سیاسی رہنما اور مذہبی پیشوا بھی انہی لوگوں میں سے ہوں گے وہ عوام کے سامنے اللہ تعالٰے کی ہستی کا تصور اور اس تصور سے جنم لینے والی روحانی اور اخلاقی اقدار پیش کر سکیں کیونکہ اخلاقی اقدار روحانی اقدار سے جنم لیتی ہیں اور روحانی اقدار میں بنیادی قدر اللہ تعالٰے کی ہستی پر محکم ایمان ہے جس میں کسی بھی شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو۔ ایک زندیق اور دہریہ جو خود عملاً اس کی ہستی کا منکر ہے دوسروں کو کیا قائل کرے گا۔ اور یہ جب بنیادی قدر ہی سرے سے مفقود ہو تو یہ توقع کرنا کہ بغیر اس کے معاشرہ زندہ ہو جائے گا احمقوں کی جنت میں رہنے کے مترادف ہے ۔

پروفیسر صاحب کا یہ کہنا کہ "شاہ ولی اللہؒ اور علی ہجویریؒ اب پیدا نہیں ہو سکتے تو یہ دعا مانگیں ، کہ ایک ماہر تعلیم ہی ہمیں مل جائے" بھی دبی زبان میں دہریت کی تبلیغ ہے اور سراسر قرآنی وعدوں کے خلاف ہے۔ شاہ ولی اللہ آتے رہے ہیں اور آتے رہیں گے ۔ اگر ایسا نہیں ہوتا رہا اور نہ ہوتا رہے گا تو خدا۔ اس کے رسولوں اور ان کی کتابوں کا سارے کا سارا سلسلہ عبث اور بے ثبوت ٹھہرتا ہے۔ اللہ تعالٰے فرماتا ہے :۔

"اور جو لوگ ہمیں پانے کے لئے جد و جہد کرتے ہیں یقیناً ہم انہیں اپنی معرفت اور شناخت کے راستے بتا دیتے ہیں"

اس لئے کہ "اللہ یقیناً نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے" (۲۹-۶۹)

اس کی مثال ہمیں خود آنحضرت صلعم کی زندگی میں ملتی ہے جب آپؐ ابھی مقامِ نبوت پر مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ "تجھے طالب پایا تو ہدایت دی" (۹۳:۷) اللہ تعالٰے کی معرفت حاصل کرنے کے بعد آپ فرماتے ہیں :۔

"یہ میرا راستہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور جو میری پیروی کرتے ہیں یقین پر قائم ہیں۔ اور اللہ سب نقصوں سے پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں سے نہیں ہوں"

(۱۲ : ۱۰۸)

اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ بھی آپؐ کی اتباع کرتے ہیں انہیں اللہ تعالٰے کی ہستی پر ایک ایسا یقین حاصل ہو جاتا ہے جیسا کہ وہ اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھ لیتے ہیں ۔ ایسے لوگ اللہ کے محبوب ہو جاتے ہیں اور یہ شانِ محبوبیت انہیں آنحضرت صلعم کے نقشِ قدم پر چلنے سے ہی حاصل ہوتی ہے :

"کہہ اگر تم اللہ سے محبت کے خواہاں ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا"

اس محبت کی وجہ سے بندہ اللہ کا محب اور اللہ اس کا ولی ہو جاتا ہے :۔

"وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ ہمارا رب ہے پھر سیدھی راہ پر لگے رہتے ہیں ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ تم نہ ڈرو اور نہ غمگین ہو ......... ہم دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں تمہارے ولی ہیں اور تمہارے لئے اس میں سب کچھ ہے جسے تمہارے دل چاہیں اور تمہارے لئے اس میں ہے جو تم مانگو۔ مہمانی بخشنے والے اور رحم کرنے والے کی طرف سے" (۴۱:۳۰)

اور بخاری شریف کی یہ حدیث اس کی مصدق ہے (ترجمہ) :۔

"جب میرا بندہ نوافل میں میرے آگے گرتا ہے تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے"۔ (بخاری کتاب الرقاق۔ باب التواضع)

یہ بندہ اپنے کانوں سے وہ آوازیں سنتا ہے جو دوسرے نہیں سن سکتے اور اپنی آنکھوں سے بحالت خواب یا بیداری ایسے نظارے دیکھتا ہے جو دوسرے نہیں دیکھ سکتے اور اس کے قلم سے علوم کے ایسے چشمے بہتے ہیں جو لب ہائے تشنہ کو سیراب کرتے اور دل و دماغ کو وسعت اور روشنی بخشتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے یہ اُمت کبھی خالی نہیں رہی اور جب تک دنیا قائم ہے نہ رہے گی ۔ یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جو خدا کو دیکھتے اور دکھا دیتے ہیں اور انہی کے وجود سے روحانی اور اخلاقی قدریں فروغ پاتی ہیں ۔ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا ماہر تعلیم جو اس روشنی سے محروم ہو ان قدروں کو زندہ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا ہاں جو لوگ ایسے انسانوں کو شناخت نہیں کر سکتے اور نہ خود اس مقام سے آشنا ہوتے ہیں وہ بصیرت سے محروم ہوتے ہیں اور اس طرح وہ آنحضرت صلعم کے متبعین میں شمار نہیں ہو سکتے۔ اس کا نتیجہ زندیقی اور دہریت ہی ہو سکتا ہے ۔

پروفیسر صاحب کے اس مقالہ پر اظہار رائے کرتے ہوئے اس تقریب کے صدر ڈاکٹر ایس ایم زمان صاحب وائس چانسلر پیپلز اوپن یونیورسٹی نے فرمایا :۔

"ہمیں کسی ولی اللہ کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے جب کلام پاک میں واضح ہے کہ ہدایت ہے ان لوگوں کے لئے جو متقی ہیں"

ڈاکٹر زمان ڈاکٹر ہیں اور ایک جامعۃ العلوم اور دانش گاہ کے سربراہ ہیں جو در و دیوار میں مقید نہیں آخر انہیں معلوم ہی ہوگا کہ کسی سائنسی یا علمی و ادبی موضوع پر تحقیق اور ریسرچ کے لئے موضوع سے متعلق لٹریچر۔ سابق محققین کے نظریات و افکار اور ایک ماہر گائیڈ یا رہنما کی ضرورت ہوتی ہے جو اس سلسلہ میں پیش آمدہ دقتوں کے دور کرنے اور مسائل کو حل کرنے میں صحیح صحیح رہنمائی کر سکے اور متوقع نتائج حاصل ہو سکیں۔ کسی پیچیدہ مرض کے علاج کے لئے اس مرض کے سپیشلسٹ کی تلاش

کیا جاتا ہے اور کوئی مشکل مقدمہ جیتنے کیلئے ایک ماہر قانون کی جستجو ہوتی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ روحانی امراض کے علاج کے لئے کسی ماہر روحانی طبیب کی ضرورت محسوس نہ ہو۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن پاک "ہدایت ہے ان لوگوں کے لئے جو متقی ہیں" لیکن اگر ڈاکٹر صاحب کی نظر اگلی آیت پر پڑتی جس میں متقیوں کی تعریف کی ہے جو شروع ہی یہاں سے ہوتی ہے "الذین یؤمنون بالغیب" "وہ لوگ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں"۔ ہم یہاں "الغیب" سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات کو لیتے ہیں کیونکہ اس کی ذات غیب در غیب۔ نہاں در نہاں اور وراء الورائی ہے۔ اور یہی تمام روحانی اور اخلاقی اقدار کی بنیادی قدر ہے اگر اس پر یقین ہو جائے تو پھر نماز بھی قائم ہو سکتی ہے۔ خرچ بھی کیا جا سکتا ہے۔ تمام رسولوں اور کتابوں پر بھی ایمان لایا جا سکتا ہے اور یوم آخرت پر بھی یقین ہو سکتا ہے۔ پاکستان میں کیا ساری دنیا میں اخلاقی اقدار کے مٹنے کی وجہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی پر یقین نہیں۔ اگر یہ یقین ہوتا تو آج اس کا ماتم نہ کیا جاتا۔

بے شک قرآن کریم بھی موجود ہے اور سنتِ رسول بھی لیکن یہ بھی رسولِ کریم نے ہی فرمایا ہے کہ :۔

"اے لوگو علم کے قبض ہونے یا علم کے اٹھائے جانے سے پہلے کچھ علم حاصل کر لو پوچھا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علم کیونکر اٹھ جائے گا حالانکہ یہ قرآن شریف ہمارے درمیان موجود ہے تو رسول اللہ صلعم نے جواب دیا کہ تیری ماں تجھے گم کرے کیا تو نہیں جانتا کہ یہودی اور نصرانی باوجودیکہ صحیفے ان میں موجود ہیں لیکن پھر بھی ان کو اس تعلیم سے ذرہ بھی تعلق نہیں ہے جو تعلیم ان کے انبیاء لائے تھے۔ خبردار یاد رکھو کہ علم کے چلے جانے سے مراد یہ ہے کہ علم پر عمل کرنے والے نہیں رہیں گے۔ اس جملہ کو تین دفعہ فرمایا۔"

کیا آج واقعات اس کی تصدیق نہیں کر رہے۔ خود ڈاکٹر زمان صاحب نے بھی بڑے تاسف سے یہ فرمایا ہے کہ :۔

"ہمارے علماء اور ان کی اقتداء میں نماز پڑھنے والے سب اگر فکری اور عملی تطہیر سے اپنا رابطہ رکھیں تو بات بنتی ہے"

بات بگڑی ہی یہاں سے ہے کہ وہ خدا کی ہستی پر یقین نہیں رکھتے۔ نہ ان کا اپنا اس سے تعلق ہے نہ وہ اوروں کا تعلق اس سے قائم کر سکتے ہیں۔

طب اور قانون کی کتابیں بازار میں عام ملتی ہیں ایک تعلیمیافتہ آدمی کو کسی ماہر اور ماہر قانون کے پیچھے بھاگنے اور بھاری فیسیں ادا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ خود ہی ان کتابوں کو پڑھ کر کیوں نہ اپنا علاج کر سکتا ہے اور نہ اپنا مقدمہ لڑ سکتا ہے۔ اگر آپ فٹ پاتھ پر بیٹھنے والے کسی QUACK کے پاس علاج کے لئے جائیں گے تو موت کو اپنی دہلیز پر منتظر پائیں گے۔ کیا یہ ضرب المثل ہمارے سامنے نہیں کہ نیم حکیم خطرہ جان اور نیم ملّا خطرہ ایمان۔

"شاہ ولی اللہ" کا انتظار ہمیشہ سے رہا ہے اور رہے گا۔ مصیبت میں نجات دہندہ کی ہمیشہ راہ تکی جاتی ہے۔ پاکستان میں کروڑوں مسلمان تھے۔ قائد اعظم کو لندن سے مسلم لیگ کی قیادت سنبھالنے کے لئے کیسی منت و سماجت سے بلایا گیا۔ آج بھی "مسلمان" اپنی نجات کے لئے عیسیٰ ابنِ مریم کی آمد کے منتظر ہیں۔ چودھویں صدی میں لوگ عیسیٰ، مہدی اور مجدد کی آمد کے جس شدت سے منتظر تھے وہ علیگڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ میں شائع ہونے والی ایک نظم کے اس شعر سے عیاں ہے :۔

یا خاتم الائمہ بفریادِ ما برس
بہر خدا و جد کبارت صواب کن

ترجمہ: اے آخری امام اور اپنے جدِ بزرگوار کے واسطے سے ہماری فریاد کو پہنچ اور نیکی بجا لا۔

گرمی کی شدت سے جب چرند و پرند اور انسان مضطرب و بے کل ہوتے ہیں اور زمین پر ایک موت کا سا عالم طاری ہوتا ہے تو نماز استسقا کی صورت میں بارش کے لئے دعائیں مانگی جاتی ہیں کیونکہ پانی پر ہی ہر شئے کی زندگی کا دار و مدار ہے۔ بارش کے بعد مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے۔ اس کی مردہ قوتیں بیدار ہو کر لہلہاتے ہوئے سبز کھیتوں کی شکل میں نمودار ہوتی ہیں۔ اسی طرح جب دلوں کی کھیتیاں مر جاتی ہیں تو انہیں زندہ کرنے کے لئے بھی آسمانی بارش کے پانی کی حاجت ہوتی ہے۔ یہ آسمانی بارش روحانی انسانوں کے قلوب پر نازل ہو کر انہیں رنگا رنگ کے پھولوں اور پھلوں سے مزین کر دیتی ہے۔ یہ دل خود بھی زندہ ہوتے اور دوسروں کو بھی زندہ کر دیتے ہیں۔ قرآن کریم کے اوراق میں ہمیں جگہ جگہ پر مثالیں نظر آتی ہیں۔ زندہ انسان دوسروں کو زندہ کر سکتے اور جاگتے ہوئے دوسروں کو جگا سکتے ہیں۔ خفتہ را خفتہ کے کند بیدار۔ یہ دین کی آڑ میں سیاست کی دکان چمکانے والوں اور نفس کے آگے جھکنے والوں کا کام نہیں ان کی پیروی سے تو زندیقیت اور دہریت ہی ہاتھ آئے گی۔

اب بھی وقت ہے۔ سوچ لیجئے کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی دشمنی اور عداوت آپ کو کہاں سے کہاں تک لے آئی ہے ؟

## محترم حافظ شیر محمد صاحب مبلغِ اسلام جزائر فجی کے تازہ خط سے ایک اقتباس

مکرم حافظ صاحب جناب جنرل سیکرٹری صاحب کی خدمت میں تحریر فرماتے ہیں :۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔ امید ہے تمام جماعت اور آپ مع اہل و عیال ہمہ وجوہ بخیریت ہوں گے۔ رمضان شریف میں رات کو تراویح کی نماز پڑھاتے ہوئے اچانک تکلیف ہو گئی۔ اور دو دن تک نماز نہیں پڑھا سکا سوائے ان دو دنوں کے عشاء کی نماز کے بعد باقاعدہ قرآن مجید کا درس دیتا رہا۔ ستائیسویں رمضان شریف کو جلسہ کیا جس میں تقریباً چارسو افراد شریک ہوئے۔ قرآن مجید، رمضان شریف اور لیلۃ القدر کے متعلق تقاریر ہوئیں اور عید الفطر کے دن بھی تمام جماعت نے ایک جگہ نماز پڑھی اور نماز کے بعد دوست ایک دوسرے کے گھر میں گئے۔ اسی طرح ستائیسویں رمضان کا جلسہ نوسوری میں کیا گیا۔ اور صُوا کے علاوہ عید الفطر کی نماز نوسوری۔ ناندی۔ لٹوکہ اور مارد میں بھی پڑھی گئی۔

خاکسار ہر سوموار کو باقاعدہ مرکز میں بعد نماز عشاء قرآن مجید کا درس دیتا ہے اور ہر منگل کو نوسوری میں، اور ہر جمعرات کو نیسنوں اور داگیری میں۔ اور ہر اتوار کو مستورات میں مرکز پر درس ہوتا ہے۔ ماہ اگست میں رمضان شریف سے پہلے جماعت کی جنرل میٹنگ ناندی میں ہوئی اور انتخاب کیا گیا جس میں غلام نبی دین صاحب پریزیڈنٹ۔ عبدالواحد خانصاحب و تعظیم رضا صاحب وائس پریزیڈنٹ شوکت علی صاحب سیکرٹری اور عزیز خانصاحب خزانچی بنائے گئے اور کچھ ممبر منتخب کئے گئے اور آخر میں خاکسار نے تقریر کی اور صُوا میں مسجد بنانے کی تحریک کی۔ جب سے خاکسار لندن کانفرنس سے واپس آیا ہے سوائے دو دفعہ کے باہر کی دوسرے شہروں کی جماعتوں میں دورہ پر نہیں جا سکا۔ یہاں صُوا میں اتنی مصروفیات ہیں کہ وقت نہیں ملتا۔

احباب حافظ صاحب موصوف کی صحت کے لئے دردِ دل سے دعا فرمائیں۔ گذشتہ سال سے ان کی طبیعت ناساز رہتی ہے۔ مگر دعوتِ تبلیغ کے کام

مکرم جناب شیخ محمد طفیل صاحب مبلغ انگلستان

# پیغامِ احمدیت

چند سال ہوئے محمد الیاس برنی کی کتاب قادیانی مذہب کی بعض فصلوں پر میں نے پیغام صلح میں تبصرہ کیا تھا۔ فصل ساتویں کے ایک اعتراض کا جواب رہ گیا تھا۔ آجکل میں اپنے مسودہ پیغامِ احمدیت پر نظر ثانی کر رہا ہوں۔ اس اعتراض پر تبصرہ ذیل میں درج ہے۔

## ۱۹۔ قادیانی نجوم۔ فصل ساتویں ص۳۵۸

"ان دونوں کی رُو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ جس کی خدا تعالیٰ نے سورۃ والعصر میں قسم کھائی الف خامس ہے یعنی ہزار پنجم جو مریخ کے اثر کے ماتحت ہے اور یہی ستر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مفسدین کے قتل اور خونریزی کے لئے حکم فرمایا گیا جنہوں نے مسلمانوں کو قتل کیا اور قتل کرنا چاہا اور ان کے استیصال کے درپے ہوئے اور یہی خدا تعالیٰ کے حکم اور اذن سے مریخ کا اثر ہے۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعث اوّل کا زمانہ ہزار پنجم تھا جو اسم محمد کا مظہر تجلی تھا۔ یعنی یہ بعث اوّل جلالی نشان ظاہر کرنے کے لئے تھا۔ مگر بعث دوم جس کی طرف آیت کریمہ واٰخرین منھم لما یلحقوبھم میں اشارہ ہے وہ مظہر تجلی اسم احمد ہے جو اسم جمالی ہے۔

حاشیہ۔ یہ ایک بھید یاد رکھنے کے لائق ہے کہ بعث دوم کی تجلی اعظم جو اکمل اور اتم ہے وہ صرف اسم احمد کی تجلی ہے۔ کیونکہ بعث دوم آخر ہزار ششم میں ہے۔ اور ہزار ششم کا تعلق ستارہ مشتری کے ساتھ ہے جو کوکب ششم منجملہ خنس کنس ہے اور اس ستارہ کی یہ تاثیر ہے کہ مامورین کو خونریزی سے منع کرتا اور عقل اور دانش اور مواد استدلال کا بڑھاتا ہے۔ اس لئے اگرچہ یہ بات حق ہے کہ اس بعث دوم میں بھی اسم محمد کی تجلی سے جو جلالی تجلی ہے اور جمالی تجلی کے ساتھ شامل ہے۔ مگر وہ جلالی تجلی بھی روحانی طور پر ہو کر جلالی رنگ میں مشابہ ہوگئی ہے۔ کیونکہ اس وقت جلالی تجلی کی تاثیر قہر سیفی نہیں بلکہ قہر استدلالی ہے۔ وجہ یہ کہ اس وقت کے مبعوث پر پرتوہ ستارہ مشتری ہے نہ پرتوہ مریخ۔ اس وجہ سے بار بار اس کتاب میں لکھا گیا ہے کہ ہزار ششم فقط اسم احمد کا مظہر اتم ہے جو جمالی تجلی کو چاہتا ہے۔ منہ

(تحفہ گولڑویہ ص۹۶ مصنفہ مرزا غلام احمد صاحب روحانی خزائن جلد ۱۷ ص۲۵۳)

سلسلۂ کلام کو آگے چلانے سے پیشتر بالخنّس الجوار الکنّس۔ (التکویر ۸۱: ۱۵-۱۶) کے متعلق مفسرین کے ایک دو اقوال کا پیش کرنا ضروری ہے تاکہ موضوع زیر بحث کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

"جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ خنّس اور جوار اور کنّس سے پانچ ستارے مراد ہیں۔ جن کو اہلِ ہیئت خمسہ متحیرہ کہتے ہیں۔ یعنی زحل[۱]۔ مشتری[۲]۔ مریخ[۳]۔ زہرہ[۴]۔ عطارد[۵]۔ انگریزی میں سیٹرن SATURN[۱] جوپیٹر[۲]۔ مارز[۳]۔ وینس[۴]۔ مرکری[۵]۔ فارسی میں کیوان[۱]۔ برجیس[۲]۔ ترک فلک[۳]۔ ناہید[۴]۔ دبیر فلک[۵]۔ ہندی میں سنیچر[۱]۔ برہسپت[۲]۔ منگل[۳]۔ شکر[۴]۔ بدھ[۵] کہتے ہیں۔ ان ستاروں کی عجیب حیرتناک چال ہے۔ ......... حضرت نوح و ابراہیم علیہما السلام کے عہد میں تو ایک فرقہ صابیہ تھا جو ان ستاروں کی پرستش کیا کرتا تھا پھر بمرور دہر اس کے متعدد فرقے ہو گئے اور ہر فریق نے اپنے ملکوں میں ایک جُدا رنگ پیدا کیا۔ چنانچہ روم و یونان کے لوگ جو یورپ بلکہ ایشیا کی حکمت و فلسفہ کے استاد مانے گئے ہیں جوپیٹر (مشتری) کی پوجا کرتے تھے اور اس کے نام کا بڑا مندر بنا رکھا تھا اور ستاروں کی پرستش کیا کرتے تھے۔ پارسیوں کی دساتیر میں تو ناہید۔ (زہرہ) کی بہت کچھ مدح اور پرستش کے دستورات موجود ہیں۔ یہی حال ہنود کا ہے۔" (تفسیر حقانی زیر آیت ۸۱: ۱۵-۱۶)

"حضرت امیر المومنین مرتضےٰ علی کرم اللہ وجہہ اور اکثر مفسرین صحابہ سے منقول ہے کہ وہ ستارے خمسہ متحیرہ ہیں یعنی زحل اور مشتری اور مریخ اور زہرہ اور عطارد کہ ان کی اپنی حرکت میں ایک حیرت نمودار ہوتی ہے۔"

(تفسیر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی زیر آیت بالا)

علماء فلکیات اس پر متفق ہیں کہ ستاروں اور سیاروں کی مختلف تاثیریں زمین پر پڑتی ہیں (یہی وجہ ہے کہ بعض اقوام میں ان ستاروں کی پرستش شروع ہوگئی۔ آفتاب و ماہتاب کے اثرات تو عام مشاہدہ میں آتے ہیں کہ اذنِ الٰہی سے دنیا کی ہر چیز پر پڑتے ہیں[۱]۔ اسی طرح سیاروں کی بھی مختلف نوع کی تاثیریں ہوتی ہیں۔ جن سے زمین اور دیگر کواکب متاثر ہوتے ہیں۔ یہ تاثیرات سب خدا کی پیدا کردہ اور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے اسی حقیقت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے

"آدم کی پیدائش کے وقت ان ستاروں کی تاثیرات سے بھی کام لیا ہے جن کو اس نے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا۔ اور یہ ستارے فقط زینت کے لئے نہیں ہیں جیسا عوام خیال کرتے ہیں بلکہ ان میں تاثیرات ہیں جیسا کہ آیت وزینا السماء الدنیا بمصابیح و حفظا[۲]۔ یعنی حفظاً کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے یعنی نظامِ دُنیا کی محافظت میں ان ستاروں کو دخل ہے۔ اسی قسم کا دخل جیسا کہ انسانی صحت میں دوا اور غذا کو ہوتا ہے۔ جس کو اُلوہیت کے اقتدار میں کچھ دخل نہیں بلکہ جبروتِ ایزدی کے آگے یہ تمام چیزیں بطور مردہ ہیں۔ یہ چیزیں بجز اذن الٰہی کچھ نہیں کرسکتیں۔ ان کی تاثیرات خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔"

(تحفہ گولڑویہ ص۱۱۱ حاشیہ۔ روحانی خزائن جلد ۱۷ ص۲۸۲)

پھر فرماتے ہیں:-

"خدا تعالیٰ کا قانونِ قدرت یہی ہے کہ کوئی چیز اس نے لغو اور بے فائدہ اور بے تاثیر پیدا نہیں کی۔ جبکہ وہ فرماتا ہے کہ ہر ایک چیز انسان کے لئے پیدا کی گئی ہے تو اب بتلاؤ کہ سماء الدنیا کو لاکھوں ستاروں سے پُر کر دینا انسان کو اس سے کیا فائدہ ہے اور خدا کا یہ کہنا کہ یہ سب چیزیں انسان کے لئے پیدا کی گئی ہیں ضرور ہمیں اس طرف توجہ دلاتا ہے کہ ان چیزوں کے اندر خاص

---

[۱] امام رازی نے تفسیر کبیر میں کہا ہے کہ سُورج دن کا اور چاند رات کا بادشاہ ہے۔ اگر سُورج نہ ہوتا تو چاروں موسم حاصل نہ ہوتے۔ اگر یہ موسم نہ ہوتے تو مصالح عالم مکمل طور پر مختل ہو جاتے" (بحوالہ حمامۃ البشریٰ صفحہ ۲۶۹)

[۲] حٰم السجدہ ۴۱-۱۲-

وہ تاثیرات ہیں جو انسانی زندگی اور انسانی تمدن پر اپنا اثر ڈالتی ہیں۔ جیسا کہ متقدمین حکماء نے لکھا ہے کہ زمین ابتداء میں بہت ناہموار تھی۔ خدا نے ستاروں کی تاثیرات کے ساتھ اس کو درست کیا۔" (ایضاً)

جمہور مفسرین قرآنی آیات کی تفسیر مروجہ علوم کی روشنی میں کرتے رہے ہیں۔ حکماء فلکیات کے اقوال و نظریات کی روشنی میں یہی مفسرین مشتری کو سعد اکبر اور مریخ کو جلالی تاثیرات کا منبع و مصدر قرار دیتے ہیں اسی طرح حضرت مرزا صاحب نے قرآنی آیات کی ایک نہایت لطیف تفسیر رقم فرمائی ہے جس کا ایک اقتباس درج کرکے مخالف نے اس کا عنوان "قادیانی نجوم" رکھا ہے۔

حضرت مرزا صاحب تو غیر سیاروں کی تاثیرات کے قائل تھے (اجازت الٰہی کے ساتھ) لیکن بعض مسلمان علماء ایک حد تک ان ستاروں میں ارادہ و اختیار کے بھی قائل ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بعض ستاروں کے فعل ارادہ و اختیار والوں کے فعل سے بہت مشابہت رکھتے ہیں اُردو کا سٹائل پرانا ہے۔ لیکن اس سلسلے میں ذیل کا حوالہ ملاحظہ ہو:—

"اور پانچوں ستاروں کو سورج اور چاند سے۔ اور آپس میں بھی ان کے ربط اور میل مختلف اور متعدد ہوتا ہے اور مصدر قوتوں متعددہ کے ہوتے ہیں اور ارتباطات عجیبہ و عجیب رابطے۔ ناقل) آفتاب سے رکھتے ہیں اور ہر ارتباط میں ایک نئی تاثیر ظاہر ہوتی ہے۔ تو یہ پانچ ستارے عالم آسمانی میں مرکبات عنصریہ کی مانند ہیں۔ جیسے معادن اور نباتات اور حیوانات اور انسان (مشابہت قابل غور ہے۔ ناقل) ان چاروں کی برزخیں۔ اور سورج اور چاند مرکبات ناقصہ کی مانند ہیں جیسے بخار اور غبار اور دھواں اور ثوابت عنصریہ بسائط کی مانند ہیں۔ اور تاثیریں اور فعل ان پانچوں ستاروں کے بہت مشابہت رکھتی ہے ارادے اور اختیار والوں کے فعل سے اور حرکتیں ان کی گویا حرکت اختیاری ہیں۔"

(تفسیر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ص۹۹ زیر آیت التکویر ۸۱: ۱۵-۱۶)

بعض مفسرین یہ سمجھتے تھے کہ:—

"ستارے قندیلوں میں نور کی زنجیروں سے لٹکتے ہیں اور زنجیریں فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں۔ جب فرشتے مر جائیں گے تو وہ قندیلیں ان کے ہاتھ سے گر جاویں گی اور ستارے گر کر بکھر جاویں گے اور نور ان کا زائل ہو جائے گا" (ایضاً ص۸۹)

بعض کا خیال تھا کہ:—

"جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو وہ عرش کے نیچے سجدہ کرنے جاتا ہے۔" (تفسیر مظہری ص۳۲)

نیز:—

"نچلا دنیوی آسمان موج بستہ ہے (یعنی لہریں ہیں جن کو روک دیا گیا ہے) دوسرا آسمان سفید زمرد کا ہے تیسرا لوہے کا ہے چوتھا پیتل کا ہے۔ پانچواں چاندی کا ہے۔ چھٹا سونے کا۔ ساتواں یاقوت سرخ کا۔ ساتویں آسمان اور ذاتِ خداوندی کے حجابوں کے درمیان نور کے سات صحرا ہیں۔"

(ایضاً ص۲۶ زیر آیت الیک البصر خاسئاً۔ الملک ۶۷: ۴)

اگلی آیت ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح۔ ہم نے بے شک قریب کے آسمانوں کو چراغوں سے روشن کر رکھا ہے) کے متعلق لکھا ہے:—

"یہ آیت بتا رہی ہے کہ تمام تارے دنیوی آسمان میں پیوست ہیں اس صراحت کے خلاف علماء فلکیات کا قول بے دلیل ہے"!!

(ایضاً ص۲۶)

اگر برنی صاحب اس قسم کے "اسلامی نجوم" کے معتقد ہیں تو "قادیانی نجوم" کے مقابلے میں "اسلامی نجوم" کی تشریح بھی کر دیتے تو مناسب تھا۔

ف۵۔ علامہ شبیر احمد عثمانی نے آیت مندرجہ بالا کے متعلق اپنی تفسیر میں

بقیہ حاشیہ ف۵:—

لکھا ہے:—

"یہ قدرتی چراغ ہیں جن سے دنیا کے بہت سے منافع وابستہ ہیں"

(صفحہ ۹۶۳)

ان بہت سے منافعوں کی آپ نے تفصیل بیان نہیں کی۔

بہر حال جن قوموں نے ان ستاروں اور سیاروں کو خدا کے واسطے کے بغیر مختلف تاثیرات کا حامل قرار دے کر ان کی پرستش شروع کر دی انہوں نے شرک کا ارتکاب کیا۔ حضرت مرزا صاحب نے قرآنی آیات کی تشریح میں علماء فلکیات کے ان نظریات سے اختلاف نہیں کیا جو قرآنی تعلیم کے مطابق تھے آپ نے جو ایسی آیات کی تفسیر بیان فرمائی ہے وہ تحفہ گولڑویہ کے بہت سے صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ قرآن مجید کے بہت سے لطائف و نکات ایک زمانہ کے لوگوں سے مخفی رہتے ہیں پھر دوسرے زمانے میں ان کو ظاہر کرنے کا وقت آ جاتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے اپنی ایک اور کتاب میں بھی ستاروں کی تاثیرات پر بحث کی ہے اور اس سلسلے میں امام فخرالدین رازی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتب سے اقتباسات بھی پیش کئے ہیں (ملاحظہ ہو حمامة البشریٰ عربی اردو صفحات ۲۶۸-۲۷۲ ناشر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور پاکستان) معلوم ہو کہ مخالف کے اعتراض کی زد میں صرف حضرت مرزا صاحب ہی نہیں۔ دیگر علماء اسلام اور محدثین بھی آ جاتے ہیں۔

---

مکرم شیخ اللہ بخش صاحب بدوملہی

## خواتین جماعتِ احمدیہ سے ہفتہ دعا منانے کی اپیل

پچھلے دنوں خواتین نے پاکستان بھر میں حقوق نسواں کے مطالبہ کا ہفتہ منایا ہے۔ اور اس سلسلہ میں جلسے کئے اور جلوس نکالے ہیں۔ میں اپنی احمدی بہنوں اور بیٹیوں سے ہفتہ دعا منانے کی اپیل کرتا ہوں۔ جس کی صورت یہ ہوگی کہ وہ اپنی پنجوقتہ نمازوں کے علاوہ نماز تہجد اور نماز چاشت کو بھی (۹ بجے صبح) باقاعدگی سے ادا کریں۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور، حضور قلب سے، گڑ گڑا کر خشوع و خضوع سے یہ دعا کریں۔ کہ مولا کریم اس دورِ ابتلا و آزمائش میں ہماری جماعت کو صبر و استقامت عطا فرمائے ہماری تمام بہنوں اور بھائیوں کی جہاں جہاں بھی وہ ہیں، جملہ تکالیف اور پریشانیوں کو دور فرما دے۔ ہماری اولادوں کو نیک بنائے اور انہیں دینِ اسلام پھیلانے کی توفیق بخشے۔

مسلم قوم اور تمام اسلامی ممالک کو بھی اپنی دعا میں شامل کریں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں یہ شعور عطا فرمائے کہ وہ ہمیں اسلام کا سچا پیرو اور یہی خادِ یقین کریں۔ میں ان بہنوں اور بیٹیوں سے خاص طور پر اپیل کرتا ہوں جنہوں نے گذشتہ پر آشوب دور میں گھر گھر جا کر اپنی بہنوں اور بھائیوں کو حوصلہ دیا اور صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر و استقامت اور صدق و وفا کی مثالیں دے دے کر انہیں ثابت قدمی کی تلقین کی۔ اپنی پنجوقتہ نمازوں اور تہجد کے علاوہ میری سب بہنیں مسلسل آٹھ دن صبح ۹ بجے اپنی اپنی مسجد میں نماز چاشت کے دو نفل بھی ادا کریں۔ امید ہے کہ میری

مکرم جناب شیخ عبدالحق صاحب کراچی

# حضرت مسیحؑ کے بارہ میں انجیلی تحقیقات کا سرسری جائزہ

مکرم مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے قرآن کریم کی اس آیت مقدسہ پر "وجعلنا ابن مریم و امہٗ ایۃً و اوینھما الیٰ ربوۃ ذات قرارٍ و معین"۔ ذیل کا تشریحی یا تفسیری نوٹ لکھا ہے:۔

"ہیرودیس نام ایک ظالم بادشاہ نجومیوں سے یہ سن کر کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سرداری ہوگی بالہام ربانی مریم علیہا السلام ان کو لے کر ملک مصر میں چلی گئیں اور اس ظالم کے مرنے کے بعد پھر شام چلی آئیں۔"

جناب مولوی صاحب موصوف نے اس تفسیری نوٹ کے ماخذ کا کوئی حوالہ نہیں دیا اور جہاں تک میرا خیال ہے جناب مولوی صاحب اپنے عقیدہ کی بناء پر اس کے ماخذ کو ظاہر نہ کرنے پر مجبور بھی تھے۔ اس لئے ان کے حذف شدہ الفاظ کو میں ظاہر کرنا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ اصل حقیقت واضح ہو جائے۔ و ھو ھذا:۔

"خداوند کے فرشتہ نے یوسف کو (مریم کو نہیں) خواب میں دکھلائی دے کر کہا۔ اُٹھ۔ بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر بھاگ جا اور جب تک میں تجھ سے نہ کہوں۔ وہیں رہنا۔ کیونکہ ہیرودیس اس بچے کی تلاش میں ہے تاکہ اس کو ہلاک کر دے۔" (متی)

اب ناظرین خود فیصلہ کریں کہ حضرت عیسیٰ کے متعلق انجیل متی کے بیان میں اور جناب مولوی صاحب کے تفسیری نوٹ میں کس قدر تضاد ہے مثلاً:۔

ا۔ انجیل تو یہ کہے کہ ربانی الہام یوسف شوہر حضرت مریم کو ہوا۔ مگر مولوی صاحب اس کو حضرت مریمؑ کی طرف منسوب کریں۔

ب۔ حضرت مریم اپنے شوہر کے الہام پر یقین کر کے اس کے ساتھ مصر چلی جائے۔ مگر مولوی صاحب یہ فرمائیں کہ صرف مریم اپنے بچے کو لے کر مصر گئی۔

ج۔ حضرت عیسیٰؑ تو مطابق الہامِ الٰہی یوسف کا بچہ ہے مگر مولوی صاحب نے اس کو حذف فرما دیا۔ اگر یہ خلش ہو کہ حضرت عیسیٰ کا کوئی باپ ہوتا تو پھر آپ کو "ابنِ مریمؑ" کیوں کہا گیا۔ یہ خدشہ یوں صحیح نہیں کہ جہاں ماں زیادہ معزز ہو تو اس کی اولاد ماں کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ جیسے سیدوں کو "بنی فاطمہ" کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ کوئی سید اپنے آپ کو حضرت علیؓ کی طرف منسوب نہیں کرتا۔ علاوہ ازیں قرآن کریم میں اسمہ المسیح عیسیٰ بن مریم حضرت عیسیٰ کا نام رکھا گیا ہے۔ مسیح نام میں اشارہ آپ کی سیاحت کی طرف ہے اور عیسیٰ آپ کی صلیب کی موت سے بچائے جانے کے سبب تیسرے عیسائیوں پر اتمام حجت کے لئے کہ ابن مریم (یعنی عورت کا بچہ) خدا نہیں ہو سکتا۔

۲۔ اسی ضمن میں انجیل لوقا کا بیان بھی پڑھ لیں اور میرا خیال ہے۔ اگر مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کو انجیل لوقا کے اس بیان کا علم ہوتا تو کبھی بھی قرآن کریم کے مذکورہ بالا تفسیری نوٹ نہ لکھتے۔ افسوس ہے کہ انہوں نے حضرت مولانا مولوی محمد قاسم نانوتوی کے طریقِ عمل کو چھوڑ دیا۔ حضرت بانیٔ دیوبند نے تو یہ فرمایا تھا کہ مولویوں کا یہ کام نہیں کہ مسلمانوں کو کافر بنائیں ان کا کام یہ ہے کہ کافروں کو مسلمان کریں جس پر جماعت احمدیہ لاہور کاربند ہے کہ وہ کسی کی تکفیر نہیں کرتی۔ صرف کافروں کو مسلمان بناتی ہے۔ مگر موجودہ مسلمان خوشی سے پھولے نہیں سماتے کہ انہوں نے کتاب و سنت پر عمل کرنے والی جماعت جس کا کوئی عقیدہ بھی (خفیف سے خفیف تر بھی) اسلامی تعلیم کے منافی نہیں۔ اسے دھکے دے کر غیر مسلموں میں دھکیل دیا۔ خیر یہ ایک علیحدہ مسئلہ ہے جس کا فیصلہ خدا کرے گا۔ اب میں انجیل لوقا سے مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کے پیش کردہ حوالہ کے بالکل اُلٹ حیرت میں ڈالنے والے الفاظ پیش کرتا ہوں۔

"پیلاطوس نے ......... یہ معلوم کر کے ......... اُسے (یعنی مسیح کو) ہیرودیس کے پاس بھیجا۔ کیونکہ وہ بھی ان دنوں یروشلم میں تھا۔ ہیرودیس یسوع کو دیکھ کر بہت خوش ہوا کیونکہ وہ مدت سے اس کو دیکھنے کا مشتاق تھا کیونکہ اُس نے اس کا حال سُنا تھا۔ اور اس کا کوئی معجزہ دیکھنے کا اُمیدوار تھا ......... پھر ہیرودیس نے اپنے سپاہیوں سمیت اسے ذلیل کیا ......... اور اس کو پیلاطوس کے پاس واپس بھیجدیا۔ اور اسی دن سے ہیرودیس۔ پیلاطوس آپس میں دوست ہو گئے۔ کیونکہ پہلے اُن میں دشمنی تھی۔"

(انجیل لوقا باب ۲۳۔ آیت ۵ تا ۱۲)

ملاحظہ فرمایا آپ نے۔ انجیل متی تو کہتی ہے کہ ہیرودیس کے مرنے کے بعد خدا سے الہام پا کر یوسف اپنی بیوی مریم اور اپنے بچے حضرت عیسیٰ کو اسرائیل کے ملک میں واپس لے آیا۔ مگر بقول انجیل لوقا ہیرودیس نہ صرف زندہ ہے۔ بلکہ پیلاطوس کے کہنے پر حضرت مسیح کے خلاف یہودیوں کے عائد کردہ الزامات کی تحقیقات میں بھی مصروف ہے۔

۳۔ اب سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ ایسی حالت میں قرآن کریم کی مندرجہ آیت مقدسہ کی کیا تشریح ہے۔ اس کی وضاحت حضرت مجدد الوقت نیز حضرت علامہ مولینا مولوی نورالدین اعظم کی تتبع میں حضرت مولینا مولوی محمد علی صاحب مفسرِ قرآن انگریزی نے اسی اُردو تفسیر بیان القرآن میں کی ہے۔ اس کا خلاصہ کسی دوسری فرصت میں انشاءاللہ پیش خدمت کروں گا۔ انتظار فرمائیں۔

## حضرت مرزا صاحب نے اسمہٗ احمد کا مصداق حضرت نبی کریمؐ کو ٹھہرایا۔ بقیہ از صفحہ ۹

پڑھ کر اسلام۔ ہندومت اور سکھ مذہب کے متعلق معلومات حاصل کرتے اور حضرت مرزا صاحب علیہ الرحمۃ کے جوابات کی داد دیتے۔ ان کی مذہبی معلومات اور زبان دانی کو سراہتے اور دیکھتے کہ مولوی ملتانی کے ٹھٹھے اور مذاق کے مطابق یہ "تھی۔ تھا۔ تھوں" کا مجموعہ ہے یا کمال درجہ کی اُردو دانی اور روانی ہے۔ ایسی ہی فصاحت و بلاغت حضرت صاحب کی عربی اور فارسی کتابوں میں بھی پائی جاتی ہے۔

دوستو! یہ نام نہاد اسلامی مبلغ جو شہروں اور دیہاتوں میں تقریریں کرتے اور ٹریکٹ تقسیم کرتے پھرتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جو قیام پاکستان کے مخالف تھے اور جنہوں نے کانگرس کے ساتھ مل کر مسلم لیگ کی مخالفت کی تھی یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے تھے کہ مسٹر "جناح کا پاکستان ناپاکستان" ہے اور "ماں نے وہ بیٹا نہیں جنا جو پاکستان کی پ بھی بنا سکے"۔ لیکن جب پاکستان بن گیا تو یہ لوگ بھارت میں رہ گئے۔ قائد اعظم کی زندگی میں انہوں نے پاکستان میں قدم نہیں دھرا۔ لیکن جب قائد اعظم فوت ہوئے تو مہاجرین بن کر یہ پاکستان میں آ دھمکے۔ چونکہ دل سے انہوں نے پاکستان کو تسلیم نہیں کیا تھا اس لئے دوبارہ یہاں پاکستان کو کمزور بلکہ ختم کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ ٹھیک پانچ چھ سال بعد یعنی ۱۹۵۳ء میں انہوں نے پاکستان میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا دی۔ لیکن چونکہ اس وقت پاکستان کافی مضبوط ہو چکا تھا اس لئے ان کی سازشیں ناکام رہیں۔

۱۹۷۱ء کی جنگ میں جب پاکستان کے دو ٹکڑے ہو گئے اور پاکستان کمزور ہو گیا تو ان لوگوں کی ریشہ دوانیاں پھر شروع ہو گئیں۔ جس کا نتیجہ ۱۹۷۴ء میں یہ نکلا کہ احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا۔ لیکن ساتھ

(باقی بر صفحہ ۱۱ کالم ۲)

مولوی محمد ابراہیم صاحب ۔ داتہ (سرحد)

# حضرت مرزا صاحب مجددِ زمانؑ نے اِسمہٗ احمد کا مصداق اپنے آپکو نہیں حضرت نبی کریم صلعم کو ٹھہرایا ہے

چند دن ہوئے ہمارے گاؤں میں ایک ملتانی مولوی صاحب تشریف لائے لائے انہوں نے گاؤں کی جامع مسجد میں تقریر کرتے ہوئے مجدد اعظم حضرت مرزا صاحب علیہ الرحمۃ پر الزام لگایا کہ انہوں نے یعنی حضرت میرزا صاحب نے قرآن شریف میں حضرت عیسٰے علیہ السلام کی پیشگوئی یأتی من بعدی اِسمہٗ احمد کا مصداق اپنے آپ کو ٹھہرایا ہے۔

تقریر کے بعد گاؤں کے چند دوستوں نے دو ٹریکٹ بعنوان "قادیانیوں کو دعوتِ اسلام" اور "مرزائی اور تعمیر مسجد اسلام سے ایک بد ترین مذاق" مجھے پڑھنے کے لئے دیئے اور کہا کہ :-

"دیکھو مولوی صاحب نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا بلکہ صرف تمہاری اپنی کتابوں سے ان میں حوالجات درج کئے ہیں انہیں پڑھو اور ہدایت پاؤ۔"

میں نے جواب دیا کہ میں آپ کو ایک ایک بات کا جواب دوں گا۔ پہلے اسمہ احمد والی پیشگوئی پر بحث ہو تو بہتر ہے۔ کیونکہ یہ حضرت صاحب کی ذات پر ایک بہت بڑا الزام ہے۔ جس کا سوائے الزام کے اور کوئی آپ کے پاس ثبوت نہیں۔ حضرت میرزا صاحب علیہ الرحمۃ نے کہاں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلعم کا نام صرف محمدؐ تھا اور اِسمہٗ احمد والی پیشگوئی مجھ پر چسپاں ہوتی ہے اور کہ میرا ہی نام احمد ہے۔ یہ رسولِ اکرم صلعم کا نام نہیں۔ میں صرف حضرت میرزا صاحب کی کتاب کا حوالہ تسلیم کروں گا۔ باقی کسی جماعت کے ٹریکٹ۔ کتاب یا اخبار کا حوالہ میرے لئے قابل قبول نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ ان کا ذاتی معاملہ یا خیال ہوگا۔

اس پر ایک دوست نے کتاب چشمۂ معرفت میرے پاس بھیجی اور کہا کہ ص۳۱۳ کا یہ حوالہ پڑھو۔ میں نے حوالہ پڑھا اور ان کو مندرجہ ذیل جواب دیا جو بذریعہ اخبار پیغام صلح ہدیۂ قارئین کرام ہے۔

جواب: آپ نے کتاب چشمۂ معرفت کا جو حوالہ دکھایا ہے اس میں حوالہ کے آخری سطر کے یہ الفاظ قابلِ غور ہیں :-

"اور دونوں ناموں کے ساتھ بار بار مجھے مخاطب کیا۔ ان دونوں ناموں کو دوسرے لفظوں میں مسیح اور مہدی کر کے بیان کیا گیا ہے"

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ الہام میں اللہ تعالٰے نے میرے یہ نام رکھے ہیں۔ ان سے مطلب اور مدعا مسیح اور مہدی موعود ہے نہ کہ حقیقی سرور دو عالم حضرت محمدؐ اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم

ذرا غور فرمائیں اگر ہم اور آپ لوگ اپنے نام محمد احمد۔ محمد اکرام۔ محمد یعقوب محمد یوسف۔ محمد ادریس۔ محمد یونس۔ محمد ابراہیم۔ محمد اسمٰعیل رکھ لیں۔ حکیم اجمل خاں دہلوی مرحوم کو "مسیح الملک" اور میرزا غالب مرحوم فرمائیں ؎

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی + میرے دُکھ کی دوا کرے کوئی

ایک ولی اللہ حافظ شاہ نیاز احمد اپنے شعر میں فرمائیں ؎

احمد ہاشمی منم عیسٰے مریمی منم + نہ منم منم نہ منم منم نہ منم منم

اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ فرمائیں ؎

دم بدم روح القدس اندر معینی مے دمد
من نمی گویم مگر من عیسٰیٔ ثانی شدم

حضرت سید عبد القادر جیلانی رح فنافی الرسول کے مقام پر آ کر کہیں : انما کنت محمداً اور کتاب تذکرۃ الاولیاء فارسی ص۱۲۷ میں حضرت بایزید بسطامی رح کے متعلق درج ہے کہ انہوں نے فرمایا :

"میرا نشان محمد کے نشان سے اونچا ہے۔ وسبحانی ما اعظم شانی"

پھر تذکرہ غوثیہ ص۲۹۱ میں لکھا ہے کہ شیخ شبلی رح نے اپنے مرید سے لا الٰہ الا اللہ شبلی رسول اللہ کا کلمہ پڑھوایا۔ اور کتاب سیف ربانی ص۱ پر لکھا ہے :-

اشھد انی محمد رسول اللہ فوافقہٗ تلمیذہٗ۔ یعنی شیخ شبلی نے اپنے شاگرد سے کہا کیا تو گواہی دیتا ہے میں محمد رسول اللہ تو شاگرد نے شہادت دی۔

اسی طرح خدائی کے دعووں کے متعلق اولیاء اللہ کے اقوال کے حوالے درج ہیں۔ مثلاً دیوان معین الدین چشتی رح کے ص۵۵ پر خواجہ صاحب فرماتے ہیں :-

من نمی گویم انا الحق یار می گوید بگو + چوں نہ گویم چوں مرا دلدار می گوید بگو

اور کتاب مکتوبات مجدد الف ثانی جلد سوئم مکتوب ۸۷ میں حضرت شیخ احمد سرہندیؒ فرماتے ہیں :-

"میں اللہ تعالٰے کا مرید بھی ہوں اور مراد بھی۔ میری ارادت کا سلسلہ بغیر کسی واسطہ کے اللہ سے متصل اور میرا ہاتھ اللہ تعالٰے کے ہاتھ کا قائم مقام ہے سبحانہٗ۔ پس میں محمد رسول اللہ کا مرید بھی ہوں اور اُس کا پیر بھائی بھی"

تو کیا خدا کو اختیار نہیں کہ الہام میں کسی ولی اللہ کو کمال متابعت یا مماثلت کی وجہ سے ایک یا دو یا تمام نبیوں کے ناموں سے مخاطب فرمائے۔

یعنی بزرگانِ اُمت اور اولیائے کرام مندرجہ بالا اقوال کے قائل ہوں تو کوئی حرج۔ قصور اور گناہ آپ لوگوں کو نظر نہیں آتا۔ مگر جناب میرزا صاحب کی ہر بات میں گناہ نظر آتا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ فنافی الرسول کے مقامات ہیں۔ جہاں ہمارا تمہارا اور ان علمائے دین کا گذر ہی نہیں۔ یہ وہ مقامات ہیں جہاں پہنچکر اولیاء اللہ کے مبارک لبوں سے یہ کلمات نکلتے ہیں۔

باقی رہا میرا سوال تو وہ اپنی جگہ پر قائم ہے اور وہ یہ ہے کہ ملتانی مولوی صاحب نے فرمایا تھا :-

میرزا صاحب کا دعوٰے ہے کہ

"قرآن شریف میں اِسمہٗ احمد کے متعلق جو پیشگوئی ہے وہ رسول اللہ صلعم کے متعلق نہیں میرے متعلق ہے"

یہ صریحاً غلط ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت میرزا صاحب نبی کریمؐ کے دو نام تسلیم نہیں کرتے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ میرزا صاحب کی کتابوں میں درج یہ دونوں نام محمد اور احمد صرف رسول اللہ کے بارے میں ہی کئی بار دیکھیں گے۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب اپنی کتاب تریاق القلوب کے ص۳۷۹ پر اپنی جماعت کے نام "مسلمان فرقہ احمدیہ" کی وجہ بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :-

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو نام تھے ایک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرا احمد صلی اللہ علیہ وسلم"

ایک اور موٹی مثال سے آپ کو سمجھاتا ہوں۔ وہ یہ کہ حضرت میرزا صاحب کا نام والدین نے غلام احمد رکھا اور مرتے دم تک ان کا یہی نام چلتا رہا اور آج بھی انہیں اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ اگر واقعی حضرت مرزا صاحب علیہ الرحمۃ اپنے آپ کو اسمہٗ احمد کا مصداق سمجھتے تو وہ اپنے نام سے غلام کا لفظ ہٹا دیتے اور صرف احمد نام باقی رکھتے۔ کیونکہ کوئی نبی کسی کا غلام نہیں ہوتا نہ وہ غلام ہونا پسند کرتا ہے۔ وہ مطیع نہیں ہوتا بلکہ مطاع ہوتا ہے۔

آپ نے جو کتاب چشمۂ معرفت بھیجی ہے یہ ایک ہندو آریہ کے مضمون کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ اپنے اس مضمون میں دریدہ دہن آریہ نے خدا اور خدا کے رسول حضرت محمد مصطفٰے صلعم اور دینِ اسلام پر سخت نازیبا حملے کئے اور گالیاں دیں۔ آپ کو چاہیئے تھا کہ آپ اس کتاب کو حرف بہ حرف

(باقی بر ص۸ کالم ۲)

حضرت امیرِ قوم مولانا صدرالدین ایدہ اللہ تعالیٰ ـــــ گاہے گاہے باز خواں ......

# ذکرِ حبیب

## حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنوں کی بڑی قدردانی کرتے تھے

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لا تعداد دلربا خصوصیات میں سے ایک یہ بھی تھی کہ حضور اپنوں کی بڑی قدردانی کرتے تھے۔ آنحضرت نے خدا تعالیٰ کی صفت شاکر سے اپنے تئیں رنگین کر رکھا تھا جس طرح خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی سعی کی قدردانی کرتا ہے اسی طرح وہ ستودہ صفات ذات جو صفت الشاکر کی مظہر اتم تھی بندگانِ الٰہی کی سعی یا احسان کی قدردانی کرکے ان کو اپنے جذبۂ عشق و محبت میں محو کر دیتی تھی۔ حضور کا اعتقاد تھا کہ وہ شخص جو بندگانِ الٰہی کی قدردانی نہیں کرتا گویا وہ خود خدا تعالیٰ کے احسانات و انعامات کی قدردانی نہیں کرتا۔ فرمایا لایشکر اللہ من لایشکر الناس۔ حضور نے خود اس پر عمل کرکے دکھایا۔ جیسا کہ حضور ہر اس بات پر عمل کرکے دکھاتے تھے جو ان کی زبان مبارک سے نکلتی تھی یا جس کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔ ان کے عمل کا ذکر شروع کیا جاتا ہے جو خود ہی اس مضمون کو واضح کرتا ہے اور ہزار دلچسپی کا موجب ہے۔

ذیل میں چند واقعات درج کئے جاتے ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلعم نے صرف بڑے آدمیوں ہی کی قدردانی نہیں کی بلکہ حضور نے چھوٹے آدمیوں کی بھی قدردانی کی ہے۔ صہیب، بلال، سلمان غیر وطنیوں میں سے تھے۔ مسافر، بےکس تھے۔ زید اور عمار اگرچہ عرب تھے لیکن بہت کم حیثیت تھے۔ زید تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دام دے کر خریدا ہوا تھا۔ جن کو انہوں نے حضرت کی خدمت میں پیش کیا حضرت نے ان کو آزاد کر دیا۔ زید پر حضور کے کرموں کا بڑا گہرا اثر تھا اور عشق و محبت میں یہاں تک ترقی کر گئے تھے کہ جب ان کے والد اور دوسرے رشتہ دار حضرت کے حضور میں پہنچے اور درخواست کی کہ زید کو اجازت مرحمت فرمایئے کہ ہمارے ساتھ چلا جائے تو حضورؐ نے فرمایا کہ اس کو پورا اختیار دیتا ہوں کہ اگر وہ چاہے تو اپنے بزرگوں کے ساتھ وطن کو چلا جائے۔ اس پر زید نے کہا کہ حضرت نبی کریم جو محبت میرے ساتھ رکھتے ہیں اور جو احسانات میرے اوپر کرتے ہیں وہ ماں باپ کی محبت اور کرم سے بدرجہا بڑھ کر ہیں۔ اس لئے میں حضورؐ کی خدمت میں رہنے کو ماں باپ کے ساتھ چلا جانے پر ترجیح دیتا ہوں۔ حضورؐ نے اس کے صلہ میں زید کے متعلق فرمایا کہ زید میرے اہلِ بیت میں سے شمار ہوگا۔ حضورؐ جو فرماتے تھے وہ صرف دل خوش کن الفاظ نہ ہوتے تھے۔ بلکہ ہر ایک شخص یقین کرتا تھا کہ یہ حقیقت ہوتی ہے۔ چنانچہ حضورؐ نے اپنے خاندان کی لڑکی اپنی پھوپھی زاد بہن زینب کی شادی زید سے کر دی۔ پھر زید کی [illegible] کی قدردانی یہاں تک کی کہ اُن کو فوج کا سپہ سالار مقرر کیا اور ان کے بیٹے اسامہ کو بھی فوج کا کمانڈر مقرر فرمایا۔ فتح مکہ کے دن اسامہ کو یہ فخر حاصل ہوا کہ حضورؐ کے ساتھ ایک ہی اونٹنی پر سوار تھے۔ بلال کی شکل و شباہت کا نقشہ لفظ حبشی سے سامنے آ جاتا ہے۔ وہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے سفید رنگ عربوں کی نظر میں جچتا نہ تھا۔ لیکن حضرت نبی کریم صلعم نے ان کو مؤذن مقرر کرنے کے علاوہ اپنے گھر کے تمام امور کا اختیار دے رکھا تھا۔ اور بلالؓ کی نسبت فرمایا "انی اسمع دف نعلیک بین یدی فی الجنۃ" کہ تو جنت میں میرے آگے آگے چلے گا اور یہ امر ایسا یقینی ہے کہ میں تیرے پاؤں کی آہٹ سن رہا ہوں۔

سلمان فارسیؓ سے اس قدر محبت فرماتے تھے کہ ایک دن اُن کے کاندھوں پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ آخری زمانہ میں سلمان کی نسل سے ایک انسان پیدا ہوگا۔ اگر ایمان ثریا پر بھی اُٹھ گیا ہوگا تو لناله رجل من ابناء فارس۔

تمام غریب الوطنوں اور غریب مزاج انسانوں سے بڑی محبت کرتے تھے۔ اور اسی کرم کی تائید میں ایک آیہ شریفہ اُتری ولا تطرد الذین یدعون ربھم بالغداوۃ والعشی یریدون وجھه ان غرباء کو اس آیت کے نزول نے اور بھی معزز کر دیا۔ اور وہ فخر سے اس بات کا ذکر کرتے تھے کہ ہمارے حق میں یہ آیت اُتری اور فخر کے ساتھ حضور علیہ السلام کے تعلقات کا یوں ذکر کیا کرتے تھے:۔

وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقعد معنا ویدنو منا حتی تمس رکبتنا رکبته وکان یقول معکم المحیا و معکم الممات۔

یعنے حضورؐ ہم میں مل کر بیٹھا کرتے تھے اور ہمارے ساتھ لگ جاتے تھے حتےٰ کہ ہمارے گھٹنے حضورؐ کے گھٹنوں کو مس کرتے تھے اور حضور فرماتے تھے میرا جینا اور مرنا تمہارے ہی ساتھ ہوگا۔ حضرت انسؓ نے دس سال حضورؐ کی خدمت کی۔ وہ کہتے ہیں حضورؐ نے اس دس سال کے عرصہ میں مجھے کسی امر پر ملامت نہیں کی اور یہ بھی نہیں فرمایا کہ تُو نے فلاں کام کیوں کیا اور فلاں کام کیوں نہیں کیا اور میری خدمت کی وجہ سے میری والدہ کا احترام کرتے تھے اور میرے چھوٹے بھائی سے محبت کرتے تھے۔ ایک دفعہ میرا بھائی آیا تو اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اس سے پوچھا ما فعل النغیر۔ تیری چڑیا النغیر کا کیا حال ہے؟ اس سے اس کا دل باغ باغ ہوگیا اور خود ہمارے دلوں پر کیفیت طاری ہوگئی۔

حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد بھی حضورؐ نے ان کو بھلایا نہیں۔ ان کی سہیلیوں کی بھی قدر کرتے تھے۔ ان کو گوشت وغیرہ بطور تحفہ بھیجتے رہتے تھے۔ اس پر حضرت عائشہ رشک کھاتی تھیں اور ایک دفعہ کہنے لگیں کہ میں ابوبکر کی لڑکی باکرہ، نوجوان سیرت و صورت میں ہر طرح ترجیح کے قابل ہوں لیکن آپ ایک مری ہوئی بڑھیا کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ خدیجہ نے مجھے اس وقت مانا جبکہ میرا ماننے والا کوئی نہ تھا اور مال سے اس وقت میری مدد کی جبکہ میرا مدد کرنے والا کوئی نہ تھا۔ یہ وفا اور یہ قدردانی جو ایک وفات یافتہ خاتون کے متعلق بھی حضرت کے اعمال سے ظاہر ہوتی تھی زندوں کے اعتماد کو بڑھاتی اور ان کی گرویدگی کو دوچند کر دیتی تھی۔ خود حضرت عائشہؓ کی جو قدردانی حضورؐ نے کی ہے وہ تمام مسلمانوں پر عیاں ہے۔ حضرت عائشہؓ کی ہمشیرہ اسماء بنت ابوبکر کا بھی بڑا احترام کرتے تھے امہات المومنین میں سے ہر ایک کی گواہی ہے کہ حضورؐ اس قسم کا شوہر تھے کہ اس سے بہتر ہو نہیں سکتا۔ اگر قریشی بیویاں خوش ہیں تو مصر کی مریم جو پہلے عیسائی تھیں وہ بھی خوش ہیں اور خیبر کی صفیہ جو پہلے یہودن تھیں وہ بھی انتہا درجہ پر خوش ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حلیمہ سعدیہ کے ہاں بچپن میں پرورش پائی تھی اس بات کو ہمیشہ یاد رکھتے تھے۔ اپنی دایہ کو اماں کر کے پکارتے تھے۔ ایک دفعہ اس کی قوم کے مرد اور عورتیں کثیر تعداد میں جنگ میں بطور قیدیوں کے مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ حلیمہ سعدیہ ان کو چھڑانے کے لئے آئیں۔ بڈھی عورت تھیں۔ حالت خراب تھی۔ سفر کی وجہ سے ان پر گرد پڑی ہوئی تھی۔ لشکر کے فرودگاہ میں چلی آئیں۔ حضورؐ نے تعظیم کے لئے

سفید چادر بچھائی اور ان کو اکرام و محبت کے ساتھ بٹھایا۔ تمام لشکر حیران ہوکر پوچھتا تھا کہ یہ کون عورت ہے۔ حضور فرماتے کہ میری اماں حلیمہ سعدیہ ہیں۔ حلیمہ نے حضرت سے یوں خطاب کیا: "اے محمدؐ تو نے اپنی خالاؤں کو اور پھوپھیوں کو قید کر دیا۔ یہ کیا کیا۔ حضرت نے فوراً ان قیدیوں کو آزاد کر دیا جو قریش کے حصے میں آئے تھے۔ اور ظہر کی نماز کے وقت باقی تمام مسلمانوں سے سفارش کی کہ حلیمہ سعدیہ میری اماں ہیں ان قیدیوں کی رہائی کے لئے آئی ہیں۔ ہم نے قریش کا حصہ تو آزاد کر دیا ہے۔ میں سفارش کرتا ہوں کہ تم لوگ بھی اپنے حصہ کے قیدیوں کو آزاد کر دو۔ تو لوگوں نے خوشی سے باقیماندہ قیدیوں کو رہا کر دیا۔

ایک دفعہ حلیمہ سعدیہ کی لڑکی شیماء آئیں اور حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں شیماء ہوں آپ میرے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ اور کھیلتے میں ایک دفعہ آپؐ نے خفا ہوکر میری پیٹھ پر اپنے دانت چبائے تھے جن کا نشان اس وقت تک موجود ہے۔ اس نے وہ نشان دکھایا۔ حضورؐ نے فرمایا اقم عندنا مکرمة محببة۔ آپ میرے ہاں قیام کیجئے گا۔ میں آپ کی اکرام اور محبت کے ساتھ تواضع کروں گا۔

حبشہ کے لوگ آنحضرت صلعم کے پاس آئے۔ حضورؐ نے خود اٹھ کر ان کی خدمت تواضع شروع کی اور بار بار فرماتے تھے کہ ان لوگوں نے ہمارے دوستوں کے ساتھ جب وہ حبشہ میں ہجرت کر کے گئے تھے بڑی نیکی و احسان کا سلوک کیا تھا۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ اس احسان کے بدلے میں جہاں تک ہو سکے ان سے حسنِ سلوک کریں اور اپنے ہاتھ سے خدمت کریں۔

حضرت خالد کی شجاعت کی بہت تعریف کرتے اور ان کا اکرام کرتے تھے۔ ان کو سیف اللہ کہہ کر پکارتے تھے۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح کے تدبر، امانت و دیانت کی وجہ سے بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ ان کو امین الامۃ کہہ کے پکارتے تھے۔ کسی نے تیر اندازی کے جوہر دکھائے تو اس کی قدردانی ہوئی۔ کسی نے اچھے لحن سے قرآن کریم پڑھ کر سنایا تو اس پر ہی فریفتہ ہیں اور اس کو کہتے ہیں لقد اوتیت مزمارا من مزامیر آل داؤد۔ یعنے تجھے خدا نے لحنِ داؤدی عطا کیا ہے۔

حضرت حسان نے اچھے شعر کہے تو ان کے متعلق فرماتے تھے کہ حسان غیبی تائید سے شعر کہتا ہے۔ الغرض سب کی قدردانی فرماتے تھے اور جو قدردانی حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی خصوصیت سے کی ہے وہ تو امت پر عیاں ہے۔ ان حضرات نے بڑی بڑی قربانیاں دکھائیں۔ اس لئے ان کی بہت بڑی قدردانی کی گئی۔ حضرت ابوبکرؓ کی نسبت فرماتے تھے ان امن الناس علیّ۔ حضرت ابوبکرؓ نے سب لوگوں سے زیادہ مجھ پر احسان کیا ہے۔ حق دوستی بھی ادا کیا ہے اور اپنا مال بھی مجھ پر صرف کیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے جب اسلام قبول کیا تو حضورؐ نے بڑی خوشی کی اور اس زور سے اللہ اکبر کے نعرے لگائے کہ مکہ معظمہ گونج اٹھا اور فرمایا کہ خدا نے آسمان پر عمرؓ کے اسلام قبول کرنے کی خوشی کی ہے۔ اور ان کو فاروق کا خطاب دیا۔ پھر ساری عمر حضرت عمرؓ کی ناز برداری کی۔ حضرت عمرؓ نے حضورؐ سے اختلاف رائے کا اظہار کیا اور بعض دفعہ بڑی سختی سے اختلاف کیا لیکن حضرت کی وفا و محبت اور اکرام میں فرق نہیں آیا۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ کے ساتھ بڑی محبت کی۔ اور حضرت علی کے ساتھ بڑی محبت کی۔ جہاں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی لڑکیوں کو فخر ازدواج بخشا وہاں حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ کے گھر میں اپنے کلیجے کے ٹکڑے بھیجکر ان گھروں کو منور فرمایا ایک دفعہ ایک جنگ میں فرمایا میں ایسے شخص کے ہاتھ میں علم دینے والا ہوں جس کو اللہ اور اس کا رسول محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ سب اشتیاق سے منتظر تھے کہ کس کے حصہ میں یہ سعادت آتی ہے۔ یہ حضرت علیؓ کی قدردانی تھی۔

حضرت عباسؓ جو حضورؐ کے چچا تھے ایک جنگ میں قیدی ہوکر مدینہ میں پہنچے تو حضور ان کو دیکھ کر بیقرار ہو گئے۔ رات کے وقت نیند نہ آئی اور تکرار سے فرمایا کہ میرے چچا عباس کی مشکیں نرم کر دو کیونکہ مجھے اذیت ہوتی ہے۔ اس وقت عبداللہ بن ابی نے حضرت عباس کو اپنی قمیص پہنائی تو حضورؐ نے اس کو یاد رکھا۔ عبداللہ بن ابی کی وفات پر اس کی میت کو اپنا کرتہ پہنانے کا شرف بخشا اور اپنے چچا پر جو احسان تھا اسکو اتارا۔

حضرت حمزہؓ کی شہادت پر حضور بڑے بے چین ہوئے اور ان کے جنازہ پر ۷۰ تکبیریں پڑھیں۔ سعد بن معاذ انصاری جو قبیلہ اوس کے سردار تھے۔ ان کی موت کے موقعہ پر فرمایا اھتز عرش الرحمٰن لموت سعد بن معاذ۔ یعنی سعد کے موت سے عرش الٰہی بھی رنج و الم سے تھرا اٹھا۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کسی شاعر نے کہا ہے ؎

و ما اھتز عرش اللہ من موت ھالک
سمعنا بہ الا لسعد ابی عمرو

ان واقعات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مردوں عورتوں تمام کی قدردانی کی۔ ان کے ساتھ محبت کی۔ ان کے ساتھ وفا کی۔ اور اس قدردانی سے چھوٹے بڑے امیر غریب سب نے حصہ لیا۔ قوم تو چھوٹے بڑوں سب سے مل کر بنتی ہے۔ اس لئے وہ ہستی جس نے یہ قوم تیار کرنی تھی اس نے ساری کی ساری قوم کو اکرام و محبت کی نگاہ سے دیکھا۔ اور ہر فردِ واحد کے ساتھ وفا کی۔ حضور کی قدر شناسی نے تمام کی تمام قوم کو گرویدہ بنا لیا اور جو چاہا ان سے کام لیا۔ یہ سب کچھ ذاتی تعلقات کی بناء پر ظہور میں آیا اور ذاتی رحیمیت و کریمیت کا کرشمہ تھا۔ ورنہ اگر وہ عہدۂ نبوت کا ڈر دکھاتے اور بادشاہت کا خوف دلاتے تو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے لو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک کوئی شخص ان کے نزدیک نہ پھٹکتا۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین ۵۔

## حضرت مرزا صاحب ...... نبی کریمؐ کو ٹھہرایا ہے (بسلسلہ صفحہ ۸)

ان سیاسی جماعتوں کی سیاست ٹھپ ہو کر رہ گئی۔ کیونکہ ان کے ہاتھ میں یہ ایک ہی بڑا سیاسی حربہ تھا جس سے یہ ہمیشہ فائدہ اٹھاتے رہتے تھے۔

یہ لوگ اب بھی بھولے بھٹکے عوام میں یہی حربہ استعمال کر رہے ہیں ان کو حکومت اور احمدیوں کے خلاف مشتعل کر رہے ہیں جگہ جگہ کہتے پھرتے ہیں کہ احمدی منافق ہیں۔ مرتد ہیں ان کی مسجدیں مسجد ضرار کا حکم رکھتی ہیں۔ ان کو ڈھانا مسلمانوں کا فرض ہے۔ یہ کوئی کنیسہ۔ کوئی گرجا اور مندر وغیرہ ڈھانے کی تلقین نہیں کرتے۔ جہاں خدا کے ساتھ شرک کیا جاتا ہے۔ خدا اور خدا کے رسول اللہ صلعم اور مذہب اسلام کو برا بھلا کہا جاتا ہے اور بتوں کی پوجا کی جاتی ہے اور نہ ہی ان کے ساتھ مخرب اخلاق اور حرام کاری کی جگہیں ڈھاتے ہیں، بلکہ یہ ڈھاتے ہیں تو مسجدیں تاکہ فرقہ وارانہ آگ بھڑکے۔ ملک کمزور ہو بد امنی پیدا ہو۔ لوگ ملک سے غداری کے کام تو خود کرتے ہیں اور غداری کا فتوے ہم پر لگاتے ہیں۔ حالانکہ حکومت اور پڑھے لکھے سمجھدار عوام بخوبی جانتے ہیں کہ احمدیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا تعالےٰ کے حکم اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم کے مطابق اولوالامر کی اطاعت ان پر فرض اور لازم ہے اس لئے احمدیوں کی غداری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر غدار ہو سکتے ہیں تو وہ لوگ جنہوں نے پاکستان کو دل سے تسلیم نہیں کیا۔ ملک اب پہلے سے زیادہ مضبوط ہے اس لئے اب ان کی ریشہ دوانیوں کے لئے ہمیں کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔

مکرم زاہد منجوعہ صاحب جائنٹ سیکرٹری
شبان الاحمدیہ مرکزیہ لاہور

بیاد خالد محمود مرحوم

# ۲ نومبر ۱۹۷۵ء کی ایک الم انگیز شام

تا حشر ترے سائے کو ترسیں گی نگاہیں
یوں تجھ سے بچھڑنے کا نہ تھا وہم و گمان بھی

ہم آخری بار ۲ نومبر ۱۹۷۵ء کو ایک دعوت میں اکٹھے ہوئے مل کر کھانا کھایا۔ باہر آکر مجھے ہنس کر اس نے کہا۔ کہ بھوک سے زیادہ کھانا کھایا ہے … نہر میں گرنے کی جگہ پر ایک بہت بڑا پل دو طرفہ ٹریفک کے لئے مکمل ہو چکا ہے اور عنقریب اس کا افتتاح ہونے والا ہے
کی میرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ ؛ ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

زندگی و موت تو خدا تعالےٰ کے اختیار میں ہے اور وقت یا بے وقت کے راز کو بھی وہ علام الغیوب ہی بہتر جانتا ہے۔ مگر بعض ساتھیوں کی اچانک موت دل پر ایسا زخم لگا جاتی ہے جو تاحیات مندمل نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ کے لئے دکھی کر جاتا ہے۔ ابھی کل ہی کی تو بات ہے کہ ایک ہنس مکھ اور شگفتہ سا نوجوان دارالسلام میں آکر مجھ سے ملتا ہے اور اپنا تعارف آپ کرواتے ہوئے یوں گویا ہوتا ہے "میرا نام خالد محمود ہے۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں بی ایس۔سی۔ کا طالب علم ہوں اور آپ کے ہمسائے میں آ رہا ہوں"۔ میں دل میں خوشی محسوس کرتا ہوں کہ ایسا پُرجوش اور سراپا تپاک نوجوان میرے پڑوس میں آ رہا ہے اور چند ہی دنوں میں وہ ہم سے ایسا مانوس اور ہم سب میں ایسا گھل مل جاتا ہے کہ گویا برسوں کی شناسائی ہو۔ اور آج اس کو ہم سے جدا ہوئے ایک برس بیت چکا ہے۔ مگر یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ ابھی ابھی میرے پاس سے اُٹھ کر یہ کہہ کر گیا ہے کہ "کیمپس میں ایک دوست کو مل کر جلد واپس آ رہا ہوں"۔ احمد پارک میں ایک شادی کی تقریب کے سلسلہ میں ہم دونوں اکٹھے ہوئے ہم دونوں نے مل کر کھانا کھایا۔ کھانا کھا کر باہر نکلے تو اس نے کہا بھائی! آج OVER EATING ہو گئی ہے اس لئے آج تو نہر میں بوٹنگ ہونی چاہیئے۔ میں ہنس دیا اور اس کی اس بات کو بھی دل لگی سمجھ کر خاموش ہو گیا مگر اس کے ساتھ جانے کے بجائے گھر چلا آیا۔ نماز عشا سے قبل کسی دوست نے آکر بتایا کہ خالد سکوٹر سمیت نہر میں گر گیا ہے، اس کا سکوٹر تو مل گیا ہے مگر خالد کی باڈی نہیں مل رہی ہے۔ یہ خبر میرے سر پر ہتھوڑے کی ضرب بن کر پڑی۔ اوسان بحال ہوئے تو نہر کی جانب بھاگا۔ نہر کے کنارے کیمپس ہوسٹل کے طلباء کا جم غفیر تھا۔ پچاسوں طلباء نہر کے ٹھنڈے پانی میں اس کے گرنے کی جگہ سے آگے کی طرف خالد مرحوم کی تلاش کر رہے تھے۔ اور بعض کے سردی سے دانت بج رہے تھے۔ دو بجے رات تک تلاش جاری رہی مگر اس کی باڈی نہ مل سکی۔ پولیس۔ ڈی سی صاحب اور وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی کیمپس بھی موقعہ پر تشریف لائے ہوئے تھے اور تلاش کرنے والے طلباء کو ہدایات دے رہے تھے۔ مجھے نہر پر جا کر معلوم ہوا کہ اندھیرے کے باعث وہ سامنے نہر کا اندازہ نہ کر سکا اور سکوٹر کی تیزی کے سبب سیدھا نہر میں جا گرا۔

یہ حادثہ ۲ نومبر ۱۹۷۵ء کو ۶½ بجے بعد شام ہوا تھا اور تین نومبر ۱۱ بجے قبل دوپہر خالد کے گرنے کی جگہ سے کچھ آگے اس کی لاش ملی۔ حادثہ تو ایک تقدیر الٰہی تھا۔ مگر نیو کیمپس کے طلباء، پولیس، سول اور یونیورسٹی کے افسران نے جس بے مثال ہمدردی اور انسان دوستی کا مظاہرہ کیا وہ لائق صد تحسین تھا۔

دوسرے دن ۳ نومبر کو گیارہ بجے قبل دوپہر اس کی لاش مل گئی، ہم اسے لے آئے اس روز دارالسلام میں مردوں عورتوں اور طلباء کا اتنا بڑا ہجوم تھا … اور تین روز تک اولڈ کیمپس اور نیو کیمپس کے طلباء کثیر تعداد میں مرحوم کے گھر تعزیت کے لئے آتے رہے۔

وقت گزرتے دیر نہیں لگتی، پورا ایک برس ہو چکا ہے کہ عالم تخیل میں اب بھی مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ خالد تو میرے قریب ہی موجود ہے اور میں اسے دیکھ رہا ہوں۔ اس کا خوش پوشاک نکھرا نکھرا سا وجود، بات کرنے کا پُر اعتماد انداز اور متبسم چہرہ کتنا دلفریب ہے۔ یاروں کا یار ہے۔ وقت پڑنے پر جان چھڑکنے والا ہے۔ آہ! میں بھلا اس کی دینی غیرت اور حضرت مجدد زمانؑ سے پختہ وابستگی کو کن الفاظ میں بیان کروں، وہ ۱۹۷۴ء کے ابتلاء کے دنوں میں راتوں کو پہرہ دیا کرتا تھا۔ وہ پوسٹر، کتبے اور دو ورقے لکھنے شام کو بیٹھتا تو صبح کر کے اُٹھتا۔ ان دنوں اسے کھانے کی پرواہ تھی نہ پینے کی، صحت کی نہ آرام کی۔ بس اسے ایک ہی دُھن سوار تھی کہ ہمارے دوست اس ابتلاء میں استقامت اور صبر کا ایسا نمونہ دکھائیں کہ آسمان سے فرشتے بھی مرحبا کہیں ۲۰½ برس کی عمر ہی کیا ہوتی ہے، کھانے پینے اور کھیل کود کا زمانہ ہوتا ہے۔ کسی باقسمت ہی کو اس عمر میں مذہب سے لگاؤ ہوتا ہے۔ مگر آفرین ہے اس نوجوان پر، کہ ان دنوں شدید مخالفت ہم مکتبوں میں ہمہ وقت گھرا رہنے کے باوجود اس کا دینی جذبہ دبنے مرنے کے بجائے مزید اُبھرا اور دارالسلام میں پندرہ ستمبر کے اجتماع کے مختلف نعرے اپنے سینہ اور پیشانی سے چپکا کر تمکنت سے پھرتا رہا۔

میں مرحوم کے اس جذبۂ غیرت اور دینی حمیّت کے اظہار کے اس لمحہ کو حضور خداوندی میں بطور نذرانہ پیش کرتے ہوئے دست بدعا ہوں کہ ربّ العزت جنت میں اس کے درجات بلند فرمائے اور اس کی رُوح کو سکون و قرار نصیب ہو۔

## بیاد خالد —— ابو ارشد

آبِ جُو دیکھ کے وہ نورِ نظر یاد آیا + اِک تلاطم سے اُبھرتا ہوا سر یاد آیا
تھا وہ طوفانِ بلا آب رواں لے خالد + اور ایسے میں ترا عزمِ سفر یاد آیا
یاد کرتے ہیں تجھے گھر میں سبھی خورد و کلاں + اور بھولے سے مگر تجھکو نہ گھر یاد آیا

دِل میں روشن ہیں اگرچہ تری یادوں کے چراغ
نقشِ پا کا ترے ملتا ہی نہیں کوئی سراغ

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور —— مؤرخہ ۱۷ نومبر ۱۹۷۶ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ —— شمارہ نمبر ۴۶

احمد سجاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد یار نے چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

جلد ۶۳ | یوم چہارشنبہ یکم ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ مطابق ۲۴ نومبر ۱۹۷۶ء | نمبر ۴۷

# ملفوظات حضرت مجدد صدی چہاردہم علیہ السلام

## ہر ایک کام میں کامیابی کی یہی جڑ ہے۔ کہ ہمت نہ ہارے

بات صرف اتنی ہے کہ خدا تعالیٰ کو ہر ایک بات پر قادر مطلق جانا جاوے اور کسی قسم کی بدظنی اس پر نہ کی جاوے۔ جو بدظنی کرتا ہے وہی کافر ہوتا ہے۔ مومن کی صفات میں سے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو غایت درجہ قادر جانے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بہت نیکیاں کرنے سے انسان ولی بنتا ہے۔ یہ نادانی ہے۔ مومن کو تو خدا تعالیٰ نے اوّل ہی ولی بنایا ہے۔ جیسے کہ فرمایا اللہ ولی الذین اٰمنوا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ہزاروں عجائبات ہیں اور انہیں پر کھلتے ہیں جو دل کے دروازے کھول کر رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بخیل نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص مکان کا دروازہ خود ہی نہیں کھولتا تو پھر روشنی کیسے اندر آوے پس جو شخص خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی طرف رجوع کرے گا۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ جہاں تک بس چل سکے وہ اپنی طرف سے کوتاہی نہ کرے۔ پھر جب اس کی کوشش اس کے اپنے انتہائی نقطہ پر پہنچے گی تو وہ خدا تعالیٰ کے نور کو دیکھ لے گا۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ جو حق کوشش کا اس کے ذمہ ہے اسے بجا لاوے۔ یہ نہ کرے کہ اگر پانی بیس ہاتھ نیچے کھودنے سے نکلتا ہے تو وہ صرف دو ہاتھ کھود کر ہمت ہار دے۔ ہر ایک کام میں کامیابی کی یہی جڑ ہے کہ ہمت نہ ہارے۔ پھر اس اُمت کے لئے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اگر کوئی پورے طور سے دُعا اور تزکیہ نفس سے کام لے گا تو سب وعدے قرآن شریف کے اس کے ساتھ پورے ہو کر رہیں گے۔ ہاں جو خلاف کرے گا وہ محروم رہے گا۔ کیونکہ اس کی ذات غیور ہے۔ اُس نے اپنی طرف آنے کی راہ ضرور رکھی ہے لیکن اس کے دروازے تنگ بنائے ہیں۔ پہنچتا وہی ہے جو تلخیوں کا شربت پی لیوے۔ لوگ دُنیا کی فکر میں درد برداشت کرتے ہیں۔ حتّٰی کہ بعض اسی میں ہلاک ہو جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے ایک کانٹے کی درد بھی برداشت کرنا پسند نہیں کرتے جب تک اس کی طرف سے صدق اور صبر اور وفاداری کے آثار ظاہر نہ ہوں تو اُدھر سے رحمت کے آثار کیسے ظاہر ہوں۔

ابراہیم علیہ السلام نے صدق دکھلایا تو ان کو ابوالانبیاء بنا دیا۔ میرے کہنے کا مدعا یہ ہے کہ دن بہت سخت ہیں اور کسی نے اب تک نہیں سمجھا تو سمجھ لیوے۔

جو لوگ خدا تعالیٰ کے بتلائے ہوئے صراطِ مستقیم پر چلیں گے وہی محفوظ رہیں گے۔ خدا تعالیٰ کا وعدہ ایسے ہی لوگوں کی حفاظت کا ہے جو سچی تبدیلی اپنے اندر کرتے ہیں۔ مطلق بیعت انسان کے کیا کام آ سکتی ہے۔ پورا نسخہ جب تک نہ پیئے تو مریض کو فائدہ نہیں ہوا کرتا۔ اس لئے پوری تبدیلی کرنی چاہیئے۔ جہاں تک ہو سکے دُعا کرو اور اللہ تعالیٰ سے کہو کہ وہ تم کو ہر ایک قسم کی توفیق عطا کرے۔

(البدر جلد ۴ نمبر ۳ صفحہ ۲ و ۳ مورخہ ۲۰ جنوری ۱۹۰۵ء)

---

## ہمارا جلسہ سالانہ

۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶ دسمبر (بروز جمعرات۔ جمعہ۔ ہفتہ اور اتوار) کو منعقد ہوگا۔ احباب شمولیت کیلئے ابھی سے تیاری شروع کر دیں۔ خواتین کا جلسہ ۲۳ دسمبر کو ہوگا خواتین دستکاری پر بھرپور توجہ دیں اور اپنی تیار کردہ اشیاء ساتھ لیتی آئیں۔

(ادارہ)

حضرت خواجہ کمال الدین مرحوم

# سیرت خیر البشر

## حضورؐ کی زندگی قرآن مجید کی چلتی جاگتی تصویر ہے

ہمیں قرآنی احکام کی تفہیم کے لئے مختلف مفسروں کی کتب کی ورق گردانی کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ آپ کی زندگی میں ان سب کی مثالیں موجود ہیں۔ اوامر و نواہی دونوں قسم کے احکامِ قرآنی پر آپ نے عمل پیرا ہو کر دکھا دیا۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ جب کسی کو قرآن کی کسی آیت کا مطلب سمجھاتی تھیں تو اس کی تفسیر یا تائید آپ کے اقوال و افعال سے کر دیتی تھیں۔ اور اگر کسی معاملہ میں نبی کریمؐ کے طرزِ عمل کو لوگ آپ سے دریافت کرتے تھے۔ تو وہ قرآن کی مخصوص آیات تلاوت فرما دیتی تھیں۔ اور ایک دفعہ انہوں ہی نے یہ فرمایا تھا" کان خلقہ قرآن" اور ان کی اتباع میں اکثر مفسرین نے بھی ایسا ہی کیا ہے اور کہ قرآنی اوامر و نواہی کی تفسیر کو آپ کے اقوالؐ و افعال سے مؤید کیا ہے۔ قرآن میں پانچسو سے اُوپر احکام پائے جاتے ہیں۔ لیکن اُن سب کی مثالیں آپؐ کی زندگی میں مل سکتی ہیں۔

جو مثالیں عفو کی بیان ہوئی ہیں۔ وہ سچ مچ قرآنی آیات متعلقہ عفو کی تفسیر کہی جا سکتی ہیں۔ اسی طرح قرآن میں غلاموں کو آزاد کرنے کے متعلق یہ حکم ہے:۔

"خدا کی محبت میں اپنی دولت اُن غلاموں کو آزاد کرنے میں صرف کرو۔ جنہیں لڑائی میں گرفتار کیا گیا ہو"

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے دشمنوں سے محبت کرنے کا عملی سبق دیا ہے۔ اور حضورؐ نے سب سے پہلے اس آیت پر بھی عمل کر کے دکھا دیا۔ بخوفِ طوالت آئندہ صرف انہی قرآنی آیات کی عملی تصاویر دکھاؤں گا۔ جن پر عمل کرنے کے لئے غیر معمولی اور فوق العادت لیاقت ذاتی کی ضرورت ہونی چاہیئے۔

**ایفائے عہد** مومنوں کی شناخت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے معاہدات کی پابندی کرتے ہیں۔ اور جب وعدہ کرتے ہیں تو اسے وفا بھی کرتے ہیں۔ (قرآن مجید ۲۳ : ۸ و ۵ : ۱)

اگر اس حکم کی پابندی ہر شخص اپنا شعار بنا لیتا تو آج دنیا کا اور ہی نقشہ ہوتا۔ لیکن آنحضرت صلعم نے اس اُصول پر بطرزِ احسن عمل کر کے دکھا دیا۔ بابِ ششم میں چند مثالیں پیش کی جا چکی ہیں۔ جو عیسائی مشنریوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں۔ اور اس لائق ہیں کہ عیسائی حکومتیں ان کو ہر دم سامنے رکھیں تاکہ وہ ان مواعید کا احترام کر سکیں۔ جن کی خلاف ورزی ان کا شعار عام ہو چکا ہے۔ آپ نے بھی بحیثیت بادشاہ دشمنوں سے معاہدات کئے جنہوں نے آپ کے سامنے ایسی کڑی شرطیں پیش کیں، جو آپ کے مقاصد کو بےحد نقصان پہنچانے والی تھیں۔ لیکن آپؐ نے ان کو تسلیم کیا۔ اور ایسے نازک حالات میں ان کی پابندی کی۔ جبکہ مدبّرینِ یورپ کو ان سے انحراف کرنے میں مطلق باک نہ تھا۔ جنگِ بدر کے موقعہ پر مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم تھی۔ آپؐ کے دو ساتھی پیچھے رہ گئے تھے۔ انہیں دشمنوں نے روک لیا۔ اور اس شرط پر رہائی دی کہ ان کے خلاف جنگ میں شریک نہ ہوں۔ جب یہ لوگ حضور صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ نے انہیں اہلِ مکّہ کے مقابل شرکتِ جنگ سے ہمیشہ باز رکھا حالانکہ اس وقت ایک ایک شخص ایک ایک دستہ کے برابر وقیع تھا۔

**انصاف پسندی** یہ امر ایفائے عہد سے بھی زیادہ مشکل ہو جاتا ہے جب فریقین میں سے ایک فریق اپنا دشمن ہو اور دوسرا دوست۔ لیکن قرآن فرماتا ہے:۔

"یقیناً اللہ انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی فریق کی معاندانہ روش تم کو جادۂ انصاف سے منحرف کر دے خبردار انصاف کو مدِ نظر رکھو۔ کیونکہ معدلت تقوےٰ سے قریب ہے (قرآن مجید ۱۶ : ۹۰ و ۵ : ۸)

لیکن آنحضرت صلعم نے اس پر من و عن عمل کر کے دکھا دیا۔

قبیلۂ مخزوم کی ایک عورت، علتِ سرقہ میں گرفتار ہوئی۔ اس کے اعزا نے اُسامہ ابنِ زیدؓ سے سے آپؐ کی خدمت میں سفارش کرنے کی درخواست کی۔ حالانکہ آپؐ ابنِ زید کا بہت خیال فرماتے تھے۔ لیکن اس موقعہ پر آپ نے فرمایا:۔

"اسامہ کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہاری خوشنودی کے لئے اللہ تعالیٰ کے احکام سے روگردانی کروں؟"

اس کے بعد آپ نے مجلس عام میں یُوں تقریر فرمائی:۔

"تم لوگوں سے پہلے بہت سی قومیں صرف اسی وجہ سے تباہ ہو گئیں۔ کہ انہوں نے غریبوں کے معاملات میں قانونِ مُلکی کو سخت طریقہ میں برتا اور امیروں کے لئے اس کو ملائم کر دیا۔ خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہؓ چوری کا ارتکاب کرے تو اس کے ہاتھ بھی اسی طرح کاٹ دیئے جائیں گے" (بخاری)

اپنی وفات سے چند روز پہلے آپ نے اعلان فرمایا کہ اگر آپ کے ذمہ کسی کا کچھ آتا ہو تو بےتکلف طلب کرے۔ اگر کسی کو کبھی جانی یا مالی نقصان آپؐ کے ہاتھ سے پہنچا ہو۔ تو آپ کی جان اور مال دونوں اس کی مرضی پر چھوڑ دیئے جائیں گے۔ کل جماعت خاموش تھی۔ ایک شخص چند درہم کا متقاضی ہوا۔ فوراً وہ رقم قلیل ادا کر دی گئی (ابنِ اسحاق)

ایک مرتبہ آپؐ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ ایک جماعت آپؐ کے گرد تھی، اس اثنا میں ایک شخص نے اپنے بدن کا سارا بوجھ آپؐ پر ڈال دیا۔ آپ نے ایک پتلی سی چھڑی سے اُسے ہٹا دیا۔ لیکن چھڑی کی نوک سے اس کے چہرے پر ایک خفیف سی خراش آ گئی۔ آپؐ نے فوراً اس سے فرمایا" مجھ سے انتقام لے سکتے ہو" اس نے کہا" یا رسول اللہ! میں نے بطیبِ خاطر آپ کو معاف کیا" (ابن داؤد)

آپؐ ہر شخص کے ساتھ خواہ وہ امیر ہوتا یا غریب، اعلےٰ یا ادنےٰ، خادم یا مخدوم، یکساں سلوک فرماتے تھے۔ سلمانؓ، صہیبؓ اور بلالؓ یہ لوگ آزاد کردہ غُلام تھے۔ لیکن ان کے ساتھ وہی برتاؤ ہوتا تھا جو کسی بڑے سے بڑے قریشی سردار سے۔ ایک مرتبہ سلمانؓ۔ بلالؓ اور ابوسفیان زعیمِ قریش تینوں ایک ہی جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ سلمانؓ اور بلالؓ نے آپس میں کہا کہ ہماری تلوار نے ابھی تک ابوسفیان کو نیچا نہیں دکھایا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان سے کہا۔ تم لوگوں کو یہ جرأت کس طرح ہوئی۔ کہ سردارِ قریش کے حق میں ایسی بات کہتے ہو؟ اس کے بعد انہوں نے آنحضرت صلعم سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا:۔

"میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تمہارے اس اعتراض سے ان لوگوں کی دل آزاری تو نہیں ہوئی۔ اگر ہوئی تو یقیناً تم سے خُدا ناراض ہے"

ابوبکرؓ فوراً ان لوگوں کے پاس آئے اور کہا:۔

" بھائیو! کیا میرے اعتراض سے آپ کی دِل آزادی ہوئی؟ انہوں نے کہا نہیں ہم آپ سے مطلق ناراض نہیں ہیں، عفاک اللہ" (مسلم)

حج ادا کرنے سے پہلے، قریش لوگ مزدلفہ نامی ایک جگہ پر قیام کرتے تھے، اور اس جگہ کو انہوں نے اپنے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ کیونکہ بوجہ عُلوِ نسب عامۃ الناس کے ساتھ مل کر بیٹھنے کو معیوب جانتے تھے۔

(باقی بر صفحہ کالم نمبر ۱)

ہفت روزہ پیغام صلح ـــــــــ لاھور ـــــــــ مورخہ ۲۴ر نومبر ۱۹۷۶ء

# واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعاً ولا تفرّقوا

## "ہمارا بھی ہفتہ"

مجدّدِ وقت حضرت مرزا غلام احمدؑ قادیانی کے فارسی قصیدہ کے یہ دو شعر آج ہمارے سامنے ہیں جن میں آپ نے تحریک احمدیت اور اس کی غرض و غایت کی ساری کہانی صرف چند جامع الفاظ میں سمیٹ کر دنیا کے سامنے پیش کر دی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

ـــــــ بتاج و تخت زمیں آرزو نمیدارم<br>نہ شوقِ افسر شاہی بدل مرا باشد<br>مرا بس است کہ مُلک سما بدست آید<br>کہ مُلک و مِلک زمیں را بقا کجا باشد

ترجمہ: مَیں زمین کے تاج و تخت کی کوئی آرزو نہیں رکھتا اور نہ ہی میرے دل میں افسرِ شاہی کا شوق ہے۔ میرے لئے تو یہی بس ہے کہ آسمانی مُلک ہاتھ آ جائے کیونکہ زمین کے مُلک اور اس کی حکومت کو کوئی بقا حاصل نہیں۔

اس کی تشریح بھی آپ نے خود ہی فرما دی ہے کہ:۔

"حکومت عام اور حاکم عام سے مراد .......... وہ بادشاہت اور حکومت ہے جو برگزیدوں کو آسمان سے دی جاتی ہے۔ خدا کے کامل پیارے آسمان پر اپنی بادشاہت رکھتے ہیں گو زمین پر ان کو سر رکھنے کے لئے بھی جگہ نہ ہو۔ جن کو آسمانی بادشاہت ملتی ہے وہ زمین والوں کی بادشاہت پر کچھ طمع نہیں رکھتے۔ کیونکہ زمین کی بادشاہت بہت مختصر اور تیز چند روزہ اور فانی ہے۔" (تریاق القلوب)

زمینی اور آسمانی حکومت کی جس طرح نوعیت ایک دوسری سے قطعاً مختلف ہے اسی طرح اس کے حصول کے ذرائع اور وسائل بھی متفرق ہیں۔ آج کے جمہوری دَور میں انسانوں پہ اقتدار اور تسلّط حاصل کرنے کے لئے ہر درو پر ووٹ کی بھیک کے لئے دستک دی جاتی اور خوشامد کی جاتی ہے۔ جھوٹے سچے وعدے کئے جاتے ہیں اور دھونس دھاندلی سے کام لینا بھی جائز تصوّر کیا جاتا ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ مانگنے والا ہر دروازے سے بامراد لوٹ جائے۔ لیکن آسمانی اقتدار کے لئے جب ایک ہی دروازے پہ اپنی جبینِ نیاز سجدے میں خاک آلود کر دی جاتی ہے تو وہاں سے کوئی بے نیلِ مرام واپس نہیں آتا بلکہ یہ اس کی وسعت دامن پر منحصر ہے کہ وہ تکمیلِ آرزو کے کتنے پھول اس میں سمیٹ سکتا ہے۔ جو جتنا مانگے اس سے بڑھ کر اس کی جھولی میں ڈال دیا جاتا ہے۔ دُنیوی حکومت کی بے ثباتی پر بھی تاریخِ انسانیت گواہ ہے اور آسمانی حکومت کے دوام پر بھی۔ بڑے بڑے شہنشاہوں۔ بزعم خویش ہمہ مقتدر ڈکٹیٹروں اور صاحبِ اقتدار انسانوں کا نام و نشان آج باقی نہیں۔ اس پر ستم یہ ہے کہ ہر آنے والے نے اپنے اقتدار کے استحکام کے لئے جانے والے کے عیوب اور کوتاہیاں عوام الناس کے سامنے بیان کرنے میں بھی کبھی بخل سے کام نہیں لیا۔ اس کے برعکس آسمانی بادشاہت پانے والوں نے ہمیشہ ایک دوسرے کی تصدیق کی اور اس کی صداقت پر شہادت دی مگر اس حکومت کے حاصل کرنے کی راہیں بڑی کٹھن اور دشوار ہیں۔ اس خارزار میں کوئی وہی آبلہ پا قدم رکھ سکتا ہے جو نوک خار سے آبلہ پا پھوٹنے کی لذّت سے آشنا ہو اور انگاروں پہ چلنے کی لذّت سوزش سے بھی آگاہ ہو۔ ایسوں کے لئے واقعی سر چھپانے کی کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ زمین باوجود فراخی کے ان کے لئے تنگ کر دی جاتی ہے لیکن ایک وقت آتا ہے کہ مخالف ترین انسان بھی ان کی عظمت کے سامنے گردن نہاد ہو جاتے ہیں۔ نمرود۔ فرعون۔ ہامان کاتھا اور اس کے ساتھیوں کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ لیکن حضرت ابراہیمؑ حضرت موسٰےؑ۔ حضرت عیسٰےؑ کا نام آج بھی زندہ ہے۔ ابوجہل اور ابولہب مٹ گئے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے نام پر جان نثار کرنے والے اور آپ پر روزانہ پانچ وقت درود و سلام بھیجنے والے کروڑوں انسان آج بھی زندہ ہیں اور تاقیامت زندہ رہیں گے۔ لیکن بہت ہی کم ہیں جو اس سے عبرت حاصل کرتے اور حق کا ساتھ دینے کے لئے اپنے اندر جرأت پاتے ہیں۔ کیونکہ خدا کی بادشاہت میں داخل ہونے کے لئے موت کو گلے لگانا پڑتا ہے۔ ـــــــ

ز مشکلات رہِ راستی چہ شرح دہم<br>کہ شرطِ ہر قدمے گریہ و بقا باشد

ترجمہ: میں تمہیں رہ راستی کی مشکلات کیسے کھول کر بتاؤں۔ اس کے تو ہر قدم پر رونے دھونے اور گریہ وزاری کے سوا کچھ بھی نہیں۔

حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں:۔

"مبارک ہیں وہ جو راستبازی کے سبب ستائے گئے ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہی انہی کی ہے۔ جب میرے سبب سے لوگ تمہیں لعن طعن کریں گے اور ستائیں گے اور ہر طرح کی بُری باتیں تمہاری نسبت ناحق کہیں گے تو تم مبارک ہو گے۔ خوشی کرنا اور نہایت شادماں ہونا کیونکہ آسمان پر تمہارا اجر بڑا ہے اس لئے کہ لوگوں نے ان نبیوں کو بھی جو تم سے پہلے تھے اسی طرح ستایا تھا۔"

(متی باب ۵: ۱۰ تا ۱۲)

یہی وجہ ہے کہ اس مے مرد افگن عشق کے حریف بہت ہی کم ہوتے ہیں قرآن کریم سے بھی ہمیں یہی شہادت ملتی ہے کہ بہت ہی کم بندے نصیحت حاصل کرنے والے اور شکر گذار ہوتے ہیں۔

"اور یاد کرو جب تم تھوڑے (تھے) (اور) زمین میں کمزور تھے ڈرتے تھے کہ لوگ تم کو زبردستی پکڑ نہ لے جائیں۔ سو اس نے تم کو پناہ دی اور اپنی نصرت کے ساتھ تمہاری تائید کی اور تم کو اچھی چیزوں سے رزق دیا تاکہ تم شکر کرو۔"

(الانفال: ۲۶)

"اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے۔ پھر تم کو بہت کر دیا اور دیکھ لو کہ فساد کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا"

جماعت احمدیہ کی گذشتہ نوّے سالہ زندگی گریہ و زاری۔ آہ و بکا۔ ابتلاؤں اور آزمائشوں۔ مشکلات اور مشکلات کی ایک خونچکاں داستان سہی لیکن کیا ہم شکستہ خاطر ہو جائیں۔ حوصلہ ہار بیٹھیں۔ ہمت کو جواب دے دیں اور ہمارا عزم متزلزل ہو جائے۔ بالکل نہیں۔ ہرگز نہیں۔ قطعاً نہیں۔ راہ وفا پر چلنے والے تو ایسے نہیں ہوتے۔ وہ اس کے تقاضوں کو جانتے ہیں۔ وہ ٹھوکر کھا کر منہ کے بل گرتے بھی ہیں اور اٹھ بھی کھڑے ہوتے ہیں۔ منزل کی کشش اور آرزو اور اسے حاصل کرنے کا جذبہ شوق انہیں کبھی پست ہمت نہیں ہونے دیتا۔ وہ اپنی راہ کے کانٹوں کو اپنی زخمی انگلیوں سے چنتے اور پتھروں کو ہٹاتے ہوئے گرتے پڑتے آگے ہی بڑھتے جاتے ہیں۔ اگر راہ میں دم بھی توڑ دیں تو یہ عین سعادت اور شہادت ہے۔ اگر رقیب روسیاہ رہزن نہ ہو تو محبوب تک رسائی کی کیا لذّت اور خوشی۔

اگر خدا ہمارا والی اور ناصر ہو۔ محمد صلعم ہمارے ہادی اور رہنما ہوں۔ مجدّدِ وقت ہمیں ان کی معرفت عطا کرنے والے جس کی بادشاہت میں داخل ہونے کے لئے ہم نے اگر صدق دل سے امامِ وقت کے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہے

تو پھر کیا غم - ہم تھوڑے ہیں تو وہ ہمیں کثرت دے گا - اور ہم کمزور ہیں تو وہ ہمیں قوت دے گا - ہم ڈرتے ہیں تو وہ ہمارے اس خوف و حزن کو دُور کر دے گا اور ہماری تائید کرے گا - رزق کی ہمیں پرواہ نہیں ہمیں تو اس کی خوشنودی اور رضا کا رزق چاہیئے رزقِ دُنیا کی بھی اس کے پاس کوئی کمی نہیں -

ہمیں یہ سطور لکھنے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی ہے کہ ہمارے ملک میں مختلف قسم کے ہفتے "ہفتۂ اقلیت" - "ہفتۂ مزدور" - "ہفتۂ خواتین" اور "ہفتۂ کسان" وغیرہ منائے گئے اور منائے جا رہے ہیں - ملک کی ایک مذہبی اور سیاسی جماعت نے اپنے اراکین کو "ہفتۂ نفاذِ شریعت" منانے کی اپیل بھی کی ہے - ہمارا بھی ایک ہفتہ آنے والا ہے جو جماعتِ احمدیہ کی ابتداء سے ہر سال ۲۴ر دسمبر سے شروع ہو کر ۳۱ر دسمبر کو ختم ہوتا ہے" اور دل کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے" کے مدِنظر ہمارے اس ہفتہ کی نوعیت اور اس کے دوران میں منعقد ہونے والی تقریبات کا رنگ بالکل ہی مختلف اور الگ تھلگ ہوتا ہے کیونکہ یہ غمِ دنیا نہیں غمِ دین ہوتا ہے جس سے ہماری سوچ و فکر اور اغراض و مقاصد متاثر ہوتے ہیں - ہمارے اس ہفتہ کے شروع ہونے میں صرف چند دن باقی ہیں - اس کی اہمیت اور افادیت بھی ہمارے قارئین پر واضح ہے - اب صرف سوچنا یہ ہے کہ ہم نے اس میں شمولیت اور بھرپور حصّہ لینے کے لئے کیا تیاری کی ہے - ہمارے خیال میں یہ ایک عام میلوں سا ایک میلہ نہیں - اس کے ساتھ ایک تقدّس اور ایک وقار وابستہ ہے - ہمارے ذہن کے تاریک گوشوں میں ماضی کی کچھ روشن یادیں محفوظ ہیں -

ہمیں ایک قافلے کے ساتھ تیس چالیس میل کا پہاڑی سفر بھی یاد ہے - راہ میں پڑتی ہوئی ندی نالوں کے پاس سوز و گداز سے بھرپور باجماعت نمازوں میں وہ دبی دبی سی سسکیاں بھی سنائی دیتی ہیں - مسلم ہائی سکول نمبر ۲ کے کمروں میں خوبصورت اور نرم و نازک جسموں کا پرالی پر بستر بچھا کر عبادت کے جذبے سے لیٹنا بھی نہیں بھولا - مسجد میں دین کی سربلندی کے لئے مضطرب و بیقرار دلوں کی چیخ و پکار کی بازگشت بھی کانوں سے ٹکرا رہی ہے - کوئی گلہ نہیں - کوئی شکوہ نہیں - کوئی نکتہ چینی ہے نہ طعنہ زنی - کوئی زیب و زینت کی نمائش نہیں سادگی ہی سادگی - محبت ہی محبت اور خلوص ہی خلوص ہے - جب مقصد و لگن ایک - تڑپ اور آرزو ایک ہوں تو پھر دل کیوں نہ ایک ساتھ دھڑکیں کاش وہ دن ہماری زندگی میں ایک بار پھر لوٹ آئیں - ہماری ساری متاع اور ساز و سامان یہی تھا جس کے ساتھ ہم اپنا یہ ہفتہ مناتے ہیں - اب بھی ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ یہی وہ متاع ہے جس سے سفر کی منزلیں آسان سے آسان اور قریب سے قریب تر ہو سکتی ہیں - اگر عزم جوان ہو تو عمر اور زمانہ کی کوئی قید نہیں - اگر ہم کسی وجہ سے بھٹک گئے ہیں تو قدموں کے نشان ہمیں اب بھی واپس لوٹ آنے کی دعوت دے رہے ہیں -

ہم اپنی ذاتی کمزوریوں اور کوتاہیوں کے پیشِ نظر اپنے قارئین کی خدمت میں کچھ عرض کرنے کے قابل نہیں - ہم سب سے پہلے اپنے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی طرف بلانے سے بڑھ کر کوئی مقصد نہیں - اس میں دو چار نہیں کئی مشکل مقامات بھی آتے ہیں - ان پر قابو پانے کے لئے سب سے پہلے اپنے اندر کی "میں" یا "انا" کو کچلنا پڑتا ہے - جو کامیابی کے راستے میں سب سے بڑا سنگِ گراں ہے - اس انا کا گلا گھونٹنے کے لئے "فاعفوا واصفحوا" (سو عفو اور درگذر کرو) کے اصول کو حرزِ جاں بنانے کی ضرورت ہوتی ہے - جب سینہ چوڑا اور کشادہ ہو تو بدظنیوں - بدگمانیوں اور کینہ و حسد کی وہاں کوئی گنجائش نہیں ہوتی - ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کو فراخدلی سے سمجھنے کی توفیق ملتی ہے اور اختلافات کو دشمنی کی حد تک بڑھانے کا راستہ مسدود ہو جاتا ہے - اگر یہ نہیں تو نفس پرستی کی دھول دل کو غبار آلود کر کے بھائیوں میں جدائی ڈالنے کا موجب بن جاتی ہے - اور کچھ لوگ اس سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرتے ہیں - آج وہ لوگ بھی جو کل تک اس غریب قوم کے دودھ پر مارِ آستین بن کر پلتے رہے ہیں ہم پر طعنہ زنی کی زبان کھولنے کی جراٴت کرتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ سورۃ الحجرات میں یہ بھی ہے کہ :-

"اگر مومنوں میں سے دو گروہ جنگ کریں تو ان میں صلح کرا دو پس اگر ایک دوسرے پر زیادتی کرتا ہے تو اس سے جنگ کرو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف واپس آ جائے - اگر وہ واپس آ جائے تو ان کے درمیان عدل سے صلح کرا دو اور انصاف کرو اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے - مومن بھائی بھائی ہیں سو اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو اور اللہ کا تقوےٰ کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے -"

مومنوں کے گروہوں میں جنگ و جدل اور خون خرابہ کے ہزاروں واقعات تاریخ اسلامی میں مرقوم ہیں - ان اختلافات - جنگ و جدل اور خون خرابہ - دشمنی اور عداوت کی نوبت اس لئے آئی کہ منافقین نے ان کی صفوں میں گھس کر بھائیوں کو آپس میں ملنے سے باز رکھا ورنہ بعض جنگوں میں وہ تو صحابہ رضوان اللہ اجمعین بھی موجود تھے جن کی تربیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہاتھوں میں ہوئی تھی اور وہ انصاف - عدل اور تقوےٰ کے تقاضوں اور قرآن کریم کے ایک ایک حرف کی گہرائیوں تک میں اترنے والے تھے - حضرت عمرؓ - حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ اور حضرت امام حسینؓ تک لوگوں کے ناپاک ہاتھ "سبا کی ذریت" کے ذریعہ ہی پہنچے جو لوگوں کے سامنے ان کے ہمدرد - بہی خواہ ناصحین اور مصلحین بن کر آئے جب بھی قرآن کریم کے کسی صریح حکم کے خلاف قدم اُٹھے گا نقصان ہی نقصان ہوگا -

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے سوا اپنے راز دار نہ بناؤ وہ تم کو نقصان پہنچانے میں کوئی کمی نہیں کرتے - وہ تمہارے خطرناک مصیبت میں پڑنے کو چاہتے ہیں - ان کے مونہوں سے بغض ظاہر ہو چکا ہے اور جو کچھ ان کے سینے چھپاتے ہیں وہ بڑھ کر ہے یقیناً ہم نے تمہارے لئے باتیں کھول کر بیان کر دی ہیں اگر تم عقل سے کام لو" (۳ : ۱۱۷)

جب ایسے لوگ راز دار بن جاتے ہیں تو ان سے جو نقصان پہنچتا ہے وہ بھی قرآن کریم نے بیان فرما دیا ہے :-

"اگر تم میں مل کر نکلتے تو تم میں سوائے فساد کے کچھ نہ بڑھاتے اور تمہارے اندر تمہارے لئے دُکھ چاہتے ہوئے چغلیاں پھیلاتے پھرتے اور تم میں ان کے جاسوس بھی ہیں - اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے -"

"اگر تم کو کوئی سُکھ چھو جائے ان کو بُرا لگتا ہے اور اگر تم کو کوئی دکھ پہنچے وہ اس سے خوش ہوتے ہیں - اور اگر تم صبر کرو اور تقوےٰ اختیار کرو تو ان کی تدبیر تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچائے گی - بیشک اللہ اس کا جو وہ کرتے ہیں احاطہ کئے ہوئے ہے -"

ہمیں افسوس ہے کہ ہم نے نہ تقویٰ سے کام لیا نہ عقل سے اور نہ صبر سے - پھر اللہ ان کی ان بُری تدبیروں کا احاطہ کس طرح کرتا - ہم نے غیروں کو اپنے اُوپر ہنسنے کا موقعہ دیا ہے تو یہ ہمارا اپنا قصور ہے - ہم نے دنیا کی لعنت کو بطیبِ خاطر زیبِ گلو کیا ہے تو اللہ تعالےٰ کی لعنت سے بچنے کے لئے بھی کوئی سامان کرنا ضروری ہے ورنہ انجام نوشتہ بر دیوار ہے - جب دو لعنتیں اکٹھی ہو گئیں تو پھر ہمارا کوئی ٹھکانا نہیں -

**پیغامِ صلح کا جلسہ سالانہ نمبر** - ۱۷ر دسمبر ۷۶ء کو شائع ہو رہا ہے - جو ۲۴ر صفحات پر مشتمل ہوگا - مضمون نگار احباب سے التماس ہے کہ وہ دسمبر کے پہلے ہفتہ میں اپنے مضامین بھیج کر ممنون فرمائیں - دس دسمبر کے بعد موصول ہونے والے مضامین اس نمبر میں شائع نہ ہو سکیں گے - (ادارہ)

اس لئے اپنے بزرگوں، بہنوں، بھائیوں، بچیوں اور بچوں سے ہماری نہایت دردمندانہ گذارش ہے کہ ہم دنیا کے طعن و تشنیع، تمسخر و استہزا کی پرواہ کئے بغیر اپنی گذشتہ فروگذاشتوں، کوتاہیوں اور کمزوریوں کو سامنے رکھتے ہوئے ایک نئے عزم و ولولے، جوش و خروش، نئی سوچ و فکر اور قلب و ذہن کی پاکیزگی کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تعداد میں شریک ہو کر اس ہفتہ کی "مخصوص تقریبات" کو کامیاب بنانے اور اپنے اسلاف کی قابلِ تقلید روایات کو زندہ کرنے کی کوشش کریں۔ ورنہ حضرت صاحب فرماتے ہیں:—

"جس قدر لوگ میرے سلسلۂ بیعت میں داخل ہیں وہ سب کے سب ابھی اس بات کے لائق نہیں کہ میں ان کی نسبت کوئی عمدہ رائے ظاہر کر سکوں بلکہ بعض خشک ٹہنیوں کی طرح نظر آتے ہیں جن کو میرا خداوند جو میرا متولی ہے مجھ سے کاٹ کر جلنے والی لکڑیوں میں پھینک دے گا۔ بعض ایسے بھی ہیں کہ اوّل ان میں دلسوزی اور اخلاص تھا مگر اب ان پر سخت قبض وارد ہے اور اخلاص کی سرگرمی اور مریدانہ محبت کی نورانیت باقی نہیں رہی ........ وہ تھک گئے اور درماندہ ہو گئے اور نابکار دنیا نے اپنے دامِ تزویر کے نیچے انہیں دبا لیا۔ سو میں سچ سچ کہتا ہوں کہ عنقریب مجھ سے کاٹ دیئے جائیں گے بجز اس شخص کے کہ خدا تعالیٰ کا فضل نئے سرے سے اس کا ہاتھ پکڑ لیوے۔ ایسے بھی بہت ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے مجھے دیا ہے اور وہ میرے درخت وجود کی سرسبز شاخیں ہیں۔"

(فتح اسلام۔ ۶۷-۶۸)

**ہماری** دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں میں شامل کرے جو مجدّدِ وقت کو ہمیشہ کے لئے دیئے گئے اور وہ آپ کے درخت وجود کی سرسبز شاخیں ہیں۔ آمین۔

# اخبارِ احمدیہ

**قابلِ تقلید** مکرم جناب چوہدری فضل داد پنشنر گجرات سے اطلاع دیتے ہیں کہ: "میری عزیزہ مسرت احمد چوہدری نے اپنے تبادلہ کی خوشی میں شکرانہ کے طور پر مبلغ -/۷۰ روپے اشاعتِ قرآن فنڈ میں دیئے ہیں۔ جو خزانہ انجمن میں جمع ہو چکے ہیں جزاھا اللہ احسن الجزاء۔ نیز چوہدری صاحب موصوف اپنے دیگر بہن بھائیوں سے بھی اپیل کرتے ہیں۔ کہ وہ بھی خوشی کے ہر ایسے موقع پر اشاعت قرآن فنڈ کو یاد رکھا کریں۔"

## عہدیداران و مجلسِ انتظامیہ مقامی جماعت احمدیہ لاہور برائے سال ۷۷-۱۹۷۶ء

صدر: ڈاکٹر وحید احمد صاحب
نائب صدر: چوہدری نذر رب صاحب
سیکرٹری: ماسٹر عبدالسلام صاحب
اسسٹنٹ سیکرٹری: چوہدری ضیاء الرحمٰن صاحب
خازن: ماسٹر اصغر علی صاحب

**ممبرانِ مجلسِ انتظامیہ:—**

جناب میاں فضل احمد صاحب۔ ڈاکٹر مبارک احمد صاحب۔ چوہدری خالد احمد صاحب۔ چوہدری مسعود اختر صاحب۔ رشید احمد صاحب۔ زاہد جنجوعہ صاحب۔ شیخ ناصر احمد صاحب۔ عبدالغنی بٹ صاحب۔

(عبدالسلام۔ سیکرٹری مقامی جماعت احمدیہ لاہور)

**درخواست دعا** جناب علم الدین صاحب ڈیرہ غازی خاں سے اطلاع دیتے ہیں کہ ۱۔ حکیم فارقلیط رند صاحب نے اپنے لڑکے کی پیدائش کی خوشی میں مبلغ بیس روپے خزانہ انجمن میں بھیجے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا (باقی بر کالم مقابل)

# مہتمم جلسہ سالانہ کا مکتوبِ گرامی

**برادرم مکرم و معظم سلمہ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَبَرَکَاتُہٗ**

جلسہ سالانہ ۱۹۷۶ء ۲۳ر، ۲۴ر، ۲۵ر اور ۲۶ر دسمبر بروز جمعرات، جمعہ، ہفتہ اور اتوار منعقد ہو رہا ہے۔ یہ خط آپ کو قبل از وقت اس لئے لکھا جا رہا ہے تا کہ آپ دسمبر کے آخری ہفتہ میں تین چار دن اس عظیم اور پاک اجتماع کے لئے مخصوص کر سکیں، آپ خود تشریف لائیں اور اپنے خاندان کے ہر ممبر کو ہمراہ لائیں بلکہ اپنی جماعت کے ہر ممبر کو ابھی سے جلسہ میں شرکت کے لئے تیار کریں۔ اور بہتر ہوگا کہ اُن احباب کی ایک فہرست تیار کریں جو شمولیت جلسہ کے لئے تیار ہیں اور پھر اس تعداد کے مطابق "منی بس" یا "بس" کا بندوبست کریں جو آپ کو براہ راست دارالسلام لاہور پہنچا دے اس طرح آپ بس کے اڈوں پر اترنے یا ریلوے سٹیشن لاہور پر اتر کر احمدیہ بلڈنگس یا دارالسلام کے لئے سواری تلاش کرنے کی دشواریوں سے بچ جائیں گے۔ وفد کی تعداد سے ہمیں ۱۵ر دسمبر تک ضروری اطلاع دیں تاکہ ہم آپ کی رہائش گاہ کا فیصلہ کر کے آپ کو فوراً اطلاع دے سکیں۔

اس سال انڈونیشیا، ہالینڈ، بھارت اور دیگر ممالک سے بھی احباب اس جلسہ میں شمولیت کے لئے تشریف لائیں گے اور تقاریر فرمائیں گے۔ اس سے جلسہ نسبتاً زیادہ بارونق و بابرکت ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

خواتین لاہور نے دستکاری کی نمائش کا بھی خاص بندوبست کیا ہے۔ گھریلو استعمال کی مفید اور ضرورت کی اشیاء دستیاب ہوں گی امید ہے کہ آپ کے علاقہ سے بھی خواتین بڑی تعداد میں شرکت کریں گی۔

یہ جلسہ سال میں ایک بار آتا ہے اور اپنے ساتھ بے بہا برکات لاتا ہے علاوہ ازیں اپنے احباب اور رفقاء کو باہم ملنے اور بغلگیر ہونے کا موقع بھی ملتا ہے۔ تین چار دن اکٹھے رہنے اور سوچنے کا وقت بھی میسّر آتا ہے۔ ہماری جماعت ان مشکلات کے ایام میں ایک امتحانی دور سے گذر رہی ہے۔ اس لئے ان ایام میں مل بیٹھ کر اپنے مستقبل کے متعلق سوچنا اور مفید تجاویز مرتب کرنا ہمارا فرض ہے۔

نوجوان ممبران کا یہاں آنا سب سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ وہ مستقبل کے معمار ہیں اور انہوں نے ہی جماعت کے مشن کو آگے بڑھانا ہے اس لئے جماعت کے نوجوانوں کو ضرور ہمراہ لائیں اور اگر اُن میں سے کوئی نوجوان جلسہ سالانہ یا جلسہ شبان الاحمدیہ میں اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہے تو فوراً مجھے اطلاع دیں تاکہ ان کا نام پروگرام جلسہ میں شامل کیا جائے۔

اپنی جماعت کے کم استطاعت رکھنے والے احباب کے اخراجاتِ سفر کے لئے مل کر چندہ جمع کریں اور انہیں ہمراہ لائیں۔ اگر آپ ضرورتاً محسوس کریں تو مجھے اطلاع دیں میں صدر انجمن سے کچھ بندوبست کروانے کی کوشش کروں گا۔ حسب توفیق جلسہ فنڈ میں ضرور حصّہ لیں اور رضاکار بھی ساتھ لائیں جو کارو بار جلسہ میں ہمارے معاون بن سکیں، ان دونوں امور کے لئے جمعہ میں تحریک کریں اور نتیجہ سے مجھے آگاہ فرمائیں۔

میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ میری درخواست پر غور فرمائیں گے اور مجھے خدمت کا موقع دیں گے۔ میں آپ سب کے لئے چشم براہ ہوں۔ میری اس چٹھی کا جواب ضرور دیں میری حوصلہ افزائی ہوگی۔

(میاں) فضل احمد مہتمم جلسہ سالانہ ۱۹۷۶ء
احمدیہ انجمن اشاعت اسلام۔ لاہور

(بقیہ) ہے کہ وہ نومولود کو والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے اور صحت والی لمبی عمر عطا کرے۔

۲۔ چوہدری علم الدین صاحب خود بھی تا حال بیمار ہیں۔ اور ان کے

مکرم عبدالواحد صاحب۔پشاور۔

# کیا ختم نبوت کے بعد وحی۔ الہام۔ کشف اور رؤیاء صادقہ کے دروازے بند ہو گئے ہیں۔ اور کیا اُمتِ مسلمہ میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اولیاء نہیں آسکتے۔

غلام احمد پرویز صاحب کی کتاب "ختم نبوت اور تحریکِ احمدیت" کے بارہ میں پیغامِ صلح میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن اس کتاب کا ایک اہم گوشہ ہنوز توجہ طلب ہے۔ اس کتاب میں مندرجہ افکار سے متاثر ہو کر خواجہ محمد عبداللہ صاحب نے پرویز صاحب سے یہ استفسار کیا تھا کہ کیا ان کی تحریروں کی رُو سے وہ تمام حضرات جن کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے کشف و الہام ہوتا تھا یا وہ جو اس کے قائل تھے جھوٹے اور کاذب ہیں اور کیا یہ بزرگان اور ان کے معتقدین ختم نبوت کے منکر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ اس سیدھے سوال کا جواب بھی ایسا ہی سیدھا ہونا چاہیئے تھا لیکن پرویز صاحب نے یہ جواب دیکر مستفسر کو ٹالنے کی کوشش کی "تلك امة قد خلت لها ماكسبت ۔ ولكم ماكسبتم ولا تسئلون عما كانو يعملون ۔ یہ لوگ اپنے اپنے وقت میں دنیا سے چلے گئے جو کچھ انہوں نے کیا وہ ان کے لئے تھا۔ جو تم کرو گے وہ تمہارے لئے ہوگا۔ ہم تم سے پوچھیں گے بھی نہیں کہ انہوں نے کیا کیا تھا۔" خواجہ عبداللہ صاحب نے استفسار کتاب میں مندرجہ ذیل چند تحریرات کی بناء پر کیا تھا۔ حوالہ جات کتاب کے نقش ثانی کے ہیں۔

۱۔ "کیا کشف و الہام کے امکان کو تسلیم کر لینے کے بعد عقیدہ ختم نبوت باقی رہ جاتا ہے۔" ص۷۲

۲۔ "اس کے ساتھ ہی یہ عقیدہ بھی وضع کر لیا کہ خدا کے برگزیدہ انسانوں کو اب بھی خدا کی طرف سے براہ راست علم ملتا ہے۔ انہیں اولیاء اللہ یا صوفیاء کرام کہا جاتا ہے۔ اور انکے علوم کو کشف اور الہام۔ آپ نے غور کر لیا کہ اس عقیدہ سے ختم نبوت کی مُہر کس طرح ٹوٹ گئی اور جس دروازے کو خدا نے بند کر دیا تھا وہ کس طرح چوپٹ کُھل گیا۔" ص۷۵

۳۔ "ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ اب کوئی شخص ایسا نہیں کہہ سکتا کہ اسے خدا کی طرف سے براہِ راست علم حاصل ہوتا ہے جو ایسا کہے گا وہ ختم نبوت کا منکر اور مدعی نبوت ہوگا اور اس کا یہ دعوےٰ از رُوئے قرآن جھوٹا ہوگا۔" ص۵۸

۴۔ "لہذا ختم نبوت کے بعد اگر وہ شخص یہ کہتا ہے کہ مجھے خدا کی طرف سے غیب کی خبریں یعنی پیشگوئیاں ملتی ہیں تو وہ وحی کا مدعی ہے۔ لہذا ختم نبوت کا منکر اور اس کا دعویٰ باطل۔" ص۶۳

۵۔ "جو یہ کہے کہ میں خدا کی طرف سے علم پا کر ...... پیشگوئیاں کرتا ہوں۔ ایسا شخص درحقیقت مُدعی نبوت ہے۔ لہذا از روئے قرآن اس کا دعوےٰ باطل۔" ص۶۳

۶۔ "خدا سے براہ راست علم حاصل ہونے کے لئے قرآن کریم میں وحی کی اصطلاح آتی ہے۔ اور وحی حضرات انبیاء کرام تک محدود تھی۔ اور حضور نبی اکرمؐ کی ذات پر ختم ہو گئی۔ اب خدا سے کسی کو براہِ راست علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ وحی کو خدا نے کسی (غیر از نبی) انسان کے متعلق یہ نہیں کہا کہ ہم اس سے کلام کرتے ہیں۔ یا وہ ہم سے کلام کر سکتا ہے۔ نہ ہی یہ کہ ہم نے فلاں کی طرف الہام کیا یا اپنے مقربین کی طرف الہام کریں گے۔ لہذا قرآن کریم سے کشف۔ الہام یا غیر از نبی سے ہم کلامی کی کوئی سند نہیں ملتی۔" (ص۵۹-۶۰)

۷۔ "یاد رکھئے کشف و الہام کا کوئی تصور قرآن میں نہیں دیا گیا۔ جہاں تک اولیاء اللہ کا تعلق ہے قرآن ان کا کوئی الگ گروہ نہیں قرار دیتا۔ وہ ولی اللہ (خدا کا دوست یا مطیع و فرمانبردار) ہونا مؤمنین کی ہی ایک صفت قرار دیتا ہے۔ یعنے قرآن کریم کی رُو سے ہر مومن ولی اللہ ہوتا ہے۔" ص۳۵

۸۔ "قرآن کریم میں نہ کسی مجدد کا ذکر ہے نہ مہدی کا اور نہ ہی حضرت عیسٰیؑ کے دوبارہ بذاتِ خود تشریف لانے کا یا ان کی مثیل کے آنے کا۔ مسیح موعود کی اصطلاح بھی غیر قرآنی ہے۔" ص۸۲

ان تحریرات کی موجودگی میں پرویز صاحب کے لئے خواجہ محمد عبداللہ صاحب کے استفسار کا ایک مختصر اور سیدھا جواب مشکل نہ تھا کہ جو لوگ ختمِ نبوت کے بعد کشف و الہام یا وحی کے جاری رہنے کے قائل ہیں اور یا اس کا دعوےٰ کرتے ہیں وہ ختم نبوت کے منکر ہیں اور اس لئے غیر مسلم۔ لیکن انہوں نے مصلحت کو اپنی رائے کے اظہار پر فوقیت دی اور عقلمندی اسی میں سمجھی کہ اس معاملہ میں خاموشی ہی بہتر ہے۔

اس کتاب میں بزرگانِ دین اور اولیاء اللہ اور مجددین اور صوفیاء کرام کے بارہ میں پرویز صاحب کی رائے درج ہے۔ ملاحظہ فرمائیں :۔

" لیکن ان حضرات کا دعوےٰ ہے کہ اگر ہمکلامی کو قرآن تک محدود رکھا جائے (پرویز صاحب کہتے ہیں کہ جب ہم قرآن کریم پڑھتے ہیں تو خدا ہم سے ہمکلام ہوتا ہے اور یہاں اسی ہمکلامی کی طرف اشارہ ہے۔ ناقل) تو دنیا کے لئے کوئی روحانی غذا باقی نہیں رہے گی (معاذ اللہ - استغفراللہ) اس کا مطلب واضح ہے کہ ان حضرات کے نزدیک قرآن دنیا کے لئے کافی روحانی غذا مہیا نہیں کرتا۔ مخالفین عرب کا بھی کچھ اسی قسم کا خیال تھا جس کی تردید کے لئے کہا کہ اولم یکفهم انا انزلنا علیك الکتاب یتلیٰ علیهم (۲۹/۵۱) کیا ان کے لئے یہ کافی نہیں کہ ہم نے تیری طرف یہ کتاب نازل کی جسے ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ انہوں نے تو اس کا جو جواب دیا ہوگا۔ دیا ہوگا یہ حضرات چھاتی پر ہاتھ مار کر کہتے ہیں کہ ہاں یہ کتاب دنیا کی روحانی غذا کے لئے کافی نہیں۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ہمکلامی کا سلسلہ جاری رہنا ضروری ہے (پناہ بخدا) ایسے ہی ہیں وہ لوگ جن کے متعلق کہا گیا ہے کہ واذا ذکر اللہ وحدہ اشمأزت قلوب الذین لا یومنون بالاخرة واذا ذکر الذین من دونه اذا هم یستبشرون (۳۹/۴۵) جب ان کے سامنے اکیلے خدا کی بات کی جاتی ہے تو یہ لوگ جو آخرت کے منکر ہیں ان کا منہ سوج جاتا ہے اور دلوں میں اضطراب پیدا ہو جاتا ہے لیکن جب اس کے علاوہ دوسروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو یہ بہت خوش ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ دوسرے

وہی ہیں جن کے متعلق یہ دعوےٰ کیا جاتا ہے کہ وہ خدا سے ہمکلام ہوتے ہیں۔" ص ۲۶۵

گویا اس اُمت کے اولیاء اللہ اور دیگر بزرگانِ دین کو پرویز صاحب معبودانِ باطل قرار دیتے ہیں۔

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کا نام لے کر لکھتے ہیں :۔

"اسی بناء پر علامہ اقبال نے ابنِ عربی کی کتاب فصوص الحکم کے متعلق (جس کا ایک اقتباس پیش کیا جا چکا ہے کہا ہے کہ اس میں الحاد و زندقہ کے سوا کچھ نہیں" (مکاتیب اقبال) ص۸

اور تصوف کے بارہ میں یہ عمومی رائے دی ہے :۔

"تصوف علامہ اقبال کے الفاظ میں اسلام کی سرزمین میں ایک اجنبی پودا ہے۔" ص۴۸

اولیاء اللہ کو معبودان باطل اور ملحد اور زندیق وہی لوگ کہہ سکتے ہیں جو اللہ تعالےٰ کے منتخب افراد سے کٹ جاتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کا حکم ہے کونوا مع الصادقین۔ صادقوں کی معیت اختیار کرو۔ لیکن جو بدنصیب ہوتے ہیں وہ صادقوں کو ان القاب سے یاد کرتے ہیں۔ اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو وما یجحد بآیٰتنا الا الظلمون (۲۹/۴۹) یعنے باوجود جاننے کے وہی لوگ ہماری آیات کا انکار کرتے ہیں جو ظالم ہیں۔ پرویز صاحب نے جو کچھ کہا ہے اللہ تعالےٰ ہمیں اس سے دور رکھے۔ پرویز صاحب جان لیں کہ انہوں نے بہت ہی بڑا ظلم کیا ہے اور میں ان کو خبر دیتا ہوں کہ خدا کے فضل سے ہم وہ لوگ ہیں جن کا ذکر اس آیت شریفہ میں کیا گیا ہے۔ انما المؤمنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم اٰیٰتہ زادتھم ایمانا وعلیٰ ربھم یتوکلون (انفال-۲) مومن وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر آیات پڑھی جائیں تو وہ ان کے ایمان کو بڑھاتی ہیں اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین کا یہی مطلب ہے۔ لیکن نبی کے ایسے معنی کرنا جو کہ آیات قرآنی کے خلاف ہوں۔ وہ کیسے قبول کئے جا سکتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ وحی صرف نبی کو ہوتی ہے، اللہ تعالےٰ کی ہمکلامی صرف نبی کے ساتھ ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ کسی کو براہِ راست علم نہیں عطا کرتا قرآن شریف ان باتوں کی ہرگز تائید نہیں کرتا۔ بلکہ ان کی مخالفت کرتا ہے۔ اور یہ کہنا کہ کشف اور الہام قرآنی تصور نہیں۔ غلط ہے۔ اور ہم انشاء اللہ ثابت کریں گے کہ پرویز صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس کی بناء قرآن شریف نہیں بلکہ احمدیت اور اولیاء اللہ کے ساتھ عداوت ہے۔ اور اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ وما اختلف الذین اوتوا الکتٰب الا من بعد ما جاءھم العلم بغیا بینھم (آل عمران-۱۹) اور انہوں نے جن کو کتاب دی گئی اختلاف نہیں کیا مگر ان کے پاس علم آنے کے بعد آپس کی ضد سے۔ یہی وہ گوشہ ہے جس کی طرف مزید توجہ کی ضرورت ہے یعنی ختم نبوت کے بعد امتِ محمدیہ میں ولایت کا جاری رہنا۔

پرویز صاحب نے چند بنیادی اصطلاحات پیش کی ہیں اور ان کے دلائل کی عمارت انہی اصطلاحات پر مبنی ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ اصطلاحات ہی غلط ہیں اور وہ قرآن اور لغت کے خلاف ہیں تو پرویز صاحب کی عمارت مسمار ہو جاتی ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ میں بھی پرویز صاحب کی طرح ان کی اصطلاحات سے پہلے بحث کروں اور ان کے دلائل کو توڑوں اور پھر اُمت میں ولایت کے جاری رہنے کے حق میں عقلی و نقلی دلائل پیش کروں

اس ضمن میں پہلی اصطلاح جو پرویز صاحب نے پیش کی ہے۔ انہوں نے پہلے اس لفظ کے لغوی معنے پیش کئے ہیں اور پھر بزعم خود قرآنی اصطلاح کے معنی۔ لغوی معنی حسب ذیل ہیں۔

۱۔ الوحی۔ اشارہ جس میں تیزی اور سرعت ہو۔ وحیت لک بخبر کذا میں نے تمہیں فلاں بات کا اشارہ کر دیا۔ یا چپکے سے مطلع کر دیا چنانچہ سورۃ مریم میں حضرت زکریا کے متعلق ہے کہ ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ وہ لوگوں سے بات نہ کریں۔ فاوحیٰ الیھم (۱۹/۱۱) لہذا اس نے ان لوگوں کو اشارہ سے کہا۔ (تاج العروس، نیز مفردات راغب)

۲۔ راغب نے کہا ہے (اور صاحب تاج نے بھی اس کی تائید کی ہے) کہ الوحی کے معنی تیز اشارہ کے ہیں۔ اسی لئے شیءٌ وحیٌ کے معنے ہیں وہ چیز جو جلدی سے آ جائے۔ اور امرٌ وحیٌ تیز رفتار معاملہ الوحی۔ جلدی کرنا۔ اوحیَ العملَ اس نے کام میں جلدی کی (تاج، راغب)

۳۔ الوحیُ کے معنے کتابت (یعنی لکھنا) بھی ہیں وحیتُ الکتاب میں نے کتاب کو لکھا۔ واحِ لکھنے والا (کاتب) الوحیُ۔ لکھی ہوئی چیز یا نامہ۔ چنانچہ جوہری نے کہا ہے کہ الوحی کے معنے الکتاب ہیں۔ صاحب لطائف اللغۃ نے بھی ان معانی کی تائید کی ہے اور ابنِ فارس اور راغب نے بھی سورۃ مائدہ میں جو ہے واذ اوحیت الی الحواریین (۵/۱۱۱) تو اس میں وحی کے معنے لکھے ہوئے حکم کے ہیں۔ یعنے اس وحی کے ذریعے جو حضرت عیسےٰ کی وساطت سے (انجیل میں لکھی ہوئی) بھیجی گئی تھی۔ (تاج و راغب)

۴۔ اوحیٰ کے معنی حکم کرنا۔ امر کرنا۔ چنانچہ صاحب تاج نے کہا ہے کہ مندرجہ بالا آیت (۵/۱۱۱) میں حواریوں کی طرف وحی کرنے کے معنی یہ ہیں کہ خدا نے انہیں حکم دیا تھا۔ (تاج اور راغب) اور یہ وحی حضرت عیسےٰؑ کی وساطت سے حواریوں کو ملی تھی۔ (راغب) ابنِ فارس نے کہا ہے کہ وہ چیز جسے تم کسی کی طرف پہنچا دو اور اسے اس کا علم ہو جائے وحیٌ کہلاتی ہے۔ خواہ اسے پہنچانے کی کیفیت کچھ ہی ہو۔ مخفی طور پر یا ویسے ہی۔

سورۃ حم سجدہ میں ہے: واوحیٰ فی کل سماء امرھا (۴۱/۱۲) اس نے ہر سماء میں اس کا امر وحی کر دیا۔ اس میں امر وحی (یا وحی امر) کے معنے مامور کرنے کے ہیں........ اسی کو سورۃ النور میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ کل قد علم صلاتہ وتسبیحہ (۲۴/۴۱) کائنات کی ہر شئے جانتی ہے کہ اس کے فرائض کیا ہیں...... یہی وحی ہے جو ان میں جاری و ساری ہے یعنی امرِ خداوندی۔ خدا کا قانون۔ اس کے متعلق سورۃ زلزال میں ہے بان ربک اوحیٰ لھا۔ (۹۹/۵) یعنے اسی مقصد کے لئے خدا نے زمین کی طرف وحی کی ہے۔ زمین کو اس کا حکم دے رکھا ہے........ اسی طرح سورۃ النحل میں ہے واوحیٰ ربک الی النحل (۱۶/۶۸) شہد کی مکھی کی طرف خدا نے وحی کر رکھی ہے یعنے اس کے لئے خدا کا قانون یہ ہے کہ وہ یہ کچھ کرے۔

۵۔ اوحیٰ الیہ کسی کو اپنا پیغامبر یا ایلچی بنا کر بھیجنا۔ چنانچہ اوحیٰ الرجل کے معنے ہیں اس نے اپنے معتمد پیامی کو ایلچی بنا کر بھیجا (تاج العروس) ابن الانباری نے کہا ہے کہ ایحاءٌ کے اصلی معنی کسی کا دوسرے کے ساتھ علیحدگی میں خفیہ باتیں کرنا ہیں۔ اس لئے قرآن میں حضرات انبیاء کرام کے مخالفین کے متعلق ہے۔ یوحی بعضھم الیٰ بعض (۶/۱۱۳) اس کے معنے خفیہ سازشوں کے ہیں۔ اخفاء کے اعتبار سے اس کے معنے ہوتے ہیں کسی بات کو دل میں ڈال دینا۔ چنانچہ اوجس نفسہٗ کے معنی ہیں اس کے دل میں خوف پیدا ہو گیا۔ اس کے دل میں خدشہ پیدا ہو گیا۔ (تاج العروس)

۶۔ الوحی کے معنے قابلِ اعتماد راستے کے بھی ہیں۔ (لطائف اللغۃ)
آگے پرویز صاحب لکھتے ہیں :۔

"لیکن اس لفظ کے اصطلاحی معنی ہیں وہ علم جسے خدا ایک برگزیدہ (منتخب) فرد کو براہ راست اپنی طرف سے دیتا تھا۔ اسے پھر سمجھ لیجئے کہ قرآنی اصطلاح کی رُوح سے وحی کے معنی ہیں "خدا کی طرف سے براہِ راست ملنے والا علم" اسی اصطلاح کی قرآن کی رُو سے خصوصیات حسب ذیل ہیں :۔

(۱) یہ وحی حضراتِ انبیاء کرام کی طرف آتی تھی دوسرے انسانوں کی طرف نہیں آتی تھی۔

(۲) انسانی علم اس کے مطالعہ۔ مشاہدہ۔ تجربہ۔ غور و فکر کا نتیجہ ہوتا ہے لیکن وحی میں صاحب وحی کے اپنے خیالات و جذبات کا کوئی دخل نہیں ہوتا تھا۔ یہ علم اسے اپنے خدا کی طرف سے براہِ راست ملتا تھا۔

(۳) انسانی علم محنت و کاوش۔ کسب و ہنر۔ سعی و مشقت سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اور جو انسان چاہے اسے حاصل کر سکتا ہے لیکن وحی کا علم اس طرح حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ واللّٰہُ یختص برحمتہٖ من یشاء ($\frac{۲}{۱۰۵}$) خدا اپنی مشیت کی رُو سے جسے چاہتا ہے اس مقصد کے لئے مختص کر لیتا ہے۔......

(۴) چونکہ یہ علم نبی تک محدود و مختص تھا اس لئے ہم (یعنی غیر از نبی) سمجھ ہی نہیں سکتے کہ اس کی ماہیت و کیفیت کیا ہوتی ہے یعنی یہ کس طرح نازل ہوتا تھا۔......

(۵) یہ مبہم اشارات یا خواب نہیں ہوتے تھے صاف واضح متعین الفاظ ہوتے تھے۔ اسی لئے اسے کلام اللہ کہا جاتا ہے ($\frac{۲}{۵}$)......

(۶) نبی کو اس کا قطعی اختیار نہیں ہوتا تھا کہ وہ وحی خداوندی میں کسی قسم کا تغیر و تبدل کر سکے......"

اور آگے پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ :۔

"کہ یہ وہ علم تھا جو منتخب افراد کو خدا کی طرف سے براہ راست ملتا تھا۔ اور یہ صرف انبیاء کرام تک محدود تھا یہ ہے وہ علم جو آخری مرتبہ حضور نبی اکرم کو دیا گیا اور جو اَب قرآن کے اندر محفوظ ہے۔ آپؐ کے بعد یہ علم کسی کو نہیں مل سکتا۔ خدا نے اس طریق علم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا اسے ختم نبوت کہا جاتا ہے یعنی سلسلہ وحی کا اختتام۔"

قبل اس کے کہ پرویز صاحب کی پیش کی ہوئی خصوصیات وحی کے متعلق کچھ کہا جائے وحی کے لغوی معنی کے متعلق عرض ہے کہ پرویز صاحب نے امام راغب کو بار بار پیش کیا ہے لیکن ان کے صرف وہ معنے پیش کئے ہیں جو ان کے مفید مطلب ہیں اور جو ان کے موقف کو کلی طور پر رَدّ کر دیتے ہیں ان معانی کو پرویز صاحب نے چھپائے رکھا ہے۔ اور باوجود اس کے پرویز صاحب کا دعویٰ ہے کہ "میں اس موضوع کو علمی سطح پر رکھنا چاہتا ہوں"۔ علمی سطح تو تب ہوتی کہ مخالف مطلب معانی کو پیش کر کے ان کے غلط ہونے کو ثابت کیا جاتا۔ اسی سے اندازہ ہو سکتا کہ اس کتاب میں کتنی تحقیق ہوگی۔ میں لفظ وحی کے متعلق مفردات امام راغب سے ان کے دیئے ہوئے پُورے معانی کا ترجمہ نقل کرتا ہوں :۔

"(وحی) وَحَیٰ۔ یحیی۔ وحیا و اوحیٰ۔ جلدی سے اشارہ کیا۔ وحی و اوحیٰ الی پیغام بھیجا۔ وحی لکھا۔ وحی در اصل جلدی سے اشارہ کرنا ہے اسی لئے امرٌ وحیٌ (جلدی کیا ہُوا کام) کہا جاتا ہے وحی کلام سے بطریق اشارہ و رمز ہوتی ہے۔ کبھی ترکیب خالی آواز سے ہوتی ہے اور بعض جوارح اور کتابت سے ہوتی ہے اسی پر اللہ تعالیٰ کا قول فخرج علیٰ قومہٖ من المحراب فاوحیٰ الیھم ان سبحوا بکرۃ وعشیا۔ پس عبادت گاہ سے اپنی قوم کی طرف باہر آئے سو ان کی طرف اشارہ کیا کہ صبح و شام تسبیح کرو۔ کہا گیا ہے کہ حضرت زکریاؑ نے اشارہ کیا۔ نیز یہ کہ آپ نے اعتبار یعنی سوچا یا نگرانی کی نیز کہا گیا کہ لکھا اسی وجہ پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے وکذٰلک جعلنا لکل نبیٍّ عدوًّا شیاطین الانس والجن یوحی بعضھم الیٰ بعض زخرف القول غرورا۔ اور اسی طرح پیدا کئے ہم نے ہر پیغمبر کے لئے دشمن کہ شیاطین ہیں آدمیوں اور جنوں سے بطریق وسوسہ ان کے بعض بعض کی طرف القا کرتا ہے۔ آراستہ بات تا کہ فریب دے۔ قولہ ان الشیاطین لیوحون الیٰ اولیاءھم۔ یہ وحی وسوسہ ڈالنے کی ہے۔ جس کی طرف اشارہ ہے۔ قولہ من شر الوسواس الخناس۔ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ان للشیاطین لمۃ الخیر۔ شیطان کے لئے ملاقات ہے وہ کلمہ الٰہیہ جو اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور اولیاء کی طرف بھیجا جاتا ہے اس کو بھی وحی کہتے ہیں۔ اور اس کی کئی قسمیں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول سے بتایا وماکان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا (الی) باذنہ مایشاء: اور یہ وحی ایسے رسول کی وساطت سے آتی ہے جو نظر آتا ہے۔ اس کا وجود مشاہدہ میں ہوتا ہے۔ اور اس کا کلام سُنا جاتا ہے۔ جیسا کہ پیغمبر علیہ السلام کے لئے جبرئیل علیہ السلام کی تبلیغ معین صورت میں تھی۔ یا وحی بغیر آمنے سامنے (معائنہ) کے کلام کے سننے سے تعلق رکھتی ہے۔ جیسا کہ حضرت موسےٰ کا کلام الٰہی کو سُننا یا وحی کا تعلق دل میں کلامِ الٰہی کے ڈالنے سے ہے۔ جیسے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا۔ ان روح القدس نفث فی روعی۔ جبرئیل علیہ السلام نے میرے دل میں ڈالا۔ یا وحی الہام کے ذریعہ سے ہو جیسے حضرت موسےٰؑ کی والدہ سے۔ قولہ و اوحینا الیٰ ام موسیٰ ان ارضعیہ (الہام سے یہاں مراد توفیق الٰہی اور دل میں ڈالی ہوئی بات ہے) یا وحی بہ تسخیر ہوتی ہے۔ قولہ واوحی ربک الی النحل۔ یا وحی نیند میں ہوتی ہے جیسے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا انقطع الوحی وبقیت المبشرات رؤیا المؤمن۔ الہام و تسخیر و منام پر اللہ تعالیٰ کا قول الا وحیا اور سماع کلام بالمعاینۃ پر۔ قولہ: او من وراء حجاب۔ اور معین صورت میں جبرئیل کی تبلیغ پر۔ قولہ او یرسل رسولا فیوحی۔ قولہ: ومن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذبا او قال اوحی الیّ ولم یوح الیہ شیءٌ۔ یہ آیت اس کے بارے میں ہے جو وحی کے مذکورہ انواع میں سب کے لئے عام ہے (من رسول الا نوحی الیہ) کیونکہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی معرفت اور اس کی عبادت کے وجوب کی معرفت اس وحی سے مختص نہیں جو اولوالعزم رسُولوں کو ہوتی ہے۔ بلکہ یہ عقل و الہام سے معلوم ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ سمع سے معلوم ہوتی ہے۔ پس آیت سے مقصد یہ ہے کہ یہ بات ناممکن ہے کہ رسول اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی معرفت اور اس کی عبادت کے وجوب سے ناواقف ہو۔ قولہ اذ اوحیت الی الحواریین۔ یہ وحی حضرت عیسےٰ کی وساطت سے ہوئی۔ قولہٗ: واوحینا الیھم فعل الخیرات یہ وحی امتوں کی وحی ہے جو ان کو انبیاء کے وساطت سے ملی

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے مختص وحی سے ہے۔ قولہ اتبع ما اوحی الیك من ربّك۔ قل انّما أنا بشر مثلکم یوحیٰ الی۔ و اوحینا الیٰ موسیٰ و اخیہ۔ موسےٰ کی طرف اس کی وحی بوساطت جبرئیل اور ہارون کی طرف بوساطت جبرئیل اور موسےٰ ہے۔ قولہ اذ یوحی ربّك الی الملائکۃ انی معکم۔ یہ وحی ان کی طرف بوساطت لوح و قلم ہے جیسا کہ کہا گیا۔ قولہ: و اوحی فی کل سماء امرھا۔ اگر اہل السماء کی طرف وحی مراد ہے تو موحی الیھم محذوف ہے گویا اس نے کہا اوحی الی الملائکۃ کیونکہ اہل السماء فرشتے ہیں۔ پس کلام اس طرح ہوگا اذ یوحی ربّك الی الملائکۃ اگر موحی الیہ سماوات ہوں۔ تو یہ وحی ان کے نزدیک وحی تسخیر ہے جو آسمانوں کو غیر حی کہتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک وحی نطق ہوگی جو حی قرار دیتے ہیں۔ قولہ بان ربك اوحی الیھا اس کا بیان بھی پہلے بیان کے قریب ہے قولہ: ولا تعجل بالقرآن من قبل ان تقضی الیك وحیہ۔ اس میں سننے پر ترغیب ہے اور لینے اور سیکھنے میں جلد بازی کرنے کے چھوڑنے کی ترغیب ہے۔"

(ترجمہ میر محمد حق مولوی فاضل و احمد حسین ایم اے)

خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیں یہ اسی لغت میں دیئے ہوئے ہیں جس کو بار بار پرویز صاحب نے پیش کیا ہے۔ لیکن ان معانی کا اگرچہ موضوع زیر بحث سے گہرا تعلق ہے بلکہ اصل مسئلہ زیر بحث یہی ہے۔ مگر پرویز صاحب نے ان معانی کو اپنے قارئین سے مخفی رکھا۔ میرے نزدیک دیانت کا یہ کوئی اعلےٰ نمونہ نہیں ہے۔ نہ ہی یہ علمی سطح ہے۔ یہ ایسے ہی شخص کا کارنامہ ہو سکتا ہے جو کہ اولیاء اللہ کو معبودانِ باطل اور ملحد اور زندیق کہے۔ اسی اخفا کی مثالیں آگے بھی آئیں گی۔ انشاء اللہ۔

مجھے افسوس ہے میرے پاس دیگر کتب لغت جن کا حوالہ پرویز صاحب نے دیا ہے موجود نہیں اس لئے ان کے بارے میں سر دست رائے زنی نہیں کرتا۔ مجمع البحار الانوار میں وحی کے اور معنے دینے کے بعد ایک عمومی فقرہ جو اس لفظ کے اکثر معانی پر حاوی ہوتا ہے یوں لکھا ہے:

ویقع الوحی علی الکتابۃ والاشارۃ والرسالۃ والالھام والکلام الخفی۔ یعنی کتابت اور اشارہ کرنے اور رسالت اور الہام اور خفیہ کلام پر وحی کا لفظ واقع ہوتا ہے۔ گویا وحی کے معانی میں الہام بھی شامل ہے۔ لیکن پرویز صاحب کہتے ہیں کہ الہام کا کوئی تصوّر قرآن میں نہیں ہے۔ (باقی ــــ باقی)

---

# سیرت خیر البشر

(بسلسلہ صفحہ ۲)

نبی کریم صلعم نے اس امتیاز کو کبھی روا نہ رکھا۔ نبوّت سے پہلے اور بعد میں بھی آپؐ عام لوگوں کے ساتھ ہی اس جگہ قیام فرماتے تھے۔ اور کبھی کوئی آرام دہ جگہ اپنے لئے مخصوص نہ فرمائی۔ آپؐ فرماتے تھے کہ جو شخص مزدلفہ میں پہلے پہنچ جائے اسے اچھی سے اچھی جگہ منتخب کرنے کا حق حاصل ہے (مسند ابن حنبل)

**صفت ایثار** } اور خدا کی خاطر محتاج اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلا دیتے ہیں (قرآن مجید ۷۶: ۸) اور (ہاں وہ مال جو بے لڑے ہاتھ آیا ہے) اُن کا (بھی حق ہے) (جو مہاجرین نے ابھی ہجرت نہیں کی تھی اور وہ) اُن کے پہلے سے مدینے میں رہتے اور اسلام میں داخل ہو

۴۴

# اظہارِ تشکر و امتنان

ادارہ پیغامِ صلح۔ اپنے محترم بزرگ چوہدری فضل داد صاحب (گجرات) کا شکر گذار ہے کہ انہوں نے "پیغام صلح" کی اشاعت اور مضامین کے سلسلہ میں اس کی حقیر سی کوششوں کو سراہا ہے۔ کسی ادارہ کی کامیابی درحقیقت کسی ایک فرد کی تنہا کوشش کی رہینِ منت نہیں ہوتی بلکہ اس کا انحصار ادارہ میں کام کرنے کروانے والے سارے کارکنان کے باہمی تعاون اور اشتراکِ عمل پر ہوتا ہے۔ راقم الحروف اپنے تمام ساتھیوں اور معاونین خاص کر عبدالرؤف کھوکھر نائب مدیر کا ممنونِ احسان ہے کہ انہوں نے اس کی تقریباً پانچ ماہ کی مسلسل غیر حاضری کے باوجود پیغام صلح کی اشاعت میں سرِ مُو فرق نہیں آنے دیا اور "محمد علی نمبر" اس رنگ و روپ اور صورت میں شائع کیا کہ ان کی خدمت میں بے اختیار ہدیہ تبریک پیش کرنے کو جی چاہتا ہے۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

اگر مضمون نگار خواتین و حضرات اس سلسلہ میں ہماری مدد اور حوصلہ افزائی نہ فرماتے تو ہمیں بہت سے مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا۔

اپنی جماعت کے تمام بزرگوں۔ بھائیوں اور بہنوں سے درخواست ہے کہ اپنے اس ہفت روزہ کی اشاعت کی توسیع کے لئے کوشش کریں۔ خود بھی پڑھیں بچوں کو بھی پڑھائیں اور اپنے حلقۂ اثر میں بھی پڑھنے کے لئے پیش کریں۔

پیغامِ صلح کی مزید اصلاح کے سلسلہ میں اگر کوئی تجاویز ہوں تو ہم ان کا خیر مقدم کریں گے۔　　خلیل الرحمٰن (مدیر)

---

# اجلاس بنات الاحمدیہ

اس سال جلسہ سالانہ کے موقع پر تنظیم بنات الاحمدیہ کا ایک خصوصی اجلاس منعقد کرنے کا پروگرام ترتیب دیا گیا ہے۔ جس میں پاکستان بھر سے سکول، کالج اور یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم احمدی بنات کوئی ایمان افروز اور دلچسپ پروگرام پیش کر رہی ہیں۔ جملہ والدین سے خصوصی استدعا ہے کہ وہ اپنی اپنی بیٹیوں کو اس ایمان افروز اجلاس میں شمولیت کے لئے بروقت تیار کریں۔ نیز جو بنات اس پروگرام میں تلاوت، نظم یا تقریر کرنے کی خواہشمند ہوں ان کے کوائف یعنی نام، عمر، تعلیم سے ۱۰ر دسمبر ۱۹۷۶ء تک زیر دستخطی کو آگاہ فرمائیں۔ تمام صدر، سیکرٹری و مبلغ صاحبان مقامی جماعتہائے سے بھی التماس ہے کہ وہ اپنے اپنے حلقہ سے ایسی خواہشمند بنات کی تیاری کے سلسلہ میں ہر ممکن تعاون اور انتظام فرمائیں۔　والسلام

جسارت خانم

کنوینر بنات الاحمدیہ مرکزیہ۔ دارالسلام نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

---

۴۴ ہو چکے ہیں۔ اور جو ان کی طرف ہجرت کرکے آتا ہے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اور (مال غنیمت میں سے) مہاجرین کو جو (کچھ بھی دے) دیا جائے۔ اس کی وجہ سے یہ اپنے دل میں (اس کی) کوئی طلب نہیں پاتے۔ اور اپنے اُوپر تنگی ہی کیوں نہ ہو (مہاجرین بھائیوں کو) اپنے سے مقدم رکھتے ہیں۔ اور بخل تو سب ہی کی طبیعتوں میں ہوتا ہے مگر) جو شخص اپنی طبیعت سے محفوظ رکھا جائے تو ایسے ہی لوگ فلاح پائیں گے۔ (قرآن مجید ۵۹: ۹)

مکرم جناب شیخ عبدالحق صاحب ۔ کراچی

# صحیح بخاری شریف سے وفاتِ مسیح کا ثبوت

## برادرانِ اسلام کے لئے مقامِ غور

۱۔ قال انس فذکر انہٗ وجد فی السمٰوات آدم و ادریس و موسٰے و عیسٰے و ابراھیم ..........

حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات آسمان پر جس طرح جملہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح کے ساتھ جنت میں ملاقات کی۔ ٹھیک اسی طریق پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملاقات حضرت عیسٰے علیہ السلام کی رُوح کے ساتھ جنت میں ہوئی۔ بالفرض حضرت عیسٰے اگر آسمان پر زندہ ہوتے تو ان کی رُوح جملہ انبیاء کی ارواح کے ساتھ شامل نہ ہو سکتی تھی جو اس دنیا سے گذر گئے اور جنت میں داخل ہو گئے، پس حضرت عیسٰے علیہ السلام کی رُوح کا دیگر وفات شدہ انبیاء کی ارواح کے ساتھ شامل ہونا ثابت کرتا ہے کہ وہ بھی وفات پا کر داخلِ جنت ہو چکے ہیں اور بمطابق قرآن کریم" و ماھم منھا بمخرجین" اب جنت سے باہر نہیں آ سکتے۔ اور نہ ہی وہ دوبارہ اُمتِ محمدیہ کی اصلاح کے لئے آ سکتے ہیں۔

۲۔ عن عائشہ و عبداللہ بن عباس ........ لعنت اللہ علی الیھود والنصارٰی اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد یحذر ما صنعوا

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی اُمت کی خیر خواہی کس حد تک تھی کہ مرض الموت اور جانکنی کی حالت میں بھی یہ نصیحت فرماتے ہیں کہ کہیں تم بھی اپنے نبی کو بشر سے بڑھا کر خدا اور اس کی قبر کو پرستش گاہ نہ بنا لینا جیسا یہود اور نصاریٰ نے کیا۔

یہ بات تو مسلم ہے کہ عیسائی صاحبان نے جملہ انبیاء کرام کو (بجز مسیح) گناہگار مانتے ہیں اور اسی اُصول کے مطابق پولوس رسول نے مسیح کے کفارہ کا مسئلہ ایجاد کیا اس لئے عیسائی تو کسی نبی کی قبر کو مسجد یا پرستش کا مقام نہ دے سکتے تھے۔ اور تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ عیسائیوں نے اگر کسی کو خدا بنایا یا اس کی پرستش کی ۔ تو وہ صرف حضرت عیسٰے علیہ السلام ہی ہیں۔ مگر الفاظ حدیث سے ظاہر ہے کہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حضرت عیسٰے کی کوئی قبر تھی اور ممکن ہے کہ یہ وہی قبر ہو گی جس میں حضرت عیسٰے علیہ السلام کو جب صلیب سے زندہ اُتار لیا گیا اور اس میں رکھا گیا ۔ جس کا صراحت کے ساتھ انجیل میں ذکر موجود ہے ۔

حضرت عیسٰے کو زندہ آسمان پر چڑھانے والوں کے پاس اس حدیث کی کوئی رکیک سے رکیک تاویل بھی نہیں ہو سکتی بناءً علیہ برادران اسلام کو غور کرنا چاہیئے کہ اگر حضرت عیسٰے علیہ السلام نے دوبارہ نازل ہونا تھا اور بقول پاکستانی علماء کرام اس کے مرنے کے بعد اس کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر میں دفن کرنا تھا تو کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسے الفاظ اپنی زبان مبارک سے فرما سکتے تھے جن کا ذکر حدیث مذکور میں ہے۔

۳۔ کیف انتم نزل ابن مریم فیکم امامکم منکم

اس حدیث کو کیف انتم یعنے تعجب انگیز الفاظ سے شروع کیا ہے اور ہم سب جانتے ہیں کہ تعجب اس وقت ہوتا ہے جب کوئی امر ہماری توقعات کے خلاف ہو۔ چنانچہ اس حدیث سے صاف ثابت ہے کہ نزولِ مسیح کے معاملہ میں مسلمانوں کے درمیان حالت تعجب ضرور پیش آنے والی ہے۔ یعنی مسلمانوں کے نزدیک نزول ابنِ مریم کی تو توقعات کچھ اور ہوں گی مگر اس کا نزول کسی اور رنگ میں ہو گا۔ چنانچہ حضور نے اس تعجب کو دُور کرنے کے لئے مسیح موعود کی کچھ نشانیاں بیان فرما دی ہیں۔ جن کا ذکر علاوہ بخاری شریف دوسری صحاح ستہ مجموعہ حدیث میں بھی ہے ۔ مثلاً حضور نے نازل ہونے والے مسیح کے متعلق (۱) کہیں تو امامکم منکم (۲) اور کہیں و امکم منکم اور کہیں (۳) فامکم بکتاب اللہ اور کہیں (۴) فامکم کے الفاظ مبارکہ سے تعارف کرایا ہے۔ کیا حضور کی اِس وضاحت سے صاف ثابت نہیں ہوتا کہ آنے والا مسیح اُمتِ محمدیہ کا ہی ایک فرد یعنی مجدد اسلام ہو گا۔ نہ کہ مسیح ناصری جو یہودیوں کا ایک قومی نبی تھا اور جو بہ مطابق احادیث اسرا (معراج کی حدیثیں) فوت ہو کر دوسرے انبیاء کی ارواح کے ساتھ داخل جنت ہو چکا ہے

۴۔ (۱) عن ابن عمر قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم رایت عیسٰے و موسٰے و ابراھیم فاما عیسٰے فاحمر جعد عریض الصدر ........

(۲) عن عبداللہ ........ و ارانی لیلۃً عند الکعبۃ فی المنام فاذا رجلٌ کاحسن ما یرٰی من ادم الرجال تضرب لمتہ بین منکبیہ رجل الشعر یقطر راسہ

حدیث ۴ (۱) میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عیسٰے کا ذکر حضرت موسٰے و حضرت ابراہیم علیہم السلام کے ساتھ کیا ہے اور حضرت عیسٰے کا حُلیہ گورا سُرخ رنگ اور گھونگریلے بالوں والا ۔ اور حدیث ۴ (۲) میں اس مسیح کا جو خانہ کعبہ کا طواف کر رہا ہے اور جس نے دجّال کو قتل کرنا ہے اس کا حُلیہ گندمی رنگ اور سیدھے لمبے بالوں والا فرمایا ہے۔

۵۔ عن عائشہ ........ فتشھد ابوبکر ...... اما بعد فمن کان منکم یعبد محمداً فان محمداً قد مات و من کان یعبد اللہ عزّ وجلّ فان اللہ حیٌّ لا یموت قال اللہ عزّ وجلّ و ما محمدٌ الّا رسول قد خلت من قبلہ الرسل۔

مذکورہ بالا حدیث کی بناء پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آیت و ما محمد الّا رسول سے حضور رسالت مآب کی ذات پر استدلال فرمایا ہے اور یہ امر واضح ہے کہ اگر حضور رسالت مآب سے قبل تمام انبیاء وفات نہ پا چکے تھے تو صحابہ کرام یقیناً یقیناً حضرت ابوبکر صدیق کو جواب میں حضرت عیسٰے کی زندگی کو پیش کرتے ۔ بالخصوص جب اس موقع پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کا بڑی شدت سے انکار فرما رہے تھے ۔ مگر ایسا نہیں ہوا اور ہو بھی کیونکر سکتا تھا جب سب صحابہ کرام کو "ما المسیح ابن مریم الّا رسول قد خلت من قبلہ الرسل" کے قرآنی الفاظ یاد تھے۔

سمجھ نہیں آتی کہ ہمارے مسلمان بھائی حضرت عیسٰے علیہ السلام کے آسمان پر زندہ ہونے کا خیال باطل کیوں ترک نہیں کرتے ۔ علاوہ ان احادیث کے جن کا ذکر اُوپر ہوا ہے اور بھی متعدد احادیث صحیح بخاری میں موجود ہیں جن سے وفاتِ مسیح ثابت ہے مگر بخوف طوالت مضمون نہیں لکھا گیا۔ اگر کوئی مسلمان بھائی اس کا جواب لکھے تو براہ نوازش اس کی ایک کاپی مندرجہ پتہ پر ارسال فرما کر مشکور و ممنون احسان بنائیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں اگر خدا نخواستہ اس مضمون میں کسی غلطی کا ارتکاب مجھ سے ہوا ہے تو میں انشاء اللہ

مکرم راجہ عبدالمجید صاحب چھکسی (ملتان)

# مولانا محمد علیؒ امیر جماعت احمدیہ لاہور کا مقام

## حضرت مجدد صدی چہاردہم حکیم الامت مولانا نورالدینؒ،

## دنیا کے اخبارات اور غیر احمدی اکابرین اور مصنفین کی نظر میں

((بسلسلہ اشاعت مورخہ ۱۰ر نومبر ۱۹۷۶ء))

حضرت مرزا صاحب کی وفات ۲۶ر مئی ۱۹۰۸ء کو ہوئی تھی۔ خواجہ کمال الدین صاحبؒ اس وقت قانونی مشیر تھے۔ وہ تین چار ممبرانِ مجلس معتمدین کو ساتھ لے کر مولانا نورالدینؒ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت صاحب کی جانشینی پیش کی۔ حضرت مولوی صاحب نے انکار کر دیا۔ اور اپنی طرف سے دو اور نام پیش کر دیئے۔ لیکن ممبران کے اصرار کرنے پر انہوں نے فرمایا کہ میاں محمود احمد صاحب اور میر ناصر نواب کو اعتراض ہوگا۔ میاں صاحب سے دریافت کرنے پر میاں صاحب نے فرمایا کہ میں اپنی والدہ صاحبہ سے مشورہ کرکے بتلا سکتا ہوں۔ بعد مشورہ جب انہوں نے ہاں کر دی۔ تو مولانا نے جانشینی منظور فرمائی۔ پہلے دو رکعت نماز ادا کی پھر اپنے عقائد بیان کئے۔ اور پھر لوگوں سے بیعت لی۔ گویا عملی طور پر مجلس معتمدین کے ممبران نے کثرت رائے سے مولوی نورالدین صاحب کو حضرت صاحب کا جانشین بنایا۔ مولوی نورالدین صاحب نے ۱۳ر مارچ ۱۹۱۴ء کو وفات پائی۔ ان کے بعد حدیث نبویؐ کے مطابق فتنہ پڑ گیا۔ میر ناصر نواب صاحب نے مولوی صاحب مرحوم کی وصیت پڑھی۔ اس کے بعد مولوی محمد احسن صاحب نے میاں صاحب کا نام جانشینی کے لئے تجویز کیا۔ ابھی کسی نے تائید نہیں کی تھی کہ مولانا محمد علی صاحب کچھ کہنے کے لئے اُٹھے۔ ان کے کھڑے ہوتے ہی حافظ روشن علی اور شیخ یعقوب علی تراب نے چلّا چلّا کر کہنا شروع کیا کہ ہم کچھ نہیں سُننا چاہتے۔ ان کے چلّانے پر تمام انصار اللہ پارٹی کھڑی ہو گئی اور سب نے شور مچانا شروع کر دیا۔ کوئی کہتا "تخت خلافت مبارک" کوئی کہتا "دیوانِ خلافت مبارک"۔ غرضکہ وہ شور مچا کہ الامان۔ اس غنڈہ گردی میں کسی کو ہوش ہی نہ رہا اور نہ کسی نے یہ خیال کیا کہ مولوی محمد احسن صاحب کی تجویز کی تائید بھی کسی نے کی ہے یا نہیں۔

اصولاً اور قانوناً تو وہی کچھ ہونا چاہیئے تھا جو حضرت صاحب کی وفات کے بعد ہُوا تھا کہ ممبران مجلسِ معتمدین کی اکثریت نے جانشینی حضرت مولانا نورالدین صاحب کی پیش کی تھی۔ میاں محمود احمد صاحب سے بھی اس لئے پُوچھا گیا تھا۔ کہ وہ مجلس معتمدین کے ممبر تھے۔ اسی طرح مولوی نورالدین صاحب کے بعد بھی مجلس معتمدین کے ممبران کو پہلے جانشینی کا فیصلہ کرنا تھا۔ اور اگر وہ نہ کر سکتے تو معاملہ ساری قوم کے سامنے پیش ہو کر فیصلہ ہوتا۔ لیکن ایسا ہُوا نہیں بلکہ فتنہ پڑ جانے کی وجہ سے جماعت میں اختلاف ہو گیا۔ اور دونوں جماعتوں نے اپنی اپنی جگہ کام شروع کر دیا۔ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور نے جو کام اشاعتِ قرآن اور تبلیغ اسلام کا ۱۹۱۴ء سے ۱۹۳۹ء تک کیا اس کا مفصل ذکر میں نے اس لئے کیا کہ قادیانی جماعت بھی اگر ایسا کرے تو پڑھنے والوں کو خود ہی اندازہ ہو جاوے گا کہ حضرت مرزا صاحب کے مشن کو کس جماعت نے پُورا کیا اور کونسی جماعت نے مرزا صاحب کے مشن سے پہلوتہی کی۔

۱۹۱۴ء سے ۱۹۳۹ء تک جو کام اشاعت قرآن کریم اور تبلیغ اسلام کا احمدیہ انجمن اشاعت اسلام نے کیا اس کے علاوہ چند ایسے واقعات بھی اسی عرصہ کے دوران ہوئے۔ جن کا ذکر ضروری ہے۔ اپنی وفات کی خبر پا کر جب مسیح موعود حضرت مرزا صاحب نے ۱۹۰۶ء میں اپنا جانشین ایک انجمن کو بنایا تو اس انجمن کے لئے چودہ ممبر منتخب کرتے وقت مولوی نورالدین صاحب کو صدر منتخب کرنے کے بعد مولانا محمد علی صاحب کو انجمن کا سیکرٹری نامزد کیا۔ اس کے بعد آپ کی نظر لاہور کے چار ممبروں پر پڑی۔ یہ چار ممبر خواجہ کمال الدین صاحب۔ مرزا یعقوب بیگ صاحب۔ شیخ رحمت اللہ صاحب اور ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب تھے۔

اپریل ۱۹۳۹ء تک یہ چاروں کمال خوبی اور اخلاص سے حضرت صاحب سے عہدِ وفا اور امانت کا حق ادا کر کے اپنے مالک حقیقی سے جا ملے تھے۔ ان چاروں کے دلوں میں خدا کے دین کی خدمت کا اس قدر عشق تھا کہ انجمن کے ہر اجلاس کے لئے لاہور سے آتے تھے۔ مالی نصرتوں میں جماعت میں پیش پیش تھے۔ مولوی محمد علی صاحب سیکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان کی زبانی سنیئے۔ فرماتے ہیں:-

> "۱۹۰۶ء کے ابتداء میں اس محبت کی بُنیاد پڑی جو ہم پانچ میں یہاں تک ترقی کر گئی کہ گویا ہم پانچ قالب و یک جان کے مصداق تھے۔ آج یہ چاروں دوست یکے بعد دیگر اپنے مولے سے جا ملے ہیں اور صدق اور اخلاص اور وفاداری کے نمونے اپنی جماعت میں چاروں طرف دیکھتے ہوئے بھی ان دوستوں کے جُدا ہونے کے بعد تنہائی سی محسوس کرتا ہوں واللہ ولی فی الدنیا والاخرۃ......... ان چاروں دوستوں نے جو نمونہ وفاداری۔ خدمتِ دین میں استقلال اور اخلاص کا دکھایا ہے آج اس کی نظیر بہت ہی کم ملتی ہے۔ خدا کے مسیح کی نظر اپنے پیچھے کام چلانے والے چند بزرگوں پر پڑی جن میں یہ چار حضرت مولانا نورالدین کے بعد نمایاں ہستیاں نظر آتی ہیں۔ اور عملی طور پر کام کا بوجھ انہی پر تھا۔ انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کی اس امانت کا حق ایسا ادا کیا کہ خدا کی راہ میں ان کا قدم آگے ہی ترقی کرتا چلا گیا۔"

احمدیت کی تاریخ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان چاروں نے حضرت صاحب کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کیا۔ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب حضرت صاحب کے مقدمات کی پیروی کی خاطر اپنی چلتی وکالت پشاور سے چھوڑ کر قادیان میں آ بیٹھے۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اپنی ملازمت سے اکثر رخصت پر رہتے تھے۔ اور قادیان میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی خدمت بیماری کے دوران میں کرتے رہتے۔ حضرت کے بعد مولوی نورالدین صاحبؒ کی بیماری کے دوران وہ خدمت کی جس کی مثال ہی نہیں۔ اسی طرح ڈاکٹر محمد حسین شاہ صاحب اکثر قادیان میں رہتے تھے۔

یہی حال شیخ رحمت اللہ صاحب کا تھا۔ غرضیکہ ان کو دین سے اور حضرت صاحب سے عشق تھا۔ ان کی قربانیوں کی کوئی انتہا نہیں۔ جب ۱۹۱۴ء میں اختلاف ہوا تو جس مکان میں انجمن کا دفتر ہے وہ مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم نے انجمن کو دیا تھا۔ اسی طرح ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب نے بھی انجمن کو اپنے مکانات دیئے۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے انجمن کے لئے اپنی نوکری سے استعفا دے دیا۔ مگر انجمن کے کاروبار کو نہ چھوڑا۔ غرضیکہ ان چاروں بزرگانِ دین نے دین کو دنیا پر مقدم کرکے عملی طور پر اپنا نمونہ اپنے ورثاء کے لئے قائم کیا۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ہم بھی ان کے نمونے پر عمل کر کے دین کو دُنیا پر مقدم کرنے کے عہد کو نبھا رہے ہیں یا نہیں۔

ان سب بزرگوں نے دین کو دنیا پر عملی طور پر مقدم کر کے دکھلایا۔

جلد ۶۳ | یوم چہار شنبہ - ۹ ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ مطابق یکم دسمبر ۱۹۷۶ء | نمبر ۴۸

# جلسہ سالانہ کی اغراض

## اس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال کریں

## یہ وہ امر ہے جسکی خالص تائیدِ حق اور اعلاءِ کلمۂ اسلام پر بنیاد ہے

(از حضرت مسیح موعودؑ)

اس جلسہ کے اغراض میں سے بڑی غرض تو یہ ہے کہ تا ہر ایک مخلص کو بالمواجہ دینی فائدہ اٹھانے کا موقعہ ملے ......... اور ان کے معلومات وسیع ہوں اور خدا تعالےٰ کے فضل و توفیق سے ان کی **معرفت** ترقی پذیر ہو۔ پھر اس کے ضمن میں یہ بھی فوائد ہیں کہ اس ملاقات سے تمام بھائیوں کا تعارف بڑھے گا۔ اور اس جماعت کے تعلقات اخوت استحکام پذیر ہوں گے۔ ما سوا اسکے اس جلسہ میں یہ بھی ضروریات میں سے ہے کہ یورپ اور امریکہ کی دینی ہمدردی کیلئے تدابیر حسنہ پیش کی جائیں۔ کیونکہ اب یہ ثابت شدہ امر ہے کہ یورپ اور امریکہ کے سعید لوگ اسلام قبول کرنے کے لئے تیار ہو رہے ہیں...... سو بھائیو! یقیناً سمجھو کہ ہمارے لئے ہی جماعت تیار ہونے والی ہے۔ خدا تعالےٰ کسی صادق کو بے جماعت نہیں چھوڑتا۔ انشاءاللہ القدیر سچائی کی برکت ان سب کو اس طرف کھینچ لائے گی۔ خدا تعالیٰ نے آسمان پر یہی چاہا ہے اور کوئی نہیں کہ اس کو بدل سکے۔ سو لازم ہے کہ اس جلسہ پر جو کئی بابرکت مصالح پر مشتمل ہے ہر ایک ایسے صاحب ضرور تشریف لاویں جو زادِ راہ کی استطاعت رکھتے ہوں۔ اور اپنا سرمائی بستر لحاف وغیرہ بھی بقدرِ ضرورت ساتھ لادیں اور اللہ اور اس کے رسول کی راہ میں ادنےٰ ادنےٰ حرجوں کی پرواہ نہ کریں۔ خدا تعالیٰ مخلصوں کو ہر ایک قدم پر ثواب دیتا ہے۔ اور اس کی راہ میں کوئی محنت اور صعوبت ضائع نہیں ہوتی اور مکرر لکھا جاتا ہے کہ **اس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں۔ یہ وہ امر ہے جس کی خالص تائیدِ حق اور اعلاءِ کلمۂ اسلام پر بنیاد ہے۔**

(اشتہار ۷ر دسمبر ۱۸۹۲ء)

## جلسہ سالانہ میں شریک ہونے والوں کے لئے

# حضرت مسیح موعودؑ کی دُعائیں

"ہر ایک صاحب جو اس للّٰہی جلسہ کے لئے سفر اختیار کریں۔ خدا تعالیٰ ان کے ساتھ ہو اور ان کو اجرِ عظیم بخشے اور اُن پر رحم کرے اور ان کی مُشکلات اور اضطراب کے حالات اُن پر آسان کر دیوے اور ان کے ہم و غم دُور فرمائے اور اُن کو ہر ایک تکلیف سے مخلصی عنایت کرے۔ اور ان کی ہر ایک مرادات کی راہیں ان پر کھول دے۔ اور روزِ آخرت میں اپنے ان نیک بندوں کے ساتھ ان کو اُٹھاوے جن پر اس کا فضل اور رحم ہے اور تا اختتامِ سفر ان کے بعد ان کا خلیفہ ہو۔ اے خُدا،

**اے ذوالمجد والعطا اور رحیم و مُشکل کُشا، ہماری تمام دُعائیں قبول کر اور ہمیں ہمارے مخالفوں پر روشن نشانوں کے ساتھ غلبہ عطا فرما کہ ہر ایک قوّت اور طاقت تجھ ہی کو ہے۔"**

## مہتمم صاحب جلسہ سالانہ کی طرف سے
# ایک خصوصی اپیل
### احبابِ کرام توجّہ فرمائیں

۱۔ تمام جماعتوں کے صدر اور سیکرٹری صاحبان اپنی اپنی جماعت سے شرکائے جلسہ کی تعداد بڑھانے کی کوشش کریں۔ اور اس کے لئے ہر مقام پر ایک جلسہ کمیٹی بنائیں جو ۲۰ دسمبر تک بار بار "جلسہ میں چلو" کی مہم چلاتی رہے۔ اور زیادہ سے زیادہ احباب کو ہمراہ لائے۔

۲۔ لاہور میں مقیم احباب سے خاص طور پر درخواست ہے کہ وہ جلسہ کے ۳/۴ دن صرف خدا کے لئے وقف کر دیں اور سب مع اہل وعیال تشریف لاویں۔

۳۔ خواتین کا جلسہ ۲۳ دسمبر صبح ۹ بجے شروع ہوگا۔ اور ساتھ ہی دستکاری کی نمائش بھی۔ نمائش میں روزانہ استعمال کی اشیاء کے علاوہ کھانے پینے کا سٹال بھی ہوگا۔

۴۔ جلسہ کا کچن ۲۳ دسمبر شام کو کھلے گا اور ۲۶ دسمبر ۲ بجے بعد دوپہر تک کھلا رہے گا۔

۵۔ شدید مہنگائی کے سبب جلسہ کے اخراجات بہت بڑھ گئے ہیں اس لئے جلسہ میں شرکت کرنیوالے احباب اپنا نام لکھواتے وقت جلسہ فنڈ میں ضرور چندہ دیں اگر ہر آدمی کم از کم ۵ روپیہ ادا کرے تو بھی کچھ نہ کچھ رقم جمع ہو سکتی ہے۔ صاحبِ توفیق احباب اپنی حیثیت کے مطابق زیادہ دیں۔ کیونکہ ہر شریک جلسہ پر انجمن ۵۰ روپیہ خرچ کرتی ہے۔ اس بوجھ کو حتی الوسع کم کرنا چاہیئے۔

(میاں) فضل احمد مہتمم جلسہ سالانہ ۱۹۷۶ء

## جلسہ سالانہ سنہ ۱۹۷۶ء
# اپیل برائے جلسہ فنڈ

اخی مکرمی محترمی۔ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امام زمان حضرت مسیح موعودؑ نے جماعتِ احمدیہ کو کئی خصوصیات سے نوازا ہے۔ ان میں جلسہ سالانہ کا انعقاد ایک ایسی خصوصیت ہے جو اسلامی اجتماعی زندگی کی بنیاد ہے۔ سال کے بعد وابستگانِ سلسلہ کا ایک جگہ جمع ہو کر تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے عالمگیر پیغام کا جائزہ لینا اور اسکے لئے لائحہ عمل مرتب کر کے آئندہ سال اس پر عمل پیرا ہونے کے ذرائع سوچنا اس اجتماع کا اولین مقصد ہے۔ یہ جلسہ نیک و متقی نفوس کا ایک ایسا اجتماع ہے جو قلوب میں رقّت و سوز اور جذب و وارفتگی کی کیفیت پیدا کرتا ہے اور اجتماعی دعاؤں کے ذریعہ ہماری بہت سی مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔ علاوہ ازیں اسکے کئی معاشرتی و سماجی فوائد بھی ہیں جو صرف سالانہ اجتماع سے ہی پورے ہو سکتے ہیں۔ اس لئے جماعت کے تمام احباب و خواتین کی شمولیت اس جلسہ میں بے حد ضروری ہے۔

موجودہ دور میں جبکہ افراطِ زر کی وجہ سے ہر چیز مہنگی ہو چکی ہے اور عام طور پر ہر فرد کے لئے کچھ مشکلات پیدا ہو گئی ہیں۔ اشاعتِ اسلام کے ذرائع بھی بہت سے اخراجات کے متقاضی ہیں۔ اسلئے جملہ احباب سے درخواست ہے کہ وہ موجودہ مخصوص مہنگائی کے پیشِ نظر دل کھول کر جلسہ فنڈ میں چندہ دیں اور اپنی درخشندہ روایات کو قائم رکھیں۔

آپ کا مخلص میرزا مسعود بیگ

جنرل سیکرٹری۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مورخہ یکم دسمبر ۱۹۷۶ء

# جلسہ سالانہ احمدیہ کے اغراض و مقاصد — باہمی انسانی تعلقات کے تاثرات

(ڈاکٹر اللہ بخش)

اکثر غیر از جماعت احباب کے نزدیک جماعت احمدیہ کا سالانہ جلسہ محض ایک عُرس یا میلہ کی حیثیت رکھتا ہے، جہاں احمدی لوگ جمع ہوکر باہم ارتباط اور اپنے سماجی ذوق کے جذبہ کی تسکین کا سامان کرتے ہیں، اگر کہیں یہ غرض باقی رہ گئی ہے تو بے شک ان کا خیال صحیح ہے، لیکن خود بانیٔ سلسلہ نے اس بارہ میں یہ وضاحت فرمائی ہے کہ حقیقتاً ایسے اجتماع کی اصل غرض و غایت دینِ اسلام کی ترقی کے بارہ میں تجاویز سوچنا اور باہمی ملاقات سے ایک دوسرے کے دُکھ درد میں شریک ہونا، نیز ایک دوسرے سے بُلند اخلاقی تاثرات حاصل کرنا ہیں تاکہ وہ جماعت جو تبلیغ اسلام کے عالی جہادِ زمانہ میں مشغول ہے کے افراد کے ایمانوں و اخلاق میں فروغ ہو۔

دینِ اسلام نے جو ایک مکمل و محفوظ دین ہے انسان کے باہمی اختلاط و ارتباط کے جذبہ کا مقام اور اسے ترقی دینے کے ذرائع کو کماحقہٗ ملحوظ رکھا ہے چنانچہ جہاں دوسرے ادیان خدا تعالےٰ کی یاد اور اذکار کو عام طور پر صرف انفرادی رنگ میں بجالاتے ہیں وہاں اسلام میں تمام عبادات کو نہ صرف انفرادی طور پر بلکہ اجتماعی حیثیت بھی دی ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ہجرت اور جہاد تمام کے تمام ارکان کے بارہ میں جمع ہوکر انہیں بجا لانے کے احکامات صادر فرمائے ہیں، روزانہ ایک محلہ کے لوگ پانچ وقت نماز کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ جُمعہ کے روز یہ اجتماع زیادہ کثرت سے بجالانا تاکیدی فریضہ ہے، اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الیٰ ذکر اللہ و ذروا البیع۔ جمعہ کی جب اذان ہو تو تمام کام کاج ترک کرکے نمازِ جمعہ کے لئے حاضر ہو جاؤ، پھر سالانہ بین الاقوامی حیثیت کا اجتماع حج کعبۃ اللہ کی صورت میں مقرّر فرما دیا۔ حج کے رُوح پرور منظر کو جب غیر مسلم حضرات بھی دیکھتے ہیں تو وجد و حیرت میں ڈوب جاتے اور یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ مساوات و اخوت نسلِ انسانی اور بین الاقوامی جذبہ کی ترقی کے لئے ترکِ قوم و وطن کا ذریعہ حج سے بڑھ کر کسی دیگر مذہب نے پیش نہیں کیا۔

باہم اختلاط و ارتباط ایک عظیم فطری جذبہ ہے جس کی تسکین انسان بہر حال چاہتا ہے، تنہائی اور علیحدگی سے جلد اُکتا جاتا ہے خطرناک مجرموں کی سزا کا ایک یہ طریق بھی ہے کہ انہیں تنہائی کی قید دی جائے۔ عام طور پر دُنیا میں سماجی جذبہ کی تسکین تفریح کے سامانوں یا جمع ہوکر فضول یاوہ گوئی اور گپ بازی سے کی جاتی ہے جو تضیع وقت کے مترادف ہے۔ لیکن کمال تو دینِ اسلام کا ہے کہ اس جذبہ کی تسکین کے ایسے سامان کئے ہیں کہ ایمانی اور اخلاقی صلاحیتیں بھی ساتھ ہی ترقی پذیر ہوں — وجہ اس کی یہ ہے کہ قرآن کریم کے نزدیک انسانی تخلیق کی واحد غرض و غایت ایمانی و اخلاقی کمالات کا حصول ہے، خلق الموت والحیاۃ لیبلوکم ایکم احسن عملاً۔ زندگی اور موت کی غرض یہ ہے کہ تمہیں اس امتحان میں ڈالا جائے کہ تم میں کون حُسنِ عمل کرتا ہے؟۔

حضرت اقدسؑ بانیٔ سلسلہ نے خدائی حکم واصنع الفلک باعیننا ووحینا کے ماتحت جس جماعتِ احمدیہ کی تشکیل فرمائی، تو اس کی اغراض یہ دو عظیم مقاصد ہیں، غیر مسلموں میں، دینِ اسلام کی صحیح تصویر پیش کرنا، دلکش اور قابلِ قدر تعلیم قرآن کو اُجاگر کرنا نیز خود مسلمانوں کی اعتقادی اور عملی اصلاح، مگر یہ امر کس قدر تعجب انگیز ہے کہ ابھی تک مختلف وجوہ سے مسلمانوں پر عام طور پر یہ امر واضح نہیں ہو سکا۔ تحریکِ احمدیہ کی تشکیل و تنظیم کا واحد مقصد، دینِ اسلام کا عروج، تعلیم قرآنِ حمید کی جلوہ گری، نبوّت و افضلیت حضرت خاتم الانبیاء صلعم کا ثبوت، نیز مسلمانوں کی ایمانی و اخلاقی اصلاح کے بجز اور کچھ نہیں جیسے حضرت اقدسؑ کا یہ فرمودہ ہے کہ اگر ہماری غرض خدمتِ دینِ اسلام نہیں تو ہمارا سارا کاروبار عبث و مردود ہے۔ پس آپ کا یہ قائم کردہ جلسہ سالانہ خدائی تحریک کا ایک اعلیٰ جزو ہے کہ جُملہ دینی بھائی جو جہادِ زمانہ کے لئے متحد و منظم ہو گئے ہیں باہم اکٹھے ہوکر ایک دوسرے سے اپنے ایمانوں اور اخلاق میں ترقی کرنے والے ہوں۔ دنیوی انہماک سے ایمانی و اخلاقی صلاحیتوں میں کمزوری واقع ہونا فطری امر ہے۔ خود حضرت خاتم الانبیاء صلعم مطہر و مزکّی عالم نے بھی فرمایا ہے کہ مَیں جب لوگوں میں بیٹھتا ہُوں تو اِن کے قلوب کے تاثرات سے میرے دل پر ایک قسم کا زنگ آ جاتا ہے اس پر میں استغفار میں مشغول ہو جاتا ہوں۔ اس حدیث نبویؐ سے ثابت ہو گیا کہ ایک قلب کا تاثر دوسرے قلب پر پڑنا ایک حقیقی امر ہے۔

آج کی سائنس میں اگر اسے بیان کرنا ہو تو یہ آسانی سے اس طرح سمجھ میں آ سکتا ہے کہ انسانی قلوب بد و نیک تاثرات یا شعاعوں کی آماجگاہ ہیں۔ ریڈیائی لہریں دکھلائی نہیں دیتیں لیکن اگر ایک ترسیل کرنے کا مرکز ہو اور دوسرا ان لہروں کو لینے والا، تو یہ غیر مرئی لہریں دوبارہ آواز یا تصویر میں تبدیل کی جا سکتی ہیں۔ اسی پر انسانی قلوب میں سے نکلنے والی غیر مرئی شعاعوں کو سمجھ لینا مشکل نہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں آیا ہے:— نُورھم یسعیٰ بین ایدیھم و بایمانھم، مؤمنوں کے قلوب سے نورِ ایمان و اخلاق کی جو برقی لہریں خارج ہوتی ہیں وہ ان کے آگے اور پیچھے اپنا اثر دکھلاتی ہیں۔ قرآنی فرمودات فرضی باتیں نہیں بلکہ اعلےٰ ترین نوری حقائق ہیں جنہیں آج کی سائنس نے بھی حقائق ثابت کر دکھلایا ہے حضرت اقدسؑ کے زمانہ کے ایک دو واقعات یہاں بیان کر دینا خالی از دلچسپی نہ ہوں گے۔

حضرت مولانا نورالدینؓ بیان فرماتے ہیں:—

> "جمّوں میں ملازمت سے فراغت کے بعد بھیرہ میں مکان بنوا رہا تھا کہ کچھ سامان خریدنے کے لئے لاہور آنا پڑا تو خیال ہوا کہ قادیان نزدیک ہے حضرت اقدسؑ سے ملاقات کر آؤں ملاقات کی سعادت نصیب ہوئی مگر جب رُخصت حاصل کرنا چاہی تو ہمت نہ پڑی، سوچا کل اجازت لے لوں گا۔ مگر دوسرے روز بھی باوجود کوشش کے حوصلہ نہ پڑا، اسی طرح کئی روز گذر گئے، اجازت لینے جاتا مگر ہمت و حوصلہ جواب دے جاتے۔ آخر ایک روز حضرت اقدسؑ نے فرمایا آپ کو اکیلے رہنے میں تکلیف ہوگی گھر سے بُلوا لیں۔ پھر ہم قادیان کے ہو رہے"

اس واقعہ سے کیا یہ امر ثابت نہیں کہ حضرت اقدسؑ کے مبارک قلب میں جو یہ بات تھی کہ آپ حضرت مولاناؒ قادیان میں ہی اقامت پذیر ہو جائیں تو اسی جذبہ کا اثر مولاناؒ کے قلب پر پڑ کر انہیں یہ تاثر دے رہا تھا کہ آپ یہاں سے جانا نہیں۔

اسی طرح کا وہ واقعہ بھی ہے جب حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ

نے گورداسپور میں وکالت کرنے کے لئے سامان جمع کر لیا اور حضرت اقدسؑ سے اجازت چاہی تو آپ نے اتنا فرمایا:۔

"ہمارا ارادہ ہے کہ ایک انگریزی رسالہ دین اسلام کی تعلیم کی اشاعت کے لئے شائع کیا جائے"

تو صرف ایک فقرہ کے کہنے کا اثر حضرت مولاناؒ پر اس قدر زبردست ہوا کہ تمام دُنیاوی ترقی کی خواہشات ختم ہو گئیں اور حضرت مولاناؒ نے دیارِ محبوب میں دھونی رما کر اسلام کی وکالت کا کام شروع کر دیا۔

حضرت اقدسؑ کے اپنے الفاظ میں اس جماعتِ احمدیہ کی تشکیل و تنظیم اور اس کے اجتماعات کی اغراض پڑھیئے:۔

"یہ سلسلہ بیعت بمراد فراہمی طائفہ متقین یعنے تقوےٰ شعار لوگوں کی جماعت جمع کرنے کے لئے ہے۔ تا ایسے متقیوں کا ایک بھاری گروہ دُنیا پر اپنا نیک اثر ڈالے اور ان کا اتفاق اسلام کے لئے برکت و عظمت و نتائج خیر کا موجب ہو، اور وہ بہ برکت کلمۂ واحدہ پر متفق ہونے کے اسلام کی پاک و مقدس خدمات میں جلد کام آسکیں۔ ......... جبکہ وہ ایسے قوم کے ہمدرد ہوں کہ غریبوں کی پناہ ہو جائیں۔ یتیموں کے لئے بطور باپوں کے بن جائیں اور اسلامی کاموں کے سر انجام دینے کے لئے عاشق زار کی طرح فدا ہونے کو تیار ہوں اور تمام کوشش اس بات کے لئے کریں کہ اُن سے عام برکات دُنیا میں پھیلیں اور محبت الٰہی اور ہمدردی بندگان کا ایک پاک چشمہ ہر ایک دِل سے نکل کر ایک جگہ اکٹھا ہو کر ایک دریا کی صورت میں بہتا ہُوا نظر آئے۔"

حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں:۔

"میرے آنے کی اصل غرض یہ ہے کہ ایک ایسی جماعت تیار ہو جائے جو سچی مومن ہو اور خدا پر حقیقی ایمان اور اس کے ساتھ حقیقی تعلق رکھے اور اسلام کو اپنا شعار بنائے اور آنحضرت صلعم کے اُسوۂ حسنہ پر کاربند ہو اور اصلاح و تقوےٰ کے رستے پر چلے اور اخلاق کا اعلےٰ نمونہ قائم کرے تا پھر ایسی جماعت کے ذریعہ دُنیا ہدایت پاوے اور خدا کا منشاء پُورا ہو۔ پس اگر یہ غرض پوری نہیں ہوتی تو اگر دلائل و براہین سے ہم نے دشمن پر غلبہ بھی پا لیا اور اس کو پوری طرح زیر بھی کر لیا تو پھر بھی ہماری فتح کوئی فتح نہیں۔"

آپؑ نے فرمایا:۔

"اسلام لوگوں کے دِلوں میں گھر کر رہا ہے۔ اور یورپ اور ایشیا کے لوگ اندر ہی اندر اس بات کو بخوبی سمجھ رہے ہیں کہ دیگر تمام ادیان باطل ہیں مگر دُنیا سب کو محبوب ہو رہی ہے یہ ایک زہر ہے جو ایک منٹ کیا ایک سیکنڈ میں ہلاک کر دیتی ہے۔ بڑا گناہ جو اس زمانہ میں پیدا ہوا ہے۔ وہ حُبِّ دنیا ہی ہے یہ ایک باریک زہریلا کیڑا ہے جو کہ خورد بین سے بھی نظر نہیں آتا۔

## مسلمانوں کا نمونہ اشاعتِ اسلام کے لئے روک ہے۔

"مسلمانوں کے اندرونی فرقے بھی بخوبی جانتے ہیں اور ان کے دل پہچانتے ہیں کہ کس فرقہ کے عمدہ اصول ہیں اور خدا تعالےٰ اس وقت کیونکر راضی ہو سکتا ہے مگر ان کی اندرونی حالتیں خراب ہیں۔ قرآن شریف میں آیا ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔"

"اے نبی تو کہہ دے کہ اگر تم اللہ تعالےٰ سے پیار کرتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو۔ اللہ تعالےٰ تم سے محبت کرے گا۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ کیا یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کرتے ہیں۔ کیا ان کی طرح آنحضرت سُود لیتے تھے یا مداہنہ کرتے تھے یا دُنیا کو دین پر مقدم کرتے تھے۔ یہ سب باتیں ان لوگوں میں پائی جاتی ہیں اور ان کی حالتیں وہ نہیں رہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کی ہُوا کرتی تھیں کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بسر کیا کرتے تھے اسی طرح زندگی بسر کریں تب سچے مسلمان ہو جائیں گے ان لوگوں کے دلوں میں اسلام کا مذہب نہیں رہا مگر کُتُب میں اور آثار میں اسلامی حقیقت موجود ہے۔ صحابہ رضؓ کی یہ حالت تھی کہ نہ دُنیا ان سے پیار کرتی اور نہ وہ دنیا سے پیار کرتے تھے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں ایک نئی زندگی حاصل کی تھی۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ کیا ان لوگوں کا قدم صحابہ رضؓ کے قدموں پر ہے۔ پس خدا تعالےٰ کا منشاء اس سلسلہ کے قیام سے یہ ہے کہ لوگ پھر اس راہ پر چلنے لگیں۔"

## پیغام احمدیت ——— بسلسلہ صفحہ ۸

ہے۔ تو اس سے صرف ان اسباب و ذرائع کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو حج کے لئے لازم ہیں دیگر امور کی نفی مراد نہیں جن کا ہونا عقلاً ہر کام کے لئے لازم ہوتا ہے اور شرعاً ان کے بغیر کسی کو مکلف بنانا ہی جائز نہیں۔

حضرت مرزا صاحب کے لئے نہ راستے میں امن تھا اور نہ ہی مکہ معظمہ میں مکہ میں تو آپ پر کفر اور قتل کا فتوےٰ لگایا گیا تھا۔ اس کے علاوہ آپ کی صحت جسمانی بھی اس کی اجازت نہیں دیتی تھی اس لئے شرعاً وہ حج پر جانے کے لئے مجبور نہیں تھے۔

مولوی محمد حسین بٹالوی نے اپنے ایک خط میں حضرت صاحب پر حج نہ کرنے کا اعتراض کیا۔ جس کا قرآن و حدیث کی روشنی میں تفصیل سے جواب الحکم جلد ۶-نمبر ۳۱ مورخہ ۳۱ر اگست سنہ ۱۹۰۲ء کے پرچے میں دیا گیا ہے۔ جب حضرت صاحب کے سامنے وہ خط پڑھا گیا تو انہوں نے حدیث میں جو مسیح کے کام قتلِ خنزیر و کسرِ صلیب کا ذکر ہے اس کی طرف بھی توجہ دلائی کہ اسلام کی دفاع اور اشاعت کا جو ان کے سپرد اللہ تعالےٰ نے کیا ہے وہ حج پر جانے سے زیادہ اہم ہے۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ ۳۷۲)

ظاہر ہے کہ ایک مختصر سی مجلس میں تمام امور پر تفصیل سے روشنی نہیں ڈالی جا سکتی تھی۔ آپ نے برسبیل تذکرہ ایک بات بیان فرمادی جسے بٹالوی صاحب نے اچھالنا شروع کر دیا۔

مکرم جناب شیخ عبدالحق صاحب - کراچی

# پیدائش مسیح ناصری بروئے انجیل مقدس

## عیسائی صاحبان کے لئے لمحۂ فکریہ

انجیل مقدس سے بیسیوں حوالجات پیش کئے جا سکتے ہیں - جن سے ثابت ہے کہ جو اسباب اللہ تعالےٰ نے جملہ نسلِ انسانی کو پیدا کرنے کے لئے بنائے ہیں انہیں اسباب کے تحت حضرت عیسےٰ علیہ السّلام بھی پیدا ہوئے۔ لیکن یہ بات واقعی تعجب انگیز اور حیرت میں ڈالنے والی ہے - کہ انجیل میں ان حوالجات کی موجودگی کے باوجود عیسائی صاحبان کی اکثریت حضرت عیسیٰؑ کی ولادت کو بغیر باپ تسلیم کرتی ہے - اگر وہ اس کے جواب میں ہم پر یہ اعتراض کریں کہ اگر ان کا عقیدہ ولادتِ مسیح بائبل کے مطابق نہیں - تو پھر مسلمانوں کی اکثریت عیسائیوں کی طرح حضرت عیسےٰؑ کی پیدائش بغیر باپ کن وجوہات کی بنا پر تسلیم کرتی ہے - تو میں اس کا تحقیقی جواب کتاب اللہ و اقوال رسول اللہ صلعم کی روشنی میں کسی دوسری فرصت پر چھوڑتا ہوں - بالفعل عیسائی صاحبان کی خدمت میں عرض کروں گا - کہ دونوں (عیسائی صاحبان اور اہلِ اسلام) کے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو بغیر باپ ماننے میں زمین و آسمان کا فرق ہے - مثلاً (۱) مسلمانوں کے عقائد میں یہ امر داخل نہیں کہ وہ حضرت عیسےٰ کی پیدائش کو بغیر باپ تسلیم کریں - (۲) مسلمان حضرت عیسےٰؑ کو خدا کا راستباز نبی اس صورت میں بھی تسلیم کرتا ہے کہ ان کا باپ تھا - برعکس اس کے اگر یہ ثابت ہو جائے کہ انجیل مقدس کی بنا پر حضرت عیسےٰؑ کا باپ تھا - تو پھر عیسائی مذہب کی ساری بنیاد باطل ثابت ہو جائے گی - کیونکہ ایسی صورت میں بمطابق عقیدہ عیسائی صاحبان (۱) نہ تو حضرت مریمؑ روح القدس سے حاملہ ہوگی اور (۲) نہ ہی مسیح کی الوہیت پر ان کے پاس کوئی دلیل رہے گی - اور (۳) کفارہ کا مسئلہ خود بخود غلط قرار پا جائے گا - الغرض حضرت مسیح کے باپ ثابت ہو جانے پر عیسائی مذہب کا بُت پاش پاش ہو جائے گا - اور مسلمان دونوں صورتوں میں یعنے حضرت عیسےٰؑ کے باپ ہونے یا نہ ہونے سے ان کو راستباز اور برگزیدہ نبی تسلیم کرتا ہے - اور ان کے کسی مذہبی عقیدہ میں بال برابر فرق بھی نہیں آسکتا۔

۲ - اس تمہید کے بعد جیسا میں نے اُوپر ذکر کیا ہے کہ حضرت عیسےٰ کی ولادت کے متعلق بیسیوں حوالجات انجیل مقدس میں موجود ہیں - مگر میں ان حوالجات کے مجموعہ میں سے چند حوالے بطور مشتے از خروارے پیش کروں گا جن کا جواب عیسائی دُنیا کے پاس نہیں۔

### انجیل متی کے حوالجات

سب سے پہلے انجیل متی کے حوالجات ملاحظہ ہوں یسوع مسیح ابن داؤد ... کا نسب نامہ

(۱) "........ متان سے یعقوب پیدا ہوا اور یعقوب سے یُوسف (ابن داؤد) پیدا ہوا اور یہ اس مریم کا شوہر تھا جس سے یسوع پیدا ہوا جو مسیح کہلاتا ہے" (باب اوّل - آیت ۱۵-۱۶)

(۲) "جب یسوع یہ تمثیلیں ختم کر چکا تو ایسا ہُوا کہ وہاں سے روانہ ہو گیا اور اپنے وطن میں آ کر ان کے عبادت خانہ میں اُن کو تعلیم دینے لگا - کہ وہ حیران ہو گئے اور کہنے لگے کہ اس میں یہ حکمت اور معجزے کہاں سے آئے کیا یہ بڑھئی کا بیٹا نہیں اور اس کی ماں کا نام مریم اور اس کے بھائی یعقوب اور یُوسف اور شمعون اور یہوداہ نہیں اور کیا اس کی سب بہنیں ہمارے ہاں نہیں" (باب ۱۳ - آیات ۵۳-۵۷)

(۳) انجیل لوقا میں اسی مفہوم کے حوالہ پر ذیل کے الفاظ ہیں :-
"سب نے اس پر گواہی دی اور اُن پُر فضل باتوں پر جو اس کے منہ سے نکلتی تھیں - تعجب کر کے کہنے لگے کیا یہ یوسف کا بیٹا نہیں" (باب ۴ - آیت ۲۲-۲۳)

(۴) انجیل نویس یوحنا اسی معاملہ کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں :-
"پس یہودی اس پر بڑبڑانے لگے ........... اور انہوں نے کہا کیا یہ یوسف کا بیٹا یسوع نہیں جس کے باپ اور ماں کو ہم جانتے ہیں" (باب ۶ - آیت ۴۱ تا ۴۲)

(۵) انجیل مرقس نے اسی واقعہ کے متعلق یوں ارشاد فرمایا ہے :-
اور یہ کیا حکمت ہے جو اسے بخشی گئی اور کیسے معجزات اس کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے ہیں - کیا یہ وہی بڑھئی نہیں جو مریم کا بیٹا اور یعقوب اور یوسس اور یہوداہ اور شمعون کا بھائی ہے" (باب ۶ - آیت ۳ و ۴)

نوٹ : چاروں انجیل نویسوں نے حضرت عیسےٰؑ کو یوسف بڑھئی کا بیٹا قرار دیا ہے اور بقول ان راویوں کے کسی یہودی نے حضرت مریم پر کوئی الزام نہیں لگایا - بلکہ وہ حضرت عیسےٰؑ کی پاک تعلیم پر حیرت کا اظہار کر رہے ہیں - اگر وہ یوسف کے بیٹے نہ ہوتے - تو اس کے بہن اور بھائی بھی نہ ہوتے -

### انجیل یُوحنا کے حوالہ جات

انجیل یُوحنا کا درج ذیل حوالہ ملاحظہ فرمائیں :-

(۶) "فلپس نے نتن ایل سے مل کر اس سے کہا کہ جس کا ذکر موسےٰ نے توریت میں اور نبیوں نے کیا ہے - وہ ہم کو مل گیا ہے - وہ یوسف کا بیٹا یسوع ناصری ہے" (باب ۱ آیت ۴۵)

### انجیل لوقا کے حوالہ جات

انجیل لوقا میں یُوں لکھا ہوا ہے :-

(۷) "اس کے ماں باپ ہر برس عید فسح پر یروشلم کو جایا کرتے تھے جب وہ بارہ برس کا ہُوا عید کے دستور کے مطابق یروشلم گئے جب وہ لوٹے - تو وہ لڑکا یسوع یروشلم میں رہ گیا اور اس کے ماں باپ کو خبر نہ ہوئی ............ اسے رشتہ داروں میں ڈھونڈنے لگے - جب نہ ملا ......... واپس گئے - تین روز کے بعد ایسا ہوا کہ انہوں نے اُسے ہیکل میں استادوں کے بیچ ..... پایا ......... اس کی ماں نے اس کو کہا بیٹا - تو نے کیوں ہم سے ایسا کیا - دیکھ تیرا باپ اور میں ......... تجھے ڈھونڈتے تھے" (باب ۲ - آیات ۴۱ تا ۴۹)

اس حوالہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جناب مسیح علیہ السلام بچپن میں بغیر اطلاع اپنے ماں اور باپ سے بچھڑ بھی جایا کرتے تھے جو انکی پریشانی کا موجب ہوتا تھا -

### انجیل لوقا کا فیصلہ کُن حوالہ

انجیل لوقا میں کثرت کے ساتھ ایسے آیات ہیں جن میں صریح طور پر حضرت عیسےٰ کے ماں اور باپ دونوں کا ذکر کیا گیا ہے - تاہم ایک فیصلہ کُن حوالہ اسی انجیل سے درج ذیل ہے :-

"جب یسوع خود تعلیم دینے لگا - قریباً تیس برس کا تھا - اور جیسا کہ سمجھا جاتا تھا یوسف کا بیٹا تھا" (باب ۳ آیت ۲۳)

اس حوالہ میں انجیل نویسوں نے بھی اقرار کر لیا ہے کہ یہودی حضرت عیسےٰؑ کو یوسف کا بیٹا قرار دیتے تھے -

### عیسائیوں کو غلطی کیوں لگی

مذکورہ بالا حوالہ جات کی موجودگی میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر عیسائیوں

(باقی بر صفحہ ۱۲ کالم نمبر ۲)

جناب میاں غلام حیدر صاحب تمیم - جھنگ

# چودھویں صدی کا جگر خراش المیہ

ختم نبوت اور تکفیر المسلمین کی بناء پر اس جماعت کو کافر قرار دیا گیا ہے جو اس زمانہ میں ان معتقدات کی اولین علمبردار اور ۶۰ برس سے ان کی تبلیغ کر رہی ہے۔

نصف صدی سے بھی زیادہ عرصہ سے مسلمانوں کی چند ہزاروں کی ایک جماعت (جماعت احمدیہ لاہور) اپنے فریق مخالف (جماعت قادیان حال ربوہ) سے اس موضوع پر برسر پیکار رہی ہے کہ :-

(۱)- حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور خاتم النبیین ہونے کی وجہ سے حضورؐ کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آسکتا۔ اگر آنحضرت کے بعد کوئی دعوےٰ نبوت یا رسالت کرے تو وہ جھوٹا اور مفتری ہے اور دائرہ اسلام سے خارج۔

(۲)- کوئی کلمہ گو جو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان رکھتا ہے کافر اور دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو سکتا۔

(۳) حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مجدد صدی چہاردہم ہیں۔

مذکورہ بالا عقائد کو صحیح ثابت کرنے کے لئے جماعت احمدیہ لاہور نے ضخیم لٹریچر شائع کیا۔ سینکڑوں کتابیں لکھیں۔ ہزاروں ٹریکٹ شائع کئے اور گذشتہ ساٹھ ستر سال کے عرصہ میں بے شمار مضامین ان اعتقادات کی صحت پر سلسلہ کے اخبارات میں بھی شائع ہوتے رہے۔ جن میں ان معتقدات کو قرآن شریف اور احادیث کی رُو سے صحیح ثابت کیا جاتا رہا۔

۱۹۱۴ء میں انہیں اعتقادات کی وجہ سے ہم نے جماعت قادیان سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ تو کیا یہ اس صدی کا جگر پاش اور دلخراش المیہ نہیں ہے کہ انہیں اعتقادات کی وجہ سے ہم ہزاروں مسلمانوں کو "غیر مسلم" قرار دے دیا گیا ہے۔ جن پر ہمارا جان و دل سے ایمان ہے۔ اور جن پر ہمارا عمل اور فعل شاہد ہے۔ اس سے بڑھ کر اور زیادتی کیا ہو سکتی ہے کہ جو جماعت حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح معنوں میں خاتم النبیین یعنی آخری نبی تسلیم کرتی ہے یا آنحضور صلعم کے بعد کسی نئے یا پرانے نبی کے آنے کی قائل نہیں ہے اور دل سے ایمان رکھتی ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی نبی یا رسول نیا یا پرانا نہیں آ سکتا۔ اور ان اعتقادات کو درست ثابت کرنے کے لئے وہ ۶۰ برس سے کوشاں ہے۔ انہیں کا اسے زبردستی منکر بنا کر "غیر مسلم" قرار دیا گیا حالانکہ وہ ان اعتقادات کی قائل ہے جن پر غیر مسلم ہونے کی بناء قائم کی گئی ہے۔ کیا اس اسلامی ملک میں کوئی ایسا عالم دین۔ اہل دل لیڈر یا صحافی نہیں رہا جو کلمۂ حق لکھنے کی جرأت کر سکے۔

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں + دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
سارے حکموں پر ہمیں ایمان ہے
جان و دل اس راہ پر قربان ہے

## ہفت روزہ پیغام صلح کا جلسہ سالانہ نمبر

دسمبر کے تیسرے ہفتہ کے شروع میں شائع ہو رہا ہے مضمون نگار احباب ۱۰ دسمبر تک اپنے مضامین بھیجکر مشکور فرمائیں۔ (ادارہ)

# انچارج دستکاری محترمہ بیگم احمد جاوید صاحبہ کا ایک اہم مکتوب

خواتین سلسلہ کی توجہ کے قابل

محترم بہنو! اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

جلسہ سالانہ کی تاریخوں کا اعلان ہو چکا ہے۔ ۲۳ دسمبر ۱۹۷۶ء کو مستورات کا جلسہ ہوگا اور دستکاری کی نمائش ہوگی۔ میں ضروری سمجھتی ہوں کہ ایک بار پھر اپنی بہنوں سے التماس کروں کہ وہ دستکاری کی نمائش کے لئے اپنے ہاتھوں سے تیار کی ہوئی اشیاء جلد از جلد بھجوا دیں، تاکہ اس نمائش کا اہتمام وقت پر اور احسن طریق پر کیا جا سکے۔

جماعت کی تمام بہنیں اور بچیاں اس نمائش کی اہمیت اور مقاصد سے بخوبی واقف ہیں۔ اس لئے اس ضمن میں زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ یہ خیال رکھیں کہ کم لاگت کی کارآمد چیزیں تیار کر کے جلدی بھیجیں۔ کسی وجہ سے کوئی بہن اگر خود چیز تیار نہ کر سکیں۔ تو وہ اپنا عطیہ نقدی کی صورت میں زیر دستخطی کو بھجوا دیں۔ مگر بازار سے بنی بنائی کوئی چیز خرید کر کے ارسال نہ فرمائیں۔

اگر کسی بہن کے ذہن میں اس نمائش کو بہتر بنانے کی کوئی بھی تجویز ہو تو ضرور تحریر فرما دیں۔ ہمیں آپ کی رائے۔ تجاویز۔ تعاون اور جواب کا شدت سے انتظار ہوگا۔ والسلام

بیگم احمد جاوید۔ انچارج دستکاری

پتہ:- ۴۵، احمد پارک۔ ڈاک خانہ فیروز پور روڈ۔ لاہور

# رابطہ میٹنگ مقامی جماعت احمدیہ لاہور

مورخہ ۱۲ نومبر ۱۹۷۶ء بعد نماز جمعہ، جامع احمدیہ۔ احمدیہ بلڈنگس لاہور میں مقامی جماعت کے زیر اہتمام ایک رابطہ اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں صدر مقامی جماعت جناب ڈاکٹر وحید احمد صاحب نے مقامی جماعت کی اغراض و مقاصد اور لائحہ عمل پر روشنی ڈالی۔ اور سب دوستوں سے اپیل کی کہ تمام بھائی مقامی جماعت کو باقاعدہ چندہ دیں. تاکہ ہم اپنے مقاصد میں کامیاب ہو سکیں اور زیادہ سے زیادہ مستحق لوگوں کی امداد کر سکیں۔ مختلف احباب نے اپنی اپنی تقریر میں عمدہ تجاویز پیش کیں۔ جناب میرزا مقبول احمد صاحب نے فرمایا کہ احمدیہ بلڈنگس سے ہمارا روحانی تعلق ہے اور یہاں بزرگان جماعت نے رو رو کر دعائیں کی ہیں۔ لہٰذا ہمارا اس سے رابطہ استوار رہنا چاہیئے۔

جناب عبدالغنی بٹ صاحب نے چندہ کے لئے پُرزور اپیل کی۔ جس کی تائید میں مکرم عبدالحفیظ بٹ صاحب ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر نے فرمایا چندہ ضرور دیا جائے اگرچہ ایک روپیہ ماہوار ہو۔ مزید برآں باہم الفت اور اخوت کو فروغ دیا جائے۔ اور ہمارے امراء کو اس طرف مزید توجہ دینی چاہیئے۔

اس اجلاس میں کافی احباب نے شرکت کی۔ حاضرین کی چائے سے تواضع کی گئی۔ آخر میں حضرت امیر ایدہ اللہ نے دعا فرمائی اور بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا۔

عبدالسلام - سیکرٹری مقامی جماعت احمدیہ لاہور

مکرم جناب شیخ محمد طفیل صاحب مبلغ انگلستان

# پیغامِ احمدیت

## (۲۶) ارضِ حرم۔ فصل ساتویں ص ۳۶۱

زمینِ قادیاں اب محترم ہے + ہجومِ خلق سے ارضِ حرم ہے

زمین قادیاں کو ارضِ حرم سے جس بناء پر تشبیہ دی گئی ہے اس کا ذکر دوسرے مصرع میں ہے۔ یعنی ہجومِ خلق کے باعث ارضِ حرم کی طرح معلوم ہوتی ہے۔ مراد ارضِ حرم کے مقام کی توہین نہیں بلکہ اس کی کسی صفت کا اس دوسرے مقام میں پایا جانا مقصود ہے۔

شعراء نے تو مختلف علاقوں کو فردوس کے مشابہ بلکہ فردوس قرار دیا ہے۔ کشمیر کے متعلق کہا گیا ہے

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمین است و ہمین است و ہمین است

علامہ اقبال نے حیدر آباد دکن کے متعلق فرمایا تھا:—

خطۂ جنت، فضا جس کی ہے دامن گیر دل
عظمت دیرینۂ ہندوستاں کی یادگار
نور کے ذروں سے قدرت نے بنائی یہ زمیں
آئینہ ٹپکے دکن کی خاک اگر پائے فشار
اس قدر حق نے بنایا اس کو عالی مرتبت
آسماں اس آستانے کی ہے اِک موجِ غبار
(باقیاتِ اقبال ص ۲۰۳)

اسی طرح اجمیر شریف۔ سرہند شریف۔ نظام الدین اولیا اور دیگر مقدس مقامات کے متعلق شعراء نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

الفضل ۲۶ر دسمبر ۱۹۱۵ء کے حوالہ میں بھی "ہجومِ خلائق" کا ذکر ہے۔ اسلامی جماعت نے ۱۹۷۰ء کے پاکستان اسمبلی کے الیکشن کو "معرکۂ یومِ بدر" قرار دیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ انہیں اس الیکشن میں زبردست شکست ہوئی۔ حوالہ ملاحظہ ہو:—

### "۷ر دسمبر۔ ایک معرکۂ بدر

ایک معرکۂ بدر ۷ دسمبر کے انتخابات میں اہلِ پاکستان کو بھی درپیش ہے۔ اگر انہوں نے ذات برادری اور مالی مفاد سے بے نیاز ہو کر ان لوگوں کے حق میں اپنا ووٹ استعمال کیا جو اسلام کے صحیح نمائندے ہیں تو نصرتِ خداوندی ان کے قدم چومے گی۔ اگر خدانخواستہ وہ کسی لالچ یا فریب میں آکر اپنے ووٹ کا غلط استعمال کر بیٹھے تو ان کے وطن کی زمین بھی ان پر تنگ ہو جائے گی اور آخرت میں بھی ذلت و رسوائی ان کا مقدر ٹھہرے گی اللہ تعالیٰ ہمیں اس آزمائش میں پورا اُترنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (ادارہ)" (ایشیا۔ لاہور۔ ۱۵ر نومبر ۱۹۷۰ء ص ۱۰)

(۲۷) قادیان کا ظلّی حج۔ فصل ساتویں ص ۳۶۱

(۲۸) حجِ نفل سے بڑھ کر حج۔ فصل ساتویں۔ ص ۳۶۲

خلاصہ اعتراضات:— احمدیہ لٹریچر سے بعض اقتباسات درج کئے گئے ہیں جن میں جلسہ سالانہ کو "حج کی طرح" (ص ۳۶۲) اور قادیان میں آنے کو "حج قرار دیا ہے" (ص ۳۶۳)

---

حج کے لغوی معنی مقصد و ارادہ کے ہیں اور اس سے مقصود عام مذہبی قصد و ارادہ سے کسی مقدس مقام کا سفر ہے۔ اسلامی اصطلاح میں حج کا مفہوم ہے۔ شہر مکہ میں جاکر احرام باندھنا۔ خانہ کعبہ کا طواف کرنا صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا۔ عرفات میں وقوف کرنا۔ مزدلفہ اور منیٰ میں قیام کرنا۔ اور دیگر آداب اور اعمال کو بجا لانا۔

جہاں کہیں احمدیہ لٹریچر میں جلسہ سالانہ کو "حج کی طرح" یا قادیان میں آنے کو حج قرار دیا گیا ہے وہ انہی لغوی معنوں میں قرار دیا گیا ہے نہ کہ اسلامی اصطلاحی معنوں میں۔

الفضل مورخہ ۵ر جنوری ۱۹۳۳ء سے ایک اقتباس پیش کیا گیا ہے جس میں ذکر ہے کہ:—

"صاحبزادہ عبداللطیف صاحب مرحوم شہید حج کے ارادہ سے کابل سے روانہ ہوئے تھے۔ ......... حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا اس وقت اسلام کی خدمت کی بے حد ضرورت ہے اور یہی حج ہے۔ چنانچہ پھر صاحبزادہ صاحب حج کے لئے نہ گئے اور یہیں رہے۔ کیونکہ اگر وہ حج کے لئے چلے جاتے تو احمدیت نہ سیکھ سکتے تھے۔" (ق۔م۔ ص ۳۶۳)

اس اقتباس سے پڑھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے حضرت صاحب نے صاحبزادہ صاحب کو حج پر جانے سے قطعی منع کر دیا تھا۔ حالانکہ بات یہ نہیں۔ حضرت صاحب نے صاحبزادہ صاحب کے متعلق خود لکھا ہے کہ:—

"حج کا ارادہ انہوں نے کسی دوسرے سال پر ڈال دیا تھا"
(تذکرۃ الشہادتین ص ۴۷)

کسی دینی غرض کے حصول کے لئے حج کو التوا میں ڈال دینا خلاف شریعت امر نہیں۔ رسولِ کریم صلعم نے تو ایک صحابی کو حج پر نہ جانے کی ہدایت صرف اس لئے کر دی تھی کہ اس کی بوڑھی ماں کو اس کی خدمت کی ضرورت تھی۔ بلکہ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے ایک صحابی کو جہاد پر بھی جانے سے منع کر دیا تھا اور اس کی ماں کے متعلق فرمایا:—

"اسی سے چمٹے رہو کہ جنت اس کے پاؤں کے پاس ہے۔"
(ترغیب و ترہیب منذری جلد ۲ ص ۱۲۴ بحوالہ ابنِ ماجہ و نسائی و حاکم: سیرت النبی جلد ۶ ص ۲۱۵ شبلی نعمانی۔ پبلشر محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

حج کو محض ایک رسم کے طور پر ادا کر لینا انسان کی روحانی ترقی کے لئے مفید نہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے ایک دفعہ فرمایا:—

"حج سے صرف اتنا ہی مطلب نہیں کہ ایک شخص گھر سے نکلے اور سمندر چیر کر چلا جاوے۔ اور رسمی طور پر منہ سے بول کر ایک رسم ادا کر کے چلا آوے۔ (اصل بات یہ ہے کہ حج ایک اعلیٰ درجہ کی چیز ہے جو کمال سلوک کا آخری مرحلہ ہے)۔ سمجھنا چاہیئے کہ انسان کا اپنے نفس سے انقطاع کا یہ حق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کی محبت میں کھویا جاوے اور تعشق باللہ اور محبتِ الٰہی ایسی پیدا ہو جاوے کہ اس کے مقابلہ میں نہ اسے کسی سفر کی تکلیف ہو اور نہ جان و مال کی پروا ہو نہ عزیز و اقارب سے جدائی کا فکر ہو جیسے عاشق اور محب اپنے محبوب پر جان قربان کرنے کو تیار ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی کرنے سے دریغ نہ کرے۔ اس کا نمونہ حج میں رکھا ہے۔"
(الحکم ۱۷ر جنوری ۱۹۰۷ء۔ بحوالہ ملفوظات جلد ۹ ص ۳)

ایک صاحب حج سے واپس آئے تو وہاں کی تکالیف کا ذکر کیا۔ حضرت صاحب نے فرمایا:—

"ہم آپ کو ایک نصیحت کرتے ہیں ایسا ہو کہ ان تمام امور تکالیف سے آپ کی قوتِ ایمانی میں کسی قسم کا فرق اور تزلزل نہ آوے

یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ابتلا ہے۔ اس سے پاک عقائد پر اثر نہیں پڑنا چاہیئے۔ ان باتوں سے اس متبرک مقام کی عظمت دلوں میں کم نہ ہونی چاہیئے۔"

(ڈائری ۲۰ اپریل ۱۹۰۸ء بحوالہ ملفوظات جلد دہم صفحہ ۲۴۱)

نہ کعبہ کے متعلق ایک دفعہ ذکر چلا تو فرمایا:۔

"خانہ کعبہ انوار و برکات کی تجلی گاہ ہے۔ اور اس کی بزرگی میں کوئی کلام اور شبہ نہیں۔ پہلی کتابوں میں بھی اس کی بزرگی کا ذکر ہے۔ مگر یہ تجلیات اور انوار و برکات اس ظاہری آنکھ سے نظر نہیں آسکتے۔ اس کے لئے دوسری آنکھ کی حاجت ہے۔ اگر وہ آنکھ کھلی ہو تو یقیناً انسان دیکھ لے گا کہ خانہ کعبہ میں کس قسم کے برکات نازل ہو رہے ہیں۔"

(الحکم ۱۰ نومبر ۱۹۰۵ء۔ بحوالہ ملفوظات جلد ہشتم صفحہ ۔)

ویس بونی صاحب کو اس قسم کے حوالہ جات کے لئے اپنی کتاب میں جگہ ں مل سکی۔ ایسے حوالوں کا درج کرنا ویسے بھی ان کے لئے مفید نہیں تھا لئے جان بوجھ کر بھی ان کو نظر انداز کرنے میں انہوں نے اپنی نیت سمجھی ہے۔

بہرحال حج عمر میں ایک دفعہ حسب استطاعت، فرض ہے اور پھر نفل۔ استطاعت پر بحث اعتراض نمبر ۳۰ کے سلسلہ میں آگے ملاحظہ ہو) جب مان نے ایک مرتبہ حج کر لیا تو پھر اسلام کی ترقی و احیاء کے لئے دینی تحریکات حصہ لینا اس نفلی حج کے ثواب سے زیادہ ہے۔"

حضرت مرزا صاحب نے آئینہ کمالات اسلام (صفحہ ۳۵۲) میں اسی امر طرف توجہ دلائی ہے۔ یہاں حج فرض کی بات نہیں ہو رہی اور نہ ہی نفلی کے ثواب سے انکار کیا گیا ہے ہاں دین متین کی حمایت کی طرف خصوصیت توجہ دلائی ہے۔ شریعت کی رُو سے تو بعض اوقات حج نفل کو دنیاوی اغراض کے بھی چھوڑا جا سکتا ہے۔ ذیل کی روایت ملاحظہ ہو:۔

"ایک بزرگ فرماتے ہیں میں نے ارادہ حج کا کیا۔ جب میں بغداد پہنچا تو حضرت ابو حازم مکی رح کے پاس گیا۔ میں نے ان کو سوتے پایا میں نے تھوڑی دیر صبر کیا۔ جب آپ بیدار ہوئے تو فرمانے لگے کہ میں نے اس وقت حضرت پیغمبر علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلعم نے مجھ کو تیرے لئے پیغام دیا اور فرمایا کہ کہہ دو کہ اپنی ماں کے حقوق کی نگہداشت کرے کہ اس کے لئے وہی بہتر ہے حج کرنے سے۔ اب تو لوٹ جا اور اس کے دل کی رضا طلب کر۔ میں واپس پھرا اور مکہ معظمہ نہ گیا۔"

(تذکرۃ الاولیاء۔ ذکر ابو حازم مکی رح صفحہ ۶۸ افادالاذکیاء)

ماں کے حقوق کی نگہداشت کے لئے حج کا فریضہ ساقط ہو گیا۔ دین اسلام حقوق کی نگہداشت کے لئے اگر نفلی حج نہ کیا جائے تو کونسا گناہ ہو گیا؟ تو یہ ہے کہ ہر چیز کی افادیت اور اہمیت اس کے اپنے مقام کی نسبت ہوتی ہے۔ ایک اور حوالہ غور طلب ہے:۔

"بعض علماء نے لکھا ہے کہ ٹیکس دینے کی وجہ سے حج نفل کا چھوڑ دینا اولیٰ ہے کہ ٹیکس دینے میں ظالمین کی اعانت ہے واللہ"

(فضائل حج صفحہ ۹۳ مصنفہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب۔ ناشر مکتبہ تھانوی متصل مولوی مسافر خانہ بندر روڈ کراچی)

## حج کرنے میں کیا فائدہ۔ فصل ساتویں صفحہ ۳۶۳

خلاصہ اعتراض: ایک خط کا اقتباس دیا گیا ہے جس میں ایک صاحب لکھا گیا تھا کہ

"صحت ایمان کے بغیر حج کرنے میں کیا فائدہ ہوگا؟"

عنوان تو اس قسم کا چونکا دینے والا قائم کیا گیا جیسے حضرت مرزا صاحب حج کی افادیت کا سرے سے انکار کر رہے ہیں یعنی "حج کرنے میں کیا فائدہ" لیکن جب خط کو پڑھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حج کو محض ایک رسم کے طور پر ادا کرنا انسان کے لئے مفید نہیں ہو سکتا جس طرح قرآن کو محض رسمی طور پر بغیر سوچے سمجھے پڑھنا یا دوسرے اعمال کو محض رسمی طور پر بجا لانا انسان کے لئے مفید نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ

"صحت ایمان کے بغیر حج کرنے میں کیا فائدہ ہوگا۔"

اس کی حقیقت ان سینکڑوں حاجیوں سے پوچھ لیجئے جو بغیر سوچے سمجھے اور بغیر ذہنی اور روحانی تیاری کے حج کو چلے جاتے ہیں۔ وہاں کی صعوبتوں سے دل برداشتہ ہو کر واپس لوٹتے ہیں اور اپنے ایمان میں ترقی کی بجائے تزلزل کے آثار پاتے ہیں۔ بعض لوگ محض نام و نمود کی غرض سے یا حاجی کہلانے یا تحفہ تحائف لانے یا دیگر اشیاء کو سمگل کرنے کے لئے یہ سفر اختیار کرتے ہیں۔ اس قسم کے حاجیوں کے حالات کسٹم کے افسران کے نوٹس میں آتے رہتے ہیں اور اکثر و بیشتر ان کی کہانیاں اخبارات کی زینت بھی بنتی ہیں۔ اس طرح حاجی بننے میں کونسا روحانی فائدہ ہے؟۔

دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا ذکریا صاحب فرماتے ہیں:۔

"حجاج کی جماعت جو ہر سال ہزاروں کی تعداد میں حج کو جاتی ہے وہ حج کے فضائل اور ثمرہ و برکات سے نا واقفیت اور آداب حج کے نامعلوم ہونے کی وجہ سے جس دینی جذبہ اور جن برکات کے ساتھ اس کو واپس آنا چاہیئے اس سے اکثر خالی ہاتھ واپس آتی ہے۔" (فضائل حج صفحہ ۳)

"ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے قریب میری اُمت کے امیر لوگ تو حج محض سیر و تفریح کے ارادہ سے کریں گے (گویا لندن و پیرس کی تفریح نہ کی حجاز کی تفریح کر لی) اور میری اُمت کا متوسط طبقہ تجارت کی غرض سے حج کرے گا کہ تجارتی مال کچھ ادھر سے لے جائے کچھ ادھر سے لے آئے۔ اور علماء ریاء اور شہرت کی وجہ سے حج کریں گے (کہ فلاں مولانا صاحب نے پانچ حج کئے دس حج کئے اور غرباء بھیک مانگنے کی غرض سے جائیں گے۔ کنز العمال)" (فضائل حج صفحہ ۱۱)

گذشتہ اعتراض پر تبصرہ بھی ملاحظہ ہو۔

## عذر حج۔ فصل صفحہ ۳۶۴

خلاصہ اعتراض: مولوی محمد حسین بٹالوی کے خط کے جواب میں کہ آپ حج کیوں نہیں کرتے حضرت صاحب نے فرمایا میرا پہلا کام خنزیروں کا قتل اور صلیب کی شکست ہے۔ ان سے فرصت و فراغت حاصل ہولے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا

(۳ آل عمران ۹۷)

اور لوگوں کے ذمہ ہے حج کرنا اللہ کے لئے اس مکان کا (یعنی) اس شخص کے ذمہ جو وہاں پہنچنے کی استطاعت (طاقت) رکھتا ہو۔

استطاعت کے معنی ہیں کسی کام کو سرانجام دینے کے لئے جن اسباب کی ضرورت ہوتی ہے ان سب کا موجود ہونا (راغب) جیسے زاد سفر۔ سواری۔ صحت جسمانی۔ امن راہ۔ خود مکہ میں امن کا ہونا وغیرہ۔

امن کے نہ ہونے کی وجہ سے خود نبی کریم صلعم نے مدینہ میں آکر کئی سال تک حج نہیں کیا اور چھٹے سال آپ کو اور آپ کے اصحاب کو کفار کی مزاحمت کے باعث عمرہ سے بھی روک دیا گیا اور آپ حدیبیہ سے واپس آنا پڑا۔ حدیث میں استطاعت حج کی جو تشریح زاد راہ اور سواری سے کی گئی

(باقی برصفحہ کالم ۱)

مکرم راجہ عبدالمجید صاحب - چھکسی (ملتان)

# ایک ربوی دوست کے اعتراض کا جواب

{راجہ عبدالمجید صاحب نے اپنے ایک مضمون میں یہ تحریر کیا تھا کہ حضرت اقدسؑ کا دعویٰ "مصلح دین" ہونے کا نہ تھا۔ اس پر ہمارے بعض ربوی دوستوں نے راجہ صاحب کے سبب حضرت اقدسؑ کے دعویٰ مصلح دین کا انکار کیا تو ان کی مراد اس سے یہ تھی کہ دینِ اسلام میں کسی اصلاح یا ترمیم و ردّ و بدل کے لئے آپ نہیں آئے۔ اور یہ وہ اصول ہے جو سب کو مسلّم ہے کہ مجدد دین، دین اسلام میں اصلاح یا ترمیم کرتے نہیں آیا کرتے البتہ مسلمانوں میں علمی و عملی غلطیوں کی اصلاح کے لئے تو ضرور تشریف لاتے تھے لیکن دینِ اسلام میں اصلاح کے لئے ہرگز نہیں آتے تھے۔ ضرورت اس امر کی یہ پیش آئی کہ آئین میں ترمیم کے جو الفاظ ہیں ان سے یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کیونکہ وہاں الفاظ ہیں کہ جو شخص بانیٔ سلسلہ کو مدعیٔ نبوت یا مصلح دین مانتا ہو وہ مسلمان نہیں۔ یہاں "مصلح دین" کے الفاظ دینِ اسلام میں اصلاح یا ترمیم و تنسیخ کے معنوں میں استعمال کئے گئے ہیں۔ پس اس کی تردید میں راجہ صاحب نے لکھا کہ حضرت اقدسؑ مصلح دین یعنی دینِ اسلام میں اصلاح و ترمیم یا ردّ و بدل کرنے نہیں آئے۔ کیونکہ مولوی صاحبان کا موقف جس پر وہ قائم اور تکفیر کی بنیاد رکھتے ہیں یہی ہے کہ احمدی حضرت اقدسؑ کو مدعیٔ نبوت یعنی دینِ اسلام میں اصلاح، ترمیم یا ردّ و بدل کا مجاز قرار دیتے ہیں چنانچہ اسمبلی میں اس کی مثال بھی یوں دی گئی تھی کہ خدانخواستہ حضرت اقدسؑ نے اسلامی جہاد کے حکم کو منسوخ کر کے دینِ اسلام کو بدلا۔ پس راجہ صاحب کے مضمون سے اس غلط فہمی کا شکار ہونا قطعاً صحیح نہیں۔ جس معنی میں راجہ صاحب نے حضرت اقدسؑ کے مصلحِ دین ہونے کا انکار کیا ہے۔ اس معنی میں تو ہمارے ربوی حضرات بھی منکر ہیں اس لئے کہ وہ بھی تو دینِ اسلام کو مکمل و محفوظ دین مانتے ہیں اور اس میں اصلاح یا ردّ و بدل کے قائل نہیں۔ (اللہ بخش)}

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ - مورخہ ۲۲-۸-۷۶ کا آپ کا خط میرے پیش نظر ہے آپ نے لکھا ہے:

(۱) "حضرت مسیح موعود مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آپ نے کیا مرتبہ سمجھا ہے؟"

مرتبہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب :— حضرت مرزا صاحب نے محدث اور مجدد ہونے کا دعویٰ ۱۸۸۵ء کے شروع میں ایک اشتہار کے ذریعہ سے کیا تھا۔ مسیح موعود ہونے کا دعویٰ ۱۸۹۰ء میں اور مہدی معہود ہونے کا دعویٰ ازالہ اوہام میں ۱۸۹۱ء میں کیا۔ حضرت چودھویں صدی کے محدث مجدد۔ مسیح موعود اور مہدی تھے۔

(۲) آپ نے لکھا ہے :—

"آج کے مسلمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کی جماعت سے معاندت کی وجہ سے یہ قرار نہ دیں۔ کہ مجدد مصلح دین ہوتا ہے۔ لیکن مجدد کے تو معنی ہی مصلح دین ہیں۔ حدیث مجدد میں مجدد کے کام اور مشن کے ذکر میں یہ الفاظ "من یجدد لھا دینھا" ہیں۔ یعنی یعنی دین میں پڑے ہوئے بگاڑ کی اصلاح کرے گا۔ تو رسول اللہ صلعم نے مجدد کو مصلح دین قرار دیا ہے۔ اور اب سے پہلے کیا اب بھی جو حدیث مجدد کو تسلیم کرنے والے ہیں ان کے نزدیک مجدد مصلح دین ہوتا ہے۔ اور جماعتِ احمدیہ نے حضرت ........ کو مصلح دین ہی مانا ہوا ہے۔ اور حیرانی - حیرانی - حیرانی۔ آپ احمدی ہو کر یہ کہتے ہیں اور غیر احمدی پبلک کے سامنے اظہار اور اعلان کرتے ہیں۔ اب قیامت تک کوئی مصلح دین نہیں آ سکتا قیامت تک نبی نہ آنے والی درست، مگر حدیث مجدد میں ..................

مبعوث ہونے والوں میں سب سے افضل اور اعظم مصلح دین ہے کہ وہ مجدد اعظم ہے"

صاحب کی تحریروں سے ملاحظہ فرمائیں:

۱۸۸۵ء میں حضرت صاحب نے محدث اور مجدد کا دعویٰ کرتے وقت ساتھ ہی مجدد کے ذمہ جو کام ہوتا ہے بتلایا ہے۔ حاجی ولی اللہ صاحب کو خط لکھتے ہوئے فرماتے ہیں :—

"تجدید کے یہ معنے نہیں کہ کم اور زیادہ کیا جاوے۔ اس کا نام تو نسخ ہوتا ہے۔ بلکہ تجدید کے یہ معنے ہیں کہ عقائد میں فتور آ گیا ہے اور طرح طرح کے زوائد ان کے ساتھ لگ گئے ہیں یا جو اعمال صالحہ کے بجا لانے میں سستی وقوع میں آگئی ہے۔ یا جو وصول اور سلوک الی اللہ کے طریق اور قواعد ہیں محفوظ نہیں رہے۔ ان کو مجدداً و تاکیداً بالعمل بیان کیا جاوے وقال اللہ تعالیٰ اعلموا ان اللہ یحی الارض بعد موتھا۔" یعنی عادت اللہ اسی طرح جاری ہے۔ کہ دل مر جاتے ہیں اور محبت الٰہیہ دلوں سے ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔ اور ذوق اور شوق اور حضور اور خشوع نمازوں میں نہیں رہتا اور اکثر لوگ روبہ دنیا ہو جاتے ہیں۔ اور علما میں نفسانیت اور فقراء میں عجب اور پست ہمتی اور انواع و اقسام کی بدعات پیدا ہو جاتی ہیں۔ تو ایسے زمانہ میں خدا تعالیٰ صاحب قوت قدسیہ پیدا کرتا ہے۔ اور وہ حجۃ اللہ ہوتا ہے۔ اور بہتوں کے دلوں کو خدا تعالیٰ کی طرف کھینچتا ہے۔ اور بہتوں پر اتمام حجت کرتا ہے"

آئینہ کمالات اسلام میں فرماتے ہیں صفحہ ۳۸۳:—

"میں نبی نہیں ہوں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے محدث اور کلیم ہوں۔ تاکہ دینِ مصطفیٰ کی تجدید کروں۔"

تجدید کے معنی میں حضرت صاحب نے ارشاد فرمایا عقائد میں فتور آ گیا ہے عقائد میں طرح طرح کے زوائد لگ گئے۔ اعمال صالحہ میں پستی آ گئی ذوق و شوق۔ حضور۔ خشوع و خضوع نمازوں میں نہ رہا۔ لوگ روبہ دنیا ہو گئے۔ علماء میں نفسانیت اور فقراء میں پست ہمتی آ گئی۔ انواع و اقسام کی بدعات پیدا ہو گئیں۔ یہ باتیں مجدد کے ذریعہ درستی چاہتی ہیں بحیثیت مجدد اور محدث صدی چہاردہم ..................

حضرت صاحب کے ذمہ مندرجہ بالا نقائص دور فرما کر اُمّت محمدیہ کو یعنی مسلمانوں کو صراط مستقیم دکھلانا تھا۔ آپ نے صرف ایک لفظ بدل کر یعنی "عقائد میں فتور آ گیا" کی جگہ "دین میں بڑھے ہوئے بگاڑ (کی) اصلاح کرے گا" فقروں میں عقائد کی جگہ دین لکھ کر جواز قائم کر لیا کہ آپ حضرت کو مصلح دین کہہ سکیں۔

جو کچھ حضرت صاحب نے نقائص لکھے ہیں وہ تو لوگوں میں موجود ہیں لوگوں کی ہی درستی کی جاوے گی۔

دین تو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ آپ ہی بتائیں کہ قرآن کریم اور اسلام یا دین محمد میں کونسا فتور آ گیا تھا جس کی درستی حضرت نے کرنی تھی یا کی ہے؟ جو کچھ فتور آیا وہ تو انسانوں میں تھا۔ اور اسی کی درستی۔

لئے مجدد آتے ہیں۔

جب انسان دیدہ دانستہ غلط راستہ اختیار کرتا ہے۔ تو اس کو ہزار قسم کی ہیرا پھیری کرنی پڑتی ہے۔ دیکھئے آج کے مسلمانوں نے حضرت صاحب پر الزام لگایا ہوا ہے کہ ختم نبوت کے منکر ہیں اور خود نبی ہونے کا دعوی کرتے تھے۔ اس الزام کی تائید اور اسی الزام کو مضبوط بنانے کے لئے آئین میں ترمیم کرتے وقت "دینی مصلح" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اور آپ کی جماعت بھی حضرت صاحب کو مُدعی نبوت مانتی ہے۔ اس لئے آپ بھی اپنی ایجاد شدہ نبوت کو تقویت پہنچانے کے لئے دینی مصلح یا مصلح دین کے لفظ سے فائدہ اُٹھانا چاہتے ہیں۔ ویسے حقیقت یہی ہے کہ حدیث مجدد میں جو لفظ "یجدد لها دینها" آیا ہے اس کے معنے تو یہی دین کی تجدید کرے گا۔ جیسے حضرت صاحب نے آئینہ کمالات اسلام میں (حوالہ اوپر دیا گیا ہے) لکھا ہے کہ میں نبی نہیں۔ میں دین مصطفےٰ کی تجدید کے لئے آیا ہوں۔ اور تجدید کے معنے تازہ کرنا ہیں۔ یعنی دین کو تازہ کرنے آیا ہوں۔ اور تجدید کے خود معنے کر دیئے۔ کہ اُمتِ محمدیہ میں عقائد کا فساد وغیرہ وغیرہ اور آپ جیسے لوگوں کے لئے پہلے ہی فقرہ میں لکھ دیا کہ تجدید کے معنے کم یا زیادہ کرنا نہیں یہ تو تنسیخ ہے۔ آپ شوق سے حضرت صاحب کے لئے مصلح دین کا لفظ استعمال کریں۔ کیونکہ مصلح دین کے معنے ہی نبی کے ہیں۔ اور نبوت تو آپ نے اسی وقت ایجاد کر لی تھی جب میر ناصر نواب صاحب اور میاں محمود احمد صاحب کے ماموں کے ذہن میں خلافت کی ریاست قائم کرنے کا خیال آیا۔ اور اُنہوں نے میاں محمود احمد صاحب کی کم عمری سے فائدہ اُٹھا کر خلافت کی ریاست قائم کرکے حضرت صاحب کے مشن کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا۔ حضرت صاحب تو ساری عمر مُدعی نبوت پر لعنتیں بھیجتے رہے۔ اور نبی کا دعوےٰ کرنے والے کو کافر و کاذب سمجھتے رہے۔ اور اللہ تعالےٰ کی قسمیں اُٹھا اُٹھا کر اُمت محمدیہ کو یقین دلاتے رہے ہیں کہ ہم بھی مُدعی نبوت پر لعنت بھیجتے ہیں۔ اور یہ کہتے رہے کہ رسُولِ کریم صلعم کے بعد نبوت کا دروازہ قیامت تک بند ہے۔ مگر اس کے برعکس میاں محمود احمد صاحب کہتے ہیں کہ نبوت کا دروازہ قیامت تک کھُلا ہے۔

یاد رکھیں کہ وہ دین جو قرآن کریم کے ذریعہ حضرت محمدؐ پر نازل ہوا وہ مکمل ہے۔ اور قیامت تک وہی دین اور وہی رسالت چلے گی۔ اس میں قیامت تک ایک لفظ بھی کم یا زیادہ نہیں ہو سکتا۔ اور اللہ تعالےٰ نے اسکی حفاظت اپنے ذمہ لی ہے۔ آئین میں تو یہ لفظ سیاسی طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ آئین کے ترجمہ میں یہ لکھا ہے:۔

"جو شخص حضرت محمد مصطفےٰؐ کے بعد ....... نبی کا دعوےٰ کرتا ہے۔ یا جو کسی ایسے مُدعی کو نبی یا دینی مصلح تسلیم کرتا ہے۔"

ذرا اس فقرہ پر غور کریں یہاں دینی مصلح کے صاف معنے نبی کے گئے ہیں۔ لیکن جب اس لفظ سے بھی مُدعا حاصل نہ ہوا تو انہوں نے شناختی کارڈوں میں جو حلف نامہ شائع کیا ہے اس میں ایک فقرہ زائد کر دیا "خود کو احمدی کہتا ہو" علماء نے محسوس کیا کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو مرزا صاحب کو نہ نبی مانتے ہیں اور نہ ہی دینِ اسلام میں ترمیم و اصلاح کرنے والا۔ اس لئے آئین کی زد میں نہیں آتے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ مذہبی۔ دینی مصلح سے بھی کام نہیں چلتا تو "یا خود کو احمدی کہتا ہو" زائد کر دیا۔ اُمید ہے مصلح دین کے لفظ کی وہ حقیقت آپ کی سمجھ میں آ گئی ہوگی، جس مفہوم میں یہ لفظ آئینی ترمیم میں استعمال ہوا ہے۔

حضرت صاحب نے مسیح موعود ہونے کا دعوےٰ ۱۸۹۰ء میں کیا، ساتھ ہی مسیح موعود کے آنے کی غرض بھی بیان کر دی۔ آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ نمبر ۳۴۰ میں فرماتے ہیں:۔

"اس زمانہ کے مجدد کا نام مسیح موعود رکھنا اس مصلحت پر مبنی معلوم ہوتا ہے کہ اس مجدد کا عظیم الشان کام عیسائیت کے غلبہ کو توڑنا اور ان کے حملوں کو دفع کرنا اور ان کے فلسفہ کو جو مخالف قرآن ہے دلائل قویہ کے ساتھ توڑنا اور ان پر اسلام کی حجت پُوری کرنا۔"

یہاں بھی آپ کو مصلح دین نہیں کہا۔ یہاں بھی اللہ تعالےٰ نے حضرت کو قرآن کریم اور احادیث سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی وفات کا علم دیا تو انہوں نے اللہ تعالےٰ سے علم پاکر مسلمانوں اور عیسائیوں پر اتمام حجت کی کہ حضرت عیسےٰؑ دوبارہ نہیں آویں گے وہ وفات پا چکے ہیں۔ ان کے دوبارہ آنے کا ذکر احادیث میں ہے وہ خود میں ہوں۔ یہاں بھی درستی مسلمانوں اور عیسائیوں کی ہے دین کی نہیں کیونکہ قرآن کریم اور احادیث میں پہلے ہی حضرت عیسےٰ کی وفات کا ذکر موجود ہے۔

حضرت صاحب نے امام مہدی ہونے کا دعوےٰ ۱۸۹۱ء میں ازالہ اوہام میں کیا تو ساتھ ہی ان ذمہ داریوں کی تشریح فرما دی جو آپ کے ذمہ لگائی گئی تھیں۔ فتح اسلام بار دوم صفحہ ۵ میں فرمایا:۔

"تم تعجب مت کرو کہ خدا تعالےٰ نے اس ضرورت کے وقت میں اور اس گہری تاریکی کے دنوں میں ایک آسمانی روشنی نازل کی اور بندہ کو مصلحت عام کے لئے خاص کرکے بغرض اعلائے کلمہ اسلام و اشاعتِ نور حضرت خیر الانام اور تائید مسلمانوں کے لئے اور نیز ان کی اندرونی حالت کے صاف کرنے کے ارادہ سے دنیا میں بھیجا۔"

یہاں بھی دیکھ لیں کہ حضرت صاحب نے کہیں نہیں کہا کہ میں دینِ محمدؐ کی اصلاح کے لئے آیا ہوں۔ بلکہ دینِ محمدؐ کی اشاعت اور مسلمانوں کی اندرونی حالت صاف کرنے کے لئے۔ یعنی میں اسلام کو سب دینوں پر غالب کرنے کے لئے آیا ہوں۔

(۳) آپ نے خط میں حضرت مولوی نورالدین صاحب کی بیعت کا واقعہ بیان کیا ہے اور اس میں لکھا ہے:۔

"چونکہ آپ حضرت اقدس کے مقام اور رتبہ سے بے خبر ہیں اس لئے آپ نے اخوۃ کا لفظ بیان ہونے کی حکمت اور راز کو نہیں سمجھا۔"

جواباً عرض ہے کہ میں نے اپنے مضمون پیغام صلح میں لکھا ہے کہ "میں نے ایک بزرگ کے ہاتھ پر بیعت اخوت کر لی"۔ اس پر آپ کا اعتراض ہے۔ جب آپ خود ہی لکھتے ہیں کہ مولوی نورالدین نے بھی بیعت اخوۃ ہی کی تھی تو میری بیعتِ اخوت پر کیوں اعتراض، بیعتِ اخوت میں جو راز کی بات ہے۔ وہ تو اس دسویں شرط میں خود ہی حضرت نے بیان فرما دی اس کو پڑھ لیں اور جو اس میں حکمت تھی وہ آپ نے اپنے خط کے آخر میں لکھ دی ہے میرے کچھ لکھنے کی گنجائش نہیں۔

آپ نے اپنے خط کے آخر میں لکھا ہے:۔

"آپ کا حقیقی مقام افرادِ اُمت میں سے ایک اُمتی فرد ہی کا ہے۔ پس آپ افرادِ اُمت سے رشتۂ اخوت میں منسلک ہیں۔ پس بیعت کرنے والوں پر آپ نے ظاہر فرمایا کہ گو میں مامور من اللہ ہوں۔ جری اللّٰہ فی حلل الانبیاء ہوں قمر الانبیاء ہوں مگر ہوں تمہارا ہی بھائی۔ بوجہ تمہاری طرح اُمتی ہونے کے"

آپ کے نظریہ میں حضرت صاحب کا اصلی مقام افرادِ اُمت میں ایک اُمتی کا ہی ہے۔ اور آپ نے اخوت کی بیعت لے کر بیعت کرنے والوں پر یہ ظاہر کیا ہے کہ میں تمہارا ہی بھائی ہوں بوجہ تمہاری طرح اُمتی ہونے کے۔ بیعتِ اخوت میں راز اور حکمت کی بات آپ نے لکھ دی وہ یہ ہے کہ حضرت صاحب مامور من اللہ بھی ہیں اور اُمتی بھی۔ اور یہی حضرت صاحب کا حقیقی مقام ہے۔

(باقی ــــ باقی)

# پاکستانی خواتین کے لئے لمحۂ فکریہ

## مغرب کی اندھی تقلید سے اپنے لئے مشکلات پیدا نہ کی جائیں

نوائے وقت (۱۶ر نومبر) محترمہ عابدہ ممتاز صاحبہ کا مضمون نظر سے گذرا انہوں نے نہایت ہی پیارے انداز اور خوش اسلوبی کو اپناتے ہوئے ایسا مضمون رقم فرمایا جو "قلّ ما دلّ" کا صحیح مصداق اور جامع و پُرمعنی تھا۔ انہوں نے حقائق کی نقاب کشائی فرمائی ہے۔ اس سے قبل بھی محترمہ نسرین حیات کوہاٹ کے مضمون "عورت یا مٹی کا بُت" پر بھی کافی لے دے ہو چکی ہے اور بہت دنوں تک بحث و تمحیص کا طویل سلسلہ چلتا رہا ہے۔ اس وقت بھی میں نے ۵ر جون کے شمارے میں یہی عرضداشت کی تھی کہ آج کل جہاں بھی دیکھو۔ جہاں بھی جاؤ۔ جہاں تک نظر دوڑاؤ بیچاری صنفِ نازک ہی کی مظلومیت کے افسانوں کا چرچا ہے۔

گذشتہ سال ۱۹۷۵ء خواتین کا سال قرار دیا گیا۔ اس کے بعد حال ہی میں ہفتہ خواتین بڑے زور و شور اور تزک و احتشام سے منایا گیا۔ اس ہفتہ کے دوران مختلف بہنوں نے مختلف الانواع موضوعات پر مذاکرے بھی کئے۔ تقاریر بھی فرمائیں۔ ریڈیو اور ٹی وی نے بھی کافی سرگرمی سے اپنے فرائض سر انجام دیئے۔ اور جلسے جلوس بھی ہوئے۔ بہرحال ہفتہ خواتین نے اپنی مقررہ مسافت کو طے کر کے جادۂ منزل کو پا لیا۔ اب اندازہ اور غور یہ کرنا ہے کہ یہ بیچاری آج کی عورت کس قسم اور کس طرزِ معاشرہ پر مبنی آزادی کی خواہاں ہے اگر میری یہ چند معروضات بہنوں کی طبع نازک پر گراں نہ گزریں تو میں عرض کروں کہ قبل از ظہور اسلام عورت کی حیثیت محض اور صرف ایک زر خرید باندی کے مانند تھی۔ لوگ عورت کو ذلیل اور بدترین مخلوق تصور کرتے تھے صرف ایک کھلونا سمجھ کر رکھا ہوا تھا۔ بڑے بڑے لوگ تو بلکہ عام بھی بیٹیوں کے جنم کو نحوست خیال کرتے ہوئے انہیں زندہ درگور کر دیتے تھے۔ اس وقت لوگوں کے دلوں میں عورت کی قدر و منزلت قطعی طور پر مفقود تھی لیکن اسلام اور دین اسلام اور دین متین کی ہی کرم نوازیاں اور احسانِ عظیم ہے کہ جب سے اس عالم پر اسلام کی ضیا پاشیاں ہوئی ہیں تو عورت کو اسلام نے وہ مقام و مرتبہ اور اعلےٰ درجہ عطا فرمایا ہے جو کہ آج تک دوسرے مذاہب اور دوسری اقوام و ملل نہ دے سکیں۔

اسلام سے پہلے عورت ظلم و ستم، تحقیر و تذلیل کی چکی میں پس رہی تھیں مگر اسلام نے اسی عورت اور صنف نازک کو بلند مقام دے کر تحت الثریٰ سے اُٹھا کر اوج ثریا پر پہنچایا ہے مگر عورت نے اپنی اس اسلام کی عطا کردہ نعمت عظیم کو بڑی لاپرواہی سے پس پُشت ڈال کر مغرب کی اندھی تقلید کو اپنانا مفید تصور کر لیا۔ ہمارے سامنے مغرب کی بھی متعدد مثالیں موجود ہیں آج وہی مغربی ممالک جن کے اطوار و عادات کو ہم نے اپنایا ہے وہ خود اپنے ہی جاری کردہ رسم و رواج سے گلو خلاصی اور پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں حالانکہ مغرب کے دانشور لوگوں کے اقوال موجود ہیں جن سے یہی عیاں ہے کہ عورت کو مکمل اور کھلی آزادی دینا سم قاتل کے مترادف ہے۔ مشہور عیسائی پیشوا سینٹ پال نے اپنے مشاہدات و تجربات کو بروئے کار لاتے ہوئے کہا ہے کہ عورتیں مردوں کے لئے تخلیق کی گئی ہیں اور سینٹ پال نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ آگے چل کر لکھتا ہے کہ "اے عورتو! اپنے خاوندوں کی مرضی اور خواہشات کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دو"

سب سے بڑے آمر ہٹلر نے عورت کے متعلق کہا ہے کہ عورت کی دُنیا صرف اس کے شوہر، خاندان، بچوں اور گھر تک محدود ہے۔ جب کبھی عورت مردوں کی دنیا میں داخل ہونے کی کوشش کرے گی تو یہ اس کی بہت بڑی بھول اور غلطی ہوگی۔ مزید برآں کسی نے فرانس کے مردِ آہن آنجہانی چارلس ڈیگال سے دریافت کیا کہ خواتین کے لئے علیحدہ وزارت قائم کرنے کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے تو اس پر چارلس ڈیگال نے از راہ تمسخر اور مزاحیہ انداز میں کہا کہ "عورت کو کسی شعبہ میں انڈر سیکرٹری لگانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔"

اس سے بھی افزوں تر مشہور و معروف جرمن فلسفی شوپنہار نے کہا ہے کہ عورت انصاف نہیں کر سکتی۔ اسے عدالت میں گواہی دینے کی اجازت نہیں۔ تو یہ تھے مغرب کے بڑے لوگوں کے تاثرات جو کہ انہوں نے آزادی سے اخذ کئے ہیں آخر وہ کونسے حقوق ہیں جن کو کہ اسلام نے ہم پر مخفی رکھا اور عیاں نہ کئے اور وہ کونسا ظلم و بربریت کا نقشہ ہے جو کہ آج تک اسلام نے مسلط رکھا ہے اسلام نے تو شرعی حدود میں زندگی گذارنے کی ہر قسم کی آزادی دی ہے ہماری آزادی کا تو یہ حال ہے کہ ہم بازاروں میں ننگے سر پھر رہی ہوتی ہیں۔ نیم عریاں ملبوس زیب تن کر کے لوگوں کے لئے نشاط طبع کا موجب بنتی ہیں۔ دوپٹہ گلے کا ہار بن کر رہ گیا ہے۔ آج کی عورت شمع و چراغ خانہ کی بجائے شمع محفل بننا پسند کرتی ہے جب یہ تمام باتیں ہمارے سامنے روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں تو پھر ہم یہ شکایتیں کیوں کرتی ہیں کہ آج عورت کی عزت و حرمت خطرے میں ہے۔ طالبات عدم تحفظ کا شکار ہیں۔ لڑکیوں پر انگشت نمائی کی جاتی ہے آوازے کسے جاتے ہیں اور نہ جانے کیا کیا شکوے اور گلے ہیں۔

اب ذرا ماضی کے دریچوں کے جھروکوں میں جھانکیں تو آپ پر تمام تر حقائق عیاں ہو جائیں گے۔ کہ آج کی عورت مکمل طور پر آزاد ہے (چاہے گلیوں کی زینت بنے سینما میں جا کر داد عیش دے چاہے تھیٹروں کی سیر و تفریح کرتی پھرے، تاکہ غلام و بازار) اگر آپ عورت کی نسوانیت کا رونا روتی ہیں تو ان عورتوں ہی سے برملا اور ببانگ دہل کہئے کہ تم نے بذات خود اپنی نسوانیت کے حلق پر چھری پھیری ہے۔ تم نے تو نسوانیت کی دھجیاں اڑائی ہیں۔ تم نے خود اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری ہے۔ اسلام نے تو اجازت قطعی طور پر نہیں دی کہ تم شتر بے مہار کی طرح آزاد ہو۔ جدھر تمہارا جی چاہے گھومو پھرو۔ اگر عورت کو ذرا بھر بھی اپنی نسوانیت اور عزت و آبرو کا پاس ہوتا تو یہ علی الاعلان سر بازار ننگے سر نہ پھرے نیم عریاں لباس پہن کر مردوں کے لئے نشاط طبع کا موجب نہ بنے۔ اسی مغربی تہذیب کی اندھی تقلید کا ثمرہ اور نتیجہ ہے کہ آج ہماری مائیں بہنیں نیم عریاں لباس زیب تن کر کے بازار میں پھرتی ہیں تاکہ لوگوں کے جذبات ان کو دیکھ کر مشتعل ہوں۔

میں عرض کرتی ہوں کہ اگر عورت اپنے اوپر قدرے پابندی عائد کرے تو مجال کہ مرد حضرات ان کی طرف نگاہ اُٹھا کر بھی دیکھ سکیں۔ یہ محض اور صرف ہماری اپنی کمزوری ہے۔ اب سوچنا یہ ہے کہ ان عوارضات کا سدِ باب کس طرح کیا جائے ان کی روک تھام کس طرح عمل میں آ سکتی ہے۔ ان کا ازالہ کیونکر ہو سکتا ہے ان کے ملاوا کی تدبیر کس طرح بن پڑے گی۔ تو یہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ میری تمام بہنیں آج ہی سے عہد واثق کر لیں کہ کسی غیر محرم مرد کے سامنے کبھی نہ جائیں گی۔ اور ہمارے نبی کریم صلعم کا ارشاد گرامی بھی یہی ہے کہ اپنی نسوانیت کا غلط استعمال نہ کریں۔ غیر مردوں میں ہرگز نہ جائیں۔ عورت کو اُونچی آواز سے بولنا چاہیئے۔ ٹخنہ تک ننگا نہیں ہونا چاہیئے۔ غیر محرم مردوں سے اپنے آپ کو دور رکھیں۔ اگر ہم نبی کریم صلعم کے بتائے ہوئے احکام و فرامین پر عمل پیرا ہو جائیں تو ہو سکتا ہے یہی چند باتیں ہمارے معاشرے کو صحیح کر دیں اور ہمارے موجب نجات بن جائیں۔ ہماری آزادی وہاں تک ہی محدود ہونی چاہیئے جہاں تک اسلام نے اجازت دی ہے کہ گھر کی چار دیواری میں رہ کر اپنے خاوند کی خدمت اطاعت، بچوں کی دیکھ بھال، تربیت و پرورش اور والدین کی خدمت کرنا چاہیئے۔ ہم اسلام کی متعین اور مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرنے کی کوشش کریں گی تو یہ بات ہے کہ عورت کی بے قدری ہوگی۔ عورتوں پر ڈاکے ڈالے جائیں گے۔ ابھی چند ماہ ہی گذرے ہیں، مثال آپ کے سامنے ہے کہ [illegible] اور نوجوان فرزانہ [illegible] کے ساتھ کیا ڈرامہ کھیلا گیا۔ اس کی عزت و عفت کی بڑی بیدردی سے دھجیاں اڑائی گئیں، پھر سنگدل نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اور [illegible]

... اس بچاری کے کیس کا کچھ نہیں بنا۔ غزالہ ثناء اللہ کا دردناک سانحہ جب آنکھوں کے سامنے گردش کرنے لگتا ہے تو بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آخر یہ کیوں اور کس لئے؟ صرف ہماری بے راہ روی اور مغربی تہذیب اپنانے کی بنا پر وجوہات ہیں، جب تک ہم اسی راہ اور اسی ڈگر پر قائم رہیں گے نسوانیت کی دھجیاں اُدھیڑتے رہیں گے مرد ہماری ناجائز فرمائشوں سے نالاں ہو کر ہمارے گلے گھونٹتے رہیں گے، مرد ہماری فضول رسومات کو پورا کرنے سے انکار کر ہمیں گھروں سے نکالتے رہیں گے سرِراہ ہمارے سروں سے آنچل کھینچے جائیں گے۔ ہمارے اُوپر اوباش اور بدمعاش لڑکوں کی انگشت نمائی ہوتی رہے گی۔ ہماری نسوانیت اور عفت و عصمت کی مجسمہ عورت ان مظالم و مصائب کی عادی ہو جائے گی۔

عام طور پر لوگوں میں یہی تاثر ہے کہ جو کچھ بھی کرتا ہے مرد ہی کرتا ہے حالانکہ تمام عیوب و نقائص میں نصف سے بھی زیادہ حصہ عورتوں کا ہے تو اب ذرا غور کریں کہ ہم اپنے اوپر کہاں تک پابندیاں عائد کر سکتی ہیں۔ اور کہاں تک اس بگڑے ہوئے معاشرے کی تصحیح میں ہم اپنا حتی المقدور کردار ادا کر سکتی ہیں، عورت اور مردوں کا نمایاں کردار سب پر عیاں ہے۔ آج اسی عورت کی کمزوری کی وجہ سے ایسی تصاویر اور پوسٹر شائع کئے جاتے ہیں جن کو دیکھ کر سر نیچے جھک جاتا ہے آنکھیں زمین میں گڑ جاتی ہیں۔ یہ کیوں اس لئے کہ یہ تصاویر ہی اتنی لچر، فحش، سوز، بے حیائی سے لبریز ہوتی ہیں۔ مجھے خدشہ ہے کہ اگر عورت باوجود ان ناگوار حالات کے اسی ڈگر پر چلتی رہی جس پر کہ اب رواں دواں ہے تو چند سالوں بعد اس کی آہ و بکا کو سننے والا کوئی نہ ہوگا۔ یہ اس عارضی زندگی سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہے گی۔ مگر اس کو موت نہیں آئے گی۔ اس کا پرسانِ حال کوئی نہ ہوگا۔ اس لئے خواتین کو نمود و نمائش کی بجائے سادگی اختیار کرنی چاہیئے اور شمع محفل کی بجائے چراغ خانہ بنانا چاہیئے۔

(بشکریہ نوائے وقت مجریہ ۲۲ نومبر ۱۹۷۶ء)

# مجلس شبان الاحمدیہ پاکستان

اس سال جلسہ سالانہ کے موقعہ پر شبان الاحمدیہ کے مجوزہ اجلاس میں دیگر پروگراموں کے علاوہ

## "احمدیت عین اسلام ہے"

موضوع پر ایک انعامی مجلس مذاکرہ کا اہتمام بھی کیا جا رہا ہے جس میں سکول، کالج اور یونیورسٹی کے زیرِ تعلیم جملہ ممبران شبان الاحمدیہ و بنات الاحمدیہ حصہ لے سکتے ہیں۔

انعامات حسب ذیل ہوں گے:۔

اوّل -/50 روپیہ۔ دوئم -/30 روپیہ اور سوئم -/20 روپیہ

ان انعامات کے علاوہ ہر انعام یافتہ مقرر کو کتب کا ایک سیٹ بھی دیا جائے گا۔ انعامات کا فیصلہ ایک سہ رکنی کمیٹی کرے گی۔

جملہ سیکرٹری صاحبان سے التماس ہے کہ وہ اپنی اپنی جماعتوں میں ایسے ممبران شبان الاحمدیہ اور بنات الاحمدیہ جو اس مقابلہ میں حصہ لینے کے خواہشمند ہوں ان کے نام عمر اور تعلیم کے بارہ میں ۱۰ دسمبر تک آگاہ فرمادیں۔

تاریخ مقررہ کے بعد موصول شدہ نام مقابلہ میں شامل نہیں ہو سکیں گے۔

الداعی

شاہد جاوید۔ سیکرٹری مرکزی شبان الاحمدیہ

دارالسلام - 5 عثمان بلاک - نیو گارڈن ٹاؤن - ڈاک خانہ اچھرہ - لاہور

# جماعتِ احمدیہ راولپنڈی کی تبلیغی سرگرمیاں

مکرم خواجہ محمد نصیراللہ صاحب سیکرٹری جماعت اطلاع دیتے ہیں کہ مندرجہ ذیل مفت لٹریچر دستی یا بذریعہ ڈاک تقسیم کیا گیا ہے:۔

۱۔ جماعت احمدیہ کے دو فریق اور حضرت بانیٔ سلسلہ پر تبدیلیٔ عقیدہ کے الزام کی تردید (حضرت امیر مرحوم) — ۱۰۰ عدد
۲۔ کونسے معتقدات صحیح ہیں؟ جماعت احمدیہ ربوہ کے نئے تبدیلی صاحب سے استدعا سابق قائد ربوہ کے متضاد و مخالف بیانات از ڈاکٹر اللہ بخش صاحب — ۱۰۰
۳۔ تنقید کسر صلیب — از مولانا صدرالدین صاحب — ۲۰۰ ״
۴۔ حضرت مسیح موعودؑ مجدد زمان کا دعوے اپنی آخری دو کتابوں کی رو سے — ۴۵ ״
۵۔ جماعت ربوہ کے معتقدات اور حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ — ۱۲۰ ״
۶۔ علمائے ربوہ کے مزید چار کھوکھلے سہارے — ۱۴ ״
۷۔ سیدنا حضرت مرزا صاحب (المسیح الموعودؑ) کو مدعیٔ نبوت بنانے والوں کے دلائل پر ایک تحقیقی نظر — ۱۲۰ ״
۸۔ محترم ممبران صاحبان قومی اسمبلی کی خدمت میں خدا اور اس کے رسولِ اکرم صلعم کے نام پر اپیل — ۱۲۰ ״
۹۔ خدا تعالےٰ نے اپنی تمام نبوتوں اور رسالتوں کو قرآن کریم اور آنحضرت صلعم پر ختم کر دیا ہے۔ وہ شخص غلطی کرتا ہے جو میرے الہام میں لفظ "نبی" سے حقیقی نبوت مراد لیتا ہے — ۱۵۰ ״
۱۰۔ آئین پاکستان میں نئی ترمیم کا مفہوم قرآن و حدیث کے خلاف نہیں ہو سکتا — ۱۸ ״
۱۱۔ اِسمہٗ احمد — ۱۵ ״
۱۲۔ عرب بھائیوں کی فتح اور یہود کی شکست اور صداقت اسلام کا بیّن ثبوت — ۱۵ ״
۱۳۔ جماعتِ احمدیہ میں تفرقہ کے اصل اسباب از ڈاکٹر اللہ بخش صاحب — ۱۵ ״
۱۴۔ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں شریف کا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی بانیٔ تحریک احمدیہ سے اظہار عقیدت — ۱۵ ״
۱۵۔ آئین پاکستان اور مسلمان فرقہ احمدیہ — ۹۰ ״

بقیہ ص۵ پیدائش مسیح ناصری

کو کیوں ٹھکرا دی گی۔ کہ وہ حضرت عیسٰی کو بغیر باپ تسلیم کرتے ہیں۔ اس کے متعلق میں اپنی تحقیق بعد میں پیش کروں گا سردست مختصراً عرض ہے کہ یہودی شریعت میں کسی لڑکی کا کسی مرد کے ساتھ منسوب ہو جانا نکاح کے مترادف ہے۔ لیکن اس کے بعد بعض حالتوں میں ان میں رخصتی کا بھی رواج ہوگا۔ پاکستانی مسلمانوں میں بھی یہ رواج ہے کہ نکاح کے ساتھ بعض حالتوں میں "رخصتی" بعد میں ہوتی ہے بالفرض نکاح کے بعد اور "رخصتی" سے قبل میاں بیوی کے اختلاط سے حمل بھی ہو جائے تو شریعتِ محمدیہ کے نزدیک یہ گناہ نہیں اور ایسی اولاد شریعت کے مطابق تمام حقوق کی حق دار ہے۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور — مورخہ یکم دسمبر ۱۹۷۶ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ — شمارہ نمبر ۴۸

... (احمدیہ) پرنٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

• میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا • (الہام حضرت مسیح موعود)

انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

# پیغام صلح

لاہور پاکستان

فون نمبر ۵۱۷۲۳۷

## جلسہ سالانہ نمبر

جلد ۶۳ | یوم چہار شنبہ ۱۶/۲۳ ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ مطابق ۸/۱۵ دسمبر ۱۹۷۶ء | نمبر ۴۹-۵۰


## فرمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام

... منم خلیقہ شاہے کہ برسما باشد

### میرا یہ مذہب ہے

جس قدر فیوض اور برکات کوئی حاصل کرسکتا ہے اور جسقدر تقرب الی اللہ پاسکتا ہے۔ وہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اطاعت اور کامل محبت سے پاسکتا ہے ورنہ آپ کے سوا اب کوئی راہ نیکی کی نہیں میں قرآن کریم اور آنحضرت صلعم کی پیروی سے ذرا ادھر ادھر ہونا بے ایمانی سمجھتا ہوں

(لیکچر لدھیانہ ۶ نومبر ۱۹۰۶ء)

### در عشق محمد صلی اللہ علیہ وسلم

عجب نوریست در جانِ محمدؐ
عجب لعلیست در کانِ محمدؐ

ز ظلمتہا دلے آنگہ شود صاف
کہ گردد از محبانِ محمدؐ

اگر خواہی کہ حق گوید ثنایت
بشو از دل ثنا خوانِ محمدؐ

سرے دارم فدائے خاکِ احمدؐ
دلم ہر وقت قربانِ محمدؐ

فدا شد در رہش ہر ذرہ من
کہ دیدم حسنِ پنہانِ محمدؐ

دگر استاد را نامے ندانم
کہ خواندم در دبستانِ محمدؐ

(آئینہ کمالات اسلام)

میرے پاس ایک چراغ ہے۔ جو شخص میرے پاس آتا ہے ضرور وہ اس روشنی سے حصہ لے گا

# بکوشید اے جواناں تا بدیں قوت شود پیدا

کتنی محنت سے کوئی جائداد بنائی جائے اگر اس کو سنبھالنے والا پیچھے کوئی نہ ہو۔ تو وہ جائداد باقی نہیں رہ سکتی۔ بزرگوں میں یہ احساس ہونا چاہیئے کہ وہ کتنا ہی خدمتِ کا کام کرلیں لیکن اگر انہوں نے یہی احساس نئی نسل کے اندر پیدا نہیں کیا۔ تو ان کا کام ان کی زندگی کے ساتھ ختم ہو جائے گا۔

حضرت امیر مرحوم نے فرمایا:—

یہی وہ آرزو ہے جس کا اظہار حضرت مسیح موعود نے آج سے ... پیشتر کیا۔ اور اللہ تعالیٰ جب اپنا کام لینا چاہتا ہے تو اس کیلئے سامان بھی اپنے فضل سے پیدا فرما دیتا ہے۔

حضرت مسیح موعود کے ساتھ جہاں ایسی ایسی بزرگ ہستیاں شامل ہوئیں جیسے حضرت مولانا نورالدینؓ۔ حضرت مولوی عبدالکریمؓ اور حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب مرحوم۔ وہاں نوجوانوں کے ایک گروہ نے بھی آپ کی آواز پر لبیک کہا۔ اور دین کو قوت دینے کے لئے دیوانہ وار کام کیا۔ بہت تھوڑے بزرگوں کا علم اور بہت تھوڑے سے نوجوانوں کا جذبۂ خدمت یہ دونوں چیزیں تھیں جن کے ملنے سے خدمتِ دین کے کام کو تقویت پہنچی۔ اور باوجود اس کے کہ چاروں طرف مخالفت کی آگ بھڑک رہی تھی مگر بزرگوں اور نوجوانوں کی متحدہ کوششوں نے اس جلتی ہوئی آگ کے اندر خدمتِ دین کا ایک باغ لگا ہی دیا۔ آج بھی خدا کے فضل سے ہم اپنی جماعت کے نوجوانوں میں ایک خاص جذبہ خدمتِ دین کا دیکھتے ہیں...... جماعت کے نوجوانوں میں یہ بیداری کے آثار جو جگہ جگہ نظر آتے ہیں۔ ہمارے لئے نہایت ہی حوصلہ افزا ہیں۔ کتنی محنت سے کوئی جائداد بنائی جائے اگر اس کو سنبھالنے والا پیچھے کوئی نہ ہو تو وہ جائداد باقی نہیں رہ سکتی۔ کوئی قومی یا دینی کام ہو اس پر ایک نسلِ انسانی اپنی انتہائی محنت صرف کر دے۔ لیکن اگر اس کے نوجوانوں میں اس کام کے لئے وہی جذبہ پیدا نہیں ہوا تو وہ کام بھی باقی نہیں رہ سکتا۔ سو یہ اللہ تعالےٰ کا احسان ہے کہ جماعت لاہور کے نوجوانوں کے اندر اپنی ذمہ داریوں کا ایک زبردست احساس پیدا ہو رہا ہے۔ اور بزرگانِ قوم سے میری درخواست ہے کہ وہ ہر جگہ جہاں جہاں نوجوانوں میں یہ تحریک پیدا ہو چکی ہے اسے اپنے اموال سے اپنے قیمتی مشورہ سے ترقی دینے کی کوشش کریں۔ اور جن جماعتوں میں ابھی یہ حرکت پیدا نہیں ہوئی۔ وہاں بزرگوں کو خاص طور پر اس طرف توجہ کرنی چاہیئے۔

ہر جگہ جماعت کے بزرگوں میں یہ احساس ہونا چاہیئے کہ وہ کتنا بھی خدمتِ دین کا کام کریں لیکن اگر انہوں نے یہی احساس نئی نسل کے اندر پیدا نہیں کیا تو ان کا کام ان کی زندگی کے ساتھ ختم ہو جائے گا۔

---

# حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کا آخری پیغام

## جو جلسہ سالانہ ۱۹۵۰ء میں آپ نے قوم کو دیا۔

## اپنے سینوں کو ٹٹولو، کیا تمہارے دلوں میں وہ امام زمانؑ کی ڈالی ہوئی چنگاری کی گرمی موجود ہے؟

آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کسطرح نسلِ انسانی بربادی کی طرف دوڑی جا رہی ہے۔ اور قریب ہے کہ آگ کے گڑھے میں گر کر بھسم ہو جائے۔ وہ نسخہ جس سے یہ نسلِ انسانی بچ سکتی ہے۔ وہی ہے جس نے ایک دفعہ پہلے تباہ ہوتی ہوئی نسلِ انسانی کو بچایا تھا۔ **یہ خدا کا آخری کلام ہے۔ قرآن** ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے مگر ہم اس نسخۂ شفاء کو دُنیا میں نہیں پہنچا رہے۔ اس کے لئے کیلئے ایک پاک نفس جماعت کی ضرورت ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کام کی بُنیاد ایک مامور کے ہاتھ سے رکھوائی اور اسکو صدی کے سر پر مجدّد بنا کر بھیجا۔ کیونکہ نفوس کو وہی پاک کر سکتا ہے جس کو خُدا نے اپنے ہاتھ سے پاک کیا ہو۔ اسکے پاس بیٹھنے والے جانتے ہیں کہ اسکے دِل میں قرآن اور حضرت محمد مُصطفےٰ صلعم کا کسقدر عشق تھا اِس عشق کی آگ اسکے سینے میں ایسی مشتعل تھی کہ جو اسکے پاس جا کر بیٹھا اسکے سینے میں بھی ایک چنگاری اسی آگ کی پڑ گئی اور ہزارہا بلکہ لاکھوں سینے روشن ہو گئے۔

آج وہ چنگاری کچھ مدھم نظر آ رہی ہے

اپنے سینوں کو ٹٹولو، کیا تمہارے دِلوں میں وہ اِمامِ زمانؑ کی ڈالی ہوئی چنگاری کی گرمی موجود ہے؟ اگر ہے تو وہ حرکت تم میں کیوں نہیں جو امامِ زمانؑ کے پاس بیٹھنے والوں میں نظر آتی تھی۔ تمہارا قدم دیوانہ وار کیوں نہیں بڑھتا ...... کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ خُدا اور رسُولؐ کی محبت کی جگہ دُنیا کی محبت تمہارے دِلوں میں اثر کرتی جا رہی ہے اور تم دِین کو دنیا پر مقدّم کرنیکے عہد کو فراموش کرتے جا رہے ہو۔ اور جہاد کی رُوح کی جگہ تمہارے اندر آرام طلبی کی رُوح سرایت کرتی جا رہی ہے۔ خُدا سے ڈرو اور اسکے مسکین بندے بن جاؤ

# چودھویں صدی کے مجدّد کو مسیح موعود تسلیم نہ کرنے کی وجوہ

## حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ کے طریقِ کار کو مسلمان کیونکر تدریجاً قبول کرتے چلے جا رہے ہیں

(ڈاکٹر نصر اللہ بخش)

ابتداء میں جب حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب براھینِ احمدیہ میں دعویٔ مجدّد چودھویں صدی اور مُلہم من اللہ و مکلم من اللہ ہونے کے دعاوی کئے تو مسلمانوں کی طرف سے بڑی گرمجوشی سے ان کا استقبال ہوا یہاں تک کہ مولوی محمد حسین نے اپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ میں تحریر کیا کہ مرزا صاحبؑ نے اس عظیم تصنیف کے ذریعہ، دین اسلام کی ایسی شاندار خدمت کی ہے جس کی نظیر تیرہ سو سال میں نہیں ملتی، اگر اسے مبالغہ سمجھا جائے تو ایک ایسی کتاب پیش کی جائے جس میں براہین و دلائل سے جملہ مذاہب کا بطلان ثابت کیا گیا ہو۔ نیز یہ بھی مولوی صاحب نے لکھا کہ مرزا صاحبؑ نے جو منکرین الہام کے مقابل اپنے الہاموں کو پیش کیا ہے اور جن کی صداقت کا مزہ آپ نے منکرین کو چکھا بھی دیا ہے، ہم ان کو درست و صحیح اور منجانب اللہ کلام یقین کرتے ہیں کیونکہ مرزا صاحبؑ ہمارے ہم مکتب و ہموطن ہیں اس لئے ہم انہیں مادر زاد ولی اللہ سمجھتے ہیں، پس مرزا صاحبؑ موصوف نے جو علمی و قلمی، قالی و حالی اور مالی و جانی خدمت اس کتاب کو تصنیف کرکے اور مخالفین اسلام کو مقابلہ میں غالب آنے کی صورت میں دس ہزار روپیہ کی اپنی جائداد کی پیش کش کی ہے تو یہ ایک مردانہ وار تحدّی ہے وغیرہ لیکن چند ہی سال بعد جب حضرت اقدسؑ نے اپنی کتاب فتح اسلام میں پہلی مرتبہ یہ انکشاف کیا کہ مسیح ناصری فوت ہو چکے اور نزول مسیح کی جس پیشگوئی کا وعدہ احادیث نبوی صلعم میں دیا گیا ہے اس سے تمثیلاً مراد اُمتِ مسلمہ کے ایک مجدّد کی بعثت ہے جس کے مصداق آپ خود ہیں تو اس پر ایک طوفانِ مخالفت اُٹھ کھڑا ہوا اور وہی مولوی صاحب جنہوں نے ایسی عظیم تعریف کی تھی آپ کے خلاف کُفر کے فتوے کے علمبردار بنے۔ اس پر کئی ایک سوالات پیدا ہوتے ہیں اوّلاً یہ کہ جبکہ حضرت اقدسؑ کا حقیقی مقصد و منشاء دین اسلام کو بذریعہ دلائل غیر ادیان پر غالب و فاتح کرنا ہی تھا تو آپ نے ایسے دعاوی کیوں کئے جن سے بجائے مسلمانوں کے تعاون کے شدید مخالفت کا باب کھل گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت اقدسؑ مثیل مسیح کے دعوے پر مخالفت سے خوب آگاہ تھے چنانچہ آپ اس دعوے پر پہلی کتاب فتح اسلام میں اس کا اقرار یوں فرماتے ہیں۔ کہ اب تم میں سے بہتیرے کفر کا فتوے لکھیں گے اور اگر ان کے بس کی بات ہوتی تو پہلے مسیح کی مانند میرے قتل کی تجویز کرتے لیکن یہ حکومت بردباری اور انصاف میں مسیح ناصری کے وقت کی حکومت سے بدرجہا بہتر ہے۔ اس سے صاف ثابت ہوگیا کہ دعوے مثیل مسیح کرنے وقت آپ کو اپنے برخلاف شدید مخالفت کا پورا یقین تھا مگر باوجود اس کے آپ نے ایسی عظیم مخالفت کو خود مول لے لیا۔ یہ ایک امر ہی اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ آپ نے مثیل مسیح کا دعوے اپنی طرف سے نہیں کیا تھا بلکہ ایسا قدم منجانب اللہ اٹھانے کا حکم آپ کو ملا تھا۔ چنانچہ فتح اسلام میں ہی فرماتے ہیں کہ مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ میرا یہ دعوے تم برضا و رغبت قبول کرتے ہو یا رد کرتے ہو۔ میں نے تو خدا کا یہ پیغام پہنچانا ہے

اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر ایسے منجانب اللہ دعوے میں کونسی حکمت پنہاں تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت اقدسؑ کی زندگی کا براہین احمدیہ کا دَور ایک انفرادی تحریک تھی جس سے مقصود دیگر ادیان کے بطلان اور اسلام و قرآن کی افضلیت کو ثابت کرنا تھا۔ لیکن اب خدا تعالےٰ کا منشاء اسے ایک جماعتی تحریک کی ابدی شکل دینا منظور تھا۔ چنانچہ حضرت مولانا نورالدینؓ نے جب براہین پڑھ کر آپ سے ملاقات کے دوران بیعت لینے کی درخواست کی تو حضرت اقدسؑ نے بیعت نہ لی بلکہ کہا کہ مجھے خدا کی طرف سے ایسا حکم نہیں ملا۔ لیکن جب یہ الہام ہوا واصنع الفلك باعيننا ووحينا۔ ہمارے حکم سے یہ کشتی جماعت کی تیار کرو تو آپ نے دعوئ مسیحیت کے ساتھ مسلمانوں کو جماعت میں شمولیت کی برملا دعوت دی۔ حضرت مولناؓ کی بیعت کی درخواست کو پہلے رد کر دینا اور یہ کہنا کہ مجھے خدا کی طرف سے ایسا حکم نہیں ملا، یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ گیا کہ جماعت کی تشکیل و تنظیم اور بیعت کے اقدامات حضرت اقدسؑ نے اپنے نفس کی کسی خواہش سے نہیں اُٹھائے بلکہ خدا تعالےٰ کے حکم کی تعمیل میں ایسا کیا گیا اگر خدا تعالےٰ کی جانب سے ان اقدامات کی تحریک نہ ہوئی ہوتی تو یقیناً آپ نہ مسیح ناصری کی وفات کا اعلان کرتے، نہ ہی مثیل مسیح ہونے کا دعوے کرتے اور نہ ہی جماعت احمدیہ میں شمولیت کی دعوت دیتے۔ ان سب تحریکات کا باعث خدا کی طرف سے واضح الہام ہوئے۔

دراصل تبلیغ اسلام کا جہادِ زمانہ کا کام تب ہی ایک مستقل و دائمی صورت اختیار کر سکتا تھا جب اس کی پشت پناہی کے لئے ایک دینی جماعت کا وجود ہوتا۔ پھر ایسی کسی جماعت کو جس کا ایمان تبلیغ دین کی کامیابی پر مبنی ہو، اور جو یہ یقین رکھتی ہو کہ اب دینِ اسلام کا غلبہ عسکری و سیفی طاقت کی بجائے علمی و قلمی جہاد کا محتاج ہے تب ہی ممکن العمل تھا جب وہ جماعت مامورِ وقت کے دعوئے مسیحیت کی قائل ہو۔ زمانہ کی تبدیلی کی مناسبت سے جہادِ اسلام کی نوعیت میں جو تبدیلی ضروری تھی اس پر یقین بجز اس کے پیدا ہونا ممکن نہ تھا کہ ایسی تبدیلی جہاد کی خبر خدا تعالےٰ نے خود دی ہے۔ پس جماعت احمدیہ کی تشکیل و تنظیم اور دعوئ مسیحیت و سلسلہ بیعت سے متعلق جس قدر شکوک و شبہات بعض اصحاب کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں ان کا جواب اس ایک بات میں آ جاتا ہے یعنی یہ کہ جہاد اسلام کی نوعیت میں جو انقلاب خدا کی نگاہ میں از روئے تقاضائے زمانہ ضروری و لازم پڑا تھا۔ نیز اس جہاد کے لئے جس جماعت کی ضرورت تھی اور جو خصوصیات اس کے لئے لازم پڑی تھیں وہ صرف مجدّد وقت کے دعوئے مسیحیت پر ایمان لانے سے ہی وجود میں آ سکتی اور استحکام و ترقی پذیر ہو سکنا ممکن تھیں۔ کم و بیش مفصلہ ذیل خصوصیات سے اس جماعت کا متصف ہونا لازم ہو گیا تھا۔

اوّلاً۔ یہ کہ دینِ اسلام خدا تعالےٰ کی طرف سے ایک مکمل و محفوظ دین اور آنحضرت صلعم کی پاک و مبارک ذات کا نمونہ ایک کامل ترین اُسوہ حسنہ ہے۔

دوئم۔ یہ کہ موجودہ زمانہ کی نجات مادی سائنس و مادی نظام زندگی میں نہیں بلکہ خدا تعالےٰ کے کامل کلام قرآن کریم پر یقین و عمل کرنے میں مقدر ہے۔ قرآن کریم کسی انسان کا کلام نہیں بلکہ خدائے عالم الغیب

... کا نکلا ہوا کلام ہے۔ اگر کسی کو مادی علوم کے عروج سے اسلام کے خارجی امر ہونے میں شک و شبہ ہو تو اس کے قائل کرنے کے لئے اس زمانہ کے مجدد و مسیح کی کثیر صادق پیشگوئیاں موجود ہیں۔

سوئم یہ کہ بدلے ہوئے حالاتِ زمانہ میں جہادِ اسلام کی صورت تبدیل ہو گئی ہے۔ یعنی اب دینِ اسلام کی فتوحات عسکری طاقت کی بجائے اس دین کی خوبصورت تعلیم اور اس کی افادیت کے اصولوں کے اجاگر کرنے یعنی تبلیغِ اسلام بذریعہ دلائل و براہین سے ہوگی۔

چہارم۔ یہ کہ عیسائیت نے جو اعتراض دینِ اسلام پر کئے ہیں ... کہ یہ دین تلوار اور جبر و تشدد کے بل بوتے اور مادی شان و شوکت ... غالب آیا ہے یہ تمام وساوس بالکل باطل و بے بنیاد ہیں۔ اسلام کی فتوحات اور اس کا غلبہ مسلمانوں کے اعلیٰ علمی و ایمانی و اخلاقی نمونہ قائم کرنے سے ہوا تھا۔ تلوار اور طاقت کا استعمال اپنی حفاظت کے لئے بطور دفاع کیا گیا تھا، جارحانہ طور پر اور ملکی فتوحات کے لئے ہرگز عمل میں نہ لایا گیا تھا۔

پنجم ... عیسائیت اپنے غلبہ اور اسلام کے استیصال کے لئے ... مسلمانوں کے قلوب میں وساوس پیدا کرکے اور مسلمانوں میں باہم تفرقہ پیدا کرکے کرتی ہے تو دوسری طرف جناب خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت مسیح ناصری کی افضلیت سے عیسائیت کی برتری ... کرتی ہے۔ اپنی نافہمی کے باعث مسلمان اور ان کے علماء حضرت مسیح ناصری کے بعض معجزات اور اُن کے آسمان پر جانے اور پھر نازل ہونے ... عیسائیوں کی تائید کر لیتے ہیں حالانکہ یہ تمام امور باطل و فرضی ہیں اور ... کے لئے باعث فروغ ہیں۔ ع

ہمہ عیسائیاں را از مقالِ خود مدد دادند
دلیری ہا پدید آمد پرستارانِ میت را

... جناب اس وہم کا شکار ہیں کہ یہ سب کچھ تو بالکل صحیح و درست ہے لیکن مسلمانوں نے عام طور پر حضرت اقدسؑ سے وابستگی اور جماعت احمدیہ لاہور کی خدمات تبلیغ اسلام و اشاعتِ قرآن کی قدر و منزلت کیوں نہیں کی؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ مسلمان اور علماء تدریجاً احمدیہ اصولوں کو قبول کرتے چلے جا رہے ہیں۔ مثلاً:۔

(۱) گذشتہ ماہ مئی میں امام مسجد نبوی شیخ عبدالعزیز بن صالح کا بعض طلباء و علماء کے روبرو یہ کہنا کہ اس وقت جہادِ بالقلم والعلم کی ضرورت ہے کیونکہ دشمنِ اسلام مسلمانوں کے قلوب میں وساوس پیدا کرکے اور ان میں باہم پھوٹ ڈال کر ان کی ایمانی و اخلاقی قوت کو کمزور کرنا چاہتا ہے۔ کیا حضرت اقدسؑ اور آپ کی تحریک احمدیہ کی ندا کی بازگشت نہیں تو اور کیا ہے؟

(۲) حال ہی میں مولانا مودودی اور جنرل سیکرٹری جماعتِ اسلامی نے جو بیانات شائع کئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ دینِ اسلام میں جبر و تشدد جائز نہیں اور ہماری جماعت کا مقصد اسلامی نظامِ زندگی کو مسلمانوں میں رائج کرنا ہے نہ کہ اقتدار پر بجبر قبضہ کرنا تو کیا یہ بیانات مولانا مودودی صاحب کے پہلے واضح مسلک کہ جب تک حکومتِ الٰہیہ قائم نہ ہو اسلام ترقی پذیر نہیں ہو سکتا کے صریحاً برخلاف اور حضرت اقدسؑ و جماعت احمدیہ کے موقف کی تائید نہیں کرتے؟

(۳) مصر کی الازہر یونیورسٹی کے علماء نے تو مدتوں پیشتر کیا وفاتِ مسیح کا عقیدہ تسلیم نہیں کیا اور کیا وہاں سے حضرت مولانا محمد علی رح کی کتاب "... اسلام" من و عن شائع نہیں کی گئی اور کیا یہ اقدامات جماعت احمدیہ لاہور کی حقیقی مقبولیت کی دلیل نہیں؟

(۴) بین الاقوامی سیرت کانگریس اور قرآن کانفرنس کی تحریکوں کی داغ بیل کیا آج سے پون صدی پیشتر جماعت احمدیہ نے نہیں ڈالی تھی؟

(۵) علامہ اقبال کا ۱۹۱۱ء میں یہ اعلان کہ ٹھیٹھ اسلامی تہذیب کا نمونہ اگر اس زمانہ میں دیکھنا ہو تو وہ جماعت احمدیہ میں ملے گا۔ کیا یہ اسی امر کا اقرار نہیں جو جماعت اسلامی آج نظامِ اسلامی کے زندگیوں میں رائج کرنے اور اقتدار پر قبضہ نہ کرنے کے زبانی دعاوی سے کر رہی ہے اور جسے عملی زندگی میں جماعت احمدیہ نے بقول علامہ اقبال کیا قائم نہ کر دکھایا تھا

مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے حالیہ اعلانات پر ہم آئندہ اشاعت میں تبصرہ کریں گے۔

---

## اھلاً وسھلاً ومرحبا

مکرم جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب لندن۔ جرمنی، ہالینڈ اور امریکہ کے کامیاب دورہ کے بعد مورخہ ۲۸ نومبر ۱۹۷۶ء بعد شام بخیریت واپس لاہور پہنچ گئے۔ آپ کا طیارہ سات بجکر چالیس منٹ پر رن وے پر اترا۔ احباب کی ایک کثیر تعداد آپ کی پیشوائی کے لئے ہوائی مستقر پر موجود تھی۔ جوں ہی محترم جناب ڈاکٹر صاحب گیٹ سے باہر تشریف لائے۔ استقبال کے لئے چشم براہ تمام دوستوں کے چہرے مسرت سے کھل گئے۔ دو رویہ قطار میں کھڑے سارے دوستوں سے آپ نے مصافحہ و معانقہ فرمایا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کی شفقت کا یہ الٰہی رنگ دیکھ کر دوستوں کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔

آپ ستمبر ۱۹۷۶ء کے آخری ہفتہ میں بیرونی ممالک کی جماعتوں کے تنظیمی و تربیتی دورہ پر تشریف لے گئے تھے۔ ہر جگہ جماعت کی توسیع و ترقی و استحکام اور اشاعتِ اسلام کی مہم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے آپ کو کامیاب و بامراد فرمایا۔

اھل اللہ کی موجودگی ہی میں الٰہی جماعتوں کی بقاء کا راز مضمر ہے اسی لئے آپ کے اس دورہ سے باہر کی جماعتوں میں زندگی کی لہر دوڑ گئی اور وہ زیادہ فعال بن گئی ہیں۔

ضعیفی میں آپ کی یہ جواں ہمتی اور خدا کے نور سے دنیا کو منور کرنے کی یہ عظیم خواہش اللہ تعالیٰ کی نصرتوں کو جذب کرنے کا ذریعہ بنی ہے دعا ہے کہ باغِ اسلام و احمدیت کا یہ طیب شجر تا دیر سلامت رہے اور اس کے پاکیزہ برگ و بار سے ہمارا ایمان تازہ ہوتا رہے۔ (رپورٹر)

---

## اعانتِ اشاعت قرآن کریم کے لئے بچت کا ایک عمدہ طریقہ

۳ نومبر ۱۹۷۶ء کے "پیغامِ صلح" میں مندرجہ بالا عنوان سے میری ایک تجویز شائع ہوئی ہے۔ اگر یک صد بہنیں بھی اس تجویز کے مطابق اس کارِ خیر میں عملی قدم اٹھائیں تو تقریباً:۔

**پانچ صد روپیہ ماہوار**

اشاعتِ قرآن فنڈ میں جمع ہو سکتا ہے۔

مسرت چوہدری۔ مکان نمبر 553 مسلم آباد۔ گجرات

از قلم مکرم جناب نصیر احمد صاحب فاروقی

# جلسۂ سالانہ آ رہا ہے!

## کیا آپ بھی آ رہے ہیں؟

## ایک ضروری عرضداشت

یاایھا الذین امنوا مالکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم الی الارض ط ارضیتم بالحیوۃ الدنیا من الاخرۃ ج فما متاع الحیوۃ الدنیا فی الاخرۃ الا قلیل ٥ ......... انفروا خفافا و ثقالا و جاھدوا باموالکم و انفسکم فی سبیل اللہ ط ذالکم خیر لکم ان کنتم تعلمون ٥

(سورۃ توبہ ۹ - آیات ۳۸ تا ۴۱)

ترجمہ: "اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہارا کیا عذر ہے (یا تمہیں کیا ہو گیا ہے) کہ جب تم کو کہا جائے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم بوجھل ہو کر زمین کی طرف جھک جاتے ہو۔ کیا تم آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی پر (گر جانے کو) راضی ہو گئے ہو مگر دنیا کی زندگی کا سامان آخرت کے مقابلہ میں تو تھوڑا ہی ہے۔ اگر تم نہ نکلو تو وہ تم کو دردناک عذاب دے گا اور تمہاری جگہ دوسرے لوگ لے آئے گا اور تم اس کو کچھ ضرر نہ دے سکو گے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ......... ہلکے اور بوجھل نکل پڑو اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہوتے۔"

## جنگِ تبوک

مندرجہ بالا آیات جنگ تبوک سے واپسی پر اُتریں۔ اسلام سے قبل اہل عرب آپس کی خانہ جنگیوں میں ایسے اُلجھے ہوئے تھے کہ ہمسایہ سلطنتوں یعنے ایران اور روما کو اُن سے کوئی خطرہ نہ تھا اور وہ اہل عرب کو نہایت حقارت اور ذلت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ طلوع اسلام کی برکات سے عرب کی خانہ جنگیوں کا خاتمہ ہو گیا اور تمام عرب رسول اللہ صلعم کے ماتحت متحد ہو گیا۔ پھر بھی عرب ایک چھوٹا سا ملک تھا اور رسول اللہ صلعم صلح و امن کے شہزادہ تھے۔ اس لئے آپؐ سے ایران اور روما کی عظیم الشان سلطنتوں کو کیا خطرہ ہو سکتا تھا۔ مگر بین الاقوامی سیاست میں بادشاہ اپنے سائے سے بھی ڈرتے ہیں۔ قیصر روم نے جو عیسائی تھا وہ چالیں چلیں جو عیسائی سلطنتیں بعد میں بھی چلتی رہیں۔ اُس نے اوّل تو عرب کی سرحد پر جو عرب عیسائی قبائل تھے اُنہیں اُکسایا اور پھر خود ایک لشکر جرّار تیار کرنے کا حکم دیا۔

رسول اللہ صلعم جو جامع کمالاتِ انسانی تھے نہ صرف نبیوں کے سرتاج تھے بلکہ ایک بے نظیر مدبّر اور سیاستدان بھی تھے۔ آپؐ نے وہ قدم اُٹھایا جو ایک اچھے والیٔ ریاست کو اُٹھانا چاہیئے یعنے یہ کہ دشمن کو اپنے ملک میں گھسنے نہ دیا جائے بلکہ سرحد پر روکا جائے۔ مگر یہ مہم مشکل ترین مہم تھی۔

اوّل تو عرب کی شمالی سرحد بہت دُور تھی۔ اس دور دراز سفر کو سواری کے طے نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پھر سخت گرمی کے دن تھے۔ راستہ میں پانی اور رسد وغیرہ کی قلت تھی۔ ملک قحط سے دوچار تھا۔ نئی فصلیں تیار تھیں بلکہ کاٹنے کے لئے پختہ ہو چکی تھیں اور اس حالت میں اُن کو چھوڑنا سخت نقصان دہ تھا۔ پھر مقابلہ اپنی جیسی کسی عرب فوج سے نہ تھا بلکہ ایک عظیم الشان سلطنت کی جنگ میں مہارت رکھنے والی فوج سے تھا جو نہ صرف تعداد میں بہت بڑھ چڑھ کر تھی بلکہ ہتھیار اور دیگر سامانِ جنگ میں ہر طرح سے فوقیت رکھتی تھی۔ اہلِ عرب عرصۂ دراز سے ایران اور روما کی سلطنتوں سے خائف رہ چکے تھے۔ کیونکہ اُن کی طاقت کے سامنے عربوں کی طاقت ہیچ تھی۔

مگر رسول اللہ صلعم کی آواز پر تیس ہزار جان نثار سب کچھ قربان کر کے مندرجہ بالا خطرات کو مول لینے پر تیار ہو گئے۔ صرف منافقین پیچھے رہ گئے۔ یا چند تنگدست مسلمان جن کی سواری کا بندوبست نہ ہو سکا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے اُن تنگدست مسلمانوں کی یوں تعریف فرمائی ہے

تولّوا و اعینھم تفیض من الدّمع حزنا الّا یجدوا ما ینفقون ٥ (وہ تیرے سے واپس چلے گئے اور ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہہ رہی تھیں اس غم سے کہ وہ مال نہیں پاتے جسے خرچ کر سکیں) ان کی تعداد سات بتائی جاتی ہے۔ البتہ تین ایسے مسلمان تھے جو سفر کر سکتے تھے مگر ساتھ نہ گئے تو واپسی پر رسول اللہ صلعم اور باقی مسلمانوں نے ان کا بائیکاٹ کیا یہاں تک کہ ان کی گریہ و زاری اور توبہ کو اللہ تعالےٰ نے قبول فرمایا اور انہیں معافی دے دی گئی۔

رسول اللہ صلعم جان نثاروں کے لشکر کو لے کر جب تبوک کے مقام پر پہنچے جو عرب اور شام کی سرحد پہ تھا تو آپؐ کی آمد کی خبر سُن کر عیسائی قبائل جو بغاوت پر اُکسائے گئے تھے دبک کر بیٹھ گئے اور ہرقل روم نے بھی حملہ کی تیاری چھوڑ دی۔ پھر بھی آپ نے بیس روز تک وہاں قیام فرمایا۔ عیسائی قبائل سے صلح و امن رکھنے کے معاہدات کئے اور جب آپؐ کو یقین ہو گیا کہ اب خطرہ ٹل گیا ہے تو آپؐ مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

واپسی کے سفر میں وہ آیات اُتریں جو میں نے اس مضمون کے شروع میں لکھی ہیں۔ آپ مہربانی فرما کر انہیں دوبارہ پڑھیں۔ کیا اس کے مخاطب وہ جان نثار مسلمان ہو سکتے تھے جو اپنا سب کچھ کھو کر اور اپنی جانوں کو ہتھیلیوں پر رکھ کر آپؐ کے ساتھ ہو لئے تھے؟ جو پیچھے مدینہ میں رہ گئے تھے یعنے منافقین ان کا ذکر علیحدہ اسی سُورت میں ہے۔ بہرحال ان آیات میں مخاطب یاایھا الذین امنوا ہیں۔ سات عدد مؤمن جو تنگدستی کی وجہ سے ساتھ نہ جا سکے تھے ان کا تعریفاً ذکر علیحدہ ہے۔ تین مؤمن جو جا سکتے تھے مگر نہ گئے تھے ان کا ذکر اور ان کی سزا کی معافی کا ذکر بھی علیحدہ ہے۔

### تو پھر یہ کن کا ذکر ہے؟

جیسا کہ حضرت امیر مرحوم نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں لکھا ہے جنگ تبوک رسول اللہ صلعم کی آخری مہم تھی اور اس کے عارضی طور پر ٹل جانے یعنے مقابلہ نہ ہونے کے باوجود مؤمنوں کو یہ خطاب اس لئے تھا کہ عیسائیوں سے مقابلہ مسلمانوں کو بار بار پیش آنا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلعم کی وفات کے وقت بھی آپؐ نے ایک لشکر تیار کرنے کا بندوبست فرمایا تھا جو دوبارہ ملک شام کی سرحد کے فسادات کی سرکوبی کے لئے جانا تھا۔ پھر آپ کی وفات کے بعد بھی مسلمانوں کو عیسائی تنگ کرتے اور فتنہ و فساد مچاتے رہے جس کی وجہ سے وہ جنگیں پیش آئیں جن میں ملک شام اور بالآخر قسطنطنیہ جو ہرقل روم کا پایہ تخت تھا فتح ہو گیا۔ پھر بھی عیسائی مسلمانوں کی دشمنی سے باز نہ آئے اور تاریخ کی مشہور صلیبی جنگیں ہوئیں جن میں یورپ کی تمام طاقتیں ایک طرف اور مٹھی بھر مسلمان دوسری طرف تھے مگر اُنہوں نے جو شاندار کارنامے دکھائے ان کا لوہا عیسائیوں

ہیں جو منصف مزاج لوگ تھے یا ہیں انہوں نے بھی مانا ہے۔

## یاجوج اور ماجوج اور دجّال کا خروج

قرآن پاک نے اس زمانہ میں عیسائی سلطنتوں کے خروج اور ان کے تمام دنیا پر چھا جانے کا ذکر یاجوج اور ماجوج کے ذکر میں فرمایا ہے اور رسول اللہ صلعم نے عیسائیت کے بطور مذہب کے اسلام پر دوبارہ حملہ آور ہونے کا ذکر خروج دجّال کی بیشمار حدیثوں میں فرمایا جن میں منجملہ اور باتوں کے یہ بھی آپ نے فرمایا کہ میری اُمّت کو اور اسلام کو سب میں بڑا خطرہ دجّال کی کارروائیوں سے ہوگا۔ چنانچہ اس زمانہ میں عیسائیت نے اسلام پر اعتراضات اور شکوک و شبہات پیدا کرنے کی عالمگیر مہم چلائی۔ لاکھوں نہیں کروڑوں اربوں روپیہ پچھلے سوڈیڑھ سو سال میں خرچ کیا گیا ہزاروں لاکھوں عیسائی پادریوں اور پادرانیوں کی فوجوں نے مسلمانوں کے شہروں بلکہ ان کے گھروں میں گھس کر مسلمان مردوں اور عورتوں کو اسلام سے منحرف کرنا چاہا۔ اور انیسویں صدی عیسوی کے آخر میں ان کی یہ سرگرمیاں رنگ لائیں کہ لاکھوں مسلمان جن میں شہزادے اور پڑھے لکھے لوگ اور علماء تک تھے عیسائی ہو گئے۔

## مسیح موعود

اسلام اور مسلمانوں پر اس خطرناک ترین وقت میں ہی مسیح موعود کے آنے کی پیشگوئیاں مخبر صادق صلعم نے کی تھیں جو حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی ہستی میں پوری ہوئیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ وہ تمام واقعات جن میں مسیح موعود کے آنے کا ذکر تھا آپ کے وقت میں رونما ہوئے۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ جو مقابلہ عیسائیت کے حملوں کا حضرت مرزا صاحب اور آپ کی جماعت نے کیا وہ کسی اور نے نہیں کیا۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ غلبۂ اسلام کی وہ پیشگوئیاں جو قرآن کریم میں اس زمانہ سے متعلق ہیں وہ حضرت مرزا صاحب اور آپ کی جماعت کے پیدا کردہ لٹریچر اور علم کلام سے پوری ہوئیں اور لیظہرہ علی الدین کلہ کی پیشگوئی ایسی پوری ہوئی کہ احمدی لٹریچر اس پر تاریخی سند ہے۔ عیسائی کلیسا کا حکم کہ احمدیوں سے مناظرہ نہ کیا جائے گواہ ہے۔ یورپ اور امریکہ میں عیسائیوں کا قبول اسلام اس کا ثبوت ہے۔

## ایک مثال

صرف ایک مثال دوں۔ کچھ عرصہ ہوا کہ ہز ایکسی لنسی مسٹر والس محمد جو امریکہ کے قریباً بیس لاکھ بلالی مسلمانوں کے مذہبی پیشوا ہیں اپنی برمنی سے جماعت احمدیہ لاہور سے ملنے آئے اور انہوں نے یہاں پبلک پلیٹ فارم پر فرمایا کہ ہم لوگ آپ کا انگریزی ترجمۃ القرآن و تفسیر پڑھ کر مسلمان ہوئے ہیں۔ اسی طرح یورپ، امریکہ، افریقہ، آسٹریلیا اور ایشیا کے ممالک میں بکثرت ایسے غیر مسلم اسلام لائے جن تک ہمارا لٹریچر پہنچا۔

## جماعتِ احمدیہ

حضرت مرزا صاحب نے اس جہاد فی سبیل اللہ کو جاری رکھنے کے لئے ایک جماعت بنائی۔ بدقسمتی سے آپ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد اس جماعت کا ایک بڑا حصہ غلو میں پڑ کر آپ کو مجدد سے نبی بنا بیٹھا۔ آپ کو کشف میں دکھایا گیا تھا کہ آپ نے جو لاکھ آدمی کی فوج مانگی تھی وہ نہ ملے گی بلکہ صرف پانچ ہزار ملیں گے۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد علی مرحوم و مغفور کی قیادت میں وہ چھوٹی جماعت ہی اور حضرت مرزا صاحب کے صحیح عقائد کو باقی رکھنے میں کامیاب ہوئی۔ اور اللہ تعالےٰ کی اس چھوٹی سی مٹھی بھر جماعت کی تائید و نصرت کا ثبوت یہ ہے کہ اس جماعت کا اسلام پر لٹریچر آج دنیا میں مقبول ہے۔

## ایک خطرناک زلزلہ

اس چھوٹی سی جماعت کو ایک خطرناک زلزلہ نے ستمبر ۱۹۷۴ء میں جھنجھوڑا۔ ہر زلزلہ کی طرح ہمارا کچھ نقصان بھی ہوا۔ مگر اللہ تعالےٰ کا کس قدر احسان اور فضل ہے کہ جماعت کا اکثر حصہ بچا رہا اور پچھلے سالانہ جلسہ پر جو مالی قربانیاں اس بچی کھچی جماعت نے کیں وہ بے نظیر تھیں کہ تبلیغ و اشاعت اسلام کے کام کو جاری رکھنے کے لئے تقریباً ایک لاکھ روپیہ جمع کیا جو انکے ماہوار چندوں کے علاوہ تھا بلکہ ماہوار چندے بھی بفضلہٖ تعالےٰ بڑھ گئے حالانکہ جماعت کی تعداد گھٹ گئی! جماعت کی زندگی اور فعّال ہونے کا ثبوت تعداد نہیں ہوتی بلکہ اس کی قربانیاں اور سرگرمیاں ہوتی ہیں۔

## تبلیغ بلادِ غیر

خدا کی شان ہے کہ تبلیغ بلادِ غیر جو ہمارا اصل کام تھا اور جسے ہم بھولے بیٹھے تھے اس کا احیاء بھی اسی زلزلہ کے بعد ہوا۔ ہماری تبلیغ بلادِ غیر کمیٹی نے جب بیرونجات میں خط و کتابت شروع کی اور اس کے صدر حضرت ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب نے ۱۹۷۵ء اور امسال بھی بلادِ غیر کے دورے کئے تو ان دونوں قسم کی کارروائیوں سے اکثر جگہ سوئی ہوئی جماعتیں جاگ اٹھیں اور جہاں جماعت نہ تھی وہاں افراد دوبارہ حرکت میں آ گئے ہیں۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

## جلسۂ سالانہ

اس سال کے جلسہ سالانہ پر آپ حضرت ڈاکٹر صاحب موصوف سے ان کے دورہ بلادِ غیر اور باہر کی جماعتوں کے حالات انشاءاللہ تعالیٰ سنیں گے۔ اور بلادِ غیر سے آمدہ بعض دوستوں سے بھی ملیں گے۔ ہالینڈ، سرینام، انڈونیشیا اور بھارت سے بعض دوستوں کے آنے کی اطلاع ہے۔ یہ دوست جو اتنی دور سے اس سردی میں اپنا خرچ کر کے اور تکلیفیں اٹھا کر آپ سے ملنے آ رہے ہیں اور آپ کے سالانہ اجتماع کو دیکھنے آ رہے ہیں، ان سے ملنے آنا بھی ہمارا فرض ہے۔ وہ ہمارا کیا تاثر لے کر جائیں گے یہ بہت کچھ ہم پر منحصر ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں جمع ہوں اور آپس میں مواخات اور محبت کا بہترین نمونہ دکھائیں۔ جلسہ کے تمام موقعوں پر حاضر رہیں۔ نمازوں میں مل کر جناب باری میں اپنی کمزوری، بے بسی اور بے کسی کی التجا کریں اپنے گناہوں، خطاؤں اور کوتاہیوں کی مغفرت چاہیں۔ نمازِ فجر علی الخصوص عجیب دلکش ہوتی ہے اور انّ قرآن الفجر کان مشھودا یعنے صبح کی نماز میں قرآن شریف کی قرأت کے وقت ملائکہ کے دلوں پر نزول کو خود محسوس کریں اور ساری جماعت سے مل کر دعائے قنوت اور دوسری دعاؤں کو کرنے میں شامل ہوں۔ جماعت کی دعاؤں میں جو برکت اور مقبولیت ہے اور وہ انفرادی دعاؤں میں نہیں۔ خدا جانے ہم میں سے کس کی دعا سنی جائے اور اللہ تعالےٰ کی مغفرت اور رحمت جوش میں آجائے۔ خدا جانے ہم میں سے کس کے کتنے دن اس دنیا میں باقی ہیں۔ اس امرِ جامع سے محروم نہ رہیں۔ جب موت آ گئی تو پھر یہ موقعے نہیں ملیں گے اور آ گئے تو حساب کتاب کا وقت ہے۔

## خدا کے مامور کا حکم

اس زمانہ میں اللہ تعالےٰ نے جس شخص کو مجدد اور مسیح اور مہدی بنا کر بھیجا اس نے اللہ تعالےٰ کے حکم سے اس سالانہ اجتماع کو مقرر فرمایا اور سوائے اشد مجبوری جیسے رخصت نہ ملنے یا صاحب فراش ہونے کے باقی سب کو اس میں شامل ہونے کا حکم دیا۔ سفر خرچ کے لئے یہاں تک فرمایا کہ باقی سال تھوڑا تھوڑا پس انداز کر کے اس روحانی اور دینی اجتماع

میں شامل ضرور ہوں۔ جو اس اجتماع کے لئے آتے ہیں ان کے لئے دعائیں فرمائیں۔ جن سے فائدہ اُٹھانا ہماری دینی اور دنیوی بھلائی کا باعث ہوگا۔ دینی اجتماعوں میں نہ آنے سے دل سخت ہو جاتا ہے اور آہستہ آہستہ انسان شقی بن جاتا ہے۔ اور پتھر دل لوگوں کا ذکر وقودھا النّاس والحجارۃ میں سورۃ البقرۃ کے شروع میں ہی ہے۔ اس دنیا میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ پتھر کو صرف آتش فشانی کی تیز اور ہولناک آگ ہی پگھلا کر نرم کر سکتی ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے بچائے۔ امین یا ارحم الراحمین

## قرآن کریم کا حکم

اس مضمون کے شروع میں جو آیات میں نے لکھی ہیں ان کی تفسیر میں میں نے عرض کیا تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے تو عیسائیوں کے مقابلہ پہ وہ جہاد کی قربانی کر کے دکھائی کہ سخت گرمی کے سفر اور کھانے پینے کی دقتوں کے باوجود تیس ہزار آدمی نکل پڑے اور صرف تین رہ گئے تھے یعنے دس ہزار میں ایک۔ اُن تین کا حال سورۃ توبہ میں پڑھ لیجئے۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور رسول اللہ صلعم کا بائیکاٹ کرنا، عبرتناک مثال ہمارے سامنے ہے۔ مذکورہ بالا آیات تو نازل ہوئیں۔ اس اجتماع پر جو رسول اللہ صلعم کے ساتھ غزوہ تبوک سے واپس آ رہا تھا۔ ان جان نثاروں کے لئے جو بے نظیر قربانیاں کر کے نکلے تھے تو اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرما سکتا تھا کہ:۔

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہیں کیا ہو گیا کہ جب تم کو کہا جائے کہ اللہ کی راہ میں نکل پڑو تو تم بوجھل ہو کر زمین کی طرف جُھک جاتے ہو کیا تم آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی پر گر جانے کو راضی ہو گئے ہو مگر دُنیا کی زندگی کا سامان آخرت کے مقابلہ میں تو تھوڑا ہی ہے۔ اگر تم نہ نکلے تو وہ تم کو دردناک عذاب دے گا ........... تم ہلکے ہو یا بوجھل نکل پڑو اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو"۔

حضرت امیر مرحوم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ عیسائیت کے حملے تو غزوہ تبوک سے شروع ہوئے تھے اور جاری رہنے تھے۔ اس لئے یہ خطاب تو عامۃ المسلمین سے ہے۔ ہم سے ہے کیونکہ اس زمانہ میں عیسائیت کا خطرناک ترین حملہ ہے تو اسلام، محمد صلعم اور قرآن کریم پر اعتراضات اور وساوس کے رنگوں میں ہوا۔ اور آجکل دہریت نفس پرستی اور ہوا و ہوس پرستی کے رنگ میں دُنیا میں ایک سخت زہریلی فضا پیدا کر چکا ہے۔ نہ صرف مسلمانوں کے بلکہ تمام دنیا کے ایمانوں اور اعمال کو یہ زہریلی فضا برباد کر رہی ہے۔ اس کا تریاق اور اس سے بچاؤ صرف اسلام (ہاں وہ صحیح اور پاک اسلام جو حضرت مرزا صاحب کی تجدید دین کا اہم ترین کارنامہ ہے) میں ہے حضرت مرزا صاحب نے سالانہ جلسہ کے اجتماع کا اہم مقصد یورپ اور امریکہ کی روحانی اصلاح کے لئے علاج سوچنا اور اس کا سامان کرنا فرمایا ہے۔

## انفروا خفافًا وّ ثقالًا

ہلکے یا بوجھل نکل پڑنے کی تفسیر میں حضرت امیر مرحوم لکھتے ہیں کہ:

"جیسا کہ ابنِ جریر نے لکھا ہے خفافًا یا ہلکا ہوتے میں ہر وہ امر شامل ہے جس کی وجہ سے نکلنا سہل ہو جیسے قوت بدن۔ صحت جسمانی۔ جوانی کی عمر۔ فراخی مال۔ شغل سے فراغت۔ سواری کا ہونا وغیرہ۔ اور اس کے خلاف جو کچھ ہو وہ ثقال میں داخل ہے جیسے ضعف جسمانی۔ کمزوری۔ بیماری۔ بڑھاپا۔ تنگیٔ مال۔ صورت معاش کا نہ ہونا وغیرہ۔ مطلب یہ ہے کہ جب خدا کے رستہ میں نکلنے کا موقعہ آئے تو جس حال میں بھی ہو نکل پڑو"۔

حضرت مسیح موعود کا مقرر کردہ سالانہ اجتماع ایسا ہی موقعہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ایسے مثالی بندے ہیں جنہیں میں نے گئے سال بیماری کے باوجود جلسہ میں حاضر دیکھا اگرچہ کرسی سے اُٹھ نہیں سکتے تھے۔ میں نے بعض مردوں اور عورتوں کو پیدل نہر کے کنارے دارالسلام کی طرف آتے دیکھا۔

## خوش خبری

خُدا کی راہ میں نکلنے والوں کے لئے آگے اسی سورۃ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:۔

"انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوئی پیاس کی تکلیف نہیں پہنچتی اور نہ تکان اور نہ بھوک کی اور نہ وہ کسی ایسی جگہ سے گزرتے ہیں جس سے کافروں کو غضب آئے اور نہ دشمن سے کچھ چیز حاصل کرتے ہیں مگر اس کے لئے ان کا نیک عمل لکھا جاتا ہے۔ اللہ نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ اور نہ وہ کوئی خرچ کرتے ہیں تھوڑا ہو یا بہت اور نہ کسی میدان سے گزرتے ہیں مگر وہ اُن کے لئے لکھا جاتا ہے تاکہ اللہ انہیں اس کا بہترین بدلہ دے جو وہ عمل کرتے تھے" (آیات ۱۲۰ و ۱۲۱)

اس دنیا میں نیکی کا اجر کچھ ملتا نظر نہیں آتا۔ اور خدا کے رستہ میں جو مال خرچ کرو وہ بظاہر ضائع جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے اجر کو اس عالم میں رکھا ہے جس میں انسان نے ہمیشہ رہنا ہے۔ یہاں کی چیز تو یہیں رہ جائے گی۔ اگلی زندگی کے لئے تو وہی نیک عمل اور دولت ساتھ جاتی ہے جو انسان خدا کی راہ میں خرچ کرے یا خدا کے رستہ میں نکلے تو آیئے ہم خدا کی راہ میں نکلیں اور جلسۂ سالانہ میں شامل ہوں۔

---

## اِس جلسہ کو

### معمولی اِنسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں

"لازم ہے کہ اس جلسہ پر جو کئی بابرکت مصالح پر مشتمل ہے ہر ایک ایسے صاحب ضرور تشریف لاویں۔ جو زادِ راہ کی استطاعت رکھتے ہوں ...... خُدا تعالیٰ مخلصوں کو ہر ایک قدم پر ثواب دیتا ہے اور اس کی راہ میں کوئی محنت ضائع نہیں جاتی اور مکرّر لکھا جاتا ہے کہ اس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں۔ یہ وہ امر ہے۔ جس کی خالص تائیدِ حق اور اعلائے کلمۂ اسلام پر بُنیاد ہے۔ اس سلسلہ کی بُنیادی اینٹ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہے"۔

(حضرت مجدّد زمان)

# سلسلۂ احمدیہ کے ابتدائی جلسوں کی کیفیت اور جلسہ سالانہ کی اہمیت

مکرم جناب میرزا مسعود بیگ صاحب ایم۔ اے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے براہینِ احمدیہ حصّہ سوم میں مجددِ وقت ہونے کا دعوےٰ کیا تھا۔ لیکن اس دعویٰ کا اعلان خاص طور پر آپ نے ۱۸۸۵ء کے شروع ایک اشتہار کے ذریعہ کیا جو بیس ہزار کی تعداد میں اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں شائع کیا گیا۔ براہین کی اشاعت کے بعد آپ کی شہرت خوب پھیل چکی تھی اور کثرت سے لوگوں کا رجوع آپ کی طرف ہو رہا تھا۔ اور عامۃ المسلمین میں دن بدن آپ سے عقیدت و ارادت بڑھ رہی تھی۔ اور تمنا تو آپ سے درخواست کر رہے تھے کہ آپ ان سے بیعت لیں مگر حضرت اقدس بغیر اذنِ الٰہی بیعت لینے پر آمادہ نہ ہوئے اور انکار کرتے رہے۔ آخر جب اللہ تعالےٰ کی طرف سے اجازت ہوئی تو آپ نے ۲۲ مارچ ۱۸۸۹ء کو بیعت لینے کی تاریخ مقرر فرمائی اور مخلصین کو اطلاع دینے کے لئے اشتہار شائع کیا گیا۔ یہ بیعت لدھیانہ میں منشی احمد جان صاحب مرحوم کے مکان پر لی گئی اور اور یہی تاریخ جماعت کے باقاعدہ قیام کی سمجھی جانی چاہیئے۔ بیعت کے اعلان کے بعد خلائق کا رجوع آپ کی طرف اور بھی زیادہ ہوا اور بہت سے لوگوں نے آپ کی بیعت کی۔ آپؑ کے علم و فضل، آپؑ کے زہد و تقوےٰ، آپ کے صاحب حال اور ملہم من اللہ ہونے کا شہرہ دور و نزدیک ہو چکا تھا اور علماء ہر طرح آپ کی طرف رجوع کر رہی تھی۔ کہ یکایک آپ نے ۱۸۹۰ء میں مسیح موعود ہونے کا دعوےٰ کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے الہام کے ذریعہ آپ پر ظاہر کیا ہے کہ مسیح ابنِ مریم فوت ہو چکا ہے اور آنے والا موعود جس کی تفصیل احادیثِ صحیحہ میں آئی ہے وہ آپ ہی ہیں اور آسمان سے کوئی اترنے والا نہیں ہے۔ اس اعلان اور اس کے ساتھ ہی آپ کی کتب "فتح اسلام" اور "توضیح مرام" کی اشاعت کے بعد ایک زبردست طوفان مخالفت کا اُٹھا اور اور وہ لوگ جو اس سے قبل آپ کے مداح اور آپ کی تعریف میں رطب اللسان تھے آپ کے دشمن بن گئے اور کئی بیعت کنندگان کو بھی ٹھوکر لگی۔ ان مخالفین میں پیش پیش مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی تھے اور انہوں نے یہ اعلان کیا کہ انہوں نے ہی مرزا صاحب کا رتبہ اونچا کیا تھا اور وہی اب مرزا صاحب کو گرائیں گے۔ چنانچہ مولوی صاحب نے حضرت مرزا صاحب پر کفر کا فتوےٰ لگایا اور سارے ملک میں پھر کر بڑے بڑے علماء سے اس فتوےٰ پر مہر تصدیق ثبت کرائی۔

## پہلا سالانہ جلسہ

حضرت اقدس نے ۱۸۹۱ء میں جلسہ سالانہ کی بنیاد رکھی اور پہلا سالانہ جلسہ ۲۷-۲۸-۲۹ دسمبر ۱۸۹۱ء کو قادیان میں منعقد ہوا۔ آپ نے ان سالانہ جلسوں پر مداومت کرنے کے لئے اور ان جلسوں کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے ۱۸۹۱ء میں ایک اعلان شائع فرمایا جو آپ کی کتاب "فیصلہ آسمانی" کے ساتھ شائع شدہ موجود ہے اور وہ حسب ذیل ہے:۔

"اور چونکہ ہر ایک کے لئے بباعث ضعفِ فطرت یا کمئ مقدرت یا بعد مسافت یہ میسر نہیں آ سکتا کہ وہ صحبت میں آ کر رہے یا چند دفعہ سال میں تکلیف اُٹھا کر ملاقات کے لئے آوے.....

لہذا قرینِ مصلحت معلوم ہوتا ہے کہ سال میں تین روز ایسے جلسہ کے لئے مقرر کئے جائیں جس میں تمام مخلصین اگر خدا تعالیٰ چاہے بشرطِ صحت و فرصت و عدمِ موانع قویہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو سکیں۔ سو میرے خیال میں بہتر ہے کہ وہ تاریخ ۲۷ دسمبر سے ۲۹ دسمبر تک قرار پائے۔ یعنی آج کے دن کے بعد جو ۳۰ دسمبر ۱۸۹۱ء ہے آئندہ اگر ہماری زندگی میں ۲۷ دسمبر کی تاریخ آ جاوے تو حتی الوسع تمام دوستوں کو محض للہ ربانی باتوں کو سننے کے لئے اور دعا میں شریک ہونے کے لئے اس تاریخ پر آ جانا چاہیئے۔ اور اس جلسہ میں ایسے حقائق و معارف کے سنانے کا شغل رہے گا جو ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہیں۔ اور نیز ان دوستوں کے لئے خاص دعائیں اور خاص توجہ ہوگی۔ اور حتی الوسع بدرگاہ ارحم الراحمین کوشش کی جائے گی کہ خدا تعالےٰ اپنی طرف ان کو کھینچے اور اپنے لئے قبول کرے اور پاک تبدیلی ان میں بخشے اور ایک عارضی فائدہ ان جلسوں میں یہ بھی ہوگا کہ ہر ایک نئے سال میں جس قدر نئے بھائی اس جماعت میں داخل ہوں گے وہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو کر اپنے پہلے بھائیوں کے منہ دیکھ لیں گے اور روشناسی ہو کر آپس میں رشتۂ تودد و تعارف ترقی پذیر ہوتا رہے گا۔ اور جو بھائی اس عرصہ میں اس سرائے فانی سے انتقال کر جائے گا اس جلسہ میں اس کے لئے دعائے مغفرت کی جائے گی۔ اور تمام بھائیوں کو روحانی طور پر ایک کرنے کے لئے اور ان کی خشکی اور اجنبیت اور نفاق کو درمیان سے اُٹھا دینے کے لئے بدرگاہ حضرت عزت جلّ شانہٗ کوشش کی جائے گی۔ اور اس روحانی جلسہ میں اور بھی کئی روحانی فوائد اور منافع ہوں گے جو انشاء اللہ القدیر وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہیں گے........ الخ"

۱۸۹۱ء کے پہلے سالانہ جلسہ میں صرف پچھتر ۷۵ احباب شریک ہوئے اور ۱۸۹۲ء کے جلسہ میں تین سو ستائیس (۳۲۷) احباب نے شمولیت فرمائی۔ جن سب کے نام "آئینہ کمالات اسلام" میں درج ہیں اور پھر ہر سال یہ تعداد بڑھتی گئی۔ ۱۸۹۲ء کے جلسہ میں حاضرین کی تعداد کو اللہ تعالےٰ کی نصرت و تائید کا نشان سمجھا گیا۔ کیونکہ یہ سخت مخالفت کا زمانہ تھا اور مخالفین کی تگ و دو کا لازمی اثر یہ ہونا چاہیئے تھا کہ یہ تعداد ۷۵ سے بھی کم ہو جاتی چہ جائیکہ یہ بڑھ کر پانچ گنا ہو گئی۔ اس موقع پر حضرت اقدس کی طرف سے ایک مختصر سا اشتہار "ناظرین کی توجہ کے لائق" عنوان سے شائع ہوا جو کتاب "آئینہ کمالاتِ اسلام" میں درج ہے اور حسبِ ذیل ہے:۔

"اس بات کے سمجھنے کے لئے کہ انسان اپنے منصوبوں سے خدا تعالےٰ کے کاموں کو روک نہیں سکتا۔ یہ نظیر نہایت تشفی بخش ہے کہ سال گذشتہ میں جب ابھی فتوےٰ تکفیر میاں بٹالوی صاحب کا تیار نہیں ہوا تھا اور نہ انہوں نے کچھ بڑی جد و جہد اور جانکنی کے ساتھ اس عاجز کے کافر ٹھہرانے کے لئے توجہ فرمائی تھی صرف ۷۵ احباب اور مخلصین تاریخ جلسہ پر قادیان میں تشریف لائے تھے۔ مگر اب جبکہ فتوےٰ تیار ہو گیا اور بٹالوی صاحب نے ناخنوں تک زور لگا کر اور آپ بصد مشقت ہر جگہ پہنچ کر اور سفر کی ہر روز مصیبتوں سے کوفتہ ہو کر اپنے ہم خیال علماء سے اس فتوےٰ پر مہریں ثبت کرائیں اور وہ اور ان کے ہم مشرب علماء بڑے ناز اور خوشی سے اس بات کے مدعی ہوئے کہ گویا اب اُنہوں نے اس الٰہی سلسلہ کی ترقی میں بڑی بڑی روکیں ڈال دی ہیں۔ تو اس سالانہ جلسہ میں بجائے پچھتر ۷۵ کے (۳۲۷) تین سو ستائیس احباب شامل جلسہ ہوئے اور ایسے صاحب بھی تشریف لائے جنہوں نے توبہ کر کے بیعت کی۔ اب سوچنا چاہیئے کہ کیا یہ خدا تعالےٰ کی عظیم الشان قدرتوں کا ایک نشان نہیں کہ بٹالوی صاحب اور ان کے ہم خیال

علماء کی کوششوں کا اُلٹا نتیجہ نکلا اور وہ سب کوششیں برباد گئیں۔ کیا یہ خدا تعالےٰ کا فعل نہیں کہ میاں بٹالوی کے پنجاب اور ہندوستان میں پھرتے پھرتے پاؤں بھی گھس گئے لیکن انجام کار خدا تعالےٰ نے ان کو دکھلا دیا کہ کیسے اس کے ارادے انسان کے ارادوں پر غالب ہیں۔ واللہ غالب علیٰ امرہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔ اس سال میں خدا تعالےٰ نے دو نشان ظاہر کئے۔ ایک بٹالوی کا اپنی کوششوں میں نامراد رہنا دوسری اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا نشان جو "نور افشاں" ۱۰ مئی ۱۸۸۸ء میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ اب بھی بہتر ہے کہ بٹالوی صاحب اور ان کے ہم مشرب باز آ جائیں اور خدائے تعالیٰ سے لڑائی نہ کریں۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔" مطبوعہ ریاض ہند پریس قادیان۔

## دوسرے جلسہ کی مختصر کیفیت

دوسرا سالانہ جلسہ بھی ۲۷ تا ۲۹ دسمبر ۱۸۹۲ء منعقد ہوا۔ بیرونجات سے تشریف لانے والے احباب کی تعداد تین سو تیائیس تھی اور کل حاضرین پانسوؔ کے قریب جمع ہوئے۔ کارروائی کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ سب سے اوّل حضرت مولٰنا حکیم نورالدین صاحب نے قرآن مجید کی ان آیات کریمہ کی تفسیر بیان فرمائی جن میں حضرت مریم صدیقہؑ کے صالح اور عفیفہ ہونے کا ذکر ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالےٰ کے احسانات اور افضال کا بیان ہے۔ حضرت مولٰنا موصوف نے قرآن مجید کے بہت سے حقائق و معارف بیان فرمائے جن کا حاضرین پر گہرا اثر ہوا اور آپ نے بڑی صفائی سے اس امر کا ثبوت دیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام سنّت اللہ کے موافق اس دار فانی سے انتقال فرما کر دارالنعیم میں پہنچ چکے ہیں اور ان کے زندہ ہونے کا خیال عبث اور باطل اور نصوص بیّنہ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کے سراسر مخالف ہے اور جن احادیث میں نزول کی خبر دی گئی ہے وہ نزول استعارہ کے رنگ میں ہے نہ کہ حقیقی نزول۔ اس تقریر کے بعد جناب سیّد حامد شاہ صاحب نے ایک قصیدہ مدحیہ سنایا۔ اور پھر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے مختصر تقریر فرمائی۔ سب سے اوّل حضرت اقدسؑ نے مخالف علماء کی ان باتوں کا جواب دیا۔ جنہیں وجہ تکفیر بتایا گیا ہے اور پھر اپنے مسیح موعودؑ ہونے کا آسمانی نشانوں سے ثبوت پیش کیا اور حاضرین کو اس پیشگوئی کے پورا ہونے سے اطلاع دی گئی جو اخبار نور افشاں مؤرخہ دہم مئی ۱۸۸۸ء میں شائع ہوئی تھی۔ نیز آپ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے دعوےٰ منجانب اللہ ہونے میں کاذب ہو اس کی پیشگوئی بموجب تعلیم قرآن کریم اور توریت کے سچی نہیں ٹھہر سکتی کیونکہ اس سے خلق اللہ دھوکا میں پڑتی ہے۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے اپنی جماعت کے احباب کو باہمی محبت و اخوت اور تقوےٰ و طہارت کے بارہ میں نصائح فرمائیں۔

اگلے روز یعنی ۲۸ دسمبر کو یورپ اور امریکہ کی دینی ہمدردی کے لئے معززین حاضرین نے اپنی اپنی رائے پیش کی اور یہ قرار پایا کہ ایک رسالہ جو اہم ضروریات اسلام کا جامع اور عقائد اسلام کو خوبصورت اور معقول رنگ میں پیش کرتا ہو شائع کیا جائے اور یورپ اور امریکہ میں اسے کثرت سے تقسیم کیا جائے۔ نیز قادیان میں اپنا مطبع قائم کرنے کی تجویز پیش ہوئی اور ایسے اصحاب کی فہرست مرتب ہوئی جو اعانت مطبع کے لئے چندہ دیا کریں گے۔ یہ بھی قرار پایا کہ ایک اخبار اشاعت اور ہمدردی اسلام کے لئے جاری کیا جائے۔ اور یہ بھی تجویز ہوا کہ مولٰنا سیّد محمد احسن صاحب امروہی اس سلسلہ کے واعظ مقرر ہوں اور وہ پنجاب اور ہندوستان میں دورہ کریں۔ اس کے بعد دعائے خیر کی گئی اور طے پایا کہ آئندہ بھی اس جلسہ سالانہ کے یہی مقاصد رہیں گے یعنی اشاعت اسلام اور ہمدردی نو مسلمین امریکہ و یورپ کے لئے احسن تجاویز سوچنا

اور دنیا میں نیک چلنی و نیک نیتی اور تقوےٰ و طہارت اور اخلاقِ حسنہ اور شعائرِ اسلامی کو ترقی دینے کے ذرائع اختیار کرنا اور رسوم قبیحہ کو مسلمانوں میں سے دُور کرنے اور حکومت کے شکر گذار اور قدر دان بننے کی کوشش کرنا۔ ان اغراض کے پورا کرنے اور دیگر انتظامات کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی گئی جس کے صدر حضرت مولٰنا نورالدین صاحب اور سیکرٹری مرزا خدا بخش صاحب اور ممبران شیخ رحمت اللہ صاحب میونسپل کمشنر گجرات، منشی غلام قادر صاحب فصیح وائس پریزیڈنٹ میونسپل کمیٹی سیالکوٹ اور مولٰنا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی قرار پائے۔ (ماخوذ از آئینہ کمالاتِ اسلامؑ)

انہی ابتدائی جلسوں میں سے ایک جلسہ کی کیفیت پیر سراج الحق نعمانی صاحب نے لکھی جس کا خلاصہ "مجدّدِ اعظمؑ" میں اس طرح درج ہے کہ جلسہ سالانہ میں حضرت اقدس کے احباب خاصی تعداد میں قادیان حاضر ہوئے علاوہ مخالفوں کے یا ان کے جو حسنِ ظن رکھتے تھے۔ اس وقت بجائے اسٹیج کے ایک اونچا چوبی تخت بچھایا گیا جس پر قالین کا فرش تھا اور حضرت اقدسؑ تقریر کرنے کے لئے اس پر جلوہ افروز ہوئے۔ چاروں طرف آپ کے احباب حضرت مولٰنا نورالدین علیہ الرحمۃ۔ مولوی برہان الدین صاحب جہلمی، مولٰنا سیّد محمد احسن صاحب امروہی، اور پیر سراج الحق صاحب نعمانی اور دیگر بزرگ یوں تشریف رکھتے تھے جیسے چاند کے گرد ستارے۔ آپ نے اس وقت اپنی کتاب "توضیح مرام" کا وہ مقام نکالا جس میں ملائکہ پر بحث تھی اور مولویوں نے اپنی نادانی سے اس پر اعتراض کیا تھا اور تقریر شرح و بسط سے فرمائی جو اس قدر پُر معارف تھی کہ مولٰنا سیّد محمد احسن صاحب امروہی پر بہت رقّت طاری ہوئی جس سے تمام حاضرین کے دل پگھل گئے اور سب پر عجیب و غریب کیفیت طاری ہو گئی اور بعض کے دلوں میں جو شک و شبہ تھے وہ سب نکل گئے۔

## جماعتِ لاہور کے ابتدائی جلسے

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی بنیاد ۱۹۱۴ء میں رکھی گئی اور اس چھوٹی سی جماعت کے ابتدائی جلسوں کی بھی وہی کیفیت تھی کہ شروع میں بہت مختصر اجتماع ہوتا تھا۔ باہر سے آنے والے مہمان احمدیہ بلڈنگس کے چند گھروں میں سما جاتے تھے۔ اس وقت نہ سکول کی عمارت تھی اور نہ کوئی بڑا مہمان خانہ تھا۔ مسجد جلسہ گاہ تھی اور خورد و نوش کا سارا انتظام حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم و مغفور کے مکان کی زیرین منزل میں ہوتا تھا۔ صحن میں کھانا پکتا تھا، اور دو کمروں میں سب مہمانوں کو کھلا دیا جاتا تھا۔ سب لوگ فرش پر بیٹھ کر کھانا کھاتے اور مٹی کے آبخوروں میں پانی پیتے تھے۔ آہستہ آہستہ جب مہمانوں کی تعداد بڑھنے لگی تو اسلامیہ کالج کی عمارت میں سے دو تین کمرے مہمانوں کی رہائش کے لئے مل جاتے اور پھر اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے ۱۹۲۲ء میں ایک وسیع سہ منزلہ عمارت اسلامیہ کالج سے ملحق مسلم ہائی سکول کے لئے دے دی اور مہمانوں کے لئے آسائش کی جگہ میسر آ گئی۔ ۱۹۲۵ء میں سکول کی نئی عمارت احمدیہ بلڈنگس میں تعمیر ہوئی جو قریباً نصف صدی تک بطور جلسہ گاہ اور مہمانوں کے قیام کے لئے استعمال ہوتی رہی اور اب پروردگار کی عنایت سے "دارالسّلام" جیسی پُر فضا اور پُرسکون جگہ میسر آ گئی ہے۔ سب سے پہلا سالانہ جلسہ اتنا مختصر تھا کہ جلسہ پر جمع شدہ چندہ کی کل میزان تین ہزار آٹھ سو چالیس روپے (۳۸۴۰) تھی۔ جس میں سے صرف ڈیڑھ ہزار روپیہ نقد وصول ہوا۔ اور باقی بصورت وعدہ جات۔ لیکن اللہ تعالےٰ کے فضل سے یہ ننھا سا پودا آہستہ آہستہ بڑھتا گیا اور اب اس کی جو کیفیت ہے وہ قارئین کرام کے سامنے ہے ۔
کزرع اخرج شطئہ فآزرہ فاستغلظ فاستوی علیٰ سوقہ یعجب الزراع لیغیظ بھم الکفار۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

جناب ممتاز احمد فاروقی صاحب۔ اسلام آباد

# تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہ

"اللہ" خداوند تعالیٰ کا ذاتی نام ہے۔ مگر اس کے صفاتی نام ننانوے[۹۹] شمار کئے جاتے ہیں۔ سب سے زیادہ جس انسان نے اللہ تعالیٰ کو اپنے اندر سمویا اور جس کا اُٹھنا بیٹھنا۔ سونا جاگنا کھانا پینا۔ چلنا پھرنا۔ بات چیت۔ اور ملاقات و سلوک اللہ تعالیٰ کے ارشادات کے مطابق اور اس کی رضا کی خاطر تھا وہ حضرت نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی۔ اور اس کی تصدیق خود جناب الٰہی نے فرمائی کہ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ کہ عوام الناس کے لئے سب سے بہتر نمونۂ حسنہ نبی کریم صلعم کی ذات۔ ان کے فرمان اور ان کے اعمال اور ان کے نمونہ پر گامزن ہونے سے ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام نے حضور کی صحبت سے مستفید ہو کر کامل ایمان او[ر کام]ل اتباع کا نمونہ دکھلایا۔ اور اللہ تعالیٰ سے السابقون الاولون من المھٰجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان۔ رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ (سورۃ التوبہ) کا سرٹیفکیٹ حاصل کیا۔ اسی مبارک گروہ میں۔ آیت واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم (سورۃ الجمعہ) کے ماتحت جہاں اور اولیاء کرام اور مجددین شامل ہیں۔ وہاں سب سے بڑھ کر چودھویں صدی ہجری کا مجدد اعظم (حضرت مرزا غلام احمدؑ) بھی ہے جس کو مسیح موعود اور مہدی معہود کے القاب سے بھی نوازا گیا۔ حضورؑ کے اصحاب میں بھی بڑے پائے کے اولیاء اللہ ہو گذرے ہیں۔ جن میں سے چند کے نام یہ ہیں۔ حضرت مولانا نورالدینؓ۔ حضرت مولوی محمد احسن امروہیؓ۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ۔ حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید۔ حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ۔ حضرت خواجہ کمال الدین صاحبؒ۔ حضرت سید اسد اللہ شاہ صاحبؒ اور دیگر اصحاب جو نہ صرف خود ہدایت یافتہ تھے بلکہ اور بہت سے لوگوں کی ہدایت کا باعث بنے اور جن میں سے ہم لوگ اپنے آپ کو شمار کرتے ہیں۔ ہمارے بزرگ تو "صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ" کے مصداق بنے۔ اب ہماری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ ہم بھی اُن کے نقش قدم پر چل کر فلاحِ دارین حاصل کر سکیں۔ یہاں میں حضرت مسیح موعودؑ کی کتاب "کشتیٔ نوح" سے حضور کے چند ایک ارشادات لکھتا ہوں:۔

## ارشادات مسیح موعودؑ

(۱) "واضح رہے کہ صرف زبان سے بیعت کا اقرار کرنا کچھ چیز نہیں ہے جب تک دل کی عزیمت سے اس پر پُورا پورا عمل نہ ہو۔ پس جو شخص میری تعلیم پر پورا پورا عمل کرتا ہے وہ میرے اس گھر میں داخل ہو جاتا ہے جس کی نسبت خدا تعالیٰ کے کلام میں یہ وعدہ ہے۔ کہ انی احافظ کل من فی الدار۔ یعنی ہر ایک جو تیرے گھر کی چار دیواری کے اندر ہے میں اس کو بچاؤں گا۔ اس جگہ یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ وہی لوگ میرے گھر کے اندر ہیں جو میرے اس خاک و خشت کے گھر میں بود و باش رکھتے ہیں بلکہ وہ لوگ بھی جو میری پوری پوری پیروی کرتے ہیں میرے روحانی گھر میں داخل ہیں۔"

(۲) "...... سو تم مصیبت کو دیکھ کر اور بھی قدم آگے رکھو کہ یہ تمہاری ترقی کا ذریعہ ہے اور اس کی توحید زمین پر پھیلانے کے لئے اپنی تمام طاقت سے کوشش کرو۔ اور اس کے بندوں پر رحم کرو اور ان پر زبان یا ہاتھ یا کسی تدبیر سے ظلم نہ کرو۔ اور مخلوق کی بھلائی کے لئے کوشش کرتے رہو۔ اور کسی پر تکبر نہ کرو گو اپنا ماتحت ہو۔ اور کسی کو گالی مت دو گو وہ گالی دیتا ہو۔ غریب اور حلیم اور نیک نیت اور مخلوق کے ہمدرد بن جاؤ تا قبول کئے جاؤ"

(۳) "...... سو تم آپس میں جلد صلح کرو اور اپنے بھائیوں کے گناہ بخشو۔ کیونکہ شریر ہے وہ انسان کہ جو اپنے بھائی کے ساتھ صلح پر راضی نہیں۔ وہ کاٹا جائے گا کیونکہ وہ تفرقہ ڈالتا ہے۔ تم اپنی نفسانیت ہر ایک پہلو سے چھوڑ دو اور باہمی ناراضگی جانے دو۔ اور سچے ہو کر جھوٹے کی طرح تذلّل اختیار کرو تا تم بخشے جاؤ۔"

(۴) "...... نجات یافتہ کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے کہ خدا سچ ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے۔ اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے۔ اور نہ قرآن کے ہم مرتبہ کوئی اور کتاب ہے۔ اور کسی کے لئے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے۔ مگر یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کے لئے زندہ ہے۔ اور اس کے ہمیشہ زندہ رہنے کے لئے خدا نے یہ بنیاد ڈالی ہے کہ اس کے افاضہ تشریعی اور روحانی کو قیامت تک جاری رکھا اور آخرکار اس کی روحانی فیض رسانی سے اس مسیح موعودؑ کو دنیا میں بھیجا جس کا آنا اسلامی عمارت کی تکمیل کے لئے ضروری تھا۔"

(۵) "اے وہ لوگو جو میری جماعت میں ہو! ...... ضرور ہے کہ انواعِ رنج و مصیبت سے تمہارا امتحان بھی ہو جیسا کہ پہلے مومنوں کے امتحان ہوئے۔ سو خبردار رہو ایسا نہ ہو کہ ٹھوکر کھاؤ زمین تمہارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتی اگر تمہارا آسمان سے پختہ تعلق ہے۔ جب کبھی تم اپنا نقصان کرو گے تو اپنے ہاتھوں سے نہ کہ دشمن کے ہاتھوں سے۔ اگر تمہاری زمینی عزت ساری جاتی رہے تو خدا تمہیں ایک لازوال عزت آسمان پر دے گا۔ سو تم اس کو مت چھوڑو۔ اور ضرور ہے کہ تم دکھ دیئے جاؤ اور اپنی کئی امیدوں سے بے نصیب کئے جاؤ۔ سو ان صورتوں سے تم دلگیر مت ہو کیونکہ تمہارا خدا تمہیں آزماتا ہے کہ تم اس کی راہ میں ثابت قدم ہو یا نہیں؟ اگر تم چاہتے ہو کہ آسمان پر فرشتے بھی تمہاری تعریف کریں تو تم ماریں کھاؤ اور خوش رہو۔ اور گالیاں سنو اور شکر کرو۔ اور ناکامیاں دیکھو اور پیوند مت توڑو۔ تم خدا کی آخری جماعت ہو سو وہ عمل نیک دکھلاؤ جو اپنے کمال میں انتہائی درجہ پر ہوں...... میں بہت خوشی سے خبر دیتا ہوں کہ تمہارا خدا درحقیقت موجود ہے۔ اگرچہ سب اس کی مخلوق ہے لیکن وہ اس شخص کو چن لیتا ہے جو اس کو چنتا ہے...... تم اپنے دلوں کو سیدھے کر کے اور زبانوں اور آنکھوں اور کانوں کو پاک کر کے اس کی طرف آجاؤ کہ وہ تمہیں قبول کرے گا۔"

(۶) "کون میری جماعت میں ہے اور کون نہیں؟ ان سب باتوں کے بعد پھر میں کہتا ہوں کہ یہ مت خیال کرو کہ ہم نے ظاہری طور پر بیعت کر لی ہے۔ ظاہر کچھ چیز نہیں۔ خدا تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے اور اسی کے موافق تم سے معاملہ

کرتا.......... جو شخص جھوٹ اور فریب کو نہیں چھوڑتا وہ
دنیا پر مقدم نہیں رکھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔
........ جو شخص اپنے ہمسایہ کو ادنےٰ ادنےٰ خیر
سے بھی محروم رکھتا ہے وہ میری جماعت سے نہیں
ہے۔ جو شخص نہیں چاہتا کہ اپنے قصور وار کا گناہ بخشے
اور کینہ پرور آدمی ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں
ہے۔....... اور جو شخص امور معروف میں میری اطاعت
کرنے کے لئے تیار نہیں ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں
ہے۔ اور جو شخص مخالفوں کی جماعت میں بیٹھتا ہے اور ان کی
ہاں میں ہاں ملاتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے
.......کیا ہی خوش قسمت وہ لوگ ہیں جو اپنے دلوں کو
صاف کرتے ہیں اور اپنے دلوں کو ہر ایک آلودگی سے پاک
کر لیتے ہیں۔ اور اپنے خدا سے وفاداری کا عہد باندھتے ہیں۔
کیونکہ وہ ہرگز ضائع نہیں کئے جائیں گے۔ ممکن نہیں کہ خدا
ان کو رسوا کرے۔ کیونکہ وہ خدا کے ہیں اور خدا ان کا، وہ
ہر ایک بلا کے وقت بچائے جائیں گے۔"

(۷) "......... ہر ایک امیر خدا کے حقوق اور
انسانوں کے حقوق سے ایسا ہی پوچھا جائے گا جیسا
ایک فقیر۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ پس کیا ہی بدقسمت
وہ شخص ہے جو اس مختصر زندگی پر بھروسہ کرکے بکلی خدا
سے منہ پھیر لیتا ہے اور خدا کے حرام کو ایسی بے باکی سے
استعمال کرتا ہے کہ گویا وہ حرام اس کے لئے حلال ہے
غصہ کی حالت میں دیوانوں کی طرح کسی کو گالی۔ کسی کو زخمی
اور کسی کو قتل کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اور شہوات
کے جوش میں بے حیائی کے طریقوں کو انتہا تک پہنچا دیتا
ہے۔ سو وہ سچی خوشحالی کو نہیں پائے گا۔"

## حضرت مسیح موعودؑ کی وصیت

حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے ایک خط یا تحریر میں جو صدر انجمن
احمدیہ قادیان کو مؤرخہ ۲۷ر اکتوبر ۱۹۰۷ء کو لکھ کر دی (جس کا عکس
کتاب مجدد اعظم جلد دوم بالمقابل صفحہ ۱۰۴۲ اور مطبوعہ رسالہ
الوصیت ۱۹۱۴ء صفحہ ۲۵ (ناشر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور)
پر دیا گیا ہے) جس میں اپنے بعد ہر ایک امر میں انجمن کو اپنا جانشین اور
اس کے فیصلوں اور اجتہاد کو کافی قرار دیا۔ واضح ہو کہ حضرت
مسیح موعودؑ کی جملہ تحریرات اور الہامات میں کہیں بھی اپنے
بعد "خلافت" کے قیام کا ذکر نہیں۔ اور جماعت کے جملہ بزرگوں
کو تلقین کی ہے کہ جس احمدی شخص پر چالیس مؤمن احمدی (کم از کم)
اتفاق کر لیں کہ وہ اس کا اہل ہے۔ وہ آپ کے بعد آپ کے نام
پر لوگوں سے بیعت لیں۔ پھر الوصیت میں لکھتے ہیں:

(الف) "سو تم خدا کی قدرت ثانیہ کے انتظار میں اکٹھے ہو کر دعائیں
کرتے رہو اور چاہیئے کہ ہر ایک صالحین کی جماعت ہر ایک
ملک میں اکٹھے ہو کر دعا میں لگے رہیں تا دوسری قدرت
آسمان سے نازل ہو اور تمہیں دکھا دے کہ تمہارا خدا ایسا
قادر خدا ہے۔"

(ب) "اور چاہیئے کہ جماعت کے بزرگ جو نفس پاک رکھتے ہیں
میرے نام پر میرے بعد لوگوں سے بیعت لیں۔ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان تمام روحوں کو
جو زمین کی متفرق آبادیوں میں آباد ہیں۔ کیا یورپ اور کیا ایشیا۔ ان سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں۔ توحید کی طرف کھینچے اور اپنے بندوں کو دین واحد
پر جمع کرے۔ یہی خدا تعالیٰ کا مقصد ہے جس کے لئے میں
دنیا میں بھیجا گیا ہوں۔ سو تم اس مقصد کی پیروی کرو۔ مگر نرمی
اخلاق اور دعاؤں پر زور دینے سے اور جب تک کوئی خدا سے
روح القدس پا کر کھڑا نہ ہو، سب میرے بعد مل کر کام کرو۔"

## حضرت مسیح موعودؑ کے اصلی پیرو

حضرت مرزا صاحب کے بعد حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ ان کے
جانشین چنے گئے۔ مگر اصلی کرتا دھرتا صدر انجمن احمدیہ قادیان (اس کے
چودہ ممبر تھے اور ان کے پریذیڈنٹ مولانا نورالدین صاحب تھے۔) ہی
تھی۔ مولانا نورالدین صاحبؓ کی وفات کے بعد سلسلہ احمدیہ میں تفرقہ پڑ گیا اور اس
کے دو فریق ہو گئے۔ ایک فریق قادیان میں رہا (اور ۱۹۴۷ء میں بروہ
پاکستان میں آ گیا) اور دوسرا فریق احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی
شکل میں سامنے آیا۔ اس کے پریذیڈنٹ مولانا محمد علی صاحبؒ تھے۔ اس
معاملے پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور اسے یہاں دہرانا غیر ضروری ہے
ویسے مختصراً میں نے اپنی کتاب "فتح حق" میں اس پر بحث کی ہے۔ مگر اس سے
زیادہ مفصل اور بہتر بحث کتاب "النبوۃ فی الاسلام" (مصنفہ مولانا
محمد علی صاحب) میں کی گئی ہے۔ بہرحال ہر ایک فریق اپنے اپنے طور پر
خدمت دین میں مصروف ہے۔ میں یہاں صرف اپنی انجمن کے کاموں کے
متعلق کچھ لکھوں گا۔

بعض غلطی خوردہ علمائے اسلام کے شر انگیز پروپیگنڈا سے متاثر
ہو کر حکومت پاکستان نے حضرت مرزا صاحب کے تمام مریدوں کو غیر مسلم
اقلیت قرار دے دیا۔ اگرچہ جہاں تک احمدیہ انجمن اشاعت اسلام
لاہور کا تعلق ہے۔ وہ ۱۹۱۴ء سے ختم نبوت کا پرچار کر رہی ہے۔
اور حضرت مرزا صاحب کو ان کو صحیح مقام مجددیت پر ہی رکھا ہے۔ عزت،
کے القاب جناب الٰہی سے ان کو اور بھی دیئے گئے مگر مقام مجددیت
ہی رہا۔ اور تمام ہندوستان بلکہ دنیا بھر کے مسلمانوں نے لاہوری
جماعت احمدیہ اور اس کے تبلیغی مشنوں کو اصل اسلامی مشن قرار دیا۔ اور
ہمارے کاموں میں شریک بھی ہوئے۔ بڑے بڑے مسلم اکابرین کی آراء متعدد
بار شائع کی جا چکی ہیں۔ کہ جماعت احمدیہ لاہور صحیح معنوں میں اسلامی
اور تبلیغی انجمن ہے۔ مگر ابھی تک یہ صدا، صدائے صحرا ثابت ہوئی
ہے۔ اب جبکہ مقامی حالات ناموافق ہو گئے ہیں۔ چاہے یہ عارضی ہی ہوں۔
تو اب ہماری تبلیغی کوششوں کو بیرونی ممالک کی طرف پھیرنا ضروری ہے
تاکہ اُن مسلموں اور غیر مسلموں میں جو مقامی پروپیگنڈا سے متاثر نہیں ہیں
ہم اشاعت اسلام اور خدمت دین کر سکیں۔ اس وقت انجمن کے وائس
پریذیڈنٹ جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب۔ انگلستان۔ ہالینڈ۔ جرمنی
اور جزائر غرب الہند اور امریکہ کے دورے سے حال ہی میں واپس تشریف لائے
ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مشن تبلیغ اسلام میں انہیں کامیاب و بامراد
فرمایا ہے۔ اور آپ کے اس دورہ سے بڑے مثبت، مفید اور دور رس
نتائج برآمد ہونے کی توقع ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

## انجمن کی مجالس

مجھے نمائندگانِ جماعت سے بھی کچھ کہنا ہے کہ احمدی جماعتوں کے جو

نمائندے منتخب ہو کر انجمن کی مجلسوں اور میٹنگوں میں شامل ہوں۔ وہ بات کرتے وقت حفظِ مراتب کا ضرور خیال رکھیں۔ ہر کارروائی کے کچھ قواعد اور اُصول ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کا لحاظ رکھیں اور ان پر عمل کریں۔ نیز جو فیصلہ انجمن کا کثرت رائے سے ہو جائے اس کا احترام کریں اور دل سے قبول کریں جہاں امرھم شوریٰ بینھم کا حکم الٰہی ہے، وہاں مؤمنین کو رحماء بینھم کی صفت سے بھی موصوف کیا گیا ہے۔ اور قولوا للنّاس حُسنا کا حکم بھی ہے۔

اس سلسلہ میں ایک اور فرمانِ الٰہی بھی ہے جس میں ایک سچے مؤمن کی قلبی حالت

"ربّنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان"

کا ذکر ہے۔

"ولا تجعل فی قلوبنا غلاً للذین اٰمنوا ربّنا انک رؤف الرحیم (الحشر ۱۰)

(اور وہ جو ان کے بعد آئے کہتے ہیں۔ ہمارے ربّ ہماری مغفرت فرما اور ہمارے بھائی جو ایمان لانے میں ہم سے سبقت لے گئے اور ہمارے دلوں میں ان کے لئے حسد نہ پیدا ہونے دے۔ اے ربّ تو مہربان رحم کرنے والا ہے)

## فرمانِ رسُول

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

(۱) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے۔ ایک شخص نے رسول اللہ صلعم سے دریافت کیا مسلمانوں میں سب سے اچھا کون ہے؟ آپ نے فرمایا وہ شخص جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔ (بخاری و مسلم)

(۲) عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا تم میں نیک ترین وہ شخص ہے جس کا اخلاق اچھا ہے۔ (بخاری و مسلم)

(۳) ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ مؤمنین میں ایمان کے کامل وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔
(ابوداؤد۔ ترمذی)

(۴) ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم صحابہ سے پوچھا۔ تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسُول بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ تو ذکر کرنا اپنے مسلمان کا ایسی باتوں کے ساتھ جو اس کو بُری معلوم ہوں (غیبت ہے) پوچھا گیا اگر میرے بھائی کے اندر وہ برائی موجود ہو جس کا میں نے ذکر کیا تب بھی اس کو غیبت کہا جائے گا۔ آپؐ نے فرمایا اگر وہ برائی موجود ہو جس کا تو نے ذکر کیا تو تو نے اس کی غیبت کی۔ اگر وہ برائی اس میں موجود نہ ہو تو تو نے اس پر بہتان لگایا۔
(بخاری و مسلم)

(۵) ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں مجھ سے رسول اللہ صلعم نے فرمایا:۔
خدا تعالےٰ سے ڈر جہاں کہیں تو ہو اور برائی کے بعد بھلائی کر تاکہ نیکی و بھلائی، برائی کو محو کر دے اور لوگوں کے ساتھ خوش خلقی کے ساتھ معاملہ کر۔ (احمد، ترمذی۔ دارمی)

## ایک سبق آموز واقعہ

جو واقعہ میں بیان کرنے لگا ہوں اس کی پہلے کبھی اشاعت نہیں ہوئی۔ اس واقعہ کے پانچ حصہ لینے والوں میں اس وقت حضرت میر مولینا صدرالدین صاحب بقید حیات ہیں۔ اور اس کا صرف میں واحد شاہد تھا۔ یہ دسمبر ۱۹۲۷ء کا واقعہ ہے۔ جب فاروق لارڈ ہیڈلے لاہور تشریف لائے تھے۔ ان دنوں میں ایک دن ووکنگ مشن کے معاملے پر بحث کے لئے مولانا محمد علی صاحب امیر قوم کے دفتر (احمدیہ بلڈنگس) میں ایک میز کے گرد۔ ایک طرف خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم اور سر عباس علی بیگ (جو مسجد ووکنگ کی منتظمہ کمیٹی کے ممبر تھے) بیٹھے تھے۔ ان کے بالمقابل لارڈ ہیڈلے اور مولانا محمد علی صاحب بیٹھے تھے۔ اور میز کی سرے پر مولانا صدرالدین صاحب بیٹھے تھے۔ چائے اور ماکولات میز پر لگی تھیں اور میں چائے وغیرہ پلانے پر مامور تھا۔ بحث اور گفتگو کے دوران کچھ گرمی پیدا ہو گئی۔ اور عباس علی بیگ۔ مولانا محمد علی صاحب کو (امیر قوم اور بہ حیثیت پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام جس کے ساتھ ووکنگ مشن ملحق کر دیا گیا تھا) بار بار "محمد علی" "محمد علی" کہہ کر مخاطب ہو رہے تھے۔ وہ کسی امر پر وکالت کر رہے تھے۔ جس میں خواجہ صاحب اور مولانا صدرالدین صاحب میں اختلاف تھا اور مولوی محمد علی صاحب کو جج کی حیثیت سے مخاطب کیا جا رہا تھا۔ حضرت امیر قوم خاموشی سے سُن رہے تھے۔ مگر عباس علی بیگ کے رویے اور "محمد علی" کہہ کر مخاطب کرنے پر جناب مولوی صدرالدین صاحب نے بآواز بلند عباس علی بیگ کو کہا۔ کہ وہ ایک جماعت کے امیر سے مخاطب ہیں اور اس لئے ادب ملحوظ رکھیں اور مناسب الفاظ سے مخاطب ہوں

ع　گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی

خیر بعد میں معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ مگر ہمارے لئے ایک سبق چھوڑ گیا۔

---

## جماعت کے ایک پُرانے مخلص بزرگ کی وفات

چوہدری غلام رسول صاحب مرحوم ہماری جماعت کے ایک نہایت مخلص اور عمر رسیدہ بزرگ تھے جو چھیانوے سال کی عمر میں چند روز قبل وفات پا گئے۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔

آپ نے ۱۸۹۳ء میں شمس و قمر کے کسوف و خسوف کا نشان دیکھ کر حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت کی تھی اور بارہا حضرت اقدسؑ کی زیارت کے لئے پاپیادہ اپنے گاؤں سے جو الہڑ ریلوے سٹیشن کے قریب ہے قادیان جایا کرتے تھے جو قریباً ساٹھ میل کا فاصلہ ہے۔ نمازِ جمعہ میں شمولیت کے لئے بھی آپ اکثر پیدل ہی سیالکوٹ جایا کرتے تھے جو پندرہ میل کے فاصلہ پر ہے۔ چند سال قبل جماعت سیالکوٹ کے سالانہ جلسہ پر یہ بزرگ تشریف لائے اور مجھے ان کی زیارت نصیب ہوئی اور بہت سے دیگر احباب بھی ان کے حالات سُن کر بہت محظوظ ہوئے۔ مجھے مخاطب کرتے ہوئے انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ قادیان کے سفر کے دوران وہ ایک آدھ دن کے لئے کلاور میں ضرور قیام کرتے تھے۔ جہاں راقم الحروف کے والد مرحوم انہیں باصرار ٹھہرایا کرتے تھے۔ اس پرانے تعلق خاطر کی وجہ سے راقم کے برادر خورد مرزا منظور احمد بیگ سے جنکا زمینداره ان کے گاؤں کے قریب ہے بہت میل جول رکھتے تھے۔ آپ احمدیت کے شاندار ماضی کا ایک قابلِ قدر نمونہ تھے۔ اللہ تعالےٰ انہیں غریقِ رحمت فرمائے اور ان کے درجات بلند کرے۔ آمین

مرحوم کی وفات کی خبر سُن کر چوہدری برکت اللہ صاحب راٹھور ایڈووکیٹ صدر جماعت سیالکوٹ شہر و شیخ نثار احمد صاحب صدر جماعت سیالکوٹ چھاؤنی اور مرزا منظور احمد بیگ ان کے گاؤں تشریف لے گئے اور مرحوم کے بیٹوں، پوتوں اور پڑپوتوں سے اظہارِ ہمدردی کیا۔ جُملہ احباب اور جماعتوں سے نماز جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

میرزا مسعود بیگ۔ سیکرٹری۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

مکرم جناب چوہدری مسعود اختر صاحب ایڈووکیٹ لاہور

# "جلسہ سالانہ کا مقصد" ــ اِصلاحِ خلق اللہ"

جلسۂ سالانہ کی آمد آمد ہے اور امید ہے احباب جماعت اس سالانہ اجتماع میں شمولیت کی تیاری میں مصروف ہوں گے۔

ہم خیال اور ہم مسلک لوگوں کا سالانہ اجتماع جہاں سال گذشتہ کی کارکردگی کا جائزہ لینے کے لئے ایک موقع فراہم کرتا ہے وہاں اپنے مسلک کو اور زیادہ بہتر طریق سے بڑھاوا دینے کی ترغیب کے لئے بھی ہوتا ہے لیکن ہمارا جلسہ سالانہ اس کے علاوہ ایک طرح سے اس عہد کی تجدید کا موقع بھی فراہم کرتا ہے جو ہم نے اس زمانہ کے امام کے ساتھ تعلق استوار کرنے کے وقت کیا تھا اور وہ عہد تھا "ہم دین کو دُنیا پر مقدم رکھیں گے" اور اپنی تمام کوششیں اسلام کے ادیانِ عالم پر غلبہ کے لئے صرف کر دیں گے جلسہ سالانہ ہمیں اپنے اس عہد کی تجدید اور ہمہ جہت کوشش کے لئے ہماری روحوں کو ایک تازہ غذا مہیا کرنے کا ایک ذریعہ ہے اور بنا بریں یہ عام اجتماعات اور عرسوں اور میلوں سے مختلف نوعیت کا اجتماع ہوتا ہے۔

سخت سردی کے دنوں میں سفر کی تکلیف برداشت کر کے اصحاب جماعت بزرگ اور جوان سال بچے اور خواتین اس اجتماع میں شمولیت کے لئے ملک کے دُور دراز علاقوں سے تشریف لاتے ہیں۔ موسم کی شدت اور سفر کی صعوبتیں ان کی راہ نہیں روک سکتیں۔ ذاتی آرام کو ایک مقصد اولےٰ کے لئے قربان کرنے والے یہ احمدی خواتین و حضرات قابلِ مُبارکباد ہیں کہ اللہ کی راہ میں قربانی دینا ہی اصل دین ہے۔

پہلا جلسہ سالانہ ۱۸۹۲ء میں قادیان میں ہوا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۸۹۳ء میں بوجوہ جلسہ سالانہ کے التواء کا فیصلہ کیا۔ التواء کے اس اعلان سے متعلق حضرت مجدد زمان کی تحریر میں جلسۂ سالانہ میں شمولیت کرنے والوں کے لئے روح کی غذا کا نہایت ہی عمدہ سامان موجود ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"اس جلسہ سے مدعا اور اصل مطلب یہ تھا کہ ہماری جماعت کے لوگ کسی طرح بار بار کی ملاقاتوں سے ایک ایسی تبدیلی اپنے اندر حاصل کر لیں کہ ان کے دل آخرت کی طرف بکلی جھک جائیں اور ان کے اندر خدا تعالےٰ کا خوف پیدا ہو اور وہ زہد اور تقوےٰ اور خدا ترسی اور پرہیزگاری اور نرم دلی اور باہم محبت اور مواخات میں دوسروں کے لئے ایک نمونہ بن جائیں اور انکسار اور تواضع اور راستبازی ان میں پیدا ہو۔ اور دینی مہمات کے لئے سرگرمی اختیار کریں۔ لیکن اس پہلے جلسے کے بعد ایسا اثر نہیں دیکھا گیا بلکہ خاص جلسہ کے دنوں میں ہی بعض کی شکایت سُنی گئی کہ وہ اپنے بعض بھائیوں کی بدخوئی سے شاکی ہیں اور بعض اس مجمع کثیر میں اپنے اپنے آرام کے لئے دوسرے لوگوں سے کج خلقی ظاہر کرتے ہیں گویا وہ مجمع ہی ان کے لئے موجب ابتلاء ہو گیا اور پھر میں دیکھتا ہوں کہ جلسہ کے بعد کوئی بہت عمدہ اور نیک اثرات اب تک اس جماعت کے بعض لوگوں میں ظاہر نہیں ہوئے۔ ........

....... اور یہ جلسہ ایسا تو نہیں کہ دنیا کے میلوں کی طرح خواہ نخواہ التزام اس کا لازم ہے بلکہ اس کا انعقاد صحت نیت اور حسنِ ثمرات پر موقوف ہے ورنہ بغیر اس کے ہیچ اور جب تک یہ معلوم نہ ہو اور تجربہ شہادت نہ دے کہ اس جلسہ سے دینی فائدہ یہ ہے اور لوگوں کے چال چلن اور اخلاق پر اس کا یہ اثر ہے تب تک ایسا جلسہ صرف فضول ہی نہیں بلکہ اس علم کے بعد کہ اس اجتماع سے نتائج نیک پیدا نہیں ہوتے ایک معصیت اور طریق ضلالت اور بدعت شنیعہ ہے میں ہرگز نہیں چاہتا کہ حال کے بعض پیرزادوں کی طرح صرف ظاہری شوکت دکھانے کے لئے اپنے مبائعین کو اکٹھا کروں بلکہ وہ علتِ غائی جس کے لئے میں حیلہ نکالتا ہوں اصلاح خلق اللہ ہے.....''

۱۸۹۳ء کا جلسہ سالانہ ملتوی کرنے کا فیصلہ حضرت اقدس نے ۹۲ء کے جلسہ سالانہ پر ناکافی انتظامات کی وجہ سے پیش آنے والے واقعہ کی روشنی میں کیا۔ بعض اصحاب نے جلسہ سالانہ ۱۸۹۲ء کے موقع پر چھوٹی چھوٹی باتوں مثلاً چارپائیوں یا اچھی جگہ ٹھہرنے کی خاطر دوسرے بھائیوں سے دلآزاری کا سلوک کیا جس کی شکایت حضرت اقدس کو پہنچی تو آپ کو بہت رنج ہوا۔ اس کا اظہار آپ نے ان الفاظ میں کیا:۔

"اخی مکرم حضرت مولانا نورالدین صاحب سلمہ تعالےٰ بارہا مجھ سے یہ تذکرہ کر چکے ہیں کہ ہماری جماعت کے اکثر لوگوں نے اب تک کوئی خاص اہلیت اور تہذیب اور پاک دلی اور پرہیزگاری اور للہی محبت باہم پیدا نہیں کی سو میں دیکھتا ہوں کہ مولوی صاحب موصوف کا یہ مقولہ بالکل صحیح ہے مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض حضرات جماعت میں داخل ہو کر اور اس عاجز سے بیعت کر کے اور عہد توبہ نصوح کر کے پھر بھی ویسے کج دل ہیں کہ اپنی جماعت کے غریبوں کو بھیڑیوں کی طرح دیکھتے ہیں وہ مارے تکبر کے سیدھے منہ اسلام علیک نہیں کر سکتے چہ جائیکہ خوش خلقی اور ہمدردی سے پیش آویں اور انہیں سفلہ اور خود غرض اس قدر دیکھتا ہوں کہ وہ ادنےٰ ادنےٰ خود غرضی کی بناء پر لڑتے اور ایک دوسرے سے دست بدامن ہوتے ہیں اور ناکارہ باتوں کی وجہ سے ایک دوسرے پر حملہ ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات گالیوں تک نوبت پہنچتی ہے اور دلوں میں کینے پیدا کر لیتے ہیں اور کھانے پینے کی قسموں پر نفسانی بحثیں ہوتی ہیں اور اگرچہ نجیب اور سعید بھی ہماری جماعت میں بہت بلکہ یقیناً دو سو سے زیادہ ہی ہیں جن پر خدا تعالیٰ کا فضل ہے جو نصیحتوں کو سُن کر روتے ہیں اور عاقبت کو مقدم رکھتے ہیں اور ان کے دلوں پر نصیحتوں کا عجیب اثر ہوتا ہے لیکن میں اس وقت کج دل لوگوں کا ذکر کرتا ہوں اور میں حیران ہوتا ہوں کہ خدایا یہ کیا حال ہے یہ کونسی جماعت ہے جو میرے ساتھ ہے۔ نفسانی لالچوں پر کیوں ان کے دل گرے جاتے ہیں اور کیوں ایک بھائی دوسرے بھائی کو ستاتا اور اس سے بلندی چاہتا ہے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ انسان کا ایمان ہرگز درست نہیں ہو سکتا جب تک اپنے آرام پر اپنے بھائی کا آرام حتی الوسع مقدم نہ ٹھہراوے۔ اگر میرا ایک بھائی میرے سامنے باوجود اپنے ضعف اور بیماری کے زمین پر سوتا ہے اور میں باوجود اپنی صحت اور تندرستی کے چارپائی پر قبضہ کرتا ہوں تا وہ اس پر بیٹھ نہ جاوے تو میری حالت پر افسوس ہے اگر میں نہ اُٹھوں اور محبت اور ہمدردی کی راہ سے اپنی چارپائی اس کو نہ دوں اور اپنے لئے فرش زمین پسند نہ کروں۔ اگر میرا بھائی بیمار ہے اور کسی درد سے لاچار ہے تو میری حالت پر حیف ہے اگر میں اس کے مقابل پر امن سے سو رہوں اور اس کے لئے جہاں تک میرے بس میں ہے آرام رسانی کی تدبیر نہ کروں اور اگر کوئی میرا دینی بھائی اپنی نفسانیت سے مجھ سے کچھ سخت گوئی کرے تو میری

حالت پر حیف ہے اگر میں بھی دیدہ دانستہ اس سے سختی سے پیش آؤں بلکہ مجھے چاہیئے کہ میں اس کی باتوں پر صبر کروں اور اپنی نمازوں میں اس کے لئے رو رو کر دُعا کروں کیونکہ وہ میرا بھائی ہے اور روحانی طور پر بیمار ہے۔ اگر میرا بھائی سادہ ہو یا کم علم یا سادگی سے کوئی خطا اس سے سرزد ہو تو مجھے نہیں چاہیئے کہ میں اس سے ٹھٹھا کروں یا چیں بر جبیں ہو کر تیزی دکھاؤں۔ یا بدنیتی سے اس کی عیب گیری کروں کہ یہ سب ہلاکت کی راہیں ہیں کوئی سچا مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اس کا دل نرم نہ ہو جب تک وہ اپنے تئیں ہر یک سے ذلیل تر نہ سمجھے اور ساری شیخیاں دُور نہ ہو جائیں۔ خادم القوم ہونا مخدوم بننے کی نشانی ہے اور غریبوں سے نرم ہو کر اور جھک کر بات کرنا مقبول الہٰی ہونے کی علامت ہے اور بدی کا نیکی کے ساتھ جواب دینا سعادت کے آثار ہیں اور غصہ کو کھا لینا اور تلخ بات کو پی جانا نہایت درجہ کی جوانمردی ہے ......... ابھی تک میں جانتا ہوں کہ میں اکیلا ہوں بجز ایک مختصر گروہ رفیقوں کے جو دو سو سے کسی قدر زیادہ ہیں جن پر خدا کی خاص رحمت ہے جن میں سے اول درجہ پر میرے خاص دوست مولوی حکیم نورالدین صاحب اور چند اور دوست ہیں جن کو میں جانتا ہوں کہ وہ صرف خدا تعالیٰ کے لئے میرے ساتھ تعلق محبت رکھتے ہیں اور میری باتوں اور نصیحتوں کو تعظیم کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ان کی آخرت پر نظر ہے۔ سو وہ انشاء اللہ دونوں جہانوں میں میرے ساتھ ہیں اور میں ان کے ساتھ ہوں۔ میں اپنے ساتھ ان لوگوں کو کیا سمجھوں جن کے دل میرے ساتھ نہیں جو اس کو نہیں پہچانتے جس کو میں نے پہچانا ہے اور نہ اس کی عظمتیں اپنے دلوں میں بٹھاتے ہیں اور نہ ٹھٹھوں اور برائیوں کے وقت خیال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں دیکھ رہا ہے اور کبھی نہیں سوچتے کہ ہم ایک زہر کھا رہے ہیں جس کا بالآخر نتیجہ موت ہے۔ درحقیقت وہ ایسے ہیں جن کو شیطانی راہیں چھوڑنا منظور ہی نہیں۔ یاد رہے کہ جو میری راہ پر چلنا نہیں چاہتا وہ مجھ سے نہیں اور اپنے دعوے میں جھوٹا ہے اور جو میرے مذہب کو قبول کرنا نہیں چاہتا بلکہ اپنا مذہب پسندیدہ سمجھتا ہے وہ مجھ سے ایسا دُور ہے جیسا کہ مغرب مشرق سے۔ وہ خطاء پر ہے کہ سمجھتا ہے کہ میں اُس کے ساتھ ہوں۔ میں بار بار کہتا ہوں کہ آنکھوں کو پاک کرو اور ان کو رُوحانیت کے طور سے ایسا ہی روشن کرو جیسا کہ وہ ظاہری طور پر روشن ہیں۔ ظاہری رویت تو حیوانات میں بھی موجود ہے مگر انسان اس وقت سوجاکھا کہلا سکتا ہے جبکہ باطنی رویت یعنی نیک و بد کی شناخت کا اس کو حصہ ملے اور پھر نیکی کی طرف جھک جائے سو تم اپنی آنکھوں کے لئے نہ صرف چارپایوں کی بینائی بلکہ حقیقی بینائی ڈھونڈو اور اپنے دلوں سے دنیا کے بُت باہر پھینکو کہ دنیا دین کی مخالف ہے جلد مرو گے اور دیکھو گے کہ نجات انہیں کو ہے کہ جو دُنیا کے جذبات سے بیزار اور بری اور صاف دل تھے ............... میری جان اس شوق سے تڑپ رہی ہے کہ کبھی وہ بھی دن ہوں کہ اپنی جماعت میں بکثرت ایسے لوگ دیکھوں جنہوں نے درحقیقت جھوٹ چھوڑ دیا اور ایک سچا عہد اپنے خدا سے کر لیا کہ وہ ہر ایک شر سے اپنے تئیں بچائیں گے اور تکبر سے جو تمام شرارتوں کی جڑ ہے بالکل دُور جا پڑیں گے اور اپنے رب سے ڈرتے رہیں گے ......... مگر دُعا کرتا ہوں اور جب تک مجھ میں دم زندگی ہے کئے جاؤں گا اور دُعا یہی ہے کہ خدا تعالیٰ میری اس جماعت کے دلوں کو پاک کرے اور اپنی رحمت کا ہاتھ لمبا کرکے ان کے دل اپنی طرف پھیر دے اور تمام شرارتیں اور کینے ان کے دلوں سے اٹھا دے اور باہمی سچی محبت عطا کر دے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ دُعا کسی وقت قبول ہوگی اور خدا میری دُعاؤں کو ضائع نہیں کرے گا۔ ہاں میں یہ بھی دُعا کرتا ہوں کہ اگر کوئی شخص میری جماعت میں خدا تعالیٰ کے علم اور ارادہ میں بدبخت ازلی ہے جس کے لئے یہ مقدر ہی نہیں کہ سچی پاکیزگی اور خدا ترسی اس کو حاصل ہو تو اس کو اے قادر خدا میری طرف سے بھی منحرف کر دے جیسا کہ وہ تیری طرف سے منحرف ہے اور اس کی جگہ کوئی اور لا جس کا دل نرم اور جس کی جان میں تیری طلب ہو۔ اب میری یہ حالت ہے کہ بیعت کرنے والے سے میں ایسا ڈرتا ہوں جیسا کہ کوئی شیر سے۔ اسی وجہ سے کہ میں نہیں چاہتا کہ کوئی دُنیا کا کیڑا ہو کر میرے ساتھ پیوند کرے .........."

**آئیے امسال جلسہ سالانہ پر اس عزم سے جمع ہوں کہ ہم "سچی پاکیزگی ایمانی اور اخلاقی اور اعمالی" سے یہ ثابت کر دیں گے کہ حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب مجدد زمان و مسیح موعود علیہ السلام کی دُعاؤں کی مصداق یہی جماعت ہے۔ باری تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم اس کے پیارے امام کی دُعاؤں کا ثمر بن کر دکھا سکیں۔ آمین ثم آمین۔**

---

**ایک دُعا** اے رب العالمین! تیرے احسانوں کا میں شکر ادا نہیں کر سکتا تو نہایت ہی رحیم کریم ہے اور تیرے بے انتہا مجھ پر احسان ہیں میرے گناہ بخش تا میں ہلاک نہ ہو جاؤں۔ میرے دل میں اپنی محبت ڈال تا مجھے زندگی حاصل ہو اور میری پردہ پوشی فرما اور مجھ سے ایسے عمل کرا جن سے تو راضی ہو جائے میں تیرے وجہ کریم کے ساتھ اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ تیرا غضب وارد ہو رحم فرما اور دنیا و آخرت کی بلاؤں سے مجھے بچا کہ ہر ایک فضل و کرم تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ آمین ثم آمین۔ (الحکم جلد ۲ نمبر ا ص۵ مورخہ ۲۰ فروری ۱۸۹۸ء)

---

**قارئین کرام مطلع رہیں** پیغام صلح کا موجودہ شمارہ ۸/ اور ۱۵ / دسمبر کی اشاعتوں کو ملا کر ۲۴ / صفحات پر شائع کیا جا رہا ہے۔ اس سے اگلا پرچہ ۲۲ / دسمبر ۱۹۷۶ء کو شائع ہوگا۔ (ادارہ)

محترم جناب حافظ شبیر محمد صاحب خوشابی مبلغ فجی

# غیر از جماعت احباب سے چند سوالات

## سوالات:

۱۔ وہ کونسی قرآن مجید کی آیت ہے کہ جس میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے خاکی جسم کے ساتھ زندہ آسمان پر چلے گئے ہیں؟

۲۔ جب سے حضرت مسیح ناصری بقول آپ کے اپنے خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر تشریف لے گئے ہیں کیا وہ بغیر کھانے پینے کے وہاں اپنی مادی زندگی گزار رہے ہیں یا وہاں وہ باقاعدہ کھاتے پیتے ہیں؟

۳۔ وہ کونسی آیت ہے جس میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عیسٰے علیہ السلام اپنے مادی جسم کے ساتھ واپس تشریف لائیں گے۔

۴۔ حضرت عیسٰے علیہ السلام کی زبان تو عربی نہیں تھی، آپ کے عقیدہ کے مطابق جب وہ نازل ہوں گے تو قرآن مجید اور احادیث کس طرح پڑھیں گے کیونکہ وہ تو عربی میں

۵۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عیسٰے علیہ السلام پر دوبارہ وحی نبوت آنا شروع ہو جائے گی۔ حالانکہ وحی نبوت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قطعی بند ہو گئی؟

۶۔ قرآن مجید کے مطابق حضرت عیسٰے علیہ السلام بنی اسرائیل کے رسول تھے۔ اگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آخری زمانہ میں اُمتِ محمدیہ میں نازل ہوئے تو وہی آخری نبی اور خاتم النبیین ہو جائیں گے کیونکہ وہ سب کے آخر میں مبعوث ہوں گے۔ کیا ان کے آنے سے مُہرِ ختمیت نہیں ٹوٹے گی؟

۷۔ اگر عیسٰے علیہ السلام اُمتِ محمدیہ کی اصلاح کے لئے اُمتی ہو کر آئیں گے تو کیا ان کا اُمتِ محمدیہ میں آنا آیت قرآنی و ما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ (ہر ایک رسُول مطاع اور امام بنانے کے لئے بھیجا جاتا ہے اس غرض سے نہیں بھیجا جاتا کہ کسی دوسرے کا مطیع اور تابع ہو) کے خلاف نہیں ہوگا؟

۸۔ قرآن مجید میں ہے کہ ہر اُمت کا گواہ قیامت کے دن ان کا نبی ہوگا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کے گواہ ہوں گے جیسا کہ فرمایا فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید وجئنا بک علیٰ ھٰؤلاء شہیدا۔ (پھر کیا حال ہوگا جب ہم ہر ایک اُمت سے گواہ لائیں گے اور تجھ کو ہم ان پر گواہ لائیں گے۔) اگر حضرت عیسٰے علیہ السلام اُمت محمدیہ کی اصلاح کے لئے آخری زمانہ میں آ جائیں گے تو کیا اُن کا آنا اس آیت قرآنی کے خلاف نہیں ہوگا؟

۹۔ خدا تعالےٰ کا وعدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دین کے استحکام اور خوف کو امن سے بدلنے کے لئے خلفاء آیا کریں گے اور وہ انبیاء بنی اسرائیل کے مثیل ہوں گے جس پر آیت استخلاف گواہ ہے۔ اگر حضرت عیسٰے علیہ السلام آنحضرت صلعم کے ایک خلیفہ ہونے کی حیثیت سے بھی نازل ہوں تو پھر بھی ان کا اُمت محمدیہ میں آنا آیت استخلاف ہوگا کیونکہ اس آیت میں تو مثیل انبیاء بنی اسرائیل کا وعدہ ہے نہ کہ کسی اسرائیلی نبی کا؟

۱۰۔ اگر آیت بل رفعہ اللہ الیہ کے معنی اسی مادی جسم کے ساتھ زندہ آسمان پر اُٹھائے جانے کے ہیں تو جس وقت وہ زمین پر واپس آئیں گے تو اس وقت اس آیت کے معنی کیا ہوں گے؟

۱۱۔ بقول آپ کے حضرت عیسٰے علیہ السلام جب سے اسی مادی جسم کے ساتھ آسمان پر گئے ہیں تو کیا اس کے بعد وہ زمین پر اسی مادی جسم کے ساتھ کبھی آئے ہیں یا نہیں؟

۱۲۔ آپ کے عقیدہ کے مطابق اگر وہ آخری زمانہ میں نازل ہوں گے تو کیا آپ بتلا سکتے ہیں کہ اس وقت ان کی عمر کتنی ہوگی۔ قرآن اور احادیث میں اس کے متعلق کیا لکھا ہے؟

## جماعت ربوہ سے چند استفسارات

۱۔ وہ کونسا زمانہ ہے جبکہ حضرت مرزا صاحبؒ نے فرمایا کہ میں نبی نہیں ہوں؟

۲۔ وہ کونسا سال ہے جب کہ حضرت صاحبؒ نے بقول آپ کے نبوت کا دعوےٰ کیا؟

۳۔ وہ دعوےٰ از خود اپنی طرف سے کیا؟ یا آپ کو خدا تعالےٰ کی طرف سے کوئی وحی یا الہام ہوا؟

۴۔ اگر آپ نے وحی اور الہام سے دعوےٰ کیا تو سب سے پہلی وحی کے الفاظ کیا ہیں اور کس کتاب میں ہیں اور سب سے پہلے دعوےٰ کے الفاظ کیا ہیں؟

۵۔ وہ کونسا زمانہ ہے جبکہ آپ کے دعویٰ کے متعلق اعتراض ہوا اور کفر کا فتویٰ لگا، وہ اعتراض کیا تھا اور اس کا آپ نے کیا جواب دیا؟

۶۔ آپ کی کتابوں میں یہ الفاظ تو ہیں کہ میری وحی نبوت نہیں بلکہ وحیِ ولایت ہے اس کے برعکس کیا آپ نے کبھی لکھا کہ میری وحی ولایت نہیں بلکہ وحی نبوت ہے؟

۷۔ کیا حضرت اقدسؑ مرزا صاحب میں صرف ایک شانِ نبوت پائی جاتی تھی یا دو شانیں یعنی ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے اُمتی کی پائی جاتی تھیں؟

۸۔ آپ نے کس سنہ میں عقیدہ دربارۂ نبوت تبدیل فرمایا اور وہ کونسے الفاظ ہیں اور سب سے پہلے کس کتاب میں آپ نے تحریر فرمائے ہیں؟

۹۔ حضرت اقدسؑ مرزا صاحب نے نہیں لکھا ہے کہ میرا دعوےٰ غیر تشریعی نبوت کا ہے؟

۱۰۔ تشریعی نبی، غیر تشریعی نبی، ظلّی نبی، بروزی نبی، ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے اُمتی، کی اصطلاحات کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا ان اصطلاحات کے نام قرآن و حدیث میں موجود ہیں؟ اگر موجود نہیں تو آنحضرت صلعم کے بعد سب سے پہلے ان اصطلاحات کا وضع کرنے والا کون تھا؟

---

## خواتین سلسلہ

اپنی روایات کو قائم رکھتے ہوئے زیادہ سے تعداد میں سالانہ جلسہ میں شریک ہو کر یہ ثابت کر دیں کہ وہ ایک زندہ اور فعال جماعت کی خواتین ہیں۔

(ادارہ)

مکرم راجہ عبدالمجید صاحب چھکسی۔ ملتان

# ایک لاہوری دوست کے اعتراض کا جواب

(بسلسلۂ اشاعت گذشتہ)

جو لوگ حضرت صاحب کی طرف دعوئے نبوت منسوب کرتے ہیں خواہ وہ ان کے مخالف ہوں گے یا ان کی اپنی جماعت کے ہوں بقول حضرت صاحب وہ حضرت صاحب پر افتراء کرنے والے ہیں۔ حضرت صاحب لکھتے ہیں:۔

(۱) "ان لوگوں نے مجھ پر افترا کیا ہے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی ہونے کا دعوٰی کرتا ہے۔" (حمامۃ البشریٰ ص۸)

(۲) "میرا نبوت کا کوئی دعوٰی نہیں یہ آپ کی غلطی ہے۔ آپ کس خیال سے کہہ رہے ہیں۔ کیا یہ ضروری ہے۔ کہ جو الہام کا دعوٰی کرے وہ بھی نبی ہو جاتا ہے۔" (جنگ مقدس ص۶۷)

(۳) "ایسا ہی آپ (یعنی آنحضرت صلعم) نے لانبی بعدی کہہ کر کسی نئے یا دوبارہ آنے والے نبی کا دروازہ بند کر دیا۔"

(ایام الصلح ۱۵۲)

اب آپ غور فرمائیں کہ مخالف علماء اور میاں محمود احمد صاحب یعنی قادیانی جماعت حضرت صاحب پر نبوت کا افتراء کرنے میں ایک کشتی میں سوار ہیں یا نہیں۔

(۴) "ابتداء سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعوٰی کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجّال نہیں ہو سکتا ............ میں کسی کلمہ گو کا نام کافر نہیں کہتا۔"

(۵) "یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اپنے دعوے کے انکار کرنے والے کو کافر کہنا صرف ان نبیوں کی شان ہے۔ جو خدا تعالےٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں۔ لیکن صاحب شریعت کے ماسوا جس قدر ملہم اور محدّث ہیں گو وہ کیسی ہی جناب الٰہی میں اعلیٰ شان رکھتے ہوں اور خلعت مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ سے سرفراز ہوں ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں ہو جاتا۔"

(تریاق القلوب۔ صفحہ ۱۳۰)

مندرجہ بالا حوالوں سے آپ کی اس بات کا بھی جواب آگیا۔ یعنی حضرت صاحب کو نہ مان کر یا بیعت نہ کر کے ایک آدمی مسلمان ہی رہتا ہے۔ کافر نہیں ہو جاتا۔ ہاں گناہگار ضرور ہے۔ حضرت صاحب کی بیعت اشد ضروری ہے۔ اور یہ حکم الٰہی بھی ہے۔ یہ درست ہے۔ لیکن ایسے ہی جیسے نماز پڑھنا اشد ضروری ہے۔ ذیل میں چند اور حوالہ جات دیئے ہیں:۔

| عقائد حضرت صاحب | عقائد میاں محمود احمد صاحب |
|---|---|
| (۱) "صاحب نبوت تامہ ہرگز امتی نہیں ہو سکتا۔ اور جو شخص کامل طور پر رسول اللہ کہلاتا ہے۔ وہ کامل طور پر دوسرے نبی کا مطیع اور امتی ہو جانا نصوص قرآنیہ و حدیثیہ کے رُو سے بکلی ممتنع ہے۔ اللہ جلشانہ فرماتا ہے وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ۔ یعنی ہر ایک رسول مطاع اور امام بنانے کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ اس غرض کیلئے نہیں بھیجا جاتا کہ کسی دوسرے کا مطیع اور تابع ہو۔" (ازالہ اوہام طبع دوم ص۲۸۵) | (۱) "بعض نادان کہہ دیا کرتے ہیں کہ نبی دوسرے نبی کا متبع نہیں ہو سکتا اور اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ "وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ" (حقیقت النبوۃ ص۱۵۵) نوٹ: (میاں صاحب نادان کس کو کہتے ہیں۔ غور کریں) |
| (۲) "انی ایلی لما سبقتنی کہ جائے تو مارا کرد گستاخ۔ اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ تیری بخششوں نے ہم کو گستاخ کر دیا۔" (براہین احمدیہ صفحہ ۵۵۵-۵۵۶ حاشیہ ص۴) | (۲) ملفوظات میاں صاحب۔ اخبار الفضل ۲۳ جنوری ۱۹۱۷ء:۔ "نادان ہے وہ شخص جس نے کہا کہ جائے تو مارا کرد گستاخ۔ کیونکہ خدا کے فضل انسان کو گستاخ نہیں کرتے بلکہ اور زیادہ شکر گزار اور فرمانبردار بناتے ہیں (نوٹ۔ یہاں بھی کس کو نادان کہا گیا ہے) |
| (۳) "ایسا ہی آپ نے (آنحضرت صلعم نے) لانبی بعدی کہہ کر کسی نئے نبی یا دوبارہ آنے والے نبی کا دروازہ قطعاً بند کر دیا ہے" (ایام الصلح صفحہ ۱۵۱) | (۳) "پس یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہے کہ آنحضرت کے بعد نبوت کا دروازہ کھلا ہے۔" (حقیقت النبوۃ ص۲۲۸) |
| (۴) "میں نبی نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے محدث ہوں اور اللہ تعالےٰ کا کلیم ہوں تاکہ دین مصطفےٰ کی تجدید کروں اور اس نے مجھے صدی کے سر پر بھیجا۔" (آئینہ کمالات اسلام ص۳۸۳) | (۴) "اور آنحضرت صلعم کے فیض سے نبوت مل سکتی ہے اور جب نبوت مل سکتی ہے تو مسیح موعود نبی ہوئے کہ محدث؟" (حقیقت النبوۃ ص۲۳۰) |
| (۵) "اور محدث اسی چشمہ سے پیتے ہیں۔ جس سے نبی پیتے ہیں اور کچھ شک نہیں کہ اگر نبوت کا دروازہ بند نہ ہوتا تو وہ نبی ہو جاتا۔" (حمامۃ البشریٰ ص۸۲) | (۵) "اور جبکہ نبوت کا دروازہ کھلا ہے تو مسیح موعود جیسے رسول اللہ نے نبی کہا ہے۔ اور خدا تعالےٰ نے بھی تو اس کے نبی ہونے میں کوئی شک نہ رہا" (حقیقت النبوۃ ص۲۲۹) |
| (۶) "اگر باب نبوت مسدود نہ ہوتا تو ہر محدث اپنے وجود میں قوت اور استعداد نبی ہونے کی رکھتا تھا" (آئینہ کمالات اسلام ص۲۳۸) | (۶) "اور جبکہ نبوت کا دروازہ علاوہ محدثیت کے امتِ محمدیہ میں کھلا ثابت ہو گیا۔ تو یہ ثابت ہو گیا کہ مسیح موعود نبی اللہ ہے" (حقیقت النبوۃ ص۲۲۹) |

درج حوالہ جات میں پہلے دو حوالوں میں میاں صاحب نے کس کو نادان کہا ہے۔ باقی چار حوالوں میں حضرت صاحب کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہے بلکہ قطعاً بند ہے۔ اور میاں صاحب کہتے ہیں کھلا ہے۔ اب آپ ہی فیصلہ کریں۔ کہ حضرت صاحب کونسا دروازہ بند سمجھتے ہیں اور میاں صاحب کونسا کھلا سمجھتے ہیں۔ یہ وضاحت آپ ہی کریں۔ حضرت صاحب کس نبوت کا انکار کرتے ہیں اور میاں صاحب کس نبوت کو جاری کرتے ہیں۔ یہی نبوت کا ہی تو الزام مخالف علماء نے لگایا تھا، آپ نے بھی وہی کہا جو مخالف کہتے تھے۔ خود غور کریں۔

حوالہ تطہیر الاولیاء معہ ملفوظات اولیاء مصنفہ میر مدثر شاہ گیلانی پشاوری)

حضرت صاحب۔ اشتہار مورخہ ۲ اکتوبر ۱۸۹۶ء صفحہ ۲ منقول از کتاب دین الحق صفحہ ۲۷-۲۸- ۱۹۱۰ء۔ یہ کتاب حضرت صاحب کی وفات کے بعد حضرت مولوی نورالدین صاحب کے وقت جبکہ جماعت میں اتفاق تھا کتاب دین الحق شائع کی گئی تھی۔ اس کتاب کو حضرت مولوی نورالدین صاحب کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا گیا تھا۔ جیسا کہ اس کتاب کے ابتداء میں درج ہے۔ یہ اشتہار میں نے کتاب مذکور سے نقل کیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ۱۹۱۰ء

...تمام جماعتِ احمدیہ کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت مرزا صاحب مدعی نبوت نہ تھے بلکہ مدعی نبوت بعد از آنحضرت صلعم کاذب اور کافر ہے۔ چنانچہ اس امر کو ثابت کرنے کے لئے اس اشتہار کو کتاب دین الحق میں شائع کیا گیا تھا۔ پس دین الحق وہ کتاب ہے جو اس اشتہار میں درج ہے:۔

**ایک عاجز مسافر کا اشتہار**

"اس عاجز (مرزا غلام احمد) نے سنا کہ شہر (دہلی) کے بعض اکابر علماء میری نسبت یہ الزام مشہور کرتے ہیں کہ یہ نبوت کا مدعی ملائک کا منکر بہشت کا انکاری اور ایسا ہی وجود جبرائیل اور لیلۃ القدر اور معجزات اور معراج نبوی سے بکلی منکر ہے۔ لہٰذا میں اظہاراً للحق عام و خاص اور تمام بزرگوں کی خدمت میں گذارش کرتا ہوں کہ یہ الزام سراسر افتراء ہے۔ میں نہ نبوت کا مدعی ہوں اور نہ معجزات اور ملائک اور لیلۃ القدر وغیرہ سے منکر بلکہ ان تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں، اور جیسا کہ سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ ان سب باتوں کو مانتا ہوں جو قرآن اور حدیث کی رو سے مسلم الثبوت ہیں۔ اور سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت اور رسالت کو کافر و کاذب جانتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وحی رسالت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوئی۔"

ایسے صاف اعلان کی موجودگی میں قادیانی حضرات حضرت میرزا صاحب کی طرف دعوئے نبوت کیوں اور کس طرح منسوب کرتے ہیں؟ جب کوئی آدمی اپنی ریاست بنانا چاہے تو وہ اس ریاست کو وجود میں لانے کے لئے ہر قسم کے حربے استعمال کرتا ہے۔ میاں بشیرالدین محمود احمد صاحب پسر حضرت مرزا صاحب نے جو حربہ حضرت صاحب کی مندرجہ بالا کھلی کھلی تحریرات کے خلاف چلایا، تو سب سے پہلے حضرت صاحب کی سن ۱۹۰۱ء سے پہلے کی کتابوں میں وہ حوالجات جن میں آپ نے نبی ہونے سے انکار کیا ان کو منسوخ کر دیا۔ یعنی اپنے والد شریف کے علمی سرمایہ کو جو ۸۴ کتب پر مشتمل ہے بیکار اور ناکارہ کر دیا۔ دوسرا حربہ جو استعمال ہوا کہ اپنے والد شریف کو اتنا بے علم سمجھا کہ وہ نبی کی تعریف ہی نہ جانتے تھے اور جو درجہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو دیا تھا اسے آپ نبوت نہ سمجھتے تھے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ آپ کو محدّث کے دعوے میں بھی غلطی لگی رہی۔ یعنی خدا کہتا تھا کہ تُو نبی ہے اور نبی کہتا تھا کہ میں نبی نہیں ہوں۔ بلکہ میں رسول کریم کے بعد نبوت کا دعوےٰ کرنے والے کو کافر سمجھتا ہوں یعنی نبی اللہ ہی کو پڑا۔ انگریزی میں ایک مثال ہے EVERY THING IS FAIR IN LOVE AND WAR سو میاں صاحب جب خلافت کی ریاست بنانے لگے تو اپنے والد کی شان کو بھی خاطر تلے نہ لائے اور اپنی کتابوں میں کہیں ان کو نادان کہیں ناسمجھ ظاہر کرتے رہے اور مُرید آنکھیں بند کر کے آمنّا و صدقنا کہتے رہے۔

ذیل میں چند حوالجات قادیانی حضرات کے ملاحظہ کے لئے درج کئے جاتے ہیں تا وہ غور کر سکیں کہ کیا میاں محمود احمد صاحب نے بھی وہی طریق اختیار تو نہیں کیا جو طریق حضرت صاحب کے متعلق غلام احمد پرویز اور مخالف علماء نے اختیار کر رکھا ہے۔

میاں محمود احمد صاحب اپنی کتاب حقیقۃ النبوۃ صفحہ ۱۲۱ پر لکھتے ہیں:۔

(۱) "نبوت کا مسئلہ آپ پر (یعنی حضرت مرزا صاحب پر) سن ۱۹۰۰ء یا سن ۱۹۰۱ء میں کھلا اور چونکہ ایک غلطی کا ازالہ سن ۱۹۰۱ء میں شائع ہوا جس میں اپنی نبوت کا بڑے زور سے اعلان کیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سن ۱۹۰۱ء میں آپ نے اپنے عقیدہ میں تبدیلی کی ہے۔ دوسری طرف حقیقۃ الوحی میں سے یہ ثابت ہونے سے کہ آپ نے تریاق القلوب کے بعد نبوت کے متعلق عقیدہ میں تبدیلی کی ہے ........ یہ ثابت ہے کہ سن ۱۹۰۱ء سے پہلے کے حوالجات جن میں آپ نے نبی ہونے کا انکار کیا ہے اب منسوخ ہیں اور ان سے حجت پکڑنی غلط ہے۔"

اگر اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" کی پہلی چند سطریں پڑھی جاویں تو میاں صاحب کے خیال کی تردید حضرت صاحب کی اپنی تحریر سے ہو جاتی ہے۔ چنانچہ وہ سطور حسب ذیل ہیں:۔

"ہماری جماعت میں سے بعض صاحب جو ہمارے دعوےٰ اور دلائل سے کم واقفیت رکھتے ہیں جن کو بغور کتابیں دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اور نہ وہ ایک معقول مدت تک صحبت میں رہ کر اپنی معلومات کی تکمیل کر سکے۔ وہ بعض حالات میں مخالفین کے کسی اعتراض پر ایسا جواب دیتے ہیں جو سراسر واقعہ کے خلاف ہوتا ہے۔" (اشتہار غلطی کا ازالہ)

اس عبارت میں حضرت صاحب اپنی پہلی کتابوں کو درست قرار دیتے ہیں کہ ہماری کتابوں میں دعوے اور دلائل موجود ہیں۔ مگر بعض صاحبان نے ان کو بغور پڑھا نہیں اس لئے وہ خلاف واقعہ غلط بیان دیتے ہیں۔ حضرت صاحب "ایک غلطی کے ازالہ" سے پہلے کی کتابوں کو درست قرار دیتے ہیں۔ یعنی باپ اپنی کتابوں کو درست اور بیٹا اپنی خلافت کی ریاست بنانے کے لئے باپ کی کتابوں کو باپ کے فوت ہو جانے کے چھ سال بعد منسوخ اور ناقابل صحت قرار دیتا ہے۔ میاں صاحب کہتے ہیں کہ نبوت کا اعلان بڑے زور سے کیا۔ لیکن ساری قادیانی جماعت یہ لفظ حضرت کی کتب سے نہیں دکھلا سکتی کہ حضرت صاحب کی کتابوں میں کسی ایک جگہ لکھا ہو کہ "میرا دعویٰ نبوت کا ہے"

(۲) میاں محمود احمد صاحب اپنی کتاب حقیقۃ النبوۃ ص ۱۲۸ پر لکھتے ہیں:۔

"آپ پہلے تو نبی کی اور تعریف کرتے تھے۔ اور چونکہ اپنے آپ کو نبی نہیں سمجھتے تھے۔ اس لئے آپ کا خیال تھا کہ نبی سے نیچے اتر کر جو درجہ ہے وہ محدثیت کا ہے۔ میں وہی ہوں۔ اور اس درجہ کا نام محدث ہی ہوگا۔"

(۳) "اور یہ تاریخوں کا اختلاف ہی تھا جس کی وجہ سے سن ۱۹۰۱ء سے پہلے اپنی نبوت کو جزوی اور ناقص قرار دیتے تھے۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک طرف تو آپ کو جو درجہ دیا گیا تھا۔ اسے آپ نبوت نہ سمجھتے تھے۔"

میاں صاحب کے اس غلط نظریہ کا جواب بھی خود حضرت مجدد وقت نے دیا ہے۔ نقل کرتا ہوں:۔

انجام احمدی صفحہ ۲۲-۲۶- سن ۱۹۰۱ء کے بعد کی کتاب مصنفہ حضرت میرزا غلام احمد صاحب:۔

(۱) "اور بعض کا خیال ہے کہ اگر کسی الہام کے سمجھنے میں غلطی ہو جاوے تو امان اُٹھ جاتا ہے اور شک پڑ جاتا ہے کہ شاید اس نبی یا رسول یا محدّث نے اپنے دعوے میں دھوکا کھایا ہو۔ یہ خیال سراسر سفسطہ ہے۔ اور جو لوگ نیم سودائی ہوتے ہیں وہ ایسی باتیں کیا کرتے ہیں۔"

(۲) "جس یقین کو نبی کے دل میں اس کی نبوت کے بارے میں بٹھایا جاتا ہے۔ وہ دلائل تو آفتاب کی طرح چمک اٹھتے ہیں۔ اور اس قدر تواتر سے جمع ہوتے ہیں۔ کہ وہ امر بدیہی ہو جاتا ہے۔ اور پھر بعض دوسرے جزئیات میں اگر اجتہاد کی غلطی ہو بھی تو وہ اس یقین کو مضر نہیں ........ نبیوں اور رسولوں کو ان کے دعوے کے متعلق اور ان کی تعلیموں کے متعلق بہت

نزدیک ... سے دکھایا جاتا ہے۔ اور اس قدر تواتر ہوتا ہے۔ جس
میں شک باقی نہیں رہتا۔"

میاں صاحب کے مندرجہ بالا حوالوں سے ثابت ہے کہ ۱۹۰۱ء تک باوجود
حضرت صاحب نے مندرجہ بالا دو حوالوں سے یہ بات ثابت ہے
کہ نبی یا رسول یا محدث کو اپنے دعوے میں کبھی غلطی یا دھوکا نہیں
لگتا۔ پس میاں صاحب یا قادیانی گروہ کا یہ خیال بقول حضرت صاحب سراسر
سفسطہ ہے۔ اور جو لوگ نیم سودائی ہوتے ہیں وہ ایسی باتیں کرتے ہیں قادیانی
حضرات دنیا میں کوئی ایسی نظیر نہیں پیش کر سکتے ہیں۔ کہ کسی قوم نے اپنے
مقدس پیشوا کی طرف ایسا خیال منسوب کیا ہو۔ کہ وہ سالہا سال اپنے منصب
اور عہدہ کو نہیں سمجھا۔ اور اس بناء پر اپنے پیشوا کی کتابوں کو منسوخ کر
دیا ہو۔ ایسا خیال جب سے دنیا ہوئی ہے صرف قادیانی حضرات نے ہی ایجاد
کیا ہے۔

عیسائیوں نے بھی جب غلو کیا تو غلو کرتے وقت یہ نہیں کہا کہ حضرت
عیسےٰ علیہ السلام اپنا عہدہ نہیں سمجھے بلکہ انہوں نے ابن اللہ کے لفظ سے
ان کو خدا بنا لیا۔ انہوں نے انجیل منسوخ نہیں کی۔ نہ ہی ان کو نادان کہا۔
ایسی تحریرات یا کتابیں جن میں حضرت صاحب نے نبوت کے دعوے سے
انکار کیا ہے۔ قادیانی ان کو منسوخ نہ کریں تو اور کیا کریں کیونکہ ایسی تحریرات کی
موجودگی قادیانیت کی موت ہے۔

میاں صاحب کی ایجاد مسئلہ کفر و اسلام ہے۔ ان کے بقول:۔

"جن مسلمانوں نے حضرت صاحب کو نہیں مانا خواہ انہوں نے ان
کا نام بھی نہ سنا ہو کافر ہیں۔"

اسی کفر و اسلام کے مسئلے کو ثابت کرنے کے لئے حضرت کی طرف دعویٰ
نبوت منسوب کرنا پڑا۔ کیونکہ نبی کا ہی منکر کافر ہوتا ہے۔ یہ دونوں مسئلے میاں
صاحب نے اپنی خلافت کی ریاست بنانے کے لئے گھڑے گئے ہیں۔ ان کو
ریاست سے غرض تھی۔ حضرت کی کتابیں رہیں یا نہ رہیں۔ ان کے مشن کو
نقصان پہنچے یا نہ پہنچے خلافت کی ریاست تو بن گئی۔ لیکن حضرت تو خدا
تعالےٰ کے حضور اپنی بریت مسیح کی طرح یہ کہکر کر دیں گے کہ جب تک میں
ان میں تھا میں نبوت سے انکار کرتا رہا جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ان
پر نگہبان تھا۔ مجھے کچھ خبر نہیں کہ انہوں نے میرے بعد کیا کیا۔ میں اس
سے بری الذمہ ہوں۔ جو کچھ انہوں نے بنایا۔ مثیل مسیح یعنی حضرت صاحب کی
مسیح سے مماثلت بھی ان کی سچائی کا نشان ہے۔ کیونکہ مسیح کے فوت ہو جانے
کے بعد ان کے مریدوں نے بھی مسیح کے معاملہ میں غلو کیا یہ ضروری تھا کہ
مثیل مسیح کے مرید بھی غلو کرتے لیکن افسوس ان لوگوں پر ہے جن کے ہاتھوں
نے اسے پورا کیا۔ قادیانی بھی کہتے ہیں کہ عیسائیوں نے مسیح کے حق میں غلو کیا۔
میرا ان سے یہ سوال ہے۔ جب مسیح کے حق میں غلو ہوا تو مثیل مسیح کے حق میں
بھی مسیح کے ساتھ مماثلت قائم کرنے کے لئے غلو ہونا ضروری ہے
سو قادیانیوں نے حضرت مجدد صدی چہاردہم کو مجدد سے غلو کر کے نبی
بنا دیا اور ان کے نہ ماننے والوں کو کافر۔ ان کی کتابوں کو چوہوں کی طرح
کتر دیا۔ جب انسان ایک جھوٹ بولتا ہے تو اس کو نبھانے کے لئے اس کو
کئی قسم کی ہیرا پھیری کرنی پڑتی ہے۔ اگر حضرت صاحب نے نبوت کا دعویٰ
کیا تھا تو اپنے کسی اشتہار یا کتاب کے ذریعہ سے اعلان کیا ہوگا۔ اب جب کہیں
نبوت کے دعوے کا اعلان نہ ملا تو آپ نے حضرت صاحب کی اُن کتب جن میں
نبوت کا انکار تھا۔ بچنے کے لئے ان سے حوالے پکڑ کر منسوخ کر دیا۔ بقول
میاں صاحب حضرت صاحب کو اپنا دعویٰ سمجھنے میں غلطی لگی رہی۔ غور کریں اللہ تعالیٰ
ص۲۴

ص۲۴ کو ہی غلطی نہ لگ گئی ہو۔ کہ نبوت تو میاں صاحب کو دینی تھی
لیکن غلطی سے فرشتہ اس گھر میں حضرت صاحب کے پاس
پیغام لے گیا ہو۔

# جلسہ سالانہ میں شمولیت کیوں ضروری ہے

"چونکہ ہر ایک کے لئے بباعث ضعف فطرت یا کمی مقدرت یا
بُعد مسافت یہ میسّر نہیں آسکتا کہ وہ صحبت میں آکر رہے یا
چند دفعہ سال میں تکلیف اُٹھا کر مُلاقات کے لئے آوے۔
لہٰذا قرین مصلحت معلوم ہوتا ہے کہ سال میں تین روز ایسے
جلسے کے لئے مقرر کئے جاویں۔ جن میں تمام مخلصین اگر خدا
تعالےٰ چاہے بشرط صحت و فرصت و عدم موانع تاریخ مقررہ
پر حاضر ہو سکیں...... اور اس جلسہ میں ایسے حقائق اور
معارف سُنانے کا شغل رہے گا۔ جو ایمان اور یقین اور
معرفت کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہیں اور نیز ان دوستوں
کے لئے خاص دعائیں اور خاص توجہ ہوگی اور حتی الوسع
بدرگاہ ارحم الراحمین کوشش کی جائے گی کہ خدا
تعالےٰ اپنی طرف ان کو کھینچے اور اپنے لئے قبول کرے
اور پاک تبدیلی ان میں بخشے اور ایک عارضی فائدہ ان جلسوں
میں یہ بھی ہوگا کہ ہر ایک نئے سال میں جس قدر نئے بھائی
اس جماعت میں داخل ہوں گے وہ تاریخ مقررہ پر حاضر
ہو کر اپنے پہلے بھائیوں کے منہ دیکھ لیں گے
اور روشناس ہو کر آپس میں رشتہ تودد و تعارف
ترقی پذیر ہوتا رہے گا۔ اور جو بھائی اس عرصہ میں
اس سرائے فانی سے انتقال کر جائے گا اس جلسہ
میں اس کے لئے دُعائے مغفرت کی جائے گی
اور تمام بھائیوں کو روحانی طور پر ایک کرنے کے لئے اور
ان کی خشکی اور اجنبیت اور نفاق کو درمیان سے
اُٹھا دینے کے لئے بدرگاہ حضرت عزت جلشانہ کوشش
کی جائے گی اور اس روحانی جلسہ میں اور بھی کئی روحانی فوائد
اور منافع ہوں گے جو انشاء اللہ القدیر وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہیں گے
اور کم مقدرت احباب کے لئے مناسب ہوگا کہ پہلے ہی سے
اس جلسہ میں حاضر ہونے کا فکر رکھیں اور اگر تدابیر اور کفایت
شعاری سے کچھ تھوڑا تھوڑا سرمایہ سفر خرچ کے
لئے ہر روز یا ماہ بماہ جمع کرتے جائیں اور الگ رکھتے جائیں
تو بلا دقت سرمایۂ سفر میسّر آ جائے گا اور یہ سفر مُفت
میسّر ہو جائے گا۔"

**جلسہ فنڈ** ہر ایک احمدی دوست کو جلسہ سالانہ کے اخراجات میں حصہ
لینا چاہیے اور جماعت کا کوئی فرد اس چندہ سے باہر نہ
رہنا چاہیے۔

نزدیک سے دکھایا جاتا ہے۔ اور اس قدر تواتر ہوتا ہے۔ جس میں شک باقی نہیں رہتا۔"

میاں صاحب کے مندرجہ بالا حوالوں سے ثابت ہے کہ ۱۹۰۱ء تک باوجود نبی ہونے کے مرزا صاحب اپنی نبوت کا انکار کرتے رہے اور آپ کو نبوت کی تعریف بھی نہیں آتی تھی۔ نبی ہوتے ہوئے آپ محدث یعنی غیر نبی ہونے کا دعوے کرتے رہے۔

حضرت صاحب کے مندرجہ بالا دو حوالوں سے یہ بات ثابت ہے کہ نبی یا رسول یا محدث کو اپنے دعوے میں کبھی غلطی یا دھوکا نہیں لگتا۔ پس میاں صاحب یا قادیانی گروہ کا یہ خیال بقول حضرت صاحب سراسر سقیط ہے۔ اور جو لوگ نیم سودائی ہوتے ہیں وہ ایسی باتیں کرتے ہیں قادیانی حضرات دنیا میں کوئی ایسی نظیر نہیں پیش کر سکتے ہیں۔ کہ کسی قوم نے اپنے مقدس پیشوا کی طرف ایسا خیال منسوب کیا ہو۔ کہ وہ سالہا سال اپنے منصب اور عہدہ کو نہیں سمجھا۔ اور اس بناء پر اپنے پیشوا کی کتابوں کو منسوخ کر دیا ہو۔ ایسا خیال جب سے دنیا ہوئی ہے صرف قادیانی حضرات نے ہی ایجاد کیا ہے۔

عیسائیوں نے بھی جب غلو کیا تو غلو کرتے وقت یہ نہیں کہا کہ حضرت عیسے علیہ السلام اپنا عہدہ نہیں سمجھے بلکہ انہوں نے ابن اللہ کے لفظ سے ان کو خدا بنا لیا۔ انہوں نے انجیل منسوخ نہیں کی۔ نہ ہی ان کو نادان کہا۔ ایسی تحریرات یا کتابیں جن میں حضرت صاحب نے نبوت کے دعوے سے انکار کیا ہے۔ قادیانی ان کو منسوخ نہ کریں تو اور کیا کریں کیونکہ ایسی تحریرات کی موجودگی قادیانیت کی موت ہے۔

میاں صاحب کی ایجاد مسئلہ کفر و اسلام ہے۔ ان کے بقول :-

"جن مسلمانوں نے حضرت صاحب کو نہیں مانا خواہ انہوں نے ان کا نام بھی نہ سنا ہو کافر ہیں۔"

اسی کفر و اسلام کے مسئلے کو ثابت کرنے کے لئے حضرت کی طرف دعویٰ نبوت منسوب کرنا پڑا۔ کیونکہ نبی کا ہی منکر کافر ہوتا ہے۔ یہ دونوں مسئلے میاں صاحب نے اپنی خلافت کی ریاست بنانے کے لئے کھڑے کئے ہیں۔ ان کو ریاست سے غرض تھی۔ حضرت کی کتابیں رہیں یا نہ رہیں۔ ان کے مشن کو نقصان پہنچے یا نہ پہنچے خلافت کی ریاست تو بن گئی۔ لیکن حضرت تو خدا تعالےٰ کے حضور اپنی بریت مسیح کی طرح یہ کہکر کر دیں گے کہ جب تک میں ان میں تھا میں نبوت سے انکار کرتا رہا جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ان پر نگہبان تھا۔ مجھے کچھ خبر نہیں کہ انہوں نے میرے بعد کیا کیا۔ میں اس سے بری الذمہ ہوں۔ جو کچھ انہوں نے بنایا۔ مثیل مسیح یعنی حضرت صاحب کی مسیح سے مماثلت بھی ان کی سچائی کا نشان ہے۔ کیونکہ مسیح کے فوت ہو جانے کے بعد ان کے مریدوں نے بھی مسیح کے معاملہ میں غلو کیا یہ ضروری تھا کہ مثیل مسیح کے مرید بھی غلو کرتے لیکن افسوس ان لوگوں پر ہے جن کے ہاتھوں نے اسے پورا کیا۔ قادیانی بھی کہتے ہیں کہ عیسائیوں نے مسیح کے حق میں غلو کیا۔ میرا ان سے یہ سوال ہے۔ جب مسیح کے حق میں غلو ہوا تو مثیل مسیح کے حق میں بھی مسیح کے ساتھ مماثلت قائم کرنے کے لئے غلو ہونا ضروری ہے سو قادیانیوں نے حضرت مجدد صدی چہاردہم کو بلند سے غلو کر کے نبی بنا دیا اور ان کے نہ ماننے والوں کو کافر۔ ان کی کتابوں کو چوہوں کی طرح کتر دیا۔ جب انسان ایک جھوٹ بولتا ہے تو اس کو نبھانے کے لئے اس کو کئی قسم کی ہیرا پھیری کرنی پڑتی ہے۔ اگر حضرت صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا تو اپنے کسی اشتہار یا کتاب کے ذریعہ سے اعلان کیا ہوگا۔ اب جب کہیں نبوت کے دعوے کا اعلان نہ ملا تو آپ نے حضرت صاحب کی ان کتب جن میں نبوت کا انکار تھا۔ بچنے کے لئے ان سے حوالے یکقلم منسوخ کر دیا۔ بقول میاں صاحب حضرت صاحب کو اپنا دعویٰ سمجھنے میں غلطی لگی رہی۔ غور کریں اللہ تعالیٰ ۱۹۰۵ کو ہی غلطی نہ لگ گئی ہو۔ کہ نبوت تو میاں صاحب کو دینی لیکن غلطی سے فرشتہ اس گھر میں حضرت صاحب کے پاس پیغام لے گیا ہو۔

# جلسہ سالانہ میں شمولیت کیوں ضروری ہے

## حضرت امام عصر حاضر کا ارشادِ گرامی

"چونکہ ہر ایک کے لئے بباعث ضعفِ فطرت یا کمی مقدرت یا بُعد مسافت یہ میسّر نہیں آسکتا کہ وہ صحبت میں آکر رہے یا چند دفعہ سال میں تکلیف اُٹھا کر مُلاقات کے لئے آوے۔ لہذا قرینِ مصلحت معلوم ہوتا ہے کہ سال میں تین روز ایسے جلسے کے لئے مقرر کئے جاویں۔ جن میں تمام مخلصین اگر خدا تعالےٰ چاہے بشرط صحت و فرصت و عدم موانع "تاریخ مقررہ" پر حاضر ہو سکیں۔......اور اس جلسہ میں ایسے حقائق اور معارف سُنانے کا شغل رہے گا۔ جو ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہیں اور نیز ان دوستوں کے لئے خاص دعائیں اور خاص توجہ ہوگی اور حتی الوسع بدرگاہ ارحم الراحمین کوشش کی جائے گی کہ خدا تعالےٰ اپنی طرف ان کو کھینچے اور اپنے لئے قبول کرے اور پاک تبدیلی ان میں بخشے اور ایک عارضی فائدہ ان جلسوں میں یہ بھی ہوگا کہ ہر ایک نئے سال میں جس قدر نئے بھائی اس جماعت میں داخل ہوں گے وہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو کر اپنے پہلے بھائیوں کے منہ دیکھ لیں گے اور روشناس ہو کر آپس میں رشتہ تودد و تعارف ترقی پذیر ہوتا رہے گا۔ اور جو بھائی اس عرصہ میں اس سرائے فانی سے انتقال کر جائے گا اس جلسہ میں اس کے لئے دعائے مغفرت کی جائے گی اور تمام بھائیوں کو روحانی طور پر ایک کرنے کے لئے اور ان کی خشکی اور اجنبیت اور نفاق کو درمیان سے اُٹھا دینے کے لئے بدرگاہ حضرت عزّت جلشانہ کوشش کی جائے گی اور اس روحانی جلسہ میں اور بھی کئی روحانی فوائد اور منافع ہوں گے جو انشاءاللہ القدیر وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہیں گے اور کم مقدرت احباب کے لئے مناسب ہوگا کہ پہلے ہی سے اس جلسہ میں حاضر ہونے کا فکر رکھیں اور اگر تدابیر اور کفایت شعاری سے کچھ تھوڑا تھوڑا سرمایہ سفر خرچ کے لئے ہر روز یا ماہ بماہ جمع کرتے جائیں اور الگ رکھتے جائیں تو بلا دقت سرمایۂ سفر میسّر آ جائے گا اور یہ سفر مُفت میسّر ہو جائے گا۔"

**جلسہ فنڈ** ہر ایک احمدی دوست کو جلسہ سالانہ کے اخراجات میں حصہ لینا چاہیے اور جماعت کا کوئی فرد اس چندہ سے باہر رہنا چاہیے۔

# مشہور فاتح خالد بن ولید کو معزول کیوں کیا گیا

## تاریخِ اسلام کا ایک بصیرت افروز واقعہ

لائل پور سے سرمد مقبول لکھتے ہیں کہ :-

"آپ نے اپنے ایک کالم میں خالد بن ولید کی معزولی کا حوالہ دیا مگر اس کی تفصیلات بیان نہیں کیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ایک عام قاری کے لئے اس واقعہ پر روشنی ڈالیں تاکہ عوام کی معلومات میں بھی اضافہ ہو۔"

سرمد مقبول صاحب! واقعہ یوں ہے کہ خلیفۂ وقت کا حق ہے کہ وہ پرائیویٹ اخراجات کی جانچ پڑتال کرے کیونکہ اسلام میں کسی مسلمان کی پرائیویٹ پراپرٹی یعنی ملکیت اور بیت المال کی املاک کی کوئی فرق نہیں جو بھی مسلمان کے پاس ذاتی جائداد ہے وہ خدا کی ہے اور خدا کی معرفت خلیفہ کی ہے۔ اس خلیفہ کو مواخذہ کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ خالد بن ولید اپنی جمع کی ہوئی پونجی کو ذاتی ملکیت سمجھ بیٹھے اور اسے یوں خرچ کیا کہ اسراف کے مرتکب ہو گئے۔ ہوا یوں تھا کہ ایک شاعر نے فاتح جرنیل خالد بن ولید کی شان میں ایک قصیدہ کہا اور اسے ان کی خدمت میں پیش کیا۔ خالد بن ولید نے خوش ہو کر شاعر کو دس ہزار کی رقم عنایت کر دی۔ یہ خبر خلیفۂ وقت فاروق اعظمؓ کو پہنچی تو انہوں نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ اسی بے مثل جرنیل سے ان دو باتوں کا جواب پوچھا جائے۔

(۱)۔ اگر تم نے یہ روپیہ بیت المال سے خرچ کیا تو خیانت کی۔

(۲) اگر جیب سے خرچ کیا تو اسراف کیا اور یہ وجہ بھی بیان کریں کہ یہ روپیہ کیونکر ابھی تک نجی ملکیت بنا رہا۔ اس زائد رقم کو ضرورت مندوں میں تقسیم کیوں نہ کیا گیا۔

اس کے ساتھ ہی حضرت بلال رضؓ کو حکم ہوا کہ اگر مناسب جواب نہ ملے تو خالد کی پگڑی اتار اس کے گلے میں ڈال کر بر سرِ عام کھینچا جائے۔ کہ اس زمانے میں معزولی کا یہی اعلان تھا۔ دنیا جانتی ہے کہ ایسا ہی عمل میں لایا گیا۔ اور خالد بن ولید سرداری کے عہدے سے معزول ہوئے۔

اس واقعہ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اگر شخصی ملکیت اور بیت المال کی املاک میں کوئی شرعی فرق ہوتا تو اسراف اور خیانت کی سزا ایک ہی تجویز نہ ہوتی۔ اسراف اور خیانت اگرچہ الگ الگ اصطلاحات ہیں مگر نوعیت ان کی ایک ہی ہے۔ بیت المال جو خلیفہ کے تصرف میں ہے، شخصی ملکیت جو افراد کے پاس ہے وہ درحقیقت خدا کا مال ہے اور اسی کی امانت ہے۔ املاک اور جائداد کا کوئی مالک نہیں۔ افراد کے پاس جو جائداد ہے وہ بھی سرکاری ہے۔ شخصی نہیں، اس لئے ہر فرد کی ذاتی پونجی اور جائداد بیت المال ہی کا حصہ ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو خالد بن ولید پر مواخذہ نہ ہوتا اور اسراف و خیانت کی ایک ہی سزا تجویز نہ ہوتی۔

یہ واقعہ عملی طور پر گواہی دے رہا ہے کہ اسلام میں سرمایہ داری کی سرے سے گنجائش ہی نہیں۔ اس سلسلے میں یہ بات دہرانا بھی ضروری ہے کہ اسلام میں کسب معاش میں مختلف استعداد اور قابلیتوں کو تو قبول کیا گیا ہے لیکن معیشت کے فرق کو مردود قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں یہ واضح ارشاد ہے کہ :-

"اللہ نے رزق میں بعض کو بعض پر فضیلت دی (کہ کوئی کم کماتا ہے اور کوئی زیادہ) تو کیوں ایسا نہیں کرتے کہ جس کو زیادہ روزی دی گئی ہے وہ اپنی روزی اپنے زیردستوں کو لوٹا دے۔ کیونکہ سب اس میں برابر کے حقدار ہیں۔ پھر کیا یہ لوگ اللہ کی نعمتوں سے منکر ہو رہے ہیں۔"

غرض مسلمان کو کسب معاش میں ہمت دکھانے مگر رزق کو بانٹ کر کھانے کا حکم ہے۔ اس لئے کہ مخلوقِ خدا کنبہ ہے اور کنبے کا ہر فرد خوشحال ہونا ضروری ہے۔ یہ نہیں کہ ایک پیٹ بھر کر انواع و اقسام کے کھانے اڑاتا رہے اور بیسیوں فاقے سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دم توڑنے پر مجبور رہیں۔ جب تک نسلِ انسانی میں ان آیات کے مطابق سپرٹ پیدا نہ ہوگی دنیا امن سلامتی کا منہ نہ دیکھے گی۔ ایسے ہی واضح احکامات کے باعث اسلام نے "مساوات کا مذہب" کا نام پایا۔ لیکن جماعتِ اسلامی اسی پاک چشمے میں گلی سڑی لاشوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنے شفا خانے میں لا رہی ہے تاکہ انہیں ایسی زندگی فراہم کر دے جس سے سرمایہ داری نظام قائم دائم رہے۔ جماعت اسلامی نئے دور کے نئے تقاضوں کو محسوس کرے تو اس کے سربراہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں کہ اب سلطانی جمہور کا دور دورہ ہے اور دنیا میں کہیں بھی ایسا نظام قائم نہیں ہو سکتا کہ غریب و نادار لوگ، جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور زمینداروں کے رحم و کرم پر اپنے دن پورے کر لیں۔

جماعتِ اسلامی "اسلام" کی ترجمان نہیں۔ یہ محض مودودیت کی ایک تحریک ہے جو حصولِ اقتدار کے لئے عوام سے منہ پھیر کر سرمایہ داروں جاگیرداروں اور زمینداروں کا سہارا لے رہی ہے۔ جماعت اسلامی کے سربراہوں کو یہ حقیقت سمجھ لینی چاہیئے کہ وہ ریت کی دیوار کے سہارے کھڑے نہیں رہ سکتے اور ان کی تحریک کبھی کامیاب نہ ہوگی کہ انسانوں کو امیر و غریب دو گروہوں میں تقسیم کیا جائے۔ سچا مسلمان بخوبی سمجھتا ہے کہ انسانوں کو یوں تقسیم کرنا خدا کا کام نہیں، یہ شیطان کا فعل ہے جو انسانوں کے دلوں میں وسوسے ڈال کر انہیں آمادہ ظلم و فساد کرتا ہے۔ کسی کا امیر اور کسی کا غریب ہونا ہی باعثِ فساد ہے۔ اللہ فساد کا حامی نہیں۔ اس فساد کو مٹانا ہی وقت کا اہم ترین تقاضا ہے۔ کیونکہ جب تک سرمایہ دار رہے گا غریب کا خون چوسا جائے گا۔ (بشکریہ "مشرق")

## اخبارِ احمدیہ

**شادی** ۔ ۲۷ر نومبر ۱۹۶۷ء بروز ہفتہ مکرم ڈاکٹر اصغر حمید صاحب (لاہور) کی صاحبزادی اسما حمید آرکیٹیکٹ کی شادی خانہ آبادی ہمراہ سید پرویز رضا ہاشمی صاحب آرکیٹیکٹ بخیر و خوبی سر انجام پائی۔

اس خوشی پر ڈاکٹر صاحب موصوف نے مبلغ یکصد روپے اشاعت اسلام کے لئے انجمن کو مرحمت فرمائے اللہ تعالے ان کو جزائے خیر دے اور اس رشتہ کو جانبین کے لئے بابرکت بنائے۔ آمین۔ احباب جماعت بھی دعا فرمائیں۔

**ولادت** ۔ مکرم رزاق احمد صاحب کرمانوالہ (اوکاڑہ) کو اللہ تعالے نے فرزند عطا فرمایا ہے۔ اس خوشی میں انہوں نے مبلغ -/50 (پچاس روپے) اشاعت اسلام فنڈ میں بھیجے ہیں۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔

احباب کرام دعا فرمائیں کہ اللہ تعالے نومولود کو عمرِ دراز عطا فرمائے اور والدین کے لئے مبارک کرے۔

**وفات** ۔ مکرم جناب ڈاکٹر وحید احمد صاحب کے خسر محترم وفات پا گئے ہیں۔ اللہ تعالے ان کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق بخشے۔ ہمیں اس صدمہ میں مکرم ڈاکٹر صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ سے دلی ہمدردی ہے۔ (ادارہ)

—— جناب مولانا دوست محمد صاحب (سابق ایڈیٹر پیغام صلح) بدستور بیمار ہیں اور کمزور ہو گئے ہیں۔ احباب کرام ان کی صحت کے لئے دردِ دل سے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے اس دیرینہ خادم مخلص رفیق اور دلیر صحافی کو صحت عطا فرمائے۔

مکرم جناب شیخ محمد طفیل صاحب مبلغ

# خبرنامہ انگلستان

انسانی بیماریوں کے علاج کے لئے سائنسدان مختلف جانوروں پر مختلف تجربے کرتے رہتے ہیں ۔ ان تجربات میں اکثر اوقات وہ جانور (بندر ۔ خرگوش ۔ چوہے ۔ بلی وغیرہ) مر جاتے ہیں ۔ اس کے خلاف انسداد بے رحمی جانوراں ایسی تنظیمیں احتجاج کرتی رہتی ہیں لیکن اس کا اثر بہت کم ہوتا ہے ۔ دلیل یہ دی جاتی ہے کہ انسان اعلیٰ مخلوق ہے اور اس کی خاطر ادنیٰ مخلوق کو ہر طرح کی تکلیف پہنچائی جا سکتی ہے حتیٰ کہ موت کے گھاٹ بھی اتارا جا سکتا ہے ۔

بات یہیں تک ختم نہیں ہو جاتی ۔ جانوروں پر ظلم و ستم کا سلسلہ صرف انسانی علاج کی خاطر نہیں بلکہ انسانی زیبائش کے لئے بھی بڑے وسیع پیمانے پر جاری ہے ۔

شیمپو بنانے والی فرمیں خرگوشوں کی آنکھوں کے پپوٹے کاٹ کر ان میں شیمپو ڈال کر دیکھتی ہیں کہ آنکھوں کو کس قدر نقصان پہنچ سکتا ہے ۔ شیو کے بعد جو لوشن (آفٹر شیو لوشن) استعمال ہوتا ہے اسے مارکیٹ میں لانے سے پیشتر چوہوں کی جلد کو اچھی طرح استرے سے کھرچ کر وہاں پہلے پہل اس لوشن کا تجربہ ہوتا ہے کہ جلد کو کہاں تک نقصان پہنچتا ہے ۔ اس طرح دوسری زیبائش کے چیزوں کا حال ہے جن سے ہمارے مارکیٹ بھرے پڑے ہیں ۔ نہ معلوم ان کو مارکیٹ تک لانے کے لئے کتنے جانوروں کی قربانی دینی پڑتی ہے ۔

بعض اوقات انسان خود اپنی تجربہ گاہوں کے حادثات کا شکار ہو جاتا ہے ۔ میلان (اٹلی) کے قریب ایک گاؤں سووسو ہے جہاں اخباری روایات کے مطابق ٹیلکم پوڈر بنانے کی ایک فیکٹری ہے (یہ پوڈر نہانے کے بعد صاحب حیثیت لوگ اپنے بدنوں پر چھڑکتے ہیں) وہاں چند ڈرم پھٹ گئے جن کی گیس فضا میں منتشر ہو گئی ۔ اس کے اثر سے وہاں جانور ۔ پرندے ۔ مرنے شروع ہو گئے بلکہ پھولوں پھلوں اور سبزیوں پر بھی اس کا اثر شروع ہو گیا ۔ تمام علاقے کو بعجلت تمام خالی کرا لیا گیا ۔ اس عرصہ میں لوگوں کو ازدواجی تعلقات سے منع کیا جاتا رہا ہے ۔ حاملہ عورتوں کے حمل گرائے جا رہے ہیں تاکہ ٹیلکم پوڈر بنانے کے لئے جو گیس تیار ہوتی تھی اس کے اثر سے ذہنی اور جسمانی طور پر معذور بچے نہ پیدا ہوں ۔ کہتے ہیں کہ اس علاقے میں گیس کا اثر سالہا سال تک رہے گا ۔ اس گاؤں کے گھروں میں کپڑے اور جو دیگر اشیاء پڑی ہیں ان کا استعمال بھی خطرے سے خالی نہیں ۔

یہ تو پوڈر کی ایک ادنیٰ قسم کی کہانی تھی ۔ اسی طرح انسان کا پسینہ خشک کرنے ۔ انسانی جسم کی بو کم کرنے یا انسانی جسم کو خوشبودار بنانے کے لئے آج کل جو "سپرے SPRAY" نکلے ہوئے ہیں ان کا استعمال رفتہ رفتہ انسانی جسم کیمیائی تبدیلیاں پیدا کرتا رہتا ہے ۔ اور جب وہ کسی ایسی بیماری کا شکار ہو جاتا ہے جو ڈاکٹروں کے بس کا روگ نہیں ہوتی تو لوگ حیران ہوتے ہیں کہ انسان کو یہ بیماری کہاں سے آ لگی ہے ۔

کیمیاوی نقصانات کی بات چلی تو ایک اور واقعہ بھی سن لیجئے ۔ انگلستان کے ایک علاقہ میں ایک بلند عمارت رہنے کے لئے تعمیر کی گئی تھی ۔ نچلی منزل میں رہنے والے لوگ بیمار ہوتے رہے ۔ ان کی جگہ جو نئے کرایہ دار آتے تو ان کو بھی اسی قسم کی بیماری لگ جاتی ۔ اس واقعہ کو اتفاقی امر سمجھ کر ایک دو دفعہ تو نظر انداز کر دیا گیا ۔ بعد میں تحقیقات کا سلسلہ شروع ہوا ۔ معلوم ہوا کہ اس جگہ کیمیاوی مادے دفن کئے جاتے تھے ۔ جن کا اثر عمارت بننے کے باوجود مکینوں پر ہونا شروع ہو گیا ۔ اس تمام عمارت کو ڈھا دینا پڑا تاکہ لوگ خواہ مخواہ بیماریوں کا شکار نہ ہوتے رہیں ۔ ایٹمی توانائی کا جو بیکار فضلہ ہوتا ہے اسے بڑے بڑے ڈرموں میں بند کر کے سمندر کی تہ میں دفن کر دیا جاتا ہے ۔ اگر کسی حادثہ کے باعث یہ ڈرم ٹوٹ پھوٹ جائیں تو سمندروں کی مخلوق بڑی جلدی لقمۂ اجل بن جائے گی ۔ قرآن کریم نے سچ کہا ہے انسان خود اپنی ہلاکت کے سامان اپنے ہاتھوں فراہم کر رہا ہے لیکن اس کے برعکس اپنی مادی ترقی پر نازاں ہے ۔

لندن سے ایک سہ ماہی رسالہ بعنوان "اسلام" نکلنا شروع ہو رہا ہے ۔ اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کے دائرے کے اکثر کارکن انگریز مسلمان ہیں پبلشر عبدالحق آر بوبلے ۔ ایڈیٹر ابوالقاسم سپائیکہ ۔ مدیر معاون عبدالبصیر ہیں ۔ اکثر مضامین کا معیار اعلیٰ ہے ۔ رسالہ کی ظاہری ٹیپ ٹاپ نہایت دیدہ زیب ہے کور مختلف رنگ کا اور اندرونی حصہ میں بہت سی تصاویر شامل ہیں ۔ رسالہ سوسائٹی آف اسلام ان انگلینڈ کی طرف سے شائع ہوتا ہے ۔ اس سوسائٹی کے مدنظر انگلستان میں ایک "مسلم قریہ" بنانے کی سکیم بھی ہے جس کے گلی کوچوں اور عمارات کے خاکے ایک مضمون میں بیان کئے گئے ہیں ۔ پہلا کام تیس ہزار پونڈ کے خرچ سے زمین خریدنے کا ہے ۔ سوسائٹی کی طرف سے ایک نئے انگریزی ترجمہ قرآن شائع کرنے کا بھی ذکر ہے ۔ سورہ بقرہ کے پہلے دو رکوعوں کا ترجمہ بطور نمونہ شائع کیا گیا ہے ۔ ترجمہ انگریزی کے دوسرے تراجم کی نقل نہیں بلکہ مترجمین کی سراسر اپنی کوششوں کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے ۔ اگر اس انداز میں سارا ترجمہ مکمل ہو چکا ہے تو قرآنی خدمت کے سلسلے میں یہ ایک عظیم کاوش ہوگی ۔ تفسیر ساتھ شائع نہیں کی جا رہی اس لئے قرآن کی تفہیم کا مسئلہ باقی رہے گا ۔ بعض اصطلاحات کا ترجمہ نہیں کیا گیا صرف عربی الفاظ انگریزی ہجے میں لکھ دیئے گئے ہیں ۔ مثلاً تقویٰ مومنوں کافروں کو رومن حروف میں بغیر ترجمہ کے درج کر دیا گیا ہے ترجمہ کرنے والے ہیں ۔ عائشہ عبدالرحمٰن حاجی عبدالحق سیف العلم اور حاجی عبدالحی الامین

بعض مضامین میں ضعیف احادیث کو محض خوش عقیدگی کی بناء پر درج کر دیا گیا ہے ۔ ایک مضمون کا عنوان ہے "الخبز" (روٹی) اس میں رسول کریم صلعم کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ اپنی بیٹی فاطمہ کو مغموم پایا ۔ وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ چکی چلا چلا کر ان کے ہاتھ تھک گئے تھے ۔ رسول کریم صلعم کی دعا سے وہ چکی حسب ضرورت خود بخود چلنے لگتی اور اس چکی کو حضرت فاطمہ کے ساتھ جنت میں جانے کی بشارت بھی دی گئی ..... الخ ۔

احمدیہ ہاؤس لندن کی آرائش کا مسئلہ رفتہ رفتہ حل ہو رہا ہے ۔ جو کرایہ دار چلے گئے ہیں انہوں نے سالہا سال سے اپنے حصے کے کمروں کو اچھی حالت میں رکھنے کی کوشش نہیں کی تھی ۔ مسٹر جمیلہ خان صدر یو کے جماعت کی کوششوں سے کچھ انگریز والنٹیئرز مل گئے ہیں جنہوں نے ہر ہفتے کے دن دو چار دفعہ پانچ پانچ گھنٹے صرف کر کے دو کمروں کی بالکل کایا پلٹ دی ۔ دیواروں، کھڑکیوں اور دروازوں کو پہلے اچھی طرح سے کھرچ کر صاف کیا اور بعد میں ان پر رنگ و روغن کر دیا ۔ سامان ہمارا تھا محنت ان کی ۔ جمیلہ خان اس سلسلے میں ہمارے شکریہ کی مستحق ہیں ۔ انہیں امید ہے کہ اسی طرح چند انگریز رضاکارانہ طور پر ہمارے باغ کی حالت بھی سدھار دیں گے ۔

کاش ہمارے مسلمان بھائی بھی اس قسم کا عملی نمونہ دکھائیں کہ غیر مذاہب دوسرے کی عبادتگاہوں اور گھروں میں جا کر ان کے شریک کار ہوں ۔

۲۸ نومبر ۱۹۷۶ء کو ہمارا "یوم مولانا محمد علی منانے کا ارادہ تھا لیکن عید قریب آ رہی ہے اس لئے اسے دسمبر کے آخری ہفتے تک ملتوی کر دیا گیا ۔ شاید عزیز صاحب ۔ داس محمود صاحب اور خالد اقبال صاحب پروگرام میں حصہ لیں گے ۔

میلن سے ایک مستشرق نے مجھے خط لکھ کر تحریک احمدیت کے سلسلے میں وہ جو تحقیقات کر رہے ہیں اس میں تعاون کی درخواست کی ہے ۔ ایک طرف ہماری تحریک کو مٹانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں، دوسری طرف لوگوں کا اشتیاق بڑھ رہا ہے کہ اس تحریک کے متعلق صحیح معلومات حاصل کی جائیں ۔ مولانا عبدالرحیم جگو نے سرینام سے اپنے ایک تازہ خط میں لکھا ہے کہ وہاں کی جماعت میں احمدیت کے لئے ایک نیا عزم پایا جاتا ہے ۔ جو ابتلاء ۱۹۷۴ء میں آیا تھا جماعت کی اکثریت اس آزمائش میں سے سلامتی سے گذر آئی ہے ۔

# پروگرام

## جلسہ سالانہ خواتین احمدیہ لاہور

۲۲ دسمبر ۱۹۷۶ء بروز جمعرات

زیر صدارت ——— بیگم خورشید راجہ انور صاحبہ

سٹیج سیکرٹری ——— بیگم رضیہ مدد علی صاحبہ

---

تلاوت قرآن کریم معہ ترجمہ - آنسہ طاہرہ جمعہ صاحبہ : ۹-۳۰ تا ۳۵ —

نعت : عزیزہ شاہدہ دیجہ رسول : ۹-۳۵ تا ۴۰ —

تقریر استقبالیہ : بیگم زکیہ شیخ صاحبہ صدر تنظیم خواتین احمدیہ لاہور : ۹-۴۰ تا ۵۰ —

تقریر : بیگم عبیدیہ علی بخش صاحبہ (ہالینڈ) : ۹-۵۰ تا ۰۰ —

تقریر : بیگم جسارت نذر صاحبہ : ۱۰-۰۰ تا ۱۰ —

تقریر : آنسہ پروین واجد صاحبہ (پشاور) : ۱۰-۱۰ تا ۲۰ —

نعت : بیگم خاور عزیز (راولپنڈی) : ۱۰-۲۰ تا ۲۵ —

تقریر : آنسہ اُم سلمہ صاحبہ (ڈیرہ غازی خان) : ۱۰-۲۵ تا ۳۵ —

تقریر : بیگم ثریا فاروق شیخ صاحبہ (راولپنڈی) : ۱۰-۳۵ تا ۵۰ —

تقریر : بیگم زبیدہ محمد احمد صاحبہ : ۱۰-۵۰ تا ۵ —

نعت : آنسہ نادرہ سعید و فوزیہ سعید صاحبہ : ۱۱-۰۵ تا ۱۰ —

تقریر : بیگم رضیہ مدد علی صاحبہ : ۱۱-۱۰ تا ۲۵ —

تقریر : بیگم رضیہ فاروقی صاحبہ (لندن) : ۱۱-۲۵ تا ۴۰ —

تقریر : بیگم اکرام صاحبہ (راولپنڈی) : ۱۱-۴۰ تا ۵ ۱۲ —

تقریر : آنسہ عطیہ رحمان صاحبہ (ہری پور ہزارہ) : ۱۲-۰۵ تا ۱۵ ۱۲ —

تقریر : آنسہ فرح دیبا : ۱۲-۱۵ تا ۲۰ ۱۲ —

خطبہ صدارت : بیگم خورشید راجہ انور صاحبہ (سیالکوٹ) : ۱۲-۲۰ تا ۴۰ ۱۲ —

رپورٹ سالانہ } بیگم نسرین گل محمد صاحبہ - سیکرٹری تنظیم خواتین احمدیہ - لاہور { ۱۲-۴۰ تا ۵ ۱ —

دُعا : بیگم خورشید راجہ انور صاحبہ (سیالکوٹ) : ۱-۰۵ تا ۱۰ ۱ —

### نیز نمائش دستکاری ہوگی

(میاں) فضل احمد دائرہ

---

**جلسہ سالانہ** کے موقع پر زیادہ سے زیادہ دوستوں کو ساتھ ضرور لائیں تا کہ ان پر اسلام کی ضرورت اور اہمیت روشن ہو اور وہ ایک پیکر صدق و صفا بزرگ سے اپنے حالیہ دورہ بلادِ غیر کی ایمان افروز رپورٹ بھی ان کی زبانی سُن سکیں - جس میں

**افضالِ خداوندی کی جھلک نظر آتی** ہے اور یہ بھی دیکھ سکیں کہ سلسلہ احمدیہ پر ایک سخت ابتلاء آنے کے باوجود بیرونی ممالک میں ربِّ قدیر جماعت پر اپنے فضلوں کی کس طرح بارش کر رہا ہے

(ادارہ)

---

# جلسہ سالانہ میں شریک ہونیوالوں کے لئے
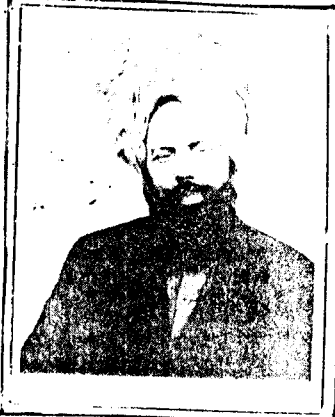
## حضرت مسیح موعودؑ کی دعائیں

---

"ہر ایک صاحب جو اس للّٰہی جلسہ کے لئے سفر اختیار کریں - خدا تعالےٰ ان کے ساتھ ہو اور انکو اجرِ عظیم بخشے اور ان پر رحم کرے اور انکی مشکلات اور اضطراب کے حالات اُن پر آسان کر دیوے اور ان کے ہم و غم دور فرمائے اور ان کو ہر ایک تکلیف سے مخلصی عنایت کرے - اور ان کی ہر ایک مُرادات کی راہیں اُن پر کھول دے - اور روزِ آخرت میں اپنے ان نیک بندوں کے ساتھ ان کو اُٹھاوے جن پر اس کا فضل اور رحم ہے اور تا اختتام سفر ان کے بعد ان کا خلیفہ ہو - اے خدا اے ذوالمجد والعطا اور رحیم اور مشکل کُشا، ہماری تمام دُعائیں قبول کر اور ہمیں ہمارے مخالفوں پر روشن نشانوں کے ساتھ غلبہ عطا فرما کہ ہر ایک قوت اور طاقت تجھ ہی کو ہے -"

- جلسہ خواتین
- نمائش و دستکاری
- نماز ظہر و عصر

۱۰ ـ ۰۰ تا ۳۰ ـ ۲ بجے

- جلسہ بنات الاحمدیہ ۳۰ ـ ۲ تا ۳۰ ـ ۴ بجے

## جمعہ ۲۴ ر دسمبر ۱۹۷۶ء

### زیرِ صدارت: الحاج شیخ میاں اللہ بخش صاحب

- ۹ تا ۴۰ ـ ۹ تلاوت قرآن کریم ... : جناب مولانا عبدالرحمٰن صاحب پشاور۔
- ۹ تا ۵۰ ـ ۹ منظوم کلام مسیح موعودؑ : جناب چوہدری محمد حیات صاحب۔
- ۹ تا ۰۰ ـ ۱۰ ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ : جناب محمد الرحمٰن صاحب پشاور۔
- ۱۰ تا ۳۰ ـ ۱۰ افتتاحی تقریر .. : حضرت امیر قوم ایدہ اللہ تعالیٰ۔
- ۱۰ تا ۵ ـ ۱۱ تقریر .. .. : جناب چوہدری مسعود اختر صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل بی۔
- ۱۱ تا ۴۰ ـ ۱۱ تقریر .. .. : جناب شیخ حفیظ الرحمٰن صاحب۔ ایم۔ اے۔
- ۱۱ تا ۰۰ ـ ۱۲ پیغامات : از احباب بلاد غیر۔
- ۱۲ تا ۳۰ ـ ۲ : طعام ـ نماز جمعہ و عصر۔

## دوسرا اجلاس

### زیرِ صدارت: الحاج شیخ میاں فاروق احمد صاحب

- ۲ تا ۲۰ ـ ۲ ـ تلاوت قرآن کریم : جناب چوہدری محمد حیات صاحب۔
- ۲ تا ۵۰ ـ ۲ ـ ملفوظات : ” شاہد جنجوعہ صاحب۔
- ۲۷ ـ ۳ ـ تقریر .. .. : ” شوکت حمید صاحب (صدر شبان الاحمدیہ)
- ۰۰ ـ ۴ ـ تقریر .. .. : ” مولانا بشیر احمد منٹو صاحب ایم۔ اے
- ۴ تا ۴۰ ـ ۴ ـ تقریر .. .. : جناب مرزا محمد لطیف صاحب فاضل

## نمازِ مغرب و عشاء کے بعد رات کا کھانا

## ۷ بجے شام ـ اجلاس شبان الاحمدیہ

(یہ تاریخ تابع منظوری مجلس منتظمہ ہوگی)

## ہفتہ ـ ۲۵ ر دسمبر ۱۹۷۶ء

## پہلا اجلاس

### زیرِ صدارت: الحاج میاں ممتاز احمد فاروقی صاحب۔

- ۳۰ ـ ۹ تا ۰۰ ـ ۱۰ ـ تلاوت قرآن کریم و نعت : جناب مولانا شفقت رسول صاحب۔
- ” ” ” تا ” ” : ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ : جناب میاں بشارت احمد بقا صاحب۔
- ۰۰ ـ ۱۰ تا ۳۵ ـ ۱۰ : تقریر ... .. : جناب پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب۔
- ۳۵ ـ ۱۰ تا ۵ ـ ۱۱ : رپورٹ سالانہ : جناب جنرل سیکرٹری صاحب۔
- ۵ ـ ۱۱ تا ۵ ـ ۱۲ : تقریر .. .. : جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب۔
- ۵ ـ ۱۲ تا ۴۰ ـ ۱۲ : تقریر ... : جناب عبدالرحیم جگو صاحب۔
- ۴۰ ـ ۱۲ تا ۳۰ ـ ۲ : طعام ـ و نماز ظہر و عصر۔

## دوسرا اجلاس

### زیرِ صدارت: جناب ڈاکٹر عبدالعزیز خان صاحب۔

- ۳۰ ـ ۲ تا ۴۰ ـ ۲ : تلاوت قرآن کریم : جناب مولانا عبدالرحمٰن صاحب پشاور۔
- ۴۰ ـ ۲ تا ۵۰ ـ ۲ : ملفوظات : جناب ماسٹر محمد اصغر علی صاحب۔
- ۵۰ ـ ۲ تا ۳۰ ـ ۳ : تقریر .. .. : جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب۔
- ۳۰ ـ ۳ تا ۱۰ ـ ۴ : حضرت قائد اعظم کی یادیں : جناب مرزا مسعود بیگ صاحب ایم۔ اے۔

## نمازِ مغرب و عشاء کے بعد کھانا ہوگا

## ۷ بجے شام احمدیہ کانفرنس

## اتوار ـ ۲۶ ر دسمبر ۱۹۷۶ء

### زیرِ صدارت: جناب الحاج مولانا عبدالرحیم جگو صاحب۔

- ۳۰ ـ ۹ تا ۰۰ ـ ۱۰ : تلاوت قرآن کریم :
- ” ” ” تا ” ” : ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ : جناب اقبال احمد صاحب ـ
- ۰۰ ـ ۱۰ تا ۳۰ ـ ۱۰ : تقریر .. .. : جناب میاں بشارت احمد بقا صاحب ـ
- ۳۰ ـ ۱۰ تا ۰۰ ـ ۱۱ : تقریر .. .. : جناب شیخ نثار احمد صاحب ـ
- ۰۰ ـ ۱۱ تا ۴۰ ـ ۱۱ : دو ضروری کام۔ : جناب میاں نصیر احمد فاروقی صاحب ـ
- ۴۰ ـ ۱۱ تا ۱۰ ـ ۱۲ : تقریر .. .. : جناب مولانا عبدالرزاق صاحب ـ
- ۱۰ ـ ۱۲ تا ۴۰ ـ ۱۲ : اختتامی تقریر و دُعا : امیر قوم حضرت مولانا صدرالدین صاحب ـ

میاں فضل احمد ـ افسر جلسہ

آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمدیہ پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

## جلسہ سالانہ میں شرکت کے لئے

### تمام مخلصین جماعت کے نام

### حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ارشاد

"قرینِ مصلحت معلوم ہوتا ہے کہ سال میں تین روز ایسے جلسہ کے لئے مقرر کئے جائیں جن میں تمام مخلصین اگر خدا تعالےٰ چاہے بشرط صحت و فرصت و عدم موانع قویہ تاریخِ مقررہ پر حاضر ہو سکیں، سو میرے خیال میں آج کے دن کے بعد۔ جلسہ آئندہ اگر ہماری زندگی میں آ جاوے تو حتی الوسع تمام دوستوں کو محض للہ ربانی باتوں کو سننے کے لئے اور دعا میں شریک ہونے کے لئے اس تاریخ پر آ جانا چاہیئے اور اس جلسہ میں ایسے حقائق اور معارف سنانے کا شغل رہے گا جو ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہیں اور نیز ان دوستوں کے لئے خاص دعائیں اور خاص توجّہ ہوگی اور حتی الوسع بدرگاہ ارحم الراحمین کوشش کی جاوے گی کہ خدا تعالےٰ اپنی طرف ان کو کھینچے اور اپنے لئے قبول کرے اور پاک تبدیلی ان میں بخشے اور ایک عارضی فائدہ ان جلسوں میں یہ ہوگا کہ ہر ایک نئے سال میں جس قدر نئے بھائی اس جماعت میں داخل ہوں گے وہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو کر اپنے پہلے بھائیوں کے منہ دیکھ لیں گے اور رُو شناسی ہو کر آپس میں رشتۂ تودد و تعارف ترقی پذیر ہوتا رہے گا۔ اور جو بھائی اس عرصہ میں اس سرائے فانی سے انتقال کر جائے گا اس جلسہ میں اس کے لئے دعائے مغفرت کی جائے گی اور تمام بھائیوں کو روحانی طور پر ایک کرنے کے لئے اور ان کی خشکی اور اجنبیت اور نفاق کو درمیان سے اٹھا دینے کے لئے بدرگاہ ربّ العزّت جلشانہ میں کوشش کی جائے گی اور اس روحانی جلسہ میں اور بھی کئی روحانی فوائد اور منافع ہوں گے جو انشاء اللہ القدیر وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہیں گے۔"

(بنات الاحمدیہ کے جلسہ کا مفصل پروگرام صفحہ ۹ پر ملاحظہ فرمائیں)

## ہم پہ لازم ہے شریکِ جلسۂ سالانہ ہوں

از۔ مولانا مرتضیٰ خانصاحب حسن مرحوم

اٹھو پھر اے عاشقانِ ملّتِ بیضا اٹھو
دیں کی خدمت کیلئے باندھو کمر مردانہ وار

پھر خدا سے نصرت و تائید کے طالب ہو
پھر کرو مل کر دعائیں باذ دوچشمِ اشکبار

سر بسجدہ ہوں اگر ہم درگہِ باری میں آج
ہونگے ہم فضلِ خدا سے کامیاب و کامگار

ہم پہ لازم ہے شریکِ جلسۂ سالانہ ہوں
رکھ گئے جس کی بنا ہیں مہدیٔ عالی وقار

ہم مجاہد ہیں خدا کے فضل سے قاعد نہیں
گھر میں ہم بیٹھے رہیں کام نہیں اپنا شعار

بے زری کا کیا ہے شکوہ ہمت عالی تو ہے
عزم مردانہ دکھاؤ مشکلیں ہوں گو ہزار

ہاتھ سے جاتے نہ پائے خدمتِ دیں کا یہ وقت
پھر خدا جانے کہ کب آئیں گے یہ لیل و نہار

ہم تو جیتے ہیں خدا کے دیں کی خدمت کیلئے
حکم ہمکو دے گئے ہیں یوں مسیحِ نامدار

دوستاں خود را نثارِ حضرتِ جاناں کنید
در رہِ آں یار جانی جان و دل قربان کنید

آں دلِ خوش باش مے اکاندر جہاں جوید خوشی
از پئے دینِ محمد کلبۂ احزاں کنید

**از تعیش ہا بروں آئید اے مردانِ حق**
**خویشتن را از پئے اسلام سرگرداں کنید**

# مقامی جماعت احمدیہ لاہور کی جانب سے جامع احمدیہ دارالسلام میں

## مکرم جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے اعزاز میں استقبالیہ

"... کی اہمیت - ضرورت اور حقیقی عظمت کا احساس بیرونی ممالک میں جاکر ہوتا ہے" ——— (ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب)

جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے بلادِ غیر کے کامیاب دورہ سے بخیر و عافیت واپس آنے کی خوشی کے اظہار کے لئے مقامی جماعت احمدیہ لاہور نے مورخہ ۱۰ دسمبر بعد از نمازِ جمعہ جامع احمدیہ دارالسلام میں ان کے اعزاز میں ایک استقبالیہ کا اہتمام کیا۔ محترم چوہدری حنیف اختر صاحب نے اس تقریب کی صدارت کی۔ جناب مسعود اختر صاحب ایڈووکیٹ نے جماعت کی طرف سے سپاسنامہ پیش کرتے ہوئے فرمایا :—

میں حاضرین کی اجازت اور ان کی جانب سے محترم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو مسرت بھرے دل سے خوش آمدید کہتا ہوں اور انہیں یقین دلاتا ہوں کہ یہ استقبالیہ جدید دَور کے رسم و رواج اور تکلفات کی قیود سے آزاد پُر خلوص دِلوں کے اس قلبی اور رُوحانی تعلق کا آئینہ دار ہے جو ہمیں ان سے ہے۔ ہمیں اس کا بڑی شدت سے احساس ہے کہ اپنی عُمر کے اس دَور میں اور اپنی صحت کی مجبوریوں کے باوجود محترم ڈاکٹر صاحب نے دُور دراز کا یہ سفر کسی ذاتی غرض کے لئے نہیں بلکہ محض رضائے الہٰی کے حصول کی خاطر تبلیغ و اشاعتِ اسلام اور تعمیر و تربیّت جماعت کے لئے اختیار کیا۔ اور اسی مقصد کے پیشِ نظر اس طویل سفر کی ساری مشکلات اور صعوبتیں بخوشی برداشت کیں۔ اگر میں یہ کہوں کہ ان کے اس سفر میں ہم گناہگاروں کی دُعائیں ان کے لئے ڈھال رہیں تو یہ مبالغہ نہ ہوگا۔ آپ کا بصحت و سلامتی اور بخیر و عافیت ہمارے درمیان لَوٹ آنا اس کا ثبوت ہے کہ ان عاجزانہ دُعاؤں کو بارگاہِ الٰہی میں شرفِ قبولیت نصیب ہوا۔

ہم سب بڑی بے تابی سے اس کے منتظر ہیں کہ محترم ڈاکٹر صاحب کی زبانی اس سفر میں خدا تعالیٰ کی نصرت و تائید کے نظاروں، اس کی تائیدوں اور اس کے دِین کی کامیابیوں کی داستان سُنیں۔ اس لئے میں آپ کو خوش آمدید کہتے ہوئے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اپنے سفر سے متعلق اور ہمارے دیارِ مغرب کے رہنے والے بھائیوں کے حالات پر روشنی ڈالیں تاکہ اُمیّد کی کسی کرن سے ہمارے دِلوں کو روشنی اور تقویت حاصل ہو۔

جناب ڈاکٹر صاحب نے سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

مجلسِ منتظمہ منعقدہ ۱۸ ۷۶/۷ کے ایک فیصلہ کے تحت مجھے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام یو۔ کے۔ کا ٹرسٹی مقرر کیا گیا اور کہا گیا کہ میں اکتوبر میں لندن میں منعقد ہونے والی ٹرسٹیوں کی میٹنگ میں شرکت کروں اور اس کے ساتھ ہی اس اجلاس سے قبل اور بعد میں دیگر ممالک غیر کے مشنوں اور مغربی نصف کرّہ کی جماعتوں کا دَورہ بھی کروں۔ اس کے علاوہ مجھ سے یہ بھی کہا گیا کہ انگلستان میں جماعت کے استحکام کی کوشش کے علاوہ امریکہ بھی جاؤں۔

حالات کچھ ایسے تھے کہ بظاہر اس پروگرام کی تکمیل میری طاقت سے باہر تھی مگر اس کی ضرورت و اہمیت کے مدِنظر میں انجمن کی درخواست کو نظرانداز نہ کر سکا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر ۲۹ اگست ۱۹۷۶ء کو میں اس سفر پر روانہ ہوگیا اور ۲ ستمبر کی صبح کو لندن پہنچ گیا۔ خوش قسمتی سے لندن میں میرے عزیز موجود تھے۔ اس لئے انجمن کو میری رہائش، خوراک اور نقل و حمل کے سلسلہ میں اخراجات کے لئے زیربار نہ ہونا پڑا۔

لندن پہنچ کر احباب کے ساتھ بذریعہ ٹیلیفون اور خط و کتابت رابطہ قائم کیا جہاں ممکن ہو سکا ان کے گھروں میں ان سے ملاقات کا سلسلہ بھی قائم کیا جس کا بڑا عمدہ اثر پڑا۔ اس طرح افرادِ جماعت میں میل ملاپ۔ چندہ میں اضافہ اور وصولی کی ایک مؤثر صُورت پیدا ہوگئی۔ ہمارے لئے خوشی کی بات یہ ہے کہ انگلستان کی جماعت اب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام یو۔ کے کے نام سے مرکزی احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی شاخ کے طور پر از سرِنو منظم ہو چکی ہے۔

آپ نے بعض ممبران کے نام لے کر بتایا کہ وہ تبلیغ اسلام کے کام کو فروغ دینے کے لئے بڑا جوش اور جذبہ رکھتے ہیں اور یو۔ کے کی جماعت کا مستقبل بڑا روشن اور درخشاں ہے۔

برلن کے ذکر میں آپ نے وہاں کی مسجد کی خوبصورتی۔ اس کی مرمّت اور دیکھ بھال کے لئے انجمن کے مبلغ جناب محمد یحییٰ بٹ صاحب کی خدمات کو سراہا اور بتایا کہ مسجد کے باہر دروازہ کے قریب نصب سنگِ مرمر کی تختی پر جرمن زبان میں یہ تحریر کندہ ہے "مسجد بنا کردہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور ۱۹۲۴ء"۔ اس کے متعلق باقی ماندہ تفصیلات آپ نے سالانہ جلسہ کے موقعہ پر سُنانے کا وعدہ فرمایا۔

برلن میں تین دن قیام کے بعد آپ نے ہالینڈ کے سفر کا ذکر کیا۔ ایمسٹرڈم سے مولانا عبدالرحیم جگو صاحب کی معیت میں آپ ہیگ تشریف لے گئے۔ آپ نے وہاں کی جماعت کے نوجوان صدر سردار نور صاحب کی تعریف کی اور فرمایا کہ انہوں نے جرأت سے کام لے کر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہندرلینڈ کے نام سے جماعت قائم کر لی ہے۔ ہیگ اور یوٹریخت میں آپ نے اپنی تقریروں کا ذکر بھی کیا۔ دونوں جماعتوں کی ایک مشترکہ میٹنگ کا ذکر کرنے کے بعد آپ نے اُمید ظاہر کی کہ یہ مفید اور اہم نتائج کی حامل ہوگی۔ یہ بھی دل خوش کن بات ہے کہ ہیگ کی جماعت کے اراکین مرکزی جماعت لاہور کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تعلق رکھنے کے جذبہ سے سرشار ہیں اور اس کی مالی امداد کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

ہیگ میں جب سے جماعت احمدیہ قائم ہوئی ہے اس میں روز بروز ترقی ہو رہی ہے۔ عید پر تین چار سو آدمی جمع ہو گئے تھے۔ اس تقریبِ استقبالیہ کے اختتام پر

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مورخہ ۲۲ر دسمبر ۱۹۷۶ء

# جہاد، جبر و تشدد اور اسلامی تہذیب کا احیاء

(ڈاکٹر اللہ بخش)

بانیٔ سلسلہ احمدیہ پر سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ جہاد ایسے رُکنِ اسلام کو منسوخ کر کے اس دین میں تبدیلی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ حضرت اقدسؑ نے اس کا جواب یہ دیا تھا کہ عملی زندگی میں تو میرے مخالفین اور میں ایک ہی رویّہ اختیار کر رہے ہیں، نہ وہ اس وقت جہادِ سیفی کرتے ہیں اور نہ میں۔ ان میں اور مجھ میں البتہ یہ فرق ضرور ہے کہ جس امر کو وہ اپنی عملی زندگی میں اختیار کر رہے ہیں، اعتقاداً وہ اسے غلط قرار دیتے ہیں مگر میرا مسلک یہ ہے کہ میرا عمل اور عقیدہ ہم آہنگ ہیں، جب کہ میں جہادِ سیفی کو اس وقت صحیح نہیں سمجھتا تو پھر میرا عقیدہ بھی اس کے مطابق ہے کہ موجودہ حالات میں دینِ اسلام میں سیفی جہاد جائز نہیں۔ مگر اس کے مقابل میرے مخالف علماء مُلک ہند کو "دارالحرب" قرار دے کر پھر تلوار کیوں نہیں اُٹھاتے؟ جہادِ سیفی کو اس وقت جائز تسلیم کر کے اس پر عمل پیرا نہ ہونا تو منافقت ہے جس کی اسلام قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ البتہ اگر موجودہ حالات اس امر کے متقاضی ہیں کہ سیفی جہاد اسلام کی رُو سے جائز نہیں تو یہی تو میرا مسلک ہے پھر اس پر اعتراض کیوں؟

حضرت اقدسؑ نے صاف صاف اس مسئلہ کے متعلق فرما دیا کہ:-

وجوہ الجہاد معدومۃ فی ھذہ الزمان و ھذہ البلاد۔

جہادِ سیفی کی شرائط قرآنی اس وقت ان ممالک میں موجود نہیں۔ پھر آپ کا یہ اصل الاصول تھا کہ قرآن کریم کا ایک نقطہ یا شوشہ بھی کسی کو بدلنے کا اختیار نہیں۔ دینِ اسلام ہمیشہ کے لئے ایک مکمل و محفوظ دین ہے جو کتاب اللہ قرآن کریم اور سُنت رسول اللہ کی شکل ہمارے پاس ہماری رہنمائی کیلئے ہر وقت جُوں کا تُوں موجود ہے۔ اس بارہ میں تو حضرت اقدسؑ کا موقف ایسا واضح اور روشن ہے کہ آپ نے سب سے پہلے تمام ادیان کو بار بار چیلنج دیئے کہ تم جو اُصول پیش کرو اسے اپنی کتاب میں مرقوم ثابت کرو، نیز جو دلائل اس اُصول کی تائید میں پیش کرو وہ بھی اپنی کتاب میں سے پیش کرو تاکہ دنیا پر یہ ثابت کر سکو کہ تم جن اُصولوں اور ان کی تائید میں جن دلائل کو پیش کرتے ہو وہ تمہاری اپنی طرف سے نہیں ہیں بلکہ خود تمہاری آسمانی کتاب سے ماخوذ ہیں، ورنہ یہ سمجھا جائے گا کہ تم اپنی طرف سے کوئی دین بنا کر پیش کر رہے ہو اور اس کی وکالت میں وہ دلائل دے رہے ہو جو تمہاری کتاب میں موجود نہیں اور اس لئے وہ کتاب کامل نہیں۔

پھر حضرت اقدسؑ نے خود اس عظیم اُصول کی پُوری پُوری طرح پیروی کر کے دکھلائی۔ جس اُصول کو مخالفینِ اسلام کے مقابل پیش کیا اسے قرآن کی آیات میں لکھا ہُوا دکھلایا اور جو دلائل اس کی تائید میں دیئے وہ قرآن حمید سے ہی دیئے۔ اس سے بھی بڑھ کر آپ نے تمام عالم کو چیلنج دیا کہ انسانی ضروریات سے متعلق کوئی صحیح تعلیم اگر کسی سابقہ آسمانی صحیفہ یا اپنی عقل سے نکال کر پیش کی جائے تو وہی تعلیم یا اس سے بہتر آپ قرآن کریم سے نکال کر پیش کرنے کا ذمہ لیتے ہیں۔

اس پر مزید یہ بھی آپ نے فرمایا کہ اپنے بیان کردہ اُصولوں پر دلائل و براہین پیش کرنا کسی آسمانی کتاب پر اس لئے بھی ضروری و لازم ہے۔ کہ تا اسے تسلیم کرنے میں عقلِ انسانی کو کوئی مشکل و دقت نہ ہو۔ کیونکہ اگر کوئی اُصول ایسا ہو جس کی تائید علم و عقل سے نہ کی جا سکتی ہو تو پھر سمجھا جائے گا کہ اُسے منوانے کے لئے اندھی تقلید یا جبر استعمال کیا گیا ہے جو کسی سچے دین کے لئے درست و صحیح اُصول نہیں۔ لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا کے قرآنی اُصول کے تحت انسان خلافِ عقل و علم اُصولوں کو ماننے کے لئے مجبور نہیں کیا گیا۔

پھر حضرت اقدسؑ نے اس امر کو بھی بالصراحت بیان کیا کہ اسلام میں جہادِ سیفی صرف اپنے دفاع میں جائز کیا گیا ہے، نہ کہ جارحانہ طور پر۔ جیسے کہ بعض جاہل مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ کفار کو بہ جبر مسلمان بنایا جائے یا دینِ اسلام کی تبلیغ کے لئے جارحانہ جنگیں لڑا رکھی جائیں۔ چنانچہ یہ من گھڑت عقیدہ رائج کیا گیا کہ خونی مہدی آ کر کفار کو تلوار سے مسلمان بنائیں گے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت اقدسؑ نے علماء کے بند کئے ہوئے جہاد تبلیغ اسلام کو جاری و رائج کیا ہے۔ یہ آپ کا بابرکت وجود ہی تھا جس نے اس زمانہ میں اسلام کی اشاعت کے جہاد زمانہ کو نہایت کامیابی اور دینِ اسلام کی فاتحانہ یلغار کے لئے جاری کر دکھلایا۔ یہ زمانہ علم و روشنی کا دَور ہے اور آپ نے یہ فرمایا کہ دینِ اسلام خود علم و حکمت کے خزائن سے معمور ہے، مسلمانوں کو چاہئے کہ دینِ اسلام کے ان مخفی خزائن کو نکال کر اپنے مذہب کی صداقت و افضلیت اور اس کے محاسن و فوائد عظیمہ کو دُنیا کے سامنے پیش کریں۔ جائے غور ہے کیا ایسے خادم اسلام کے بارہ میں یہ کہنا کہ اس نے جہاد کے رُکن کو منسوخ کیا کہاں تک صحیح و منصفانہ بات ہے؟ البتہ یہ امر درست ہے کہ آپ نے دین میں جبر و تشدد اور ظاہری طاقت یا شوکت کے استعمال کو سراسر ناجائز اور خلافِ تعلیم قرآن کارروائی قرار دیا ہے۔

آپ نے خدا تعالےٰ سے خبر پا کر مسلمانوں کو یہ خوشخبری دی کہ چونکہ تمہارا دین بھی علم و حکمت کے منبع سے نکلا ہوا دین ہے اور اس زمانہ کی نمایاں خصوصیت بھی علم و عقل کو فروغ دینا ہے۔ اس لئے اگر تم اپنے دین کی تبلیغ کے لئے دلائل و براہین اور اس کے اعلےٰ اُصولوں کی افادیت و ضرورت کا طریق کار اختیار کرو گے تو ضرور اسی سے تمہارے دینِ اسلام کا بول بالا اور غلبہ و فتح مقدر ہو چکا ہے۔ لیکن علمائے وقت نے حضرت اقدسؑ کے اس موقف کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ بلکہ آج تک جبکہ تبلیغِ اسلام کے صحیح طریقِ کار کے معجزانہ نتائج ظہور پذیر ہو کر مغرب سے بھی طلوع اسلام کا آفتاب چڑھ چُکا ہے مگر بجز جماعت احمدیہ کے کسی دیگر جماعت کو تبلیغ اسلام کی توفیق نہیں مل سکی۔ لیکن واقعات زمانہ مجبور کر رہے ہیں کہ علماءِ دین اپنے پُرانے مروجہ اور غلط عقائد کو چھوڑیں اور صحیح تعلیم اسلام کو اختیار کریں۔ چنانچہ ایک طرف اب آئمہ کرام و علماءِ عظام برملا یہ ندا دے رہے ہیں کہ یہ زمانہ جہاد بالقلم و العلم کا ہی ہے۔ اس لئے کہ دشمن اسلام جس طریق کار کو استعمال کرتا ہے وہ مسلمانوں کے دین و ایمان کو وساوس کے ذریعہ کمزور کر کے اور مسلمان ممالک اور جماعتوں میں پھوٹ ڈال کر ہی کرتا ہے۔ ضرورت ہے کہ مسلمان علم و عقل کی اساس پر اپنے دین پر استقامت اختیار کریں۔ نیز باہم متحد اور منظم رہیں۔

ہم نے گذشتہ اشاعت میں یہ تحریر کیا تھا کہ جماعت اسلامی

[کی] اب عادتِ زمانہ کے باعث یہ کہنے پر مجبور ہو گئی ہے کہ اس کا مسلک یہ جبر اقتدار پر قبضہ کرنے کا نہیں بلکہ اس کا لائحہ عمل بھی یہی ہے کہ مسلمانوں کی **زندگیوں میں اسلامی نظام رائج کیا جائے۔**
[اس] بارہ میں دو اقتباسات ذیل میں دیئے جاتے ہیں، ایک تو خود مولانا مودودی کا بیان ہے اور دوسرا جماعت اسلامی کے سیکرٹری جنرل کا:-

(۱) "علماء دیہات میں جا کر لوگوں کو اصل اسلام کے بارے میں بتائیں۔ ظلم و ستم سے افکار و نظریات یا تحریکیں ختم نہیں ہوا کرتیں: مولانا مودودی

لاہور - ۲۴ر نومبر - بانی جماعت اسلامی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے علماء پر زور دیا ہے کہ وہ اپنے مسلک پر قائم رہتے ہوئے دیہاتوں میں جا کر ان کی اپنی زبان میں تبلیغ سے لوگوں میں دین کا فہم پیدا کریں اور مثبت طریقہ سے لوگوں کو اصل اسلام بتائیں کیونکہ مذہبی گروہوں نے فروعی اختلافات ہی کو اسلام قرار دے کر دین کا صحیح تصور سادہ لوح مسلمانوں کی نظروں سے اوجھل کر دیا ہے - وہ آج اسلامی جمعیت طلباء عربیہ مدرسہ اشاعت العلوم لائل پور سے آئے ہوئے ایک وفد کے سوالات کے جوابات دے رہے تھے مولانا مودودی نے کہا کہ ظلم و ستم سے نہ تو لوگوں کے ذہنوں سے افکار و نظریات کو نکالا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی تحریک کو مٹایا جا سکتا ہے

مولانا مودودی نے کہا کہ اللہ تعالےٰ کی یہ مسلک نہیں ہے کہ جو قوم اپنی قیادت کے لئے بُرے افراد کو منتخب کرنا چاہے اس پر زبردستی اچھے لوگ مسلط کر دے - انہوں نے افسوس کے ساتھ کہا کہ قیام پاکستان سے اب تک ہر حکومت نے تحریکِ اسلامی کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کی ہیں اور اب بھی حال یہ ہے کہ دین کے خادموں کی بجائے فساق و فجار کو عزت و اکرام سے نوازا جاتا ہے - انہوں نے کہا کہ ہمارا کام صرف یہ ہے کہ اصل دین کو جاننے کے بعد اب مسلمانوں کو اس تصورِ دین سے روشناس کرانے اور اس کے غلبہ کے لئے جد و جہد کرتے چلے جائیں جس کے نتائج انشاء اللہ ضرور برآمد ہوں گے۔"

(نوائے وقت ۲۵ر نومبر ۱۹۷۶ء)

(۲) اسی طرح سیکرٹری جنرل جماعتِ اسلامی کا بیان اس طرح شائع ہوا ہے:-
"جماعتِ اسلامی اسلام کو بحیثیت نظام زندگی نافذ کرنا چاہتی ہے۔
لاہور - ۲۵ر نومبر - چوہدری رحمت الٰہی سیکرٹری جنرل جماعت اسلامی پاکستان نے کہا ہے کہ جماعت اسلامی کا مشن اسلام کو بحیثیت نظام زندگی کے دُنیا پر غالب کرنا ہے - انہوں نے کہا کہ سرمایہ دارانہ نظام اور سوشلزم کسی نہ کسی حد تک پاکستان میں بھی آزمائے جا چکے ہیں اور عوام ان کے مغلوبہ نظام کا بھی بوجھ برداشت کر چکے ہیں لیکن یہاں غریب عوام کے مسائل میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی........
انہوں نے کہا جماعتِ اسلامی طاقت کے ذریعہ اقتدار پر قبضہ کرنے کی بجائے عوام کو اپنی دعوت اور اسلامی فکر سے قائل کر کے پائدار تبدیلی لائے گی۔"

(اخبار مشرق - ۲۶ر نومبر ۱۹۷۶ء)

[ان] بیانات کے بعد بھی کیا کوئی شک و شبہ باقی رہ جاتا ہے کہ حضرت [مرزا] نے دینِ اسلام کی ترقی و فروغ کے لئے جو راستہ خدا تعالےٰ [سے] اطلاع پا کر مسلمانوں کو دیا تھا آج وہی طریق کار صحیح و درست [ہے] اور اسی کی طرف مسلمان علماء اور لیڈر آتے چلے جا رہے ہیں؟
کیا ان تمام واقعات سے یہ امر پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ جاتا کہ بالآخر [حضرت] مسیح موعودؑ کا مسلک کامیاب ہے جسے مسلمان اختیار کرتے چلے [جا رہے] ہیں؟ کتاب اللہ یعنی قرآن پاک اور سنتِ رسول اللہ کی بنا پر مسلمانوں کی زندگیوں میں ایک عملی انقلاب بپا کرنے کی ضرورت سے بڑھ کر آج اور کوئی عمل احیاءِ اسلام کی خاطر ضروری نہیں - چنانچہ آج سے قریباً پون صدی پیشتر حضرت اقدسؑ نے نہ صرف یہی ندا بلند فرمائی تھی بلکہ ایسی جماعت کو اسلامی تہذیب کے احیاء کے لئے تشکیل کر کے فتح اسلام کے لئے تیار کر دیا تھا جس کا اقرار خود علامہ اقبال مرحوم نے ۱۹۱۱ء میں ان الفاظ میں کیا تھا:-

"اگر تمہیں اس زمانہ میں ٹھیٹھ اسلامی تہذیب کا نمونہ دیکھنا ہو تو وہ تمہیں اس فرقہ میں ملے گا جو قادیان میں پیدا ہوا ہے"

(تقریر علیگڑھ)

---

# جلسہ سالانہ پر آنے والے
## احباب کا خیر مقدم

"پیغامِ صلح" کا یہ پرچہ جلسہ سے پہلے آخری پرچہ ہے - اس پرچہ کے پہنچنے پر احباب شمولیت جلسہ کے لئے پا بہ رکاب ہونگے ہم تمام احباب کا خیر مقدم کرتے اور دُعا کرتے ہیں - کہ اللہ تعالیٰ ان کو سفر کی صعوبتوں سے محفوظ رکھے اور

**حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے**

جلسہ کی جو اغراض بیان کی ہیں، انہیں پورا کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے - آمین -

(ادارہ)

# آفتاب الدین احمد فری دار الشفاء

آپ کے **عطیات** کا منتظر ہے - اس لئے بھی کہ ڈاکٹر شیخ محمد حسین مرحوم آنریری معالج کی وفات کے بعد نئے انتظامات کے تحت اخراجات میں اضافہ ہو گیا ہے -

**رفاہِ عامہ** کے اس ادارہ کو اب آپ کی توجہ اور امداد کی زیادہ ضرورت ہے - کم و بیش یکصد مریض روزانہ اس سے استفادہ کر رہے ہیں -

(سیکرٹری دار الشفاء)

# سانحہ ارتحال

محمد بیدار صاحب کراچی سے اطلاع دیتے ہیں کہ:-

یہ خبر جماعت کے تمام حلقوں میں نہایت افسوس کے ساتھ سُنی جائے گی - کہ مکرم مولوی محمد عبدالباسط صاحب اچانک حرکت قلب بند ہونے سے انتقال فرما گئے - **انا للہ و انا الیہ راجعون** -

مرحوم نہایت نیک سیرت، بلند اخلاق، اور ہمدردِ سلسلہ بزرگ تھے انکی ناگہانی وفات سے جماعت اپنے ایک فعال رُکن سے محروم ہو گئی ہے اور بظاہر اس خلا کا پُر ہونا مشکل ہے - دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت میں انہیں بلند درجات عطا فرمائے اور جُملہ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے -

احباب کرام سے جنازۂ غائبانہ کی درخواست ہے -

مکرم عبدالواجد صاحب پشاور ——— قسط نمبر (۲)

# کیا ختم نبوت کے بعد وحی۔ الہام۔ کشف اور رؤیا صادقہ کے دروازے بند ہو گئے ہیں۔ اور کیا اُمتِ مُسلمہ میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اولیاء نہیں آسکتے۔

پرویز صاحب کے دیئے ہوئے اصطلاحی معنی کو لیجئے۔ پرویز صاحب نے یہ وضاحت نہیں کی کہ وحی کے اصطلاحی معنوں کی جو خصوصیات انہوں نے لکھی ہیں کن وجوہات کی بناء پر انہوں نے لکھی ہیں، مثلاً پہلی خصوصیت جو انہوں نے دی ہے وہ یہ ہے کہ وحی صرف انبیاء کرام کی طرف ہی آتی تھی غیر انبیاء کی طرف نہیں آتی تھی۔ لغوی معنے جو انہوں نے دیئے ہیں ان سے تو اس خصوصیت کی تائید نہیں ہوتی۔ اور اس خصوصیت کی تائید میں انہوں نے کوئی آیت قرآنی بھی پیش نہیں کی۔ اس لئے میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ کیوں "قرآنی اصطلاح" کے حق میں قرآن کریم کی کوئی آیت پیش نہ کی جائے۔ لیکن قرآن کریم تو اس خصوصیت کے خلاف حکم کرتا ہے۔ مثالیں لیجئے :-

۱۔ ما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولاً فیوحی باذنه مایشاء (شوریٰ -۵۱) اور کسی بشر کے لئے میسر نہیں کہ اللہ تعالےٰ اس سے کلام کرے مگر وحی سے یا پردہ کے پیچھے سے یا رسول بھیجے پس اپنے حکم سے جو چاہے وحی کرے۔ یہاں پر کلام کرنے کے بارہ میں اللہ تعالےٰ نے نبی کی خصوصیت نہیں فرمائی۔ بلکہ بشر کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ یہ آیت اپنے اندر حصر رکھتی ہے اور اللہ تعالےٰ کے کلام کرنے کے طریقوں کو بیان کرتی ہے۔ اور کلام بشر کے ساتھ ہے اور بشر نبی اور غیر نبی دونوں پر مشتمل ہے۔ اور من وراء حجاب کشف اور رؤیا دونوں کو اپنے اندر شامل کرتے ہیں۔

۲۔ وامرأته قائمة فضحکت فبشرناها باسحٰق (ہود-۷۱) اور اس کی عورت کھڑی تھی اور وہ خوش ہوئی تو ہم نے اسے اسحٰق کی خوشخبری دی۔ یہاں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کا ذکر ہے۔ انہیں اللہ تعالےٰ اسحٰق کی بشارت دیتا ہے۔ عورت نبیہ نہیں ہوتی۔

۳۔ قلنا یا ذالقرنین اما ان تعذب و اما ان تتخذ فیهم حسنا۔ (کہف - ۸۶) ہم نے کہا اے ذوالقرنین چاہے تو انہیں سزا دے یا ان سے اچھا سلوک کرے۔ اور ذوالقرنین اکثر مفسرین کے نزدیک نبی نہ تھا۔

۴۔ اذ قالت الملٰئکة یٰمریم ان الله یبشرك بکلمة منه (العمران- ۴۵) جب فرشتوں نے کہا اے مریم اللہ تجھے اپنی طرف سے ایک کلمہ کی خوشخبری دیتا ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام نبیہ نہیں تھیں۔ لیکن فرشتہ نے ان سے ہمکلامی کی

۵۔ واذ قالت الملٰئکة یٰمریم ان الله اصطفٰك وطهرك واصطفٰك علیٰ نساء العالمین (العمران- ۴۲) اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم اللہ نے تجھے برگزیدہ کیا ہے اور تجھے پاک کیا ہے اور قوموں کی عورتوں میں سے تجھے چُن لیا ہے۔

۶۔ فارسلنا الیها روحنا فتمثل لها بشراً سویا۔ قالت انی اعوذ بالرحمٰن منك ان کنت تقیا۔ قال انما انا رسول ربك لاهب لك غلاماً زکیا۔ (مریم ۱۷ تا ۱۹) یہاں پر بھی حضرت مریم اور فرشتہ کے درمیان مکالمہ ہے۔

۷۔ واذ اوحیت الی الحواریین ان اٰمنوا بی وبرسولی (المائدہ ۱۱۱) اور جب میں نے حواریوں کی طرف وحی کی کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔

پرویز صاحب کہتے ہیں کہ حواریوں کی طرف یہ وحی بوساطت حضرت عیسےٰ علیہ السلام ہوئی۔ حالانکہ الفاظ قرآنی میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں کہ باہر سے الفاظ کو داخل کرنے کی ضرورت ہو۔ اور اگر بالفرض حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی وساطت سے وحی ہوئی تو پھر الفاظ قرآنی موجودہ شکل پر قائم نہیں رہ سکتے۔

۸۔ واوحینا الیٰ امّ موسیٰ ان ارضعیه الخ (القصص - ۷)۔ اور ہم نے موسےٰ کی ماں کو وحی کی کہ اسے دُودھ پلاتی رہ۔ پرویز صاحب نے اپنی کتاب صفحہ ۲۶۲-۲۶۳ پر لکھا ہے کہ یہ دو آیات ہماری طرف سے اس بات کی تائید میں پیش ہوتی ہیں کہ غیر از نبی کو بھی وحی ہوتی ہے۔ اس کے جواب میں پرویز صاحب فرماتے ہیں کہ ان دونوں آیات میں لغوی معنی مقصود ہیں اور لغوی معنی کی رُو سے وحی کے معانی ہیں ایلچی کے ذریعہ سے کسی کی طرف پیغام بھیجنا۔ مذکورہ صدر دونوں آیات میں اوحینا کے بھی لغوی معنی مقصود ہیں یعنے خدا تعالےٰ نے اپنے کسی پیغامبر کے (یعنی کسی رسُول) کی معرفت حضرت موسےٰ کی والدہ کی طرف یہ حکم بھیجا۔ یا حضرت عیسےٰؑ کے حواریوں کی طرف حضرت عیسےٰ کی وساطت سے یہ حکم بھیجا۔" حواریوں کے سلسلہ میں تو پرویز صاحب نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو ذریعہ بنا لیا۔ لیکن موسےٰؑ کی ماں کی طرف وحی کے متعلق کسی رسُول کا نام نہیں پیش کر سکے۔ اگر نام پیش کر سکتے تھے تو کم از کم تاریخ سے یہ تو ثابت کر دیتے کہ اس وقت ایک رسُول زندہ تھا جس پر حضرت موسےٰ علیہ السلام کی والدہ مکرمہ ایمان لائی تھیں۔ پرویز صاحب نے یہ بحث تحقیقی سطح پر رکھنے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن ان کی تحقیق کسی نبی یا رسُول کا نام پیش کرنے سے قاصر رہی۔ ہم اس معاملہ میں ان کی تحقیق سے مستفید ہونے کے منتظر ہیں کہ وہ حضرت موسےٰؑ کی ماں کی طرف خدا تعالیٰ کا حکم پہنچانے والے نبی کا نام بتائیں۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ اذ اوحینا الیٰ امك مایوحیٰ (طٰہٰ -۳۸) جب ہم نے تیری ماں کی طرف وحی کی جو وحی کی گئی۔ یعنی حضرت موسےٰ کی والدہ کو وحی کرنے کا دوسری بار اللہ تعالےٰ نے ذکر فرمایا ہے لیکن یہاں پر اللہ تعالےٰ نے کسی نبی کا ذکر نہیں کیا جس کی وساطت سے بقول پرویز صاحب اللہ تعالےٰ نے یہ وحی کی۔

۹۔ فلما ذهبوا به واجمعوا ان یجعلوه فی غیٰبت الجب واوحینا الیه لتنبئنهم بامرهم هٰذا۔ (یوسف ۱۵) سو جب اسے لے گئے اور اسے گہرے کنوئیں میں ڈالنے پر متفق ہو گئے تو ہم نے اس کی طرف وحی کی۔ یہ اس وقت کا معاملہ ہے جب حضرت یوسف علیہ السلام چھوٹے تھے کنوئیں سے ایک قافلہ والوں نے نکالا اور مصر میں بیچ دیا۔ پھر اس کے بعد آپ جوان ہوئے اسی کا ذکر اللہ تعالےٰ نے فرمایا ولما بلغ اشده اٰتیناه حکما وعلما۔ جب وہ بلوغت کو پہنچے تو ہم نے اسے حکم

اور علم دیا۔ یہاں پر تو کسی رسول کے ذریعہ خبر دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس وقت تو صرف حضرت یعقوب علیہ السلام نبی تھے اور وہ اس موقعہ پر موجود نہ تھے اور نہ ہی پوری سورت میں کہیں اس قسم کا ذکر آیا ہے۔ تو بچپن میں اللہ تعالےٰ نے انہیں وحی کی۔ بچپن میں تو کوئی نبی نہیں ہوتا۔ گویا نبوت عطا ہونے سے پہلے بھی وحی ہوتی رہی۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ فرماتا ہے لقد ھمت بہ وھم بھا لولا ان رای برھان ربہ (یوسف۔ ۲۳) اس عورت نے اس کا قصد کیا اور وہ بھی اس کا قصد کرتا اگر وہ اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل نہ دیکھ چکا ہوتا۔ یہ روشن دلیل خدا تعالےٰ کی طرف سے کس ذریعہ سے دیکھی سوائے وحی کے۔ اور جب حضرت یوسف علیہ السلام قید خانہ میں داخل ہوئے اور ان کے ساتھ دو اور اشخاص داخل ہوئے اور انہوں نے خواب دیکھے اور ان خوابوں کی تعبیر انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ میں ابھی فی الفور تمہیں اس کی تعبیر بتاتا ہوں اور کہا ذٰلکما مما علمنی ربی (یوسف۔ ۳۷) یہ وہ علم ہے جو اللہ تعالےٰ نے مجھے دیا ہے۔ یہ بذریعہ وحی ہی تو ملا تھا۔

۱۰۔ رفیع الدرجات ذو العرش یلقی الروح من امرہ علیٰ من یشاء من عبادہ (المؤمن۔ ۱۵) بلند درجات والا اور درجات بلند کرنے والا صاحب عرش وہ روح کو اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے ڈالتا ہے۔ یہاں پر روح بندوں پر ڈالنے کا حکم ہے اور بندہ عام ہے جس میں نبی اور غیر از نبی دونوں شامل ہیں جیسے بشر میں دونوں شامل ہیں۔ اور اس میں عورتیں بھی شامل ہیں۔

۱۱۔ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملٰئکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا (حٰم سجدہ۔ ۳۰) جو مومن یہ کہتے ہیں کہ اللہ ہمارا رب ہے پھر اس پر استقامت اختیار کرتے ہیں۔ ان پر فرشتے اُترتے ہیں کہ تم نہ ڈرو اور غمگین ہو۔

میں نے صرف وہ آیات پیش کی ہیں جو موضوع زیر بحث کے ساتھ براہ راست متعلق ہیں اور جن میں تاویلات کی گنجائش نہیں۔ یہ آیات حتمی طور پر ظاہر کرتی ہیں کہ وحی غیر انبیاء کی طرف بھی ہوتی ہے پرویز صاحب نے وحی کی پہلی خصوصیت کے بارہ میں جو یہ کہا کہ وحی صرف نبی کو ہی ہوتی تھی اور غیر از نبی کو نہیں ہوتی تھی۔ قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیات کے صریح خلاف ہے اور اس لئے باطل ہے۔

دوسری خصوصیت موضوع زیر بحث کے لئے اتنی اہم نہیں۔ تیسری خصوصیت سے پرویز صاحب کا مطلب یہ ہے کہ علم بذریعہ وحی کسبی نہیں بلکہ وہبی ہے۔ یعنی انسان کتنے ہی اعمال صالحہ کیوں نہ بجالائے وہ اپنے مجاہدات اور ریاضات سے مورد وحی نہیں ہو سکتا۔ وحی رحمت وفضل خداوندی ہے جسے وہ چاہتا ہے اس کے لئے مختص کرتا ہے۔ یہ آیت پرویز صاحب کے لئے مفید مطلب نہیں کیونکہ رحمۃ اور من یشاء میں عمومیت ہے اور تخصیص کے لئے کوئی قرینہ نہیں۔ اللہ تعالےٰ انسان کے اعمال پر نتائج مرتب فرماتا ہے اور یہ بات اس نے انسان کو سمجھا بھی دی ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا (عنکبوت۔ ۶۹) جو لوگ ہمارے لئے مشقت اُٹھاتے ہیں یقیناً ہم انہیں اپنے رستوں پر چلائیں گے اور اللہ تعالےٰ نے ہمیں دُعا سکھائی ہے اھدنا الصراط المستقیم۔ اے اللہ ہمیں سیدھا رستہ دکھا اور سیدھے رستے پر قائم رکھ اور یہ رستہ اُن لوگوں کا ہے جن پر اللہ تعالےٰ کی نعمتیں نازل ہوئیں اور یہ نعمتیں انبیاء اور اولیاء کی ہیں کیونکہ انہی کا راستہ سیدھا راستہ ہے نہ کہ بادشاہوں اور گورنروں کا۔ تو جب اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں کو نعمتیں نہیں دینی تھیں تو دعا کیوں سکھائی اور فرمایا واذا سألک عبادی عنی فانی قریب

اور تم سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو میں قریب ہوں لیکن پرویز صاحب کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ قریب نہیں وہ غیر انبیاء سے بات نہیں کرتا تھا۔ اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ادعونی استجب لکم مجھے پکارو میں جواب دوں گا۔ کیونکہ میں بہت قریب ہوں۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے۔ میں تمہیں ان لوگوں کے رستے دکھاؤں گا جن پر میں نے انعام کئے بشرطیکہ محنت اور مشقت اور سعی کرتے رہو لیکن پرویز صاحب اللہ تعالےٰ کے خزانوں کی تقسیم اپنے ذمہ لیتے ہیں اور اس آیت قرآنی کے مصداق بنتے ہیں قل لو انتم تملکون خزائن رحمۃ ربی اذا لامسکتم خشیۃ الانفاق (بنی اسرائیل۔ ۱۰۰) کہ اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو تب تم خرچ ہو جانے کے ڈر سے انہیں روک رکھتے۔ انسان میں بخل ہے۔ اور اللہ تعالےٰ نے ہمیں یہ دُعا سکھائی واجعلنا للمتقین اماما۔ (فرقان۔ ۷۴) یہ دعا اللہ تعالےٰ کے بندوں کی نشانیاں بتانے کے بعد سکھائی۔ اے اللہ ہمیں متقیوں کا امام بنا۔ اور متقیوں کا امام کون ہوگا۔ پرویز صاحب بتائیں۔ ماموریت موہبت ہے۔ لیکن وحی اور الہام جیسے گذر چکا ہے موہبت بھی ہو سکتا ہے اور نہیں بھی۔

وحی کی چوتھی خصوصیت پرویز صاحب نے یہ بتائی کہ چونکہ یہ علم نبی تک محدود و مختص تھا اس لئے ہم (یعنی غیر از نبی) سمجھ ہی نہیں سکتے کہ اس کی ماہیت وکیفیت کیا ہے۔ اُوپر یہ بتایا جا چکا ہے علم بذریعہ وحی نبی کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ غیر از نبی کو بھی وحی ہوتی ہے اور غیر از نبی کو بھی وحی کے ذریعہ علم ملتا ہے۔ اور وہ اس کی ماہیت اور کیفیت کو جانتے ہیں کیونکہ وہ صاحب تجربہ ہوتے ہیں۔

پانچویں خصوصیت پرویز صاحب نے یہ بتائی ہے کہ وحی مبہم اشارات نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ خواب ہوتی ہے۔ بلکہ صاف۔ واضح متعین الفاظ ہوتے تھے۔ اس کے متعلق عرض ہے کہ اللہ تعالےٰ بذریعہ وحی جو علم دیتا ہے وہ واقعی غیر مبہم ہوتا ہے الفاظ متعین ہوتے ہیں۔ لیکن یہ کہنا کہ وحی خواب نہیں ہوتی۔ یہ قرآن شریف کی واضح آیات کے صریح خلاف ہے۔ اللہ تعالےٰ نے علم کا ایک ذریعہ رؤیاء صالحہ بتایا ہے۔ پرویز صاحب نے اپنی کتاب میں الہام اور کشف کا ذکر کیا لیکن رؤیاء کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔ میں ایک لمحہ کے لئے یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ پرویز صاحب نے عمداً ایسا نہیں کیا۔ وہ قرآن سے واقف ہیں لیکن چونکہ وہ جانتے ہیں کہ وحی کے ارد گرد انہوں نے جو عمارت بنائی ہے وہ دھڑام سے گر جائے گی اس لئے انہوں نے بہتری اسی میں سمجھی کہ اس کا ذکر نہ کیا جائے۔ یہ دوسری مثال ہے اخفاء کی جس کا ارتکاب پرویز صاحب نے کیا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے:—

۱۔ لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیاء (فتح۔ ۲۷) تحقیق اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول کے رؤیا کو سچ کر دکھایا۔ اور امام راغب نے رؤیاء کے معنی خواب کے کئے ہیں۔ لیکن پرویز صاحب کہتے ہیں کہ وحی خواب نہیں ہوتی۔ جو رؤیا آنحضرت صلعم نے دیکھا اللہ تعالےٰ نے اس کی تصدیق فرمائی ہے۔

۲۔ وما جعلنا الرؤیا التی اریناک (بنی اسرائیل۔ ۶۰) اور ہم نے نہیں بنایا اس رؤیا کو جو ہم نے تجھے دکھایا یہ خطاب آنحضرت صلعم سے ہے۔

۳۔ انی اریٰ فی المنام انی اذبحک (صٰفٰت۔ ۱۰۲) میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول ہے اور اس کے جواب میں ان کے لخت جگر حضرت اسمٰعیل فرماتے ہیں افعل ما تؤمر۔ کر گذر جو تجھے حکم ہوا ہے۔ یعنے

رؤیا کے ذریعہ حکم ملا۔

۴۔ وناديناه ان يا ابراهيم قد صدقت الرؤيا۔ اور ہم نے اسے پکارا اے ابراہیم تو نے بے شک خواب کو سچ کر دکھایا

۵۔ اذ يريكهم الله فى منامك قليلًا۔ (انفال۔ ۴۳) جب اللہ نے انہیں تمہیں خواب میں تھوڑا کرکے دکھایا اور یہاں پر لفظ منامک ہے۔ ظاہر ہے اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ منام کے معنے خواب ہیں۔ پرویز صاحب امید ہے ضرور بتائیں گے کہ وہ کس طرح قرآن کریم کی آیات کی خلاف ورزی کرکے عوام کو دھوکا دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں یہ مبہم اشارات اور یا خواب نہیں ہوتے تھے ......... اسی لئے اسے کلام اللہ کہا جاتا ہے۔

۶۔ انى رأيت احد عشر كوكبًا والشمس والقمر رأيتهم لى ساجدين (یوسف۔ ۴)

حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بچپن میں فرماتے ہیں کہ میں نے خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے اور شمس اور قمر میرے لئے سجدہ کر رہے ہیں۔ اور ان کے والد انہیں نصیحت کرتے ہیں کہ اس خواب کو اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کریں تاکہ وہ ان کے خلاف سازش نہ کریں۔ گویا ایک نبی اپنے بچے کی خواب کی تصدیق کر رہے ہیں۔

۷۔ هذا تاويل رؤياى (یوسف۔ ۱۰۰)

یہ میرے خواب کی تعبیر ہے یہ اُوپر دیئے گئے خواب کا ذکر ہے۔ جو حضرت یوسف علیہ السلام نے بچپن میں دیکھا تھا۔

پرویز صاحب کی دیدہ دلیری کی مثال قارئین نے ملاحظہ کرلی ہوگی اور ان کی تحقیق کی سطح کا بھی اندازہ کر لیا ہوگا۔ اسی ضمن میں ان کی ایک دو اور باتوں کا بھی ذکر مناسب ہوگا۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"یاد رکھئے کشف و الہام کا کوئی تصور قرآن میں نہیں دیا گیا"

اور" جو یہ کہے کہ میں خدا کی طرف سے علم پاکر پیشگوئیاں کرتا ہوں ایسا شخص درحقیقت مُدعی نبوت ہے لہذا از روئے قرآن اس کا دعوےٰ باطل ہے"

اور" لہذا ختم نبوت کے بعد اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ مجھے خدا کی طرف سے غیب کی خبریں یعنی پیشگوئیاں ملتی ہیں تو وہ وحی کا مُدعی ہے"

اُوپر کی آیات سے کشف کی ایک جہت تو واضح ہوگئی ہوگی اگرچہ لفظ کشف استعمال نہیں ہوا۔ کشف علم شریعت میں ایک عربی لفظ ہے جس سے انکار کا مطلب یہ ہے کہ پرویز صاحب اصطلاحات کا تعین تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ خود بھی تو ایک قرآنی اصلاح وضع کرچکے ہیں۔ تو کشف کے لفظ کے قرآن شریف میں غیر مستعمل ہونے سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کشف کا تصوّر قرآن میں نہیں۔ اسی طرح اُوپر کی آیات میں پیشگوئیاں ہیں اور ان پیشگوئیوں کی دیگر مثالیں بھی دی جا چکی ہیں۔ حضرت موسےٰ کی والدہ کو یہ پیشگوئی ہوئی کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت موسےٰ کو ضرور اپنی والدہ کی طرف لوٹائیں گے۔ حضرت اسحٰق کی والدہ کو لڑکے کی پیشگوئی ہوئی۔ حضرت مریم کو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی پیشگوئی ہوئی۔ یہ تینوں ممتاز خواتین تھیں۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

فوجدا عبدًا من عبادنا اٰتينه رحمة من عندنا وعلمنه من لدنا علمًا (کہف۔ ۶۵)

پس انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جسے ہم نے اپنی رحمت عطا کی تھی اور اسے اپنے پاس سے علم عطا کیا تھا۔ یہ حضرت خضر کا ذکر ہے اور حضرت خضر نبی نہیں تھے۔ واللہ یختص

۱۹۵

۴۶ برحمته من يشاء میں جس رحمت کا ذکر ہے وہی انعام حضرت خضر کو ملا تھا۔ اور اللہ تعالےٰ نے غیب کا علم بھی اُنہیں دیا تھا۔ اور یہ علم ایسا یقینی تھا کہ اسکے نتیجہ میں انہوں نے ایک لڑکے کو بھی قتل کر دیا تھا۔ یہ کہنا کہ غیب کی خبریں صرف نبی یا رسول کو ملتی ہیں قرآن کریم کی صریح اور واضح آیت کے خلاف ہے اس لئے باطل ہے۔

کشف کی دو اور مثالیں پیش ہیں جو کہ غیر از نبی افراد کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہوتے رہے:

۱۔ واذ يريكموهم اذ التقيتم فى اعينكم قليلًا ويقللكم فى اعينهم (انفال۔ ۴۴) اور جب تم ایک دوسرے کے سامنے ہوئے تو تمہاری نظروں میں میں نے انہیں تھوڑا کرکے دکھایا اور ان کی آنکھوں میں تمہیں تھوڑا کرکے دکھایا۔ یہاں پر صرف حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ذکر نہیں بلکہ اصحاب کا بھی ہے۔

۲۔ فئة تقاتل فى سبيل الله واخرىٰ كافرة يرونهم مثليهم راى العين (العمران۔ ۱۳) ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑتا تھا اور دوسرا کافر تھا۔ وہ ان کو ظاہر آنکھ سے اپنے سے دو چند دیکھتے۔ (باقی ــــ باقی)

---

## تبلیغِ احمدیت

مکرم خواجہ نصیراللہ صاحب سیکرٹری جماعت راولپنڈی اطلاع دیتے ہیں کہ:۔

"مندرجہ ذیل مفت لٹریچر بذریعہ ڈاک ۳۱۴ احباب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ان میں ممبرانِ صوبائی اسمبلی، پرنسپل، ہیڈ ماسٹر اور دیگر دوست شامل ہیں۔

## فہرست فری لٹریچر جو بذریعہ بک پوسٹ تقسیم کیا گیا

(۱)۔ جہاد فی الاسلام اور علماء و زعماء پاکستان (از ملک الٰہی بخش صاحب راولپنڈی)۔ ۹۹ کاپیاں

(۲)۔ آئینِ پاکستان اور مسلمان فرقہ احمدیہ ... ۴۶ ،،

(۳) عُمائدِ ربوہ کے مزید چار کھوکھلے سہارے (از مولانا عبدالرحمان مصری صاحب) ۳۰ ،،

(۴)۔ احبابِ جماعتِ ربوہ کے لئے لمحۂ فکریہ ... ۸۷ ،،

(۵)۔ جماعت احمدیہ کے دو فریق اور حضرت سلسلۂ بانی پر عقیدہ کی تبدیلی کے الزام کی تردید ۱۲ ،،

(۶)۔ سلطان القلم کے بیٹے ... ۴۰ ،،

(۷)۔ مکتوب حضرت مسیح موعودؑ مندرجہ اخبار الحکم جلد ۳ نمبر ۲۹ مورخہ ۱۷ اگست ۱۸۹۹ء ۳۰ ،،

(۸)۔ ربوی خلافت کی مشابہت یا ماہیت سے اسلامی شوریٰ کی بجائے پوپ کی طرز پر انتخاب نئے خلیفہ صاحب ربوہ سے چند استفسارات (از ڈاکٹر اللہ بخش صاحب) ... ۳۰ ،،

(۹)۔ حضرت مسیح موعودؑ مجدد زمان کا دعویٰ اپنی دو آخری کتابوں کی رُو سے ... ۵۰ ،،

(۱۰)۔ ہمارے عقائد ... ۳۰ ،،

(۱۱)۔ کیا احمدی مسلمان نہیں؟ (از ڈاکٹر اللہ بخش صاحب) ... ۵۰ ،،

(۱۲)۔ فیصلہ کُن خطوط مرزا رفیع احمد صاحب کی خدمت میں (از محمد حسن چیمہ صاحب مرحوم) ۲۵ ،،

(۱۳)۔ مجدد صاحب الف ثانی اور مجدد صد چہاردہم قادیانی (از ملک الٰہی بخش صاحب) ۲۵ ،،

(۱۴)۔ وہ شخص غلطی کرتا ہے جو میرے الہام میں لفظ "نبی" سے حقیقی نبوت اور رسالت مراد لیتا ہے ... ۱۰۰ ،،

(۱۵) حضرت خواجہ غلام فرید چاچڑاں شریف کا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بانیٔ تحریکِ احمدیت سے اظہارِ عقیدت ... ۲۰ ،،

(۱۶)۔ اُمت میں کشف و الہام کا مقام۔ خواجہ محمد عبداللہ صاحب اور جناب غلام احمد پرویز کی خط و کتابت ... ۱۵ ،،

(۱۷) قرآن کریم کی بیان کردہ سائنس (اُردو) ... ۵۰ ،،

(۱۸) قرآن کریم کی بیان کردہ سائنس (انگریزی) ... ۴۰ ،،

# خدا تعالیٰ کی قدرت کا معجزہ اسکی قائم کردہ جماعت کی بے کسی و بے بسی کے وقت ظہور پذیر ہوا کرتا ہے

# تدریجاً مسلمان احمدیہ اصولوں کو قبول کرتے چلے جارہے ہیں

خطبہ جمعہ: فرمودہ محترم جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب دام فیوضہم۔ بتاریخ ۱۰ دسمبر ۱۹۷۶ء۔ بمقام جامع احمدیہ۔ احمدیہ بلڈنگس لاہور۔

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم ـــ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واللہ غالب علیٰ امرہ ولٰکن اکثر الناس لایعلمون۔

ترجمہ: خدا اپنے امر پر پوری پوری قوت رکھتا ہے۔ لیکن اکثر لوگ اس بات کو جانتے نہیں۔ اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:۔

جماعت احمدیہ اور اس کے بانی کی دوبارہ مخالفت اور اس پر غور کرنے سے وہی نقشہ و تصوّر سامنے آتا ہے جو حضرت مسیح ناصریؑ کے وقت ہوا تھا۔ کہ جب یہودیوں نے ان کو صلیب پر لٹکایا تو حضرت مسیح کے حواری اس قدر بے بس اور مجبور تھے کہ انہوں نے جان کے خوف سے علیحدگی کا اظہار کیا تھا اور ان کی جماعت تتر بتر اور منتشر ہو گئی بلکہ یہاں تک ہوا کہ جب وہ صلیب سے اُترے اور باغ میں قبرنما مکان سے ہوش میں آکر باہر آئے اور حواریوں سے ملے تو ان کو یقین نہیں آتا تھا کہ وہ زندہ ہیں اور اپنے اصلی جسم کے ساتھ زندہ ہیں۔

اس یقین دہانی کے لئے انہوں نے مچھلی کھا کر دکھائی کہ مَیں رُوح نہیں ہوں اور اپنے زخم دکھا کر یقین دلایا کہ میں وہی مسیح ہوں جو مصلوب ہوا تھا اور ان کو بتایا کہ مَیں پیشگوئی کر چکا تھا کہ میں تین دن بعد زندہ ہو جاؤں گا۔ یعنی ان حواریوں کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ وہ اسے پہچاننے سے انکاری ہو رہے تھے۔ مگر بعد میں عیسائیت کو وہ فروغ اور ترقی حاصل ہوئی ہے کہ باید وشاید اور آج انہی مسیح کو خدا اور خُدا کا بیٹا ماننے والوں کی تعداد کروڑوں پر مشتمل ہے۔ اس بے بسی۔ بے کسی و عاجزی کے وقت کیا کوئی سوچ سکتا تھا کہ جس کو مصلوب کر کے اس کا بظاہر سلسلہ منقطع کر دیا گیا ہے اس کی قبولیت کی یہ کیفیت ہو جائے گی اور وہ اس قدر ترقی و عروج حاصل کرلے گا!

لیکن خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کا اظہار فرمایا ـ فروغ و ترقی کے ذرائع ختم ہوتے پر ہی اظہار قدرت کرنا اور ترقی و عروج دینا عظمت خداوندی اور غلبۂ الٰہیہ کو ظاہر کرتا ہے ـ ساز و سامان۔ اسلحہ و لشکر و عسکر ہوں تو یہ کہنا کوئی بڑی بات نہیں کہ انسان ترقی کر سکے اور عروج حاصل کر سکے۔ معجزہ تو یہی ہے کہ انتہائی بے سرو سامانی کے باوجود غلبہ ہو۔ اور یہی کچھ کیفیت آج ہماری ہے کہ مسلمان مخالفت میں حد سے نکل گئے ہیں ـ اور ہمیں غیر مسلم قرار دلوا دیا ہے۔ لیکن کیسی عجیب یہ بات ہے کہ اس کے باوجود ہمارے اصولوں کو کھُلم کھُلا ماننے اور قبول کرتے چلے جارہے ہیں ـ چنانچہ حال ہی میں مولانا مودودی صاحب اور جماعت اسلامی کے جنرل سیکرٹری نے اخبار میں بیان شائع کروایا ہے کہ ان کا مقصد بہ جبر اقتدار پر قبضہ کرنا نہیں ـ بلکہ وہ عوام کے ذہنوں کو تبدیل کر کے اسلامی نظام قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے پہلے عقیدہ سے کہ جب تک اقتدار پر قبضہ حاصل نہ ہو اسلامی نظام قائم نہیں ہو سکتا اور اسلام کا کام نہیں چل سکتا منحرف ہو گئے ہیں ـ

ایک دفعہ ۱۹۴۰ء میں جب جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مرحوم مغفور کی کتاب مجدّدِ اعظم کی تین جلد چھپیں تو میں اپنے تین اور ساتھیوں کے ساتھ پونچھ روڈ مودودی صاحب کی جائے قیام پر بوقت عصر وہ کتابیں دینے گیا۔ اس سے قبل میں ان کا رسالہ ترجمان القرآن پڑھ چکا تھا جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ ہر مصلح اور مامور اور مجدّد کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ وہ اقتدار پر بہ جبر قبضہ کر لے۔

میں نے دو سوال مولانا سے کئے۔ پہلا سوال یہ تھا کہ کیا ختم نبوّت کے یہ معنے ہیں کہ وحی ولایت بھی ختم ہو گئی ہے؟ اور وہ لوگ جو اس کے داعی ہیں ان کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ تو انہوں نے کہا یہ بات ۹۹% غلط ہے ـ اور میرا دوسرا سوال مولانا صاحب سے یہی تھا کہ کیا اقتدار پر بہ جبر قبضہ کرنا ہر مامور الٰہی کا مقصد ہُوا کرتا ہے تو آپ نے یہ جواب دیا کہ بے شک یہ درست ہے۔ اس پر میں نے تاریخ کا یہ حوالہ دیا کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کو جب لوگوں نے سکّہ رائج الوقت دکھایا تو آپ نے فرمایا کہ "خدا کا حق خدا کو دو اور قیصر کا حق قیصر کو دو"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حکومتِ وقت کے باغی نہیں تھے۔ اور نہ ہی انہوں نے مصلحتاً ایسا کیا کیونکہ اہل اللہ لایخافون لومۃ لائم کے مصداق ہوتے ہیں اور تبلیغ حق میں مداہنت نہیں کرتے۔ اس پر مولانا صاحب اُٹھ کر نماز کے لئے چلے گئے اور جواب نہ دیا۔ لیکن یہ ان کا مسلّم اصول تھا کہ پہلے اقتدار پر بہ جبر قبضہ ضروری ہے مگر اب وہ اس خیال سے ہٹ کر اس کے خلاف کہہ رہے ہیں۔ اور یہی موقف حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کی جماعت کا ہے کہ سب سے پہلے افراد کی زندگیوں میں اسلامی نظام کا انقلاب پیدا کرنا ہے اگر ان کے اعمال درست ہو گئے تو ہی شریعت کا نفاذ ہونا ممکن العمل ہو سکتا ہے مگر اب اقتدار بالجبر کے قائل بھی جماعت احمدیہ کے اصول کو تسلیم کر رہے ہیں۔

جہاد کے متعلق حضرت کا موقف قرآن و سُنّت کی روشنی میں یہ ہے کہ آپ قرآن پاک کے ایک شعشہ یا نقطہ کی منسوخی کے قائل نہیں ہیں تو آپ جہاد کی منسوخی کے قائل کس طرح ہو سکتے ہیں۔ اسمبلی میں بھی ہم سے یہی سوال ہوا تھا کہ حضرتؑ نے جہاد کو منسوخ کہا ہے اور اس طرح ایک نیا دین بنایا ہے۔ حالانکہ آپ کا موقف یہ تھا کہ اب جہاد بالسیف کی ضرورت احیاء اسلام کے لئے مفقود ہے۔

**یہ زمانہ جہاد بالقلم کا ہے** اور اب جہاد بالقلم والعمل کی ضرورت ہے چنانچہ اس موقف کی تائید اب اہلِ علم کر رہے ہیں۔ چنانچہ مسجد نبویؐ کے امام جناب شیخ عبدالعزیز بن صالح نے دورۂ پاکستان کے وقت جہاد بالعلم اور بالقلم پر زور دیا اور انہوں نے کہا کہ دشمنِ اسلام طرح طرح کے وساوس اور اعتراضات پیدا کرتا ہی صرف مسلمانوں کو برگشتہ اور کمزور کرنے کے لئے۔ جس کا جواب صرف علم اور قلم سے ممکن ہے ـ نیز مسلمانوں کے اتحاد کو ان میں پھوٹ ڈال کر ختم کرنا چاہتا ہے۔ لیکن ہمیں علم اور قلم سے ان کا مقابلہ کرنا ہے اور یہی بات بانیٔ سلسلہ نے کہی ہے۔ کہ اب دین کا جہاد تبلیغ و اشاعت قرآن میں مقدر اور ضروری ہے کیونکہ دین کے پھیلانے کے لئے عسکری جہاد کی شرائط موجود نہیں جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ کا مشہور قول ہے ـــ

وجوہ الجہاد معدومۃ فی ہٰذہ الزمان و ہٰذہ البلاد۔ اب عُلمائے عرب اس کے اقراری ہو چکے ہیں۔ پھر تعجب

(باقی برصہ ۹ کالم ملا)

# جلسۂ سالانہ

اہتمامی دلچسپ اور ایمان افروز

## کے موقع پر

## پروگرام اجلاس بنات الاحمدیہ

۲۳ دسمبر ۱۹۷۶ء جمعرات - ۱۰ تا ۱/۲ ۱ بجے بعد دوپہر

صدارت :

محترمہ بیگم زبیدہ محمد احمد صاحبہ

سٹیج سیکرٹری :

آنسہ شاہدہ جنجوعہ

## شعبۂ اطفال الاحمدیہ .. .. ۲ تا ۱/۲ ۲ بجے

سٹیج سیکرٹری : آنسہ طاہرہ جنجوعہ

تلاوت قرآن مجید : : آنسہ ساجدہ مبارک، دیگراں مانسہرہ

نظم از دُرِّ ثمین : : آنسہ ناہید — لاہور

ملفوظات مسیح موعودؑ : : آنسہ ساجدہ رؤف — لاہور

گذارشِ احوال : : محترمہ جسارت نذر، کنوینر بنات الاحمدیہ

رسمِ عہد و افتتاح : : مکرم و محترم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب

تقریر: تجدید عہد : : محترمہ نجم الاسلام، بدوملہی

خصوصی پروگرام: اجتماعی نظم : : ممبران بنات الاحمدیہ

تقریر: منم مسیح ببانگ بلند می گویم : آنسہ نبیلہ اکرام الحق، راولپنڈی

نظم : : آنسہ طاہرہ جنجوعہ و زاہدہ جنجوعہ

تقریر: بعد از خدا بعشقِ محمدؐ مخمرم : آنسہ نصرت عطیہ، پشاور

نظم : : مدیحہ رسول و شاہدہ جنجوعہ

خصوصی پروگرام مکالمہ : : عابدہ بشیر و زاہدہ بشیر، بہاولپور

صدارتی خطاب : : محترمہ بیگم زبیدہ محمد احمد صاحبہ

جسارت نذر

کنوینر، بنات الاحمدیہ مرکزیہ

---

## خطبہ جمعہ — بسلسلہ ص ۸

ہے کہ مخالفت کیوں کرتے ہیں؟

آج مؤرخہ ۱۰-۱۲-۷۶ کے "مشرق" میں دیکھیں جہاں تفسیر آتی ہے اس میں مفسرِ قرآن نے منھم امیون لا یعلمون الکتاب کی تفسیر کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہی حالت آج مسلمانوں کی ہے جیسے یہودیوں کی تھی وہ اُمّی اور جاہل تھے - ایسے ہی یہ اُمّی اور جاہل ہیں - اگر یہی بات احمدی کہے تو وہ مجرم بن جاتا ہے اب مسلمان خود اخبار میں یہی شائع کر رہے ہیں - اب اگر وہ مثلِ یہود ہیں تو پھر کیا شک رہ جاتا ہے کہ ان کی اصلاح کے لئے مثیلِ مسیح کو ہی آنا چاہیئے - دجّال کو مانتے ہیں - اور اپنی حالت کو یہود کے مشابہ بتلاتے ہیں۔

حضرت صاحبؒ کی وفات پر سید ممتاز علی صاحب ایڈیٹر "تہذیب نسواں" نے جن کا دفتر ریلوے روڈ پر تھا لکھا :-

"مرزا صاحب بہت باخبر عالم، بلند ہمت مصلح اور پاک زندگی کا نمونہ تھے اور نیکی کی ایسی زبردست قوت رکھتے تھے جو بڑے بڑے سخت دل کو مسخر کر لیتی تھی - اگرچہ ہم ان کو منصباً تو مسیح موعودؑ نہیں مانتے مگر آپ کی رہنمائی مُردہ رُوحوں کے لئے واقعی مسیحائی کا کام دیتی ہے۔"

دُنیا پرستی، حق پرستی سے روک ہو جاتی ہے - بھائیو اور بہنو! یہ یاد رکھئے جس طرح مسیح ناصری اور عیسائیت کا فروغ دیکھتا ہوں بعینہٖ اسی طرح مسیح موعودؑ کو فروغ حاصل ہوگا - لوگ رجوع الی السنّت والکتاب کی طرف آ رہے ہیں - حضرت اقدسؑ کو ایک دفعہ الہام ہوا :-

"بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم اُفتاد۔"

حضورؑ کے بعد جہاں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ اسلامی حکومت قائم ہوگی تاہم نئی اسلامی حکومتیں قائم ہوئیں - قائدِ اعظم نے کہا کہ میں نے صرف ایک ٹائپ رائٹر سے پاکستان حاصل کیا - پس یہ بات احمدیہ اُصول کے مطابق ہے کہ جہاد بالقلم کرو - حضرت قائدِ اعظم نے غیر قانونی کوئی بات نہیں کی - تلوار نہیں اُٹھائی - اب سیاست کے میدان میں بھی یہی موقف اختیار کیا جا رہا ہے کہ عسکری قوت کارآمد نہیں، قومی مطالبہ حق و انصاف پر ہونے کی ضرورت ہے تاکہ سیاست میں کامرانی حاصل ہو - اشتراکی، سرمایہ دار، پسماندہ اقوام اب سب کا نظریہ اتحاد ہے - اب سیاست میں بھی وہی مذہب کا اُصول کارفرما ہے جو حضرت مسیح موعودؑ نے پیش کیا ہے - ان کی صداقت کے نشانات اور بھی ہیں لیکن یہ باتیں خود نشان ہیں کیونکہ جن کے تم منکر ہو اب انہی کے اصولوں کو قبول کرتے جا رہے ہو - جماعت احمدیہ کے متعلق علامہ اقبال نے ۱۹۱۱ء میں علیگڑھ میں کہا تھا کہ اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ اگر دیکھنا ہو تو احمدیہ جماعت کو دیکھو۔

میں والد صاحب مرحوم کے ساتھ جب وہ ڈیرہ غازی خاں میں مقیم تھے جب وہ عصر اور مغرب کی نماز کے لئے جاتے تو میں اور میرا بھائی ان کے ساتھ نماز کے لئے جاتے - لوگ اُنگلیاں اُٹھاتے کہ یہ لوگ جن کو ہم بُرا کہتے ہیں انکے بچے بھی نمازی اور نیک ہیں - اخلاق و کردار کی بلندی - دنیا پرستی سے اجتناب نہیں رہا - تبلیغ اسلام کرنے کے لئے اپنی زندگی کو اسلامی تعلیم کے مطابق ڈھالنا ضروری ہے - ۳۱۳ صحابہ نے اپنے کردار اور عمل سے اسلام کی بنیاد کو مضبوط کیا - میور لکھتا ہے :- یہ ۳۱۳ صحابہؓ بدر ہی اسلام کی بنیاد و اساس ترقی بنے - حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کتب و آثار میں اسلام موجود ہے لیکن دِلوں میں اسلام کا دین نہیں رہا - اسلام کا پھل عمل سے پیدا ہوتا ہے - لوگ متابعت رسول صلعم نہیں کرتے - صحابہ ایسی جماعت تھے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ایک نئی زندگی پائی تھی - ہمیں بھی غور کرنا چاہیئے کہ ہمارا نصب العین اور مقصد کیا ہے - یہ کہ ہم نمونہ پیش کریں اور عمل کر کے دکھائیں - آج اور کسی جماعت کے پاس عمل نہیں ہے - یہ الٰہی سلسلہ یقیناً درست و راست ہے - اور ساـ

مکرم جناب شیخ عبدالحق صاحب ۔ کراچی

# پیدائش مسیح ناصری بروئے انجیل مقدس

## عیسائی صاحبان کے لئے لمحۂ فکریہ

(قسط دوئم)

ہم ایسے حوالجات انجیل مقدس سے پیش کر چکے ہیں ۔ جن سے صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ (۱) حضرت مسیح کے ہم عصر (۲) ان کے رشتہ دار (۳) خود یہودی جناب یوسف نجار کو حضرت عیسےٰ کا والد محترم قرار دیتے ہیں ۔ بلکہ اس سے بڑھ کر خود حضرت مریم جو حضرت عیسےٰ کی والدہ محترمہ ہیں اور جن کو صحیح طور پر علم ہے کہ حضرت عیسےٰ کے والد محترم کون ہیں ۔ (انہوں نے بھی اپنے شوہر جناب یوسف کو ان کا والد قرار دیا ہے ۔ دیکھو حوالہ لوقا باب ۲ آیت ۴۹ ۔

**اب سوال ٹھوکر کا ہے جو یہود کو لگی** ایسے حوالجات کی موجودگی میں موجودہ عیسائیوں کو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے والد محترم جناب یوسف کے متعلق کیوں ٹھوکر لگی ؟ تو اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ بن باپ والی کہانی بعد میں آنے والے مسیحیوں کی ایجاد ہے ۔ بالخصوص جناب پولس رسول کی جس کا ثبوت یہ ہے ۔ کہ چار اناجیل میں سے مرقس اور یوحنا تو حضرت عیسےٰ کی پیدائش کا کوئی ذکر نہیں کرتیں ۔ البتہ انجیل لوقا اور انجیل متی میں ان کی پیدائش کا ذکر ضرور موجود ہے ۔ پھر ان ہر دو اناجیل میں سے انجیل لوقا کے بیان کو کسی حد تک قرآن کریم کی تائید بھی حاصل ہے ۔ اس لئے اس پر سردست میں کوئی بحث نہیں کرنا چاہتا ۔ البتہ انجیل متی میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے :۔

"اب یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہو گئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئی ۔ پس اس کے شوہر یوسف نے جو راستباز تھا اور اسے بدنام کرنا نہیں چاہتا تھا اسے چپکے سے چھوڑ دینے کا ارادہ کیا ......... خداوند کے فرشتے نے اسے خواب میں دکھائی دے کر کہا ۔ اے یوسف ابن داؤد اپنی بیوی مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے نہ ڈر ۔ کیونکہ جو اس کے پیٹ میں ہے ۔ وہ روح القدس کی قدرت سے ہے ..... پس یوسف نے نیند سے جاگ کر ایسا ہی کیا ......... اور اپنی بیوی کو اپنے ہاں لے آیا اور اس کو نہ جانا جب تک اس کے بیٹا نہ ہوا اور اس کا نام یسوع رکھا" (انجیل متی باب اوّل آیات ۱۸ تا ۲۵)

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ منگنی نکاح کے مترادف ہے گویا مریم جناب یوسف کی بیوی بن چکی تھی ۔

"جب یسوع ہیرودیس بادشاہ کے زمانہ میں یہودیہ کے بیت لحم میں پیدا ہوا ۔ تو کئی مجوسی پورب سے یروشلم میں یہ کہتے ہوئے آئے کہ یہودیوں کا بادشاہ جو پیدا ہوا ہے وہ کہاں ہے ۔ کیونکہ پورب میں ستارہ دیکھ کر ہم اسے سجدہ کرنے آئے ہیں ۔ یہ سن کر ہیرودیس بادشاہ اور اس کے ساتھ یروشلم کے سب لوگ گھبرا گئے اس لئے قوم کے سب سردار کاہنوں اور فقیہوں کو جمع کر کے ان سے پوچھا کہ مسیح کی پیدائش کہاں ہونی چاہیئے ۔ انہوں نے کہا یہودیہ کے بیت لحم میں ........ اس پر ہیرودیس نے چپکے سے بلا کر ان سے تحقیق کی ۔ کہ وہ ستارہ کس وقت دکھائی دیا تھا ۔ اور یہ کہہ کر انہیں بیت لحم بھیجا کہ جا کر اس بچے کی بابت ٹھیک ٹھیک دریافت کرو ۔ وہ بادشاہ کی بات سن کر روانہ ہوئے اور دیکھو جو ستارہ انہوں نے پورب میں دیکھا تھا وہ ان کے آگے آگے چلا یہاں تک کہ اس جگہ کے اوپر ٹھہر گیا جہاں وہ بچہ تھا ........ جب وہ روانہ ہو گئے تو دیکھو خداوند کے فرشتہ نے یوسف کو خواب میں دکھائی دے کر کہا ۔ اٹھ بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر کو بھاگ جا ۔ اور جب تک کہ میں تجھ سے نہ کہوں وہیں رہنا کیونکہ ہیرودیس اس بچے کی تلاش میں ہے تاکہ اسے ہلاک کر دے ۔ پس وہ اٹھا اور رات کے وقت بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر کو روانہ ہو گیا ۔ اور ہیرودیس کے مرنے تک وہیں رہا ......... جب ہیرودیس مر گیا ۔ تو دیکھو خداوند کے فرشتہ نے مصر میں یوسف کو خواب میں دیکر کہا ۔ کہ اٹھ اس بچے اور اس کی ماں کو لے کر اسرائیل کے ملک میں چلا جا پس وہ اٹھا اور بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر اسرائیل کے ملک میں آ گیا"

(انجیل متی باب ۲ ۔ آیات ۱۳ تا ۲۲)

اس حوالہ سے ثابت ہے کہ انجیل نویس نے حضرت عیسےٰ کی پیدائش کے متعلق تو صرف چند سطریں ہی لکھی ہیں ۔ جن کی وضاحت ابھی کی جائے گی ۔ لیکن اس واقعہ کے ساتھ جو دیگر لوازمات شامل کر لئے گئے ہیں ان کو افسانوی طرز پر ایسا لکھا ہے ۔ جو ایک دوسرے کے متضاد ہونے کے باعث خود بخود ان کے غلط ہونے کا ثبوت مہیا کر دیتے ہیں ۔ مثلاً :۔

(ا) انجیل نویس لکھتا ہے کہ جس وقت مسیح پیدا ہوتا ہے ۔ تو مجوسیوں کو (یہودیوں کو نہیں) پورب سے چمکتا ہوا ستارہ نظر آتا ہے ۔ اور جب یہی مجوسی ہیرودیس کے ایما اور ہدایات کی بناء پر مسیح کی پیدائش کے صحیح یا مزید حالات دریافت کرنے کے لئے بیت لحم جاتے ہیں ۔ تو اس ستارے کو خود بخود خبر ہو جاتی ہے اور یہی ستارہ آسمان پر ان مجوسیوں کی راہ نمائی کے لئے حضرت مریم کے گھر تک پہنچانے کے لئے ان کے آگے آگے چلتا ہے ۔ اس انجیل نویس کو اتنا بھی علم نہیں کہ سورج ۔ چاند زمین ۔ ستارے وغیرہ وغیرہ سب کے سب اپنے اپنے محور کے گرد گھوم رہے ہیں ۔ اور اسی حد بندی کے باعث اپنے اپنے مقصد پیدائش کو پورا کر رہے ہیں ۔ ساری دنیا کے عالم و فاضل ، فلاسفر اکٹھے ہو کر ان کو اپنی اپنی حد بندی سے باہر نکالنے کی کوشش کریں ۔ تو وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کا محور سے جدا ہونا زمین کی تباہی و بربادی کا موجب ہے ۔ یا یہ انجیل نویس کے نزدیک یہ ستارہ اپنے محور سے باہر نکل کر مجوسیوں کی راہ نمائی کرتا ہے ۔ جو بالکل باطل ہے ۔ عیسائی بھائیوں کو غور فرمانا چاہیئے کہ کیا انجیل نویس کی یہ تحریر نجوم پرستی کی بدترین مثال نہیں ؟ مجوسیوں نے سفر تو دن کے وقت کیا ان کو دن کے وقت ستارہ کیونکر نظر آ سکتا تھا ۔

(ب) بقول انجیل متی جب ہیرودیس مر جاتا ہے ۔ تو خداوند کا فرشتہ یوسف پر نازل ہو کر کہتا ہے کہ اٹھ بچے اور اس کی ماں کو لے کر مصر سے چلا جا اور اسرائیل کے ملک میں رہائش کر وغیرہ وغیرہ اس کے علاوہ متی کی انجیل میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ

اس وقت چوتھائی ملک کے حاکم ہیرودیس نے یسوع کی شہرت سنی ........ (انجیل متی باب ۱۴ آیت ۱)

عیسائی بھائی غور فرمائیں کہ ان دونوں بیانوں میں سے کونسا بیان سچا ہے (۱) کیا ہیرودیس حضرت عیسےٰ کے بچپن میں مر چکا تھا یا (۲) ہیرودیس اس وقت تک زندہ تھا ۔ جب مسیح تبلیغی عمر کو پہنچ چکا تھا ۔ (باقی ہے باقی)

# مکرم جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کے اعزاز میں دوسری استقبالیہ تقریب۔

## منعقدہ مورخہ ۱۷ر دسمبر ۱۹۷۶ء۔ بعد نماز جمعہ۔ جامع احمدیہ۔ احمدیہ بلڈنگس لاہور

اس سے قبل ہم قارئین کرام کی خدمت میں جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کے دورہ جماعتہائے بیرونجات کے تاثرات جو آپ نے مقامی جماعت احمدیہ لاہور کے زیرِ اہتمام دارالسّلام میں منعقدہ ایک استقبالیہ تقریب میں بیان فرمائے، ایک مختصر رپورٹ میں پیش کر چکے ہیں۔ وقت کی قلت کے باعث آپ اپنے پورے دورہ کے واقعات بیان نہ کر سکے اور کسی دوسرے موقع پر ان پر روشنی ڈالنے کا وعدہ فرمایا۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں مقامی جماعتِ احمدیہ لاہور نے ۱۷ر دسمبر بروز جمعہ احمدیہ بلڈنگس لاہور میں ایک دوسری تقریب کا اہتمام کیا۔ نماز جمعہ کے بعد ایک مختصر سے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے یاددھانی کے لئے پہلے لنڈن سے ہالینڈ اور پھر وہاں سے لنڈن واپسی تک کے حالات مختصراً دوہرائے اور اس کے بعد ٹرینیڈاڈ۔ گی آنا۔ سرینام اور ترنکاگو (یو۔ ایس۔ اے) کے دورہ کے تاثرات پر روشنی ڈالی۔

آپ نے فرمایا:۔

لنڈن پہنچنے کے بعد میں نے یو۔کے، کے مختلف مقامات پر رہائش پذیر احمدی خاندانوں سے ذاتی ملاقاتوں۔ ٹیلیفون اور خط و کتابت کے ذریعہ رابطہ پیدا کیا، اور جماعت کی تنظیم و ترتیب میں حتی المقدور کوشش کی۔ چندوں میں باقاعدگی کے لئے بھی ترغیب دلائی، جس کا خاطرخواہ اثر ہوا۔

برلن کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ وہاں جناب محمد یحییٰ بٹ صاحب کی کوششوں سے ہماری برلن مسجد کی مرمت تکمیل کے مراحل طے کر رہی ہے اور نہایت خوبصورت نظر آتی ہے۔ اس مرمت کے اخراجات کے لئے انہوں نے مختلف ذرائع سے سرمایہ حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو قابلِ داد ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ وہاں بھی اپنی چھوٹی موٹی جماعت قائم ہو جائے، لیکن بقول بٹ صاحب موصوف ابھی وہاں اس بارے میں کچھ مشکلات درپیش ہیں۔ ممکن ہے اللہ تعالےٰ کوئی راستہ پیدا کر دے۔

برلن کے بعد آپ ہالینڈ تشریف لے گئے۔ وہاں جن مقامات پر ہماری جماعتیں ہیں، وہاں کا دورہ کیا۔ یہ لوگ سرینام سے ہجرت کرکے ہالینڈ میں آئے ہیں۔ بہت ہی مخلص، پرجوش اور احمدیت کے ساتھ ایک خاص جذباتی وابستگی رکھنے والے ہیں۔ یہ جماعتیں وہاں مولنا عبدالرحیم جگو صاحب کی رہنمائی میں ترقی کی راہ پر رواں دواں ہیں۔ ہالینڈ میں قریباً آٹھ دس خواتین اور بارہ چودہ مرد بیعت کر سلسلۂ احمدیہ میں شامل ہوئے۔

ھالینڈ سے آپ واپس لنڈن تشریف لائے۔ اور پھر ٹرینیڈاڈ گی آنا اور سرینام کے دورہ پر تشریف لے گئے۔ ٹرینیڈاڈ میں جناب عزیز احمد صاحب اور مصطفےٰ کمال ہیڈل صاحب کی رہنمائی میں ایک نہایت فعال جماعت احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے نام سے منظم ہو چکی ہے اور دن بدن ترقی کی منزلیں طے کر رہی ہے۔ وہاں اس جماعت کا مستقبل بڑا روشن دکھائی دیتا ہے۔ مختلف مقامات پر اپنی مساجد ہیں جہاں آپ کو جانے اور جماعت کے اراکین سے خطاب کرنے کا موقع ملا۔ گی آنا میں بھی ہماری اچھی خاصی جماعت ہے۔ گی آنا ٹائمز نام کے انگریزی روزنامہ کے جمعہ سپلیمنٹ میں ہمارے احباب اپنے خیالات کا اظہار کرتے رہتے ہیں اور ریڈیو سٹیشن سے بھی انہیں نشریات کا موقعہ ملتا رہتا ہے۔ وہاں خواتین کی بھی ایک سرگرم تنظیم ہے جو اپنے طور پر خواتین اور بچوں کی تربیت میں کوشاں رہتی ہے۔ اس تنظیم کی سرگرم رکن اور روح رواں مسز صیفورہ ہیں۔ جو ریڈیو سے نشریات میں حصہ لیتی رہتی ہیں۔

اس کے بعد آپ ایک وفد کی معیت میں سرینام گئے، جس کے متعلق بڑی تشویشناک خبریں مل رہی تھیں۔ ہماری وہاں کی جماعت اندرونی اختلافات اور اُلجھنوں کا شکار تھی۔ بعض محتاط رویہ کے حق میں تھے اور بعض کھُلم کھُلا مخالفت پر تُلے بیٹھے تھے۔ مختلف خیالات کے دس بارہ افراد پر مشتمل ایک میٹنگ میں آپ کو احمدیت کے موقف کو واضح کرنے کے لئے کہا گیا۔ آپ نے وہاں ایک مفصّل اور جامع تقریر کی۔ اس پر بعض لوگوں نے سوالات پوچھے اور ایک دو نے خلافِ تہذیب باتیں بھی کیں لیکن انہیں دوسرے اراکین نے خاموش رہنے پر مجبور کر دیا۔ باقی سب نے اس مصمّم ارادے کا اظہار کیا کہ وہ اب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے نام سے اپنی تنظیم کریں گے اور احمدیت کو دھڑلے سے پیش کریں گے۔ اس ضمن میں آپ نے پروفیسر ڈاکٹر کرامت علی خان کے خط کا ترجمہ سُنایا جس میں اس بات پر خوشی کا اظہار تھا کہ آپ کے جانے سے وہاں کی مشکلات پر قابو پا لیا گیا اور جماعت کے استحکام کی اُمید ہو گئی۔

جناب مولنا محمد عبداللہ صاحب کی دعوت پر آپ شکاگو تشریف لے گئے جہاں نیشن آف اسلام کے چیف امام وارث دین محمدؐ صاحب سے مُلاقات ہوئی۔ ان کی ایک کنونشن میں شامل ہوئے اور تقریر بھی کی۔ آپ نے انہیں قرآن کریم اور ایک گولڈن پن جس پر "اسلام از گولڈن" کندہ تھا بطور تحفہ پیش کئے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ ہمیں اپنا محسن سمجھتے ہیں کیونکہ انہیں اسلام کی روشنی حضرت مولنا محمد علیؒ صاحب مرحوم و مغفور کے انگریزی ترجمۃ القرآن سے ملی جو جناب عالیجاہ محمدؐ کو کسی کے ذریعہ سے ہاتھ آیا وہ آج بھی ان کے پاس محفوظ ہے۔

آپ کے بعد مولنا عبدالرحیم جگو صاحب نے جو لاہور سالانہ جلسہ میں شمولیت کے لئے تشریف لائے ہوئے ہیں اس دورہ کے متعلق اپنے تاثرات بیان کئے، اور فرمایا کہ یہ دورہ توقع سے بڑھ کر کامیاب ہوا۔ مرکز سے تعلق کو مضبوط اور قائم رکھنے کے لئے گاہے گاہے ایسے دورے نہایت مفید ثابت ہو سکتے ہیں اور بیرونی جماعتوں میں یہ اعتماد اور یقین پیدا کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ ہو سکتے ہیں کہ ان کا کسی مرکز سے تعلق ہے۔ جہاں سے انہیں مشکلات میں رہنمائی حاصل ہو سکتی ہے اور مستعدی سے اپنا کام جاری رکھ سکتی ہیں۔

اس کے بعد حاضرین کی تواضع چائے سے کی گئی اور اجلاس بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا۔

(رپورٹر)

---

### قارئین کرام مطلع رہیں

کہ جلسہ سالانہ کی مصروفیات کے باعث ۲۹ر دسمبر ۱۹۷۶ء کا "پیغام صلح" شائع نہ ہو سکے گا۔ اور اسکے بجائے ۵ر جنوری ۱۹۷۷ء کا پرچہ ۲۴ صفحات پر مشتمل ہوگا۔ (ادارہ)

# عید کی سی خوشی

## مغربی ضبط و نظم کی پیروی اور نئی مسلمان نسل کی صحیح دینی تعلیم و تربیت کی ضرورت

از میاں ناصر احمد صاحب بی اے ایل ایل بی حال مقیم مانچسٹر

پاکستان میں سُنا کرتے تھے کہ مغربی ملک میں اگر عید ہفتہ یا اتوار کے دن نہ ہو تو بس صبح ناشتہ میں سیویوں سے ہی عید کی آمد کا پتہ چلتا ہے ورنہ سارے کام تو معمول کے مطابق ہوتے ہیں۔ ناشتہ میں دلیا یا کارن فلیکس کی بجائے دودھ والی سیویاں کھا لیں۔ بڑے اپنے کاموں پر چلے گئے اور بچے سکول۔ مانچسٹر میں چونکہ مسلمانوں کی تعداد کافی ہے اور کئی ہزار پونڈ خرچ کرکے ایک نہایت ہی خوبصورت اور وسیع دو منزلہ مسجد تعمیر کی گئی ہے اس لئے یہاں نماز عید کا اہتمام ہوتا ہے۔ وسیع ہال کے باوجود بیک وقت تمام نمازیوں کا نماز ادا کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ اس لئے تین مرتبہ نمازِ عید ہوتی ہے۔ دو دفعہ صرف مردوں کے لئے اور تیسری مرتبہ مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے۔

ایک زمانہ تھا کہ مسجد ہماری علمی اور ثقافتی شان و شوکت کا مظہر ہوتی تھی۔ دینی درسگاہ اس سے ملحق ہوتی تھی۔ لیکن اب حالت یہ ہے کہ مغرب جہاں علم کا دور دورہ ہے اور مانچسٹر جہاں اسلام پر سب سے زیادہ کام ہو رہا ہے اور اسلام پر کتابیں شائع ہو رہی ہیں وہاں کی جامع مسجد میں نماز کا خطبہ بالکل ایسا تھا جیسا کہ پنجاب کے کسی دُور دراز علاقے کا مُلّا خطبہ دے رہا ہو۔ مسجد میں بدنظمی کا وہی حال جو پاکستان میں ہوتا ہے۔ عورتیں خطبہ سننے کی بجائے اپنی باتوں میں مشغول اور بچوں کا شور اس کے علاوہ۔ افسوس ہے کہ ہم نے اپنے رہن سہن میں تو مغرب کو پوری طرح اپنا لیا ہے لیکن سلیقہ اور نظم و ضبط کی جو باتیں مغربی تہذیب میں پائی جاتی ہیں اور کسی بھی معاشرے کے پنپنے کے لئے نہایت ضروری ہیں انہیں ہم نے بالکل نظر انداز کر رکھا ہے۔

اگر ہزاروں پونڈ صرف کر کے مسجدوں میں وہی دقیانوسی خطبے ہی ہوتے ہیں تو اس سے انگلستان میں دوسرے مذاہب کے لوگوں کو تو کیا اسلام سے روشناس کرایا جائے گا خود اپنے ہی نوجوان آہستہ آہستہ اس سے دُور ہو جائیں گے۔

اس کے بالمقابل یہاں کے سکولوں میں یہاں کے طالبعلموں کو تمام مذاہب کے بارے میں بنیادی باتیں بتائی جاتی ہیں اور جب کسی مذہب کا کوئی تہوار قریب ہو تو اسی تہوار کا تاریخی پس منظر اور مذہبی رسومات کی تفصیل مختصر طور پر چھاپ کر تقسیم کیا جاتا ہے۔ چنانچہ عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر نظامت تعلیم کے ایک شعبہ کی طرف سے جس کے ذمہ یہ کام ہے کہ وہ مذہبی اور نسلی بُعد کو دُور کرے ایک ہینڈبل شائع ہوا جس میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو خدا کے حکم کی بناء پر قربان کرنے کے لئے لے جانے کے واقعہ کی تفصیلات درج تھیں اور اس کے علاوہ اسلامی تاریخ میں سے ایثار و قربانی سے متعلق دو واقعات بھی درج کئے گئے۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ لوگ جنہیں ہم کہتے ہیں کہ وہ مذہب سے بہت دُور چلے گئے ہیں اور ان کی رُوحانی آنکھ بند ہے وہ نہ صرف اپنے بلکہ دوسرے مذاہب کے بچوں کی کس انداز میں تربیت کرنے پیدا کرنے کی فکر کرتے ہیں۔ لیکن اس کے بالمقابل ہم جنہیں مذہب کے ٹھیکیدار ہونے کا دعوےٰ ہے ہماری مسجدوں میں نوجوانوں کی مذہبی تربیت کا کیا دقیانوسی طریق رائج ہے۔

جب سے میں مانچسٹر آیا ہوں شیخ محمد طفیل صاحب کی یہ کوشش ہے کہ جماعت کے ان لوگوں کو جو یہاں رہتے ہیں ملوں اور ان کے اکٹھے مل بیٹھنے کے مواقع پیدا کروں۔ لیکن ایک تو میں یہاں کے راستوں سے بالکل ناواقف ہوں دوسرے بھائی جان کی بیماری کی وجہ سے میں بالکل اِدھر اُدھر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے فون پر چند احباب سے بات کی۔ میں خود کسی کے ہاں نہ جا سکا۔ البتہ برادرم زاہد عزیز صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ۔ شیخ سعید عزیز صاحب جو ہماری جماعت کے نہایت ہی محترم شیخ عبدالعزیز صاحب کے فرزند ہیں اور ان کی بیگم دو مرتبہ مجھے ملنے کے لئے آئے۔ شیخ سعید العزیز صاحب جماعت کے کاموں کے لئے اخلاص اور جوش رکھتے ہیں۔ چنانچہ طے پایا کہ اتوار ۵ دسمبر کو شیخ عبدالعزیز صاحب کے گھر پر عید ملن پارٹی کا اہتمام کیا جائے۔ وقت کی کمی اور رابطہ نہ ہونے کی وجہ سے بریڈ فورڈ اور لیسٹر سے احباب اس میں شامل نہ ہو سکے۔ لیکن اُمید ہے کہ آئندہ ایسی تقریب کو زیادہ سے زیادہ پُر رونق بنایا جا سکے گا۔

۴ بجے شام تک احباب پہنچنا شروع ہو گئے۔ چھ بجے تک ۱۵۰ کے قریب مرد اور خواتین اکٹھی ہو گئیں۔ بیگم اور شیخ عزیز صاحب نے نہایت ہی پُر تکلف دعوت کا اہتمام کیا۔ چند لمحوں کے لئے ایسا ہی محسوس ہوا کہ پاکستان میں دعوت کھا رہے ہیں۔

بے تکلف ماحول، باہم محبت، اور مروت کی کیفیت عجیب لذت دے رہی تھی۔ اسلام پر لٹریچر کی تقسیم پر باتیں ہوتی رہیں۔ یہ طے پایا کہ چونکہ انگلستان میں ہر مرکزی لائبریری میں اردو کے لئے ایک حصہ مخصوص کیا گیا ہے اس لئے تفسیر بیان القرآن اور دیگر اسلام پر کتب کے ۱۵ سیٹ رکھوائے جائیں۔ اور جلد ایسی لسٹ مرکزی دفتر کو ارسال کی جائے تاکہ یہ سیٹ براہِ راست لائبریریوں کو ارسال کئے جائیں۔

کھانا کھانے کے بعد مغرب اور عشاء کی نمازیں باجماعت ادا کی گئیں اور اس طرح ۹½ بجے رات کو یہ کیف آفرین محفل ختم ہوئی۔

عید ملن پارٹی نے واقعی عید کی سی کیفیت پیدا کر دی ہے اور اس کے لئے ہم بیگم اور جناب سعید عزیز صاحب کے [illegible]

## احبابِ جماعت یاد رکھیں

کہ ماہوار چندہ کی حسب حیثیت ادائیگی حضرت مسیح موعودؑ کا حکم ہے اور آپ کی جانشین انجمن نے اس کی شرح مقرر کر دی ہے جو شخص اس شرح کے مطابق (چندہ) ادا نہیں کرتا۔ اور بہانے بناتا ہے وہ امام زمانؑ کا نافرمان ہے۔ رستے دو ہی ہیں یا مسیح موعودؑ کو مانو تو فوج خدمتِ دین کے لئے مسیح موعودؑ نے تیار کی ہے۔ اس میں قدم سے قدم ملا کر چلو۔ تاکہ تم دین و دنیا میں کامیاب ہو۔ اور اگر آپ ایک حکم کے ماتحت چلنا نہیں چاہتے تو بہتر ہے اسے چھوڑ دو اور

کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون

کے وعید کے تحت اپنے آپ کو نہ لاؤ۔ (ارشاد حضرت مرحوم)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ——— مؤرخہ ۲۲ دسمبر ۱۹۶۷ء

رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸ ——— شمارہ نمبر ۵۱

احمدیہ اتحاد آرٹ پریس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں باہتمام احمد پرنٹر چھپا اور مولوی دوست محمد صاحب پبلشر نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)